تفسیرِ فاضلی

منزل اوّل

الفَاتِحَة ـــ النِّسَآء

بیان :

امام العارفین ، سراج السالکین ، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمدؐ اشرف فاضلی

۱۴۱۲ھ

فاضلی فاؤنڈیشن ، لاہور

تفسیرِ فاضلی

منزل اوّل

الفاتحۃ — النّسآء

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمّد اشرف فاضلی

۱۴۱۲ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

باراوّل : ۱۹۸۲ء

باردوم : ۱۹۹۲ء

بارسوم : ۱۹۹۷ء

ناشر : محمد اشرف فاضلی

فاضلی فاؤنڈیشن۔ پیکو روڈ کوٹ لکھپت، لاہور۔

فون : ۸۵۴۳۱۲

کمپوزنگ وتزئین : نوری نستعلیق بہ اہتمام : حسن رشید

پرنٹر : رشید احمد چودھری

مکتبہ جدید پریس

۹/ ریلوے روڈ، لاہور۔ فون : ۷۶۵۷۱۵۱

بہ اہتمام : ارشد محمود، ۵/ ندیم شہید روڈ سمن آباد لاہور۔

فہرست

ابتدائی کلمات

قرآن پاک عربی زبان میں صورتوں کے اُس مجموعے اور اُس ترتیب کا نام ہے، جس کو معلم قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے سند قرار دیا ہے اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ معلم کتاب وحکمت نے اس کتاب اللہ کو سات حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ہر حصہ ایک منزل کہلاتا ہے۔ تفسیر فاضلی ایک منزل، ایک جلد کی صورت میں نظر قارئین ہے۔

اس منزل میں چار سورتیں ہیں۔

(1) سورۃ فاتحہ 1 میں 7 آیات ہیں۔

(2) سورۃ بقرہ 2 میں 286 آیات ہیں۔

(3) سورۃ آل عمران 3 میں 200 آیات ہیں۔

(4) سورۃ نساء 4 میں 177 آیات ہیں۔

اس منزل میں کل 670 آیات ہیں۔

یہ منزل سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے پارے کے پہلے ربع پر ختم ہوتی ہے۔

تفسیر فاضلی آپ کے لئے باعثِ نورِ ہدایت ہو تو اُن سب حضرات کی سعی مشکور ہو جائے گی، جو کسی بھی لحاظ سے اس کارِ خیر میں شامل ہوئے ہیں۔

اشرف فاضلی

27 رمضان المبارک 1417ھ

پیش لفظ

تفسیر فاضلی کی منزل اول ۱۹۸۲ء میں چھپی۔ ناشر رشید احمد چودھری صاحب تھے۔ حضرت فضل شاہ قطب عالم سے عقیدت کا یہ پروقار اظہار ہر قدردان کے لئے باعث راحت ہوا۔ چودھری صاحب کہا کرتے ہیں "ایسا اہتمام میں نہ پہلے کسی کتاب کے لئے کر سکا ہوں نہ آئندہ کر سکوں گا، جو راحت مجھے اس کتاب کو چھاپ کر حاصل ہوئی ہے، اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔" چودھری صاحب، حضور کی خدمت عالیہ میں کثرت سے حاضر ہوتے رہے ہیں۔ تہجد کے وقت کی مجالس میں بھی، جب جاگنا نفس کے لئے بھاری ہوتا ہے، آپ کو ہمہ تن گوش دیکھا ہے۔

"تاثرات" کے عنوان سے چودھری صاحب نے تفسیر فاضلی کا جو تعارف لکھا، اس روشن بیان کو ہر ایڈیشن کے ساتھ چھپنا چاہئے۔ جو کچھ انہوں نے سنا، مانا اور بیان کیا، اس میں سے کچھ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

"جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا، ماضی حال کا مصدق ہو اور حال ماضی کی تصدیق کرے تو شبہات ختم ہو جاتے ہیں، پہلا درجہ قول ہے، دوسرا عمل ہے، تیسرا علم ہے اور چوتھا اخلاص ہے۔ قول معدن ہے، یہ ہو تو سب کچھ بن سکتا ہے۔ قول معبود کو مانا جائے تو اعمال کی اصلاح کا مقام آتا ہے، اعمال صالح ہوں تو علم حقیقی حاصل ہوتا ہے ورنہ گمان کے دائرے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ قول، عمل، علم ان تینوں مقامات پر پورا رہنے والا مخلص ہو جاتا ہے اور انعام یافتہ ہو جاتا ہے، اس کے نقوش قدم سے صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے، اس کے حکم کو ماننا باعث فلاح ہوتا ہے۔ ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آتا ہے، ماننے سے پہلے جاننے کی کوشش یکسوئی سے دور کر دیتی ہے۔ جس کو اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے ایک بار اچھا کہہ دیا جائے، پھر کبھی اس میں تضاد نہ تلاش کیا جائے۔ جس کے اخلاص کا یقین ہو اس کے ساتھ جڑ جانا حق ہے۔ اپنی پسند کو اس کی پسند کے تابع رکھا جائے تو تائید ایزدی شامل حال ہو جاتی ہے اور منزل قدموں کے نیچے آ جاتی ہے۔"

علم حقیقی عطا کرنے والے کا درجہ بڑا ہوتا ہے۔ اس ذات بابرکات سے فیض حاصل کرنے والے کبھی اپنے معلم کے علم پر محیط ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ نام اس محسن کا لیتے ہیں جس سے علم عطا ہوا ہے، حال ان کا ہوتا ہے جو اسے بیان کرتے ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم کا یوم وصال ۲۳ر شعبان ۱۳۹۸ھ ہے۔ ہر سال اسی تاریخ سے آپ کے عرس شریف کی تقریبات شروع ہوتی ہیں اور تین روز تک جاری رہتی ہیں۔ حضرت" کا مزار پاک ۲۹ - ۳۱ انفینٹری روڈ، دھرم پورہ لاہور میں ہے۔ یہ نور والوں کے ڈیرے کے نام سے معروف ہے۔ یہ جگہ دھرم پورہ نہر کے پل سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر راستہ درگاہ حضرت میاں میرؒ سے کچھ آگے لب سڑک ہے۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم نے وصیت کی صورت میں اپنا حکم نامہ اپنے وصال سے بارہ روز قبل جناب محمد حنیف رامے صاحب کو بلوا کر لکھوایا اور اس حکم نامے پر جن پانچ حضرات کو دستخط کرنے کا امر دیا وہ جناب غلام رحمٰن سیکرٹری صاحب، جناب

صاحب زادہ رضا حسین صاحب، محمد اشرف فاضلی (راقم الحروف)، جناب حاجی سلطان احمد صاحب اور جناب محمد اعظم صاحب ہیں۔ اس تحریر کا عکس ملاحظہ فرمائیے:

ارشاد حضور سائیں فضل شاہ صاحب قطب عالم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ درویشوں کا مقام ہے۔ تمام عمر اینٹیں کھائیں، گالیاں کھائیں۔ یہ ہسپتال جو بنا ہے اس کے لیے کسی نے کوڑی نہیں لگائی، سب اللہ کا ہے۔ رضا صاحب کی نہیں، ڈاکٹر صاحب کی نہیں، میری نہیں، کسی کی کوڑی نہیں لگی۔ تمام دوست اس جگہ کو (ہسپتال سمیت) پیر خانہ سمجھیں۔ پہلے بھی بزرگان دین اسی طرح کرتے رہے ہیں۔ جنہوں نے (بزرگان دین نے) اس جگہ کی بنیاد رکھی ہے یہ جگہ انہی کے سپرد رہے وہ اسے چلا سکیں یا چلا سکیں۔ اور کسی کی ذمہ داری نہیں کہ اسے چلا سکے یا نہ چلا سکے۔ گویا یہ جگہ پیر خانے کے طور پر استعمال ہو گی۔

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی قول کے بادشاہ ہیں۔ ویسے بھی بادشاہ ہیں۔
ڈاکٹر صاحب تفسیر پاک کی اشاعت کا حق رکھتے ہیں۔ کفالت وہی (بزرگان دین) کریں گے جن کا یہ حکم ہے۔

تحریر (محمد حنیف رامے) صبح دس بجے
M Hanif Rameh.
18th July 1978
29-31 Infantry Road,
Mustafaabad, Lahore.

ہم سب اس فیصلے پر راضی ہیں:

1. [signature] 18-7-78
2. R Hussain 18.7.78
3. Ashraffazli 18/7/78
4. [signature] 18.7.78
5. [signature] 18.7.78

اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا میں خوف و حزن سے بچائے اور قیامت کے دن پاک لوگوں کی صف میں سے اٹھائے۔ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، جن کے حسن اہتمام سے یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے، آپ کے لئے باعث رحمت ہو گا۔

محمد اشرف فاضلی
پیکو روڈ، کوٹ لکھپت لاہور

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
۲۲ ستمبر ۱۹۹۱ء

تعارف

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین
حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ
(المعروف باباجی نور والے)
کے
ارشاداتِ عالیہ

۱۔ مخلصین کا وجود واحد ہے، چونکہ ان کا مقصود واحد ہے، اور ان کا مقصود ہے لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا۔

۲۔ حق حال پر عاید ہوتا ہے، اور حال پر ہی ادا کیا جاتا ہے۔ ماضی کی یاد یا مستقبل کی فکر دامن گیر رہے تو حق کی ادائیگی میں کوتاہی ضرور ہوگی۔

۳۔ ولی اللہ وہ ہے، جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے معاملہ کرے، اور ہو عادت سے پاک۔

۴۔ جو وقت مخلصین کی معیت میں گزارا جائے وہ سرمایۂ حیات بن جاتا ہے۔

۵۔ جسے احسان کرنے کا شرف ہو، اس کو استفادہ کرنے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے کہ مستفید ہونے والے کی بدولت ہی محسن کو فانی شے کے بدلے دائمی انعام ملتا ہے۔

۶۔ شریعت بمنزلہ دودھ، طریقت بمنزلہ دہی، حقیقت بمنزلہ مکھن اور معرفت بمنزلہ گھی ہے۔ اگر دودھ ہی نہ ہو تو نہ کچھ بن سکتا ہے، نہ کوئی بنا سکتا ہے۔

۷۔ تضاد میں مبتلا رہنے والے کے لئے لطافت کا دیکھنا ممکن نہیں رہتا۔

۸۔ کامیابی کی حقیقت شاہدین کا ساتھ ہے۔ خلوص نیت، حصول مقصد کے لئے شاہدین کی طریقت کا اختیار کرنا اور نتائج کو باذن اللہ ماننا یہ کامیابی کے ارکان ہیں۔

۹۔ جہاں خواہشات کا اتباع ہو، شجاعت وہاں سے رخصت ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ انسان کی عقل اسے جانور سے ممتاز کرتی ہے، تضاد سے پاک رہنے کی سعی اس کا محل استعمال ہے۔

۱۱۔ جو شاہد کی صداقت کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اس کی تکذیب سے باز نہ آئے، اس سے توفیق چھن جاتی ہے۔

۱۲۔ تکبّر ہی سب سے بڑا جرم ہے، اس کی حقیقت شرک ہے، اور یہ تمام معصیتوں کی جڑ ہے۔

۱۳۔ علم ہمیشہ عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔

۱۴۔ مخلص کو شیطان بہکا نہیں سکتا، کہ وہ مدح سے بے ربط نہیں ہوتا اور مذّمت سے پریشان نہیں ہوتا۔

۱۵۔ حال ہمیشہ حال پر عطا ہوتا ہے، اور صاحب حال سے عطا ہوتا ہے۔

۱۶۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل لوگوں کی پسند کو وقعت دینا اور اللہ کے ڈر کے مقابل لوگوں کا زیادہ ڈر رکھنا، ہمیشہ پریشانی کا باعث بنتا ہے۔

۱۷۔ جس کا قرب مقصود ہو، اس کی پسند کو پسند کرنا لازم ہوتا ہے۔

۱۸۔ ہر قطرہ جو سمندر میں مل جائے گا، سمندر ہی کہلائے گا۔

۱۹۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلصین کے لئے جو جو حالات آتے ہیں، صورتاً بمنزلہ سواری کے ہوتے ہیں۔

۲۰۔ دل کو شاہد کے حضور حاضر رکھا جائے، تو اس میں غیر کا داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

۲۱۔ اپنی تجویز کو وقعت دینے والے شاہد کے اتباع کو مشکل اور اپنی خواہش کی پیروی کو آسان سمجھتے ہیں۔

۲۲۔ انعامات تقسیم کے لئے عطا ہوتے ہیں، تقسیم نہ کیے جائیں تو عطا کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

۲۳۔ اپنی ذات کے لئے صبر اور مخلوق کی بھلائی کے لئے سعی کرتے رہنے کا حکم ہے۔

۲۴۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں جو حال پر عطا ہوتا ہے، اس کو مناسب حال مانا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے علم مطلق پر ایمان ہو گا۔

۲۵۔ جہاں تکریم و توقیر وسعت مال کی نسبت سے ہو، وہاں جو ہو گا خلاف حق ہو گا۔

۲۶۔ اپنے لئے امتیازات تلاش کرتے رہنا آداب معاشرت کی تکفیر ہے۔

۲۷۔ جب حق پر خرچ نہیں کیا جائے گا تو ناحق پر ضرور خرچ ہو گا اور یہی کفران نعمت ہے۔

۲۸۔ جس کا بولنا خواہش نفس کے تحت ہو اس کی اطاعت کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔

۲۹۔ شاہد کو مخلص مانا جائے اور اس کے کسی مشہود میں عیب دیکھا جائے تو یہ تضاد معترض کے اندر ہوتا ہے۔

۳۰۔ جو تکلیف دینے والے کو معاف نہ کرے، اس کا اپنی خطاؤں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

۳۱۔ علم والوں کا کام راستہ بتانا نہیں بلکہ راستہ دکھانا ہے۔

۳۲۔ عشق، معشوق کے کمال پر مبنی ہو تو کمال کے خاتمے پر ختم ہو جاتا ہے، جمال پر مبنی ہو تو جمال کے خاتمے پر ختم ہو جاتا ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے ہو تو دائمی ہوتا ہے۔

۳۳۔ اپنے جائز حق کو ترک کرنے سے ہی اگر فساد دفع ہوتا نظر آئے، تو بھی مخلصین اس مین دیر نہیں کرتے۔

۳۴۔ جو تبدیلی جبر و اکراہ کی بدولت ہوگی، وہ جبر و اکراہ کی حد تک ہی قائم رہے گی۔

۳۵۔ آباء و اخوان کو اگر ایمان کے مقابل کفر کی حب ہو، تو ان سے دوستی کرنا ظلم ہے۔

۳۶۔ جو برائی کا امر کرے، بھلائی سے منع کرے اور اللہ کی راہ پر خرچ نہ کرے، اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا ہے۔

۳۷۔ مومن کے نو مقام ہیں۔ توبہ، عبادت، حمد، روزہ، رکوع، سجدہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت۔

۳۸۔ عادت سے نفس کو ایک سہارا ملتا ہے، جس کی عادت چھڑوانا ہو اس کو بچانے کا اہتمام کر کے اس کی عادت کو دور کرنا چاہئے۔ معلوم رہے جو بے سہارا ہو کر گرے گا، ٹوٹ جائے گا اور اس کی ذمہ داری حکم نافذ کرنے والے پر عاید ہوگی۔

۳۹۔ ایمان کا دعویٰ حُبّ الناصحین کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

۴۰۔ جسے ناصحین سے محبت نہ ہو، دعویٔ ایمان کے باوجود وہ سمجھنے میں سنجیدہ نہیں ہوتا۔ وہ اگر سمجھانا بھی شروع کر دے تو اس سے سننے والوں کے شکوک و شبہات ہی بڑھتے ہیں۔

۴۱۔ اظہار حق کے جواب میں جن سے ذاتی تکلیف پہنچے، ان کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ ایذا دینے والوں سے جو کچھ ہوا ہے کمیٔ علم کی بنا پر ہوا ہے، خاتم النبیّین کی سنت ہے۔

ان ارشادات عالیہ سے اگر آپ کو روشنی ملی ہے، آپ کو راستہ آسان ہوتا نظر آیا ہے تو آیئے نور والے کے رحمت خانے پر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ رحمت خانہ ۲۹ - ۳۱ انفینٹری روڈ، مصطفیٰ آباد، لاہور پاکستان ہے۔ دو ناموں سے معروف ہے ادارۂ قادریہ اور نور والوں کا ڈیرہ۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ یہاں تقریباً پچیس (۲۵) برس لوگوں کو دعوت فلاح دیتے رہے اور ماننے والوں کو تزکیہ عطا کر کے واصل باللہ کرتے رہے۔ حضور کو یہ خیر کثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی، اور حضرت میاں خدا بخش صاحب سرتاج اولیاء (آپ کا مزار پاک پیر بخاری قبرستان ساہیوال میں ہے) کے ہاتھ سے ملی۔ حضرت فضل شاہ صاحب اپنے مرشد کریم کی خدمت اقدس میں چودہ (۱۴) برس حاضر رہے، مگر اس شان کے ساتھ کہ حضوری میں کبھی زبان نہیں کھولی۔ لوگ حضور میاں صاحب سے پوچھتے: "جناب! اس بچے کو کبھی بولتے نہیں دیکھا۔" آپ فرمایا کرتے تھے: "یہ بچہ اپنے وقت پر بولے گا، اور اس وقت اس کا بولنا سند کا درجہ رکھے گا۔" میں شہادت دیتا ہوں کہ حضور کے ہر قول پر فرمان خداوندی شاہد ہے اور آپ کے ہر عمل پر اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاہد ہے اور مومنین کے لئے یہی بڑی اسناد ہیں۔

حضرت فضل شاہ قطب عالم کو ان کے محبین 'حضور' کہہ کر پکارتے تھے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے ہروقت حاضر رہتے تھے۔ سفر ہو یا حضر کوئی وقت آپ نے خلوت نشینی کے لئے مخصوص نہیں کیا ہوا تھا۔ دوستوں سے فرمایا کرتے تھے: "نماز کو قضا کر کے پڑھا جا سکتا ہے مگر خدمت خلق کو قضا کرنا خلاف سنت ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی آئے، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا جانو اور بھیجنے والے کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کرو، اجر کا سوال نہ کرو کہ رب العالمین سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں۔"

اپنے ساتھیوں کی پوری حفاظت کرنا اور مشکل مقامات پر انہیں پورا رہ کر دکھانا اخلاقی تربیت دینے والوں کی شان ہوتی ہے۔ یہی شان اخلاقی تربیت گاہوں کی جان ہوتی ہے۔ اور اخلاقی تربیت گاہیں ہی حسن معاشرت کو قائم رکھتی ہیں۔

ایک بار حضور کو بخار تھا، کئی روز سے جَو کا پانی پی رہے تھے، مگر بخار کی شدت بھی قائم تھی۔ ایک صاحب نے حاضر ہو کر کہا: "حضور! بابا چراغ دین بیمار ہے، آپ کی دعا بھی چاہتا ہے، دوا بھی چاہتا ہے، مگر آپ کو بھی بخار ہے، اب میرے لئے کیا حکم ہے۔" حضور نے فرمایا: "ہم ابھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔" اٹھے، نقاہت خاصی تھی، عصا ہاتھ میں لیا، اور اس کے ساتھ

چل پڑے، نصف کلو میٹر کے فاصلے پر بابا چراغ دین کے گھر پہنچے تو بابا آپ کو دیکھ کر رونے لگا۔ اس نے کہا : "حضور! مجھ سے بڑی بے ادبی ہوئی ہے، حضور بخار کے ساتھ میرے لئے اتنی تکلیف کر کے آئے ہیں۔ اب میرا کیا بنے گا؟" فرمانے لگے : "آپ نہیں آسکتے تھے، آپ نے بلا بھیجا، یہ بھی ادب ہے، آسکنے کی سکت ہوتی اور پھر بلا بھیجتے تو یہ بے ادبی ہوتی۔ رہا ہمارا حال تو اگر ہم میں آسکنے کی ہمت نہ ہوتی تو یہ بلاوا ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس کی طرف سے بلاوا آیا تھا، توفیق دینے والا معطئ مطلق بھی وہی ہے، اس کی طرف سے جو حق کسی پر عاید ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے کے لئے کہیں زیادہ توفیق پہلے اسے عطا کی جاتی ہے۔"

آپ کی پیدائش جالندھر میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان تشریف لائے۔ تاریخ وصال ۳۰ر جولائی ۱۹۷۸ء ہے۔ وصال کے وقت عمر شریف ایک سو برس کے لگ بھگ تھی۔

حضور جسمانی اور روحانی امراض کے علاج کا یقینی علم رکھتے تھے۔ صحت تشخیص ملاحظہ ہو کہ دوا تجویز کر دینے کے بعد آپ نے اسے کبھی نہیں بدلا۔ اگر کسی مریض نے یہ کہا کہ حضور فائدہ نہیں ہوا تو تحقیق پر یہی ثابت ہوا کہ مریض نے پرہیز کی مقررہ حدود سے تجاوز کیا ہے۔ جالندھر کے ایک حکیم صاحب کی اہلیہ کو معدے کا السر (ULCER) تھا۔ علاج ہوتا رہا، ایک دن حکیم صاحب نے کہا : "حضور! فائدہ نہیں ہو رہا۔" آپ نے فرمایا : "مریض پرہیز نہ کرے تو مرض سے نجات نہیں ہوتی۔" حکیم صاحب نے کہا : "حضور! پرہیز تو وہ بہت کرتی ہے۔" آپ نے فرمایا : "آج معمول سے دو گھنٹے پہلے چل کر دیکھئے۔" جب وہاں گئے تو جن چیزوں کا کھانا منع کیا گیا تھا، خاتون وہی کھا رہی تھی۔ حکیم صاحب بہت حیران ہوئے، اور آپ نے حضور سے کئی سوالات کیے۔ آیئے وہ مکالمہ سنتے ہیں، ممکن ہے حکیم صاحب نے وہی پوچھا ہو جو آپ پوچھنا چاہ رہے ہیں۔

حکیم صاحب : حضور! آپ کو یقین تھا کہ پرہیز نہیں ہو رہا، اس کی بنیاد کیا تھی؟

حضور : تشخیص درست ہو، غذا اور دوا درست ہو، پرہیز ہو رہا ہو تو مریض کو افاقہ ہونا چاہئے۔ مریض کے ذمے ایک ہی کام ہوتا ہے، اور وہ ہوتا ہے ان حدود کا احترام جو طبیب نے اس کے لئے مقرر کی ہیں، اور مریض کوتاہی بھی اسی میں کر سکتا ہے۔ ہمیں اپنی تشخیص پر یا غذا اور دوا کے اعتبار سے اپنی تجویز پر کبھی شک نہیں ہوا۔

حکیم صاحب : حضور! آپ کے علاج میں دوا کی نسبت غذا کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے، جب کہ عموماً دوا کو غذا کے مقابل زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے، عام معالج دوا ہی دیتے ہیں، غذا نہیں بتاتے۔

حضور : دوا شدت مرض کو کم کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ غذا درست ہو تو طبیعت کو تقویت ملتی ہے، اور طبیعت کو تقویت ملے تو مرض مغلوب ہوتا ہے۔ جسے غذا کا علم نہ ہو اس سے علاج کرانا کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی تجویز کردہ دوا اگر مفید بھی ہو، تو بھی وہ زندگی کے لوازمات میں شامل ہو جاتی ہے۔

حکیم صاحب : حضور! مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آنے سے پہلے جب ہم کیمپ میں تھے تو وہاں ہیضہ پھوٹ پڑا تھا، بہت سے لوگ ہر روز اس سے مر جاتے تھے، حضور کے ساتھ کئی لوگ ہوتے تھے، پگڑیوں والے، اور وہ یَاوُدُوْدُ یَاوُدُوْدُ پڑھتے رہتے تھے، اور مریضوں کی خدمت بھی کرتے تھے، پینے کا پانی آپ کے ہاں ضرور ملتا تھا، دوسری جگہوں پر نہیں ملتا تھا، بلکہ آپ کے ہاں تو دال روٹی بھی ملتی تھی، وہاں یہ بندوبست کیسے ہو جاتا تھا، نظر آنے والے

وسائل تو آپ کے ہاں محدود ہی تھے۔

حضور : جو اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر قربان کر دے، شکایت اس کے وجود سے رخصت ہو جاتی ہے، اس کے سارے کام آسان ہو جاتے ہیں اور آسانی سے ہو جاتے ہیں۔ جو اسباب کو مُسبّب کی بدولت نہیں جانتے انہیں یہ مقام نصیب نہیں ہوتا۔

حکیم صاحب : حضور! جب آپ نے ہمارا قافلہ رخصت کیا تھا، تو گاڑیوں میں بہت پانی بھر بھر کر رکھوایا تھا۔ مجھے وہ بہت عجیب لگ رہا تھا، مگر راستے میں یہ بات روشن ہوئی کہ سب سے زیادہ ضرورت اسی کی تھی۔

حضور : چھوٹے علم والا قریب کے فائدے کو ہی دیکھتا ہے۔ بڑے علم والا قریب کے فائدے کو بھی دیکھتا ہے، دور کے فائدے کو بھی دیکھتا ہے۔

حکیم صاحب : آپ کو سکھ میں بھی دیکھا ہے، دکھ میں بھی دیکھا ہے، مگر آپ کو کبھی پریشان نہیں پایا اور ہم ہیں کہ کبھی پریشانی سے نجات نہیں ہوتی۔

حضور : ہم آپ کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اس لئے ہمیں پریشانی نہیں ہوتی۔ آپ ہمارے علاوہ کچھ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اس لئے پریشانی آپ کے ساتھ رہتی ہے۔

حکیم صاحب : حضور! ہم آپ کو مانتے تو ہیں مگر کہیں کہیں من مانی بھی کر جاتے ہیں۔ دنیا دار مان بھی کہاں تک سکتے ہیں۔

حضور : اللہ کے نزدیک "دین" اسلام ہے۔ کافروں کے عقاید کا نام بھی دین ہی ہے۔ جو لوگ من مانی کرنے کو دنیا داری اور عبادات میں مصروفیت کو دین داری کہتے ہیں یہ ان کی اپنی بنائی ہوئی اصطلاحات ہیں، اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ جو شاہد کو پورا پورا مانے وہ اسلام میں پورا پورا داخل ہے۔ جس کا ماننا اس کی اپنی پسند کے تابع ہو اس کا ماننا بے حقیقت ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے آپ کو ہی مانتا ہے۔ ماننے والے کا مخلصین سے میل جول ہو تو اس کا قول پاک ہو جاتا ہے، اسے ناصحین سے محبت ہو جائے تو اس کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ اعمال کی اصلاح کے بعد علم حقیقی عطا ہوتا ہے۔ پھر وہ مخلص ہو جاتا ہے۔ مخلصین ہی وہ معیار مطلق ہیں جن کے نقش قدم کو صراط مستقیم کہتے ہیں۔ جو لوگ مخلصین کو مانتے ہیں، انہیں خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔ حیات دنیا میں یہ ہدایت یافتہ ہونے کی سند ہے۔

حکیم صاحب : حضور! آپ نے یقیناً خوف و حزن سے نجات کا راستہ روشن فرما دیا ہے۔ اب میں اگر راستے کی باتیں ہی کرتا رہوں تو راستہ طے نہیں ہو جائے گا، راستہ تو چلنے ہی سے طے ہوتا ہے۔ مگر ایک بات مزید جاننا چاہوں گا اور وہ یہ کہ خیال سے جسم کس حد تک متاثر ہو سکتا ہے؟

حضور : آپ نے سائیں قلندر کو تو دیکھا ہو گا وہ اتنے سیدھے آدمی تھے کہ کسی کی بات بھی بلا تحقیق ماننے میں انہیں دیر نہیں لگتی تھی۔ ان کے مشاہدے اور احساس کے بالکل خلاف بھی اگر کوئی بات ان کے سامنے آجائے اور کہنے والے کا روّیہ بظاہر دوستانہ ہو تو وہ اسے مان جاتے تھے۔ ایک بار مالی نے ان کی مالش کی، بہت خوش ہوئے۔

مالی کو بہت دعائیں دیں۔ مالی کے جانے کے بعد غلام حیدر صاحب آ گئے۔ سائیں جی بڑے خوش تھے۔ کہنے لگے : "غلام حیدر! بزرگوں کی خدمت کا شرف بھی قسمت والے کو ہی ہوتا ہے، مالی نے آج وہ خدمت کی ہے جس کا جواب نہیں، بہت تھکن تھی، اب وجود ہلکا پھول معلوم ہو رہا ہے۔" غلام حیدر نے کہا : "سائیں جی! مالی ایسا نیک تو نہیں ہے، آپ کے ساتھ کوئی دھوکا نہ کر گیا ہو، ذرا لیٹئے میں دیکھوں تو سہی۔" غلام حیدر نے ایک دھاگے کے ساتھ ناف سے کئی فاصلے ناپے اور پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا : "مجھے تو پہلے ہی یہ بات بے جوڑ معلوم ہو رہی تھی۔ مالی اور بزرگوں کی خدمت! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سائیں جی آپ جس بات پر خوش ہو رہے ہیں، اس کی حقیقت بھی ہے معلوم؟" سائیں جی کہنے لگے : "کیا ہوا ہے۔" غلام حیدر نے کہا : "حضرت صاحب! مالی نے آپ کی ایسی مالش کی ہے کہ دائیں ٹانگ بائیں ٹانگ کی نسبت دو انچ لمبی کر گیا ہے۔ اب آپ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہیں، اب عمر بھر لیٹے رہئے اور رویا کیجئے مالی کی مالش کو!" سائیں جی رونے لگے، رو رو کر پکارتے تھے "او مالی تیرا بیڑا غرق، تو نے میرے ساتھ یزید پنا کیا ہے۔ میں نے تیرا کیا قصور کیا تھا۔" ہم کسی مریض کو دیکھنے گئے تھے، واپس آئے تو سائیں جی کو روتے دیکھا۔ پوچھا : "سائیں جی کیا بات ہے؟" کہنے لگے : "آپ بات پوچھ رہے ہیں اور میری جان نکل رہی ہے۔ میں تھکا ہوا تھا، مالی نامراد نے میری مالش کی، میں سمجھا خدمت کر رہا ہے، اور وہ میرے ساتھ یزید پنا کر رہا تھا۔ دائیں ٹانگ بائیں ٹانگ کی نسبت دو انچ لمبی کر گیا ہے، غلام حیدر نے پیمائش کر کے بتایا ہے۔ اب تو عمر روتے ہی گزرے گی اور شاید عمر ہی پوری ہو گئی ہو۔ آپ نے جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں جو بتانا ہو بتا دیں، اب قیامت کو ہی میل ہو گا۔" سائیں جی کو بخار بھی ہو گیا۔ طبیعت بھی گھبرانے لگی۔ ہم نے مالی کو بلا کر سرزنش کی اور کہا تمہیں مالش کا علم بالکل نہیں ہے، تمہیں کیا حق تھا مالش کرنے کا، اب جیسے ہم کہتے ہیں ویسے کرو۔ ہم بتاتے گئے یہاں سے ملو، اب یہاں سے ملو۔ پھر شک پیدا کرنے والے سے کہا اب پیمائش کر کے دیکھو۔ اس نے دیکھا اور بڑی حیرت کے ساتھ کہا : "سائیں جی، یہ اللہ کا فضل ہی ہے۔ میں تو یہ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں کہ اتنا فرق کہاں گیا۔ دونوں ٹانگیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔" کہنے لگے : "اچھی طرح دیکھ لینا، کہیں میں گرتا ہی نہ رہوں" اس نے کہا : "میں نے خوب جانچ پڑتال کر کے دیکھا ہے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی یہ ہو کیسے گیا ہے۔ سائیں جی نے کہا : "حضور فرمایا کرتے ہیں، جس اللہ نے پہلے ہمیں بنایا ہے، اسے ہماری مرمت کرتے دیر نہیں لگتی۔ یہ اللہ کے کام ہیں اور بزرگوں کو ہی ان کا پتہ چلتا ہے۔" صحت کا سرٹیفکیٹ بھی اسی سے دلوایا جس نے معذوری کا لیبل لگایا تھا۔ اٹھ بیٹھے، کہنے لگے : "اب ٹھیک ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ لاؤ وضو کے لئے پانی، وضو کروں اور نفل پڑھوں۔" دیکھ لیجئے خیال کس حد تک جسم کو متاثر کر سکتا ہے۔

حکیم صاحب : حضور! اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ درست ہو تو راستہ طے ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حضور : عقیدہ درست ہو تو رخ درست ہو گا، اور رخ درست ہو تو منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہو گا۔

آپ نے حضور کے ارشادات سے روشنی حاصل کی، آپ کے مکالمات کو پڑھا، سنا۔ تو جناب یہ ہیں صاحب تفسیر حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمتہ اللہ علیہ جن کی ہربات سند کا درجہ رکھتی ہے۔

تفسیر پاک کے بارے میں آپ کا فرمان ملاحظہ ہو

ا۔ تفسیر پاک وہ روشن بیان ہے، جو شاہدین کی زبان پاک سے ہو، کہ اس میں ماننے والوں کی فلاح کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔

۲۔ لغت اور گرائمر کے تابع نہ ہو کہ حادث علم سے علم الٰہی کو جانچنا بے جا ہے۔

۳۔ قرآن پاک عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام ہے، جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے، اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔

۴۔ جس ترجمے یا تفسیر میں حدود عبدیت کو ملحوظ نہ رکھا گیا ہو، اس میں کجی بھی ہو گی، تضاد بھی ہو گا۔

۵۔ قرآن پاک کے ان الفاظ کا ترجمہ نہ کرنا بہتر ہے جو ترجمے کی زبان میں مستعمل ہوں۔

۶۔ آیات قرآن پاک کے دوام کو ماننا حق ہے۔ محدود کرنے کی کوشش حق نہیں ہے۔

۷۔ بنی اسرائیل کی روایات کے حوالے سے تفسیر بیان کرنا وقف لازم کا عدم لحاظ ہو گا۔

۸۔ ہر آیت کی تلاوت کے ساتھ جو حق پڑھنے اور سننے والوں پر عائد ہوتا ہے، اس کی ادائیگی ہی ماننے کا ثبوت ہو گی۔

۹۔ ہر بیان کا حاصل بہتر جاننے والوں سے سیکھنا چاہئے، اور کم جاننے والوں کو سکھانا چاہئے۔

۱۰۔ قرآن پاک میں تدبر کرنے کی صورت یہ ہے کہ حکم خداوندی کو تضاد سے پاک مانا جائے۔ تضاد سے پاک ہونے کے لئے اللہ العالمین کی اطاعت کی جائے۔ ماننے کے بعد جاننے کا جو مقام آتا ہے، اسے علم کہتے ہیں۔ ماننے سے پہلے جاننے کی حقیقت قول ہوتی ہے۔

تفسیر فاضلی پیش خدمت ہے۔ رضائے الٰہی کے مقابل انسانی تجویزیں جب بالکلیہ ناکام ہو جائیں گی تو سارے عالم کو علم الٰہی کی جستجو ہو گی، تب یہ نور خلوت سے جلوت میں آئے گا، اور اس قدر پھیلے گا کہ ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہ ہو گا۔ یہ خلوت جب تک جلوت نہیں بنتی آپ اس کے امین ہیں۔ آپ کو امانت مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے، رحمت و برکات سے نوازے اور ہر مقام پر پورا رکھے۔

محمد اشرف فاضلی

مستقیم پیکیجز کوٹ لکھپت۔ لاہور

۱۷ر رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

۲۲ر مئی ۱۹۸۱ء

رکوعہا ۱	سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ	آیاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

فرمایا : صاحبو، اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جو پاک ہو وہی اسے پا سکتا ہے۔ یہ پاکی اللہ کے محبوب سے عطا ہوتی ہے اور اس کی بدولت مخلوق کے ساتھ پورا رہنے کا ذاتی اور صفاتی علم عطا ہوتا ہے۔ الرحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ رحم کرتا ہے اور جب کوئی مقصود سے دور ہو رہا ہو تو اسے قریب کرنے کے لئے سختی بھی کرتا ہے۔ مگر یہ وقتی ہوتی ہے۔ پھر اس کا رحم ہی رحم ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ جس پر اللہ کا کرم ہو اس کے قریب ہونے کا شرف ہو جائے۔ اس طرح بسم اللہ عمل سے ہو جاتی ہے، ورنہ قول کی تکرار سچا ثابت ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔

حاصل : ہر کام میں بسم اللہ قول سے ادا کرنا حق ہے۔ عملاً یہ دیکھنا لازم ہے کہ ہم عبادِ مخلصین کے اتباع میں تجویز سے پاک رہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾

حمد اللہ ہی کی ہے جو عالمین کا رب ہے۔

تعریف کا تعلق تعیّن سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ حمد کی حقیقت شان ہے، اور شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ ابتدا سے انتہا تک ہر حال میں اس کے پالنے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پالنے میں کسی کی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔

حاصل : رب العالمین کی حمد کرنے والے کو مطابق کے بھی مطابق رہنا چاہیے، مخالف کے بھی مطابق۔ توکّل ایسا ہو کہ شکوہ زبان پر نہ آئے، اطمینان ہو کہ رب العالمین کا علم ہی سب سے اعلیٰ ہے اور ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے اسی کے علم سے ہو رہا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾

جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق کا خالق ہے اور پالنے والا ہے۔ پالنے والے کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی کو اعتدال سے دور ہوتا دیکھے تو

اس پر سختی بھی کرتا ہے۔ منشا اس کی فلاح ہوتا ہے۔ سختی کا مقام وقتی ہوتا ہے، اس کے بعد رحم کا مقام جاری و ساری رہتا ہے۔

حاصل : مخلوق کے ساتھ سختی اس کی بھلائی کے لئے اور وقتی ہو تو حق ہے۔ رحم دائمی ہونا چاہیے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ یوم الدّین کا مالک۔

توفیق دینے والا ہی جزا دینے والا بھی ہے۔ جن لوگوں کا رخ حال پر اللہ کے محبوب کا ہوتا ہے ان کو جزا کا یقین ہوتا ہے۔ فلاحِ دارین انہی کے لئے ہے۔

حاصل : کام کوئی ہو، مقصود رضائے الٰہی رہے کہ جزا دینے والا وہی ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی اعانت چاہتے ہیں۔

رب العالمین کی بے حد مہربانی اور بے حد رحم کے اعتراف کے ساتھ جزا کو اسی کی طرف سے سمجھنا بندے پر حق ہے۔ اللہ کا نبی عبدہ اور اس کا حال عبودیت ہوتا ہے۔ عبودیت یہ ہے کہ عادتاً کوئی کام نہ ہو، اس لئے ہو کہ اللہ کے محبوب نے ویسا کیا ہے۔ اللہ کی مدد اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں شاہدین میں لکھ لے، ہمیں تزکیہ عطا ہو اور فلاح عطا ہو۔

حاصل : عبدہٗ کا حال عبودیت کا معیارِ مطلق ہے۔ استعانت کی دعا اس لئے ہے کہ اللہ کے محبوب سے تزکیہ عطا ہو اور اطمینان عطا ہو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ ہمیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرما۔

اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی سے روشن ہوتی ہے۔ معلم کا پڑھنا کتاب و حکمت کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔ اس کو مانا جائے تو رب العالمین کی عبادت ہوگی اور صراطِ مستقیم پر ہونے کا ثبوت ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : [بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے تو اس کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔] (۱۹:۳۶) [اللہ کی عبادت ہی صراطِ مستقیم ہے۔] (۳۶:۶۱) اللہ کی عبادت کا معیار عبدہٗ ہے اور اس کے شاہدین ہیں۔

حاصل : صراطِ مستقیم کی ہدایت طلب کرنے سے یہ حق عائد ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب سے کسی مقام پر اپنی کوئی صورت نہ رکھی جائے اور رب العالمین کو اسی کے حوالے سے اور اسی کی شہادت سے یاد کیا جائے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۵ — راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں فرمایا ہے [اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے تو اسے ان کی معیّت حاصل ہو گی۔ جن پر اللہ نے انعام کیا۔ نبیّین اور صدّیقین اور شہداء اور صالحین۔ اور کیا ہی اچھے رفیق ہیں۔] ۴ : ۶۹
ان انعام یافتہ حضرات کی معیّت رضائے الٰہی کی سند ہے۔ اس معیّت کا طریقِ حصول یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو۔ اللہ کی اطاعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی سے ثابت ہوتی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تابعین، ناصحین، شاہدین کی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے۔ دعویٰ بھی حال پر ہوتا ہے۔ شاہد بھی حال پر ہوتا ہے اور بغیر شہادت دعویٰ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ انعام یافتہ کا اتباع خوف و حزن سے یقینی نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے بڑی رفاقت کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات خوف و حزن سے نجات دلانے کا محکم علم رکھتے ہیں۔ ان کے اتباع سے انعام یافتہ صف میں شمار ہو جاتا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ۷ ع — نہ ان کی جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔

خیر اور غیر کے مابین وقف رکھنا بہت بڑا حق ہے۔ قول میں یہ وقف لازم ہے اور عمل میں یہی وقف برہان ہے۔ انعام یافتہ کے ساتھ پورا رہنے کے لئے مغضوب اور ضالّین سے بچنا ضروری ہے۔ مغضوب وہ ہوتے ہیں جو منافق ہوتے ہیں۔ جن کا دل کفر سے لگ جائے ان پر ہی اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی میں اپنی تجویز کو داخل کرتے ہیں وہی فاسق ہوتے ہیں اور فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ حق کو تسلیم کرنے کے دعوے کے بعد بھی اپنی چاہت اور کراہت سے فیصلے کرتے رہیں، ان سے دوری انعام یافتہ حضرات کے قرب کی سند ہے اور اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کی روشن نشانی ہے۔

حاصل : مغضوب اور ضالین سے دوری، انعام یافتہ حضرات کے قرب کی سند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۰۴

[بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔]

ركوعاتها ٤٠ — سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ — اٰيَاتُهَا ٢٨٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ — حروفِ مقطّعات

فرمایا : صاحبو، ان کے معنوں کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہے، اور خلافِ حق ہے۔

حاصل : بولنے کے مقام پر بولنا، اور خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا ضروری ہے۔

مع الجزء الاول عند المتأخرین ۱۲

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾

اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ متّقین کے لئے ہدایت ہے۔

اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے اور نازل فرمانے والے کی طرف سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں ہے۔ یہ ماننے والے لوگوں کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور شفا ہے۔ صاحبِ فرمان سوال اور خواہش سے پاک ہے، اس لئے اس کا فرمان شک سے پاک ہے۔ اس میں شک کرنے والا ناپاک ہے۔ جہاں فرمان علمِ یقین سے ہو اور اجر کا سوال موجود نہ ہو، وہاں شک کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ متقی اللہ سے ڈرتا ہے اور اللہ کے محبوب کے مطابق رہتا ہے۔ ہدایت کے معیار کا اتباع کرنے والا شک سے پاک ہو جاتا ہے، خلوت میں بھی، جلوت میں بھی۔ اللہ کے محبوب کا نقشِ قدم ہی اس کے لئے راہ روشن ہوتا ہے۔ متقی کا رخ ہر مقام پر اپنے شاہد کا ہوتا ہے، عمل کی کوئی صورت ہو۔

حاصل : جو صاحبِ فرمان اجر کے سوال سے پاک ہو، جس کا فرمان علمِ یقین پر مبنی ہو اور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس میں شک کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ متقی اللہ کے محبوب کے مطابق رہتا ہے، اس لئے ہدایت پاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾

وہ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

متقین کی صورت یہ ہے کہ وہ شاہدِ حق کے مطابق رہتے ہیں۔ جو کچھ بھی اس کی طرف سے فرمایا جائے، اسے حق مانتے ہیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جس کی صداقت کا اعتراف ہو، جس کی امانت کا اعتراف ہو، اس کی بات کی تصدیق کرنا متقی کی شان ہے۔ نماز قائم کرنے والے نماز میں کئے ہوئے قول پر قائم رہتے ہیں، اور ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور نیت کرتے ہیں۔ جو رزق کو عطائے خداوندی سمجھتے ہیں وہی اسے اللہ کی رضا پر لگاتے ہیں۔ متقی رضائے خداوندی کے لئے خرچ کرنے کا علم شاہدین سے سیکھتے ہیں اور انہی کے مطابق رہتے ہیں۔ اس خرچ میں ہر قدم پر علمِ حقیقی جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

حاصل : جس کی صداقت و امانت کا اعتراف ہو اس کی بات کو بلا دلیل ماننا ایمان بالغیب ہے۔ نماز میں کئے ہوئے قول پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کی رضا کے لئے اس کے عبادِ مخلصین کی صورت سے خرچ کرنا متقی کی شان ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور وہ کہ ایمان لائیں جو تمہاری طرف نازل ہوا اور جو تم سے قبل نازل ہوا اور آخرت پر یقین رکھیں۔

متقی حال کو بھی مانتے ہیں اور ماضی کو بھی مانتے ہیں، اور تفریق سے پاک رہتے ہیں۔ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں رضائے خدا کو ملحوظ رکھنے والے جزا کا یقین رکھتے ہیں۔

حاصل : متقی حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں اور جزا کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

متقی اس ہدایت کا اتباع کرتے ہیں جس کے بھیجنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس ہدایت کے اتباع کی بدولت انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ قول میں ان کے شک نہیں رہتا، عمل میں ان کے گمان نہیں رہتا۔ شاہد کی مطابقت سے یہ لوگ فلاحِ دارین پاتے ہیں۔

حاصل : اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہونے کی علامات ہیں۔ ایمان بالغیب، صلوٰۃ کا قائم کرنا، انفاق فی سبیل اللہ، حال پر ایمان، ماضی پر ایمان اور آخرت پر یقین۔ فلاحِ دارین ان کا حاصل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥

بے شک جو لوگ کافر ہو چکے انہیں برابر ہے، چاہے انہیں ڈر سناؤ یا نہ سناؤ، وہ ایمان نہ لائیں گے۔

جو حق کے انکار سے غیر کی طرف ہو جائے، وہ انکار پر قائم ہو جاتا ہے۔ اسے ڈر سنانا یا نہ سنانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لاتا۔ جو صاحبِ حق کی مخالفت پر اڑ جائے، وہ ایمان نہیں لایا کرتا۔ ایمان تو وہ لاتا ہے جسے عطاء خداوندی کے احسن استعمال کی قدر ہو، جسے خوف و حزن سے نجات درکار ہو، جسے زندگی بامقصد معلوم ہو۔

حاصل : جس کی طرف غیر ہو جائے، اسے ڈر سنانا یا نہ سنانا برابر ہوتا ہے۔ ایمان وہی لاتا ہے جسے زندگی بامقصد معلوم ہو، عطائے خداوندی کے احسن استعمال کی قدر ہو، اور خوف و حزن سے نجات کی طلب ہو۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦ ع

اللہ نے ان کے قلوب پر اور ان کے سمع پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جس نے اپنی خواہشات کو معبود ٹھہرا لیا ہو، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔(٤٥: ٢٣) اس کا دل غیر کے ساتھ لگ جاتا ہے، خیر سے دور ہو جاتا ہے۔ وہ غیر کی ہی سنتا ہے، خیر کی سنتا ہی نہیں۔ یہ ہے قلب اور سمع پر مہر۔ جس کا مشاہدہ خواہش کی آنکھ سے ہو اسے خیر نظر نہیں آتا، اس کی آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے۔ وہ عطائے خداوندی کو اپنی خواہشات کی پرستش پر لگاتا رہتا ہے اور حال پر خوف و حزن میں گھرا رہتا ہے۔ آخرت میں اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

حاصل : جو اپنی خواہشات کو معبود بنا لے اس کے قلب و سمع پر مہر ہو جاتی ہے۔ خواہش کے تحت دیکھنے والی آنکھ پر پردہ ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اپنی خواہشات کی پرستش پر لگا دینے والوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ میں فرمایا ہے :

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾

[اپنے رب کو مانو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہیں کوئی پناہ نہ ہوگی اور نہ تمہیں انکار کرتے بنے گی۔]

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ⑧

اور کچھ لوگ کہتے ہیں، ہم اللہ اور یومِ آخر پر ایمان لائے، اور وہ مومن نہیں۔

اللہ پر ایمان لانا اور یومِ آخرت پر ایمان لانا دعویٰ ہے۔ شاہد کے اتباع کی شہادت نہ ہو تو یہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ پر ایمان یہ ہے کہ توفیق کو اس کی عطا مانا جائے، اور یومِ آخر پر ایمان یہ ہے کہ اس کی رضا مقصود ہو ہر مقام پر۔ مومن کا حال ہوتے ہیں یہ دونوں مقامات۔ وہ شاہد کے اتباع کو اپنا حال بناتا ہے۔ منافق شاہد کا اتباع نہیں کرتا اس لئے اس کا دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ اور یومِ آخر پر ایمان کا دعویٰ شاہد کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾

فریب دینا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو، اور دراصل فریب اپنے آپ کو ہی دیتے ہیں، اور انہیں شعور نہیں۔

جن کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت نہیں ہوتا، ان کے دعوے کا منشا دھوکہ ہوتا ہے۔ یہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس دھوکے کا وبال انہی پر پڑتا ہے۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہو جاتے ہیں، اور جس کی سب اشیاء ہیں اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ بے شعوری یہ ہے کہ اشیاء تو ہیں ہی لوگوں کے لئے اور ہیں بھی فانی اور یہ ان کو مقصودِ حیات بنا رہے ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا اشیاء اس کی طالب ہوں گی، فنا سے بھی وہی گزرے گا اور بقا بھی اسے ہی عطا ہو گی۔

حاصل : منافق وقتی فائدے کے لئے اللہ اور ایمان والوں سے دھوکہ کرتے ہیں۔ چاہت ہی انہیں لے ڈوبتی ہے۔ بقا کے مقابل فنا کی طلب بے شعوری ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾

ان کے قلوب میں مرض ہے، تو اللہ نے ان کے مرض کو زیادہ کیا، اور ان کے لئے عذابِ الیم ہے اس لئے کہ وہ تکذیب کرتے تھے۔

جس قلب میں اشیاء کی خواہش ہو، وہ مریض ہوتا ہے۔ خواہش کے ساتھ صورت یہی رہتی ہے کہ ایک پوری ہو جائے تو اس سے مزید کئی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح انسان کولہو کے بیل کی مانند اپنے مرکز کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ یہ لوگ شاہد کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں تو ان کے دل دلبر کے تحت نہیں ہوتے، خواہش کا گھر ہوتے ہیں۔ اور خواہش کا یہ سلسلہ زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہونے کی بدولت حال پر بھی خوف و حزن میں مبتلا رہتے ہیں اور آخرت میں بھی المناک عذاب ان کی اپنی کاوش کا حاصل ہو گا، اس لئے کہ یہ قولاً حق کو مانتے ہیں عملاً اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

حاصل : شاہد سے محبت نہ ہو تو دل میں مرض کا ہونا اور اس کا بڑھنا ضروری ہے۔ ارشاد سے پہلے صاحبِ ارشاد کا ماننا لازم ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے فرمایا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو مصلح ہیں۔

جس کے قلب میں اللہ کی رضا کے مقابل اشیاء کی خواہش ہو، وہ مفسد ہوتا ہے، اور اپنی خواہش کے اتباع کو ہی حق جانتا ہے۔ فساد یہ ہے کہ لوگوں کو تجویز میں بتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، نام فائدے کا لیا جاتا ہے، حقیقت اس کی نقصان ہوتی ہے۔ جو اپنے فائدے کے لئے لوگوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اور عطائے خداوندی کے مقابل انہیں تجویز میں پھنسائے وہ بڑا مفسد ہوتا ہے۔ نام لوگوں کے فائدے کا ہی لیتا ہے، اسی لئے اپنے آپ کو مصلح کہتا ہے۔ مصلح کی شان تو یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اور شاہدین کی شہادت سے ہوتی ہے۔

حاصل : فائدے کا نام لے کر لوگوں کو عطائے خداوندی کے مقابل تجویز میں بتلا کرنا فساد ہے۔
جس کی اپنی کوئی بات ہو وہ مصلح نہیں ہو سکتا۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

خبردار، وہی مفسد ہیں ولیکن انہیں شعور نہیں۔

مفسد سے خبردار رہنا اپنی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے، دوسروں کی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔ مفسد اپنے وقتی فائدے کے لئے لوگوں کو کسی جگہ پھنسانے سے دریغ نہیں کرتا۔ جس وقتی فائدے کے لئے وہ حق کی عملاً تکذیب کرتا ہے وہ بھی اسے باذن اللہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ بے شعوری سے وہ اپنی دنیا و آخرت دونوں خراب کر لیتا ہے۔

حاصل : مفسد سے خبرداری ضروری ہے۔ وقتی فائدہ بھی اللہ کے اذن سے ہی ممکن ہوتا ہے۔
بے شعور لوگ اسی فائدے کے لئے دنیا و آخرت خراب کر لیتے ہیں جو ہوتا ہی ان کے لئے ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

اور جب ان سے فرمایا جائے ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ خبردار وہی بے وقوف ہیں اور انہیں علم نہیں۔

ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ ناصح سے محبت ہو جائے۔ قول بھی اسی کا ہو، عمل بھی اسی کا ہو، علم اور اخلاص بھی اسی کا ہو۔ محبت سے اس کا اتباع کیا جائے اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے۔ منافق اسے بے وقوفی سمجھتے ہیں کہ اس میں انہیں اپنی تجویز ڈوبتی نظر آتی ہے۔ حقیقتاً بے وقوفی یہی ہے کہ بہتر جاننے والے کے مقابل اپنی تجویز رکھی جائے۔ اس سے کبھی علم میں اضافہ نہیں ہوتا اور لاعلمی کا احاطہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

حاصل : ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ ناصح سے محبت ہو۔ منافق کو یہ بےوقوفی معلوم ہوتی ہے۔ بےوقوفی دراصل بہتر جاننے والے کے مقابل اپنی تجویز میں مبتلا ہونے کا نام ہے۔ لاعلمی کا احاطہ اس سے کبھی نہیں ٹوٹتا۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾

اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب شیاطین کے پاس خلوت میں ہوں تو کہتے ہیں بےشک ہم تمہاری معیّت میں ہیں، ہم تو استہزاء کرتے ہیں۔

خلوت و جلوت میں تضاد منافقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ایمان والوں سے ملاقات ہو تو منافق کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ اور خلوت میں غیروں کے پاس ہوں تو ان کی معیّت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں وہ دعوئ ایمان کو استہزاء کہتے ہیں۔ خلوت درست نہ ہو تو جلوت درست نہیں ہو سکتی۔

حاصل : خلوت درست نہ ہو تو جلوت درست نہیں ہو سکتی۔ اس سے استہزاء کا مقام بھی ضرور آتا ہے۔ یہ منافقت کی نشانیاں ہیں۔

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے، اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں اندھے رہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے استہزاء یہ ہے کہ منافقوں کو ڈھیل دی جاتی ہے، اور وہ اس ڈھیل کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور سرکشی میں مزید بڑھ جاتے ہیں۔ خواہشاتِ نفس انہیں اندھا کر دیتی ہیں حتیٰ کہ یہ اپنے کئے کے نتیجے میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

حاصل : خواہش کے اتباع سے بچنا حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی نہ ہو تو سرکشی اور خسارے تک پہنچنا یقینی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کی، تو ان کی تجارت نفع نہ لائی اور نہ وہ ہدایت والے ہوئے۔

جن کی خلوت و جلوت میں تضاد ہوتا ہے، جو ایمان والوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور شیاطین کی معیت اختیار کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔ یہ لوگ اشیاء کے طالب ہوئے اور حق کی تکذیب کے مرتکب ہوئے۔ اشیاء بھی انہیں باذن اللہ ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید کر کوئی نفع نہ پا سکے۔ دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ان پر مسلط ہو گیا۔ ہدایت کو ان لوگوں نے نہیں مانا۔ انہیں اپنی تجویز کی اتنی قدر تھی کہ یہ حق کے مقابل اسی کو ترجیح دیتے رہے۔ جو ہدایت کی راہ پر ہی نہ ہو اسے ہدایت نہیں ہوتی۔

حاصل : جو حق کو چھوڑ کر ناحق خرید لیتا ہے، اسے دونوں جہان کا خسارہ ہی ملتا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک نے آگ روشن کی، پھر جب اس کا ماحول روشن ہو گیا، اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں ظلمات میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھتے نہیں۔

آگ سے روشنی ہوتی ہے اور ماحول روشن ہو جاتا ہے۔ اس روشنی کی شعاعیں روشن آنکھ پر پڑیں تو وہ روشن آنکھ دیکھنے لگتی ہے۔ اب اگر ماحول روشن ہو اور آنکھ دیکھنے والی نہ ہو تو نظر کیا آئے گا۔ روشنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی، اس کا ماحول منور ہوا، دیکھنے والے محبیّن نے دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔ جن لوگوں کو آگہی کرنے والے سے محبت نہ ہو، ان کا نور ان کی ناشکری کی بدولت اللہ تعالیٰ لے جاتا ہے اور انہیں ظلمات میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر انہیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے، جس راستے پر وہ جا رہے ہیں اس کا انجام کیا ہو گا۔

حاصل : روشنی کی حقیقت آگہی ہے۔ آگہی کرنے والے سے محبت نہ ہو تو دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ اندھیرے میں موجود نظر آتا ہے نہ مقصود۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

بہرے، گونگے، اندھے وہ تو رجوع کرنے والے نہیں۔

جسے حق کے مقابل غیر کی بات کی طرف رغبت ہو وہ بہرا ہے، جو حق کو اپنے حال کے مطابق بیان نہ کرے وہ گونگا ہے، اور جس کا مشاہدہ خواہش کے تحت ہو وہ اندھا ہے۔ جہاں یہ تینوں مقامات جمع ہو جائیں وہاں حق کی طرف مراجعت کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

حاصل : غیر کی سننے والا بہرا، غیر بولنے والا خیر کو چھپانے والا گونگا، اور غیر کی آنکھ سے دیکھنے والا اندھا ہوتا ہے۔ یہ سب صورتیں جمع ہو جائیں تو رجوع الی اللہ ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾

یا جیسے آسمان سے اترتا پانی کہ اس میں ظلمات اور رعد اور برق ہے۔ اپنے کانوں میں کڑک کے سبّب موت کے ڈر سے انگلیاں ٹھونس رہے ہیں۔ اور اللہ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

دوسری مثال یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جیسے موسلا دھار بارش کے وقت جب کہ اندھیرا بھی خوب ہو، گرج بھی ہو، چمک بھی ہو، تو یہ لوگ موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ ان کی تجویز انہیں کہاں بچا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے تو کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نزول ہو رہا ہے، وہ لگاتار ہے۔ غیر کے انکار اور خیر کے اقرار کی گرج ماننے والوں کی بدولت ہے۔ اور یہ حق کو ناحق سے جدا کرنے والی روشنی ہے۔

حاصل : خواہشات میں الجھے ہوئے لوگ مومنین کے حال کو اپنے لئے پیغام موت جانتے ہیں کہ اس سے ان کا تشخص انہیں ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ نتیجہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے اذن سے مرتب ہوتا ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع ۲

یوں لگتا ہے برق ان کی بصارت اچک لے جائے گی۔ جب کچھ چمک ہوئی اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں لے جاتا، بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

منافق جب صاحبانِ حق کے نور کو دیکھتے ہیں، تو ان کے انفاق فی سبیل اللہ کو دیکھ کر ان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس برق سے ان کی بصارت ہی جاتی رہے گی۔ یہ لوگ ہادی سے تعلق نہیں رکھتے۔ جب کوئی بات ان کی پسند کے مطابق سامنے آ جائے تو اس روشنی میں ذرا چل لیتے ہیں۔ جب ان کی پسند کے خلاف صورتحال ہو تو یہ اندھیرے میں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منزل پر تو وہی پہنچتا ہے جو اسلام میں پورا پورا داخل ہو۔ شاہد کی بات سمجھ میں آنے والی ہو تب بھی مانے اور سمجھ میں نہ آنے والی ہو تب بھی مانے۔ کان اور آنکھیں عطائے خداوندی ہیں، دینے والا لے لے تو اسے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ اس عطا کا شکریہ ادا کرنا انسان ہی کے فائدے کے لئے ہے۔ اس سے کان کی سماعت اور آنکھ کی بصارت قائم رہتی ہے۔ ناشکری سے یہ

قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ختم ہو جاتی ہے۔

حاصل : مومنین کے انفاق فی سبیل اللہ سے منافق کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اپنی پسند کی صورت میں وہ کچھ چلتا ہے، پسند ختم ہوئی تو رک جاتا ہے۔ کان کو حق کے ساتھ لگایا جائے، آنکھ صاحبِ حق کے قدم پر رہے، تو فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف، غیر سے پرہیز اور خیر کے در پر رہنے سے ثابت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ہے :

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝٣٦

[مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں۔ اور ان مُردوں کو اللہ اٹھائے گا، پھر اسی کی طرف لوٹیں گے۔]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝٢١

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں خلق فرمایا اور تم سے قبل والوں کو، تاکہ تم متقی بنو۔

اللہ تعالیٰ ہی خالق کل ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ عبادت اسی کی حق ہے جو توفیق عطا کرنے والا ہے اور جزا دینے والا ہے۔ جس نے ہمیں خلق فرمایا ہے اور ہم سے پہلوں کو خلق فرمایا ہے اس سے بہتر ہماری بھلائی کا علم کوئی نہیں رکھتا۔ اس کے فرمان کو مانا جائے تو اس کے شاہدین کی مطابقت ہو گی، یہی تقویٰ ہے اور یہی ہدایت کی راہ ہے۔

حاصل : احکامِ خداوندی کو ماننا بڑا حق ہے کہ وہی ہمارا خالق ہے۔ وہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ رب کی عبادت شاہدین کی مطابقت سے ثابت ہوتی ہے۔ تقویٰ اس کا حاصل ہوتا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٢٢

جس نے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت ٹھہرایا اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے ثمرات نکالے، تو کسی کو اللہ کے مقابل نہ ٹھہراؤ اور تمہیں معلوم ہے۔

زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنانے کا دعویٰ ہی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ لوازماتِ زندگی پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ ان کے لئے اسباب بنانے والا بھی وہی ہے۔ جب سارے ارکان اسی کے ہیں تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بڑا ظلم ہے۔ شرک انسانی تجویز ہے اور مصائب و آلام کے وقت اس کا کوئی پتہ نشانی باقی نہیں رہتا۔ اس وقت وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہی بنتی ہے اور یہ انسان کو معلوم ہے۔

حاصل : سارا اہتمام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے احکام کے مقابل کسی کا حکم ماننے کے لائق نہیں۔ انسان کو معلوم ہے کہ حکم معطیٔ مطلق کی ہی شان کے لائق ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر تمہیں اس میں شک ہو جو ہم نے اپنے عبد پر نازل فرمایا، تو اس کی مثل ایک سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ کے مقابل اپنے شہداء کو پکارو اگر تم سچے ہو۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ سب سے بہتر جاننے والے کی طرف سے ہے اور بہتر جاننے والے پر ہے۔ لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے اور اسی میں فلاح کی ضمانت ہے۔ اگر کسی فرد کو یا جماعت کو اس کے علمِ الٰہی ہونے میں شک ہو اور وہ اسے انسانی کوشش سمجھتے ہوں تو اس کی مثل ایک سورۃ لے آئیں، اور اس کے لئے اللہ کے مقابل اپنے سب حمایتیوں کو بلالیں۔ یہ سب مل کر ہی اپنی صداقت کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ مِن دون اللہ تو اللہ کے مقابل والوں پر ہی آتا ہے، اللہ کے دوست تو اس میں شمار نہیں ہو سکتے کہ وہ اسے ماننے والے ہیں۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے برابر نہیں ہوا کرتے۔ صداقت کا ثبوت پیش کرنا تو ان کے ذمے ہے جو قرآنِ پاک کو انسانی کاوش سمجھتے ہیں۔

حاصل : جسے فرمانِ خداوندی میں شک ہو وہ اس کی مثل ایک سورۃ لا کر دکھائے اور اللہ کے مقابل اپنے حمایتیوں کو پکارے۔ صداقت کا ثبوت دعوے سے نہیں شہادت سے ہوتا ہے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖ ۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

پھر اگر نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار ہے کافرین کے لئے۔

فرمانِ خداوندی کی مثل پیش کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی فرمایا ہے، لوگوں کی بھلائی کے لئے فرمایا ہے، علمِ اکمل سے فرمایا ہے۔ خواہش کے تحت بولنے والا اس کی مثل کبھی نہیں لا سکتا۔ پھر اگر علمِ الٰہی کو مانتے ہو تو اس کو مانو اور اس آگ سے بچو جو اس فرمان کے نہ ماننے والوں کے لئے انہی کے اعمال سے پیدا ہو گی۔ غیر کی جزا دوزخ ہے جو پہلے سے مقرر ہے، اور یہ کافر کے اعمال کے نتیجے سے تعلق رکھتی ہے۔ منکرین کو اس میں ڈالا جائے گا۔ آگ کو دیرپا بنانے کے لئے پتھروں کو بھی ایندھن بنایا جائے گا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی مثل لانا ممکن ہی نہیں۔ اس کو ماننے کا ثبوت اس آگ سے بچنے کی سعی پر ملتا ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس سے آگاہی کی جا رہی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، کہ ان کے لئے جنّت ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ جب انہیں ان سے کوئی ثمر رزق کے لئے دیا جاتا ہے تو کہتے ہیں، یہ وہی رزق ہے جو ہمیں قبل ملا تھا۔ اور وہ، انہیں متشابہ دیا گیا۔ اور ان کے لئے ان میں ازواجِ مطہرہ ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ ناصحین سے محبت رکھتے ہیں، وہ ان کے قول کو بھی مانتے ہیں، ان کے اعمال کو بھی مانتے ہیں۔ جن لوگوں کے اعمال پر صالحین کی شہادت ہو، ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ ان سچوں کو جنت کی بشارت حال پر دی جاتی ہے۔ جنت کی حقیقت راحت ہے۔ جو لوگ حال پر اللہ کے محبوب کی معیّت میں رہتے ہیں، وہ سبب سے نہیں مسبّب سے لگے رہتے ہیں۔ انہیں جو رزق بھی ملتا ہے، اس میں وہ سبب کو نہیں مسبّب کے فضل کو دیکھتے ہیں۔ ان کی سعی اللہ کے فضل کو تلاش کرنے کی ہوتی ہے۔ جس علم سے وہ مخلوق کی خدمت کرنا جانتے ہیں، اس سے حقِ خدمت ادا کرتے ہیں اور رزق کو اپنی کوشش کی بدولت نہیں جانتے، اس لئے حال پر انہیں وہی ملتا ہے جو جنّت میں ملے گا۔ اسی لئے وہ جنّت کے ثمرات کو پا کر عرض کریں گے، یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا۔ جنّت میں بھی جو عطا ہو گا وہ کسی سبب کی بدولت نہیں ہو گا، اس لئے یہ دونوں ایک ہی طرح کے رزق ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ جو حال پر جنّتی ہے، مستقبل میں بھی وہی جنّتی ہو گا۔ جنّت میں ازواج کا منشا بقائے نسل نہیں ہو گا، اس لئے دنیا کی صورت نہیں ہوگی میل جول کی۔ ازواجِ مطہرہ خدمت کے لئے ہوں گی اور مومنین کے حال کو بقا ہوگی۔

حاصل : صالح مومن جنّتی ہیں، وہ یہاں بھی مسبّب کی معیّت میں رہتے ہیں وہاں بھی ان کا یہی حال ہو گا۔ موجودہ حال کا ہی مستقبل بننے والا ہے۔ ازواجِ مطہرہ ان کے لئے ہیں، یہ ان کے لئے نہیں ہیں۔ جسے دائمی راحت ہو، وہی جنّت میں ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بے شک اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی یا اس سے بڑی، تو جو ایمان لائے ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور جو کافر ہوئے تو وہ کہتے ہیں، اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے۔ کثیر کو اس سے گمراہ

فَيَقُولُونَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ وقف لازم

کرتا ہے، اور کثیر کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔ اور گمراہ اس سے فاسقین ہی کو کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو بڑی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ جوں جوں منشائے تخلیق اور افادیت واضح ہوگی، خالقِ کل کی قدر بھی بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھّر اور مکھّی کو جس حکمت سے پیدا کیا ہے اور جو خدمت یہ چھوٹے جاندار سرانجام دے رہے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ کائنات میں ہر شے علم سے اور حکمت سے رکھی گئی ہے، اور ہر شے اپنا اپنا منشائے تخلیق پورا کر رہی ہے۔ ایمان والے یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں حکمت موجود ہے، اور یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ کافروں کی نظر حکمت پر نہیں ہوتی۔ وہ کسی چیز کے بارے میں اپنے گمان کو بیان کرنے لگتے ہیں، اور اپنی تجویز میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حق کے مقابل اپنی تجویز میں مبتلا ہو جانے کا نام فسق ہے۔ فسق کا حاصل گمراہی ہے۔ جو فرمان کو مانے، اور صاحبِ فرمان کا اتباع کرے اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو فرمان میں اپنی سمجھ کو داخل کرے وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتا ہے۔

حاصل : جو بیان حکمت پر مبنی ہو اس سے شرمانا حق نہیں۔ جو فرمان کو مانے اور صاحبِ فرمان کا اتباع کرے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو فرمانِ حق میں اپنی تجویز کو داخل کرے، وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کے میثاق کے بعد، اور اسے قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اور زمین میں فساد کرتے ہیں، وہی خسارے والے ہیں۔

اللہ کا امر یہ ہے کہ عدل کرو اور احسان کرو اور رشتہ داروں کو دو۔ اللہ بے حیائی اور برائی سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ ۱۶ : ۹۰ مفسد اللہ کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور پھر اپنے عہد تسلیم کو توڑتے ہیں جب کہ اس عہد کو پکا کر چکے ہوتے ہیں اور اس پر شہادت موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والے صبر کرتے ہیں اور مخالف کے بھی مطابق رہتے ہیں۔ برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو چھپے اور ظاہر اس کی رضا پر لگاتے ہیں۔ یہ جوڑنے والے ہیں، جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے۔ ان کے خلاف جن کا معاملہ مخلوق سے اپنی غرض و غایت کے لئے ہوتا ہے، وہ جہاں غرض و غایت پوری ہوتی نہ دیکھیں، تعلق توڑ لیتے ہیں۔ ان کے سامنے اللہ کی رضا کا کوئی معیار ہو تو وہ پورے رہیں اس پر۔ معیار خواہشِ نفس ہو تو اللہ کے امر کی خلاف ورزی ضرور ہوتی ہے۔ اللہ کے امر کی خلاف ورزی ہی فساد ہے، اور اسی کا حاصل خسارہ ہے۔ نتائج تو باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا بھی وہی حاصل کر سکتا ہے، جو باذن اللہ ہوتا ہے۔ اور اس کا شمار بھی غیر کے ساتھ ہو جاتا ہے، یہ دونوں جہاں کا خسارہ ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی تسلیم کے بعد اپنی چاہت کے پیچھے لگنا جوڑنے کے امر کی خلاف ورزی ہے، اور توڑنے والی بات ہے۔ خلافِ حق کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ فساد کا حاصل خسارہ ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

بھلا کیسے اللہ کی ناشکری کرتے ہو اور حالانکہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف رجوع کرو گے۔

عدم سے موجود کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ توفیق دینے والا بھی وہی معطیٔ مطلق ہے۔ مہلت جو حیاتِ دنیا کی صورت سے دی جاتی ہے، اس کے بعد موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اور پھر بعث بعد الموت بھی اسی کے ہاتھ ہے، اور جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ کسی بھی مقام پر دیکھو اسی وحدہٗ لاشریک کا احاطہ ہے۔

حاصل : جو عدم سے موجود کرنے والا ہے، توفیق دینے والا ہے، موت کے بعد حیات دینے والا ہے، جزا دینے والا ہے، اس کی ماننے میں ہماری ہی بھلائی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع ۳

وہی ہے جس نے تمہارے لئے خلق فرمایا جو کچھ زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف استویٰ فرمایا، تو انہیں ٹھیک سات آسمان بنایا۔ اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

جو کچھ بھی زمین میں ہے، اللہ نے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ کسی شے کو بے مقصد کہنا بھی حق نہیں اور کسی شے کو ضائع کرنا بھی حق نہیں۔ اس کے اچھے استعمال کا علم سیکھنا بڑا حق ہے۔ کسی بھی شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا حکمت ہے۔ زمین کے اہتمام کے بعد اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے آسمان کی طرف استویٰ فرمایا گیا۔ سات آسمان بنائے گئے۔ زمین جب مردہ ہو جاتی ہے تو اس کے لئے باعثِ زندگی پانی آسمان سے نازل فرمایا جاتا ہے۔ ہر شے کا خالق ہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : کوئی بھی شے زمین پر بے مقصد نہیں ہے۔ سب کچھ بندوں کے لئے ہے۔ ہر شے کا آسمان سے بھی تعلق ہے۔ ہر شے کا استعمال علمِ الٰہی سے ہو تو استعمال کرنے والے کو بھی اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾
[کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے۔ ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔]

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

اور جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا، میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، عرض کرنے لگے، کیا اس میں اسے ٹھہراتا ہے جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے، اور ہم حمد سے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ فرمایا مجھے بڑا علم ہے، جو تمہیں معلوم نہیں۔

جب ہمارے رب نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین میں خلیفہ ٹھہرانے کا ذکر ملائکہ سے کیا کہ زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ تصرف میں لائے جانے کے لئے ہے۔ فرشتوں نے یہ دیکھا کہ زمین کی خلافت کی حقیقت بہت بڑی توفیق سے اشیاء دنیا کو تصرف میں لانا ہے۔ پھر انسانوں کے لئے فرشتوں کی طرح رہنا بھی ممکن نہ ہو گا کہ ایک فرشتے کو دوسرے فرشتے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ زمین میں رہنے والے اشیاء کے تصرف کے وقت اپنی خواہشات کی وجہ سے ٹکرائیں گے اور خون بہائیں گے۔ توفیق کی وسعت اور اشیاء مشترکہ، اس میں فساد اور خون بہانے کا امکان تو نظر آتا ہے۔ اور اس کے مقابل فرشتوں کا حال یہ ہے کہ وہ امر کے مطابق لگے ہوئے ہیں۔ حمد سے تسبیح کر رہے ہیں، تقدیس کر رہے ہیں۔ وہاں فساد کا کوئی مقام ہی نہیں، کہ ہر ایک اپنے اپنے دائرۂ کار میں امر کے مطابق لگا ہوا ہے۔ ایک کا دوسرے سے تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سب سے بڑا علم رکھنے والا میں ہی ہوں اور تمہارا علم تمہارے حال ہی سے تعلق رکھتا ہے، فرشتوں پر یہ واضح کرنے کے لئے ہے کہ توفیق عطا فرمانے والا سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ تمہیں صرف خلوت کی پاکی حاصل ہے۔ اس کا مقام اور ہو گا، جو تمہیں معلوم نہیں۔

حاصل : نائب مقرر کرتے وقت ماننے والوں کے سامنے اعلان کرنا ضروری ہے۔ سننے والوں کو چاہئے کہ نائب کو اپنی ذات پر قیاس نہ کریں۔ معطئ مطلق ہی سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی عطا کیا ہے، رضا کیا ہے، اور وفا کیا ہے۔

وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣١﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو سب نام سکھا دیئے۔ پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے کیا۔ پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

آدم علیہ السلام کو خلوت و جلوت کی پاکی کا شرف بخشا گیا۔ فرشتوں کو صرف خلوت کی پاکی حاصل ہے۔ آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی تمام اشیاء کے نام انہیں سکھا دیئے گئے۔ کسی شے کے نام سے مراد صرف اس کا نمبر جاننا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس کا محل استعمال، اس کی مقدارِ استعمال، طریقِ استعمال، اس کے فوائد اور نقصان کی صورت میں علمِ اصلاح، اس کل کا نام علمِ اسماء ہے۔ اشیاء سب بندے کے لئے ہیں، اس کی طالب ہیں۔ جس کا مقام آئے اس کا نام لیا جاتا ہے۔ وہ آگے آ جاتی ہے، باقی طواف کرتی رہتی ہیں۔ فرشتوں کے سامنے ان اشیاء کو لا کر ان سے ان کے نام پوچھنا اس لئے تھا کہ جس مقام کے بارے میں تم نے بات کی تھی کہ فساد ہو گا، اور خون بہے گا، اس کا علم رکھتے ہو تو خلیفے کے تصرف میں آنے والی چیزوں کے نام بتاؤ۔

حاصل : جس کو مقام عطا کیا جاتا ہے، اس کے تصرّف میں آنے والی اشیاء کا علم بھی اسے عطا کیا جاتا ہے۔ قیاس کی بنا پر اس حال کو بیان کرنے والوں سے یہی پوچھنا چاہئے، اگر تم سچے ہو تو یہاں کام آنے والے ارکان کے نام بتاؤ۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

عرض کرنے لگے، تجھے پاکی ہے۔ ہمیں کچھ علم نہیں، مگر جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی علم والا حکمت والا ہے۔

فرشتوں نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی اشیاء کو دیکھا، اور جس حال کے بارے میں وہ کہہ چکے تھے کہ فساد ہو گا اور خون بہے گا، وہاں کام آنے والی اشیاء کے نام بھی وہ بتا نہ سکے، تو ان کا اس حال کے بارے میں کلام کرنا پورا نہ ہوا۔ پورا ہی صادق ہوتا ہے۔ وہ عرض کرنے لگے، ہمیں تو وہی علم ہے جو ہمیں دیا گیا ہے اور کچھ نہیں۔ علیمِ مطلق اور حکیمِ مطلق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حاصل : جسے خلوت کی پاکی حاصل ہو، وہ خلوت و جلوت کی پاکی والے کے متعلق کلام کرے تو اس کی بات پوری نہ ہو گی، کہ اس کی بات اس کے حال سے ثابت نہیں ہو گی۔ جو مقام اپنا حال نہ ہو وہاں یہی کہنا حق ہے کہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہی بہتر جانتا ہے۔

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرمایا، اے آدم (علیہ السلام) انہیں ان کے نام بتایئے۔ جب آپ نے انہیں سب کے نام بتا دیئے، فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں ارض و سماوات کے غیب کا سب سے بڑا جاننے والا ہوں، اور مجھے بڑا علم ہے، جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام نے سب اشیاء کے نام بتا دیئے، جو اس حال پر پیش تھیں، تو آدم علیہ السلام کے تصرف میں آنے والی اشیاء کے بارے میں ان کا علم کامل ثابت ہو گیا۔ علم کامل ہو تو فساد نہیں ہوتا کہ ہر شے کو اس کے مقام پر رکھا جاتا ہے۔ اشیاء کی طلب اور خواہش سے فساد پیدا ہوتا ہے، اور اشیاء کے مطلوب ہونے کے مقام پر رہنے سے فساد کی جڑ کٹتی ہے۔ اشیاء سب انسان کے لئے ہیں، انسان اشیاء کے لئے نہیں ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس حال پر ارشادِ خداوندی ہوا کہ میں نہ کہتا تھا، ارض و سماوات کے غیب کا سب سے بڑا جاننے والا میں ہی ہوں۔ مجھے بڑا علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ خالق کل سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ جسے چاہے علم عطا فرما دیتا ہے۔ بندہ علم والا تو ہو سکتا ہے، سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہے کہ خالقِ کل وہی ہے۔ محبوب کو تصرّف کا علم عطا فرمانے والا بھی وہی ہے۔ فرشتوں نے ظاہراً جو کہا وہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے، چھپایا اس بات کو کہ ہماری تسبیح، تحمید، تقدیس کے باوجود خلیفے کی شان بالا ہو گی۔

حاصل : اشیاء کو تصرّف میں لانے کا علم علمِ الٰہی ہو، تو فساد کا امکان نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ تصرف کا علم اپنے محبوب کو عطا فرماتا ہے۔ جس سے کچھ مخفی نہیں ہے اس کا خوف بہرحال محیط ہونا چاہئے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ منکر ہوا اور تکبّر کیا اور کافرین سے ہو گیا۔

ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، تو ملائکہ نے سجدہ کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو خلیفہ مانتے تھے۔ حکم سجدے کا تھا اس لئے سجدہ کیا گیا۔ حکم میں جاننے کی شرح ہی نہیں رکھی گئی۔ اس کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ ابلیس نے حکم کو جاننے کی کوشش کی۔ جہاں حکم سن کر تعمیل کی بجائے سوچ کا مقام آ جائے، وہاں خواہش کی بدولت انکار کا مقام بھی آتا ہے، تکبّر کا مقام بھی آتا ہے۔ اس طرح غیر سے غیر ملتے رہتے ہیں اور غیر جماعت بنتی جاتی ہے۔

حاصل : حکم کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ حکم کو جاننے کی کوشش سے انکار اور تکبّر ضرور پیدا ہوتا ہے، اور غیر کے ساتھ کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور ہم نے فرمایا اے آدم (علیہ السلام) آپ اور آپ کی زوجہ جنّت میں رہیں اور اس میں سے کھائیں جہاں سے چاہیں۔ مگر اس شجرے کے قریب نہ جائیں، پھر ظالمین سے

مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ ہو جائیں گے۔

آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ کو جنّت میں رہنے کا اور اس سے کھانے کا، جہاں سے وہ چاہیں، حکم ہوا اور ایک شجرے کے قریب دونوں کو جانے سے منع فرمایا گیا۔ جنّت میں رزق بے سبب ملتا ہے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو آگاہ فرمادیا گیا کہ اس شجرے کے قریب جانے سے ظالمین میں شمار ہو جائے گا۔ کھانے کی ایک شے سے منع کر دینا اور اس کے نتیجے سے بھی آگاہ کر دینا اس لئے تھا کہ یہ غیر رخ کے تعین کی صورت تھی۔

حاصل : جنت میں رزق بے سبب ملتا ہے۔ غیر رخ کا تعیّن بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوا۔ اس کے نتیجے سے آگاہی بھی اسی کی شان ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

پھر شیطان نے انہیں ہلا دیا، پھر انہیں وہاں سے نکالا جس میں تھے۔ اور ہم نے فرمایا، تم سب اترو۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک مستقر اور متاع ہے۔

جس شجرے کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا، آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ نے حال پر اس حکم کی ادائیگی کی اور اس کی ادائیگی کی نیّت رکھی۔ شیطان ان کا دشمن تھا۔ اس نے ان دونوں کو ان کے مقام سے ہلا دیا اور انہیں اس درخت سے استفادے کی ترغیب دی اور یہ کہا کہ تمہیں اس سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کہیں تم ملک نہ ہو جاؤ یا تمہیں دوام نہ مل جائے۔ اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کے لئے نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے اس شجرے کو چکھا ہے : ۲۰ تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں، اور وہ اپنے بدن پر جنّت کے پتے چپکانے لگے۔ انہوں نے دشمن کا کہا مانا، بھول ہو گئی اور ساتھ ہی غیر عمل کی صورت بھی متعیّن ہو گئی۔ پہلے قول کی صورت سے وقف تھا خیر اور غیر میں، اب عمل کی صورت میں بھی وہ روشن ہو گیا اور وہ راستہ متعیّن ہو گیا، جس سے منع رہنا حق ہے۔ ساتھ ہی جنت سے اترنے کا حکم بھی ہو گیا۔ شیطان نے وہاں بھی دشمنی کی تھی، یہاں بھی وہی دشمن ہے۔ زمین کا مستقر اور متاع ایک وقت تک کے لئے ہے۔ اس وقت کو گزارتے ہوئے اس بات کا لحاظ بہرحال ضروری ہے کہ شیطان ہمارا دشمن ہے۔ خواہش کے جال میں ہمیں پھنسانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ہمیں اس کے اتباع سے بچنا لازم ہے، ورنہ ہم مستقر کو بھی خراب کر لیں گے اور متاع بھی ضائع ہو جائے گی۔

حاصل : نیّت خیر کی ہو تو بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمیں ترغیب دینے والا ہمارا دشمن تو نہیں ہے، ورنہ مشقّت ضرور گلے پڑ جائے گی۔ مستقر کو پاک رکھنے کے لئے اور متاع کے صحیح استعمال کے لئے حق کو ماننا اور خواہش کے اتباع سے بچنا لازم ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے

عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

کلمات سیکھ لئے۔ پھر اس پر متوجّہ ہو گیا۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کلمات سیکھ لئے۔ توبہ کی۔ عرض کی، اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور خسارے والوں سے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر توجہ فرمائی۔ توبہ کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی سکھاتا ہے۔ رخ اسی کا ہو تو سکھاتا ہے۔ بھول ہوئی تو سکھاتا ہے، اور نیّت درست ہو تو سکھاتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توجہ کرنے پر معاف فرمایا۔ اور ان کی بدولت توبہ کا دروازہ کھل گیا جس سے قیامت تک بھولنے والے گزرتے رہیں گے اور ان کی بھول پھول بنتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی خطا کے ارتکاب سے پہلے ہی تواب الرحیم تھا، اس لئے بندے سے بھول کا ہو جانا قدرتی بات تھی۔ بھول جانا بھی محبوبِ خدا کی ایک صفت ہے۔ توبہ کرنے والے کی بھول کو توبہ قبول کرنے والے کا کرم نعمت بنا دیتا ہے۔ اس کی ذات کے لئے بھی اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم کا مقام اتنا بڑا رکھا گیا ہے کہ اس میں ساری کائنات بھی داخل ہو جائے تو اس کا ایک کونہ نہیں بھرتا۔

حاصل : توبہ کا کلمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سکھاتا ہے۔ توبہ قبول کرنے والا بھی وہی ہے، رحم کرنے والا بھی وہی ہے۔ ہمیں بھی معاف کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

ہم نے فرمایا، تم سب اتر جاؤ۔ پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے، تو جو اس کا اتباع کرے، ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ انہیں حزن ہو گا۔

آدم علیہ السلام، ان کی زوجہ اور ان کے دشمن کو اتر جانے کا حکم ہوا۔ توفیق عطا فرمائی گئی، توفیق کے استعمال کی صورت روشن فرمائی گئی، ہدایت کے منجانب اللہ آنے کا اطمینان دلایا گیا، اس کی شان واضح فرمائی گئی کہ اس کے اتباع سے خوف و حزن سے یقینی نجات ملے گی۔ اس حال پر جو ہادی کا اتباع کرے گا، اسے ہادی سے محبت ہو گی۔ جس سے محبت ہو، خلوت و جلوت کا اس کے مطابق ہو جانا یقینی ہے۔ اسی محبت کا مستقبل جنّت ہے۔

حاصل : زمین پر کسی سزا کے طور پر نہیں بھیجا گیا بلکہ یہ دیکھنے کے لئے کہ عطائے خداوندی کا استعمال اس کی رضا کے مطابق ہوتا ہے یا خلاف۔ ہدایت کے قاسم کا اتباع محبت سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ہادی سے محبت ہو تو خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ

اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری

ع ١٠ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٣٩﴾

آیات کی تکذیب کی، وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ حق کو نہیں مانتے، ہدایت کو منجانب اللہ نہیں جانتے، صاحبانِ حق کے اتباع کی بجائے اپنی خواہش کا اتباع کرتے ہیں، انہیں حال پر خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہو گا۔ توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی کے خلاف استعمال کرنے والے ہمیشہ خسارے میں رہیں گے۔

حاصل : صاحبانِ حق کا انکار آیاتِ خداوندی کی تکذیب ہے۔ حاصل اس کا دوزخ ہے۔ توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی پر لگانا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔
وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾
[اور جو برا عمل کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔]

يٰبَنِيٓ إِسْرٰٓءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰيَ فَارْهَبُونِ ﴿٤٠﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو تم پر انعام ہوئی۔ اور میرا عہد وفا کرو میں تمہارا عہد وفا کروں گا۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل وہ لوگ ہیں جن کو پہلے عالمین میں فضیلت عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ انعام یاد رکھنے کے لائق تھا۔ یہ ذکر تعلیم امت کے لئے ہے اور حال سے تعلق رکھتا ہے۔ عطائے خداوندی کو جو یاد رکھتا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جو ناشکری کرتا ہے، وہ نعمت کو ضائع کر دیتا ہے۔ صاحبو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو۔ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ سورۃ اعراف ○ (٧ : ١٢٨) [بے شک زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا ہے۔] یہ خدائی عہد تھا۔ اب اگر یہ لوگ نتائج کو اپنی کاوشوں کی بدولت جاننے لگیں اور خواہشات کے اتباع میں لگ جائیں، تو پھر یہ اللہ سے کئے گئے عہد کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے، جو خسارے کی راہ ہے۔ دنیا و آخرت میں جسے اللہ کا ڈر ہو اسے کوئی خواہش نہیں رہتی۔ جسے خواہش ہو اسے اللہ کا ڈر نہیں ہوتا۔

حاصل : عطائے خداوندی کی قدر کرنے والا، اللہ کی مدد چاہتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ وہ اللہ ہی سے ڈرتا ہے اور عہد کو وفا کرتا ہے۔

وَآمِنُوا بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

اور ایمان لاؤ جو میں نے نازل فرمایا۔ اس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴿٤١﴾

کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے۔ اور اس کے اوّلین منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کے بدلے قلیل دام نہ لو۔ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

بنی اسرائیل پہلے وارثِ کتاب تھے۔ ماضی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد جو نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، یہ اس ماضی کا مصدّق ہوا۔ اس طرح اس ماضی کے حاملین پر بھی یہ حق عائد ہوا کہ وہ حال کی تصدیق کریں۔ اگر وہی اپنی خواہشات کی بدولت اور وقتی فائدے کے پیشِ نظر حق کا انکار کرنے لگیں تو بھی نتائج پر انہیں قدرت تو ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ نتائج کو اسی کی طرف سے مانا جائے۔

حاصل : ماضی کا مصدّق حال ہوتا ہے۔ حالِ ماضی کو تصدیق کرنی چاہئے۔ اپنی خواہش کے تحت حق کو بدلنے کی کوشش کرنے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ نتیجہ تو پھر بھی باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾

اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ۔ اور نہ حق کو چھپاؤ، اور تمہیں معلوم ہے۔

بنی اسرائیل نے جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسمٰعیل سے دیکھا، تو حال کی تصدیق کی بجائے باطل کو حق کے ساتھ ملا کر پیش کرنے لگے۔ اور جو حق ان کے پاس حال کی تصدیق کرنے والا تھا۔ اسے چھپانے لگے۔ حضور کو پہنچاننے میں شک نہیں تھا، انہیں معلوم تھا کہ یہ وہی ہیں جن کی بشارت دی جاتی رہی ہے۔ علمِ الٰہی کسی کی تجویز کے تابع نہیں ہوتا۔ شیطان بھی تو اتنی سی بات سے راندۂ درگاہ بنا کہ اس نے اپنے آپ کو بہتر کہا۔ حکم کو ماننے کی بجائے اسے جاننے کی کوشش کی اور عمل کے مقام پر بول پڑا۔

حاصل : حق سے باطل کو ملانا، حق کو چھپانا معلوم ہو جانے کے باوجود ہو تو یہ خواہشات نفس کے اتباع کی سند ہے۔

وَأَقِيمُوا ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُوا مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

نماز اور زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔ نماز کا درجہ قول کا ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو قول سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور رکوع کرنے والے حال پر جو ہوں ان کی معیّت میں رکوع کیا جائے تو حق کی ادائیگی ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل اگر اللہ کا فرمان مانیں تو نماز قائم ہو گی، اس کے رسول کا اتباع کریں تو زکوٰۃ ادا ہو گی اور رکوع کرنے والوں کی معیّت اختیار کریں تو رکوع ہو گا۔ ورنہ اس حال کا

انکار، ماضی کا بھی انکار ہو گا کہ یہ حال اس ماضی کا مصدّق ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنا قول ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنا عمل ہے۔ قول عمل کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ خیر کی جماعت کا ساتھ رکھنا ضروری ہے۔ اپنی الگ صورت رکھنا حق نہیں ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا لوگوں کو بھلائی کا امر کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو۔ اور تم تو کتاب پڑھتے ہو، تو کیا عقل نہیں کرتے۔

جو لوگ فرمان خداوندی کو پڑھ کر یا سن کر دوسروں کو سنانے لگتے ہیں اور خود اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان کا سنانا غرض وغایت کے لئے ہوتا ہے۔ جس کتاب اور شنید سے فائدہ پہنچے، اس کا دوسروں کے سامنے بیان کرنا حق ہے۔ جس پر خود عمل نہ کیا جائے، اس کی کسی کو ترغیب دینا خلافِ حق ہے اور خلافِ عقل ہے۔ عقل یہ ہے کہ جس بات سے خود فائدہ اٹھایا ہو، وہ دوسروں کو بتائی جائے۔

حاصل : صرف قول کو ماننے والے، دوسروں کو بتاتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ یہ خلافِ عقل ہے۔ جس کا قول ہے، اس سے محبت ہو تو عملاً پورا رہنے کا شرف ہوتا ہے۔ عقل کرنا یہ ہے، کہ جس بات سے خود فائدہ اٹھایا ہو وہی دوسروں کو بتائی جائے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور صبر اور نماز سے استعانت چاہو۔ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے، مگر خشوع والوں پر۔

صبر ہے، نتائج کو باذن اللہ پورا جاننا، مزید علم عطا ہونے کا باعث ماننا، کسی مقام سے نہ لگنا اور مقام عطا کرنے والے کے ساتھ لگے رہنا۔ نماز سے استعانت اس طرح ہوتی ہے، کہ فرمان خداوندی کو قول سے ادا کیا جائے، عملاً اس پر پورا رہنے کا رخ رکھا جائے اور مخلصین کا ساتھ ہو۔ اسی طرح حق ادا ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ نماز کو خوشی سے ادا کیا جائے تو یہ آسان اور ہلکی ہوتی ہے۔ خوشی سے ادا ہونے کی یہی صورت ہے کہ محبوب کی سنّت جان کر ادا کی جائے۔ اس کے علاوہ ہر صورت میں یہ بھاری ضرور ہوتی ہے۔

حاصل : محبوب کی سنّت جان کر نماز پڑھی جائے تو خشوع بھی ہوتا ہے، فلاح بھی ہوتی ہے، ورنہ یہ بھاری ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

جنہیں پتہ ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے، اور یہ کہ انہیں اسی کی طرف رجوع

رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿۴۶﴾ ع ۵ — کرنا ہے۔

خشوع والوں کا حال یہ ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنے کا پتہ ہے۔ اس کی طرف مراجعت ان کے سامنے ہے۔ جس کی معیّت وہاں سچے ہونے کا معیار ہے، اس کی معیّت کو وہ حال بناتے ہیں۔ اور اپنے پالنے والے کو علیمِ مطلق جانتے ہوئے اپنی تجویز کو حق کے ساتھ نہیں ملاتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و برکت سے نوازتا ہے۔

حاصل : جزا کا یقین اور جزا دینے والے کا رخ رکھنا حال پر اللہ کے محبوب کا اتباع کرنے ہی سے ثابت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا ﴿۸۷﴾

[اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ قیامت کے دن تمہیں ضرور جمع کرے گا، جس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے۔]

يٰبَنِىٓ إِسْرٰٓءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّى فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیا، اور یہ کہ تمہیں عالمین پر فضیلت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آلِ فرعون کے عذاب سے نجات دی، اور انہیں زمین میں خلافت دی اور وہی جگہ جہاں انہیں کمزور کر دیا گیا تھا، اللہ کی تائید و نصرت سے ان کے تصرف میں آ گئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا انعام یاد رہے وہ حال پر رضائے الٰہی کے مطابق رہتا ہے۔ جس کو انعامِ خداوندی یاد نہ رہے، اس کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے۔ فضیلت تو معیّتِ حق کا انعام ہے۔ اور یہ صورت قیامت تک جاری و ساری رہے گی۔

حاصل : اللہ کا انعام یاد رکھنے والے ہی اپنی فضیلت کو سنبھال سکتے ہیں۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفٰعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی دوسرے نفس کی جزا نہ ہو گا، اور نہ اس کی طرف سے شفاعت قبول ہو گی، اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کی نصرت ہو گی۔

قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے کیئے کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے کوئی نفس کسی کی جگہ پکڑا نہیں جائے گا۔ ہر ایک کو اپنے حال پر نظر رکھنی چاہیئے، اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس توفیق کا وہ حامل ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگ رہی ہے یا اس کے خلاف۔

جس کو توفیق دی گئی ہے، وہ جواب دہ بھی ضرور ہو گا۔ چونکہ وہ وقت، وقتِ جزا ہو گا، عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی ہو گی، اس لئے شفاعت کی حقیقت مزید مہلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بندوں کے لئے بنایا ہے، اور بندوں کو اپنے لئے بنایا ہے۔ اشیاء کبھی بندے کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ پھر معطیٔ مطلق نے ہی تو متاع دی ہے۔ اسی کی دی ہوئی متاع کیسے بدلہ ہو سکتی ہے اس کے سامنے۔ نصرت کا مقام بھی توفیقِ ایزدی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب عمل کی مہلت ہی ختم ہو چکی ہو گی تو نصرت کا امکان ہی نہ رہے گا۔ جب کسی دوسرے کو بدل بھی نہ بنایا جا سکے، مزید مہلت بھی نہ مل سکے، متاع بھی بدلہ نہ ہو سکے، نصرت بھی ممکن نہ ہو تو ایسے مقام پر اللہ کی رضا کے پانے والوں کو ہی راحت ہو گی۔

حاصل : جس دن کوئی کسی کا بدلہ نہ ہو سکے گا، مزید مہلت نہ ہو گی، متاع بھی بدلہ نہیں ہو گی، نصرت بھی ممکن نہ ہو گی، اس دن کے مالک سے ڈرنا چاہئے اور اس کی رضا کو اپنا حال بنانا چاہئے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات بخشی، جو تمہیں بری مار مارتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی۔

آلِ فرعون بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل بھی اور بعد بھی ایذا دیتے رہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اپنے مقابل انہیں عددی قوت کے اعتبار سے پست رکھنے کے لئے، آلِ فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بلا تھی۔ اللہ تعالیٰ کے احسان سے بنی اسرائیل کو نجات ملی۔ مصائب و آلام کا دور ختم ہوا۔ مصائب و آلام باذنِ اللہ ہی ہوتے ہیں۔ جو صبر کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے، اسے مزید انعام عطا ہوتا ہے۔ جو اسباب کی طرف سے جانتا ہے، وہ پس جاتا ہے۔

حاصل : کسی بھی کوشش سے نتیجہ باذن اللہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق پر ظلم کرنے والے اپنی جڑیں کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ مصائب کو باذن اللہ مانا جائے تو مزید علم عطا ہوتا ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا، پھر تمہیں نجات دی، اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

بنی اسرائیل جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیّت میں دریا پر پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ بنا دیا۔ دریا کو

قدرتِ خداوندی سے پھاڑ دیا گیا۔ بنی اسرائیل پار ہو گئے۔ یہ راستہ خیر والوں کے لئے تھا۔ جب آل فرعون نے بھی اس راستے کو اپنے غیر مقاصد کے تحت اختیار کیا، تو وہ غرق کر دیئے گئے اور بنی اسرائیل کے دیکھتے دیکھتے ان کے دشمن کو ہلاک کر دیا گیا۔

حاصل : نصرتِ خداوندی شامل حال ہو تو اسباب کبھی رکاوٹ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔ ان کا عمل مظلوم کے دیکھتے دیکھتے انہیں پکڑ لیتا ہے۔

وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿٥١﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا، پھر آپ کے بعد تم نے بچھڑا بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد ان لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ شرک کیا اور ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو ان کے بعد ماننے سے گریز اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت نہیں تھی۔ شاہد سے محبت نہ ہو تو ظلم سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : شاہد سے محبت کا ثبوت یہ ہے، کہ جس طرح اس کے سامنے اس کے حکم کو مانا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد بھی اس کے حکم کو مانا جائے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾

پھر ہم نے تم پر عفو فرمایا اس کے بعد کہ تم شکر کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تورات کے لئے حکمِ خداوندی کے مطابق حاضر ہونے پر بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا کی اور فرمانِ خداوندی کا انکار کیا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر عفو فرمایا کہ یہ اللہ کے احسان کو مانیں اور فرمانِ خداوندی کی تکذیب سے بچیں، اور اس بات پر نظر رکھیں کہ جس نے ہمیں سب کچھ عطا فرمایا ہے حکم تو اسی کا ماننے کے لائق ہے۔

حاصل : حکم تو اسی کا ماننے کے لائق ہے، جو معطیٔ مطلق ہے۔ شکر قول سے بھی ہو، عمل سے بھی ہو تو سچا ثابت ہوتا ہے۔ عمل سے شکر یہ ہے کہ شاہد کا اتباع ہر مقام پر مقصود رہے۔

وَإِذْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

اور جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور فرقان عطا فرمایا کہ تم ہدایت پاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے عطا فرمائی گئی۔ فرقان کی حقیقت خیر اور غیر میں فرق کرنا

ہے۔ خیر اور غیر میں فرق معلوم ہو، تو راہ راست پر رہنا ممکن ہوتا ہے۔ ورنہ عدوٌ مبین دوست کا لبادہ اوڑھ کر بھی جہنم رسید کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے بیان میں تضاد نہیں ہوتا۔ وہ معیار کے مطابق ہوتے ہیں، اس لئے معیاری ہوتے ہیں اور معیار ہوتے ہیں۔

حاصل : فرقان کا علم ہو تو ہدایت ہوتی ہے۔ خیر اور غیر کے مابین عملاً وقف رکھنا نہ آتا ہو تو نہ فرقان موجود ہوتا ہے نہ ہدایت ممکن ہوتی ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ ٱلْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، تم نے بچھڑے کو اخذ کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ اور اپنے آپ کو مار ڈالو۔ یہ تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر تم پر متوجہ ہوا۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے، تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ اور اپنے آپ کو مار ڈالو۔ اس کی حقیقت اپنی خواہشات کو مارنا ہے۔ اس طرح خواہش کا خاتمہ مقصود ہے جس کا اتباع صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کا باعث بنتا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو فرمانے کی تو سند موجود ہے، اور شکریہ ادا کرنے کا موقع دینے کی بھی شہادت موجود ہے۔ جس نے توفیق عطا فرمائی ہے، اس کی رضا کو مقصود بنا لیا جائے تو اس سے بہتر عمل اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس حکم کی ادائیگی کی گئی، تو اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی۔ معلوم ہوا کہ یہ حیاتِ دنیا ہی میں ہوا۔ اور توبہ قبول کرنے والے رحم فرمانے والے کی شان بنی اسرائیل کے مشاہدے میں آئی۔ اگر سزا کے طور پر قتل کرنا مانا جائے، تو یہ بات فرمانِ خداوندی کے مطابق نہیں ہے۔ حکم دوسروں کو مارنے کا تو نہیں ہے۔ اور ایک دوسرے کو مارنے کا بھی نہیں ہے۔ حکم تو اپنے آپ کو مارنے کا ہے۔

حاصل : ظالم اپنے ظلم کو قطع کرے تو اس کی حقیقت اپنے آپ کو مارنا ہی ہے۔ پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ اس کی رضا کے مطابق اس کی توفیق کو استعمال کیا جائے۔ ہمیں بھی لوگوں کو معاف کرنا چاہئے اور ان پر رحم کرنا چاہئے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ

اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ اعلانیہ

لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اللہ کو دیکھ لیں، تو تمہیں زلزلے نے پکڑ لیا اور تم دیکھ ہی رہے تھے۔

جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے، انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو اللہ کو دیکھ کر ہی آپ پر ایمان لائیں گے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننے کا ثبوت تھا۔ ورنہ جس کی معیّت کی بدولت انہیں آلِ فرعون کی بری مار سے نجات ملی تھی، جس کی بدولت انہیں زمین میں خلافت ملی تھی، اس کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کرنا ماننے والوں کی شان کے تو لائق ہی نہیں تھا۔ اس گستاخی پر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ اور وہ قدرتِ خداوندی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

حاصل : جو صاحبانِ حال کو ماننے کے بعد ان کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کرنے کی کوشش کرے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہو جاتی ہے۔ اور وہ قدرتِ خداوندی کے مقابل اپنے عجز کو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر مرنے کے بعد ہم نے تمہیں اٹھایا کہ تم شکر کرو۔

زلزلے میں مبتلا ہو کر مر جانے والے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید مہلت مل جانے کا شکریہ ادا کریں، اور فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش و تجویز کو داخل کرنے سے بچیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی مہلت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ جب مزید توفیق عطا ہو تو مزید شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور تم پر ہم نے ابر کا سایہ کیا۔ اور تم پر من و سلوٰی نازل فرمایا۔ کھاؤ طیّبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے۔ اور انہوں نے ہم پر ظلم نہ کیا، ولیکن اپنے اوپر ہی ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے لئے نئی زمین پر سائے کا ہونا اللہ کی بہت بڑی نعمت تھی۔ من و سلوٰی اس رزق کو کہتے ہیں جو بلا سبب عطا ہو۔ طیّبات وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ٹھہرایا گیا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی تجویز میں پڑتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ جس کا امر ذاتی غرض و غایت سے پاک ہو، اور فلاح کی سند کے ساتھ ہو، اس کے منکر کو ہی نقصان ہوتا ہے، صاحبِ امر کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حاصل : سایہ بڑی نعمت ہے۔ بلا سبب ملنے والا رزق من و سلوٰی ہے۔ جس کا امر خواہش سے

پاک ہو، غرض و غایت سے پاک ہو، اس کے منکر کو ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

اور جب ہم نے فرمایا، اس قریئے میں داخل ہو، اور اس میں سے کھاؤ جہاں سے چاہو، اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور عرض کرو، حِطَّۃٌ۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے، اور محسنین کو اور زیادہ دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کے ساتھ ہی مقام بھی عطا ہوتا ہے۔ اس کے آداب بھی واضح فرمائے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو جس قریئے میں داخل ہونے کا امر دیا گیا، اس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے، حِطَّۃٌ کہنے کا حکم تھا۔ مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا اس لئے اس کا ادب بھی لازم تھا۔ حِطَّۃٌ کہنے سے بخشش مانگنا مراد تھا۔ فرمانِ خداوندی کو ماننے والے اپنے اوپر احسان کرتے ہیں۔ ان سے دوسروں کو بھی سکھ ملتا ہے۔ ایسے لوگوں پر مزید عطا ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے مقامات لائقِ احترام ہوتے ہیں۔ حکمِ خداوندی کی تعمیل عطائے مزید کا باعث بنتی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۳

تو ظالموں نے قول جو انہیں فرمایا گیا تھا غیر سے بدل دیا۔ تو ہم نے ان پر آسمان سے رجز نازل فرمایا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

جو حکمِ خداوندی میں اپنی خواہش کو شامل کرتا ہے، وہ ظالم ہوتا ہے۔ اس پر اس کے فسق کی بدولت عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کی کوئی تجویز اس کے کام نہیں آتی۔ فاسق کو اس لئے ہدایت نہیں ہوتی کہ اس کو ہادی سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ اصول پسند تو ہو سکتا ہے، جس سے اصول بنتا ہے اس سے محبت نہیں رکھتا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش کا شامل کرنا باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ حق کے ساتھ اپنی تجویز ملانے کا نام فسق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ

كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

[ایمان والے فی سبیل اللہ قتال کرتے ہیں اور کافر فی سبیل الطاغوت قتال کرتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے قتال کرو۔ بے شک شیطان کا داؤ ضعیف ہے۔]

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا، تو ہم نے فرمایا، اپنے عصا سے پتھر پر ضرب لگائیے۔ پھر اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے، اور زمین میں فساد نہ اٹھاتے پھرو۔

بنی اسرائیل کے لئے آلِ فرعون سے نجات پالینے کے بعد کئی مسائل تھے۔ پانی سب سے اہم رکن ہے انسانی زندگی میں۔ مصنوعی پانی کبھی طبعی پانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔ پھر اہمیت کی حد یہ ہے کہ نباتات کو چشمے کا پانی دیا جائے تو بار آور ہوتی ہیں، اور اعمال کی کھیتی کو چشم کا پانی دیا جائے تو بار آور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعام کا ذکر کیا جارہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے لئے پانی کی دعا کی۔ اسے قبولیت بخشتے ہوئے جواب یہ دیا گیا کہ اپنا عصا پتھر پر ماریئے۔ تعمیلِ حکم سے اس میں بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اس قوم کے بارہ قبیلوں کا ثبوت بھی اسی بات سے ملتا ہے کہ ہر ایک نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ رزق بے سبب عطا ہو رہا تھا، پانی کے چشمے بھی عطا ہو گئے، کھانے اور پینے کے کام میں اب کوئی خوف تھا نہ ڈر۔ اس نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ جس کی بدولت یہ عطائے بے بہا ہوئی تھی، اس کی معیت کی قدر کی جائے۔ اس کے فرمان کو تسلیم کیا جائے۔ اس کی تعظیم کی جائے۔ اس سے محبت رکھی جائے۔ اور کسی مقام پر اس کی اطاعت و اتباع میں خواہشِ نفس کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ اسی کے فرمان کو مانا جائے تو اعتدال برقرار رہتا ہے۔ جہاں انسانی خواہشات کو اللہ کے فرمان سے ملانے کی کوشش کی جائے فساد اٹھنے لگتا ہے۔

حاصل : صاحبانِ حق کی دعا کی بڑی شان ہے۔ جس کی معیت سے انعام ملا ہو، اس کی اطاعت و اتباع باعثِ فلاح ہے، اس کے فرمان میں اپنی تجویز کو داخل کرنا باعث فساد ہوتا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم سے طعامِ واحد پر صبر نہ ہو گا۔ تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزوں سے ہمارے لئے ترکاری اور ککڑی

بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ ٭ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۲

اور گیہوں، مسور اور پیاز نکالے۔ فرمایا، کیا بہتر کو ادنیٰ سے بدلنا چاہتے ہو۔ اترو مصر میں، وہاں تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا۔ اور ان پر ذلّت اور ناداری ڈالی گئی، اور اللہ کے غضب میں پھرے۔ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں سے ناحق لڑتے تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھنے والے تھے۔

بنی اسرائیل جب توکّل کی حد کو پھلانگ گئے تو یہ کہنے لگے، ہم سے ایک طعام پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ نباتات سے ہمارے لئے ترکاری، اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز نکالے۔ جہاں سے توکّل جاتا رہے، وہاں مشقّت ضرور آ جاتی ہے۔ توکّل کی صورت سے جو عطا ہو وہ بہتر ہے۔ اپنی خواہش سے جو چاہا جائے وہ ادنیٰ ہے۔ ادنیٰ کے ساتھ مشقّت لازم ہے۔ جب توکّل موجود نہ رہے تو مقام بھی بدل جاتا ہے۔ اس لئے اپنی تجویز کو فرمانِ خداوندی پر ترجیح دینے والوں کو ان کی چاہت کی بدولت مشقّت میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان پر ذلّت بھی سوار ہو جاتی ہے، ناداری بھی مسلّط ہو جاتی ہے۔ ذلّت اس لئے کہ معیّتِ حق کی بجائے وہ اشیاء کی چاہت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ناداری اس لئے ہوتی ہے کہ خواہشات بڑھتی رہتی ہیں، اور جو بھی موجود ہو وہ خوف کی وجہ سے کم ہی نظر آتا ہے۔ یہ اللہ کا غضب ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار نبی سے عملاً لڑائی ہے کہ اللہ کا فرمان نبی سے عطا ہوتا ہے۔ نبی اس فرمان کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ فرمان کا انکار ہی صاحبِ فرمان کی نفی کی حقیقت رکھتا ہے۔ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱:۴۰﴾ [بے شک ہم یقیناً اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں اور ایمان والوں کی، حیاتِ دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے]۔ اللہ تعالیٰ ہی خیر النّاصرین ہے۔ جس کا اللہ ناصر ہو اس کا خاتمہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ پھر قتل کے معنی بہرحال ختم کرنے اور مارنے ہی کے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۳۰:۹﴾ [اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔] نبی سے لڑنا ہی قتلِ ناحق ہے۔ یہ نافرمانی ہے اور حد سے تجاوز ہے۔ اس کا حاصل اللہ کا غضب ہے۔

حاصل : توکّل کا خاتمہ مشقّت کا بلاوا ہوتا ہے۔ توکّل سے جو عطا ہو وہ بہتر ہے۔ چاہت سے جو حاصل ہو وہ ادنیٰ ہے۔ فرمانِ ربی کے عملاً انکار کی حقیقت فرمان پہنچانے والے کا قتلِ ناحق ہے۔

اور اس سے قطع تعلق ہے۔ اس کا حاصل اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ پھر ذلّت اور ناداری اللہ کے غضب کی صورت سے مسلّط ہو جاتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے :

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ يَقُصُّونَ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِي فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۳۵

[اے بنی آدم جب تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں، تم پر میری آیتیں پڑھیں، تو جو پرہیزگاری کرے اور اصلاح لے تو ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ انہیں حزن ہو گا۔]

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَٱلَّذِينَ هَادُواْ وَٱلنَّصَٰرَىٰ وَٱلصَّٰبِـِٔينَ مَنۡ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَعَمِلَ صَٰلِحٗا فَلَهُمۡ أَجۡرُهُمۡ عِندَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۶۲

بے شک ایمان لانے والے اور یہودی اور نصرانی اور صائبین میں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور صالح عمل کرے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر خوف ہو اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان لانے والے قولِ حق کو مانتے ہیں۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعویدار ہیں۔صابئین بھی حق کو ماننے کے دعویدار ہیں۔ مومن ہونے کی اہلیت کے اعتبار سے یہ سب ایک سے ہیں۔ جو بھی ان میں سے حال پر حق کو مانے، اللہ کے محبوب کو شاہد بنائے اور صالح عمل کرے. وہ صاحبِ فلاح ہے۔ اللہ کے محبوب کے اتباع کی حقیقت صالح عمل ہے۔ صورت کوئی ہو، اتباع سوائے محبت کے ممکن ہی نہیں۔ محبت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کو عطا فرمائی گئی ہے۔ جو حال پر سچے ثابت ہو جاتے ہیں، انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اللہ کے محبوب کی حب سے انہیں یہ علم عطا ہوتا ہے کہ رب العالمین انہیں علم سے پالتا ہے۔ سعی کرنا بندے کے ذمے ہے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور جو قادرِ مطلق کی طرف سے ہو، اسی میں حکمت ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ اپنے آپ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کی خدمت میں لگے رہتے ہیں، کہ توفیق منشائے خداوندی کے مطابق استعمال ہوتی رہے اور اسی صورت میں اس دنیا سے واپسی ہو۔ اس مستقر اور متاع کو ایک وقت تک برتنے میں اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ معیار سامنے رہے اور نفسِ امارہ کے امر کا انکار ہوتا رہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے محبوب سے محبت کی اہلیت سب کو دی گئی ہے۔ جو محبت رکھے گا، اسی کے اعمال صالح ہوں گے۔ وہی سچا ثابت ہو گا، اور اسے ہی خوف و حزن سے نجات ملے گی۔

وَإِذۡ أَخَذۡنَا مِيثَٰقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ ٱلطُّورَ خُذُواْ مَآ ءَاتَيۡنَٰكُم بِقُوَّةٖ وَٱذۡكُرُواْ مَا فِيهِ

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا، اور تم پر طور کو بلند کیا۔ جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں اسے قوّت سے پکڑو، اور جو اس میں ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

اسے یاد رکھو، تاکہ تم پرہیز گار رہو۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر گئے تھے۔ وہاں انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو بن دیکھے خدا کو نہیں مانیں گے۔ انہیں زلزلے نے پکڑ لیا۔ پھر موت کے بعد انہیں زندہ کیا گیا۔ کتاب عطا ہوئی اور اس کے ماننے کا میثاق ان سے لیا گیا۔ تجویز اور خواہش میں جلد مبتلا ہو جانے والی قوم حق سے گریز کا پہلو تو پہلے ہی سامنے رکھتی تھی۔ فرمانِ خداوندی کے انکار کے انجام کا نقشہ بھی انہیں وہیں دکھا دیا گیا۔ یہ عطائے خداوندی کو قوت کے ساتھ پکڑنے کے لئے انہیں درکار تھا۔ یہ جبر و اکراہ نہ تھا کہ کتاب تو وہ لینے کے لئے گئے تھے۔ فرمانِ خداوندی انہیں جبراً نہیں دیا گیا۔ مگر میثاق پر پورا نہ رہنے کا انجام وہیں دکھا دیا گیا کہ یہ فرمان پر پورے رہیں۔ جو اس میں ہے اسے یاد رکھیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کامل محبت رکھیں، اس سے انہیں یہ شرف حاصل ہو جائے گا کہ یہ غیر اور غرور سے بچے رہیں گے۔ یہی پرہیز گاری ہے۔

حاصل : زبردستی کسی کو کچھ منوانا حق نہیں، لیکن تسلیم پر پورا نہ رہنے کے انجام سے آگاہ کرنا بڑا حق ہے۔ اس سے بہ قوت حق پر رہنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ فرمان سنانے والے سے محبت ہو تو فرمان یاد رہتا ہے۔ فرمانِ حق یاد ہو تو غیر سے بچاؤ رہتا ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

پھر اس کے بعد تم پھر گئے۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، یقیناً تم خاسرین سے ہوتے۔

فرمانِ خداوندی کے انکار کے انجام سے آگاہی کے باوجود بنی اسرائیل میثاق سے پھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل اور رحمت سے ڈھیل دی۔ ورنہ ان لوگوں کے خسارے میں مبتلا ہونے میں کیا کسر تھی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ بڑی رحمت والا ہے۔ اپنے بندوں کو ڈھیل دیتا ہے۔ ہمیں بھی سزا دینے سے پہلے اپنے مخالف کو مزید مہلت دینے کا حق ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جس کے ساتھ زیادتی ہو، معاف کرنے کا اختیار بھی اسی کو ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ ج

اور بے شک تمہیں معلوم ہے، وہ جنہوں نے سبت میں حد سے تجاوز کیا، تو ہم نے فرمایا ان سے ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

بنی اسرائیل کو ہفتے کے روز مچھلی کے شکار سے منع فرمایا گیا تھا اور اللہ نے ان سے پختہ میثاق لیا تھا۔ جب ان لوگوں نے اپنی خواہشات کے اتباع میں حکم خداوندی کی حد سے تجاوز کیا، تو اللہ کا امر ہو کر رہا۔ یہ لوگ عذابِ خداوندی کی بدولت معنوی

صورت میں آ گئے۔ بندر کی حقیقت ہوتی ہے نقل کرنا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگنا۔ جو لوگ فرمان خداوندی کے مطابق رہتے ہیں، وہی بندے ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ بظاہر انسان بھی ہوں تو حقیقتاً اپنی اپنی خواہشات کے مطابق جانور صفت ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً قوم کے دشمن کی حقیقت کتا ہوتی ہے۔ زانی کی حقیقت خنزیر ہی ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان فرمانِ خداوندی کی حدود سے تجاوز کر جائے، تو وہ اپنی بری صفتوں کے مطابق صورت بدل لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دھتکار دیا جاتا ہے۔

حاصل : حد سے تجاوز کرنے والا جیسی خواہش رکھتا ہو، اسی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ صورتِ انسانی کی قدر کرنی چاہئے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

پھر ہم نے اسے عبرت ٹھہرایا ان کے لئے جو وہاں تھے، اور جو پیچھے آنے والے تھے۔ اور متقین کے لئے موعظت۔

اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے، حال پر دیکھنے والوں کے لئے بھی باعثِ عبرت ہوتے ہیں اور پیچھے آنے والوں کے لئے بھی۔ متقین کے لئے یہی وعظ ہے، وہ اپنی خواہشات کے اتباع سے پرہیز کرتے ہیں۔

حاصل : حدود اللہ سے تجاوز عبرتناک ہوتا ہے۔ متقین حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، بے شک اللہ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا امر کرتا ہے۔ کہنے لگے آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی پناہ کہ جاہلوں سے ہوں۔

بنی اسرائیل نے فرمانِ خداوندی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت سے مانا ہوتا تو یہ لوگ روشنی کے مینار ہو جاتے۔ یہ لوگ صرف اصول پسندی کی حد تک ہی رہے ہیں۔ اصول کے معلم سے محبت انہیں کم ہی ہوئی ہے۔ اس قوم میں ایک قتل ہوا۔ اس کے چھپانے والے ہی دعویدار بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں گزارش پیش کی گئی اس کے حل کے جاننے کے لئے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا امر کرتا ہے۔ بچھڑے کی پرستش کے خاتمے کے ساتھ گائے کے تقدس کا خاتمہ بھی ضروری تھا۔ اس لئے اس میں بڑی حکمت تھی۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب کو سن کر یہ کہا، کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ کی پناہ، میں جاہلوں سے نہیں ہوں۔ مذاق شوکتِ نفس کے لئے ہوتا ہے یا کسی کو نقصان پہنچانے کی نیت سے، یہ دونوں امور جہالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ کی پناہ پکڑنے والے جو بھی فرماتے ہیں، اس میں حقیقت جلوہ گر ہوتی ہے۔

حاصل : امرِ خداوندی میں حکمت یقیناً ہوتی ہے۔ اللہ کے محبوب بندے مذاق نہیں اڑاتے۔ مذاق کرنے والے جاہل ہوتے ہیں۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

عرض کرنے لگے۔ اپنے رب سے دعا کیجئے، کہ وہ ہمیں بتا دے کہ وہ گائے کیسی ہے۔ فرمایا اس کا ارشاد ہے، کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہے نہ نویل، اس کے درمیان ہے، تو کرو جو امر تمہیں ہوا ہے۔

بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا امر ہوا، تو وہ عرض کرنے لگے، ہمیں یہ بتا دیجئے کہ وہ ہے کیسی۔ جواب میں یہ ارشادِ خداوندی سنایا گیا، کہ وہ نہ تو بوڑھی ہے نہ نویل۔ درمیانی عمر کی ہے۔ تو جس کا امر ہوا ہے وہ کر گزرو۔ امر ہونے کے بعد سوچ بچار میں پڑ جانا نفس کا کارن ہے۔ جو لوگ زیادہ پوچھ گچھ کرتے رہتے ہیں، وہ عمل سے سچا ثابت ہونے کے لئے دیئے گئے وقت کو بے دریغ گنواتے رہتے ہیں۔

حاصل : امر ہو جانے کے بعد سوچ بچار سے بچنا بڑا ضروری ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾

عرض کرنے لگے، اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتا دے اس کا رنگ کیسا ہے۔ فرمایا اس کا ارشاد ہے، بے شک وہ ایک پیلی گائے ہے، دیکھنے والوں کو اس کا رنگ سرور دیتا ہے۔

امرِ خداوندی کی وضاحت میں پڑ جانے والے سوالات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عمر کی وضاحت ہو جانے کے بعد اس کا رنگ پوچھتے ہیں۔ رنگ بھی روشن فرما دیا جاتا ہے کہ وہ زرد ہے، اور نظر کو بھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علم والا ہے، اس سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ جو گائے ان کے من کو بھاتی تھی، اسی کے ذبح کرنے کا امر ہو رہا تھا۔ عمر کی وضاحت سے بھی یہ بات کھل تو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات پوری ہوتی ہے۔ اس قوم کے پاس اس وقت جو گائیں تھیں، ان میں سے ایک ہی اس درجے میں آتی تھی۔ مگر ان لوگوں کا سرور انہیں روکے ہوئے تھا۔

حاصل : امرِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے سرور کو راستے میں حائل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا

عرض کرنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے

مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ۝۷۰

کہ وہ ہم پر روشن فرما دے کہ وہ گائے ہے کیسی۔ بے شک ہمیں اس میں شبہ پڑا ہوا ہے، اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پا لیں گے۔

بنی اسرائیل کو وضاحت طلب کرتے کرتے شبہ پڑ گیا اور انہوں نے ہر وضاحت کو علامتِ مشترکہ جانا۔ اب اور پوچھنے کو تو کچھ نہ تھا اس لئے سوال گول مول سا تھا، کہ وہ ہے کیسی، اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی نیّت کو بھی بیان کرنے لگے۔ امرِ خداوندی جب حال پر ہو رہا ہو، تو اس کی حقیقت ہی روشنی ہوتی ہے، اور اس سے شبہات کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس سے شبہ اسی کو ہوتا ہے جسے روشنی در کار نہ ہو۔

حاصل : جس کا دل کسی شے سے لگا ہوا ہو، وہ اسے قربان کرنے سے گریز کرتا رہتا ہے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝۷۱ ع ۸/۱۰/۸

فرمایا، اس کا ارشاد ہے کہ وہ ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، کہ زمین کو جوتتی ہو، یا کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ بے عیب ہے، اس میں کوئی داغ نہیں۔ کہنے لگے، اب آپ پوری بات لائے ہیں۔ پھر اسے ذبح کیا اور وہ ایسا کرتے لگتے نہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشادِ خداوندی کے مطابق اس کی مزید وضاحت فرما دی، کہ وہ گائے نہ تو زمین کو جوتتی ہے۔ نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے، بے عیب ہے۔ اس میں کوئی داغ نہیں، اب تو اس کی طرح کی کوئی دوسری تھی ہی نہیں۔ جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو کہنے لگے، اب آپ پوری بات لائے ہیں۔ اس کو اگر سچ کہا جائے تو پہلے جو فرمایا گیا تھا، وہ کس زمرے میں آئے گا۔ وہ علامات بھی تو اسی گائے کی تھیں۔ مزید کسی سوال کی گنجائش نہ رہے اور گریز کی بھی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ تو پھر مجبوراً ماننا پڑتا ہے۔ اس گائے کو ذبح کیا، مگر وہ ایسا کرتے لگتے نہ تھے۔

حاصل : جو لوگ کسی شے کے ساتھ دل لگا لیتے ہیں، وہ اسے قربان نہیں کرتے جب تک گریز کی کوئی صورت ممکن ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝۲۵

[اور اللہ دار السلام کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔]

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

اور جب تم نے ایک نفس کو قتل کر ڈالا، پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے، اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے۔

بنی اسرائیل میں ایک قتل ہو گیا۔ قاتلوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دوسروں پر تہمت لگانی شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مشکل پیش کی گئی۔ آپ نے بہ امرِ خداوندی فرمایا "ایک گائے ذبح کرو، اس گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے مقتول کو ضرب لگاؤ"۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ظاہر کرنے والا تھا جس کو یہ لوگ چھپا رہے تھے۔ جس دل میں اللہ کے محبوب کی محبت نہ ہو، اس میں غیر کے چھپنے چھپانے کی جگہ موجود رہتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چھپے کو ظاہر کرنا چاہے، تو حالات ہی ایسے ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرتے ہی بنتی ہے۔

حاصل : ناصح سے محبت نہ ہو تو غیر کے چھپنے چھپانے کی جگہ اندر موجود رہتی ہے۔ جسے اللہ ظاہر کرنا چاہے، اسے کسی کی کوئی کوشش چھپا کر نہیں رکھ سکتی۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

تو ہم نے فرمایا، اسے اس کے ایک ٹکڑے سے ضرب لگاؤ، اللہ اسی طرح مردے زندہ کرے گا، اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

بنی اسرائیل کے مقتول کو ذبح شدہ گائے کے ایک ٹکڑے سے ضرب لگانے کا امر ہوا۔ اللہ نے اس مردے کو زندہ کر دیا۔ جس بات کو وہ لوگ چھپانا چاہتے تھے، وہ ظاہر ہو گئی۔ جب کسی حلال جانور کو ذبح کر لیا جائے تو وہ طیّب ہو جاتا ہے۔ اس قدر پاک ہو جاتا ہے کہ اس کی پاکی کو کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ جس چیز کے ساتھ کسی کا دل لگا ہوا ہو، اس کو اللہ کی راہ پر لگا دینے سے لگانے والے کا راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ وہاں کچھ چھپا نہیں رہ سکتا۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ عقل کرنے والے جانتے ہیں، اشیاء سب ان کے لئے ہیں، وہ اشیاء کے لئے نہیں ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

حاصل : دل اللہ کے محبوب سے لگانا چاہئے۔ اس سے جو علم عطا ہوتا ہے، وہ اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

پھر اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور پتھروں سے تو کچھ وہ ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں، اور کچھ

يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾

وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے، اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ اس سے غافل نہیں ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اس مشاہدے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، چاہئے تو یہ تھا کہ دل میں غیر کا مقام ہی نہ رہے۔ محبت سے وہاں اس قدر نور پیدا ہو کہ غیر کا وہاں گزر ہی نہ رہے۔ اور بندہ اشیاء کا مطلوب بن کر رہے۔ اس قدر نرم ہو کہ اللہ کی رضا کو بصد ادب قبول کرے۔ مگر ہوا یہ کہ ان کے دل مزید سخت ہو گئے۔ اشیاء کی مُحبت میں پھنسے ہوئے لوگ پتھر دل ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ پتھر تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جائیں تو ان سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جائیں تو ان سے پانی نکلتا ہے۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب وہاں کسی اللہ کے پیارے پر قرب کی بدولت ڈر کا مقام آ جاتا ہے، تو اس ڈر سے پتھر ٹوٹ کر گر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ نتیجہ اسی کے ہاتھ ہے۔ جو اس کے فرمان کے خلاف بھی کرتے ہیں. ان کے ہاں بھی نتیجہ باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ پھر خلافِ حق کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ یہ تو محض خسارہ ہی خسارہ ہوا۔

حاصل : ناصح سے محبت ہو تو دل نرم ہوتا ہے، ورنہ سخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ ہمارے عمل میں رخ خیر کا ہو تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت ہے۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

اب کیا یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہیں مانیں. اور ان کا ایک فریق تو وہ تھا کہ کلام اللہ سنتے پھر اس کو جان لینے کے بعد اس میں تحریف کرتے، اور انہیں معلوم تھا۔

ایمان والوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ بنی اسرائیل تمہیں مانیں. اور ان کا ایک فریق تو وہ تھا کہ اللہ کے کلام کو سن کر اور اسے بوجھ لینے کے بعد وہ جان کر اس میں تحریف کرتے۔ ان کا منشاء تو اپنی خواہشات کا اتباع ہے۔ صاحبِ حق کی پہچان میں انہیں کوئی شک نہیں۔ جب منشاء ہی اپنی خواہشات کا اتباع ہو تو خیر والوں کے ماننے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : جو حق میں اپنی خواہشات کو ملانے والا ہو. وہ صاحبانِ حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں، کہتے

وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوٓا۟ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾

ہیں : ہم ایمان لائے، اور جب ایک دوسرے کے پاس خلوت میں ہوں کہتے ہیں : تم ان سے کیوں باتیں کرتے ہو جو تم پر اللہ نے کھولا ہے کہ تم پر تمہارے رب کے یہاں حجّت لائیں، کیا عقل نہیں کرتے۔

بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔ اور جب خلوت میں ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تو اپنے ساتھی ایمان لانے کا دعویٰ کرنے والوں کو کہتے ہیں، تم ان لوگوں کی تصدیق کرتے ہوئے وہ باتیں کہہ جاتے ہو جو تم پر اللہ نے کھولی ہیں، اس طرح حال کے ماضی کی شہادت سے سچا ثابت ہونے کا مقام ہمیں پر حجّت بن جاتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کی شان یہ ہے کہ اس میں تضاد بھی نہیں، اختلاف بھی نہیں۔ اس لئے جہاں بھی کوئی ماضی سے حال کی تصدیق کرے گا، وہ خود سچا ثابت ہو گا۔ جو اس کے خلاف کرے گا، وہ جھوٹا ثابت ہو گا۔ فرمانِ خداوندی تو سچا ہی ہے اور سچا ہی رہے گا۔ نقصان تو تحریف کرنے والوں کا ہی ہوا کرتا ہے کہ خواہش کے متوالے حق کی تائید و تصدیق کو بے عقلی سمجھتے ہیں۔

حاصل : حق کی تصدیق کرنے والے، حق کی تصدیق نہ کرنے والوں کے نزدیک بے عقل ہوتے ہیں کہ اپنی تصدیق سے خود ہی اپنے اوپر حجّت لے آتے ہیں۔ حق کی جان بوجھ کر تصدیق نہ کرنا ہی بے عقلی ہے۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

کیا انہیں معلوم نہیں، کہ اللہ کو علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں، چاہے وہ چھپایا جائے چاہے ظاہر کیا جائے۔ پھر جس بات کو اللہ ظاہر کرنا چاہے، اسے کسی سے اجازت نہیں لینی پڑتی۔ اس کی صورت اللہ کے اذن سے خود بخود بن جاتی ہے، اور کسی کی کوشش اس حق کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

حاصل : اندر بھی اللہ کی رضا موجود رہنی چاہیئے، باہر بھی اللہ کی رضا موجود رہنی چاہیئے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

النصف

اور ان میں کچھ اُمّی ہیں کہ کتاب کا علم نہیں رکھتے، مگر پڑھ لینا، اور وہ ظن ہی میں ہیں۔

بنی اسرائیل ہی کی بات ہو رہی ہے کہ ان میں کچھ اُمّی ہیں کہ کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ پڑھ لینے سے بھی علم نہیں ہو جاتا۔ ظن میں مبتلا ہونے سے بھی علم نہیں ہو جاتا۔ علم تو معلّم کی حب سے آتا ہے۔ کتاب کا علم ہو تو بہترین راستے کے یقینی علم کی بدولت خسارے کی طرف جانا ممکن ہی نہیں رہتا۔

حاصل : علم معلّم کی حُبّ سے عطا ہوتا ہے، پڑھ لینے سے یا گمان کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۹﴾

تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے، کہ اس سے قلیل دام حاصل کریں۔ تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے، اور خرابی ہے ان کو اپنی کمائی سے۔

یہ انہی امیوں کا ذکر ہے بنی اسرائیل کے، جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر تحریف کرتے ہیں اور اس میں اپنی خواہشات کو داخل کرتے ہیں۔ انہیں کتاب کا علم نہیں۔ یہ صرف اسے پڑھنے کی چیز جانتے ہیں، اور اپنی خواہشات کے پیشِ نظر قلیل دام لینے کو، کلام کے مواضع بدل دیتے ہیں۔ منشا یہ ہوتا ہے کہ ماضی سے حال کی تصدیق نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نازل فرمایا گیا ہے وہ تو فلاح کے لئے ہے۔ اس میں اپنی خواہشات کو شامل کر لیا جائے تو یہ فسق ہے۔ یہی گمراہی ہے۔ اس کا حاصل تضاد، اختلاف اور خوف و حزن ہیں۔ اور یہ سب مقام خرابی کے ہیں۔ جس کمائی کا حاصل ہی بے اطمینانی ہو، وہ کمائی خرابی سے تعلق رکھتی ہے۔

حاصل : جہاں فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہشات کو داخل کیا جائے، خرابی سوار ہو جاتی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ط قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

اور کہتے ہیں ہمیں تو آگ مس نہیں کرے گی مگر چند دن۔ فرما دیجئے : کیا تم نے اللہ سے عہد لے رکھا ہے۔ پھر تو اللہ ہر گز اپنے عہد کے خلاف نہیں کرے گا۔ یا اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

بنی اسرائیل کا یہ کہنا کہ انہیں آگ مس نہیں کرے گی مگر گنتی کے چند دن، یہ ان کا گمان ہے اور بے علمی پر مبنی ہے۔ ان

سے اللہ کا کوئی عہد تو نہیں۔ ان کا اللہ سے یہ عہد ضرور ہو چکا ہے کہ یہ اللہ کے ہو کر رہیں گے۔ مگر یہ اس کے خلاف کر رہے ہیں۔ ان کا رخ تو غیر کا ہے۔ اس لئے ان کے اعمال بھی غیر ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے علمی کا ثبوت ہے، کہ آگ انہیں مس نہیں کرے گی مگر چند دن۔ جب یہ لوگ حال پر ہی خرابی میں مبتلا ہیں، یہیں خوف و حزن انہیں گھیرے ہوئے ہے، تو آخرت میں ان کے ساتھ پیش آنے والی صورت کے بارے میں ان کا علم ناقص ہے۔

حاصل : بے سند بات بے علمی کا ثبوت ہوتی ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾

ہاں کیوں نہیں، جو برائی کمائے اور اس کی خطا اسے احاطہ کرے، وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو برائی کرے اور جان بوجھ کر حق کی تحریف کرے، اس میں اپنی خواہشات کو داخل کرے اور اس سے دام حاصل کرے، قلیل دام، وہ خسارے میں پڑے گا۔ وقتی فائدہ چھوٹی بات ہوتی ہے۔ اور دائمی فائدہ بڑی بات ہوتی ہے۔ برائی میں پڑنے والا وقتی فائدے کو ہی دیکھتا ہے۔ اور اس کی خطا اسے گھیر لیتی ہے۔ وہ ہر دم خوف و حزن میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ حال پر دوزخیوں کی یہ نشانی ہے۔ آخرت میں انہی لوگوں کی کمائی ان کے جلنے کا باعث بنے گی۔ جب ساری توفیقِ ایزدی فرمانِ خداوندی کی تکذیب پر صرف کر دی جائے، تو دائمی عذاب کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔

حاصل : جہاں خطا سے دل لگ جائے وہاں خطا احاطہ کر لیتی ہے، اور خطا کار کو حال پر پریشان رکھتی ہے، آخرت میں باعثِ عذابِ جہنم ہو گی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾ ع

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، وہی جنّت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ناصح سے محبت ہو تو ایمان کو صالح عمل کی شہادت سے سچا ثابت کرنے کا شرف ہوتا ہے۔ جو توفیقِ ایزدی کو رضائے خداوندی پر لگا دے، وہ حال پر جنّتی ہے، آخرت میں بھی جنّتی ہو گا۔ جو وقتی فائدے کو قربان کر کے دائمی فائدے کو پاتا ہے یا دائمی خسارے سے بچنے کے لئے وقتی نقصان کو قبول کرتا ہے، وہ عقل کرتا ہے۔

حاصل : ایمان دعویٰ ہے۔ صالح عمل کی شہادت جس دعوے کے ساتھ نہ ہو وہ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ محبّ کے لئے محبوب جہاں بھی ہو وہیں جنّت ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے :

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾

[فرما دیجئے اے اہلِ کتاب، تمہیں ہمارا کیا برا لگا، یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، اور اس پر جو اس سے قبل نازل ہوا، اور یہ کہ تم اکثر فاسق ہو۔]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قربیٰ اور یتاما اور مساکین کے ساتھ، اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر تم پھر گئے: سوائے تم میں قلیل کے، اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

بنی اسرائیل کو صراطِ مستقیم دکھایا گیا۔ رحمت اور برکت کا راستہ ان پر روشن فرمایا گیا۔ انعام یافتہ ہونے کی طریقت واضح فرمائی گئی۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ جو کچھ کیا جائے، اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، اور ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہو اس کو باذن اللہ جانا جائے۔ اس طرح مخلوق سے جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی خدمت کی جائے اور ان کی خدمت میں کوئی خواہش نہ چھپی ہوئی ہو۔ والدین کو اپنے ہاتھ سے کھلانا پلانا بہت ضروری ہے۔ ان کی خدمت سے ہی گھر میں مرکزیت قائم رہتی ہے۔ ورنہ شیرازہ بکھرتے دیر نہیں لگتی۔ قربیٰ کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے راستے میں آنے والی مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔ یتاما کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے بچوں کو پیار بھی نہ کیا جائے۔ یتیم کو آسرا دیا جائے، عملاً اس کی مدد کی جائے۔ اسے محض زبانی تسلی نہ دی جائے۔ اپنے بچوں سے اس کا درجہ بلند رکھا جائے۔ مساکین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی زندگی سے تعطل کو دور کر دیا جائے کہ ان کا کام چلنے لگے۔ لوگوں سے اچھی بات کہنے کی صورت یہ ہے کہ جس بات سے ہمیں سکھ پہنچا ہو، وہی انہیں کہی جائے۔ نماز میں کئے ہوئے عہد پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ زکوٰۃ سے مال اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل بنتا ہے۔ یہ احکامِ خداوندی جان لینے کے بعد، بنی اسرائیل میں سے قلیل لوگوں کے علاوہ سب پھر گئے۔ اور لغو سے اعراض کرنے کی بجائے حق سے اعراض کے مرتکب ہوئے۔

حاصل : اللہ کی عبادت، والدین کے ساتھ احسان، قربیٰ، یتاما اور مساکین کے ساتھ احسان، لوگوں سے اچھی بات کرنا، نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا یہ سب ہم پر حق ہے۔ اس سے اعراض باعثِ خسران ہوتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا کہ آپس میں خون نہ بہاؤ گے، اور نہ اپنوں کو اپنے

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

دیار سے نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔

بنی اسرائیل سے یہ میثاق لیا گیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کریں گے اور اپنوں کو ان کے گھروں سے نہیں نکالیں گے۔ بنی اسرائیل نے اس بات کا اقرار کیا۔ آپس میں خون نہ کرنے سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ لوگوں سے معاملہ فی سبیل اللہ ہو۔ اگر مصائب و آلام کا مقام آئے تو اسے کسی صورت کی طرف سے نہ سمجھا جائے۔ اسے باذن اللہ مانا جائے۔ مومن کو اس کے گھر سے نکالنا فرمانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے دشمنی کا ثبوت ہے۔

حاصل : کسی کا ناحق خون کرنا اور کسی کو ناحق اس کے گھر سے نکالنا، اللہ سے دشمنی کا ثبوت ہے۔ اللہ کے پیارے تو جو کرتے ہیں، رضائے الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

پھر تم اپنوں کو قتل کرنے لگے ہو۔ اور اپنے ایک فریق کو ان کے دیار سے نکالتے ہو، ان پر گناہ اور زیادتی میں مددگار ہوتے ہو، اور اگر وہ اسیر ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، اور ان کا اخراج تم پر حرام ہے۔ تو کیا کچھ کتاب کو مانتے ہو، اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ تو جو تم میں ایسا کرے اس کی جزا کیا ہے، مگر یہ کہ حیاتِ دنیا میں رسوا ہو، اور قیامت کے دن بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔ اور اللہ غافل نہیں جو عمل تم کرتے ہو۔

بنی اسرائیل میثاق پر پورا رہنے کا اقرار کر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے قتل اور گھروں سے اخراج سے فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ہی ثابت ہوتی ہے۔ جو لوگ زیادتی کرتے ہیں، ان کی مدد بھی یہی لوگ کرتے ہیں گناہ اور زیادتی میں۔ دوسری طرف یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر کوئی قیدی ہو کر آئے تو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہیں۔ کتاب اللہ تو ساری ماننے کے لئے ہے۔ اگر اس میں سے کچھ مانا جائے تو یہ حقیقتاً اپنی خواہش ہی کے اتباع کا ثبوت ہے۔ ایسا کرنے والے پر حیاتِ دنیا میں راحت کا مقام آتا ہی نہیں۔ وہ ایک خوف سے چھوٹتا ہے، تو دس اور گھیر لیتے ہیں۔ اس کی خطا ہی اسے گھیرتی چلی جاتی ہے۔ یہ حیاتِ دنیا

میں رسوائی ہے کہ یہ اقرار کر کے پھر چکے ہیں۔ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ جو ہو گا، انہی کے اعمال کا حاصل ہو گا۔ جہاں یہ جلیں گے، وہ عذاب اشد ہو گا۔ اللہ تو ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

حاصل : فرمان خداوندی کو پورا پورا مانا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذابِ اشد سے بچاؤ ممکن نہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾ ع

یہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے حیاتِ دنیا خرید لی۔ نہ ان پر عذاب میں تخفیف ہو گی، اور نہ ہی ان کی نصرت ہو گی۔

جو لوگ اللہ کی رضا کو اپنی چاہت پر قربان کر دیتے ہیں، وہ حیاتِ دنیا کو آخرت کے بدلے خرید لیتے ہیں۔ جو توفیق ان کے لئے دائمی راحت کا باعث ہو سکتی تھی، اسے وہ اپنے دائمی خسارے کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ ان کے اعمال غیر اور غرور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے عذاب میں کمی کا مقام نہیں آتا کہ وہ خواہشات کے اتباع میں بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ جب عمل ہی فی سبیل اللہ نہ ہو تو نصرتِ ایزدی کا مقام نہیں رہتا۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کو نظر انداز کرنا دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا ہے :

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

[فرما دیجئے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کی محبت نہیں رکھتا۔]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی۔ اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ اور روح القدس سے آپ کو تائید دی۔ تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے، جو تمہارے انفس کی خواہش نہیں، تو تم تکبّر کرتے ہو،

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾

تو ایک فریق کی تکذیب کرتے ہو، اور ایک فریق سے لڑتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ اس حکم کی ادائیگی کا عملی نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ ماننے کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، حکم حق کو سنا جائے، نمونے کو دیکھا جائے اور اس کے امر کے مطابق کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے در پے رسول بھیجے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اتباع میں یہ لوگ معیار تھے اور شاہد تھے۔ شاہد ہی بشارت و انذار کا علم رکھتا ہے۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو روشن نشانیاں عطا فرمائی گئیں۔ روشن نشانی وہ ہوتی ہے، جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے اور جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ روح القدس سے مدد کی حقیقت یہ ہے، کہ وہ لوگوں کو خواہشاتِ نفس سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کر دے۔ جہاں تعلق خواہشاتِ نفس سے ہو، وہاں اپنی پسند اور ناپسند کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ خواہشات کے تحت جو بھی کیا جائے گا اس میں تکبّر ضرور ہو گا، صورت کوئی ہو۔ تکبّر سے قولِ حق کا انکار ہوتا ہے، اور جب حق سے عملاً تعلق نہ رہے، تو یہ حدِ اصلاح سے گزرنے والی بات ہوتی ہے۔ مومنین کی نصرت کا حق تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رکھا ہے اس لئے وہ ضرور سرفراز ہوتے ہیں۔

حاصل : کتاب اللہ کی اور نمونہ اس کا محبوب ہے۔ یہ بہت ہی بڑی رحمت ہے۔ روشن نشانی ناقابلِ تردید شفا ہوتی ہے۔ خواہشِ نفس سے تکبّر ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اس سے حق کا انکار ہوتا ہے، قول سے بھی، عمل سے بھی۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور کہتے ہیں ہمارے قلوب پر غلاف ہیں، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی ہے، تو قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف ہے، منشا یہ ہے کہ ان کے قلوب پر شاہد کے کلام کا اثر نہیں ہو سکتا۔ ان کے انکار کی بدولت ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تو وہی لاتا ہے، جسے اپنی خواہشات کے اتباع سے نجات ہو۔ جس پر اس کی خواہش سوار ہو، وہ تو اپنی تجویز سے چھوٹتا ہی نہیں۔

حاصل : حق کا جان بوجھ کر انکار اللہ تعالیٰ کی لعنت کا باعث ہوتا ہے۔ لعنتی اصلاح کی حد سے گزر چکا ہوتا ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

اور جب ان کے پاس وہ کتاب آئی اللہ کی طرف سے، مصدّق ہے اس کی جو ان کے پاس ہے، اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ پھر جب ان کے پاس پہنچا،

كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

جس کو پہچان لیا تھا، تو اس کے منکر ہوئے۔ تو کافرین پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہودی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں اپنی کتاب میں دیکھتے تھے، ان کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ جب حضور کی تشریف آوری ہوئی، انہوں نے آپ کو پہچان لیا، تو اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ تکبّر کرنے لگے۔ اور منکر ہو گئے۔ یہ انکار بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ فرمانِ خداوندی تو تضاد سے پاک تورات کا مصدّق ہے۔ مصدّق کا انکار تو تورات کا بھی انکار ہوا۔ جو مان کر انکاری ہو جائے، اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اور یہ اصلاح کی حد سے دوری کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل : حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ مصدّق کا انکار ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے۔ مان کر انکاری ہو جانے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾

بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، کہ ضد سے منکر ہوئے اس کے جو اللہ نے نازل فرمایا، کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں سے جس پر چاہے نازل فرمائے۔ تو یہ غضب پر غضب کے مستحق ہوئے۔ اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جس انکار کی بنیاد سند پر نہ ہو، وہ بے سند ہوتا ہے۔ جو توفیقِ ایزدی سے انکار کو خریدتا ہے، وہ اپنے آپکو بری قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اس کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے فرمان کو نازل فرمائے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ اس لئے فرمان کو ادب سے ماننے والا مومن ہوتا ہے۔ اس کے فرمان میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کا انکار جب حال پر بھی ہو تو منکر اللہ کے غضب پر غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کافروں کے لئے ذلت ہے، حیاتِ دنیا میں بھی، آخرت میں بھی۔ اسباب کو مسبّب پر ترجیح دینا، اسباب کے چکر میں پھنس جانے کا باعث ہوتا ہے۔ یہ دنیا میں ذلت ہے۔ آخرت میں بھی انہیں ذلت و اہانت ہی نصیب ہوگی۔

حاصل : توفیقِ ایزدی سے انکار خریدنا بری قیمت پر بکنا ہے۔ اللہ کے فرمان میں اپنی تجویز کو داخل کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ مسبّب پر اسباب کو ترجیح دینا باعثِ عذاب مہین ہوتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

اور جب ان سے فرمایا جائے ایمان لاؤ جو

اللّٰہُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا وَیَکۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَہٗ ٭ وَہُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَہُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۱﴾

اللہ نے نازل فرمایا، کہتے ہیں : ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ اور باقی سے انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے۔ اس کا مصدّق ہے جو ان کے پاس ہے۔ فرما دیجئے پھر اس سے قبل انبیاء سے کیوں لڑتے تھے اگر تم مومن ہو۔

یہود سے جب یہ کہا جائے کہ اللہ کے فرمان پر ایمان لاؤ، تو وہ یہ کہتے ہیں، ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا، اس کے علاوہ کا ہم انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ اب اگر یہودیوں کے دعوے کو تسلیم کر لیا جائے، تو وہ لوگ انبیاء سابقین کا عملاً انکار کیوں کرتے رہے۔ یہ تو اس وقت بھی نہ ماننے کا ثبوت ہوا۔

حاصل : جو حال کو نہ مانے اس کا ماضی کو ماننے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اور بے شک موسیٰ (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر آپ کے بعد تم نے بچھڑے کو ٹھہرا لیا۔ اور تم ظالم تھے۔

بنی اسرائیل کے ماضی کو تسلیم کرنے کے دعوے کی حقیقت کھولی جا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام روشن نشانیوں کے ساتھ تمہارے پاس تشریف لائے، تمہیں بتایا کہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا جائے گا، زمین میں تمہیں خلافت ملے گی اور پھر اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ پھر تمہیں نجات ملی، دشمن غرق ہوئے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ یہ تو ظلم تھا۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ اس حال پر بھی تم لوگ ماننے والے نہ تھے۔

حاصل : جو حال کا انکار کرتا ہو، اس کے ماضی کے انکار کی سند بھی موجود ہوتی ہے۔ انکار کی بنیاد خواہشاتِ نفس ہے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا

اور جب ہم نے تم سے میثاق لیا اور تم پر طور کو بلند کیا۔ پکڑو جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں قوت سے، اور سنو۔ کہنے لگے ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور ان کے قلوب

وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

میں ان کے کفر کے سبب بچھڑا رچ رہا تھا۔ فرما دیجئے، کیا برا امر دیتا ہے تمہیں تمہارا ایمان، اگر تم مومن ہو۔

تورات کے نزول کے ساتھ بنی اسرائیل سے میثاق لیا گیا اور ان لوگوں نے اقرار کیا۔ اسی وقت انکار کا حاصل بھی ان لوگوں کے سامنے رکھا گیا۔ قوت سے فرمانِ خداوندی پر پورا رہنے کی تاکید کی گئی۔ سننے کا امر دیا گیا۔ اللہ کے امر کا سننا بڑا حق ہے کہ قادرِ مطلق وہی ہے۔ ان لوگوں نے فرمانِ خداوندی کو سن کر کہا، ہم نے سنا اور نہ مانا۔ اور ان کے قلوب میں تو بچھڑا رچ رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی تجویز کے ساتھ چپٹے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود یہ کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا۔ اگر یہ اس پر ایمان لاتے ہیں، تو کیا ان کا ایمان انہیں برا امر کرتا ہے۔ یہ تو محال ہے۔ اس طرح ان کا تورات کو ماننے کا دعویٰ بھی باطل ہوا۔

حاصل : منکرینِ حق کے اندر تضاد یقیناً ہوتا ہے۔ ان کے تضاد کو ان پر واضح کرنا بڑا حق ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾

فرما دیجئے، اگر دارِ آخرت تمہارے ہی لئے ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کے مقابل، تو موت کی تمنّا کرو اگر تم صادق ہو۔

یہود کہتے تھے، اور کہتے ہیں، کہ دارِ آخرت اور لوگوں کے مقابل ان کے لئے ہی ہے۔ اللہ کے نزدیک جنّت یہود ہی کے لئے ہے تو پھر موت کی تمنّا کریں۔ اس سے ہی ان کی صداقت کا ثبوت ملے گا۔ اسبابِ دنیا سے دل لگانے والوں کے لئے تو یہ بہت ہی مشکل ہے کہ اشیاء کی چاہت سے پاک ہو جائیں۔ یہ چاہت موجود ہو تو موت کی تمنا ممکن نہیں ہوتی۔ پھر دارِ آخرت میں فلاح کا ثبوت کیا ہوا۔

حاصل : دار آخرت میں فلاح پانے والے دنیا میں اللہ کی رضا کے مطابق رہتے ہیں۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

اور ہرگز اس کی تمنّا نہ کریں گے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے کے سبب، اور اللہ ظالمین کا علم رکھنے والا ہے۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والے اپنے برے اعمال کی بدولت کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ ظالمین اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ ان کی کسی تدبیر سے ان کا بچاؤ ممکن نہیں۔ ان کی تضاد بیانی بالکل واضح ہے۔ دارِ آخرت میں تو اپنے لئے راحت دیکھنے کے دعویدار ہیں اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے جان جاتی ہے۔ موت عاشق کے لئے وصال کا دروازہ ہوتی ہے، مجرم

کے لئے زبردست گرفت ہوتی ہے۔

حاصل : منکرینِ حق ظالم ہوتے ہیں، نفس کے غلام ہوتے ہیں، اس لئے موت کی تمنا نہیں کر سکتے۔

معانقہ ۲ عند المتقدمین ۱۲

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ ع ۱۰ / ۱۱

اور یقیناً تم انہیں حیات پر سب سے زیادہ حریص پاؤ گے۔ اور شرک کرنے والوں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کہیں ہزار برس عمر ہو اس کی۔ اور یہ عمر اسے عذاب سے دور نہ کرے گی۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

دارِ آخرت کے دعویدار تو حیات پر سب سے زیادہ حریص ہیں۔ اور ان شرک کرنے والوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار برس ہو۔ اتنی لمبی عمر بھی ان لوگوں کو عذاب سے دور نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ یہ تو فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی پر ہی وقت کو لگا رہے ہیں اور اس طرح عذابِ خداوندی کا سامان اکٹھا کر رہے ہیں۔ انہی کے اعمال کا حاصل ان پر مسلّط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔ جو ان کے اعمال کو ہر حال پر دیکھ رہا ہے وہی جزا دینے والا بھی ہے۔

حاصل : جس کا رخ غیر ہو، اس کی لمبی عمر اسے عذاب میں ہی بڑھاتی ہے۔ جو ہر حال میں دیکھ رہا ہے، وہی جزا دینے والا بھی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا ہے :

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾

[بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں عطا فرمائیں۔ اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے، تو بے شک اللہ کا عقاب بڑا ہے۔]

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

فرما دیجئے، جو جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہو تو اس نے تو اللہ کے اِذن سے اسے آپ کے قلب پر نازل کیا ہے، اس کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے ہے، اور مومنین کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔

ملائکہ کی شان یہ ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ اس لئے ان سے دشمنی امر دینے والے قادرِ مطلق سے دشمنی ہو گی۔ قرآنِ پاک کے نزول کا ذریعہ ہونا جبریل امین کی شان ہے۔ یہ اللہ کے اذن سے ہے۔ اور پہلی کتابوں کی جو انبیاء سابقہ پر نازل ہو چکی ہیں، تصدیق کرتا ہے۔ اب اس فرمان کا انکار اس ماضی کے انکار کو بھی ثابت کرے گا جس کو ماننے کا دعویٰ بنی اسرائیل کو ہے۔ ناماننے والوں کے لئے اس میں انعام رکھا ہے کہ ماننے والوں کو ہدایت و بشارت ملتی ہے۔ جو امرِ الٰہی کو مان لے اور شاہد سے محبت رکھے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ ہدایت والے کو بشارت ہوتی ہے کہ اسے فلاحِ دارین حاصل ہو گی۔

حاصل : امرِ الٰہی کے ماننے والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہے۔ حال سے ماضی کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو حق کو مان لیتے ہیں، ان کی اپنی تجویز ختم ہو جاتی ہے۔ وہ وہی کرتے ہیں، جو اللہ کے محبوب کرتے ہیں۔ اس لئے ہدایت بھی پاتے ہیں، بشارت بھی۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو کوئی دشمن ہو اللہ کا اور اس کے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکال کا، تو بے شک اللہ کافروں کا دشمن ہے۔

ملائکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ رسول وہی پہنچاتے ہیں، جو ان پر نازل ہوتا ہے۔ اسلئے ان کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اس طرح جبرائیل اور میکائیل کے بارے میں اگر کسی نے بے جا بات کی تو اس نے حق میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔ جن کی اللہ تصدیق کرتا ہے، ان کا انکار کرنے والا اللہ کو پسند نہیں ہوتا۔ جو اللہ کے پیاروں کا دشمن ہو، اللہ اس کا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنی یہی ہے کہ منکرین کے لئے ان کے برائی کے رخ پر ہونے کی بدولت انہیں نہ ہدایت ہوتی ہے، نہ نجات۔

حاصل : جو اللہ کے پیاروں کا دشمن ہو، اللہ اس کا دشمن ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں، اور ان کا انکار نہ کریں گے مگر فاسق۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمان بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس لئے کہ فرمان بھیجنے والا احتیاج سے پاک ہے۔ اس کا انکار وہی کرتا ہے، جو اپنی خواہشات کو حق میں داخل کرتا ہو۔ جو علیم مطلق کی مانتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے۔ جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے، وہ فاسق ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے قائم کئے ہوئے معیار کو نہ مانے، وہ فلاح کے راستے پر ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے، وہ فاسق ہوتا ہے۔

أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور کیا جب کوئی عہد کرتے ہیں، تو ان کا ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے، بلکہ ان میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔

عہد پر پورا رہنا صداقت کی سند ہے۔ جو لوگ خواہشات کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں، وہ جہاں صورتحال اپنی خواہش کے خلاف دیکھتے ہیں، عہد کو پھینک دیتے ہیں۔ بلکہ وہ مانتے ہی نہیں۔ ماننے کا دعویٰ تو صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ عمل سے اس کی شہادت ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ جب تک اصول سے تعلق کا دعویٰ ہو، آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اصول کے مالک سے تعلق ہو تو بے اعتبار نہیں ہوتا۔

حاصل : عہد کو پورا کرنا صداقت کی سند ہے۔ خواہشِ نفس کے ساتھ لگے ہوئے لوگ جہاں دیکھتے ہیں کہ عہد کا پورا کرنا ان کے نفع میں نہیں، وہ اسے پھینک دیتے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

اور جب ان کے پاس ایک رسول تشریف لائے اللہ تعالیٰ کے یہاں سے، ان کے پاس والی کی تصدیق کرتے ہوئے، تو کتاب والوں سے ایک فریق نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا، جیسے انہیں معلوم ہی نہ ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل آپ کو مانتے تھے۔ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خواہشات کی نظر سے دیکھا تو یہ نشانیاں بدلنے لگے۔ رسول ان کی کتاب کی تصدیق فرما رہے تھے۔ کتاب والوں کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا جیسے انہیں معلوم ہی نہ ہو کہ خاتم النبیین کی بشارت اور نشانیاں انبیاء سابقہ نے روشن فرمائی ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہش کو داخل کرتا ہو، وہ حق کو اپنے موقف کے خلاف پاتا ہے اس لئے پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے، اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں۔

حاصل : خواہش کے ساتھ لگے ہوئے لوگ جب حق کے اظہار کو اپنی خواہش کے خلاف دیکھتے ہیں، تو اسے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِينُ عَلٰى

اور اس کا اتباع کیا جو شیاطین ملکِ سلیمان میں پڑھتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام)

مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ
وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى
الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ
اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ
فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ
بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا
يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ
مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڞ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

نے کفر نہیں کیا، ولیکن شیاطین نے کفر کیا۔ کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے۔ اور وہ جو دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل میں اترا، اور وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے، حتیٰ کہ اسے کہہ دیتے کہ ہم محض فتنہ ہیں، تو تم کفر نہ کرو۔ تو ان سے سیکھتے وہ جس سے مرد اور اس کی عورت میں تفرقہ ڈالیں۔ اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو سوائے اللہ کے اِذن کے۔ اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں ضرر دے گا، اور نفع نہ دے گا۔ اور بے شک انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا۔ کہیں انہیں علم ہوتا۔

شیاطین کا اتباع وہی کرتے ہیں، جو خواہشات کے پیچھے لگتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جب شیاطین نے یہ کہنا شروع کیا کہ ان کی شان اسی سحر کی بدولت تھی تو بنی اسرائیل ان کے پیچھے لگے۔ صالحین نے ان کو ضرور روکا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے بھیجے ہوئے معیارِ حق تھے۔ ان کے ساتھ کسی برائی کا منسوب کرنا ممکن ہی نہیں۔ مخلص کی تو شان ہی یہ ہوتی ہے، کہ وہ نتائج کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے، اور توفیق کے مطابق اپنا حق ادا کرتا ہے۔ جو نتائج کو باذن اللہ نہ مانے وہ کافر ہے۔ اسی لئے شیاطین نے کفر کیا۔ سلیمان علیہ السلام پاک تھے۔ شیاطین لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور انہیں ان کی خواہشات کے جال میں پھنساتے تھے۔ اس طرح لوگ خیر سے دور ہوتے جاتے تھے۔ دوسری مثال بابل کے ہاروت اور ماروت کی ہے، جو اس سے الگ ہے۔ یہ دونوں فرشتے تھے، اور یہ دیکھنے کے لئے بھیجے گئے تھے کہ کون فرمانِ خداوندی کے مطابق رہتا ہے اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ وہ ہر ایک پر یہ واضح کر دیتے کہ وہ فتنہ ہیں اور سیکھنے کا طالب کفر نہ کرے۔ اب جو اس کے باوجود کفر کی طرف بڑھنا چاہتا وہ بڑھ جاتا۔ یہ لوگ مرد اور عورت میں تفرقہ ڈالنے کا علم سیکھتے۔ زن کو ظن تو رہتا ہی ہے اس لئے

شکوک میں اس کا مبتلا ہونا مشکل نہیں ہوتا۔ مرد بھی اگر خواہش میں مبتلا ہو تو تفرقے کا شکار ہو جاتا ہے۔ تفرقے میں مبتلا کرنے والے کی طرف سے تکمیلِ خواہش کی صورت تو دکھائی جاتی ہے، عملدر آمد اس کے ذمے نہیں ہوتا۔ لیکن نتیجہ وہاں بھی اللہ کے اذن سے ہی نکلتا ہے۔ اگر کوئی غیر کی طرف غرض و غایت سے بڑھے تو وہ اپنی خواہش کے مطابق نتیجہ پا لینے کی کوئی ضمانت نہیں رکھتا۔ لیکن رخ کے غلط ہونے کی بدولت وہ توفیقِ ایزدی کے خلافِ حق استعمال کی بناء پر گناہ گار ضرور ہو جاتا ہے، جس کی حقیقت ہی خسارہ ہے، نفع نہیں ہے۔ جو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو اللہ کی رضا کے خلاف استعمال کرتا رہے گا، آخرت میں اسے خسارہ ملے گا۔ اس کا کوئی عمل آخرت کے لئے ہو گا ہی نہیں۔ جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، وہ تو فانی ہے۔ اگر انہیں مل بھی جائے تو باذنِ اللہ ہی ملے گی، ورنہ نہیں ملے گی۔ ملے گی بھی وہی جو ملنی ہے، تو پھر الٹے ہاتھ سے کیوں لی جائے۔ ایک فانی شے کے بدلے دائمی خسارہ خریدنا کس قدر برا سودا ہے۔ جب نتیجے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ثابت ہے، اور اس کا انکار حقیقت کا انکار ہے، تو یہ معلوم ہو جانے کے بعد خسارے کا رخ کیوں کیا جائے۔

حاصل : جب نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہے، تو خواہشات کے اتباع سے نتائج کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ناممکن ہے۔ اور غیر کا رخ اختیار کرنا حماقت ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ع ﴿١٠٣﴾

ع ۱۲/۱۲ ۷

اور اگر وہ ایمان لاتے، اور تقویٰ کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہتر ثواب پاتے۔ کہیں انہیں معلوم ہو۔

ایمان ناصحین کی حب سے عطا ہوتا ہے۔ تقویٰ ان کی معیّت سے حاصل ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین کی محبت میں سچا ثابت ہو جاتا ہے، اس کو دنیا میں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ آخرت میں بھی اسے ہی فلاح ہو گی۔ یہی بہتر ثواب ہے۔ شے کی طلب سے آدمی چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ تمام اشیاء کا مقصود و مطلوب ہو تو اصل شان میں نظر آتا ہے جو زمین میں خلیفہ ہونے کے اعتبار سے اسے حاصل ہے۔ اشیاء تو سب ہیں ہی اس کے لئے، یہ اسے معلوم ہو جائے تو وہ اپنے مقام کو پہچان لیتا ہے۔

حاصل : اشیاء سب بندے کے لئے ہیں۔ بندہ ان کے لئے نہیں ہے۔ یہ معلوم ہو جائے، تو ایمان اور تقوے کا شرف ضرور ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی، رضائے خداوندی پر لگ جائے تو یہ بہتر ثواب ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾

[ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾

اے ایمان والو، رَاعِنَا نہ کہو۔ اور عرض کرو اُنْظُرْنَا۔ اور دھیان سے سنو۔ اور کافروں کے لئے المناک عذاب ہے۔

ایمان والے محبین کا درجہ رکھتے ہیں۔ محبّ پر حق ہے کہ وہ شاہد کے ساتھ کلام کرتے وقت ذو معنی الفاظ استعمال نہ کرے، تاکہ اس کے حسنِ کلام سے روشنی بڑھے۔ محب کی شان تو یہ ہے کہ وہ پوری توجہ سے سنتا ہے اور دل سے مانتا ہے۔ اگر کبھی کسی ارشاد کے دوبارہ سننے کی طلب ہو تو عام لوگوں کی زبان میں عرض نہیں کرتا۔ بڑے ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہے. انظرنا سیدنا۔ شاہد اس کو مزید آسان بنا دینے کا علم رکھتا ہے۔ ادب کا لحاظ نہ رکھنے والے منکر ہوں گے۔ ان کے کئے کا حاصل عذاب الیم ہو گا۔

حاصل : شاہد کے ساتھ کلام کرتے وقت ادب کا لحاظ رکھنا بڑا حق ہے۔ ذو معنی الفاظ کا استعمال منع ہے۔ توجہ سے سننے کی حقیقت یہ ہے کہ شاہد کے فرمان اور علم کو بے بدل جانا جائے۔ بےادبی کا حاصل عذاب الیم ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾

کافر اہلِ کتاب اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو۔ اور اللہ مختص فرمالیتا ہے اپنی رحمت کے لئے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اہلِ کتاب کا انکار کرنے والے کافر ہیں. اور جو لوگ اللہ کے محبوب کو حق کے اتباع میں معیارِ مطلق نہیں مانتے وہ مشرک ہیں۔ یہ دونوں قسمیں یہ نہیں چاہتیں کہ ایمان والوں پر کوئی بھلائی اترے، کہ اس سے ان کی فضیلت کے احساس پر چوٹ پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرمالیتا ہے۔ وہ بڑے فضل والا ہے۔ وہ نوازنا چاہے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : احکامِ خداوندی اللہ کی رحمت ہے، اور فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جو ہماری بھلائی نہیں چاہتا، اس سے دوری میں ہی فلاح ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

جب ہم کوئی آیت منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں، تو اس سے بہتر یا اس کی مثل لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ ہر شے پر قادر ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہی بات ناپسند تھی کہ مومنین کو قرآن پاک کی صورت سے جو ہدایت اور رحمت عطا ہو رہی ہے، اس سے ان کی حیثیت کی اہمیت جاتی رہی ہے۔ کتبِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ارشاد ہوا تھا، ان لوگوں نے اس کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کی تھی اور کتاب میں تحریف کی تھی۔ حال کی تصدیق کی بجائے اس شہادت کو چھپایا تھا جو اہلِ کتاب ہونے کی نسبت سے ان پر لازم تھی۔ یہ اللہ کی رحمت ہوئی اور اس کا فضل ہوا کہ اس نے جو منسوخ کرنا چاہا اسے منسوخ کر دیا، جو بھلانا چاہا بھلا دیا، اور اس سے بہتر یا اس کی مثل عطا فرما دیا۔ اس سے اہلِ کتاب کے احساسِ برتری کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآنِ پاک سب لوگوں کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے یہ کل ہے اور کتبِ سابقہ کی حیثیت جزو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کو آسانی عطا کرتے دیر ہی نہیں لگتی۔ قرآنِ پاک کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ہی ذمے دار ہے۔ نہ اس میں تضاد ہے، نہ اختلاف ہے۔ کمیٔ علم کی بنا پر اگر کوئی تضاد دیکھتا ہے تو اسے اہلِ ذکر سے پوچھنا چاہئے اور قرآنِ پاک کو اپنی سمجھ کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

حاصل: قرآن پاک کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ماضی میں جو معطیٔ مطلق تھا حال پر بھی وہی ہے۔ جس نے پہلے احکام نازل فرمائے تھے، حال پر بھی اسی کی قدرت محیط ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرما لیتا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے ارض و سماوات میں، اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مدد گار۔

زمین و آسمان کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے شرفِ خلافت بخشے۔ اس کے مقابل آنے والا خسارے سے بچ نہیں سکتا۔ اس کا کوئی دوست اس کے کام نہیں آ سکتا۔ کوئی مدد گار اسے بچا نہیں سکتا۔

حاصل: جب زمین و آسمان میں بادشاہی اللہ کی ہے، تو پھر کسی کو اپنی خواہش کے تحت حکم کرنے کا حق ہی حاصل نہیں۔ خلافِ حق کرنے والا انجام سے بچ نہیں سکتا۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ویسا سوال کرو، جو اس سے قبل موسیٰ (علیہ السلام) سے ہوا تھا۔ اور جو ایمان کے بدلے کفر لے، تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یکبارگی نزول کے لئے سوال کیا گیا تھا۔ الواح پر اس کا نزول ہوا۔ انکار کرنے والوں نے وہاں بھی انکار کیا۔ علیم مطلق جس طرح عطا کر رہا ہے، اس سے بہتر صورت ہو نہیں سکتی۔ اس کے مقابل اپنی تجویز رکھنے والے ایمان کے بدلے کفر لے رہے ہیں۔ جو فرمانِ خداوندی کو ماننے کی بجائے اس میں اپنی خواہش کو داخل کرنے کا مرتکب ہو، تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بہک گیا۔

حاصل : جس سوال میں فساد ہو، اور سوال کرنے والے کی کوشش ہو کہ وہ حق میں اپنی مرضی کو شامل کرے، وہ سوال غیر ہوتا ہے، اور غیر کا ہوتا ہے۔ حق کا ماننا سیدھی راہ ہے۔ حق میں اپنی چاہت کو داخل کرنا سیدھی راہ سے بہکنا ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

اہلِ کتاب سے اکثر نے چاہا کہ تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیریں، اپنے جیسوں کے حسد سے، بعد اس کے کہ حق ان پر کھل چکا ہے۔ تو عفو کرو اور در گزر کرو، حتیٰ کہ اللہ اپنا امر لائے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اہلِ کتاب کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے میں کچھ مشکل نہیں تھی۔ وہ حضور کو بالکل پہچانتے تھے۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں یہ لوگ نہیں بھولتے تھے، ویسے ہی حضور کے بارے میں بھی انہیں کوئی شک نہ تھا۔ حضور کی مخالفت تو اس لئے تھی کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے اتباع میں لگے ہوئے تھے اور حسد میں مبتلا تھے۔ ایمان والوں کو کفر کی طرف پھیرنے کی ان لوگوں نے بہت کوشش کی۔ یہ ایمان والوں پر اللہ کے فضل اور رحمت سے ناخوش تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم ہے کہ ان سے عفو کرو اور در گزر کرو۔ عفو یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ ہونے والے قصور کو معاف کرو، اور در گزر یہ ہے کہ ان کے ناقص قول سے منہ پھیرو۔ یہ اس وقت تک ہے، جب تک یہ لوگ عملاً مومنین کے ساتھ قتال نہ کریں، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالیں، اور مومنین کے دشمن کا عملاً ساتھ نہ دیں۔ جب اللہ کا امر آ جائے تو پھر جو امر ہو وہی کرو۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ مومن اس کی معیّت میں ہوتا ہے، اس لئے غلبہ ہمیشہ مومن کو ہی حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : حاسد دوسروں پر اللہ کے فضل کو دیکھ کر ناخوش ہوتا ہے، اور حق کو پہچاننے کے بعد اس کا انکار کرتا ہے۔ جب تک وہ عملاً مومنین کے خلاف نہ ہو، اس سے عفو اور در گزر ضروری ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ

اور نماز قائم رکھو، اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۰

اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

عفو کرنے والے کو اللہ کے محبوب کی معیّت کا شرف ہوتا ہے حال پر۔ اس لئے وہ نماز قائم رکھتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ نماز قول ہے، زکوٰۃ عمل ہے۔ اور قول کا عمل شاہد ہو تو قول سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو حال پر ملی ہوئی توفیق کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرے گا، وہ بھلائی کو آگے بھیجے گا۔ جو بیج ہو گا، پھل بھی اسی کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں۔ وہ ظاہر و باطن کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ توفیق عطا کرنے والے کی رضا مقصود ہونی چاہئے ہر مقام پر۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ خلوت و جلوت میں پاک رہنا اللہ تعالیٰ کے خبیر ماننے کا ثبوت ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۱

اور کہنے لگے ہر گز جنّت میں داخل نہ ہو گا مگر جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ فرما دیجئے، لاؤ برہان اگر تم سچے ہو۔

جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو، وہ باطل ہوتا ہے۔ جنّت کا مالک دخولِ جنّت کے بارے میں جو فرمائے گا وہ سند ہو گا۔ برہان ناقابلِ تردید سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جو اپنی پسند کو اللہ کی پسند پر قربان نہیں کرتا، اس کی پسند اللہ کے نزدیک بے حقیقت ہوتی ہے۔

حاصل : جو اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان نہ کرے، اس کی پسند بے حقیقت ہوتی ہے۔ دعویٰ بغیر شہادت قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲ ع ۱۳ ۹ ۱۳

ہاں، جس نے اللہ کی تسلیم کا رخ کیا اور ہو محسن، تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

جو اللہ کے رخ کو تسلیم کرتا ہے، وہ اللہ کے محبوب کو اپنا شاہد بناتا ہے، اس کی اطاعت و اتباع کو اپنا حال بناتا ہے۔ جو توفیق اسے معطئ مطلق نے عطا فرمائی ہے، اس سے لوگوں کو آسانی عطا کرتا ہے۔ اجر کا سوال کسی سے نہیں کرتا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور نہ ختم ہونے والا ہے۔ ایسے سچے کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے، اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے محبوب کی طریقت ہے، اور بس۔ اس طرح اسے معیتِ حق عطا ہو جاتی ہے اور یک سوئی عطا ہو جاتی ہے۔

حاصل : جس کا رخ خیر کا ہو اور ہو محسن، وہ جو بھی کرتا ہے اپنے یار کی طریقت جان کر کرتا ہے۔ اس طرح اسے خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے :

يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾

اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں تم پر میری آیتیں پڑھتے، تو جو پرہیز گاری کرے اور صالح ہو، تو ان پر خوف نہ ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ لَيْسَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ عَلَىٰ شَىْءٍ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ لَيْسَتِ ٱلْيَهُودُ عَلَىٰ شَىْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَٱللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾

اور یہود کہتے ہیں نصاریٰ کچھ نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کچھ نہیں، اور وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح لاعلم لوگوں نے ان کی سی بات کہی۔ تو اللہ قیامت کے دن ان کے مابین حکم فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

جب مقصود حق ہو تو زبان حق کے تابع رہتی ہے، اور جب مقصود اپنے نفس کی خوشی ہو تو حدود و قیود کا احترام نہیں رہتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا، اس حال پر وہ معیارِ حق تھے، اور ان پر نازل کی گئی کتاب احکامِ خداوندی کی صورت رکھتی تھی۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ بھیجنے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ علیمِ مطلق ہے اور اس کی عطا بہر حال علم سے ہے۔ اس میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جب کسی آیت کو منسوخ کرتا ہے، تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتا ہے۔ فرمانِ خداوندی میں ماضی حال کی بشارت دیتا ہے اور حال ماضی کا مصدق ہوتا ہے۔ جو لوگ خواہش کی طرف جھک جاتے ہیں، وہ اختلاف میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور باوجود علم ہونے کے خلافِ حق کہنے لگتے ہیں۔ اس طرح جاہلوں کو بھی ایسی بات کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ بھی عداوت کی بنا پر ہوائے نفس سے کہے جاتے ہیں۔ جب اس توفیق کی جزا کا وقت آئے گا، تو اختلاف کرنے والے اپنے آپ کو بھی دیکھ لیں گے اور اس معیارِ حق کو بھی دیکھ لیں گے جس میں اختلاف کرتے

تھے۔ ان کے مابین فیصلہ ہو گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ حکمِ خداوندی کی شان اور قدر یہ ہے، کہ اتباع صاحبِ حال کا ہو اور تسلیم سب صاحبانِ حال کی ہو، اور ہر حکمِ خداوندی کو سند مانا جائے۔

حاصل : بات مستند ہونی چاہیئے، فرمانِ خداوندی کو اس پر شاہد ہونا چاہیئے۔ جو دعویٰ ہوائے نفس اور عداوت پر مبنی ہو، اس کا حاصل اختلاف ہوتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ کی مساجد سے منع کرے کہ ان میں اس کے اسم کا ذکر کیا جائے، اور ان میں خرابی کی کوشش کرے۔ انہیں لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوں، مگر خائف ہو کر۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

ظالم وہ ہے، جو اللہ کے فرمان کے خلاف کرے۔ بڑا ظالم وہ ہے، جو دوسروں کا راستہ روکے۔ جو خیر کے راستے کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، وہ رسوائی اور عذاب کے قریب ہو جاتا ہے۔ جس قادرِ مطلق نے اسے توفیق دی ہے، اگر اسی کے مقابل آنے کی کوشش کرنے لگے تو خسارہ اور عذاب اظلم ہی کو ہو گا۔ مساجد اللہ کے گھر ہیں، ان میں اللہ کا ذکر کیا جانا چاہیئے، اور اللہ کے خوف کے ساتھ ان میں داخل ہونا چاہیئے۔ وہاں کسی کے ساتھ الجھنا انتہائی بے ادبی ہے۔ جب تک کوئی پوچھے نہیں، کسی کی عبادت میں دخل دینے سے گریز کرنا حق ہے۔ اگر کچھ نقصان ہو جائے، تو ادب سے خاموش رہنا حق ہے۔ مسجد کی شان یہ ہے، کہ وہاں کسی برائی کو دیکھا ہی نہ جائے۔ مسجد کو کسی بھی وقت بند نہیں ہونا چاہیئے۔ بند کرنے والا بھی راستہ روکنے کا مرتکب ہوتا ہے، اور یہ خوفِ خدا کے خلاف ہے۔ جو حق کے راستے سے روکتا ہو اس سے توفیق لے لی جاتی ہے، رسوائی اس پر دنیا میں مسلّط ہو جاتی ہے، آخرت میں عذابِ عظیم اسے گھیرے گا۔

حاصل : دوسروں کو کارِ خیر سے روکنے والا اظلم ہوتا ہے۔ مسجد میں اللہ کا ذکر کرنا چاہیئے، اور باادب رہنا چاہیئے۔ کسی کی اصلاح اس وقت تک حق نہیں، جب تک وہ اس کا طالب نہ ہو۔ اپنے کسی نقصان کا اظہار کرنا مسجد کی شان کے منافی ہے۔ مسجد کو بند نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ کی راہ سے روکنے کا حاصل، رسوائی ہے اور عذابِ عظیم ہے۔

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب۔ تو تم جس طرف منہ کرو، وہاں ہی اللہ متوجّہ ہے۔ بے شک اللہ وسعت والا علم والا

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

ہے۔

اللہ ہی خالقِ کل ہے، اسی لئے سب کچھ اسی کا ہے۔ اطراف بھی سب اسی کی ہیں۔ وہ تعین سے بالا ہے۔ اس لئے وہ ہر جگہ ہے، ہر حال میں ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔ خالقِ کل سے بڑی وسعت والا اور کون ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑے علم والا اور کون ہو سکتا ہے۔ جو کسی تنگی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کر دے، وہ اس کی اپنی ناسمجھی ہی ہو گی۔ دین میں صحت کا معیار ہی یہ ہے کہ رخ اللہ کے محبوب کا ہو۔ فضیلت عمل کو نہیں رخ کو ہے۔

حاصل: عمل کو فضیلت نہیں، رخ کو فضیلت ہے۔ وسعت والے، علم والے کی شان ہی سب سے اعلیٰ ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ﴿۱۱۶﴾

اور کہتے ہیں، اللہ اولاد رکھتا ہے۔ اسے پاکی ہے۔ بلکہ اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع ہیں۔

یہود و نصاریٰ نے اور دوسرے کافروں نے بھی اولاد کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا۔ جس کی اولاد ہو گی، وہ بے صورت نہیں ہو سکتا۔ جب صورت ہو گی تو صورت سے متعلق تمام امور بھی لازماً ہوں گے۔ اور یہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کا مملوک نہ ہو۔ اور فرمان بھی اسی کا محیطِ عالم ہے۔

حاصل: جو سب کا مالک ہے اور جس کا فرمان محیطِ عالم ہے، وہ بے صورت ہے، اور سب صورتیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۱۷﴾

نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا جب امر فرماتا ہے، تو یہی فرماتا ہے کہ ہو جبھی وہ ہو جاتا ہے۔

عدم کو وجود عطا کرنے والا قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی کسی سابق مثال کے بغیر اشیاء کا صورت گر ہے۔ جب وہ کسی شے کا ارادہ فرمالے تو اس کے ارکان فوراً حاضر ہو جاتے ہیں، جبھی وہ ہو جاتی ہے۔ جس اللہ کی یہ شان ہے، اس سے تعلق کا ثبوت تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس کی عطا کو پورا جانا جائے، اور یہ یقین رہے کہ جس حال پر جو درکار ہو گا، معطیٔ مطلق کو عطا کرتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل: علیم مطلق کی ہر تخلیق حکمت اور علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے امر سے ارکان فوراً حاضر ہو جاتے ہیں اور جبھی وجود بن جاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور لاعلم لوگوں نے کہا، اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا، یا ہمیں کوئی نشانی ملے۔ ان سے قبل والوں نے بھی ایسے ہی کہا، انہی کی مثل۔ ان کے قلوب مشابہ ہیں۔ بے شک ہم نے نشانیاں روشن کر دیں یقین والوں کے لئے۔

جو اپنی پسند کو معیار سمجھے وہ لاعلم ہوتا ہے۔ لاعلم یہی کیا کرتے ہیں۔ لاعلم لوگوں کا رخ ایک سا ہی ہوتا ہے اس لئے ان کے قلوب بھی مشابہ ہوتے ہیں، چاہے ان کا زمانہ ایک نہ ہو۔ منشائے ایزدی لوگوں کے سامنے معیارِ حق رکھنا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا رخ رکھتا ہو، وہی صاحبِ یقین اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔

حاصل : رخ اللہ کی رضا کا ہو تو اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں سے یقین حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا، اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہو گا۔

اللہ کے رسول کی شان یہ ہے کہ خیر کو قبول کرنے والوں کو بشارت دی جاتی ہے، اور خیر کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ جو خیر کو قبول نہ کرے، غیر اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ پھر اس کے بارے میں خیر کے قاسم سے کوئی سوال نہیں ہوتا۔

حاصل : بشارت و انذار کا حق ادا ہو جائے، تو مبلّغ سے کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ

اور ہرگز تم سے یہود راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ، حتیٰ کہ تم ان کی ملّت کا اتباع کرو۔ فرما دیجئے، بے شک اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے۔ اور اگر تم ان کی خواہشات کا اتباع کرو بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا، تو تمہارا کوئی بچانے والا نہ

وقف منزل اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ ہو گا اور نہ نصرت دینے والا۔

یہود و نصاریٰ کے راضی ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کی ملت کا اتباع کیا جائے، جب کہ یہ لوگ فرمانِ خداوندی کو اپنے مطابق بنانے کا ارتکاب بھی کر چکے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا سب سے بڑا حق ہے کہ انہیں راضی کیا جائے. کہ مومن ہونے کی یہی سند ہے۔ ہدایت وہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ جس میں کسی کی پسند یا ناپسند کو دخل ہو. وہ ہدایت نہیں ہو سکتی۔ علم ہو جانے کے بعد جو ان کی خواہشات کا اتباع کرے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر غیر اللہ کی رضا کو ترجیح دے گا۔ یہ اللہ کے فرمان کی عملاً خلاف ورزی ہو گی۔ قادرِ مطلق کے مقابل کے آنے والے کو نہ کوئی بچا سکتا ہے. نہ اسے کوئی مدد دے سکتا ہے۔

حاصل : ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے مقابل کسی کی پسند ناپسند کے پیچھے لگنا. اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے والی بات ہو گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کریں. تو یہی خسارے والے ہیں۔

کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ نمونہ اس کا محبوب ہوتا ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کے محبوب کو مانا جائے اور اپنی خواہش کا اتباع نہ کیا جائے، یہی کتاب کی تلاوت کا حق ہے۔ حکمِ خداوندی کو ادب سے مانا جائے. اللہ کے محبوب سے محبت ہو، اس کے قربیٰ سے مودۃ ہو، یہ ایمان ہے۔ اور جب کتاب کو اپنی سمجھ سے سمجھا جائے. تو اس کی حقیقت انکار اور خسارہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل : حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو، یہ حقِ تلاوت ہے۔ معیارِ حق سے محبت ایمان کی پہچان ہے، عدم محبت کفر ہے اور خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾

[مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے، تو ان کے دل ڈر جائیں۔ اور جب ان پر آیات تلاوت کی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو، جو

الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

تم پر میں نے انعام کیا، اور جو تمہیں عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل میں سے لوگوں کے امام ہوتے رہے ہیں۔ یہ وقت ان کے عالمین پر فضیلت کا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا عہد ظالمین کو نہیں پہنچتا، اس لئے فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والے اس لائق نہیں ہیں کہ انہیں عالمین پر کوئی فضیلت حاصل ہو۔

حاصل : جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے، اسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا فرما دیتا ہے۔ اسے امام ہونے کا شرف عطا ہوتا ہے۔

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــٴًـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور ڈرو اس دن سے، کہ کوئی نفس دوسرے نفس کا بدلہ نہ ہو گا، اور نہ اس سے کچھ بدل قبول کیا جائے گا، نہ اسے شفاعت نفع دے، اور نہ ان کی نصرت ہو گی۔

حیاتِ دنیا میں اسباب بندے کے رخ کی عملی شہادت پیش کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں جو خیر کی راہ اختیار کرتا ہے، اس کا مستقبل خیر ہو گا۔ جو یہاں غیر کا راستہ اختیار کرتا ہے، اس کا مستقبل غیر ہو گا۔ وہاں اسباب کسی کا بدل نہیں ہو سکتے، کیونکہ ہر نفس کو اس کے کئے کے مطابق جزا دی جائے گی۔ وقتِ جزا رکھا ہی اس لئے گیا ہے کہ ہر ایک کو اس کا حاصل دے دیا جائے اور جس منزل کی طرف وہ بڑھتا رہا ہے، اسے اس پر پہنچا دیا جائے۔ توفیق تو سب وقتی ہے۔ مالک ہر شے کا خالقِ کل ہی ہے۔ اس وقت چونکہ اصلاح کے لئے مزید وقت نہیں مل سکے گا، اس لئے شفاعت بھی نفع نہیں دے گی۔ اور مملوک کو جب مالک الملک جزا دے تو نصرت کسی کے بس کی ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : اس دن سے ڈرنا بڑا ضروری ہے، جس دن ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اسباب کا زعم ختم ہو چکا ہو گا، اصلاح کو اختیار کرنا اس وقت ممکن نہ ہو گا، اور مزید مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کچھ باتوں سے دیکھا، تو آپ نے انہیں پورا کیا۔ فرمایا، میں تمہیں لوگوں کا امام ٹھہراؤں گا۔ عرض کی، اور میری

ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾

ذرّیّت سے، فرمایا میرا عہد ظالمین کو نہیں پہنچتا۔

حق کے قبول کرنے کا دعویٰ جہاں بھی ہو، وہاں عمل کو دعوے کے مطابق دیکھ کر ہی صداقت کی تصدیق کی جاتی ہے۔ فرمانِ خداوندی کو ماننے والے کسی بھی مقام پر اپنی خواہشات کا اتباع نہیں کرتے اور خواہش کے عدمِ اتباع سے ہی ان حضرات کی صداقت روشن ہوتی ہے۔ جو اس طرح سچا ثابت ہو جاتا ہے، دربارِ خداوندی سے اسے امام ہونے کا مرتبہ عطا کر دیا جاتا ہے۔ ظالم کو کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کا امام نہیں بنایا جاتا۔ ظالم جہاں بھی آگے آئے گا، لوگوں کی جہالت کی بدولت ہی ہو گا۔ ظالم لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسا لے گا، اور لوگ اپنی غرض و غایت کے تحت اسے اٹھالیں گے۔ مشقّت اٹھا کر پھر ماننا حق کو ہی پڑے گا۔ پھر ظالم کی قیادت سے نجات حاصل ہو گی اللہ کے فضل سے۔

حاصل : حق کا ماننے والا خواہشات کے عدمِ اتباع سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ دعویٰ ہو تو تصدیق کے لئے دیکھا ضرور جاتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اللہ تعالیٰ کے دربار میں، اسے لوگوں کا امام بنایا جاتا ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور جائے امان ٹھہرایا۔ اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے عہد لیا ابراہیم (علیہ السلام) سے اور اسماعیل (علیہ السلام) سے، کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے، پاک رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے گھر کو اپنا گھر بنایا، کہ لوگ وہاں جمع ہوں اور فیض یاب ہوں۔ جس گھر کا منشاء ہی لوگوں کا جمع ہونا ہے، اس کو جائے امان ضرور ہونا چاہئے، کہ وہاں پر کسی کی پسند یا ناپسند کا ذکر ہی نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ حنیف وہ ہوتا ہے، جسے اللہ کی رضا کے علاوہ اور کچھ درکار نہ ہو۔ یہی مقامِ ابراہیم ہے، اور یہی نماز کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ فرمایا کہ اس کے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھیں۔ پاکی کی صورت یہ ہے، کہ آنے والوں کے منشاء کی آسانی سے تکمیل ہو۔ طواف کا درجہ پہلے ہے، اس کے بعد بیٹھ کر رجوع ہونے کی صورت ہے، پھر رکوع و سجود کی صورت ہے۔ جو جس صورت کے لائق ہو وہ اسی کے مطابق حق ادا کرے۔

حاصل : بیت اللہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے، اور جائے امان ہے۔ جس طرح حق کی ادائیگی ممکن ہو، اس میں آسانی کا اہتمام کرنا بیت اللہ کے خدّام کی شان ہے۔ کسی کے واصل باللہ ہونے میں حائل ہونا حق نہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

اور جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی، کہ اے رب اس شہر کو امن والا ٹھہرا دے، اور اس کے اہل کو ثمرات سے رزق دے، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ فرمایا، جو کافر ہوا اسے بھی متاعِ قلیل دوں گا۔ پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف جبراً بلاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کا امام اور بیت اللہ کو لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ ٹھہرایا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ بلد صاحبان کے لئے دعائے خیر کی کہ انہیں ثمرات سے رزق ملے۔ پاک لوگوں کے اہل تو وہی ہوتے ہیں، جو پاک ہوں۔ ظالم پاک لوگوں سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے ہی ظالم بنتے ہیں۔ امن شہر کی شان ہوتا ہے۔ امن ہو چین ہو تو حق کی ادائیگی احسن ہوتی ہے۔ اہلِ بلد، آنے والوں کے لئے واجب الاحترام ہوتے ہیں، اور نمونہ ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ نے دعا میں اللہ اور یوم آخر پر ایمان کی تخصیص فرمائی۔ دعا قبول ہوئی۔ اور یہ بھی فرمایا گیا، جو اللہ اور یومِ آخر کا انکار کرے گا، اسے بھی متاعِ قلیل دوں گا۔ اللہ کا انکار کرنے والا عطائے خداوندی کو اپنی تجویز کی بدولت سمجھتا ہے، اس لئے کمی کا شکار رہتا ہے۔ وہ اس متاع کو اپنی خواہشات پر لگانے کی وجہ سے آگ کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، جس سے بچ جانا اس کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جو جگہ انسانی تجویز کی حامل ہو وہ بری ہوتی ہے۔ جو اللہ کی رضا سے تعلق رکھتی ہو وہ اچھی جگہ ہے۔

حاصل : امن شہر کی شان ہوتا ہے۔ اہلِ شہر کو آنے والوں کے لئے نمونہ ہونا چاہئے اور آنے والوں پر ان کا احترام حق ہے۔ انسانی تجویز سے جو جگہ حاصل ہو وہ بری جگہ ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر کی بنیادیں اٹھاتے تھے، دعا کرتے ہوئے اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جب بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، تو آپ حضرات نے یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ جب کام اللہ کی رضا کے لئے ہو تو ابتداءً یہی دعا کرنی حق ہے، کہ اس سے اللہ کا فضل شامل حال ہو جاتا ہے۔ بندے کی سعی مقبول ہو، یہی شانِ بندگی ہے۔

حاصل : کام کوئی ہو، اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے اور اسی دعا سے اس کی ابتدا ہونی چاہئے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

اے ہمارے رب اور ہم کو حکم بردار بنا۔ اور ہماری ذرّیّت سے ایک اُمّت تیری ماننے والی ہو۔ اور ہمیں مناسک بتا اور ہم پر رجوع فرما۔ بے شک تو ہی رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حکم بردار ہی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں حکم بردار بنا، کہ ان کا منشاء تائیدِ ایزدی ہوتا ہے۔ انہیں اپنی ذرّیّت کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی دعا بھی کرنی چاہئے، اس طرح اللہ کے فضل سے حال موجود رہتا ہے اور محبّین فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ مناسک بھی اللہ تعالیٰ ہی بتاتا ہے۔ ادا کرنے والا یہ کہہ کر کہ ہم پر رجوع فرما، بے شک تو رجوع فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے، اپنی عبودیت و انکساری کا اظہار کرتا ہے۔

حاصل : دعا میں توفیق کا طلب کرنا، ذرّیّت کے سچّے اور سیدھے رہنے کی تمنّا کرنا، اللہ تعالیٰ کی توجہ کا طالب رہنا، بندگی کا اظہار اور عجز کا اعتراف بڑی اہمیّت رکھتے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

اے ہمارے رب ان میں ایک رسول مبعوث فرما، جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور انہیں پاک کرے۔ بے شک تو ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دعا کی کہ ان کی ذرّیّت سے ایک رسول مبعوث ہو، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت فرمائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ذرّیّت سے ہیں۔ شان یہ ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ

قولِ حق کی تعلیم دی جائے، اور اس کا حال روشن کیا جائے۔ حکمت کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے مقام پر رکھنے کا علم سکھایا جائے۔ پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو غرض و غایت سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کیا جائے۔ عزت اور حکمت عطا کرنے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ عزت و حکمت معیّتِ حق سے ہی ممکن ہے۔

حاصل : عزت و حکمت معیّتِ حق سے ہی ممکن ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو حال پر، ماضی اس کا شاہد ہو۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ پاک کرے، کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور خوف و حزن سے نجات عطا کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں فرمایا :

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾

[اور بخل کرنے والے، جو چیز اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے اپنے فضل سے، ہرگز اپنے لئے اسے اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ ان کے لئے بری ہے۔ جلد ہی وہ جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا۔ اور اللہ ہی کی میراث ہے آسمان اور زمین۔ اور اللہ خبر رکھنے والا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۰﴾

اور کون ہے، جو ملّتِ ابراہیم (علیہ السلام) سے منہ پھیرے، مگر وہی جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا۔ اور بے شک ہم نے انہیں دنیا میں چن لیا، اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسول کی بعثت کی دعا کی، اس کو تسلیم کرنے سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق ثابت ہو گا۔ اور جو اس حال کا انکار کرتا ہے وہ یقیناً ملتِ ابراہیم علیہ السلام سے منہ پھیرتا ہے۔ بے وقوف وہ ہوتا ہے، جو حکم کو اپنی سمجھ سے سمجھے۔ صاحبِ رشد وہ ہوتا ہے، جو شاہد کی سمجھ سے سمجھے۔ ماننے کا ثبوت ہی یہ ہے کہ پورا پورا مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں لوگوں کا امام ٹھہرایا ارشادِ خداوندی کو پورا کرنے کی بدولت۔ یہ دنیا میں چنا جانا ہے۔ اسی حال کا مستقبل بنے گا۔ اس لئے آخرت میں وہ یقیناً صالحین سے ہیں۔

حاصل : جس کو ماننے کا دعویٰ ہو، اس سے اختلاف بے وقوفی ہے۔ حال جس کا خیر ہے، مستقبل بھی اسی کا خیر ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ

جب آپ سے آپ کے رب نے فرمایا، حکم

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

برداری کیجئے۔ عرض کی، میں رب العالمین کی حکم برداری کرتا ہوں۔

دعویٰ تسلیم ضروری ہے۔ رب العالمین کی تسلیم یہ ہے کہ خالقِ کل بھی وہی ہے، معطیٔ مطلق بھی وہی ہے۔ توفیق کے استعمال سے رخ کے اچھا ہونے کا یا اچھا نہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ نتیجہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ یہ ہے رب العالمین کی حکم برداری کا معیار۔

حاصل : معطیٔ مطلق ہی قادرِ مطلق ہے۔ نتیجہ ہر مقام پر باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

اور اسی کی وصیّت کی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے۔ اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے تمہارے لئے یہ دین چن لیا ہے، تو تمہیں موت نہ آئے مگر مسلمان کی حیثیت سے۔

رب العالمین کے تسلیم کرنے کی وصیّت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کی۔ وصیّت وہ علم ہوتا ہے جو اپنی نسل میں دیکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ ان حضرات نے یہ فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ دینِ اسلام چن لیا ہے، تو اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت تمہیں مسلمانوں کی حیثیت ہی سے رخصت ہونا چاہئے۔ رخصت کا حکم کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، اس لئے کسی بھی لمحے رب العالمین کی تسلیم میں کوتاہی نہ ہو۔

حاصل : رب العالمین کی تسلیم بڑا حقِ وصیّت ہے۔ یہی تسلیم باعثِ نجات ہوتی ہے خوف و حزن سے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کیا تم گواہ تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی۔ جب آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ عرض کرنے لگے، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق

وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

(علیہ السلام) کے معبودِ واحد کی، اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں۔

صاحبانِ حق اپنی اولاد کو تسلیمِ حق کی وصیّت کرتے چلے آئے ہیں۔ حال اس ماضی کا شاہد ہے، اور ماضی حال کا شاہد ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا، میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔ انہوں نے عرض کیا، ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، اور آپ کے آباء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے معبودِ واحد کی عبادت کریں گے، کہ ہم اسی وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کے اس کلام پر شاہد ہوئے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت یہ ہے کہ عبادت کرنے والا اس کا عبد ہو کر رہے، عبادِ مخلصین سے میل جول رکھے، ان سے خالص محبت رکھے، اور ان کی معیّت میں رہے۔

حاصل : وقتِ وصال اپنی اولاد کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی تصدیق کرنی چاہئے، اور انہیں مسلمان رہنے کی وصیّت کرنی چاہئے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی ہے۔ ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا، اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا۔ اور تم سے سوال نہ ہو گا، جو عمل وہ کرتے تھے۔

جس کو توفیق دی گئی ہے، اس پر حق بھی عائد کیا گیا ہے اسی نسبت سے۔ وہ حضرات تو خود بھی مسلم ہوئے اور ان کی اولاد بھی مسلمانوں سے ہی ہوئی۔ اب اگر کوئی ان کے راستے سے ہٹ کر بھی انہی کا نام لیتا ہے، تو اپنے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور ان کے واسطے ہے جو یہ کریں گے، اور ان سے اُن کے اعمال کے بارے میں سوال نہ ہو گا۔

حاصل : جس کی معیّت حال پر ہو گی، مستقبل میں بھی اسی کی ہو گی۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور کہتے ہیں، یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ فرما دیجئے، کہ ہم تو ملّتِ ابراہیم ہیں جو ایک ہی طرف تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں سے نہ تھے۔

اہلِ کتاب یہ کہتے ہیں کہ ہدایت یہودی یا نصرانی ہونے سے ہی ممکن ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ کس سند پر یہ بات کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حنیف تھے اور اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتے تھے۔ جو لوگ اب اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہیں، اور اس کے محبوب کو معیار جانتے ہیں، وہ ملتِ ابراہیم ہیں اور حضرت سے تعلق کے دعوے میں سچے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تو بے شہادت ہے۔

حاصل : مسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہیں۔ مشرکین سے ان کا راستہ الگ تھا۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾

کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل ہوا، اور جو نازل کیا گیا ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیا گیا موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو، اور جو عطا ہوا نبیوں کو ان کے رب سے۔ ہم ان کے مابین کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے، اور ہم اسی کے ماننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمان بھی نازل ہوا وہ مخلوق کی بھلائی کے لئے تھا، اور نازل فرمانے والے علیم مطلق کی طرف سے یہ لوگوں کو دعوتِ فلاح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات بدلا نہیں کرتے۔ اس لئے اس کی طرف سے جو ماضی میں نازل ہو چکا ہے۔ اس پر بھی ہمارا ایمان ہے، اور جو حال پر نازل ہوا ہے۔ اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ جب نازل فرمانے والا اللہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ جن عبادِ مخلصین پر نزول ہوا ہے ان سب کا مقصود ایک ہے، تو یقیناً وہ ایک وجود کے ارکان کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور کسی ایک کا انکار فرمانِ خداوندی کا انکار ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام ہوں۔ اسماعیل علیہ السلام ہوں۔ اسحاق علیہ السلام ہوں۔ یعقوب علیہ السلام ہوں، ان کی اولاد ہو۔ موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا اور انبیاء ہوں۔ سب صاحبانِ حق ایک ہی وجود کے ارکان ہیں۔ ایک کو دوسرے پر فضیلت ضرور ہو سکتی ہے۔

حاصل : جمیع صاحبانِ حق کا مقصود ایک ہے اور وہ حق کی ادائیگی میں وجودِ واحد کے ارکان کی صورت رکھتے ہیں، اس لئے کسی ایک کا انکار بھی حق کا انکار ہو گا۔ حال پر بھی ایمان ہو۔ ماضی پر بھی ایمان ہو، تو ایمان کامل ہو گا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

پھر اگر وہ بھی ایمان لائیں جیسے تم لائے ہو۔

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

تو انہوں نے بھی ہدایت پائی، اور اگر وہ پھر جائیں، تو پھر وہی ہیں پھٹے ہوئے۔ سو اب اللہ کافی ہے تمہاری طرف سے ان کے لئے، اور وہی سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

جو اس طرح حق کو مان لے کہ اس کی خواہش اس پر سوار نہ ہو، جیسے مومنین مانتے ہیں، تو ناصحین سے محبت کی بدولت اسے ضرور ہدایت عطا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ کسی ایک رکن کا بھی انکار کر دیں، تو پھر یہ ان کی خواہش اور تضاد کا ہی ثبوت ہو گا۔ تضاد جہاں بھی آئے گا، پھٹنے کی صورت بھی آئے گی۔ پھر آپ کی طرف سے اللہ انہیں سنبھال لے گا۔ وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کو اس کے انجام تک پہنچاتے اسے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : تضاد جہاں بھی ہو گا، پھٹنے کی صورت بھی ضرور ہو گی۔ حق کے منکر کو اس کا انکار ہی گھیر لیتا ہے۔ صاحبانِ حق سے اس کی پوچھ نہیں ہوتی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اللہ کا رنگ۔ اور اللہ سے احسن رنگ کس کا ہے۔ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

جو خواہشات کا اتباع نہ کرے، اور ناصحینِ مخلصین سے اسے محبت ہو، اس پر ان کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اس رنگ کو رنگِ شہودی کہتے ہیں۔ شاہد کے رنگ کو اللہ کا رنگ کہا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ حسین اور کوئی رنگ نہیں ہو سکتا کہ اس رنگ سے کبھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کا یہی طریق ہے۔

حاصل : محبوبِ خدا کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ اسی کو رنگِ شہودی کہتے ہیں۔ اس سے احسن کوئی رنگ نہیں۔ اللہ کی عبادت کا حق محبوبِ خدا کی طریقت سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

فرما دیجئے، کیا تم اللہ کی نسبت ہم سے جھگڑتے ہو۔ اور وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لئے ہیں ہمارے اعمال اور تمہارے لئے ہیں تمہارے اعمال۔ اور ہم تو اسی کے لئے مخلص ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، رب العالمین ہے، سب کو علم سے پالنے والا ہے۔ اس کے بارے میں جھگڑا کیسا، جب وہ ہے ہی وحدہ لاشریک۔ پھر ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ جو اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اسے فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے، دوسرے کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہوتا ہے۔ جزا دینے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جھگڑا تو اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کی رضا میں انسان کی اپنی چاہت کو دخل ہو۔ مخلص ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس کے عبادِ مخلصین کا ساتھ ہو۔

حاصل : جب تک اللہ کی رضا میں خواہشِ نفس شامل نہ ہو، جھگڑا ہوتا ہی نہیں۔ عطا بھی اسی کی طرف سے ہے، جزا بھی اسی کی طرف سے ہو گی، پھر جھگڑا کیسا۔ مخلصین کی معیّت اخلاص کی سند ہے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصاریٰ۔ فرما دیجئے، کہ تم کو سب سے بڑا علم ہے یا اللہ کو۔ اور اس سے بڑا ظالم کون جو شہادت کو چھپائے، جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہو۔ اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو عمل تم کرتے ہو۔

جو صاحبانِ حق کو اپنے ذاتی پیمانے سے جاننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہمیشہ اپنی خواہش کے مطابق ہی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اس کا مقصود حق ہو، تو وہاں تک اس کی رسائی ہو۔ بیان اور شہادت کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ حقائق پر مبنی ہوں۔ اللہ کے محبوبوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا رنگ، اللہ کے رنگ کے علاوہ کوئی اور رنگ تھا، بڑے ظلم کی بات ہے۔ یہ سب لوگ مسلم ہی ہوئے ہیں، چاہے وہ کسی قوم سے ہوئے ہوں۔ علیم مطلق ہی سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جس علم پر علمِ الٰہی کی شہادت موجود نہ ہو، وہ علم علمِ غیر ہے۔ میدانِ حق میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ جس کے پاس حق پہنچ چکا ہو، وہ اس کا امین ہوتا ہے۔ اور اگر وہ وقت پر اس کا اظہار نہ کرے تو وہ انتہائی ظلم کا مرتکب ہوتا ہے، کہ اپنی خواہش کو حق کے اظہار پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا حال مخفی نہیں ہے۔ اور یہ بھی کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اذنِ الٰہی کے خلاف اپنی منشاء کو پا سکے۔

حاصل : صاحبانِ حق کو اپنے پیمانے سے جانچنا خلافِ حق ہے۔ علم وہی حق ہے جس پر علمِ الٰہی کی شہادت ہو۔ حق کی شہادت چھپانا انتہائی ظلم ہے۔ کوئی بھی نتیجہ اذنِ الٰہی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا
كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا
تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ۱۶ ع ۱۲ ۱۶

وہ ایک اُمّت تھی جو گزر چکی۔ ان کے واسطے ان کا کیا ہے اور تمہارے واسطے تمہارا کیا۔ اور تم سے سوال نہ ہو گا جو عمل وہ کرتے تھے۔

ماضی کے بارے میں قیاس آرائیوں سے حق کی ادائیگی نہیں ہو جاتی۔ جن لوگوں کو ان سے روشنی لینے کا شرف ہوا ہے ان کا دعویٰ حق ہے، اور اس کے ساتھ شہادت بھی موجود ہے۔ سچے کا اہل سچا ہی ہوتا ہے، اور سچا ہی سچے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جو پہلے لوگ کر چکے ہیں وہ ان کے واسطے ہے۔ حال پر جو لوگ توفیقِ ایزدی کو استعمال کر رہے ہیں یہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کے اعمال کے یہ ذمہ دار نہیں ہیں، اس لئے ان کے بارے میں یہ جواب دہ بھی نہیں ہیں۔

حاصل : جو ہمارا ذمہ نہیں ہے، اس کے لئے جواب دہی بھی نہیں ہو گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٦﴾

[حق میں تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ وہ روشن ہو چکا ہے۔ گویا وہ اپنی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں، اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

الجزء الثانی
سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا
عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ
يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

اب بےوقوف لوگ کہیں گے، کس نے ان کو ان کے قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ فرما دیجئے : مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے۔ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

بےوقوف لوگ مخلصین کو نہیں مانتے، اس لئے ان میں تضاد تلاش کرنا اور ان پر طعن کرنا بھی بےوقوفوں کا شیوا ہو جاتا ہے۔ حکمت کا تقاضا تو صاحبِ حکمت جانتے ہیں۔ بےوقوف کے سامنے مخلص کے عمل میں جب بھی نیا مقام آئے گا، وہ بولے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبلۂ اوّل کی طرف جسے بیت المقدس کہتے ہیں، رخ کر کے نماز قائم کرتے تھے۔ جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم آ گیا، بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز قائم کرنے لگے۔ شانِ تسلیم تو ہے ہی یہی کہ علیمِ مطلق کے فرمان کی ادب سے تعمیل ہو۔ جب مشرق بھی اسی کا ہے جس طرف پشت ہوتی ہے، مغرب بھی اسی کا ہے جس طرف منہ ہوتا ہے، تو پھر اس میں تضاد کی تو کوئی بات نہیں۔ اللہ کا بندہ تو اپنے رب کے ساتھ ہے، وہ جہاں رکھے راضی رہتا ہے، اور قرب کے لئے دعا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : بےوقوف وہ ہوتا ہے، جو مقام کو مانتا ہو، صاحبِ مقام کو نہ مانتا ہو۔ مومن کی دعا

قربِ الٰہی کے لئے ہوتی ہے، جہاں اللہ رکھے وہ راضی رہتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۗ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور اسی طرح ہم نے تمہیں اُمّتِ وسطیٰ ٹھہرایا، کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہوں۔ اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تم تھے اسی لئے ٹھہرایا تھا کہ دیکھیں کون رسول کا اتباع کرتا ہے، اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور بے شک یہ بات بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت مہربان رحم فرمانے والا ہے۔

اُمتِ وسطیٰ کی شان یہ ہے کہ حق اس کے سامنے اکمل طور پر روشن ہو، اور کسی دوسرے نبی کے آنے کا مقام ہی نہ رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "کل" ہوئے ہیں اور خاتم النبیین ہوئے ہیں۔ آپ سے پہلے تمام انبیاء "جزو" کی صورت سے آئے ہیں یا "جزوِ اعظم" کی صورت سے آئے ہیں۔ آپ سے پہلے کچھ لوگ حق کو مان لیتے تھے، کچھ نہیں مانتے تھے۔ ایک وقت کے بعد اس قوم کی طرف بھیجے ہوئے نبی کی شہادت کے مطابق فیصلہ ہو جاتا تھا۔ نہ ماننے والوں پر عذاب نازل ہو جاتا تھا اور ماننے والوں کی نجات ہو جاتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ماننے والوں کے بارے میں یہ کہہ کر کہ "لاعلمی کی بدولت ان لوگوں کو میرے ساتھ تعلق کا پتہ نہیں چلا، اور یہ نہ مانے تو ان کے بعد آنے والے مان جائیں گے" نبوت کے مقام کو پورا کر دیا، اور اس سے امت کو وسطیٰ ہونے کا شرف عطا ہوا۔ اب اس امت کی یہ شان ہے کہ یہ تمام انبیاءِ سابقین پر گواہ ہے، اور حضور اس پر گواہ ہیں۔ یہی امت تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے کہ انہوں نے بشارت و انذار کا حق اپنے اپنے حال پر احسن صورت سے ادا کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نور اور ہدایت عطا ہوا ہے وہ ہر آن بڑھتا رہے گا۔ بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرانے والا بھی علیم مطلق ہی تھا، اور کعبۃ اللہ کو قبلہ ٹھہرانے والا بھی اعلم ہے۔ دیکھنا یہ مقصود تھا، کہ کون صاحبِ مقام کے ساتھ ہے اور کون مقام کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جو لوگ کسی مقام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ان کے لئے نئے مقام پر صاحبِ مقام کا ساتھ رکھنا بڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ جو صاحبِ مقام کے ساتھ ہوتے ہیں، انہیں اللہ ہدایت فرماتا ہے۔ وہ ہر مقام، صاحبِ مقام کی معیّت سے طے کرتے جاتے ہیں۔ جو صاحبِ مقام سے محبت رکھتا ہو اللہ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا کہ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے۔ بھول کو معاف فرما دیتا ہے، خطا کو معاف فرما دیتا ہے، کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتا۔

حاصل : حق اکمل طور پر روشن ہو تو افراط و تفریط سے بچاؤ ہوتا ہے۔ مقام کے ساتھ لگ جانا صاحبِ مقام کی معیّت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہدایت صاحبِ مقام کی معیّت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کی بھول اور خطا کو معاف کر دینا چاہئے اور ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ نہیں رکھنا چاہئے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ہم آپ کے رُخ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں۔ تو یقیناً ہم آپ کی رضا کے قبلے کی طرف آپ کو پھیر دیں گے۔ تو اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر دیجئے، اور تم جہاں بھی ہو اپنا رُخ اسی طرف کرو۔ اور وہ جنہیں کتاب عطا ہوئی ہے، انہیں یقیناً معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو عمل وہ کرتے ہیں۔

اللہ کے محبوب کی شان یہی ہے، کہ وہ اللہ کے حکم پر نظر رکھے۔ اللہ کی طرف سے جو ہو، اسی کی صورت بنتی ہے۔ کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے سے سچے ہی ساتھ چل سکتے تھے مقام کے ساتھ لگے ہوئے لوگوں پر تو یہ بہت بھاری بات تھی۔ حکم ہو گیا، اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف پھیر دیجئے۔ ارشاد کے مطابق تعمیل ہوئی، اور اس کے ساتھ ہی مومنین کے لئے معیار یہ ہو گیا کہ وہ جہاں بھی ہوں اپنا رخ اسی طرف کریں۔ مومنین کا رخ تو اللہ کے محبوب کا رخ ہوتا ہے۔ تحویلِ قبلہ کے بارے میں اہلِ کتاب کو یقیناً معلوم تھا اور معلوم ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اگر وہ اس حق کو چھپا رہے ہیں، اور بے وقوفی سے اس پر طعن کرنے لگے ہیں تو اللہ ان کے کئے سے غافل تو نہیں ہے۔ انہیں ان کے کئے کی جزا ضرور دی جائے گی۔

حاصل : مُحبّ کا رخ ہر مقام پر محبوب کا ہو۔ حق کی شہادت کو چھپانا برا عمل ہے۔

وَلَىِٕنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

اور اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس ساری نشانیاں بھی لے آئیں، وہ آپ کے قبلے کا اتباع نہیں کریں گے۔ اور نہ آپ ان کے قبلے کا اتباع کریں۔ اور وہ ایک دوسرے کے قبلے کے بھی تابع نہیں۔ اور اگر علم آ جانے کے بعد تم ان کی خواہشات کا

أَهْوَآءَهُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٤٥﴾ وقف لازم

اتباع کرو تو یقیناً ظالمین سے ہو گے۔

جس کا رخ اس کی خواہشات کے تابع ہو، اسے حق کی جو نشانیاں بھی دکھادی جائیں وہ مانا نہیں کرتا۔ صاحبِ حق کے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کی خواہش کا اتباع کرے۔ پھر اہلِ کتاب ایک دوسرے کے قبلے کے بھی تو تابع نہیں۔ یہ لوگ اپنا اپنا تشخص برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیت المقدس کے جزو کو مانتے ہیں، اور جو ایک کو مانتے ہیں وہ دوسرے کا انکار بھی کرتے ہیں۔ جب آپس میں بھی یہ قبلے کے اعتبار سے ایک نہیں ہیں، تو ان کی بات بے معنی ہو جاتی ہے۔ اب اگر علم ہو جانے کے بعد، کوئی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی بجائے اہلِ کتاب کو راضی کرنے کے لئے ان کی خواہشات کا اتباع کرے، تو یہ صریحاً ظلم ہو گا۔

حاصل : جس کا رخ خواہشات کے اتباع کا ہو، وہ کسی بھی نشانی کو نہیں مانتا۔ جب اعتراض کرنے والوں کے اندر بھی تضاد ہو تو اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل جو کسی کی خواہشات کا اتباع کرے، وہ ظالموں سے ہوتا ہے۔

ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ يَعْرِفُونَهُۥ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَآءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ ٱلْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾ وقف منزل

ہم نے جنہیں کتاب عطا فرمائی ہے، وہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان کا ایک فریق یقیناً حق کو چھپاتا ہے اور انہیں معلوم ہے۔

اہلِ کتاب تحویلِ قبلہ سے کسی شک میں مبتلا نہیں ہوئے۔ یہ حضور کو ایک ایک نشانی سے پہچانتے ہیں۔ جیسے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کرتے، ویسے ہی حضور کے پہچاننے میں انہیں کوئی شک نہیں۔ اپنی خواہشات کا اتباع کرنے کی وجہ سے ان کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے جان بوجھ کر، اور یہ قبولِ حق کے مقابل اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہیں۔

حاصل : قبولِ حق کے مقابل جہاں اپنا تشخص برقرار رکھنا زیادہ ضروری معلوم ہو، وہاں حق کا چھپانا جان بوجھ کر ہو گا۔

ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾ ع

حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے، تو شک لانے والوں میں سے نہ ہو۔

حق کسی کی خواہشات سے تعلق نہیں رکھتا۔ رب العالمین کی طرف سے ہے، اور لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ رب العالمین تو احتیاج سے پاک ہے۔ جس کی بات ماننے سے ماننے والوں کو ہی فائدہ پہنچے، اور وہ کوئی چاہت نہ رکھتا ہو، اس کے فرمان میں شک کرنے والا حق سے پھٹ جاتا ہے اور دور جا پڑتا ہے خسارے میں۔

حاصل : جس کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اور خواہش سے پاک ہو، اس میں شک کرنے والا حق سے ہٹ کر دور جا پڑتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

[اور جس دن ہم ہر امت میں ان پر انہی میں سے گواہ اٹھائیں گے، اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر یہ کتاب، ہر شے کو روشن بیان کرنے والی، نازل فرمائی، اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کے لئے۔]

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور ہر ایک کے لئے توجّہ کی ایک سمت ہے جدھر وہ رُخ کرتا ہے، تو بھلائیوں میں سبقت کرو۔ تم کہیں ہو، اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

توجہ کے لئے ایک سمت تو ہوتی ہی ہے، اور کوئی ایک رخ ضرور اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ہو، تو بھلائیوں میں سبقت ہو گی اور اگر اس کے خلاف ہو، تو صورت غیر ہو گی۔ حاصل بھی غیر ہی ہو گا۔ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی یقینی ہے کہ بھیجنے والا وہی ہے۔ کوئی بھی حالت اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ جب واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقینی ہے اور اس کے خلاف کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، تو پھر خوشی سے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے کہ یہ اللہ کے نزدیک صداقت کی سند ہے۔

حاصل : جب واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقینی ہے، تو پھر فلاح اسی میں ہے کہ بھلائیوں میں سبقت کی جائے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

اور جہاں سے آؤ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور بے شک یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اللہ

عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾ تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

مسجدِ حرام کی مرکزیت رب العالمین کے حکم سے ہے۔ مقام کوئی ہو اسی مرکز کی طرف رخ کرنے سے جماعت کے ساتھ ہونے کا ثبوت ملے گا، اور عمل کے ایک ہونے کا ثبوت ملے گا۔ جب تک رخ ایک نہ ہو عمل ایک ہو ہی نہیں سکتا، اور کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔

حاصل : رخ ایک ہو، تو عمل ایک ہی ہو سکتا ہے۔

وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَيۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۚ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِىۡ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾

اور تم جہاں سے آؤ اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنا رخ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے، مگر جو ان میں سے ظالم ہیں۔ تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اور اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں، اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

حرکت کے وقت بھی جماعت کا ساتھ رہے، اور سکون کے وقت بھی جماعت کا ساتھ رہے، تو یہ ہوتا ہے تعلقِ تام۔ اور یہی تعلق تام عدمِ تضاد کا ثبوت ہوتا ہے۔ جب ہر مقام پر حرکت کے وقت رخ شاہد کے اتباع کا ہو، اور سکون کے وقت بھی رخ اسی کے اتباع کا ہو تو لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے گی۔ جن لوگوں کی بات ان کی خواہشات کے تحت ہوتی ہے، وہ ظالم ہیں۔ ان سے ڈرنا اور ان کے اعتراض کو وقعت دینا خلافِ حق ہے۔ جب اہل کتاب پر تحویلِ قبلہ کا یہ حال روشن ہے تو اس شانِ مرکزیت کو قائم کرنے سے ہی ان پر صداقت روشن ہو گی۔ خلوت و جلوت میں جو اللہ کے محبوب کے اتباع کے دعوے میں پورا رہے اس پر مزید انعام ہوتا ہے، آسانیاں عطا ہوتی ہیں، اور ہدایت ملتی ہے۔ ہدایت حیات دنیا میں سیدھے اور سچے رہنے کا انعام ہے اور حاصل ہے۔

حاصل : حرکت و سکون میں رخ شاہد کے اتباع کا ہو، تو لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے گی، کہ حضور کا رخ تو معیار ہے۔ بے علم کا اعتراض بے وقعت ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا حق ہے، کہ جزا دینے والا وہی ہے۔

كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ جیسا کہ ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

رسول بھیجا، کہ تم پر ہماری آیات تلاوت فرماتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت دعا کی تھی کہ ان کی ذرّیت سے ایک رسول مبعوث فرمایا جائے جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ دعا کو شرفِ قبولیت بخشا گیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ کی دعا کا حاصل ہوئے۔ جن کی اصلاح مقصود ہو، معیار ان کے سامنے ہمہ وقتی موجود رہنا چاہئے۔ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ کتاب کی تعلیم یہ ہے کہ احکامِ خداوندی کی بجا آوری واضح ہو۔ حکمت کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا علم ہو۔ یہ علم پہلے نہیں تھا کسی کو، کہ خلافِ حق کرنے والے کی لاعلمی پر شہادت دینے سے اس کا بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اس سے معافی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور، دیر چاہے لگ جائے، رحمت کی شاخ اس سے پھوٹتی ضرور ہے۔

حاصل : حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ جسے اللہ کا محبوب پاک کرے اس کی بسم اللہ عمل سے ہوتی ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم سے صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع ۵/۱۸

تو میرا ذکر کرو میں تمہارا کروں گا، اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنا بندے کا حق ہے۔ ذکر کرنے والا حضور کا اُمتی ہو جاتا ہے۔ ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے نام کو بلند کرتا ہے۔ شکر یہ ہے کہ اللہ کے محبوب پر درود بھیجا جائے۔ درودِ پاک پڑھنے والا اللہ کا بندہ بن جاتا ہے، اور شاکر ہو جاتا ہے۔ حضور کے قربیٰ سے مؤدۃ نہ ہو تو یہ ناشکری ہو گی۔

حاصل : ذکر کرنے والا حضور کا اُمتی، اور درودِ پاک پڑھنے والا اللہ کا شاکر بندہ بن جاتا ہے۔ حضور کے قربیٰ سے مؤدت ہی ناشکری سے بچنے کی صورت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

[بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول تشریف لائے، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مومنین کے ساتھ نہایت مہربان، رحم کرنے والے۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

اے ایمان والو، صبر اور نماز سے استعانت لو۔ بے شک اللہ کی معیت صابرین کو حاصل ہوتی ہے۔

ہونا اور نہ ہونا دو مقامات ہیں۔ دونوں مقامات پر پورا رہنا صداقت کی سند ہے۔ ہونے کا مقام شکریئے سے اور نہ ہونے کا مقام صبر سے طے ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ نہ ہونے کے مقام پر علیم مطلق کی عطا کو مزید علم عطا ہونے کی صورت جانا جائے تو یہ صبر ہے۔ صابرین کا ساتھ رکھا جائے تو یہ صبر سے مدد لینا ہے، کہ صابرین اللہ تعالیٰ کی معیّت میں ہیں۔ نماز سے استعانت یہ ہے کہ رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا رہے، اور صفائی موجود رہے۔ جو نہ ہونے کے مقام پر بھی حق پر رہے معیّتِ حق کا انعام ضرور پاتا ہے۔

حاصل : صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ مصائب و آلام آسانی سے گزر جاتے ہیں اور معیّتِ حق کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾

جو اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں انہیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ولیکن تمہیں شعور نہیں۔

اللہ کی راہ میں قربان ہونے والا اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، اور اس طرح "الحیّ" کی معیت کا شرف پالیتا ہے۔ موت اس کے لئے وصال کا دروازہ ہوتی ہے۔ اسی معیت کا نام زندگی ہے۔ جو لوگ معیت حق سے حاصل ہونے والی زندگی کو نہیں جانتے انہیں شعور نہیں۔ جان قربان کرنے والا اتنا بڑا مرتبہ پالیتا ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں، کہ اس کا سب کچھ مقبول ہو جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے والے کا سب کچھ مقبول ہو جاتا ہے۔ زندگی نام ہی معیّتِ حق کا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

اور ضرور ہم تمہیں دیکھیں گے خوف سے اور بھوک سے، اور اموال اور انفس اور ثمرات کی کمی سے۔ اور صابرین کو بشارت دیجئے۔

مقام صبر پر پورا ہونے کا ثبوت صرف قول سے نہیں ہو سکتا۔ پہلا ثبوت، خوف کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے، اس طرح کہ ناپسندیدہ نتیجے کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو مانا جائے۔ اس یقین کے ساتھ کہ نتیجہ باذن اللہ ہی ہے اس لئے

کسی دوسرے کا خوف کیوں ہو۔ دوسرا ثبوت ، بھوک کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ صابر کو تو یہ یقین رہتا ہے کہ عطاسب منجانب اللہ ہے۔ اس لئے اگر کمی ہو جائے تو بھی وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ اس کے وجود کی اصلاح اسی طرح ممکن ہے کہ اسے بھوکا رکھا جائے اور جب بھوک درکار نہ رہے گی تو علیم مطلق کے پاس کسی شے کی کمی تو ہے نہیں، نہ کسی سے اسے اجازت لینی پڑتی ہے۔ وہ جو بھی عطا فرمائے گا، علم سے فرمائے گا، اور اس کا جواب نہیں ہو گا۔ تیسرا ثبوت : اموال کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ وہاں یہ دیکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا کرنا مقصود ہے۔ مقصود پر نظر ہو تو پریشانی سے نجات ہو جاتی ہے۔ چوتھا ثبوت : انفس کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے۔ جانیں کم ہو جائیں تو بھی شکایت کا کلمہ زبان پر نہیں آتا۔ نتائج کو باذن اللہ اور نصرتِ ایزدی کے ساتھ ہی مانا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ عددی قوت کو نتیجے کا باعث نہ ماننا صبر کی ایک سند ہے۔ پانچواں ثبوت : ثمرات کی کمی کے مقام پر پورا رہنے سے ملتا ہے کہ ثمرات کی کمی کے باوجود بھی حق داروں کا حق بدستور دیا جائے، اور وحدانیت برقرار رہے۔ ان پانچوں مقامات پر پورا رہنے والے صابرین کے لئے بشارت ہے۔ انہیں معیّتِ حق کا انعام ملتا ہے، حاصل جس کا فلاحِ دارین ہے۔

حاصل : خوف سے، بھوک سے، اموال، انفس اور ثمرات کی کمی سے صبر کو دیکھا جاتا ہے۔ جو ان پانچوں مقامات پر پورا رہے، اس صابر کو فلاح کی بشارت ملتی ہے۔

الَّذِينَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، کہتے ہیں، ہم اللہ ہی کے ہیں، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

صابرین کی شان یہ ہے کہ انہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، ہم اللہ ہی کے ہیں، اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ ہمارا بھیجنے والا علیم مطلق ہے، توفیق دینے والا معطیٔ مطلق بھی وہی ہے، واپسی بھی اسی کی طرف ہو گی، اس لئے ان کا رخ اسی قادرِ مطلق کی رضا کا رہتا ہے۔

حاصل : جس کی طرف سے آئے ہیں، اسی کی طرف جانا ہو گا۔ آنے اور جانے کے درمیان جو وقت ہمیں اپنی صداقت کے ثابت کرنے کے لئے میسّر ہے، اس میں رخ اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا رہنا چاہئے۔

أُو۟لَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی صلواۃ ہیں، اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔

یہ لوگ جو مصائب پر صبر کرتے ہیں، مالکِ حقیقی کا رخ رکھتے ہیں، شکایت کے کلمات سے بالا رہتے ہیں۔ ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے عنایات ہوتی ہیں۔ انہیں تائیدِ ایزدی ملتی ہے۔ رحمتِ خداوندی انہیں گھیرے رکھتی ہے۔ ان کا چھوٹا سا

عمل بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑی شان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے دربار میں سچا ثابت ہونے والوں پر عنایات اور رحمت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ ہونے کے بعد نہ ہونے کے مقام پر پورا رہنے سے ہدایت یافتہ ہونے کی سند ملتی ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

بے شک صفا مروہ اللہ کے شعائر سے ہیں۔ تو جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اسے کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں میں پھیرے کرے۔ اور جو بھلائی اپنی خوشی سے کرے، تو بے شک اللہ شاکر علم والا ہے۔

صفا اور مروہ ان لوگوں کے قدم کی بدولت جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ ہیں، رحمت ہے، جن کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند ہے، اللہ تعالیٰ کے شعائر سے ہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ "سعی" کرتی رہیں۔ ان کا عمل اس قدر مقبول ہوا کہ یہ دونوں مقامات اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ہیں۔ حج کا موقع ہو یا عمرہ کا، صفا و مروہ کے درمیان سعی لازم ہے۔ عمرہ کے لئے عرفات میں جانے کی شرط نہیں۔ اللہ کے مقبول بندوں کی سنّت اگر لوگوں کی کم علمی کی بدولت اصلی صورت سے بڑھ جائے یا کم ہو جائے، تو علم والوں پر اس کے احیاء کا حق ہے۔ اس کی اصلیت کو روشن کرنا ضروری ہے۔ کم علم لوگوں میں شمار کئے جانے کے خوف سے اچھے عمل کو ترک کرنا حق نہیں ہے۔ بھلائی یہ ہے کہ رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ہو، اور اس کی عطا کردہ توفیق کو ایسے مقامات پر اس کی رضا پر لگایا جائے جن پر پہلے مخلصین کے نقوشِ قدم واضح نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں مخلصین کے قدم سے روشنی پھیلتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے۔ اعلم سے بڑا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے۔ جس کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند موجود ہو، اس کا قدم مستند ہوتا ہے، اور اس کے قدم سے راستہ روشن ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : مخلص کے قدم سے راستہ روشن ہوتا جاتا ہے۔ صفا اور مروہ کی سعی، حج و عمرہ میں لازم ہے۔ ہدایت یافتہ لوگوں کی بدولت قدر و منزلت اور علم بڑھتا رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ

بے شک جو لوگ جو ہماری نازل فرمائی ہوئی بینات کو اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾

لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں کو چھپانے والے جن سے لوگوں کو حق کا راستہ ملے، اور ہدایت کی روشنی کو چھپانے والے لعنتی ہوتے ہیں۔ لعنتی وہ ہوتا ہے، جو خود بھی خلافِ حق کرے اور دوسروں کا راستہ بھی روکے۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پاک جماعت کی لعنت ہوتی ہے۔

حاصل : حق اور بھلائی کا چھپانے والا لعنتی ہوتا ہے۔ برائی کرنا اور دوسروں کو برائی پر لگانے کا اہتمام کرنا، لعنتی کی نشانی ہے۔ لعنت کرنے والے کا پاک ہونا شرط ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

مگر وہ جو توبہ کریں اور اصلاح لیں اور روشن کر دیں تو ان پر توجہ کرتا ہوں۔ اور میں بڑا توجہ کرنے والا، رحم فرمانے والا ہوں۔

حق کو چھپانے والے، اور دوسروں کا راستہ روکنے والے جب تائب ہو جائیں، برے راستے کو چھوڑ دیں، صالحین سے اصلاح لیں، اور حق کو روشن کر دیں، تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توجہ کے لائق ہو جاتے ہیں۔ وہ رحم سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ برائی کی وجہ سے کوئی برا ہوتا ہے، برائی دور ہو جانے کے بعد اس پر رحم نہ کرنا معیّتِ حق کا ثبوت نہیں ہے۔

حاصل : توبہ کرنے اور اصلاح لینے اور حق کو روشن کرنے سے، اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور رحم فرماتا ہے۔ جو برائی سے پاک ہو جائے اس سے دوری معیّتِ حق کا ثبوت نہیں ہوتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ملائکہ کی اور لوگوں کی، اکٹھی۔

جو لوگ حق کا انکار کریں، اور حالتِ انکار ہی پر مر جائیں، ان پر اللہ کی لعنت ہے، ملائکہ کی لعنت ہے، اور لوگوں کی لعنت ہے اکٹھی۔ یہ لوگ اللہ کے فرمان کی خلاف ورزی کی بدولت ملعون ہوئے۔ حق کے ماننے والے ان سے واسطہ نہیں رکھتے۔

حاصل : حق کے منکر کے ساتھ واسطہ نہیں رکھنا چاہئے، اس زندگی میں بھی اور ان کی موت کے بعد بھی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان پر نہ عذاب خفیف ہو گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

جو لوگ حالتِ کفر پر اس دنیا سے لوٹیں وہ لعنتی ہیں، ان پر دائمی لعنت ہے۔ لعنت کی حقیقت دوری ہے۔ دوری کی حقیقت عذاب ہے۔ لعنتی پر نہ تو عذاب ہلکا ہو گا، نہ ہی اسے مہلت دی جائے گی۔

حاصل : ہر آن مسلمان رہنا چاہیے۔ بلاوا کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع

۱۹ ع ۱۱ ۳

اور تمہارا معبود الہ واحد ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی الرحمٰن الرحیم ہے۔

خالقِ کل، معطیٔ مطلق اور قادرِ مطلق ہی معبود ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ عطا بھی سب اسی کی طرف سے ہوئی ہے۔ جزا بھی اسی معبودِ لاشریک کی طرف سے ہو گی۔ وہ لوگوں کو اپنے رحم سے نوازتا ہے۔ اگر کوئی اصلاح کی حد سے دور جا رہا ہو تو الرحمٰن اس پر ایسی صورت مسلّط کر دیتا ہے کہ وہ اپنے تجربے کی بنا پر معبودِ لاشریک کو ماننے لگتا ہے۔ جب وہ اصلاح کو قبول کرے، اور صالحین کی معیّت میں رہے تو پھر اس پر رحم ہی رحم ہوتا ہے۔

حاصل : معبود ایک ہی ہے۔ دور ہونے والوں کو ان کے تجربات کی بنا پر قریب ہونے کی توفیق دیتا ہے۔ قریب ہونے والوں پر بے حساب رحم کرتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

[سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کس کا اتباع کر رہے ہیں، وہ جو اللہ کے مقابل شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ تو اپنے ظن ہی کا اتباع کر رہے ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑا رہے ہیں۔]

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف، اور کشتی کہ بحر میں لوگوں کے نفع کو چلتی ہے، اور جو اللہ نے

النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا بعد اس کے کہ وہ مر چکی تھی، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل جو آسمان اور زمین کے مابین مسخر ہیں ان میں یقیناً عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق ایک خالق کی مظہر ہے۔ رات اور دن کا فرق بھی ایک خالق کا مظہر ہے۔ یہ بنیاد جس پر ہم کھڑے ہوتے ہیں اور وہ وقت جو ہمارے کام آتا ہے، خالقِ کل کی عطا ہے۔ خالقِ کل اتنے بڑے علم والا ہے کہ اس نے کوئی شے بے مقصد نہیں بنائی، جو بھی بنایا ہے لوگوں کے فائدے کے لئے بنایا ہے، اور اجر کا سوال بھی نہیں کرتا۔ کشتی کے ارکان بھی اسی نے پیدا کئے، جس بحر میں لوگوں کے نفع کو وہ چلتی ہے وہ بھی اسی کی تخلیق ہے۔ جو نعمتیں لائی اور لے جائی جاتی ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ زمین کی قوتِ روئیدگی کا تعلق زیرِ زمین پانی کی ایک خاص سطح سے ہے، اور جب زمین کی روئیدگی کا فعل معطل ہو جائے تو انسان کی تجویز سے اس کی زندگی کے لوازمات میسر نہیں آتے۔ مردہ زمین کو زندہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آسمان سے پانی نازل فرما کر وہ اس کے فعل کو بحال کر دیتا ہے۔ زمین کے فعل کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اس میں سب جانور پھیلائے گئے ہیں۔ ایک بھی بے مقصد نہیں ہے۔ جن جانوروں کی افادیت لوگوں کے علم میں ہو انہیں دوست جانتے ہیں، دوسروں کو دشمن۔ جو جانور انسانی استعمال کی چیزیں کھاتے ہیں وہ بھی بے بدل خدمت انجام دے رہے ہوتے ہیں۔ جب ان کی خدمت بھی روشن ہو جائے، تو قربِ خداوندی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اور ہواؤں کا رخ اگر ایک ہی رہے، تو یہ بھی عذاب کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ہواؤں کے رخ کا بدلنا خالقِ کل کی شان ہے۔ ایک وقت پر مسلسل ایک رخ پر چلنے والی ہوا کے لئے واحد کا صیغہ ہوتا ہے۔ ہواؤں کے رخ بدلنے سے زندگی کا عمل آگے بڑھتا رہتا ہے۔ پھر بادلوں کے آسمانوں اور زمین کے مابین مسخر ہونے کی صورت ہے۔ مقام کے اعتبار سے، ہوا کی سواری پر ہونے کے اعتبار سے، اور بننے سے برسنے تک سارے مراحل میں بادل خالق مطلق کے مظہر ہیں۔ جب زندگی کے سارے ارکان ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آسمان اور زمین میں، لیل و نہار میں، نعمتوں کے نقل و حمل میں، زمین کے استعمال میں، جانوروں سے خدمت لینے میں، ہواؤں اور بادل سے فوائد حاصل کرنے میں، رخ اللہ تعالیٰ کا رہے۔ اس کی عطا وقتی ہو یا اجل مسمّٰی تک ہو اپنا جواب نہیں رکھتی۔

حاصل : عطائے خداوندی دائمی ہو یا وقتی، پورے علم سے ہوتی ہے، اور عقل مند کے لئے باعثِ قرب ہوتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ

اور کچھ اللہ کے مقابل والوں کو اخذ کرتے ہیں، اور اللہ کی حبّ کی طرح ان سے حبّ رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کو اللہ کی حبّ

كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

ہی اشد ہوتی ہے۔ اور اگر یہ ظالم اسے دیکھیں جب عذاب ان کے سامنے آئے گا، کہ قوت سب اللہ ہی کی ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب شدید ہے۔

جو لوگ اسباب تک ہی نظر رکھتے ہیں، وہ منکرینِ حق کو ماننے لگتے ہیں، کہ مطلوب جس کے ہاتھ میں نظر آئے وہی ان کا مقصود ہوتا ہے۔ وہ اسے معطیٔ مطلق کی طرح ماننے لگتے ہیں۔ یہ خلافِ حق ہے۔ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی حب اشد رکھتے ہیں۔ حکم اللہ تعالیٰ کا مانتے ہیں، اور اللہ کے محبوب کے نقشِ قدم پر رہتے ہیں۔ اس طرح ان کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جب تک شاہد کی کامل معیت نہ ہو، اللہ کی حبّ کے اشد ہونے کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ اسباب تک نظر رکھنے والے یہ دیکھیں کہ اسباب کا خاتمہ ضرور ہو گا، پھر اسباب کو خلافِ حق استعمال کرنے کا حساب بھی ہو گا، اس وقت مہلت بھی پوری ہو چکی ہو گی، قوت اللہ تعالیٰ ہی کی ہو گی، جزا دینے والا بھی وہی ہے، اس کا عذاب بھی شدید ہے۔

حاصل : جس کو اللہ کی حبّ اشد نہ ہو، وہ عذابِ شدید کی طرف بڑھ رہا ہے۔ قوت سب جزا دینے والے کی ہی ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

جب بےزار ہوں گے پیروی کرانے والے اپنے پیروی کرنے والوں سے، اور دیکھیں گے عذاب، اور اسباب ان سے قطع ہو جائیں گے۔

جو لوگ اسباب کی موجودگی کی بدولت دوسروں سے پیروی کراتے ہیں، وہ اسباب کی حد تک اپنی غرض و غایت کے تحت اپنا اتباع کرنے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے لئے اسباب کے خاتمے پر بےزاری کا پیدا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اور جب اسباب کو اپنی خواہشات پر لگانے کے نتیجے میں عذاب سامنے آ جائے، تو دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

حاصل : اسباب کو جہاں اپنی خواہشات پر لگایا جائے، اس کا حاصل بےزاری اور دشمنی ہی ہوا کرتا ہے، کہ اسباب کو دوام نہیں ہوتا۔ مسبّب الاسباب کی حب اشد ہو تو دائمی تعلق رہتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ

اور پیروی کرنے والے کہیں گے، اگر ہمیں لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے بیزاری کریں جیسے یہ ہم سے بےزار ہوئے۔ اللہ اسی طرح انہیں ان کے اعمال

ع وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

کی حسرتیں دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

اسباب سے چمٹنے والے جب اسباب کی بدولت اپنے محکوم بنانے والوں کی بے زاری دیکھیں گے، تو وہ بھی کہیں گے : اگر ہمیں لوٹ کر دنیا میں جانا ہو، کچھ مہلت ملے، تو ہم بھی ان لوگوں سے بے زاری کا اظہار کریں، جیسے یہ ہم سے بے زار ہیں۔ یہ ان لوگوں کے اعمال کا حاصل ہو گا، جو حسرتوں کی صورت میں ان پر وارد ہو گا، کہ عمل کے لئے مزید توفیق تو ملے گی نہیں، اور ان کے سچے ثابت ہونے کا امکان بھی نہ ہو گا۔ ان کے اعمال کا نتیجہ آگ کی صورت میں انہیں گھیرے گا، جس سے نکلنا ان کے بس کی بات ہی نہیں۔

حاصل : اسباب سے چمٹ کر پیروی ہمیشہ غیر کی ہو گی، اور غیر ہی کرے گا۔ مومن کا منشاء مسبّب الاسباب کی رضا اور مخلصین کا اتباع ہوتا ہے۔ اسباب پر قائم ہونے والے تعلقات حسرت پر ہی منتج ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

[جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کی حفاظت کو نہیں بھیجا۔]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾

اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال طیب ہے، اور شیطان کے خطوات کا اتباع نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہی سب اشیاء بنائی ہیں۔ تحلیل و تحریم کی حدود بھی اسی نے مقرر فرمائی ہیں۔ یہ حدود لوگوں کی بھلائی کے لئے ہیں۔ اللہ کی نعمتیں حصول سے استعمال تک اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ حدود اللہ کا احترام قائم رہے۔ ان تمام مقامات پر رخ خیر کا ہو گا تو اللہ کے محبوب کا اتباع ہو گا، ورنہ شیطان کے گھیرے سے بچ رہنا ناممکن ہو گا۔ جس کا منشاء ہی انسانی دشمنی ہو، اس کے قدم کے خلاف رہنا ہی سلامتی کی علامت ہو گی۔

حاصل : عدوٌ مبین کے قدم کے خلاف رہنا صحت کی علامت ہے۔

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾

وہ تو تمہیں برائی اور فحش ہی کا امر کرے گا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ پر وہ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

عطائے خداوندی کو غیر کے ہاتھ سے لینے کا امر شیطان کا پہلا امر ہوتا ہے۔ وہ نفس کو احساس دلاتا ہے کہ اپنا فائدہ ملحوظ رکھو، اور یہ بتاتا ہے کہ تمہیں عطا کچھ نہیں ہو گا بلکہ چھیننا پڑے گا۔ اس کے ساتھ برائی اور بے حیائی دونوں لازمی قرار پائیں گی۔ اس طرح انسان نہ اپنے ساتھ پورا رہے گا نہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنی خواہش کے تحت اپنا گمان بیان کرنے لگے گا، اور یہ معیار حق کو اپنی چاہت کے مطابق بنانے کی کوشش ہوگی۔ اللہ کے بارے میں علم سے بولنے کی صورت یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات ہو جانے کی صورت میں لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان کیا جائے۔

حاصل : شیطان کا اتباع کرنے والا اپنے ساتھ بھی پورا نہ رہے گا، اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھی پورا نہ رہے گا، اور معیارِ حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش بھی کرے گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

اور جب انہیں فرمایا جائے، اس کا اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، کہتے ہیں، ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے آباء بے عقل ہوں اور بےہدایت ہوں۔

جو لوگ شیطان کے قدموں پر چلتے ہیں اور من مانی کرتے پھرتے ہیں، جب ان سے فرمایا جائے کہ اللہ کے فرمان کو مانو، اس کے عبادِ مخلصین کے قدموں پر چلو، تو وہ کہتے ہیں، ہم تو اپنے آباء واجداد کے قدموں پر ہی چلیں گے، ہمارے لئے وہی معیار ہیں۔ معیار تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو تو حق ہوتا ہے۔ معیاری ہونے کے لئے معیار کا کامل اتباع لازم ہے۔ کامل اتباع کے لئے عقل اور ہدایت شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ عقل مندی یہ ہے کہ خالقِ کل کے علم کو ہی باعثِ فلاح مانا جائے اور اس کے مقابل حق سے دور کرنے والے علم کا انکار ہو۔ ہدایت یہ ہے کہ مخلصین سے خالص محبت ہو۔ اگر یہ دونوں صورتیں عقل اور ہدایت کی موجود ہوں تو ایسے لوگوں کے اتباع سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے، لیکن ہوتا حال ہی سے ہے۔ اس لئے کہ ماضی کی فضیلت تبھی ہے جب حال اس کا شاہد ہو۔ جو لوگ اپنی پسند کو معیار بنا لیتے ہیں ان کا کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : قابلِ اتباع وہ ہے، جو حق کے قریب کرنے والے علم کو مانتا ہے، حق سے دور کرنے والے علم کا انکار کر کے عقل مندی کا ثبوت دیتا ہے، اور مخلصین سے محبت رکھتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ

اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے، جیسے پکارے کوئی شخص کسی کو کہ سوائے پکارنے اور بلانے کے کچھ نہ سنے۔ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، تو وہ عقل نہیں

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ کرتے۔

کافروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسی کو پکارنے والا تو دعوتِ فلاح دے رہا ہو، جس کو پکارا جارہا ہو وہ صرف یہی سمجھتا ہو کہ اسے کوئی بلا رہا ہے اور بس۔ جو کان خواہشاتِ نفس سے لگے ہوں وہ بہرے ہیں، جو زبان خواہشاتِ نفس کے تابع ہو وہ گونگی ہے، اور جو آنکھیں خواہشاتِ نفس کے تحت دیکھیں وہ اندھی ہیں۔ عقل مندی یہ ہے کہ اس کی سنی جائے جس کی بات اللہ کی بات ہو، وہ بیان کی جائے جس سے فائدہ پہنچ چکا ہو، اور دیکھا محبوبِ الٰہی کے قدم کو جائے۔ قویٰ کا رضائے الٰہی کے خلاف استعمال بے عقلی ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کی بات کا سننا، اور جس سے فائدہ ہو چکا ہو اس حال کا بیان کرنا، اور نظر شاہد کے قدم پر رکھنا یہ عقل مندی ہے۔ کافر عقل نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

اے ایمان والو، طیبات سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں رزق دیا، اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

طیّبات وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال فرمائی گئی ہیں۔ عطاالٰہی تعالیٰ کی طرف سے ہے ایمان والوں کو۔ وہ رضائے الٰہی کے لئے اور اس کے فضل کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ پھر جو رزق ملے اسے صرف اپنے لئے ہی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں عمل سے، کہ وہ رزق حق داروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ یہ شانِ بندگی ہے۔

حاصل : شانِ بندگی یہ ہے، کہ حدود اللہ کا احترام ہو، عطا کو منجانب اللہ جانا جائے، اور رضائے الٰہی کے لئے کھایا بھی جائے کھلایا بھی جائے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

اس نے تم پر یہی حرام کئے ہیں : مردار، اور خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ پھر جو اضطرار میں ہو، نہ تو خواہش سے کھائے اور نہ زیادتی کرے، تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تحریم فرمائی گئی ہے وہ ہے مردار، اور خون، اور خنزیر کا گوشت، اور جس پر اللہ کا نام ذبح کرتے

ہوئے نہ لیا جائے۔ جس کی جان بغیر تکبیر کے جائے وہ مردار ہے۔ خون وہ ہے جو بہہ چکا ہو رگوں سے، اس لئے گوشت کو دھو کر استعمال کیا جائے تو حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ملتا ہے۔ خنزیر ایک چوپایہ ہے، جس کا گوشت حرام فرمایا گیا ہے۔ اس کے گوشت کے کھانے والے بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شہوت انہیں آدمیت کی سطح سے گرا دیتی ہے۔ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے لیا جائے وہ شرک کے عمل کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ اضطرار کی حالت وہ ہوتی ہے کہ آدمی بھوک کے برداشت کرنے کی حد سے اپنے آپ کو گزرتا ہوا دیکھے، اس وقت اس کے لئے اس تحریم میں وقتی رعایت یہ دی گئی ہے کہ وہ نہ تو کھائے خواہش سے، اور نہ سیر ہو کر، تو اس حد کا احترام کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔

حاصل : مردار، خون، خنزیر کا گوشت، اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے حرام ہیں۔ اضطرار میں وقتی رعایت ہے۔ حدود اللہ کا احترام کرنے والے کو بخش دیا جاتا ہے، اور اس پر رحم فرمایا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب سے چھپاتے ہیں، اور اس کے بدلے قلیل دام لیتے ہیں، وہ اپنے بطون میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہ کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات بدلتے نہیں۔ انبیاء سابقین کے لئے بھی تحلیل و تحریم کی حدود مقرر فرمائی گئی تھیں جو کتبِ سابقہ میں مذکور تھیں۔ مگر اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں نے جو ان کتابوں کو جانتے تھے، اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کو چھپایا، اور حدود اللہ میں تحریف کر کے قلیل دام لئے۔ فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو بھی حاصل ہو گا، اس کی حقیقت آگ ہے۔ جو لوگ وقتی مفاد کے لئے ناحق کرتے اور کراتے ہیں وہ اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم کیا جائے۔ ان کا کیا دھرا سب بے حقیقت ہو گا۔ ان سے کلام بھی نہ کیا جائے گا اور انہیں پاک بھی نہیں کیا جائے گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے محبوب سے تزکیہ حاصل ہوا اسے اللہ تعالیٰ پاک کرے گا۔ خلاف حق کرنے کا انجام المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : حق کو چھپانے والے اس کی قیمت بھی وصول کرتے ہیں۔ حقیقتاً وہ اپنے بطون میں آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام کرے۔ ناپاکی کا انجام المناک عذاب ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

یہی ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب۔ تو کس قدر ٹکے رہنے والے ہیں وہ آگ پر۔

جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں، اور اس کے دام وصول کرتے ہیں، یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں اور مغفرت کے بدلے عذاب۔ اگر یہ حق کو بیان کر دیں، تو ان کو خوف و حزن سے نجات حاصل ہو اور ہدایت ملے۔ یہ حق کا اخفا کر کے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتے ہیں۔ توفیق ایزدی کو رضائے الٰہی پر لگانے کی بجائے، یہ فرمانِ خداوندی کو لوگوں کی خواہشات کے مطابق بنانے کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ یہ مغفرت کے بدلے عذاب خریدنے والی بات ہے۔ ان لوگوں کا کیا دھرا سب آگ ہے۔ اندر بھی ان کے آگ ہے، باہر بھی۔ جو حال ہے، یہی مستقبل ہو گا۔ اب خفی ہے تب جلی ہو گا۔

حاصل : حق کو چھپانے والے اور اپنی خواہشات کے تحت اس میں تحریف کرنے والے، ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدتے ہیں۔ ان کے اندر باہر آگ ہی ہو گی۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾ ع ۲۱ ۵

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ اور بے شک جو لوگ کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے، یقیناً وہ ضد میں دور جا پڑے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ جو حق کے مطابق رہے وہ سچا ہے۔ جو جانتے ہوئے حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ آگ پر ٹکا رہنے والا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی میں اپنی خواہشات کو داخل کرنے لگیں، ان سے بڑا ضدی اور جھگڑالو کون ہو سکتا ہے۔ حق جہاں بھی ہو، حق کی تائید کرے گا اور تصدیق کرے گا۔ اگر ایک جگہ حق روشن ہو، دوسری جگہ حق کا نام لے کر تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی جائے تو اختلاف کسی کے ضد میں منتہی ہونے کا ہی ثبوت ہو گا۔

حاصل : حق میں اختلاف ممکن ہی نہیں۔ اختلاف ثابت کرنے کی کوشش ضدی اور جھگڑالو ہونے کی انتہا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾

[یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں، جب تک وہ خود نہ بدل

جائیں۔ اور بے شک اللہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔]

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہی نہیں کہ رخ تمہارا مشرق یا مغرب کو ہو۔ ولیکن نیکی تو یہ ہے، جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے، اور اس کی حُبّ میں مال دے قربیٰ کو اور یتاما کو اور مساکین اور مسافروں کو اور سائلین کو اور گردنیں چھڑانے میں، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور جب عہد کریں تو اپنا عہد وفا کریں، اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، یہی لوگ صدق والے ہیں اور یہی متقی ہیں۔

نیکی محض کسی سمت سے تعلق نہیں رکھتی۔ رخ خیر کا ہو، اعمال سے اس کی شہادت ملے، تو صداقت و تقویٰ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پورا ثابت ہو جاتا ہے۔ نیکی کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو کہ وہ خالقِ کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، قادرِ مطلق ہے، اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یومِ آخر پر ایمان ہو کہ ایک دن جزا کا ہو گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اور ملائکہ پر ایمان ہو، یہ کہ وہ جو کرتے ہیں اسی کا انہیں امر ہوتا ہے۔ اللہ کی یہ پاک جماعت اللہ کے محبوب پر صلوٰۃ و سلام بھیجتی رہتی ہے۔ اور کتاب پر ایمان ہو کہ یہ فرمانِ خداوندی ہے، فلاح کی اس کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن نہیں کہ کسی کا گمان کسی طرح بھی اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ اور نبیوں پر ایمان ہو کہ وہ پاک اور مخلص بندے ہیں اللہ تعالیٰ کے۔ ان پر شیطان کا اغوا ممکن نہیں۔ صراطِ مستقیم کا تعین انہی حضرات کے پاک قدم سے ہوتا ہے۔ ان سے محبت ہو تو دعویٰ ایمان سچا ثابت ہوتا ہے۔ یہ قول کی صورت سے نیکی کے ارکان ہیں۔ کسی ایک رکن کا انکار بھی حق کا انکار ہو گا۔ عمل سے شہادت اس طرح ہو گی کہ مال جو معطیٔ مطلق کی عطا ہے، اس کی رضا کے مطابق قربیٰ، یتاما، مساکین، مسافروں، سوال کرنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے میں اللہ تعالیٰ کی اشد حُبّ سے خرچ کیا جائے۔ اس میں اتباع شاہد کا ہو۔ پہلا حق ان لوگوں کا ہے، جو حق کی

ادائیگی میں مسلسل لگے رہتے ہیں، اور اپنے آپ سے بے نیاز رہتے ہیں۔ دوسرا حق ان کا، جن کو سہارا دینے والا نہ ہو۔ تیسرا حق ان کا ہے، جن کی زندگی میں حرکت نہ رہی ہو۔ چوتھا حق ان کا ہے، جو کسی منزل کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ پانچواں حق ان کا ہے، جو سوالی ہو جائیں۔ ان کی صورت دیکھنا حق نہیں ہے، کہ سوال بھی اللہ کے نام پر ہو رہا ہے، تقسیم بھی اللہ کے لئے ہو رہی ہے۔ اور چھٹا حق ان کا ہے، جن کی گردنیں قرض میں پھنسی ہوئی ہیں کہ انہیں بوجھ کے نیچے سے نکال دیا جائے۔ اس کے ساتھ نماز بھی قائم رہے، زکوٰۃ بھی ادا کی جائے، کہ زکوٰۃ دی جائے تو مال اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل ہوتا ہے۔ عہد کو سر تک نبھایا جائے۔ مومن کے عہد میں شر کا کوئی مقام ہوتا ہی نہیں۔ جب کبھی سختی آ جائے، تکلیف آ پڑے یا جہاد کا موقع ہو، تو صبر سے ان تمام مقامات پر پورا رہا جائے۔ سختی پر صبر کی صورت یہ ہے کہ نہ ہونے کے مقام پر بھی تعلق باللہ میں رفعت ہو، حالات کو حکیم مطلق کی حکمت کے تابع مانا جائے، اور جہاد میں اپنے اسباب کی کمی بیشی بھی پریشان نہ کرے، دشمن کے اسباب کو بھی ملحوظ نہ رکھا جائے۔ یہ صداقت اور تقویٰ کے ارکان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی بدولت ان تمام مقامات پر اپنے فضل و کرم سے پورا رہنے کا شرف بخشے۔

حاصل : نیکی کسی سمت سے تعلق نہیں رکھتی۔ قول بھی حق ہو، حال بھی حق ہو، اللہ تعالیٰ پر، یوم آخر، ملائکہ، کتاب، اور نبیوں پر ایمان ہو۔ قربیٰ، یتاما، مساکین، مسافروں، سائلین پر اور گردنیں چھڑانے میں مال اللہ کی راہ میں لگایا جائے۔ نماز قائم ہو، زکوٰۃ ادا کی جائے، عہد وفا کیا جائے۔ سختی، تکلیف اور جہاد میں صبر کیا جائے، تو اللہ کے نزدیک صداقت اور تقویٰ مستند ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾

اے ایمان والو، قتل میں تم پر قصاص فرض ہوا۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی کی پیروی کرنی چاہئے اور اسے احسان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔ یہ تخفیف ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے المناک عذاب ہے۔

قصاص ایمان والوں پر فرض کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور قصاص یہ ہے کہ جو کسی کو اپنی خواہشاتِ نفس کے تحت

قتل کرے، خواہ آزاد ہو، غلام ہو یا عورت ہو، اسے قتل کیا جائے اور توازن قائم رکھا جائے۔ پھر جس کو مقتول کے ولی کچھ معاف کر دیں، اس معافی میں بھی رخ بھلائی کی پیروی کا ہی رہنا چاہئے۔ یہاں بھی حدود کا احترام ہی معیتِ حق کا ثبوت ہو گا۔ اور قاتل خون بہا کے ادا کرنے میں پورا رہے، اور معاف کرنے والوں کا بھی شکریہ ادا کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی شکریہ ادا کرے کہ اس نے یہ تخفیف رکھی ہے۔ ان حدود کو جان لینے کے بعد جو زیادتی کرے گا اس کا عمل غیر ہو گا، جس کا نتیجہ المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : مقصود حدود اللہ کا احترام ہونا چاہئے۔ قصاص مقتول اور قاتل کو برابر کرنے میں ہے۔ معافی بھی حق کے تحت ہو، ادائیگی بھی حق کے تحت ہو۔ اللہ کے فرمان کے مقابل جو اپنی مرضی کرے گا، المناک عذاب اسے ضرور ہو گا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

اور قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے اے عقل مندو، تاکہ تم بچو۔

جب قصاص لیا جائے گا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ جب منشاء تعمیلِ ارشادِ خداوندی ہو گا تو قصاص سے اعتدال قائم رہے گا اور لوگوں کو اپنی خواہشات کے اتباع سے بچاؤ رہے گا۔ اگر مقتول کے ولی معاف کر دیں، تو یہ طرفین کے اعتدال پر رہنے کی صورت ہو گی۔

حاصل : خرابی سے بچنے کے لئے حق کو ماننے کے علاوہ کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ قصاص کو روکا جائے گا تو انسانی خواہشات کے اتباع کا راستہ کھلے گا اور جانیں تلف ہوتی رہیں گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾

تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو والدین اور اقربین کے لئے وصیّت کر جائے بھلائی سے۔ یہ متّقین پر حق ہے۔

معروف کا علم حال پر عارف سے ہوتا ہے۔ کسی کے گمان کا نام بھلائی نہیں ہو سکتا۔ والدین اور اقربا کے لئے وصیت یہ ہے کہ ان کے مراتب کا احترام رہے، اور ان کے ساتھ معاملہ رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور علم سے ہو۔ اس وصیّت کا منشاء یہ ہے کہ معاشی استحکام اور توازن حاصل ہو، اور خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو راہ نہ ملے، تاکہ کمزور لوگ پامال نہ ہو جائیں۔ مومن کی وصیّت حق کے لئے ہوتی ہے، علم سے ہوتی ہے، اور بھلائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ ورثہ کی تقسیم کا تعیّن موجود ہے وصیّت کا تعین نہیں۔ وصیّت حال سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے حال کے مطابق ہوتی ہے۔

حاصل : اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت، والدین اور اقربا کی شان کو برقرار رکھنے کے لئے، ان کے حقوق کی احسن ادائیگی کے لئے وصیّت کرنا پرہیزگاروں کی شان ہے۔

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۸۱﴾

تو جو وصیّت سن کر بعد میں اسے بدل دے تو اس کا گناہ انہی بدلنے والوں پر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

وصیّت کرنے والا متقی ہونے کا حق ادا کرتا ہے، وصیّت کو سن کر اسے بدلنے والا اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے۔ جن لوگوں کو اس وصیّت کے بدلنے سے فائدہ پہنچتا ہو، ان پر بھی لازم ہے کہ وصیّت کو جاری کرنے کا حق ادا کریں ورنہ وہ سب گناہ گار ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔ جو کوئی حق کو چھپائے گا وہ اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہو گا۔

حاصل : وصیّت کو سن کر بدلنے والے کا تعلق وصیّت کرنے والے کی بجائے اس کے مال سے ہوتا ہے، گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وصیّت کرنے والے کو متقی مانا جائے اور اس کی وصیّت کو حسن و خوبی سے پورا کیا جائے۔

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع ۲۲ / ۶

پھر جسے خوف ہوا کہ وصیّت کرنے والے نے کچھ زیادتی یا گناہ کیا تو اس نے ان کے مابین صلح کرا دی، اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وصیّت کرنے والے سے اس حال کا بہتر جاننے والا اگر یہ سمجھے کہ وصیّت میں زیادتی ہوئی ہے یا کچھ خلافِ حق ہوا ہے تو وہ ان لوگوں پر اسے روشن کر دے۔ منشاء انہیں حق کے قریب کرنا ہو۔ وصیّت کرنے والے کے مشاہدے سے متعلق حالات و واقعات ان لوگوں پر واضح ہو جائیں، تو اس سے تعلق میں بگاڑ نہ رہے گا۔ لیکن یہ صورت وصیّت کرنے والے کی حیات میں ہو گی۔ وصیّت کرنے والے اور فیض یاب ہونے والوں کے مابین صلح ہو جائے تو یہ اچھی بات ہے۔ حق کے قریب کرنے کی نیت ہو، تو فیصلہ کرنے والے کے لئے وصیّت کو بدلنا گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : وصیّت کرنے والے سے اس حال کا بہتر جاننے والا وصیّت میں کوئی زیادتی یا گناہ دیکھے، تو اصلاح کر دے اور وصیّت کو روشن کر دے، تو یہ اس پر گناہ نہیں۔ کسی دوسرے کو بدلنے کا حق نہیں۔ وصال کے بعد بھی بدلنا حق نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے ۔

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجۡزِيَنَّ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

[جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے، اور یقیناً ہم صبر

کرنے والوں کو احسن اجر دیں گے، جو عمل وہ کرتے تھے۔]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے تم سے پہلوں پر فرض ہوئے تھے کہ تم متّقی ہو جاؤ۔

روزے کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طیّبات سے اس کی رضا کے تحت سحری سے غروبِ آفتاب تک رک جانا ہے۔ انسان کو اپنی خواہشاتِ نفس پر غلبہ حاصل ہو تو وہ فرمانِ خداوندی کو ماننے کا رخ کرتا ہے۔ روزہ جیسے پہلے تقوےٰ کا راستہ تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔ ایمان والے، علمِ الٰہی سے فیضیاب ہونے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ یقین متّقی ہونے کا راز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے بڑھ کر بندے کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

حاصل : متّقی کا یہ یقین ہی اسے گھیرے رکھتا ہے کہ فلاحِ دارین اعلم کی رضا میں ہے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

گنتی کے دن ہیں۔ تو تم میں جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں میں، اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ فدیہ دیں مسکین کا طعام۔ پھر جو خوشی سے نیکی کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

رمضان شریف کے مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا گیا ہے کہ جو رمضان شریف کے ایام میں مریض ہونے کی وجہ سے یا مسافر ہونے کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے، وہ اتنے ہی روزے دوسرے ایام میں پورے کرے، اور اگر ایسی صورت ہو کہ روزے کی طاقت ہی نہ ہو تو پھر مسکین کو طعام دینا لازم ہے۔ اس کو روزہ رکھا دینا اور افطار کرا دینا حق کی ادائیگی کی صورت ہے۔ اگر زیادہ لوگوں کو کھانا کھلایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کو اس کی رضا پر لگانے سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ مرض کی تصدیق مسلمان طبیب سے ہوگی۔ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی صورت تبھی ہوگی جب اس میں مشقت ہو۔ روزے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ حدود اللہ کے احترام سے اپنے نفس پر حاکم ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ اس سے جسمانی صحت بھی ملتی ہے روحانی صحت بھی، یہ بہتری ہے۔

حاصل : رمضان شریف کا پورا مہینہ روزے رکھنا حق ہے۔ مسلمان طبیب کی شہادت سے

مریض قضا کر سکتا ہے۔ سفر میں مشقت ہو تو قضا کی اجازت ہے۔ قضا کرنے کی طاقت نہ ہو تو دوسروں کو روزہ رکھا دیا جائے۔ روزہ جسمانی امراض میں بھی مفید ہے روحانی امراض میں بھی، اس لئے اس کا رکھنا بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا مہینہ جس میں قرآنِ پاک نازل ہوا، لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان کی روشن نشانی ہے۔ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے، اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس واسطے کہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ اللہ کی بڑائی کرو کہ تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔

رمضان شریف کے مہینے میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔ یہ اس کی شان ہے کہ حکمِ الٰہی عطا ہوا جو تمام عالمین کے لئے ہے، اور تاقیامت ہے۔ اس سے لوگوں کو معیّتِ حق کا راستہ ملا۔ انسانی علوم سے حاصل ہونے والے خوف و حزن اور معیّتِ حق سے حاصل ہونے والی راحت کا فرق روشن ہوا۔ تو جس کو یہ مہینہ ملے ضرور اس کے روزے رکھے۔ مریض اور مسافر قضا کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے ہی روزے اور دنوں میں رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آسانی عطا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہم پر دشواری نہیں چاہتا۔ آسانی یہی ہے کہ بڑے فائدے کے حصول کے لئے چھوٹے فائدے کو قربان کیا جائے۔ دشواری یہ ہے کہ چھوٹے فائدے کے پیش نظر بڑے فائدے کو ضائع کر دیا جائے۔ بڑا فائدہ یہ ہے کہ پورے روزے رکھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی، اور اس کی عطائے بے بہا کا شکریہ ادا کیا جائے۔

حاصل : رمضان شریف کا مہینہ بڑا مبارک ہے کہ اس میں ہدایت اور فرقان عطا ہوا۔ اس کے روزے پورے رکھنے چاہئیں۔ مریض اور مسافر قضا کر سکتے ہیں۔ حکمِ خداوندی ہمیشہ ہمارے لئے فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور اس کا شکریہ ادا کیا جائے تو بندگی کا ثبوت ملتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں، پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب مجھے پکارے۔ تو چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ رشد والے ہوں۔

اللہ کے بندے شاہد سے اپنے رب کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ منشا قربِ خداوندی ہوتا ہے۔ مکان سے پاک رہنے والا ہی بندوں کے قریب ہے۔ مکان سے تعلق ہو تو تمام بندوں کے قریب ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا کو سنتا ہے۔ دعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مشکل بیان کرے، اس کی استعانت چاہتے ہوئے یہ عرض کرے، یا اللہ یہ میری مشکل ہے، اس کو تو حل کر دے، اور وہ عطا کر جو تیرے نزدیک بہتر ہے کہ تجھ سے کوئی بہتر جاننے والا نہیں۔ علیم مطلق کی عطا علم سے ہوتی ہے۔ ہر ایک پر ہوتی ہے۔ جب اس کے علاوہ کوئی معطیٔ مطلق ہو ہی نہیں سکتا، تو اسی کا حکم ماننے کے لائق ہے۔ اسی پر ایمان لایا جائے، تو حق ہے۔ رشد یہی ہے کہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہو اور نمونہ اس کا محبوب ہو۔

حاصل : اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے، ہر ایک کے قریب ہے، اس کی عطا علم اور حکمت سے ہوتی ہے۔ رشد والے حکم اللہ تعالیٰ کا مانتے ہیں، نمونہ اس کے محبوب کو رکھتے ہیں۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ تمہارا اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ کو علم ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے۔ تو اس نے تم پر توجّہ فرمائی اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو ان سے مباشرت کرو اور چاہو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے، اور کھاؤ اور پیو، حتیٰ کہ سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے ظاہر ہو جائے تمہارے لئے فجر سے۔ پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور ان سے مباشرت نہ کرو اور جب تم مساجد میں اعتکاف سے ہو۔ یہ

الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

اللہ کی حدود ہیں۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے اپنی نشانیاں روشن کرتا ہے کہ انہیں تقویٰ ملے۔

اس سے قبل روزوں کی راتوں میں مجامعت کی ممانعت تھی، اب اس کی اباحت فرما دی گئی۔ پہلے رمضان کی رات میں نیند کے بعد کھانا پینا اور مجامعت کرنا منع تھا۔ کچھ لوگوں نے افطار کے بعد اور سونے سے پہلے عورتوں سے اختلاط کیا اور اپنے تئیں حدود اللہ کا احترام کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی حدود کے قریب جانا ہی خیانت ہے۔ مرد عورت کا پردہ ہے، عورت مرد کا پردہ ہے، ان کے مابین وقف نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ فرمائی گئی، اور خطا کو معاف فرما دیا گیا۔ مباشرت کی اجازت بخشی گئی۔ منشاء اس کا بقاء نسل ہونا لازم ہے۔ دوسرے کسی منشاء کے لئے یہ فعل حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی میں شمار ہو گا۔ بقائے نسل کے منشاء کے لئے عورت سے مجامعت اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ ایامِ حیض سے فارغ ہو چکی ہو۔ رمضان کی رات میں مباشرت کے علاوہ کھانے پینے کی بھی اجازت ہے حتیٰ کہ صبح صادق کا وقت ہو جائے۔ نشانی یہ ہے کہ اس وقت سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے واضح ہو جائے گا۔ یہ پو پھٹنے کا وقت ہے۔ اس وقت روزہ شروع ہو جائے گا اور غروبِ آفتاب تک روزہ رہے گا۔ اعتکاف کی حالت میں مباشرت کی ممانعت ہے۔ اعتکاف مسجد میں ہونا چاہئے، اور روزہ اس کے ساتھ ضرور ہونا چاہئے۔ یہ حدود اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمائی گئی ہیں، ان کا احترام لازم ہے۔ ان کے قریب جانا خوفِ خدا کی کمی کا ثبوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے روشن فرمائی ہیں کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔

حاصل : حدود اللہ کے قریب جانا، خوفِ خدا میں کمی اور خیانت کا ثبوت ہو گا۔ مباشرت کا منشا بقاء نسل ہونا چاہئے۔ اعتکاف کی حالت میں مباشرت منع ہے۔ مسجد میں اعتکاف مردوں کے لئے ہے۔ تقویٰ حدود اللہ کے احترام سے ثابت ہوتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾ ع ۲۳

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ حکام کے پاس پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال سے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ، اور تمہیں معلوم ہو۔

مال وہ حلال ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے تحت ہو۔ دینے والا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے دے، اور لینے والا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے لے۔ یہ حق ہے۔ اس کے علاوہ جس طریقے سے بھی

مال کھایا جائے گا، وہ باطل ہو گا۔ حکام کے پاس پہنچانے کا منشاء لوگوں کو خوف زدہ کر کے ان سے کچھ چھیننا ہو، تو یہ بھی ناحق مال کھانے والی بات ہو گی۔ جان بوجھ کر اگر حکمِ خداوندی کے خلاف کیا جائے گا، تو یہ گناہ ہے۔ علم نہ ہونے تک اللہ تعالیٰ کے ہاں سے گرفت نہیں کی جاتی۔

حاصل : رضائے الٰہی کے علاوہ کسی مال کا کھانا ناحق ہے۔ حکام کے پاس کسی کو اس نیّت سے پہنچانا کہ اس کے مال سے کچھ ملے ناحق ہے۔ جان بوجھ کر فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی کی جائے تو گناہ ہے۔ علم ہو تو حق عائد ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد میں فرمایا ہے :

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

[اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے۔ اور اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

آپ سے نئے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے وہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور حج کے لئے۔ اور یہ کچھ نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ۔ ولیکن نیکی یہ ہے کہ پرہیز گاری ہو۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

طالبِ حق کا پوچھنا اہلِ ذکر سے ہوتا ہے۔ حق کو پانے کے لئے اور ناحق کو چھوڑنے کے لئے ہوتا ہے۔ نئے چاند کے بارے میں ماضی کے علم سے انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والی کثافت کو دور کرنا مقصود ہے، اس لئے سوال کیا گیا ہے۔ جواب میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور حج کے لئے ایّام کا تعیّن اس سے ہوتا ہے۔ وقت کی علامتوں کا علم ہو، تو کسی کام کی ابتدا و انتہا کا تعیّن ہو سکتا ہے، اور اس کے ساتھ ضروری تدابیر کی جا سکتی ہیں۔ حج کے لئے مقررہ ایام میں ہی مناسک کو امرِ ربّی کے تحت پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ وقت کی علامتوں میں انسانی خواہشات سے جو باتیں رواج پا چکی تھیں ان سے ایک یہ بھی تھی کہ حج کے لئے احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھر میں داخل ہونا پڑتا تو پچھواڑے سے آتے، اور اسے نیکی سمجھتے کہ احرام باندھ لینے کے بعد دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔ نیکی تو یہ ہے کہ جو بھی کیا جائے، اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ملحوظ ہو، اور اپنی چاہت سے کوئی حد مقرر نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کے مقرر کردہ معیار کے علاوہ کوئی دوسرا معیار نہ رہے۔ اس طرح عملی زندگی میں شرک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہی فلاح ہے۔

حاصل : سوال اس سے ہو جس کا علم حقیقی ہو۔ جس سے پوچھ کر سنبھالنے کے لائق علم کو سنبھال لیا جائے، اور چھوڑنے کے لائق علم کو چھوڑ دیا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والا کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ شرک سے خلاصی ہو تو فلاح عطا ہوتی ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔

فلاح پانے والوں کا حق یہ ہے، کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑیں ان سے جو ان سے لڑتے ہیں۔ ان کا منشا اگر اللہ کی رضا ہو ہر مقام پر، تو وہ لڑائی میں پورے رہیں گے۔ جہاں نفس کے امر کو اللہ کے فرمان کے ساتھ لگایا جائے گا، تو وہاں حد سے تجاوز ضرور ہو گا۔ اور رضائے خداوندی کے علاوہ بھی کچھ مقصود بن جائے گا۔ اس سے وحدانیت میں فرق آئے گا۔ اور یہ شرک ہے۔

حاصل : مومن کا لڑنا فی سبیل اللہ ہو، منشاء رضائے الٰہی ہو۔ تضاد سے بچنا بھی ضروری ہے، بچانا بھی ضروری ہے۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾

اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو۔ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے اشد ہے۔ اور مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو، حتیٰ کہ وہ تم سے لڑیں۔ تو اگر تم سے لڑیں، تو انہیں مارو۔ کافروں کی یہی جزا ہے۔

یہ حکم ان کافروں کے متعلق ہے جو عملاً مومنین کے خلاف لڑ چکے ہوں، انہیں ان کے گھروں سے نکالا ہو، یا ان کے مخالفین کی مدد کی ہو۔ ان کے ساتھ ان کافروں جیسا سلوک خلافِ حق ہو گا جو ابھی عملاً مومنین کے مخالف نہیں ہوئے۔ مومنین کو ان کے گھروں سے نکال دینا، اور ان کے اہل کو معاشی طور پر اذیت دینا یہ فتنہ ہے، اور قتل سے بھی اشد ہے۔ قتل سے تو دنیاوی زندگی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جب کہ فتنے سے زندگی بھی موجود رہتی ہے اور اس کے لوازمات کو جبر سے روک بھی دیا جاتا ہے۔ مسجدِ حرام کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے شروع ہوئی ہے۔ اب اگر کافر مسجد حرام کے پاس مومنین سے لڑنے لگتے ہیں، تو جوابی کارروائی مومنین پر لازم ہے۔ پھر ان کے ساتھ رعایت فرمانِ خداوندی کے خلاف ہو گی۔ حرمت والی جگہ پر لڑائی میں پہل ہمیشہ کافر ہی کرتا ہے، اور مار بھی وہی کھاتا ہے۔

حاصل : زندگی کا خاتمہ لڑائی میں ہو تو یہ قتل ہوا، اور زندگی کے لوازمات کو جبر سے روک دینا یہ فتنہ ہوا۔ فتنے کے قتل سے اشد ہونے کی یہی صورت ہے۔ حرمت والی جگہ لڑائی میں پہل کافر کرتے ہیں، مار بھی وہی کھاتے ہیں، ان کا عمل ہی انہیں گھیر لیتا ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر وہ باز آئیں، تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

کافر کا لڑنا ہمیشہ اسباب کے زعم پر مبنی ہوتا ہے۔ جب اس کا یہ زعم ٹوٹ جائے تو اسے باز آتے دیر نہیں لگتی۔ حرمت والی جگہ مومن مدافعت میں لڑتے ہیں۔ جارحیت ختم ہو جائے، تو مدافعت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کے ادب میں اگر کوتاہی ہو، جب کہ رخ کوتاہی کا نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے، رحم فرماتا ہے۔

حاصل : حرمت والی جگہ پر مدافعت میں لڑنا ہی حق ہے۔ کوتاہیوں کو بخشنے والا غفور الرحیم ہے۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور ان سے لڑو، حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا رہے۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو زیادتی نہیں مگر ظالمین پر۔

مومنین کا کافروں سے لڑنا فتنے کے خاتمے کے لئے، اور اللہ کے دین کے لئے ہوتا ہے۔ فتنے کا خاتمہ اس وقت ہوتا ہے جب کافروں کا زعم ٹوٹ جائے، اور اللہ کے دینِ خالص کے ماننے والوں کے راستے میں کوئی مزاحمت نہ رہے۔ جب کافروں کا زعم جاتا رہے اور وہ باز آ جائیں تو سزا کے حق دار وہی ظالم ہوں گے جنھوں نے زیادتی کی ہے۔ زیادتی کی حقیقت فتنے کو کھڑا کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا فتنے کی جڑ کو باقی رکھنے والی بات ہوگی، اس لئے یہ لوگ عفو کے حق دار نہیں ہو سکتے۔

حاصل : جو لوگ فتنے کی جڑ ہوں ان کا خاتمہ ضروری ہے۔ فتنہ اسی صورت فرو ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے میں کسی بھی مزاحمت کو برداشت نہ کیا جائے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ

ماہِ حرام کے بدلے ماہِ حرام اور ادب کے بدلے ادب۔ پھر جس نے تم پر زیادتی کی اس پر تم اسی کی مثل زیادتی کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ

مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اللہ تعالیٰ متّقین کے ساتھ ہے۔

ماہِ حرام میں اگر کوئی مومنین پر زیادتی کرتا ہے، تو اس کے جواب کے لئے کسی دوسرے وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، اور اگر کافر امن والے مقامات پر ادب کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو ان کو روکنا عین حق ہے۔ جس قدر ان لوگوں نے زیادتی کی ہو اسی کی مثل انہیں جواب دینا چاہئے، اس طرح حدودِ ادب سے تجاوز کی انہیں سزا مل جائے گی۔ کسی کی زیادتی کا جواب دینے میں اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو تو یہ پرہیز گاری کی سند ہے۔ ایسے لوگوں کو معیّتِ حق کا شرف ہوتا ہے۔ مخلصین کا ساتھ وہی رکھ سکتا ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔

حاصل : زمان و مکان میں ادب کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو روکنا حق ہے۔ اس کی زیادتی کے جواب میں حکم خداوندی کی اطاعت لازم ہے۔ مخلصین کا ساتھ وہی رکھ سکتا ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔

مع عند المتقدمین ۱۲

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

عطائے خداوندی کو اگر رضائے خداوندی پر خرچ نہ کیا جائے تو خلافِ حق اس کا خرچ ہونا یقینی ہے۔ جہاں خیر کا انکار کیا جائے گا، غیر ضرور گلے پڑ جائے گا۔ اگر توفیقِ ایزدی خلافِ حق استعمال کی جائے گی تو اس کا حاصل ہلاکت ہی ہو گا۔ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو سب سے بڑا جانتا ہے۔ وہ جس کے ساتھ بھی معاملہ کرے، فی سبیل اللہ ہی کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ کہیں اس کی اپنی مرضی ہو، کہیں اللہ تعالیٰ کی رضا ملحوظ ہو۔ احسان یہ ہے کہ جس کو اللہ کی راہ میں کچھ دیا جاتا ہے اس کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے، کہ قبول کرنے والے کی بدولت فانی شے دائمی نعمت بن گئی ہے، اور پیش کرنے والا قبول کرنے والے کی بدولت اللہ کے پیاروں کی صف میں شمار ہو گیا ہے۔

حاصل : جہاں خیر پر خرچ نہ کیا جائے گا، غیر پر ضرور خرچ ہو گا، اور اس کا حاصل بھی ہلاکت ہی ہو گا۔ خیر کو قبول کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا محسنین کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ ہمیں بھی انہیں محبوب رکھنا چاہئے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسّر آئے، اور اپنے سر نہ منڈواؤ حتیٰ کہ قربانی

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ
اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا
رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا ۲۴
اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۸ ۸

اپنے محل پر پہنچ جائے۔ تو تم میں جو مریض ہو، یا اس کے سر پر تکلیف ہو، تو روزے یا صدقہ یا قربانی فدیہ دے۔ پھر جب تمہیں امن ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے، اس پر قربانی ہے، جیسی میسّر آئے۔ پھر جو نہ پائے، ایامِ حج میں تین روزے رکھے، اور سات جب مراجعت کرے۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس کے لئے ہے جس کے اہل مسجدِ حرام کے پاس نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ بےشک اللہ کا عقاب شدید ہے۔

مقررہ ایام میں احرام باندھ کر ذی الحج کی نو (۹) کے دن عرفات میں ٹھہرنا، اور کعبہ شریف کا طواف کرنا حج ہے۔ اس کے فرائض یہ ہیں: احرام، عرفات میں ٹھہرنا، اور طوافِ کعبہ شریف۔ عمرہ کے رکن طواف و سعی ہیں۔ حج اور عمرہ الگ الگ بھی ادا کئے جاسکتے ہیں، انہیں ملایا بھی جاسکتا ہے۔ ادائیگی اللہ ہی کے لئے ہوگی۔ روکے جانے کی صورت بھی باذن اللہ ہی ہوگی۔ کوئی ایسی صورت بن جائے کہ اسے عبور کرنے کی وسعت نہ ہو اور قربانی بھیجی جاسکتی ہو، تو قربانی بھیج دی جائے اور اس کے اپنے محل پر پہنچ جانے کا اندازہ رکھا جائے، اس کے بعد اپنا سر منڈایا جائے۔ اگر نہ بھیجی جاسکتی ہو تو وہیں قربانی کر دی جائے۔ جو مریض ہو یا جس کے سر میں تکلیف ہو، اور وہ سر منڈانے پر مجبور ہو، تو قربانی کے اپنے محل پر پہنچنے سے پہلے سر منڈانے کی صورت میں فدیہ کے طور پر روزے رکھے، یا صدقہ دے، یا قربانی کرے۔ پھر جب امن ہو تو حج کے ساتھ عمرہ ملانے کا فائدہ باہر سے آنے والوں کے لئے ہے۔ انہیں قربانی کرنی چاہئے جیسی میسر آئے۔ پھر جو نہ پائے، وہ ایامِ حج میں تین روزے رکھے، اور سات اس وقت رکھے جب لوٹ کر جائے۔ اس طرح یہ دس پورے ہوئے۔ جس کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس ہوں اس کو حج کے ساتھ عمرہ ملانے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ کسی مقام پر بھی اپنی مرضی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے، تو اس کے نتیجے میں ہونے والی شدید تکلیف بھی خلافِ حق کرنے والوں کو ہی ہوگی۔

حاصل : حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرنے کی صورت یہی ہے کہ کسی مقام پر بھی انسان کی اپنی پسند، ناپسند سے کوئی کام نہ ہو۔ اگر وسعت سے باہر کوئی مانع ہو، تو رو کا جانا بھی باذن اللہ ہو گا۔ اس صورت میں قربانی کا بھیجنا حق ہے۔ نہ بھیجی جا سکے تو وہیں کر دی جائے۔ جہاں حج اور عمرہ کے عمومی طریقے پر عملدر آمد نہ ہو سکے وہاں یہ معلوم کیا جائے کہ اب کیا حق ہے، تاکہ جماعت کا ساتھ موجود رہے۔ فرمانِ خداوندی لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ خلافِ حق کرنے والے شدید تکلیف کو ضرور پہنچتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

وَأَذَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦٓ إِلَى ٱلنَّاسِ يَوْمَ ٱلْحَجِّ ٱلْأَكْبَرِ أَنَّ ٱللَّهَ بَرِىٓءٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُۥ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى ٱللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣﴾

[اور حجِ اکبر کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اذان ہے کہ بے شک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا بھلا ہے، اور اگر منہ پھیرو تو معلوم رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے، اور کافروں کو المناک عذاب کی بشارت دو۔]

ٱلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ ٱللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ۚ وَٱتَّقُونِ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩٧﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے معلوم مہینے ہیں۔ تو جس نے ان میں حج کو اپنے اوپر فرض کر لیا، پھر حج میں نہ بے حجاب ہونا، نہ گالی گلوچ اور نہ جدال۔ اور جو بھلائی تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ پھر بے شک بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے سمجھنے والو۔

شوال، ذی قعد اور ذی الحج کے دس دن، یہ حج کے معلوم مہینے ہیں۔ حج کے لئے احرام انہی ایام میں باندھا جا سکتا ہے۔ جس نے حج کی نیت کر لی اور احرام باندھ لیا اس نے حج کو اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اس عہد کے کر لینے کے بعد حج میں نہ تو عورتوں سے بے حجابی ہو، نہ ان سے کوئی خلوت نشینی ہو، اور کسی سے جھگڑا بھی نہ ہو کہ سب خدائی مہمان ہیں۔ جس نیت سے معاملہ کیا جائے گا وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہو گی، اور جزا نیت کے مطابق ہی ہو گی۔ بیت اللہ کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں عمل سے اپنے آپ کو عبد اللہ ثابت کیا جائے، اور دوسروں کو مخدوم جانا جائے اور حق کی ادائیگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضا کے لئے ہو۔ حج کے لئے روانگی کے وقت زادِ راہ لے لینا بھلائی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو، تو زادِ راہ لیتے وقت یہ بات پیش نظر رہتی ہے کہ اس سے ساتھی مسافروں کی اور دوسروں کی خدمت کا شرف ہو گا۔ سمجھ دار کی شان یہی ہے کہ وہ حق کی ادائیگی کے بعد بھی یہی کہتا ہے، یا اللہ میرے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے فضل و کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل : مقررہ ایّام میں احرام باندھنا اور حج کی نیّت کرنا حج کرنے والے پر لازم ہے۔ حج کے دوران اظہارِ عبودیت کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہئے، نیّت خیر کی ہو ہر مقام پر۔ زادِ راہ دوسروں کی خدمت کی نیّت سے لیا جائے۔ سمجھ دار یہی کہتے ہیں، یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو اپنے فضل و کرم کی طرف دیکھیو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کچھ گناہ نہیں۔ پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعرِ حرام کے قریب اللہ کا ذکر کرو۔ اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ اور اس سے قبل تم یقیناً بے راہ تھے۔

اپنے رب کا فضل تلاش کرنے کی صورت یہی ہے کہ مخلوقِ خدا کی خدمت کا جو علم بھی ہو اس سے مخلوق کی خدمت کی جائے، اور جو ملے اسے اللہ کا فضل مانا جائے۔ اپنے رب کا فضل تلاش کرنے کی بجائے اگر پیسے مقصود بنا لئے جائیں تو یہ دوری کی بات ہو گی۔ عرفات میں وقوف فرض ہے۔ جب وہاں سے واپسی ہو، تو مشعرِ حرام کے پاس مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کیا جائے، اس طرح کیا جائے جیسے اس کی طریقت بتائی گئی ہے۔ یہ تعلیم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ جس طرح حضور نے ذکر کیا ہے اس مقام پر اسی طرح ذکر کیا جائے تو حق ادا ہو گا۔ اس سے پہلے جو صورت تھی وہ ہدایت کی نہیں تھی. گمراہی کی تھی۔

حاصل : اپنے رب کا فضل تلاش کرنا گناہ نہیں۔ مناسک کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، اور اس سے انحراف گمراہی ہے۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، اور اللہ سے استغفار کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جماعت کے ساتھ رہنا، اور جماعت کو ساتھ رکھنا پاک لوگوں کی شان ہے۔ امتیازات تلاش کرنا خواہشات کا اتباع کرنے والی بات ہے۔ اس لئے جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، وہیں سے لوٹنا حق ہے۔ اللہ سے استغفار کی حقیقت غیر سے اللہ تعالیٰ

کی حفاظت چاہنا ہے۔ عمل وہی رہے جس کی تعلیم حضورؐ نے فرمائی ہے، بندے کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اللہ اس سے بڑا راضی ہوتا ہے۔ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ معاف کرنے کے بعد آسانی عطا فرماتا ہے۔

حاصل : امتیازات کی تلاش منع ہے۔ جماعت کا ساتھ رکھنا حق ہے اور جماعت کو ساتھ رکھنا بھی حق ہے۔ غیر سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہنا، اور خیر کے ساتھ رہنا صداقت کا ثبوت ہے۔ جسے معاف کیا جائے اسے آسانی عطا کرنا بھی ضروری ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

پھر جب اپنے مناسک پورے کر چکو، تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے یا اس سے اشد ذکر۔ پھر کوئی آدمی تو یوں کہتا ہے، اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں عطا کر۔ اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔

حج کے مناسک پورے تب ہوتے ہیں جب اللہ کے محبوب کی صورت سے حج کے تمام ارکان خوف اور ادب سے انجام دیئے جائیں۔ جو بھی کیا جائے، اس لئے کیا جائے کہ وہ اللہ کے محبوب کی سنّت ہے۔ اس کے بعد اللہ کا ذکر کیا جائے۔ لوگ اپنے بڑوں کے کارناموں پر ناز کرتے ہیں، انہیں بیان کرتے ہیں، ان کا نام بلند کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ جس نے سب کو توفیق بخشی ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ اشد ذکر یہ ہے کہ اعتراف ہو جو بھی ہم سے ہو سکا ہے، محض اللہ کے فضل سے ہوا ہے اور اس کے محبوب کی معیّت کی بدولت ہوا ہے۔ جو لوگ صرف دنیا طلب کرتے ہیں وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے انہیں جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے وہ اسے اپنی خواہشات پر لگا کر ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ آخرت میں ان کا حصہ تبھی ہو گا جب وہ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگائیں۔

حاصل : مناسکِ حج پورے کرنے کے بعد اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اپنے افعالِ خیر کو اللہ کے فضل و کرم کی بدولت جانا جائے، اور اللہ کے محبوب کی معیّت کی بدولت مانا جائے۔ جو عطا سے لگ جائے اور معطی کی معیّت کو چھوڑ دے، فنا اس پر سوار ہو جاتی ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾

اور کوئی ان میں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

دنیا میں بھلائی یہ ہے کہ اللہ کے محبوب کی معیّت کا شرف ہو، کہ گمراہی اور مشقّت سے نجات کی صرف یہی صورت ہے۔

آخرت میں بھلائی یہ ہے کہ حزب اللہ میں شمار ہو۔ جو حال پر غیر سے بچے گا، آخرت میں آگ کے عذاب سے بچے گا۔ عدوٌ مبین کا منشاء انسان کو آگ پر پہنچانا ہے، رسولِ مبین کی شان اس انجام سے آگاہ کرنا ہے۔

حاصل : یہ دعا کرتے رہنا چاہئے : اے ہمارے رب ہمیں شاہدین کی معیّت میں لکھ لے۔ شاہدین کی معیّت حاصل ہو، تو یہ دعا سچی ثابت ہوگی۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ النصف

انہی لوگوں کو ان کے کسب سے حصہ ہے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

دعا قول ہے۔ اعمال اس کی شہادت دیں تو وہ کسب بنتی ہے، اور سچی ثابت ہو جاتی ہے۔ علیم مطلق سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ جس کا رخ اللہ کے محبوب کا ہو گا، اس کا دل دلبر کے ساتھ ہو گا۔ اس حساب میں دیر کا مقام ہی کہاں آتا ہے۔

حاصل : قول تبھی سچا ہوتا ہے جب اعمال اس کی شہادت دیں۔ رخ خیر کا رکھنا چاہئے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور اللہ کا ذکر کرو گنے ہوئے دنوں میں، تو جو عجلت کرے دو دن میں اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو رہ گیا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں، پرہیزگار کے لئے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور معلوم رہے کہ تمہیں اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔

ایّام معدودات سے مراد ذی الحج کی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخیں ہیں۔ ان میں معمولات کے علاوہ جس طرح حضور نے ذکر کیا ہے، اسی طرح کیا جائے گا، تو حق ادا ہو گا۔ "منیٰ" میں قیام کے دوران رمی جمار کے وقت، اور نمازوں کے بعد، تکبیر کہنا لازم ہے۔ دو دن قیام ہو، اور کوئی جلدی واپس چلا آئے تو بھی گناہ نہیں، اور جو رہ گیا اس پر بھی گناہ نہیں۔ جلدی آنے والے کو بھی اور رہ جانے والے کو بھی یہ دیکھنا ضروری ہے کہ خواہشِ نفس کے اتباع سے پرہیز رہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے کی حقیقت یہ ہے کہ اسی کی رضا کو چاہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس کی طرف جانے کے لئے کافی سند ہے۔

حاصل : ایّام تشریق میں معمولات کے علاوہ اسی طرح ذکر کرنا چاہئے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔ جس کی طرف سے آئے ہیں اسی کی طرف جائیں گے بھی، اور اس کے پیشِ نظر اپنے حال پر نظر کرنا بھی لازم ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

اور بعض وہ آدمی ہے کہ حیاتِ دنیا میں تمہیں اس کی بات عجیب لگتی ہے، اور اللہ کو شاہد بناتا ہے، اس پر جو اس کے قلب میں ہے، اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔

جس کے قول پر اس کے قول کی شہادت ہو اور عمل کی شہادت نہ ہو، اور جو اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنائے اور عملاً ناصحِ امین سے اسے محبت نہ ہو، تو اس کا اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنانا شریعت کے لبادے میں خواہش کا اتباع کرنے والی بات ہے۔ ایسا کرنے والا سخت جھگڑالو ہوتا ہے کہ اسے اپنی منوانے کی شدید چاہت ہوتی ہے۔

حاصل : جس کی بات اس کے محبوب کی بات نہ ہو، اور جو اپنی بات پر اللہ کو گواہ بنا رہا ہو، وہ سخت جھگڑالو ہوتا ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد مچاتا پھرے اور حرث و نسل کو ہلاک کرے۔ اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

جس کی بات اللہ کے محبوب کی بات نہ ہو، وہ جب شاہد سے پیٹھ پھیرے قولِ عجیب کے بعد تو اس کا حال اس کے قول کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ وہ زمین میں فساد مچاتا پھرتا ہے، کھیتی اور جانور ہلاک کرتا ہے۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنائے گا، اس کی تجویز سے فساد بھی ہو گا، ہلاکت بھی ہو گی۔ جس بات سے لوگوں میں اختلاف پیدا کیا جائے، انہیں حق سے دور کیا جائے، وہ فساد ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، اس سے وحدانیت ٹوٹ جاتی ہے۔

حاصل : وحدانیت پر یقین اسی طرح ثابت ہوتا ہے کہ قول جو شاہد کے سامنے ہو عمل بعد میں اس کے مطابق ہو۔ وحدانیت کا توڑنا فساد ہے، اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر اس کی بڑائی اسے گناہ پر لگاتی ہے، تو اسے جہنم کافی ہے۔ اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے۔

مفسد کو ناصحِ امین سے محبت نہیں ہوتی۔ اس کے سامنے حکم اللہ کا ہوتا ہے، مرضی اس کی اپنی ہوتی ہے۔ اس لئے قول کی

حد تک تو وہ عجیب لگتا ہے۔ اس کے عمل سے مخلوق اللہ کو ہلاکت ہی ملتی ہے۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر، تو وہ نام و نمود کی چاہت میں گرفتار ہو کر گناہ پر مزید لگ جاتا ہے۔ اگر اسے اپنے نفس کی خوشی خطرے میں نظر آئے تو وہ مقدور بھر ہلاکت پھیلاتا ہے۔ اس کے اعمال کا حاصل جہنم ہے۔ یہ اس کے کئے کی پوری پوری جزا ہوگی۔ جہنم برا ٹھکانا اس لئے ہے کہ یہ انسان کو من مانی کرنے پر اور اس کی تجاویز کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ جب ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید لیا جائے، تو اس سے حاصل ہونے والا ٹھکانا یقیناً برا ہو گا۔

حاصل : مفسد کو جب اللہ سے ڈرنے کو کہا جائے، تو وہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے گناہ پر مزید لگ جاتا ہے۔ جب خیر کے بدلے غیر لے لیا جائے، تو ٹھکانا برا ہی ہوتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور کوئی آدمی اپنے نفس کو اللہ کی مرضی چاہتے ہوئے بیچتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

جو اپنے نفس کی چاہت کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ بندوں پر مہربان ہے، اس کی معیّت کا دعویٰ کرنے والوں کو بھی لوگوں پر مہربانی کرنی چاہئے۔

حاصل : جو اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی پر قربان کر دیتا ہے، وہ اللہ سے راضی ہو جاتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ مہربانی کرنا معیّتِ حق کا ثبوت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان والو : اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے خطوط کا اتباع نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جانے کی صورت یہی ہے کہ شاہدین سے کامل محبت ہو۔ ان سے محبت ہو گی تو رنگِ شہودی عطا ہو گا، اپنی منوانے کی چاہت ختم ہو جائے گی، ان کی ماننے کا علم آ جائے گا۔ اس محبت کی موجودگی میں کفر، فسق، عصیاں اور شیطان کے قدم سے کراہت ہو جائے گی۔ فلاح سے دور کرنے والا اور خسارے کے قریب کرنے والا کھلا دشمن ہے۔

حاصل : شاہدین کی کامل محبت ہو، تو اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا شرف ہوتا ہے اور شیطان کے قدم سے کراہت ہوتی ہے۔ جس کا کوئی شاہد نہ ہو، جو فلاح سے دور کرے، اور خسارے کے قریب کرے، وہ کھلا دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾

پھر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس روشن نشانیاں آچکی ہیں، تو معلوم رہے کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

روشن نشانیاں یہ ہیں کہ فلاح کا راستہ موجود ہو، تزکیہ عطا کرنے والے موجود ہوں، فلاح پانے والے موجود ہوں۔ جو لوگ پہلے خوف و حزن، گمراہی و مشقّت میں مبتلا تھے وہ معیّتِ شاہدین کا شرف پاکر علمِ الٰہی سے اپنی حیات کو سنوار لیں۔ ان روشن نشانیوں کے دیکھنے والے کو پاک جماعت میں داخل ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ دیکھ کر بھی کوئی پھسلتا ہے، تو پھر اسے یہ ضرور معلوم رہے کہ نتیجہ اس کی خواہشات سے پیدا نہیں ہو گا۔ وہ عزیزٌ حکیم کے دستِ قدرت میں ہے، غیر کا رخ رکھنے والے کو اس کے کئے کی جزا ضرور دی جائے گی۔

حاصل : فلاح کے روشن مینار دیکھنے کے بعد بھی جو پھسلے وہ اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ نتیجہ پھر بھی باذنِ اللہ ہی ہو گا۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع
۲۵ ع ۱۴ ۹

کاہے کے انتظار میں ہیں، کہ ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں آئے اور ملائکہ، اور کام ختم ہوئے اور سب کاموں کی رجوع اللہ کی طرف ہے۔

جو حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی خیر کی راہ اختیار نہیں کرتا وہ لاپرواہی دکھاتا ہے۔ جس راہ پر وہ جارہا ہوتا ہے، اس کے انجام سے اسے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ کجروی کی روش نہیں بدلتا، تو اس کے معنی یہی ہوئے کہ وہ اس انتظار میں ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے بادل آئیں، عذاب کے فرشتے آئیں، اور اس کا کام تمام ہو۔ جس کام میں بھی کوئی لگا ہوا ہے، اسے یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے، کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ اس کا نتیجہ اسی کے اذن سے ہو گا۔ جب نتیجہ اسی کے اذن سے ہو اور اس سے مفر کی کوئی راہ نہ ہو، تو پھر غیر کا رخ اختیار کر کے خسارے کو اپنے لئے چن لینے سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : خیر کو دیکھنے کے بعد اور غیر کے انجام سے آگاہی کے باوجود، اگر کوئی غیر کا رخ کرے تو وہ عذابِ الٰہی سے اپنے خاتمے کا منتظر ہی ہو گا۔ کام کوئی ہو، نتیجہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا رخ رکھنا بڑا حق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

[جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی بھلے کو ہدایت پائی، اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی بھی اسی پر ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول مبعوث نہ کریں۔]

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے انہیں کتنی نشانیاں عطا فرمائیں۔ اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دے بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس پہنچ چکی ہو، تو بےشک اللہ کا عقاب شدید ہے۔

بنی اسرائیل اہلِ کتاب تھے۔ انبیاء کرام کے ارشاداتِ عالیہ کو بصورتِ بشارت سنتے چلے آرہے تھے، اور خاتم النبیین کو پہچاننے میں انہیں کوئی مشکل نہ تھی۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ جب ان لوگوں نے ان روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنی خواہشات کا اتباع کیا، تو یہ اللہ کی نعمت کو بدلنے کا ثبوت ٹھہرا۔ عطائے خداوندی بندوں کی فلاح کے لئے ہوتی ہے۔ جو اس کا انکار کرے، اس کا انکار اسے دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا کر دیتا ہے، اور پھر اس سے چھٹکارا اس کے بس میں نہیں رہتا۔

حاصل : حق سے آگہی اور اس کی پہچان اللہ کی روشن نشانیاں ہیں۔ ان کو اپنی خواہش سے بدلنا موجبِ عذاب ہوتا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ وقف لازم

کافروں کے لئے حیاتِ دنیا کو زینت دی گئی۔ اور ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں اور پرہیزگار قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

جو زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنالے وہ حق کا انکار کرتا ہے، اشیاء کا طالب ہو جاتا ہے، اور ان کے پیچھے پھرنے لگتا ہے۔ زینتِ حیاتِ دنیا اسے جذب کر لیتی ہے۔ جوں جوں اس کے پاس سامان بڑھتا ہے، مزید کی ہوس پیدا ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ایمان والوں کی الگ روش کو دیکھ کر ان سے تمسخر کرتے ہیں، کہ یہ حضرات انہیں اشیاء کے طالب اور روک رکھنے والے نظر نہیں آتے۔ جس کی نظر کثافت کو ہی دیکھتی ہو، وہ تو کثافت سے ہی بھر سکتی ہے۔ پرہیزگار دنیا میں اس طرح رہتے ہیں جیسے پانی میں مرغابی، کہ پانی میں رہنے کے باوجود جب اڑتی ہے تو پر خشک ہوتے ہیں۔ پرہیزگاروں کا مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی رضا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی عطا کو اس کی رضا پر لگا کر خدائی مہمان ہونے کا شرف پائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے پیاروں کی صف میں شمار ہونے سے بڑی شان اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو اللہ کی دین کو اس کی راہ میں دیتے وقت اپنی ذات سے فارغ رہتا ہے، وہ اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اللہ اسے چاہتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

حاصل : زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنانے والا دنیا و آخرت کے خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر لگانے والا فلاحِ دارین پاتا ہے۔ جو اللہ سے بے حساب ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے بے حساب ہو جاتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

لوگ ایک اُمّت تھے، پھر اللہ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے، اور ان کے ساتھ حق والی کتاب نازل فرمائی کہ لوگوں کے مابین فیصل کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور اس میں اختلاف نہ ڈالا مگر انہی لوگوں نے جنہیں وہ عطا ہوئی تھی، آپس کی سرکشی سے، بعد اس کے کہ انہیں روشن نشانیاں پہنچ چکی تھیں۔ تو اللہ نے ایمان والوں کو اپنے اِذن سے حق کی ہدایت دی جس میں اختلاف کرتے تھے۔ اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

ابتدا میں لوگ ایک امت تھے۔ ان کے سامنے ہدایت کا ایک معیار تھا۔ اس شاہد کے امر پر استقامت سے حق کو ادا کرنے والے اور اس کی معیّت میں رجوع لانے والے اور ظالموں کی طرف نہ جھکنے والے اس معیار سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ لوگ اس کے برخلاف سرکشی کرتے تھے اور ظالموں کی طرف جھکتے تھے۔ خلافِ حق کرنے والوں نے معیارِ ہدایت سے دور ہونے کی بدولت اپنی خواہشات سے نیا معیار بنانے کی کوشش کی۔ شاہدین کی لڑی تو چلی آ رہی تھی۔ ان سے تعلق کے مقابل زینتِ حیاتِ دنیا کو کچھ لوگوں نے اپنے تعارف کے لئے پسند کیا۔ ان لوگوں میں انبیاء کو مبعوث فرما کر معیارِ حق ان کے سامنے رکھا گیا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اس کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے اتباع سے خوف و حزن سے نجات ملتی ہے، اور ہدایت عطا ہوتی ہے۔ جو راہِ خیر پر چلنے والوں کو فلاح کی بشارت دیتے ہیں اور راہِ غیر پر چلنے والوں کو ان کے انجام سے ڈراتے ہیں،

فرمانِ خداوندی ان کو عطا ہوتا ہے۔ وہ علمِ الٰہی سے لوگوں کے مابین اختلافات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جو بھی ان کے حال پر موجود ہو وہ ان کی امت ہے، اور قیامت کے دن ہر امت سے انہی میں سے گواہی دینے والے کو اٹھایا جائے گا۔ النحل ۱۶ - ۱۹ [جن لوگوں کو کتاب عطا ہوئی انبیاء کرام سے، ان میں سے جن لوگوں نے کتاب کو اللہ کے رسول کے حوالے سے مانا، اور ان سے خالص محبت رکھی وہ فلاح پانے والے ہوئے۔] جن لوگوں نے کتاب کو اپنی سمجھ کے مطابق ماننے کا رخ کیا، اور انہوں نے روشن نشانیوں کے باوجود سرکشی کی، ان کی خواہشات ان پر سوار تھیں اس لئے اختلاف ناگزیر تھا۔ اختلاف سے بچنا اللہ کے رحم کی سند ہے۔ بچتے وہی لوگ ہیں، جنہیں شاہدین سے خالص محبت ہوتی ہے۔ ان کے سامنے ہدایت کا معیار ہی معیار ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے اذن سے ان کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہے، اللہ اسے چاہتا ہے۔ جسے اللہ چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

حاصل : امت رسول سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ کے محبوب کے حوالے سے اللہ کو مانتے ہیں، ان کے اختلاف ختم ہو جاتے ہیں اور جو اپنی سمجھ سے اللہ کو مانتے ہیں، وہ اختلاف سے بچ نہیں سکتے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

کیا یہ سمجھتے ہو کہ تم جنّت میں داخل ہو گے، اور ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے قبل ہو چکے ہیں، کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے، حتیٰ کہ رسول اور اس کی معیّت میں ایمان والوں نے عرض کیا، اللہ کی نصرت کب آئے گی۔ سن لو اللہ کی نصرت قریب ہے۔

اللہ کے محبوب کو ماننے والے پاک رہتے ہیں۔ خواہشات کا اتباع کرنے والے راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ راہِ راست سے ہٹ جانے والے انتہائی کوشش کرتے ہیں، کہ راہِ راست پر جانے والے ان کی ملت میں لوٹ آئیں۔ اس کوشش میں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ ان سے ایمان والوں کو سختی بھی پہنچتی ہے۔ اس قدر شدت ایمان والوں کے ساتھ روا رکھی جاتی ہے کہ ایک زلزلہ انہیں گھیرے رکھتا ہے۔ دیکھا یہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، کہ معیّتِ حق کے علاوہ یہ حضرات کسی اور مقام سے تو نہیں لگے ہوئے۔ برداشت کی وسعت کو پورا ہوتے دیکھ کر یہ حضرات کہتے رہے۔ اللہ کی نصرت کب آئے گی۔ ان حضرات کی نظر اس علم کے اجراء پر ہوتی تھی، جو نصرتِ ایزدی سے ہی جاری ہو سکتا تھا، اور اسی علم کی بیخ کنی پر منکرینِ حق پوری قوت صرف کر دیتے تھے۔ جب ہر مقام پر اللہ کے محبوب کی معیّت کے دعوے کو سچا ثابت کر دیا جائے، تو اللہ کی نصرت قریب ہوتی ہے۔ جنّت اللہ کی رضا کا حاصل ہے۔ اللہ کی رضا کے راستے پر سے گزر ہو تو صاحبانِ رضا میں شمار ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا اس راہ سے گزر کر سچے ثابت ہونے والے کو حاصل ہوتی ہے، جس میں منکرینِ حق کی طرف سے اسے اپنی ملت میں لوٹانے کے لئے ذاتی سختی کی جاتی ہے، صفاتی تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ ہلاہلا ڈالا جاتا ہے۔ پورا رہنے والے نصرتِ ایزدی سے خیر کے علم کو جاری کرتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

آپ سے پوچھتے ہیں، کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے : جو مال تم خرچ کرو تو والدین کے لئے اور اقربین اور یتاما اور مساکین اور مسافروں کے لئے، اور جو بھلائی تم کرو بے شک اللہ تعالیٰ اس کا علم رکھتا ہے۔

محبین کا یہ حق ہے کہ وہ جو بھی کریں، اللہ کے محبوب کے علم سے کریں۔ جو عمل میں اللہ کے محبوب سے اصلاح لے وہ خود بھی فیضیاب ہوتا ہے، دوسروں کو بھی فیضیاب کرتا ہے۔ اس کا سوال اس کے حال سے تعلق رکھتا ہے۔ حال عطا کرنے والے کے سامنے ہوتا ہے، اور حال پر ہوتا ہے۔ مال کا خرچ کرنا اتنا بڑا علم ہے کہ یہ علم پورا ہو تو مخلوق کے ساتھ زیادتی ہوتی ہی نہیں۔ نور والے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، اور ایک دوسرے کا ساتھ رکھتے ہیں۔ ظلمات میں گھرے ہوئے ان کے قریب ہوتے ہوئے موجود اور مقصود کے عرفان سے توازن کا علم سیکھنے لگتے ہیں، اور اللہ کے محبوب کے علم کی شانِ بے بدل پر قربان ہو جاتے ہیں۔ راحت کے حاصل ہونے کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے۔ مومنین اپنے ساتھ معاملہ کریں، یا دوسروں کے ساتھ، مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اپنی ذات کے لئے روک رکھنا خلافِ حق ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے اسے والدین پر خرچ کیا جائے، اقربین پر خرچ کیا جائے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے۔ کسی بھی جگہ اجر کا سوال نہ ہو، اور اجر کی چاہت بھی نہ ہو۔ بھرے ہوئے کو بھرنا اولیٰ عمل نہیں، خالی کو بھرنا اولیٰ عمل ہے۔ جو بھی کیا جائے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی نیت بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ کی رضا پر مال لگانے کے باوجود یہ اعتراف ضروری ہے، کہ اے اللہ تیرے محبوب کے اتباع کا حق ادا کرنے میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، تو معاف کر دے، تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : والدین، اقربین، یتاما، مساکین اور مسافر عطائے خداوندی میں حصہ دار ہیں۔ معاملہ سب کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور اجر کی چاہت سے پاک ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا

تم پر قتال فرض ہوا، اور تمہیں اس سے کراہت ہے۔ اور قریب ہے، کسی شے

شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ع ﴿۲۱۶﴾

ع ۲۶ ۱۰

سے تمہیں کراہت ہو اور وہ تمہارے لئے خیر ہو۔ اور قریب ہے کہ کسی شے کی تمہیں حُبّ ہو اور وہ تمہارے لئے شر ہو۔ اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں معلوم نہیں۔

جہاد اپنے مال اور جان کو فی سبیل اللہ پیش کرنے کا نام ہے۔ کافر جب اللہ تعالیٰ کے دشمن ہوں اور ہمارے دشمن ہوں تو ان سے قتال حق ہوتا ہے۔ جب تک وہ ہماری دشمنی سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی دشمنی تک نہیں پہنچتے تب تک ان کے ساتھ مودّۃ ہو سکتی ہے۔ جان کو اللہ کی رضا پر لگانا بڑا کام ہے۔ نفس کی خوشی سے ہی زندگی کی چہل پہل معلوم ہوتی ہے۔ جب فرصت ہی نہ رہے، تو نفس کو کراہت تو ہوگی۔ علیم مطلق کے علم کی شان سب سے بالا ہے کہ اس کا کوئی حکم اس کی احتیاج کے تحت نہیں ہے۔ ہر حکم ماننے والوں کی فلاح کے لئے ہے، اس لئے بہتر ہے۔ جب تک انسان اپنی پسند اور ناپسند سے فیصلہ کرتا رہے مشقّت اور تکلیف ہی بڑھتی ہے اور جب فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع ہو، تو راحت بڑھتی ہے۔ جب فرد جماعت کی بھلائی کے لئے اپنے فائدے کو قربان کر دے تو جماعت محفوظ رہتی ہے، اور وہ بھی زندہ و پائندہ ہو جاتا ہے۔ اور جب جماعت کی بھلائی پر اپنی پسند کو ترجیح دے تو اپنی باڑ توڑ کر اپنی ہی بربادی کے سامنے جا پہنچتا ہے۔

حاصل : جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہنا حق ہے۔ اپنی پسند اور ناپسند کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع بنانا چاہئے۔ علمِ الٰہی ہو تو لاعلمی رفع ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا ہے :

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

[اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول مبعوث فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو. اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی ٹھیک پڑی۔ تو زمین میں سیر کرو، پھر دیکھو منکرین کی عاقبت کیسی ہوئی۔]

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

آپ سے حرمت والے مہینے میں قتال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : اس میں قتال بڑا گناہ ہے۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کا انکار کرنا، اور مسجدِ حرام سے روکنا، اور اس کے اہل کا وہاں سے اخراج اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ہے۔ اور فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ اور ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے، حتیٰ کہ اگر انہیں استطاعت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں ۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور وہ مرے اور ہو کافر، تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوئے۔ اور وہ لوگ آگ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اللہ کے محبوب کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اللہ کے محبوب کی بات اس کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے، جو آپ کی مُحبت رکھتا ہو، آپ کی رضا کو رضائے الٰہی سے الگ نہ کرتا ہو، اور یہ کہتا ہو : ٹوٹ جائے جس نے توڑنا ہو، اور جڑ جائے جس نے جڑنا ہو، میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ ایسے لوگوں کی شان ہے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل اللہ کے محبوب سے لیتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ جو حال بھی آیا ہے، اس میں حکمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا ہونے والا ہے۔ معلم اللہ کا محبوب ہے۔ حرمت والے مہینے میں جان بوجھ کر قتال کیا جائے تو یہ بات حدود اللہ کے احترام کے خلاف ہوگی۔ اور اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کا انکار کرنا، مسجدِ حرام سے روکنا، اور اس کے اہل کو وہاں سے نکالنا، یہ حرمت والے مہینے میں قتال سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے کہ یہ فتنہ ہے، اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ اور اگر کوئی حرمت والے مقام اور وقت کا لحاظ نہیں کرتا، تو مومنین کو اس حال میں ساکن رہنے کا حکم نہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا باز آ جائے تو ایمان والے تو ہوتے ہی رضائے الٰہی کے ساتھ ہیں۔ کافروں کی یہ کوشش ہمیشہ رہے گی کہ وہ مومنین پر جبر کر کے انہیں ان کے دین سے پھیر دیں، اور انہیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں۔ جو لوگ معیّتِ حق میں ہوتے ہیں، وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ وقت قول کو عمل سے سچا ثابت کرنے کا ہے۔ اس لئے وہ استقامت سے حق کو ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو ایمان لانے کے بعد اپنے دین سے پھر جائے اور مرے بھی حالت کفر پر، تو اس کا دعویٰ ایمان جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کا حال اس کے ماضی کی تصدیق نہیں کرتا، اس لئے دنیا میں اس کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے، لہٰذا آخرت میں بھی وہ بے حقیقت ہی ٹھہرے گا۔ ایسے لوگوں کا انجام آگ ہے، اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

حاصل : محبّ کو محبوب سے پوچھنا چاہئے۔ اللہ کے محبوب سے عطا ہونے والا علم ہی حقیقی ہوتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد جو مرتد ہو جائے اور حالت کفر پر ہی مر جائے، اس کا سب کچھ برباد ہوا۔ غیر کا حاصل آگ ہے۔ آگ ہمیشہ غیر کے ساتھ رہتی ہے۔ غیر آگ کے ساتھ رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اعمال کا انحصار نیّت پر ہے۔ نیّت درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔ رخ درست ہو تو ساتھ شاہدین کا ہوتا ہے، مقام کوئی ہو۔ جو لوگ ایمان لائے، اور جن کے عہد سچے اور پکے ثابت ہوئے، ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑنے پڑے، تو اللہ کے محبوب سے تعلق کی بدولت یہ پورے رہے اور کوئی بھی شے ان کو روک نہ سکی۔ جس کو اللہ کے محبوب سے پورا تعلق ہو وہ اشیاء کا مطلوب ہوتا ہے، اشیاء سب اسے سلام کرتی ہیں۔ جو اشیاء کا طالب ہو، اس کے راستے میں اشیاء ضرور حائل ہوتی ہیں۔ جو عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگائے، اور مال کے ساتھ ساتھ جان بھی اللہ کی رضا پر لگا دے، تو وہ اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ بندگی کی شان یہی ہے کہ حق کی ادائیگی کے بعد نتیجے کو اپنا حق نہ سمجھا جائے، اور یہ اعتراف ہو کہ اللہ کے محبوب کے اتباع میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : نیّت درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔ رخ درست ہو تو عمل درسُت ہوتا ہے، اور اللہ کی رحمت کی امید ہوتی ہے۔ بخشنا اور رحم فرمانا اس کی شان ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے منافع بھی۔ اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔ اور آپ سے سوال کرتے ہیں، کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے : عفو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم تفکّر کرو۔

شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھنا اصلاحِ حال چاہنے والوں کی طرف سے تھا۔ فرمایا گیا ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں۔ ان دونوں کا نفع کم ہے، گناہ بہت بڑا ہے۔ گناہ یہ ہے کہ شراب سے شعور متاثر ہوتا ہے، شعور ہی پر شرع لاگو ہوتی ہے، اس لئے شرابی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ یہ بڑا گناہ ہے۔ جوئے سے اللہ کا فضل تلاش کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ دوسرے کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانا ملحوظ نہیں ہوتا۔ معیشت بھی اس سے تباہ ہوتی ہے۔ تعلقات بھی بگڑتے ہیں، اور مال کی چاہت اشد ہو جاتی ہے۔ یہ بھی بڑا گناہ ہے۔ منافع

یہ ہیں کہ شراب طبیب کے حکم سے دواءً استعمال کرائی جائے تو سواری ہونے کے اعتبار سے اپنا ایک مقام رکھتی ہے، کئی چیزوں کے جوہر کو زیادہ دیر دوا کی صورت میں محفوظ رکھنے کے کام آتی ہے۔ منافع جتنے بھی ہیں ان کی حقیقت دوسروں کی خدمت ہے، اپنی خواہش کا اتباع نہیں ہے۔ جوئے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ معاشی طور پر مفلوج ہو جانے والے کو ایک وقتی سہارا مل جاتا ہے۔ جو معمولی فائدہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے توکّل جاتا رہتا ہے۔ مزید فائدے کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ سعی اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کی بجائے نفس اسی کارِ غیر میں لگائے رکھتا ہے۔ اس سے بھی فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح اُن دونوں کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے۔ اس کے بعد سوال کیا جاتا ہے، کہ خرچ کے بارے میں حکم عطا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے: عفو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک خرچ اپنی ذات پر ہو گا اور اپنے اہل پر ہو گا۔ دوسرا خرچ، قربیٰ، یتاما، مساکین، مسافرین، سائلین اور گردنیں چھڑانے پر ہو گا۔ اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے اہل کے ساتھ اگر فراخی روا رکھی جائے گی، تو دوسرے حق داروں کے ساتھ عفو نہیں ہو گا۔ اپنی خانہ آبادی کی خواہش رکھنے والے دوسرے حق داروں کو ان کے حق سے محروم کرنے کے مرتکب ہوں گے۔ اگر عفو کریں گے، تو سب حق دار آباد ہو جائیں گے۔ اور دوسروں کو آباد کرنے کے قابل بھی ہو جائیں گے۔ اور اگر رخ یہ ہو کہ جو اپنی ضروریات سے بچے گا، اسے فی سبیل اللہ خرچ کریں گے، تو پھر نفس کو اپنی ضروریات طویل کرنے کا اتنا بڑا علم ہے کہ ساری دنیا کے مال سے بھی کسی ایک انسان کی خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ فکر اپنی ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تفکّر دوسروں کا فکر کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے رحمت و برکت اور آبادی کا راستہ بھی سامنے رکھا ہے۔ ہدایت دے کر راستہ آسان کرنے والے معلم کو بھی بھیجا ہے اور اس میں فلاح کی ضمانت بھی رکھی ہے۔

حاصل: شراب سے شعور متاثر ہوتا ہے اور شرع شعور پر لاگو ہوتی ہے۔ شعور کو مغلوب کرنے والی تمام اشیاء کا استعمال گناہ ہے۔ فائدہ طبیب کے حکم میں رہنے سے ہوتا ہے۔ جؤا سعی اور اللہ کے فضل سے دوری کا باعث بنتا ہے۔ اپنے آپ پر اور اپنے اہل پر مختصر خرچ کرنا بہتر ہے۔ دوسرے حق داروں کے ساتھ ہاتھ فراخ رکھنا چاہئے۔ دوسروں کا فکر کرنا بڑی عظمت کی بات ہے۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا و آخرت میں۔ اور آپ سے یتاما کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے: ان کی اصلاح خیر ہے۔ اور اگر انہیں ملا لو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ مفسد کو مصلح سے جاننے والا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقّت ڈالتا، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

دنیا و آخرت میں تفکّر کرنے والے جو بھی خرچ کرتے ہیں، اللہ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں یقیناً ملحوظ رکھتے ہیں۔ یتیموں کے بارے میں سوال یہ جاننے کے لئے ہوا، کہ ان کے ساتھ معاملہ کیسے ہو۔ اس کے متعلق ارشاد

ہوا ہے، کہ ان کی اصلاح بہتر ہے، اور اسی کا رخ رکھنا چاہیئے۔ یتیم کی کفالت اسے قبول کرنی چاہیئے، جو اپنے مال سے یتیم کو سنبھال سکتا ہو، اور اس کے مال کو امانت کے طور پر رکھے۔ اگر یتیم کی بھلائی ان کے مال کو اپنے مال سے ملانے میں نظر آئے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ پھر ان کے حصے کی حفاظت بھی ملانے والے کے ذمے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی نیت مخفی نہیں۔ وہ مفسد کو بھی خوب جانتا ہے، مصلح کو بھی خوب جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیّت کے مطابق اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ یتیم کے مال کے بارے میں اگر وقف رکھنے کا حکم ہوتا، تو یہ لوگوں پر بڑا بھاری ہوتا، اور یتیم کے احترام کے پیشِ نظر اور اس کے مال کی حفاظت کے حق کو دیکھ کر لوگ انتہائی ادب سے ان کا قرب بھی رکھتے، اور ان کی حفاظت کا اثر دوسرے امورِ زندگی پر بھی پڑتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ان کے لئے وقف لازم کا حکم نہیں دیا۔ اس کے زبردست ہونے میں اور حکمت کے مالک ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اس کے فرمان کی نیک نیتی سے اطاعت کی جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے، ورنہ انسان کی اپنی تجاویز ہی اسے گھیر لیتی ہیں۔

حاصل : دنیا و آخرت میں تفکّر، دوسروں کے لئے فکر کرنا ہے۔ یتیم کی قدر اور اس کے مال کی حفاظت انتہائی احتیاط سے کرنی چاہیئے۔ اس کا علم اللہ کے پیاروں سے سیکھنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں کوتاہی کے امکان سے بھی دور رہنا چاہیئے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۵ ۲۷ ۱۱

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور بے شک مومنہ لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو۔ اور مشرکین سے نکاح نہ کرو، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو۔ وہ آگ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ اپنے اِذن سے جنّت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے، کہ وہ نصیحت مانیں۔

مومن اور مشرک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ ان کا آپس میں ملنا ناحق ہے۔ اس لئے مشرک عورتوں سے نکاح ناجائز ہوا۔ جب وہ ایمان لے آئیں تو ان سے نکاح ہو سکتا ہے۔ مومنہ لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے، اگرچہ نفس کو پسند مشرکہ ہی ہو۔ مومنہ اس لئے بہتر ہے، کہ اس کی وحدانیت قائم ہے۔ مشرکین سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ وہ ایمان لے آئیں، تو ان

سے نکاح جائز ہو گا۔ مومن غلام اسی لئے مشرک غلام سے بہتر ہے، کہ مومن کی وحدانیت قائم ہے۔ اللہ کے فرمان سے جس کا بہتر ہونا ثابت ہے، وہی بہتر ہے۔ نفس کا رخ اگر رضائے الٰہی کے خلاف ہو، تو اس کی پسند خلافِ حق ہو گی۔ مشرکات، مشرکین غیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا رخ غیر ہے۔ نتیجہ بھی غیر ہی ہو گا۔ اس لئے ان کی دعوت بھی جہنم کی طرف ہی ہو گی۔ اللہ کی پسند کو پسند کیا جائے گا، تو فلاحِ دارین عطا ہو گی۔ راحت بھی عطا ہو گی، اور حفاظت بھی عطا ہو گی۔ جن لوگوں نے اللہ کی پسند کو پسند کیا، اور اپنی چاہت کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیا، وہ نصیحت ماننے والے ہوئے، اور فیض پانے والے ہوئے۔

حاصل : مشرک اور مومن کے مابین وقف ضروری ہے۔ مومن کے ساتھ کی حقیقت جنّت اور مغفرت ہے۔ مشرک کے ساتھ کی حقیقت دوزخ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے :

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

[بلکہ وہ روشن نشانیاں ہیں، ان کے سینوں میں جنہیں علم عطا ہوا۔ اور ہماری آیتوں سے نہیں جھگڑتے مگر ظالم۔]

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

اور آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے : وہ ناپاکی ہے۔ تو حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو، اور ان کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ پاک ہو لیں۔ پھر جب پاک ہو لیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں امر دیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کی حُبّ رکھتا ہے، اور بہت طہارت رکھنے والوں کی حُبّ رکھتا ہے۔

معلم سے سوال حصولِ علم کے لئے ہوتا ہے۔ کبھی اس سے اصلاح مطلوب ہوتی ہے، اور کبھی تصدیق۔ حیض کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ناپاکی ہے، اور حیض کے دنوں میں عورتوں سے قربت تکلیف کا باعث ہو گی، اس لئے ان ایام میں قربت خلافِ حق ہے۔ جب پاک ہو لیں، تو ان کے پاس جاؤ۔ عورتوں کے پاس ایامِ حیض میں نہ جانا، اور حیض سے فارغ ہونے پر جانا اس امر کی سند ہے کہ اللہ کے امر کا منشا بقاء نسل ہے۔ بقاء نسل کے لئے موزوں وقت روشن فرمایا گیا ہے۔ جب تک عورت حیض سے فارغ نہ ہو لے، اس کے قریب نہیں جانا چاہئے۔ اور جب بھی قربت ہو بقاء نسل کے لئے ہو۔ عورت کے پاس جانا اللہ کے امر کے تحت ہو، اس کے ماسوا سے پاک رہنے کی حقیقت توابین کا ساتھ ہے۔ طہارت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے امر کی اطاعت کے علاوہ نہ کچھ دیکھا جائے، نہ سنا جائے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اور محبوب کا راضی کرنا محبّ کے راضی کرنے کی

احسن صورت ہے۔

حاصل : حیض کے دوران عورتوں سے قربت منع ہے۔ قربت جب بھی ہو حیض سے فارغ ہونے پر ہو، اللہ کے امر کے تحت ہو۔ ماسوا سے پرہیز توبہ کرنے والوں کی اور پاک رہنے والوں کی شان ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو آؤ۔ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور معلوم رہے کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔ اور مومنین کو بشارت دیجئے۔

عورتوں کو کھیتیاں فرمانے سے یہ روشن کرنا مقصود ہے، کہ جیسے کھیتی بیج کی نشو و نما کے لئے ہوتی ہے، ویسے ہی عورتیں بقائے نسل کے لئے ہیں۔ اس کے خلاف قضاء شہوت کو ملحوظ رکھا جائے، تو ناشکری ہوگی۔ عورت سے قربت کا اللہ کے امر کے تحت ہونا اس سے پہلی آیت میں واضح ہو چکا ہے۔ اس کے لئے موقعہ کا انتخاب اس کے حالات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ بندے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ عورت سے قربت اگر اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت کے لئے ہو، تو عمل خیر ہو گا۔ اگر قضاء شہوت مقصود ہو، تو حدود اللہ کا احترام نہیں ہو گا۔ ایسا عمل یقیناً غیر ہو گا۔ عملِ صالح کا نتیجہ دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔ غیر صالح عمل کا نتیجہ دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ عورت مرغوب ترین شے ہے۔ اس سے تعلق اللہ کی رضا کے مطابق ہو، تو اللہ سے ڈرنے کا ثبوت موجود ہو گا۔ تمام اشیاء کو ان کے مقام پر رکھنے کا علم اسی راہ پر رہنے والے کا حصہ ہے۔ جس کو معطئ مطلق سے ملنے کا یقین ہو، وہ اس کی عطا کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مومن توفیقِ ایزدی کو جب استعمال کریں اور جہاں استعمال کریں، رضائے الٰہی کے تحت رہ کر استعمال کرتے ہیں۔ انہی حضرات کے لئے بشارت ہے فلاحِ دارین کی۔ یہی حضرات اپنے منشاء حیات کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کریں گے، اسی معصومیت کے ساتھ جس کے ساتھ انہیں اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

حاصل : عورت سے قربت صرف بقاء نسل کے لئے ہو، آداب ملحوظ رہیں، اطاعتِ امرِ ربی پیشِ نظر ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جزا کے لئے پیش ہونے کا یقین ہو۔ ایسے مومنین کے لئے ہی فلاحِ دارین کی بشارت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَن تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا

اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ، کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے مابین صلح کی قسم کر لو۔ اور اللہ سننے والا علم

بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اس کے لئے جو کام کیا جائے اس کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ مومن کی شان ہے کہ وہ دوسروں کی بھلائی کرتا ہے۔ پرہیزگاری سے معاملہ کرتا ہے۔ اور جب لوگوں کے مابین دوری پیدا ہو جائے، توان کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے۔ اور عدوٌ مبین سے ہوشیار رہنے کا علم عطا کر دیتا ہے۔ کسی کے ناقص عمل سے مومن کے صالح عمل کو رکنا نہیں چاہئے۔ میدانِ جہاد تک یہی صورت جاری رہنی چاہئے۔ کم علم سے کوتاہی ہوتی ہے۔ علم والے توجو بھی کرتے ہیں، اللہ کے لئے کرتے ہیں، اور اس طرح کرتے ہیں کہ یہ دیکھتے ہی نہیں لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہی دیکھتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ کارِ خیر سے رکنے پر اللہ کی قسم کھانا بڑی ناپسندیدہ بات ہے۔ ایسی بات کا خیال بھی دل میں لانا بری بات ہے۔

حاصل : یہ نہیں دیکھنا چاہئے لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے، ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ نیّت خیر کی ہو۔ کارِ خیر میں اللہ کے محبوب کی معیّت کا شرف ہو تو اللہ تعالیٰ کو سمیع اور علیم ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑتا، ولیکن تمہارے قلوب کے کسب پر تمہیں پکڑتا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

لغو قسم وہ ہے، جس میں قلب کا کسب نہ ہو، نیّت غیر نہ ہو، اور قسم غیر ضروری کھائی گئی ہو۔ ایسی قسم پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ جب نیّت غیر ہو، بھلائی، پرہیزگاری اور صلح سے دوری کا رخ ہو، توایسی قسم پر ضرور مواخذہ ہوتا ہے۔ عرفان کے ساتھ ہی کفارہ ادا کرنا چاہئے، اور شاہدین سے اصلاح لینی چاہئے۔ توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ حلیم کی شان ہے کہ وہ گرفت میں جلدی نہیں کرتا، اور بندے کو حق کے قریب ہونے کے لئے توفیقِ مزید عطا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : لغو قسم سے بھی اعراض کرنا چاہئے۔ نیّت خیر کے ساتھ رہے۔ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو ہمیں معاف کرنے میں جلدی کرنی چاہئے، اپنے ساتھ غیر رخ رکھنے والے کے مواخذے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ معاملے میں اپنا توازن بھی برقرار رکھنا چاہئے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

جو اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، انہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔ تو اگر اس مُدّت میں پھر آئیں، تو بے شک اللہ

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾

تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

کمیٔ علم کی بناء پر اگر کسی ایمان والے نے اپنی عورت سے الگ رہنے کی قسم کھالی ہے، تو اس پر حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اہلِ ذکر سے معلوم کرے اور اس پر پورا رہے۔ چار مہینے تک رجوع ہو جائے تو نکاح موجود رہے گا، ورنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگر رجوع کے ساتھ جس کی حقیقت عورت سے قربت ہوگی، کفارہ ادا کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا اور اس پر رحم فرمائے گا۔

حاصل : حالتِ طہر میں عورت کے پاس جانا حق ہے۔ اس وقت اگر کوئی اس کے پاس جانے کی قسم کھالیتا ہے، تو اسے چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرنے کا حق ہے۔ کفارہ ادا کرے، توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا، اور اس پر رحم فرمائے گا۔

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر طلاق کا عزم کر لیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

اگر رجوع کا ارادہ نہیں، اور طلاق کا عزم ہے، تو اس صورت میں عورت کے ساتھ بھلائی کا رخ رکھنا حق ہے، کہ اس کو نکاحِ ثانی سے روکا نہ جائے۔ اس سلسلے میں نیّت و عمل کو روشن ہونا چاہئے۔ فرمانِ خداوندی کے جان لینے کے بعد عورت کو اس کے حقوق سے روکنا اور اسے اذیّت دینا ظلم ہے۔

حاصل : اگر طلاق کا عزم ہو، تو پھر عدّت کا شمار تو طلاق سے ہو گا، اس لئے عورت کو ناحق روکے رکھنا ظلم ہے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيٓ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ

اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک انتظار میں رکھیں۔ اور انہیں حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ارحام میں خلق فرمایا ہے، اگر ان کا اللہ اور یومِ آخر پر ایمان ہے۔ اور ان کے خاوند اگر اصلاح چاہیں تو اس مُدّت میں لوٹا لینے کا بڑا حق رکھتے ہیں۔ اور مردوں کی طرح عورتوں کا بھی ان پر حق ہے بھلائی کے ساتھ۔ مردوں کو ان پر درجہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔

حَكِيمٌ ﴿۲۲۸﴾ ع ۱۲/۷ ۲۸

جن عورتوں کو حیض سے فراغت کے بعد پاک ہونے کا درجہ حاصل ہو، ان کے ساتھ صحبت حق ہے، کہ اس کا منشا بقاء نسل ہوتا ہے۔ جن عورتوں کو ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو وہ عورتیں تین تین قروء تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں گی۔ تین بار حالتِ طہر سے حالت حیض میں داخل ہوں گی، تو فرمانِ خداوندی کی ادائیگی کے بعد نکاح ثانی کے قابل ہو جائیں گی۔ جن شوہروں سے انہیں طلاق ملی ہے ان کی اولاد ان کے ارحام میں ہے یا نہیں، یہ بھی واضح ہو جائے گا۔ عورتوں پر یہ حق ہے، کہ جو کچھ ان کے ارحام میں اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا ہے اس کو چھپائیں نہیں۔ حمل ہو یا حیض ہو اسے اپنے شوہر پر واضح کریں۔ منشا رضائے الٰہی ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو گا کہ وہ مومن ہوں۔ مومن کو یہ یقین ہوتا ہے، کہ نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہے اور اس کے کئے کی جزا اسے ضرور ملے گی۔ طلاق دینے کے بعد اگر خاوند اصلاح چاہیں تو عرصۂ انتظار میں عورتوں کو لوٹانے کے بڑے حق دار ہیں۔ عورت کی ذمہ داری مرد پر ہوتی ہے، اس لئے لوٹانے کی اجازت بھی اسے ہی ہے۔ یہ مردوں کو عورتوں پر درجہ ہے۔ جس طرح مردوں کے حقوق ہیں عورتوں پر، اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں مردوں پر۔ عورتوں پر حق ہے کہ وہ مردوں کی پسند کو پسند کریں اور ان کے توکل میں حائل نہ ہوں۔ مردوں پر حق ہے کہ وہ حتی المقدور عورتوں کو آسانیاں مہیا کریں، اس طرح کہ ان کے معمولاتِ زندگی بحسن و خوبی پورے ہوں۔ جس پر بڑا حق عائد ہوتا ہے، اس کا درجہ بھی بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی کیا گیا ہے اس میں زبردست حکمت ہے۔ اس کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والے اور کرنے والیاں اپنے اپنے عمل کے ذمے دار ہیں۔ مرد ہو یا عورت کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اپنی مرضی کرے۔

حاصل: طلاق والی عورتوں کو تین قروء تک انتظار میں رہنا چاہئے۔ اس عرصے میں ان کے شوہر اصلاح کی نیت سے انہیں لوٹانے کا بڑا حق رکھتے ہیں۔ عورتوں پر لازم ہے کہ جو ان کے ارحام میں ہو اسے چھپائیں نہیں۔ جس پر بڑا حق عائد ہوتا ہے، اس کا درجہ بھی بڑا ہے۔ عزت و حکمت فرمانِ خداوندی کی مطابقت سے ملتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں فرمایا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۴۲﴾

[شیطان سے یہ فرمایا گیا، بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، سوائے ان گمراہوں کے جو تیرا اتباع کریں۔]

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ

یہ طلاق دو بار تک ہے۔ پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے، یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں سے اپنا عطا کیا ہوا کچھ لے لو، مگر یہ کہ دونوں کو خوف ہو کہ حدود اللہ پر

فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

قائم نہ رہ سکیں گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے، تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ عورت فدیہ دے کر چھٹی لے۔ یہ حدود اللہ ہیں، تو ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو حدود اللہ سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔

رجوع کرنے کی حدود کے تعین کے لئے یہ ارشاد ہوا ہے، کہ دو بار تک اس کی اجازت ہوگی۔ زبان کے استعمال میں احتیاط لازم ہے، کہ پہلا درجہ ہی قول کا ہے۔ رجوع کی اجازت کی حدود میں رہتے ہوئے بھلائی کے ساتھ روک لینے کی صورت یہ ہے، کہ عورت کو آسانی مہیا کی جائے، اور اس کی بھلائی کی نیت سے اسے روکا جائے۔ روکنا کسی ذاتی غرض وغایت کے لئے نہ ہو۔ احسان کے ساتھ چھوڑ دینے کی صورت یہ ہے کہ اس کی نئی ازدواجی زندگی تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی پوری پوری مدد کی جائے۔ جو مال عورتوں کو دے دیا گیا ہو، اس کا لینا حق نہیں، کہ اس سے انہیں تکلیف ہوگی۔ اور چھوڑنے کی صورت میں حکم یہ ہے، کہ احسان کے ساتھ چھوڑا جائے۔ دیا ہوا مال واپس لینا احسان نہیں۔ اگر دیئے گئے مال کی نوعیت یہ ہو، کہ دونوں کی گزر بسر اسی پر ہو، تو اس مال کے ایک طرف ہو جانے سے حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکنے کا خوف ہوگا۔ شاہدین بھی اگر اس خوف کی تائید کریں، تو پھر عورت کو شاہدین کے حکم کے مطابق مال دے کر رخصت لے لینی چاہئے۔ نہ مرد عورت کو تنگ کرے، اور نہ عورت مرد کو تنگ کرے۔ نہ مرد فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی مرضی کرے، اور نہ عورت فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی من مانی کرے۔ بہتر جاننے والے حضرات مرد اور عورت کو علیحدگی کے وقت رضائے الٰہی کی حدود واضح کریں گے۔ طرفین کو ان کا احترام لازم ہے۔ جو فرمانِ حق کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا وہی ظالم ہے، اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حاصل : رجوع کے لئے حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔ زبان کو انتہائی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے۔ روکنا بھی رضائے الٰہی کے لئے ہو اور چھوڑنا بھی رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ مرد کو مال واپس نہیں لینا چاہئے سوائے اس کے کہ اسے معاش ہی ختم ہونے کا خوف ہو۔ شاہدین بھی یہی دیکھیں تو وہ رضائے الٰہی کی حدود واضح کر دیں۔ ان کا احترام طرفین پر حق ہے۔ عورت اس طرح مال دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ وہ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی مرضی کی بات کرے۔

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ

پھر اگر اس عورت کو طلاق دے دی، تو اب وہ عورت اس کو حلال نہیں، حتیٰ کہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ پھر

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۲۳۰

وہ دوسرا اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ باہم رجوع کریں، اگر سمجھتے ہوں کہ حدود اللہ کو قائم رکھیں گے۔ اور یہ حدود اللہ ہیں۔ بیان فرماتا ہے علم والے لوگوں کے لئے۔

اگر دو بار طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جاچکا ہے، تو تیسری بار طلاق کہنے کے بعد رجوع کرنے کا حق ختم ہوجائے گا۔ اور عورت کو حسبِ حال عدت پوری کرنے کے بعد رخصت لازم ہوگی۔ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے، وہ اگر اسے طلاق دے دے تو سابقہ میاں بیوی پھر ایک دوسرے سے حکمِ خداوندی کے مطابق مل سکتے ہیں، اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ اللہ کی حدود پر قائم رہنا ہے۔ دوسرے خاوند سے نکاح اگر طلاق لینے کی نیت پر کیا جائے گا، تو یہ حدود اللہ کے عدمِ احترام کا ثبوت ہو گا۔ حدود اللہ کے احترام سے لوگوں کو معاشرت میں حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ فیضیاب ہونے والے لوگ علم والے ہوتے ہیں۔

حاصل : دو بار تک طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق رہتا ہے، پھر ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے خاوند سے نکاح اگر طلاق کی نیت پر مبنی ہو، تو یہ حدوداللہ کے عدم احترام کا ثبوت ہو گا۔ فرمانِ خداوندی کی شان حدوداللہ سے روشن ہے۔ علم والے ہی اعلم کے فرمان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

اور جب عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدّت کو پہنچیں، تو ان کو بھلائی سے سنبھال لو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور سنبھالنا ان کا ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ ہو۔ اور جو ایسا کرے گا، بے شک وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی نشانیوں کو مذاق نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد رکھو۔ اور اس نے تم پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا۔ اس کے ساتھ تمہیں وعظ کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

۲۹ ع ۱۳ أَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

دو بار تک رجوع کا حق ہے۔ یہ حکم رجوع کے حق کے اندر اندر ہے۔ طلاق ایک بار کہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ طلاق کے بعد عدت کا پورا کرنا لازم ہے۔ اس کا منشا حمل یا حیض کی تصدیق ہے۔ بھلائی سے عورت کو سنبھالنا یہ ہے کہ اس کی خطا کو معاف کر دیا جائے، اس لئے کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے، اور اللہ کی رضا کے لئے اسے روک لیا جائے۔ بھلائی کے ساتھ رخصت کرنے کی صورت یہ ہے کہ دوسرے شوہر تک پہنچنے میں اس کی قول سے بھی مدد کی جائے. حال اور اعمال سے بھی مدد کی جائے، اور اس سے کسی اجر کی چاہت بھی نہ ہو۔ سنبھالنے میں اگر نیت اس سے کسی غرض و غایت کے حصول کی ہو، تو یہ اس کو ستانے والی بات ہوگی، اور اس عورت پر زیادتی ہوگی۔ ایسا کرنے والا ظالم ہو گا، کہ وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کر رہا ہو گا۔ فرمانِ خداوندی کو عام لوگوں کی بات کے برابر سمجھنا، اور اسے اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا، اس کے ساتھ کھیلنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بندوں کو بڑی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس کی عطا کردہ توفیق کے استعمال میں اس کے ارشاد کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ توفیق کے ساتھ اس نے کتاب و حکمت سے بھی نوازا ہے۔ رحمتہؐ للعالمین کو 'معلم الکتاب والحکمہ بنا کر بھیجا ہے۔ وعظ کی حقیقت یہ ہے، کہ اس میں بیان کرنے والے کی خواہش اور غرض و غایت کو دخل نہ ہو، سامعین کی فلاح پیشِ نظر ہو، اور علم سے حق ادا کیا جائے۔ جس قدر علمِ حقیقی بڑھے، تقویٰ بھی بڑھتا ہے، اور ہر آن یہ حال ہوتا ہے، کہ عامل کی نیت بھی جزا دینے والے کے سامنے ہے، عمل بھی اس کے سامنے ہے۔

حاصل : طلاق کے بعد رجوع کا حق موجود ہو، تو بھلائی کے ساتھ اسے استعمال کرنا چاہئے۔ اگر رجوع نہ کرنا ہو، تو بھلائی کے ساتھ رخصت کر دینا چاہئے۔ جو فرمانِ خداوندی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہے۔ فرمانِ خداوندی کو باعثِ فلاحِ دارین ماننا، اس کا احترام کرنا ہے۔ اور فرمانِ خداوندی کا عدم احترام، اس کے ساتھ کھیلنا ہے۔ رحمتہؐ للعالمین معلّم الکتاب و حکمت ہیں۔ وعظ حقیقی میں سامعین کو فلاح کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو سب سے بڑا حق مانا جائے. تو اللہ تعالیٰ کو 'بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ' ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں فرمایا ہے :

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۷۱﴾

[اور حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا، تو ضرور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے فساد ہو جاتا، بلکہ ہم نے تو انہیں وہ نصیحت عطا کی ہے جس میں ان کی ناموری تھی، تو وہ اپنی بھلائی سے ہی اعراض کر رہے ہیں۔]

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدّت پوری کر چکیں، تو پھر انہیں مت روکو

يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

کہ وہ آپس کی رضا مندی سے شرع کے مطابق اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔ یہ نصیحت ہے اس کے لئے جو تم میں سے اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی ہے۔ اور اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

طلاق کے بعد عورت پر عدّت کا پورا کرنا لازم ہے۔ اسی سے یہ صاف روشن ہو جاتا ہے کہ طلاق ایک بار کہنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ عدّت پوری ہو جانے کے بعد اگر عورت اور مرد نکاحِ ثانی پر رضا مند ہوں، اور شریعت میں اس کی اجازت بھی ہو، تو عورتوں کو نکاح سے روکنا خلافِ حق ہے۔ اگر عورت عدّت پوری کرنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی پر رضا مند ہو، تو اس کے سابقہ شوہر کو بھی روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ جو علیمِ مطلق کے سامنے اپنے آپ کو پست رکھتا ہے، وہ اس کے فرمان کو بڑے ادب سے مانتا ہے۔ وہی اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے کے دعوے میں سچا ہے۔ معیّتِ حق سے بڑی پاکیزگی کوئی نہیں ہو سکتی، اور اس سے بڑی صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ پاکیزگی اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے، اور صفائی مخلوق اللہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ علیمِ مطلق کے فرمان کے مقابل رخ رکھنے والا علمِ خیر کا حامل ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : طلاق کے بعد عدّت لازم ہے۔ عورتوں کو نکاحِ ثانی سے روکنا منع ہے۔ ادب سے ماننے والے کا عمل زندہ ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی کا منشا ہی پاکیزگی اور صفائی ہے۔ علمِ خیر صرف معیّتِ حق سے تعلق رکھتا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ

اور مائیں پورے دو برس اپنی اولاد کو دودھ پلائیں جو کوئی رضاعت کو پورا کرنا چاہے اور بچے والے پر ہے ان کا کھانا اور پینا شرع کے مطابق۔ کسی جان پر بوجھ نہیں مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچے سے، اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے، اور وارث پر بھی ایسا ہی لازم ہے۔ پھر اگر دونوں آپس کی رضا مندی سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ان پر گناہ نہیں۔ اور اگر تم دائیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو، تو بھی تم پر گناہ نہیں جب کہ جو دینا کیا تھا شرع کے مطابق انہیں دے دو۔ اور اللہ سے ڈرو، اور معلوم رہے کہ اللہ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔

بچے کے لئے ماں کا دودھ بے بدل خوراک ہے۔ رب العالمین نے دو سال تک دودھ پلانے کا فرمایا ہے۔ اس بات کا انحصار بچے والے پر ہے کہ وہ دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ پوری مدت کے لئے رضاعت چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ بچے کی ماں کی خوراک اور لباس کا پورا اہتمام کرے، اور رضائے خداوندی کے لئے کرے۔ نہ دودھ پلانے والی بچے والے پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ ڈالے اور نہ بچے والا ماں کے ساتھ اپنی وسعت کے اعتبار سے بخل کرے۔ اگر دونوں رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو ان پر گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں دودھ دایہ سے پلوایا جائے تو درست رہے گا، کہ عورت کے دودھ کا بدل بھی ممکن نہیں۔ دودھ پلانے والی سے شرع کے مطابق جو طے پائے اسے دے دیا جائے۔ عورت کے دودھ کے مقابل ہر دودھ اپنی اپنی کیفیت کے مطابق فائدے کے ساتھ ساتھ ضرر رساں بھی ہو گا۔ اللہ سے ڈرنے کا ثبوت عمل سے دیا جائے گا تو صداقت وقار ہوگی۔ جب عملاً حدود اللہ کا احترام کیا جائے، تو اس تسلیم کو سچا مانا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔ علم الٰہی لوگوں کو مشقت سے پاک کرتا ہے، علم غیر سے لوگ مشقت میں پڑتے ہیں۔

حاصل : ماں کا دودھ بے بدل خوراک ہے، دو سال تک ضرور پلانا چاہئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ماں کے دودھ کے بعد عورت کا دودھ ہی پلایا جانا چاہئے۔ دو سال تک حق کی ادائیگی رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور حدود اللہ کا پورا احترام کیا جائے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں، اور اپنی ازواج کو چھوڑ جاویں، وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر گناہ نہیں جو وہ اپنی جانوں کے بارے میں شرع کے مطابق کریں۔ اور اللہ کو

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾ تمہارے عملوں کی خبر ہے۔

جب مرد فوت ہو جائے، تو اس کی بیوی پر لازم ہے کہ وہ عدّت کی مدت اسی کے گھر میں گزارے اور اپنا مسکن نہ چھوڑے۔ چار ماہ اور دس دن انتظار کرے۔ اس عرصے میں یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں ہے۔ اگر وہ حاملہ ہوگی تو اسے وضع حمل تک، اور پھر دودھ پلانے کے لئے اگر وارث درخواست کریں تو دودھ پلانے کی مدت تک، نکاحِ ثانی کا انتظار کرنا ہو گا، اگر اسے دودھ پلانا قبول ہو۔ تو جب عدّت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق نکاحِ ثانی کی اجازت ہے، اور کسی کو اس سلسلے میں حائل ہونے کا حق نہیں ہے۔ کوئی خفی طریق سے حائل ہو یا جلی طریق سے اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے، کہ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اور ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فرمانِ خداوندی کے مقابل اپنی پسند کی بات کرے۔

حاصل : فوت ہو جانے والے شوہر کی بیوی چار ماہ دس دن تک انتظار کرے۔ اگر وہ حاملہ ہو، تو اس کی عدّت وضع حمل تک ہو گی۔ دودھ پلانا بھی یقیناً اس کی شان کے لائق ہے۔ جب تک پہلے بیج کا حق پورا نہیں ہو جاتا، کھیتی میں نیا بیج بونا حق نہیں۔ فرمانِ خداوندی کے مقابل کسی کی تجویز کو ماننے کے معنی اللہ تعالیٰ کے خبیر ہونے کا انکار ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع ۳۰/۱۴

اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو اشارۃً نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو۔ اللہ کو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے۔ ولیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپا ہوا، مگر یہی کہ کچھ بھلائی کی بات کہو۔ اور نکاح کا عزم کر رکھو، حتیٰ کہ عدّت اپنی انتہا کو پہنچ جائے۔ اور معلوم رہے کہ اللہ کو علم ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، تو اس سے ڈرتے رہو۔ اور معلوم رہے کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

عدّت کی مدت میں عورتوں کو ساکن رہنے کا حکم ہے۔ اس عرصے میں نکاحِ ثانی کی بات منع ہے۔ پیغام دینے والے ایسے

وقت میں ذکر کریں تو اس کی صورت اشارے کی ہو یا دل میں اسے پوشیدہ رکھیں، لیکن کسی بھی صورت سے چھپ کر نکاح کا وعدہ نہ ہو اور عدّت کا وقت پورا ہونے سے پہلے نکاح کی بات ہی نہ ہو۔ بھلائی کی ہر بات کلمۂ خیر ہے جس میں ذاتی خواہش نہ پائی جائے۔ صاحبِ علم جب بھی بولتا ہے، حال کو دیکھتا ہے۔ بھلائی کی بات کرنے والے کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ وہ اس سے ڈرتا رہتا ہے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے حلم والا ہے. جس کا رخ خیر ہو اس کی اس اونچ نیچ کو بخش دیتا ہے۔ حلم والا گرفت میں جلدی نہیں کرتا۔

حاصل : ایّامِ عدّت میں نکاح کا پیغام نہیں دینا چاہئے۔ بھلائی کی بات کی اجازت ہے۔ جس کا رخ خیر کا ہو اس کی اونچ نیچ کو معاف کر دینا چاہئے۔ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کے ساتھ عبدِ حلیم ہونے میں بڑا مرتبہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

[اے لوگو : تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آئی، اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔]

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا۟ لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ وَعَلَى ٱلْمُقْتِرِ قَدَرُهُۥ مَتَٰعًۢا بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں، اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جب کہ تم نے انہیں مس بھی نہ کیا ہو، یا ان کے لئے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اور انہیں متاع دو۔ وسعت والے پر اس کی قدر کے موافق، اور تنگی والے پر اس کی قدر کے موافق، بھلائی کے ساتھ متاع دینا۔ یہ محسنین پر حق ہے۔

نکاح بغیر مہر متعین کئے ہو سکتا ہے اور قبلِ دخول طلاق بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں عورتوں کو متاع دینا حق ہے۔ وسعت والا اپنی قدر کے مطابق دے، تنگی والا اپنی قدر کے مطابق دے، کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہیں رکھتا۔ عورتوں کو جو بھی دیا جائے، اس میں رخ خیر کا ہو، ان کی بھلائی پیشِ نظر رہے۔ محسنین متاع دینے کا حق اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جو کچھ عورت چاہے اور ان کے پاس ہو، یا اس کی وسعت ہو، تو وہ متاع پیش کر دیتے ہیں۔

حاصل : نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہو، اور مس کرنے سے قبل ہی طلاق ہو جائے، تو اپنی حیثیت کے مطابق عورت کو متاع دینا لازم ہے۔ بھلائی کے ساتھ متاع دینا یہ ہے کہ عورت کو جو بھی دیا جائے، اس سے اس کی قدر و منزلت بڑھے۔ اس میں متاع کے ساتھ

ساتھ دینے کا طریقہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور اگر تم نے انہیں مس کرنے سے قبل طلاق دے دی، اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے، تو جتنا ٹھہرا تھا، اس کا نصف دے دو۔ سوائے اس کے کہ عورتیں عفو کر دیں، یا وہ عفو کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کا عقدہ ہے۔ اور اگر تم مرد عفو کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے فضل کو بھلاؤ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔

اگر عورت کو مس کرنے سے قبل ہی طلاق دے دی جائے تو مقرر شدہ مہر کا نصف دیا جائے گا۔ عورت عفو کر دے تو یہ دوسری بات ہے۔ مرد کا عفو یہ ہے کہ وہ نصف سے زیادہ دے دے۔ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لئے اس پر عفو کا حق بھی بڑا ہے۔ لہٰذا مرد کا عفو تقویٰ سے زیادہ قریب ہو گا۔ آپس میں ایک دوسرے کے فضل کو بھلانا خلافِ حق ہے۔ فضل کو یاد رکھنا یہ ہے کہ صاحبِ فضل کو عمل سے بڑا سمجھا جائے، اور اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ جب یہ اعتراف ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے، تو پھر عمل کو کجی سے پاک ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی نہیں دیکھنا چاہئے کہ لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہی دیکھنا چاہئے کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے۔

حاصل : اگر عورت کو مس کرنے سے قبل طلاق دے دی جائے، تو مقرر شدہ مہر کا نصف دیا جائے گا، سوائے اس کے کہ عورت عفو کر دے یا مرد عفو کر دے۔ مرد عفو کرے تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ صاحبِ فضل کے عمل کو بڑا مانا جائے، تو پھر اس کو بھلانے کا مقام نہیں آتا۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے، لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے، ہمیں ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

نمازوں کی حفاظت کرو، اور صلوٰۃِ وسطیٰ کی۔ اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

نمازوں کی حفاظت یہ ہے کہ ان کے اوقات سے پہلے ان کی نیت رکھی جائے، اور وضو کیا جائے۔ اس طرح ان کی ادائیگی

میں حفاظت کا حق ادا ہوتا رہے، تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ صلوٰۃِ وسطیٰ نمازِ فجر ہے، کہ رات اور دن کے درمیان بھی ہے اور سب سے اہم بھی ہے کہ اگر نمازِ فجر قضا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ اس دن کی ساری نمازیں ہی قضا ہو گئی ہیں۔ مومن کے دن کی ابتدا ہی نمازِ فجر سے ہوتی ہے۔ جس دن کی ابتدا ہی دین سے نہ ہو، اس میں ہونے والے سب کام خیر کے رخ سے خالی ہوں گے۔ اس لئے نمازِ فجر کی خصوصی حفاظت کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑے رہنے کی صورت یہ ہے کہ نماز میں یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، اور ہمیں اس طرح کھڑا ہونا ہے جس طرح شاہدین کھڑے ہوتے رہے، ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حاصل : نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیّت رکھنا اور اس کے لئے وضو کرنا حفاظتِ نماز کا علم ہے۔ صلوٰۃِ وسطیٰ نمازِ فجر ہے۔ ادب سے کھڑے ہونا یہ ہے، کہ صورتِ شاہد پیشِ نظر ہو. اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا یقین ہو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾

پھر اگر تمہیں خوف ہو، تو پیادہ پڑھ لو یا سوار۔ تو جس وقت تم امن پاؤ تو اللہ کا ذکر کرو، جس طرح اس نے تمہیں علم دیا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

خوف کی حالت یہ ہے، کہ امن نہ ہو، اور حقوق کی ادائیگی بھی قضا نہ کی جا سکتی ہو۔ ایسی صورت میں نماز کو مختصر کیا جائے گا اور پیادہ یا سوار جس حالت میں بھی ادا ہو سکے گی، ادا کی جائے گی۔ جب حالتِ امن میسّر آئے گی تو پھر معمول کے مطابق ادا کرنا حق ہو جائے گا۔ نماز کا علم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جا رہا ہے. جیسے اللہ نے تمہیں علم سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھانا بھی اللہ تعالیٰ کا سکھانا ہے۔

حاصل : دو ہی حالتیں ہیں، حالتِ امن یا حالتِ خوف۔ حالتِ خوف میں نماز اشارے سے ادا کر لینی چاہئے۔ حالتِ امن میں معمول اور تعلیمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ادا کرنی چاہئے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا

اور تم میں سے جو وفات پائیں اور ازواج چھوڑ جائیں، تو وہ اپنی ازواج کے لئے ایک سال تک متاع کی وصیّت کر جائیں، بغیر اخراج کے۔ پھر اگر عورتیں خود ہی چلی جائیں، تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو انہوں نے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾

اپنے لئے بھلائی سے کیا۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اگر بوقتِ وفات زوجہ موجود ہو، تو وارثوں کو وصیّت کرنا چاہئے کہ ایک سال خاتون کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے، اور حسنِ اہتمام کے ساتھ رکھا جائے، اور گھر سے جہاں اس کا قیام ہو نکالا بھی نہ جائے۔ حصہ تو فرمانِ خداوندی کے مطابق دیا ہی جائے گا، ان کی تکریم کے لئے وصیّت کرنا بھی حق ہے۔ اگر وہ خود جانا پسند کریں، اور اپنے لئے بھلائی کی کوئی دوسری صورت اختیار کریں، تو اس سلسلے میں ان سے تعاون کرنا، بڑی نیکی ہے۔ عزت و حکمت رضائے الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

حاصل : وفات کے وقت زوجہ زندہ ہو، تو اس کی تکریم کی وصیّت کرنی چاہئے۔ اس کا حصہ ادب سے دیا جائے، تو یہ اللہ کے نزدیک بڑا پسندیدہ عمل ہو گا۔ کراہت سے دیا جائے، تو وہ صورت نہیں ہو گی۔ بیوہ سے تعاون میّت کے وارثوں کی شان ہوتی ہے۔ عزت و حکمت رضائے الٰہی کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾

اور مطلقات کے لئے بھی بھلائی کے ساتھ متاع ہے۔ یہ متّقین پر حق ہے۔

جن عورتوں کو طلاق دی جائے، ان کو بھی آسانی مہیا کرنی چاہئے۔ متاع دینا اور بھلائی کے ساتھ دینا یہ ہے، کہ ان کی ازدواجی زندگی کے بحال ہونے تک ان کی خدمت کی جائے، قولاً بھی اور عملاً بھی۔ یہ اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے۔

حاصل : مطلقات کی ازدواجی زندگی کے بحال ہونے تک ان کی خدمت کرنا متّقین کی شان ہے۔

ع ۳۱/۱۵ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾ ع

اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے نشانیاں بیان فرماتا ہے، کہ تم عقل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ عقل مند وہی ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو مانے۔ جو بات اپنے لئے پسند ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کی جائے تو باہمی احترام قائم رہتا ہے۔

حاصل : عقل مندی یہی ہے کہ جو اپنے لئے پسند ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کیا جائے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾

[تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ کے تقوے پر اور رضا پر، وہ بھلا یا جس نے اپنی بنیاد ایک گراؤ گڑھے کے کنارے پر رکھی کہ وہ گر پڑے۔ اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾

اور کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جو اپنے گھروں سے نکلے موت کے ڈر سے اور وہ ہزاروں تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا : کہ مر جاؤ۔ پھر انہیں زندہ کیا۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

دیکھنے والوں کو دیکھنا، اور ان کی نظر سے دیکھنا بھی دیکھنا ہے، کہ مشاہدہ تو اسی کا کامل ہوتا ہے جو مخلص ہو۔ دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کا ایک سلسلہ بنتا چلا جاتا ہے، اور یہ سب دیکھنے والے ہی ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگ موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، پھر انہیں موت نے آلیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ کی قدرت کے احاطے کو دیکھ لیا جائے، اور مان لیا جائے۔ اس احاطۂ قدرت کو دیکھ کر بھی من مانی ہی کی جائے، تو یہ ناشکری ہوتی ہے۔ زندگی اور موت لازم و ملزوم ہیں۔ جو آیا ہے وہ جائے گا بھی۔

حاصل : اللہ کا ڈر ہو، تو دوسرے ہر ڈر سے نجات ہو جاتی ہے۔ موت سے ڈرنے والے کا عمل بگڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کو ماننا چاہیے، اور شکر کرنا چاہیے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں لڑنا، مال اور جان سے جہاد کرنا ہے۔ موت کا ڈر ہو، تو جہاد ممکن ہی نہیں رہتا۔ خلوت و جلوت میں کسی بھی عمل سے موت کے ڈر کو ظاہر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو سمیع اور علیم ماننے کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے لڑنے والا یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے، اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا

ہے کوئی جو اللہ کو قرض دے، قرضِ حسنہ،

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۴۵

تو اللہ اس کے لئے کئی گنا بڑھا دے۔ اور اللہ قبض بھی کرتا ہے، اور بسط بھی۔ اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

یہ اللہ کی شان ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا پر لگایا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قرضِ حسنہ فرماتا ہے۔ مال اور جان اللہ کی راہ پر لگے تو اس میں برکت برقرار رہتی ہے۔ کسی کی کوشش سے قبض و بسط کا تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ بندے سے قبض اور بسط کی پوچھ ہی نہ ہو گی۔ بندے کے ذمے یہی ہے کہ وہ حال پر حق ادا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین اس کے ہر عمل سے روشن ہو۔

حاصل : مال اور جان کو اللہ کی رضا پر لگایا جائے تو اس میں برکت ہوتی ہے۔ قبض و بسط منجانب اللہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین سیدھ کو برقرار رکھتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶

وقف لازم

کیا تم نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو نہ دیکھا موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد، جب انہوں نے اپنے نبی (علیہ السلام) سے کہا : کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ نبی (علیہ السلام) نے فرمایا : کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم پر جہاد لکھ دیا جائے، پھر تم نہ کرو۔ عرض کرنے لگے : ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، اور ہمیں تو اپنے گھروں اور بیٹوں سے جدا کیا گیا۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا، تو سوائے ان میں کے قلیل لوگوں کے، وہ منہ پھیر گئے۔ اور اللہ ظالموں کا علم رکھنے والا ہے۔

دیکھنے کا حاصل جس کے پاس ہو، اسی نے دیکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے یہ کہا کہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے، تاکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا

کہ کیا تم سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاد کا حکم ہو جائے اور تم نہ کرو۔ کہنے لگے، ہمیں ہمارے گھروں اور بیٹوں سے جدا کیا گیا ہے، ہم کیوں نہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔ پھر جب جہاد کا حکم ہوا تھوڑے ہی لوگ اپنے عہد پر پورے رہے، باقی پھر گئے۔ بادشاہ کی چاہت میں خواہش موجود تھی، اور علیم مطلق سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ نبی کا فرمان علم الٰہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے نبی (علیہ السلام) نے اس طلب کے مستقبل کے امکان کو بھی واضح کر دیا، تا کہ ان لوگوں کو اپنے عہد کو پورا کرنے میں آسانی رہے۔ جب انہوں نے اللہ کی رضا کے ساتھ گھروں اور بیٹوں کا حصول بھی دیکھا، تو رخ کی وحدانیت میں فرق آ گیا۔ جب جہاد کا حکم ہوا تو وہ پھر گئے، سوائے قلیل لوگوں کے۔ جو اپنے عہد کو پورا کرنے کی بجائے اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے، وہ ظالم ہوتا ہے۔

حاصل : جس سوال میں بھی چاہت چھپی ہوئی ہو، وہ سوال بڑا خطرناک ہوتا ہے سائل کے لئے۔
اللہ کی رضا کے ساتھ اپنی خواہش کو نہیں ملانا چاہئے کہ خواہش کا اتباع راہ راست سے ہٹا دیتا ہے۔
اپنے عہد کے خلاف کرنا ظلم ہے۔ ظالم کا ظلم ہی اسے گھیر لیتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

اور ان کے نبی (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا : بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ ٹھہرایا ہے۔ کہنے لگے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اس سے بادشاہی پر ہمارا حق بڑا ہے۔ اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔ نبی (علیہ السلام) نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چن لیا ہے، اور اسے علم اور جسم میں زیادہ بسط ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ اپنا ملک عطا کرتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا : جہاد تم پر فرض کر دیا گیا، اور طالوت علیہ السلام کو تمہارا بادشاہ بنایا گیا۔ بادشاہی کی خواہش میں مبتلا لوگوں نے یہ کہا کہ طالوت علیہ السلام کے پاس مال کی وسعت نہیں ہے۔ جب بادشاہ وہی ہے جسے اللہ مقرر کرے، تو پھر استحقاق کا پیمانہ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتا۔ جسے اللہ چن لے، دو انعام اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، علم میں بڑائی اور جسم میں بڑائی۔ بسط کی شان یہ ہے کہ وہ خیر اور غیر کے مابین وقف رکھے اور مشکل مقامات پر روشنی کا مینار ثابت ہو کہ پیچھے آنے والے آسانی سے گزر جائیں۔ بندے کی شان اہلیت کا رخ رکھنا ہے، چناؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جو اللہ کی پسند کو پسند کرے، اسے وسعت اور علم دونوں عطا ہوتے ہیں۔

حاصل : بہتر جاننے والے سے اپنی پسند کو بیان کرنے کی بجائے اس کی پسند کو معلوم کرنا چاہئے۔ علم کی بڑائی یہ ہے کہ خیر اور غیر میں وقف رہے، اور جسم کی بڑائی یہ ہے کہ مشکل مقامات پر سے ساتھیوں کو حفاظت سے گزارا جائے۔ اللہ کے چناؤ کو مانا جائے، تو وسعت اور علم دونوں عطا ہوتے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ ع ۳۲ ۶ ۱۶

اور ان کے نبی (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا : کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے، کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے، اور آلِ موسیٰ (علیہ السلام) اور آلِ ہارون (علیہ السلام) کے ترکے کا بقیہ ہے، اسے ملائکہ اٹھا لائیں گے۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مومن ہو۔

لوگوں نے جب نبی علیہ السلام کے ارشاد کو سنا، تو حضرت طالوت کی بادشاہی کی نشانی طلب کی۔ نبی کے ارشاد کے بعد ان پر یہ کھلا، کہ وہ تابوت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ترکے کا بقیہ ہے، ان کے پاس اللہ کی مہربانی سے آ جائے گا اور انہیں اس کے لئے کوشش نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ تابوت باعثِ تسکین تھا ان لوگوں کے لئے کہ اس کی موجودگی میں انہیں برکت حاصل ہوتی تھی۔ سکینہ اسی کو عطا ہوتا ہے رب العالمین کی طرف سے، جو اپنے علم سے ساکن ہو جائے۔ مخلصین کا ترکہ قابلِ ادب ہوتا ہے، اور باادب کو ہی ملتا ہے۔ قابلِ ادب نشانی کا ادب کرنے والا بھی قابلِ ادب ہو جاتا ہے اور صاحب نشان ہو جاتا ہے۔

حاصل : مخلصین کا ترکہ قابلِ ادب ہوتا ہے، باعثِ تسکین ہوتا ہے، اور اسی کو ملتا ہے جو لائقِ ادب ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں فرمایا ہے :

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ ﴿٧٨﴾

[اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو، جیسا جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں پسند کیا، اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔]

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ

پھر جب حضرت طالوت (علیہ السلام)

إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

لشکر لے کر باہر نکلے، فرمایا: بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے دیکھے گا۔ تو جس نے اس کا پانی پیا وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے، مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔ تو سب نے پیا سوائے ان میں سے قلیل لوگوں کے۔ پھر جب حضرت طالوت (علیہ السلام) اپنے ایمان والے ساتھیوں کے ساتھ پار پہنچے، تو کہنے لگے: ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ جنہیں اللہ سے ملنے کا دھیان تھا، انہوں نے فرمایا کہ بارہا اللہ کے اذن سے قلیل گروہ کثیر گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے درخواست کی تھی، ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ بادشاہ مقرر کرنے سے پہلے ان لوگوں کو اپنے عہد پر پورا رہنے کی تاکید فرمائی گئی۔ بادشاہ مقرر ہوا تو اس کی علمی اور جسمی فضیلت کا ان لوگوں سے اعتراف کروایا گیا، پھر اس کی بادشاہی کی نشانی کے طور پر ان لوگوں کو وہ تابوت بے سبب عطا کر دیا گیا جس میں ان کے رب کی طرف سے ان کے لئے سکینہ تھا۔ یہ سب کچھ واضح ہو جانے کے بعد حضرت طالوت علیہ السلام سے ان لوگوں کو جس قدر محبت ہوئی اس کا حال یہ ہے کہ جب حضرت طالوت علیہ السلام لشکر کو لے کر نکلے تو فرمایا کہ تمہارے راستے میں ایک نہر آئے گی، اور وہاں دیکھا جائے گا کہ تم میں سے کون میرے ساتھ ہے، اور کون اپنی خواہش کے تابع ہے، آپ نے فرمایا: جو وہاں سے پیئے گا وہ میرا نہیں۔ جو نہ پیئے وہ میرا ہے۔ اگر ناقابلِ برداشت صورت ہو جائے تو اپنے ہاتھ سے چلو لے لینے کی اجازت ہے۔ اس قدر واضح پیش گوئی کے سننے والوں پر جب مقامِ ابتلا آیا، تو قلیل لوگوں کے سوائے سب نے پیا۔ یہی قلیل لوگ ایمان والے ہوئے تو ان کا قول عملاً سچا ثابت ہو گیا۔ پانی پی لینے والے پہلے درجے پر تو ساتھ نہ رہے، پار پہنچ کر انہوں نے یہ کہا کہ ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس طرح دوسرے درجے پر بھی ساتھ نہ رہے۔ ایمان والے لوگوں کو اللہ سے ملنے کا دھیان ہوتا ہے، وہ اپنا حق ادا کرتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ان سے پوچھ ہوگی۔ نتیجے کو باذنِ اللہ جان کر راضی رہتے ہیں۔ اللہ سے ملنے کا یقین رکھنے والوں نے ایمان والے حضرات سے فرمایا کہ بارہا اللہ کے اذن سے قلیل گروہ کثیر گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور اللہ کے ساتھ سے بڑا

کوئی ساتھ نہیں ہے۔ حال پر اللہ کے ساتھ کا ثبوت اس کے محبوب سے محبت ہوتا ہے۔ علم الٰہی سے فیض یاب ہونے کی صورت یہی ہے، کہ علم اور جسم کے اعتبار سے کسی کی فضیلت کے اعتراف کے بعد اس کی مانی جائے، اور اس کو اپنی منوائی نہ جائے۔

حاصل : علمی اور جسمی فضیلت کا اعتراف جہاں بھی ہو جائے، وہاں ماننا حق اور منوانا ناحق ہو جاتا ہے۔ جس سے محبت نہ ہو، اس کے امر کے تابع رہنا محال ہے۔ اس محبت کی حقیقت صبر اور ثابت قدمی ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

پھر جب جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے آئے، دعا کرنے لگے : اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھیو، اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔

جب ایمان والے جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابل آئے، تو انہوں نے مسبّب الاسباب کو پکارا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے، اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔ فی سبیل اللہ لڑنے والا معیّتِ شاہدِ حق میں اپنی عظمت دیکھتا ہے۔ وہ نہ اپنے ذرائع کا زعم رکھتا ہے نہ دشمن کے ذرائع سے غم کھاتا ہے۔ یہ یقین اسے پورا رکھتا ہے ہر مقام پر کہ قادرِ مطلق کے ساتھ سے زیادہ حفاظت کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

حاصل : غیر کے مقابل آنے پر مسبّب الاسباب کو پکارنا چاہئے اور یہی دعا کرنی چاہئے، رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

تو انہوں نے ان کو اللہ کے اذن سے شکست دی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کیا۔ اور اللہ نے آپ کو ملک اور حکمت عطا فرمائے، اور علم عطا کیا جو چاہا۔ اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے دفع نہ کرے، تو یقیناً زمین برباد ہو جائے۔ ولیکن اللہ عالمین پر بڑے فضل والا ہے۔

ایمان والوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ جالوت کی فوج

کثیر تھی، وہ خود بھی بڑا ظالم تھا، اس کی تیاری بھی بہت تھی، اس لئے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں اس کا قتل ہو جانا حضرت داؤد علیہ السلام کی صداقت کی سند ہے۔ آپ اگر جالوت اور اس کے اسباب کو دیکھتے تو ضرور متاثر ہوتے۔ آپ نے طالوت علیہ السلام کے امر کو سنا اور حق کی ادائیگی میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا انعام یہ بخشا کہ آپ کو سلطنت عطا فرمائی، حکمت عطا فرمائی، اور جو چاہا آپ کو علم عطا فرمایا۔ جالوت کی بادشاہی کا دورِ ظلمت رخصت ہوا اور نور کا دور طلوع ہوا۔ جب بھی انسانی تجویز لوگوں پر مسلّط ہو جائے اور انہیں راہِ حق پر رہنے سے روکے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے دفعیے کی صورت بنا دی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمین فساد سے بھر جائے۔ جو حاکم اپنے تضاد کو دور نہ کرے اس کا اقتدار ڈوبتے دیر نہیں لگتی، اس لئے کہ وہ اصلاح سے دور ہوتا جاتا ہے اور سرعت سے خسارے کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس لئے وہ اپنی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور فضل کا ہی رخ رکھتا ہے۔ اس سے یہ بھی روشن ہوا کہ عالمین سب زمین ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور زمین کے علاوہ کسی بھی جگہ لوگ آباد نہیں ہیں۔

حاصل : مشکل ترین مقام کو اپنے لئے پسند کرنا اور دوستوں کو آسانی سے رکھنا، انعام یافتہ ہونے کا راستہ ہے۔ جو حاکم اپنے تضاد کو دور نہ کرے وہ خسارے کی طرف سرعت سے بڑھنے لگتا ہے۔ اور ساحلِ مراد سے دور ہی ڈوب جاتا ہے۔ مفسدین سے نجات بھی اللہ کا فضل ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔ اور آپ یقیناً مرسلین سے ہیں۔

حقائق کو ماضی کی شہادت سے بیان کرنا، صداقت کی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بیانِ صداقت حضور کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے آئینۂ قدرت رکھ دیا ہے کہ ہر ایک اس میں اپنا رخ دیکھ لے، اور ماضی کی شہادت کی بدولت انجام سے بے خبر بھی نہ رہے۔ یہی مرسلین کی شان ہے۔

حاصل : حقائق کو ماضی کی شہادت سے بیان کرنا کہ لوگ اپنے رخ کی صحت یا نقص کو دیکھ سکیں، سب سے بڑا کام ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں فرمایا ہے :

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾

[اور فرما دیجئے کہ میں تو صاف ڈر سنانے والا ہوں۔]

الجزء الثالث ۳ — رکوع ۳ — وقف لازم

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا

یہ رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجات بلند کئے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن

عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَلٰـكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا وَلٰـكِنَّ
اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۳۳ ۵ ۱

مریم (علیہ السلام) کو روشن نشانیاں عطا فرمائیں اور روح القدس سے ان کی تائید فرمائی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکیں، ولیکن انہوں نے اختلاف کیا اور ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے، ولیکن اللہ جو چاہے کرے۔

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ۝ (۱۷ : ۱۵) [ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں۔] مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو توفیق عطا فرمائی جاتی ہے، وہ اس حال کے مطابق ہوتی ہے جس پر ان کو بھیجا جاتا ہے۔ اس توفیق کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ تفریق نہ کرنے کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے، کہ ہر ایک کو اس کے مقام پر پورا مانا جائے اور اس کی تقسیم کو بھی پورا مانا جائے۔ کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا، کسی کے درجات بلند کئے، اپنی نشانیاں عطا فرمائیں۔ حق کی احسن تبلیغ کے لئے جو بھی درکار تھا وہ مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حال پر موجود علمِ کسب پر حضرت کے غلبے کے لئے روح القدس سے ان کی تائید فرمائی گئی۔ اگر سب مرسلین کو ایک سی توفیق ہوتی تو علمِ کسب پر علمِ حق کا غلبہ روشن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کی مدد کی جاتی ہے۔ ارشاد ہے : كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ‌ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا (۱۷ : ۲۰) [ہم سب کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور ان کی بھی تمہارے رب کی عطا سے، اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں۔] جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق دی گئی ہے، اور اس توفیق کو اللہ کی رضا پر بھی لگایا جا سکتا ہے اور اپنے نفس کی خواہش پر بھی لگایا جا سکتا ہے، تو اختلاف کا امکان تو واضح ہے۔ جو ہدایت پر آئے گا وہ اپنے ہی بھلے کو آئے گا اور جو بھٹکے گا، تو اس کا بھٹکنا بھی اسی پر پڑے گا۔ یہ توفیق باقی مخلوق کے مقابل حضرتِ انسان کی شان کو ارفع ثابت کرتی ہے۔ حق کے روشن ہو جانے کے بعد، اس کی صداقت کی روشن نشانی دیکھ لینے کے بعد، ناقابلِ تردید سند دیکھ لینے کے بعد بھی انکار ہی کیا جائے، تو یہ کفر ہو گا۔ اور حق کو مان لینے کے بعد صاحبِ حق سے محبت ہو جائے تو یہ ایمان ہو گا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے لوگوں کو توفیق بخشی ہے۔ اور اس توفیق کے استعمال سے لوگوں کا رخ متعین ہو رہا ہے، اور اس حیاتِ دنیا میں یہی دیکھنا مقصود ہے کہ ہمارا رخ کیا ہے۔

حاصل : مرسلین کو توفیق حال کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ اپنے اپنے مقام پر سب پورے ہیں۔
اختلاف کا امکان توفیق کی بدولت ہے۔ منشاء ایزدی یہ ہے، کہ توفیقِ ایزدی کے استعمال سے ہمارا رخ متعین ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم میں فرمایا ہے :
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾
[بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان سے رحمٰن مودّت کرے گا۔]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

اے ایمان والو، ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم پر وہ دن آئے جس میں نہ بیع ہو گی، نہ خلت ہو گی اور نہ شفاعت ہو گی۔ اور کافر ہی ظالم ہیں۔

توفیق معطئ مطلق کی طرف سے حال پر عطا ہوتی ہے۔ حال ہی میں اس توفیق کو معطئ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال میں لایا جائے تو فلاح ہو گی۔ اس لئے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو خرچ کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے قبل اس کے کہ خرچ کرنا ممکن ہی نہ رہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہی ہے جس میں اس کی رضا موجود ہے۔ جو خلافِ حق اکٹھا کیا جائے وہ ناپاک ہے اور اللہ پاک کے نام پر خرچ کرنے کے لائق ہی نہیں۔ جو مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حال کی صورت میں دی گئی ہے، اس مہلت میں رزق کے خرچ کرنے کی صورتیں تین ہیں۔ پہلی صورت بیع کی ہے۔ بیع یہ ہے، کہ رزق سے وہ کچھ خریدا جائے جو حق کی احسن ادائیگی کے لئے درکار ہو۔ دوسری صورت خلت کی ہے۔ خلت یہ ہے کہ کسی دوست کی مدد کی جائے جس میں ذاتی غرض و غایت نہ ہو، تقویٰ موجود ہو، اور دوست کو حق کی ادائیگی میں مدد دے کر اس کا شکریہ بھی ادا کیا جائے کہ اس خلت کی بدولت ہی وہ رزق رضائے الٰہی میں کام آیا ہے۔ اور تیسری صورت شفاعت کی ہے۔ شفاعت یہ ہے کہ حدِ اصلاح کے اندر پیچھے رہ جانے والوں کی زندگی میں ان کے اپنے کئے کی بدولت گھر جانے کا مقام آ جائے تو ان کا راستہ صاف کر دیا جائے، کہ وہ بھی مقصود کو پالیں۔ یہ تینوں صورتیں رزق کے خرچ کی ہیں۔ حال پر ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا ایمان اور امن کا ثبوت ہے۔ ان کا انکار ظلم اور خسارے کا ثبوت ہے۔

حاصل : جو رزق خلافِ حق اکٹھا کیا جائے وہ ناپاک ہے۔ اللہ پاک ہے۔ پاک رزق ہی اس کی رضا پر لگ سکتا ہے۔ رزق کے خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں حال پر، بیع، خلت اور شفاعت۔ تینوں مقامات پر مقصود اللہ کی رضا ہو تو رحمت و برکت میں عروج ہو گا۔ اس کے خلاف رخ ہو تو انسانی تجویز کی بدولت خسارہ احاطہ کر لے گا۔

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ

اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی الحیّ القیوم ہے۔ نہ اسے اونگھ آئے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے اِذن کے۔ اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور اس کے علم سے احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے۔ اسے ان کی حفاظت گراں نہیں۔ اور وہی ہے بڑا عظمت والا۔

اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے۔ اس کے سوا الوہیت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف جانا ہو گا، اور وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ وہ زندہ ہے۔ اس کی زندگی کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ وہ قائم ہے۔ اس کے قیام کی بھی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا۔ مخلوق کو صفات خالق کی طرف سے عطا ہوئی ہیں۔ مخلوق کی صفات ابتدا اور انتہا سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک وقت کے لئے ہوتی ہیں، خالق کی صفات کا تعین ممکن ہی نہیں۔ ساری کائنات میں معطیٔ مطلق ایک ہی ہے۔ اسی لئے نظامِ ربوبیت میں کوئی تضاد نہیں۔ جس کا تعلق ابتدا اور انتہا سے ہے اس کو آرام کرنا بھی درکار ہوتا ہے اور اس طرح ہی اس کے فعل کا متوازن ہونا ممکن ہوتا ہے۔ بندے کو اونگھ بھی آتی ہے، نیند بھی آتی ہے۔ اونگھ سے جسم کو کچھ سکون ملتا ہے اور تھوڑے وقت میں اس کی قوتِ کارکرگی پھر بحال ہو جاتی ہے، نیند میں جسم کو پورا سکون ملتا ہے اور تمام اعضاء کی قوتِ کارکردگی تازہ ہو جاتی ہے۔ معبود کا کام جاری تھا، جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس کا بے مثل ہونا کائنات کے اعتدال و توازن سے روشن ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے۔ اسی کے لئے نہیں ہے، کہ اسے کسی بھی شے کی احتیاج نہیں۔ جب سب کچھ اسی کا ہے، تو پھر سب کچھ مالکِ حقیقی کی رضا کے مطابق ہی استعمال بھی ہونا چاہئے ورنہ ناشکری بھی ہو گی، اور مالک سے دوری بھی ہو گی۔ شفاعت کی توفیق بھی اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے، اور اس کے محبوب بندے ہی اس شان کو پاتے ہیں، جن کا بولنا خواہشِ نفس کے تحت نہیں ہوتا۔ شفاعت کے بھروسے اگر کوئی اپنی مرضی کرنے لگے، تو وہ اپنے کئے کا ذمہ دار ہو گا۔ اسے حال ہی میں جان لینا چاہئے کہ شفاعت تو اذنِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہماری ابتدا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ ہماری انتہا بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اس سے کچھ مخفی نہیں۔ اس کا علم کلی ہے۔ اور جس قدر وہ عطا کرنا چاہے، اسی قدر حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں بھی استکبار ہو گا، علمِ حقیقی نہیں ہو گا۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اس لئے حقیقی علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے تابع ہو۔ کائنات کی ہر شے پر اللہ تعالیٰ کا علم وسیع ہے۔ اس علم کی حقیقت حفاظت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو گراں نہیں۔ اس کی بڑائی اور عظمت یہ ہے کہ وہ سب کو عطا کرنے والا ہے، اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ وہ سب کو پوچھنے والا ہے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا دعویٰ ہے، اس کی رضا کو مقصود بنانا شہادت ہے۔ اور یہ دعویٰ اسی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ خالقِ کل کی صفات تعیّن سے پاک ہیں۔ مخلوق کی صفات ابتدا اور انتہا سے تعلق رکھتی ہیں۔ مالکِ حقیقی اللہ ہی ہے، ہر شے کا۔ شفاعت باذنِ اللہ ہو گی۔ ہمارا علم علمِ حقیقی کے تابع ہو تو حقیقی ہو گا۔ علم کی حقیقت حفاظت ہے۔ بندگی کے دائرے میں حفاظت کا حق ادا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ العلی العظیم کی معیّت حاصل ہو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین میں اکراہ نہیں۔ بےشک رشد گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ پھر جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے، تو اس نے مضبوط گرہ تھامی جو کھلنے والی نہیں۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے : وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ---O (۱۰ : ۱۰۰) [اور کوئی نفس ایسا نہیں کہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن سے۔] لہٰذا دین میں سختی کی اجازت نہیں۔ جہاں کوئی تبدیلی جبر کی بدولت ہوگی، وہ جبر کے ساتھ ہی قائم رہ سکے گی۔ جب جبر ختم ہو جائے گا، تبدیلی بھی باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد کو گمراہی سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ناصحین کی محبت دل میں ہو، تو کفر، فسق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے۔ طاغوت کا انکار یہ ہے کہ خواہشِ نفس کا اتباع نہ کرے، اور اللہ پر ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاہد کے حوالے سے مانے۔ یہ وہ مضبوط گرہ ہے جو نہ کھلنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، اور ہر آواز سننے والا ہے۔ علم والا ہے اور ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ سنانا اظہار بندگی کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سننا بندے کی تکریم کے لئے ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندے کے لئے جو بھی کرتا ہے، بندے کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، اور علم سے کرتا ہے۔

حاصل : دین میں کسی کو زبردستی داخل کرنے کو اکراہ کہتے ہیں، اور یہ ناجائز ہے۔ ناصحین سے محبت ہو، کفر، فسق اور عصیان سے کراہت ہو، تو یہ مضبوط گرہ کو تھامنا ہے، جو کبھی نہیں کھلتی۔ بندے کا سنانا اظہارِ بندگی کے لئے اور اللہ کا سننا تکریم بنی آدم کے لئے ہوتا ہے۔ دعا یہی کرنی چاہئے : یا اللہ تو علیم مطلق ہے۔ تجھ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ تو ہمیں وہ علم عطا کر جو ہمارے لئے بہتر ہے۔ ہم اپنی پسند کو تیری پسند پر قربان کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، انہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور

كَفَرُوٓا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵۷﴾ ع ۳۴

کافروں کے دوست طاغوت ہیں، وہ انہیں نور سے ظلمات کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی دوزخ والے ہیں۔ انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اللہ کی دوستی کی حقیقت اس کی نصرت ہے اور رحمت ہے۔ اس نے ایمان والوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کے لئے اپنے شاہدین کو شرف بخشا ہے۔ جیسے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے : [ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف نازل فرمائی، کہ تم لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لاؤ (۱۴ : ۱)] اسی سورت میں ارشاد ہے : [ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔] أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۔ (۱۴ : ۵) [کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لایئے۔] اس سے صاف روشن ہوا کہ شاہدین سے محبت رکھنے والوں کا اللہ ولی ہے۔ اور شاہدین کا عمل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے اس لئے اللہ نے اسے اپنا عمل فرمایا ہے۔ کافر طاغوت سے دوستی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور شیطان ان کے اعمال کو انہیں زینت دے کر دکھاتا ہے۔ رخ خواہشات کے خلاف ہو اور صاحبانِ رضا کے اتباع کا ہو، تو یہ ظلمات سے نور کا رخ ہو گا، اور اس کے خلاف ہو تو رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو گا۔ نور کی حقیقت ہدایت ہے۔ ہدایت کی صورت ابتدا سے انتہا تک ایک ہی ہے۔ حتیٰ کہ بزرگانِ دین کا وجود بھی ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ان کا مقصود بھی ایک ہی ہے، اور وہ ہے رضائے الٰہی۔ ظلمات کی صورتیں کئی ہیں، اور تمام کی تمام شرک سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان کے سامنے ایک سے زائد معیار ہوں حق کی ادائیگی کے، تو وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر تضاد اور اختلاف اسے گھیر لیتے ہیں۔ یہ دوزخ کا حال ہے۔ اور اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ طاغوت کا تو منشا ہی انسان کو وقتی تکلیف سے بچانا اور دائمی تکلیف کی طرف بڑھانا ہے۔

حاصل : شاہدین سے محبت رکھنے والوں کا اللہ دوست ہوتا ہے۔ شاہدین کی معیّت ظلمات سے نور کی طرف آنے کی سند ہے۔ خوف و حزن کم ہو رہا ہو تو رخ ظلمات سے نور کی طرف ہو گا۔ خوف و حزن بڑھ رہا ہو، تو رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو گا۔ طاغوت کا منشا انسان کو دائمی خسارے میں مبتلا کرنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں فرمایا ہے :
قیامت کے دن جب فیصلہ ہو چکے گا، تو شیطان کہے گا : بے شک اللہ نے تمہیں سچا وعدہ دیا تھا۔ اور میں نے تمہیں جو وعدہ دیا تھا، وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا۔ اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا، مگر یہ کہ أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم ۔ ﴿۲۲﴾
[میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے مان لی۔ تو اب مجھے ملامت نہ کرو، اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

کیا تم نے نہ دیکھا اس کو جس نے ابراہیم

فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۵۸﴾

وقف لازم

(علیہ السلام) سے جھگڑا کیا، اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی تھی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: میرا رب وہ ہے کہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا: میں زندہ کرتا ہوں، اور مارتا ہوں۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: تو بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے، تم مغرب سے لاؤ۔ تو کافر مبہوت ہو گیا۔ اور اللہ قومِ ظالمین کو ہدایت نہیں فرماتا۔

ماضی پر جب حال کی شہادت ہو جائے، تو اس کی حقیقت ماضی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلامُ نے ایک بادشاہ کو اپنے رب کی طرف بلایا۔ اس نے آپ سے جھگڑا کیا اور پوچھا تمہارا رب کون ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نہ ہونے سے ہونا کرتا، اور ہونے سے نہ ہونا کرتا ہے۔ حیات کا مقام اس بادشاہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے الحی ہونے کا ثبوت تھا۔ پھر جہاں حیات آتی ہے وہاں موت بھی آتی ہے۔ یہ ابتدا و انتہا پر دعوتِ فکر و نظر تھی۔ اس کے جواب میں اس نے یہ کہا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ بادشاہ کا کسی قیدی کو چھوڑ دینا زندہ کرنا نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں مقامات تو ہر نفس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان دونوں مقامات کو ایک ہی نفس میں دکھا دیتا، یعنی جسے مارا تھا، اسی کو زندہ کر کے دکھاتا تو یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہو سکتا تھا۔ مگر اس نے تو جھگڑا کیا اور بے سند بات کی۔ اللہ تعالیٰ سے مقابلے کی بات کی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میرے اللہ کے مقابل تم قدرت کا دعویٰ کرتے ہو، تو دیکھو میرا اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تم اس کے خلاف سمت مغرب سے لا کر دکھاؤ۔ جب بھی جھگڑا کرنے والے پر اس کی عاجزی واضح ہو جاتی ہے۔ وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ جھگڑا کرنے والے کو اس کے دعوے کی حدود کے اندر لا کر کھڑا کر دیا جائے، تو وہ بے آسرا ہو جاتا ہے اور مبہوت ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اگر حق کی طرف بلانے والے کے رب کو مان لے اور بلانے والے کے حوالے سے مان لے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے دیتا ہے، جیسے اس نے فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کو ہدایت دی۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حاصل: معطیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کی عطا کو اپنی قدرت سمجھنے والے اہلِ حق سے جھگڑتے ہیں۔ جو اپنی ابتدا اور انتہا پر نظر نہ کرے، اسے اس کے دعوے کی حدود میں لے آنا چاہئے۔ جبھی وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا۔ حق کو مان لے اور صاحبانِ حق کے حوالے سے مان لے، تو ہدایت عطا ہو گی۔ اور اگر مبہوت ہو کر بھی انکار کو نہ چھوڑے، تو ایسے ظالم کو ہدایت نہیں ہوتی۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ
أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ
فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ
بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ
لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ
قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ
إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ
وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ
كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا
لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

یا اس کی طرح جو ایک قریئے پر گزرا جو گرا ہوا تھا اپنی چھتوں پر، عرض کرنے لگا: اللہ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر اٹھایا۔ فرمایا: آپ کتنی دیر ٹھہرے، عرض کیا: ایک دن ٹھہرا ہوں گا یا ایک دن سے کچھ کم۔ فرمایا: بلکہ آپ سو برس رہے۔ تو اپنے کھانے اور پینے کو دیکھئے، سڑا نہیں۔ اور اپنے گدھے کی طرف نظر کیجئے۔ اور اس لئے کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائیں۔ اور ہڈیوں کی طرف نظر کیجئے، کیسے ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ تو جب یہ اس پر روشن ہو گیا، عرض کیا: مجھے بڑا علم ہوا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ ۱

دوسری مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ایک محبوب بندے کا ایک برباد بستی سے گزر ہوا تو اس کی بربادی کو دیکھ کر یہ کہنے لگے، کہ اللہ تعالیٰ اس کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا۔ مردوں کا زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اس کے فرمان سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن سب کو زندہ کیا جائے گا، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ حضرت اپنی عرض کے بعد موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ سو برس گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اٹھا کر پوچھا، آپ کتنی دیر یہاں ٹھہرے رہے۔ عرض کیا، ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ اس لئے کہ اس دن جس وقت آپ نے یہ عرض کیا تھا، کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا، اٹھائے جانے کے دن بھی تقریباً وہی وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بلکہ آپ سو برس رہے۔ اب قدرت کے مشاہدے کی دعوت دی گئی۔ کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھئے، یہ ابھی باسی نہیں ہوئیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھئے، اس کی ہڈیاں بکھر چکی ہیں۔ ہم انہیں کیسے اٹھاتے ہیں۔ پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ آپ پر روشن ہو گیا تو آپ کا کیفیت احیائے موتیٰ کا سوال پورا ہو گیا، اور آپ عرض کرنے لگے، مجھے بڑا علم ہوا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس سے پہلے علم ضرور تھا، مگر شاہدین

میں سے ہونے کا مقام نہ تھا۔ جو ماضی کی بات ناقابلِ تردید صورت میں کرے، اور اس کی صحت کی اسناد بھی موجود ہوں، اور اس کا علم کتاب و شنید پر مبنی نہ ہو تو ایسا شاہد لوگوں کے لئے نشانی ہو جاتا ہے۔

حاصل : جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے دعوے میں سچے ثابت ہو جاتے ہیں ان کے لئے، اگر وہ چاہیں، تو مستقبل کو بھی حال بنا دیا جاتا ہے۔ انہیں قدرت کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ انہیں لوگوں کے لئے نشانی بنایا جاتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو اللہ کے اذن کی بدولت ظلمات سے نور کی طرف لانے لگتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵ ۳ ۳

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کیا : اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیسے مردے زندہ کرے گا۔ فرمایا : کیا آپ مانتے نہیں۔ عرض کیا : بےشک مانتا ہوں ولیکن اطمینانِ قلب کے لئے یہ چاہتا ہوں۔ فرمایا : چار طیور پکڑ لیجئے۔ پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لیجئے۔ پھر ہر پہاڑ پر ان کے ایک ایک جز کو رکھ دیجئے۔ پھر انہیں بلائیے، دوڑے چلے آئیں گے۔ اور معلوم رہے کہ بےشک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

کیفیتِ احیاءِ موتیٰ کے دکھانے کی دعا اللہ تعالیٰ سے قرب کے اعلیٰ درجے کو ثابت کرتی ہے۔ بندے کا دیکھنا وہ درجہ نہیں رکھتا، جو اس کے رب کی طرف سے دکھانے کا درجہ ہے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی : اے میرے رب مجھے دکھا دے تو کیسے مردے زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا : کیا مانتے نہیں۔ عرض کیا : بےشک مانتا ہوں، ولیکن اطمینانِ قلب کے لئے یہ چاہتا ہوں۔ اطمینانِ قلب سے لوگوں کے بکھرے ہوئے وجود ایک ہوتے ہیں۔ اطمینانِ قلب سے ہی لوگوں کی صلاحیتوں کو مجتمع اور یک سو ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ اور اطمینانِ قلب ہی وہ کشش ہوتی ہے، جو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ جس سے اطمینانِ قلب کی تقسیم ہو، اس کے لئے دست بدعا رہنا بھی اظہار بندگی کے لئے ضروری ہے۔ حکم ہوا چار پرندے پکڑ لیجئے۔ اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے۔ پھر ان کے اجزا بنا لیجئے اور کیفیتِ احیائے موتیٰ دیکھنے کے لئے جو بھی آپ کو پسند ہو، کیجئے۔ پھر اجزا کو ہر پہاڑ (جو آپ کے نزدیک ہی تھے) پر رکھ دیجئے اور پرندوں کو بلائیے۔ وہ دوڑے چلے آئیں گے۔ پرندوں پر موت کا مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آیا۔ ان کے اجزا کو انہوں نے باہم خلط کیا۔ جب ان کے نزدیک طیور کے اجزاء ایک ہی جیسے ہو گئے تب آپ نے انہیں پہاڑوں پر رکھ دیا اور بلایا۔ امرِ الٰہی سے وہ دوڑنے

چلے آئے۔ احیائے موتی کا مقام تو مستقبل میں رکھا گیا ہے، مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں، وہ اگر چاہیں تو ان کے لئے مستقبل کو حال بھی بنا دیا جاتا ہے۔ حال آئے تو علم کو رفعت ملتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے عزیز، حکیم ہونے پر شاہد ہونے کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔

حاصل : احیاء موتی پر ایمان ہونا ابتدائی درجہ ہے۔ اطمینانِ قلب شاہدین کو عطا ہوتا ہے، اور انہی سے محبین کو حاصل ہوتا ہے۔ تجربے اور مشاہدے میں گمان کی ہر شکل کو قبلِ بلوغت موت سے بچانا چاہئے۔ حال آئے، تو رفعتِ علم اور اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے۔ عزت و حکمت معیّتِ حق کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا :

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ – ﴿٤٢﴾

[کہ جو ہلاک ہو، روشن نشانی سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، روشن نشانی سے زندہ رہے۔]

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

مثال ان لوگوں کی جو فی سبیل اللہ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ، جس سے اگیں سات بالیں، ہر بالی میں سو دانے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنا یہ ہے کہ اموال کو اس کی امانت سمجھ کر اس کے محبوب کی تعلیم کے مطابق اس کی رضا پر خرچ کیا جائے۔ خرچ کے ہر مقام پر دو صورتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک خواہشِ نفس کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور دوسری رضائے الٰہی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے ہو تو معطیٔ مطلق کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ وہی عطا کرنے والا ہے، اور قبول کرنے والے کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اس کے قبول کرنے کی بدولت وہ شے خواہشِ نفس پر لگنے سے بچی، جس کے ساتھ معاملہ فی سبیل اللہ کیا جائے، اسے فی سبیل اللہ معاملہ کرنے کا علم ہو جاتا ہے۔ جو آسانی اسے حاصل ہوتی ہے، وہ اس آسانی کا قاسم بن جاتا ہے۔ اور اس طرح یہ سلسلۂ خیر جاری ہو جاتا ہے، اور بڑھتا چلا جاتا ہے، جیسے ایک دانے سے سات بالیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ فاعلِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حساب کتاب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ حساب کتاب کرتا ہے۔ جو اس کے ساتھ بے حساب ہو جائے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی بے حساب ہو جاتا ہے۔ اس کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔

حاصل : اموال خواہشِ نفس پر خرچ ہوں تو ان سے سلسلۂ خیر جاری نہیں ہوتا۔ رضائے الٰہی پر خرچ ہوں، تو وہ سلسلۂ خیر جاری ہوتا ہے جو بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اور جس سے وہ چلا ہے اس کے لئے

بھی باعثِ برکت ہوتا ہے۔ ہر شے تصرف میں لاتے وقت رضائے الٰہی ملحوظ رہے تو واسعٌ علیم کی شان روشن ہوتی ہے بندے پر۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾

جو لوگ اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

حکم ہے : وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ (٢: ١٩٥) [اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔] معلوم ہوا اللہ کی راہ کے علاوہ خرچ کی جملہ صورتیں اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے کی ہیں۔ جو لوگ اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں، (احسان جتانا قول سے ہوتا ہے اور ایذا دینا عمل سے ہوتا ہے۔) ان کا عمل فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہوتا ہے۔ جن کا عمل فی سبیل اللہ ہو، وہ سب سے بڑا حق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو مانتے ہیں۔ اسی لئے ان کی ذات ہر سطح پر ٹکراؤ سے محفوظ رہتی ہے۔ ہدایت کی روشنی ان کے ماحول کو منور رکھتی ہے۔ یہ خوف و حزن سے نجات کی سند ہے۔

حاصل : اپنے اموال کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہی اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنے سے بچنا ہے۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے بعد قول یا عمل سے اس کا اظہار کرنا اللہ کے نزدیک اس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ ذات تضاد سے پاک رہے اور ماحول اختلاف سے پاک رہے تو یہ خوف و حزن سے نجات کا ثبوت ہے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾

قولِ معروف اور مغفرت اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا ہو۔ اور اللہ غنی، حلم والا ہے۔

قولِ معروف بھلائی کی وہ بات ہے، جس سے طالبِ خیر کو فائدہ پہنچے قول سے۔ اور اس سے مغفرت و درگزر یہ ہے، کہ اس کے بیان کی سختی کو نرمی سے دیکھا جائے، اور اسے راستہ دیا جائے۔ یہ اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا لگی ہو۔ اللہ کی رضا کے علاوہ جو بھی شکل ہو گی دینے کی، ایذا سے خالی نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ بندے کی طرف سے اللہ کی راہ پر خرچ کرنا بندے کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ معطیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی عطا پر تو کوئی روک ہو نہیں سکتی۔ وہ

طالبِ خیر کے بیان کی کمزوری پر گرفت نہیں کرتا، مزید کرم کرتا ہے۔ یہ اس کے حلم کی شان ہے۔

حاصل : جس قول سے دوسرے کو فائدہ پہنچے، وہ قول معروف ہے۔ اور سختی کو نرمی سے راستہ دیا جائے تو یہ مغفرت ہے۔ جس صدقے کے بعد ایذا ہو وہ اللہ کی رضا سے خالی ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ تقسیم میں حلم سے پورا رہنا چاہئے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

اے ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر باطل نہ کرو۔ اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے صاف پتھر پر کچھ مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برسے تو اسے صاف کر چھوڑے۔ اپنے کسب سے کسی شے پر قابو نہ پائیں گے۔ اور اللہ قوم کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

صدقات وہی مقبول ہیں جن کا مقصود رضائے الٰہی ہو۔ اور جن کے بعد احسان جتانا اور ایذا دینا ہو وہ باطل ہو جاتے ہیں۔ جو صدقے کے بعد احسان جتائے اور ایذا دے اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا، نہ ہی وہ یوم جزا کو مانتا ہے۔ وہ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور انہی سے اجر کی توقع رکھتا ہے۔ اس کا دل اس پتھر کی طرح ہوتا ہے، جس پر کچھ مٹی ہو۔ اس میں بیج بو یا بھی جائے، تو اس کے اگنے کے لوازمات تو وہاں ہوتے ہی نہیں۔ جب اس پر زور کا مینہ برسے تو مٹی بہہ جاتی ہے، اور پتھر کا پتھر ہی رہ جاتا ہے۔ جس کا دل شاہد کی محبت سے خالی رہتا ہے، وہاں غیر اور غرور کا ڈیرا ہو جاتا ہے اور وہ دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اس کی ریاکاری کی حقیقت بھی کھل کر لوگوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ جب یہ روشن ہو جاتا ہے کہ اس کا عمل ایک خواہش اور غرض و غایت کے تحت تھا، تو عیب لگانے والوں کا زورِ بیان صدقے کے پیچھے کار فرما جذبے کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جن کا عمل لوگوں کے عیب لگانے سے معطل ہو جائے اور ختم ہو جائے، اس کا عمل اللہ کے لئے نہیں ہوا کرتا۔ دکھاوے کا عمل کرنے والے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے محبوب کا انکار کرنے والوں کو راستہ نہیں دیا جاتا۔

حاصل : صدقات کے ساتھ احسان جتانا اور ایذا دینا صدقات کو باطل کر دیتا ہے۔ جب ریاکاری ہو، تو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں ہوگا۔ اجر کا سوال چاہے خفی ہو یا جلی، ہوگا لوگوں ہی سے۔

جیسے پتھر پر پڑی مٹی زور کے مینہ سے دور ہو جاتی ہے، ویسے ہی دکھاوے کے عمل پر لوگ عیب لگا دیں تو وہ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی جاتی ہے، جو ہادی کا اتباع کرے اور اس سے محبت رکھے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اور ان کی مثال جو اپنے اموال کو اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں، اور اپنے انفس کے ثابت رکھنے کو، اس باغ کی سی ہے جو اونچائی پر ہو۔ اس پر زور کا مینہ پڑے تو دونے میوے لائے، اور اگر زور کا مینہ نہ پڑے تو پھوار ہی کافی ہے۔ اور اللہ تمہارے عمل دیکھ رہا ہے۔

ریاکاری میں مال تو خرچ کیا جاتا ہے، اموال کو کبھی دکھاوے پر نہیں لگایا جاتا۔ اموال کو وہی لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اور ہر مقام پر چاہتے ہیں۔ یہ اپنے نفس پر قادر لوگ ہیں، جو یہ دیکھتے ہیں کہ جو شے بھی ان کی خواہش پر لگ جائے گی، اس کا حساب کتاب ان کے گلے پڑ جائے گا۔ اور علیم مطلق کے علم سے دوری کی بدولت مشقت بھی ضرور ہوگی۔ اس طرح ان کو ثبات عطا ہو جاتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک باغ ہو اونچائی پر، زور کی بارش آئے تو اس کا میوہ دونا ہو، اور اگر پھوار بھی پڑے تو وہ بھی کافی ہے۔ صداقت کا ثبوت مخالف کے مطابق رہنا ہے۔ جب عیب لگانے والے خوب عیب لگائیں، تو رضائے الٰہی چاہنے والے اپنی صداقت کا ثبوت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں : یا اللہ تیرا فضل ہے کہ تو نے ہمیں بھی اپنے شاہدین کے ساتھ لکھ لیا ہے۔ اور اگر عیب لگانے والے شدّت کا اظہار نہ کریں تو بھی وہ ایک حد تک ضرور جاتے ہیں۔ اور اللہ کی رضا پر نظر رکھنے والے استقامت کا ثبوت دیتے ہوئے فلاح پاتے رہتے ہیں۔ انہیں یہ یقین تقویت دیتا ہے کہ جس کے لئے وہ کر رہے ہیں، وہ دیکھ رہا ہے۔

حاصل : اپنے اموال کو اللہ کی رضا پر لگانا اور عیب لگانے والوں کے ساتھ نہ الجھنا، صداقت کی روشن سند ہے۔ مخالفت سے واسطہ ہو اور پورا رہنے کا ثبوت ہو، تو یہ قول کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عمل دیکھ رہا ہے، سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ

کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو، کھجوروں اور انگوروں کا، جس کے تحت نہریں جاری ہوں۔ اس کو اس میں سب ثمرات حاصل ہوں۔ اور اس پر

فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع ۳۶

بڑھاپا آ گیا، اور اس کی اولاد ناتوان ہے۔ تو اس پر ایک بگولا آیا جس میں آگ تھی، تو جل گیا۔ ایسے ہی اللہ تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم تفکّر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا ہے، کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے، کہ اس کا ایک باغ ہو، اس میں کھجوریں اور انگور ہوں، باقی سب ثمرات بھی ہوں، اس میں زیر زمین نہریں ہوں، تاکہ زیر زمین پانی کے ایک خاص سطح پر رہنے کی بدولت وہ سیراب رہے اور سیم اور تھور سے بھی محفوظ رہے۔ باغ بہار پر ہو، اور باغ والے پر بڑھاپا آ جائے۔ اولاد بھی اس کی ناتواں ہو۔ ایسے میں اس باغ پر ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو۔ جو باغ کو جلا دے۔ تو یہ تو کسی کو بھی پسند نہ ہو گا۔ اب یہ دیکھنے کی بات ہے، کہ عملی زندگی میں ہم اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ نعمت کو اس طرح سنبھالا جاتا ہے، کہ وہ وقت پر بھی کام آئے اور بے وقت بھی کام آئے۔ جب کسی نعمت کا بدل ممکن نہ رہے، تو وہ نعمت بڑی نعمت ہو جاتی ہے۔ جس نعمت کا شکریہ ادا کیا جائے وہ زندہ سلامت رہتی ہے۔ جس کا شکریہ ادا نہ کیا جائے وہ جل جاتی ہے۔ اسے ایک بگولا آ لیتا ہے جس میں آگ ہوتی ہے۔ عدوِ مبین کی طرف سے جو بھی آئے وہ آگ ہے۔ جو اس کے ساتھ الجھ جائے وہ جل جاتا ہے۔ جو اللہ کی رضا پر نظر رکھے وہی اس آگ سے بچ سکتا ہے۔

حاصل : جس نے نیک عمل بھی کیا ہو، اور کسی طعنہ دینے والے سے الجھ بھی پڑے، اس نے انتہائی ضرورت کے وقت نیک عمل کو ضائع کر لیا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے اس کے محبوب کی محبت کی مضبوط گرہ کو تھامنا چاہیئے جو کھلتی نہیں۔ اسی آسرے میں ہی حفاظت ہے، شیطان سے بھی اور شرارت سے بھی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں فرمایا ہے :

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

[تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہیئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا

اے ایمان والو، خرچ کرو طیبات سے جو تم کماتے ہو، اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور اس میں سے خراب کا قصد نہ کرو، کہ دو تو اس میں

تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

سے اور تمہیں ملے تو نہ لو گے مگر یہ کہ اس میں اغماض برتو۔ اور معلوم رہے کہ اللہ غنی ہے حمد کیا ہوا۔

ایمان والوں سے خطاب ہے، کہ اپنی پاک کمائیوں سے خرچ کرو۔ پاک کمائی وہ ہے جس کا منشا اللہ کا فضل ہو، اور شاہد اس کی تصدیق کرے۔ زمین سے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے نکالتا ہے، وہ اناج ہو، ثمرات ہوں، یا دوسری چیزیں ہوں، ان کو عطائے ربّی جاننا ضروری ہے۔ اور عطائے ربّی کے لئے سعی کے حکم کی بجا آوری میں بھی رخ اللہ کا ہی رہنا چاہئے۔ جو بھی عطا ہو، وہ ہے تو معطئ مطلق کی طرف سے۔ جب اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے تو اللہ کی پسند کو اپنی پسند سے کم تر درجہ نہیں دینا چاہئے ورنہ خراب چیز ہی اللہ کی راہ میں دی جائے گی، جو اگر ہمیں دی جائے تو ہم اسے لینا پسند نہ کریں گے۔ چشم پوشی کر جائیں تو یہ الگ بات ہے۔ اغماض میں قبول کرنے والے کی رضا شامل نہیں ہوتی، انکار محال ہوتا ہے، اس لئے قبول کرتے ہی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بنایا ہے۔ اپنے لئے کسی شے کو مخصوص نہیں کیا۔ یہ ہے غنی ہونے کی شان۔ جب عطا کرنے والا ہے ہی وہی قادرِ مطلق، تو اس سے بڑا حمد والا کوئی ہو نہیں سکتا۔ اس عطا کی شان بھی اعظم ہے، کہ ماننے والے کو بھی پالا جا رہا ہے، نہ ماننے والے کو بھی پالا جا رہا ہے۔

حاصل : مومن کی کمائی کی حقیقت اللہ کا فضل ہے۔ سعی میں رخ پالنے کا رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا بڑا علم ہے اور یہ مخلصین سے سیکھنا چاہئے۔ اپنی پسند کی رو سے دیکھا جائے تو جو ہمیں دینا پسند ہے، وہی ہمیں لینا بھی پسند ہونا چاہئے۔ جس کا دینا بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو، لینا بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو، اسے غنیٔ حمید کی شان معلوم ہو گی۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۖ ﴿۲۶۸﴾

شیطان تمہیں محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا امر کرتا ہے۔ اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے مغفرت کا اور اپنے فضل کا۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

شیطان انسان کو ہمیشہ گھاٹے کا پہلو ہی دکھاتا ہے۔ جب انسان کی خواہشات اس پر سوار ہو جاتیں ہیں، تو شیطان اسے دوسروں کے حقوق کو اپنی خواہشات پر قربان کرنے کا امر کرتا ہے۔ یہ بے حیائی کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر خرچ کرنے سے راحت بھی حاصل ہوتی ہے، برکت بھی حاصل ہوتی ہے۔ صدقات سے مغفرت اور فضلِ الٰہی کا عطا ہونا یقینی امر ہے جب کہ ان کے بعد احسان جتانا اور ایذا دینا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ وسعت دیتا ہے، اور علم سے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت دے تو وسعت ملتی

ہے، کسی انسان کی تجویز سے اسے وسعت نہیں ملتی۔

حاصل : شیطان ہمیشہ انسان کو گھاٹے کا پہلو دکھاتا ہے، اور دوسروں کے حقوق کو اپنی خواہشات پر لگانے کا امر کرتا ہے۔ اس سے وسعت حاصل نہیں ہوا کرتی۔ وسعت تو اللہ ہی دے تو بات بنتی ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

اور حکمت عطا فرماتا ہے، جسے چاہے۔ اور جسے حکمت عطا ہوئی اسے خیر کثیر عطا ہوئی۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

حکمت یہ ہے، کہ چیزوں کو وہاں رکھا جائے جہاں خالقِ کل کے علم کے مطابق انہیں حال پر ہونا چاہیئے۔ یہ شرف اسے عطا ہوتا ہے، جو مغفرت اور فضلِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے۔ اور جسے حکمت عطا ہو، اسے خیرِ کثیر عطا ہوتی ہے، کہ اس کی اپنی زندگی میں بھی راحت بڑھتی رہتی ہے اور اس کے محبین کی زندگی میں بھی راحت خوف و حزن کی جگہ لینے لگتی ہے۔ جہاں تقابل کر کے دیکھا جائے گا کہ نصیحت کرنے والا غرض و غایت سے پاک ہے، اور شیطان کی طرف سے گھاٹا دکھانا بے سند بات ہے، تو عقل والے ضرور نصیحت کو مان لیں گے۔

حاصل : حال پر اللہ کی رضا کے مطابق کسی چیز کا محل جاننا حکمت ہے۔ یہ بہت بڑا شرف ہے جو مغفرت اور فضلِ الٰہی کے طالب کو عطا ہوتا ہے۔ جہاں بھی رخ خواہشِ نفس اور حق کے تقابل کا ہو، ناصحین کے علم سے عقل والے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور تم جو خرچ کرو یا نذر مانو، تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ خرچ کیا جائے یا نذر مانی جائے، اس کے پیچھے نیّت اس سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ خرچ کرنے کی صورتیں متعین ہیں۔ نذر کی صورت حال پر متعین کی جاتی ہے۔ اور نذر ماننے والا شکرِ خداوندی بجالانے کے لئے حال پر اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کرتا ہے۔ اس عہد کا منشا خیرات میں سبقت کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو پورا نہ کیا جائے، تو یہ غداری اور ظلم بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

حاصل : انفاق کی صورتیں واضح اور روشن ہیں۔ نذر کی صورت کا تعیّن حال پر کیا جاتا ہے۔ نذر کا منشا خیرات میں سبقت کرنا ہے۔ نذر کو پورا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ ظلم اللہ سے دوری کا باعث

ہوتا ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر صدقات ظاہر کر کے دو، تو کیا اچھی بات ہے۔ اور اگر مخفی کر کے دو فقراء کو، تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور تمہاری برائیوں کی نفی ہو گی۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

صدقات کے ظاہر کر کے دینے کا مقام یہ ہے کہ جس کو صدقہ دیا جا رہا ہو، اس کی مدد کی طرف دوسروں کو متوجہ ہونے میں مدد دی جائے۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر فقراء کو مخفی کر کے دیا جائے تو یہ دینے والے کے لئے بہتر ہے، کہ اس نے وقتی طور پر کام پورا کر دیا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کی مدد وہاں درکار نہیں ہوتی۔ جب بھی دوسروں کی زندگی سے مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ایسے سعی کرنے والے کو آسانیاں عطا فرما دے گا اور اس کی برائیوں کی نفی ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ نہ اس سے کسی کا عمل مخفی ہے اور نہ اس سے کسی عامل کی نیت مخفی ہے۔ ہمارے عمل نورِ اللہ کے محبوب کی شہادت ہو، تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کی شہادت ہمارے عمل سے ہو رہی ہو گی۔

حاصل : جس صدقے میں دوسرے لوگوں کو بھی شامل کرنا مقصود ہو، کہ جماعت کا عمل بنے، وہ ظاہر کر کے دینا چاہئے۔ اور جہاں فرد ہی مشکل کشائی کر سکتا ہو، وہاں فرد کو دینا چاہئے۔ جو دوسروں کی مشکلات میں مدد کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں بھی عطا ہوں گی، اور اس کی برائیوں کی نفی بھی ہوتی رہے گی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

انہیں ہدایت دینا آپ کے ذمے نہیں۔ ولیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور جو تم خرچ کرو گے تو تمہارا ہی بھلا ہے۔ اور تمہیں خرچ نہیں کرنا چاہئے مگر اللہ ہی کا رخ چاہنے کے لئے۔ اور جو تم خرچ کرو گے تمہیں پورا ملے گا۔ اور تم پر ظلم نہ ہو گا۔

ہدایت اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اور دیتا اسے ہے، جو اس کے محبوب کا اتباع کرے محبت سے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہے، اللہ اسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ جو توفیق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، وہ خرچ ضرور ہو گی۔ اگر وہ اللہ کا رخ رکھتے ہوئے خرچ ہو گی، تو محسنین میں شمار ہو گا۔ ورنہ اپنے ہاتھوں ہلاکت خریدنے سے بچنا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے خیر کا

رخ رکھنے میں طالبِ خیر کا ہی بھلا ہوتا ہے۔ جو اللہ کا رخ رکھے گا، وہی عملاً شاہد کا اتباع کرے گا۔ اور اسے یہ مرتبہ حاصل ہو گا کہ حال پر توفیق میں کمی کے احساس سے نجات ہو جائے گی۔ شکایت وہاں سے رخصت ہو جائے گی، شکریے کا محل بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفالت ہونے لگے گی۔ خسارے کا وہاں گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ شان ہے، جس کو اللہ نے اپنے محبوب کی بدولت دوام بخشا ہے۔

حاصل : ہدایت انعام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور اللہ کے محبوب کا اتباع کرنے والا اس کا اہل ہوتا ہے۔ جو خیر پر خرچ نہ ہو گا، غیر پر ضرور خرچ ہو گا۔ اللہ کے رخ ہی کو دوام حاصل ہے، اور اسی علم سے پورا رہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس پورے کو خسارے سے بچایا جاتا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع ۳۷ ۵

ان فقراء کے لئے جو فی سبیل اللہ رکے ہوئے ہیں، زمین میں پھر نہیں سکتے۔ نادان انہیں تعفّف کے سبب غنی سمجھے۔ تم انہیں ان کے چہرے سے پہچان لو گے۔ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم جو خرچ کرو، تو بےشک اللہ کو اس کا علم ہے۔

وہ حضرات جو اللہ کی راہ میں مصروفیت کے انہماک کو مسلسل بنا لیتے ہیں، وہ اپنی ذاتی زندگی میں اہتمام سے رک جاتے ہیں۔ انہیں اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے لئے زمین میں پھر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر اتنا انعام ہوتا ہے کہ وہ انہیں اپنے کام پر لگا لیتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اس انعام کا جواب نہیں۔ وہ اپنی تمنا کو بیان نہیں کرتے۔ یہ ان کا تعفّف ہے۔ نادان لوگ انہیں مستحق نہیں جانتے، کہ نادان تو سائل کو ہی مستحق جانتے ہیں۔ علم والے عارف انہیں ان کے چہرے سے پہچان لیتے ہیں۔ ان حضرات کا چہرہ شکایت کے تناؤ سے پاک ہوتا ہے۔ اور اس یقین کا مظہر ہوتا ہے کہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جا رہا ہے وہی ہمارے لئے بہترین ہے، اور جو ہمارے لئے بہترین ہے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کو کبھی بے چینی ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے یہ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اگر کوئی اپنے طور پر دے دے تو انکار کو بھی نفس کی غلامی کی علامت جانتے ہیں۔ درجے کی فضیلت کے ساتھ ہی استحقاق بھی بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ خرچ جہاں بھی کیا جائے اس کے سامنے ہوتا ہے مگر استحقاق کے اس درجے کو دیکھنا بڑی رحمت و برکت کی بات ہے۔ جس معاشرے میں ایسے لوگ ہوں گے وہ زندہ رہے گا۔

حاصل : جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کام پر لگا لے وہ بڑا انعام یافتہ ہوتا ہے۔ اپنی ذاتی اغراض سے اسے فراغت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ سوال سے پاک رہتے ہیں۔ ان کے چہرے شکایت کے تناؤ سے

پاک ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی خدمت و ادب میں بڑی برکت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾
[اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل کرنا چاہیئے۔]

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ وقف لازم

وہ جو اپنے اموال لیل و نہار میں چھپے اور ظاہر خرچ کرتے ہیں، ان کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں۔ اور نہ ان پر خوف ہو گا، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لئے اور دن کو آنکھیں کھولتا بنایا ہے۔ جن لوگوں کی مدد چھپ کر کرنا ہو ان کے لئے رات موزوں ہے، اور جن لوگوں کی مدد ظاہرہ طور پر کرنا ہو ان کے لئے دن موزوں ہے۔ ہنگامی حالت میں وقت کا انتخاب کرنا ہی نہیں پڑتا۔ جہاں بھی مال خرچ کیا جائے، اس کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے، نہ ایذا دی جائے، اور نہ ہی اس میں ذاتی غرض و غایت چھپی ہوئی ہو۔ ایسے خرچ کرنے والے کا اجر اس کے رب کے پاس ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسرے سے اجر کی خواہش ہی نہیں رکھتا۔ اس طرح علم سے خرچ کرنے والوں کو حال پر اتباع ہدایت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں، اپنے شاہد کی تصدیق سے کرتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات کے اندر بھی نور نظر آتا ہے، اور ان کا ماحول بھی منور ہو جاتا ہے۔ اندر کے اندھیرے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور باہر کے اندھیرے سے حزن پیدا ہوتا ہے۔ جو شاہد کی معیّت کے دعوے میں سچا ثابت ہو جاتا ہے، اس کے ہاں سے دونوں اندھیرے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل : لیل و نہار میں چھپے اور ظاہر خرچ کرنا ایک علم ہے، اور یہ شاہد سے سیکھنا لازم ہے۔ جو کسی سے اجر کا سوال نہ کرے، اس کا اجر اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ معیّتِ حق کا انعام یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ وقف لازم

وہ جو ربٰو کھاتے ہیں، کھڑے نہ ہوں گے مگر جیسے وہ مخبوط کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے مس کیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا، کہ بیع بھی تو ربٰو کی مثل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربٰو کو حرام کیا ہے۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے

الرِّبٰوا ۗ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

نصیحت آئی اور وہ باز رہا، تو جو اس کے لئے ہو چکا سو ہو چکا۔ اور اس کا کام اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسا کرے، وہی آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل فرمایا : بِالْقِسْطِ ---○ (۵۷ : ۲۵) کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ جو لوگ کتاب اللہ اور میزان کو چھوڑ دیں گے، وہ عدم توازن کا شکار بھی ہوں گے اور شیطان کے اتباع سے دکھ بھی اٹھائیں گے۔ جو بھی حال پر ہوس سے مغلوب ہو کر حق وعدل کو چھوڑ دیتا ہے، اس کی بے چینی و بے قراری بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ان کا حال ہوتا ہے، يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۔ جہاں انسان اللہ کے فرمان کے مقابل اپنی خواہش اور تجویز میں مبتلا ہو جائے، وہاں فسق، گمراہی اور ظلمات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور اسی کا انجام دوزخ ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ربوٰ کی مثل ہے، وہ کتاب اللہ اور میزان عدل کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔ جس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے وہی انہیں احکامات دینے کی شان کا مالک ہے اور اسی کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس نے جو کچھ حلال فرمایا ہے، اس میں لوگوں کی بھلائی ہے۔ اور جسے اس نے حرام فرمایا ہے، اس میں نہ ماننے والوں کا ہی خسارہ ہے۔ علیم مطلق ہر احتیاج سے پاک ہے۔ بیع اور ربو میں سود خور کو نفع قدر مشترک نظر آتا ہے۔ ان کے اختلاف پر اس کی نظر جاتی ہی نہیں۔ بیع میں حاضر مال کا سودا ہوتا ہے، اور مال بیچنے والا اسے خریدنے والے کے حوالے کر دیتا ہے۔ بیع کے بعد مال کی حفاظت خریدار کے ذمے ہوتی ہے۔ بیع میں خرید و فروخت کرنے والے نفع و نقصان کے امکان میں ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں۔ ربوٰ میں بیچنے والے کا نفع یقینی ہوتا ہے۔ خریدنے والے کو ایک وقت کے بعد نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ بیع سے اموال زیادہ ہاتھوں تک پہنچتے ہیں، معاشی استحصال کی جڑ سوکھتی ہے۔ ربو سے اموال کم ہاتھوں میں جمع ہونے لگتے ہیں اور عام لوگوں کی معیشت کمزور ہونے لگتی ہے۔ جو مال کوئی اکٹھا کرے گا، اس پر بھی قدرت الٰہی کا احاطہ تو ہو گا۔ پھر اس مال پر کیا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ رب العالمین کی طرف سے یہ نصیحت پا لینے کے بعد جو حق وعدل کو مان لے اور سود سے باز رہے، تو اس کے ماضی پر حال شاہد نہ ہو گا۔ جس ماضی پر حال شاہد نہ ہو اس ماضی کی نفی ہو جاتی ہے۔ جب بھی نیا حکم نافذ ہو تو سابقہ پر گرفت سے ظلم ہی پیدا ہوتا ہے۔ جو رضائے الٰہی کو مقصود بنا لے، نفع و نقصان کو باذن اللہ مانے اور امر الٰہی میں اپنی تجویز کو داخل نہ کرے، اس کا کام اللہ کے سپرد ہوتا ہے۔ اور جو حق کو جان لینے کے بعد من مانی کرے، وہ دوزخ کے رخ پر ہے۔ اسی انجام کو پہنچے گا، اور برائی کے بالکل جل جانے تک وہیں رہے گا۔

حاصل : لوگ انصاف پر قائم ہوں، تو شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور ہوسِ اموال کے خبط سے بچ جاتے ہیں۔ بیع کا منشا قلیل کے مقابل کثیر لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ ربوٰ کا منشا کثیر کے مقابل قلیل لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہے۔ حکم کے نافذ العمل ہونے سے پہلے کے حال پر گرفت منع ہے۔ حکم کی موعظت کے بعد جو من مانی کرے، وہ دوزخ میں اپنی برائی کی موجودگی تک جلتا رہے گا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ

اللہ ربوٰ کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

جو معیشت حکم الٰہی کے خلاف اور انسانی خواہشات کی بنیاد پر کھڑی کی جائے گی، وہ عدل سے خالی ہونے کی بدولت مٹ جائے گی۔ یہ ایام ہیں، جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔ ○ (۳ : ۱۴۰) [ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں، اور سچے اور جھوٹے میں فرق کرنے کا وقت رکھا ہے۔] جہاں بھی اموال کو خلافِ حق و عدل اکٹھا کیا جائے گا، وہاں نفرت اکٹھی ہوتی رہے گی، اور ایک وقت کے بعد یہی نفرت ان اموال کو نگل جائے گی۔ صدقات سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے کہ عمل کا شکریہ عمل سے ادا کیا جاتا ہے۔ جس کی زندگی سے تعطل دور ہو جاتا ہے، وہ حسبِ توفیق دوسروں کی زندگی سے تعطل کو دور کرنے کی سعی کرتا ہے، اور اس طرح یہ سلسلۂ خیر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جو عطائے خداوندی کو اپنی غرض و غایت پر لگائے، وہ ناشکرا ہوتا ہے، اور جو ناشکری پر جم جائے وہ گناہگار ہوتا ہے۔ مخلوق پر ظلم کرنے والا اللہ کو کبھی پسند نہیں ہوتا۔

حاصل : جس کی بنیاد حق و عدل کے خلاف ہو اسے مٹتے دیر نہیں لگتی، کہ اس کی جڑ میں نفرت بشکلِ بیج موجود ہوتی ہے۔ صدقات کا تعلق محبت سے ہے، اور جہاں محبت ہو وہاں اضافہ ہوتا ہے۔ ناشکرا گناہگار اموال کو مانتا ہے، معطیٔ مطلق کو نہیں مانتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، اور صلوٰۃ قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ ان پر خوف ہے، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان لانا ہے حکم خداوندی کو ماننا۔ صالح عمل کا معیار شاہدین ہیں۔ جو عمل ان کے اتباع میں ہو گا وہ یقیناً صالح عمل ہو گا۔ یہ سچے ایمان والے لوگ نماز قائم کرتے ہیں۔ نماز میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد پر پورا رہتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ہادی کے اتباع میں یہ لوگ کسی سے بھی اجر کا سوال نہیں کرتے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ انہیں حال پر خوف اور حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

حاصل : جو اللہ کے فرمان کو مانے، اس کے محبوب کو حال پر شاہد بنائے، وہ صلوٰۃ بھی قائم کرتا ہے، زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ نفس کی غلامی سے چھٹکارے اور شاہد کی معیّت کی بدولت اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو، اور جو ربٰو

مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

ربوٰ کی حرمت کے حکم کے بعد اس حد کا احترام لازم ہے۔ یہ احترام اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ کا ڈر موجود رہے۔ ربوٰ کی جنس سے جو کچھ بھی باقی رہ گیا ہو، اس سے لوگوں کو فوراً آزاد کر دینا مومن ہونے کا ثبوت ہے۔ مومن سے تو دوسروں کو امن حاصل ہونا چاہیئے، اور ہوتا ہے۔

حاصل : حکمِ خداوندی معلوم ہو جانے کے بعد مومن پر لازم ہے کہ وہ اس کا صدقِ دل سے احترام کرے، اللہ سے ڈرے، اور دوسروں کے لئے باعثِ امن ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

پھر اگر ایسا نہ کرو، تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کو تیار رہو۔ اور اگر تم توبہ کر لو، تو اپنے اصل اموال لے لو۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم ہو۔

جو لوگ ایمان کے دعوے کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق باقی رہ گئے سود کو نہ چھوڑیں، ان کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کو تیار رہو۔ زمین میں ان فساد کرنے والوں کے لئے رسوائی اور آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ توبہ کا مقام اس وقت تک موجود رہے گا، جب تک مومنین ان لوگوں پر قدرت حاصل نہیں کر لیتے۔ اگر توبہ کا شرف حاصل ہو جائے تو اپنے اصل اموال لے لو، اور سود چھوڑ دو۔ نہ تم کسی سے بے جا لو، اور نہ تمہاری رقم کوئی بے جا روکے۔ حکمِ حق کے نفاذ کے بعد سابقہ طریقِ کار کو جڑ سے ختم کرنا آسان ہوتا ہے۔ یہی صورت ہے قانونی خلا سے بچنے کی۔

حاصل : ایمان کے دعوے کے بعد جو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے خلاف کرے اور سود نہ چھوڑے وہ مفسد ہے، اور اگر تائب نہ ہو تو واجب القتل ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو، اس سے دوستی منع ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر وہ تنگی والا ہے، تو اسے آسانی تک مہلت دو۔ اور اگر بخش دو تو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو۔

مقروض اگر اصل مال بھی ادا نہ کر سکتا ہو، تو وہ تنگ دست ہوتا ہے۔ اسے اتنی مہلت دینی چاہیے کہ اس کی تنگ دستی دور ہو جائے، اور وہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ قرض کی ادائیگی کی اہمیت اپنی پسند کے مقامات پر خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔

جو حال پر تنگ دست ہے، اس کو قرض معاف کر دینے میں بہتری یہ ہے کہ اس کی قرض کے بوجھ سے جان چھوٹ جاتی ہے، اس کی زندگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، اسے معاف کرنے کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح صدقات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معاف کرنے والے کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔

حاصل : معاف کرنے والے کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔ مقروض کو قرض سے نجات دینا اور دلانا فرمانِ خداوندی کی تعمیل ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ
اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸ ۸ ۶

اور اس دن سے ڈرو جس میں اللہ کی طرف مراجعت کرو گے، اور ہر نفس کو اس کا کیا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی ہو گی، اس دن عمل کی توفیق ختم ہو چکی ہو گی، واپسی سے مفر ممکن نہ ہو گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزا دی جائے گی۔ مرسلین نے بشارت و انذار کے اعتبار سے حقِ تبلیغ کو جس طرح ادا کیا ہے، وہی وقت سامنے ہو گا۔ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ کسی پر کچھ بھی زیادتی نہ ہو گی۔ جس کی بات میں ماننے والے کی فلاح ہو، اس کا منکر اپنے کئے کی بدولت مبتلاء عذاب ہوتا ہے۔

حاصل : اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ پھر نہ حال کی طرف واپسی ممکن ہو گی، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی سے مفر ممکن ہو گا، اور نہ عمل کے لئے توفیق ہو گی۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا بھی پوری دی جائے گی۔ اس لئے صادقینِ مخلصین کی معیت اختیار کرنے کا بہترین وقت یہی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے :

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

[یہاں ہر نفس جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا، اور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے۔ اور ان کی بناوٹیں سب ان سے گم ہو جائیں گی۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠
وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا

اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا معاملہ کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ اور چاہیئے کہ کاتب تمہارے مابین عدل سے لکھے۔ اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا

عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ
بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ
مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا
رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ
اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا
الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا
مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ

ہے۔ تو اسے چاہئے کہ لکھ دے۔ اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور اس میں سے کچھ کمی نہ کرے۔ پھر جس پر حق آتا ہے، اگر وہ بےوقوف ہے، یا ضعیف ہے، یا لکھوا دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کا ولی عدل سے لکھوا دے۔ اور گواہ رکھو اپنے مردوں میں سے دو۔ پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ایسے گواہ جن سے تم راضی ہو، کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو، اس کی میعاد تک۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی بات ہے، اور گواہی کو درست رکھنے والی ہے۔ اور یہ اس سے قریب ہے کہ شبہے میں نہ پڑو، سوائے اس کے کہ کوئی حاضر تجارت ہو جو تم آپس میں کر رہے ہو۔ تو اس کا نہ لکھنا تم پر گناہ نہیں۔ اور گواہ کر لیا کرو جب تم بیع کرو۔ اور کاتب اور گواہ کو ضرر نہ دو۔ اور اگر تم ایسا کرو تو تمہارا فسق ہو گا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

وَأَشْهِدُوٓا۟ إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا۟ فَإِنَّهُۥ فُسُوقٌۢ بِكُمْ ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ ان پر دین کی حدود روشن فرمائی ہیں۔ معاشرے کی ایک اہم ضرورت کے جملہ آداب بیان فرمائے ہیں اور انہیں حسنِ معاشرت کا علم عطا فرمایا ہے۔ ادھار جب بھی لیا جاتا ہے، تو لینے والا ایک مدت کا تعیّن کرتا ہے جس کے اندر اندر اسے قرض کی واپسی یقینی نظر آتی ہے۔ اس مدت کو لکھ لینے میں بڑی حکمت ہے۔ لکھنے کا حق کاتب کا ہے۔ اس طرح طرفین شکوک و شبہات سے محفوظ رہتے ہیں۔ عدل سے لکھنا یہ ہے کہ کاتب اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے احق کے مقابل کسی طرف نہ جھکے۔ علمِ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے عبادِ مخلصین کو عطا ہوتا ہے، اور ان سے آگے جاری ہوتا ہے۔ اس لئے بھلائی کا سارا علم عطائے خداوندی ہے۔ جس کو لکھنے کا علم عطا ہوا، وہ لکھنے سے انکار کرے تو یہ ناشکری ہو گی اور ناشکری نعمت کو بے برکت بنا دیتی ہے۔ قرض لینے والا لکھاتا جائے۔ اس تحریر میں جنس، نوع، اس کی صفت اور اس کی مقدار سب لکھائی جائے۔ اور یہ بھی لکھایا جائے کہ کس مقام پر یہ معاملہ ہوا ہے، کس مدت تک کے لئے ہوا ہے، اور کس مقام پر اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ کسی بھی متعلقہ بات کے لکھانے میں کمی نہ کی جائے۔ قرض دینے والے کے اطمینان کا پورا پورا اہتمام ہونا چاہئے۔ اگر مدیون بچہ ہو اور پورا وقوف نہ رکھتا ہو، تو اس کے معاملات میں اس کی حفاظت کرنے والا ولی تحریر لکھوا دے۔ اگر مدیون ضعیف ہو، تو اس کے خادم و محسن ولی کو تحریر لکھوانا چاہئے۔ اور اگر مدیون تحریر لکھوانے پر قادر نہ ہو تو بھی اس کا ولی تحریر لکھوائے گا۔ گواہی دو مردوں کی ہو گی۔ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ رہیں۔ گواہ ایسے ہوں جن کی صداقت و دیانت کا لوگوں کو اعتراف ہو اور ایمان والے ان سے راضی ہوں۔ عورتوں کی گواہی نسائی امور کے علاوہ جہاں بھی ہو گی بہ امرِ مجبوری ہو گی۔ نسائی امور میں انہی کو شہادت کا حق ہے۔ جن معاملات سے عورتوں کا روزمرہ زندگی میں تعلق نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، ان میں ان کا بھول جانا معمولی بات ہے۔ اس لئے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے۔ گواہوں کو جب بلایا جائے تو آنے سے انکار نہ کریں، اور اپنے ذاتی کاموں پر اس خدائی بلاوے کو ترجیح دیں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود کے روشن ہو جانے کے بعد اس کے لکھنے میں تساہل بے جا ہو گا۔ چھوٹا معاملہ ہو، تو بھی اس کے لوازمات وہی ہوں گے جو بڑے معاملے کے ہوں گے۔ اس طرح انصاف کا راستہ کشادہ اور روشن ہوتا جائے گا۔ گواہی کی اہمیت لوگوں کے حسنِ سیرت کو قائم رکھے گی۔ جو توفیق شبہات میں ضائع ہو سکتی ہے، اچھے مصرف میں آئے گی۔ جب کوئی حاضر تجارت ہو، جو مومنین کے مابین ہو رہی ہو، تو اس کا نہ لکھنا کوئی گناہ نہیں، کہ اس میں معاملہ حال پر طے پا جاتا ہے۔ گواہ اس حال پر بھی ہوں۔ بیع کے وقت گواہوں کا ہونا بھی بڑے انصاف کی بات ہے۔ اس سے تجارت متوازن ہو جاتی ہے، اور لوگ اپنے آپ کو محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ کاتب کا حق ہے، کہ وہ عدل سے لکھے اور پورا لکھے۔ گواہ کا حق ہے، کہ گواہی کے لئے بلایا جائے تو حاضر ہو کر پوری پوری گواہی دے۔ طرفین کاتب اور گواہ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں تو یہ کاتب اور گواہ کو ضرر دینے

کی صورت ہوگی، اور فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہوگی۔ نتیجہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔ پھر خلاف حق کرنے کا فائدہ تو کچھ بھی نہ ہوا، اور خسارہ یقیناً ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے، کہ اس کے فرمان میں اپنی خواہش کو نہ ملایا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے علم الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں، اور علم الٰہی ہی ہر مقام پر بندے کو پورا رکھ سکتا ہے۔

حاصل : دین کے لئے مقرر امور وارکان کا پورا دھیان رکھا جائے۔ حق میں اپنی خواہش کو نہ ملایا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہی علم الٰہی پاتے ہیں، اور علم الٰہی ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے سے بڑا رہنمائی کرنے والا، آسانی عطا کرنے والا، اور حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ پاؤ، تو پھر رہن بالقبضہ ہو۔ پھر اگر تم میں ایک کو دوسرے کا اعتبار ہو، تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا، اپنی امانت پوری طرح ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور شہادت نہ چھپاؤ۔ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم کرتے ہو۔

حضر کے بعد سفر کے حال کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک حالت ہے جس میں ہنگامی ضرورت کے تحت مدیون دائن کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ اس حال پر اگر کاتب نہ ملے تو رہن بالقبضہ پر معاملہ ہو گا۔ اس سے صاف روشن ہوا کہ رہن بالقبضہ ہمیشہ دو شرائط کے ساتھ ہو گا۔ جب حالتِ سفر ہو اور کاتب نہ ملے۔ اعتبار معاملے سے پیدا ہوتا ہے یا مخلصین کی شہادت سے پیدا ہوتا ہے۔ جب قرض دینے والے کو اعتبار ہو جائے تو وہ مدیون کی رہن رکھی ہوئی امانت اسے لوٹا دے اور پوری طرح لوٹا دے، اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اگر دائن مدیون کی طرف سے رکھے ہوئے رہن کو اعتبار ہو جانے کے بعد پوری طرح واپس کر دے، تو یہ اس کے اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہو گا۔ شہادت کو جب بھی چھپایا جاتا ہے، تو کسی خواہش کا اتباع کیا جا رہا ہوتا ہے۔ یہ راہِ راست سے ہٹنے کا ثبوت ہوتا ہے اور دل کے غیر کے ساتھ لگنے کی سند ہوتا ہے۔ جو دل خیر کو جان لینے کے بعد غیر کے ساتھ لگ جائے وہ دل گناہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چھپے اور ہر ظاہر کا علم رکھنے والا ہے، اس لئے اس سے نہ کسی کی نیّت مخفی ہے نہ عمل مخفی ہے۔

حاصل : رہن بالقبضہ دو شرائط کے ساتھ ہو گا، جب حالت سفر ہو اور کاتب نہ ملے۔ اس صورت حال کے بعد بھی جب اعتبار آ جائے، تو مقبوضہ چیز مدیون کو پوری طرح واپس کر دی جائے۔

دل دلبر کے ساتھ لگا رہے تو گناہ سے بچ سکتا ہے۔ عمل کوئی ہو، جزا دینے والے سے مخفی نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ہے :
فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾
[تو خواہش کا اتباع نہ کرو، کہ حق سے الگ جا پڑو گے۔ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو، تو اللہ خبر رکھتا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اگر تم ظاہر کرو گے جو تمہارے دلوں میں ہے، یا اسے مخفی رکھو گے، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے بخشے گا، جس کو چاہے عذاب دے گا۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ اور وہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس لئے رخ کا سیدھا رکھنا اسی طرح ممکن ہو گا کہ ہر شے کے استعمال میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مطلوب رہے۔ علیم مطلق سے تو کچھ مخفی نہیں ہے، چاہے اسے ظاہر کیا جائے، یا اسے چھپایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو توفیق عطا فرمائی ہے، اس کے استعمال کا حساب ضرور لے گا۔ حساب ہمیشہ کسی معیار سے نسبت کی بناء پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہدین کو معیار فرمایا گیا ہے۔ کسی بات کے ظاہر کرنے میں یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس سے سننے والوں کو فائدہ پہنچے، اور وہ حق کے مقابل خواہش نفس کے اتباع سے بچیں۔ چھپانے میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کسی کی وقتی کمزوری پر لوگ آگاہ ہو کر اس سے ہمیشہ کے لئے دور نہ ہو جائیں۔ جس نے اظہار و اخفاء میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو ملحوظ رکھا اس کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ اور جس نے اظہار و اخفاء میں من مانی کی وہ واجب العذاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ ہر توفیق کے ساتھ حساب اور جزا یقیناً ہوتے ہیں، اس لئے توفیق کے استعمال میں توفیق عطا کرنے والے کی رضا ہی باعث فلاح ہوتی ہے۔ اور پھر نتائج بھی اسی کی مشیت سے مرتب ہوتے ہیں۔

حاصل : توفیق عطائے ربی ہے۔ اس کے استعمال کا حساب بھی ہو گا۔ جزا بھی ہو گی۔ جو نفس کے لالچ سے بچتا رہے گا، وہی فلاح پائے گا، اور وہی اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق ماننے کے دعوے میں سچا ثابت ہو گا۔

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ‌ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول ایمان لائے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوا۔ اور ایمان والے سب ایمان لائے، اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور اس کے رسل پر۔ ہم اس کے رسولوں کے مابین کسی سے فرق نہیں کرتے۔ اور عرض کرتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ تیری بخشش ہو اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف پھرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو ایمان لانے کے اعتبار سے معیارِ مطلق فرمایا گیا ہے۔ جو کچھ بھی ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ اسے اس طرح مانتے ہیں کہ ہر ماننے والا اللہ تعالیٰ کو انہی کے حوالے سے مانتا ہے۔ حکم ربّی پر عملدر آمد ممکن ہی نہیں جب تک حکم کو ماننے والا معیارِ مطلق سامنے نہ ہو۔ جو لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہوں ان کی بھی اپنی کوئی بات نہیں رہتی۔ اس لئے ان کی بات بھی اللہ کے رسول کی بات ہو جاتی ہے۔ معیارِ مطلق سے محبت تامہ کی بدولت یہ لوگ معیار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے کہ نفع اور ضرر کو باذن اللہ مانا جائے۔ اس پر توکّل رکھا جائے، کہ وہ پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ اس نے سب کچھ بندوں کے لئے بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اس سے بڑا دوستی اور محبت کرنے والا کوئی نہیں۔ ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ ان کا ہر فعل امرِ ربی سے ہوتا ہے۔ ان کو خلوت کی پاکی کا درجہ حاصل ہے، اور کسی فرشتے کو کسی فرشتے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی کتابوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ کتبِ سابقہ بھی منزل من اللہ ہیں، اور قرآن پاک ان کا مصدق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ماضی میں جزوی صورت میں موجود ہے، قرآن پاک قیامت تک کے لئے ہے، اور کلی صورت رکھتا ہے۔ یہ تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ قرآن پاک جس کی تصدیق کرے وہ حق ہے۔ جو قرآن پاک کی تصدیق کرے وہ بھی حق ہے۔ اس کے رسولوں پر ایمان لانا یہ ہے کہ یہ رسول، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں معیارِ مطلق ہیں، ان کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں، اور یہ حق کی ادائیگی کے بعد اجر کے سوال سے پاک رہتے ہیں۔ رسولوں کے مابین عدم تفریق یہ ہے کہ ہر رسول کو مانا جائے، ہر رسول کے اسم شریف کے ساتھ علیہ السلام کہا جائے، جس حال پر جس رسول کو بھیجا گیا ہے اس حال پر اس رسول کو اللہ تعالیٰ کا شاہد مانا جائے۔ پاک لوگوں کی طریقت یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، ہم نے سنا اور مانا۔ اس طرح تائیدِ ایزدی ان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ انہیں بخش دیا جائے۔ ان کا رخ ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے۔ یہ پاک لوگ کسی شے سے نہیں لگتے۔ جس کی سب اشیاء ہیں، اسی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔

حاصل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا آپ کے اس پر عملدر آمد کر کے دکھانے سے ماننے والوں کو راہِ عمل نصیب ہوئی۔ اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتب، اور اس کے رسل پر۔

ایمان لانا لازم ہے۔ رسولوں کے مابین عدم تفریق کا ثبوت یہ ہوتا ہے، کہ مانا سب شاہدین کو جائے اور اتباع صاحب حال کا ہو۔ ایمان والے امر ربی کو سن کر کہتے ہیں: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۸

اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا، مگر جتنی اسے وسعت ہو۔ اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا، اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔ اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھولیں، یا ہم خطا کریں۔ اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے قبل والوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اور ہمیں معاف فرما، اور بخش دے، اور رحم کر۔ تو ہی ہمارا مولا ہے۔ تو کافروں پر ہماری نصرت فرما۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ اس سے بڑا علیم کوئی نہیں ہے۔ اس کی طرف سے جو بھی فرمایا جاتا ہے وہ ماننے والوں کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ معطیٔ مطلق تو وہی ہے۔ جو حق وہ کسی پر عائد کرتا ہے اس کی ادائیگی کی توفیق پہلے دیتا ہے۔ اس طرح کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں آتی۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا رخ رکھتا ہے، اسے اس کا عمل فائدہ دیتا ہے۔ اور جو اس کے خلاف رخ رکھتا ہے، اس کا کیا ہوا اسی پر پڑتا ہے۔ اظہار بندگی کے آداب کی تعلیم پر سورۃ پوری ہو رہی ہے۔ حق کی ادائیگی کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف اور اللہ کے فضل کی طلب بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔ بھول یہ ہے کہ ایفائے عہد کی نیت کے باوجود کوتاہی ہو جائے۔ خطا یہ ہے کہ کسی امر کے بجا لانے میں کوئی رکن ادا ہونے سے رہ جائے۔ یہ دعا عمل کے نقص کو دور کر دیتی ہے کہ اے ہمارے رب بھول اور خطا پر مواخذہ نہ فرما۔ پہلے لوگوں پر بھی یہی مقام جاری رہا ہے۔ انہیں بھی ان کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے قبل والوں پر رکھا تھا، اظہار بندگی ہے اور انکساری ہے۔ اپنی کمزوری کا اعتراف حدود اللہ کے احترام کی علامت ہے۔ مولا کی شان ہے کہ وہ معاف فرماتا ہے، بخش دیتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ اس معافی کی حقیقت آسانی ہے۔ اس بخشش کی حقیقت نقص کا دور کرنا ہے۔ اور اس رحم کی حقیقت پاک دائمی مقام دوام ہے۔ کافروں پر نصرتِ الٰہی سے غلبہ

حاصل ہوا کرتا ہے، اسباب کی بدولت نہیں ہوا کرتا۔

حاصل : کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف دینا خلافِ حق ہے۔ کسی کی بھول اور خطا پر ہمیں مواخذہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور دعا کرتے رہنا چاہئے :

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦ ۖ وَٱعْفُ عَنَّا وَٱغْفِرْ لَنَا وَٱرْحَمْنَآ ۚ أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿۲۸۶﴾

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے :

فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

[تو اللہ کا حق سب سے بڑا ہے، کہ اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔]

آیاتہا ۲۰۰ — سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ — رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ حروفِ مقطعات

یہ حروفِ مقطعات ہیں، اور خلوت کا درجہ رکھتے ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سند ہیں۔

حاصل : خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا چاہئے۔

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حیّ القیوم ہے۔

رب العالمین ہی معبود ہے کہ سب اشیاء کا بنانے والا ہے، پالنے والا ہے۔ ہر زندگی ایک وقت کے لئے ہے اور معبود کی عطا ہے۔ الحیّ کے دوام کا تعین ممکن نہیں۔ القیوم کی شان یہ ہے کہ جو بھی قائم ہے، اس کی بدولت ہے اور ایک وقت تک ہے۔ اور اس کا قائم بالذات ہونا تعین سے بالا ہے۔

حاصل : معطئ مطلق ہی معبود ہے۔ جو بھی زندہ و قائم ہے، اسی کے امر سے ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ اس نے آپ پر حق سے کتاب نازل فرمائی۔ جو اس کے آگے ہیں ان کی مصدّق ہے۔ اور اس نے تورات اور انجیل نازل فرمائی۔

علیمِ مطلق کے فرمان سے بڑا کوئی حق نہیں۔ اس کو مانا جائے تو فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتاب فرمانِ خداوندی کے سلسلے سے تعلّق رکھتی ہے، پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اس سے پہلے جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھیں وہ بھی سچی ہیں۔ یہ ان کی مصدّق ہے۔ اس لئے اس کی صداقت بھی ناقابل تردید ہے۔ کتب کا مُنزل مِنَ اللہ ہونا پہلے ثابت ہے، جیسے تورات اور انجیل۔ اس لئے اس کا مُنزل مِنَ اللہ ہونا بھی ناقابل تردید ہوا۔

حاصل : حق کی تصدیق کرنے والا ناقابلِ تردید حق ہوتا ہے۔ حال دعویٰ ہے اور ماضی کی

شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

اس سے قبل لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان نازل فرمایا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ ہدایت اور نور ہے۔ جو لوگ اپنے علم کو علیم مطلق کے فرمان کے سامنے ہیچ جانتے ہیں وہ اس نور سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ان پر یہ روشن ہو جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔ اور جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں، وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کام ان کے ذاتی علم پر مبنی ہوتا ہے۔ جو خواہش کا اتباع کرے، وہ بھٹکتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کے عمل کا حاصل ہوتا ہے عذابِ شدید۔ اللہ کے ہر رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہوا۔ جب تک انکار قول کی حد تک ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام نہیں لیا جاتا۔ جب انکار عمل کے درجے میں آ جائے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی نصرت فرماتا ہے، اور ایمان والوں کی نصرت فرماتا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے : فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷:۱۴﴾ [تو ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔] کافروں کو جن اسباب پر ناز ہوتا ہے ان اسباب پر جب انہیں اپنا اختیار رخصت ہوتا نظر آتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے زبردست انتقام کی گرفت کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : ارشادِ خداوندی ہدایت اور نور ہے۔ ماننے والوں کے لئے باعثِ فلاح اور منکرین کے لئے باعثِ عذاب شدید ہے۔ سب سے بڑے قوت والے کی نافرمانی منکرین کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۵﴾

بے شک اللہ تعالیٰ پر کچھ مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ کسی بھی مقام پر اس سے کچھ مخفی نہیں۔ لوگوں سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا ثابت کرتا ہے کہ اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ جس سے بڑا اختیار و اقتدار کسی کو حاصل نہ ہو، اس کے سامنے اس کے امر کے خلاف کرنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : امرِ الٰہی کو مانا جائے تو ہماری یہ تسلیم کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے، سچی ثابت ہو جاتی

ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٦

وہی ہے، جو ارحام میں تمہیں صورت دیتا ہے جیسی چاہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا ہے۔

رحم مادر انسانی صورت کے بننے کا مقام ہے۔ صورت بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جیسی چاہے بناتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی ہر صورت پاک ہوتی ہے۔ اور دوسرا کوئی صورت بنانے والا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کسی صورت کو کسی بھی لحاظ سے برا کہنا بے علمی کا ثبوت ہو گا۔ صورت کبھی معبود نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ تعین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ معبود وہی زبردست حکمت والا ہے، جو ہر صورت کا بنانے والا ہے، ہر صورت کو ایک منشا دینے والا ہے، ہر صورت کو اس کے منشائے تخلیق کے مطابق توفیق دینے والا ہے، ہر توفیق کا حساب لینے والا ہے، اور ہر ایک کو اس کے رخ کے مطابق جزا دینے والا ہے۔

حاصل : ہر صورت پاک صورت ہے۔ کسی کو برا کہنا صانع حقیقی کی شان میں گستاخی ہو گی۔ معبود کوئی صورت نہیں رکھتا، کوئی تعین نہیں رکھتا۔ کائنات میں ربط اس کی زبردست حکمت کا ثبوت ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٧

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وقف لازم
وقف منزل

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کی کچھ آیات محکمات ہیں۔ وہ امّ الکتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔ وہ جن کے قلوب میں کجی ہے مشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں، فتنہ چاہنے کو اور اس کی تاویل چاہنے کو۔ اور اس کی تاویل کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اور علم میں راسخ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ اس میں ہدایت ہے، شفا ہے، رحمت ہے، حکمت ہے اور نصیحت ہے، مگر ہے یہ سب عقل والوں کے لئے۔ کتاب کی آیات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو براہ راست احکام کی شکل میں ہیں۔ دوسری وہ ہیں جن کے پڑھ لینے سے اور سن لینے سے اس بیان کے مطابق ہم پر حق عائد ہو جاتا ہے۔ پہلی محکمات ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔ ام الکتاب کا درجہ محکمات کو حاصل ہے، کہ ہر فیصلے میں معیار یہی محکمات ہیں۔ متشابہات سے جو نتیجہ بھی اخذ کیا جائے محکمات سے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ ورنہ اس نتیجے کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔ جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے وہ احکام خداوندی کو شاہدین کے حوالے سے نہیں مانتے۔ اس طرح ان کے سامنے ماننے کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ ہوائے نفسانی انہیں روشنی سے اندھیرے کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔ یہ لوگ محکمات جو ام الکتاب ہیں کی پروا نہیں کرتے۔ متشابہات کے لئے معنی کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اپنے نفس کی خوشی کے مطابق۔ یہ گناہ قتل سے زیادہ اشد ہے۔ متشابہات کی تاویل کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے، جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا کر دیتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی بات عطا کر دے اس کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے، وہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اس کی بات اسی بادشاہ سے سیکھی جائے تو حقیقت روشن ہوتی ہے، اور معرفت عطا ہوتی ہے۔ علم میں جن حضرات کو راسخ ہونے کا شرف ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اس لئے کہ رسول امین نے یہ فرمایا ہے، اور رسول ہی صراط مستقیم پر ہونے کی رو سے معیار مطلق ہے۔ جو حال پر معیار مطلق سے کلی نسبت رکھنے والے معیار کو مانتا ہو، وہ معیار مطلق کو ماننے کا حق بطریق احسن ادا کر رہا ہوتا ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جو ناصح ان کی فلاح کو ملحوظ رکھ کر ان سے بات کرتا ہے اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتا، اس سے محبت کی بدولت ان کی زندگی سے خوف و حزن رخصت ہوتا جا رہا ہے اور ان کے وجود میں قرب مولیٰ کی طغیانی آ رہی ہے۔

حاصل : کتاب کی تنزیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لئے پوری کتاب کا ماننا لازم ہے۔ متشابہات کے معنی جن کی محکمات سے تصدیق نہ ہو درست نہیں ہیں۔ علم میں راسخ حضرات کو شاہد سے کامل محبت ہوتی ہے۔ وہ فرمان خداوندی کو مانتے ہیں اور شاہد کے حوالے سے مانتے ہیں۔ عقل والا وہ ہے جو بہتر جاننے والے کو پانے کی سعی کرے، اور اس کے اتباع کا رخ رکھے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧

اے ہمارے رب ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب کو پھیر نہ دیجیو۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت فرما۔ بے شک تو ہی سب سے بڑا عنایت فرمانے والا ہے۔

علم میں راسخ حضرات کی یہ دعا ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کے بعد انہیں دوامی پاک دامنی کا مقام عطا فرمائے، اور ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر نہ دے۔ ہادی سے کامل محبت کا حاصل ہدایت ہے۔ اس محبت کو جس قدر عروج ہو گا، دل پر دلبر کی حکومت ہو گی، اور اللہ کی رحمت اور عنایت کا مشاہدہ ہوتا رہے گا۔

حاصل : دل دلبر کی امانت ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ یہ اسی کے پاس رہے۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ ۹

اے ہمارے رب بے شک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے، اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

ہدایت پانے والے یہ عرض کرتے ہیں، بے شک اللہ جو عالمین کا پالنے والا ہے، جزا کے دن سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ پالنے والا وہی ہے اور اس دعوے میں لاشریک ہے۔ توفیق عطا کرنے والا وہی ہے اور اس دعوے میں بھی لاشریک ہے۔ توفیق دینے والے کو ہی حساب کا اور جزا کا حق ہوتا ہے۔ یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے، جزا کے دن کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اس لئے اس دن کا آنا بھی یقینی ہے، جزا کا ہونا بھی یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اصدق کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : جزا کا یقین ہر حال پر رہنا چاہئے۔ وعدہ خلافی بندے کی شان کے بھی منافی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا ہے :

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ۸۲

[تو کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔ اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا، تو اس میں ضرور کثیر اختلاف پاتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝ ۱۰

بے شک جو لوگ کافر ہوئے، ان کے اموال و اولاد ہرگز انہیں اللہ سے بچا نہیں سکیں گے۔ اور وہی آگ کا ایندھن ہیں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، وہ حق کو سن کر اور اس کی صداقت کی سند دیکھ کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ اموال و اولاد عطائے خداوندی ہیں۔ اور یہ دیکھنے کے لئے عطا کئے جاتے ہیں کہ کون اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے راستے کو اختیار کرتا ہے، اور کون اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے۔ اسی توفیق کے استعمال کے مطابق ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس لئے کوئی بھی شے کسی کو اللہ سے بچانے میں کام نہیں آ سکتی۔ جو لوگ عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی کے خلاف استعمال کرتے ہیں، ان کے اعمال ہی ان کے جلانے کا سامان ہیں۔ ہر جلنے والا اپنے جلانے کا سامان اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے۔

حاصل : معطیٔ مطلق احتیاج سے پاک ہے۔ حق کے انکار کا حاصل دوزخ ہے۔

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

جیسے آلِ فرعون اور ان سے قبل والے تھے۔ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا اور اللہ کا عقاب شدید ہے۔

آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کو اموال و اولاد میں وسعت حاصل تھی۔ اپنے اپنے وقت پر ان لوگوں نے جب اسباب کو مقصود بنا کر مسبّب کے فرمان کی تکذیب کی اور رسولِ امین سے عملاً دشمنی شروع کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کیے پر پکڑا۔ پھر وہ اسباب جن پر انہیں اپنی قدرت نظر آتی تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کے عقابِ شدید سے چھڑانے میں کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور منکرین دنیا سے اس طرح مٹا دیئے گئے کہ اس میں دیکھنے اور سننے والوں کے لئے عبرت موجود ہے۔ فرمانِ خداوندی کے انکار سے منکر کے وجود کے گرد ایک آہنی وجود بنتا رہتا ہے۔ جب منکر حدِ اصلاح سے گزر جاتا ہے تو منکر کا احاطہ کرنے والے آہنی وجود کو پورا کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اپنے کیے میں وہ اس طرح گرفتار ہو جاتا ہے، کہ اس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں رہتا۔ یہ اللہ کا عقابِ شدید ہے۔

حاصل : اسباب کو مقصود بنانے والے اس طرح پکڑے جاتے ہیں کہ ان کا اپنا عمل ہی انہیں گھیر لیتا ہے، اور وہ دیکھنے والوں کے لئے باعثِ عبرت ہو جاتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کافروں کو فرما دیجئے : کہ جلد ہی تم مغلوب ہو گے۔ اور جہنم کی طرف اکٹھے کیئے جاؤ گے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

کافروں کو اسباب پر زعم ہوتا ہے۔ اسباب سب مسبّب الاسباب کی طرف سے ہیں، اور وقتی ہیں۔ جو اسباب پر ناز کرتا ہو، اور فرمانِ خداوندی کا انکار کرتا ہو، وہ وقتی توفیق کی بدولت اکڑتا ہے۔ اور اس توفیق کے خاتمے کے ساتھ ہی مغلوب بھی ہو جاتا ہے۔ منکرین کا رخ حال پر جہنم کی طرف ہے، اس لئے ان کا مستقبل جہنم ہو گا۔ اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔ برا ٹھکانا وہ ہوتا ہے، جہاں برا رہے۔ انسان ناشکری سے نعمت کو اپنے لئے برا بنا لیتا ہے۔

حاصل : اسباب پر ناز کرنے والے جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ انسان ناشکری سے نعمت کو اپنے لئے برا بنا لیتا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

بے شک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آمنے سامنے ہوئے۔ ایک

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬

گروہ فی سبیل اللہ لڑتا ہے۔ اور دوسرا کافر کہ یہ انہیں کھلی آنکھوں سے اپنی مثل دوگنا دیکھتے ہیں۔ اور اللہ اپنی نصرت سے تائید فرماتا ہے، جس کی چاہے۔ دیکھنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔

فی سبیل اللہ لڑنے والا گروہ، مومنین کا ہے، فی سبیل الطاغوت لڑنے والا گروہ کافرین کا ہے۔ کافر تبھی جنگ کی طرف آتے ہیں جب انہیں دشمن کے مقابل اپنی عددی برتری کا یقین ہو، سامان حرب کے کافی اور اچھا ہونے کا یقین ہو، اور جنگ کا نتیجہ انہیں یقینی طور پر اپنے حق میں نظر آئے۔ مگر تائید ایزدی سے بارہا، قلیل گروہ، کثیر گروہ پر باذن اللہ غالب آتے رہے ہیں۔ اللہ اپنی نصرت سے جن کی تائید فرمائے، وہ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ مشیّت الٰہی کے سامنے کسی قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بصارت والوں کے لئے اس میں درس عبرت ہے۔

حاصل : فی سبیل اللہ لڑنے والا گروہ تائیدِ ایزدی سے غالب ہوتا ہے۔ اور فی سبیلِ الطاغوت لڑنے والا گروہ اسباب کی کثرت کا زعم رکھتا ہے، اور اس زعم کے نتیجے میں عبرت ناک شکست سے دوچار ہوتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاۗءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭

لوگوں کو شہوات کی حُبّ نے فریفتہ کیا ہے، جیسے عورتیں، اور بیٹے، اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر، اور نشان کئے ہوئے گھوڑے، اور چوپائے اور کھیتی۔ یہ حیاتِ دنیا کی متاع ہے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

زمین پر جو بھی زینت ٹھہرائی گئی ہے، لوگوں کے لئے ہے۔ اور منشا اس کا یہ دیکھنا ہے کہ کون اس زینت کو مقصدِ حیات بناتا ہے، اور کون اس زینت کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق مقصدِ حیات کے پورا کرنے میں لگاتا ہے۔ رغبت کے اعتبار سے مرغوب ترین شے عورت ہے، اس کے بعد بیٹے، اس کے بعد سونا چاندی، اس کے بعد نشان کئے ہوئے گھوڑے، اس کے بعد چوپائے اور اس کے بعد کھیتی۔ یہ سب فانی چیزیں اگر معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال کی جائیں، تو دائمی نعمت بن جاتی ہیں۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو انسان کا کیا اس پر پڑتا ضرور ہے۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو استعمال تو حیاتِ دنیا ہی میں ہونا ہے۔ جو اس متاع کو اکٹھا کرتا رہے گا، وہ حیاتِ دنیا کی متاع کو پیچھے چھوڑ جائے گا۔ حساب کتاب اس کے گلے پڑ جائے گا، لوٹ کر لوگ لے

جائیں گے۔

حاصل : انسانی رغبت کے اعتبار سے عورت مرغوب ترین شے ہے۔ اس کے بعد بیٹے، سونا، چاندی، گھوڑے، چوپائے اور کھیتی کا درجہ ہے۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو حیاتِ دنیا میں رضائے خدا پر لگانا ان معزّزین کا کام ہے، جن کا ٹھکانا عنداللہ حال پر بھی اچھا ہے، مستقبل میں بھی اچھا ہو گا۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

فرما دیجئے : کیا میں تمہیں اس سے بہتر کی خبر دوں۔ تقویٰ کرنے والوں کے لئے ان کے رب کے پاس جنّتیں ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ازواجِ مطہرہ، اور اللہ کی رضا۔ اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

متاعِ حیاتِ دنیا فانی ہے۔ اس کو خیر کی راہ پر لگایا جائے، تو یہ دائمی نعمت بن جاتی ہے، اور اس کا حاصل بہتر ہوتا ہے۔ تقویٰ کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جس شاہد کے اتباع کا انہیں شرف ہے، وہ ان سے بہتر جانتا ہے۔ یہ لوگ حیاتِ دنیا کی متاع کو بہتر جاننے والے کے علم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ ان کے اعمال پر مخلصین کی شہادت موجود ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ جنتوں میں رہیں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ جنت زیرِ زمین پانی کے ایک خاص سطح تک جاری رہنے سے پر بہار رہتی ہے، اس لئے زمین کو اوپر سے پانی دے کر سیراب کرنا کئی مسائل کا باعث بنتا ہے۔ ازواجِ مطہرہ وہ ہوتی ہیں، جن کو اپنے جوڑے کے مقابل کسی شے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اس سارے انعام سے بڑی بات اللہ کی رضا ہے۔ جو اللہ کے محبوب سے راضی رہتا ہے، اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ بندوں کو دیکھتا ہے، اس کے بندے اس کی رضا کو دیکھتے ہیں۔

حاصل : جو عطائے خداوندی کو رضائے خداوندی پر لگا دے، اسے اس کے تقوے کی بدولت بہتر کی خبر دی جاتی ہے۔ اسے راحت کا مقام عطا ہوتا ہے۔ اللہ کی رضا اسے حاصل ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

وہ جو کہتے ہیں : اے ہمارے رب ہم ایمان لائے، تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

بندوں سے کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ جس نعمت کی ناشکری ہو جائے، وہ ناشکری کرنے والے کے لئے آگ بن جاتی ہے۔ ایمان لانے والے یہ کہتے ہیں : یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما دے، اور ہمیں ہمارے ناقص اعمال کے نتیجے سے بچا لے۔

حاصل : خیر کا رخ رکھنے والے کے اندر، کوتاہی کے اعتراف کی موجودگی اور طلبِ مغفرت ضروری ہے۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

صبر کرنے والے ، اور صادق، اور ادب کرنے والے، اور خرچ کرنے والے، اور پچھلی رات استغفار کرنے والے۔

یہ سب ایمان لانے والوں کی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ صبر یہ ہے کہ نہ ہونے کے مقام پر اس یقین سے پورا رہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا کرنا مقصود ہے، اور اس سے کماحقہٗ استفادے کے لئے موجودہ حالات بہترین حالات ہیں۔ صداقت یہ ہے کہ شاہد کی بات ماننے میں اپنی پسند اور ناپسند کو حائل نہ ہونے دے۔ ادب یہ ہے کہ شاہد کے علم کو اعلیٰ اور پورا جانے، اور اس کے سامنے اپنے جاننے کو بھی نہ جاننا سمجھے۔ انفاق یہ ہے کہ شاہد کی صورت سے خرچ کرے اور اس کے ہاتھ سے خرچ کروا کر اس سے خرچ کرنے کا علم سیکھے۔ پچھلی رات کا اٹھنا بھی نفس پر گراں ہوتا ہے۔ ایمان لانے والے اس وقت اٹھتے ہیں، استغفار کرتے ہیں۔ استغفار یہ ہے کہ حق کی ادائیگی کے بعد یہ عرض کیا جائے : یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل : ایمان والوں کی شان یہ ہے، کہ وہ صبر کرنے والے، صادق، مؤدب، خرچ کرنے والے، اور پچھلی رات استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ النصف

اللہ نے شہادت دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ملائکہ نے اور علم والوں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ ہی سب سے بڑا سچا ہے۔ اس کے بھیجے ہوئے انبیاء کی بات بھی اللہ کی بات ہے۔ اور سب انبیاء کرام نے شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ملائکہ کا درجہ ہے يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ (۶۶ : ۶) کائنات کی ہر شے اپنے خالق کے لاشریک ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے ملائکہ بھی حضور پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کو عملاً معبود ماننے کی سند ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ علم والے وہ لوگ ہیں جن کے قول و فعل میں صداقت موجود ہے۔ انصاف سے قائم ہو کر شہادت دینا یہ ہے، کہ اپنے تجربات و مشاہدات کو اس طرح سامعین کے سامنے رکھا جائے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ روشن ہو، اور وہ جو بھی کریں معبودِ لاشریک کی رضا کے لئے کریں۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مرتب ہوتا ہے۔ تو جسے عزت و حکمت درکار ہو، چاہئے کہ وہ العزیز الحکیم کا ساتھ رکھے ہر

مقام پر۔

حاصل : مرسلین، شاہدین کی شہادت اللہ ہی کی شہادت ہے۔ ملائکہ کی شہادت ارشادِ خداوندی کی ہمیشہ تعمیل کی صورت سے ہے۔ علم والوں کی شہادت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ العزیزالحکیم کا ساتھ باعثِ عزت ہوتا ہے، اور اس سے حکمت عطا ہوتی ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

بےشک اسلام ہی اللہ کے نزدیک دین ہے۔ اور جنہیں کتاب عطا ہوئی اختلاف میں نہ پڑے مگر بعد اس کے کہ انہیں علم ہو چکا، اپنی ضد سے۔ اور جو اللہ کی آیات کا انکار کرے، تو بےشک اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔

اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے۔ پہلے بھی اللہ کے نزدیک یہی دین تھا۔ اس لئے کہ اللہ کے کلمات بدلتے نہیں۔ اسلام کی حقیقت سلامتی ہے۔ جو اپنے ساتھ سلامت رہے، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سلامت رہے، وہ اسلام میں داخل ہے۔ اپنے ساتھ سلامت رہنا خلوت میں پاک رہنا ہے، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سلامت رہنا جلوت میں پاک رہنا ہے۔ بندہ اپنی خواہش کو اللہ کے رسول کی رضا پر قربان کرے تو اس پر اسلام کا دروازہ کھلتا ہے۔ جن لوگوں کو اہلِ کتاب ہونے کا شرف حاصل تھا، انہوں نے جان بوجھ کر اپنے حسد اور ضد کی بدولت اختلاف کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو جو اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار میں لگائے گا، وہ اپنے کئے پر جلد پکڑا جائے گا۔ اور اس سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔

حاصل : اسلام ہی عنداللہ دین ہے، اور دین تھا۔ جو اس میں جان بوجھ کر اختلاف کرے، وہ حاسد اور ضدّی ہے۔ اس سے جلد ہی حساب لیا جائے گا۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع

پھر اگر وہ آپ سے جھگڑیں، تو فرما دیجئے : میں اللہ کے رخ کو تسلیم کرتا ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتے ہیں۔ اور کتاب والوں اور امّیوں سے فرمائیے : کیا تم تسلیم کرتے ہو، تو اگر وہ تسلیم کریں تو ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ پھیریں تو آپ پر یہی پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو

دیکھ رہا ہے۔

جو جان بوجھ کر شاہدین سے جھگڑا کرے، وہ اس سے یہی فرماتے ہیں کہ ہم اور ہمارے ساتھی اللہ کے رخ کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اہلِ کتاب اور امیّوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم تسلیم کرتے ہو؟ اگر وہ تسلیم کرنے کا دعویٰ کریں اور اپنی تسلیم کو شاہد کے اتباع سے سچا ثابت کریں تو ہدایت پا جاتے ہیں۔ اور اگر انکار کریں، تو ان کے اعمال کی پوچھ انہی سے ہوگی۔ شاہدین کی شان تو حق کے پہنچا دینے سے ہی ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس کے بندے اس کی رضا کے لئے لوگوں کی بھلائی کا کس قدر اہتمام کرتے ہیں۔

حاصل : جھگڑے والوں کے سامنے اپنا رخ تسلیم رکھنا چاہئے، اور پھر ان کا حال معلوم کرنا چاہئے۔ ماننے والے بامراد ہوتے ہیں، نہ ماننے والے نامراد ہوتے ہیں۔ اللہ اپنے عبادِ مخلصین سے راضی ہے، عبادِ مخلصین اس سے راضی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں فرمایا ہے :

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا۟ أَنَّهُۥ مَن يُحَادِدِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَأَنَّ لَهُۥ نَارَ جَهَنَّمَ خَٰلِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْخِزْىُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾

[کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرے، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہی بڑی رسوائی ہے۔]

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ ٱلَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِٱلْقِسْطِ مِنَ ٱلنَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں، اور نبیوں سے ناحق قتال کرتے ہیں، اور لوگوں میں سے انصاف کا امر کرنے والوں سے قتال کرتے ہیں، تو انہیں عذابِ الیم کی بشارت دو۔

اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر فرمانِ خداوندی کا قول سے انکار ہے۔ اور شاہدین سے ناحق لڑنا فرمانِ خداوندی کا عمل سے انکار ہے۔ اسے سورۃ الممتحنہ میں فرمایا گیا ہے : قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ ـ ـ ـ (۶۰ : ۹) : شاہدین کی طریقت کے مطابق انصاف کا امر کرنے والوں سے لڑنا بھی فرمانِ خداوندی کا عملاً انکار ہے۔ جو لوگ عملاً فرمانِ خداوندی کا انکار کرنے لگتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کا دشمن فرمایا گیا ہے۔ فلاح کا عملاً منکر عذابِ الیم کی بشارت کا مستحق ہوتا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کا قول سے انکار، حق کے انکار کا پہلا درجہ ہے۔ شاہدین سے عملاً جنگ حق کا عملاً انکار ہے۔ یہ اللہ سے دشمنی ہے۔ اللہ کے دشمن کا مقام عذابِ الیم ہو گا۔ حق کا عملاً انکار کرنے والوں کو ان کے عبرتناک انجام کی بشارت دینی چاہئے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

یہ ہیں وہ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہوئے۔ اور ان کا کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی اعمال پسندیدہ ہوتے ہیں جو اس کی رضا کے لئے ہوں، اور اس کے محبوب کے اتباع میں ہوں۔ جو لوگ اللہ کے پسندیدہ معیار کے حوالے سے عمل کرتے ہیں، ان کا عمل مقبول ہوتا ہے۔ جو لوگ من مانی کرتے ہوئے شاہدین سے لڑنے لگتے ہیں، ان کا کیا دھرا دنیا و آخرت میں اکارت چلا جاتا ہے۔ جس کی شہادت سے فلاح عطا ہوتی ہے، جب اسی کے ساتھ لڑائی ہو تو نصرت کہاں سے ہو سکتی ہے۔

حاصل : اعمال جن پر اللہ کے محبوب کی شہادت نہ ہو، بے حقیقت ہوتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ نصرت تو ناصحین کے محبین کی ہی ہو گی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ عطا ہوا، کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کے مابین حکم کرے، پھر ان کا ایک فریق منہ پھیرتا ہے اور وہ اعراض کرتے ہیں۔

جو کتابِ خداوندی کو قول سے مانتے ہیں، انہیں کتاب کا ایک حصہ تو عطا ہوتا ہے۔ جب انہیں حال کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ منہ پھیر جاتے ہیں، اور حق سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حکم اللہ کا ہو، نمونہ اس کا محبوب ہو۔ حکم خداوندی کو سن کر اپنی مرضی کرنا، منہ پھیرنا اور اعراض کرنا ہی تو ہے۔

حاصل : حکم خداوندی کو سن کر من مانی کرنے کی حقیقت حق سے منہ پھیرنا اور اعراض کرنا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہمیں آگ مس نہیں کرے گی، مگر گنتی کے دن۔ اور بھکے ہیں اپنے دین میں اپنے ہی افترٰی پر۔

جو فرمانِ خداوندی کو قول سے مانتے ہیں اور عملاً اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں، یہ ان کا قول ہے کہ انہیں آگ چند دن ہی مس کرے گی۔ وہ اپنے آپ کو راہِ راست پر سمجھتے رہتے ہیں، اور بے سند باتوں سے افترٰی باندھتے رہتے ہیں۔ قول وہ حق ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے حق میں موجود ہو۔ عمل وہ سچا ہے، جس کی شہادت مخلصین کے اتباع سے دی جائے۔ اور جن کے نزدیک ان کا افترٰی ہی معیار ہو، ان کا راہِ راست سے بھٹکتے جانا بالکل واضح ہے۔

حاصل : وہ قول حق ہے، جس کی شہادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائے گئے حق میں موجود ہو۔ عمل وہ درست ہے، جس کی شہادت مخلصین کے اتباع سے دی جائے۔ افترٰی کی حقیقت بے سند بات ہے، اور بہکنا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

تو کیا کیفیت ہو گی، جب ہم اس دن انہیں جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر نفس کو اس کی کمائی پوری پوری دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا ثبوت ہے۔ اجلِ مسمّٰی تک دی گئی مہلت پوری ہو جائے گی، تو ایک دن سب کو جمع کیا جائے گا، اور ہر ایک نفس کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اس دن افترٰی باندھنے والوں کا حال کیسا ہو گا۔ کوئی قیاس مفید نہ ہو گا، خسارہ ان کا احاطہ کر لے گا، ان کا کیا ہی انہیں پکڑ لے گا اور ان پر ان کا اپنا ظلم ہی مسلّط ہو گا۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے اور جزا دینے والا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل : جزا کے دن کا آنا یقینی ہے۔ افترٰی باندھنے والوں کا اس دن برا حال ہو گا، کہ کسی کا قیاس اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

فرما دیجیے، اے اللہ، ملک کے مالک، تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے۔ اور جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلّت دے۔ خیر تیرے ہاتھ ہے۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

حکم عام کے لئے ہو یا خاص اور خاص الخاص کے لئے، آتا اسی پر ہے جو اس حکم کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کے ساتھ بشارت و انذار کا پورا علم رکھتا ہو۔ یہ شان ہے شاہدین کی، جس کا کوئی بدل نہیں۔ یہ حضرات عرض کرتے ہیں : ملک کا مالک تو ہی ہے۔ جسے تو دینا چاہے دے دیتا ہے، اور جس سے چھیننا چاہے چھین لیتا ہے۔ سب اسباب تیرے ہاتھ ہیں۔ اسباب کا رخ متعیّن کرنے والا تو ہی ہے۔ عزت سب اللہ کی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے، اور اس کے محبوب کے حوالے سے مانتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت عطا کی جاتی ہے۔ جو نفسِ امارہ کے امر کو ماننے لگتا ہے وہ ذلّت کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ خیر اللہ کے ہاتھ ہے۔ اور اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے۔ اور خیر صرف خیر کی راہ پر رہنے والوں ہی کو عطا ہوتی ہے۔ اگر کسی مقام پر مشکل پیش آئے، تو قادرِ مطلق سے بڑا کوئی مشکل کشا ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : خیر کے حصول کے لئے راہِ خیر پر رہنا ضروری ہے۔ راستے میں کوئی مشکل مقام آئے، تو اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ اس سے بڑا مشکل کشا کوئی ہو نہیں سکتا۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، اور زندہ سے مردے کو نکالتا ہے۔ اور تو جسے چاہے بغیر حساب رزق دے۔

مشاہدات سے دعوتِ فکر و نظر دی جا رہی ہے۔ رات کی حقیقت خلوت ہے، اور دن کی حقیقت جلوت ہے۔ رات کو دن میں داخل کرنا اور دن کو رات میں داخل کرنا شانِ خداوندی ہے، عدم سے وجود اور وجود سے عدم کرنا بھی شانِ خداوندی ہے، اور انہی دو مقامات کے درمیان زندگی کے سب مدارج آ جاتے ہیں۔ جو سب مدارج پر اللہ تعالیٰ کا ساتھ رکھے، اور ساتھ رکھنے کی توفیق کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حساب کتاب نہیں رکھتا۔ ایسے باحقیقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی کوئی حساب نہیں رکھتا۔ جو امین ثابت ہو جائے، پھر اس پر نعمتوں کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : جو اللہ تعالیٰ کا ساتھ رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب نہیں کرتا، اس کو اللہ تعالیٰ بے حساب رزق دیتا ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ

مومن، مومنین کے مقابل کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا، تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ رہا، مگر یہ کہ تم ان سے بچنا چاہو۔ اور اللہ تمہیں

اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

اپنے سے ڈراتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھرنا ہے۔

مومنین کی مومنین کے ساتھ دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہوتی ہے۔ یہ دوستی رضائے خداوندی کے لئے ہوتی ہے. اس لئے ارشادِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی دوستی کو دوام حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام دوستیوں کا انجام دشمنی ہی ہوتا ہے۔ کافروں کی اس قسم سے بھلائی اور انصاف جائز ہے، جس نے مومنین کے ساتھ جنگ نہ کی ہو، اور انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالا ہو۔ جن لوگوں نے مومنین سے عملاً دشمنی کی ہو، ان سے دوستی کرنا ظلم ہے۔ قادرِ مطلق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کافروں سے دوستی کا منشا کسی شے کا حصول ہو تو یہ 'بِیَدِکَ الخَیر' کا انکار کرنے والی بات ہے۔ ہوتا تو وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، پھر غیر کا راستہ اختیار کرنے سے بری بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے لئے جواب دہ ہونا بھی یقینی ہے۔

حاصل : مومنین کے مقابل کافروں کو دوست بنانا خسارے کو دعوت دینا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾

فرما دیجئے، کہ اگر تم اپنے سینوں کی بات کو چھپاؤ، یا ظاہر کرو، اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور اسے علم ہے جو آسمانوں میں ہے، اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے، چاہے وہ کسی مقام پر ہو، اور کسی صورت میں ہو۔ اس لئے جو چھپایا اور ظاہر کیا جائے، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ کے علم میں ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ اب اگر کوئی نفس کی خواہش کا اتباع لباسِ شرعی میں بھی کرے، تو اس کا ہر حال اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نتیجے پر بھی قدرت اسی مالک حقیقی کو ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے فرمان کو ادب سے ماننا یہ ہے، کہ خلوت و جلوت میں کہیں اپنی مرضی نہ کی جائے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

عند المتأخرین

یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ

جس دن ہر نفس حاضر پائے گا جو اس نے بھلا عمل کیا اور جو بُرا عمل کیا، اور چاہے گا کہ مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا۔

مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اور اللہ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

ہر نفس کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ جس نے بھلا کیا، وہ بھلائی کے انجام کو پہنچے گا۔ اس لئے کہ اس نے اس راہ کو اختیار کیا تھا، جس کے انجام کی بشارت شاہدین نے بصورت جنت دی تھی۔ اور جس نے برا کیا، وہ اپنے عمل کے انجام سے بعد چاہے گا، مگر اس وقت اصلاح کو قبول کرنا مفید نہیں ہو گا۔ شاہدین نے اس کو غیر کے انجام سے پوری طرح آگاہ کیا تھا، اور اس نے بھی ان کی تکذیب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اس لئے اس کا کیا ہی اس پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی شان والا ہے۔ بندوں پر مہربان ہے، اس لئے انہیں انجام سے آگاہ فرماتا ہے، مثالیں بیان فرماتا ہے، ہدایت اور گمراہی کی نشانیاں بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ اپنے حال کو دیکھیں اور اس حال کے مستقبل کو بھی دیکھیں۔

حاصل : اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ اس لئے بھلے انجام کو پہنچنے کے لئے بھلے راہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سباء میں فرمایا ہے :

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

[فرما دیجئے، ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہم میں سچا فیصلہ فرما دے گا، اور وہی ہے بڑا فیصلہ کرنے والا علم والا۔]

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

فرما دیجئے، اگر تم اللہ کی حُبّ رکھتے ہو، تو میرا اتباع کرو، اللہ تمہیں حبیب بنا لے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کی حبّ رکھنے کی حقیقت اپنے نفس کی پسند کو رضائے الٰہی پر قربان کرنا ہے۔ اور یہ قول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ حضور کے اتباع کے ساتھ جاننے کا جو مقام آئے گا، وہ جاننا حقیقی ہو گا۔ اتباع سے پہلے جاننا قول کی حد تک تو ہو سکتا ہے، علم نہیں کہلا سکتا۔ جاننا ہمیشہ ماننے کے بعد آتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو اپنا محبوب بنا لے، اللہ اس کو اپنا حبیب بنا لیتا ہے۔ اس حبیب کا ماضی حال سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اس ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ بخشش کا راستہ روشن فرما کر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بہت بڑی مہربانی فرمائی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی حبّ کا دعویٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعینؒ کے اتباع سے سچا

ثابت ہوتا ہے۔ بخشش کا راستہ یہی ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو اللہ کافروں کی حُبّ نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی فرمایا ہے، ماننے والوں کی اس میں بھلائی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معیارِ عمل ہے۔ اس معیارِ عمل کو مانا جائے تو عمل معیاری ہو گا۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے شاہد کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اور آپ شاہدین کے امام ہیں۔ حضور کے تابعینِ مخلصین بھی آپ کی نسبت سے اپنے اپنے حال پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلۂ شاہدین قیامت تک جاری رہے گا۔ اگر حال کا انکار ہو گا، تو ناصحین سے عدمِ محبت کی بناء پر ہو گا، اور یہی کفر ہے۔ کافر اللہ کا حبیب نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت حال پر ہونی چاہئے۔ ناصحین سے عدمِ محبت کفر ہے، اور کافر اللہ کا حبیب نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) اور نوح (علیہ السلام) اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو عالمین سے چن لیا۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ وہ ان کے سامنے اپنے چنے ہوئے بندے کو معیار بنا کر رکھ دیتا ہے۔ منشا یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس چنے ہوئے بندے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانیں، اس بندے کا اتباع کریں، اور اس طرح انہیں خوف و حزن سے نجات حاصل ہو۔ آدم علیہ السلام چنے ہوئے تھے۔ نوح علیہ السلام چنے ہوئے تھے۔ آل وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کا حال اپنے امام کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل بھی آپ کی بدولت چنی گئی، اور حضرت عمران علیہ السلام کی آل بھی اسی طرح چنی گئی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے کو چن لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور فلاحِ دارین عطا ہوتی ہے۔

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۚ ﴿۳۴﴾

جو ایک دوسرے کی ذرّیت تھے۔ اور اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے چنے ہوئے بندے ہیں۔ ان کی آل سے ہی حضرت نوح علیہ السلام کو چنا گیا۔ حضرت نوح

علیہ السلام کی آل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام چنے گئے، اور آپ کی آل بھی چنی گئی۔ اس کے بعد حضرت عمران علیہ السلام چنے گئے، اور آپ کی آل بھی چنی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا چناؤ ہر زمانے میں لوگوں کے لئے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی دعائیں سنتا ہے، اور جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔

حاصل : خیر والے خیر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ غیر والے غیر والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمیعٌ علیم کی بندگی کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ سنی سب کی جائے، کیا وہی جائے جس میں علیمِ مطلق کی رضا ہو۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَٰنَ رَبِّ إِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

جب عمران کی بی بی نے عرض کی : اے رب میں تیری نذر کرتی ہوں جو میرے بطن میں ہے، سب سے آزاد رکھ کر، تو مجھ سے قبول فرما۔ بے شک تو ہی سننے والا علم والا ہے۔

حضرت عمران کی بیوی نے اپنے بطن کے بچے کو اپنے رب کے لئے وقف کر دیا، اور یہ عہد کیا کہ اس سے کوئی ذاتی غرض و غایت پوری نہیں کروائی جائے گی۔ دعا کی : اے میرے رب میری اس پیشکش کو قبول فرما۔ قبول فرمانے والا قبول فرمائے تو بات بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : قیادت کا حق انہی لوگوں کو ہے، جو اللہ کی راہ میں قبول ہو چکے ہیں۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّى وَضَعْتُهَآ أُنثَىٰ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ ٱلذَّكَرُ كَٱلْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّى سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

پھر جب اسے جنا، عرض کرنے لگی : اے رب یہ تو میرے لڑکی ہوئی ہے۔ اور اللہ کو بڑا علم ہے جو کچھ اس نے جنا۔ اور بیٹا اس بیٹی جیسا نہیں۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اور میں اسے اور اس کی ذرّیت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ رجیم سے۔

حضرت عمران کی بی بی کے ہاں نذر ماننے کے بعد جب بیٹی پیدا ہوئی، تو مائی صاحبہ کو بڑی حیرت ہوئی اور اپنی نذر کے قبول ہونے کے بارے میں شک ہوا، کہ اس سے قبل اللہ والے مرد ہی ہوتے تھے، اور خدمتِ دین کا شرف کسی عورت کو نہیں ہوتا

تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی رحم میں صورت بناتا ہے، اس لئے سب سے بڑا علم تو اسی کو ہوتا ہے کہ کس نے کیا جنا ہے۔ عطائے خداوندی بندے کی طلب سے ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ مائی صاحبہ نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا، اور اسے اور اس کی ذرّیت کو اللہ کی پناہ میں دیا۔ جسے رب کی نذر کرنا ہو، جیسے ہی وہ دودھ پینے کی مدت پوری کرے، اسے کفالت کرنے والے بزرگانِ دین کی خدمت میں پیش کر دینا چاہئے۔

حاصل : عطائے خداوندی سب سے بڑے علم پر مبنی ہوتی ہے، اس لئے اس سے بہتر کا تصور بھی بےادبی ہے۔ اپنی اولاد میں سے کسی کو اللہ کی راہ پر لگایا جائے، تو اولاد کی نعمت کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا۔ اسے اچھی اٹھان دی۔ اور زکریا (علیہ السلام) کی کفالت میں دیا۔ جس وقت زکریا (علیہ السلام) اس کے محراب میں داخل ہوتے، اس کے پاس کچھ رزق پاتے۔ آپ فرماتے: اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا۔ وہ عرض کرتی: وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دے۔

حضرت مریم بی بی کو رب العالمین کی طرف سے شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ اور بی بی صاحبہ کو صحت و تندرستی سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رکھا گیا۔ حضرت نے بی بی صاحبہ کے لئے عبادت کی جگہ مقرر کر دی اور کفیل ہونے کے حقوق کو بطریقِ احسن پورا کیا۔ آپ جب کبھی بی بی صاحبہ کی خبر لینے آتے، تو ان کے پاس موجود رزق کو دیکھ کر پوچھتے : یہ کہاں سے آیا ہے۔ بی بی صاحبہ عرض کرتیں : اللہ کے پاس سے۔ جو رزق بندے کو بغیر مشقت کے ملے، وہ عنداللہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب نہیں کرتے اور اس کی رضا پر اپنی خواہشات کو قربان کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بے حساب رزق دیتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کی راہ میں قبول ہو جائے، اس سے بڑا کوئی بامراد نہیں۔ جو اللہ کی رضا کو مقصود بنا لے، اور اپنی خواہشات کے اتباع سے پاک رہے، تو اسے عنداللہ رزق دیا جاتا ہے، اور بے حساب دیا جاتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ

زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

وہیں دعا کی: اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت بی بی مریم کے حال کو دیکھ کر یہ دعا کی۔ اے رب مجھے اپنے پاس سے پاک اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔ وہ اولاد پاک ہے، جو ہر حال پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مطلوب رکھے۔ پیدا تو سب ہی پاک ہوتے ہیں۔ جب خواہشات کے اتباع کے مقام پر نفس کی شح سے بچنے کا ثبوت ہو، تو پاکی کی روشنی پھیلتی ہے۔ کمی کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس سے دعا کرنے کی حقیقت اظہار بندگی ہے، ورنہ علیم مطلق سے بڑا کوئی جاننے والا ہو نہیں سکتا۔

حاصل : نیک اولاد کے لئے دعا کرنا بھی نیکی ہے۔ دعا اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

تو ملائکہ نے آپ کو ندا دی، اور آپ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحیٰی (علیہ السلام) کی بشارت دیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کے مصدّق ہوں گے، اور سردار، اور عورتوں سے بچنے والے، اور نبی ہوں گے صالحین سے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو اسی حال پر شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ اور آپ کو حالتِ نماز میں ندا دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یحیٰی علیہ السلام کی بشارت دی جاتی ہے۔ شان یہ ہے ان کی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کریں گے، سردار ہوں گے، عورتوں سے بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کا حق آپ نے ادا کیا۔ سردار وہ ہوتا ہے، جو اپنے ساتھیوں کی حفاظت اور فلاح کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ عورت دنیا کی مرغوب ترین شے ہے۔ اللہ والوں کی یہ شان رہی ہے، اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی کہ وہ عورتوں سے بچتے رہتے ہیں۔ نامحرم سے اگر ملنا ناگزیر ہو تو جلوت میں ملتے ہیں۔ لیکن بقاء نسل کو منشاء ایزدی جانتے ہوئے نکاح بھی کرتے ہیں، اور اولاد کو خدائی مہمان سمجھ کر پرورش بھی کرتے ہیں۔ صالح کی شان یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کے قرب میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

حاصل : پاک لوگوں کی دعا پاک ہوتی ہے، قدرت کاملہ کے مشاہدے سے ترتیب پاتی ہے۔ اور اسی حال پر اسے شرفِ قبولیت کی بشارت سے نواز دیا جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ

عرض کی: اے رب میرے لڑکا کہاں

بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

سے ہو گا، میں بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے۔ فرمایا : اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا حال اور اپنی بیوی کا حال اس لئے بیان کیا، کہ قدرتِ خداوندی کی عظمت روشن ہو۔ ورنہ دعا کرتے وقت بھی یہ سب آپ کے سامنے تھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں، اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بانجھ ہو چکی ہیں۔ اگر اسباب کی حد تک ہی دیکھنے کی بات ہوتی، تو پاک اولاد کے لئے دعا کرنا ہی ممکن نہ تھا۔ آپ کا یہ عرض کرنا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا، اپنا حال بیان کرنے کے لئے ہے اور قدرتِ خداوندی کی صورت جاننے کے لئے ہے۔

حاصل : انعام کا ذکر سن کر اپنے حال کو بیان کرنا اور انعام دینے والے کی قدر کرنا بھلے لوگوں کی شان ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع ۱۱ / ۱۲

عرض کی : اے رب میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرا دے۔ فرمایا : نشانی آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ لوگوں سے تین دن بات نہ کریں مگر رمز سے۔ اور اپنے رب کا بہت ذکر کریں، اور صبح و شام اس کی تسبیح کریں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس نشانی کے لئے گزارش کی جو ان کے لئے ان کی بیوی کے استقرارِ حمل سے تعلق رکھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نشانی عطا ہوئی کہ آپ تین دن لوگوں سے بات نہیں کریں گے، مگر اشارے سے۔ اس عرصے میں اپنے رب کا کثیر ذکر کریں گے، اور صبح و شام اس کی تسبیح کریں۔ ذکر صرف زبان ہی سے تعلق نہیں رکھتا، دل سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ جب قول ساکن ہو جائے تو پھر زبانی ذکر ساکن ہو جاتا ہے، اور قلبی ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ تسبیح کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عملاً قدر کی جائے، جیسے اس کی قدر کا حق ہے، تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں آسانی ہو۔

حاصل : زبان سے بھی ذکر کرتے رہنا چاہیئے، اور جب زبان سے ذکر کرنے کا محل نہ ہو، تو دل سے ذکر کرتے رہنا چاہیئے، عملاً ارشادِ خداوندی کی تعمیل ہو اور بڑے ادب سے ہو، تو تسبیح کا حق ادا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے :

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

[اور جو توبہ کرے اور صالح عمل کرے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لایا جیسے چاہئے تھا۔]

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور جب ملائکہ نے کہا: اے مریم (علیہا السلام) بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا۔ اور آپ کو طاہر کیا اور نساء العالمین پر آپ کو چن لیا۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ نے بطن کے بچے کو اپنے رب کی نذر کر دیا، اور اس کی قبولیت کی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا، طہارت سے نوازا اور اس حال پر سارے عالم کی عورتوں کے لئے آپ کو معیار بنایا۔ اللہ کے چنے ہوئے کو مانا جائے، تو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے کے حوالے سے مانا جائے، تو ہدایت عطا ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کا چناؤ اس لئے ہوتا ہے، کہ لوگوں کو اس کی رضا کے حصول کا راستہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے بندے کے حوالے سے مانا جائے تو ہدایت عطا ہوتی ہے۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم (علیہا السلام) اپنے رب کی بندگی کیجئے، اور سجدہ کیجئے، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا۔ آپ کا قیام جس جگہ تھا، وہیں نماز ادا ہوتی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے وہاں نماز پڑھنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ بی بی صاحبہ اپنے محراب میں بھی سجدہ کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ سجدہ اور رکوع کرتی تھیں۔ اللہ کے چنے ہوئے کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہاں عمل پہلے ہو رہا ہوتا ہے، حکم بعد میں آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لئے حکم پہلے آتا ہے، عمل بعد میں ہوتا ہے۔

حاصل: چنے ہوئے بندے پر حکم بعد میں آتا ہے، عمل پہلے ہی ہو رہا ہوتا ہے۔ اس حکم سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہ تھے، جب انہوں نے اپنے قلم ڈالے، کہ کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ ان

مَرۡيَمَ ۖ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

کے پاس نہ تھے، جب وہ جھگڑ رہے تھے۔

ماضی کے واقعات غیب کی خبریں ہیں، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خارجی ذریعے سے ان امور کو نہیں جانا۔ جس یقین کے ساتھ آپ نے یہ واقعات بیان فرمائے ہیں وہ آپ کی صداقت کا روشن ثبوت ہے۔ آپ نے جو بھی فرمایا، علمِ الٰہی سے فرمایا۔ آپ اس وقت ان حضرات کے پاس تو نہ تھے، جب یہ لوگ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کر رہے تھے، اور جھگڑ رہے تھے۔ قرعہ اندازی قلموں سے ہو یا کسی دوسری شے سے ہو، اس وقت ہوتی ہے، جب کسی مقام پر مقدّم و مؤخر کا فیصلہ کرنے کے لئے موجود علم کو طالب اپنے لئے کافی نہ جانیں اور کسی ایسی صورت پر متفق ہو جائیں، جو مقدّم و مؤخر کا واضح فیصلہ کر دے۔ ایسے مواقع پر بھی زبردست لوگ جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کی مشکل یہ ہوتی ہے، کہ ان کے مقابلے میں کم وسعت و توفیق کا حامل ان سے آگے آ رہا ہوتا ہے۔ جس طریقِ قرعہ اندازی پر یہ متفق ہو چکے ہوتے ہیں، اس سے حاصل ہونے والے نتیجے کو ماننے میں ان کی پسند آڑے آنے لگتی ہے۔ اور جب یہ قرعہ بار بار ایک ہی نتیجے کی تصدیق کرے، تو ماننا بھی پڑتا ہے۔

حاصل : ماضی کے واقعات غیب کی خبریں ہیں۔ ان کے بیان کا حاصل لوگوں کے سامنے ضرور آنا چاہئے۔ مقدّم و مؤخر کا فیصلہ علمِ یقین سے کرنا چاہئے، اور سند سے کرنا چاہئے۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾

اور جب ملائکہ نے کہا: اے مریم (علیہا السلام) بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے، جس کا اسم شریف عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دنیا و آخرت میں وجیہ اور مقربین میں سے ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دی گئی۔ جس کا اسم شریف عیسیٰ بن مریم بتایا گیا۔ شان اور مقام بھی بیان کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عام سلسلۂ اسباب سے نہیں ہوئی۔ اسی لئے آپ کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے۔ نام و مقام بتانے میں ہی یہ حکمت بیان کر دی گئی کہ بچہ عام اسبابِ عادیہ سے نہیں ہو گا، اور دنیا و آخرت میں قدر و منزلت پائے گا، اور مقربینِ الٰہی میں شمار ہو گا۔

حاصل : مقرّبینِ الٰہی کی قدر و منزلت زندہ معاشرے کی نشانی ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا

اور لوگوں سے پالنے میں کلام کرے گا

وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور کہولت میں بھی، اور صالحین سے ہو گا۔

پالنے میں آپ کا کلام کرنا ایک معجزہ ہے، اور کہولت میں کلام کرنا بھی معجزہ ہو گا۔ پالنے میں آپ نے جو کلام فرمایا، وہ بھی لوگوں کو شکوک و شبہات سے پاک کرنے کے لئے سند کا درجہ رکھتا تھا۔ کہولت میں بھی جو کلام آپ فرمائیں گے، وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دے گا۔ صالحین کی شان یہی ہوتی ہے، ان کی جماعت صاحب حال کا ساتھ رکھتی ہے۔

حاصل : معجزہ صالحین کی شان کے لائق ہوتا ہے، اور لوگوں کو شکوک و شبہات سے پاک کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

عرض کرنے لگی : اے میرے رب میرے بچہ کہاں سے ہو گا۔ مجھے تو کسی بشر نے مس نہیں کیا۔ فرمایا : اللہ تعالیٰ اسی طرح خلق فرماتا ہے، جو چاہے۔ جب کسی امر کا فیصلہ فرما دیتا ہے، تو اسے فرماتا ہے : ہو، سو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام نے عرض کی اے میرے رب، میرے بچہ کہاں سے ہو گا، مجھے تو کسی بشر نے مس نہیں کیا۔ بی بی صاحبہ کا یہ عرض کرنا قدرتی تھا، اور ان کے علم میں تھا کہ بچہ عورت و مرد کے میل سے ہوتا ہے، اور انہیں تو کسی بشر نے مس نہیں کیا تھا۔ یہ طریق پیدائش عمومی نہ تھا۔ بچے کی شان اور مقام سے بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ روشن فرمایا کہ وہی قادرِ مطلق ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہمیشہ حکمت و علم پر مبنی ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دیتا ہے، تو اس امر سے متعلق ارکان وہاں جمع ہو جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے عنوان کے مطابق صورت بنتی ہے۔

حاصل : عطائے خداوندی کو اپنے حال کی نسبت سے دیکھنا اور شکریہ ادا کرنا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کا عنوان رکھ دیا جاتا ہے، تو ارکان جمع ہونے لگتے ہیں، اور صورت بننے لگتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور اسے کتاب و حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا۔

استاد کے علم کی عظمت شاگرد کے احساسِ حفاظت کا باعث ہوتی ہے، پھر استاد کے لئے اس کے استاد کی علمی فضیلت

باعثِ استقامت و فلاح ہوتی ہے۔ یہ سلسلۂ معلّمین جہاں ختم ہو جائے۔ وہ بندہ اور سب سے بڑا معلّم، علیم مطلق کی تعلیم سے متحرک ہوتا ہے۔ اسے احکام اور ان کی حکمت کا علم عطا کیا جاتا ہے۔ ماضی کے علم سے بھی نوازا جاتا ہے، اور حال پر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کرنے کے لئے جو جو علم درکار ہوتا ہے، وہ بھی عطا کیا جاتا ہے۔

حاصل : علم کی زندگی ان مقربینِ الٰہی کی بدولت ہوتی ہے، جو علمِ الٰہی کے حامل ہوتے ہیں۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾

اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا۔ بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں، کہ میں تمہیں مٹی سے پرند کی ہیئت بنا کر دیتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتا ہے۔ اور اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرتا ہوں۔ اور تمہیں خبر دیتا ہوں، جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ چھوڑتے ہو۔ بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے، اگر تم مومن ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کو ان کے مرتبے سے آگاہ فرما دیا گیا۔ آپ نے اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ یہ فرمایا، کہ میں تمہیں مٹی سے پرند کی ہیئت بنا کر دیتا ہوں، پھر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتا ہے۔ اور اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور اللہ کے اذن سے مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ اور تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو، اور جو اپنے گھروں میں رکھ چھوڑتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مقربین کو معجزات اس لئے عطا کئے جاتے ہیں، کہ وہ اس حال پر موجود علمِ کسب کی مایہ ناز صورت پر علمِ الٰہی کا تفوق ثابت کر دیں، اور لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی راہ ملے۔ اپنی ایجادات پر ناز کرنے والوں کے لئے مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونک کر اسے باذن اللہ اڑا دینا یقیناً انہیں عاجز کرنے والی بات ہے۔ اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا علم العلاج میں ید طولیٰ کے دعویداروں کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرنا حیات بعد الموت کا مشاہدہ کروانے والی بات ہے، اور آخرت کے منکرین کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ کھائے ہوئے کی خبر دینا اور رکھے ہوئے کی خبر دینا جسم انسان کے اندر اور باہر کے کیمیائی تغیرات کا پورا علم رکھنے کی سند ہے، اور قیاس سے بات کرنے والوں کو عاجز کرنے والی بات ہے۔ ماننے والوں

کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ اگر کسی کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہو جائے، تو وہ اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

حاصل : معجزے کی حقیقت علمِ کسب کی مایہ ناز صورت پر علمِ الٰہی کا تفوّق ہے، تاکہ لوگ امن کی راہ اختیار کریں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اور اپنے سے پہلی کتاب تورات کا مصدّق ہوں۔ اور اس لئے کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تمام بزرگانِ دین کا مقصود ایک ہے، اور وہ ہے اس کے بندوں کو اس کے ساتھ واصل کرنا۔ اس لئے بزرگانِ دین میں نہ تضاد ہوا، نہ ہو سکتا ہے۔ ان کا منصب اپنے ماضی کی تصدیق، اور حال پر آسانی عطا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بعض چیزیں بنی اسرائیل پر حرام تھیں، آپ نے اللہ کے حکم سے انہیں حلال ٹھہرایا، اور بنی اسرائیل کو اس سے آسانی حاصل ہوئی۔ آپ کی صداقت کا روشن ثبوت ان کے سامنے تھا۔ اپنی فضیلت کی سند کے ساتھ آپ نے دعوتِ خیر دی۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس مالکِ کل کی پسند کو پسند کیا جائے، اور اس کی ناپسند کو ناپسند کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کا ہر فرمان بندوں کی فلاح کے لئے ہے، اور وہ وحدہٗ لاشریک احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ سے ڈرنا بہت بڑا علم ہے، اور حال پر صاحبِ علم سے عطا ہوتا ہے۔ اس لئے اس علم کے قاسم کی اطاعت لازم ہے۔

حاصل : بزرگانِ دین میں تضاد نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ان کا منشاء لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ حال پر آسانی عطا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا علم ان کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوتِ خیر کو پورا کرتے ہوئے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔ بندے کا منشاء عبودیتِ الٰہی ہے۔ بزرگانِ دین کی طریقت یہی ہے کہ وہ اپنا حال لوگوں کے سامنے رکھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو ان صاحبِ حال حضرات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو

ماننے میں عافیت نظر آتی ہے۔ صراطِ مستقیم مخلصین کے نقشِ قدم سے بنتا ہے۔ اس لئے کہ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں۔

حاصل : دعوتِ خیر کو اس طرح پورا کرنا چاہئے کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور اسی کی عبودیت باعثِ فلاح ہے۔ صراطِ مستقیم مخلصین کے قدم سے بنتا ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کے کفر کا احساس ہوا، فرمایا : کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرے ساتھ ہیں۔ حواریوں نے عرض کیا : ہم ہیں اللہ کے ساتھ۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور آپ شاہد رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کے روشن اور کھلے ہوئے ثبوت بنی اسرائیل کے سامنے رکھے۔ اور جب لوگوں نے آپ کی اطاعت کی بجائے نفسِ امارہ کی اطاعت کی، تو آپ نے ان کے کفر کو محسوس کیا۔ اور ماننے والوں کی ملت کو دیکھنے کے لئے فرمایا : کون ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف میرے ساتھ ہیں۔ حواری حضرات نے عرض کیا : "ہم ہیں اللہ کے ساتھ۔" جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کی نصرت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ ان حضرات نے اپنے دعوئ ایمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شاہد بنایا، اور اپنے مسلمان ہونے کی تصدیق چاہی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی رہا ہے۔ اور اسلام ہی رہے گا کہ اس کے کلمات بدلتے نہیں۔ اور ماننے والے پہلے بھی مسلمان ہی کہلاتے رہے ہیں، اب بھی مسلمان کہلاتے ہیں، اور آئندہ بھی مسلمان ہی کہلائیں گے۔

حاصل : جب لوگوں کی اکثریت کا جھکاؤ خواہشاتِ نفس کے اتباع کا ہو جائے تو مخلصین اپنی ملت کو مجتمع کرتے ہیں۔ اور یہ پاک ملت اپنے مطاع کو شاہد بنا کر اللہ تعالیٰ کو ماننے کا اظہار کرتی ہے۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا، اور رسول کے تابع ہوئے، تو ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔

حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مسلمان ہونے پر شاہد بنا کر رب العالمین سے دعا کی، کہ اے ہمارے رب

جو کچھ تیری طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور تیرے رسول کے تابع ہوئے، تو ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔ حیاتِ دنیا میں شاہدین کے ساتھ سے بڑا اور کوئی انعام نہیں۔ جو حال پر شاہدین کے ساتھ ہے، وہ آخرت میں بھی ساتھ ہو گا۔ اسی ساتھ میں دوام موجود ہے۔ جس کا میل جول ہو شاہدین کے ساتھ، اس کا قول پاک ہو جاتا ہے۔ جس کا قول پاک ہو جائے، اسے شاہدین سے محبت ہو جاتی ہے، اور اس کے عمل صالح ہو جاتے ہیں۔ جس کے عمل صالح ہو جائیں، اسے علمِ خیر عطا ہوتا ہے۔ جو ان مقامات پر تضاد اور اختلاف سے پاک رہے، وہ مخلص ہو جاتا ہے، اور مفلحین میں شمار ہو جاتا ہے۔

حاصل : شاہدین کا ساتھ سب سے بڑا انعام ہے، اور اسی ساتھ میں دوام موجود ہے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ ع ۱۳

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے مخفی تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر والا ہے۔

کفارِ بنی اسرائیل نے اللہ کے رسول کا اتباع کرنے والوں کی ملت کو اپنے لئے خطرہ جانا۔ علمِ الٰہی سے مقابلہ کرنا تو محال ہوتا ہے۔ اس لئے کافر ایسے مواقع پر جب کہ وہ لوگوں کو شاہدین کی ملت میں شامل ہونے سے روکنے پر ناکام ہو چکے ہوں تو شاہدین کو ان تابعین سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ خفیہ تدبیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ کسی کی تدبیر کو کامیاب نہ ہونے دے، یا کسی کی تدبیر کو اسی پر لوٹا دے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگ جلد باز ہوتے ہیں، اس لئے ان کا مکر کوتاہ نظری سے تعلق رکھتا ہے۔ قابلِ اصلاح، اور حدِ اصلاح سے گزرے ہوؤں کے ساتھ ایک سا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بہتر تدبیر کرنے والے کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

حاصل : مکر برے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اچھے معنوں میں بھی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ أَوْ يَقْتُلُوْكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

[اور جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے، کہ آپ کو بند کر دیں یا آپ سے لڑیں یا آپ کو نکال دیں، اور وہ اپنی خفیہ تدبیر کرتے تھے، اور اللہ نے بھی مخفی تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔]

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے عیسیٰ علیہ السلام بے شک میں آپ کو سنبھال لوں گا، اور اپنی طرف اٹھا لوں گا، اور کافروں سے آپ کو پاک کروں گا، اور آپ کے تابعین کو یومِ قیامت تک منکرین پر فوقیت

اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

دوں گا۔ پھر تم سب میری طرف مراجعت کرو گے، تو میں تمہارے مابین فیصلہ کر دوں گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ نصرت حال پر ہوتی ہے، اور علم سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی علیم نہیں ہے۔ اس لئے اس کی نصرت سے بڑی کوئی نصرت ہو نہیں سکتی۔ اس نے ہر رسول کی نصرت فرمائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ خیر کا انکار کرنے والوں نے آپ سے مکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حال کا مستقبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر روشن کر دیا کہ آپ کو سنبھال لوں گا، یہ ناپاک لوگ آپ کے جسد مبارک کو چھو بھی نہ سکیں گے، اور آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کا انکار کرنے والے اور عملاً اس کے ساتھ لڑنے والے ہمیشہ نامراد رہتے ہیں۔ کافروں سے آپ کو پاک کر دینے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اب آپ سے فیضیاب ہونے کے اہل ہی نہیں رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے وہی تھے، جنہوں نے آپ کو اپنے مسلمان ہونے پر شاہد بنایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا لازم ہے۔ جو لوگ خاتم النبیین کا انکار کرتے ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھی منکر ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے، ان پر خاتم النبیین کا اتباع بھی بشرطِ حیات لازم ہے۔ اس لئے مسلمانوں کی فوقیت کی یہ بشارت بڑی روشن ہے۔ اور یہ فوقیت قیامت سے پہلے اظہر من الشمس ہوگی۔ جب ساری دنیا انسانی خواہشات کے تحت جنم لینے والے علوم سے تاریک ہو جائے گی، تو لوگوں کو حق کی جستجو ہوگی۔ اس وقت حق جلوت میں آئے گا۔ اور اس وقت ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہیں ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ فرمایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینا اختلاف کا بیج بونا ہے۔ جہاں یہ بیج بویا جائے گا، اس کا درخت بن جائے گا اور لوگ یکسوئی کی نعمت سے محروم ہوتے جائیں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے۔ اس کا علم سب سے بڑا ہے، اس لئے اس کی نصرت بھی سب سے بڑی ہے۔ قیامت سے پہلے مسلمانوں کی فوقیت اظہر من الشمس ہوگی۔ اختلاف اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے سے پیدا ہوتا ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٦﴾

تو جنہوں نے کفر کیا، میں انہیں عذاب کروں گا دنیا و آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، ان کافروں کے اعمال کا حاصل عذاب کہلاتا ہے۔ برے اعمال کا حاصل آسمان پر جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور پھر لوگوں کے حدِ اصلاح سے گزر جانے پر آسمان سے نازل کیا جاتا ہے۔ انکارِ حق میں جس کا رویہ شدید ہو

گا، اسے عذاب بھی شدید ہو گا۔ دنیا میں بھی ہو گا اور آخرت میں بھی ہو گا۔ دنیا میں عذاب خوف و حزن کی صورت سے ان پر مسلّط رہے گا، آخرت میں ان کو ان کے کئے کی پوری جزا دی جائے گی۔ غرض و غایت پر قائم ہونے والی دوستی بے حقیقت ہوتی ہے، اور شاہدین کی نسبت سے قائم ہونے والی دوستی باحقیقت ہوتی ہے۔ انسانی تجاویز نہ دنیا میں کسی کو مشقت سے بچا سکتی ہیں، نہ آخرت میں کسی کو چھڑا سکیں گی۔

حاصل : حق کے انکار کا حاصل عذاب ہوتا ہے دنیا و آخرت میں۔ منکر کی تجویز اس کے کسی کام نہیں آتی۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٧

اور وہ جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے تو اللہ انہیں ان کے اجر پورے دے گا۔ اور ظالم اللہ تعالیٰ کو نہیں بھاتے۔

دعوئ ایمان، صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ صالح اعمال شاہد کے اتباع کا نام ہے۔ منشاء رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسے خالص اعمال کی شان عنداللہ یہ ہوتی ہے کہ قطرہ سمندر اور ذرہ پہاڑ ہوتا ہے۔ پورا اجر دینے والے علیم مطلق کی عطا کا شمار ہو نہیں سکتا۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے مساوی نہیں ہوتے۔ اللہ کے شاہدین کو دوست بنانے والے اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے۔ جیسے دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔

حاصل : صالح اعمال سے دعوئ ایمان سچا ثابت ہوتا ہے۔ پورا اجر دینے والے کی عطا کا شمار نہیں ہو سکتا۔ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے۔ اور دوست کا دشمن، دشمن ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝٥٨

یہ ہم تم پر آیات سے پڑھتے ہیں۔ اور یہ حکمت والا ذکر ہے۔

حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ عام کے لئے ہو، یا خاص اور خاص الخاص کے لئے، نازل اسی پر ہوتا ہے جس کا مقام بشیر و نذیر ہو۔ فرمانِ خداوندی میں ماننے والوں کی بھلائی کی ضمانت موجود ہے۔ حکمت کا پتہ راستہ چلنے سے لگتا ہے، راستے کی باتیں کرنے سے نہیں لگتا۔

حاصل : حکم کا نزول بشیر و نذیر پر ہوتا ہے۔ حکمت کا پتہ، راستہ چلنے سے لگتا ہے، راستے کی باتیں کرنے سے نہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ

بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام)

اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

کی مثال کی طرح ہے۔ آپ کو مٹی سے خلق فرمایا، پھر فرمایا : ہو، وہ ہو گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر لوگوں نے جس طرح حیرت کا اظہار کیا، اور جس طرح آپ کے متعلق بے سند باتیں کیں، یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے اصولِ تخلیق پر نظر ہی نہیں کی گئی۔ مالکِ کل کی شان ہے، کہ وہ سبب سے بھی پیدا کرتا ہے، اور بے سبب بھی پیدا کرتا ہے۔ اگر ماں باپ کے بغیر پیدائش محال ہو، تو حضرت آدم علیہ السلام کی سب سے پہلے بندے کی حیثیت سے پیدائش کیسے ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے خلق فرمایا۔ پھر فرمایا : "ہو" وہ ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے مقابل یہ بڑی بات ہے۔ جس قادرِ مطلق کے "کن" کہنے سے "فیکون" ہو جاتا ہے، وہ حکیمِ مطلق ہے اور علیمِ مطلق ہے۔ اس کا منشا لوگوں کو آسانی عطا کرنا ہے۔ لوگ اپنی خواہشات کے تحت مشقّتوں سے چھوٹتے ہی نہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے "کن" کہنے سے "فیکون" ہو جاتا ہے۔ علمِ الٰہی ہر مقام پر ماننے والوں کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ تو شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔

حق وہ ہے جو رب العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ سے بڑا بہی خواہ کوئی ہو نہیں سکتا۔ اگر اس کے فرمان کو کسی خواہشات کے تحت بولنے والے کی بات کی طرح جانا جائے، تو یہ شک کرنے والی بات ہوگی، اور ایسا کرنے والے اپنے شک میں ہی ڈوب جاتے ہیں۔

حاصل : جس کی بات سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کی بات کی قدر نہ کرنا. شک کرنے والوں کا کام ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

تو جو تم سے اس میں حجّت کریں، بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا، تو ان سے کہئے : آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں، اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلا کریں تو کاذبین پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

جب کوئی ضد پر اڑ جائے، اور اس کے پاس اس کی صداقت کی کوئی سند نہ ہو، تو اس کی حجت کو رفع کرنے کی صورت بیان فرمائی گئی ہے، کہ ایسی صورت میں فریقین اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے آپ کو بھی جمع کریں اور مباہلہ کریں۔ مباہلہ کا منشا صداقت و کذب کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے کروانا ہے۔ اس میں فریقین اپنے اپنے مقام پر حق کو بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور کاذبین پر لعنت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ حق کو باطل پر پھینک کر مارتا ہے، تو باطل کا بھیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے، جبھی وہ مٹ جاتا ہے۔

حاصل : جو استدلال کرتے کرتے ضد سے حجت تک آ جائے، اسے مع اس کے متعلقین کے دعوتِ مباہلہ دینی چاہئے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

بے شک یہ بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

مباہلے میں ہر ایک فریق کے امام کو یہ کہنا ضروری ہے کہ اس کا بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔ اور کاذبین پر اللہ کی لعنت ہو۔ امام کے پیچھے اس کے ساتھ والے بلند آواز سے آمین کہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : مباہلے کی زبان واضح اور ایک ہونی چاہئے۔ الفاظ بلند آواز سے کہے جائیں۔ آخر میں یہی کہا جائے، بے شک یہ بیان حق ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور بے شک اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع ۶ ۱۴

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ مفسدین کو جانتا ہے۔

جب حجت کرنے والے اپنی ذات کو اور اپنے قرب والوں کو عدم یقین کی وجہ سے بے پناہ خطرات میں گھرتا ہوا دیکھیں تو وہ مباہلے سے منہ پھیر جاتے ہیں۔ یہی ان کے مفسد ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ بڑے علم سے مہلت دیتا ہے، اور اس کی پکڑ ہی سب سے بڑی پکڑ ہے۔

حاصل : مفسدین جب اپنے تئیں خطرے میں محسوس کریں تو منہ پھیر جاتے ہیں۔ علیم مطلق مہلت بھی دیتا ہے، اور منکرین کو پکڑتا بھی ضرور ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾

[بے شک سب جانداروں میں اللہ کے نزدیک شر والے وہ ہیں جو کفر کرتے ہیں، اور ایمان نہیں لاتے۔]

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

فرما دیجئے: اے اہل کتاب ایسے کلمہ کی طرف آؤ، جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔ یہ کہ عبودیت نہ کریں مگر اللہ کی۔ اور کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے مقابل رب نہ بنا لے۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

جس سے بات کی جائے، اس کے مقام اور علم کا لحاظ ضروری ہے۔ اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی عبودیّت اور اس کی وحدانیّت کو تسلیم کرنے کے اعتبار سے مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ قدرِ مشترک سے بات چلائی جائے، تو راستہ آسان ہو جاتا ہے اور تضاد کی بنیاد بھی چھپی نہیں رہتی۔ اگر اہلِ کتاب اس سے بھی منہ پھیریں تو ان سے یہ کہنا "گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں" لازم ہے۔

حاصل: قدرِ مشترک سے بات چلائی جائے تو تضاد کی بنیاد چھپی نہیں رہتی۔ حق سے منہ پھیرنے والے کو یہ کہنا چاہئے، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَمَآ أُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾

اے اہلِ کتاب: ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ تورات اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں۔ کیا عقل نہیں کرتے۔

اہلِ کتاب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تورات اور انجیل کے حوالے سے بات کریں، جن کا نزول ان کے بعد ہوا ہے، تو اہلِ کتاب کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال کے متعلق محض گمان پر مبنی ہو گی، اور خلافِ عقل ہو گی۔

حاصل: بے سند بات عقل والے نہیں کرتے۔

هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

سنتے ہو، یہ جو تم جھگڑے جس کا تمہیں علم تھا، تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو، جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ اور اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

اہلِ کتاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طرح پہنچانتے تھے، کہ ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق بشارتیں موجود تھیں۔ ان لوگوں نے حضور کو تسلیم کرنے کی بجائے ان سے جھگڑا کیا، اور علم ہونے کے باوجود انکار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا جھگڑنا تو محض بے علمی پر مبنی تھا۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ معلم ٹھہرائے، اس کو ماننا باعثِ فلاح اور اس کا انکار باعثِ خسارہ ہوتا ہے۔ علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے حوالے سے ہو۔

حاصل : علم وہی ہے، جو علمِ الٰہی کے حوالے سے ہو۔

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ ولیکن حنیف مسلم تھے۔ اور مشرکین سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ اگر آپ سے نسبت کا دعویٰ کریں تو وہ درست نہیں ہوگا۔ یہود و نصاریٰ تو اپنے تشخص کو اوّلیت دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یک سو تھے۔ ماننے والے تھے۔ مشرکین سے نہ تھے۔ حنیف وہ ہوتا ہے، جو سیدھا ہو اور تضاد سے پاک ہو۔ مسلم وہ ہوتا ہے، جو ایک بار مان لے اور پھر اس کی تسلیم بڑھتی رہے۔ مشرک وہ ہوتا ہے، جس کے سامنے ایک سے زائد معیار ہوں، اتباع کے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کو دعوت دی گئی ہے کہ حنیف بنو، مسلم بنو اور مشرک نہ بنو۔

حاصل : حنیف مسلم کبھی مشرک نہیں ہوتا۔

إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

بے شک سب لوگوں سے اولیٰ مناسبت ابراہیم (علیہ السلام) سے انہیں تھی جنہوں نے ان کا اتباع کیا، اور یہ نبی (علیہ السلام) اور ایمان والے۔ اور اللہ مومنین کا ولی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، اور مسلم تھے۔ جن حضرات نے ان کا اتباع کیا، ان کا تعلق آپ سے ثابت ہے۔

اولیٰ تعلق ساتھ سے ہوتا ہے، اور علم سے ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے آپ کا اتباع کیا، وہ آپ کے ساتھ والے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حنیف اور مسلم ہیں اور ان پر ایمان لانے والے بھی ان کے اتباع کی بدولت اولیٰ عمل والے ہیں۔ اس طرح ایک ہی علم ماضی و حال میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی ہے، اس لئے انہیں خوف و حزن سے بچاتا ہے، اور نورِ ہدایت سے نوازتا ہے۔

حاصل : اولیٰ نسبت کا ثبوت حال پر اتباع سے ملتا ہے۔ بعد میں علم سے ملتا ہے۔ مومنین کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتا ہے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اہلِ کتاب کا گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کریں۔ اور وہ اپنے آپکو ہی گمراہ کرتے ہیں، اور انہیں شعور نہیں۔

اہلِ کتاب سے وہ لوگ جو مومنین کو خوف و حزن سے پاک دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں، چاہتے ہیں کہ مومنین کو بھی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ مومنین کسی بھی حال میں شان سے پرے نہیں ہوتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے مانتے ہیں، اس لئے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنے والے تضاد میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں اور گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

حاصل : شان والا کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ اسے پریشان کرنے کی کوشش کرنے والا خود مزید پریشان ہوتا رہتا ہے۔ اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہلِ کتاب، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے کیوں کفر کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے شاہدین کی جماعت کی بڑی شان رکھی ہے، کہ ان کے نقشِ قدم سے صراطِ مستقیم بنتا ہے۔ جیسے چراغ سے چراغ جلتا ہے، ویسے ہی شاہد سے شاہد کی تصدیق ہوتی ہے، اور یہ سلسلۂ خیر لوگوں کے ظلمات سے نور کی طرف آنے کا باعث ہوتا ہے۔ نشانی کو حال پر دیکھ کر اس کا انکار کیا جائے، تو یہ کفر ہے، اور ناشکری ہے۔ بھلے لوگوں کا طریقِ زندگی یہ ہے کہ وہ حق و صداقت کی نشانی کو دیکھ کر مانتے ہیں اور دوسروں کا راستہ آسان کرتے ہیں۔

حاصل : حق و صداقت کی نشانی کو ماننا اور دوسروں کو آسانی عطا کرنا بھلے لوگوں کا طریق زندگی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ

اے اہلِ کتاب، حق میں باطل کیوں ملاتے

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع ۸/۱۵

ہو، اور حق کو کیوں چھپاتے ہو، اور تمہیں معلوم ہے۔

حق وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ اور باطل وہ ہے جس میں ہوائے نفس کا اتباع ہو، چاہے کسی لبادے میں ہو۔ حق کو چھپانا ہمیشہ غرض و غایت کے تحت ہوتا ہے۔ نتائج تو باذن اللہ ہوتے ہیں، اس لئے کسی کا غیر رخ اختیار کرنا اس کے لئے صریحاً خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ اپنے حال کا علم بھی ہو جاتا ہے، اس کے باوجود اگر نفس کی خواہشات کا ہی اتباع کیا جائے، تو پھر نور سے ظلمات کی طرف بڑھنا قدرتی بات ہے۔

حاصل : حق وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ باطل وہ ہے، جس میں خواہشاتِ نفس کا اتباع ہو۔ حق کو جانتے ہوئے چھپانا ناقابلِ تلافی خسارے کو دعوت دینا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ میں فرمایا ہے :

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

[ہماری آیتوں پر ایمان وہی لاتے ہیں، کہ جب انہیں یاد دلائی جاتی ہیں، سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد سے تسبیح کرتے ہیں، اور تکبّر نہیں کرتے۔]

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے کہا : جو کچھ ایمان والوں پر نازل ہوا، اس پر دن چڑھے ایمان لاؤ، اور آخر دن میں منکر ہو جاؤ، تاکہ یہ پھر جائیں۔

اہلِ کتاب کے گروہ نے مومنین کو راہِ راست سے پھیرنے کی ایک صورت یہ سوچی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں پر نازل ہوا ہے، اس پر دن چڑھے ایمان لایا جائے، اور اس طرح ایمان والوں کو ان کے ساتھ کا پتہ چلے۔ شام کو اس کا انکار کر دیا جائے، تو ایمان والوں سے وہ لوگ ضرور متاثر ہوں گے جو ان اہلِ کتاب کو صاحبِ علم مانتے ہیں۔ جو ایمان والے بھی تضاد ثابت کرنے والے اہلِ کتاب کی مان لیں گے، وہ ضرور تضاد میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حاصل : جو اپنی صبح کی تسلیم کو شام کے انکار سے بدل دے، اس سے تعلق رکھنا بڑی خطرناک بات ہے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ

اور مانو نہ مگر اسی کی جو تمہارے دین کے تابع ہو۔ فرما دیجئے : بے شک ہدایت،

يُؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اس لئے کسی اور کو کیوں عطا ہو جو تمہیں عطا ہوا تھا، یا وہ تم پر تمہارے رب کے نزدیک حجّت لائے۔ فرما دیجئے : بےشک فضل اللہ کے ہاتھ ہے۔ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اہلِ کتاب کے گروہ نے اپنے لوگوں سے کہا کہ مانو اسی کی جو تمہارے دین کے تابع ہو۔ جہاں حق اپنی پسند کا نام ہو، وہاں ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔ ہدایت تو وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ اہلِ کتاب کے یہ لوگ اس بات پر ناراض ہوئے کہ کسی اور کو ان کی مثل کیوں عطا ہو، اور وہ ان پر حجّت لائے۔ حق کو تسلیم کرنے میں جب بھی کسی شرط کو عائد کیا جائے گا، تسلیم بے معنی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اس کا نوازنا کسی کے شرف کی بڑی سند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کے علم کی وسعت سے لوگ آگاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جب ساری دنیا میں اس علم کی روشنی سے لوگ فیضیاب ہوں گے، تب بھی علمِ الٰہی کی وسعت کا تعیّن محال ہو گا۔

حاصل : عطائے خداوندی کسی کے صاحبِ شرف ہونے کی بڑی سند ہے۔ ماننے والوں کو مزید آسانیاں عطا ہوتی رہتی ہیں۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

جسے چاہے اپنی رحمت سے مختص فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

کسی کا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لئے اختصاص اس کے مرتبے کا عنداللہ بڑا روشن ثبوت ہوتا ہے۔ اس رحمت سے حال پر ماننے والے لوگوں کو اللہ کا مزید فضل عطا ہوتا ہے، مزید آسانیاں عطا ہوتی ہیں، اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی تو بے بہا ہے۔ کوئی اگر لینے سے ہی انکار کر دے، تو اس کا اپنا قصور ہے۔

حاصل : عطائے خداوندی بے بہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ختم ہونے والا نہیں۔ رحمتِ خداوندی کو طلب کرتے رہنا چاہئے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ

اور اہلِ کتاب میں کوئی وہ ہے کہ تم اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھو تو وہ تمہیں ادا کر دے گا۔ اور ان میں کوئی وہ ہے کہ اگر اس کے پاس ایک دینار امانت رکھو تو

اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ ۚ وَیَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

تمہیں لوٹائے گا نہیں، مگر یہ کہ اس پر کھڑے رہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امّیوں کے معاملہ میں ہم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے۔

اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ان کے پاس امانت رکھے ہوئے مال کی کثرت بھی ان کے دل میلے نہیں کرتی۔ وہ امانت میں بالکل خیانت نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھا ہو، تو وہ تقاضے سے سر پر کھڑا ہو جانے والے کو چاہے لوٹا دیں، ان کا دل لوٹانے کو نہیں چاہتا۔ ایسے لوگوں کا کہنا ہے کہ امّیوں کے مال سے لینے میں ان پر کچھ گناہ نہیں، کہ یہ لوگ اہل کتاب میں شمار نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر ایسی بات اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں، جو اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ اور پھر خود ان کے اہلِ کتاب میں بھی امین لوگ موجود ہیں، جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ خیانت فرمانِ خداوندی کے خلاف ہے۔

حاصل : جو لوگ کسی بری بات کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں، ان کے قریب ہی ان کے جھوٹ کو ثابت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔

بَلٰی مَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۷۶﴾

ہاں کیوں نہیں۔ جس نے اپنا عہد وفا کیا، اور تقویٰ کیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ متّقین کی حُبّ رکھتا ہے۔

عہد کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا متّقی کی نشانیاں ہیں۔ متّقی کا عہد رضائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ متّقی ڈرتا اس بات سے ہے کہ معیارِ وفا جو شاہدین کے قدم سے روشن ہے اس کو حال بنانے میں کوتاہی نہ ہو، کہ یہ کوتاہی دعویٰءِ معیّتِ شاہدین کو متاثر کرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں کی شان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کی حبّ رکھے، وہ عہد کا وفا کرنے والا ہو جاتا ہے اور متّقی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

حاصل : عہد کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا متّقی کی نشانیاں ہیں۔ متّقی اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَیۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اپنی قسموں کو قلیل داموں بیچ دیتے ہیں،

أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا، اور نہ ان کی طرف نظر کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے کا عہد بندے کی شان ہے۔ جو لوگ ایفائے عہد کی قسم کھاتے ہیں، اور پھر وقتی فائدے کے لئے دائمی فائدے کو نظر انداز بھی کر دیتے ہیں، یہی حق کو قلیل داموں بیچنے والے لوگ ہیں۔ جو آخرت کو ملحوظ ہی نہیں رکھتے ان کا آخرت میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف نظر کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بیچنے والوں کے لئے المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : وقتی فائدے کے لئے دائمی فائدے کو نظر انداز کرنا المناک عذاب کی طرف بڑھنا ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور ان میں ایک فریق ہے کہ کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں، تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب میں ہے۔ اور وہ کتاب میں نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں : یہ عنداللہ ہے اور وہ عنداللہ نہیں۔ اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے۔

جو لوگ وقتی فائدے کو ہی مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں، وہ لوگوں کی کمیٔ علم کا فائدہ اٹھانے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کبھی زبان کو اس طرح مروڑ کر تکلف سے پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کو کتابِ الٰہی کا حصہ معلوم ہو۔ حالانکہ وہ کتابِ الٰہی سے نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پسند کی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ اس بات کے جھوٹ ہونے کا انہیں پتہ ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ پاک ہی اس کی بات کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

کسی بشر کی شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾

کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں سے کہے : اللہ کے مقابل میرے بندے بنو۔ ولیکن رب والے ہو جاؤ۔ اس لئے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور اس لئے کہ تم درس دیتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے، وہی لوگوں میں چنے جانے کے لائق ہوتا ہے۔ اس کا قول، عمل، علم اور اخلاص لوگوں کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ بھی کسی غیر بات کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، تو معیارِ اخلاق کا تعیّن محال ہو جاتا ہے۔ اللہ کے مخلص بندے کبھی اللہ کے فرمان کے مقابل اپنی بات نہیں کرتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کے اعتبار سے معیار ہوتے ہیں اس لئے ان کے اتباع سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ شاہدین لوگوں کو ربّانی ہونے کی تاکید ضرور کرتے ہیں۔ ربّانی وہ ہوتا ہے، جو لوگوں کی پالن کرے ہر طرح سے، کہ وہ تضاد سے پاک رہیں۔ کتاب پڑھانا قول کی تعلیم ہے، اور درس عمل کی تعلیم ہے۔ معلم، مدرس کو ربّانی ہونا لازم ہے۔

حاصل : اللہ کے چنے ہوئے بندے مخلص ہوتے ہیں۔ ان پر شیطان کا اغواء محال ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور نہیں کرتے، قریب کرتے ہیں۔ ربّانی لوگوں کی پالن کرتا ہے، اور انہیں تضاد میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔ معلم، مدرس کا ربّانی ہونا ضروری ہے۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۹ ۱۶

اور نہ تمہیں یہ امر دے گا کہ ملائکہ اور نبیوں کو رب ٹھہرا لو۔ کیا تمہیں کفر کا امر دے گا، بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے کی شان کے لائق ہی نہیں، کہ وہ لوگوں کو ملائکہ اور انبیاء کے رب ٹھہرا لینے کا امر دے، کہ یہ علامتِ کفر ہے۔ رب العالمین وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے مقابل کسی کو رب ٹھہرا لینا معصیت ہے۔ رب العالمین معطیٔ مطلق ہے۔ باقی سب لینے والے ہیں۔ عبادِ مخلصین تو لوگوں کو تضاد سے پاک کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی کی تسلیم کے بعد اسے انکار کا امر دیں۔

حاصل : عبادِ مخلصین کبھی کفر کا امر نہیں کرتے۔ بری باتیں تو برے لوگوں کے لئے ہوتی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں فرمایا ہے :

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾

اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَهُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾

[فرما دیجئے : کیا ہم بتا دیں سب سے بڑھ کر ناقص اعمال کن کے ہیں۔

ان کے جن کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہو گئی، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔]

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّحِکۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾

اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے میثاق لیا۔ جو کتاب اور حکمت میں تمہیں عطا کروں، پھر رسول تمہارے پاس تشریف لائے کہ جو تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق فرمائے، تو تم ضرور آپ پر ایمان لانا اور ضرور آپ کی نصرت کرنا۔ فرمایا : کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی : ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا : تو شاہد رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہدین سے ہوں۔

ہر وجود سے پہلے اس کا منشاء ہونا ضروری ہے۔ ساری کائنات ایک وجود ہے، اور اسے جس محبوبِ اکرم کے لئے بنایا گیا ہے، وہ رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے بٹتے رہے ہیں، بٹ رہے ہیں، اور بٹتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے میثاق لیا، کہ جو کتاب و حکمت تمہیں عطا ہو، اس کی تقسیم کرو، مگر جب تمہارے پاس مقصودِ کائنات آ جائے اور تمہاری تصدیق کرے، تو تم آپ کے پیچھے ہو جاؤ، آپ پر ایمان لاؤ، آپ کی نصرت کرو۔ امام الانبیاء سے تعلق ایسا ہو کہ ان کے ارشادِ گرامی کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ اور ماضی کے علم کو چھوڑ دو، اِلّا یہ کہ حضور اس کا امر دیں۔ انبیاء کرام سے فرمایا گیا : کیا تم نے اقرار کیا اور اس کا ذمہ لیا۔ انبیاء کرام نے عرض کی : ہم نے اقرار کیا۔ انبیائے کرام نے اس حق کو ایسے ادا کیا، کہ اپنی اپنی امتوں کو یہ ہدایت بخشی کہ جب انہیں رحمۃٌ للعالمین کی زیارت کا شرف ہو، تو ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کرنے کو اللہ کا فضل جانیں، اور ادب سے ان کی مانیں، اور ماضی کی کسی بات کو ان کے اتباع میں حائل نہ ہونے دیں۔ انبیائے کرام کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : شاہد رہو، میں بھی شاہدین سے ہوں۔ ہر نبی نے یہ حق اپنی امت تک پہنچایا۔ اس طرح تمام انبیائے کرام نے رحمۃٌ للعالمین کے ذکرِ خیر کو حصولِ رحمت کا ذریعہ جانا۔

حاصل : موجود بغیر مقصود محال ہوتا ہے۔ رحمۃٌ للعالمین مقصودِ کائنات ہیں۔ آپ کے صدقے بٹتے رہے ہیں، اب بٹ رہے ہیں اور قیامت تک بٹتے رہیں گے۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

تو پھر جو اس کے بعد پھر جاوے، تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

انبیائے کرام نے میثاق کو پورا کرنے کا حق پوری طرح ادا کیا ہے۔ جس زمانے میں رحمۃٌ للعالمین کو مبعوث فرمایا گیا، اس سے پہلے جس بات کا ہر زمانے میں ہر نبی پاک کی زبان سے اعادہ ہوتا رہا، وہ یہی تھی کہ جس وقت رحمۃٌ للعالمین کی بعثت ہو، اور تم انہیں پہچان لو، تو ان پر ایمان لانے میں اور ان کے ساتھ ہونے میں دیر نہ کرنا۔ کائنات میں سب سے زیادہ تکرار اسی کلمے کا ہوا ہے۔ اور سب سے زیادہ تاکید بھی اسی بات کی کی گئی ہے۔ اس کے باوجود لوگ رضائے الٰہی سے پھرتے ہیں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔

حاصل : جو حق کو جان کر من مانی کرنے لگے وہ فاسق ہوتا ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں۔ اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، طوعاً و کرہاً اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اسی کی طرف مراجعت کریں گے۔

حیات "الحیّ" کے امرِ کُن سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کرتے ہیں، ان کی حیات میں حسن و خوبی اور راحت و بہجت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف راہ اختیار کرتے ہیں، ان کی زندگی میں خوف و حزن اور انشقاق و انتشار مشاہدے میں آتا ہے۔ طوعاً ماننے والے آسانی سے رہتے ہیں، کہ ان کی تسلیم بندھی ہوئی نہیں ہوتی۔ کرہاً ماننے والے مشقت اٹھاتے رہتے ہیں۔ ان کی پسند انہیں بکھرنے سے بچا نہیں سکتی۔ اس لئے زندگی کے عمل میں تعطل دیکھ کر یہ بھی کرہاً الحیّ کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر مراجعت بھی اسی کی طرف ہوگی، اور اس سے مفر بھی ممکن نہیں۔ اس سے روشن ہوا کہ اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہنے میں دونوں جہان کا خسارہ ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین چاہنے میں دونوں جہان کا خسارہ ہے۔ جو تسلیم ہمارے لئے باعثِ فلاح ہو، اس میں کوتاہی کے تصور سے بھی بچنا چاہئے۔ یہ طوعاً تسلیم ہے۔ اور جب سعی راحت کے لئے ہو رہی ہو، اور احاطہ خوف و حزن کا ہو جائے، تو یہ کرہاً تسلیم ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

فرما دیجئے : ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہم پر نازل ہوا، اور جو نازل ہوا ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

(علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اور جو عطا ہوا موسیٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو، اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم اسی کو تسلیم کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے قولِ حق عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہ ہے، کہ اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ اس کے فرمان حال پر ایمان لانا یہ ہے کہ شاہد کے حوالے سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اس حال کے ماضی پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ وہ ماضی اس حال کا شاہد ہے، اور یہ حال اس ماضی کا مصدق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام، اور حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد علیہم السلام، یہ سب پاک لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے گئے تھے۔ ان کے اتباع سے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات ملی۔ قریب کی دو مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہیں۔ ان حضرات کو جو شرف اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا یہ اس سے اللہ کی مخلوق کو نوازتے رہے۔ ان کے اتباع سے بھی لوگوں کے لئے راحت کے چشمے ابلے۔ اور دوسرے انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اپنے حال پر رحمت خداوندی کو خوب خوب تقسیم کیا۔ مسلمان ان سب کو نہایت ادب سے مانتے ہیں۔ مقصد کا اختلاف باعثِ تفریق ہوتا ہے۔ جمیع انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اور جمیع بزرگانِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منشا لوگوں کو پاک کر کے اللہ تعالیٰ سے واصل کرنا ہے اس لئے ان میں تفریق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ معزز حضرات اللہ تعالیٰ کو ماننے میں اپنے اپنے حال پر معیار ہوئے ہیں۔ حال پر اور قیامت تک حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محبّین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سلسلۂ رحمت جاری ہے۔ مسلمان ان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر مزید فضل فرمائے، کہ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حاصل : بزرگانِ دین کا وجود واحد ہے، اس لئے کہ ان کا مقصود واحد ہے۔ اس لئے ان میں تفریق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ماننے والوں کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے چنے ہوئے معیار کے حوالے سے مانا جائے، تو تسلیم حقیقی ہوتی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾

اور جو اسلام کے سوا دین چاہے گا، تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خاسرین سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو اکمل فرما دیا ہے اور نبوت کو ختم فرما دیا ہے۔ یہ دین کی کلی صورت ہے۔ کل کے مقابل جو

جزو کو چاہے گا، جب کہ کل اس کے سامنے حال پر موجود ہو، تو یہ حال کا انکار ہو گا۔ اور ماضی کا بھی انکار ہو گا، کہ ماضی میں اس حال پر ایمان لانے کا اور اس کی نصرت کرنے کا امر مسلسل دیا جاتا رہا ہے۔ جب جزو آخرت میں کل کے ساتھ ہو گا، تو جزو کو کل کے مقابل جاننے والے کے لئے صریحاً خسارہ ہو گا۔

حاصل : کل کے مقابل محض جزو کو چاہنا، جب کہ جزو کل سے الگ نہ ہو، صریحاً خسارہ ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے کیونکر ہدایت دے گا۔ اور شہادت دے چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں۔ اور انہیں روشن نشانیاں مل چکی تھیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جو لوگ اپنی تسلیم کو خود ہی کاٹ دیں، اور تضاد میں مبتلا ہو جائیں، انہیں کیونکر ہدایت ہو سکتی ہے۔ جو روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی حق کا انکار کر دے، وہ رضائے الٰہی کے مقابل اپنے نفس کے امر کو مانتا ہے۔ یہ ظلم ہے، اور ظالم ہدایت کا مستحق نہیں ہوتا۔

حاصل : رضائے الٰہی کے مقابل نفس کے امر کو ماننا ظلم ہے۔ اور ظالم کو ہدایت نہیں ہوتی۔

اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے، اللہ تعالیٰ کی اور ملائکہ کی، اور لوگوں کی، سب کی۔

جو لوگ حق میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کاذب ہیں۔ اور ان پر اللہ کی لعنت ہے، اور ملائکہ کی لعنت ہے۔ اور لوگوں کی بھی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کسی پر ہدایت کے اعتبار سے اس کے عدم استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔ ملائکہ کی لعنت سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت بھی لعنتی کو اس کے انجام کے قریب کرتی ہے۔ لوگوں کی لعنت سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ لوگ لعنتی سے دور ہونے میں عافیت جانتے ہیں۔

حاصل : جو حق میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ملائکہ کی لعنت ہے، اور لوگوں کی بھی لعنت ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ

ہمیشہ اس میں رہیں، نہ ان پر عذاب کی

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۸﴾

تخفیف ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

جو حق میں تضاد ثابت کرنے کو منشائے حیات بنا لیتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہوتی ہے۔ ان کو دائمی عذاب ہو گا۔ اس عذاب میں تخفیف بھی نہ ہو گی، اور ان لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔ عذاب کا یہ تسلسل حق میں تضاد ثابت کرنے کی سعیٔ مسلسل کا حاصل ہو گا۔

حاصل : حق میں تضاد ثابت کرنے کی سعیٔ مسلسل عذابِ مسلسل پر منتج ہو گی۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۸۹﴾

مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح لی، تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرّحیم ہے۔

عمل کے لئے دی گئی مہلت کے اندر جو لوگ تائب ہو جائیں، اور شاہد سے اصلاح لے لیں، اس سے رشتۂ محبت استوار کر لیں، ان کا حال شاہدین کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور ان کے منفی ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بخش بھی دیتا ہے، اور اپنی رحمت سے نوازتا بھی رہتا ہے۔

حاصل : عمل کے لئے دی گئی مہلت کے اندر توبہ و اصلاح باعثِ مغفرت و رحمت ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۹۰﴾

بے شک وہ لوگ جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی۔ اور وہی بھٹکے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں نے حق کو ماننے کے دعوے کے بعد اس کا انکار کر دیا ہو، اور پھر انکار میں بڑھتے جائیں، ان کی توبہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ جو اصول سے جڑ جائے، اور صاحبِ اصول کے مقابل اپنے نفس کے امر کو مانے، وہ ناصح سے عدم محبت کی بدولت کفر میں بڑھتا رہتا ہے۔ جس شاہد کی محبت باعثِ ہدایت ہو، اس سے لڑنے والے کی توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے نہیں مانتے، براہِ راست اس سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہی ان کے بھٹکنے کی سند ہے۔

حاصل : جو ایمان شاہد کی محبت کا ثبوت نہ رکھتا ہو، وہ اصول پسندی کی حد تک ہوتا ہے۔ اس لئے محکم نہیں ہوتا۔ ناصح سے عدم محبت کا حاصل ہی گمراہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾

بے شک جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ان سے اگرچہ وہ اپنی خلاصی کے لئے زمین بھر سونا دیں، قبول نہ کیا جائے گا۔ ان کے لئے عذابِ الیم ہے اور ان کا کوئی ناصر نہیں۔

ع ۹
۱۱
۱۷

سونا بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق علم سے استعمال کیا جائے تو لوگوں کو آسانیاں عطا ہوتی ہیں۔ جب لوگ اسی کو باعثِ راحت و طمانیت جان کر اکٹھا کرنے لگیں تو دوسروں کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سونا جمع کرنے والے جو حالتِ کفر پر ہی مر جائیں، اگر اپنی ساری پونجی جس کی انتہا زمین بھر ہو سکتی ہے، بطور فدیہ پیش کر دیں، تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا، کہ اصلاح کو قبول کرنے کی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ ان کے لئے المناک عذاب ہو گا، اور کوئی ان کی مدد کرنے والا بھی نہ ہو گا۔

حاصل : عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لینے کے بعد عذابِ الیم سے بچ جانا ناممکن ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾

[اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔]

الجزء الرابع

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ڛ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٩٢﴾

تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچو گے حتیٰ کہ خرچ کرو جس سے تمہیں پیار ہو۔ اور تم جو شے خرچ کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

نیکی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی پسند تک پہنچنے کے لئے اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند پر قربان کرنا ضروری ہے۔ جو شے پیاری ہو، اس کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا جائے تو ساتھیوں میں کدورت پیدا ہونے لگتی ہے، جماعت کمزور ہونے لگتی ہے۔ جہاں ایسی شے کا انفاق نہ ہو وہاں نفاق ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو بھی خرچ کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ خرچ کرنے کے پیچھے کارفرما نیت، خرچ کرنے کا طریقہ، خرچ کی جانے والی شے کا درجہ اور محلِ استعمال، سب علیم مطلق کے علم میں ہوتا ہے۔ اس لئے ان تمام مقامات پر خیر کا رخ رکھنا ضروری ہے۔

حاصل : شے سے پیار اس کی افادیت کے علم اور تجربے پر مبنی ہوتا ہے۔ پیاری شے خرچ کی جائے تو مسبب الاسباب سے میل ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے، اسی کا عمل نیکی ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

سب طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے، مگر وہ جو اسرائیل (علیہ السلام) نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا نزولِ تورات سے قبل۔ تورات لا کر پڑھو اگر تم صادق ہو۔

حضرت اسرائیل علیہ السلام نے نزولِ تورات سے قبل اپنی قوم کے حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کچھ چیزیں کھانی ترک کر دی تھیں۔ منشا بنی اسرائیل کو ان کے استعمال سے روکنا تھا۔ بڑے علم والے پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے اجسام کی بھی حفاظت کرے، ان کی ارواح کی بھی حفاظت کرے، تاکہ انہیں نفس کے شح سے بچنے سے آسانی ہو۔ مخلص کا عمل قبل از نزولِ حکمِ الٰہی بھی حکمت و علم پر مبنی ہوتا ہے، اور بعد از نزولِ حکمِ الٰہی بھی۔ ایک علم ماضی ہو گا، دوسرا حال ہو گا۔ پھر حال پر عطا ہونے والے فرمان کی عملی صورت کا تعین بھی تو صاحبِ نزول ہی کر سکتا ہے۔ حکم آ جانے کے بعد اس کی تعمیل لازم ہے، اور حکم کی تنزیل سے پہلے کے حالات کو جواز بنا کر استدلال کرنا بے جا ہے، کہ حکم علیمِ مطلق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ صداقت کا ثبوت طلب کرتے ہوئے، بے جا استدلال کرنے والوں سے کہنا چاہئے : لاؤ دکھاؤ وہ سند جو تمہارے دعوے پر شاہد ہے۔

حاصل : مخلصین کا ہر عمل مقبول ہوتا ہے۔ جب کوئی حکم نازل ہو تو اس کی تعمیل کی صورت کا تعین بھی انہیں کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ حکم کی تنزیل سے پہلے کے حال کو جواز بنانا بے جا ہوتا ہے۔ ایسے بے جا استدلال کرنے والوں سے ان کی صداقت کی سند طلب کرنی چاہئے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تو اس کے بعد جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے، تو وہی ظالم ہیں۔

جس کی بات بے سند ہو، اور بے جا ہو، اور وہ اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر رہا ہو، تو یہ اللہ تعالیٰ پر کذب سے افترا باندھنے والی بات ہو گی۔ ایسی باتیں کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔

حاصل : علمِ الٰہی کے حاملین میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

فرما دیجئے : اللہ تعالیٰ سچا ہے، تو ملّتِ ابراہیم حنیف کا اتباع کرو۔ اور وہ

حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۵﴾ مشرکین سے نہ تھے۔

مخلص کی شہادت افضل ہوتی ہے، اور مخلص کے مخالف کی بات بے سند ہوتی ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تکریم کا دعویدار بھی ہو، اور من مانی بھی کرتا ہو، اسے ملتِ ابراہیم حنیف کے اتباع کی دعوت دینی چاہئے جو دین اسلام ہے۔ جس کے سامنے ایک ہی وقت پر ایک سے زائد مطاع ہوں، وہ مشرک ہوتا ہے، اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کیسے ہو سکتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا فرمان، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ملتِ ابراہیم حنیف کا اتباع کرنے والے ہی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۚ‏ ﴿۹۶﴾

بے شک بیتِ اوّل جو لوگوں کے لئے وضع ہوا، وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ مبارک اور عالمین کے لئے ہدایت۔

جب لوگ زمین میں بسنے لگے تو ان کے لئے ایک مرکز کا وضع کرنا بھی ضروری تھا، جس کی طرف عبادت میں رخ کیا جائے، اور اس مرکز سے عطا ہونے والی تعلیمات کو اپنی زندگی کا معمول بنالیا جائے۔ اس مقام کو بیت اوّل کعبۂ معظم کہتے ہیں۔ یہ مکہ شریف میں ہے۔ یہ برکت والا مقام ہے، اور عالمین کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ برکت کا اعجاز یہ ہے کہ وہاں کتنے ہی حضرات تشریف لے جائیں، کسی کو کسی شے کی کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اور جو وہاں عطا ہوتا ہے، اس سے بہتر کسی نے دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ بے حساب لوگوں کے لئے یہ حسنِ اہتمام برکت کی روشن نشانی ہے۔ عالمین کے لئے یہ پاک جگہ مرکزِ ہدایت ہے، اور رہے گی۔

حاصل : مومنین کے گھر کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے نسبت ہونی چاہئے، رخ کے اعتبار سے۔ اس میں حصولِ برکت و ہدایت کی طلب کا ثبوت ملتا ہے۔

فِيۡهِ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ ۚ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ ﴿۹۷﴾

اس میں روشن نشانیاں ہیں۔ مقامِ ابراہیم (علیہ السلام)، اور جو اس میں داخل ہو امان پائے۔ اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج ہے، جو اس کی طرف راہ کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو کفر کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔

مکہ شریف عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کا مرکز رہا ہے اور رہے گا۔ مقامی طور پر اس وادی میں زراعت کا مشاہدہ بھی عام نہیں ہے اس کے باوجود پھلوں کی کثرت و عمدگی کا جواب نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے جب اس جگہ قیام فرمایا، تو آپ نے اسباب پر نظر نہیں فرمائی۔ یہ یقین ہی باعثِ اطمینان ہوتا ہے کہ اسباب کو مخلصین کی تلاش ہوتی ہے، مخلصین کو اسباب کی تلاش نہیں ہوتی۔ یہ جگہ اس قدر امان والی ہے کہ یہاں دشمن کا قرب کسی کو خوفزدہ نہیں کرتا۔ لوگوں پر اس گھر کا حج حسبِ استطاعت فرض ہے۔ جو اس کا انکار کرے، وہ خود ہی نامراد رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تو سارے عالمین سے بے نیاز ہے۔

حاصل : مکہ شریف میں دیکھنے والوں کے لئے روشن نشانیاں ہیں۔ حج کی استطاعت ہو تو حج فرض ہے۔ اس کی طلب رکھنی چاہئے۔ فرمانِ خداوندی میں ماننے والے کا ہی بھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾

فرما دیجئے : اے اہلِ کتاب، اللہ کی آیات سے کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار ناشکری ہے۔ اہلِ کتاب کو جو ہدایات مل چکی تھیں ان کی روشنی میں انہیں تسلیم کرنے والوں کے آگے ہونا چاہئے تھا۔ تسلیم کے خلاف جہاں انکار پر کمر باندھ لی جائے، تو بھی نتیجہ تو اللہ کے اذن سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ مگر منکر کے عمل کو اللہ تعالیٰ ضرور دیکھتا ہے۔ اور اسی کے عمل کی اسے جزا ملے گی۔

حاصل : آیاتِ الٰہی کا انکار ناشکری ہے، اور باعثِ عذاب ہے۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾

فرما دیجئے : اے اہلِ کتاب، اسے اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو جو اس پر ایمان لائے۔ اس میں کجی چاہتے ہو اور تم خود اس پر گواہ ہو۔ اور اللہ تمہارے عملوں سے غافل نہیں۔

اہلِ کتاب حق کا اقرار کرنے والے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ایمان والوں کو تضاد میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی فلاح میں حائل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنے علم اور پہچان کے اعتبار سے گواہ ہیں کہ جس ذاتِ بابرکات کا یہ انکار کر رہے ہیں، اسی رسولِ امین پر ایمان لانے کا انہیں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اس لئے اگر منکر یہ سمجھیں کہ ان کے اعمال جزا دینے والے کی نظر میں نہیں، تو یہ منکرین کی بھول ہے۔

حاصل : اہلِ کتاب سے منکرینِ حق، ماننے والوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے قول کی برائی کو بھی جانتے ہیں، حال کی برائی کو بھی جانتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾

اے ایمان والو، اگر تم ان اہلِ کتاب کی اطاعت کرو گے، تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر کر دیں گے۔

اہلِ کتاب کا جو فریق حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے، اور ماننے والوں کا راستہ روکتا ہے، اس کی جب بھی اطاعت کی جائے گی، کفر کا ارتکاب ہو گا۔ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ ان کا مطاع ایک ہو۔ وہ خواہش کے اتباع سے پاک ہو، خوف و حزن سے نجات دلانے کا محکم علم رکھتا ہو، اور اجر کے سوال سے بھی پاک ہو۔ پھر اس کے مقابل کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔

حاصل : جہاں اپنی سمجھ سے فیصلہ کرنے کی کوشش کی جائے گی، بعد اس کے کہ ہم کسی شاہد و ناصح کو مطاع مان چکے ہوں تو تضاد بھی پیدا ہو گا، خسارہ بھی ہو گا۔ مطیع پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے علم کی روشنی میں چلتا رہے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ ع ١٠

اور تم کیونکر کفر کرو گے۔ اور تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تم میں اس کا رسول ہے۔ تو جس نے اللہ کا سہارا لیا تو اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت ہوئی۔

فرمانِ خداوندی بھی موجود ہو، اور دعوتِ فلاح دینے والا بھی موجود ہو، تو ہدایت کے طالب کے لئے انکار محال ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب کو حال پر مانتا ہے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہے۔ اور اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت بھی یقیناً ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں راحت جاری و ساری ہو جاتی ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب ہو تو فلاح کا یقینی علم رکھنے والے کا انکار محال ہے۔ ہدایت کے قاسم سے محبت ہو تو صراطِ مستقیم حاصل ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں فرمایا :

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾

[اور اللہ کو علم ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔]

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو جیسے اس سے

تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں موت نہ آئے مگر تم مسلمان ہو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ ہر کام میں اپنی نیت کو دیکھا جائے۔ مقصود رضائے الٰہی کے علاوہ بھی کچھ ہو. تو ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہو گا۔ ڈرنے کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ کسی متقی ناصح سے محبت ہو جائے، جو دعویٰ تسلیم پر شاہد ہو۔ انجام بخیر ہونا بڑی رحمت کی بات ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ متقی ناصح سے محبت ہو جائے۔ محبّ کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور سب جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو. اور تفرقہ نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنے اوپر یاد کرو۔ جب تم دشمن تھے، اس نے تمہارے قلوب کے مابین الفت ڈال دی. تو تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے. تو اس نے تمہیں اس سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنی آیات بیان فرماتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

مومنین کی جماعت میں تفرقہ خلافِ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا یہ ہے کہ تسلیم سب شاہدین کی ہو. اور اتباع ایک کا ہو اور حال پر ہو۔ شاہد کی مان کر اس کو اپنی منوانے کی کوشش حق سے ہٹنے پر منتج ہوتی ہے۔ چھوٹی قیادت اجتماع کے وقت اپنے آپ کو بڑی قیادت کے پیچھے رکھے، تو جماعت کی شان برقرار رہتی ہے۔ اور اگر ذکرِ استحقاق باعثِ تفرقہ معلوم ہو، تو ایسے مقام پر خاموش رہنا حق ہے۔ جب لوگوں کو اس فضیلت کا علم ہو گا، تو ماننے کی بڑی اعلیٰ صورت بنے گی، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہونے لگے گی۔ جب تک انسان اپنی چاہت سے بندھا رہتا ہے، وہ کسی کا وقتی مصلحت کے تحت تو دوست ہو سکتا ہے، دائمی دوست نہیں ہو سکتا۔ اس دوستی کا انجام دشمنی ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے رہنا باعثِ فلاح ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کرم سے اس ذاتِ اقدس کے گرد طوافِ محبت کا شرف بخشا، جو اللہ تعالیٰ کی بھی محبوب ذاتِ بابرکات ہے۔ الفت کا سرچشمہ شاہد ہی ہوتا ہے۔ اسی سرچشمۂ الفت سے لوگ دشمنی کے داغ دھو سکتے ہیں۔ الفت والے پاک لوگ اپنے حال پر اس قدر نظر رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے ماحول میں جو نقص نظر آئے، اس کا سبب اپنے اندر تلاش کرتے ہیں، اور دوسروں پر

زبانِ طعن دراز نہیں کرتے۔ تفرقے کی حقیقت آگ کے گڑھے کا کنارہ ہے۔ تفرقے کا انجام یہی ہوتا ہے کہ زندگی اور توفیق راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے۔ بچاؤ الفت میں ہے۔ جو اللہ کے نزدیک اکرم ہو، اس کی تکریم کی جائے تو معاشرے میں حسن وخوبی کی بہار آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ لوگ ان سے ہدایت پائیں۔

حاصل : مومنین میں تفرقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ الفت کا سرچشمہ شاہد ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم ہو، اس کی تکریم ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴

اور تم میں ایک اُمّت ہو جو خیر کی طرف بلائیں، اور بھلائی کا امر دیں اور منکر سے منع کریں۔ اور وہ فلاح پانے والے ہیں۔

بھلائی کی طرف بلانا یہ ہے کہ جس چشمۂ فیض سے ہدایت ہو، اس کی طرف طالبانِ ہدایت کو دعوت دی جائے۔ پھر انہیں معروف کا امر دیا جائے، اور منکر سے منع کیا جائے۔ معروف وہ ہوتا ہے جس کے عرفان کی بدولت امر دینے والے کو راحت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور منکر وہ مقام ہوتا ہے، جہاں سے اس کا پاؤں پھسلا ہوتا ہے، یا اسے اس کا بالواسطہ علم ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسے مقام سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ فلاح کے ارکان ہیں۔

حاصل : دعوتِ خیر، معروف کا امر، اور منکر سے روکنا، یہ فلاح کے ارکان ہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں، اختلاف میں پڑ گئے۔ اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد جو لوگ اپنی خواہشات کے تحت کسی بات کو مانتے ہیں، وہ ضرور پھٹ جاتے ہیں۔ جو ان جیسا ہو گا، وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے گا۔ بھلائی کا امر دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے کی بات میں ماننے والے کے لئے فلاح ہوتی ہے۔ اس کا انکار کرنے والا جب کہ وہ روشن نشانیوں کا مشاہدہ بھی کر چکا ہو، بڑے عذاب کا ہی مستحق ہوتا ہے۔

حاصل : حق کی روشن نشانیاں دیکھ کر بھلائی کا امر کرنے والے اور برائی سے منع کرنے والے سے اختلاف باعثِ عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

جس دن منہ سفید ہوں گے، اور کالے

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰۶﴾

منہ بھی ہوں گے۔ تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے، کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا، تو عذاب چکھو اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جن کا رخ خیر کا ہوتا ہے حال پر ان کا منہ سفید ہوتا ہے، اس نور کی بدولت جسے وہ تسلیم کر کے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، اور اس روشن عمل کی بدولت جس کی ابتدا شاہد کے قدم کو بوسہ دینے سے ہوتی ہے۔ جن کا رخ غیر ہوتا ہے، ان کی زندگی میں بھی وہ مقام آتا ضرور ہے کہ دعوتِ فلاح دینے والا ان کے سامنے ہوتا ہے، اور یہ اس کے فضل و شرف کو مانتے بھی ہیں۔ مگر عملاً اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ اس لئے نورِ ہدایت سے خالی رہتے ہیں، اور رنگِ شہودی ان پر نہیں چڑھتا۔ وہ تو اسی پر چڑھتا ہے، جس کے قول کی صداقت کا ثبوت اس کے عمل سے ملے۔ جو کفر کرے، اس کو اس کے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔

حاصل : جس پر رنگِ شہودی چڑھے اس کا منہ سفید، جس پر شاہد کا رنگ نہ چڑھے اس کا منہ کالا ہوتا ہے۔ کالے منہ والے کو عذاب گھیرتا ہے، اور گھیرے گا۔

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ جن کے منہ سفید ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

جن لوگوں پر شاہد کا رنگ چڑھ جاتا ہے، ان کے منہ سفید ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر نورِ ہدایت جلوہ گر نظر آتا ہے۔ وہ اپنی پسند سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کا احاطہ کئے رکھتی ہے۔ آخرت میں بھی ان پر رحمتِ خداوندی کا ہی احاطہ ہو گا۔ ان لوگوں کو دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کے دوست کے رنگ میں رنگا جائے، اس کا منہ سفید ہوتا ہے۔ رحمتِ خداوندی ہمیشہ اس کو گھیرے رکھتی ہے۔

تِلۡكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں کہ ہم تم پر حق سے تلاوت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ عالمین پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں لوگوں کو فلاح کی راہ دکھانے کے لئے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں پر ان کی تلاوت کرتے ہیں۔ جو لوگ تضاد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ ظالم ہوتے ہیں۔ ان کے عمل کا نتیجہ بصورتِ عذاب ان پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالمین کو پالنے والا ہے۔ وہ کبھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جب لوگ پیغامِ انذار کو نظرانداز کر دیتے ہیں، تو وہ خود اپنے آپ

پر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ لوگ پیغامِ انذار کو نظر انداز کر کے خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۱۰۹ ع ٨

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور امور کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

مالکِ کل اور خالقِ کل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے سب کچھ اسی کا ہے، اور سب کچھ اسی کی طرف جا رہا ہے۔ جو کسی شے سے چمٹ جائے گا، وہ باعزت واپسی کی بجائے اس شے کے ساتھ گھسٹتا ہوا جائے گا۔ اشیاء کا استعمال اللہ کے محبوب کی طریقت کے مطابق ہو، تو بندے کی عزت برقرار رہتی ہے۔

حاصل : اشیاء کا استعمال تمام امور میں اللہ کے محبوب کی طریقت کے مطابق ہو تو بندے کی عزت برقرار رہتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے :

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۶۴

[سن لو بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اسے علم ہے جس حال پر تم ہو۔ اور اس دن جس میں اس کی طرف مراجعت ہو گی، وہ انہیں بتا دے گا جو عمل انہوں نے کئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۱۱۰

تم بہتر اُمّت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئی۔ معروف کا امر کرتے ہو، اور منکر سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا۔ ان میں سے کچھ مومن ہیں، اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔

بہترامت کی شان یہ ہے کہ وہ اصلاح یافتہ حضرات کی قدر کرے اور قابلِ اصلاح لوگوں کی حفاظت کرے، انہیں آسانی عطا کرے، اور انہیں ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دے۔ جو لوگ اپنے محاسن کو دیکھ کر شوکتِ نفس میں مبتلا ہو جائیں اور کمزور عمل والوں کو نظرِ تحقیر سے دیکھیں، وہ بہترامت سے الگ ہو جاتے ہیں۔ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا ثبوت یہی ہے کہ لوگوں کے برے اعمال کو ان کی لاعلمی پر محمول کیا جائے، بھلائی کا امر کیا جائے، برائی سے منع کیا جائے۔ جب اپنے تجربے کی بنا پر لوگوں کو ان کے فائدے کی بات بتائی جائے، اور ان کے خسارے سے انہیں اچھی طرح آگاہ کیا جائے، تو لوگ اپنے محسن کو پہچان لیتے ہیں۔ پھر محسن کے معبودِ لاشریک کو بھی جان لیتے ہیں۔ اہلِ کتاب سابقہ علوم و معارف کے حامل تھے۔ حق کو ماننے میں ان کی بھلائی تھی کہ وہ فلاح کو پہنچتے، اور ان کے مدارج میں رفعت آتی۔ لیکن ان میں ماننے والے کم اور منوانے کی چاہت میں مبتلا زیادہ ہیں۔

حاصل : بہترامت کی شان لوگوں پر چوٹ مارنا نہیں، ان کو سہارا دینا ہے۔ لوگوں کے فائدے کی بات بھلائی کا امر ہے، اور انہیں خسارے سے روکنا منکر سے روکنا ہے۔ جو خود واجب الاحترام ہے۔ اسی کا طریقِ زندگی واجب التسلیم ہے۔ حق کو پہچان کر ماننے میں سبقت کرنا بہتر ہے۔ حق کو پہچان کر انکار کرنے والا فاسق ہو جاتا ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

وہ تمہیں ضرر نہ دیں گے سوائے ایذا کے۔ اور اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر جائیں گے۔ پھر ان کی نصرت نہ ہو گی۔

فاسق کمزور ہوتا ہے۔ اس کی قوت کسی ایک رخ پر استعمال نہیں ہوتی۔ وہ تضادات کا مجموعہ ہونے کی بدولت یک سو لوگوں کو ضرر دینے کے اہل ہی نہیں ہوتا۔ قول کی حد تک ایذا دے سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایمان والوں سے لڑے یا لڑیں، تو اس کا یا ان کا پیٹھ پھیر جانا یقینی ہے۔ فاسقین تو اپنے مفادات کے لئے لڑتے ہیں، اور مفادات کی صورت بدلتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس مومنین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے لڑتے ہیں۔ اس میں تغیّر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فاسقین کی مدد نہیں ہوتی۔ وہ بظاہر تو جماعت نظر آتے ہیں، لیکن اندر سے پھٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے دل الگ الگ ہوتے ہیں۔ قیادت سے دلی تعلق ہو تو جماعت بنتی ہے، اور اسی جماعت کی نصرت ہوتی ہے۔

حاصل : فاسق قول کی حد تک ایذا دے سکتا ہے، لڑے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اس کی نصرت نہیں ہوا کرتی۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

ان پر ذلت ماری گئی جہاں بھی پائے جائیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کی ڈور اور لوگوں کی ڈور کے۔ اور انہوں نے اللہ کا غضب

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

کمایا، اور ان پر مسکنت ماری گئی۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے ہیں، اور انبیاء سے ناحق لڑتے رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے۔

مذکورہ فاسق لوگوں کے متعلق یہ ارشادِ ربانی ہے کہ جہاں بھی ہوں گے، ذلت ان پر محیط ہوگی۔ اگر یہ حق کو تسلیم کر کے مومنین کی صف میں آ جائیں، تو پھر ذلت سے انہیں نجات ہو سکتی ہے۔ ورنہ انہیں لوگوں کے سہارے اور پناہ لینی پڑے گی۔ ان لوگوں نے منشائے ایزدی کو جانتے ہوئے من مانی کی۔ اس لئے اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے۔ ان پر مسکنت ماری گئی۔ انہیں سکون میسر نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے رہے ہیں اور انبیاء سے ناحق لڑتے رہے ہیں۔ یہ نافرمان اور سرکش لوگ تھے۔ ان پر ذلت و مسکنت ان کے اپنے اعمال کی بدولت ہی پڑی ہے۔

حاصل : فاسق پر ذلت و مسکنت ضرور آتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا سزاوار ہوتا ہے۔ آیاتِ خداوندی کا انکار، ماضی میں انبیاء سے لڑائی، حال پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی ان کے دائمی خسارے کا پیش خیمہ ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

سب برابر نہیں اہلِ کتاب سے۔ ایک اُمّت قائم ہے، اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں رات کی گھڑیوں میں، اور سجدہ کرتے ہیں۔

سب اہلِ کتاب ایک سے نہیں ہیں۔ سبھی فاسق نہیں ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں، جو فرمانِ خداوندی پر قائم ہیں۔ ان کا ایمان بالکل متزلزل نہیں ہوا۔ یہ حق کو پہچان کر اسے ماننے والے ہیں۔ یہ رات کی گھڑیوں میں آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

حاصل : حق پر قائم رہنے والے اہل کتاب رات کو آیات الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، اور سجدہ بھی کرتے ہیں۔ یہ حال کو تسلیم کرنے کی سند ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور معروف کا امر کرتے ہیں، اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور خیرات میں سرعت کرتے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ١١٤

ہیں۔ اور وہی لوگ صالحین سے ہیں۔

اہلِ کتاب کی امتِ قائمہ کے لوگ رات کو آیات کی تلاوت اور سجدے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر ایمان لاتے ہیں، بھلائی کا امر کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور بھلائیوں کو سرعت سے قبول کرتے ہیں۔ ایمان لانے میں ان کی ہی بھلائی ہوتی ہے، اور یہ اس بھلائی کو قبول کرنے میں تامّل نہیں کرتے۔ وقتی مفاد ان کے لئے سدِ راہ نہیں بنتا۔ یہ حال کو مانتے ہیں۔ ماضی کے علم کے حامل ہونے کی بدولت، حال کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور شاہد کی محبت کی بدولت صالحین کی صف میں شمار ہو جاتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ پر ایمان، یومِ آخر پر ایمان، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے روکنا اور بھلائی کے قبول کرنے میں سرعت کا ثبوت دینا صالحین کی نشانیاں ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ١١٥

اور جو وہ بھلائی کا کام کریں تو اس کی نفی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ متّقین کا علم رکھنے والا ہے۔

اہلِ کتاب کے لئے بھلائی کا کام یہ ہے کہ وہ ماضی کے حوالے سے حال پر حق کی شہادت دیں، اس پر ایمان لائیں اور حق کی نصرت کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کی قدر و منزلت بڑھے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ متقین کی حبّ رکھتا ہے۔ اس سے بڑا قدر دان کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : جو حق کو ادا کرے جیسے ادا کرنے کا حق ہو، تو اس کی قدر و منزلت عنداللہ بڑھتی ہے۔ اس لئے لوگوں میں بھی بڑھتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ١١٦

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے اموال اور ان کی اولاد انہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بچا نہ سکیں گے۔ وہ آگ والے ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں، ان کے اموال و اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں، اور وہ خود بھی۔ توفیق یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کو استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے۔ اس کو کسی شے کی حاجت نہیں۔ اسی لئے اس جزا دینے والے کی دی ہوئی جزا سے بچ جانا ناممکن ہے۔ جس نعمت کی ناشکری کی جائے گی، وہ ناشکرے کے لئے آگ بن جائے گی۔ جہاں دائمی ناشکری ہو، وہاں عذاب بھی دائمی ہوگا۔

حاصل : معطیٔ مطلق کسی شئے کی حاجت نہیں رکھتا۔ اس کی دی ہوئی جزا سے بچنا محال ہوتا ہے۔ ناشکری دائمی ہو تو عذاب بھی دائمی ہو گا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾

مثال ان کی جو حیاتِ دنیا میں خرچ کرتے ہیں، مثل ہوا ہے جس میں پالا ہو، ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، تو وہ اسے ہلاک کر دے۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا، ولیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

اموال و اولاد کو اگر اپنی پسند کے مطابق تصرّف میں لایا جائے، تو آخرت کا انکار یقینی ہو گا۔ یہ توفیق کو ضائع کر دینے والی بات ہو گی۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک قوم کی کھیتی کو نہایت سرد ہوا ہلاک کر دے۔ جس نے کھیتی کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا ہو، اس کی کھیتی کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں خرچ اگر کفر پر کیا جائے گا تو وہ خرچ کفر سے ہلاک ہو جائے گا۔ وہ کھیتی برباد ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو اپنے اعمال کو ضائع کرنے پر کمربستہ ہوتے ہیں، وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : جو اپنے اعمال کی اور اپنے مال کی حفاظت نہ کرے، اس کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اس کا اپنا ظلم ہی اسے ختم کر دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾

اے ایمان والو، اپنے مقابل والوں کو بھیدی نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کمی نہیں کرتے۔ تم کو جس قدر مشقّت ہو، انہیں خوشی ہے۔ بے شک بغض ان کی باتوں سے جھلک رہا ہے، اور جو ان کے سینوں میں مخفی ہے، بڑا ہے۔ ہم نے نشانیاں تمہارے لئے روشن کر دیں، اگر تم عقل کرتے ہو۔

ایمان والوں کو لازم ہے کہ ایمان والوں کو دوست بنائیں، انہیں اپنا راز دار بنائیں، تاکہ دینِ حق تمام ادیان پر غالب ہو۔

اگر مخالفین کو اپنا راز دار بنائیں گے، تو یہ خرابی کو دعوت دینے والی بات ہوگی۔ جس قدر ایمان والوں کو تکلیف ہوگی، اسی قدر مخالفین کو خوشی ہوگی۔ مخالف کبھی ایمان والوں کی بھلائی میں خوش نہیں ہو سکتے۔ ان سے جب بھی مشورہ لیا جائے گا اس کے مشورے کا حاصل خسارہ ہی خسارہ ہو گا۔ ان کا بغض تو ان کی باتوں سے ہی واضح ہو رہا ہے، اور جو ان کے سینوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی بڑا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ مخالفین کو اپنا راز دار نہ بنایا جائے۔

حاصل : عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ مومنین مخالفین کو اپنا راز دار نہ بنائیں۔ مخالفین کا بغض مومنین کے لئے باعثِ مشقت نہیں ہونا چاہئے۔

هَآنۡتُمۡ اُولَآءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ‌ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾

سن لو تم انہیں پسند کرتے ہو، اور وہ تمہیں پسند نہیں کرتے۔ اور تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور جب خلوت میں ہوتے ہیں، تم پر غیظ سے انگلیاں چباتے ہیں۔ فرما دیجئے : مرو اپنے غیظ میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

مومنین ولا و محبت والے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں لوگوں کی بھلائی عزیز ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ایسے لوگوں کو بھی پسند کرتے ہیں جو اہلِ کتاب ہوتے ہیں۔ فاسق اہلِ کتاب مومنین کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ وہ تو مومنین سے بغض رکھتے ہیں۔ مومنین سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ انبیائے کرام میں تفریق نہیں کرتے۔ اہلِ کتاب میں سے نہ ماننے والوں کا حال اس کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ جلوت میں مومنین سے اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں، اور خلوت میں ان پر غصے سے انگلیاں چباتے ہیں۔ مومنین کی کامیابی میں انہیں اپنی نظریاتی قوت ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ مومنین اگر ان کو اپنا راز دار نہ بنائیں تو یہ اپنے ہی غیظ میں مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : مومنین کے مخالفین پر مومنین کی کامیابی اتنی گراں ہوتی ہے کہ وہ اسے دیکھ کر اپنے ہی غیظ میں مر جاتے ہیں۔ جلوت میں مومنین کی حمایت اور خلوت میں ان کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی کیفیت مخفی نہیں ہے۔

اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بُری لگتی ہے، اور تمہیں کوئی بُرائی پہنچے تو انہیں فرحت ہوتی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ

بِهَا ۖ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۱۲ ۱۱

کرو تو ان کا داؤ تمہیں کچھ ضرر نہ دے گا۔ بے شک ان کے عمل اللہ تعالیٰ کے احاطے میں ہیں۔

مذکورہ لوگوں کے حال کو بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہیں فائدہ پہنچے تو یہ انہیں برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں نقصان ہو تو انہیں فرحت ہوتی ہے۔ یہ دشمنی کی واضح نشانیاں ہیں۔ اگر ان کے اسباب و وسائل کو دیکھ کر کوئی مرعوب ہو جائے، تو اس پر ان کا داؤ چل سکتا ہے۔ وگرنہ صبر اور تقویٰ ان کے داؤ کو ناکام کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔ صبر یہ ہے کہ عطائے خداوندی کو حال پر حق کی ادائیگی کے لئے پورا جانا جائے۔ اور تقویٰ یہ ہے کہ اسے پوری طرح اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگا دیا جائے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑی قوت والا ہے۔ وہ یقیناً آسانی کی صورت پیدا کر دے گا۔ مخالفین کے عمل کی کوئی صورت ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے باہر تو نہیں ہو سکتی۔ جب اس کا یقین ہو، تو پھر پورے اطمینان سے کسی بھی وسعت کے حامل داؤ کو ناکام بنایا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کا یقین ہو تو کسی بھی توفیق اور کسی بھی وسعت کے حامل منکرِ حق کے داؤ کو صبر و تقویٰ سے ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ جسے ہماری بھلائی میں خوشی ہو، وہ ہمارا دوست ہے۔ جسے ہماری تکلیف میں فرحت ہو، وہ ہمارا دشمن ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں فرمایا ہے :

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے تسلیم کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر تمہاری نصرت نہ ہو۔]

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور جب آپ صبح کو اپنے اہل سے نکل کر مومنین کو لڑائی کی جگہ بٹھانے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

مومنین کی طرف سے جنگ قیامِ امن کے لئے اور استحکامِ امن کے لئے ہوتی ہے، صاحبِ امر کے امر کے مطابق ہوتی ہے اور اس یقین کے ساتھ ہوتی ہے کہ جو کچھ پاس ہے، پورا ہے، اور جو مزید درکار ہو گا، اللہ تعالیٰ عطا فرما دے گا۔ جنگِ بدر کے بعد اس جنگ میں مومنین پر روشن ہوا کہ حکم کا ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں۔ اور حکم میں جہاں اپنی سمجھ کو داخل کیا جائے گا، مشقت گلے پڑ جائے گی۔ جس کا علم عطائے الٰہی ہو، اس کے امر کو محبت سے ماننا چاہئے۔ جہاں وہ بٹھائے وہاں بیٹھے رہنا چاہئے، اور جب تک وہ نہ اٹھائے، وہاں سے اٹھنا نہیں چاہئے۔ حالات کوئی رخ اختیار کر لیں، جس کو جو حکم ملا ہو اسے اس پر پورا رہنا چاہئے، اور اعلم کے امر کے مقابل اپنے علم کو پست رکھنا چاہئے۔

حاصل : لڑائی میں مومنین کو جو امر ان کے امیر سے ملے، ادب سے ماننا چاہئے۔ اور امیر کے مقابل اپنے علم کو پست رکھنا چاہیے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جب تم میں سے دو گروہوں نے چاہا کہ نامردی کریں۔ اور اللہ ان کا ولی تھا۔ اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنا چاہیے۔

جو لوگ اسباب کی وسعت و کثرت کو باعثِ اطمینان جانتے ہیں۔ ان کے سامنے غیر متوقع طور پر جب کم اسباب مزید کم ہو جائیں، تو ان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے مقام سے ہٹ جانے میں بھلائی دیکھتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اور نظر اس حال کو دیکھتی ہے کہ جو کچھ نظر آرہا ہے، نتیجہ تو اس سے بندھا ہوا نہیں۔ پھر حق یہ ہے کہ ٹوٹ جائے جس نے ٹوٹنا ہو، اور جڑ جائے جس نے جڑنا ہو، ہم حق پر رہیں۔ اس طرح توکّل کا شرف ہو جاتا ہے۔ اور آسانی عطا ہو جاتی ہے۔

حاصل : مومنین کو اسباب کی وسعت و کثرت میں اطمینان تلاش نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا ولی جاننا چاہیے۔ اسی پر توکّل کرنا چاہئے کہ اس سے بڑا قوت والا اور کوئی نہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری نصرت فرمائی، اور تم کمزور تھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تشکر کرو۔

حال پر جس مقام پر خوف سے قدم لڑکھڑا رہے ہوں، دیکھنا چاہئے کیا ماضی میں اس سے بڑے مشکل مقام سے اللہ تعالیٰ نے بحفاظت نہیں گزارا۔ جنگِ بدر میں مومنین کے پاس سامان کی کمی تھی۔ ان کی تعداد بھی کم تھی۔ مگر تائید ایزدی سے غلبہ مومنین کو ہی حاصل ہوا۔ منکرین کے اسباب کی کثرت سے مرعوب ہونا اور اپنے اسباب کی کثرت سے فرحت پانا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔ مومنین تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں۔ اور باوضو ہو کر لڑتے ہیں۔ اور شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کی زندگی میں جہاد کا مقام آیا ہے۔ شاکر کبھی شکایت نہیں کرتا۔

حاصل : مومنین کو رضائے الٰہی پر نظر رکھنی چاہئے۔ جو انتہائی کمزور کو غالب کر سکتا ہے۔ اس قادرِ مطلق سے کچھ بعید نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے شاکر ہوتے ہیں۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ

جب آپ مومنین سے فرماتے تھے، کیا تمہارا رب تمہاری مدد کو کافی نہیں کہ تین ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

فرشتے اتار دے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے بڑی قوت کسی کے پاس نہیں۔ اس لئے اس سے بڑا مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑا علیم بھی کوئی نہیں۔ اس لئے علم سے مدد کرنے میں اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ دشمن کو مغلوب کرنے میں مومنین کو جس طرح کی مدد درکار ہو، چاہے مومنین کو اس کا پتہ ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ ضرور عطا فرماتا ہے۔ اسے فرشتے بھیجتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ سے بڑا علیم اور مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ مومنین کے غلبے کے سب ارکان اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوڑے جاتے ہیں۔ اسے فرشتے بھیجتے بھی دیر نہیں لگتی۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

ہاں اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ کرو، اور وہ تم پر فوری آ پڑیں، تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان والے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔

اگر مومنین صبر و تقویٰ سے رہیں، اور کافر اچانک ان پر آ پڑیں، تو اللہ تعالیٰ مومنین کی پوری پوری نصرت فرماتا ہے، اور انہیں جیسی اور جتنی مدد درکار ہوتی ہے، دیتا ہے۔ صبر کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ مومنین کافروں کی تعداد اور ان کے سامانِ حرب سے مرعوب نہ ہوں۔ اور تقویٰ کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جان قربان کرنے کے شوق میں خطرے کے مقام پر آگے رہنے کی کوشش کریں۔

حاصل : مومنین یہ یقین رکھتے ہیں کہ صبر و تقویٰ موجود ہو تو کافروں کے اچانک حملے کو اللہ تعالیٰ کی اچانک مدد سے دفع کر دیا جاتا ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشی کے لئے رکھا ہے، اور تاکہ تمہارے قلوب کو اطمینان ہو۔ اور نصرت نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ کی طرف سے۔

یہ تین ہزار اور پانچ ہزار ملائکہ سے مومنین کی مدد کرنے والی بات مومنین کی خوشی، اور اطمینانِ قلب کے لئے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مومنین کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے عددی برتری کا احساس ہو، اور ان کے دل مطمئن رہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے ساتھ ہے۔ اور نصرت تو وہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو کہ وہ سب سے بڑا زبردست اور سب سے بڑا حکمت والا ہے۔ وہ

جانتا ہے کہ کسی نصرت میں کس قدر عزت اور کس قدر حکمت ہے۔ اور وہ حال کے مطابق مومنین کی نصرت فرماتا ہے، اور بے حساب فرماتا ہے۔

حاصل : تعداد کا ذکر باعثِ اطمینان ہوتا ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ مومنین کی بے حساب مدد کرنے والا ہے۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾

تاکہ کافروں کی ایک طرف قطع کر دے، یا انہیں ذلیل کر دے تو وہ نامراد پھر جائیں۔

مومنین نصرتِ ایزدی سے فیضیاب ہوتے ہیں، اور اس طرح کافروں کی حدِ اصلاح سے گزری ہوئی طرف کٹ جاتی ہے۔ جو کسی حد تک قابلِ اصلاح ہوتے ہیں، وہ ذلیل و نامراد ہو کر لوٹتے ہیں کہ انہیں حق کو ماننے کا ایک موقع اور فراہم کر دیا جاتا ہے۔

حاصل : مومنین کے ساتھ جنگ میں کافروں کا ناقابلِ اصلاح حصہ کٹ جاتا ہے۔ جو کسی حد تک قابلِ اصلاح ہوتے ہیں، انہیں مہلت مل جاتی ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾

آپ پر کچھ نہیں، کہ وہ ان پر توجہ فرمائے یا انہیں عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

جو لوگ مومنین کے ساتھ جنگ کے بعد بچ جاتے ہیں، اور انہیں کچھ مہلت مل جاتی ہے، ان کے بارے میں شاہد سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال کو دیکھتا ہے۔ اگر عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی پر لگانے کی راہ لیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے دیتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ نامراد ہونے کے بعد پھر حق سے مقابلے کی تیاری شروع کر دیں، تو عذاب کے گھیرے میں آ جاتے ہیں۔ اور ان کے ظلم کا تسلسل ہی ان کو مٹا دیتا ہے۔

حاصل : ظالم اگر حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود بنا لے، تو اس پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے، اور وہ شاہد سے محبت کی بدولت فلاح پا لیتا ہے۔ ورنہ اس کا ظلم ہی اسے مٹا دیتا ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے

يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۳ / ۴ — والا رحم فرمانے والا ہے۔

مالک تو سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مالک مان کر اس کے محبوب کے قدم بہ قدم ہو جائے، اسے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چاہے ہوئے کو چاہتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو شاہدین کے حوالے سے متعارف کرانے کی بجائے زینت حیاتِ دنیا سے چمٹ جائے، وہ سکھ کے مقابل دکھ اور عذاب کی راہ لیتا ہے۔ جو اپنی حیثیت کو جان کر حق کی طرف لوٹ آئے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے، اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ جو اس کے خلاف راہ لے، وہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو اپنی حیثیت کو جان کر حق کی طرف لوٹ آئے، اسے بخش دیا جاتا ہے اور اس پر رحم مسلسل ہونے لگتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِۦ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَآ ۚ إِنَّا مِنَ ٱلْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿۲۲﴾

[اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا۔ بے شک ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں۔]

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾ ج

اے ایمان والو، مت کھاؤ سود، دونے پر دونا، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایمان والوں کو فرمایا گیا ہے، کہ سود نہ کھاؤ، دونے پر دونا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ کم کھاؤ، بلکہ اس سے یہ مراد ہے، کہ سود کا منشا مال کو دونے پر دونا کرنا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اس میں نقصان نہ ہو۔ تو کاروبار کی ایسی تمام صورتیں جن میں نقصان کا احتمال نہ ہو اور سرمایہ بھی مسلسل بڑھتا رہے، اس حکم کی رو سے منع ہیں، کہ وہ سب ربو میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس طرح ہے، کہ جس طرح کاروبار میں اس کے شاہدین پاک رہے ہیں، اسی طرح پاک رہا جائے۔ اسی میں فلاح ہے۔

حاصل : کاروبار کی تمام صورتیں جن میں نقصان کا احتمال نہ ہو، اور سرمائے میں اضافہ بھی مسلسل ہوتا رہے، منع ہیں۔ کاروبار اسی طرح کرنا چاہیئے، جس طرح شاہدین کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں، کہ اسی میں فلاح ہے۔

وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ ج

اور بچو اس آگ سے جو کافروں کے لئے تیار پڑی ہے۔

جو لوگ فرمان خداوندی کا انکار کرتے ہیں وہ حق کے انکار کی بدولت اپنے لئے عذاب کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اعمال کا حاصل جمع ہوتا رہتا ہے۔ یہی آگ ہے، جو ان کے لئے تیار پڑی ہے۔

حاصل : منکرین کے اعمال کا حاصل جمع ہوتا رہتا ہے۔ اس آگ سے بچنے کے لئے ایسے اعمال سے بچنا ضروری ہے جن کے نتیجے میں وہ آگ تیار ہوتی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴿۱۳۲﴾

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تاکہ تم پر رحم ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے احکام کو مانا جائے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت یہ ہے کہ ان کا اتباع کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو شاہد کے حوالے سے مانا جائے۔ جس پر رحمت ہو رہی ہو، اس کا اتباع یقیناً باعث رحمت ہوتا ہے۔ رحمت یہ ہے کہ اپنی تجویز کردہ راہ سے نجات ہو جائے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت باعث رحمت ہوتی ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۱۳۳﴾

اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنّت کی طرف جس کا عرض ہے آسمان اور زمین۔ تیار رکھی ہے متقین کے لئے۔

اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑنے کی حقیقت بھلائی میں سبقت کرنا ہے۔ اور یہی راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔ جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آسمان اور زمین اس کے عرض میں آتے ہیں۔ آسمان اور زمین تعین سے تعلق رکھتے ہیں، اور انسانی مشاہدے میں وسعت کے سب سے بڑے معیار ہیں۔ جنت اتنی بڑی ہے کہ ازل سے ابد تک کے سب لوگ بھی اس میں آ جائیں، تو بھی اس میں وسعت کا احساس ہر ایک کو ہو گا۔ اس کے مقابل دوزخ اس قدر چھوٹی ہے کہ تنگی کا احساس ہر ایک کو ہو گا، جو بھی اس میں جائے گا۔ ہر دوزخی اپنے ہی اعمال میں گھرا ہوا ہو گا۔ اس لئے دوزخ کی وسعت درکار ہی نہ تھی۔ متقین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اور ہر حرکت میں اپنی آپ حفاظت کرتے ہیں۔ یہ جنتی لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل : بھلائی میں سبقت کرنا اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔ اور جب بھی کوئی اس طرف دوڑے، جنت اسے وسیع ہی ملے گی۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں، خوشی میں اور رنج میں، اور دبا لیتے ہیں غیظ کو اور لوگوں

الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

کو عافیت دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

جن پیاروں کے لئے جنت تیار رکھی ہے، وہ حال پر ان اوصاف کی بدولت محسنین کی صف میں شمار ہیں۔ وہ خوشی میں بھی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور رنج میں بھی کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہونے کے مقام پر پورے رہیں اور نہ ہونے کے مقام پر پورے نہ رہیں۔ یہ شرف شاہد سے کامل محبت کی بدولت ہوتا ہے۔ اس میں ان خرچ کرنے والوں کے سامنے صورت یہ رہتی ہے کہ حال پر حق کی ادائیگی کے لئے جو درکار ہے، وہ یقیناً موجود ہے۔ اس لئے یہ لوگ بے چین نہیں ہوتے۔ جب کسی کی بے چینی سے ان کا غیظ بڑھ جاتا ہے، تو یہ اپنے غیظ کو دبا لیتے ہیں اور اسے معاف کر دیتے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے کی عملی صورت ہے۔ ایسے محسنین کی اللہ تعالیٰ حُب رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کے پیارے خوشی میں بھی اس کی رضا پر خرچ کرتے ہیں، غم میں بھی۔ جب کسی کے ناقص عمل سے ان کا غیظ بڑھتا ہے تو اسے دبا لیتے ہیں اور ناقص عمل والے کو معاف کر دیتے ہیں. اس یقین سے کہ معاف کرنے والوں کو ہی معاف کیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ اور گناہ کون بخشے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور اپنے فعل پر اصرار نہ کریں اور انہیں معلوم بھی ہو۔

جس برائی سے ماحول متاثر ہو وہ فحاشی ہے۔ اور جس برائی سے اپنی ذات کو نقصان پہنچے وہ ظلم ہے۔ جب ایسے لوگ اپنے دعوئ ایمان پر نظر کرتے ہیں، تو انہیں اپنے حال کو دیکھ کر سخت ندامت ہوتی ہے۔ پھر وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ گناہ سے استغفار یہ ہے کہ اگر اپنی ذات سے اس کا تعلق ہو، تو اس سے توبہ کی جائے، اور اپنی حفاظت کے لئے حدود اللہ کا پورا پورا احترام کیا جائے، اور خواہش نفس کے خلاف رہنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ اگر ماحول بھی گناہ سے متاثر ہوا ہو، تو ماحول کو پاک کرنے کا علم بھی شاہدین سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ گناہ بخشتا ہے۔ مگر جب کوئی جان لینے کے بعد بھی اپنے ناقص عمل پر اصرار ہی کرے تو اس کی استغفار بے معنی ہو جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ جس کام میں گناہ کا شائبہ بھی ہو، اس سے بھی اجتناب کیا جائے۔

حاصل : ہماری ذات کو بھی پاک رہنا چاہئے، اور ہمیں ماحول کو بھی پاک رکھنا چاہئے۔ فاشی یا ظلم کے ارتکاب کے بعد ذکر اور استغفار باعث مغفرت ہوتا ہے۔ گناہ پر اصرار نہیں ہونا چاہئے۔ گناہ کے شائبے سے بچنا چاہئے۔

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ﴿۱۳۶﴾

ان کی جزا ان کے رب کی مغفرت ہے، اور جنّتیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور عاملین کا کیا اچھا اجر ہے۔

جو لوگ فاشی اور ظلم سے تائب ہو کر استغفار کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ان پیاروں کی بدولت جن کے وہ قدم بہ قدم ہو جاتے ہیں، بخش دیتا ہے۔ انہیں جنتیں عطا ہوں گی، جو سدا بہار ہوں گی، کہ ان کے نیچے نہریں جاری رہیں گی۔ اچھا عمل ہے ہی ترک عادت کا نام۔ اور عاملین کو اللہ تعالیٰ اجر دے گا، اور یہ کیسا اچھا اجر ہو گا۔

حاصل : جو غیر سے تائب ہو کر خیر کے در پر رہے، اسے بخش بھی دیا جاتا ہے، اور انعام سے بھی نوازا جاتا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾

تم سے قبل سنّن ہو چکے ہیں۔ تو زمین میں سیر کرو، پھر نظر کرو مکذّبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

پہلے لوگوں نے بھی ایک طریق پر زندگی گزاری ہے۔ ایک رخ حق کے ماننے والوں کا تھا، اور ایک تکذیب کرنے والوں کا تھا۔ حق کے ماننے والے ہمیشہ سرفراز رہے ہیں، اور حق کے منکر ہمیشہ خاسرین سے ہوئے ہیں۔ زمین میں مکذبین حق کے انجام کے آثار موجود ہیں اور درس عبرت دے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے حق کی تکذیب کی راہ اختیار کی، ان کی تجاویز نے ہی انہیں مٹا دیا۔

حاصل : طریقہ وہی درست ہے، جس کے ساتھ مخلصین کی شہادت ہو۔ غلط طریقہ اختیار کرنے والوں کا انجام باعث عبرت ہوتا ہے، رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

یہ لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت ہے، اور متقین کے لئے موعظت۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگاہی ایک ہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ عام لوگوں کے لئے یہ ارشاد بیان ہے، اور اس میں ان کے لئے راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں وعظ ہے۔ متقین یہ جانتے ہیں کہ اس ارشاد سے ان پر رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے فرمان سے لوگ اپنے اپنے ظرف اور حال کے مطابق فیض پاتے ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ سستی کرو اور نہ حزن رکھو، اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم مومن ہو۔

کوئی بھی حال ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ قدرت میں ہوتا ہے۔ جب پہلے بڑے بڑے مکذبین حق خسارے کو پہنچ چکے ہیں اور ان کے اسباب انہیں عبرتناک انجام سے بچانے میں کسی کام نہیں آئے، تو اب کسی کے برے طریق کو دیکھ کر اور اس کی توفیق کو دیکھ کر سستی کرنے کا جواز کہاں ہے، اور غم کھانے کا مقام کہاں ہے۔ جو مٹنے کی راہ اختیار کرتا ہے، وہ مٹ رہا ہوتا ہے۔ وہ اگر بڑا ہے، تو مٹتے ہوئے کچھ وقت لے گا، لیکن مٹے گا ضرور۔ غلبہ تو حق کا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے جو حق پر ہو گا، وہ یقیناً غالب ہو گا۔ اس میں غلبہ فرد کا نہیں طریق زندگی کا مراد ہے۔

حاصل : مومنانہ طریق زندگی غالب رہا ہے، اور غالب رہتا ہے۔ اس لئے سستی اور حزن سے بچنا مومن پر فرض ہے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تمہیں کوئی زخم پہنچا ہے، تو انہیں بھی اسی کی مثل زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ ایّام ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں۔ اور اس لئے کہ اللہ دیکھے ایمان والوں کو اور تم میں شہداء ٹھہرائے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالمین کو پسند نہیں کرتا۔

غلبے کے حصول تک مومنین کو پہلے بھی زخم پہنچتے رہے ہیں، اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ حق کے مخالفین تو تذلیل اور محرومی سے دوچار ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ان میں سے جو میدان جہاد سے بچ کر جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کچھ مہلت دینا منظور ہوتا ہے۔ اس طرح ایام کی باریاں رکھی ہیں اللہ تعالیٰ نے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ حد اصلاح تک مہلت سے استفادہ کرنے کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ اس سے ایمان والوں کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنی پسند کے نتیجے سے جڑ تو نہیں گئے، اور نتیجے کو واقعتاً باذن اللہ ہی مانتے ہیں۔ اور اس سے کچھ حضرات کو شہادت کا درجہ بھی عطا ہوتا ہے۔ جو لوگ فرمان خداوندی کے خلاف کرتے ہوں، وہ ظالم ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو کبھی پسند نہیں ہوتے۔ ان کو مہلت دی جائے تو اس کی حقیقت کامیابی نہیں ہو جاتی۔

حاصل : منکرین کو حد اصلاح تک مہلت دی جاتی ہے، اور یہ مہلت ان کی کامیابی نہیں ہوتی۔ مومنین کسی نتیجے سے جڑے ہوئے نہیں ہوتے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو نکھارے اور کافرین کو مٹا دے۔

ایام کی باریاں اس لئے رکھی جاتی ہیں کہ اس سے ایمان والوں میں نکھار آتا ہے، اور کافر مٹ جانے کی راہ لیتے رہتے ہیں۔ نکھار کی حقیت یہ ہے کہ ایمان والے صبر و استقامت کی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں۔ اور مٹ جانا یہ ہے کہ اسباب کی کثرت کے باوجود نامرادی اور تذلیل کافروں کو گھیر لیتی ہے۔ اگر وہ مہلت سے استفادہ نہ کریں تو ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

حاصل : ایمان والے صبر و استقامت کی روشن مثالیں قائم کرتے ہیں، اور کافر نامرادی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنّت مین داخل ہو جاؤ گے، اور ابھی اللہ تعالیٰ نے نہیں دیکھا تم سے جہاد کرنے والوں کو اور نہیں دیکھا صبر کرنے والوں کو۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما کر دیکھتا ہے کہ توفیق کے استعمال میں اس کی رضا کو ملحوظ رکھا گیا ہے یا نہیں۔ جب تک بندہ سچا نہ ثابت ہو جائے، اس کے جنت میں داخلے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ اگر کوئی دعویٰ ایمان کو ہی دخول جنت کے لئے کافی سمجھے تو یہ اس کی بھول ہے۔ دعویٰ وہی سچا ثابت ہوتا ہے جس کے ساتھ شہادت موجود ہو۔ صداقت کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا جائے، اور زخم لگنے پر بھی استقامت سے حق کی ادائیگی ہوتی رہے۔

حاصل : جنت میں داخلہ صادق کا ہو گا۔ صداقت کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ قول کا عمل شاہد ہو۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ۱۴ ۵

اور تم تو موت کی تمنا کرتے تھے، اس کے ملنے سے پہلے، تو اب تم نے دیکھا اور وہ تمہیں نظر آ رہی ہے۔

مومنین شہداء کے مراتب کا بیان سن کر شہادت کی بڑی آرزو رکھتے تھے۔ موت بھی ایک مقام ہے۔ اگر شاہد سے کامل

محبت ہو، تو اس مقام سے گزرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جو زینت حیات دنیا سے کسی قدر بھی بندھا ہوا ہو، وہ ضرور موت کو دیکھ کر کانپتا ہے۔ میدان جہاد میں موت کو دیکھا جاتا ہے، اور وہ سامنے نظر آتی ہے۔

حاصل : موت کی تمنا رضائے الٰہی کے لئے عاشق کرتے رہتے ہیں۔ ادب سے یار پر قربان ہونے کا جذبہ ہو تو موت سواری بن جاتی ہے۔ ورنہ اس سے مرعوب ہونا قدرتی بات ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النّمل میں حضرت صالح علیہ السلام کے مخالفین کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

[تو نظر کرو ان کے مکر کا انجام کیسا ہوا۔ ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو برباد کر دیا۔]

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے قبل رسل ہو چکے۔ تو کیا اگر ان کا وصال ہو یا وہ شہید ہو جائیں، تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا، تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ شاکرین کو جلد ہی جزا دے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے تبلیغ و حجّت کا اتمام ہوا۔ آپ سے قبل بھی رسول تشریف لاتے رہے، اور ان کے بعد ان کے متبعین دین پر استقامت سے رہے۔ شاہد سے جس طریقِ زندگی کا شرف عطا ہو، اس پر اس کے وصال کے بعد اس کے ارشاد کے مطابق پورے رہنا تابعین پر لازم ہوتا ہے۔ اور یہی اکمل اتباع کی سند ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو صراطِ مستقیم ماننے والوں کی شان تو یہی ہے کہ وہ استقامت سے اس صراطِ مستقیم پر رہیں۔ اگر شاہد کے وصال کے بعد کوئی اس کی راہ سے پھر جائے، تو پھر جانے والے کی تسلیم باطل ہو جائے گی۔ اور اس سے اسی کو نقصان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تو احتیاج سے پاک ہے، اسے کچھ ضرر نہ ہو گا۔ اس کے عبادِ مخلصین کی نصرت میں تابعین کی فلاح ہوتی ہے۔ قادرِ مطلق نے صداقت کے ثبوت کے لئے یہ راہ رکھی ہے۔ جو شاہد کے سامنے بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کے پیچھے بھی اس کے ساتھ ہو، وہ شاکرین کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : پورا پورا ساتھ یہ ہے، کہ شاہد کے سامنے بھی اسے مانا جائے، اس کے بعد بھی اسے مانا جائے۔ یہ شاکرین کی صف میں شمار ہونے کی راہ ہے۔ شاکرین پر آسانیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور کسی نفس کو موت نہیں آتی مگر اللہ کے اذن سے۔ اجل لکھی ہوئی ہے۔ اور جو دنیا کا ثواب چاہے، ہم اس میں سے اسے عطا کریں گے۔ اور جو ثوابِ آخرت چاہے، ہم اسے اس میں سے عطا کریں گے۔ اور جلد ہی ہم شاکرین کو جزا دیں گے۔

موت تو باذن اللہ ہی آتی ہے اس لئے حق کی ادائیگی میں تائیدِ ایزدی کا یقین شاملِ حال رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو مزید وقت دے دیا جائے۔ تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جہاں وقت پورا ہو جائے گا۔ موت ضرور آئے گی کہ وہ لکھی جا چکی ہے۔ موت و حیات کی تخلیق یہ دیکھنے کے لئے ہوئی ہے کہ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں رخ خیر کا ہے یا غیر کا ہے۔ جو وقتی فائدہ چاہتا ہے، وہ ثوابِ دنیا کا طالب ہے۔ جو دائمی فائدہ چاہتا ہے، وہ ثوابِ آخرت کا طالب ہے۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دیتا ہے، وہ شاکر ہو جاتا ہے۔ شاکر کو رحمتِ خداوندی گھیرے رکھتی ہے۔

حاصل : موت باذن اللہ ہی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو مزید وقت عطا کر دے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دیتا ہے، وہ شاکر ثابت ہو جاتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور کتنے ہی نبی (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) جہاد کرتے رہے۔ ان کے ساتھ کثیر رب والے بھی تھے۔ تو نہ سست پڑے ان مصیبتوں سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہنچیں، اور نہ ضعیف ہوئے اور نہ دبے۔ اور اللہ تعالیٰ صابرین کی محبت رکھتا ہے۔

انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اپنے اپنے حال پر جہاد کرتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے محبین بھی حق معیت ادا کرتے رہے ہیں۔ انہیں بھی مصائب و آلام سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔ انہیں بھی تکالیف پہنچتی رہی ہیں۔ مگر انہوں نے مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے حق کی ادائیگی میں سستی نہیں کی، اور کبھی ضعف کا اظہار بھی نہیں کیا، اور کبھی مخالفین سے دبے بھی نہیں۔ مخالفین کی کثرت کو دیکھا جائے، تو سستی وارد ہو جاتی ہے۔ ان کے اسباب کو دیکھا جائے، تو اپنے ضعف کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اور جب اسباب کو نتیجہ پیدا کرنے والی قوت مانا جائے تو مخالفینِ حق سے دب جانا بھی قدرتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو، اور یہ یقین ہو کہ نصرتِ خداوندی سے بڑی مدد اور کوئی نہیں، تو پھر نہ مخالفین کی کوئی تعداد سستی کا باعث بنتی ہے، نہ ان کے اسباب

مومنین کے لئے باعثِ ضعف ہوتے ہیں۔ مومنین اللہ تعالیٰ کے شاہدین کے فرمان کو سند مانتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے مومنین ان مقامات سے گزر جاتے ہیں اور انہیں تھکن بھی نہیں ہوتی۔ صبر کرنے والے یہ جانتے ہیں کہ اسباب مسبّب کے ماتحت ہیں، اور مسبب الاسباب ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے کسی بھی مقام پر وہ مخالفین سے دبتے نہیں۔

حاصل : پاک لوگ مخالفین کی کثرت کو دیکھ کر سست نہیں ہوتے، ان کے اسباب کو دیکھ کر ضعیف نہیں ہوتے۔ ان کے اسباب کو نتیجہ پیدا کرنے والی قوت سمجھ کر دبتے نہیں۔ یہ صابرین کے اوصافِ حسنہ ہیں۔ اور صابرین اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوائے اس کے کہ اے ہمارے رب، ہمارے گناہ اور جو اپنے کام میں ہم سے اسراف ہوا، بخش دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور قومِ کافرین پر ہماری نصرت فرما۔

صابرین یہی کہتے رہے ہیں، اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے، اور جو ہم سے اسراف ہوا ہے وہ بھی بخش دے، اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کافرین پر ہماری نصرت فرما۔ گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی حقیقت اظہارِ عبودیت ہے، کہ یہ ربّانی حضرات کی دعا ہے۔ اتقیاء یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا شکریہ ادا نہیں ہو سکا، اور شاہد کے اتباع میں کوتاہی ہوئی ہے۔ وہ ان دونوں مقامات پر بخشش کے طالب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی اور نصرت طلب کرتے ہیں۔ ثابت قدمی کی حقیقت شاہد کے قدم سے لگنا ہے اور نصرت کی حقیقت تائیدِ ایزدی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کے لئے اطاعتِ حق اور اتباعِ شاہد میں اپنی کوتاہی کو دیکھنا اور اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرنا حق ہے۔ ثابت قدمی اور نصرت کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵ ۵ ۶

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ثوابِ دنیا عطا فرمایا۔ اور ثوابِ آخرت بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

جو حق کی ادائیگی کے باوجود عجز و انکسار کو اصول زندگی بناتے ہیں، ان کے اعمال احسن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان محسنین کو پسند فرماتا ہے۔ انہیں دنیا میں بھی نوازا جاتا ہے، آخرت میں بہت نوازا جائے گا۔

حاصل : حق کی ادائیگی کے ساتھ عجز و انکسار محسنین کا امتیاز ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾

[اور جو اس سچ کے ساتھ تشریف لائے، اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی، وہی متقی ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے نزدیک ہے، جو وہ چاہیں۔ یہی محسنین کی جزا ہے۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اے ایمان والو، اگر تم کافروں کی مانو گے، تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے۔ پھر خسارے میں جا پڑو گے۔

کافروں کا رخ ہر مقام پر حق کے انکار کا ہوتا ہے۔ جو ان کی کسی بھی مقام پر مانے گا، وہ ان کے علم سے متاثر ضرور ہو گا۔ اور ان کے علم کا حاصل خسارہ ہے۔ مخلص کی مانی جائے تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور مخلص کے مخالف کی مانی جائے، تو خسارے سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

حاصل : کافروں کی ماننے میں صریحاً خسارہ ہے۔ جس بات کی تصدیق مخلصین نہ کریں وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتی۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اور وہ سب سے بہتر نصرت دینے والا ہے۔

ایمان والوں کا مولیٰ ہر شے کا مالک ہے۔ اس لئے کسی بھی ضرورت کے تحت کافروں کی طرف جھکنا تضاد میں مبتلا ہونے والی بات ہے۔ کمی کو پورا کرنے کا سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے سب سے بہتر نصرت دینے والا بھی وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مولیٰ ماننے کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ مخلصین کی اطاعت کی جائے، اور وقتی مفاد کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لیا جائے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو مولیٰ اور خیر النّاصرین ماننے کا ثبوت مخلصین کی اطاعت سے ملتا ہے۔

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

جلد ہی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا، جس کی اس نے کوئی سند نازل نہ فرمائی۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور کیا برا ٹھکانہ ہے ظالمین کا۔

اللہ تعالیٰ کو مولیٰ مان لینے سے تائیدِ ایزدی شاملِ حال ہو جاتی ہے، اور مشرکین کے دلوں میں رعب بیٹھ جاتا ہے۔ شرک کرنے والے بے سند باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق اور مالک ہے۔ مشرک اس کی اطاعت کے مقابل اپنی خواہشات سے جنم لینے والی صورتوں کو مانتے ہیں، حالانکہ معبودِ لاشریک کو ماننے میں انہیں یک سوئی کی نعمت مل جاتی اور ان کا کیا ان کے لئے باعثِ خسارہ نہ ہوتا اور ان کا ٹھکانا آگ نہ ہوتا۔ ظالم برے راہ کو اختیار کرتا ہے، اس لئے برے ٹھکانے پر پہنچتا ہے۔

حاصل : خیر کی راہ پر رہنے والے کا رعب اللہ تعالیٰ منکرین کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جو برائی کا راستہ اختیار کرے گا، وہ برے ٹھکانے پر ضرور پہنچے گا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا، جب تم اس کے اِذن سے انہیں مارتے تھے۔ حتیٰ کہ جب تم نے نامردی کی اور امر میں تنازعہ کیا اور نافرمانی کی، بعد اس کے کہ تمہیں دکھا چکا جو تمہیں پسند تھا۔ تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور کوئی تم میں آخرت چاہتا تھا۔ پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا، کہ تمہیں دیکھے۔ اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، مومنین پر۔

جنگِ احد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی نصرت فرمائی جیسے اس کا وعدہ ہے نصرت فرمانے کا۔ اور مومنین کو ابتداءً کافروں پر زبردست غلبہ حاصل ہوا، اور بہت کافر مارے گئے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقام پر قائم رہنے کا حکم فرمایا تھا جب اس مقام پر قائم رہنے کے حکم میں انہوں نے اپنی سمجھ کو بھی داخل کیا، تو ان کی خواہش نے انہیں نامرد بنا دیا۔ اور وہ اس مقام پر قائم رہنے کی تاکید کرنے والوں سے تنازعہ کرنے لگے، اور نافرمانی کرنے لگے۔ حالانکہ جو نتیجہ انہیں پسند تھا وہ یہ لوگ دیکھ چکے تھے۔ کچھ لوگ وقتی فائدے اور دنیا کو دیکھ رہے تھے، اور کچھ دائمی فائدے اور آخرت کو دیکھ رہے تھے۔ جب آپس میں کامل اتحاد نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے غلبے کی صورت بدل دی۔ منشا یہ دیکھنا تھا کہ کون صاحبِ امر کے کس قدر ساتھ ہے۔ بعض لوگ بے حوصلہ ہو گئے اور بعض لوگوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو محکم پکڑا۔ جو لوگ ناپسندیدہ خبروں سے سست پڑ گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی معاف فرما دیا، کہ کمیٔ علم کی بناء پر ان سے کوتاہی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ بڑا فضل یہ ہے، کہ تجربے کے بعد سچے ثابت ہونے کے لئے مہلت بھی دیتا ہے، اور توفیق بھی دیتا ہے۔

حاصل : بہتر جاننے والے کے امر کو اس طرح ماننا چاہیئے، کہ اس میں اپنی سمجھ کو دخل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ مومنین کو کسی بھی تجربے کے بعد سچے ثابت ہونے کی مہلت بھی دیتا ہے، توفیق بھی دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

اِذۡ تُصۡعِدُوۡنَ وَلَا تَلۡوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ فِىۡۤ اُخۡرٰٮكُمۡ فَاَثَابَكُمۡ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّـكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے، اور پیچھے پھر کر کسی کو نہ دیکھتے تھے، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے۔ تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا، کہ تم حزن نہ کرو جو ہاتھ سے نکل جاوے اور جو تمہیں پیش آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

جنگِ احد کے دن کچھ لوگوں نے نامردی کا مظاہرہ کیا، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی خبر نے انہیں متزلزل کر دیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بے آسرا سمجھ کر بھاگے چلے جاتے تھے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اور پیچھے سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی پکار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر حضور کے فرمان کو مانا جاتا تو یہ صورت نہ ہوتی۔ اور حضور کو غمگین کرنے کے بدلے یہ غم نہ اٹھانا پڑتا۔ اس سے یہ علم عطا کرنا مقصود تھا کہ جو ہاتھ سے نکل جائے اس کا غم نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے۔ وہ تمہیں اس سے بہتر دے سکتا ہے، اور بہتر دے گا۔ اور جو صورتحال پیش آ جائے، اس کو باذن اللہ جانو۔ اور اس یقین کے ساتھ پورے رہو، کہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑا فضل فرماتا ہے۔ اور جو عمل تم کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔

حاصل : حال پر خیر کی طرف ہمیشہ بلایا جا رہا ہوتا ہے، اس دعوتِ خیر کو سننا چاہیئے۔ جو ہاتھ سے نکل جائے، اس کا غم نہیں کرنا چاہیئے۔ اور مصائب کو باذن اللہ جاننا چاہیئے۔ ہمارے اعمال کا مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ

پھر تم پر غم کے بعد امن کو نازل فرمایا۔ کہ وہ اونگھ تھی جس نے تم سے ایک گروہ کو ڈھانپ لیا۔ اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر جاہلیت کے گمانِ ناحق کی طرح کے گمان کرتے تھے۔ کہتے

بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ ؕ
يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ
مِنۡ شَىۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ
لِلّٰهِ ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا
لَا يُبۡدُوۡنَ لَكَ ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ
كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا
هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ
لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ
اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ اللّٰهُ
مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ
قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

تھے: کیا اس کام میں ہمارا کچھ بھی ہے۔ فرما دیجئے: امر تو سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں: ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ فرما دیجئے: کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے، تب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا، اپنی قتل گاہوں پر نکل آتے۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھے جو تمہارے صدور میں ہے۔ اور اس لئے کہ اسے کھول دے جو تمہارے قلوب میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

ہزیمت کے غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنین پر امن کی نیند نازل فرمائی، جس نے انہیں ڈھانپ لیا۔ یہ ایک راحت تھی، جس سے انہیں جسمانی اور روحانی تسکین عطا ہوئی۔ کچھ لوگ جن کا تعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا نہ تھا، انہیں اپنی جانوں کی پڑی تھی۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مومنین کو نصرتِ ایزدی میسر نہ آئے گی، اور وہ بھاگ کھڑے ہونے میں اپنے آپ کو بے بس ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی کیفیتِ قلبی کو کیسے چھپا سکتے ہیں۔ وہ تو ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ کمزور تعلق رکھنے والے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور قتل گاہوں پر آتے۔ اس لئے کہ امر سب اللہ کا ہے۔ یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ اخلاص و نفاق کی حدود میں وقف نظر آئے، اور صداقت و کذب ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ صدور کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ اس بات کی تسلیم کا ثبوت اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ہمارے سینے میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

حاصل: غم کے بعد امن کی نیند سے جسمانی اور روحانی تسکین ملتی ہے۔ جن کو اپنی جان کی پڑی ہو، وہ اپنے ناقص عمل پر اپنے آپ کو بے بس سمجھتے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے۔ موت سے گھبرانا موت سے بھاگ جانے کا امکان پیدا نہیں کرتا۔ کیفیتِ اخلاص ہو یا کیفیتِ نفاق، چھپی نہیں رہتی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع ۱۶

بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے۔ جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ انہیں شیطان ہی نے متزلزل کیا۔ ان کے بعض کسبوں کی بدولت۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان سے عفو فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلم والا ہے۔

جنگِ احد کے دن مومنین میں سے جو لوگ ناپسند خبر کو سن کر متزلزل ہو گئے، ان کو شیطان ہی نے ہلا دیا۔ اس لئے کہ ان کا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق پورا نہ تھا۔ اور یہ لوگ اپنی پسند سے پوری طرح فارغ نہیں تھے۔ شاہد سے دوری ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے، اور باعثِ مشقت بھی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے اصلاح کو قبول کیا، اور شاہد سے تعلق کو اس طرح استوار کیا، کہ انہیں خواہشات کے اتباع سے فراغت ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے ان سے عفو فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا حلم فرمانے والا ہے۔ بخشنے کی حقیقت ہے معاف کر دینا، اور حلم کی حقیقت ہے آئندہ پورا رہنے کا شرف عطا کرنا۔

حاصل : شاہد سے پورا تعلق نہ ہو، تو متزلزل ہونے کا خطرہ ضرور رہتا ہے۔ ہمیں لوگوں کو معاف بھی کرنا چاہئے اور انہیں پورا رہنے کا شرف بھی عطا کرنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں فرمایا ہے :

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾

[اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اور تنازعہ نہ کرو، کہ بزدلی کرو گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

اے ایمان والو، ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا، جب وہ زمین میں یا جنگ میں گئے، کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ کہ اللہ ان کے قلوب میں حسرت ڈالے۔ اور اللہ حیات و موت دینے والا ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

ایمان والوں کو مخلصین کی طرح ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کی طرح ہونا جو زینت حیات دنیا کو مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں یقیناً خسارے کا باعث ہوتا ہے۔ جو لوگ زمین سے چمٹ جاتے ہیں وہ اپنے رشتے داروں کے بارے میں، جبکہ وہ سفر پر جائیں یا جہاد پر جائیں اور ان کا وصال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں، یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ ان سفہاء کو موت کسی سبب سے لگی ہوئی نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب اپنی دانش سے ایمان والوں کو حالتِ امن میں سفر کرنے سے اور حالتِ جنگ میں جہاد سے روکنے میں ناکام ہو جاتے ہیں، تو دونوں مقامات پر مومنین کی کامیابی سے ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ حسرت ڈال دیتا ہے۔ حیات و موت دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگر حیات کی طلب میں اور موت سے فرار میں کسی کی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، تو لازم ہے کہ عمل میں حیات و موت کو ایک طرف رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

حاصل : ایمان والوں کو زمین سے چمٹنا نہیں چاہئے۔ موت و حیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاننا چاہئے۔ مومنین کی کامیابی سے منافقین کے قلوب میں حسرت آتی ہے۔ کسی بھی عمل میں موت و حیات کو اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ عمل اللہ کے فرمان کے تحت ہو، اور شاہد کے اتباع میں ہو، تو عمل بولے گا کہ عامل اللہ تعالیٰ کے دیکھنے پر یقین رکھتا ہے۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ، یا تمہیں موت آ جائے، تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جانے یا کام آ جانے کی حقیقت انجام بخیر ہے، اور اس کا حاصل مغفرت و رحمت ہے۔ طالبِ دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں وہ فانی ہوتا ہے۔ یہ متاعِ قلیل ہے۔ رحمتِ خداوندی سے دائمی راحت عطا ہوتی ہے۔ اور یہ اس جمع سے بہتر ہے، جس کا حاصل خوف و حزن ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی راہ میں شہید ہو جانا یا کام آ جانا اس جمع سے بہتر ہے، جس کا حاصل خوف حزن اور خسارہ ہے۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تمہیں موت آئے یا تم شہید ہو جاؤ، تو اللہ ہی کی طرف اکٹھے ہو گے۔

جس نے بندے کو حیات دی ہے، موت بھی وہی دیتا ہے۔ اور واپسی بھی اسی کی طرف ہو گی۔ اس سے فرار ناممکن ہے، کہ اس سے کسی کو فرار کی توفیق ہی نہیں دی گئی۔ کامیابی تو یہی ہے، کہ توفیق دینے والے کے سامنے واپسی پر اس کی رضا حاصل زندگی کے طور پر پیش کی جائے۔

حاصل : کامیابی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن اس کی رضا کو حاصلِ زندگی کے طور پر پیش کیا جائے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

تو کیسی اللہ کی رحمت ہے، کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں۔ اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے بکھر جاتے۔ تو انہیں معاف فرمایئے، اور ان کے لئے استغفار فرمایئے، اور امر میں انہیں مشورہ دیجئے۔ پھر جب آپ عزم کر لیں تو اللہ ہی پر توکّل کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ متوکّلین کی حُبّ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور یہ انتہائی شکریئے کا مقام ہے۔ حضور کی نرمی کی بدولت معیّتِ حق کے طلبگاروں کو ثابت قدمی کا شرف حاصل ہوا۔ جس ساتھی سے بھی کوتاہی ہوئی، آپ نے جانا کہ اس کی کوتاہی کمیٔ علم کی بدولت ہے۔ اور یہ تجربہ اس کے لئے بھی مفید ہے جس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، اور ان کے لئے بھی مفید ہے جو استفادہ کرنے کے اہل ہیں۔ شاہد کی شان ہے آسانی عطا کرنا۔ اگر شاہد کے کلام میں ترشی اور سختی ہو، تو کامل محبت والوں کے علاوہ کوئی اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ سخت دل ہو تو اس کا ساتھ کمزور عمل والوں پر بڑا بھاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس ماحول کو بوجھل سمجھ کر بکھرنے لگتے ہیں۔ قول کی کوتاہی کو معاف کیا جائے اور عمل کی کمزوری کے لئے استغفار کی جائے، تو مشہود شاہد کے قریب ہو جاتا ہے اور ہر امر میں شاہد کا مشورہ لیتا ہے، اس کی دعا کا طالب ہوتا ہے، اور اس طرح صاحبِ استقامت ہو جاتا ہے۔ مشورہ بہتر جاننے والے سے لیا جائے، تو بہتری کی راہ ملتی ہے، اور بہتر جاننے والے کو دیا جائے، تو مشقّت گلے پڑ جاتی ہے۔ جب کسی مقام پر حق کی ادائیگی کا راستہ طے کر لیا جائے تو پھر اس پر عزم کے ساتھ اللہ پر توکّل لازم ہے۔ متوکّل کو یقین ہوتا ہے کہ علیم مطلق ہی معطیٔ مطلق ہے، اور جو جو حال پر حق کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے پاک لوگوں کی حبّ رکھتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عطا کو علیم مطلق سے جانتے ہیں اور شکایت نہیں کرتے۔

حاصل : شاہد کا نرم رو اور نرم دل ہونا اللہ کی رحمت ہے۔ رافت و رحمت سے لوگ قریب ہوتے ہیں، اور شدّت و غلظت سے لوگ دور ہو جاتے ہیں۔ ساتھیوں کی خطا معاف کرنا، ان کی کوتاہی کو کمیٔ علم کی بدولت جاننا اور ان کے لئے استغفار کرنا، اور انہیں آسانی عطا کرنے کے لئے مشورہ دینا شاہد کی شان ہوتی ہے۔ جب حق کی ادائیگی کے لئے صورت متعیّن ہو جائے، تو اس یقین سے کام کرنا چاہیئے کہ حال کے لمحے کے لئے جو درکار ہے وہ موجود ہے، اور آنے والے لمحات میں جو درکار ہو گا، وہ اللہ تعالیٰ یقیناً بھیجے گا۔ یہی توکّل ہے۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور اگر اللہ تمہاری نصرت فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے، تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری نصرت کرے۔ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی نصرت ہے۔ اس کی نصرت ہو، تو غلبہ یقینی ہوتا ہے۔ اور جب کسی کے عدم توکّل کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کی نصرت چھوڑ دے، تو پھر کوئی دوسرا تو نصرت کرنے والا ہو نہیں سکتا۔ کمی کو پورا کرنے کا علم، علیم مطلق سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا ہے۔ اس لئے مومنین کو اسی پر توکّل کرنا چاہیئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی غالب کر سکتی ہے۔ اس لئے مومنین کو اسی پر توکّل کرنا چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور نبی کی شان نہیں کہ وہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے گا، وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی ہوئی لے کر آئے گا۔ پھر ہر نفس کو اس کا کیا پورا دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

نبی عطائے خداوندی کا امین اور قاسم ہوتا ہے، اور عطائے خداوندی ہوتی ہی تقسیم کے لئے ہے۔ نبی کا نطق بھی خواہش کے تحت نہیں ہوتا، عمل بھی خواہش کے تحت نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی شے کے چھپا کر رکھنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کسی شے کو محبوب رکھے، وہ اسے اپنے لئے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات توکّل کے خلاف ہوتی ہے۔ جو بھی رکھا جائے، راہِ خیر پر خرچ کرنے کی نیّت سے رکھا جائے، تو راحت سے زندگی بسر ہوتی ہے۔ اور اگر حال پر عدم توکّل ہے، تو یہ مستقبل میں بھی ظاہر ہو گا۔ وہاں ہر ایک کو اس کے کیئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اور لوگوں کا اپنا ظلم ہی ان پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔

حاصل : صادق اور امین اپنی ذات میں حق کی ادائیگی کا معیار ہوتے ہیں۔ جو عطا کو چھپائے وہ غیر متوکل ہوتا ہے۔ اسے اس کے کیئے کی جزا ضرور ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ

تو کیا جس نے اللہ کے رضوان کا اتباع کیا، اس جیسا ہو جائے گا، جس نے اللہ تعالیٰ کا

بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

غصہ اوڑھا۔ اور اس کا ٹھکانا جہنّم ہے۔ اور کیا بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جس نے اللہ کے محبوب کا اتباع کیا، اس نے اللہ کی رضا پائی۔ اسے ہدایت عطا ہوئی، راحت عطا ہوئی اور برکت حاصل ہوئی۔ جس نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا، وہ گمراہ ہوا، مغضوب ہوا، اور خوف و حزن میں مبتلا ہوا۔ آگے اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ وہ مقام جہاں بُرا رہے، بُرا ہوتا ہے۔ اچھے اور بُرے مساوی نہیں ہوسکتے۔

حاصل: اللہ کی رضا کے طالب اور اللہ کے غصے کو پکارنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ان کے عنداللہ درجات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

پاک لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات ہیں۔ اور یہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے جاتے ہیں، ویسے ہی ان کو رفعتِ درجات سے نوازا جاتا ہے۔ جوں جوں اللہ کے محبوب سے محبت بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب بھی بڑھتا ہے۔ جو لوگ من مانی کرتے ہیں، ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

حاصل: پاک لوگوں کے درجات اللہ کے محبوب کی محبت سے عنداللہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔
منکرین کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ النصف

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا، جب انہیں میں سے رسول مبعوث فرمایا۔ ان پر اس کی آیات تلاوت فرماتا ہے، اور انہیں تزکیہ عطا کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس سے قبل وہ یقیناً گمراہی میں تھے۔

مومنین پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اُمّی تھے، اور ان میں مبعوث ہونے والا رسول بھی اُمّی ہے۔ اس میں تمام مشکلات کا حل رکھا گیا ہے، جو بھی مومنین کو پیش آسکتی تھیں یا آسکتی ہیں۔ حضور سے فیض جس قدر آسانی کے ساتھ محبین کو حاصل ہوا۔ اس سے بڑا کوئی معیار ہو نہیں سکتا۔ آپ نے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت فرمائیں۔ انہیں تزکئے کی نعمت سے نوازا، کہ پاک ہو تو فلاح ہوتی ہے۔ انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ فرمان کا علم اور فرمان سے استفادہ کرنے کی طریقت روشن فرمائی۔ اس سے قبل جو کچھ بھی کیا جاتا تھا، انسانی تجویز سے تعلق رکھتا تھا۔ انسانی تجویز گمراہی ہی پیدا کرتی ہے۔

حاصل : حضور کا اُمّی ہونا مومنین پر بڑا احسان ہے۔ حکم کی تلاوت، تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم شاہدین جاری رکھتے ہیں۔ انسانی تجویز سے گمراہی ہی پیدا ہوتی ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے، کہ تم اس کی مثل دوگنی پہنچا چکے ہو، تو کہتے ہو : یہ کہاں سے آئی۔ فرما دیجئے : یہ تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

جب ایمان والوں کو کوئی مصیبت پہنچے تو علم والے اسے باذن اللہ جانتے ہیں، اور کم علم یہ کہنے لگتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کو ماننے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نصرتِ مومنین کا وعدہ فرمایا ہے تو پھر یہ مصیبت کہاں سے آ گئی۔ جنگِ احد میں مومنین کے مقابل کفار کو زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اور ایمان والوں کو جس صورتحال سے سابقہ پڑا وہ حکم شاہد کو اپنی سمجھ سے جاننے کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس لئے یہ مصیبت ایمان والوں کی بلائی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ جو نتیجہ چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

حاصل : مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جب بہتر جاننے والے کے امر میں اپنی سمجھ کو داخل کیا جائے، تو مشقّت گلے پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جن حالات میں چاہے کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۱۶۶﴾

اور وہ جو تمہیں پہنچی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں، تو وہ باذنِ اللہ تھی۔ اور اس لئے کہ مومنین دیکھے جائیں۔

جنگِ احد کے دن کی مصیبت بھی باذن اللہ ہی تھی۔ اس سے یہ بھی کھل گیا کہ کون ماننے کے کس درجے میں ہے۔

حاصل : مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں، اور صادقین کے لئے رفعتِ درجات کا باعث ہوتے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ

اور منافق بھی دیکھے جائیں۔ اور ان سے فرمایا گیا : آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، یا مدافعت کرو۔ کہنے لگے : اگر ہمیں لڑائی

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿١٦٧﴾

کا علم ہو تو ضرور تمہارا اتباع کریں۔ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے بہت ہی قریب ہیں۔ اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے قلوب میں نہیں۔ اور اللہ کو بڑا علم ہے جو چھپا رہے ہیں۔

منافق مصائب و آلام میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے۔ جب انہیں اللہ کی راہ میں لڑنے یا مدافعت کرنے کو کہا جائے. تو اپنی لاعلمی کا بہانہ بناتے ہیں۔ جس دن مومنین غالب نظر نہ آئیں، اس دن منافق کفر کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ مومنین کو زبانی تسلی ضرور دیتے ہیں مگر ان کے دل میں مرض ہوتا ہے، اور ان کو مومنین کے غلبے سے کراہت ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو لوگوں سے چھپالینا بھی آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کیفیت کے چھپانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حاصل : منافق اپنے وقتی منافع کے ساتھ رہتا ہے۔ جب غالب کا مقام بدلتا ہے تو وہ اپنی منافقت کو چھپا نہیں سکتا۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

وہ لوگ جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں اور خود بیٹھ رہے ہیں، اور اگر وہ ہماری مانتے تو مارے نہ جاتے۔ فرما دیجئے : اگر صادق ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دو۔

منافق اپنے بھائیوں کو جن سے ان کی رشتہ داری ہوتی ہے، جنگ پر نہ جانے کو کہتے ہیں، اور جنگ سے بچتے رہنے کو کہتے ہیں، اور خود بھی بیٹھ رہتے ہیں۔ شہید کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہماری مانتے جنگ سے بچتے تو مارے نہ جاتے. جنگ میں گئے تو مارے گئے۔ اگر جنگ میں جانا ہی موت کا باعث ہے. تو جو گھر بیٹھا ہوا ہے وہ کیا موت کو ٹال دے گا۔ جب موت اسے بھی آئے گی، تو پھر موت سے ڈر کر بیٹھ رہنا بڑی حماقت ہو گی۔

حاصل : جب موت بہر صورت آئے گی، تو موت سے ڈر کر حق کی ادائیگی کو چھوڑ دینا بڑی حماقت ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ ﴿١٦٩﴾

اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں مردہ نہ جانو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کر کے شہید ہو جاتے ہیں، ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ جس کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہو جائیں، اسے حیاتِ ابدی عطا ہو جاتی ہے۔ موت اس کے لئے وصال کا دروازہ بن جاتی ہے۔ جس کا عمل زندہ ہو وہ خود زندہ ہوتا ہے، اور پائندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے، اور اس کی ذات نصرتِ خداوندی میں اپنا مقام پالیتی ہے اور علمِ الٰہی سے متحرک رہتی ہے۔

حاصل : شہید زندہ ہیں۔ موت کے دروازے سے ان کا گزر باعثِ وصالِ الٰہی ہوتا ہے۔ ان کا عمل زندہ رہتا ہے۔ وہ نصرتِ ایزدی میں اپنا مقام پا لیتے ہیں اور علمِ الٰہی سے متحرک رہتے ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وقف لازم

خوش ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں پچھلوں کی، جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

شہدا عطائے الٰہی سے خوش ہیں، اور اللہ کے فضل کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جس مرتبے سے نوازا ہے، وہ اس قربانی کے مقابل بڑا ہے جس کی انہیں توفیق ہوئی تھی۔ یہ مقام و مرتبہ اور فضل و شرف خوشی کا باعث ہے۔ یہ حضرات اپنے پچھلوں کے لئے جو انہی کی راہ پر رضائے الٰہی کو پانے والے ہوتے ہیں، خوشیاں مناتے رہتے ہیں، اور دعائیں کرتے رہتے ہیں، بشارتیں دیتے رہتے ہیں، اپنے پیچھے آنے والوں کا راستہ آسان کرتے رہتے ہیں اور روشن کرتے رہتے ہیں، کہ خوف و حزن سے نجات کی راہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جانے کے علاوہ کہیں موجود نہیں۔

حاصل : شہید اللہ کے فضل سے خوش ہوتے ہیں، اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتے ہیں۔ پیچھے آنے والوں کو بھی خوف و حزن سے نجات کی بشارت دیتے رہتے ہیں اپنے اعمال سے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۱۶/۱۷ ۸

اللہ کی نعمت اور فضل کی بشارت دیتے ہیں، اور یہ کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

شہادت کی طلب رکھنے والوں کو شہدا سے فائدہ پہنچتا ہے۔ انہیں بشارت ملتی ہے کہ تم فلاح کی راہ پر ہو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو

اس کی رضا پر لگانے میں جلدی کرو، کہ اللہ کی نعمت اور فضل جو تمہیں عطا ہو گا اس سے بہت بڑا ہو گا جو تمہیں حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کی نیت کو دیکھ رہا ہے۔ خلوص کامل ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سچے عمل کا قطرہ سمندر اور ذرہ پہاڑ کی حقیقت رکھتا ہے۔

حاصل: شہدا پیچھے آنے والوں کو بشارت سے بھی تقویت دیتے ہیں اور اپنی قدر و منزلت کو پیچھے آنے والے طالبان شہادت پر روشن کرتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

[اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔]

مع عند المتقدمین ۱۲

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾ ج

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلانے پر حاضر ہوئے. بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا. ان احسان اور اتقاء والوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

جو حالتِ صحت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہو، وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور جو زخم کھا چکنے کے باوجود بلاوے پر حاضرِ خدمت ہو جائے جیسے وہ حالتِ صحت میں حاضر ہوا تھا، وہ قطعی سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کے احسان و اتقاء کی روشنی سے عاشقوں کے دل منور ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے لئے اجرِ عظیم ہے۔

حاصل: حق کی ادائیگی کے لئے بلاوے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوا جاننا چاہئے، اور ہوش کی موجودگی میں اس یقین سے حاضری کی سعی کرنی چاہئے کہ جس حالت میں بلاوا آیا ہے، یہ حالت حاضر ہونے اور حق ادا کرنے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ بلاوا علمِ مطلق سے ہے۔

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا

وہ جن سے لوگوں نے کہا بے شک تمہارے لئے لوگ جمع ہوئے تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان زیادہ ہوا۔ اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اور کیسا اچھا

اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ کارساز ہے۔

شاہدین کے محبین کو منتشر کرنے کی نیت سے منافقین یہ کہتے رہتے ہیں کہ تمہارے خلاف لڑنے کو بڑے لوگ جمع ہو گئے ہیں، تو ان سے ڈرو، اور جنگ سے گریز کی راہ اختیار کرو۔ محبین کو نہ اپنی تعداد پر ناز ہوتا ہے، نہ اپنے سامان پر۔ اس لئے وہ اپنی تعداد کے مقابل نہ کسی کی تعداد کو دیکھتے ہیں اور نہ اپنے سامان کے مقابل کسی سامان کو دیکھتے ہیں۔ انہیں انتظار ہوتا ہے کہ جہادِ حق کی ادائیگی کا بلاوا آئے اور وہ حاضر ہوں۔ اس لئے لوگوں کے جمع ہونے کی خبر ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں : اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی نصرت ہے۔ وہی ہمیں کافی ہے۔ اور اس سے اچھا کام بنانے والا کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : شاہدین کے محبین، مخالفین کی تعداد اور تیاری سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ اس سے ان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کافی اور کارساز مانتے ہیں۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

تو اللہ کی نعمت اور فضل سے چلے آئے۔ انہیں برائی نے مس نہ کیا۔ اور انہوں نے اللہ کے رضوان کا اتباع کیا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جو حضرات مخالفین کی تعداد اور تیاری سے مرعوب ہونے کی بجائے جہاد کے لئے کمربستہ ہو کر نکل پڑتے ہیں، تائیدِ ایزدی ان کے ساتھ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے طلب گار ہوتے ہیں۔ انہیں برائی مس نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوتا ہے کہ دشمن مرعوب ہو کر سامنے آنے سے ہی گریز کرتا ہے۔ جن کی تیاری کی خبریں پھیل چکی ہوتی ہیں، وہ قلیل جماعت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل مومنین کے ساتھ رہتا ہے۔ مومنین حق جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں۔ انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کرنے والے خود مرعوب ہو جاتے ہیں۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وہ تو شیطان ہی ہے، جو اپنے دوستوں سے خوف دلاتا ہے۔ تو ان سے خائف نہ ہو۔ اور میرا خوف رکھو اگر تم مومن ہو۔

شیطان اپنے دوستوں کی جماعت سے ایمان والوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور مرعوب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ محبین کے ایمان میں شیطان کی کوشش سے ترقی ہوتی ہے، کہ وہ اسباب کے مالک کا خوف رکھتے ہیں اور اسباب سے کبھی

نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا خوف ہو تو باقی سب خوف رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ مومن ہونے کی سند ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور آپ ان کے لئے محزون نہ ہوں جو کفر پر دوڑتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ دیں گے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کے لئے کوئی حظّ نہ رکھے۔ اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

جو لوگ کفر کی طرف دوڑتے ہیں، باوجود اس کے کہ حق ان کے سامنے آ چکا ہوتا ہے، ان کے بارے میں شاہدین سے کچھ سوال نہ ہو گا۔ جس کے بارے میں پوچھ ہی نہ ہو اس کا غم نہ کھانے میں بھی اللہ راضی ہے۔ کفر کی حقیقت خسارہ ہے۔ خسارے کی طرف دوڑنے والے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے کہ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں دیکھیں کہ خوف و حزن ان پر بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں توفیقِ ایزدی کو خلافِ حق استعمال کر لیں گے، تو آخرت میں ان کے لئے کوئی حظّ نہ رہے گا۔ اس ناشکری کا حاصل عذابِ عظیم ہو گا۔

حاصل : کفر پر دوڑنے والے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ان کا کیا انہیں ہی خسارے میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ توفیق کو پوری طرح استعمال کر لیں، تاکہ آخرت میں ان کے لئے کچھ انعام نہ رہے۔ ناشکری کا حاصل عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا، اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ دیں گے۔ اور ان کے لئے عذابِ الیم ہے۔

جو لوگ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر اپنی خواہشات کے اتباع کے لئے کفر کو قبول کرتے ہیں، یہ ایمان کے بدلے کفر خریدنے والے لوگ ہیں۔ ان کے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہ ہو گا۔ انہیں ضرور المناک عذاب گھیرے گا، کہ انہوں نے فلاح کے مقابل خسارے کی راہ کو اختیار کیا ہے۔

حاصل : جو فلاح کے مقابل خسارے کو خریدے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ المناک عذاب اس کے انتظار میں ہو گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ جو ہم انہیں مہلت دیتے ہیں، ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم انہیں مہلت دیتے ہیں کہ گناہوں میں بڑھتے رہیں۔ اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

کافروں کو مہلت دینا ان کے لئے اس وقت مفید ہو سکتا ہے، جب وہ اس مہلت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی خواہشات کے اتباع کو چھوڑ دیں، اور بھلائی کی راہ کو اختیار کریں۔ ان کی راہ بری ہوتی ہے۔ بری راہ پر مزید توفیق و مہلت کے استعمال سے تو وہ منزل جلد آ جائے گی، جسے عذابِ مہین فرمایا گیا ہے۔ جس عذاب سے کفار کی بیخ کنی ہو جائے اور مومنین ان کے مقابل فلاح پا رہے ہوں، وہ بڑی ذلت کا عذاب ہو گا۔

حاصل: جس مہلت کو کفر میں ترقی کے لئے استعمال کیا جائے، وہ مہلت کسی کو ذلت کے عذاب کے قریب ہی کر سکتی ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اللہ تعالیٰ مومنین کو اس حال پر چھوڑنے والا نہیں جس پر تم ہو حتیٰ کہ خبیث کو طیب سے ممیّز کر دے۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع کر دے۔ ولیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ تو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لاؤ۔ اور اگر ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی نصرت فرماتا ہے، اور خبیث و طیّب کے امتیاز تک نصرت فرماتا رہتا ہے۔ نصرت حال کے تقاضے کے مطابق اور علم سے ہوتی ہے۔ عام لوگوں کو مستقبل پر مطلع کرنے سے ان کا توازن بگڑ جاتا ہے، اور وہ اپنی خواہشات کے ساتھ مزید چمٹ جاتے ہیں۔ بشارت و انذار کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے، جسے چاہے۔ معیارِ ہدایت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی بھیجا جائے تو رضائے الٰہی کا علم ہو سکتا ہے۔ جو اس معیارِ ہدایت کو مان لے اور اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مان لے، تو وہ شاکرین میں شمار ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کے خلاف کیا جائے تو کفران کا ثبوت ملتا ہے۔ ایمان دعویٰ ہے، تقویٰ اس کے ساتھ شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ تقویٰ یہ ہوتا ہے، کہ معیارِ ہدایت کی محبوب صورت کے مقابل اپنی کوئی صورت نہ

رکھی جائے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

حاصل : خبیث و طیب کے امتیاز تک مومنین کی نصرت ہوتی رہتی ہے۔ غیب پر مطلع ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے کو عطا کرتا ہے کہ وہ بشارت و انذار کا حق ادا کر دے۔ بشیر و نذیر کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجرِ عظیم عطا ہو گا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸ ۹

اور جو بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا، اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے۔ جلد ہی وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہو گا۔ اور آسمان اور زمین اللہ ہی کی میراث ہے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

عطائے خداوندی کو اللہ تعالیٰ کا فضل جاننا حق ہے۔ اگر اس کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا جائے، تو بخل کا مقام آتا ہے۔ اگر اس کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق تصرّف میں لایا جائے، تو بخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بخل اور توکّل ایک وجود میں جمع نہیں ہوسکتے۔ بخل بخیل کو مار دیتا ہے۔ جس نعمت کو بھی اپنی پسند کے مطابق استعمال کیا جائے، وہ ناشکرے کے گلے کا طوق بن جائے گی اور باعثِ عذاب ہو گی۔ پھر اس کو اپنے وجود سے الگ کرنا بھی محال ہو گا۔ آسمان اور زمین اللہ ہی کی میراث ہیں۔ اس میراث میں اگر کوئی اپنی مرضی کرتا ہے، تو وہ غدّار ہے۔ وہ اپنے قدم کو نہیں دیکھتا، یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے اور کس سنگت میں اس کی فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے ہر عمل کی خبر ہے۔

حاصل : بخل اور توکّل ایک وجود میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بخیل کا بخل ہی اس کے گلے کا طوق بن جاتا ہے۔ پھر اسے اس سے نجات نہیں ہوتی۔ آسمانوں اور زمین میں رضائے الٰہی کے خلاف کرنا غدّاری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کسی کا عمل مخفی نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ہے :

كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَّنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾

[ہم تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان فرماتے ہیں۔ اور بے شک ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک

ذکر عطا کیا۔ جو اس سے منہ پھیرے تو بے شک وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا۔]

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے سنا، جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے، اور ہم غنی ہیں۔ اب ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے۔ اور انبیائے کرام سے ناحق لڑائی کی۔ اور ہم فرمائیں گے چکھو جلنے کا عذاب۔

حق کو سن کر استہزاء کرنے والے جب انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت کو سنتے ہیں، تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے، اور ہم دینے والے ہیں۔ محتاج وہ ہوتا ہے جس کو کچھ احتیاج ہو۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس لئے یہ لفظ اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کسی شے کو بھی مخصوص نہیں فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غنا کی شان ہے۔ جو مال کی طلب میں ہی سرگردان رہے وہ غنی نہیں ہو سکتا، کہ اسے اپنی ذات سے فرصت ہو تو دوسروں کے کام آئے۔ ایسے لوگوں کی باتیں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں۔ سب لکھی جا رہی ہیں، اور ٹھیک ٹھیک پیش ہوں گی۔ حق کو سن کر یہ لوگ اسے اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اسی کوشش میں شاہدین سے ناحق لڑتے ہیں۔ توفیقِ ایزدی کے استعمال میں خسارے کی راہ لینے والے جلنے کا عذاب پائیں گے۔

حاصل : زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہئے، کہ قول میں برائی ہو، تو عمل میں برائی کا مقام آتا ہے۔ برائی کا حاصل جلنے کا عذاب ہو گا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

انسان کے اپنے ہاتھوں جو آگے بھیجا جاتا ہے، اس کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں : اگر کوئی شاہد کے ارشاد کے مطابق فلاح کی راہ لیتا ہے تو اسے پاکی اور انجام بخیر ہونے کی بشارت دی جاتی ہے، اگر کوئی اس کے خلاف کرتا ہے تو اسے انذار سنایا جاتا ہے کہ وہ اس انجام سے آگاہ ہو جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے۔ بندوں کے کئے کی ہی جزا انہیں دی جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ جو اس کے خلاف کرتا ہے، وہ اپنا کیا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا ارشاد لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا، نہ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں، ہم سے اللہ تعالیٰ نے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ قربانی لائے جسے آگ کھا جائے، فرما دیجئے : مجھ سے قبل رسل تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے جو تم کہتے ہو، اگر تم صادق ہو تو ان سے کیوں لڑتے رہے۔

اہلِ کتاب کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لے رکھا ہے، کہ رسالت کے اقرار سے پہلے اور اس پر ایمان لانے سے قبل یہ دیکھا کرو کہ رسول کی قربانی کو آگ کھا جاتی ہے یا نہیں۔ اگر اس کی قربانی کو آگ کھا جائے تو وہ سچا ہے۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ پہلے مرسلین اپنی روشن نشانیوں کے ساتھ تمہارے پاس تشریف لاتے رہے۔ اگر تم اس نشانی کو ماننے کے دعوے میں سچے ہو تو ان کے ساتھ کیوں لڑتے رہے۔

حاصل : ماضی میں جس نشانی کی عدم تکریم سے کسی نے اپنی عدم صداقت کا ثبوت دیا ہو، وہ اسی نشانی کو حال پر طلب کرے تو اسے اس کا ماضی یاد دلانا چاہئے۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

تو اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ سے قبل رسل کی بھی تکذیب کی گئی ہے جو روشن نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔

معاندین ماضی میں مرسلین کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر، ان کے ساتھ صحیفوں کی واضح اسناد کو دیکھ کر، ان کے ساتھ روشن کتابوں کو دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ناحق لڑتے رہے ہیں۔ اگر حال پر بھی ان کی معاندانہ روش جاری ہے، تو یہ بات کچھ نئی نہیں۔

حاصل : بری باتیں برے لوگوں کے لئے اور برے لوگ بری باتوں کے لئے ہوتے ہیں۔ برائی کے تسلسل سے بھی بھلائی کو دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر نفس کو موت چکھنی ہے۔ اور تمہارے اجر تو قیامت کے دن ہی پورے ملیں

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

گے۔ تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا، تو وہ بامراد ہوا۔ اور حیات دنیا تو متاع غرور ہی ہے۔

جو بھی پیدا ہوا ہے، اسے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت نام ہے اس تغیّر کا جو حیات کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے پر واقع ہوتا ہے۔ ہر نفس کو پورا پورا اجر تو جزا کے دن ہی ملے گا البتہ توفیق اور مہلت کے خاتمے کے ساتھ ہی ہر ایک پر واضح ہو جاتا ہے، کہ وہ کیا کرتا رہا ہے، اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے بھلے کے لئے اس کی بھلائی باعث راحت ہوتی ہے، اور برے کے لئے اس کی کمائی کا بوجھ رہتا ہے۔ قیامت کے دن جسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی وہ جنّت میں داخل ہو گا، اور آگ پر سے گزر کر ہی دخولِ جنّت کا مقام آئے گا۔ جنتی ہی بامراد لوگ ہوں گے۔ اللہ کے محبوب سے پورا پورا تعلق ہو، تو مخالف کے ساتھ مطابق رہنے کا شرف ہوتا ہے، اور مراد حاصل ہوتی ہے۔ مخالف کے ساتھ مطابق رہنا آگ پر سے گزرنا ہے۔ یہ گزر اللہ کے فضل کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو نفس اپنی شوکت کے لئے استعمال کرتے کبھی نہیں تھکتا، اور اس سے اس کا غرور ہی بڑھتا ہے۔ اس لئے اس کو متاع غرور بھی فرمایا گیا ہے۔ نفس کی خواہش کے خلاف رہنے کا رخ ہو، تو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق ایسی سواری بن جاتی ہے کہ اس سے حال پر بھی راحت حاصل ہوتی ہے، مستقبل میں بھی حاصل ہو گی۔

حاصل : مخالف کے ساتھ مطابق رہنے والے ہی جنت میں جائیں گے، اور بامراد ہوں گے۔ توفیق کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنا جنّتی کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

یقیناً تمہیں تمہارے اموال اور انفس میں دیکھا جائے گا۔ اور ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو، تو یہ بڑے عزم کے کام ہیں۔

مال اور جان عطائے الٰہی ہیں، اور یہ دیکھنے کے لئے دیئے جاتے ہیں کہ ان کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرّف میں لایا جاتا ہے یا اس کے خلاف۔ اگر مال اور جان ہی مقصودِ حیات ہو جائیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی ناشکری ضرور ہوتی ہے۔ معاندین سے جو اہلِ کتاب ہوں یا مشرک ہیں، برائی ہی سننے میں آ سکتی ہے، اور اس پر صبر و تقویٰ ہی تزلزل سے بچا سکتا ہے، صبر کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ گزرنے والے حال کو مزید علم عطا ہونے کا باعث جانا جائے۔ اور تقوے کی صورت یہ ہے کہ شاہد کے قدم پر نظر جمی رہے، اور اس کی محبت کا فیض بڑھتا رہے۔ یہ بڑے عزم کے کام ہیں، کہ یار کی بدولت اغیار کی ایذا کو برداشت کیا جائے۔

حاصل : یار کے لئے اغیار کی ایذا پر صبر و تقویٰ سے رہنا بڑے عزم کے کام ہیں۔ یار کی محبت ہی تزلزل سے بچا سکتی ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنہیں کتاب عطا ہوئی، کہ ضرور اسے لوگوں سے بیان کرنا اور چھپانا نہ۔ تو انہوں نے اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے قلیل دام لئے، تو کیسی بری خرید ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر یہ واضح فرمایا تھا، کہ انہیں خاتم النبیین پر ایمان لانا ہے، اور ان کی نصرت کا شرف حاصل کرنا ہے۔ ان کی نشانیاں لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہے اور انہیں چھپانا نہیں۔ جب ان لوگوں پر ایفائے عہد کا مقام آیا، تو انہوں نے اس عہد کو وقتی مفاد کے حصول کے لئے اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور دائمی خسارہ خرید لیا۔

حاصل : عطائے الٰہی سے دائمی خسارہ خرید لینا بری خریداری ہے۔ بھلائی کے عہد کو پورا کرنا صداقت کی سند ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

یہ نہ سمجھنا ایسے لوگوں کو جو اپنے کئے پر فرحت پاتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کی شان بیان کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا، تو یہ نہ سمجھو کہ عذاب سے چھوٹ گئے۔ اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو لوگ اپنے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں حالانکہ صبر و تقویٰ ان کی زندگی میں نظر نہیں آتا، اور وہ مخالف کے ساتھ مطابق رہ کر معیتِ حق کا ثبوت فراہم نہیں کرتے، ایسے لوگ عذاب سے دور نہیں ہوتے۔ چاہتے یہی ہیں کہ جو ان کا حال نہیں ہے، ان کی شان بلند کرنے کے لئے وہ بیان کیا جائے۔ یہ لوگ حال پر خوف و حزن کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آگے ان کے لئے المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : جو لوگ مخالف کے ساتھ مطابق رہ کر صبر و تقویٰ کا ثبوت نہیں دیتے، وہ چاہتے یہی ہیں کہ ان کی شان بیان کی جائے۔ مگر وہ حال پر خوف و حزن میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور المناک عذاب کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠﴿۱۸۹﴾ ع ۹ ۱۰

اور اللہ ہی کا ملک ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہی ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ ملکیت آسمانوں اور زمین میں اسی کی ہے۔ وہ اگر کسی کو تصرّف کی توفیق دیتا ہے تو توفیق پانے والے کو یہ دیکھنا لازم ہے کہ یہ توفیق مجھ سے پہلے بھی دی گئی تھی اور میرے بعد بھی دی جائے گی۔ اس توفیق کے استعمال کا ایک رخ توفیق دینے والے کی مرضی سے تعلق رکھتا ہے، اور دوسرا رخ خواہشِ نفس کے اتباع کا ہوتا ہے۔ صادق کی شان ہے کہ وہ شے کے مالک کی مرضی کی قدر کرتا ہے، اور مالک کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔ کاذب کی صورت اس کے خلاف ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے توفیق دیتا ہے،، اس سے لے لینے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

حاصل : توفیق دینے والا معطیٔ مطلق، واپس لینے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کی رضا ملحوظِ خاطر رہے، تو دائمی انعام عطا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمنون میں فرمایا ہے :

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

[تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار بنایا، اور تمہیں ہماری طرف لوٹنا نہیں۔]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۙ﴿۱۹۰﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور لیل و نہار کے اختلاف میں وقوف والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ان کا منشاء تخلیق ہونا ضروری ہے۔ صانع نے جو شے جس منشاء کے تحت خلق فرمائی ہے، وہ شے اپنے منشاء تخلیق کو پورا کر رہی ہے۔ مخلوق کو برودت و حرارت جس قدر اور جس طرح درکار ہے، لیل و نہار کے اختلاف سے اس کا اہتمام فرمایا گیا ہے۔ کائنات کا نظام جس ضبط کے ساتھ چل رہا ہے، یہ اس کے صانع کے اعلم ہونے کا ثبوت ہے، قادرِ مطلق ہونے کا ثبوت ہے، اور لاشریک ہونے کا بھی ثبوت ہے۔ وقوف والے نشانیوں سے صانع تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حاصل : وقوف والے مصنوع سے صانع تک پہنچتے ہیں۔ صنعت سے پہلے منشاء صنعت کا ہونا ضروری ہے۔

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا

وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، قیام و قعود اور

وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

کروٹ پر، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تفکر کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب تو نے یہ باطل نہیں بنایا، تجھے پاکی ہے۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

وقوف والے کھڑے، بیٹھے اور کروٹ کروٹ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے اسماء حسنیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ ہر حالت میں توفیق تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی عطا ہوتی ہے، اس لئے توفیق کے معطی کا ذکر کرنا بھی بندے کی شان ہے۔ ذکر کے ساتھ فکر ہو، تو ذکر احسن ہوتا ہے۔ فکر یہ ہے، کہ مخلوق کے منشا پر نظر کرتے ہوئے ماضی، حال اور مستقبل کو دیکھا جائے، اپنے مقام پر بھی نظر کی جائے اور کسی بھی شے کو اپنے ماحول میں غیر متعلق نہ جانا جائے۔ ذکر و فکر سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا بڑی رحمت کی بات ہے۔ ہر شے کے استعمال کی ایک صورت صانع حقیقی کے منشا کے مطابق ہوتی ہے، یہی صورت آگ سے بچنے کی ہوتی ہے۔ پاک لوگ اپنے علم کو علیم مطلق کے علم سے زندہ کرتے ہیں۔

حاصل : وقوف والے کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ فکر سے اپنا حق معلوم ہوتا ہے اور دعا نکلتی ہے۔ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۳ : ۱۹۱)

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

اے ہمارے رب جسے تو آگ میں داخل کرے، تو بےشک اسے تو نے رسوائی دی۔ اور ظالموں کو کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عزت و ذلت کی راہیں واضح کر دی ہیں۔ جو اپنے جلنے کا سامان اکٹھا کرتا رہے اور عزت کی راہ نہ لے، وہ ضرور رسوا ہوتا ہے۔ اس کا ظلم ہی اس پر پڑتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اگر کوئی بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے، تو فلاح پائے گا۔ اور اگر اس کے خلاف کرتا ہے، تو جزا کے دن اس کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اشیاء کا مطلوب اور آگ میں جائے، یہ بڑی رسوائی ہے۔ جو اس رسوائی کو چن لے، اس کی نصرت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے، کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔ اے

فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ ﴿١٩٣﴾

ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے، اور ہماری برائیوں کی نفی کر دے، اور ہمیں ابرار کی معیت میں وفات دے۔

شاہد کو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ ندا بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی رضا کے لئے دی جاتی ہے۔ ندا یہی ہوتی ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ جو تمہاری بھلائی کے لئے تمہیں حکم دیتا ہے، اس کی ماننے میں ہی تمہارا بھلا ہے۔ ایمان والے یہی کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم نے اس ندائے خیر پر لبیک کہی جو دعوتِ ایمان کے لئے تھی۔ تو ہمارے حال پر مہربانی فرما، ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمارے ماضی کی نفی فرما دے، کہ اب ہم تیرے محبوب سے پیوند ہو گئے ہیں۔ ہماری سابقہ صفتوں کو کالعدم کر دے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے ساتھ ہی وفات بھی دے کہ جب اس دنیا سے رخصت ہوں، تو تیرے پاک بندوں کے ساتھ ہوں۔

حاصل : ایمان شاہد کے حوالے اور نسبت سے ہی کامل ہوتا ہے۔ گناہوں کی بخشش اور برائیوں کی نفی کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ پاک لوگوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونے کی دعا سیدھ کو قائم رکھتی ہے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

اے ہمارے رب ہمیں عطا کر جس کا تو نے اپنے رسل کی معرفت وعدہ فرمایا ہے۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کر۔ بے شک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب اس کی طرف سے ہدایت آئے، اور اس کا اتباع کیا جائے، تو خوف و حزن سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کو حال پر ہدایت عطا ہو، اسے قیامت کے دن رسوائی نہیں ہو گی۔ وعدہ خلافی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے، تو اس کے بندوں کو اپنے معبود کی شان کا پاس رکھنا لازم ہے۔

حاصل : اپنے رب سے ہدایت طلب کرتے رہنا، اور وعدے کو پورا کرنا، ماننے والے کو سچا ثابت کرتا ہے۔ اور اس کے معبود کو اصدق و لاشریک ثابت کرتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

تو ان کے رب نے ان کی سن لی، کہ میں تم میں عامل کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔ تو جن لوگوں نے ہجرت کی، اور اپنے دیار سے

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

نکالے گئے، اور میری راہ میں ایذا دیئے گئے اور لڑے، اور شہید ہوئے، یقیناً ان کے گناہوں کی ان سے نفی کر دوں گا۔ اور یقیناً انہیں جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ یہ عنداللہ ثواب ہے۔ اور ثواب عنداللہ ہی اچھا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتے ہیں، اور ناصحِ امین کا اتباع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے، اور کسی عامل کا عمل ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، کہ جزائے اعمال میں کچھ فرق نہیں۔ عمل تائید ایزدی سے ہی زندہ رہتا ہے۔ مرد عورت آپس میں ایک ہیں، اور ایک دوسرے سے ہیں۔ جس کو اللہ کے محبوب سے جس قدر محبت ہے، اس کے اعمال کا عنداللہ وہی درجہ ہے۔ جن لوگوں نے شاہد کے ساتھ ہجرت کی، اور جنہیں شاہد کے ساتھ کی بدولت ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور اللہ کی راہ اختیار کرنے پر ایذا دی گئی، اور جو اللہ کی راہ میں لڑے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے، یقیناً ان کے گناہوں کی نفی کر دی جائے گی اور انہیں باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں، اور جو سدا بہار ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب ہے، اور احسن ثواب ہے، کہ مالکِ حقیقی کی طرف سے ہے۔

حاصل : جو لوگ شاہد کا ساتھ رکھتے ہیں، ہجرت میں بھی، ایذا پا کر بھی اور جہاد میں بھی، ان کے گناہوں کی نفی کر دی جاتی ہے۔ وہ جنّتی ہوتے ہیں۔ اور انہیں عنداللہ بڑا ثواب ملتا ہے کہ مالکِ حقیقی کی خوشی انہیں حاصل ہو جاتی ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

تمہیں کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے۔

کافروں کو جو کچھ ملتا ہے، ان کے حسنِ عمل کی بدولت نہیں ہوتا۔ اس لئے ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو حق کی طرف راغب ہونے کی وافر توفیق ملے، اور یہ حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کر سکیں۔ یہ اس مہلت میں اپنے آپ کو جھوٹا ہی ثابت کرتے ہیں، اور خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل : کافروں کو بھی توفیق علم سے دی جاتی ہے، اور ان کے حق کی طرف راغب ہونے کا راستہ آسان کیا جاتا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

متاع قلیل، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور کیا ہی برا بچھونا ہے۔

کافر زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنا لیتے ہیں، اس لئے ان کی خواہش کے مقابل انہیں متاع قلیل ہی لگتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں قلت کا احساس دامن گیر رہتا ہے۔ آگے ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا، اور جہنم بہت ہی برا بچھونا ہے کہ اعلم کے انکار سے متشکل ہوتا ہے۔ کافر کو نہ اس جہاں میں سکھ ملتا ہے، نہ آگے اس کے لئے سکھ ہو گا۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں احساسِ قلت کافر سے الگ نہیں ہوتا۔ آخرت میں اس کے لئے برا بچھونا ہو گا۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

لیکن جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی، اور جو عنداللہ ہے، ابرار کے لئے خیر ہے۔

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، وہ اس کی عطا کو پورا جانتے ہیں اور چھپے اور ظاہر اس کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے جنّتیں ہیں جو سدا بہار ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی طرف راغب نہیں ہوتے، اس لئے انہیں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ پاک لوگوں کے اعمال اس نیّت سے ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے اجر کے طالب ہوتے ہیں، کسی دوسرے سے نہیں۔ معطیٔ مطلق سے بہتر کون میزبان ہو سکتا ہے۔

حاصل : جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی طرف نہیں جھکتے، اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہو گا۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور بے شک اہل کتاب سے کچھ ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر، اور جو تمہاری طرف نازل ہوا، اور جو ان کی طرف نازل ہوا۔ اللہ کا خشوع رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو قلیل داموں نہیں بیچتے۔ یہ وہ ہیں، جن کے اجر ان کے رب کے پاس

إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

ہیں۔ بے شک اللہ سریع الحساب ہے۔

اہلِ کتاب سے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، حال پر کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، ماضی میں کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز رہتے ہیں، اور اس کی خوشی کے طالب ہوتے ہیں، یہ خاشعین کی شان ہے۔ یہ لوگ آیات خداوندی کو وقتی مفادات کے بدلے بیچتے نہیں۔ شہادت جو ان کے ذمے ہوتی ہے، اس کو چھپاتے نہیں۔ ان کی صداقت کا اجر ان کو جلد ہی ملے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی خوشی کا طالب ہونا خشوع کا باعث ہوتا ہے۔ خاشعین کو ان کے کئے کی جزا جلد ہی ملنے لگتی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ
۲۰ ع ۱۱ ۱۱ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

اے ایمان والو صبر کرو اور صابر رہو اور ربط رکھو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ فلاح پاؤ۔

صبر کرنا اپنی ذات کو نہ ہونے کے مقام پر پورا رکھنا ہے۔ صابر رہنے کی حقیقت شاہد کے ساتھ پورا رہنا ہے، اس طرح کہ اس سے تقدم نہ ہو، کہ تقدم سے بے ربط ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کے محبوب کے اتباع کی توفیق کا پورا پورا استعمال ہو جائے، اور توفیقِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگانے میں کوتاہی نہ ہو، کہ اسی میں فلاح ہے۔

حاصل : صبر ذاتی بھی ہوتا ہے، اور شاہد کے ساتھ بھی۔ تقدم سے بے ربط ہونے کا مقام آتا ہے۔ توفیقِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگانے سے فلاح حاصل ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں فرمایا ہے :

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾

[اور وہی حیات و موت دیتا ہے، اور لیل و نہار کے اختلاف بھی اسی کے ہیں، تو کیا عقل نہیں کرتے۔]

آیاتہا ۱۷۶ — سُوْرَۃُ النِّسَاۤءِ — رکوعاتہا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اے لوگو، اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں نفس واحدہ سے خلق فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کے واسطے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ داروں کی خبر رکھو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

سلسلۂ توالد کو ماضی میں دیکھتے جائیں، تو اوپر ایک جوڑا نظر آتا ہے۔ مرد ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور عورت مائی حوا علیہا السلام ہیں۔ مائی صاحبہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے نکالا۔ اس طرح تمام لوگوں کی ابتدا نفس واحدہ سے ہوئی۔ اور بنی آدم کے ایک دوسرے پر پیدائشی فضیلت کے دعاوی محال ہو گئے۔ اس نفسِ واحدہ کی پیدائش بھی اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی سند ہے، اور قادرِ مطلق ہونے کی سند ہے۔ جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، وہی ان کے لئے طریق زندگی کا تعیّن کرے، تو معدلت قائم ہو سکتی ہے۔ حکم اسی کا مانا جا سکتا ہے، جس کی رضا مطلوب ہو۔ اور جس کی رضا مطلوب ہو، اس کا ڈر رکھنا، قرب کو ثابت کرتا ہے۔ بنی آدم سے تعلقات میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے راستوں کو روشنی دی جائے، تو یہ احساس بڑھتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کا شکریہ کماحقہٗ ادا نہیں ہوا۔ جس نے سب کچھ بنایا ہے، اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا اور جس سے سب سوال کرتے ہیں، کہ وہ معطی ہے، اور علم سے پالنے والا ہے۔ جس نے بنی آدم کے وسیع سمندر میں ہر ایک کو قریبی رشتوں سے بھی نوازا ہے، کہ خدمت اور صلہ رحمی سے معاشرے کو تقویت ملے۔ اس سے ڈرنا یہ ہے، کہ شاہدین کے حال سے اپنے حال کو جانچا جائے۔ جو معیار اللہ تعالیٰ نے کسی کے سامنے رکھا ہے، اس کی نسبت سے اس کے اعمال کو دیکھا جائے گا۔ وہ اب بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ اقرب بھی ہے، رقیب بھی ہے۔ بنی آدم کے ساتھ تعلقات ہوں یا قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملات ہوں، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ کیا کر رہا ہے اور اس کے بندے اس کی مخلوق کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ متّقین کی قدر کی جائے، اور خالی گھروں کو بھرا جائے۔ بھرے ہوئے گھروں کو بھرتے رہنا عباد مخلصین کی طریقت کے خلاف ہے۔

حاصل : عام لوگوں سے بھی معاملہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔ صلہ رحمی یہ ہے کہ رشتہ داروں میں متّقین کی قدر کی جائے، خالی گھروں کو بھرا جائے، اور منشاء ایزدی کا احترام کیا جائے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿٢﴾

اور یتاما کو ان کے اموال دے دو۔ خبیث کو طیب سے نہ بدلو، اور نہ اپنے اموال کے ساتھ ان کے اموال کو کھاؤ۔ یہ بڑا وبال ہے۔

یتیم کا مال اس کے ولی کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اور جب یتیم بلوغت کو پہنچ جائے، تو اس کی امانت اس کے سپرد کر دینی چاہئے۔ گواہوں کی موجودگی میں امانت رکھی جائے، اور گواہوں کی موجودگی میں لوٹائی جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ یتیم کا مال اس قدر ادب و احترام سے رکھا جائے، کہ اپنے مال اور یتیم کے مال میں وقف رہے۔ یتیم کی کسی شے کو اپنی کسی شے سے ذاتی غرض و غایت کے تحت بدلنا، طیب کو خبیث سے بدلنا ہے۔ یتیم کی کفالت اسے کرنی چاہئے، جو اسے اپنے پاس سے کھلا سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ یتیم کی پرورش اور تربیت پر ولی کے حالاتِ معاش میں تغیّر کی بدولت منفی اثرات پڑنے کا امکان ہو، تو یتیم کے مال کو اس کی فلاح کے لئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ مگر اس مقدس امانت سے ولی کی ذات کسی بھی شکل میں استفادہ نہ کرے کہ یہ بڑا وبال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابل کسی مال کی حب رکھنا وبال اور تباہی کو دعوت دینا ہے۔

حاصل : یتیم کا مال امانت ہوتا ہے۔ بلوغت پر اسے لوٹا دینا چاہئے۔ اسے کسی بھی مقام پر اور کسی بھی صورت میں ولی کو اپنی غرض و غایت پر استعمال نہیں کرنا چاہئے، کہ اس سے تباہی مسلّط ہو جاتی ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿٣﴾ؕ

اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے، تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو، کہ دو میں عدل نہ کر سکو گے، تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے قریب ہے کہ تم سے بے انصافی نہ

ہو۔

یتیم لڑکی کی ولایت بہت بڑا کام ہے۔ اس کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کسی کی قدر و منزلت کے معنی اگر اس کی تحقیر بھی ہوں، تو ایسی قدر و منزلت سے اجتناب کرنا چاہئے۔ یتیم لڑکی سے خطا ہو جائے یا کچھ نقصان ہو جائے، تو اس پر سختی کرنا بالکل منع ہے۔ یتیم کا احترام اس قدر ہونا چاہئے کہ کسی کو اس کی دل آزاری کی جرات نہ ہو۔ اگر کسی صاحب کو ڈر ہو کہ وہ یتیم لڑکی کے ساتھ اس طرح انصاف نہیں کر سکے گا، تو اسے یتیم لڑکی سے نکاح کرنے کی بجائے دوسری عورتیں نکاح میں لانی چاہئیں۔ دو ہوں، تین ہوں، یا حد چار ہوں۔ نکاح کا منشاء بقائے نسل ہوتا ہے۔ اگر ایک سے یہ منشا پورا ہو جائے، تو دوسری سے نکاح کی حقیقت خواہش نفس کا اتباع ہو گا، جس سے گمراہی کا لزوم بھی ثابت ہے۔ دو بیویوں میں عدل کی صورت یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ تعلقات رضائے الٰہی کے لئے ہوں، اور مرد کے مال اور وقت میں ان کا حصہ مساوی ہو۔ یہ بھی بڑا بھاری کام ہے۔ اگر ڈر ہو کہ عدل نہ ہو سکے گا، تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔ اور اگر آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، تو لونڈی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ حقوق طلب کرنے والوں کی تعداد کم ہو تو بے انصافی کی شکایت بھی کم ہو گی۔

حاصل : یتیم لڑکی سے نکاح کے بعد انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی دل آزاری کے خیال کو بھی قریب نہ آنے دیا جائے، چاہے اس سے خطا بھی ہو چکی ہو، یا نقصان بھی ہو چکا ہو۔ نکاح کا منشا بقاء نسل ہے۔ ایک سے پورا نہ ہو، تو دوسری، تیسری اور چوتھی تک اجازت ہے۔ بیویوں میں عدل، مال اور وقت میں ان کا حصہ مساوی رکھنے سے ہوتا ہے۔ اگر اپنے فرائض کا علم ہو، تو اعتدال اور انصاف میں آسانی ہوتی ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ④	اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔ پھر اگر وہ تمہیں اپنی خوشی سے کچھ دے دیں، تو اسے خوشی سے کھا سکتے ہو۔

مہر عورت کا حق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ خوشی سے دینا یہ ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق دے، اور رضائے الٰہی کے لئے دے۔ اگر عورت اپنی خوشی سے کچھ دے دے، تو اس سے قبول کر لینا بھی درست ہے۔ عورت کے مہر سے کچھ لینے کی نیت رکھنا، یا ایسے حالات پیدا کرنا جس میں عورت اپنے مہر سے کچھ دینے پر مجبور ہو جائے، معصیت ہے۔

حاصل : مہر عورت کا حق ہے۔ اسے خوشی سے دینا چاہئے، اور لینے کی نیت نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر وہ اپنی خوشی سے دے تو لے لینا چاہئے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ	اور بے وقوفوں کو اپنے اموال نہ دے ڈالو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارا ذریعہ قیام بنایا

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٥﴾

ہے، اور انہیں اس میں سے رزق دو، اور پہناؤ۔ اور ان سے بات کرو، بھلی بات۔

بے وقوف وہ ہوتا ہے، جس کو اپنی خواہش سے بہتر خرچ کرنے کا کوئی مقام نظر نہ آئے۔ بے وقوف کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس کو کھلانا اور پہنانا اس طرح ہو کہ اس کے جسم کو بھی فائدہ پہنچے۔ روح کو بھی فائدہ پہنچے۔ اس سے بات بھی اس طرح کی جائے کہ اس کے الفاظ کے پیچھے حسنِ نیّت پر نظر رہے۔

حاصل : مال کام کرنے کے لئے اسے دینا چاہئے، جو بے وقوف نہ ہو۔ ورنہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف پہنچنے لگتی ہے۔ بے وقوفوں کو کھلانا، پہنانا علم سے ہونا چاہئے۔ انؔ کے الفاظ نہیں، دل دیکھنے چاہئیں۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ اٰنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوٓا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ۚ وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾

اور یتاما کو دیکھتے رہو، حتیٰ کہ نکاح کی عمر کو پہنچیں۔ پھر اگر ان میں رشد دیکھو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو۔ اور انہیں اسراف سے اور جلدی سے کھا نہ جاؤ کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور جو غنی ہو وہ عفیف رہے، اور جو فقیر ہو وہ بھلائی سے کھائے۔ تو جب ان کے اموال ان کے سپرد کرو تو ان پر گواہ کر لو۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے حساب لینے والا۔

یتیم کی حفاظت و تربیت بلوغت تک اس کے ولی کے ذمے ہوتی ہے۔ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے، اور اس وقت میں وہ مخلوق کے ساتھ فی سبیل اللہ معاملہ کرنے کا ثبوت بھی دے دے، تو وہ صاحبِ رشد ہے، اور کاروبار کا اہل ہے۔ جس کا معاملہ مخلوق کے ساتھ اپنی غرض و غایت کے تحت ہو، اس کو کام کی اجازت دینے کے معنی لوگوں کو نقصان پہنچانے کے ہوتے ہیں۔ یتیم کا مال امانت کے طور پر رکھا جائے اور بلوغت پر اسے لوٹانے کی نیّت سے رکھا جائے، تو حق کی ادائیگی احسن ہو گی۔ اور اگر یتیم کا مال اس کی بلوغت کے ڈر سے ایسے امور پر خرچ کیا جائے جہاں خرچ نہ کرنے سے اس کی تربیت و تعلیم متاثر نہ ہوتی ہو، تو یہ

اسراف ہو گا۔ اسراف کے ساتھ جلدی بھی ضرور ہوتی ہے کہ یہ نفس کا کارن ہے۔ یتیم کا مال اگر ایسا ولی کھائے، جو اسے اپنے پاس سے کھلانے کی استطاعت رکھتا ہو، تو اس کی عفت جاتی رہتی ہے۔ اگر ولی فقیر ہو تو بھی اسے یتیم کی خاطر اہتمام اس کی فلاح کے پیش نظر، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ فقیر ولی کی اپنی پسند ساکن رہنی چاہئے، ورنہ یہ بھی معصیت ہو گی۔ جب یتیموں کے اموال انہیں لوٹائے جائیں، تو گواہوں کی موجودگی میں لوٹائے جائیں۔ اس سے یتیم کا تعارف ایک نئے کام کرنے والے کی حیثیت سے ہو جائے گا، اور لوگوں کو یتیم کی قدر و منزلت کا شرف حاصل ہو گا۔ یتیم کے اموال کو اس قدر اہمیت دی جائے کہ اس کی کسی چیز کو بھی معمولی نہ سمجھا جائے، تاکہ غیر اہم سمجھ کر اس کے لوٹانے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

حاصل : بلوغت پر یتیم کے رشد کو دیکھ کر گواہوں کی موجودگی میں اس کے اموال اسے پوری احتیاط کے ساتھ لوٹانے چاہئیں۔ ولی غنی ہو تو عفیف رہے، فقیر ہو تو اپنی پسند کو ساکن رکھے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور اقربا کا ترکہ ہے۔ اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے والدین اور اقربا کا ترکہ ہے۔ تھوڑا ہو یا بہت حصہ مقرر ہے۔

مردوں کو بھی ان کے والدین اور اقربا کے ترکے سے حصہ ملتا ہے، عورتوں کو بھی۔ حصے کا تعین مالکِ کل کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ تھوڑے اور بہت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تقسیم بہرصورت اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ہونی چاہئے۔

حاصل : ترکہ قلیل ہو یا کثیر اس کی تقسیم رضائے خداوندی کے تحت ہونی چاہئے۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾

اور جب تقسیم کے وقت قربیٰ اور یتاما اور مساکین آ جائیں تو اس میں سے انہیں بھی رزق دو، اور ان سے بات کرو، اچھی بات۔

جب ترکہ تقسیم ہو رہا ہو، تو قربیٰ، یتاما اور مساکین بھی آتے ہیں۔ ترکہ تقسیم ہی ایسے وقت میں ہونا چاہئے جب یہ سب حضرات آسانی سے آ سکتے ہوں۔ تقسیم کا مقام اور وقت انہیں معلوم ہونا چاہئے، اور انہیں پیش کی جانے والی اشیاء تیار ہونی چاہئیں کہ انہیں انتظار نہ کرنا پڑے۔ ان حضرات کا عمل کیسا ہی ہو، ان سے بڑے ادب سے بات کرنی چاہئے، کہ یہ سب خدائی مہمان ہوتے ہیں۔

حاصل : ترکے کی تقسیم کا مقام اور وقت، قربیٰ، یتاما، اور مساکین کو معلوم ہونا چاہئے۔ ان حضرات کی تشریف آوری سے پہلے ان کو پیش کی جانی والی اشیاء تیار ہوں۔ اور ان خدائی مہمانوں کے ساتھ ادب سے بات کی جائے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ص فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

اور ڈریں وہ لوگ کہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑتے، تو ان پر کیسا خوف ہوتا۔ تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بات کریں سیدھی بات۔

ماں باپ کو اپنی اولاد کی بھلائی عزیز ہوتی ہے۔ جب کسی کو یتیم کی ولایت سپرد ہوتی ہے تو اسے اس حق کو حسن و خوبی سے پورا کرنا چاہئے، اور یہ دیکھنا چاہئے، کہ اگر میری کمزور اولاد کسی کی ولایت میں دی جاتی تو مجھے اس ولی کا کیسا سلوک پسند ہوتا، اور کیا میرا سلوک ویسا ہی ہے، یہ مقام خوف ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ یتیم سے سیدھی بات یہ ہوتی ہے کہ اسے ہر مقام پر خیر اور غیر کا وقف دکھایا جائے، تاکہ وہ استقامت سے راہِ خیر پر رہ سکے۔

حاصل : یتیم کے ساتھ ویسے ہی سلوک کرنا چاہئے، جیسے اپنی اولاد کے یتیم ہونے کی صورت میں ہمیں پسند ہو۔ یتیم کو خیر اور غیر میں تمیز کرنے کا علم سکھانا چاہئے اور آسانی سے سکھانا چاہئے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
ع ۱۰ ۱۲ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع

جو لوگ ظلماً یتاما کے اموال کھاتے ہیں، وہ اپنے بطون میں آگ ہی بھرتے ہیں۔ اور جلد ہی آگ میں جائیں گے۔

یتاما کے اموال کو جن حدود و قیود کے ساتھ استعمال کی اجازت ہے، ان سے انحراف ظلم ہے۔ جو ظلم سے یتیم کا مال کھائے، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔ یہ آگ خلوت میں جمع ہوتی رہے اور حیات کی صورت میں ملی ہوئی مہلت میں اس آگ کو عدل و انصاف سے رضائے خداوندی کے مطابق شاہدین کے سامنے ٹھنڈا نہ کیا جائے، تو یہ آگ دائمی عذاب بن جاتی ہے۔

حاصل : یتیم کے اموال کا اس قدر لحاظ ہونا چاہئے، کہ جہاں ان کا پتہ چلے بڑے احترام سے وہاں رضائے الٰہی کو واضح کرنا چاہئے، اور خود اس کا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ ظلم کا نتیجہ آگ ہو گا، جس سے بچنا محال ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا ہے :

يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٞ مِّنكُمۡ يَقُصُّونَ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِي فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ٣٥

[اے بنی آدم اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں تم پر میری آیتیں پڑھتے، تو جو تقویٰ کرے اور اصلاح لے، تو ان پر نہ خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔]

يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ
لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ
فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ
فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ
وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ وَلِأَبَوَيۡهِ
لِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا
تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ
يَكُن لَّهُۥ وَلَدٞ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ
فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ
إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ
بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ
ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ
أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِيضَةٗ مِّنَ
ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا ١١

اللہ تمہیں وصیت فرماتا ہے۔ تمہاری اولاد میں، مذکر کا حصہ دو مونثوں کے برابر ہے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں، تو ان کے لئے ترکے کا دو تہائی اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ کو، ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ، اگر اس کے اولاد ہو۔ پھر اگر اس کے اولاد نہ ہو، اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا تہائی ہے۔ پھر اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہے، وصی کی وصیت کے بعد یا ادائے قرض کے بعد تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تمہیں کیا پتہ کہ کون تمہارے نفع کے زیادہ قریب ہے۔ یہ فریضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

وراثت کی تقسیم انسانی زندگی میں واضح اہمیت رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ خدائی علم و حکمت سے لوگ فیض پائیں، اور معاشرتی زندگی میں عدل مستحکم ہو۔ اگر میّت کے بیٹے بیٹیاں ہوں، تو بیٹی کو بیٹے سے نصف ملے گا۔ اگر میّت کے صرف لڑکے ہی اس کے وارث ہوں تو کل مال ان کا۔ اگر میّت کی صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں، دو ہوں یا دو سے زیادہ ہوں، تو ترکے کا دو تہائی انہیں ملے گا، اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو وہ ترکے کا آدھا پائے گی۔ اگر لڑکا ایک ہی ہو تو وہ کل کا مالک ہو گا کہ اس کا حصہ

لڑکی سے دوچند مقرر فرمایا گیا ہے۔ لڑکا اور لڑکی دونوں اولاد ہیں۔ اگر میّت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میّت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی وارث ہوں، تو ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ اگر میت کے کئی بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور جن کی بدولت اس کا حصہ نصف ہوا ہے، چھٹا انہیں ملے گا۔ باقی باپ کو ملے گا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیّت فرما دی گئی ہے، ان کے بارے میں مزید وصیّت اللہ تعالیٰ سے تقدم ہو گا۔ وصی نے جن امور کو رضائے الٰہی کے لئے شروع کر رکھا ہو، اور وہ زیرِ تکمیل ہوں، ان سے فرد کو فائدہ پہنچے یا جماعت کو۔ ان امور میں اس کی وصیّت کو بڑی اہمیت دینی چاہئے۔ وصیّت کرتے وقت اس بات کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ جن کے حصے اللہ نے اپنی وصیّت سے مقرر فرمائے ہیں، ان کا استحقاق بھی مجروح نہ ہو۔ قرض کی ادائیگی جو میّت کے ذمے ہو، کی جائے تو میّت کو دنیا سے ذاتی فراغت ملے گی۔ وصیّت کے مطابق اموال دیئے جائیں تو اسے کلی فراغت ملے گی۔ پھر اموال تقسیم ہوں گے۔ کسی طرف جھکاؤ جائز نہیں، چاہے وہ طرف والدین کی ہو یا اولاد کی ہو، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو حصے مقرر فرما دیئے ہیں وہ مطلق علم و حکمت سے ہیں، اور ان کی ادائیگی فرض ہے۔ نفع تو باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کئے گئے فرائض کی ادائیگی ہی نفع کے قریب ہونے کا باعث بن سکتی ہے۔

حاصل : جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی وصیّت موجود ہے، ان کے لئے وصیت کرنا اللہ تعالیٰ سے تقدم ہے۔ حصے جیسے مقرر فرمائے گئے ہیں، ویسے ہی ادا کئے جائیں، کہ ان کی ادائیگی میں ہی نفع ہے۔ وصی کی وصیّت پر عمل کیا جائے تو وہ صفات کے اعتبار سے دنیا سے فارغ ہوتا ہے۔ اس کا قرض ادا کیا جائے، تو وہ ذات کے اعتبار سے فراغت پاتا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

اور تمہارے لئے تمہاری ازواج کے ترکے سے نصف ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی ہے، ان کی وصیت یا ادائے قرض کے بعد۔ اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے، اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکے سے آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت یا ادائے قرض کے بعد۔ اور اگر مرد جس کی میراث لی جاتی ہے، یا عورت کلالہ ہو، تو اس کے بھائی یا بہن ہے، تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر اگر وہ زیادہ ہوں، تو

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، وصی کی وصیت یا ادائے قرض کے بعد، جس میں اس نے ضرر نہ دیا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ علم والا حلم والا ہے۔

ازواج کے ترکے سے مردوں کا حصہ نصف ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر اولاد ہو تو مرد کا حصہ اس کی زوجہ کے ترکے سے چوتھائی ہو گا، وصیّت اور قرض ادا کر دینے کے بعد۔ مرد کے ترکہ سے عورت کو چوتھائی ملے گا اگر اولاد نہ ہو گی، اور ہو گی تو عورت کو مرد کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا، وصیّت اور قرض ادا کر دینے کے بعد۔ اگر مرد یا عورت جس کی میراث بٹ رہی ہے، کلالہ ہو، یعنی جن سے وہ پیدا ہوا ہے وہ بھی نہ ہوں اور اس کی اولاد بھی نہ ہو، تو کلالہ کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو، تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر وہ زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، وصی کی وصیّت اور ادائے قرض کے بعد۔ وصیّت میں اگر وصی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ داروں کے مقابل کسی اور کو بڑا حصہ دینے کو کہا ہو، تو یہ ذوی الفروض کو خود دینے والی بات ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی وصیت کے خلاف کرنے کا مسلمان کو خیال بھی نہیں آنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا علم والا بھی کوئی نہیں، حلم والا بھی کوئی نہیں۔ اس لئے اگر کوئی اپنے علم اور حلم کا ثبوت دینا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ ارشادِ خداوندی کی ادب سے تعمیل کرے۔ ورنہ علم بھی علمِ غیر ہو گا، اور حلم بھی حلمِ غیر ہو گا۔ اور اس سے فساد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے علم اور حلم کا جواب نہیں۔ اس لئے اس کے مقرر کردہ حصص کو پورا جاننا چاہیئے، اور ذوی الفروض کو ان کے استحقاق سے محروم کرنے کی کوشش کو معصیّت جاننا چاہیئے۔ ہماری وصیّت کو اللہ تعالیٰ کی وصیّت کے تحت رہنا چاہیئے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے، اسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔

فِيهَاۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾

ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حدود مقرر فرما کر لوگوں پر بڑا کرم کیا ہے، اور لوگ حدود کے احترام سے ہی سکھ پا سکتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مانیں گے، ان کو علم مطلق کی قدر و منزلت کی بدولت دنیا میں بھی خوف و حزن سے نجات حاصل ہوگی، آخرت میں انہیں جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔ جن لوگوں نے ہمیشہ اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے تحت رکھا ہو، اور اللہ کی پسند کو ہی ہمیشہ پسند کیا ہو، وہ دوامی پاک دامنی کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

حاصل : اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے تحت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی پسند کو پسند کرنا حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ہے۔ اس کا انعام وہ بہار ہے، جس میں کبھی خزاں نہیں آتی۔ دائمی پاک دامنی کا مقام بڑی کامیابی ہے۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ
يَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا
خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ع ۱۳

اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے بڑھ جائے اسے آگ میں داخل کرے گا، جس میں ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام بھی نہ کرے، اس کو ایسی خزاں گھیر لیتی ہے جس کے بعد بہار کبھی نہیں آتی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے ماننے سے فلاح ہوتی ہے۔ جو انکار کرتا ہے اور حد سے آگے بڑھتا ہے، وہ غیرت والوں سے دور ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ ذلت کا عذاب اسے گھیر لیتا ہے۔

حاصل : عزت، اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے خلاف کیا جائے، تو ذلت احاطہ کر لیتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم سجدۃ میں ارشاد فرمایا ہے :

مَّنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

[اور جو صالح عمل کرے تو اپنے لئے، اور جو برا کرے تو اپنے برے کو، اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔]

وَالَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن

اور جو تمہاری عورتوں میں سے فحاشی

نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

کرے، تو ان پر اپنے چار مرد گواہ لاؤ۔ پھر اگر وہ گواہی دیں، تو ان عورتوں کو گھروں میں روک رکھو، حتیٰ کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ تعالیٰ ان کی کوئی سبیل ٹھہرا دے۔

شادی شدہ عورت اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، تو یہ فحاشی ہوگی۔ اگر اس عورت کے اس عمل کو چار مرد دیکھ لیں، اور وہ گواہی دیں، تو ان عورتوں کو گھروں میں اس طرح روک دینا چاہئے کہ انہیں کسی سے ملنے کا موقع نہ ملے، حتیٰ کہ انہیں موت اٹھالے، یا اس دنیا سے ان کے جانے کی اللہ تعالیٰ کوئی راہ ٹھہرا دے۔

حاصل : شادی شدہ عورت جب کسی آلے سے اپنی جنسی خواہش کو پورا کرتی ہوئی پائی جائے، چار مرد اس عمل کی گواہی دیں، تو اس عورت کو عمر قید کی سزا دی جائے گی، مگر گھر میں۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

اور تم میں جو مرد عورت ایسا کریں انہیں ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں، اور اصلاح لیں، تو ان سے اعراض کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

عورت اگر شادی شدہ نہ ہو اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، یا مرد اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کوئی آلہ استعمال کرے، تو یہ جوہر حیات کا ضیاع ہو گا۔ ایسی صورت میں انہیں مارا پیٹا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کر لیں، اور بری عادت چھوڑ دیں، صالحین سے اصلاح لیں، تو ان کو معاف کر دیا جائے۔ منشا تو اصلاح ہے۔ بے جا سختی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : غیر شادی شدہ لوگ جب جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے آلات استعمال کریں، تو انہیں مارنا پیٹنا چاہئے، ان کی برداشت کی نسبت سے۔ اگر وہ توبہ کر لیں، اور وہ عادت ترک کر دیں، تو ان پر رحم کرنا چاہئے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر ہے، ان کی ہے، جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں

قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

پھر قریب ہی توبہ کر لیں۔ تو ایسوں پر اللہ رجوع فرماتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

جو لوگ جہالت اور کم علمی سے جوہرِ حیات کو ضائع کرنے کے مرتکب ہوں، انہیں جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ تو وہ بھلائی کرنے والوں کے حوالے سے اپنے آپ کو دیکھتے ہیں اور برائی سے تائب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرماتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جس مقام سے ان کا پاؤں اندھیرے میں پھسل چکا ہوتا ہے اس مقام سے گزرنے والوں کی حفاظت کا حق وہ اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جب تک پیچھے آنے والے خطرے کے مقام سے گزر نہ جائیں وہ ان کا ہاتھ نہیں چھوڑتے۔

حاصل : جہالت اور کم علمی کی بناء پر ہونے والی برائی کے بعد توبہ کا مقام جلدی آتا ہے۔ توبہ کا ثبوت پیچھے آنے والوں کی علم و حکمت سے مدد کرنا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اور وہ توبہ ان کی نہیں، جو برُے اعمال میں لگے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے : اب میں نے توبہ کی۔ اور نہ ان کی، جو مریں اور ہوں کفار۔ ان کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ برائی کے ارتکاب کے بعد اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کے جان لینے کے باوجود برائی کرتے رہتے ہیں، ان کی توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔ جب عمل کے لئے دی ہوئی توفیق ختم ہو رہی ہو تو موت کو دیکھ کر یہ لوگ توبہ کرتے ہیں، مگر یہ قبول نہیں ہوتی کہ اس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ کفار بھی موت کو دیکھ کر حقائق کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ بھی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے دی گئی مہلت موجود نہیں ہوتی، اس لئے کہ توبہ کا دروازہ موت سے پہلے بند ہو جاتا ہے۔

حاصل : توبہ کا دروازہ موت سے پہلے بند ہو جاتا ہے۔ جس توبہ کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت نہ ہو، وہ بے حقیقت ہوتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ

اے ایمان والو، تمہیں حلال نہیں کہ کرھاً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ اور نہ انہیں

لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۖ
وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ
مَآ اٰتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰٓى
أَنْ تَكْرَهُوا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ
خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

روکے رکھو کچھ لینے کو جو تم نے انہیں دیا تھا، سوائے اس کے کہ وہ صریح فحاشی کریں۔ اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ پھر اگر تمہیں ان سے کراہت ہو، تو قریب ہے کہ کسی شے سے تمہیں کراہت ہو اور اللہ تعالیٰ اس میں کثیر بھلائی ٹھہرا دے۔

اقارب کے وصال کے بعد ان کی عورتوں سے زبردستی نکاح کی کوشش فرمان خداوندی کے خلاف ہے۔ نکاح میں عورت کی پسند بھی شامل ہونی چاہئے۔ کرھا اگر کسی عورت سے نکاح کیا جائے، کہ اس کی وراثت سے حصہ ملے تو یہ حرام ہے اور یہ بھی حرام ہے کہ عورتوں کو اس نیت سے روک رکھا جائے، کہ وہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دیں، یا اس کا کوئی حصہ ہی واپس کر دیں، حالانکہ شریعت کی رو سے انہیں نکاح ثانی کی اجازت حاصل ہو چکی ہو۔ اگر عورتیں اپنے تقدس کو برباد کر دیں، تو وہ مہر کی حق دار نہیں رہتیں۔ عورتوں سے اچھا برتاؤ یہ ہے کہ ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ انہیں اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھلایا جائے، اچھا پہنایا جائے، اور اچھی جگہ رکھا جائے۔ پھر اگر انہیں کوئی جسمانی عارضہ ہو، ان کی کم علمی باعث کراہت ہو، تو اس صورت کو منجانب اللہ جان کر مطمئن رہنا چاہئے۔ اس سے بڑا انعام ملے گا۔

حاصل : نکاح میں مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہئے۔ مہر عورت کی عصمت کی منزلت ہے۔ عصمت جاتی رہے اور فحاشی آ جائے، تو مہر کا استحقاق بھی جاتا رہتا ہے۔ اگر کسی عورت کے جسمانی عارضے اور کم علمی پر صبر کیا جائے، تو وہ بے بدل انعام عطا ہوتا ہے کہ اس سے جد روشن ہو جاتی ہے اور کثیر لوگ اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ إِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا
تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا
وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾

اور اگر ایک زوجہ کی جگہ دوسری کو بدلنا چاہو، اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو، تو اس میں سے کوئی شے نہ واپس لو۔ کیا اسے بہتان اور کھلے گناہ سے واپس لو گے۔

اگر ایک زوجہ کی جگہ دوسری زوجہ کو بدلنا ہو، تو بھی یہ عمل بقائے نسل کے منشا کے لئے ہو۔ اگر پہلی بیوی کو بہت سامان دیا

جا چکا ہو، وہ اس سے واپس لینا منع ہے۔ اس کی عصمت کی منزلت کے بعد اس پر محض مال واپس لینے کے لئے بہتان لگانا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل : بیوی کو جو دیا جائے واپس لینے کی نیّت سے نہیں دینا چاہئے۔ مال واپس لینے کے لئے بیوی پر بہتان لگانا بڑا گناہ ہے۔

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور کیونکر اسے لے سکتے ہو، اور تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو، اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکیں۔

میاں بیوی کا جب ایک دوسرے سے پردہ نہ رہا ہو، اور ازدواجی رشتہ قائم ہو چکا ہو، مرد عورت کو امانت منتقل کر چکا ہو، اور اس کے رحم میں پہنچ چکی ہو، تو میاں کے قبول کرنے کا دعویٰ عملاً وقوع پذیر ہو گیا۔ اس کے بعد بیوی سے کچھ واپس لینے کا مقام کہاں رہا۔

حاصل : بیوی سے ازدواجی رشتے کے قائم ہو جانے کے بعد اس کو دیا ہوا مال بالکل اسی کا ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً
وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع ٣ ٨ ١٣

اور اپنے آباء کی عورتوں سے نکاح نہ کرو، مگر جو ہو چکا۔ بےشک وہ فحش اور غضب کا کام ہے، اور برا چلن ہے۔

آباء میں باپ دادا بھی شامل ہیں، اور ماں کے بزرگ بھی شامل ہیں۔ یعنی باپ اور اس کے بزرگوں کی عورتوں سے نکاح ناجائز ہے، اور ماں کے بزرگوں کی عورتوں سے بھی نکاح ناجائز ہے۔ اس حکم کے نزول سے پہلے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ سابقہ معاملات پر بحث نہیں کی جائے گی۔ قاعدہ یہی ہے کہ کسی حکم کے نفاذ سے پہلے کے معاملات کو نہ چھیڑا جائے اور انہیں درست مان لیا جائے، ورنہ امن قائم نہیں ہو سکتا۔ آباء کی بیویوں سے نکاح فحاشی ہے، بڑے غضب کا کام ہے اور بدچلنی ہے۔

حاصل : حکم کے نفاذ سے پہلے کے معاملات پر گرفت منع ہے۔ آباء کی بیویوں سے نکاح فحاشی مقت، اور بدچلنی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

[اور ہر گز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کر دوں گا، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب بھول جائے،
اپنے رب کا ذکر کر اور کہہ کہ قریب ہے میرا رب مجھے قریب ترین رشد کی راہ دے۔]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں، اور بیٹیاں، اور بہنیں، اور پھوپھیاں، اور خالائیں، اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور دودھ کی بہنیں، اور تمہاری عورتوں کی مائیں، اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں ان عورتوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔ پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں تم پر گناہ نہیں۔ اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں جو تمہارے صلب سے ہیں، اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا۔ مگر جو ہو چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

نسبی تعلق کی وجہ سے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی حرام ٹھہرائی گئی ہیں۔ ان سے نکاح ناجائز ہے۔ اور ہر عورت جس کی طرف باپ یا ماں کی بدولت نسبت رجوع کرتی ہو حرام ہے۔ اس میں دادیاں، نانیاں قریب کی ہوں یا دور کی سب آگئیں۔ ایسے ہی بیٹیوں میں پوتیاں، نواسیاں سب داخل ہیں۔ یہ سگی ہوں یا سوتیلی، سب حرام ہیں۔ جو سبب سے حرام ہوئیں وہ محرمات رضاعی ہیں۔ اس میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن داخل ہیں۔ ساتوں رشتے جو نسبت میں بیان ہوئے، رضاعت میں بھی حرام ہیں۔ علاقۂ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے، جیسے زوجہ کی ماں اور زوجہ کی بیٹی، اگر زوجہ مدخولہ ہو۔ لیکن اگر دخول سے قبل زوجہ سے علیحدگی ہو گئی ہو، طلاق کی صورت سے یا موت سے، تو اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ اور نسلی بیٹوں کی عورتیں، پوتوں کی عورتیں، اور نواسوں کی عورتیں بھی ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جن کے لئے ممانعت دائمی نہ ہو، بلکہ جب تک ایک عورت نکاح میں ہو اس کی قرابت داروں سے نکاح کی ممانعت ہوگی۔ جب فوت ہو جائے یا اسے طلاق ہو جائے، تو وہ محرمات میں شامل نہ رہیں گی، جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔ البتہ متبنّیٰ کی بیوی محرمات میں داخل نہیں ہے۔ اس حکم کے نزول سے قبل جو رشتے ہو چکے اور اب انہیں قطع نہیں کیا جا سکتا، ان کو درست مانا جائے گا۔ جن کو حال پر قطع کیا جا سکتا ہو، ان کو حکم کے مطابق بنایا جائے

گا۔ جہاں بھی حکم کو دل و جان سے مانا جائے گا، اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : نسب کے تعلق کی وجہ سے سات عورتیں حرام ہیں۔ رضاعی تعلق جو ایک بار دودھ پینے سے ہو جاتا ہے، کی بدولت بھی حرمت ایسے ہی ہوتی ہے جیسے نسبی تعلق کی ہوتی ہے۔ محرمات جو علاقۂ نکاح کی وجہ سے حرام ہیں۔ بیویوں کی مائیں، بیویوں کی بیٹیاں، اور نسلی بیٹوں کی بیویاں۔ بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا جمع کرنا بھی حرام ہے۔ جب بیوی فوت ہو جائے، تو ان میں سے کسی سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ جو رشتے اس حکم کے نفاذ سے قبل موجود رہے ہوں اور اس حکم سے اب انہیں قطع نہ کیا جا سکتا ہو، انہیں درست مانا جائے گا۔ جن کو قطع کیا جا سکتا ہو حال پر، انہیں حکم کے مطابق بنایا جائے گا۔ جو اللہ کی مان لے اس کو معاف کرنا چاہئے۔ اور جسے معاف کیا جائے، اس پر رحم بھی کرنا چاہئے۔

الجزء الخامس ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور شوہر دار عورتیں، سوائے ان کے جو تمہاری ملک میں آ جائیں۔ یہ تم پر اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ جو ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ انہیں اپنے اموال سے طلب کرو، انہیں قبضے میں رکھنے کو، نہ کہ مستی نکالنے کو۔ پھر ان میں سے جس کو کام میں لاؤ تو ان کو ان کے مقررہ مہر ادا کرو۔ اور قرار داد کے بعد تم دونوں میں رضا مندی ہو جائے تو تم پر گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

محرماتِ مذکورہ میں شوہر دار عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے ان کے جو دار الحرب سے گرفتار ہو کر جنگی قیدیوں کی طرح آئیں کہ یہ لونڈیاں ہیں۔ لونڈی سے نکاح جائز ہے۔ اس کی شرائط یہ ہیں کہ لونڈیاں امانت ہیں جو حکومت کی طرف سے مومنین کو دی گئی ہیں۔ ان سے خدمت لینے کا حق کھلانے پلانے والے کو ضرور ہوتا ہے، مگر ان سے تمتع کرنے کا حق اسے بالکل نہیں ہوتا۔ لونڈی سے نکاح اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ ایمان لے آئے، اور حاملہ نہ ہو، اور اس کی اجازت سے ہو سکتا ہے جس کے اہل میں اس کا شمار ہوتا ہو۔ محرمات کے بیان کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ جو ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ انہیں مہر دو، ان سے نکاح کرو۔ منشا بقائے نسل ہو، شہوت رانی نہ ہو۔ مہر اپنی حیثیت کے مطابق دو، اور اس کا تعین گواہوں کے سامنے

کرو، اور اسے جلد ادا کر دو۔ بیوی اگر اپنی خوشی سے کچھ چھوڑ دے، یا مرد اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے، تو اس میں میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں۔ اگر بیوی سے معاف کرانے کی نیّت رکھی جائے تو یہ گناہ ہے، اور اگر بیوی کچھ مزید لینے کی خواہش رکھے تو یہ بھی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالیہ علم و حکمت پر مبنی ہے۔ بندوں کے پاک رہنے کے لئے جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں، ان حدود کے احترام سے ہی پاک رہنا ممکن ہے۔ ان کے عدمِ احترام سے علم و حکمت سے دوری بڑھتی ہی جاتی ہے۔

حاصل : محرمات میں شوہر دار عورتیں بھی شامل ہیں، سوائے لونڈیوں کے۔ منشاء نکاح بقائے نسل ہونا چاہئے، شہوت رانی نہیں۔ مہر کا تعیّن بھی ضروری ہے، ادائیگی بھی ضروری ہے۔ باہمی رضامندی سے جو صورت پیدا ہو، اس میں گناہ نہیں۔ حکمِ خداوندی پر عملدر آمد ہو، تو علم و حکمت کی روشنی پھیلتی ہے۔ حکمِ خداوندی کے خلاف کیا جائے، تو خواہشات کا اندھیرا آ جاتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۳

اور تم میں جسے آزاد مومنات سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، تو ان سے نکاح کرے جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں، مومن کنیزیں۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ تو ان کے ساتھ ان کے اہل کے اذن سے نکاح کرو۔ اور انہیں ان کے مہر حسبِ دستور دو۔ حصار میں رہنے والی ہوں، مستی نکالنے والی نہ ہوں۔ اور نہ یاری کرنے والی ہوں۔ پھر جب وہ حصار میں آ جائیں، تو فاحشی کے ارتکاب پر انہیں محصنات کے مقابل نصف سزا دی جائے گی۔ یہ اس کے واسطے ہے جسے تم میں سے تکلیف میں پڑنے کا ڈر ہو۔ اور اگر صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

آزاد مومن عورت کی معاشرتی زندگی میں، معاملات میں، امانت و دیانت کے مشاہدے کی بناء پر کچھ لوگ اس کے تقدس کے گواہ ہوتے ہیں۔ اس کو آزادی سے اپنا مال خرچ کرنے کا حق ہوتا ہے جو اسے والدین کی وراثت سے ملے یا شوہر کی طرف سے دیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ نکاح کی بدولت مومنین کے ایک خاندان کو دوسرے خاندان کے قریب ہونے کا موقع ملتا ہے اور مومنین کے معاشرے میں اموال کے بہاؤ کا رخ بڑی استطاعت والوں سے کم استطاعت والوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس سے مومن معاشرے کو استحکام ملتا ہے، جس کی اہمیت بے بدل ہے۔ اس لئے جسے آزاد مومنہ سے نکاح کی استطاعت ہو، تو اسے کنیز سے نکاح نہیں کرنا چاہئے۔ جسے آزاد عورت کا رشتہ نہ ملے، یا جو اپنی ذات کو کمزور دیکھتے ہوئے صبر کو بھاری سمجھے، اسے اجازت ہے کہ مومن لونڈی سے اس کے اہل کی اجازت سے، جن کو وہ حکومت کی طرف سے سپرد کی گئی ہے، نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس سے بڑا کسی کے ایمان کا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ لونڈی پر شفقت کے پیچھے کارفرما جذبہ اس سے مخفی نہیں ہوتا۔ لونڈی سے نکاح کے بعد اسے اس کا مہر حسب دستور دیا جائے۔ اس کو آسانی سے رکھا جائے۔ اسے اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہ کہا جائے۔ جب وہ کسی مومن کے نکاح میں آ جانے کے بعد کسی آلے سے اپنی جنسی تسکین کرتی ہوئی پائی جائے، تو اسے آزاد غیر شادی شدہ فاحشہ کے مقابل نصف سزا دی جائے گی۔ اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کو معاف کیا جائے گا۔ لونڈی کا جس کے ساتھ نکاح ہو جائے، اس کی عصمت کا وہی مالک ہوتا ہے، اور اس کی عصمت اسی کی امانت ہوتی ہے۔ اس سے کام لینے کا حق تو مالک کو ہوتا ہے، مگر تمتّع کا نہیں ہوتا۔ ایک جگہ وہ مملوکہ اور دوسری جگہ منکوحہ ہوتی ہے، اس لئے اسے سزا بھی نصف دی جاتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جن کی وہ مملوکہ ہے وہ اسے آزاد کر دیں تاکہ اولاد کو مملوک ہونے کے احساس سے نجات ملے۔ لونڈی بحیثیت عورت تو قابلِ کراہت نہیں۔ وہ بھی اسی نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئی ہے جس سے دوسرے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ لونڈی ایک جگہ خدمات سرانجام دینے پر مجبور ہوتی ہے، دوسری جگہ اسے جنسی حقوق کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ دو کام الگ جگہ، اور بڑے بڑے، اس میں کوتاہی کا امکان تو ہوتا ہے، اس لئے معاف کرنے میں اور رحم کرنے میں تساہل مناسب نہیں۔

حاصل : جسے آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، اور وہ صبر بھی نہ کر سکتا ہو، اسے لونڈی سے نکاح کی اجازت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مالک لونڈی کو نکاح کی اجازت کے ساتھ ہی آزاد کر دے۔ لونڈی کو پاک رہنا چاہئے۔ اس سے کوتاہی ہو تو اسے سزا بھی آزاد کے مقابل نصف ہو گی۔ تائب ہو جائے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے :

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

[بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں، جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا بخشنے والا ہے۔]

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے روشن فرمائے اور تم سے قبل والوں کی سنن تمہیں دکھائے، اور تم پر توجہ فرمائے۔ اور

عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ عالیہ کا منشا لوگوں کو روشنی اور آسانی عطا کرنا ہے، زندگی کے عمل میں جن لوگوں کو پہلے راحت حاصل ہو چکی ہے ان کی طریقت بیان کرنا ہے، اور حال پر شاہد کی زبان سے دعوتِ خیر دلوانا ہے۔ حال ماضی کی تصدیق سے اور ماضی حال کی تصدیق سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم ہے کہ خوف و حزن سے نجات دلانے کا اور راحت عطا کرنے کا یقینی علم رکھنے والا حال پر شاہد ہو اور پہلے شاہدین کا مصدّق ہو۔ انسان اپنی پسند سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت سے فیض پا سکتا ہے۔

حاصل : منشائے ایزدی نور و ہدایت عطا کرنا ہے، رحمت فرمانا ہے۔ حال صاحبِ حال سے عطا ہوتا ہے اور حال پر عطا ہوتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۚ وَ يُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر توجہ فرمائے۔ اور جو لوگ اپنی شہوات کا اتباع کرتے ہیں، چاہتے ہیں کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور۔

اللہ تعالیٰ کا منشاء ہم پر توجہ فرمانا ہے، رحمت فرمانا ہے، ہم پر رجوع فرمانا ہے اور ہماری زندگی کی راہ کو آسان کرنا ہے۔ جو لوگ اپنی شہوات کے پیچھے لگے رہتے ہیں، ان کا منشا ہمیں راہ سے بہت دور اپنے ساتھ لے جانا ہوتا ہے۔ جن حضرات کی معیّت ہمیں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دے اور معاشرتی زندگی کو احسن بنائے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ایک معیار کی روشنی میں معاملہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاملہ کریں، ان حضرات کا قرب باعثِ تنویر ہوتا ہے۔ خواہش کا اتباع کرنے سے گمراہی لازم آتی ہے۔ گمراہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والا کوئی نہ ہو، اور جو بھی اسے دیکھے شہوات کا مزہ چکھنے کی دعوت پائے، چکھتے چکھتے راہ سے دور ہوتا جائے۔ اس طرح گمراہ پر انگشت نمائی کا امکان ہی ختم ہو جائے۔

حاصل : مخلصین کے قرب سے خوفِ خدا بڑھتا ہے۔ گمراہوں کے قریب ہونے کا اور ان کے ساتھ لگ جانے کا حاصل گمراہی ہی ہوا کرتا ہے۔

يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر تخفیف فرمائے، اور انسان ضعیف خلق ہوا ہے۔

انسان کو ضعیف خلق کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے، کہ یہ اپنے ضعف کے عرفان کے بعد قوت والے قادرِ مطلق کے ساتھ لگ جائے اور شاہدینِ ناصحین سے محبت رکھے۔ آسانی عطا ہونے کا صرف اور صرف یہی راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست بنا لیا جائے، تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور منزل نظر آنے لگتی ہے۔ یہی تخفیف ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے دوست کو دوست بنایا جائے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، اور منزل نظر آنے لگتی ہے۔ انسان کو لازم ہے کہ اپنے ضعف کو نظر میں رکھے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ کوئی تجارت تمہاری باہمی رضا سے ہو، اور نہ اپنے انفس کو قتل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے۔

وہ تجارت حلال ہے، جس میں دینے والا لینے والے سے کچھ نہ چھپائے، اور لینے والا دینے والے سے کچھ نہ چھپائے۔ اور جہاں کسی سے مال لیتے ہوئے جو کہا جائے وہ بعد میں کیا نہ جائے، اور منشا خواہشات کا اتباع ہو، تو یہ اس کے مال کو بالباطل کھانے والی بات ہو گی۔ تجارت میں منافع کی شرح مقرر کرنی چاہیے۔ اور بازار کا بھاؤ چاہے بڑھ جائے، مومنین سے زائد نہیں لینا چاہیے۔ دوسرے لوگوں کو بازار کے بھاؤ دیا جائے۔ منافع کی شرح مقرر نہ کی جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو، تو اس کی حقیقت اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کسی طرح اور کسی پیمانے سے ناپا نہیں جاسکتا، کہ اس نے حکم نازل فرمایا ہے اور اس کے شاہدین نے اس کے حکم کی کماحقہٗ تعمیل کر کے دکھائی ہے۔

حاصل : تجارت میں گاہک سے مال کے بارے میں جسے بیچا جا رہا ہو کچھ بھی چھپانا حرام ہے۔ اور گاہک بھی بیچنے والے کو کسی طرح کا دھوکہ نہ دے۔ سودا باہمی رضا سے ہو اور رضائے الٰہی کے تابع رہے، ورنہ ہلاکت ضرور مسلّط ہو جائے گی۔ تجارت کا علم بھی مخلصین سے ہی سیکھنا چاہیے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اور جو عدوان و ظلم سے ایسا کرے گا، ہم جلد ہی اسے آگ میں ڈالیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

حق کو مان لینے کے بعد جو شہوات کا اتباع کرنے والوں کا ساتھ رکھے گا، وہ عدوان اور زیادتی کا مرتکب ہو گا۔ یہ ظلم کا ابتدائیہ ہو گا۔ جب لوگوں کا مال ناحق کھائے گا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے گا، تو یہ صریحاً ظلم ہو گا۔ ظلم کا نتیجہ انسان کو آگ کی صورت سے گھیر لیتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، کہ اسے کسی کو اس کے کئے کا نتیجہ دیتے ہوئے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

حاصل : عدوان ظالم سے موسوم ہے، اور ظلم حدود اللہ سے تجاوز ہے۔ اس کا نتیجہ آگ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس لئے کسی کو اس کے کئے کی جزا دینا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اگر تم کبائر سے اجتناب کرو، جن سے تمہیں منع فرمایا گیا ہے، ہم تمہارے گناہوں کی نفی کر دیں گے، اور ہم تمہیں کرم والی جگہ داخل کریں گے۔

جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اس کے بارے میں شاہدین سے سن لینے کے بعد اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کے جان لینے کے بعد اگر اس کا ارتکاب کیا جائے، تو وہ کبائر میں داخل ہے۔ بڑا گناہ ہے ہی یہ، کہ حکم بھی معلوم ہو، اور شاہد سے حفاظت کے اصول و ضوابط بھی سنے ہوں، اس کے باوجود شاہد سے محبت کے مقابل شہوات کا اتباع کرنے والوں سے محبت کی جائے۔ شاہد ہی ناصح بھی ہوتا ہے۔ اس کی محبت کی حقیقت ہی اپنی حفاظت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ محبت ہو تو کمی بیشی کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ حال پر جس کے پاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کا محبوب شاہد ہو، اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ وہ اس قدر پاک ہو جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی مرضی کو پست رکھتا ہے۔ اس پر اتنا کرم ہونے لگتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اسے مقامِ کرم میں داخل کر کے اس کی تکریم کرتا ہے۔

حاصل : جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور اس کے شاہدین نے حفاظت کے اصول و ضوابط واضح فرمائے ہیں، اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ شاہد سے محبت ہو، تو گناہ سے اجتناب کا شرف ہوتا ہے۔ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہو، تو باقی گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور بہترین مقام عطا ہوتا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور اس کی تمنا نہ کرو، جس سے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ مردوں کے لئے ان کے اکتساب سے حصہ ہے، اور عورتوں کے لئے ان کے اکتساب سے حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو توفیق عطا فرمائی ہے ان کے ذمے کام بھی اسی نسبت سے لگائے گئے ہیں۔ عورتوں کو جو توفیق دی گئی ہے، ان کے فرائض بھی اسی نسبت سے ہیں۔ اگر کسی کو توفیق بڑی ملی ہے، تو اس کی ذمہ داری بھی بڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علم سے خلق فرمایا ہے۔ جس کو جہاں پیدا کیا ہے، وہ مرد ہے یا عورت ہے، جو فرائض اس کے ذمے ہیں یقیناً حسن و خوبی سے پورے کر سکتا ہے۔ مردوں کو ان کے کئے کی جزا دی جائے گی، عورتوں کو ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ ہر ایک اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگنا چاہئے۔ فضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانی عطا فرمائے اور اس کی عطا اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ ہر شے کے استعمال کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی رضا سے تعلق رکھتی ہے، باقی صورتیں خواہشِ نفس سے متعلق ہوتی ہیں۔ مرد اگر اپنے دائرہ کار میں مصروف رہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معیارِ مطلق مانیں تو ان کی زندگی یقیناً حسنِ سیرت کے بے حساب مناظر کی مظہر ہو گی۔ عورتیں اگر بی بی فاطمہ الزہرا کو معیارِ مطلق مانیں تو ان کی زندگی میں خوف و حزن کا داخلہ ممنوع ہو جائے گا۔ انہیں وسعتِ قلب و نظر عطا ہو گی۔ اور بیٹی، بیوی، ماں اور ساس چاروں مقامات پر وہ سکھ کی قاسم ہو جائیں گی۔ اس طرح جو معاشرہ قائم ہو گا، اس کا تقدس اس کا حسن اور اس کی شان اتنی عظیم ہو گی کہ اس نورِ ہدایت سے زمین کی ہر بلندی اور پستی منور ہو جائے گی۔

حاصل : علیمِ مطلق نے جس کا جو مقام رکھا ہے، علم سے رکھا ہے۔ مرد کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ عورت کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اللہ سے آسانی مانگنی چاہئے، اور اس کی عطا کو اس کی رضا پر لگانا چاہئے۔ ہر شے کے استعمال میں رضائے الٰہی ملحوظ رہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (۳۳) ع ۵ ۸ ۲

اور ہم نے ہر کسی کے لئے اس کے والدین اور اقربا سے موالی ٹھہرا دیئے ہیں۔ اور جن سے تمہارا حلف بندھ چکا، انہیں ان کا حصہ دے دو۔ بے شک ہر شے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔

والدین اور اقربا کے ترکے کے حصہ داروں کو مع ان کے حصص کے واضح فرما دیا گیا ہے۔ ورثا کی صف میں مزید کسی کو شامل کرنا خلافِ حق ہے۔ اگر کسی کی مدد مقصود ہو، اور اس سے وعدہ کیا جا چکا ہو، تو اسے دے دینا چاہئے یا اس کے لئے وصیت کر دینی چاہئے۔ حسنِ نیت سے اگر عطائے الٰہی کو تقسیم کیا جائے، اور ورثاء پر بھی اس تقسیم کو واضح کر دیا جائے، تو سب کو آسانی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : ورثاء کی صف میں مزید کسی کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ وارث وہی ہیں جن کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ جس سے کچھ دینے کا عہد کیا ہو، اسے دے دینا چاہئے۔ اگر وہ حال پر نہ ہو، تو اس کے لئے وصیت کر دینی چاہئے۔ تقسیم رضائے الٰہی کے تحت رہنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾

[فرما دیجئے: اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ اور اس لئے کہ انہوں نے اپنے اموال سے انفاق کیا۔ تو صالح عورتیں، مؤدب عورتیں، غیب میں اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت لازم ہے۔ اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمہیں خوف ہو، تو انہیں وعظ کرو، اور سونے میں انہیں دور رکھو، اور انہیں مارو۔ پھر اگر تمہاری اطاعت کریں، تو ان پر راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بڑا بلند ہے۔

مرد عورت پر قوام ہے، کہ عورت کا منشاء حیات مرد کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ مرد کو لازم ہے کہ وہ عورت کے نفقے کا اہتمام کرے، جس سے اس کی جسمانی و روحانی صحت مستحکم ہو۔ عورت کی شان یہ ہے کہ وہ صالح ہو، مؤدب ہو، اور شوہر کے پیچھے اپنی حفاظت کرنے والی ہو۔ عورتوں کا صالح ہونا یہ ہے کہ وہ خواہشات کے اتباع سے پاک رہتی ہیں، اور خوف خدا رکھتی ہیں۔ ان کو شوہر کا ادب اس قدر ہوتا ہے کہ وہ گھر کے اندر شوہر کی ذاتی خدمت کو اپنے لئے باعث برکت جانتی ہیں۔ ان کے گھر کے اندر ان کے شوہر سے کوئی خدمت لینے کی کوشش کرے تو اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے، اور وہ فوراً شوہر کی ذمے داری کو اپنی ذمہ داری بنالیتی ہیں۔ شوہر کو ستاتی کم ہیں، اس کی سننے میں انہیں راحت ملتی ہے۔ اور کبھی اس سے کسی کمی کی شکایت نہیں کرتیں۔ حفاظت کا حق اس طرح ادا کرتی ہیں کہ وہ اپنی ذات کو شمع محفل نہیں بننے دیتیں۔ اور شوہر کی امانت میں اس کے امر کے مطابق تصرّف کرتی ہیں۔ جن عورتوں کا چلن شہوات کے اتباع کے رخ کا پتہ دے، انہیں پاک بیبیوں کا حال سنانا چاہئے، ان کے ساتھ ان کا تعلق واضح کرنا چاہئے اور عصمت کی حفاظت کے اصول و ضوابط کی تعلیم دینی چاہئے۔ اگر اس سے ان کی اصلاح ہو جائے تو بہتر ورنہ انہیں الگ جگہ سونے کو کہا جائے۔ گھر سے نکالا بالکل نہ جائے۔ جن ایام میں عورت حیض سے فارغ ہو چکی

ہو، ان ایام میں عورت کو دور رکھنا بڑی سزا ہے۔ یہ اصلاح کی بڑی کوشش ہے۔ اس سے منشا پورا ہو جائے تو سبحان اللہ، ورنہ مارنے کی نوبت آ جائے گی۔ مارنے میں مقصود انہیں اطاعت شعار بنانا ہو گا۔ اگر سخت مارا پیٹا جائے گا تو اطاعت کی اہلیت ہی نہ رہے گی۔ جب عورت اطاعت کرنے لگے تو شوہر کے احکام کی تعمیل میں اس کی پسند ساکن ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دو راہوں سے بھی بچ جاتی ہے، اور دوراؤں سے بھی بچ جاتی ہے۔ اس مقام پر اس کے ساتھ سختی کرنے کی راہ تلاش کرنا ناجائز ہے۔ اس مقام پر اس کی قدر و منزلت سے اسے تقویت دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو اصلاح کے یہی مدارج پسند ہیں۔ بندے کی شان بھی اسی میں ہے کہ جس درجے کا مرض ہو، اسی درجے کا علاج کرے۔

حاصل : عورت کو مرد کا سہارا لینا لازم ہے۔ مرد پر عورت کے نفقے کا حق لکھا گیا ہے۔ عورت کی شان یہ ہے کہ صالح، مؤدب اور حیادار ہو۔ جو عورت سرکشی کی طرف بڑھتی نظر آئے اس کو وعظ، ہجر اور مارنے کے مدارج سے گزارنا چاہئے۔ مرد کے قوام ہونے کا حق اسی طرح ادا ہوتا ہے، کہ جس جگہ سے عورت کا قدم پھسلتا ہوا معلوم ہو، اس کو سہارا دے کر وہاں سے گزار دے۔ یہ بلندی کی بات ہے اور بڑی بات ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾

اور تمہیں ان کے مابین علیحدگی کا خوف ہو، تو ایک حکم مرد کے اہل سے اور ایک حکم عورت کے اہل سے کھڑا کرو۔ اگر یہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت کر دے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا خبر والا ہے۔

خیر کی طرف بلانے والے، بھلائی کا امر کرنے والے اور برائی سے منع کرنے والے جب یہ دیکھیں کہ میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی علیحدگی کی طرف بڑھ رہی ہے، تو ان کا یہ حق ہے کہ ایک حکم مرد کے اہل سے اور ایک حکم عورت کے اہل سے مقرر کر دیں۔ مخلصین کے چناؤ سے بہتر چناؤ کس کا ہو سکتا ہے۔ ان دونوں حضرات کو علیحدگی کے خوف کے پیشِ نظر ابتدا میں ہی اپنا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے حصول کو سب سے بڑا حق جانتے ہیں۔ اس لئے مرد کی طرف سے مقرر کردہ حکم مرد کو نرم کرنے کی سعی کرتا ہے اور عورت کی طرف سے مقرر کردہ حکم عورت کو نرم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اصلاح کی صورت ہوتی ہے۔ اصلاح کی ایسی کوشش اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فریقین میں توافق پیدا کر دیتا ہے۔ اس منشا کے لئے کوشش کرنے والے کے باطن و ظاہر کو علم والا اور خبر والا قادر مطلق خوب جانتا ہے۔

حاصل : میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی بڑھتی نظر آئے، تو مخلصین کو ان کے مابین اس طرح اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، کہ میاں کی طرف کا حکم میاں کو اور بیوی کی طرف کا حکم بیوی کو

رضائے الٰہی کے سامنے جھکائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے مابین موافقت پیدا کر دے گا۔ استقامت سے اصلاح کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کو علیم و خبیر ماننے کا ثبوت ہو گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قربیٰ اور یتاما اور مساکین اور قربیٰ ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس والے، اور مسافر کے ساتھ، اور اپنے ہاتھ کی ملک سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

عبادتِ الٰہی امرِ الٰہی کی تسلیم اور صاحبِ امر کی تعظیم ہے۔ معیارِ ہدایت ایک ہی ہو، اور اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، تو شرک سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ والدین کی ذاتی خدمت رضائے الٰہی کے تحت ہو، تو یہ ان کے ساتھ احسان ہے۔ ان کی خوراک اور لباس میں اس قدر اہتمام ہو، کہ ان کی قدر و منزلت کا احساس گھر کے اندر بھی بڑھے اور باہر بھی بڑھے۔ قربیٰ، یتاما، مساکین، قرب مکانی رکھنے والے، دور کے ہمسائے، پاس رہنے والے، مسافر اور مملوک، ان سب کے ساتھ ایسا سلوک ہو کہ انہیں محسوس ہو کہ مدد کرنے والے نے ان کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کیا ہے۔ اور اس سے ان کی عزت افزائی ہوئی ہے۔ اگر قاسم نعمت کے جسم کی کسی حرکت سے مستحقین کی تحقیر کا احساس ہوتا ہو تو یہ اس کے اترانے کا ثبوت ہو گا، اور اگر اترانے کو زبان مل جائے گی تو یہ فخر ہو گا۔ یہ دونوں باتیں ناشکری کی علامت ہیں، اور ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

حاصل : مستحقین کا تعین اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ ان کی خدمت کے موقع کو فضلِ الٰہی جانتے ہوئے ان کی تکریم کرنی چاہئے۔ ناشکرے ہی اتراتے ہیں، اور ناشکرے ہی فخر کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کا امر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ اسباب پر ہی نظر رکھتے ہیں، انہیں اموال ہی کار ساز نظر آتے ہیں۔ یہ معطیٔ مطلق کا نام بھی لیتے ہوں تو انہیں اس کا یقین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ علم سے پالنے والا ہے۔ یہ لوگ اموال کو ہی مقصودِ حیات بنا لیتے ہیں، اس لئے بخل کرتے ہیں، اور دوسروں کو بھی بخل کا امر کرتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مال نہ ہو تو دنیا میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ حال پر کم نہیں ہو سکتا۔ پورے کی طرف سے جو بھی عطا ہو وہ حال پر پورا ہوتا ہے۔ مستقبل کے بوجھ کو فرض کر لینا، اور عطائے خداوندی سے لاعلم ہونا خوف و حزن کا باعث ہی ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کی برسات کرتا رہتا ہے۔ بخیل کو کمی کے خوف سے نجات نہیں ہوتی۔ بخیل یہ بھی جانتا ہے کہ لوگ اس کے اموال کو دیکھیں گے تو اس سے توقعات بھی رکھیں گے، اس لئے وہ عطائے خداوندی کو چھپانے میں ہی بھلائی دیکھتا ہے۔ عطائے خداوندی کو اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ ناشکری ہوتی ہے، اور ناشکرے سے نعمت کی برکت بھاگ جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں چھلکا ہی رہ جاتا ہے، جو سوائے آگ میں جلانے کے کسی جگہ کام نہیں آتا۔ یہی اس کے لئے عذاب کی تیاری کی صورت ہے۔

حاصل : عطائے خداوندی کو پورا نہ جانتے ہوئے اسے رضائے خداوندی پر لگانے سے رک جانا بخل ہے۔ بخیل دوسروں کو بھی بخل کا امر کرتا ہے۔ عطائے خداوندی کو چھپانا ناشکری ہے۔ اور اس کا حاصل ذلت کا عذاب ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور وہ جو اپنے اموال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں، اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ یوم آخر پر، اور جس کا ساتھی شیطان ہوا، تو کتنا برا ساتھی ہے۔

بخیل کو اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی۔ لوگوں کی واہ واہ اسے پسند ہوتی ہے، اس لئے وہ ایسے لمحات کو تاڑتا رہتا ہے جب ناظرین کی کثرت ہو اور زیادہ خرچ کرنے کا موقع بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس یقین سے خرچ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی پہلے بھی ملا ہے، آئندہ بھی ملے گا۔ بہترین مصرف یہی ہے کہ معطیٔ مطلق کی رضا پر خرچ ہو جائے۔ یوم آخر پر ایمان ہو، تو کسی سے اجر کا سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ حال پر جو میسّر ہو، اسے ضروریات کے مقابل حقیر ثابت کرے، مستقبل کے اندیشوں کا بارِ گراں اٹھوا دینے کے بعد ماضی کے تجربات سے روشنی حاصل کرنے سے بھی روک دے۔ اس سے برا ساتھی کوئی ہو نہیں سکتا۔

حاصل : ریاکار اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتا اور اجر کا سوال بھی ضرور رکھتا ہے۔ شیطان ہمیشہ حاضر توفیق کو ضروریاتِ زندگی کے مقابل حقیر ہی ثابت کرتا ہے۔ اس سے برا ساتھی کوئی نہیں ہو سکتا، کہ حق کو قبول کرنے سے روکتا ہے، اور مشقّت کی طرف بھی دھکیلتا رہتا ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور انہیں کیا تھا، اگر اللہ تعالیٰ اور یوم آخر

الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

پر ایمان لاتے، اور خرچ کرتے جو رزق انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا علم رکھنے والا ہے۔

توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اور جو حق حال میں کسی پر عائد ہو اس سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ رزق اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اس کے حسبِ ارشاد خرچ کیا جائے، تو عطا کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور کسی سے اجر کے سوال کی نوبت بھی نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے علم والا ہے، اس لئے اس کی رضا پر خرچ کرنے والے کو کمی کے خوف سے نجات ہو جاتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی عطائے بے بہا کے تجربات سے گزرنے کے باوجود، اور نتائج کے باذن اللہ ہونے کے کثیر مشاہدات کے باوجود، نظر اسباب پر ہی لگی رہے تو یہ بڑی بے حجابات ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا، اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کر دیتا ہے۔ اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر وہ بوجھ ڈالتا ہی نہیں، جس کی اسے توفیق نہ دی گئی ہو۔ چاہے وہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے فرائض کی ادائیگی میں ثابت قدمی لازم ہے۔ اگر کوئی ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو خرچ کرتا رہے، تو اس کی توفیق بڑھتی رہتی ہے۔ جس کے ساتھ مہربانی کا عمل ہو اسے ہی مہربانی کرنے کا سبق ملتا ہے، اور جب اسے آسانی میسر آئے تو وہی مہربانی کیا کرتا ہے۔ جس کا کام رضائے الٰہی کے تحت ہو وہ اجرِ عظیم کا حق دار ہوتا ہے۔

حاصل : کسی کی توفیق سے زائد ذرہ بھر بوجھ بھی اس پر ڈالنا بے جا ہے۔ نیک لوگوں پر اعتماد کرنا حق ہے۔ اس سے ان کی توفیق بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا اجر دینے والا کوئی نہیں۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ ط

وقف النبی علیہ وسلم

پھر کیسی ہو گی، جب ہم ہر امت سے ایک شہادت دینے والا لائیں گے، اور آپ کو ان سب پر شہادت دینے والا ٹھہرائیں گے۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک معیارِ اخلاق رکھا ہے۔ اسی معیار کی نسبت سے اس امت کو دیکھا جائے گا۔ کسی امت کی طرف بھیجے ہوئے شاہد سے جب پوچھا جائے گا، آپ نے حق کی تبلیغ کی تھی اور بشارت و انذار کا حق ادا کیا تھا، تو وہ اس کی شہادت

دیں گے۔ جن لوگوں کو ان سے محبت ہوگی، ان کے اعمال خالص ثابت ہو جائیں گے۔ دوسروں کے ناخالص ثابت ہو جائیں گے۔ انبیاء سابقین کی شہادتوں کے بعد کلی شہادت حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی کہ کلی علم کے مالک ہونے کا شرف آپ ہی کو حاصل ہے۔ حضور نے ماننے والوں کو باعلم اور نہ ماننے والوں کو بے علم مانا ہے، اور بے علمی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ معافی ہے۔ اس لئے سب سے بڑی شہادت آپ ہی کی ہوگی۔ اس اقدس شہادت سے انبیاء سابقین اور ان کے ماننے والوں کے بارے میں بیان ہوگا۔ یا اللہ ان سب حضرات نے تیری رضا کے حصول کے لئے پوری پوری سعی کی ہے۔ کوتاہیوں کی معافی تیرے فضل سے ہی ہو سکتی ہے، اور تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بزرگانِ دین اور ان کے تابعین کو اپنا ماننے والا ثابت کریں گے۔ اس دن سب بزرگانِ دین کے وجود کے واحد ہونے کا انکار محال ہوگا، اور اختلاف کی جڑ کٹ جائے گی۔

حاصل : معیارِ اخلاق جو بھی تھا، اور جو بھی ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس لئے اخلاق کی تصدیق میں سب سے بڑی شہادت آپ کی ہوگی۔ حضور سے قبل اور بعد سب فلاح پانے والے آپ کی تصدیق کے طالب ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾ ع ٦ ٩ ٣

اس دن وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی تھی، آرزو کریں گے کہ زمین کے برابر ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔

اخلاق کے معیارِ مطلق کی شان کو دیکھ کر منکرین یہ آرزو کریں گے کہ وہ مٹ جائیں، اور اس ذاتِ اقدس کو دیکھنے کا موقع ہی نہ پائیں جو ان کی فلاح کے لئے مسلسل کوشاں رہی اور جس کا انہوں نے ہمیشہ انکار کیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جزو کا انکار بھی حضور کا ہی انکار ہے۔ منکر اپنی کیفیت کو علیم مطلق سے چھپا نہیں سکتے۔ کافر آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ جب وہ ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہوگی اور شاہدین کی عظمت روشن ہوگی، تو منکرین پر وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔

حاصل : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی جزو کا انکار بھی حضور کا ہی انکار ہے۔ منکرین خسارے تک پہنچ کر بھی خواہ کی شان کو دیکھتے ہیں۔ پھر اس صاحبِ عزت کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی نیّت کا چھپنا محال ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے :

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

[جس دن ہر نفس اپنی ہی طرف جھگڑتا آئے گا، اور ہر نفس کو اس کا کیا پورا بھر دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو: نشے میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تمہیں علم ہو جو کہہ رہے ہو، اور نہ جنابت میں، سوائے مسافری کے، حتیٰ کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو مس کیا ہو پھر پانی نہ پایا ہو، تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، تو اپنے مونہوں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ عفو کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

نماز اظہارِ عبودیت کی ایک طریقت ہے۔ جب تک نشے کی حالت ہو اظہارِ عبودیت میں بے ربط ہونے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ اس لئے نشہ اگر طبیب کے امر سے بھی ہو اور علاج کا ایک حصہ بھی ہو تب بھی اس حالت میں نماز کے قریب جانا منع ہے۔ جب یہ معلوم ہونے لگے کہ وضو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جان کر کیا ہے، نماز کی نیّت انہی کی تعلیم کے مطابق کی ہے، کلمات انہیں کی طریقت سے پڑھے جا رہے ہیں، قیام، رکوع، قعود انہی کے اتباع کا ثبوت ہیں، اور اس کے ساتھ یہ احساس بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری شاہد کی معیّت سے ہی ثابت ہوتی ہے، دعا یہ ہو رہی ہو، یا اللہ تیرے دربار میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور شاہدین کے ارشاد کے مطابق حاضر ہونے کی سعی کر رہا ہوں، تو علیمِ مطلق ہے، میری کم علمی کو تجھ سے بڑا جاننے والا اور کوئی نہیں، تو اگر مجھے بھی اپنے پیاروں کے ساتھ لکھ لے، تو یہ تیری بڑی مہربانی ہو گی، میں کسی استحقاق کا دعویٰ نہیں کرتا، تو یہ حالت نماز کے قریب جانے کی ہو گی۔ عورت سے صحبت کے بعد طہارتِ جسمی کے لئے نہانا لازم ہے۔ مسافری میں جہاں نہانا ممکن نہ ہو، تیمّم کی اجازت ہے۔ مریض کو اور مسافر کو بھی تیمّم کی اجازت ہے۔ قضائے حاجت کے بعد طہارت کا حکم ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمّم کی اجازت ہے۔ عورتوں کو جب بھی مس کیا جاتا ہے، منشا بقاء نسل ہی ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہانے کا حکم ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمّم کی اجازت ہے۔ تیمّم ہر پاک مٹی سے ممکن ہے اور کوئی مقام نہیں جہاں یہ محال ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی انتہا ہے کہ اس نے پاک رہنے کا کلی علم بندوں کو عطا فرمایا ہے۔ پانی کی موجودگی میں تیمّم جائز نہیں، سوائے اس کے کہ طبیب اس کا امر کر دے۔ تیمّم میں پہلے مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیرنا اور پھر ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیرنا فرض ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔ دربارِ الٰہی میں حاضری کی توفیق ہو اور نشے کی حالت نہ ہو، تو نفس کو پانی کے انتظار میں رکنے کی اجازت دینا منع ہے۔ تیمّم سے ہی حق کو ادا کر دینا چاہئے۔

حاصل: نماز اظہارِ عبودیت کی مقرر صورت ہے۔ نشے کی حالت میں بے ربط ہونے کا امکان

ہوتا ہے، اس لئے اس حال میں نماز کے قریب جانا منع ہے۔ وضو ممکن نہ ہو، تو تیمم کی اجازت ہے۔ لوگوں کے ساتھ معافی اور بخشش کا رخ رکھنا حق ہے۔ جنبی کو غسل لازم ہے۔ مسافر ہو اور پانی نہ پائے تو تیمّم جائز ہے۔ مریض کو تیمّم جائز ہے۔ مسافر کو بھی پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ قضاء حاجت کے بعد بھی پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ عورتوں کو چھونے کے بعد بھی غسل لازم ہوتا ہے۔ پانی نہ ملے تو تیمّم جائز ہے۔ تیمّم میں چہروں اور ہاتھوں کا پاک مٹی سے مسح کرنا فرض ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا ہے، گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ۔

جن لوگوں کو آنے والے حال کے متعلق آگاہ کیا گیا ہو اور انہیں انعام یافتہ ہونے کی طریقت سکھائی گئی ہو وہ اگر اپنی خواہشات کے اتباع میں اس عطا کی ناشکری کرنے لگیں، تو یہ گمراہی خریدنے والی صورت ہو گی۔ ایسا گمراہ اپنی خواہشات کے ساتھ اس قدر چمٹ جاتا ہے کہ اس کا اور کوئی مقصدِ حیات نہیں رہتا۔ گمراہ ہمیشہ راہ والوں سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان لوگوں کے غلبے کے ساتھ ہی خواہشات کی پیروی کی گنجائش گھٹنے لگے گی۔ یہ راہ والے اگر بہک جائیں تو پھر ہمارا عیب، عیب معلوم ہی نہ ہو گا۔

حاصل : آنے والے حال کے متعلق آگاہی کا شکریہ ادا کرنا حق ہے۔ شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس حال کو دیکھ کر اپنا حق رضائے الٰہی کے لئے ادا کیا جائے۔ گمراہ، راہ والوں سے ڈرتے ہیں، اس لئے راہ والوں کے بھٹکنے میں انہیں خوشی ہوتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعداء کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے ولی، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے نصرت دینے والا۔

ایمان والوں کے ساتھ خلوت میں دشمنی کرنے والے اور جلوت میں دشمنی کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتے ہیں۔ انہیں جو میسّر ہوتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ ان کی استطاعت اور ان کی اہلیت کا اللہ تعالیٰ سے بڑا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کی دشمنی کے مقابل اللہ تعالیٰ کی دوستی پوری پوری کفایت کرتی ہے۔ دشمنوں کی استطاعت محدود اور دوست کی قدرت ہر شے پر محیط، دشمنوں کا علم محدود اور دوست کا علم ہر شے پر وسیع، اللہ تعالیٰ سے بڑا دوست اور بڑا مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اعداء کی عداوت اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے مقابل کیا معنی رکھتی ہے۔

حاصل : اعداء کی عداوت، اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے مقابل کوئی وزن نہیں رکھتی۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

کچھ یہودی کلام کے مواضع میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا، اور سنئے آپ سنائے نہ جائیں۔ اور اپنی زبانوں کو پھیر کر راعنا کہتے ہیں، اور دین میں طعنے کے لئے۔ اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور سنئے اور ہم پر نظر فرمایئے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور بہت درست ہوتا۔ ولیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر قلیل۔

کلامِ حق میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کے لئے حروف یا ان کی قرأت بدلنا تحریف ہے۔ یہود خبثِ باطن کے اظہار کے لئے ایسی ترکیبیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جہاں فضیلت کی بنیاد صرف زبان دانی اور قرات ہو جائے، وہاں سیدھے لوگوں کی عظمت کے مشاہدے کے باوجود کلام کے مواضع میں تحریف اور ان کے ساتھ استہزا کا مقام ضرور آتا ہے۔ یہ لوگ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ان میں شاہد کی فضیلت و عظمت کے اعتراف کے معنی بھی ہوتے ہیں، اور اس کے بالکل خلاف معنی بھی ہوتے ہیں۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اور خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دے، اور وہ اجر کا سوال بھی نہ کرے، اس کی بات کو باعثِ فلاحِ دارین مانتے ہوئے یہ کہا جائے، ہم نے سنا اور مانا، اور اگر مزید سننے کے لئے درخواست کرنا ہو تو کہا جائے "انظرنا"۔ سننے والا سنانے والے سے ساتھ رکھنے کی درخواست کرے، تو اس سے اسے بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسرے سننے والے لوگوں کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن دین میں طعن کرنے کی نیّت رکھنے والے سیدھے پن کو بےوقوفی سمجھتے ہیں، اور الفاظ میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کو قابلیت سمجھتے ہیں۔ اس لئے قرأت بدل کر یا حروف بدل کر اپنی خباثت کو ظاہر کر کے اپنے ساتھیوں سے داد پاتے ہیں۔ اس سے انہیں دوہرا نقصان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی خلاف ورزی کی بدولت ہونے والے نقصان کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھی بھی اپنے آپ کو ان کے شر سے محفوظ نہیں سمجھتے۔ اس طرح یہ بےادب لوگ مسلسل کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ شاہد کی بات کو سنتے اور مانتے، تو ان کے علم سے روشنی بڑھتی۔ انہیں بھی راحت حاصل ہوتی، لوگ بھی ان کی قدر و منزلت میں خوف سے پاک رہتے۔ لیکن حق کو جان کر اس میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش، حق کے انکار سے بڑا گناہ ہے۔ اسی وجہ سے ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایمان وہی لاتے ہیں جو رضائے الٰہی کے مقابل رخ اختیار کرنے میں خسران دیکھتے ہیں۔

حاصل : کلامِ حق میں اپنی پسند کے معنی پیدا کرنے کے لئے دین میں طعن کرنے والے، حروف یا

ان کی قرائت کو بدل کر تحریف کرتے ہیں۔ شاہدین کے کلام کو سننا اور اطاعت کرنا بہتر ہے۔ مزید سننے کی درخواست "واسمع وانظرنا" کی صورت میں پیش کرنی چاہئے۔ جو لوگ اپنی پسند کو حق کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں وہ لعنتی ہیں، اور انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوتی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

اے لوگو جنہیں کتاب عطا ہوئی، ایمان لاؤ جو ہم نے نازل فرمایا، اس کا مصدق جو تمہارے پاس ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ہٹا دیں کچھ صورتوں کو پھر انہیں پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ہم ان پر لعنت کریں، جیسے ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی، اور اللہ تعالیٰ کا امر ہو کر رہتا ہے۔

اہلِ کتاب کے پاس فرمانِ خداوندی جو انہیں ماضی میں عطا ہوا تھا، موجود ہے۔ قرآنِ پاک اس کا مصدّق ہے اور اس کا حال قیامت تک جاری رہے گا۔ اس پر ایمان لایا جائے تو اس کے ماضی کو ماننے کا ثبوت ملے گا، اور اس کے انکار کی صورت میں عذاب یا لعنت یقینی ہوگی۔ حق کے انکار میں مسلسل بڑھتے رہنے والے کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ وہ بار ہا کی آگاہی کو نظر انداز کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے چہرے کو پیٹھ کی طرف پھیر کر اسے تہہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا شمار خاسرین میں ہو جاتا ہے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی کے قول کو بدلتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے، ان کے فسق کے سبب، جیسے اصحابِ سبت پر ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ ماننے والوں کے لئے اس میں بشارت ہے، نہ ماننے کی صورت میں انذار ہے۔ دونوں باتیں یقیناً ہو کر رہتی ہیں۔ جو مخلصین کی راہ اختیار کرتا ہے، وہ مفلحین میں شمار ہو کر رہتا ہے۔ جو خواہشات کے اتباع کو ہی مقصد حیات بنا لے۔ وہ گمراہ ہو کر رہتا ہے۔

حاصل: حال کا انکار یقیناً ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے چاہے ماضی کو تسلیم کرنے کا دعویٰ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ حق کے انکار میں بڑھتے رہنے والے کو تہہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ حق کے قول کو بدلنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہو کر رہتا ہے، کہ وہ مالکِ کل ہے۔ اور کوئی بھی توفیق اس کے امر کو روک نہیں سکتی، کہ امرِ الٰہی کے مقابل اس کی وقعت ہی کیا ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جو چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو بے شک

اس نے گناہ کا بڑا طوفان باندھا۔

شرک ظلمِ عظیم ہے، اور اس کی حقیت شاہد کے حوالے کے مقابل اللہ تعالیٰ کو اپنی پسند کے مطابق ماننا ہے۔ اس میں افتریٰ، گناہ، اور طوفان سب موجود ہوتے ہیں۔ یہ علمِ الٰہی کو اپنے گمان کے مطابق بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس سے لوگ مشقّت میں مبتلا ہونے لگتے ہیں، اس لئے یہ قابلِ بخشش نہیں۔ شاہد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے، پھر اس میں کمی بیشی بھی ہو جائے تو اللہ کے محبوب کا رخ رکھنے کی بدولت معافی ہو جاتی ہے۔

حاصل : شاہد کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو ماننا حق ہے۔ اس کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنانا شرک ہے۔ اس میں افتریٰ اور گناہ کا طوفان ہوتا ہے۔ مشرک اپنے گمان کو علم کہہ کر لوگوں کو مشقّت میں مبتلا کرتا رہتا ہے اس لئے اس کی معافی نہیں ہوتی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاک کرتا ہے۔ اور ان پر دھاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔

پاکی دعویٰ ہے، اور تزکیہ عطا کرنے والے کی شہادت اس دعوے کو سچا ثابت کرتی ہے۔ جو تزکئے کے قاسم سے محبت رکھتا ہو، وہ اس کا اتباع کرتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کا اتباع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اور اسے پاک کر دیتا ہے۔ اس کا عنوان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جاتا ہے۔ اس پر عملدر آمد اللہ تعالیٰ کے محبوب کے ہاں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کئے کی ہی جزا دیتا ہے، اس لئے اس کی طرف سے کسی پر دھاگے برابر ظلم کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حاصل : جس پاکی کے ساتھ تزکیہ عطا کرنے والے کی شہادت نہ ہو، وہ قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔ جو اللہ تعالیٰ کے پیاروں کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے چاہتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ سزا دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھنا بڑا حق ہے، کہ سزا دینے والا رضائے الٰہی کے ساتھ آوازِ نفس کو شامل نہ ہونے دے۔ ورنہ ظلم ضرور ہو جائے گا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ
۸ عٓ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰ؑ

نظر کرو، اللہ تعالیٰ پر کذب سے کیسا افتریٰ باندھ رہے ہیں۔ اور یہ کافی ہے صریح گناہ۔

اپنے گمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا بتانا، اور مخلصین کی شہادت سے اپنے دعوے کو سچا ثابت نہ کرنا، اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنا ہے۔ یہ صریحاً بڑا گناہ ہے کہ اس سے لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی زبردست دعوت ملتی ہے، اور لوگ

مشقت میں مبتلا ہونے لگتے ہیں۔

حاصل : پاکی لوگوں کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے۔ دعویٰ پاکی کا ہو اور لوگوں کو اس کے قرب سے عافیت کی بجائے اذیت ملے، تو یہ اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والی بات ہے۔ اور صریحاً گناہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا ہے :

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

[اسے علم ہے جو کچھ ان کے آگے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔]

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں، کہ یہ ایمان والوں سے زیادہ راہ پر ہیں۔

حکمِ خداوندی کے ایک حصے کو ماننے والے لوگ وہ ہوتے ہیں، جن کی تسلیم صرف قول کی حد تک ہوتی ہے، اور اس میں بھی تضاد موجود ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی پسند کے پیمانے سے حقائق کو ماپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کے مقابل مخلصین کے اتباع سے ہٹ کر قولاً کوئی جہت اختیار کی جائے، تو یہ جبت پر ایمان لانا ہو گا۔ اور جب اس پر عمل ہو گا، تو یہ طاغوت پر ایمان لانا ہو گا۔ کافروں کے بارے میں ان کا رویہ نرم ہو گا، اور کافروں کو ملی ہوئی مہلت اور توفیق انہیں مرعوب کر دے گی۔ متاعِ حیاتِ دنیا تو یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ کون اس کا استعمال رضائے الٰہی کے مطابق کرتا ہے، اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ اگر متاعِ حیاتِ دنیا کو ہی ہدایت کا معیار بنا لیا جائے، تو ہدایت مادی ہو جائے گی اور اس میں دوام محال ہو جائے گا۔ ہدایت کے لئے ناصح سے محبت لازم ہے۔ محبت کی شان یہی ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں اپنے محبوب کا مظہر ہو۔

حاصل : جن کی تسلیم صرف قول کی حد تک ہو، ان کے قول میں بھی تضاد ہوتا ہے۔ مخلصین کے اتباع سے ہٹ کر کوئی جہت اختیار کرنا، جبت پر ایمان لانا اور اس پر عملدر آمد کرنا طاغوت پر ایمان لانا ہے۔ جو اسباب کی کثرت میں ہدایت کا بلند درجہ دیکھتے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ ایمان والوں کے مقابل کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن

یہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی۔ اور

يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

جسے اللہ تعالیٰ لعنت کرے تم ہرگز اس کے لئے نصرت دینے والا نہ پاؤ گے۔

جو لوگ معطیٔ مطلق کی رضا کے مقابل اسباب کو ہی مقصدِ حیات بنالیں، اور اسباب کی قلت و کثرت سے ہدایت کی کمی بیشی جانچنے لگیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اسباب کی صورت میں ملی ہوئی توفیق جب ختم ہو جاتی ہے، تو پھر مسبّب کو ماننا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

حاصل : جو شے کو تو مانے اور جس مالکِ کل کی وہ شے ہے اسے نہ مانے اور من مانی کرے وہ لعنتی ہے۔ مسبّب کے امر سے جب اسباب کا رُخ بدل دیا جاتا ہے، تو لعنتی بے یار و مددگار رہ جاتا ہے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾

کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے۔ پھر تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں۔

مالکِ کل اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ نہیں بنایا۔ اللہ کے محبوب کی بدولت عطا ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے وارث بناتا ہے ملک کا، اور جسے اللہ چاہتا ہے وہ عنداللہ اکرم ہوتا ہے۔ لوگ بھی اس کی تکریم کریں تو حسنِ معاشرت کے مشاہدات عام ہو جاتے ہیں۔ ظالم عنداللہ ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ جب لوگ قیادت کے لئے اس کا چناؤ کریں، تو مشقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کا منشا ہی متاعِ حیاتِ دنیا ہو، وہ کسی کو تل بھر دے کر بھی راضی نہیں ہوتا۔ اگر وہ دیتا نظر آئے، تو اس میں یقیناً اس کی غرض و غایت اور خواہش کارفرما ہوگی۔ جہاں اسے اپنی ملکیت میں کچھ خوف و خطر نہ ہو گا، وہاں وہ کسی کو کچھ نہیں دے گا۔

حاصل : لعنتی کسی کو کچھ دے تو یہ اس کے لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی سند ہے۔ جہاں اسے اپنی ملکیت میں خوف و خطر نہ ہو، وہاں وہ کسی کو کچھ نہیں دیا کرتا۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں، اس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا۔ تو ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا فرمائی۔ اور انہیں ملک عظیم عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب کسی صاحب پر عطا ہو رہی ہو تو اس سے انعام و اکرام لینا حق ہے۔ جب اپنی ذات اس عطا کی

زیادہ مستحق نظر آئے تو یہ معطیٔ مطلق پر اعتراض ہو گا۔ یہی حسد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (۲ : ۱۲۴) بے شک میں آپ کو امام بناؤں گا۔ آپ نے عرض کی " وَمِن ذُرِّيَّتِي " اور میری اولاد۔ ارشاد ہوا لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (۲ : ۱۲۴) [میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا] اب آلِ ابراہیم میں کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم کی موجودگی تو اللہ کے فضل سے رہے گی، لیکن ظالم اس کے حق دار نہیں ہو سکتے۔ اور حاسد کو معطیٔ مطلق پر اعتراض ہوتا ہے، اس لئے یہ یقیناً ظلم ہے۔ ظالموں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں امامت کا عہد نہیں ہے۔

حاصل : جس صاحب پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے عطا ہو رہی ہو، اس سے محبت باعثِ فلاح ہوتی ہے۔ اس سے دوری کی حقیقت حسد ہے۔ ظالم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام نہیں بنایا جاتا۔ کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم آلِ ابراہیم کو حاصل ہیں اور معترض ظالم ہیں۔

فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾

تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا۔ اور کسی نے اس سے منہ پھیرا۔ اور بھڑکتی دوزخ کافی ہے۔

جو شرک سے پاک رہا وہ ایمان لایا، جو اس میں مبتلا ہو گیا وہ ایمان سے ہٹا رہا، اور ظلمِ عظیم کے ارتکاب کے سبب بھڑکتی دوزخ اسے کافی ہو گی۔ جس نے ملّتِ ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کے اعتراف کے باوجود اپنے تشخص کو قائم رکھنے کی خواہش کی، اس مشرک کی تجویز نے اسے ناشکرا بنا دیا، اور اس کے اعمال کے نتیجے کے طور پر آگ جمع ہوتی رہی۔ جب اجلِ مسمّٰی پوری ہو جائے گی تو وہ آگ بھڑک اٹھے گی۔ اپنے اعمال کے حاصل سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : شرک سے پاک رہنا ایمان لانا ہے۔ اپنے اعمال کے حاصل سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ ع

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات سے کفر کیا، جلد ہی ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے۔ جس وقت ان کی جلد پک جائے گی، تو ہم ان کی اور جلد بدل دیں گے کہ عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استعمال کا حقیقی علم اس کی طرف سے شاہدین کو عطا ہوتا رہا ہے، اور ان کی بدولت لوگ اس علم سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے عطائے خداوندی کو علمِ حقیقی کے مقابل اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کیا ہے،

یہ آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں، اور ان کا ہر عمل ان کے جلنے کا سامان ہے۔ جب جزا کا وقت آئے گا، توانہیں اس سامان میں جو ان کے اعمال کی صورت میں جمع ہو گا ڈال دیا جائے گا اور وہ سامان جل اٹھے گا۔ اس سے فرار ممکن نہ ہو گا۔ جِلد میں اعصابی نظام اس طرح رکھا گیا ہے کہ جہاں کسی شے نے جسم کو مس کیا فوراً دماغ تک اس کا احساس پہنچا، اور دماغ نے اس سے دور ہٹنے کا یا قریب ہونے کا فیصلہ صادر کیا۔ جب جِلد نضج پا کر سڑ جائے، تو احساسِ اذیت گھٹ جاتا ہے۔ اس احساس کو برقرار رکھنے کے لئے اور جِلد بدل دی جائے گی۔ انکار کے تسلسل کو قائم رکھنے والوں کا حال جب مستقبل بنے گا تو ان پر عذاب کے تسلسل کو قائم رکھا جائے گا۔ عزت والے حکمت والے قادرِ مطلق کے فرمان کو ماننے ہی میں فلاح ہے۔

حاصل : عزت والے حکمت والے قادرِ مطلق کے ارشاد کا انکار باعثِ عذابِ مسلسل ہو گا۔ جس کی بات نورِ ہدایت پر مبنی ہو، اس کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے شاہدین کا انکار کرنا ہے، اور خسارے کو دعوت دینا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، جلد ہی ہم انہیں جنتوں میں داخل کریں گے۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے وہاں ازواج مطہرہ ہیں۔ اور ہم انہیں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور صالح اعمال کا معیار شاہد ہوتا ہے، جس کے اتباع میں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ جس نے علمِ الٰہی کے مطابق بشارت کی راہ اختیار کی اور شاہد سے محبت رکھی، اس کو خدائی مہمان کا درجہ نصیب ہوا اور ہو گا۔ اس میں دوام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزبانی ہو گی۔ اور اس سے بڑی عزت افزائی کوئی نہیں ہو سکتی۔ ازواجِ مطہرہ خدمت پر مامور ہوں گی۔ وہاں بقائے نسل کا کوئی کام نہیں ہو گا، اور لاحاصل عمل مومن کی شان کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ مقبول بندے ایسے مقامات پر رہیں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہو گا۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ مخلصین کی تکریم کا پورا پورا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں امر کرتا ہے، کہ امانتیں امانت والوں کو سپرد کر دو۔ اور جب لوگوں کے مابین حکم کرو، تو عدل سے حکم کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوب

يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

وعظ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امانت رکھنے والا اپنی متاع کی حفاظت کے لئے اسے کسی امین کے سپرد کر دیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے توفیق ہوئی تو میں اتنی دیر بعد ان شاء اللہ سنبھال لوں گا، ورنہ میرے اہل کو بلوغت کے بعد یہ سپرد کر دی جائے۔ امانت کی واپسی کا مومنین کو بڑا انتظار ہوتا ہے۔ وہ امانت کو واپس کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور جن کو امانت لوٹائی جاتی ہے، ان کی پوری پوری مدد کرتے ہیں کہ ان کے کاروبار میں انہیں استحکام ملے۔ جب لوگوں کے مابین حکم کرنے کا شرف ہو، تو عدل سے حکم کرنا حق ہے۔ عدل یہ ہے کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا خوب وعظ ہے کہ اس سے ہر فرد کو احساسِ تحفظ میسر آتا ہے، قوتِ کارکردگی بڑھتی ہے، روشن مثالیں قائم ہوتی ہیں اور خواہشات کا اتباع کرنے والے اصلاح کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے، اور سب کچھ دیکھتا ہے اسی لئے ہر قول پاک ہو، اور ہر حرکت میں رضائے الٰہی ملحوظ ہو تو صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

حاصل : امانت کو واپس کرنا امرِ الٰہی ہے۔ حکم میں رضائے الٰہی مقصود ہو تو عدل ہو گا، عدل ہو گا تو ہر فرد کو احساسِ تحفظ حاصل ہو گا۔ قول میں رضائے الٰہی موجود ہو، تو اللہ تعالیٰ کو سمیع اور بصیر ماننے کا بڑا انعام ملتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
ع ۸ ۹ ۵ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور جو تم میں اولی الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی شے میں تنازعہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر اور احسن تاویل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ اس کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کی فلاح کے لئے نازل فرمائے گئے ہیں، اور قادرِ مطلق ہر احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے اعلم کی اطاعت یہ ہے کہ اپنے علم کو اس کے علم پر قربان کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو اس کے حوالے سے مانا جائے۔ اولی الامر کا مخلص ہونا ضروری ہے۔ اس کی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تصدیق سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ وہ حال پر جو بھی کرتا ہے اس میں دخل دینا بے جا ہوتا ہے۔ اگر اس کی معیّت میں صبر کی استطاعت نہ رہے تو اس کے سامنے اپنی مشکل کو بیان کرنا چاہئے۔ اور اس سے

اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس حال کی تصدیق کے بارے میں سوال کرنا چاہئے۔ بہتر جاننے والے ہی اس مقام پر روشنی عطا کر سکتے ہیں۔ جس کو مخلص مان لیا جائے، اس کے عمل کو اپنے علم سے دیکھنا منع ہے، ورنہ علم میں رفعت نہیں آ سکتی۔ اور ساتھ کا ثبوت اسی طرح ملتا ہے، جب سمجھ میں آنے والی بات کو بھی مانا جائے، اور سمجھ میں نہ آنے والی بات کو بھی مانا جائے۔ مشکل پیش آ جائے تو اس حال پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے روشنی لی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر ایمان رکھنے کا ثبوت ہو گا۔ یہ بہتر اور احسن تاویل ہے کہ اس کا منشا قربِ الٰہی ہے۔

حاصل : حال پر اولی الامر کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس اطاعت میں مشکل پیش آئے تو پیچھے ہٹ جانے کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے روشنی لینی چاہئے۔ منشا قربِ الٰہی ہو، تو آسانی عطا ہو گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَهُ ٱلدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿٥٢﴾

[اور اسی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اسی کی فرماں برداری لازم ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے مقابل غیر سے ڈرو گے]

أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّـٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَـٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَـٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہیں زعم ہے کہ وہ ایمان لائے، جو تمہاری طرف نازل ہوا اور جو تم سے قبل نازل ہوا۔ چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لئے طاغوت کی طرف جائیں۔ اور انہیں امر تھا کہ اس کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور جا ڈالے۔

جس کا دعویٰ ایمان شاہد کی صداقت و امانت کے اعتراف پر مبنی ہو، اس کو شاہد سے محبت ہو جاتی ہے اور ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس کا ایمان اس کی سمجھ کے تابع رہے، اس کو ایمان کا زعم ہی ہوتا ہے۔ وہ حال کو بھی تسلیم کرنے کا دعویدار ہوتا ہے، ماضی کو بھی تسلیم کرنے کا دعویدار ہوتا ہے مگر فیصلہ طلب امور کو طاغوت کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ جس دل میں ایمان ہو وہاں طاغوت کا کوئی مقام نہیں ہو سکتا، اور جہاں طاغوت ہو وہاں ایمان نہیں ہو سکتا۔ طاغوت کے انکار کی حقیقت خواہشات نفس کا عدم اتباع ہے۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والے کو وہاں تک پہنچا دے کہ اصلاح کی طرف اس کی واپسی محال ہو جائے۔

حاصل : جس کا ایمان اس کی سمجھ کے تابع ہو، اسے ایمان کا زعم ہوتا ہے۔ وہ فیصلے کے لئے شاہد کو اعلم نہیں مانتا بلکہ طاغوت کی طرف جانا پسند کرتا ہے۔ جس کے انکار میں فلاح ہے، اس کو تسلیم کرنے کی حقیقت اصلاح سے بہت دوری ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾

اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آؤ، تو تم دیکھو گے کہ منافقین تم سے رک کر ہٹ جاتے ہیں۔

جب ایمان کا زعم رکھنے والوں سے یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے ارشاد کی طرف آؤ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے علم کی تصدیق کروالو، تو یہ لوگ رک جاتے ہیں اور آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ خواہش کا اتباع کرنے والے کو اپنا نفع صاحبِ معرفت سے ہٹ جانے ہی میں نظر آتا ہے۔ اس طرح قول کی صورت سے اس کا دعویٰ قرب اس کے رک جانے سے باطل ہو جاتا ہے، اور اس کی منافقت واضح ہو جاتی ہے۔

حاصل : جو قول سے تو صاحبِ حق کو تسلیم کرے اور عملاً قریب ہونے کے بجائے دور ہوتا رہے، اور اپنے علم کی شاہد سے تصدیق نہ کروائے اس کی منافقت واضح ہو جاتی ہے۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

پھر کیا ہو جب انہیں اپنے ہاتھوں کے کیے کی بدولت کوئی مصیبت پہنچے۔ پھر آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا حلف اٹھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا ارادہ تو احسان و توفیق ہی کا ہے۔

بہتر جاننے والوں سے خصومات کا فیصلہ کروانے سے گریزاں رہنے والے اپنے ہاتھوں کے کیے کی بدولت مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، تو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہوئے شاہد کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کہ صاحب ہمارا ارادہ تو احسان و ملاپ کا ہی تھا اور ہم اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں، آپ کی خدمت میں بچاؤ کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اعلم کی موجودگی میں جب کسی دوسرے سے فیصلہ کروایا جائے گا، مشقت ضرور گلے پڑ جائے گی۔ اعلم کے قرب کی حقیقت احسان و توفیق ہے، اس سے دوری عدم احسان اور عدم توفیق ہے۔

حاصل : اعلم کی موجودگی میں کسی دوسرے سے فیصلہ کروانا مشقت و مصیبت کو گلے لگانا ہے۔ یہ

عدم احسان اور عدم توفیق کا ثبوت ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

اللہ تعالیٰ علم رکھتا ہے جو ان لوگوں کے قلوب میں ہے۔ تو ان سے اعراض کیجئے اور انہیں وعظ کیجئے، اور ان سے فرمایئے پہنچتی ہوئی بات۔

جو لوگ ایمان کا زعم تو رکھتے ہیں مگر خصومات کا فیصلہ طاغوت سے کراتے ہیں، جب انہیں فرمانِ خداوندی اور شاہد کی طرف بلایا جاتا ہے تو رک جاتے ہیں، اور جب اپنے کیئے کی بدولت مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو احسان و توفیق کی نیّت کی قسم کھاتے ہیں۔ ان کے قلوب میں جو مرض ہے اللہ تعالیٰ اس کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ ان کے ساتھ معاملے میں چشم پوشی کی جائے اور ان کے عیوب کی نشان دہی نہ کی جائے۔ انہیں خیر کی راہ دکھائی جائے، اور ان سے جو بھی کلام ہو ان کے حال سے متعلق ہو۔ ان کا مقام، ان کی مشکل، ان کا زاویہ نگاہ معلوم ہو تو انہیں جو کچھ کہا جائے گا، وہ انہیں ضرور پہنچے گا، اور یہ ہو گا قولِ بلیغ۔

حاصل : جن لوگوں کو من مانی کرنے کا مرض ہو، ان کے عیوب کی نشاندہی سے بچنا، انہیں خیر کی راہ دکھانا، اور ان کے مقام، مشکل اور زاویہ نگاہ کو جانتے ہوئے انہیں آسانی کی راہ دکھانا مخلصین کی شان کے لائق ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ باذن اللہ اس کی اطاعت کی جائے اور جب اپنے انفس پر ظلم کریں، آپ کے پاس حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے استغفار کریں، تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا پائیں گے۔

صاحبِ علمِ الٰہی سے ہی دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو سکتا ہے، اور یہ ہوتا باذن اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے اسے پاکی کا انعام ملتا ہے اور حال پر ملتا ہے۔ تزکیہ عطا ہو، تو فلاح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو بھی بھیجا گیا اس کو معیارِ مطلق ہونے کا شرف بھی اس حال پر عطا کیا گیا، اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس کی اطاعت لازم ٹھہرا دی گئی۔ جب لوگ حدود اللہ سے تجاوز کریں تو اعلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوں، وہاں استغفار کریں کہ وہ ان کی استغفار پر شاہد ہو۔ اب اعلم

اس طرح استغفار کریں گے کہ یا اللہ کمیٔ علم کی وجہ سے ان سے حدود اللہ کے احترام کا حق ادا نہیں ہوا، اب یہ تیرے دربار میں حاضر ہیں، اور فلاح کے طالب ہیں، تو انہیں معاف فرما دے، تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ شاہد سے نصیحت لینے کا ثبوت ہو گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مطاع فرمایا ہو، اس کی دعا کا درجہ توابًا الرحیم ہی جانتا ہے۔ اسے معاف کرتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : مطاع کا حال پر معیارِ مطلق ہونا لازم ہے۔ علمِ الٰہی کے حامل شاہد کو اپنی استغفار پر شاہد بنایا جائے، اس سے نصیحت لی جائے، اس سے دعا استغفار کی درخواست کی جائے، تو اللہ تعالیٰ معاف بھی کر دیتا ہے، رحمت کے دروازے بھی کھول دیتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

تو آپ کے رب کی قسم : وہ ایمان والے نہ ہوں گے حتیٰ کہ آپ کو حکم مانیں، اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھ کھڑا ہو۔ پھر اپنے انفس میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ پائیں۔ اور تسلیم کریں تسلیم کرنا۔

قسم سامعین کو یکسو کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے، اور اظہارِ محبت کے لئے کھائی جاتی ہے۔ ایمان ناصحؐ امین کی محبت سے عطا ہوتا ہے۔ جو اپنے قول کو اس کے قول پر قربان کر دے گا اور اپنے عمل کو اس کے عمل پر قربان کر دے گا، اور اپنے علم کو اس کے علم پر قربان کر دے گا، اور اپنے اخلاص کو اس کے اخلاص پر قربان کر دے گا، اس کے نزدیک اعلم کی تصدیق سے خالی فیصلہ فیصلہ نہیں ہو گا۔ جس فیصلے میں خامی نظر آئے اس کو قبول کرنے میں نفس کو تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور جب فیصلہ کرنے والا ہی مطاع ہو، اور اس کی محبت پر سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہو، تو پھر اس کے فیصلے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور اطمینانِ قلب عطا ہوتا ہے، اور اس فیصلے کی روشنی میں دوسرے کئی معاملات بھی سدھر جاتے ہیں۔ یہ ہے تسلیم کرنے کا حق۔ شاہد کے تسلیم کرنے والے کا تسلیم نہ کرنے والے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

حاصل : قسم سامعین کو یکسو ہونے میں مدد دیتی ہے۔ جو اپنے شاہد کے فیصلے کو دل و جان سے نہ مانے اس کے ایمان کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ تسلیم کرنے کا حق یہ ہے کہ فیصلے کا احترام اعلم کے حوالے سے ہو۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ

اور اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ اپنے انفس کو مارو، یا اپنے دیار سے نکل جاؤ تو ان میں سے قلیل ہی ایسا کرتے، اور اگر وہ کریں جو انہیں وعظ کیا جاتا ہے، تو ان کے لئے

خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا ﴿۶۶﴾ بہتر ہو اور انہیں بڑا ثبات ملے۔

نفس کی پسند کے خلاف کرنا اگر فرض کر دیا جاتا یا اپنے دیار سے نکل جانے کو فرض کر دیا جاتا تو قلیل لوگ ہی ایسا کرتے۔ تثبیت اموال کو رضائے الٰہی کے مطابق خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے (۲ : ۲۶۵) اموال کو رضائے الٰہی پر لگانے کے بعد مشکل ترین کام اپنے دیار سے نکل جانا ہے، اور اپنے لئے کوئی اہتمام کرنے کی بجائے لوگوں کے کام آنا ہے۔ اگر لوگ اس طریقِ زندگی کو اختیار کریں تو نفس کی غلامی اور مشقت سے بھی نجات مل جائے، اور ثبات بھی ایسا ملے کہ وہ جہاں بھی رہیں اللہ کا فضل ان کے ساتھ رہے۔ مگر یہ فرض نہیں کیا گیا کہ لوگ حکم عدولی کی بدولت خاسرین میں داخل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر روز ان کے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں راہِ خیر پر آنے کے لئے آسانیاں عطا کرتا رہتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ حکم کرتے وقت محکوم کی کیفیت کو ملحوظ رکھا جائے، اور اسے مقصود تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۶۷﴾ اور تب تو ہم انہیں اپنے لدن سے اجر عظیم عطا کرتے۔

جو اموال کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت جان کر اس کی رضا کے مطابق خرچ کرے اور کسی مقام کو مقصدِ حیات نہ بنائے، بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ رکھے اسی جگہ کو اس حال پر بہترین مانے اور یقین رکھے کہ اس کے ذمے لوگوں کو آسانیاں مہیا کرنا ہے، جب یہ طریقِ زندگی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس صاحبِ حال پر رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حاصل : جو علیمِ مطلق کے حکم اور علم سے متحرک رہے، اس پر رحمت و برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

وَّلَهَدَيۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۶۸﴾ اور ضرور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کرتے۔

جو نفس کی شح سے بچتا رہے، اسے اعلم کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے، یا اعلم کو اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت اعلم کے قدم بہ قدم ہونے کا نام ہے۔ ہدایت یافتہ کسی بھی مقام پر بے آسرا نہیں ہوتا۔

حاصل : صراطِ مستقیم کی ہدایت اعلم کے قدم بہ قدم ہونے سے عطا ہوتی ہے۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے، تو اسے ان لوگوں کی معیت حاصل ہو گی جن

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾

پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں۔ یہ کیسے اچھے رفیق ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے انعام یافتہ حضرات کی معیّت کا انعام ملتا ہے۔ ہمارے لئے اس سے بڑا اور کوئی انعام نہیں کہ حال پر پاک لوگوں کا ساتھ نصیب ہو اور آخرت میں ہم پاک لوگوں کی صف سے اٹھائے جائیں۔ نبی کی شان علمِ الٰہی کی خبر دینا ہے۔ اور خاتم النبیّین کے بعد نبی کی بعثت کا محل ہی موجود نہیں۔ صدیق کی شان یہ ہے کہ وہ شاہد کے ارشاد کو سنے اور مانے، اور اس کا کوئی عمل شاہد کی تصدیق سے خالی نہ ہو۔ شہید کی شان یہ ہے کہ وہ باوضو ہو، اور اپنے اموال اور نفس کو رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دے۔ اور صالح کی شان یہ ہے کہ لوگ اس کے قرب کی تنویر سے اپنی اصلاح کریں اور عافیت حاصل کریں۔ یہ اچھے رفیق ہیں۔ کسی بھی مقام پر یہ پاک لوگ، یہ نہیں دیکھتے کہ لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، ہر مقام پر یہی دیکھتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے ساتھ رضائے الٰہی کے تحت معاملہ کرنا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا انعام اچھے رفقاء کی صورت میں ملتا ہے۔ اچھا رفیق وہ ہوتا ہے، جس کا قول، عمل، علم اور اخلاص رضائے الٰہی کے لئے ہو، اور کسی کی دوستی یا کسی کی دشمنی اسے اس راہِ راست سے ہٹا نہ سکے۔

ع ۹ ۱۱ ۶ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾ ع

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے علم رکھنے والا۔

پاک لوگوں کی صف میں شمار ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ شاہدین کے ساتھ میں ہی فلاحِ دارین ہے۔ جو اپنی ذات کو تضاد سے پاک رکھے، وہی اس فضل کا مستحق ہوتا ہے۔ اس فضل کا شکریہ یہ ہے کہ انعام یافتہ کے عرفان کے بعد اس کے اتباع میں اپنی پسند کو حائل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات کا قرب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہی فضل کسی کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔ صاحبِ فضل ہی متوکّل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پالنے والا ہے اور علم سے پالنے والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

[اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

اے ایمان والو، اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ پھر گروہ گروہ ہو کر نکلو یا اکٹھے نکلو۔

جب جہاد کے لئے بلایا جائے تو یقیناً جلد سے جلد حاضر ہونے کی سعی کرنا تقاضاء ادب ہے۔ مگر حقِ جہاد کو ادا کرنے کے لئے جو کچھ پاس ہو، اس کو ساتھ لے لینے کا حکم ہے۔ اس کو کم سمجھ کر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں، اور زیادہ سمجھ کر، غیر ضروری کہہ کر ساتھ نہ لینا بھی مناسب نہیں۔ جو توفیق ہو اسے شاہد کی خدمت میں پیش کر دینا چاہئے۔ محل استعمال کا تعیّن شاہد کا حق ہے۔ جہاد کے لئے گروہ ہو کر نکلنے کی صورت میں مقامی امور کو سمیٹنے کے لئے کچھ وقت مل جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی شاہد کے امر کی بات ہے۔ اکٹھے نکلنے کی صورت میں دشمن سے مقابلہ بالکل قریب ہوتا ہے۔

حاصل : سامانِ جہاد جو بھی کسی کو میسّر ہو، اسے پورا سمجھ کر شاہد کی خدمت میں پیش کر دینا تقاضاء ادب ہے۔ جہاد کے لئے اگر کچھ وقت ہو، تو مقامی امور کو سمیٹنے کے پیشِ نظر گروہ گروہ ہو کر نکلنا چاہئے۔ اگر وقت نہ ہو تو اکٹھے نکلنا چاہئے۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾

اور تم میں کوئی وہ ہے، جو ضرور دیر لگائے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہے بے شک اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ نہ ہوا۔

جس کو ناصحِ امین سے محبت نہ ہو گی، وہ خواہشاتِ نفس کے اتباع سے بچ نہیں سکتا۔ نفس اپنی حفاظت کو ہر مقام پر مقدّم رکھتا ہے۔ اس لئے جہاں اسے عدم حفاظت نظر آئے اور وہ انکار بھی نہ کرنا چاہے تو پھر دیر لگاتے ہوئے یہ کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ میں ان کے ساتھ نہ گیا، ورنہ میں بھی اس مصیبت میں ضرور پھنستا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تو پاک لوگوں کی رفاقت کا نام ہے۔ نفس اپنی پسند کو ہی اللہ کا فضل جانتا ہے، لیکن اظہار موقع محل دیکھ کر کرتا ہے۔

حاصل : جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے وہ جہاد میں جانے سے دیر کرنے کا مرتکب ہوتا ہے، اور اپنی پسند کو اللہ تعالیٰ کا فضل جانتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مخلصین کی رفاقت کا نام ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾

اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ملے تو ایسے بولے کہ گویا تمہارے اور اس کے مابین کوئی دوستی نہ تھی۔ اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

جس کا دل زینتِ حیاتِ دنیا سے بندھا ہوا ہو، خطرے کے مقام پر وہ مومنین ساتھیوں سے پیچھے رہنے کو پسند کرتا ہے۔ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے غلبہ حاصل ہو تو اسے مومنین کے گھر میں رحمت و برکت دیکھ کر راحت نہیں ہوتی، بلکہ اسے افسوس ہوتا ہے کہ کاش وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا، تو بڑی مراد پاتا۔ جس کی مراد ہی اشیاء دنیا ہو، پریشانی اس پر ضرور مسلط رہتی ہے۔

حاصل : خطرے کے مقام پر پیچھے رہنے والا اور زینتِ حیاتِ دنیا کی طلب رکھنے والا پریشانی میں گھرا رہتا ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

تو انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا چاہئے، جو حیات دنیا کو بیچ کر آخرت خریدتے ہیں۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے، پھر قتل ہو یا غالب آئے، تو ہم جلد ہی اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔

جو حیاتِ دنیا میں ملی ہوئی توفیق کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر لگاتے ہیں، وہ حیاتِ دنیا کو بیچ کر آخرت خریدتے ہیں۔ اس سے اچھا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا شہید ہو یا غازی، اسے اجرِ عظیم عطا ہوتا ہے۔ اسے ایسی راحت ملتی ہے کہ جس کے بعد خوف و حزن اس کے ہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل : حیاتِ دنیا کو بیچ کر آخرت خریدنا باعثِ فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا شہید ہو یا غازی، دائمی راحت پالیتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑتے۔ اور ضعیف مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو پکار رہے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اس قریئے سے نکال جس کے اہل ظالم ہیں، اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے، اور اپنے پاس سے کوئی نصرت دینے والا دے۔

ظالم کے خلاف مظلوم کی ولایت و نصرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا ہے۔ کمزور لوگ، عورتیں اور بچے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے، اور اپنے پیاروں کو بھیج جو ہماری ولایت و نصرت کریں۔ اللہ کے پیاروں کی اس صف میں شمار ہونے کا موقع بھی ہو تو پھر اس میں تساہل کیوں کرہو۔ جس جگہ لوگ فرمانِ ربّی کے مقابل اپنی پسند کے مطابق حکم کریں وہ ظالموں کی بستی ہوتی ہے، اور وہ بربادی کو دعوت دے رہی ہوتی ہے۔

حاصل : جہاں ظلم ہو وہاں بربادی ضرور آتی ہے۔ مظلوم کی ولایت و نصرت سے ہی امنِ عالم کا قیام ممکن ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع ۱۰ ۶

ایمان والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مظلوموں کی ولایت و نصرت کا حق ادا کرتے ہیں۔ کافر ظالموں کے مددگار ہوتے ہیں، اور شیطان کے دوست ہوتے ہیں۔ ان کی عددی قوت اور ان کا سامانِ حرب جس قدر بھی ہو، ان کی کمزوری کو دور نہیں کر سکتا کہ انہیں اپنی جانوں کے بچانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ اس کے مقابل مومنین کو جان قربان کرنے میں خوشی ہوتی ہے، اور نصرتِ خداوندی ان کے ساتھ ہوتی ہے۔

حاصل : ایمان والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ شیطان کے داؤ میں جان بچانے کا خیال مرکزی ہوتا ہے۔ ایمان والے جان قربان کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور نصرتِ الٰہی سے بڑی تائید کوئی نہیں ہو سکتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ النمل میں ارشاد فرمایا ہے :
کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا : بھلائی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے کہ تم پر رحم ہو۔ لوگوں نے کہا ہم نے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شگون لیا۔ ان لوگوں نے صالح علیہ السلام کے ساتھ مکر کیا اور ان کی ساری قوم ہلاک ہو گئی۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٥٢﴾

[تو نظر کرو کیسا انجام ہوا ان کے مکر کا، ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ تو یہ ہیں ان کے گھر، ڈھے پڑے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ بے شک اس میں علم والوں کے لئے نشانی ہے۔]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں فرمایا گیا تھا، اپنے ہاتھ تھامے رکھو، اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا، جبھی ان میں سے ایک فریق لوگوں سے ڈرنے لگا، جیسے اللہ کا ڈر ہو، یا اس سے بھی زیادہ ڈر۔ اور کہنے لگے : اے ہمارے رب کیوں ہم پر قتال فرض کر دیا۔ کیوں نہ ہم کو اجل قریب تک مہلت دی۔ فرما دیجئے : متاع دنیا قلیل ہے۔ اور اتقا والوں کے لئے آخرت بہتر ہے۔ اور تم پر تاگے برابر ظلم نہ ہو گا۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ جہاد سے پہلے فرض ہوئیں۔ بعض لوگوں نے جہاد کے متعلق جاننا چاہا تو انہیں فرمایا گیا کہ ابھی اپنے ہاتھ تھامے رکھو، ابھی صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ صلوٰۃ قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے جماعت مضبوط ہوتی رہتی ہے اور افراد کے مابین روابط بڑھتے رہتے ہیں۔ یہ جہاد کی تیاری کے ارکان ہیں۔ پھر جب ان لوگوں پر جہاد فرض کر دیا گیا، تو ان میں سے ایک فریق مخالفین سے اس قدر ڈرنے لگا، جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ بلکہ یہ لوگ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے، اور کہنے لگے، ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا گیا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں کچھ اور مہلت کیوں نہ دی۔ یہ سوالِ متاعِ حیات دنیا اور آخرت کے عدم تقابل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ متاعِ دنیا قلیل اور فانی ہے۔ متقین کو آخرت میں جو انعام ملے گا وہ کثیر اور دائمی ہو گا۔ دین میں فضیلت اور حسنِ عمل کا پتہ رخ سے چلتا ہے، اور کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ تو حق عائد ہوا ہی نہیں۔

حاصل : صلوٰۃ کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا جہاد کی تیاری کے ارکان ہیں۔ مخالفینِ حق کی تیاری کو دیکھا جائے گا تو ڈرنے کا مقام اشد ہو گا، اور امرِ الٰہی کی اطاعت ملحوظ ہو گی تو اپنے ہاں سب پورا نظر آئے گا، اور ڈر یہ ہو گا کہ کسی مقام پر کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ متاعِ دنیا اور آخرت کا تقابل لازم ہے۔ جن کا حال بہتر ہے انہی کا مستقبل بہتر ہو گا۔ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں

دی جاتی۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾

تم جہاں کہیں ہو، موت تمہیں آ لے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو۔ اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں کہ یہ عنداللہ ہے، اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ آپ کی طرف سے ہے۔ فرما دیجئے: سب عنداللہ ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوا، کوئی بات سمجھتے دکھائی نہیں دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے موت کو حیات سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ خالق کل کی طرف سے جو مقام رکھا گیا ہے اسے انسانی علم سے روکنا ممکن نہیں۔ جب موت کا آنا یقینی ہے، تو پھر اس سے گریز کی راہ تلاش کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ جن لوگوں کو شاہد سے محبت نہیں ہوتی محض تعلق کا دعویٰ ہوتا ہے، انہیں جب بھلائی پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ عنداللہ ہے، اور جب بُرائی پہنچے تو اسے شاہد کی طرف سے جانتے ہیں۔ نتائج تو باذن اللہ ہوتے ہیں، توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بندے سے پوچھ تو صرف اس بات کی ہوگی کہ اس نے متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال میں کون سا رخ اختیار کیا تھا۔ جو لوگ اپنی پسند سے ہی چمٹے رہیں وہ حقائق کو سمجھتے دکھائی نہیں دیتے۔

حاصل : موت کو روکنا انسانی علم سے باہر ہے اس لئے اس سے گریز کی راہ تلاش کرنا اور جہاد سے بچنے کی کوشش کرنا کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ جس کو شاہد سے محبت ہو وہی متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال میں صراطِ مستقیم پر رہ سکتا ہے۔ نتائج سب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جو اپنی پسند سے ہی چمٹا رہے وہ حقائق کو کیا سمجھے گا۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٧٩﴾

جو بھلائی تمہیں پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو برائی تمہیں پہنچے وہ تمہارے نفس کی طرف سے ہے۔ اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ۔

رضائے الٰہی مقصود ہو اور شاہد کا اتباع حال ہو، تو جو راحت اور آسانی عطا ہوگی وہ بھلائی ہے۔ اور جب نفس کی خواہش کا

اتباع ہو گا، تو برائی کے امر کی تعمیل ہو گی۔ اس سے مشقت اور تنگی حاصل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے۔ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (۲: ۱۸۵) اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ توفیق کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ طاغوت کا انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان فلاح کا رُخ ہے۔ اس کے خلاف کیا جائے تو خسارے کا رُخ ہو گا۔ بندے سے پوچھ اس کے رخ کے بارے میں ہو گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب لوگوں کے لئے ہے۔ اور بھیجنے والے علیمِ مطلق سے بڑی گواہی کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ آپ کا اتباع کریں گے وہ بھلائی پائیں گے۔ جو اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کریں گے انہیں ضرور برائی پہنچے گی۔

حاصل : شاہد کا اتباع کیا جائے تو رضائے الٰہی کے حصول کا یقین ہو گا۔ شاہد کی معیّت کو بھلائی کہتے ہیں۔ نفس کی خواہشات کے اتباع کا حاصل مشقّت اور برائی ہے۔ معیارِ حق سب کے سامنے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس پر خود گواہ ہے۔

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَ مَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ﴿۸۰﴾

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی، بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان پر حفیظ نہیں بھیجا۔

فرمانِ خداوندی کی اطاعت کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ مطلق ہیں، اس لئے ان کی اطاعت ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔ جو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیرے وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی پسند سے مانے گا۔ یہی شرک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی ناپسندیدہ بات یہی ہے۔ حفیظ کی شان حفاظت کرنا ہے۔ جو حدود اللہ کو نہ مانے وہ علمِ الٰہی سے حاصل ہونے والی حفاظت سے دور ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کی اطاعت کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ مطلق ہیں۔ جو آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے وہ نور سے ظلمات کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

وَ یَقُوۡلُوۡنَ طَاعَۃٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ وَ اللّٰہُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۸۱﴾

اور کہتے ہیں کہ وہ طاعت والے ہیں۔ پھر جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں، تو ان میں ایک گروہ جو کہہ گیا تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے بناتا ہے۔ اور اللہ ان کے منصوبے لکھ رکھتا ہے۔ تو ان سے اعراض کیجئے، اور اللہ پر توکل کیجئے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

اپنی پسند کے ساتھ لگے ہوئے لوگ شلہٖ کے سامنے تو اس کے فرمان کو قبول کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر جب وہاں سے رخصت ہوتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگوں کا دعویٰ اطاعت برقرار نہیں رہتا۔ یہ لوگ رات کو حکم عدولی کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ان کی خلوت پاک نہیں ہوتی۔ ان کے منصوبے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوسکتے، وہ انہیں لکھ رکھتا ہے تاکہ یہ اپنے رخ کے مطابق جزا پائیں۔ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا حق ہے، جس قادر مطلق نے انہیں توفیق دی ہے وہ انہیں خوب سنبھال سکتا ہے۔ اسی پر توکل ہو کہ وہی کار ساز ہے۔ جو عنوان اللہ تعالیٰ رکھے گا، اسی کا تصرف ہو گا۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے وکیل۔

حاصل : جلّوت میں جس کے تعمیلِ ارشاد کا دعویٰ ہو، خلوت میں اس کا ساتھ رکھنا چاہئے۔ رات کو حکم عدولی کے منصوبے بنانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ پر توکّل ہو کہ وہ بڑا کار ساز ہے۔ کسی کی منصوبہ بندی اس کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

تو کیا قرآن پاک میں تدبر نہیں کرتے۔ اور اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں کثیر اختلاف پاتے۔

قرآنِ پاک کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اس کے عدم اختلاف سے ثابت ہے۔ اگر ایک مقام پر کوئی دعویٰ ہے تو دوسرے مقام پر اس کی شہادت ہے۔ اہلِ ذکر سے ہی اس کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تدبّر یہ ہے کہ کھلے دل سے اس کو سنا جائے اور اس پر پورا رہنے والے کی حیاتِ طیبّہ کو دیکھا جائے، کہیں اختلاف نظر نہیں آئے گا، خوف اور حزن نظر نہیں آئے گا۔ ہر شے کا بیان بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡم ہی کی شان ہے کہ وہی خالقِ کل ہے۔ یہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں یقیناً کثیر اختلاف ہوتا۔

حاصل : تدبّرِ قرآن پاک کو کھلے دل سے سننا اور شاہد کی حیاتِ طیبّہ کو دیکھنا ہے۔ ہر شے کا بیان بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡم ہی کی شان ہے۔ قرآنِ پاک کی شان یہ ہے کہ یہ اختلاف سے پاک ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

اور ان کے پاس جب کوئی بات امن یا خوف کی آتی ہے، تو اس کا چرچا کر دیتے ہیں۔ اور اگر اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تک اور اپنے میں سے اولی الامر تک پہنچا دیتے، تو یقیناً استنباط کرنے والوں سے جان لیتے۔ اور اگر تم پر

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٣﴾

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم ضرور شیطان کا اتباع کرتے مگر تھوڑے۔

اپنی سمجھ کو شاہد کی تصدیق کے بغیر کافی جاننے والے جب کوئی بات امن کی سن لیں یا کوئی بات خوف کی سن لیں تو وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق اسے پھیلانے لگتے ہیں۔ اس کی صحت کی تصدیق کے ذرائع بھی موجود ہوتے ہیں مگر یہ تصدیق کو اہمیت کہاں دیتے ہیں۔ امن یا خوف کی خبر سن کر جو حق کسی پر عائد ہوتا ہے اس کا علم تو استنباط والوں سے ہی جانا جا سکتا ہے۔ جو کسی بات کے پیچھے کار فرما جذبے کو جانتے ہیں، ان کا یقین تجربات و مشاہدات پر قائم ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ شاہدین سے رابطہ قائم رہے، ورنہ خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو خسارے تک پہنچانے سے زیادہ آسان کام شیطان کے لئے اور کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل : خبر امن کی ہو یا خوف کی، شاہد کو سنانی چاہئے، اور اس سے متعلق اپنی ذمے داری کو معلوم کرنا چاہئے۔ مخلصین کے حوالے سے حاصل ہونے والا علم ہی خسارے سے بچا سکتا ہے۔ ان کی معیّت اللہ کا فضل اور ان کا اتباع اللہ کی رحمت ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾

تو فی سبیل اللہ لڑیئے۔ آپ اپنے نفس کے ہی ذمہ دار ہیں۔ اور مومنین کو تاکید کیجئے۔ قریب ہے کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے۔ اور اللہ کا زور اشد اور اس کی سزا بھی اشد ہے۔

فی سبیل اللہ لڑنے کا حکم فرد کی سطح تک بھی ہے، اور ہر فرد اپنے آپ کا ہی ذمے دار ہے۔ جس کا زور سب سے زیادہ ہے اور جس کی سزا سب سے سخت ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی راہ میں لڑنا مخلص کو بہت آسان ہے کہ وہ قادرِ مطلق کی شان کو جانتا ہے۔ کافر بھی تو اس کی دی ہوئی توفیق سے ہی لڑتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کی راہ میں استقامت سے لڑے تو کافروں کا زور ٹوٹتے دیر نہیں لگتی۔ اسباب پر کافروں کی گرفت ٹوٹ جائے، تو ان کے لئے میدان میں کھڑے رہنا محال ہوتا ہے۔ جہاد پہلے خود کرنا چاہئے پھر دوسروں کو تاکید کرنی چاہئے۔

حاصل : خود جہاد کیا جائے، تو دوسروں کو تاکید مفید ہوتی ہے۔ سب سے بڑے زور والا اور سب سے سخت سزا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ استقامت سے اللہ کی راہ میں لڑنے والے کے دیکھتے دیکھتے کافروں کی سختی بے معنی ہو جاتی ہے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

جو شفاعت کرے، اچھی شفاعت، اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے۔ اور جو بری شفاعت کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قابو رکھنے والا ہے۔

اگر کوئی طاغوت کے انکار اور اللہ پر ایمان لانے کا رخ اختیار کرتا ہے، تو وہ یقیناً لوگوں کی بھلائی میں راحت پائے گا، اور دوسروں کو بھلائی کی تاکید کرے گا۔ اچھی سفارش خیر کا بیج بونا ہے اور بری سفارش برائی کا بیج بونا ہے۔ بری سفارش طاغوت پر ایمان اور اللہ کے انکار پر مبنی ہوتی ہے۔ بری سفارش کرنے والا اپنی شوکتِ نفس کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اچھی یا بری سفارش سے سفارش کرنے والے کے رخ کا ہی پتہ چلتا ہے۔ نتیجہ ہمیشہ قادرِ مطلق کے قابو میں ہوتا ہے، اس لئے نفع اور نقصان باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل : نفع اور نقصان باذن اللہ ہوتا ہے۔ جو کسی کے نفع کا رخ رکھے گا وہ خیر کا انعام پائے گا۔ جو کسی کے نقصان کا رخ رکھے گا، وہ خسارے کو گلے لگائے گا۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

النصف

اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا وہی لوٹاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کا حساب کرنے والا ہے۔

سلام دعا کرنے میں کسی کے قربِ الٰہی کا اعتراف مقصود ہوتا ہے یا کسی کو الہ العالمین کے قریب کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کم جاننے والے کو بہتر دعا دینی چاہئے۔ بہتر جاننے والے کو اسی کے الفاظ میں دعا دینی چاہئے۔ اس طرح کم جاننے والے کے علم میں برکت ہو گی، اور بہتر جاننے والے کے علم سے برکت ملے گی۔ توفیق معطیٔ مطلق نے دی ہے، محلِ استعمال بھی بتایا ہے۔ شاہدین نے طریقِ استعمال سکھایا ہے۔ اب شاہد کے حوالے سے پوچھ تو ہو گی۔

حاصل : کم جاننے والوں کو بہتر دعا دینی چاہئے۔ بہتر جاننے والوں سے تقدم منع ہے۔ توفیق بھی ہو، محلِ استعمال بھی ہو، اور طریقِ استعمال بھی معلوم ہو تو پھر پوچھ شاہد کی نسبت سے ضرور ہو گی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ

اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے

ع ۱۱ ۸ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴿۸۷﴾

گا، جس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اسی کی عبدیت میں بھلائی ہے۔ وہ قیامت کے دن سب کو جمع کرے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ توفیق کی موجودگی ہی جزا کا ثبوت ہے، اور اس میں شک ممکن ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بنایا ہے اور اپنے لئے کچھ بھی نہیں بنایا۔ لوگوں کی بھلائی کا بے مثل انتظام کرنے والا رحیم الودود احتیاج سے پاک ہے، اس لئے اس سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔

حاصل : توفیق کی موجودگی ہی جزا کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق اور احتیاج سے پاک ہے۔ اس سے زیادہ سچی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جس کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو، اور اجر کے سوال سے پاک ہو، وہ عبدِ اصدق ہے اور واجب التعظیم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ الحجر میں ارشاد فرمایا ہے :

قیامت کے دن کافروں کا یہ حال ہو گا۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۲﴾

[بہت آرزوئیں کریں گے کافر، کاش مسلمان ہوتے۔]

فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۸۸﴾

پھر تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے ان کے کسب کی بدولت انہیں اوندھا کر دیا۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جسے اللہ نے گمراہ کیا ہو۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے۔

منافق ہی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کو اللہ تعالیٰ اس کے کئے کی بدولت گمراہ کرتا ہے۔ منافق کا رخ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو دھوکہ دینے کا ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے اعمال کی بدولت اوندھا ہوتا جاتا ہے۔ مومنین کا حق یہ ہے کہ وہ منافقوں کو شاہد کے حوالے سے دیکھا کریں، پھر دو گروہ ہونے کی صورت ختم ہو جائے گی۔ جو حکم خداوندی کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اس گمراہ کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ راہ تو اسے ملتی ہے جو راہ والوں کے فضائل کا معترف ہو، اور ان سے دوستی رکھتا ہو۔

حاصل : منافقوں کو شاہد کے حوالے سے پہچانا جائے، تو مومنین کے دو گروہ ہونے کی صورت ختم

ہو جاتی ہے۔ منافق کا کسب اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے وہ مومنین کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔ ہدایت اسے ہوتی ہے، جو محبت سے شاہد کا اتباع کرے۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ، جیسے وہ کافر ہوئے، تو پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔ تو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ، حتیٰ کہ فی سبیل اللہ ہجرت کریں۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں سے کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ، نہ مدد گار۔

زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنانے والے ایمان والوں کے طریقِ زندگی سے خائف ہوتے ہیں، کہ اس میں اپنی خواہش کے اتباع کے مقابل شاہد کا اتباع کیا جاتا ہے، اور اپنی پسند کو اس کی پسند پر قربان کیا جاتا ہے۔ منافق یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والے بھی اپنی خواہشات کا اتباع کریں، اور ان کی قوت اور ربط ختم ہو، اور اس طرح سب ایک سے ہو جائیں۔ ایسے لوگ اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان سے دوستی منع ہے۔ اگر وہ اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لئے فی سبیل اللہ ہجرت کرتے ہیں، تو پھر ان کا مقصود زینت حیاتِ دنیا نہیں ہے، اور اگر ہجرت فی سبیل اللہ سے منہ پھیریں، تو پھر ان کی تسلیم قطع ہو جائے گی، اور وہ واجب القتل ہو جائیں گے۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی بھی منع ہے، ان سے مدد لینا بھی منع ہے۔

حاصل : جو ایمان کا دعویٰ کرے اور مومنین کے ساتھ سے عملاً اجتناب کرے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ اللہ کا دشمن واجب القتل ہے۔ اس سے دوستی بھی منع ہے اور اس سے مدد لینا بھی منع ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَآءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ

مگر وہ لوگ جو ملاپ رکھتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں میثاق ہے، یا آئے ہیں تمہارے پاس کہ ان کے سینے تمہاری لڑائی سے تنگ ہو گئے ہیں، یا اپنی قوم کی لڑائی سے بھی، اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر تسلط دے دیتا، پھر یقیناً تم سے لڑتے۔ تو اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور

فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

تم سے نہ لڑیں، اور سلامتی کا پیغام پیش کریں تو اللہ نے تمہیں ان پر راہ نہیں دی۔

مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والے لوگ اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔ جو عملاً دشمنی سے کنارہ کش رہیں، اور سلامتی کا پیغام پیش کریں، وہ اصلاح سے گزرے ہوئے نہیں ہیں، ان کے قتل کو منع فرمایا گیا ہے۔ جس قوم کا مومنین کے ساتھ میثاق ہو ان سے ملاپ رکھنا عدو اللہ کی صف میں شمار ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ جن کا رخ لڑائی سے کنارہ کشی کا ہے اور وہ اپنی قوم کے عداوتی رویئے سے بھی متفق نہیں ہیں، ان کا قتل بھی منع ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھنا چاہیئے کہ وہ لڑنے سے کنارہ کش ہوئے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تسلّط دے دیتا۔ اگر ان لوگوں کو لڑائی سے مجتنب دیکھو اور سلامتی کا پیغام پیش کرتے دیکھو تو ان سے بھلائی کا برتاؤ کرو۔ ان لوگوں کے اندر اصلاح کو قبول کرنے کی علامات موجود ہیں، اس لئے ان کا قتل منع فرمایا گیا ہے۔

حاصل : جو اللہ کا دشمن ہے وہ اصلاح کے امکان سے گر چکا ہے۔ جو مومنین کی معاہد قوم سے ملاپ رکھتا ہو یا لڑائی سے مجتنب رہے اور سلامتی کا پیغام دے، اس کے قابلِ اصلاح ہونے کا ثبوت موجود ہے اور وہ واجب القتل نہیں ہے۔

سَتَجِدُونَ اٰخَرِينَ يُرِيدُونَ اَنْ يَّاْمَنُوكُمْ وَيَاْمَنُوا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾ ع ۱۲/۹

اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے کہ تم سے امان میں رہنا چاہتے ہیں، اور اپنی قوم سے بھی۔ جب کبھی انہیں فتنہ کی طرف اکسایا جاتا ہے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں۔ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور سلامتی نہ پیش کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو، اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

کچھ لوگ غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر اپنی خواہش کا اتباع کرتے ہیں۔ یہ مومنین سے بھی امان میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی، لیکن جب انہیں مومنین کے خلاف اکسایا جاتا ہے تو اس کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ مومنین سے کنارہ نہ کریں اور سلامتی نہ پیش کریں، اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو یہ مومنین سے عملاً دشمنی کا ثبوت ہو گا۔ پھر ان کے لئے کوئی رعایت نہیں رہے گی۔ وہ قطعاً واجب القتل ہوں گے۔

حاصل : غیر جانبداری کے لبادے میں جو لوگ مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرتے ہیں وہ قطعاً واجب القتل ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم میں ارشاد فرمایا ہے :

سامان اور نمود میں برتری کا زعم رکھنے والے حق کا انکار کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے کہ اس راہ پر چلنے والوں کا پہلے کیا انجام ہوتا رہا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِءْيًا ﴿٧٤﴾

[اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرن ہلاک کر دیئے کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے۔]

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

اور مومن کا کام نہیں کہ مومن کو قتل کرے سوائے خطا کے، اور جو مومن کو خطا سے قتل کر بیٹھے تو ایک مومن کی گردن آزاد کرے، اور اس کے اہل کو خون بہا پہنچائے سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ خود مومن ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے مابین میثاق ہے، تو اس کے اہل کو خون بہا پہنچائے اور ایک مومن کی گردن آزاد کرے۔ پھر جو نہ پائے وہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے، اللہ سے توبہ کرنے کے لئے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

مومن کا مومن سے تعلق ربّ العالمین کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس تعلق کی بدولت مومن مومن کو پال ہی سکتا ہے۔ خطا ہو سکتی ہے۔ جیسے پہچان میں خطا کی بنا پر کوئی قتل ہو جائے یا نشانہ چوک جائے اور کوئی قتل ہو جائے اور وہ مباح الدّم نہ ہو، تو کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کی گردن آزاد کرے، اور اس کے واجبات کو ادا کر کے

اسے فارغ کر دے، اور مقتول کے اہل کو خون بہا پہنچائے جس کا تعیّن اولی الامر نے کیا ہو۔ اگر مقتول کے اہل معاف کریں تو معافی ہو جائے گی۔ اگر مقتول دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو، اور ہو مومن تو پھر کفارہ ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے۔ اور اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جس کا مومنین کے ساتھ میثاق ہو چکا ہو، تو پھر کفارے میں اس کے اہل کو خون بہا پہنچانا اور ایک مومن کی گردن آزاد کرنا شامل ہو گا۔ جسے ناداری کا دعویٰ ہو، اس کی تصدیق بھی اولی الامر ہی کا کام ہے۔ نادار دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی مومن کے خطاءً قتل کے بعد توبہ کی صورت رکھی گئی ہے، اور اس میں علم و حکمت موجود ہے، جس کا پتہ اندازے سے نہیں چل سکتا۔

حاصل : مومن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے۔ خطا ہو جائے تو کفارے کی ادائیگی اولی الامر کی شہادت سے ہو۔ مومن کے قتل کے کفارے میں ایک مومن کی گردن آزاد کرنا، اور خون بہا دینا کفارہ ہے۔ مومن دشمن قوم سے ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا کفارہ ہے۔ اگر اس قوم سے ہو جس کا مومنین سے میثاق ہو چکا ہو، تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا اور خون بہا دینا کفارہ ہے۔ نادار کے لئے دو مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہے۔ خطاء کے بعد پاک ہونے کا علمِ توبہ علیمِ مطلق اور حکیمِ مطلق کی بڑی مہربانی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور جو عمداً مومن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، ہمیشہ اس میں رہے۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اس کو لعنت کی، اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار کیا۔

مومن کا عمداً قتل یہ ہے کہ قتل کے ارادے سے اور خوب پہچان کر مومن کو نشانہ بنایا جائے۔ ایسی صورت میں دائرۂ ایمان سے خارج ہونا یقینی ہے، کیونکہ مومن کبھی مومن کو قتل نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ اس سے خطأً ایسا ہو جائے۔ اگر عمداً مومن کو قتل کیا جائے اور دعویٰ بھی ہو ایمان کا، تو یہ اپنی خواہش کو اللہ کے حکم پر ترجیح دینے والی بات ہو گی، اور ہمیشہ کے لئے جہنم خرید لینے والی بات ہو گی۔ جو جان بوجھ کر اللہ کے فرمان کے خلاف کرے وہ مغضوب ہوتا ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، اور اس کے اعمال کے نتیجے میں اس کے لئے عذابِ عظیم تیار ہو گا۔

حاصل : قتل کے ارادے سے اور خوب پہچان کر مومن کو قتل کرنا عمداً قتل ہے۔ اس کی جزا جہنّم ہے جس میں قاتل ہمیشہ رہے گا، اور عذابِ عظیم پائے گا۔ ایسا قاتل مغضوب اور لعنتی ہوتا ہے۔ اس سے مومنین کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ

اے ایمان والو جب تم فی سبیل اللہ چلو، تو

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۘ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ تم حیات دنیا کا اسباب چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس کثیر غنیمتیں ہیں۔ اس سے قبل تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ تو تحقیق کیا کرو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

ایمان والے جب جہاد فی سبیل اللہ کے لئے چلیں تو لازم ہے کہ کہیں بھی شک و شبہ کی موجودگی میں ضرب نہ لگائیں۔ صداقت و کذب کا فیصلہ تحقیق سے کریں۔ اور جب تک کسی کے کفر کی تصدیق نہ ہو جائے اس پر ہاتھ نہ ڈالیں۔ دشمن قوم کا کوئی فرد سلام کرے تو اسے یہ نہ کہیں کہ تم مومن نہیں ہو، اپنے جان و مال کو بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر بلاتحقیق کسی پر ضرب لگائی جائے گی تو یہ عدم احتیاط کا ثبوت ہو گا۔ اور اسبابِ حیاتِ دنیا کی طلب کا ثبوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اسباب کس کے پاس ہو سکتے ہیں۔ مغانم کثیرہ وہی عطا کر سکتا ہے، اور کمی اسی کی عطا سے پوری ہوا کرتی ہے۔ اگر کسی مومن میں مبتدی ہونے کی وجہ سے وہ تمام علامات نظر نہ آئیں جو مقرّبین، شاہدین کی شان کے لائق ہوں تو جاننا چاہئے کہ ابتداً ایسا ہوتا ہی ہے، اور اس سے قبل تم بھی ایسے ہی تھے جب مبتدی تھے۔ اس وقت اگر تم رعایت کے لائق تھے، تو اس نسبت سے پیچھے آنے والوں کے ساتھ تمہیں بہتر مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔ جب کوئی اپنی پسند کو کلیتہً شاہد کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، تو اس پر رنگ شہودی چڑھ جاتا ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔ تحقیق کی صورت یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ حب الناصحین موجود ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ اس لئے اسے ہر ایک کے ہر عمل کی خبر ہوتی ہے۔

حاصل : جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومن کی ضرب شک و شبہ سے پاک ہونی چاہئے اور عدوٌ اللہ پر پڑنی چاہئے۔ اسبابِ حیاتِ دنیا کا معطی اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ مبتدی مومن کو رعایت دینا حق ہے۔ رنگِ شہودی اللہ کا احسان ہے۔ تحقیق حب الناصحین کو دیکھنے کے لئے کرنی چاہئے، اور پوری احتیاط سے کرنی چاہئے۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ

مساوی نہیں، بیٹھ رہنے والے مومن جنہیں کوئی بڑا ضرر نہیں اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے۔ اللہ نے اپنے اموال و انفس سے جہاد

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

کرنے والوں کا درجہ بیٹھ رہنے والوں پر بڑھا دیا۔ اور ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کیا۔ اور قاعدین پر مجاہدین کو فضیلت دی اجر عظیم میں۔

مومن کو کیسا بھی بدنی نقصان پہنچ جائے، اس کی نیّت خیرات میں سبقت کرنے کی رہنی چاہئے، اور یہ یقین ہونا چاہئے کہ جہاد کی دعوت کا اس تک پہنچنا ہی ثبوت ہے اس بات کا کہ اس کے اندر جہاد کی اہلیت موجود ہے۔ اگر اس اہلیت کو کم سمجھا جائے گا، تو یہ بیٹھ رہنے والی بات ہوگی۔ اگر اہلیت کو کافی سمجھا جائے گا، تو بڑے بڑے مشکل مقامات پر کام کرنے کے لئے اپنی خدمات کو پیش کیا جائے گا۔ اموال سے جہاد پہلا درجہ ہے۔ انفس سے جہاد اس سے اگلا درجہ ہے۔ اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔ جو لوگ اپنے بدنی نقصان کے حوالے سے جہاد سے بیٹھ رہتے ہیں، ان پر اپنے اموال و انفس سے جہاد کرنے والوں کی فضیلت ثابت ہے کہ وہ خیرات میں سبقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ ہے۔ جو اپنے بدنی نقص کو دیکھتے ہوئے جہاد سے بیٹھ رہے، اس پر جہاد کرنے والے کو اجرِ عظیم میں فضیلت ہوگی۔

حاصل : جہاد کی دعوت سن کر بدنی نقص کے باوجود جو اپنی خدمات امیر المومنین کو پیش کر دے، اس کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اجرِ عظیم اسی کو ملتا ہے جو توفیق ایزدی کو پورا جانتا ہے، اور کبھی شکایت نہیں کرتا۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ
۱۳ ع ۵ ۱۰ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع

اسی کی طرف سے درجات اور مغفرت اور رحمت ہے، اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

درجات اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے گئے ہیں۔ جو خیرات میں سبقت کرے گا اسے فضیلت عطا ہوگی، اور جیسے جیسے شاہد کا قرب بڑھتا رہے گا، درجہ بلند ہوتا رہے گا۔ مغفرت یہ ہے کہ توفیقِ ایزدی کو بالکلیہ رضائے الٰہی پر لگانے میں کوتاہی کو بخش دیا جائے، اور رحمت یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین سے محبت ہو جائے۔ صورت سے ہی بے صورت کا پتہ چلتا ہے، اس لئے جو صورت بخش دینے اور رحم فرمانے کا شرف رکھتی ہو، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

حاصل : درجات جہاں رکھے جائیں، وہاں بخشش و رحمت بھی ساتھ رہے تو لوگ سلامت رہتے ہیں ورنہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ بخش دینے اور رحم کرنے کا علم شاہد سے سیکھنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

[اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔ ولیکن اللہ پاک کر دیتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔]

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

وہ لوگ جنہیں ملائکہ وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے، تو ملائکہ ان سے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ عرض کرتے ہیں، ہمیں زمین میں ضعیف کر دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ تو ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

جو لوگ فرمانِ خداوندی کے خلاف کرتے ہیں، وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جب ملائکہ ان کی جان نکالتے ہیں، تو ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے۔ یہ لوگ عرض کرتے ہیں: ہمیں زمین میں ضعیف و ناتواں کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ہم مجبور تھے وہی کچھ کرنے پر جو طاقتوروں کو پسند ہوتا تھا۔ ملائکہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی، کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔ جہاں حق کی ادائیگی میں ماحول سدّ راہ ہو جائے، وہاں سے ہجرت کرنا حق ہے۔ اگر ہجرت نہ کی جائے، تو یہ حق کو اپنی خواہش پر قربان کرنے والی بات ہوگی، اس کا حاصل جہنّم ہے۔ جس کا حال برا ہے، اس کا مستقبل بھی برا ہو گا۔

حاصل: جہاں حق کی ادائیگی میں ماحول سد راہ ہو جائے، وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔ اگر خلافِ حق کرنے والی قوّتوں سے اتفاق کر لیا جائے اور ہجرت نہ کی جائے تو اس کا حاصل جہنم ہو گا۔

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾

مگر وہ جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے ضعیف ہیں، جنہیں کسی حیلے کی استطاعت نہیں، اور نہ انہیں کوئی سبیل ملتی ہے۔

وہ لوگ جو حقیقتاً ضعیف ہوں، مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے، اور انہیں کسی تدبیر کی بھی استطاعت نہ ہو، وہ زمینِ کفر سے نکلنے کی نیّت ضرور رکھتے ہوں مگر انہیں کوئی سبیل نہ ملتی ہو، تو انہیں عذاب نہیں ہو گا۔

حاصل : کمزور مردوں، عورتوں اور بچّوں کو جو دار کفر سے نکلنا چاہتے ہوں، پوری مدد دینی چاہیئے۔ ان کے لئے راہِ نجات نکالنا بڑا کام ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

تو قریب ہے اللہ ایسے لوگوں پر عفو فرمائے۔ اور اللہ عفو فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

جو لوگ کمزور ہیں اور طاغوتی ماحول سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتے، انہیں اللہ تعالیٰ اپنے عفو سے بخش دیتا ہے۔ وہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جس قدر توفیق کسی کو میسّر ہے، اسی قدر اس پر حق عائد ہوتا ہے۔

حاصل : جس کو استطاعت کم ہو، اس پر عفو کرنا، اور اس سے در گزر کرنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴

اور جس نے فی سبیل اللہ ہجرت کی، وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلا، پھر اسے موت نے آ لیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، تائیدِ ایزدی اسے عطا ہو گی۔ اسے زمین میں بہت جگہ اور بہت آسانی حاصل ہو گی۔ اس کی صداقت روشن ہو جائے گی، اور قدر و منزلت بڑھے گی۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے موت آ جائے، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ جس نے رضائے الٰہی کے لئے اتباعِ رسول میں ہجرت کی، اس نے یقیناً تمام وقتی آسائشوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے چھوڑ دیا۔ اس کی منزل اس کے قدم کے نیچے آ جاتی ہے۔

حاصل : جس نے فی سبیل اللہ ہجرت کی اس کی منزل اس کے قدم کے نیچے آ جاتی ہے۔ جس نے شاہد کے قریب ہونے کی سعی کی اور اسے موت نے آ لیا وہ بخشا گیا، اور رحمتِ الٰہی سے فیضیاب ہوا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حم السجدہ میں فرمایا ہے :

اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰

[جو چاہو کرو، بے شک وہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔]

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۱

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ نماز قصر سے پڑھو، اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے۔ بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

حالتِ سفر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ آسانی عطا فرمائی ہے کہ نماز قصر سے پڑھی جا سکتی ہے۔ چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھی جائیں، اور قرأت مختصر ہو، تو یہ نماز قصر سے ہوگی۔ کافروں سے مومنین کو کبھی بھلائی کی توقع نہیں ہوتی، اس لئے ان کے سامنے بھی نماز کو قصر سے پڑھا جائے گا۔ کافر جب بھی مومن کو مدافعت یا جوابی حملے کے لئے تیار نہ پائے تو کافر کا نفس اسے فتنہ و فساد برپا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی نماز قصر سے پڑھی جائے گی۔

حاصل : حالتِ سفر میں نماز قصر سے پڑھی جائے گی۔ دشمن کی موجودگی میں بھی نماز قصر سے ادا کی جائے گی۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ

اور جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں تو ان کے لئے صلوٰۃ قائم کیجئے، تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کی معیت میں کھڑا ہو اور چاہئے کہ اپنے اسلحہ لے لیں، تو جب سجدہ کر چکیں، تو ہٹ کر آپ سے پیچھے ہو جائیں، اور اب دوسری جماعت آئے جنہوں نے صلوٰۃ نہیں پڑھی، تو یہ آپ کی معیت میں صلوٰۃ پڑھے، اور اپنی پناہ اور اپنے اسلحہ لئے رہیں۔ اور کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے اسلحہ اور متاع سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

تم پر گناہ نہیں اگر تمہیں بارش کی وجہ سے اذیت ہو، یا تم مریض ہو، تو اپنے ہتھیار اتار رکھو، اور اپنا بچاؤ لئے رہو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا، اور آپ سے یہ سلسلۂ شہادت قیامت تک جاری رہے گا۔ شاہد جو حال پر ہو وہ نماز پڑھائے گا۔ صلوٰۃِ خوف کی ادائیگی ایسے ہوگی کہ پوری جماعت دو حصے ہو جائے گی۔ ایک حصہ شاہد کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر سجدہ کر لینے کے بعد پیچھے ہٹ جائے، اور دوسرا جماعت کی جگہ لے لے۔ اور دوسری جماعت کو شاہد کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع دے۔ حالتِ نماز میں بھی مدافعت کا اہتمام اور اسلحہ ساتھ رہے۔ کافر تو چاہتے ہیں کہ مومنین اسلحہ اور متاع سے غافل ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ ہتھیار اتار رکھنے کی اجازت اس وقت ہے جب بارش کی وجہ سے ہتھیار پہنے رکھنا اذیت دے رہا ہو، یا حالتِ مرض ہو اور ہتھیار اتار رکھنے سے سکھ ملتا ہو۔ لیکن اپنی مدافعت کے لئے جو اہتمام کیا گیا ہو یا جو پناہ اختیار کی گئی ہو، اس کو نہیں اتارا جائے گا۔ مومنین کی نصرت اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ جو مومنین کے ساتھ لڑے گا ذلّت اسے گھیرتی چلی جائے گی۔

حاصل : صلوٰۃِ خوف شاہد کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ پہلا گروہ ایک رکعت پڑھ کر پیچھے ہٹ جائے گا اور دوسرے گروہ کو نماز پڑھنے کا موقع دے گا۔ امام دو رکعت کے بعد سلام پھیرے گا۔ اس طرح جو لوگ حالت نماز میں ہوں گے ان کی نماز تو ادا ہو رہی ہوگی، جو پیچھے ہوں گے ان کی بھی ہو رہی ہوگی کہ وہ بھی امرِ الٰہی کی اطاعت میں لگے ہوئے ہوں گے۔ مدافعت کا اہتمام بہرحال لازم ہے۔ اسلحہ اور متاع سے غفلت منع ہے۔ بارش کی وجہ سے اسلحہ اذیّت دے رہا ہو تو اتار رکھنا جائز ہے یا حالتِ مرض میں اتار رکھنا جائز ہے۔ مومنین اس یقین سے لڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہے اور ذلّت کافروں کا مقدر ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

پھر جب تم صلوٰۃ پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو صلوٰۃ قائم کرو۔ بے شک صلوٰۃ مومنین پر مقرر وقتوں میں فرض ہے۔

جب صلوٰۃ خوف ادا ہو جائے، تو کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا لازم ہے۔ اور جب خوف کی حالت ختم ہو جائے اور اطمینان کی حالت قائم ہو جائے تو پھر نماز قائم کی جائے گی، اوقاتِ مقررہ پر اور حسبِ معمول۔ اوقاتِ نماز پر نماز پڑھنا مومنین پر فرض ہے۔ وقت سے پہلے وضو کر کے نماز کے لئے تیار رہنا چاہئے تاکہ ادائیگی میں کوتاہی کا امکان ہی نہ رہے۔

حاصل : صلوٰۃ خوف کے بعد اطمینان کے وقت پھر نماز حسبِ معمول ادا کی جائے گی۔ نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیّت کی جائے، اور وضو کیا جائے تو کوتاہی کا امکان نہیں رہتا

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ ع ١٥ ١٢

اور ان کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو۔ اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے، جیسا تمہیں پہنچتا ہے۔ اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

کافروں کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کیا گیا ہے۔ مومنین کو جب کافروں کا پیچھا کرنے کا حکم ہو، تو انہیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے، اور شاہد کے امر کے مطابق ان کا پیچھا کرنا چاہئے۔ مومنین کو یہ شکایت زیب نہیں دیتی کہ ہمیں دکھ پہنچا ہے۔ جس کے ساتھ لڑائی ہوئی ہو دکھ تو اسے بھی پہنچا ہوتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے، کافر کو نہ نصرتِ الٰہی کی توقع ہوتی ہے نہ وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہوتا ہے، اس لئے مومن میدانِ جنگ میں کانپتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ مخلصین کا ہر حکم علمِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

حاصل : کافروں کا پیچھا کرنے کی ہمت ہمیشہ مومنین کو ہوتی ہے کہ مومن اللہ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں اور کافر اپنی اغراض کے لئے لڑتے ہیں۔ شکایتِ تھکن مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتی۔ مخلصین کی اطاعت کا حاصل علم و حکمت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے

لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

[لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے اموال اور انفس سے جہاد کیا۔ اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔]

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ

بے شک ہم نے یہ کتاب حق تمہاری طرف نازل فرمائی کہ تم لوگوں میں فیصلہ

بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۙ﴿۱۰۵﴾

کرو جیسے اللہ تمہیں دکھائے، اور تم خیانت کرنے والوں کے لئے جھگڑنے والے نہ بنو۔

اس کتاب کا نزول خالقِ کل کی طرف سے ہے، اس لئے یہی حق لوگوں کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ شاہد کا مرتبہ دیکھنے کا ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ قیاس پر مبنی نہیں ہوتا، حقائق کے مشاہدے پر مبنی ہوتا ہے۔ خائن کے لئے جھگڑا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا، کہ مومن کا منشا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہوتا ہے، اور خائن کا منشا اپنی خواہشات کا اتباع ہوتا ہے۔

حاصل : مومن حق پر رہتا ہے، حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اور خلافِ حق کرنے والے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بےشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

مومن اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ جہاں اس کو اپنی خطا کا احساس ہو جائے، وہ استغفار کرتا ہے۔ اس استغفار کی حقیقت فیصلے کو حق کے مطابق بنانا ہے۔ جو اپنی خطا کا اعتراف کرے اور اصلاح کو قبول کرے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : فیصلے میں جہاں خطا کا احساس ہو، مومن کو استغفار کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اس کے بندے کو بھی بخشش اور رحم کا رخ ہی زیب دیتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۚ﴿۱۰۷﴾

اور ان کے لئے مجادلہ نہ کرو جو اپنے انفس کو خیانت میں ڈالتے ہیں۔ بےشک اللہ کسی دغا باز گناہگار کو پسند نہیں کرتا۔

جو لوگ اپنے نفس کی خواہشات کے تحت دوسرے کے حقوق تلف کرتے ہیں وہ دغاباز ہوتے ہیں۔ جب آگاہی کے باوجود وہ اصلاح کو قبول نہ کریں، استغفار نہ کریں، تو وہ گناہگار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی حمایت کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔

حاصل : خائن کے لئے جھگڑنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ جسے اللہ ناپسند کرے، لازم ہے کہ اللہ کا بندہ بھی اسے ناپسند کرے۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے، اور وہ ان کے پاس ہے جب وہ بات تجویز کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

دغا باز، لوگوں سے چھپ کر ہی رضائے الٰہی کے خلاف تجاویز میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے۔ اور یہ لوگ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ سے چھپ کر تجویز کرنا تو ممکن ہی نہیں۔ یہ جو بھی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے کرتے ہیں۔ اور ان پر اس قادرِ مطلق کا احاطہ بھی یقیناً ہے۔ اس لئے ان کی تجاویز انہیں لے ڈوبیں گی۔

حاصل : خائن لوگوں سے چھپ کر رضائے الٰہی کے خلاف تجاویز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے اعمال پر احاطہ ہوتا ہے۔ جو خلوت میں اللہ تعالیٰ سے باحیا رہتا ہے، اس کی حیا سچی ہے اور وہ صادق ہے۔

هٰٓأَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

سنتے ہو۔ تم لوگ حیات دنیا میں ان کی طرف سے جھگڑا کرتے ہو، تو قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ سے کون جھگڑا کرے گا، یا کون ان کا کارساز ہو گا۔

جو لوگ حیاتِ دنیا میں خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اور انہیں سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں جاننا چاہئے کہ قیامت کے دن ان کے بارے میں جزا دینے والے سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا کارساز ہو گا۔ جس کی صداقت کی شہادت اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں دی جا سکتی، اس کی صداقت کی شہادت لوگوں کے سامنے بھی نہیں دینی چاہئے۔

حاصل : جو کام رضائے الٰہی کے خلاف ہو، اس کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے ورنہ خسارے سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾

اور جو کوئی برا عمل کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے، اللہ کو بخشنے والا رحم فرمانے والا پائے گا۔

بُرا عمل وہ ہے جس پر صالحین کی شہادت نہ ہو۔ اپنے آپ پر ظلم یہ ہے کہ کسی کی طرف داری میں اس کی صداقت کے علاوہ کسی دوسرے تعلق کو ملحوظ رکھا جائے۔ جب اس کا احساس ہو جائے کہ کسی عمل کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضا سے دوری واقع ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : جس عمل کا نتیجہ رضائے الٰہی سے دوری ہو اس کو چھوڑ کر استغفار کرنا چاہئے اور صالحین سے محبت کا رشتہ استوار کر کے اپنے لئے حفاظت کا سامان کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اسی پر پڑے گی۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو دوسرے کے گناہ پر عذاب نہیں کرتا۔ ہر ایک کو اس کے رُخ کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔ جس نے غیر کا رخ اختیار کیا اس کی کمائی غیر ہے۔ وہ اپنی کمائی سے بچ نہیں سکتا۔ وہ یقیناً اس پر پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مان لیتا ہے، وہ اس کے علم و حکمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حاصل : جس کا رخ گناہ کا ہو اس کی کمائی غیر ہوگی، اور اسی پر پڑے گی۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۶ ۸ ۱۳

اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے، پھر کسی بے گناہ پر تھوپ دے، تو یقیناً اس نے بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا۔

خطاؤں میں نیت بُری نہیں ہوتی، گناہ میں نیت اچھی نہیں ہوتی۔ جب کوئی اپنی خطا کو کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے، تو اس نے اپنے آپ پر بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا، اور وہ رضائے الٰہی سے بہت دور جا پڑا، اور وقتی نقصان سے بچنے کی کوشش میں اس نے دائمی نقصان کو اپنے لئے مقدر کر لیا۔

حاصل : اپنی خطا کو یا اپنے گناہ کو کسی بے گناہ کے سر تھوپنا دائمی نقصان کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے مانو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر تمہاری نصرت نہ ہو۔]

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی، تو ان میں ایک جماعت تمہیں بہکانے کا قصد کرتی۔ اور وہ اپنے آپ کو ہی بہکا سکتے ہیں اور تمہیں کچھ ضرر نہیں دے سکتے۔ اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور علم بخشا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

مخلصین کی رفاقت اللہ کا فضل ہے (۴ : ۷۰) سورۃ نساء میں ہی فرمایا گیا ہے : وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۳﴾ (۴ : ۸۳) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو سوائے قلیل کے تم شیطان کا اتباع کرتے۔ مذکورہ قلیل میں سے اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل نہ مانا جائے تو رسول کا مطاع ہونا بے معنی ہو جائے گا۔ اور رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت فرمایا گیا ہے۔ اس لئے باوجود صیغہ واحد حاضر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مراد نہیں ہیں۔ وہ مردِ مومن مراد ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ محبت کی بدولت اللہ کا فضل اور رحمت عطا ہو۔ منکرین کی جماعت بہکانے کا قصد کرتی ہی ہے۔ مخلصین پر شیطان کا اغواء ممکن نہیں ہوتا۔ جسے مخلصین سے محبت ہو جائے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت اس محبّ پر محیط ہو جاتی ہے۔ بہکانے کی کوشش کرنے والے ظلمات کی طرف اور بڑھ جاتے ہیں۔ مخلص نفع و ضرر کو باذن اللہ مانتا ہے اس لئے غیر اور اس کا غرور اسے متاثر نہیں کرتا۔ وہ فرمانِ خداوندی سے فیض حاصل کرتا ہے، حکمت و علم سے استقامت پاتا ہے، اور سلامتی سے منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ مخلصین کے ساتھ کا علم نہ جاننے کی وجہ سے ہی لوگ خسارے میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ یہی علم اللہ کا عظیم فضل ہے جو بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کا عظیم فضل ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔ مخلصین کو بہکانے کی کوشش کرنے والے ظلمات کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔

لَا خَيۡرَ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰٮهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۱۴﴾

ان کے کثیر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں، مگر جو صدقہ یا بھلائی یا لوگوں کے مابین اصلاح کا امر کرے۔ اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے، اسے جلد ہی ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

مجلس میں بیٹھ کر کسی سے خفیہ مشورہ کرنا آدابِ مجلس کے منافی ہے۔ اس سے لوگوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ شاہد کی موجودگی میں کسی دوسرے سے بات نہیں کرنی چاہئے۔ جس خفیہ بات میں بھلائی ہو، اس کا منشاء رضائے الٰہی ہو گا، اور فرد کو جماعت کے قریب کرنا ہو گا۔ جس کے کان میں بات کی جائے اسے صدقے کا امر دیا جائے، یا اسے بھلائی کی بات بتائی جائے کہ اس کے علم میں اضافہ ہو اور وہ حقِ خدمت کو بہتر طور پر ادا کر سکے، یا کسی کی سختی کو نرمی میں بدل کر اصلاح بین الناس کی جائے۔ یہ کمزور کو آسرا دینے والی بات ہے۔ اور یہ رضائے الٰہی کے لئے ہو، تو اس کا بڑا اجر دیا جاتا ہے۔ یہ لازم ہے جو نجوئ خیر نہیں، وہ نجوئ شیطانی ضرور ہے۔

حاصل : نجوئ خیر میں صدقے کا امر، معروف کا امر اور اصلاح بین الناس کا امر داخل ہے۔ مقصود رضائے الٰہی ہو گا۔ اس کے علاوہ جو بھی ہو گا، نجوئ شیطانی ہو گا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷ ۳ ۱۴

اور جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے، بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی، اور مومنین کی راہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے اور اس میں اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے۔ مومنین ہر مقام پر امرِ الٰہی کے تابع رہتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالص محبت رکھتے ہیں۔ اس طرح ایک جماعت بنتی جاتی ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے اعتبار سے معیارِ مطلق جان لینے کے بعد من مانی کرے وہ مخالفت کی بدولت اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کی منزل جہنم ہو گی۔ اور یہ بری جگہ ہے پلٹنے کی کہ یہ توفیق دینے والے کی رضا کے خلاف کرنے کا انجام ہے۔

حاصل : رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کے اعتراف کے بعد جو من مانی کرے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اور وہ جہنم کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں فرمایا ہے :

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

[یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے ٹھہراتے ہیں، جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے، اور فساد نہیں چاہتے۔ اور عاقبت متّقین ہی کی ہے۔]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا جو کسی کو اس کا شریک کرے۔ اور اس سے ہٹ کر جو ہے جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا، تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

شرک یہ ہے کہ اللہ کو شاہدین کے حوالے سے ماننے کی بجائے، اپنی پسند کے مطابق مانا جائے۔ یہ گناہ کا طوفان باندھنے والی بات ہے۔ یہ ہمارے عدوٌ مبین کی طریقت ہے۔ اس لئے ناقابلِ بخشش ہے۔ شاہدین کو تسلیم کرنے والا اور اللہ کو ان کے حوالے سے ماننے والا جو بھی کرے قابل معافی ہو گا، کہ وہ شرک سے بہرحال پاک ہو گا۔ جس نے شرک کیا اس نے اللہ کے مقرر کردہ معیار کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنایا۔ وہ شیطان کے ساتھ ہو گیا۔ شیطان کے ساتھ کو دور کی گمراہی کہتے ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو شاہدین کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی پسند کے مطابق ماننا شرک ہے، اور ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ جو شیطان کے ساتھ نہیں ہے، وہ متکبّر نہیں ہے، اور قابلِ بخشش بھی ہے۔ جو شیطان کے ساتھ ہے، وہ دور کی گمراہی میں ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

اللہ کے مُقابل نہیں پکارتے مگر عورتوں کو۔ اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو۔

مشرکین ملائکہ کو عورتیں ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ عباد الرحمٰن ہیں۔ (۴۳ : ۱۹) اللہ کے مقابل جس کو بھی پکارا جائے گا وہ بے علمی اور اٹکل دوڑانے والی بات ہو گی۔ عورت کا درجہ طالب کا ہوتا ہے، مشرک اسے مطلوب بنا لیتے ہیں۔ یہ طلب مشرک کو بقا سے دور کر دیتی ہے اور اسے شے بنا کر فنا کے حوالے کر دیتی ہے۔ اللہ کی پسندیدہ صورت کے مقابل اپنی پسند کو متشکّل کرنا شیطان سرکش کو پکارنا ہے۔

حاصل : مشرک کی بات بے علمی اور اٹکل پر مبنی ہوتی ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وقف لازم

جس پر اللہ نے لعنت کی۔ اور بولا میں ضرور تیرے بندوں سے مقررہ حصہ لوں گا۔

جو عمداً فرمانِ خداوندی کے خلاف کرے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ (۴ : ۹۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت یہ ہوتی ہے کہ وہ

ملعون کو حق سے بہرا کر دیتا ہے، اور اندھا کر دیتا ہے (۴۷ : ۲۳) تاکہ طالبانِ فلاح اپنی حفاظت بھی کر سکیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی عدوٌ مبین کے اتباع سے بچانے کی سعی کریں۔ شیطان نے حکمِ خداوندی کو نہ مان کر سرکشی کی، اور حکم کو ماننے کی بجائے جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس طرح اللہ کو تسلیم کرنے کے دعوے میں جھوٹا ثابت ہو گیا، اور اپنے گناہ کو دیکھنے کے بعد کہنے لگا : میں ضرور تیرے بندوں سے مقررہ حصہ لوں گا۔ یہ لعنتی کی نشانی ہے کہ جس سے اسے علم حاصل ہو، اس کے ساتھیوں کا بدخواہ ہوتا ہے۔

حاصل : ملعون حق سے بہرا اور اندھا ہوتا ہے۔ اسے جس سے علم حاصل ہو اس کے ساتھیوں کا بدخواہ ہوتا ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۱۱۹

اور ضرور انہیں بہکاؤں گا، اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، اور ضرور انہیں امر دوں گا کہ چوپایوں کے کان چیریں، اور ضرور انہیں امر دوں گا کہ خلق اللہ کو متغیر کریں۔ اور جس نے اللہ کے مقابل شیطان کو ولی بنایا تو وہ صریح خسارے میں پڑا۔

ملعون کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ شیطان کا کام ہے بہکانا، زینتِ حیاتِ دنیا میں تکاثر کی آرزوئیں دلانا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابل لوگوں کو ان کے آباء کی راہ پر ڈالنا، اور اس طرح انہیں علم اور ہدایت سے دور کرنا (۵ : ۱۰۴) اور دینِ قیّم کو بدلنے کا امر کرنا۔ (۳۰ : ۳۰) یہ سب کام لوگوں کو خوف و حزن میں گھیرنے کے لئے ہوتے ہیں، اور مخلصین کے مقابل شیطان کو دوست بنانے سے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں۔ بھٹکنے میں پہلا درجہ آرزو کا ہوتا ہے۔ حال کی ناشکری اور مستقبل کی طرف غیر حوالے سے دیکھنا ضروری ہے۔ اس سے عدم توکّل پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد علمِ خیر کے مقابل علمِ غیر کی شکل بنتی ہے، اور بھٹکنے والا غیر کام میں لگ جاتا ہے۔ کسی چیز کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق استعمال کرنا مخلصین کے اتباع سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر راستہ خلق اللہ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی طرف جاتا ہے۔ صریح خسارہ یہ ہے کہ خوف و حزن سے نجات کی راہ ہی مسدود ہو جائے۔

حاصل : تکاثر کی آرزو، علمِ حقیقی کے مقابل اپنے آبا کی پیروی، اور خلق اللہ کو اس کے منشاء تخلیق کے مقابل اپنی خواہشات کے تحت تبدیل کرنا شیطان دوستی کا ثبوت ہے۔ اس طرح خوف و حزن سے نجات کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

انہیں وعدہ دیتا ہے۔ اور ان کو آرزوئیں

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

دلاتا ہے۔اور شیطان انہیں فریب کا ہی وعدہ دیتا ہے۔

شیطان کا وعدہ دینا اور امید دلانا نفس کو اس لئے پسند ہوتا ہے کہ اس میں تفاخر موجود ہوتا ہے۔ عطائے خداوندی کو جب بھی اپنی خواہشاتِ نفس کے مطابق استعمال کیا جائے، رضائے الٰہی کی خلاف ورزی ہوگی، اور اللہ سے دوری بڑھے گی۔ یہی غرور ہے۔

حاصل : جس وعدے اور آرزو کا نتیجہ قربِ الٰہی ہو، وہ حق ہے۔ دوسرا ناحق ہے اور غرور ہے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

غرور کا حاصل جہنم ہے۔ یہ انسان کے اپنے کئے کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بچ جانا اور اس سے بھاگ جانا ممکن نہیں۔

حاصل : جو نتیجہ پسند نہ ہو، اس کی طرف جانے والی راہ کو فوراً چھوڑ دینا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، انہیں ہم جلد ہی باغوں مین داخل کریں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور اللہ سے بڑا سچا فرمان کس کا ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے، اسے معیّتِ حق کا انعام ملتا ہے۔ جنّت اس کا مقام ہوتا ہے، جس میں دائمی بہار موجود ہوتی ہے۔ اسی میں ہمیشہ اسے رہنا ہے۔ اللہ کا وعدہ دعوتِ فلاح ہے، اور کسی غرض و غایت کیلئے نہیں ہے۔ وعدۂ حق کی یہی شان ہے۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ ہر شے کا مالک ہونے کے باوجود کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کرتا۔ اس لئے اس سے بڑا سچا کوئی نہیں ہو سکتا۔ سچا جو بھی ہوگا، اللہ کے ساتھ ہوگا جو سب سے بڑا سچا ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچا جنّتی ہوتا ہے۔

ہمارے وعدے کی حقیقت دعوتِ فلاح ہونی چاہئے۔ صادق ہمیشہ اصدق کے ساتھ ہوتا ہے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو برا عمل کرے گا اس کی جزا پائے گا۔ اور اللہ کے مقابل نہ کوئی اپنا دوست پائے گا نہ مددگار۔

یہ وعید کفار کے لئے ہے کہ کسی کی امید پر خیر کا انحصار نہیں ہے۔ جو برا عمل کرے گا، اس کی جزا پائے گا۔ جو عمل غرور پر مبنی ہو وہ یقیناً برا ہے۔ اس کی جزا بھی ویسی ہی ہو گی۔ برے عمل والا جزا دینے والے قادر مطلق کے سامنے کسی کی ولایت و نصرت نہ پائے گا۔ جو اللہ کے دوست کو نہ چاہے اللہ اسے نہیں چاہتا۔ دوستی وہی دائمی ہے، جس کی بنیاد تقوے پر ہو۔ اس کے علاوہ ہر دوستی کا حاصل دشمنی ہے۔

حاصل : جزا کسی کی امید اور آرزو سے نہیں بنتی۔ جو برا عمل کرے گا، مغرور ہو گا، اور اپنے کئے کی جزا سے بچ نہ سکے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جو صالح عمل کرے، مرد ہو یا عورت، اور ہو مومن، تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے، اور انہیں تل بھر تکلیف نہ ہو گی۔

صالح عمل وہ ہوتا ہے جس میں اللہ کی پسند کو پسند کیا جائے، اور ناپسند کو ناپسند کیا جائے۔ ایسا کرنے والے مرد اور عورتیں سب جنتی ہیں۔ جو رضائے الٰہی کے علاوہ کسی طرف دیکھتے ہی نہیں انہیں تل بھر تکلیف بھی نہیں ہو گی۔

حاصل : جو عند اللہ اکرم ہے، اس کی تکریم سے اور اس کے اتباع سے عملِ صالح ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی مرد اور عورتیں جنتی ہیں۔ جس کی نظر رضائے الٰہی کے علاوہ کسی طرف نہ اٹھے، اسے جزا کے دن تل بھر تکلیف بھی نہ ہو گی۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

اور اس سے احسن دین کس کا جس نے اللہ کے لئے اپنے رخ کو جھکا دیا ہو اور ہو محسن اور اتباع کرے ملت ابراہیم حنیف

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

(علیہ السلام) کا۔ اور اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دوست ٹھہرایا۔

جس کا دین احسن ہو، اسی کے ساتھ سے حسنِ عمل عطا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ عنداللہ مقبولیت کا معیار یہی ہے کہ رخ ہر مقام پر اللہ کی رضا کا ہو، عملاً احسان کیا جائے، اور علماً ملّتِ ابراہیم حنیف علیہ السلام کا اتباع کیا جائے۔

حاصل : جس کا مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو، جو عملاً یہ نہ دیکھے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں یہ دیکھے کہ اسے لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، اور علماً ملّتِ ابراہیم حنیف علیہ السلام کا اتباع کرے، اللہ کے نزدیک اس کا دین احسن ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
۱۸ ع ۱۱ ۱۵ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کا احاطہ ہر شے پر ہے۔

خالقِ کل اللہ ہے۔ وہی رب العالمین ہے۔ اس لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کچھ اسی کا ہے۔ ہر شے پر اس کا احاطہ ہے، علم کے اعتبار سے بھی اور قدرت کے اعتبار سے بھی۔ امر بھی اسی کا غالب ہے۔ قدرت بھی اسی کی کامل ہے۔ اب اگر کوئی کسی شے کو تصرّف میں لاتے ہوئے حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے، تو وہ یقیناً خسارے میں پڑے گا۔

حاصل : ہر شے کو تصرّف میں لاتے ہوئے حدود اللہ کا احترام کرنا لازم ہے اور اسی میں فلاح ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ میں فرمایا ہے :

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

[فرما دیجئے : بھلا بتاؤ اگر یہ عنداللہ ہے پھر تم اس کا انکار کرتے ہو، تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا جو دور کی ضد میں ہے۔]

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے : کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور جو تم

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جن کو تم جو کچھ ان کے لئے اور ناتواں بچوں کے لئے لکھا گیا ہے نہیں دیتے، اور ان کے نکاح کی رغبت بھی نہیں رکھتے۔ اور یہ کہ یتاما کے لئے انصاف قائم کرو۔ اور جو بھلائی کرو گے تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

انسانی عقل سے پیدا ہونے والا دستور عدل و انصاف کے قائم کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ کم لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے، اور زیادہ کو اس سے دکھ پہنچتا ہے۔ جب علمِ حقیقی کے حصول کا یقین ہو تو ایسی مشکلات کے بارے میں سوال کرنا قدرتی بات ہے۔ میراث ان کا حق سمجھا جاتا تھا، جو دشمنوں سے لڑیں، اور غنیمت کا مال لائیں۔ اس طرح یتیم عورتوں اور ناتواں بچوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ فتویٰ پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ یتیم عورتوں کے ساتھ نکاح کی رغبت اور یتاما کے لئے انصاف قائم کرنا بھلائی کا فعل ہے۔ یتیم اور بے سہارا عورتوں سے نکاح کی طرف رغبت ہو، تو معاشرے میں پاکیزگی اور زندگی کا عمل بڑھتا ہے، اور یتاما کے ساتھ انصاف کیا جائے تو ہر فرد کو احساسِ حفاظت میسّر آتا ہے۔ جب بھی لوگوں کو اپنی اور اپنی نسلوں کی فلاح کا یقین ہو جائے حسنِ معاشرت کی اعلیٰ مثالوں کا مشاہدہ عام ہو جاتا ہے۔ جس کا رخ خیر کی طرف ہو اس کا عمل خفی ہو یا جلی، اللہ اس کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

حاصل : علمِ حقیقی کا حصول ممکن ہو، تو انسانی تجویز سے بننے والے دستور پر فتویٰ پوچھنا چاہئے۔ یتیم لوگوں کو ان کا حق دینے کے ساتھ ان کی اس قدر تکریم کرنی چاہئے کہ کسی کو ان کے ساتھ جھگڑا کرنے کا خیال بھی نہ آئے، تب انصاف قائم ہو گا۔ بھلائی خفی ہو یا جلی، اللہ اس کا پورا علم رکھنے والا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

اور اگر کسی عورت کو شوہر کے نشوز یا اعراض کا ڈر ہو، تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں، اور صلح بہتر ہے۔ اور انفس کے سامنے حرص موجود ہے۔ اور اگر تم احسان کرو، یا تقویٰ کرو، تو اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

جب کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو، تو ان دونوں کو شبہات کے ازالے کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہی صلح کی بنیاد ہے۔ اور صلح ہی بہتر ہے۔ اس صلح کے لئے طرفین اپنے حقوق کا بار کم کر دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ صلح کے پیشِ نظر ہو گا۔ نفس شح اور حرص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے عدم احسان اور عدم تقویٰ کے مظہر بن جاتے ہیں شح سے بچنے والا ہی فلاح پاتا ہے۔ (۵۹ :۹) احسان یہ ہے کہ اپنا حق چھوڑنے سے اگر دوسرے کو راستہ ملتا ہو، تو اپنا حق چھوڑ دیا جائے، اور تقویٰ یہ ہے، کہ دوسرے کے عمل سے ہمارے عمل کا رخ نہ بدلے۔ پیشِ نظر رضائے الٰہی ہی رہے۔ عملاً اللہ کو خبیر ماننے والے ایسا ہی کرتے ہیں۔

حاصل : شبہات کے ازالے کی کوشش اور اپنے حقوق کا بار کم کرنا کوئی گناہ نہیں۔ صلح بہتر ہے۔ حرص غالب ہو تو احسان و تقویٰ نہیں ہو گا۔ احسان و تقویٰ ہو، تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

اور تمہیں عورتوں کے مابین عدل کی استطاعت نہ ہو گی اگرچہ اس کی حرص کرو۔ تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ، پھر دوسری کو معلق چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

بیویوں کے مابین عدل کرنا خاص کر جب ان کے نفس پر شح کا احاطہ ہو محال ہے، چاہے مرد کو اس کی کتنی ہی تمنا ہو۔ مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ ایک طرف ہی نہ جھک جائے، کہ دوسری کو معلق ہونے کا احساس گھیر لے۔ بیویوں کی ضروریاتِ زندگی کا اہتمام ایسے ہو کہ ان کے مابین توازن برقرار رہے، تو یہ اصلاح کرنے کی صورت ہو گی۔ اور ہر ایک سے تعلق رضائے الٰہی کے تابع ہو تو یہ تقویٰ ہو گا۔ جہاں یہ صفاتِ حسنہ ہوں گی وہاں بخشش اور رحمت کا پہرہ ہو گا۔

حاصل : بیویوں کے مابین عدل بھاری کام ہے۔ توقعات اور خواہشات کے مابین عدل کرنا محال ہے۔ مرد کو بیویوں کی ضروریاتِ زندگی کا اہتمام کرنے میں توازن رکھنا چاہئے اور اللہ کی رضا کے تابع رہنا چاہئے، تبھی وہ اللہ کی بخشش اور رحمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں، تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو غنا دے گا۔ اور اللہ

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وسعت والا حکمت والا ہے۔

زوجین کو ایک دوسرے سے شکایات ہی رہیں، اور اصلاح محال ہو جائے، تو پھر تفریق ہی حل ہو گا۔ جب دونوں جدا ہو جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو غنا دے گا۔ ایسی صورت میں طبائع کا قناعت پسند ہو جانا بھی یقینی ہو جاتا ہے، کہ سابقہ تجربے کی روشنی میں احتیاط کا بڑھ جانا ضروری ہوتا ہے۔ اللہ سے اعانت طلبی بھی بڑھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آسانیاں عطا فرما دیتا ہے کہ وہ وسعت والا حکمت والا ہے۔

حاصل : جب اصلاح محال ہو، شکایات بڑھتی جائیں تو زوجین کا ایک دوسرے سے الگ ہو جانا دونوں کے لئے اچھا ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾

اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور ہم نے وصیت کی جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی، اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اگر کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ غنی ہے حمد والا۔

خالقِ کل اللہ ہی ہے۔ اس لئے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی فرمایا گیا ہے اور جب بھی فرمایا گیا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے فرمایا گیا ہے۔ اللہ کا خوف بڑھے تو یہ علمِ حقیقی کے بڑھنے کی سند ہے۔ جہاں بھی اشیاء کے استعمال میں رضائے الٰہی مطلوب ہو گی، راستہ آسان ہو جائے گا۔ خوف و حزن دور رہے گا اور راحت بھی حاصل ہو گی۔ اگر رضائے الٰہی کی مخالفت کا رخ ہو گا، تو نقصان کفران کرنے والے کا ہی ہو گا، کہ اللہ تو احتیاج سے پاک ہے اور ہر ایک کو علم سے پالنے والا ہے۔

حاصل : اللہ کی رضا مطلوب ہو، تو اللہ کا خوف ہو گا۔ اللہ کا خوف ہو گا، تو راستہ آسان ہو جائے گا اور منزل قدم کے نیچے آ جائے گی۔ ورنہ مشقت گلے پڑ جائے گی۔ رضائے الٰہی تو لوگوں کو آسانیاں عطا کرنے کے لئے ہے، اور فرد و معاشرے کی زندگی میں توازن پیدا کرنے کے لئے ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

اور اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں میں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۳۲﴾

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

جب مالکِ کل اللہ ہے، علیم مطلق بھی وہی ہے، تو اس سے بڑا کارساز اور کفایت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ جہاں، جب، جیسی اور جس قدر ضرورت ہو گی، اللہ پوری کر سکتا ہے۔ اور اسے کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔

حاصل : زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سے ہی یہ تیقّن پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بنایا ہے، بندے کے لئے بنایا ہے، اور بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔

اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاۡتِ بِاٰخَرِيۡنَ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيۡرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو، وہ چاہے تو تمہیں لے جائے، اوروں کو لے آئے۔ اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔

جو لوگ حال پر ہیں، یہ بھی اپنی تجویز سے یہاں نہیں آئے، اور ان کی رخصت بھی ان کی پسند اور ناپسند کے تابع نہیں ہے۔ جو قادرِ مطلق ان کو یہاں لایا ہے، یہاں پال رہا ہے، وہ ان کی جگہ دوسروں کو لانے پر بھی قادر ہے۔

حاصل : زندگی معیّتِ حق میں نہ گزر رہی ہو، تو یقیناً بے حقیقت ہوتی ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۸ ۱۶

جو ثواب دنیا کا ارادہ کرے، تو اللہ ہی کے پاس ہے ثواب دنیا و آخرت، اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

راہِ عمل کے انتخاب میں ہی انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اگر رضائے الٰہی مقصود نہ ہو گی، تو صرف دنیوی فائدہ ملحوظ ہو گا، جو رب العالمین کی طرف سے رکھا ہی انسان کے لئے گیا ہے۔ اگر رضائے الٰہی مطلوب ہو گی تو ثوابِ دارین حاصل ہو گا، کہ عمل زندہ رہے گا۔ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہی ہر مقام پر، بندے کو پورا رکھ سکتا ہے۔

حاصل : ہمارا سننا اور دیکھنا رضائے الٰہی کے تابع ہو، تو ہمارا عمل زندہ ہو گا، اور انعام اس کا ثوابِ دارین ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں ارشاد فرمایا ہے :

اَفَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَيۡهِمۡ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّـكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ﴿۹﴾

[تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین، ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے، ہر رجوع لانے والے بندے کے لئے۔]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾

اے ایمان والو انصاف قائم رکھو اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے اگرچہ معاملہ تمہاری ذات یا والدین اور اقربین کا ہو۔ اگر کوئی غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ ان دونوں کا بڑا خیر خواہ ہے۔ تو اپنی خواہش کا اتباع نہ کرو تاکہ عدل کر سکو، اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا اعراض کرو، تو بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

انصاف یہ ہے کہ اللہ کی پسند کے مقابل ہماری پسند ساکن ہو جائے۔ دوسروں کے معاملات میں جہاں منصف طرفین سے کوئی قرابت نہ رکھتا ہو، انصاف کرنا اور امرِ الٰہی کے مطابق رہنا نسبتاً آسان ہوتا ہے مگر اس سے انصاف قائم نہیں ہوتا۔ انصاف تبھی قائم ہوتا ہے کہ انصاف کرنے والا اپنی ذات یا والدین اور اقربین پر گواہی دیتے وقت بھی رضائے الٰہی کی طرف پورا جھکا رہے، اور کسی کے غنا و فقر کو بھی نہ دیکھے کہ یہ بھی اللہ سے تقدم ہو گا۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا وہ عدل نہیں کر سکے گا، جو اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرے گا وہ انصاف قائم کرنے والا ہو گا۔ انصاف قائم ہو تو معاشرے میں محاسن بڑھتے ہیں۔ قوتِ کارکردگی بڑھتی ہے۔ افراد کے مابین روابط خوف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح نور پھیلتا چلا جاتا ہے، اور ظلمت سمٹتی چلی جاتی ہے۔ جب خواہش لطیف صورت اختیار کر لے تو پھر پیچ دار بات کی صورت پیدا ہوتی ہے یا حق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ جب بات میں اپنی مرضی کے معنی پیدا کرنے کے لئے ذو معنی الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس بات کو پیچ دار بات کہتے ہیں۔ اور جب انصاف طلب کرنے والے کو سہارا نہ دیا جائے تو یہ حق سے اعراض ہوتا ہے۔ اللہ ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ اسے ہر ایک کے عمل کی پوری پوری خبر ہے۔

حاصل : اپنی ذات، والدین اور اقربین پر گواہی دیتے ہوئے رضائے الٰہی کی طرف پوری طرح جھک جانے سے اور کسی بھی رعایت کے نہ طلب کرنے سے انصاف قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تقدم کبھی انصاف نہیں ہو سکتا۔ خواہش کی پیروی سے نجات ہو، تو انصاف ممکن ہوتا ہے۔ پیچ دار بات یا اعراض، توکّل کی عدم موجودگی کا ثبوت ہو گا۔ عمل صالح ہو تو اللہ تعالیٰ کو خبیر ماننے کا ثبوت ملے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۱۳۶

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، اور اس کتاب کو جو اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی اور اس کتاب کو جو اس سے قبل نازل فرمائی، مانو۔ اور جو اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتب اور اس کے رسل (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور یوم آخر کو نہ مانے یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

قول پہلا درجہ ہے۔ عمل دوسرا درجہ ہے۔ علم تیسرا درجہ ہے۔ اور ان تینوں مدارج پر پورا رہنے والے کو مخلص ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ ایمان کا دعویٰ زبانی اقرار سے ثابت ہو گا۔ اس اقرار پر عملاً پورا رہنے سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہو گا۔ ایمان کے دعویداروں پر واضح فرمایا جارہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو، اس کتاب کو مانو جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور ان کتب کو بھی مانو جو اس سے قبل نازل ہوئیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا یہ ہے کہ ان کی رضا کو ہر مقام پر احق مانا جائے۔ اور اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے علاوہ کسی بھی مقام پر کچھ مقصود نہ ہو۔ قرآن پاک کو ماننا یہ ہے کہ یہ متقین کے لئے ہدایت، رحمت اور شفا ہے۔ اور شک و کجی سے پاک ہے۔ اور انبیائے سابقین پر نازل ہونے والی کتابوں کا مصدّق ہے۔ اللہ کی طرف سے جو بھی نازل فرمایا گیا ہے وہ حق ہے۔ ماضی حال کی بشارت دیتا ہے۔ حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ حکم ماننا یہ ہے کہ اس کو سنا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ جو اللہ، اس کے ملائکہ، اس کی کتب، اس کے رسل اور یوم آخر کا انکار کرے گا وہ فلاح کے راستے سے دور جا پڑے گا۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو وہ خاسرین کی طرح استعمال کرے گا۔

حاصل : جس دعوے کے ساتھ شہادت نہ ہو وہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوتا۔ عملاً ایمان یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ حکمِ خداوندی کو اپنی سمجھ کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرے۔ جن امور کی تسلیم میں فلاح ہے، ان کے انکار میں یقیناً خسارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ۱۳۷

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں اور بڑھے، اور اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا، اور نہ ان کے لئے ہدایت کی سبیل

ہو گی۔

ایمان قول کے درجے میں ہو، تو اس کی حقیقت اقرار ہے زبان سے۔ اگر عہد و اقرار کو پورا کیا جائے تو دعویٔ ایمان سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر منیب کے اتباع کے مقابل من مانی کی جائے تو اس سے ایمان کے عہد کی نفی ہو جائے گی۔ حالات کے تھپیڑے سے اگر پھر تسلیم کی طرف آنا ہو جائے، اور یہ عہد کیا جائے کہ اب اپنی مت کو ساکن رکھنا ہے اور بہتر جاننے والے کی مانی ہے، اور بغیر جانے مانی ہے، تو یہ دعویٰ ایمان کا اعادہ ہو گا۔ اس کے بعد ایسے مواقع یکے بعد دیگرے آئیں گے، جہاں یہ دیکھا جائے گا کہ وفائے عہد ہو رہا ہے یا اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ پھر من مانی ہو گی تو یہ کفر ہو گا، اور خواہشات نفس کی حکومت وجود پر بڑھتی جائے گی۔ یہ ناقابل بخشش بات ہے۔ یہ فسق ہے، اور فاسق کے لئے ہدایت نہیں رکھی گئی۔

حاصل : حکم ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ --۝ ۔ (۳۱ : ۱۵) جس منیب کے اتباع سے ہدایت کو مانا جائے، پھر من مانی کی جائے، پھر مانا جائے اور من مانی بڑھتی ہی جائے، تو انسان فاسق ہو جاتا ہے، بخشش اور ہدایت سے دور ہو جاتا ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝۱۳۸

منافقین کو بشارت دیجئے کہ ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو ماننے کے دعوے کے بعد نہ مانے اور بہتر جاننے والے کے اقرار کے بعد من مانی کرے وہ منافق ہوتا ہے۔ جو علم کے مقابل اپنی خواہش کے اتباع میں راحت تلاش کرتا ہے، وہ المناک عذاب کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس کو اس کے انجام کی خبر دینی چاہئے۔

حاصل : منافق کو اس کے انجام کی خبر دی جائے، تو مخبر صادق کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹

وہ جو مومنین کے مقابل کافرین کو دوست بناتے ہیں، کیا ان کے ہاں عزت کے متلاشی ہیں۔ تو عزت سب اللہ کی ہے۔

عزت اللہ کی ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے، اور منافقوں کو علم نہیں (۶۳ : ۸)۔ مومنین کی صف میں شمار ہو گا، باعزت ہو گا، جو ان کے مقابل کافروں کے ہاں عزت ڈھونڈے گا، وہ منافق ہو گا اور بے عزتی کی طرف جا رہا ہو گا۔

حاصل : جو مومنین کے مقابل کافروں کی دوستی چاہے، وہ منافق ہے اور عزت کی راہ پر بھی نہیں ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا
سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک کتاب میں تم پر نازل ہو چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کا انکار اور استہزاء سنو تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، حتیٰ کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں۔ ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو گے۔ بے شک اللہ منافقین اور کافرین کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

کافروں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دینا مومنین کی شان ہے۔ مگر جب کافر حق کو سننے کی بجائے اس کے انکار و استہزاء میں لگ جائیں، تو وہ لینے کے درجے میں نہیں ہوتے۔ اس وقت دینے والوں کو ان کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔ حق کی عدم تسلیم کفر ہے اور اسے اپنی خواہش کے مطابق معنی دینے کی کوشش استہزاء ہے۔ یہ دونوں باتیں وقوف کی راہ کو مسدود کرتی ہیں۔ اس صورت میں ان کے پاس بیٹھنا معصیت ہے۔ اگر دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں تو ان کے پاس بیٹھنا درست ہے کہ اس وقت ان پر شوکت نفس کا پہرہ نہیں ہوتا۔ منافقین اور کافرین اللہ کی رضا کے مقابل اپنے علم کو کافی جانتے ہیں اور رضائے الٰہی کے خلاف کرنے کی بدولت جہنم کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، وہیں انہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

حاصل: جب لوگ حق کا انکار واستہزاء کر رہے ہوں، تو مومنین کا ان کے ساتھ بیٹھنا معصیت ہے۔ جب کوئی لینے کے درجے میں ہو تو دینے والے کو دیکھتا ہے۔ کافر و منافق کا انجام جہنم ہے۔

اِلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ
نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ
نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ
وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۲۰ ۷ ۱۷

وہ جو تمہاری تاک میں ہیں، تو اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کافروں کا حصہ ہوں تو کہتے ہیں: کیا ہم نے تمہیں گھیر نہ لیا تھا اور ہم نے تمہیں مومنین سے بچایا۔ تو اللہ قیامت کے دن تمہارے مابین فیصلہ کر دے گا۔ اور اللہ کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہ دے گا۔

منافق مفاد پرست ہوتا ہے۔ مومنین کی فتح ہو تو ان سے اپنی خواہش کے تحت طلب کو بیان کرتے ہوئے اپنے ساتھ کا

ذکر کرتا ہے۔ اگر مقصود جہاد رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہو تو یہی منافقت ہے۔ رضائے الٰہی مطلوب ہو تو پھر کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا۔ کافروں کو بھی کبھی رعایت مل جاتی ہے اور یہ اصلاح کی طرف آنے کے لئے مزید مہلت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھانا بھی کافروں کو راہ راست پر لا سکتا ہے۔ کافروں کو وقتی فائدہ پہنچا ہو تو منافق ان سے بھی اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور انہیں اپنی خدمات یاد دلاتے ہیں۔ جب اعمال کی جزا دی جائے گی تو فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر پتہ چل جائے گا. کس کا کیا رخ تھا۔ کافروں کو کبھی مومنین پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مومنین کو مسبّب الاسباب کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ کافر اسباب کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اسباب ہمیشہ مسبّب کے حکم میں رہتے ہیں۔

حاصل : منافق مفاد پرست ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ کافروں کو مومنین پر کبھی راہ نہیں ملتی کہ وہ ان پر غلبہ پا سکیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید میں ارشاد فرمایا ہے :

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲

[آسمان اور زمین اسی کی ملک ہیں، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲

بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور وہ انہیں گمراہ کرے گا۔ اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں. اور اللہ کا ذکر قلیل ہی کرتے ہیں۔

منافقین اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ جلوت میں مومنین کے ساتھ ہوتے ہیں. خلوت میں شیاطین کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مومنین کا ساتھ استہزاء کے ارادے سے ہوتا ہے۔ علیم مطلق سے اپنی کیفیت کو مخفی خیال کرنا منافقین کی طرف سے خدع ہے۔ اللہ کی طرف سے خدع کی صورت اس طرح بنتی ہے کہ منافقین کی تجویز ہی انہیں ڈبو دیتی ہے اور جس نتیجے سے وہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں وہی ان پر مسلّط ہو جاتا ہے، عزت کی راہ انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ دل تو ان کا غیر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے ان کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا۔ کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ منشاء لوگوں کو دکھانا ہوتا ہے کہ نماز ادا ہو رہی ہے۔ جب رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو اور لوگوں کو دکھانا ملحوظ ہو، تو عمل بے حقیقت ہوتا ہے۔ منافق پر اکثر اس کی پسند کا غلبہ رہتا ہے۔ مجبوری کے چند لمحات میں جب وہ مومنین کے ساتھ ہو تو اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس لئے اس ذکر کو قلیل کہا گیا ہے۔

حاصل : علیم بذات الصدور سے اپنی کیفیت کو مخفی خیال کرنا اللہ کو دھوکا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافق کی تجویز کو اسی پر ڈال دیتا ہے، پھر وہ بے عزت ہوتا ہے۔ نماز میں کاہلی سے کھڑے ہونا خشوع کی عدم موجودگی کا ثبوت ہے۔ لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا رضائے الٰہی کا عملاً انکار ہے۔

اللہ کا ذکر قلیل کرنا خسنت و لغو گوئی میں وقت ضائع کرنے کا ثبوت ہے۔ اور یہ سب منافقت کی نشانیاں ہیں۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

دونوں کے درمیان مذبذب ہیں، نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے تم اس کے لئے سبیل نہ پاؤ گے۔

منافقین حق کا صریح اقرار بھی نہیں کرتے، صریح انکار بھی نہیں کرتے۔ تذبذب میں اپنے مفاد کی خاطر کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف، اس طرح ان کی وفاداری کسی طرف بھی استوار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے فسق کی بدولت گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں بھی اللہ کے فرمان میں اپنی خواہش کو داخل کیا جائے راستہ گم ہو جاتا ہے، بے یقینی محیط ہو جاتی ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے تذبذب سے نکلنے کی اس کے لئے کوئی سبیل نہیں رہتی۔

حاصل : منافق حق کے اقرار و انکار کے درمیان مذبذب رہتے ہیں۔ راستہ دینے والے کو دھوکا دینے کی کوشش سے گمراہی مسلّط ہو جاتی ہے، اور نجات کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

اے ایمان والو، مومنین کے مقابل کافرین کو دوست نہ بناؤ۔ کیا اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرنے کا ارادہ کرتے ہو۔

مومنین سے دوستی شاہدین کے حوالے سے ہوتی ہے، اور رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔ یہ دوستی کسی غرض و غایت کے تابع نہیں ہوتی۔ کافروں سے دوستی کے معنی شاہدین سے دوری ہے اور اپنے لئے خسارے کو مقدر کر لینے والی بات ہے۔

حاصل : کافروں سے دوستی ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں۔ ایسی دوستی ہمیشہ عدم توکل پر مبنی ہوتی ہے، اور یہ خاسرین میں شمار کئے جانے کے لئے، اپنے اوپر حجت قائم کرنے والی بات ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں۔ اور تم ان کے لئے کوئی نصرت دینے والا نہ پاؤ گے۔

درجات کا ذکر رفعت کے ساتھ آتا ہے، اور پستی کا رخ ہو تو درک استعمال ہوتا ہے۔ منافقین حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کی بدولت فاسق ہو جاتے ہیں اور اللہ صرف فاسق کو ہی گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے انتہائی سزا انہی کے لئے ہے۔ انہیں اس سزا سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔

حاصل : منافق ہی فاسق ہوتے ہیں، اور سب سے بڑی سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ ان کا جزا کے وقت سے بچنا محال ہو گا۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

مگر وہ جو تائب ہوئے، اور اصلاح لی، اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھاما اور اپنا دین خالص اللہ کا کیا، تو یہ مومنین کے ساتھ ہیں۔ اور جلد ہی اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

جو حال پر دو رخی کو چھوڑ دے، تائب ہو جائے، صالحین سے اصلاح لے، رضائے الٰہی کو محکم پکڑے اور ایسا خالص ہو جائے کہ اس کے علاوہ کچھ نہ چاہے، وہ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ کو عملاً مان لیتا ہے۔ (۳۹ : ۳) اسے مومنین کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ باعزت ہو جاتا ہے اور انسانیت کی سطح سے بلند ہو جاتا ہے۔ ایسے پاک لوگوں کو اللہ جلد ہی اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے کہ خوف و حزن سے انہیں نجات ہو جاتی ہے۔ راحت انہیں ہر وقت سرشار رکھتی ہے۔

حاصل : دو رخی سے تائب ہونے والے کو، اصلاح لینے والے کو، رضائے الٰہی کی رسی کو محکم پکڑنے والے کو، اور اس کے علاوہ کچھ نہ چاہنے والے کو مومنین کے ساتھ سے باعزت ہونے کا انعام ملتا ہے۔ پھر جلد ہی اسے اجر عظیم سے نوازا جاتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ کو تمہارے عذاب سے کیا کرنا ہے۔ اور اللہ شاکر ہے علم والا۔

جو شکر کرے، اور ایمان لائے، وہ اللہ کی عطا کو اپنی کاوش کی بدولت نہیں جانتا۔ اور اسے اپنی ذات کے لئے ہی مخصوص نہیں کر لیتا۔ اس یقین سے خرچ کرتا ہے کہ جو عطا ہوا ہے، پورا ہے اور ان تمام حقوق کے پورا کرنے کے لئے پورا ہے جو اللہ کی عبودیت کے اظہار کے اعتبار سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ شاہد کو معیارِ حق جانتا ہے۔ جس کا یہ حال ہو جائے، اس کی ماضی کی کوتاہیاں ناپید ہو جاتی ہیں۔ اس کے حال کی اللہ کو بڑی قدر ہوتی ہے۔ اس کی عبودیت اللہ کو پسند ہوتی ہے۔ علیم مطلق اسے مزید علم سے نوازتا ہے۔

حاصل : شکر و ایمان حال ہو تو ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر عذاب کا مقام باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شکر اعتراف عبودیت ہے۔ بندے کی طرف سے شکر اعترافِ کفالتِ نعماء ہے۔ بندے کے علم میں شکر سے اضافہ ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے :

وَأَنِيبُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا۟ لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾

[اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اسے تسلیم کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔]

الجزء السادس ٦

لَّا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلْجَهْرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾

اللہ بری بات کی تشہیر کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے۔

زیر دست جب زبر دست کے متعلق زبان کھولے گا، تو اس کی بات اس کے حال سے متعلق ہو گی، اور اس پر ہونے والے ظلم کی نسبت سے ہو گی۔ مظلوم ہمیشہ اپنے استحقاق کو مجروح پا کر چیختا ہے۔ اگر وہ اس بات کو ملحوظ رکھے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سنا ہے، اور اللہ کو علم ہے، تو پھر متاثر کرنے والی بری بات کی تشہیر سے نفس کو روکنا آسان ہو جاتا ہے۔

حاصل : جس کا استحقاق مجروح ہوا ہو اس کے علاوہ ہر کسی کو دوسرے کی بری بات کی تشہیر سے بچنا لازم ہے۔ مظلوم کو یقین ہو کہ اللہ کی نصرت سے بڑی تائید کا تصور بھی محال ہے اور وہ سننے والا علم والا ہے، تو وہ ظالم کی بری بات کی تشہیر میں قوت و وقت کو ضائع نہیں کرتا۔

إِن تُبْدُوا۟ خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا۟ عَن سُوٓءٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾

اگر تم کوئی بھلائی ظاہر کرو یا چھپاؤ یا کسی کی برائی سے عفو کرو تو بے شک اللہ عفو کرنے والا قدرت والا ہے۔

بھلائی وہ ہے جس سے کسی کو حق کی ادائیگی میں مدد ملے۔ جس سے بھلائی کی گئی ہے، وہ اسے ظاہر کرے یا چھپائے دونوں باتیں جائز ہیں۔ ظاہر کرے تو اس یقین سے کہ بھلائی کرنے والے نے رضائے الٰہی کے لئے اس کے ساتھ معاملہ کیا ہے اور جس سے بھلائی کی گئی وہ متوکّل رہا، اس طرح اللہ کا فضل شاملِ حال ہوا۔ اس سے سننے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا شرف ہو گا۔ چھپانے کی صورت یہ ہے کہ بھلائی کرنے والے نے ہنگامی صورتحال سے نپٹنے کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا جو عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی برائی سے در گزر کیا جائے تو اس یقین کے ساتھ کہ برائی کرنے والے سے برائی کسی علم کی بناء پر ہوئی ہے۔ اس طرح در گزر کرنے سے عفواً قدیراً کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اور یہی عبادِ مخلصین۔ کا مقصدِ حیات ہوتا ہے۔

حاصل : بھلائی سے ہمیشہ حق کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے۔ ظاہر کرنے والی بات دائمی نوعیت کی ہوتی ہے۔ چھپانے والی بات وقتی نوعیت کی ہوتی ہے۔ عفو کرنے سے پہلے یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ برائی کرنے والے سے کمٔ علم کی بدولت ویسے ہو گیا ہے۔ ایسے کیا جائے تو عفو کرنے والے کو عفواًقدیراً کا ساتھ نصیب ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسل کا انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسل کے مابین تفریق کریں، اور کہتے ہیں : ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ اس نے لوگوں کے سامنے معیارِ ہدایت ہر زمانے میں رکھا ہے۔ اس کے رسول ہمیشہ مطاع رہے ہیں۔ ان کی اطاعت ہو تو اللہ کی اطاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کا اتباع ہو تو عملاً سچا ثابت ہونے کا شرف ہوتا ہے۔ رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی بات نہیں ہوتی۔ اس کی ہر بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق کرے تو یہ بڑی ناشکری ہوگی۔ جو لوگ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، وہ اپنی پسند اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے درمیان راستہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز رکھنا اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔

حاصل : اللہ کے رسول کی اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کی بات اللہ کی بات ہے۔ رسول ہی ہمیشہ معیارِ ہدایت رہے ہیں۔ اس لئے ان سب کا ماننا لازم ہے۔ اور اللہ کے اور ان کے مابین تفریق کی کوشش یا اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز رکھنے کی کوشش اللہ کا صریحاً انکار ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

یہی حقیقی کافر ہیں۔ اور ہم نے کافرین کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شیطان اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویدار تھا۔ جب اس نے اللہ کے فرمان کا انکار کیا تو انکار کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کے مابین تفریق ہی تھی۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بات عطا کرتا ہے۔ اس کا انکار یقیناً اللہ کا انکار ہوتا ہے۔ یہی حقیقی کفر ہے۔ ایسے لوگ اپنی تجاویز کو اپنے لئے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہی ان کے لئے ذلت کا باعث ہوتی ہیں۔ اور یہ ذلت ان کے اپنے اعمال کے نتیجے میں تیار ہوتی رہتی ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کے اور اللہ کے درمیان تفریق کرنے کا ارادہ ہمیشہ باعثِ ذلّت ہوتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾ ع ٢١

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لائے، اور ان کے مابین تفریق نہ کی، انہیں جلد ہی ان کے اجر عطا فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ پر ایمان لانا قول ہے۔ اللہ کے رسول پر ایمان لانا عمل ہے۔ اور جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔ صادقین اللہ اور اس کے رسل کے مابین تفریق نہیں کرتے۔ وہ ہمیشہ اللہ کو اس کے رسول کے حوالے سے مانتے ہیں۔ رسول کو ناصح امین جانتے ہوئے اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔ جب کوئی حال پر حق کو مان لیتا ہے اور اسلام میں پورا پورا داخل ہو جاتا ہے تو اس کے ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اس کو بخشش سے نوازا جاتا ہے، اور رحمت اس پر برسنے لگتی ہے۔

حاصل : اللہ کو اس کے رسول کے حوالے سے مانا جائے، تو ماننے کا حق ادا ہوتا ہے۔ ماضی کی کوتاہیوں کی نفی بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ بخشش اور رحمت سے فیضیاب ہونے کی صورت بھی یہی ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا ہے :
[منکرین کو جب ان کے کئے کے انجام سے واسطہ ہو گا، تو کہیں گے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٢٦ : ١٠٢) تو اسی طرح ہمیں پھر جانا ہوتا تو ہم مومنین سے ہوتے۔]

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں، کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب نازل کر دی جائے۔ تو موسیٰ (علیہ السلام) سے وہ اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں۔ پھر کہنے لگے ہمیں اللہ واضح دکھایئے، تو ان کے ظلم کی بدولت انہیں کڑک نے پکڑ لیا۔ پھر روشن نشانیوں کے آ چکنے کے بعد

بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰلِكَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۵۳﴾

بچھڑا لے بیٹھے۔ تو ہم نے یہ معاف کر دیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کو صریح غلبہ دیا۔

اہلِ کتاب کا سوال کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب نازل کر کے دکھائی جائے، باعثِ حیرت نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ لوگ تو اس سے بڑی جہالت کی بات بھی کر چکے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ ہم تو اللہ کو بن دیکھے نہیں مانیں گے، تو ان کے دیکھتے دیکھتے انہیں کڑک نے آ لیا۔ پھر ان کی موت کے بعد انہیں اٹھایا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت میں اپنی صداقت کو حسن تسلیم سے ثابت کریں، اور شکر کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت ان لوگوں کو آلِ فرعون سے نجات ملی، بحر نے انہیں راستہ دیا، اور اسی بحر میں ان کے دیکھتے آل فرعون غرق ہوئے۔ ان پر ابر کو سائبان کیا گیا۔ ان پر من و سلویٰ اتارا گیا۔ طیّبات سے رزق دیا گیا۔ پھر ان لوگوں نے روشن نشانیوں کی کیا قدر کی۔ جب موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا گیا، تو ان لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی جو من مانی کرنے سے باز نہ آئیں ان کا سوال ہدایت طلبی کے لئے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ آسانیاں عطا کرتا ہے، کوتاہیاں معاف کرتا ہے، اور تضاد سے پاک ہو جانے والوں کی قدر کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف تو ان لوگوں کے اپنے مشاہدات و تجربات کی بناء پر بھی ضروری تھا۔ مگر جب انہوں نے من مانی کا راستہ اختیار کیا، تو پھر ان پر طور کو بلند کر کے میثاق لیا گیا۔ اور فرمایا گیا۔ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ (٢ : ٦٣) پکڑو جو ہم تمہیں عطا کرتے ہیں قوت سے، اور جو اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم متقی ہو۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا صریح غلبہ تھا۔

حاصل : ہدایت کی جستجو سوال کی جان ہو، تو مخلصین سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور جب علمِ حقیقی کی قدر و منزلت کے مقابل اپنی خواہش کا اتباع عزیز ہو، تو پھر سوال محض جھگڑنے کے لئے ہی ہوتا ہے۔ حق کو عاجز کرنے کی کوشش میں پہلے منکرینِ حق برباد ہو چکے ہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِى السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ہم نے ان پر طور کو بلند کیا، ان سے میثاق لینے کو۔ اور ہم نے فرمایا : دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو۔ اور ان سے فرمایا : کہ ہفتہ میں حد سے نہ بڑھو۔ اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔

جو اپنے مشاہدات کو قربِ حق کے لئے زینہ نہ بنائے، اور اپنے تجربات کو وقعت نہ دے، وہ توفیقِ ایزدی کی ناشکری کرتا

رہتا ہے۔ اس پر ایسا مقام آ جاتا ہے کہ پھر اسے واضح طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب میں کسی مقام پر بھی اللہ کو شاہد کے حوالے سے ماننے میں کوتاہی نہیں کروں گا، اور حق کے مقابل اپنی خواہش کا اتباع نہیں کروں گا، اور شک کے قریب جانے سے اجتناب کروں گا۔ یہ میثاقِ غلیظ ہے۔ جہاں ایسا میثاق ہو وہاں سے ذاتی پسند کو فوراً رخصت ہو جانا چاہئے، ورنہ فسق ثابت ہوتے ہی تباہی گھیر لیتی ہے۔ اہلِ کتاب کو آلِ فرعون سے نجات دینے کے بعد انہیں ایک قریئے میں داخل ہونے کا حکم ہوا، جس میں جہاں سے چاہیں کھا سکتے تھے۔ دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہونے کا حکم تھا۔ اور اپنی خطاؤں پر مغفرت طلب کرنے کا امر تھا۔ ان لوگوں نے ارشادِ خداوندی کو بدل دیا، تو ان پر آسمان سے عذاب اتارا گیا کہ یہ لوگ فسق کرتے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں نے ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کیا وہ بھی مبتلائے عذاب ہوئے۔ گاڑھا عہد جس سے بھی لیا جائے، اسے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا آخری موقع دیا گیا ہوتا ہے۔

حاصل : جو اپنے مشاہدات، تجربات، واردات کو وقعت نہ دے اور من مانی سے باز نہ آئے، وہ توفیقِ ایزدی کی ناشکری کرتے رہنے کی بدولت ایسے مقام پر آ جاتا ہے، کہ اسے آخری بار یہ عہد کرنا پڑتا ہے کہ اب اسے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کا جو موقع دیا گیا ہے وہ اس میں شک کے قریب بھی نہیں جائے گا۔ یہ میثاقِ غلیظ ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

تو ان کی میثاق شکنی کی وجہ سے اور آیات خداوندی کا انکار کرنے کی وجہ سے اور انبیاء سے ناحق لڑنے کی وجہ سے اور ان کی اس بات پر کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی بدولت ان پر مہر لگا دی۔ تو وہ قلیل ہی ایمان لاتے ہیں۔

میثاق کو توڑ دینا، آیاتِ خداوندی کا انکار کرنا، انبیائے کرام سے ناحق لڑنا اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کو سن کر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ تمہاری بات ہمارے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی چونکہ دل پر غلاف ہے جو اس تک اثرات کو پہنچنے ہی نہیں دیتا، یہ سب علاماتِ کفر ہیں۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ حدِ اصلاح سے گزر جاتا ہے۔ اس کے قلب پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس کی سماعت متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کی بصارت پر پردہ آ جاتا ہے۔ خواہشات کا اتباع کرنے والے تو کثیر ہوتے ہیں، اور اپنے تضاد کو دور کرنے والے قلیل ہوتے ہیں۔ ایمان تو وہی لاتے ہیں، جو اپنے تضاد کو دور کرتے ہیں۔

حاصل : میثاق شکنی، آیاتِ خداوندی کا انکار، شاہدین سے خصومت اور ہٹ دھرمی علاماتِ کفر ہیں۔ جو حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرے اس کا رخ ظلمات کی طرف ہوتا ہے۔ جو اپنے

آپ کو حق کے مطابق بنانے کی سعی کرے اس کا رخ نور کی طرف ہوتا ہے۔ ایمان وہی لاتا ہے، جس کا رخ نور کی طرف ہو۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

اور ان کے کفر پر اور مریم (علیہا السلام) پر بہتان عظیم باندھنے پر۔

کفر کی حقیقت حق کا انکار اور عطائے خداوندی کی ناشکری ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ اللہ کے لئے معاملہ کرنے والوں کو شک کی نظر سے دیکھنا اور اپنے شبہ کو زبان دیتے وقت اپنی پسند کے پیمانے کی صحت کا کوئی ثبوت پیش نہ کرنا بہتانِ عظیم باندھنے والی بات ہے۔ اہلِ کتاب کی کارکردگی ان کے حال اور ماضی کے تضاد کو واضح کرنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔

حاصل : حق کا انکار کفر، اور نمونۂ حق پر شک بہتانِ عظیم ہوتا ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾

اور ان کی اس بات پر کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو قتل کیا۔ اور انہوں نے آپ کو قتل کیا اور نہ آپ کو صلیب پر چڑھایا۔ ولیکن ان کے لئے ایک شبیہ بن گئی۔ اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں، یقیناً وہ اس سے شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کچھ علم نہیں سوائے ظن کے اتباع کے۔ اور یقیناً انہوں نے آپ کو قتل نہیں کیا۔

اہلِ کتاب کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کے ہاتھوں مصلوب ہوئے، غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف میں ارشاد فرمایا ہے : اور جو اللہ کے داعی کی بات نہ مانے، وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں۔ اللہ کے مقابل اس کے کوئی مددگار نہیں۔ وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (٤٦ : ٣٢) سورۃ المومن میں ارشاد ہے : بے شک ضرور ہم اپنے رسولوں کی نصرت فرماتے ہیں اور ایمان والوں کی، حیاتِ دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ (٤٠ : ٥١) سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہے : اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ (٣ : ١٦٠) اس سے صاف روشن ہوا کہ کسی بھی نبی کو قتل نہیں کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے یا نہ ماننے کی توفیق تو اہلِ کتاب کو تھی۔ ان لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی اور معیارِ اخلاق کو اپنی خواہشات میں سدِّ راہ جان کر ہٹانے کی تدبیر کی۔ اور آپ کے شبیہ میں کسی دوسرے کو مار دیا اور شک میں پڑ گئے۔ وہ محض اپنے ظن کے پیچھے لگے، اور یقیناً انہوں نے آپ کو قتل نہیں

کیا، نبی کا قتل ممکن ہی نہیں۔ یقتلون النبین بغیر الحق کے معنی انبیاء سے ناحق لڑنا ہے قتل کے معنی جان سے مار دینے کے ہی نہیں ہوتے جیسے سورۃ توبہ میں ارشاد ہے قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ (۹ : ۳۰) اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ سورۃ الممتحنہ میں عدو اللہ کی دوستی سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ إِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قٰتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ (۶۰ : ۹) بے شک اللہ تمہیں ان سے منع کرتا ہے، جو دین میں تم سے لڑے۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے کہ جب متخافین آپ سے جہاد میں شمولیت کا اذن طلب کریں، تو فرما دیجئے میرے ساتھ نہ نکلو۔ وَلَنْ تُقٰتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا (۹ : ۸۳) اور میری معیّت میں کبھی دشمن سے نہ لڑو۔ سورۃ نساء میں ایمان والوں کی نشانی يُقٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اور کافروں کی نشانی يُقٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطّٰغُوتِ (۴ : ۷۶) بیان فرمائی گئی۔ سورۃ الصّف میں صفیں باندھ کر اللہ کے لئے لڑنے والوں کو اللہ کا محبوب فرمایا گیا ہے۔ (۶۱ : ۴) سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے۔ اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے مابین صلح کراؤ۔ اور ایک دوسرے پر زیادتی کرے فَقٰتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ (۴۹ : ۹) تو زیادتی کرنے والے سے لڑو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہے کہ منافق، اہلِ کتاب میں سے اپنے ساتھیوں کو کہتے ہیں کہ اگر تم نکال دیئے گئے تو ہم یقیناً تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے۔ وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۔(۵۹ : ۱۱) اور اگر تم سے لڑائی ہوئی تو ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

حاصل : اللہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کی نصرت کے مقابل کوئی قوت بھی وقعت نہیں رکھتی۔ اس نے رسولوں سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قادرِ مطلق کے بھیجے ہوئے معیارِ مطلق کو اگر اولیاء الشیطان ختم کر دیں، تو یہ علمِ الٰہی پر علمِ غیر کے تفوق کا ثبوت ہو گا، جو محال ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف رفعت دی۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ علیمِ مطلق ہے۔ نصرت جس طرح درکار تھی کی گئی۔ قادرِ مطلق کی قدرت اسباب کے تابع نہیں، اس لئے اسباب کی محتاج بھی نہیں۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور منکرینِ حق کی کاوش کو ناکام بنا دیا۔ عزت والے، حکمت والے قادرِ مطلق کی معیّت ہی عالمِ اسباب میں بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

حاصل : عزت والے، حکمت والے، قادر مطلق کی معیّت ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۹﴾

اہل کتاب سے کوئی نہیں جو اپنی موت سے قبل آپ پر ایمان نہ لائے، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔

اہلِ کتاب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، ان کی شان میں گستاخی کی، ان کے قتل کی تدبیر کی، لیکن حیاتِ دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے پر اہلِ کتاب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ آپ پر ایمان لاتے ہیں، اس وقت عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے موت سے قبل ان کا ایمان لانا انہیں کچھ نفع نہیں دیتا۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کتاب کے انکار پر گواہی دیں گے۔

حاصل : جس کا انکار بے سند ہو، اس کا اقرار ایسے وقت میں کرنا پڑتا ہے جب خسارے کا گھیرا نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت قبولیتِ حق نفع نہیں دیتی۔ جس کی گواہی عنداللہ سند کا درجہ رکھتی ہو اس کا انکار دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝١٦٠

تو یہودیوں کے ظلم کی بدولت ہم نے بعض طیّبات جو ان پر حلال تھیں حرام فرما دیں۔ اور اس لئے کہ انہوں نے کثیر کو اللہ کی راہ سے روکا۔

حیاتِ دنیا میں اللہ کی نعمتوں کو افادیت کے حوالے سے استعمال کرنے کی بجائے لذت کے حوالے سے استعمال کرنے کا رخ اختیار کیا جائے، تو ناشکری کا ارتکاب ضرور ہوتا ہے۔ ناشکری سے نعمت کی برکت اللہ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ اور وہی نعمت مضر صحت بھی ہو جاتی ہے۔ اس وقت اس نعمت کا عدم استعمال ہی ناشکرے کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسے جسمانی اور روحانی صحت عطا ہو سکتی ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا بڑا ظلم ہے۔ اور یہود نے یہ ظلم اکثر کیا ہے۔

حاصل : لوگوں کو حق کے مقابل ان کی خواہشات کے پیچھے لگانا، اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ اور یہ بڑا ظلم ہے۔ افادیت کے مقابل لذّت کو معیار بنالیا جائے تو جسمانی اور روحانی صحت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ علم و حکمت کا اتباع حدود اللہ کے عملاً احترام کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور اسی میں ہمہ وقتی صحت و سلامتی موجود ہے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٦١

اور اس لئے کہ وہ سود لیتے تھے، اور انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور باطل سے لوگوں کے اموال کھا جاتے تھے۔ اور ان میں جو کافر ہوئے، ہم نے ان کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جس بات سے علیم مطلق منع فرمائے، مخلصین اس کے باعثِ خسارہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اس میں وقتی فائدہ تو

خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو نظر آتا ہے، مگر دائمی نقصان انہیں نظر نہیں آتا۔ یہود لوگوں کے اموال کو کھاتے وقت، گناہ اور زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے تھے اور دوڑتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ بہت ہی برے کام کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ (۵ :٦١)۔ اہلِ کتاب سے جن لوگوں نے رضائے خداوندی کا انکار کیا اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا وہ کافر ہوئے۔ ان کے اعمال کا حاصل المناک عذاب کی صورت میں انہیں تیار ملے گا، جس سے بچ جانا ان کے بس میں نہ ہو گا۔

حاصل : جس کی بات ذاتی غرض و غایت سے پاک ہو اس کی ماننے میں فلاح، اور نہ ماننے میں خسارہ یقینی ہوتا ہے۔ بندے کے اعمال کا حاصل اسے جزا کے وقت تیار ملے گا۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
ع ٢٢ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾

لیکن ان میں جو علم میں راسخ ہیں اور مومن ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا، اور جو آپ سے قبل نازل ہوا، اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور یوم آخر کو مانتے ہیں۔ ایسوں کو عنقریب ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

اہل کتاب میں سے جو جو لوگ علم میں راسخ ہیں، ان کی نشانیاں یہ ہیں کہ وہ حال پر نازل ہونے والے حق کو بھی مانتے ہیں اور ماضی میں نازل ہونے والے حق کو بھی مانتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور یوم آخر کو قولاً بھی مانتے ہیں، عملاً بھی مانتے ہیں۔ ان کے قول کی صداقت عمل کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کی طرف سے اجر عظیم عطا فرمایا جاتا ہے۔

حاصل : راسخ علم والے حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ قولاً تسلیم کرنا تبھی فائدہ دیتا ہے، جب عملاً اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔ جس کی صداقت ثابت ہو جائے، اسے یقیناً اجرِ عظیم عطا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ ابراھیم میں ارشاد فرمایا ہے :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾

[اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ تو انہیں ان کے رب نے وحی بھیجی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے۔]

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا‌ۚ ﴿۱٦۳﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی، جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد نبیوں پر وحی فرمائی۔ اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور ایوب (علیہ السلام) اور یونس (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی۔ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی جیسے انبیاء سابقین کی طرف وحی فرمائی۔ ان سب حضرات کا مقصود ایک ہے، اس لئے ان میں تفریق کرنا خلاف حق ہے۔ اہل کتاب اگر حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کے بعد والوں عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور لقمان علیہ السلام کو مانتے ہیں، تو کس بنا پر مانتے ہیں۔ ان حضرات کی تعلیم بھی وحی کے مطابق تھی۔ ہر ایک کو کتاب تو عطا نہیں فرمائی گئی، اور کتاب کا نہ ہونا کسی نبی کے انکار کا جواز نہیں بنا۔ داؤد علیہ السلام کو کتاب عطا ہوئی۔ انہیں بھی تسلیم کیا گیا۔ جب انبیائے سابقین کی تسلیم میں کتاب کے نزول کو نبوت کی نشانی نہیں بنایا گیا، تو اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ نزول کتاب کو علامت صداقت ٹھہرانا بے جا ہے۔

حاصل : ماضی اور حال میں تسلیم تضاد سے پاک ہو، تو ہدایت یقیناً عطا ہوتی ہے۔ جب ماضی اور حال ایک دوسرے کے مصدق ہوں تو ماضی کو تسلیم کرنا اور حال کا انکار کرنا ہدایت سے دور جانے کی سند ہے۔

وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ‌ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا‌ۚ ﴿۱٦٤﴾

اور رسل جن کو اس سے قبل ہم آپ پر بیان کر چکے، اور رسل جن کا بیان آپ پر نہیں ہوا۔ اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام فرمایا، کلام فرمانا۔

جن رسولوں کا ذکر ان کے اسماء گرامی کے ساتھ ہوا ہے وہ بھی اللہ کے بھیجے ہوئے تھے، اور جن کا ذکر اسمائے گرامی کے

ساتھ نہیں ہوا وہ بھی اللہ کی طرف سے ہی بھیجے گئے تھے، اور جن حضرات پر جو بھیجا گیا، علم مطلق سے بھیجا گیا۔ اس حال پر لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کے لئے جو کچھ درکار تھا، علیم مطلق سے بڑا اس کا جاننے والا کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اللہ کے ہر رسول نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے لوگوں کے سامنے اپنی حیات طیبہ کو قولاً، عملاً اور علاً نمونہ بنا کر رکھا۔ علیم مطلق نے جو چاہا وہی ہوا۔ اور کسی رسول کی بات کو مرسلین میں تفریق کے لئے استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا گیا، اس طرح دوسرے مرسلین سے کلام نہیں فرمایا گیا۔ تو اس سے ان کی رسالت کی شان میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ جب یہ اللہ کی طرف سے عطا ہے، تو پھر جس حال پر جیسے ہونی چاہئے تھی، ویسے ہوئی۔ اس لئے عطائے خداوندی میں تقابل بے جا ہو گا۔

حاصل : عطائے خداوندی علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں تقابل کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

رسول، بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے، تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ نے مرسلین کو شاہد بنا کر بھیجا۔ انہوں نے حق کے ماننے والوں کو فلاح کی بشارت دی اور منکرین کو ان کے انجام سے ڈرایا، تاکہ جزا کے وقت کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یا اللہ مجھے تو آگاہی ہی نہیں ہوئی اور انجام سے میں بے خبر ہی رہا۔ اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ اس کی رضا لوگوں کو مشقت سے پاک کرتی ہے۔ لوگوں کی پسند انہیں مشقت میں مبتلا کرتی ہے۔

حاصل : عزت والے حکمت والے قادر مطلق نے بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والوں کو حیات دنیا میں نمونہ بنا کر دکھا دیا ہے۔ اب اس پر کوئی حجت باقی نہیں رہی۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ؕ

لیکن اللہ اس کی شہادت دیتا ہے، جو اس نے آپ کی طرف نازل فرمایا، اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ملائکہ شہادت دیتے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔

اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ اسی علم سے ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ یہی علم فلاح دارین کی ضمانت دیتا ہے۔ جس نے سب کچھ بنایا اور خود احتیاج سے پاک ہے، جس نے کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کیا۔ اس کی شہادت سے بڑی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔ ملائکہ کی شہادت اس لئے وقعت رکھتی ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر ہوتا ہے۔ جس کی اپنی پسند کوئی نہ ہو، اس کی شہادت خلاف حق ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : جو خواہش سے پاک ہو، اس کی شہادت بڑا درجہ رکھتی ہے، کہ اسے اللہ کی شہادت سے نسبت ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور اللہ کی راہ سے روکا، وہ یقیناً دور کی گمراہی میں پڑے۔

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا جب کہ وہ ان پر واضح ہو چکا تھا، اور دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا، وہ یقیناً دور کی گمراہی میں پڑے ہیں۔ وہ خود بھی خسارے میں پڑے اور دوسروں کو بھی خسارے کی دعوت دیتے ہیں۔

حاصل : حق کا انکار اور اللہ کی راہ سے روکنا دور کی گمراہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا اور نہ انہیں راہ دکھائے گا۔

جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، اور فرمان خداوندی کے خلاف کیا، انہوں نے دعوت فلاح کے مقابل من مانی کی اور من مانی کرنے والوں کا گمراہ ہونا یقینی ہوتا ہے۔ کفر کے ساتھ جہاں ظلم شامل ہو جائے، تو بخشش سے دوری اور عذاب کا قرب یقینی ہو جاتا ہے۔

حاصل : کفر و ظلم کی موجودگی، بخشش و ہدایت کی نفی کرتی ہے۔

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

جو خیر کو قبول نہ کرے، غیر اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ کفر و ظلم کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے اس لئے ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینا اللہ کو آسان ہے۔

حاصل : کفر و ظلم کا راستہ جہنم کا راستہ ہے۔ جو خواہش سے پاک ہو اسے انصاف کرنا آسان ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ

اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف

بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

لائے۔ تو ایمان لاؤ، اپنے بھلے کو۔ اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم معیار اخلاق ہیں۔ رب العالمین کی عنایت ہے کہ اس نے لوگوں کو آسانی عطا کرنے کے لئے اکمل نمونہ بھیجا ہے. تاکہ لوگ اللہ کے دوست کو دوست بنا کر اللہ کے دوست ہو جائیں۔ یہی ایمان ہے. اور اسی میں بھلائی ہے۔ راحت سوائے اس کے کسی مقام پر موجود ہی نہیں۔ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا جائے تو یہ منکر کے لئے ہی خسارے کا باعث ہو گا. کہ اللہ تو احتیاج سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسے کسی سے توفیق واپس لیتے کیا دیر لگے گی۔ وہ علم و حکمت والا ہے۔

حاصل: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست بنانا. اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت ہے۔ من مانی کرنے والے منکر ہیں۔ مومن کا ایمان اسی کی بھلائی کے لئے ہے۔ کافر کا کفر بھی اسی کے خسارے کے لئے ہے۔ علم و حکمت والا مالک ہر شے کا ہے. اور بے احتیاج سے پاک۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ ع

وقف لازم

ع ۲۳ ۹ ۳

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور اللہ پر نہ کہو مگر حق۔ بے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، کہ مریم (علیہا السلام) کی طرف القیٰ فرمایا۔ اور اس کے ہاں کی روح۔ تو اللہ اور اس کے رسل پر ایمان لاؤ۔ اور تین نہ کہو۔ اپنے بھلے کو باز رہو۔ بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے۔ پاکی ہے اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے وکیل۔

اہل کتاب کو امر دیا گیا ہے کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو، بے سند بات نہ کرو. اللہ پر وہ بات نہ کہو جو حق نہ ہو۔ اور حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جب اس میں اپنی تجویز کو داخل کیا جائے، تو پھر اس کا حاصل خسارہ ہو گا۔ مسیح ابن

مریم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کا ایک کلمہ ہیں۔ یہ کلمہ اللہ نے بی بی مریم کی طرف القی فرمایا۔ وہ امر کن سے مخلوق ہوئے اور روح اللہ ہوئے۔ اللہ پر ایمان لانا، اللہ کو اس کے رسل کے حوالے سے ماننا ہے۔ رسل کے حوالے کے بغیر مانا جائے تو یہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ تین کہنے سے اللہ پر ایمان کا دعویٰ باطل ہو جائے گا. اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ بھی باطل ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو دنیا و آخرت میں مقربین سے ہیں۔ ان کے ساتھ بے سند بات کو منسوب کرنے والے ہی تضاد میں مبتلا ہوں گے اور یکسوئی ان کی زندگی سے رخصت ہو جائے گی۔ بھلائی تو اسی میں ہے کہ مخلصین کا اتباع کیا جائے۔ تقدم سے تو بھلائی کا حصول ممکن ہی نہیں۔ اللہ معبود واحد ہے. اس کی کوئی مثل نہیں، رب العالمین ہے. مالک کل ہے. خالق کل ہے. اور احتیاج سے پاک ہے۔ اللہ بچے سے پاک ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کافی ہے کارساز۔ کارساز نتیجے کا مالک ہوتا ہے۔ رخ اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے. نتیجہ باذن اللہ ہوتا ہے۔ مخلصین کی خوشی یقیناً اللہ کی خوشی ہوتی ہے کہ وہ شاہد ہوتے ہیں، مگر نتیجہ ان کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ شاہدین کو جو علم عطا ہوتا ہے وہ اسے ہی تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ یہ بڑی شان ہے۔ شاہدین بشارت و انذار کا حق ادا کر کے فارغ رہتے ہیں۔ جو ان کی مان لے، اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے، جو نہ مانے اس پر خوف و حزن کا تسلط رہتا ہے۔ مگر ہدایت و گمراہی دونوں اللہ کی طرف سے ہی ہوتی ہیں. جو اللہ کو اس کے شاہدین کے حوالے سے مانے اسے ہدایت ہوتی ہے. جو اللہ کو شاہدین کے حوالے سے نہ مانے اسے گمراہی ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے نتائج کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے. ورنہ یکسوئی ممکن ہی نہ ہوتی. اور لوگ خواہش کا اتباع کرنے سے بچ ہی نہ سکتے۔

حاصل : اہل کتاب دین میں غلو کرتے ہیں۔ بات وہی کہنی چاہئے جو حق ہو تثلیث فی التوحید. اور توحید فی التثلیث خلاف حق ہے۔ اللہ کو ہی معبود ماننا حق ہے۔ نہ اس کا کوئی بچہ ہے نہ وہ کسی کا بچہ ہے۔ وہ مالک کل ہے۔ اور نتائج پیدا کرنے والا کارساز ہے۔ اللہ کو وکیل ماننے کا دعویٰ تبھی سچا ثابت ہوتا ہے جب صبر و شکر دونوں مقامات پر اللہ کی معیت میں رہنے کا شرف ہو۔

شہادت : اللہ نے سورۃ حٰم السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

[جو صالح عمل کرے تو اپنے بھلے کو. اور جو برائی کرے تو اپنے برے کو، اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔]

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾

مسیح (علیہ السلام) کو اللہ کا عبد ہونے میں ہرگز عار نہیں اور نہ مقرب ملائکہ کو۔ اور جس کو اس کی عبادت سے عار آوے اور وہ تکبر کرے، تو وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔

حضرت مسیح علیہ السلام تو اللہ کے عبد اور رسول تھے۔ انہیں اپنی شان عبدیت ہی میں نظر آتی تھی۔ انہیں عبدیت سے قطعاً عار نہیں۔ مقرب ملائکہ کو بھی اللہ کی بندگی میں ہی خوشی ہے۔ اگر کوئی اپنی تجویز سے مسیح علیہ السلام اور مقرب ملائکہ کے درجے کے متعلق بے سند باتیں کرتا ہے، تو یقیناً یہ اس کے بھلے میں نہیں ہوتیں۔ اللہ کی عبادت سے جسے عار ہو، کراہت ہو، وہ ضرور تکبر کرتا ہے۔ جو تکبر کرتا ہے وہ ضرور خسارے میں پڑتا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اور اس آنے میں آنے والے کی مرضی کو کچھ دخل نہیں تھا، اسی کی طرف جانا ہو گا۔ اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : اللہ کی عبدیت سے عار تکبر کی علامت ہے۔ جو اپنے منشاء حیات پر نظر رکھے وہ تکبر نہیں کر سکتا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ﴿١٧٣﴾

تو وہ جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کے اجر انہیں پورے دے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ بھی دے گا۔ اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا انہیں عذاب کرے گا، المناک عذاب۔

جو لوگ ایمان لائے اور دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کیا، انہیں ان کے اجر پورے پورے دیئے جائیں گے، اور اللہ کے فضل سے انہیں زیادہ انعامات بھی ملیں گے کہ انہوں نے کسی مقام پر بھی اللہ کی عبادت میں عار محسوس نہ کی ہو گی۔ جن لوگوں نے اللہ کی عبادت سے عار محسوس کی اور تکبر کیا، یہ حق کے منکر ہیں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اور وہ عذاب ہو گا، المناک عذاب۔ رضائے الٰہی کے مقابل جو راستہ اختیار کیا جائے گا وہ تکبر کا راستہ ہو گا۔ اس میں عزت کا حصول ممکن ہی نہیں۔ عزت تو اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور مومنین کی ہے۔ منشائے حیات سے بے پرواہی کے معنی ہی عمل کے لئے دی گئی توفیق کو ضائع کر کے المناک عذاب کو اکٹھا کرنا ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال سے سچا ثابت ہو تبھی درست ہوتا ہے۔ سچے کو اس کا اجر پورا ملے گا، اور اللہ کے فضل سے زیادہ ملے گا۔ جو اللہ کی عبادت سے عار کرتے ہیں، انہیں عذاب ہو گا، المناک عذاب۔

وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾

اور اللہ کے مقابل نہ اپنا کوئی دوست پائیں گے اور نہ نصرت دینے والا۔

اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرنے والے اور استکبار کرنے والے، جب المناک عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ تو ان سے کوئی دوستی کرنے والا نہ ہو گا۔ کوئی ان کو مدد دینے والا نہ ہو گا۔ اس وقت حق کو ماننا بھی نفع نہ دے گا۔ اس لئے حال پر اپنے

رخ کو درست کرنا چاہئے، ندامت سے بچنے کی یہی صورت ہے۔

حاصل : اپنے حال کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ خلاف حق کرنے والے کو جاننا چاہئے کہ اللہ کے مقابل نہ کوئی دوستی کر سکتا ہے نہ مددگار ہو سکتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُم بُرْهَٰنٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٥﴾

اے لوگو: بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے برہان آ چکا۔ اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل فرمایا۔

برہان وہ وقف ہے، جو تضاد سے پاک رہنے والوں کے لئے روشنی کا مینار ہوتا ہے۔ برہان صداقت کی سند ہوتا ہے۔ برہان پیش کرنا حق سے اعراض کرنے والوں کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ برہان جہاں بھی ہو گا، وہاں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ بھی موجود ہو گا، اور خوف و حزن سے نجات پانے والے بھی اس کے شاہد ہوں گے۔ نور مبین کے نزول سے استفادہ کرنا بندے کی شان ہے۔ نور مبین کے خلاف جہاں بھی رخ ہو گا، ظلمات سے سابقہ ضرور ہو گا۔ وہاں تضاد بھی ہو گا، دکھ بھی ہو گا۔

حاصل : برہان، صداقت کی سند ہے۔ خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ اسی سے ملتا ہے۔ نور مبین کی قدر کرنے کا حق بندے پر عائد ہوتا ہے۔ ادائیگی اسی طرح ممکن ہے، کہ ہر مقام پر رخ رضائے الٰہی کے حصول کا رہے۔

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَٱعْتَصَمُوا۟ بِهِۦ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِى رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٦﴾

تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اسے محکم پکڑا، تو انہیں جلد ہی اپنی رحمت اور اپنے فضل میں داخل کرے گا، اور انہیں اپنی طرف صراط مستقیم کی ہدایت دے گا۔

جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اسی کی رضا کے لئے انعام یافتہ حضرات کا اتباع کرتے ہیں اور حق کے مقابل اپنی خواہشات کی طرف نہیں جھکتے، یہ اللہ کی رسی کو محکم پکڑنے والے ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کی خوشی کا لحاظ ضروری ہے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا لحاظ سب سے بڑا حق ہے، اور اگر لوگوں سے ڈرنا ناگزیر ہے تو اللہ سے ڈرنے کا حق بھی سب سے بڑا ہے۔ ایسے لوگوں کو جلد ہی اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اپنے احاطے میں لے لیتا ہے، اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہوتی ہے۔

حاصل : جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی کو وقعت نہ

دے، اور لوگوں سے ڈرنے کی بجائے اللہ سے ڈرے، اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اسے گھیر لیتے ہیں اور اسے ہدایت و راحت عطا ہوتی ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ٢٤

آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، فرما دیجئے اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور کوئی مرد فوت ہو اور اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو، تو ترکہ میں اس بہن کا نصف ہے۔ اور مرد اپنی بہن کا وارث ہو گا، اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی، اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی، تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر۔ اللہ تمہارے لئے روشن فرماتا ہے کہ کہیں بھٹک نہ جاؤ۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

کلالہ وہ ہوتا ہے، جس کے وصال کے وقت نہ والدین زندہ ہوں، نہ اولاد۔ کلالہ کی میراث کیسے تقسیم کی جائے، اس سوال کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے : اگر مرد کلالہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکے میں اس کا نصف ہو گا۔ یہ یقیناً وصیت اور دین کی ادائیگی کے بعد ہو گا۔ اگر عورت کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی ہو تو وہ اپنی بہن کا وارث ہو گا۔ اگر کلالہ کی بہنیں ہوں، تو ترکے میں ان کا دو تہائی، اور اگر بھائی بھی ہوں بہنیں بھی ہوں، تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ اللہ نے احکام واضح فرما دیئے ہیں کہ انسانی خواہشات معاملات کو متاثر نہ کریں۔ جہاں خواہش کی پیروی ہو گی، گمراہی ضروری ہو گی۔ ہر شے کا علم رکھنے والے نے جو حدود مقرر فرمائی ہیں، ان کے احترام سے ہی انسانی زندگی دائمی راحت سے فیضیاب ہو سکتی ہے۔ انسانی تجویز سے راحت نہ آج تک کسی کو حاصل ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

حاصل : کلالہ وہ ہے، جس کے وصال کے وقت نہ والدین زندہ ہوں نہ ولد۔ مرد کلالہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو، تو ترکے میں اس کا نصف ہو گا۔ دو یا زیادہ بہنیں ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ہو گا۔ عورت کلالہ ہو، اور اس کا بھائی ہو تو وہ وارث ہو گا۔ اگر کلالہ کے بھائی بھی ہوں بہنیں بھی ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہو گا۔ حدود اللہ کے احترام سے ہی دائمی راحت حاصل ہوا کرتی ہے۔ اور علیم مطلق کے علم سے ہی ہر مقام پر توازن قائم رہ سکتا ہے۔

شہادت : اللہ نے سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا ہے :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾

اور کہتے ہیں، رحمٰن نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ مکرم بندے ہیں۔ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے، اور اسی کے امر پر عمل کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی سورتوں کے نام اور آیات کی تعداد

شمار	نام سورت	آیات
1	الفاتحہ	7
2	البقرۃ	286
3	آل عمران	200
4	نسآء	177
	منزل اوّل کی کل آیات 670	
5	المائدہ	120
6	الانعام	166
7	الاعراف	206
8	الانفال	75
9	التوبہ	129
	منزل دوم کی کل آیات 696	
10	یونس	109
11	ھود	123
12	یوسف	111
13	الرعد	43
14	ابراھیم	52
15	الحجر	99
16	النحل	128
	منزل سوم کی کل آیات 665	
17	الاسراء (بنی اسرائیل)	111
18	الکھف	110
19	مریم	98
20	طٰہٰ	135
21	الانبیآء	112
22	الحج	78
23	المومنون	118
24	النور	64
25	الفرقان	77
	منزل چہارم کی کل آیات 903	
26	شعراء	227
27	النمل	93
28	القصص	88
29	العنکبوت	69
30	الروم	60
31	لقمان	34
32	السجدہ	30
33	الاحزاب	73
34	سبا	54
35	فاطر	45
36	یٰسٓ	83
	منزل پنجم کی کل آیات 856	

شمار	نام سورت	آیات
37	الصافات	182
38	صٓ	88
39	الزمر	75
40	غافر (مومن)	85
41	فصلت (حم سجدہ)	54
42	شوریٰ	53
43	الزخرف	89
44	الدخان	59
45	الجاثیہ	37
46	الاحقاف	35
47	محمد	38
48	الفتح	29
49	الحجرات	18
	منزل ششم کی کل آیات 842	
50	قٓ	45
51	الذاریات	60
52	الطور	49
53	النجم	62
54	القمر	55
55	الرحمٰن	78
56	الواقعہ	96
57	الحدید	29
58	المجادلہ	22
59	الحشر	24
60	الممتحنہ	13
61	الصف	14
62	الجمعہ	11
63	المنافقون	11
64	التغابن	18
65	الطلاق	12
66	التحریم	12
67	الملک	30
68	القلم	52
69	الحاقہ	52
70	المعارج	44
71	نوح	28
72	الجن	28
73	المزمل	20
74	المدثر	56
75	القیامہ	40
76	الانسان (دھر)	31

شمار	نام سورت	آیات
77	المرسلات	50
78	النباء	40
79	النازعات	46
80	عبس	42
81	التکویر	29
82	الانفطار	19
83	المطففین	36
84	الانشقاق	25
85	البروج	22
86	الطارق	17
87	الاعلیٰ	19
88	الغاشیہ	26
89	الفجر	30
90	البلد	20
91	الشمس	15
92	اللیل	21
93	الضحیٰ	11
94	الم نشرح	8
95	التین	8
96	العلق	19
97	القدر	5
98	البینۃ	8
99	الزلزلۃ	8
100	العادیات	11
101	القارعہ	11
102	التکاثر	8
103	العصر	3
104	الھمزۃ	9
105	الفیل	5
106	قریش	4
107	الماعون	7
108	الکوثر	3
109	الکافرون	6
110	النصر	3
111	المسد (لھب)	5
112	اخلاص	4
113	الفلق	5
114	الناس	6
	منزل ہفتم کی کل آیات 1606	
	قرآن پاک کی کل آیات 6238	

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷
297, 1229 فضل شاہؒ حضرت
تفسیر فاضلی، (الفاتحہ تا النساء) ۔ مرتبہ محمد اشرف فاضلی
لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن ۔ پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور پوسٹ کوڈ: 54770
ج ۔ ۱ (منزل اول)

سرٹیفکیٹ

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل اول (سورہ الفاتحہ تا سورہ النساء) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

گڑھی شاہو۔ لاہور
۱۵ر اگست ۱۹۸۲ء

حافظ سراج الدین گجراتی

حافظ سراج الدین گجراتی
پروف ریڈر

Tafseer-e-Fazli

Al-Fatihah to Al-Nisa
Manzil I

COMMENTARY :
HAZRAT FAZAL SHAH

WRITTEN BY :
MUHAMMAD ASHRAF FAZLI

1412 A.H.

FAZLI FOUNDATION LAHORE

تفسیر فاضلی منزل ا

تفسیرِ فاضلی

منزل دوم

المائِدَۃ ـــ التّوبۃ

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر مُحمّد اشرف فاضلی

۱۴۱۱ھ

فاضِلی فاؤنڈیشن، لاہور

تفسیرِ فاضلی

منزل دوم

المائِدَة ــ التّوبَة

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمّد اشرف فاضلی

۱۴۱۱ھ

فاضِلی فاؤنڈیشن، لاہور

بار اول : ۱۹۹۰ء
ناشر : محمد اشرف فاضلی
فاضلی فاؤنڈیشن۔ پیکو روڈ کوٹ لکھپت ؒ لاہور
فون : 801742
کمپوزنگ : نوری نستعلیق و تزئین : میاں فاروق رشید
پرنٹر : رشید احمد چودھری
مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۹۔ ریلوے روڈ۔ لاہور۔ فون : 63540
بہ اہتمام : ارشد محمود، ۵ ندیم شہید روڈ۔ سمن آباد۔ لاہور

فہرست

ابتدائی کلمات

منزل دوم میں پانچ سورتیں ہیں۔

(۱) سورۃ المائدہ میں ۱۲۰ آیات ہیں۔

(۲) سورۃ الانعام میں ۱۶۶ آیات ہیں۔

(۳) سورۃ الاعراف میں ۲۰۶ آیات ہیں۔

(۴) سورۃ الانفال میں ۷۵ آیات ہیں۔

(۵) سورۃ التوبہ میں ۱۲۹ آیات ہیں۔

تفسیر فاضلی کی منزل اول ۱۹۸۲ء میں چھپی تھی۔ منزل دوم ۱۹۹۰ء میں چھپ رہی ہے۔

دعا کیجئے کہ باقی منازل نسبتاً کم وقت میں اور بہتر صورت میں آپ تک پہنچائی جاسکیں۔

بولتے وقت یہ دیکھا جائے کہ بات حق کے حوالے سے ہو اور نفس کے شح سے اجتناب ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے۔

معاملہ کرتے وقت یہ دھیان رہے کہ جس سے معاملہ ہو رہا ہے، اس کو صحیح فیصلہ کرنے میں مدد ملے تو ہاتھ امین ہو جاتا ہے۔

زبان پاک ہو، ہاتھ امین ہو تو فرمان الٰہی سے ہدایت اور شفا پانے کی اہلیت موجود ہوتی ہے۔

جہاں بہت سا وقت، بہت سی قوت اور بہت سرمایہ حفاظتی تدابیر میں کھپ جائے وہاں اجتماعی زندگی میں لوگ ظلمات کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

جب قیادت کا حق وسعت مال سے ثابت کیا جائے تو پھر حسن اخلاق کی باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔

اپنے ماحول پر نظر فرمایئے۔ آپ کے مشاہدات، آپ کے تاثرات آپ کو مستقبل قریب میں پیش آنے والے حالات کی بڑی روشن خبر دے رہے ہیں۔

حق کے جان لینے کے بعد وقت صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کیا جائے۔

یہ پیش کش آپ کے لئے باعث رحمت ہو۔ آپ کے لئے باعث برکات ہو تو ان صاحبان کے لئے فلاح دارین کی دعا فرمایا کیجئے، جن کے حسن اہتمام سے یہ کتاب آپ تک پہنچی ہے۔

اشرف فاضلی

۱۲ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ ۳۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء

سُورَةُ المائدة

آیاتها ۱۲۰ — رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اے ایمان والو اپنے عہد وفا کرو، تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال ہوئے۔ سوائے ان کے جو تم کو آگے سنائے جائیں گے۔ مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ سمجھو، بےشک اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔

فرمایا۔ صاحبو حکم خداوندی جب ایمان والوں کو معلوم ہو جائے۔ تو اس پر پورا رہنا لازم ہے۔ یہ عہد کو وفا کرنے کی صورت ہے۔ حکم الٰہی کو ماننا اگر جاننے سے مشروط ہو جائے تو ماننے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حکم کو ماننے کی طریقت یہ ہے کہ جن کے حوالے سے وہ حکم ماننے والے تک پہنچا ہو ان کے حوالے سے ہی اس کو مانا جائے۔ اور حکم پہچانے والے کو شاہد بنایا جائے۔ حکم الٰہی میں پوشیدہ حکمتوں کا ذکر اپنے تجربے اور واردات کی روشنی میں کیا جائے تو سامعین کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اگر حکم الٰہی کو اس لئے مانا جائے کہ اس میں ماننے والے کو اپنا فائدہ نظر آتا ہو تو اس نے اپنے نفس کے امر کو ہی مانا ہوتا ہے۔ امر الٰہی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چوپائے مویشی ہمارے لئے حلال ٹھہرا دیئے ہیں، سوائے ان کے جن کو شرعاً حرام فرما دیا گیا ہے۔ حالت احرام میں شکار کی ممانعت ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔

حاصل : ایمان والوں کے لئے احکام خداوندی عقود ہیں اور ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ حکم خداوندی میں حکمتوں کو تلاش کرنے کے بعد اسے مانا جائے تو اس سے ماننے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اے ایمان والو اللہ کے شعائر کو حلال نہ ٹھہراؤ اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیاں اور نہ وہ جن کے گلے

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آمِّيْنَ الْبَيْتَ
الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ
صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ
وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲)

میں علامتیں نظر آئیں اور نہ بیت الحرام کی طرف اپنے رب کا فضل اور اسکا رضوان تلاش کرنے کے لئے آنے والوں کو۔ اور جب احرام سے نکلو تو شکار جائز ہو گا۔ اور اس قوم کی دشمنی جس نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں زیادتی پر نہ ابھارے اور نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو۔ اور گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کی پکڑ شدید ہے۔

ایمان والوں پر یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ حدود عبدیت کا لحاظ رکھنا ان پر حق ہے۔ اللہ کے شعائر وہ سب مقامات ہیں جن پر پہلے پاک لوگوں کے نقش قدم سے پیچھے آنے والوں کو نور ہدایت ملے۔ پیچھے آنے والے رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے قدماء کے نقش قدم کو وقعت نہ دیں اور ان کے مقابل اپنی سمجھ میں آنے والی بات کو حق کہیں تو یہ اللہ کے شعائر کو حلال ٹھہرا لینے والی بات ہو گی اور یہ بے ادبی ہے۔ ادب والے مہینے چار ہیں۔ ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ ان مہینوں میں ادب کو ملحوظ رکھنا یہ ہے کہ قولاً اور عملاً حج کے لئے آنے والوں کو اور واپس جانے والوں کو ہر طرح کی اذیت سے بچانے کا اہتمام کیا جائے۔ حرم کی طرف بھیجی گئی قربانیاں اپنے محل پر پہنچ جائیں۔ اور راستے میں آنے والے سب مومن اپنے ہر بھائی کی قربانی کی قدر کریں اور انہیں برائی سے مس نہ کریں۔ جن جانوروں کے گلے میں علامتیں آویزاں ہوں وہ بھی ایمان والوں کی حفاظت کے مستحق ہیں۔ علامت مالک کی طرف سے درخواست کا درجہ رکھتی ہے کہ اس کی شے پر نظر شفقت رکھی جائے۔ حج اور عمرہ کرنے کے لئے جانے کے آداب یہ ہیں کہ نیت اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرنے کی ہو۔ زاد راہ کو ساتھیوں پر خرچ کیا جائے۔ کسی سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے باذن اللہ جان کر معاف کیا جائے اور دوسروں کی کوتاہی سے اپنے عمل کے رخ کو متاثر ہونے سے بچایا جائے۔ حج اور عمرہ کے لئے آنے والوں کی ہر شے مؤمنین کے لئے امانت کا درجہ رکھتی ہے۔ جہاں بھی مؤمنین کا ٹھکانا ہو حاجی وہیں قیام کریں۔ اگر ان کی کوئی شے کسی وجہ سے چلتے وقت رہ جائے تو وہاں رہنے والے مؤمنین اس شے کو حاجیوں کی اگلی منزل پر پہنچا دیں۔ جب حالت احرام ختم ہو جائے تو شکار جائز ہو جاتا ہے۔ کہ اس حد کے احترام کی وجہ سے شکار منع ہے۔ اگر کسی قوم نے کبھی مؤمنین کو مسجد حرام سے روکا ہو۔ تو ان سے عداوت کسی زیادتی کا باعث نہ بنے کہ ان کے عمل کی پوچھ انہی سے ہو گی۔ اگر کوئی زیادتی کرے گا تو اس کی زیادتی کی پوچھ اس سے ہو گی۔ تعاون نیکی اور تقویٰ پر ہونا چاہئے۔ نیکی

اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے کا نام ہے۔ اور تقویٰ لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا زیادہ ڈر رکھنے کا نام ہے۔ اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر ترجیح دینا گناہ ہے اور اللہ کے ڈر کے مقابل لوگوں کا زیادہ ڈر رکھنا عدوان ہے۔ ان مقامات پر تعاون سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ نے ہی ہر ایک کو توفیق دی ہے۔ وہی جزا دینے والا ہے۔ اس سے ڈرنا پاک لوگوں کی شان ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کے شعائر کا عدم لحاظ رکھ کر اپنے مرتبے میں اضافہ کر رہا ہے تو وہ یہ بھی جان لے کہ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔ پھر بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ توفیق دینے والے کے مقابل کھڑے ہو جانے سے بڑی نامرادی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : جن مقامات پر قدماء کے نقش قدم پیچھے آنے والے طالبین حق کو نور ہدایت بخشیں وہ سب شعائر اللہ ہیں۔ ادب ہو تو اپنی سمجھ کو حکم ماننے کے درجے پر رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ ادب والے مہینوں میں حاجیوں کی آمد و رفت کو پُر سکون بنانا ضروری ہے۔ حرم کی طرف بھیجی گئی قربانیاں، علامات والے جانور اور حج اور عمرہ کے لئے آنے والے اپنے اپنے درجے میں سب قدر و منزلت کے لائق ہیں۔ احرام سے فراغت ہو جائے تو شکار جائز ہو جاتا ہے۔ کسی کی عداوت حد سے تجاوز کا جواز نہیں ہوتا۔ نیکی اور تقویٰ پر تعاون لازم اور گناہ اور عدوان پر عدم تعاون لازم ہے۔ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔ اس سے ڈرتے رہنا حق ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ

تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے یا چوٹ سے مر جائے۔ یا گر کر مر جائے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے اور جسے کوئی درندہ کھا جائے سوائے اس کے جسے تم نے ذبح کر لیا، حرام ہے۔ اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور پانسے ڈال کر تقسیم کرنا، یہ فسق ہے۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے۔ تو ان کا ڈر نہ رکھو اور میرا ڈر رکھو، آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور تمہارے لئے اسلام

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

کو دین پسند کیا۔ پھر جو کوئی بھوک پیاس کی شدت سے ناچار ہو جائے مگر گناہ پر مائل نہ ہو۔ تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ ان کا استعمال بھوک پیاس کی شدت سے نڈھال ہو جانے پر توقتی طور پر جائز ہو گا مگر دائمی طور پر ان سب چیزوں سے دور رہنا اللہ کی رضا ہے۔ جو بیچارگی کے وقت بھی اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اور معطی مطلق ہے۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اسے صبر کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور وہ اس مشکل مقام سے خیر و خوبی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ گناہ کی طرف مائل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی حرمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس کو حلال چیز کی طرح کھایا جائے یعنی رغبت سے کھایا جائے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت عطا ہوتی ہے۔ حرام فرمائی گئی چیزوں میں سب سے پہلے مردار ہے۔ اور مردار وہ ہے جس کے ذبح کرنے کا حکم ہو اور وہ بے ذبح مر جائے۔ اس کے بعد خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے۔ اس کے بعد خنزیر کا گوشت ہے اس کے بعد اس جانور کا گوشت ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کے خلاف کسی طرح بھی ذبح کیا گیا ہو۔ اس کے بعد وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے، حرام ہے۔ ایسے جانور کو اگر مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو پھر اس کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ چوٹ سے مر جانے والے کے لئے اور گر کر مر جانے والے کے لئے اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا ہو اور جسے کسی درندے نے کھایا ہو، کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اگر ایسے جانور مرنے سے پہلے ذبح کر لئے جائیں تو وہ پاک ہیں۔ جو جانور کسی جگہ عبادۃً ذبح کئے جائیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سکھائی ہوئی طریقت کے خلاف ذبح کئے جائیں۔ وہاں اللہ کا انکار اور طاغوت پر ایمان ثابت ہو گا۔ وہ بھی ایمان والوں کے لئے حرام ہیں۔ پانسے ڈال کر تقسیم کرنا۔ اور حکم الٰہی کی موجودگی میں کسی دوسرے معیار سے فیصلہ کرنے کی کوشش کرنا بھی حرام ہے۔ حکم خداوندی کے ساتھ اپنی خواہش کو ملانے کی کوشش کرنا فسق ہے۔ اور فاسق ہدایت نہیں پایا کرتے۔ کافر جب یہ دیکھ لیں کہ کسی کے ان کی ملت کی طرف لوٹ آنے کا راستہ بند ہو گیا ہے۔ اور کافر جسے اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں اسے ان سے کراہت ہے۔ تو پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ حق کو مان لینے کے بعد ایسا کوئی کام کرنا جس سے خلاف حق کرنے والوں کی سماجی حیثیت کے خوف کا ثبوت ملے۔ اللہ کو ناپسند ہے۔ جب نتیجے کو باذن اللہ مان لیا جائے۔ تو پھر اللہ کا ہی ڈر باقی رہ جاتا ہے۔ باقی سب ڈر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس نے قول، عمل، علم اور اخلاص سے ایسے خطوط کھینچ دیئے ہیں کہ اس سے ماننے والوں کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ دین وہ طریق زندگی ہے جس سے عطائے الٰہی کو استعمال کیا جائے۔ دین کو اکمل کر دینے کی حقیقت یہ ہے کہ حیات دنیا میں عطائے الٰہی کے استعمال کی بہترین صورت اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دی ہے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے اپنے ہر قدم کی حجت کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور شک کا سایہ بھی قریب نہیں آ سکتا۔ اسلام کی شان یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند

ہے۔ فرد کی سلامتی ہو یا جماعت کی سلامتی اسلام کے علاوہ وہ کہیں سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ خوف و حزن سے نجات زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اور اسلام ہی اس کی ضمانت دیتا ہے۔

حاصل : مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو قطعاً حرام ہے۔ گلا گھونٹنے سے، چوٹ سے، گرنے کی وجہ، کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے۔ اگر حلال جانور مر جائے تو حرام ہے۔ اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے۔ تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اگر کسی درندے نے کسی حلال جانور کو کھایا ہو اور وہ مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو وہ بھی پاک ہے۔ جو جانور کسی جگہ اللہ کی رضا کے خلاف اور اسلامی تعلیمات کے برعکس ذبح کیا جائے۔ وہ بھی حرام ہے۔ حکم الٰہی کی موجودگی میں کسی دوسرے معیار سے فیصلہ کرنا بھی حرام ہے۔ حق میں اپنی خواہش کو داخل کرنا فسق ہے۔ کافر جب مومنین کو اپنی ملت سے الگ دیکھتے ہیں تو انہیں حیرت ہوتی ہے، جب وہ مومنین کو احکام خداوندی کی تعمیل میں باادب اور سماجی رسومات سے نڈر دیکھتے ہیں تو ان سے مایوس ہو جاتے ہیں عطائے الٰہی کے استعمال کی بہترین صورت، جس میں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت موجود ہے۔ دین اسلام ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ حد کا احترام ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے۔ بھوک پیاس کی شدت سے ناچارگی کے وقت اگر کسی حرام چیز کو اس قدر استعمال کر لیا جائے کہ ناچارگی دور ہو جائے تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اس سے آگے بڑھنا گناہ ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۚ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

آپ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ ان کے لئے کیا حلال ہوا، فرما دیجئے۔ تمہارے لئے طیّبات حلال ہوئیں۔ اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لئے، جنہیں شکار پر دوڑاتے ہو۔ ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو تم کو اللہ نے سکھایا ہے۔ تو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے لئے۔ اور اس پر اللہ کا نام لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان دیکھئے کہ آپ سے سوال کیا جائے۔ تو جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو۔ اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے اور ماننے والوں کے لئے انعام کا درجہ رکھتی ہے، سوال ہوا حلال کیا ہے۔ فرمایا گیا۔ طیبّات تمہارے لئے حلال ہیں۔ طیبّات وہ تمام چیزیں ہیں جن میں حرمت کا شائبہ موجود نہ ہو۔ شکار کرنے والے جانور کو سکھایا گیا ہو۔ تو سکھانے والا اس کا شاہد ہوتا ہے۔ شکاری جانور اپنے شکار کو پکڑ کر اپنے مالک کے پاس لاتا ہے۔ اور اگر اسے اس کی قوت نہ ہو تو شکار کو پکڑے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ مالک وہاں پہنچ کر اس کو سنبھال لیتا ہے۔ اگر شکار زندہ ہو تو تکبیر کرنی چاہئے۔ اللہ سے ڈرتے رہنا یہ ہے۔ کہ کسی جگہ کسی حکم خداوندی کا پتہ نہ ہو یا کسی مقام پر شک موجود ہو، تو وہاں رک کر شک کو رفع کر لینا چاہئے۔ اور اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

حاصل : طیبّات وہ تمام اشیاء ہیں جن میں حرمت کا شائبہ موجود نہ ہو، شکار کرنے والے جانور کا سدھایا ہوا ہونا ضروری ہے۔ سدھانے والے کا مومن ہونا بھی ضروری ہے۔ شکاری جانور کو چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنی چاہئے، کسی بھی شے کی ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ناشکری سے بچنا چاہئے۔ کہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ
طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ
الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ
مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ
عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

آج تمہارے لئے طیبّات حلال ہوئیں۔ اور جنہیں کتاب عطا ہوئی ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے۔ اور تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے۔ اور پارسا مومن عورتیں اور پارسا عورتیں ان میں سے جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی۔ جب تم انہیں ان کے مہر دو حصار میں لاتے ہوئے، نہ مستی نکالتے ہوئے، نہ آشنا بناتے ہوئے۔ اور جو ایمان کی نفی کر دے اس کا عمل اکارت گیا۔ اور آخرت میں وہ خاسرین سے ہو گا۔

ع ٥ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾
٥

اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر ان حدود کو روشن فرما دیا ہے جن کے اندر رہنے میں فلاح ہے اور جن سے تجاوز کرنے میں خسارہ ہے۔ اہل کتاب کا کھانا مؤمنین کے لئے حلال ہے۔ مؤمنین کا کھانا اہل کتاب کے لئے حلال ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہونے کی یہ سند ہے کہ اہل کتاب وہی لوگ ہیں جو کتاب الٰہی کے احکامات کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ پاک عورتیں مومن ہوں یا اہل کتاب سے ہوں۔ ان کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے۔ منشاءِ نکاح بقاء نسل ہو تو نکاح رضاء الٰہی کے لئے ہو گا۔ ورنہ جذبات کی وقتی تسکین کے لئے ہو گا۔ اور امر الٰہی کے خلاف ہو گا۔ نکاح کے ساتھ مہر دینا اور عورت کو حصار میں رکھنا حکم خداوندی ہے۔ بیوی کی جسمانی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنا میاں پر حق ہوتا ہے۔ ہر اہتمام میں فرمان خداوندی کا ادب ملحوظ رہے تو ایمان قرب الٰہی کا باعث ہو گا۔ اور اگر حکم خداوندی پر اپنی پسند کو فوقیت دی جائے۔ تو ایمان کی نفی ہو جائے گی اور عمل اکارت ہو جائے گا۔ جو حال پر حق کا انکار کرے گا۔ آخرت میں وہ خاسرین سے ہو گا۔

حاصل : طیبات حلال ہیں۔ اہل کتاب کے ہاں کھالینا اور ان کو اپنے ہاں کھلا دینا جائز ہے۔ مومن عورتوں سے اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ ہر مقام پر حکم خداوندی کے سامنے اپنی پسند کو ماننے کے درجے میں رکھنا چاہئے۔ حکم الٰہی کے انکار کا حاصل خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط ٧١/١٨

اور اگر حق ان کی خواہش کی پیروی کرتا۔ تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے انہیں وہ عطا فرمایا جس میں ان کی ناموری تھی۔ تو وہ اپنی عزت سے ہی منہ پھیر رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى
الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ
اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا
بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ط وَاِنْ

اے ایمان والو جب نماز کے لئے کھڑے ہونا ہو، تو اپنے منہ کو اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھو لو۔ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لو۔ اور اگر تمہیں جنابت ہو تو پاک ہو لو اور اگر تم مریض ہو یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے

كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ
جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ
لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً
فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ
لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ⑥

عورتوں کو مس کیا ہو۔ پھر تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔ اور منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو، اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے کہ تم شکر کرو۔

صاحبو! نماز قائم کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور حکم کو ماننا ایمان والوں کی شان ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار عبدیت کا وہ طریقہ ہے جس کی تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مومنین کو دی اور آپ کے بعد شاہدین وہ تعلیم دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہاں نماز کے لئے تیاری کے آداب بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور ہر نماز سے پہلے اس کی تیاری ضروری ہے۔ تیاری کے آداب یہ ہیں کہ پہلے اپنے منہ کو دھویا جائے۔ پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے۔ پھر اپنے سر کے قریباً چوتھائی حصے کا مسح کیا جائے اور پھر پاؤں کو ٹخنوں تک دھولیا جائے۔ وضو ہو جائے گا۔ وضو کرتے وقت یہ نیت اور دعا ہونی چاہئے کہ یا اللہ تیرے محبوب کی طریقت کے مطابق وضو کرنے کی نیت کرتا ہوں۔ میری کوتاہیوں کو معاف کرنا اور مجھے اپنے پاک لوگوں میں شمار کرنا۔ جنابت سے طہارت کاملہ لازم ہو جاتی ہے۔ طہارت ہو تو وضو ہو گا۔ جنابت میں مادۂ تولید کا اخراج ضرور ہوتا ہے۔ بیداری میں ہو یا نیند میں ہو۔ مریض کو اگر پانی کے استعمال سے منع کیا گیا ہو، یا مسافر کو سفر میں پانی نہ ملے، یا کوئی قضاء حاجت سے آیا ہو اور اسے پانی نہ ملے، یا کسی نے عورت کو مس کیا ہو، پھر اسے پانی نہ ملے تو یہ سب لوگ تیمّم کرنے کے حکم میں داخل ہوں گے۔ ایک مرتبہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لینے سے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر ہاتھوں پر پھیر لینے سے تیمّم ہو جائے گا۔ تیمّم کی اسی وقت تک اجازت ہو گی جب تک وضو کرنے کا مقام نہیں آتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ طہارت و پاکیزگی کے حصول کو اتنا آسان بنا دیا ہے کہ اب یہ ہر جگہ ممکن ہے۔ پاکیزگی کی نعمت کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اس کی بدولت ہی ہر مقام پر حق عبودیت کو پورا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ہر بار اس نعمت کا شکر ادا کرنا حق ہے۔ وضو کرنے کے بعد بھی شکر کرنا چاہئے۔ تیمّم کے بعد بھی شکر کرنا چاہئے۔

حاصل : نماز کے لئے کھڑے ہونے کے آداب یہ ہیں کہ وضو کر لیا جائے۔ اور وضو ممکن نہ ہو تو تیمّم کر لیا جائے۔ پاکیزگی کے اہتمام کو اس قدر بڑھانا کہ یہ ہر مقام پر ممکن ہو جائے بڑے ہی کرم کا مقام ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ لوگوں کے لئے طہارت کی سہولت کو بڑھانا پاک لوگوں کا کام ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر اور اس کا میثاق جو تم سے ٹھہرایا تھا۔ جب تم نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سینے کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

ماضی میں جن لوگوں پر خوف و حزن غالب رہ چکا ہو۔ انہیں حال پر اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہئے اور جس نعمت کی بدولت انہیں آسانیاں حاصل ہوئی ہیں، اس نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کی صورت یہی ہے کہ حکم خداوندی کے سامنے ہم قلباً نیاز مند رہیں۔ میثاق وہ عہد ہوتا ہے جو پاک ہونے والا پاک کرنے والے سے کرتا ہے۔ پاک ہونے والا پاک کرنے والے کو ہر مقام پر مطاع مانتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ میں نے سنا اور مانا۔ اس طرح وہ نفس امارہ کے امر کے مقابل پاک کرنے والے کے امر کو ماننے لگتا ہے۔ اس کا عمل کجی سے پاک ہو جاتا ہے۔ کسی بھی مقام پر فیصلہ کرتے وقت ماننے والے کے سامنے ایک ہی بات رہتی ہے کہ مطاع کا قرب موجود رہے۔ مطاع سے دوری کی حقیقت اپنی خواہش کا اتباع ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ خلوت میں من مانی نہ کی جائے۔ اگر لوگوں کے سامنے کسی کام کو کرنا مشکل معلوم ہو اور خلوت میں نفس کی خوشی کے لئے اسے کر لیا جائے۔ تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ عامل کو لوگوں کا ڈر اللہ کے ڈر کے مقابل زیادہ ہے۔ لوگوں کو سینے کی باتوں کا علم، اللہ کے علم مطلق کے مقابل ہوتا ہی کس قدر ہے۔ جزا دینے والے سے ڈرنا ہی احق ہے۔

حاصل : جس نعمت سے خوف و حزن کا ازالہ ہوا ہو اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ جس پاک کرنے والے کو شاہد بنا لیا جائے۔ اسے خلوت میں بھی اپنے ساتھ دیکھنا حق ہے۔ حکم کو سن کر ماننا حق ہے۔ اپنی من مانی کرنے کا خیال جب بھی آئے گا۔ اللہ سے ڈرنے کا ثبوت نہیں ملے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا

اے ایمان والو اللہ کی گواہی دیتے ہوئے انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر نہ ابھارے کہ عدل نہ کرو۔ عدل کرو وہ تقویٰ

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧

کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ کی گواہی دیتے ہوئے انصاف کے ساتھ قائم رہنا یہ ہے کہ شاہد کا اتباع ہو، رضاء الٰہی کے لئے ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانتے ہوئے اپنی حق تلفی کا خیال نہ آئے۔ اگر کسی کی عداوت عدل سے روک دے تو پھر اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت بھی نہیں ہو گا۔ اور نتائج کو باذن اللہ بھی نہیں دیکھا جائے گا۔ عدل یہ ہے کہ رضاء الٰہی کے مقابل اپنی پسند ساکن رہے اور فریقین کی بات سننے سے لے کر فیصلے تک ہر مقام پر عادل انہیں حق کے قریب ہونے میں مدد دے اور یہ بتائے کہ حق آپ کی پسند کا نام نہیں ہے۔ اللہ کی پسند کا نام ہے اور لازم ہے کہ ہم اپنی پسند کو اللہ کی پسند پر قربان کریں اور باادب رہیں۔ عدل ہو تو لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو گا۔ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرنا بڑا حق ہے کہ وہ ہمارے عمل کی جلوت و خلوت کو جانتا ہے۔ اور جزا دینے والا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو عمل میں کجی نہیں آتی۔

حاصل : انصاف کے ساتھ گواہی دینا معاشرتی زندگی میں حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ہے۔ احساس تحفظ اسی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اپنی پسند کو ساکن کیا جائے تو رضاء الٰہی کے مطابق فیصلے کا نام عدل ہوتا ہے۔ جزا دینے والے سے ڈرنا ضروری ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨

ایمان والوں سے جو صالح عمل کرتے ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

ایمان لانا دعویٰ ہے۔ اور صالح اعمال کی شہادت سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہوا کرتا ہے۔ جو لوگ سچے ثابت ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے۔ اور اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بخشش کوتاہیوں کو صاف کر دیتی ہے۔ اجر عظیم سے پاک لوگوں کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔

حاصل : دعویٰ ایمان صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچے لوگوں کی مغفرت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ مغفرت کے ساتھ اللہ انہیں بڑا اجر بھی عطا فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩

اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہی دوزخ والے ہیں۔

جو لوگ فرمان خداوندی کو نہیں مانتے اور فرمان خداوندی پہنچانے والے کو جھٹلاتے ہیں، وہ توفیق ایزدی کی ناشکری کرتے

کرتے اس دنیا سے رخصت ہوں تو ان کا انجام دوزخ ہو گا۔ جو ان کے حیات دنیا میں کیئے گئے اعمال کی جزا کا مقام ہو گا۔

حاصل : حق کا انکار اور حق پہنچانے والے کی تکذیب دوزخی ہونے کی نشانی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲

اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو۔ جب ایک قوم نے قصد کیا کہ تم پر ہاتھ بڑھائیں۔ پھر تم پر سے ان کے ہاتھ روک دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیئے۔

کافر جب بھی مومنین پر حملہ کرنے کا قصد کریں، تو انہیں اپنی عددی برتری کے ساتھ ساتھ حربی تیاری کا بھی زعم ہوتا ہے۔ اگر اللہ کسی قوم کو مومنین پر ہاتھ بڑھانے سے روک دے تو یہ اس کی نعمت ہے۔ اور اس نعمت کو یاد کرنے کی صورت یہ ہے کہ حال پر رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے ایسی احسن سعی ہو کہ ماضی کی کوتاہیوں کا اعادہ نہ ہو۔ اگر ڈھیل نہ رہے تو اللہ سے ڈرنے کا حق ادا ہو گا۔ جب جہاد کا مقام آ جائے، تو پھر اس یقین سے لڑنے کا نام توکّل ہے کہ جو اس وقت درکار ہے وہ موجود ہے، اللہ نے دے رکھا ہے۔ جو آئندہ درکار ہو گا وہ بھی اللہ عطا کرنے والا ہے۔ اس سے بہتر کوئی علم رکھنے والا نہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ مومنین کی حفاظت فرماتا ہے۔ ڈھیل ہو تو اللہ سے ڈرنے کا ثبوت نہیں ہوتا۔ معطیٔ مطلق کی عطا کو پورا دیکھنا توکّل ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ ؕ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیئے۔ اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض دو قرض حسنہ، تو میں تم پر سے تمہارے گناہوں کی نفی کر دوں گا۔ اور ضرور تمہیں جنتوں میں داخل کروں گا۔

سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔

ماضی کے واقعات کا بیان حال پر موجود لوگوں کو عرفان نفس میں مدد دے تو ایسے بیان کو ادب سے سننا چاہیئے۔ ایسے بیان سے سننے والوں کے اندر ایک تحریک ہوتی ہے۔ اور وہ موجود سے مقصود کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ بنی اسرائیل جب بہت پھولے، پھلے، ان کی ذرّیت کو انفرادی طور پر صاحب امر کے قریب رکھنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ نقیب مقرر فرما دیئے۔ ان لوگوں کا انتخاب علم الٰہی سے کیا گیا اس لئے یہ سرداری ان کو اللہ ہی نے دی۔ سرداروں کو یہ فرمایا گیا۔ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا وہ یہ تھا کہ تم نماز قائم رکھو گے، زکوٰۃ ادا کرو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے، ان کی تعظیم کرو گے، اور عطاءِ الٰہی کو رضاءِ الٰہی کے مطابق تصرف میں لاؤ گے۔ اس عہد پر پورا رہنے کا انعام یہ ملے گا کہ تمہارے گناہوں کی نفی ہو جائے گی۔ اور تمہیں ایسے باغوں میں رکھا جائے گا۔ جہاں بہار کے بعد خزاں کا گزر نہیں ہوتا۔ اس بیان پر عرفان کے بعد اگر کوئی حق کا انکار کرے گا، تو وہ راحت کی راہ کو چھوڑ دے گا۔ راہ گم کر لینے کے بعد وہ راحت کے حصول کے لئے جیسی بھی کوششیں کرے اسے راحت حاصل نہیں ہو گی۔

حاصل : لوگوں کو انفرادی طور پر پاک لوگوں کے امر کے تابع رکھنے کے لئے، سرداروں کا مقرر کرنا حق ہے۔ یہ تقرر مخلصین کو کرنا چاہیئے۔ سرداروں کے اخلاص کی شہادت دینا مقرر کرنے والے پر حق ہے۔ ماننے والوں سے عہد انہی امور پر لیا جائے گا کہ وہ نماز قائم رکھیں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے، پاک لوگوں کو مانیں گے، جن کی بات اللہ کی بات ہو گی، ان کی تعظیم کریں گے۔ اور عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرف میں لائیں گے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

تو میثاق توڑنے پر ہم نے انہیں لعنت کی اور ان کے قلوب کو سخت کر دیا۔ کلام کے مواضع میں تحریف کرتے ہیں۔ اور نصیحت جو انہیں کی گئی تھی اس سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔ اور تم ان کی کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے ہی رہتے ہو۔ مگر ان میں سے قلیل لوگ، تو ان سے عفو اور در

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

گزر کرو۔ بے شک اللہ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

نقض میثاق سے رخ غیر کی طرف ہو جاتا ہے۔ تائید ایزدی کے مقابل، اکثریت کے رویئے کو وقعت دی جاتی ہے۔ جب حق کو مان کر اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو ایسے بد عہد پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق کو قبول کرنے کی استعداد کھو دیتا ہے۔ کلام میں تحریف کرنے والے حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ خیانت ہے اور مومنین اس پر مطلع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا اور ان سے در گزر کرنا بھی محسنین کی شان ہے۔ جب ایسے لوگ جنگ کے لئے مومنین کے خلاف نکل پڑیں۔ مومنین کے دشمنوں کی مدد کریں۔ پھر ان کو معاف کرنا اور ان سے در گزر کرنا منع ہے۔

حاصل : نقض میثاق سے بد عہد لعنتی ہو جاتا ہے۔ لعنتی کا دل سخت ہوتا ہے۔ وہ حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کرتا۔ محسنین ایسے لعنتیوں کو معاف کرتے ہیں اور ان سے در گزر کرتے ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہ جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ ہم نے ان سے میثاق لیا۔ تو وہ اس نصیحت سے فیضیاب ہونا بھلا بیٹھے۔ تو ہم نے ان کے مابین قیامت کے دن تک عداوت اور بغض ڈال دیا۔ اور جلد ہی اللہ انہیں بتا دے گا جو وہ بناتے تھے۔

نصاریٰ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کی نصرت قول سے کریں، پھر مال سے کریں اور پھر جان سے کریں۔ لفظی تفاخر دعوے کو سچا ثابت نہیں کیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بھی پاک ہونے میں مدد دی گئی۔ ان سے بھی عہد لیا گیا کہ یہ نماز قائم رکھیں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پاک کرنے والوں کی اطاعت کریں گے۔ ان کی تعظیم کریں گے۔ اور کسی مقام پر بھی ان سے تقدم نہیں کریں گے۔ مگر یہ لوگ بھی خواہشات نفس کی پیروی میں نصیحت کو بھلا بیٹھے۔ جب بھلائی کے علم کی ناقدری ہو تو عداوت اور بغض احاطہ کر لیا کرتے ہیں۔ عداوت سے رویئے میں تخریب آ جاتی ہے۔ بغض سے شبہات مستحکم ہوتے ہیں۔ نصاریٰ میں عداوت اور بغض موجود ہے۔ اور جب تک یہ رہیں گے، تب تک رہے گا۔ جو اس راہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور حق کو قبول کر لیں گے۔ وہ پاک ہو جائیں گے۔ نصاریٰ کو لوگ عداوت و بغض میں مبتلا جانیں اور اپنی حیات کو ان کی زندگی کے موثرات سے بچائیں۔ تو جلد ہی یہ انجام کو پالیں گے۔

حاصل : لفظی تفاخر ہی صداقت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ جب فلاح کے علم کی ناشکری ہو تو عداوت اور بغض محیط ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنی زندگی پر اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دینا چاہئے جن کے بارے میں مبتلاءِ عداوت و بغض ہونے کی اللہ نے شہادت دی ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اے اہل کتاب بےشک ہمارے رسول تمہارے پاس تشریف لائے، کہ تم پر روشن فرماتے ہیں سب کچھ جو تم نے کتاب میں سے چھپا لیا تھا اور بہت کچھ سے عفو فرماتے ہیں۔ بےشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب آئی۔

یہود و نصاریٰ کو خطاب فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے پاس بھی تشریف لائے ہیں۔ اور اللہ کے فرمان کو اپنی پسند کے مطابق بناتے ہوئے جو کچھ تم نے چھپا لیا تھا، اس میں سے بہت کچھ روشن فرماتے ہیں، بہت کچھ سے عفو بھی فرماتے ہیں۔ یہ علم کے پورا ہونے کی سند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نور ہیں اور قرآن پاک کتاب مبین ہے۔ نور وہ مقصود ہے جس کی طرف چلنا ہے۔ اور روشن کتاب وہ شریعت ہے جس سے راستہ روشن ہوتا ہے۔ اہل کتاب اگر نور اور کتاب مبین کو مانیں گے تو انہیں فلاح ہو گی۔

حاصل : حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اہل کتاب کے لئے بھی ہے۔ حضور کا علم کتب سابقہ سے متعلق بھی پورا ہے۔ نور مقصود ہے۔ اور کتاب مبین مشعل راہ ہے۔

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اللہ اس سے اس کو ہدایت دیتا ہے۔ جس نے سلامتی کی راہوں میں اللہ کے رضوان کی پیروی کی۔ اور انہیں اپنے اذن سے ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

جو حق کو مان لینے کے بعد اللہ کی رضا کے مطابق پاک کرنے والے کے اتباع کو سلامتی کی راہ جانتے ہوئے، اپنی خواہش اور رائے کو اپنی کم علمی کی پیداوار جانتا ہے اور تضاد سے پاک رہتا ہے۔ اللہ کا فضل اس پر اس قدر ہونے لگتا ہے کہ وہ خوف و حزن سے نکل کر نور کی طرف چلنے لگتا ہے۔ اپنے اعمال کی صحت کو اس معیار کی نسبت سے دیکھتا ہے جو اس کی پاکیزگی پر شاہد ہوتا ہے۔ اس صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ پاک ہونے کے دعوے کو سچا ثابت کر دے اور خلوت و

جلوت میں پاک رہے اور پاک کرنے والے کے ساتھ رہے۔

حاصل : جو پاک ہونے کے دعوے کے بعد خلوت و جلوت میں پاک رہے۔ اور پاک کرنے والے کے ساتھ رہے اس کو ہدایت عطا ہوتی ہے۔ اس کا رخ ظلمات سے نور کی طرف ہو جاتا ہے۔ صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ فرما دیجئے، پھر اللہ کا کوئی کیا کر سکتا ہے۔ اگر وہ مسیح ابن مریم اور آپ کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے۔ اورآسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے اللہ ہی کا ملک ہے۔ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

جن لوگوں نے مسیح ابن مریم کو معبود کہا وہ کافر ہوئے۔ الوہیت خالق کل کی شان ہے۔ اور مسیح ابن مریم جس کی مخلوق ہیں۔ وہی اللہ ہے۔ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ جس اللہ نے مسیح ابن مریم کو پیدا کیا۔ آپ کی ماں کو پیدا کیا۔ سب زمین والوں کو پیدا کیا۔ وہی موت دینے پر قادر ہے۔ اگر وہ اپنی تمام مخلوق کے خاتمے کا ارادہ فرمالے تو اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ جس پر کوئی قادر ہو وہ اللہ نہیں ہے۔ تخلیق پر اللہ ہی قادر ہے۔ وہ جیسے چاہے پیدا فرما دیتا ہے۔ تخلیق کے عمل میں ایک تسلسل ہے۔ ایک ربط ہے۔ عدم سے وجود اور وجود سے عدم کا مشاہدہ کرنے والے کا حق یہی ہے کہ وہ خالق کل کو مانے اور مخلصین کی طریقت کے مطابق مانے۔

حاصل : مسیح ابن مریم کو اللہ کہنے والے کافر ہیں۔ جس پر کوئی قادر ہو وہ اللہ نہیں ہے۔ جس کا آنا کسی کی قدرت کا ثبوت ہے۔ جس کا جانا کسی کی قدرت کا ثبوت ہے وہ اللہ نہیں ہے۔ قادر مطلق اللہ ہے۔ خالق کل اللہ ہے۔ مالک کل اللہ ہے۔ اس لئے معبود لاشریک بھی وہی اللہ ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔ فرما دیجئے پھر تمہیں تمہارے گناہوں پر وہ عذاب کیوں کرتا ہے۔ بلکہ تم بشر ہو اس کی مخلوق سے۔ جسے چاہے بخشتا ہے جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کا ملک ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے۔ اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور محبوب جانتے ہیں۔ اس دعوے کا ثبوت کچھ نہیں۔ بیٹے ہونے کا دعویٰ یوں باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے اور بیٹا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ اور محبوب ہونے کا دعویٰ یوں باطل ہے کہ عذاب محبوب کی شان کے لائق نہیں ہوتا۔ اور یہ لوگ عذاب کے دور سے گزرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے بشر کو بھی خلق فرمایا ہے۔ جو اس کے پیاروں کو چاہتا ہے، انعام یافتہ حضرات کا اتباع کرتا ہے، اللہ اسے بخش دیتا ہے۔ وہ آنے والے وقت میں اپنی من مانی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ اس کے سابقہ گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ جو حق کو جان کر اپنی مرضی کرتا ہے، وہ اللہ کے دوستوں کے خلاف ہوتا ہے اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ علیم مطلق سے کسی کی کوئی کیفیت چھپی نہیں ہوتی اس لئے اس کی طرف سے دی جانے والی جزا ہمیشہ پوری ہوتی ہے۔ آسمانوں میں، زمین میں اور آسمانوں اور زمین کے مابین ہر شے اللہ کی ہے۔ اور اسی کی طرف واپسی ہوگی جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ جب آنا، آنے والے کی مرضی کے تابع نہ ہو تو جانے میں اس کی پسند کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لانے والا لے جانے پر بھی قادر ہے۔ جس کی قدرت ابتدا میں نظر آتی ہے، انتہا پر نظر آتی ہے۔ اسی کی قدرت کا احاطہ حال پر بھی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ محبوبِ خدا کو عذاب ہو یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ جو مخلصین کا اتباع کرے وہ بخشش کی راہ پر ہے۔ جو ان کے خلاف ہو وہ عذاب کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے مابین ہے، سب اللہ کا ہے۔ اسی لئے اس کی رضا ہر مقام پر مقصود ہونی چاہئے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا

اے اہل کتاب بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے کہ تم پر روشن فرماتے ہیں۔ رسولوں کے مدتوں نہ آنے پر، کہ کہیں تم کہو کہ ہمارے پاس کوئی

مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۹﴾ ع

بشارت دینے اور ڈر سنانے والا نہ آیا۔ تو بے شک یہ بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک مدت تک رسولوں کی تشریف آوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ علم جو انبیاء سابقین کی بدولت لوگوں تک پہنچا تھا ماضی کی بات تھی اور اس کے ساتھ بشارت و انذاز کا حق ادا کرنے والا شاہد نظر نہیں آتا تھا۔ حال پر بشارت و انذاز سے ہی دعوت فلاح دینے کا حق ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجت تمام کر دی ہے کہ اتباع ہدایت کے ساتھ خوف و حزن سے نجات کی بشارت اور اتباع خواہش کے انجام بد سے آگاہی عطا فرما دی ہے۔ اب سلسلہ شاہدین حضور سے اس طرح جاری ہوا ہے کہ حضور کی سنّت کے مطابق لوگوں تک بشارت و انذار کے روشن بیانات پہنچتے رہیں گے۔ قادر مطلق کی شان ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں لوگوں کے سامنے بشارت و انذار کی روشنی آتی ضرور ہے۔ تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہیے۔

حاصل : اہل کتاب کو بھی خوف و حزن سے نجات کی دعوت دینی چاہیے۔ اور من مانی کے انجام سے ڈرانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت غالب رہی ہے اور غالب رہے گی۔ جس سے اس کے عمل کی پوچھ ہوگی اس کے سامنے وہ معیار ضرور آئے گا جو بشارت و انذار کا حق ادا کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومن میں ارشاد فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَى الۡاِيۡمَانِ فَتَكۡفُرُوۡنَ ○ ۱۰/ ٤٠

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو ندا کی جائے گی کہ اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے جیسے تم آج اپنی جانوں سے بیزار ہو۔ جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ‌ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم میں انبیاء ٹھہرائے اور تمہیں بادشاہ کیا۔ اور تمہیں وہ عطا فرمایا جو عالمین سے کسی کو عطا نہ فرمایا۔

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ ان کا ماضی بعید و قریب ان کے سامنے رکھا۔ نبی کی تشریف آوری سب سے بڑی نعمت ہے کہ نبی معلّم ہوتا ہے۔ اور علم الٰہی ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ وہ ذریعہ وہ سہارا جس کی بدولت منشاء حیات پورا ہوتا ہو۔ خوف و حزن سے نجات ملتی ہو جس کو تابعین کا معمولی نقصان بھی دکھ دے اور جو فلاح و فوز کی راہ کو ہر وقت منور رکھے۔ اللہ کی ایسی نعمت ہے جس کی بدولت نور ہدایت عطا ہوتا ہے۔ شرف قیادت بھی اللہ کی نعمت ہے۔ نعمت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نعمت عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جائے۔ نعمت کی تعظیم کی جائے اور اللہ کے پسندیدہ معیار کے مقابل اپنی پسند کو ساکن کر لیا جائے۔ نبوت اور بادشاہت سے جس قدر بنی اسرائیل کو سرفراز فرمایا گیا۔ اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ قوت حاکمہ اگر اپنی قوم میں ہو تو حق کی ادائیگی میں بہت آسانی ہوتی ہے۔

حاصل : نبی کی تشریف آوری نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نعمت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے نبی کا اتباع ہو۔ محبت سے ہو اور ادب سے ہو۔ قوت حاکمہ کی موجودگی بھی نعمت ہے۔ اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ
الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا
عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑

اے میری قوم ارض مقدّسہ میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اور پیچھے نہ پلٹو کہ خسارے پر پلٹو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ بشارت یہ ہے کہ تم غالب رہو گے۔ اللہ نے یہ تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اگر پیچھے ہٹو گے تو خسارے میں پڑو گے۔ اللہ کی رضا کے مقابل نفس امارہ کے امر کو ماننا پیچھے پلٹنا ہے، اور اس کا حاصل خسارہ ہوتا ہے۔

حاصل : وہ زمین مقدس ہوتی ہے جہاں پاک لوگ رہے ہوں۔ پیچھے پلٹنے کے معنی نفس امارہ کے امر کو ماننا ہے۔ اور اس کا انجام خسارہ ہوتا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا
جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا

کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام وہاں بڑے جابر لوگ ہیں۔ اور ہم ہرگز وہاں داخل نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔ پھر اگر وہ نکل جائیں گے تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾

قوم نے دعوت جہاد کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ ارض مقدسہ میں تو بڑے سخت لوگ رہتے ہیں۔ ان سے لڑنا بہت بڑا کام ہے۔ اور یہ ہم سے نہ ہو پائے گا۔ وہ وہاں سے چلے جائیں تو ہم وہاں داخل ہو سکیں گے۔ یہ علم الٰہی کے مقابل اپنے مشاہدے کو وزن دینے والوں کا حال ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے شاہد کی آنکھ سے دیکھتے ہیں وہ اس کے فرمان کو ضرور مانتے ہیں۔ ان کو اعتراف ہوتا ہے کہ ان کا مشاہدہ شاہد کے مشاہدے کے سامنے ہیچ ہے۔

حاصل : جو لوگ اپنے شاہد کے مشاہدے کے مقابل اپنے مشاہدے کو وزن دیتے ہیں، ان میں بڑا ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ مشکل مقامات سے بھاگنا ان کا مزاج بن جاتا ہے۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾

دو مردوں نے جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ کا انعام تھا، کہا ان پر حملہ کر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ پھر جب تم داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکّل کرو۔

جہاں کمزوری کا اظہار کرنے والے ہوں، وہیں اللہ کے فضل سے حوصلے کا ثبوت دینے والے بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ کا ڈر ہو وہ مخالفین کی کثرت اور قوت سے نہیں ڈرتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے دو مردوں نے یہ کہا کہ انجام سے اللہ نے اپنے نبی کی شہادت کے ساتھ آپ لوگوں کو آگاہ فرما دیا ہے۔ تم ان لوگوں پر حملہ کر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ داخل ہو گئے تو تم غالب رہو گے۔ جب اللہ نے ارض مقدسہ کو تمہارے لئے لکھ دیا ہے، تو تمہیں مومن ہونے کا ثبوت اللہ پر توکّل کر کے دینا چاہئے۔ توکّل یہ ہے کہ اللہ کی معیت میں کسی مقام پر ضعف کا احساس نہ ہو۔ اور نصرت ایزدی کے مقابل ہر قوت و جبروت کو ہیچ جانا جائے۔

حاصل : کمزوری کا اظہار کرنے والے لوگوں کے سامنے، حوصلے کا ثبوت دینے والے بھی اپنا حال ضرور بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے دعوے کی روشنی میں دعوت فکر و نظر دیتے ہیں۔ ان کے حصے کا کام انہیں سمجھاتے ہیں۔ اور نصرت ایزدی کے مقابل کسی قوت کو وقعت نہیں دیتے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ

کہنے لگے اے موسیٰ علیہ السلام ہم کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب

اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾

تک وہ وہاں ہیں۔ تو آپ جایئے اور آپ کا رب، پھر آپ دونوں جہاد کیجئے۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بنی اسرائیل ارض مقدسہ میں رہائش پذیر لوگوں سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم جہاد کو سن کر کہنے لگے کہ ہم کبھی اس جگہ نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں۔ وہ بڑے جابر لوگ ہیں۔ ہم میں ان سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔ آپ جایئے اور آپ کا رب، آپ دونوں جہاد کریں۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

حاصل : جو اپنے مشاہدے کے مقابل اپنے شاہد کے مشاہدے کو اہمیت نہ دے وہ حکم عدولی پر اڑ جاتا ہے۔ عمل کے مقام پر بولنے لگتا ہے۔ اور شیطان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

عرض کی اے میرے ربّ مجھے تو اپنے آپ پر اور اپنے بھائی پر ہی اختیار ہے۔ تو تو ہم میں اور قوم فاسقین میں فرق کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے انکار پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی باتیں کرتے ہیں۔ حکم خداوندی کو ماننے کی بجائے یہ باتیں بنا رہے ہیں۔ اب اپنے علاوہ جس پر مجھے اختیار ہے وہ میرا بھائی ہے۔ تو تو ہم میں اور اس فاسق قوم میں فرق کر دے۔ جب کوئی عمل کے مقام پر شاہد کے سامنے بول پڑتا ہے اور آگاہی کے باوجود اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے، وہاں شاہد کی معیت کی ناشکری ہو جاتی ہے اور "ساتھ" میں فرق پڑ جاتا ہے۔

حاصل : حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے والے فاسق ہوتے ہیں۔ اور فاسق کے لئے ہدایت نہیں ہوتی۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع ۸

ارشاد ہوا تو وہ جگہ ان پر چالیس برس تک حرام ہوئی۔ زمین میں بھٹکتے پھریں گے تو آپ قوم فاسقین پر افسوس نہ کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر کہ یہ لوگ فاسق و سرکش ہیں اور شاہد کو نہیں مانتے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد فرمایا گیا کہ ارض مقدسہ جو ان کے لئے لکھی جا چکی ہے، ان پر چالیس برس تک حرام ہوئی، یہ اس عرصے میں وہاں داخل نہ ہو سکیں گے۔ زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔ دعا کو قبول کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسکین

کے لئے یہی فرمایا۔ آپ کو ان فاسقوں پر افسوس نہ ہو۔ بھلائی چاہنے والوں کی بھی عجیب شان ہوتی ہے کہ تسلیم و رضا کے دعوے کے بعد جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں اور جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں، ایسے فاسقین پر بھی انہیں افسوس ضرور ہوتا ہے۔ افسوس وہ کیفیت ہے جو بھلائی چاہنے والے کو اس وقت ہوتی ہے، جب کوئی طالب خیر، من مانی کرنے کی بدولت مشقّت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور راحت کی طلب کے باوجود راحت سے دور ہونے لگتا ہے۔

حاصل : جو عطائے الٰہی کی ناشکری کرے، شاہد کے حکم کے مقابل من مانی کرے وہ مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور سرگردانی اس کے گلے پڑ جاتی ہے۔ دعوت فلاح دینے والوں کو افسوس اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ کہ لوگ وقتی تکلیف سے بچتے بچتے دائمی تکلیف کی طرف دوڑنے لگے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ ۱۷/۷۲

اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے، اور بھی زیادہ گمراہ

ربع

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾

النصف

اور ان پر آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کی خبر حق سے تلاوت فرمایئے۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی مقبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ کہنے لگا میں ضرور تمہیں قتل کروں گا۔ فرمایا اللہ متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔

واقعات ماضی کو حق کے ساتھ بیان کرنا یہ ہے کہ سننے والوں کو حال پر پتہ چلے کہ فلاح کا راستہ کیا ہے۔ اور پہلے گزرنے والوں کے نقوش قدم ان کے لئے کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ راستے کے تعین میں واقعات ماضی کے بیان سے اگر مدد نہ ملے تو وہ بیان حق کے خلاف ہو گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے ایک ایک قربانی پیش کی۔ قربانی کا منشاء عند اللہ متقی ہونے کی سند حاصل کرنا تھا تاکہ جو اللہ کے نزدیک مقبول ہے اس کے اتباع سے آسانیاں حاصل ہوں اور تائید ایزدی شامل حال رہے۔ ہابیل کی قربانی قبول ہوئی۔ اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ قربانی کی قبولیت کی صورت میں واضح فرما دیا گیا۔ قابیل کو یہ فیصلہ پسند نہ تھا کہ فیصلہ کرنے والے کی رضا کے مقابل وہ اپنی پسند کو مانتا تھا۔ جب فیصلہ کرنے والے سے مقابلہ ممکن نہ ہو اور جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہو اس سے ٹکرانا مشکل نہ ہو، پھر مدمقابل کے خاتمے سے اپنی خواہش بھی پوری ہوتی نظر آئے تو انسان مدمقابل سے ٹکرا کر اپنی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قابیل نے کہا ہابیل میں ضرور تمہیں قتل کروں

گا۔ ہابیل نے کہا کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی قربانی ہی قبول ہوا کرتی ہے۔ تم اپنی پسند کو چھوڑ کر اللہ کی پسند کو کیوں نہیں مان لیتے کہ عند اللہ مقبولیت کی یہی راہ ہے۔

حاصل : واقعات ماضی کو حاصل کے ساتھ بیان کرنا حق ہے۔ جہاں کسی کے عند اللہ مقبول ہونے کا ثبوت مل جائے اس کی پیروی کو باعث فلاح ماننا چاہیئے۔ اگر اس سے مقابلہ کرنے کا خیال آئے تو جاننا چاہیئے کہ یہ فیصلہ کرنے والے کی صریحاً بے ادبی ہے۔

لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾

اگر تم اپنا ہاتھ میرے قتل کرنے کو بڑھاؤ گے تو میں اپنا ہاتھ تمہارے قتل کرنے کو نہیں بڑھاؤں گا۔ مجھے اللہ ربّ العالمین کا خوف ہے۔

حضرت ہابیل علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ تم اگر اپنا ہاتھ میرے قتل کرنے کو بڑھاؤ گے تو میرا ہاتھ تمہارے قتل کرنے کو نہیں بڑھے گا۔ مجھے اللہ کا خوف ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جو جزا پر یقین رکھتا ہو وہ عمل میں اپنی پسند کو شامل نہیں ہونے دیتا۔ اس لئے برے عمل کے جواب میں وہ برا عمل نہیں کرتا۔ وہی کرتا ہے جس میں اسے اللہ کی رضا نظر آتی ہے۔

حاصل : برے عمل کے جواب میں برا عمل کرنا اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہے۔ پاک بندے پر وہی کرنا حق ہے جس میں اللہ کی رضا موجود ہو۔

اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا گناہ اور تیرا گناہ تیرے پلے پڑے تو تو آگ والوں سے ہو، اور ظالمین کی یہی جزا ہے۔

حضرت ہابیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا گناہ بھی تمہارے سر ہو، تمہارا تو تمہارے سر ہو گا ہی اور تمہارا انجام جہنم ہو۔ ظالمین کی یہی جزا ہوا کرتی ہے۔ مقتول اگر قاتل کو قتل کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ اور خوف خدا سے اپنے عمل کو پورا رکھے تو اس کے گناہ بھی قاتل کے سر پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔ جو پاک بندے کا قاتل ہو وہ ظالم بھی ہوتا ہے دوزخی بھی ہوتا ہے۔

٣٣٩٥٢

حاصل : اپنے مخالف کو بھی اس کے انجام سے آگاہ کر دینا چاہئے، تاکہ اسے جزا کی بھی خبر رہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر اس کو اس کے نفس نے بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اسے قتل کر دیا۔ تب خاسرین سے ہو گیا۔

جب انسان کو اپنے نفس کی خوشی مطلوب ہو، تو حق کی روشن نشانی دیکھ کر، اپنے رخ کی عدم صحت کو جان کر اور ظلم کے انجام سے ہونے والے خسارے کی طرف بھاگنے کے یقین کے باوجود ماننا نفس کی ترغیب کو ہی ہے۔ قابیل بھی ان سب مقامات سے گزرا۔ اسے بھائی کی قربانی قبول ہوتی نظر آئی، اپنی قبول نہ ہوتی نظر آئی، اس نے بھائی کی شرافت دیکھی اور اس کے اندر رب العالمین کا خوف بھی دیکھا، اس نے بھائی کی استقامت اور دائمی پاک دامنی بھی دیکھی، وہ ظلم کے انجام سے بھی آگاہ ہوا۔ لیکن پھر بھی اس نے مانا نفس ہی کی ترغیب کو اور اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ انجام کار وہ خسارے میں پڑ گیا۔ راحت کے لئے سعی کرتے ہوئے جب کوئی نفس کی ترغیب کی بدولت مشقت میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو وہ خاسرین سے ہو جاتا ہے۔

حاصل : راحت کی جستجو میں سعی کرتے ہوئے جب کوئی حق کے مقابل اپنے نفس کی ترغیب کو مانتا ہے تو وہ مشقت میں مبتلا ہو کر خاسرین سے ہو جاتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۚۛ ﴿۳۱﴾ ع٥

تو اللہ نے ایک کوّا بھیجا کہ زمین کرید کر اسے دکھائے کہ وہ کیسے اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میں اس کوے جیسا بھی نہ ہوا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر نادم ہوا۔

قابیل نے حضرت ہابیل کو قتل کر دیا، تو اپنے نفس کی ترغیب پر عمل کرنے کے بعد اسے خسارے نے گھیر لیا۔ اس کے لئے بھائی کی لاش کو ٹھکانے لگانا مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کوا بھیجا گیا۔ جس نے ایک مردہ کوّے کو زمین کرید کر دبایا اور اوپر مٹی ڈال دی۔ یہ سب کچھ قابیل کو دکھانے کے لئے تھا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ قابیل کو اپنے خوب تر ہونے کا جو زعم تھا، رخصت ہو گیا۔ اسے ندامت ہوئی کہ وہ تو کوّے جیسا بھی نہیں ہوا کہ اپنے بھائی کی لاش کو ہی چھپا سکے۔ تب اپنے بھائی کی عظمت کو اس کے تقوے کو، خوف خدا کو، جزا پر یقین کو اس قدر روشن دیکھا کہ اسے اپنے عمل کا نقص نظر آنے لگا۔ نفس کی

ترغیب توختم ہو چکی تھی۔ خسارے نے احاطہ کر لیا تھا۔ اب سوائے ندامت کے کچھ ممکن نہ تھا۔

حاصل : جو حق کے مقابل نفس کی ترغیب کو ہی مانے اسے انجام کار ہمیشہ ندامت ہوتی ہے۔ ندامت وہ کیفیت ہے جو منکر حق کو گھیرتی ہے۔ جب وہ خلاف حق کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر چکا ہوتا ہے اور واپسی ممکن نہیں رہتی۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ۫ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے کے یا زمین میں فساد کیا تو گویا اس نے جمیع لوگوں کو قتل کیا۔ اور جس نے ایک کو بچایا اس نے گویا جمیع لوگوں کو بچایا۔ اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ پھر ان میں سے اکثر اس کے بعد بھی زمین میں اسراف کرنے والے ہیں۔

قتل اوّل کے ارتکاب کے بعد بنی اسرائیل کے لئے یہ لکھ دیا گیا کہ جس نے کسی کو بغیر جان کے بدلے جان کے قتل کر دیا۔ یا زمین میں اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے امن وامان کو برباد کیا۔ اور لوگوں کے احساس تحفّظ کو احساس عدم تحفّظ میں بدل دیا تو اس کے قتل وفساد سے گویا سبھی لوگ متاثر ہوئے۔ اور جس نے ایک جان کو بچایا۔ کسی کے احساس عدم تحفّظ کو احساس تحفظ سے بدلا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچایا۔ عمل کی ان دونوں صورتوں کی اہمیت اب اس قدر بڑی ہے کہ جو برائی کی راہ اختیار کرے گا، وہ اپنی خودسری پر گواہ ہو گا۔ اور جو بھلائی کی راہ اختیار کرے گا، رضائے الٰہی کے علاوہ اسے کچھ مطلوب نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے بشارت و انذار کے لئے رسول بھیجے، ان کی صداقت ناقابل تردید تھی۔ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی اکثریت کا رجحان من مانی کرنے کی طرف ہی تھا۔ یہی اسراف ہے۔

حاصل : قتل ناحق اور فساد سے عدم تحفظ کا احساس پھیلتا ہے۔ بچانے کی کوشش کرنے والے سے احساس تحفّظ پھیلتا ہے۔ عمل کی دونوں صورتیں بڑی ہیں۔ کسی کو ناحق مارنا جتنا بڑا گناہ ہے، اس کو بچانا اتنی ہی بڑی نیکی ہے۔ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اکثریت من مانی کی طرف ہی مائل رہی ہے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ان کی یہی جزا ہے کہ وہ قتل کئے جائیں، یا سولی دئے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں۔ یا زمین سے دور کر دیئے جائیں۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کےلئے عذاب عظیم ہے۔

حق کو جان لینے کے بعد جو لوگ اسراف کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑنے والے ہیں۔ علم الٰہی کے مطابق رہنے سے لوگوں کو دائمی تحفظ کا احساس حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ خلاف حق کرتے ہوئے علم الٰہی کے مقابل اپنے علم کو جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ مفسد ہوتے ہیں۔ ایسے مفسدین کی جزا کی چار صورتیں ہیں۔ اگر انہوں نے قتل ناحق کا ارتکاب کیا ہو تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ جان تلف کرنے کی دوسری صورتوں میں سولی دی جائے گی۔ رہزنی سے اگر انہوں نے کسی راہ کو غیر محفوظ بنایا ہو تو ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے۔ اور اگر وہ ارتکاب جرم سے قبل ہی پکڑ لئے گئے ہوں تو ان کو قید کر لیا جائے گا۔ مفسدین کی دنیا میں رسوائی ہو تو امن و امان مستحکم ہوتا ہے۔ آخرت میں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑنے والوں کےلئے بڑا عذاب ہو گا ہی۔

حاصل : حق کو جان لینے کے بعد جو لوگ علم الٰہی کے مقابل من مانی کرتے ہیں، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ لڑنے والے ہیں۔ ان کے جرم کے مطابق ان کی رسوائی ہو تو امن و امان کو استحکام ملتا ہے۔

إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ ع ٨

مگر وہ جنہوں نے توبہ کی قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت پاؤ۔ تو معلوم رہے کہ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ لڑنے سے توبہ کر لیں، ان کی زندگی میں ایسی تبدیلی آتی ہے، جو ان کے قول عمل، علم اور اخلاص میں واضح نظر آتی ہے۔ وہ بات کرتے ہوئے اپنی پسند کا ذکر کرنے کی بجائے اللہ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ عمل کرتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح راضی ہیں، یہ دیکھتے ہیں کہ مخلصین کی طریقت کیا ہے۔ اظہار علم میں یہ نہیں چاہتے کہ ان کی فضیلت کا اعتراف کیا جائے، یہ چاہتے ہیں کہ جس علم سے انہیں سکھ ملا ہے اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور فلاح کی طلب رکھنے والے اس سے سکھ پائیں۔ اور اخلاص کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ مانتے سب پاک لوگوں کو ہیں، پیروی ایک کی کرتے ہیں۔ اور جس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے نہ جاننے پر بھی اپنے جاننے کو قربان کر کے معیت حق کا شرف پالیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی فلاح پسند ہے۔ اگر کوئی اسراف سے تائب ہو جائے قبل اس کے کہ مومنین کو اس پر قدرت حاصل ہو تو پھر اس کے لئے بخشش اور رحم کا راستہ کھلا ہے۔ جو مومنین کے غلبے سے پہلے توبہ کرے گا، اس کا عمل مسرفین کے عمل سے مختلف ہو گا اور اس پر شہادت بھی موجود ہو گی۔

حاصل : مسرفین کو قید کرتے وقت ان کی کیفیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر مغلوب ہونے سے پہلے کسی کی توبہ ثابت ہو جائے تو اس کو بخش دینا اور اس پر رحم کرنا مومنین کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد میں ارشاد فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ ٤٧/٧

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہیں ثابت قدمی دے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٣٥

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

انسان اپنے عمل سے ماحول پر مرتب ہونے والے اثرات کو نظر میں رکھتا ہے اور لوگوں کی پسند کے خلاف کرنے سے ڈرتا ہے۔ لوگوں کی خوشی سے اسے قدر و منزلت کا احساس ہوتا ہے اور لوگوں کی ناخوشی سے بےقدری کا احساس ہوتا ہے۔ جزا دینے والے قادر مطلق کے مقابل لوگوں کا کیا مقام ہے۔ اللہ سے ڈرنا ہی حق ہے۔ خلوت پاک نہ ہو تو جلوت پاک نہیں ہوتی۔ اور خلوت صرف اللہ کے ڈر سے ہی پاک ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر رہا ہو اور خوف و حزن سے نجات دینے کا مرتبہ رکھتا ہو، وہ وسیلہ ہے جو ہر حال پر معیار ہوتا ہے اور قرب الٰہی کے لئے آسرا ہوتا ہے۔ یہی وسیلہ وصال کا دروازہ ہوتا ہے کہ رضائے الٰہی اس کے علاوہ کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قول پاک ہو گا تو اسی وسیلے سے، عمل کی اصلاح ہو گی تو اسی وسیلے کی نسبت سے اور یکسوئی کا شرف بھی ہو گا تو اسی وسیلے سے۔ وسیلہ پالینے کے بعد اپنی پسند کو چھوڑ دینا بڑا کام ہوتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں یہ جہاد اکبر کیا جائے تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : جزا دینے والے سے ڈرنا حق ہے۔ وسیلہ وہ شاہد ہے جو خوف و حزن سے پاک کرنے کا مرتبہ رکھتا ہو۔ اس کو ڈھونڈنا حق ہے۔ پا لینے کے بعد اپنی پسند کو ساکن کیا جائے تو فلاح ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے اور اس کی مثل اتنا ہی اور بھی ہو کہ یوم قیامت کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے دیں تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو لوگ حق کے انکار کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ خوف و حزن سے نجات کی راہ دکھانے والے کے منکر ہوتے ہیں۔ حال پر جو کچھ کیا جارہا ہے قیامت کے دن اسی کی جزا دی جائے گی۔ کافر اس جزا سے بچنے کے لئے اگر زمین کے سارے خزانے اور اس کے ساتھ اتنا کچھ اور بھی دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہو گی۔ اصلاح کو اختیار کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اور ہر شے کا مالک ہے اس کے ہاں کچھ دے کر جزا سے چھوٹ جانا ناممکن ہے۔ کافر کے لئے اس کے عمل کا نتیجہ المناک عذاب ہو گا۔ نتیجے سے آگاہی ہو جانے کے بعد جبکہ نتیجے کے واقع ہونے کو روکا بھی نہ جا سکتا ہو۔ اور وہ ہو بھی المناک عذاب کی صورت میں تو پھر اس انجام سے بچنے کے لئے حال میں اس عمل کو چھوڑنا ضروری ہے جس کا انجام المناک عذاب ہو گا۔

حاصل : اللہ کے ہاں کچھ دے کر کوئی عذاب سے چھوٹ نہیں سکے گا۔ المناک عذاب سے بچنے کے لئے حال میں اس عمل کو چھوڑنا ضروری ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کرنا حیات دنیا میں ممکن ہے۔ بعد میں یہ ممکن نہ ہو گا۔

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾

آگ سے نکلنا چاہیں گے اور وہ اس سے نکل نہ پائیں گے۔ اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

کافر فلاح کے خلاف راہ کو اختیار کرتا ہے۔ حال پر اسے خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے آگ کا عذاب

ہو گا۔ کافر کو اس کے اعمال کی ہی جزا دی جائے گی۔ اس کے اعمال کے نتیجے سے پیدا ہونے والی آگ جو قیامت سے پہلے خلوت کے درجے میں ہے قیامت کے دن جلوت میں آ جائے گی۔ ہر عمل میں شعوری کوشش خلاف حق کرنے کی ہو تو آخرت میں جو عذاب ہو گا وہ بھی قائم رہنے والا ہو گا اور اس سے نکلنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : جب ہر عمل میں شعوری کوشش خلاف حق کرنے کی ہو تو آخرت میں ایسا عذاب ہو گا جو قائم رہنے والا ہو گا۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٣٨

اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹو۔ اللہ کی طرف سے ان کے کسب کی جزا رکھی گئی ہے اور اللہ عزّت والا حکمت والا ہے۔

حکم خداوندی بلوغت پر شعور کی موجودگی کی صورت میں عائد ہوتا ہے۔ جو حکم کو جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ناپاک کے، پاک ہونے کی راہ رکھی ہے۔ شریعت نے جو حدود بھی مقرر کی ہیں ان کا منشاء ماننے والوں کو پاک رکھنا ہے اور اگر وہ تجاوز کرنے کی بدولت ناپاک ہو جائیں تو انہیں پاک کرنا ہے۔ جب کوئی بالغ مرد یا عورت کسی دوسرے کے مال کو جسے مالک نے حفاظت سے رکھا ہوا ہو، بغیر مالک کی اجازت کے اور چھپ کر لے جائے اور لے جانے والے کا اس مال پر کوئی حق نہ بنتا ہو، تو یہ چوری ہے۔ چوری کرنے والے کا شعور بھی درست ہو گا اور مال کے مالک کا شعور بھی درست ہو گا۔ چوری ہونے والی شے مالک کے نزدیک ایک اہمیت رکھتی ہے، تو وہ دعویٰ کرتا ہے اور چور کے نزدیک بھی اس کی اہمیت ہو تو وہ اسے چراتا ہے۔ چور اپنے ہاتھ کو عدم توکّل کی بدولت خیانت کر کے ناپاک کر لیتا ہے۔ اور ایک عمل سے بے شمار لوگ اپنے مال کو محفوظ رکھنے کے باوجود بے سکون ہو جاتے ہیں۔ ایک برے عمل سے بہت سا وقت، بہت سی قوّت اور سرمایہ فلاحی کاموں میں صرف ہونے کی بجائے بے جا خرچ ہونے لگتا ہے۔ معاشرے میں شکوک و شبہات بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا یہ رکھی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، مرد ہو یا عورت۔ جو لوگ عزت اور سکھ سے رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ حکم باعث عزّت اور باعث حکمت نظر آتا ہے۔ اور جو لوگ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں عزت اور حکمت دیکھتے ہیں وہ مسلسل خوف و حزن میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل : جو حقوق العباد کو پامال کرنے کا مرتکب ہو، چھپ کر کسی کی محفوظ شے کو لے جائے جبکہ لے جانے کا حق اسے حاصل نہ ہو، تو حکم خداوندی کے مطابق اس چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہئے۔ اس سے معاشرے کو عزت بھی ملے گی، سکھ بھی ملے گا۔

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ

پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی تو بے شک اللہ اس پر توجّہ فرماتا ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۹﴾ والا ہے۔

چوری ظلم ہے۔ اس سے حقوق العباد پامال ہوتے ہیں۔ اور افراد کے مابین روابط میں شبہات کے لئے جگہ بن جاتی ہے۔ اس ظلم کے ارتکاب کے بعد جس نے توبہ کر لی اور پاک ہو گیا۔ کسی صالح سے اصلاح لی اور متوکل ہو گیا، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ جب عطاء الٰہی کو ناکافی سمجھا جائے اور نہ ہونے کے مقام پر کھڑے رہنے کی بجائے کسی کے مال کو چھپ کر لے لیا جائے۔ تو اس بے صبری کی بدولت معیت حق کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔ اصلاح کرنے والے کی شان اسی میں ہے کہ جس کی وہ اصلاح کرے اس کو آسرا بھی دے۔ جو پاک ہو جائے اس کے ماضی کا ذکر کرنا بھی درست نہیں ہے۔

حاصل : ظلم کے ارتکاب کے بعد جو تائب ہو اور اصلاح لے، اس کو پاک جانتے ہوئے اس کے ساتھ بخشش اور رحم کا معاملہ کرنا چاہئے۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۰﴾

کیا تمہیں علم نہیں کہ آسمان اور زمین اللہ ہی کی سلطنت ہے۔ جسے چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب اللہ کا ہے۔ بندے بھی سب اللہ کے ہیں۔ وہ اللہ کو مالک مان لیں تو مالک کے سامنے جواب دہی کے یقین سے ان کا رخ درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کو مالک نہ مانیں تو شیطان کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ مالک کی شان ہے وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دیتا ہے۔ اس کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے۔ وہ ہر شے کا، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ اس نے بشارت و انذار کے لئے اپنے بندوں کو بھیج کر بخشش اور عذاب سے لوگوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو حق کو جانتے ہوئے اپنی خواہش کا اتباع کرے گا وہ گمراہ ہو گا اور عذاب میں پڑے گا۔ اگر تائب ہو جائے اور اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دے تو بخشا جائے گا۔ مسلم و مجرم مساوی نہیں ہیں۔ اس لئے اللہ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کرتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ مالک کل ہے۔ مالک کے حکم کے مطابق اس کی اشیاء کو استعمال نہ کیا جائے تو اس سرکشی کا نتیجہ عذاب ہو گا۔ اس کے مخلص بندوں کو شاہد بنا لیا جائے تو نتیجہ بخشش ہو گا۔ اللہ کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے۔ کوئی اس کو عاجز کرنے والا نہ ہوا ہے، نہ ہے اور نہ ہو گا۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ
يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ
قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ
قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ
سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ
لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ
الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ
إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ
لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ
اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ
اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ
اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي
الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾

مع — عند المتقدمین الوقف علی الاول یجوز

اے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کفر میں سرعت کرنے والے آپ کو محزون نہ کریں۔ وہ لوگ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اور ان کے دل مومن نہیں۔ اور وہ جو یہودی ہیں۔ جھوٹ بنانے کے لئے کان دھرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس حاضر نہیں ہوئے جاسوسی کرتے ہیں۔ اللہ کی باتوں میں ان کے مواضع کے بعد تحریف کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ ملے تو لے لو اور یہ نہ ملے تو حذر کرو۔ اور اللہ جس کے فتنے کا ارادہ کرے آپ اللہ کے ہاں اس کا کچھ نہیں بنا سکتے، وہی لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنایا ہے۔ کسی کو حق کے انکار کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھ کر بھلائی چاہنے والے کو افسوس تو ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والا اپنے بہی خواہ سے تعلق نہیں رکھتا مگر بہی خواہ کو اس سے تعلق رہتا ہے اور اسی تعلق کی بدولت کافر کے خسارے پر تبلیغ حق کرنے والے کو غم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان کو اس قدر بلند کیا ہے کہ قیامت تک آنے والے اس رفعت کو سلام کر کے نور ہدایت سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ کفر کی طرف دوڑنے والے لوگ وہ ہیں جو منہ سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور دل ان کے مومن نہیں ہیں۔ جس وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کو مانا جائے وہ اگر محبوب ہو تو ایمان دل میں داخل ہوتا ہے۔ دل، دلبر کو دیا جائے تو دل مومن ہوتا ہے۔ جب دل مومن ہو تو پھر

اس پر حکومت یار کی ہوتی ہے۔ منافق اور یہودی جب حضوری میں ہوتے ہیں تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ ایک منشاء تو حق میں اپنے حروف ڈال کر تحریف کرنا اور جھوٹ گھڑنا ہوتا ہے۔ دوسرا منشاء ان لوگوں کو خبریں پہنچانا ہوتا ہے جو دور بیٹھے لوگوں کو ان کی خواہشات سے باندھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ حکم خداوندی کو اس طرح بدلتے ہیں کہ امر کو نہی اور نہی کو امر بنا دیتے ہیں۔ اثبات کو نفی اور نفی کو اثبات بنا دیتے ہیں۔ اس تحریف کا منشاء لوگوں کو راہ حق سے روکنا ہی ہوتا ہے۔ جن کو حضور کی حضوری میں بھیجا جاتا ہے۔ انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر بات تمہاری پسند کے مطابق ہو تو لے لو، مان لو اور اگر یہ نہ ہو تو پھر بچو۔ جو لوگ اپنے شاہد کی بات کو اپنی پسند کے حوالے سے مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو پاک کرنا نہیں چاہتا۔ جو اللہ کے محبوب کو محبوب نہ مانتا ہو، اس کے لئے محبوب دعا بھی کرے تو اللہ نہیں مانتا۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔ اظہار محبت کی اس بلندی کو روشن فرما کر اللہ تعالیٰ نے انعامات کی بارش کر دی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ انکار کی طرف دوڑتے ہیں، دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے۔ آخرت میں انہیں ان کے اعمال کی جزا عذاب عظیم کی شکل میں ملے گی۔

حاصل : اظہارِ محبت کرنے کا علم اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ جو لوگ شاہد کی بات کو اپنی پسند کے حوالے سے مانیں، اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو پاک نہیں کرتا۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے۔ آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہو گا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

جھوٹ گھڑنے کے لئے جاسوسی کرنے والے بڑے حرام خور ہیں۔ تو اگر آپ کے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ فرما دیجئے یا ان سے اعراض کر لیجئے۔ اور اگر آپ ان سے اعراض کر لیں گے تو وہ آپ کو کچھ ضرر نہ دے سکیں گے۔ اور اگر آپ ان میں حکم بنیں تو انصاف سے حکم فرما دیں۔ بے شک انصاف کرنے والے اللہ کو پسند ہیں۔

منافقین اور کچھ یہودی علم الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کے لئے سنتے تو توجہ سے ہیں مگر جب حق ان پر واضح ہو جاتا ہے تو اس میں تحریف کر کے حرام کھاتے ہیں۔ جس کھانے میں رضاء الٰہی کے مقابل اپنی مرضی مقصود ہو اور طاغوت پر ایمان لانا مطلوب ہو وہ حرام ہے۔ ایسے لوگ اگر شاہد حق کے حضور فیصلے کے لئے آئیں تو وہ ان میں فیصلہ فرما دیں یا اعراض کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں صورتوں میں رضائے الٰہی ملحوظ ہو گی۔ فیصلہ کرنے والے کی شان یہی ہے کہ وہ انصاف سے حکم کرے۔ انصاف میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی خواہشات کے مقابل انہیں ان کا حق بتانا ضروری ہے۔ انصاف کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں گے، وہاں کسی کی حق تلفی نہ ہو گی۔ جہاں انصاف کرنے والوں کو پسند کیا جائے گا، وہاں اللہ کی رحمت شامل

حال رہے گی۔

حاصل : جو لوگ حق کو سن کر اس میں اپنی خواہشات کو ملا کر لوگوں کو سناتے ہیں، وہ بڑے حرام خور ہیں۔ ان کے مابین فیصلہ کیا جائے یا ان سے اعراض کیا جائے۔ شاہد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔ فیصلہ ہو تو فریقین کو ان کا حق دکھایا جائے۔ انصاف کرنے والوں سے دوستی، اللہ سے دوستی ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ ع ٦

اور وہ آپ کو کیسے حکم بنائیں گے اور ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے۔ پھر اس سے پھرے جاتے ہیں۔ اور وہ ماننے والے نہیں۔

یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت اور نور عطا ہوا وہ تورات کی صورت میں ان کے پاس ہے۔ جب یہ حکم خداوندی کے مقابل اپنی پسند کی طرف چلتے ہیں، تو حق سے پھر جاتے ہیں۔ اگر ماضی میں حکم خداوندی کو نہیں مانتے تو حال پر بھی حکم خداوندی ان کی خواہش کے مطابق ہونے سے رہا۔ اس لئے یہ ماننے والے ہی نہیں۔

حاصل : جو حکم خداوندی کو جاننے کے باوجود ماضی میں اس کا انکار کرتا رہا ہو وہ حال پر بھی حکم خداوندی کو مانا نہیں کرتا، وہاں حکومت ہی نفس امارہ کی ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج میں ارشاد فرمایا ہے۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ ۲۲/۵۱

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ

بے شک ہم نے تورات نازل کی کہ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ ہمارے فرمانبردار نبی یہود کو اس کے مطابق حکم دیتے تھے۔ اور ربانی اور احبار کہ ان سے اللہ کی کتاب کی محافظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر شاہد

وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

تھے۔ تو لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیتوں کے بدلے قلیل دام نہ لو۔ اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے تو وہی کافر ہیں۔

تورات بھی منزل من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں ہدایت اور نور رکھا گیا ہے۔ ہدایت سے رضائے الٰہی کا پتہ چلتا ہے اور نور سے راستہ طے کرنے میں مدد ملتی ہے۔ انبیاء سابقین میں سے بہت سے حضرات، یہود کو اس کے مطابق حکم دیتے رہے۔ نبی حکم خداوندی کو عملاً جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس حکم کو جاری رکھنا ربانی لوگوں کا کام ہوتا ہے اور احبار کے ذمے ہوتا ہے۔ رّبانی وہ لوگ ہوتے ہیں جو رب العالمین کی رضا کے مقابل لوگوں کی پسند کو وقعت نہیں دیتے اور کسی کے کچھ نہیں لگتے، جو رضائے الٰہی کا طالب ہو اس سے ان کا رشتہ ہوتا ہے۔ احبار وہ ہوتے ہیں جو رّبانی حضرات کے احکام کی تعمیل میں ڈھیل نہ کریں اور کاروبار زندگی میں خوف و حزن سے بچنے کی راہ اختیار کریں۔ تورات کی حفاظت ان کے ذمے تھی۔ اور یہ حضرات اس کے ہدایت اور نور ہونے پر شاہد تھے۔ یہ دیکھ چکے تھے کہ رضاء الٰہی کے علاوہ راحت کسی مقام پر موجود نہیں۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے ارشاد خداوندی کو لوگوں کی پسند کے مطابق بنا کر ان سے دام وصول کئے اور فرمان خداوندی کو بدل ڈالا۔ جہاں حکم خداوندی معلوم ہو اور منصوص ہو مگر فیصلہ اس کے مطابق نہ کیا جائے تو یہ کفر ہے۔ اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ کافر میں تکبّر کے ساتھ لوگوں کا ڈر بھی ہوتا ہے۔

حاصل : فرمان خداوندی میں ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ فیضیاب ہونے والے اس پر شاہد ہوتے ہیں۔ جب منصوص حکم کو لوگوں کی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ کافر میں تکبّر کے ساتھ لوگوں کا ڈر بھی ہوتا ہے۔

وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَاۤ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ

اور ہم نے اس میں ان پر فرض کر دیا کہ نفس کے بدلے نفس اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص۔ پھر جس نے

بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

حکم خداوندی راہ راست پر رہنے کے لئے بھی درکار ہوتا ہے۔ اور جب لوگوں کی خواہشات آپس میں ٹکرا جاتی ہیں اور وہ الجھ جاتے ہیں تو اس الجھاؤ کو سلجھانے کے لئے بھی وہی حکم باعث تنویر ہوتا ہے۔ اگر اللہ کے نازل کردہ حکم کا پتہ ہو اور فیصلے میں اس حکم سے مطابقت ملحوظ نہ رکھی جائے تو یہ ظلم ہو گا۔ حکم یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کیا جائے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم حکم خداوندی ہے، اگر مجروح جارح کو معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

حاصل : حکم خداوندی معلوم ہو اور فیصلے میں اس سے مطابقت ملحوظ نہ رکھی جائے تو یہ ظلم ہے۔ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ویسے ہی زخم حکم خداوندی ہے۔ مجروح معاف کر دے تو جارح کا کفارہ ہو گیا۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور ہم نے ان کے آثار پر عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ آپ نے تورات کی تصدیق فرمائی جو آپ سے آگے تھی۔ اور آپ کو ہم نے انجیل عطا فرمائی، جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اپنے سے آگے تورات کی مصدق ہے۔ اور متقین کے لئے ہدایت اور موعظت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق فرمائی جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ تورات کی مصدق ہے اور متقی لوگوں کے لئے اس میں ہدایت اور موعظت ہے۔ حال پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ماضی کی تصدیق کرے اور پاکیزگی کا تسلسل لوگوں کے سامنے لائے۔ انعام حال پر ملتا

ہے اور صاحب حال سے ملتا ہے۔ ماضی میں ہو چکا ہوتا ہے، حال پر وہ ہو رہا ہوتا ہے۔ متقی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ہدایت پا کر شکریہ ادا کرتے ہیں اور موعظت سے ان کے عمل میں استقامت آتی ہے۔

حاصل : حال اپنے ماضی کی تصدیق ضرور کرتا ہے۔ انعام حال پر ملتا ہے اور صاحب حال سے ملتا ہے۔ ہدایت سے راستہ ملتا ہے۔ موعظت سے استقامت آتی ہے۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اہل انجیل کو چاہئے کہ جو اللہ نے اس میں نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق حکم کریں اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی فاسق ہیں۔

اہل انجیل کو اللہ تعالیٰ نے جس ہدایت اور موعظت سے نوزا، اگر وہ اس کے مطابق حکم کریں تو یہ ان کے شاکر ہونے کا ثبوت ہو گا اور اگر اس حکم میں اپنی خواہشات کو شامل کر کے حکم کو اپنی پسند کے مطابق بنالیں تو یہ ان کے فاسق ہونے کا ثبوت ہو گا۔ ماضی میں ہمیشہ حال کے متعلق آگاہی بھی ہوتی ہے اور اسے تسلیم کرنے کا حکم بھی ہوتا ہے۔

حاصل : اہل انجیل کو چاہئے کہ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حکم مانیں اور حال پر اپنا حق ادا کریں۔ حکم خداوندی میں اپنی پسند کو داخل کرنا فسق ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۗ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ سابقہ کتابوں کی مصدق اور ان پر گواہ، ان میں حکم کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا۔ اور خلاف حق ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور اور راستہ دیا اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت ٹھہرا دیتا۔ لیکن تمہیں اپنی عطا سے دیکھنا چاہتا ہے۔ تو خیرات میں سبقت کرو۔ تم سب کی مراجعت اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے

فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن مجید کو نازل فرمایا گیا۔ یہ سابقہ کتب سماویہ کا مصدّق ہے اور ان کے مضامین کے مصدّق ہونے کی نسبت سے ان پر گواہ بھی ہے۔ اگر ان کتابوں کی کوئی بات قرآن پاک کے ارشادات کے خلاف ہو تو یہ ان کے تبدّل کا ثبوت ہو گا۔ قرآن پاک کی حفاظت کی سند موجود ہے۔ اس معیار کی مطابقت سے صداقت کا پتہ چلے گا۔ حکم نازل کرنے والا علیم مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے جو ماضی میں نازل کیا وہ اس وقت پورا تھا۔ جو قرآن پاک کی صورت میں نازل فرمایا وہ قیامت تک ماننے والوں کے لئے ہدایت اور نور ہے۔ اب ہر حکم کو قرآن پاک کی تصدیق حاصل ہونی چاہئے اور کسی کی خواہش کو فرمان خداوندی کے مقابل کوئی وقعت نہیں دینی چاہئے۔ مخلصین کے ہاں عمل پہلے ہو رہا ہوتا ہے۔ حکم بعد میں آتا ہے۔ حکم نازل وہیں ہوتا ہے جہاں سے اسے جاری ہونا ہوتا ہے اور ہونا تعلیم امت کے لئے ہے۔ دستور حکم خداوندی اور راستہ اس حکم کو جاری کرنے والے کے نقوش قدم ہیں۔ اللہ اگر ایک ہی دستور رکھ دیتا تو راستہ بھی ایک ہی ہوتا۔ اس سے لوگ ایک امت تو رہتے مگر حال پر حق کو تسلیم کرنے میں ان کے قول، عمل، علم اور اخلاص پر شہادت نہ ملتی۔ اللہ اپنی عطا سے یہ دیکھتا ہے کہ حال کو تسلیم کرنے والا کسی درجے میں اپنی پسند کی طرف تو نہیں جھکتا۔ یہ اسی صورت ممکن ہے کہ بندہ ہر مقام پر اپنے سابقہ عمل کے مقابل بہتر عمل کرنے کی سعی کرے۔ واپسی تو سب کی اسی مالک کی طرف ہوگی جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ وہاں ہر ایک پر کھل جائے گا کہ اس نے کیا کیا اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔

حاصل : حال ماضی کا مصدّق ہوتا ہے۔ حال کو تسلیم کیا جائے تو صداقت ثابت ہوتی ہے۔ اپنے سابقہ عمل سے بہتر عمل کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ جب مقصود معلوم ہو تو اس کے مقابل اپنی کوئی پسند نہیں رکھنی چاہئے۔ ورنہ اختلاف میں مبتلا ہو جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ

اور یہ کہ ان میں اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کے مطابق حکم کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے حذر کرو کہ وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈالیں کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہو۔ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا

ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾

ہے۔ اور بے شک لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

یہ حکم فرد کے لئے ہے کہ سلامتی حکم خداوندی کی مطابقت میں ہے اور اس کے مقابل کسی کی خواہش کی پیروی میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جو فرمان خداوندی کے مقابل اپنا الگ راستہ رکھتے ہوں ان سے حذر ضروری ہے کہ ان کے قرب سے فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہی ممکن ہے۔ اس حذر کی حقیقت یہ ہے کہ قول و عمل میں رضائے الٰہی کو مقصود بنایا جائے۔ اور اگر کوئی اس رویئے کی بدولت منہ پھیر جاتا ہے۔ تو وہ جلد ہی دنیا میں اپنے بعض گناہوں کی سزا پانے کے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ لوگوں کی اکثریت حکم الٰہی کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ حکم الٰہی پر اپنی خواہش کو قربان کرنے والوں کی تعداد کم ہی ہوا کرتی ہے۔

حاصل : حکم وہی درست ہے، فرمان خداوندی سے جس کی تصدیق ہو۔ من مانی کرنے والوں سے حذر ضروری ہے۔ اکثریت بذات خود حق کے مقابل کوئی معیار نہیں ہے۔ اکثر لوگ فسق ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ع

تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے احسن کس کا حکم ہے، یقین کرنے والوں کے لئے۔

حال پر جو حکم صاحب اخلاص کی طرف سے جاری کیا جائے گا وہی حق ہو گا۔ اور اگر ماننے کا دعویدار ماضی کا حوالہ دے تو وہ جہالت کی بات ہو گی اور اس کی اپنی خواہشات کے تابع ہو گی۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اس سے بہتر اور کسی کا حکم ہو ہی نہیں سکتا فیض تو یقین والے ہی اٹھائیں گے، راستہ طے کرنے سے طے ہوتا ہے۔ راستے کی باتیں کرنے سے راستہ طے نہیں ہوا کرتا۔ یقین والے حکم کو سن کر وہ کرنے لگتے ہیں جس کا حکم ہوتا ہے۔ بے یقین حکم کو سن کر اسے اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح الجھتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل : حال پر صاحب اخلاص کے حکم کو سن کر ماضی کے ساتھ لگنے کی کوشش جہالت ہے۔ علیم مطلق کے حکم کے مقابل کسی حکم میں دائمی فلاح نہیں ہے۔ اس لئے یقین کرنے والوں کے لئے اس سے احسن کسی کا حکم ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۸۲ ۱۷/
اور ہم نے قرآن پاک میں وہ نازل فرمایا ہے جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

وقف لازم
وقف منزل
عند البعض
وقف غفران

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جس دوستی کی بنیاد تقویٰ پر ہو وہ دائمی ہوتی ہے۔ غرض و غایت کے تحت قائم ہونے والے تعلقات وقتی ہوتے ہیں اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں ہوتے۔ دوستی کے لائق وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کا مقصود اور ہمارا مقصود ایک ہو، جن سے تطابق اور قرب ہمارے لئے باعث عزت ہو۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ خلاف حق کرنے کا مقصد ان کی دوستی کی بنیاد ہے۔ مسلمانوں سے کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ حق کے مقابل اپنے ظن کی پیروی کرے گا اور انہیں میں سے ہو گا۔ اس ظالم کو ہدایت نصیب نہ ہو گی۔

حاصل : یہود و نصاریٰ کا مقصد خلاف حق کرنا ہے۔ وہ اسی نسبت سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ان سے تطابق اور قرب میں کسی کو عزت نظر آئے تو وہ ظالم ہے اور ظالم ہدایت نہیں پاتا۔

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

اب تم ان لوگوں کو جن کے قلوب میں مرض ہے، ان کی طرف دوڑتا ہوا دیکھو گے۔ کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہیں ہم گھیرے میں نہ آ جائیں تو قریب ہے کہ اللہ فتح لائے یا اپنی طرف سے امر، تو انہیں اپنے النفس میں چھپائی باتوں پر ندامت ہو۔

نٰدِمِیْنَ ؕ﴿۵۲﴾

جو لوگ یکسو نہیں ہوتے اور حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دیتے ہیں، ان کے قلوب میں مرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کو قادر مطلق نہیں جانتے اس لئے اپنی حفاظت کے لئے پریشان رہتے ہیں۔ جن لوگوں سے مسلمانوں کا مقابلہ ہو ان سے تعلقات استوار کرنے میں انہیں ایک عافیت نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کے مغلوب ہونے کی صورت میں امان تو غالب ہی دے سکتا ہے۔ دو طرفہ تعلقات رکھنے والے ندامت سے بچ نہیں سکتے، مسلمانوں کو اللہ کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔ انہیں فتح حاصل ہو جائے یا ان کے دشمن حق کو قبول کر کے دوست بن جائیں۔ تو اپنے دلوں میں نفاق رکھنے والوں کا تضاد عیاں ہو جاتا ہے۔ جب تک طرفین کے درمیان چھپنے کی جگہ ہوتی ہے، منافق چھپے رہتے ہیں۔ جب یہ چھپنے کی جگہ نہ رہے تو وہ ندامت سے بچ نہیں سکتے۔

حاصل : جلوت میں مسلمانوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والے اور خلوت میں ان کے مخالفین سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے دل میں مرض ہوتا ہے۔ جب طرفین کے درمیان چھپنے کی جگہ نہ رہے تو منافقین کو ندامت ہوا کرتی ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿۵۳﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو تاکید سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال برباد ہوئے پھر وہ خاسرین سے ہوئے۔

منافقین کا پردہ کھلنے پر ایمان والے حیرت سے یہ کہتے ہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو تاکید سے قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جو لوگ منافقت میں اپنا بچاؤ دیکھتے ہیں۔ ان کے ناقابل اعتماد ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور جس راحت کے لئے وہ منافقت کرتے ہیں وہ بھی انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

حاصل منافقوں کا پردہ کھلنے پر ایمان والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ ساتھی وہی ہوتا ہے جو خلوت و جلوت میں ساتھ ہو۔ منافق ناقابل اعتماد ثابت ہو کر اپنے اعمال کو بھی برباد کر لیتا ہے اور خسارے میں بھی پڑتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي

اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا، تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہوں گے،

اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور اللہ ان کا پیارا ہو گا۔ مومنین پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

جن لوگوں کی موالات سے منع فرمایا گیا ہے ان کے ساتھ تعلق رکھنے والا دین حق سے پھر جائے گا۔ وہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع نہیں رکھتا اس لئے ناشکری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ ناشکری کرنے والوں کے بعد شکر کرنے والے یقیناً آتے ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ شکر گزار بندے اپنے شاہد کی تعظیم کرتے ہیں، توقیر کرتے ہیں اور اللہ کی قدر کرتے ہیں۔ جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں چونکہ اللہ کے محبوب کے دوست ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں پیارا ہوتا ہے کہ وہ ان کے محبوب کا اللہ ہے۔ مومنین کے ساتھ معاملات میں نرمی روا رکھتے ہیں۔ انہیں مومنین کی حسن نیّت کا یقین ہوتا ہے اس لئے ان کی بھول اور کوتاہی میں انہیں مزید کرم سے نوازتے ہیں۔ کافروں کے ساتھ تعلق میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ کافروں کی نیّت ہر مقام پر حق کے انکار کی ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں ان کے قول یا عمل سے حسن معاشرت پر منفی اثرات پڑیں ان کے ساتھ سختی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ کے پیاروں کی شان ہے کہ وہ مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ان کے عمل کو متاثر نہیں کرتا۔ انہیں اپنے شاہد سے محبّت ہوتی ہے۔ اور اس محبت سے انہیں اتنی تقویّت ملتی ہے کہ بڑے بڑے مشکل مقامات سے گزرتے وقت بھی وہ خوف زدہ نہیں ہوتے۔ لوگوں کی خوشی انہیں اپنے شاہد کی خوشی کے مقابل مطلوب نہیں ہوتی اس لئے کسی کی ملامت ان کی استقامت کو متاثر نہیں کر سکتی۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہو۔ وہ اللہ کے فضل والا ہے۔ اللہ جسے چاہے اپنا فضل عطا کرتا ہے۔ چاہتا اسی کو ہے جو اس کے حبیب کو چاہے۔ ہر مقام پر اللہ کی وسعت اور علم کا احاطہ ہے۔ اس لئے اللہ کا فضل طلب کرتے رہنا ہی باعث فلاح دارین ہو سکتا ہے۔

حاصل : ناشکری کرنے والوں کے بعد شکر کرنے والے ضرور آتے ہیں۔ شکر کرنے والے اللہ کے محبوب کے دوست ہوتے ہیں، اس لئے اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔ محبوب الٰہی کو مانتے ہیں، اس لئے محبوب الٰہی کے اللہ کو بھی مانتے ہیں۔ مومنین کے ساتھ نرم، کافروں کے ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے والے یہ شکر گزار بندے اللہ کے فضل والے ہیں۔ ہر مقام پر اللہ کی وسعت اور علم احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس

لئے طلب فضل میں ہی فلاح ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

تمہارے دوست تو اللہ اور اللہ کے رسول ہیں اور ایمان والے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جھکے ہوئے ہیں۔

ایمان والوں کے دوست ہیں اللہ ، رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ ان کی حیات طیبہ میں ادب جلوہ گر رہتا ہے۔ ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ ان کی بات اللہ کے رسول کی بات ہو۔ اللہ کے رسول کی بات اللہ کی بات ہے اور اللہ کی بات حق ہے۔ ایمان والوں سے دشمنی اللہ سے دشمنی ہو گی کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کے دوست ہی ہمارے دوست ہیں۔ اللہ کے دوستوں کی نشانیاں یہ ہیں: وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کو ادب سے مانتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع ۱۲

اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو دوست بنائے تو بے شک حزب اللہ ہی غالب ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دوستی ایمان والوں کے ساتھ حال پر دوستی سے ثابت ہو گی اور یہ دوستی یوں ہو گی کہ ایمان والوں کے قول میں شک نہ ہو، ان کے عمل کے پیچھے حسن نیت کا یقین ہو، تکلیف پہنچے تو ان سے اختلاف نہ کیا جائے اور کسی مقام پر بے صبری کا مظاہرہ نہ ہو۔ حزب اللہ ہی غالب ہیں۔ جو لوگ اپنے ساتھ بیتنے والے امور کو باذن اللہ دیکھ کر شکایت سے پاک رہیں اور اپنا حق اللہ کی رضا کے تحت ادب سے ادا کریں وہ یقیناً غالب رہتے ہیں کہ غالب مطلق کے ساتھ ان کا دائمی تعلق ہوتا ہے۔

حاصل : حزب اللہ کا غلبہ یقینی ہوتا ہے۔ حزب اللہ سے اختلاف بے ادبی اور نامرادی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلۃ میں ارشاد فرمایا ہے :
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۝ ۵۸/۲۰

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

اے ایمان والو ان لوگوں کو جو تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں، ان میں سے جنہیں تم سے قبل کتاب عطا ہوئی اور کافر، اپنا دوست نہ بناؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اس دین میں تمام احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور مومن کو ان کا ماننا لازم ہے۔ جب کوئی احکام خداوندی میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنی پسند کے ناقص پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرے تو وہ دین کو ہنسی کھیل بنانے کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ اہل کتاب سے ہو یا کافر ہو، مومنین کو اسے دوست نہیں بنانا چاہئے۔ اللہ سے ڈرنے والے فرمان خداوندی میں شک نہیں کرتے۔ اور شک کرنے والوں کو دوست بھی نہیں رکھتے۔

حاصل : فرمان خداوندی میں شک کرنے والے اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں۔ مومنین شک کرنے والوں کو کبھی دوست نہیں رکھتے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور جب تم نماز کے لئے ندا کرتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل ٹھہرا لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔

نماز کی اقامت سے پہلے اذان دینا فرمان خداوندی سے صاف روشن ہے۔ اگر کوئی اذان کو ہنسی کھیل بنا لے تو اس کی بے عقلی پر قرآن پاک کی دائمی گواہی موجود ہے۔ ہنسی کھیل بنانے والوں کو اذان میں عقل نظر نہیں آتی۔ وہ اپنے محدود پیمانے سے لامحدود قدر کی پیمائش کرنے لگتے ہیں، یہ صریحاً بے عقلی ہے۔

حاصل : جس کی عظمت تسلیم ہو، اس کی بات کو اسی کی سمجھ سے سمجھنا چاہئے۔ اپنی سمجھ کے محدود ہونے کو جب بھی مدنظر نہ رکھا جائے بے عقلی ضرور ہوگی۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ

فرما دیجئے اے اہل کتاب کیا تم کو ہم سے

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

یہی ضد ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور جو اس سے قبل نازل ہوا۔ اور یہ کہ تم اکثر فاسق ہو۔

ہنسی کھیل بنانے والوں کو عرفان نفس میں مدد دینے کے لئے یہ فرمایا جارہا ہے کہ اپنی خشومت کی بنیاد کو دیکھو۔ کیا تم کو ہم سے یہی ضد نہیں ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں اور جو اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ تمہاری طرح حکم الٰہی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کو فسق کہتے ہیں۔ مومنین اور اہل کتاب کے دو الگ رویے ہیں۔ مومنین حال کو بھی مانتے ہیں، ماضی کو بھی مانتے ہیں اور اپنے نفس کی شح سے بچتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے اکثر حال کا انکار کرتے ہیں۔ ماضی کا انکار حال کے انکار میں بھی موجود ہے کہ فرمان خداوندی میں نہ تضاد ہوتا ہے نہ اختلاف۔ جو حکم خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسے حکم کو ادب سے ماننے والوں کے ساتھ ضد ضرور ہوتی ہے کہ اسے ان کی ملّت کی سیسہ پلائی دیوار اپنی خواہشات میں حائل ہوتی نظر آتی ہے۔

حاصل: جو حکم خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسے حکم کو ادب سے ماننے والوں کے ساتھ ضد ضرور ہوتی ہے کہ وہ ان کی ملّت کو اپنے راستے میں رکاوٹ جانتا ہے۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

فرما دیجئے کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں ان میں کس کی جزا بری ہے۔ اس کی جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سؤر کر دئے اور طاغوت کے بندے۔ ان کا ٹھکانا برا ہے۔ اور یہی لوگ سیدھی راہ سے بہت بھکے ہوئے ہیں۔

ر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو جس طرح سے استعمال کیا جائے اسی کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔ جس کی جزا جنّت ہوگی وہ اب سیدھی راہ پر ہے۔ اور جس کی جزا جہنّم ہوگی وہ اب سیدھی راہ سے بھکا ہوا ہے۔ ماضی میں جن لوگوں پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر اس کا غضب ہوا اور وہ عذاب الٰہی سے بندر اور سؤر بنا دئے گئے۔ انہوں نے اللہ کی عبدیّت کے مقابل شیطان کی عبدیّت کو پسند کیا تھا۔ اگر کوئی ان کی راہ اختیار کرے گا تو وہ اس نتیجے کو بھی ضرور پہنچے گا جس کو وہ لوگ پہنچے تھے۔

حاصل : کسی پر اس کا حال روشن کرنے کے لئے اسے یہ دکھانا چاہئے کہ اس راہ پر چلنے والے پہلے کس انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ شیطان کی عبدیت کی حقیقت سیدھی راہ سے بھٹکنا ہے اور اس کا انجام برا ٹھکانا ہو گا۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾

اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر تھے۔ اور اللہ سب سے بڑا علم رکھتا ہے جو چھپا لیتے ہیں۔

ایمان والوں کے ساتھ استہزا کرنے والے جب مخلصین سے ملتے ہیں تو انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بھی ایمان والے ہیں حالانکہ ان کے قلوب میں نہ ایمان تھا، نہ ہے۔ جس کا دل حق کے انکار پر ٹک جائے وہ جہاں بھی ہو کافر ہے۔ مخلصین کی خدمت میں حاضری سے فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے جو ان کی رفعت کا معترف ہو۔ جو ان کو کمتر جانتا ہو، حقیر جانتا ہو، ان کا مذاق اڑانے کا سامان اکھٹا کرنے آیا ہو وہ آتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے، جاتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے۔ اور وہ جس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرے، علیم مطلق سے وہ بالکل مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ اس کیفیت سے اپنے پاک بندوں کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔

حاصل : جو مخلصین کی عیب جوئی کے ارادے سے آئے، اور اپنے طور پر استہزا کا سامان سمیٹ کر جائے وہ آتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے، جاتے ہوئے بھی کافر ہوتا ہے۔ اللہ سے کچھ مخفی نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے پیاروں کو منافقین کی واردات سے آگاہ کر دیا کرتا ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾

اور تم ان میں سے کثیر کو گناہ اور عدوان اور حرام خوری میں دوڑتا ہوا دیکھو گے۔ بے شک وہ بہت ہی برے کام کرتے ہیں۔

ایمان کا دعویٰ کرنے والے اہل کتاب جو اپنی کیفیت قلبی کو چھپانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں، عملاً ان کو گناہ اور عدوان پر دوڑتے ہوئے اور حرام خوری کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے اعمال کی برائی ان کے دعوے کو باطل کر دیتی ہے۔ گناہ کا تعلق اپنی ذات سے ہوتا ہے، جب خلاف حق کرنے کی رغبت میں حدود اللہ کا احترام نہ کیا جائے۔ عدوان جلوت میں حدود اللہ کا عدم احترام ہے۔ حرام خوری کی حقیقت دھوکے سے لوگوں کا مال کھانا ہے۔ جہاں عمل اس یقین سے ہو رہا ہو کہ

رب العالمین دیکھ نہیں رہا اور اگر موجودہ ناجائز ذرائع سے حاصل ہونے والے رزق کو چھوڑ دیا گیا تو جائز ذرائع کے انتظار میں شاید اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ہی آ جائے، وہاں جو بھی ہو گا بہت برا ہو گا۔

حاصل : خلوت و جلوت میں پاکیزگی اور اکل حلال ایمان والوں کی شان ہے۔ گناہ، زیادتی اور حرام خوری ایمان کے نہ ہونے کی نشانیاں ہیں۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

ان کے ربّانی اور احبار انہیں گناہ کی بات اور حرام خوری سے کیوں منع نہیں کرتے۔ بے شک بہت ہی برا کر رہے ہیں۔

ربّانی وہ لوگ ہوتے ہیں جو رب العالمین کو کفیل جانتے ہوئے اپنی ذات سے فارغ رہتے ہیں۔ دوسروں کے لئے توکّل کے چراغ روشن کرتے ہیں اور لوگوں کی خوشی کے مقابل اپنے ربّ کی خوشی کی طرف جھکتے ہیں۔ احبار وہ لوگ ہیں جو حق کا علم رکھتے ہیں، اس کے حق ہونے پر وہ گواہ ہوتے ہیں۔ ایسے حضرات پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے منع کریں۔ اگر وہ لوگوں کی خوشی کو اللہ کی رضا کے مقابل وقعت دیں تو یہ بہت ہی برا کام ہو گا۔

حاصل : ربّانی اور احبار حضرات پر لازم ہے کہ وہ گناہ کی باتوں اور حرام خوری سے لوگوں کو منع کریں، لوگوں کی خوشی کو اللہ کی رضا کے مقابل وقعت دینا بہت ہی برا کام ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا

وقف لازم

اور یہودی کہنے لگے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ بند ہو جائیں اور ان کے ایسا کہنے پر لعنت ہے۔ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ اور ان میں سے اکثر کو اس سے جو آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل فرمایا، طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ اور ہم نے ان کے مابین قیامت تک عداوت و بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی جنگ کی آگ سلگاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔ اور زمین میں فساد کے لئے دوڑتے پھرتے

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ ہیں۔ اور اللہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا۔

یہودی یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ وہ عطا نہیں کرتا، ہمیں انفاق کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ انتہائی بے ادبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر ایک پر محیط ہے۔ کوئی قدرت اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا علم، علم مطلق ہے، اس لئے اس سے بڑا پالنے والا کوئی نہیں ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اس پر لعنت ہے۔ جس کی ربوبیت سے ماننے والے بھی پل رہے ہیں اور نہ ماننے والے بھی پل رہے ہیں، اس معطی مطلق کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اس کا علم ہی کائنات کے توازن کو پورا رکھ سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات سے بے نیاز ہے۔ جو بھی کرتا ہے مخلوق کی بھلائی کے لئے کرتا ہے، جیسے باران رحمت سے باغ میں تازگی اور گندگی کے ڈھیر پر تعفن میں اضافہ ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو رحمت، اپنے ارشادات کی صورت میں نازل فرمائی ہے، وہ غیر کا رخ رکھنے والوں کے اندر طغیان و کفر کو بڑھاتی ہے یہ لوگ کبھی ایک دل نہیں ہو سکتے۔ ان کے اندر ان کی سرمایہ پرستی کی وجہ سے عداوت اور بغض نے گھر کر لیا ہے اور یہ تاقیامت رہے گا۔ عداوت جلوت میں دوسروں کو کمتر ثابت کرنے کی سعی ہے، اور بغض برتر نظر آنے والے سے قلبی عدم تعلق ہے۔ سرمایہ پرست قیامت تک اسی مرض میں مبتلا رہیں گے۔ جب کبھی یہودی جنگ کی آگ سلگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کافروں کو مرعوب کر کے اسے بجھا دیتا ہے اور اگر یہ مومنین کے درمیان افتراق کی کوشش کر رہے ہوں تو طرفین کو رجوع الی اللہ ہونے کا شرف ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے فضل سے لڑائی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ افراد کے مابین شکوک و شبہات پیدا کرنا زمین میں فساد کرنا ہے۔ اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حاصل : جو عطائے خداوندی کو پورا نہ جانے اور کہے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، وہ لعنتی ہے۔ لعنتی ہمیشہ بخیل ہوتا ہے۔ بخیل کو اپنی پسند اتنی عزیز ہوتی ہے کہ حق کو سن کر اس کے اندر طغیان و کفر ہی بڑھتا ہے۔ سرمایہ پرست لوگوں کے اندر عداوت و بغض تاقیامت رہے گا۔ یہودی جب جنگ کی آگ سلگائیں، مومنین کو اسے ٹھنڈا کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے کہ یہ اللہ کے ساتھ ہونے کی نشانی ہے۔ افراد کے مابین شبہات پیدا کرنا زمین میں فساد کرنا ہے۔ اور مفسد اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہوں کی نفی کر دیتے۔ اور انہیں نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔

اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور پرہیز گاری کریں تو حال پر حق کو مان لینے کی وجہ سے ان کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جائے گی۔ انہیں حال پر بھی اطمینان ہو گا، آخرت میں بھی راحت ملے گی۔ ایمان کے دعوے کے ساتھ حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے وہ معطی کے ساتھ ہو جاتا ہے اور جسے معطی کا ساتھ مل جائے، نعمتیں اس کا طواف کرنے لگتی ہیں۔

حاصل : جو حال پر سچا ثابت ہو جائے، اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسے معطی کا ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ جسے معطی کا ساتھ مل جائے، نعمتیں اس کا طواف کرنے لگتی ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع ۹ ۱۳

اور اگر وہ تورات اور انجیل پر قائم رہتے اور اس پر جو ان کی طرف ان کے رب نے نازل فرمایا، تو انہیں اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھانے کو ملتا۔ ان میں سے کچھ لوگ سیدھی راہ پر ہیں اور ان کی اکثریت برے عمل کر رہی ہے۔

اہل کتاب اگر تورات اور انجیل کے احکامات پر قائم رہتے تو یقیناً اس حال کو بھی مانتے جس کی آگاہی ان کتب مقدسہ میں تھی۔ اگر یہ حال کو مانتے تو یہ اس کی صداقت کے شاہد بھی بنتے۔ اس صورت میں انہیں جو انعام ملتا اس کے مقابلے میں آیات کی تحریف سے ملنے والا فائدہ بہت ہی قلیل ہے۔ جو معطی کی رضا کو مان لے اور اپنی خوشی کو اس رضا سے اس طرح جوڑے کہ یک جان دو قالب والی صورت ہو تو معطی اپنے ساتھی کو یہ شرف عطا کر دیتا ہے کہ اس سے کچھ حساب نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ معطی مطلق ہے اس کی شان سے ہی ہر شان زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر کسی شان کا یہ مقام نہیں کہ اللہ کی شان کا احاطہ کر سکے۔ اہل کتاب اگر ماضی میں احکامات خداوندی کے حوالے سے حال پر قرآن پاک اور اللہ کے شاہد کی تصدیق کرتے تو انہیں وہ ملتا، جو اب نہیں مل رہا۔ اوپر سے جو ملتا ہے اس کی حقیقت خلوت ہے اور نیچے سے جو ملتا ہے اس کی حقیقت جلوت ہے۔ خلوت کا مقام پہلے ہے جلوت کا بعد میں ہے۔ جو لوگ اہل کتاب سے سیدھی راہ پر ہیں وہ بڑے برکت والے لوگ ہیں مگر ہیں کم۔ اکثریت تو اللہ کی رضا کے مقابل من مانی کی مرتکب ہوتی ہے۔ جس سے حق کی شہادت متوقع ہو وہ اگر خلاف حق کرے تو اس کا عمل بہت برا ہوتا ہے۔

حاصل : جو ماضی میں حق کو مانتا رہا ہو لازم ہے کہ وہ حال پر بھی حق کو مانے۔ جو معطی کے ساتھ یک جان دو قالب ہو جائے اس سے کچھ حساب نہیں لیا جاتا۔ معطیٔ مطلق کی شان کا احاطہ ممکن نہیں۔ جو حق کے مطابق رہے وہ سیدھی راہ پر ہے جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ برے عمل والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر ۳۹ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ۲۷ / ۳۹

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر مثال بیان فرمائی کہ وہ نصیحت مانیں۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾

اے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہنچا دیجئے جو آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو آپ نے اس کا بھیجا ہوا کچھ نہ پہنچایا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ قوم کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی فرمایا گیا ہے، اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ فلاح پاتے رہے ہیں۔ اس کا انکار کرنے والے خسارہ اٹھاتے رہے ہیں۔ حکم کا نزول تو حکم نافذ کرنے والے پر ہی ہونا تھا، اس لئے اس کا پہنچانا بھی اسی کا فرض منصبی تھا۔ اگر کوئی بھی حکم مخلوق کی طرف پہنچنے سے رہ گیا تو حق رسالت کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ حکم پہنچانے والے کی اپنی ذات سامعین کے سامنے ہوتی ہے۔ حکم کو سن کر کچھ لوگ حال کو مان لیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ماضی کی تعلیمات ان کی خواہشات کے حوالے سے کھینچ لیتی ہیں۔ اور وہ حکم پہنچانے والے کو ساکن کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ یہ کوشش بتدریج ہوتی ہے۔ اور ترغیب سے شروع ہو کر غلبے کے امکان تک جاری رہتی ہے۔ مخالفین حق اسباب ضرور جمع کر لیتے ہیں۔ جن کی موجودگی میں انہیں اپنا غلبہ یقینی نظر آتا ہے۔ اگر مخالفین کی کثرت اور تیاری کو دیکھتے ہوئے تبلیغ حق متاثر ہو جائے تو پھر اللہ کے نزدیک تبلیغ ہوئی ہی نہیں۔ جو حق کی تبلیغ کرتا ہے وہ مالک کل کے ساتھ ہے اس کے مقابل ہر کثرت اور ہر تیاری مغلوب ہونے والی ہے۔ اسی یقین سے حق تبلیغ ادا ہو سکتا ہے۔ لوگ اگر تبلیغ حق میں سدِّ راہ بنیں تو ان کو حاصل توفیق بھی عطائے الٰہی ہے۔ وہ اپنے دوست کو لوگوں سے ضرور بچاتا ہے۔ اور کافروں کو غلبے اور فلاح کی راہ نہیں دیتا۔

حاصل : تبلیغ حق اسی یقین سے ممکن ہے کہ مالک کل کے ساتھ کے مقابل ہر کثرت اور ہر تیاری مغلوب ہونے والی ہے۔ اللہ اپنے دوست کو لوگوں سے بچاتا بھی ہے اور اللہ کافروں کو ہدایت بھی نہیں دیتا۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

فرما دیجئے۔ اے اہل کتاب تم کسی شے پر بھی نہیں جب تک تم تورات اور انجیل اور جو تمہاری طرف تمہارے رب نے نازل فرمایا، پر قائم نہیں ہوتے اور ان میں اکثر کو اس سے جو آپ کی طرف آپ کے رب سے نازل ہوا طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ تو آپ کو قوم کافرین پر افسوس نہ ہو۔

اہل کتاب کا دعویٰ کہ وہ اللہ کے دوست ہیں، کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جب تک یہ لوگ تورات، انجیل اور قرآن پاک کو ماننے پر قائم نہیں ہو جاتے۔ جب حق کے مقابل ان کی اپنی پسند زیادہ وقعت رکھتی ہو تو حق کو سن کر ان کے اندر طغیان و کفر ہی بڑھے گا۔ جو نور سے بھاگے گا وہ ظلمات کی طرف ضرور بڑھتا جائے گا۔ حق پہنچانے والے کی شان یہی ہے کہ وہ حسن و خوبی سے حق پہنچا دے، اگر کسی کے اندر اس سے طغیان و کفر بڑھتا ہے تو پھر اس پر افسوس بھی نہ کیا جائے۔

حاصل : اللہ کی دوستی کا دعویٰ تبھی سچا ہو گا، جب احکام خداوندی پر قائم رہا جائے گا۔ جو اپنی پسند سے جڑ جائے گا اس کے اندر حق کو سن کر طغیان و کفر ضرور بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ حق پہنچانے والے کو اس پر افسوس نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

بے شک ایمان والے اور یہودی اور صابی اور نصاریٰ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں تو نہ ان پر خوف ہو گا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اُمیّین میں سے اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ یہودی، صابی اور نصاریٰ یہ سب بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسمٰعیل ہوں یا بنی اسرائیل مفلح اسی طرح ہو سکتے ہیں کہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں۔ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانا یہ ہے کہ احکام خداوندی کو ادب سے مانا جائے اور حدود اللہ کا اس طرح احترام ہو کہ ساتھیوں میں سے کسی کو حدود اللہ سے تجاوز کرنے کا خیال بھی نہ آئے۔ صالح عمل وہ ہوتا ہے، جس پر صالحین شاہد ہوں۔ جب اللہ کا حکم مانا جائے اور اس کے محبوب کا اتباع کیا جائے تو خوف و حزن سے دائمی نجات ہو جاتی ہے۔ خوف و حزن سے نجات اتنا بڑا انعام ہے کہ حیات دنیا میں اس طرح حاصل ہونے والی راحت اور کسی بھی سامان سے اور کسی بھی طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جستجو سب کو اسی راحت کی ہے۔ مگر حاصل اسی کو ہوتی ہے، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور صالح عمل کرے۔

حاصل : بنی اسمٰعیل ہوں یا بنی اسرائیل، خوف و حزن سے نجات اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں اور صالح عمل کریں۔ خوف و حزن سے نجات اس اطمینان کا نام ہے کہ مومن کے لئے جو حال پر ہو رہا ہے وہ باذن اللہ ہے اور مومن کی بھلائی کے لئے ہے، جو آئندہ ہو گا وہ بھی باذن اللہ ہو گا اور یقیناً اس کی بہتری کے لئے ہو گا۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا

بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا۔ اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے کر

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝۷۰

آیا جو ان کے انفس کی خواہش نہ تھی تو ایک فریق نے تکذیب کی اور ایک فریق لڑنے لگا۔

بنی اسرائیل سے میثاق بھی لیا گیا تھا کہ وہ احکام الٰہی کو مانیں گے اور احکام الٰہی کی اطاعت میں مخلصین کو شاہد بنائیں گے۔ کسی مقام پر بھی اپنی خواہش کا اتباع نہ کریں گے اور نفس کی شح سے بچتے رہیں گے۔ مگر اس میثاق کے باوجود جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لائے جو ان کے انفس کی خواہش کے خلاف تھی تو ان لوگوں نے اپنے نفس کی شح کو ہی مانا اور ایک گروہ اللہ کے رسول کی تکذیب میں لگ گیا اور ایک گروہ نے ان صاحب کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔ تکذیب قول کی حد تک ہوتی ہے۔ لڑنا عمل کے درجے میں آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے ابطال میثاق کی اتنی مثالیں قائم کی ہیں کہ اس میثاق شکنی پر مرسلین کی اکثریت گواہ رہی ہے۔ اور مرسلین قیامت کے دن بھی بنی اسرائیل کی میثاق شکنی پر گواہی دیں گے۔

حاصل : میثاق شکنی بنی اسرائیل کا طریق زندگی تھا اور ہے، جو اپنی خواہش کا اتباع کرے گا، وہ تبلیغ حق کرنے والے کی تکذیب کرے گا یا عملاً اس سے لڑے گا۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

اور سمجھے کہ کچھ دیکھا نہ جائے گا تو اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی۔ پھر بھی ان کی اکثریت اندھی اور بہری ہی ہوئی اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

توفیق عطا کرنے والا جب استعمال کی احسن صورت کو بھی روشن فرما دے تو پھر یہ دیکھتا ہے کہ حسن عمل میں اس کی رضا کے علاوہ تو کچھ موجود نہیں۔ جب توفیق پانے والا حق کو عملاً دیکھ کر من مانی کرے تو وہ اندھا ہے۔ ایسے لوگوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ اور جب حق کو سن کر ان سنا کر دیا جائے تو یہ بہرے ہونے والی بات ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حالات، واقعات کی ایسی صورت بنا دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ بڑا واضح نظر آتا ہے۔ اور رجوع الی اللہ ہونے کے علاوہ فلاح کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے بعد جب دوبارہ حالات کی عمومی صورت لوٹ آئے تو پھر اکثریت من مانی کی طرف ہی رجوع کرتی ہے۔ یہ پھر حق کو نہ ماننے اور نہ سننے والی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ سے نہ کسی کی نیت مخفی ہے اور نہ کسی کا عمل مخفی ہے۔ جو خود اندھا اور بہرہ بن کر من مانی کرے گا وہ اپنے عمل کا نتیجہ دیکھ کر کانپ کانپ جائے گا مگر بچ نہ سکے گا۔

حاصل : جو حق کو سن کر اور صاحب حق کے حال کو دیکھ کر بھی من مانی میں لگا رہے وہ اندھا اور بہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے عرفان نفس کا مقام اس کی زندگی میں آتا ہے۔ جو قادر مطلق کو مان لے، اسے فلاح حاصل ہو جاتی ہے۔ جو پھر من مانی کرنے لگے وہ خسارے میں رہ جاتا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، کافر ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور ظالمین کو کوئی نصرت دینے والا نہیں۔

علم الٰہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ مخلصین کی زبان پاک کی بدولت لوگوں تک پہنچتا ہے۔ ماننے والے حقائق کو مخلصین کی تعلیمات کی روشنی میں مانتے ہیں۔ کسی مقام پر بھی ان کی بات مخلصین کی شہادت سے خالی نہیں ہوتی۔ جو بات مسیح علیہ السلام نے نہیں فرمائی اور ہے بھی مسیح علیہ السلام کے متعلق اور ان کی تعلیمات کے منافی تو وہ قیاس کرنے والوں کا قیاس ہے اور قطعاً خلاف حق ہے۔ مسیح ابن مریم نے تو فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے اس پر جنت حرام ہے۔ آگ اس کا ٹھکانا ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہو سکتا۔ جب مسیح علیہ السلام بھی اسی رب کے مربوب ہیں جو بنی اسرائیل کا رب ہے اور رب العالمین ہے، تو انہیں اللہ کہنا یقیناً شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ دوزخ اس کا ٹھکانا ہے۔ اس کی مدد کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اللہ کی عبادت یہ ہے کہ اس کے احکامات کو مانا جائے، اس کے شاہدین کا اتباع کیا جائے۔ نفع و ضرر کو باذن اللہ جانتے ہوئے رضائے الٰہی کے لئے مخلوق کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور نفس کے شح سے بچنے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔

حاصل : اللہ کی عبادت نفس کے شح سے بچ کر شاہد کا اتباع کرنے کا نام ہے۔ اللہ کی عبادت شرک سے پاک ہونے کی سند ہے۔ مربوب کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔ مشرک پر جنت حرام ہے۔ اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور اس کا ظن اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾

بے شک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں بے شک اللہ تین میں کا تیسرا ہے اور معبود تو نہیں مگر وہی معبود واحد اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے، تو ان میں سے کافروں کو المناک عذاب پہنچے گا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت بی بی مریم اور حضرت مسیح ابن مریم کو الوہیّت میں شمار کر کے اللہ کو تین میں کا تیسرا کہتے ہیں وہ کافر ہیں۔ عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ یہی ہے۔ اس اعتبار سے ان لوگوں کا کفر مومنین سے مخفی نہیں رہنا چاہیئے۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور مسیح علیہ السلام بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ مخلوق ہمیشہ مربوب ہوتی ہے۔ جو خود مربوب ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود وہ ہے جس کی رضا ہر زمانے میں، ہر ایک کو، ہر مقام پر مطلوب ہو، جو علیم مطلق ہے، جو نفع و ضرر پر قادر مطلق ہے۔ جس سے کسی کی کوئی کیفیت مخفی نہیں ہے۔ جس کے علم سے عالمین میں ربوبیّت کا عمل جاری ہے اور جو ہر عامل کو اس کے اعمال کی جزا دے گا، وہ وحدہٗ لاشریک اللہ ہے۔ اگر شرک کی باتیں کرنے والے باز نہ آئے تو وہ کافر المناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جو الوہیت میں مخلوق کو شریک کرے وہ کافر ہے۔ اور المناک عذاب کی طرف جا رہا ہے۔ مشرک کا ساتھ باعث عذاب ہوتا ہے۔

اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾

تو کیوں نہیں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اس سے استغفار کرتے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

یہ روشن ہے کہ موت و حیات کو پیدا کرنے والا ایک ہے۔ اور ہر ایک جو اس دنیا میں آیا ہے، وہ اس مالک کل کی طرف جائے گا بھی۔ وہاں فلاح اس کو ہو گی جو اس حیات دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی کوتاہیوں پر بخشش طلب کرے۔ اللہ کو اپنی مخلوق اتنی عزیز ہے کہ اس نے کبھی سزا میں جلدی نہیں کی۔ بخشش و رحمت کے دروازے اتنے بڑے اور پرنور ہیں کہ ہر بشر کو نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی ان سے گزرے تو فلاح پاتا ہے۔ ورنہ دروازے تو لوگوں کا انتظار ہر روز کرتے ہیں۔ بخشش و رحمت کا مالک، طالب بخشش سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اس کے ماضی کے گناہوں کی نفی کر دیتا ہے۔

حاصل : جو اپنے حال کو دیکھے، ماضی کو دیکھے، اسے مستقبل میں اللہ کی قدرت کاملہ واضح نظر آتی ہے۔ وہ اگر اللہ کی طرف رجوع کرے، استغفار کرے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ جس کو اللہ بخش دیتا ہے، اس کی خطاؤں کی نفی ہو جاتی ہے۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ؕ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ

مسیح ابن مریم علیہ السلام تو رسول ہی ہیں۔ آپ سے قبل بہت سے رسول ہو چکے، اور آپ کی ماں صدّیقہ ہے، دونوں طعام کھاتے تھے۔ نظر کرو ہم ان کے لئے کیسی نشانیاں بیان فرماتے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں۔

ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں اور آپ سے قبل بھی اللہ نے کئی رسول بھیجے ہیں۔ معبود وہ ہے جس نے رسول بھیجے ہیں۔ رسولوں نے لوگوں کو عبدیّت کی تعلیم دی ہے۔ اور معبود کا ماننا سکھایا ہے۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام بھی پاک بی بی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں۔ معبود نہ کسی سے پیدا ہوتا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔ طعام کھانا بھی معبود کی شان نہیں ہے۔ عبد کے لئے طعام ہے۔ طعام سے جسم کی نمود بھی ہوتی ہے اور جب جسم عمر کے اعتبار سے ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو قوّت کو بحال رکھنے کے لئے طعام استعمال ہوتا رہتا ہے۔ معبود کی شان کے خلاف ہے یہ بات کہ وہ اپنی تخلیق سے قوّت حاصل کرے۔ جو کسی سے لے اور دے وہ معبود نہیں ہوتا۔ جو کسی سے نہ لے اور سب کو دے وہی رب العالمین معبود ہے۔ ان کو اس بات کی سمجھ تو آتی ہے مگر تین میں کا تیسرا کہنے سے باز نہیں آتے۔ نشانیاں دیکھ کر بھی اوندھے جاتے ہیں۔

حاصل : رسول بھیجنے والا معبود ہی رب العالمین ہے۔ جو کسی سے نہ لے اور سب کو دے اسی کے علم اور انداز سے کائنات زندہ اور متحرّک ہے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

فرما دیجئے کیا اللہ کے مقابل اس کی عبادت کرتے ہو۔ جو نہ تمہارے ضرر کا مالک ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سب سے بڑا سننے والا، علم والا ہے۔

ضرر و نفع کا مالک ہونا، معبود کی شان ہے۔ ضرر یہ ہے کہ عامل اپنی دانست میں راحت کے لئے کوشاں ہو مگر نتیجتاً راحت سے دور رہے اور نفع یہ ہے کہ نتیجہ اس کی توقع کے مطابق ہو۔ مالک حقیقی وہ ہے جسے کسی نے مالک نہیں بنایا۔ جسے اللہ نے شاہد بنایا ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا کہ وہ خود معطیٔ مطلق کی منشاء کے مطابق رہ کر حقوق عبدیت کو ادا کرنے پر فائز ہے۔ مالک کی شان ہے کہ وہ سنتا ہر ایک کی ہے اور کرتا جو بھی ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اللہ کے مقابل کوئی ضرر اور نفع کا مالک ہے ہی نہیں اس لئے اور کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : معبود کی شان ہے کہ وہ نتیجے کا مالک ہے۔ ضرر کی صورت ہو یا نفع کی، ہوتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مالک سنتا سب کی ہے مگر کرتا وہی ہے جو اس کی مشیت ہو۔ اس کی ربوبیت علم مطلق سے ہوتی ہے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ

فرما دیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ایسے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے قبل

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾

گمراہ ہوئے اور کثیر کو گمراہ کیا۔ اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

اہل کتاب نے انبیاء کرام کی تعلیمات کو انبیاء کرام کے مقابل وقعت دی اور ان حضرات علیہم السلام سے تقدّم کرتے رہے۔ یہ دین میں غلو ہے۔ اگر شاہد کا اتباع مقصود ہو تو دین میں غلو کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اگر شاہد کو معیار ماننے کی بجائے اور اس کی معیت و اطاعت میں رضائے الٰہی کے حصول کو یقینی جاننے کی بجائے اس علم کو مقصود بنالیا جائے جو شاہد سے حاصل ہوتا ہے، تو پھر دین میں غلو ضرور ہو گا۔ گمراہ لوگوں کی خواہشات کی پیروی، گمراہی کا باعث ہوتی ہے۔ جو لوگ مخلصین کے نقوش قدم کے علاوہ کوئی راہ اختیار کرتے ہیں وہ سیدھی راہ سے بہک جاتے ہیں۔ راحت کی جستجو میں جو لوگ من مانیاں کرنے کی بدولت خوف و حزن میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ جس راستے پر چلنے سے خود انہیں راحت نہیں ملی اس راہ پر چلنے کی ترغیب، بہت بڑی برائی ہے۔

حاصل : معلّم سے محبّت ہو تو اس کی تعلیمات میں غلو نہیں ہو سکتا۔ راحت کی جستجو کرتے کرتے جو لوگ خوف و حزن میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ جو راہ مخلصین کے نقوش قدم سے منّور ہو وہی سیدھی راہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے :

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لا وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ ١٦/

اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں پر روشن فرما دیں جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾

حضرت داوٗد علیہ السلام نے اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر لعنت کی۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گزرے ہوئے تھے۔

بنی اسرائیل میں حضرت داوٗد علیہ السلام کو زبور عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا ہوئی۔ ان حضرات نے بنی اسرائیل کے سامنے حق کو روشن فرمایا۔ خوف و حزن سے نجات کا راستہ دکھلایا، حق کو مان لینے والوں کو انعامات کی بشارت دی اور انکار کرنے والوں کو احاطۂ قدرت بھی دکھایا۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے انکار کیا وہ نافرمانی اور حد سے تجاوز کے مرتکب ہوئے۔ ایسے لوگوں پر حضرت داوٗد علیہ السلام نے اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ نافرمانی یہ

ہے کہ حق کے مطابق راستہ اختیار نہ کیا جائے۔ اور حد سے تجاوز یہ ہے کہ جس بات سے منع کیا جائے، وہی کی جائے۔ یہ لعنتی لوگوں کی نشانیاں ہیں۔

حاصل : لعنتی لوگوں سے بچنا ضروری ہے۔ قولاً بھی اور عملاً بھی۔ مخلصین کے حکم کو نہ ماننا نافرمانی ہے۔ اور ان کے حکم کے خلاف کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ لعنتی لوگوں کی نشانیاں ہیں۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ 79

جو برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے، بہت ہی برا کرتے تھے۔

جب رضائے الٰہی کے مقابل انسان کی بنائی ہوئی معاشرتی قدروں کو واجب الاحترام بنا لیا جائے اور خوف خدا کے مقابل لوگوں کی ناپسندیدگی کا ڈر بڑھ جائے تو پھر برے کام سے ایک دوسرے کو منع نہ کرنا طریق زندگی بن جاتا ہے۔ اور بشارت و انذار کی باتوں کو پرانی باتیں کہہ کر لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ جب ساتھیوں کی روک ٹوک کو برا کہا جائے اور روک ٹوک کو ناممکن بنانے کی کوشش کی جائے تو یہ انتہائی برائی ہوتی ہے۔

حاصل : ساتھیوں کی روک ٹوک کو غنیمت جاننا چاہیے۔ برائی سے روک ٹوک کو ناممکن بنانے کی کوشش انتہائی برائی ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ 80

تم ان میں سے کثیر کو کافروں سے دوستی کرتے ہوئے دیکھو گے۔ انہوں نے اپنے لئے کیا ہی بری چیز آگے بھیجی کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں، وہ اللہ کے دوستوں کو دوست بناتے ہیں۔ جو لوگ کافروں کو دوست بناتے ہیں وہ آخرت کے عملاً منکر ہوتے ہیں۔ عملاً آخرت کے منکر کا عمل ہمیشہ اس کی خواہش کے تابع ہوتا ہے اور برا ہوتا ہے۔ یہ برا عمل اپنا نتیجہ تو پائے گا۔ اور یہ برا عمل اللہ کے غضب کا باعث ہو گا اور ہمیشہ رہنے والے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

حاصل : جنہیں اللہ کی رضا مطلوب نہ ہو وہ برا کرتے ہیں۔ یہ برائی ان کے لئے اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہو گی۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

اور اگر وہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨١﴾

وسلم اور جو ان کی طرف نازل ہوا، اس پر ایمان لاتے تو کافروں سے دوستی نہ کرتے۔ ولیکن ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانا اور اللہ کی نازل فرمائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا، حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ ہے۔ جو لوگ حق کو مانتے ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ حق کا انکار کرنے والے حق کو ماننے والوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی کو حق کے تسلیم کرنے کا دعویٰ بھی ہو اور وہ کافروں سے دوستی بھی رکھتا ہو، تو وہ فاسق ہو گا۔ اور فاسق کو ہدایت نہیں ملتی۔

حاصل : حق کو تسلیم کرنے والے حق کے منکرین کو کبھی دوست نہیں بناتے۔ دعویٰ ہو تسلیم حق کا اور دوستی ہو کافروں سے، تو یہ علامت فسق ہو گی۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

ضرور تم ایمان والوں سے عداوت میں اشدّ یہود کو پاؤ گے اور مشرکوں کو پاؤ گے۔ اور تم ضرور ایمان والوں سے مودّۃ میں اقرب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبّر نہیں کرتے۔

ایمان والوں سے دشمنی اختلاف عقائد کی بنا پر کئی لوگوں کو ہو سکتی ہے۔ مگر اس عداوت میں اشدّ یہود اور مشرک ہوا کرتے ہیں۔ عداوت میں انتہائی شدّت اس لئے ہوتی ہے کہ ایمان والوں کی حیات طیبہ عملاً اس علم کی نفی کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے، جو علم یہود اور مشرکین کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتا ہے۔ خوف خدا سے دوری اور تکبّر، ان لوگوں کو اپنا احتساب کرنے سے روکتا ہے۔ یہود اور مشرکین اپنی صلاحیتوں کو ایمان والوں کے ناکام بنانے پر ہی لگاتے رہتے ہیں۔ یہ عداوت کی انتہا ہے کہ اپنی صلاحیت کو خدمت خلق پر خرچ کرنے کی بجائے اور رضائے الٰہی کو مقصود بنانے کی بجائے، اپنے دشمن کی ناکامی کو ہی مقصد حیات بنا لیا جائے۔ یہود اور مشرکین کے علم سے اس دشمنی کو نکال دیا جائے، تو وہ علم ہی بے جان ہو جاتا ہے۔ ایمان والے لوگوں سے دوستی کرنے والوں میں سب سے قریب نصاریٰ ہوتے ہیں۔ جو لوگ صفات میں ایمان والوں سے قریب ہوں گے وہی دوستی میں ان کے قریب ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے اندر ایمان والوں سے اختلاف ان کا مقصد حیات نہیں ہوا

کرتا۔ جہاں صفات ملتی جلتی ہوں گی وہاں دوستی موجود ہوگی۔ عالم وہ لوگ ہوتے ہیں، جو اپنے قول و عمل کو حق کے مطابق بنانے کا رخ رکھتے ہیں۔ درویش وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے شاہد کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور اسی تعارف میں انہیں سکینہ ملتا ہے۔ تکبر دوستی کو قطع کرتا ہے، جہاں دوسروں کو اپنی برتری کا احساس دلانا ہی کام ٹھہر جائے وہاں زندگی میں محاسن کی نمود کا عمل رک جاتا ہے۔ علم، درویشی اور عدم تکبّر دوستی کے لوازمات ہیں۔

حاصل : ایمان والوں سے عداوت میں اشدّ یہود و مشرکین ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی سب صلاحیتیں ایمان والوں کو ناکام بنانے میں صرف ہوتی ہیں۔ نصاریٰ دوستی میں قریب ہوتے ہیں۔ علم، درویشی اور عدم تکبّر دوستی کے لوازمات ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب سنتے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نازل فرمایا گیا، تو عرفان حق کی بدولت تم ان کی آنکھوں کو ابلتا ہوا پاؤ گے۔ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ تو ہمیں شاہدین کی معیّت میں لکھ لے۔

علم، درویشی اور عدم تکبّر یہ تینوں صفات حسنہ جہاں ہوں گی، عرفان حق وہاں یقیناً ہو گا۔ اور جہاں حق کو اس کے طالب پالیں تو ان کی آنکھیں شکریئے کے آنسوؤں سے ابل پڑتی ہیں۔ وہ عرض کرنے لگتے ہیں، اے ہمارے پالنے والے اور ہمارے سنبھالنے والے ہم ایمان لاتے ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو تیری طرف سے نازل فرمایا گیا ہے وہی حق ہے اور اس کے اتباع میں خوف و حزن سے نجات ممکن ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ تیری عطائے بے بہا کے شکریہ کا حق ہم سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ہماری التجا ہے کہ اپنے کرم سے ہمیں شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔ ہمارا حال بھی شاہدین کے ساتھ ہو اور ہم مستقبل میں بھی انہی حضرات کے ساتھ اٹھائے جائیں۔

حاصل : علم، درویشی اور عدم تکبّر، عرفان حق کے لئے لازم ہیں۔ جس سے حق عطا ہو اس کی تکریم کی طریقت یہ ہے کہ دل سے اس کے حضور عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کیا جائے اور شاہدین کے ساتھ کی دعا کی جائے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا۔ اور ہمیں طمع ہے کہ ہمیں ہمارا رب قوم صالحین کے ساتھ داخل کرے۔

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

زبان طعن دراز کرنے والوں کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس حق کو تسلیم نہ کریں جو ہمارے پاس آیا ہے۔ یہ حق اس کا مصدق ہے جو ہمارے پاس پہلے سے ہے۔ اور جو ہمارے پاس پہلے ہے وہ اسی کی بشارت دیتا ہے۔ ہم رضائے الٰہی کے مقابل اپنی مرضی کرنے کے انجام سے ڈرتے ہیں اور طمع کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب صالح لوگوں کے ساتھ رکھے۔

حاصل : معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صالحین کی شان بھی بیان کرنی چاہئے اور ان کی معیت کے عزم کا اظہار بھی کرنا چاہئے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

تو اللہ نے انہیں اس کہنے کی بدولت جنت دیئے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ محسنین کی جزا ہے۔

محسنین وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کو قبول کرتے ہیں۔ معطی اور معطیٔ مطلق کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ صالحین کی شان واضح کرتے ہیں اور ان کی معیت کو سب سے بڑا انعام جانتے ہیں۔ ان محسنین کے بیان حق کے بدلے انہیں جنت حاصل ہوں گے جن میں دائمی بہار ہوگی۔ یہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ ان سے راضی ہوا۔

حاصل : حق کو بیان کیا جائے۔ معترضین کو جواب دیتے وقت اپنا حال سنایا جائے۔ صالحین کا ساتھ رہے، تو ایسے محسنین کے لئے دائمی راحت کی بشارت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی، وہ دوزخ والے ہیں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں وہ حق کے مقابل من مانی کر کے راحت تلاش کرتے رہتے ہیں۔ نشانیاں ان کے سامنے ضرور آتی ہیں جن سے حق کی صداقت روشن ہوتی ہے۔ مگر منکرین کو ناصحین سے محبت نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دوزخ والے لوگ ہیں۔

حاصل : جب اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا جائے تو حق کا انکار بھی ہوتا ہے، اللہ کی نشانیوں کی

تکذیب بھی ہوتی ہے۔ اسی کا انجام دوزخ ہے۔

شہادت : کافروں کے بارے میں سورۃ النمل[۲۷] میں فرمایا گیا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ قف بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا قف بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝ ۲۷/۶۶

کیا ان کے علم کا سلسلہ آخرت تک پہنچ گیا، بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۸۷

اے ایمان والو طیّبات کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں، حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس کے ادب و عبدیت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام ہو اور حدود کے احترام میں اپنی پسند راہ نہ پائے۔ جو چیزیں اللہ نے حلال فرما دی ہیں، ان کو ایمان والے اگر حرام ٹھہرا لیں گے تو یہ لذائذ سے اجتناب کی کوشش ہوگی۔ مگر یہ کوشش بے جا ہوگی کہ علیم مطلق نے محبت سے کسی شے کو بندوں کے لئے حلال فرمایا ہو، اس میں افادیت رکھی ہو۔ کہ لوگ حق کی احسن ادائیگی میں اس شے سے تمتع کریں۔ اور بندے کم علمی کی بدولت اس شے کے استعمال سے ہی دور رہیں۔ کسی شے کو استعمال کرتے وقت بندے کی پسند اور ناپسند کو ساکن رہنا چاہئے۔ منشاء رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہئے۔ جب تک کسی شے کو خود کھا کر نہ دیکھ لیا جائے اس کا اللہ کی راہ میں لائق استعمال ہونا روشن نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام اللہ کے پیاروں کی شان ہے اور نشانی ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والا بے ربط ہو جاتا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ علیم مطلق کا علم ہی ہر مقام پر پورا ہوتا ہے۔

وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸

اور کھاؤ جو اللہ نے تمہیں حلال طیّب رزق دیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تمہارا ایمان ہے۔

حلال اور طیّب رزق عطائے الٰہی ہے۔ اس کا کھانا اطاعت الٰہی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے کی صورت یہ ہے کہ کسی شے کی موجودگی استکبار کا باعث نہ بنے، استعمال میں خواہش کی پیروی نہ ہو اور اطاعت الٰہی ملحوظ خاطر رہے۔

حاصل : حلال طیب رزق عطائے الٰہی ہوتا ہے۔ استکبار سے بچنا اللہ سے ڈرنے کی صورت ہے اور اللہ سے ڈرتے رہنا ایمان کی علامت ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ
اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ
فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ
مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ ۗ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۗ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ
اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۗ وَاحْفَظُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

تمہاری قسموں کی لغویت میں اللہ تم سے مواخذہ نہیں فرماتا۔ ولیکن جن قسموں کو تم نے مضبوط کیا ہو ان کا مواخذہ تم سے ہو گا۔ تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو طعام دینا۔ اپنے اہل کو جو کھلاتے ہو اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا، یا ایک گردن چھڑانا، تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب حلف اٹھاؤ، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیات بیان فرماتا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔

جس قسم میں سننے والے کے ساتھ کوئی وعدہ نہ کیا جا رہا ہو اور محض اپنے قیاس کی صحت کو وزن دینے کے لئے قسم کھائی جائے اور در حقیقت وہ قیاس درست نہ ہو تو ایسی قسم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہیں ہوتی۔ مگر اس قسم پر ضرور گرفت ہوتی ہے جو کسی آئندہ امر پر قصد کر کے کھائی جائے اور جس کے سامنے قسم کھائی جائے اسے وہ عہد معلوم ہو۔ اگر ایسی قسم درست نہ ہو اور واقعتہً ویسے نہ کیا جا سکے، تو کفارے میں دس مسکینوں کو اس طرح کا کھانا کھلانا لازم ہے جیسا اپنے اہل کو عموماً کھلایا جاتا ہو، یا انہیں کپڑے دینا، یا کسی مقروض کا قرض ادا کرنا لازم ہے۔ اور اگر یہ تینوں باتیں ممکن نہ ہوں تو تین دن کے مسلسل روزے رکھے جائیں گے۔ یہ حلفاً بیان کردہ قسموں کا کفارہ ہے۔ اپنی قسموں کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ قسم کھانے کے موقع کو دیکھا جائے اور صحیح موقع پر ہی قسم کھائی جائے۔ جب قسم کھائی جائے تو پھر اس کے پورا کرنے کو بھی اپنا حق سمجھا جائے اور اس حق کی ادائیگی کے لئے کسی کو یاد دہانی کی ضرورت نہ پڑے۔ اللہ کا کرم ملاحظہ ہو کہ اس نے کمال محبت سے جو چیزیں ہمارے لئے لائق استعمال ٹھہرائی ہیں ہم انہیں کم علمی سے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں تو اس پر گرفت نہیں ہوتی۔ بے موقع قسم کھا لیں تو اس پر گرفت نہیں ہوتی۔ اور اگر حلفاً قسم کھا لیں تو اللہ نے پاک ہونے کی صورت بھی بیان فرما دی ہے۔ شکر اس بات

کا ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہمارے قول کو پاک رکھنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کتنے لوگوں کا قول درست رہتا۔

حاصل : لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہے۔ حلفاً قسم کھائی جائے تو اس کی حفاظت لازم ہے۔ پوری نہ ہو تو دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا، جیسا اپنے اہل کو دیا جاتا ہے، لازم ہے، یا انہیں کپڑے دئے جائیں گے اور اس عمل میں لینے والوں کی ضرورت کو بھی دیکھا جائے گا، یا کسی مقروض کا قرض ادا کیا جائے گا۔ یہ سب نہ ہو سکے تو تین دن کے متواتر روزے رکھے جائیں گے۔ اللہ نے ہمارے قول کو پاک رکھنے کا کیا اہتمام کیا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ قول درست نہ ہو تو عمل کے درست ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی عمل ہیں، تو ان سے اجتناب کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک اور شیطانی عمل ہیں۔ اور شیطان ایمان والوں کا دشمن ہے۔ اس لئے ایمان والے پاک لوگوں کو لازم ہے کہ وہ ان شیطانی اعمال سے اجتناب کریں۔ لوگ ہمیشہ راحت کی تلاش میں ایسا کرتے ہیں۔ ان اعمال سے وقتی طور پر کسی کو خوشی مل بھی جائے تو اس وقتی خوشی کے بعد کوفت ہی کوفت ہوگی اور فلاح سے دور ہونے کا احساس بھی ہو گا۔ جب انسان حقوق العباد کو تلف کرنے لگے تو معاشرتی زندگی میں لوگوں کو عدم تحفظ کی تاریکی خوفزدہ کرنے لگتی ہے۔

حاصل : شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب شیطانی عمل ہیں اور ایمان والوں کو ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ ان سے اجتناب میں ہی فلاح ہے۔ معاشرتی زندگی میں عدم تحفظ کا احساس لوگوں کو خوفناک تاریکی تک لے جاتا ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے مابین عداوت و بغض واقع ہو۔ اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، تو اب تم باز آئے۔

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾

شیطانی عمل کا منشا ہمیشہ لوگوں کے اندر فساد کا بیج بونا ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں اصلاح مطلوب ہو وہاں شیطانی اعمال سے اجتناب لازم ہے۔ معاشرتی قدروں کا لحاظ لوگوں کی اہلیت، صلاحیت اور اہمیت کو قائم رکھتا ہے۔ شراب سے جو نشہ پیدا ہوتا ہے اس سے نفس امارہ کو اتنی قوت ملتی ہے کہ برائی کرنے کی اہلیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی صلاحیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس عدم توازن سے شرابی کی ذات کو بھی نقصان ہوتا ہے اور اس کے ماحول میں لوگوں کو اس سے عداوت بھی ہو جاتی ہے۔ برے عمل سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ عداوت سے حسن ظن ختم ہو جاتا ہے۔ حسن ظن ختم ہو جائے تو بغض پیدا ہونے لگتا ہے۔ جوئے سے ایک کا فائدہ بہت سے لوگوں کے نقصان پر قائم ہوتا ہے۔ جہاں خواہشات کا ٹکراؤ ہو وہاں عداوت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ اور عداوت کے بعد بغض بھی پیدا ہوتا ہے۔ جہاں شیطان کا ساتھ ہو جائے وہاں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے رک جانا بھی یقینی ہوتا ہے۔ اور اللہ کے ذکر میں اطمینان قلب ملتا ہے اور نماز سے پاکیزگی عطا ہوتی ہے۔ جو عمل ہمارے معبود کو پسند نہ ہو ہمیں فوراً اس سے باز آ جانا چاہئے۔

حاصل : شراب اور جوئے سے معاشرے میں عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کے ذکر اور نماز سے غفلت ہو جاتی ہے۔ شیطانی عمل اللہ کو ناپسند ہیں۔ جو ہمارے معبود کو ناپسند ہے وہ ہمیں بھی ناپسند ہے۔ جو ہمارے معبود کو ناپسند ہے ہم اس سے باز آئے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو، اور حذر کرو۔ تو اگر تم پھر جاؤ گے تو معلوم رہے کہ ہمارے رسول پر واضح پہنچا دینا ہی ہے۔

اللہ کی اطاعت میں فلاح دارین ہے۔ علیم مطلق کی اطاعت سے بڑی بندے کے لئے کوئی شان ہو ہی نہیں سکتی۔ دعویٰ عبدیت کا ہو تو اطاعت الٰہی اس پر شاہد ہو، تبھی وہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت ہمیں اپنے معبود کے قریب ہونے کی راہ دیتی ہے اور یہی راہ صراط مستقیم ہے۔ اطاعت رسول میں کسی مقام پر ہماری سوچ کو مانع نہیں ہونا چاہئے ورنہ حق معیت ادا نہیں ہو سکے گا۔ اور عدم معیت ہو گی تو حق سے پھر جانا یقینی ہو گا۔ اور نقصان پھر جانے والے کا ہی ہو گا۔ اس لئے اطاعت رسول میں اپنی سوچ کو دخیل بنانے سے بچتے رہو۔ رسول کی شان تو یہی ہے کہ حکم اللہ کا ہے، ادائیگی میں معیار اکمل اس کی ذات پاک ہے۔ جہاں قول حق بھی پہنچ جائے، عملاً وہ کر کے بھی دکھا دیا جائے اور علماً عاملین کو اس سے فائدہ بھی پہنچے تو یہ ہے بلاغ المبین

حاصل : اللہ کی اطاعت دعوئ عبدیت کو سچا ثابت کرتی ہے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت میں اپنی پسند کے پیچھے جانے سے بچنا لازم ہے۔ جہاں اطاعت رسول میں من مانی کی جائے گی حق سے پھر جانا یقینی ہو گا۔ اور اس کی پوچھ اللہ کے رسول سے بالکل نہیں ہو گی کہ آپ کے ذمے تو صریحا پہنچا دینا ہی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع ١٢

ایمان والے اور صالح عمل کرنے والوں پر جو انہوں نے چکھا اس کا گناہ نہیں، جب وہ تقویٰ کریں اور ایمان رکھیں اور صالح عمل کریں۔ پھر ڈریں اور ایمان رکھیں، پھر ڈریں اور نیک رہیں۔ اور اللہ محسنین کی حُبّ رکھتا ہے۔

اگر حال پر دعوئ ایمان صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہو رہا ہو تو ماضی کی کوتاہیوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ مگر یہ لازم ہے کہ حال پر اللہ کا ڈر رہے، احکام خداوندی کی اطاعت کی جائے اور صالحین کے نقوش قدم کو صراط مستقیم مانا جائے۔ اس کے بعد تقویٰ اور ایمان یہ ہے کہ حدود اللہ کا احترام اس طرح ہو کہ کسی کوتاہی کو معمولی کہہ کر اختیار نہ کر لیا جائے۔ اللہ کا ڈر رہے اور ایمان ہو کہ ہمیں خلوت و جلوت میں دیکھنے والا ضرور ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ اس کے بعد تقویٰ اور احسان یہ ہے کہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے کوئی بات ایسی نہ کی جائے، کوئی عمل ایسا نہ کیا جائے، جس سے ساتھیوں کو اس ماضی کی طرف رغبت ہو جس کو اللہ نے منع بھی کر دیا ہے، معاف بھی کر دیا ہے۔ احسان کیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ محسن خود بھی پاک رہے اور ماحول کو بھی پاک رکھے۔ جس کی بری عادت ختم ہو جائے اور وہ نیک ہو جائے وہ یقیناً اللہ کو پسند ہوتا ہے۔

حاصل : حال اچھا ہو جائے تو اللہ ماضی کی کوتاہیاں معاف کر دیتا ہے۔ تقویٰ اور ایمان کے مدارج ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ حکم حق کو مانا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ پیچھے آنے والوں کا راستہ آسان کیا جائے۔ ساتھیوں کو آسانیاں عطا کرنا اللہ کے پیاروں کی شان ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ ٩ میں ارشاد فرمایا ہے کہ مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے دوست ہیں، بھلائی کا امر کرتے ہیں۔ برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ۹/۷۱
یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ج فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۴

اے ایمان والو اللہ تمہیں اس شکار سے کہ جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہوں دیکھے گا، کہ اللہ سے بن دیکھے ڈرنے والے واضح ہو جائیں۔ پھر اس کے بعد جو حد سے بڑھے تو اس کے لئے المناک عذاب ہے۔

حکم دینے والا احکم الحاکمین، ماننے والے کی صداقت کو دیکھ لے تو ماننے والا فلاح پا جاتا ہے۔ ماننے والے کی پسند اسے آسانی سے حاصل ہو سکتی ہو اور اس کے حصول کی کوشش سے اسے منع کر دیا جائے تو ماننے والے کے لئے یہ بڑا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے ہی حالت احرام میں مومنین کے لئے شکار کو ممنوع فرمایا گیا اور انہیں آگاہ کیا گیا کہ یہ دیکھنے کے لئے کہ کون اللہ سے بن دیکھے ڈرنے والے ہیں۔ ایمان والوں کے پسندیدہ جانوروں کو جن کا وہ شکار کرنا چاہتے ہوں، ان کے اس قدر قریب کر دیا جائے گا کہ ان کے ہاتھ اور نیزے شکار تک بآسانی پہنچ سکیں گے۔ جس نے حد کا احترام کیا وہ اللہ کے نزدیک سچا ہو گا۔ اور جس نے اس حد کا احترام نہ کیا وہ حد سے بڑھنے کی وجہ سے المناک عذاب میں گرفتار ہو گا۔

حاصل : حالت احرام میں شکار کرنے والے حد سے بڑھنے کی بدولت المناک عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس حکم کی اطاعت خواہش نفس کے خلاف ہو، اسی حکم کے ماننے سے بندہ برگزیدہ بنتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

اے ایمان والو جب تم احرام میں ہو تو شکار نہ مارو۔ اور تم میں سے جو اسے عمداً مارے تو اس کی جزا یہ ہے کہ ویسا ہی مویشی دے دے، کہ تم میں سے دو عدل کرنے والے اس کا حکم کریں۔ یہ قربانی کعبے کو پہنچے، یا کفارہ دے مساکین کا کھانا،

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

یا اس کے برابر روزے رکھے، تاکہ اپنے کام کا وبال چکھے۔ جو ہو چکا، اللہ نے معاف کیا۔ اور جو اعادہ کرے گا اس سے اللہ انتقام لے گا۔ اور اللہ عزت والا انتقام لینے والا ہے۔

حالت احرام میں شکار کرنا منع ہے اور جس نے عمداً ایسا کیا اس نے حد کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اس کے پاک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جگہ کے دو معتبر عدل کرنے والوں سے اس جانور کی قیمت معلوم کر کے اسی قیمت کا قربانی کا جانور لے کر مکہ مکرّمہ کی طرف بھیجے، یا اسی رقم کو مساکین کے طعام پر خرچ کرے، یا اسی رقم سے جس قدر مساکین دو وقت کا کھانا کھا سکتے ہیں، اتنے ہی روزے رکھے۔ اس سے اسے اپنے عمل کا وبال چکھنے کا موقع ملے گا۔ اور حدود اللہ کے احترام میں پوری پوری احتیاط پیش نظر رہے گی۔ جو ماضی میں ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہوا۔ اور جس نے حکم خداوندی کے جاری ہونے کے بعد ایسا کیا، اس نے بہت بڑا گناہ کیا، اللہ کی مقرر کردہ حد کو توڑا۔ یقیناً اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا ہے۔ جس نے اللہ کی مقرر کردہ حد کو توڑا ہو، اس کو ایسا جانی نقصان ہو سکتا ہے جس کے تصوّر سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

✓ حاصل : حالت احرام میں شکار منع ہے۔ جس سے عمداً ایسا ہو جائے وہ اس کی قیمت کا جانور مکہ مکرّمہ میں قربانی کے لئے بھیجے یا اسی رقم کو مساکین کے طعام پر خرچ کرے۔ یا اسی رقم سے جس قدر مساکین دو وقت کا کھانا کھا سکیں اتنے ہی روزے رکھے۔ ماضی کا کیا اللہ نے معاف کیا۔ اب جس نے حالت احرام میں شکار کیا اس سے اللہ انتقام لے گا۔ اور اللہ سے بڑا انتقام اور کوئی نہیں لے سکتا۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ

تمہارے لئے بحری شکار اور اس کا کھانا حلال ہے۔ تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے متاع ہے۔ اور تم پر برّی شکار

عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

جب تک تم احرام میں ہو حرام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہارا حشر ہو گا۔

جو شکار بحری ہے، اس کی پیدائش پانی میں ہوتی ہے، اس کے لئے لوازمات زندگی پانی میں ہوتے ہیں۔ اور جو شکار برّی ہے وہ خشکی پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے لوازمات زندگی خشکی پر موجود ہوتے ہیں۔ بحری شکار حالت احرام میں جائز ہے۔ خود بھی استعمال کیا جائے دوسرے مسافروں کو بھی دیا جائے۔ مگر برّی شکار حالت احرام میں حرام ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کی مقرر کردہ حد کا احترام کیا جائے۔ اس نے توفیق دی ہے۔ اس نے متاع دی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری بھلائی کسی کو عزیز نہیں۔ اسی کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا ہو گا۔

حاصل : حالت احرام میں بحری شکار حلال ہے، خود بھی کھایا جائے دوسروں کو بھی کھلایا جائے۔ برّی شکار حالت احرام میں حرام ہے۔ جس کی طرف جانے سے رک جانا ہمارے بس میں نہ ہو، اس سے ڈرنا بڑا حق ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اللہ نے کعبہ کو لوگوں کے قیام کے لئے بیت الحرام ٹھہرایا ہے اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی پڑی ہو۔ یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ کو علم ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

کعبہ اللہ کا گھر ہے اور لوگوں کے لئے جائے امان ہے۔ اس کا احترام اس حد تک ہونا چاہیئے کہ وہاں موجود تمام لوگوں کو خدائی مہمان سمجھا جائے، دوسری تمام اشیاء کی موجودگی میں علم الٰہی کے حوالے سے حکمت کا یقین رکھا جائے۔ اور اپنے آپ کو لوگوں کا خادم جانا جائے۔ اگر کوئی ذاتی نقصان بھی ہو جائے تو گھر والے کی شان کے پیش نظر ادباً خاموش رہا جائے۔ حج کے مہینے میں بھی امن رہے، تاکہ کعبہ شریف کی طرف آنے والوں اور واپس جانے والوں کو سلامتی کا یقین رہے۔ وہ جانور جن کو حرم شریف میں ذبح ہونا ہے، ان سے بھی مہربانی کا رخ رکھا جائے۔ اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی آویزاں ہو اُن کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ ان ساری باتوں کے اندر اتنا بڑا علم ہے کہ اس سے نہ صرف مسلمانوں کی شان بلند ہوتی ہے، بلکہ

دوسرے لوگوں کو بھی ظلمات سے نور کی طرف آنے میں مدد ملتی ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے کی کوئی بات علم سے خالی نہیں، حکمت سے خالی نہیں، پتہ اسے چلتا ہے جو حدود اللہ کا احترام کرنے کے باوجود اعتراف کرتا رہے کہ اس سے ادب کا حق ادا نہیں ہوا۔

حاصل : کعبہ شریف لوگوں کے لئے جائے امان ہے۔ دائمی امان کا یہ مقام مرکز سکون ہونے کے اعتبار سے لوگوں کو سکون دیتا ہے۔ امن و سلامتی کو ہر مقام پر مرکز سکون سے نسبت ہونی چاہئے۔ حج کے مہینے کا، حرم کو جانے والی قربانیوں کا، اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی آویزاں ہو، لحاظ ضروری ہے۔ سلامتی اسی صورت ممکن ہے کہ ہر شے کا علم رکھنے والے کے علم کو ہر مقام پر سلام کیا جائے اور ادب سے مانا جائے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

معلوم رہے کہ اللہ کا عقاب شدید ہے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سب سے بڑا اور ہر شے کا علم رکھنے والا جب کسی کو پکڑے تو اس کی گرفت انتہائی شدید ہوتی ہے، کہ پکڑے جانے والے کے پاس اس گرفت سے نکل بھاگنے کا علم بھی نہیں ہوتا، طاقت بھی نہیں ہوتی۔ جہاں کوتاہی کا اعتراف کر کے اصلاح کو اختیار کر لیا جائے وہاں اللہ بخش بھی دیتا ہے رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : اللہ کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے۔ اس سے بخشش اور رحم مانگتے ہوئے خود لوگوں کو معاف کرتے رہنا چاہئے۔ اور ان پر رحم کرنا چاہئے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر تو پہنچا دینا ہی ہے اور اللہ کو علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان یہی ہے کہ حکم اللہ کا ہو اور عملی نمونہ آپ کی ذات پاک ہو۔ صبر و شکر کے مقامات پر پورا کر دکھا دیا جائے تو ابلاغ کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ اب علم الٰہی کے مقابل خلوت و جلوت میں اگر کوئی اپنی پسند کی راہ لیتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اور اللہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دینے والا ہے۔

حاصل : حق پہنچا دینے والا کسی کے اعمال کے لئے جوابدہ نہیں ہے۔ خلوت و جلوت میں ہمارے اعمال کا علم رکھنے والا علیم مطلق ہے۔ اس لئے خلوت و جلوت میں پاک رہنا حق ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ

آپ فرما دیجئے خبیث اور طیب مساوی

وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾ ع

نہیں۔ اگرچہ تمہیں خبیث کی کثرت عجیب لگے۔ تو اللہ سے ڈرتے رہو اے سمجھ دارو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

جس شے کا استعمال عقاب شدید کو دعوت دے وہ خبیث ہے۔ جو شے پاک ہے اور اللہ نے اسے ہمارے لئے حلال فرمایا ہے وہ طیّب ہے۔ ناپاک اور پاک کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ جو فیصلہ علم مطلق سے ہو وہ صحیح ترین اور ناقابل ترمیم ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ناپاکی کی کثرت متاثر کرتی ہے، تو اس کی نظر علم سے خالی ہوگی۔ اور سوچ بھی سیدھی نہیں ہوگی۔ اللہ سے ڈرنے والے، طیّب کی قلت کو خبیث کی کثرت کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔ فلاح اسی میں ہے کہ جزا دینے والے مالک کل کا ساتھ رہے ہر مقام پر۔

حاصل : خبیث علم الٰہی کی رو سے ہمارے لئے نقصان دہ اور طیبّ علم الٰہی کی رو سے ہمارے لئے مفید ہے۔ نقصان دہ اور مفید کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ خبیث کی کثرت اگر کسی کو مرعوب کرتی ہے تو اس کی سوچ سیدھی نہیں ہوتی۔ فلاح حدود اللہ کے احترام میں ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا ہے۔ وہ جو ہمارے بھیجے ہوئے امی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کریں گے۔ جسے تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ وہ انہیں بھلائی کا امر دے گا۔ اور برائی سے منع کرے گا۔ اور طیبّات کو ان کے لئے حلال ٹھہرائے گا۔ اور خبائث کو ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ لا أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۶/۱۵۷

تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کا اتباع کریں جو اس کے ساتھ نازل ہوا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ط

اے ایمان والو ایسی اشیاء کے بارے میں سوال نہ کرو کہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر نزول قران کے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

اور اگر نزول قرآن کے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اور اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ ایمان والوں کا حق ہے کہ وہ سوال کرتے وقت حال پر اپنی مشکلات کے حوالے سے سوال کریں۔ ماضی میں جو ہو چکا ہے اللہ نے وہ معاف کر دیا ہے۔ اگر ماضی کو جس کا تعلق پاکیزگی سے نہ رہا ہو حال پر بیان کیا جائے گا تو وہ یقیناً برا لگے گا۔ پھر حق کی ادائیگی میں اس سے کیا مدد مل سکتی ہے۔ نزول حق کے وقت اگر کوئی سوال کیا جائے گا تو وہ بات خود ظاہر کر دی جائے گی۔ پوچھنے والا یاد رکھے کہ حق بیان فرمانے والے سے جو بھی پوچھا جائے گا اس کا ارشاد عین حق ہو گا۔ اگر وہ کسی کو برا لگے تو حال پر اس کا عمل کسی حد تک ضرور متاثر ہو گا۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ وہ ماضی کی کوتاہیوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور حلم سے ان کے بیان کو بھی پسند نہیں فرماتا۔

حاصل : ایمان والوں کا سوال حال پر ہونا چاہئے اور حال سے متعلق ہونا چاہئے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کی کوتاہی کو بیان کرنے سے اجتناب بہتر ہے۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تم سے قبل ایک قوم نے یہ پوچھا پھر اس کا انکار کرنے لگے۔

جو بتانے والے سے محبت رکھتا ہو اسے پوچھنے کی ضرورت کم ہی ہوتی ہے۔ جو ارشاد ہوتا ہے اس کی تعمیل میں کہیں تذبذب نہیں ہوتا۔ مشکل پیش آ جائے تو راستہ روشن کرنا شاہد کے ذمے ہوتا ہے۔ یہ یقین بہر حال رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ بہت پوچھنے والا عموماً اپنی پسند پر شاہد سے مہر تصدیق لگوانا چاہتا ہے۔ خواہش کی اس طرح پیروی کا حاصل بھی حق کا انکار ہی ہوا کرتا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پوچھا۔ آپ نے بتانے کا حق ادا فرما دیا۔ مگر بنی اسرائیل نے اپنی خواہشات کو حق کے مطابق بنانے کی بجائے حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ یہی کفر ہے۔

حاصل : بہت پوچھنے والے عموماً اپنی خواہش کی تصدیق چاہنے میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ راستہ بھی کفر کی طرف جاتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ

اللہ نے مقرر نہیں کیا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ولیکن کافر اللہ پر کذب سے افترٰی باندھتے ہیں۔ اور وہ

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اکثر عقل نہیں کرتے۔

تمام جانور اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں۔ ان سے رضاء الٰہی کے مطابق خدمت لی جائے تو حق ادا ہو گا۔ جو حلال ہیں ان کا دودھ پیا جائے۔ گوشت کھایا جائے۔ تو یہ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کرنے والی بات ہو گی۔ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کرنا نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کا راز ہے۔ کافروں نے اپنے بعض جانوروں کو جو عموماً اونٹ، گائے، بکری قسم کے تھے، عطائے الٰہی جانتے ہوئے اور اپنی معیشت کی بنیاد سمجھتے ہوئے حرمت کا درجہ دے دیا تھا۔ یہ تشریح یقیناً اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے کے مترادف ہے اور بے عقلی کی بات ہے۔ جس جانور نے خاص تعداد میں بچے دئے ہوں۔ اس کا کان چیر کر اسے چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے اسے یہ تقدّس مل جاتا تھا کہ پھر اس سے کوئی خدمت نہیں لی جاتی تھی۔ اور اسے باعث برکت جان کر جہاں سے وہ چاہے کھانے پینے کی اجازت دے دیتے تھے، یہ بحیرہ تھا۔ کسی مشکل میں منت مان کر کسی جانور کو سائبہ بنا دیتے تھے۔ یہ شکریہ ہوتا تھا اس بات کا کہ منت پوری ہو گئی ہے اور اس جانور سے بھی نفع اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ جس جانور سے مسلسل مادہ بچے پیدا ہوتے رہیں، اس کو وصیلہ کہہ کر چھوڑ دیتے تھے۔ اس سے بھی نفع حاصل کرنا حرام تھا۔ اگر کسی نر جانور کے نطفہ سے مقررہ تعداد میں بچے پیدا ہو جاتے تو اسے حامی کہہ کر آزاد کر دیتے تھے۔ ان باتوں میں بے عقلی یہ ہے کہ اللہ نے ان جانوروں کو ان کے لئے بنایا ہے اور افتریٰ باندھنے والے اپنے آپ کو ان جانوروں کے لئے جانتے ہیں۔ جس جانور کو اللہ نے جس منشاء کے لئے بنایا ہے اسے اسی طرح استعمال کیا جائے تو اس جانور کے منشاءِ تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔ دودھ دینے والے جانور کا دودھ نہ لیا جائے تو جانور کو بھی نقصان ہو گا اور دودھ کی بھی ناشکری ہو گی۔ سواری کے کام آنے والے جانور سے سواری کا کام نہ لیا جائے تو یہ بھی ناشکری ہو گی۔ ذبح ہونے کے لائق جانور کو ذبح نہ کیا جائے تو یہ بھی ناشکری ہو گی۔

حاصل : اللہ نے جانوروں کو انسان کے لئے بنایا ہے۔ انسان کو جانوروں کے لئے نہیں بنایا گیا۔ اپنی پسند کو رضائے الٰہی کہا جائے تو یہ اللہ پر افتریٰ باندھنے کے مترادف ہے۔ کسی نعمت سے کما حقہٗ استفادہ عقلمندی ہے۔ اور عدم استفادہ بے عقلی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور جب ان سے فرمایا جائے، آؤ اس طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف، کہتے ہیں ہمیں وہی بہت ہے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے آباء کو علم نہ ہو اور وہ ہدایت والے نہ ہوں۔

جن لوگوں کے طریق زندگی میں عقل سے تضاد کو دور کرنا، معمول نہیں ہوتا، ان کو جب حق کی طرف بلایا جاتا ہے اور حق کو بیان کرنے والے کی طرف بلایا جاتا ہے، تو وہ کہتے ہیں ہمارے لئے وہی بہت ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے۔ جس کی پیروی کی جائے اس میں علم و ہدایت کی موجودگی کو دیکھنا لازم ہے۔ علم کی موجودگی، عملاً حق کی ادائیگی کے بعد حاصل ہونے والی راحت سے واضح ہوگی۔ اور ہدایت کی موجودگی خوف و حزن سے نجات میں روشن ہوگی۔ یہ دونوں مقامات جہاں آباء کی زندگی میں نظر آئیں، ان کی اطاعت بھی لازم ان کا اتباع بھی حق ہوگا۔

حاصل : بے عقل کو جب حق کی طرف بلایا جائے تو وہ اپنے آباء کے ساتھ لگے رہنے پر مصر ہوتا ہے۔ آباء کی زندگی میں اگر علم اور ہدایت موجود ہو تو ان کی اطاعت بھی حق، اتباع بھی حق، ورنہ دونوں ناحق ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں ضرر نہ دے گا۔ تم سب کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

اپنی فکر رکھنے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے قول کو سیدھا رکھا جائے، عمل کو کجی سے بچایا جائے۔ دعوت خیر کے ساتھ بھلائی کا امر ہو اور برائی سے منع کر دیا جائے تو حق تبلیغ پورا ہو جاتا ہے۔ ہدایت پر رہنے والے کو کوئی گمراہ، ضرر نہیں دے سکتا۔ اس لئے ایمان والوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی متوازن زندگی میں کسی گمراہ کو اثر انداز نہ ہونے دیں۔ آئے سب اللہ کی طرف سے ہیں، اس لئے مراجعت بھی سب کی اسی کی طرف ہوگی۔ جزا دینے والا ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ خلوت و جلوت میں ہر ایک کا ہر عمل اللہ کے سامنے ہے۔

حاصل : اپنی فکر رکھنا یہ ہے کہ اپنے قول کو سیدھا رکھا جائے اور اعمال صالح ہوں۔ ہدایت پر رہنے والے کو ضرر دینا کسی گمراہ کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی مالک کل کی طرف مراجعت ہوگی۔ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ خلوت و جلوت میں پاکیزگی قائم رہے، تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا حق ادا ہوگا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو تمہارے مابین دو عدل کرنے

الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ
الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ
ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ
الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

والوں کو وصیّت کے وقت گواہ ہونا چاہئے۔ یا اگر تم زمین میں سفر پر ہو تو تمہارے سوا دو اور ہوں۔ پھر تمہیں موت کی مصیبت آ جائے۔ ان دونوں کو نماز کے بعد روکو۔ اگر تمہیں شک ہو تو اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے بدلے کچھ نہیں لیں گے اگرچہ قرابت بھی ہو۔ اور ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے۔ ایسا ہو تو ہم بے شک گنہگاروں سے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت وصیت پر دو عدل کرنے والوں کو گواہ بنالیا کریں۔ اس سے شکوک و شبہات کی بیخ کنی ہوتی رہے گی۔ اور لوگوں کو ایک دوسرے کے مزید قریب ہونے کا شرف ہو گا۔ حالت سفر ہو تو کبھی ایسا موقع بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان گواہ نہ مل سکیں۔ اس صورت میں دوسرے لوگوں کو گواہ بنالیا جائے گا۔ اگر وصیّت میں لوگوں کو شک ہو جائے، تو گواہوں سے یہ کہنا حق ہے، کہ وہ قسم کھائیں۔ اس کا منشاء بھی شک کا خاتمہ ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے بعد گواہوں کو روک لیا جائے اور ان سے قسم کھانے کو کہا جائے۔ وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ ہم گواہی بیچنے والے نہیں ہیں۔ اور ہم کوئی جانبداری نہیں کریں گے۔ اگرچہ ہماری قرابت بھی ہو۔ اور ہم اللہ کی شہادت کو نہیں چھپائیں گے، ایسا کریں تو ہم بے شک گناہگار ہیں۔

حاصل : موت کے وقت وصیت پر دو عدل کرنے والوں کو گواہ بنانا حق ہے۔ حالت سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو دوسروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اگر وصیّت پر شک گزرے تو مسلمان گواہوں کو نماز کے بعد روک کر ان سے شہادت لینی چاہئے۔ شہادت میں ترتیب بیان وہی ہو جس کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا

پھر اگر پتہ لگ جائے کہ وہ دونوں گناہ کے

اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

مرتکب ہوئے ہیں تو ان کی جگہ دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں، ان میں سے کہ جن کی حق تلفی ہوئی ہو۔ تو دونوں قسم کھا کر کہیں کہ ان دونوں کے مقابل ہماری گواہی زیادہ حق ہے۔ اور ہم حد سے نہیں بڑھے۔ ایسا ہو تو بے شک ہم ظالم ہوئے۔

اگر وصیّت کے وقت موجود گواہ جانبداری کے مرتکب پائے جائیں اور ان کی شہادت مشکوک ہو جائے، تو میّت کے عزیزوں میں سے کہ جن کی حق تلفی ہوئی ہو، دو گواہ کھڑے ہوں۔ اور اجتماع میں یہ گواہی دیں کہ مشکوک گواہوں کے مقابل ہماری گواہی زیادہ حقیقی ہے۔ اور ہم حد سے بڑھنے والے نہیں۔ ایسا ہو تو ہم ظالم ہوئے۔ یہ بیان جو سابقہ گواہوں کے بیان کی تردید پر مبنی ہو بالکل واضح ہو۔ اور یہ پہلی گواہی کے مقابل اپنی وقعت کو ثابت کرے۔ اور بیان دینے کے بعد یہ دونوں گواہ اللہ کی قسم کھائیں۔ اور ترتیب بیان وہی ہو، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ یہ قانون شہادت اتنا مستحکم ہے کہ اس میں کمزور شہادت کی بنا پر کسی کی حق تلفی کا امکان نہیں رہتا۔

حاصل : اگر پتہ لگ جائے کہ وصیّت کے موقع پر موجود گواہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، تو جن کی حق تلفی ہوئی ہو ان میں سے دو گواہ کھڑے ہو کر حقیقت بیان کریں۔ پھر قسم اٹھائیں کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی زیادہ حقیقی ہے۔ اور ہم حد سے نہیں بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالم ہوئے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع

یہ قریب تر ہے اس کے کہ ٹھیک گواہی دیں، یا خوف کھائیں کہ ان کی قسموں کے بعد قسمیں ان کی تردید نہ کر دیں۔ اور اللہ سے ڈرو اور سنو اور اللہ قوم فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس قانون شہادت میں اللہ تعالیٰ نے یہ برکت رکھی ہے کہ گواہی دینے والے ٹھیک گواہی دیتے ہیں۔ اپنی قسموں کی تردید کرنے والی قسموں کا خوف بھی اعتدال کو قائم رکھتا ہے۔ اس طرح بیان کی صحت بالکل قائم رہتی ہے اور الفاظ کے حوالے اور لہجے

بھی شہادت میں درست رہتے ہیں۔ جس بات کو زور دے کر کہا گیا ہو اس کو زور سے اور جس کو بغیر زور سے بیان کیا گیا ہو اس کو بغیر زور کے بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے ہی حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ اور اللہ کے فرمان کو سنتے ہیں۔ جیسے اس کے سننے کا حق ہے۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ غلط بیانی سے کوئی نتائج کو اپنے حق میں مفید بنانے کی کوشش کرے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں ہے۔

حاصل : قانون شہادت کو اللہ نے استحکام دیا ہے۔ اس سے گواہی کا وہ معیار قائم ہوتا ہے کہ جس میں کسی کی حق تلفی کا امکان ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ حدود اللہ کا احترام کیا جائے۔ سننا یہ ہے کہ حق کو جیسے سنا جائے ویسے ہی کہا جائے۔ جو حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں۔ عزت کی راہیں ان پر مسدود کر دی جاتی ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ ۶۰/ ۳۰

تو صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ اور تمہیں سبک نہ کر دیں جو یقین نہیں رکھتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۗ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا پھر فرمائے گا۔ تمہیں کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں علم نہیں بے شک تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔

جمیع مرسلین احکام خداوندی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ پیغام سب کا یہی تھا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اطاعت رسول میں تمہارے لئے فلاح ہے، یقین رکھو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ قیامت کے دن مرسلین سے یہ پوچھا جائے گا بتایئے آپ حضرات کو ارشاد خداوندی کی تبلیغ پر کیا جواب ملا۔ مقصد کی وحدانیت کی بدولت ہی مرسلین کا وجود واحد ہے۔ اس لئے سوال بھی سب سے ایک ہو گا۔ علیم مطلق کے حضور اپنے علم کو لاعلمی ماننا کمال ادب ہے۔ جواب ایک ہو گا۔ بے شک یا اللہ تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔ ہر ظاہر ایک غیب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور وہی غیب اس ظاہر کی حقیقت ہوتا ہے۔ اس لئے سب غیبوں کے جاننے والے سے کوئی مقام مخفی نہیں رہ سکتا۔

حاصل : قیامت کے دن مرسلین کی جماعت سے پوچھا جائے گا، تمہیں کیا جواب ملا۔ وہ کمال ادب سے عرض کریں گے۔ یا اللہ ہمیں علم نہیں بے شک تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔ بہتر

جاننے والے کے سامنے اپنے علم کو ہیچ جاننا ادب ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾

جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم، اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میری نعمت کو یاد کرو۔ جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی تو نے پالنے میں لوگوں سے کلام کیا اور بڑی عمر میں اور جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔ اور جب تم میرے اذن سے پرندے کی صورت بناتے تھے۔ پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے اذن سے اڑنے لگتا اور میرے اذن سے تم اندھے اور برص والے کو اچھا کرتے تھے۔ اور جب تم میرے اذن سے مُردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب تم بنی اسرائیل کے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو میں نے انہیں تم سے روکا۔ اور ان میں کے کافر کہنے لگے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمائے گئے اور ان کی والدہ محترمہ پر جو کرم کیا گیا اس کا ذکر خیر فرمایا جارہا ہے۔ قیامت کے روز ان احسانات کے بیان کا منشا اس اختلاف کا خاتمہ ہو گا جو آپ کے عہد میں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں جاری رہا۔ معجزات اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ہیں جن کی فوقیت کا انکار ممکن نہ ہو اور جن کی وضاحت سے انسان عاجز ہو۔ پہلا انعام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید ہے۔ اس تائید سے آپ کی شان لوگوں پر واضح ہوئی۔

پالنے میں اگر آپ نے لوگوں سے کلام فرمایا تو اسی تائید سے اور کہولت میں اگر آپ لوگوں سے خطاب فرمائیں گے تو اسی تائید سے۔ جب لوگ آپ کو کہولت میں دیکھیں گے تو آپ کے کلام کا اعجاز بڑا روشن ہو گا۔ دوسرا انعام کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم ہے۔ علم الٰہی سے انسانی زندگی میں روشنی پیدا کی جائے تو تمام مقامات پر طالبان خیر حق ادا کر سکتے ہیں۔ تیسرا انعام یہ ہے کہ پرندے کی صورت بنائی جاتی تھی اس میں پھونک ماری جاتی تھی اور وہ اڑنے لگتا تھا۔ یہ سب کچھ باذن اللہ ہوتا تھا۔ پرندے کی تخلیق بھی باذن اللہ ہو۔ پھونک بھی باذن اللہ ماری جائے۔ اڑان بھی اس کی باذن اللہ ہو تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی علوم پر علم الٰہی کا تفوق ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو نوازتا رہتا ہے۔ چوتھا انعام اندھے اور برص والے کو اچھا کرنے کا شرف ہے۔ یہ شرف بھی علم العلاج کی اس حد کو واضح کرتا ہے، جس کو چھونا کسی علم سے قطعاً ناممکن ہے۔ پانچواں انعام مُردوں کو زندہ کرنے کا شرف ہے۔ یہ مرتبہ قدرت الٰہیہ کو لوگوں کے مشاہدے میں اس طرح لاتا ہے کہ انہیں بعث بعد الموت کے انکار سے نجات مل سکتی ہے۔ جو خیر کو قبول کرنے کے لئے لازم ہے۔ اور چھٹا انعام یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل نے جواباً آپ پر زیادتی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا۔ یہ سب انعامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو واضح کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان عطاءِ الٰہی کی بدولت ہے۔ اور شان وہی حقیقی ہوتی ہے جو عطاءِ الٰہی کی بدولت ہو۔ کافروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو دیکھ کر ان کی اطاعت سے فرار حاصل کرنے کے لئے ان روشن نشانیوں کو جادو کہا، جو نشانیاں آپ کی صداقت کی اسناد تھیں۔

حاصل : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس سے تائید دی گئی۔ معجزات میں آپ کا پالنے میں کلام فرمانا اور کہولت میں کلام فرمانا ہے، کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم ہے، پرندوں کی صورت بنا کر، ان میں پھونک مار کر انہیں باذن اللہ اڑانا ہے، اندھے اور برص والے کو باذن اللہ اچھا کرنا ہے، مُردوں کو باذن اللہ زندہ کرنا ہے اور بنی اسرائیل کی شرارتوں سے آپ کی حفاظت ہونا ہے۔ نہ ماننے والے حق کو صداقت کی اسناد کے ساتھ دیکھ کر اسے جادو کہہ دیتے ہیں۔ ان کا منشاء صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے راہ فرار اختیار کرنا ہوتا ہے۔ جادو سے یہ کچھ نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی ہو گا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿١١١﴾

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ مجھ پر ایمان لائیں اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔ عرض کرنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص دوست تھے، آپ سے محبت رکھنے والے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے بعد، کفر، فسق اور عصیان سے

کراہت کے مقامات بھی آتے ہیں۔ حواریوں نے ادب سے عرض کیا۔ یااللہ ہم ایمان لائے تجھ پر اور تیرے رسول پر اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا شرف بھی اللہ کا فضل ہے۔ ماننے والوں پر حق ہے کہ وہ خیر کی طرف بلانے والے کو شاہد بنائیں اور اس کے حضور تسلیم کریں کہ وہ مسلمان ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

حواریوں نے عرض کیا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔ فرمایا اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرات کو دیکھ کر حواریوں نے اپنی طلب کو حضرت کے سامنے رکھتے ہوئے یہ عرض کیا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب یہ کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے، اور اس طرح ہمیں بے سبب رزق عطا ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ عطائے الٰہی کو علیم مطلق کی عطا جاننا لازم ہے۔ اگر اس کی شکل کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی طلب ہو تو یہ بات ایک کمزوری کو ظاہر کرتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کی شان کے منافی ہوتی ہے۔

حاصل : اپنی طلب کو بیان کرتے ہوئے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اپنی پسند ہر مقام پر حق کے تابع رہے۔ یہ تقویٰ ہے۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

عرض کرنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے قلوب کو اطمینان ہو۔ اور ہمیں علم ہو کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا۔ اور ہم اس پر گواہ رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تقوے کی نصیحت سن کر حواریوں نے عرض کیا۔ جس مائدہ کی ہم نے درخواست

کی ہے اس کی طلب کا منشاء یہ ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں، ہمیں اطمینان قلب حاصل ہو۔ آپ کی صداقت کا ہمیں علم ہو جائے۔ اور ہم اس پر گواہ رہیں۔ اپنی پسند کے حصول کو صاحب حق کی صداقت کی علامت ٹھہرا لینا بڑا خطرناک کام ہے۔ صداقت کی علامت کو دیکھ کر اپنی پسند ساکن نہ ہو تو تباہی اس طرح مسلّط ہو جاتی ہے کہ پھر اسے روکا نہیں جا سکتا۔

حاصل : حسن طلب اپنی جگہ، مگر صاحب حق کی صداقت کی علامت کو دیکھ کر اپنی پسند کو ساکن رکھنا بہت ضروری ہے۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

عیسیٰ ابن مریم نے دعا فرمائی اے اللہ! ہمارے رب ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما کہ وہ ہمارے اوّل و آخر کے لئے عید ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو۔ اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حواریوں کی درخواست پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی، یا اللہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے بھی عید ہو اور ہمارے بعد آنے والوں کے لئے بھی عید ہو۔ اور جس نعمت کو میری صداقت کی نشانی کے طور پر مانگا گیا ہے، اس نشانی کو عطا فرما۔ اور ہمیں رزق دے کہ تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ طالب رزق کی ضروریات جسمانی بھی سامنے ہوں، ضروریات روحانی بھی سامنے ہوں، عطا کرنے والا معطیٔ مطلق ہو اور احتیاج بھی کوئی نہ رکھتا ہو۔ یہ ہے خیرالرّازقین کی شان۔ جس دن اللہ کے کرم سے اطمینان قلب حاصل ہو اس دن کو عید کے طور پر منانا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے تعلق باللہ مستحکم ہوتا رہتا ہے۔

حاصل : بندہ رازق ہونے کا حق تبھی ادا کر سکتا ہے کہ خیرالرّازقین سے ڈرتا رہے۔ جس دن اطمینان قلب حاصل ہو اس دن کو عطاءِ الٰہی کی یاد منانے کا دن یعنی عید ٹھہرانا اظہار عبدیّت ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ

اللہ نے فرمایا۔ بے شک میں تم پر اتارتا ہوں۔ تو اس کے بعد جو تم میں کفر کرے گا۔ تو بے شک میں اسے وہ عذاب دوں گا کہ سارے جہانوں میں کسی کو نہ دوں گا۔

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

کسی بات کو جب صاحب حق کے لئے علامت صداقت ٹھہرالیا جائے، پھر وہ مشاہدے میں آجائے، تو یہ انتہائی احتیاط کا مقام ہوتا ہے۔ پھر تسلیم ایسی ہونی چاہئے کہ کبھی شک کا مقام نہ آئے، ناشکری کا مقام نہ آئے جو اپنی تسلیم سے منکر ہو جاتا ہے اسے یقیناً انوکھا عذاب دیا جاتا ہے۔ حواریوں کو مائدة عطا کرنے سے پہلے یہ آگاہی عطا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل کمال ہے کہ اس میں عذاب سے بچنے کی راہ دکھادی گئی ہے۔

حاصل : کسی بات کو کسی صاحب حق کی صداقت کی نشانی ٹھہرا کر، مشاہدے کے بعد تسلیم کرنے کی بجائے اس کا انکار کر دیا جائے، تو یہ انوکھے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔

شہادت : جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی صداقت کی نشانی مانگی اور آپ نے عصا مبارک کو زمین پر رکھ دیا جبھی وہ اژدہا بن گیا۔ اور ید بیضا بھی دکھایا تو اس نے اس صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے اسے جادو کہا اور جادو گروں کو مقابلے کے لئے جمع کیا۔ اس مقابلے میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرتے ہوئے میدان میں یہ کہا۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ ۴۷ ، ۴۸ / ۲۶

ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کا رب ہے۔ فرعون نے کہا تم موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہو۔ ان کے رب پر ایمان لاتے ہو، میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ، دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی دوں گا۔ انہوں نے کہا یہ کچھ نقصان نہیں ہو گا۔ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور آپکے ساتھیوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون اور اس کے ساتھی غرق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ کسی فرد یا جماعت کے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کے احکامات کو ماننے کے علاوہ سلامتی کسی جگہ ممکن نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کے مقابل مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہراؤ۔ عرض کریں گے۔ پاکی ہے تجھے، مجھے لائق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہو تو تجھے

اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ۗ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۗ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ضرور علم ہو گا۔ تجھے علم ہے جو میرے جی میں ہے اور مجھے علم نہیں جو تیرے جی میں ہے۔ بے شک تو ہی سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔

فرمایا، صاحبو قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کے انعامات یاد دلانے کے بعد ان سے پوچھا جائے گا۔ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اللہ کے مقابل اپنے آپ کو اور اپنی ماں کو لوگوں کے لئے معبود ٹھہرایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے، یا اللہ تو اس سے پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو۔ مجھے یہ لائق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ حق تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ نبی کی یہ شان نہیں تھی کہ وہ اس میں کچھ اور شامل کرے۔ یا اللہ اگر میں نے ایسا کہا ہو تو یقیناً یہ علیم مطلق کے علم میں ہو گا۔ جو میرے جی میں ہے وہ تیرے سامنے ہے۔ جو تیرے جی میں ہے مجھے اس کا علم نہیں۔ تو سب غیبوں کا علم رکھنے والا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہرانے والے لوگوں کی طرف بھیجے گئے نبی سے یہ شہادت دلوا کر ان کے کذب پر اللہ کے رسول کو گواہ بنایا جائے گا۔

حاصل : جہاں کسی سچے کے حوالے سے لوگ من مانی کرنے لگیں۔ وہاں انجام کار اس سچے کو ان کے کذب پر گواہ بنانا بڑا حق ہے۔ سچے کو لازم ہوتا ہے کہ وہ وہی کہے جو حق ہے۔ سچے کی شان کے لائق یہ نہیں ہوتا کہ وہ حق میں اپنی پسند کو داخل کرے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾

میں نے ان سے نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا، کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے سنبھال لیا، تو تیری ہی نگاہ ان پر تھی۔ اور تو ہر شے پر گواہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ میں نے تو لوگوں سے وہی کہا جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا۔ میرا پیغام تو یہی تھا کہ اللہ ہی معبود ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ جب میں نے اپنی عبدیت ان پر واضح کر دی تھی تو پھر الوہیت کے دعوے کا تو امکان ہی ختم ہو گیا۔ اس سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو جب آپ لوگوں میں موجود تھے اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا گیا۔ جب آپ کو اللہ نے اٹھالیا اور بنی اسرائیل کی شرارتوں سے آپکو بچالیا۔ تو بعد میں ان لوگوں نے آپ کو الوہیت کے درجے میں دیکھنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالےٰ اس وقت ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ہر شے پر نگاہ رکھتا ہے۔

حاصل : عقیدہ تثلیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد گھڑا گیا۔ اختلاف کی بیخ کنی کے لئے اپنا حال بیان کرنے کے بعد اس مقام کی نشان دہی کرنی چاہئے، جہاں سے برائی کی ابتدا ہوئی ہو۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو بے شک تو عزت والا حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حال بیان کرنے کے بعد یہ عرض کیا۔ یا اللہ یہ لوگ جو عقیدہ تثلیث رکھتے ہیں۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر انہیں بخش دے تو بے شک تو عزت والا حکمت والا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ تیرے فیصلے کے خلاف زبان کھولے۔ تو جو بھی کرے تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ہر فیصلہ علم مطلق سے ہوتا ہے۔ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ماننے والے اور نہ ماننے والے مساوی نہیں ہیں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ کیا قابل معافی ہے اور کیا قابل معافی نہیں ہے اس کا بھی وہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

حاصل : اللہ تعالےٰ مالک ہے۔ وہ کسی کو سزا دے، یا اسے بخش دے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کے ہر کام میں زبردست حکمت ہوتی ہے۔ مسلم اور مجرم اسکے نزدیک مساوی نہیں ہیں

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ

اللہ نے فرمایا، آج کے دن صادقین کو ان کا صدق نفع دے گا۔ ان کے لئے جنت ہیں جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا۔ اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا حال بیان کرنے کے بعد عقیدہ تثلیث والوں کے متعلق یہ عرض کیا۔ یا اللہ تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر انہیں بخش دے تو، تو عزت والا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا۔ آج کے دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ جن لوگوں نے توفیق ایزدی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا وہ صادق ہیں۔ ان کی صداقت کا انعام انکے لئے جنت ہیں۔ اور یہ ایسا انعام ہے کہ اس میں راحت ہی راحت ہے۔ اور دائمی بہار ہے۔ ان کی صداقت سے اللہ راضی ہوا۔ اور یہ اللہ کی عطا سے راضی ہوئے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ انکی عظیم کامیابی کی شان دیکھئے کہ دنیا میں خوف و حزن سے نجات ملی اور آخرت میں وہ مقام ملا جو رضائے الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اور دائمی ہے۔

حاصل : قیامت کے دن سچوں کو انکی سچائی نفع دے گی۔ وہ اس مقام پر رہیں گے۔ جو ان کی صداقت کا اللہ تعالے کی طرف سے انعام ہو گا۔ رضائے الٰہی کے حصول کو ہی عظیم کامیابی کہتے ہیں۔ ناصحین سے محبت رکھی جائے تو اللہ راضی ہوتا ہے۔ ناصحین محبین کی پاکیزگی پر شاہد ہو جائیں تو محبین راضی ہو جاتے ہیں

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اللہ ہی کا ملک ہے، آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالے خالق کل ہے مالک کل ہے۔ آسمان ہوں، زمین ہو، اور آسمان و زمین کے مابین کوئی مقام ہو سلطنت سب اللہ کی ہے۔ تمام مقامات پر نتائج باذن اللہ ہی مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ جب ہر شے پر اس کی قدرت محیط ہے تو پھر کسی شے کے استعمال میں مالک کی مرضی کے خلاف رخ سے بچنا بھی ضروری ہے

حاصل : مقام کوئی ہو۔ اللہ کی رضا ہر جگہ مقصود ہونی چاہئے۔ اور ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کا رخ رکھنا چاہئے کہ بندے کو اس کے رخ کے مطابق جزا ملے گی

شہادت : اللہ تعالے نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لا وَلَایَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ ۱۷/۸۲

اور ہم قرآن میں وہ نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ اور اس سے ظالموں کو خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

اٰیَاتُهَا ۱۶۶ — رُکُوْعَاتُهَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

حمد اللہ ہی کی ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا۔ اور ظلمات اور نور کو ٹھہرایا۔ پھر کافر اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرنے والا لا شریک ہے اور معبود ہے۔ حمد اسی کی شان ہے۔ اس نے ہر ایک کو پیدا کیا ہے وہی سب کا رب ہے۔ شان ربوبیت میں بھی لا شریک ہے۔ کہ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ پالنے کے عمل کے دو مقامات ہیں ایک خلوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور ایک جلوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ظلمات کی حقیقت خلوت ہے۔ اور نور کی حقیقت جلوت ہے۔ ظلمات میں ہی پیدائش کے ابتدائی مراحل طے ہو سکتے ہیں۔ اور اسکے بعد افزائش نور کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ اب وہ حالات جن میں زندگی کا عمل جاری ہے اور جو ہر باشعور انسان کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔ ہر انسان پر یہ واضح کرتے رہتے ہیں کہ خالق کل ایک ہے اور لا شریک ہے باقی سب ظلمات اور نور سے استفادہ کرنے والے ہیں۔ لوازمات زندگی بنانے والے کے ساتھ برابری کا تصور، انتہائی بے علمی کی بات ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور عالمین کی ربوبیت اللہ کی شان ہے۔ ظلمات اور نور، تخلیق کے لئے لوازمات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور تمام مخلوق کو ان کی احتیاج ہے۔ لوازمات حیات کا بنانے والا ایک ہے، اس سے برابری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اجل مقرر کی اور اس کے نزدیک اجل مسمیٰ ہے پھر بھی تم شک کرتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ انکی غذا کو بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ مٹی سے پیدا کیا۔ انکی ذریت بھی زمین سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ اور جب تک اللہ نے مہلت رکھی ہے تب تک ہوتی رہے گی۔ جس زمین پر ہماری زندگی کا مدار ہے اسکے بنانے کے دعوے میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اس نے ہر زندگی کی ایک حد مقرر کی ہے۔ یہ اسکی اجل ہے۔ اور عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا کلی طور پر خاتمہ اجل مسمّٰی ہے۔ فرد کی زندگی اور موت کے مراحل عام مشاہدے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح سارے جہان کو یوم جزا سے پہلے، عمل کے میدان سے گزار دیا جائیگا۔ انسان کو اگر کائنات کی زندگی کی اکائی مان لیا جائے۔ تو اس اکائی کے بارے میں مشاہدہ، کل کے بارے میں شک کو ختم کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی شک کرے تو یہ اپنے آپ پر اور اپنے ماحول پر نظر نہ کرنے والی بات ہے۔

حاصل : انسان کی زندگی اور موت اس کائنات کی اکائی کی زندگی اور موت ہے۔ اس لئے اس کل کی زندگی بھی ایک مقام پر ختم ہوگی۔ اور اسکے بعد جزا کا دن ہو گا۔ اور جزا کے دن کا یقین ہو جائے تو عمل کی ٹیڑھ ختم ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی اللہ ہے۔ تمہارے چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے اور اسے علم ہے جو کسب تم کرتے ہو۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ خلوت و جلوت کا پورا علم رکھنے والا ہے۔ نیت کیا تھی، عمل کیا ہوا، اللہ تعالےٰ کو اسکا پورا علم ہے۔ معبود ہی جانتا ہے کہ اسکی عبدیت کا حق ادا ہو رہا ہے یا عبودیت کے نام سے کچھ اور ہو رہا ہے۔ کسب ہمیشہ ایک نیت سے ہوتا ہے، جو کسب کرنے والے کے دل کی بات ہوتی ہے۔ اگر کسی کسب میں مخلوق کا ڈر خالق کے ڈر کے مقابل زیادہ ہو تو کسب ناقص ہوتا ہے۔ اور اگر کسی کسب میں اللہ کی رضا لوگوں کی خوشی کے مقابل زیادہ عزیز ہو تو کسب پاک ہوتا ہے۔ جزا دینے والا کسب کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اس لئے جزا پر یقین رکھنے والا اپنے کسب کو پاک رکھتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے۔ کسب جو بھی ہو اللہ کو اسکا علم ہوتا ہے۔ جب جزا دینے والا کسب کی حقیقت کو جانتا ہے، تو کسب کی حقیقت کا پاک ہونا ضروری ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی انکے رب کے پاس سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔

مُعْرِضِيْنَ ④

اللہ کی نشانیاں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہیں۔ کافروں کا رخ غیر اور غرور کا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ہر نشانی کو دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیا کرتے ہیں۔ اللہ کی نشانی سے منہ پھیرنے کا عمل اسی وقت ہوتا ہے، جب حق کے مقابل اپنی خواہش کو سلام کیا جائے۔

حاصل : جو حق کے مقابل اپنی خواہش کو سلام کرتا ہو، وہ اللہ کی نشانیوں سے اعراض کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ حق کو دیکھ کر اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اور اپنا رخ باطل کی طرف کر لیتا ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۗ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤

تو بے شک انہوں نے حق کی تکذیب کی جب وہ ان کے پاس پہنچا۔ تو جلد ہی انہیں خبر ہؤا چاہتی ہے جسکا وہ استہزاء کرتے تھے۔

کافروں کے سامنے جب بھی حق کو بیان کیا جائے۔ یہ اسکو جھٹلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں یہ بتایا جائے کہ انسان کو اس کے اعمال کی جزا ملے گی، تو وہ اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذاق اڑانے کی کوشش اپنے ساتھیوں کو شوکت نفس میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہے۔ مگر جب عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو کافروں کو خبر ہو جائے گی کہ انہوں نے خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیا ہے۔ اور جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔

حاصل : حق کی تکذیب اور جزا کا استہزاء کافر ہی کرتے ہیں۔ عمل کے لئے دئے گئے وقت کے پورا ہونے کے بعد جزا کا انکار ممکن نہیں رہتا۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ان سے قبل ہم نے کتنی سنگتیں ہلاک کر دیں۔ انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا جو تمہیں نہیں دیا۔ اور ان پر ہم نے آسمان سے زور کا مینہہ بھیجا۔ اور ہم نے ان کے نیچے نہریں جاری کر دیں۔ پھر ہم نے انہیں ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسرے قرن اٹھا دئے۔

وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦

لوگ اپنے آباء کو ضرور دیکھتے ہیں اور آباء کے بیانات کے حوالے سے اوپر بھی دیکھتے ہیں۔ ماضی میں ہلاک ہونے والی امتوں کی قوت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جو کام وہ معمولی اور چھوٹے اوزاروں سے کر گئے ہیں۔ اتنے بڑے کام اب اتنے وقت میں بڑے بڑے ہتھیاروں سے بھی نہیں ہو پاتے۔ اللہ نے ان لوگوں کو باران سے نوازا۔ اور زیر زمین پانی سے انکی نباتات کو بڑھوتری دی۔ زیر زمین پانی کی سطح نباتات کی پیدائش کے عمل میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالے اس سطح کو بہت اوپر لے آئے تب بھی زمین آباد نہیں رہتی۔ اور زیر پانی کی سطح کو اللہ بہت نیچے لے جائے تب بھی زمین برباد ہو جاتی ہے۔ اور زمین میں جسے بھی جماؤ ملتا ہے۔ زمین کی پیداواری صلاحیت اس جماؤ کی بنیاد ہوتی ہے۔ جب بھی کسی قرن نے حق کی تکذیب کو اپنا شعار بنایا، وہ لوگ گناہ کی راہ پر دوڑنے لگے۔ اللہ تعالے کی طرف سے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور انکے بعد اللہ نے دوسرے لوگوں کو اٹھان دی۔

حاصل : کوئی بھی متاع، کوئی بھی توفیق، اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی۔ پہلے لوگوں کو اللہ نے زمین میں زیادہ جماؤ دیا تھا اگر حق کی تکذیب سے انکا نشان مٹ گیا ہے۔ تو کم جماؤ والوں کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧

اور اگر ہم تم پر قرطاس میں لکھا ہوا نازل فرماتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے مس کرتے۔ جب بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

حق کا نزول تو علم الٰہی سے ہوتا ہے۔ اور اللہ کے محبوب پر ہوتا ہے۔ علیم مطلق جس طرح بھی عطا فرمائے اس حال پر اس سے بہتر کا تصور محال ہوتا ہے۔ اگر کاغذ پر لکھا ہوا بھی نازل فرمایا جائے اور کافر اس کو چھو کر بھی دیکھ سکتے ہوں۔ جب بھی کافر اسکو کھلا جادو کہہ کر اپنی خواہشات کو معبود بنانے سے باز نہیں آتے۔

حاصل : کافر عطائے الٰہی کو نہیں مانتے۔ اور حق کو اپنی خواہشات کے خلاف جانتے ہوئے اسے جادو کہہ دیتے ہیں جادو کہہ کر اسکی اطاعت سے انکار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اور کہنے لگے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں

مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧

نازل کیا گیا اور اگر ہم فرشتہ نازل فرماتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔

کافروں کا یہ کہنا کہ ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ فرمان خداوندی کے ساتھ ان پر نازل ہوتا۔ اور وہ اسے مانتے، محض ان کا گمان ہے۔ سنت الٰہی کو دیکھا جائے تو وہ یہی رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے حق کو ماننے کے لئے کسی نشانی کی شرط لگائی ہے۔ اور اس نشانی کو پا کر حق کا انکار کیا ہے، تو اللہ تعالٰی نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ پھر اسے مہلت نہیں دی گئی۔

حاصل : جو اپنی تسلیم سے پھر جائے، اس کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ پھر اسے مہلت نہیں دی جاتی۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

اور اگر ہم (نبی) کو فرشتہ ٹھہراتے۔ جب بھی اسے مرد ہی بناتے اور انہیں وہی شبہ ہوتا جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔

نبی کا بشر ہونا اللہ کا اتنا بڑا کرم ہے کہ مخلصین ہمیشہ اس کرم کا شکریہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ بشر ہی قول، عمل، علم اور اخلاص، چاروں مقامات پر شاہد ہو سکتا ہے۔ نبی بشر ہو تو وہ لوگوں کے لئے ہر مقام پر نور وہدایت کا قاسم ہو سکتا ہے۔ فرشتہ ہو تو کئی مقامات پر اس کا اتباع بشر کے لئے محال ہو گا۔ جہاں تک کافروں کا تعلق ہے، وہ اس صورت میں بھی اسی شک میں پڑتے، جس میں اب پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ فرشتے کو بھی مرد ہی بنا کر بھیجا جاتا۔

حاصل : رسول کا بھیجنے والا علیم مطلق ہے۔ اس لئے اس سے بہتر کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔ کافروں کے شبہے کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ رسول، فرشتے کیوں نہیں، بلکہ بنیاد یہ ہے کہ کافر اعمال کی جزا کا انکار کرتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع

اور آپ سے قبل بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا پھر تمسخر کرنے والوں کو اسی چیز نے گھیر لیا، جس کا استہزاء کرتے تھے۔

معاندین کی فرمائشیں پوری بھی کر دی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں ہوتے۔ ان کو اپنی خواہشات کی تکمیل اتنی عزیز رہی ہے کہ پہلے بھی راہ حق دکھانے والوں کا استہزاء کیا جاتا رہا ہے۔ یہ نشانیاں طلب کرتے رہے ہیں۔ پھر یہ نشانیاں پا کر، ان کی صداقت کو ناقابل تردید دیکھ کر جادو کہہ دیتے رہے ہیں۔ جس حق کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی غالب ہوتا رہا ہے اور انکار کرنے والوں کی جڑ ہمیشہ کٹتی رہی ہے۔ کافروں کے رخ کے بارے میں یہ ارشاد کہ یہ پہلے برباد ہونے والوں کی راہ اختیار کر رہے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے حق رسالت کے کماحقہ ادا ہونے کی سند بھی ہے۔

حاصل : جب لوگ آخرت پر یقین نہ رکھتے ہوں تو حق کی کسی نشانی کو نہیں مانتے۔ جہاں حق کا انکار ممکن نہ ہو اسے جادو کہہ دیتے ہیں۔ پھر جس حقیقت کا وہ مذاق اڑایا کرتے رہے ہوں وہی تائیدِ ایزدی کی وجہ سے ان کی بیخ کنی کا باعث بن جاتی ہے۔

شہادت : حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد اور سنگت پیدا کی گئی۔ انہی میں سے ایک رسول ان کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ قوم کے سردار جنہیں اللہ نے دنیا کی زندگی میں بہت کچھ دیا تھا، کفر کرنے لگے اور آخرت کی حاضری کو جھٹلانے لگے۔ کہنے لگے کہ ان ھذا الاّ بشر مثلکم ○ یہ تو نہیں مگر تمہاری طرح کا بشر، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔ اللہ کے رسول کا مذاق اڑانے والے، تکذیب کرنے والے، عذاب میں پکڑے گئے۔ ان پر ایک چنگھاڑ آئی۔

فجعلنٰھم غثاءً فبعدا للقوم الظٰلمین ○

تو ہم نے انہیں گھاس کوڑا کر دیا۔ تو دور ہوں ظالم لوگ

ثم انشانا من بعد ھم قرونًا اٰخرین ○

پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگتیں پیدا کیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

فرما دیجئے، زمین میں سیر کرو، پھر نظر کرو، مکذبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

دعوت فکر و نظر دینے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ کسی کو اپنے پیش رو کے انجام سے آگاہی میں مدد دی جائے۔ ماضی میں جو لوگ زمین پر بڑا جماؤ رکھنے والے ہوئے ہیں اور تکذیب حق کے مرتکب ہوئے ہیں، انہوں نے اگر انذار سے فائدہ نہیں اٹھایا تو ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوا ہے اور زمین میں ان کی حیثیت کے آثار بھی موجود ہیں، ان کے انجام کے آثار بھی نظر

تے ہیں۔ تکذیب حق کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے وہی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ جس کو اس انجام سے بچنا مطلوب ہو وہ تکذیب حق سے بچ جائے۔

حاصل : زمین میں سیر کرتے وقت آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں اور دیکھنا یہ چاہئے کہ حق کو جھٹلانے والوں کا انجام پہلے کیا ہو چکا ہے۔ اس سے عبرت پکڑنا بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

فرما دیجئے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے۔ فرمایئے اللہ کا ہے۔ اس نے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے۔ یقیناً تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اس میں کچھ شک نہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، یہ سب اللہ کا ہے۔ زندگی کے تمام مقامات پر لوازمات اللہ تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔ رحمت خداوندی کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ پیدا کرنے سے موت دینے تک ہر مقام پر اس کی رحمت دیکھنے والوں کو نظر آتی ہے۔ پیدائش بذات خود بھی رحمت ہے، پرورش بھی رحمت ہے، شعور بھی رحمت ہے، شعور کی موجودگی میں شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا عطا ہونا بھی رحمت ہے۔ مکذبین حق کو مہلت دینا اور عقوبت میں تعجیل نہ کرنا بھی رحمت ہے۔ پھر جو تضاد سے پاک ہونے کی کوشش کریں، انہیں توبہ اور انابت کی توفیق دینا بھی رحمت ہے، اجل کا مقرر کرنا بھی رحمت ہے، اعمال کی جزا کے لئے وقت مقرر کرنا بھی رحمت ہے، عمل کے لئے دی گئی مہلت میں سزا دے کر کسی کو رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینا بھی رحمت ہے اور کسی کو عبرتناک سزا دے کر دوسروں کو انجام بد سے بچنے کی راہ دکھانا بھی رحمت ہے۔ نہ ہونے کے مقام سے کسی کو گزارنا بھی رحمت ہے کہ اس سے زندگی کے حقائق معلوم ہوتے ہیں، ہونے کے مقام پر کسی کو فائز کرنا کہ وہ عطاء الٰہی کا شکریہ ادا کر سکے، یہ بھی رحمت ہے اور سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس نے بندوں کی آسانی کے لئے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھیجا ہے کہ آپ سے محبت کی بدولت ان کے اندر وسعت قلب آئے اور نور ہدایت کے چراغ اس قدر روشن ہوں کہ دین حق تمام ادیان پر غالب آئے۔ جس نے اپنی رحمت سے یہ سب اہتمام کیا ہے، وہ قیامت کے دن لوگوں کو زندہ کرے گا۔ انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ جن لوگوں نے وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر ترجیح دی ہو۔ انہیں کبھی ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ ایمان نہیں لاتے۔ خسارہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ جو اپنے لئے خسارے کو مقدر کرے، خسارہ اسے کیوں چھوڑے گا۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اللہ کا ہے۔ اس لئے کسی مقام پر غرور کرنا جائز

نہیں۔ اپنی کجی کو دور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہی ہو رہی ہوتی ہے کسی کو پتہ لگے یا نہ لگے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ایمان قلب میں داخل نہیں ہوتا اور خسارے کا تسلط بھی نہیں ٹوٹتا۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

اسی کا ہے جو لیل و نہار میں سکون پاتا ہے۔ اور وہی سننے والا علم والا ہے۔

اللہ نے اپنی رحمت سے رات اور دن کو تمہارے سکون کے لئے اور اللہ کا فضل ڈھونڈنے کے لئے بنایا ہے۔ اور تاکہ تم شکر کرو۔ ۲۸ : ۷۳۔ رات کا آرام اور دن میں اللہ کے فضل کی تلاش، دونوں بسنے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر بات کو سننے والا اس کے پیچھے نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس لئے صرف قول کو درست رکھنا اور نیت کو پاک نہ رکھنا کسی کو فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا اہتمام اتنا عظیم ہے کہ ہر بسنے والا اس سے استفادہ کرتا ہے اور اس کے معمولات اسی اہتمام کی بدولت ہی جاری ہوتے ہیں۔

حاصل : رات کا سکون کے لئے بنایا جانا اور دن کا اللہ کے فضل کی تلاش کے لئے بنایا جانا بھی اللہ کی رحمت ہے۔ ہمارے قول کو بھی پاک ہونا چاہئے اور نیت کو بھی پاک ہونا چاہئے۔ ہر آواز کا سننے والا، اللہ ہے۔ اس لئے سنانے والے کو ہر مقام پر حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾

فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو دوست بناؤں۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے۔ فرما دیجئے کہ مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا اور مشرکین سے نہ ہونے کا امر ہے۔

سب سے بڑے مہتمم کے مقابل کسی کو دوست بنانا شرک ہے اور سب سے بڑے مہتمم کے دوست کو دوست بنانا شرک سے پاک ہونا ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور مخلوق کے لئے کھلانے کا ایسا بندوبست کیا ہے کہ اس بندوبست میں اللہ کی کوئی غرض نہیں ہے۔ اور اسی بندوبست کے ساتھ کوئی شرط بھی نہیں رکھی گئی۔ پھر اللہ نے کسی شے کو اپنے لئے مخصوص نہیں کیا۔ شرک کرنے والے اپنے دین کی طرف بلائیں، تو انہیں یہ کہنا چاہئے کہ حق پہنچانے والے کی حیثیت سے مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا امر ہے۔ اور مجھے امر ہے کہ مشرکین سے نہ ہونا۔ مشرکین کا دین ان کی پسند کا نام ہے اور اسلام اللہ کی رضا کا

نام ہے۔

حاصل : مشرکین کی دعوت کے جواب میں یہ کہنا چاہئے، میں کیوں غیر اللہ کو دوست بناؤں۔ تبلیغ حق کے منصب کے ساتھ مجھے سب سے پہلے تسلیم کرنے کا امر ہے۔ اور مشرکین سے نہ ہونے کا امر ہے۔ میرا دین اللہ کی رضا ہے۔ اپنی خواہش کا اتباع میرا دین نہیں ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

فرما دیجئے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔

دعوت حق دینے والے کو جب کوئی فرمان الٰہی کے مقابل، خواہشات نفس کی طرف بلائے، تو حق کی طرف بلانے والے کی شان اسی طرح واضح ہوتی ہے کہ وہ کہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ نافرمانی کرنے والے کو اس کے انجام سے آگاہی کی یہ صورت بہت احسن ہے۔ جس دن عذاب سے بچ نکلنے کی، کافروں کے لئے کوئی سبیل نہیں ہوگی اور ان کا چھپا اور ظاہر سب ان کے سامنے آجائے گا اور انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ یقیناً وہ دن بڑا دن ہو گا۔

حاصل : دعوت حق دینے والے کو جب خواہشات نفس کی طرف بلایا جائے تو اسے کہنا چاہئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم کے عذاب کا ڈر ہے۔

مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾

اس دن جس سے عذاب ٹل گیا تو بے شک اس پر اللہ کا رحم ہوا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

قیامت کے دن جس سے عذاب ٹل گیا، یقیناً اس پر اللہ کا رحم ہوا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ حیات دنیا میں جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اس کے اندر ادب موجود رہے گا۔ وہ اطاعت حق ضرور کرے گا، مگر کسی زعم میں مبتلا نہیں ہو گا، بلکہ اللہ سے رحم کا طالب ہو گا۔ جو حال پر اللہ سے رحم کا طالب ہے، آخرت میں بھی اسی پر رحم ہو گا۔ عظیم کامیابی یہ ہے کہ قیامت کے دن مفلحین میں شمار ہو جائے۔

حاصل : یوم عظیم میں جس سے عذاب ٹل گیا، اس پر اللہ کا رحم ہوا۔ وہ مرحوم ہوا۔ اور اسے کامیابی ملی۔ اس کامیابی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کا کھولنے والا نہیں۔ اور اگر تمہیں خیر پہنچائے تو وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

قادر مطلق کے فرمان کی خلاف ورزی کرنے والا آگاہ رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے کوئی سختی پہنچائے تو کسی کی مدد اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اللہ ہی اس سختی کو دور کرے تو وہ دور ہوگی۔ اگر وہ بھلائی عطا کرنا پسند کرے۔ تو بھی وہ مالک کل ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

حاصل : قادر مطلق سختی بھیج دے تو اس سختی کا اس کی ذات اقدس کے علاوہ کوئی کھولنے والا نہیں۔ وہ بھلائی عطا کر دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ مالک کل کی نافرمانی سے بڑا اور کوئی خسارہ نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸

اور اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر، اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

جس کا بندوں پر زور ہے، جو انہیں سختی پہنچائے تو اسے اس کے سوا کوئی کھول نہیں سکتا۔ جو انہیں بھلائی عطا کرے تو کوئی اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا، جو نتائج پر قدرت رکھتا ہے، اس مالک کل کے زور میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے اور اسے ہر حال کی پوری خبر بھی ہوتی ہے۔ حکمت سے اللہ اپنے بندوں کو توبہ وانابت کا موقع دیتا ہے۔ اور ان کے ماضی، حال اور مستقبل کی پوری پوری خبر رکھنے کی بدولت وہی انہیں ہر مقام پر مدد دے سکتا ہے۔

حاصل : اللہ سے بڑا کوئی زور والا نہیں۔ اس کے زور میں حکمت و خبر دونوں موجود ہوتے ہیں۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ

فرما دیجئے، سب سے بڑی شہادت کس کی ہے۔ فرما دیجئے، اللہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن وحی فرمایا گیا ہے کہ تمہیں اس سے ڈر سناؤں اور جس کو یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ

بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

اللہ کے ساتھ دوسرے بھی معبود ہیں۔ فرما دیجئے میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ فرما دیجئے وہ معبود تو ایک ہی ہے اور میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

وقف لازم باتفاق

شہادت علم کی بناپر ہوتی ہے۔ اس لئے علیم مطلق سے بڑی شہادت اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ جو ہر حال کی خبر رکھنے والا ہے، وہ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے، وہی ہر حال پر گواہ ہے۔ جو اس گواہی کو مان لے اس کے عمل میں روشنی کا آنا ضروری ہے۔ تبلیغ حق کرنے والے کا یہ حق ہے کہ وہ پیغام سننے والوں سے یہ کہے کہ اللہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک کا نزول ہوا۔ منشاء یہ ہے کہ حضور کی زبان پاک سے اور آپ کے بعد شاہدین سے یہ آگاہی جہاں جہاں پہنچے لوگ اس انجام سے ڈریں۔ جس سے فرار کی اس وقت کوئی راہ نہیں ہوگی اور انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہوں، انہیں یہ پوچھنا چاہئے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا دوسرے بھی معبود ہیں۔ گواہی علم پر مبنی ہوتی ہے۔ علم نہ ہو تو گواہی بے حقیقت ہوتی ہے۔ مشرکین سے اس سوال کے بعد انہیں یہ سنانا چاہئے۔ میں گواہی دیتا ہوں، اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ وہی معبود ہے، وہی عالمین کو علم سے پالنے والا ہے۔ وہی ہر ایک کو دیتا ہے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ جن کو تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک خود مخلوق ہیں۔ محتاج ہیں اور تعین سے تعلق رکھتے ہیں۔

حاصل : علیم مطلق کی شہادت ہی سب سے بڑی شہادت ہے۔ وہی شاہد ومشہود کے مابین گواہ ہوتا ہے۔ تبلیغ حق کا منشاء انجام سے آگاہی ہے۔ مشرکین سے یہ پوچھنا چاہئے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ پھر خود یہ گواہی دینی چاہئے کہ معبود وہی ہے جو لاشریک ہے اور میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع

وقف لازم

رکوع ۸

جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ آپ کو پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال چکے ہیں تو وہ ایمان نہیں لاتے۔

یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے انبیاء سابقین کی تعلیمات کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہچانتے ہیں اور یہ پہچان اس یقین کے مماثل ہے، جو بہت سے مشرکوں میں سے کسی کو اپنے بیٹے کو پہچانتے وقت ہوتا ہے۔ اپنے، بیٹوں کی شکل، حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرتے کرتے یہ مقام بھی آتا ہے کہ انہیں دور سے پہچاننا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ انبیاء سابقین نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں اسی قدر روشن نشانیاں بیان فرمائی تھیں کہ اب اہل کتاب کے لئے خاتم النبین کے بارے میں کسی شک میں پڑنا ممکن ہی نہیں۔ مگر جو لوگ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو مانتے ہوں، انہیں یہ طلب ہوتی ہے کہ حق ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ ایسے لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال چکے ہوتے ہیں اور وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔

حاصل : اہل کتاب انبیاء سابقین کی تعلیمات کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پوری طرح پہچانتے ہیں۔ ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی طلب رکھتے ہیں۔ اس کا انجام خسارہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک دن ہی رکھے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں آرام کر سکو۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں۔ ○ (۷۲) اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن ٹھہرائے کہ رات کو آرام کرو اور دن میں اللہ کا فضل ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم شکر کرو (۷۳) اور جس دن انہیں ندا کرے گا۔ پھر فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ (۷۴)

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ۲۸/۷۵

اور ہر گروہ میں سے ہم ایک گواہ نکال کر فرمائیں گے، اپنا برہان لاؤ تو جان لیں گے کہ حق اللہ ہی کا ہے اور ان سے وہ افتریٰ جو وہ کرتے تھے گم ہو جائے گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ پر کذب سے افتریٰ باندھنا یہ ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کے متعلق اپنے گمان کو حق جان لیا جائے اور اللہ نے اس کے لئے کوئی سند نازل نہ فرمائی ہو۔ یہ سب سے بڑا ظلم ہے جس کی قدرت کا احاطہ ممکن نہ ہو اس کو تعین میں لانے کی کوشش کی جائے۔ جب اس کی نشانیاں سامنے آئیں اور یہ واضح ہو رہا ہو کہ پیغام لانے والا بھی سچا ہے، اس کا لایا ہوا پیغام بھی حق ہے، پھر اس کا انکار کر دیا جائے، محض اس لئے کہ داعی کا طریق زندگی سننے والے کی پسند کے خلاف ہے، تو یہ بھی بڑے ظلم کی بات ہے۔ ظالم

کو فلاح نہیں ہوتی۔ حیات دنیا میں اسے خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے بڑا عذاب ملے گا۔

حاصل : اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے، اس کی نشانیوں کو جھٹلانے والا بھی اظلم ہوتا ہے۔ ظلم کرنے والے کو حال پر خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے۔ آخرت میں اسے عذاب کی مار پڑے گی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر مشرکوں سے فرمائیں گے۔ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔

مشرکین کو یہ زعم ہوتا ہے کہ ان کے معبود آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔ قیامت کے دن جب سب کو اکٹھا کیا جائے گا، تو یوم الدین کا لاشریک مالک یہ فرمائے گا، شرک کرنے والو کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ جو حال پر نتائج کا مالک ہے، وہی آخرت میں جزا دینے والا ہے۔ اپنے بنائے ہوئے معبود نہ حال پر کسی کام کے ہوتے ہیں، نہ آخرت میں کسی کام کے ہوں گے۔

حاصل : اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے مشرکین سے حشر کے دن فرمایا جائے گا، کہاں ہیں تمہارے شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ جو حال پر نتائج کا مالک ہے، وہی آخرت میں جزا دینے والا ہے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾

پھر ان کا کچھ فتنہ نہ رہا سوائے اس کے کہ بولے ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے۔ ہم مشرک نہیں تھے۔

مشرکین کو جب مرسلین کی صداقت قیامت کی صورت میں نظر آئے گی تو انہیں اپنے زعم کے باطل ہونے کا یقین ہو جائے گا۔ پھر ان سے کوئی بات بن نہ پڑے گی اور وہ اپنے باطل عقائد سے ہی منکر ہونے کی قسم کھا لیں گے۔ مگر وہاں تو دعویٰ کافی نہیں ہو گا۔ اور اعمال نامہ اس دعوے کے ابطال کو ثابت کر دے گا۔

حاصل : قیامت کے دن مشرکین سے سوائے اپنے عقائد سے انکار کے، کچھ بن نہ پڑے گا۔ جس عقیدے سے آخرت میں انکار ناگزیر ہو اس عقیدے کو حال پر چھوڑ دینے میں ہی عافیت ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾

دیکھو اپنے اوپر کیسا جھوٹ باندھا اور گم گئے ان سے جو افترٰی وہ گھڑتے تھے۔

انجام کو دیکھ کر مشرک جب اپنے عدم شرک پر قسم کھالیں گے تو یہ اپنے آپ پر جھوٹ باندھنے والی بات ہوگی اور جو افترٰی وہ حیات دنیا میں گھڑتے ہیں ان کا کہیں پتہ نشانی نہ ملے گا۔ جو عقائد حقائق کے خلاف ہوں، وہ نہ حال پر کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں، نہ آخرت میں کوئی فائدہ دے سکیں گے۔

حاصل : جس انجام سے آگاہی ہوگئی ہو اور وہ مطلوب نہ ہو تو اس انجام سے بچنے کی کوشش ابھی کرنی چاہیے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ج
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً
اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَقْرًا ط وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ
لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ط حَتّٰٓى اِذَا
جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور ان میں سے کچھ تمہاری طرف کان لگائے رکھتے ہیں اور ہم نے ان کے قلوب پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ۔ اور اگر سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہ لائیں گے۔ حتٰی کہ جب تم سے مجادلہ کرنے کو آتے ہیں تو کافر کہتے ہیں۔ یہ تو نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں۔

جو لوگ حق و صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے باوجود حق سنانے والے کی بات کو عیب جوئی اور اعتراض کرنے کی غرض سے سنتے ہیں وہ ماننے کے لئے نہیں سنتے۔ حق سے اعراض کی بدولت ان کے قلوب پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ سمجھانے والے سے محبت نہ ہو تو اس کی بات کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جہاں قلب پر پردہ پڑ جائے وہاں کانوں میں ایسا بوجھ پڑ جاتا ہے کہ حق سنائی ہی نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کے سامنے اگر حق کی صداقت کو واضح کرنے والی سب نشانیاں بھی رکھ دی جائیں، تو وہ ایمان نہیں لایا کرتے وہ تو اپنی خواہشات کی پرستش کرتے ہیں۔ جو باتیں ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی ہیں، ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور انہیں پہلوں کی کہانیاں کہہ کر پہلو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس بیان میں عبرت موجود ہو اور اسے پہلوں کی کہانیاں کہہ کر

اعراض کر لیا جائے، تو اعراض کرنے والوں پر خسارے کو محیط ہوتے دیر نہیں لگتی۔

حاصل : عیب جوئی کرنے والے بھی سنتے ہیں۔ مگر انہیں سمجھانے والے سے محبت نہیں ہوتی اس لئے ان کے قلوب پر خواہشات کے پردے پڑ جاتے ہیں اور انہیں سمجھ نہیں آیا کرتی۔ کان اپنی پسند کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ جہاں رخ ہی خیر کو قبول کرنے کا نہ ہو، وہاں سب نشانیاں دیکھ کر بھی ان کا انکار ہی کیا جاتا ہے اور بیانِ حق کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر پہلو تہی کی جاتی ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ اس سے روکتے ہیں اور اس سے بھاگتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

حق کو سننے اور ماننے والوں کو روکنا اور اسے قبول کرنے سے بھاگنا ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ اگر اس بات کا شعور ہو تو ہلاکت سے بچنے کی کوشش لازم ہے۔ جس راہ پر پہلے چلنے والے ہم سے زیادہ قوت رکھتے تھے۔ زیادہ متاع رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ان کی نافرمانی کی بدولت ان پر ہلاکت وارد ہوئی۔ اسی راہ پر چلتے ہوئے سابقہ واقعات سے سبق نہ لینا بڑی بے شعوری کی بات ہے۔

حاصل : حق کو ماننے سے دوسروں کو روکنا اور خود اس سے بھاگنا بے شعوری کے ساتھ ہلاکت کو گلے لگانے والی بات ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور اگر تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے تو پکاریں گے۔ اے کاش ہمیں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کریں اور ہم مومنین سے ہوں۔

حق کا مذاق اڑانے والے، دوسروں کو حق سے روکنے والے اور خود اس سے دور بھاگنے والے جب عذاب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت پکاریں گے۔ اے کاش عمل کے لئے دی گئی مہلت ہمیں لوٹا دی جائے، تو ہم اپنے رب کی نشانیوں کو کبھی نہ جھٹلائیں۔ اور ان سے اسی طرح فائدہ اٹھائیں جیسے مومنین ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس وقت ان کے پکارنے سے انہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔

حاصل : عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو، وقت دینے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کرنا ہی

افسوس سے بچنے کی صورت ہے۔ آخرت میں افسوس کچھ فائدہ نہ دے گا۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ ان پر کھل گیا جو اس سے قبل چھپاتے تھے اور اگر لوٹا دیئے جائیں تو پھر بھی وہی کام کریں گے جس سے منع کئے گئے تھے۔ اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

دوسروں کو حق سے روکنا اور خود اسے قبول کرنے سے بھاگنا جن کا طریق زندگی ہوتا ہے وہ ہمیشہ ان باتوں کو چھپاتے رہتے ہیں جن سے اصلاح اعمال کی ترغیب ملتی ہو اور انجام سے آگاہی ہوتی ہو اور خواہشات کے مقابل حقائق کی اہمیت روشن ہوتی ہو۔ جب ایسے لوگوں کو عذاب کے سامنے لایا جائے گا تو جن باتوں کو یہ چھپایا کرتے تھے وہ ان پر کھل جائیں گی۔ اس وقت یہ لوٹائے جانے کی بڑی طلب رکھیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ایمان قلب میں داخل نہیں ہوتا۔ اعمال کا صالح ہونا تو اگلا مقام ہے۔ اس لئے اس خوفناک انجام کو دیکھ کر بھی ان کی اصلاح نہیں ہوگی۔ یہ وہی کریں گے جس سے منع کئے گئے تھے۔ منع کرنے والے سے محبت ہو تو جھوٹ سے نجات ممکن ہوتی ہے۔

حاصل : جھوٹ تبھی وجود سے رخصت ہوتا ہے جب سچے سے محبت ہو جائے۔ دھوکا دینے والے یہاں بھی جھوٹے ہیں، آخرت میں بھی جھوٹے ہوں گے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کہنے لگے ہمارے لئے تو دنیا کی زندگی ہی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں۔

بعث بعد الموت کا انکار، خواہشات کے اتباع کی طرف رغبت دلانے کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے اس لئے کافر ہمیشہ سے موت کے بعد جزا کے لئے اٹھائے جانے کا انکار کرتے رہے ہیں۔ حیات دنیا جس کی عطا ہے، حیات آخرت بھی اسی کی طرف سے ہوگی۔ حیات دنیا میں بھی عدم سے وجود بنتا ہے۔ اسی بنانے والے کی قدرت موت کے بعد اٹھانے پر بھی بالکل قادر ہے۔

حاصل : جس نے پہلے عدم سے وجود بنایا ہے، اس کو دوبارہ بنا کر اٹھانا آسان ہے۔ حیات آخرت کا انکار حیات دنیا کو نہ جاننے کی بناء پر ہوتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ

اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ فرمائے گا کیا یہ حق نہیں۔ عرض کریں گے کیوں نہیں۔ ہمیں اپنے رب کی قسم۔ فرمائے گا

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۹

تو چکھو عذاب اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جس انجام سے لوگوں کو حیات دنیا میں آگاہ کر دیا جاتا ہے، کافروں کو اس کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا جائے گا۔ کیا یہ حق نہیں۔ وہ عرض کریں گے، ہمیں اپنے رب کی قسم یہ ضرور حق ہے۔ فرمایا جائے گا تو پھر تم اپنے کفر کا بدلہ، یہ عذاب چکھو۔ اللہ تعالیٰ اپنے مرسلین کی صداقت کو منوا کر ہی کافروں کو عذاب کرے گا۔ جس عذاب کے سامنے کھڑے کئے جانے سے بچ جانا محال ہو اور جس حقیقت کو عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی تسلیم کرنا فائدہ دے اسے تسلیم کرنے میں دیر کرنا اچھا نہیں ہوتا، کہ اس طرح توفیق بھی ختم ہو جاتی ہے، مہلت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

حاصل : جس عذاب سے آخرت میں بچنا ممکن نہ ہو گا، اس سے بچنے کی کوشش ابھی کرنی چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور میں ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ط وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ٤٦/ ٢٤

بے شک ہم نے صاف بیان کرنے والی نشانیاں نازل فرمائیں اور اللہ جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا لا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ط اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا۔ حتیٰ کہ ساعت ان پر اچانک آ گئی۔ پکارنے لگے۔ ہائے ہمیں حسرت ہے کہ ہم نے اس میں تفریط کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں۔ خبردار کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

جو لوگ حیاتِ دنیوی کے بعد حیاتِ اخروی کا انکار کرتے ہیں، وہ جزا دینے والے سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔ جزا دینے والا مالکِ کل ہے۔ اس نے جو توفیق حیاتِ دنیا کے ساتھ دی ہے، یہ دیکھنے کے لئے دی ہے کہ کون اس کے فرمان کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور کون اس کے فرمان کے خلاف کرتا ہے۔ جو معطیء مطلق کے فرمان کے خلاف کرتا ہے، وہ یقیناً خسارے میں ہے کہ جو کچھ وہ حیات دنیا میں چاہتا ہے اسے ملتا تو باذن اللہ ہی ہے البتہ آخرت کے انکار سے اس کے اعمال

بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز ان لوگوں کو بڑی حسرت ہو گی اور اپنے رویئے پر بڑا تاسف ہو گا۔ مگر یہ حسرت اور افسوس بے وقت ہو گا۔ کہ اس وقت عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ہر ایک کے اعمال اس کے ساتھ جائیں گے۔ کافر اپنے اعمال کا حاصل اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے۔ یہ بوجھ بہت برا ہو گا کہ بہت زیادہ بھی ہو گا اور یہی ان کے جلانے کا سامان بھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں ہو گا۔

حاصل : اللہ سے ملنے کا انکار بڑا خسارہ ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد اپنی تقصیر کا پتہ کافر کے لئے باعث تاسّف و تحسّر ہو گا۔ کافر اپنی پیٹھ پر اپنے جلانے کا سامان لادے ہوئے ہوں گے۔ جو بوجھ کسی کو ایسے دکھ میں مبتلا کر دے، جس کا دور کرنا بھی ممکن نہ ہو، وہ بوجھ بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور حیات دنیا تو نہیں مگر کھیل کود۔ اور تقویٰ کرنے والوں کے لئے دارِ آخرت بہتر ہے۔ تو کیا عقل نہیں کرتے۔

حیات دنیا کو اگر وقتی خوشی پر ہی ختم کر لیا جائے تو یہ کھیل کود میں عمر گزار دینے کے مترادف ہے۔ آخرت کے انکار سے صرف وقتی خوشی ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد خسارہ ہی خسارہ رہ جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہے کہ وہ دار آخرت کو سامنے رکھتے ہیں اور اعمال کی جزا کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا دینے والے کی رضا ملحوظ ہو تو دار آخرت کی بہتری معلوم ہوتی ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جزا دینے والے کے ڈر سے کوئی حیات دنیا میں غافل نہ ہو۔

حاصل : حیات دنیا کو وقتی خوشیوں کی نذر کر دینا عقل کی بات نہیں۔ جزا دینے والے کا ڈر ہر مقام پر ساتھ رہنا چاہیے۔ متقین کو دار آخرت میں دائمی خوشی حاصل ہو گی۔ ان کے لئے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

ہمیں علم ہے کہ ان کی باتیں تمہیں حزن دیتی ہیں۔ تو وہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے ولیکن ظالم اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ شاہد کو جھٹلانا، اللہ کی نشانیوں کا عملاً انکار ہوتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریق زندگی ہے۔

حاصل: کافروں کی باتیں حق پہنچانے والے کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ظالم لوگوں کا طریق زندگی ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٤﴾

اور تم سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی تو انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا۔ حتیٰ کہ انہیں ہماری نصرت ملی اور اللہ کے کلمات کوئی بدلنے والا نہیں اور مرسلین کی خبریں تمہیں پہنچ چکی ہیں۔

مرسلین کو جھٹلانا کافروں کا اصول زندگی رہا ہے۔ پہلے بھی یہ لوگ اللہ کے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ اور انہیں ایذا دیتے رہے ہیں۔ ان کی کوشش یہ رہی ہے کہ اللہ کے رسول مع اپنے ساتھیوں کے، کافروں کی ملّت میں لوٹ آئیں۔ مرسلین نے ہمیشہ ان کی تکذیب و ایذا پر صبر کیا ہے۔ اور انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ منکر عذاب میں گرفتار کر لئے گئے اور اللہ کے رسول مع ساتھیوں کے فلاح پانے والے ہوئے۔ اللہ کے کلمات بدلا نہیں کرتے۔ اس کا فرمان ہو کر رہتا ہے۔ پہلے مرسلین کا انکار کرنے والے جس انجام کو پہنچ چکے ہیں، اب بھی منکر اسی انجام کو پہنچ کر رہیں گے اور پہلے مرسلین کی خبریں تو صریحاً پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی حق کے انکار کی راہ کو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ اس انجام سے بھی آگاہ رہے جس سے پہلے مکذبین بچ نہیں سکے۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والوں کو تکذیب و ایذا پر صبر کرنا چاہئے۔ اللہ کی مدد آنے تک اپنا حق ادا کرتے رہنا چاہئے۔ حق کا انکار کرنے والے عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا بہت ضروری ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

اور اگر ان کا اعراض کرنا تم پر گراں ہے، پھر تمہیں استطاعت ہے تو زمین میں کوئی

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

النصف

سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ، تو ان کے لئے نشانی لے آؤ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا۔ تو تم جاہلوں سے نہ ہو۔

لوگوں کی بھلائی چاہنا صاحبان حق کی شان رہی ہے اور رہے گی اس لئے ان کے اعراض سے بھلائی چاہنے والوں کو دکھ ضرور ہوتا ہے۔ شاہدین کو اللہ تعالیٰ اس دکھ میں دیکھ کر فرماتا ہے کہ تمہیں کافروں کے منہ پھیرنے سے دکھ ہوتا ہے تو اس صورت حال سے بچ سکنے کی استطاعت کو دیکھو۔ تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرو یا آسمان میں زینہ، پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ۔ یہ لوگ جو موجودہ نشانیوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے، ان کو کسی نشانی سے بھی ایمان نصیب نہ ہو گا۔ اگر اللہ خواہش کی پیروی کے امکان کو ختم کر دیتا تو سبھی لوگ سیدھی راہ پر رہتے۔ مگر اللہ نے یہ نہیں چاہا، بلکہ اس نے یہ چاہا ہے کہ جو حق کے اتباع کی سعی کرے اسے اس کی اطاعت شعاری کا انعام دیا جائے اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی سے گمراہی کی راہ لی ہو، اسے اس کی نافرمانی پر سزا دی جائے۔ اس لئے مشیت ایزدی کو دیکھنا حق ہے۔ اگر اپنا حق ادا کیا جا چکا ہے اور حکم خداوندی پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا گیا ہے تو اس طریق زندگی سے راحت پانے والے شاہد ہوتے ہیں کہ انہیں خوف و حزن سے نجات مل گئی ہے۔ پھر اگر کوئی حق سے اعراض کرتا ہے، تو اس کے لئے نشانیوں کے دیکھ لینے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی طلب کی ہوئی نشانیاں بھی اس کے سامنے آ جائیں گی تو انہیں جادو کہہ کر وہ منہ پھیر جائے گا۔

حاصل : حق سے اعراض کرنے والوں کی خواہشات کے مطابق نشانیاں دکھانے سے، انہیں کبھی فائدہ ہوا ہے، نہ ہو گا۔ اس لئے شاہدین لاحاصل کوشش کو جہالت جانتے ہیں۔ شاہدین اصلاح کے امکان کی حد کو خوب جانتے ہیں اور اسی حد تک ان کی کوشش جاری رہتی ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

وقف غفران وقف منزل

مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں اور اللہ مُردوں کو اٹھائے گا۔ پھر اس کی طرف مراجعت کریں گے۔

سننے کا حق یہ ہے کہ سنانے والے کی صداقت کا اعتراف ہو، صادق کی بات میں کسی جگہ تضاد کا خیال بھی نہ آئے۔ سمجھنے

میں مشکل پیش آئے تو اپنی مشکل کو اس طرح بیان کیا جائے کہ سنانے والے کا ادب ملحوظ خاطر رہے اور اپنی پیدائش کی مقصدیت کا یقین ایسا ہو کہ معبود لاشریک کی رضا مقصود ہو اور خوف و حزن سے نجات مطلوب ہو۔ ایسے سننے والے ہی مانتے ہیں۔ کافر حیات دنیا میں اپنی خواہشات کے ساتھ اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ یہ جزا سے بالکل غافل ہیں۔ جس دن ان کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اس دن انہیں مرسلین کی صداقت کا بڑا یقین ہو گا۔ مگر یہ یقین تو عمل کی صحت کے لئے مدد گار تھا اور عمل ہو چکا ہے۔ تب اس یقین سے صرف حسرت ہی پیدا ہو سکے گی۔ اللہ سے ملنے کا انکار کرنے والوں کو جب اس کی طرف لوٹنا پڑے گا، تو انہیں بڑا تاسف ہو گا۔

حاصل : ماننا وہی ہے جو سنتا ہے۔ جزا کا منکر قیامت کے دن مانے گا مگر اس وقت اس کا ماننا اسے فائدہ نہیں دے گا۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾

اور کہتے ہیں اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ فرما دیجئے اللہ نشانی نازل کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن وہ اکثر لاعلم ہیں۔

جو نشانی کافروں کی طرف سے طلب کی جائے، اس نشانی کے نازل کرنے کی اللہ یقیناً قدرت رکھتا ہے مگر اس نشانی کے انکار کے ساتھ ہی کافروں کی جڑ کا کٹ جانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جو نشانیاں کافروں کے سامنے ہیں، ان سے اگر رجوع الی اللہ ہونے میں مدد نہیں مل رہی، تو بھی فلاح کا راستہ ضرور کھلا ہوتا ہے۔ اور اپنی مطلوبہ نشانی کو پا کر اس کا انکار کر دیا جائے تو پھر راستہ بند ہو جاتا ہے۔ کافروں کو یہ علم نہیں کہ ان کی طلب انہیں ہلاکت کے گڑھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔

حاصل : کافروں کی مطلوبہ نشانی نازل ہو جائے تو پھر انکار کی صورت میں ان کی جڑ کٹتے دیر نہیں لگتی۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾

اور زمین میں کوئی چلنے والا نہیں اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے دو پروں پر اڑتا ہے مگر تمہاری مثل امتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ جس مقصد کے لئے کسی شے کو پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد سے اعراض و انحراف اس شے کے بس میں نہیں ہوتا۔ زمین میں چلنے والے جانور ہوں یا پرندے، اپنی اپنی نوع میں ایک اجتماعی زندگی بھی رکھتے ہیں۔ ان میں بھی ہر فرد کا کام ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ ان کی اجتماعی زندگی میں کام اس طرح تقسیم کر دیا گیا ہے کہ لوازمات زندگی کے اہتمام کے ساتھ بقاء نسل کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔ ساتھیوں کی حفاظت بھی ہر امت کے کچھ افراد کے ذمے ہوتی ہے۔ جیسے ایک چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکروں کو دیکھ کر کہا یایھا النمل ادخلو مسکنکم ۔ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں بے خبری میں تمہیں لشکر کچل نہ دیں۔ اب اگر جانوروں کو دیکھا جائے تو ان کی زندگی میں ایسی نشانیاں موجود ہیں، جن پر نظر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، علم مطلق، قدرت کاملہ اور ہر نوع کی مقصدیت کا پتہ لگتا ہے۔ اس پتے کے بعد اپنے منشاء زندگی کو ماننے کے لئے مزید نشانیوں کی طلب نہیں رہ جاتی۔ قرآن پاک میں مثالیں بیان فرمانے سے حقائق کو واضح کرنا مقصود ہے۔ اور اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی۔ وہ تمام جزا پانے والے جن کے سامنے مرسلین نے بشارت و انذار کا حق ادا کر دیا ہے، اپنے رب کی طرف اکھٹے کئے جائیں گے۔ جانوروں کو انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس لئے کسی جانور سے اس کے عمل کی پوچھ نہیں ہوگی۔ جہاں منشاء تخلیق سے اعراض کا مقام ہی موجود نہ ہو، وہاں کسی گرفت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : زمین میں چلنے والے جانور ہوں یا پرندے، ہر نوع میں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعیت بھی صاف نظر آتی ہے۔ منشاءِ تخلیق کو پورا کرتے ہوئے اور کبھی کوتاہی نہ کرتے ہوئے جانوروں کو دیکھ کر، انسان کو اپنے منشاءِ تخلیق پر نظر کرنی چاہئے اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنے اعمال کی اصلاح کی راہ لینی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ ظلمات میں بہرے اور گونگے ہیں۔ اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے صراط مستقیم پر ڈال دے۔

جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ اللہ سے ملنے کا انکار کرتے ہیں۔ اپنے منشاء حیات کی بات سننا نہیں چاہتے۔ ان لوگوں کی زندگی میں ایسا اندھیرا ہوتا ہے کہ ان کے ہر عمل پر بے یقینی کا احاطہ ہوتا ہے۔ حق بیان کرنے والے سے عدم تعلق بھی اس کی تکذیب کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ جہاں یہ پتہ نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہئے، وہاں ظلمات ہے۔ جہاں حق بیان کرنے والے کی بات کو سنا ہی نہ جائے وہاں بہراپن ہے اور جہاں اس سے سنا نہیں جائے گا، وہاں اس سے پوچھا بھی نہیں جاسکے گا۔ یہ گونگاپن ہے۔ یہ سب گمراہی کے لوازمات ہیں۔ جو اپنے منشاء حیات کو جاننا چاہے وہ سنتا ہے۔ جہاں مزید روشنی درکار ہو وہاں

اپنے شاہد سے پوچھتا ہے اور اپنے ناصح سے ایسی محبت رکھتا ہے کہ تعمیل ارشاد میں اس کی اپنی خواہشات حائل نہیں ہوتیں۔ ایسے مشہود کو اللہ حب الناصحین کی بدولت صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔

حاصل : اللہ کی نشانیوں کا انکار، ظلمات میں ہونے کا، بہرے اور گونگے ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو نہیں چاہتا اسے گمراہی ملتی ہے۔ جو اللہ کے محبوب کو چاہتا ہے، اسے سیدھی راہ ملتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا تم پر ساعت آ جائے تو کیا غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔

منشاء حیات کا انکار کرنے والے اگر اپنے اعمال کی بدولت عذاب میں پکڑے جائیں تو اس سے بھاگ جانا ان کے بس میں نہ ہو گا۔ اور اگر ان پر قیامت آ جائے تو بھی یہ اسے روک نہیں سکیں گے۔ اس وقت کیا یہ ان معبودوں کو پکار سکیں گے جن کو یہ اب پوجتے ہیں اور اگر اس وقت ان معبودوں کو پکارنا ممکن نہ ہو گا تو پھر ان کے انکار کا صحیح وقت یہی ہے جو حال پر میسر ہے۔

حاصل : جس تعلق کے انجام بد کو روکنا ممکن نہ ہو، اس تعلق کو فوراً ختم کر دینا ضروری ہے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

بلکہ اسی کو پکارتے ہو، پھر وہ اگر چاہتا ہے تو جس کے لئے اسے پکارتے ہو، اسے کھول دیتا ہے، اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک ٹھہراتے تھے۔

حیات دنیا میں اگر تم پر کوئی مصیبت آ جائے تو تم اللہ ہی کو پکارتے ہو کسی اور کو پکارنا اس وقت ممکن ہی نہیں ہوتا۔ وہ اگر چاہے تو مصیبت کو کھول دیتا ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ ہمیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینے کے لئے حیات دنیا میں عذاب بھی کرتا ہے۔ جو قدرت الٰہی کے احاطے کو دیکھ کر اور اپنے عجز کو جان کر رضائے الٰہی کی راہ کو اختیار کرے وہ فلاح پا جاتا ہے۔ مصیبت کے وقت ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ جن کو لوگ اللہ کا شریک بتاتے ہیں، وقت مصیبت انہیں بالکل بھول جاتے ہیں۔ جب حیات دنیا میں مصیبت کے وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنا ممکن نہیں ہوتا تو حیات آخرت میں اپنی حیثیت کو سمجھنا بالکل آسان ہے۔

حاصل : حیات دنیا میں مصیبت کے وقت مشرکین کو وہ سب بھول جاتے ہیں جنہیں وہ اللہ کا شریک بتاتے ہیں۔ آخرت میں انہیں غیر اللہ سے کیا فائدہ ہو گا۔ انسان کے اپنے تجربات میں اس کے سیکھنے کے لئے اللہ نے بہت کچھ رکھا ہوا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل ۱٦ میں ارشاد فرمایا ہے اور شرک کرنے والے قیامت کے دن جب اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہیں، ہمارے وہ شریک جن کو تیرے مقابل ہم پکارتے تھے۔ تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم بے شک جھوٹے ہو۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ (سورہ النحل۔۸۷)

اور اس دن عاجزی سے اللہ کی طرف گریں گے اور گم ہو جائیں گی ان سے جو بناوٹیں وہ کرتے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾

اور بے شک ہم نے تم سے قبل امتوں کی طرف (رسول) بھیجے۔ پھر انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ گڑ گڑائیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امم سابقہ میں یہی ہوا ہے کہ ان کی طرف بھی رسول بھیجے گئے۔ انہوں نے ان مرسلین کو جھٹلایا اور ان کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو لاشریک نہ مانا، بعث بعد الموت کا انکار کیا اور اپنی مرضی کے مطابق راہ عمل کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے راہ عمل کی حقیقت ان پر واضح کرنے کے لئے ان لوگوں کو سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ گڑ گڑائیں۔ عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھانا اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگوں کو رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملے۔ گڑ گڑانا اس اعتراف کے ساتھ ہوتا ہے کہ قادر مطلق کی قدرت کے احاطے سے کچھ باہر نہیں ہے اور ہماری سختی اور تکلیف کو وہی دور کر سکتا ہے۔ ہم نے اس کی رضا کے خلاف کیا ہے۔ ہمیں اس پر ندامت ہے۔ اللہ کا کرم دیکھئے کہ ہر انسان کی زندگی میں اسے واضح طور پر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ اپنے تضاد کو دور کرنے کی سعی نہ کرے تو اس کے اعمال صحیح نہیں ہوں گے۔

حاصل : گڑ گڑانے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا اعتراف اور اپنے ناقص اعمال پر ندامت کا اظہار ہوتا ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کے لئے حالات و واقعات کو مخصوص شکل دینا بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر سختی آئی تو گڑ گڑائے ہوتے ولیکن ان کے قلوب تو سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے لئے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ان کے اعمال کو زینت دی۔

کافروں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے شیطان یہ بھی کرتا ہے کہ ان کے اعمال کو ان کی نگاہ میں بھلا کر کے دکھاتا ہے۔ جب ان پر سختی اور مصیبت کا مقام آتا ہے تو وہ گڑگڑانے کی بجائے اظہار ندامت کی بجائے اور اپنی بے چارگی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو دیکھنے کی بجائے اپنے اعمال کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ کس مقام پر کیا کمی رہ گئی ہے۔ یعنی نتیجہ کیوں حسب منشاء نہیں ہوا۔ اس مقام پر وہ اپنی خواہش کی تکمیل میں زیادہ زور لگانے لگتے ہیں۔ اس سے ان کے قلوب سخت ہو جاتے ہیں اور وہ اصلاح سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اگر سختی کے وقت گڑگڑاتے اور اپنی خواہشات کے مقابل اللہ کی رضا کا رستہ اختیار کرتے تو اس میں ان کی فلاح تھی۔

حاصل : جب منکرین حق سختی اور مصیبت میں پکڑے جاتے ہیں، تو شیطان ان کے اعمال کو ان کے سامنے ایسی زینت دے کر رکھتا ہے کہ انہیں اپنے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے اعمال میں جہاں احتیاط کی کمی نظر آتی ہے، وہاں وہ مزید سخت ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اصلاح سے دور ہوتے رہتے ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

تو جب انہوں نے نصیحتوں کو بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے۔ حتیٰ کہ جب انہیں اس پر فرحت ہوئی جو انہیں ملا۔ پھر ہم نے انہیں اچانک پکڑا تب وہ ناامید رہ گئے۔

جن لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں، وہ نصیحتوں کو بھلا دیتے ہیں۔ شے والے کے مقابل انہیں شے عزیز ہوتی ہے اور یہ طلب اتنی بڑھ جاتی ہے کہ انہیں کسی وقت بھی خوف و حزن سے نجات نہیں ملتی۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شے کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جس بات میں ان کے لئے فرحت ہوتی ہے وہی انہیں عطا ہو جاتی ہے۔ طلب اشیاء میں وہ اس قدر محو ہو جاتے ہیں کہ ان کو ناصحین سے کوئی رغبت ہی نہیں رہتی۔ پھر انہیں اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔ اب وہ خیر کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں تو ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور وہ فلاح سے ناامید ہو جاتے ہیں۔

حاصل : جب کوئی نصیحت کو بھلا دیتا ہے تو اسے اپنی زندگی میں فراوانی کو دیکھ کر فرحت کا اظہار

نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایسی فراوانی کے بعد اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آ جاتی ہے، پھر کوئی راہ نجات نہیں ہوتی۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

تو ظلم کرنے والے لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور حمد اللہ ہی کی ہے جو رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ماننے والوں کے لئے اپنے اندر فلاح کی سند رکھتا ہے۔ جو اس کے فرمان کے خلاف کرتے ہیں وہ ظالم ہوتے ہیں۔ جب یہ ظالم نصیحتوں کو بھلا کر اشیاء کو اپنا مطلوب بنا کر اور انہیں حاصل کر کے فرحت پاتے ہیں تو ان ناقابل اصلاح ظالموں کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور یہ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ جاتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ اس میں دیکھنے اور سننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے اور اپنے علم سے پالتا ہے جو علم الٰہی کا انکار کرتے کرتے حد اصلاح سے گزر جاتے ہیں، ان کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ سلامتی تمام مقامات پر صرف اور صرف علم الٰہی میں ہی موجود رہتی ہے۔

حاصل : ظالم کی جڑ کاٹنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب وہ حد اصلاح سے گزر جاتا ہے تو اللہ کو اس کی جڑ کاٹتے کوئی دیر نہیں لگتی۔ سلامتی تمام مقامات پر علم الٰہی میں ہی موجود رہتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمارے کان اور آنکھیں لے لے اور تمہارے قلوب پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ لا دے۔ نظر کرو ہم کیسے کیسے نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ کنارہ کرتے ہیں۔

جو معطیٔ مطلق ہے وہ اپنی عطا کو واپس لے لے تو بھی اسے کوئی پوچھنے والا نہیں اور اسے عاجز کرنا بھی ممکن نہیں۔ کان آلہ سماعت ہونے کی وجہ سے بڑی نعمت ہے کہ کسی شے کی طرف راغب ہونے کے لئے اس کی صفات کا سننا ضروری ہے۔ سننا ہی ممکن نہ رہے تو اشیاء کی طرف رغبت کا ایک دروازہ بند ہو جائے گا۔ دیکھنے سے اشیاء میں امتیاز کرنا ممکن ہوتا ہے اور اس آلے سے بھی فرحت کے حصول میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اگر یہ آلہ ہی چھن جائے تو فرحت کا ایک دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور جب قلب پر مہر کر دی جائے تو وقتی فائدے اور دائمی فائدے کو سامنے پا کر وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کر دینے کی صلاحیت نہیں

رہتی۔ اس عطاء الٰہی کی بدولت ہی دنیا میں بڑائی کے دعوے ممکن ہوتے ہیں۔ اگر اللہ یہ نعمتیں واپس لے لے تو کون اس کے سوا لوٹانے پر قادر ہے۔ جب کوئی ایسا نہیں ہے تو پھر ان نعمتوں کو عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے اور شکریہ یہی ہے کہ ان نعمتوں کو معطی کی منشاء کے مطابق تصرف میں لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے یہ واضح فرمایا ہے کہ جن آلات کو تم نافرمانی کرتے ہوئے استعمال کر رہے ہو، یہ آلات اس قادر مطلق کی عطا ہیں۔ جو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ واپس لے لے تو تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ اس بات کو سن کر بھی اگر ان نعمتوں کے استعمال کے رخ میں تبدیلی نہیں آتی تو پھر یہ حق سے کنارہ کرنے والی بات ہے۔

حاصل : کان، آنکھ کی بدولت اشیاء میں امتیاز ممکن ہوتا ہے۔ قلب تقدیم و تاخیر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر یہ نعمتیں چھن جائیں تو اللہ کے سوا کون لوٹا سکتا ہے۔ عطا کو معطیِ مطلق کے منشاء کے مطابق استعمال کرنا حق ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک آئے یا کھلم کھلا تو ظالم لوگوں کے سوا کون ہلاک ہو گا۔

اللہ کا عذاب جب آتا ہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہو سکتا۔ وہ اچانک آ جائے یا اس کی علامات پہلے ظاہر ہو رہی ہوں۔ آتا انہی پر ہے جو فرمان الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے ہوں اور اس کو جھٹلاتے رہے ہوں۔ پہلے ظالموں کے ساتھ یہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ظالموں کو اپنی ہلاکت کی خبر سے آگاہ رہنا چاہئے۔

حاصل : ظالموں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا کہ وہ توفیق کی موجودگی میں ظلم و عدوان سے بچ جائیں، بہت ضروری ہے۔ انہیں یہ پتہ چل جائے کہ وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہیں تو یقیناً وہ رک بھی سکیں گے اور اپنا رخ بھی بدل لیں گے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم مرسلین کو نہیں بھیجتے مگر بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے۔ تو جو ایمان لائے اور اصلاح لے تو ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

مرسلین کی شان یہی رہی ہے کہ وہ راہ فلاح اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام خیر کی بشارت دیتے ہیں اور حق کی تکذیب کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈراتے ہیں۔ وہ بشارت و انذار کے وقوع پذیر ہونے پر شاہد ہوتے ہیں۔ جو ان سے محبت رکھے اسے ایمان لانے کا شرف ہوتا ہے۔ جو اپنی سوچ کو ان کے فرمان کے تابع رکھے وہ صالح ہو جاتا ہے۔ حیات دنیا میں ایسے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ آخرت میں یہی فلاح پانے والے ہیں۔

حاصل : بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جو ان سے محبت رکھے اسے ایمان لانے کا شرف ہوتا ہے۔ جو اپنی سوچ کو ان کے فرمان کے تابع رکھے وہ صالح ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی انہیں عذاب ملے گا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

جو لوگ آیات الٰہی کو جھٹلاتے ہیں وہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کے مرتکب ہوں تو فاسق کہلاتے ہیں۔ فسق کرنے والے عذاب الٰہی کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ عذاب انہیں ڈھانپ لیتا ہے۔ دنیا میں یہ عذاب خلوت کا درجہ رکھتا ہے۔ آخرت میں یہ جلوت کا درجہ رکھے گا۔

حاصل : حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرنے والے عذاب کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ فاسق کو ہدایت نہیں ملا کرتی۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے۔ فرما دیجئے کیا اندھے اور دیکھنے والے برابر ہوں گے تو کیا تم تفکر نہیں کرتے۔

بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے علم الٰہی رکھتے ہیں۔ علم الٰہی رکھنے والے کا مرتبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس کی زبان پاک سے کبھی یہ نہیں نکلتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں کسی کی کمی دور کر سکتا ہوں۔ اگر خزانے تقسیم کرنا ہی مرسلین کی شان ہوتی تو مادی فوائد حاصل کرنے والوں کو حق کے انکار کی مجال ہی کہاں ہو سکتی تھی۔ مگر اس طرح وہ اپنی خواہشات سے

مزید جڑ جاتے۔ اللہ کے رسول نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق نفع و نقصان کی خبر دے سکتا ہوں، جس کی بدولت تم نقصان سے بچتے رہو اور نفع حاصل کرتے رہو۔ ایسا ہوتا تو رسول کے انکار کے معنی تو مادی فائدے کا انکار تھا جو خواہش کی پیروی کرنے والوں کے لئے محال ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں فرشتہ ہوں اور بشریت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے اس زندگی کا نمونہ پیش کرنا محال تھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ہاں اللہ کے رسول نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جاتا ہے میں اس کا اتباع کرتا ہوں۔ اللہ کی رضا ہر مقام پر میرا مقصود ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کا علم رکھنے کے درجے میں شاہد کی حیثیت سے جو میں دیکھ رہا ہوں وہ دوسروں کو نظر نہیں آتا اور دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ تفکّر کا مقام یہ ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت سے اور اتباع سے ماننے والے، خوف و حزن سے نجات پا جاتے ہیں۔ مکذّبین چاہے جس درجے میں بھی ہوں، خوف و حزن ان پر محیط رہتا ہے۔

حاصل : مادی فوائد کا حصول اور اپنی خواہش کے مطابق نفع و نقصان کا علم ہی اگر کسی صاحب حق کے اتباع کی شرط ٹھہر جائے تو نہ اس صاحب حق سے محبت ممکن ہوتی ہے نہ ایمان کا شرف ہوتا ہے۔ اگر کسی صاحب حق کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کے علاوہ کسی اور سند سے جاری ہے تو وہ صاحب لائق اتباع نہیں۔ شاہد ان نتائج پر گواہ ہوتا ہے۔ جو تبشیر و انذار کی صورت میں اس کی زبان پاک سے بیان ہوتے ہیں۔ دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے برابر نہیں ہوتے۔ دیکھنے والے فلاح کی راہ پر ہوتے ہیں۔ نہ دیکھنے والے خسارے کی راہ پر ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (سورہ الزمر۔ ٥٤)

اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ اور اسے مان لو قبل اس کے تم پر عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٥١﴾

اور اس سے ان لوگوں کو خبردار کر دیجئے جنہیں خوف ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے۔ اس طرح کہ اللہ کے مقابل نہ ان کا کوئی دوست ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا، تاکہ وہ تقویٰ کریں۔

ہدایت سے فیضیاب ہونے والے لوگ اپنے ایمان کو فرمائشی معجزات دکھلائے جانے پر موقوف نہیں رکھتے۔ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ جس رب نے انہیں توفیق دی ہے، جزا کے لئے اس کے حضور پیشی ضرور ہوگی۔ وہاں اللہ کی رضا کے بغیر نہ کوئی دوست ہو سکتا ہے، نہ کوئی شفاعت کر سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو خبردار کرنے سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ متقی ہو جائیں گے۔ تقویٰ کرنے والے کی شان یہ ہے کہ وہ اپنا رخ ہر مقام پر ایسا رکھے کہ اس کا مقصود رضائے الٰہی رہے اور اپنی خواہش کی پیروی سے بچتا رہے۔

حاصل : جزا کے لئے رب العالمین کے حضور پیشی کا یقین ہو تو اپنے قول کو پاک رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ قول پاک ہو تو عمل پاک ہو سکتا ہے۔ پاک عمل میں مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے، خواہش کی پیروی نہیں ہوتی۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے اسے پکارتے رہتے ہیں، انہیں دور نہ کرو۔ تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں۔ پھر تم انہیں دور کرو تو ظالموں سے ہو گے۔

وسعت مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنے والوں کو جہاں مال کی کمی نظر آ جائے وہاں انہیں بہت سے عیوب بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ کہیں ایسے لوگوں کو غرباء میں صفائی کا فقدان نظر آتا ہے، کہیں ان کے الفاظ اور لہجے پر انہیں اعتراض ہوتا ہے، کہیں ان کے رویئے میں انہیں تضاد نظر آتا ہے۔ یہ غرباء اگر صبح و شام رضائے الٰہی کے لئے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں تو یقیناً یہ اس لائق ہیں کہ تبلیغ حق کرنے والوں کا قرب انہیں حاصل رہے۔ یہ اللہ کی رضا کا علم ہو جانے پر اپنی خواہش کی پیروی سے بچنے والے لوگ ہیں۔ انہیں ہدایت نفع دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کو ہدایت کے قاسم سے دور کرنا ظلم ہے۔ یہ حکم تبلیغ حق کے آداب سے متعلق ہے اور تعلیم امت کے لئے ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب رکھنے والوں کو تبلیغ حق کا فریضہ سر انجام دینے والوں سے دور کرنا ظلم ہے۔ جس بات کی ہم سے پوچھ نہیں ہوگی، اس کے بارے میں زبان کھولنا ہمارا حق نہیں ہے۔ قول سیدھا ہو تو عمل کی اصلاح ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ۝۵۳

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے لئے فتنہ بنایا کہ یہ لوگ کہیں، کیا ہم میں سے یہی ہیں جن پر اللہ نے کرم کیا ہے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کا بڑا علم رکھنے والا نہیں ہے۔

دولت مندوں کو دیکھنے کی ایک صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی رکھی ہے کہ یہ غرباء کو کیسے دیکھتے ہیں۔ جہاں تکریم کا معیار ہی دولت کی مقدار ہو وہاں غرباء کے ساتھ استہزاء ضرور ہوتا ہے اور جب ان غرباء کی زبان پاک سے عطائے الٰہی پر اظہار اطمینان کیا جاتا ہے تو دولتمند ان پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں، کیا ہم میں سے یہی لوگ اللہ کے فضل و کرم کے لائق ٹھہرے ہیں۔ علیم مطلق ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لاتے ہیں. ان کا بھی سب سے بڑا علم رکھنے والا اللہ ہی ہے۔ اور کون ہیں فضلِ خدا کے حق دار. یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے۔

حاصل : علیم مطلق کا کرم ہمیشہ علم سے ہوتا ہے۔ جس پر کرم ہو رہا ہو اس کا استحقاق کسی کو نظر نہ آئے تو یہ اس کا ضعف نظر ہے۔ کرم یہ ہے کہ عطائے الٰہی کو علم الٰہی سے پورا دیکھا جائے اور رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لا کر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَصۡلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۵۴

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ حاضر ہوں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں. تو ان سے فرما دیجئے کہ تم پر سلام ہو۔ تمہارے رب نے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے۔ کہ تم میں سے جو کوئی جہالت سے برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور صالح ہو جائے، تو بےشک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ان کا منشاء رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنا ہوتا ہے۔ یہ جب بھی شاہد کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں تو ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ انہیں صراط مستقیم پر رہنے کے لئے مزید استقامت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے لئے فرمایا گیا ہے کہ انہیں بتا دیجئے کہ تم پر سلام ہو۔ اللہ نے تمہارے لئے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے۔ جو کم علمی

کی وجہ سے تم میں سے برائی کا مرتکب ہو، پھر اس کے بعد تائب ہو جائے اور صالحین سے اصلاح لے، تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس پر مزید رحم فرمائے گا۔ اس ارشاد سے یہ روشن ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں، ان پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ ان سے بھول ہو جائے تو انہیں بخشش کے ساتھ مزید رحمت سے نوازا جاتا ہے، کہ وہ توبہ کے ساتھ اصلاح کو قبول کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

حاصل : اللہ نے جن لوگوں کے لئے اپنے ذمے رحمت لکھ لی ہے، ان پر رحم کرنا تمام مومنین کا حق ہے۔ ایسے لوگوں سے بھول ہو جائے تو اصلاح کے بعد انہیں مزید مہربانی سے نوازنا حق ہے۔ جو بندے جہالت کے ساتھ برائی کر بیٹھیں، پھر توبہ کر لیں اور صالحین سے اصلاح لیں، سنت الٰہی کے مطابق ان کے ساتھ بخشش و رحم کا رویہ رکھنا فرض ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع ۱۲

اور اسی طرح ہم آیات کو مفصل بیان کرتے ہیں، کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو روشن کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا جاتا ہے کہ مجرمین کا طریقہ کیا ہے۔ مجرمین کی راہ واضح ہو جانے کی وجہ سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کیا نہیں ہونا چاہئے۔ تفصیل کی حقیقت یہی ہے کہ دونوں مقامات بیان ہوں، کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔

حاصل : تفصیل بیان کرتے ہوئے دونوں مقامات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مجرمین کا راستہ واضح ہو تو عقل کی موجودگی میں اس سے کراہت کا اظہار بھی ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ج اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾ ۴۳/۴۳

تو مضبوط تھامے رہو اسے جو تمہاری طرف وحی کی گئی۔ بے شک تم صراط مستقیم پر ہو۔ (۴۳)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ

فرما دیجئے جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو، مجھے ان کی عبادت سے منع فرمایا گیا ہے۔ فرما دیجئے میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا۔ ایسے ہو تو میں بھٹک جاؤں اور ہدایت والوں سے نہ رہوں۔

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾

کافروں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ حق کی تبلیغ کرنے والے ان کی ملّت کی طرف لوٹ آئیں اور تبلیغ حق کرنے والے ہمیشہ اس کے جواب میں کراہت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اپنے بنانے والے کے مقابل اپنے بنائے ہوئے کو معبود بنانا خلاف عقل ہے اور ظلم عظیم ہے۔ خود ظلم سے بچنا اور دوسروں کو ظلم سے منع کرتے رہنا پاک لوگوں کی شان ہوتی ہے۔ جن کو بھی اللہ کے مقابل پکارا جاتا ہے، وہ تو معبود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے اور اگر کہیں فرعون کی طرح کوئی دعویٰ کر بیٹھے تو حیات دنیا میں ہی لوگ اس کی کذب بیانی کو جان لیتے ہیں۔ حیات آخرت میں تو اس کے لئے دائمی عذاب ہوگا ہی۔ اگر تبلیغ حق کرنے والے، لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو ان کا بھٹکنا اور ہدایت سے دور ہونا بالکل واضح ہے۔ مگر یہ محال ہے کہ جن کو صراط مستقیم پر ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے معیار بنا کر بھیجا ہے، وہ کسی کی یا اپنی خواہش کی پیروی کریں۔ وہ تو رضائے الٰہی کو ہی ہر مقام پر مقصود جانتے ہیں۔ بھٹکنے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور ہدایت سے دوری باعث حزن ہوتی ہے۔ خوف و حزن سے نجات ہو تو راحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ راحت کسی مقام پر بھی بندے کے توازن کو بگڑنے نہیں دیتی۔

حاصل : کافر بھی راحت کے لئے کوشاں رہتے ہیں، مگر من مانی کرنے کی وجہ سے انہیں راحت کی بجائے خوف و حزن ہی ملتا ہے۔ راحت پاک لوگوں کے قدم بہ قدم ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تبلیغ حق کرنے والے لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریں۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿٥٧﴾

فرما دیجئے میں اپنے رب کی روشن نشانی پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ میرے پاس نہیں جس کی تم تعجیل کر رہے ہو۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے، حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

شاہد کو بشارت و انذار کا مرتبہ عطا فرما کے بھیجا گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ فرما دیجئے میں اپنے رب کی روشن نشانی پر ہوں اور تم اس کو جھٹلاتے ہو۔ روشن نشانی یہ ہے کہ رضائے الٰہی ہی ہر مقام پر فرد اور جماعت کی زندگی میں توازن قائم رکھ سکتی ہے۔ باقی سب راستے افراط و تفریط سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم اس کا انکار کرتے ہو اور اپنی ہلاکت کو حق کے تسلیم کرنے کے لئے علامت صداقت ٹھہرا رہے ہو۔ اس میں تمہیں فلاح کیسے ہوگی۔ حکم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ حق بیان فرماتا ہے۔ کوئی بشارت کی راہ اختیار کرے یا انذار کی، ہر ایک کے حال کے مطابق اس کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس کے فیصلے میں اس کی کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہوتی اور اس کا فیصلہ علم مطلق پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

حاصل : کافروں کے سامنے اپنا حال بیان کر دینا شاہد کا حق ہے۔ وہ عذاب کی جلدی کریں تو

انہیں بتا دینا چاہئے۔ حکم اللہ ہی کا ہے وہ حق بیان فرماتا ہے اور اس سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

فرما دیجئے اگر میرے پاس ہوتی وہ جس کی تمہیں تعجیل ہے تو میرے اور تمہارے مابین کام تمام ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کا بڑا علم رکھتا ہے۔

کافر حق کا انکار کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر یہ حق ہے جس کی ہم تکذیب کر رہے ہیں تو ہم پر آسمان سے عذاب آ جائے۔ اس مقام پر انہیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگر وہ میرے پاس ہوتا جس کی تمہیں جلدی ہے تو اب تک کام تمام ہو چکا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کیا ہے علم مطلق سے کیا ہے۔ اس نے عذاب کو شاہدین کے پاس نہیں رکھا، اس طرح ان کے لئے حق رحمت کو ادا کرنا مشکل ہو جاتا۔ جب لوگ عذاب الٰہی کو ہی حق کی صداقت کی نشانی ماننے کو تیار ہوتے تو پھر ان کا کام تمام ہونے میں دیر کی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ یہ کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ وہ ظالموں کا بڑا علم رکھتا ہے۔ انہیں کتنی مہلت دینی ہے اور انہیں کب پکڑنا ہے، اس سے بڑا کوئی علم رکھنے والا نہیں۔

حاصل : عذاب الٰہی کو جہاں حق کی صداقت کی سند ٹھہرایا جائے، وہاں عقل کی کوئی بات نہیں رہ جاتی۔ شاہد کا کام اپنے حق کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ ظالموں کو پکڑنے والا، اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ انہیں وہی جانتا ہے۔ اسے علم ہے جو بر و بحر میں ہے۔ اور جو پتہ گرتا ہے وہ اس کا علم رکھتا ہے اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی رطب اور نہ کوئی یابس جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر (١٥) میں ارشاد فرمایا ہے۔ وان من شی الا عندنا خزائنہ و ما ننزلہ الا بقدر معلوم (٢١) اور کوئی شے نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں اور ہم اسے ایک معلوم انداز سے ہی اتارتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کے خزانے سب اللہ کے ہیں۔ کس حال پر لوگوں کو معرفت الٰہی میں کیا آسانیاں عطا کرنی ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسے علم ہے جو خشکی میں ہے اور جو پانی میں ہے۔ پتہ بھی اگر جھڑتا ہے تو اسے اس کا علم ہے۔ زمین کے اندر کوئی دانہ کہیں ہو اللہ کو اس کا علم ہے۔ کوئی تر اور کوئی خشک ایسا نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ انسان جس بات کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے، وہ یہی ہے کہ اس نے توفیق ایزدی کو منشاء ایزدی کے مطابق استعمال کرتے ہوئے نفس امّارہ کے امر کا انکار کیا، یا رضائے الٰہی کا علم ہونے کے باوجود نفس امّارہ کے امر کو مانتا رہا۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اللہ کی مدد سے اور اس کے علم سے آسانی حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ رضائے الٰہی کے خلاف کرنے والا توفیق ایزدی کو بھی ضائع کر لیتا ہے اور خوف و حزن کے احاطے میں بھی گھر جاتا ہے۔

حاصل : غیب کی کنجیاں علیم مطلق نے اپنے پاس رکھی ہی اس لئے ہیں کہ معرفت الٰہی میں لوگوں کو جو جو آسانیاں کسی حال پر عطا کرنی ضروری ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی رہیں۔ اللہ کا علم ہر مقام پر انسان کی مدد کر سکتا ہے اور دوسرا کوئی علم ہر مقام پر کسی کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ مقام کوئی ہو مقصود رضائے الٰہی ہونا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ
وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضٰٓى
اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا
ع ١٤ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ع ﴿٦٠﴾

اور وہی ہے جو رات کو تمہیں وفات دیتا ہے اور علم رکھتا ہے جو دن میں تم کر چکے ہو۔ پھر تم کو اس میں اٹھا دیتا ہے کہ اجل مسمّٰی پوری ہو، پھر اسی کی طرف مراجعت ہو گی۔ پھر تمہیں خبر دے گا جو عمل تم کرتے ہو۔

رات کو اللہ نے سکون کے لئے بنایا ہے۔ رات کو نیند میں اپنے جسم کے احوال انسان کے تصرف میں نہیں ہوتے۔ اس وقت جب اپنے حال سے بھی اور اپنے ماحول سے بھی بے خبری ہو اللہ تعالیٰ ہی انسان کو سنبھالتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی وفات ہے۔ اس سے پہلے انسان نے جو دن میں کیا ہو وہ بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ توفیق ایزدی کو بیداری کی حالت میں خلاف حق استعمال کرنے والے کو، نیند میں پکڑ کر ختم نہیں کر دیا جاتا، اسے نیند کے بعد پھر اٹھا دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو جائے۔ وہ اپنے حال کی اصلاح کی طرف مائل ہو تو یہ روزمرہ زندگی میں سونا جاگنا ہی اس کے لئے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے یہ روشن ہو جاتا ہے کہ انسان کو حیات دنیا کے بعد حیات آخرت میں اس کے اعمال کی جزا کے لئے اٹھایا جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت ہوگی تو وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی خبر دے گا۔

حاصل : روزمرہ زندگی میں سونا، جاگنا نہیں سلایا جانا اور اٹھایا جانا کہنا حق ہے اور سلایا جانا اور اٹھایا جانا بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ موت کے بعد اٹھایا جانا روزمرہ زندگی سے ہی ثابت ہے۔ جب اٹھایا جائے تو اللہ کا ذکر کرنا چاہئے اور اس کی رضا کو حالت بیداری میں ہر مقام پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جو اعمال ہمارے لئے باعث ندامت ہو سکتے ہیں ان سے بچنے کا یہی وقت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○ (سورہ النور۔ ٤٠)
اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾

وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور ان پر حفاظت کرنے والے بھیجتا ہے۔ حتیٰ کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے۔ ہمارے بھیجے ہوئے اسے وفات دیتے ہیں۔ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔

بندوں کا مالک ہی ان پر غالب ہے۔ اس لئے کسی دوسرے کے غلبے کو تسلیم کرنا شان عبدیت کے منافی ہے۔ اللہ کے غلبے کو تسلیم کرنے کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل میں اس کے عباد مخلصین کو اپنا شاہد بنایا جائے۔ غالب حقیقی سب سے بڑا حفاظت کرنے والا ہے۔ عامل کی بھی حفاظت کرتا ہے اور اس کے اعمال کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ اس طرح عامل کی اجل تک حفاظت ہوتی رہتی ہے۔ اس حفاظت کی حقیقت یہ ہے کہ قوت عمل کو اللہ کے بھیجے ہوئے سنبھالا دیتے رہتے ہیں۔ اس لئے عمل کے وقت قوت کارکردگی کے مالک حقیقی کی رضا مقصود ہونی چاہئے۔ موت کے وقت اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے امر الٰہی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ جیسے جس کو وفات دینے کا حکم ہو، ویسے ہی وفات دیتے ہیں۔ کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جو لوگ متاع حیات دنیا کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیتے ہیں، ان کی وفات مفلحین کی طرح نہیں ہوتی۔ فلاح پانے والے پاک لوگ متاع حیات دنیا کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور نتائج کو باذن اللہ مانتے ہیں۔ مقصود رضائے الٰہی ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے، تو فارغ البال ہونے کا شرف عطا ہوتا ہے۔

حاصل : مالک حقیقی ہی غالب حقیقی ہے۔ عامل اور عمل دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ قوت کارکردگی، جس کی حفاظت کی بدولت قائم ہے اور موت تک قائم رہتی ہے، اس کی منشاء کے خلاف

قوت عمل استعمال ہو تو اس سے بڑی ناشکری کوئی نہیں ہو گی۔ اللہ کے بھیجے ہوئے امر الٰہی کے مطابق وفات دیتے ہیں اور کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

پھر اپنے مولیٰ حقیقی کی طرف پھیرے جائیں گے۔ خبردار رہو، حکم اسی کا ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

بعداز وفات مولیٰ حقیقی کی طرف واپسی کا یقین ہو، تو جزا کے یقین کے ساتھ عمل کا صالح ہو جانا بھی ضروری ہے۔ اور اگر عمل صالح نہیں ہے تو جزا کا یقین بھی نہیں ہے، مولیٰ حقیقی کی طرف واپسی کا یقین بھی نہیں ہے۔ توفیق دینے والا ہی حاکم مطلق ہے اور جو حکم اللہ کے حکم کے تحت نہیں ہے وہ حکم ہی نہیں ہے۔ سب سے جلد حساب کرنے والے کی شان یہ ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے، ہر ایک کا، ہر لمحے حساب تیار کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح جزا دینے میں حساب کی تیاری مانع نہیں ہو سکتی۔

حاصل : واپسی مولیٰ حقیقی کی طرف ضرور ہو گی، جو حکم، اللہ کے حکم کے تحت نہیں ہے، مومنین کے لئے وہ حکم ہی نہیں۔ کسی کا حق ادا کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾

فرما دیجئے کون ہے جو تمہیں بر و بحر کی ظلمات سے نجات دیتا ہے۔ اسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ، کہ اگر ہمیں اس سے نجات دے تو ضرور ہم شکر کریں گے۔

ظلمات میں خطرات کا احساس قلوب کو مضطرب کرتا ہے۔ خشکی ہو یا تری ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں انسان بے بس ہو جاتا ہے۔ بے بس ہو جائے تو موقع کی مناسبت سے گڑگڑا کر بھی نجات دینے والے کو پکارتا ہے اور آہستہ بھی اسے پکارتا ہے۔ اور اس پکارنے کے ساتھ ایک عہد بھی ہوتا ہے کہ اگر اس مشکل سے نجات ہو جائے تو شکر ادا کیا جائے گا اور شکر کرنے میں کوتاہی نہیں ہو گی۔ جب کوئی "ساتھ" بر و بحر کی ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں کام نہ آئے تو ایسے "ساتھ" کو فوراً چھوڑ دینا حق ہے۔

حاصل : بر و بحر کی ظلمات سے نجات دینے والا ہی سب سے بڑا دوست اور ساتھی ہے، ظلمات میں گھر جانے کی صورت میں جس کے علاوہ کسی کو پکارنا ممکن نہیں ہوتا۔ اپنے عہد کو پورا کرنا حق ہے، شکر اور من مانی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

فرما دیجئے تمہیں اس سے نجات دیتا ہے اور ہر کرب سے۔ پھر تم شریک ٹھہراتے ہو۔

ظلمات سے نجات طلب کرتے وقت اللہ کے سوا کسی کو پکارنا (جب بے بسی پوری طرح محیط ہو چکی ہو) ممکن نہیں ہوتا۔ پھر اللہ ہی مصائب و آلام سے نجات دیتا ہے۔ وہی کرب سے نجات دیتا ہے۔ انسان کی کوشش تو راحت کے حصول کے لئے ہی ہوتی ہے۔ مگر اپنی خواہشات کی پیروی سے وہ دکھوں میں مبتلا ہوتا جاتا ہے۔ جب بے آسرا ہو کر اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ اسے نجات دے دیتا ہے تو پھر اللہ کے مقابل کوئی دوسرا آسرا دیکھنا شرک ہے، اور انتہائی ظلم ہے۔

حاصل : انسان کے اپنے مشاہدات سے اس پر یہ واضح ہوتا رہتا ہے کہ ظلمات سے نجات دینے والا، کرب سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی دوسرا آسرا ڈھونڈا جائے تو یہ صریحاً ظلم ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

فرما دیجئے اسے قدرت ہے کہ وہ تم پر اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے، یا تمہیں لڑا دے گروہ گروہ کر کے اور بعض کو بعض کی سختی چکھا دے۔ نظر کرو ہم کیسے آیات کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔

اوپر بھی اس کا ہے، نیچے بھی اس کا ہے۔ پہلے لوگوں پر اوپر سے عذاب آ چکے ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے بھی آ چکے ہیں۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ گروہ بندی سے ہونے والی بربادی بھی عذاب الٰہی ہے۔ گروہ بندی سے ہونے والی بربادی معاشرے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ گروہ بنانے والے، لوگوں کی خواہشات کے حوالے سے انہیں قابو کر لیتے ہیں اور خواہشات کا ٹکراؤ خانہ جنگی تک پہنچ جاتا ہے۔ اس عذاب سے بھی اللہ ہی نجات دینے والا ہے۔ نجات کا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی پسند کو باعث زحمت اور اللہ کی پسند کو باعث رحمت مان لیں۔ سمجھ لینے کی بات یہ ہے کہ حدود اللہ کے احترام میں بڑی سلامتی ہے اور عدم احترام میں دکھ ہی دکھ ہیں۔ گروہ بندی جب بڑھ رہی ہو تو اس کو عذاب الٰہی کا پیش خیمہ جاننا چاہئے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کو دیکھتے رہنا سمجھداروں پر لازم ہے۔ عذاب الٰہی سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اور گروہ بندی سے بچنے کی سعی کرنی چاہئے۔ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی اہمیت نہ بڑھنے دی جائے، تو گروہ بندی کو روکا جا سکتا ہے۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۭ ﴿٦٦﴾

اور تمہاری قوم نے اس کی تکذیب کی اور حق وہی ہے۔ فرما دیجئے میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔

قوم اگر ارشاد خداوندی سے فیضیاب نہ ہو اور حق کو سن کر بھی اپنی خواہشات کی پیروی سے باز نہ آئے اور معاشرتی زندگی کو تباہ کرنے والے اسباب کو ختم نہ کرے تو پھر حق تو واقع ہو کر رہے گا۔ رسول کے ذمے کسی کی حفاظت نہیں لکھی گئی۔ حق کا پہنچانا لکھا گیا ہے۔

حاصل : اگر کوئی آگاہی سے فائدہ اٹھائے تو اس میں اس کا بھلا ہوتا ہے۔ حق پہنچانے والے کے ذمے کسی کو بچانا نہیں ہوتا۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

آگاہی کے ساتھ مہلت کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس مہلت میں فیض حاصل کرنے والے، فیض پا سکیں۔ مہلت ایک معین وقت کے لئے ہی ہوتی ہے۔ جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے، تو پھر اس خبر کا وقوع پذیر ہونا یقینی ہوتا ہے۔ جس عذاب سے آگاہ کیا گیا ہے، انکار کرنے والوں کو اس کا پتہ لگتے دیر نہیں لگے گی۔ مگر مہلت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ پتہ کسی کام نہیں آئے گا۔

حاصل : سب سے بڑا خبر دینے والا بڑا کرم کرتا ہے کہ آگاہی کے ساتھ مہلت بھی دیتا ہے۔ اسی مہلت میں فیضیاب ہونا ممکن ہوتا ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا

اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں، تو ان سے اعراض کرو۔ حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ

تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾

مت بیٹھو۔

جو لوگ ارشاد خداوندی پر عمل پیرا شاہدین کے حوالے سے حکم خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں، وہ حق کو ماننے والے لوگ ہیں۔ اور جو لوگ حق کو اپنی سوچ کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، یہ آیات میں جھگڑا کرنے والے لوگ ہیں۔ ان سے اعراض کرنا حق ہے۔ جب یہ کسی دوسری بات میں مصروف ہو جائیں تو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہے اور اگر بھول ہو جائے اور آیات میں جھگڑنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھنے کا حکم یاد نہ رہے تو یاد آنے پر فوراً وہاں سے اٹھ بیٹھنا حق ہے۔ یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس بیٹھنا منع ہے۔ یہ برائی سے دور رہنے کی صورت ہے۔ مگر برے سے دور رہنا تبلیغ حق کی راہ کو مسدود کر دیتا ہے۔

حاصل : برائی سے دور رہنا ضروری ہے۔ آیات میں جھگڑنے والوں کے پاس بیٹھنا جب تک وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں منع ہے۔ بھول ہو جائے تو یاد آنے پر فوراً حکم خداوندی پر عمل کرنا چاہئے۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور تقویٰ کرنے والوں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں؛ ولیکن نصیحت دینا، تاکہ وہ باز آ جائیں۔

مومن مبتدی کے لئے طعن واستہزاء کرنے والوں کے پاس بیٹھنا بہرصورت مضر ہوتا ہے۔ کہ اسے اپنی حفاظت کا علم بھی نہیں ہوتا۔ دوسروں کی حفاظت تو بہت بڑا مقام ہے۔ مگر تقویٰ کرنے والوں کا یہ حق ضرور ہے کہ وہ طاعنین کو نصیحت دیتے رہیں اور ان کو برے عمل سے نجات حاصل کرنے میں مدد دیتے رہیں تاکہ وہ اس برے عمل سے باز آ جائیں۔ نصیحت دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ نصیحت پانے والے کی بے علمی سے پیدا ہونے والی حرارت ناصح کی مؤدّت کو بڑھاوا دے۔ ناصح کو استقامت سے اپنا حق ادا کرنا ہوتا ہے۔ کوئی فیض لئے بغیر بھاگ جائے، اس کی اس سے پوچھ نہیں ہوگی۔

حاصل : ناصح متقی کا کام ہے، استقامت سے اس حق کو پہنچاتے رہنا جو اس کے ذمے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس سے فیض حاصل کئے بغیر بھاگ جاتا ہے تو اس کی اس سے پوچھ نہیں ہوگی۔ مگر ناصح کبھی کسی کو دور نہ کرے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ

اور انہیں چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے۔ اور انہیں حیات

الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ
نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ
لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا
شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ
عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ
لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا
يَكْفُرُوْنَ ۝ ركوع ١٤

دنیا نے فریب دیا ہے اور اسے نصیحت کرو تاکہ کوئی نفس اپنے کئے میں گرفتار نہ ہو. کہ اللہ کے مقابل اس کا نہ کوئی دوست اور نہ شفاعت کرنے والا۔ اور اگر سارے بدلے دے تو اس سے نہ لئے جائیں۔ وہی لوگ ہیں جو اپنے کئے میں گرفتار ہوئے۔ انہیں پینے کو گرم پانی اور المناک عذاب ہے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

جن لوگوں کو حیات دنیا نے فریب دیا ہے، وہ ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیتے ہیں۔ ان کی طرف متوجہ رہنے سے حال پر ملی ہوئی توفیق کما حقہٗ استعمال نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ایسے لوگوں پر توجہ مرکوز کرنا بے جا ہے۔ حق یہ ہے کہ نصیحت عمومی ہو اور ہر نفس اس سے آگاہ ہو جائے کہ اسے اس کے اعمال کی جزا ضرور ملے گی اور جزا دینے والے کے سامنے کافر کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ شفاعت کرنے والا۔ کافر اس وقت سارے بدلے دینے کو بھی تیار ہو تو قبول نہ کئے جائیں گے۔ حیات دنیا میں اللہ کی دی ہوئی توفیق کو کھیل تماشے میں برباد کر دینا انتہائی ناعاقبت اندیشی ہے۔ ایسے لوگ اپنے کئے میں گرفتار ہو جائیں گے۔ انہیں پینے کو گرم پانی ملے گا اور ان کے لئے المناک عذاب ہو گا، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ حق کا انکار کرنے والے ناصحین کے ساتھ جو رویہ رکھتے ہیں، اسی سے ان کا مستقبل تشکیل پاتا ہے۔ جو فلاح کا انکار کرے وہ عذاب میں گرفتار نہ ہو، یہ ممکن نہیں۔

حاصل : جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے ان پر توجہ مرکوز کرنا بے جا ہے۔ نصیحت عمومی ہو اور اس طرح ہو کہ ہر نفس اپنے اعمال کی جزا سے آگاہ رہے۔ اس وقت کافر کو نہ کوئی حمایتی ملے گا، نہ شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی بدلہ ہی قبول ہو گا۔ جو فلاح کا انکار کرے، عذاب اسی کے لئے ہوتا ہے۔ یہ عذاب حال پر خفی ہوتا ہے، مستقبل میں جلی ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ج وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ٨/٥٠

اور کبھی تم دیکھو جب ملائکہ کافروں کو وفات دیتے ہیں مار رہے ہوتے ہیں ان کے مونہوں پر اور ان کی پیٹھوں پر اور کہتے ہیں چکھو جلنے کا عذاب۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ صلے لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ٧١

فرما دیجئے کیا ہم اللہ کے مقابل ان کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں، نہ ضرر اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ اس کی طرح جسے شیاطین نے زمین میں حیران کیا ہے۔ اس کے ساتھی اسے ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں۔ فرما دیجئے اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے اور ہمیں امر ہے کہ رب العالمین کو تسلیم کریں۔

فرمان رسول، امر الٰہی ہوتا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں فرقان بصورت انعام موجود ہوتا ہے۔ رویئے کے ٹھیک ہونے یا ٹھیک نہ ہونے کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مثالیں بیان فرمائیں ہیں۔ شرک کی دعوت کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے مقابل ان کو پکارنا جو نفع و نقصان پر قادر نہیں ہیں، راہ راست سے ہٹنے والی بات ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے، خوف و حزن سے نجات دی ہے، اب الٹے پاؤں حیرانی کی طرف پھر جانا ممکن نہیں۔ یہ تو ایسی بات ہوگی کہ کوئی مسافر اپنے بدخواہوں کی بات سن کر حیران ہو رہا ہو، پریشان ہو رہا ہو اور اس کے بہی خواہ اسے راہ راست کی طرف بلا رہے ہوں۔ تو لازم ہے کہ مسافر اپنے بہی خواہوں کی آواز سن کر، اپنا رخ درست کرے گا اور حیرت کی تاریکی سے نجات پالے گا۔ دوست اور دشمن کی آواز میں فرق محسوس کرنا نہایت ضروری ہے۔ دوست وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت یافتہ ہیں اور جو شیطان کے اتباع کے مرتکب ہیں وہ استکبار سے لوگوں کو حیران کرتے رہتے ہیں۔ جسے حیرانی، پریشانی مطلوب ہو وہ مستکبرین کو دوست بنائے۔ ہدایت یافتہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتے، امر الٰہی کو تسلیم کرتے ہیں۔

حاصل : دوست اور دشمن کی پکار میں فرق محسوس کرنا بہت ضروری ہے۔ دوست کی پکار میں اللہ کا فضل ضرور شامل ہوتا ہے۔ دشمن کی پکار ہمیشہ اس کے استکبار کو ظاہر کرتی ہے۔ ہدایت یافتہ پر لازم ہے کہ وہ دعوت غیر کے جواب میں امر الٰہی کے تسلیم کرنے کا دعویٰ کرے اور امر الٰہی کو ادب سے ماننے کا ثبوت دے۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ کہ نماز قائم کرو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں اکٹھے ہونا ہے۔

تسلیم رب العالمین کے دعوے کے ساتھ نماز کا قائم کرنا لازم ہے۔ اللہ سے ڈرنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کی پسند کو پسند کیا جائے اور جو اللہ کو ناپسند ہو اس کے قریب بھی نہ جایا جائے کہ جزا کے لئے اسی مالک کل کے سامنے پیشی ہوگی۔ توفیق دینے والے معطی مطلق کی طرف ہی واپسی ہوگی۔ اس واپسی پر نظر رہے تو غفلت کا مقام ہی نہیں آتا۔

حاصل : نماز قائم کرنا اور اللہ سے ڈرنا ہمہ وقتی ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی پر نظر رہے تو غفلت کا مقام ہی نہیں آتا۔ جسے اللہ کا ڈر ہو وہ غافل نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴿۷۳﴾

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن فرمائے گا، ہو جا، تو وہ ہو جائے گی۔

آسمانوں اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور ایک وقت تک کے لئے پیدا کیا ہے۔ حیات دنیا میں آسمان اور زمین اپنا اپنا حق ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہتے ہیں اور اس طرح زندگی کا عمل جاری رہتا ہے۔ جب عمل کے لئے رکھی گئی کل مہلت ختم ہو جائے گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کو واقع ہونے کا حکم ہو گا۔ احکم الحاکمین کا حکم ہوتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ قیامت کے واقع ہو جانے کے بعد کسی کا حق کو مان لینا، اسے نفع نہیں دے گا۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کے خالق کی رضا ملحوظ خاطر رہے اور قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہو تو کسی مقام پر فرد کی زندگی میں کجی نہیں آتی، نہ کسی مقام پر اجتماعی زندگی میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کی اہمیت کو روشن کرتے رہنا چاہئے۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

قول اسی کا حق ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔ غیب اور شہادت کا علم رکھتا ہے اور وہی حکیم و خبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول حق ہے۔ اسی معیار سے ہر مقام پر حق اور ناحق کے درمیان حد فاصل کو روشن کرنا چاہئے۔ جو بات اس

حق کے خلاف ہو، وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔ حیات دنیا کی حد تک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جو توفیق دی ہے۔ اس توفیق کی بنا پر بعض لوگ بڑے بن بیٹھتے ہیں، زمین میں استکبار کرتے ہیں اور لوگوں کو محکوم بناتے ہیں۔ مگر جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن سلطنت صرف مالک حقیقی کی ہوگی، باقی سب اپنے اپنے اعمال کی جزا پانے والے ہوں گے۔ جزا دینے والے سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ چھپے کا بھی علم رکھتا ہے، ظاہر کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس لئے خلوت و جلوت میں اسی کی رضا مقصود رہنی چاہیئے۔ اس کی رضا مقصود رہے تو حکمت کا پتہ ملتا ہے اور اس کی خبر ملتی ہے۔ ورنہ بے خبری میں ہی توفیق ضائع ہوتی رہتی ہے۔

حاصل : حق، اللہ کا فرمان ہے۔ اسی معیار سے ہر مقام پر ٹھیک اور نہ ٹھیک کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ قیامت کے دن جزا دینے والے کی ہی سلطنت ہوگی۔ چھپے اور ظاہر، ہر مقام پر رضائے الٰہی مقصود رہے تو حکمت کا بھی پتہ چلتا ہے، خبر بھی ملتی ہے۔ ورنہ بے خبری میں ہی توفیق ایزدی ضائع ہوتی رہتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا کیا آپ اصنام کو معبود بناتے ہیں۔ بے شک میں آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صدیق نبی ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ اور نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے دشمن کے لئے مغفرت طلب کرے۔ چاہے اللہ کا دشمن اس کے قربیٰ ہی سے کیوں نہ ہو۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے آپ اس سے الگ ہو گئے۔ (۹. ۱۱۳) سورۃ ابراہیم میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے مغفرت طلب کی۔ سورۃ توبہ میں اسی مغفرت طلبی کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا نہ تھا مگر ایک وعدہ کے سبب جو اس سے کر چکے تھے۔ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا۔ اَنَّہ عدو للہ تبرا منہ کہ وہ اللہ کا دشمن ہے آپ سے اس لئے الگ ہو گئے (۱۱۴) اس سے یہ روشن ہو گیا کہ یہ مغفرت طلبی اس وقت سے پہلے تھی جب آپ پر یہ واضح ہوا کہ آذر اللہ کا دشمن ہے۔ آذر کو اپنی قوم کی سرداری بھی حاصل تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے ساتھ اس کی قوم کو بھی کھلی گمراہی میں دیکھا۔ بت ہمیشہ انسانی خواہشات سے بنتا ہے۔ بت بنانے والا لوگوں کو ان کے مفادات کے حصول کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسطرح انسان اپنی بنائی ہوئی شے کو ماننے لگتا ہے اور اپنے بنانے والے کو نہیں مانتا۔ بت پرستوں کی گمراہی ان کے طریق زندگی کو دیکھے بغیر واضح نہیں ہوتی۔ اگر انہیں مطلوبہ نتائج حاصل ہو جائیں تو ان نتائج کو بتوں کی خوشی کی وجہ سے سمجھا جاتا ہے اور اگر مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ بت یا بتوں کی خوشی حاصل نہیں ہو سکی۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے، اگر یہ مان لیں کہ جس مقصد کے لئے وہ کوشاں ہیں، وہ مقصد رضائے الٰہی سے دور لے جانے والا ہے اور نفع و نقصان پر قدرت رکھنے والی ذات اقدس خالق کل کی ہے، تو پھر کسی بت کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ ہر بچہ پاک پیدا ہوتا ہے۔ ارحام میں صورت گری بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اللہ نے کسی کو ناپاک پیدا نہیں کیا۔ شیطان بھی نافرمانی اور استکبار سے ناپاک ہوا۔ نسب پر فخر کرنا حق نہیں ہے، کہ کسی کا نسب اس کی تجویز سے نہیں بنتا۔ پھر سب

لوگوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم کے لئے مقرر کردہ معیار، تقویٰ ہے اور بندوں کو جو توفیق دی گئی ہے، اس کے مطابق ان سے تقویٰ کی پوچھ ہوگی۔

حاصل : اگر باپ کی طریقت میں رضائے الٰہی سے دوری نظر آئے، یا سردار لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسا رہا ہو، تو ایسے موقع پر مصلح پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدے کو بیان کرے اور یہ کہے کہ وہ اپنے باپ یا سردار کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٦﴾

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی اور اس لئے کہ آپ یقین والوں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عین الیقین ہونے کا مرتبہ عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھائے۔ یہ مشاہدہ دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ زندگی کے حقائق، قلب کی تنویر کے بعد ہی واضح ہوتے ہیں اور یہ تنویر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کر دیتا ہے۔ مگر اسی کو عطا کرتا ہے، جس کا قلب غیر اللہ سے پاک ہو۔ انعام یافتہ، عین الیقین کے مقابل ظن و تخمین سے بات کرنے والے ہمیشہ بے ثبات ہوتے ہیں۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کے سامنے اپنے خیال کی بات کرنا بڑی ناشکری ہے۔

حاصل : حقائق کا دیکھنا، دل کی آنکھوں سے ہوتا ہے۔ عین الیقین ہونے کا مقام اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٧﴾

پھر جب آپ پر رات نے اندھیرا کیا، آپ نے ایک ستارہ دیکھا۔ کہنے لگے، یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے میں غائب ہو جانے والوں کی حُب نہیں رکھتا۔

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دیکھ لینے کے بعد اور صاحب یقین ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عنداللہ جو مقام تھا، اس کے متعلق بات کرتے ہوئے ان کا مشاہدہ اور یقین بہرحال پیش نظر رہنا چاہئے۔ جن لوگوں کو آپ کواکب پرستی کی ظلمت سے نکالنا چاہتے تھے، ان کے عقائد آپ پر واضح تھے۔ آسمانوں سے رزق کا ملنا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ستاروں کا اثر نباتات پر بھی ہوتا ہے، حیوانات پر بھی ہوتا ہے۔ پالنے کے عمل میں ستارے کے حصے کو دیکھنا شرک نہیں ہے۔ ستارہ پرستوں کو یہ احساس دلانا کہ غائب ہو جانے والا، ڈوب جانے والا، اپنی ذات میں دوام کے نہ ہونے کو ثابت کر رہا ہے اور مربوب کی موجودگی

ربوبیّت کے دوام کا تقاضا کرتی ہے۔ ڈوب جانے والے تو اپنے عمل سے اپنے عجز کو ثابت کر رہے ہیں۔ اس لئے ان کو قادر مطلق ماننا اور معبود ماننا خلاف حق ہے۔

حاصل : جس کو مشکل سے نجات دلانا مقصود ہو، اس کی مشکل کا علم ضرور ہونا چاہئے۔ راہنمائی کرنے والے کی شان یہی ہے کہ جس عقیدے کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو رہے ہوں، اس کا نقص ان پر واضح کرے۔ مگر ان پر چوٹ نہ مارے بلکہ اپنا حال بیان کرے۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر جب چاند کو دیکھا کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگے اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔

چاند کے زندگی پر اثرات، قدیم زمانہ سے انسان کے علم میں ہیں اور کواکب پرستی کرنے والے چاند کو مصنوع جاننے کے باوجود اسے معبود مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں یا چاند کو پہلے بھی نکلتے اور ڈوبتے دیکھا تھا۔ مگر قوم کے عقائد کی حقیقت ان پر روشن کرنے کے لئے آپ نے چاند کو رب کہا۔ رب کہتے ہوئے، آپ کو یہ یقین تو تھا کہ یہ ڈوب جائے گا۔ مگر اس کے ڈوب جانے تک آپ نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ یہ اقرار اس تضاد کو واضح کرنے کے لئے تھا، جس کو وہ قوم نظر انداز کر رہی تھی۔ ڈوب جانے کا مشاہدہ کر لینے کے بعد آپ نے فرمایا۔ اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں ضرور گمراہوں سے ہو جاؤں گا۔ گمراہی کی یہ نشان دہی اپنے اندر دعوت فکر و نظر رکھتی ہے۔

حاصل : عقائد میں تضاد کو واضح کرنا بڑے علم اور حوصلے کا کام ہے۔ راہنمائی کرنے والا اپنی رفتار کو لوگوں کی رفتار سے ملائے، تبھی ان میں راہنمائی کرنے والے کی رفتار سے چلنے کی سکت پیدا ہو سکتی ہے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب سورج کو جگمگاتے دیکھا، کہنے لگے، یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا، کہنے لگے اے میری قوم جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔

سورج کے زندگی پر اثرات کا علم جیسے جیسے بڑھتا جائے، اس کے بنانے والے کا شکریہ ادا کرتے رہنا حق ہے۔ کم علمی کی

وجہ سے لوگ شے کو ماننے لگتے ہیں۔ مالک حقیقی کو نہیں مانتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زندگی کے عمل میں سورج کے حصے کو جانتے تھے اور فیض رسانی میں اس کی بڑائی بھی سامنے تھی۔ آپ نے کواکب پرستوں کو مصنوع سے صانع کی طرف چلانے کے لئے سورج کے غروب ہونے تک اس کی ربوبیت کے اعتراف سے آسرا دیا اور جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا اے میری قوم جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، یہ تو اپنی مرضی سے تقدیم و تاخیر پر بھی قادر نہیں ہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں۔ ماننے کے لائق تو وہی صانع ہے جس نے یہ سب بنائے ہیں۔ اس بات سے سننے والوں کو تضاد سے پاک ہونے کے لئے راستہ ضرور ملتا ہے۔ فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے جو تضاد سے پاک ہونا چاہے۔

حاصل : جس کی راہ نمائی مقصود ہو، اس کی بات کو سننا چاہئے اور جہاں پر وہ رکا ہوا ہو وہاں سے آگے بڑھنے میں اسے مدد دینی چاہئے۔ شے پر رک جانے والے کو مالک حقیقی تک پہنچنے میں مدد دینا ہی حیات دنیا میں انسانوں کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۸۰

میں نے اپنا رخ اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، حنیف ہوکر، اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

قوم کے عقائد سے بیزاری کے اظہار کے بعد آپ نے انہیں خیر کا رخ دکھایا اور فرمایا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے میں اپنا رخ اسی لاشریک کی طرف کرتا ہوں، مالک کل ہی میرا معبود ہے۔ میں کسی مملوک کو معبود نہیں مانتا۔ یکسو ہونا، حنیف کی شان ہے۔ حنیف یہ یقین رکھتا ہے کہ اشیاء سب اس کے لئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

حاصل : شاہد کے لئے "نہ ٹھیک" بتانے کے بعد "ٹھیک" بتانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ حنیف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اشیاء سب اس کے لئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جس کے سامنے حق کو ماننے کے لئے ایک سے زائد معیار ہوں، وہ شرک سے بچ نہیں سکتا۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۱

اور آپ کی قوم آپ سے جھگڑنے لگی۔ فرمایا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو۔ تو اس نے مجھے ہدایت دی اور مجھے ان کا خوف نہیں ہے جنہیں تم اس کا شریک بتاتے ہو۔ اِلّا یہ کہ میرا رب جو چاہے۔ میرے رب کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار کیا تو وہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگے۔ اور اپنے تصورّاتِ معبود کے مطابق اللہ کی صفات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو۔ حالانکہ جو راہ میں تمہیں دکھارہا ہوں وہ راہ مجھے اسی لاشریک نے دکھائی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ میرے رویئے کی بدولت تمہارے شریک ناراض ہو جائیں گے اور یہ بات میرے لئے مصائب و آلام کا باعث ہوگی تو جان لیجئے مجھے اس کا قطعاً خوف نہیں۔ مجھ پر جو مقام بھی آیا وہ میرے رب کی منشاء کے مطابق ہو گا اور علم الٰہی کی رو سے وہ میرے لئے باعث رحمتِ مزید ہو گا۔ میرے رب ہی کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ جن حالات میں کسی علم کا عطا کرنا اسے پسند ہو وہ حالات بھی علیم مطلق ہی پیدا کر سکتا ہے۔ میری پسند کبھی میری راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ تم کیوں نہیں مان لیتے کہ نتائج کا مالک اللہ ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل : جب کوئی اللہ کے بارے میں اپنے گمان کو بنیاد بنا کر اندھیرا پھیلا رہا ہو تو وہاں اپنے مشاہدے کو بیان کرنا چاہئے، اپنے حال کو بیان کرنا چاہئے۔ تکلیف ہو یا راحت اس سے حاصل ہونے والے علم کو نصیحت ماننے والوں کے سامنے رکھنا چاہئے۔ یہ بھی ایک طرح کی سخاوت ہوتی ہے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۲﴾ م

وقف لازم

اور مجھے تمہارے شریکوں کا خوف کیوں ہو۔ اور تم انہیں اللہ کا شریک ٹھہرانے سے ڈرتے نہیں، جس کی اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ تو فریقین میں سے امن کا بڑا حق دار کون ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کو بتوں کے ابطال سے منع کیا اور انہیں ڈرانے کی کوشش کی کہ اگر تم ان کے بارے میں اپنے رویئے کو درست نہ کرو گے تو تمہیں نقصان ہو گا۔ آپ نے فرمایا مجھے ان کا خوف بالکل نہیں ہے۔ یہ تو نفع و نقصان پر قادر ہی نہیں ہیں۔ یہ کسی کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں، اس لئے ان کے ماننے سے کسی کو امن بھی نہیں مل سکتا۔ آپ کی قوم اللہ کو مانتی تھی اور بتوں کو اس کا شریک ٹھہراتی تھی۔ آپ نے فرمایا: تم اللہ سے ڈرتے نہیں کہ اس کے بارے میں وہ باتیں کہتے ہو جو بے سند ہیں۔ وہ مالکِ کل ہے، وہی جزا دینے والا ہے اور جب عمل اس کے فرمان کے خلاف ہو تو جزا عذاب ہی ہو گی۔ اگر تمہیں علم ہے تو یہ دیکھو کہ اللہ کے عذاب کا مستحق کون ہے اور امن کا حق دار کون ہے۔ عذاب تو اسی کو ہو گا جو اللہ کے فرمان کے خلاف کر رہا ہے اور امن اس کو ہو گا جو اللہ کے فرمان کو ادب سے مانتا ہے۔

حاصل : علم کا دعویٰ کرنے والوں کو یہ دکھانا چاہئے کہ وہ کس رخ پر جا رہے ہیں اور اللہ نے اس رخ کے صحیح ہونے کی کوئی سند نازل فرمائی ہے یا نہیں۔ جس کا عمل فرمان خداوندی کے خلاف ہو اس کا دعویٰءِ علم بے حقیقت ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۵

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان سے ظلم کو نہ ملایا، انہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ایمان حبّ الناصحین سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کو ماننا، جیسے اس کے مخلص بندے اسے مانتے ہیں اور مخاصین کا ہر مقام پر ساتھ رکھنا، تاکہ کسی جگہ اپنی خواہش کے اتباع کی وجہ سے گمراہی نہ پیدا ہو، ایمان والوں پر لازم ہے شرک ظلم عظیم ہے اور شرک یہ ہے کہ جس کے حوالے سے اللہ کو مانا جا رہا ہے، کلیتہً ہر مقام پر اللہ کو اسی کے حوالے سے نہ مانا جائے. بلکہ کسی جگہ اللہ کو اپنی خواہش کے مطابق اور شاہد کی تعلیم کے خلاف بھی مانا جائے۔ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہ فرمائی ہو۔ شرک کا مقام وہیں آیا کرتا ہے جب اپنے معلّم کے ساتھ اور اپنے پاک کرنے والے کے ساتھ محبت نہ ہو۔ شاہد سے محبت ہو تو شرک ممکن نہیں ہوتا اور محبت نہ ہو تو شرک سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ جو شرک سے بچ جائے اس کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہے۔ جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا رہے، وہ گمراہ ہے اور امن سے دور جا رہا ہے۔

حاصل : ایمان کو شرک سے بچانا ہی باعث امن اور باعث ہدایت ہوتا ہے۔

شہادت : حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے سرکشی کی اور صالح علیہ السلام کو نہ مانا جیسے ماننے کا حق تھا۔ آپ نے انہیں آگاہ کیا کہ تم پر عذاب آ جائے گا۔ وہ اس سے بے خوف رہے۔ انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا:

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ ۷/۷۹

اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا اور تمہیں نصیحت کی ولیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہ تھی۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

اور یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آپ کی قوم پر عطا فرمائی۔ ہم درجات بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں۔ بے شک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے۔

صاحبو! حجت وہ دلیل ہوتی ہے جس سے اللہ کے مقبول بندے اپنے مخاطب کو ایسے مقام پر پہنچنے میں مدد دیتے ہیں جہاں سے وہ اپنے مؤقف کے نقص کو دیکھ سکے۔ جسے اللہ تعالیٰ حجت عطا فرمائے اس کے درجات میں رفعت آنے لگتی ہے۔ رفعت

درجات اللہ کے چاہنے ہی سے ممکن ہوتی ہے اور اللہ کے چاہنے میں ہمیشہ حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ حجت عطا فرما دے تو اس کا منشاء رفعت درجات ہوتا ہے۔ اللہ جس کا درجہ بلند کرے اسی کو بلند ماننا چاہیئے۔ اس میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۙ﴿۸۵﴾

اور ہم نے آپ کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام عطا کئے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور اس سے قبل نوح علیہ السلام کو راہ دکھائی اور اس کی ذرّیّت سے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو اور ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حجت عطا فرمانے کے ساتھ اور رفعت درجات کے انعام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں حضرت اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے اور ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بنی اسرائیل کے جدامجد ہیں۔ اور نبوت ایک مدت تک بنی اسرائیل میں ہی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام آدم ثانی بھی کہلاتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جدّ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کے اعتبار سے روشنی کا مینار ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواہش نفس سے جڑی ہوئی جاہ و حشمت کے مقابل قید کو پسند کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مظالم سے نجات دلائی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا اور اپنے بھائی کا اس طرح ادب کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر حکم خداوندی کے مطابق تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کر دی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اس حال میں بھی آپ نے بنی اسرائیل کو تفرقے سے بچایا۔ یہ سب محسنین ہیں۔ اللہ نے اپنے کرم سے ان سب حضرات گرامی قدر کو اپنی راہنمائی سے نوازا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسن عمل کی ایسی جزا دی جاتی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔ اس لئے بادشاہی کی صورت میں بھی خدمت خلق ہو اور اس جذبے کے ساتھ ہو کہ لوگ استکبار سے محفوظ رہیں۔ صبر کی صورت میں بھی عطائے الٰہی کو پورا دیکھا جائے اور حرف شکایت سے زبان و جسم

آلودہ نہ ہو۔ خواہش نفس کی پیروی کے ساتھ حاصل ہونے والی ہر سہولت پر پاؤں رکھ کر رضائے الٰہی کو مقصود بنایا جائے۔ مشکل مقامات پر اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دیا جائے اور علم سے ان کی رہنمائی کی جائے اور جب خلافت ملے تو لوگوں کو تفرقے سے بچایا جائے، تو یہ سب حسن عمل کی صورتیں ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ اسلام سب صالحین سے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں اسرائیلی روایت کے مطابق جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے پناہ لینے کی بجائے درخت سے پناہ مانگی، قرآن پاک میں ان کے شبہات کے ازالے کے لئے سند نازل فرمائی گئی ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام کے صالح ہونے کی اللہ نے شہادت دی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی صالح ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام بھی صالح ہیں۔ ان حضرات کے متعلق اگر کسی نے اپنے گمان سے کوئی برائی منسوب کی ہے، تو وہ صریحاً گناہگار ہے۔

حاصل : صالحین کے متعلق بات کرنے کا حق اسی کو ہوتا ہے جو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرتا ہو اور ان کے علم سے آگاہ ہو۔ جو صالحین کی راہ پر نہ ہو اس کا صالحین کے متعلق بیان ہمیشہ بے حقیقت ہوتا ہے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور اسماعیل علیہ السلام اور یسع علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اور ان سب کو ہم نے عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کے ان لوگوں نے جو حق کے مقابل من مانی کرنے کی طرف راغب تھے، ایسی کہانیاں جوڑ کر سنائیں کہ لوگوں کو یہ محسوس ہوا کہ نبی بڑے علم والے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ مگر ان سے بھی ایسے اعمال سرزد ہوتے رہے ہیں جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسی کہانیاں سنانے کا منشاء ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو نبی کے اتباع کے مقابل من مانی کرنے کی طرف رغبت ہو اور برائی اتنی کثرت سے ہونے لگے کہ اس کو رسم و رواج کا درجہ مل جائے اور برائی کرنے والے کی بجائے برائی کو روکنے کی سعی کرنے والا لوگوں کے غضب کا نشانہ بنے۔ ان سب انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ انہیں بڑی فضیلت سے نوازا گیا۔ اب اگر کوئی روایت ان کی شان اور فضیلت کو کم کرتی ہوئی معلوم ہو تو وہ قطعاً غلط ہوگی اور لائق نفرت ہوگی۔ اللہ کے فرمان کے مقابل، کسی کے بیان کو اہمیت دینا، ایمان باللہ کے نہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

حاصل : اللہ نے جس کو فضیلت دی وہی فضیلت والا ہے اور صاحب فضیلت کے بارے میں ایسی بات کرنے والا جس سے فضیلت کی نفی ہوتی ہو، لائق نفرت ہے۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۸﴾

اور ان کے آباء سے اور ان کی اولادوں سے اور بھائیوں سے، اور ہم نے انہیں پسند کیا اور انہیں صراط مستقیم کی طرف راہ دی۔

ان حضرات گرامی قدر کے آباء میں سے بھی ان کی اولادوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی اللہ نے حسن عمل والوں کے درجات بلند کئے۔ انہیں پسند کیا اور صراط مستقیم ان پر روشن فرمایا۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہوتا ہے جس پر چل کر خوف و حزن سے نجات ملے اور اطمینان قلب حاصل ہو۔ پاک رہنے کی سعی کرنا بندے کا حق ہے اور صراط مستقیم دکھانا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ صراط مستقیم پر چلنے والے سے محبت ہو جائے تو کفر، فسق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے اور مشقت بھی معاف ہو جاتی ہے۔

حاصل : پاک رہنے کی سعی کرنا بندے کا حق ہے۔ صراط مستقیم دکھانا اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ صراط مستقیم پر رہنے والوں کو پریشانی نہیں ہوا کرتی۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۹﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اپنے بندوں سے جسے چاہے دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔

جو لوگ ہدایت یافتہ ہوئے ہیں، انہیں اللہ ہی نے ہدایت دی ہے۔ اور یہ سب انبیاء کرام کی اطاعت و اتباع کرنے والے لوگ تھے۔ انبیاء وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے اپنا شاہد بنا کر بھیجا۔ ان کے اعمال میں نقص کا تصور بھی انتہائی بے ادبی ہے۔ یہ بات ان کی ہے جو انبیاء سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر یہ لوگ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضائع ہو جاتے۔ ماننے والے کی شان یہی ہے کہ اپنے شاہد کے اتباع میں کسی مقام پر من مانی نہ کرے کہ یہی شرک ہے اور اس سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ جب حال اور ماضی میں تعلق نہ رہے تو سابقہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حاصل : ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اپنے شاہد کے اتباع میں من مانی کرنا شرک ہے اور شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾

یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی۔ تو اگر یہ لوگ اس کا انکار کریں، تو ہم نے اس کے لئے ایسے لوگ لگا رکھے ہیں جو اس کا انکار نہ کریں۔

جن لوگوں کو اللہ نے کتاب عطا فرمائی، حکم عطا کیا اور نبوت کی روشنی سے سرفراز کیا، انہوں نے حق کا شکریہ ادا کیا تو اللہ نے انہیں پسند کیا۔ اگر انبیاء کرام کو ماننے والے کسی جگہ من مانی کرتے اور کسی جگہ حق کو مانتے رہتے تو یقیناً ان کے ماضی اور حال کا تعلق ٹوٹ جاتا اور اعمال بے حقیقت ہو جاتے۔ اسی طرح اگر حال پر سننے والے اس حق کا انکار کریں گے، تو ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو حق کو مانیں گے جیسے ماننے کا حق ہے۔ منکرین کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ جن کے اعمال ضائع ہو رہے ہوں ان کا سب کچھ اکارت جا رہا ہوتا ہے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ان کے بعد تسلط انہیں ملتا ہے جو حق کو مانتے ہیں۔ جیسے ماننے کا حق ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ تو تم انہی کی اقتدا کرو۔ فرما دیجئے میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ یہ تو عالمین کے لئے نصیحت ہے۔

قرآن پاک کا عالمین کے لئے نصیحت ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہی تمام عالمین کے لئے معیار مطلق ہو جائے گا۔ اگر کوئی اس کے احکام کو مانتا ہے تو اس میں اس کا بھلا ہے اور اس بھلے کا اس سے کوئی اجر طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسے پہلے پاک لوگوں نے اپنے شاہد کے اتباع میں کسی جگہ من مانی سے شرک کا ارتکاب نہیں کیا، ویسے ہی اب بھی پاک لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ انہی کی راہ پر چلتے رہیں۔ فلاح کبھی شرک میں نہ ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔

حاصل : حق کو بیان کرنے والے کو کبھی اجر کا سوال نہیں کرنا چاہئے، نصیحت کو ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔ اگر حال پر موجود لوگوں کے رویئے سے مایوسی ہو رہی ہو، تو آنے والے لوگوں کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ماننے والے ہوں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ ۲۴/۵۲

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرتا رہے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسے اس کی قدر کرنا حق ہے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا۔ فرما دیجئے کہ وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، لوگوں کے لئے نور و ہدایت تھی، کس نے نازل فرمائی۔ جس کو تم نے ورق ورق کر کے دکھلایا اور بہت سا مخفی رکھا اور تمہیں وہ علم دیا گیا جو نہ تمہیں معلوم تھا اور نہ تمہارے باپ دادا کو۔ فرما دیجئے اللہ نے۔ پھر انہیں ان کی بے ہودگی میں کھیلتا چھوڑ دیجئے۔

یہود کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ مجادلہ کرتے ہوئے جب یہاں تک کہہ دیں کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا تو رب العالمین کی تنزیل کا انکار حقائق کا انکار کرنے والی بات ہے۔ ان سے یہ پوچھا جائے کہ اگر اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں فرمایا تو جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جس میں لوگوں کے لئے نور تھا، ہدایت تھی، جس کو تم نے ورق ورق کر دیا، جس کا کچھ حصہ لوگوں کو دکھاتے ہو اور بہت سا ان سے مخفی رکھتے ہو۔ جس بات کا بیان کرنا تمہارے مفاد میں نہ ہو اس کو بیان نہیں کرتے اور تورات میں تمہیں اس علم سے نوازا گیا جو تمہیں بھی پہلے حاصل نہ تھا اور تمہارے آباء کو بھی نہ تھا، تو یہ تورات کس نے نازل فرمائی۔ یہ معطیٔ مطلق کی بے قدری ہے کہ اس کی عطا سے استفادہ بھی کیا جا رہا ہو اور اس کا انکار بھی کیا جا رہا ہو۔ جہاں سوال کیا جائے، وہاں جواب دینے والا اگر حق کی طرف نہ آ رہا ہو تو خود ہی جواب دے کر بات کو پورا کر دینا چاہئے اور حق کے منکرین کو بے ہودگی میں کھیلتے چھوڑ دینا چاہئے۔

حاصل : مجادلے میں جب کوئی حق کا انکار کرتے کرتے اس بنیاد کی ہی نفی کر دے، جس پر کھڑا ہو کر وہ بات کر رہا ہو تو پھر اپنے سوال کا جواب خود ہی دے کر بات کو پورا کر دینا چاہئے۔ جس علم

کی بدولت ہمیں جہالت سے نجات ملی ہو اس کے عطا کرنے والے کی قدر کرنا بڑا حق ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے۔ ان کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہیں اور اس لئے کہ اُمّ القریٰ اور جو اس کے گرد ہیں، کو ڈر سنایا جائے۔ اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

قرآن پاک برکت والی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پہلی آسمانی کتابوں کا مصدق بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اگر پہلی کتابوں کا کوئی حصہ قرآن پاک کے بیان کے خلاف ہو تو یقیناً وہ حصہ اہل کتاب کی ذاتی اغراض کی وجہ سے بدل دیا گیا ہے۔ فرمان خداوندی کا منشاء لوگوں کو پاک رکھنا ہے، خواہش کی پیروی سے روکنا ہے اور مخلصین کے نقوش قدم سے صراط مستقیم کو روشن کرنا ہے۔ یہی پہلے تھا، یہی اب ہے۔ اس میں تضاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ عالمین کے انذار کے لئے ہے اور اس انذار کی ابتدا تمام بستیوں کی ماں سے ہو رہی ہے اور یہیں سے یہ عالمین تک پہنچ پائے گی۔ مکہ مکرمہ ساری دنیا کا مرکز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو بیت اللہ کے لئے پسند فرمایا ہے۔ جس بات میں بھی اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہو، اسے مکہ مکرمہ سے شروع ہونا چاہئے۔ قبول عام کے لئے کسی بھی کام کی ابتدا کا صحیح مقام سے ہونا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک کو وہی لوگ مان سکتے ہیں جنہیں یہ یقین ہو کہ ان کا ایک منشاء حیات ہے اور توفیق ایزدی کے استعمال کے مطابق انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اپنے حال اور اعمال پر نظر رکھنے والے یہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نمازوں کی حفاظت کی صورت یہ ہے کہ نمازوں کے مقررہ اوقات سے پہلے یہ بندے نماز کی نیت سے وضو کرتے ہیں اور ادائیگی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ نہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں نہ خفی آواز سے پڑھتے ہیں، بلکہ اس کے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہیں اور نماز کے بعد اپنی زبان کو شوکت نفس سے بچاتے ہوئے قول سدید کے درجے میں رکھتے ہیں اور اعمال کو استکبار سے بچاتے رہتے ہیں۔ جہاں اپنی شان بلند ہوتی ہوئی معلوم ہو اپنے معلم اور شاہد کا شکریہ ادا کرنے لگتے ہیں۔ اس سے ان کے درجات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

حاصل : قرآن پاک برکت والی کتاب ہے۔ حق کی تصدیق کے لئے یہی نہ بدلنے والا معیار ہے۔ بھلائی کرنا بڑے علم کا کام ہے۔ ابتدا صحیح مقام سے ہو تبھی کماحقہٗ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جو آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ غافل نہیں ہے۔ جو غافل نہیں ہے وہ قرآن پاک کو مانتا ہے اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

کذب سے افترٰی باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی ہے اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی ہو۔ اور کہے کہ میں ابھی نازل کرتا ہوں، اس کی مثل جو اللہ نے نازل فرمایا۔ اور اگر تم دیکھو کہ جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں اور ملائکہ اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تمہیں خواری کا عذاب ملے گا اس لئے کہ تم اللہ کے متعلق ناحق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

جو فرمان خداوندی کے خلاف حکم کرے وہ ظالم ہوتا ہے اور جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے وہ اظلم ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو اس درجے پر مامور بتائے جو اللہ نے صاحب وحی کو عطا فرمایا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے کچھ وحی نہ ہوتی ہو، تو وہ اظلم باتوں کو ہی دین سمجھ رہا ہوتا ہے اور فرمان خداوندی کے مقابل بات بنانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی کوشش اسے کاذب ثابت کرتی ہے اور مفتری ثابت کرتی ہے۔ جو لوگ کسی بات کے حاصل پر نظر رکھتے ہوں وہ کبھی ایسے لوگوں کی باتوں کو وقعت نہیں دیتے۔ اللہ کا فرمان علم مطلق سے ہے جو اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا فرمان اپنے اندر بشارت و انذار رکھتا ہے کہ یہ جزا دینے والے کی شان ہے جو اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے فرمان میں خوف و حزن سے نجات کا راستہ موجود ہے۔ جو اس فرمان کے مثل لانے والوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ جو فرمان خداوندی کی اہمیت سے آگاہ نہ ہو وہی ایسی بے ہودہ بات کر سکتا ہے۔ کہ وہ اس کی مثل لا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں پر موت کا وقت آتا ہے۔ تو ان کو سب افترٰی بھول جاتا ہے۔ وہ توفیق ختم ہو رہی ہوتی ہے جس کی بدولت یہ باتیں بنایا کرتے تھے اور جب فرشتے یہ کہتے ہیں نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں خواری کا عذاب ملے گا۔ اس لئے کہ تم اللہ کے متعلق ناحق باتیں کرتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ اس وقت ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

حاصل : خلاف حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے اور اللہ کے متعلق ناحق باتیں بنانے والا اظلم ہوتا ہے۔ اظلم متکبّر ضرور ہوتا ہے۔ اس کی بات میں حاصل کلام کو تلاش کیا جائے تو اس کا

دعویٰ جلد ہی جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔ مفتری موت کے وقت ذلت کے عذاب میں مبتلا ہوا کرتا ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اس میں عبرت موجود ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ ع ۱۱

اور بے شک تم ہمارے پاس فرداً فرداً آئے جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار خلق فرمایا تھا اور تم پیچھے چھوڑ آئے ہو جو سامان ہم نے تم کو دیا تھا، اور ہم تمہارے ساتھ شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جو تمہارے زعم میں تم میں شریک تھے۔ بے شک تمہارے مابین تعلق منقطع ہو گیا اور گم ہو گئے تم سے، جن کا تمہیں زعم تھا۔

جیسے پیدائش فرداً فرداً ہوئی ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی بھی فرداً فرداً ہو گی۔ جس سامان سے حیات دنیا میں بڑا تعلق ہوتا ہے وہ بھی ساتھ نہیں جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا تم تو اسی طرح اکیلے آئے ہو جیسے دنیا میں اکیلے پیدا ہوئے تھے اور جو سامان تمہاری زندگی میں تمہیں دیا گیا تھا وہ بھی سب پیچھے چھوڑ آئے ہو اور تمہارے ساتھ وہ شفاعت کرنے والے بھی نہیں ہیں جن کو تم اللہ کا شریک مانتے تھے اور جن کے متعلق تمہیں گمان تھا کہ مرسلین کے احکام کی خلاف ورزی کا گناہ وہ معاف کرا دیں گے۔ اب ان کے ساتھ تمہارا کچھ تعلق نہیں رہ گیا۔ یہ سب تعلق درحقیقت تمہارا اپنا گمان تھا جو تم سے گم ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کو مرسلین کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہو گا۔ یہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ مگر عمل کے لئے دی گئی مہلت لوٹائی نہیں جائے گی۔ اس لئے توبہ لائق سماعت نہیں ہو گی۔

حاصل : جیسے فرداً فرداً اس دنیا میں بغیر کسی سامان کے آنا ہوا ہے، ویسے ہی فرداً فرداً اس دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی ہو گی۔ وہ سامان جو دنیا میں حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دیا جانا منظور نہ ہو تو اس کا حصول قطعاً ناممکن ہو۔ پھر خواہش کی پیروی کر کے اسی سامان کو ناپاک ہاتھ سے لینے کی بجائے پاک رہ کر پاک ہاتھ سے لینا چاہئے۔ کسی کا گمان اسے حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ جو تعلق تقوے پر قائم نہ ہو وہ دائمی ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے، اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب

عطا فرمائی، وہ اس پر خوش ہوتے جو تمہاری طرف نازل ہوا۔ اور ان گروہوں میں سے کچھ اس کے بعض سے منکر ہیں۔ فرما دیجئے:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ ۳٦/۱۳

مجھے تو یہی امر ہے کہ اللہ کی عبدیت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے پھرنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لئے یہ بیان فرما کر لوگوں کو شرک سے پاک ہونے کی راہ دکھائی ہے۔ دانہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو اس کے اگنے کے لئے مناسب نمی، مناسب ماحول اور مناسب درجہ حرارت لوازمات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس دانے کو موزوں وقت پر پھاڑنا اور اس سے پودے کو پیدا کرنا علیم مطلق ہی کا کام ہے۔ گٹھلی کی سختی کو دیکھنے والے جب اس سے پودے کو اگا ہوا دیکھتے ہیں، تو انہیں یہ خیال آتا ہے کہ اس کو پھاڑ کر اس سے بہت ہی نازک پتوں کو پیدا کرنے والا تخلیق کا مطلق علم رکھتا ہے۔ کن مدارج سے گٹھلی کو گزارا گیا۔ کیسے اس کے اندر خوراک کے ذخیرے کو پودے کے اگنے میں استعمال کیا گیا۔ جیسے جیسے انسان اس عملِ تخلیق کے مدارج کو جانتا جائے صانع حقیقی کی شان ارفع اس پر روشن ہونے لگتی ہے۔ زندگی کا عمل جاری ہی اس طرح ہے کہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالا جارہا ہے۔ بیج سے پودے کا اور پودے سے بیج کا پیدا ہونا، انسان کے مشاہدے میں ہو، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرے، یہ کتنی عجیب بات ہے۔

حاصل : دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا خالق کل ہے۔ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنا اسی کے علم کی شان ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار مشاہدے میں آنے والے حقائق کا انکار ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۷﴾

صبحوں کا نکالنے والا اور اس نے رات سکون کے لئے اور شمس و قمر حساب کے لئے بنائے۔ یہ تقدیر ہے زبردست علم والے کی۔

رات کی تاریکی سے صبح کو نکالنے والا اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ رات کو اس نے ہمارے سکون کے لئے بنایا ہے۔ اگر رات

کو آرام نہ کیا جائے تو قوت کارکردگی گھٹنے لگتی ہے اور فرائض منصبی کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔ اہتمام کرنے والے پر قربان جائیں، ماننے والوں کے لئے ہی نہیں، نہ ماننے والوں کے لئے بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ شمس و قمر کو حساب کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس سے معاملات کو حسن و خوبی سے ادا کرنے کے لئے اور وعدوں کو وفا کرنے کے لئے اوقات کا تعین ممکن ہوا ہے۔ وقت کا شمار غروب آفتاب سے ہوتا ہے۔ اس لئے پہلی نماز، نماز مغرب ہے۔ زبردست علم والے کی قائم کردہ تقدیر میں کبھی فرق نہیں آتا۔ شمس و قمر کا اپنی حرکات کے اعتبار سے جاری رہنا اور کائنات میں اپنے حصے کو باقاعدگی سے ادا کرتے رہنا صانع حقیقی کی شان کو واضح ضرور کرتا ہے۔ کوئی مصنوع سے استفادہ کرتے رہنے کے باوجود صانع کی طرف نہ جھکے تو اس سے بڑی ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : صبح کو اللہ کا ذکر کرنا چاہئے۔ رات کو آرام کرنا ضروری ہے۔ جو کام رات میں ہی کئے جا سکتے ہیں ان کے علاوہ رات کو کچھ نہیں کرنا چاہئے۔ شمس و قمر کو حساب کے لئے بنایا گیا ہے۔ کام کرتے وقت علم سے اندازہ کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ خوبی کا تسلسل قائم رہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے ٹھہرائے کہ بر و بحر کی ظلمات میں ان سے راہ پاؤ۔ ہم نے علم والے لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو مفصل فرمایا۔

سفر انسانی ضرورت ہے اور اس کے لئے راستے کا تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ راستے کو دن کی روشنی میں ایسی چیزوں کے حوالے سے متعین کیا جاتا ہے جو اپنے محل پر قائم رہنے والی ہوں۔ رات کو راستے کا تعین ستاروں کے حوالے سے ہی ممکن ہوتا ہے، چاہے یہ تعین بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ ہو۔ خشکی ہو یا سمندر، راستے کے تعین کے لئے اللہ کا مقرر کردہ معیار فائدہ اٹھانے والوں کے کام آتا ہے۔ جو لوگ علم والے ہیں وہ اس تفصیل سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

حاصل : بر و بحر کے اندھیروں میں راستے کا تعین ستاروں کے حوالے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ علم والے اللہ کی نشانیوں سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ تو پھر ایک تمہارا ٹھکانا ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی جگہ۔ بے شک ہم آیات کو سمجھ والوں کے لئے مفصل کرتے ہیں۔

تمام انسانوں کو اللہ نے نفس واحدہ سے پیدا کیا ہے۔ نفس واحدہ کے بعد اس کا جوڑا بنایا گیا اور پھر اللہ نے علم مطلق سے بقاء نسل کی صورت مقرر فرما دی۔ ٹھکانا ہے، رہنے کی جگہ اور قبر ہے امانت رکھے جانے کی جگہ۔ یہ بھی انسانی ضروریات ہیں۔ سمجھ دار لوگ اس بات پر نظر رکھتے ہیں کہ ٹھکانا بہرصورت ایک وقت کے لئے ہے۔ اس لئے ٹھکانے کو ایسا نہیں بنانا چاہئے، جس سے تفاخر کا اظہار ہو، کیونکہ یہ نفس واحدہ سے پیدا ہونے کے احساس کو قائم نہ رکھنے والی بات ہوگی۔ ٹھکانا ایسا ہو کہ اپنے فرائض بطریق احسن ادا کئے جاسکیں۔ پاکیزگی کے لئے جو صفائی ضروری ہوتی ہے، وہ ضرور ہو اور پاکیزگی کے بغیر صفائی کہیں مقصود نہ ہو۔ ٹھکانا بناتے وقت بھی قبر میں جانے کو یاد رکھا جائے تو پھر ٹھکانا بنانے میں غیر ضروری کاموں سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ قبر امانت رکھے جانے کی جگہ ہے۔ اس کی حرمت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ حفاظت کا حق اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ قبرستان آبادی کی نسبت سے ہو۔ اس میں جانوروں کا گزر ممکن نہ ہو۔ وہاں سایہ دار درخت ہوں اور راستے پہلے بنالئے جائیں، جن پر چلنا ممکن ہو۔ قبریں بعد میں بنتی رہیں۔

حاصل : نفس واحدہ سے پیدائش کا احساس قائم رہنا چاہئے۔ ٹھکانا بنانے میں غیر ضروری کاموں سے بچنا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب قبر بھی پیش نظر ہو۔ قبرستان سے متعلق تمام امور سمجھدار لوگوں کے ہاتھ رہیں تو حفاظت بھی ہوتی رہتی ہے اور اطمینان بھی رہتا ہے کہ تقدس قائم رہے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ تو ہم نے اس سے اگنے والی ہر شے نکالی، پھر اس سے ہم نے سبزی نکالی تو اس سے دانے نکالتے ہیں، ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور باغ انگور کے اور زیتون کے اور انار کے آپس میں ملتے جلتے اور جدا جدا بھی۔ اس کے ثمر کی طرف نظر کرو، جب ثمر آئے اور اس کا پکنا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے۔

آسمانی پانی بابرکت ہوتا ہے اور زمین کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جس قدر اس کی اہمیت واضح ہوتی جائے گی اسی قدر اس کے معطی کی شان کا علم ہوتا جائے گا۔ زمین میں اگنے والی ہر شے انسان کے کام آتی ہے۔ چاہے وہ اس کے استعمال میں بلاواسطہ آئے چاہے بالواسطہ آئے۔ بہت سی چیزوں کی اہمیت انسان کے علم میں ہے۔ ایسی بھی چیزیں ہیں جن کی اہمیت ابھی تک انسان پر واضح نہیں ہے۔ مگر مالک کل کی شانِ بے مثل ملاحظہ ہو کہ اس نے بندوں کے لئے پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ غلے کو دیکھو، بیج بویا جاتا ہے اس سے پودا اگتا ہے، اس کی پرورش ہوتی ہے، اللہ کی قدرت سے اس میں دانے بنتے ہیں۔ کس حسن اور ترتیب سے ایک دانہ دوسرے پر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ دانوں کی حفاظت کے لئے ہر دانے پر خول ہوتا ہے۔ ایک ایک رکن کو دیکھتے جاؤ۔ صانع حقیقی کے علم کی شان واضح ہوتی جائے گی۔ کھجور کی گٹھلی سے پودے کا نکلنا، دانے سے پودے کے نکلنے کے عمل سے مختلف ہے۔ پھر اس پودے کے ایک عمر کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پھلنے کا مقام آتا ہے۔ اور اس کے گابھے سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ انگور کے گچھوں کو بھی دیکھو، زیتون اور انار کو بھی دیکھو۔ ان سب پھلوں میں کئی باتیں ملتی جلتی ہیں اور کئی مختلف بھی ہیں۔ یہ حقیقت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ یہ سب کچھ از خود نہیں ہو رہا، بلکہ کرنے والے کے کرنے سے ہو رہا ہے۔ جب پھل لگنے لگتا ہے تو اس وقت مادہ پھولوں پر نر پھولوں سے ذرّاتِ خصوصی قدرت کے مقرر کردہ ذریعوں سے پہنچتے ہیں۔ پھر پھل بنتا ہے اور آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے اور پکتا رہتا ہے۔ ایمان والے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی عطا ان کے علم کی بدولت نہیں ہے، اللہ کے فضل کی بدولت ہے۔ پھر جس طرح ہر بیج سے پھل بنتا ہے، اسی طرح خیر و خوبی کے بیج بونے سے خیر و خوبی کا پھل آئے گا۔ اور اللہ کی رضا کے لئے جہاں معاملہ کیا جائے گا، خیر کا بیج بویا جائے گا، اس کا ثمر بنے گا۔ اور لوگ فیضیاب ہوں گے۔ بیج بونے والا، بوتے وقت بھی پھل کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ دوسروں کو پھل تبھی نظر آتا ہے جب وہ عملاً لگ چکا ہو۔

حاصل : آسمان سے پانی برسے تو زمین زندہ ہوتی ہے۔ ہر اگنے والی شے کے محل استعمال کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ غلے اور پھلوں کی غذائی اور دوائی اہمیت کو جان کر معطی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ خیر و خوبی کے بیج بوتے وقت یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ ہو گا۔ بیج بونے والا اجر کے سوال سے پاک رہے تو اس کا عمل فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠١﴾ ع ۱۲/۶ ۱۸

اور جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور وہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ اور بے علمی سے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑتے ہیں۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔

جنّ اللہ کی مخلوق ہیں اور آگ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ انسان جب حق کے مطابق زندگی گزارنے سے حذر کرنے لگیں تو پھر وہ شیطان کی بندگی کرنے لگتے ہیں۔ پہلے انسان کے اندر ناحق کے لئے طلب پیدا ہوتی ہے۔ اس طلب کو پورا کرنے والا شیطان معلوم ہوتا ہے اور پھر اس شیطان کو نتائج پر قادر مان کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنّ بھی مخلوق ہیں۔ اس

لئے خالق کی عطا کردہ توفیق سے ہی ان کی زندگی کا عمل جاری ہے۔ نتائج ہمیشہ باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جب خالق کل نے اس کا مقام ہی نہیں رکھا کہ اس کے سوا کوئی نفع و ضرر کا مالک ہو، جو انسان کے لئے ہے، ملتا اس کو وہی ہے، چاہے وہ اللہ کو مانتے ہوئے پاک ہاتھ سے لے لے اور چاہے شیطان کو مان کر ناپاک ہاتھ سے لے لے۔ جو لوگ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، ان کی بے علمی دیکھو کہ ان کے مشاہدے میں یہ بات آتی رہتی ہے کہ اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے، اس کے کوئی بچے نہیں ہیں۔ بیٹے اور بیٹیوں کے ٹھہرانے سے نعوذ باللہ اللہ کی اولاد کا سلسلہ لامتناہی ہو گیا۔ یہ بڑی بے ہودہ باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ایسی باتوں سے برتر ہے۔ خالق کل مخلوق نہیں ہو سکتا اور کسی مخلوق کی مثل بھی نہیں ہو سکتا۔ تخلیق کے عمل کو دیکھتے جاؤ، اوپر جاتے جاتے معلوم ہو گا کہ عام صورتیں بنانے والا خود کوئی صورت نہیں رکھتا۔ صورت ہمیشہ متعین ہوتی ہے اور وہ وحدہ لاشریک تعیّن سے پاک ہے۔

حاصل : جہاں حق کے خلاف کرنے سے انسانوں کو زندگی کا عمل آسان ہوتا نظر آنے لگے، وہاں شیطان کی عبادت کا راستہ ہموار ہونے لگتا ہے۔ خالق کل صورت رکھے یہ ممکن ہی نہیں۔ مشرک کے بے علم ہونے کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے۔ اس لئے مشرک کو کبھی معلّم نہیں ماننا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے:

يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ ۱۱۰/ ۲۰

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰۲

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے، اس کی کوئی بیوی نہیں اور اسی نے ہر شے خلق فرمائی ہے اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کو بنانے والا، اللہ تعالیٰ ہے اور لاشریک ہے۔ یہ اتنی بڑی تخلیق ہے کہ اس کے خالق کی طرف نہ جھکنا انتہائی ناشکری ہے۔ اس تخلیق کی پہلے کوئی مثل موجود نہیں تھی۔ اس کے بنانے کے لئے کوئی آلات استعمال نہیں ہوئے۔ یہ تخلیق جس علم سے ہوئی ہے، اس کا احاطہ کرنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ تخلیق ہمیشہ خالق کے علم کی بدولت ہوتی ہے۔ اور اسی کے علم سے اپنے فعل کو قائم رکھتی ہے۔ آسمانوں اور زمین کو جو جو کام سپرد کئے گئے ہیں، حکم الٰہی کے مطابق ٹھیک ٹھیک سرانجام دئے جا رہے ہیں۔ حکم دینے والا ماضی، حال مستقبل میں ایک ہو تو اس کے ساتھ اولاد کا کوئی تعلق ممکن ہی نہیں۔ جس کا بچہ ہو

گا، اس پر موت بھی آئے گی۔ جس پر موت آئے گی اس کی ملکیت دائمی نہیں ہو سکتی۔ جس کی ملکیت دائمی نہیں وہ اللہ نہیں ہے۔ بچہ جب بھی کسی باپ سے منسوب کیا جائے تو بچے کی ماں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹے، بیٹیاں گھڑے ہیں، ان کو تدبّر کرنے کا موقع دیا جا رہا ہے کہ دیکھو تو سہی کس قدر بے جوڑ بات کر رہے ہو۔ جس نے ہر شے خلق فرمائی ہے وہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ ہر شے کو اس کے مقصد تخلیق کے دائرہ کار میں رکھنا اتنا بڑا کام ہے کہ اسے وحدہٗ لاشریک اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ کائنات میں نظم موجود رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

حاصل : جس کی اولاد ہو گی اسے موت بھی آئے گی، جسے موت آئے اس کی ملکیت دائمی نہیں ہوتی۔ اگر بچے کے باپ کا ذکر کیا جائے تو ماں کا بھی کیا جانا چاہئے۔ ہر شے کو پیدا کرنے والا ہی علیم مطلق ہے۔ اس لئے ہر شے کے استعمال میں خالق کل کے علم سے استفادہ ضروری ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شے کا خالق ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر شے پر وکیل ہے۔

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا زندگی کے عمل میں ان کے حصے کی تقدیر کرنے والا، لم یلد و لم یولد، اللہ ہے اور تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ سجدہ اسی کو ہے، جو لاشریک ہے اور خالق کل ہے۔ اللہ کی عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ قول میں بھی اللہ پاک کی رضا مقصود ہو اور عمل میں بھی اللہ پاک کی رضا مقصود ہو۔ کم علمی سے بھول ہو جائے تو وہ الگ بات ہے۔ مگر زبان کو حرکت دیتے وقت اللہ کی رضا پر نظر رہے، تو قول پاک رہتا ہے اور اعضا کو حرکت دیتے وقت رضاءِ الٰہی ملحوظ رہے تو عمل پاک رہتا ہے۔ اگر زبان پاک نہ ہو اور عمل پاک نہ ہو تو چاہے پڑھا کچھ جائے وہ عبادت نہیں ہے۔ وکیل نگہبان ہوتا ہے۔ ہر شے کا خالق ہی علیم مطلق ہو سکتا ہے۔ اور علیم مطلق ہی ہر شے کی حفاظت کر سکتا ہے۔ کوئی بھی شے جو اپنے منشاءِ تخلیق کو پورا کر رہی ہے، لازم ہے کہ اس کی حفاظت ہو، اس کی نگہبانی ہو، اس کی اہمیت سے شعور کی موجودگی میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر ہر شے کو استعمال کرتے وقت اس کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہئے۔ جس کے علم کی بدولت وہ شے بنی، جس کے علم کی بدولت وہ شے مفید ہوئی، جس کی نگہبانی کی بدولت وہ بہ حفاظت استعمال کرنے والے تک پہنچی۔ معطیءِ مطلق کا شکریہ ادا کرنے سے جو برکت حاصل ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے طریق سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

حاصل : زبان پاک ہو اور اعمال صالح ہوں تو اللہ کی عبادت ہو رہی ہے۔ ورنہ کچھ پڑھا پڑھایا جائے وہ اللہ کی عبادت نہیں ہے۔ ہر شے کو استعمال کرتے وقت اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔ کسی شے کے بنانے سے لے کر اس کے استعمال میں آ جانے تک تمام مقامات پر اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اس سے اللہ کے ہر شے پر وکیل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور

الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

اسے آنکھوں کا ادراک ہے اور وہ بڑا لطیف خبر رکھنے والا ہے۔

جس کا تعین ممکن نہ ہو، اس کا ادراک ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تعین سے برتر ہے۔ اس لئے آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آنکھیں اس مرئی شے کو دیکھ سکتی ہیں، جس سے روشنی ٹکرا کر روشن آنکھوں میں داخل ہو۔ اللہ ضرور سب آنکھوں کا بنانے والا ہے۔ اس لئے سب اس کے سامنے ہیں۔ کسی بھی حالت میں کوئی آنکھ اس سے اوجھل نہیں ہے اور دیکھنے والے کے اندر کی کیفیت بھی اور اس کا زاویۂ نگاہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ وہ اتنا لطیف خبر رکھنے والا ہے کہ دیکھنے والے کا دیکھنا بھی اس کے سامنے ہوتا ہے اور دیکھنے والے کی نیت بھی اس کے سامنے ہوتی ہے۔

حاصل : تعین ممکن ہو تو ادراک ممکن ہوتا ہے۔ ہر شے کو ایک اندازے سے بنانے والا کلی ادراک رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کو بھی دیکھتا ہے اور دیکھنے والے کی نیت کی بھی خبر رکھتا ہے۔ اس لئے ہمارا دیکھنا کبھی رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ہمارا دیکھنا رضائے الٰہی کے تابع نہ ہو تو پھر ہم نے اس بات کو نہیں مانا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۵﴾

بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی نشانیاں آ چکیں، تو جس نے دیکھا تو اپنے لئے اور جو اندھا بنا تو یہ بھی اسی پر ہے۔ اور میں تم پر حفیظ نہیں ہوں۔

ہر بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہے کہ بندے کو اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نفع اور نقصان دونوں باذن اللہ ہیں۔ اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب اسے کوئی بات منظور ہوتی ہے تو اس کے اسباب خود بخود بننے لگتے ہیں۔ اور کام بغیر مشقّت کے ہو جاتا ہے۔ جب اسے منظور نہ ہو تو اسباب کی موجودگی بھی مطلوبہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ توفیق ہر مقام پر معطی ہٖ مطلق ہی عطا کرتا ہے۔ اس کی عطا کو اپنی خواہش کے مطابق تصرف میں لانے والا خوف و حزن میں گھرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی عطا کو معطی کی رضا کے مطابق تصرف میں لانے والا راحت پاتا ہے۔ آنکھ میں دیکھنے کا مقام ہو تو یہ ضرور نظر آتا ہے کہ زندگی کا عمل پالنے والے کے علمِ مطلق سے جاری ہے اور جتنے لوگ اپنا کمال سمجھ رہے ہوتے ہیں وہ محض اللہ کے فضل کی بدولت ہوتا ہے۔ جو اللہ کے فضل کو اپنی منصوبہ بندی کا کمال سمجھے اور تکبر کرنے لگے وہ اندھا ہے۔ دیکھنے والے کے دیکھنے سے دیکھنے والے کو فائدہ ہو گا۔ اندھے بن جانے والے کو اس کا اندھا پن نقصان دے گا۔ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے کے ذمے یہ نہیں ہے کہ کسی کو جبراً فلاح تک پہنچا دے۔ جس عمل میں عامل کی رضا شامل نہ ہو وہ لائق اجر نہیں ہوتا۔ اس لئے دین میں اکراہ کا کوئی مقام نہیں رکھا گیا۔

حاصل : بصائر وہ روشن نشانیاں ہیں جو ہر بندے کو اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے معبود کے ماننے میں مدد دیتی ہیں۔ جو اپنے تجربات اور مشاہدات کے باوجود معبود کو ماننے کی بجائے استکبار کرے، وہ اندھا ہے۔ دین میں اکراہ کا مقام نہیں رکھا گیا۔ اس لئے جبراً کسی کو فلاح تک پہنچانا، جبکہ اسے اپنے نفع اور نقصان کا شعور بھی ہو، بے جا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور ہم اسی طرح آیات میں تصرّف فرماتے ہیں اور تاکہ وہ کہیں آپ نے تو پڑھا ہے اور اس لئے کہ علم والوں کے لئے یہ واضح ہو۔

آیات کو کھول کر بیان کرنا راستے کو روشن کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جو لوگ حاصل کلام پر نظر نہیں رکھتے، وہ صرف الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کم فہمی ہمیشہ مثالی ہوتی ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ مکرمہ میں لوگوں کے درمیان رہے۔ کہیں سے کوئی درس نہیں لیا۔ کہیں سے کوئی اکتساب نہیں کیا۔ اعلان نبوت تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھتے رہنے کے باوجود آپ کی زبان پاک سے حق کو بیان ہوتے دیکھ کر انہیں یہی خیال آیا کہ یہ بیان کسی نے سکھا دیا ہے۔ اس کے خلاف علم والوں نے یہ دیکھا کہ اس روشن بیان میں طریق زندگی کو اس قدر منور کر دیا گیا ہے کہ قول ہو یا عمل بشارت و انذار کی موجودگی میں راہ راست بالکل واضح ہے۔ حق و باطل کے درمیان حد فاصل اس قدر واضح ہے کہ خواہش کے اتباع سے بچنے والے کو کبھی شکوک کی ظلمات گھیر نہیں سکتیں۔ معرفت کی طلب ہو تو اپنے مشاہدات سے اپنے رب کی آنکھیں کھولنے والی نشانیاں ضرور نظر آتی ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے روشن بیان سے بھی لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق متاثر ہوتے ہیں۔ حاصل کلام پر نظر نہ رکھنے والے الفاظ میں پھنسے رہتے ہیں۔ اور حاصل کلام پر نظر رکھنے والوں کو روشن بیان سے تقویت ملتی ہے۔ اور وہ علم حقیقی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

اس کا اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب نے وحی فرمائی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین سے اعراض کرو۔

جو اللہ نے نازل فرمایا ہے وہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ حق کا اتباع کرنے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور معبود کو ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر کسی جگہ اپنی مرضی کر لی جائے اور کسی جگہ اللہ کو مانا جائے تو زندگی تضاد کا شکار ہو جاتی ہے۔ تضاد سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مشرکین سے اعراض کیا جائے اور مومنین کبھی مشرکین کی زندگی سے کوئی حوالہ نہ دیا کریں۔

حاصل : اللہ کے فرمان کو ماننے میں ہی فلاح ہے۔ یہی اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت ہے۔ مشرکین کی زندگی سے اعراض ایسے ہو کہ وہاں کوئی بات قابل حوالہ نظر نہ آئے۔ قول ان کے قول سے ملتا جلتا نہ ہو۔ اعمال ان کے اعمال سے ملتے جلتے نہ ہوں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر حفیظ نہیں ٹھہرایا اور نہ آپ ان پر وکیل ہیں۔

اس بات کو اگر کوئی یوں سمجھے کہ جب اللہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ شرک کریں تو پھر مشرکین کا اس میں کیا قصور ہے، تو یہ صریحاً بے ادبی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کو خواہش کی پیروی کی توفیق ہی نہ دی جاتی تو شرک کا ارتکاب محال ہوتا۔ مگر اسی توفیق کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے کی بدولت ہی سارا شرف و فضیلت انسان کو مل سکتا ہے۔ توفیق کو استعمال کرنا بندے کے ذمے ہے۔ اور اسی کی بندے کو جزا دی جائے گی۔ شاہد کا یہ مقام نہیں رکھا گیا کہ وہ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے کے بعد کسی کو اس کے انجام سے بچانے کی کوشش کرے۔

حاصل : اگر خواہش کی پیروی کی توفیق انسان کو حاصل نہ ہوتی تو شرک کا ارتکاب محال ہوتا۔ مگر یہی توفیق اگر معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال ہو تو شرف و فضیلت کا باعث بنتی ہے۔ اس لئے یہ توفیق عطائے الٰہی ہے۔ شاہد کے ذمے نہ تو کسی کو بالجبر خیر کی راہ پر رکھنا ہے، نہ کسی کو اس کے انجام سے بچانا ہے۔ اس کا حق یہی ہے کہ وہ ماننے والوں کو اور نہ ماننے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور انہیں برا نہ کہو جن کو اللہ کے مقابل یہ پکارتے ہیں، کہ وہ بے علمی اور عداوت سے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے سامنے ان کے عملوں کو زینت دی پھر انہیں اپنے رب کی طرف مراجعت کرنی ہے۔ تو وہ انہیں بتا دے گا جو عمل وہ کرتے تھے۔

کافروں کے ساتھ جو اللہ کے مقابل دوسرے معبودوں کو پکارا کرتے ہیں جب بھی بات ہو تو مومنین کو یہ احتیاط بالکلیہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ وہ ان کے معبودوں کے بارے میں اپنی قلبی کیفیت کو اس طرح بیان کریں کہ کافروں کی عداوت اور بے علمی ان کے اندر حدّت نہ پیدا کر دے۔ ورنہ اس کے دو نقصان ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ وہ کافر سننے کے مقام سے ہٹ جائیں گے۔

دوسرے وہ اپنی بے علمی اور عداوت کے اظہار کی بدولت حق سے مزید دور ہو جائیں گے۔ اپنے عقائد کے ساتھ ہر امت کو ایک لگاؤ ہوتا ہے اور انہیں اپنے اعمال بڑے بھلے لگتے ہیں۔ یہ زینت جو منکرین حق کو اپنے اعمال میں نظر آتی ہے حقیقی نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد آخرت کا عدم یقین ہوتی ہے۔ اور یہ زینت اللہ کی رضا کے خلاف کسی حوالے سے اپنے لئے امتیازات تلاش کرنے والوں کو ہی نظر آیا کرتی ہے۔ جب یہ اپنے رب کی طرف لوٹیں گے۔ تو وہ انہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ حقیقت میں معاشرتی زندگی کے حوالے سے اُس امت کے اعمال اچھے ہیں، جس میں استکبار کے لئے کوئی گنجائش موجود نہ ہو اور جس میں لوگوں کی تکریم تقوے کے حوالے سے ہو۔

حاصل : منکرین حق کے ساتھ بات کرتے وقت ان کی بے علمی اور عداوت کو ساکن رکھنا ضروری ہے، ورنہ وہ دور بھی ہوں گے، گستاخی بھی کریں گے۔ معاشرتی زندگی میں استکبار کی گنجائش نہ ہو اور لوگوں کی تکریم تقوے کے حوالے سے ہو تو یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ صورت ہو گی۔ ورنہ جو بھی ہو گا لوگوں کی اپنی پسند کے تحت ہو گا اور معاشرتی امن کو کم کرنے کا باعث بنے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکید سے۔ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ فرما دیجئے۔ کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا پتہ کہ جب وہ نشانیاں آئیں گی تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جو لوگ حق کو ماننے کے لئے نشانیاں طلب کرتے ہیں، وہ بڑے زور سے قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی جسے وہ طلب کرتے ہوں آ جائے تو وہ حق پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی نشانی طلب کرے اور اس کی مطلوبہ نشانی اس کے سامنے آ جائے تو پھر اس نشانی کے دیکھ لینے کے بعد حق کے منکر کی بیخ کنی میں کبھی دیر نہیں کی جاتی۔ اس لئے نشانیاں عطا کرنے والا علیم مطلق سب سے بڑا جاننے والا ہے کہ لوگ نشانی کو دیکھ کر ایمان لانے والے ہیں یا انکار کرنے والے ہیں۔ وہ اگر کافروں کی مطلوبہ نشانی عطا نہیں فرماتا تو یہ بھی انہیں رعایت دینے کی صورت ہے۔

حاصل : مومنین کی شان یہی ہے کہ وہ حق کے منکرین کو ان کی طلب سے جو بدلتی بھی رہتی ہے۔ بندھا ہوا دیکھیں۔ ایمان تو وہی لایا کرتے ہیں جن پر حق کے مطابق ہونے کی اہمیت واضح ہو۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ

اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں۔ جیسے کہ وہ پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے۔ اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ

رکوع ۱۳ / ۱۹ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے کرتے اپنی خواہش کی پیروی پر اڑ جاتے ہیں ان کے قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ ان کی آنکھیں حق سے پھر جاتی ہیں۔ حق کو سن کر جو انکار وہ پہلے کر چکے ہوتے ہیں وہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ پھر حق کے سننے سے ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حاصل : جو دل کی آنکھوں سے بصائر کو دیکھ کر قادر مطلق پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے ساتھ بندھا رہتا ہے، اس کا دل اور آنکھیں حق سے پھر جاتی ہیں۔ انکار میں جلد بازی یہ ثابت کرتی ہے کہ سننے کا حق پوری طرح ادا نہیں ہوا۔ جسے اللہ سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دے مومنین کا اس سے کیا واسطہ رہ جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے، جو یہ جلد والی چاہے ہم اسے جلد دے دیتے ہیں، جو چاہیں جسے چاہیں، پھر اس کے لئے جہنم ہوگی کہ اس میں جائے گا، مذمت کیا ہوا، دھکے کھاتا ہوا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ ۱۷/۱۹

اور جو آخرت چاہے اور اس کے لئے سعی کرے، سعی کرنا اور ہو مومن تو انہی کی سعی مشکور ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ نازل فرماتے اور مُردے ان سے کلام کرتے اور ہم ہر شے ان کے سامنے اٹھا لاتے، تب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا۔ ولیکن وہ اکثر جاہل ہیں۔

لوگوں کی مطلوبہ نشانیاں لا کر دکھانے سے بھی وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ ان کا نفس ان کی خواہشات کو ابھارتا رہتا ہے اور یہ ایسا مسلسل عمل ہوتا ہے کہ کسی ایک مطالبے پر وہ ٹکتے ہی نہیں۔ اگر آسمان سے ملائکہ آکر رسالت کی تصدیق کریں اور مُردے ان سے کلام کریں اور اللہ کے فرمان کی تصدیق کریں اور ہر شے ان کے سامنے ایسے آئے کہ بعث بعد الموت ان کے

مشاہدے میں آ جائے، تب بھی یہ حق کو ماننے والے نہیں، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت کا اہل وہ ہوتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ جاہل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں لاتے۔ اس لئے شبہات میں ہی توفیق ایزدی کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کی نیت نہ رکھتا ہو، وہ منیب کا اتباع نہیں کیا کرتا۔ وہ اپنی مطلوبہ نشانیاں پا کر بھی ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ ایمان اور جہالت کبھی ایک وجود میں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے عدو کئے ہیں۔ شیاطین انس و جنّ جو ایک دوسرے کو بناوٹی باتیں سکھاتے ہیں فریب دینے کے لئے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کر پاتے تو انہیں ان کے افترے پر چھوڑ دو۔

انبیاء کرام کی شان یہی تھی کہ انہوں نے کسی مقام پر اپنی بات نہیں کی۔ ہمیشہ اللہ کی بات کی اور اجر کے سوال کے بغیر کی۔ ان کے عدو چاہے وہ انسان تھے یا جنّ ہمیشہ اپنی باتیں کرتے رہے لوگوں کو ان کی خواہشات میں پھنسانے کی کوششیں کرتے رہے، تا کہ وہ جہنم میں جائیں۔ شیاطین اللہ کے بندوں کے دشمن ہوتے ہیں اور دشمنی کرنے کا طریقہ اختیار کرتے وقت، لوگوں کی خواہشات کو، ان کے علم کو اور ان کی کراہت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ جو بات بھی شیاطین کی طرف سے لوگوں کو سکھائی جاتی ہے اس میں غرور کا ہونا یقینی ہے۔ غرور کی وجہ سے لوگ اپنے لئے امتیازات تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اور دوسروں کے مقابل استکبار کرنے لگتے ہیں اور استکبار سے پھر سبھی گناہ پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جس توفیق کی بدولت یہ غرور کرتے ہیں وہ اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے یہ لوگوں کو بناوٹی باتیں سنا کر، ان کے اندر ذاتی ترقی کی طلب پیدا کر کے، حق سنانے والوں کو بے فہم ثابت کر کے اور اپنے مقام سے مرعوب کر کے لوگوں کو اپنی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اگر اللہ انہیں توفیق ہی نہ دیتا، تو یہ کیا کر سکتے تھے۔ توفیق کو استعمال کرنے کے اعتبار سے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہ حق کو سن کر اس کا انکار کرتے ہیں۔ انہیں ان کی بناوٹوں میں چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ حق کو ماننے کی اہلیت کھو چکے ہوتے ہیں۔

حاصل : انبیاءِ کرام کے دشمنوں کو دوست بنانا خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنے والی بات ہے۔ اللہ کے دشمن کی بات میں کبھی خوف خدا نہیں ہوتا۔ جس بات کا منشاء رضائے الٰہی سے دوری ہو اس کو کبھی نہیں ماننا چاہئے۔ جو لوگ اپنا سب کچھ حق کے انکار پر لگا دیتے ہیں، انہیں ان کے حال پر

چھوڑ دینا چاہئے۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور اس لئے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ اس پر راضی ہوں اور کئے جائیں جو وہ کر رہے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل ہی اعداء اللہ کی طرف جھکا کرتے ہیں اور دل جس کی طرف جھک جائے اس کو ماننے میں کبھی تامل نہیں ہوتا۔ جس کا دل گناہ پر راضی ہو وہ دل کا اندھا ہوتا ہے اور ضدی ہوتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے وہ بناوٹی باتیں بنانے والے کے ساتھ اتنا جڑ جاتا ہے کہ توفیق کے خاتمے کو بھی یاد نہیں رکھتا اور بناوٹی باتیں بنانے والے کی غرض و غایت کو تو دیکھتا ہی نہیں۔ اصلی بات ہمیشہ وہی ہوتی ہے جس کو سن کر اپنے حصے کا کام معلوم ہو، جس کے کرنے کی صورت میں انجام کی بشارت معلوم ہو اور نہ کرنے کی صورت میں انجام کا ڈر بھی ہو۔ ایسی بات پر عمل ہو جائے تو اس سے حقیقی علم حاصل ہوتا ہے جس سے عامل کا ایمان، ایمان بالغیب سے ایمان بالشہادت کے درجے میں آ جاتا ہے اور ساتھیوں کی رہنمائی کی اہلیت میں برکت آتی ہے۔ بناوٹی بات وہ ہوتی ہے جس میں دوسروں کے اندر نقائص ثابت کر کے اپنی بڑائی کو منوانے کی طلب موجود ہو، بات بے سند ہو، قیاس پر مبنی ہو، بات کرنے والا اپنے تجربے کی بنا پر شہادت نہ دے سکتا ہو، بات کرنے والے کو جزا کا یقین نہ ہو، بات کرنے والے کا استکبار بڑھتا چلا جائے اور پڑھنے، سننے والوں کے پلے کچھ بھی نہ پڑے۔ بناوٹی باتیں بنانے والے اپنے کام میں اتنے راضی ہوتے ہیں کہ توفیق ایزدی کو اس میں ضائع کر لیتے ہیں۔

حاصل : اصلی بات کو وہی مانتے ہیں جو جزا کا یقین رکھتے ہوں۔ جس دل میں حق کے ساتھ عداوت ہوگی وہ شیطان کی طرف ضرور جھکے گا اور بناوٹی باتوں میں گھرتا چلا جائے گا۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

تو کیا غیر اللہ کو حکم بناؤں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی اور جنہیں ہم نے کتاب عطا کی انہیں معلوم ہے کہ یہ بالحق تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ تو تم شک لانے والوں سے نہ ہو۔

آخرت پر ایمان نہ لانے والے ہی قلباً شیطان کی طرف جھکتے ہیں۔ وہ جب حق بیان کرنے والوں سے جھگڑتے ہیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ حق کے متعلق بحث اور مناظرے کا فیصلہ کرنے کے لئے کسی ایسے کو چنا جائے جو حق کو ماننے والا نہ ہو۔ فیصلہ

کرنے والا ہمیشہ وہ ہونا چاہئے جو فریقین کے موقف کو جانتا ہو اور اختلاف کو سند کے ساتھ ختم کر سکتا ہو۔ حق کا منکر تو قیاس کے دائرے سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اسے حق کے متعلق بات کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جب بات علم مطلق کی ہو، تو پھر علیم مطلق کے سوا کوئی فیصلے کرنے کا حق دار نہیں۔ قرآن پاک مفصل کتاب ہے۔ انسانوں کو فرد کی سطح سے لے کر جماعت کی ہر سطح تک ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ ہدایت کی طلب ہو تو اس سے راستہ مل سکتا ہے۔ تزکیہ عطا کرنے والے شاہد کا ساتھ ہو تو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ اہل کتاب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مگر وہ اس بات کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور شک پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جو ان کے پیدا کردہ شک میں مبتلا ہو جائے وہ بناوٹی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شک نہ کرنے کا امر فرد کے لئے ہے۔ جو لوگ اس مقام پر شک نہ کرنے کے امر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منسوب سمجھتے ہیں، انہیں یہ جاننا چاہئے کہ جسے اللہ نے شاہد بنا کر بھیجا ہے، جو لوگوں کو تزکیہ عطا کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسا علم عطا کرتا ہے جو پہلے موجود نہیں تھا۔ اس ذات بابرکات کے اندر تو شک کا مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ حق بھی تو اسی ذات پاک کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ جہاں حق نازل ہوا ہے وہاں شک کی گنجائش قطعاً محال ہے۔

حاصل : علم مطلق کی بات ہو تو علیم مطلق ہی حَکَم ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک میں تفصیل موجود ہے دیکھنے کی طلب ہو تو راستہ مل جاتا ہے۔ اہل کتاب کو معلوم ہے کہ قرآن پاک رب العالمین کا فرمان حق ہے۔ شک کرنے سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے۔ اور مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٦﴾

اور تمہارے رب کی بات پورے صدق و عدل کی ہے۔ اس کے کلمات کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سننے والا علم والا ہے۔

پوری بات وہی ہوتی ہے، جس کے پیچھے علم یقین موجود ہو، جس کو کوئی بدلنے والا نہ ہو اور جس میں کہنے والے کی کوئی ذاتی غرض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس کی بات کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں اور اس کی کسی بات میں اس کی کوئی غرض بھی نہیں۔ اس لئے جہاں بھی صدق و عدل سے بات کی جائے گی وہ اللہ کی بات کے تحت ہوگی۔ پوری بات کرنے والا بالیقین سنانے والوں کی سنتا ہے اور علم سے فیصلہ کرتا ہے۔

حاصل : حَکَم کی بات صدق و عدل پر مبنی ہونی چاہئے۔ فریقین میں سے سنانے والوں کی بات لازماً سنی جائے اور فیصلہ علم سے کیا جائے تو لوگوں کو معاملات میں پورا رہنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾

اور اگر تم زمین میں اکثریت کی مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔ وہ تو اپنے ظن کی ہی پیروی کرتے ہیں اور وہ صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

عام لوگوں کی نظر میں اکثریت کی رائے کا دباؤ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اسے قانون کا درجہ دے دیتے ہیں اور اگر کسی کو اس اکثریت کی رائے پر حق کے حوالے سے اعتراض ہو تو اس قانون کی مدافعت بھی کرتے ہیں۔ مگر ثبوت یہی ہوتا ہے کہ جب اکثریت یہ کرتی ہے تو یہ غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ اکثریت کی رائے خواہشات نفسانی کے تابع ہوتی ہے اور حق لوگوں کی خواہشات کے مطابق ہو نہیں سکتا، اس لئے اکثریت کی رائے حق کے خلاف ہوتی ہے۔ سب سے بڑا کام ہے ہی یہی کہ اپنی خواہش کی پیروی کی بجائے حق کی پیروی کی جائے۔ اگر اکثریت کو وقعت دی جائے گی اور اکثریت کے حوالے سے راہ عمل کا تعین کیا جائے گا تو اللہ کی راہ سے گمراہی ضرور ہو گی۔ اکثریت تو اپنے گمان کو مانتی ہے۔ اور گمان پر کبھی شہادت موجود نہیں ہوتی۔ اس لئے ظن کی پیروی کرنے والے اٹکلیں ہی دوڑاتے رہتے ہیں۔ جس کی فضیلت کا اعتراف ہو اسی کی تکریم ممکن ہوتی ہے۔ جس کی تکریم کی جائے اس سے علم حاصل ہو سکتا ہے اور علم حاصل ہو تو گمان اور اٹکل سے چھٹکارا ہوا کرتا ہے۔ جس ذات پاک کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کا درجہ دیا ہے اس کے ساتھ شک والی بات کو منسوب کرنا، محض اس لئے کہ یہاں واحد حاضر کے صیغہ سے خطاب ہے، انتہائی بے ادبی ہے۔ جس کے نقش قدم سے صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے، اگر اس کو بھی اللہ کی راہ سے بہکایا جا سکتا ہے تو پھر صراط مستقیم کا تصور ہی قائم نہیں رہ سکتا۔

حاصل : زمین میں جب بھی محض اکثریت کی اطاعت کی جائے گی اس سے گمراہی پیدا ہو گی۔ ظن و گمان کی پیروی بڑھے گی۔ اٹکلیں دوڑانے والے رہنما بنیں گے۔ قانون کبھی محض کثرت رائے کی بنا پر بنا لیا جائے تو اس سے بھلائی کی توقع عبث ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

تمہارا رب بڑا علم رکھتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکتا ہے اور وہ بڑا علم رکھتا ہے ہدایت والوں کا۔

علیم مطلق سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ عامل کے عمل کے ساتھ ساتھ اس کی نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ کون اس کی راہ سے بھٹک رہا ہے، اس کے علم میں ہے۔ دین کے حوالے سے بھی اگر کوئی اپنی خواہش کی پیروی کر رہا ہے اور کسی شاہد کے ساتھ جڑتا نہیں ہے تو وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔ گمراہ ہمیشہ فرد ہوتا ہے اور اس کا تعلق اسکی خواہش سے ہوتا ہے۔ ہدایت یافتہ ہمیشہ جماعت میں ہوتا ہے، اکیلا نہیں ہوتا۔

حاصل : گمراہ ہمیشہ اکیلا ہوتا ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی اسے اکیلا رکھتی ہے۔ ہدایت یافتہ ہمیشہ جماعت میں ہوتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ حضرات کی تکریم کرتا ہے، ان کا ادب کرتا ہے۔ جس کا ادب ہو اس کی صفات ادب کرنے والے کے وجود میں ضرور داخل ہوتی ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تمہیں اس کی آیات پر ایمان ہے۔

جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ حلال ہے۔ تکبیر کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا ضروری ہے۔ شکار کرتے وقت بھی تکبیر پڑھنی چاہئے۔ حلت احکام خداوندی کی اطاعت سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے، وہ اس کے ہر حکم پر شکریہ ادا کرتے ہوئے مانتا ہے اگر کسی کو یہ خیال آئے کہ اللہ کا مارا ہوا کیوں حرام ہے اور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا کیوں حلال ہے تو اللہ کی آیات پر ایمان رکھنے والے یہی کہیں گے کہ جس جانور کو اللہ نے حلال فرمایا ہے اس پر ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھی جائے تو فرمان خداوندی کی اطاعت کی بدولت وہ جانور اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس میں سے کھایا جائے۔ علیم مطلق سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ اس کے فرمان کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کی مقرر کردہ حدود کو ماننا حق ہے اور اس ماننے کو حدود اللہ کے پیچھے حکمتوں کے جاننے سے مشروط نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : اگر اللہ پر ایمان ہو تو پھر اس کے فرمان کو ماننے میں قیاسات کیوں حائل ہوں۔ عقلی قیاس کے پیمانے سے احکام الٰہی کو جانچنے کی کوشش، عدم ایمان کو ثابت کرے گی۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ؕ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ، جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ جو تم پر حرام ہوا وہ اسے مفصل بیان کر چکا ہے، مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو۔ اور بے شک بہت سے اپنی بے علمی کی بدولت اپنی خواہشات سے گمراہی پھیلاتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کو حد سے بڑھنے والوں کا پورا علم ہے۔

جہاں حرمت کا حکم ہے، اس کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے۔ تفصیل کا منشاء ہی حدود کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ حرمت کا حکم نہ ہونے کے باوجود طبیعت رکتی ہوئی معلوم ہو، تو یہ عطائے الٰہی کی ناشکری ہوگی۔ معطیٔ مطلق نے جو بھی عطا فرمایا ہے، اس کی اہمیت ہمیں تسلیم ہونی چاہئے، اس کا استعمال بھی احکام خداوندی کے مطابق ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنی پسند کے مطابق قانون بنانے کا حق بالکل نہیں دیا گیا۔ حالت اضطرار میں جب حلال چیز کھانے کو نہ مل رہی ہو، تو حرام کے اس قدر کھانے کی اجازت ہے، جس سے مجبوری دور ہو جائے۔ یہ اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ صبر و استقامت میں کمزور لوگ بہ حفاظت اضطرار کے مقام سے اسی طرح گزر سکتے ہیں۔ ورنہ علم والے تو عطائے الٰہی کو ہر مقام پر پورا دیکھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی بے علمی کی بدولت، اپنی خواہشات کو بیان کرتے کرتے لوگوں کے اندر الجھاؤ پیدا کر کے گمراہی پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کے گمان کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے کہ جو بھی عقلی قیاس کی بدولت انہیں تسلیم ہے، ان کے نزدیک وہی حق ہے۔ یہ لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان کا پورا علم ہے۔ حد یہ ہے کہ اپنی عقل کو حکم خداوندی کے تابع رکھا جائے۔ جب عقل حکم خداوندی کے تابع نہ ہو تو حد سے تجاوز ضرور ہوتا ہے۔

حاصل : جہاں حرمت کا حکم نہ ہو، وہاں اباحت ثابت ہوتی ہے۔ حد سے نہ بڑھنا تبھی ممکن ہوتا ہے، جب عقل حکم خداوندی کے تابع ہو۔ حالت اضطرار میں حرام وقتی طور پر جائز ہو جاتا ہے۔ جب مجبوری رفع ہو جائے تو پھر اس کی طرف بڑھنا حد سے بڑھنے والی بات ہوگی۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢١﴾

اور ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دو۔ وہ جو گناہ کماتے ہیں جلد ہی اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔

ظاہر میں گناہ وہ ہے جہاں حدود اللہ کا علم ہو اور خوف خدا عمل سے ظاہر نہ ہو۔ اور باطن میں گناہ یہ ہے کہ اپنی خواہش کو حق کے برابر وقعت دی جائے۔ ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دینے سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور پاکیزگی ہو تو حق کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ جو لوگ باطن میں گناہ کرتے ہیں وہ ایک وقت کے بعد ظاہر میں بھی گناہ کرنے لگتے ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو ختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس کے بعد انہیں ان کے کئے کی جزا ملنے لگتی ہے۔

حاصل : خوف خدا عمل سے ظاہر نہ ہو تو یہ ظاہر میں گناہ ہے اور اپنی خواہش کو حق کا درجہ دیا جائے تو یہ باطن میں گناہ ہے۔ ظاہر و باطن میں گناہ چھوڑ دینے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ گناہگار کو اس کے کئے کی جزا ملتے دیر نہیں لگتی۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام

اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰۤى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

نہ لیا گیا ہو اور بے شک یہ فسق ہے۔ اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو تم مشرک ہوئے۔

جس جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر نہ پڑھی گئی ہو، اس میں سے کھانا منع ہے۔ پتہ لگ جانے کے باوجود حدود اللہ کا احترام نہ کیا جائے تو یہ فسق ہے، اور فسق ہی منافقت و گمراہی ہے۔ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یہی ڈالتے ہیں کہ وہ عقلی قیاسات کے حوالے سے تمہارے ساتھ جھگڑیں اور تمہیں راہ راست سے بہکا دیں اور اگر تم ان کا کہا بھی مان لو تو یہ ظلم عظیم ہو گا کہ یہ شرک ہے۔ جس شاہد کی صداقت کو معیار جان کر اللہ کو مانا گیا تھا۔ عقلی قیاسات کے تحت جھگڑا کرنے والوں کی اطاعت، اس معیارِ صداقت کی عملاً نفی کر دیتی ہے۔ اور اس طرح اپنی خواہش کی پیروی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ ناصحین کی بات کبھی قیاسات کے تحت نہیں ہوا کرتی۔

حاصل : جس حلال جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس میں سے کھانا حرام ہے اور حرمت کا پتہ ہونے کے باوجود حکم خداوندی کو نہ مانا جائے تو یہ فسق ہے۔ عقلی قیاسات کے تحت جھگڑا کرنے والوں کی اطاعت شرک ہے۔ جس شاہد کے اتباع سے خوف و حزن ختم ہوں اسی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کو ماننا شرک سے پاک رہنے کی صورت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں ارشاد فرمایا ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ ۱۰۵ / ۱۲

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض ہی کرتے ہیں۔

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ

اور کیا وہ کہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اسے نور دیا کہ جس سے لوگوں میں چلتا ہے، اس کی مثل ہو سکتا ہے جو ظلمات میں ہے اور وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ اس طرح کافروں کے لئے

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

مزین کر دیئے جو عمل وہ کرتے ہیں۔

بے حقیقت مردہ ہوتا ہے اور باحقیقت زندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مردے کو زندہ کرتا ہے۔ جب اللہ کسی بے حقیقت کو باحقیقت بنا دیتا ہے تو اس کا قول پاک ہو جاتا ہے اور عمل صالح ہو جاتا ہے۔ قول میں باحقیقت اس امر کو ملحوظ رکھتا ہے کہ اس کا قول رضائے الٰہی کے مطابق دوسروں کے فائدے کے لئے ہو اور عمل میں اس کے خوف خدا موجود رہے۔ اس نور سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ لوگ اس پاک مرد کو دیکھ کر اصلاح کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کی صحبت میں عافیت محسوس کرتے ہیں اور اپنی عزت کو بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس کے مقابل جو اپنی خواہشات کو معبود بنا لیتا ہے وہ ظلمات میں ہے۔ وہ استکبار میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ اس کے قول و عمل میں استکبار بہر حال موجود رہتا ہے۔ اس کی صحبت میں لوگ اپنی عزت کو گھٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔ کافر اپنے استکبار میں اتنا محو ہوتا ہے، کہ اپنے استکبار ہی کو کامیابی سمجھتا رہتا ہے۔

حاصل : بے حقیقت اور باحقیقت کبھی ایک دوسرے کی مثل نہیں ہوتے۔ باحقیقت سے اللہ کی مخلوق کو نور ملتا ہے۔ بے حقیقت سے ظلمات ملتی ہیں۔ باحقیقت لوگوں کو رضائے الٰہی کے تحت سکھ دیتا ہے۔ بے حقیقت شوکت نفس کے تحت لوگوں کو اپنے سکھ کے لئے استعمال کرتا ہے اور استکبار کرتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر قریئے میں مجرموں کے اکابر ٹھہرائے کہ وہاں مکر کریں اور جو مکر کرتے ہیں تو اپنے آپ پر ہی کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

استکبار سب سے بڑا جرم ہے۔ باقی سب جرائم اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ متکبرین کے اکابر کئی طرح کی چالیں چلتے رہتے ہیں، تجویزیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تجویزوں سے خسارہ انہی کا ہوتا ہے۔ حق کے انکار کی بدولت یہ جہنم کو اپنے لئے مقدر کر رہے ہوتے ہیں، مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہوتا۔ جو لوگ حق کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ کبھی بے سند باتوں کو وقعت نہیں دیتے اور جو لوگ وسعت مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرتے ہیں، ان کے نزدیک قیادت و سیادت کا حق وسعت مال کی نسبت سے ہی ہوتا ہے۔ مال بھی تو عطائے الٰہی ہے۔ اگر اس کو کوئی استکبار کے لئے استعمال کرے اور اپنی انا کی وقتی تسکین کے لئے دائمی خسارے میں جا پڑے تو اس سے بڑی بے شعوری اور کیا ہوگی۔ مجرمین ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں۔ مگر نبی کے لئے راستہ بنانا اور اس کی نصرت کرنا اللہ تعالیٰ کی شان بے مثال ہے۔ مجرمین نے جو کیا ان کا کیا انہی پر پڑا اور وہ ایسے مٹتے گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

حاصل : استکبار سب سے بڑا جرم ہے اور ہر قریئے میں مجرمین کے اکابر مکر کے جال پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ مکر کرنے والے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے کرتے اس حفاظتی باڑ کو توڑ لیتے ہیں جو کسی معاشرے کی حفاظت کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے۔ جب یہ باڑ ٹوٹتی ہے تو ان کا مکر انہیں بھسم کر کے رکھ دیتا ہے۔ پھر وہ بھاگ نہیں سکتے۔

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ ۘ ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ۗ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ صَغَارٌ عِندَ ٱللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَمْكُرُونَ ﴿١٢٥﴾

وقف لازم

اور جب ان کے پاس کوئی آیت آئے تو کہتے ہیں، ہم ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہمیں بھی اس کی مثل عطا ہو جو اللہ کے رسولوں کو عطا ہوا۔ اللہ کو اپنی رسالت کے محل کا بڑا علم ہے۔ عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی اور شدید عذاب، اس لئے کہ وہ مکر کرتے تھے۔

مستکبرین کے سامنے جب حق کو بیان کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ ہم پر آیات کیوں نہیں آتیں۔ ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ اللہ کے رسول پر اللہ کی طرف سے آیات نازل ہوتی ہیں۔ ہم تو تبھی مانیں گے کہ ہم پر بھی ویسا ہی نزول ہو جیسا اللہ کے رسولوں پر ہوا ہے۔ یہ بڑے تکبر کی بات ہے کہ حق کے انکار کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اتنے بلند مرتبے پر دیکھا جائے کہ بندوں میں اس سے بلند کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ جس علیم مطلق نے اپنی آیات نازل فرمائی ہیں، محل نزول کو اس سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ اس نے جس کو رسالت کے منصب پر سرفراز کیا ہے، لازم ہے اس کی تعظیم کی جائے۔ توقیر کی جائے۔ اس کو پاک کرنے والا مانا جائے اور علم و حکمت سکھانے والا مانا جائے۔ اس کا ادب ہو اور ہر مقام پر ہو۔ مجرم اپنے آپ کو بڑی عزت والا سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ احساس دیرپا نہیں ہو سکتا۔ جس توفیق کی بدولت یہ استکبار کرتے ہیں، اس میں تغیر کے ساتھ ہی یہ ذلت کے گڑھے میں ہوں گے اور شدید عذاب ان کو گھیرے گا اور یہ سب ان کے کئے کا بدلہ ہو گا۔ مستکبرین کا مکر حق پہنچانے والوں کو ہرانے کی کوشش کا نام ہے۔ یہ کوشش ان کی طرف سے قولاً بھی ہوتی ہے اور عملاً بھی ہوتی ہے۔ یہی کوشش ان کو ذلت اور عذاب شدید میں دھکیل دیتی ہے۔ پھر وہ اس سے نکل نہیں سکتے۔

حاصل : جب حق کے انکار کے ساتھ ساتھ حق کے بیان کرنے والے کو ہرانے کی کوشش کی جائے تو پھر مجرمین کو گرفت میں آتے دیر نہیں لگتی۔ ذلت اور عذاب شدید ان کے مکر کی بدولت انہیں گھیر لیتے ہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور جسے اللہ ہدایت دینا چاہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے، اس کے سینے کو نہایت تنگ کر دیتا ہے۔ گویا وہ زور سے آسمان پر چڑھتا ہے۔ اللہ ایمان نہ لانے والوں پر اسی طرح عذاب ڈالتا ہے۔

جو استکبار سے بچے وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔ اپنے اعمال میں تضاد سے بچتا ہے اور جلد بازی نہیں کرتا۔ یہ صفات اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اللہ ایسے موصوف کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اس کے سینے میں اتنی وسعت آ جاتی ہے کہ کسی بھی مقام پر حق کا علم ہو جانے کے بعد تعمیل ارشاد میں اس کی پسند سدراہ نہیں بنتی اور اسے اپنے اندر کوئی تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ مگر جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے وہ استکبار کا مرتکب پایا جاتا ہے، اس کے اعمال میں تضاد ہوتا ہے، وہ جلد باز ہوتا ہے اور اس کی پسند اس کے نزدیک فیصلہ کن ہوتی ہے۔ جس کے اندر یہ صفات ہوں، اس کے سینے میں ایسی تنگی آ جاتی ہے کہ جب بھی حق اس کے سامنے بیان ہوتا ہے اور وہ اپنی پسند کو اس کے خلاف پاتا ہے تو اسے اپنا دم گھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جان ہوا ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور وہ حق سے کراہت کی بدولت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ ہدایت بھی اللہ دیتا ہے۔ گمراہ بھی اللہ کرتا ہے۔ ہدایت خیر کا رخ رکھنے کا انعام ہے اور گمراہی اپنی خواہش کی پیروی کا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے استعمال کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے۔ اس توفیق کے استعمال میں انسان بشارت کا رخ اختیار کرے تو اسے ہدایت ملتی ہے۔ اور انذار کا رخ اختیار کرے تو اسے گمراہی ملتی ہے۔ اگر ہدایت اور گمراہی انسان کے اعمال سے تعلق نہیں رکھتی۔ تو انسان کی جواب دہی کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے اور اللہ کے فرمان سے یہ روشن ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : ہدایت اسے ملتی ہے جو استکبار سے بچے، اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے اور اپنے اعمال کو تضاد سے پاک رکھے گمراہی اسے ملتی ہے، جو استکبار کرے، اپنی خواہش کی پیروی کرے، جس کے اعمال میں تضاد ہو، اور جو جلد باز ہو۔ ہدایت والے کا سینہ قبول حق کے لئے کشادہ رہتا ہے۔ گمراہی والے کا سینہ حق کو سن کر تنگ ہوتا رہتا ہے اور یہی تنگی اس کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور یہ ہے تمہارے رب کا صراط مستقیم، ہم نے آیات کو نصیحت ماننے والوں کے لئے

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ مفصل فرمایا۔

فرمان خداوندی تمام لوگوں کے لئے ہے۔ مگر اس سے فائدہ نصیحت ماننے والوں کو ہی ہوتا ہے۔ نصیحت ماننے والے جس کو ناصحؐ امین مان لیتے ہیں، اس کی نصیحت کو محبت سے مانتے ہیں۔ ان کے لئے آیات کا مفصل ہونا باعث راحت ہوتا ہے۔ صراط مستقیم وہ مختصر ترین راستہ ہے جس پر چل کر مقصود ملے اور مشقت سے بھی بچاؤ رہے۔ جس کو رب العالمین کی رضا مقصود ہو، جو فلاح دارین کا طالب ہو اس کو ہمیشہ حق کے حوالے سے زندگی گزارنی چاہیے۔ لوگوں کے خوش کرنے کے مقابل، اللہ اور اس کے رسول کے راضی کرنے کو بڑا حق ماننا چاہیے۔ اس سے مقصود بھی ملے گا اور مشقت بھی نہیں ہوگی۔

حاصل : جس کو رب العالمین کی رضا مقصود ہو وہ لوگوں کی پسند کے مقابل، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو مانے، یہی صراط مستقیم ہے۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے یہاں، اور وہی ان کے اعمال کی بدولت ان کا ولی ہے۔

جو لوگ نصیحت مانتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے۔ انہیں ایسی سلامتی عطا ہوتی ہے، جس کے بعد حزن و ملال کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ اللہ جس کو سلامتی کا گھر عطا فرمائے اس کے اعمال میں ہر مقام پر رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے اور ناصحؐ امین سے محبت ہر مقام پر موجود ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ دوست ہوتا ہے۔ مالک کل جن کا دوست ہو وہ یقیناً عزت والے ہیں۔

حاصل : سلامتی کا گھر، صالح اعمال کی بدولت عطا ہوتا ہے۔ جسے اللہ کے ہاں سلامتی حاصل ہو اس پر کبھی خوف و حزن کا مقام نہیں آتا۔ اللہ جن کا دوست ہے وہ یقیناً عزت والے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

اور جس دن ان سب کو جمع کرے گا، فرمائے گا، اے گروہ جنّ تم نے بہت انسانوں کو گھیرا۔ اور ان کے انسان دوست عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے کام نکالا اور ہم اس اجل کو پہنچے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرائی تھی۔ فرمائے گا، آگ ہے تمہارا

اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ٹھکانہ، ہمیشہ اس میں رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنوں کے گروہ سے فرمائے گا۔ اے گروہ جن تم نے بہت سے انسانوں کو گھیرا۔ اولیاء الشیطن کا تو کام ہی لوگوں کو گھیرنا ہے۔ طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو شہوات اور معاصی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ انسان، شہوات اور معاصی میں مبتلا ہو کر شیطان کے مطیع ہو جاتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ گروہ جن سے اپنا کام نکال رہے ہیں۔ یہ خبر انہیں ضرور ہوتی ہے کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ایک دن ختم ہو گا۔ جزا کے دن کے بارے میں بھی مرسلین نے انہیں یقیناً آگاہ کیا ہوتا ہے۔ قیامت کے دن مجرمین کے اعتراف گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اب آگ تمہارا ٹھکانا ہے۔ ہمیشہ اس میں جلو گے۔ اللہ مالک ہے جسے معاف کرنا چاہے اسے معاف کر دے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ رب العالمین کا ہر کام حکمت و علم سے ہے۔ نہ اس کی حکمت پر کسی کی تدبیر غالب آ سکتی ہے، نہ اس کے علم پر کسی کا علم محیط ہو سکتا ہے۔

حاصل : گروہ جن، لوگوں کو گھیرنے کی کوشش میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ان کے اولیاء شہوات و معاصی کے کام نکالتے نکالتے ان کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ مجرمین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ مالک کل ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس کا ہر کام حکمت و علم سے ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ع

اور اسی طرح ہم ظالمین کو ایک دوسرے سے ملا دیتے ہیں، ان کے کئے کی بدولت۔

فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے۔ شہوات و معاصی کی طرف رغبت دلانے والے بھی ظالم ہوتے ہیں اور اس طرف راغب ہونے والے بھی ظالم ہوتے ہیں۔ یہ اپنے ظلم کی بدولت ایک دوسرے سے حیات دنیا میں ملتے ہیں۔ آخرت میں ان کے ظلم کی جزا ان کو دی جائے گی، اور یہ جہنم میں جمع ہوں گے۔

حاصل : ظالمین، ظلم کے حوالے سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔ جزا کے وقت ان کو ان کے ظلم کی نسبت سے ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا۔ جو ظلم کے انجام سے بچنا چاہے، اسے ظلم سے بچنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۞ ۱۷/۳٦

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہونا ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣١﴾

اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس تم میں کے رُسل تشریف نہیں لائے، جو تم پر میری آیات پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے۔ عرض کریں گے، ہم اپنے انفس پر گواہی دیتے ہیں اور انہیں حیات دنیا نے فریب دیا اور اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

جنّ و انس حبوط آدم علیہ السلام کے وقت زمین پر آباد ہوئے۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے گی پھر جس نے اس ہدایت کا اتباع کیا، اس پر خوف و حزن نہیں ہو گا۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ جو بھی مکلّف ہے اس کے سامنے معیار ہدایت کالانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ معیار ہدایت کے ماننے والوں کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ منکرین خسارے میں پڑتے ہیں۔ قیامت کے دن جنّ و انس سے سوال ہو گا کیا تمہارے پاس وہ حضرات تشریف نہیں لائے، جو تم میں سے ہی تھے۔ تم پر میری آیات پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے۔ جنّوں میں وہ لوگ رسول ہوئے جنہوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات ان تک پہنچائیں اور انہیں جزا کے دن سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہمیشہ گمراہی ہی ہوتا ہے۔ یہ پیغام ہر زمانے میں جنّ و انس تک پہنچتا رہا ہے۔ جنّ کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انس کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ دونوں کا منشاءِ تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبدیت ہے۔ دونوں کو ایسی توفیق دی گئی ہے کہ اسے اللہ کی رضا کے مطابق بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اللہ کی رضا کے خلاف بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے نوع کے اختلاف کے باوجود دونوں کو حیات دنیا میں اظہار عبدیت کے لئے صراط مستقیم کا جاننا درکار ہے اور اس صراط مستقیم کو روشن کرنے والے، اللہ کے رسول ہیں۔ جنّوں میں بھی اللہ کا پیغام ہمیشہ سے پہنچتا رہا ہے۔ ان میں کے وہ لوگ جو ہدایت یافتہ ہوئے، وہ یوم آخرت پر یقین رکھنے کی بدولت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ جنّوں میں کسی الگ ہدایت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے کسی الگ ہدایت دینے والے کو بھی نہیں بھیجا گیا۔ جو تعلیم انسانوں کے لئے باعث فلاح تھی، اسی سے وہ استفادہ کرتے رہے ہیں۔ قیامت کے دن جنّ و انس اعتراف کریں گے کہ ان میں کے حضرات نے ان پر اللہ کی آیات پڑھیں، انہیں قیامت کے دن سے آگاہ کیا، مگر انہیں حیات دنیا نے فریب دیا اور وہ اپنے اوپر خود گواہی دیں گے کہ وہ حق کا انکار کرنے تھے

حاصل : جنّ و انس کی طرف انہیں میں کے حضرات ان پر اللہ کی آیات پڑھیں، ان کو ان کے انجام سے آگاہ کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہوتا ہے۔ قیامت کے دن جن و انس اپنے کفر پر خود گواہی دیں گے۔ لوگوں کو بتانے کی باتیں یہی ہوتی ہیں کہ دیکھو تم کدھر کو جا رہے ہو، مالک کل کا حکم کیا ہے اور اس حال کےبعد مستقبل کیا ہو گا۔ حیات دنیا کے فریب میں مبتلا رہنے والے خسارے میں رہتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ غافل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کرتے کرتے حدود اللہ سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں ظلم کے نتائج سے آگاہ کیا جاتا ہے، اس پر بھی وہ اپنی خواہشات کی پیروی اور سرکشی سے باز نہیں آتے۔ اور عذاب الٰہی سے ڈرنے کی بجائے اسے طلب کرنے لگتے ہیں۔ جو حالت کفر پر اس دنیا سے رخصت ہو گا، وہ دائمی خسارے میں پڑے گا۔ رب العالمین جب تک کسی بستی کے لوگوں کو اپنی نشانیوں سے آگاہ نہیں کر دیتا، ان پر اتمام حجت نہیں کر دیتا، انہیں ان کے انجام سے باخبر نہیں کر دیتا پھر ان کے حال پر بشارت و انذار کا حق ادا کرنے والے کو شاہد نہیں بنالیتا، وہ کسی بستی پر عذاب نہیں بھیجتا۔

حاصل : کسی بھی فرد یا جماعت پر سختی خلاف حق ہے، جب تک وہ حدود اللہ سے تجاوز کا ارتکاب نہ کرے۔ کسی بے خبر کو سزا نہیں دینی چاہئے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور ہر ایک کے لئے ان کے عمل کے حوالے سے درجات ہیں اور تمہارا رب ان کے عملوں سے غافل نہیں ہے۔

جو فرمان خداوندی کو سنتا ہے، اس کو مانتا ہے اور خواہش کی پیروی نہیں کرتا، وہ مخلص اپنے ناصح سے محبت رکھتا ہے، اسے شیطان بہکا نہیں سکتا۔ جو فرمان خداوندی کو سنتا ہے مگر کرتا وہی ہے جو اسے پسند ہو، اس پر اس کی پسند غلبہ پالیتی ہے اور وہ اللہ کی راہ پر نہیں رہتا۔ کوئی واقعہ اسے راہ راست پر لا کر رکھ دے اور وہ تضاد سے پاک ہو جائے تو یہ الگ بات ہے۔ اور جو فرمان خداوندی کو سنتا ہے اور اس کے خلاف کرتا ہے، وہ ظلمات کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ کوئی مانتا ہے جیسے ماننے کا حق ہے۔ کوئی مانتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور کوئی مانتا ہی نہیں۔ یہ عمل کے درجات ہیں۔ جو جس درجے پر ہو گا، اسی درجے کی جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر حال پر ہر ایک کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اعمال کے پیچھے نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے

حاصل : ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق ماننا چاہئے۔ مومن، منافق اور کافر کے ساتھ ایک جیسا معاملہ نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کے قول کو ماننا چاہئے۔ منافق و کافر کو ان کے رخ کے حوالے سے دیکھنا چاہئے اور ان سے خبردار رہنا چاہئے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿١٣٣﴾

اور تمہارا رب غنی ہے بڑی رحمت والا اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہارے بعد خلافت دے، جیسے تمہیں اوروں کی ذرّیت سے اٹھایا۔

رب العالمین ہر مقام پر احتیاج سے پاک ہے اور اس کی رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔ جو جس مقام پر ہے، اللہ کے غنا اور رحمت سے استفادہ کر رہا ہے۔ اگر اس غنا اور رحمت کا شکریہ ادا کرے تو راحت اس کے ساتھ ساتھ رہے گی، ورنہ اس پر خوف و حزن کا احاطہ ہو جائے گا۔ اسے کسی قوم سے اپنی عطا کردہ توفیق واپس لیتے وقت، نہ کسی کی اجازت درکار ہے، نہ کسی تیاری کی ضرورت ہے۔ وہ پہلے متکبرین کی جگہ بھلے لوگوں کو آباد کرتا رہا ہے۔ ان بھلے لوگوں کی اولاد نے جب اپنی خواہشات کی پیروی کو طریق زندگی بنا لیا اور اللہ کی آیات سے سرکشی کی تو ان میں سے نیکوں کو بچا لیا گیا اور منکرین کو نابود کر دیا گیا۔ ہم جن کی اولاد ہیں، انہیں بھی خلافت متکبرین کے خاتمے کے بعد ہی ملی تھی۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو سلامتی قائم رہتی ہے ورنہ نہیں رہتی۔

حاصل : جو ہمارے دست نگر ہیں، انہیں اس طرح دینا چاہئے کہ ہمارے عبدالغنی ہونے کا ثبوت ملے اور ان کی خطاؤں کو معاف کرنا چاہئے۔ توفیق اسی سے واپس لی جانی چاہئے جو اطاعت حق کے مقابل سرکشی کو اپنا شعار بنا لے۔

إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾

بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے، ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں۔

جس نے ہر شے خلق فرمائی ہے، اسی نے ہر شے کا ایک قدر رکھا ہے اور اس کی مشیت ہر حال پر حاوی رہتی ہے۔ اس کو روک دینا کسی کے بس میں نہیں۔ اس کا وعدہ ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا روز قیامت دی جائے گی۔ اس کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے وقوع کو روکنے والی کوئی قوت ہے ہی نہیں۔ انسان کو توفیق دینے والے سے بڑھ کر اسے کون جانتا ہے۔ اس لئے انسان کے بارے میں یا کسی بھی مخلوق کے بارے میں اللہ کی بات سے بڑی کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ حیات دنیا میں انسان کو اپنے اختیار واقتدار کے باوجود اپنے عجز کو دیکھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ جس کو اپنے عجز کا احساس ہو جائے وہ عاجز کرنے والے کو

ماننے میں ہی اپنی بھلائی دیکھتا ہے۔ انسان کا اختیار وقتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اختیار کلی ہے۔ اس لئے انسان، کسی انسان کے سامنے عاجز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بالکل عاجز ہے۔

حاصل : قدرت الٰہی کے احاطے کو محسوس کرنے کے باوجود، قیامت کا انکار انتہائی بے سمجھی کی بات ہے۔ جس کا اللہ نے وعدہ دیا ہے، وہ ضرور آنے والی ہے۔ اس کو ماننے والے ہی سیدھی راہ پر آتے ہیں۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾

فرما دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، میں بھی عمل کر رہا ہوں تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے۔ بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حق پہنچا دینے کے بعد شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ منکرین سے یہ کہہ دے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ جو کر رہے ہو کرتے جاؤ، میں اپنا حق ادا کر رہا ہوں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہوتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے اور کون خسارے میں ہے۔ جو حال پر ظلم کر رہا ہے وہ اپنے ظلم کے انجام سے مستقبل میں متاثر ہو گا۔ فلاح وہ راحت ہے، جو ہدایت یافتہ لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

حاصل : قوم میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، جو پیغام حق کو سن کر، حق پہنچانے والے کا انکار کرتے ہیں۔ منکرین حق سے یہ کہنا چاہئے تمہارے عمل کی جزا تمہیں ملے گی۔ ہمارے عمل کی جزا ہمیں ملے گی۔ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ عاقبت کا گھر کس کے لئے ہے۔ ظالم کو نہ کبھی فلاح ہوئی ہے، نہ ہو گی۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى

اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں اور مویشیوں میں اس کا حصہ ٹھہراتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں یہ ان کے خیال میں اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے۔ تو وہ جو ان کے شرکاء کا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

اللّٰہِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾

کافروں کے فہم و فراست کو ان کی تقسیم کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اس طرح شبہات کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی میں سے اور اس کے پیدا کردہ مویشیوں میں سے اللہ کا حصہ نکالتے ہیں، اور بتوں کا حصہ بھی نکالتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جو شرکاء کا حصہ ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شرکاء کو پہنچتا ہے۔ یہ تقسیم ان کے فہم کا درجہ واضح کرتی ہے۔ جو مالک کل ہے اور معطیِ مطلق ہے، اس کے نام پر، اس کی راہ میں خرچ کیا جائے تو خرچ کرنے والوں کو سات سو گنا اور اللہ چاہے تو اور بھی زیادہ ملے گا۔ اس کے مقابل غیر اللہ کے نام پر جو بھی خرچ کیا جائے گا، وہ ظلم پر خرچ ہوگا اور دارین میں خسارے کا باعث بنے گا۔ جزا دینے والے مالک کل کی طرف سے کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ منکرین حق اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔ اس حکم کی بُرائی یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نام پر کم خرچ کرتے ہیں اور اپنے شرکاء پر زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ بلکہ بُرائی یہ ہے کہ حدود اللہ کو ماننے کی بجائے، خود ہی حدود کا تعین کرنے لگتے ہیں۔ ہر وہ حکم بُرا ہے جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہو۔

حاصل : جس کی تقسیم میں تضاد ہو اس کو ظالم جاننا چاہئے۔ جو حکم فرمان خداوندی کے خلاف ہو وہ حکم بُرا ہوتا ہے اور کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾

اور اسی طرح مشرکین کی نگاہ میں ان کے شرکاء نے قتل اولاد کو مزیّن کر دیا تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ نہ کر پاتے تو انہیں ان کے افترے کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔

مشرکین اللہ کے مقابل طاغوت کی بندگی کرتے ہیں۔ شیاطین قتل اولاد کو ان کے سامنے اس طرح مزیّن کر کے رکھتے ہیں کہ انہیں بُرا فعل بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ متکبرین کے لئے کسی کو داماد بنانا شوکت نفس کے منافی ہوتا ہے، اس لئے بیٹی کی پیدائش انہیں آزردہ کر دیتی ہے۔ رزق کی کمی بھی انہیں خوفزدہ کر دیتی ہے کہ کہیں اولاد کی وجہ سے ان کی عزت میں کمی نہ ہو۔ اور کہیں وہ قتل اولاد کو سنت ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اپنی پسند کو امر الٰہی کے

تابع رکھا جائے۔ یہ نہیں کہ اپنی پسند کو ہی امر الٰہی کا درجہ دے دیا جائے۔ قتل اولاد سے ہلاکت تو ہوتی ہی ہے۔ اگر اسے نیکی سمجھ کے کیا جائے تو یہ دین میں شبہ پڑ جانے کی صورت ہو جاتی ہے۔ باپ مستقبل میں اپنی ذرّیت کی صورت سے زندہ رہتا ہے۔ جو اپنی ذرّیت کو ہلاک کر دے اس نے یقیناً اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور اگر یہ نیکی جان کر کیا جائے، تو حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی کوشش ہوگی، جس سے دین میں شبہات پیدا ہوں گے۔ اگر اللہ مشرکین کو استکبار کے لئے توفیق ہی نہ دیتا تو وہ شرک کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اسی توفیق کے صحیح استعمال سے ہی قرب الٰہی بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی مشیت اور اس کی رضا ایک ہی مقام کے دو نام نہیں ہیں۔ اس کی مشیت، نتائج پر اس کی قدرت ہے، جو نتیجہ اسے پسند نہ ہو، وہ کبھی واقع نہیں ہو گا۔ یہ یقین عمل کو سیدھا رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اگر عمل کرتے وقت اپنے آپ کو مطلوبہ نتیجے سے جوڑ لیا جائے تو پھر عمل رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہو گا اور خواہش کی پیروی سے نجات ناممکن ہو جائے گی، جبکہ اللہ کی رضا، مخلصین کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ جو اللہ پر کذب سے افترے باندھتے ہیں وہ اظلم ہیں۔ انہیں ان کے افترے کے ساتھ چھوڑ دینا چاہیئے۔

حاصل : مشرکین کی زندگی میں استکبار ضرور ہوتا ہے۔ اور یہی استکبار انہیں قتل اولاد جیسے قبیح فعل کو بھلا کر کے دکھاتا ہے۔ مخلصین کا ساتھ نہ ہو تو شبہات کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ من مانی کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ رغبت انہی کی طرف ہونی چاہیئے جو خیر کو قبول کرنے والے ہوں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اسے وہی کھائے جسے ہم چاہیں، اپنے خیال کے مطابق اور کچھ جانوروں پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ جانوروں کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب اللہ پر افترا ہے۔ عنقریب وہ انہیں افترے کی جزا دے گا۔

مشرکین اپنے مویشیوں میں سے اور اپنی کھیتی میں سے جو حصہ بتوں کے نام پر مخصوص کر دیتے تھے، وہ ممنوع الانتفاع ہو جاتا تھا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان کے خیال میں اس کے استعمال کے حقدار تھے۔ مثلاً بتخانوں کے خدام وغیرہ۔ اسی طرح بعض جانوروں کو سواری کے لئے استعمال کرنا حرام ٹھہرا دیتے تھے۔ ان سے بار برداری کا کام لینا بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ یہ جانور بھی بتوں کے نام پر وقف ہوتے تھے۔ بتوں کے نام پر وقف کئے گئے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ اور یہ حدود جو مشرکین کی طرف سے متعین کی جاتی تھیں، ان کے خیال میں یہ سب اللہ کو راضی کرنے کے لئے تھیں۔

افتریٰ وہ بات ہے، جو اللہ کے فرمان کے خلاف ہو اور مکذّبینِ حق کے خیال میں وہی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہو۔ اللہ پر افتریٰ باندھنے والے اپنے کئے کی جزا عنقریب پائیں گے۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہونے کی دیر ہے، انہیں اپنے کئے پر افسوس ہو گا۔ مگر اس وقت کا افسوس کچھ فائدہ نہ دے گا۔

حاصل : جو بات بھی کی جائے، اس میں اللہ کی رضا کی سند موجود ہونی چاہئے۔ افتریٰ باندھنے والوں کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٤٠﴾

اور کہتے ہیں جو ان مویشی کے بطون میں ہے وہ صرف ہمارے مَردوں کے لئے ہے اور ہماری ازواج پر حرام ہے۔ اور مُردہ نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب وہ انہیں ان باتوں کی جزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔

ان جانوروں کو بحیرہ، سائبہ اور حامی کہتے تھے اور انہیں مقدّس خیال کرتے تھے اگر ان کے بطون سے زندہ بچہ پیدا ہو تو صرف مَردوں کے لئے ہوتا تھا اور مُردہ پیدا ہو تو مرد و زن سب کھا سکتے تھے۔ یہ باتیں مشرکین کی من گھڑت تھیں۔ حکمت والا اور علم والا، خالق کل ہے۔ وہ انہیں ان کی باتوں کی ایسی جزا دے گا کہ ان کا افتریٰ ہی انہیں گھیر لے گا اور یہ اپنے ظلم کے انجام سے بھاگ نہیں سکیں گے۔

حاصل : افترے سے بچنا لازم ہے۔ حکمت والے، علم والے، مالک کل کی شان ہے کہ وہ کسی کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ مگر جب وہ پکڑنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا

بے شک اپنی اولاد کو بے وقوفی اور بے علمی سے قتل کرنے والے خسارے میں پڑے۔ اور اللہ پر افترے باندھتے ہوئے اس رزق کو حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے انہیں دیا۔ بے شک وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت نہ پائی۔

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اللہ پر افترئ باندھنے والوں کی بے وقوفی اور جہالت کی انتہا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے قتل کو بھی اپنے خیال میں بھلائی جانتے ہیں۔ اور عطائے الٰہی کو اللہ پر افترئ باندھتے ہوئے حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔ اولاد بھی اللہ کی عطا ہے، رزق بھی اللہ کی عطا ہے اور ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے ان کی برکت برقرار رہتی ہے۔ شکریئے کی ادائیگی اسی طرح ممکن ہوتی ہے کہ نعمت کو معطیء مطلق کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے۔ افترئ باندھنے والوں کی بات پر کبھی سند موجود نہیں ہوتی اس کے باوجود وہ اپنی پسند کے اتنے ماننے والے ہوتے ہیں کہ اسے رضائے الٰہی کا درجہ دے دیتے ہیں۔ جہاں اپنی پسند کو اتنی وقعت دی جائے گی. وہاں یقیناً گمراہی ہوگی اور گمراہ، راہ والوں سے نہیں جڑتے، اس لئے وہ راہ پر نہیں آتے۔

حاصل : اولاد کی صورت میں مستقبل کو قتل کرنے سے بڑا خسارہ کوئی نہیں۔ قتلِ اولاد بے وقوفی اور جہالت کی انتہا ہے۔ اللہ پر افترئ باندھنے والے، اپنی پسند کو رضائے الٰہی کا درجہ دیتے ہیں۔ اس لئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ راہ اسے ملتی ہے جو راہ راست والوں کے ساتھ ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ کافروں کے لئے خرابی ہے اور عذاب شدید ہے۔

نِ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ط اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ م بَعِيْدٍ ۝ ۱۴/۳۰

جنہیں آخرت سے دنیا کی زندگی زیادہ پیاری ہے، وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ ان کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے کے مشابہ بھی اور غیر مشابہ بھی ہیں۔ کھاؤ ان کے ثمر میں سے جب وہ ثمر لائیں اور جس دن اترے اس کا حق ادا کرو اور اسراف نہ کرو۔ بے شک مسرفین اللہ کو پسند نہیں

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤٢﴾

ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ اس کی تخلیق سے انسان تمتع کرتے ہوئے شکریہ ادا کرتا رہے تو پھر انسان کی نظر میں وسعت آنے لگتی ہے۔ اور نعمت کو پاکر معطی عز مطلق کی رضا کے مطابق اسے استعمال کرنا تقاضاء ادب معلوم ہوتا ہے۔ لذّت مقصود نہیں رہتی. افادیت مقصود ہوتی ہے۔ بعض پھل اتنے نازک اور ہلکے ہوتے ہیں کہ ان کی بیلوں کو زمین سے بلند کرنے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً انگور وغیرہ اور بعض اتنے سخت اور وزنی ہوتے ہیں کہ ان کی بیلوں کو بلند کرنا نقصان دہ ہوتا ہے۔ جیسے خربوزہ، تربوز وغیرہ۔ نرم و نازک پھل والی بیلوں کو ٹٹیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور سخت اور بھاری پھل والی بیلوں کو ٹٹیو ں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ یہ بھی اللہ کی قدرت ہے کہ بعض بیلوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پھل لگتے ہیں اور بعض بیلوں کے ساتھ بڑے بڑے پھل لگتے ہیں۔ کھجور کا درخت، کاشت کے بہت دیر بعد پھل دیتا ہے اور کھیتی چند مہینوں میں تیار ہو جاتی ہے۔ انسانی ضروریات کو اللہ نے کس محبت سے پورا کیا ہے۔ اس پر نظر ہو تو ادب سے اللہ کے حضور سر جھکا رہتا ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ نے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پھر اللہ کے اہتمام میں کتنا بڑا تنوّع ہے۔ زیتون اور انار میں کئی باتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور کئی ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ مشابہت کے ساتھ ہی غیر مشابہت کو جمع کر دینا بڑی قدرت کی بات ہے اور یہ اللہ کی ہی شان کے لائق ہے۔ پودے جب پھل لائیں تو ان کی نگہداشت اس طرح کرنی چاہئے کہ ان کا پھل صحت مند رہے. پکنے سے پہلے استعمال بحالت مجبوری ہی ہو اور جس دن پھل اترے، اس دن رضائے الٰہی کے تحت اس عطا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مستحقین کو دینے کے بعد اپنے گھر لے جایا جائے۔ مستحقین میں قربت دار، مساکین اور مسافر شامل ہیں۔ جن لوگوں کو وہ نعمت میسر نہ ہو انہیں بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہئے، اور یہ اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے۔ اسراف یہ ہے کہ کسی نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا جائے. اسے محض اپنی خواہش کے لئے مخصوص کر لیا جائے اور افادیت کی بجائے لذّت پیش نظر رہے۔ یہ باتیں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

حاصل : نرم و نازک اور ہلکے پھلوں والی بیلوں کو ٹٹیو ں پر چڑھانا اور بھاری اور سخت پھل والی بیلوں کو ٹٹیو ں پر نہ چڑھانا مفید ہے۔ مشابہت اور غیر مشابہت کا ایک جگہ اکٹھا کر دینا، اللہ کی قدرت ہے۔ پھلوں کو پکا کر اتارنا چاہئے۔ اور اتارتے وقت قرابت داروں، مساکین اور مسافروں کو بھی دینا چاہئے اور رضائے الٰہی کے لئے دینا چاہئے۔ عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کے لئے مخصوص کر لینا اللہ کو پسند نہیں ہے۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا

اور مویشیوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔ اللہ کے دئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور

تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

بڑے قد کے جانور، جو بوجھ اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے کام آتے ہیں، مثلاً اونٹ بیل وغیرہ، ان کا منشاءِ تخلیق سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔ اس لئے ان کو ذبح کرتے وقت صرف ذاتی ضرورت کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے۔ سماجی ضرورت بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔ جہاں اپنی شے کے استعمال میں اس شے کے منشاءِ تخلیق کو نہ دیکھا جائے اور اس سے خدمت لینے کی بجائے اس کو اپنی خواہش پر قربان کر دیا جائے تو اس سے دکھ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ چھوٹے قد کے جانور مثلاً بھیڑ، بکری وغیرہ بھی انسانی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کے استعمال کی صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ مادہ جانوروں کو بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کی حد تک ذبح نہ کیا جائے۔ نر کو بھی اسی وقت ذبح کیا جائے جب وہ اپنی نوع کے مطابق انتہائی وزن کے قریب پہنچ چکا ہو۔ کسی شے کو اگر اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے تو اس کو حرام قرار دے دینا قطعاً حق نہیں۔ مگر اس شے کے استعمال میں ناشکری کی راہ اختیار کرنا بھی شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے اور شیطان کے قدموں پر چلنے کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ دودھ دینے والے جانوروں کو اگر ذبح کر کے کھا لیا جائے تو یہ عطائے الٰہی کی ناشکری ہے۔ بچے دینے والے جانوروں کی نسل بڑھانے کی بجائے انہیں اپنی لذتِ کام و دہن کے لئے استعمال کر لیا جائے تو یہ خواہش کی پیروی کرنے والی بات ہے۔ اگر عطائے الٰہی کے استعمال میں افادیت ملحوظ ہو تو یہ شیطان کے قدموں پر نہ چلنے والی بات ہے اور اگر لذت مقصود ہو جائے تو یہ شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ شیطان کھلا دشمن ہے۔ اس کے ساتھ سے، بھلائی ہو، یہ بالکل ناممکن ہے۔

حاصل : جانور بڑے ہوں یا چھوٹے، ان کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے ان کی قدر کرنی چاہئے۔ ذاتی ضرورت کے مقابل سماجی ضرورت کو اہمیت دینی چاہئے۔ ذبح کرنے کی مجبوری نہ ہو تو جانوروں کو ان کے انتہائی وزن تک پہنچا کر ذبح کرنا چاہئے۔ دودھ دینے والوں اور بچے پیدا کرنے والے جانوروں کو اپنی خواہش پر قربان کر دینا، شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ دیکھنا ضرور چاہئے جس کا ساتھ ہے وہ دوست ہے یا دشمن۔ دشمن کے ساتھ سے خسارہ ہی بڑھتا ہے، خسارے کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر بھی موجودہ روش کو ترک نہ کیا جائے، تو یہ انتہائی بے عقلی ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

آٹھ نر اور مادہ۔ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ فرما دیجئے کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جس پر دونوں مادہ کے ارحام مشتمل ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو علم سے بتاؤ۔

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اونٹ میں نر اور مادہ، گائے اور بیل، بھیڑ میں نر اور مادہ، بکری میں نر اور مادہ یہ آٹھ جانور انسانی خوراک میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ مشرکین نے ان جانوروں کے بارے میں اپنی بے علمی سے کچھ قوانین وضع کر لئے تھے۔ کبھی وہ نر کو حرام ٹھہراتے تھے کبھی مادہ کو اور کبھی بچے کو۔ تحلیل و تحریم میں سند کا درجہ، اللہ کے فرمان کا ہے اور اللہ کے فرمان کے حصول کی صورت، معروف ہے۔ یہ بتانا مشرکین کے ذمے ہے کہ وہ کس علم سے حرام و حلال ٹھہراتے ہیں۔ اگر بھیڑ اور بکری کا نر حرام ہے، تو حرام اور حلال کا ملنا کیسے درست ہوا اور اگر دونوں جانوروں کی مادائیں حرام ہیں تو بھی حلال اور حرام کا ملنا کیسے درست ہوا اور اگر دونوں حرام نہیں ہیں تو پھر ان سے پیدا ہونے والے بچے کیسے حرام ہوئے۔

حاصل : اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری، یہ جوڑا جوڑا ہو تو یہ آٹھ ہوئے اور انسانی ضرورت میں یہی بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے قوانین خود ہی وضع کر لئے ہوں تو اس سے پوچھنا چاہئے. علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ تحلیل و تحریم کی سند فرمان خداوندی ہی ہوتی ہے۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ع

اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا۔ فرما دیجئے کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ۔ یا وہ جس پر دونوں مادہ کے ارحام مشتمل ہیں۔ کیا تم حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں یہ وصیت دی۔ پھر اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ لوگوں کو بے علمی سے گمراہ کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہاں اونٹ کے جوڑے اور گائے کے جوڑے کا ذکر کیا گیا ہے، جوڑے میں بھی مشرکین نے جو حرمت بیان کی تھی وہ نر، مادہ، یا ان کے بچے میں کہاں سے آئی۔ ان میں کسی ایک کے حرام ہونے سے باقی حلال نہیں رہ سکتے۔ یہ حکم انبیاء کرام کی شہادت سے تو بیان نہیں ہوا۔ پھر یہ کس کی شہادت سے بیان ہوا ہے۔ تمہیں تو اللہ نے یہ وصیّت نہیں فرمائی تھی۔ اس سے روشن ہوا کہ اپنی خواہش کے مطابق قوانین وضع کر کے، ان کو فرمان خداوندی کے برابر اہمیت دینا، انتہائی ظلم ہے اور یہ لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے۔ جو اظلم کی بات مان لے وہ ظالم ہوتا ہے۔ اور ظالم حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتا ہے۔ اس لئے ہدایت سے دور رہتا ہے۔ ہدایت تو اسے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔

حاصل : جو دعویٰ کرے اس سے سند مانگنی چاہئے۔ اظلم مفتری ہوتا ہے اور ظالم اس کے افتریٰ کو ماننے والا۔ دونوں اپنی پسند کو حق کے مقابل زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس لئے ہدایت سے دور رہتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے۔ کہیں کافروں کو علم ہو کہ ان کے حال کا مستقبل کیا ہے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ ۲۱/ ۳۹۔

کہیں کافر جانتے جب اپنے مونہوں سے اور اپنی پیٹھوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد ہو گی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾

فرما دیجئے جو میری طرف وحی فرمائی گئی ہے اس میں، میں کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ مردار ہو، یا رگوں کا بہتا ہوا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت، کہ وہ ناپاک ہے۔ یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور پھر جسے اضطرار ہو، نہ یہ کہ خواہش کرے اور نہ یہ کہ ضرورت سے بڑھے۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

صاحبو! تحلیل و تحریم فرمان خداوندی سے ہو تو وہ حق ہے اور فرمان خداوندی سے ہو تو جس پر حق کا نزول ہوا ہے۔ اسی ذات پاک کی شہادت سے اس کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس لئے حضور پر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری طرف وحی فرمائی گئی ہے، اس میں تو مردار، رگوں کا بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، حرام ہیں۔ اور یہ حرمت بھی حالت اضطرار میں اللہ کے فرمان کے مطابق وقتی طور پر مضطر کے لئے جائز ہو جاتی ہے۔ مضطر کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کا کھانا خواہش کے تابع نہ ہو اور صرف اس ضرورت کے پورا کرنے کی حد تک ہو کہ زندگی کا عمل جاری رہے۔ ایسی صورت میں اللہ کی بخشش اور رحمت طلب کرتے ہوئے حالت اضطرار سے گزرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ ناجائز کو بھی حالت اضطرار میں وقتی طور پر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔

حاصل : تحلیل و تحریم فرمان خداوندی کے تابع ہو تو وہ حق ہے۔ فرمان خداوندی کے مطابق مردار، رگوں کا بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور یہ سب حرام ہیں۔ حالت اضطرار میں وقتی رعایت موجود ہے۔ اللہ سے بخشش اور رحمت طلب کرتے ہوئے حالت اضطرار سے گزرنا چاہئے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور یہود پر ہم نے ہر ایک ناخن والا جانور حرام کیا تھا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان کی چربی حرام کر دی تھی۔ سوائے اس کے جو پشت کے ساتھ لگی ہو، یا انتڑیوں کے ساتھ ہو، یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی بغاوت کی جزا دی تھی اور بے شک ہم سچے ہیں۔

ماضی میں تحلیل و تحریم فرمان خداوندی کے تحت تھی، جیسے یہودیوں پر اللہ نے ہر ناخن والا جانور حرام فرما دیا تھا، گائے اور بکری وغیرہ کی چربی، سوائے اس کے کہ جو ذبح ہونے والے جانور کی پشت سے لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ یا ہڈی کے ساتھ اختلاط رکھتی ہو۔ یہ چیزیں یہودیوں پر اس لئے حرام فرمائی گئی تھیں کہ یہ لوگ سرکشی کرتے تھے اور حکم کو اپنی خواہش کے مطابق بنا لینے کا رخ رکھتے تھے۔ بندے کی صداقت، مالک کل کے حکم کی ایسی اطاعت سے ثابت ہوتی ہے، جس میں ادب موجود ہو اور مالک کل کی صداقت کی سند یہ ہے کہ اس کے کسی حکم میں اس کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی، کوئی غرض نہیں ہوتی۔

حاصل : یہود کی من حیث القوم نافرمانی کی وجہ سے ان پر ہر ناخن والا جانور حرام فرمایا گیا۔ گائے بھیڑ، بکری وغیرہ کی چربی، حرام فرمائی گئی، سوائے اس کے جو ذبح ہونے والے جانور کی پشت سے لگی ہوئی ہو، یا انتڑیوں سے لگی ہوئی ہو، یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ حرمت وقتی تھی اور نہ یہود سے پہلے لوگوں کے لئے تھی، نہ بعد والوں کے لئے ہے۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٨﴾

پھر اگر آپ کی تکذیب کریں تو فرما دیجئے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔

اگر کوئی حق کو سن کر سنانے والے کو جھٹلانے لگے، تو حق بیان کرنے والا بات کو پورا کرتے ہوئے بحکم خداوندی یہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کی رحمت بڑی وسیع ہے اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔ رحمت کی وسعت کا حال یہ ہے کہ اس کی طرف سے لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے میں جلدی نہیں کی جاتی۔ بلکہ انہیں ان کے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں تضاد سے پاک ہونے کے مواقع دئے جاتے ہیں۔ تا آنکہ وہ اصلاح کو قبول کرنے کی حد سے ہی گزر جائیں اور جب کوئی حق کے انکار کو ہی طریق زندگی بنالے تو پھر اس کے جرم کے نتائج بصورت عذاب اسے گھیر لیتے ہیں۔ پھر وہ کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا اور کوئی اس کی مدد بھی نہیں کر سکتا۔

حاصل : مکذبین حق سے بات ختم کرنے سے قبل یہ کہنا لازم ہے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور قوم مجرمین سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ

اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء اور نہ ہم کسی شے کو حرام ہی ٹھہراتے اس سے قبل بھی لوگوں نے ایسے ہی تکذیب کی تھی، حتیٰ کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ فرما دیجئے اگر تمہارے پاس کچھ علم ہے تو ہمارے سامنے لاؤ۔ تم تو محض ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف اٹکلیں دوڑاتے ہو۔

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

مشرکین جب اپنے آپ کو سچا ثابت نہیں کر سکتے اور اپنے ظن اور اٹکل کے لئے انہیں کوئی سند نہیں ملتی تو پھر شرک میں تواتر کو، رضائے الٰہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کسی شے کو کیسے حرام ٹھہرا سکتے تھے۔ شرک کرنے والے اللہ کی مشیت کو اس کی رضا جانتے رہے ہیں اور اسی بنا پر عذابِ الٰہی سے ان کی بیخ کنی ہوتی رہی ہے۔ اللہ نتائج پر قادر ہے، کسی عمل کا حاصل، عامل کی منشاء کے مطابق ہو یا اس کی منشاء کے خلاف ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ اس سے یہ روشن کرنا مقصود ہے کہ عامل اپنے حق کو ادا کرتا رہے اور نتائج کو باذن اللہ جانے، اس طرح وہ یک سو رہے گا اور تھکن سے بھی بچ جائے گا۔ مگر اللہ کی رضا، ناصحین، مخلصین کے ساتھ محبت رکھنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اس کے برے اعمال کی بدولت فوراً عذاب میں پکڑ لیا کرتا ہو، تو کسی کا تواتر کے ساتھ کسی عمل کو کرتے رہنا اور مبتلاءِ عذاب نہ ہونا، اس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ عمل اللہ کو ناپسند نہیں ہے۔ مگر ہوتا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عامل کو پوری توفیق دیتا ہے، پاک ہونے کے لئے تمام آسانیاں عطا فرماتا ہے، پاک کرنے والے سے محبت ہو تو قول سدید ہو جاتا ہے۔ عمل صالح ہو جاتا ہے۔ ورنہ عامل کو ایسے مقامات سے گزارا جاتا ہے کہ اس کا تضاد اس پر واضح ہو، اور وہ ظلمات سے نور کی طرف چلے۔ رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینے کی انتہائی صورت یہ ہوتی ہے کہ عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھایا جاتا ہے پھر بھی اگر کوئی خواہش کی پیروی سے باز نہ آئے تو اس کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوتا۔ جب پہلے مشرکین بڑی توفیق پانے کے باوجود عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکے، تو راہ شرک پر چلنے والوں کو اپنے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ جس عمل کا نتیجہ خوف خدا سے دوری ہو، اس کا درجہ محض ظن اور اٹکل ہی ہوتا ہے اور ظن کب کسی کو حق سے مستغنی کر سکتا ہے۔ اللہ کی رضا کا علم مخلصین سے حاصل ہوتا ہے، جنہیں شیطان بہکا نہیں سکتا۔

حاصل: یہ انتہائی بے علمی کی بات ہے کہ اللہ کی مشیت کو اس کی رضا جان لیا جائے جس عمل کے نتیجے میں خوف خدا سے دوری ہو رہی ہو وہ محض ظن اور اٹکل کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ کی رضاء مخلصین کی معیت میں ہے چونکہ مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

تو فرما دیجئے، اللہ کی حجت پوری ہے۔ تو اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔

جس حق کی ادائیگی بندے کے ذمے ہے، اسی کے بارے میں اس سے پوچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم مطلق کے ساتھ ہر انسان کی زندگی میں اتمامِ حجت کی جاتی ہے۔ قطعاً پوری پوری آسانیاں عطا کی جاتی ہیں، جن سے ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آنے میں مدد ملتی ہے۔ کوئی اگر حق کے انکار کو ہی طریق زندگی بنا لے تو وہ عذاب الٰہی سے آگاہ ضرور ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر خواہش کی پیروی کی توفیق نہ ہوتی تو سبھی ہدایت پر ہوتے مگر اس توفیق کی بدولت ہی بنی آدم کو تمام مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

حاصل : اتمام حجت ہر انسان کی زندگی میں کی جاتی ہے اور یہ ممکن بھی اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے ہی ہوتی ہے۔ اگر خواہش کی پیروی کی توفیق ہی نہ ہوتی تو سب ہدایت والے ہوتے مگر پھر درجات اور بلندیاں بھی نہ ہوتیں۔ عظمت تو یہی ہے کہ اپنی خواہش کے مقابل اللہ کی رضا کو مانا جائے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
ع ۱۸/۵ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع

فرما دیجئے، لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا، جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اوروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

مشرکین کی طرف سے تحریم ہمیشہ ظن و گمان سے ہی ہوتی ہے۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو وہ دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ کے حلال ٹھہرائے ہوئے جانوروں کو حرام ٹھہرانے والوں سے ان کے دعوے کے مطابق شہادت مانگی گئی ہے۔ اگر کوئی گواہی اس دعوے کے ساتھ موجود نہ ہو تو اس دعوے کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ یہ گواہی ان معنوں میں تو نہیں ہو سکتی کہ اللہ نے لوگوں کو کچھ فرمایا ہو یا لوگوں نے اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہو۔ یہ صرف انبیاء سابقین کی تعلیمات کی روشنی میں ہو سکتی ہے۔ اگر انبیاء سابقین کے حوالے سے کوئی مفتری خلاف حق گواہی دیتا ہے تو مومن کو یہ حکم ہے کہ اس گواہی دینے والے کو نہ ماننے اور قطعاً اس کی خواہشات کی پیروی نہ کرے۔ جھوٹی گواہی دینے والے اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور شرک کرتے ہیں۔

حاصل : دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو تو دعویٰ سچا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جھوٹی گواہی دینے والے میں تین صفات ضرور ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور شرک کرتا ہے۔ سچے گواہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ ١٦/٦٤
اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل فرمائی ہے کہ آپ لوگوں پر روشن فرما دیں جس میں وہ

اختلاف کریں اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ
شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۱۵۲

فرما دیجئے آؤ میں تلاوت کروں جو تم پر تمہارے رب نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ کہ کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اور ظاہرہ اور چھپی ہوئی فواحش کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارو۔ یہ تمہیں وصیت دی ہے کہ تم عقل کرو۔

اندازے، قیافے سے بات کرنے والوں کو یہ فرمایا گیا ہے کہ اس طرح تم حق کو نہیں پا سکو گے۔ آؤ میں تم کو بتاتا ہوں تمہارے رب نے تم پر کیا حرام ٹھہرایا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معبود لاشریک ماننے کی صورت یہ ہے کہ ہر قول و فعل میں اس کی رضا کو مقصود بنایا جائے اور "ساتھ" انعام یافتہ مخلصین کا ہو۔ اللہ کو اپنی سمجھ سے ماننے کی بجائے، اپنے شاہد کے حوالے سے مانا جائے اور اپنی خواہش کی پیروی سے بالکل اجتناب ہو۔ والدین کے ساتھ عدم احسان بھی حرام ہے۔ احسان یہ ہے کہ ان کو جسمانی آسائش کے ساتھ قدر و منزلت سے رکھا جائے اور ان کی خدمت خود کی جائے۔ ان کلہ کھانا، ان کی عمر، صحت اور جسمانی ضرورت کے اعتبار سے ان کے لئے مفید ہو، ان کا لباس پاک ہو اور معاشرے میں لوگ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ جس کو وہ کچھ دینا چاہیں اسے ادب سے وہ کچھ دیا جائے۔ انہیں اپنے ذمے جو حق بھی نظر آتا ہو اسے ادب سے ادا کیا جائے۔ اور اگر کسی جگہ وہ سختی بھی کریں تو ان کے سامنے اف نہ کی جائے اور سارے احترام میں، خدمت میں، کوئی غرض پوشیدہ نہ ہو، ورنہ وہ عمل رضائے الٰہی کے مقابل کسی غرض کے لئے ہو گا، جو شرک خفی ہے۔ مفلسی کے باعث اولاد کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ رزق دینا علیم مطلق کی شان ہے، وہ سب کو رزق دیتا چلا آ رہا ہے۔ اور قیامت تک سب کو دیتا رہے گا۔ اپنی اہمیت کو بندہ کسی مقام پر اس طرح دیکھے کہ کس کس کو رزق اس کے ہاتھ سے مل رہا ہے۔ تو اسے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ معطیِ مطلق کون ہے اور اصل اہمیت تو معطیِ مطلق کی ہے، نہ کہ ظاہری ذریعے کی۔ وہ تمام کوششیں جن کا منشاء بقاءِ نسل کے عمل کو روکنا ہو، حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے عالمین کو پالنے والا ہے ہمارا بھی وہی پالنے والا ہے۔ ہماری اولاد کو

بھی وہی پالتا ہے۔ پھر اگر ہم اپنا درجہ رزق دینے والے کا سمجھ لیں تو یہ شرک خفی ہو گا۔ ظاہرہ اور چھپی ہوئی بے حیائیاں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہوتی ہیں۔ ظاہرہ ہوں گی تو چھپی ہوئی بھی ضرور ہوں گی اور چھپی ہوئی ہوں گی تو ظاہر بھی ضرور ہوں گی۔ جو کام فرمانِ خداوندی کے خلاف، اپنے نفس کی خوشی کے لئے، لوگوں سے چھپ کر کیا جائے وہ چھپی ہوئی بے حیائی ہے اور جب چھپ کر برائی کرنے والوں کی تعداد بڑھ جائے اور وہ برائی ظاہرہ طور پر کرنے میں انہیں ندامت محسوس نہ ہو تو وہ ظاہرہ بے حیائی ہے۔ بے حیائی کے قریب نہ جانے کی صورت یہ ہے کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے کوئی کام نہ کیا جائے۔ اگر اپنی پسند کسی جگہ رضاءِ خداوندی سے مل جائے تو اپنے نفس کو بتایا جائے کہ رضائے الٰہی مقصود ہے تمہاری خوشی مقصود نہیں ہے۔ اپنی خوشی کو رضائے الٰہی کا درجہ دینا بھی شرک خفی ہے۔ اور جس جان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہے، اس کو مار دینا بھی خلاف حق ہے۔ سوائے اس صورت کے جس میں اس کے مارنے کا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو۔ جیسے قصاص میں جان کے بدلے جان لینے کا حکم ہے۔ ناحق کسی کو مار دینے سے حدود اللہ کا عدم احترام ثابت ہو گا اور یہ حدود اللہ کے مقابل اپنی خواہش کو وقعت دینے کی بدولت شرک خفی ہے۔ اللہ کی وصیت بڑی روشن ہے اور جو عقل مند بننا چاہے اسے اس وصیت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے، ورنہ عقل مند ہونا ممکن ہی نہیں۔ عقلمندی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس لئے اس کو منفی قدر بتانے والے عقلمند نہیں ہو سکتے۔

حاصل : حق کا پتہ اندازے، قیافے، سے ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ کے فرمان سے روشن ہے کہ شرک حرام ہے۔ والدین کے ساتھ عدم احسان حرام ہے۔ مفلسی کے باعث قتل اولاد حرام ہے۔ ظاہرہ اور چھپی ہوئی فواحش کے قریب جانا حرام ہے۔ اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اس کو ناحق مار دینا حرام ہے۔ اللہ کی وصیت پر عمل کیا جائے تو عقل مند ہونے کا شرف ملتا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریق احسن حتیٰ کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھو۔ ہم کسی نفس پر اس کی وسعت سے بڑی ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ اور جب بولو تو عدل کرو اگرچہ معاملہ قربیٰ کا بھی ہو اور اللہ کا عہد وفا کرو۔ یہ وصیت تمہیں دی گئی ہے تاکہ تم نصیحت مانو۔

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

یتیم کے مال میں اس کے ولی کو بطریق احسن تصرف کی اجازت ہے۔ اور یہ یتیم کے سن بلوغت تک ہے احسن تصرف یہ ہے کہ جس میں یتیم کا واضح فائدہ ہو اور اس تصرف میں ولی کی کوئی خواہش پوشیدہ نہ ہو اس صورت کے علاوہ یتیم کے مال کے قریب جانا حرام ہے جب یتیم بلوغت کو پہنچ جائے تو گواہوں کی موجودگی میں اس کا مال اس کے حوالے کر دینا حق ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا منع ہے۔ ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھنا یہ ہے کہ خریدنے والے سے جس ماپ اور تول کی قیمت لی جا رہی ہے اس میں کمی نہ کی جائے۔ قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ بیچنے والے کا پالنا بھی رب العالمین کے ذمے ہے۔ اس لئے اسے یہ یقین رہنا چاہئے کہ میری مقدرت سے زیادہ بوجھ مجھ پر نہیں آ سکتا۔ یہ یقین ہی ماپ اور تول کو پورا رکھنے کی جان ہے۔ ورنہ اگر قیمت فروخت قیمت خرید سے بھی کم ہو جائے تو بے اطمینانی کا ہو جانا قابلِ فہم ہے۔ اور جب بھی بات کی جائے تو عدل سے کی جائے۔ اگرچہ معاملہ قربیٰ کا ہی کیوں نہ ہو۔ عدل سے بات کرنے کی صورت یہ ہے کہ حق کے مقابل کسی کی خواہش کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ اللہ کا عہد وفا کرنا یہ ہے کہ لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضاء احق نظر آئے اور لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو۔ یہ وصیت برائے نصیحت ہے۔ عمل اس نصیحت کے مطابق ہو تو درست ہے۔ ورنہ خلاف حق ہے اور حق کی خلاف ورزی حرام ہے۔

حاصل : یتیم کے مال میں اس کی جوانی تک صرف بطریق احسن تصرف کی اجازت ہے۔ ماپ تول کو صرف اس یقین سے پورا رکھا جا سکتا ہے کہ اللہ ہماری مقدرت سے بڑا بوجھ ہم پر نہیں ڈالتا۔ عدل یہ ہے کہ حق کے مقابل کسی کی خواہش کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔ یہ وصیت برائے نصیحت ہے اور ماننے والے فلاح پاتے ہیں۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور یہ کہ یہی میرا صراط مستقیم ہے اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے۔ یہ تمہیں وصیت دی ہے تاکہ تم تقویٰ رکھو۔

صراط مستقیم یہ ہے کہ شرک نہ خفی ہو، نہ جلی، والدین کے ساتھ احسان کیا جائے، قتل اولاد کو حرام جانا جائے، ظاہرہ اور چھپی ہوئی بے حیائیوں سے اجتناب ہو، کسی جان کو ناحق نہ مارا جائے، یتیم کے مال میں اس کا ولی صرف یتیم کے فائدے کے لئے تصرف کرے، ماپ اور تول کو پورا رکھا جائے اور اس یقین سے معاملات کئے جائیں کہ ہمارا کام حدود اللہ کا احترام ہے اور خیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ کبھی کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، عدل کیا جائے اور بات میں حق کے مقابل کسی کی خواہش

ملحوظ نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی مقصود نہ ہو اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر پریشان نہ کرے۔ صراط مستقیم پر چلنے کا حکم ہے۔ دوسری تمام راہیں اللہ کی راہ سے دوری کا باعث ہی ہو سکتی ہیں۔ اس وصیت پر عمل پیرا ہونے والا متقی ہو جائے گا۔ یہ تمام اعمال حق کے مطابق اسی صورت میں ہوں گے، جب نفس امارہ کے امر کے مقابل امر الٰہی کو مانا جائے گا اور ناصح سے محبت رکھی جائے گی۔

حاصل : صراط مستقیم پر چلنے کا حاصل تقویٰ ہے۔ اللہ کا ڈر ہو تو صراط مستقیم کے علاوہ کسی راہ پر جانا ممکن ہی نہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والے کو دوسری تمام راہوں سے بچنا بھی چاہئے۔ ورنہ تقویٰ قائم نہیں رہ سکتا۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ع ۱۹

تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ بھلائی کرنے والوں پر پورا احسان کرنے کے لئے اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔

بنی اسرائیل پر یہ واضح فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل فرمائی گئی، وہ بھلائی کرنے والوں کے لئے پوری رہنمائی کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کے لئے اس میں ہر شے کی تفصیل تھی۔ اس میں ہدایت تھی، رحمت تھی، مگر اس کرم سے، رہنمائی سے، تفصیل سے، ہدایت اور رحمت سے فائدہ تو اسی کو ہو سکتا ہے، جسے اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو، جو اپنے اعمال کی جزا پانے سے ہی انکار کرے، اسے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اپنی طرف سے کسی شے کو حرام قرار دے دیتے ہیں حالانکہ اللہ نے اسے حلال فرمایا ہو، ان کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہیں ہے۔

حاصل : جسے اپنے رب سے ملنے کا یقین ہو وہ فرمانِ خداوندی کی تفصیل، ہدایت اور رحمت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے حق کا منکر تو دنیا سے جاتے وقت دوزخ کو اپنے لئے مقدّر کر چکا ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:
تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کی وصیت اس نے نوح علیہ السلام کو فرمائی اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی فرمائی اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی کہ دین قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ہو۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ط ۱۳/ ٤٢
مشرکین پر بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو اور اللہ اپنے قرب کے لئے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف رجوع لانے والوں کو ہدایت دیتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ مبارک کتاب ہم نے نازل فرمائی، تو اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

قرآن پاک مبارک کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے، نازل فرمانے والے نے کسی ذاتی غرض کے لئے اسے نازل نہیں فرمایا، ماننے والوں کی بھلائی کا یقینی علم اس میں موجود ہے۔ خوف و حزن سے نجات اس کی پیروی سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ زندگی میں تمام مقامات پر اسی کی برکت سے حسنِ معاشرت کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اس کی برکت سے کماحقہ استفادہ حاصل کرنے کے لئے اس کی پیروی اور پرہیز گاری ضروری ہے۔ پیروی یہ ہے کہ حکم اللہ کا ہو اور نمونہ وہ صاحب اخلاص ہو جو حق کی تبلیغ کے ساتھ اجر کا کوئی سوال نہ رکھتا ہو۔ پرہیزگاری یہ ہے کہ اللہ کے ڈر سے بڑا اور کوئی ڈر نہ ہو۔ یہ دونوں رکن جہاں موجود ہوں گے، اللہ کی رحمت وہاں برسنے لگتی ہے۔ زندگی میں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی رحمت کوئی نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا حصول اس مبارک کتاب کی پیروی سے اور پرہیزگاری سے ممکن ہوتا ہے۔

حاصل : دائمی پاک دامنی، زندگی میں سب سے بڑی رحمت ہے اور اس رحمت کے حصول کے لئے اللہ کے فرمان کو ماننا اور اللہ سے ڈرتے رہنا ضروری ہے۔ قرآن پاک کی برکت، اس کے ادب میں، اس کی تلاوت میں، اس کی تعلیم میں، اس کی تعمیل میں اور ہر شے کے بیان میں اس سے سند حاصل کرنے کی طریقت میں ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ص وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے قبل دو گروہوں پر نازل ہوئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔

امیین وہ تمام لوگ ہیں جو پہلے اہل کتاب نہیں تھے۔ جن پر پہلے کتاب کا نزول ہو چکا تھا وہ دو گروہ یہود و نصاریٰ تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے، شرائع الٰہیہ کو اپنی خواہش کے مطابق بنالیا تھا اس لئے یہ کسی کو حق کی طرف بلانے کی سکت ہی نہیں رکھتے تھے اور جب ان کی خواہشات کی اہمیت ان کے نزدیک حق سے زیادہ تھی تو امیین کی ایسے علم کے پڑھنے پڑھانے سے غفلت قدرتی

تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرما کر حصولِ رحمت کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ اب کوئی اس سے غفلت کا جواز نہیں رکھتا۔ کتاب روشن ہے، معلم صادق ہیں، متعلم اس تعلیم سے اطمینان پا رہے ہیں، ہدایت یافتہ لوگوں میں کہیں بھی استکبار موجود نہیں ہے، اس سے بڑا اتمام حجت کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اتمام حجت اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس سے بڑا محبت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ معلمین کو دیکھنا چاہئے کہ قرآن پاک سے کوئی غافل نہ رہے۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٨﴾

یا کہو کہ اگر کتاب ہم پر نازل ہوتی، تو ہم ان سے بڑھ کر ہدایت پاتے۔ تو تمہارے رب کی طرف سے تم پر روشن نشانی اور ہدایت اور رحمت آئی۔ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے۔ اور ان سے منہ پھیرے جو ہماری آیات سے منہ پھیرتے ہیں۔ انہیں ان کے منہ پھیرنے کی وجہ سے ہم جلد ہی برے عذاب کی سزا دیں گے۔

اہل کتاب، نزول کتاب کے ذکر سے اپنی فضیلت کو ثابت کرتے رہتے تھے۔ اس لئے فرمانِ خداوندی کے حصول کی طلب کے ساتھ سامعین کے اندر ایک ولولہ اٹھتا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم پر کتاب الٰہی نازل فرما دی جائے تو ہم تعمیلِ ارشاد میں ذرا کوتاہی نہیں کریں گے اور جو لوگ ہم پر اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اللہ کا یہ فضلِ عظیم ہے کہ اس نے یہ مبارک کتاب نازل فرمائی۔ اس میں روشن نشانیاں ہیں، یہ اس کے بے مثل ہونے کی سند ہے۔ اس میں ہدایت ہے، اس میں رحمت ہے، جو اس کا انکار کرے گا وہ روشن نشانیوں کے انکار کی وجہ سے ظلمات کی طرف بڑھنے لگے گا۔ ہدایت سے دور ہوتا جائے گا، رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔ آیات کا انکار کرنے کے بعد جو ان سے منہ پھیرے وہ استکبار کے انتہائی درجے میں ہونے کی وجہ سے برے عذاب کی سزا پائے گا، اس میں دیر نہیں لگتی۔ اظلم، ظلم کی انتہا سے بنتا ہے اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے کرتے ان سے منہ پھیر لیا جائے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی میں یہ سند موجود ہے کہ یہ روشن نشانی ہے۔ یہ ہدایت ہے اور رحمت

ہے جو اس کے انکار کا مرتکب ہو اور اس سے منہ پھیرے وہ اظلم استکبار کے انتہائی درجے میں ہو گا
اور جلد ہی برے عذاب میں پکڑا جائے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

کاہے کے انتظار میں ہیں۔ مگر یہ کہ ملائکہ ان پر آئیں۔ یا تمہارا رب آئے یا تمہارے رب کی کوئی نشانی آئے۔ جس دن تمہارے رب کی نشانی آئے گی، کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا تھا۔ یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی۔ فرما دیجئے انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت، مطلق قدرت اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر حجتیں قائم کر دی ہیں۔ اب اگر حق کو ماننے میں تغافل ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو اس انتظار میں ضائع کرنے والی بات ہے کہ مہلت پوری ہو اور عذاب الٰہی میں پکڑے جائیں۔ پہلے بھی ملائکہ نے امرِ الٰہی سے منکرین حق کو عذاب دیا ہے۔ یہ بھی ہو چکا ہے کہ امرِ الٰہی سے زلزلے نے یا چنگھاڑ نے منکر لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت جب بالکلیہ ختم ہو جائے گی، تو یہ قیامت کی نشانی ہو گی۔ اس دن کسی کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا۔ ایمان لانا تب نافع ہوتا ہے جب اس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو اور جب اعمال کے لئے دیا گیا وقت ہی پورا ہو جائے تو پھر ایمان نہ لانا کسی کے بس کی بات ہی نہیں اور یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل مقبول نہیں۔ اگر کوئی حق کی صداقت کی اسناد کو دیکھ کر بھی من مانی کرنے پر مصر ہو تو اسے یہ کہنا چاہئے۔ انتظار کرو۔ حتیٰ کہ تمہیں ملی ہوئی مہلت پوری ہو جائے۔ ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

حاصل : ختم ہونے والی مہلت کو جو خلاف حق استعمال کر رہا ہو، وہ یقیناً عذاب الٰہی کے انتظار میں رہے وہ مانے یا نہ مانے توفیق کے خاتمے کے ساتھ اس کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ

جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہوں میں بٹ گئے تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالے

إِنَّمَآ أَمۡرُهُمۡ إِلَى ٱللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَفۡعَلُونَ ﴿١٦٠﴾

ہے۔ پھر وہ انہیں بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

دین اللہ کے نزدیک ایک ہے اور وہ اسلام ہے۔ اس سے الگ ہونے والے تفرّقے میں مبتلا ہو کر گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ یہ لوگ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اور خواہشات کا وقتی اشتراک کسی بھی گروہ کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب تو کر دیتا ہے مگر ایک نہیں کر سکتا۔ جہاں ناصح کو اس لئے مانا جائے کہ وہ ماننے والے کی خواہش کے مطابق بات کر رہا ہے وہاں تفرّقے کا بیج موجود ہوتا ہے اور تفرّقے کے بیج سے کبھی خیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ تفرّقے کا خاتمہ اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ اپنے شاہد کو ناصحِ امین اور مخلص مانا جائے اور اس سے محبت ہو۔ صرف محبت سے خواہش نفس کو مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ خواہش نفس کا غلبہ تفرقے میں ڈالتا ہے۔ گروہوں میں بانٹتا ہے اور گمراہ کرتا ہے۔ جس کی صداقت کو مان لیا جائے اس ناصح اور مزکی کی بات کو حق جان کر ماننا چاہیئے اپنی سوچ کو خام جاننا چاہیئے اور اگر تضاد نظر آئے تو اسے اپنے اندر دیکھنا چاہیئے۔ اپنے شاہد کے اندر تضاد دیکھنے سے گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ مخلص میں تضاد دیکھنے والے لوگوں سے کچھ سروکار رکھنا اپنے وقت کی ناقدری کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ جو اپنی مرضی کو حق جان رہے ہوں ان کا کام اللہ کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ وہ انہیں بتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

حاصل : ناصح سے محبت ہو تو گروہ بندی ممکن ہی نہیں ہوتی۔ اصول پسندی بھی اپنی خواہش کی پیروی کا نام ہے۔ اور یہی تفرّقے کا بیج ہے۔ جو اپنی مرضی کو حق جاننے لگے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اللہ اس کو بتلا دے گا جو کچھ اس نے کیا ہو گا۔ اور اس کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا بھی دے گا۔

مَن جَآءَ بِٱلۡحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشۡرُ أَمۡثَالِهَاۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَىٰٓ إِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ﴿١٦١﴾

جو ایک بھلائی لائے تو اس کے لئے اس کی مثل دس ہیں۔ اور جو برائی لائے تو اسے اس کی مثل جزا ملے گی۔ اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

نیکی اور بھلائی وہ عمل ہے۔ جس میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شعور کے ساتھ سعی کی جائے۔ بدی وہ عمل ہے جس میں رضائے الٰہی کے مقابل اپنی پسند کے حصول کے لئے شعور کے ساتھ سعی کی جائے۔ جب کسی وجود میں نیکی آتی ہے تو وہ کسی بدی کو وہاں سے دور کر دیتی ہے۔ پھر اس نیکی کے ساتھ دوسری نیکیاں بھی لازماً آتی ہیں۔ حتیٰ کہ نیکیاں اس وجود سے

برائیوں کو صاف کر دیتی ہیں۔ نیکی کرنے سے آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ برائی جب بھی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظام سے برائی کرنے والے کو برے اعمال سے بچنے کی اہمیت سمجھائی جاتی ہے اسے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس برائی کا انجام کیا ہوگا۔ اگر وہ اپنا رخ خیر کی طرف کرلے تو اس کے برے اعمال کی نفی کر دی جاتی ہے اور اگر وہ برائی میں بڑھتے بڑھتے حد اصلاح سے ہی گزر جائے تو پھر اس کے لئے تبلیغ حق سے متاثر ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ جو رضائے الٰہی کو قبول کرے اس کے ماضی کی (جو برے اعمال سے عبارت ہوتا ہے) نفی کر دی جاتی ہے اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگے وہ ماضی میں نام بے شک رضائے الٰہی کا لیتا رہا ہو اس کا مقصود کبھی رضائے الٰہی نہیں رہا ہوتا۔ وہ اللہ کی راہ سے دور ہونے لگتا ہے۔ نیکی کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی جزا ہے۔ مگر برائی کرنے والے کے لئے جزا اس کے عمل کے برابر ہی ہے۔ اگر کسی کے برے عمل کی سزا اس کے برے عمل کی مثل سے زیادہ ہو تو یہ ظلم ہے اور ظلم اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

حاصل : نیکی کرنے والے کے لئے آسانیوں کا اہتمام کرنا ہمارے عبداللہ ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ برائی کرنے والے کو سزا دیتے وقت ظلم سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ اگر سزا دیتے وقت سزا کے برائی کی مثل سے بڑھنے کا احتمال ہو تو پھر ظلم سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے مخالف کو سزا نہ دی جائے۔

قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

فرما دیجئے بے شک میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی۔ دینِ قیم ملّت ابراہیم حنیف ہے اور وہ مشرکین سے نہیں تھے۔

کفار کو گمان تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ ان پر واضح فرمایا جا رہا ہے کہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے والا رب العالمین ہے اور صراط مستقیم وہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ آپ شرک سے منع کرنے والے تھے۔ اس لئے شرک کرنے والے آپ کے دین پر ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ دعویٰ باطل ہو گا۔

حاصل : جس کو مانا جائے اس کے طریق زندگی کو اکمل جانتے ہوئے اپنانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جو شرک بھی کرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے کا دعویدار بھی ہو، وہ یقیناً جھوٹا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ

فرما دیجئے میری نماز اور میری قربانی اور حیات و ممات اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ نماز، قربانی، حیات اور ممات سب اللہ کے لئے ہو، یکسوئی کا یہ عالم ہو کہ غیر اللہ کو حق کے مقابل کچھ وقعت نہ دی جائے۔ نماز رب العالمین کے لئے پڑھی جائے تو اس میں خشوع ہو گا اور رب العالمین سے ملنے کا اور اس کی طرف مراجعت کا یقین ہو گا۔ قربانی اللہ کے لئے ہو، تو اس کی تقسیم میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو گا۔ حیات اللہ کے لئے ہو، تو شعور کے ساتھ عطائے الٰہی کا شکریہ ادا کیا جائے گا اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ لوگ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہ دیکھا جائے گا کہ مجھے ان کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے کہ جس سے اللہ کی رضا حاصل ہو۔ ممات اللہ کے لئے ہو، تو اپنے ساتھیوں کو تاکید کرنی چاہیئے کہ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرو اور جب تمہیں موت آئے تو مسلمان کی حیثیت سے آئے۔

حاصل : جو صراط مستقیم پر ہو گا اس کی نماز، اس کی قربانی، اس کی حیات و ممات میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو گا۔ رب العالمین کو ماننے کا یہی حق ہے۔

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے یہی امر ہے اور میں ماننے والوں میں اول ہوں۔

رب العالمین کو ماننے والا کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ اس کی زندگی امر الٰہی کے تابع رہتی ہے۔ کوئی راضی ہو جائے تو اس میں راضی ہونے والے کا بھلا ہوتا ہے۔ اور کوئی ناراض ہو جائے تو ناراض ہونے والے کا خسارہ ہوتا ہے۔ جس پر امر الٰہی کا نزول ہوا وہ ذات پاک ماننے والوں میں اول ہے۔ اس کی تعلیم سے دوسروں کو صراط مستقیم کا پتہ ملا۔ معلم کے قول سے قول حق معلوم ہوتا ہے اس کے عمل سے صالح عمل کی تصدیق ہوتی ہے۔ معلّم سے تقدّم منع ہے کہ ماننے والوں کو اس کے پیچھے رہنا ہوتا ہے۔

حاصل : عمل حق کے مطابق ہو تو شرک سے پاک ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ امر الٰہی کو ماننے میں ادب موجود رہنا چاہیئے۔ رضائے الٰہی کا سب سے بہتر علم رکھنے والے ہی اول المسلمین ہیں۔ معلّم سے تقدّم نہیں کرنا چاہیئے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ

فرما دیجئے کیا غیر اللہ سے ربوبیت چاہوں اور وہی ہر شے کا رب ہے۔ اور ہر نفس کا کیا اسی پر ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف مراجعت کرنا ہے تو وہ تمہیں بتا

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٥﴾

دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

ربوبیت اتنا بڑا علم ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی شے قائم نہیں رہ سکتی۔ کائنات میں ہر شے کی ایک اہمیت ہے اور ہر شے اپنے منشاءِ تخلیق کے مطابق خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ جس کو کسی شے کی اہمیت معلوم ہو وہ اس شے کے بنانے والے کا، اس کے افعال کے جاری رکھنے والے کا، اس شے کی حفاظت کرنے والے کا اور استعمال کرنے والے کے احساس ضرورت سے پہلے اس کا اہتمام کرنے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، وہی ہر شے کا رب ہے، اس کے مقابل کسی کو رب بنانا سبب کو سبب بنانے والے کے مقابل زیادہ اہمیت دینے والی بات ہو گی جو قطعاً حق نہیں ہے۔ ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی، اس لئے کہ ہر نفس کو توفیق بھی عطا فرمائی گئی ہے اور جس نے توفیق کو جیسے استعمال کیا ہے، وہ ویسی ہی جزا پائے گا اور اس وقت کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانا ممکن نہ ہو گا۔ اگر کسی نے بشارت کی راہ کو اختیار کیا ہو گا تو وہ فلاح پائے گا اور اگر کسی نے انذار سے فائدہ نہ اٹھایا ہو گا، تو وہ خسارے میں جا پڑے گا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت بھی ہو گی اور وہ علیم مطلق بتا دے گا کہ اس کے مقابل کوئی رب نہیں۔ اور ربوبیت ہر مقام پر اور ہر صورت میں رب العالمین کے علم کے تابع ہے۔ پھر اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔

حاصل : رب العالمین کو اس کی ربوبیت کے حوالے سے مانا جائے تو غیر اللہ سے ربوبیت طلبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے عمل پر نگاہ رکھنی چاہئے کہ ہمیں اسی کی جزا ملے گی۔ کسی دوسرے کے عمل سے ہمارے عمل کی صحت کو متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ جس کی طرف مراجعت سے انکار ممکن نہ ہو اور جس کے سامنے جانے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہ ہو، اس کے فرمان کو ابھی مان لینا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ

اور اسی نے تمہیں زمین میں خلافت دی ہے اور بعض کو بعض پر رفعت درجات دی ہے کہ تمہیں اپنی عطا کے حوالے سے دیکھے۔ بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۶﴾ ع ۲۰

زمین میں بندوں کو اپنے اختیارات استعمال کرتے وقت معطیٔ مطلق کے سامنے عملاً سر بہ سجود رہنا چاہئے اور کسی بھی صورت میں اس کے احکامات کے مقابل من مانی نہیں کرنی چاہئے۔ توفیق سب کو برابر دی جاتی تو لوگوں کو ایک دوسرے کے لئے حرکات و سکنات میں بہت زور لگانا پڑتا۔ بعض کے درجات دوسروں کے مقابل بلند کرنے سے بعض کا درجہ دینے والے کا ہو جاتا ہے، اور دوسروں کا درجہ لینے والے کا ہوتا ہے۔ اس طرح لوگ ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں اور اس میں لوگوں کا زیادہ زور نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کے حوالے سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ جس کا درجہ بلند ہے وہ دوسروں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اگر وہ لینے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دیتا ہے، تو وہ فلاح پانے والا ہے اور اگر عطائے الٰہی کو استکبار کے لئے استعمال کرتا ہے تو وہ خسارے میں پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، ہر شے پر ہے اور ہر وقت ہے۔ وہ کسی کو پکڑنا چاہے تو اسے بالکل دیر نہیں لگتی۔ مگر یہ اس کی شان ہے کہ وہ لوگوں کی خطاؤں پر انہیں جلدی نہیں پکڑتا۔ اور معافی طلب کرنے والوں کو بخش دیتا ہے اور ان پر رحم فرماتا ہے۔

حاصل : ہر صاحب اختیار کو یہ جاننا لازم ہے کہ اس کو اختیار دینے والے کے سامنے اپنے اعمال کی جزا کے لئے پیش ہونا ہے۔ درجات میں بلندی توفیق ایزدی کے حوالے سے ہوتی ہے۔ جو عطائے الٰہی کو تقسیم کرتے وقت لینے والے کا شکریہ ادا کرے وہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ جو دیتے وقت تکبر کرنے لگے وہ اللہ سے نہیں ڈرتا۔ کسی متکبر کے پکڑنے میں اللہ کو دیر نہیں لگتی۔ وہ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے اور معافی طلب کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔ اور پاک رہنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں مومنین کے لئے یہ طریقت رکھی ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے عفو اور درگزر کریں۔ اس کے بعد یہ فرمایا ہے:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۲۲/ ۲٤

کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ

اٰیَاتُہَا ۲۰۶ — رُکُوْعَاتُہَا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓصٓ ۚ ﴿۱﴾

حروف مقطعات

حروف مقطعات کے معنوں کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تقدم ہے اور آپ سے تقدم کرنا، خلاف حق ہے۔

حاصل : بولنے کے مقام پر خاموشی اور خاموشی کے مقام پر بولنا حق کی تعلیمات کے منافی ہے۔

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾

یہ کتاب تمہاری طرف نازل فرمائی گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے تاکہ تم اس سے ڈر سناؤ اور مومنین کو نصیحت ہو۔

قرآن مجید کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا۔ حضور نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا، اس لئے آپ کے مبارک سینے میں تنگی کیونکر آ سکتی ہے۔ تنگی کا مقام تو تبھی ہو سکتا ہے، جب لوگوں کی طرف سے تکذیب حق کو دیکھ کر طبیعت پر بوجھ پڑے۔ مگر جب لوگوں کے رد عمل میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے شدت کے اظہار کو بھی ان کی لاعلمی پر محمول کیا گیا ہو تو پھر تبلیغ حق میں یہ تنگی کا احساس حضور سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بھی بالکل ویسا ہی مقام ہے، جہاں فرمایا گیا ہے: فلا تکونن من الممترین۔ تو تم شک لانے والوں میں سے نہ ہونا۔ یہاں بھی صیغہ واحد حاضر کا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جہاں بھی واحد حاضر کے صیغے میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہاں بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہی ہو۔ یہاں بھی تبلیغ حق کے امور کے سرانجام دینے والے فرد سے خطاب ہو رہا ہے کہ لوگوں کے رد عمل کو پیش نظر نہ رکھو، تو جی نہیں رکے گا۔ اور جی نہ رکے تو اس تبلیغ حق کے دو فائدے ہوں گے، ایک تو انذار کا حق ادا ہو جائے گا۔ دوسرے ماننے والوں کو اس سے نصیحت ملے گی۔

حاصل : تبلیغ حق میں لوگوں کے رد عمل پر نظر ہو تو تنگی کا احساس قدرتی بات ہے۔ تنگی کا احساس نہ ہو تو اس سے دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانے کا حق ادا ہو جاتا ہے، دوسرے ماننے والے نصیحت پاتے ہیں۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

لوگو! جو تمہاری طرف تمہارے رب نے نازل فرمایا ہے اس کا اتباع کرو اور اس کے مقابل اوروں کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت کم نصیحت مانتے ہو۔

یہاں جمع حاضر سے خطاب ہو رہا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں واحد حاضر سے خطاب تھا۔ جو کچھ رب العالمین نے نازل فرمایا ہے، اس میں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ موجود ہے۔ افراد کے مابین روابط کے استحکام کا علم موجود ہے، حیات دنیا میں سلامتی کے ساتھ تمام مقامات سے گزرنے کی طریقت موجود ہے اور حیات آخرت میں اسی حق کے ماننے والوں کو فلاح ہو گی۔ اس کے مقابل اگر اوروں کو مانا جائے گا، تو اس ماننے میں خطرات ہی خطرات ہیں۔ اللہ کے مقابل جس کو بھی مانا جائے گا وہ کبھی ہمارا ہی خواہ نہیں ہو سکتا۔ بالیقین جو اللہ کے مقابل ہو گا، وہ ہمارا دشمن ہو گا اور دشمن کی پیروی کبھی کسی کو نفع نہیں دے سکتی۔ جو اپنے فائدے کے لئے، اپنی غرض کے لئے، ہمارے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اس کی پیروی قطعاً حق نہیں۔ جس کا علم محض گمان پر مبنی ہے، اس کو ماننے میں یقین سے دوری ہی ہو سکتی ہے۔ ایسے بے حقیقت علم کو ماننے کی صورت میں اجتماعی زندگی کو شکوک و شبہات کا گھن کھا جاتا ہے۔ حیات دنیا میں بھی سلامتی نہیں ملتی، آخرت میں تو پھر منکرین کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ جو لوگ نصیحت کو مانتے وقت، اپنے فائدے کو دیکھتے ہوئے نصیحت کو مانتے ہیں وہ لوگ کم نصیحت مانتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو ناصح سے محبت ہو جاتی ہے وہ ذہنی تحفظات کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ وہی ہمیشہ نصیحت کو پورا پورا مانتے ہیں۔

حاصل : جس بات کو بھی مانا جائے، اس کے حق ہونے کا، فرمان خداوندی ہونے کا یقین ہونا چاہئے۔ جس کی بات اللہ کی بات کے خلاف ہو، اس کو دشمن جاننا چاہئے اور کبھی اس کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ نصیحت کرنے والے کی پاک دامنی اور صداقت و امانت مشاہدے میں آ جائے، تو پھر اس سے محبت رکھنی چاہئے۔ جب تک ناصح سے محبت نہ ہو ذہنی تحفظات سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوتا اور ذہنی تحفظات موجود ہوں تو ماننے کا حق نہیں ادا ہو سکتا۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور کتنے ہی قریئے ہم نے ہلاک کئے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آیا یا جب دوپہر کو سوتے تھے۔

جب کسی قریئے میں فرمان خداوندی کے مقابل، منکبرین کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو قدر و منزلت دی جانے لگے اور لوگ ناحق کو حق کا درجہ دے دیں تو پھر ان کی ہلاکت میں زیادہ دیر باقی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے اعمال کے انجام سے غافل ہوتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں انہیں عذاب آ گھیرتا ہے۔

حاصل : رات کو سوتے وقت اور دن کو قیلولہ کرتے وقت باوضو ہو کر آرام کرنا چاہئے اور اپنے سابقہ اعمال کو دیکھنا چاہئے کہ ان میں اللہ کی رضا مطلوب تھی، یا اللہ کے مقابل اوروں کی۔ اس تلاوت الوجود سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اور موجود سے مقصود کی طرف حرکت، بابرکت ہونے لگتی ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤

تو ان کی پکار یہی تھی جب ان پر ہمارا عذاب آیا کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

منکرینِ حق کو جب بھی ان کے انجام سے ڈرایا گیا انہوں نے ڈر سنانے والوں کے ساتھ استہزاء کیا اور حق کا انکار کرتے کرتے برابر خسارے کی طرف بڑھتے رہے، حتیٰ کہ جب عذاب نے انہیں پکڑ لیا، تو انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ ظلم کرتے تھے۔ اس وقت یہ اعترافِ ظلم ان کے لئے باعث نجات نہیں ہو سکتا تھا۔ چونکہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد سچا ثابت ہونے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے اس وقت توبہ قابل سماعت نہیں ہوتی۔

حاصل : عذابِ الٰہی جب آ جائے تو وہ ٹلا نہیں کرتا اور اس وقت اعتراف ظلم بھی باعث نجات نہیں ہوتا۔ حال کو قبولِ حق کا بہترین وقت جاننا چاہئے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

تو ہمیں ضرور پوچھنا ہے ان لوگوں کو، جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور یقیناً مرسلین سے بھی پوچھنا ہے۔

جن لوگوں کی طرف رسول بھیجے گئے، ان سے پوچھا جائے گا، کیا تمہارے پاس حق پہنچانے والے، ڈر سنانے والے تشریف لائے اور کیا انہوں نے تمہیں ظلمات سے نور کی طرف آنے کا امر دیا۔ مرسلین سے پوچھا جائے گا، جب تم نے حق پہنچایا تو تمہیں کیا جواب ملا۔ مرسلین شہادت دیں گے کہ ان کی صداقت کی روشن نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود منکرین نے ان کی تکذیب کی۔

حاصل : ہر ایک اپنے درجے کے مطابق دربار الٰہی میں جواب دہ ہو گا۔ جن کی طرف مرسلین بھیجے گئے وہ بھی اور مرسلین بھی۔ اپنے دائرہ اختیار میں جواب دہی اور اللہ کے دربار میں پیشی کا یقین ہو تو پھر وقت کا استعمال بھی صحیح ہوتا ہے، توفیق کا استعمال بھی صحیح ہوتا ہے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

پھر ہم انہیں اپنے علم سے بتائیں گے اور ہم غائب تو نہ تھے۔

علیم مطلق کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ لوگوں کے جواب کے بعد حقیقت اس طرح ان کے سامنے لائی جائے گی کہ وہ اس کا انکار نہیں کر پائیں گے۔ اوزان کا کیا ہوا ان کے سامنے آ جائے گا۔ خالق کل سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ ہر ایک کا ہر عمل اس کے سامنے ہے۔ اس لئے وہی ہر ایک عمل کی جزا دینے پر قادر ہے۔

حاصل : جس مالک کل کا علم، علم مطلق ہے جس سے کچھ مخفی نہیں ہے، اس کو مان لیا جائے تو پھر خلوت پاک ہو جاتی ہے۔ خلوت پاک ہو جائے تو جلوت بھی پاک ہو جاتی ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾

اور وزن اس دن حق سے ہو گا۔ پھر جن کے وزن بھاری ہوئے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جو عمل اس یقین کے ساتھ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، وہ عمل باحقیقت ہوتا ہے، اور وزنی ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں کے دکھاوے کے لئے کیا جائے، وہ عمل بے حقیقت ہوتا ہے اور بے وزن ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے اعمال قیامت کے دن باحقیقت ثابت ہو جائیں گے، انہیں فلاح ہو گی۔ اعمال کو رضائے الٰہی کے حوالے سے دیکھے جانے کا پتہ لگ جانے کے بعد اپنے اعمال کی حقیقت اور وزن پر نظر رکھنا شانِ بندگی ہے۔

حاصل : اعمال وہی باحقیقت ہیں جو اس یقین کے ساتھ ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے گئے ہیں اور جزا دینے والے کے سامنے کئے گئے ہیں، وہی قیامت کے دن وزنی ثابت ہوں گے اور باعثِ فلاح ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

اور جن کے تول ہلکے ہوئے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، اس لئے کہ ہماری نشانیوں سے ظلم روا رکھتے تھے۔

جو لوگ رضائے الٰہی کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں، ان کے اعمال اگر ظاہراً بھلے بھی معلوم ہوتے ہوں تو بھی بے حقیقت ہوتے ہیں اور بے وزن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود توفیق ایزدی کو اپنی شوکت نفس پر ہی لگاتے رہتے ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں سے ظلم روا رکھنے والی بات ہے۔ اس سے حال پر بھی خسارہ ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی خسارہ ہو گا۔

حاصل : اس یقین کا فقدان کہ ہمارا ہر عمل جزا دینے والے کے سامنے ہے، اعمال کو بے حقیقت

بنا دیتا ہے۔ توفیق ایزدی کو اپنی خواہش کی پیروی پر لگاتے رہنا اللہ کی نشانیوں کے ساتھ ظلم روا رکھنا ہے۔ اس سے عامل کو خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۸

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا، اور تمہارے لئے اس میں معاش ٹھہرائے۔ بہت قلیل شکر کرتے ہو۔

کسی بھی فرد کے لئے زمین میں جماؤ کے اسباب جو بھی ہوں اور کسی بھی جماعت کے لئے زمین میں جماؤ کے اسباب جو بھی ہوں، ان اسباب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ معاش کی انیکوں صورتوں کا اہتمام بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اگر کسی جگہ معاش کے معلوم ذرائع ناکافی نظر آنے لگیں تو وہاں اللہ تعالیٰ کے اہتمام کو ناکافی جاننا خلافِ حق ہے۔ زمین میں اللہ کے خزانے، استفادہ کرنے والوں کے لئے ہی رکھے گئے ہیں۔ ان کو تلاش کرتے رہنا حق ہے۔ اور کسی بھی شے کو بے محل استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ عطائے الٰہی کبھی ناکافی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے، اس یقین سے اللہ کے خزانوں کو تلاش کرنا چاہئے کہ اس نے معاش کی بہت سی صورتیں قائم کر رکھی ہیں۔ اور ہر نعمت کے حصول کے لئے کوشش میں یہ جذبہ موجود رہنا چاہئے کہ لوگوں کو معاش میں آسانی میسر آئے اور وہ اپنے حقوق کو بہتر طور پر پورا کر سکیں۔ نعمت کے حصول کے بعد اس کے استعمال میں یہ احتیاط رہنی چاہئے کہ اس کے کسی حصے کو بے کار جان کر ضائع نہ کیا جائے بلکہ اس کے استعمال کی صورتیں تلاش کی جائیں۔ استعمال کی ہر صورت ایسی ہونی چاہئے، جس سے اکثریت کو فائدہ ہو۔ اور لوگ اس قدر راحت اور آسائش کو سمیٹنے سے بچیں کہ جس سے ان کے قویٰ جسمانی ہی کمزور ہونے لگ جائیں۔ اور خوراک و آسائش اور محنت میں کوئی تطابق نہ رہے۔ اس طرح فرد کی زندگی میں بھی توازن نہیں رہتا اور اجتماعی زندگی میں بھی توازن مشکل ہوتا جاتا ہے۔ شکر کرنے کی طریقت یہ ہے کہ کسی بھی نعمت کو استعمال کرتے وقت معطیؑ مطلق کی رضا ملحوظ رہے۔ اور کسی بھی شے کو مٹی کی شکل میں تبدیل ہونے سے پہلے اس یقین سے سنبھالا جائے کہ اس میں لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ شے کوئی ہو اس کا استعمال بندے کی قوت میں کمی نہ کرے، اسے کمزور نہ کرے۔

حاصل : زمین میں جماؤ، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہوتا ہے۔ معاش کے وسائل کبھی ناکافی نہیں ہو سکتے۔ تلاش جاری رہنی چاہئے اور ہر نعمت کے استعمال میں شکر گزاری کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ ایسی اشیاء بنانا جن سے لوگ کمزور ہونے لگیں اور ان کی خوراک و آسائش اور محنت میں تطابق نہ رہے، ناشکری ہے۔ ناشکری فرد کی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کو بھی متاثر کرتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے:۔
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ ۱۸/۲۸

اور اپنے نفس کو صبر کے ساتھ ان لوگوں کی معیت میں رکھو، جو صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے رہتے ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں۔ کیا تم حیاتِ دنیا کی زینت چاہو گے اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے بہت غافل کر دیا۔ اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں خلق کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ملائکہ سے فرمایا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ ساجدین سے نہ ہوا۔

خالق کل نے سب کو خلق فرمایا پھر ارحام میں صورتیں بنائیں جیسے چاہیں۔ سب بنی آدم کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر فرمایا گیا اور ملائکہ کے مقابل آپ کی فضیلت بیّن فرما دی گئی تو ملائکہ کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ انہوں نے امرالٰہی کی تعمیل کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ تسلیمی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ عبد، اپنے معبود کے علاوہ کسی اور کے سامنے اظہار عبدیت کر ہی نہیں سکتا۔ ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور ملائکہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی یہ ساجدین میں شامل نہ ہوا اور حکم خداوندی کو سن کر نہ ماننے کی صفت، ابلیس نے اپنا لی۔ اب جو بھی اس صفت کا حامل ہو گا، ابلیس کا ساتھی ہو گا۔ تلاوت الوجود کے لئے یہ آگاہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

حاصل : عالم ارواح میں تخلیق پہلے ہوئی۔ پھر اللہ نے صورتیں بنائیں جیسے چاہیں اور ملائکہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اعتراف کرانے کے بعد، انہیں آپ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا امر دیا۔ امرالٰہی کو ماننا پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے اور امرِالٰہی کو نہ ماننا عدم پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

فرمایا جب تجھے امر دیا گیا تو سجدے میں کیا چیز مانع ہوئی۔ کہنے لگا، میں اس سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

علیم مطلق کی شان ملاحظہ ہو کہ ہر خفی وجلی کا مطلق علم ہونے کے باوجود ابلیس سے پوچھا گیا ہے کہ تجھے سجدے کا امر دیا گیا تھا۔ پھر سجدہ کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی۔ اس نے امرالٰہی کے انکار کا جواز یہ پیش کیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتر ہے۔ اور یہ بہتری تخلیق کے حوالے سے ہے کہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ درجے کے اعتبار سے آگ، مٹی کے مقابل بہتر ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ علیم مطلق سے بڑھ کر کوئی آگ اور مٹی کا یا کسی بھی شے کا علم رکھنے والا نہیں ہو سکتا اور اگر سب سے بڑا علم رکھنے والا امر دے رہا ہے تو پھر اس کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش ابلیس کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : اگر کوئی امرِ حق نہ مانے تو اللہ کی سنت کے مطابق اس کو پوچھنا چاہئے تمہیں امر کے ماننے میں کیا چیز مانع ہوئی ہے۔ بہتر جاننے والے کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش ابلیس کا طریق ہے۔ جہاں سے علم حاصل ہوا ہو، اس علیم سے تقدم قطعاً بے ادبی ہے۔

قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ⑬

فرمایا یہاں سے اتر جا، تیرے لئے یہاں تکبر کا مقام نہیں تو نکل بے شک تو ذلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اس کا قرب بھی پاک رہنے والوں کو حاصل رہتا ہے جو تکبّر کا مرتکب ہو وہ پاک نہیں رہتا اس لئے دور کر دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی پاک پیدا کیا اور توفیق بھی دی جس سے وہ اطاعتِ حق کی صورت میں فلاح پا سکتا تھا۔ اور انکار حق کی صورت میں خسارے میں پڑ سکتا تھا۔ امرِالٰہی کو سن کر ماننے کی بجائے، استکبار کرنے کی وجہ سے اسے وہاں سے اتر جانے کا حکم ہوا۔ اور ابلیس کے تکبّر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اس کے مقام کو اس طرح واضح کر دیا گیا کہ اسے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرمادے کہ تو ذلیل ہے تو پھر ہر متکبر کو آگاہ ہو جانا چاہئے کہ تکبر کرنے والا بندگی کے مقام سے دور ہوتا جاتا ہے۔ متکبّر ذلیل نہ ہو یہ ناممکن ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی پاک پیدا کیا تھا۔ وہ تکبر کی وجہ سے منکر ہو گیا۔ تکبر کرنے والے ہی ذلیل ہوتے ہیں۔ متکبر کو کبھی عزت والا نہیں جاننا چاہئے۔ عزت اللہ کی ہے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور مومنین کی ہے۔ باعزت ہونے کے لئے مومن ہونا ضروری ہے۔

قَالَ اَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ⑭

عرض کرنے لگا مجھے یوم بعث تک مہلت دے۔

ابلیس کو مردود کر دینے کے بعد اس پر واضح کر دیا گیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتری کا دعویٰ کرنے کے بعد آگاہ رہے

کہ وہ ذلیل ہے۔ اس پر ابلیس نے علیم مطلق کے علم کی بے قدری کی۔ اور عزت والوں میں شمار کئے جانے کی درخواست نہیں کی، بلکہ کہنے لگا کہ اسے یوم بعث تک مہلت دی جائے۔ علیم مطلق کی شان کی کوئی حد ہی نہیں کہ اس نے ابلیس کو بھی آگاہ کر دیا ہے کہ وہ ذلیل ہے، تاکہ یہ اپنے قول و فعل میں محتاط ہو جائے۔ مگر جو ذلت کی راہ اختیار کرے اس کی سوچ میں پاکیزگی نہیں رہتی وہ اپنی سوچ کو اتنی وقعت دیتا ہے کہ معطی مطلق سے مانگتا بھی ہے، تو اسی سوچ کے لئے طوالت مانگتا ہے، اور طوالت بھی انتہائی۔

حاصل : ذلیل کی سوچ ناپاک ہوتی ہے اور اس کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتی ہے اور وہ اس کے لئے انتہائی طوالت کی طلب رکھتا ہے۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ اس نے مہلت مانگنے والے کی نیت کا علم ہونے کے باوجود اسے مہلت دے دی۔ مہلت مانگنے والے نے یوم بعث تک مہلت مانگی تھی مگر اسے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ اور یہ وقت معلوم وہ دن ہے جس دن تک علم الٰہی کے مقابل، لوگ اپنی خواہشات کو اہمیت دیتے رہیں گے۔ مگر یوم بعث سے پہلے وہ وقت آئے گا جب لوگ علم الٰہی کے مقابل کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوں گے تب انہیں حرکات و سکنات میں رضائے الٰہی مطلوب ہو گی۔ اس وقت ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہ ہو گا۔ اس دن تک ابلیس کو مہلت ہے۔

حاصل : جب تک لوگ علم الٰہی کے مقابل دوسرے علوم کو اہمیت دیتے رہیں گے، تب تک ابلیس کو مہلت ہے۔ یہ وقت یوم بعث سے پہلے ختم ہو جائے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ کہنے لگا، تو جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں تیرے صراط مستقیم پر ضرور ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔

جب شیطان نے تکبر کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ذلیل قرار دیا گیا۔ علم الٰہی کو اعلیٰ تسلیم کرنے کی صورت میں اسے اس آگاہی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ذلت سے ہٹ جانا چاہئے تھا۔ اور جس عمل نے اسے ذلت میں گرا دیا تھا اس عمل سے تائب ہونے میں دیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مگر اس پر اس کی خواہش سوار تھی۔ اس نے انسان دشمنی کو اپنا مقصد بنا لیا۔ اس کے لئے مہلت مانگی علیم مطلق نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دے دی، تو اس کے اندر کی چھپی ہوئی انسان دشمنی باہر آ گئی کہنے لگا۔ تو جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ سیدھی راہ انعام یافتہ لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ تاک میں بیٹھنے والا، انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ ملنے کی طلب رکھنے والوں کو ان کی خواہشات میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں کسی امر کو ماننے والا اس لئے مانے کہ وہ امر اسے پسند ہے، تو جان لیجئے کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا۔

حاصل : متکبر، ذلیل ہوتا ہے۔ اور ذلیل ہمیشہ اپنے ناقص عمل کے سبب کو اپنے اندر نہیں دیکھتا۔

باہر دیکھتا ہے اس لئے وہ اپنی اصلاح کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ انعام یافتہ لوگوں کی معیّت کی طلب رکھنے والوں کی تاک میں بیٹھنا ابلیس کا عہد ہے۔ جس نے کسی امرِ حق کو اس لئے مانا کہ وہ اسے پسند ہے اس پر ابلیس کا داؤ چل گیا۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا۔ ان کے آگے سے، اور ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں اکثر کو شاکر نہ پائے گا۔

جب کوئی حق کو مان رہا ہے تو اسے لازم ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے اگر کوئی امر اس لئے مان لیا جائے کہ ماننے والا اسے اچھا جانتا ہے، تو شیطان اس پر آگے کی طرف سے آکر کامیاب وار کر گیا۔ اور اگر اس لئے مان لیا جائے کہ وہ حق ہے۔ اور اس کا ماننا تقاضاءِ عبدیت ہے۔ تو اس پر شیطان کا وار آگے سے ناکام ہو گیا۔ اگر خیر کی طرف بڑھتے ہوئے ماضی میں اپنے آباء کے استکبار کی طرف مائل ہونے کا مقام آجائے تو شیطان کا وار پیچھے سے ہو گا۔ اگر آباء کی طریقت حق کے مطابق تھی تو سبحان اللہ ورنہ محض آباء ہونے کی نسبت سے ان کی بڑائی کرتے رہنا ماضی میں پھنس جانے کی صورت ہے۔ اور ماضی کو رضائے الٰہی کی نسبت سے دیکھنا پیچھے سے شیطان کے وار کو ناکام کرنے کی صورت ہے۔ جب عمل صالح ہو جائے تو شیطان دائیں طرف سے آتا ہے۔ اور خیرات میں سبقت سے روکتا ہے، یہ احساس دلاتا ہے کہ خیرات کے عمل کو بڑھانے سے لوگوں کے اندر سعی کرنے کی استعداد کم ہو جائے گی۔ اس لئے نیکی کرو مگر اتنی نہیں کہ لوگ بیکار ہی ہو جائیں جو اس بات کو مان لے وہ بھی شکار ہو گیا اور جو خیرات میں سبقت کرنے کے حکم خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے اس پر شیطان کا داؤ دائیں طرف سے ناکام ہو گیا۔ اور آخر میں شیطان شہوات کے ساتھ آتا ہے ، بائیں طرف سے، جو شہوات میں مبتلا ہوا اس پر اس کا وار چل گیا۔ اور جس نے حق اور ناحق کے درمیان وقف پر نظر رکھی وہ شیطان کے وار سے بچ گیا۔ جس نے شیطان کے وار کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، ناکام کر دیا۔ وہ چاروں درجوں میں شاکر ثابت ہو گیا۔ اس کا شکریہ قول سے بھی ادا ہو گیا، عمل سے بھی ادا ہو گیا۔ علم سے بھی ادا ہو گیا اور اخلاص سے بھی ادا ہو گیا۔ مخلص کی شان یہ ہے کہ پھر شیطان اس کو بہکا نہیں سکتا۔ شکریہ ادا کرنے والوں کو ہی فلاح ہوتی ہے۔

حاصل : گمراہی سے بچنے کے لئے شکریہ ادا کرتے رہنا ضروری ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ حکمِ حق کو تقاضاءِ عبدیت جان کر مانا جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ماضی میں اپنے آباء کی بڑائی بیان کرنے کے مقابل رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنے والوں کو سلام کیا جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ مال کو عطائے الٰہی جان کر رضائے الٰہی پر خرچ کیا جائے۔ اور خالی گھروں کو بھرنے کی سعی ہو۔ بھرے ہوئے گھروں کو مزید بھرنا مال کی ناشکری ہے اور چوتھے درجے میں شہوات میں مبتلا ہونے سے اجتناب کیا جائے۔ مخلص توفیق ایزدی کا شکریہ ادا کرتا رہتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی

جواب دہی کا یقین ہوتا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾

فرمایا یہاں سے نکل جا، رد کیا گیا، راندہ ہوا، جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا۔ یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

جب شیطان نے اپنی انسان دشمنی کے طریقہ واردات کو بیان کر دیا، تو اس کی ذلت ظاہر ہو گئی۔ ناپاک کا پاک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ناپاکی کے اظہار کے بعد ابلیس کو رد کیا گیا اور "راندہ ہوا" قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ تو اور تیری پیروی کرنے والے سب جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ یہ بھی شیطان کے لئے آگاہی تھی اور اگر وہ دوزخ سے بچنے کا طلبگار ہوتا تو اسے اپنی راہ کو بدلنا چاہئے تھا۔ مگر وہ استکبار میں انسان دشمنی کو ہی مقصدِ حیات بنا کر بیٹھ گیا۔ توفیق دینے والے کی یہ انتہائی مہربانی ہے کہ جس کی پیروی کا نتیجہ دوزخ ہو گا، اس کے بارے میں اس مالک کل نے تفصیل بیان فرما دی ہے۔

حاصل: کسی پاک بندے کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی راہ سے روکنے والوں کو، لوگوں کو خواہشات کے جال میں پھنسانے والوں کو، استکبار کرنے والوں کو اور انسان دشمنی کو مقصد حیات بنانے والوں کو، اپنے پاس سے رد نہ کرے، اپنے ساتھیوں سے دور نہ کرے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے، ورنہ متقی حضرات کی تکریم ہو ہی نہیں سکتی۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

اور اے آدم علیہ السلام آپ اور آپ کی زوجہ جنت میں سکونت رکھیں تو دونوں جہاں سے چاہئیں، کھائیں اور اس درخت کے قریب نہ جائیں کہ اس سے نقصان ہو گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کو جنت میں سکونت کا حکم ہوا۔ فرمایا گیا یہاں اجازت ہے، جہاں سے چاہو کھاؤ۔ یہ سب تمہارے لئے مفید ہے۔ اور ایک اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔ یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔ علیم مطلق نے جو بھی پیدا کیا ہے۔ حکمت و علم سے پیدا کیا ہے۔ مگر استعمال کرنے والے کو اپنے حال پر نظر رکھنی لازم ہوتی ہے۔ جو چیز حال پر اس کے لئے مفید ہے اسے استعمال کرنے سے قویٰ کا اعتدال، فرائض کی ادائیگی میں مدد دیتا ہے۔ اور اگر کسی غیر مفید شے کو استعمال کیا جائے تو اس کے بے موقع استعمال کی وجہ سے اعتدال کا متاثر ہونا بھی قدرتی بات ہے۔

حاصل : اپنے مہمانوں کو اپنے ہاں قیام کی اجازت دینے کے ساتھ ہی حدود سے بھی آگاہ کرنا چاہئے جس شے سے ان کی سلامتی کو خطرہ ہو وہ دکھا دینی چاہئے اور اس کے متعلق کہہ دینا چاہئے کہ اس کے قریب جانا نقصان کا باعث ہو گا۔ مفید اشیاء کا استعمال میزبان کے لئے باعث راحت ہوتا ہے۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾

پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دیا کہ ان پر ان کی شرم کی چیزوں کو کھول دے جو ان سے پوشیدہ تھیں اور کہنے لگا تمہیں تمہارے رب نے اس شجر سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاک جماعت ہیں۔ اور ان کا درجہ ہے: یفعلون ما یومرون۔ جو امر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے وہی کرتے ہیں۔ شیطان نے تکبر کیا اور امر الٰہی کو ماننے سے انکار کیا اس لئے اسے اللہ کی پاک جماعت سے نکال دیا گیا۔ مگر اس نے انسان دشمنی کے لئے مہلت مانگی تھی۔ اور اللہ نے اسے وقت معلوم تک مہلت دے دی تھی۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی ذریت تک اس کی رسائی تو وقت معلوم کے دن تک رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ جنت میں رہتے تھے۔ ایک درخت کے قریب جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ باقی ہر جگہ سے کھانے کی اجازت تھی۔ شیطان نے انہیں وسوسہ دیا اور انہیں یہ کہا کہ اس درخت سے تمہیں اس لئے منع کیا گیا ہے۔ کہ کہیں تم فرشتے ہو جاؤ اور اس طرح تمہیں اللہ کی پاک جماعت میں دوام حاصل ہو جائے۔ شیطان اتنا تو جانتا تھا کہ جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے لئے فی الحال نقصان دہ ہے۔ ان پاک لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے کتنی محبت تھی۔ اور دائمی پاک دامنی کی ان کے اندر کتنی طلب تھی۔ یہ بات بھی شیطان سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ اس لئے اس نے آگے سے ان پر وار کیا۔ منشاء یہ تھا کہ جس طرف ان پاک لوگوں کا دل لگا ہوا ہے، وہاں سے، ہٹا کر ان کو ذاتی خواہش میں الجھایا جائے۔ جو اس سے پہلے مخفی تھی۔ فرشتے، حضرت آدم علیہ السلام کے نزدیک محترم تھے۔ اور یہ احترام دائمی پاکیزگی کے حوالے سے تھا۔ اور اللہ کی پاک جماعت ہونے کی نسبت سے تھا۔ اپنے مرتبے کا حضرت آدم علیہ السلام کو علم تھا مگر قرب الٰہی سے بڑھ کر کسی مقام کی اہمیت پیش نظر نہ تھی۔ اس لئے قرب الٰہی کی طلب کے حوالے سے شیطان نے انہیں وسوسہ دیا۔

حاصل : قربِ الٰہی اور دائمی پاک دامنی، انسانی زندگی کی معراج ہے۔ خواہش اس کی بھی نہیں

ہونی چاہئے،اپنا حق ادا کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ اور جہان اللہ رکھے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ ان اشیاء کے استعمال سے بچنا چاہئے جو شہوات کو بڑھاوا دیتی ہوں۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾

اور ان دونوں سے قسم کھائی کہ یقیناً میں تم دونوں کے لئے نصیحت کرنے والا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے سامنے جب شیطان نے شجر ممنوعہ کے خواص بیان کئے، توانہوں نے شیطان پر اعتبار نہ کیا۔ تب اس نے دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تو تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ دشمن کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کی بات کو مان لیا جائے۔ قسم کھا کر بھی دشمنی کی جاتی ہے۔ جاننا چاہئے کہ دشمن کی قسم اسے دوست نہیں بنا دیتی۔ اور دشمن کبھی ناصح نہیں ہو سکتا۔

حاصل : دشمن کی قسم پر اعتبار کرنا اور اسے ناصح ماننا بڑے دکھ کو دعوت دینے والی بات ہے۔ جد امجد کے تجربے سے نور حاصل کرتے رہنا تقاضاءِ حفاظت ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾

پھر فریب سے انہیں مائل کر لیا۔ تو جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرم گاہیں کھل گئیں اور وہ جنت کے پتوں سے خود کو ڈھانپنے لگے اور انہیں ان کے رب نے ندا دی، کیا تم کو اس شجر سے میں نے منع نہیں کیا تھا اور فرمایا نہ تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے سامنے شیطان نے قسم کھائی اور ان پاک لوگوں نے اسے ناصح مان لیا اور اس کے فریب میں آ گئے۔ پھر اس درخت کو چکھا۔ جس کے قریب جانے کی ممانعت تھی۔ اس درخت کو چکھنے کی دیر تھی کہ جسم میں تبدیلی کا احساس ہونے لگا۔ اور شرم گاہوں میں تحریک نے پتہ دیا کہ شیطان نے دشمنی کی ہے۔ اب وہ جنت کے پتوں سے اپنے بدن کو ڈھانپنے لگے۔ شجر ممنوعہ کے قریب جانے کی ممانعت ازراہ شفقت تھی اور وقتی طور پر تھی۔ ورنہ بقاءِ نسل کے آلات کو اپنے افعال تو سرانجام دینا ہی تھے۔ اکل شجرۃ سے شرم گاہیں صحیح وقت سے پہلے کھل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کیا تمہیں اس شجر سے منع نہیں کیا تھا۔ اور کیا تمہیں بتایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حاصل : شیطان کا کام خواہشات کے حوالے سے ہوتا ہے۔ اس لئے خواہش کی پیروی سے بچنا ضروری ہے۔ بہتر جاننے والوں کی طرف سے ممانعت ازراہ شفقت بھی ہو، تو ماننے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ شرم گاہوں کو حیا کے ساتھ ڈھانپنا آدمیت ہے۔ وہ اشیاء جو شہوت کو تحریک دینے والی ہوں ان کا استعمال کبھی اپنی مرضی سے نہیں کرنا چاہئے، بلکہ علم والوں کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر کرنا چاہئے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتۃ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

دونوں نے عرض کی، اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خاسرین سے ہوئے۔

اس احساس کے بعد کہ شجر ممنوعہ میں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کے لئے نقصان تھا۔ اور شیطان نے انہیں اس نقصان میں مبتلا کرنے کے لئے اس طرف مائل کیا تھا۔ دونوں بہت روئے اور پکارتے رہے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تو نے ہم کو بخش نہ دیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ پانے والوں سے ہوں گے۔ بخشش سابقہ خطاؤں کی معافی ہے اور رحم استقامت کے ساتھ حق پر رہنے کی توفیق ہے۔ یہ دونوں شامل حال ہوں تو خسارے سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے ورنہ نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور مائی صاحبہ سے خطا ہوئی، روئے، گڑگڑائے، اللہ سے مغفرت اور رحم کے طالب ہوئے۔ نیت میں پاکیزگی موجود تھی۔ استکبار بالکل نہیں تھا۔ استکبار ہو تو پاکیزگی نہیں رہتی۔ اللہ نے آپ پر توجہ فرمائی، توبہ قبول ہوئی اور بنی آدم کو اتنا بڑا انعام ملا کہ قیامت تک بھولنے والے اللہ سے مغفرت اور رحم طلب کرتے ہوئے اس در اقدس سے گزر کر خاسرین میں شمار ہونے سے بچتے رہیں گے۔ توبہ کے پاک دروازے سے سب سے پہلے گزرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جن کی بدولت درِ توبہ کھلا، ہر توبہ کرنے والا انہیں سلام کرتا ہے اور سلام کرتے ہوئے توبہ کے دروازے سے گزرتا ہے۔

حاصل : خطا کے ارتکاب کے بعد، اس کا اعتراف ہو پھر اللہ سے مغفرت اور رحم طلب کیا جائے۔ مگر استکبار بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور خسارے سے بچالیتا ہے۔ توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کرے، جن کی بدولت وہ توبہ کے دروازے سے گزرا ہے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ج وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

فرمایا، اترو، تم میں بعض، بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں مستقر ہے اور ایک وقت تک متاع ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ کو جنت سے زمین پر اتارا گیا اور شیطان بھی انسان دشمنی کے مقصد حیات کے ساتھ زمین پر اترا۔ اب اس ہبوط کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ روشن فرما دیا کہ شیطان مع اپنے حزب کے، حزب اللہ کا دشمن ہے۔ اس عداوت کو یاد رکھنا بنی آدم کی شان ہے۔ یہ عداوت ملحوظ رہے تو قویٰ کا استعمال ہمیشہ برمحل ہوتا ہے۔ زمین میں مستقر اور متاع، عطائے الٰہی ہے۔ مستقر کے استعمال میں شیطان کی عداوت کا احساس رہنا چاہئے۔ متاع کے استعمال میں اس کا ایک وقت تک کے لئے ہونا یاد رہے تو رخ رضائے الٰہی کی طرف رہے گا۔ اور جب متاع بذاتہٖ مقصد بن جائے تو شیطان سے عداوت بھول جائے گی۔

حاصل : زمین پر آباد ہوتے ہی اللہ کے دوست اور اللہ کے دشمن ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ مستقر پاک ہو اور اس میں خوف خدا موجود ہو تو بندے کو شیطان کی عداوت کا احساس ہے۔ متاع کو عطائے الٰہی جان کر رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا جائے تو شیطان سے عداوت قائم رہے گی اور اگر متاع بذاتہٖ مقصود ہو جائے تو شیطان سے ارادت ہو جائے گی، جس کا انجام صریحاً خسارہ ہو گا۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ ع ۲ ۱۵ ۹

فرمایا اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں تمہیں موت آئے گی اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

زمین کو بنی آدم کے لئے مستقر بنایا گیا ہے۔ انسانی زندگی صرف زمین پر ہے۔ زمین پر ہی انسان کو موت بھی آتی ہے اور یوم بعث اسی سے انسان اٹھائے جائیں گے۔ زندگی میں جو کچھ لوازمات زندگی کے طور پر درکار ہوتا ہے، اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا پورا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ اب پاک رہنا بندے کے ذمے ہے۔ مسلمان کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہونا بندے کے ذمے ہے۔ اگر مسلمان کی حیثیت سے فوت ہو تو یقیناً اس نے فلاح پائی۔

حاصل : انسانی زندگی اور موت زمین سے تعلق رکھتی ہے قیامت کے دن جزا کے لئے اسی سے اٹھایا جائے گا۔ بندے کا حق ہے کہ وہ پاک رہے۔ مسلمان کی حیثیت سے اسے موت آئے اور فلاح پانے والوں میں شمار ہونے کے لئے سعی بھی کرے، دعا بھی کرے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کا دن کافروں پر سخت ہو گا اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا ڈالے گا کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی راہ لی ہوتی۔ وائے خرابی میری، کسی طرح میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○ ۲۹/ ۲۵

بے شک اس نے میرے پاس آئی نصیحت سے مجھے بہکا دیا اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس نازل کیا، کہ تمہاری شرم گاہوں کو ڈھانپنے اور آرائش کے کام آئے اور لباس تقویٰ، وہ بہتر ہے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت مانیں۔

طبعی لباس جس شے سے بنتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ زمین پر اس پودے کا نزول، اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔ پھر اس سے حاصل ہونے والی فصل کے ریشے کو صاف کیا جاتا ہے، کاتا جاتا ہے، بنا جاتا ہے اور حاصل شدہ کپڑے سے لباس تیار کیا جاتا ہے۔ کپاس کے بیج سے لے کر، لباس کی تیاری تک ہر مرحلہ غور و فکر کا طالب ہے۔ بنی آدم کی اس ضرورت کے سب ارکان اللہ تعالیٰ نے اس طرح مہیا کئے ہیں کہ سب لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور اس میں جسم کو سکھ ملتا ہے۔ لباس کی دو حاجتیں ہوتی ہیں۔ ستر ڈھانپنا اور آرائش۔ ستر ڈھانپنے کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بغیر آدمی سماجی زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور آرائش کی اہمیت یہ ہے کہ مقامی ضرورت اور موسمی تقاضے لباس کو ایک خاص شکل دیتے ہیں۔ کپاس کے علاوہ جن اشیاء کو لباس بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، وہ ان اشیاء کا بے محل استعمال ہے اور بنی آدم کے لئے دکھ کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ علیم مطلق کی طرف سے بھیجا ہوا لباس ہی لوگوں کو سکھ دے سکتا ہے۔ انسانی تجویز سے بنا ہوا غیر طبعی لباس، جلد پر کھنچاؤ پیدا کرتا ہے اور مزاج کو بری طرح متاثر کرتا ہے اور اس سے دوسروں کی بھلائی کے لئے کام آنے کی صلاحیت گھٹنے لگتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں بہت سارے دکھ، لباس کی اصلاح سے دور ہو سکتے ہیں۔ لباس تقویٰ وہ ہے جس کی تیاری میں خوف خدا موجود ہو۔ جو صرف اپنے لئے نہ بنوایا جائے، بلکہ ان کے لئے بھی بنوایا جائے، جو اپنے لئے لباس نہ بنوا سکتے ہوں۔ جس لباس میں معمولاتِ زندگی آسانی سے سرانجام دئے جا سکیں جس میں تفاخر نہ ہو، جس کا منشاء دوسروں کو مرعوب کرنا نہ ہو اور جس کی پاکیزگی ہر مقام پر ملحوظ رہے۔ جس لباس میں تقویٰ موجود ہے، وہ یقیناً بہتر لباس ہے۔ لباس میں اللہ تعالیٰ کی اتنی نشانیاں ہیں کہ غور و فکر کرنے والے، نصیحت ماننے والے، اس عطائے الٰہی کے عرفان سے بھی حق کو ماننے لگتے ہیں۔

حاصل : کپاس سے بنا ہوا لباس، خدائی انعام ہے اس کے مقابل انسانی تجویز سے بنا ہوا لباس نقصان دہ ہے۔ فرد کی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ حیا پہلے اور آرائش بعد میں۔ یہ لباس کی تیاری کا اصول ہونا چاہئے۔ لباس تقویٰ میں سکھ ہوتا ہے، تفاخر نہیں ہوتا۔ پاکیزگی ہوتی ہے، ایسی صفائی نہیں ہوتی جس کا پاکیزگی سے تعلق نہ ہو۔ لباس میں اللہ کی اتنی نشانیاں ہیں کہ نصیحت ماننے والے اس عطائے الٰہی کے عرفان سے بھی حق کو ماننے لگتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ

اے بنی آدم شیطان تمہیں فتنے میں نہ

كَمَآ اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمۡ هُوَ وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۷﴾

ڈالے، جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت میں سے نکالا ان سے ان کے لباس اتروائے کہ انہیں ان کی شرم گاہیں دکھائے وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست ٹھہرایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور مائی حوا علیہا السلام کو شیطان نے قسم کھا کر اپنے ناصح ہونے کا یقین دلایا اور انہیں اس طرح فتنے میں ڈالا کہ کہنے لگا شجر ممنوعہ کے کھانے سے تمہیں دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ انہوں نے اس کی بات کو مان کر شجر ممنوعہ کو چکھا، جبھی ان کی شرم گاہیں کھلنے لگیں۔ جنت میں جو لباس میسّر تھا وہ لباس اترنے لگا۔ تب وہ پتوں سے اپنے بدن ڈھانپنے لگے۔ جس نے بنی آدم کے ماں باپ سے دشمنی کی ہے اس کی دشمنی پر نظر رکھنا بنی آدم پر حق ہے۔ شیطان اور اس کا قبیلہ، بنی آدم کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے کسی خواہش کے پیچھے چھپے رہنا ان کے لئے آسان ہوتا ہے۔ وہ خواہش کی پیروی پر کمربستہ لوگوں کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مگر خواہش کی پیروی کرنے والے انہیں نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ اگر خواہش کی پیروی کی دعوت کو سن کر بنی آدم رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سعی کرنے لگیں تو وہ شیطان کو بھی اور اس کے کید ضعیف کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ من مانی کرتے ہیں۔ جو من مانی کرتے ہوں، شیطان ان کے دوست ہوتے ہیں اور انہیں ایسے خسارے میں مبتلا کر کے چھوڑتے ہیں جس سے واپسی ممکن نہ ہو۔

حاصل : شیطان کے فتنے سے بچنے کے لئے اپنی خواہش کی پیروی سے بچنا ضروری ہے۔ شیطان اور اس کا قبیلہ بنی آدم کی خواہشات کے پیچھے چھپ سکتا ہے اس لئے وہ بنی آدم کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ مگر بنی آدم اسے نہیں دیکھ رہے ہوتے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے، شیطان ان کے دوست ہوتے ہیں۔ شیطان کے دوستوں سے دوستی بھی شیطان سے دوستی ہے۔ اس لئے جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان سے دوستی خلاف حق ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ

اور جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے آباء کو اس پر دیکھا ہے

اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اللہ نے ہمیں اس کا امر دیا ہے۔ فرما دیجئے بے شک اللہ فحش کاموں کا امر نہیں دیتا۔ کیا اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا علم نہیں رکھتے۔

فحش کام ہمیشہ رضائے الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور اگر جلوت میں کئے جا رہے ہوں تو ان کے پیچھے بے علم لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج موجود ہوتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں کو برے کاموں سے منع کیا جاتا ہے تو وہ دو جواز پیش کرتے ہیں۔ ایک تو انہوں نے اپنے باپ دادا کو ویسے کرتے ہوئے پایا ہے، اس لئے وہ وہی کام کر رہے ہیں، جو ان کے باپ دادا کرتے تھے اور وہ غلط کیسے ہو سکتے ہیں۔ دوسرے اللہ نے بڑوں کی اطاعت کا امر دیا ہے اس لئے ہم ان کی تقلید کو صحیح جانتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں بے علمی پر مبنی ہیں۔ باپ دادا، اگر ہدایت یافتہ نہ ہوں حق کے مقابل من مانی کرتے ہوں۔ اللہ کی رضا کے مقابل، لوگوں کی پسند کو وقعت دیتے ہوں اور اللہ کے ڈر کے مقابل، لوگوں کا ڈر انہیں زیادہ ہو تو ان کی تقلید خلاف حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ امر نہیں دیا کہ بڑوں کا کہا مانو چاہے ان کی بات خلاف حق بھی ہو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جس کا قلب ہماری یاد سے غافل ہے اس کی اطاعت نہ کرو۔ اگر کہیں بے حیائی ہو رہی ہے تو وہ امر الٰہی کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ پر کوئی بات کی جائے وہ علم سے ہونی چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس میں امر الٰہی مذکور ہو۔ مخلصین کے نقش قدم سے شہادت ملے اور اتباع کرنے والا خوف و حزن سے نجات پا جائے۔ پھر جو بات بھی کی جائے گی وہ کرنے والے کے حال سے متعلق ہو گی اور علم سے ہو گی۔

حاصل : اپنے آباء کی تقلید اسی صورت میں صحیح ہے جب وہ ہدایت یافتہ ہوں ان کی اطاعت اسی صورت میں درست ہے جب ان کے قلوب یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوں۔ کسی بات کو اللہ کی بات کہنے سے پہلے یہ دیکھنا حق ہے کہ امرِ الٰہی کیا ہے۔ مخلصین کی طریقت کیا ہے اور کیا ان کا اتباع کرنے والے کو خوف و حزن سے نجات ملی ہے۔ اگر یہ سب ہو تو بات علم سے ہو گی ورنہ بے علمی سے ہو گی۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

فرما دیجئے امر ربّی، انصاف کا ہے اور اپنے رخ ہر سجدے کے وقت سیدھے کرو اور اسی کو پکارو اس کے دین کے مخلص ہو کر۔ جیسے اس نے تمہیں پہلے اٹھایا ویسے ہی اعادہ بھی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ بے حیائی کا امر نہیں دیتا، بلکہ انصاف کا امر دیتا ہے۔ جہاں بے حیائی ہو گی انصاف نہیں ہو گا۔ اور جہاں انصاف ہو گا وہاں بے حیائی نہیں ہو گی۔ انصاف یہ ہے کہ علیم مطلق کی طرف سے عبدیّت کی مقرّر کردہ حدود کا احترام کیا جائے اور جس

بات کے درست ہونے کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے، رخ ہر نماز میں وہی ہو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے شاہد کا حال تھا اور جو آپ کے شاہدین کا حال چلا آرہا ہے۔ جب رخ سیدھا ہو تو عمل میں کجی نہیں رہتی، جب رخ شاہدین کی طریقت کے مطابق ہو تو پھر حرکات و سکنات میں انشکار کہیں نہیں رہتا۔ اللہ کو پکارنے کا علم بھی اللہ نے ہی سکھایا ہے۔ جب اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص ہو تو پھر نظر اسی بات پر رہتی ہے کہ شاہدین کی معیّت کی نسبت سے ہم پر کیا حق عائد ہوتا ہے۔ اور اس حق کی ادائیگی کے لئے اللہ سے اعانت طلب کی جاتی ہے۔ نتائج کو باذن اللہ مانا جاتا ہے۔ یہ یقین، اصلاح حال کی جان ہے کہ جس خالق کل نے ہمیں پہلے پیدا کیا ہے، اعمال کے لئے توفیق دی ہے، مہلت دی ہے، بشارت و انذار سے نوازا ہے، وہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن اٹھائے گا۔

حاصل : بے حیائی جہاں ہو گی، انصاف نہیں ہو گا، جہاں انصاف نہیں ہو گا۔ وہاں قوتِ کارکردگی، عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے برباد ہونے لگے گی۔ ہر نماز میں رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے۔ عبدیّت اللہ کی ہو تو نتائج کو باذن اللہ ماننا ضروری ہے۔ اصلاح حال تبھی ممکن ہوتی ہے جب بعث بعدالموت کا یقین ہو۔

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰

ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی لازم ہوئی۔ انہوں نے اللہ کے مقابل شیاطین کو دوست بنا رکھا ہے، اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

جس فریق نے بے حیائی کو ترک کر کے انصاف کو شعار بنایا، اس فریق کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور جس فریق نے بے حیائی کو اختیار کر کے انصاف سے اجتناب کیا، اس فریق کا گمراہ ہو جانا لازم ہوا۔ بے حیائی کرنے والے، اللہ کے مقابل شیاطین کو اپنا دوست ٹھہراتے ہیں۔ جب کام رضائے الٰہی کے مقابل لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کے تحت کیا جائے اور اسے نیکی بھی سمجھا جائے تو یہ ایسی گمراہی ہو گی جسے عامل ہدایت سمجھتا رہے گا۔ ہدایت یافتہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عامل حق کو مانتا ہو، رضائے الٰہی کو جانتا ہو، اس کے حصول کی طلب رکھتا ہو، اور اپنی سعی میں شاہد کے اتباع کو مصدّق بنائے۔

حاصل : انصاف کرنے والے ہدایت پاتے ہیں۔ بے حیائی کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اگر رضائے الٰہی کے مقابل لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو اہمیت دی جائے تو یہ اللہ کے مقابل شیاطین کو دوست بنانے کی صورت ہے۔ عامل اس کو پڑے، ہدایت جانیں، یہ ہے گمراہی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ

اے بنی آدم ہر نماز میں زینت اختیار کرو

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْاۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع

اور کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔ بے شک مسرفین اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔

نماز، اللہ کے رسول کی تعلیم کے مطابق اظہار عبدیت کی طریقت ہے۔ جس طرح شاہدین نماز ادا کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے وہی صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جسم کی پاکیزگی کے ساتھ، ایسا لباس پہننا جو حیا کے تقاضے کو بھی پورا کرے اور دربارِ الٰہی میں حاضری کے لئے بھی موزوں ہو، ہر نماز کے وقت پہننا، حکم خداوندی ہے۔ اور یہی زینت اختیار کرنا ہے۔ لباس پاک ہو، حیادار ہو اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے نہ ہو، بلکہ اس میں رضائے الٰہی مقصود ہو، تو وہ بدبو سے پاک ہو گا اور طبعی طور پر اس کی ایک شان ہو گی، جو اس بات کو ظاہر کرے گی کہ صاحب لباس، دربار الٰہی میں حاضری کو اپنے لئے اعزاز جانتا ہے۔ نماز جہاں بھی پڑھی جائے لباس کی پاکیزگی اور موزونیّت کا لحاظ ضروری ہے۔ وقتی طور پر صاحبِ اختیار لوگوں کی خدمت میں حاضری کا موقع ہو تو لباس کا اہتمام، صاحب اختیار کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ کلی طور پر اختیار کے مالک کی خدمت میں حاضری سے بڑا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس کا اہتمام بھی اسی نسبت سے ہونا چاہئے۔ لباس میں بھی لوگ اپنی بے علمی سے کج رو ہو جاتے ہیں۔ کھانے پینے میں بھی بے علمی سے حدود کا تعیّن کر لیتے ہیں، یہ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ نے جو بھی بندوں کے لئے حرام نہیں ٹھہرایا، اس کی اباحت ثابت ہے۔ کھانے، پینے میں اپنی جسمانی ضرورت کے پیش نظر افادیت ملحوظ رہے تو صحت بھی درست رہے گی اور باقی تمام امور بھی حسن و خوبی سے انجام پائیں گے۔ اور جب جسمانی ضرورت اور کھانے پینے کی افادیّت کے مقابل لذّت اور مزہ مقصد اکل و شرب ہو جائے، تو پھر جو بھی ہو گا وہ اسراف ہو گا۔ اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو گا۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کی عطا کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ استعمال کرنے والا سکھی رہے، اپنی ذمّے داری کو حسن و خوبی سے پورا کرے اور عطا کو بذاتہٖ مقصود نہ بنائے۔

حاصل : نماز کے وقت، لباس دربار الٰہی میں حاضری کے لائق ہونا چاہئے۔ کھانا، پینا، اپنی جسمانی ضرورت کے مطابق ہو۔ اپنی محنت کے مطابق ہو، تو کھانے، پینے کی افادیّت ملحوظ ہو گی اور اگر لذّت و مزہ مقصد ہو جائے تو کھانا، پینا، مسرفین کی صورت سے ہو گا۔ مسرفین پر ان کا کھانا، پینا بوجھ بنتا جاتا ہے اور ان کے اسراف کی وجہ سے ان کے اندر حقوق کی ادائیگی کی اہلیّت گھٹنے لگتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ السبا[۳۴] میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ۳۴/۲۷

فرما دیجئے مجھے دکھاؤ جو شریک تم اللہ سے ملاتے ہو، نہیں بلکہ اللہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ

فرما دیجئے، کس نے حرام کیا اللہ کی زینت

الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

کو، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی، اور رزق سے طیبات۔ فرما دیجئے یہ تو حیات دنیا میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ قیامت کے دن خالصتاً انہی کے لئے ہیں۔ ہم اس طرح آیات کو مفصل کرتے ہیں، علم والوں کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے عطائے بے بہا سے نوازا ہے۔ بعض اشیاء بلاواسطہ انسان کے استعمال میں آتی ہیں اور بعض بالواسطہ استعمال میں آتی ہیں۔ جن اشیاء کا استعمال انسان کے لئے مضر ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اگر کوئی عطائے الٰہی کو اپنی بے علمی کی وجہ سے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لے، تو یقیناً وہ حق کی احسن ادائیگی کی اہلیت کو کم کر کے اپنی مشکلات میں اضافہ کر لیتا ہے۔ علیم مطلق کے علم کے مقابل جو بھی ہو گا وہ علم نہیں کہلائے گا۔ لباس عطائے الٰہی ہے، اپنے لئے بھی بنایا جائے اور ان کے لئے بھی بنوایا جائے جو اس کے بنانے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ زہد و عبادت کے لئے بھی لباس ضروری ہے۔ اجتماعی زندگی میں تو اس زینت کے بغیر عبادت کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کی جو چیزیں اللہ نے حلال ٹھہرائی ہیں، ان کا استعمال افادیت کے حوالے سے ہو تو اس سے حق عبدیت کی ادائیگی میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جو کچھ بھی اللہ نے بنایا ہے اور حلال ٹھہرایا ہے اس کا استعمال باعث قرب الٰہی ہی ہو سکتا ہے کہ علیم مطلق کا شکریہ ادا کرنے کی اور کوئی صورت ہی نہیں اور شکریہ تو ایمان والے ہی ادا کرتے ہیں۔ حیات دنیا میں یہ نعمتیں ماننے والوں کے استعمال میں بھی آتی ہیں۔ نہ ماننے والوں کے استعمال میں بھی آتی ہیں۔ ماننے والے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ انہیں فلاح حاصل ہوتی ہے۔ نہ ماننے والے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن تو یہ انہیں لوگوں کے لئے ہوں گی جو اللہ کی رضا کے مقابل کسی فرد یا جماعت کی خوشی کو اہمیت نہیں دیتے اور جنہیں اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ جب قیامت کے دن قرب الٰہی میں یہ نعمتیں حائل نہیں ہوں گی، تو حیات دنیا میں بھی اللہ کی حلال ٹھہرائی ہوئی نعمتوں کو قرب الٰہی میں حائل جاننا حق نہیں ہے۔ تفصیل کا منشاء، بے علمی کو اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے ختم کرنا ہوتا ہے اور اسے ہمیشہ علم والے ہی مانتے ہیں۔ مگر جہاں دل اندھے ہوں وہاں علم داخل نہیں ہو سکتا۔

حاصل : حلال و حرام کا تعین، اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اگر کوئی بے علمی کی وجہ سے اس میں کمی بیشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے اس کی بے علمی کو دور کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ نعمتوں کا شکریہ استعمال سے ادا ہوتا ہے اور شکریہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ شکریئے سے دوری پیدا ہو، یہ ناممکن ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرما دیجئے میرے رب نے فواحش کو حرام فرمایا ہے جو ظاہرہ ہوں اور چھپی ہوئی ہوں اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور اللہ پر وہ بات کہی جائے، جس کا تمہیں علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں ارشاد فرمایا ہے۔ اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر نہ چلو جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ یقیناً اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر دے گا۔ شرم گاہوں کی حفاظت کے حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی۔ فواحش کی تمام صورتوں میں موجود ہوتی ہے۔ جب شوکتِ نفس ظاہری بے حیائی کا تقاضا کرے تو شیطان کا اتباع کرنے والے ظاہرہ طور پر بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جب اس میں انہیں کچھ خطرات نظر آتے ہوں تو وہ اسے چھپ کر کرتے ہیں۔ اور ظاہرو باطن میں اللہ کا ڈر موجود نہ ہو تو فواحش سے اجتناب ممکن نہیں ہوتا۔ جزا کا یقین ہو تو حدوداللہ کی حفاظت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ گناہ قولاً ہو تو عملاً کا مقام آتا ہے۔ قول پاک ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے۔ جب زبان، سننے والوں کے نقصان کے لئے کھولی جائے تو یہ قول کی صورت سے گناہ ہو گا اور جب اپنی خواہش کی پیروی کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تو یہ گناہ ہو گا عمل کی صورت سے اور اللہ نے نیکی کا حکم فرمایا ہے۔ گناہ سے منع فرمایا ہے۔ کسی کی حق تلفی کے لئے اس سے ٹکرانا حرام ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بھی حرام ہے۔ اللہ نے اپنے لاشریک ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ صداقت جہاں بھی ہو، اللہ کا فرمان اس کی تائید کرتا ہے، تصدیق کرتا ہے۔ اللہ پر وہ بات کہنا جس کا کہنے والے کو علم نہیں ہے، حرام ہے۔ علم کی صورت یہ ہے کہ حکمِ خداوندی پر عمل کیا جائے تو علمِ حقیقی حاصل ہوتا ہے۔ اسی علم کی موجودگی میں بولنا حق ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نے فروج کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ اس حکم کی خلاف ورزی ہو تو ظاہر و باطن میں بے حیائی ہو گی، اور یہ حرام ہے۔ گناہ حرام ہے، ناحق زیادتی کرنا حرام ہے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بے علمی سے بات کرنا حرام ہے۔ جو اللہ کی نازل کردہ سند سے حرام ثابت ہو گیا ہے ماننے والے اس کے قریب بھی نہیں جاتے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

ہر امت کی ایک اجل ہے۔ پھر جب ان کی اجل آئے گی ایک ساعت پیچھے نہیں جا سکیں گے، آگے نہیں جا سکیں گے۔

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

فرد کی زندگی میں بھی عطائے الٰہی سے استفادہ کرنے کی ایک مہلت ہوتی ہے۔ اس مہلت میں کوئی فلاح کی راہ اختیار کرے یا خسارے کی۔اس کا ہر عامل کو اختیار دیا گیا ہے اور اسی اختیار کے حوالے سے قیامت کے دن جواب دہی کا مقام آئے گا۔ اجتماعی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مہلت رکھی ہے۔ اور جب کوئی امت خلاف حق کرتی ہوئی، اصلاح کے تمام امکانات سے دور ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ اس اجل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس میں ایک ساعت کی جلدی نہیں کی جاتی تاکہ حدِ امکان تک اصلاح کی طرف آنے کی گنجائش رہے۔ اور اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اس میں ایک ساعت کی دیر بھی نہیں کی جاتی کہ اتمام حجت کے بعد مہلت بے مقصد ہوتی ہے۔ اجتماعی زندگی کی مہلت کی حدود پر نظر رکھنا، لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہنا، پاک لوگوں کی شان ہے۔

حاصل : امت کے لئے مقررہ اجل، اجتماعی زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس پر نظر نہ ہو تو حسنِ معاشرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق ہمیں بھی لوگوں کو پوری پوری مہلت دینی چاہئے تاکہ اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس تم میں کے رسل تشریف لائیں کہ تم پر میری آیات پڑھیں تو جو پرہیزگاری کرے اور اصلاح لے تو ان پر خوف نہ ہو گا، اور نہ وہ محزون ہوں گے۔

بنی آدم کی ہدایت کے لوازمات بھی اللہ تعالیٰ ہی پورے کر سکتا ہے۔ اس نے مرسلین کو لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ اور یہ بھی کہ مرسلین انہی لوگوں میں سے ہوتے رہے ہیں، جن کی طرف انہیں شاہد بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے۔ وہ اللہ کی آیات لوگوں پر تلاوت کرتے رہے ہیں۔ احکام خداوندی پڑھ کر سناتے رہے ہیں۔ شاہدین ناصحین سے جن لوگوں کو محبت ہو جائے ان کی زندگی میں پرہیزگاری اور اصلاح داخل ہوتی ہے۔ پرہیز گاری کی وجہ سے خواہشِ نفس کی پیروی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اصلاح لینے کی وجہ سے حسنات وجود میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ پرہیز گاری آ جائے تو خوف ختم ہو جاتا ہے۔ اور اصلاح ہو جائے تو حزن نہیں رہتا۔ علمِ الٰہی کے علاوہ تمام علوم لوگوں کو خوف و حزن میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور خوف و حزن میں مبتلا لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ان کے اندر بھی سکھ نہیں ہوتا، باہر بھی سکھ نہیں ہوتا۔

حاصل : علمِ الٰہی کا منشاء لوگوں کو خوف و حزن سے نجات دلانا ہے۔ باقی علوم کا منشاء لوگوں کو

خوف و حزن میں مبتلا کرنا ہے۔ ہدایت دینے والوں کا انہی لوگوں میں سے ہونا اور انہی کی زبان میں بات کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جہاں پرہیزگاری اور اصلاح آ جائے، خوف و حزن وہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا وہ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کی آیات کو ماننے والے، آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا کے یقین کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے۔ اور اس رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شاہدین کی معیت اختیار کی جاتی ہے۔ شاہدین کو انعام یافتہ حضرات جاننے والے اپنے قول کو شاہدین کے قول پاک پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح قول کے درجے میں تکبر سے پاک ہو جاتے ہیں۔ قول کی پاکیزگی کا شرف حاصل ہو جائے تو شاہد سے محبت ہو جاتی ہے۔ محبت ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے۔ اور عملاً تکبر ختم ہو جاتا ہے۔ تکبر ختم ہو جائے تو اپنے آپ کو دوسروں کے مقابل برتر و بہتر ثابت کرنے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے، تکبر کے ارتکاب کے ساتھ شیطان کی معیت اختیار کرتے ہیں، جس کا نتیجہ دوزخ اور دائمی عذاب ہو گا۔

حاصل : اللہ کی آیات کا انکار، جزا کے عدم یقین پر مبنی ہوتا ہے۔ جزا کا یقین نہ ہو تو تکبر سے بچنا ممکن نہیں۔ تکبر ہو تو دنیا میں خوف و حزن کے احاطے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ آخرت میں آگ کے عذاب سے نکلنا ممکن نہیں ہو گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھا اور اس کی آیات کی تکذیب کی۔ انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا، حتیٰ کہ ہمارے بھیجے ہوئے انہیں وفات دینے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے تھے۔ عرض کریں گے، وہ ہم سے گم ہو گئے اور اپنے انفس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ظالم وہ ہوتا ہے جو حق کے مطابق حکم نہ کرے۔ اظلم وہ ہوتا ہے جو اپنی مرضی کو رضائے الٰہی جانتے ہوئے جھوٹ گھڑے اور اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دے۔ اس کے نازل کردہ حق کو جھٹلائے اور اس طرح توفیق ایزدی کو ضائع کرتا چلے جائے۔ بشارت و انذار کے لئے اللہ تعالیٰ نے شاہدین کو جو شرف بخشا ہے، وہ اس کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ واضح کرتے رہتے ہیں کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے والوں کے لئے فلاح کی خوشخبری ہے۔ اور عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرنے والوں کے لئے عذاب الیم کی خبر ہے۔ یہ لکھا ہوا ہے جو خیر کا رخ اختیار کرے گا، وہ بشارت کی صورت سے لکھی ہوئی آگاہی سے فیضیاب ہو گا اور جو حق کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنائے گا وہ انذار کی صورت میں لکھی ہوئی آگاہی سے، بچ نہیں سکے گا۔ حیات دنیا میں جو کچھ کسی کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے درکار ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور دیا جاتا ہے۔ کام کرنے کی صلاحیت، مواقع، متاع اور باقی سب ارکان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہر ایک کو جو ملتا ہے، اللہ کے فضل سے ملتا ہے۔ جو اسے اپنی کوشش و کاوش کی بدولت جانتا ہو، اس کو انفاق فی سبیل اللہ بہت مشکل لگتا ہے اور خلاف حق خرچ کرنے میں اس کے نفس کی خوشی موجود ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں پر جب موت کا وقت آتا ہے اور اللہ کے بھیجے ہوئے وفات دینے آتے ہیں تو وہ پوچھتے ہیں جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے تھے وہ کہاں ہیں۔ اللہ کا فرمان، جس کا تم انکار کرتے رہے ہو وہ تو سچا ثابت ہو گیا۔ تمہارا خیال تھا کہ تمہیں بے مقصد بنایا گیا ہے۔ اور تم سے پوچھ نہیں ہو گی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں ملے گی، تمہیں حق کے انکار کی طرف بلانے والے کہاں ہیں۔ وہ عرض کریں گے وہ ہم سے گم ہو گئے اور انہیں یہ احساس ہو گا کہ حیات دنیا کی صورت سے ملی ہوئی توفیق کو خلافِ حق استعمال کرنے کی جزا سے بھاگ جانا ممکن نہیں ہے۔ وہ اپنے انفس پر گواہی دیں گے کہ وہ حق کا انکار کرتے رہے ہیں۔

حاصل : اظلم وہ ہوتا ہے جو ظلم کی تعلیم دیتا ہو۔ وہ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھتا ہے اور اللہ کی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو عطائے الٰہی اپنی کاوش کی بدولت معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اسے خلافِ حق اور اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ موت کے وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی جزا کے انکار میں ضائع ہو گئی اور وہ شہادت دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا

فرمائے گا، جنّ و انس کی جو امم تم سے قبل آگ میں گئی ہیں، ان میں داخل ہو جاؤ۔ جب ایک امت داخل ہو گی تو دوسری کو لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب سارے اس میں گر جائیں گے تو پچھلے پہلوں کے بارے

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۭ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

میں کہیں گے۔ اے ہمارے رب انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا۔ تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے۔ فرمائے گا، سب کو دگنا ہے ولیکن تمہیں علم نہیں۔

جنّ وانس کے لئے اظہارِ عبدّیت کی جو طریقت معبود لاشریک کی طرف سے رکھی گئی ہے اس کا انکار کرنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ جب کوئی امت دوزخ میں داخل ہوگی تو سابقہ دوزخی امم میں شامل ہو جائے گی۔ اس طرح جن لوگوں کی راہ اختیار کی گئی تھی ان کے ساتھ میل ہو جائے گا۔ جزا کا انکار کرنے والے لوگوں کی جب ایک امت دوزخ میں داخل ہوگی تو جس کی پیروی میں اس کو دوزخ نصیب ہوا ہو گا، اس کو لعنت کرے گی۔ اور یہ سلسلہ لعنت اس وقت تک جاری رہے گا. جب تک سارے دوزخی، دوزخ میں جمع نہیں ہو جاتے اور جب ساری امم اس میں گر جائیں گی، تو پچھلے لوگ پہلوں کے بارے میں کہیں گے۔ اے ہمارے رب انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو ان کو دگنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سب کو دگنا ہے۔ ولیکن تمہیں علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دینے والا ہے۔ اس لئے کسی کی برائی بیان کر کے، اس کے لئے عذاب مانگنا اللہ تعالیٰ کے علم مطلق کو نہ ماننے والی بات ہے۔ ہر دوزخی فرد ہو یا جماعت اللہ کے انکار اور طاغوت پر ایمان کے دوہرے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو عذاب بھی اسی نسبت سے دگنا ہوتا ہے۔ دوزخی گمراہ کرنے والے کو تو لعنت کرتے ہیں۔ مگر گمراہ ہونے والے کو اسی درجے کا گناہگار نہیں جانتے۔ یہ ان کی بے علمی ہے۔ گمراہ کرنے والے کا گناہ اپنی جگہ، مگر گمراہ ہونے والے نے اپنی خواہش کی پیروی کی تو وہ گمراہ ہوا۔ اور اللہ نے خواہش کی پیروی سے منع فرمایا ہے اور اس کو باعث گمراہی بتایا ہے۔ اب اگر کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اسے اس کے اعمال کی جزا تو دی جائے گی۔ اگر صرف گمراہ کرنے والے کو ہی گناہگار قرار دیا جائے تو پھر ابلیس کے علاوہ کون گناہگار ہو گا۔ کیونکہ گمراہ کرنے کا عہد تو اسی کا ہے۔

حاصل : جس امت کی حال پر پیروی کی جائے گی آخرت میں اس کا ساتھ ہو گا۔ اگر حال پر اللہ کا انکار اور طاغوت پر ایمان ہو گا تو دوزخ میں داخل ہونے والوں کا ساتھ ہو گا۔ گمراہ ہونے والے ہمیشہ گمراہ کرنے والوں کو لعنت کرتے ہیں۔ حالانکہ خود ان کا جرم ان کی گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بکلّ شیٍ علیم مانا جائے تو پھر یہ کہنا ممکن نہیں ہو سکتا کہ جس نے مجھے گمراہ کیا ہے اس کو دگنا عذاب دے۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا

اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے۔ تو تمہیں

كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸ ۱۱

ہم پر کچھ فضیلت نہیں ہے تو اپنے کئے کی بدولت عذاب چکھو۔

جب پچھلے پہلوں کے بارے میں یہ کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب دیا جائے۔ تو اس کے جواب میں پہلے پچھلوں سے کہیں گے تمہیں ہم پر کچھ فضیلت نہیں ہے۔ تو جو کسب تم کرتے رہے ہو اس کی جزا میں تمہیں عذاب چکھنا ہے۔ گمراہ ہونے والے اپنی خواہش کی پیروی کی بدولت گمراہ ہوتے ہیں۔ گمراہ کرنے والے برائی کی طرف بلاتے ہیں۔ انہیں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ کسی کو نور سے ظلمات کی طرف لے جائیں۔ مگر جو ان سے دوستی رکھتا ہو وہ خود ان سے جڑ جاتا ہے۔

حاصل : توفیقِ ایزدی کا استعمال خلاف حق ہو تو ہمیشہ اپنی خواہش کی پیروی کی بدولت ہوتا ہے۔ اپنی خواہش کی پیروی ہی باعث گمراہی ہوتی ہے اور اسی کی جزا میں عذاب ہو گا۔ علیم مطلق ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دے گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے بدخواہوں کے بارے میں فرمایا ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ زوَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا طوَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا طاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۞ ۳/۱۲۰

اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے، اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو انہیں فرحت ہوتی ہے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو تو ان کا داؤ تمہیں کچھ ضرر نہ دے گا۔ بے شک جو وہ کرتے ہیں اللہ کا اس پر احاطہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے تکبر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے، حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو اور ہم مجرمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۴۰﴾

آیات کی تکذیب، حق کا قولاً انکار ہے اور ان سے تکبر حق کا عملاً انکار ہے۔ عمل صالح ہو تو اللہ اس کو رفعت دیتا ہے۔ اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ متکبر کے عمل کو کبھی رفعت حاصل نہیں ہوتی۔ جہاں عمل کا مقصود ہی رضائے الٰہی نہ ہو وہاں بلندی کی بجائے پستی کا رخ ہوتا ہے اور زمین کی گرفت سے نکلنا ہی محال ہو جاتا ہے۔ جنت کی حقیقت راحت ہے۔ جو حیات دنیا میں خوف و حزن سے پاک ہے، وہ جنتی ہے۔ آخرت میں بھی اسے راحت حاصل ہو گی۔ جو تکبر کرے، خوف و حزن کا تسلط اس پر ضرور ہوتا ہے۔ اسے راحت حاصل ہو۔ یہ بالکل ایسے ہی ناممکن ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ناممکن ہے۔ تکبر عنداللہ جرم ہے اور اس جرم کی جزا، خوف و حزن کا تسلط ہے۔ متاع حیات دنیا کو باعث راحت جاننے والے ہمیشہ راحت سے دور ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جرم تکبر سے باز نہیں آتے۔

حاصل : قولاً حق کے انکار سے بچنا، اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ قولاً حق کا انکار ہو تو تکبر سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔ معطیٔ مطلق کی معیت میں راحت موجود ہے۔ اگر کوئی معطیٔ مطلق کی عطا کو مقصود ٹھہرا لے تو اس متکبر کے عمل میں رفعت کا آنا محال ہو جاتا ہے۔ متکبر کا جنت میں داخلہ محال ہے۔ جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا محال ہے۔ مجرم کو کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی سعی، سعی لا حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے تکبر کی جزا ہے۔

لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

ان کے لئے جہنم بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا ہے۔ اور ہم ظالمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

آیاتِ حق کا انکار اور انہیں جاننے کے بعد استکبار، ظلم ہے۔ حیات دنیا میں ظالم، خوف و حزن کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ آخرت میں جہنم کی آگ ان کا بچھونا اور اوڑھنا ہو گا جس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ یہ بچھونا اور اوڑھنا ظالمین کی اپنی کمائی کے نتیجے میں انہیں حاصل ہو گا۔ اس نتیجے سے بچنا مطلوب ہو تو تکبر سے بچنا ضروری ہے۔

حاصل : استکبار، ظلم ہے اور اس کی جزا نار جہنم کا بچھونا اور اوڑھنا ہے۔ استکبار میں نفس کو رفعت نظر آتی ہے۔ جو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ استکبار کرنے والے کا بچھونا اور اوڑھنا ہی ظلم ہوتا ہے۔ اسے کبھی راحت نہیں حاصل ہو سکتی۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

کی وسعت کے مطابق۔ وہی اصحابِ جنت ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ایمان لانا دعویٰ ہے اور صالح عمل اس دعوے کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ معیارِ اصلاح عامل کی پسند کے تابع نہیں ہوتا۔ عامل کی پسند معیارِ اصلاح کے تابع ہوا کرتی ہے۔ توفیق دینے والا علیم مطلق ہے۔ وہ کسی پر حق عائد کرنے سے پہلے اسے حق کے ادا کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ جو بھی مقام آئے، اس کے مقابل توفیق ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے۔ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ اٹھانا پڑے، یہ ناممکن ہے۔ جب توفیق علیم مطلق نے دی ہے تو یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ حالات حاضرہ میں حق کی احسن ادائیگی ہمارے بس میں ہے۔ یہ یقین رکھنے والے جنتی ہیں۔ اور یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ بندہ جب تک اپنی وسعت کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھتا رہے، اس کی کم نظری اسے بے چین رکھتی ہے۔ اور جب اپنی وسعت کو معطیِ مطلق کے حوالے سے دیکھے تو پھر بے اطمینانی کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ استکبار سے بچنا اور استکبار کرنے والے کے سامنے حق کو بیان کرنا۔ یہ مقامات ہر مومن کی زندگی میں آتے ہیں۔ یہاں عطائے الٰہی کو پورا دیکھا جائے تو خوف و حزن کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور استقامت حاصل ہوتی ہے۔ پھر قولِ حق کے مقابل کوئی قول مرعوب نہیں کرتا اور صالح عمل کے مقابل کوئی عمل متاثر نہیں کرتا۔

حاصل : ایمان لانا دعویٰ ہے، اس دعوے کی صداقت صالح عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق اس حق کے مقابل بڑی ہوتی ہے۔ جو حال میں ہم پر عائد ہوتا ہے۔ توفیقِ ایزدی علیم مطلق کی عطا ہے۔ اس لئے کسی بھی مقام پر اس میں کمی نظر آئے تو یہ ایمان کا ضعف ہو گا۔ عطائے الٰہی کو پورا جاننے والے ایسی راحت پا لیتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۗ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ

اور ہم ان کے صدور سے خفگی کو نکال دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور وہ عرض کریں گے حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں اس کی راہ دی اور ہم راہ پانے والے نہ ہوتے اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا۔ بے شک رسول ہمارے ربّ کا حق لائے تھے۔ اور ندا ہو گی کہ یہ جنّت ہے جس کے تم وارث ہوئے اپنے اعمال کی بدولت۔

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

مومنین کے مابین تعلق "رحماء بینھم" کی صورت سے ہوتا ہے۔ خفگی وہ انقباضِ قلب ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت کمیٔ علم کی وجہ سے آجاتا ہے۔ جب یہ علم ہو جائے کہ مومن بھائی نے جو کیا وہ کسی ذاتی خواہش یا غرض و غایت کے تحت نہیں تھا، تو انقباض کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جنتی حضرات کے صدور سے خفگی کو نکال دیا جائے گا۔ انہیں جو مقام ملے گا اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہاں حیاتِ نباتات کے لئے کوئی مشقت نہیں کرنی پڑے گی۔ جنت والے پکاریں گے۔ حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے ہمیں اس کی راہ دی۔ اور اگر اللہ ہدایت نہ دیتا تو اس کی راہ پانا ممکن نہ تھا۔ بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اللہ کی حمد کرنے والے حضرات، رب العالمین کے مرسلین کی صداقت کو سلام کریں گے، تو ندا آئے گی کہ یہ جنت تمہیں تمہارے اعمال کی بدولت ملی ہے۔ اللہ کی حمد دائمی ہے۔ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ مرسلین کی شان یہی تھی کہ ان کی بات اللہ کی بات تھی۔ اس میں شک کا کوئی مقام نہیں تھا۔ مگر تمہیں جنت اپنی خواہشات کے خلاف رہ کر حق کے مطابق عمل کرنے سے ملی ہے۔

حاصل : خفگی وہ انقباضِ قلب ہوتا ہے جو کمیٔ علم کی بنا پر ساتھیوں سے معاملہ کرتے وقت آجاتا ہے۔ عطا سے فیضیاب ہونے والے معطی کا شکریہ ادا کریں اور معطی فیضیاب ہونے والوں کو بتائے کہ تمہاری تسلیم کی بدولت تمہیں انعام سے نوازا گیا ہے تو نورِ ہدایت سے سب مقامات روشن ہو جاتے ہیں۔

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۴۴﴾

اور جنت والے حضرات، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تو مل گیا جو حق وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تمہیں بھی ملا جو حق وعدہ تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ کہیں گے ہاں! تو ان کے مابین مؤذن پکار کر کہے گا کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔

جنت والے حضرات، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ہمیں جس انعام کی بشارت دی گئی تھی وہ ہمیں مل گیا ہے کیا تمہیں بھی ملا ہے جس کا تمہیں ڈر سنایا جاتا تھا۔ تو دوزخی جواب میں کہیں گے۔ ہاں ہمیں بھی وہی ملا ہے جو مرسلین نے بیان فرمایا تھا۔ اسی اثنا میں پکار ہوگی کہ ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو آخرت کا انکار کر کے، حق کے مقابل ناحق کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لعنتی کا رخ رحمت سے دوری کا ہوتا ہے۔ اس لئے عملاً وہ رحمت سے دور ہوتا رہتا ہے۔

حاصل : حق کے مطابق زندگی گزارنے والے جنت میں جائیں گے۔ حق کے خلاف زندگی گزارنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ جنتی پکار کر کہیں گے کہ ہمیں تو بشارت کے مطابق انعام ملا ہے۔ دوزخ والو کیا تمہیں بھی انذار کے مطابق ملا ہے۔ وہ کہیں گے، ہاں۔ اور مؤذن ظالموں پر لعنت کرے گا۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس سے کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

ظالموں کا طریق زندگی اللہ کی راہ سے روکنا، اس سے کجی چاہنا اور آخرت کا انکار کرنا ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا اور اس میں اپنی پسند کو شامل کرنا، آخرت کے انکار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ آخرت کا انکار کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ حیات و موت دینے والا ہی توفیق دینے والا بھی ہے اور توفیق کبھی بے مقصد نہیں ہوتی۔ جب ہر موجود کا مقصود ہونا ضروری ہے، تو پھر اپنے مقصود کو پانے کی سعی کرنے والے، آخرت کا انکار نہیں کر سکتے۔

حاصل : آخرت کا انکار کرنے والے ہی، اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور اس سے کجی چاہتے ہیں۔ آخرت کے منکر موجود کو دیکھ کر بھی، مقصود کو پانے کی سعی نہیں کرتے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور ان دونوں کے مابین حجاب ہو گا اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ سب کو ان کے چہروں سے پہچانیں گے اور وہ جنت والوں کو ندا دیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں۔

جنت اور دوزخ کے مابین حجاب ہے، یہ مقام اعراف ہے۔ یہ حجاب حال پر جن حضرات کا مقام ہے آخرت میں وہ اعراف پر ہوں گے۔ ان حضرات کو پتہ ہوتا ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کے منہ کالے ہوتے ہیں۔ اور متقیوں کو حزن و ملال چھوتا بھی نہیں۔ اس لئے یہ چہرے سے پہچان لیں گے۔ جنت والوں کو دیکھیں گے تو ان پر سلام بھیجیں گے۔ خود وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کی طمع ضرور رکھتے ہوں گے۔ جو لوگ نیکی کرتے ہوئے ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں ان کا بھلا ہے اور جو بھی کرتے ہیں اس لئے کرتے ہیں کہ ان کا بھلا ہو۔ وہ نیک تو ضرور ہیں مگر ہیں حجاب میں۔ یہ حجاب تبھی ختم ہو سکتا ہے۔ جب شاہد سے، ناصح سے محبت ہو جائے اور تعمیل ارشاد میں محبت کا غلبہ حال پر موجود رہے۔ ثواب مقصود نہ ہو۔

حاصل : جو لوگ حال پر ثواب کو مقصود بنالیتے ہیں، وہ نیکی تو کرتے ہیں مگر ثواب ان کے لئے حجاب بنا رہتا ہے۔ یہ پہچان ضرور دیکھتے ہیں کہ متکبرین کے منہ کالے ہوتے ہیں اور متقیوں کے منہ روشن ہوتے ہیں۔ اس حجاب سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ شاہد کے ارشادات کی تعمیل میں محبت کا غلبہ حال پر موجود رہے۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع

اور جب ان کی آنکھیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو عرض کریں گے اے ہمارے رب ہمیں قوم ظالمین کے ساتھ نہ ٹھہرا۔

اعراف والے جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں قوم ظالمین کے ساتھ نہ کرنا۔ حیات دنیا میں بھی نیک لوگ ظالموں کو پہچانتے ہیں۔ آخرت میں تو عذاب ظالموں کو گھیرے ہوئے ہو گا۔

حاصل : جس "ساتھ" کا انجام معلوم ہو، ناقابل تردید ہو اور مطلوب نہ ہو، اس "ساتھ" کو حال پر چھوڑنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ پھر دعا کرنی چاہئے، اللہ ظالمین کے "ساتھ" سے بچائے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ / ۱۸

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انہیں اس میں گرنا ہے۔ اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اعراف والے ندا دیں گے، ان لوگوں کو کہ انہیں ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔ کہیں گے تمہیں کیا کام آئی تمہاری جمعیت اور وہ جو تم استکبار کرتے تھے۔

اعراف والے جنت والوں کو بھی ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔ دوزخ والوں کو بھی ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں حاصل متاع اور جمعیت پر اترانے والے لوگوں کو دوزخ میں دیکھ کر، اعراف والے انہیں پکاریں گے کہ کس کام آئی تمہاری جتھہ بندی اور کس کام آیا تمہارا بڑا بننا۔ متاعِ حیاتِ دنیا کے حوالے سے، لوگوں کی تکریم کرنے والے تقوے کو معیارِ تکریم نہیں مانتے۔ اس لئے وہ حق کے مقابل اپنے معیار بنا لیتے ہیں۔ اور اپنے فسق کی بدولت ذلت کے عذاب کی طرف

چل نکلتے ہیں۔

حاصل : دوزخیوں کی نشانیاں حال پر دیکھنی چاہئیں اور ان نشانیوں سے حال پرکھنا چاہئے۔ وہ لوگ متاعِ حیاتِ دنیا کو اور اپنی جتھّہ بندی کو اپنی خوبی جانتے ہیں، اور اس پر اتراتے رہتے ہیں۔

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾

کیا یہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ انہیں اپنی رحمت سے نہ نوازے گا۔ انہیں تو فرمایا گیا ہے جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ نہ تم پر خوف ہے اور نہ تمہیں حزن ہو گا۔

اعراف والے، جنتّیوں کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے۔ دنیا میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کر کے تم کہا کرتے تھے۔ الھولاء من اللہ علیھم من بیننا ۶.۵۳۔ کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہم میں سے اللہ نے احسان فرمایا ہے۔ اور وہ تمہاری نظروں میں جچتے نہ تھے۔ اور تم قسمیں کھاتے تھے کہ ان لوگوں پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی۔ اب تم ان پر اللہ کی رحمت کو دیکھ رہے ہو۔ اطمینان قلب وہ رحمت الٰہی ہے کہ جس کی موجودگی میں عطائے الٰہی ہمیشہ پوری نظر آتی ہے۔ ہونے کا مقام ہو تو شکریہ ادا کرتے ہوئے عطا کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جاتا ہے۔ نہ ہونے کا مقام ہو تو صبر سے یہ یقین رکھا جاتا ہے کہ آئندہ عطا ہونے والی نعمت کے بارے میں علم عطا کیا جا رہا ہے۔ دیکھنے والی آنکھیں اگر متاعِ حیاتِ دنیا کو ہی اللہ کی رحمت جانتی ہوں تو پھر وہ کبھی حق شناس نہیں ہو سکتیں۔ جو لوگ حال پر حق کو مانتے ہیں انہیں جنت میں داخل فرمایا جائے گا اور انہیں دائمی راحت سے نوازا جائے گا۔ یہ لوگ خوف و حزن سے دور رہیں گے۔

حاصل : متاعِ حیاتِ دنیا کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنا خلاف حق ہے۔ اطمینان قلب وہ رحمت ہے کہ جس کی موجودگی میں عطائے الٰہی ہر مقام پر پوری نظر آتی ہے۔ جو لوگ رحمتِ خداوندی کو اپنے پیمانوں سے جانچتے ہیں، ان کے پیمانے آخرت میں ان کے لئے باعث ندامت ہوں گے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور دوزخ والے جنّت والے حضرات کو ندا دیں گے کہ ہم پر بھی اس پانی اور رزق کا فیض کرو جو تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ وہ کہیں گے، کہ بے شک اللہ نے یہ دونوں

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

کافروں پر حرام کئے ہیں۔

دوزخ والے، جنت والے حضرات کو پکاریں گے اور درخواست کریں گے کہ وہ پانی اور رزق جو تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے وہ ہم کو بھی دو ہم پر فیض کرو۔ جنت والے حضرات جواب دیں گے کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ جو صلہ مومنین کو ان کے اعمال کا دیا جائے گا۔ وہ کافروں پر حرام ہو گا۔ جو صلہ کافروں کو ان کے اعمال کا دیا جائے گا وہ مومنین پر حرام ہو گا۔ مومنین حیاتِ دنیا میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سعی کرتے ہیں۔ اس لئے حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔ آخرت میں بھی یہ لوگ حدود اللہ کو ادب سے مانیں گے۔ یہ جنت والوں کی شان ہے کہ وہ کافروں کی فیض طلبی کے جواب میں انہیں اللہ کا فرمان سناتے ہیں۔ اپنی کوئی بات نہیں کرتے۔

حاصل : جنت والوں کی نہ حال پر اپنی کوئی بات ہوتی ہے نہ آخرت میں اپنی کوئی بات ہو گی۔ معاملہ ماننے والوں سے ہو، یا کافرین سے ہو، وہ حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا لیا ہے اور انہیں حیاتِ دنیا نے فریب دیا ہے تو آج ہم ان پر نظر نہیں کریں گے۔ جیسے وہ اس دن کے ملنے پر نظر نہیں کرتے تھے۔ اور جیسا ہماری آیات سے انکار کرتے تھے۔

دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے لوگ، حیاتِ دنیا سے فریب کھا جاتے ہیں۔ اور اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیتے ہیں۔ جب دین میں رضائے الٰہی مفقود ہو اور ناصح سے محبت نہ ہو تو دین کے نام پر جو رسوم ادا ہوں گی وہ سب لہو و لعب کے زمرے میں ہوں گی۔ جن حضرات کو یاد ہو کہ انہیں اپنے اعمال کی جزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے وہ یوم الدین کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ یوم الدین کی ملاقات کو نظر انداز کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی کا انکار نہ ہو تو من مانی کرنے کا مقام ہی نہیں آتا۔ من مانی کرنے والوں پر، دین کو کھیل تماشا بنانے والوں پر، قیامت کا دن بھاری ہو گا۔ حیاتِ دنیا کے فریب میں مبتلا لوگ جو بھی کرتے ہیں اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں کی خوشی کے لئے کرتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن وہ جزاءِ خیر پانے والے لوگوں میں شمار نہ ہوں گے۔ ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

حاصل : جو لوگ فرمانِ الٰہی کے مقابل، لوگوں کی پسند کو مانتے ہیں وہ حیاتِ دنیا کے فریب میں مبتلا ہیں اور یہی دین کو کھیل تماشا بنانے والے لوگ ہیں۔ جزا کے دن کا عدم یقین ان کو حق کے انکار

کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ حق کو نظرانداز کرتے ہیں۔ جب جزا کا وقت آئے گا تو یہ بھی نظرانداز کر دیے جائیں گے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور بے شک ہم نے انہیں کتاب پہنچائی ہے، جسے علم سے مفصّل فرمایا ہے۔ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

کتاب اللہ کا پہنچانا، اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس کے بغیر حق کے عرفان کا کوئی معیار ہی نہ ہوتا۔ اس کی شان یہ ہے کہ اس کی تفصیل علیم مطلق کے علم سے ہے، یہ ہر حال کو روشن کرتی ہے۔ کیا نہیں ہونا چاہئے اور کیا ہونا چاہئے، یہ بیان فرماتی ہے۔ راہ راست کے تعین کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جو راہ راست کو پالیتا ہے اس کے لئے رحمت ہے۔ یہ رحمت اپنے اندر وہ راحت رکھتی ہے جو دائمی ہوتی ہے اور اس کی موجودگی میں خوف و حزن سے نجات ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مولیٰ مان لینے سے جو آسرا ملتا ہے وہ اور کسی طرح مل ہی نہیں سکتا۔

حاصل : کتاب اللہ کے بغیر، عرفانِ حق محال ہے۔ قرآن پاک کی تفصیل علیم مطلق کے علم سے ہے۔ اس لئے اس کی ہر ہر بات معیار ہے اور سند کا درجہ رکھتی ہے۔ بیان وہی روشن ہے جس کے ساتھ قرآن پاک کی سند موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اس کی ہدایت اور رحمت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا

کاہے کے انتظار میں ہیں کہ اس کی تاویل سامنے آئے۔ جس دن اس کی تاویل سامنے آئے گی پکار اٹھیں گے جو اس سے قبل بھولے بیٹھے تھے۔ بے شک ہمارے ربّ کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ تو ہیں کوئی شفاعت کرتے جو ہماری شفاعت کریں۔ یا ہم لوٹا دیئے جائیں۔

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

رب العالمین کے رسول حق کے ماننے والوں کو ان کے انجام کے بخیر ہونے کی بشارت دیتے ہیں اور منکرینِ حق کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے حق انذار ادا کرتے ہیں۔ کیا کافر اسی انتظار میں ہیں کہ جو انہوں نے سنا ہے، اس کا انجام سامنے آئے۔ وہ تو ہر لحہ قریب آ رہا ہے۔ مگر جس دن وہ انجام واقع ہو گا، وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہو گا۔ جس دن کو وہ بھول رہے تھے وہ ان کے سامنے ہو گا۔ وہ حق کو تسلیم کر رہے ہوں گے مگر یہ تسلیم انہیں فائدہ نہیں دے گی کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد تسلیم کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اس وقت انہیں شفاعت کرنے والوں کی جستجو ہو گی۔ مگر حیاتِ دنیا میں مخلصین سے نخاصمت رکھنے کی وجہ سے ان کے اعمال باعث شفاعت بھی نہ ہوں گے۔ شفاعت کو محال دیکھ کر پکاریں گے کہ اگر ہمیں مہلت کے ساتھ لوٹا دیا جائے، تو ہم صالح عمل کریں گے اور وہ نہیں کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں۔ مگر اس وقت ان کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ کہاں گئیں وہ باتیں جو یہ بنایا کرتے تھے۔ گم ہو گئے وہ افترے جو یہ لوگ باندھا کرتے تھے۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے۔ حال پر ملی ہوئی توفیق کو بے مقصد جاننے والے ہی خسارے میں پڑتے ہیں۔

حاصل : حال پر ملی ہوئی توفیق اگر رضائے الٰہی کے مطابق استعمال ہیں ہو رہی تو پھر اس کے معنی یہی ہیں کہ قیامت کے لمحے کا انتظار ہے۔ جب قیامت آ جائے گی اور موعودہ انجام واقع ہو جائے گا تو پھر حق کو تسلیم کرنا فائدہ نہ دے گا۔ اس وقت عمل کی اصلاح ممکن نہ ہو گی۔ اور خسارہ احاطہ کر لے گا۔ حال پر ملی ہوئی مہلت کو اس طرح استعمال کرنا چاہیئے کہ آخرت میں خاسرین کا ساتھ نہ ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ ۲۲/ ۱۶

تمہارا معبود، معبود واحد ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب منکر ہیں۔ اور وہ استکبار کرنے والے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ پھر عرش پر استویٰ فرمایا رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانپتا ہے کہ جلد ہی ایک کے پیچھے دوسرا آ جاتا ہے اور شمس و قمر اور نجوم اس کے امر سے مسخر ہیں۔ سن لو خلق بھی اسی کی ہے، امر بھی

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اسی کا ہے، بڑی برکت والا ہے اللہ، رب العالمین۔

عالمین کو پالنے والا، اللہ ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں خلق فرمایا۔ اس تخلیق میں جو دن شمار ہوئے ہیں، وہ حیات دنیا میں نظر آنے والے دن ہیں۔ چھ دن ہمیشہ ساکن رہتے ہیں۔ ساتواں متحرک ہوتا ہے اور اسی ایک کا تصرف حال پر ہوتا ہے۔ عرش پر استویٰ فرمانے کی حقیقت، آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین ہر مقام پر مقتدر ہونا ہے۔ دن رات یقیناً سورج کے طلوع و غروب سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر سورج کے خالق نے جو بیان فرمایا ہے وہ لوگوں پر واضح کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ دن رات کا تعین بھی تو اللہ تعالیٰ کے علمِ مطلق سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قطعاً ہر شے کا علم ہے۔ اور لوگوں کو بتانے کے لئے ان کے مشاہدے کے حوالے سے بیان کرنا بڑی برکت والی بات ہے۔ جس دن کو پچاس ہزار سال کا فرمایا گیا ہے، وہاں بھی اکائی تو یہی معروف دن ہے۔ رات، دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں ایک خلوت میں جائے تو دوسرا جلوت میں آ جاتا ہے۔ دن کی روشنی متحرک ہو تو رات کی تاریکی ساکن ہو جاتی ہے اور رات کی تاریکی متحرک ہو تو دن کی روشنی ساکن ہو جاتی ہے۔ موجود دونوں رہتے ہیں۔ ایک ساکن ہو تو دوسرا متحرک ہوتا ہے۔ شمس و قمر اور ستارے، سبھی اس کے امر سے مسخر ہیں۔ مسخر کبھی امر دینے والے کے امر سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اسے جو کام تفویض کیا گیا ہو وہ امر دینے والے کی مرضی کے عین مطابق کرتا ہے۔ شمس و قمر اور نجوم امرِ الٰہی سے جس طرح متحرک ہیں، اس سے امر دینے والے کی شان روشن ہوتی ہے۔ خلق فرمانا اور امر دینا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ کسی بھی وجود کے موجود ہونے سے پہلے اس کے مقصود کا تعین کرنا اور اس مقصود کے حوالے سے اس شے کو تحرک دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس نے سب کچھ بنایا ہے مگر اس کی ذات کسی شے کی کوئی احتیاج نہیں رکھتی۔ سب کو پالتا ہے۔ اور علم سے پالتا ہے۔ برکت ملاحظہ ہو کہ ماننے والے لوگوں کو بھی پال رہا ہے۔ نہ ماننے والے لوگوں کی ربوبیت میں بھی کمی نہیں کرتا۔ ایسے پالنے والے علیم مطلق کا ساتھ ہو تو پھر کسی مقام پر بے چینی نہیں ہو سکتی۔ جس نے ہمارے لئے سب کچھ بنایا ہے وہ ہمیں نظر انداز نہیں کرتا اور اس کو رب مان لیا جائے تو شکوے کا مقام کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ عرفانِ نفس کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔

حاصل : رب العالمین ہی اللہ ہے۔ چھ دن ساکن رہتے ہیں۔ ساتواں متحرک رہتا ہے۔ ہفتے میں کام کے دن چھ ہی ہونے چاہئیں ساتواں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اور اظہارِ عبدیت کے لئے ہو۔ رات، دن، شمس و قمر اور نجوم جس طرح یہ امرِ الٰہی کو مانتے ہیں، ہمیں بھی امرِ الٰہی کو اسی ادب سے ماننا چاہئے۔ ہم جو بھی بنائیں، اس کا منشاء امرِ الٰہی کی اطاعت ہونا چاہئے۔ یہ بڑی برکت والی بات ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا

اپنے رب سے تضرع کے ساتھ اور خفیہ دعا کرو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے

وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دعا کی حقیقت معبود لاشریک کے سامنے اظہار عبدیت کرتے ہوئے خیر طلب کرنا ہے۔ اس میں اپنا عجز بیان ہوتا ہے، اپنے اعمال کے بارے میں یہ اعتراف ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے معیار کی نسبت سے یہ بہت ناقص ہیں اور اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو دیکھا جائے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگا جاتا ہے۔ گریہ اس بات پر ہوتا ہے کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اور عطائے الٰہی بہرحال جاری ہے۔ کم علمی کی وجہ سے بے چینی پیدا ہو جاتی ہے خفیہ دعا ہمیشہ ذاتی ہوتی ہے۔ جہر کے ساتھ ہو تو اجتماعی ہوتی ہے۔ دعا خفیہ ہو تو ادب سے اپنا حال علیم مطلق کے سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے۔ یا اللہ یہ مشکل ہے۔ اس کو حل کر دے اور جو حل تیرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ہمیں اس پر راضی رہنے کا شرف عطا فرما۔ دعا میں حد سے بڑھنا یہ ہے کہ اپنی طلب کو اپنا حق جان کر بیان کیا جائے، اسی کے حصول پر اصرار کیا جائے اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے اعلانیہ دعا کی جائے۔ یہ سب باتیں اظہار عبدیت کے منافی ہیں۔ اس لئے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔

حاصل : دعا حضور قلب سے ہو۔ گریئے کے ساتھ ہو اور خفیہ ہو تو یہ امر الٰہی کی تعمیل ہو گی۔ دعا میں اپنا استحقاق بیان کیا جائے، اپنی طلب پر اصرار ہو اور علیم مطلق کے علم کے مقابل اپنی بے علمی کو وقعت دی جائے، تو یہ حد سے بڑھنے کی صورت ہو گی، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہے۔ اجتماعی دعا میں بھی دعا کرنے والے امام کی آواز کو آہستہ ہونا چاہئے۔ آمین کہنے والوں کو بھی ادب سے اور آہستہ آمین کہنا چاہئے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اس کی اصلاح کے بعد اور اس سے خوف و طمع کے ساتھ دعا کرو۔ بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔

زمین میں اصلاح علم الٰہی کی بدولت ہوتی ہے۔ علم والے فرمانِ خداوندی کو مانتے ہیں۔ اور دوسرے کے لئے نمونہ بنتے ہیں۔ لوگ ان حضرات سے محبت کی بدولت ناقص صفات سے پاک ہو جاتے ہیں۔ یوں حسنات کے بڑھنے سے حسنِ معاشرت بڑھتا ہے۔ اور اصلاح قائم ہوتی ہے۔ لوگ اپنے قول کو حق کے مطابق رکھیں، اپنے عمل کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ اصلاح کے مستحکم ہونے کی سند ہے۔ اس اصلاح کے بعد اگر لوگوں کو ان کی خواہشات میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے ان کے سامنے استکبار کی مثالیں رکھی جائیں۔ حق کے حوالے سے جائز و ناجائز کا فیصلہ کرنے کی بجائے اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن بنانے

کی کوشش کی جائے اور ناصحین سے محبت کی راہوں کو مسدود کرنے کی سعی کی جائے تو یہ زمین میں فساد پھیلانے والی باتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت ڈر یہ ہونا چاہئے کہ دعا میں رضائے الٰہی کے حصول کے مقابل خواہشِ نفس وقعت نہ پا جائے۔ طمع یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ شاہدین کے ساتھ لکھ لے۔ حال بھی پاک لوگوں کے ساتھ ہو، مستقبل بھی پاک لوگوں کے ساتھ ہو، محسنین اللہ کی رحمت کے طالب ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ان کو گھیرے رکھتی ہے۔ جو اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہونا چاہے۔ اسے محسنین کی معیت اختیار کرنی چاہئے۔

حاصل : حدود اللہ کے احترام کو کم کرنے والی حرکات و سکنات کو زمین میں باعث فساد جانتے ہوئے روکنا چاہئے۔ اصلاحِ حال ناصحین سے محبت کی بدولت ہوتی ہے۔ گمراہی اور فساد اپنی خواہش کی پیروی سے بڑھتے ہیں۔ دعا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی پسند کو رضائے الٰہی کے سامنے پست رکھنا چاہئے، طمع شاہدین کے ساتھ کا ہو۔ محسنین کی معیت، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے احاطے میں رہنے کی صورت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۚ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور وہی ہے کہ اپنی رحمت کے آگے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے، حتیٰ کہ وہ بھاری بادل اٹھا لاتی ہیں ہم اسے شہر مردہ کی طرف چلاتے ہیں۔ پھر اس سے پانی برساتے ہیں تو سبھی ثمرات نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے تو تم غور کرو۔

بارش سے پہلے آنے والی ہوائیں، بارش کی آمد کی بشارت دیتی ہیں۔ اور رحمت کے منتظر اس بشارت سے فیض حاصل کرنے کی تیاری کر لیتے ہیں، تاکہ رحمت کا پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔ بشارت دینے والی ہواؤں کے بعد، بادل آ جاتے ہیں۔ پھر ان کو مردہ زمین کی طرف چلایا جاتا ہے۔ پھر ان سے بارش برسائی جاتی ہے، تو وہ زمین جو روئیدگی کی قوت کھو چکی تھی، زندہ ہو جاتی ہے اور اس سے سبھی ثمرات اگنے لگتے ہیں۔ یہ وہ مشاہدات ہیں جن پر غور کیا جائے تو بعث بعد الموت کا انکار محال ہو جاتا ہے۔ حال پر اگر مردہ زمین کو زندہ ہوتے دیکھ لیا جائے تو مستقبل میں انسان کے زندہ ہونے کا انکار نہیں ہونا چاہئے۔ اگر بعث بعد الموت کو مان لیا جائے تو پھر جزا کے یقین کے ساتھ اصلاح کی طرف مائل ہونا بھی ضروری ہے۔ اور جس نے پہلے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے اس کو

اعادہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہو سکتی۔

حاصل : بارش کی آمد سے پہلے بشارت دینے والی ہوائیں، فیض حاصل کرنے کی تیاری کرنے والوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ بادلوں کا لانا، برسانا اور مردہ زمین کو زندہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ حال پر اگر مردہ ذرات زندہ ہوتے نظر آتے ہیں تو آخرت میں یہ کام کیونکر محال ہو سکتا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۱۴

اور جو زمین اچھی ہے اس سے نبات اس کے ربّ کے اذن سے نکلتی ہے۔ اور جو خراب ہے اس سے نہیں نکلتی مگر ناقص۔ اسی طرح ہم شکر کرنے والوں کے لئے آیات کی تصریف فرماتے ہیں۔

باران رحمت اچھی زمین پر بھی ہوتی ہے، خراب زمین پر بھی ہوتی ہے۔ اچھی زمین سے سبزہ اگتا ہے، خراب سے نہیں اگتا اور اگتا ہے تو ناقص ہوتا ہے۔ بارش تو ایک ہی ہوتی ہے مگر اس سے منتفع ہونا حسنِ استعداد پر منحصر ہے۔ انسانی زندگی میں نیت بمنزلہ زمین ہے۔ جس کی نیّت درست ہوگی اس کا عقیدہ درست ہو گا۔ جس کا عقیدہ درست ہو گا۔ اس کے اعمال درست ہوں گے۔ جس کے اعمال درست ہوں گے اس کا ثمر اچھا ہو گا۔ جس کی نیت بری ہوگی، اس کا عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ عقیدہ درست نہ ہو گا، تو اعمال اچھے نہیں ہوں گے۔ اعمال اچھے نہ ہوں تو ثمر کبھی اچھا نہ ہو گا۔ شکر کرنے والے لوگوں کے لئے یہ روشن بیان اپنے اندر انعامات کی بشارت رکھتا ہے۔ اس لئے وہ اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ نیّت کو درست کرنا انسان کے ذمے ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ کسی بھی مقام پر اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے۔ اللہ کی رضا ہر مقام پر مقصود ہو۔ اور علم الٰہی کے حصول کے لئے جس کو شاہد بنایا جائے، اس سے محبت ہو، تو نیّت کا خبث ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ طیّب ہو جاتی ہے۔ طیّب ہو جائے تو ثمر آور ہو جاتی ہے۔

حاصل : نیت کو درست رکھنا انسان کے ذمے ہے۔ استکبار کا خاتمہ ہو تو علم الٰہی سے انتفاع ممکن ہوتا ہے۔ شکر کرنے والے عطائے الٰہی کو پورا مانتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو تو اس کے لئے سب ارکان حال پر موجود ہوتے ہیں۔ اگر موجود نہ نظر آئیں تو آرہے ہوتے ہیں۔

شہادت : سورۃ السبا میں ارشاد ہے :

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ لا وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ○ ۶/۳۴

اور جنہیں علم عطا ہوا ہے جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے نازل فرمایا گیا ہے وہی حق ہے اور عزت والے، حمد والے کی طرف راستہ دیتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ تم پر ایک بڑے دن کا عذاب آئے گا۔

مرسلین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان پر سلام ہو۔ اس لئے لازم ہے کہ ان کے اسماءِ گرامی قدر کے ساتھ علیہ السلام لکھا بھی جائے اور پڑھا بھی جائے۔ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کو، آپ کی قوم کی طرف بھیجا گیا، تو آپ نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس سے یہ روشن ہوا کہ قومیّت نظریات اور عقائد سے نہیں بنتی۔ اللہ کی بندگی یہ ہے کہ بندہ اللہ کا مملوک ہو اور قول و فعل میں اپنے مالک کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔ کسی مقام پر مالک حقیقی کی رضا ملحوظ ہو اور کسی مقام پر اس کے مقابل کسی اور کی رضا ملحوظ ہو تو یہ شرک کی صورت ہو گی۔ جو پہلے خفی ہو گی، پھر جلی بھی ہو گی۔ شرک خفی ہو تو بت بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ معبود لاشریک کی یہ شان ہے کہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے۔ جزا بھی وہی دے گا۔ حق کا نازل کرنے والا بھی وہی ہے۔ اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے نمونہ بھی وہی بھیج سکتا ہے۔ معبود کے انکار کے معنی تو خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لینے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے رخ کو دیکھتے ہوئے یہ فرمایا کہ جس رخ پر تم جا رہے ہو۔ اس پر ایک دن تم عذاب میں پکڑ لئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بے مثل ہے کہ اس نے کبھی لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے میں جلدی نہیں کی اور ہمیشہ اتمام حجت کے تمام ارکان پورے کئے ہیں۔

حاصل : جزا دینے والا ہمیشہ لوگوں کے سامنے اپنے پسندیدہ معیار کو رکھتا ہے، تاکہ لوگ اس کو مان کر فلاح پائیں۔ اللہ کی بندگی، اس کو مالک حقیقی ماننے کے بعد ہی ممکن ہے۔ حق کے مقابل جہاں اپنی پسند آ جائے وہاں اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کا انکار ہو جائے گا۔ علم والے آنکھیں رکھتے ہیں۔ بے علم نہیں رکھتے اور آنکھوں والے اور اندھے برابر نہیں ہوتے۔ انجام سے آگاہ کرنے والوں کو محسن جاننا چاہیے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾

اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، بے شک ہم تمہیں صریحاً گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کو ساری قوم نے سنا مگر قوم کے سرداروں نے جواب یہ دیا کہ آپ تو صریحاً بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔ سرداری اگر تقوے کے حوالے سے ہو تو سردار ہمیشہ حق شناس ہو گا اور صاحب علم ہو گا اور اگر وسعت مال کے حوالے سے ہو تو سردار خواہشات و غایات کا بندہ ہو گا اور جب بھی اس کے سامنے خواہشات کی سطح سے بلند بات آئے گی، وہ اس کی تکذیب کرے گا۔ سرداری اس کی شان کے لائق ہے، جو عنداللہ اکرم ہے۔ جب یہ معیارِ قیادت عملاً مان لیا جائے گا، تو قیادت صحیح لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی۔ قیادت صحیح لوگوں کے ہاتھ ہو تو اجتماعی زندگی میں رخ بھلائی کا ہو گا۔ اور لوگوں کو روزمرہ زندگی میں تحفظ کے احساس کے ساتھ ساتھ بہت سی آسانیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔ ورنہ احساس عدم تحفظ اور مشکلات میں اضافہ ہو گا۔

حاصل : سردار اگر حق کے مقابل اپنی خواہش کے تحت بولے تو اس کو ٹوکنا چاہیئے اور دعوتِ خیر کے جواب میں حقائق اور اسناد کے ساتھ بات کرنے کو کہنا چاہیئے۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾

فرمایا، اے میری قوم! میں بہکا نہیں، ولیکن میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

قوم کے سرداروں کے اس بیان کے بعد کہ ہم آپ کو بہکا ہوا دیکھتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں بہکا ہوا نہیں میری بات کسی خواہش کے تحت نہیں۔ میری بات تو اللہ کی بات ہے۔ وہی تمہارا پالنے والا ہے۔ اسی نے تمہیں اعمال کی توفیق دی ہے۔ وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہیں اس کی عبدیت کی طریقت سکھاؤں، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہکے ہوئے کی باتیں بے جوڑ اور لاحاصل ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ کبھی سند موجود نہیں ہوتی۔

حاصل : معترضین کے اعتراض کے جواب میں اپنا حال بیان کرنا انبیاء کا طریق کار ہے۔ حق یہی ہے کہ اعتراض کے جواب کے بعد اپنا حال بیان کیا جائے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

تمہیں اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچاتا ہوں اور تمہیں بہت نصیحت کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، بات میری نہیں ہوتی۔ میرے بھیجنے والے کی ہوتی ہے۔ اور اسی کی بھیجی ہوئی ہوتی ہے۔ جس خسارے کی طرف تم لوگ جا رہے ہو، اس سے بچنے کی تمہیں بہت نصیحت کی جاتی ہے اور نصیحت بڑے علم سے ہوتی ہے۔ اندازے قیافے سے نہیں ہوتی۔ حق کی نصیحت کرنے والا ماضی، حال اور مستقبل، تینوں مقامات کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ غافل کو اپنے انجام کا علم نہیں ہوتا۔ بے علمی کی بات کے جواب میں علم سے بات کرنا بڑے مرتبے کا ثبوت ہوتا ہے۔

حاصل : جس کی بات اللہ کی بات ہو، اور سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو، اس کا ناصح ہونا اور علم والا ہونا یقینی ہوتا ہے۔ اس سے دوستی ہو تو دونوں جہان میں بھلا ہو جاتا ہے۔ اس سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جو اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد پر، تاکہ وہ تمہیں ڈر سنائے اور تاکہ تم بچو، اور تاکہ تم پر رحم ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کے تعجب کو واضح کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی نصیحت تم میں سے ایک مرد پر آئی ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ تمہیں اس انجام سے آگاہ کر دیا جائے جس کی طرف تم جا رہے ہو۔ اور تم آگاہی سے فائدہ اٹھا کر برائی سے بچو اور اللہ کی رحمت سے فیض پاؤ۔ کافروں کو یہ بات عجیب لگتی ہے کہ ان کی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، بندہ مستقبل سے آگاہی کی بات کرے اور یقین سے کرے۔ نصیحت کے منجانب اللہ ہونے کا ذکر کرے، اور پھر کسی اجر کا سوال بھی نہ کرے۔ اس کو لوگوں کی بھلائی کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو اور وہ لوگوں کی بے سند باتوں کا جواب اللہ کی نازل فرمائی ہوئی سند سے دے۔ جس مالک نے لوگوں کو زندگی کے ساتھ توفیق دی ہے، وہی ان کے سامنے معیار ہدایت بھی رکھے تو پتہ چلے گا کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے روشن ہوا کہ نصیحت کا منجانب اللہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اور ناصح کا نصیحت سننے والوں کے ساتھ رہ کر ان حالات سے منشاءِ الٰہی کے مطابق گزرنا بھی ضروری ہے، تاکہ جزا دینے والے کی پسندیدہ طریقت کا مشاہدہ ہو جائے اور ابلاغ حق کی حجت پوری ہو۔

حاصل : توفیق دینے والا ہی راہ فلاح بھی دکھاتا ہے۔ شاہد کو لوگوں کے سامنے لانا اور ابلاغ حق کی حجت کو پورا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ اس وحدہ لاشریک سے بہتر کوئی اہتمام کر ہی نہیں سکتا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

پھر انہوں نے آپ کی تکذیب کی، تو ہم نے آپ کو اور آپ کی معیت والوں کو نجات دی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ ۱۵

جو کشتی میں تھے، اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے انہیں غرق کر دیا۔ بے شک وہ اندھی قوم تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام ابلاغِ حق کرتے ہوئے اپنی قوم کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہے۔ مگر ان لوگوں نے آپ کے انکار کی راہ نہ چھوڑی اور آپ کو جھٹلاتے جھٹلاتے اس حد سے گزر گئے جس سے آگے جا کر اصلاح کو قبول کرنا فائدہ نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے امر سے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھی کشتی میں سوار ہو گئے۔ اس طرح امرِ الٰہی کو ماننے والے نجات پا گئے اور مکذبین کو غرق کر دیا گیا جو قوم اجتماعی فلاح کو نہ دیکھ سکے وہ یقیناً اندھی ہوتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں اجتماعی بھلائی کے لئے حدود کا تعین کرنا ضروری ہے۔ جب اکثریت خلوت و جلوت میں ان حدود کا احترام کرے تو سبھی کا بھلا ہوتا ہے۔ اور جب اکثریت اجتماعی بھلائی کے مقابل ذاتی مفاد کو ترجیح دے تو قومی زندگی کے حوالے سے یہ اندھا پن ہو گا۔

حاصل : حق کو ماننے والے بھلائی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ ان کا انجام بھلا ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے بھلائی کی راہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہ دوری انہیں خسارے میں ڈال دیتی ہے۔ جو قوم اجتماعی بھلائی کو نہ دیکھے وہ اندھی قوم ہے۔ اس کے افراد ذاتی مفاد کی خاطر اجتماعی بھلائی کو نظر انداز کرتے کرتے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ پھر ذاتی مفاد کا مقام کب باقی رہتا ہے۔

شہادت : جو لوگ ایمان کے مقابل کفر کو پسند کرتے ہیں۔ وہ ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى۔ ۱۷/ ۴۱

توانہوں نے ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کیا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو بھیجا۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبدیت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو تبلیغ حق کے لئے بھیجا گیا۔ یہ اسی قوم سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں میں سے ہوتے رہے ہیں، تاکہ بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں کے حالات سے کماحقہٗ آگاہی کے ساتھ انہیں دعوت خیر دیں۔ استقامت سے صراط مستقیم پر رہنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے۔ کہ حق کی طرف بلانے والا، بلائے جانے والوں کی ہر مقام پر رہنمائی کر سکے۔ اور اس کے لئے اس کا انہی میں سے ہونا ضروری ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ اللہ کی بندگی ہو تو ہر مقام پر مقصود اللہ کی رضا ہوگی۔ اور ذاتی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی میں بھی ایسا نظم پیدا ہو گا جو اور کسی صورت میں ممکن ہی نہیں۔ اللہ کی عبدیّت سے استکبار کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور لوگوں کی خدمت میں راحت ملنے لگتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے یہی کرتے ہیں۔

حاصل : بھلائی کی طرف بلانے والے، بلائے جانے والوں کے حالات سے کماحقہٗ آگاہ ہوں تو حق تبلیغ ادا ہو سکتا ہے۔ اللہ کی عبدیّت ہو تو استکبار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ سے ڈرنا شان عبدیّت ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

آپ کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے ہم تمہیں بے وقوف دیکھ رہے ہیں۔ اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب عاد کو حق کی طرف بلایا اور فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ڈرو اس سے جو تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ تو قوم کے کافر سردار کہنے لگے۔ ہمارے دیکھنے میں تم بے وقوف ہو اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ جس کا کام اپنی خواہش اور غرض و غایت کے تابع ہو، وہ رضائے الٰہی کے لئے سعی کرنے والے کو بے وقوف دیکھتا ہے۔ اس کی نظر اس قریبی اور قلیل فائدے پر ہوتی ہے، جو نفس امارہ اسے دکھاتا ہے۔ اور اس بعید اور کثیر فائدے پر نہیں ہوتی، جو حق کی ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے حقیقی فائدے کے لئے سعی کرنے والے کے عمل میں اسے بیوقوفی نظر آتی ہے۔ اور جب اپنے مشاہدے کے ساتھ کوئی سند پیش کرنا محال ہو تو پھر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ بیان کرنے والا جو بیان کر رہا ہے وہ جھوٹ ہے۔ اگر حق کی طرف بلانے والے کو سچا مان لیا جائے تو پھر شرک کرنے کی اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے کی گنجائش فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ خواہش کی پیروی اپنی جان کی طرح عزیز ہو تو پھر راہِ فرار یہی رہ جاتی ہے کہ دعوتِ حق دینے والے کو جھوٹا کہہ کر اپنی راہ اس سے الگ کر لی جائے۔

حاصل : کافروں کے سرداروں کو اپنی خواہش کے عدم اتباع میں بے وقوفی نظر آتی ہے۔ چونکہ ان کے نزدیک وقوف اپنی خواہش کی پیروی کا نام ہے۔ جب ان کے نزدیک اپنے وقوف کو ثابت کرنا محال ہو تو وہ دعوتِ حق دینے والے کو کاذب کہہ کر اس سے اپنا راستہ الگ کر لیتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

فرمایا اے میری قوم میں بے وقوف نہیں، ولیکن میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کے کافر سرداروں کے جواب میں جنہوں نے آپ کو بےوقوف اور کاذب کہا تھا، یہ فرمایا میں بےوقوف نہیں، میں تو ربّ العالمین کا بھیجا ہوا ہوں۔ حق کو تسلیم کرنا قول ہے۔ حق کو ادا کرنا عمل ہے۔ اور عمل ہو تو علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے جو حق کو ادا نہ کرے اور حق کی باتیں کرتا رہے اسے حق کا علم کبھی نہیں ہو سکتا۔ دعوتِ تعقّل دینے والا، گزشتہ واقعات سے سبق سیکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ حال پر توفیقِ ایزدی کے صحیح استعمال کی طریقت سکھاتا ہے۔ اور اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذنِ اللہ مانتا ہے۔ اسے بےوقوف کہنے والا یقیناً بےوقوف ہوتا ہے۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، وہی صادق ہوتا ہے۔ اور جس کی بات اس کی خواہش کے تحت ہو، اس کو صداقت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔

حاصل : تبلیغ حق کے جواب میں اگر لوگوں سے یہ سننا پڑے، کہ تم بےوقوف ہو اور جھوٹے ہو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ شاہدین کے ساتھ ہونے کی شہادت مل رہی ہوتی ہے۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

تمہیں اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچاتا ہوں اور تمہارے لئے امین ناصح ہوں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے تعارف میں یہ ارشاد فرمایا کہ ربّ العالمین کا رسول ہونے کی بدولت میں تمہیں وہی حق پہنچاتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے اور نصیحت کرنے کے عمل میں میرا یہ حال ہے کہ امانت جو تمہارے لئے بھیجی جاتی ہے، اسے کماحقّہٗ پہنچا دیتا ہوں۔ ربّ العالمین کے فرمان کی تفہیم کے لئے اس کے بھیجے ہوئے وسیلے سے بہتر کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جزا دینے والے کا تعلق لوگوں سے کس قدر مہربانی اور رحم کا ہے۔ اس کو اس کے شاہدین کی سنت کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ شاہدین کی سنت یہی رہی ہے کہ ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ وہ نصیحت کو امانتِ الٰہی جانتے ہیں اور اسے محبت سے پہنچا دیتے ہیں لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کی سعی کرتے ہیں اور مکذّبین کی تکذیب کو دیکھنے کے باوجود امرِ الٰہی کی حد تک حقِ تبلیغ ادا کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والے کی شان یہی ہے کہ مکذّبین کے جواب میں وہ اپنا حال وضاحت کے ساتھ بیان کرے اور نصیحت کو امانت مقدسہ جان کر لوگوں تک پہنچا دے۔ اس میں اس کی خواہش کو کوئی دخل نہ ہو۔ جو امین نہ ہو اس کی نصیحت قابل سماعت ہی نہیں ہوتی۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ

کیا تمہیں تعجب ہوا کہ تمہارے ربّ کی نصیحت تم میں سے ایک مرد پر آئی کہ وہ تمہیں ڈر سنائے اور یاد کرو جب قومِ نوح کے بعد تمہیں خلفاء ٹھہرایا گیا اور تمہارے بدنی پھیلاؤ کو بڑھایا تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

حضرت ہود علیہ السلام نے عاد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کو تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک صاحب کی معرفت تمہارے رب کی نصیحت تمہیں پہنچ رہی ہے اور تمہیں اس انجام سے ڈرایا جا رہا ہے، جو اس راہ کے اختیار کرنے والے اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ قوم نوح اس انجام سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس قوم کے بعد تم لوگوں کو تمکن دیا گیا اور تمہارے بدنوں کو قوت و قامت میں بڑھایا گیا اس کرم کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ قوم نوح کے خاتمے کے بعد زندگی کے عمل کو جاری کرنے کے لئے اور زمین کو پھر سے آباد کرنے کے لئے کس قدر کام تھا۔ اور اسے سرانجام دینے کے لئے کس قدر قوت و قامت کی ضرورت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ ہی عطا کر سکتا تھا۔ اس منعم حقیقی نے جو کچھ عطا کیا وہ علم مطلق سے تھا۔ اور اسی عطا کی بدولت سب کچھ سہولت کے ساتھ ہونے لگا۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے والے اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کبھی سرکشی نہیں کرتے۔ شکریہ ادا کرنے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔ جسمانی قوت حسب عمر اس طرح استعمال ہونی چاہئے کہ بدنی اعتدال قائم رہے۔

حاصل : ناصح کی بشریت پر تعجب منکرینِ حق کا طریقہ ہے۔ قوت و قامت عطائے الٰہی ہے اس کو سنبھالنا اور شکریئے کے ساتھ استعمال کرنا فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾

کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے تو لے آؤ جس کا وعدہ دے رہے ہو اگر تم صادق ہو۔

عاد کو حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت فرمائی تو وہ کہنے لگے کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم محض ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے مقابل جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے رہے ہیں انہیں چھوڑ دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو اور اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب جس کا تم وعدہ دے رہے ہو، لے آؤ۔ اللہ کی بندگی کے معنی ان لوگوں پر ضرور واضح ہو گئے۔ یہ حق کے پہنچ جانے کی سند ہے کہ انہیں پتہ چل گیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑوں کے طریق کو چھوڑنے سے انکار کیا۔ اور عذاب الٰہی کے لے آنے کو حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند ٹھہرایا، تو اپنے استکبار کی بدولت وہ حدِ اصلاح سے گزر گئے۔ اللہ کی عبدیت یہ ہے کہ قول و فعل میں اس کی رضا بہرحال مقصود ہو اور شاہد کی معیت میں اس سے تقدم نہ ہو۔ اس طریق زندگی کے اختیار کرنے سے فردی زندگی میں قومی زندگی میں اور بین الاقوامی زندگی میں کیا راحتیں آ سکتی ہیں، کیا سکھ مل سکتے ہیں۔ خوف و حزن سے کیسے نجات مل سکتی ہے۔ اس کا پتہ اس طریق کی باتیں

کرتے رہنے سے، اس کے متعلق اٹکلیں دوڑانے سے کبھی نہیں لگتا۔ شرک یہی ہے کہ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی تجویز کو مانا جائے۔ اس سے ذاتی زندگی میں خوف و حزن پیدا ہوتا ہے۔ اور افراد کے مابین نفرت، قومی زندگی کو کمزور کر دیتی ہے۔ اور بین الاقوامی سطح پر کافروں کو خوفزدہ کرنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ سب صورتیں شرک سے پیدا ہوتی ہیں۔

حاصل : جب ناصحین سے یہ معلوم ہو جائے کہ حال پر کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے تو ان کی صداقت کی سند مانگنے کا منشاء اپنے اعمال کی اصلاح ہونا چاہئے۔ اور اگر ایسی سند مانگی جائے کہ اعمال کے لئے دی گئی توفیق ہی ختم ہو جائے تو یہ استکبار اور بے علمی کی انتہا ہے۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

فرمایا تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب واقع ہو گیا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں پر جھگڑتے ہو، جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں نازل فرمائی۔ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند کے طور پر جب عذابِ الٰہی کو مانگ لیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب واقع ہو گیا۔ ہر جلوت سے پہلے اس کی ایک خلوت بھی ہوتی ہے۔ آپ نے عذاب کے وقوع کو خلوت میں دیکھ کر یہ فرمایا کہ وہ تم پر پڑ گیا۔ انتظار، اس کے جلوت میں وقوع کا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اس قوم کا شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جب ان لوگوں نے آپ کو سچا ماننے کے لئے عذاب الٰہی کی شرط عائد کر دی تو وہ اپنے استکبار کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گھر گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا ہے۔ تمہیں ہر طرح سے نصیحت کی ہے۔ اور تم مجھ سے اپنے اور اپنے بڑوں کے تجویز کردہ ناموں پر جھگڑتے ہو، مفروضات پر جھگڑتے ہو۔ اصطلاحات پر جھگڑتے ہو۔ یہ سب گمان کی صورتیں ہیں۔ اور گمان کسی کو حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنی تجویز سے اتنا لگاؤ ہے کہ تم اسے چھوڑنے پر تیار ہی نہیں اور اب میرے سچے ہونے کی دلیل عذابِ الٰہی کو ٹھہرا رہے ہو، تو انتظار کرو حتیٰ کہ وہ تم پر واقع ہو جائے۔ میں بھی منتظر ہوں۔

حاصل : متکبرین اپنے مفروضات کو، اپنی بنائی ہوئی اصطلاحات کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اپنی تجاویز پر ناصحین سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ جب کوئی حق کی سند کے طور پر عذاب الٰہی مانگنا شروع کر دے تو اس کا قصہ تمام ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ خلوت میں ہو چکا ہوتا ہے جلوت میں ہونے والا ہوتا ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ

تو ہم نے آپ کو اور ان لوگوں کو جو آپ کی

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع ٨/١٦

معیت میں تھے اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی۔ اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے۔ اور وہ ماننے والے نہ تھے۔

جب عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کی سند کے طور پر عذاب الٰہی مانگ لیا اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک نہیں کر سکتے۔ اور ہم تمہیں نہیں مانتے۔ اگر تم سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس کا وعدہ دیتے آ رہے ہو۔ تو آپ نے فرمایا وہ عذاب تم پر واقع ہو چکا. عنقریب تم پر پڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو. اپنی رحمت کے ساتھ، مکذّبین سے الگ کر دیا اور مکذّبین کی جڑ کاٹ دی۔ ان پر اللہ نے ایسی ہوا بھیجی جس نے انہیں ہلاک کر رکھ دیا اور ان کی قوّت وقامت انہیں کچھ مدد نہ دے سکی۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اس ہوا کی زد سے باہر کر دینا اور کافروں کو اس ہوا کی زد میں رکھنا قادر مطلق کی ہی شان ہے۔ جو حق کی تکذیب کرتا ہو، اس کے عمل سے اس کی جڑ کٹنے لگتی ہے۔ اور اگر تکذیب مسلسل ہو تو خاتمے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ مومن حق کو مانتا ہے۔ اس لئے اسے بقاباللہ حاصل ہوتی ہے۔ جسے بقاباللہ مل جائے اس کی جڑ سلامت رہتی ہے۔ مکذّبینِ حق جب بھی مومنین سے الگ ہو جائیں، تو پھر جلد ہی وہ عذاب کے احاطے میں ہوتے ہیں۔

حاصل : جو شاہد کے ساتھ ہو اور اپنی خواہش کی پیروی نہ کرتا ہو۔ وہی اللہ کی رحمت سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ حق کی تکذیب کرنے والوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ حق کی تبلیغ کے بعد جب ماننے والے، نہ ماننے والوں سے الگ ہو جائیں تو نہ ماننے والے جلد ہی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں ارشاد فرمایا ہے:

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ١١/٥٩

اور یہ عاد ہیں کہ اپنے رب کی آیات کے منکر ہوئے۔ اور اس کے رسل کی نافرمانی کی اور ہر بڑے سرکش عناد رکھنے والے کا اتباع کیا۔

رکوع ١٠ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن نشانی آ چکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔ تو اسے چھوڑ دو

فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۷۳

کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے۔ اور اسے برائی کے ساتھ مس نہ کرو۔ پھر تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔

عاد کی ہلاکت کے بعد ثمود کو زمین میں خلافت دی گئی اور حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مخلصین کا پیغام یہی رہا ہے۔ جو اللہ کا ہو جائے۔ اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ رکھتا ہو۔ وہی حقِ بندگی ادا کر سکتا ہے۔ پیغام کا ایک ہونا مخلصین کو ایک ثابت کرنے کی سند ہے۔ آپ نے اس قوم کے مطالبے پر حق کو روشن کرنے کے لئے اور اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے اونٹنی والا معجزہ دکھایا۔ معجزہ وہ حقیقت ہوتا ہے جس کی وضاحت سے انسان عاجز ہو۔ منکرین معجزہ اس لئے طلب کرتے ہیں کہ معجزہ دکھانے والا یقیناً قادر مطلق سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر ہوتا یہی رہا ہے کہ معجزہ طلب کرنے والے معجزہ دیکھ لینے کے بعد اسے جادو کہہ کر من مانی کرنے کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے یہ نشانی طلب کی کہ آپ پہاڑ کی ٹھوس چٹان سے حاملہ اونٹنی پیدا کر کے دکھلا دیں۔ پھر ہم آپ کی صداقت کو مان لیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے وہ اونٹنی پیدا کر دی۔ جو نہ کسی نر سے پیدا ہوئی نہ مادہ سے پیدا ہوئی۔ نہ اس کی خلقت تدریجاً کمال کو پہنچی۔ وہ نشانی جو ان لوگوں نے مانگی تھی۔ وہ ان کے سامنے آ گئی۔ تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ جو تم نے چاہا تھا وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سامنے آ چکا ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے اور یہ تمہارے لئے نشانی ہے۔ اب اس کا ادب بھی تم پر لازم ہے۔ اور اس نشانی کا ادب یوں کرو کہ اسے کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے۔ اسے جب بھی مس کرو بھلائی اور ادب کے ساتھ مس کرو۔ برائی سے مس کرنا یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے سے روکو۔ یا اس کو کسی جگہ دیکھ کر اپنے نقصان کے اندیشے کے تحت، اسے وہاں سے بھگانے کی کوشش کرو۔ اگر ایسا کرو گے۔ تو تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔ جو نشانی تم نے طلب کی ہے۔ اس نشانی کو اب کسی بھی جگہ اپنے لئے دکھ کا باعث نہ جانو۔ تو تمہارا بھلا ہو گا۔ ورنہ عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔

حاصل : مخلصین کا پیغام یہی ہوتا ہے۔ اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ ناصح کی صداقت کی نشانی طلب کرتے وقت یہ عہد کرنا چاہئے کہ اس نشانی کے دیکھ لینے کے بعد کبھی من مانی کرنے کا مقام نہیں آئے گا۔ مطلوبہ نشانی سامنے آ جائے تو پھر اس کا ادب بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اگر اپنی خواہش کو مطلوبہ نشانی کے مقابل زیادہ اہمیت دی جائے تو پھر عذاب واقع ہوتے دیر نہیں لگتی۔

وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ

اور یاد کرو جب تمہیں عاد کے بعد خلفاء ٹھہرایا اور زمین میں تمہیں جگہ دی کہ نرم زمین میں قصر بناتے ہو۔ اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو۔ تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو

الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔

ماضی کی یاد دلانے کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ ماضی میں ناحق کرنے والوں کے انجام سے بھی باخبر رہیں۔ اور اپنے بڑوں کے نقش قدم کو بھی دیکھیں۔ تاکہ یہ واضح ہو کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں کہاں ہونا چاہئے۔ عاد کے بعد ثمود کو خلفاء بنا کر اللہ نے انہیں بہت آسانیاں عطا فرمائیں اور علم تعمیر میں انہیں اس شرف سے نوازا کہ نرم زمین میں بھی وہ لوگ قصر بناتے رہے اور پہاڑوں میں بھی گھر تراشتے رہے۔ نرم زمین میں گھر بنانے کے لوازمات اور سخت چٹان میں گھر تراشنے کے لوازمات مختلف ہوتے ہیں۔ ان دو انتہاؤں کی مہارت یقیناً بڑی توفیق ہے۔ اور یہ توفیق عطائے الٰہی تھی۔ اس توفیق کے ساتھ ساتھ وہ تمام عناصر جن سے وہ لوگ کام لیتے رہے وہ بھی عطائے الٰہی تھے۔ ضرورت کے احساس سے شروع ہو کر سہولت کے حصول تک تمام مقامات پر دیکھا جائے تو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے رکھے ہوئے خزانوں کی بدولت حضرت انسان آگے بڑھ رہے ہیں۔ اب منعم حقیقی کا شکریہ ادا نہ کرنا اور اس کی نعمتوں سے استفادہ کرتے رہنا، زمین میں فساد مچانے والی بات ہے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مقابل اپنی خواہشات پر خرچ کرنا ہی زمین میں فساد مچانا ہے۔ اور عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کے خلاف اور رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا ہی اس فساد کو ختم کر سکتا ہے۔

حاصل : اگر حال پر راستہ مشکوک ہو جائے تو ماضی کی طرف دیکھ کر شک کو دور کرنا چاہئے۔
توفیق ایزدی کو عطائے الٰہی جان کر شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اللہ کی نعمتوں کو اس کی رضا کے خلاف اور اپنی خواہش کی پیروی کے لئے استعمال کرنا زمین میں فساد مچانا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

آپ کی قوم کے استکبار کرنے والوں نے ایمان لانے والے کمزور لوگوں سے کہا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کے مرسل ہیں، کہنے لگے ہمارا تو اس پر ایمان ہے، جس کے ساتھ انہیں بھیجا گیا ہے۔

استکبار کرنے والے شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لئے حق کا انکار کرتے رہتے ہیں۔ ایمان لانے والے لوگ استکبار سے بچتے ہیں۔ اس لئے کہ اسباب پر قدرت کا زعم تو انہیں ہوتا ہی نہیں۔ پھر انہیں جستجو بھی ہوتی ہے کہ حال پر صراط مستقیم پر رہنے والے انعام یافتہ حضرات سے میل جول ہو۔ انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ راحت کے حصول کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔ ثمود میں سے استکبار کرنے والوں نے ایمان لانے والے، غریبوں سے پوچھا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ صالح علیہ السلام اپنے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں ایمان والوں نے یہ کہا کہ ہم تو اس پیغام پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو ان کی بدولت ہم تک پہنچا

ہے۔ جس کی صداقت کا اعتراف ہو اسی کی بات کا اثر قبول کیا جاتا ہے۔ اور جس کے فرمان سے اپنا رخ سیدھا کیا جائے پھر ظلمات سے نور کی طرف آنے کا شرف حاصل ہو۔ اس کی صداقت کو قلباً تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس کی صداقت کو دل مان لے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ متاعِ حیات دنیا کی کوئی مقدار پھر کبھی مرعوب نہیں کرتی۔

حاصل : استکبار شیطان کی صفت ہے۔ اس سے اپنے ماحول کو پاک رکھنا چاہئے۔ متکبرین ایمان والوں سے ان کے مطاع کی صداقت کے بارے میں پوچھیں، تو ایمان والے یہ جواب دیتے ہیں۔ مطاع کو اللہ نے جس شرف سے نوازا ہے، محدود علم سے اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم تو اس حق پر بھی ایمان رکھتے ہیں، جو ہمارے صاحب کی بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ جس کی صداقت کو دل سے مان لیا جائے، اس سے محبت ہو جاتی ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

استکبار کرنے والے لوگوں نے کہا کہ جس پر تم ایمان لاتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

استکبار کرنے والوں نے جب حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو کامل پایا تو انہوں نے یہ کہا کہ جس پر تم ایمان لاتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ متکبرین حق کے انکار میں یک زبان ہوتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ حق کو ماننے والے ان کی ملّت میں لوٹ آئیں۔ انہیں ڈر اس بات کا ہوتا ہے کہ حق کے ماننے والوں کے بڑھ جانے سے انسانوں کے مابین رشتے خوف سے پاک ہو جائیں گے لوگوں کے اندر عدم تحفظ کا احساس جڑ نہیں پکڑ سکے گا اور استکبار کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ جب مادے کے مقابل اخلاقی قدریں کسی کو لائق تکریم ٹھہرائیں تو مادے سے مرعوب ہونے کا سوال ہی کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اور استکبار تو اس مسلسل کوشش کا نام ہے، جس میں منشاء اپنے ماحول کو اپنی مادی حیثیت سے مرعوب کرتے رہنا ہی ہوتا ہے۔

حاصل : حق کے انکار میں متکبرین یک زبان ہوتے ہیں۔ انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ اگر حق طریق زندگی ہو جائے تو استکبار کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب مادی حیثیت کے مقابل تکریم، اخلاق حسنہ کے حوالے سے ہو تو لوگ مادی حیثیت سے مرعوب ہی کیوں ہوں گے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے امر سے سرتابی کی اور کہنے لگے، اے صالح علیہ السلام لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے۔ اگر تم مرسلین سے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کی جو سند ثمود والوں نے طلب کی تھی، وہ اونٹنی تھی، جو ان کے مطلوبہ مقام سے پیدا کی گئی۔ اور جس کے بارے میں یہ ارشاد فرما دیا گیا کہ اسے اللہ کی نشانی جانو اور خبردار رہو کہ اسے برائی سے مس کرنے کے نتیجے میں تمہیں عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ جب ثمود نے دیکھا کہ جو نشانی انہوں نے طلب کی تھی، وہ ان کی خواہشات کی تکمیل میں حائل ہو رہی ہے تو انہوں نے امر الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی خواہش کی پیروی کی۔ اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہنے لگے کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو اب وہ عذاب لے آؤ جس سے ہمیں ڈرایا کرتے ہو۔ ثمود نے جب اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو در حقیقت انہوں نے اپنی جڑ کاٹ دی۔ جہالت کی انتہا یہی ہوتی ہے کہ ناصح کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے وہ نشانی مانگی جائے جس کے آ جانے کے بعد تسلیم و فلاح کا امکان ہی نہ رہے۔

حاصل : امر الٰہی کے خلاف کرنے کی حقیقت اپنی بیخ کنی ہوتی ہے۔ جاہل سرکشی کی انتہا پر پہنچ کر ناصح سے وہ نشانی مانگتا ہے، جس سے اس کا خاتمہ ہو جائے اور تسلیم و فلاح کا امکان ہی باقی نہ رہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

تو ان کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ پھر صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ کی اونٹنی کو برائی سے مس کیا۔ اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور حضرت سے یہ کہنے لگے کہ اگر تم اللہ کے بھیجے ہوئے ہو، تو پھر ہم پر عذاب لے آؤ۔ اللہ کا عذاب آیا اور وہ زلزلے کے ساتھ پکڑ لئے گئے۔ پھر وہ بھاگ نہیں سکے اور صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ جب لوگ حق کی تکذیب کرتے کرتے اپنے انجام سے بے خوف ہو جاتے ہیں تو اللہ کی پکڑ کے قریب پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ جب پکڑ لئے جاتے ہیں تو وہ حق کو مان لیتے ہیں، حق بیان کرنے والے کی صداقت کو مان لیتے ہیں، مگر یہ ماننا عمل کے لئے دی گئی توفیق کے خاتمے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے نافع نہیں ہوتا۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا نہیں ہوتا۔ قول سچا ہی ہو تو نافع ہوتا ہے۔

حاصل : جب عذاب الٰہی کو ناصح کی سند صداقت جان کر طلب کیا جائے، تو عذاب الٰہی کو آتے دیر نہیں لگتی۔ پھر اس سے بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور سچا ہو تو نافع ہوتا ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا، اے میری قوم بے شک میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچا چکا۔ اور تمہیں نصیحت کرتا رہا، لیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہیں۔

جب ثمود عذاب الٰہی میں پکڑ لئے گئے اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا، اے میری قوم بے شک میں تمہیں ارشادات ربانی پہنچاتا رہا۔ تمہیں نصیحت کرتا رہا۔ تمہیں تمہاری بھلائی کی طرف بلاتا رہا۔ عذاب الٰہی کی پکڑ سے تمہیں خبردار کرتا رہا۔ لیکن تمہیں ناصحین سے محبت ہی نہ تھی۔ اس لئے تمہیں نصیحت نے فائدہ نہ دیا۔ ناصح سے محبت ہو تو اس کا ادب کیا جاتا ہے۔ اس کا ادب کیا جائے تو اس کے علم سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ اگر اسے اپنے جیسا یا اپنے سے کمتر جانا جائے تو پھر اس کے علم سے استفادہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ارشاد قوم کی ہلاکت کے بعد ہوا۔ ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت کا باعث، ناصحین سے عدم محبت بتایا گیا۔ اس سے حال پر موجود لوگوں کو اور بعد میں آنے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ جس کی صداقت کو اپنے مشاہدات کے حوالے سے مان لیا جائے، اس کا ادب لازم ہے۔ اس سے محبت کرنی چاہئے۔ اور محبت ہو تو استکبار کا خاتمہ ہوتا ہے اور اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اپنے صاحب کی صداقت میں محبّ کو کسی مقام پر بھی تضاد نظر نہیں آتا۔ جیسے جیسے وہ نفس امارہ کے امر کے مقابل اپنے صاحب کے امر کو مانتا ہے وہ اپنے صاحب کے قریب ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ طالب، مطلوب ایک ہو جاتے ہیں۔ وجود تو دو ہی نظر آتے ہیں۔ حقیقت ایک ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا ساتھ ہے جو قیامت کے بعد بھی جاری رہے گا۔

حاصل : جب کسی جگہ اپنا کام پورا ہو جائے تو اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ جس کی صداقت کو اپنے مشاہدات کے حوالے سے مان لیا جائے، اس سے محبت رکھنی چاہئے۔ اس سے فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ جس کا ادب ہر مقام پر ہو محبت ہوتی اسی سے ہے۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾

اور لوط علیہ السلام، جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہاں میں کسی نے نہ کی۔

حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تو آپ نے لوگوں کو اللہ کی عبودیت کی راہ اختیار کرنے کی تاکید کی اور فرمایا کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے نام کو بھی نہ تھی۔ جو برائی پہلے سننے میں آتی ہو، یا دیکھنے میں آتی ہو، یقیناً اس کا کرنا بھی گناہ ہے۔ مگر کسی برائی کی ابتدا کرنا اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے حوالے سے برائی کے جال میں پھنسانا بہت بڑا گناہ ہے، انتہائی بے حیائی ہے اور اپنے انجام سے بے خوف ہونے کی سند ہے۔ جو لوگ کسی بے حیائی کی ابتداء کرتے ہیں، ان کو بھی دعوت خیر دینا حق ہے۔ اور اس حق کو وہی پورا کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو۔

حاصل : کسی بے حیائی کی ابتداء کرنا، لوگوں کو ان کی خواہشات کے حوالے سے برائی کے جال میں پھنسانا بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر ان کو بھلائی کی طرف بلانا، ان کے حال اور مستقبل کو ان پر واضح کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضروری ہے۔ ہمیں برائی سے ضرور دور رہنا چاہئے۔ مگر برائی سے دوری کے معنی، برے سے دوری کے نہ ہوں ورنہ بھلائی کرنے والے پر جو حق عائد ہوتا ہے، اس

کی ادائیگی محال ہو جائے گی۔ اور بھلائی کرنے والے سے اس کے حق کی پوچھ تو ضرور ہو گی۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾

تم تو عورتوں کے مقابل مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو۔ بلکہ تم اسراف کرنے والی قوم ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تم شہوت کے مارے، عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر دوڑتے ہو۔ بلکہ تم اسراف کرنے والے لوگ ہو۔ جو عطا معطئ مطلق کی طرف سے بقاءِ نسل کے لئے ہے، اس کے استعمال میں حدود شرعی سے تجاوز کرنا اور عملاً ابقاءِ نسل کے منشاء کا ہی انکار کر دینا یقیناً اسراف ہے۔ مسرفین افادیت کے مقابل لذّت کو مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔

حاصل : حسب اجازت شرع عورت کے پاس بقاءِ نسل کے منشاء کے ساتھ شہوت سے جانا، امر الٰہی کی اطاعت کرنا ہے۔ مردوں کے پاس شہوت سے جانا، عطائے الٰہی کو اپنی خواہش کی پیروی میں ضائع کرنا ہے، اسراف ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور آپ کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا۔ مگر یہی کہ نکالو ان کو اپنے قریئے سے یہ لوگ تو پاکیزگی ہی چاہتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بیان کو سن کر آپ کی قوم نے کچھ جواب نہ دیا۔ ان کے چپ رہنے سے یہ واضح ہو گیا کہ انہیں حضرت کے بیان سے انکار نہیں ہے۔ مگر یہ اس برے فعل سے باز آنے کو بھی تیار نہیں ہیں، جس سے انہیں روکا جا رہا ہے۔ جب کسی عمل کے برے ہونے کا یقین ہو اور اس کو چھوڑنا بھی گوارا نہ ہو تو پھر اس عمل کو برا کہنے والے کو دور کرنا بہت ضروری نظر آنے لگتا ہے، تاکہ خواہشات کی پیروی میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان اصلاح کرنے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرنا چاہئے۔ یہ تو پاکیزگی کے علاوہ کچھ چاہتے ہی نہیں ہیں۔ جب پاکیزگی کا پتہ ہو اور ناپاکی کے ساتھ ایسا لگاؤ ہو کہ پاکیزگی پر عمل پیرا حضرات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو پھر عمل کے لئے دی گئی توفیق قریب الاختتام ہوتی ہے۔

حاصل : اپنا حال ناصح کی زبان پاک سے سن کر کچھ جواب نہ دیا جائے، تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ برائی کے ارتکاب کا اقرار تو ہے مگر اسے چھوڑنے سے صریحاً انکار ہے۔ جب برائی سے ایسا لگاؤ ہو تو پھر پاکیزگی کی طرف بلانے والوں کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ

تو ہم نے آپ کو اور آپ کے اہل کو نجات

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

دی، سوائے آپ کی عورت کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو جس انجام سے آگاہ کیا تھا، اس کے وقوع سے قبل اللہ نے آپ کو اور آپ کے سب اہل کو اس قریئے سے نکال لیا۔ مگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہ تھی۔ اس لئے وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوئی۔ جو حال پر عملاً ساتھ نہ ہو وہ نتیجے کے وقت کبھی ساتھ نہیں رہ سکتا۔ جس کو مخلصین سے قرب مکانی حاصل ہو، اور دل اس کا کافرین سے لگا ہوا ہو۔ وہ مخلصین کے ساتھ نظر بھی آئے تو حقیقتاً وہ ان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ساتھ تو محبت سے ہوتا ہے۔ جس سے محبت ہو اس کا ساتھ ہوتا ہے۔ اور محبت کسی فاصلے کو نہیں جانتی۔

حاصل : جو حال پر عملاً ساتھ ہو وہ انجام کے وقت بھی ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ محبت ہو وہ کہیں بھی ہو، لگاؤ اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔ قربِ مکانی کبھی ساتھ کی سند نہیں ہوتا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۗ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۱۰

اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا۔ تو دیکھو مجرمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل کے نکال لینے کے بعد، جن میں آپ کی بیوی شامل نہ تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر پتھروں کی بارش کی گئی اور انہیں مٹا کر رکھ دیا گیا۔ پھر مجرمین کو کہیں پناہ بھی نہ ملی۔ اور وہ بھاگ بھی نہ سکے۔ مجرم اور مسلم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ مجرم حق کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ مسلم اپنی خواہش کے مقابل حق کا اتباع کرتا ہے۔ جن کا عمل ایک رخ پر نہ ہو، ان کا انجام بھی ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ مجرمین کا انجام یقیناً عبرتناک ہوتا رہا ہے۔ اس انجام سے بچنے کے لئے، مجرمین کے ساتھ سے اجتناب ضروری ہے۔

حاصل : جہاں رخ حق کے خلاف ہو، وہاں انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ اس لئے توفیق الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے میں ہی فلاح دارین ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے:

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ج فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۴۴/ ۲۳

جب کسی امت کے پاس اس کے رسول تشریف لائے، انہوں نے اس کو جھٹلایا، تو ہم نے اگلوں سے پچھلے ملا دئے اور انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ تو دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

السلام کو بھیجا۔ فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن نشانی آ چکی ہے۔ تو ناپ اور تول کو پورا رکھو۔ اور لوگوں کی اشیاء انہیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ مچاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین والوں کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میری رسالت کی یقینی نشانی تمہارے سامنے تمہارے رب کی طرف سے آ چکی ہے۔ اب تمہیں تسلیم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس لئے میرا کہا مانو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ناپ اور تول کو پورا رکھو۔ لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو۔ زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ یہ باتیں تمہارے ایمان کو ثابت کریں گی۔ ناپ اور تول کو پورا رکھنا یہ ہے کہ لین دین میں معروف معیاری پیمانے استعمال کئے جائیں۔ اور لوگوں کو ان کی اشیاء پوری دی جائیں۔ خرید و فروخت کے پیمانے الگ الگ نہ ہوں۔ پیمانے اس طرح استعمال نہ کئے جائیں کہ لینے والے کو بظاہر ٹھیک نظر آئیں مگر دینے والا حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے ناجائز منافع کما رہا ہو۔ معاشرتی معاملات میں لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہوں۔ دوسروں کے حقوق کی حفاظت کو اللہ کی بندگی کے لوازمات سے جانتے ہوں۔ اپنے ساتھ زیادتی ہو جائے تو متانت کے ساتھ صبر کریں تو یہ سب باتیں زمین میں اصلاح کو روشن کرتی ہیں۔ اگر اپنی خواہش کی پیروی کے لئے باہمی اعتماد کو مٹانے کی کوشش کی جائے، لیتے وقت زیادہ لینے کی تگ و دو ہو۔ دیتے وقت گھٹا کر دینے کی سعی ہو۔ اپنے ساتھ زیادتی ہو تو شور مچا دیا جائے اور دوسروں کے ساتھ زیادتی نظر آ جائے تو خاموشی اختیار کر لی جائے۔ تو یہ سب باتیں زمین میں فساد کو ثابت کرتی ہیں۔ مومنین کا حق یہی ہے کہ وہ اصلاح کو مستحکم کریں اور فساد کو جڑ نہ پکڑنے دیں۔ اللہ کی بندگی حقوق العباد کے بغیر ہو تو ایمان کا دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔

حاصل : پیغام حق ایک ہی ہوتا ہے اس مین حال پر لوگوں کو فساد سے بچنے کی تاکید کی جاتی ہے اور اصلاح کو مستحکم کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اللہ کی بندگی صرف قول سے نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قولی عبادت کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو اس طرح پورا کیا جائے کہ باہمی معاملات درست رہیں اور باہمی اعتماد کو نقصان پہنچانے والی حرکات و سکنات لوگوں پر اس طرح واضح کی جائیں کہ انہیں ان سے کراہت ہو جائے۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور راستوں پر یوں نہ بیٹھو کہ لوگوں کو ڈراؤ اور انہیں اللہ کی راہ سے روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو اور یاد کرو جب تم قلیل تھے تو اس نے تمہیں کثیر کیا اور نظر کرو مفسدین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

راستوں کو غیر محفوظ بنانے کی کوشش کرنے والے مفسد ہوتے ہیں، اور لوگوں کو ڈرا کر معاشرتی زندگی میں اصلاح کو مٹانے پر کمربستہ رہتے ہیں۔ پاک لوگوں کو ڈرانے کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ انہیں نیکی سے روکا جائے۔ انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کی جائے اور جس حوالے سے وہ بات کرتے ہوں، جس حوالے سے وہ اپنے اعمال کی اصلاح کرتے ہوں اس حوالے تک پہنچنے کا راستہ روک دیا جائے۔ پھر اس حوالے میں عیب نکالے جائیں اس پر نکتہ چینی کی جائے۔ لوگوں کو شبہات میں پھنسایا جائے۔ قریب کے فائدے دکھائے جائیں اور حقیقی فائدوں کو مفروضات ثابت کیا جائے ان سب باتوں کا مقصد اللہ کی راہ میں کجی چاہنا ہوتا ہے۔ کسی بھی راستے پر بیٹھنے کا منشاء راہ گیروں کو آسانی مہیا کرنا ہو تو بڑی نیکی ہے۔ اور اگر اس کا مقصد لوگوں کو ڈرانا ہو تو یہ بہت بڑی برائی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ماضی یاد دلایا کہ تم قلیل تھے اور اللہ نے تمہیں کثیر کر دیا۔ قلیل ہونے کی وجہ سے تمہارے جو مسائل تھے وہ اللہ نے تمہیں کثرت دے کر حل کر دئے اور تمہاری اجتماعی زندگی میں قوت آگئی۔ اس قوت کے ساتھ اگر زمین میں فساد برپا کرو گے تو پہلے مفسدین کے انجام پر بھی نظر رکھو۔ وہ تم سے قوت میں کم نہیں تھے۔ ان کے انجام سے عبرت پکڑنا تمہارے لئے باعثِ فلاح ہے، ورنہ تم بھی اسی انجام کو پہنچو گے۔

حاصل : مفسدین راستوں کو غیر محفوظ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے، مخلصین تک پہنچنے کے راستوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگوں کو شبہات میں پھنسا کر گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ صحت مند افراد کی تعداد میں اضافہ ہو تو یہ بڑی رحمت و برکت کی بات ہے۔ تعداد کوئی ہو، اللہ کی قدرت کے احاطے سے باہر نہیں ہوتی۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ

اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لایا ہے، جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ نے نہیں مانا ہے، تو صبر کرو حتیٰ کہ اللہ ہمارے مابین حکم فرما دے۔ اور

اللّٰهُ بَیْنَنَاۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ سب سے بہتر حکم کرنے والا وہی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب فرمایا کہ پیغام حق کو سن کر تم لوگ بٹ گئے ہو۔ ایک گروہ حق کو مان رہا ہے۔ اور ایک گروہ انکار کر رہا ہے۔ تو اب باقی یہی رہ گیا ہے کہ انتظار کیا جائے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ آ جائے۔ سب سے بہتر فیصلہ تو اسی کا ہوتا ہے۔ حق پر ایمان لانے والے اپنے اعمال کی جزا کا یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے اعمال کی اصلاح کا یقینی راستہ اختیار کرنا انہیں اپنی ضرورت معلوم ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والے جزا کا انکار کرتے ہیں۔ حق بیان کرنے والے کی صداقت کی سند کو دیکھ لینے کے بعد وہ اپنی خواہشات کی پیروی کو ضروری جانتے ہیں۔ جہاں یہ دونوں گروہ واضح ہو جائیں اور الگ الگ ہو جائیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا حکم آنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھلائی کرنے والے بھلائی کا انجام پاتے ہیں۔ برائی کرنے والے برائی کا عبرتناک انجام پاتے ہیں۔ جب استدلال کی گنجائش ہی نہ رہے، تو پھر لوگوں کو انجام کا انتظار کرنے کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے کی شان ملاحظہ ہو کہ اس کا فیصلہ کبھی خواہش کے تابع نہیں ہوتا۔ اس کا فیصلہ ظلم سے پاک ہوتا ہے۔ عالمین کو پہلے بتا دیا جاتا ہے کہ انعام یافتہ حضرات کی معیت باعثِ فلاح ہے اور ان سے عدم محبت باعثِ خسران ہے۔ انہیں مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے دعاوی کے مطابق عمل کر سکیں۔ وہ اپنے تجربات، مشاہدات کی بنا پر حق کو مان لیں یا نہ مانیں، پھر شاہد ان کے حال پر شہادت دیتا ہے اور وہ اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

حاصل : انعام یافتہ حضرات کا ساتھ ہی باعثِ فلاح ہوتا ہے۔ جہاں لوگ استدلال کو ماننے سے انکار کر دیں، تو پھر انہیں انجام کا انتظار کرنے کو کہنا چاہئے۔ ہمارے فیصلے کو بھی ہمارے عبداللہ ہونے کا مظہر ہونا چاہئے۔ اس میں ذاتی رنجش کبھی نہ ہو، خواہش کبھی نہ ہو اور جلد بازی کبھی نہ ہو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾ۚ

آپ کی قوم کے استکبار کرنے والے سرداروں نے کہا، اے شعیب (علیہ السلام) ہم آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو یقیناً اپنے قریے سے نکال دیں گے۔ یا آپ ہماری ملّت میں لوٹ آئیں۔ فرمایا، کیا اگرچہ ہمیں اس سے کراہت ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے استکبار کرنے والے سرداروں نے کہا، اے شعیب (علیہ السلام) ہم یقیناً آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ ہماری بستی میں رہنے کی آپ کے لئے اور آپ کے مومن ساتھیوں کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ آپ لوگ ہماری ملت میں لوٹ آئیں۔ ملت، عقائد سے بنتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ اس لئے حکمِ خداوندی کے مطابق اظہارِ حق سے پہلے بھی ان کی حیات طیبہ میں کوئی بات پاکیزگی کے

خلاف نہ تھی۔ مگر اظہارِ حق سے پہلے لوگ ان کو اپنے جیسا جانتے تھے۔ اس لئے ماضی کی اس کیفیت کی بات کر رہے تھے۔ اس لوٹ آنے کے معنی یہی ہیں کہ جو کچھ ہو رہا تھا اس پر آپ پہلے خاموش تھے۔ اب بھی آپ کو خاموش رہنا چاہئے ورنہ ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا۔ ہمیں تو اس ملت سے کراہت ہے، جس کا طریق زندگی کفر، فسق اور عصیاں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ پاک لوگوں کی حیاتِ طیبہ کو دیکھنے والے اس پر گواہ رہے ہیں اور رہیں گے کہ ان کے ہاں تسلیم سے لے کر وصال تک کہیں بھی حق کی ادائیگی کسی سہولت سے مشروط نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفالت کا یقین ہر مقام پر باعثِ استقامت ہوتا ہے۔

حاصل : قوم کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ملت ضرور عقائد سے بنتی ہے۔ کافر ہمیشہ اپنی ملت کے لئے مخلصین کی موجودگی میں خطرات محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے انہیں اپنی ملت میں لوٹ آنے کو کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ الگ کر دینے کی، مقاطعہ کر دینے کی اور سہولتیں چھین لینے کی دھمکی بھی ہوتی ہے۔ مگر رشد و ہدایت والے ہمیشہ کفر سے، فسق سے اور عصیاں سے کراہت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کفیل ماننے والوں کو جو استقامت ملتی ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتی۔ محسوس ہی کی جا سکتی ہے۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اگر ہم تمہاری ملّت میں لوٹ آئیں، تو یقیناً یہ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والی بات ہو گی۔ بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی ہے اور ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم اس میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ اللہ چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے ربّ کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے ربّ، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس دھمکی کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔ جب قوم نے یہ کہا تھا کہ اگر آپ ہماری ملت میں لوٹ کر نہ آئے تو ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والوں کی ملت میں جو بھی شامل ہو گا، وہ یقیناً ان کا ساتھی ہو گا۔ قولاً بھی، عملاً بھی۔ جو لوگ اپنے ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں وہ اندھیرے میں رہتے ہیں۔ جو حق کی پیروی کرتے ہیں وہ نور والے ہوتے ہیں۔ نور والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ظلمات کی طرف لوٹ جائیں۔

مشیتِ الٰہی کے سامنے کسی کی مجال ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ ہر شے کا خالق ہے اور عالمین کی ربوبیت کرتا ہے۔ کوئی شے اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو، یہ ممکن نہیں۔ جب ہر شے پر اس کا علم وسیع ہے تو پھر ہر شے کا صحیح استعمال اس کے فرمان کی اطاعت سے ہی ممکن ہے۔ جس شے کا استعمال بھی ظن وگمان سے ہو گا اور خواہش کے تحت ہو گا، اس سے کبھی سکھ نہیں ملے گا۔ اگر وقتی طور پر اس میں کچھ فائدہ بھی نظر آ رہا ہو تو اس فائدے کے پیچھے بہت بڑا نقصان ضرور موجود ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہاری اس دھمکی کے جواب میں ہم اپنا حال بیان کرتے ہیں۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ ہمیں درکار تھا، اس کی طرف سے عطا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس کے علاوہ کوئی معطیٔ مطلق نہیں ہے۔ اس لئے یہ ذرہ بالکل نہیں ہے کہ اللہ کی مشیت کے خلاف ہم پر کوئی مصیبت آ جائے گی۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی اے ہمارے رب، ہمارے اور ہماری قوم کے مابین فیصلہ کر دے تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے بعد کسی کا ظلمات سے نور کی طرف آنا ممکن نہیں تھا کہ آپ نے نتیجے کے لئے دعا کر دی تھی۔ اس قوم کو عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی تھی۔

حاصل : مکذبینِ حق اپنی ملّت میں لوٹ آنے کی دعوت دے رہے ہوں، تو جواب میں یہی کہنا چاہئے کہ یہ ہمیں زیب نہیں دیتا۔ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ وہی معطیٔ مطلق ہے۔ جب منکرینِ حق اپنے عقائد کو چھوڑ کر حق کو ماننے کا قطعی انکار کر دیں، تو پھر یہ دعا کرنی چاہئے۔ "ربنا فتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین ○

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور آپ کی قوم سے کافر سرداروں نے کہا اگر تم شعیب (علیہ السلام) کا اتباع کرو گے، یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔

کافر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے والوں سے یہ کہا کہ اگر تم حضرت کا اتباع جاری رکھو گے تو تم یقیناً خسارے میں پڑو گے۔ یہ تو ناپ اور تول کو پورا رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ ان کا حکم ہے کہ لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو۔ یہ ہمارے طریقے کو فساد بتاتے ہیں۔ مگر تم یہ تو دیکھو کہ اگر تم اکثریت کے رویئے سے ہٹ کر چلو گے تو کہاں تک چل سکو گے۔ اگر تم اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہوئے ناپ اور تول کو پورا رکھو گے، لوگوں کو ان کی اشیاء گھٹا کر نہ دو گے تو یقیناً تم ہمارے مقابل تجارت میں خسارہ اٹھاؤ گے۔ اور اسی راستے پر چلتے رہنے سے یہ خسارہ انتہائی بھی ہو سکتا ہے۔

حاصل : حق کے خلاف باتیں کرنے والے لوگ، حق پر قائم رہنے والوں کو اپنے مقابل خسارے میں دیکھتے ہیں اور مومنین پر اپنے احساس کو واضح بھی کرتے ہیں۔ جہاں وقتی اور قلیل فائدہ نظر میں ہو اور حقیقی اور دائمی فائدہ نظر میں نہ ہو وہاں سے نصیحت لینا، خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿۹۱﴾

پھر انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والوں نے جب آپ کی مخالفت کو اپنا طریق زندگی بنالیا اور لوگوں کو بہکاتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ شعیب علیہ السلام کی پیروی کا انجام تو خسارہ ہی ہو سکتا ہے تو حضرت نے یہ دعا کی کہ یا اللہ ہمارے اور ہماری قوم کے مابین، ہمارے اعمال کے نتیجے کو، حق کے ساتھ کھول دے۔ اس کے بعد منکرین حق کو زلزلے نے پکڑ لیا۔ اور صبح کو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حاصل : جب اعمال حق کے خلاف ہوں تو ان کے نتائج سے بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ توفیق دینے والا ہی جزا بھی دیتا ہے۔ اگر جزا فلاح کی صورت میں مطلوب ہو، تو ایمان کے ساتھ صالح اعمال کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَيۡبًا كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ۛۚ اَلَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَيۡبًا كَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۹۲﴾

شعیب علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارے والے ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر سردار اور ان کے ساتھی حق کی تکذیب کرتے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے اعمال کے انجام سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ لوگ تو آپ کی پیروی کو باعث خسارہ جانتے تھے اور خلاف حق کرنے میں انہیں بھلائی نظر آتی تھی۔ اس لئے وہ تیزی کے ساتھ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ زلزلے میں پکڑ لئے گئے۔ اور اس طرح مٹا دیئے گئے کہ گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ وہ جو حضرت کی پیروی کو باعث خسارہ بتاتے تھے، ان کا انجام یہ واضح کر رہا تھا کہ خسارے کا باعث حضرت کی عدم پیروی ہے۔

حاصل : حق کی تکذیب کرنے والے ایسے مٹا دیئے جاتے ہیں، جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ مخلصین کی مخالفت باعث خسارہ ہوتی ہے۔ جس کی بات، سننے والوں کی بھلائی کے لئے ہو اور اس کی خواہش کے تحت نہ ہو، اس کی بات کو ادب سے ماننا چاہئے۔

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ‌ۚ فَكَيۡفَ اٰسٰى عَلٰى قَوۡمٍ كٰفِرِيۡنَ ﴿۹۳﴾

تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا، اے میری قوم، یقیناً میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کرتا رہا۔ تو اب انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کروں۔

یہ منکرین حق کے انجام پر گواہ ہونے کا مقام ہے۔ شاہدین حق انذار ادا کرتے ہوئے منکرین حق کو ان کے انجام سے پوری طرح آگاہ کرتے ہیں۔ حق کے پہنچانے پر اور نصیحت کرنے پر، لوگوں کی مخالفت انہیں متاثر نہیں کرتی۔ وہ حکمِ الٰہی کی اطاعت بہرحال کرتے ہیں، اور انجام پر گواہ ہونے تک ان کا کام جاری رہتا ہے۔ حق کو پہنچانا حکم خداوندی سے آگاہ کرنا ہے۔ اور عملاً حکم خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت دینا، انہیں نصیحت کرنا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی انکار کی راہ اختیار کرتا ہے، تو وہ بھول کر گرفتارِ عذاب نہیں ہوتا۔ اسے ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ وہ ان کی معیت کو باعث خسارہ جانتا ہے۔ اس لئے اس کے انجام پر انہیں افسوس کیوں ہو۔

حاصل : شاہدین انجام کے واقع ہونے تک منہ نہیں پھیرتے۔ اور حق کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں۔ ہمیں بھی شاہدین کی معیت میں رہنا چاہئے اور حق کو سن کر عقل کرنی چاہئے۔

شہادت : حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ اور تول کے پورا رکھنے کا حکم دیا اور عدم اطاعت کے نتیجے سے بھی آگاہ کر دیا اور بتا دیا کہ منکرینِ حق عذاب کے احاطے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ منکرین نے کہا ہم تمہیں ضعیف دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو تمہیں سنگسار کر دیتے۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝ ۱۱/۹۱

اور تم ہم پر کچھ عزت والے نہیں۔ ۱۱.۹۱

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ (۹۴)

اور ہم نے کسی قریئے میں نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے اہل کو سختی اور تکلیف میں پکڑا، تاکہ وہ گڑگڑائیں۔

حق کی طرف مائل ہونے میں مدد دینے کے لئے، مشاہدات کے حوالے سے قدرتِ الٰہی کے سامنے اپنی بساط کا تعین کرنے کے لئے، لوگوں کو ایسے حالات سے گزارا جاتا ہے، جہاں وہ سختی اور تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی ذات کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا غلبہ نظر آتا ہے، اپنی ذات کے باہر بھی ایسی بے بسی نظر آتی ہے، جس کو فکر انسانی سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ اندر بھی بے بسی کا احساس ہو، باہر بھی بے بسی نظر آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور گڑگڑانے میں ہی اپنی نجات نظر آتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت کا اور اس کے سامنے اپنے مطلق عجز کا یقین قائم رہے، تو حق سے اعراض کا امکان نہیں رہتا۔ انبیاءِ کرام کی بعثت کے وقت، لوگوں کو ایسے سہارے دئے جاتے رہے ہیں، جن سے معیت حق میں یقین سے رہنا آسان ہو جاتا ہے۔

حاصل : سختی اور تکلیف کے وقت گڑگڑانا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی مطلق قدرت کو ماننے کا

ثبوت، خلوت و جلوت میں حق کا اتباع ہے۔ اپنی پسند کو اہمیت نہ دینے میں سلامتی ہے۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

پھر ہم نے دکھ کی جگہ سکھ دے دیا۔ حتیٰ کہ وہ بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ تکلیف اور خوشی تو ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتی رہی ہے۔ تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ اور انہیں شعور نہ تھا۔

دکھ کے وقت انسان، اپنے اندر اور باہر بے بسی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اور قادر مطلق سے دکھ کے دور کرنے کی دعائیں بھی کرتا رہتا ہے۔ تضرّع کے ساتھ اظہار عبدیّت کرتا ہے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانیاں عطا فرما دی جاتی ہیں، تو ایک وقت کے بعد جب مال و جان میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے تو ماضی کی سختی اور تکلیف میں گڑگڑانا بھی یاد آتا ہے۔ مگر ماضی کے تضرع پر یہ کہا جاتا ہے کہ تکلیف اور خوشی تو پہلے لوگوں کو بھی ہوتی رہی ہے۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھنے کا رویّہ درست نہیں تھا۔ یہ بیان ماضی کے تضرّع کو بے حقیقت ثابت کر دیتا ہے۔ سختی اور تکلیف کے وقت فکر انسانی کو عاجز دیکھ کر ہی گڑگڑانے کا مقام آتا ہے۔ اور تضرّع ہمیشہ شعور سے ہی ہوتا ہے۔ اگر آسانیوں کو دیکھا جائے، اور آسانیاں عطا کرنے والے کو نہ دیکھا جائے تو عطائے الٰہی کی ناشکری ضرور ہوتی ہے اور اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔ اس مقام پر پہنچ جانے والا اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس نے حق کو قبول کرنے کا عہد توڑ دیا ہے۔ پھر اسے اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔

حاصل : سختی اور تکلیف میں تضرع کے ساتھ قادر مطلق کو ماننا دعویٰ ہوتا ہے اور یہ دعویٰ تبھی سچا ثابت ہوتا ہے جب عطائے بے بہا کے وقت معطیٔ مطلق کو دیکھا جائے، اور سعی اس کی رضا کے حصول کے لئے ہو۔ جو حق کو تسلیم کرنے کے دعوے کو ہی قطع کر دیتا ہے، اسے اچانک پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے شعور بھی نہیں ہوتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمانوں سے اور زمین سے برکات کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی، تو ہم نے انہیں ان کے کسبوں پر پکڑ لیا۔

حق کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہوا ہے۔ اس کو ماننا اسی صورت میں ممکن ہے، جب اپنی خواہش کی پیروی نہ کی جائے، جزا کا یقین ہو اور مخلصین سے محبت ہو۔ یہ سب ایمان لانے کے لوازمات ہیں۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ حق کی ادائیگی کے بعد بھی یہ احساس قائم رہے کہ مخلصین کی معیت کا حق ادا نہیں ہوا۔ جہاں یہ مقامات آ جائیں، وہاں اللہ بندوں سے راضی ہو جاتا ہے اور بندے اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ آسمانوں سے بھی برکات کا نزول ہونے لگتا ہے۔ زمین سے بھی برکات کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ آسمان سے راحت افزا نعمتوں کا نزول ہو۔ زمین سے وہ کچھ ملنے لگے جو پہلے نہیں مل رہا تھا اور جس سے امن و سلامتی بڑھے، تو یہ برکتوں کے دروازے کھل جانے کا ثبوت ہوتا ہے۔ کھولتا وہی ہے جو برکات کا مالک ہے۔ مگر جب لوگ حق کو جھٹلانے پر ہی اپنی قوت صرف کرنے لگیں اور ان کا رخ ناشکری کا ہی رہے، تو پھر وہ ایک وقت کے بعد اپنے اعمال کے نتیجے کی صورت میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین سے برکات کے دروازے ان پر بند ہو جاتے ہیں۔ اس گرفت سے بھاگ جانا بھی ان کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل : معاشرتی زندگی میں ایمان و تقویٰ کو قائم رکھنا، برکتوں کا باعث ہوتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں پر برکتوں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور انہیں ان کے کئے پر پکڑ لیا جاتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ؕ ﴿۹۷﴾

اب کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے، جب وہ سوتے ہوں۔

جن اسباب کی بنا پر پہلی اقوام پر عذاب آتے رہے ہیں، وہ اسباب جہاں موجود ہوں گے۔ وہاں عذاب کی آمد کو کون روک سکے گا۔ بستیوں والے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور رات کو سونے سے پہلے اپنے اعمال پر نظر کریں کہ کیا ہمارے کسی عمل میں اللہ سے بے ڈر ہونے والی کیفیت تو نہیں تھی۔ اگر نہیں تھی، تو اللہ سبحانہ کا شکریہ ادا کریں، ورنہ توبہ کریں اور آئندہ اپنی حفاظت پر پوری نظر رکھیں تلاوت الوجود کی یہ صورت تاحیات قائم رہے۔

حاصل : رات کو سونے سے پہلے اپنے اعمال پر نظر کرنی چاہئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے میں کسی مقام پر کوتاہی نظر آئے تو توبہ کرنی چاہئے۔ اور آئندہ اپنی حفاظت کے تقاضے کو بہتر طور پر پورا کرنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾

یا کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے اور وہ کھیل رہے ہوں۔

ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا ہمیشہ باعثِ فلاح ہوتا ہے۔ کئی اقوام پر دن چڑھے عذاب آ چکا ہے، جب وہ کھیل کود میں مصروف تھیں۔ اب جہاں ان اقوام کے اعمال سے مماثلت موجود ہوگی تو انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ کھیل وغیرہ بھی ایسا ہونا چاہئے، جس میں اللہ سے ڈرنے کا مقام موجود ہو۔ مثلاً مومن جہاد کی تیاری کے لئے بچوں اور بڑوں کو ایسے کھیل کھلائیں جس سے ان کے اندر استقامت کے ساتھ حق کو ادا کرنے کی صلاحیت بڑھے، تو یہ اللہ سے ڈرنے کی سند ہوگی، یہ کھیل غافل لوگوں کا کھیل نہیں ہوگا۔

حاصل : کھیل کچھ وقت کے لئے ہونا چاہئے اور کھیل کا وقت دن چڑھے نہیں ہونا چاہئے۔ کھیل حق کی ادائیگی میں صلاحیت کو بڑھانے کے لئے ہو۔ دشمن کے طریقوں، اس کے آلات اور قوت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اپنے اعمال پر نظر رہے کہ ماضی میں عذاب پانے والوں سے مماثل نہ ہوں کھیل کا علم سکھانے والے مخلصین سے ہوں تو کھیل میں بھی استکبار کا مقام نہیں آئے گا۔

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ ع ۱۲

کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کی خفی تدبیر سے۔ اور اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے، مگر خسارے میں پڑنے والے۔

مکر وہ خفی تدبیر ہوتی ہے، جو مخالف کو مغلوب کرنے کے لئے ہو۔ اس کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ جس کا علم بڑا ہوگا، اس کی تدبیر بھی بڑی ہوگی۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس لئے اس کی تدبیر بھی سب سے بڑی ہوتی ہے۔ اس کے مکر سے پہلی اقوام خلافِ حق کرنے کی بنا پر خسارے میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ اب اگر کوئی خلاف حق کرتا ہے تو اسے بھی اللہ کی خفی تدبیر کا ڈر رہنا چاہئے۔ اللہ کے مکر سے نہ ڈرنے والے ہمیشہ خسارے میں پڑتے ہیں۔ انسان اگر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے زمین میں اپنی بڑائی دکھانے لگے اور مخلصین کو مغلوب کرنے کے لئے بری تدبیریں کرے تو پھر اللہ کی سنت یہی ہے کہ اسے وہاں سے پکڑ لیا جاتا ہے، جہاں سے پکڑے جانے کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کو اپنی تدبیروں کے موثر ہونے کا بڑا گمان ہوتا ہے۔ خسارے کی طرف بڑھنے والے یہ دیکھ لیں کہ علیم مطلق کی خفی تدبیر کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا، تو وہ خسارے میں پڑیں ہی کیوں۔ خسارے میں پڑنے والے اپنے علم کو اور اپنی قدرت کو اللہ کے علم اور اس کی قدرت کے سامنے رکھ کر نہیں دیکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں۔ اور ان کا نڈر ہونا ان کے لئے باعثِ خسران ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس کی خفی تدبیر سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ اپنے علم کو اور اپنی قدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اور اس کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا چاہئے۔ ورنہ خسارے سے بچ جانا ممکن نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا خسارے والوں کی نشانی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ ۳۵/۴۴
اور اللہ وہ نہیں جسے آسمانوں اور زمین میں کوئی شے عاجز کر سکے۔ بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰

اور کیا انہیں ہدایت نہ ملی جو زمین کے اہل کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر پکڑ لیں۔ اور ہم نے ان کے قلوب پر مہر کر دی ہے، تو وہ سنتے ہی نہیں۔

مورث کے بعد وارث زمین کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ لازم تو یہی ہے کہ مورث اگر خلاف حق کرنے کی بدولت ہلاکت سے دوچار ہوا ہے، تو وارث اپنے قول کی حفاظت میں بھی کوتاہی سے بچے۔ اعمال کی اصلاح پر بھی پوری نظر رکھے، تاکہ وہ فلاح پائے۔ اگر توفیق دینے والا پہلے خلاف حق کرنے والوں کو ایک وقت کے بعد پکڑ چکا ہے تو اب بھی وہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کی پکڑ سے بچ جانا نہ پہلے کسی کے بس میں ہوا ہے، نہ اب ہو سکتا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کو ناصحین، مخلصین سے نہیں لگاتے۔ وہ متاعِ حیاتِ دنیا کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں۔ اس سے دل اندھا بھی ہو جاتا ہے۔ بہرا بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر سننے کی اور دیکھنے کی وہ صلاحیت، جس سے حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کیا جا سکتا ہے، ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے دل پر ناقابل اصلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔ یہ گرفت کا مقدمہ ہوتا ہے۔

حاصل : مورث کے انجام سے سبق حاصل کرنا، وارث کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت پہلے بھی محیط تھی اب بھی محیط ہے۔ خلاف حق کرتے رہنے کی صورت میں نہ پہلے کوئی بچ سکا ہے نہ اب بچ سکے گا۔ دل کو ناصحین، مخلصین کی محبت سے منور رکھنا چاہئے۔ ورنہ اس پر ناقابل فلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

یہ بستیاں ہیں، جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ اور بے شک ان کے پاس رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے، تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوئے، جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ یوں اللہ کافروں کے قلوب پر چھاپ لگا دیتا ہے۔

عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت ھود علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ تمام حالات اس بات کو روشن کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو لوگوں کی طرف ایسی روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا ہے کہ وہ روشن نشانیاں مرسلین کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت تھیں، مگر یہ نہیں ہوا کہ لوگوں نے انہیں مان لیا ہو۔ جس حق کو جھٹلا کر پہلے لوگ ہلاک ہو چکے تھے، پچھلے بھی اس حق کو جھٹلانے والے ہی ہوئے۔ جب رضائے الٰہی کے مقابل متاعِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنالیا جائے، تو ناصحین سے محبت کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس محبت سے ہی دل میں ایمان داخل ہوتا ہے۔ اسی محبت سے نورِ عرفان ملتا ہے۔ اطمینان ملتا ہے۔ یہ نہ ہو، تو ناقابلِ اصلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔ پھر سب کچھ دیکھ لینے سے بھی کچھ نہیں ملتا۔ آنکھیں تو دیکھتی رہتی ہیں مگر ناصحین سے عدم محبت کی بنا پر دل اندھے ہو جاتے ہیں۔ دل اندھے ہوں تو پھر وہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

حاصل : سابقہ حالات سے سبق لینا چاہئے۔ متاعِ حیاتِ دنیا کو کبھی مقصود نہیں بنانا چاہئے۔ مخلصین کی معیت کو باعث فلاح جاننا چاہئے۔ ان سے محبت رکھنی چاہئے۔ دل کو پرنور بنانا شانِ عبدیت ہے۔ جو دل مخلصین کی محبت سے خالی ہو جائے، وہ ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ان میں اکثر کو ہم نے عہد کا پورا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو فاسق پایا۔

مندرجہ بالا اقوام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے سابقہ قوم کے انجام سے سبق لینے کا عہد ضرور کیا۔ مگر اس عہد کو پورا نہ کیا۔ جب انہیں توفیق ملی، اور یہ انہی حالات سے گزرے جن سے پہلے گزر چکے تھے۔ تو اکثر کا رویہ یہی ہوا کہ انہوں نے حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔ اس طرح ہم نے ان میں اکثر کو فاسق پایا۔ پاکیزگی کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کی سعی کی جائے، تو پاکیزگی کے ساتھ رہنے کا عہد پورا ہوتا ہے۔ اور اگر اس عہد کو پورا کرنے میں اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے، تو نام چاہے کوئی رکھ لیا جائے، ہوتا وہ فسق ہی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کی شان یہی ہے کہ وہ بھلائی کا عہد کریں اور اسے پورا کریں۔ فاسق کبھی عہد کو پورا نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو حق کے مطابق بنانے کی بجائے، حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کوشش اس کو خاسرین میں ملا دیتی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىِٕهٖ

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے

فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾

درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ظلم کیا، تو نظر کرو، مفسدین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انبیاءِ مذکورین کے بعد بھیجا گیا۔ آپ نے اپنی صداقت کی روشن نشانیاں دکھا کر فرعون اور اس کے درباریوں کو حق کی طرف بلایا۔ انہیں اس انجام سے آگاہ کیا، جس کی طرف وہ لوگ بڑھ رہے تھے۔ مگر وہ لوگ ماننے والے نہ ہوئے۔ بھلائی کی دعوت کا انکار کرنے والے، اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اور یہ ظلم انہیں لے ڈوبتا ہے۔ جس زمانے میں کسی نبی کی بعثت ہوئی ہے اس زمانے میں پائے جانے والے علوم پر ہمیشہ اللہ نے اپنے نبی کا تفوّق ثابت کیا ہے، تاکہ لوگ حقائق کی روشنی میں اللہ کے نبی پر ایمان لائیں اور اس کا اتباع کریں اور اتمام حجت بھی ہو۔ جہاں لوگوں نے علیم مطلق کے مقررہ معیاروں سے ہٹ کر اپنی پسند سے معیار قائم کئے ہیں، وہاں فساد ہی ہوا ہے۔ اور مفسدین کی عاقبت ہمیشہ عبرتناک ہوئی ہے۔ جہاں اجتماعی زندگی میں حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے گی، وہاں عبرتناک انجام کے واقع ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ مفسدین چاہے کسی درجے کی قدرت رکھتے ہوں، قادرِ مطلق کے سامنے ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی اور ان کا فساد ہمیشہ انہیں لے ڈوبتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے، مفسد ہوتے ہیں۔ اور مفسدین کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ فلاح کی راہ کو چھوڑ کر خسارے کی راہ کو اختیار کرنے والے یقیناً اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ مفسدین ہمیشہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو وہ کر رہے ہیں یہ پہلے کسی کو سوجھا ہی نہیں ہو گا۔ مگر اللہ کے علمِ مطلق سے ان کی تجاویز بجھ کر رہ جاتی ہیں۔

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اے فرعون میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے فرعون کو خطاب کرتے ہوئے، اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ یہ اعلان فرمانِ خداوندی کے پہنچانے والے کی تشریف آوری کا اعلان تھا۔ اس میں فلاح کے طالبین کے لئے بشارت تھی۔ اور فلاح کا انکار کرنے والوں کے لئے انذار تھا۔ جو لوگ اپنے منشاءِ حیات کو جاننا چاہتے ہوں، اور اسے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا چاہتے ہوں، انہیں یقیناً انتظار ہوتا ہے کہ انہیں علمِ الٰہی سکھانے والا معلّم مل جائے۔

حاصل : جو لوگ منشاءِ حیات کو جاننا چاہتے ہوں اور اسے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا چاہتے ہوں، ان کے لئے کسی مخلص معلّم کی تشریف آوری کا اعلان باعثِ راحت ہوتا ہے۔

حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ

لازم ہے کہ میں اللہ پر وہی کہوں جو حق

اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾

ہے۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق علم الٰہی سے بات کرنے کا شرف شاہدین کی شان کے لائق ہے۔ اس بات میں قطعاً کوئی ظن گمان موجود نہیں ہوتا۔ ایسی ہر بات جو حق ہو، اپنے اندر ایک نور رکھتی ہے۔ اور اس کے مان لینے سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس کی تصدیق کرتی ہوئی سب باتوں کو بھی مانا جائے۔ انسان اگر تعقّل و تدبّر کو چھوڑ نہ دے، تو وہ اپنے منشاءِ حیات کو جاننا چاہتا ہے۔ پھر اس منشاء کے پورا کرنے کی طریقت سیکھنا اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے وہ "ساتھ" مطلوب ہوتا ہے جو اسے اطمینان بخشے۔ انعام یافتہ حضرات کی صف میں لے آئے۔ اور اسے کفر، فسق اور عصیان سے ہمیشہ کے لئے کراہت ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تمہارے رب کی طرف سے تبلیغ حق کے لئے بھیجا گیا ہوں اور نشانی کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، تاکہ تم اس نشانی کو دیکھ کر حق کو فرمانِ خداوندی مانو۔ یقین سے میرا اتباع کر سکو اور بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو۔

حاصل : حق کو بیان کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کرتے وقت اس کے ارشاد کو ظن گمان سے آلودہ نہ کریں۔ سننے والوں کو اپنی صداقت کا یقین دلائیں اور انہیں تکبر سے بچنے کی تاکید کریں۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہنے لگا، اگر کوئی نشانی لائے ہو، تو لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

فرعون کا یہ کہنا کہ اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو، تو دکھاؤ، جو تمہیں سچا ثابت کرتی ہو۔ یہ واضح کرتا ہے کہ اس نے یہ تسلیم کیا کہ علمِ حقیقی رب العالمین ہی عطا کر سکتا ہے۔ اور اس کا فرمان اس کے رسول کی معرفت ہی پہنچ سکتا ہے۔ اللہ کے رسول کی صداقت کی سند دیکھ لینے کے بعد فرعون پر آپ کی اطاعت لازم تھی۔ مگر جب عزم ہی انکارِ حق کا ہو تو ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔

حاصل : جس کی صداقت کی سند مانگی جائے، اس کو سچا پا لینے کی صورت میں اس کی اطاعت و اتباع کا عزم بھی ہونا چاہئے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تب آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، تو وہ ظاہر اژدہا ہو گیا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی رسالت کی نشانی طلب کی، تو آپ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا، تو وہ اژدہا بن گیا۔ یہ ایسی نشانی تھی جس کی وضاحت سے انسانی علم عاجز تھا۔ اس طرح حضرت نے اپنی صداقت کو روشن کرنے کے لئے ایک معجزہ دکھا دیا۔

حاصل : جب اپنی صداقت کا ثبوت پیش کیا جائے، تو اس کو قطعی طور پر واضح ہونا چاہئے۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸ ع
اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ ناظرین کو سفید نظر آنے لگا۔

۱۳ ع ۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دوسری نشانی جو انہیں ان کے ربّ کی طرف سے سندِ رسالت کے طور پر عطا ہوئی تھی، یوں دکھائی کہ انہوں نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ چمکتا ہوا ہاتھ تھا۔ اور ناظرین اس کی وضاحت سے عاجز تھے۔ ادب سے دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ دونوں معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ربّ العالمین کا رسول ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے ماننا جیسے ماننے کا حق تھا۔ سورۃ الحجرات میں نبی اکرم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔ اللہ جو آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے ہاتھ سے بڑا نور والا ہاتھ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ پاک ہاتھ کی شان دیکھئے کہ حضور پاک کے ہاتھ کی امانت اور پاکیزگی کا اعتراف دشمنوں کو بھی تھا۔ امتی بھی اسی شان کے مظہر ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے تعلق کو ثابت کر سکیں گے۔

حاصل : جو ہاتھ رضائے الٰہی کے لئے حرکت کرتا ہو، اس میں نور ہوتا ہے۔ ادب سے دیکھنے والے اسے سلام کرتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ عبادِ مخلصین میں سب سے زیادہ روشن ہاتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہیں۔ ہر پاک ہاتھ کو حضور پاک کے مبارک ہاتھ سے ایک نسبت ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں یہ ارشاد فرمایا ہے:
اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۲۴/۵۱
مومنین کی بات تو یہی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے مابین حکم فرمائیں تو وہ یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں، اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ
قوم فرعون کے سردار کہنے لگے، یہ تو بڑا

هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ علم والا ساحر ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اس دعوے کے بعد کہ وہ رب العالمین کے رسول ہیں، یہ کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو نشانی لاؤ۔ آپ نے دو نشانیاں دکھائیں۔ آپ کا عصا مبارک اژدہا بن گیا اور آپ کا ہاتھ مبارک چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ ان دو نشانیوں کو دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو تسلیم کرنے کی بجائے قوم فرعون کے سردار کہنے لگے۔ یہ تو بڑا علم والا جادوگر ہے۔ جادو کا تعلق سیکھنے سکھانے سے ہوتا ہے۔ معجزے کی کسی کو تعلیم نہیں دی جا سکتی۔

حاصل: اپنی زبانوں سے نکلے ہوئے الفاظ کو اہمیت دینی چاہئے۔ انہی الفاظ سے آنے والے حالات میں سچا ہونے کا یا نہ سچا ہونے کا مقام آتا ہے۔ اپنے مشاہدے کو احتیاط کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ تمہیں تمہاری جگہ سے نکالنا چاہتا ہے، تو تمہاری کیا رائے ہے۔

فرعون اور اس کے درباری، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم والا جادوگر کہہ کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لوگ ہمیشہ اپنی خواہشات کے حوالے سے گمراہ ہوتے ہیں۔ اس لئے فرعون نے انہیں یہ کہا کہ یہ علم والا جادوگر لوگوں میں اثر و اقتدار حاصل کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری جگہ سے نکال دے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا کیا جائے۔

حاصل: ظالم حاکم لوگوں کو پہلے اپنے زاویۂ نگاہ پر لاتے ہیں۔ پھر ان کی رائے معلوم کرتے ہیں۔ منشاء یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی پسند کو لوگوں کی رائے کہہ کر نافذ کر سکیں۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ کہنے لگے، ان کو اور ان کے بھائی کو ٹھہرایئے اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیجئے۔

فرعون نے اپنے لوگوں کی رائے معلوم کی کہ بتاؤ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، تو انہوں نے کہا کہ ان کو اور ان کے بھائی کو ٹھہرا لیا جائے۔ اور جمع کرنے والوں کو شہروں میں بھیج دیا جائے، تاکہ علم والے جادوگروں کو ان کے مقابلے پر لایا جائے۔ قبل اس کے کہ یہ لوگوں کو متاثر کر سکیں، مقابلے کا اہتمام ہو جائے۔

حاصل: جابر حاکم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جو لوگ رائے عامہ کو ان کے خلاف کر سکتے ہوں، ان

کو لوگوں سے ملنے نہ دیا جائے اور پوری تیاری کر کے لوگوں کے سامنے انہیں جھوٹا ثابت کیا جائے۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾

کہ ہر علم والے ساحر کو خدمت سرکار میں لے آئیں۔

درباری جب بھی بادشاہوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو آدابِ شاہی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ جمع کرنے والوں کے ذمے یہ کام تھا کہ علم والے جادوگروں کو خدمتِ سرکار میں حاضر کرنا ہے۔ اس لئے ان پر لازم تھا کہ صرف انہی لوگوں کو دربارِ فرعون تک لائیں، جنہیں علم سحر میں کمال حاصل ہو۔

حاصل : حکومتیں یقیناً اپنے وسائل اور اختیار کی بدولت بڑا اہتمام کر لیتی ہیں، جو محکوموں کے بس میں نہیں ہوا کرتا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَٰلِبِينَ ﴿١١٣﴾

جادوگر فرعون کے پاس آ کر گزارش کرنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اجر ملے گا۔

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر لانے کا منشاء ان پر واضح کر دیا گیا تھا، اس لئے انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں اجر ملے گا۔ اجر کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے اور اس کو جاننے کے لئے سوال کا موقع یہی تھا۔ مقابلے پر اترنے سے پہلے مقابلہ کرانے والوں کی خواہش کو جاننا اور اجر کی مناسبت سے کوشش کرنا جادوگروں کو ضروری معلوم ہوا۔

حاصل : خواہش اور غرض و غایت کے تحت کام کرنے والے اپنے اجر کا اطمینان پہلے حاصل کرتے ہیں، کام بعد میں کرتے ہیں۔

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾

فرعون نے کہا ہاں، اور یقیناً تم مقرّب ہو جاؤ گے۔

جادوگروں کی گزارش پر کہ غلبے کی صورت میں انہیں اجر ملے گا، فرعون نے کہا، ہاں اجر تو ملے گا ہی۔ اور اس کے ساتھ تم مقربین میں بھی شامل ہو جاؤ گے۔ یہ اتنا بڑا رتبہ تھا کہ جادوگر اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں کبھی دربارِ شاہی میں رکن کی حیثیت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

حاصل : جابر حاکم اپنی مجبوری کے وقت مطلوبہ صفات کے حاملین کو بڑے درجے کی پیشکش کرتے ہیں اور بڑا درجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ کسی کو اپنا مقرب بنالیں اور اپنی منشاء کے مطابق استعمال کریں۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ اسلام) یا تو آپ ڈالیں یا ہم ہوں ڈالنے والے۔

فرعون سے اجر کا یقین حاصل کرنے کے بعد جادوگر اپنے سحر کا کمال دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے یا آپ پہلے اپنا کام دکھانا شروع کریں، یا ہمیں اجازت دیں۔ جس کو بھی اپنے علم پر زعم ہوتا ہے، اس کے رویئے میں اتنا وقار ضرور ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے مدّمقابل سے پہل کرنے کو نہ کہہ سکے تو اس سے پہل کرنے کی اجازت ضرور لے لیتا ہے۔

حاصل : علم کسب میں اتنا کمال حاصل ہو جائے کہ اپنے علم پر زعم ہو، اجر کا یقین ہو، اور مدّمقابل سامنے ہو، تو اظہار علم میں جلدی بھی ہوتی ہے۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْیُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۱۶﴾

فرمایا تم ڈالو، تو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا اور انہیں ڈرایا۔ اور وہ سحر عظیم لائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے فرمایا، تم ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے۔ جب انہوں نے اپنا کمال دکھایا، تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا۔ اور وہ ایسا عظیم جادو لائے، جس نے لوگوں کو مرعوب کیا۔ ان کی آنکھوں کو متاثر کیا۔ ان کی قوت متخیلہ کو متاثر کیا۔ فرعون اور اس کے درباریوں کے لئے اس سحر عظیم میں، اپنے غلبے کا امکان باعثِ فرحت تھا۔ لوگ اپنے مشاہدے سے ڈرے۔ یہ بڑی بات تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کرتے تھے۔ وہ امرالٰہی سے کرتے تھے۔ اس لئے قدرت بشری تو اس کے سامنے عاجز ہی ہو سکتی تھی۔ سفلی علوم کا، علم الٰہی کے سامنے مقام ہی کیا ہے۔

حاصل : علمِ حقیقی کا شرف ہو تو متانت کے ساتھ اپنے مدّمقابل کو دعوتِ اظہار دینی چاہئے۔ جادو کا اثر آنکھوں پر، قوتِ متخیلہ پر ہو سکتا ہے۔ مگر جو آنکھیں حق کو پہچانتی ہوں، وہ جادو سے متاثر نہیں ہوتیں۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈالیے تو جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔

مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

جادوگروں کے سحر عظیم سے لوگ ڈرے ہوئے تھے۔ جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ کر چکے تھے۔ اور ان کا کیا ہوا لوگوں کو متاثر کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی گی کہ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ آپ نے اپنا عصا ڈالا تو جبھی وہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کی ماہیّت تو نہیں بدلی تھی، نہ یہ ان کے بس کی بات تھی۔ یہ بناوٹیں تو ایک تھوڑے وقت کے لئے لوگوں کی نظر بندی کی وجہ سے انہیں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ ان بناوٹوں کو اس کے بعد اپنی اصلی حالت میں نظر آنا ہی تھا۔ قبل اس کے کہ یہ جادو ختم ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا انہیں نگلنے لگا۔ اس طرح معجزے نے جادو کو نابود کر دیا۔

حاصل : علمِ الٰہی، جادو کو اس کے جوبن پر قابو کر لیتا ہے اور نابود کر دیتا ہے۔ علمِ الٰہی کی فوقیت ہر حال میں قائم رہتی ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو حق واقع ہوا اور ان کا عمل باطل ہو گیا۔

حق فرمانِ خداوندی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو بھی فرمایا تھا وہ وحی الٰہی کے تحت تھا۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے جو کچھ ثابت کرنا چاہا، وہ غلط ثابت ہو گیا۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سحر عظیم کو نگل جانے والا اژدہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہی تھا۔ اور اس مشاہدے کی وضاحت سے وہ عاجز تھے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کے تحت کئے جانے والے عمل کے مقابل، انسانی خواہشات کے تحت کیا جانے والا عمل باطل ہو جاتا ہے، اور ناکام ہو جاتا ہے۔

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

تو یہاں وہ مغلوب ہوئے اور رسوا ہو کر پلٹے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ربّ العالمین کا رسول ماننے کی بجائے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو جادوگر کہا۔ اور جادوگروں کو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھا کیا۔ حکومتِ وقت کی طرف سے اہتمام میں بڑا زور لگایا گیا تھا اور وہ جادوگر لائے بھی سحرِ عظیم تھے۔ مگر معجزے کے سامنے وہ سحرِ عظیم ہیچ ثابت ہو گیا۔ آپ سے مقابلہ کرنے والے مغلوب ہو گئے۔ اور اتنے بڑے اہتمام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے شکست ہو گئی، تو اس میں مقابلہ کرانے والوں کی رسوائی بھی واضح تھی۔

حاصل : کسی صاحبِ حق کو مغلوب کرنے کے لئے جب بہت بڑا اہتمام کیا جائے اور اہتمام

کرنے والے خود مغلوب ہو جائیں تو انہیں اپنی رسوائی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ اگر مقابلہ صداقت و کذب کے وضوح کے ارادے سے ہو تو نتیجے کو اسی حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

جادوگروں کو اپنے علمِ سحر پر بڑا ناز تھا۔ وہ یقیناً سحر عظیم لائے تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ قدرتِ بشری سے نہیں ہو سکتا۔ یہ یقیناً حضرت کے ربّ العالمین کی طرف سے رسول ہونے کی نشانی ہے، تو انہوں نے اسے دل سے تسلیم کر لیا اور سجدے میں گر پڑے۔

حاصل : جس کو بھی اپنے علم پر زعم ہو، اور وہ حق کو نہ مانتا ہو۔ حق کی عظمت کے سامنے جب بھی وہ اپنے آپ کو مغلوب پائے، فوراً مان جاتا ہے اور دل سے مان جاتا ہے۔

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ عرض کرنے لگے، ہم ربّ العالمین پر ایمان لائے۔

جادوگروں نے جب اپنے سحر عظیم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک کے سامنے ہیچ پایا اور دیکھا کہ عصا مبارک ان کی بناوٹوں کو نگل رہا ہے، تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ علم کسب سے نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ربّ العالمین کی قدرت ہے اور حضرت کا یہ دعویٰ کہ وہ ربّ العالمین کے رسول ہیں، برحق ہے۔ اس مقام پر وہ عرض کرنے لگے ہم ربّ العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔

حاصل : علم کسب میں کمال رکھنے والے، علم حقیقی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھ کر، حق کو مان لیتے ہیں۔ پھر مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہوتا ہے۔

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔

جس حوالے سے عرفانِ حق کا شرف حاصل ہو، وہ حوالہ واجب التکریم ہوتا ہے۔ اسے اپنی تسلیم پر شاہد بنانا آدابِ معرفت میں شامل ہے۔ اس لئے جادوگروں نے یہ کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔ جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ رب الاعلیٰ ہونے کا دعویٰ فرعون کو بھی تھا۔ اور اس دعوے کے ساتھ اس کی رسوائی بھی دیکھی جا چکی تھی۔ جادوگروں نے ربّ العالمین کی قدرت کا مشاہدہ کیا تھا۔ اور جن حضراتِ گرامی کی بدولت انہیں یہ مشاہدہ ہوا تھا، وہ ان کی توقیر و تکریم جلوت میں کر رہے تھے۔

حاصل : جس حوالے سے عرفانِ حق کا شرف حاصل ہو، اس کی توقیر و تکریم جلوت میں کرنی چاہئے کہ یہ ادب ہے، اور باادب ہی بامراد ہوتے ہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

فرعون نے کہا، کیا تم اس پر ایمان لے آئے ہو، قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یہ تو ایک مکر ہے جو تم نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر سے اس کے اہل کو نکال دو۔ تو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان سن کر فرعون نے جادوگروں سے یہ کہا کہ تم میری اجازت سے قبل ہی ایمان لے آئے ہو۔ یہ تو تم لوگوں نے شہر میں مکر کا جال بچھایا ہے۔ اور اس ملی بھگت کا منشا یہ ہے کہ طاقت کے اس مظاہرے کے ساتھ تم اس شہر کے اہل کو یہاں سے نکال دینا چاہتے ہو اور خود قابض ہو جانا چاہتے ہو۔ تمہارے اس مکر کا انجام تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

حاصل : ظالم حاکم کے سامنے کوئی حق کو مان لینے کا دعویٰ کر دے، تو یہ اسے بہت ناگوار ہوتا ہے۔ وہ اپنی اجازت کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی تبدیلی ناقابل معافی ہو جاتی ہے۔ جب بات حق کی ہو تو اسے وہ اپنے خلاف سازش نظر آتی ہے، اور وہ حق کو مان لینے والوں کو خوفناک انجام کی دھمکی دیتا ہے۔

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں ضرور تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر تم سب کو سولی دوں گا۔

اجر کا اطمینان حاصل کر لینے کے بعد کمال دکھانے والے جادوگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور حضرت ہارون علیہ السلام پر ایمان لے آتے ہیں تو فرعون یہ کہتا ہے کہ تم میری اجازت سے قبل ہی ایمان لے آئے ہو۔ یہ مکر کا جال ہے جو تم نے اہل شہر کو یہاں سے نکالنے کے لئے پھیلایا ہے، تو تمہیں اپنے مکر کا انجام جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے۔ پھر تم کو سولی پر چڑھایا جائے گا۔ سزا کے اعلان کا منشاء یہ تھا کہ حاکم وقت کی پسند کے خلاف کرنے والوں کا عبرتناک انجام، لوگوں میں گفتگو کا موضوع بنے۔ اور سزا کے وقوع سے پہلے فضا ایسی بن جائے کہ سرکار کا ڈر ہر جگہ محسوس کیا جائے اور لوگوں کو اپنے مجبور ہونے کا احساس ہو۔

حاصل : ظالم حاکم جب یہ محسوس کرے کہ کچھ لوگ اس کی پسند کو وقعت نہیں دیتے، اور اس کی پسند کے مقابل حق کی بات کرتے ہیں، تو وہ ان کے لئے بہت بڑی سزا کا اعلان کر کے فضا کو خوفناک

بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ خوفزدہ ہوں تو وہ ظالم حاکم کو پرسکون نظر آتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

کہنے لگے، ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

فرعون کی زبان سے سزا کے اعلان کو سن کر ایمان لانے والے جادوگر کہنے لگے کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ زندگی تو عطائے الٰہی ہے۔ کوئی اس میں بھلائی کی راہ اختیار کرے یا برائی کی راہ اختیار کرے۔ اپنے کئے کی ہی جزا پائے گا۔ ہمارا ایمان سزا کے اعلان کو سن کر ڈولتا نہیں۔ تمہاری طرف سے دی جانے والی سزا ہمارے لئے باعثِ وصال ہو گی. باعث لقاء اللہ ہو گی۔

حاصل : حق کو مان لینے کے بعد کسی سزا سے خوفزدہ ہونے کا مقام نہیں آ سکتا۔ ظالم کا ظلم مظلوم کو باعثِ قربِ الٰہی نظر آتا ہے۔ حق کو ماننے والوں کو جو اطمینان حاصل ہوتا ہے. وہی اطمینان انہیں ہر مقام پر پورا رکھتا ہے۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴

اور تم ہم سے اسی بات کا انتقام لیتے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لائے جب وہ ہم تک پہنچیں۔ اے ہمارے رب، ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں مسلمان اٹھا۔

فرعون کی طرف سے سزا کے اعلان کو سن کر جادوگروں نے، جو ایمان لا چکے تھے، یہ کہا کہ ہم سے انتقام تو اسی بات کا لیا جا رہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ ہم نے اپنے ربّ کی نشانیوں کو دیکھ کر حق کو تسلیم کیا ہے۔ جب اس کی نشانیاں ہم تک پہنچی ہیں۔ اور ہم نے انہیں ربّ العالمین کی نشانیاں پایا ہے، تو ہم نے مان لیا ہے کہ یہ جادو نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام رب العالمین کے رسول ہیں۔ یہ بیان ان حضرات کی کیفیت کو واضح کرتا ہے۔ اور یہ بیان فرعون کے اس دعوے کو کہ تم لوگ اہل شہر کو یہاں سے نکالنے کی چالیں چل رہے ہو، باطل کرتا ہے۔ اگر یہ لوگ فرعون کو اتنے طاقت ور نظر آتے تھے تو پھر ان کے سامنے اسے نرم ہو جانا چاہئے تھا۔ فرعون کو اپنا حال سنا دینے کے بعد اب یہ پاک لوگ وہیں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، اے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب، ہم کو صبر سے نواز دے۔ ہمارے ساتھ جو بھی گزرے، تیرا سہارا ہمارے ساتھ رہے۔ بدنی سزاؤں کو برداشت کرنے کا حوصلہ تیرے عطا کردہ اطمینان سے ہی ممکن ہے۔ ہم ہر حالت میں تیری طرف جھکے رہیں۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں، تو مسلمان ہوں۔ فرعون کے دربار میں یہ دعا کرنا، اتنی بڑی جرأت کی بات تھی کہ رضائے الٰہی کے علاوہ، سب کچھ چاہنے والے حیرت زدہ تھے۔ جن نشانیوں کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباری لوگوں نے جادو کہا، جادو کا انتہائی علم رکھنے والوں نے انہیں دیکھا، تو شہادت دی، یہ جادو نہیں ہے۔ اور ہم ان

حضرات پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور ان کے حوالے سے رب العالمین پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ ان کو تسلیم حق کے مقام پر دیکھ کر بہت ڈرایا گیا، تو دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ سب اپنی زندگی کو اپنی تسلیم پر قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔

حاصل : ظالم حاکم سے سزا کا اعلان سن کر اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ اور اپنے رب سے دعا کرنی چاہئے۔

ربنا افرغ علینا صبراً و توفنا مسلمین ○ تسلیم کی انتہا یہی ہے کہ یہ اپنی جان سے بھی عزیز ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس تشریف لائے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ط اَسِحْرٌ هٰذَا ط وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ ۷۷/ ۱۰

کیا حق کے متعلق یہ کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آ چکا ہے، کیا یہ جادو ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتے۔ ۷۷

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ط قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور قوم فرعون کے سردار کہنے لگے، کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو اس لئے چھوڑ رہے ہیں کہ وہ زمین میں فساد کریں، اور آپ کو اور آپ کے بتوں کو چھوڑ دیں۔ کہنے لگا، اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ چھوڑیں گے۔ اور ہم بے شک ان پر قہر کرنے والے ہیں۔

اب قوم فرعون کے سردار، فرعون سے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لئے یہ کہنے لگے کیا موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو چھوڑنا باعثِ فساد نہیں ہو گا۔ یہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی صلاحیت تو رکھتے ہی ہیں۔ اس طرح آپ کو رب اعلیٰ ماننا اور آپ کے بتوں کی پرستش کرنا ناممکن بنا دیا جائے گا، اور انتظام حکومت درہم برہم ہو جائے گا۔ بنی اسرائیل سے جو خدمات لی جاتی تھیں، وہ خدمات قوم فرعون کو اپنی شان کے منافی معلوم ہوتی تھیں۔ اس لئے ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دینا بھی انہیں بہت مشکل

معلوم ہوتا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بھی میدان میں ثابت ہو چکی تھی اور اس حوالے سے بنی اسرائیل کو آزادی دینی بھی ضروری تھی۔ فرعون نے اپنے سرداروں کی بات سن کر یہ جواب دیا کہ تم فکر کیوں کرتے ہو۔ ان سے خدمت بھی لی جاتی رہے گی اور ان کے ذکور کو کوئی عددی قوت بھی نہیں بننے دیا جائے گا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھا جائے گا۔ ہم بے شک ان لوگوں پر غالب ہیں اور ہم اپنے غلبے کو قہر سے قائم رکھیں گے۔

حاصل : درباری پاک نہ ہوں تو اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ بات اپنی غرض و غایت کی کرتے ہیں، نام حاکم وقت کے مفاد کا لیتے ہیں۔ اور حاکم وقت اپنی انا کے مقابل حق کو اہمیت نہ دیتا ہو، تو وہ اپنی مجبور رعایا پر مزید قہر کرنے لگتا ہے۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنائے اور عاقبت تو متقین کے لئے ہی ہے۔

فرعون کی طرف سے قہر کا اعلان ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حوصلہ دینے کے لئے فرمایا اے میری قوم، اللہ سے مدد مانگو، وہی سب سے بڑی قدرت والا ہے۔ اس کی مدد سے ہی مصائب و آلام دور ہوتے ہیں۔ جب تکلیف کو اس یقین سے برداشت کیا جائے کہ یہ باذن اللہ ہے، حکیم مطلق کی طرف سے اس میں حکمت رکھی گئی ہے۔ اور جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والا ہے، اس کے لئے یہی حالات موزوں ترین ہیں، تو زبان اللہ کے ذکر میں لگ جاتی ہے۔ دل درود پاک میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا احساس اتنی تقویت دیتا ہے کہ سب دکھ درد اس میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ صبر ہی دکھوں کا دارو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، زمین اللہ کی ہے، جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس وقت تم مقہور ہو، تم اللہ کی مدد چاہو، صبر کرو، وہ چاہے تو تمہیں اسی زمین کا وارث بنا دے۔ اور یقیناً انجام کار بھلائی متقین کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اس لئے تمہیں اللہ ہی سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اللہ سے ڈرتے رہنا یہ تقاضا کرتا ہے کہ تمہارا قول ہر حال میں پاک رہے۔ اعمال میں بہرحال اللہ کی رضا مقصود ہو۔ اس سے انجام کار تمہاری ہی بھلائی ہو گی۔

حاصل : قہر و ظلم کو اللہ کی مدد سے اور صبر کر کے ہی برداشت کیا جا سکتا ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ اسے کسی کو وارث بنانے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ انجام کار بھلائی متقین کو ہی حاصل ہوا کرتی ہے۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا

عرض کرنے لگے، ہمیں آپ کی تشریف

وَمِنۡ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ كَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۵

آوری سے قبل بھی ایذا دی گئی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ فرمایا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے عدو کو ہلاک کر دے۔ اور اس کی جگہ زمین میں تمہیں خلافت دے۔ پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد گرامی کو سن کر بنی اسرائیل یہ عرض کرنے لگے کہ حضرت آپ فرماتے ہیں کہ اللہ سے مدد مانگو، صبر کرو اور انجام کار متقین کا ہی بھلا ہوتا ہے۔ یہ بجا ارشاد ہے، مگر ہم تو ایک عرصے سے ایذا برداشت کر رہے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ہمیں ایذا دی جاتی تھی۔ اب قتل ابناء کی صورت میں ہم پر قہر کرنے کا اعلان ہوا ہے۔ آخر کب ان مصائب کا خاتمہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا، عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا۔ اس کی جگہ زمین میں تمہیں تصرف حاصل ہو جائے گا۔ آج تم سے بیگار لی جاتی ہے۔ تم سے غلاموں جیسا برتاؤ ہوتا ہے۔ پھر تم اس جگہ کے وارث ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا پالنے والا تمہیں یہ توفیق دے کر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تمہیں ابھی سے یہ عہد کرنا چاہئے کہ جب تمہیں آزادی ملے گی، جب تم اس زمین میں مالک بنا دیئے جاؤ گے، تو تم وہی کرو گے جس میں اللہ کی رضا موجود ہو گی۔ اور جو تکالیف تمہیں پہنچتی رہی ہیں، وہ تم سے کسی کو نہ پہنچیں گی۔ جن اعمال کو تم اس وقت ظلم کہتے ہو، تم وہ نہیں کرو گے۔ بلکہ تمہارا رخ ہر مقام پر خیر و برکت کا ہو گا۔

حاصل : ایذا دینے والے جب حق کی تصدیق کرنے والی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی اپنے رویئے کو نہ بدلیں تو ان کی جڑ کٹتے دیر نہیں لگتی۔ پھر ایذا پانے والے لوگوں کو توفیق دے کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔ کسی کو غلط کہنے کے بعد اگر ہم بھی وہی کچھ کرتے ہیں تو ہمارا بیان بے حقیقت ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَكَفٰی بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِیۡرًا ۢ بَصِیۡرًا ﴿۱۷﴾ ۱۷ / ۱۷
اور تمہارا رب کافی ہے۔ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا۔

وَلَقَدۡ اَخَذۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ بِالسِّنِیۡنَ وَنَقۡصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے آل فرعون کو قحطوں میں اور ثمرات کی کمی میں پکڑ لیا کہ وہ نصیحت مانیں۔

جب آل فرعون نے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کی بجائے، ان پر قہر کرنے کا راستہ چن لیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قحط مسلط کر دئے گئے۔ پھلوں کی پیداوار بھی کم ہو گئی۔ ظلم کرنے والے کو آنکھیں کھولنے میں مدد دینے کے لئے جو اہتمام اللہ تعالیٰ کرتا ہے، وہ علیم مطلق کی ہی شان کے لائق ہے۔ جب ظالم یہ دیکھ لے کہ جس عطا کو وہ بے جا استعمال کر رہا ہے، اس کا مالک حقیقی تو وہ نہیں ہے اور اس عطا کا تسلسل بھی اس کی قدرت میں نہیں ہے، تو اسے اپنے آپ کو پہچاننے کی طرف آنا پڑتا ہے۔ وہ قادر مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھ لے، تو اسے حق کو ماننا چاہئے۔ اور ناصحین کی نصیحت کو ماننا چاہئے۔

حاصل : ظالم کو جب اپنی پڑ جاتی ہے تو پھر وہ ظلم کے تسلسل کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسے قادر مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہئے۔ اگر وہ اپنے مشاہدات کو بھی اہمیت دیتا ہو تو بھی نصیحت کو ماننے لگتا ہے۔

فَإِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِۦ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ ۗ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾

تو جب انہیں بھلائی ملتی، کہتے یہ ہمارے لئے ہے۔ اور جب برائی پہنچتی تو اسے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ سن لو ان کی شامت تو اللہ کے پاس ہے۔ لیکن ان میں اکثر کو پتہ نہیں۔

آل فرعون کو جب بھلائی ملتی، حالات ان کی خواہشات کے مطابق نظر آتے تو وہ کہنے لگتے کہ ہماری خوش طالعی کے لائق تو یہی حالات ہیں۔ اور جب تنگی ہوتی اور حالات ناخوشگوار ہوتے تو کہتے یہ سب نحوست موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی بدولت ہے۔ ان کی شومئ قسمت سے ہمیں بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ متکبرین کا مزاج یہی ہوتا ہے کہ وہ وسعت مال کے حوالے سے خوش بختی کا تعین کرتے ہیں۔ اور جو لوگ صاحبِ ثروت نہ ہوں انہیں بدبخت جانتے ہیں۔ اصل خوش بختی یہ ہے کہ بندہ جزا کے یقین کے ساتھ، عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لائے، اور اس کی معیت باعث عافیت ہو اور بدبختی یہ ہے کہ جزا کے عدم یقین کی وجہ سے اپنی من مانی کی جائے اور استکبار کو طریق زندگی بنا لیا جائے۔ حیات دنیا میں تو خلاف حق کرنے والوں کو ملنے والی سزا تنبیہ کے لئے ہوتی ہے۔ یہ ان کی اصل سزا کا ایک حصہ ہی تو ہوتا ہے۔ اصل سزا تو جزا دینے والے کے پاس ان لوگوں کے اعمال کے نتیجے کے طور پر موجود ہے، اور وہ انہیں ملے گی۔ لیکن ان میں اکثر کو یہ معلوم نہیں ہوتا۔

حاصل : متکبرین کے نزدیک حالات اگر ان کی منشاء کے مطابق ہوں تو اس کی وجہ ان کی اقبال مندی اور خوش بختی ہوتی ہے۔ اگر اس کے خلاف صورت ہو، تو یہ حالات نادار لوگوں کی بدبختی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ حیاتِ دنیا میں ملنے والی سزا تو تنبیہ کے لئے ہوتی ہے۔ اصل تو اعمال کی جزا کی صورت میں جزا دینے والے کے پاس ہے۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے کہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ اس سے ہم پر جادو کرو۔ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے مشاہدے کے بعد آل فرعون نے یہ کہا کہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ، ہم پر اس سے جادو کرو، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔ یہ دعویٰ کہ ہم ایمان نہیں لائیں گے، جو کچھ بھی ہو گا برداشت کریں گے، ان کے استکبار کو واضح کرتا ہے اور استکبار جہاں آ جائے وہاں حق کو پانے کی طلب مفقود ہو جاتی ہے۔

حاصل : استکبار سے مزاج اس قدر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں کہ حق کو پانے کی طلب ہی مفقود ہو جاتی ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور خون بھی، مفصل نشانیاں، تو انہوں نے استکبار کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

آل فرعون کے اس بیان کے بعد کہ ہمارے پاس کوئی بھی نشانی لے آؤ، ہم ایمان لانے والے نہیں، ان پر عذاب بھیجے گئے۔ پہلا عذاب طوفان کی صورت میں تھا۔ دوسرا ٹڈی کی صورت میں تھا۔ تیسرا چچڑوں کی صورت میں تھا۔ چوتھا مینڈکوں کی صورت میں تھا۔ اور پانچواں خون کی صورت میں تھا۔ پہلے بارش کثرت سے ہوئی حتیٰ کہ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ پانی کی کثرت سے جو مسائل پیدا ہوئے وہ ان لوگوں کے لئے ناقابل تصور تھے۔ اس سے ان پر یہ واضح ہوا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ پھر بھی استکبار کی وجہ سے یہ لوگ ماننے والے نہ ہوئے، تو ان پر ٹڈی کا عذاب بھیجا گیا، اور وہ سب کچھ کھا گئی۔ جہاں تک وہ پہنچ سکتی تھی اور جو کچھ اس سے کھایا جا سکتا تھا۔ جب درخت بے برگ ہو جائیں اور کھیتیاں اجڑ جائیں، تو زندگی کے لوازمات میں خوراک کی اہمیت کو جاننے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے انسان کی بے بسی بھی روشن ہوتی ہے۔ اس عذاب کے بعد بھی ان لوگوں کو مہلت دی گئی۔ اور انہوں نے پھر استکبار کیا، تو ان پر چچڑیوں کا عذاب بھیجا گیا۔ چچڑیوں کے عذاب سے ان کے جسم بھی متاثر ہوئے، ماحول بھی متاثر ہوا۔ ایک ناپسندیدہ ایذا رساں کیڑے کی کثرت کس قدر کربناک ہوئی، اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کو پھر مہلت دی گئی۔ اور یہ پھر استکبار کی طرف لوٹ گئے، تو ان پر مینڈکوں کی صورت میں عذاب بھیجا گیا۔ مینڈکوں نے زندگی دوبھر کر دی۔ ہر حرکت کو متاثر کیا۔ اور اتنا پریشان کیا کہ انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی بھی اپنا اعتدال کھو بیٹھی۔ ہر قول کا تسلسل ٹوٹا۔ ہر عمل کا تحرک ٹوٹا، ناقابل بیان بلا میں پکڑے جانے کے بعد پھر ان کو

مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت میں بھی وہ حق کے انکار سے باز نہ رہے۔ پھران پر خون کی صورت میں عذاب آیا۔ اور جو پانی انہیں میسر تھا خون ہو گیا۔ اب اس کا پینا بھی ممکن نہ تھا۔ اس طرح پیاس سے یہ لوگ نڈھال ہو گئے اور ہر عذاب کی طرح یہ عذاب بھی ان کے اس دعوے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹل گیا کہ آل فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ جانے کی آزادی بھی دے دیں گے۔ کوئی بھی عذاب ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کافی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ لوگوں کی بھلائی کے لئے اتمام حجت کی جاتی ہے۔ اور عذاب بھی پہلے ماحول کو متاثر کرتا ہے۔ پھر قریب آتے آتے، جسموں کو مس کرنے لگتا ہے۔ ہر عذاب ایک روشن نشانی کے طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔ اس میں توبہ کی جاتی ہے۔ آئندہ پاک رہنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ مگر عذاب کے خاتمے کے بعد اس عہد سے مکر جانا بھی آل فرعون کی طریقت تھی۔ استکبار سے ہی تمام جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب استکبار قومی رویّہ بن جائے، تو وہ قوم مجرم ہو جاتی ہے۔ اور جو قوم مجرم ہو جائے، اس کو دی گئی مہلت قریب الاختتام ہی ہوتی ہے۔

حاصل : اتمام حجت اللہ کی سنت ہے۔ ہمیں بھی عبداللہ ہونے کا ثبوت دینا چاہئے اور سزا کو ابتدائً اصلاح کی طرف لانے کا ذریعہ بنانا چاہئے۔ استکبار سے حق کو پانے کی طلب ختم ہو جاتی ہے۔ مجرم قوم اپنے انجام کو پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لیتی، یہ اللہ کی قدرت ہے کہ ایک جگہ رہنے والے لوگ، پاک ہونے کی صورت میں مبتلاءِ عذاب نہ ہوں اور ناپاک رہنے والے مبتلاءِ عذاب ہوں۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۚ ﴿١٣٤﴾

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا، کہنے لگتے، اے موسیٰ علیہ السلام اپنے ربّ سے اس عہد کی بدولت دعا فرمائیے جو آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ ہم پر سے یہ عذاب کھول دیں گے، یقیناً ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے دیں گے۔

آل فرعون کا یہ کہنا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) آپ کچھ بھی کریں، کوئی نشانی بھی لے کر آئیں، ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ انہیں خوب یاد رہتا تھا۔ مگر جب ان پر عذاب پڑتا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بڑے ادب سے یہ عرض کرتے کہ اے حضرت اپنے رب سے اس عہد کی بدولت دعا فرمائیے جو آپ کے پاس ہے۔ اگر آپ اپنی دعا سے ہم پر مہربانی کریں. اور موجودہ عذاب کو دور کر دیں تو ہم یہ دونوں کام ضرور کریں گے۔ ایک تو آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ دوسرے بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی آزادی دے دیں گے۔ وقتِ عذاب آل فرعون کو اللہ کی نشانیاں نظر آتی تھیں، اس کا عہد واجب التکریم نظر آتا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ اپنے کہے سے پھر جاتے تھے۔

حاصل : جس بات کے خلافِ حق ہونے کا پتہ چل جائے، اس کو چھوڑ دینا چاہیے، اور جس حقیقت کا اعتراف تکلیف کے وقت کر لیا جائے، اس اعتراف کو تکلیف کے بعد مضبوطی سے تھام رکھنا چاہیے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾

پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے، ایک وقت کے لئے جس تک انہیں پہنچنا تھا جبھی وہ پھر جاتے۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے کسی کو حق کے ماننے کے لئے کس قدر مہلت دینی ہے، کن کن حالات سے گزارنا ہے، وہی معبود لاشریک جانتا ہے۔ اتمام حجت اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے آل فرعون کو ایک عذاب میں تائب ہونے کے بعد مہلت دی، تو وہ اس مہلت میں اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ پھر دوسرے عذاب میں پکڑے جانے پر تائب ہوتے تھے۔ اور عذاب کے دور ہوتے ہی اپنے عہد کو توڑ دیتے تھے۔ مہلت کا یہ سلسلہ لامتناہی نہیں تھا۔ اللہ نے ان کے لئے ایک وقت رکھا تھا، جس میں یہ اصلاح کو قبول کر سکتے تھے۔ اس وقت میں ان کو ایسے حالات سے گزارا گیا کہ انہوں نے پاک رہنے کا عہد بارہا کیا۔ مگر اس عہد کو نبھایا نہیں۔

حاصل : اپنے عہد کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ اگر عہد حق کے مطابق ہو، تو اس کو توڑنا عمل کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کر کے، خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لینے والی بات ہو گی۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾

تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ پھر انہیں دریا میں غرق کر دیا، اس لئے کہ وہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے غافل تھے۔

جب آل فرعون نے عمل کے لئے دئے گئے وقت کو عہد شکنی کرتے کرتے ضائع کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو حضرت کے ساتھ جانے کی اجازت دینے کے وعدے کر کر کے توڑتے رہے۔ اللہ کی آیات کو جھٹلانا اور ان سے غفلت برتنا ان لوگوں کا طریق زندگی بن گیا، تو ان پر حجت تمام ہو گئی۔ پھر اللہ نے ان سے انتقام لیا اور انہیں دریا میں غرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انتقام لیا جاتا ہے، اس سے بڑا انتقام کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس انتقام کا سبب اللہ کی نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل ہوتا ہے۔ تکذیب تو حق کی ناقابل تردید نشانیوں کا انکار ہوتا ہے۔ اور تغافل یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی بے بسی کو دیکھ لینے کے بعد بھی وہی کیا جائے، جس کی خواہش ہو۔

حاصل : ہمارے رویئے میں اللہ کی نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل کبھی نہ ہو کہ یہ اللہ کے

انتقام کو دعوت دینے والی باتیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انتقام لینے والا ہو، تو پھر اس سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا، جنہیں کمزور کر دیا گیا تھا۔ اس زمین کے مشارق و مغارب کا کہ جس میں ہم نے برکت رکھی اور بنی اسرائیل کے صبر کی بدولت، ان سے تیرے رب کا بھلائی کا وعدہ پورا ہوا۔ اور ہم نے برباد کر دیا، جو کچھ فرعون اور اس کی قوم نے بنایا تھا، اور جو بلندیاں پائی تھیں۔

آل فرعون کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا، جو پہلے غلامانہ زندگی گزارتے تھے۔ جن کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا۔ اور جن کی بیٹیوں کو خدمت لینے کے لئے زندہ رکھا جاتا تھا۔ وہ لوگ جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجنے کے لئے آل فرعون نے وقت عذاب تو وعدے کئے۔ مگر عذاب کے بعد ہمیشہ انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ وہی لوگ اس سرزمین کے وارث بنا دیئے گئے، جو وسیع الاطراف بھی تھی، بابرکت بھی تھی۔ اس میں نہریں تھیں، اس میں پھل دار درخت تھے، پیداوار بکثرت ہوتی تھی۔ محنت کرنے والوں کو ان کی محنت کا پھل اس قدر ملتا تھا کہ وہ اس سے خوش ہو جاتے تھے آسودہ ہو جاتے تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی کا وعدہ کیا ہوا تھا، جو اس نے بنی اسرائیل کے صبر کی بدولت پورا کیا۔ اگر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں صبر سے نہ رہتے، تو یقیناً وہ اس انجام کو نہ پہنچتے۔ اگر یہ لوگ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت کے مقابل کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتے، تو مصائب و آلام میں پس کر ختم ہو جاتے۔ صبر کی بدولت ان لوگوں کو آزادی اور وراثت ملی اور ایسی ملی کہ جو ان کی توقعات سے بڑھ کر تھی۔ وہ تمام مقامات جو سابقہ دور کے ظلم کدے تھے، اور آل فرعون کی نخوت اور استکبار کے نشان تھے، برباد ہو گئے۔ مظلوم کو یہ آرزو ہوتی ہے کہ جس مقام کو اس پر ظلم کرنے کے لئے بنایا گیا ہو، وہ برباد ہو جائے، نابود ہو جائے۔ اس کے آثار بھی اس کو رلا دیتے ہیں۔

حاصل : صبر کی بدولت جو انعامات ملتے ہیں، وہ کسی دوسری صورت میں نہیں مل سکتے۔ مصائب و آلام سے بحفاظت گزر جانے کی صورت صرف صبر ہے۔ کمزوروں کو تائید ایزدی حاصل ہو جائے، تو وہی زور والے ہو جاتے ہیں۔ مظلوم کی یہ بڑی آرزو ہوتی ہے کہ جو مقامات اس پر ظلم کے محل کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں، وہ برباد ہو جائیں، مٹ جائیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو ان کا گزر ایک قوم پر ہوا، جو اپنے بتوں کے سامنے آسن مارے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے، اے موسیٰ علیہ السلام ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے۔ فرمایا تم لوگ یقیناً جہالت کی بات کرتے ہو۔

جب اللہ نے اپنے فضل سے بنی اسرائیل کو آل فرعون کے ظلم وقہر سے نجات دلا دی اور یہ آزادی کے ساتھ دریا کے پار اتار دیئے گئے، تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا، جو اپنے بتوں کے سامنے آسن مارے بیٹھی تھی۔ اس قوم کی بت پرستی ان لوگوں کو ایسی اچھی لگی کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ دیکھئے ان کے بتوں کی طرح ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے، جس کے سامنے ہم آسن مار کر بیٹھیں، جس کی عبادت کریں۔ آپ نے فرمایا، تم لوگ بڑی جہالت کی بات کرتے ہو۔ بت پرست قوم کے انجام کو دیکھ کر آ رہے ہو، اور پھر ظلم عظیم کے راستے کو اختیار کرنے کی بات کرتے ہو۔ جاہل قوم وہ ہوتی ہے، جو کسی چیز کو اچھا کہے، تو رضائے الٰہی کے حوالے سے اچھا نہ کہے۔ اور کسی چیز کو برا کہے، تو بھی حق کے حوالے سے نہ کہے، ماضی سے سبق نہ لے، حال پر من مانی کرے، عمل کے لئے دئے گئے وقت کی اہمیت کو نہ جانے اور لوگوں کی بنائی ہوئی رسومات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے۔

حاصل : آزادی مل جانے کے بعد، بنی اسرائیل نے بت پرستی کی طرف جھک کر اپنی جہالت کا پہلا ثبوت دیا۔ جاہل قوم کسی امر کے ٹھیک یا نہ ٹھیک ہونے کا فیصلہ فرمان خداوندی کے حوالے سے نہیں کرتی۔ لوگوں کی بنائی ہوئی رسومات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

جس میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں، یہ حال تو بربادی کا ہے۔ اور باطل ہے جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر واضح فرمایا کہ یہ بت پرست قوم تو برباد ہونے والی ہے۔ اور جو عمل وہ قوم کر رہی ہے، باطل ہے۔ بربادی کے راستے کو اختیار کرنا اور باطل عمل کرنا تم لوگوں کو کیوں اچھا لگتا ہے۔ جو راستہ جزا دینے والے، مالک یوم الدین کی رضا کے خلاف ہو، وہ یقیناً بربادی کا راستہ ہے اور جو عمل اس کے ارشاد کے تحت نہ ہو باطل ہے۔ اور جو لوگ باطل کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتے ہیں، جتنی وہ حق کو دیتے ہیں، وہ یقیناً جاہل لوگ ہیں۔

حاصل : جو راستہ جزا دینے والے مالک کل کی رضا کے خلاف ہو، وہ بربادی کا راستہ ہے۔ جو عمل فرمان خداوندی کے تابع نہ ہو وہ باطل ہے۔ توفیق ایزدی کو باطل اعمال میں ضائع کرنے والے ہمیشہ

خسارے میں پڑتے ہیں۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

فرمایا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی اور معبود تلاش کروں اور تمہیں عالمین پر فضیلت تو اسی نے دی ہے۔

بنی اسرائیل، آزادی پالینے کے بعد بت پرستی کی طرف مائل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے، جس کی ہم پرستش کرتے رہیں، جس کے سامنے آسن مار کر بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا جن لوگوں کو دیکھ کر تم نے یہ بات کی ہے، وہ تو باطل عمل والے ہیں۔ اور وہ بربادی کی راہ پر ہیں۔ اس سے بڑی ناشکری کیا ہوگی کہ جس اللہ نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے، اس کے سوا کسی اور کو معبود بنایا جائے۔ خالق کل کے مقابل فضل واحسان پر کون قادر ہے۔ جس کو میں تمہارے لئے تلاش کروں۔ معبود کی شان یہ ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہو سکتی۔ اس کا تعین ممکن نہیں ہوتا۔ غیر اللہ کی مثل بھی ہوتی ہے اور تعین بھی ہوتا ہے۔ تمہارے محسن حقیقی کے مقابل کسی اور کو لائق عبادت جاننا میرے لئے ممکن نہیں۔

حاصل : محسن حقیقی ہی فضل واحسان پر قادر ہے۔ وہی معبود لاشریک ہے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت کی جائے تو یہ شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ / ۱۲

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی کہ تمہیں بری سزا دیتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو مار دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ جس نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے، اسی نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی ہے۔ اور تمہیں خوب یاد ہے کہ آل فرعون تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور تم بڑے عذاب میں گرفتار تھے۔ یہ بہت بڑی ابتلا تھی، جو اللہ کے وعدے کے مطابق ختم ہوئی۔ اور اسی ابتلا کے دور میں تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ تمہارا دشمن مٹا دیا جائے گا۔ اور تمہیں اس کی جگہ استخلاف حاصل ہو گا۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ یہ تو انتہائی ناشکری اور جہالت کی بات ہے کہ جس مقام کے بارے میں تمہیں پہلے آگاہ کر دیا گیا تھا اور جس پر تمہیں پورا رہ کر صداقت کا ثبوت دینا تھا۔ اس مقام پر آکر تم وہی کر رہے ہو، جو تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کربِ عظیم سے نجات پانے کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے، ناشکری کے رویئے کو اپنا لیا جائے تو اس کا نتیجہ بربادی ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : ماضی میں اللہ کے فضل و احسان کو یاد کرنا بھلے لوگوں کی نشانی ہے۔ اس سے غفلت دور ہوتی ہے۔ حال پر حق کی ادائیگی کی سعی کی جاتی ہے۔ اور شکر گزاری مزید انعامات کا باعث بنتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ ج وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُسًا ۸۳ / ۱۷

اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں تو وہ اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب اسے برائی پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ج وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور انہیں دس مزید سے پورا کیا۔ تو اس کے ربّ کا وعدہ چالیس رات کا ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ آپ میری قوم میں خلیفہ بنئے اور اصلاح کیجئے اور مفسدین کی راہ پر نہ چلئے۔

آل فرعون کی غلامی کے دور میں بنی اسرائیل کی زندگی کے تقاضے ہمہ وقتی خدمت اور صبر کے ساتھ ان کی ایذاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ کیا تھے۔ آزادی حاصل ہونے کے بعد قول و عمل میں ہر مقام پر رضائے الٰہی کا رخ اختیار کرنا اظہارِ عبدیت کے لئے ضروری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ تیرا نازل کردہ حق ہی علمِ حقیقی ہے۔ اور علمِ حقیقی ہی ہمیں ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں اس شرف سے نواز دے، تاکہ تیرا فرمان صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لئے نورِ مبین کی صورت میں موجود ہو۔ اس عطائے بے بہا کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔ ان تیس راتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امور سلطنت حضرت ہارون علیہ السلام کو تفویض کر کے معتکف ہونا تھا۔ اسی اثنا میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کے حصول کے لئے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے، بنی اسرائیل نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ اور جو روگ اس قوم کے اندر چھپا ہوا تھا، وہ ظاہر ہو گیا۔ یہ مدت اس لئے بڑھائی گئی کہ حق کو ماننے والے اور گوسالہ پرست واضح ہو جائیں۔ ورنہ علیم مطلق کا وعدہ تو تیس رات کا تھا۔ جن کے لئے یہ عطا ہونے والی تھی، ان کا ایک حصہ گوسالہ پرستی میں لگ گیا۔ تو طالب و غیر طالب کے مابین واضح فرق ہونے کے لئے بھی کچھ وقت درکار تھا۔ مزید دس راتوں میں یعنی کل چالیس راتوں میں طالبینِ حق، غیر طالبین سے الگ ہو گئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حسب وعدہ تورات عطا فرما دی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی مفسدہ پردازی کا علم تھا۔ اس لئے آپ نے

حضرت ہارون علیہ السلام کو تاکید کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ آپ میری قوم میں خلیفہ رہیں گے اور اصلاح کرتے رہیں گے۔ جہاں آپ کو کوئی بات انفرادی یا اجتماعی زندگی میں خلافِ حق نظر آئے گی، آپ اصلاح فرمائیں گے۔ اور جو باتیں آپ کے نزدیک درست ہوں گی۔ ان کی تصدیق کرتے رہیں گے۔ اور اگر مفسدین کوئی راہ اختیار کرلیں، تو آپ اپنے مقام کو نہیں چھوڑیں گے۔ وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہو گا۔ اصلاح تو ان کی ہی کی جا سکتی ہے جو اصلاح کے طالب ہوں۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی خواہشات کی پیروی کرنے میں لگ جائیں وہ مفسد ہوتے ہیں، اور مفسد گمراہ ہو جاتے ہیں۔

حاصل : مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہوتے۔ اس لئے جب طالبین خیر کے ساتھ، غیر طالب بھی موجود ہوں تو خیر عطا کرنے سے پہلے معطیٔ خیر کو اتنا ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ غیر طالب، طالبین سے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ تبلیغ حق میں لگے ہوئے ہوں انہیں اپنے بعد کسی صاحبِ علم کو خلیفہ بنانا چاہئے۔ اس کی اطاعت کی تاکید کرنی چاہئے اور خلیفہ کو اصلاح کی تاکید کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ جو فساد کی راہ اختیار کرے، حق سے الگ ہونے کی کوشش کرے، اس کے پیچھے جانے کی اور اس کو اہمیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدہ پر حاضر ہوئے اور آپ سے آپ کے رب نے کلام فرمایا۔ عرض کی اے میرے رب مجھے ہمت دیدار دے کہ میں تیری طرف نظر کر سکوں۔ فرمایا آپ مجھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ ولیکن اس پہاڑ پر نظر رکھیئے۔ یہ اگر اپنی جگہ ٹھہرا رہا، تو عنقریب آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ پھر جب آپ کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی، تو اسے پاش پاش کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بےہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب افاقہ ہوا، عرض کرنے لگے، تجھے پاکی ہے میں تیری طرف رجوع لایا اور سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس راتیں پہاڑ پر خلوت میں عبادت کے بعد رب العالمین کے وعدے کے مطابق حاضر ہوئے۔ اور آپ کو کلام الٰہی سے نواز اگیا۔ یہ عبدیت کا انتہائی مقام ہے کہ معبود، عبد سے کلام فرمائے۔ اس بلاواسطہ پاک کلام سے جو راحت حضرت کو ملی اس سے آپ نے یہ عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے ہمت دیدار دے کہ میں تیری طرف دیکھوں۔

جواب ملا، آپ دیکھ نہیں پائیں گے۔ اس پہاڑ پر نظر رکھئے یہ اگر اپنی جگہ قائم رہا تو آپ دیکھ سکیں گے۔ آپ نے اس پہاڑ کی طرف نظر کی اس پر اللہ نے اپنے نور کی تجلی فرمائی اور وہ پاش پاش ہو گیا۔ یہ اس قدر منوّر منظر تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ افاقہ بھی اللہ کے فضل سے ہی ہوا اور افاقے کے بعد آپ نے پکارا، یا اللہ تجھے پاکی ہے۔ میں تیری طرف رجوع لاتا ہوں اور سب سے پہلے ماننے والا ہوں۔ اس سے یہ روشن ہوا کہ حسنِ کلام کے عتراف سے دیدارِ متکلّم کی آرزو پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے اگر یہ محال ہوتا، تو اس کا سوال ہی نہ ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کے جواب میں بھی اس کا محال ہونا واضح نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی سکت کے حوالے سے یہ فرمایا گیا کہ پہاڑ پر نظر رکھئے۔ اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو آپ دیکھ لیں گے۔ پہاڑ پاش پاش ہو گیا اور حضرت بے ہوش ہو گئے۔ طلبِ دیدار کی وسعت کو پہاڑ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جب حضرت ہوش میں آئے، تو پکارنے لگے۔ یا اللہ تجھے پاکی ہے۔ اور اس پاکی کا اقتضاء یہ ہے کہ کوئی طلب تیری اجازت کے بغیر نہ ہو۔ فرطِ اشتیاق میں مجھ سے ایسی بات ہو گئی جس پر میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ خواہش کوئی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ حتیٰ کہ دیدار الٰہی جیسی پاک خواہش بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر اللہ کے نزدیک دیدار سے مشرف کرنا ضروری ہو تو اس کے لوازمات عطا کرنے والا بھی وہی علیم مطلق ہے، پھر بے ہوشی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا۔

حاصل : خلوت میں ریاضت باعثِ قرب الٰہی ہوتی ہے۔ حسنِ کلام کا اعتراف ہو تو دیدارِ متکلّم کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ خواہش دیدارِ الٰہی کی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ کوئی طلب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہونی چاہئے۔ دیدارِ الٰہی ممکن ہے مگر جب اللہ چاہے۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو لوگوں سے چن لیا۔ اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ، تو لیجئے جو میں نے آپ کو عطا فرمایا اور شاکر رہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسبیح اور اوّل المومنین ہونے کے اظہار کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا اے موسیٰ علیہ السلام میں نے آپ کو لوگوں سے چن لیا ہے۔ آپ کو امتیاز بخشا گیا ہے۔ آپ رسالت کے امین ہیں۔ اور آپ سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ آپ حق کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اور حق کو قولاً اور عملاً ادا کر کے دکھائیں گے۔ تو لیجئے جو آپ کو عطا ہوا۔ اسے مضبوطی سے تھامیئے، اور شاکر رہئے۔ حق کو مضبوطی سے تھامنا یہ ہے کہ اس کے مقابل کسی بات کو وقعت نہ دی جائے۔ ظن و تخمین کبھی پریشان نہ کرے اور شاکر رہنا یہ ہے کہ عطا کو معطی کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے اور اجر کا سوال کبھی نہ ہو۔

حاصل : اللہ کے چنے ہوئے سے جو فائدہ لوگوں کو پہنچتا ہے، وہ کسی اور صورت سے نہیں پہنچ سکتا۔ حق کے مقابل ظن و تخمین کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ اور حق کی تبلیغ کو کسی طرح بھی مشروط

نہیں کرنا چاہئے۔ حق کو مضبوطی سے تھامنا اور شاکر رہنا, اللہ کے چنے ہوئے بندوں کی صفات ہیں۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾

اور ہم نے آپ کو ہر شے کی موعظت اور ہر شے کی تفصیل تختیوں پر لکھ دی، تو انہیں قوت سے تھامیئے۔ اور اپنی قوم کو امر دیجئے کہ اسے اچھی طرح تھامیں۔ عنقریب میں آپ کو فاسقین کا گھر دکھاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح عطا فرمائی گئیں، ان میں ہر شے کے بارے میں موعظت اور ہر شے کی تفصیل موجود تھی۔ جن امور میں اللہ کی رضا موجود ہوتی ہے وہ سب موعظت کے درجے میں ہوتے ہیں۔ ماننے والوں کو کس طرح اپنا احتساب کرنا چاہئے تاکہ وہ فلاح پائیں۔ یہ سب اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ علم الٰہی سب سے بڑا علم ہے کہ یہ علیم مطلق کا علم ہے۔ اس میں موعظت اور تفصیل بھی علم مطلق سے رکھی گئی ہے جن جن مقامات پر راہ راست سے بھٹک جانے کا امکان ہو سکتا ہے ان مقامات پر آیاتِ ربانی روشنی کے میناروں کی صورت میں موجود ہیں۔ کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی الواح عطا فرما کر یہ ارشاد فرمایا گیا۔ انہیں قوت سے تھامیئے, آپ تو چنے ہوئے بندے تھے۔ آپ کا اپنا حال فرمانِ خداوندی کے مطابق تھا۔ اس میں کوئی کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کا قوت سے تھامنا, حق کو قوت کے ساتھ نافذ کرنا ہے۔ اور اسی سے لوگوں کو احساسِ تحفظ میسّر آ سکتا ہے۔ پھر اپنی قوم کو امر دینے کی تاکید تھی کہ وہ بھی اس کو اچھی طرح پکڑیں۔ حکمِ خداوندی تو کُلّی طور پر احسن ہوتا ہے۔ ماننے والوں کا اچھی طرح ماننا اسی طرح ممکن ہے کہ وہ کسی مقام پر حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں کہ یہی فسق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آگاہی بھی فرما دی گئی کہ عنقریب آپ کو ایسے لوگوں کے مشاہدے کا موقع ملے گا, جو فاسق ہوں گے۔ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت نہ کی اور گوسالہ پرستی شروع کر دی، وہ سب فاسق ہی تھے کہ انہوں نے بھی حق کو ماننے کے دعوے کے باوجود اپنی خواہش کی پیروی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کے فاسقانہ رویئے سے آگاہ ہو جانا, اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضروری تھا۔ اس لئے نزول تورات کے ساتھ ہی یہ آگاہی فرما دی گئی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کا فرمان علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی موعظت اور تفصیل میں کوئی لفظ زائد نہیں ہوتا۔ اگر اس کے نافذ کرنے کا شرف ہو تو اسے قوت سے نافذ کرنا چاہئے اور تائیدِ ایزدی کو شاملِ حال جاننا چاہئے۔ ماننے کا حق یہ ہے کہ کسی مقام پر حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ حق کو نافذ کرنے والوں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ ان کا واسطہ ایسے لوگوں سے بھی ہو گا, جو نام تو حق کا لیں گے اور کریں گے اپنی خواہش کی پیروی۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ
يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا
يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ
الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ
وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، میں انہیں اپنی آیات سے پھیر دوں گا۔ اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر رشد کا راستہ دیکھیں تو اس راستے کو نہ پکڑیں۔ اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس راستے کو پکڑیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ ان سے غافل رہے۔

زمین میں ناحق تکبّر کرنے والے کبھی ہدایت کے طالب نہیں ہوتے۔ جو بات انہیں اپنی خواہشات کے خلاف معلوم ہو اس کی تکذیب میں دیر نہیں کرتے۔ انہیں اپنی پسند کے علاوہ کچھ حق نظر ہی نہیں آتا۔ اس لئے ان کو آیاتِ حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اگر حق کو روشن کرنے والی سب نشانیاں بھی ان کے مشاہدے میں آجائیں تو یہ ان پر ایمان نہیں لاتے۔ نشانیاں ان کے لئے اہم ہوتی ہیں، جو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنا رُخ ہر مقام پر خیر کی طرف رکھتے ہیں۔ نشانیوں کے مشاہدے سے ان کو تقویّت ملتی ہے اور تائید حاصل ہوتی ہے۔ متکبّرین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اگر رشد کے راستے کو دیکھ لیں تو اسے کبھی اختیار نہیں کرتے۔ وہ انہیں اپنی خواہشات کے خلاف نظر آتا ہے۔ مگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے ضرور اختیار کرتے ہیں کہ یہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی، اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے سے اور حق سے غافل رہنے کی وجہ سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ناصحین سے محبت نہ ہو تو ناحق تکبّر طریقِ زندگی ہو جاتا ہے۔ دل ناصحین کا دشمن ہو جاتا ہے۔ تو ایسے دل والے کو اللہ تعالیٰ اپنی آیات سے پھیر دیتا ہے۔

حاصل : زمین میں ناحق تکبّر کرنے والے، برائی کو پھیلا کر خوش ہوتے ہیں، حق کی نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لاتے۔ ان نشانیوں کی تکذیب اور ان سے تغافل کو ضروری جانتے ہیں، ایسے لوگوں سے اپنی اولاد کی اور اپنے متعلّقین کی حفاظت کرنی چاہئے، جب تک یہ حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ اللہ فاسقین کو ہی گمراہ کرتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے اعمال برباد ہوئے۔ انہیں کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل وہ کرتے تھے۔

جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے اعمال کبھی رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہوتے۔ وہ بظاہر مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے بھی نظر آتے ہوں اور بڑے بڑے بھی معلوم ہوتے ہوں تو بھی ان کے پیچھے یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ لوگ عاملین کو اچھا کہیں، ان کی قدر و منزلت بڑھے۔ جو عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا پانے کے ارادے سے کیا ہی نہ گیا ہو، اس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ عمل دنیا میں ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ جس نیّت سے کوئی عمل کیا جائے، اسی نیّت کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : جو لوگ اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کرتے ہیں، قیامت میں شک کرتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔ ان کے اعمال جزا کے عدم یقین کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔ جب عامل اللہ کی رضا کے مقابل لوگوں سے قدر و منزلت طلب کرے تو آخرت سے اس عمل کا تعلق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والے سے بڑا کوئی جزا دینے والا نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ۲۰/ ۴۲

جو آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہو گا۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وقف لازم

اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کی قوم نے ایک بچھڑا بنا لیا۔ اپنے زیوروں سے، ایک بدن کہ جس میں گائے کی آواز تھی۔ کیا یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انہیں راستہ بتاتا ہے۔ اسے معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حصول تورات کے لئے گئے تو حکم خداوندی کے مطابق، حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ

خلیفہ بنا کر گئے مگر بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اور اپنے زیوروں کو گلا کر ایک بچھڑے کی شکل میں ڈھال لیا۔ یہ ایک بے جان جسم تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ حماقت و سفاہت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اپنے بنائے ہوئے کو معبود بنالیا۔ اور بے مثل کی مثل بنانے کی غلطی کی۔ وہ آواز کوئی کلام بھی نہ تھی۔ اس سے راستہ بھی نہیں ملتا تھا۔ جو لوگ اپنی تجاویز سے حق کو پانے کی کوشش کرتے ہیں، وہی بت پرستی کی طرف جایا کرتے ہیں۔ حق کو پانے کی صورت تو یہی ہے کہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے۔ اور مخلصین کا اتباع کیا جائے۔ جو لوگ اپنی پسند کو، اپنی تجویز کو حق کا درجہ دے دیتے ہیں، وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں، اور ظالم ہوتے ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔

حاصل : جن لوگوں کے اندر اپنی خواہشات کی پیروی کا رجحان ہوتا ہے، وہ اگر مخلصین کے سامنے اپنی تجاویز کو بیان نہیں کرتے تو ان کے بعد صرف اپنی تجاویز کو ہی وقعت دیتے ہیں۔ فرمان خداوندی کے مقابل اپنی تجویز کو وقعت دینا ظلم ہے۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم گمراہ ہوئے، کہنے لگے کہ اگر ہمارا ربّ ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں نہ بخشے تو یقیناً ہم خاسرین سے ہوئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات شریف کے حصول کے لئے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ حضرت ایک مہینے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں۔ اسی عرصے میں بت پرستی کا ارتکاب کرنے والوں کو جب حضرت کی واپسی قریب نظر آئی تو وہ اپنے اعمال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں دیکھنے لگے۔ انہیں یاد آیا کہ حضرت نے تو اس عمل کے جہالت ہونے کی شہادت دی تھی۔ یہ تو بہت برا ہوا کہ ہم بت پرستی کر کے گمراہ ہوگئے، اور گمراہوں کا انجام تو خسارہ ہی ہوتا ہے۔ آل فرعون کی بات ابھی دور کی بات نہیں تھی۔ اب یہ لوگ دعا کرنے لگے کہ اگر ہمارا رب بت پرستی کے گناہ کے بعد ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہمیں نہ بخشے، تو پھر ہمارے لئے خسارے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

حاصل : حق کو جانتے ہوئے اپنی تجاویز کو وقعت دینے والے ہی پچھتاتے ہیں۔ جب انہیں حق کے حوالے سے اپنی گمراہی کا احساس ہوتا ہے، تو پھر وہ اپنے رب سے رحم اور بخشش طلب کرتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو پھر ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ رہ جاتا ہے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِيۡ

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غصّے اور افسوس کے ساتھ لوٹے، کہنے لگے، میرے بعد تم نے میری کیا بری

مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۵۰

خلافت کی۔ کیوں عجلت کی تم نے اپنے رب کے امر سے اور آپ نے الواح کو رکھ دیا۔ اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ عرض کیا اے میرے ماں جائے، قوم نے مجھے ضعیف جانا اور قریب تھا کہ مجھ سے لڑتے، تو دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسایئے اور مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ معیارِ حق لینے کے لئے گئے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہو، انہیں ذکر وفکر میں مشغول رہنا چاہیے، اور رجوع الی اللہ رہنا چاہیے۔ جب حضرت کو اپنے بعد لوگوں کی گوسالہ پرستی کا علم ہوا، تو غصّے اور افسوس کا اظہار قدرتی بات تھی۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کو خلافت دے کر گئے تھے۔ اس لئے آپ سے ہی مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ میرے بعد تم نے میری کیا بری نیابت کی، فرمانِ خداوندی کے آنے کا انتظار کرتے ہوئے تمہیں میری تعلیمات پر عمل پیرا رہنا چاہیے تھا۔ تم نے امرِ الٰہی کے انتظار کی بجائے عجلت سے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ حکم نافذ کرنے والے کا حق یہی ہے کہ وہ اپنے نائب کو اس کی ذمّہ داری کے حوالے سے پوچھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام غصّے میں تھے۔ آپ نے فرمانِ خداوندی والی تختیوں کو ادب سے رکھ دیا۔ اور حق کی عدم تکریم کے سلسلے میں لوگوں کے سامنے اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ تب حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا۔ بھائی صاحب میری گزارش یہ ہے کہ میں نے آپ کے ارشادات کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی۔ لوگوں نے مجھے ضعیف جانا۔ میری نصیحت کو اہمیت نہیں دی۔ میری نصیحت پر یہ مجھ سے لڑنے کو تیار تھے۔ آپ ان دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔ اور مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھئے۔

حاصل : جن کی بھلائی باعثِ راحت ہو، وہ خسارے کی طرف بڑھ جائیں تو افسوس ضرور ہوتا ہے۔ حکم نافذ کرنے والے کو اس کی ذمّہ داری کے حوالے سے پوچھنا چاہیے۔ نیابت کرنے والے کو خلافت دینے والے کے سامنے اپنا حال بیان کر دینا چاہیے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۵۱ ع ۸

عرض کی، اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے جواب سے مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ہم سے اگر تیرے احکام کو نافذ کرنے میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو، تو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما۔ ہر رحم کرنے والے سے اوپر کوئی رحم کرنے والا ہوتا ہے۔ مگر تجھ سے اوپر کوئی رحم کرنے والا نہیں۔ پاک لوگوں کی شان یہی ہے کہ وہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد بھی یہی اعتراف کرتے رہیں کہ حقِ معرفت ہم سے ادا نہیں ہوا۔

حاصل : احکامِ خداوندی کے نافذ کرنے والوں کو اپنے لئے اللہ سے بخشش اور رحمت طلب کرنی چاہئے کہ وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ جو لوگوں پر رحم کرے وہی اللہ تعالیٰ کے ارحم ہونے سے استفادہ کر سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے:
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ۱۷/۸۲
اور ہم قرآن میں وہ اتارتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالمین کو خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا، انہیں حیاتِ دنیا میں ان کے ربّ کی طرف سے غضب اور ذلت پہنچے گی۔ اور ہم مفترین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد گوسالہ پرستی کی، وہ ظلم کے مرتکب ہوئے۔ حیات دنیا میں ان پر اللہ کا غضب پڑا، اور وہ ذلیل ہوئے کہ اللہ پر افتریٰ باندھنے والوں کو یہی جزا دی جاتی ہے۔ حق کے مقابل اپنی تجویز کو وقعت دینے والے، اللہ کی رحمت سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اور اللہ کے غضب کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ رضائے الٰہی کے خلاف کر کے اپنی عزت کو بڑھایا جائے، مگر اللہ کی مشیت انہیں ذلّت سے نوازتی ہے۔ افتریٰ باندھنے والوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے۔ حیات دنیا میں ان پر اللہ کا غضب پڑتا ہے، اور وہ ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر افتریٰ باندھنے والے اپنے کئے کی جزا پا رہے ہیں۔

حاصل : شرک ظلم عظیم ہے۔ حیات دنیا میں اس کی جزا یہ ہوتی ہے کہ مفتری پر اللہ کا غضب پڑتا ہے، اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے اور دیکھنے والوں کو اس کے حال سے درسِ عبرت ملتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جنہوں نے برے عمل کئے، پھر توبہ کی ان کے بعد اور ایمان لائے، تو اس کے بعد یقیناً تمہارا رب بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، ان کے اعمال برے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چھوڑ دیں اور حق کو مان لیں جیسے ماننے کا حق ہے۔ ہر عمل میں رضائے الٰہی کو مقصود رکھیں۔ یہ یقین رہے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس لئے یہ نہ دیکھیں کہ لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہی دیکھیں کہ انہیں حق کے مطابق کیا کرنا چاہئے تو ایسے لوگوں کا حال پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس حال کا ماضی سے تعلق نہیں رہتا۔ ان کی سابقہ برائیوں کی نفی ہو جاتی ہے، انہیں بخش دیا جاتا ہے، اور آئندہ وہ رحمتِ خداوندی سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

حاصل : جو عمل اپنی خواہش کی پیروی کے لئے کیا جائے، وہ برا عمل ہے۔ جو اس رویئے سے تائب ہو کر، حق کی ادائیگی کو مقصود بنا لے، اس کو بخشش اور رحمت سے نواز دیا جاتا ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ تھما۔ تختیاں اٹھا لیں۔ اور ان کی تحریر میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے رویئے کے بارے میں حضرت ہارون علیہ السلام کا بیان سنا تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حق خلافت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔ تو آپ کا غصہ تھم گیا اور وہ تختیاں جو آپ نے ادب سے ایک طرف رکھ دی تھیں۔ اٹھالیں اور ان میں جو فرمانِ خداوندی تھا اس کا ذکر خیر شروع کیا۔ ان تختیوں کو پہلے ایک طرف رکھنا تقاضاءِ ادب تھا کہ جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ کون لوگ اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور کون ظالم ہیں، فرمان خداوندی ان کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے تھا۔ فرمان خداوندی میں انہی لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہوتی ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اس ڈرنے کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ ان کے قول و عمل کی جزا دینے والا، اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے ان کے قول بھی خواہش کے تابع نہیں ہوتے۔ عمل میں بھی وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی احق ہے۔ انہی لوگوں کو ہدایت مطلوب ہوتی ہے، اس لئے یہی ہدایت پاتے ہیں۔ جو ہدایت پا جائے، رحمتِ خداوندی اس کا احاطہ کئے رکھتی ہے۔

حاصل : اپنے متعلقین کے ظلم کو دیکھ کر غصے کا اظہار کرنا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ فرمان

خداوندی، اپنے رب سے ڈرنے والوں کے لئے باعث ہدایت و رحمت ہوتا ہے۔ جب قول خواہشِ نفس کے تابع ہونے کی بجائے اللہ کی رضا کے تحت ہو اور عمل میں اللہ کی رضا کو احق مان لیا جائے تو یہ اللہ سے ڈرنے کی سند ہوتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے ہماری میقات کے لئے ستّر مرد چنے۔ پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا، آپ نے پکارا، اے میرے رب اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے قبل ہی ہلاک کر سکتا تھا۔ کیا ہم میں سے بےوقوفوں کے فعل پر ہمیں ہلاکت ہو گی۔ یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے۔ تو جسے چاہے بھلا دے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اور تو سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی جماعت کے ساتھ نزول تورات کے مقام پر حاضر ہوئے۔ اور اپنے چنے ہوئے ستّر ساتھیوں کے ساتھ مصروف عبادت ہوئے، تو آپ کے کچھ ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ یہ کلمات اللہ کے نزدیک قابلِ گرفت ہیں۔ تمہیں اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ تمہیں اس مقام مقدّسہ پر حاضری کا شرف ہوا ہے۔ اور تمہیں اللہ نے بڑی عزت سے نوازا ہے۔ مگر وہ لوگ اپنے مطالبے سے باز نہ آئے، تو انہیں زلزلے نے پکڑ لیا، اور وہ ختم ہو کر رہ گئے۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اے میرے رب اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر سکتا تھا۔ تیری مشیّت میں دخل دینے کی مجال تو کسی کو نہیں ہو سکتی۔ یہاں لا کر اور بڑے شرف سے نواز کر ہمارے کچھ بےوقوفوں کے پر حماقت رویئے کی بنا پر ہمیں ہلاک نہ کر، یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے کہ کون اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا کے سامنے پست رکھتا ہے اور کون اپنی خواہشات کو نیک جانتے ہوئے بڑھاتا رہتا ہے۔ اب اگر کسی کو ہدایت ملتی ہے تو وہ بھی تیرے کرم سے ملتی ہے۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تیرا کرم کسی کے شامل حال نہ ہو اور وہ ہدایت پا جائے۔ تیری آزمائش میں تیرے کرم کے ساتھ ہی پورا رہنا ممکن ہے۔ تو ہمارا دوست ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تجھ سے بڑا بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم سے جو بول بولے گئے، وہ کم علمی کی وجہ سے تھے۔ ہم بخشش اور رحم کے طالب ہیں۔ تیرے کرم سے ہی ہم صراط مستقیم پر رہ سکتے ہیں۔

حاصل : اپنے شاہد سے تقدّم باعثِ ہلاکت ہوتا ہے۔ شاہد دعا کا جو علم رکھتا ہے وہ دوسروں کو نہیں ہوتا۔ ہدایت یافتہ ہونے کا شرف ہو، تو اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ اور اپنے ساتھیوں کے لئے بخشش اور رحم طلب کرنا چاہئے۔ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کو معاف کرتے رہنا شانِ عبدیّت ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ ﴿۱۵۶﴾

اور ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا میں اپنے عذاب کو جس پر چاہوں ڈالتا ہوں، اور میری رحمت ہر شے پر وسیع ہے تو جلد ہی میں اسے ان کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان لوگوں کو زندہ کر دیا، جو زلزلے میں پکڑے جانے کے بعد مر گئے تھے۔ اب حضرت نے یہ دعا فرمائی۔ یا اللہ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ تیرے کرم سے ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں عذاب کو جس پر چاہوں ڈالتا ہوں، میری مشیت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جو خلافِ حق کرنے کا راستہ اپنے لئے چن لیتا ہے اسے اس کے اعمال کی جزا دینا بھی میرا کام ہے۔ جہاں تک رحمت کا تعلق ہے، تو وہ ہر شے پر وسیع ہے۔ اور کسی کو اس کی بھلائی کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا معطیٔ مطلق بھی میں ہی ہوں۔ بھلائی تو انہی کے لئے لکھی جائے گی، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد یہ اعتراف کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے کا کُلّی حق ادا نہیں ہوا۔ اور ہمارے عمل کو حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے نسبت ہی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول کرے تو اس کی مہربانی۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور فی سبیل اللہ خرچ ہونے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اللہ کی آیات پر ایمان لانے سے پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ اور دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی طرف جھکاؤ کا امکان ہی نہیں رہتا۔

حاصل : دعا کرنی چاہئے، یا اللہ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ سزا برائے اصلاح ہو اور رحمت عام ہو تو اللہ کی بندگی ہو گی۔ تقوے کے ساتھ زکوٰۃ دی جائے اور اللہ کی آیات پر ایمان لایا جائے، تو خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے، اور

دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہوتا ہے۔ جسے دائمی پاک دامنی کا مقام مل جائے، اس کے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی لکھ دی جاتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹

وہ لوگ جو رسول کا اتباع کرتے ہیں، جو نبی اُمّی ہے کہ جس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں بھلائی کا امر کرے گا اور برائی سے منع کرے گا، اور طیبّات کو ان کے لئے حلال ٹھہرائے گا اور خبائث کو ان کے لئے حرام ٹھہرائے گا۔ اور ان پر سے ان کے بوجھ اور گلے کے پھندے اتارے گا۔ تو جو لوگ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعظیم کریں اور آپ کی مدد کریں، اور اس نور کا اتباع کریں، جو آپ کے ساتھ نازل ہوا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں، وہ اس کے رسول کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اس رسولؐ کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ ایسے نبی ہیں جو اُمّی ہیں اہل کتاب سے نہیں ہیں، یعنی بنی اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں۔ اللہ کے رسول کسی کے سامنے زانوۓ تلمذ تہ نہیں کرتے تھے، ان کے لئے معلّم اللہ تعالیٰ ہوا اور وہ لوگوں کے لئے معلّم ہوئے۔ اہل کتاب اس بات پر گواہ ہیں کہ وہ امی نبی کی مبارک صفات کو تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ تورات اور انجیل کی تحریف چاہے جس حد تک بھی ہو چکی ہے، یا آئندہ ہو سکتی ہے، ان کے اندر اُمّی نبی کی مبارک صفات کا ذکر پاک موجود ہے، اور موجود رہے گا اور یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ ان صفاتِ مبارکہ کا پتہ ہو گا۔ اُمّی نبی کے قریب ہونے کے لئے اہل کتاب کو یہ آسانی عطا فرمائی گئی ہے کہ اس کا ہر امر بھلائی کے لئے ہو گا۔ اور جس بات سے وہ منع کر دے وہ برائی ہو گی۔ بھلائی اور برائی کے تعین میں اُمّی نبی کے ارشاد سے بڑا کوئی معیار نہیں ہے۔ اس لئے اتباع کے لئے دیئے گئے وقت کو سوچ بچار میں ضائع نہ کیا جائے۔ تحلیل و تحریم کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی اُمّی نبی کی شان ملاحظہ ہو کہ جس کو وہ حلال فرما دے، وہ شے طیبّات میں داخل ہو گی اور جس شے کو وہ حرام فرما دے، وہ خبائث میں داخل ہو گی۔ طیبّات کے کھانے سے رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملتی ہے۔ خبائث کے کھانے

سے طاغوت کی بندگی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اُمّی نبی کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اہل کتاب کو ان کے بوجھ سے اور ان کے گلے کے پھندوں سے نجات دلا دے گا۔ یہ بوجھ اور پھندے بنی اسرائیل کے لئے ضروری تھے کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کی پیروی سے اسی طرح بچ سکتے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والے، آپ کی تعظیم کریں۔ آپ کے مدد گار بنیں اور اس نورِہدایت کے پیچھے چلتے رہیں جو آپ کے ساتھ نازل ہوا، تو وہ یقیناً فلاح پائیں گے۔ تعظیم یہ ہے کہ اُمّی نبی کے ارشاد کے سامنے اپنی علمیت کو ادب کے ساتھ پست رکھیں۔ یہ یقین رہے کہ بندوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ مدد یہ ہے کہ حضور کے ارشاد کی تائید میں بات کریں اور جو اسناد ان کے پاس ہوں، اظہارِ حق کے لئے انہیں بیان کریں۔ مال سے بھی مدد کریں۔ جان سے بھی مدد کریں۔ اور آپ کی طرف سے ملنے والے نورِہدایت کی پیروی کرتے رہیں۔ یہ حال کو تسلیم کرنے کے آداب ہیں۔ اور صاحبِ تسلیم کے لئے فلاح رکھی گئی ہے۔

حاصل : اُمّی وہ لوگ ہیں، جو اہل کتاب یعنی بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُمّی نبی ہیں۔ اور آپ کی مبارک صفات کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جس بات کے کرنے کا امر دیں، وہ بھلائی ہے۔ جس سے منع کریں وہ برائی ہے۔ جس کو حلال ٹھہرا دیں وہ طیّب ہے۔ جس کو حرام ٹھہرا دیں وہ خبیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل کتاب کو آسانیاں عطا فرمائی ہیں۔ ایمان لانے والے، آپ کی تعظیم کریں، آپ کے مدد گار ہوں۔ اور اس نور ہدایت کے پیچھے چلیں جو آپ سے حاصل ہوا، تو وہ فلاح پا جائیں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ قف وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ ۞ ۲۷/ ۱٤

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو حیاتِ دنیا اور آخرت میں حق بات پر ثابت رکھتا ہے، اور ظالمین کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور اللہ جو چاہے کرے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ص

فرما دیجئے، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حیات و موت دیتا ہے۔ تو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے بھیجے ہوئے اُمّی نبی پر ایمان لاؤ، جو کہ اللہ اور

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اس کے کلمات کو مانتے ہیں۔ اور آپ کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی فرمایا، وہ حکمِ خداوندی سے تھا اور وہ ماننے والوں کے لئے باعث ہدایت رہا ہے اور رہے گا۔ آپ نے فرمایا، اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کے دائرہ قدرت میں ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہو، اسی کی رضا کے لئے ہو، تو یہ اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت ہو گا۔ حیات دینے والا بھی وہی ہے۔ اور موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اس کی طرف سے آنا ہوا ہے اور اسی کی طرف جانا ہو گا۔ اور اس حیات و موت کے عمل میں انسانی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔ تو ان دو مقامات کے درمیان وقفے میں بھی اللہ کی بندگی ہی حق ہے۔ اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کے نازل کردہ حق کو مانا جائے اور جزا کے یقین کے ساتھ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر عمل کیا جائے۔ اس کے اُمّی نبی پر ایمان لانا یہ ہے کہ حضور کو ناصح مانا جائے۔ اور آپ سے محبت رکھی جائے۔ یہ یقین رہے کہ آپ عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کے بارے میں اللہ نے یہ شہادت دی ہے۔ کہ آپ اللہ اور اس کے کلمات کو ماننے کے اعتبار سے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے جو آپ کی پیروی کرے گا، وہ ہدایت پائے گا۔

حاصل : سب لوگوں کی طرف رسول ہونے کا مرتبہ خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی حاصل ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں ہر مقام پر احکاماتِ الٰہی کے حوالے سے بات ہونی چاہئے۔ معبود کی رضا میں عبدّیت کی شان ہے۔ حیات و موت دینے والا اللہ ہی ہے۔ اللہ پر ایمان لانا دعویٰ ہے، جو اللہ کے نبی پر ایمان لانے کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ ایمان لانے والے ہی اتباع کرتے ہیں۔ اور آپ کا اتّباع باعثِ ہدایت ہوتا ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور اس سے عدل کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے وہ لوگ بھی ہیں، جو انبیاء سے جھگڑتے رہے ہیں۔ زمین میں فساد کرتے رہے ہیں۔ من مانی کرتے رہے ہیں۔ مگر آپ کی قوم سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے۔ اور خود اپنے قول کو عملاً سچا ثابت کرتا ہے۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ قومیت، عقیدے سے تعلق نہیں رکھتی۔ ایک ہی قوم میں متضاد رخ رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ جو لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں اپنی پسند کو شامل نہیں کرتے اور اس ارشاد گرامی کی

تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتے۔

حاصل : قومیت کا عقائد و نظریات سے تعلّق نہیں ہوتا۔ حق کو بیان کیا جائے تو اس پر خود پورے رہنا تقاضاءِ عدل ہے۔ قومِ موسیٰ سے ان لوگوں کو لائق احترام جاننا چاہئے جو حق کو بیان کرتے ہیں۔ اور خود اس پر پورے رہتے ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ
اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ
اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ
فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ
الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٠

اور ہم نے انہیں بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا، گروہ گروہ۔ اور جب آپ کی قوم نے آپ سے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے عصا سے اس پتھر کو ضرب لگائیے۔ جبھی اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ اور ہم نے اُن پر ابر کا سایہ کیا۔ اور ہم نے ان پر من و سلویٰ اتارا۔ کھاؤ طیبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا۔ اور انہوں نے ہمارے ساتھ ظلم نہیں کیا۔ لیکن اپنے ساتھ ظلم کرتے رہے۔

آلِ فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے بیٹے ذبح ہو جاتے تھے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے عددی قوت بننے کے امکان کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل کو آزادی دینے کے ساتھ اللہ نے یہ برکت بھی عطا فرمائی کہ یہ تعداد میں بہت بڑھ گئے اور یہ کثرت مقتضی ہوئی کہ ایک بڑی قوم کو قبیلوں میں بانٹ دیا جائے تاکہ افراد کے مابین روابط بہتر ہو جائیں اور زندگی کے عمل میں آسانیاں پیدا ہوں۔ یہ تقسیم بارہ قبیلوں میں ہوئی، ہر گروہ کا ایک تعارف بنا، اس کے لئے جگہ کا تعین ہوا۔ یہ بتایا گیا، وقتی اور مقامی ضرورتوں کے سلسلے میں کن کن حضرات سے رہنمائی حاصل کرنی ہے۔ اس طرح بنی اسرائیل کی معاشرت میں ترقی ہوئی۔ قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض پیش کی کہ حضرت پانی کے لئے دعا فرمائیے۔ کہ پانی ضروریات زندگی میں اہم ترین شے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے عصا کو اس پتھر پر ماریئے، آپ نے اپنا عصا اس پتھر پر

مارا تو اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔ ہر قبیلے کو معلوم ہو گیا کہ اس کے قریب پانی کی گزر گاہ، اس کا حصہ ہے۔ اس سہولت کے حاصل ہونے کے بعد زندگی میں تحرک بڑھا، تو صحرا کی دھوپ کی تمازت آڑے آنے لگی۔ اس کے لئے اللہ نے حضرت کی دعا سے یہ آسانی عطا کر دی کہ بادل سایہ کئے رکھتے تھے، اور چلنے پھرنے کا کام مشکل نہیں رہا تھا۔ اب خوراک کا مسئلہ تھا۔ دعا کروائی گئی، من و سلویٰ، عطا ہونے لگا۔ آدابِ حصول واضح فرما دیئے گئے۔ اس رزق کا تسلسل باعث اطمینان ہونا چاہئے تھا۔ پانی مل گیا، سایہ مل گیا، رزق مل گیا، اب تو حیات کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کو رضائے الٰہی پر لگانا بہت آسان ہو گیا۔ مگر شکریہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں، جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے، اور جن کی نظر افادیت سے ہٹ کر لذت کی طرف نہیں جاتی۔ ان لوگوں نے خواہشات کی پیروی شروع کر دی، اور اس طرح ظلم کے مرتکب ہوئے۔ مگر ان کا ظلم انہی کے لئے باعث خسران تھا۔ معطئ مطلق تو احتیاج سے پاک ہے۔ اس کی عطا کی ناشکری کی جائے، تو اس سے معطئ مطلق کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔

حاصل : کثرت کے نتیجے میں تقسیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تقسیم علمِ حقیقی رکھنے والوں کا کام ہے۔ قاسم کی مقرر کردہ حدود کا احترام اس لئے ضروری ہے کہ اس نے جو کیا ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ افادیت کے مقابل لذت کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ ناشکری سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، نقصان ناشکری کرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓــٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور جب انؑ سے فرمایا گیا کہ اس قریئے میں سکونت اختیار کرو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور حِطَّۃٌ کہو۔ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ البتہ محسنین کو زیادہ دیں گے۔

جب بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے طعام واحد پر صبر نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لئے ہماری پسندیدہ چیزوں کا اہتمام ہونا چاہئے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا، کیا خیر کے بدلے ادنیٰ کو پسند کرتے ہو۔ مگر قوم کا مطالبہ جاری رہا، تو ان سے فرمایا گیا کہ اس بستی میں اترو، وہاں سکونت اختیار کرو۔ جو تمہیں پسند ہے، وہ وہاں موجود ہے۔ جو چاہو کھاؤ اور حِطَّۃٌ کہتے رہو، (ہماری خطائیں معاف کیجئے) دروازے میں داخل ہوتے وقت سجدہ شکر بجا لاؤ، اس سے تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی۔ اور محسنین کو مزید انعامات سے نوازا جائے گا۔ طیّبات کے استعمال کرنے والوں پر حق ہے کہ وہ اللہ سے بخشش طلب کرتے رہیں۔ جو نعمتیں انہیں میسر ہوں، انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں۔ اور یہ اعتراف بھی کرتے رہیں کہ معرفتِ الٰہی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اپنے اعمال کو خوب نہ کہیں، اور بخشش طلب کرتے رہیں۔ دوسروں کی خطاؤں کو بھی معاف کرنے میں دیر نہ کریں، تو یہ عطائے رزق کا شکریہ ادا کرنے کی صورت ہو گی۔ جائے سکونت بھی اللہ

تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا بھی حق ہے۔ اور اس شکریئے کے ساتھ عجز بھی ہونا چاہیے۔ استکبار نہیں ہونا چاہیے۔ حدود اللہ کا ادب و احترام کرنے والے، محسنین ہوتے ہیں۔ انہیں اللہ بڑی شان سے نواز تا ہے۔

حاصل : طیبات سے کھانا چاہیے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے دوسروں کو بھی کھلانا چاہیے۔ لذت مقصود نہیں ہونی چاہیے۔ افادیت مقصود ہونی چاہیے۔ اللہ کی مخلوق سے معاملات کرنے والوں کو بخشش طلب کرتے رہنا چاہیے۔ اپنے اعمال کو خوب کہنے سے دوسروں کے اعمال کا ناقص نظر آنا یقینی ہوتا ہے۔ اپنے اعمال کو حق کے حوالے سے دیکھا جائے تو عجز پیدا ہوتا ہے۔ جائے سکونت کو بھی عطائے الٰہی جاننا چاہیے، اور خوف خدا کے ساتھ اسے پاک رکھنا چاہیے۔ محسنین بڑے انعامات سے نوازے جاتے ہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾ ع

تو ان میں کے ظالموں نے اس ارشاد کو بدل ڈالا جو انہیں فرمایا گیا تھا۔ تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کی مطلوبہ اشیاء جہاں موجود تھیں، اس قریئے میں داخل ہونے کے آداب یہ بیان فرمائے گئے تھے کہ حِطَّۃٌ" کہتے رہو اور سجدہ شکر بجالاتے ہوئے دروازے میں داخل ہو۔ ان لوگوں نے مغفرت طلبی کی بجائے۔ حِنطۃٌ کہنا شروع کر دیا۔ اور سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونے کی بجائے سرینوں پر سرکتے ہوئے داخل ہوئے۔ یہ ارشاد الٰہی کو بدل ڈالنے والی بات تھی۔ اور ارشاد الٰہی کو بدلنے کی کوشش صریحاً ظلم ہے۔ ان لوگوں کے ظلم کی بدولت ان پر آسمان سے عذاب بھیجا گیا۔ پھر وہ اس سے بھاگ نہ سکے۔

حاصل : ارشادِ خداوندی ماننے والوں کے لئے باعث فلاح ہوتا ہے۔ اس کو بدلنے کی کوشش صریحاً ظلم ہے، اور ظلم باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ اللہ کے عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ ہے حدود اللہ کا ادب و احترام۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ ۵/۵ ۝

اور جو اپنے ایمان کی نفی کر دے تو بے شک اس کا عمل اکارت ہوا۔ اور آخرت میں وہ خاسرین سے ہے۔

وَسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ‌ۘ اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ يَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا وَّيَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ‌ ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ‌ ‌ۛۚ كَذٰلِكَ‌ ‌ۛۚ نَبۡلُوۡهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾

وقف لازم — نصف — معانقة — عند المتأخرين

اور ان سے بستی کے متعلق پوچھئے جو دریا کنارے تھی۔ جب وہ سبت کے حکم میں حد سے بڑھنے لگے، جب ہفتے کے دن مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور ہفتہ نہ ہو تو نہیں آتی تھیں۔ اس طرح ہم انہیں دیکھتے تھے، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

حق کو اس طرح مانا جائے کہ ناصحین سے محبت کا ثبوت ملے تو یہ مومن ہونے کی سند ہو گی اور اس طرح مانا جائے کہ دعویٰ حق کو ماننے کا ہو اور پیروی اپنی خواہش کی ہو تو یہ فاسق ہونے کی سند ہو گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ روشن کرنا چاہتے تھے کہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش پہلے بھی ہوتی رہی ہے اور اس کا انجام بھی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہوا اب اگر کوئی وہی راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے انجام سے بے خبر نہ رہے۔ مثال بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کا ایک قریہ دریا کنارے تھا۔ انہیں حکم ہوا کہ تم لوگ ہفتے کو مچھلی نہیں پکڑو گے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ لوگ حکم کو مانتے ہیں یا اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی ہفتے کے روز پانی کے اوپر بکثرت تیرتی نظر آتی تھی اور ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نیچے چھپی رہتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ دیکھا تو تجویز نکالی کہ ہفتے کے دن مچھلی کو ایسی جگہوں میں جمع کر لیا جائے جہاں سے وہ واپس نہ جا سکے اور اس کا پکڑنا بھی آسان ہو مگر اس سارے عمل میں مچھلی کو ہاتھ نہ لگے اور ہفتے سے اگلے دن اسے پکڑ لیا جائے۔ اگر یہ لوگ کچھ وقت کے لئے ہفتے کے دن کو ادباً مچھلی نہ پکڑتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تو انہیں بڑے انعامات سے نوازا جاتا۔ جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے وہ کبھی من مانی نہیں کرتے۔

حاصل : جن لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہ کبھی حق کی ادائیگی کے نام پر اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتے کہ یہ فسق ہے۔ انسانی زندگی میں ایسے مقامات ضرور آتے ہیں جہاں عملاً ثابت ہو جاتا ہے کہ عامل کا رخ حق کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔

وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا، ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو، جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا انہیں شدید

اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

عذاب دینے والا ہے۔ کہنے لگے تمہارے رب کے حضور معذرت کے لئے اور اس لئے کہ وہ ڈریں۔

وعظ اسے فائدہ دیتا ہے، جو اسے سنے اور مانتے ہوئے، اپنے قول و فعل کو حق کے مطابق بنانے کی سعی کرے۔ جو لوگ حق کو نہ سنیں اور سنیں تو بھی من مانی کرنے سے باز نہ آئیں وہ ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہلاکت کو کچھ دیر کے لئے مؤخر کر دے تو پھر خلاف حق کرنے والے عذاب شدید میں پکڑے جاتے ہیں۔ جب دریا کنارے بستی والوں نے یوم سبت کو مچھلی نہ پکڑنے کا حکم سنا تو رضائے الٰہی کے طالبین ہفتے کے دن مچھلی پکڑنے کو حرام جاننے لگے۔ اور اس وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ انہی کے کچھ ساتھی ہفتے کے روز مچھلی پکڑنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہتے تھے انہیں وعظ کرتے تھے کہ حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے اور یہ بتاتے تھے کہ تم حکم الٰہی کو ماننے کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہو۔ یہ مت سمجھو کہ اللہ تمہارے مکر سے آگاہ نہیں ہے۔ خاموش رہنے والے پاک لوگوں نے وعظ کرنے والے دوستوں سے یہ کہا کہ تم ایسے لوگوں کو وعظ کرتے ہو جو ہلاکت یا عذاب شدید میں پکڑے جانے والے ہیں۔ وعظ کرنے والے حضرات نے جواب دیا کہ ہمارا منشاء تو یہ ہے کہ ہم تمہارے ربّ کے حضور معذرت خواہ ہو سکیں کہ ہم نے اپنا وقت اس کی رضا کے لئے لگایا ہے اور ممکن ہے یہ بھی اس وعظ سے متاثر ہو کر اللہ سے ڈرنے لگیں۔

حاصل : جو لوگ من مانی کرنے والے ہوں۔ انہیں وعظ کم ہی فائدہ دیتا ہے اگر وہ حق کو ماننے کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کے مرتکب ہو رہے ہوں تو پھر وہ قابلِ اصلاح نہیں ہوتے۔ وعظ کرنے والے اپنے وقت کو رضائے الٰہی پر لگاتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور معذرت خواہ ہو سکیں اور ممکن ہے کہ کوئی اس وعظ کو سن کر اللہ سے ڈرنے بھی لگے۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

پھر جب بھلا بیٹھے، اس نصیحت کو جو انہیں دی گئی تھی، ہم نے انہیں بچا لیا، جو برائی سے منع کرتے تھے۔ اور ظالموں کو ان کے فسق کے سبب برے عذاب میں پکڑا۔

حق کو سن کر جب لوگ اپنی خواہشات کی پیروی سے باز نہ آئیں تو وہ نصیحت کو بھلا دینے کے مقام پر ہوتے ہیں۔ یہ مقام عذابِ الٰہی سے زیادہ دور نہیں ہوتا۔ قبل اس کے کہ منکرین حق کو عذاب میں پکڑا جائے۔ حق کے ماننے والوں کو ان سے الگ

کر دیا جاتا ہے۔ دریا کنارے بستی والوں نے بھی جب ہفتے کے دن مچھلی کے شکار سے باز رہنے کے حکم کو بھلا دیا۔ اور حق کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنالیا۔ تو اللہ نے ان لوگوں کو برے عذاب میں پکڑنے سے پہلے ناصحین کو وہاں سے نکال لیا۔ ظالموں کو ان کے اعمال کے نتیجے میں پکڑا گیا۔ یہ لوگ اپنی پسند کو حق کا درجہ دیتے تھے۔ اس لئے فاسق تھے۔ فاسق ہمیشہ بری مار کا مستحق ہوتا ہے کہ حق کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اپنی من مانی بھی کرتا ہے۔ جو لوگ فاسقین کے انجام کو دیکھ کر وعظ سے رک گئے تھے وہ بڑے علم والے تھے۔ جو لوگ وعظ کو فاسقین کی کیفیّت کے مشاہدے کے باوجود جاری رکھتے تھے، یہ اللہ سے ڈراتے رہنے کو اپنا مشن جانتے تھے۔ یہ بھی یقیناً نیک کام میں مصروف تھے۔ فاسقین کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ اس بات کو دیکھنے والے تو پہلے ہی فاسقین سے الگ ہو گئے تھے۔ نصیحت کو جاری رکھنے والوں کو اللہ نے عذاب سے پہلے منکرین حق سے الگ کر لیا۔

حاصل : نصیحت کو بھلا دینا ہمیشہ باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ فاسق کو نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔ فاسقین کو فسق سے منع کرنے والے نیک لوگ ہوتے ہیں اور نصیحت میں لگے رہتے ہیں۔ ظالموں کو عذاب میں پکڑنے سے پہلے اللہ ناصحین کو وہاں سے نجات دے دیتا ہے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

پھر جب اس کام میں بڑھنے لگے جس سے منع کیا گیا تھا، ہم نے فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔

بستی والوں میں سے جن لوگوں نے سبت کے دن مچھلی نہ پکڑنے کے حکم کو یوں اپنی خواہش کے مطابق بنالیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کو ایسی جگہوں میں سنبھال لیتے جہاں سے وہ واپس نہ جا سکتی تھی اور اگلے دن اسے پکڑ لیتے تھے۔ بڑھتے بڑھتے یہ لوگ سبت کے احترام کو بھلا کر من مانی کرنے لگے اور ممانعت سے بے پرواہ ہو گئے۔ اللہ نے ناصحین کو ان سے الگ کر دیا اور منکرین حق کو بندر بنا دیا۔ قادر مطلق کو سزا دیتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس کی مقرّر کردہ حدود کا احترام، ماننے والوں کے لئے ہی باعث فلاح ہوتا ہے۔ حدود کا تعیّن کرنے والا قادر مطلق کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

حاصل : حدود اللہ کا عدم احترام باعث عذاب ہوتا ہے۔ کسی کی تجویز اسے عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ

اور جب تمہارے رب نے خبر دے دی کہ ضرور یوم قیامت تک ان پر ایسے کو اٹھاتا رہوں گا جو انہیں بری مار مارے۔ بے شک تمہارا ربّ ضرور جلد عتاب والا

رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۚ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾

ہے اور بے شک وہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

بنی اسرائیل نے حدود اللہ کے عدم احترام کو اپنا طریق زندگی بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرما دیا کہ اب قیامت کے دن تک ان کے ساتھ یہ ہوتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسے حاکم کو مسلّط کرتا رہے گا جو ان کو بری مار مارنے والا ہو گا۔ بنی اسرائیل کی محکومانہ زندگی ان کی تاریخ میں کوئی راز نہیں ہے۔ عذاب وقفوں کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لئے دو عذابوں کے درمیان وقت میں خوف وحزن تو رہے گا۔ مگر اس وقت میں اصلاح کو قبول کرنے والے بخشش و رحمت سے فیض بھی پاسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کسی فرد یا گروہ کو عذاب میں پکڑنے کے لئے اسے کسی تیّاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ جلد عذاب دینے پر قادر ہے اور اس کی قدرت کسی سبب کی محتاج نہیں ہوتی۔ بنی اسرائیل کے ساتھ یہ قیامت تک ہوتا رہے گا کہ ایک حاکم سے برا عذاب پانے کے بعد یہ کچھ قوت جمع کریں گے اور اترانے لگیں گے تو ان پر دوسرا حاکم مسلط کر دیا جائے گا۔ دو عذابوں کے درمیانی وقفے میں ان لوگوں کو دیکھنے والا انہیں ماضی اور مستقبل کے حوالے سے دیکھے تو اس کا مشاہدہ درست ہو گا۔

حاصل : بنی اسرائیل یوم قیامت تک محکومانہ زندگی ہی گزاریں گے اور وقفوں کے بعد ان پر ایسے حاکم مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں بری مار ماریں گے۔ عذاب سے قبل بنی اسرائیل کا رویہ ظالمانہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کسی تیاری کی محتاج نہیں ہوتی۔ جو اللہ سے بخشش اور رحم کے طالب ہوں وہ ضرور فیضیاب ہوتے ہیں۔

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

اور ہم نے انہیں زمین میں گروہ گروہ کر کے بانٹ دیا۔ ان میں کچھ صالح ہیں اور کچھ ان کے مقابل۔ اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے دیکھا کہ وہ رجوع لائیں۔

بنی اسرائیل پر مستمر عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ من حیث القوم یہ لوگ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ یہ کبھی عالمی قوت نہیں بن سکتے۔ ان میں کچھ صالح ہیں کچھ غیر صالح ہیں۔ صالحین کی تعداد دوسروں کے مقابل کم ہے۔ صالح لوگوں کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ حق کا علم ہو جانے کے بعد من مانی نہیں کرتے۔ اس کے خلاف فاسقین کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حق وہی ہوتا ہے جو انہیں پسند ہو۔ رجوع اور انابت الی اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بھلائیاں بھی دی گئیں کہ یہ شکر گزاری کے ساتھ رجوع لائیں۔ برائیاں بھی دی گئیں کہ نتائج پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھیں اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنے حال کی اصلاح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائیں۔

حاصل : بنی اسرائیل کا زمین میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مستمر

عذاب ہے۔ صالح اپنی پسند کو حق کے تابع کر دیتا ہے۔ غیر صالح حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ بھلائی پہنچے یا برائی پہنچے علمِ الٰہی کے مطابق وہ انابت الی اللہ میں انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر ان کے بعد وہ ناخلف کتاب کے وارث ہوئے کہ دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی۔ اور اگر ویسا ہی مال ان کے پاس آئے تو لے لیں۔ کیا ان پر کتاب میں میثاق نہیں لیا گیا کہ اللہ پر وہی کہیں جو حق ہو اور انہوں نے اسے پڑھا ہے اور دار آخرت تقویٰ کرنے والوں کے لئے بہتر ہے تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

پہلے تو بنی اسرائیل میں کچھ صالح تھے۔ کچھ غیر صالح تھے۔ پھر انکے بعد وہ ناخلف آئے۔ کہ نام کو تو وارث کتاب ہوئے مگر دنیا کے ادنیٰ مال کے عوض آیاتِ کتاب میں تحریف کر دیتے ہیں اور اس گناہ کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ اس کو بخش دیا جائے گا۔ یہ اعتراف تو موجود ہے کہ وہ خلاف حق کر رہے ہیں۔ اس اعتراف کے بعد مستقبل میں اس گناہ کا اعادہ خلاف عقل ہے مگر ویسا ہی موقع آ جائے تو وہ پھر اسی گناہ کے کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اور مال لے کر پھر تحریف و کتمان کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کتاب الٰہی میں تو ان سے یہ میثاق لیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں وہی کہیں گے جو اس نے نازل فرمایا ہے اور کتاب کی درس و تدریس بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ لوگ اس میثاق سے باخبر ہیں۔ مگر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اس میثاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حیات دنیا کے قلیل فائدے کے لئے خلافِ حق کرتے ہیں۔ مگر اس دارِ فانی کے بعد دارِ آخرت بھی آنے والا ہے۔ جس میں اعمال کی جزا دی جائے گی جن لوگوں کے اعمال حق کے مطابق ہوں گے وہ پاک ہونے کی بدولت فلاح پائیں گے۔ حق کے خلاف کرنے والے اور حق کے مطابق زندگی گزارنے والے، حیات دنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کو استعمال کرتے ہوئے اس دارِ فانی سے گزر جاتے ہیں۔ حق کے خلاف کرنے والے بے عقلی کرتے ہیں کہ قلیل فائدے کے لئے دائمی خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ حق کے مطابق رہنے والے بڑے عقل مند ہوتے ہیں کہ دنیا میں خوف و حزن سے بچتے ہیں اور آخرت میں ان کے لئے فلاح ہے تقاضائے عقل تو یہی ہے کہ جس بات کے حق ہونے کا یقین ہو اس کو اپنا حال بنایا جائے۔ جس عمل کی جزا خسارے کے علاوہ کچھ نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

حاصل : اپنے کسی عمل کے بارے میں یہ سوچ لینا کہ یہ ہے تو خلافِ حق مگر بخشش ہو جائے گی غافلین کا طریق زندگی ہے۔ ناخلف کا عمل اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔ اللہ کے متعلق وہی بات کہنی چاہئے جو اس کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ جو لوگ تقویٰ کرتے ہیں وہی عقل مند ہیں اور دارِ آخرت انہی کے لئے بہتر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں۔ بے شک ہم مصلحین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

مصلحین کی شان یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کو خوب تھام کر رکھیں۔ اس کے احکام کو اس طرح جانیں کہ ان کی زندگی میں ان کا ہر قول اور ہر عمل کتاب اللہ کی تصدیق سے منوّر ہو۔ ان پر ان کے نفس کا امر غالب نہ ہو۔ انسانوں کے بنائے ہوئے رسم ورواج کے سامنے مرعوب ہونے کی بجائے وہ حق کو اس طرح ادا کریں کہ ان کا عمل بولتا ہوا نظر آئے اور وہ نماز بھی قائم رکھتے ہوں۔ نماز اسی صورت قائم ہو سکتی ہے کہ نماز میں کئے ہوئے پاک رہنے کے عہد پر بعد از نماز قائم رہا جائے۔ مصلحین کا اجر عند اللہ ہوتا ہے۔ اللہ ان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

حاصل : ہمیں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھام کر رکھنا چاہئے۔ نماز قائم کرنی چاہئے اور مصلحین کی تکریم کرنی چاہئے ان سے اصلاح لینے کے ساتھ ساتھ ان کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱

اور جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا۔ گویا وہ سائبان ہو اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا۔ قوت سے پکڑو جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اور یاد رکھو جو اس میں فرمایا گیا ہے تاکہ تم تقویٰ کرتے رہو۔

جب بنی اسرائیل نے احکام الٰہی کو وہ اہمیت نہ دی جو احکام الٰہی کی شان کے لائق تھی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر سائبان کی صورت میں لٹکا دیا۔ اور وہ اس سے ڈرے کہ یہ ان پر گرا دیا جائے گا۔ اس تخویف کے ساتھ انہیں فرمایا کہ جو تمہیں عطا فرمایا گیا ہے۔ اسے قوت سے تھام کر رکھو۔ وہی کرو جو اس میں فرمایا گیا ہے۔ اپنی پسند اور ناپسند کو حق کے مقابل وقعت دینے سے بچنے کی یہی صورت ہے۔ اسی تقوے سے تم ہدایت پا سکو گے۔ اور اسی سے تمہیں فلاح حاصل ہو گی۔ جہاں تقویٰ نہیں ہو گا۔ شیطان کا اتباع ضرور ہو گا اور شیطان کا اتباع ہو تو دونوں جہان کا خسارہ بھی ضرور ہو گا۔

حاصل : حق کی ادائیگی میں تساہل برتنے والوں کو تخویف کے ساتھ، تاکید کرنی چاہئے کہ حق کو قوت کے ساتھ تھام کر رکھو اور تمہیں یاد رہے کہ تم نے رضائے الٰہی کو ماننا ہے۔تقوی کرنے والے اپنے الفاظ کو بھی حق کے تابع رکھتے ہیں اپنے اعمال پر بھی نظر رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھوں کیا آگے بھیج رہے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ میں ارشاد میں فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۱۷/۸۲۵

اور ہم نے قرآن میں نازل فرمایا ہے جو مؤمنین کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھے گا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ لا ﴿۱۷۲﴾

اور جب بنی آدم کی پشتوں سے تمہارے ربّ نے ان کی ذریّت کو نکالا اور انہیں اپنے انفس پر شاہد کیا۔ کیا میں تمہارا ربّ نہیں۔ عرض کرنے لگے تو ہی ہے۔ ہم شہادت دیتے ہیں۔ کبھی قیامت کے دن کہنے لگو، ہم تو اس سے غافل تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے بنی آدم اور بنی آدم سے ان کی ذریّت جلوت میں ظہور پذیر ہونے سے پہلے خلوت کے مقام پر تھی۔ علیم مطلق کے ارشاد سے یہ روشن ہے کہ اولاد آدم نے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت عامہ کو تسلیم کیا تھا۔ اور پھر شہادت دی تھی کہ تو ہی ہمارا ربّ ہے۔ خلوت میں اس شہادت کی موجودگی، کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کبریٰ کو مانا تھا۔ جلوت میں کیوں یاد نہیں رہتی۔ صاحبو! اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کو چھوڑ دو۔ سب سے پہلے یہ دیکھنے کا شرف ہو گا۔ کہ تمہارا مقصدِ تخلیق کیا ہے۔ پھر یہ نظر آئیگا کہ تخلیق کے ساتھ جس ربوبیّت کا تعلّق ہے، وہ ربوبیت کبریٰ، اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی شان کے لائق ہے۔ آج بھی دیکھو۔ پالنے کے عمل کے اسباب سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ مرد و عورت کے مادہ منویہ کی تخلیق و پرورش کے بارے میں انسانی علم بہت ہی قلیل ہے۔ رحم مادر میں پرورش ربّ العالمین کے علم سے ہوتی ہے۔ وضع حمل کے بعد کی خوراک ربّ العالمین کی عطا کردہ ہوتی ہے۔ شعور کے وقت میں بھی جو ہم کھاتے ہیں، معطیٔ مطلق کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اس کو پاک ہاتھ سے لیا جائے تو لینے والا خوف و حزن سے پاک رہتا ہے۔ ناپاک ہاتھ سے لیا جائے تو وہ خوف و حزن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری خوراک سے خون بنا کر سارے جسم کی پرورش کرنا بھی ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ ربّ العالمین کا کام ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، توفیق دی ہے اور معیارِ ہدایت بھیجا ہے۔ وہ ہی یوم الدین کا مالک ہے۔ ہر ایک کو اس کے

اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو نہ مانا جائے تو یہ غفلت انسان کو خسارے میں ڈال دے گی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو ماننا اور حال پر اپنی تسلیم کو عملاً سچا ثابت کرنا ہم پر حق ہے جب یہ مان لیا جائے کہ پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اپنی خواہشات کی پیروی سے ہٹ جانا ضروری ہے۔ ہر مقام پر پاک رہنا ضروری ہے۔ جو پاک نہ ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا منکر ہوتا ہے۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء نے کیا، اور ہم ان کے بعد ان کی ذرّیت ہوئے۔ تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک کرے گا جو اہل باطل نے کیا۔

بنی آدم کے ہر فرد نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کبریٰ کو شعور کے ساتھ تسلیم کیا اور عمل کے لئے دی گئی توفیق سے پہلے کیا۔ اس تسلیم کے مطابق ہر نفس پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ جس طرح اس دنیا میں پاک پیدا ہوا تھا، حدودِ خداوندی کا احترام کرتے ہوئے اسی طرح پاک رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو۔ یہ کہنا کہ ہم اپنے آباء کی اقتدا میں شرک کرتے رہے اور ان کے اتباع سے بچنا ہمارے لئے ممکن نہ تھا کہ ہم ان کی اولاد تھے جو مشرک تھے اور اہل باطل تھے، درست نہیں ہو سکتا۔ ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی جو راستہ کوئی اختیار کرتا ہے اپنے شعور کے ساتھ کرتا ہے۔ جو اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لئے اللہ نے جہنم رکھا ہوا ہے اور جو اللہ کے حضور ایمان اور صالح اعمال کے ساتھ آئے گا اس کے لئے جنت ہے کہ یہ اس کی پاکیزگی کی جزا ہے۔

آباء اگر خوف و حزن میں مبتلا ہوں اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے ہوں تو ان کا اتباع صرف گمراہی کا باعث ہی ہو سکتا ہے۔ جب رخ گمراہی کا ہو گا، تو ہدایت نہیں ملے گی اور جب رخ ہدایت کا ہو گا، تو گمراہی نہیں ہو گی۔ گمراہی ہمیشہ اپنی خواہشات کی پیروی سے ہوتی ہے اور یہ ہر نفس کا ذاتی فعل ہے۔ کسی دوسرے کا فعل کسی نفس کو گمراہ نہیں کرتا۔

حاصل : جزا کا یقین ہو تو آباء کے اعمال کو سند نہیں مانا جا سکتا جب تک وہ معیارِ ہدایت کے مطابق نہ ہوں۔ جس کے حال سے ہمارا حال ملتا ہے اس کے مستقبل سے ہمارا مستقبل کیوں نہیں ملے گا۔ جو رخ اختیار کیا جائے گا اسی کی جزا دی جائے گی۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم آیات کو مفصل کرتے ہیں اور تاکہ وہ پھر آئیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ تدبّر اور تفکّر سے لوگ یہ دیکھیں کہ موجودہ حال کا ایک ماضی بھی تھا اور اس حال کے بعد ایک مستقبل بھی ہو گا۔ حال پر جو توفیق موجود ہے۔ اس کو کس طرح استعمال کیا جا رہا ہے اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔ اگر یہ واضح ہو جائے کہ اختیار کردہ راستہ مصلحین کا ہے تو شکریہ ادا کیا جائے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ یہ راستہ خاسرین کا ہے تو پھر اپنی پسند کو چھوڑ دیں۔ ٹھیک اور نہ ٹھیک کا فیصلہ خود نہ کریں۔ اللہ کے مخلص بندے کو اپنا شاہد بنائیں۔ اسی منیب کا اتباع کریں۔ یہ رجوع الی اللہ ہونے کا طریقہ ہے۔

حاصل : ہمارا منشاء لوگوں کو آسانیاں عطا کر کے، بیان کی تفصیل سے، دعوت فکر و تدبّر دینا ہو اور انہیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دینا ہو تو حق ادا ہو گا۔ اگر ہمارے بیان سے لوگ رجوع الی اللہ ہونے کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کی طرف لوٹ جائیں تو پھر وہ بیان حق کے مطابق نہیں ہو گا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور انہیں اس کی خبر سنایئے، جسے ہم نے اپنی آیات عطا کیں تو وہ ان سے نکل گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔

یہ ایک انسان کی خبر ہے جسے حکم خداوندی کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سنایا۔ اللہ نے اس بندے کو اپنی نشانیاں دی تھیں۔ اس کو معلوم تھا کہ اس کی دعائیں سنی جاتی ہیں اور اس کی مدد کی جاتی ہے۔ رجوع الی اللہ رہنے کے لئے یہ بہت بڑی مدد ہے۔ اس بندے کے سامنے جب شیطان نے خواہشاتِ نفس کا جال پھیلایا تو وہ اس میں پھنس گیا اور گمراہ ہو گیا۔ جو بندہ عطائے الٰہی کو اپنی ذاتی اہلیّت کی بدولت سمجھے، اور اپنی ذاتی اہلیّت پر فخر کرنے لگے، شیطان کو اس کے گمراہ کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ شیطان صرف مخلص کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ مخلص جب بھی زبان کھولتا ہے تو وہ حدودِ عبدیّت کے اندر رہ کر بات کرتا ہے۔

حاصل : اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کو عطا کرنے والا جانتا ہے یا اس کا محبوب جانتا ہے۔ باقی سب صرف اس عطا کو بیان کر سکتے ہیں جو ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی یا آپ کے شاہدین سے ہوئی، حدودِ عبدیّت میں رہنا بہر حال ضروری ہے۔ قول میں فخر ہو تو شیطان کو وہاں آتے دیر نہیں لگتی۔ گمراہ کرنے والا جانتا ہے کہ مخلص پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ باقی اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ

اور ہم چاہتے تو اسے ان کی بدولت رفعت

اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ‌ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡـكَلۡبِ‌ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثْ‌ ؕ ذٰ لِكَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾

دیتے مگر وہ تو زمین سے لگ گیا اور اپنی خواہش کا پیرو ہوا تو اس کا حال کُتّے کی مثل ہے۔ تو اس پر بوجھ ڈالے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔ یہ ہے حال ان لوگوں کا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تو آپ بیان فرمائیے تاکہ وہ تفکّر کریں۔

جو نشانیاں اللہ نے مذکورہ بندے کو عطا فرمائی تھیں، وہ نشانیاں یقیناً اس کے لئے باعث رفعت ہو سکتی تھیں۔ مگر جب وہ اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا ہو گیا تو اس نے گمراہی کے لئے سعی کی۔ جو ہدایت کا طالب ہو، اسے ہی ہدایت ملے گی۔ جسے ہدایت ملے گی اس کے درجات ضرور بلند ہوں گے۔ جس کے درجات بلند ہوں گے، وہ کسی شے کو اپنا مقصود نہیں بنائے گا۔ جو کسی شے کو اپنا مقصود بنائے گا، وہ خواہشات کی پیروی کرنے لگے گا۔ پھر اس کی زبان حرص کبھی تسکین نہیں پائے گی۔ جو ملے گا وہ ناکافی معلوم ہو گا اور نہیں ملے گا تو بھی بے چینی ہی ہو گی۔ کتّے کا حال بھی یہی ہوتا ہے۔ آپ اس کے ساتھ کچھ بھی کریں۔ اس کی زبان حرص لٹکتی رہے گی۔ یہ خواہشات سے جڑ جانے کی مثال ہے۔ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ اللہ کے کرم کو دیکھ کر اس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اپنی مہارت کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامیابی یہی ہوتی ہے کہ ان کی خواہش پوری ہو جائے۔ جو بھی اللہ نے بنایا ہے، اس میں سے کسی شے کو اپنے لئے نہیں بنایا ہے، حیاتِ دنیا میں جو توفیق دی گئی ہے، اس توفیق سے حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اگر نظر حق کی ادائیگی سے ہٹ جائے اور اشیاء کو مقصود بنا لیا جائے تو سارا وقت اشیاء کے اکٹھا کرنے میں ضائع ہونے لگے گا۔ جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو گا تو اس کا احساس ہو گا مگر اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہو گا۔ یہ دعوتِ تفکّر ہے۔ جو خواہش کی پیروی سے ہٹ جائے، اس کا دونوں جہان میں بھلا ہو گا۔

حاصل : جو ہدایت کا طالب ہو اس کو ہدایت ملتی ہے۔ جو اپنی خواہشات کے ساتھ لگ جائے، اسے زمین پکڑ لیتی ہے۔ وہ اشیاء کو مقصود بنا لیتا ہے اور حق کی ادائیگی سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ کے کرم سے جو ملتا ہے، اس کو اپنی مہارت کی بدولت جانتا ہے اس طرح وہ معطیِ مطلق سے دور ہوتا رہتا ہے اور آیات کی تکذیب کرتے کرتے خاسرین میں جا ملتا ہے۔ دعوتِ تفکّر یہ ہے کہ حال پر کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔

سَآءَ مَثَلَا ۨالۡقَوۡمُ الَّذِيۡنَ

بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ہماری آیات کی تکذیب کی اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

جس توفیق کو بندے کے لئے باعثِ رفعت ہونا چاہئے، اسی توفیق کی ناشکری سے جو اپنے اوپر ظلم کرنے لگے یقیناً اس کی مثال ہی سب سے بری مثال ہے۔ لوگوں کو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ان کی راحت میں اضافہ ہو رہا ہے یا خوف و حزن بڑھ رہا ہے۔ جس طریقے سے خوف و حزن بڑھتا جا رہا ہو اس کو نہ چھوڑنا اپنے اوپر ظلم کرنے والی بات ہے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کیا جائے تو فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ عطائے الٰہی کو اپنی خواہشات کی پیروی پر ہی صرف کر دیا جائے تو یہ گمراہی ہے اور اپنے اوپر ظلم کرنے کی صورت ہے۔

حاصل : اللہ کی آیات کی تکذیب کی حقیقت اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ اپنی زندگی میں اللہ کے کرم کو نہ دیکھنا، اس کی مہربانی اور رحم کو نہ دیکھنا اللہ کی نشانیوں کا انکار ہے۔ یہ انکار کبھی باعث راحت نہیں ہو سکتا۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے تو وہی خسارے میں رہے۔

جو اپنے مقصدِ حیات کو دیکھے، عطائے الٰہی کو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ استعمال میں لائے اور اپنی خواہش کو حق نہ جانے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کرتا ہے۔ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جسے ہدایت مل جائے اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ جو حق کو اسی قدر مانے جس قدر اس کا نفس پسند کرے وہ فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ گمراہ ہمیشہ خوف و حزن میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ دنیا میں اس کے لئے خسارہ ہے۔ آخرت میں تو اس کے لئے خسارہ ہے ہی۔

حاصل : جسے اللہ ہدایت دے وہ لائق اتباع ہے کہ وہ کسی بھی مقام پر من مانی نہیں کرتا۔ جس کے نزدیک اس کی پسند ہی معیار ہو وہ گمراہ ہے اور خسارے میں ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ

اور بے شک ہم نے بہت سے جنّ و انس کو جہنم کے لئے اٹھایا ہے۔ وہ قلوب رکھتے ہیں جن سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں رکھتے ہیں جن سے دیکھتے نہیں، اور کان رکھتے

لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ بہت ہی گمراہ ہیں۔ وہی لوگ غافل ہیں۔

کلی طور پر تو جنّ و انس کی تخلیق عبدّیت کے لئے ہے۔ مگر جو افراد اپنی لاشعوری کوشش کے ساتھ اپنے آپکو مخلصین کی صف میں نہ لائیں ان کے لئے جہنم ہے اور وہ جہنم کے لئے ہیں۔ دل کا کام ہے حق اور ناحق کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا، اختیار کردہ راستے کے بارے میں اطمینان دینا اور خواہش نفس کو اپنی سمجھ پر غالب نہ آنے دینا۔ جو دل یہ کام نہیں کرتا وہ چوپائے کا دل ہے۔ اس میں بہیمیّت بھی انتہائی ہے۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ہم کیا کر رہے ہیں مثلاً اگر ہم لوگوں کی کوتاہیوں پر سخت گرفت کریں اور اپنی کوتاہیوں کے بارے میں یہ توقع رکھیں کہ انہیں لوگ نظرانداز کر دیں گے تو آنکھیں رکھنے کے باوجود یہ نہ دیکھنے کی صورت ہے۔ کان کا کام ہے، سننا، اور سننا یہ ہے کہ اپنی سماعت کو اپنی پسند سے نہ جوڑ دیا جائے بلکہ اپنی سماعت کو یہ سکھایا جائے کہ جو قول، کہنے والے کے خیال پر مبنی ہو، اور اس کے ساتھ حق کا حوالہ موجود نہ ہو وہ لائقِ توجہ نہیں ہوتا۔ چوپایوں کے سامنے کوئی معیار نہیں ہوتا۔ ان کی سب قوتیں ان کے بہیمی جذبات کی تحصیل و تکمیل کے کام ہی آتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ چوپایوں کی طرح ہیں۔ اضلّ اس اعتبار سے ہیں کہ جو توفیق انہیں دی گئی تھی وہ ان کے لئے باعث رفعت ہو سکتی تھی۔ مگر انہوں نے اس توفیق کو اس طرح استعمال کیا کہ بہیمی جذبات کے دائرے میں ہی سب قوتیں ضائع ہو گئیں۔ یہ گمراہی حق سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے۔

حاصل : جنّ و انس کی تخلیق یقیناً عبدّیت کے لئے ہوئی ہے۔ جو لوگ غفلت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں ان کے لئے جہنم ہے۔ اور وہ جہنم کے لئے ہیں۔ جو دل سمجھنے کا کام چھوڑ دے۔ وہ جانور کا دل ہے۔ جو آنکھیں یہ نہ دیکھیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے اور وہ کیا کر رہی ہیں وہ اندھی ہیں۔ جو کان اپنی پسند کی بات ہی سنیں وہ بہرے ہیں۔ ہمارے ادراکات کو عباد مخلصین سے نور حاصل کرنا چاہئے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ ہی سے پکارو۔ اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔

خالق کل، مالک کل، ورب العالمین کا ذاتی نام اللہ ہے۔ باقی تمام اسمائے حسنیٰ صفاتی ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ، الرَّحِیْمُ ، العَزِیْزُ ، الجَبَّارُ ، اَلْمَلِکُ ، القُدُّوْسُ ، السَّلَامُ ، المُؤْمِنُ ، المُهَیْمِنُ ، اَلْمُتَکَبِّرُ ، اَلْخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ ، اَلْمُصَوِّرُ ، اَلْغَفَّارُ ، اَلْقَهَّارُ ، اَلْوَهَّابُ ، الرَّزَّاقُ ، اَلْفَتَّاحُ ، اَلْعَلِیْمُ ، اَلْقَابِضُ ، اَلْبَاسِطُ ، اَلْخَافِضُ ، الرَّافِعُ ، اَلْمُعِزُّ ، اَلْمُذِلُّ ، اَلسَّمِیْعُ ، اَلْبَصِیْرُ ، اَلْحَکَمُ ، اَلْعَدْلُ ، اَللَّطِیْفُ ، اَلْخَبِیْرُ ، اَلْحَلِیْمُ ، اَلْعَظِیْمُ ، اَلْغَفُوْرُ ، اَلشَّکُوْرُ ، اَلْعَلِیُّ ، الکَبِیْرُ ، اَلْحَفِیْظُ ، اَلْمُقِیْتُ ، اَلْحَسِیْبُ ، اَلْجَلِیْلُ ، اَلْکَرِیْمُ ، اَلرَّقِیْبُ ، اَلمُجِیْبُ ، اَلْوَاسِعُ ، اَلْحَکِیْمُ ، اَلْوَدُوْدُ ، اَلْمَجِیْدُ ، اَلْبَاعِثُ ، اَلشَّهِیْدُ ، اَلْوَکِیْلُ ، اَلْقَوِیُّ اَلْمَتِیْنُ ، اَلْوَلِیُّ ، اَلْحَمِیْدُ ، اَلْمُحْصِیُ ، اَلْمُبْدِئُ ، اَلْمُعِیْدُ ، اَلْمُحْیِیُ ، اَلْمُمِیْتُ ، اَلْحَیُّ ، اَلْقَیُّوْمُ ، اَلْوَاجِدُ اَلْمَاجِدُ ، اَلْوَاحِدُ،اَلاَحَدُ ، اَلصَّمَدُ ، اَلْقَادِرُ ، اَلْمُقْتَدِرُ ، اَلمُقَدِّمُ ، اَلْمُؤَخِّرُ ، اَلاَوَّلُ ، اَلاٰخِرُ ، اَلظَّاهِرُ اَلبَاطِنُ ، اَلْوَالِیْ ، اَلْمُتَعَالِ ، اَلْبَرُّ ، التَّوَّابُ ، اَلْمُنْتَقِمُ ، اَلْعَفُوُّ ، الرَّؤُفُ ، مَالِکُ الْمُلْکِ ، ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام ، اَلمُقْسِطُ ، اَلْجَامِعُ ، اَلْغَنِیُّ ، اَلْمُغْنِیُّ ، اَلْمَانِعُ ، اَلضَّارُّ ، اَلنَّافِعُ ، اَلنُّوْرُ ، اَلْهَادِیْ ، البَدِیْعُ ، البَاقِیْ ، اَلْوَارِثُ ، اَلرَّشِیْدُ ، اَلصَّبُوْرُ لَااِلٰهَ اِلاَّ هُو۔ جیسے قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

انسانی زندگی میں مصائب و آلام کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے کسی اسم پاک کا ذکر کرنا باعثِ اطمینان ہوتا ہے۔ مثلاً خطرات میں گھرے ہوئے لوگ یا حَفِیْظُ سے جو سکون پائیں گے وہ صرف اسی اسم پاک کا حصہ ہے۔ کچھ مشکلات خلوت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کچھ جلوت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کس مقام پر کس اسم پاک کا ذکر کرنا چاہئے یہ اہل ذکر سے پوچھنا چاہئے۔ یا ودود کا ذکر بہر حال کیا جا سکتا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ خلوت و جلوت کے تمام مقامات پر اسی کا تصرف ہے اللہ کے ہر اسم پاک کا ذکر کرنے کے آداب ہیں۔ ذاکر کو حدود عبدیّت کے اظہار کے ساتھ اس اسم پاک کا مظہر ہونا چاہئے۔ مثلاً ذکر کرتا ہے۔ یا عَلِیْمُ یا عَلِیْمُ تو اپنے علم کو علم الٰہی کی سند سے بیان کرنا چاہئے۔ اور ذکر کرتا ہے۔ یا خَالِقُ یا خَالِقُ، تو اپنی تخلیق کو اپنی غرض کے لئے نہیں مفاد عامہ کے لئے بنانا چاہئے۔ جس نام پاک کا ذکر کیا جائے اہل ذکر سے اس کے بارے میں پوچھنا ضروری ہے کہ اس اسم پاک کے ذکر کے آداب کے پیش نظر اسکی اہمیت بہت واضح ہے۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ، ذکر کرنے والوں کے لئے اتنا بڑا انعام ہیں کہ اس سے بڑا انعام ان کے لئے ناقابل تصوّر ہے۔ اللہ کو اس کے ناموں سے پکارتے ہوئے جو لوگ حق سے نکلتے ہیں، ان سے الگ ہو جانے کا حکم ہے۔ اللہ کے کسی اسم شریف کا ذکر اپنے بہیمی جذبات کی تحصیل و تکمیل کے لئے کیا جائے تو یہ حق سے نکلنے والی بات ہوگی۔ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اس کے بیان کردہ ہیں۔ اس میں اضافہ کرنے والا، اللہ سے تقدّم کرنے کا مرتکب ہوگا۔ جو خلاف حق ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ اگر کسی اسم الٰہی کا ذکر بھی کرتے ہوں تو ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔ ان سے اپنا تعلق توڑ لینا چاہئے۔ انہیں ان کے کئے کی جزا حال پر بھی مل جاتی ہے۔ آخرت میں تو ملے گی ہی۔

حاصل : اللہ کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر باعث اطمینان قلب ہوتا ہے۔ اپنے مقام کے اعتبار سے اہل ذکر سے پوچھ لینا چاہئے کہ کس اسم پاک کا ذکر کیا جائے۔ جس اسمِ الٰہی کا بھی ذکر کیا جائے، اس

سے متعلق آداب بھی معلوم ہونے چاہئیں۔ اللہ کے کسی اسم پاک کا ذکر خلاف حق کیا جائے تو یہ ذکر میں حق سے نکلنے والی بات ہوگی۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ دینا چاہئے جو حق سے نکل جاتے ہیں۔ وہ اپنے کیے کی جزا جلد ہی پالیتے ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع رکوع ۲۲/۱۲

اور ہماری خلق میں سے ایک امت ہے کہ حق کے ساتھ ہدایت کرتی ہے، اور اس سے عدل کرتی ہے۔

یہ امت، اللہ کی مخلوق سے وہ لوگ ہیں جو حق کو سن کر اس کا احسن اتباع کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ بات کرتے ہیں تو حوالہ حق کا دیتے ہیں۔ جس عمل کے درست ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اس کے ساتھ بھی حق کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس عمل سے منع کرتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی سے یہ حوالہ دیتے ہیں، کہ وہ عمل اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح لوگوں کو ایسی راہ دکھائی جاتی ہے جس میں عامل کو اپنی خواہشات کی پیروی سے روکا جاتا ہے۔ حق سے عدل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ معاملہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ اپنے قول کی حفاظت کی جائے۔ لغو گوئی سے اعراض کیا جائے۔ اپنے قربیٰ اگر خلاف حق کریں تو ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ دوسرے لوگوں سے اگر ویسا ہی عمل ہو جائے تو انہیں ان کی کمیٔ علم کے حوالے سے رعایت دی جائے۔

حاصل : ایک امت بہر حال حق سے ہدایت کرنے والی اور عدل کرنے والی رہے گی۔ حق سے ہدایت کرنے والے ہمیشہ سنجیدگی سے بات کرتے ہیں، لغو گوئی سے اعراض کرتے ہیں۔ کبھی اپنی پسند کا حوالہ نہیں دیتے۔ خود نمونۂ خیر بنتے ہیں۔ ان کے قربیٰ اگر خلاف حق کریں تو ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ویسے ہی اعمال پر انہیں ان کی کمیٔ علم کی وجہ سے رعایت دیتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر ۳۹ میں ارشاد فرمایا ہے۔

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُم اُولُو الْاَلْبَابِ ۱۸/۳۹ں

تو بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کے احسن کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہدایت والے ہیں اور یہی عقل والے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ صلے

اور جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی، ہم انہیں آہستہ آہستہ ایسی جگہ لے جائیں گے، جس کا انہیں علم بھی نہیں ہو گا۔

اللہ کی آیات کی تکذیب پہلے قول سے ہوتی ہے، پھر عملاً ہوتی ہے۔ قول سے اللہ کی آیات کی تکذیب یہ ہے کہ اپنے مقصد حیات کو ماننے سے انکار کیا جائے۔ عملاً تکذیب یہ ہے کہ جو بھی اللہ نے دیا ہے، اس کو اپنی کاوش کا نتیجہ سمجھ کر اپنی خواہشات کی تحصیل و تکمیل میں لگا دیا جائے۔ ایسے لوگ یہ نہیں جانتے کہ جس راستے پر وہ چل رہے ہیں وہ کہاں ختم ہو گا۔ اگر اپنے حال پر نظر ہو اور اس کے بعد آنے والے مستقبل کی فکر ہو تو پھر لازم ہے کہ حال پر دیکھ لیا جائے کہ کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہونا چاہئے۔ مگر خواہشات کی پیروی سے انہیں فراغت ہی کہاں ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اس مقام کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں، جہاں انہیں عطا کی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ وہاں سے آگے بھی وہ نہیں جا سکتے، پیچھے بھی نہیں جا سکتے۔

حاصل : اللہ کی آیات کی تکذیب، اپنے مقصد حیات کا انکار ہے، اپنے مشاہدات کا انکار ہے۔ یہ انکار، مکذّبین کو اس جگہ پہنچا دیتا ہے جس کی انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ وہ وہاں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی توبہ قابل سماعت نہیں ہوتی۔

وَ اُمۡلِیۡ لَهُمۡ ؕ قف اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں انہیں مہلت دوں گا، بے شک میری تدبیر پکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ وہ مکذّبین کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔ انہیں جو مہلت دی جاتی ہے، اس میں وہ دیکھ لیتے ہیں کہ وہ نتائج پر قدرت نہیں رکھتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی کوشش ان کے علم کے مطابق بہت صحیح ہوتی ہے۔ مگر نتیجہ بالکل ان کی پسند کے خلاف نکل آتا ہے۔ جس کی نظر مہلت پر نہ ہو، اس کو جب گرفت ہو گی تو اسے اچانک معلوم ہو گی۔ اللہ کی تدبیر ہمیشہ متین ہوتی ہے۔ اس تدبیر سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ فلاح کی راہ کو واضح فرما دینے کے بعد، مہلت دی جاتی ہے۔ جو اس مہلت میں اپنے آپ کو مجرم ثابت کر دیتا ہے، اس کے پکڑنے کے لئے اللہ کی پکی تدبیر موجود ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کی دی ہوئی مہلت سے استفادہ اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ اپنے ماضی سے سبق سیکھا جائے، حال پر اصلاح کو قبول کیا جائے اور آخرت کی فکر کی جائے۔ غفلت، خلافِ حق کرنے کی شعوری کوشش کا نام ہے۔ اللہ کی تدبیر علمِ مطلق سے ہوتی ہے۔ اس سے پکی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ۜ سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾

کیا وہ تفکّر نہیں کرتے کہ ان کے صاحب کو جنون سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ وہ تو صریحاً ڈر سنانے والے ہیں۔

تفکّر کرنا انسانی صفت ہے، جس میں کسی کے قول کو یا فعل کو کسی مصدّقہ معیار کی نسبت سے دیکھا جاتا ہے۔ جو نتیجہ نکلے

اس کے مطابق اپنے مقام کو دیکھ لیا جاتا ہے کہ اس وقت کیا حق عائد ہو رہا ہے، اور اسے کس طرح بطریق احسن پورا کیا جا سکتا ہے۔ تفکّر کے بغیر راہ عمل متعین نہیں کی جا سکتی۔ مجنون کے قول میں شعور کی کمی واضح ہوتی ہے، مقصد کا تعیّن اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا اور ماحول کی بھی اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ آنے والے خطرات کا ادراک ہو، عملاً وہ کچھ کیا جائے جس سے خوف و حزن کا خاتمہ ہو جائے۔ اور ساتھیوں کو ان کے راستے کے انتہائی مقام اور اس سے متعلق خطرات سے آگاہ کر دیا جائے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ لوگ جان بوجھ کر خلافِ حق کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ دیکھا جائے کہ کمیٔ علم کی بنا پر وہ ویسا کر رہے ہیں، تو یہ عقل کی بلندی کو ثابت کرنے والی باتیں ہوں گی۔ نذیر ہمیشہ انذار کا حق ادا کرتے ہیں۔ انذار کا حق ادا کرنے والا مجنون نہیں ہو سکتا۔

حاصل : تفکّر کرنا ضروری ہے کہ اس کے بغیر راہ عمل متعیّن نہیں کی جا سکتی۔ خوف و حزن سے نجات جس کے اتباع کا حاصل ہو، جو ڈر سنانے کا حق ہمیشہ ادا کرتا رہے وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ عقل کا انتہائی مقام تو اسی ذات بابرکات کے قدم سے تعلق رکھتا ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

کیا انہوں نے نظر نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو شے اللہ نے خلق فرمائی اور یہ کہ شاید ان کی اجل قریب آ گئی ہو، تو اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نظر کرنے سے اس کائنات میں انسان کو اپنا مقام دیکھنا چاہئے۔ جو شے بھی اللہ نے بنائی ہے، وہ عدم سے وجود میں آئی ہے۔ اس کے اجزاءِ ترکیبیہ بھی اسی خالق کل کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر شے کی تخلیق سے پہلے اس کے منشاءِ تخلیق کا تعیّن ضروری ہوتا ہے، اور اسی منشاء کی تکمیل کے لئے ایک وقت بھی مقرّر ہوتا ہے۔ اسی وقت میں انسان نے اپنی صداقت کو ثابت کرنا ہے، یا اپنے کذب کو ثابت کرنا ہے۔ اگر یہ وقت ضائع ہو گیا، تو پھر ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اور سب سے بڑی بات تو حال پر انسان کے سامنے موجود ہے۔ اس کا مشاہدہ یہ بتا رہا ہے کہ خالق کل اللہ ہے۔ انسان کو عمل کے لئے دی گئی توفیق محدود ہے۔ دو راستے اس کے سامنے ہیں۔ اگر اپنی خواہش کی پیروی چھوڑ کر مخلصین کا اتباع کرے تو فلاح پا سکتا ہے اور اگر اپنی خواہش کی پیروی کرتا رہے تو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ پھر خسارے سے بچ نہیں سکتا۔ تلاش تو سب کو راحت ہی کی ہے۔ مگر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو جو لوگ اپنی خواہشات کی تحصیل و تکمیل میں لگا دیتے ہیں، انہیں راحت کبھی ملی نہیں۔

حاصل : اس کائنات میں انسان کو اپنا مقام دیکھنا چاہئے۔ جو وقت محدود ہے اور جس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے، اس وقت کے خاتمے کو دور نہیں سمجھنا چاہئے۔ جو حال پر حق کی ادائیگی سے غافل ہو، وہ

مستقبل میں خسارے کو اپنے لئے مقدّر کرلیتا ہے۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور وہ انہیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکیں۔

اللہ صرف فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ فاسق ہمیشہ حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے میں لگا رہتا ہے۔ اس کے سامنے اس کی پسند ہی سب سے بڑا معیار ہوتا ہے۔ وہ حق کو ماننے کا دعویٰ ضرور کرتا ہے۔ مگر ماننا اسی قدر ہے جس قدر اسے پسند ہو۔ جہاں اس کی خواہش حق کے خلاف ہو وہاں وہ اپنی خواہش ہی کی پیروی کرتا ہے اور پھر اپنے لئے جواز بھی بنالیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اور انہیں چھوڑ دیتا ہے، کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔ یہ سرکشی ان کا ذاتی عمل ہوتا ہے، جس کا حاصل گمراہی ہے۔ گمراہ کبھی اپنے تجربے یا مشاہدے سے وہ نتیجہ اخذ نہیں کرتا جو اس کو بھلائی کی طرف لے جائے۔

حاصل : حق کو ماننے میں اپنی پسند کی نفی ضروری ہے۔ سرکش لوگوں کو ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ جو کسی بھی مقام پر خطا کو اپنے اندر نہ دیکھے اور ہمیشہ دوسروں کو غلط ثابت کرنے میں لگا رہے وہ ناقابلِ اصلاح ہو چکا ہوتا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی حق ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

وقف لازم وقف منزل

آپ سے ساعت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کے ٹھہرنے کا وقت کب ہو گا۔ فرما دیجئے اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر جلوت میں لائے گا۔ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی، تم پر اچانک ہی آئے گی۔ آپ سے یوں سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ فرما دیجئے اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔

پوچھنے والوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے حکم خداوندی کے مطابق یہ جواب دیا کہ اس کے قائم ہونے کے وقت کا علم میرے ربّ کے پاس ہے۔ وہی اس کو خلوت سے جلوت میں لائے گا۔ اور جو

وقت اس نے قیامت کے لانے کا رکھا ہے، اسی وقت پر لائے گا۔ سوال کرنے والوں کے جواب میں وہی بتانا چاہئے جو ان کے لئے مفید ہو، اس لئے کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا صحیح استعمال صرف اسی طرح ممکن ہے۔ قیامت کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بھاری ہوگی اور جو لوگ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو من مانی کرتے ہوئے گزار رہے ہیں۔ ان کے لئے اس کا آنا بالکل اچانک ہو گا۔ قیامت کا بھاری ہونا اس طرح ہے کہ اجلِ مسمّٰی تک دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا۔ اس وقت توبہ کرنا کسی کو نفع نہ دے گا۔ جو لوگ رضائے الٰہی کے مطابق رہتے ہوئے اس مقام تک پہنچے ہوں گے، انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی جبّاری اور قہّاری کے مشاہدے سے ڈر آئے گا۔ اور جب تک شاہدین ان کی پاکیزگی کی شہادت نہیں دیتے تب تک وہ ڈر رہے گا۔ اس دن کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔ ساری کائنات میں تبدیلی کے بوجھ کو محسوس کیا جائے گا۔ جو لوگ اس کو مانتے ہی نہیں ان کے لئے اس کا آنا اچانک ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی پایا جو اللہ تعالیٰ نے عطا کرنا پسند فرمایا۔ آپ کے علم کے بارے میں زبان کھولنے کے بھی آداب ہیں، اور جو آداب سے آگاہ نہ ہو، اس کے لئے خاموش رہنا بہتر ہے۔ آپ کو علم عطا کرنے والا علیم مطلق ہے۔ آپ کو کس قدر علم عطا فرمایا گیا۔ اس کو علیم مطلق جانتا ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں۔ باقی جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں بات کرے گا، اسی قدر کرے گا جس قدر اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے۔ یا آپ کے بعد شاہدین کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اگر آپ کے علم کو اندازے، قیافے سے جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ بڑی بے ادبی ہوگی اور حدود اللہ کے عدمِ احترام کو ثابت کرے گی۔ قیامت کے قائم ہونے کا لمحہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ اس کو دور جان کر غفلت میں ہی پڑ سکتے ہیں۔ اس لئے مخلصین کو کبھی ایسی باتوں کے جاننے کی طلب ہی نہیں ہوتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے۔ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو علم بندے کو درکار نہیں ہے، وہ اللہ کے پاس ہی رہنا چاہئے اور اللہ کے پاس ہی رہتا ہے۔ اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں جن کا بولنا علم حقیقی کے تابع ہو گا، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں۔

حاصل : حصولِ علم کا منشاء بندگی کے حقوق کو احسن طور پر ادا کرنے کی اہلیّت کے مقام تک پہنچنا ہو تو حق ہے۔ قیامت کو خلوت سے جلوت میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے لانے کے وقت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ساری کائنات اجلِ مسمّٰی کے خاتمے کو اور قیامت کے ٹھہرنے کو محسوس کرے گی۔ اس لئے آسمانوں اور زمین میں وہ بہت بھاری ہوگی۔ جو بات بندگی کے حق کو ادا کرنے کے لئے درکار نہیں ہے، مخلصین کبھی اسے نہیں تلاش کرتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے۔ اس بات کی سمجھ اسے ہی آتی ہے جس کا بولنا علمِ حقیقی کے تابع ہو۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ

فرما دیجئے کہ میں اپنے نفس کے نفع و ضرر کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کو خود جان لیا کرتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی برائی نہ

الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳/۱۳

پہنچتی۔ میں تو ایمان لانے والوں کے لئے ڈر سنانے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں۔

ساعت کے بارے میں سوال کرنے والوں کا جواب یہاں پورا ہوتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس کے نفع وضرر کا مالک نہیں۔ مجھے وہی ملتا ہے جو اللہ چاہے۔ میں غیب کو خود نہیں جان لیا کرتا، میں وہی جانتا ہوں جو علاّم الغیوب مجھے عطا کرتا ہے۔ بھلائی راحت ہے۔ برائی تنگی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو راحت اسی بات میں ہے کہ آپ کی رحمت سے تمام لوگ فیضیاب ہوں اور تنگی اس بات میں ہے کہ لوگ رحمت وراحت کے مقابلے میں خوف وحزن کو گلے لگالیں۔ آپ نے فرمایا ایمان لانے والوں کو میرا ڈر سنانا نفع دیتا ہے۔ ان ہی کے لئے مجھے بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

حاصل : اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذن اللہ جاننا ضروری ہے۔ رحمت سے لوگ فیضیاب ہوں تو اس میں رحمۃ للعالمین کو راحت ہوتی ہے۔ اور لوگ خوف و حزن کی راہ سے نہ ہٹیں تو تنگی بھی ہوتی ہے۔ جو علم اللہ تعالیٰ عطا کرنا چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ نفع و ضرر کا مالک بھی وحدہٗ لا شریک ہی ہے۔ ایمان لانے والوں کو ڈر سنانا فائدہ دیتا ہے۔ انہی کے لئے فلاح کی بشارت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ م بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۲۳/۸۸

فرما دیجئے کس کے ہاتھ ہے ہر شے کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ اگر تمہیں علم ہو۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

وہی ہے جس نے تمہیں نفسِ واحدہ سے خلق فرمایا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے سکون پائے۔ پھر جب مرد اس پر چھایا یہ خفیف حمل سے حاملہ ہو گئی تو اسے لئے پھرتی رہی۔ پھر جب بھاری ہو گئی دونوں اپنے رب کو پکارنے لگے۔ اگر ہمیں صالح بچہ عطا فرمائے گا ضرور ہم شاکر

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾

ہوں گے۔

سب انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا، جو نفس واحدہ کی صورت سے پیدا کیئے گئے۔ نفسِ واحدہ سے اس کے جوڑے کو بنایا گیا کہ وہ اس سے سکون پائے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ماں حوا علیہما السلام سے نسل چلی اور یہ صورت قیامت تک جاری رہے گی۔ عورت اگر میاں کو سکھ چین دینے کے علاوہ اپنی کوئی مصروفیت بنالے تو وہ بڑے دکھ میں پڑ جاتی ہے۔ مرد اگر اس سے سکون حاصل کرنے کی بجائے کوئی خدمات لینا شروع کر دے تو مرد کی گھریلو زندگی میں کوئی سکون نہیں رہ جاتا۔ ازدواجی زندگی کا منشاء بقاءِ نسل ہے اور بقاءِ نسل کے عمل کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ مرد عورت پر چھائے۔ عورت ایام حیض کے بعد پاک ہو تو اس کے قریب جانا حق ہے۔ شروع میں حمل خفیف ہوتا ہے کہ تین مہینے تک ثقل کا احساس نہیں ہوتا۔ ان ایام میں کسی حد تک سابقہ معمولات جاری رہتے ہیں۔ پھر جیسے جیسے بوجھ کا احساس بڑھتا جاتا ہے، روزمرّہ زندگی کے معمولات میں تبدیلی بھی آتی ہے۔ اور دونوں میاں بیوی منعم حقیقی کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر ہمیں صالح بچہ عطا فرمائے گا ہم ضرور تیرا شکریہ ادا کریں گے۔ ماں باپ کی دعا یہی ہوتی ہے، کہ بچہ صورتاً بھی ٹھیک ہو اور سیرتاً بھی ٹھیک رہے۔ شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ ماں باپ بچے کو خدائی مہمان سمجھ کر اس کی پرورش کریں اور اسے اپنی خواہشات کا غلام بننے کا راستہ کبھی نہ دکھائیں۔ جب تک وہ بلوغت کے مقام پر نہیں پہنچتا، جہاں وہ حق کے حوالے سے فیصلے کرنے کی اہلیّت کا حامل ہو گا، تب تک اس کے ہر فیصلے کو مخلصین کی منشاء کے تحت ہونا چاہیئے۔ طریقت تو اہل طریقت سے ہی سیکھی جا سکتی ہے۔

حاصل : سب لوگ نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے نسلی تفاخر خلافِ حق ہے۔ عورت کو میاں کے لئے باعث سکون ہونا چاہیئے۔ ازدواجی زندگی کا منشاء بقاءِ نسل ہے اور اس کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ابتدائی تین مہینے بوجھ کا احساس خفیف ہوتا ہے۔ پھر حاملہ کو ثقل کا احساس ہونے لگتا ہے۔ میاں بیوی دونوں دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ ہمیں صالح بچہ عطا فرما ہم تیرا شکریہ ادا کریں گے۔ اولاد کو راہ راست پر رکھا جائے تو اللہ کی عطا کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

پھر جب اس نے انہیں صالح بچہ عطا فرما دیا۔ انہوں نے اس کی عطا میں شریک ٹھہرائے تو اللہ بہت بالا ہے ان کے شرک سے۔

ماں باپ بچہ ہونے سے پہلے یہی دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ ہمیں صالح بچہ عطا فرما ہم تیرا شکر ادا کرنے والے ہوں گے۔ جب اللہ انہیں صالح بچہ عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس کی عطا میں شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ یہ بہت بڑی ناشکری ہے۔ معطی مطلق لاشریک ہے۔ اگر مخلصین میں سے کسی صاحب نے دعا کی ہو تو دعا یقیناً اللہ سے ہی کی جاتی ہے۔ اور اسے عطا کرنے والا لاشریک جان کر کی جاتی ہے۔ اس لئے اللہ کے پاک بندوں سے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ عباد مخلصین ہر مقام پر اظہار عبدیت کے

بعد بات شروع کرتے ہیں۔ معطیِ مطلق کی عطا علم مطلق سے ہوتی ہے اور علم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت ہے۔

حاصل : معطیِ مطلق کی عطا علم مطلق سے ہوتی ہے، اور علم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اس لئے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت کی بات ہے۔

اَیُشۡرِکُوۡنَ مَا لَا یَخۡلُقُ شَیۡـًٔا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾

کیا اسے شریک بناتے ہیں جو کچھ خلق نہ کرے اور خود مخلوق ہو۔

جسے اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ تخلیق کے عناصر کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ روح کے بارے میں اس کا علم قلیل ہی ہوتا ہے۔ پرورش کے مدارج کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ ضروریاتِ جنین کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل سے پہلے بچے کی خوراک کا بندوبست کرنے کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ اس خوراک کے اجزاءِ ترکیبی کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ وضع حمل کے وقت افعال الاعضا میں ربط پیدا کرنے کا علم اسے نہیں ہو سکتا۔ پیدائش اتنے بڑے علم سے ہوتی ہے کہ علم والے خالق کل کے سامنے سربسجود ہی رہتے ہیں۔ جو خود پیدا کیا گیا ہو، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ انسان، اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے عناصر سے استفادہ کر کے اپنی سہولت کے لئے کچھ بندوبست کرتا ہے تو اس سے اس کا درجہ خالق کا نہیں ہو جاتا۔

حاصل : مخلوق کو خالق کل کا شریک ٹھہرانا انتہائی جہالت ہے۔ بندگی اللہ کی ہونی چاہئے اور مخلصین کی طریقت کے مطابق ہونی چاہئے۔ اولاد کو اللہ کی رضا کے خلاف رسم و رواج کا پابند بنانے کی کوشش بھی ناشکری ہے اور شرک ہے۔

وَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ لَہُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾

اور انہیں ان کی نصرت کی استطاعت نہیں اور اپنی مدد کی بھی نہیں۔

جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے وہ اپنے ماننے والوں کے بارے میں جانتے ہی کیا ہیں کہ وہ کسی کی مدد کر سکیں گے۔ مدد کرنا بہت بڑا علم ہے۔ اور اس علم کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ مدد کی استطاعت اسے ہوتی ہے، جو مدد چاہنے والے کی بھلائی چاہتا ہو، مطلوبہ اشیاء کا مالک ہو، اور ان کو تصرّف میں لانے کی ایسی قدرت رکھتا ہو کہ مدد مانگنے والے کو آسانی حاصل ہو۔ بت تو وجود اور کمالاتِ وجود کے اعتبار سے اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

حاصل : جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ مشرکین کی مدد تو کیا کریں گے، اپنی بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ قادر مطلق اور ربّ العالمین کے مقابل یعنی اپنے اوپر قدرت رکھنے والے اور اپنے پالنے والے کے مقابل کسی کی قدرت کو تسلیم کرنا انتہائی جہالت ہے۔

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ‌ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾

اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے تم پر برابر ہے چاہے انہیں پکارو، یا چپ رہو۔

ناقابل اصلاح کافروں کی یہ صفت ہے کہ انہیں ڈر سنایا جائے یا نہ سنایا جائے وہ مانتے نہیں۔ ان کے قلوب پر مہر ہوتی ہے۔ ان کی سماعت پر مہر ہوتی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی دوسرے کے لئے کیا کریں گے۔ جس کی ذات میں احتیاج ہو وہ معطیِ مطلق نہیں ہو سکتا۔ جو معطیِ مطلق نہیں اس کو معبود کہنا انتہائی گمراہی ہے۔

حاصل : جو حق کو نہ مانے وہ ناحق کو ماننے سے بچ نہیں سکتا۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان کے وجودی نقائص بھی مشرکین کو نظر نہیں آتے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ‌ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک وہ جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو۔ تمہاری مثل بندے ہیں تو انہیں پکارو پھر وہ تمہاری عرض قبول کریں۔ اگر تم سچے ہو۔

معبود کی شان یہ ہے کہ وہ تعیّن سے بالاتر ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ وہ ہر خفی اور ہر ظاہر کا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو علم سے پالتا ہے۔ اور ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔ جس کو اللہ کے مقابل معبود بنایا جائے وہ ان صفات کا حامل نہیں ہو سکتا، جو معطیِ مطلق نہیں، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ کے مقابل کوئی معطیِ مطلق ہے تو اسے پکارو، وہ تمہاری عرض کو سنے، اور مانے، تبھی تم اپنی صداقت کو ثابت کر سکو گے۔

حاصل : جو معطیِ مطلق ہے وہی معبود ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر مقام پر اسی کی رضا مقصود ہو، تو عبدیّت کا دعویٰ، سچا ثابت ہوتا ہے۔

اَلَهُمۡ اَرۡجُلٌ يَّمۡشُوۡنَ بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ اَيۡدٍ يَّبۡطِشُوۡنَ بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ اَعۡيُنٌ يُّبۡصِرُوۡنَ بِهَآ‌ اَمۡ لَهُمۡ

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں، یا ان کے کان ہیں، جن سے سنیں، فرما دیجئے اپنے

اَذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝١٩٥

شرکاء کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلو، تو مجھے مہلت نہ دو۔

پاؤں چلنے کے لئے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں۔ چلنے کی استعداد کسی کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ ہاتھ کو پکڑنے کا ایسا آلہ بنایا گیا ہے کہ یہ آلہ اپنے بنانے والے کو لاشریک ثابت کرنے کے لئے ایک سند ہے۔ آنکھیں دیکھنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ افادیّت پر نظر ہو تو بنانے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کان سننے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آلۂ سماعت انسانی زندگی میں انفرادی طور پر دوسرے آلات کی طرح اپنی اہمیت رکھتا ہے مگر دوسرے آلات کے مقابل افراد کے مابین رابطے کا بڑا ذریعہ ہے۔ ان چار آلات کا اور ان کے ساتھ متعلقہ قوتوں کا بنانے والا یقیناً لاشریک ہے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے وہ تو کچھ بھی خلق نہیں کرتے۔ کسی شے کے بھی مالک نہیں ہوتے۔ جو نتائج ان کے لئے مضر ہوں ان سے خود کو بچا نہیں سکتے۔ کسی دوسرے کی مدد کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ اس کے باوجود مشرکین، حق بیان کرنے والوں کو یہ دھمکی دیتے ہیں کہ ان کے معبودوں کی قدرت کا انکار کرنے والے برباد ہو جائیں گے۔ اس مقام پر ان سے یہ کہنا چاہئے، تم اپنے شریکوں کو پکارو، انہیں کہو کہ وہ اپنی قدرت کا اظہار کریں۔ جو داؤ وہ چل سکتے ہوں، چلیں، اور اپنے نہ ماننے والے کو مہلت نہ دیں۔ قطعاً کچھ رعایت نہ کریں۔ جب وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تو ان کے بارے میں مشرکین کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

حاصل : پاؤں، ہاتھ، آنکھیں اور کان، اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت کو ثابت کرتے ہیں۔ دوسرا کوئی ان ~~[illegible]~~ (اعضاء) کا عطا کرنے والا ہو نہیں سکتا۔ مشرکین سے یہ کہنا چاہئے، جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو. انہیں پکارو۔ جو کچھ کر سکتے ہو کرو اور ہمیں مہلت نہ دو۔

اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ښ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝١٩٦

بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ صالحین کو دوست رکھتا ہے۔

مشرکین کے دعوے کے ابطال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے میرا ولی، اللہ ہے۔ اس کی حمایت سے بڑی کوئی حمایت نہیں ہو سکتی۔ اس نے کتاب نازل فرمائی ہے، جس میں رضائے الٰہی کو واضح فرما دیا گیا ہے۔ اللہ کی رضا کے چاہنے والے صالحین ہیں۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے۔ صالحین اللہ کی رضا کے مقابل کسی بھی مقام پر اپنی کسی قوت کو ضائع نہیں کرتے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے، اس لئے یہ برکت والے لوگ ہیں۔

حاصل : اپنا حال بیان کرتے ہوئے اپنے معلّم کی شان کو روشن کرنا چاہئے۔ جس کو اللہ دوست رکھے وہ صالحین میں سے ہے۔ اللہ کا دوست، لوگوں کی پسند کے مقابل اللہ کی پسند کو مانتا ہے، اور

لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ سے ڈرتے رہنے کو احق جانتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دوست بنانا خدائی صفت ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور جن کو تم اس کے مقابل پکارتے ہو۔ وہ تمہاری نصرت کی استطاعت نہیں رکھتے اور اپنی جان بھی نہیں بچا سکتے۔

اللہ کو پکارنے سے جو اطمینان ملتا ہے، اس کی نصرت سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ جب مالکِ کل ہے ہی وحدہٗ لاشریک، تو کسی دوسرے کو اس کے مقابل نصرت کی استطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ خود اپنی جان کو بچا سکنے کی قدرت بھی کس کو ہے۔

حاصل : جو خود حق پر نہ ہو، اس سے کبھی مدد نہیں لینی چاہئے۔ جو اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا، وہ کسی کی نصرت کیا کرے گا۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ سنتے نہیں۔

ہدایت کی طرف وہی بلا سکتا ہے جس کو نورِ ہدایت کے قاسم ہونے کا شرف ہو، جس کے اتباع سے خوف و حزن کے خاتمے کی ضمانت ملے۔ جسے بلایا جائے، وہ سنتا ہو، تو بلانے والے سے اس کا رابطہ ہو سکتا ہے۔ اور سنتا ہی نہ ہو تو بلانے والا اس کے اندر تحریک پیدا نہیں کر سکتا۔ ہدایت کی طرف آنے کے لئے دوسرا ذریعہ بصارت ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ راستہ دکھانے والے کو یہ محسوس ہو کہ اس کی طرف دیکھا جا رہا ہے، مگر دیکھا نہیں جا رہا ہوتا۔ جب دیکھا ہی نہیں جا رہا ہو تو موجود سے مقصود کی طرف حرکت کیسے ہو گی۔

حاصل : نورِ ہدایت سے استفادہ کرنے کے لئے سننا اور دیکھنا ضروری ہے۔ سننے کی صورت یہ ہے کہ سنتے وقت اپنے نفس کی آواز کو ساکن کر لیا جائے۔ اور دیکھنے کی صورت یہ ہے کہ اپنی پسند کا چشمہ اتار کر دیکھا جائے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

عفو اختیار کیجئے اور بھلائی کا امر فرمایئے اور جاہلین سے اعراض کیجئے۔

عفو یہ ہے کہ جس سے اپنی ذات کو تکلیف پہنچے اس کو معاف کیا جائے، اور اس یقین کے ساتھ معاف کیا جائے کہ اس کی لاعلمی باعثِ تکلیف ہوئی ہے۔ جس کی لاعلمی کا احساس ہو، اس کو راستہ دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کو آسانی عطا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بھلائی کا امر اس طرح دیا جاتا ہے کہ سننے والے کے اندر حدّت نہ پیدا ہو۔ اور وہ جان لے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ وہی کرتا رہے۔ جو خلافِ حق ہے تو وہ جاہل ہے اور اس سے اعراض کرنا چاہئے۔

حاصل : اپنے ذاتی مخالف کو معاف کرنا عفو ہے۔ اس کو بھلائی کا امر اس طرح دینا چاہئے کہ حق کو سنتے وقت اس کے اندر حدّت نہ پیدا ہو جو حق کو جان کر خلافِ حق کرے وہ جاہل ہے۔ اس سے اعراض کرنا چاہئے۔ جاہل، ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر تم کو شیطان کی چھیڑ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

یہ خطاب واحد حاضر کے صیغہ میں ہے۔ بات کسی سطح کی بھی ہو، وساطت تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہی ہوگی۔ طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب حق کے ماننے والوں کو شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو اور انہیں ان کا نفس اس بات پر ابھارے کہ وہ اپنے ذاتی مخالف کو سزا دینے کے لئے جواز کو دیکھیں اور اپنا ردِّ عمل ظاہر کریں۔ ایسے وقت میں تلاوت الوجود کرتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ اپنی خواہش کی پیروی، شیطان کے غلبے کو دعوت دیتی ہے۔ مخالف کی طرف سے جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کا مداوا صرف اللہ کی پناہ میں ہے۔ اللہ سب سے بڑا سننے والا اور سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جب اللہ کی پناہ طلب کی جائے، تو اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی اسم پاک کا ذکر کیا جائے۔ یا ودود کا ذکر کیا جائے تو یہ بہرحال بہتر ہے۔ مخالف کے لئے جو بھی کہا جائے اس میں متانت ضرور ہو اور اپنے لئے یہ دعا کی جائے کہ یا اللہ میرے ہر عمل میں تیری رضا کا حصول مقصود ہو۔

حاصل : میدانِ جہاد کے علاوہ جب اپنے نفس کی طرف سے مخالف کو سزا دینے کی ترغیب ملے تو یہ شیطان کی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہے۔ یہ سنبھلنے کا مقام ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے، ذکر کرنا چاہئے، درود پاک پڑھنا چاہئے اور اپنے شاہد کے قدم اور نقشِ قدم پر نظر رکھنی چاہئے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾

بے شک جو ڈرنے والے ہیں۔ جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے۔ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ جبھی وہ دیکھنے لگتے ہیں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کی نشانیاں یہ ہیں کہ جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے، تو وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ جب حق کو، سننے والے کی خواہش کے حوالے سے بیان کیا جائے تو یہ وسوسۂ شیطان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے اس خیال کے آتے ہی چونک جاتے ہیں کہ حق کے نام پر یہ خواہش کی پیروی کی دعوت ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں آنے والے واقعات بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

حاصل : اللہ سے ڈرنے والے شیطانی وسوسے سے فوراً چونک جاتے ہیں۔ آنے والے واقعات انہیں دکھائی دینے لگتے ہیں۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور جو شیطان کے بھائی ہیں انہیں وہ گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

جو لوگ استکبار میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ لوگ فضیلت کے ایسے معیار بنا لیتے ہیں جن کا سیرت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جب معیار ہی درست نہ ہو، تو اس کی نسبت سے حاصل ہونے والا نتیجہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے کی صفت لائقِ تکریم ہے۔ جو لوگ تکبّر کرتے ہیں وہ کبھی متقّی نہیں ہوتے۔ جن باتوں میں انہیں فضیلت نظر آتی ہے، ان کے حوالے سے شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ شیطان کبھی اپنے بھائیوں کو دوزخ تک پہنچانے میں کمی نہیں کرتے اور اس مقام تک پہنچانے کے عمل کے تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔ شیطان ہر وقت یہ دھیان رکھتے ہیں کہ انسان صریح خسارے میں مبتلا ہونے سے پہلے کسی بھی مقام سے فلاح کی طرف جا سکتا ہے۔ اس لئے وہ پنے مقصود سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

حاصل : شیطان صرف اپنے بھائیوں کو گمراہ کرتے ہیں، اس لئے گمراہ ہونے والے ہی گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ شیطان کبھی انسان دشمنی میں کمی نہیں کرتے اور اپنے مقصود سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہ لے کر جائیں تو کہتے ہیں آپ نے اپنی طرف سے کیوں نہ بنالی۔ فرما دیجئے میں تو اس وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر ہوتی ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہیں۔ اور یہ ہدایت و رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان

لاتے ہیں۔

کافر فرمانِ خداوندی کو اللہ کے رسول کی اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اس لئے جب ان کے پاس کوئی آیت نہ لائی جائے تو وہ کہنے لگتے تھے کہ آپ نے اپنی طرف سے کیوں نہ بنالی۔ کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشادات میں حسنِ کلام کو ضرور دیکھتے تھے مگر یہ نہیں مانتے تھے کہ ان کی بات، اللہ کی بات ہے اور علمِ مطلق سے ہے۔ آپ نے تو کبھی خواہش کے تحت نطق ہی نہیں فرمایا۔ کسی بھی سوال کا جواب وہی دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے۔ اس مقام پر حکمِ خداوندی سے جواب یہ دیا گیا ہے کہ میں تو اس وحی پر چلتا ہوں جو میرے ربّ کی طرف سے مجھ پر ہوتی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر ہیں۔ آنکھیں کھولنے والی اور ناقابل تردید نشانیاں ہیں، اور جو ایمان لائیں ان کے لئے ہدایت و رحمت ہیں۔ سب سے بڑی بات، اللہ کی بات ہے کہ وہ علمِ مطلق سے ہوتی ہے۔ اس کے اندر نتائج کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ چاہے وہ بشارت کے حوالے سے ہوں یا انذار کے حوالے سے ہوں۔ تدبّر کرنے والوں کو یہ نظر آتا ہے کہ حق وہی ہے جو فرمانِ خداوندی ہے۔ جو اس کو مان لے اور شاہد کے حوالے سے مان لے، اس کو ہدایت و رحمت سے نوازا جاتا ہے۔ جو استقامت ماننے والوں کو حاصل ہوتی ہے، حق کو نہ ماننے والے اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

حاصل : حق کو حسنِ کلام کے حوالے سے دیکھنا اور اسے فرمان خداوندی نہ جاننا کافروں کی نشانی ہے۔ جواب اپنے حال کے مطابق ہونا چاہئے، اور عطائے الٰہی کی نسبت سے ہونا چاہئے۔ نہ ماننے والوں کو ماننے والوں کی صورت دکھانی چاہئے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ تاکہ تم پر رحم ہو۔

قرآن پاک مؤمنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ پڑھنے والا باوضو ہو لوگوں کو فرمانِ خداوندی کے حوالے سے دعوتِ اصلاح دے، خود ان صفات کا حامل ہو، جو اس کی زبان سے بیان ہو رہی ہوں، اس مقام پر تلاوت نہ کرے جہاں لوگ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے شور سے رُک نہیں سکتے اور سننے والوں کو یہ موقع دے کہ وہ متوجّہ ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔ سننے والوں پر لازم ہے کہ جسمانی طور پر حاضر ہونے کے ساتھ ذہنی طور پر بھی حاضر ہوں۔ ماننے کی نیت سے سنیں اور خاموش رہیں۔ اس وقت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بے ادبی ہوگی۔ اللہ کی تسبیح بیان کی جائے تو بھی خفی ہو۔ اور جب سنانے والا سنا چکے تو اجتماعی طور پر اللہ سے اس کی رحمت کا سوال کیا جائے۔ دعا یہ ہو کہ یا اللہ ہم اپنی خواہش کی پیروی کے مقابل تیری رضا پر رہنے کے لئے تیری مدد کے طلب گار ہیں۔ تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں ہمارے قول و فعل میں پورا رکھ۔

حاصل : قرآن پاک کے پڑھنے اور سننے کے آداب کا لحاظ ضروری ہے۔ پڑھنا اس طرح ہو کہ حال سے تعلق رکھتا ہو، اور سننے والوں کو تھکا نہ دے۔ سننا اس طرح ہو کہ پوری توجہ سے سنا جائے۔ ماننے کی نیت ہو، اندر بھی خاموشی ہو، باہر بھی خاموشی ہو اور بیان کے پورے ہو جانے کے

بعد اجتماعی دعا کی جائے اور اللہ سے مدد مانگی جائے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِينَ ﴿٢٠٥﴾

اور اپنے رب کو اپنے دل میں تضرع اور ڈر کے ساتھ یاد کرو۔ اور بے آواز نکالے صبح کے وقت اور شام کے وقت اور غافلین سے نہ ہونا۔

ذکر الٰہی ان اوقات میں بھی ہونا چاہئے، جن میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ مثلاً نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر سے نماز مغرب تک، ان اوقات میں ذکرِ خفی ہو، جہری نہ ہو۔ اپنے نفس کو یہ احساس دلایا جائے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کی رضا کے مطابق کماحقہٗ استعمال نہیں کی گئی، کوتاہی ہوئی ہے۔ کرم "اتنا بڑا" اور شکر "اتنا کم"، یہ احساس باعثِ تضرّع ہوتا ہے۔ ڈر اس بات کا ہونا چاہئے کہ پوچھ اس توفیق کی نسبت سے ہوگی، جو اللہ نے عطا فرما رکھی ہے۔ غفلت سے بچنے کے لئے ان اوقات میں ذکر الٰہی کو اپنا معمول بنانا چاہئے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کی صورت میں بھی ذکرِ خفی ہوسکتا ہے۔ ان کا کام کیا جائے، باتیں نہ کی جائیں۔

حاصل : صبح اور شام ذکرِ خفی کرنا چاہئے۔ غفلت سے بچنے کے لئے ابتداءً زور لگا کر اپنی غیر ضروری مصروفیات کو ترک کرنا پڑے گا۔ پھر ان اوقات میں ذکر معمول ہو جائے گا۔ کرم کی وسعت اور شکر کی قِلّت کا احساس باعثِ تضرّع ہوتا ہے۔ ڈر یہ ہونا چاہئے کہ علیم مطلق کی طرف سے پوچھ ہوگی اور اس کی عطا کردہ توفیق کی نسبت سے ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿٢٠٦﴾

بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں اس کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور اسے ہی سجدہ کرتے ہیں۔

قربِ الٰہی رکھنے والوں کی صفات اس لئے بیان ہوئی ہیں کہ جن کو انعام مطلوب ہو وہ فیضیاب ہوں۔ عبادت سے تکبّر نہ کرنا یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اپنی پسند کے مطابق استعمال نہ کیا جائے کہ یہ مقرّبین کی شان کے خلاف ہے۔ تسبیح سے قول پاک رہتا ہے، اور قول پاک ہو جائے تو عمل صالح ہو جاتا ہے۔ اللہ کو ہی سجدہ کرنا یہ ہے کہ خوشی مطلوب ہو تو اسی کی ہو، اور ڈر ہو تو بھی اسی کا ہو۔ آیت سجدہ پر عملاً پڑھنے والے کو اور سامعین کو سجدہ کرنا چاہئے۔ اس کے لئے وقت کا تعیّن بھی نہیں ہے، سمت کا تعیّن بھی نہیں ہے۔ جو جہاں ہو فوراً سجدے کے لئے سعی کرے۔ جسماً حالت سجدے کی ہونی چاہئے۔

حاصل : مقرّبین الٰہی اس کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے، کبھی من مانی نہیں کرتے۔ اپنے قول

کو پاک اور سدید رکھتے ہیں۔ انہیں خوشی بھی اپنے معبود لاشریک کی مطلوب ہوتی ہے۔ ڈر بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا ہوتا ہے۔ اللہ کو ہی سجدہ کرنے والا مشرک نہیں ہو سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔ ایمان والے وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے، اس کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں، ان کا ایمان بڑھے اور اپنے ہی رب پر توکّل کریں، وہ نماز کو قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کریں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ۹/۷۴

یہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے درجات ان کے ربّ کے پاس ہیں اور ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

رکوعاتہا ۱۰ — سُوْرَةُ الْأَنْفَالِ ۷ — ایاتہا ۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

آپ سے غنیمتوں کے متعلّق سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے غنیمتیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔

صاحبو! غنیمتوں کے متعلق سوال ان کی تقسیم کے حوالے سے تھا۔ جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیّت ہیں۔ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاہیں گے اسی طرح تقسیم ہوں گی، اور وہی تقسیم عنداللہ پسند ہو گی۔ اگر کوئی طلبِ غنیمت میں اپنا استحقاق ثابت کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اللہ سے نہ ڈرنے والا ہو گا اور لوگوں سے جھگڑا کرنے والا ہو گا. یہ حدود اللہ سے صریحاً تجاوز ہے۔ غنیمت کا مال لینے والے کے متعلق جو علم دینے والے کو ہوتا ہے. وہ دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا۔ اس لئے کسی لینے والے سے اختلاف ہو تو قاسم پر اعتراض ہو گا۔ اور قاسم کی حیثیّت کو جاننے والا اعتراض کا حق ہی نہیں رکھتا۔ مومن ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اطاعت اگر اپنا فائدہ دیکھ کر کی جائے تو وہ اطاعت نہیں ہو گی۔ مومن کبھی اپنی خواہشات کو حق کا لبادہ پہنا کر بیان نہیں کرتا۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ گمراہی کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : سوال کا منشاء پاک رہنے کی کوشش میں مدد حاصل کرنا ہو تو حق ہے۔ غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیّت ہیں۔ اسی حوالے سے تقسیم ہوں گی۔ اللہ سے ڈرنے والا اپنے حال پر نظر رکھتا ہے، اور لینے والوں سے ناراض نہیں ہوتا۔ وہ اطاعت میں اپنی پسند کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل ڈرتے ہیں۔ اور جب ان پر

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ۲

اس کی آیات تلاوت کی جائیں، ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور اپنے رب ہی پر توکّل کرتے ہیں۔

ایمان والوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے قلوب پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ بیان کرنے والا اللہ کی عطا کو اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے بیان کر رہا ہو تو ان کے دل ڈرتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا بہت بڑا کام ہے اور قیامت کے دن اس کی پوچھ ہو گی۔ اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جو اپنے اعمال میں خوبی دیکھتا ہو اس کا دل اللہ کے ذکر سے نہیں ڈرتا۔ ایمان والوں کے سامنے جب اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ ایمان میں اضافہ ہو تو اپنا عمل بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور عطائے الٰہی کی نسبت سے دیکھا جائے تو ایسے ہی نظر آنا چاہئے۔ ایمان والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ جو موجود ہے وہ بھی ہماری ضرورت سے زیادہ ہے۔ اس کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہونا چاہئے۔ اور جو مزید درکار ہو گا وہ علیم مطلق کی طرف سے صحیح وقت پر عطا کر دیا جائے گا۔

حاصل : اللہ سے ڈرنا، اس کی آیات کو سن کر ایمان کا بڑھنا اور اللہ پر توکّل کرنا ایمان والوں کی نشانیاں ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳

وہ جو نماز قائم رکھتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

ایمان والے نماز قائم رکھتے ہیں۔ نماز مغرب سے پہلے اس کی تیاری کرتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں اور وضو کے بعد نماز کی نیّت کر کے اذان کا انتظار کرتے ہوئے، اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد عشاء کی نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور نماز کی نیت کے ساتھ اذان کا انتظار کرتے ہیں۔ رات کو سونے سے پہلے وضو کر کے صلوٰۃِ وسطیٰ کی نیّت کر کے سوتے ہیں۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْم کی آواز سن لینے کے بعد ایک دم بستر سے باہر آ جاتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں اور نماز کی نیّت کے ساتھ حاضر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز ظہر سے پہلے اس کے لئے وضو کرتے ہیں اور اس کے پڑھنے کی نیت کرتے ہیں اور پھر نماز عصر سے پہلے اس کے لئے وضو کرتے ہیں اور وقت پر پڑھنے کی نیّت کے ساتھ تیار رہتے ہیں۔ اللہ کے دئے ہوئے رزق کی حقیقت وہ عطائے الٰہی ہے جو بندے کو جائز ذرائع سے ملے اور جو اللہ کی مقرّر کردہ حدود کے اندر، اس کا حق بنتا ہو۔ اس کے علاوہ جو بھی ہو گا، وہ اللہ کا دیا ہوا رزق نہیں ہو گا، اور اللہ کی راہ پر لگنے کے قابل نہیں ہو گا۔

حاصل : نماز کے وقت سے پہلے اس کے لئے وضو کرنے اور وقت پر ادا کرنے کی نیت رکھنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق پاک ہوتا ہے اور وہی اللہ کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سے رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ

حقیقتاً مومن یہی ہیں۔ ان کے لئے ان

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

کے رب کے پاس درجات ہیں، اور مغفرت اور رزق کریم ہے۔

مومن ہونا ایک دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے ساتھ مذکورہ بالا نشانیاں موجود ہوں تو یہ دعویٰ صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ مومنوں کے درجات ان کے رب کے پاس ہیں۔ اگر ان درجات کو واجب التکریم مان لیا جائے۔ تو اجتماعی زندگی میں حسنِ اخلاق بڑھے گا، لوگوں کو بہت سی آسانیاں حاصل ہوں گی۔ جو عنداللہ درجات رکھتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے۔ ان کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہو گا۔ ان کے حوالے سے اپنے لئے خیر و برکت کی دعا کی جائے تو یہ اظہارِ ادب ہو گا۔ رزق کریم ایسی عطا ہے جو کسی مشقت سے تعلق نہیں رکھتی۔ مومن کسی بھی مقام پر اپنا حق ادا کرنے میں ڈھیل نہیں کرتے۔ اور جو ملے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا جانتے ہیں۔ صرف اپنے لئے نہیں، بلکہ ان سب کے لئے بھی جن کا ان پر حق ہوتا ہے۔

حاصل : مومنوں کے درجات کا احترام کرنا چاہئے کہ وہ اللہ کے نزدیک ہوتے ہیں۔ جسے اللہ نے مغفرت عطا فرما دی ہو، اس کے حوالے سے اپنے لئے دعائے خیر کرنی چاہئے۔ مومن کے ہاں کھانا رزق کریم سے حصہ لینے والی بات ہے۔ اس سے جسمانی فائدہ بھی ہوتا ہے، روحانی فائدہ بھی ہوتا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵

جیسے آپ کو آپ کے ربّ نے آپ کے بیت شریف سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنین کے ایک فریق کو اس سے کراہت تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی پوری حیات مبارکہ میں جو بھی کیا حکمِ الٰہی کے مطابق کیا۔ جو لوگ آپ سے محبت رکھتے تھے اور آپ کے ارشادات کو اپنی تجویز کے پیمانوں سے نہیں ناپتے تھے، انہوں نے آپ کے ہر حکم کو حکمِ خداوندی جان کر مانا اور نتائج کو باذن اللہ سمجھا۔ متوالی آنکھوں کا مشاہدہ، فانی آنکھوں کے مشاہدے سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ متوالی آنکھیں اپنے شاہد کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ اس لئے انہیں دشمن کی تعداد، اس کے ہتھیار اور اس کی قوت مرعوب نہیں کرتی۔ مبتدی مومن سبب کی طرف دیکھتے ہیں، تو انہیں پریشانی ہوتی ہے، حالانکہ حق اور باطل کی جنگ میں صرف اسباب کا اسباب سے مقابلہ نہیں ہوتا، بلکہ حق کے منکرین کو جب تک اپنی عددی برتری کا یقین نہ ہو، اپنے سامان حرب کے بہتر اور زیادہ ہونے کا یقین نہ ہو اور میدان جنگ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو، وہ جنگ کی طرف نہیں آیا کرتے۔

حاصل : بہتر جاننے والوں کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے۔ مبتدی مومن اسباب کی طرف دیکھتے ہیں، تو دشمن کی تیاری سے پریشان بھی ہوتے ہیں۔ جو مسبّب کی طرف دیکھتے ہیں انہیں اپنا حق ادا کرنے

کے لئے سب کچھ پورا نظر آتا ہے۔ متوالی آنکھوں کا مشاہدہ درست ہوتا ہے۔

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٦﴾

وہ حق میں آپ سے مجادلہ کرتے تھے اس کے روشن ہو جانے کے بعد، گویا وہ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جو نازل فرمایا گیا وہ حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے سب سے بہتر جاننے والے بندے ہیں۔ جب دیکھنے والوں کے مشاہدے کے مطابق آپ کا بیان ان پر واضح ہو چکا تھا، تو پھر آپ کے سامنے اپنی تجویز کو اہم ثابت کرنے کی کوشش یقیناً مجادلہ تھی۔ جب حق کی ادائیگی میں صریحاً موت نظر آتی ہو، اور زندگی عزیز ہو تو نفس ایسی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے کہ گویا اسے آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکا جا رہا ہے۔

حاصل : حق کو بہتر طور پر جاننے والوں اور اس کا احسن اتباع کرنے والوں سے مجادلہ یقیناً بے ادبی ہے۔ آنکھوں دیکھتے موت کی طرف جانے اور ہانکے جانے میں بڑا فرق ہے۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿٧﴾

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو طائفوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ تم چاہتے تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہ ہو۔ اور اللہ پاک یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات سے حق کو حق کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

اس حال پر جن دو گروہوں سے مقابلہ ممکن تھا، ان میں سے ایک جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھا، تعداد اور تیاری دونوں لحاظ سے۔ دوسرے قافلے کی صورت یہ نہ تھی۔ مؤمنین کا ایک فریق یہ چاہتا تھا کہ اس گروہ سے مقابلہ ہو، جس میں کانٹے کا کھٹکا بھی نہ ہو۔ دشمن کی طرف سے مزاحمت کا امکان کم ہو تو پھر یہ اس پر محض چڑھ دوڑنے والی بات ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جس گروہ سے مقابلے کا حکم فرمایا، وہ مومنین کے ساتھ جنگ کے لئے تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ روشن کیا جانے والا تھا کہ اس کے کلمات حق ہیں مومنین کو غلبہ حاصل ہو گا۔ باوجود اس کے کہ یہ دشمن کی کثرت اور تیاری کو دیکھ کر اس سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو گروہوں میں سے ایک پر غلبے کا وعدہ تھا، تو پھر بڑے گروہ کو مغلوب کرنا یقیناً بڑی بات تھی۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ اللہ کی پسند کو حوصلے اور ہمت سے مان لیا جائے تو اس سے جو انعامات ملتے ہیں ان کو بے حساب ہی کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ بھی

کرنا وہی پڑتا ہے جو اللہ چاہے، اور گزرنا بھی وہیں سے پڑتا ہے جہاں سے وہ گزارنا چاہے۔

حاصل : اللہ سے بڑا وعدہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ جنگ میں اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ بڑا کام کیا جائے تو اس سے تائید ایزدی کا یقین ظاہر ہوتا ہے۔ کافروں کی جڑ مالی نقصانات سے نہیں کٹتی۔ مومنین کے ساتھ لڑنے والے سرداروں کے کٹنے سے کٹتی ہے۔

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

تاکہ حق کو حق کرے اور باطل کو باطل کرے اور چاہے مجرموں کو اس سے کراہت ہو۔

جب فرمانِ خداوندی کسی مقام پر عملاً واقع ہو جاتا ہے تو حق اس قدر روشن ہو جاتا ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہو جاتا ہے۔ حق کے مقابل جب انسانی تجویزیں پٹ جاتی ہیں تو پھر ان کو کسی بھی سہارے سے کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باطل کی نفی کا مقام ہوتا ہے۔ مجرم سہولت پسندی کی وجہ سے ان دو مقامات کے درمیان رہنا پسند کرتے ہیں، تاکہ جس طرف مفاد نظر آئے فوراً اس طرف کو جھک سکیں۔ اور جب مفاد پرستی ناممکن ہو جائے تو مجرموں کو کراہت ضرور ہوتی ہے۔

حاصل : جب حق عملاً روشن ہو جائے تو ناقابل تردید ہو جاتا ہے۔ اور جب باطل پٹ جاتا ہے تو اس کو کسی سہارے سے کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔ مجرم مفاد پرستی کی وجہ سے حق کے حق ہونے کو اور باطل کے باطل ہونے کو دیکھ کر کراہت کرتے ہیں۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝۹

جب تم اپنے ربّ سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری مدد کو ہزاروں فرشتے بھیجوں گا، لگاتار آنے والے۔

اپنے رب سے مدد مانگنا یہ ہے کہ اظہار عبدیت کے ساتھ اپنا حال بیان کیا جائے اور اپنے علم کی حد تک پوری بات کی جائے۔ منشاء یہ نہ ہو کہ یا اللہ وہ کر جو ہم چاہتے ہیں، بلکہ یہ ہو کہ یا اللہ ہماری مدد فرما کہ پوری ہمت سے تیری عطا کردہ توفیق کو تیری رضا کے مطابق استعمال کر سکیں۔ سچی فریاد، اللہ کو پسند ہوتی ہے کہ وہ مخلصین کی فریاد ہوتی ہے۔ ایسی فریاد کو سن کر اللہ موقع کی نسبت سے جیسی مدد درکار ہو، اپنے علم سے عطا فرما دیتا ہے۔ اس مقام پر اللہ نے فرشتوں کی لگاتار آنے والی جماعت سے مومنین کی مدد فرمائی۔ کام اللہ نے کیا، نام مخلصین کا روشن ہوا مگر مخلصین مقامِ عبدیت پر پورے رہے۔

حاصل : فریاد اللہ کے سامنے ہو، اظہارِ عبدیت کے ساتھ ہو اور اس دعا کی صورت سے ہو کہ یا اللہ تجھ سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ جو کچھ ہمیں درکار ہے اس کا سب سے بہتر جاننے والا اور

سب سے بہتر عطا کرنے والا تو ہی ہے۔ ہماری مدد فرما کہ پوری ہمت سے تیری عطا کردہ توفیق کو تیری رضا کے مطابق استعمال کر سکیں۔ اللہ کی طرف سے دی جانے والی مدد ہمیشہ علمِ مطلق سے ہوتی ہے۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
رکوع ۱۵ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

اور یہ تو اللہ نے بشارت دی اور تاکہ تمہارے قلوب کو اس سے اطمینان ملے۔ اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ عزّت والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی بشارت یقیناً باعثِ اطمینانِ قلوب ہوتی ہے۔ دل مطمئن ہو تو حال پر اپنے حق کو صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے۔ ورنہ اپنی استعداد اور استطاعت کا بڑا حصہ اپنی سلامتی اور حفاظت کی نذر ہو جاتا ہے۔ علیم مطلق کی طرف سے نصرت ملے تو وہ ہر لحاظ سے پوری ہوتی ہے۔ دوسری کوئی نصرت اس قدر علم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ کی نصرت میں عزت و حکمت دونوں ہوتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو اس رخ سے دیکھنا چاہیئے۔ اپنی قوّت اور اپنے اسباب کو صحیح تناظر میں دیکھا جائے، تو اللہ سے اس کی نصرت کا طلب گار ہونا ہمیشہ ضروری ہوتا ہے۔ جس کو اپنی حیثیت پر ناز ہو وہ عزّت اور دانائی سے دور ہوتا جاتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی بشارت باعثِ اطمینانِ قلوب ہوا کرتی ہے۔ اللہ کی نصرت ہی علمِ مطلق سے ہوتی ہے۔ جسے اپنی حیثیت پر ناز ہو وہ عزّت اور دانائی سے دور ہوتا رہتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے:
اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِىَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ۸/۱۹
اے کافرو! اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ تم پر آچکا اور اگر باز آ ؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم پھر شرارت کرو، تو ہم پھر سزا دیں گے۔ اور تمہارا جتّھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا، چاہے کتنا ہی کثیر ہو۔ اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

جب اس نے تم پر اپنی طرف سے امن کے لئے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی نازل فرمایا کہ تمہیں اس سے

مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

پاک کر دے اور شیطان کی ناپاکی کو تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مربوط کر دے اور تمہارے قدموں کو ثبات دے۔

اس حال پر علیم مطلق کی طرف سے دی جانے والی مدد کا اس آیت میں ذکر ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اُن کے بہتر سامانِ حرب کے مقابل ان کے ہاں ایک طرح کی بے سرو سامانی تھی۔ میدانِ جنگ میں کافروں کا مقام ان کے نقطۂ نظر سے ان کے لئے فائدہ مند تھا۔ جنگ سے پہلے نظر آنے والی تمام چیزوں کو دیکھا جائے تو کافروں کی حیثیت دیکھنے میں بہتر نظر آتی تھی۔ اللہ نے مسلمانوں کو امن و سکون دینے کے لئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ اس سے بہت تھوڑے وقت میں مسلمانوں کو جو سکون ملا، وہ بدنی بھی تھا اور قلبی بھی تھا۔ اس سکون نے ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔ اس عطائے الٰہی کو اندازے کے کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔ مقام کے لحاظ سے جو فائدہ کافروں کو حاصل تھا، بارش کے بعد وہ بدل گیا۔ اور مسلمان ان کے مقابلے میں بہتر حیثیت میں آ گئے۔ پانی کی "سہولت سے دستیابی" اللہ کی بڑی عنایت تھی۔ پاک کرنے کا جو شرف اللہ نے پانی کو دیا ہے وہ کسی دوسری شے کو نہیں دیا۔ اور اللہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ ظاہری حالات سے جو پریشانی تھی اس میں شیطان مسلمانوں کو وسوسوں میں ڈال رہا تھا۔ جب وہ اسباب کے مقابل اسباب کو دکھائے گا تو اسباب سے آگے نہ دیکھنے والے اس سے مرعوب ہوں گے اور ناپاکی ان کے قریب ہو جائے گی۔ اسباب کے بنانے والے کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے اپنی عطا سے مسلمانوں کو اس طرح نوازا کہ ان سے شیطان کی ناپاکی دور ہو گئی اور ان کے دل جو پہلے کسی حد تک سہمے ہوئے تھے، سمٹے ہوئے تھے، مربوط ہو گئے اور اللہ نے انہیں ثابت قدمی بھی عطا فرما دی۔

حاصل : اللہ کی مدد انتہائی علم سے ہوتی ہے۔ اندر جو درکار ہو، اسے بھی وہی عطا کر سکتا ہے۔ باہر جو درکار ہو اسے بھی وہی عطا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے دلوں کو مربوط رکھنا ان کی ثابت قدمی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسباب سے مرعوب ہونا، ناپاکی ہے۔ اور مسلمانوں کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ

جب تمہارے رب نے ملائکہ کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کو ثابت رکھو۔ عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ تو کافروں کی گردنوں پر مارو۔ اور ان

الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

کے ہر جوڑ پر مارو۔

ملائکہ کو اللہ نے ایمان والوں کی مدد کے لئے بھیجا تھا، ان کو اپنی تائید کے ساتھ یہ کام دیا گیا کہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں۔ ثابت قدمی تبھی ہو سکتی ہے جب کام بڑا ہونے کے باوجود، ہوتا نظر آنے لگے۔ اس حال پر دشمنوں کے دلوں پر ایمان والوں کا رعب ڈال دیا گیا۔ مرعوب کافروں کی کارکردگی ان کے زعم کی نفی کر دیتی ہے۔ ملائکہ نے بھی کافروں کی گردنوں پر مارا اور ان کے ہر جوڑ پر مارا۔ ایمان والوں نے بھی ان کی گردنوں پر اور ہر جوڑ پر مارا۔ تائید ایزدی سے ایمان والے غالب ہوئے اور کافروں کی قوت، جس کے سامنے وہ ایمان والوں کو، ہیچ سمجھتے تھے، نابود ہو گئی۔

حاصل : اللہ ثابت قدمی عطا کرنے والا ہے۔ ایمان والوں کو ثابت قدمی حاصل ہو تو کافروں کے دل مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جب ان کے دل مرعوب ہو جائیں تو ان کے زعم کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر ان کی گردنوں اور ہر جوڑ پر مارنے کا مقام آتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مخالف ہوئے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مخالف ہؤا تو بے شک اللہ کی مار شدید ہوتی ہے۔

کافروں کا طریقِ زندگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت ہوتا ہے۔ جو حق ہو، کافر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ قول کی حد تک حق کا انکار ہو، تو اصلاح کی طرف آنے کا امکان موجود رہتا ہے۔ عملاً ایمان والوں کے ساتھ جنگ ہو جائے تو پھر اللہ کی شدید مار سے کافروں کو کوئی بچا نہیں سکتا۔ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے مخالف جس تعداد اور جس سامان کے ساتھ بھی ہوں، اللہ کی مار سے بچ نہیں سکتے۔

حاصل : حق کا انکار قول کی حد سے آگے ہو تو یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مخالف اللہ کی مار سے بچ نہیں سکتا۔ ایمان والوں کو اللہ کے "ساتھ" سے جو قوت ملتی ہے، اسباب سے وہ قوت کبھی نہیں حاصل ہو سکتی۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ

یہ تو چکھ لو اور کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

ایمان والوں کے ہاتھوں شدید مار، کافروں کے لئے عذابِ دنیا کی ایک صورت ہے۔ آخرت میں انہیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ آگ کا عذاب ان کے اپنے اعمال کا حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرّہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: جو حال پر حق کو ناقابل تردید پائے اور پھر بھی تسلیم نہ کرے۔ اسے آخرت میں آگ کا عذاب ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو جب میدان جنگ میں تم کافروں سے بھڑو، تو انہیں پیٹھ نہ دو۔

ایمان والوں کو کافروں سے لڑنے کے اصول بتائے جا رہے ہیں کہ جب میدان جنگ میں کافروں سے مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ دکھا کر بھاگنا خلافِ حق ہے۔ اللہ کے "ساتھ" کا فائدہ بھاگنے والے کو نہیں پہنچ سکتا۔ کافروں کی عددی قوت اور سامان حرب کی کثرت تمہیں مرعوب نہ کرے۔

حاصل: میدان جنگ میں کفّار سے مقابلہ ہو۔ تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا ایمان والوں کے لئے حرام ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا، سوائے لڑائی کے ہنر کے یا اپنے گروہ میں جا ملنے کے تو یقیناً وہ اللہ کے غضب میں پلٹا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے سے پیٹھ دے کر بھاگنا ایمان والوں کے لئے حرام ہے۔ جنگی ہنر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مقام تک دشمن کو پہنچانے کے لئے پسپائی ہو۔ جہاں سے بھاگ جانا اس کے بس میں نہ رہے۔ یا یہ کہ کچھ لوگ اپنی جماعت سے دور نکل گئے ہوں اور امیر جماعت ان کی واپسی کو ناپسند نہ کرتا ہو یا ان کو واپس آنے کا حکم دے، تو یہ پسپائی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات نہ ہو گی۔ جب پسپائی محض اپنی جان بچانے کے لئے ہو تو یہ اللہ کے غضب کی طرف پلٹنے والی بات ہو گی۔

حاصل: میدان جنگ میں کافروں سے مقابلہ ہو تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا ایمان والوں کے لئے حرام ہے۔

اس طرح حق سے بھاگنے والے کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ وہ ٹھکانا جہاں سزا مسلسل ہو اور وہاں سے بھاگ جانا بھی ناممکن ہو، یقیناً برا ہوتا ہے۔

حاصل : لڑائی کے ہنر کی صورت سے یا اپنے گروہ میں ملنے کے لئے میدان جنگ سے بھاگنا اور بات ہے۔ لڑائی سے جان بچا کر بھاگنا دوسری بات ہے۔ جو اللہ کی رضا کے مقام سے بھاگے گا وہ اللہ کے غضب میں پلٹے گا۔ اس کا ٹھکانا بہت ہی برا ہو گا، جہاں سے بھاگ جانا بھی ممکن نہ ہو گا، سزا بھی مسلسل ہو گی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾

تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور آپ نے وہ مٹھی نہیں پھینکی تھی جب پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ مؤمنین پر اپنی طرف سے احسان کرے۔ بے شک اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ میں مؤمنین اپنے جان و مال کو اللہ کی رضا پر لگاتے ہوئے اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔ جب نتائج ان کے لئے باعثِ راحت ہوں تو ان کو اپنی کاوش کا حاصل نہیں کہنا چاہئے۔ بلکہ اللہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، جس نے اپنی تائید سے اپنی نصرت سے قلیل کو کثیر پر غالب کر دیا۔ غزوۂ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی مٹھی میں خاک لی اور اس کو امرِ الٰہی کے مطابق کافروں کی طرف پھینکا۔ اللہ نے فرمایا ہے وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی، اسے اللہ نے پھینکا تھا۔ اس کا اثر ہر ایک کافر پر ہوا اور اتنا ہوا کہ وہ آنکھیں ملتا رہ گیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین پر بڑا احسان تھا کہ کافروں کی اجتماعی قوت، مٹھی کے ذرّوں کی طرح بکھر گئی، اور ہر ایک کو اپنی پڑ گئی۔ جو کافر بھی مارا گیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدد سے مارا گیا۔ مؤمنین کو اپنی عددی قوت کا بھی پتہ تھا۔ اپنے سامان حرب کا بھی پتہ تھا۔ اس لئے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دعا کی درخواست بھی کر چکے تھے۔ اللہ نے دعا کو سنا اور اپنے علم سے مدد دی۔ جس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : تائید ایزدی کے بعد نتائج کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے حوالے سے بیان کرنا چاہئے۔ علم الٰہی رکھنے والے کا بظاہر چھوٹا عمل بھی اتنی بڑی تبدیلی کا سبب بن جاتا ہے کہ جس سے دشمن کی اجتماعی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ امیرِ جماعت کا محبّ رسول ہونا ضروری ہے۔ اللہ دعاؤں کو سنتا ہے اور اپنے علم سے مدد کرتا ہے۔ جس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

یہ تو ہو چکا اور بے شک اللہ کافروں کے داؤ کو سست کرنے والا ہے۔

اللہ نے اپنی مہربانی سے مؤمنین کی چھوٹی جماعت کو کافروں کی بڑی اور بڑے سامان حرب سے لیس جماعت پر غالب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ نتائج بہرحال باذن اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کافروں کے داؤ کو سست کرنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ جب ماضی کے تجربات کے حوالے سے کافرلوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی تگ و دو کرتے ہیں تو مرعوب دلوں کے ساتھ وہ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ سننے والوں کو ان کی غرض و غایت کی نسبت سے پھنسانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں مگر داؤ سست ہوتا چلا جاتا ہے۔

حاصل : مؤمنین کو ماضی میں بھی جو ملا، اللہ کے ساتھ سے ملا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں جب کافر نیا داؤ لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو مرعوب دلوں کے ساتھ وہ لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتے۔ اس طرح اللہ ان کے داؤ کو سست کر دیتا ہے۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْــًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۱۶

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمہارے پاس آ چکا ہے اور اگر باز آ جاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر اعادہ کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے۔ اور تمہارا گروہ تمہیں کچھ کام نہ دے گا، چاہے کثرت میں ہو اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

کافروں نے مؤمنین کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ جو غالب ہو گا، وہ سچا ہو گا۔ اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا۔ مومنین باوجود قلیل ہونے کے کافروں کی بڑی جماعت پر غالب آئے۔ اگر فیصلہ مطلوب تھا تو فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ اس کے بعد یہ فرمایا گیا کہ اگر باز آؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ مؤمنین سے لڑائی نہ کرنے میں کافروں کو متاعِ حیاتِ دنیا کے استعمال کی مہلت موجود رہتی ہے۔ تدبّر کرنے کا موقع ملتا ہے اور صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اور یہ سب ان کے لئے بہتر ہے۔ لڑائی کی صورت میں کافروں کو ذلّت آمیز شکست ملے گی اور ان کا گروہ چاہے کتنا ہی زیادہ ہو انہیں کچھ کام نہ دے گا۔ ان کے ساتھ وہی ہو گا جو پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ نے واضح فرما دیا ہے کہ وہ مومنین کے ساتھ ہے۔

حاصل : منکرین حق پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ راہ راست پر نہیں ہیں۔ مگر وہ اس فیصلے کو مانا

نہیں کرتے۔ کافروں کی کثرت بھی ہو، مومنین سے شکست ہی کھائے گی۔ مؤمنین کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مومن ہونے کے لئے ناصحین سے محبت ضروری ہے۔ جس سے محبت ہو اس کو اپنے جیسا کہنا بے ادبی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا ہے :

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ج وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ج اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝ ۷۶/ ۴

ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اور حق کو سن کر اس سے منہ نہ پھیرو۔

ایمان والوں سے یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اللہ کی اطاعت کا دعویٰ تبھی سچا ثابت ہو سکتا ہے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت اس دعوے کے ساتھ شہادت کے طور پر پیش کی جا سکے۔ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت حال پر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ان کا احسن اتباع کرنے والے کی اطاعت کی جائے اور حق کو جاننے کے لئے اپنی خواہشات کو کبھی معیار نہ بنایا جائے۔ اپنی پسند اور ناپسند سے فیصلہ کیا جائے تو شاہد سے تعلّق نہیں رہتا اور شاہد سے تعلّق نہ رہے تو استقامت سے صراط مستقیم پر رہنا ممکن نہیں رہتا۔ حق کو سن کر، اس کو اپنی تاویل کے مطابق ماننا، حق سے منہ پھیرنے والی بات ہے۔

حاصل : ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی پسند سے کبھی نہ جوڑیں۔ حق کو سن کر، اس پر شاہد کے حوالے سے عمل کریں، ورنہ رخ ٹھیک نہیں رہے گا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا، جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا، اور وہ سنتے نہیں۔

جو لوگ حق کو سننے کے بعد وہی کرتے ہیں، جو ان کا جی چاہتا ہے، وہ حقیقتاً حق کو سنتے ہی نہیں۔ ان کی پسند ان کو اس طرح گھیرے رکھتی ہے کہ وہ اپنی پسند کے دائرے کے اندر ہی اپنے لئے سلامتی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کسی لحاظ سے بھی اس

لائق نہیں ہوتے کہ ان جیسا ہونے کی کوشش کی جائے۔

حاصل : حق کو سن کر من مانی کرنے والوں کو کبھی اس لائق نہیں جاننا چاہئے کہ ان جیسا ہونے کی کوشش کی جائے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے، گونگے ہیں، جو عقل نہیں کرتے۔

تمام جانوروں پر انسان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ یہ عقل کی بدولت تضاد سے بچنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس کا سننا اس کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے اور اس کا سنانا سننے والوں کو فائدہ دیتا ہے۔ جو سن کر بھی نہ سنے اور نمونۂ حق کو دیکھنے کے بعد بولنے کے مقام پر خاموش رہے، وہ حقیقتاً بہرہ اور گونگا ہے۔ جانوروں سے ان کے اعمال کی پوچھ نہ ہوگی۔ انسان سے ضرور اس کے اعمال کی پوچھ ہوگی۔ بہترین توفیق کے باوجود کارکردگی، جانوروں سے بھی کم ہو تو پھر انسان کا دعویٔ فضیلت ترقیٔ معکوس کو ہی ثابت کرے گا۔

حاصل : عقل کرنے کا ثبوت انسانی زندگی میں تضاد سے پاک رہنے کی سعی کرنے سے ملتا ہے۔ جب کہنے اور سننے کا معیار ایک ہو تو قول متوازن ہو جاتا ہے۔ اور جب اپنے عمل اور اپنے ساتھ ہونے والے عمل کو ایک پیمانے سے دیکھا جائے تو عمل متوازن ہو جاتا ہے۔ ورنہ نام انسانوں کا ہوگا، کارکردگی جانوروں سے بہت پست ہوگی۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی دیکھتا، انہیں سنا دیتا اور اگر ان کو سنا دے تو منہ پھیر کر اعراض کریں۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اس کا علم، کسی سبب کا محتاج نہیں ہے، نہ ہونے کے تمام مدارج بھی اللہ کے سامنے ہوتے ہیں اور ہونے کے تمام مدارج بھی اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ جس کو وہ سنانا چاہے، وہ اس کو سنانے پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر سناتا اسی کو ہے، جس میں اسے کچھ بھلائی دکھائی دے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کے ساتھ جڑ جائے اور نام حق کا لیتا ہو، وہ فاسق ہو جاتا ہے اور فاسق گمراہی سے بچ نہیں سکتا کہ اللہ اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ اگر حق کو سن بھی لے تو اس سے منہ پھیر کر اعراض ہی کرتا ہے۔

حاصل : علیم مطلق کے کام کو پورا جاننا چاہئے۔ جو اپنی خواہشات کے ساتھ جڑ جائے وہ حق کو سن

کر بھی اس سے منہ پھیر کر اعراض ہی کرتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے حاضر ہو جاؤ جب تمہیں بلایا جائے کہ تمہیں حیات بخشی جائے گی۔ اور معلوم رہے کہ اللہ کا حکم، آدمی اور اس کے قلب کے مابین ہوتا ہے۔ اور بے شک تمہیں اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا بلاوا، اللہ کا بلاوا ہے۔ اب اگر کوئی اللہ کی عبادت میں بھی مصروف ہو، تو اللہ کے بلاوے پر اسے فوراً حاضر ہونا چاہئے کہ اسے وہ ملنے والا ہو گا جو پہلے اسے حاصل نہیں تھا۔ شاہد کا بلانا بھی اللہ کا بلانا ہو گا۔ اس میں حیات اس طرح ملے گی کہ بلایا جانے والا، فوراً حاضر ہو کر قول سے اپنی صداقت کو ثابت کر کے عمل کے مقام پر آ جائے گا۔ اور اس کے فوراً حاضر ہونے سے اس کے وجود میں جو تبدیلیاں آئیں گی، اُن کو حیات دینے والا جانے گا، یا حیات پانے والا جانے گا۔ ایسا حیات پانے والا ہمیشہ باادب اور بامراد ہوتا ہے۔ فرد کو بلایا جائے یا جماعت کو بلایا جائے، شاہد کے بلاوے پر فوراً حاضری، حق ہے۔ بلانے والے کا بلانا، اللہ کے لئے ہے، جو علیم مطلق ہے، اس لئے اپنی کیفیت کو دیکھ کر رکنا بے ادبی ہو گی۔ جواب فوراً دینا چاہئے اور اگر لباس درست کرنے کی ضرورت بھی ہو، تو چلتے چلتے وہ عمل کر لینا چاہئے۔ بلاوے کے بعد سرعت سے حاضری ادب کو ثابت کرتی ہے۔ آدمی کے دو کان بیرونی اور دو کان دل میں ہوتے ہیں۔ باہر کے کان، دل کے کانوں تک آواز کو پہنچاتے ہیں۔ دل قبول کرنے کا یا رد کرنے کا حکم لگا دیتا ہے۔ اللہ کا حکم ان دو مقامات کے درمیان ہوتا ہے۔ جو خیر کو قبول کرے، دل کی گواہی کے ساتھ وہ عقل مند ہے۔ اور جو حق کا انکار کرے وہ دل توڑ رکھتا ہے، عقل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو توفیق دی ہے۔ جزا بھی وہی دے گا اور جزا کے لئے سب کو اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔

حاصل : شاہد کا بلانا اللہ کے رسول کا بلاوا ہو گا، اللہ کا بلاوا ہو گا، حاضری فوراً ہونی چاہئے۔ بلانے پر جواب دینا چاہئے، اور حاضر ہونے کا اعلان کرنا چاہئے۔ کرم باادب پر ہی ہوتا ہے۔ بے ادب پر کبھی نہیں ہوتا۔ بے ادب چاہے کچھ پڑھتا رہے، پڑھاتا رہے دل پر حکم دلبر کا ہو تو سلامتی رہتی ہے۔ دل اپنی خواہشات کے تابع ہو جائے تو سلامتی نہیں رہتی۔ جس وحدہٗ لاشریک کی طرف جانے سے رک جانا ممکن نہیں ہے، اس کی طرف جانے کی تیاری کرنی چاہئے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور اس فتنے سے بچو جو تم میں خاص ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا اور معلوم رہے کہ اللہ کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

شاہدین کے ادب واحترام میں کوتاہی وہ فتنہ ہے جس کا اثر صرف ظالموں پر ہی نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی شدید پکڑ میں دوسرے لوگ بھی آ جائیں گے۔ جن حضرات کے نقوش قدم سے صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے۔ جب ان کو اپنے قول وعمل میں شاہد بنانا غیر ضروری ہو جائے اور لوگوں کا اپنا خیال ان کی رہنمائی کرنے لگے، تو مومن افراد کے مابین حق کے حوالے سے جو روابط ہونے چاہئیں وہ کمزور ہونے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں کفر کے سیلاب کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے شدید کوئی دوسری پکڑ نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اصول پسندی کے نام پر اپنے خیالات کی ترویج میں لگے رہتے ہیں، وہ تو خلاف حق کرنے کی وجہ سے ظالم ہیں۔ مگر ان سے مداہنت برتنے والے، ان سے اظہار نفرت نہ کرنے والے بھی ظلم کو بڑھاوا ہی دیتے ہیں۔ پھر جب اللہ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے تو اتنی شدید ہوتی ہے کہ اپنے خیال کا اظہار ہی ناقابل معافی جرم ہو جاتا ہے۔

حاصل : شاہدین کے ادب واحترام میں کوتاہی سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ اس سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں وہ سیلاب آئے گا جو روکے نہیں رکے گا۔ اخلاقی قدروں کو بہا کر لے جائے گا اور آزادیٔ اظہار رائے بھی نہیں رہے گی۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور یاد کرو جب تم قلیل تھے، ملک میں دبے ہوئے تھے۔ تمہیں خوف تھا کہ لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے۔ تو اس نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی اور تمہیں طیّبات سے رزق دیا، تاکہ تم شکر کرو۔

مومنین ابتداءً قلیل تھے۔ کافر کثیر تھے۔ قلّت وضعف کی وجہ سے ایمان والوں کو خوف رہتا تھا کہ کہیں کافر انہیں اچک نہ لے جائیں۔ وہ زمین میں دبے دبے رہتے تھے۔ اللہ نے انہیں ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تائید دی۔ انہیں کافروں پر غالب کر دیا۔ وہ زمین میں عزت سے چلنے لگے۔ اس کے ساتھ اللہ نے انہیں طیّبات سے رزق دیا۔ مؤمنین کو ہر زمانے میں اپنی ابتدا پر نظر کر کے اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اور شکریہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ اللہ کی تائید ونصرت کو ماضی کے حوالے سے بیان کیا جائے۔ حال پر اللہ کی عطا کی قدر کی جائے اور اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہ دیکھا جائے بلکہ شاہدین کی برکت کی بدولت دیکھا جائے اور مستقبل میں اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے۔

حاصل : اپنی ابتدا پر نظر رکھنی چاہیے۔ اللہ کی عطا کو اپنے کمالات کی بدولت نہیں جاننا چاہیے. بلکہ

شاہدین کی برکت کی بدولت جاننا چاہئے اور اللہ کی عطا کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق تصرّف میں لانا چاہئے۔ شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خیانت نہ کرو۔ اور نہ دانستاً آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔

اللہ سے خیانت یہ ہے کہ خلوت میں فرمانِ خداوندی کے خلاف کیا جائے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خیانت یہ ہے کہ ان کی سنّت کا علم ہونے کے باوجود وہ کچھ کیا جائے، جس میں لوگوں سے داد حاصل کرنے کی طلب ہو۔ ایمان کا دعویٰ تو ہو مگر لوگوں کی پسند کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پسند کے مقابل اہمیت دی جائے۔ مومنین کی طرف سے سپرد کی گئی امانتوں مین خیانت یہ ہے کہ جن کی امانتیں ہیں، ان کی منشاء کے مطابق انہیں واپس نہ کیا جائے، اور جان بوجھ کر اپنی غرض و غایت کے لئے انہیں روک لیا جائے۔ جب کسی جگہ، خیانت مؤمنین کے علم میں آ جائے، تو ان پر لازم ہے کہ وہ اپنا حق ادا کریں۔ اللہ کے حکم کو پڑھ کر سنائیں۔ لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرائیں۔ اور جب تک امانتیں پوری طرح ادا نہ کر دی جائیں۔ تب تک اپنے اجتماعی اثر کو استعمال کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

حاصل : خلوت میں خلافِ حق کرنا اللہ سے خیانت ہے۔ جان بوجھ کر خلافِ سنّت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خیانت ہے۔ اور مؤمنین کی امانتوں کو اپنی غرض و غایت کے لئے استعمال کرنا، مؤمنین سے خیانت ہے۔ جب مؤمنین اپنے اجتماعی اثر کو حق کے مطابق استعمال کرنا چھوڑ دیں تو خیانت بڑھنے لگتی ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

ع ۹ / ۱۷

اور معلوم رہے کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

اموال و اولاد کا عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس عطا کو اللہ کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے تو اللہ کی بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔ اور اس عطا کو بذاتہٖ مقصود بنا لیا جائے تو اس سے دوسروں کی حق تلفی ضرور ہوتی ہے۔ اموال و اولاد کو بندہ اپنے مستقبل میں باعث راحت جانتا ہے۔ یہ راحت بھی باذن اللہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ کوئی خلاف حق کر کے کبھی اس راحت کو نہیں پا سکتا۔ اس لئے اموال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا ضروری ہے۔ اور اولاد کو اس طرح رکھنا حق ہے کہ خواہشات کی پیروی ان کا طریق زندگی نہ بنے۔ جو اجر اللہ عطا کر سکتا ہے اور عطا کر دیتا ہے، انسان کی اپنی تجویز سے وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اموال کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اولاد کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ حق کے مقابل ان کی پسند کبھی ان کے لئے اہم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر دنیا و آخرت میں اس قدر دے گا، جس سے بہتر کا تصوّر ہی بے ادبی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصّف میں فرمایا ہے کیا میں تمہیں وہ تجارت بتا دوں جو تمہیں الَمناک عذاب سے نجات دے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۱ / ۶۱

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال و انفس سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے وہ تمہارے لئے فرقان ٹھہرا دے گا اور تمہاری برائیوں کی نفی کر دے گا۔ اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے۔

اللہ سے ڈرنا اور ڈرتے رہنا حق ہے۔ قول میں اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ بولنے سے پہلے دل میں تعوذ و تسمیہ پڑھ لیا جائے اور ایسے الفاظ میں اور ایسے لہجے میں بات کی جائے کہ استکبار سے اجتناب واضح ہو۔ سننے والوں کی بھلائی مقصود ہو، اور انہیں تدبّر سے صحیح مقام تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔ سنتے وقت، دوسروں کی حسنِ نیّت کو دیکھا جائے۔ الفاظ کی موزونیّت کو دیکھنے کی بجائے ان کے منشاء کو دیکھا جائے اور اگر بیان کرنے والے کا منشاء حق کے مطابق بات کرنا ہو، تو اچھی ترجمانی سے اس کی تائید کی جائے۔ عملاً نیکی اور تقویٰ میں تعاون کیا جائے اور گناہ و عدوان میں تعاون نہ کیا جائے۔ اپنے عمل پر اس طرح نظر رکھی جائے کہ یہ شاہدین کی طریقت کے مطابق رہے اور اپنے ساتھ ہونے والے عمل کو باذن اللہ جان کر اپنے توازن کو قائم رکھا جائے۔ علم حقیقی کو عطائے الٰہی جانتے ہوئے اس کے نور کو طالبین تک پہنچانے کی سعی کی جائے اور مخلصین کے بارے میں یہ یقین رہے کہ ان کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔ اگر ان کے کسی عمل کو اپنے علم کے حوالے سے سمجھنے میں مشکل پیش آئے تو یہ کہا جائے گا کہ مخلصین کا عمل رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔ سمجھنے والے پر وہ مقام آئے گا تو اسے سمجھ آئے گی۔ مخلصین میں تضاد نظر آئے تو دیکھنے والا بے ادب ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کو یہ انعام ملتا ہے کہ اللہ انہیں قول و فعل میں حق اور ناحق کے درمیان فرق کرنے کی اہلیّت عطا فرما دیتا ہے۔ اس سے ان کی ذاتی زندگی میں بھی سکھ بڑھتا ہے، اور ان سے مشورہ لینے والوں کی زندگی میں بھی آسانیاں آتی ہیں۔ پاک ہو جانے کی بدولت ان کے ماضی کی برائیوں کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ان کا پاک حال ان کے ناقص ماضی کی شہادت نہیں دیتا۔ جس ماضی کی حال شہادت نہ دے اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ جن کی برائیاں مٹا دی جائیں، اللہ انہیں اپنے

فضل سے بخش دیتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اللہ کا فضل اتنا بڑا ہے کہ اسے بخشش چاہنے والوں کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ اور تمام لوگ بھی اس فضل سے فیضیاب ہو جائیں تو بھی وہ بڑا ہی رہے گا۔

حاصل : اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کو صاحب فرقان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ان کی برائیوں کی نفی ہو جاتی ہے اور اللہ اپنے فضل سے انہیں بخش دیتا ہے۔ اللہ کے فضل کو بخشش طلب کرنے والوں کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ جس کے پاک ہونے کا یقین ہو جائے اس کے ماضی کی کوتاہیوں کو معاف کر دینا، اللہ کے فضل والوں کی شان ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

اور جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے کہ آپ کو قید کر لیں، یا قتل کر دیں یا خارج کر دیں۔ اور وہ مکر کرتے تھے اور اللہ بھی تدبیر فرماتا تھا۔ اور اللہ کی تدبیر سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان پاک سے حق کو سن کر اور آپ کی ذات بابرکات میں حسنِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ دیکھ کر لوگ کفر کی ظلمات سے نکل کر حق کی طرف آنے لگے اور ایمان لانے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہونے لگا تو کافروں نے اپنے اجتماع میں آپ کے بارے میں یہ داؤ سوچے کہ یا تو آپ کو قید کر لیا جائے، یا آپ کو شہید کر دیا جائے، یا آپ کو جہاں آپ ہیں وہاں سے نکال دیا جائے۔ جو کام آپ کر رہے تھے، اس کو روکنے کی یہ تدبیریں ان لوگوں کے سامنے آئیں۔ قید کر لینے والی تدبیر کے نتائج پر غور ہوا تو وہ کافروں کو پریشان کن نظر آئے۔ قتل والی تدبیر میں سب کافروں کی شمولیت کی راہ نکالی گئی، اور اسکو قابل عمل مان لیا گیا۔ بستی سے نکالنے والی تدبیر کے نتائج بھی اچھے نظر نہیں آتے تھے۔ کافروں نے اپنا داؤ خوب سوچ کر چلا، مگر بہت ہی محدود سوچ سے، جس کی توفیق بھی اللہ نے دی ہے، اللہ کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ نے بھی تدبیر فرمائی جو لوگ آپ کو قید کرنے کی تجویز دے رہے تھے وہ اللہ کی تدبیر سے قید ہوئے۔ جو آپ کو قتل کرنے کی تجویز دے رہے تھے وہ قتل ہوئے۔ جو آپ کو بستی سے نکالنے پر اصرار کرتے تھے وہ وہاں سے نکالے گئے۔ اللہ کی تدبیر کی قوت دیکھئے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جو چاہا وہ اس کے ساتھ ہوا۔ اور وہ اس سے بھاگ نہیں سکا، اس سے بچ نہیں سکا۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف سوچنے والوں کی سوچ انہی کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہے۔ شاہدین کے ساتھ مکر کرنے والے بھی اپنے مکر کے مطابق سزا پاتے ہیں۔ اللہ کی تدبیر سے بچ کر نکل جانا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جائیں، کہتے ہیں ہم نے سنا، ہم اگر چاہتے تو

قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

ہم بھی اس کی مثل کہہ دیتے۔ یہ تو اوّلین کی کہانیاں ہی ہیں۔

کافروں کے سامنے جب قرآن پاک کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ سن کر یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے۔ ہم اگر چاہتے تو ہم بھی ایسا ہی کہہ دیتے۔ یہ ہیں تو اگلوں کی کہانیاں ہی۔ علیم مطلق کے ارشاد کا ہر حصہ علم مطلق سے ہے۔ بندہ اس کی مثل نہیں لا سکتا کہ علم کا علم مطلق سے مقابلہ ہی کیا ہے۔ جس راستے پر پہلے چلنے والے، ہلاکت سے بچ نہیں سکے اس راستے پر چلنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنے کے لئے اوّلین کا تذکرہ ضروری ہے۔ اگر اس تذکرے کو اگلوں کی کہانیاں کہہ کر اس سے سبق نہ لیا جائے، تو یہ حال پر غفلت کو اپنا شعار بنانے والی صورت ہو گی۔

حاصل : اللہ کی کتاب کا ہر ہر حصہ علم مطلق سے ہے۔ بندہ علم مطلق کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بندہ کتاب اللہ کی مثل نہیں لا سکتا۔ اوّلین کا ذکر اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان کے انجام سے بچنے کے لئے، حال پر اپنے راستے کو بدلا جائے۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب وہ کہنے لگے کہ اے اللہ، اگر تیرے نزدیک یہی حق ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، ہم پر المناک عذاب لے آ۔

کافروں کی جہالت دیکھیے کہ وہ حق کی سند کے طور پر عذاب طلب کرتے ہیں۔ آسمان سے پتھر برسا دئے جائیں، یا المناک عذاب بھیج دیا جائے، تو کافروں کی مطلوبہ سند انہیں مل جائے گی۔ مگر اس سے انہیں دنیا و آخرت میں خسارہ ہی ہو گا۔ کافروں کا یہ کہنا کہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر عذاب آ جائے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے حق کو سنا ہی نہیں۔

حاصل : اپنے استیصال کو حق کی علامت قرار دینا جہالت ہے۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد قبول حق کبھی نافع نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں، جب آپ ان میں ہوں۔ اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب کہ وہ استغفار کر رہے

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ ہوں۔

پہلی امتوں کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے کہ ان امتوں کی طرف بھیجے گئے انبیاء حضرات نے لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کیا۔ لوگوں نے انکار کیا۔ جس امّت پر بھی عذاب آیا، اس امّت کی طرف بھیجے گئے نبی صاحب کی اس شہادت کے بعد آیا کہ یا اللہ یہ لوگ حق کے انکار کو اپنا شعار بنا چکے ہیں اور ناقابلِ اصلاح ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہمارے اور ان لوگوں کے مابین فیصلہ فرما دے۔ نبی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو اللہ نجات دے دیتا تھا۔ اور منکرین عذاب میں مبتلا کر کے ختم کر دئے جاتے تھے۔ اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ کی موجودگی، اور اللہ سے بخشش طلب کرنے والوں کا استغفار کرنا، ان دو صورتوں میں اللہ عذاب کرنے والا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منکرینِ حق کے بارے میں یہ شہادت دی کہ جو لوگ حق کا انکار کر رہے ہیں، وہ لاعلم ہیں اور لاعلمی، اللہ کے نزدیک واجب العذاب نہیں ہے۔ اللہ سے اس کی بخشش طلب کرنے والے، عملاً خوفِ خدا رکھتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی اور جس معیار کی نسبت سے ان کے اعمال کو دیکھا جائے گا، وہ معیار نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس معیار کا ادب کرنے والے جہاں بھی ہوں اللہ وہاں عذاب نہیں لایا کرتا۔

حاصل : شاہدین کی موجودگی اور ان کی معیّت کی طلب رکھنے والے لوگوں کی موجودگی، ان دو صورتوں میں اللہ کا عذاب نہیں آیا کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ادب ہو تو اللہ سے بخشش طلب کرنا، نفع دیتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے۔ اور وہ تو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ اور وہ اس کے اولیاء نہیں۔ اس کے اولیاء تو متّقی ہی ہیں۔ ولیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

عذاب الٰہی کے نہ آنے کی دو وجوہات اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ ان دو صورتوں کے علاوہ جو بھی ہو، وہاں اللہ سے نہ ڈرنے والے عذاب کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔ جو لوگ مسجد حرام میں آنے والوں کو روکتے ہوں، اور یہ ثابت کرتے ہوں کہ وہ بااختیار ہیں، جس کو چاہیں آنے دیں، جس کو چاہیں روک دیں، وہ متّقی نہیں ہوتے۔ اور حرم شریف کے متوّلی صرف متّقی ہی ہو سکتے ہیں۔ متّقی حضرات، حرم شریف کی طرف آنے والوں کے لئے سہولتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور آنے والے خدائی مہمانوں کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ خدائی مہمانوں کی خدمت کا علم اسی کو ہوتا ہے، جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، استکبار سے بچنے والا ہو، مخدوم کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے اور اجر کا سوال بھی نہ کرے۔

حاصل : حرم شریف میں آنے والوں کو روکنا اور خلافِ حق کرتے ہوئے اپنے آپ کو بااختیار ثابت کرنا اللہ سے نہ ڈرنے والوں کی نشانیاں ہیں۔ حرم شریف کے متولّی صرف متقی ہی ہو سکتے ہیں۔ خدائی مہمانوں کی خدمت کا علم صرف خوف خدا رکھنے والوں کو ہی ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

اور ان کی نماز بیت اللہ کے پاس نہیں مگر سیٹی اور تالی، تو اب عذاب چکھو، بدلہ اپنے کفر کا۔

کافروں کی نماز تو بیت اللہ شریف کے قریب سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا ہی تھا۔ کافر جو بھی کرتے ہیں وہ حق کے خلاف کرتے ہیں۔ اس لئے بے ادبی اور گستاخی ان کے ہر عمل سے واضح ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے قول و فعل میں خلاف حق کرنے کو اپنا طریق زندگی بنا لیتے ہیں، انہیں ان کے کفر کے بدلے عذاب دیا جاتا ہے۔ اور وہ عذاب ان کے زعم کو اس طرح ختم کر دیتا ہے کہ اس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت موجود ہوتی ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے، جس کا ادب و احترام سے اتباع، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ عبادت کا جو طریقہ اس معیار کے مطابق نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ جو اللہ کی پسند کے خلاف کرتا ہے وہ اپنے کفر کے بدلے ضرور عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾

بے شک کافر اپنے اموال کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان پر حسرت بنیں گے، اور آخر مغلوب ہوں گے۔ اور کافروں کو جہنّم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔

کافر جو بھی کرتے ہیں خلافِ حق کرتے ہیں۔ وہ اپنے اموال کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس

مقصد کے ساتھ جو بھی خرچ کیا جائے گا، اس کے اثرات کو مومنین کی اجتماعی زندگی میں دیکھا جائے گا۔ اگر وہاں مشکلات بڑھتی ہوئی نظر آئیں تو کافروں کو خوشی ہوگی اور وہ مزید خرچ کرنے کے لئے بھی تیار ہوں گے۔ مگر وہ جو بھی کریں گے، اس کے نتائج پر ان کو قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے اموال کو خرچ کر لینے کے بعد جب نتائج ان کی منشاء کے بالکل خلاف نظر آئیں گے، تو ان کا اپنا کیا ان کے لئے باعث حسرت ہو گا۔ جب لوگوں کو مؤمنین کے قرب میں اپنے لئے سلامتی نظر آئے گی تو کافر مغلوب ہو جائیں گے۔ معاشرتی زندگی میں ہر فرد کو اپنے لئے اور اپنے اہل بیت کے لئے جو سکون ضروری معلوم ہوتا ہے، وہی سکون دوسروں کا بھی حق مان لیا جائے، تو قومی اور بین الاقوامی سطح پر وہ کچھ ہو جائے گا، جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ مگر یہ صرف حق کے حوالے سے ہی ہو سکتا ہے۔ انسان کے تجویزی علم سے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کافر خلاف حق کرنے کی وجہ سے جہنّم کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور انہیں ان کے اعمال کی جزا بصورت جہنم دی جائے گی۔

حاصل : حق ہی ایک حوالہ ہے، جو خلوت و جلوت کے تمام مقامات پر واجب الاحترام مانا جا سکتا ہے، جو کسی مقام پر کسی صورت میں کسی کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کافر اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے جو بھی خرچ کریں گے، ان کے لئے باعثِ حسرت بنے گا۔ دنیا میں کافر مغلوب ہوں گے۔ آخرت میں ان کے لئے جہنّم ہے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ ع ۱۸

تاکہ اللہ خبیث کو طیّب سے جدا کر دے اور خبیث کے ایک کو دوسرے پر رکھ کر جمع کر کے ڈھیر بنا دے، پھر اسے جہنّم رسید کر دے، وہی لوگ خسارے والے ہیں۔

خبیث و طیّب کو ایک دوسرے سے جدا کرنا عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد ضروری ہے کہ خبیث کو اس کی من مانی کی جزا دی جائے گی۔ اور طیّب کو حق کے اتباع کی جزا دی جائے گی۔ خبیث کے پاس زندگی میں اس کی پسند سے بڑا کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔ طیّب کے پاس قول کی صورت سے حوالہ حکم خداوندی اور عمل کی صورت سے حوالہ شاہدین کی طریقت ہوتا ہے۔ خبیث اپنی خواہشات کے حوالے سے جس خبیث کا اثر قبول کرتا ہے، اسی کے ساتھ اسے اکٹھا کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ ڈھیر جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ یہی لوگ خسارے والے ہیں۔ ان لوگوں نے وقتی خوشی کے لئے جو ان کو ان کی منشاء کے مطابق ملی بھی نہیں، دائمی دکھ خرید لیا ہے۔

حاصل : خبیث اور طیّب کے مابین ہر مقام پر وقف رکھنا چاہئے۔ من مانی کرنے والے، خسارے والے لوگ ہیں۔ طیّب لوگ اپنے اموال کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ پر چلنے

میں آسانی ہو۔ خبیث اپنے اموال کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا جائے۔ مستقبل میں جہنم سے بچنے کے لئے حال پر خبیث لوگوں کے ساتھ سے بچنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ روم میں ارشاد فرمایا ہے۔
فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَه مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝ ۴۳ /۳۰
تو اپنا رخ دین کے لئے سیدھا کر و قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں۔ اس دن الگ الگ ہو جائیں گے (خبیث و طیب)۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸

کافروں سے فرما دیجئے کہ اگر وہ باز رہے تو جو ہو چکا ہے، انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اور اگر پھر وہی کریں گے، تو اوّلین کی سنت موجود ہے۔

کافروں نے مؤمنین کو مغلوب کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق جو تدبیریں سوچی گئیں ان کا ذکر پچھلے رکوع میں ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ کافروں کو بتا دیجئے کہ اگر ان کا رویّہ یہ ہو جائے کہ وہ آئندہ مؤمنین سے مکر و فریب اور دشمنی کا راستہ چھوڑ دیں، تو ماضی میں جو ہو چکا ہے وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اپنی خواہشات کی پیروی سے باز رہنا بہت بڑا کام ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اپنے تجربات و مشاہدات کو مشعل راہ بنایا جائے، اور ان سے حاصل ہونے والے علم سے اپنے موجودہ رویئے کی اصلاح کی جائے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو پھر اپنے سابقہ رویئے سے باز رہنا مشکل ہو گا۔ اور اگر مؤمنین سے مکر و فریب اور دشمنی کی جائے گی، تو جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہو چکا ہے، وہ ان کے ساتھ بھی ہو گا۔ کافروں کی کوئی تعداد، کوئی سامان، کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کافروں کو مٹانے میں اللہ کو دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل : مؤمنین سے مکر و فریب اور دشمنی کا راستہ چھوڑ دینے والوں کو معاف کر دینا چاہئے۔
اگر کافر اپنی سابقہ روایت کا اعادہ کریں تو پھر وہ مٹ جانے کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّه

اور ان سے لڑتے رہو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے اور دین سارا، اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز رہیں تو بے شک اللہ ان کے عمل

لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾

دیکھ رہا ہے۔

کافروں سے لڑتے رہنا میدان جنگ میں بھی ہوتا ہے، اور میدان جنگ سے باہر بھی ہوتا ہے۔ میدان جنگ سے باہر جو ہوتا ہے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے۔ اور زیادہ وقت اسی صورت میں صرف ہوتا ہے۔ مؤمنین کی انفرادی زندگی میں کسی مقام پر ان کی خواہشات ان کی رہنمائی نہ کریں اور اجتماعی زندگی میں بھی ان کی خواہشات کو یہ اہمیت نہ ملے کہ وہ حق کے مقابل، قابل بیان سمجھی جائیں، تو فتنہ ختم ہو جائے گا۔ اور دین سارا، اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ کافر اس وقت مؤمنین کے ساتھ ظاہراً شرارت اور عداوت سے باز رہیں تو ان سے قتال کی اجازت نہیں ہے۔ خلوت میں وہ اگر مکر و فریب سے کوئی چال چلتے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتی ہے، جس کے دائرہ قدرت سے باہر جانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حاصل : کافروں کی انفرادی زندگی سے اور اجتماعی زندگی سے جب مؤمنین کوئی بھی اثر قبول نہ کرنے کے مقام پر ہوں تو فتنہ ختم ہو جائے گا۔ اور دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے گا۔ اگر کافر ظاہراً شرارت و عداوت سے باز رہیں تو ان سے قتال منع ہے۔ خلوت میں ان کے اعمال اللہ کے سامنے ہیں۔ مگر جلوت میں ان کی کسی بھی شرارت کو چھوٹی کہہ کر نظرانداز کرنا، خلاف حق ہے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر جائیں تو معلوم رہے کہ اللہ تمہارا مولا ہے۔ کیا خوب مولا اور کیا خوب نصرت دینے والا ہے۔

کافر اگر باز رہنے کے وعدے سے پھر جائیں اور عداوت و فریب کا راستہ اختیار کر لیں، تو پھر مؤمنین کو یہ جاننا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے۔ اس سے بہتر کوئی مولا نہیں اور اس سے بڑا کوئی نصرت دینے والا نہیں۔ مولا کا کام، دوستی کرنا اور حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے علم اور قوت ضروری ہے۔ اللہ سے بڑا علم والا اور اس سے بڑا قوت والا کوئی نہیں۔ اس لئے اس سے بہتر مولا بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ نصرت وہ مدد ہوتی ہے جو مدد چاہنے والے کو درکار ہو، اور جس سے وہ دشمن کو مغلوب کرنے پر قادر ہو سکے۔ اللہ سے بڑا کوئی نصرت دینے والا ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : مؤمنین کو یہ علم ہونا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے اور اللہ انہیں نصرت دینے والا ہے، اس لئے وہ ہر مقابلے کے لئے پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ دشمن کی کوئی تعداد اور اس کا کوئی سامان، مؤمنین کو مرعوب نہیں کر سکتا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ
الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور معلوم رہے کہ جو کچھ تمہیں غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قربیٰ کے لئے اور یتاما اور مساکین کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تمہیں اللہ پر ایمان ہے اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن نازل فرمایا. جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے۔ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے بڑے ادب سے دینا چاہئے۔ خدا کی نیابت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام تھا۔ اس لئے غنیمت کا پانچواں حصہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تھا۔ اور آپ اسے علم الٰہی سے اپنی ذات پر، اپنے قرابت والوں پر، یتاما پر، مساکین پر اور مسافروں پر تقسیم کرتے تھے۔ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نیابت کا شرف امیرالمؤمنین کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے خمس ان کے ہاتھ سے تقسیم ہو گا۔ امیرالمومنین کے قربیٰ میں سے وہ لوگ پہلے پائیں گے جو نادار ہوں گے۔ یتیم وہ ہوتا ہے جو خود بالغ نہ ہو اور اس کے گھر میں کمانے والا فوت ہو جائے۔ مسکین وہ ہوتا ہے، جس کا کام رک جائے اور وہ اپنے اہل بیت کی کفالت نہ کر سکتا ہو۔ مسافر وہ ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے سفر خرچ کے لحاظ سے مدد کا طالب ہو۔ یہ پانچوں حصے تا قیامت جاری رہیں گے۔ یہ اللہ پر ایمان کا ثبوت ہے۔ یہ یوم الفرقان وہ دن ہے جس دن بدر کے مقام پر تائید ایزدی نے ایمان والوں اور کافروں کے درمیان فرق واضح کر دیا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سکینہ کے ساتھ فرشتوں کی کمک بھیجی. اور مومنین کی ایسی مدد کی کہ یہ اپنے مقابلے میں کثیر فوج پر، جس کے پاس سامان حرب بھی بہتر اور زیادہ تھا، غالب آئے۔ یہ اللہ کی قدرت سے ہوا۔ اللہ کی قدرت کو ماننے والے، جان لیں کہ ان کا کام حدود اللہ کے اندر رہ کر اپنا حق ادا کرنا ہے۔ اللہ ان کا مولا ہے. اللہ انہیں نصرت دینے والا ہے۔ اس لئے سب سے بڑا حوصلہ مؤمنین کا ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : خمس مال غنیمت کا پانچواں حصہ ہے۔ اللہ کے فرمان کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے۔ ایمان والوں کو علم ہونا چاہئے کہ اللہ ان کا مولا ہے، اور وہی انہیں نصرت دینے والا ہے۔ اس لئے ان سے بڑا آسرا کسی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

جس وقت تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے اتر

مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

گیا تھا اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور میعاد میں اختلاف کرتے۔ لیکن یہ اس لئے کہ اللہ پورا کرے اس کام کو جو ہونا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جو حیات پائے دلیل سے حیات پائے، اور بے شک اللہ ضرور سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔

میدان جنگ کی وہ طرف جو مدینہ طیبّہ سے قریب تھی ورلا کنارہ تھا۔ اور وہ طرف جو بعید تھی پرلا کنارہ تھا۔ اور وہ قافلہ جس پر حملے کی صورت میں مزاحمت کا امکان کم تھا، وہ مسلمانوں کے سامنے نہیں تھا۔ بلکہ نیچے اتر گیا تھا۔ اور کفار کی فوج ان کے سامنے آگئی تھی۔ آمنے سامنے آنے کی صورت اگر کسی وعدہ پر بنتی، جس کا وقت معیّن کیا جاتا، تو اس کی میعاد میں ضرور اختلاف ہوتا۔ کافروں کا یہ طریق چلا آ رہا ہے کہ انہیں اپنی عددی برتری کا یقین ہو، سامان حرب کے بہتر اور کثیر ہونے کا علم ہو، ضرورت کے وقت اس کے مہیا ہونے کا پتہ ہو اور میدان جنگ ان کی منشاء کے مطابق ہو تو وہ جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایمان والوں میں سے وہ لوگ جو اعداد و شمار کی زبان میں بات کرنے کو بہت اہم سمجھتے ہیں، کافروں کے ساتھ جنگ کے لئے معیّن وقت پر جانے میں ضرور اختلاف کرتے کہ انہیں ان کی تعداد، ان کا سامان اور اس کے ساتھ بہت کچھ اور نظر آتا، لیکن اللہ نے یہ صورت پیدا کر دی کہ فوجیں بغیر کسی وعدے کے آمنے سامنے آگئیں۔ اور اللہ نے یہ کام کر دیا کہ جو ہلاک ہو وضوح حق کے بعد ہو، اور جو حیات پائے وہ وضوح حق کا شاہد ہو۔ اور دونوں صورتوں میں حجت قائم ہو۔ سند موجود ہو۔ کافر اپنی عددی برتری، کثیر سامان حرب، وغیرہ کے باوجود مغلوب ہوئے، اور مؤمنین اپنی قلیل تعداد اور قلیل سامان کے ساتھ مظفر و منصور ہوئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے یہ اجتماعی دعا کی گئی تھی، جو اظہار عبدیت کے لئے تھی کہ یا اللہ ہم تیری رضا کو مقصود جان کر حاضر ہو گئے ہیں، تجھ سے کچھ مخفی نہیں، تو علیم مطلق ہے۔ جو ہمیں درکار ہے اس کا بھی سب سے بہتر جاننے والا تو ہی ہے۔ ہماری مدد فرما اور ہمیں پورا رکھ۔ اللہ تعالیٰ سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔ اس نے جو کیا شاکرین نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت سے اگر اچانک دشمن کے ساتھ آمنا سامنا ہو جائے، تو دعا کرنی چاہئے۔ یا اللہ ہماری مدد فرما اور ہمیں پورا رکھ، اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ سمیعٌ علیم کی طرف سے دی جانے والی مدد پوری ہوتی ہے۔ علیم مطلق کے علم کے سامنے اپنے علم کو ہیچ جاننا، ادب ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللّٰهُ فِي مَنَامِكَ

اور جب اللہ نے آپ کی خواب میں وہ آپ

قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

کو قلیل دکھائے، اور اگر آپ کو کثیر دکھاتا، تو تم لوگ بزدلی کرتے اور امر میں تنازعہ کرتے۔ ولیکن اللہ نے سلامت رکھا۔ بےشک وہ دلوں کی باتوں کا علم رکھتا ہے۔

کافروں کی تعداد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خواب مبارک میں کم دکھائی گئی۔ حضور کا طریقہ یہی تھا، کہ جو اللہ نے دکھایا اس کو آپ کی زبان پاک نے بیان فرمایا ہے۔ اگر آپ کو کافروں کی بڑی تعداد خواب میں دکھائی جاتی، تو آپ یقیناً اس کو بھی ویسے ہی بیان فرماتے، جیسے اس کو بیان کرنے کا حق تھا۔ اس صورت میں وہ لوگ جو تائید ایزدی کے بارے میں علم نہیں رکھتے اور اعداد و شمار سے حساب کی زبان میں بات کرتے ہیں، یقیناً بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور امر کے ماننے والوں سے جھگڑتے۔ اللہ نے ایمان والوں کو بزدلی، تردّد اور باہمی اختلاف سے بچایا۔ دلوں میں جو کچھ مخفی ہوتا ہے، وہ اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ اس سے اپنی قلبی کیفیت کے مطابق سلامتی طلب کرنی چاہئے۔

حاصل : شاہد کے علم کے مقابل، اپنے اندازے، قیافے کو اہمیّت دینے سے بزدلی، پیدا ہوتی ہے۔ باہمی اختلاف سے بچنا اور بچانا اجتماعی قوّت کے لئے ضروری ہے۔ اپنی دلی کیفیّت کے مطابق اللہ سے سلامتی طلب کرنی چاہئے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

اور جب مقابلہ کے وقت اس فوج کو تمہاری آنکھوں میں قلیل دکھلایا اور تمہیں ان کی آنکھوں میں قلیل دکھلایا کہ اللہ پورا کرے اس کام کو جو ہونا ہے، اور سب کاموں کا رجوع اللہ کی طرف ہے۔

مقابلے کے وقت شروع میں کافروں کی فوج مؤمنین کو قلیل دکھائی دی۔ اور مؤمنین کی فوج کافروں کو قلیل دکھائی دی۔ اس سے یہ ہوا کہ دونوں فوجیں لڑائی کے لئے جم گئیں۔ لڑائی کے وقت کافروں کو مسلمان بہت نظر آنے لگے۔ اللہ کو یہ کام پورا کرنا تھا کہ جو ہلاکت لی راہ لینا چاہے وہ بھی اتمام حجت کر لے، اور جو حق کو مان کر حیات پانا چاہے اس کے پاس بھی سند موجود ہو۔ ہر ایک اپنے شعور کے مطابق جو راہ لینا چاہے، لے۔ کام کوئی بھی ہو، اس میں کرنے والے کی نظر اس حق پر رہنی چاہئے جو اس پر عائد ہوتا ہے، اور جس کی اس سے پوچھ ہوگی۔ اس سے آگے نظر جائے تو حال پر حق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ نتائج کو باذن اللہ

ماننا لازم ہے۔ جہاں بھی اپنی کاوش کو کسی مطلوبہ نتیجے کا سبب سمجھا جائے، وہاں فخر و غرور کا اظہار زبان سے نہ ہو، تو جسم کی حرکات سے ضرور ہو جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کا ہر کام علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے شعور کے مطابق لئے گئے رخ کی جزا دی جائے گی۔ ہر کام میں ہمارا رخ اللہ کی رضا کا ہونا چاہئے۔ نتیجے کو اپنی کاوش کی بدولت جاننے سے ہمیشہ فخر و غرور کا اظہار ہی ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے:۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًاۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۵۲ / ۲۹

فرما دیجئے اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ اسے علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جو باطل پر ایمان لائے، اور اللہ کے منکر ہوئے وہی خسارے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ ۝۴۵

اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا ذکر کثیر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایمان والوں کو لڑائی کے آداب سکھائے گئے ہیں کہ جب تمہارا کسی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔ ثابت قدمی ہوگی تو تائیدِ ایزدی سے فائدہ پہنچے گا۔ ثابت قدمی ہوگی تو مقابلہ اس یقین سے ہوگا کہ اللہ کی نصرت ہمیں غالب کرے گی۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ اپنے امیر کی اطاعت کی جائے دشمن کی قوت کو، اللہ کی نصرت کے مقابل ہیچ سمجھا جائے اور زبان سے اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے، اس سے کامیابی ہوتی ہے۔ میدان جنگ میں ذکر الٰہی کر ہی وہ سکتا ہے جو ثابت قدم ہو۔ میدان جنگ میں کامیابی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے، اور اپنے امیر کی اطاعت میں ہر مقام پر تائیدِ ایزدی کے شامل حال ہونے کا یقین ہو۔

حاصل : جس فوج سے بھی مقابلہ ہو، اس کی کثرت اور قوت کے مقابل اللہ کی نصرت کو دیکھنا چاہئے۔ ثابت قدمی سے لڑا جائے اور اللہ کا ذکر کثیر کیا جائے، تو کامیابی ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے وہ یقیناً کامیاب ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ نہ کرو کہ پھر بزدلی کرو گے، اور

وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ۴۶ۚ

تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

میدان جہاد میں جو شدائد پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل، اطاعت ہے۔ اطاعت تبھی ہو سکتی ہے، جب یہ یقین ہو کہ حکم دینے والا وہ بھی جانتا ہے، جو حکم ماننے والے کے علم میں ہے اور وہ بھی جانتا ہے جس کا ماننے والے کو علم نہیں ہے۔ آپس میں تنازعہ فرمان خداوندی کی خلاف ورزی ہے۔ اس سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں تنازعہ کرنے والے بے رعب اور بے وقار ہو جاتے ہیں۔ اس سے دشمن کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ آپس میں تنازعہ سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بات کرنے والا، اپنی پسند اور ناپسند کو قابل ذکر نہ سمجھے، بلکہ حق کے حوالے سے بات کرے اور سننے والا اگر تصحیح کرنا چاہتا ہے، تو اس طرح بات کرے کہ اس کے بیان سے حدت نہ پیدا ہو۔ جب تک ایک دوسرے کی حسنِ نیّت کا یقین ہو، تنازعہ کی صورت نہیں بنتی۔ اگر امیر کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیا جائے تو ہر فیصلہ طلب بات اس کے سامنے جانی چاہئے اور اس کے فیصلے کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اگر کسی ساتھی کے رویئے سے تکلیف پہنچے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی کم علمی اس رویئے کا سبب ہے اور کم علم کو راستہ دینا، صبر ہے۔ اور یہ اللہ کا حکم ہے۔ صابرین کی یہ شان ہے کہ انہیں اللہ کی معیّت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ثبوت حال پر شاہد کی اطاعت سے ملتا ہے۔ آپس میں تنازعہ، بے رعبی اور بے وقاری کا سبب بنتا ہے۔ ساتھیوں کے رویئے پر تکلیف ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ صبر، اللہ کی معیت کے حصول کے لئے لازم ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۴۷

اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے، اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور جو وہ کرتے ہیں اللہ کے احاطے میں ہے۔

آدابِ جہاد کو بیان فرمایا گیا ہے کہ جب تمہاری جہاد کے لئے روانگی ہو، تو ان امور پر نظر رکھنا کہ ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے۔ اور فخر و غرور سے لوگوں کو بن بن کر دکھا رہے تھے۔ منشاء یہ تھا کہ ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ جو کچھ بھی انہوں نے کیا، اس کی توفیق تو اللہ نے دی تھی۔ ان کا چھپا اور ظاہر اس کے سامنے تھا۔ اللہ کی قدرت ان پر محیط تھی، اور یہ بے عقل اس قادرِ مطلق سے مقابلہ کرنے چلے تھے۔ مؤمنین کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمہارا جہاد کے لئے نکلنا، عجز و انکساری کے ساتھ ہو۔ لوگوں کو دکھانے کی کوشش ہمیشہ کسی خواہش کے تحت ہوتی ہے۔ اور خواہش کی پیروی ہو تو راہ حق سے ہٹ جانا ضروری ہوتا ہے۔ منشاء جہاد، اللہ کی راہ کو ماننے والوں کے لئے آسان بنانا ہے۔ انہیں حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادیٔ اظہار دینا ہے۔ اور یہ یقین رکھنا ہے کہ ہر حال میں اللہ کی قدرت ہم پر محیط ہے۔

حاصل : جہاد کے لئے نکلنے والوں کو اپنی طریقت اس طرح بنانی چاہئے کہ اس میں عجزو انکساری واضح ہو۔ لوگوں کو دکھانے کی کوشش نہ ہو۔ اللہ کی معیّت مقصود ہو، اور اس کی قدرت کے احاطے پر بہرحال نظر رہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی اور کہنے لگا آج کے دن تم پر لوگوں میں سے کوئی غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اپنی ایڑیوں پر الٹا پھرا اور کہنے لگا میں تم سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ مجھے اللہ کا خوف ہے اور اللہ کا عذاب شدید ہے۔

جو لوگ گھروں سے اتراتے ہوئے نکلے تھے، شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو زینت دی۔ اور ان کے اعمال کو اخلاقی قدروں کے حوالے سے ان کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ ان کا فخرو غرور بہت بڑھ گیا۔ ان کی طاقت ان کے لئے باعث فرحت ہوئی تو شیطان نے کہا کہ آج تم طاقت کے اس مقام پر ہو کہ لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ میں تمہارا یار ہوں، تمہارا حمایتی ہوں۔ جس صورت میں وہ ان لوگوں کو نظر آیا وہ صورت ان کے مخالف کی تھی۔ اور مخالف جب حمایتی ہونے کا اعلان کر دے تو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے۔ کافروں کے لشکر کو اپنی حمایت اور دوستی کا سہارا دے کر جب وہ مؤمنین کی فوج کے سامنے لایا، تو وہ اپنی ایڑیوں پر الٹا پھر گیا۔ اور کافروں سے کہنے لگا، میں تم سے الگ ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ مجھے اللہ کا خوف ہے اور اللہ کی پکڑ بڑی شدید ہوتی ہے۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ جو بھی مخلص نہ ہو، اس کو بہکا کر خسارے تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جب یہ دیکھ لیتا ہے کہ خسارے میں مبتلا ہونے والے کی واپسی کی راہ مسدود ہو گئی ہے، تو اس سے الگ ہونے کا اعلان کرتا ہے، اور اس اعلان کے ساتھ ایسی باتیں بھی کرتا ہے، جو خسارے میں پڑنے والے کو مسلسل دکھ دیتی رہتی ہیں۔ بظاہر وہ حق ہوتی ہیں، مگر عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد ان سے دکھ ہی پہنچ سکتا ہے۔

حاصل : جب رخ خلافِ حق ہو، تو شیطان شوکتِ نفس کو اس طرح بڑھاتا ہے کہ اپنے اعمال بہت بھلے نظر آنے لگتے ہیں۔ اپنی طاقت ناقابلِ تسخیر نظر آنے لگتی ہے۔ جب شیطان کو یہ یقین ہو جائے کہ اس کی پیروی کرنے والے خسارے کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے واپسی ان کے

بس میں نہیں تو وہ ان سے الگ ہو جاتا ہے۔ الگ ہوتے وقت جو کہتا ہے وہ اظہارِ حق کے لئے نہیں کہتا، بلکہ عدوٌّ مبین ہونے کی وجہ سے کہتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں فرمایا ہے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۵۳ ۱۸/

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو انہیں یقین ہو گا کہ انہیں اس میں گرنا ہے۔ اور اس سے پھرنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۴۹

اور جب منافق کہنے لگے، اور وہ جن کے قلوب میں مرض ہے کہ یہ اپنے دین پر مغرور ہیں، اور جو اللہ پر توکّل کرے تو بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

منافق یہ سمجھتے ہیں کہ عطائے الٰہی ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔ جن لوگوں کے قلوب میں مرض ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ ہر دلعزیز بننے کی کوشش میں ان کی خلوت و جلوت ایک نہیں رہتی۔ ایسے لوگ جب یہ دیکھیں کہ ایمان والے اپنے مقابلے میں بڑی فوج سے، جس کے پاس سامان حرب بھی زیادہ ہو، ثابت قدمی سے لڑتے ہیں، تو ان کا تبصرہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین پر مغرور ہیں۔ دین میں غرور ہو تو وہ اسلام نہیں ہے۔ دوسروں کو حقیر ثابت کرنے کی کوشش غرور ہے۔ اور عطائے الٰہی کو پورا جانتے ہوئے ثابت قدمی سے اپنا حق ادا کرنا توکّل ہے۔ جہاں توکّل ہو وہاں عزت میں بھی اضافہ ہوتا ہے، دانائی بھی اللہ کے فضل سے واضح ہوتی ہے۔

حاصل : منافقین کا تبصرہ ایمان والوں کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ پر توکّل ہو تو دشمن سے مرعوب ہونے کا مقام نہیں آتا۔ توکّل سے ہی عزّت بڑھتی ہے اور اسی سے دانائی کا ثبوت ملتا ہے۔ توکّل اللہ کے محبوب بندوں کی صفت ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

اور اگر تم دیکھو جب ملائکہ کافروں کو وفات دیتے ہیں، ان کے مونہوں اور پشتوں پر مارتے ہیں، اور چکھو جلنے کا عذاب۔

الۡحَرِيۡقِ ۝۵۰

کافروں کو جب موت آتی ہے تو وہ حق کے انکار میں اس قدر محو ہوتے ہیں کہ مجرموں کی طرح انہیں اچانک پکڑ لیا جاتا ہے۔ منہ پر مارنا اس لئے ہوتا ہے کہ ان کا رخ خلاف حق ہوتا ہے۔ پشت پر مارنا اس لئے ہوتا ہے کہ اس دنیا سے واپسی انہیں ناگوار ہوتی ہے۔ اس مار کے ساتھ انہیں جلنے کی سزا دی جاتی ہے اور یہ فرمایا جاتا ہے چکھو جلنے کا عذاب۔

حاصل : حیات دنیا کے خاتمے پر کافروں کو اس دنیا سے اس طرح لے جایا جاتا ہے کہ فرشتے ان کے منہ پر اور ان کی پشت پر مار رہے ہوتے ہیں، اور انہیں جلنے کی سزا دی جاتی ہے۔ اگر یہ سزا عام لوگوں کو نظر آنے لگے تو حق کو ماننے میں کوئی فضیلت بھی نہ ہو۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِۙ ۝۵۱

یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا، اور اس لئے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

انسانی جسم میں عمل کے لئے دی گئی توفیق کے لحاظ سے ہاتھ کا درجہ سب سے بڑا ہے، اور انسان کو اس کے ہاتھ کے کیے کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ جس کا ہاتھ ناپاک ہو وہ اپنے لئے جلنے کا سامان اکٹھا کرتا رہتا ہے۔ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اس نے یہ روشن فرما دیا ہے کہ اگر مخلصین کی صورت سے زندگی گزاری جائے گی، تو دنیا میں خوف و حزن نہیں ہوگا۔ آخرت میں سزا نہیں ہوگی۔ ورنہ دنیا و آخرت میں دکھ ہی دکھ ہوگا۔ اب اگر کوئی خلاف حق کرتا ہے تو اس نے اپنے شعور سے جو راہ اپنے لئے متعیّن کی ہے، اسی کی جزا بھی پائے گا۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کا خلاف حق استعمال ظلم ہے۔ اور ظلم، اللہ کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل : اپنے ہاتھ پر نظر رکھنی چاہئے کہ یہ وہ نہ کرے، جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کا خلاف حق استعمال ظلم ہے۔ اور ظلم کو اللہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡؕ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝۵۲

جیسے آل فرعون کا دستور اور جو ان سے قبل تھے، انہوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا۔ بے شک اللہ قوت والا، شدید عذاب والا ہے۔

دستور یہی چلا آ رہا ہے۔ آل فرعون کی مثال ہو، یا ان سے پہلے جو منکرین حق ہوئے ہیں، ان کی مثال ہو۔ جب بھی لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا۔ جب اللہ کی آیات کا انکار، باعثِ اتحاد ہو جائے، تو اجتماعی زندگی میں گناہ کا مشاہدہ عام ہو جاتا ہے۔ گناہگار اپنی دلیری کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کی آیات کے انکار میں جب یہ لوگ قابلِ گرفت مقام پر آ جاتے ہیں، تو اللہ انہیں ان کے گناہوں پر قوت سے اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ وہ شدید عذاب میں مبتلا ہو

جاتے ہیں۔ پھر وہ کہیں بھاگ نہیں سکتے۔

حاصل : اللہ کی آیات کا ماننا، ماننے والوں کو نفع دیتا ہے، نہ ماننے والے گناہگار ہوتے ہیں۔ اور ایک وقت کے بعد اپنے گناہوں پر پکڑے جاتے ہیں۔ اللہ کی پکڑ سے بچ جانا ممکن ہی نہیں۔ محدود وقت میں سابقہ واقعات سے سبق نہ لینا شدید عذاب کی طرف بڑھتے رہنے کی صورت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۵۳﴾

یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو بدلتا نہیں، حتیٰ کہ وہ خود نہ بدل جائیں۔ اور بے شک اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو اللہ چھینتا نہیں۔ لوگ خود اپنا راستہ بدل لیں، اپنا اعتقاد اور نیت بدل لیں، تو پھر ان کا استحقاق ختم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک مسلم و مجرم مساوی نہیں ہیں۔ اس لئے مجرم سے نعمت لے لی جاتی ہے۔ جب اجتماعی سوچ کم ہونے لگے، تو قومی آزادی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور جہاں لوگ اپنے ذاتی مفاد کے لئے حقوق العباد کو پامال کرنے کی راہ پر چل پڑیں، وہاں سکون نہیں رہتا۔ اس قوم کے وقار کو ختم ہوتے دیر نہیں لگتی۔ جس نعمت کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، اس کی برکت اللہ تعالیٰ کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ دیکھنا چاہئے اللہ نے کس کس نعمت سے نوازا ہے، اور اس نعمت کے حوالے سے کیا کیا شکریہ ادا ہوتے رہنا چاہئے۔ قومی زندگی میں اپنا حق ادا نہ کیا جائے تو نقصان قومی سطح کا ہوگا۔ جب اپنی ناشکری کا پتہ لگ جائے تو اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ وہ سننے والا، علم والا ہے۔ وہ حق پر استقامت سے قائم رہنے والوں کو آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حاصل : ہر نعمت کی برکت کو برقرار رکھنے کے لئے اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ شکریہ تبھی ادا ہوتا ہے، جب نعمت معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال ہو۔ جہاں ذاتی مفاد، قومی مفاد کے مقابل زیادہ اہم ہو جائے، وہاں قومی زندگی میں سکون کی نعمت ناپید ہو جاتی ہے۔ جب لوگوں کو اجتماعی محرومی کا احساس ہو جائے تو وہ اللہ سے دعا کریں۔ وہ سننے والا، علم والا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

جیسے آل فرعون اور ان سے قبل والوں کا دستور کہ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا۔ اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

آل فرعون ہوں یا ان سے قبل والے، اللہ نے ان لوگوں کو بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا۔ اور اس کے ساتھ ان پر حق کو بھی اپنی نشانیوں کے ساتھ روشن کیا کہ لوگ علمِ الٰہی سے نورِ ہدایت پائیں۔ انہیں خوف و حزن سے نجات ملے۔ مگر ان لوگوں نے اپنے پالنے والے کی طرف سے آئے ہوئے علم کو ماننے سے انکار کیا۔ اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو خلافِ حق اور اپنی خواہش کے تحت استعمال کیا، تو اللہ نے ان لوگوں کو ان کے گناہوں پر ہلاک کر دیا۔ آل فرعون غرق کیے گئے۔ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ خلاف حق کرنا، ظلم ہے۔ اور ظالم اس سے نہ رکے تو ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھنے لگتا ہے۔

حاصل : حق کا انکار ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ظالم کو اس کے ظلم کی وجہ سے گرفت ہوتی ہے۔ اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنی چاہئے، اور ان کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔ جب قومی رویّہ آل فرعون جیسا ہو تو پھر انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

بے شک سب جانوروں میں بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں، جنہوں نے کفر کیا۔ پھر وہ ایمان نہیں لاتے۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ دل رکھتے ہیں، سمجھتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں، دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں، سنتے نہیں۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کہ یہ غافل ہیں۔ جانور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں، جس طرح ان کے منشاءِ تخلیق کے ساتھ ان کے دائرہ ہائے کار مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ کافر، انسان ہوتے ہیں۔ شعور کی موجودگی میں ان پر شریعت لاگو ہوتی ہے۔ ان کے سامنے حق کو بیان کیا جاتا ہے۔ حق کو ماننے والا اکمل نمونہ ان کے سامنے ہوتا ہے۔ اس نمونے کو ماننے والے خوف و حزن سے نجات پا رہے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن پیدائش کا تھا اور ایک دن موت کا ہوگا۔ اور اس کے درمیان شعور والی زندگی میں کیے گئے اعمال کی جزا کی خبر بھی دی گئی ہے۔ اور جزا دینے والے کی قدرت کے احاطے سے نکلنا ممکن نہیں۔ مگر یہ لوگ وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہتا ہے۔ ناصحین سے محبت نہیں رکھتے۔ اس لئے ایمان نہیں لاتے۔

حاصل : ناصحین سے محبت نہ ہو، تو انسان، اللہ کے نزدیک جانوروں سے بدتر ہے۔ ایمان والے ناصحین سے محبت رکھتے ہیں۔ کافر من مانی کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔ پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے، جن سے معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مؤمنین سے دشمنی نہیں کریں گے، اور مؤمنین کے دُشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ مگر ہوتا یہ تھا کہ جب بھی مؤمنین کے خلاف کسی نے ان سے مدد چاہی، انہوں نے عہد توڑ دیا۔ اور مومنین کے دشمن کی مدد پر تیار ہوگئے۔ جو لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے عہد کرتے ہیں، انہیں جب مجبوری کے دور ہونے کا امکان نظر آنے لگے تو اپنا عہد توڑ دیتے ہیں۔ معذرت کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ڈرتے اس لئے نہیں کہ جب عہد شکنی کے مرتکب پائے گئے تو معذرت کر لیں گے۔

حاصل : عہد شکنی مؤمنین کا طریق زندگی نہیں ہوتا۔ کافر اسی حد تک معاہدے پر قائم رہتے ہیں، جب تک انہیں معاہدے کو قائم رکھنے میں اپنی مجبوری نظر آئے، جب وہ عہد شکنی سے مشکل میں پھنس جائیں تو معذرت کو ڈھال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

تو اگر کبھی انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسے مارو کہ ان کے پچھلے بھاگ جائیں، تاکہ انہیں سبق ملے۔

عہد شکنی کرنے والوں کو اگر لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسے مارو کہ ان کے پچھلے ان کی راہ چھوڑ جائیں۔ انہیں ایسا درس عبرت ملے کہ وہ آئندہ عہد شکنی سے بچیں۔ میدان جنگ میں عہد شکنی کرنے والوں سے آمنا سامنا ہو جائے، تو ان سے انتہائی شدّت کا رویہ ہی حق کو ماننے کا ثبوت ہو گا اور اسی سے مومنین کی شان میں اضافہ ہو گا۔

حاصل : حکم خداوندی علم مطلق سے ہوتا ہے۔ لڑائی میں عہد شکنی کرنے والوں سے مڈبھیڑ ہو جائے، تو انہیں ایسی مار مارنی چاہئے کہ ان کے پچھلے اس سے عبرت پکڑیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو، تو برابری پر ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو۔ بےشک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر کسی قوم نے، اعلانیہ عہد شکنی نہیں کی، مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ عہد شکنی پر آمادہ ہیں، اور جب ان کو اس کے لئے حالات سازگار نظر آئیں گے، تو وہ خیانت کریں گے تو پھر حق یہ ہے کہ برابری کی بنیاد پر ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیا جائے، تاکہ معاہدے کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ معاہدے کے ختم ہونے پر ان کی حفاظت کے تقاضے کچھ اور ہوں گے۔ مؤمنین کے دشمن سے ملنے کے لئے ان کی تیاری کے تقاضے بھی بدلیں گے۔ اگر معاہدہ ایسے وقت میں ان کی طرف پھینکا جائے، جب وہ لوگ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکیں، تیاری بھی نہ کر سکیں، تو یہ خیانت ہو گی۔ اور خیانت کرنے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔

حاصل : اگر کسی معاہد قوم نے اعلانیہ عہد شکنی نہیں کی، مگر قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ قوم عہد شکنی پر آمادہ ہے، اور اعلان کے لیے سازگار حالات کا انتظار کر رہی ہے، تو پھر برابری کی بنیاد پر اس قوم سے کیا ہوا معاہدہ اس کی طرف پھینک دینا چاہئے تاکہ معاہدہ کے ختم ہونے کا دونوں طرف واضح طور پر پتہ ہو۔ اگر معاہدہ اچانک منسوخ کیا جائے کہ معاہد قوم اپنی حفاظت سے غافل ہو اور اسی پر جنگ مسلط ہو جائے تو یہ خیانت ہے اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے:

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَاكَسَبُوْا ط وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَاكَسَبُوْا لا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۳۹/۵۱

تو ان پر پڑ گئیں ان کے کسبوں کی برائیاں، اور وہ جو ان میں ظالم ہیں، عنقریب ان پر پڑیں گی ان کے کسبوں کی برائیاں اور وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ط اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ ۵۹

اور کافر یہ نہیں سمجھیں کہ وہ بچ نکلے، بے شک وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

کافر اگر یہ سمجھیں کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلیں گے تو یہ ان کی بے سمجھی ہوگی۔ وہ جو وسائل بھی جمع کر لیں، جو تیاری بھی کر لیں مسبّب الاسباب کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ مہلت دیتا ہے کہ وہ علیم مطلق ہے جب تک کسی کے لئے اتمام حجت نہ ہو جائے اللہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ کافر جو بھی تدبیر کریں اللہ کی دی ہوئی توفیق سے کریں گے۔ جب اللہ انہیں مغلوب کرنا چاہے گا تو یہ مغلوب ہی ہونگے۔ غالب نہیں ہو سکتے۔

حاصل : اگر کوئی فرد یا جماعت یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی گرفت سے بچ نکلی ہے تو یہ اس کی بے سمجھی ہے کوئی بھی قوت، اللہ کی قوت کو عاجز نہیں کر سکتی۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ج اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

اور ان کے لئے تیاری کرو جس کی تمہیں استطاعت ہو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اور اس کے علاوہ دوسروں پر جن کا تمہیں علم نہیں۔ اللہ کو ان کا علم ہے دھاک بٹھاؤ، اور تم جو کچھ

شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾

فی سبیل اللہ خرچ کرو گے۔ وہ تمہیں پورا ملے گا اور تمہیں گھاٹا نہیں ہو گا۔

جہاد کے لئے تیاری، حکم خداوندی ہے مگر استطاعت کے مطابق تیاری ہو تو حق ادا ہوتا ہے۔ قرض لے کر تیاری کی جائے تو یہ خلافِ حق ہے۔ اپنے وسائل کو پورا نہ جانا جائے تو یہ عدم توکّل ہو گا۔ سامانِ جہاد، ایسا ہو، کہ حال پر اس کی اہمیت ثابت ہو چکی ہو۔ دشمنوں کے آلات کا بھی علم ہونا چاہئے ان کے فنون حربیہ کا بھی علم ہونا چاہئے تاکہ اپنے لوگوں کی موزوں تربیت کی جا سکے۔ ہر کام کے لئے جس کی میدان جہاد میں اہمیت ہوتی ہے تیاری کرنی چاہئے۔ اپنے لوگوں کے درمیان رابطے کا اہتمام، امیر کی اطاعت میں کوتاہی نہ کرنے کی تربیّت،فنون حربیہ کو ترقی دینا،دشمن کے آلات اور فنون حربیہ کا توڑ ڈھونڈنا،دشمن کے غلبے کی صورت میں اپنی ضروریات کو جاننا اور اپنے اجتماعی وجود کو قائم رکھنا۔ دشمن پر غلبے کی صورت میں پیش آنے والے حالات کے لئے ضروری تیّاری کرنا۔معلوم دشمن کے بارے میں اپنے علم کا صحیح استعمال کرنا۔ نامعلوم دشمن کا بھی ہونا ضروری سمجھنا۔ میدان جنگ میں حاضر دماغی اور اس کے علاوہ دوسری ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر حسبِ استطاعت تیاری کرنا ضروری ہے۔ گھوڑوں کا خصوصیّت سے ذکر کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی تیاری ضرور ہونی چاہئے۔ باقی چیزیں ضرورت کے ساتھ بدلتی رہیں گی۔ گھوڑے بہر حال رہیں گے۔ گھوڑے پالنے کے علاوہ، میدان جہاد میں ان سے خدمت لینے کا علم بھی سیکھنا ضروری ہے۔ گھوڑے کا میدان جہاد میں کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ جو دھاک اس سے دشمن کے دل پر بیٹھتی ہے وہ دوسری چیزوں سے نہیں بیٹھ سکتی۔ جہاں تک گھوڑا پہنچ سکتا ہے وہاں تک دوسری کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ جو بھی جہاد کی تیاری کے لئے خرچ کیا جائے گا وہ فی سبیل اللہ ہونا چاہئے۔ صرف اپنے لئے نہ ہو اور جو بھی کیا جائے امیر کی اطاعت میں کیا جائے۔ اس کا فائدہ حال پر بھی ملے گا آخرت میں بھی ملے گا۔ اور قطعاً وہ ضائع نہیں جائے گا۔ فی سبیل اللہ جو بھی خرچ کیا جائے اس کا اجر دینا علیم مطلق کا کام ہے۔ وہ جو کچھ دے سکتا ہے کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ لینے والے پر لازم ہے کہ وہ دینے والے کو اپنے جیسا نہ سمجھے۔ یہ یقین رکھے کہ دینے والا پورا دے گا اور بالکل صحیح وقت پر دے گا۔

حاصل : جہاد کے لئے تیّاری حسبِ استطاعت ہونی چاہئے اور بہتر جاننے والوں کی رہنمائی میں ہونی چاہئے۔ گھوڑے ضرور پالنے چاہئیں۔ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے اس کے فوائد علمِ الٰہی سے دیئے جاتے ہیں۔ جو فی سبیل اللہ خرچ ہو جائے اس کے بارے میں یہ سوچنا بھی بے ادبی ہے کہ وہ شے ضائع ہو گئی ہے۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو، اور اللہ پر توکّل کرو۔ بے شک وہی سننے والا، علم والا ہے۔

اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو امیر المؤمنین کو بھی صلح کی طرف جھکنے میں کراہت نہیں ہوتی۔ اگر یہ گمان ہو کہ دشمن

صلح کے پردے میں کوئی چال چلے گا تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جس وحدہٗ لاشریک نے مؤمنین کی پہلے عزت افزائی کی ہے، وہی سننے والا، علم والا آئندہ بھی کرے گا۔ صلح کی طرف مؤمنین کی طرف سے اگر امیر المؤمنین سے پہلے کوئی جھکنے کی کوشش کرے گا تو وہ گناہ گار ہو گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدّم کا مرتکب ہو گا۔

حاصل : صلح کی درخواست دشمنوں کی طرف سے آنی چاہئے۔ ایسا ہو تو صلح و آشتی کی درخواست کو مان لینا چاہئے۔ اس امکان کا حل کہ دشمن صلح کے پردے میں کوئی چال چلے گا اللہ پر توکّل کرنا ہے۔ اس نے مؤمنین کی نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وہ سننے والا علم والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ؀۶۲

اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینا چاہیں تو تمہیں اللہ کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مؤمنین سے تمہاری تائید کی۔

اگر کافر امیر المؤمنین کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ یقیناً امیر المؤمنین کے لئے کافی ہے۔ اس سے بڑا کوئی کفایت کرنے والا نہیں۔ وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے تائید فرمائی ہے وہی ہے جس نے مومنین کو ہدایت دی ہے، عزت دی ہے، امیر المؤمنین ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو عطائے الٰہی جان کر ان کی قدر کرتا ہے۔ دھوکا دینے والے اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت سے بھاگ نہیں سکتے۔

حاصل : اگر کافر امیر المؤمنین کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں تو امیر المؤمنین، اللہ کو کافی جانتے ہیں۔ مومنین پر لازم ہے کہ وہ امیر المومنین کا ادب سے ساتھ دیں۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؀۶۳

اور ان کے قلوب کے مابین الفت ڈال دی۔ اور اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب خرچ کر دیتے تو ان کے قلوب کے مابین الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت ڈال دی۔ بے شک وہ عزّت والا حکمت والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا۔ جو بھی فرمایا اللہ کی طرف سے بھیجی گئی وحی کے مطابق فرمایا اس لئے جو بات آپ کی شان کے لائق نہ ہو اس کو آپ کے ساتھ منسوب کرنا خلاف حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جدال و قتال اور نفاق و شقاق میں لوگ اپنا امتیاز تلاش کرتے تھے۔ بغض و عداوت میں اپنی جانوں کو اور مالوں کو لگاتے رہنے والے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ الفت کرنے لگیں تو یہ تبدیلی کسی بندے کی لائی ہوئی نہیں ہو سکتی۔ اس

تبدیلی کالانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے خرچ کرنے سے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ مگر مرکز اتحاد ہو تو اتحاد ہوتا ہے۔ مرکز اتحاد رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ سے ماننے والوں کو اس طرح محبّت ہوئی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ماننے والے کو اپنے لئے واجب الاحترام دوست مان لیا۔ یہ نہیں دیکھا کہ اس دوست پر کیا حق عائد ہوتا ہے ہمیشہ یہی دیکھا کہ ہمیں حضور کے محبّ کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ اگر دوستوں کی عزت افزائی کے لئے خرچ نہ کیا جائے تو اپنی عزّت افزائی کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ اپنی عزت افزائی کے لئے جو بھی خرچ کیا جائے اس سے ساتھیوں کے دلوں میں قدر نہیں پیدا ہوتا۔ دلوں کے ملنے کی صورت نہیں بنتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ کچھ بتایا جو اس سے پہلے معلوم نہ تھا۔ وہ کچھ کر کے دکھایا جو اس سے پہلے دیکھا نہیں گیا تھا۔ ماننے والوں نے اپنی باتوں کو حضور کے ارشادات پر قربان کر دیا اور اپنے مخالفین کو حضور پاک کے قریب دیکھ کر نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ ان سے الفت واخوت کا رشتہ بنالیا، جو عزت اور دانائی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اتباع سے مؤمنین کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری صورت سے نہیں ہو سکتی تھی۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ماننے والوں کی دیرینہ عداوتیں، الفت واخوت میں بدل گئیں۔ یہ تبدیلی کسی بھی خرچ سے نہیں آ سکتی تھی۔ اتحاد کے لئے مرکز اتحاد ضروری ہوتا ہے۔ اپنے محبوب کے دوست کو معاف کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ اسی میں عزّت ہے اسی میں دانائی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ع

اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مؤمنین سے آپ کا اتباع کرنے والے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیاتِ طیبّہ میں فرمانِ خداوندی کا عملی نمونہ اکمل صورت میں موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا اس میں اللہ کی رضا مقصود تھی۔ آپ کی زبان پاک سے جو بیان ہوا وہ شریعت ہے۔ عملاً آپ نے جو کر کے دکھایا اور جس کے کرنے کا حکم دیا وہ طریقت ہے آپ کا علم علم الٰہی ہے ان تینوں مقامات پر جو صاحبان حضور کا اتباع کریں انہیں آپ کی محبت سے خلوص کا انعام ملتا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ آپ جو چاہیں گے وہی اللہ پسند کرے گا اور جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا۔ مؤمنین آپ کے اتباع سے انعام پائیں گے۔ آپ سے محبت ہو تو قلب ایمان کے نور سے منّور ہوتے ہیں۔ مؤمنین کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے ان کی کسی تعداد اور سامان کے ساتھ اللہ کی کفایت مشروط نہیں۔

حاصل : نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت ہو تو تمام مقامات پر حق کو ادا کیا جا سکتا ہے۔ مؤمنین کی معاشرتی زندگی میں یہ مقام نظر آنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے کافی مانتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ز وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸/ ۹

لیکن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جو آپ کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے اموال اور انفس سے جہاد کیا اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں کہ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین کو جہاد پر راغب کیجئے۔ اگر تمہارے بیس صابر ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تمہارے سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

جہاد کی طرف رغبت دلانے کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اب یہ حضور کا اتباع کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس مقدّس کام کو سرانجام دیتے رہیں۔ جہاد کی طرف رغبت دلانا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بندگی سے جو آزادی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے لوگ اس سے فیض یاب ہوں۔ مجبور مؤمنین کو سکھ ملے۔ فتنے کی بیخ کنی ہو اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے۔ اللہ نے مؤمنین کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ تعداد کا ذکر باعثِ اطمینان ہوتا ہے کہ کسی چھوٹی لڑائی میں مؤمنین بیس ہوں گے اور صبر سے لڑیں گے تو دو سو کافروں پر غالب ہوں گے۔ اور اگر سو مؤمن صبر سے لڑیں گے تو ہزار کافروں پر غالب ہوں گے۔ صبر لڑائی کے وقت یہ ہے کہ تائیدِ ایزدی کا یقین ہو اور اس یقین کا اظہار انتہائی خطرے کے مقام پر پوری قوّت سے کیا جائے پھر نتائج کو باذن اللہ اور باعثِ برکت جانا جائے۔ کافر جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ حق کو ماننے میں جو اجتماعی بھلائی ہے کفار اس کا انکار کرتے ہیں اور حقیقی امن کو اپنی پسند کے مطابق پائمال کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کافر اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی توفیق سے لڑتے ہیں۔ نتیجہ ان کی ہلاکت کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے اس سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو گی۔

حاصل : جہاد کی طرف رغبت دلانے کا کام علم کے اعتبار سے سب سے بلند مرتبہ صاحب سے کروانا چاہئے۔ جو واجب الاحترام نہ ہو اس کی بات کو ماننا مشکل ہوتا ہے۔ چھوٹی لڑائی ہو تو سینکڑوں سے مؤمنین کا مقابلہ ہو گا۔ بڑی ہو تو ہزاروں سے مقابلہ ہو گا۔ مؤمنین صبر سے لڑیں تو اپنے مقابل دس گنا فوج پر غالب ہوں گے۔ کافروں کو سمجھ دار کہنا خلافِ حق ہے۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ

اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمائی اور

اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اسے علم ہے کہ تم میں ضعف ہے تو اگر تمہارے سو صابر ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ اور اگر تمہارے ہزار ہوں گے تو اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب ہوں گے اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

کافروں کے اسباب کے مقابل اپنے اسباب اور وسائل کو دیکھا جائے تو اس سے ضعف کا احساس ہی پیدا ہو سکتا ہے اللہ نے یہ دیکھ کر تخفیف فرمائی ہے کہ مؤمنین دشمن کی عددی قوت اور سامان حرب کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس لئے یہ رعایت دی ہے کہ اپنے مقابل دوگنی تعداد کے ساتھ اگر ثابت قدمی اور صبر سے لڑو گے تو تم غالب رہو گے اس رعایت سے پہلا درجہ منسوخ نہیں ہو گیا وہ بھی موجود ہے اور موجود رہے گا۔ مؤمنین سو ہوں تو دو سو پر غالب ہوں گے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سو سے کم ہوں تو دو سو پر غالب نہیں ہوں گے یا ہزار سے کم ہوں تو دو ہزار پر غالب نہیں ہوں گے۔ مؤمنین کا غلبہ تو باذن اللہ ہوتا ہے مؤمنین یہ یقین رکھتے ہیں کہ کوشش ان کے ذمے ہے نتائج ہمیشہ باذن اللہ ہوتے ہیں اور جب اللہ کا اذن مؤمنین کو غالب کرنے کا ہو تو پھر اس سے بڑی تائید کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صبر سے ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ صبر ہی سے اللہ کی معیّت کا شرف ملتا ہے۔ صبر یہ ہے کہ تائید ایزدی کا یقین مجاہدین کے عمل میں بول رہا ہو۔

حاصل : بیس مومنین کو دو سو کے مقابل اور سو کو ہزار کے مقابل لڑنے کا حکم منسوخ نہیں ہے۔ رعایت یہ دی گئی ہے کہ دشمن کے اسباب و وسائل کو دیکھ کر اپنے اسباب و وسائل سے تقابل کرنے والے ضعف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر سو ہوں اور صبر سے لڑیں تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ صبر سے اللہ کی معیّت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ قیدیوں کو اپنے ہاں رکھیں حتیٰ کہ زمین میں ان کا خون نہ بہائیں۔ تم لوگ اسباب دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رضائے الٰہی کا جو علم تھا وہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا تھا قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا

چاہئے تھا۔ انہیں قید کرنے سے پہلے ان کا خون بہانے کے لئے کیا کرنا چاہئے تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ حضور نے ساتھیوں کو علمِ الٰہی سے نوازنے کے لئے ان کا ارادہ پوچھا تو انہیں یہ جواب دینا چاہئے تھا کہ اللہ کی رضا کا علم آپ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اس لئے آپ جو چاہیں گے ہم وہ کرنے کے لئے ادب سے حاضر رہیں گے۔ مگر لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق مشورے دیئے۔ جن کا مجموعی تاثر یہی تھا کہ لوگ اسبابِ دنیا کے طالب ہوئے۔ اللہ کو یہ پسند تھا کہ لوگ اسبابِ دنیا کے مقابل آخرت کو گراں قدر جانتے ہوئے مشورہ دینے کے حق کو بصورت سوال آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے اور کہتے ہم جو جانتے ہیں آپ وہ بھی جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے آپ یقیناً وہ بھی جانتے ہیں۔ اس مقام پر رضائے الٰہی کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے آپ ہی روشن فرما سکتے ہیں۔ عزت میں اضافہ درکار ہو، دانائی میں اضافہ درکار ہو تو اپنی سوچ کو علم الٰہی کے سامنے بیچ جاننا ضروری ہے۔

حاصل : بہتر جاننے والے اجتماعی امور کے بارے میں جب بھی کچھ پوچھیں تو یہ کہنا چاہئے کہ آپ کا فرمان حق ہے اور حق کا علم آپ ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ہماری پسند حق کے سامنے بے حقیقت ہے۔ عزت میں کیسے اضافہ ہو سکتا ہے۔ بھلائی کس بات میں ہے اس کا سب سے بڑا جاننے والا وہی ہے جس نے حق کو نازل فرمایا ہے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اگر اللہ پہلے سے ایک بات کو لکھ نہ چکا ہوتا تو اس لینے کے بدلے تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں عذاب نہیں کیا جائے گا۔ اور استغفار کرنے والوں پر عذاب نہیں بھیجا جائے گا۔ اگر یہ پہلے سے لکھا نہ جا چکا ہوتا تو اسباب دنیا چاہنے کی بڑی سزا دی جاتی جن کی بات، اللہ کی بات ہو، وہ اگر مشورہ لینے کا رخ اختیار کریں تو منشاء اپنے ساتھیوں کو تعلیم دینا ہوتا ہے۔ وہ کچھ عطا کرنا مقصود ہوتا ہے جو ان کے پاس پہلے موجود نہیں ہوتا۔ اتنے بڑے انعام کے مقابل بہت حقیر سی چیز کی طرف جھکنا، اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے۔

حاصل : شاہد انعام عطا کرنا چاہے تو اسبابِ دنیا کی طرف جھکنا دکھ کا باعث بنتا ہے۔ ہمیں اپنے ذاتی مجرم کو اپنے شاہد کے سامنے سزا نہیں دینی چاہئے۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع

تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال طیّب اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

جب مسلمانوں نے اسبابِ دنیا کے چاہنے کے بدلے عذابِ عظیم کی بات سنی تو اللہ سے ڈرتے ہوئے مالِ غنیمت سے اجتناب کرنے لگے اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے جو غنیمت تمہیں ملے وہ تمہارے لئے حلال طیّب ہے اسے لے لو۔ نفسِ مال

میں کوئی خبث نہیں۔ مال لینے اور دینے کا طریقہ کار صحیح ہونا چاہئے جس میں اللہ کا ڈر موجود ہو، جہاد کے مقاصد عالیہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمعٔ نظر بنانا، اسباب دنیا کی طرف جھکنے والی بات ہے اللہ سے ڈرتے رہنے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قول میں بھی محتاط ہوں کہ ان کے قول میں خواہشاتِ نفس کا اظہار نہ ہو۔ ان کے اعمال ریا کاری سے پاک ہوں۔ اور وہ شاہدین کی طریقت سے نور حاصل کریں۔ ایسے لوگوں کو اللہ بخش دیتا ہے۔ اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی حلال و طیّب ہوتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے کے قول و فعل میں احتیاط ہونی چاہئے۔ جو رضائے الٰہی کو مقصود بنائے وہ اللہ کی بخشش اور رحم سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَاذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ ۸/۲

بے شک مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈرتے ہیں اور ان پر اس کی آیات تلاوت کی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷۰

اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرما دیجئے ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔ اگر اللہ تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھے گا تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا، جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وہ لوگ جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور جن سے فدیہ لیا گیا، جب انہوں نے مسلمانوں کا حسن سلوک دیکھا تو یہ چاہا کہ ان لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں تعلّق بنے اور عزّت میں اضافہ ہو۔ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں انہیں یہ شان نظر آئی کہ انسانی خواہشات کے ٹکراؤ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، وہ یہاں نہیں ہیں۔ فرد کا لائقِ تکریم ہونا اس معیار سے دیکھا جاتا ہے۔ جو صرف اور صرف پاکیزگی سے تعلّق رکھتا ہے اور ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ یہ لوگ بولتے وقت اس احتیاط کے ساتھ بات کرتے ہیں کہ سننے والوں کو فائدہ پہنچے اور ان سے استکبار کا اظہار نہ ہو۔ بہتر جاننے والوں کے سامنے ادب سے خاموش رہنا، ان کا طریق زندگی ہے۔ جن لوگوں کے حسن اخلاق کو قلباً تسلیم کر لیا جائے، ان سے ملنے کی طلب ضرور پیدا ہوتی ہے۔ جب اسیروں کی طرف سے اس طلب کا اظہار کیا گیا تو یہ فرمایا گیا کہ اللہ تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھے گا، تو تمہیں اس سے بہتر عطا

کرے گا، جو تم سے لیا گیا ہے۔ اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ جس کے قلب میں خیر ہو وہ جس صفت کو اچھا کہتا ہے اسے اپنے وجود میں داخل ہونے سے روکتا نہیں اور جس کے قلب میں خیر نہ ہو وہ کافروں کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت و امانت کا ذکر تو کرتا ہے، مگر ان صفات کو اختیار نہیں کرتا، جو خیر کو قبول کرے اس کا حال ماضی سے بہتر ہو جاتا ہے۔ اسے بخشش حاصل ہوتی ہے۔ وہ اللہ کو بخشنے والا، رحم فرمانے والا کہتے ہوئے اپنے ذاتی مخالفین کو بخش بھی دیتا ہے، ان پر رحم بھی کرتا ہے۔

حاصل : دیکھنا چاہئے کیا ہم وہ لوگ ہیں، جن میں شامل ہونے کو باعث عزّت و سلامتی سمجھا جائے گا۔ اگر جواب نفی میں ہو تو لوگوں کو دعوت دینا اور انہیں حق کی تبلیغ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جس صفت کو پسند کیا جائے، اسے خوشی سے اپنانا بھی چاہئے۔ جو خیر کو قلباً قبول کرے، اس کا حال ماضی سے بہتر ہوتا ہے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

اور اگر تم سے خیانت کرنا چاہیں گے تو اس سے قبل وہ اللہ سے خیانت کر چکے ہیں۔ پھر اس نے ان کو پکڑوا دیا۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

جو اسیر، ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں گے، ان کا ارادہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ امیر المؤمنین سے خیانت کرنے سے پہلے وہ خلوت میں اپنے عہدِ ایمان کو توڑ کر اللہ سے خیانت کر چکے ہوں گے۔ ماضی میں یہ ہو چکا ہے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تو یہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے، اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا گیا۔ اب بھی اللہ کو علم ہے کہ یہ کیا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔ وہ اپنی حکمت سے انہیں ایسے قابو کرے گا کہ اس سے دیکھنے والوں کو اور سننے والوں کو عبرت ہو گی۔

حاصل : عہدِ ایمان بھی امیر المؤمنین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے خیانت بھی اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ امیر المؤمنین کے ساتھ خیانت بعد میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت پہلے ہوتی ہے۔ خلوت میں خیانت ہو تو جلوت میں ہوتی ہے۔ ماضی میں بدعہد گرفتار ہوئے ہیں، تو آئندہ بھی یہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے علم اور اس کی حکمت کے سامنے ان کی چالوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

بے شک وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا۔ اور وہ جنہوں نے جگہ دی اور

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

نصرت دی وہ ایک دوسرے کے اولیاء ہیں۔ اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی، ان سے تمہاری کوئی ولایت نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ دین میں تم سے نصرت چاہیں تو نصرت دینا تمہاری ذمّہ داری ہے۔ سوائے اس قوم کے جس کے ساتھ تمہارا میثاق ہو۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

جو لوگ ایمان لائے اور عملاً اپنے دعویٔ ایمان کو سچا ثابت کرنے کی سعی کی، ان لوگوں نے کسی بھی مقام پر اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دی۔ ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کی، جہاد کا حکم ہوا تو اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا۔ اگر وہ انصار تھے تو انہوں نے آنے والوں کو جگہ دی۔ اور اس طرح مدد دی کہ مدد لینے والے کی عزت میں، قدر و منزلت میں اضافہ ہوا۔ یہ مہاجر و انصار ایک دوسرے کے اولیاء ہوئے۔ اس ولایت کی شان یہ تھی کہ ایک کا موافق، سب کے لئے قابل لحاظ، اور ایک کا مخالف کبھی اس لائق نہیں نظر آتا تھا کہ اس سے دوستی کی جائے۔ دوست کی بات کو اس یقین سے سنا جاتا ہے کہ وہ سننے والے کی بھلائی کا خواہاں ہے۔ اس سے رہنمائی لی جاتی ہے، اور ادب سے اس کا کہا مانا جاتا ہے۔ اس کے کسی عمل پر خلاف حق ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ سنانے والا اس یقین سے سناتا ہے کہ سننے والے کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس ولایت سے جو قوت پیدا ہو سکتی ہے، جو برکت حاصل ہو سکتی ہے اس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد، ہجرت کے امر کو سن کر اپنی سہولتوں کو دیکھنے لگے، انہوں نے دارالحرب میں جہاں کافروں کا تسلّط ہوتا ہے، رہنا ترک نہ کیا۔ ان سے ولایت نہیں ہو سکتی، تا آنکہ وہ ہجرت کریں، اور عملاً ثابت کریں کہ شاہد کے امر کو ماننے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی ہے وہ اس پر نادم ہیں۔ دارالحرب میں رہنے والے اگر دین میں دارالاسلام کے رہنے والوں سے مدد مانگیں تو یہ دارالاسلام والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدد کریں۔ اگر کسی قوم سے دارالاسلام والوں کا میثاق ہو چکا ہو تو مدد مانگنے والوں کو بتا دینا چاہئے کہ حکم خداوندی کے مطابق میثاق کو پورا کرنا ہم پر لازم ہے۔ اس لئے اس قوم کے خلاف تمہاری مدد نہیں کی جا سکتی۔ مؤمنین پر لازم ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں حکم خداوندی پر عمل کریں کہ اللہ دیکھتا ہے جو بھی عمل کیا جا رہا ہو۔

حاصل : حکم خداوندی کو شاہد کی صورت سے ماننے والے ایک دوسرے کے اولیاء ہوتے ہیں۔

ماننے کا دعویٰ بھی ہو اور نفس پر بوجھ بھی نہ پڑنے دیا جائے، تو ماننے والوں سے دوستی نہیں رہ سکتی۔ دارالاسلام والوں پر لازم ہے کہ دارالحرب میں رہنے والوں کی مدد کریں۔ سوائے اس کے کہ ان کا کسی قوم سے میثاق ہو چکا ہو۔ اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ اللہ ہمارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

اور کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد کبیر ہو گا۔

کافر کافر کا رفیق ہوتا ہے۔ خلاف حق کرنے کی مشترک قدر انہیں اس قدر عزیز ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہوئے ساتھیوں کو گرنے نہیں دیتے۔ ہر کافر کو یہ یقین ہوتا ہے کہ دوسرا کافر اپنی بساط کے مطابق اس کی مدد کرے گا اور کبھی اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کام میں نہیں لگ جائے گا۔ اگر مسلمانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رفاقت و تعاون کو اہمیت نہ دی جائے، تو یہ اجتماعیت کے لحاظ سے اپنا وقار کھو دیں گے۔ اور ان کے ضعف سے جو قوت کافروں کو ملے گی، اس سے بہت فتنہ و فساد ہو گا۔ معاشرتی زندگی میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا اور لوگ کافروں کی اجتماعی زندگی میں محاسن دیکھنے لگیں گے۔ مسلمانوں کے ہاں حسنِ اخلاق بھی نظر آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ اپنے ضعف کی بدولت ایسا کر رہے ہیں۔ ذاتی زندگی میں مسلمان بہت عبادت گزار ہو جائیں، نماز اور نوافل میں بہت وقت لگائیں اور اپنے کام سے کام رکھیں۔ مگر دوسرے مسلمانوں کے مسائل میں تعاون و تناصر کا رویہ، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، ترک کر دیں، تو ان کی اجتماعی زندگی کا قابل ذکر حصہ ان کا ضعف ہی ہو گا۔

حاصل : مسلمانوں کو ہر سطح پر دوسرے مسلمانوں کے مسائل میں مدد دینی چاہئے۔ اور زیادہ وقت اپنی زبان کو سنوارنے میں نہیں لگانا چاہئے۔ جس کو مدد دینی ہو اس کے الفاظ موزوں نہ ہوں تو اس کی ترجمانی کا حق ادا کرنا چاہئے۔ اجتماعی مفادات کے لئے وقت، قوت اور سرمایہ، امیرالمؤمنین کی اطاعت میں اس طرح لگانا چاہئے کہ اپنی بڑائی اور استکبار کا اظہار نہ ہو۔ ذاتی زندگی میں مسلمان بہت عبادت گزار بھی ہو جائیں تو اس سے اجتماعی زندگی میں کوئی شان نہیں پیدا ہو سکتی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور فی سبیل اللہ جہاد کیا۔ اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد دی۔ وہی پورے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق کریم ہے۔

كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾

جو لوگ ایمان لائے، امیرالمؤمنین کی اطاعت میں ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا، انہوں نے اپنا سرمایہ، وقت اور قوت سب رضائے الٰہی کے لئے وقف کیا۔ جن حضرات نے ان مہاجرین کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، انہوں نے بھی اپنا سرمایہ، وقت اور قوت، اللہ کی رضا کے لئے پیش کیا۔ یہ لوگ قول میں بھی پورے ہیں، عمل میں بھی پورے ہیں۔ یہ ایسے مومن ہیں، جن سے پورا رہنے کا علم سیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے تجربات و مشاہدات کو بڑے ادب سے سننا چاہئے۔ ان کو بخشش کے ساتھ رزق کریم سے بھی نوازا جاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے ہر مقام پر پورا رہنے والوں کو اس طرح رزق دیا جاتا ہے کہ رزق کے ساتھ ان کی تکریم بھی بڑھتی ہے۔

حاصل: ایمان والے مہاجرین و انصار نے اپنا سرمایہ، وقت اور قوت سب رضائے الٰہی کے مطابق خرچ کیا۔ یہ پورے مؤمن ہونے کی سند ہے۔ ہر مقام پر پورا رہنے والے کو بخشش اور رزق کریم سے نوازا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾ ع ١٠

اور جو اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہاری معیت میں جہاد کیا تو وہ بھی تم میں سے ہی ہیں، اور رشتہ دار، اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

جو لوگ مہاجرین اوّلین کے بعد ایمان لائے، پھر ہجرت کی اور ایمان والوں کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ لڑے۔ یہ بھی مہاجرین اولین کے ساتھی ہیں۔ تقدّم و تأخر سے ان کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ رشتہ داروں میں سے جو لوگ بعد میں ایمان لائے ہوں اور مومنین کے ساتھ جہاد میں شامل ہوئے ہوں، وہ اللہ کے فرمان کے مطابق قدیم مہاجرین کی میراث کے زیادہ حق دار ہوں گے۔ اور مہاجرین اوّلین کے قدیم رفقاء ان کے مقابل میراث کے حق دار نہیں ہوں گے۔ اللہ کے احکام علمِ مطلق سے ہوتے ہیں۔ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ اس کے حکم میں ہمیشہ بڑی حکمت موجود ہوتی ہے۔ مگر اس حکمت کا پتہ اسی کو چلتا ہے، جو اس حکم پر عمل کر چکا ہو۔ حکم کو ماننے سے پہلے جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ آدابِ بندگی کے منافی ہو گا۔

حاصل: جو لوگ مہاجرین اوّلین کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور ان کی معیت میں جہاد کیا، وہ بھی انہی کے ساتھی ہیں۔ رشتۂ مکتب جو اسلام کے ماننے والوں کے مابین ہوتا ہے، رشتۂ نسب کے مقابل بہت اہم ہوتا ہے۔ مگر جب رشتۂ نسب، رشتۂ مکتب کے ساتھ مل جائے تو اس کا مقابلہ نہیں

ہوتا۔ حکم کو ماننے والا حکمت کو پا سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ٥ ١٧/١٠٥

اور ہم نے قرآن پاک کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور یہ حق ہی کے لئے نازل ہوا۔ اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

صاحبو، اس سورۃ کی ابتداء میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھوایا۔ قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے صرف یہی ایک سورۃ ہے جس کی ابتدا میں تسمیہ نہیں لکھا جاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی فرمایا، اللہ کے عطا کردہ علم سے فرمایا۔ اس لئے مؤمنین کے لئے حضور کا فرمان ہی معیارِ مطلق ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ①

براءۃ ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے، ان مشرکین کی طرف جن سے تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔

مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ پھر ان لوگوں نے عہد شکنی کی۔ تو یہ فرمایا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ان مشرکین کو صاف جواب ہے جن سے تمہارا معاہدہ ہوا تھا۔ مشرک ہمیشہ صلح کے معاہدے کی پابندی مجبوری کی صورت میں ہی کرتے ہیں۔ اور جب عہد شکنی میں خطرات نظر نہ آئیں تو انہیں عہد شکنی کرتے دیر نہیں لگتی۔ ایسے لوگوں کے ساتھ میعادی معاہدہ ہو یا غیر میعادی معاہدہ ہو۔ جب وہ عہد شکنی کی طرف جانے لگیں تو ان سے بیزاری کا اظہار کرنا حق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا، علمِ الٰہی سے کیا، اس لئے عبادِ مخلصین کو نورِ معرفت کے حصول کے لئے اس سے ارفع کوئی مقام نظر نہیں آتا۔

حاصل ۔ جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے بیزاری کا اظہار ہو۔ وہاں مؤمنین کا کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

تو زمین میں چار مہینے چلو پھرو، اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

جن مشرکین کے ساتھ میعادی معاہدہ تھا، ان پر واضح ہو گیا کہ چار ماہ گزر جانے کے بعد یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ اور جن مشرکین کے ساتھ میعادی معاہدہ نہ تھا، یا معاہدہ ہی نہ تھا، ان پر واضح کر دیا گیا کہ چار ماہ کے اندر تمہیں اپنے رخ کا تعین کر لینا ہے کہ تم اسلام کو قبول کرتے ہو یا نہیں اور اگر اسلام کو قبول نہیں کرتے تو ملک چھوڑنے پر غور کر لو۔ اور اگر یہ بھی نہیں کرتے، تو پھر لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے لئے جو بھی بن پڑے وہ کر لو۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اللہ کو عاجز کرنا کسی طاقت کے بس میں نہیں کہ باقی ہر طاقت اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہے۔ اللہ کی طاقت کسی کی عطا کردہ نہیں ہے اور اسی طاقت کو دوام ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ یہ اعلان بہت واضح پیش گوئی تھی۔ اس اعلان کے بعد اگر کوئی رسوائی کو پسند کرنے والا ہوا تو وہ اسے ضرور ملی۔ اور اگر کوئی بچنا چاہتا تھا تو وہ بچ بھی گیا۔ سب نے دیکھا وہی جو اللہ نے فرمایا تھا۔

حاصل : مخالفین کو تیاری کے لئے وقت دینا، انہیں یہ بتانا کہ تمہاری کوئی تدبیر نہیں چلے گی، بلکہ تم رسوا ہو گے، اور اگر اسلام کو قبول کر لو گے تو تمہیں عافیت و سلامتی ملے گی، بہت بڑی باتیں ہیں، جن سے حق اور ناحق کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا جا سکتا ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۝۳

اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کے لئے اذان ہے کہ اللہ مشرکین سے بیزار ہے، اور اس کا رسول ؐ ۔ تو اگر تم توبہ کرو، تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر منہ پھیرو، تو معلوم رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور کافروں کو المناک عذاب کی بشارت دو۔

حج اکبر کا دن وہ دن تھا، جس دن حق کی قوت سے آدابِ حج کو قانوناً نافذ کر دیا گیا، اور منادی کر دی گئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین سے بیزار ہیں۔ پھر اگر مشرکین شرک سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اگر وہ حق میں اپنی تجاویز کو شامل کرنے سے باز نہ آئیں تو یہ حق سے منہ پھیرنا ہو گا۔ اس صورت میں وہ جان لیں کہ مشرکین، اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ خلاف حق کرنے والوں کو المناک عذاب ہو گا۔ اور کوئی قوّت، کوئی تدبیر ان کو اس عذاب سے بچا نہیں سکے گی۔

حاصل : جس دن آدابِ حج کو حق کی قوّت کے ساتھ قانوناً نافذ کر دیا گیا، وہ حج اکبر کا دن تھا۔ مؤمنین کو بھی مشرکین سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے۔ مشرک اگر شرک سے توبہ کر لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے خبر دینی چاہئے کہ وہ المناک عذاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ

سوائے ان مشرکین کے جن سے تمہارا معاہدہ تھا، پھر انہوں نے تمہارے ساتھ نقص عہد نہیں کیا اور نہ تمہارے مقابل کسی کو مدد دی، تو ان کا عہد ان کی مدت

أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴﴾

تک پورا کرو۔ بے شک اللہ متقین سے محبت رکھتا ہے۔

مشرکین سے بیزاری کے اظہار کے ساتھ ہی یہ استثناء بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جن مشرکین سے میعادی معاہدہ تھا، اور ان لوگوں نے ایفاءِ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور نہ کسی صورت میں بدعہدوں کے مدد گار ہوئے، تو جس مدت تک ان سے معاہدہ ہے، اس مدت تک اس معاہدے کا احترام ضروری ہے۔ تجدید معاہدہ بے شک نہ کی جائے۔ یہ بات حدود اللہ کے احترام کو ثابت کرے گی۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے رویئے میں بہت احتیاط پائی جاتی ہے۔ وہ رضائے الٰہی اور اپنی خواہش کے درمیان وقف لازم کو ملحوظ رکھنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کو پسند ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔

حاصل : ایفاءِ عہد کرنے والے مشرکین بھی بدعہدوں کے مقابل اہمیت رکھتے ہیں۔ مؤمنین کے رویئے میں یہ احتیاط بہرحال موجود رہتی ہے کہ رضائے الٰہی اور اپنی پسند کے درمیان وقف لازم قائم رہے۔ اللہ کے پیاروں سے پیار کرنا، اللہ کو عملاً ماننا ہے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ، مارو، اور انہیں پکڑو، اور قید کرو، اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ تو اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حرمت والے مہینے گزر جانے تک مشرکین کو مہلت دی گئی۔ ذی قعد، ذی الحج، محرّم اور رجب، ان مہینوں کو یہ شرف دیا گیا ہے کہ ان کے دوران جنگی کارروائی منع ہے۔ عہد شکنی کرنے والے مشرکین کو جو رعایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے، اس کے بعد ان کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ انہیں جہاں بھی پایا جائے، مارا جائے۔ اس کے لئے نہ مقام کی تخصیص ہے، نہ وقت کی۔ اگر وہ لڑائی میں ہتھیار ڈال دیں تو پھر انہیں پکڑ کر قید کر لیا جائے۔ اور اگر کسی جگہ سے ان کے گزرنے کی خبر ملے تو ان کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھا جائے۔ اگر یہ لوگ مشرکانہ روش کو چھوڑ دیں، اور توبہ کر لیں، تو اس توبہ پر مؤمنین میں سے کسی

کی گواہی ضروری ہے۔ اس توبہ کے ساتھ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی نظر آئے تو پھر ان کی راہ چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ نماز قائم کرنا اپنی ذاتی پاکیزگی کو ثابت کرتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے اجتماعی مفادات مستحکم ہوتے ہیں۔ جو مشرکانہ روش کو چھوڑ کر نماز قائم کرنے لگے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگے، اللہ اس کو بخش دیتا ہے۔ اس پر رحم فرماتا ہے۔ بخشش سے ماضی کے گناہوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ رحم سے حال پر آسانیاں عطا کی جاتی ہیں۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رعایت مشرکین کو دی گئی ہے، اس میں سے کچھ کم کرنا بھی خلاف حق ہے۔ اور اس کو بڑھانا بھی خلاف حق ہے۔ مؤمنین کو مشرکین کے ساتھ وہی رویہ رکھنا چاہئے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ان کی توبہ، قول کی حد تک نماز سے ثابت ہوگی۔ عملاً زکوٰۃ سے ثابت ہوگی۔ توبہ کرنے والے کے ساتھ بخشش و رحم کا برتاؤ کرنا چاہئے، کہ یہی اللہ کی سنّت ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

اور اگر مشرکین سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو، حتیٰ کہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

کلام اللہ کو سننا، اس کے بارے میں اپنے سوالات کا جواب پانا، فرمانِ خداوندی کے ماننے والوں کو قریب سے دیکھنا اور ان سے وضاحت طلب امور کو سمجھنا یہ سب خصوصیات مشرک طالب علم میں ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تو اسے پناہ دینی چاہئے۔ اس پناہ کے ساتھ ضروریاتِ زندگی کا ایسا بندوبست کیا جائے کہ مشرک، اللہ کے کلام کو آسانی سے سن سکے۔ جو پوچھنا چاہے، پوچھ سکے۔ بتانے کا حق علم والے کو ہوگا۔ اس کے بعد اگر مستامن جانا چاہئے، تو اس کو جاءِ امن تک پہنچانا پناہ دینے والے پر فرض ہے۔ جاءِ امن وہی ہوگی جہاں مشرک کو امن کا یقین ہو۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے حق کو نہیں جان سکتے۔ اگر وہ جاننے کا رخ رکھتے ہوں تو رضائے الٰہی کے لئے انہیں مدد دینی چاہئے۔

حاصل : مشرک، طالب علم ہو اور مومن سے پناہ طلب کرے، تو اس کو پناہ دینی چاہئے۔ اللہ کا کلام سننے کی سہولت دینی چاہئے۔ طلبِ علم کے حوالے سے اسے ہر ممکن آسانی مہیا کرنی چاہئے۔ اس کے بعد وہ اگر جانا چاہے تو جاءِ امن تک پہنچا دینا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا ہے:

مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ٩/١١٣

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قربیٰ ہوں بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ٧

مشرکین کے لئے کوئی عہد، اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک کیونکر ہو گا۔ مگر وہ جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے قریب ہوا۔ تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں، تم ان کے لئے عہد پر قائم رہو۔ بے شک اللہ متقین سے محبت رکھتا ہے۔

مشرکین بالعموم اسی وقت تک عہد شکنی سے بچتے ہیں، جب تک انہیں عہد شکنی سے پیدا ہونے والے خطرات ناقابل برداشت نظر آئیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو لوگ عہد شکنی کے لئے موزوں حالات کا انتظار کرتے ہوں، ان کے ساتھ ہر شے کا علم رکھنے والے معبودِ لاشریک کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے، جس کو اللہ اپنے علم سے نوازتا رہتا ہے۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے مسجد حرام کے قریب مؤمنین سے معاہدہ کیا، وہ معاہدے پر قائم رہیں۔ تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تم ان کے لئے عہد پر قائم رہو۔ یہ محتاط رویّہ اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ اور مؤمنین کو یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے کئے ہوئے عہد کو پوری اہمیت دیتے ہیں، ان کے اندر یہ اہلیّت ہے کہ یہ فسق سے بچتے ہوئے ہدایت کو پا سکتے ہیں۔

حاصل : جو عہد شکنی کے لئے موزوں حالات کے انتظار میں ہو، اس کے ساتھ عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو اپنے کئے ہوئے عہد کو پوری اہمیّت دے، اس کے اندر یہ اہلیّت موجود ہوتی ہے کہ وہ فسق سے بچتے ہوئے ہدایت کو پا سکتا ہے۔ مؤمنین کے رویّے میں احتیاط نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى

کیونکر ہو، اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ ذمّہ داری کا۔ اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں، اور ان کے قلوب نہیں مانتے۔ اور وہ اکثر

قُلُوبُهُمْ ۚ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ فاسق ہیں۔

مشرکین صرف مجبوری کی صورت میں ہی اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اگر وہ مؤمنین پر قابو پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں، اور نہ اپنے عہد کے حوالے سے اپنی ذمّہ داری کو محسوس کریں۔ اپنے منہ سے مؤمنین کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے قلوب نہیں مانتے۔ جب زبان پر وہ کچھ ہو، جو دل کو ناپسند ہو، تو یہ منافقت اور گمراہی کا باعث ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : مشرکین اگر مومنین پر قابو پالیں، تو پھر کبھی قرابت کا لحاظ بھی نہیں کرتے اور ذمّہ داری کو بھی محسوس نہیں کرتے۔ منہ سے کچھ کہا جائے، دل میں وہ ناپسند ہو، تو یہ فسق باعث گمراہی ہی ہو سکتا ہے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾

اللہ کی آیات کو انہوں نے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا۔ پھر اس کی راہ سے روکا۔ بے شک برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں۔

جن لوگوں نے حق کو اس کی نشانیوں کے ساتھ دیکھا تھا، جب ان کے سامنے ان کی خواہشات کو رکھا گیا، تو وہ خواہشات کی پیروی کی طرف جھکے۔ اس طرح حق کو اللہ کی نشانیوں کی صورت میں اپنی خواہش کی قیمت پر بیچ ڈالا۔ اور اپنے مشاہدے کو خلاف حق استعمال کرتے ہوئے، لوگوں کے سامنے غلط نتائج نکال کر رکھے اور یوں لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا۔ برے کام، برے لوگ ہی کرتے ہیں۔ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو اہمیّت دینا وہ برا کام ہے، جس سے سب برائیاں جنم لیتی ہیں۔

حاصل : اپنے مشاہدے سے اللہ کی نشانیوں کو جانتے ہوئے، اپنی خواہشات کی قیمت پر انہیں بیچ دینا، اور دوسروں کو ایسے نتائج اخذ کر کے دکھانا کہ وہ اللہ کی راہ سے رک جائیں، برے کام ہیں اور برے لوگ ہی برے کام کرتے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

کسی مومن کے لئے نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ ذمّہ داری کا، اور وہی سرکش ہیں۔

مشرکین کو کسی مومن کے لئے نہ قرابت کا لحاظ ہوتا ہے، نہ اپنے قول و قرار کا لحاظ ہوتا ہے۔ جب انہیں یقین ہو کہ ان کی مؤمن دشمنی میں فوری خطرات نہیں ہیں تو ان کی سرکشی متحرّک ہو جاتی ہے۔ ان کی سرکشی مؤمنین کے کسی عمل سے مشروط نہیں ہوتی، بلکہ مؤمن آزاری ان کے ہاں سب سے ضروری کام ہوتا ہے۔

حاصل : مشرک کبھی مومن کے لئے قرابت یا قول و قرار کا لحاظ نہیں رکھتے۔ مومن آزاری ان کے ہاں سب سے ضروری کام ہوتا ہے۔

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝١١

پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔ اور ہم آیات کو علم والے لوگوں کے لئے مفصّل کرتے ہیں۔

اگر مشرک، ظلم عظیم سے توبہ کرلیں، اور عہد شکنی کو چھوڑ دیں تو صرف اعلان توبہ سے وہ مؤمنین کے اخوان میں شامل نہیں ہو جائیں گے، بلکہ یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں گے، تو پھر ان کی صداقت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اور جب یہ دین میں مؤمنین کے بھائی ہو جائیں گے تو وہ سب مراعات جو وہاں مؤمنین کو حاصل ہوں گی، یہ بھی ان کے حقدار ہوں گے۔ دین میں رشتہ، کسی کی پسند کے تابع نہیں ہو گا، بلکہ اسی بنیاد پر قائم ہو گا جو بنیاد اللہ نے فراہم کر دی ہے۔ آیات کی تفصیل سے استفادہ کرنے والے، یقیناً علم والے ہوتے ہیں۔

حاصل : مشرک جب شرک سے باز رہنے کا عہد کرے تو اعلانِ توبہ ضروری ہے۔ اس کے ساتھ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہے۔ دین میں رشتہ اسی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ آیات کی تفصیل سے استفادہ کرنے والے کو عالم ماننا، حق ہے۔ چاہے لوگوں کے نزدیک عالم کی تعریف کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَٮِٕمَّةَ الۡـكُفۡرِ‌ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ۝١٢

اور اگر اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور دین میں تمہیں طعنہ دیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو۔ بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں۔

کافر ذمّی، سلامتی کی درخواست کے ساتھ، امیرالمؤمنین کے سامنے اپنی قسموں کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ وہ خلوت و جلوت میں کسی بھی صورت میں مؤمنین کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔ دوسرے جو وعدے انہوں نے کئے ہیں وہ بھی پورے کریں گے۔ اگر یہ لوگ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ کر بدعہدی کرنے لگیں، اور مؤمنین کے دین پر طعنہ زنی کریں، تو ان کے ساتھ کیا ہوا عہد ساقط ہو جاتا ہے، اور وہ ذمّہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ ان کے سرداروں کے ساتھ لڑنے کا حکم ہے کہ یہ سردار انہیں بدعہدی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی قسمیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ سرداروں

کے مغلوب ہونے سے یہ لوگ شرک سے باز آ جائیں۔

حاصل : کافر ذمّی، بدعہد ہو اور دین میں طعنہ زنی کرے تو وہ ذمّہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے سرغنوں سے لڑنا حق ہے، چاہے وہ ظاہر میں مقابلے پر ہوں یا نہ ہوں۔ کفّار کے ساتھ جنگ کفر کو ساکن کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

کیا ایسے لوگوں سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نکالنے کی ٹھانی، اور انھوں نے تمہارے ساتھ پہل کی ہے۔ کیا ان سے ڈرتے ہو۔ تو اللہ کا حق سب سے بڑا ہے کہ اس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو۔

جن لوگوں نے مؤمنین کے ساتھ بدعہدی کی ہو، جن لوگوں نے نورِ ہدایت کے پھیلانے والے کو اپنی بستی سے نکالنے کی ٹھانی ہو، اور اس سلسلے کی ابتداء بھی انہی کی طرف سے ہوئی ہو ان سے نہ لڑنے کے معنٰی یہی ہوں گے کہ ان کا ڈر بہت ہے۔ مؤمنین کو یہ دیکھنا چاہئے کہ ڈر اگر طاقت اور قدرت کے حوالے سے ہے تو اللہ سے بڑا طاقت والا اور قدرت والا کوئی نہیں ہے۔ کوئی بھی اللہ کی مشیّت کے خلاف، نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں ہے۔ جو اپنی ذات پر نظر نہ رکھے، اور حقیقت شناس نہ ہو، وہ مؤمن نہیں ہوتا۔

حاصل : مؤمنین سے بدعہدی کرنے والوں سے، امیرالمؤمنین کے مخالفین سے، اور مومنین کی مخالفت میں پہل کرنے والوں سے نہ لڑنا گناہ ہے۔ مؤمن حقیقت شناس ہوتے ہیں۔ اللہ کے مقابل کسی قوت سے ڈرنا ان کی شان کے منافی ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾

تو ان سے لڑو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا، اور رسوا کرے گا۔ اور ان پر تمہاری نصرت فرمائے گا۔ اور مؤمن لوگوں کے سینے ٹھنڈے کرے گا۔

مؤمنین سے یہ مواعید فرمائے گئے کہ مشرکین سے ڈرو نہیں۔ ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دے گا۔ انہیں رسوائی ہو گی۔ اللہ کی نصرت سے مؤمنین کو غلبہ حاصل ہو گا۔ اور جو باتیں تمہیں ناگوار تھیں، ان کے خاتمے سے تمہیں

راحت ہوگی۔

حاصل : جس لڑائی میں دشمن کے مغلوب و رسوا ہونے کا یقین ہو، وہ یقیناً آسان ہوتی ہے۔ حق کے غلبے کے ساتھ شرک کی بیخ کنی ہو تو مؤمنین کے سینوں میں ٹھنڈ پڑتی ہے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

اور ان کے قلوب کے غیظ کو دور کرے گا۔ اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرمائے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

رشد والوں کو، کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ جب کفر کی شوکت کے مقابل مسلمانوں کو مظلوم دیکھا جائے، تو ایمان والوں کے قلوب میں غیظ کا ابھرنا طبعی بات ہے۔ جب اللہ اس غیظ کے اظہار کی صورت بنا دے تو یہ غیظ دور ہو جاتا ہے۔ مگر اس غیظ کے دور کرنے کا مقام، میدان جہاد ہے۔ جہاد کے تجربات سے گزرنے والوں میں سے بھی جو لوگ کفر کے غلبے کے لئے کوشاں رہے ہوں، اور انہیں محسوس ہو کہ وہ حق کے خلاف کرتے رہے ہیں، تو وہ توبہ کے دروازے کو اپنے لئے کھلا ہوا پاتے ہیں۔ جو اپنے اندر کی خرابی کو محسوس کرے، اور اسے دور کرنے کی سعی کرے، اللہ اس پر توجہّ فرماتا ہے۔ اللہ کا ہر کام علم سے ہوتا ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ یہ حکمت اسی کو نظر آ سکتی ہے جو ادب سے فرمانِ خداوندی کی اطاعت کرے، اور نفس کے خلاف جہادِ اکبر میں مصروف رہے۔

حاصل : قلوب کے غیظ کو دور کر دینا، اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت سے ہوتا ہے۔ جو اپنے اندر کی خرابی کو محسوس کرے اور اسے دور کرنے کی سعی کرے، اللہ اسی پر توجہّ فرماتا ہے۔ اللہ کے علم اور اس کی حکمت سے ادب والے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

ع ۸

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹ جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ دیکھے گا، ان کو جو تم میں سے جہاد کریں گے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور مؤمنین کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار نہیں بنائیں گے۔ اور اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

حق کو قول سے تسلیم کرنا، ایک دعویٰ ہوتا ہے۔ اور صرف دعویٰ کسی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ تمہاری نجات کے لئے کافی نہیں ہے۔ اللہ یقیناً دیکھے گا کہ تم میں سے حق

کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے، اللہ کی راہ میں اپنا وقت، قوّت اور سرمایہ، کس طرح لگاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ مؤمنین کی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے راز، مشرکین سے موالات رکھنے کی غرض سے انہیں پہنچاتے تو نہیں۔ عمل کوئی ہو، اللہ کو اس کی خبر ہوتی ہے۔ جس نیّت سے وہ کیا جارہا ہے، جس طریقے سے وہ کیا جارہا ہے، جس مقام پر کیا جارہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس عمل کے ہر حصے کی اللہ کو خبر ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ کو دھوکا دینا ناممکن ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مرتبہ تو معطیِ مطلق ہی جانتا ہے، کہ وہی مرتبہ عطا کرنے والا ہے اور وہی اس کو بیان کرنے والا ہے۔ مؤمنین میں سے بھی اللہ جس کو جس بات کی خبر دینا چاہے، دیتا ہے۔

حاصل : حق کو قولاً تسلیم کرنا تبھی پورا ہے جب عملاً ماننے کا ثبوت پیش کیا جائے۔ جہاد کرنا مؤمنین کی نشانی ہے۔ اور اپنا راز کسی بھی غرض کے لئے مخالفین تک نہ پہنچانا بھی ایک نشانی ہے۔ یہ یقین ہو کہ اللہ کو ہمارے عمل کی خبر ہے، تو پھر عمل میں اخلاص کا ہونا لازم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ۹/ ۳۹

کیا وہ جس کی رات کی گھڑیاں سجود و قیام میں گزریں، وہ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے ربّ کی رحمت کی امید رکھتا ہو، کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائے گا۔ فرمایئے: کیا علم والے اور لاعلم مساوی ہیں نصیحت تو عقل والے ہی مانتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝١٧

مشرکین کا کام نہیں کہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں، جبکہ وہ اپنے کفر پر گواہی بھی دے رہے ہوں۔ ان کے اعمال اکارت ہوئے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

مساجد، اللہ کے گھر ہیں۔ کعبہ شریف تمام مساجد کا قبلہ ہے اور امام ہے۔ ہر مسجد اسی نسبت کی بدولت واجب الاحترام ہوتی ہے۔ مسجد کی تعمیر، اس کی دیکھ بھال، اس کی آبادی اور اس کی خدمت، اسی کا حق ہے، جو اللہ کو مانتا ہو، جیسے اللہ کو ماننے کا حق ہے۔ جو شرک کرتا ہو، جس کے اعمال اس کے کفر پر گواہ ہوں، وہ جو بھی کرتا ہے، نمود و ریا کے لئے کرتا ہے۔ صدق و اخلاص سے نہیں کرتا۔ جو اعمال، رضائے الٰہی کے لئے نہ ہوں، وہاں جزا کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح اللہ کی عطا کردہ توفیق، دکھاوے میں ضائع کر دی جاتی ہے۔ یہی اعمال کے اکارت ہونے کی صورت ہے۔ جو ہمیشہ شیطان کی پیروی میں لگا رہے، اور اس کے ہر عمل میں استکبار کی کوئی نہ کوئی شکل موجود ہو، وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔

حاصل : مشرکین کا کام نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ جن کے اعمال ان کے کفر پر گواہی دے رہے ہوں، ان کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ جن کے ہر عمل میں استکبار کی کوئی نہ

کوئی صورت موجود ہو وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ اللَّهِ مَنْ ءَامَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْءَاخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَوٰةَ
وَءَاتَى الزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ
فَعَسَىٰٓ أُو۟لَٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا۟ مِنَ
الْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾

اللہ کی مساجد وہی آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی سے ڈرتے ہیں۔ تو قریب ہے کہ وہ لوگ ہدایت والوں سے ہوں۔

مساجد کی آبادی یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے انہیں تعمیر کیا جانا چاہیے، انہی مقاصد کے لئے انہیں استعمال کیا جائے۔ عبادت کے لئے وہاں سب لوازمات موجود ہوں، طہارت اور وضو کے لئے انتظام ہو، موسم کے مطابق جو آسانی، نمازیوں کو دی جا سکتی ہو، اس کا بندوبست کیا جائے اور مسافروں کے لئے جو سہولت مہیّا کی جا سکتی ہو وہ مہیا کی جائے۔ مسجد کی صفائی کے لئے بھی لوگوں کو عبادت سے نہ روکا جائے۔ ایک حصّے کی صفائی ہو رہی ہو، تو دوسرے حصے میں لوگ عبادت کرتے رہیں۔ وہاں شور نہیں ہونا چاہئے۔ لغو گوئی نہیں ہونی چاہئے۔ اصلاح کرنے کا حق صرف مخلصین کو ہوتا ہے۔ مسجد میں داخل ہونے سے لے کر، وہاں سے رخصت ہونے تک منتظمین کو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ کوئی فرد یا گروہ رضائے الٰہی کے نام پر شوکتِ نفس کے لئے کام نہ کرے۔ مساجد کو آباد وہی کرتے ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہ یقین رکھتے ہوں کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ نماز قائم کرتے ہوں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں۔ ان کا ذاتی کردار یہ ہو کہ وہ جو بھی کریں اس میں صرف اللہ کا ڈر موجود ہو۔ کسی دوسرے کی ناخوشی انہیں کبھی پریشان نہ کرے۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن سے ہدایت لی جا سکتی ہے۔ جن کی راہنمائی سے فلاح دارین حاصل ہو سکتی ہے۔

حاصل : اللہ کی مساجد کو آباد کرنا، ہدایت یافتہ لوگوں کا کام ہے۔ وہ اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں، حدود اللہ کا احترام کرتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، ڈرتے محض اللہ سے ہوں، اور رسم و رواج کے پابند لوگوں سے کبھی مرعوب نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی سیادت ہمیشہ باعث برکت ہو گی۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ ءَامَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْءَاخِرِ وَجَٰهَدَ
فِى سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُۥنَ عِندَ

تو کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد الحرام کے بسانے کو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ٹھہرا دیا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ دیتا۔

وقف لازم

کافروں نے حاجیوں کی خدمت، مثلاً انہیں پانی پلانا اور مسجد الحرام کو آباد کرنا، بہت ضروری سمجھا۔ اور اپنی بے علمی سے ان اعمال کو اللہ پر ایمان لانے اور یوم آخر پر یقین رکھنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ٹھہرایا۔ جزا دینے والے علیم مطلق نے شہادت دی ہے کہ وہ اعمال اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں۔ جب عاملین کا رخ ایک نہ ہو، تو ان کے اعمال کا مساوی ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی پسند کے مطابق، اپنے لئے حدود مقرّر کر لیتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، جو اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔ جو لوگ خدمتِ عوام کے نام پر اپنے آپ کو مرکزِ توجّہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جو یومِ آخر پر یقین رکھتے ہوئے رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے۔ اور لوگوں کو حقیقی سکھ دیتے ہیں۔ جو لوگ نمود و ریا کے لئے، لوگوں پر خرچ کرتے ہیں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، جو اپنا وقت، قوت اور سرمایہ سبھی اللہ کی راہ میں لگاتے ہیں، اور کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ ظالم، اطمینان کی طرف جانے والی راہ کو پا ہی نہیں سکتے کہ اللہ ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔

حاصل : خدمتِ عوام کی سب صورتیں جن کا منشاء مرکزِ توجّہ بننے کے علاوہ کچھ نہ ہو، کبھی ایمان باللہ آخرت پر یقین اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ معیار وہی ہے جو عند اللہ ہے کہ توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ اللہ کبھی ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے اموال اور انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، اللہ کے ہاں ان کا درجہ بڑا ہے۔ اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔

اللہ کے ہاں بڑے درجے والے، بامراد لوگ وہی ہیں، جو ایمان لائے، ہجرت کی، اپنے اموال کو بھی فی سبیل اللہ جہاد پر صرف کیا، اور اپنی جانوں کو بھی فی سبیل اللہ جہاد میں لگایا۔ ایمان لانے کے بعد لازم ہے کہ سوچ فرمانِ خداوندی کے تابع رہے۔ ہجرت کے تجربات سے گزرنے کے بعد دوسروں کی سہولت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اموال کی صورت میں جہاد کے لیے خرچ کرنا پہلے ہونا چاہئے، اور اپنی جانوں کو رضائے الٰہی پر قربان کرنے کی سعی بعد میں۔ جن لوگوں نے اپنے منشاءِ حیات کو سمجھا اور اس کے حصول کے لیے کوشش کی، وہ ہمیشہ اللہ کے مقرّر کردہ معیار کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہی لوگ بامراد ہوتے ہیں۔

حاصل : ایمان لانے والے کی سوچ کو فرمانِ خداوندی کے تابع ہونا چاہئے۔ ہجرت کے تجربے

سے دوسروں کو سکھ دینے کا بڑا علم حاصل ہوتا ہے۔ اموال کو پہلے جہاد میں لگانا چاہئے، انفس کو بعد میں۔ بامراد لوگوں کی نشانیاں ہم میں ہوں گی، تو ہم بھی بامراد ہوں گے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾

ان کا ربّ انہیں بشارت دیتا ہے، اپنی رحمت اور رضوان اور جنّت کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے۔

ایمان، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ، بامراد لوگوں کی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے ربّ کی طرف سے رحمت، رضوان اور جنّت کی بشارت ہے۔ رحمت یہ ہے کہ رخ ہمیشہ درست رہے، رضوان یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقابل کسی کی پسند پریشان نہ کرے، اور جنّت دائمی نعمتوں کے ساتھ یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں راحت موجود رہے۔

حاصل : ایمان، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ رحمت، رضوان اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ جو دائمی پاک دامنی کے مقام پر رہے، اسے دائمی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

جنہیں دائمی پاک دامنی کا شرف حاصل ہو گا، وہ دائمی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خالصتاً اس کی رضا کے لیے استعمال کیا جائے، تو اللہ کے ہاں اس کے لیے اجر عظیم ہے۔ اور اجر عظیم، اللہ ہی دے سکتا ہے۔

حاصل : جنّت کی بہار کو ایسا دوام ہو گا کہ اس کے بعد خزاں نہیں آئے گی۔ اجر عظیم اللہ ہی دے ہے کہ وہی علیم مطلق ہے، اور وہی معطیٔ مطلق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

اے ایمان والو، اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان کے مقابل کفر کو پسند کرتے ہوں اور تم میں جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔

ایمان والوں کی شان یہی ہے کہ ان کو ایمان کی حُبّ ہوتی ہے، اور کفر، فسق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ ان کے آبا میں سے اور بھائیوں میں سے جو یقیناً کنبہ والے اور اقارب ہوتے ہیں، اگر کسی کو ایمان باللہ کے مقابل، کفر اچھا لگتا ہے، تو اس سے دوستی حرام ہو جاتی ہے کہ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ دوستی یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے خلاف ان کے مشورے کو سنا جائے۔ جو فرمان خداوندی کے خلاف بات سننے کو تیار ہے، وہ ظالم ہے، اور مسلم و مجرم کو مساوی قرار دے کر جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔

حاصل : ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ کفر کے پسند کرنے والوں سے ترک موالات کریں۔ کفر کو پسند کرنے والے، ان کے باپ دادا ہوں، بھائی ہوں یا دوسرے ہوں، کفر کے پسند کرنے والوں سے دوستی، ظلم ہے۔ کفر کو پسند کرنے والوں کے معاملات میں دلچسپی لینا اور ان کو مشورہ دینا منع ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴ ع ۸/۹

فرما دیجئے، اگر تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری ازواج، اور تمہارا کنبہ، اور تمہاری کمائی کے مال اور تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے، اور مساکن جن میں تم راضی ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہوں، تو انتظار کرو، حتیٰ کہ اللہ اپنا امر لائے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔

باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیوی اور عزیز رشتہ دار، یہ سب رشتے فرمانِ خداوندی کے تحت اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں۔ مگر جب یہ رشتے حق کی احسن ادائیگی میں حائل ہوں تو ان کی طرف التفات، باعثِ عذاب ہو گا۔ دنیا میں ہدایت سے دوری ہو گی۔ آخرت میں بخشش سے دوری ہو گی۔ کوئی رشتہ خالقِ کل اور اس کے عبادِ مخلصین کے مقابل، اپنی اہمیت نہیں رکھتا۔ اپنا کمایا ہوا مال انسان کو عزیز ہوتا ہے۔ وہ تجارت عزیز ہوتی ہے، جس کو محنت سے بڑھایا گیا ہو، اور جس میں عدم توجّہ سے نقصان کا خدشہ ہو۔ وہ مسکن عزیز ہوتا ہے، جو اپنی راحت کا سامان مہیا کرتا ہو۔ مال کا عزیز ہونا، تجارت کا عزیز ہونا اور مسکن کا عزیز ہونا، اگر وہ صورت اختیار کرلے کہ حق کو ماننے کا دعویٰ باطل ہو جائے، تو یہ فسق ہو گا۔ فاسق کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی۔ وہ ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ اس کو اللہ کا امر غالب نظر آتا ہے، مگر ماننے اور فلاح پانے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ تب وہ رشتے جن کو عزیز جان کر

اس نے حق سے پہلو تہی کی ہوتی ہے، بے وقعت نظر آتے ہیں۔ وہ مال، وہ تجارت، وہ مسکن جن سے پیار، جہاد سے روکتا ہے، سب فاسق کی گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ اور ان پر اپنی عدم قدرت کا احساس، فاسق کو جس دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے، اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : باپ، دادا، بیٹے بھائی، بیوی اور عزیز رشتہ داروں کو یہ احساس دلاتے رہنا ضروری ہے کہ ہر رشتے کی اہمیت حق کو ماننے کے حوالے سے ہے۔ اپنا کمایا ہوا مال، اپنی بڑھائی ہوئی تجارت، اور اپنی پسند کا مسکن عزیز ہوتے ہیں۔ مگر یہ سب، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبّت کے سامنے ہیچ ہونے چاہئیں۔ جہاد کے لئے بلاوا آئے تو اس کے لئے ادب سے حاضر ہو جانا، ایمان کا ثبوت ہے۔ اور مذکورہ محبوبات کو عزیز تر جاننا فسق ہے، اور باعث عذاب ہی ہو سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ ط ۲/ ۳۹

بے شک ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی۔ تو اللہ کی عبدیت کرو، اسی کے دین کے مخلص ہو کر۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵

بے شک اللہ نے بہت میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت کا ناز ہوا، اور وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ اور تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔

ایمان والوں کی نصرت کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اللہ کی نصرت پر توکّل ہو تو اپنی تعداد کی کمی پریشان نہیں کرتی، اور اپنی تعداد کی کثرت پر ناز نہیں ہوتا۔ اپنی کثرت کو مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے والی قوّت مان لیا جائے، تو اللہ کے نزدیک اس سے بڑی ناپسندیدہ بات اور کیا ہو گی۔ حنین کے دن دشمن کے مقابل اپنی عددی برتری کو دیکھ کر کم علم لوگ اترانے لگے۔ جب نصرت ایزدی کے مقابل اپنی کثرت پر ناز ہو، تو پھر نصرت ایزدی کی طلب ہی کہاں ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ایسے ایمان والوں پر تنگ ہو جاتی ہے، جو اپنی کثرت کو مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے کے لئے کافی سمجھتے

ہیں۔ جب حنین کے دن دشمن سے ایمان والوں کا سامنا ہوا، تو اپنی کثرت پر اترانے والے، جلد ہی پیٹھ دے کر پھر گئے۔

حاصل : اللہ کی نصرت مطلوب ہو تو دشمن کے مقابل اپنی تعداد کی کمی پریشان نہیں کرتی اور دشمن کے مقابل اپنی تعداد کی کثرت پر ناز نہیں ہوتا۔ کوئی بھی تعداد مطلوبہ نتیجہ پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ جنہیں اپنی کثرت عجیب لگے گی ان پر زمین ضرور تنگ ہو گی، اور وہ پیٹھ دے کر پھر جائیں گے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر سکینہ نازل فرمائی اور مومنین پر، اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے، اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور کافروں کی یہی جزا ہے۔

جب عددی برتری پر مسلمانوں کو ناز ہوا اور اس کے بعد تجربے نے یہ واضح کر دیا کہ یہ کثرت کسی کام نہیں آتی۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہو گئی اور ان میں سے اپنی کثرت پر ناز کرنے والے پیٹھ دے کر پھر گئے، تو اپنی کثرت پر نازاں ہونے کا انہیں افسوس ہوا۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اور مؤمنین پر سکینہ نازل فرمائی۔ یہ حضرات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پہاڑ کی طرح قائم رہے۔ اور ان کا رخ جنگ میں دشمن کی طرف برابر بڑھتے رہنے کا رہا۔ اللہ نے اپنی تائید کے ساتھ وہ لشکر نازل فرمائے جو مسلمانوں نے نہیں دیکھے۔ کافروں کے دلوں پر رعب ڈالا گیا۔ انہیں وہ مار پڑی جو ان کے تصور میں نہیں تھی۔ یہی ان کی جزا تھی۔ مسلمانوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے ساتھ مومنین کو جنگ میں ثابت قدمی سے آگے بڑھتے دیکھا، تو یہ بھی پلٹ آئے۔ اب یہ اللہ کے رسول کے ساتھ تھے۔ جنگ کا نقشہ اپنی کثرت پر ناز کرنے کی صورت میں اور تھا، اب اور ہو گیا، پھر فتح ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ فتح نصرتِ الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ اپنے پیاروں پر سکینہ نازل فرمایا کرتا ہے۔ جو مدد جس حال پر مناسب ہو، اللہ ہی بھیج سکتا ہے۔ کافروں کو عذاب ان کے اعمال کی بدولت ہوتا ہے۔ کافروں کے ساتھ وہی کرنا چاہئے، جو اللہ چاہتا ہے۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے توجہ فرمائے۔ اور وہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

رَّحِيۡمٌ ﴿۲۷﴾

جن باتوں میں اللہ راضی ہے، وہ اس نے بیان فرما دی ہیں، اور وہ سب رضائے الٰہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ رضائے الٰہی، معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کے خلاف کرنے سے اللہ ناخوش ہوتا ہے۔ اللہ کی مشیّت معلوم نہیں ہوتی، بیان نہیں ہو سکتی۔ رضائے الٰہی کا رخ ہمیشہ متعیّن اور واضح ہوتا ہے۔ مشیّت الٰہی کا رخ متعیّن کرنا، ناممکن ہے۔ بندوں کے ذمے یہی ہے کہ وہ عقل کریں اور دیکھیں کہ ان کا مقصدِ حیات کیا ہے۔ اور انہوں نے کس شے کو مقصود بنا رکھا ہے۔ عطائے الٰہی رضائے الٰہی پر صرف ہو رہی ہے یا اس کے خلاف۔ ماضی میں ان کے تجربات اور مشاہدات نے کن باتوں کو درست ثابت کیا ہے، اور وہ کیا چاہتے تھے۔ ماضی سے جو سبق ملا ہے۔ اس کی روشنی میں حال پر کیا کرنا چاہئے۔ جو بندے ایسا کرتے ہیں، اللہ ان پر توجہ فرماتا ہے۔ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے۔ اللہ انہیں بخش بھی دیتا ہے۔ ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔ خطاؤں کی معافی بخشش ہے۔ اور حق کی احسن ادائیگی کی توفیق مزید رحم ہے۔

حاصل : جس کی پسند اس کے نزدیک معیار نہ رہے، اس کی قدر کرنا لازم ہے۔ اس کی خطاؤں کو معاف کرنا چاہئے اور حق کی احسن ادائیگی میں اسے جو سہولت مہیا کی جا سکتی ہو، کرنی چاہئے. کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ فَلَا يَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا‌ ۚ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ عَيۡلَةً فَسَوۡفَ يُغۡنِيۡكُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖۤ اِنۡ شَآءَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو مشرک یقیناً نجس ہیں۔ تو اس برس کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہے، تو اللہ اپنے فضل سے جلد ہی تمہیں غنی کر دے گا، اگر چاہے گا۔ بے شک اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

ایمان والوں پر یہ روشن فرمایا گیا ہے کہ مشرک یقیناً نجس ہیں، ناپاک ہیں، ان میں خبثِ باطن بھی ہے۔ خبثِ ظاہر بھی۔ مسجد الحرام کی حدود میں ۹ ہجری کے سال مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ پاک اور ناپاک میں اللہ تعالیٰ وقف رکھنا پسند کرتا ہے۔ ایمان والوں کو بھی یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کی زبان پاک رہے، ان کے اعمال پاک رہیں۔ اگر مشرکانہ رسومات کو ترک نہ کیا جائے تو یہ کسی قدر نجاست کو اپنے ساتھ لگائے رکھنے والی بات ہوگی۔ ایمان والوں کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کاروبار بہت متاثر ہوں گے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے حدودِ حرم شریف میں داخلہ ممنوع قرار دینے سے تجارت کے علاوہ بہت سے معاشرتی

تعلقات کی شکل بدل جائے گی۔ یہاں انہیں بشارت دی گئی ہے کہ محتاجی کو دور کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ وہ تمہیں اپنی مہربانی سے، اپنے فضل سے اس قدر نوازے گا کہ تم غنی ہو جاؤ گے۔ محتاجی کا ڈر انشاء اللہ پھر کبھی ہو گا ہی نہیں۔ اللہ نے جو بھی فرمایا ہے اس میں علم و حکمت موجود ہوتا ہے۔ اس لئے کسی بھی حکمِ خداوندی میں جو خیر و برکت موجود ہے وہ اس کے مقابل انسانی سوچ میں نہیں پائی جا سکتی۔

حاصل : حدودِ حرم شریف کا تقدّس ملحوظ رہنا چاہئے۔ ایمان والوں پر لازم ہے کہ وہ طلبِ خیر اور دفعِ آفات کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ رہیں۔ علم و حکمت فرمانِ خداوندی میں ہمیشہ موجود ہوتا ہے، پتہ اسی کو چلتا ہے جو اپنی سوچ کو ساکن کر کے حکم خداوندی کو ادب سے مانتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

لڑو ان سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام نہیں مانتے۔ اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جنہیں کتاب عطا فرمائی گئی، حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اور چھوٹے بن کر رہنا قبول کریں۔

یہود و نصاریٰ اہل کتاب ہیں۔ ان میں سے جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام نہیں مانتے، اور دینِ حق کو قبول نہیں کرتے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر یہ لوگ جزیہ دینا قبول کر لیں، اور چھوٹے اور ذمّی بن کر رہنا قبول کر لیں تو لڑائی ختم ہو جائے گی۔ اہلِ کتاب کا دعویٰ تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر فرمانِ خداوندی کو اپنی سمجھ اور تاویل کے تحت مانتے ہیں۔ اس طرح کا ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جزا کے یقین سے، عمل نہ کیا جائے تو یہ جزا کے انکار کی صورت ہے۔ جن چیزوں کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، انہی چیزوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حرام فرمایا ہے۔ اہل کتاب، حکم خداوندی کے مقابل اپنی رائے کو اور اپنی تاویل کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ حدود اللہ کو نہ ماننے والی بات ہے۔ دینِ حق کو قبول کرنا یہ ہے کہ مقصود ہر مقام پر رضائے الٰہی ہو۔ اور اتباع شاہد کا ہو حال پر۔ اگر یہ نہ ہو تو دینِ حق کا انکار ہو گا۔ ایسے منکرین کو فتنہ و فساد سے روکنا ضروری ہے، من مانی سے روکنا ضروری ہے۔ جزیہ وہ خراج ہے جو مفتوح اہل کتاب سے لیا جاتا ہے۔ اس نقد ادائیگی کے عوض ان کی ذاتی سلامتی اور ان کے متعلقین کی سلامتی کی حفاظت کا ذمّہ لیا جاتا ہے۔ جزیہ دینے والے کی حیثیّت کا تعین حکومت کا نمائندہ کرتا ہے۔ جزیہ دینے والے پر لازم ہے کہ وہ ادب سے جزیہ دے اور لینے والے پر لازم ہے کہ وہ دینے

والے کی حرکات و سکنات پر بھی نگاہ رکھے۔ جزیہ دینے والوں کو ان کے عقائد کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مگر معاشرتی زندگی میں وہ محکوم ہوں گے، اور تمام احکامات کو ماننے کے پابند ہوں گے، جو بھی حکومت ان کے لئے جاری کرے گی۔ ان کی آزادی محدود بھی ہو گی، مشروط بھی ہو گی۔ کسی بھی صورت میں وہ لوگوں کی راہنمائی اور قیادت کا حق نہیں رکھتے۔

حاصل : مفتوح اہل کتاب سے جزیہ لینا ضروری ہے۔ انہیں اپنے عقائد کے مطابق عبادت کے علاوہ کسی بھی جگہ، معاشرتی زندگی میں من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جزیہ دینے والا باادب رہے اور اپنی سلامتی کی حفاظت کے لئے ماننے کے درجے میں رہے۔ حکومت ان کی آزادی کو محدود اور مشروط کرنے کا حق رکھتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کا اور اس کی اطاعت کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں، جبکہ تمہارا اتباع تو ارذل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے اعمال کا علم اللہ کو ہے۔ ان کا حساب بھی اسی پر ہے۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۱۴/ ۲۶

اور میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ڄ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰

اور یہود نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اگلے کافروں کی سی بات بناتے ہیں۔ اللہ انہیں مارے، کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ جہالت کی انتہا دیکھئے کہ بیٹا ہمیشہ باپ کی مثل ہوتا ہے، اور اللہ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ یہ دونوں انبیاءِ کرام اس دنیا میں تشریف لائے اور یہاں سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، حَيٌّ قَيُّوْمٌ ہے۔ دونوں حضرات نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو واضح کیا اور شرک سے بچنے کی تاکید کی۔ کوئی کلمہ ان پاک لوگوں کی زبان سے ایسا نہیں نکلا جس کے ساتھ سند اور برہان موجود نہ ہو۔ اگر ان کے متعلق کوئی بے سند بات کی جائے، تو ایسی بات کرنے والا صریحاً جاہل ہو گا۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں بناتے رہے ہیں۔ کافر اگر حق کی

بات کریں، تو پھر وہ کافر ہی کیا ہوئے۔ ان پر اللہ کی مار، کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ جو عقیدہ صریحاً باطل ہے، ان انبیاء کرام کی تعلیمات کے خلاف ہے، جن کے متعلق وہ بنایا گیا ہے۔ اور یہ بدیہی حقائق کے بھی خلاف ہے۔ اللہ انہیں غارت کرے کہ یہ انتہائی بے ادبی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ ہی نہیں رہے کہ اس طرح کی باتوں سے یہ ان انبیاء کرام کی عزت افزائی نہیں کر رہے، بلکہ اپنے بد عقیدہ ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔

حاصل : حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ پہلے بھی درست نہیں تھا، اب بھی درست نہیں ہے۔ پہلے آپ کو ابن اللہ کہہ کر آپ کی تعلیمات کے خلاف عمل کرتے تھے۔ اب ابن اللہ نہ کہہ کر آپ کی تعلیمات میں تحریف کرتے ہیں۔ نصاریٰ میں سے بھی اگر کچھ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ نہیں کہتے تو اکثریت کا عقیدہ وہی ہے۔ کسی بھی صاحب کی تکریم کے نام پر اس کی تعلیم کی نفی کرنا انتہائی جہالت ہے۔

اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ‌ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ؕ سُبۡحٰنَهٗ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۱﴾

انہوں نے اللہ کے سوا، اپنے احبار، اور رہبان کو ارباب ٹھہرا لیا، اور مسیح ابن مریم کو۔ اور انہیں امر یہی تھا کہ اِلٰہِ واحد کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے پاکی ہے ان کے شرک سے۔

احبار بنی اسرائیل کے علماء تھے، اور رہبان بنی اسرائیل کے درویش تھے۔ یہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، اور انہیں ان کی خواہشات کی پیروی کے لئے راستہ دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ امرِ الٰہی کی وہی تاویل، وہی وضاحت درست ہے جو انہیں بتائی جا رہی ہے اور جو انہیں مطلوب ہے۔ یہود و نصاریٰ، ان علماء اور مشائخ کو اپنا پالنہار جانتے تھے کہ یہ اگر نہ ہوں تو ان کی زندگی کی روانی ہی جاری نہیں رہ سکتی۔ مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ابنیّت اور الوہیّت کا رشتہ جوڑ کر دکھانے والے لوگ بھی یہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرمایا گیا ہے، اس میں کسی ناحق بات کا سوچنا بھی گناہ ہے۔ اس کا فرمان ہمیشہ سے یہ ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا کہ اِلٰہِ واحد کی بندگی کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بندے کے ہر عمل میں اسی کی رضا مقصود ہو، اپنی خواہشات کی پیروی کہیں نہ ہو، تو اس کی بندگی ہو گی۔ ایسا نہ ہو، تو شرک ضرور ہو گا۔ کہیں خفی ہو گا، کہیں جلی ہو گا۔ اور اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ جس کا عقیدہ درست نہیں ہو گا، اس کے اعمال کے درست ہونے کا مقام ہی نہیں آئے گا۔

حاصل : جو علماء اور درویش اپنی مطلب بر آری کے لئے لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنساتے ہیں، ان کا گناہ انہی پر ہے۔ مگر جو لوگ ان کو ارباب مان کر خلافِ حق ان کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنے شرک کی سزا ضرور پائیں گے۔ اللہ کا شریک کوئی نہیں کہ وہ معطیٔ مطلق ہے۔ باقی سب

لینے والے ہیں۔ وہی توفیق دینے والا ہے۔ وہی حساب لینے والا ہے۔ اور وہی جزا دینے والا ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾

اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ ضرور اپنے نور کو پورا کرے گا۔ چاہے کافروں کو اچھا نہ لگے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید، نورِ حق ہے۔ کافر اس کو مشرکانہ دعاوی سے بجھانا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی بے حقیقت باتوں سے اور لاحاصل بحث سے نورِ توحید میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ کا نور جب پورا ہو گا تو شرک کی بات کرنا ناممکن ہو گا۔ کافروں کو اس سے بڑی کراہت ہو۔ مگر ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔ کافروں کو نورِ توحید سے اس لئے ڈر لگتا ہے کہ اس سے ان کی خواہشات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور کافروں کی زندگی میں ان کی خواہشات انتہائی اہم ہوتی ہیں۔

حاصل : بے حقیقت بات، نورِ حق کو کبھی کم نہیں کر سکتی۔ اللہ کا نور جب پوری طرح پھیل جائے گا تو شرک کی بات کرنا ناممکن ہو گا۔ مطلوب ناپید ہو رہا ہو، تو اس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ النصف

وہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے ہر دین پر غلبہ دے۔ چاہے مشرکوں کو یہ نہ بھائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ہدایت کا اتباع کرنے والوں کو خوف و حزن سے نجات ملتی ہے۔ جو اس کے علاوہ کسی صورت میں نہیں ملتی اور جو ہر ذی شعور کو مطلوب ہوتی ہے۔ اسلام وہ دین حق ہے، جو حجت و سند کے اعتبار سے اس قدر روشن ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ دوسرے ادیان پر غلبہ ہدایت اور دین حق کے حامل، نمونۂ اکمل حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کی یہ شان ہے کہ آپ کے اتباع میں کسی مقام پر ان کی اپنی کوئی بات نہیں ہوتی۔ ان کو دوسرے ادیان پر جو غلبہ حاصل ہو گا، وہ بھی درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان انسانی سوچ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسلام کے علاوہ جن ادیان کو سماوی ہونے کا دعویٰ ہے، ان میں انسانوں نے تحریف کی ہے۔ جب انسان کے بنائے ہوئے علوم کا دینِ حق کے ساتھ تقابل ہو گا، تو تمام ادیان معقولیّت اور اسناد کی کسوٹی پر دیکھے جائیں گے۔ تب وہ اسلام کے سامنے مغلوب ہوں گے۔ یہی دین، معقولیّت اور حجّت کے معیار پر اپنے آپ کو تضاد سے پاک ثابت کرے گا۔ اسلام کے مقابل تمام ادیان ایک طرف ہیں۔ ہر ایک دین یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر فرد مطلوبہ راحت حاصل کر سکتا ہے۔

جماعت مطلوبہ راحت حاصل کر سکتی ہے۔ اور بین الاقوامی سطح پر وہ معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے، جس میں انسان کو یہ شرف حاصل ہو کہ تمام اشیاء اس کے لئے ہوں اور وہ کسی شے کے لئے نہ ہو۔ جہاں فیصلے ذاتی پسند اور ناپسند کے تحت نہ ہوں۔ جب انسانوں کو یہ شکایت عام طور پر ہونے لگے گی کہ انہیں راحت کے وعدے پر بہت دکھ دیا گیا ہے، تو یہ حقیقت واضح ہونے لگے گی کہ انسانی سوچ سے پیدا ہونے والے علوم، انسانی دکھوں کا مداوا کر ہی نہیں سکتے۔ اس وقت دینِ حق کا باقی ادیان سے تقابل ہو گا۔ دین حق کو غلبہ ملے گا۔ اور جس معیار کی نسبت سے ہر بندے کو نور حاصل ہو گا وہ معیار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہوں گے۔ مشرکوں کو اس سے کراہت ہو گی۔ مگر انہیں بھی حق کو ماننا ہی پڑے گا۔

حاصل : اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہدایت اور دینِ حق کے طالب کو آپ سے محبّت رکھنی چاہیئے۔ غلبہ تمام ادیان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہی ملے گا۔ جب اسلام کا باقی تمام ادیان سے مقابلہ ہو گا تو کوئی بھی دین سوائے اسلام کے تضادات سے پاک ثابت نہیں ہو گا۔ اسلام کا غلبہ، معقولیّت اور حجّت کے ساتھ ہو گا۔ مشرک اس سے کراہت تو کریں گے مگر حق کو مانے بغیر چارہ ہی نہ ہو گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۗ وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

اے ایمان والو بہت سے احبار اور رہبان باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں المناک عذاب کی بشارت دیجئے۔

ایمان والوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ بہت سے پادری اور جوگی لوگوں کو الجھاتے ہیں، اور لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں۔ ان کو اس طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ لوگ انہیں اپنا محسن اور نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اپنے مسائل کے حل میں ان سے اعانت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ پادری اور جوگی جانتے ضرور ہیں کہ حق کیا ہے۔ مگر یہ ذاتی منفعت کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور حرام کھاتے ہیں۔ جو مال کو ہی باعثِ اطمینانِ قلب جانتے ہیں وہ سونے اور چاندی کو جوڑ کر رکھتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، کہ اس سے مال کے کم ہو جانے کا یقین ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی سوچ میں اس قدر

ٹیڑھ آ جاتی ہے کہ مال کا جمع کرنا ہی ان کا مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔ یہ مال ان کی ضروریات پر بھی خرچ نہیں ہوتا۔ جب عمل کے لئے دی گئی مہلت قریب الاختتام ہوتی ہے تو وہ جمع کردہ مال،لوگ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ حساب کتاب جمع کرنے والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔ دنیا میں بھی یہ المناک عذاب ہے، آخرت میں تو ہو گا ہی۔

حاصل : لوگوں کا مال ناحق کھانا حرام ہے۔ حرام خور اپنی ذاتی منفعت کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونے اور چاندی کے جمع کرنے کو ہی مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کا جمع کردہ مال، لوگ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ حساب جمع کرنے والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔ دنیا میں یہ المناک عذاب ہے، آخرت میں تو ہو گا ہی۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾

جس دن کہ اس پر جہنم کی آگ دہکائیں گے۔ پھر اس سے ان کے ماتھے، اور کروٹیں اور پیٹھیں داغیں گے۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا۔ تو مزہ چکھو اس جوڑنے کا۔

وہ سونا اور چاندی جو راحت افزا سمجھ کر جمع کیا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا جاتا۔ جب ایسے مال دار کو جو مال کے جمع کرنے کو ہی مقصدِ حیات ٹھہرا لے، اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے، تو اسکے ماتھے پر بل آتے ہیں۔ اور وہ یہ کہتا ہے، مانگنا انتہائی قابلِ نفرت فعل ہے۔ انسان کو محنت کرنی چاہیئے۔ ایسے ماتھے پر اس کا جمع کردہ مال جہنم کی آگ میں گرم کر کے لگایا جائے گا۔ مال کے جمع کرنے والے کو جب کسی ایسے مقام پر فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو کہا جائے، جس پر وہ اعتراض نہ کر سکے تو پہلو بچا کر نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے پہلو کو بھی اس مال سے داغا جائے گا۔ مال کو جوڑ کر رکھنے والا، اگر کہیں نمود و ریا کے لئے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا وعدہ کرے اور اسے بعد میں یہ نظر آنے لگے کہ اس خرچے سے اس کا مال بڑھے گا نہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ وعدہ بھی تو اس کے نزدیک وہی اہم ہوتا ہے، جس سے مال بڑھے، یا کم از کم محفوظ تو رہے۔ ایسے پیٹھ پھیر کر چل دینے والے کی پیٹھ کو اس کے جمع کردہ مال سے جہنم کی آگ میں دہکا کر داغا جائے گا۔ اور اسے بتایا جائے گا، یہ ہے وہ جو تم نے جوڑ کر رکھا تھا۔ اس کا مزہ چکھنا بھی تمہارا ہی کام ہے۔

حاصل : زکوٰۃ دینے سے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا مقام آتا ہے۔ زکوٰۃ کی حد مقرّر ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی حد مقرّر نہیں ہے۔ جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتا رہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت سے اس کے ماتھے پر بل پڑیں، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلو تہی کرے۔ اگر کہیں وعدہ خلافی سے مال بڑھتا

ہوا نظر آئے یا بچتا ہوا نظر آئے تو پیٹھ پھیر کر چلا جائے۔ ایسے ماتھے کو، ایسے پہلو کو، ایسی پیٹھ کو اس کے جمع کردہ مال سے جہنم کی آگ میں دہکا کر داغا جائے گا۔ مال کو ناحق جوڑ کر رکھنے کا مزا ابتداء میں کچھ اور ہوتا ہے، انتہا میں کچھ اور ہوتا ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے، اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ اور مشرکوں سے بہر حال لڑو جیسے وہ تم سے بہر حال لڑتے ہیں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

آسمانوں اور زمین کا خلق فرمانے والا وحدہٗ لاشریک ہی وقت کے لئے پیمانے کا تعین کر سکتا ہے۔ معاملات میں وقت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہاں قمری مہینوں کے حساب کو جاری کریں۔ یہی حکم مسلسل چلا آرہا ہے۔ قمری مہینے بارہ ہیں۔ اور ابتداءِ کائنات سے یہ حساب ایسے ہی چلا آرہا ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ ذیقعد ذی الحج اور محرم یہ تین متصل ہیں۔ اور چوتھا رجب ہے۔ پہلے بھی ان مہینوں میں جدال وقتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا، اور بڑے دشمنوں سے بھی ان ایام میں تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ ان دنوں میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کو گناہ اور نافرمانی سے توڑنا، اپنے اوپر صریحاً ظلم کرنے والی بات ہے۔ مشرکین اگر حرمت والے مہینوں میں مسلمانوں سے لڑیں تو جواباً خاموشی اور امن کا مظاہرہ درست نہیں ہوگا۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اس لئے نہ وہ دشمن کے سامانِ حرب سے خوفزدہ ہوتے ہیں، نہ دشمن کی تعداد انہیں مرعوب کرتی ہے۔

حاصل : وہی تقویم سند کا درجہ رکھتی ہے، جو خالق ارض و سماوات کی طرف سے بیان فرمائی گئی ہے۔ حرمت والے مہینوں کا تعین کر دیا گیا ہے۔ ان کا ادل بدل کرنا گناہ ہے۔ ان ایام میں دشمن کی طرف سے جنگ مسلط کر دی جائے تو جواباً لڑائی ضروری ہوتی ہے۔ مسلمان، اللہ کے ساتھ سے جو قوت حاصل کرتے ہیں، اس قوت کے مقابل، کوئی تعداد، کوئی سامان، کوئی تیاری حقیقت ہی کیا رکھتی ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۷﴾ ع ۸ ۱۱

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا، کفر میں بڑھنا ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں، اور دوسرے برس اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ تاکہ گنتی پوری کر لیں، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ تو حلال قرار دیتے ہیں، جو مہینہ کہ اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کے بُرے اعمال انہیں بھلے لگتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

حرمت والے مہینوں کا تعین اللہ تعالٰی کی طرف سے کیا گیا ہے۔ کافر اپنی خواہشات کے تحت ایک مہینے کی حرمت دوسرے مہینے کی طرف ہٹا دیتے تھے، مثلاً محرم میں جنگ کو جاری رکھا، اور صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا۔ یہ بھی مناسب نہیں لگا تو ربیع الاول کو حرمت والا مہینہ ٹھہرا دیا۔ ایک برس میں حرمت کسی مہینے کی ہوئی، دوسرے میں کسی دوسرے کی ہو گئی۔ اس طرح تحریم سال کے تمام مہینوں میں گھومتی رہتی، صرف گنتی کو پورا کیا جاتا تھا۔ اس کو نسی کہا جاتا تھا۔ نسی کو کفر میں بڑھنے کا باعث فرمایا گیا ہے۔ یہ ممنوع ہے۔ حرمت والے مہینوں میں تحریم قتال کو حلال جاننا، اور اپنی طرف سے حدود کو وضع کر لینا، قطعاً حرام ہے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اعمال میں زینت اور خوبی نظر آتی ہے۔ اور وہ وضع الٰہی کے مطابق ماہ ہائے حرام کی تخصیص کو بدل لینے کا جواز دیکھنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

حاصل : نسی، حرمت والے مہینوں کو بدلنے کی سعی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ اللہ کی مقرر کردہ تحریم کو حلال قرار دینے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ جو لوگ خلافِ حق کرنے کے باوجود اپنے اعمال میں خوبی دیکھتے ہیں، ان کو کبھی ہدایت نہیں ملتی۔ حرمت والے مہینوں کی اللہ نے تخصیص فرمائی ہے۔ اس تخصیص کو ادب سے مانا جائے تو فائدہ پہنچتا ہے، ورنہ فائدہ پہنچ ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ نور میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط ۲۱/ ۲۴

اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو وہ اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا
قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا
مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا
قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے فرمایا جاتا ہے اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تو زمین پر گرے جاتے ہو۔ تو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر حیات دنیا پر راضی ہو گئے۔ تو متاع حیاتِ دنیا آخرت کے سامنے قلیل ہی ہے۔

یہ خطاب ایمان والوں سے ہے۔ اس لئے یہ وہی لوگ تھے۔ جو ابھی قیدی تھے، جن کے سامنے متاعِ حیات دنیا اہمیت رکھتی تھی۔ جنہیں دشمن کی کثرت اور قوت کے بارے میں کچھ علم تھا۔ مگر وہ حکم جہاد دینے والی ذات بابرکات کے علم اور محبّت کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے جب اللہ کی راہ میں کوچ کرنے کا حکم ملا، تو وہ لوگ جو سفر کی طوالت اور صعوبت کو دیکھ رہے تھے، اپنی استعداد اور استطاعت کو دیکھنے لگے۔ یوں ان کے قدم بھاری ہو گئے، اور انہیں جہاد پر جانا گراں معلوم ہوا۔ حکم دینے والے کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ دشمن کی کثرت و قوّت کے ساتھ ساتھ اپنی حیثیّت کا بھی علم رکھتا ہے۔ اور جنہیں جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے، ان کی بھلائی کے لئے دیا جا رہا ہے۔ حیاتِ دنیا کو آخرت کے مقابل عزیز جاننا خلافِ حق ہے اور کم علمی کی بات ہے۔ حیاتِ دنیا میں حاصل ہونے والی متاع حیاتِ اخروی میں حاصل ہونے والی متاع کے سامنے ہیچ ہے۔

حاصل : حق کا حکم دینے والے کو محبوب ماننا چاہئے۔ ماننے والے، حکم دینے والے کی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کبھی پریشانی نہیں ہوگی۔ اپنی نظر سے دیکھیں گے تو محبوب کی معیّت کا حق نہیں ادا ہو گا۔ متاعِ حیاتِ دنیا، آخرت کے سامنے قلیل ہے۔ اور اس کی طرف جھکنا گھاٹے کا سودا ہے۔

إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ
وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا
تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

اور اگر تم نہ نکلو گے تو تمہیں عذاب دے گا، المناک عذاب۔ اور تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا۔ اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

ایمان والوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ اگر تم اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں کوتاہی کرو گے، اور جہاد کے لئے گھروں سے نہ نکلو گے تو تم کو المناک عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ جو خدمت تمہارے لئے باعثِ عزّت و تکریم تھی، اس کے لئے

اللہ دوسرے لوگ لے آئے گا۔ وہ حق کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کریں گے۔ یہ ساری تبدیلی تمہارے سامنے آئے گی، اور تم اس کو روک نہیں سکو گے، کچھ کر نہیں سکو گے۔ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

حاصل : امیرالمومنین کی اطاعت میں جہاد کے لئے نکلنا ایمان والوں کے لئے بڑی سعادت ہے۔ اس سعادت کی ناشکری کی جائے تو المناک عذاب کے ساتھ توفیق چھن جاتی ہے۔ جس معطیٔ مطلق نے ہمیں توفیق دی ہے، وہ دوسروں کو بھی خدمت کا شرف بخش سکتا ہے۔ دینِ حق کی خدمت کا شرف حاصل ہو، تو اللہ کا اور اس کے عبادِ مخلصین کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

اگر تم آپ کی نصرت نہیں کرو گے، تو اللہ نے آپ کی نصرت فرمائی ہے۔ جس وقت کافروں نے آپ کو نکالا تھا کہ آپ دو میں سے دوسرے تھے۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اپنے ساتھی سے فرماتے تھے غم نہ کیجئے بےشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا۔ اور ان لشکروں سے ان کو مدد دی جو تم نے نہ دیکھے۔ اور کافروں کی بات کو پست کیا اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

ایمان والوں سے خطاب ہے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں خرچ کرنا بڑی سعادت ہے۔ اگر تم حضورؐ کا ساتھ دو گے، تو تمہیں فلاحِ دارین حاصل ہوگی۔ اور اگر ایسا نہ کرو گے، تو نصرت کی اس توفیق کی ناشکری ہو جائے گی، جو اللہ نے تمہیں دی ہے۔ اللہ نے آپ سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ بندوں میں سے جو بھی آپ کی نصرت کرے گا، انعام یافتہ ہو جائے گا، جو نہیں کرے گا، نامراد ہو گا۔ نتائج تو ہمیشہ باذن اللہ ہوتے ہیں۔ جب کافروں نے یہ تجویز کی کہ آپ سے بالاتفاق اور یکبارگی مقابلہ کیا جائے، تاکہ عداوت کے اثرات کی شدت کو کم کیا جا سکے، تو انہوں نے ایک چال چلی۔ اللہ نے آپ کی مدد فرمائی۔ آپ ان کے گھیرے سے نکلے اور سلامتی کے ساتھ نکلے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سفر کا اہتمام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دو میں سے دوسرے تھے۔ ابتداءِ سفر میں جب دونوں غار میں تھے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا غم

تھا، بڑا فکر تھا کہ کافر نشاناتِ قدم کو دیکھتے دیکھتے اس قدر نزدیک آ گئے ہیں، اگر آمنا سامنا ہو گیا تو اتنی بڑی تعداد سے کیسے مقابلہ ہو گا، اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت کا حق کس طرح ادا ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو تسلی دی، اور فرمایا، غم نہ کیجئے، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے "ساتھ" سے بڑا کوئی "ساتھ" نہیں ہے۔ اس نے ہماری نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تسکین حاصل ہوئی۔ اللہ نے اس طرح مدد فرمائی، جو اسی کی شان کے لائق تھی۔ ایسے لشکروں سے مدد دی جو اور کسی کے پاس ہو ہی نہیں سکتے۔ اس علم سے مدد فرمائی جو کسی دوسرے کو ہو ہی نہیں سکتا۔ نتیجہ وہی ہوا جو اللہ نے چاہا۔ کافروں کی بات پست ہوئی۔ اللہ ہی کا بول بالا ہوا۔ کافر یہ چاہتے تھے کہ پیغامِ حق کے مقابل کفر و شرک کو عروج ہو۔ اللہ نے انہیں نامراد ٹھہرایا۔ ان کی تجویز خاک میں ملی۔ اللہ ہر حال میں غالب، حکمت والا ہے۔ اللہ جسے کامیاب کرنا چاہے، اسے کوئی ناکام نہیں کر سکتا۔ اور جسے اللہ نے کامیاب کرنے کا وعدہ فرما رکھا ہے، اس کا ساتھ دینا بہت بڑی سعادت ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نصرت کی سعادت بہت بڑا شرف ہے۔ کافروں کی تجاویز میں اجتماعیّت ہوتی ہے۔ محبّ کو محبوب کے لئے پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ جس کو اپنی ذات کی فکر ہو وہ ساتھی نہیں ہوتا۔ تسلی دینا، بڑے علم والے کی شان کے لائق ہوتا ہے۔ اللہ سکون دے تو سکون ملتا ہے۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے، وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ کافروں کی بات، اللہ کی بات کے مقابل پست ہی ہوتی ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

نکلو، ہلکے اور بھاری، اور اپنے اموال و انفس سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

حکم یہ ہے کہ جہاد کے لئے نکلنے کا فرمان سن کر فوراً اللہ کی راہ میں اپنے اموال و انفس کے ساتھ حاضر ہو جاؤ۔ جس کے پاس سامان کم ہو، وہ مزید سامان کا انتظار نہ کرے، اس کی کم سامانی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ وہ امیر المؤمنین کی اطاعت کے لئے فوراً حاضر ہو جائے۔ یہی حق ہے اور جس کے پاس سامان ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بڑی سعادت سمجھتے ہوئے، بڑے سامان کے ساتھ نکلے۔ ہلکے نکلنے والوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عطائے الٰہی کو حال پر پورا دیکھتے ہوئے جہاد کے بلاوے پر فوراً حاضر ہو جائیں۔ اور بھاری نکلنے والوں کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی پر لگانے کی سعادت سے برکت حاصل کریں۔ علم ہو گا تو کم سامانی تخلّف کا جواز نہیں بنے گی۔ اور علم ہو گا تو عطائے الٰہی کو صحیح محل پر استعمال کیا جائے گا۔ بہتری دونوں مقامات پر موجود ہے۔

حاصل : جہاد کے بلاوے پر اللہ کی راہ میں نکلنے کو اپنے لئے سعادت جاننا چاہئے۔ موجود کو پورا

جانتے ہوئے فوراً حاضر ہو جانا چاہئے۔ علم ہو تو اللہ کی رضا کو مقصود ہونا چاہئے کہ بہتری اسی میں ہے۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۱۲

اگر مال قریب ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا، تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ لیکن ان پر مشقت کی راہ لمبی ہو گئی۔ اور اب اللہ کی قسمیں کھائیں گے۔ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اللہ کو علم ہے۔ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

جہاد سے جی چرانے والوں کو اگر یہ نظر آتا کہ دنیاوی نفع قریب ہے اور مشقت کم ہے، تو وہ ضرور جہاد کے لئے مومنین کے ساتھ نکلتے۔ مگر جب انہیں لمبی مشقت نظر آئے اور مال کے بارے میں بھی یہ محسوس ہو کہ وہ مشقت کی نسبت سے کم پڑے گا، تو پھر وہ جہاد کی راہ سے اجتناب کریں گے۔ اور اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہمیں استطاعت نہیں تھی، ورنہ ہم جہاد کے بلاوے پر فوراً نکلتے۔ استطاعت کے نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ جسمانی بیماری جہاد کے قابل نہ رہنے دے، یا ایسی خدمت میں مصروفیت ہو کہ اسے مؤخر نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور اپنی جگہ اس خدمت کو سرانجام دینے والا نہ ملے۔ اللہ نے شہادت دی ہے کہ جو لوگ مال کی محبت کے لئے کوشاں رہتے ہیں، وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں. اور جھوٹی قسمیں کھا کر مخلصین کو اپنے تخلف کا جواز بتاتے ہیں۔

حاصل : نفع قریب نظر آئے اور مشقت کوئی نہ ہو، تو جہاد کے لئے نکلنا نفس کو مرغوب ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں اجتناب کی راہ عزیز ہوتی ہے۔ لوگوں کو قسمیں کھا کر اپنی عدم استطاعت کا یقین دلانا، جھوٹے ہونے کی نشانی ہے۔ جھوٹی قسمیں کھانا باعثِ ہلاکت ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰمٓ السجدہ میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ ۴۱/۲۲
اور تم اس سے کہاں چھپ کر جاتے کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں گواہی دیں۔ لیکن تم سمجھتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے، اور اس گمان کا

حاصل ہلاکت و خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ آپ پر مہربان ہو۔ آپ نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ حتیٰ کہ صادق آپ پر ظاہر ہو جاتے۔ اور آپ کو کاذبین کا علم ہو جاتا۔

جہاد سے جی چرانے والے، جب رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اجازت چاہتے کہ انہیں پیچھے ٹھہرے رہنے کی اجازت دی جائے، اور ان کی معذرت قبول کی جائے، تو آپ انہیں اجازت دے دیتے تھے۔ جہاد میں جانے کے لئے اپنے مال و جان کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا جذبہ ہو تو حق ادا ہو سکتا ہے۔ معذرت کرنے والا، اس جذبے سے خالی ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے کید و نفاق سے اغماض برتنا، انہیں رعایت دینے کے لئے ہوتا ہے۔ اس رعایت سے انہیں مہلت ملتی ہے کہ وہ اپنی ترجیحات کو درست کر لیں۔ ان کے تجربات ان پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا رخ صحیح نہیں ہے۔ جس کا عذر حقیقی ہو، وہ اپنی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔ مطلوبہ امر پہ مصر نہیں ہوتا۔ اور اگر بہتر جاننے والے کی طرف سے تسلّی اور دعا شامل حال ہو جائے تو انتہائی خوشی سے جہاد کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ صداقت کی نشانی ہے کہ اپنی کیفیت کو بیان کر کے فیصلے کو ادب سے مانا جائے۔ کذب کی صورت میں اپنی سوچ ہی صحیح نظر آتی ہے۔ اور بہتر جاننے والے کا امر اس کے خلاف ہو تو ماننے سے کراہت ہوتی ہے۔

حاصل : حق کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں کی صداقت واضح ہو جائے اور اگر جھوٹے ہوں تو ان کا کذب معلوم ہو جائے، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ دونوں عملاً ساتھ چلتے رہیں۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور وہ جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں، آپ سے رخصت نہیں مانگتے اس لئے کہ اپنے اموال و انفس سے جہاد کریں۔ اور اللہ متّقین کو جانتا ہے۔

جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور یوم آخر کو مانتے ہیں، ان کا رخ ہر مقام پر رضائے الٰہی کے حصول کا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ دینِ حق کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ حکمِ خداوندی کے مطابق اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا جائے۔ یہ شرف اور یہ سعادت نصیب ہو رہی ہو، تو اس سے بچنے کی کوشش، ایمان کی نفی کر دے گی۔ اللہ سے ڈرنے والے کبھی اپنی خواہشات کو اہمیت نہیں دیتے۔ خلوت و جلوت میں یہ لوگ اپنے اعمال پر نظر رکھتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور رضائے الٰہی کے مطابق انہیں کیا کرنا چاہئے۔ تقوے کے نام پر اگر کوئی اپنی خواہش کی پیروی کر رہا ہو تو وہ اللہ سے مخفی نہیں ہوتا۔ اللہ ہر ایک کو جانتا ہے اور ہر حال میں جانتا ہے۔

حاصل : اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہو، تو جہاد سے پیچھے رہنے کی رخصت مانگ کر اپنے اموال و انفس کی ناشکری نہیں کی جا سکتی۔ متقین کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ ہر ایک کی ہر حالت کو جانتا ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

رخصت آپ سے وہی مانگتے ہیں، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور ان کے قلوب شک میں پڑے ہیں۔ تو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔

اموال و انفس کو رضائے الٰہی پر لگانے کا موقع مل رہا ہو، تو اجتناب کی کوشش کرنے والا وہی ہو گا، جو اللہ کو معطیٔ مطلق نہیں مانتا اور یہ یقین نہیں رکھتا کہ اسے اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ایسے لوگوں کے دل شک میں پڑے رہتے ہیں، اور وہ اپنے شک میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ دینِ حق کا غلبہ قریب آ رہا ہے، اور کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ تردّد انہیں بہرحال رہتا ہے۔

حاصل : جہاد سے اجتناب کی کوشش وہی کرے گا جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتا۔ دل میں شک ہونا اور بات ہے، اور دل کا شک میں ہونا دوسری بات ہے۔ متردّد کسی سے نظریاتی تعلق نہیں رکھتا۔ وقتی اور قریبی فائدے کے لئے ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر وہ نکلنا چاہتے، تو ضرور اس کا سامان تیّار کرتے مگر اللہ کو ان کے اٹھنے سے کراہت ہوئی تو انہیں روک دیا۔ اور فرمایا گیا، بیٹھے رہو، بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔

جو لوگ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ ضرور اس کے لئے تیاری کرتے رہتے ہیں۔ یہ تیاری سامان حرب کا حسب استطاعت حاصل کرنا اور اس کے استعمال کی مشق کرنا بھی ہوتی ہے۔ جسمانی طور پر اپنے آپ کو جہاد کے لئے بہترین حالت میں رکھنے کے لئے بھی ہوتی ہے، اپنے جانے کے بعد انتظام و انصرام کو ٹھیک رکھنے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اور حکم جہاد کے سننے پر فوراً حاضر ہو جانے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے جہاد پر نہ جانے کی اجازت چاہی انہوں نے اللہ کی پسندیدہ طریقت سے بچنے کی سعی کی، اللہ کو مخلصین کے ساتھ ایسے لوگوں کا اٹھنا ناپسند ہوا، تو اس نے انہیں روک دیا۔ اور فرمایا گیا تم بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ بیٹھے رہنے والوں میں جسمانی مریض، جہاد کے مقررّہ معیار سے کم عمر بچے، عورتیں اور وہ لوگ جو دائمی طور

پر ایسی تکلیف میں مبتلا ہوں کہ جہاد ان کے بس میں نہ ہو، شامل ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہنے والے اگر جسماً ٹھیک ہوں اور جہاد کے لئے اہلیت کے مقررہ معیار کے مطابق ہوں تو انہیں اپنے مقام کو دیکھنا چاہیئے، انہیں نظر آنا چاہیئے کہ وہ مردانگی کی صفت کھو بیٹھے ہیں۔

حاصل : جہاد کے لئے عزم ہو تو تیاری ضرور کی جاتی ہے۔ جسمانی طور پر خود کو بہترین حالت میں رکھنا، حسبِ استطاعت سامان حرب رکھنا اور اس کے استعمال کی مہارت حاصل کرنا، اپنے جانے کے بعد انتظام و انصرام کو ٹھیک رکھنے کا بندوبست کرنا اور حکم جہاد کو سن کر فوراً حاضر ہونے کی سعی کرنا یہ سب جہاد کی تیاری ہے۔ متردّد کا مخلصین کے ساتھ جہاد کے لئے اٹھنا اللہ کو ناپسند ہے۔ جہاد کے لئے توفیق ہو اور بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہنے کو پسند کیا جائے تو یہ مردانگی کی صفت کو کھو دینے والی بات ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر وہ تم میں نکلتے تو تم میں خرابی ہی بڑھاتے، اور تمہارے اندر فتنہ پردازی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے۔ اور تم میں ان کے لئے سننے والے موجود ہیں۔ اور اللہ ظالمین کو جانتا ہے۔

جہاد سے جی چرانے والے اگر مخلصین کے ساتھ نفیر عام کو سن کر نکلتے تو اس سے مؤمنین کو فائدے کی بجائے خرابی ہی ملتی کہ جن کو ایسے موقع پر اپنی جان عزیز ہوتی ہے، وہ نامردی کا اظہار بہر طور کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سپرد جو کام بھی ہو گا، کبھی ٹھیک نہیں ہو گا، اور اس سے مومنین کی مجموعی کارکردگی بری طرح متأثر ہو گی۔ فتنہ پردازی کو یہ لوگ اس طرح پسند کرتے ہیں کہ جھوٹی خبروں سے مؤمنین کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مؤمنین کی صفوں میں ایسے لوگ ہیں، جو ان کے لئے جاسوسی کرتے ہیں، اپنے راز انہیں بتاتے ہیں۔ اور ان کی باتوں کا اثر بھی قبول کرتے ہیں۔ یہ بات خلافِ حق ہے، ظلم ہے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ظالموں کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔

حاصل : نامردوں کے ساتھ سے ہمیشہ خرابی ہی ملتی ہے۔ جہاد کے موقع پر جسے اپنی جان عزیز ہو، وہ جھوٹی خبریں بناتا بھی ہے، پہنچاتا بھی ہے۔ مومنین کے راز، دشمنوں کو پہنچانا ظلم ہے۔ اور اللہ ظالمین کو خوب جانتا ہے۔ ہمیں مردوں اور نامردوں کے مابین امتیاز برتنا چاہیئے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

بے شک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا۔

وَقَلَّبُوا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور آپ کے کاموں کو الٹتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق آیا۔ اور اللہ کا امر ظاہر ہوا اور وہ ناخوش تھے۔

منافقین تو شروع سے ہی فتنہ پردازی میں لگے رہتے تھے۔ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جس نے بھی ایسے لوگوں کی بات کو لائقِ توجہ سمجھا، اس کا رخ درست نہیں رہا۔ اسی طرح یہ کاموں کو الٹتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ حق آیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت ملی، اور اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا، تو فتنہ انگیزیاں کرنے والے لوگ بہت ناخوش ہوئے۔ وہ حالات ہی نہ رہے جن میں ان کا کام جاری رہ سکتا تھا۔

حاصل : فتنہ پردازی اور مکاری منافقوں کا کام رہا ہے۔ جو ان کے مکر میں پھنس جائے اس کا رخ درست نہیں رہتا۔ مومنین کو تائیدِ ایزدی ملے اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو، منافقین کو اس سے کراہت ہوتی ہے کہ اس طرح ان کا کام جاری نہیں رہ سکتا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور ان میں سے کوئی عرض کرتا ہے، مجھے رخصت دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالیئے، سن لو وہ فتنہ میں پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم کافروں کا احاطہ کر رہی ہے۔

جہاد کے لئے بلاوے کے جواب میں پیچھے بیٹھ رہنے کی طلب رکھنے والے لوگوں میں ایسے بھی ہیں، جو رخصت کی درخواست کے ساتھ دعوتِ جہاد کو اپنے لئے فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش میں جہاد سے رک جانا چاہتے ہیں۔ یہ بیان ان کی باطنی کیفیت کو واضح کرتا ہے۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خلاف ورزی کرنے والا اور بے ادبی کا مرتکب، ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اور ان کے تابعین مخلصین کے ساتھ جس کے رویئے میں بے ادبی پائی جائے وہ دوزخ کے احاطے میں آ رہا ہوتا ہے۔ اس کا دعویٔ ایمان و اخلاص کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل : جہاد پر نہ جانے کی اجازت چاہنے والا، امام المخلصین کے ساتھ آدابِ گفتگو کے دائرے سے باہر چلا جائے، تو اس کے لئے سلامتی کسی مقام پر موجود نہیں رہتی۔ وہ جہنم کو مطلوب ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے باقی وقت میں اسے خوف و حزن گھیرے رکھتا ہے، آخرت میں آگ اس کو گھیرے گی۔

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿۵۰﴾

اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو وہ انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں ہم نے تو پہلے ہی اپنا کام سنبھال لیا تھا۔ اور پھر جاتے ہیں اور انہیں فرحت ہوتی ہے۔

منافقین کی کیفیت قلبی یہی تھی کہ اگر مؤمنین کو کامیابی حاصل ہو، تو وہ انہیں بری لگتی تھی۔ منافقین کو تائید ایزدی اور نصرتِ الٰہی کا یقین تو ہوتا ہی نہیں۔ وہ مادی چیزوں کو بنیاد بنا کر اندازے لگاتے ہیں۔ جب ان کا اندازہ غلط ثابت ہو تو یہ انہیں برا لگتا ہے۔ اور اگر ان کا اندازہ درست نکلے یعنی مؤمنین کو دشمن سے تکلیف پہنچے اور دشمن کا پلہ بھاری رہے، تو منافق کہتے ہیں، ہم نے تو پہلے ہی دیکھ لیا تھا، اور اپنا کام سنبھال لیا تھا۔ اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ضروری نظر آئی ہم نے کر لی تھی۔ ایسے موقع پر یہ لوگ اپنی سوچ کو، اپنی تجویز کو، بہت اہم ثابت کرتے ہوئے خوش ہوتے تھے۔ اور اپنے خلافِ حق عمل کے ہر ہر حصے پر فرحت کا اظہار کرتے تھے۔

حاصل : منافقین تائید ایزدی اور نصرت الٰہی کا یقین نہیں رکھتے۔ ان کے حساب کے خلاف اگر مومنین کو کامیابی ہو تو انہیں بری لگتی ہے۔ ان کے اندازے کے مطابق صورت بن جائے، تو وہ اپنے عمل کو دور اندیشی کا نام دیتے ہیں، اور فرحت کا اظہار کرتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾

فرما دیجئے ہمیں نہیں پہنچے گا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا۔ وہی ہمارا مولیٰ ہے۔ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، جو بھی ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اسے باذن اللہ ماننا حق ہے، اور جس کی ہم سے پوچھ ہو گی، اس کو رضائے الٰہی کے مطابق کرنا ہم پر فرض ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے ہمارا اس سے بڑا دوست کوئی نہیں۔ اس سے بڑا علم بھی کسی کو نہیں۔ اس سے بڑی قدرت والا بھی کوئی نہیں۔ وہ ہمارے لئے جو پسند کرتا ہے، اس سے اچھا ہمارے لئے کچھ نہیں۔ مومنوں کو اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہئے۔ متوکّل یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی ضروریات جو اس کے علم میں ہیں، اور جو اس کے علم میں نہیں ہیں، سب اللہ کے علم میں ہیں۔ معطیٔ مطلق کی عطائیں خطا نہیں ہوتی۔ عطا کا کلی علم رکھنے والا اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس وحدہٗ لا شریک کی عطا حال پر بھی علم سے ہے اور پوری ہے۔ مستقبل میں بھی پوری ہو گی اور علم سے ہو گی۔

حاصل : ہمارے ساتھ جو رہا ہے اس کو باذن اللہ ماننا حق ہے۔ جو ہم کر رہے ہیں، اس کو رضائے

...کے مطابق کرنا ضروری ہے کہ ہم سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی ... [illegible]
اس پر توکل ہو تو کسی مقام پر بھی کمزوری کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

فرما دیجئے تم ہم پر کس چیز کے انتظار میں ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کے۔ اور ہم تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ تو اب راہ دیکھو، ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں۔

مؤمنین کا رخ ہر مقام پر سیدھا ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر وہ شاہدین کا اتباع کرتے ہیں۔ جہاد کی صورت میں اگر شہادت کے دروازے سے گزر کر ان کی زندگی کا خاتمہ ہو تو یہ اعلیٰ مراد کا حصول ہو گا۔ اور اگر زندگی کا عمل جہاد کے بعد جاری رہا تو جو انعام اللہ عطا کرنا چاہے گا، عطا کرے گا۔ دونوں صورتیں خوب ہیں۔ کافروں کے لئے دو ممکن صورتیں یہ ہیں کہ اللہ انہیں عذاب دے گا، جس طرح پہلے منکرینِ حق کو عذاب دیتا رہا ہے، یا انہیں مومنین کے ہاتھوں سزا دلوائے گا۔ دونوں راستے واضح ہیں۔ انجام کو دیکھنا باقی ہے۔ نظر والے تو انجام کو دیکھ بھی رہے ہیں، بیان بھی کر رہے ہیں۔ منکرین اسے واقع ہونے پر دیکھ لیں گے۔

حاصل : مؤمنین جہاد میں شہید ہو جائیں، تو اعلیٰ مراد کو پا لیتے ہیں، ورنہ غازی تو ہوتے ہی ہیں۔ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ عذاب آ سکتا ہے، یا انہیں مؤمنین کے ہاتھوں سزا مل سکتی ہے۔ مؤمن کو نتیجہ نظر آ رہا ہوتا ہے۔ کافر کو واقع ہونے پر پتہ لگتا ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

فرما دیجئے طوعاً خرچ کرو یا کرہاً، تم سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔ بےشک تم فاسق لوگ ہو۔

جہاد سے جی چرانے والوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔ منافق اگر خوشی سے خرچ کرے گا، تو بھی اسے اللہ کی رضا تو مطلوب نہیں ہو گی۔ ناخوشی کی بات تو واضح ہے۔ جو عمل اللہ کے لئے کیا ہی نہ جائے وہ عنداللہ قبولیت کا درجہ کیسے پا سکتا ہے۔ فاسق وہ ہوتے ہیں جو حکم خداوندی کو ادب سے نہیں مانتے بلکہ اسے اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حاصل : فاسق خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے، رضائے الٰہی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اللہ کے ہاں قبولیت کے لئے اخلاص ضروری ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾

اور ان کے خرچ کئے ہوئے کا قبول ہونا، اسی لئے موقوف ہوا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منکر ہوئے۔ اور نماز کے لئے ہارے جی آتے ہیں، اور خرچ نہیں کرتے مگر انہیں کراہت ہوتی ہے۔

جہاد پر اپنے اموال کو خرچ کرنا بڑی برکت کی بات ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ خرچ کرنے والے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا مقصود ہو۔ منافق کو یہ مطلوب ہوتا ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں۔ وہ نماز بھی پڑھے تو ہارے جی کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اس کی نماز میں کبھی خشوع نہیں ہوتا۔ رسماً اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھی جائے تو اس سے قلب کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ منافق جب بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس سے اسے خوشی نہیں ہوتی، کراہت ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو اسے ملا ہے اس کی کاوش کا صلہ ہے۔ اور جو اس کی کاوش کا صلہ ہے، اسے اس کی پسند کے مطابق خرچ ہونا چاہئے۔

حاصل : منکرینِ حق کا انفاق عنداللہ قبول نہیں ہوتا۔ نماز میں سستی اور انفاق فی سبیل اللہ میں کراہت، منافقت کی نشانیاں ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٥٥﴾

تو تمہیں ان کے اموال و اولاد پر تعجّب نہ ہو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ انہیں ان کی وجہ سے حیات دنیا میں عذاب ہو۔ اور حالت کفر میں ہی ان کا دم نکلے۔

اموال و اولاد سے اگر کسی کافر کو بڑائی کا اظہار کرتے دیکھا گیا ہے، تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے اس کی زندگی پر کیا اثرات مرتّب ہو رہے ہیں۔ اموال و اولاد کافر کے لئے وجہ استکبار ہیں۔ استکبار شیطانی صفت ہے۔ حیات دنیا میں بھی باعث عذاب ہے، آخرت میں بھی۔ اموال و اولاد سے حیات دنیا میں کافر کو عذاب یوں ہوتا ہے کہ پہلے ان کی محبت میں حدود اللہ کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پھر ان کو اللہ کی راہ پر نہیں لگایا جاتا، بلکہ خلاف حق استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے دکھ ہی بڑھ سکتا ہے، راحت نہیں ہو سکتی۔ پھر اگر کافر کی اولاد اس کے راستے کو چھوڑ دے اور مخلصین کے اتباع کو اپنا شعار بنا لے تو کافر کے لئے یہ

انتہائی سزا ہوتی ہے، جو حیات دنیا میں اسے مل سکتی ہے۔ اموال و اولاد کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرنے کی روش کافر کو کبھی فارغ تو ہونے نہیں دیتی، وہ ان چیزوں کو مقصود بالذّات بنا کر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتا ہے، اور حالتِ کفر میں ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔

حاصل : جس کے اموال و اولاد خلاف حق استعمال ہو رہے ہیں، وہ یہاں بھی عذاب کی راہ پر ہے۔ آخرت میں تو اسے عذاب ہو گا ہی۔ اموال و اولاد کو اگر مقصود بنا لیا جائے، تو پھر موت ہی ان سے الگ کر سکتی ہے۔ مگر تب وہ حالت کفر میں آئے گی۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۖ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر مؤمنین کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ ان میں سے ہیں، حالانکہ وہ قطعاً ان میں سے نہیں ہیں۔ ڈرتے اس بات سے ہیں کہ اگر نفاق ظاہر ہو گیا تو پھر جو کچھ مشرکین کے ساتھ ہوا ہے، وہی ان کے ساتھ بھی ہو گا۔ جو قوّت اپنی حقیقت کو چھپانے میں صرف ہو رہی ہوتی ہے، وہی منافقین کو مؤمنین سے الگ کر رہی ہوتی ہے۔

حاصل : قسمیں کھا کر دوسروں کو اپنے ایمان کا یقین دلانا، اور اپنی حقیقت کے ظاہر ہو جانے سے ڈرتے رہنا، منافقین کی نشانیاں ہیں۔

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

اگر وہ کوئی پناہ پائیں، یا غار یا سما جانے کی جگہ پائیں تو رسیاں تڑاتے ادھر پھر جائیں گے۔

منافق وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں کوئی پناہ ملے، جہاں انہیں اپنی سلامتی خطرے میں نظر نہ آئے، یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کر سکیں، یا کہیں گھس بیٹھنے کی صورت نکل آئے تو ایمان والوں سے اپنا تعلق توڑ کر مخالف سمت میں بھاگتے انہیں دیر نہیں لگے گی۔

حاصل : منافق اگر پناہ پا سکے، یا چھپنے کی جگہ پا سکے، یا کہیں سما جانے کی جگہ پا سکے تو پھر وہ مؤمنین سے تعلق توڑ کر مخالف سمت میں بھاگتے دیر نہیں لگاتا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي

اور ان میں کوئی صدقات میں آپ پر طعن

الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ۵۸

کرتا ہے، تو اگر ان میں سے عطا ہو تو راضی ہوں، اور عطا نہ ہو تو جبھی وہ ناراض ہیں۔

کچھ منافقین صدقات و غنائم کی تقسیم کے وقت زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ عدل کیا جائے اور انکے نزدیک عدل یہی تھا کہ ان کی خوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ناخوش ہوتے تھے۔ خود غرضی منافق کو اندھا کر دیتی ہے، اور وہ شے کی طلب میں قاسم کے مرتبے کو بھی دیکھ نہیں پاتا۔

حاصل : امین ہاتھ کی تقسیم پر طعن کرنے والا، منافق ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک عدل و انصاف اس کی خواہش کے پورا ہونے کا نام ہوتا ہے۔

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ۵۹ ع ۱۴

اور کیا اچھا ہوتا، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دئے پر راضی ہو جاتے اور عرض کرتے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

اچھا تو یہی تھا کہ وہ عطائے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطائے الٰہی جانتے۔ اس کو پورا جانتے، اس پر راضی ہوتے۔ اور قناعت کرتے ہوئے یہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ متاعِ فانی کوئی نصب العین نہیں۔ ہماری ضروریات کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ ماضی کے تجربات کے حوالے سے دیکھا جائے تو مان لینا چاہئے کہ جو ہمیں آئندہ درکار ہو گا، وہ اللہ کے فضل سے عطا ہو گا۔ اور عطائے الٰہی کے احسن استعمال کا علم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ معطیٔ مطلق ہے۔ اس کی عطا علمِ مطلق سے ہے۔ ہمیں اپنی ضروریات کا بھی کُلّی علم نہیں ہوتا۔ ہماری ترجیحات بھی کُلّی علم سے نہیں ہوتیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہیں، اور ادب سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے، اللہ سے اس کے فضل کے طالب ہیں۔

حاصل : عطائے رسول، عطائے الٰہی ہے۔ اس پر راضی ہونا، ادب ہے۔ باادب کو کہنا چاہئے کہ حال پر اللہ کی عطا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم کی روشنی میں پوری ہے۔ آئندہ جو درکار ہو گا، وہ اللہ اپنے فضل سے دے گا۔ میرا کام اللہ کی طرف راغب رہنا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں ارشاد فرمایا ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ۹/۷۸

کیاانہیں معلوم نہیں کہ اللہ ان کے دل کی بات اور سرگوشی کو جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

صدقات تو فقراء اور مساکین اور تحصیل صدقات کے عاملین اور جن کی تالیف قلب مقصود ہو اور گردنیں چھڑانے میں، اور غارمین اور فی سبیل اللہ، اور مسافروں کے لئے، فریضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

صدقہ، صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ وہ مال بھی صدقہ ہوتا ہے جو اپنے ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ صدقہ دینے والے کو یہ یقین ہو، کہ وہ اللہ کی عطا کو ادب کے ساتھ، اللہ کی رضا کے حصول کے لئے معلّمِ کتاب و حکمت کے اتباع میں خرچ کر رہا ہے۔ صدقات کے حق داروں کا تعیّن اللہ تعالےٰ کی طرف سے کر دیا گیا ہے اس لئے تقدم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صدقات کی تحصیل سے لے کر ان کی تقسیم تک ہر مقام پر یہ ڈر رہنا چاہئے کہ فریضے کی ادائیگی میں کسی طرح بھی کوتاہی نہ ہو۔ حق داروں میں سب سے پہلے فقراء ہیں۔ یہ وہ نادار ہیں جو فاقے کے مقام پر ہوں جو مل جائے اس پر قناعت کریں اور اپنے فرائض کو ادا کرنے میں عام لوگوں کی طرح ریاضت کریں مگر مانگنے پر طبیعت مائل نہ ہو۔ دوسرے مساکین ہیں۔ یہ وہ نادار ہیں، جو مصائب و آلام کی وجہ سے زمین بوس ہو گئے ہوں اور جنکا دکھ ان کی کوشش کے باوجود ان سے سنبھالا نہ جا رہا ہو۔ تیسرے عاملین ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں امام المؤمنین کی طرف سے تحصیلِ صدقات پر مامور کیا جائے۔ یہ لوگ اس قدر امین ہوتے ہیں کہ جو کچھ امام صاحب کی طرف سے انہیں دیا جائے صرف اسی کو استعمال کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور ہر شے امام صاحب کے سامنے تقسیم کے لئے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ شے صحیح حالت میں حق داروں تک پہنچے۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جنکی تالیف قلب مقصود ہو۔ ان میں وہ لوگ بھی شمار ہیں جو مسلمان نہیں ہیں مگر مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نادار ہو گئے ہیں اور امیر المؤمنین انکی تالیف قلب کے لئے انکو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ یہ منشاء نہیں ہوتا کہ صدقات کی تشویق انہیں اسلام کی طرف لے آئے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرتی تعلق کو محسوس کرتے ہوئے، انکی ناداری میں اللہ کے فرمان کے مطابق انکو مدد دی جائے۔ تالیفِ قلب کے لئے ان نومسلموں کو بھی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جنکے سابقہ تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور انہیں اسلام میں داخل ہوتے ہی ایک معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔گردنیں غلاموں کی چھڑائی جاتی ہیں۔ بدل کتابت کے ادا کرنے میں غلاموں کو مدد دی جاتی ہے اور وہ آزادی کے حصول کے بعد حقوق العباد کو بہتر طور پر ادا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ غارمین وہ حق دار ہیں کہ جو کسی مصیبت کی

وجہ سے قرض لینے پر مجبور ہوئے اور پھر قرض سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ انکو بھی صدقات سے اس قدر مدد دینی چاہئے کہ قرض سے پہلے انکی زندگی کا جو معمول تھا وہ بحال ہو جائے۔ فی سبیل اللہ ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا جو جہاد کے لئے تیار ہیں سامان نہیں رکھتے یا کسی بھی حق کی ادائیگی کے لئے انہیں آسرے کی ضرورت ہے۔ مگر اس میں انکی خواہشات کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ فی سبیل اللہ صدقات لے کر معاشی استحکام حاصل کرنے کی کوشش ناپسندیدہ عمل ہے۔ مسافر کو دورانِ سفر، کئی طرح کے مقامات سے گزرنا پڑتا ہے، ناداری کا موقع آجائے تو مسافر صدقہ لینے کا حق رکھتا ہے۔ صدقہ لینے والے کی عادات وخصائل پر تبصرہ کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضے میں اپنی پسند کو شامل کرنے والی بات ہوگی۔ اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اللہ نے صدقات کے حق داروں کو بڑے علم سے بیان فرمایا ہے اور معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لئے اس میں حکمت رکھی گئی ہے۔ حکم خداوندی کو جاننے اور مزید جاننے کی کوشش میں حال پر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو مانے بغیر ہی ضائع کر دیا جائے تو اس سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل : صدقات کے آٹھ حق داروں کا تعیّن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کر دیا گیا ہے فقراء، مساکین، صدقات جمع کرنے والے عاملین اور جنکی تالیف قلب مقصود ہو۔ یہ چاروں درجات واضح ہوتے ہیں بدل کتابت ادا کر کے آزادی حاصل کرنے والوں کو، مقروض لوگوں کو، فی سبیل اللہ مدد کے طلب کرنے والوں کو اور مدد کے طالب مسافروں کو خود تلاش کرنا چاہئے۔ علم و حکمت اللہ کے فرمان میں موجود ہوتی ہے۔ پتہ ماننے والے کو لگتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور ان میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں، وہ تو کان ہیں۔ فرما دیجئے تمہارے بھلے کے لئے کان ہیں۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنین پر اعتماد کرتے ہیں اور تم میں ایمان والوں کے لئے رحمت ہیں۔ اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

منافقین اپنی خلوتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگوئی کرتے تھے۔ جب انہی میں سے کوئی یہ کہتا کہ ان باتوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جانا ہمارے لئے اچھا نہ ہوگا تو یہ کہہ دیتے تھے کہ انکے ہاں اپنی صداقت کو ثابت کرنا مشکل ہی کیا ہے۔ جو ہم سنائیں گے۔ وہ سن لیں گے وہ تو سننے والے کان ہیں فرمایا گیا ہے وہ ایسے کان ہیں جو تمہاری بھلائی اور فلاح کی بات سے راحت پاتے ہیں۔ تمہارے متعلق خسارے کی بات انہیں اچھی نہیں لگتی۔ وہ اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں مؤمنین

پر اعتماد کرتے ہیں۔ مومنین کی بات خلوت و جلوت میں حق کے مطابق ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے تحت بولنا درست نہیں سمجھتے۔ کم علمی کی وجہ سے جو لوگ منافقین سے اپنے آپ کو الگ نہیں کر پاتے اور کم عمری کی وجہ سے جو لوگ منافقین کی مجالس میں آداب و اخلاق کے حوالے سے خاموش رہتے ہیں وہ منافقین کی بدگوئی کو بہت برا جانتے ہیں یہ ایمان والے لوگ ہیں اور ان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں یہ رحمت ان لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہے مگر جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ادب و احتیاط سے بات نہیں کرتے وہ آپ کو ایذا دیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے المناک عذاب ہے۔

حاصل : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شاہدین کے متعلق ادب و احتیاط سے نہ بولنا. انہیں ایذا دینے والی بات ہے۔ لوگوں کی بات سننا اور ان کی بھلائی چاہنا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ نتائج کو باذن اللہ ماننا اور مؤمنین پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ ایمان والوں کو منافقین سے الگ ہونے میں مدد دینی چاہئے۔ بدگوئی کرنے والوں کو المناک عذاب پکڑ لیتا ہے۔ پھر وہ اس سے بھاگ نہیں سکتے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حق بڑا ہے کہ اسے راضی کرتے اگر وہ مؤمن ہیں۔

منافقین کو جب یہ محسوس ہوتا کہ انکی دغابازی کا مؤمنین کو پتہ چل گیا ہے تو قسمیں کھا کر مؤمنین کو یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے کہ وہ اسلام کے شیدائی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی محبت رکھتے ہیں ایسے وقت میں انکا بیان اور انکا لہجہ محبّین کا سا ہوتا تھا۔ یہ کام وہ اپنی سماجی ضرورت سمجھ کر کرتے تھے دعویٔ ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے تو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا ضروری ہے۔ پھر بڑا حق ادا کرنے کی بجائے لوگوں کو خوش کر لینے سے تو ایمان کا ثبوت نہیں مل سکتا۔ خلوت پاک نہ ہو، تو جلوت پاک نہیں ہو سکتی۔

حاصل : جو قسمیں کھا کر ہمیں اپنے ایمان کا ثبوت دے رہا ہو اسے کہنا چاہئے کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بڑا ہے کہ تم اسے راضی کرو۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ

کیا انہیں معلوم نہیں ہوا کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مقابلہ کرے تو اس کے لئے نار جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی

الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ ہے۔

منافقین، ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھا کر انہیں اپنے ایمان کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ کوشش اس لئے ہوتی تھی کہ مؤمنین کو انکے نفاق کا پتہ چل گیا تو رسوائی ہو گی۔ حیات دنیا میں اس رسوائی سے بچنے کی کوشش کے مقابل آخرت میں بڑی رسوائی سے بچنے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ جو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرے وہ عطا کو معطئ مطلق کے خلاف استعمال کرنے کا مرتکب ہو گا اور اس ناشکری کی سزا اسے نار جنہم کی صورت میں ملے گی جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس سے بڑی رسوائی کوئی نہیں ہے۔ جس نے ہمیشہ اپنی خواہش کی پیروی کی ہو وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔

حاصل : لوگوں کے سامنے اپنے نفاق کے کھل جانے کا ڈر ہو تو یہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے والی بات ہے اسکی جزا نار جہنّم کا دائمی عذاب ہو گا۔ منافق کی بے وقوفی دیکھئے۔ چھوٹی رسوائی سے بچنے کی کوشش میں بڑی رسوائی کو خرید لیتا ہے اور چھوٹی رسوائی سے بھی بچ نہیں پاتا۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

منافق ڈرتے ہیں کہ مؤمنین پر کوئی ایسی سورۃ نازل ہو کہ انہیں بتا دے جو ان کے قلوب میں ہے۔ فرما دیجئے استہزاء کئے جاؤ۔ بےشک اللہ اسے ظاہر کرے گا، جس کا تمہیں ڈر ہے۔

منافق ڈرتے تھے کہ اگر مؤمنین کو کسی سورۃ کے نزول سے منافقین کی قلبی کیفیّات معلوم ہو گئیں تو انکے چھپے ہوئے مخاطبات نفاق اور بغض و عداوت سے پردہ اٹھ جائیگا اور اس سے بڑی رسوائی ہو گی مگر وہ لوگ اپنی خلوتوں میں مومنین کے متعلق بدگوئی کرنے سے انکے ساتھ استہزاء کرنے سے اور دین اسلام کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے تھے۔ اس پر فرمایا گیا ہے کہ تم استہزاء کا عمل جاری رکھو گے تو اللہ اس بات کو ضرور ظاہر کرے گا۔ جسکے ظاہر ہو جانے کا تمہیں ڈر ہے۔

حاصل : منافق ڈرتے ہیں کہ انکے قلوب کی ناپاکی مؤمنین کے علم میں آ گئی تو رسوائی ہو گی مگر اس ناپاکی کو چھوڑتے بھی نہیں جنکے قلوب میں مؤمنین کے لئے بغض و عداوت ہو وہی خلوتوں میں انکا مذاق اڑاتے ہیں وہ کبھی رسوائی سے بچ نہیں سکتے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہیں گے کہ ہم تو بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔

أَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾

فرما دیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے استہزاء کرتے ہو۔

اگر منافقوں سے یہ پوچھا جائے کہ کیا تم نے مومنین کا مذاق اڑایا ہے تو وہ اسکے جواب میں یہی کہتے ہیں کہ ہم تو خوش وقتی اور دل لگی کی باتیں کر رہے تھے اور ہمارا اعتقاد تو بالکل ٹھیک ہے اس پر فرمایا گیا ہے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ مذاق کرتے ہو اسکی آیات کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہو۔ اللہ قادر مطلق ہے اسکے ساتھ مذاق کرنا اپنی حقیقت کو نہ دیکھنے والی بات ہے اسکی آیات کے ساتھ ٹھٹھا کرنا۔ اپنے گمان کو علم حقیقی کے مقابل اہمیت دینے والی بات ہے اور یہ جہالت کی انتہا ہے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنا معلّم کتاب و حکمت کو، محرم اسرار الٰہی کو معلّمینِ قیاس کے سامنے چھوٹا ثابت کرنے والی بات ہے اور یہ انتہائی بے ادبی ہے۔

حاصل : منافق انتہائی جہالت اور بے ادبی کی باتوں کو بھی خوش وقتی اور دل لگی کا نام دے دیتے ہیں۔ بولنے کے آداب سے پوری طرح آگاہی نہ ہو تو بولنے میں بہت سے خطرات بھی ہوتے ہیں۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع ۱۴

عذر نہ کرو تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تم میں بعضوں کو معاف کر دیں گے تو بعضوں کو عذاب بھی دیں گے اس بنا پر کہ وہ مجرم لوگ تھے۔

جس نے ایمان لانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے ادبی سے زبان کھولی۔ اس نے یقیناً ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا۔ عذر پیش کرنے سے وہ داغ دھل نہیں سکیں گے۔ جسکو یہ احساس ہو جائے کہ اسکے دل میں ناصح کی محبت جاگزیں نہیں تھی اس لئے وہ راہ راست سے ہٹ گیا ہے وہ ناصح سے اس طرح محبت کرتا ہے کہ اسکا حال، اسکے ماضی کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی مل جاتی ہے اور جو اپنے جرم پر قائم رہیں اور بے ادبی سے باز نہ آئیں اور حق کو اپنی پسند اور ناپسند کے پیمانوں سے ماپتے رہیں، وہ عذاب کو اپنے لئے مقدّر کر لیتے ہیں۔

حاصل : جس نے شاہد کی شان میں گستاخی کی اس نے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر وہ تائب ہو جائے اور اپنے جاننے کو شاہد کی تصدیق کے بغیر ہیچ سمجھے تو وہ باادب ہونے کی وجہ سے بامراد ہو جائیگا اگر حق کو اپنی پسند اور ناپسند کے پیمانوں سے ماپتا رہے تو اس مجرم کے لئے عذاب ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:
وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ م بِمَا كَسَبَتْ ق ۶۹، ۷۰/ ۶

اور پرہیز گاروں پر انکے حساب سے کچھ نہیں لیکن نصیحت کرنا کہ وہ باز آجائیں اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنھوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنالیا اور انہیں حیات دنیا نے فریب دیا اور اس سے نصیحت دو کہ کوئی خلاف حق کر کے پکڑا نہ جائے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ برائی کا امر کرتے ہیں۔ اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔ اور اپنی مٹھی کو بند رکھتے ہیں۔ اللہ کو بھلا بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا۔ بےشک منافقین ہی فاسق ہیں۔

منافق مرد اور منافق عورتیں نفاق کے حوالے سے ایک چال پر ہیں، ایک حال پر ہیں۔ نفاق ایک مقام کا نام ہے۔ جو بھی اس مقام پر ہو اسے منافق کہتے ہیں۔ منافق کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے، بھلائی سے منع کرتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کو بند رکھتا ہے۔ برائی کا حکم دینا یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کی توجہ قریب کے اور وقتی نفع پر مرکوز کرتا ہے۔ بھلائی سے روکنا یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور حق کو معیار ماننے سے منع کرتا ہے، اور جس عمل میں اپنی پسند کو اہمیّت نہ دی جائے، اس کو اندھی تقلید کہتا ہے۔ اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لئے، اس کی مٹھی نہیں کھلتی۔ جو ان کی مٹھی میں ہوتا ہے ان کی غرض و غایت پر خرچ ہوتا ہے۔ اس لئے حق دار کے لئے ان کی مٹھی بند ہی رہتی ہے۔ جو برائی کا امر کرے، بھلائی سے روکے اور اپنی مٹھی کو بند رکھے، وہ جزا کا عملاً انکار کر رہا ہوتا ہے۔ جزا کا انکار اللہ کو بھلا بیٹھنا ہے۔ اللہ منیب کو ہدایت دیتا ہے۔ جو راہ راست سے ہٹ جائے اور شیطان کا اتباع کرنے لگے، اللہ اس پر نظر نہیں فرماتا۔ منافق ہی فاسق ہوتے ہیں۔ فاسق حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اس لئے اس کا رخ گمراہی کا ہی ہوتا ہے۔

حاصل : منافق مرد اور منافق عورتیں اپنے حال اور اپنی چال کے اعتبار سے ایک ہوتے ہیں۔ برائی کا امر کرنا، بھلائی سے منع کرنا اور رضائے الٰہی کے لئے خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روکنا، یہ اللہ کو بھلا بیٹھنے کی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو بھلا دیتا ہے، وہ منافق بھی ہوتا ہے، اور فاسق بھی اور فاسق کو ہدایت نہیں ہوا کرتی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اللہ نے منافقین اور منافقات اور کفّار سے نار جہنم کا وعدہ کیا ہے، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ انہیں کافی ہے۔ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

منافق مرد اور منافق عورتیں اور کفار، ان سب سے اللہ نے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جو شیطان کی پیروی کو اپنا حال بناتے ہیں۔ منافق، حق کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر عملاً مانتے نہیں۔ اور کفار تو حق کو مانتے ہی نہیں۔ خلاف حق کرنے کی وجہ سے ان کی جزا، نار جہنّم ہوگی، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ایسی سزا ہے جو علیم مطلق نے ان کے لئے رکھی ہے۔ وہ سزا انہیں کافی ہوگی، اور ان کے اعمال کی پوری جزا ہوگی۔ اللہ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے۔ یہ لعنت ان کے ناقابل اصلاح ہونے پر مہر ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، اس پر قائم رہنے والا عذاب مسلّط ہو جاتا ہے۔

حاصل : منافق مردوں، منافق عورتوں اور کفار سے، اللہ نے نار جہنّم کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ جو منافقت اور کفر سے ہٹ جائے، وہ نار جہنم سے بچ جائے گا۔ اعمال کی پوری جزا، اللہ ہی دے سکتا ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، اس سے دوری میں ہی بھلا ہوتا ہے۔ جو خلاف حق کرنے پر قائم رہے، اس پر قائم رہنے والا عذاب ہو گا۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا
اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ
كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ
خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

جس طرح تم سے قبل والے تم سے قوّت میں بڑھ کر تھے، اور ان کے اموال و اولاد بھی زیادہ تھے، تو وہ اپنا حصّہ برت گئے۔ پھر تم نے اپنا حصّہ برتا، جیسے تم سے قبل والے اپنے حصے کو برت گئے۔ اور تم بھی چلتے ہو، جیسے وہ چلتے تھے۔ ان لوگوں کے اعمال، دنیا و آخرت میں اکارت گئے۔ اور وہی لوگ خسارے والے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ ہم سے قبل جو لوگ تھے، وہ قوت میں ہم سے بڑھ کر تھے۔ اموال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے۔ اللہ نے جو انہیں عطا فرمایا تھا، ایک وقت تک وہ اسے برتتے رہے۔ مگر وہ راستہ اختیار نہیں کیا جو اللہ کی رضا کے مطابق انہیں کرنا چاہئے تھا۔ نتیجہ یہی ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کو گمراہی میں ضائع کر گئے۔ حکم ہے حال پر دیکھو، کیا تم بھی اسی راستے پر نہیں جا رہے۔ کیا تم بھی وہی کچھ نہیں کر رہے جیسے وہ کر رہے تھے۔ دو ہی راستے ہیں۔ ایک میں مقصود، اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ دوسرے میں مقصود اپنے نفس کی خوشی ہوتی ہے۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت چلے جاتے ہیں۔ اور وہ خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ پھر ان کی کوئی تجویز ان کے کام نہیں آسکتی۔

حاصل : ذاتی قوت اور اموال و اولاد کے حوالے سے ہم پہلے لوگوں سے کم تر ہیں۔ خسارے سے بچنے کے لئے خسارے کی طرف جانے والے راستے سے ہٹ جانا چاہئے۔ جس کا حال ہمیں پسند ہو اس کے مستقبل سے کراہت نہیں ہونی چاہئے۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

کیا انہیں اپنے سے قبل والوں کی خبر نہیں پہنچی۔ قوم نوح علیہ السلام اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم علیہ اسلام اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی جو الٹ دی گئی تھیں۔ ان کے رسل ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تھے۔ تو اللہ کی شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرتا ولیکن وہ اپنے اوپر آپ ہی ظلم کرتے تھے۔

ماضی کے چھ مقامات کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے سبق لیا جانا چاہئے۔ ماضی کے واقعات کو سن کر یہ دیکھنا چاہئے کہ ان واقعات سے ہمارا کیا تعلق ہے۔ پہلے لوگوں کی استعداد سے اپنی استعداد کا تقابل کیا جائے۔ ان کے رویئے سے اپنے رویئے کا مقابلہ کیا جائے، تو اپنے انجام کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے استکبار کیا، اور ایمان والوں کو ارذل کہا، اور حق کو ماننے سے صریحاً انکار کر دیا کہ اس سے ان کی بڑائی قائم نہیں رہتی تھی۔ یہ لوگ سیلاب اور طوفان سے ہلاک کئے گئے۔ قرآن پاک میں ان لوگوں کو قوم عمین کہا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ اندھے تھے (عقل کے)۔ اس کے بعد عاد کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے بھی اپنے ربّ کا بھیجا ہوا پہنچایا۔ مگر لوگوں نے آپ کو بے وقوف کہا اور اپنے آباء واجداد کے طریقے کو چھوڑنے سے انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ اگر آپ صادق ہیں تو وہ عذاب لے آیئے جس کا آپ

وعدہ دے چکے ہیں۔ ان کی بے وقوفی ملاحظہ ہو کہ یہ اپنی بیخ کنی کو علامتِ صداقت ٹھہرا رہے ہیں۔ ان کی جڑ کٹ گئی، ان پر آندھی آئی اور ان کا نشان بھی نہ رہا۔ اس کے بعد ثمود کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ انہوں نے بھی اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا۔ اللہ کی اونٹنی کو نشانی ٹھہراتے ہوئے یہ فرمایا کہ اسے زمین میں چھوڑ دو، جہاں سے چاہے کھائے، اور اسے برائی سے مس نہ کرنا کہ پھر تمہیں المناک عذاب پکڑ لے گا۔ منکرین نے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ انہوں نے صریحاً سرکشی کی اور یہ کہا کہ آپ رسول ہیں تو وہ عذاب آ کیوں نہیں رہا جس کا آپ وعدہ دیتے تھے۔ ہم تو اونٹنی کی کونچیں کاٹ چکے ہیں ان پر رجفہ (زلزلہ) کا عذاب آیا۔ اور یہ لوگ ناصحین سے عدم محبت کی بنا پر ختم ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بحث کی، اور انسانی تجویز سے بنے ہوئے علوم کو علم الٰہی کے مقابل برتر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے ان کے بنائے ہوئے بتوں کو توڑ دیا۔ ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ کسی کو کیا فائدہ یا نقصان دے سکتا ہے۔ بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ حضرت کو آگ میں ڈال دیا جائے کہ آئندہ بتوں کی شان میں کسی کو گستاخی کی جرات نہ ہو۔ آگ کا انتظام حکومتِ وقت کی طرف سے تھا، اس لئے بہت بڑا تھا۔ اللہ نے اس آگ کو حضرت کے لئے ٹھنڈا کر دیا۔ اور وہ آپ کے لئے باعثِ سلامتی ہوئی۔ قوم نے دیکھا مگر پھر بھی ماننے کی بجائے دھوکہ دہی کا راستہ اختیار کیا۔ جو کسی کی صداقت کے مشاہدے کے بعد بھی اس کی مخالفت سے باز نہ آئے، اس سے توفیق چھن جاتی ہے۔ یہ قوم بھی ختم ہوئی اور اس کا اپنا کیا ہی اس کے اوپر پڑا۔ اس کے بعد مدین والوں کا ذکر ہے۔ ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ یہ قوم لوگوں کو ناپ اور تول میں دھوکا دیتی تھی، اور راہ گیروں سے زیادتی کرتی تھی۔ آپ نے حق کو بیان فرمایا، تو قوم کے متکبّر سردار کہنے لگے، ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اور اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو پھر آپ بھی وہی کریں جو ہم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہمیں اس سے کراہت ہے، جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اس قوم پر بھی زلزلے کی صورت میں عذاب آیا، اور یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ ان لوگوں نے جنسی ہوس کا جو مظاہرہ کیا، وہ اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں گیا تھا۔ ان پر ایسا عذاب آیا کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ ان لوگوں نے ایمان والوں کی پاکیزگی کا مذاق اڑاتے ہوئے عذاب مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ لوگوں نے حقائق کو تسلیم نہ کر کے اپنے لئے عذاب کا راستہ چنا، اور اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ اللہ کی شان کے منافی ہے، کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔

حاصل : ماضی کے واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ اپنی استعداد، اور رویئے کو ان کی استعداد اور رویئے سے ملا کر دیکھنا چاہئے۔ اگر مماثلت نظر آئے تو عذاب بھی نظر آنا چاہئے۔ اپنے اوپر ظلم کرنا منکرینِ حق کا طریقہ ہے۔ اور رضائے الٰہی کے مطابق پاک رہنا، مؤمنین کا طریقہ ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں، ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ بھلائی کا امر کرتے ہیں۔ برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے

الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اجتماعی بھلائی کے کاموں کو اس قدر اہمیّت دیتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو بلاواسطہ مدد دے سکتے ہوں، یا بالواسطہ مدد دے سکتے ہوں، اس طرح مدد دیتے ہیں کہ مدد لینے والا اپنی عزت افزائی محسوس کرتا ہے۔ مدد لینے والے کی مشکل آسان ہوتی ہے۔ دیکھنے والوں کو اس معاشرے میں اپنی ذرّیت کا مستقبل حسن و خوبی سے بھرپور نظر آتا ہے۔ مومن مرد ہو یا عورت اس کی صفات یہ ہوتی ہیں: بھلائی کا امر کرنا، اس طرح کہ حکم اللہ کا ہو اور نمونہ حکم دینے والے کی ذات میں نظر آئے۔ دوسری صفت برائی سے منع کرنا ہے۔ برائی سے اس طرح منع کیا جاتا ہے کہ سننے والے کی عزت نفس مجروح نہ ہو، اور اس کی مشکلات کو جانے بغیر اس کو وعظ نہ سنا دیا جائے۔ تیسری صفت نماز قائم کرنا ہے۔ مومن ہر نماز کے مقرّرہ وقت سے پہلے اس نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، اور اس کے ادا کرنے کی نیّت کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کی نماز قائم ہو جاتی ہے۔ چوتھی صفت زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ مؤمن زکوٰۃ دینے کو اپنے مال کے پاک ہونے کے لئے ضروری جانتے ہیں۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہونے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔ پانچویں صفت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنا ہے۔ اور اطاعت اس طرح ہوتی ہے کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ہمیشہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع رکھتے ہیں۔ ان صفات کا حامل مؤمن معاشرہ، اللہ تعالیٰ کے رحم کا حق دار ہوتا ہے۔ اللہ انہیں عزت بھی دیتا ہے، اور انہیں دانائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اللہ کو عزیزٌ حکیم ماننے کے دعوے میں سچے ہوتے ہیں۔

حاصل : مومن مرد ہو یا عورت اس کو مؤمنین اور مؤمنات کا معُین ہونا چاہیے۔ بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنا، جہاں یہ پانچ صفات موجود ہوں گی، اللہ کا رحم وہاں ضرور شاملِ حال ہو گا۔ ان لوگوں کی عزّت بھی بڑھے گی، اور انہیں دانائی بھی حاصل ہو گی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً

اللہ نے مؤمنین اور مؤمنات کو جنّتوں کا وعدہ دیا ہے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور طیّب مساکن کا، بسنے کے باغوں میں، اور اللہ کی

فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع ۱۵

رضا سب سے بڑی ہے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

مذکورہ پانچ صفات والے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے، اللہ نے جنّتوں کا وعدہ فرمار کھا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں اور رہیں گی۔ اور اللہ ان باغوں کے زیر زمین پانی کو اس سطح پر رکھے گا کہ وہ ہمیشہ آباد رہیں گے۔ بسنے کے باغ وہ باغ ہوتے ہیں، جن میں رہائش باعثِ راحت ہو۔ اللہ مؤمنین اور مؤمنات کو بسنے کے باغوں میں پاک گھر عطا فرمائے گا۔ وہ گھر جو ساکن کو سکون دے اور جس میں اظہارِ عبدیّت کے لئے سب کچھ موجود ہو، طیّب مسکن ہوتا ہے۔ یہ سب انعامات اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے۔ اللہ کی رضا جہاں موجود ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبّت رکھنے والوں کے لئے وہاں سب کچھ موجود ہے۔ چاہے اس کی ضرورت کا انہیں علم ہو، یا نہ ہو۔ اللہ کی رضا سے جو سہارا ملتا ہے، اسی سہارے ہی سے ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ مقصدِ حیات کو پا لینے سے بڑی کامیابی اور کیا ہو گی۔

حاصل : بھلائی کا امر کرنے والوں، برائی سے منع کرنے والوں، نماز قائم کرنے والوں، زکوٰۃ ادا کرنے والوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنے والوں سے، اللہ نے باغوں کا وعدہ فرمار کھا ہے، جو سدا بہار ہوں گے۔ ان کے پاک گھر بسنے کے باغوں میں ہوں گے۔ اللہ کی رضا سے بڑا کوئی انعام نہیں۔ جسے رضائے الٰہی حاصل ہوئی، اسے عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ ۶/۱۱۵

اور تمہارے رب کے کلمات صدق و عدل میں پورے ہیں۔ اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر اپنے رویئے کو سخت کیجئے۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

الْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تعلیم امت کے لئے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم عطا فرمایا گیا کہ کفار اور منافقین کے ساتھ ایک سا معاملہ کیجئے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ جو ہو چکا ہے، وہ اس اعتبار سے کافی ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی کچھ سیکھتے تو ان کے رویئے میں مثبت تبدیلی آنی چاہئے تھی۔ جب یہ لوگ اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت دینے سے نہیں ہٹتے تو پھر ان کے ساتھ سخت رویّہ رکھنا ضروری ہے۔ اور حق کے مقابل ان کی پسند کو صرف غلط کہنا کافی نہیں، بلکہ اسے نظرِ تحقیر سے دیکھنا بھی ضروری ہے۔ کفر و منافقت سے حقارت کا اظہار بہر حال ہو، بہر طور ہو تو اس جہاد کا حق ادا ہو گا۔ عملاً اگر یہ لوگ میدان جنگ میں مقابلے پر آ جائیں تو پھر ان سے جہاد بالسیف بھی ہو گا۔ کفار و منافق اپنے اعمال کی جزا جہنم کے ٹھکانے کی صورت میں پائیں گے، جو بہت بری جگہ ہے۔ جو حال پر حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر بھی انکار کے مقام سے نہیں ہٹتا، وہ بہت بری جگہ کھڑا ہوتا ہے۔ آخرت میں یہی بری جگہ دوزخ کی صورت میں ظاہر ہو گی۔

حاصل : کفار و منافقین سے نرم رویّہ رکھنا منع ہے۔ ان کے اعمال کو لائقِ تحسین جاننا، مومنین کے ساتھ زیادتی ہے۔ جو حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیتا ہے، وہ جہنّمی ہے۔ جہنّمی جہاں رہتا ہے، وہ جگہ بری ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں کہا، اور بے شک انھوں نے کلمۂ کفر کہا اور اسلام میں آنے کے بعد منکر ہوئے۔ اور چاہا تھا جو انہیں نہ ملا۔ اور انہیں یہی برا لگا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ تو اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لئے بھلا ہے۔ اور اگر منہ پھیریں، تو اللہ انہیں دنیا و آخرت میں المناک عذاب دے گا۔ اور زمین میں ان کا حمایتی اور مدد گار کوئی نہ ہو گا۔

منافقین اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی بات خلاف حق نہیں کی۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ انہوں نے حق کو ماننے کے دعوے کے بعد اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس طرح اسلام میں آنے کے بعد حق کا انکار کیا اور یہی چاہا کہ منبع رشد و ہدایت ساکن ہو جائے، مگر ان کا بس نہ چلا۔ اگر یہ لوگ اپنے ماضی پر نظر کریں تو انہیں اپنی محتاجی کے دن بھی یاد آئیں گے. تو کیا ان لوگوں کو یہی برا لگا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی برکت سے ان کی محتاجی، غنا میں بدل گئی ہے، اور وہ سہولت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ واجب تو یہ تھا کہ یہ لوگ شکر کرتے مگر انہوں نے ناسپاسی کی۔ اگر یہ لوگ توبہ کریں، اور نفاق کو چھوڑ دیں، شاہد سے محبت کریں، تو اس میں ان کا بھلا ہو گا۔ ان کی خلوت و جلوت کا تضاد ختم ہو جائے گا۔ انہیں یکسوئی حاصل ہو گی، اور واقعات کو صحیح تناظر میں دیکھنے کا شرف ملے گا۔ اور اگر یہ لوگ حق سے منہ پھیر کر کفر پر جم جائیں گے تو دنیا میں ذلت و رسوائی کا سامنا کریں گے، آخرت میں تو بڑا عذاب ہو گا ہی۔ جب یہ لوگ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آئیں گے، تو کوئی بھی ان کی حمایت و نصرت کرنے والا نہ ہو گا۔

حاصل : منافق خلوت میں حق کا انکار کرتے ہیں، جلوت میں قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ منبع رشد و ہدایت کو ساکن کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر ان کا بس نہیں چلتا۔ ماضی کو یاد کر کے، اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے، حال پر، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود پڑھنا چاہیئے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کرے، تو محتاجی دور ہوتی ہے۔ توبہ کے بعد اعمال پاک ہوں، تو بھلا ہوتا ہے، ورنہ دنیا و آخرت میں عذاب ہوتا ہے، پھر کسی کی حمایت و نصرت بے معنی ہو جاتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے عطا کرے گا تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور یقیناً ہم صالحین سے ہوں گے۔

اموال کو انتہائی اہمیت دینے والے یہ کہتے ہیں کہ ان کے بغیر تو کوئی نیکی ہو ہی نہیں سکتی۔ حال پر جس مقام پر وہ لوگ ہوتے ہیں، وہاں اللہ کی عطا میں انہیں حکمت نظر نہیں آتی۔ اس لئے وہ حال پر اپنے حق کو ادا کرنے میں غفلت برتتے ہیں. اور اللہ کے ساتھ وعدہ کرتے ہوئے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اگر اللہ ہمیں اپنے فضل سے نوازے گا تو ہم صدقہ و خیرات دیں گے. اور صالحین میں شمار ہوں گے۔ عطائے الٰہی جس قدر ہو گی، رضائے الٰہی کے مطابق اسی قدر اس کی تقسیم کا حق بھی عائد ہو گا۔ ورنہ ناشکری ہو جائے گی۔ اور ناشکری سے بے برکتی ہو جاتی ہے۔

حاصل : اموال کو انتہائی اہمیت دینا، حال پر اللہ کی عطا میں حکمت نہ دیکھنے کی صورت ہے۔ اللہ سے عہد کرتے وقت دیکھنا چاہیئے کہ ہم نفس پر حاکم ہیں، یا نفس ہم پر حاکم ہے۔ اگر نفس ذاتی ضروریات کو عطائے الٰہی سے بڑھاتے رہنے کا عادی ہو تو پھر وہ حاکم بھلائی کی طرف نہیں جانے دے گا۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾

تو جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا، تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے۔ اور وہ اعراض کرنے والے ہوئے۔

مذکورہ لوگوں کو جب اللہ نے اپنے فضل سے دیا، تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ اور وہ اس وعدے سے جو انہوں نے اللہ سے کر رکھا تھا، پھر گئے اور وہ حق سے اعراض کرنے والے ہوئے۔ بخیل عطائے الٰہی کو اپنی ضرورت کے مقابل ناکافی جانتا ہے۔ اس لئے وہ صرف اپنی خواہش اور غرض وغایت پر خرچ کرنے میں ہی عافیت دیکھتا ہے۔ اور جب اسے یاد دلایا جائے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جب اللہ اسے اپنے فضل سے دے گا تو وہ صدقہ و خیرات دینے کے ساتھ ساتھ صالحین میں سے ہو گا، تو وہ حق سے اعراض کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

حاصل : جو اپنی ضروریات کو عطائے الٰہی کے مقابل بڑھاتا چلا جائے، اور اپنی خواہش کی پیروی میں ہی لگا رہے، وہ بخیل بھی ہو جاتا ہے اور حق سے اعراض بھی کرتا ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾

پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قلوب میں نفاق رکھ دیا، اس دن تک جس میں اس سے ملیں گے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی، اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اللہ سے وعدہ خلافی اور جھوٹ بولنے کی عادت ہو جائے تو پھر اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ دل میں نفاق جم جاتا ہے۔ نفاق کے دوام کو دیکھ کر قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ اور ایسے لوگوں پر برابر ہو جاتا ہے کہ انہیں ڈر سنایا جائے، یا نہ سنایا جائے۔ وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اگر حق کو ماننے کی طرف آئیں گے تو کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ سے وعدہ خلافی خلوت میں ہوتی ہے، لوگوں سے جھوٹ بولنے کا عمل جلوت میں ہوتا ہے۔ جہاں دونوں جمع ہو جائیں، نفاق دل میں جم جاتا ہے۔ نفاق سے بچنے کے لئے اللہ کے ساتھ پاک رہنے کے وعدے کو خلوت میں پورا کرنا چاہیئے۔ اور جلوت میں لوگوں سے پوری بات کرنی چاہیئے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ کو ان کے بھید اور ان کے خفیہ مشورے کا علم ہے۔ اور

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

یہ کہ اللہ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا ہے۔

منافقین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہو سکتا۔ ان کے دلوں کی باتیں بھی وہ جانتا ہے اور ان کے خفیہ مشورے بھی اس کے سامنے ہیں۔ ہر غیب کا سب سے بڑا جاننے والا، اللہ ہی تو ہے۔ کس جگہ کیا ہو رہا ہے۔ آئندہ کیا ہو گا۔ کہاں تک اسے ہونے دینا ہے، کہاں اسے روکنا ہے۔ اللہ سے بڑا کوئی اس کا جاننے والا نہیں۔ اللہ مومنین کی نصرت فرماتا رہتا ہے۔

حاصل : اگر یہ یقین ہو کہ اللہ سے کچھ مخفی نہیں، چاہے وہ سینے کا بھید ہو یا خفیہ مشورہ ہو۔ تو پھر اللہ سے ڈرنے کا ثبوت موجود ہونا چاہئے۔ سب غیبوں کا بڑا جاننے والا جو حفاظت کر سکتا ہے۔ جو مدد دے سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

وہ لوگ جو مومنین میں کے مطوّعین کے صدقات میں ان پر عیب لگاتے ہیں، اور وہ جو نہیں پاتے مگر اپنے جہد سے۔ تو ان سے تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سے تمسخر کیا ہے۔ اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

مومنین سے وہ لوگ جو طوعاً صدقات دیتے ہیں، اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ یا اللہ تیری عطا کو تیری رضا پر لگانے کی سعادت تیرے کرم سے ہی نصیب ہوئی ہے، اور صدقات لینے والوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کی بدولت انہیں خدمت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ خوش دلی سے صدقات دینے والے، منافقین کو ریاکار نظر آتے ہیں، اور وہ انہیں ہمز و لمز کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان پر عیب لگاتے ہیں۔ منافقین ایسے لوگوں کو معاشی طور پر اپنا ہم پلّہ دیکھتے ہیں، مگر وہ کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوتے جو کچھ خوش دلی سے صدقات دینے والوں کی طرف سے ان کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں دکھاوے اور نام و نمود کا طالب کہہ کر اپنے نفس کو تسلی دے لیتے ہیں۔ اور جب کسی غریب کو صدقہ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی بڑی مشقّت کی مختصر کمائی سے بہت کچھ دے رہا ہے، جس کی مقدار زیادہ نہیں ہوتی، تو مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اس ناچیز صدقے سے کیا سنورے گا۔ اور یہ حقیر سی چیز کیا تبدیلی لائے گی۔ اللہ کا تمسخر دیکھئے کہ جہاں غریب کا صدقہ خیرات، اجتماعی بھلائی میں شامل نہ ہو وہاں بات بنتی ہی نہیں۔ غریب کے صدقے کو اللہ کے ہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ غریب کا تمسخر اڑانے والے کا ہونا، نہ ہونے کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اسے کبھی سکھ نہیں ملتا۔ اور وہ المناک عذاب کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حاصل خوش دلی سے صدقات دینے والوں کو ہمز و لمز کا نشانہ بنانا، منافقوں کا کام ہے۔ غریب کا صدقہ، اجتماعی بھلائی کے کام میں شامل ہو تو کام ہوتا ہے، ورنہ کام ادھورا ہی رہتا ہے۔ اللہ کو غریب کے صدقے کا مذاق اڑانے والے کے پکڑنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس سے توفیق چھن جاتی ہے، المناک عذاب تو اسے ہو گا ہی۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰ ع ۸ ۱۶

آپ ان کے لئے استغفار کریں، یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منکر ہوئے۔ اور اللہ قوم فاسقین کو ہدایت نہیں دیتا۔

منافقین کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تو بھی ان کو بخشا نہیں جائے گا۔ ان لوگوں کا رخ ہدایت طلب کرنے کا نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اسی قدر مانتے ہیں جس قدر ان کے نفس کی طرف سے انہیں سماجی تقاضا نظر آتا ہے۔ حق کا صریحاً انکار کرنے والوں سے یہ بدتر ہیں کہ یہ ماننے کے دعوے کے بعد من مانی کرتے ہیں۔ اور کافر تو مانتے ہی نہیں۔ منافق ہی تو فاسق ہوتے ہیں، اور فاسق کو ہدایت ہو ہی نہیں سکتی۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبّت رکھنے کی بجائے، ان سے کدورت رکھے، اس کے حق میں آپ کی دعاءِ مغفرت کو قبول نہ کرنا آپ کی انتہائی عزّت افزائی ہے۔ سترّ بار استغفار کرنا بہت بڑی بات ہے، اور اس سے اس تعلق کا پتہ لگتا ہے، جو استغفار کرنے والے صاحب کو اس شخص سے ہے، جس کی بخشش کے لئے وہ دعا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف دیکھئے تو منافق بخشش کی دعا کرنے والی ذات پاک کو ہی اپنے لئے باعث اذیّت سمجھتا ہے۔

حاصل : ہمیں بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مخالفین کو معاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ اللہ کی سنت ہے۔ دوست کے مخالف کو معاف کرنا دوست کی شان میں گستاخی کرنا ہے۔ منافق ہی فاسق ہوتے ہیں اور فاسق کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ جس کی صداقت کا ثبوت کسی مقام پر موجود ہو، اس کے لئے دعاءِ مغفرت میں ضرور مبالغہ کرنا چاہئے۔ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہے۔

شہادت : سورۃ العنکبوت میں پہلی قوموں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے حق کا انکار کیا، تو

اللہ نے ہر ایک کو اس کے گناہوں پر پکڑا تو کسی پر پتھراؤ بھیجا، کسی کو زلزلے نے آ لیا، کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا، اور کسی کو ڈبو دیا گیا۔ اور اللہ کی شان نہیں تھی کہ ان پر ظلم کرے۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ۴۰/ ۲۹

ہاں وہ ضرور اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱

پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو فرحت ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے بیٹھ رہے، اور انہیں اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے سے کراہت ہوئی۔ اور کہنے لگے گرمی میں نہ نکلو۔ فرما دیجئے نار جہنّم کی گرمی اشد ہے۔ اگر انہیں سمجھ ہوتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں جہاد کے لئے نکلنے سے گریز کرنے والے لوگوں کو اس پر بہت خوشی ہوئی کہ حضور نے ان کی معذرت کو سن کر انہیں پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ اصل میں ان لوگوں کو اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنا، ناپسند تھا۔ اموال و انفس کو فی سبیل اللہ جہاد میں تبھی لگایا جا سکتا ہے، جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رضا عزیز ترین ہو۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت کے مقابل پیچھے بیٹھ رہنے میں فرحت محسوس کرتے ہوں، انہیں تو رضائے الٰہی اور رضائے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مطلوب ہی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ذاتی سہولت کو اہمیت دیتے ہیں اور ساتھیوں سے کہتے ہیں، گرمی بہت ہے۔ اتنی گرمی میں جہاد کے لئے کوچ نہ کرو۔ جہاں ذاتی آسائش، فرمانِ خداوندی کے مقابل زیادہ اہم ہو جائے، وہاں اگر حق کو ماننے کا ذکر ہو گا تو اپنی پسند کے حوالے سے ہو گا اور یہ فسق ہے۔ فاسق کو دیکھنا چاہیئے کہ حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے کا انجام تو نار جہنم کی صورت میں فاسق کو پکڑے گا، جس کی گرمی سے بڑی کوئی گرمی نہیں ہے۔ سمجھ کا ثبوت تو یہ ہے کہ تھوڑی گرمی کو برداشت کر لیا جائے، اور بڑی گرمی سے بچنے کا رخ اختیار کیا جائے۔

حاصل : شاہد کی معیّت میں جسے راحت نہ ہو، اسے پیچھے بیٹھ رہنے میں فرحت ہوتی ہے۔ اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرنا اسے ناپسند ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک حق وہی ہے، جس میں اس کی ذاتی سہولت کو اہمیت دی جائے۔ سمجھ داری یہ نہیں کہ تھوڑی تکلیف سے بچنے کی کوشش میں بڑی تکلیف کو اپنے لئے مقدّر کر لیا جائے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

تو وہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں، جزا اس کی جو وہ کسب کرتے تھے۔

حیات دنیا میں دوسروں کو دیکھ کر، اپنی عقلمندی کا احساس کرتے ہوئے، منافق ہنسا کرتے ہیں۔ ان کی فہم و بصیرت یہ ہے کہ گرم موسم میں باہر نکلنے سے بچتے ہوئے جہنم کی آگ کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ شاہد کی معیت میں نہ ہونے پر ان کو بہت رونا آتا اور یہ نظر آتا کہ جن کی شہادت سے ہماری صداقت کا ثبوت ملنا تھا، ان سے تو پیچھے رہ گئے ہیں، تو یہ سمجھداری کی بات تھی۔ جو کسب بھی کیا جائے، اس کی جزا دی جائے گی۔ اور کسب کرنے والے کی پسند سے جزا کا فیصلہ نہیں ہو گا۔ جزا کا فیصلہ اس حق کے حوالے سے ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔

حاصل : اپنی بے سمجھی کا احساس ہو جائے، تو ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہیئے۔ فائدے میں وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا کو مانتا ہے۔

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُم بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾

تو اگر اللہ آپ کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے، پھر وہ آپ سے خروج کا اذن مانگیں تو فرما دیجئے کہ تم کبھی میری معیّت میں نہ نکلو، اور نہ میری معیّت میں دشمن کے ساتھ لڑو۔ پہلی بار تم بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے، تو بیٹھے رہو، پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منافقین کے کسی گروہ کی ملاقات اس غزوے سے واپسی پر ہی ہونی تھی، جس میں منافقین شامل نہیں ہوئے تھے۔ ان مفاد پرستوں کو باتیں بنانے کا ڈھنگ آتا تھا۔ یہ لوگ قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ جب یہ پھر کسی غزوے میں آپ کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت چاہیں، توانہیں یہ کہنے کا حکم ہوا کہ تم میری معیت میں کبھی نہ نکلو۔ جس معیت کو تم گرمی کی وجہ سے بنظر کراہت دیکھتے تھے، وہ اب تمہیں نصیب نہیں ہوگی۔ اور نہ تمہیں شاہد کی معیت میں دشمن کے ساتھ جہاد کا موقع ملے گا۔ تم نے پہلی بار پیچھے بیٹھ رہنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اب تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو کہ تم نے خود اپنے لئے اس مقام کو پسند کیا ہے۔

حاصل : منافقوں سے ملاقات کی طلب نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ کو ایسا منظور ہو تو وہ دوسری بات

ہے۔ منافق اگر شاہد سے اس کی معیّت میں فی سبیل اللہ جہاد کی اجازت مانگیں اور اس سے قبل وہ مفاد پرستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیچھے بیٹھ رہے ہوں، تو پھر انہیں اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے، اور کہنا چاہئے کہ پہلی بار تم بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے، تو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور ان میں سے کسی کی میّت پر نماز نہ پڑھئے، اور نہ اس کی قبر پر رکئے۔ بے شک وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منکر ہوئے اور وہ مرتے دم فاسق تھے۔

منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ نمازِ جنازہ بھی دعاءِ مغفرت کے لئے ہوتی ہے، اور منافقین کے لئے بخشش کی دعا میں مبالغہ بھی ہو تو اللہ انہیں نہیں بخشتا۔ یہ اس لئے کہ منافق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منکر ہوتے ہیں۔ نام اللہ کا ضرور لیتے ہیں، کرتے وہی ہیں جو ان کا جی چاہے۔ یہ فسق ہے۔ اور فاسق کو ہدایت نہیں ہو سکتی۔ جس کے بارے میں پتہ ہو کہ وہ حالتِ فسق میں مرا ہے، اس کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا منع ہے۔

حاصل : فرمانِ خداوندی کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش، فسق ہے۔ جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ حالت فسق میں مرا ہے، اس کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا منع ہے۔ اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے اموال و اولاد پر تعجّب نہ ہو۔ اللہ انہیں ان کی وجہ سے دنیا میں عذاب دینا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ کفر ہی پر ان کا دم نکلے۔

منافقین کے اموال و اولاد پر تعجّب کرنا منع ہے کہ اموال و اولاد کی بہتات ان کی زندگی میں قربِ الٰہی، کا باعث نہیں ہوتی۔ اور وہ معطیٔ مطلق کا شکریہ ادا کرنے کا رخ نہیں اختیار کرتے، بلکہ یہ چیزیں ان کے استکبار کو بڑھا دیتی ہیں، اور ان کے لئے باعثِ عذاب بن جاتی ہیں۔ وہ اموال جو خلاف حق استعمال ہوں، یا خلاف حق جمع کر کے رکھے جائیں، ہمیشہ باعث عذاب ہوتے

ہیں۔ وہ اولاد جس کو حدود اللہ کا احترام نہ سکھایا جائے، ہمیشہ باعثِ عذاب ہوتی ہے۔ فاسق لوگوں کے دلوں میں اموال و اولاد کی حُبّ اتنی شدید ہوتی ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہی نہیں کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت مسلسل کم ہو رہا ہے۔ اور حالتِ کفر میں ہی ان کا دم نکل جاتا ہے۔

حاصل : فاسقین کے اموال و اولاد پر تعجّب نہیں ہونا چاہئے۔ یہ چیزیں حیاتِ دنیا میں ان کے لئے باعث عذاب بن جاتی ہیں۔ اور ان بےادبوں کا دم حالت کفر میں ہی نکل جاتا ہے۔

وَإِذَآ أُنزِلَتۡ سُورَةٌ أَنۡ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُواْ مَعَ رَسُولِهِ ٱسۡتَـٔۡذَنَكَ أُوْلُواْ ٱلطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُواْ ذَرۡنَا نَكُن مَّعَ ٱلۡقَٰعِدِينَ ﴿٨٦﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں جہاد کرو، تو ان کے مقدور والے آپ سے اذن مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں، ہمیں چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔

جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے، اللہ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرو اور اس کے ساتھ اس دعوے کی صداقت کا ثبوت یوں پیش کرو کہ راہِ حق میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں، کافروں کے ساتھ جہاد کرو، تو منافقین میں سے مقدور والے اور استطاعت والے، عرض کرنے لگتے ہیں کہ حضور ہمیں تو اجازت دے دیجئے کہ ہم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔

حاصل : منافق مقدور والے ہوں، استطاعت رکھتے ہوں تو جہاد سے جی چرایا کرتے ہیں۔ اور اموال و اولاد کی حُبّ انہیں حق کی ادائیگی سے روک لیتی ہے۔

رَضُواْ بِأَن يَكُونُواْ مَعَ ٱلۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُونَ ﴿٨٧﴾

راضی ہوئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں۔ ان کے قلوب پر مہر کر دی گئی تو وہ سمجھتے نہیں۔

بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ میدان جہاد میں جا کر اپنے اموال و انفس سے جہاد کرنے کی بجائے، پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے میں خوشی محسوس ہو۔ ایسے لوگوں کے قلوب پر مہر کر دی جاتی ہے۔ وہ اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ پھر انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ جہاد میں کیا فوز و فلاح ہے۔ اور کذب و انفاق کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہنے میں کیا ہلاکت و شقاوت ہے۔

حاصل : جو اپنی خوشی کو حق کے مقابل اہمیت دے وہ بے شرم ہوتا ہے، جو جہاد میں جانے سے جی چرائے اور پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہ کر راضی ہو وہ انتہائی بے شرم ہوتا ہے۔ جس قلب میں حق کی طلب نہ رہے، اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ اور وہ سمجھنے کی راہ کو چھوڑ جاتا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

لیکن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جو ان کی معیّت میں ایمان لائے۔ انہوں نے اپنے اموال و انفس سے جہاد کیا۔ اور انہی کے لئے بھلائیاں ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو بھی کیا، رضائے الٰہی کے لئے کیا اور علمِ الٰہی سے کیا۔ عبدیّت کے دائرے میں اس سے بڑا کوئی معیار نہیں۔ جو لوگ آپ کے ساتھ محبت رکھنے والے ہوئے، انہیں ایمان کی دولت ملی۔ جسے ایمان کی دولت نصیب ہو اسے آپ کا "ساتھ" نصیب ہوتا ہے۔ اور جسے یہ شرف حاصل ہو وہ اللہ کے عطا کردہ اموال و انفس کو جہاد فی سبیل اللہ میں لگا کر بڑی راحت پاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں، اور دنیا و آخرت میں ان لوگوں کو فلاح حاصل ہو گی۔ فلاح اعمال کے عنداللہ پسندیدہ ہونے کی سند ہے۔

حاصل : اموال و انفس سے جہاد کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنّت ہے۔ آپ کی معیّت کا مقام شاہدین کی معیّت کی صورت سے تاقیامت جاری رہے گا۔ رخ صحیح ہو تو اعمال صالح ہوتے ہیں۔ اعمال صالح ہوں تو فلاح ہوتی ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۱/۱۷

اللہ نے ان کے لئے جنّتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

جن لوگوں نے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، وہ عنداللہ اپنی صداقت کی سند رکھتے ہیں۔ ایسے پاک لوگوں کے لئے اللہ نے جنّتیں تیّار کر رکھی ہیں، جو زیرِ زمین نہروں کے ساتھ سدا بہار ہوں گی۔ اور یہ حضرات گرامی قدر ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ جزا دینے والا مالکِ مطلق راضی ہو جائے تو یہ عظیم کامیابی ہے۔

حاصل : پاک لوگوں کی میزبانی کا شرف ہو، تو خدائی طریقے کا ادب کرنا چاہئے۔ زیر زمین

نہروں سے جو آبادی ہو سکتی ہے، اس کا کوئی بدل نہیں۔ مالکِ مطلق کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ عظیم کامیابی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے:

قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ط عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ط وَهُوَالْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۞ ٦/٧٤

اسی کا قول حق ہے۔ اسی کی بادشاہی ہوگی، جس دن صور پھونکا جائے گا۔ ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞٩٠

اور عذر کرنے والے اعراب آئے کہ انہیں اذن دیا جائے۔ اور بیٹھ رہے، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا۔ جلد ان میں کے کافروں کو المناک عذاب پہنچے گا۔

جہاد کے لئے بلاوا سن کر دیہات کے رہنے والے لوگ آئے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عذر پیش کر کے جہاد میں نہ جانے کے لئے رخصت مانگی عذر پیش کرنے والا یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ تسلیم کرنے والا ہے، مگر مجبوریوں میں گھرا ہوا ہے، اس لئے جہاد میں نہ جانے کے لئے اجازت چاہتا ہے۔ اپنے حالات بیان کرنے کے بعد، جہاد سے رخصت طلب کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ فیصلہ خود ہی کر لیا گیا ہے۔ یہ انتہائی بے ادبی ہے کہ بہتر جاننے والوں سے روشنی لینے کی بجائے، ان سے یہ درخواست کی جائے کہ جو ہم چاہتے ہیں آپ اس کی تصدیق فرما دیں۔ منافقین میں سے وہ لوگ بھی تھے جو سماجی تقاضے کے طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ جب انہیں جہاد کے لئے بلاوا ملا، تو وہ پریشان ہو گئے کہ یہ تو موت کا پیغام ہے۔ یہ لوگ عذر کرنے کے لئے بھی نہ آئے اور گھروں میں چھپ کر بیٹھے رہے۔ جو لوگ عمل کے مقام پر حکمِ خداوندی کی تعمیل سے انکار کر دیں، وہ کافر ہی کہلائیں گے۔ ایسے لوگوں کو المناک عذاب میں جلد پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور جس مفاد اور دلچسپی کو انہوں نے عزیز تر جان کر جہاد سے بچنے کی کوشش کی ہوتی ہے، اس پر ان کا اختیار نہیں رہتا۔ اور انہیں ایسی سزا ملتی ہے جو ان کے تصوّر میں بھی نہیں ہوتی۔ آخرت میں تو انہیں عذاب الیم ہو گا ہی۔

حاصل : عذر پیش کرنے والا ہمیشہ اپنے فیصلے کی تصدیق چاہتا ہے، وہ بہتر جاننے والوں سے روشنی لینا پسند نہیں کرتا۔ سماجی تقاضے کے طور پر حق کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے عمل کے مقام پر کبھی پورے نہیں رہ سکتے۔ مفاد پرستوں کو ایسی سزا ملتی ہے کہ وہ ان کے تصوّر میں بھی نہیں ہوتی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں، اور نہ مریضوں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ کرنے کا مقدور نہیں، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ خلوص دل سے وفادار ہوں۔ محسنین پر کوئی راہ نہیں، اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جن لوگوں کے جہاد پر نہ جانے میں حرج نہیں، ان کا خلوص دل سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ وفادار ہونا، ضروری ہے۔ بوڑھے لوگ جو جسمانی طور پر دوسروں کا سہارا لیتے ہوں مگر جنگ کے علم کے کسی شعبے میں خصوصی مہارت نہ رکھتے ہوں، ان کا جہاد میں نہ جانا کچھ حرج کی بات نہیں۔ تجربے اور مہارت کے حامل بوڑھے لوگ جہاد میں رہنمائی کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ مریضوں کے نہ جانے میں کچھ حرج نہیں، مرض وقتی ہے یا دائمی یہ ضرور دیکھا جائے گا۔ مثلاً ایسی بیماری جس کے دور ہونے میں دیر نہیں لگتی اور جسم کا اعتدال جلد بحال ہو جاتا ہے، جہاد پر نہ جانے کا جواز نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں کے نہ جانے میں بھی حرج نہیں جو خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، ان کے پاس اتنا مال بھی نہیں ہوتا کہ وہ کم سے کم سامانِ جہاد خرید سکیں اور اپنے گھر والوں کے لئے کچھ بندوبست کر سکیں۔ ضعیف ہو، بیمار ہو یا نادار ہو، جس نے اپنی سہولت کو مدِّنظر رکھ کر جہاد میں نہ جانے کی درخواست کی ہے، وہ محسنین میں شمار نہیں ہو سکتا۔ محسنین وہی ہیں، جنہیں حال پر حق کی احسن ادائیگی کا شوق ہوتا ہے۔ خلوصِ نیّت کے ساتھ اگر کسی نے ضعف، بیماری یا ناداری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کی ہو۔ اور وہ ضعف، بیماری یا ناداری جلد رفع ہو جائے، تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : ضعیف، بیمار اور نادار کے جہاد پر نہ جانے میں حرج نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ خلوصِ دل سے وفاداری بہرحال ہو۔ محسنین اپنی سہولت کے مقابل دوسروں کے سکھ کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی حیثیّت اور کیفیّت کے بارے میں اندازہ درست نہ ثابت ہو، تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا

اور نہ ان پر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ انہیں سوار کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کروں۔ تو واپس ہوئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے، اس غم

يَجِدُوا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

میں کہ خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے تھے۔

ان لوگوں پر بھی مواخذہ نہیں، جو جہاد میں شامل ہونے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ انہیں بھی شرف معیّت سے نوازا جائے۔ حضور نے ارشاد فرمایا، کوئی چیز نہیں کہ تمہیں اس پر سوار کیا جائے، تو یہ لوگ روتے ہوئے واپس گئے۔ غم یہی تھا کہ خرچ کرنے کا مقدور نہیں رکھتے، اور حضور کی معیّت میں جہاد کا موقع پا کر آپ کے ساتھ جا نہیں سکے۔

حاصل : جہاد کے لئے امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کرنا ضروری ہے، چاہے خرچ کرنے کا مقدور نہ بھی ہو۔ اپنی گرہ سے خرچ کرنا جہاد کے لوازمات سے ہے۔ جو دل سے شاہد کے ساتھ ہو وہ ہر مقام پر ساتھ ہوتا ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

راہ تو انہیں پر ہے جو آپ سے اذن مانگتے ہیں، اور ہیں وہ اغنیاء۔ وہ راضی ہیں کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں۔ اور اللہ نے ان کے قلوب پر مہر کر دی، تو وہ جانتے نہیں۔

ان پر مواخذہ کی راہ ہے، جو قدرت و استطاعت کے باوجود جہاد سے پہلو تہی کرتے ہوئے، عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھے رہنے کے لئے اجازت طلب کرنے آتے ہیں، مگر وہ نادار نہیں ہوتے۔ انہیں خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ اجازت سے وہ عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں گے تو سکھ پائیں گے، جہاد میں مال بھی نہیں لگے گا، جان بھی خطرات میں نہیں پڑے گی۔ جس دل کو خلاف حق کرنے میں خوشی ہو، وہ شاہد سے دوری میں راضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ جس بات پر نفس راضی ہو وہ بھی منشاءِ ایزدی کے تحت ہوتی ہے۔ اور جس بات سے نفس کو کراہت ہو، وہاں بھی بچ نکلنا منشاءِ ایزدی کے تحت ہوتا ہے۔ جب اللہ کی قدرت بہر حال محیط ہے، تو خلاف حق کرنے سے بڑی بے علمی اور کیا ہوگی۔

حاصل : قوت و استطاعت کی موجودگی میں جہاد سے پہلو تہی کرنے والے بے حمیّت ہوتے ہیں۔ یہ عملاً اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ شاہد سے دوری میں خوشی ہو تو دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر علم حقیقی کا حصول ناممکن ہو جاتا ہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے پاس بہانے لائیں گے۔ فرما دیجئے، بہانے نہ سناؤ ہم قطعاً تمہارے بہانوں کو نہیں مانیں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دے دی ہیں۔ اب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے عمل دیکھیں گے۔ پھر تم غیب اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، تو وہ تمہیں خبر دے گا جو تم کرتے تھے۔

جنگ کے لئے روانہ ہونے کے وقت منافقین خود کو مومنین سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسی میں انہیں اپنی سلامتی نظر آتی ہے۔ اور جب خلافِ توقع مومنین فتح یاب ہو کر لوٹتے ہیں تو منافقین اپنے سابقہ رویئے کے بارے میں قسمیں کھا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے اعذار بجا تھے۔ وہاں حکم ہوتا ہے کہ فرما دیجئے، بہانے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمارا رویہ کسی اندازے قیافے پر مبنی نہیں ہے۔ ہم تو علیم مطلق کے عطا کردہ علم کی روشنی میں تمہیں دیکھتے ہیں۔ ماضی میں جو تم کر چکے ہو، اس میں تمہاری صداقت کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اب پھر تم دعویٰ کر رہے ہو کہ تم حق کو ماننے والے ہو۔ اس دعوے کے ساتھ تمہارے اعمال کو دیکھا جائے گا اور حال پر شہادت دی جائے گی۔ پھر تم عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے. جو تمہاری نیّت کو بھی جانتا ہے، اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔ پوری پوری جزا دینا اسی کی شان ہے۔ جو عمل رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے گا، وہ بھی تمہیں بتا دے گا، اور جو عمل لوگوں کی خوشی کے لئے کیا جائے گا، وہ بھی تمہیں بتا دے گا۔ اس بات کا یقین ہو، تو پاکیزگی کو ہر مقام پر موجود ہونا چاہئے۔

حاصل : منافقین کا رویّہ مومنین کے جنگ پر روانہ ہوتے وقت کچھ اور ہوتا ہے اور ان کی واپسی پر کچھ اور ہوتا ہے۔ مومنین کبھی منافقوں کے بہانوں کو نہیں مانتے۔ انہیں یہی کہنا چاہئے، تمہارے دعوے کو حال پر دیکھا جائے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے. جس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی پوری خبر دے گا۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا

جب تم پلٹ کر جاؤ گے تو تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ تم اُن سے اعراض کرو، تو تم اُن سے اعراض کرو۔

عَنۡهُمۡؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝٩٥

بے شک وہ رِجس ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جزا اس کی جو کسب وہ کرتے تھے۔

منافقین میں سے وہ لوگ جو آئندہ پاک رہنے کے دعوے میں سنجیدہ نہیں ہوتے، مومنین کے سامنے، جنگ سے واپسی کے موقع پر اللہ کی قسمیں کھا کر وقتی طور پر ملامت کے دکھ سے نکلنا چاہتے ہیں۔ منشائیہ ہوتا ہے کہ ان کی قسموں کو سن کر ان سے اعراض کیا جائے اور انہیں نیک نیّت مان لیا جائے۔ حکمِ خداوندی ہے، ان سے اعراض اس لئے کیا جائے کہ وہ پلید ہیں۔ اور پاک لوگوں سے انہیں کچھ تعلق نہیں ہے۔ یہاں بھی ان کا راستہ الگ ہے۔ آخرت میں بھی وہ اپنے کیے کی جزا جہنّم کی صورت میں پائیں گے۔ جس نے شعوری طور پر خود کو مؤمنین سے الگ کر لیا ہو اور ناپاکی کی راہ کو اپنے لئے چن لیا ہو، اس کی قسمیں اس کے مکر و فریب کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔

حاصل : منافق جب پاک رہنے کے دعوے میں سنجیدہ نہ ہو، تو اللہ کی قسمیں کھا کر وقتی ملامت کے دکھ سے نکلنا چاہتا ہے۔ اس سے اعراض اس لئے کرنا چاہئے، کہ وہ ناپاک ہے۔ اور ناپاک اور پاک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ پلیدی کا انجام جہنّم ہے اور پلیدی پر کوئی مجبور نہیں ہوتا۔

يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝٩٦

تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ پھر اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تو فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہو گا۔

منافق قسمیں کھا کر مؤمنین کو اپنی مجبوری کا یقین دلاتے ہیں، اور انہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مؤمنین یہ جانتے ہیں کہ جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہی ان کا دوست ہے۔ اور جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے مقام سے بھاگنے اور بچ نکلنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر مؤمن کسی مقام پر فاسقین سے راضی ہو جائیں اور بغیر سند ان کی حسنِ نیّت کو مان لیں، تو یہ بات اللہ کے نزدیک صحیح نہیں ہو گی کہ اللہ کبھی فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

حاصل : قسمیں کھا کر اپنی نیک نیّتی کا ثبوت دینے والوں سے راضی ہو جانا کبھی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی سے راضی ہونا چاہئے، جس سے اللہ راضی ہو۔ اللہ اسی سے راضی ہوتا ہے۔ جو حق کے مقابل کبھی اپنی پسند اور ناپسند کو اہمیت نہ دے۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

اعراب، کفر و نفاق میں اشد ہیں، اور اسی لائق ہیں کہ ان حدود کو نہ جان سکیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائیں۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

اعراب وہ دیہاتی لوگ ہیں، جو سماجی تقاضوں کے پیش نظر ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ مگر ایمان ان کے قلوب میں داخل نہیں ہوا ہوتا۔ وہ اپنی تسلیم کو ہی ایمان کہتے رہتے ہیں۔ اور معیارِ اخلاق ان کے ہاں وہی رہتا ہے، جو حق کو ماننے کے دعوے سے پہلے تھا۔ حق کا علم ہو جائے اور پھر بھی رسم و رواج کے حوالے سے اس کا انکار کر دیا جائے تو یہ کفر ہے۔ اور نام حق کا لیتے ہوئے کیا وہی جائے جو اپنے جی میں آئے تو یہ نفاق ہے۔ یہ دونوں کیفیتیں ان لوگوں میں زیادہ ہوں گی، جو اپنا زیادہ وقت حصولِ معاش میں ہی صرف کر دیتے ہیں۔ اور علم و عرفان اور تہذیب و شائستگی کو غیر ضروری جانتے ہیں۔ جب ان کے اندر حدود اللہ کے جاننے کی طلب ہی نہ ہو، تو علم کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ بندگی کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے۔ جب بندہ بھی علم و حکمت کی طلب رکھتا ہو۔ ورنہ بہیمیت اور ظلمت کے دائروں سے نکلنا ہی محال ہوتا ہے۔ اہل ذکر اور علماءِ عارفین کی مجالس میں حاضری سے جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ کرنے والے وہ دیہاتی جو اپنا بیشتر وقت حصولِ معاش میں لگا دیتے ہیں، اور حق کے مقابل سابقہ رسم و رواج کے ساتھ لگے رہتے ہیں، کفر و نفاق میں اشد ہوتے ہیں۔ علم و حکمت کی طلب ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے، ورنہ بہیمیت کے دائرے سے نکلنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ‌ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾

اور اعراب میں سے کچھ انفاق کو تاوان سمجھتے ہیں، اور تم پر گردشوں کے انتظار میں رہتے ہیں، انہی پر ہے بری گردش، اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

اعراب میں سے وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے طالب نہیں ہوتے، جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع پاتے ہیں، تو اس خرچ کو تاوان اور جرمانہ جان کر کراہت سے انفاق کرتے ہیں۔ انہیں یہ انتظار ہوتا ہے کہ حوادث دہر سے مسلمانوں کا زور کم ہو، اور وہ من مانی نہ کر سکنے کے دائرے سے نکلیں۔ مگر بری گردش تو انہی بدخواہوں پر ہے۔ اللہ کے ہاں اسلام پسندیدہ دین ہے۔ اللہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرنا چاہتا ہے۔ بدخواہوں کو اس سے کراہت بھی ہو، تو ہو گا وہی جو اللہ چاہتا ہے۔ وہ سننے والا ہے۔

علم والا ہے۔ وہ ہر آواز کو سنتا ہے، اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ جزا دینے والا جانتا ہے کون کیا کہہ رہا ہے، اور کیا سوچ رہا ہے۔

حاصل : جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو تاوان سمجھے، وہ اپنی سماجی ضرورت کے تحت مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسے انتظار ہوتا ہے کہ حوادث زمانہ سے مسلمانوں کا زور کم ہو اور وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بچ جائے۔ جس کی نیت بری ہوگی، بری گردش تو اسی پر آئے گی۔ جزا دینے والا ہر آواز کو سنتا ہے، اور ہر سوچ کو جانتا ہے۔ اس لئے ماننے والوں کی آواز بھی درست ہونی چاہئے، سوچ بھی صحیح ہونی چاہئے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

اور اعراب میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اپنے انفاق کو اللہ کی قربت اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا کا ذریعہ جانتے ہیں۔ سن لو وہ ان کے لئے باعثِ قرب ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

اعراب میں سے کفر و نفاق اور جہل و طغیان میں اشدّ لوگ بھی ہیں، وہ بھی ہیں کہ جو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کو تاوان جانتے ہیں، اور مؤمنین کے بدخواہ ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، جزا کا یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے انہیں قربِ الٰہی نصیب ہو گا، اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے دعائیں ملیں گی۔ ان دعاؤں سے جو برکت ملے گی وہ بے حساب ہوگی۔ یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جس کام میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خوشی نظر آئے وہ ضرور کرنا ہے۔ جب یہ رسم و رواج کو اہمیت دینا چھوڑ دیں، تو انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قرب کی صورت میں رحمتِ خداوندی نصیب ہوتی ہے۔ ان کا حال ماضی سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کے ماضی کی نفی ہو جاتی ہے۔ اللہ انہیں بخش بھی دیتا ہے۔ اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔ اللہ کے رحم سے جو سکھ ملتا ہے، وہ کسی دوسری صورت سے مل ہی نہیں سکتا۔

حاصل : اعراب کو ابتداءً الفاظ کی موزونیت کا پتہ نہیں ہوتا۔ مگر جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں، اور قربِ الٰہی اور دعاءِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے خرچ کرتے ہیں، وہ

اللہ کی رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔ انہیں بخشش بھی ملتی ہے، سکھ بھی ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے:
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا وَلَايَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا O ۱۷/۸۲

اور ہم قرآن میں وہ نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ اور ظالمین کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور مہاجرین و انصار سے سبقت کرنے والے اوّل حضرات اور جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ ان کے لئے جنّتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔

مہاجرین و انصار میں سے وہ لوگ جنھوں نے دعوتِ حق کو سنا اور ماننے کے بعد آنے والے مشکل مقامات کو دیکھنے کے باوجود ماننے میں سبقت کی، ان حضرات کی ذاتی زندگیوں میں حق کو پانے کی طلب اس قدر تھی، کہ جب انہوں نے دعوتِ حق کو سنا تو کسی سے مشورہ کر کے نہیں مانا۔ سابقون اوّلون میں سے ہر ایک صاحب،لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دے کر اپنا حق ادا کرتا رہا ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے سابقون اوّلون کا اتباع کیا اور قدر و منزلت کے ساتھ ان کی خدمت کی، یہ بھی ان کے نور سے منوّر ہوئے۔ اللہ ان حضرات سے راضی ہوا۔ ان پاک لوگوں نے اللہ کے فرمان کو مانا، اور اپنے ماننے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شاہد بنایا۔ یہ پاک لوگ اللہ سے راضی ہوئے کہ اللہ نے انہیں صبر و شکر کے تمام مقامات سے معیّتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بدولت سلامتی کے ساتھ گزرنے کا شرف بخشا۔ ان کے لئے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ ان باغوں کی بہار دائمی ہوگی، اور یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عظیم کامیابی اس بنا پر ہے کہ دعوتِ حق کو سن کر اسے فوراً مانا گیا ہے۔ اور ماننے کے بعد عطائے الٰہی کو بڑے ادب کے ساتھ رضائے الٰہی پر خرچ کیا گیا ہے، یہ نہیں دیکھا گیا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

حاصل : حق کو پانے کی طلب ہو تو دعوتِ حق کو سن کر فوراً ماننا چاہئے۔ انہی حضرات کا اتباع باعثِ فلاح ہوتا ہے، جو صبر و شکر کے تمام مقامات پر معیّتِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں رہتے

ہوں۔ اللہ کا راضی ہو جانا، اور اللہ سے راضی ہو جانا عظیم کامیابی ہے۔

وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛؔ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ قف لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

مع وقف منزل

اور تمہارے گرد کے بعض اعراب منافق ہیں۔ اور مدینہ والوں سے کچھ، نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو بار عذاب دیں گے۔ پھر انہیں عذاب عظیم کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

اہل مدینہ سے کچھ لوگ منافقت کرتے تھے۔ اور مدینہ کے گرد و پیش کے رہنے والوں میں بھی کچھ اعراب منافق تھے۔ ان لوگوں نے نفاق کو اپنی خو بنا لیا تھا، اور یہ دوغلے پن سے ہٹتے نہیں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فطانت و فراست سے لوگوں کو فلاح کی دعوت دیتے تھے۔ اور دعوتِ فلاح دینے والے کی نظر، بظاہر خیر کا رخ رکھنے والوں کی خوبیوں پر ہی ہونی چاہیئے۔ کسی کو منافق، فاسق اور مہرشدہ قلب والا قرار دینا تو علیم مطلق کا کام ہے۔ جہاں محبت کی کمی اور منافقت کی حدود آپس میں ملتی ہیں، وہاں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسی نظرِ رحمت سے دیکھا ہے، جو انبیاءِ سابقین کے مقابل آپ کا امتیاز ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کے منافق ہونے کی شہادت نہیں دی گئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی کے منافق ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ منافقوں کو دو بار عذاب دینا، اللہ کا طریقہ ہے۔ ایک عذاب تو منافقت کے لیبل کے ساتھ ہونے والی رسوائی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور دوسرا عذاب مؤمنین کی اس کامیابی سے ہوتا ہے، جس کو روکنے کی منافقین نے انتہائی کوشش کی ہو۔ اس کے بعد بڑے عذاب کی طرف ان کا پھیر دیا جانا ان کے لئے دائمی دکھ کا باعث ہو گا۔

حاصل : شاہد سے محبت میں کمی کا احساس ہو جائے تو جاننا چاہیئے کہ نفاق کا دائرہ قریب ہی ہے، جس میں داخل ہونے کے بعد گمراہی سے نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ کسی کو منافق کہنے میں جلدی کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنّت کے منافی ہے۔ منافق عزت کے حصول کے لئے بہت حساس ہوتا ہے۔ مگر اسے دوہری رسوائی ملتی ہے۔ بڑا عذاب تو پھر اس کے لئے ہوتا ہی ہے۔

وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ

اور کچھ وہ ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ انہوں نے ایک صالح عمل کو دوسرے برے سے ملایا۔ قریب ہے کہ اللہ ان پر توجہ فرمائے، بےشک اللہ بخشنے

عَلَيۡهِمۡؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾

والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جن لوگوں کو اعتراف ہو کہ انہوں نے شاہد سے محبت رکھنے کے فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کی ہے، جو اقرار کریں کہ انہوں نے ناصح کی بات کو اپنے محبوب کی بات نہیں سمجھا، ان کا مرض ان پر واضح ہو جاتا ہے۔ وہ شاہد سے تعلق تو رکھتے ہیں مگر پورا تعلق نہیں رکھتے۔ جہاں شاہد کا اتباع ہوتا ہے، وہاں ان کا عمل صالح ہوتا ہے، جہاں وہ اپنی مرضی کرتے ہیں، وہاں ان کا عمل برا ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ اپنی مرضی کرنے سے رک نہیں جاتے، اچھے عمل کے ساتھ برا عمل ملا رہتا ہے۔ ایسے لوگوں پر جب اپنے گناہوں کے اعتراف کا مقام آ جائے، تو وہ اصلاح کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان پر توجہ فرماتا ہے، ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ان کے وجود میں محبت کی طغیانی آ جاتی ہے، اللہ اپنی بخشش سے ان کے نامۂ اعمال کی سیاہی کو دور کر دیتا ہے، اور ان پر رحم فرماتا ہے۔ اس رحم سے انہیں تائید ملتی ہے، اور وہ استقامت سے صراطِ مستقیم پر رہتے ہیں۔

حاصل : جو دعوئ ایمان کے بعد اعتراف کریں کہ شاہد سے محبت رکھنے میں ان سے کوتاہی ہوئی ہے، ان کے صالح عمل بڑھ جاتے ہیں۔ برے عمل کم ہونے لگتے ہیں۔ اللہ ان کے وجود میں محبت کو بڑھاوا دیتا ہے۔ انہیں بخشش سے بھی نوازتا ہے۔ ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾

ان کے اموال سے صدقہ لیجئے، اور انہیں صاف اور پاک کیجئے اس سے اور انہیں دعا دیجئے۔ بے شک آپ کی دعا انہیں سکون دیتی ہے۔ اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

مذکورہ حضرات جن کو اپنے گناہوں کا اعتراف ہوا، اور جن کے صالح اعمال، برے اعمال سے ملے ہوئے تھے، ان سے صدقہ لینا ان کی برائی اور کثافت کو دور کر کے انہیں پاک کرنے کا باعث بنے گا۔ طہارت و تزکیہ دونوں عطا ہوتے ہیں۔ طہارت سے کثافت دور ہوتی ہے، تزکیئے سے فلاح حاصل ہوتی ہے، اور پاک لوگوں کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ جن سے صدقہ لیا جائے، ان کو دعاؤں سے نوازنا امرِ الٰہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعائیں محبین کو سکون بخشتی تھیں، ان کے لئے باعثِ برکت ہوتی تھیں۔ اور انہیں صدقے کی مقدار سے نسبت نہیں ہوتی تھی۔ محبت رکھنے والوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ رحمت اور برکات کے حوالے سے عطاءِ بے بہا ہوتا تھا۔ اس سکون میں ان کے اندر سے یہ دعا نکلتی تھی: یا اللہ جو کچھ درِ اقدس سے عطا ہوا ہے، اس کا شکریہ ادا کرنے میں ہم سے کوتاہی نہ ہو۔ اللہ سننے والا، علم والا ہے۔ اللہ ہر بات کو سنتا ہے۔ اور اس کے پیچھے جو بھی نیت ہو، اس کا علم رکھتا ہے۔

حاصل : گناہوں کے اعتراف کے بعد جو اصلاح کی طرف آئیں، ان سے صدقہ لینا، ان کے لئے طہارت و تزکیئے کا باعث ہوتا ہے۔ انہیں دعائیں دینی چاہئیں۔ اللہ ان کے اموال میں برکت دے، ان کی اولاد میں برکت دے، انہیں اپنے فضل سے نوازتا رہے۔ انہیں حال پر بھی شاہدین کی معیّت نصیب ہو، آخرت میں بھی وہ پاک لوگوں کے ساتھ اٹھائے جائیں۔ جس کے لئے دعا کی جائے اسے یقین ہونا چاہئے کہ ان مقامات پر پورا رہنا اس کے ذمّے ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہی توجہ فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

توبہ قبول کرنا اسی کی شان کے لائق ہے، جو سب کو جزا دینے والا ہے۔ توبہ وہ کرتا ہے، جسے معلوم ہو کہ اسے کیا کرنا چاہئے تھا، اور اس نے کیا کیا ہے۔ توبہ کرنے والا، اپنے نفس سے سند لینا چھوڑ دیتا ہے۔ ماضی میں جن مقامات پر اس کے قدم ڈگمگا چکے ہوں، ان مقامات پر آئندہ گزرتے ہوئے وہ شاہد کے نقوشِ قدم کو دیکھتے ہوئے سلامتی سے گزرنے کا عزم کرتا ہے۔ جو اللہ کا ہو جائے اس کی توبہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور اللہ کے ہاں جس کا صدقہ قبولیت کا شرف پائے، رحمت و برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ جو اپنی خواہشات کے اتباع کے دائرے سے نکل آئے، اللہ اس پر توجہ فرماتا ہے۔ اس کو حقائق تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے، اور آسانیاں عطا فرماتا رہتا ہے۔

حاصل : ہمیں معلوم ہونا چاہئے، بندگی اسی کی ہے جو اللہ کا ہو جائے، توبہ بھی اسی کی قبول ہوتی ہے جو اللہ کا ہو جائے۔ جس کا صدقہ عنداللہ قبول ہو، رحمت و برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ جو من مانی کرنے کے گناہ سے بچے، اللہ اس پر توجہ بھی فرماتا ہے، رحم بھی فرماتا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ۚ

فرما دیجئے، عمل کرو، تو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن تمہارے عمل دیکھیں گے، اور جلد تم لوٹائے جاؤ گے غیب اور کھلے کے جاننے والے کی طرف۔ پھر وہ تمہیں خبر دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔

جو لوگ برائی سے توبہ کرتے ہیں، قولاً توبہ ان کے اعلان توبہ سے ہو جاتی ہے۔ عملاً توبہ تب ہوتی ہے، جب عمل توبہ کے دعوے کو سچا ثابت کرے۔ خلوت کی پاکیزگی کو اللہ ہی دیکھتا ہے۔ جلوت کی پاکیزگی کو دیکھنے والے، رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مومن ہیں۔ دونوں مقامات پر خوف خدا موجود ہو، حدود اللہ کا احترام پیش نظر ہو، تو یہ جزا پر یقین رکھنے کی سند ہوگی۔ اللہ غیب اور ظاہر کا کلّی علم رکھتا ہے۔ اس سے کسی کی نیّت بھی چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ عمل بھی چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد کوئی اپنے عمل کی حقیقت سے بے خبر نہیں رہتا۔

حاصل : توبہ کا اعلان کرنے والوں سے یہ کہنا چاہئے، عمل کرو، اللہ، اس کا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مومن تمہارے عمل دیکھیں گے۔ پھر جب تم عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، تو تم پر حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ جزا پر یقین ہو تو حال پر عمل سے اسے ظاہر ہونا چاہئے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

اور کچھ اللہ کے امر پر موقوف رکھے گئے ہیں۔ یا انہیں عذاب دے یا ان پر توجہ فرمائے۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو ماضی میں حسنِ عمل کی وجہ سے اپنی ایک پہچان رکھتے تھے۔ مگر اس حال پر ان سے کوتاہی سرزد ہوئی۔ اور اس کوتاہی کو انہوں نے احساسِ ندامت کے ساتھ بیان نہیں کیا۔ غزوے میں شامل ہونا، حکم خداوندی تھا، تو عدم شمولیت کا فیصلہ بھی حکمِ خداوندی کے تحت ہونا چاہئے تھا۔ ذاتی سہولت کے حوالے سے نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ان لوگوں کو اللہ کے امر پر موقوف رکھا گیا، وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ عذاب اس صورت میں ہوتا، اگر ان کا احساسِ ندامت بیدار نہ ہوتا۔ اور توبہ تب قبول ہوتی اگر اپنے قصور کے اقرار کے ساتھ آئندہ من مانی کرنے سے رک جانے کا وعدہ کرتے۔ اللہ علم والا ہے، وہ ہر ایک کی نیّت کو جانتا ہے۔ جس کے ساتھ بھی معاملہ کرتا ہے، اس کی حکمت کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

حاصل : جو لوگ واضح طور پر احساسِ ندامت کے ساتھ اپنے قصور کو بیان نہ کریں، ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ سزا کے لائق ہیں یا معافی کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن کر دیا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ

اور وہ جنہوں نے ضرر پہنچانے اور انکار کرنے کے لئے، اور مؤمنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کے لئے مسجد بنائی، اور اس کے گھات لگانے کے لئے جو پہلے سے اللہ اور

وَرَسُولَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے لڑ رہا ہے۔ اور وہ ضرور حلف اٹھائیں گے کہ ہمارا ارادہ محض بھلائی کا تھا۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ کاذب ہیں۔

منافقین نے مومنین کو نقصان پہنچانے کے لئے، حق کے انکار کے لئے اور مؤمنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کے لئے ایک مسجد نما عمارت بنائی۔ یہ مسجد نما عمارت مرکزِ فساد کے طور پر استعمال کی جانے والی تھی، اور اس میں اس شخص کو گھات لگا کر کارروائیاں کرنے کی سہولت دی جانے والی تھی، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دشمن تھا۔ جب اس مسجد نما، مرکزِ فساد کی تعمیر کے مقاصد لوگوں کے سامنے آئے تو منافقین نے قسمیں کھائیں کہ ہمارا ارادہ تو محض بھلائی کرنے کا تھا۔ علیم مطلق نے شہادت دی کہ وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ مقصدِ تعمیر کو دیکھنے کے لئے مؤمنین کے معاشرے میں بااختیار ادارہ موجود ہونا چاہئے۔ اور جس عمارت کو وہ ادارہ مسجد ضرار کا تسلسل قرار دے دے، اس عمارت کو نابود کر دینا چاہئے۔

حاصل : بھلائی کے نام پر بنائے جانے والے وہ مراکز جہاں مؤمنین کو ضرر پہنچانا، حق کا انکار کرنا اور مؤمنین کے مابین تفرقہ ڈالنا مقصدِ تعمیر ہو، وہاں منکرین حق گھات لگا کر کاروائیاں کرنے کے لئے موجود ہوتے ہیں یا وہاں آنے والے ہوتے ہیں۔ جب ان کا راز کھل جائے تو قسمیں کھاتے ہیں کہ ان کا ارادہ بھلائی کرنے کا تھا۔ مگر وہ ہوتے کاذب ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ ہاں وہ مسجد یوم اوّل سے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو عزیز رکھتے ہیں۔ اور اللہ، پاک رہنے والوں سے محبّت رکھتا ہے۔

مسجد ضرار میں نماز پڑھنا منع ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مرکزِ فساد کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال نہیں ہونے دیا۔ مسجد وہی اللہ کا گھر ہوگی، یوم اوّل سے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو۔ جس کی تعمیر میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو، لازم ہے کہ وہ طیّب مال سے بنائی جائے، اس میں نمود و نمائش کو اہمیت نہ دی جائے، نماز پڑھنے والے عملاً اس کی تعمیر میں حصہ لیں اور امیر المؤمنین کی طرف سے جس کام کے لئے حکم دیا جائے، اسے ادب سے کریں۔ جن لوگوں کو پاکیزگی

عزیز ہوتی ہے، وہ لوگ اپنے قول کو بھی پاک رکھتے ہیں، عمل کو بھی خواہشات کی آلودگی سے بچاتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔

حاصل : مسجدِ ضرار کو مرکز فساد جاننا چاہئے۔ جہاں مؤمنین کو ضرر پہنچانے، حق کا انکار کرنے اور مؤمنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کا کام ہوتا ہے، ایسی جگہ نماز پڑھنا منع ہے۔ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہو، جس کو بنانے والے رضائے الٰہی کے لئے پاک رہتے ہوں، اس میں نماز پڑھنا برکت کا باعث ہوگا کہ ایسی مسجد کو اس مسجد سے نسبت ہوگی، جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم پر ان کی منشاء کے مطابق بنایا گیا تھا۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

تو کیا جس نے اپنی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر رکھی وہ بہتر ہے، یا وہ جس نے اپنی بنیاد ایک گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی پھر وہ اسے لے کر نارِ جہنم میں گر پڑے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

کسی بھی عمارت کو مستحکم اور پائیدار بنانے کے لئے اس کو موزوں جگہ پر بنایا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ایسی جگہ رکھی جاتی ہے، جو کمزور نہ ہو، اس کے اردگرد کوئی ایسا سبب نہ ہو، جو اس بنیاد کو کمزور کرنے والا ہو، اور اس عمارت کے لئے خطرے کا باعث بنے۔ جس کام کی بنیاد تقوے پر ہوگی، جس میں رضائے الٰہی مقصود ہوگی، اس کام کی ابتدا درست ہوگی۔ وہاں جو بھی بنے گا، اس میں خیر و خوبی ہی ہوگی۔ اور جس کام کی بنیاد اللہ سے نہ ڈرنے پر ہوگی، وہاں مکر و فریب بھی ہوگا، نفاق بھی ہوگا۔ ایسا کام کبھی مراد کو بھی نہیں پہنچے گا، اور اس کا انجام بھی جہنم ہی ہوگا کہ ظالم صحیح فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔

حاصل : ہر کام کی ابتدا میں دیکھنا چاہئے، کیا تقویٰ موجود ہے، اور رضائے الٰہی مقصود ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کام کو جاری رکھنا چاہئے، ورنہ جاننا چاہئے، بنیاد درست نہیں ہے۔ جس کام کی ابتدا میں مکر و فریب اور نفاق موجود ہو، وہاں بھلائی سے دوری ہوتی رہے گی، اور دوزخ کا قرب بڑھتا رہے گا۔ ظالم کو کبھی رضائے الٰہی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ

وہ تعمیر ان کے قلوب میں کھٹکتی رہے گی،

بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع

سوائے اس کے کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہو جائیں۔ اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

مسجدِ ضرار کے بنانے والوں نے مکر و فریب سے مؤمنین کو نقصان پہنچانے کی نیّت کی، حق کے انکار کے لئے مرکز بنایا، اور مؤمنین کے مابین تفرقہ ڈالنے کے طریقے وضع کئے۔ اس تعمیر سے جو مقاصد وہ لوگ حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ ان کے قلوب میں گھر کر چکے تھے، ان مقاصدِ فاسدہ کا ان کے قلوب سے نکلنا اسی طرح ممکن تھا کہ ان کے قلوب پارہ پارہ ہو جائیں، اور مرکزِ حیات ہی قائم نہ رہے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان مقاصد سے آگاہ فرما دیا۔ اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔ کسی کی اسلام دشمنی سے اس کے مطلوبہ نتائج مرتب نہیں ہو جاتے۔

حاصل : مسجد ضرار کی نوع کی ہر تعمیر، بنانے والوں کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ جیتے جی اس سے الگ نہیں ہوا کرتے۔ ایسی ہر تعمیر کو صفحہ ہستی سے مٹانا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے علیم مطلق اور حکیم مطلق کا منشا کیا ہے، اسی کے مطابق اپنے رخ کو درست کرتے رہنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ میں فرمایا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ م بَعِيْدٍ ٥٢ / ٤٢

فرما دیجئے بھلا بتاؤ، اگر یہ عند اللہ ہے، پھر تم اس کا انکار کرتے ہو۔ تو اس سے بڑا گمراہ کون جو دور کی ضد میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ

بے شک اللہ نے مؤمنین سے ان کے انفس و اموال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنّت ہے، خرید لئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، تو مارتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں۔ وعدہ اس کے ذمّے حق ہے، تورات اور انجیل اور قرآن میں، تو اللہ سے بڑا اپنے عہد کا وفا کرنے والا کون ہے۔ تو خوشیاں مناؤ اس بیع کی جو بیع تم نے اس سے کی ہے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

انفس و اموال کا عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہے۔ اور مؤمنین سے جنت کے عوض ان کا خریدنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ مالکِ حقیقی اپنی عطا کو مومنین سے خرید رہا ہے۔ یہ مومنین کی انتہائی عزت افزائی ہے کہ انفس اور اموال پر ان کے وقتی تصرف کے رضائے الٰہی کے مطابق ہونے کا انعام انہیں جنّت کی صورت میں دیا گیا ہے، جو دائمی انعام ہے۔ مومنین اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ خلافِ حق لڑنے والوں کو مارتے ہیں۔ اور فرمانِ خداوندی کے مطابق، کافروں کی طرف سے کسی بھی لڑنے والے کو بچانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس عمل میں حیاتِ دنیا کا تسلسل جاری رہے تو وہ غازی ہوتے ہیں۔ اور حیاتِ دنیا حیاتِ ابدی کی صورت اختیار کر لے تو وہ شہید ہوتے ہیں۔ انعام دینے کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے. جو تورات. انجیل اور قرآن میں مذکور ہے۔ تورات اور انجیل میں اس وعدے کا ذکر ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انعام کا جو وعدہ حال پر ہے. وہی وعدہ ماضی میں بھی تھا۔ اللہ اپنی ذات پاک کے لئے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اور سب سے بڑا دینے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے اس سے بڑا وعدے کو وفا کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ بیع میں ایک بیچنے والا اور ایک خریدنے والا ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جو بیع کی جاتی ہے. اس کا مالکِ حقیقی بھی اللہ ہی ہوتا ہے۔ مالکِ حقیقی اپنے بندوں سے وہ بیع تب کرتا ہے. جب وہ یہ کہتے ہیں. یااللہ ہم اپنی رضا کو تیری رضا پر قربان کرتے ہیں، اور تیرے شاہدین کی معیّت میں شمار کئے جانے کی درخواست کرتے ہیں۔ مومنین کو اس بیع سے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ وقتی توفیق کے رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کی وجہ سے انہیں دائمی انعام ملا ہے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرّف میں لانے کا انعام جنت ہے۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہی غازی بھی ہوتا ہے، شہید بھی ہوتا ہے۔ انعام کا وعدہ مسلسل چلا آ رہا ہے۔ حق کے مطابق وعدہ وفا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ساتھی ہوتا ہے۔ بیع ہو جانے والے کو یہ احساس رہنا چاہئے کہ اب میری مرضی کو مالک کل کی مرضی کے تابع رہنا ہے۔ ہمارے نزدیک بڑی کامیابی وہی ہو. جو اللہ کے نزدیک کامیابی ہے، تو ہماری بیع صحیح ہو گی۔

اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ
السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے. حمد کرنے والے، سیاحت کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے. بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے، اور حدوداللہ کی حفاظت

لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

کرنے والے، اور مؤمنین کو بشارت دیجئے۔

توبہ کا دروازہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے کھلا اور قیامت تک ان کی اولاد اس سے گزرتی رہے گی۔ جہاں نفس شریعت کا لبادہ پہن لے اور حق کے نام پر خواہش کی پیروی کی صورت بن جائے، تو ایسے قول و عمل سے توبہ کرنی چاہئے۔ وہاں رُک جانا چاہئے اور سلامتی کی راہ لینی چاہئے۔ عبادت کرنے والے. اللہ کے عبد اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معیارِ مطلق جانتے ہیں. اظہار بندگی اس طرح کرتے ہیں کہ حق کا احترام بڑھے اور استکبار کی ہر صورت قابلِ نفرت ہو جائے۔ حمد کرنے والے، محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں اور شانِ خداوندی کو بیان کریں یا اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو، اسی قدر بات کرتے ہیں، جس پر وہ خود عمل پیرا ہوں۔ سیاحت کرنے والے جہاں بھی جاتے ہیں، اپنے تجربے اور مشاہدے سے سیکھتے ہیں۔ لذائذ و مرغوبات کو مقصدِ حیات بنانے والوں کی عاقبت بھی انہیں نظر آتی ہے، اور شاہدین کی معیت میں خوف و حزن سے نجات پانے والے بھی انہیں نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ سیکھنے کی بڑی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تن آسان نہیں ہوتے، جس سے سیکھتے ہیں اس کا ادب کرتے ہیں، اور جس کو سکھاتے ہیں اس سے پیار کرتے ہیں۔ رکوع کرنے والے، رکوع کرنے والے پاک لوگوں کی معیت میں فلاح دیکھتے ہیں، اور جب بھی جھکتے ہیں، رضائے الٰہی کے لئے جھکتے ہیں۔ سجدہ کرنے والے جانتے ہیں، سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن پاک کی تلاوت کے دوران آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو فوراً ایک سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس میں وقت اور سمت کا تعین ضروری نہیں ہوتا۔ نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے ہوتے ہیں، اس میں وقت اور سمت متعین ہے۔ سجدہ کرنے والے اللہ سے اس کا فضل طلب کرتے ہیں، اس کی تائید و نصرت طلب کرتے ہیں اور اپنے علم کو علمِ حقیقی کے مقابل حقیر جانتے ہیں۔ مذکورہ خوبیوں والے حضرات بھلائی کا امر کرتے ہیں۔ ان سے مشورہ لینا ہمیشہ باعثِ برکت ہوتا ہے۔ وہ جو بھی فرمائیں، کسی ذاتی غرض و غایت کے لئے نہیں فرماتے، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے فرماتے ہیں، اور اجر کا سوال بھی نہیں کرتے۔ برائی سے منع کرنا بھی انہی حضرات کا کام ہے۔ برائی قول میں ہو تو عمل میں آتی ہے۔ یہ حضرات روشن کرتے ہیں کہ قول کی برائی معاشرتی مسائل کو بڑھاتی ہے۔ وہ قول بُرا ہوتا ہے جو سامعین کو نور سے ظلمات کی طرف جانے کی ترغیب دے۔ اور وہ عمل برا ہوتا ہے، جس میں عامل حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دے۔ برائی سے منع کرنے والے یہ بتاتے ہیں کہ رسم و رواج انسانوں کی پسند سے بنتے ہیں۔ اور انہی کے ذریعے کچھ لوگ استکبار کا اظہار کر کے دوسروں کو کمتر ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح سرمائے کی مقدار شرافت کا پیمانہ بن جاتی ہے، جو قطعاً غلط ہے۔ مندرجہ بالا صفات کے حامل لوگ، اللہ کی مقرّر کردہ حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ حدود کی حفاظت اس طرح ہوتی ہے کہ لوگ ان حدود کا احترام کریں، اور بے باکی کا مظاہرہ کبھی نہ کریں۔ ہر وہ حرکت جو ممنوعہ اعمال کی طرف لے جانے والی ہو، اس سے رُک جانا، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرنے کی صورت ہو گی۔ حدود اللہ کی حفاظت ذاتی زندگی میں ہو، تو معاشرتی زندگی میں ممکن ہوتی ہے۔ ان نو مقامات پر پورا رہنے والے حضرات مؤمنین ہیں۔ ان کے لئے بشارت ہے کہ ان کی بیع عنداللہ مقبول ہے۔ دنیا میں بھی اللہ انہیں نصرت دے گا، آخرت میں بھی، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

حاصل : مؤمنین کی نو صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، سیاحت کرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔ ان صفات

کے حاملین کے لئے فلاح کی بشارت ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں، اگرچہ وہ ان کے قرابت والے ہوں، بعد اس کے کہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔

جب مشرکین خلافِ حق کرتے ہوئے دوزخ کو اپنے لئے مقدّر کر چکے ہوں، تو ان کے لئے بخشش طلب کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کی شان کے لائق نہیں۔ قرابت والوں کے لئے بھی ایک حد تک ہی دعاءِ مغفرت کی جا سکتی ہے۔ جو لوگ مؤمنین کے عملاً دشمن ہوں، اور مؤمنین کے دشمنوں کے ساتھ ہوں، اور حق کے انکار کو مقصدِ حیات بنا لیں، ان کے بارے میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخی ہیں، اور انہوں نے شعور کے ساتھ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اگر ان کا کوئی عمل بظاہر بھلا بھی لگے اور اس سے کسی مؤمن کو سکھ بھی ملے، تو مشرک عامل اپنی بڑائی اور استکبار کے لئے ہی وہ عمل کر رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : مشرکین کے واضح طور پر دوزخی ہونے سے پہلے ان کے لئے بخشش کی دعا کی جا سکتی ہے، بعد میں نہیں۔ قرابت والے مشرکین سے کوئی سکھ ملا ہو، تو وہ ان کی ایمان والوں سے محبّت کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے، اور ان کے استکبار کا ثبوت بھی ہو سکتا ہے۔ دعا کرتے وقت اللہ کی رضا کے لئے، مقررہ وقت سے پہلے دعا کرنی چاہئے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾

اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے استغفار کرنا ایک وعدے کے سبب ہی تھا۔ پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، آپ اس سے الگ ہو گئے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام آہیں بھرنے والے، حلم والے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے استغفار کا وعدہ کیا تھا، اور آپ اس وعدے کو پورا کرتے رہے۔ پھر جب آپ پر روشن ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، آپ اس سے الگ ہو گئے۔ اللہ کا دشمن وہ ہوتا ہے، جو قولاً حق کا انکار کرے اور

عملاً عطائے الٰہی کو حق کی نفی پر خرچ کرنے کے ساتھ دوسروں کو اس کی ترغیب دے۔ اللہ کا دشمن ناقابل اصلاح ہوتا ہے۔ اس کے لئے بخشش طلب کرنا رحم کرنے کے حوالے سے، اللہ سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہے، اور یہ منع ہے۔ جس کا مقصود رضائے الٰہی نہ ہو، اور جو اللہ کا دشمن ہو، اس کا راستہ ایمان والوں سے بالکل الگ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کثیر الدُّعا تھے، متضرّع تھے، حق کو ادا کرتے وقت، اللہ سے تائید و نصرت طلب کرتے تھے، اور حق کے ادا ہو جانے کے بعد اللہ کا شکر کرتے تھے۔ جب تک کوئی اللہ کا دشمن نہیں معلوم ہوتا تھا، تب تک اس کے ناقص اعمال کو کمئ علم کی وجہ سے قابل معافی جانتے تھے کہ یہ حلم والوں کی طریقت ہے۔

حاصل : والدین کے لئے مغفرت طلبی لازم ہے مگر یہ دیکھنا فرض ہے کہ وہ اللہ کے دشمن نہ ہوں۔ اللہ کے دشمن سے الگ ہو جانا اور اس سے بیزاری کا اظہار کرنا سنّتِ ابراہیمی ہے۔ کثیر الدُّعا ہونے سے بندے کی "میں" بڑی نہیں ہوتی۔ اور حلم سے معاف کرنے کا علم آتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

اور اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ کسی قوم کو گمراہ کرے، انہیں راہ دکھانے کے بعد حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے کہ انہیں بچنا کس چیز سے ہے۔ بے شک اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

ممنوع سے اجتناب لازم ہے۔ قبل ممانعت جو کام ہو چکے ہوں ان پر گرفت نہیں ہوتی۔ گمراہی ہمیشہ راہِ حق کے جان لینے کے بعد اور ممنوع سے عدم اجتناب کی بنا پر ہوتی ہے۔ جسے پتہ ہو کہ حق کیا ہے، اور اس مقام پر تقوے کی صورت کیا ہے، وہ اگر اپنی حفاظت نہیں کرتا تو وہ اپنے لئے گمراہی کا انتخاب کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ ہر شے کا کُلّی علم رکھتا ہے۔ نیّت کو بھی جانتا ہے، عمل کو بھی جانتا ہے۔

حاصل : جن باتوں سے لوگوں کو بچنا چاہئے، لازم ہے کہ وہ خلافِ حق ہوں اور ان کی وضاحت پوری طرح کی جا چکی ہو۔ کمئ علم اللہ کے نزدیک قابل معافی ہے۔ ہمیں کبھی کمئ علم پر گرفت نہیں کرنی چاہئے اور خلوت و جلوت میں پاک رہنا چاہئے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۭ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾

اللہ ہی کی سلطنت ہے، آسمانوں اور زمین میں، حیات دیتا ہے، اور موت دیتا ہے، اور اللہ کے مقابل تمہارا کوئی دوست اور نصرت دینے والا نہیں۔

اللہ کی بادشاہی آسمانوں میں بھی ہے، زمین میں بھی ہے، اور زمین و آسمان کے مابین ہر مقام پر ہے۔ حیات دینا بھی اسی کی شان ہے، موت دینا بھی اسی کا کام ہے۔ ابتداء سے انتہا تک ہر مقام پر اسی کی قدرت محیط ہے۔ اللہ کے مقابل کسی کی دوستی اور مدد کوئی حقیقت نہیں رکھتی کہ توفیق کا عطا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حاصل : حیات و موت کے درمیان ہر مقام پر احکاماتِ الٰہی کو ماننا چاہئے، اور شاہدین کی معیّت میں رہنا چاہئے۔ اللہ کے مقابل کسی کی دوستی اور نصرت کو اہمیت دینا گناہ ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾

بے شک اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگی کی ساعت میں آپ کا اتباع کیا، مہربانی فرمائی، بعد اس کے کہ قریب تھا، ان میں سے ایک فریق کے دل پھر جائیں۔ پھر ان پر توجہ فرمائی۔ بے شک وہ ان پر مہربان و رحم کرنے والا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اللہ کی مہربانیوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ عطا کرنے والا جانتا ہے، یا جس ذات پاک کو اس عطائے بے بہا سے نوازا گیا ہے، وہ جانتے ہیں۔ مہاجرین و انصار نے تنگی کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اتباع کیا، اور اموال و انفس کو رضائے الٰہی کے لئے، آپ کے فرمان کے مطابق استعمال کیا۔ یہ بھی اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا کہ وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معیّت میں صابر و ثابت رہے۔ ورنہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ڈانواں ڈول تھے۔ اور دل مشکلات کی کثرت کو دیکھ کر ڈگمگانے لگیں، تو عسرت کے وقت، جبکہ وہ طویل ہو رہی ہو، ساتھ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ قربان ہو جانے سے بڑی کوئی سعادت نہیں ان کے دل نہیں ڈولتے۔ ڈگمگاتے دلوں پر اللہ کی توجہ ہو تو انہیں حوصلہ ملتا ہے۔ اللہ ان پر مہربانی فرماتا ہے کہ انہیں کامیابی کی نشانیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ان پر رحم فرماتا ہے کہ وہ شاہد سے اپنے قلبی تعلق کو درست کر لیتے ہیں۔

حاصل : شاہد کی معیّت میں رہنا، اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ عسرت کی ساعت میں قربان ہو جانے کو بڑی سعادت سمجھا جائے تو دل ڈولتے نہیں۔ اللہ کی مہربانی اور رحم سے ہی کامیابی بھی دکھائی دیتی ہے، اور قلبی تعلق بھی درست ہوتا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا،

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع

حتیٰ کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں۔ اور سمجھ گئے کہ اللہ سے پناہ کہیں نہیں مگر اسی کی طرف۔ پھر ان پر توجہ فرمائی کہ تائب ہوں۔ بے شک اللہ توجہ فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

غزوۂ عسرت میں مذکورہ تین شخص شامل نہیں ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تقصیر کا اعتراف کیا، تو آپ نے فرمایا ٹھہرو، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے کوئی حکم نہ ملے، تم سے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ زمین میں یہ لوگ چلتے پھرتے ضرور تھے، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محبّین کا برتاؤ ان لوگوں سے ایسا تھا کہ جیسے ان کو پہچانتے ہی نہیں۔ زمین ان لوگوں پر تنگ ہو گئی۔ ان کو کسی جگہ قرار و سکون نہیں ملتا تھا۔ ان کی اپنی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں۔ جب اقارب بھی عدم وابستگی کا اظہار کر رہے ہوں اور بولنا بھی پسند نہ کریں، تو پھر باہر دیکھنے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر سمجھ آ جاتی ہے کہ پناہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے، تو وہ توجہ فرماتا ہے۔ وہ توجہ فرمائے تو توبہ کرنے والا راحت پاتا ہے۔ اسی راحت سے اسے استقامت ملتی ہے۔ پھر وہ ڈولتا نہیں۔ اللہ تو بڑا توجّہ فرمانے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔ مگر لوگ اس کی طرف آتے آتے بڑا وقت لگا دیتے ہیں۔

حاصل : امیر المؤمنین کی اطاعت لازم ہے۔ ہر تعلّق میں مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔ مخلوق سے مایوسی ہو تو خالق کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ خالق و مالک کی طرف رجوع ہو تو نقص واضح بھی ہو جاتا ہے، دور بھی کر دیا جاتا ہے۔ عبداللہ ہونے کے لئے مخلوق پر رضائے الٰہی کے مطابق رحم کرنا ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ ۲۱/۳۵

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں شر اور خیر سے جانچتے ہیں اور تمہیں ہماری طرف ہی مراجعت کرنی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو، اور

اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ صادقین کی معیّت اختیار کرو۔

اللہ سے ڈرتے رہنا یہ ہے کہ اس کی رضا کے حصول کے لئے، اس کی عطا کردہ توفیق کو محدود وقت میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ جزا کا یقین ہمارے عمل سے روشن ہو۔ اللہ سے ڈرنے والے قول و فعل میں اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ صادق وہ ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں، پھر کبھی شک نہیں کرتے، اور اپنے جاننے کو کبھی ماننے کے لئے شرط نہیں بناتے اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔ اللہ سے اس کا فضل مانگتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور حق پر رہنے والوں کی تائید کرتے ہیں، ان کی معیّت اختیار کی جائے گی تو وہ تربیّت حاصل ہوگی جو حسنِ معاشرت کی جان ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ سے ڈرتے رہنے کا دعویٰ ہو تو جزا کا یقین ہمارے عمل سے روشن ہونا چاہئے۔ اور صادقین کی معیّت میں اس طرح رہنا چاہئے کہ انہیں سکھانے میں آسانی رہے اور سیکھنے والے اپنے سُکھ کو اہمیت نہ دیں۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ
يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ
ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ
مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا
يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا
كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢٠﴾ ۙ

اہل مدینہ اور گرد کے اعراب کو لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے رہیں، اور نہ یہ ان کی ذات پاک سے اپنی جانوں کو پیارا سمجھیں، یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف، پیاس اور بھوک پہنچتی ہے، اور جہاں قدم رکھتے ہیں کہ کفّار کو غیظ آئے، اور جو کچھ کسی دشمن سے چھینتے ہیں، اس سب کے بدلے ان کے لئے صالح عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اہل مدینہ میں مہاجرین و انصار سبھی شامل ہیں اور مدینہ شریف کے گرد رہنے والے اعراب جن کے لئے مدینہ شریف مرکز کا درجہ رکھتا ہے، ان سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے بعد ہر امیر المومنین سے ایسا تعلق ہونا چاہئے کہ وہ جہاد سے پیچھے رہنے کا تصوّر بھی نہ کر سکیں۔ اور اپنی جانوں کو آپ کی ذات پاک سے اور بعد میں آنے والے ہر امیر المومنین کی پاک جان سے عزیز نہ رکھیں۔ جہاد میں بڑے مشکل مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ تکلیف بھی ہوتی ہے، پیاس کی شدت کا موقع بھی آتا ہے، بھوک کی شدت کا موقع بھی آتا ہے، اور جب کفار کی زمین روندی جاتی ہے، تو ان کو غیظ بھی آتا ہے۔ ان سے مقابلے کی صورت میں شہید ہو جانا تو دائمی حیات پا جانے والی بات ہے، ورنہ ان کو ہزیمت دے کر، انہیں مغلوب کرنے کی صورت بنتی ہے۔ ان سب مقامات پر رضائے الٰہی کو مقصود بنانے والے وہ لوگ ہیں، جن کی حرکات و سکنات سب صالح اعمال کا درجہ رکھتی ہیں۔ محسنین کا منشاء رضائے الٰہی کے مطابق مؤمنین کو آسانیاں مہیّا کرنا ہوتا ہے۔ ان کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ اجر ان کا ضائع ہوتا ہے، جو رضائے الٰہی کے مقابل اپنی پسند کو اہمیّت دیتے ہیں، محسنین کی صورت کے خلاف اپنی ذات سے پیار کرتے ہیں، مشکل مقامات پر بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور دشمن سے ٹکراؤ کے وقت ذاتی غرض و غایت میں الجھ جاتے ہیں۔

حاصل : محسنین وہ لوگ ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہر امیر المؤمنین کو اپنی جانوں سے عزیز تر جانیں، اللہ کی راہ میں مشکل مقامات سے گزرتے وقت صبر کریں، اور جہاد میں کفار کے ساتھ کسی تعلّق کو محسوس نہ کریں۔ ان کی ہر حرکت رضائے الٰہی کے تحت ہو۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں، چھوٹا خرچ یا بڑا خرچ اور جو وادی طے کرتے ہیں ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کی احسن جزا دے۔

بندہ ہمیشہ عطائے الٰہی میں سے خرچ کرتا ہے، اس کے خرچ کو اسی عطا کی نسبت سے چھوٹا یا بڑا کہا جاتا ہے۔ جس خرچ کو عطائے الٰہی سے چھوٹی نسبت ہو وہ چھوٹا خرچ ہوتا ہے۔ جس خرچ کو عطائے الٰہی سے بڑی نسبت ہو وہ بڑا خرچ ہے۔ وادی کا طے کرنا یہ ہے کہ اس میں داخل ہوتے وقت اللہ کی رضا کے لئے حوصلے اور صبر کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلتے وقت اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ ان سب اعمال کو لکھ لیتا ہے۔ اور احسن جزا تو اللہ ہی دے سکتا ہے۔ وقت، قوت اور سرمایہ، سب اللہ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ جو اس کی رضا کے مطابق خرچ ہو جائے، باعثِ عزّت ہوتا ہے، باعثِ راحت ہوتا ہے، باعثِ برکت ہوتا ہے، اور یہ سب احسن جزا کے ارکان ہیں۔

حاصل : جس خرچ کو عطائے الٰہی سے چھوٹی نسبت ہو وہ چھوٹا خرچ ہے۔ جس خرچ کو عطائے الٰہی سے بڑی نسبت ہو وہ بڑا خرچ ہوتا ہے۔ وقت، قوت اور سرمایہ اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہوں، تو عزّت، راحت اور برکت میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ ع

اور مومنوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ سب کے سب نکلیں۔ تو کیوں نہ ہو، کہ ان کے ہر فرقہ سے ایک طائفہ نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں، اور جب ان کی طرف مراجعت کریں، اپنی قوم کو ڈر سنائیں تاکہ وہ بچتے رہیں۔

جہاد کے لئے مؤمنین کو، جو بلوغت کی حدود میں داخل ہو چکے ہوں، امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ جن کو جانے کا حکم ہو انہیں جانا چاہئے، جن کو پیچھے رہنے کا حکم ہو ان کو پیچھے رہنا چاہئے۔ اپنے لئے خود کسی بھی صورت کا فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ رضائے الٰہی کے چاہنے والے معذور بھی ہوں تو امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اہلیّت کو بیان کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اس اہلیّت کے حوالے سے انہیں خدمت سپرد کر دی جائے۔ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لئے نکلنا بھی جہاد کی ایک صورت ہے۔ سبھی ایمان والے یکبارگی اس کارِ خیر کے لئے نہیں نکل سکتے۔ اس لئے ہر فرقہ سے جو ایک معاشرتی اکائی کا درجہ رکھتا ہے، اس میں سے کچھ لوگ دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے نکلیں اور دین کا علم سکھانے والے متوکّل لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انہیں جو سکھایا جائے، وہ سیکھیں، وضاحت طلب امور پر سوال کر کے اطمینان حاصل کریں۔ دینی مسائل سیکھنے کے ساتھ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے کا علم بھی سیکھیں۔ اگر صرف دینی مسائل سیکھنے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے، تو دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے میں ہی زندگی تمام ہو جائے گی۔ سکھانے والے جب فارغ التحصیل ہونے کی سند عطا کریں، تو اپنی قوم کی طرف مراجعت فرض ہے۔ اپنی قوم کو بتانا چاہئے، حق کیا ہے، کیا کرنا چاہئے، کیا نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ کرنا چاہئے، اس کی طریقت سکھانی چاہئے۔ جو نہیں کرنا چاہئے، اس سے بچنے کی تدابیر سکھانی چاہئیں۔

حاصل: دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے ہر معاشرتی اکائی سے ایک جماعت کو دین کا علم سکھانے والے متوکّل لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی قوم کی طرف مراجعت فرض ہے۔ انہیں بتانا چاہئے، رضائے الٰہی کے لئے کیا کرنا ہے اور کن باتوں سے بچنا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ المومنون میں ارشاد فرمایا ہے:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ۝ ۶۹ / ۲۳

یا انہوں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا، تو وہ آپ کو بیگانہ سمجھ رہے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ ربع

اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کفّار سے، اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔ اور معلوم رہے کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

کفّار سے لڑنا رضائے الٰہی کے لئے ہو اور ناپاکی کو دفع کرنے کے لئے ہو، تو نزدیکی کفّار سے پہلے ہوگا۔ بعدہٗ ان کے نزدیک رہنے والے کفّار سے، پھر ان کے قریب رہنے والے کفّار سے۔ حلقہ جہاد اسی طرح وسیع ہوتا جائے گا۔ اپنے قریب رہنے والے کفّار کو ہمارے اندر سختی نظر آئے گی، تو یہ ثابت ہوگا کہ ہمیں اللہ کی رضا عزیز ہے، اور ہم اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ ناپاکی کو پہلے اپنے قریب سے دور کرنا چاہیئے۔ اس طرح بتدریج پاکیزگی کو وسعت حاصل ہوتی جائے گی۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اس کی رضا کے خلاف کرنے سے کراہت ہو اور حق کی احسن ادائیگی کے بعد بھی زبان سے یہی نکلے کہ یا اللہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے منوّر معیار کے حوالے سے میرا عمل پورا نہیں ہے۔ تو قبول کرلے تو یہ تیری مہربانی اور تیرا رحم ہوگا۔

حاصل : اپنے قریب والے کفّار سے لڑنا چاہیئے۔ حلقۂ جہاد کو اندر سے باہر کی طرف وسعت دینی چاہیئے۔ کفّار کے ساتھ، شدّت اور سختی کا رویّہ رکھنا حق ہے۔ یہ سختی اور شدّت انہیں محسوس ہونی چاہیئے۔ اللہ سے ڈرنے والے کسی دوسرے سے نہیں ڈرتے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں، اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ تو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، اس نے ان کا ایمان زیادہ کر دیا۔ اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

حقائق و معارف فرمانِ خداوندی میں موجود ہوتے ہیں۔ ناصحین سے محبّت رکھنے والوں کے ایمان میں ان حقائق و معارف کو جان کر اضافہ ہوتا ہے۔ محبّت نہ رکھنے والے لوگ استہزاءً ایمان والوں سے پوچھتے ہیں۔ یہ بات جو ہم نے بھی سنی ہے، تم نے بھی سنی ہے، ہم پر اس کا وہ اثر نہیں ہوا، جو تم پر ہوا ہے۔ اس بات نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے۔ ایمان والے ناصحین

سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کے لئے نصیحت بہت اہمیّت رکھتی ہے کہ نصیحت دینے والے کا فرمان ماضی میں انہیں راحت دے چکا ہوتا ہے۔ ان کا تجربہ اس بات کی شہادت دے رہا ہوتا ہے کہ ماننے کے بعد جاننے کا مقام آتا ہے۔ اور اللہ کا فرمان ہمیشہ ماننے والوں کے لئے نافع ہوتا ہے۔ حکم کے ماننے کے بعد انعام ملنے کا یقین باعثِ راحت ہوتا ہے۔

حاصل : ناصحین سے محبّت رکھنے والوں کے ایمان میں حق کو ماننے سے اضافہ ہوتا ہے۔ جو بات ماننے والوں کے لئے حقائق و معارف کا درجہ رکھتی ہے، وہ نہ ماننے والوں کے لئے اہم نہیں ہوتی۔ حکم کے ماننے کے بعد انعام سے نوازے جانے کا یقین باعثِ راحت ہوتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور جن کے قلوب میں مرض ہے تو انہیں پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور وہ کافر ہی مرے۔

منافقوں کے دل میں مرض ہوتا ہے۔ ناصح سے عدم محبت اس مرض کا سبب ہوتا ہے، اور حق کے سننے سے اس مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان کے اندر پلیدی تو پہلے موجود ہوتی ہے۔ حال پر حق کو سن کر اس سے کراہت کا احساس پلیدی کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ جب یہ دیکھا ہی نہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت گزرتی جا رہی ہے، اور عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی حق کو ماننا نفع دیتا ہے، تو پھر انجام بخیر نہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

حاصل : حق کے سننے سے ہر ایک اپنی قلبی کیفیت کے مطابق اثر لیتا ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو سننے والے کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ناصح سے محبت نہ ہو اور اس کو ماننے کا دعویٰ بھی ہو تو حق کو سننے سے پلیدی بڑھتی ہے، اور انجام بخیر نہیں ہوتا۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

کیا دیکھتے ہیں کہ ہر سال ایک بار یا دو بار انہیں فتنے میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت مانتے ہیں۔

جو لوگ حق کو اپنی خواہشات کے حوالے سے مانتے ہیں، وہ نام حق کا لیتے ہیں، کرتے وہی ہیں جو ان کا جی چاہے۔ ایسے لوگوں کو فتنے میں ڈالنا انہیں یہ احساس دلانے کے لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنے تجربات کے حوالے سے یہ دیکھیں کہ حق کو ماننے کے

دعوے میں وہ سچے نہیں ہیں اور جس بات کے صحیح ہونے کا انہیں یقین تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ جب اپنے غلطی پر ہونے کا واضح احساس ہو جائے اور ہر سال میں ایک بار یا دو بار ہو جائے، پھر بھی توبہ نہ کی جائے اور غلط روش کو نہ چھوڑا جائے، اور نصیحت ماننے کی بجائے، اپنی پسند کی نئی راہ لینے پر اپنی توجّہ کو مرکوز کر دیا جائے، تو یہ قطعاً بخشش و اصلاح کے مواقع کی ناشکری ہے۔

حاصل : اپنے تجربات کے حوالے سے یہ دیکھنا چاہئے کہ حق کو ماننے کے دعوے میں ہم سچے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ہم حق کے نام پر اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، تو اس روش سے توبہ کرنی چاہئے اور نصیحت کو باعثِ فلاح مان لینا چاہئے۔

وَاِذَا مَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ ؕ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے، ان میں بعض، بعض کو دیکھنے لگتے ہیں۔ کوئی ہمیں دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر پلٹ جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے قلوب پھیر دیئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

منافق، منافق کو اپنا ساتھی جانتا ہے۔ حکمِ خداوندی سے دور بھاگنا ان کی قدرِ مشترک ہوتی ہے۔ اس لئے جب کسی مقام پر ان کے سامنے حکمِ خداوندی کا ذکر ہونے لگے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھ کی زبان میں نکل بھاگنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ احتیاط بھی ملحوظ ہوتی ہے کہ کوئی ان کی حرکات کو دیکھ نہ رہا ہو۔ اور اگر کوئی دیکھ رہا ہو تو پھر رک کر، اور مؤمنین سے ملتی جلتی حرکات سے یہ تأثر پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔ جب بھاگنے کے لئے حالات موزوں نظر آئیں فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ جب یہ نورِ ہدایت کی ناشکری کریں گے تو ان کے قلوب علم و عرفان سے پھیر دیئے جائیں گے۔ سمجھ کا موجود ہونا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ نقصان سے بچنے کی سعی کے ساتھ فائدے کے حصول کی تدبیر ہو۔ جس کی بات، سامعین کے مفاد کے لئے ہو، اور اس میں کہنے والے کی غرض و غایت نہ ہو اس کی بات پوری توجہ اور پورے انہماک سے سنی جائے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے احسن استعمال کی تعلیم دینے والے کو اپنا محسن مانا جائے۔

حاصل : حق سے بھاگنے کی کوشش کرنا، منافقت کی ایک نشانی ہے۔ منافق آنکھ کی خیانت کا ماہر ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے بچنے میں کبھی غفلت نہیں برتتا۔ جو شاہد اور نورِ ہدایت سے بھاگے اس کے قلب کو اس کی ناسمجھی کے سبب حق سے پھیر دیا جاتا ہے۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ

بے شک تمہارے پاس رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم میں سے تشریف لائے۔ آپ

عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

پر تمہارا مشقّت میں پڑنا گراں ہے۔ وہ تمہاری بھلائی پر حریص، مومنین کے ساتھ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے ذکر میں پہلا مقام عدم اجنبیّت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ملنے والے نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس کا حضورؐ سے اور حضورؐ کا اس سے بہت تعلّق ہے۔ کہیں اجنبیّت کا احساس نہیں ہوتا۔ قیامت تک شاہدین کی معیّت میں لکھے جانے کی دعا کرنے والے، اسی تعلّق کو محسوس کرتے رہیں گے۔ اجنبیّت میں استفادہ آسان نہیں ہوتا۔ اور حضورؐ سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لئے آسان تھا اور آسان ہے۔ ایک وقت میں بلا واسطہ اور دوسرے وقت میں بالواسطہ، کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے ایک راستہ آسان اور محفوظ ہوتا ہے۔ باقی سب نسبتاً مشکل اور غیر محفوظ ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت کے ہر ہر فرد سے یہ تعلّق ہے کہ کسی کا بھی مشقّت میں پڑنا، یا کسی جماعت کا مشقّت میں پڑنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔ اور کسی کا آسانی سے اپنے پاک مقصد کو پالینا حضورؐ کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے۔ ہر امتی کی بھلائی کی حرص بھی آپ کی شان ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہر ایک اُمتی کو خوف و حزن سے نجات ملے، ہر ایک اُمتی کو نورِ ہدایت حاصل ہو اور حسنِ معاشرت اس مقام پر پہنچے کہ ہر فرد اپنی ذات کو، اپنی اولاد کو اور اپنے جملہ متعلقین کو ظلم و جبر سے محفوظ سمجھے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنے رخ کو درست رکھے۔ مؤمنین کے ساتھ رأفت و رحم آپ کا معمول تھا۔ جو شان، عدم اجنبیّت کے بیان سے شروع ہوئی تھی، وہ مؤمنین کے ساتھ رأفت و رحم کے بیان پر ختم ہو رہی ہے۔ مؤمنین کے ساتھ رأفت یہ ہے کہ ان کی حسنِ نیّت کے حوالے سے ان کی کوتاہیوں کو قابل معافی جانتے ہیں اور رحم یہ ہے کہ ان کے صالح اعمال کی قدر و منزلت کرتے ہیں، اور انہیں عزّت سے نوازتے ہیں۔

حاصل : ناصح سے قرب کا احساس ہو تو اس سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ کسی بھی مقصد کے حصول کا راستہ، آسان ہو اور محفوظ ہو تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک باعثِ راحت ہوتا ہے۔ کسی کا بھی مشقّت میں پڑنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔ جس کی بھلائی کی حرص ہو اس کے خیر کی طرف آنے کا انتظار رہتا ہے۔ مومنین کے ساتھ رأفت و رحم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقت ہے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ / ۵

پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو فرما دیجئے مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر توکّل کیا، اور وہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔

اگر کوئی فلاح سے دور جانا چاہے، آسان اور محفوظ راستے کے مقابل مشکل اور غیر محفوظ راستے کا انتخاب کرے، جس ذاتِ پاک کو اس کی بھلائی کی حرص ہو، جو ذات پاک غرض و غایت سے پاک ہو، اور پاک کرنے کا شرف رکھتی ہو، اس کو چھوڑ کر

برائی اور بے حیائی کا امر کرنے والے کی اطاعت کرنے لگے، تو ایسے منہ پھیرنے والے سے یہ کہہ دینا چاہئے، تبلیغ حق کا اجر ربّ العالمین پر ہے، مجھے وہی کافی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکّل کیا۔ وہی اس کائنات کے مرکزِ اقتدار کا مالک ہے۔ فرد کی زندگی میں بھی نتائج باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ جماعت کی زندگی میں بھی نتائج باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔

حاصل : حق سے منہ پھیرنے والے کو یہ کہنا چاہئے کہ تبلیغ حق کا اجر ربّ العالمین پر ہے۔ مخلصین اسی پر توکّل کرتے ہیں، اور نتائج کو باذنِ اللہ جانتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ / ۲۹

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھے، یا حق کی تکذیب کرے جب وہ اس کے پاس آئے۔ کیا جہنم ہی کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

کٹیلاگ کارڈ نمبر ۲۹۷,۱۲۲۹
297,1229 فضل شاہ" حضرت
تفسیر فاضلی، (المائدہ۔التوبہ) - مرتبہ محمد اشرف فاضلی
لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۹- ریلوے روڈ- لاہور ۱۹۹۰ء
ج- ۲ (منزل دوم)

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل دوم (سورہ المائدہ تا سورہ التوبہ) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

گڑھی شاہو۔ لاہور
۵- اگست ۱۹۹۰ء

حافظ سراج الدین گجراتی

حافظ سراج الدین گجراتی
پروف ریڈر

Tafseer-e-Fazli

Al-Maeda—Al-Toubah
Manzil II

COMMENTARY
HAZRAT FAZAL SHAH

WRITTEN BY
MUHAMMAD ASHRAF FAZLI

1411 A. H.

FAZLI FOUNDATION LAHORE

منزل ۲

تفسیر فاضلی

منزل دوم

المائدۃ ـــ التوبۃ

حضرت فضل شاہ

محمد اشرف فاضل

۱۴۲۱ھ

فاضلی فاؤنڈیشن لاہور

تفسیرِ فاضلی

منزل سوم

یونس ـــ النحل

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۴ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

تفسیرِ فاضلی

منزل سوم

یونس ـــ النحل

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۴ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

بار اوّل	:	۱۹۹۳ء، ۱۴۱۴ ھجری
بار دوم	:	۲۰۱۰ء، ۱۴۳۱ ھجری
ناشر	:	محمد اشرف فاضلی فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ، کوٹ لکھپت، لاہور فون:042-35943292
کمپوزنگ	:	حسن رشید، مکتبہ جدید پریس
پرنٹر	:	رشید احمد چودھری مکتبہ جدید پریس، ۱۴۔ ایمپریس روڈ، لاہور فون:042-6307639-40
بہ اہتمام	:	خالد محمود

فہرست

ابتدائی کلمات

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

ابتدائی کلمات

منزل سوم میں سات سورتیں ہیں۔ان سورتوں کی کل آیات ۶۶۵ ہیں۔

(۱)سورۃ یونس ۱۰ میں ۱۰۹ آیات ہیں۔

(۲)سورۃ ھود ۱۱ میں ۱۲۳ آیات ہیں۔

(۳)سورۃ یوسف ۱۲ میں ۱۱۱ آیات ہیں۔

(۴)سورۃ الرعد ۱۳ میں ۴۳ آیات ہیں۔

(۵)سورۃ ابراہیم ۱۴ میں ۵۲ آیات ہیں۔

(۶)سورۃ الحجر ۱۵ میں ۹۹ آیات ہیں۔

(۷)سورۃ النحل ۱۶ میں ۱۲۸ آیات ہیں۔

منزل سوم گیارہویں پارے میں سورۃ یونس سے شروع ہوتی ہے اور سورۃ النحل کے ساتھ چودھویں پارے میں پوری ہوجاتی ہے۔

خواتین وحضرات! تفسیر فاضلی حضوری کا راستہ دکھاتی ہے۔حکم الٰہی کو سن کر ادب سے اس کی اطاعت کی جائے اور حسن بیان پر داد وتحسین کو کافی نہ سمجھ لیا جائے تو عمل صالح کے بعد علم حقیقی عطا ہوگا۔اسی کو نور ہدایت کہتے ہیں۔نور ہدایت کو جس قدر تقسیم کیا جائے یہ بڑھتا رہتا ہے۔تقسیم نہ کیا جائے تو معطیٔ نور کی طرف سے عطا کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔

منزل اوّل ۱۴۰۳ھ میں چھپی تھی،منزل دوم ۱۴۱۱ھ میں چھپی تھی اور منزل سوم ۱۴۱۴ھ میں چھپ رہی ہے۔انشاء اللہ باقی چار منازل نسبتاً کم وقت میں آپ تک پہنچیں گی۔

یہ حقیقت بھی آپ کی نظر میں ہے کہ بہت کم تعداد میں چھپنے کے باوجود ایسی کتابیں پڑھنے والوں کے انتظار میں رہتی ہیں۔

پروفیسر عبدالحفیظ صاحب نے پروف پڑھنے میں جس قدر محنت کی ہے،اجر کا سوال کرنے والوں کے لئے وہ ناقابل تصور ہوتی ہے۔

رشید احمد چودھری اور مکتبہ جدید پریس کے سب ارکان کا شکریہ کہ وہ اس کام کو بڑے ادب سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

تفسیر فاضلی کو آپ تک پہنچانے میں کچھ حضرات کا کام جلوت سے تعلق رکھتا ہے کچھ حضرات کا کام خلوت سے تعلق رکھتا ہے،اور یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔اگر یہ کتاب آپ کے لئے باعث راحت ہو،آپ کو اس سے فیض یاب ہونے کا شرف ہو،تو ان سب حضرات کو دعاء خیر سے یاد کیجئے جن کی سعی مشکور ہوئی۔

اللہ آپ کو دنیا وآخرت میں فلاح عطا فرمائے۔

اشرف فاضلی

اشرف فاضلی

۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

اشاعتِ ثانی

خواتین وحضرات! ۱۴۱۷ھ میں یہ کتاب پہلی بار چھپی تھی، اب ۱۴۳۱ھ ہے۔

کتاب کی افادیت کی شہادت تو سنجیدہ قاری ہی دے سکتا ہے، جو حاصل پر نظر رکھتا ہو اور اصلاحِ حال سے کبھی غافل نہ ہو۔

اللہ کی راہ پر خرچ کرنا محسنین کی طریقت ہے، اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے۔ ہمیں بھی وہ پسند ہوں گے تو یہ اللہ کو ماننے کا ثبوت ہوگا۔

طہارت رکھنے والے اللہ کو پسند ہیں۔ پاک رہنا اور پاک رہنے والوں کی قدر کرنا ہمارا معمول ہونا چاہیے۔

عہد کو وفا کرنا اور اللہ سے ڈرنا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ یہ صفات ہمارا حال ہوں تو یہ ہمارے ایمان کا ثبوت ہوگا۔

حق کے مخالفین کی کثرت کو دیکھ کر سست نہ ہونا، اور ان کے اسباب کی بہتات کو دیکھ کر ضعف کا اظہار نہ کرنا اور ان کے اسباب سے مرعوب نہ ہونا صابرین کی طریقت ہے، اور یہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔

حال پر حق کی ادائیگی کے لیے عطاءِ الٰہی کو پورا جاننا اور مستقبل کی ضرورت کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ علیم مطلق کی طرف سے اُسے پورا کیا جائے گا توکل ہے اور اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

عدل کرنے والے کسی کی حق تلفی نہیں کرتے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا، اُن کے نزدیک احق ہوتی ہے۔

اللہ انہیں پسند کرتا ہے، ہمیں بھی اُن کی قدر و منزلت کو اپنا طریق زندگی بنانا چاہیے۔

حکم الٰہی کی اطاعت ہوگی تو علم عطا ہوگا، اور اُس سے نور ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا۔

نیت کو درست رکھنا، حصولِ مقصد کے طریقے کو درست رکھنا اور نتائج کو باذن اللہ جاننا کامیابی ہے۔

آپ کے پاس پہنچنے تک یہ کتاب جن جن مراحل سے گزری ہے، علیم مطلق ہی سب سے بڑا جاننے والا ہے، وہ ہر ایک کو اُس کے عمل کی جزا دینے والا ہے۔

اللہ آپ کو اُن تمام صفات سے نوازے جو اُس کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اور دنیا و آخرت میں آپ کو حسنات عطا کرے۔

رشرف غاضی

رحمت خانہ آصف صاحب

اسحاق آباد کراچی

۳۰ جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

آیاتھا ۱۰۹ سُورَۃُ یُونُسَ رکوعاتھا ۱۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ۝۱

الٓرٰ قف یہ کتابِ حکیم کی آیات ہیں۔

حروفِ مقطعات کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے معانی پر کلام کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہے، اور یہ منع فرمایا گیا ہے۔ قرآن پاک، کتاب حکیم ہے۔ علیم مطلق اور حکیم مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہے گی۔ اس کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو صد اڑتیس (۶۲۳۸) ہے۔ کتابِ حکیم کی آیات میں جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ اخبار و قصص کو جس طرح اور جس قدر بیان فرمایا گیا ہے، اسی میں دانائی ہے۔

حاصل: کتاب حکیم کی آیات، جب سند کے طور پر سامنے آجائیں، تو استدلال کو ختم ہو جانا چاہئے۔ دانائی اور بھلائی کے نام پر ہونے والے ہر کام کو تبھی پکا سمجھا جائے گا، جب قرآنِ پاک اس کی تصدیق کرے گا۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ۝۲

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کیا لوگوں کو عجیب لگا، کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد پر وحی فرمائی کہ لوگوں کو ڈر سنا دے، اور ایمان والوں کو بشارت دے کہ ان کے لئے ان کے رب کے ہاں سچ کا مقام ہے۔ کافروں نے کہا بے شک یہ تو صریحاً جادوگر ہے۔

لوگوں کو اگر یہ عجیب لگا، کہ انہی میں سے ایک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے مرتبہ اولیٰ سے مشرف فرمایا، تو یہ ان کی کم فہمی ہے۔ لوگوں کو حق کے خلاف کرنے کی صورت میں ڈر سنانے کے لئے، اور اللہ کے رسول سے محبت رکھنے کی صورت میں بشارت دینے کے لئے، بشر ہی بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔ بشر ہی یہ بتا سکتا ہے، کہ کس مقام پر رضائے الٰہی کے لئے کس طرح بولنا ہے، یا کس طرح خاموش رہنا ہے۔ کس مقام پر کیا کرنا اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے، اور کیا پسندیدہ نہیں ہے۔ انسان کو اللہ نے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، وہ کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ مقصد حیات پورا ہونے کی صورت میں خوف و حزن سے نجات ملے گی، راحت حاصل ہوگی اور صدق کا مقام نصیب ہوگا۔ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، انہوں نے یہ کہا کہ ہمیں اللہ نے اطمینان کی نعمت سے نوازا ہے۔ اب ہمیں نہ خوف ہے نہ حزن ہے۔ ہونا اور نہ ہونا انسانی زندگی میں جاری رہتا ہے، ہم ہونے کی صورت میں شکر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں، نہ ہونے کی صورت میں صبر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں، ذکر الٰہی بہر صورت کرتے رہتے ہیں۔ اس پر کافروں نے کہا کہ ہم جیسے لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دینے والا تو صریحاً جادوگر ہی ہو سکتا ہے۔ جادو اس لئے کہا گیا کہ کافروں کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم فوق العادت، مؤثر و بلیغ تو ضرور تھا، مگر وہ اس کے اثرات کو دائمی نہیں سمجھتے تھے۔

حاصل: بشر کا رسول اللہ ہونا عجیب نہیں ہے۔ اللہ کی عنایت ہے کہ مقصد حیات کے پورا کرنے کے لئے، اپنا

پسندیدہ اکمل نمونہ انسان کے سامنے رکھا ہے۔ ہدایت دینے والے کا مرد ہونا ضروری ہے۔ ڈرسنانا اور بشارت دینا اس کا کام ہے۔ ماننے والے مقام صدق پر ہوتے ہیں۔ کافر کسی کو خوف و حزن کے دائرے سے باہر دیکھیں تو اسے جادوگر کہہ دیتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

بے شک تمہارا ربّ اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں خلق فرمایا، پھر عرش پر اُستویٰ فرمایا۔ کام کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی شفاعت نہیں کرسکتا مگر اس کے اِذن کے بعد۔ یہ ہے اللہ تمہارا ربّ۔ تو اس کی عبدیت کرو۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اللہ ہی سب کا پالنے والا ہے۔ ربوبیت کے لئے لوازمات کا کلی علم انسان کو نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کہ وہ ہر ایک کو پالتا ہے، اور بڑے علم سے پالتا ہے۔ رحم مادر میں پالنا خلوت کی صورت میں ہوتا ہے، اور وضع حمل کے بعد سے تاحیات پالنا جلوت میں ہوتا ہے۔ پالنا اتنا بڑا کام ہے، کہ اسے اللہ ہی کرسکتا ہے۔ ایک جسم کی ضروریات، اس کے بعد اس نوع میں اس جسم کا مقام، پھر انواع میں اس نوع کی حیثیت، پھر ایک عالم میں ارکان کے درجات اور پھر تمام عالمین میں توازن و نظم، ان تمام مقامات پر ربوبیت اللہ ہی کرسکتا ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ چھ دن ہمیشہ ماضی ہوتے ہیں، ساتواں حال ہوتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔ اللہ نے سب کچھ چھ دن میں بنایا اور پھر سارے عالمین کی ربوبیت کے لئے عرش پر جلوہ فرما ہوا، جو اسی کی شان کے لائق ہے۔ اس بڑے انتظام کو چلانا بھی اسی کا کام ہے۔ کام کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے۔ اپنی مخلوق کو توفیق دینا، اس توفیق کے استعمال کی مہلت دینا، اس مہلت میں ان کے رخ کو دیکھنا، اور نتائج کو اپنی منشاء کے تابع رکھنا، یہ سب اس مدبّرِ حقیقی کا کام ہے۔ اس کے سامنے شفاعت اسی کے اذن سے ہی ہوسکتی ہے۔ شفاعت کرنے والے شاہدین یہ شہادت دیں کہ یا اللہ اس فرد نے یا جماعت نے ہمارا اتباع کیا، ہماری نصرت کی اور بصد احترام کی، اس کی کوتاہی یا کوتاہیاں کم علمی کی وجہ سے ہیں، یا اللہ تیرے نزدیک کم علمی سے ہونے والے اعمال قابل گرفت نہیں ہوتے، تو معاف فرمادے تجھے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے، جو عالمین کو پالتا ہے۔ اسی کی بندگی حق ہے۔ دھیان کرنا یہ ہے، کہ اپنے آپ پر نظر کی جائے۔ حال پر پالنے والے کو دیکھا جائے، اپنے اندر اور باہر کے نظم کو دیکھا جائے، ماضی پر نظر کی جائے اعمال کے نتائج پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو دیکھا جائے، کائنات میں اپنی حیثیت کو سمندر کے ایک قطرے کی صورت سے دیکھا جائے، اور اس قطرے کے اندر کے سمندر کی وسعتوں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تصرف دیکھا جائے۔ دھیان ہو تو گیان ہوتا ہے، عرفان ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ ہی ہمارا ربّ ہے۔ آسمان اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا گیا۔ ایام کا رچھ ہوں تو ٹھیک ہے۔ بندے کو بھی نظر رکھنی چاہئے کہ وہ اللہ کی کائنات میں بلا واسطہ یا بالواسطہ بدنظمی یا خرابی پیدا کرنے کی سعی تو نہیں کررہا۔ شفاعت کرنے والے شاہدین کا اتباع ادب و احترام سے ہونا چاہئے۔ اللہ کی بندگی دھیان سے کرنی چاہئے۔ اگر ہم اللہ کے ہوجائیں تو اس کی بندگی ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔

اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِیۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا یَكۡفُرُوۡنَ ④

اسی کی طرف تم سب کو مراجعت کرنا ہے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے پہلی بار، پھر وہی دوبارہ بنائے گا، کہ ایمان والوں کو جنہوں نے صالح عمل کیے، انصاف کے ساتھ جزا دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا پانی اور المناک عذاب ہے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت ہوگی۔ اس دُنیا میں آتے وقت اور یہاں سے جاتے وقت کسی کی پسند کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اس نے انسان کو توفیق دی ہے، وہ اسی توفیق کی نسبت سے حساب بھی لے گا، جزا بھی دے گا۔ اس نے پہلے انسان کو عدم سے بنایا ہے، اسے مدارج تخلیق سے گزارا ہے۔ انسان کا علم تخلیق انسان کے متعلق بہت محدود ہے۔ مگر انسان اپنی تخلیق اور اس تخلیق کے مدارج کا انکار نہیں کر سکتا۔ جب ایک حقیقت کو مان لیا جائے، تو دوسری حقیقت ماننا بھی لازم ہے۔ موت کے بعد متفرق اور منتشر اعضاء کو جمع کرنا، ترتیب دینا، اور اسی بدن سے متعلق جان کو اس میں ڈال کر کھڑا کر دینا، پہلی بار بنانے کے مقابل چھوٹا کام ہے۔ ایمان والے، اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں، آپ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر عمل کرتے ہیں۔ اللہ ان کے صالح اعمال کی پوری جزا دے گا۔ جہاں بھی ان کا رخ درست ہوگا، وہاں ان کو پوری جزا دی جائے گی۔ یہی انصاف ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے وہ کیا جس کے کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان لوگوں نے حشر و نشر اور معاد کا انکار کیا۔ یہ اپنے آپ کو بعث بعد الموت سے بچا نہیں سکیں گے۔ ان کو ان کے برے اعمال کی جزا کھولتے پانی اور دردناک عذاب کی صورت میں ملے گی، اور یہ اس جزا سے خود کو بچا نہیں سکیں گے۔

حاصل: اللہ کی طرف جانے کا احساس بہرحال رہنا چاہئے۔ ہمارا وعدہ بھی سچا ہو تو اللہ کو ماننے کا ثبوت ہوگا۔ جس نے پہلے بنایا ہے، اسے اعادہ کرنا آسان ہے۔ دار العمل کے بعد دار الجزا ہوگا۔ پوری جزا دار العمل کے بعد ہی ہو سکتی ہے، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت اور توفیق کا خاتمہ اس کے لئے شرط ہے۔ جس کا رخ درست ہے، اس کو اس نیکی کی پوری جزا دی جائے گی۔ کافروں کو یہاں حزن و ملال گھیرے رکھتا ہے، آخرت میں انہیں کھولتا پانی اور المناک عذاب ملے گا، مگر وہ سب ہوگا ان کے اعمال کی جزا۔

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ⑤

وہی ہے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور ٹھہرایا۔ اور ان کے لئے منزلیں مقرر کیں، کہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب کا علم ہو سکے۔ اللہ نے یہ سب کچھ یوں ہی نہیں بنایا، بلکہ حق سے بنایا ہے۔ علم والے لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو مفصل بیان فرماتا ہے۔

خالق کل نے پوری کائنات میں ایک نظم رکھا ہے۔ سورج کا طلوع و غروب، دن میں وقت کے تعین کے لئے معیار ہے۔ سورج کی

روشنی میں وہ حرارت بھی ہے جو تمام اشیاء پر ان کی جنس اور نوع کے مطابق اثر کرتی ہے، اور اس روشنی کے ساتھ حرارت کی گھٹتی بڑھتی مقدار سے موسموں کے تغیر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کے لئے، حیوانوں اور دوسرے جانوروں کی ضروریاتِ زندگی کے لئے، جو درکار ہوتا ہے اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سورج کے ساتھ اللہ نے چاند کا جوڑا بنایا ہے۔ چاند کی روشنی میں خنکی ہوتی ہے۔ اس روشنی کا بھی تمام اشیاء پر ان کی جنس کے مطابق اثر ہوتا ہے۔ نباتات دن میں حاصل کی گئی خوراک کو سنبھالتی ہیں۔ حیوانات پر بھی اس روشنی کا پڑنا ضروری ہوتا ہے۔ پیدائش کے تمام مراحل سے لے کر زندگی کے خاتمے تک چاند کی روشنی حیوانی زندگی کو متاثر کرتی ہے۔ جمادات پر بھی چاند کی روشنی کا اثر ہوتا ہے۔ اگر سورج یا چاند میں سے کوئی ایک روشنی کچھ عرصے کے لئے ناپید ہو جائے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ چاند کی منزلیں اللہ نے اس لئے مقرر کی ہیں کہ برسوں کی گنتی میں، مہینوں کی گنتی میں اور مہینوں کی بنیادی اکائیوں کی گنتی میں معیار، اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ بے خطا نظام ہو، تقویم بہرصورت درست ہو، اور علم الحساب کی بنیاد کسی مفروضے پر نہ ہو۔ چاند کی ہیئت و شکل ہر روز بدلتی ہے۔ چاند کی واضح روشنی نظر آنے لگے تو ایک منزل کی ابتدا ہوتی ہے، اور اگلے دن چاند کے واضح طور پر روشن ہونے تک یہ منزل پوری ہوتی ہے۔ اٹھائیس منزلوں میں مہینہ پورا ہوتا ہے۔ مہینہ ۲۹ دن کا ہو تو چاند ایک دن چھپتا ہے، ورنہ دو دن چھپتا ہے۔ اللہ نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، بلکہ یہ سب کچھ اپنے علم مطلق سے حق کے ساتھ بنایا ہے۔ ہر شے کی ایک اہمیت ہے، کہ خالق کل علیم مطلق ہے۔ انسان کو کسی شے کی اہمیت اور مقام کا علم ہو تو اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ علم والے لوگ اللہ کی نشانیوں کی تفصیل سے فیض پاتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی پسند کو حق کے ساتھ ملانے کے مرتکب نہیں ہوتے اور حق کو شاہدین کے حوالے سے مانتے ہیں۔

حاصل: شمس و قمر ایک جوڑا ہے، جو روشنی اور حرارت کی موزوں مقدار کے ساتھ، کائنات کے نظام کو درست رکھنے میں اپنا حق ادا کرتا ہے۔ چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں۔ ان کے حساب سے برسوں، مہینوں، ہفتوں اور دنوں کی گنتی ہوتی ہے۔ اللہ نے جو بھی بنایا ہے، بڑے علم سے بنایا ہے۔ علم والے ہی اس کی نشانیوں کو جان سکتے ہیں۔ علم والوں کو اللہ کی نشانیاں مفصّل معلوم ہوتی ہیں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶	لیل و نہار کے اختلاف میں، اور جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں خلق فرمایا ہے اس میں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

لیل و نہار کے اختلاف میں، بدلتے رہنے میں، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں اللہ نے جو خلق فرمایا ہے، اس میں جو حکمت ہے، اس ساری مخلوق کی پرورش جس طرح ہو رہی ہے، کئی اشیاء ایک دوسری کی ضد ہیں مگر اللہ نے ان کے اندر جیسا توازن قائم کر رکھا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ انسان اگر اپنی قوت کا کائنات کی کسی شے سے تقابل کر کے دیکھے، اس کی قوت کے استعمال میں اس شے کے محتاط رویئے کو دیکھے اور اپنی بے تدبیری اور عدم احتیاط کو بھی دیکھے، تو اسے یہ نظر آئے گا، کہ کوئی شے بھی اپنے منشاء تخلیق کے دائرے سے باہر نہیں جاتی۔ ہر شے اس حق کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہے، جس کے لئے علیم مطلق نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے، کہ انسان کو بھی اپنے منشاء تخلیق پر نظر رکھنی چاہئے، اور وہی کرنا چاہئے جس سے فلاحِ دارین حاصل ہو۔

حاصل: لیل و نہار کے اختلاف میں زندگی اور راحت کے لوازمات موجود ہیں، جن کے بغیر زندگی کا تسلسل قائم

نہیں رہ سکتا۔آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے،اپنے منشاء تخلیق کو پورا کرنے کے لئے اس دائرہ کار میں مصروف ہے، جو اللہ نے اس کے لئے رکھا ہے۔انسان کو بھی تدبیر اور احتیاط کی طریقت سیکھنی چاہئے۔اسی سے فلاحِ دارین حاصل ہوسکتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷

بیشک جو لوگ ہمارے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے، اور وہ حیاتِ دُنیا پر راضی اور اسی پر مطمئن ہوگئے، اور جو لوگ ہماری آیات سے غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

جو لوگ اپنے منشاء حیات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، انہیں یہ امید نہیں ہوتی کہ انہیں توفیق دینے والا قادرِ مطلق کبھی ان سے پوچھے گا، کہ کیا میری عطا کردہ توفیق کو تم نے حق کے مطابق استعمال کیا، اب تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی، جو لوگ حیاتِ دُنیا اور اس کی متاع کو فانی جاننے کے باوجود اس پر راضی اور مطمئن ہیں، وہ شعوری طور پر اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود غفلت کے مرتکب ہوتے ہیں۔جاودانی کے مقابل فانی کو اہمیت دینا اللہ کی نشانیوں سے غفلت برتنے والوں کا معمول ہوتا ہے۔

حاصل: جو لوگ جزا کا انکار کرتے ہیں، وہ حیاتِ دُنیا پر راضی اور مطمئن ہو کر اللہ کی نشانیوں سے سبق نہیں لیتے۔غفلت انہیں خیر کی طرف نہیں آنے دیتی۔غافل کو کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور اس کو کسی بھی صورت میں امام نہیں بنانا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸

ان لوگوں کا ٹھکانا آگ ہے، بدلہ اس کا جو کسب وہ کرتے تھے۔

حیاتِ دُنیا پر راضی ہو جانے والے، اس کو مقصود بنا لینے والے، اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اس سے سبق نہیں لیتے۔ان کے قلوب میں ناصحین سے محبت نہیں ہوتی۔ان کی زبانوں سے حُبّ دُنیا کے سوا کوئی کلمات نہیں نکلتے۔ان کے ہاتھ اپنی خواہشات کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔ان کے پاؤں اسی طرف چلتے ہیں، جس طرف جانے میں دُنیا و آخرت کا خسارہ رکھا گیا ہے۔ایسے لوگوں کا ٹھکانا آخرت میں جہنم ہوگا۔

حاصل: دیکھنا چاہئے، ہم کیا کسب کر رہے ہیں۔اپنے کاموں میں جن کو اللہ کی رضا مقصود نہیں ہوتی، آخرت میں آگ کے ٹھکانے سے بچ جانا بھی ان کے بس میں نہیں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کا ربّ انہیں ایمان کی راہ دے گا۔نعمتوں والے باغوں میں، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

ایمان لانا ایک دعویٰ ہے۔یہ دعویٰ کرنے والا حال پر شاہد کی صداقت کو برملا مانتے ہوئے یہ اقرار کرتا ہے، کہ جو کچھ بھی شاہد کی پاک

زبان سے اس دُنیا اور آخرت کے بارے میں، میں نے سنا ہے، میں اس پر بن دیکھے ایمان لاتا ہوں اور اسے حق جانتے ہوئے مانتا ہوں۔ جب اس دعوے کے ساتھ شاہد کے اسوۂ حسنہ کو معیار بنا کر توفیق ایزدی کو استعمال کیا جائے، تو صالح اعمال ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کردیں گے۔ اس کا انعام حیاتِ دُنیا میں یہ ملے گا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عطا فرمادی جائے گی، خوف وحزن سے نجات مل جائے گی۔ آخرت میں نعمتوں والے سدا بہار باغ عطا ہوں گے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے، اسے دُنیا میں ہدایت ملتی ہے، آخرت میں جنت سے اسے نوازا جائے گا۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ع

ان کی دعا اس جگہ یہ ہوگی، سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ، اور ملاقات ان کی سلام ہے۔ اور دعا کے آخر میں وہ کہیں گے، کہ حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

جنتی حضرات اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، ذکر کرتے رہتے ہیں، جنت میں بھی یہ حضرات اللہ کی تسبیح کریں گے، ملاقات میں ایک دوسرے کو ادب سے سلام کریں گے، ایک دوسرے کی تکریم کریں گے، اور آخر میں الحمد للہ ربّ العالمین کہہ کر ایک دوسرے سے رخصت ہوں گے۔ دُنیا میں بھی پاک لوگوں کا طریقہ یہی ہے، کہ اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، تسبیح کرتے رہتے ہیں، آپس میں ملتے وقت میزبان، مہمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا جان کر اسے سلام وتکریم سے نوازتے ہیں، اور مسلمان، میزبان کی خدمت کو عطائے الٰہی جان کر اس کی قدر کرتے ہیں اور میزبان کا ادب کرتے ہیں۔ اور جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہیں، تو سب کی زبان پر الحمد للہ ربّ العالمین کا کلمہ ہوتا ہے۔

حاصل: ہمیں اللہ کی تسبیح کرتے رہنا چاہئے۔ کسی بھی نعمت کو پا کر راحت ہو، تو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہنا چاہئے۔ ملاقات میں ایک دوسرے کو سلام کرنا چاہئے، اور ایک دوسرے کی سلامتی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ ایک دوسرے کی حسن نیت کا یقین ہو تو مکالمات ہمیشہ اچھے ہوں گے، اور آخر میں یہی کہا جائے گا، کہ حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ ق (۵۰) میں ارشاد فرمایا ہے: رحمٰن سے بن دیکھے ڈرنے والوں سے اور رجوع کرتے ہوئے قلوب کے ساتھ حاضر ہونے والوں سے یہ فرمایا جائے گا: جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو، یہ ہیشگی کا دن ہے۔ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۔ (۵۰-۳۵) ان کے لئے اس میں ہے جو وہ چاہیں، اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر اللہ لوگوں کو برائی پہچانے میں جلدی کرتا، جیسے وہ خیر کو جلدی مانگتے ہیں، تو ان کی اجل پوری ہو چکی ہوتی۔ تو ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ عالمین کا پالنے والا ہے۔لوگوں کی طلب کو ان کے قلیل علم کے حوالے سے اہمیت نہیں دی جاتی ورنہ کچھ لوگ تو حق کی تصدیق کے لئے عذاب الٰہی کی سند مانگنے لگتے ہیں۔ بے باکی کی حد یہ ہوتی ہے، کہ 'اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہمیں مٹا کیوں نہیں دیا جاتا' کی تکرار کرتے ہیں۔جس قدر بھلائی کے جلد پہنچانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، اسی قدر جلدی وبال کی طلب میں بھی دکھاتے ہیں۔اللہ کا کام علم مطلق سے ہوتا ہے، وہ لوگوں کے ساتھ رافت و رحم کا سلوک کرتا ہے، ورنہ ان کو دی گئی مہلت ختم ہونے میں دیر ہی کیا لگ سکتی تھی۔جو لوگ اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی کچھ نہیں سیکھتے انہیں اللہ سے ملنے کی امید نہیں ہوتی۔انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔وہاں بھی اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر کو دیکھیں اور ان پر نا قابل اصلاح ہونے کی مہر نہ لگ چکی ہو، تو ہدایت کی طرف آنے کا امکان ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔لوگوں کی طلب اکثر علم سے تعلق نہیں رکھتی۔یہ بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ وہ جو چاہے کرتا ہے۔جو حق کا صریحاً انکار کرنے لگے اسے چھوڑ دینا چاہئے، مگر اصلاح کے امکان کی موجودگی تک اس کی بھلائی پر نظر رکھنی چاہئے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، ہمیں پکارتا ہے، لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے۔پھر جب ہم اس سے وہ تکلیف کھول دیتے ہیں چل دیتا ہے، گویا کسی تکلیف میں اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔اسی طرح مسرفین کو اچھا لگا جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

انسانی کمزوری ملاحظہ ہو کہ کہیں تو انسان عذاب الٰہی کو حق کی تصدیق کے لئے بشکل نشانی مانگتا ہے، اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو اپنا سارا زور لگا کر اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔جب کوئی راستہ نظر نہیں آتا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اس طرح دعا کرتا ہے، کہ لیٹے ہوئے بھی اللہ کو پکارتا ہے، بیٹھے ہوئے بھی پکارتا ہے اور کھڑے ہوئے بھی پکارتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تکلیف کو کھول دیا جاتا ہے، تو وہ سجدۂ شکر نہیں بجالاتا، بلکہ وہاں سے اس طرح چل دیتا ہے جیسے کبھی اس نے تکلیف میں اللہ کو پکارا ہی نہ ہو۔اسے اپنی کارکردگی پسندیدہ نظر آتی ہے۔اس کا غرور اور غفلت بڑھ جاتے ہیں۔مُسرف کی نشانی ہے، کہ تکلیف میں مبتلا ہونے کی صورت میں اس کا رویہ اور ہوتا ہے، تکلیف دور ہونے پر اس کا رویہ بدل جاتا ہے، وہ حدود اللہ کا احترام کرنے سے بھاگتا ہے۔

حاصل: ناشکرے انسان کو مُسرف فرمایا گیا ہے، اور مُسرف اللہ کو پسند نہیں ہوتا۔تکلیف کو باذنِ اللہ جان کر دعا کی جائے تو صبر کو قائم رہنا چاہئے، اور تکلیف کے دور ہونے پر سجدۂ شکر کے ساتھ، اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق خرچ کرنا چاہئے۔اپنے عمل میں خوبی نظر آئے تو اسے بڑا خطرہ جاننا چاہئے۔صحیح سوچ والے خرابی کو اپنے اندر اور خوبی کو اللہ کے کرم کی بدولت جانتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اور بیشک ہم تم سے قبل کئی قرون کو ان کے ظلم کی وجہ

لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

سے ہلاک کر چکے ہیں اور رسول انکے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے اور وہ ایمان لانیوالے نہ ہوئے۔ ہم قوم مجرمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

سابقہ امتوں کی ہلاکت ان کے ظلم کی وجہ سے ہوتی رہی ہے۔ فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور جب کوئی قوم ظلم کو اپنا شعار بنالے تو پھر وہ ہلاکت سے بچ نہیں سکتی۔ روشن نشانیاں اس لئے ہوتی ہیں، کہ حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنا آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قریئے کو، کسی قرن کو کبھی ہلاک نہیں کیا گیا، جب تک وہاں ڈر سنانے والے حضرات، نصیحت کرنے والے حضرات، اپنا حق ادا نہ کر چکے ہوں۔ ناصحین سے محبت ہو، تو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ خلوت وجلوت میں عدم تضاد ہو اور استکبار سے نفرت ہو، تو ڈر سنانے والے محسن نظر آتے ہیں، ورنہ مجرم تو ناصحین کو اپنا انتہائی دشمن جانتے ہیں۔

حاصل: فرمانِ خداوندی کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور ظلم باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ ناصحین سے محبت ہو تو ایمان نصیب ہوتا ہے، اور ایمان کا شرف مجرم لوگوں کو نہیں ہوا کرتا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفے ٹھہرایا تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔

فرمانِ خداوندی کے خلاف کرنے والوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے، ان کے فسق کی وجہ سے، اور ان کے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا جا چکا ہے۔ اب حال پر جن لوگوں کو اللہ نے زمین پر بسایا ہے، اور ان پر خلافِ حق کرنے کے لئے کوئی جبر موجود نہیں، اور شاہدین کی صورت میں اکمل نمونہ حیات بھی ان کے سامنے موجود ہے، انہیں جس قدر توفیق دی گئی ہے، اسی قدر ان سے پوچھ ہوگی۔ خالق کل کے جو حقوق ہم پر مخلوق ومملوک ہونے کے اعتبار سے عاید ہوتے ہیں، ان کو ہم کس نیت کے ساتھ اور کس طریقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جا رہا ہوتا ہے۔ اور اس کی مخلوق کے جو حقوق ہم پر اس کی مقرر کردہ حدود کی وجہ سے عاید ہوتے ہیں، انہیں ہم کس نیت کے ساتھ اور کس طریقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جا رہا ہوتا ہے۔ اگر راستہ وہی اختیار کیا جائے، جس پر جانے والے پہلے ہلاک کئے جا چکے ہیں، تو نتیجہ ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ کیا جائے جو حق کے حوالے سے کیا جانا چاہئے، تو دُنیا و آخرت میں فلاح حاصل ہوگی۔

حاصل: ہمیں دیکھنا چاہئے، کہ لوگوں پر ان کی انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر خلافِ حق کرنے کے لئے کوئی جبر موجود نہ ہو، انہیں شاہدین کے حوالے سے پتہ ہو کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنے ہر عمل میں اللہ کی رضا کو مقصود رکھنا چاہئے، کہ وہ بہر حال ہمیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ

اور جب ان پر ہماری آیات بیّنات تلاوت کی جاتی ہیں، وہ جنہیں ہم سے ملنے کی امید نہیں کہتے

غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

ہیں، اس کے سوا کوئی قرآن لائیے، یا اسے بدل دیجئے۔ فرمادیجئے، میرا کام اسے اپنی طرف سے بدلنا نہیں، میں اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جائے، مجھے اپنے ربّ کی نافرمانی سے یومِ عظیم کے عذاب کا ڈر ہے۔

جو لوگ حیاتِ دُنیا کے لذائذ و مرغوبات کو مقصد بنا لیتے ہیں اور جزا کا یقین نہیں رکھتے، جب ان کے سامنے قرآن پاک کی واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ کہتے ہیں، یہ قرآن ایک طرف رکھ دیجئے، کیونکہ اس میں بیان کردہ اصول وضوابط پر عمل کرنے سے ہمارا تعلق ماضی سے منقطع ہو جانا یقینی ہے، اس میں بیان کردہ نظامِ معیشت ہمارے نظامِ معیشت سے متصادم ہے، اس میں بیان کردہ طریق زندگی میں لوگوں کی تکریم وسعت مال کے حوالے سے نہیں ہوتی، اس میں ہمیں خواہشات کی پیروی چھوڑنے کا حکم نظر آتا ہے، جو نظام ہماری خواہشات پر استوار ہے، وہ اس قرآن کو ماننے سے ناپید ہو جائے گا، آپ کوئی دوسرا قرآن لے آیئے، یا اس میں ہماری پسند کے مطابق تبدیلیاں کر دیجئے، ہم آپ کی قیادت تسلیم کر لیں گے، آپ کی سیادت تسلیم کر لیں گے۔ کافروں کا یہ کہنا نظر آنے والے انقلاب کو بدلنے کی ایک کوشش تھی۔ جواب میں یہ فرمایا گیا، قرآن پاک علیم مطلق کا فرمان ہے، علم مطلق سے ہے، اس سے بہتر طریق زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کہ اس طریق کا ذکر خالق کل نے کیا ہے۔ میں وہی کرتا ہوں جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے، اور جس کا حکم دیا جاتا ہے، اس کے کرنے میں فلاح ہے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو ایک بڑے دن کے عذاب سے، اس نظام حیات کی بیخ کنی ہو جائے گی جس کو تم عزیز رکھتے ہو۔

حاصل: جن لوگوں کو جزا کا یقین نہیں ہوتا، وہ حق کے مطابق ہونے کی بجائے حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاہد کا حق یہی ہے، کہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق جواب دے۔

قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

فرمادیجئے، اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر تلاوت نہ کرتا، اور نہ وہ تمہیں اس کی خبر کرتا۔ تو بیشک میں اس سے قبل تم میں ایک عمر رہ چکا ہوں۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

اللہ نے یہ چاہا کہ اس کا فرمان، اس کے رسول کی زبان پاک سے لوگوں تک پہنچے، اس لئے ایسا ہوا۔ اگر اللہ یہ نہ چاہتا تو یہ نہ ہوتا۔ مشیّت اللہ کی قدرت ہے، جس سے نتائج اس طرح مرتب ہوتے ہیں، جیسے اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مشیّت یہ تھی کہ قرآن پاک، اس زبان پاک سے لوگوں تک پہنچے، جس کی صداقت وعفت، شکوک وشبہات سے بالا ہو۔ اور اس کی مشیّت یہ بھی تھی، کہ قرآن پاک واضح عربی زبان میں ہو۔ اس کی مشیّت یہ بھی تھی کہ سامعین اسے سمجھ جائیں، اس کے محاسن کو جان جائیں، اس میں پیش کردہ نظام زندگی کے تمام پہلو انہیں احساس دلائیں، کہ وہ جس راستے پر جا رہے ہیں، وہ ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ پورے عالم کو سلامتی کے ساتھ حسن معاشرت کے اس مقام پر پہنچانا، جہاں انسان ہر شے کا مطلوب ہو، اور بندوں کی تکریم تقویٰ کے حوالے سے ہو، کسی دوسرے صاحب کے پیش نظر تھا ہی نہیں۔ اللہ کا کلام بے مثل، اس کلام کا پہنچانے والا صداقت کا نمونۂ اکمل، پھر اس کی حیاتِ طیبہ کے چالیس برس ان لوگوں کے سامنے ہوں

جو اس کے ارشاد گرامی کے پہلے سننے والے ہوئے، تو پھر عقل کا تقاضا یہ نہیں ہوگا کہ اسے عام سی بات جان کر اہمیت نہ دی جائے، بلکہ یہ ہوگا، کہ اللہ کے پاک کلام کو سنا جائے، اس کی صداقت کو مانا جائے، زندگی کی مقصدیت کو دیکھا جائے، اس کو پورا کرنے کے لئے شاہد کا اتباع کیا جائے۔ خوف وحزن سے نجات مل جائے تو یہ ہدایت پانے کی سند ہوگی۔

حاصل: اللہ کی مشیّت کو ادب سے ماننا چاہئے۔ قرآن پاک سمجھ میں آنے والی کتابِ مبین ہے۔ عقل کرنے والے وہی ہیں، جو اپنی زندگی کو حق کے مطابق بناتے ہیں۔ جو خلافِ حق کرتے ہیں، وہ عقل نہیں کرتے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر کذب سے افترٰی باندھے، یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے۔

جو فرمان خداوندی کے خلاف حکم کرے وہ ظالم ہوتا ہے، اور جو کسی بات کو گھڑ کر، اپنی پسندیدہ بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے، وہ اظلم ہوتا ہے۔ اس کی آیات کو جھٹلانے والا بھی سب سے بڑا ظالم ہوتا ہے، جو کسی آیت پاک کو غلط تو کہہ دیتا ہے، مگر کوئی سند پیش نہیں کرتا، اور یہ بھی نہیں بتا سکتا، کہ صحیح کیا ہے۔ اظلم ہمیشہ مجرم ہوتے ہیں، اور مجرم فلاح نہیں پاتے۔ فلاح وہ راحت ہے، جو حق کی ادائیگی کے بعد حق ادا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ جسے فلاح نصیب ہو، وہ مدح کو سن کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ فیض پانے والوں کو سکھ ملا ہے، اور ذمّ کو سن کر پریشان نہیں ہوتا، اور یہ جانتا ہے کہ زاویہ نگاہ کے صحیح ہونے تک ان لوگوں کی زبان سے مذمت کے کلمات ہی نکل سکتے ہیں۔ یہ استقلال، یہ استقامت فلاح پانے والوں کی شان کے ہی لائق ہے۔

حاصل: اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے بھی اظلم ہوتے ہیں، اور اس کی آیات کی تکذیب کرنے والے بھی اظلم ہوتے ہیں۔ اظلم ہمیشہ مجرم ہوتے ہیں، اور مجرم فلاح نہیں پاتے۔

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ انہیں ضرر پہنچا سکیں اور نہ نفع، اور کہتے ہیں، کہ یہ اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ فرما دیجئے، کیا اللہ کو وہ خبر دیتے ہو، جو اس کے علم کے مطابق نہ آسمانوں میں ہے، اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور ان کے شرک سے بہت بلند ہے۔

کافر اپنی تجاویز کو متشکّل کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی تجاویز سے جو شکل بھی بنے گی، وہ تو اپنی ذات کے لئے بھی بنانے والوں کی محتاج ہوگی، چہ جائیکہ اسے نفع وضرر پر قادر مان لیا جائے۔ نفع وضرر پر جس ذات پاک کو قدرت ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، وہ ذات پاک خالق کل اور لاشریک ہے۔ کافروں کا یہ خیال کہ ان کی خواہشات اور تجاویز سے بننے والی صورتیں، مورتیں، اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گی، اور یہی مورتیں لائق عبادت ہیں، بے بنیاد ہے۔ خالق کل نے یہ مقام نہیں رکھا، کہ خواہشات کی پیروی کرنے

والے گمراہی سے بچ سکیں، اور اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا اذن پانے کے بغیر کوئی شفاعت کا مقام پا سکے۔ شاہدین، شہادت دیتے چلے آرہے ہیں، کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اس کے فرمان کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دینا شرک ہے، اور ظلم عظیم ہے۔ اس لئے شفاعت کرنے والوں کو معبود بنالینا بھی قطعاً ان کی تعلیمات کے منافی ہے۔ اللہ کے قریب ہونے کی صورت یہی ہے، کہ جو اس کے قریب ہیں، ان کا قرب حاصل کیا جائے۔ اللہ کو دوست بنانے کے لئے ضروری ہے، کہ اللہ کے دوست کو دوست بنالیا جائے۔ جو مقام خالق کل نے رکھا ہی نہیں، وہ نہ آسمانوں میں ہوسکتا ہے نہ زمین میں ہوسکتا ہے، اور نہ آسمان و زمین کے مابین کہیں ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، شانِ صمدیت کا مالک ہے، یوم الدین کا مالک ہے، علیم مطلق ہے۔ کسی کو بھی اس کا شریک ٹھہرانا، انتہائی جہالت اور بے ہودگی ہے۔

حاصل: انسان کی تجویز اسے کبھی نفع اور ضرر نہیں دے سکتی۔ نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ اللہ کے ہاں شفاعت کرنے کا اختیار اسے ہوتا ہے، جسے اللہ یہ شرف عطا فرمائے۔ غیر واقعی کسی کے کہنے سے واقع نہیں ہوسکتی۔ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، انتہائی جہالت اور بے ہودگی ہے۔

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور لوگ امتِ واحدہ تھے، پھر مختلف ہوئے۔ اور اگر تمہارے ربّ کی طرف سے ایک بات پہلے ہو نہ چکی ہوتی، تو ان کے مابین فیصلہ ہو جاتا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا دین ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے، اور ہر نبی کے منکرین کے خاتمے کے بعد بھی لوگ ایک ہی امت تھے۔ جہاں بھی حق میں لوگوں نے اپنی خواہشات کو شامل کیا، وہ اختلاف کرنیوالے ہوئے اور حق سے الگ ہوگئے۔ جب بات حق کی ہو اور حال پر شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہوگی۔ یہ وہ کلمہ ہے، جس کی وجہ سے اس امت کو مہلت دی گئی ہے، ورنہ اللہ کو حق اور ناحق کے مابین فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل: جب بات حق کی ہو، اور حال پر شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ جب حق میں اپنی پسند کو شامل کیا جائے، تو پھر حق سے اور اہل حق سے اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں ہوگی۔ اس کلمے کی وجہ سے رعایت دی جارہی ہے، ورنہ اللہ کو حق اور ناحق کے مابین فیصلہ کرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲

اور کہتے ہیں، ان پر ان کے ربّ کی طرف سے کیوں نشانی نازل نہیں ہوئی۔ تو فرما دیجئے کہ غیب تو اللہ کا ہے، تو انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

سابقہ امتوں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے، کہ اللہ کے نبی ان کے پاس تشریف لاتے، وہ لوگ ان کی صداقت کی نشانی بشکل معجزہ طلب کرتے، اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھا دیا جاتا، پھر منکرین کو معجزہ دیکھ لینے کے بعد تھوڑی مہلت ہی دی جاتی تھی۔ حضور اکرم خاتم النّبیین

صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح کی نشانی طلب کی گئی۔اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا، کہ اثبات نبوّت کے لئے حقائق موجود ہیں، تمہاری مطلوبہ نشانی تو اللہ تبھی عطا کرے گا، جب اس کی مشیّت ہوگی۔ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ جب انسان کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم بالکلیہ ناکام ہو جائیں گے، تو پھر علم الٰہی کی جستجو ہوگی۔ تب سکھ کے متلاشی دیکھ پائیں گے، کہ وہ دلائل جن کو نہیں مانا جاتا رہا، دلائل قطعیہ ہیں اور وہ براہین جن کو نہیں مانا جاتا رہا، براہینِ نیرہ ہیں۔

حاصل: لوگوں کی مطلوبہ نشانی انہیں دکھا دی جائے، تو پھر انہیں حق کے انکار کے بعد مہلت نہیں دی جاتی۔ دلائلِ قطعیہ اور براہینِ نیرہ، اثباتِ نبوّت کے لئے موجود ہیں۔ جب انسان حقائق کو پانے کی طرف آئے گا، تو یہ روشن نظر آئیں گے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ الزّمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ فرما دیجئے، اے اللہ، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، نہاں اور عیاں کے جاننے والے، تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا، جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں کسی دکھ کے بعد جو انہیں پہنچا تھا، وہ ہماری نشانیوں کے ساتھ مکر کرنے لگتے ہیں۔ فرما دیجئے، اللہ کی خفی تدبیر جلد ہو جاتی ہے۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔

دکھ میں انسان اپنی بے بسی کو دیکھ کر رجوع اِلی اللہ ہوتا ہے، اور یہ مانتا ہے، کہ نتائج باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ دکھ دور ہونے کے بعد جب اللہ اسے اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے، تو پھر وہ اس طرح کی باتیں کرنے لگتا ہے، دکھ تو انسانی زندگی میں آتے ہی رہتے ہیں، پہلے لوگوں کی زندگی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ یہ کہنا اس لئے ضروری نظر آتا ہے، کہ دکھ کے وقت جس حق کو تسلیم کیا تھا، اس حق پر قائم رہنا محال نظر آتا ہے۔ ایسے وقت میں انسان، اللہ کی ان نشانیوں کے معنی بدلنے کی کوشش کرتا ہے، جن کو دکھ کے وقت اس نے صحیح تناظر میں دیکھا تھا۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد سے مکر جانا مکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کسی پر ظلم کرتا ہی نہیں۔ جب اللہ یہ چاہے کہ لوگوں کا مکر ان پر پڑے تو پھر دیر ہی کیا لگے گی۔ نتائج ہمیشہ باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ علیم مطلق کے جاننے کا مقام تو بے مثل ہے، اس نے یہ انتظام بھی کر رکھا ہے، کہ اس کے فرشتے انسانوں کا عہد کرنا اور اس سے مکر جانا، اس طرح اللہ سے مکر کرنا باقاعدہ لکھ رہے ہیں۔

حاصل: اللہ کی رحمت کا شکر یہ اس طرح ادا ہوتا ہے، کہ دکھ میں جس حق کو مانا تھا، اس پر صداقت سے قائم رہا جائے۔ اپنے نفس کو اس کی بے بسی کا احساس دلاتے رہنا چاہئے۔ اللہ کو نتائج کی شکل بدلتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کی بدعہدی کا ریکارڈ تیار ہوتا رہتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہی ہے جو تمہیں بر و بحر کی سیر کراتا ہے۔ حتیٰ کہ جب تم کشتی میں ہو، اور وہ انہیں طیب ہوا سے لے کر چلے، اور انہوں نے اس سے فرحت پائی، ان پر سخت ہوا کا جھونکا آیا، اور ہر طرف سے موج نے انہیں آلیا، انہوں نے جان لیا کہ وہ گھر گئے، اللہ کو پکارنے لگے خالص اسی کے دین کے ہو کر، اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دی تو ضرور ہم شاکر رہیں گے۔

برّ و بحر میں سفر کرنا انسانی ضرورت ہے۔ قطع مسافت کے لئے قدرت دینے والا، اس کے لئے اسباب مہیا کرنے والا اور سلامتی کے ساتھ سیر کے دائرے کو مکمل کرنے میں ہر مقام پر مدد دینے والا، اللہ ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ برّی سفر پیدل ہو یا سواری پر ہو، اللہ کی قدرت کے مظاہر اس میں ضرور ہوتے ہیں۔ بحری سفر میں جب کشتی ذریعہ سفر ہو اور موافق ہوا اسے لے کر ساحلِ مراد کی طرف جا رہی ہو، تو اس سے بڑی فرحت ہوتی ہے۔ متوقع منافع خوشی کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر اچانک ہوا ناموافق ہو جائے، اور ہر طرف سے آنے والی موج کشتی کو گھیرتی ہوئی نظر آئے، اور یہ معلوم ہونے لگے، کہ موت کے گھیرے میں آ چکے ہیں، جہاں سے فرار کی قوت بھی ہم نہیں رکھتے، اسباب بھی نہیں رکھتے، ایسے وقت میں رجوع الی اللہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اسباب سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اسباب کے مالک کو خالص اسی کے دین کے ہو کر پکارا جاتا ہے اور یہ دعا کی جاتی ہے، یا اللہ ہم پر واضح ہو گیا ہے، کہ تیری قدرت کا احاطہ ہر جگہ موجود ہے، اگر موجودہ مشکل سے تو ہمیں نجات دے دے تو تاحیات شکرگزار رہیں گے، اور غفلت میں کبھی نہیں پڑیں گے۔

حاصل: برّ و بحر میں سامانِ سفر عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ قطع مسافت کی قدرت اور ذرائع مہیا کرنے والا جو بھی فرماتا ہے، ماننے والوں کی اس میں بھلائی ہوتی ہے۔ انسان موافق سے فرحت پاتا ہے، ناموافق سے گھبراتا ہے۔ جب اسباب پر سے اعتماد اٹھ جائے، تو اسباب کے مالک کی طرف رخ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب موت کے گھیرے سے فرار ناممکن نظر آئے، تو اللہ سے یہ وعدہ کیا جاتا ہے، اگر تو ہم کو اس سے نجات دے دے تو ہم تاحیات شاکر رہیں گے۔ اس وعدے کا ایفا کرنا بڑا احق ہے۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىھُمْ اِذَا ھُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر جب انہیں نجات دی، جبھی زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔ اے لوگو، تمہاری زیادتی تمہیں پر ہے۔ حیاتِ دُنیا کی متاع ہے، پھر تمہیں ہماری طرف مراجعت کرنا ہے، تو ہم تمہیں خبر دیں گے جو عمل تم کرتے تھے۔

موت کے احاطے سے نجات پانے کے بعد، نجات دینے والے سے کیا ہوا عہد اسی کو یاد رہتا ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے کو ہر جگہ دیکھ لیا ہو، مان لیا ہو۔ جس نے اپنی وقتی مجبوری کے پیش نظر نجات کی درخواست کی ہو، اس کی وقتی مجبوری دور ہوتے ہی اس کا رویہ بدل جاتا ہے۔ طوفان سے نجات پا کر انسان، اللہ کی قدرت کے احاطے سے نکل تو نہیں جاتا، مگر یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالات میں کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لئے زمین میں ناحق بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، کہ تمہاری بغاوت، تمہاری شرارت، تمہیں پر پڑے گی۔ یہ حیاتِ دُنیا کی متاع ہے۔ تم اسے برت رہے ہو۔ تمہارا ہر عمل دیکھا جا رہا ہے، لکھا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف تم اپنی واپسی کو روک لینے پر قادر نہیں ہو۔ وہاں تمہیں یہ بتا دیا جائے گا کہ تمہیں پتہ تھا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے، مگر تم اس کے خلاف کرتے رہے ہو۔ اس وقت عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہوگا، اس لئے سوائے افسوس اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت کو ہر جگہ دیکھنا چاہئے۔ زمین میں خلافِ حق کرنا انسان کے لئے باعث عذاب ہوگا۔ حیاتِ دُنیا کی متاع ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی یقیناً ہوگی۔ وہاں یہ بتا دیا جائے گا، کہ بندہ کیا عمل کرتا رہا ہے۔ ہر ایک کو اسی کے اعمال کی خبر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۭ حَتّٰىٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

حیاتِ دُنیا کی مثل تو ایسی ہے، جیسے پانی کہ ہم نے آسمان سے نازل فرمایا، تو زمین کی نبات اس سے رَل مل کر نکلی، جو کہ آدمی اور جانور کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور مزیّن ہوگئی، اور اس کے اہل کو گمان ہوا، کہ ہم اس پر قادر ہیں، ہمارا امر اس پر آیا رات میں یا دن میں، تو ہم نے اسے کاٹ کر ڈھیر کر دیا گویا کل تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم آیات کو مفصّل بیان کرتے ہیں تفکّر کرنے والے لوگوں کے لئے۔

حیاتِ دُنیا کی مثال بیان فرما کر انسان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے۔ وہ حقائق جن سے انسان کو واسطہ ہوتا ہے، ان پر غور و فکر سے انسان اس کائنات میں اپنی حیثیت اور قدرت کا تعین کر سکتا ہے، اور بھلائی کی راہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مردہ زمین کے اندر روئیدگی کی قوت نہیں ہوتی۔ اس زمین پر آسمان سے پانی برسا کر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرتا ہے، اور زندہ زمین سے نبات پیدا ہوتی ہے۔ اس سے انسانوں اور جانوروں کو خوراک ملتی ہے۔ زندگی کے تمام لوازمات کا عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جب زمین پر فصل خوب ہو، تو زمین اس سے سج جاتی ہے، اور اہل زمین کو یہ نظر آتا ہے کہ ہماری فصل خوب ہوئی ہے، اور عنقریب ہم اسے سنبھال لیں گے، تو اللہ کے امر سے اسے کٹا ہوا ڈھیر کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ کا امر کسی بھی وقت آ سکتا ہے، اور وہ زینت جو زمین پر بھلی لگتی ہے، ایسے ختم ہو جاتی ہے، جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ مردہ زمین کو زندہ کرنا، اللہ کا کام ہے۔ بیج سے پودے کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ زمین کو اس کی پیداوار سے زینت دے کر انسان کے

غور وفکر کو دیکھنا بھی اللہ کا کام ہے۔ انسان ہر مقام پر اپنے عجز کو دیکھتا رہے تو حدودِ عبدیت کے اندر رہتے ہوئے اس دنیائے ناپائیدار کی بے ثباتی میں مست ہونے سے بچ جاتا ہے۔

حاصل: حیاتِ دُنیا کی مثال سے اپنے مقام، اپنی حیثیت اور اپنی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ حدودِ عبدیت کے اندر رہنے میں ہی سلامتی ہے۔ جو ماضی کا بھی مالک ہے، حال کا بھی مالک ہے، مستقبل کا بھی مالک ہے، غور وفکر کا تقاضا یہی ہے، کہ اسی کے فرمان کو مانا جائے، اور اسی کے ساتھ سے راحت حاصل کی جائے۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۵

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عطائے بے بہا سے نوازنے کے ساتھ آگاہ بھی فرمایا ہے، کہ خلافِ حق کرنے سے دُنیا میں خوف وحزن کے دائرے سے نکلنا ناممکن ہوگا، اور آخرت میں آگ کا عذاب ہوگا۔ اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ سلامتی کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے، جو حیاتِ دُنیا میں حدود اللہ کا احترام کرتے ہیں، اپنے قول وفعل میں رضاءِ الٰہی کو مقصود رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (۲۳-۷۳) اور بے شک آپ ان کو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ ہدایت اسے ہوگی، جسے اللہ چاہے گا۔ اللہ کے چاہنے کا معیار یہ ہے، کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو سن کر اسے اپنے لئے دعوتِ فلاح مان لے، اور اپنی پسند کو ناصح کے ارشاد کے سامنے بیچ جانے، اس منیب کو اللہ ہدایت دیتا ہے۔ پھر جسے اللہ ہدایت دے، اس کو گمراہ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کے گھر کے لئے بلاوا سب کو ہے۔ صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اسے ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔ اور رجوع وہی لاتا ہے، جو دعوتِ خیر دینے والے سے جڑ جائے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۶

جنہوں نے بھلائی کی، ان کے لئے بھلائی ہے اور زیادہ بھی۔ اور ان کے منہ پر سیاہی اور ذلت نہ چڑھے گی۔ وہی اصحاب جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جن لوگوں نے صراطِ مستقیم کو حال بنالیا ہو، وہ سلامتی کے گھر کی طرف جارہے ہوتے ہیں۔ وہ کسی مقام پر بھی اپنی پسند کو اپنی سہولت کو اہمیت نہیں دیتے، رضائے الٰہی کے حصول کے لئے دوسروں کو آسانیاں مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حیاتِ دُنیا میں اس بھلائی کا بدلہ آخرت میں ان کو بھلائی کی شکل میں ملے گا۔ اللہ انہیں بڑی آسانیاں عطا فرمائے گا، بڑی رحمتوں سے نوازے گا۔ زیادت یہ ہوگی، کہ منبعِ راحت سے قرب نصیب ہوگا۔ ان لوگوں کے رخ حیاتِ دُنیا میں درست ہونے کی وجہ سے آخرت میں سیاہی اور ذلت سے بلند ہوں گے، پرنور ہوں گے۔ آخرت پر یقین رکھنے والے کا رخ حیاتِ دُنیا میں درست ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کو اللہ ایسی راحت سے نوازے گا جو دائمی ہوگی۔

حاصل: رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے دوسروں کو سکھ دینا بھلائی ہے۔ اس کی جزا بھی بھلائی ہوگی۔ زیادت یہ

ہوگی، کہ منبعِ راحت سے قرب ملے گا۔ جن کا رخ حیاتِ دُنیا میں ٹھیک ہو، وہ آخرت میں سیاہی اور ذلت سے بچ سکیں گے۔ اصحاب جنت کو دائمی راحت سے نوازا جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور جنہوں نے بُرے کسب کیے، برائی کی جزا اسی کی مثل ہوگی، اور انہیں ذلت ڈھانپ لے گی۔ انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں۔ وہ دوزخ والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، وہ کفر کرتے ہیں۔ انہیں حق سے آگاہی ہوتی ہے، مگر وہ عطاءِ الٰہی کو کفر، فسوق اور عصیاں پر لگاتے ہیں۔ یہی برے کسب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزا دینے کا ایسا علم رکھتا ہے، جو اسی کی شان بے مثل کے لائق ہے۔ برائی کی جزا کو برائی کی مثل رکھنا بہت بڑی بات ہے۔ انسان اپنے کئے کا بدلہ ہی پائے، اور اس پر حکم دینے والے قادرِ مطلق کی نافرمانی عذاب کو نہ بڑھائے، بہت بڑی بات ہے۔ برے کسب کرنے والے، حیاتِ دُنیا میں ظلمات کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ نور سے بھاگنے والوں کو قیامت کے دن ذلت ڈھانپ لے گی۔ وہ دن ان پر ایسا بھاری ہوگا، ایسا تکلیف دِہ ہوگا، اس قدر ذلت آمیز ہوگا، کہ کوئی بھی ان کو اللہ سے بچا نہیں سکے گا۔ ان لوگوں کی روسیاہی اس درجے کی ہوگی، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں۔ ان کے اعمال ان کے چہروں سے عیاں ہوں گے۔ وہ دوزخ والے ہیں، وہاں سے نکل جانا ان کے بس میں نہیں ہوگا۔

حاصل: کفر، فسق اور عصیاں سب برے کسب ہیں۔ ان کی جزا انہی کی مثل ہوگی اور اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ذلت اور روسیاہی بداعمال کا نتیجہ ہوگی۔ جو حق کا کلی انکار کرتے ہیں، وہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے، پھر مشرکوں سے فرمائیں گے، اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک کھڑے ہو۔ تو ہم انہیں جدا کر دیں گے، اور ان کے شریک کہیں گے، تم ہماری بندگی تو نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو جزا کے لئے اٹھائیں گے۔ جو لوگ فرمانِ خداوندی کو مانتے تھے جیسے ماننے کا حق تھا انہیں اس دن خوف و حزن نہیں ہوگا۔ جو لوگ حیاتِ دُنیا میں شرک کرتے رہے ہوں گے ان کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔ جب مشرکوں کو ان کے شرکاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا، تو ان کے اور ان کے شرکاء کے مابین تعلق ختم ہو جائے گا۔ اور جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر مشرک شرک کرتے رہے، وہ پکار کر کہیں گے، کہ تم لوگ ہماری بندگی تو نہیں کرتے تھے۔ ہماری بندگی تب تھی، جب ہمارا دعویٰ ربوبیت کا ہوتا، ہم جزا دینے پر قادر ہونے کا دعویٰ

کرتے، ہم حدود بندگی کا تعین کرتے، ہم اپنی پسند کے معیار کو شاہد بنا کر تمہارے پاس بھیجتے اور کہتے کہ فلاح کے لئے اس کا اتباع کرو۔ یہ سب اللہ کی شان ہے، جس کی کوئی مثل نہیں۔ تم جو بھی کرتے رہے، وہ تمہاری اپنی خواہشات کی پرستش تھی، اسے ہماری بندگی کہنا غلط ہے۔

حاصل: خالق کل اللہ ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ مشرک کا معبود اس کی خواہش سے بنتا ہے۔ قیامت کے دن غیر حقیقی تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا کر مشرک، شرک کرتے ہیں، وہ پکار کر کہیں گے، تم لوگ اپنی خواہشات کی پرستش کرتے تھے، یہ قطعاً ہماری بندگی نہ تھی۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو ہمارے اور تمہارے مابین اللہ کی شہادت کافی ہے، کہ ہمیں تمہاری بندگی کی بالکل خبر نہ تھی۔

جن ہستیوں کو مشرک لوگ، اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، وہ یہ کہیں گی، کہ اللہ کی گواہی ہی خلوت وجلوت میں کفایت کرتی ہے کہ نہ ہمارا اللہ سے کچھ مخفی ہے نہ تمہارا اللہ سے کچھ مخفی ہے۔ ہم اس امر کی شہادت دیتے ہیں، کہ ہمیں تمہاری بندگی کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہم تو بندگیٔ خدا کرتے رہے ہیں۔ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ نتائج کو اس کی مشیت کے تابع مانتے رہے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے رضاءِ الٰہی کو مقصود جانتے رہے ہیں۔ ہماری طریقت تو اظہار بندگی سے آگے کچھ نہ تھی۔ اگر تم نے ہمارا اتباع کیا ہوتا تو ہمیں یقیناً اس کی خبر ہوتی۔ جو کچھ تم کرتے رہے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

حاصل: عبادِ مخلصین کی شان اظہار بندگی ہے۔ جو ان کا اتباع کرتا ہے وہ ان کے ساتھ ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے، وہ گمراہ ہے۔ گمراہ سے مخلصین کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ النصف ۸

یہاں ہر نفس جانچ لے گا، جو اس نے پہلے کیا تھا، اور اللہ کی طرف پھیرے جائیں گے جو ان کا حقیقی مولیٰ ہے، اور ان سے جاتا رہے گا جو افتریٰ وہ باندھا کرتے تھے۔

جب تمام خلق کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا، تو ہر نفس کو پتہ چل جائے گا، کہ اس نے کیا کیا تھا، اور فلاح پانے کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ جس مالک کل نے انہیں توفیق دی تھی اور حیات دُنیا کے اصول وضوابط مقرر کئے تھے، اسی مالک کل کی خدمت عالیہ میں حساب کے لئے پیش ہونا پڑے گا، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ جزا دینے والا اللہ ہی ہے۔ اس دن مکذبین حق سے وہ افتریٰ جو وہ حیات دُنیا میں باندھا کرتے تھے، گم ہو جائیں گے۔ جب عبرتناک انجام اپنی آنکھوں سے نظر آرہا ہو اور اس سے بچ جانے کا کوئی امکان بھی نہ ہو، تو پھر بے اصل باتیں بنانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

حاصل: جب آخرت میں جزا کے لئے لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا، تو ہر نفس کو پتہ چل جائے گا کہ اس نے پہلے کیا کیا تھا۔ جزا دینے والا مالک کل ہے۔ بے اصل باتیں، ناقص خیالات، بے سند اندازے قیافے اور حق کے انکار کے لئے گھڑی گئی سب کہاوتیں، اس دن ناپید ہو جائیں گی، اس لئے انہیں حال پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ النمل (۲۷) میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر صلہ ہے اور انہیں اس دن کی گھبراہٹ سے امان ہے۔ اور جو بدی لائے ان کے منہ اوندھائے گئے آگ میں۔ تمہیں کیا جزا ملے گی مگر وہی جو عمل تم کرتے تھے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱

پوچھئے، تمہیں کون رزق دیتا ہے، آسمان اور زمین سے، یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور کون نکالتا ہے مردے کو زندہ سے، اور کون امر کی تدبیر کرتا ہے، تو کہیں گے 'اللہ' تو فرما دیجئے پھر ڈرتے کیوں نہیں۔

اللہ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا ہے کہ اپنی پسند کو اہمیت دینے والوں سے پوچھئے، کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے۔ یہ رزق آسمان سے بارانِ رحمت کے سبب سے ملتا ہے۔ چاند اور ستاروں کے نباتات پر اثرات کی بدولت بھی ملتا ہے۔ زمین سے نباتات اگتی ہیں۔ اس کے لئے مناسب نمی، مناسب درجۂ حرارت اور مناسب ماحول لوازمات ہیں۔ اپنے وجود پر نظر کر کے کان اور آنکھوں کی اہمیت کو دیکھو۔ کان سے سنتے ہو اور اس سننے کی وجہ سے تمہیں کتنے فائدہ ہوتے ہیں۔ آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ کیسی کیسی زینت اور راحت کا سامان مہیا کرتے ہو۔ یہ نعمتیں بھی اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ بیج سے پودے کے پیدا کرنے والا کون ہے، اور پودے سے پھر بیج کو پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس دائرے کو قائم رکھنے کی تدبیر کون کرتا ہے، اور اگر یہ دائرہ قائم نہ رہے تو کون ہے جو ضروریات زندگی کا بندوبست کر سکے۔ سب کام کس کے ہیں۔ جواب دیں گے، اللہ کے ہیں۔ جب وہ تسلیم کرلیں کہ یہ سب اللہ ہی کرتا ہے، تو پھر فرمائیے کہ اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو۔ اس سے ڈرنے کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ اس کی رضا کے لئے جس میں یقیناً ماننے والوں کی بھلائی کا ثبوت موجود ہوتا ہے شاہد کا اتباع کیا جائے، اور کسی بھی مقام پر من مانی نہ کی جائے۔

حاصل: دعوت غور و فکر دینے کے لئے، انسان کے تجربے اور مشاہدے کو ذریعہ بنانا چاہئے۔ اور جب وہ تسلیم کر لے کہ اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے والی قوت اللہ کے پاس ہے، تو پھر یہ کہنا چاہئے، کہ اس سے ڈرنے میں تغافل بھی نہیں ہونا چاہئے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲

تو یہ ہے اللہ تمہارا سب سے بڑا پالنے والا۔ پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ تو کہاں پھرے جاتے ہو۔

خالق کل، مالک کل، ربِّ مطلق اللہ ہی ہے، جو کسی کا محتاج نہیں، اور جس کے سب محتاج ہیں۔ جس نے سب کو پیدا کیا اور جو کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ جس کی کوئی مثل نہیں۔ جو ہر شے کا مالک ہے مگر کسی بھی شے کی احتیاج نہیں رکھتا۔ جو سب کو پالتا ہے اور بڑے علم سے

پالتا ہے۔جس نے سب کو توفیق دی ہے، وہی حساب بھی لے گا۔جب حق کو جواللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے تسلیم کرلیا جائے،تو فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔اورحق کا انکار کردیا جائے تو پھر گمراہی سے بچنا ناممکن ہے۔ان روشن براہین کے بعد اللہ کے سوا کسی کو معبود بنانا صریحاً بے عقلی ہوگی۔

حاصل: ربِّ مطلق اللہ ہے، جو سب پالنے والوں کا پالنے والا ہے اور جس کی کوئی مثل نہیں۔جس نے توفیق دی ہے، جس نے انسان پر حق کی ادائیگی کو لازم قرار دیا ہے، وہی جزا دینے والا ہے۔جب اس کے احاطۂ قدرت سے باہر جانا ممکن ہی نہیں تو پھر اس کا انکار خلاف عقل ہے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح تمہارے ربّ کی بات فاسقوں پر پوری ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فاسقین کو کبھی ہدایت کی طلب ہی نہیں ہوتی، اس لئے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتے۔جو بھی اللہ کے فرمان کو ماننے کا دعویٰ کرے اور عملاً اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہے، اسے شاہد سے، ناصح سے محبت نہیں ہوتی۔وہ حالت فسق و منافقت میں ہی اس دُنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔فسق سے بچنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے، اسی لئے ہر ایک پر فسق سے بچنے کا حق عائد ہوتا ہے۔جو فسق و فجور سے بچتا ہے، اسے اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔جو فسق و فجور کو اپنا شعار بنالیتا ہے، اسے اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔راستے کا انتخاب انسان کرتا ہے۔

حاصل: شاہد کو رواجاً مانا جائے، تو اس سے محبت کا رشتہ استوار نہیں ہوتا۔ناصح سے محبت نہ ہو، تو ایمان لانے کا مقام آتا ہی نہیں۔اللہ کی بات ہر ایک کے متعلق ہر حال میں پوری ہوتی ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

فرمایئے، تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو خلق کو اوّل بنائے، پھر اعادہ کرے۔فرمادیجئے، اللہ خلق کو پہلے بناتا ہے، پھر اعادہ کریگا، تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔اس نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔مقصدیت کے تعین کے ساتھ ہر شے کو اللہ تعالیٰ نے نہ ہونے سے بنایا ہے۔انسان کو اللہ نے عبودیت کے لئے خلق فرمایا ہے۔اس کے لئے ارکان کو جمع کر کے نطفہ بنایا گیا۔پھر اس کی پرورش کے کئی مدارج آئے۔رحم مادر میں ایک معین وقت تک رکھنے کے بعد حمل وضع کرایا گیا۔اور یہاں پیدائش کے عمل کی تکمیل ہوئی۔اس پیدائش میں کسی مقام پر انسانی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔حیاتِ دُنیا کے خاتمے کے بعد موت واقع ہوتی ہے، اور ہونے کے بعد نہ ہونے کا مقام آجاتا ہے۔جس طرح پہلے اللہ نے انسان کو نہ ہونے سے بنایا ہے، اسی طرح موت کے بعد وہ اس کو نہ ہونے سے ہونا بنادے گا۔یہ اعادہ ہوگا، اور اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والے کو یہ نظر آتا ہے، کہ یہ اسی قادر مطلق کے لئے ممکن ہے۔کسی اور کا تو یہ دعویٰ ہو ہی نہیں سکتا۔جب مبداء میں اللہ کی مطلق قدرت نظر آتی ہے، تو معاد پر اس کی قدرت کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔اور اگر معاد پر اس کی مطلق قدرت کو مان لیا جائے، تو حق سے پھر جانے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

حاصل: مبداء، خلقِ اوّل ہے۔ معاد، موت کے بعد حیات ہے۔ مبداء پر نظر ہو تو معاد سے انکار ممکن نہیں اور معاد کو مان لیا جائے تو مبداء اور معاد کے درمیان تمام مقامات پر رضائے الٰہی کو مقصود ہونا چاہئے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرمایئے، تمہارے شرکاء میں کوئی ہے، جو حق کی طرف راہ دکھائے۔ فرما دیجئے، اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف راہ دکھائے اس کا اتباع بڑا حق ہے، یا اس کا جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک اسے راہ نہ دکھایا جائے۔ تو تمہیں کیا ہوا، کیسا حکم لگاتے ہو۔

فلاح کی راہ دکھانے والا وہی ہوسکتا ہے، جو حق کا علم رکھتا ہو، اس کی احسن ادائیگی کی طریقت کو جانتا ہو، اور اللہ کے فرمان کو ادب سے مانتا ہو۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان میں کون ہے جو مشرکین کو یہ کہہ سکے کہ شرک کرتے چلے جاؤ اور اس کے نتیجے میں تم فلاح پاؤ گے۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ بشارت و انذار کے لئے شاہدین بھی اسی کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ شاہدین حق عبودیت کو اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ ان کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہوتی ہے، اور ان کا اتباع، اللہ کا اتباع ہوتا ہے۔ ان کا اتباع بڑا حق ہے، یا ان کا جو حقیقت کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ اپنے گمان کی پیروی کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے، وہ کیسی بات کر رہے ہیں۔ ایک طرف حق، اسناد کے ساتھ موجود ہے، دوسری طرف محض ان کی تجویز ہے، گمان ہے، جس کے ساتھ کوئی سند نہیں۔ حق کے مقابل بے سند تجویز کو اہمیت دینا صریحاً ظلم ہے۔

حاصل: مشرکین سے پوچھنا چاہئے، کون ہے تمہارے شرکاء سے جو حق کی طرف راہ دکھا سکتا ہے۔ حق کی راہ علم الٰہی کے تابع ہے۔ حق کی راہ دکھانے والے کا اتباع بڑا حق ہے، یا حقیقت کا کچھ بھی علم نہ رکھنے والوں کا۔ تقابل علم سے ہونا چاہئے، اور بات سند سے ہونی چاہئے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور وہ اکثر تو ظن کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ بے شک ظن، حق میں کچھ بھی کام نہیں دیتا۔ بے شک اللہ کو علم ہے جو وہ کرتے ہیں۔

مشرکین ہمیشہ اپنے ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ جو انہیں پسند ہوتا ہے، وہی کرتے ہیں، اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں، وہی درست ہے۔ حالانکہ وہ ہوتا ان کا گمان ہی ہے۔ ظن انسانی اندازے، قیافے سے تعلق رکھتا ہے، حق، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ظن کے ساتھ کبھی شہادت موجود نہیں ہوتی، حق کو بیان کرنے والا ہمیشہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ ظن کی حقیقت اندھیرا ہے، حق نور ہے۔ ظن میں وقتی راحت پیش نظر ہوتی ہے، حق کی ادائیگی میں دائمی راحت پیش نظر ہوتی ہے۔ ظن کا اتباع کرنے والا راہ عمل کا تعین کرنے میں خود کو آزاد جانتا ہے، حق کا اتباع کرنے والا ادب سے شاہد کی پیروی کرتا ہے۔ ظن کا اتباع کرنے والا آخرت کا انکار کرتا ہے، حق کا اتباع کرنے والا آخرت کا یقین رکھتا

ہے۔ظن کسی بھی مقام پر حق کا بدل نہیں ہو سکتا۔اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔اس کو فاعل کی نیت کا بھی علم ہوتا ہے،اس کے فعل کا بھی علم ہوتا ہے،اور اس کے نتائج بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں۔اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا،کہ اس نے اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے گمان کی پیروی کی ہے۔

حاصل: مشرکین ہمیشہ ظن کا اتباع کرتے ہیں۔ظن کبھی حق کی ادائیگی میں کام نہیں آتا۔حق جس کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے،اسی کے فرمان کی روشنی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔اللہ سے نہ نیت چھپی ہوتی ہے نہ فعل چھپا ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ کوئی اللہ کے مقابل اسے گھڑ لے،لیکن جو اس سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرتا ہے،اور جو چیزیں تم پر لکھی گئی ہیں ان کو مفصّل بیان کرتا ہے،اس میں شک نہیں کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

ظنون واوہام تو انسان افترٰی سے بنالیا کرتے ہیں،لیکن حقائق و معارف کو بیان کرنے والی کتاب مقدس قرآن مجید کی کسی ایک سورۃ کے مثل لانے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔جو کتابیں قرآن پاک سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں،قرآن پاک ان کی تصدیق کرتا ہے۔کتب سابقہ کے وہ حصے جن کی تصدیق قرآنِ پاک سے ہوتی ہے،ان کی صداقت کو ماننا حق ہے۔جو حقوق و فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النّبیین ہیں،کی امت پر نازل فرمائے گئے ہیں۔قرآن پاک میں اس کی تفصیل موجود ہے۔وہ زبان پاک جس کی صداقت کا اعتراف منکرین کو بھی تھا،گواہی دیتی ہے،کہ قرآن مجید ربّ العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے،اس میں بیان کردہ احکامات کو ماننے میں فلاح ہے،اس کے انکار میں خسارہ ہے۔ربّ العالمین کے فرمان کو ماننے سے ہی اجتماعی بھلائی حاصل ہو سکتی ہے۔قرآن پاک کے مقابل انسانی تخمین سے جو بھی اصول و ضوابط وضع کئے جائیں گے،اجتماعی بھلائی ان سے کبھی نہیں ہو سکے گی۔

حاصل: قرآن پاک انسانی گمان سے نہیں بنا۔کتب سابقہ جو اللہ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں،ان کی تصدیق کرتا ہے،حقائق و معارف کو بیان کرتا ہے،اور یقیناً ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔اس کو ادب سے پڑھنا،ادب سے ماننا،اور ادب سے رکھنا،باعث رحمت و برکت ہوتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ کہتے ہیں،کہ یہ افترٰی ہے۔فرما دیجئے،ایسی ایک سورۃ لاؤ،اور اللہ کے مقابل جن کے بلانے کی تمہیں استطاعت ہو،بلالو،اگر تم صادق ہو۔

قرآن پاک کو افترٰی کہنے والوں کو دعوت فکر دی گئی ہے،کہ افترٰی کبھی بے مثل نہیں ہوتا۔انسانی سوچ سے جو بات بنے گی،وہ کبھی بے مثل نہیں ہو سکتی۔پھر فرد کی بات کے مقابل جماعت کی سوچ میں زیادہ لوگوں کی صلاحیتیں کام آئیں گی،اور فرد کی بات کے مقابل بہتر بات

کرنے کا امکان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے اس اعجاز کو بیان فرمایا ہے، کہ اگر یہ انسانی گمان سے بنایا گیا قرآن ہے، تو تم اس کی مثل لے آؤ، بلکہ کسی ایک سورۃ کی مثل ایک سورۃ لے آؤ، اور انفرادی ہی نہیں اجتماعی کوشش بھی کر دیکھو جو تمہارے بس میں ہو، اگر تم ایسا کر سکو تو یہ بات تمہاری صداقت کو ثابت کرے گی، اور اگر تم اپنے دعوے کے ساتھ مطلوبہ ثبوت کو پیش نہ کر سکو گے، تو یہ بات تمہارے کذب اور تمہارے افتراء کو ثابت کر دے گی۔

حاصل: افتریٰ کی مثل لانا کبھی ناممکن نہیں ہوتا۔ فرد کے مقابل جماعت بڑا افتریٰ لا سکتی ہے۔ قرآن پاک کا اعجاز دیکھئے کہ اسے افتریٰ کہنے والے کبھی بھی اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکے۔ اس کی کسی ایک سورۃ جیسی سورۃ لانے سے بھی عاجز لوگ قرآن پاک کی صداقت کی خاموش مگر بڑی روشن نشانی ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

بلکہ تکذیب کی جس کے علم پر انہیں احاطہ نہیں، اور ابھی ان کے پاس اس کی تاویل نہیں پہنچی۔ اسی طرح ان سے قبل والے بھی تکذیب کرتے رہے۔ تو نظر کرو ظالمین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

قرآن پاک کو افتریٰ کہنے والے، علوم قرآن مجید سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا قرآن پاک کے متعلق بیان ان کی جہالت، سفاہت اور ان کے عدم تدبر کو ہی ظاہر کرے گا۔ قرآن پاک کے انکار سے لوگ مشکلات میں گھرتے چلے جائیں گے، اور انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم کو اہمیت دینے والے، اس طرح عاجز ہو جائیں گے، کہ ان کی سب تدبیریں اور اجتماعی بھلائی کی سب کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔ اس وقت انہیں قرآن پاک کی تاویل کی ضرورت ہوگی، اور وہی تاویل، تفسیر اس وقت مسائل کا حل بھی دے سکے گی۔ اس سے پہلے بھی منکرین حق یہی کرتے رہے ہیں، کہ حق کی تکذیب کرتے کرتے وہ خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے تھے۔ فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والوں کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔ انہیں ایسی سزا ملی جس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت موجود تھی۔

حاصل: جس شے کے بارے میں ہمارا علم پورا نہ ہو، اس پر تبصرہ کرنا خلافِ حق ہے۔ قرآن پاک کے بیان کردہ حقائق کے انکار سے مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی، اور بالآخر قرآن پاک کو ماننا پڑے گا۔ مکذّبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی، اس لئے سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

اور ان میں سے کوئی اُس پر ایمان لاتا ہے اور کوئی ایمان نہیں لاتا۔ اور تمہارا ربّ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔

قرآن پاک پر ایمان لانا یہ ہے، کہ اسے فرمان خداوندی مان کر، اس کے مقابل اپنی پسند کو چھوڑ دیا جائے، اور حکم خداوندی کو ماننے کے لئے، اسے خوب اچھی طرح جاننے کی شرط نہ لگائی جائے۔ حکم خداوندی کو مانا جائے، تو اس کو جاننے کا مقام آئے گا، ورنہ اس کی حقیقت کا کبھی پتہ نہیں چلے گا۔ جو لوگ قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے، وہ اس کو پڑھتے بھی ہوں، سنتے بھی ہوں، تب بھی کرتے وہی

ہیں، جو انہیں پسند ہو۔ یہ پتہ ہو، کہ حق کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئے، مگر اس کے خلاف کیا وہی جائے، جس کا نفس امر دے، تو یہی خسارہ ہے، اور ایسا کرنے والے مفسدین ہیں۔ اللہ ان کو خوب جانتا ہے، اس لئے مفسدین اپنے اعمال کی جزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

حاصل: قرآن پاک پر ایمان لانے والا جہاں بھی ہو، رحمت و برکت کا موجب ہوگا۔ قرآن پاک پر ایمان نہ لانے والا، فساد ہی کریگا۔ مومن اور مفسد کو ایک جیسا جاننا خلافِ حق ہے۔ مفسد کو قدر و منزلت دی جائے تو فساد بڑھتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر (۵۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اللہ کو بھلا بیٹھے، تو اللہ نے انہیں ان کے انفس سے بھلا دیا، وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور اگر وہ آپ کی تکذیب کریں، تو فرما دیجئے، میرے لئے میرا عمل اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم اس سے الگ ہو جو عمل میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو عمل تم کرتے ہو۔

حق کی روشن نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی اگر لوگ شاہد کی تکذیب کریں، اور فساد کی راہ اختیار کریں، تو ان سے یہ کہہ دینے کا حکم ہے، کہ حق کی تبلیغ کا فرض ادا کر دینے کے بعد اور تمہارے جھٹلانے کو دیکھ لینے کے بعد ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ میرے لئے میرا عمل ہے، تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم اس سے الگ ہو، جو میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو تم کرتے ہو۔ سب اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔ کسی کے عمل پر دوسرا ماخوذ نہیں ہوگا۔ جو نصیحت کو نہیں مانتے اور ہدایت کو قبول نہیں کرتے، ان کا وبال انہی پر پڑے گا۔

حاصل: شاہد کی شان یہی ہے، کہ حق کی تکذیب کرنے والے سے یہ کہے، کہ میرے لئے میرا عمل تمہارے لئے تمہارا عمل، تم اس سے الگ ہو جو میں کرتا ہوں، اور میں اس سے الگ ہوں جو تم کرتے ہو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اگرچہ وہ عقل نہ کرتے ہوں۔

مکذبین میں سے کچھ لوگ شاہد کے ارشادات گرامی کو سنتے ہیں، مگر یہ سننا اگر بغض و عداوت کو بڑھا رہا ہو، اور عامل اپنی توتوں کو خلافِ حق استعمال کرنے سے نہ رکے، تو سننے میں اس نے سنجیدگی کا ثبوت نہیں دیا۔ ایسے بہرے کو حق کا سننا کیسے نفع دے سکتا ہے۔ عقل انسان کو تضاد سے پاک ہونے میں مدد دیتی ہے۔ عقل کرنے کا ثبوت اسی طرح ملتا ہے، کہ وقتی راحت کے بدلے دائمی دکھ نہ خریدا جائے، اور تھوڑی تکلیف سے بچتے ہوئے، بڑے عذاب کو اپنے لئے مقدر نہ کر لیا جائے۔ اگر رویہ اس کے خلاف ہو، تو یہ بے عقلی ہوگی۔ اور بہرہ اگر بے عقل بھی ہو، تو پھر اس کا کان لگانا اس کو کب نفع دیتا ہے۔

حاصل: جو شاہد کے ارشادات گرامی کو دل کے کانوں سے سنے وہ مانتا ہے۔ جو بظاہر سنے اور نصیحت اسے نفع نہ دے وہ بہرہ ہے۔ عقل کرنا، پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ عقل نہ کرنے کی حقیقت خسارے میں پڑنا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ان میں بعض آپ کی طرف نظر کرتے ہیں۔ تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے، اگرچہ وہ سوجھ نہ کرتے ہوں۔

شاہد کی طرف دیکھنے سے کچھ لوگوں کو یہ نظر آتا ہے، کہ شاہد کی صداقت کے دلائل ناقابل تردید ہیں اور تبلیغ حق میں اس کی کوئی غرض بھی پوشیدہ نہیں، مگر آنکھیں کیا اندھی ہوں گی، دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں، اور دل کے اندھے کو راہ دکھانا ممکن نہیں۔ جسے راہ حق کے دیکھنے کی طلب ہی نہ ہو، اس کو راہ حق دکھانا ممکن نہیں۔ آنکھیں اندھی ہوں اور دل اندھا نہ ہو تو راہ حق کا دیکھنا بھی ممکن ہے، نور ہدایت سے فیض پانا بھی ممکن ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔ دل کے کان بھی ہوتے ہیں، دل کی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ تشریح الاعضاء کے اعتبار سے انسانی علم ابھی اس مقام پر نہیں پہنچا، کہ دل کے کانوں کو ظاہری کانوں سے، اور دل کی آنکھوں کا ظاہری آنکھوں سے تعلق دیکھا جاسکے۔ مگر مشاہدہ یہی ہے کہ ناصح سے محبت ہو، تو اس کا اسوۂ حسنہ اخلاق کا اکمل نمونہ نظر آتا ہے۔ محبت نہ ہو تو شاہد کا مرتبہ بھی نظر نہیں آتا، اس سے نورِ ہدایت لینے کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ جس بات کو ٹھیک مان لیا جائے، اس پر عملاً پورا رہنے کی طریقت مطلوب ہو، تو سوجھ ہوگی، اور سوجھ کے بعد بوجھ کا مقام آتا ہے۔

حاصل: دل کے اندھے کی ظاہری آنکھیں بھی ہوں تو نورِ ہدایت سے استفادہ نہیں کرسکتیں۔ حق پر پورا رہنے کی طلب ہو، تو سوجھ کا مقام آتا ہے۔ سوجھ کے بعد بوجھ آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ولیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل حق کا اثر قبول نہیں کرتے، ان کے دلوں میں موجود بغض وعداوت انہیں فساد کی راہ سے ہٹنے نہیں دیتا۔ نور ہدایت سے استفادہ نہ کرنا، قوائے ادراکیہ کو ناکارہ کرلینا، قبول حق کی طبعی استعداد کو ساکن کرلینا، اور حقائق کے مشاہدات کے بعد فرمان خداوندی کے خلاف چلنا، یہ لوگوں کا اپنے اوپر آپ ظلم کرنا ہے۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے۔ وہ تو لوگوں کے ساتھ رأفت ورحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔

حاصل: اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ رأفت ورحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ لوگ جو قبول حق کی طبعی استعداد کو ضائع کرلیتے ہیں، مخلصین سے بغض وعداوت کو اپنا شعار بنالیتے ہیں، صریحاً خسارے کی راہ اختیار کرکے اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا

اور جس دن انہیں اکٹھا کرے گا، گویا وہ دن کی ایک

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۴۵

گھڑی ہی رہے تھے، ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بے شک وہ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو بھلایا خسارے میں پڑے، اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

حشر کے دن لوگوں کو موت کے بعد اٹھایا جائے گا، اور انہیں موقف حساب میں حاضر کرنے کے لئے جمع کیا جائے گا، تو لوگ محسوس کریں گے، کہ اس سے پہلے گزرا ہوا وقت تو بہت ہی مختصر تھا۔ تکلیف کے لمحات سامنے ہوں اور ان کا خاتمہ بھی نظر نہ آرہا ہو، تو اس کے مقابل آرام کے لمحات بہت مختصر معلوم ہوتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے، مگر ہر ایک کو اپنی ذات کی جزا کے بارے میں فکر لاحق ہوگی۔ جن لوگوں نے اللہ سے ملنے کا انکار کیا، وہ لقاء اللہ کے انکار کی وجہ سے صریحاً خسارے میں پڑیں گے۔ وہ جو ہدایت پانے والے نہ تھے، آخرت پر عدم یقین ہی انہیں من مانی کرنے کی طرف لے گیا تھا، اب اسے سامنے پا کر کس قدر افسوس کریں گے وہ بیان میں کب آسکتا ہے۔

حاصل: لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن جمع کیا جائے گا۔ ایک دوسرے کی پہچان تو ہو گی، مگر فکر اپنی اپنی لاحق ہوگی۔ لقاء اللہ کے منکر خسارے میں پڑیں گے۔ جو ہدایت یافتہ نہیں اس کا مستقبل تاریک ہے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۶

اور اگر ہم آپ کو اس میں سے کچھ دکھائیں جس کا انہیں وعدہ دے رہے ہیں، یا آپ کو وفات دیں، تو ہماری ہی طرف ان کی مراجعت ہوگی، تو اللہ دیکھ رہا ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔

اسلام کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے، کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ اسی طرح کافروں کو عذاب اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ چکھانے کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے بیان ہوا ہے، وہ پورا ہے، اور پورا ہوگا۔ آپ کی حیات طیبہ میں ہو یا بعد از وفات ہو، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کس وعدے کو کس قدر پورا کرنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اور مراجعت تو سب کی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی۔ وہ سب کی خلوت وجلوت کو دیکھ رہا ہے۔ کسی کا کوئی کام اس سے مخفی نہیں ہے۔ عذاب آخرت کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کو آخرت میں پورا کر کے دکھایا جائے گا۔ جزا دینے والا بہر حال دیکھ رہا ہے، کہ کیا کیا جارہا ہے، اور کیا کیا جانا چاہئے تھا۔

حاصل: شاہد کی بات ہمیشہ حق کی بات ہوتی ہے، اور ہمیشہ پوری ہوتی ہے، اس کی حیاتِ طیبہ میں ہو یا بعد از وفات ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اسی کی طرف سب کی مراجعت ہوگی۔ وہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ کوئی اللہ سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِيَ بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۴۷

اور ہر امت کا ایک رسول ہوا۔ پھر جب ان کے پاس رسول پہنچتا ان پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان پر ظلم نہیں ہوا۔

ہر امت کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اس نمونہ اکمل کو رسول فرمایا گیا ہے، جس کا اتباع دُنیا میں خوف وحزن سے نجات دلائے، آخرت میں نار جہنم سے بچائے، عطاء الٰہی کے استعمال کی طریقت بتائے، جس سے اخلاق حسنہ اور تقویٰ تکریم کا پیمانہ بنے، اور وسعت مال کے حوالے سے لوگوں کی تکریم اور قدر ومنزلت معمول نہ بنے۔ جب بھی کسی قوم کی طرف رسول خدا تشریف لائے، انہوں نے حق تبلیغ ادا کیا، تو ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو گئے۔ ماننے والوں نے یہ دیکھا، کہ رسول خدا نے اجر کا سوال نہیں کیا، جو کچھ فرمایا ہے، اس میں ماننے والوں کی بھلائی ہے، اور وہی زندگی گزارنے کا احسن طریقہ ہے اس لئے انہوں نے محبت اور ادب کے ساتھ رسول خدا کی اطاعت کی۔ نہ ماننے والوں نے یہ کہا، کہ ہم تو وہی کریں گے، جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو کرتے دیکھا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کہ اپنی خواہشات کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے۔ جس نے جو رخ اختیار کیا، اسے اسی کی جزا دی گئی۔ کسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہوا۔ انصاف کے ساتھ ہونے والے فیصلے میں منصف حق کو روشن کرتا ہے، کسی کی خوشی، ناخوشی کو نہیں دیکھتا۔

حاصل: اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے، جو ہمیشہ پوری ہوتی رہی ہے۔ جو عنداللہ معیار ہے، اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلم ومجرم کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، اللہ کی شان ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ عبادِ مخلصین کو بھی فیصلہ کرتے وقت، حق کو روشن کرنا چاہئے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾

اور کہتے ہیں، کب ہے یہ وعدہ اگر تم صادق ہو۔

شاہد کی زبان پاک سے عذاب کی وعید سن کر کافر کہتے ہیں، کہ عذاب کی جو دھمکی آپ دے رہے ہیں، یہ کب پوری ہوگی۔ اگر آپ سچے ہیں، تو اس عذاب کو لے آئیے۔ بے وقوفی ملاحظہ فرمائیے، کہ عذاب کے آنے پر شاہد کی صداقت کو مان لینا نافع نہیں ہوتا، اور یہ کافر عذاب الٰہی کو ہی شاہد کی صداقت کی سند کے طور پر طلب کرنے لگتے ہیں۔

حاصل: کافر اتنی عقل بھی نہیں کرتے، کہ اپنی بیخ کنی کو شاہد کی صداقت کی سند جانتے ہیں۔ عذاب الٰہی کے آجانے کے بعد شاہد کی صداقت کو مان لینا نفع نہیں دیتا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

فرما دیجئے، میں اپنے نفس کے ضرر اور نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک اجل ہے، جب ان کی اجل آجائے گی، تو نہ ایک ساعت پیچھے سرک سکیں گے اور نہ آگے سرک سکیں گے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پاک سے یہ ارشاد فرمایا، کہ میں اپنی ذات کے لئے ضرر اور نفع کا مالک نہیں۔ ضرر اور نفع مشیت الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے عذاب لے آنا میرا کام نہیں۔ عذاب کو آتا دیکھ کر اس سے آگاہ کر دینا میرا کام ہے۔ ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔ یہ مہلت جب ختم ہو جاتی ہے، تو پھر اس کے

آگے پیچھے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ حق کو مانتے ہیں، انہیں نہ ماننے والوں سے الگ کر لیا جاتا ہے، اور نہ ماننے والوں کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر وہ بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں۔

حاصل: ضرر اور نفع مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ شاہد کی شان یہی ہے، کہ وہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے آگاہ کر دے، عذاب لا کر دکھانا اس کا کام نہیں ہوتا۔ جب کسی امت کو دی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے، تو پھر وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ عمل کے لیے دیئے گئے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہیں ہوتا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے، بھلا دیکھو تو اگر تم پر اس کا عذاب رات کو آئے یا دن کو آئے اس میں مجرموں کو جلدی کس چیز کی ہے۔

حق کے نہ ماننے والوں کو مجرم کہتے ہیں۔ وہ عذاب الٰہی کو اس طرح طلب کرتے ہیں، کہ شاہد کی صداقت اس سے کم کسی سند سے ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ اور اپنے موقف میں وزن پیدا کرنے کے لئے، جس کے کھوکھلے پن کا اُنہیں احساس بھی ہوتا ہے، یہ کہتے ہیں، کہ عذاب لا کر دکھایئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ وہ تم پر رات کو آئے یا دن کو آئے، تم کیا بچاؤ کر سکو گے۔ جب بچاؤ نہیں کر سکو گے، تو پھر جلدی کس چیز کی ہے۔ دعوت تدبر کے اعتبار سے یہ بہت فکر انگیز بات ہے۔

حاصل: عمل کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہو جانے کے بعد حق کو مان لینا نفع نہیں دیتا۔ عذاب الٰہی رات کو آئے یا دن کو کسی تدبیر سے، کسی علم سے اسے روکا نہیں جا سکتا۔ مجرمین کے رویئے میں بے عقلی واضح طور پر نظر آتی ہے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کیا جب واقع ہو جائے گا، اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب قائل ہوئے ہو اور تمہیں تو اسکی بہت جلدی تھی۔

عذاب الٰہی کے واقع ہو جانے کے بعد، حق پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا۔ حق پر ایمان بالغیب کا مقام ہی گزر جائے، تو وہ ایمان نافع نہیں ہو سکتا۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر اگر مان لیا جائے کہ شاہدین کا ارشاد عین حق تھا، اور اس طرح اس عذاب سے بچنے کی تدبیر کی جائے، تو دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ اس عذاب کی تکذیب و استہزاء کرتے ہوئے مجرمین یہ کہتے رہے کہ اسے جلد لے آیئے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد قائل ہونا کسی کو سچا نہیں ثابت کر سکتا۔ قول، عمل کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔

حاصل: عذاب کے واقع ہو جانے پر عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر حق کو نہ ماننا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ماننا فائدہ نہیں دیتا۔ مجرمین دیکھتے نہیں کہ حق کی تکذیب و استہزاء سے وہ کس طرف جا رہے ہیں۔

ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ظالموں سے فرمایا جائے گا، دائمی عذاب چکھو، تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو کسب تم کرتے تھے۔

قیامت کے دن ظالموں سے فرمایا جائے گا، کہ حق کی تکذیب کا نتیجہ، دائمی عذاب کی صورت میں تمہیں اپنی گرفت میں لے رہا ہے۔ یہ اسی کی جزا ہے، جو تم حیات دُنیا میں کرتے رہے ہو۔ حق کو ماننے کی صورت میں فلاح کی بشارت بھی تم نے سنی تھی، اور نہ ماننے کی صورت میں عذاب کی وعید بھی تم نے سنی تھی۔ تم نے حق کے انکار کا راستہ اختیار کیا، اور تم شعور کے ساتھ خلافِ حق کرتے رہے۔ یہ تمہارے کئے کی پوری پوری جزا ہے۔

حاصل: آگ میں جلانے کی سزا دینا صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ دائمی سزا، اللہ ہی دے سکتا ہے۔ جس کو سزا دی جائے اس کو بتانا چاہئے، تم نے خلافِ حق کیا اور جان بوجھ کر کیا، تم اس کی سزا سے آگاہ تھے، اس لئے سزا پاؤ۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ع ۵ ۱۲

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَ رَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۟۠ ﴿۵۳﴾

اور آپ سے پوچھتے ہیں، کیا یہ حق ہے۔ فرما دیجئے، ہاں اور میرے ربّ کی قسم! وہ یقیناً حق ہے، اور تم عاجز نہیں کرسکو گے۔

بعث بعد الموت کے بارے میں کافر یہ پوچھتے ہیں، کہ کیا یہ حق ہے۔ موت کے بعد خاک میں مل جانا اور وجود کے اجزا کا منتشر ہو جانا تو انہیں نظر آتا ہے، ان اجزا کو جمع کر کے زندہ وجود کو جزا کے لئے کھڑا کر دینا، یہ کافروں کو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ شاہد کی زبان پاک سے نکلا ہوا کوئی کلمہ خواہش نفس کے تابع نہیں ہوتا۔ اس زبان پاک سے حق کو بیان کرنے کے لیے اپنے ربّ کی قسم کھائی جائے، اور سامعین کو یقین دلانے کی کوشش کی جائے تو سامعین کو اپنے قیاس کے درست ہونے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ جو کچھ بعث بعد الموت کے متعلق فرمایا گیا ہے، اس کو روک دینے پر کون قادر ہے۔ جو کچھ پہلے ہو رہا ہے، اس میں اللہ کی مشیّت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، جو کچھ آئندہ ہوگا، اس میں اللہ کی مشیّت کا انکار نہیں ہونا چاہئے۔

حاصل: بعث بعد الموت، ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اللہ کی مشیّت کا حال پر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کو عاجز کرنا ناممکن ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہے، باقی سب کی قدرت اس کی عطا کردہ ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے آپ کو ان کی حفاظت پر مامور نہیں کیا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اگر ہر ظالم نفس کے پاس ہوتا جتنا کچھ زمین میں ہے، تو وہ خود کو چھڑانے میں دے دیتا۔ اور عذاب کو دیکھ کر انہیں ندامت کا احساس ہوگا۔ اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہوگا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

حکم خداوندی کے خلاف کرنا ظلم ہے۔ اور جب ظالم خود کو گرفت میں دیکھتا ہے، تو گرفت کی نسبت سے اپنی ملکیت سے خرچ کرتا ہے، مگر فدیئے میں اپنی بہت پسندیدہ چیزوں کو دے دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ نفس کی خوشی اسی میں ہوتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اگر ظالم کے پاس مال و متاع کا خزانہ ہو، دفینہ ہو، اور بے حساب ہو، تو بھی وہ اسے اپنے فدیئے کے طور پر دینے کو تیار ہوگا۔ گرفت اتنی بڑی اور شدید نظر آئے گی، کہ وہاں نفس کو اپنی سلامتی کے علاوہ کچھ درکار ہی نہ ہوگا کہ وہ عذاب، حیات دُنیا میں جس کا انکار کیا جاتا رہا، جب سامنے ہوگا، تو ندامت بہت ہوگی اور وہ نفس جو حق کے انکار میں راحت تلاش کرتا تھا، عذاب کو سامنے پاکر انتہائی شرمندگی محسوس کرے گا۔ مگر یہ شرمندگی بے سود ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ انصاف سے ہوگا، اور حق کے مطابق ہوگا، اور وہی ہوگا، جس کا ڈر انہیں حیات دُنیا میں سنادیا گیا تھا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی گرفت کا موازنہ کسی دوسری گرفت سے نہیں کیا جاسکتا۔ نفس انتہائی خطرے میں، ہی سب کچھ فدیئے میں دے دینے کو تیار ہوتا ہے۔ جس عذاب کا انکار کافر کو من مانی کی طرف لے جاتا ہے، اسے سامنے پاکر ندامت بہت ہوگی۔ انصاف یہی ہے، کہ عامل اپنے عمل کی جزا پائے اور جزا دینے والے کی رنجش سزا کو بڑھاوا نہ دے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

سن لو، بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سن لو، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

اپنی جان چھڑانے کے لئے فدیہ دینے کا مقام تو تب ہو، جب کافر کسی شے کا مالک ہو۔ مگر حقیقت میں تو سب کچھ اللہ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جو کچھ انسان کے تصرف میں دیا جاتا ہے، وہ ایک محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ اس محدود وقت میں انسان اللہ کی رضا کو مقصود بناتا ہے، تو جزا کا یقین اس کے اعمال میں جھلک رہا ہوتا ہے، اور اگر اس کا رخ اس کے خلاف ہو تو وہ یوم الدین کا منکر ہوتا ہے۔ یہ وعدہ تو اللہ کا ہے، کہ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ اس سے لاعلمی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ چونکہ پہلے جس نے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے، اس کے لئے دوبارہ بنانا کیسے مشکل ہوسکتا ہے، اور جس نے توفیق دی ہے، جس سے ہمارا کوئی حال مخفی نہیں ہے، اس کے احاطۂ قدرت سے بھاگ جانا بھی ناممکن ہے۔

حاصل: جو کچھ ہمارے تصرف میں ہے، اسے اللہ کی عطا جان کر استعمال کرنا چاہئے۔ یہ یقین ہو، کہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ ہمارے وعدے کو بھی حق کے مطابق ہونا چاہئے، اور پورا ہونا چاہئے۔ حق کو نہ مانا جائے تو اس کا علم ہو ہی نہیں سکتا۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہی حیات دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، اور اسی کی طرف مراجعت ہوگی۔

نہ ہونے سے ہونا پیدا کردینا، اللہ کی شان ہے۔ زندگی کے ارکان کیا ہیں، انسانی علم اس کے بارے میں قلیل تھا اور قلیل ہی رہے گا۔ انسان کو حیات دُنیا کی صورت میں ایک مہلت بھی ملتی ہے، متاع بھی ملتی ہے، اور اس کے بعد اس پر موت بھی آتی ہے۔ موت سے بچ

جانا کسی طرح ممکن نہیں۔ جب حیات دینے والا ہی موت بھی دیتا ہے، تو پھر اس کے احاطۂ قدرت کو پورا ماننا لازم ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہوگی۔ مقصد حیات کو خالق کل نے متعین کیا ہے، اور وہ ہے، انسان حال پر پاک رہے، اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے عبادِ مخلصین کے قدموں پر چلے۔ خواہش نفس کی پیروی مقصدیت کا انکار ہے۔ شاہدین کی معیت مقصد حیات ہے۔

حاصل: اللہ ہی حیات وموت دیتا ہے۔ جس نے توفیق دی ہے، وہی جزا دینے والا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہوگی۔ مقصدِ حیات پیش نظر ہو، تو پھر خواہشات کا اتباع نہیں ہوتا، اور لوگوں کی خوشی کے مقابلہ میں اللہ کی رضا کو مقصود بنایا جاتا ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٥٧

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے موعظت آئی اور سینوں کے لئے شفا اور مومنین کے لئے ہدایت ورحمت۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعظت ہے۔ وعظ کی حقیقت بھلائی کی طرف رغبت دلانا اور خطرات سے بچنے کے لئے شعور کو بیدار کرنا ہے۔ دل جو تدبر کرتے ہوں، اور تضاد سے پاک رہنا چاہتے ہوں، ان کو اس موعظت سے شفا ملتی ہے، نور ہدایت ملتا ہے۔ جو دل شفایاب ہو جائیں، ان میں شک اور تردّد کا گزر نہیں ہوتا۔ دل کی آنکھوں سے دیکھا جائے، تو حقائق کا پتہ لگتا ہے، اور ایمان لانے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ایمان والوں کے لئے قرآن پاک، ہدایت ورحمت ہے۔ مومنین اللہ کے فرمان کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا راستہ ہدایت کا راستہ ہوتا ہے۔ جو قرآن پاک سے ہدایت لے، اس کو وہ آسانیاں ملتی ہیں، وہ سکون ملتا ہے، جو منکرین حق کے لئے ناقابل تصوّر ہے۔

حاصل: وعظ وہی ہے، جس کی سند قرآن مجید سے ملے۔ قرآن پاک میں امراض قلبی کی شفا رکھی گئی ہے۔ جو دل شفا پا جائیں، ان میں شک اور تردّد کا گزر نہیں ہوتا۔ قرآن پاک مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہدایت پانے والا ہی رحمت کا مستحق ہوتا ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝٥٨

فرما دیجئے، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے، اور اسی پر انہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو، اور اس کا احساس بھی ہو، تو پھر کبھی بے چینی نہیں ہوتی۔ دل کو جو راحت اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ملتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں مل ہی نہیں سکتی۔ اللہ کا فضل یہ ہے، کہ استقامت کے ساتھ اسلام پر قائم رہا جائے، مومنین کے ساتھ نرم رویہ ہو، کافروں کے ساتھ نرم رویہ نہ ہو، اللہ کی راہ میں جہاد کیا جائے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو۔ (۵:۵۴) رحمت یہ ہے، کہ دل کی آنکھوں سے عطاء الٰہی کو اپنی ضرورت سے زیادہ دیکھا جائے اور خیرات میں سبقت کی جائے۔ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے فرحت حاصل ہو تو استکبار کبھی نہیں ہوگا۔ نفس کی خوشی کے لئے جو جمع کیا جاتا ہے، اس سے جو فرحت حاصل ہوتی ہے، اس کی بنیاد ہی استکبار ہوتا ہے۔ حیات دُنیا میں بھی جو راحت اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے حاصل ہوتی ہے، وہ کسی مال ومتاع سے

حاصل نہیں ہوسکتی۔ آخرت میں تو خوشی پاک لوگوں کے لئے ہی ہوگی۔

حاصل: اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی موجودگی میں رویہ ایسا ہونا چاہیئے، کہ خود چکھا ضرور جائے، مگر اللہ کی رضا کے لئے دوسروں کو کھلایا جائے۔ جو راحت اس طرح حاصل ہوگی، وہ کسی دوسری صورت میں ممکن ہی نہیں۔ مال ومتاع کے جمع کرنے سے بھی نفس کو خوشی ہوتی ہے، مگر نہ وہ ہمہ وقتی ہوتی ہے، نہ پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہے، اس کا انجام دکھ ہی ہوتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

فرما دیجئے، بھلا دیکھو تو جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا، پھر تم نے اس میں سے حرام اور حلال ٹھہرالیا، فرمایئے، کیا اللہ نے تمہیں اس کا اذن دیا یا اللہ پر افتریٰ باندھتے ہو۔

دعوت فکر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ رزق کا عطا کرنے والا تو اللہ ہے۔ وہ رزق جو ہمیں زمین سے ملتا ہے۔ اس کا بھی آسمان سے ایک تعلق ہوتا ہے۔ منشاء ایزدی کے باہر تو کوئی شے ہو ہی نہیں سکتی۔ جب معطیٔ مطلق ہی رزق دیتا ہے تو کسی دوسرے کو حرام وحلال ٹھہرانے کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔ مرسلین اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کو بیان کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ اپنی طرف سے تحلیل وتحریم کے حکم لگاتے ہیں، انہیں اپنی حیثیت پر نظر کرنی چاہئے، کیا انہیں یہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ قطعاً وہ یہ نہیں کہ سکتے۔ دوسری صورت صرف یہی رہ جاتی ہے، کہ وہ اللہ پر افتریٰ باندھتے ہیں۔

حاصل: رزق دینے والا معطیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے، وہ حرام ہے، جس شے کو اس نے حلال فرمایا ہے، وہ حلال ہے۔ تحریم وتحلیل کا حق کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، وہ افتریٰ باندھتے ہیں۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والوں کا یوم قیامت کے متعلق کیا خیال ہے۔ بے شک اللہ تو لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن وہ اکثر شکر نہیں کرتے۔

اللہ پر جھوٹ سے افتریٰ باندھنے والے اپنی پسند کو اللہ کی رضا کا نام دے دیتے ہیں۔ دیکھنا چاہیے قیامت کے دن ان کی گھڑی ہوئی باتیں ان کو کہاں لے جائیں گی۔ یہ یقیناً اللہ کا فضل ہے، کہ وہ حق کی تبلیغ کے بعد مہلت دیتا ہے، اور خلاف حق کرنے والوں کو جلدی نہیں پکڑتا۔ لوگوں کے اپنے تجربات اور مشاہدات میں ان کے سیکھنے کو بہت کچھ رکھا جاتا ہے۔ لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ جو توفیق ہمیں حاصل ہے، اللہ کی قدرت کے سامنے یہ ہیچ ہے۔ بڑی بڑی قوت والوں میں سے کوئی اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں ہوا۔ جب ماضی سے سبق لیا جاسکتا ہو، حال

پر حق کو ماننے والے خوف وحزن سے پاک نظر آئیں، اور نہ ماننے والے خوف وحزن میں مبتلا نظر آئیں، تو اپنے حال کی اصلاح کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ اللہ کے فضل سے موجود ہوتا ہے۔ جو لوگ ناشکری کے راستے پر چل پڑیں، وہ اللہ کے فضل سے استفادہ نہیں کر سکتے۔

حاصل: دیکھنا چاہیے جزا کے دن افتریٰ باندھنے والے کہاں ہوں گے، اپنے حال کو دیکھنے کے ساتھ، اس حال کے بعد آنے والے مستقبل کو بھی دیکھنا چاہئے۔ انسان کے غلط فیصلوں کے باوجود اسے بچنے کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ اسے سابقہ تجربات سے سبق لینے کے لئے آسانیاں دی جاتی ہیں۔ خواہشات کے پورا نہ ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والے خدشات غیر حقیقی ثابت ہو جاتے ہیں۔ طیب وخبیث کا فرق واضح ہو جائے تو یہ بھی اللہ کا فضل ہے، اور اس کے باوجود خبیث کو ہی اختیار کیا جائے تو یہ ناشکری ہے۔

شہادت: سورۃ طور (۵۲) میں منکرین قیامت کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ مشغلے اور کھیل میں پڑے ہیں۔ یہ اس دن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، اور ان سے فرمایا جائے گا، یہ ہے وہ آگ جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵ تو کیا یہ جادو ہے، یا تمہیں نظر نہیں آرہا۔ حکم ہوگا اس میں چلے جاؤ۔ اب صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ بے شک تمہیں اسی کی جزا ہے جو عمل تم کرتے تھے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۱

اور تم کسی حال میں ہو، اور تم اس کی طرف سے قرآن پاک کی تلاوت کرو۔ اور تم لوگ کوئی بھی عمل کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں، جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور تمہارے ربّ سے ذرّہ بھی چھپا ہوا نہیں، زمین میں اور آسمان میں، نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا، مگر وہ کتابِ مبین میں ہے۔

فرد ہو یا جماعت، کسی کا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے اوجھل نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کا وقت مقرر نہیں کیا گیا، قرآن پاک کی تلاوت ہر وقت ہو سکتی ہے۔ تلاوت کے وقت طہارت کا ہونا لازم ہے۔ حکم خداوندی کا پتہ لگ جانے کے بعد اسے ادب سے ماننا چاہئے۔ یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ ہماری نیت بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اور ہمارا عمل بھی اس کے سامنے ہے۔ جو لوگ قرآن پاک سے روشنی نہیں لیتے، اور اپنی پسند کی راہ کو اپناتے ہیں، ان کا بھی کوئی حال اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اور جہاں ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپا ہوا نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے زمین وآسمان میں کوئی ذرّہ بھی چھپا ہوا نہیں، چھوٹی اور بڑی کوئی شے بھی اس سے مخفی نہیں، تو مکذبین کے احوال بھی اس کے سامنے ہیں۔ اسی نے سب کو توفیق دی ہے وہی سب کو جزا دے گا۔ جزا سے بچ جانا بھی کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ کتابِ مبین میں سب کچھ ہے۔ ماننے والوں کے لئے بشارت موجود ہے، نہ ماننے والوں کے لئے انذار موجود ہے۔ ہر عامل کو اس کے ہر ہر عمل کی جزا دی جائے گی۔ جس نیت سے کوئی عمل کیا گیا ہوگا، اسی نیت کے مطابق اس کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: پاک لوگوں کی زندگی قرآن پاک کے احکام کے مطابق ہونی چاہیئے۔ کسی بھی مقام پر حکم خداوندی کا پتہ لگ جانے کے بعد من مانی کرنا بے ادبی ہے اور مومنین کی طریقت کے خلاف ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کسی مقام پر ہوں، کسی حال میں ہوں، جزا دینے والے کے سامنے ہوتے ہیں۔ کتابِ مبین میں سب کچھ روشن کر دیا گیا ہے۔ کوئی فیض پاتا ہے یا نہیں پاتا، اپنے کیئے کی جزا پائے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ سن لو، جو اللہ کے دوست ہیں، نہ ان پر خوف ہے اور نہ انہیں حزن ہے۔

جو حضرات یہ مان لیں کہ اللہ کا فضل ان کے شامل حال ہے، وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اس صاحب کو تلاش کرتے ہیں، جو انہیں تزکیہ عطا کر دے۔ جب انہیں شاہد سے تزکیہ حاصل ہو جائے، تو پھر وہ اس قدر راضی ہو جاتے ہیں، اتنے مطمئن ہو جاتے ہیں، کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، وہ مخالفین چاہے ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا ان کے عزیز ہوں۔ ان حضرات کو اپنی ذاتی ضروریات میں اللہ کی کفالت کا پورا احساس ہوتا ہے، اس لئے انہیں کوئی خوف نہیں رہتا۔ اپنے متعلقین کے ساتھ یہ اپنا حق ادا کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، اور ان کے مستقبل کا کوئی غم نہیں رکھتے۔

حاصل: اللہ کے دوست پاک ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے اللہ تعالیٰ کو کفیل جانتے ہیں، اس لئے خوف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اپنے متعلقین کے لئے جو حال پر کیا جانا چاہیئے، وہ کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، اور ان کے مستقبل کا غم نہیں رکھتے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ؕ وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں۔

اللہ کے دوستوں کی نشانی بیان فرمائی گئی ہے، کہ وہ حق کو مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔ اللہ سے ڈرتے ہیں، اور حق کی ادائیگی کے باوجود یہ کہتے ہیں، کہ یا اللہ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے ہمارا عمل بہت چھوٹا ہے، قبول ہو جائے تو تیری مہربانی ہے۔

حاصل: ایمان اور تقویٰ پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ ایمان ہو تو بات ہمیشہ حق کی ہوگی، تقویٰ ہو تو کبھی اپنے عمل کو خوب نہیں کہا جائے گا۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ؕ ان کے لئے بشارت ہے حیات دُنیا میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات بدلتے نہیں۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

اللہ کے دوستوں کو حیات دُنیا میں خوف وحزن سے پاک ہونے کی بشارت ملتی ہے۔ آخرت میں ان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ اللہ ان کو جن حالات سے مطلع کرنا چاہتا ہے، ان کو دکھا دیتا ہے، اور تائید ایزدی کے ساتھ وہ سبھی مقامات سے گزر جاتے ہیں۔ اللہ کی

نصرت سے بڑھ کر بندے کے لئے کچھ نہیں ہوتا، اور یہ نصرت مومنین کو حاصل ہوتی ہے اور بہر حال حاصل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے کلمات ہیں، اور اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ اس سے بڑی کامیابی کیا ہوگی، کہ حیات دُنیا میں رضاء الٰہی کے حصول کا یقین ہو، اور شاہدین کی معیت حاصل ہو، آخرت میں بھی شاہدین کی معیت کا شرف حاصل ہو جائے۔

حاصل: حیات دُنیا میں نصرتِ الٰہی کے یقین کے ساتھ اپنا حق ادا کرتے رہنا، اور شاہدین کی معیت میں رہنا، اور آخرت میں شاہدین کی معیت کا حاصل ہو جانا عظیم کامیابی ہے۔

وقف لازم

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

اور آپ کو ان کے قول پر حزن نہ ہو۔ بے شک عزت سب اللہ کے لئے ہے وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

کافروں کا قول تکذیب حق کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے۔ وہ اللہ کی روشن نشانیوں کا انکار کرتے ہیں، اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کی باتوں کو سن کر شاہد کو دکھ اس لئے ہوتا ہے، کہ انہیں منکرین حق مستقبل میں خسارے کے مقام پر نظر آتے ہیں۔ حق کو بیان کرنے والے تو جو کرتے ہیں، رضاء الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ اور عزت سب ہے ہی اللہ تعالیٰ کے لئے، اس لئے حق کے پہنچانے والوں کی عزت میں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عزت اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے۔ اب جو مومنین کے زمرے میں شامل نہیں، اس کا عزت سے کیا تعلق رہ جاتا ہے۔ اللہ مکذبین کی باتوں کو سنتا ہے، اور ان کی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا۔

حاصل: مکذبین حق کی باتیں سن کر ان کا مستقبل شاہدین کو نظر آتا ہے، جو صریحاً خسارہ ہوتا ہے۔ مکذّبین کے خسارے کو دیکھ کر شاہد کو دکھ ہوتا ہے۔ مکذّبین کو کبھی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عزت سب اللہ کے لئے ہے۔ بندوں میں سب سے بڑی عزّت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اس کے بعد مومنین کی ہے۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

سن لو بے شک اللہ ہی کا ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کس کا اتباع کرتے ہیں یہ جو اللہ کے مقابل شرکاء کو پکار رہے ہیں۔ وہ تو اپنے ظن ہی کا اتباع کرتے ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑاتے ہیں۔

خالق کل ہونے کا دعویٰ بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔ سب اسی کے خلق کئے ہوئے ہیں، اسی کے مملوک ہیں، اور مملوک معبود نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اللہ کے مقابل کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہیں، انہیں دیکھنا چاہئے، جس کو وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں، وہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جو پیدا کیا گیا ہے، وہ سب کو پیدا کرنے والے کا شریک نہیں ہو سکتا۔ مشرکین کس کا اتباع کرتے ہیں، کس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں اللہ کا شریک ہوں اور تمہیں توفیق بھی میں نے دی ہے، جزا بھی میں دوں گا۔ اور پھر مشرکین نے تو ربوبیت میں شریک کیا شرکاء ٹھہرا رکھے ہیں۔ یہ محض ان کا اپنا ظن ہے، جس کے پیچھے وہ لگے ہوئے ہیں، اور صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ اور جب وہ کہتے ہیں، ہو سکتا ہے یہ ہو، تو انہیں یہ بھی احساس ہوتا ہے، ہو سکتا ہے یہ نہ ہو۔

حاصل: مملوک کبھی معبود نہیں ہوسکتا۔ مشرکین کسی کا اتباع نہیں کرتے، اپنے ظن کے پیچھے ہی لگے رہتے ہیں۔ اٹکلیں دوڑانے والے کبھی یقین سے بات نہیں کرسکتے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں سکون پاؤ، اور دن کو دکھلانے والا ٹھہرایا۔ بیشک اس میں سننے والے لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

رات کو علیم مطلق نے سکون کے لئے بنایا ہے۔ جو سکھ بدن کو رات میں ملتا ہے، وہ دن میں نہیں مل سکتا۔ سارے دن کی مصروفیات سے بدن جس قدر متاثر ہوتا ہے، رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھے ہوئے سکون سے اس میں اگلے دن کے کاموں کے لئے ایک تازگی آجاتی ہے۔ دن کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ماحول کے اعتبار سے ہماری حرکات کیا ہونی چاہئیں، جس سے ہم پر عاید ہونے والے فرائض احسن طور پر ادا ہوں۔ جس نے رات کو ہمارے سکون کے لئے اور دن کو ہمارے کاموں کے لئے موزوں کیا، جس کی دی ہوئی توفیق سے ہم سب کچھ کرتے ہیں، اس کی رضا کو ملحوظ نہ رکھنا کتنی بے ہودگی ہے۔ جس نے حقائق کو سن کر بے پرواہی کا مظاہرہ کیا ہو اس نے سنا ہی نہیں ہوتا۔

حاصل: رات میں سکون پانا، انسان کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ دن کو کام کرنا انسان کی ضرورت ہے۔ رات کی ابتدا سے وقت کو شمار کرنا چاہئے۔ رات اور دن کے معمولات میں رضاءِ الٰہی کو مقصود ہونا چاہئے، ورنہ حق کو سننے کا ثبوت ہی کیا ہوگا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

کہتے ہیں، اللہ نے بیٹا ٹھہرالیا۔ وہ تو اس سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے۔ جو تم کہتے ہو تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں۔ کیا اللہ کے متعلق وہ کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اسرائیلی روایات یہی ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، اور عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ انتہائی جہالت ہے کہ اللہ کے لئے اولاد کی بات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ تعین سے پاک ہے، اس لئے اس کے ساتھ ولد کا تصور ہی درست نہیں۔ وہ کسی بھی کام کے لئے کسی کی احتیاج نہیں رکھتا، وہ کسی بھی اعانت سے بے نیاز ہے، اس لئے ولد کی بات اس کی شان کے خلاف ہے۔ پھر جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے تمام خلق اللہ کی مملوک ہے، اور بیٹا وارث ہوتا ہے مملوک نہیں ہوتا۔ یہ تین اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمائی گئی ہیں، جن سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ولد ٹھہرانا انتہائی قبیح بات ہے۔ جو لوگ اللہ کے متعلق ولد کی بات کرتے ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، کوئی سند نہیں۔ سند وہ حقیقت ہوتی ہے، جس کا انکار ممکن نہ ہو۔ اللہ کے متعلق کوئی بھی بات کی جائے، وہ اس کے نازل کئے ہوئے حق کے حوالے سے ہونی چاہئے، اور شاہدین کی پاک زبان سے بیان ہونی چاہئے، یا ان کے حوالے سے اس کا ذکر ہونا چاہئے، ورنہ اس بات کو بے علمی کی بات ہی کہا جاسکتا ہے۔

حاصل: اللہ تعین سے پاک ہے، احتیاج سے پاک ہے، اور مالک کل ہے، اس لئے اس کے ساتھ ولد کا ٹھہرانا خلافِ حق ہے۔ علم سے بات ہو تو حق کے حوالے سے ہوگی۔ حق کے حوالے سے نہ ہو تو بے علمی کی بات ہوگی۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۶۹﴾

فرما دیجئے جو لوگ اللہ پر جھوٹے افتریٰ باندھتے ہیں، فلاح نہیں پاتے۔

اللہ کے لئے ولد ٹھہرانا، اللہ پر جھوٹا افتریٰ باندھنا ہے۔ اللہ کے متعلق کسی بے سند بات کا کرنا بھی افتریٰ ہی ہے۔ مفتری کبھی مومن نہیں ہوسکتا، اس لئے فلاح نہیں پاسکتا۔ مومن کو شاہد کی معیت میں جو راحت ہوتی ہے، مفتری اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ اور آخرت کے نہ ماننے والوں کو آخرت میں تو عذاب ہی ہوگا۔

حاصل: اللہ کے متعلق بے سند بات کرنا، اللہ پر افتریٰ باندھنا ہے۔ مفتری کبھی مومن نہیں ہوسکتا، اس لئے فلاح نہیں پاسکتا۔

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ نُذِیْقُھُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۱۲

دُنیا میں متاع ہے، پھر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہے، تو ہم انہیں شدید عذاب چکھائیں گے، اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

اللہ کے متعلق بے سند باتیں کرنے والے، افتریٰ باندھنے والے لوگ ہیں۔ دُنیا میں انہیں جو دیا گیا ہے، یہ ایک وقت کے لئے متاع ہے۔ اس متاع پر فخر کرنے کی بجائے، اس کے عطا کرنے والے پر یقین کرنا چاہئے تھا۔ اس متاع کو جیسے بھی استعمال کیا جائے اس کے بعد جزا دینے والے کی طرف لوٹنا یقینی ہے۔ منکرینِ حق کی کوئی تدبیر انہیں لوٹ کر جانے سے روک نہیں سکتی۔ وہاں انہیں ان کے اعمال کی جزا شدید عذاب کی صورت میں ملے گی۔ مستقبل میں اگر عذاب شدید سے بچنا مقصود ہو، تو اس حال پر اس راستے کو، اس طریق زندگی کو چھوڑ دینا چاہئے، جس میں انسان کی اپنی پسند، اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مقابل اسے اہم نظر آتی ہے۔

حاصل: دُنیا میں جو کچھ بھی کسی کو دیا گیا ہے، ایک وقت تک کے لئے ہے، اس کے بعد جزا دینے والے کی طرف لوٹ کر نہ جانا کسی کے بس میں نہیں۔ کافروں کو ان کے کئے کا بدلہ عذاب شدید کی صورت میں ملے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ سباء (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۚ لَا یَمْلِکُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَھُمْ فِیْھِمَا مِنْ شِرْکٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْھُمْ مِّنْ ظَھِیْرٍ ﴿۲۲﴾ فرمائیے، انہیں پکارو، جن کا اللہ کے مقابل تمہیں زعم ہے۔ وہ ذرّہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ

ان پر نوح علیہ السلام کی خبر پڑھئے۔ جب آپ

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم، اگر میرا مقام اور اللہ کی آیات سے نصیحت دلانا تم پر بھاری ہے تو میں اللہ پر توکّل کرتا ہوں۔ پھر تم اور تمہارے شرکاء مل کر اپنا کام کرو، پھر تمہیں اپنے کام میں شبہ نہ رہے، پھر جو تم سے ہو سکے کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی خبر سنانے کا منشا یہ ہے، کہ حال پر سننے والے خسارے کی اس صورت سے بچیں، جس میں نوح علیہ السلام کی قوم مبتلا ہوئی تھی۔ آپ کی قوم کو آپ کا حق کے اظہار کے لئے کھڑا ہونا، اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے نصیحت دلانا ناگوار ہوا۔ قوم کے سرداروں نے یہ کہا کہ ہمیں تو یہی نظر آرہا ہے، کہ صرف کمینے لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں، اور ہمیں تم میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی، اور ہمیں گمان ہے کہ تم سچے نہیں ہو۔ آپ نے فرمایا میں اللہ پر توکّل کرتا ہوں، اور تم سے یہ کہتا ہوں، کہ تم اور تمہارے شرکاء مل کر کام کرو، پھر ایسی کوشش کرو، کہ تمہارے کام میں کوئی شبہ نہ رہے، پھر جو تم سے ہو سکے کر گزرو، اور میرے ساتھ بالکل رعایت نہ کرو، مجھے مہلت نہ دو۔

حاصل: ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ حق کے اظہار کے لئے کھڑے ہونے والے کا ساتھ دینا چاہئے۔ اللہ پر توکّل ہو تو دشمن سے مرعوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دشمن کو اپنا کام پکا کرنے کی ترغیب دینا اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے، جب تائیدِ ایزدی کا یقین شاملِ حال ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

پھر اگر تم منہ پھیرو، تو میں تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر اللہ پر ہے اور مجھے امر ہے کہ ماننے والوں سے ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے منکرین حق سے یہ فرمایا، کہ تم اگر منہ پھیرو گے تو نقصان تمہارا ہوگا۔ میں تو تم سے کسی اجر کا سوال ہی نہیں کرتا۔ میں جو کرتا ہوں، اس میں اللہ کی رضا مقصود ہے، اور وہی اس کا اجر دینے والا ہے۔ میرا کام امرِ الٰہی کی بجا آوری ہے۔ خدمتِ تبلیغ میں مبلّغ کی غرض موجود ہو، تو تبلیغ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ سے بہتر کوئی اجر دینے والا نہیں۔ اگر اس کے امر کی تعمیل کی جائے، تو لوگوں کا رویہ تبلیغ کے کام کو متاثر نہیں کرتا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس کے بندے بھی خدمتِ تبلیغ میں اجر کا سوال نہیں کرتے۔ حق کے ماننے میں ہمیشہ ماننے والے کا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ اور جسے اپنے فائدے کی پہچان بھی نہ ہو، وہ یقیناً جاہل ہوتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ

پھر انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو ہم نے آپ کو

وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور آپ کی معیت میں کشتی والوں کو نجات دی۔اور ہم نے انہیں خلیفے ٹھہرایا۔اور جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں ہم نے غرق کردیا۔تو نظر کرو ان کی عاقبت کیسی ہوئی،جنہیں ڈرایا گیا تھا۔

منکرین حق نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی،اور کہا کچھ بھی ہو ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ان پر اللہ نے عذاب بھیجا جو سیلاب کی صورت میں تھا۔منکرین اس میں غرق کردیئے گئے،اور ان کی کوئی تدبیر انہیں عذاب الٰہی سے بچانہ سکی۔جولوگ حضرت نوح علیہ السلام کی معیت میں تھے،انہیں آپ نے کشتی پرسوار کرلیا،جسے آپ نے اللہ کے حکم سے بنایا تھا۔اللہ نے ان سب صاحبان کو نجات دی،اور یہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے اترے۔انہی حضرات کو زمین میں خلافت دی گئی۔انہی سے نسل انسانی آگے بڑھی۔حق کی تبلیغ کرنے والے کی طرف سے بشارت ہو یا انذار،مقصود اللہ کی رضا ہوتی ہے۔جس کے ڈرانے کا منشاء امر الٰہی کی تعمیل ہو،اس کا انکار کرنے والے مٹا دیئے جاتے ہیں۔یہی پہلے ہوتا رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔

حاصل: حق کی تکذیب کرنے والے جاہل ہوتے ہیں،اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے کو نہیں مانتے۔ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔جب مبلّغ کی بات میں اس کی غرض وغایت نہ ہو،اس کی بات کو اللہ کی بات ماننا چاہئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر ہم نے ان کے بعد ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے،تو وہ ان کے پاس روشن نشانیاں لائے۔پھر یہ نہ ہوا کہ وہ ایمان لے آئیں اس پر جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ہم اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے قلوب پر مہر لگا دیتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کے ساتھیوں کو اللہ نے بہت بڑھایا،اور ان کی رشد وہدایت کے لئے رسول بھیجے جو اپنی اپنی قوم کے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے۔مگر یہ نہیں ہوا،کہ حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر ان لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو مان لیا ہو۔بلکہ یہی ہوا کہ جس طرح پہلے لوگوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی،یہ لوگ بھی اسی طرح مکذبین میں شامل ہوئے،اور اپنے بڑوں کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے سن لینے کے باوجود ان کا رجحان فلاح کی طرف نہیں ہوا۔جولوگ حق کی تکذیب کو اور حق کے پہنچانے والے کے ساتھ عداوت کو اپنا مقصد حیات بنالیں،وہ لوگ کسی بھی تجربے سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے۔یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہوتے ہیں۔ان کے قلوب پر مہر کردی جاتی ہے۔یہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

حاصل: حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والے لوگوں کی ذرّیّت کے پاس رسول روشن نشانیوں کے ساتھ آتے رہے،مگر ناصحین سے لوگوں کو محبت نہ ہوئی،اور اپنی خواہشات کی پیروی میں انہوں نے ناصحین سے عداوت کو اپنا مقصد حیات بنالیا۔یہ حد سے تجاوز ہے۔حد سے تجاوز کرنے والوں کے قلوب پر مہر لگادی جاتی ہے،پھر وہ ہدایت نہیں پایا کرتے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

پھران کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ، تو انہوں نے استکبار کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے مرسلین کی مثال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے، کہ ان حضرات کو فرعون اور اس کے درباری سرداروں کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا، اگر تم سچے ہو، تو اپنی صداقت کا ثبوت لاؤ۔ ان حضرات گرامی قدر نے اللہ کی دی ہوئی نشانیاں دکھائیں، مگر ان لوگوں نے حق کو ماننے کی بجائے استکبار کی راہ اختیار کی، اور فرعون اور اس کے درباری قبول حق کی طرف نہ آئے۔ استکبار بڑا جرم ہے، اور اسی سے سب جرائم پیدا ہوتے ہیں۔ حق کو سن کر، اس کی روشن اسناد کو دیکھ کر اس کا انکار کر دیا جائے، اور من مانی کی جائے، تو یہ استکبار ہے اور جرم ہے۔

حاصل: استکبار بڑا جرم ہے۔ اللہ کے ہاں جب استکبار کے جرم ہونے میں کوئی شک نہیں، تو ہمیں استکبار کو جرم ماننا بھی چاہئے، اس سے بچنا بھی چاہئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا، تو کہنے لگے، یہ تو صریحاً جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جو بھی فرمایا، حکم خداوندی سے فرمایا۔ اس میں ان کی کوئی غرض موجود نہ تھی، اور اس فرمان میں یقیناً فرعون اور آل فرعون کے لئے بھلائی کی دعوت تھی۔ مگر ان لوگوں نے حق کو سن کر یہ کہا کہ ثبوت لاؤ کہ تم جو کہتے ہو وہ مامور من اللہ کی بات ہے۔ ثبوت کے طور پر اللہ کی عطا کردہ اسناد دکھائی گئیں، جو یقیناً فوق العادت تھیں، تو استکبار سے منکرین نے اسے صریحاً جادو کہہ دیا۔

حاصل: حق کو سن کر استکبار کرنیوالے مانا نہیں کرتے، فوق العادت اسناد نظر آئیں تو جادو کہہ کر انکار کی راہ لیتے ہیں۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا حق کے متعلق ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا، کیا یہ جادو ہے۔ اور جادوگر فلاح نہیں پاتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ہونے کی جو شہادتیں پیش کیں، انہیں دیکھ کر فرعون اور آل فرعون نے جادو کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا، یہ نشانیاں اس حق کے ساتھ ہیں، جو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ تمہیں پتہ ہے جادو کیا ہوتا ہے، اور جادوگر کیسے ہوتے ہیں۔ علیم مطلق نے جو تمہارے پاس بھیجا ہے، اس کا تمہارے حال سے بڑا تعلق ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ یہ تعلق تمہاری سمجھ سے بالا

ہو۔ جادوگر ہمیشہ کافر ہوتے ہیں، ناپاک ہوتے ہیں، آخرت کے انکار پر اپنے معمولات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ رضائے الٰہی کبھی انہیں مقصود نہیں ہوتی۔ خوف وحزن کا ان پر تسلط رہتا ہے۔ اس لئے جادوگروں کو فلاح اور اللہ کی رضا کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، جو اللہ کے ہاں کامیابی ہے۔

حاصل: حق پہنچانے والے کو یہ کہنا چاہئے، کہ جو حق تمہارے پاس آچکا ہے، یہ علیم مطلق کی طرف سے ہے، اور اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے صحیح رخ اختیار کرنا کامیابی ہے، اور یہ کبھی کافر کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو، کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا، اور ملک میں تم دونوں کو بڑائی ملے۔ اور ہم تمہیں ماننے والے نہیں۔

آل فرعون نے یہ کہا، اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں تمہاری اس تبلیغ میں ایک غرض نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے، کہ تم ہمیں اپنے باپ دادوں کے دین سے پھیرنا چاہتے ہو، اور اپنے پیچھے لگانا چاہتے ہو۔ اس طرح سرداری تم دونوں کے پاس رہے گی، اور ہم تم دونوں کو سردار ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حاصل: جو لوگ بڑائی کے طالب ہوتے ہیں، وہ حق کو پانے کی اہلیت کھودیتے ہیں اور حق کو روشن کرنے والوں کی سعی میں بھی انہیں بڑائی کی طلب ہی نظر آتی ہے۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾

اور فرعون نے کہا، ہر علم والے جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو۔

بڑائی کی طلب میں پھنسے ہوئے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا، کہ ہم تمہاری سرداری نہیں مانتے۔ تو اس کے ساتھ فرعون نے یہ کہا، کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے، اور جسے ہم نے جادو کہا ہے، اس کے تصفیے کے لئے ہم بندوبست کرتے ہیں۔ ملک سے ہر بڑے جادوگر کو بلا لیتے ہیں۔ ان دونوں حضرات سے ان کا مقابلہ ہوجائے گا، اور لوگ یہ جان جائیں گے کہ جس مشاہدے سے انہیں مرعوب کیا گیا ہے، وہ جادو ہے، اور بات وہیں ختم ہوجائے گی۔

حاصل: مستکبرین اپنی سرداری کو قائم رکھنے کی بڑی تدبیریں کیا کرتے ہیں، اور سرداری کی بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

پھر جب جادوگر آئے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، ڈالو جو تمہیں ڈالنا ہے۔

فرعون نے پورے ملک سے مشاق جادوگر بلائے، اور انہیں اپنے انتہائی کمالات دکھانے کو کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، جو تمہیں ڈالنا ہے ڈالو، اس لئے کہ کفر کو اظہار کا پورا موقع دینا چاہئے، تا کہ لوگ دیکھ لیں، کہ جادو کی انتہا کیا ہے، اور علم الٰہی کے سامنے جادو کی حیثیت کیا ہے۔

حاصل: کفر سے جب بھی مقابلہ ہو، تو اسے موقعہ دینا چاہئے کہ جس قوت کا اسے زعم ہے وہ اس کا اظہار کرے، اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ علم الٰہی ہمیشہ کفر پر غالب ہوتا ہے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

پھر جب انہوں نے ڈالا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ جو تم لائے ہو، یہ جادو ہے۔ ابھی اللہ اسے باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدین کے کام سنوارتا نہیں۔

جادوگروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر ڈالا، تو وہ لوگوں کو سانپوں کی طرح حرکت کرتی ہوئی نظر آئیں، اور وہ بڑا جادو لائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہ ہے جادو، جسے جادوگروں نے پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد کفر کی قوت کو ظاہر کرنا ہے، لوگوں کو ان کی خواہشات کی پیروی کی ترغیب دینا ہے، اور گمراہ کرنا ہے۔ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا، اس میں فلاح کی طرف بلاوا تھا۔ حق کو ماننے والوں کے لئے بشارت تھی، نہ ماننے والوں کے لئے انذار تھا۔ لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی سے منع کیا گیا تھا۔ اس پیغام کے ساتھ جو اسناد آپ نے دکھائیں وہ جادو نہیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس جادو کو ابھی اللہ باطل کر دے گا، کہ اللہ مفسدین کے کاموں کو سنوارا نہیں کرتا۔ آپ نے اپنا عصا زمین پر رکھا، تو وہ جادوگروں کی بناوٹوں کو نگلنے لگا۔ جادوگر مغلوب ہو گئے، حق روشن ہو گیا، اور مفسدین کا کام بگڑ گیا۔

حاصل: منکرین حق کے عمل کو دیکھ کر کہنا چاہئے، کہ یہ باطل ہے، اور باطل حق کے سامنے آ کر مٹ جایا کرتا ہے۔ ہمیں مفسدین کے کاموں میں ان کی مدد نہیں کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کو ناپسند ہے۔

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸/۱۲ ۱۴

اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، اور اگرچہ مجرموں کو اس سے کراہت ہو۔

اللہ نے اپنے رسولوں سے اور ایمان والوں سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ ان کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے اور وہ حق کی ادائیگی کے ساتھ اجر کا سوال نہیں کرتے۔ اللہ اپنے حکم سے، اپنی قدرت سے انہیں تائید عطا فرماتا ہے، اور ان کی صداقت وعظمت کو روشن کرتا ہے۔ مجرموں کو اس سے کراہت ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔

حاصل: ایمان والوں کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، اور اللہ کی تائید سے حق روشن ہوتا ہے، اور حق کو ادا کرنے والے عزت پاتے ہیں۔ استکبار کرنے والوں کو ہمیشہ حق کی عزت افزائی سے کراہت ہوتی ہے کہ اس سے ان کی بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ اور نہ تم زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں، اور تمہارے لئے اللہ کے مقابل کوئی دوست اور نصرت دینے والا نہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے مگر آپ کی قوم کی اولاد کے کچھ لوگ، فرعون اور اس کے سرداروں کے خوف سے مبادا وہ انہیں فتنہ میں ڈالیں۔ اور یقیناً فرعون زمین میں سرکشی کرنے والا تھا۔ اور بیشک وہ مسرفین سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے چند نوجوان ہی آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی صداقت کی اسناد تو سبھی نے دیکھیں اور سبھی ایک حد تک ان سے متاثر بھی ہوئے، مگر آپ پر ایمان لانے کے معنی یہ تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا اظہار برملا کیا جائے، ان کی اطاعت ادب واحترام سے کی جائے، ان کا احسن اتباع کیا جائے، اور ان کی تکریم کا تقاضا ہر مقام پر اور ہر صورت میں پورا کیا جائے۔ یہ بہت بڑے حوصلے کا کام تھا۔ اس میں جو خطرات تھے وہ پوشیدہ نہیں تھے۔ فرعون اور اس کے سرداروں کا جبر وتشدد صاف نظر آ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول اللہ ہونے کا دعویٰ لوگوں نے سنا، اس دعوے کے ساتھ لوگوں نے روشن نشانیاں بھی دیکھیں، اور لوگ حقائق سے اثر پذیر بھی ہوئے۔ یہ سب فرعون کو بھی پتہ تھا۔ وہ لوگوں کو اس قدر خوف زدہ کر دینا چاہتا تھا، کہ انقلاب کا امکان نہ رہے۔ اس میں اس کے پیش نظر کوئی حد تو تھی ہی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی حکومت قائم رہے، اور ہر قیمت پر قائم رہے۔

حاصل: حق پہنچانے والے پر ایمان لانا بہت بڑا کام ہے۔ جب ایمان لانے کے معنی یہ ہوں، کہ سزاؤں کے ایک مسلسل دور سے گزرنا پڑے گا، تو یہ حوصلہ صرف یک سو لوگوں میں ہی ہوتا ہے۔ اپنی پسند کو حق ثابت کرنے والے فرعون، انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر کوئی حد تو ہوتی ہی نہیں جس کا احترام انہیں ملحوظ ہو۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، تو اسی پر توکّل کرو، اگر تم مسلم ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو سہارا دیتے ہوئے فرمایا، اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھنے والے ہو، تو پھر اپنی تسلیم کو اللہ پر توکّل کر کے سچا ثابت کرو۔ خدا کی قدرت لامحدود، اس کا علم، علم مطلق، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کی نصرت کا وعدہ، یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ اس کے خلاف تمہارے دشمن کی قوت بھی بہت کم اور علم بھی بے حقیقت ہے۔ تمہیں اس کا انجام نظر آنا چاہئے۔ مگر توکّل کے بغیر نظر دور رس نہیں ہوتی۔ توکّل یہ ہے، کہ شاہد کی معیت میں اس یقین کے ساتھ حق کو ادا کیا جائے کہ اللہ کی رضا ہمیں حاصل ہے، نتائج ہمیشہ اللہ کی مشیت کے تابع ہوتے ہیں، اللہ کی نصرت ہمارے شامل حال ہے، اور یقیناً دشمن عبرتناک انجام کو پہنچے گا۔

حاصل: مسلم یقیناً متوکّل ہوتا ہے، اور متوکّل ہی مشکل مقامات پر شاہد کی معیت میں رہ سکتا ہے۔ جو شاہد کے فرمان کے مقابل اپنی رائے رکھتا ہو، وہ یک سو نہیں رہ سکتا، متوکّل ہونے کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہنے لگے ہم نے اللہ ہی پر توکّل کیا۔ اے ہمارے ربّ ہمیں ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کے جواب میں ماننے والے یہ عرض کرنے لگے، ہم اللہ پر توکّل کرتے ہیں، مگر ناتواں ہیں، اس لئے یہ دعا بھی کرتے ہیں، کہ اے ہمارے ربّ ہمیں ان ظالم لوگوں کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔ اگر یہ لوگ ہمیں اپنے ظلم کے لئے تختۂ مشق بنائے رکھیں گے تو یقیناً ہمارا ضعف ان کے استکبار کو ہی بڑھائے گا اور اگرچہ ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوگا، مگر ہم میں ان کے مظالم کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رہی، اس لئے اے پالنے والے، تیری قدرت کو مانتے ہوئے، یہ درخواست کرتے ہیں، کہ ہمارے وجود کو اس ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ ٹھہرا۔

حاصل: ناصح کے حکم کی تعمیل جلوت میں ہونی چاہیے اور ظالم لوگوں سے رابطہ ہو تو یہ دعا بھی کرنی چاہئے: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ قوم کافرین سے نجات دے۔

قوم فرعون کے مظالم سے نجات کی دعا کرتے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں نے یہ کہا، اے ہمارے ربّ ہمیں اپنی رحمت سے نواز دے، اور اس رحمت کے سہارے ہمیں ان کافر لوگوں کی غلامی اور محکومی سے نجات دے۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو، تو کافروں کی غلامی سے نجات ممکن ہوتی ہے، اور سلامتی بھی قائم رہتی ہے۔ نجات کے بعد رحمت خداوندی کا شکر یہ اسی طرح ادا ہوسکتا ہے، کہ اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مقصود بنایا جائے۔

حاصل: اللہ کی رحمت شامل حال ہو، تو قوم کافرین سے نجات ممکن ہوتی ہے، اور سلامتی بھی قائم رہتی ہے۔ نجات کی دعا کے وقت کی کیفیات یاد رہنی چاہئیں، تاکہ بعد از نجات ناشکری نہ ہو۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی فرمائی، کہ مصر میں اپنی قوم کے گھر بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ، اور نماز قائم کرو، اور مومنین کو بشارت دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا، کہ اپنی قوم کو آل فرعون کے درمیان سے نکال لو۔ ان لوگوں

پر عذاب آنے والا ہے، اس لئے اپنی قوم کو اس رہائشی علاقے سے نکال کر مذکورہ جگہ پر بساؤ۔ گھروں کو نماز کی جگہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، اور مومنین کو بشارت دو کہ اللہ تمہیں اپنی رحمت سے نوازنے والا ہے۔ گھر کو اس طرح بنایا جانا چاہیئے، کہ قبلہ معظمہ کی تکریم ملحوظ خاطر رہے۔ ظلم واستبداد کے زمانے میں گھر ہی میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، کہ خلوت پر پابندی لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ نماز اور صبر سے جو مدد ملتی ہے، اس کا بدل ہی کیا ہے۔ خلوت میں پاکیزگی قائم رہنی چاہیئے۔ جب اللہ کو منظور ہو تو وہ جلوت میں بھی آتی ہے۔

حاصل: عذاب الٰہی سے آگاہی ہو، تو پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر لینا چاہیئے۔ گھروں کو اس طرح بنانا چاہیئے کہ قبلہ شریف کی تکریم ملحوظ رہے۔ جلوت میں نماز پر پابندی ہو، تو خلوت میں نماز قائم کرنی چاہیئے، اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے یقین کے ساتھ ذکر الٰہی کرتے رہنا چاہیئے۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ علیہ السلام دعا گو ہوئے، اے ہمارے ربّ، تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو حیات دُنیا میں زینت و اموال دیئے ہیں، اے ہمارے ربّ اس لئے کہ تیری راہ سے بہکاتے رہیں۔ اے ہمارے ربّ، ان کے اموال پر بربادی ڈال اور ان کے قلوب پر سختی کہ یہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ المناک عذاب دیکھ لیں۔

انتہائی کرب کے لمحات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے سرداروں کے حال پر شہادت دیتے ہوئے یہ عرض کیا، اے ہمارے ربّ تو نے فرعون کو اور اس کے درباری سرداروں کو حیات دُنیا میں زینت دے رکھی ہے، انہیں اموال دے رکھے ہیں، مگر تیری اس عطا کو صرف تیری راہ سے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا جارہا ہے، اس عطا کو قطعاً تیری رضا کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ یہ شہادت دینے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا، اے ہمارے ربّ ان کے اموال پر بربادی مسلط کردے، اگر اس بربادی کو دیکھ کر یہ ایمان لے آئے، تو اس کے ہٹنے کے بعد یہ پھر حق کی تکذیب ہی کریں گے، اس لئے ان کے قلوب پر ایسی سختی رکھ دے، کہ یہ المناک عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لائیں، اور اس وقت انہیں ایمان لانا نفع نہیں دے گا، کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد توبہ بے حقیقت ہوتی ہے۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والے صاحب حیثیت ہوں، عطائے الٰہی کو بالکلیہ خلافِ حق استعمال کررہے ہوں، اور ان کے حق پر ایمان لانے کا امکان معدوم ہو تو شاہد کو یہ حق ہوتا ہے، کہ وہ ان کی بربادی کی دعا کرے اور ان کی نامرادی کی دعا کرے۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا: تم دونوں کی دعا قبول ہوئی، تو تم دونوں استقامت سے رہو، اور بے علم لوگوں کی راہ نہ چلو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے تھے، حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے، اس طرح دونوں دعا میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کی قبولیت کا فرمان آیا، اور اس کے ساتھ استقامت سے رہنے اور بے علم لوگوں کی راہ پر نہ چلنے کا حکم بھی آیا۔ استقامت سے رہنا یہ ہے کہ رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حق کو بطریق احسن ادا کیا جائے، اور کسی کی تکلیف دِہ بات یا تکلیف دِہ عمل ہمیں راہ راست سے ہٹا نہ دے۔ بے علمی کا جلد بازی سے بڑا تعلق ہے، اور یہ اللہ کو پسند نہیں۔ اللہ کا فرمان پورا ہو کر رہتا ہے، اور بہترین صورت میں پورا ہو کر رہتا ہے۔ اللہ جو کرتا ہے، علم مطلق سے کرتا ہے اور علم مطلق اس کی شان کے لائق ہے۔ اس لئے قبول دعا کے لئے فوری نتیجے کی طلب بے علمی کا اظہار ہی کہلائے گی۔

حاصل: دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو، تو بھی استقامت کے ساتھ حق کی ادائیگی ضروری ہے۔ فوری نتیجے کی طلب بے علمی کو ثابت کرتی ہے، اور اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا، تو فرعون اور ان کے لشکر نے سرکشی اور عداوت سے ان کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ جب غرق ہونے لگا، پکارا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں ماننے والوں سے ہوں۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں تھے، اور موسیٰ علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق انہیں دریا کے پار لے گئے۔ بنی اسرائیل کے پاس دریا کو عبور کرنے کے لئے ذرائع موجود نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں، اور یہ سلامتی کے ساتھ دریا کے پار پہنچ گئے۔ فرعون کو معلوم ہوا، تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ منشا یہی تھا، کہ ان لوگوں کی ایسی سرکوبی کی جائے، کہ ہماری قوت اور عداوت کا رعب لوگوں کو خوف زدہ کرے۔ جو راستہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لئے بنایا گیا تھا، اس پر سے گزرنے کا حق تو ماننے والوں ہی کو تھا۔ فرعون اور اس کے لشکر کا استکبار ملاحظہ ہو، کہ بے سروسامانی کے باوجود وہ بنی اسرائیل کو دریا کے پار پہنچا ہوا دیکھ رہا ہے، اسے نظر آ رہا ہے کہ پانی نے جس طرح ان لوگوں کو راستہ دیا ہے، ایسے کبھی ہوا نہیں، کبھی سنا نہیں، مگر وہ پھر بھی ان لوگوں پر اپنے قہر کو جاری رکھنا چاہتا ہے۔ جب وہ اسی راستے پر اپنے لشکر سمیت آ جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بنایا گیا تھا، تو اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ اب اللہ کی گرفت سے بھاگ کر جانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ اس وقت فرعون پکارتا ہے، کہ میں بنی اسرائیل کے معبود کو مانتا ہوں، میں مسلمان ہوں۔ بنی اسرائیل کے معبود کو ماننے کا موقعہ دریا میں داخل ہونے سے پہلے تک تھا۔ دریا میں داخل ہوتے وقت بنی اسرائیل کے ساتھ سختی اور عداوت کی نیت تھی، گرفتار عذاب ہونے پر ایمان لے آیا، تو ایسا ایمان کب نفع دیتا ہے جس کے ساتھ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہو۔

حاصل: اللہ کی مدد شامل حال ہو، تو کسی بھی مشکل مقام سے گزرنا مشکل نہیں ہوتا۔ جو اللہ کا منصور ہو، اس کے ساتھ زیادتی اور عداوت ہمیشہ ہلاکت پر منتج ہوتی ہے۔ ایمان لانے کا دعویٰ تبھی سچا ہوتا ہے، جب اس کے ساتھ

صالح اعمال کی شہادت دی جاسکے۔ دیکھئے مستکبر اندر سے کتنا کمزور ہوتا ہے، کہ بنی اسرائیل پر ظلم وعداوت کیلئے بڑھتا چلا آتا ہے اور گرفتار عذاب ہونے پر ان کے معبود کو مان کر ان کے ساتھ ہونے کی بات کرنے لگتا ہے۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ اب یہ کہتا ہے اور پہلے نافرمانی کرتا رہا، اور تو مفسدین سے تھا۔

المناک عذاب کو دیکھ کر فرعون ایمان لایا۔ اس وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔ فرعون کو یہ سنا دیا گیا تھا: فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا۔ (۴۰:۲۹) اللہ کا عذاب آجانے پر کون ہمیں بچائے گا، کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب خلافِ حق کرنے کی گنجائش ہی نہیں، تو ایمان بأس کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ جب تک عمل کے لئے وقت موجود تھا، تب تک نافرمانی فرعون کا طریقہ زندگی تھا۔ وہ کہتا تھا، میں تو لوگوں کو سبیل الرشاد کی ہدایت دیتا ہوں، اور تھا مفسد۔ فرمان حق کا پتہ ہونے کے باوجود اس کے خلاف کیا جائے تو یہ نافرمانی ہے، اور نافرمانی کو بھلائی کے نام پر پھیلایا جائے تو یہ فساد ہے۔

حاصل: ایمان بأس نافع نہیں ہوتا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں نافرمانی کی جائے، اور بھلائی کے نام پر برائی کو بڑھایا جائے، تو انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع تو آج ہم تیرے بدن کو بچائے دیتے ہیں کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی بنے۔ اور بے شک بہت لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں۔ ع ۹ ۱۴

فرعون جس کو بڑائی کا دعویٰ تھا، جو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا، بنی اسرائیل کی اولاد سے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا، بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا، بڑا مفسد تھا، غرق ہونے لگا تو اس نے ایمان لانے کی بات کی، مگر المناک عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا بے معنی تھا۔ اللہ نے اس کے بدن کو بچا کر دریا کے باہر ڈال دیا۔ اس سے بنی اسرائیل کو اطمینان ہوا کہ ان کا دشمن اس انجام کو پہنچ چکا ہے، جس کی انہیں خبر دی گئی تھی، اور ماضی سے سبق لینے والوں کے لئے یہ نشانی ہے۔ جو لوگ اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے حوالے سے اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو نہیں دیکھتے، اپنے اردگرد کے واقعات کو دیکھ کر اپنی کجی کو دور نہیں کرتے، وہ یقیناً اللہ کی آیات سے غافل ہیں۔

حاصل: استکبار کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے تجربات اور مشاہدات کو سامنے رکھ کر اپنی کجی کو دور نہیں کرتے، وہ اللہ کی آیات سے غافل ہوتے ہیں۔ فلاح حق کو ماننے والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔ اور تمہیں اس کے مقابل اوروں کا خوف دلاتے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بہکا نہیں سکتا۔ کیا اللہ عزت والا، بڑا انتقام لینے والا نہیں! (یقیناً ہے۔)

وَ لَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ وَّ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰی جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۳﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا، اور انہیں طیبات سے رزق دیا۔تو علم آجانے کے بعد وہ اختلافات میں پڑے۔بے شک تمہارا ربّ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وہ ٹھکانا جہاں بنی اسرائیل محکوم تھے، مجبور تھے، مظلوم تھے، ان کے لئے عزت کی جگہ نہ تھی۔آل فرعون کی ہلاکت کے بعد وہی جگہ ان کے لئے باعث عزت بن گئی۔اللہ نے ان کو پاک رزق سے نوازا۔بہت آسانیاں عطا فرمائیں۔اظہار عبدیت کے لئے، اظہار تشکر کے لئے ان کے پاس سب کچھ تھا۔انہیں یہ علم بھی تھا، کہ اللہ کے نزدیک کیا پسندیدہ ہے، اور کیا ناپسندیدہ ہے۔حق کے حوالے سے اپنی سیدھ کو برقرار رکھنے کی بجائے، یہ لوگ قیاسات کو بھی وہی اہمیت دینے لگے، جو اپنے تجربات و مشاہدات کے اعتبار سے ان کے نزدیک صرف حق کی شان کے لائق تھی۔اس کا نتیجہ یہی تھا، کہ یہ لوگ اختلاف میں پڑ گئے اور اختلاف میں پڑنے کی وجہ سے اللہ کی عطا کردہ توفیق کی ناشکری کرنے لگے۔فیصلہ قیامت کے دن صادر ہوگا۔اس دن اندازے، قیافے سب ختم ہو جائیں گے۔

حاصل: وہ ٹھکانا جہاں اظہار عبدیت کے لئے آسانیاں موجود ہوں، عزت کی جگہ ہے۔اللہ کا عطا کردہ رزق یقیناً مفید ہوتا ہے۔انسانی تجویز سے بنی ہوئی شے میں بنانے والے کی غرض ضرور ہوتی ہے۔حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کی اہلیت، علم ہے۔علم کے بعد اختلاف اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب قیاس کو بھی وہی اہمیت دی جائے جو حق کی شان کے لائق ہوتی ہے۔

فَاِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَقَدۡ جَآءَکَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۹۴﴾ۙ

اور اگر تمہیں شک ہو، اس میں جو ہم نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے، تو ان سے پوچھو جو پہلے کتاب کے پڑھنے والے ہیں۔بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق آیا ہے، تو ہرگز شک لانے والے لوگوں سے نہ ہونا۔

یہاں واحد حاضر کے صیغے کی وجہ سے خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھا جائے، تو یہ خلاف حق ہے۔سورۃ الصف میں ارشاد ہے، اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے، ان کا نام احمد ہے۔(۶۱:۶)

مخاطبین کو 'اِلَیۡکُمۡ' فرمایا گیا ہے۔'اِلَیۡکَ' اس کا واحد ہے۔سورۃ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بھیجے گئے ہیں، بے شک ان سے قبل رسول ہو چکے ہیں۔(۳:۱۴۴) بھیجنے والا علیم مطلق ہے۔اس کا بھیجا ہوا شک میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا گیا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے

باپ نہیں، وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط ہاں اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ (۳۳:۴۰) شک کا آپ کی حیات طیبہ سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ سورۃ محمد میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اور ایمان لائے اور صالح عمل کئے، وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اور اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا، اور وہی ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ (۴۷:۲) یہ سند ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے 'اِلَيْكَ' نہیں فرمایا گیا۔ آپ کے لئے 'علیٰ' فرمایا گیا ہے، یہ فرمان آپ پر نازل فرمایا گیا ہے، آپ کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ سورۃ الفتح میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اور اللہ کافی ہے گواہ۔ (۴۸:۲۸) اللہ گواہی دے رہا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اللہ گواہی دے رہا ہے، کہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا۔ ان اسناد کی روشنی میں شک کو آپ کی ذات پاک سے منسوب کرنا قطعاً بے علمی کی بات ہے۔ جس کی زندگی میں نور ہدایت موجود ہے وہاں شک کا گزر نہیں ہوتا۔ اور جس ذات بابرکات کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہاں اندازے قیافے کا مقام ہی نہیں ہوسکتا، شک تو بعد کی بات ہے۔ سننے والے سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اگر تجھے شک ہے جو ہم نے تیری طرف نازل فرمایا ہے، تو ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ کتب سابقہ کے پڑھنے والے موجود ہیں، ان سے پوچھا جائے تو وہ بتائیں گے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ماضی میں آچکی ہیں، اور علیم مطلق کا بتایا ہوا راستہ ہی حیات دُنیا میں صراط مستقیم ہوتا ہے۔ قرآن پاک حق ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اس میں شک لانے والا یکسو نہیں رہ سکتا۔ پھر فلاح اسے کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔

حاصل: قرآن کا نزول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے، اس لئے 'الیک' آپ کے لئے نہیں فرمایا گیا۔ کتب سابقہ کے پڑھنے والے یہ بتائیں گے، کہ علیم مطلق کا بتایا ہوا راستہ ہی صراط مستقیم ہوسکتا ہے۔ ماضی حال کی تصدیق کرتا ہے، حال ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمان خداوندی کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، ورنہ شک میں مبتلا ہونے کی صورت بن جاتی ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہرگز ان میں نہ ہونا، جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، پھر تو خسارے والوں میں ہو جائیگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق کا مکذب ہونا ناممکن ہے، کہ رسول کو اللہ نے شاہد بنا کر بھیجا ہوا ہے۔ اللہ کا مقرر کردہ معیار ہی نہ رہے، تو تبلیغ حق ناممکن ہو جائے گی۔ اور حق کو قولاً پہنچانے کے ساتھ عملاً وہ کر کے دکھانا بھی ضروری ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، تاکہ مسلمین اور مجرمین کے درمیان خط امتیاز کھنچ جائے، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے۔ اللہ کی آیات کا نزول رسولوں پر ہوا ہے، اس لئے وہ سب شاہد ہیں۔ وہ بشارت بھی دیتے رہے ہیں، ڈر بھی سناتے رہے ہیں۔ اللہ نے رسولوں کی نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے، اور اللہ کی نصرت مکذبین کے لئے نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ خطاب فرد کو ہے، اور واحد حاضر کے صیغے کی وجہ سے اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب کرنا قطعاً خلافِ حق ہے۔ فرد سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا ساتھ ہمیشہ خسارے کا باعث ہوتا ہے، اس لئے ان کے ساتھ سے بچنا اور اپنی حفاظت سے غافل نہ ہونا۔ ساتھ انکار کھنا، جو حیات دُنیا کی مقصدیت کا یقین رکھتے ہوں، اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرتے ہوں، تمہاری بھلائی چاہنے والے ہوں، اور ان پاک صفات کے حامل ہوں، جن کو دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہوں۔

حاصل: فرد کو دیکھنا چاہئے، کہ وہ کن کے ساتھ ہے۔ ماننے والوں کے ساتھ ہوگا، تو فلاح حاصل ہوگی، مکذبین کے ساتھ ہوگا تو خسارہ ملے گا۔ جو اپنی حفاظت سے غافل ہوگا، وہ کسی کو کیا سکھ دے سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۶﴾

بے شک وہ لوگ جن پر تیرے ربّ کی بات پڑ چکی ہے ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے: فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ، تو حق کے بعد کیا ہے، مگر گمراہی۔ كَذٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡۤا اَنَّهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ اسی طرح تیرے ربّ کی بات فسق کرنے والوں پر پڑ چکی ہے، تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (۳۳۔۳۲:۱۰) جو لوگ حق کے شعور کے باوجود اپنی پسند کو بھی اسی قدر اہمیت دیتے ہیں، جو اللہ کے احکام کی شان کے لائق ہوتی ہے، وہ فسق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

حاصل: جو لوگ حق کے شعور کے باوجود اپنی پسند کو اہمیت دیتے رہتے ہیں، انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ فسق ان کے اندر سے نکلے تو ایمان داخل ہو۔

وَ لَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿۹۷﴾

اور اگرچہ پہنچیں ان کو سب نشانیاں، حتیٰ کہ وہ المناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

فاسق حقائق کو دیکھ کر ایمان نہیں لایا کرتے۔ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی انہیں اپنی خواہشات کو چھوڑ کر، ان سے منہ موڑ کر حق کو ماننا درست نہیں لگتا۔ وہ اس وقت ایمان لاتے ہیں، جب المناک عذاب کے احاطے میں آجاتے ہیں۔ پھر وہاں سے بچ جانے کی بھی کوئی صورت نہیں رہتی، بھاگ جانا بھی ناممکن ہوتا ہے۔ اس وقت کا ایمان نفع نہیں دیتا، کہ اس ایمان کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی۔

حاصل: فاسق حقائق کو دیکھ کر ان سے درست نتائج اخذ نہیں کرتے۔ وہ المناک عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لایا کرتے ہیں۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ہی ختم ہو چکا ہو، تو ایمان لانے کا دعویٰ سچا نہیں ثابت ہو سکتا۔

فَلَوۡ لَا كَانَتۡ قَرۡیَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِیۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۹۸﴾

تو کیوں نہ ہوا کوئی قریہ کہ وہاں لوگ ایمان لاتے، پھر ان کا ایمان انہیں نفع دیتا، سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لائے ہم نے ان پر سے حیات دُنیا میں ذلت کا عذاب ہٹا دیا، اور انہیں ایک وقت تک متاع دی۔

عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لایا جائے تو اسے ایمان یاس کہا جاتا ہے۔ یہ ایمان نافع نہیں ہوتا۔ اللہ اپنے رسولوں کو شاہد بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ حق کے ماننے والوں کو بشارت دیتے رہے ہیں، نہ ماننے والوں کو ان کے انجام سے ڈراتے رہے ہیں۔ ماننے والوں کو ان کی معیت میں فلاح حاصل ہوتی رہی ہے، نہ ماننے والوں کو ان کی تکذیب کی وجہ سے عذاب الٰہی پکڑ لیتا رہا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم سے ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ نہیں ہوئے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی معیت میں جن کو نجات حاصل ہونی تھی، وہ بھی وہیں تھے، جہاں مکذبین تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام عذاب الٰہی کی پیش گوئی کر کے بستی سے چلے گئے۔ وقت عذاب وہ شاہد نہیں ہو سکتے

تھے، کہ حق کی تکذیب کرنے والے موعودہ انجام کو پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے اللہ نے اس قوم کے ایمان بأس کو قبول کر کے انہیں مزید وقت دے دیا، اور ان سے عذاب کو ہٹا دیا۔ عذاب کا ہٹایا جانا ثابت کرتا ہے، کہ عذاب آیا بھی تھا۔

حاصل: عذاب الٰہی کے واقع ہونے سے پہلے اچھے اور بُرے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو ایمان بأس نے اس لئے نفع دیا، کہ آپ عذاب کے وقت وہاں موجود نہیں تھے، اور انہیں شاہد ہونے کی بدولت اس انجام کو دیکھنا تھا، جس سے وہ مکذّبین کو ڈراتے رہے تھے۔ اس لئے اللہ نے ان لوگوں کو مزید وقت دے دیا، اور انہوں نے اپنے ایمان کو عملاً سچا ثابت کر دکھایا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

اور اگر تمہارا ربّ چاہتا، زمین پر تمام لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اللہ کی مشیّت سے نتائج کی صورت بنتی ہے۔ اگر اللہ چاہتا کہ زمین پر تمام لوگ ایمان لے آئیں، تو وہ انہیں خواہشات کی پیروی کی توفیق نہ دیتا۔ پھر کسی کی مجال ہی کیا تھی، کہ وہ حق کا انکار کرتا۔ مگر اللہ نے یہ نہیں پسند کیا کہ وہ جبر و اکراہ سے لوگوں کو مومن بنائے۔ علیم مطلق نے یہ پسند کیا کہ انسانوں کو توفیق دی جائے، حق کو قولاً اور عملاً واضح کر دیا جائے، جب یہ واضح ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک کیا پسندیدہ ہے، اور کیا ناپسندیدہ ہے، تو پھر شعور کے ساتھ لوگوں کو اپنے لئے راستے کا انتخاب کرنے دیا جائے۔ اور جو رخ کوئی اختیار کرے، اس کے لئے سعی کرے، اسی کی جزا پائے۔ بندے کو بھی یہی دیکھنا چاہئے، کہ کسی کو زبردستی مومن نہیں بنایا جا سکتا۔ ایمان تو اسے نصیب ہوتا ہے، جو زبان سے حق کا اقرار کرے، طاغوت کا انکار کرے، اور اس کے قلب میں ناصح سے محبت موجود ہو۔ اگر کسی مقام پر بھی جبر ہو گا، تو اصل صورت جبر کے ہٹنے کے بعد ہی واضح ہو گی، کہ مجبور کے عمل میں اس کی رضا کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

حاصل: اللہ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ ہمیں بھی کسی کو ایمان لانے پر مجبور کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ مجبور کے عمل میں اس کی مرضی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور کوئی نفس ایمان نہیں لاتا مگر اللہ کے اذن سے۔ اور عذاب ان پر ڈالتا ہے، جو عقل نہیں کرتے۔

اللہ کی مشیّت اور اذن کے بغیر صاحب ایمان ہونا، ناممکن ہے۔ یہ اذن کن کے لئے ہوتا ہے، ضرور جاننا چاہئے۔ یہ اذن ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے، جو تخلیق اور مقصد تخلیق کے تعلق کو دیکھتے ہیں۔ اپنے مقصد حیات کو جاننے کے بعد اس کے پورا کرنے کی بہترین صورت کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ بہترین صورت ہمیشہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے منوّر ہوتی ہے۔ اس پاک صورت کو شاہد بنا کر اپنی خواہشات کی پیروی سے بچتے ہیں۔ شاہد سے اس طرح محبت رکھتے ہیں کہ جو وہاں ہو رہا ہو اس کو حق جانتے ہیں۔ سمجھ میں آ رہا ہو، تو پوچھنے والے کو بتا دیتے ہیں، ورنہ یہ کہتے ہیں، مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا، جو کچھ ہو رہا ہے، ہم پر اس کا مقام آئے گا، تو معلوم

ہوگا۔ بولنے اور خاموش رہنے کے آداب و مقامات کو جانتے ہیں۔ دوسروں کو وہی بتاتے ہیں، جس سے خود فائدہ اٹھا چکے ہوتے ہیں۔ اتنے یکسو ہوتے ہیں، کہ یہ نہیں دیکھتے لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، یہی دیکھتے ہیں، کہ حق کے مطابق رہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ ان عقل والوں کو اللہ کے اذن سے صاحب ایمان ہونے کا شرف ملتا ہے۔ جو لوگ عقل نہیں کرتے، وہ عذاب اور گندگی کو اپنے لئے مقدّر کر لیتے ہیں۔

حاصل: ایمان باذنِ اللہ نصیب ہوتا ہے۔ عقل کرنے والے، مقصد حیات کو پورا کرنے والے، ناصح سے محبت کرنے والے، یکسو لوگ، پاک ہوتے ہیں، اور ایمان کا شرف پاتے ہیں۔ اس کے برعکس بے عقل، خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے، کج رو، مکذّب، عذاب الٰہی کی طرف دوڑتے رہتے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

فرمایئے: نظر کرو کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے۔ اور نشانیاں اور ڈر سنانے والے، ایمان نہ لانے والوں کے کام نہیں آتے۔

فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی نظر آتا ہے، اپنے صانع کی قدرت کا، اس کے علم کا، اس کی حکمت کا، اس کی توحید کا پتہ دیتا ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے آسمانوں اور زمین میں ہر نشانی حق کی تصدیق کرتی ہے، اور خلافِ حق کرنے کے انجام سے ڈرانے والے دعوت تعقل دیتے ہیں۔ ایمان لانے والے، حصول علم کے لئے ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں، جو حق کے جاننے والے، اہل ذکر ہوتے ہیں۔ ایمان لانے والوں کو علم والوں سے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر جب من مانیوں کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو، تو نشانیاں کیا کام آسکتی ہیں، ڈر سنانے والے کیا کام آسکتے ہیں۔ رخ درست ہو، تو آسمانوں اور زمین کی بہت سی نشانیاں روشنی کے میناروں کا کام دیتی ہیں۔ ڈر سنانے والے حضرات کا اتباع خوف و حزن سے نجات پا جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حاصل: آسمانوں اور زمین میں نظر کر کے، اللہ کی قدرت، اس کی حکمت، اس کی توحید کے مظاہر کو دیکھنا چاہئے، اور طالبان حق کو دکھانا چاہئے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرانے والے حضرات کا ادب کرنا چاہئے، اور ان کی مدد کرنی چاہئے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تو اب کاہے کے انتظار میں ہیں مگر انہی لوگوں کے سے دنوں کا، جو ان سے قبل گزر چکے ہیں۔ فرما دیجئے، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

حق کی تکذیب کرنے والے لوگوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس سے پہلے مکذبین جس انجام کو پہنچ چکے ہیں، تم بھی اس انجام کو پہنچنے والے ہو۔ حق کا انکار کرتے کرتے جب عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر چکو گے تو پھر گرفت کے دن آجائیں گے۔ پہلے مکذبین سے بھی یہ ہو چکا ہے۔ تم وہی راستہ اختیار کرو گے، تو تمہارے ساتھ بھی وہی ہوگا۔ ہدایت کی طالب ہو تو نشانیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ڈر سنانے والے بھی موجود

رہتے ہیں۔حق کے انکار کو شعار بنالیا جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا انتظام ہی کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ڈر سنانے والے کو یہ انتظار اس لئے ہوتا ہے، کہ استفادہ کرنے والوں کو اس کی موجودگی سے فائدہ پہنچے، اور منکرین کے انجام پر وہ گواہ بنے۔

حاصل: جو لوگ حق کے انکار کو اپنا شعار بنالیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی گرفت کا انتظار کرنا چاہئے۔ڈر سنانیوالے کو یہی کہنا چاہئے، حق کا انکار کرنے والو، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱/۱۵

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے۔یہی ہمارا حق ہے، کہ ہم مومنین کو نجات دیں۔

مکذبین کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی پکڑ کے انتظار کا پیغام دے دیا جائے، تو اس کے بعد کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، تو سنت الٰہی کے مطابق رسول اور ایمان والے نجات پانے والے ہوتے ہیں۔باقی سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔رسول سے محبت کا رشتہ ہی ایمان کو ثابت کرتا ہے، کہ مومنین کو نجات دینے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔رسول کی معیت ہی وہ مقام ہوتا ہے، جہاں عافیت قائم رکھی جاتی ہے۔باقی سب مقامات بربادی کے احاطے میں آجاتے ہیں۔پھر مکذبین اس احاطے سے نکل نہیں سکتے۔اور وہ مٹ جاتے ہیں، جیسے پہلے مکذبین مٹ جاتے رہے ہیں۔یہی اللہ کی سنت ہے، اور اللہ کی سنت بدلا نہیں کرتی۔

حاصل: عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو جائے تو پھر مکذبین کو عذاب الٰہی پکڑ لیتا ہے، اور رسول اور اس کے ایمان والے ساتھی نجات پاتے ہیں۔مومنین کو نجات دینا اللہ کی سنت ہے۔مکذبین کو مٹا دینا اللہ کی سنت ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر (۱۵) میں ارشاد فرمایا ہے: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ خبر دیجئے میرے بندوں کو، کہ بیشک میں ہی بخشنے والا، رحم فرمانیوالا ہوں، اور میرا ہی عذاب، المناک عذاب ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

فرما دیجئے: اے لوگو، اگر تم کو میرے دین کے بارے میں شک ہے، تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا، جن کی تم اللہ کے مقابل عبادت کرتے ہو۔ہاں میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں، جو تمہیں وفات دیتا ہے۔اور مجھے امر ہے کہ مومنین سے ہوں۔

لوگوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ اگر تمہیں اسلام کے بارے میں جو دین حق ہے، کچھ شک ہے، تو شاہد کی زبان پاک سے یہ سن لو، کہ جن کی تم لوگ، اللہ کے مقابل بندگی کرتے ہو، وہ قطعاً معبود نہیں ہو سکتے۔اس لئے تمہارے معبودوں کے حوالے سے تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں بن سکتا۔ہاں میرے معبود کے حوالے سے تمہارے ساتھ تعلق بنتا ہے۔میرا معبود ہی تمہیں پیدا کرنے والا ہے، اور میرا معبود ہی تمہیں وفات دینے والا ہے۔معبود لاشریک امر دیتا ہے، کہ مالک حقیقی کو مانا جائے۔ماننے کی بہترین صورت یہی ہے، کہ شاہد کی اطاعت بھی ہو، اس کا اتباع بھی ہو۔

حاصل: جولوگ ہمارے معبود کونہیں مانتے، جیسے اس کو ماننے کا حکم ہے، وہ ہم سے الگ ہیں۔ موت وحیات کا خالق وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے بندے اس کے امر کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٥﴾

اور یہ کہ اپنا رخ دین کے لئے سیدھا رکھ، یکسو ہو کر، اور مت ہو شرک لانے والوں سے۔

ماننے والے کو یہ حکم ہے، کہ اپنا رخ ہمیشہ دین کے لئے سیدھا رکھو اور یکسو رہو۔ دین کے لئے رخ سیدھا رکھنا یہ ہے، کہ رضاءِ الٰہی مقصود ہو اور عملاً شاہد کی معیت میں رہا جائے۔ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے۔ شاہد کے فرمان کے علاوہ کسی اور کی بات کو بھی وہی اہمیت دی جائے، جو شاہد کے فرمان کے لائق ہوتی ہے، تو یکسوئی بھی نہیں رہے گی اور شرک کا امکان بھی ہو جائے گا۔ دین میں اپنی پسند کو داخل کرنا اور اپنی پسند کو وہی مقام دینا جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے حق کی شان کے لائق ہے، شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔

حاصل: حق کے ماننے والے کو جاننا چاہیئے، کہ رخ سیدھا ہو اور یکسوئی ہو تو عمل اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگا۔ شاہد کے ارشاد کے مقابل کسی کی بات کو اہمیت دی جائے تو حنیف رہنا ممکن نہیں رہتا اور شرک سے بچنے کے لئے حنیف ہونا ضروری ہے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

اور اللہ کے مقابل اسے نہ پکار جو نہ تجھے نفع دے اور نہ ضرر۔ پھر اگر تو ایسا کرے تو یقیناً تو ظالموں سے ہوگا۔

نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ کے مقابل نفع اور ضرر پر قادر مان لیا جائے، تو حق کا عملاً انکار ہوگا، اور ظلم ہوگا۔ نفع اور ضرر کو باذنِ اللہ مانا جائے، تو لوگوں کے ساتھ معاملات درست رہ سکتے ہیں، ورنہ لوگوں کا عمل ہمارے رخ کو متعین کرے گا۔ اس صورت میں ہم خواہشات کی پیروی سے بچ نہیں سکتے۔ پھر گمراہی بھی لازماً ہوگی، ظلم بھی یقیناً ہوگا۔ جس صورت کو بھی نفع اور نقصان پر قادر مانا جائے اور اس کا تعین بھی کیا جا سکے، وہ صورت لافانی بھی نہیں ہوگی، بے مثل بھی نہیں ہوگی۔ نتیجے پر قدرت رکھنے والی ذات پاک کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بے مثل بھی ہے، لافانی بھی ہے۔

حاصل: نفع اور ضرر کو باذنِ اللہ مانا جائے، تو ظلم سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے، تو اس کا کوئی کھولنے والا نہیں مگر وہی۔ اور اگر تیرا بھلا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچاتا ہے۔ اور وہی بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تکلیف باذنِ اللہ ہوتی ہے، اور انسان تکلیف میں خود کو بے بس پاتا ہے۔ اللہ ہی اس بے بسی کو دور کرسکتا ہے۔ جس سبب کو انسان تکلیف کے دور کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہے، وہ سبب بھی اللہ ہی بناتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو سبب بھی کچھ نہیں کرسکتا، اور اگر اللہ چاہے کہ بندے کا بھلا ہو، تو اس کے فضل کے سامنے کوئی بند نہیں باندھا جاسکتا۔ اس کا فضل اس طرح آتا ہے، کہ کسی کی مخالفت اسے دور نہیں کرسکتی۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے فضل کرتا ہے۔ چاہتا انہی کو ہے، جو اس کے عبد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محبّین کو چاہتے ہیں۔ ناصح سے محبت رکھنے والا خطا کا مرتکب بھی ہوسکتا ہے مگر اس کا رخ درست ہوتا ہے، اس کی سعی رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ اس کو بخش بھی دیتا ہے، اس پر رحم بھی فرماتا ہے۔ بخشش سے معافی ملتی ہے، رحم سے سہارا ملتا ہے۔ یہ سہارا باعث استقامت ہوتا ہے۔

حاصل: تکلیف باذنِ اللہ آتی ہے۔ اللہ ہی اس کو کھول سکتا ہے۔ بے بسی کو دور کرنے والا، وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا فضل شامل حال ہو، تو کسی کی بدخواہی کیا کرسکتی ہے۔ اس کا فضل انہی پر ہوتا ہے جو دین کے لئے اپنا رخ سیدھا رکھتے ہیں اور یکسو رہتے ہیں۔ رخ درست ہو تو خطا کو بخش دیا جاتا ہے، اور رحم فرما کر استقامت بھی دی جاتی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾

فرما دیجئے: اے لوگو، تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق آچکا۔ اب جو کوئی ہدایت پائے سو وہ اپنے بھلے کو پاتا ہے، اور جو بہکا پھرے سو اپنے برے کو بہکا پھرے گا۔ اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔

ارشاد فرمایا گیا ہے، اے لوگو تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق آچکا ہے۔ تم پر واضح کردیا گیا ہے، کہ دُنیا و آخرت میں فلاح پانے کے لئے تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ حیات دُنیا میں خوف وحزن سے بچنے کا راستہ علیم مطلق نے بتایا ہے اور وہ ہے عبادِ مخلصین کا اتباع۔ اب جو کوئی حق کو مانتا ہے، وہ ہدایت پائے گا، اور اس میں اسی کا بھلا ہوگا۔ جو ہدایت نہیں پاتا وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا، کہ حق کے بعد ہے ہی گمراہی اور جو گمراہ ہوگا، وہ خوف وحزن میں مبتلا رہے گا۔ آخرت میں تو اسے اس کے اعمال کی جزا عذاب کی صورت میں ملنی ہی ہے۔ حق کے روشن ہوجانے کے بعد ہر باشعور کو یہ اختیار ہے، کہ اللہ کی پسندیدہ راہ کو اختیار کرے۔ ہر ایک کو اس کے رخ کے مطابق جزا دی جائے گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان نہیں، کہ وہ جبراً کسی کو ہدایت دیں۔

حاصل: حق ربّ العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ جو حق کو مانے وہ بھلائی کی راہ لیتا ہے جو نہیں مانتا گمراہ ہوجاتا ہے۔ حق کے روشن ہوجانے کے بعد ہر باشعور کو اختیار دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ کی رضا کو مقصود بنائے یا اپنی مرضی پر چلے۔ ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ کسی کے رخ کا تعین کرنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری نہیں ہے۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱/۶/۱۲

اور اس کا اتباع کر جو تیری طرف وحی کی جائے، اور صبر کر حتیٰ کہ اللہ حکم فرمائے۔ اور وہی سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے۔

حق کی تبلیغ کرنے والے کی شان یہی ہے، کہ وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق رضاءِ الٰہی کے لئے سعی کرتا رہے، اس کی بات ہمیشہ حق کی بات ہو اور بات وہی ہو جس پر وہ خود عمل پیرا ہو۔ یہ نہ دیکھے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں، اس پر نظر رکھے کہ حکم خداوندی کے مطابق اسے لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ صبر کی انتہا یہ ہے، کہ اللہ کا حکم عملاً وارد ہو جائے اور جہاد کا مقام آ جائے۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ایمان والوں کے ساتھ نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس وقت مکذبین کے ساتھ نرم رویہ رکھنا منع ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ ہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔

حاصل: حکم خداوندی کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اس حق کی ادائیگی میں لگے رہنا چاہئے، جو ہم پر عاید ہوتا ہے۔ مخالفین کے رویئے سے تکلیف پہنچتی ہو تو صبر کرنا چاہئے حتیٰ کہ اللہ کا حکم وارد ہو جائے۔ پھر جہاد کے وقت مکذبین کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو اس موقعہ پر اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم ہی سب سے بہتر ہے، کہ اس سے بڑا علم والا کوئی نہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (۵۷) میں ارشاد فرمایا ہے: هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وہی ہے، کہ اپنے عبد پر روشن آیات نازل فرماتا ہے، تاکہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ اور بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

آیاتها ۱۲۳ سُوْرَةُ هُوْدٍ رکوعاتها ۱۰

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍۙ ﴿۱﴾

الرٰ قف یہ کتاب ہے، جس کی آیات حکمت والی ہیں۔ پھر انہیں حکمت والے، خبر والے کی طرف سے مفصّل فرمایا گیا ہے۔

حروف مقطعات کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ یہ کتاب ہے، جس کی آیات میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے۔ سیکھنے والوں کو یہ نظر آتا ہے، کہ الفاظ کی موزونیت اس پاک کتاب کے حوالے سے ہو، تو ان الفاظ سے بہتر انتخاب ناممکن ہوگا۔ معانی میں حسن مقصود ہو تو یہی پاک کتاب رہنمائی کرے گی۔ حق جب بھی بیان ہوگا، اسی پاک کتاب کی آیات سے اس کی تصدیق ہوگی۔ آیات کا باہمی تعلق حکمت والے، خبر والے، علیم مطلق کی طرف سے یہ رکھا گیا ہے کہ ایک مقام کا بیان دوسرے مقام کے بیان کو مفصّل کرتا ہے۔ قرآن پاک سے فیض لینے والوں کی جسمانی اور روحانی ضروریات کے لئے جو بھی درکار ہے، سب اس میں موجود ہے، مفصّل بھی ہے۔

حاصل: الفاظ و معانی اور دانائی کا سب سے بڑا معیار قرآن پاک ہے۔ اس کی آیات میں حکمت بھی ہے، تفصیل بھی ہے۔

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌۙ ﴿۲﴾

کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی۔ بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ڈرسنانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

انبیاء کرام نے حکم خداوندی کے مطابق اپنے اپنے مقام پر لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی، جس کا کوئی شریک نہیں۔ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم خداوندی کے مطابق لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی اور یہ واضح فرمایا، کہ میں تم سب کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ مجھے تمہارے معبود لاشریک نے بھیجا ہے۔ میرا منصب یہ ہے، کہ خلاف حق اعمال کے انجام سے آگاہ کروں اور اس انجام کا ڈرسناتا رہوں، جو لوگ حق کو مان کر اللہ کی بندگی اور صراط مستقیم کو اختیار کریں ان کو فلاح کی بشارت دوں۔ اللہ کی بندگی یہ ہے، کہ اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیت کا سب سے بڑا معیار مانا جائے، اپنے قول اور عمل کو اسی حوالے سے دیکھا جائے، منشا ہر مقام پر اللہ کی رضا کا حصول ہو اور نتائج کو باذن اللہ مانا جائے، اور اس کے ساتھ عباد مخلصین سے الگ ہو کر اپنا تشخص بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔ قدر و منزلت نصیب ہو تو اپنے معلم اور مزکّی کا نام لے کر ان کے احسانات، تعلیمات، اور مشکل مقامات پر رضاء الٰہی کے تحت پورا رہ کر دکھانے کے واقعات کو بیان کیا جائے، مقام اپنا ہو، نام اپنے صاحب کا لیا جائے۔

حاصل: اللہ کی بندگی اس کے عبد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نہ ہو، تو وہ بندگی نہیں ہوگی، شیطانیت ہوگی۔ ڈرسنانے والے اور بشارت دینے والے کی بات میں کبھی اس کی غرض و غایت پوشیدہ نہیں ہوتی۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو، اس کا قرب تقرّب الی اللہ کا ذریعہ بنے گا۔

وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ۳

اور یہ کہ اپنے ربّ سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تمہیں وقت مقرّرہ تک متاع حسن سے نوازے گا، اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔ اور اگر تم منہ پھیرو، تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یہ تعلیم دی گئی ہے، کہ اپنے ربّ سے بخشش طلب کرو۔ بخشش طلب کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے، کہ عبادِ مخلصین کے اعمال اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں، ہمارا عبادِ مخلصین سے کیا تعلق ہے اور اسے کیسا ہونا چاہئے تھا۔ اس طرف نظر جائے گی، تو اپنے اعمال کبھی بھلے نہیں معلوم ہوں گے۔ دوسروں کی خطائیں بھی قابل معافی نظر آنے لگیں گی۔ توبہ کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے بڑا سہارا ملتا ہے۔ حق کے مقابل اپنی پسند کو چھوڑ دیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ حق کی ادائیگی کے لئے جو درکار ہے وہ موجود ہے، جو آئندہ درکار ہوگا وہ علیم مطلق یقیناً عطا کردے گا۔ اس مقام پر رہنے والے بندے کو متاع حسن سے نوازا جاتا ہے۔ اسے وہ کچھ دیا جاتا ہے، کہ اس سے اس کی راحت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جو فضل الٰہی کو اللہ کی رضا کے لئے اس طرح استعمال کرے کہ استفادہ کرنے والے کا شکر گزار ہو، کہ فانی شے قبول کرنے والے کی وجہ سے دینے والے کے لئے دائمی نعمت بن گئی ہے، اس فضیلت والے پر اللہ کا مزید فضل ہوتا ہے۔ یہ حقائق ہیں، جو ان سے منہ پھیرے، وہ یقیناً عذاب الٰہی کی طرف سے بڑھ رہا ہے۔ پھر وہ عذاب سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا۔

حاصل: اپنے ربّ سے استغفار کرنی چاہئے۔ توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ فضل الٰہی کو تقسیم کرتے رہنا باعثِ فضلِ مزید ہوتا ہے۔ حقائق کا انکار کرنے والا، اللہ کے عذاب سے بچ جائے، یہ ناممکن ہے۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۴

اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے، اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

سزا دینے والا مجرم کو پکڑنے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو، تو اس کی طرف سے سزا دینے کا اعلان بے معنی ہو جاتا ہے۔ جزا دینے والا وحدہٗ لاشریک وہ قدرت رکھتا ہے جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہمارے حال پر بھی کامل قدرت رکھتا ہے، ہمارے ماضی پر بھی وہی قادر تھا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہوگا۔ ہمارے اعمال اس سے مخفی نہیں ہیں۔ ہماری نیتیں اس سے چھپی نہیں ہیں۔ حق ہم پر کس قدر واضح کیا گیا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ جن اشیاء کو ہم نے خلافِ حق استعمال کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں شہادت دینے کا حکم ہوگا، تو وہ پوری پوری شہادت دیں گی۔ حتیٰ کہ انسان کے اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا تو وہ صحیح شہادت دیں گے۔ انسان کے اندر اور باہر ہر جگہ پر اللہ کی قدرت موجود ہے۔ ہر مقام اللہ کی قدرت کے احاطے کے اندر ہے۔ شے تبھی بنے گی، جب اس کا مقصد تخلیق متعین ہوگا۔ صانع کی قدرت کے دائرے سے شے کا باہر ہونا ناممکن ہے۔ ہر قدرت جس کا تعین کیا جا سکتا ہو، قادر مطلق کی قدرت کے تابع ہے۔

حاصل: مادہ منویہ کی ابتدا سے لے کر حمل کے قیام تک، حمل کے قیام سے وضع حمل تک، پیدائش سے موت تک، اور

موت سے بعث بعد الموت تک اور بعث بعد الموت سے جزا تک اور اس کے بعد بھی اللہ کی قدرت ہر مقام پر موجود ہوتی ہے اور موجود رہے گی۔ ہمیں اس قدرت کا اعتراف ہو، تو پھر اس اعتراف کو ہمارے عمل میں بھی نظر آنا چاہئے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

سنو، وہ اپنے سینے دہرے کرتے ہیں، کہ اس سے چھپائیں۔ سنو، جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں، وہ ان کے چھپے اور ظاہر کا علم رکھتا ہے۔ بیشک وہ سینوں کے بھیدوں کا علم رکھتا ہے۔

واضح فرمایا گیا ہے، کہ بعض لوگ اپنے بدن کی زبان سے یہ تاثر دے رہے ہوتے ہیں، کہ وہ حیا کی وجہ سے جھکے جا رہے ہیں، اپنے سینوں کو دہرا کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررّہ حدودِ علم مطلق سے ہیں۔ اللہ سے تو کوئی بھی کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ جو کچھ کپڑوں کے اندر چھپا ہوتا ہے، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوتا۔ وہ تو سینوں کے بھیدوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ اس علیم مطلق کے ساتھ پاک رہنا اسی طرح ممکن ہے، کہ ہمارے ظاہر اور باطن میں رضاءِ الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ اس زہد کے علاوہ راحت کا حصول ناممکن ہے۔

حاصل: اللہ کے ساتھ ہونے کا احساس ہو، تو ادب اور حیا کا اظہار ہونا چاہئے، مگر اس یقین کے ساتھ کہ ہم اللہ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتے۔ ہمارے قول میں اللہ کی رضا مقصود ہو اور ہمارے عمل میں ہمارا رخ اللہ کی رضا کا ہو، الفاظ لغو گوئی سے پاک ہوں، حرکات بدنی سے استکبار کا اظہار نہ ہو اور مدح و ذمّ ہمارے رخ کو متاثر نہ کریں، تو ہم باادب بھی ہیں باحیا بھی ہیں۔

الجزء ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمّے نہ ہو۔ اسے علم ہے کہاں ٹھہرے گا، اور کہاں سپرد ہوگا۔ سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

زمین پر چلنے والوں کو رزق کی احتیاج پودوں سے مختلف ہوتی ہے۔ جہاں بھی کوئی چلنے والا جائے، اس کا رزق اسے اللہ کے فضل سے مہیا کیا جاتا ہے۔ رزق دینا اور دیتے رہنا یہ اللہ کی شان ہے۔ معطئ مطلق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے سب اسی کے دیئے ہوئے رزق پر پل رہے ہیں۔ رزق دینے والا ہر مقام پر وحدہٗ لاشریک ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رزق دینے والا ہو نہیں سکتا، اس لئے انسان کا چلنا پھرنا اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے۔ حق کی احسن ادائیگی کے لئے کسی بھی مقام پر جائے، تو اس یقین کے ساتھ جائے، کہ رزق دینے والا اسے کسی بھی مقام پر بھولے گا نہیں، اسے علم ہے وہ کہاں رہے گا، اور حیاتِ دُنیا کی صورت میں ملی ہوئی توفیق کے خاتمے کے بعد کہاں سپرد خاک کیا جائے گا۔ اس لئے اللہ ہی ہر حال میں اور ہر مقام پر رزق مہیا کر سکتا ہے۔ عقل کرے گا، تو جہاں بھی رہے گا، راحت پائے گا۔ ورنہ جہاں بھی رہے گا، خوف و حزن اس پر سوار ہوگا۔ روشن کتاب میں سب کچھ ہے، مگر اس سے فائدہ وہی اٹھائے گا، جو روشنی کا طالب ہو، اور ظلمات سے نور کی طرف آنے کا رخ رکھتا ہو۔

حاصل: رزق اللہ کے ذمّے ہے، اور تا حیات ہر مقام پر اسی کے ذمّے رہتا ہے۔ جہاں بھی جانا ہو، اللہ کی رضا کے حصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کے لئے جانا چاہئے۔ روشن کتاب میں ہے سب کچھ، مگر فائدہ وہی اٹھاتا ہے، جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کا رخ رکھتا ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۷

اور وہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا، اور اس کا عرش پانی پر تھا، کہ تمہیں دیکھے کہ تم میں کس کے عمل احسن ہیں۔ اور تم کہو کہ تم لوگ موت کے بعد اٹھائے جاؤ گے، تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

چھ دن ہمیشہ ماضی ہوتے ہیں، ساتواں دن حال کا ہوتا ہے، اور متحرک ہوتا ہے۔ حرکت سے پہلے سکون کا ہونا ضروری ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے قبل عرش اور پانی موجود تھے۔ پانی آئندہ اشیاء کے لئے مادۂ حیات بنایا گیا۔ ربّ العرش نے جو چاہا وہی ہوا، وہی ہوتا آیا ہے، اور وہی ہوتا رہے گا۔ اس پورے نظام کا مقصدِ تخلیق یہ ہے، کہ تم اپنے مقام کو دیکھو اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو استعمال کرنے کی احسن صورت پاؤ۔ جو کچھ بنایا گیا ہے، اس سے بندوں کو فائدہ پہنچے تو اشیاء صحیح محل پر استعمال ہونے کی وجہ سے باعث راحت ہوں گی، ورنہ معاشرتی مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی۔ خالق کل یہ دیکھتا ہے کہ کون خود شناسی سے خدا شناسی کی طرف آتا ہے، اور عقل سے احسن عمل کرتا ہے، اور کون اس کے خلاف مقصدِ حیات کی نفی کرتے ہوئے، بے عقلی سے فساد کرتا ہے۔ جب کافروں سے یہ کہا جاتا ہے، کہ زندگی کے پورے ہونے کے بعد تمہیں موت آئے گی، عمل کے لئے جو توفیق تمہیں دی گئی ہے، جو وقت تمہیں دیا گیا ہے، جو معیار تمہارے سامنے رکھا گیا ہے، تب اس کے حوالے سے تمہیں پوچھا ضرور جائے گا، تو کافر اس کے جواب میں کہتے ہیں، بعث بعد الموت کو آپ کی جادو بیانی ثابت کر رہی ہے، ہم اس کو نہیں مانتے۔ کافر اپنی پسند کے ساتھ اس قدر جڑا ہوا ہوتا ہے، کہ حقائق کو جادو بیانی کہہ کر من مانی کی راہ لے لیتا ہے۔

حاصل: آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا گیا۔ پانی ہر شے کا مادۂ حیات ہے۔ کسی بھی تعمیر سے پہلے بنانے والے کے مقام کو واضح ہونا چاہئے اور پانی موجود ہونا چاہئے۔ کائنات کی ہر شے جس سے ہمیں واسطہ ہوتا ہے، ہمارے بارے میں یہ ریکارڈ کر رہی ہے، کہ ہمارا عمل احسن ہے، یا نہیں ہے۔ بعث بعد الموت کو نہ ہونے سے ہونا کہا جائے، تو ماضی میں یہ ہو چکا ہے، مستقبل میں یہ کیوں نہیں ہو سکتا۔

وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع ۱

اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک معلوم مدت تک موخر کر دیں، تو ضرور کہیں گے، اسے کس چیز نے روکا ہے۔ سن لو، جس دن ان پر آئے گا، ان سے پھیرا نہیں جائے گا، اور انہیں گھیرے گا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

منکرین حق کو جب ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے، اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ خلافِ حق کرنے کا انجام عذاب الٰہی کی صورت میں تمہیں گھیرے گا، تو ممنوعہ اعمال کے کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں، وہ عذاب کس چیز نے روک رکھا ہے، جس کا ہمیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، عذاب اتمام حجت کے بعد آئے گا۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ عذاب کے وقت کا تعین اس سے بہتر کوئی نہیں کرسکتا۔ مگر جاننے کی بات یہ ہے، کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا ان سے پھیرا نہیں جائے گا، اور جس کا اب مذاق اڑاتے ہیں، اس کے گھیرے سے نکل کر کہیں جا نہیں سکیں گے۔

حاصل: اللہ کا عذاب اتمام حجت کے بعد آتا ہے۔ مکذبین خلافِ حق کرنے کے بعد عذاب کے نہ آنے کا ذکر کرتے ہیں۔ جاننے کی بات یہ ہے، کہ یہ عذاب کو ٹالنے کی قدرت نہیں رکھتے، اس سے بھاگ جانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ حق کا مذاق اڑانے والے غیر سنجیدہ ہوتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق (۶۵) میں ارشاد فرمایا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸ اور کتنے ہی قریئے تھے، جنہوں نے اپنے ربّ اور اس کے رسولوں کے امر اور رسول سے سرکشی کی، تو ہم نے شدید حساب کے ساتھ ان کا محاسبہ کیا اور انہیں سخت عذاب دیا۔

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں، پھر وہ اس سے چھین لیں تو وہ مایوس، ناشکرا ہوتا ہے۔

انسان کو اپنی ذات کے حوالے سے صحت، امن، وسعت رزق اور ماحول کے حوالے سے قدر و منزلت کی بڑی طلب ہوتی ہے۔ بعض نعمتیں اپنی موجودگی کے وقت زیادہ اہم نظر نہیں آتیں، مگر جب ان میں سے کچھ چھن جائے، تو ان کی اہمیت بہت واضح ہوجاتی ہے۔ جو موجود ہوتا ہے، اس کا شکر ادا کرنے کی طرف مائل ہونے کی بجائے جو کچھ چھن جائے اس پر مایوسی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مایوسی اور ناشکری لازم و ملزوم ہیں۔

حاصل: اللہ کی رحمت کے مزے میں اللہ کو یاد رکھنا چاہئے، پھر آسائشوں کی اونچ نیچ سے پریشانی نہیں ہوتی۔ شے سے تعلق ہو، اور عطا کرنے والے سے تعلق نہ ہو، تو شے کے چھن جانے سے مایوسی بھی ہوگی، ناشکری بھی ہوگی۔ معطئ مطلق سے تعلق ہو تو کسی شے کے چھن جانے پر یہ یقین ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا ہونے والا ہے، اور مستقبل میں بڑی رحمت سے نوازا جائے گا۔

وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ۙ

اور اگر ہم اسے نعمت کا مزہ چکھائیں، اس دکھ کے بعد جو اسے پہنچا تھا، تو ضرور کہے گا، کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں۔ بیشک وہ فرحت والا، فخر کرنے والا ہے۔

دکھ اور تکلیف کے دور کی یادیں آسائشوں کے مزے میں تحلیل ہوجاتی ہیں۔ دکھ کے بعد جب سکھ ملتا ہے، تو انسان یہی کہتا ہے، کہ

برائیاں مجھ سے دور ہوئیں، یہ نہیں کہتا، کہ دکھ مجھ سے دور کیا گیا۔ اس طرح ناشکری نیا رنگ لے لیتی ہے، اور انسان خوشی اور فخر کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اسے اپنے قول میں خوبی نظر آنے لگتی ہے، اسے اپنے عمل میں حسن نظر آنے لگتا ہے، اور وہ ماضی میں اپنی کارکردگی کا ذکر مزے لے کر اور اترا کر کرتا ہے۔

حاصل: نعمتیں عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ دکھ کے بعد سکھ ملے، تو یہ نہیں کہنا چاہئے، کہ دکھ مجھ سے دور ہوا، یہ کہنا چاہئے، اللہ نے اپنے کرم سے دکھ دور کیا، آسانیاں عطا فرمائیں۔ اپنے ماضی کی کارکردگی پر فرحت اور فخر کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہوتا ہے۔ بندے کا شکریہ ادا کرنا اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

مگر جنہوں نے صبر کیا، اور صالح عمل کئے۔ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

جو لوگ مصائب و آلام کو باذنِ اللہ جانتے ہیں، وہ صبر کرتے ہیں۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہوگی تو دکھ دور ہوگا۔ اس لئے وہ ذکر الٰہی میں زیادہ وقت لگاتے ہیں، اور اپنا حق اس طرح ادا کرتے ہیں، کہ جو کام بھی ان کے ذمے ہوتے ہیں، انہیں احسن طریقے سے کرتے ہیں۔ مقصود یہی ہوتا ہے، کہ اللہ راضی ہو، اور عبادِ مخلصین کی معیت حاصل رہے۔ انہیں مغفرت اور اجر کبیر سے نوازا جاتا ہے۔ مغفرت سابقہ کوتاہیوں کی معافی کی صورت میں اور اجر کبیر استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنے کے لئے آسانیوں کی صورت میں ملتے ہیں۔

حاصل: اللہ کے پاک بندے، مصائب کو باذنِ اللہ جانتے ہوئے صبر کرتے ہیں۔ اپنا حق احسن طریق سے ادا کرتے ہیں۔ جب دکھ دور کر دیا جائے، تو شکر ادا کرتے ہیں۔ نہ ہونے کے مقام پر بھی اللہ کے ساتھ پاک رہتے ہیں، اور ہونے کے مقام پر بھی اللہ کی معیت انہیں حاصل رہتی ہے۔ ان حضرات کے لئے مغفرت بھی رکھی گئی ہے، بڑا اجر بھی رکھا گیا ہے۔

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَ ضَآئِقٌۢ بِہٖ صَدۡرُکَ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِیۡرٌ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿ؕ۱۲﴾

تو کیا جو وحی تمہاری طرف ہوتی ہے، اس میں سے کچھ ترک کر دو گے، اور اس پر تمہیں گھٹن ہوگی، کہ وہ کہتے ہیں، اس کے ساتھ کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا، یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آتا۔ تم تو نذیر ہو۔ اور اللہ ہر شے پر وکیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک کی تنزیل رحمۃ اللعالمین کے قلب مبارک پر ہوئی۔ آپؐ نے تبلیغ حق میں جس استقامت وثبات کو قائم رکھا، حدود عبدیت کے اندر اس سے بہتر کا تصور محال ہے۔ لوگوں کے رویئے کو دیکھنا اپنی جگہ مگر حکم خداوندی کا پہنچایا جانا قطعاً لازم ہے۔ حق کا وہ حصہ ماننے میں آسان ہوتا ہے، جس کا معاشیات سے تعلق نہ ہو۔ مگر حق کے جزو کا انکار کل کا انکار ہوتا ہے، اس لئے حق کا پورا پورا پہنچایا جانا اور اس کا پورا پورا تسلیم کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ لوگ اگر کہتے ہیں کہ اس نظام کو قائم کرنے کے لئے، آپ کے ساتھ کوئی خزانہ ہونا چاہئے تھا، یا آپ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے تھا، تا کہ آپ مادی قوت کے ساتھ یا روحانی قوت کے ساتھ اس نظام حیات کا نفاذ

کر سکتے ،تو یہ کہنے والوں کی سوچ ہے۔علیم مطلق کے ارشادات کے سامنے یہ سوچ کیا حیثیت رکھتی ہے۔اس پر کوئی گھٹن کیوں ہو۔نذیر کا مقام یہ ہے، کہ وہ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کردے۔ان پر واضح کردے، کہ جس قادر مطلق نے تمہیں توفیق دی ہے، وہی تم سے حساب بھی لے گا۔اور تم پر ماضی میں بھی اس کی قدرت کا احاطہ تھا، حال پر بھی اس کی قدرت تم پر محیط ہے، مستقبل میں بھی اس کی قدرت کے دائرے سے نکل جانا ناممکن ہے۔جس نے توفیق دی ہے، اور جس کی طرف سے پوچھ ہوگی، ہر شے اس کے سپرد ہے۔وہ ہر حال میں دیکھتا ہے۔اسے علم ہے، کس حال پر کیا ہونا چاہئے۔

حاصل: حکم خداوندی کا پورا پورا پہنچایا جانا ضروری ہے۔اس کا پورا پورا تسلیم کیا جانا بھی ضروری ہے۔مادی قوت کا مالک اور روحانی قوت کا مالک اعلم ہے۔وہی جانتا ہے، کس حال پر کیا درکار ہے۔حال پر جو تبلیغ حق کیلئے درکار رہتا ہے، ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ڈر سنانے والے کا کام یہی ہے، کہ وہ اپنا حق ادا کردے۔آگے اللہ جانے، ہر شے اسی کے سپرد ہے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾

کیا اسے افترٰی کہتے ہیں۔فرمادیجئے: تم اس کی مثل دس سورتیں بنالاؤ، اور اللہ کے مقابل جن کو بلانے کی استطاعت ہو بلالو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن پاک کو افترٰی کہنے والوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم اسے گھڑی ہوئی بات کہتے ہو۔تمہارا گمان ہے، کہ یہ سب انسانی سوچ سے بنا ہے۔اگر تم اس دعوے میں سچے ہو، تو اس کی مثل دس سورتیں بنالاؤ۔انفرادی کوشش کرو۔اجتماعی کوشش کرو۔جو تمہارے بس میں ہو کرو۔اگر یہ انسانی سوچ کا نتیجہ ہے، تو تم اس کی مثل لانے پر کیوں قادر نہیں۔زبان دانی میں تمہارا ایک مقام ہے۔فصاحت و بلاغت کا تمہیں دعویٰ ہے۔اگر یہ گھڑی ہوئی بات ہے، تو تم اجتماعی شعور سے اس کی مثل بنا کر دکھاؤ، اعجاز قرآن مجید تم پر واضح ہوجائے گا۔

حاصل: انسانی سوچ کے مقابل ہمیشہ انسانی سوچ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔قرآن مجید کو انسانی سوچ کا حاصل کہنے والوں سے کہنا چاہئے، تم اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے، اجتماعی کوشش کرکے اس کی مثل دس سورتیں ہی بنا کر دکھادو۔ورنہ قرآن پاک کے اعجاز کو تسلیم کرو، اور اسے اللہ کا فرمان جان کر مانو۔

فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

تو اگر وہ تمہارے سوال کا جواب نہ دے سکیں، تو معلوم رہے، کہ وہ اللہ کے علم سے ہی نازل ہوا ہے، اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔تو کیا اب تم مانتے ہو۔

اگر کافر لوگ مومنین کے سامنے، قرآن مجید کی مثل دس سورتیں لا کر نہ دکھا سکیں، تو ان کا یہ دعویٰ کہ یہ کلام انسانی سوچ کا نتیجہ ہے، باطل ہوجائے گا۔اعجاز قرآن کے اس مشاہدے کو دیکھ کر حاضرین و ناظرین کو غور و فکر کرنا چاہئے اور انہیں معلوم ہونا چاہئے، کہ جس کلام پاک کی

مثل انسانوں کی اجتماعی کوشش سے لانا بھی ممکن نہیں، وہ اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے۔جس ذات لاشریک کا کلام بے مثل ہے وہی معبود ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس کا فرمان ماننے والوں کی بھلائی کے لئے ہے۔حق کی طرف بلانے والے شہادت دیتے ہیں، کہ خوف وحزن سے نجات اسی فرمان خداوندی کے ماننے سے ممکن ہوتی ہے۔مومنین اس امر کی تصدیق کرتے ہیں، کہ علم الٰہی کے ماننے سے انہیں بڑی آسانیاں حاصل ہوئی ہیں، وہ خوف وحزن سے نجات پا چکے ہیں، اور شاہد کے اتباع میں ہر مقام پر یکسوئی انہیں حاصل ہے۔ان حقائق ومعارف کو جاننے کے بعد تو حاضرین وناظرین کو ماننا چاہیے، کہ فرمان خداوندی کے مقابل کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔

حاصل: پاک لوگ ہمیشہ حق کو بیان کرتے ہیں۔قرآن پاک کا اعجاز دیکھیے، کہ اس کی مثل پیش کرنا، انسانوں کے لئے ناممکن تھا، اب بھی ناممکن ہے، اور آئندہ بھی ناممکن ہوگا۔اس کو علم الٰہی مان لیا جائے، تو انفرادی سطح پر، اور اجتماعی سطح پر تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔معبود لاشریک کے ارشادات ہی ساری دُنیا کے لئے باعث راحت ہو سکتے ہیں۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَ زِيۡنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيۡهِمۡ اَعۡمَالَهُمۡ فِيۡهَا وَهُمۡ فِيۡهَا لَا يُبۡخَسُوۡنَ ﴿۱۵﴾

جو کوئی حیات دُنیا اور اس کی زینت چاہتا ہو، ہم ان کے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیں گے، اور ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کریں گے۔

جو حقائق کو سن کر، اعجاز قرآن مجید کو دیکھ کر، ایمان نہیں لاتا، اور حیات دُنیا اور اس کی زینت کو قبلۂ مقصود ٹھہراتا ہے، اس کے اعمال اس کی خواہشات کے تحت ہوتے ہیں۔ان اعمال کا بدلہ حیات دُنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے۔بدلہ دینے والا مالک کل ہے۔وہ کمی نہیں رکھتا۔جو آسائشیں عامل کو مطلوب ہوتی ہیں، ان میں صحت، وسعت رزق، کثرت اولاد اور شہرت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔اللہ جو بھی عطا کرنا چاہتا ہے، وہی عطا کرتا ہے۔کسی کو اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دینا اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حاصل: جو اعمال طلب دُنیا کے لئے کئے جائیں، ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہیں چکا دیا جاتا ہے۔اللہ سے بڑھ کر پورا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِيۡهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾

یہی لوگ ہیں، جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔اکارت گیا جو کچھ یہاں بنایا تھا، اور باطل ہوا جو کمایا تھا۔

جن لوگوں نے حیات دُنیا اور اس کی زینت کو قبلۂ مقصود ٹھہرا لیا ہو، ان کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔جو کچھ وہ حیات دُنیا میں بنائیں گے، وہ بھی اکارت جائے گا، اور جو کچھ وہ یہاں کمائیں گے وہ بھی سب باطل ہو جائے گا۔جس صنعت میں اللہ کی رضا مفقود ہوگی، وہ صنعت بے حقیقت ہوگی۔جس عمل میں اللہ کی رضا مطلوب نہ ہوگی، وہ عمل بے حقیقت ہوگا۔صنعت یا عمل کی بظاہر شکل جو بھی ہو، جزائیت کے مطابق ملے گی۔

حاصل: جو لوگ اپنی صنعت میں، اپنے عمل میں اللہ کی رضا کو مقصود نہیں ٹھہراتے، ان کا بنایا ہوا اکارت جاتا ہے، ان کی کمائی سب باطل ہو جاتی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا جو اپنے ربّ کی طرف سے روشن راہ پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے شاہد بھی ہو، اور اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی، اوروں کے برابر ہے۔ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے سارے گروہوں میں تو آگ اس کا وعدہ ہے۔ تو تجھے اس میں شک نہ ہو۔ بے شک حق تیرے ربّ کی طرف سے ہے، ولیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔

جو لوگ حیات دُنیا اور اس کی زینت کو ہی مقصود ٹھہرالیں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے، جو اپنے ربّ کی طرف سے روشن راستے پر ہوں، اور ان کے راہ راست پر ہونے کی شہادت موجود ہو۔ یہ شہادت قرآن پاک کی صورت میں حال پر ہے۔ ماضی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی کتاب راستہ دکھانے والی تھی اور باعث رحمت تھی۔ حال اور ماضی کے تعلق کو واضح کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، ایمان لانے والے اور ایمان نہ لانے والے برابر نہیں ہیں۔ جو حق کا حال پر انکار کریں وہ کسی گروہ سے ہوں، کسی مقام پر ہوں، آگ ان کا وعدہ ہے۔ دوزخ کے علاوہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ مخاطب فرد سے فرمایا گیا ہے، تجھے اس میں شک نہ ہو، کہ راہ راست پر رہنے والے کو فلاح حاصل ہوگی، اور ایمان نہ لانے والے کا ٹھکانا آگ ہوگا۔ حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ علیم مطلق کے بتائے ہوئے راستے سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو مانتے نہیں۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے، تو پھر من مانی کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور من مانی کرنے میں لوگوں کے لئے بڑی کشش ہوتی ہے۔

حاصل: راہ راست پر رہنے والے لوگوں کو، حق کا انکار کرنے والوں کے برابر کہنا گناہ ہے۔ حال پر راہ راست پر رہنے والوں کو قرآن پاک سے سند ملتی ہے۔ اسی طرح ماضی میں لوگ تورات سے رہنمائی اور رحمت حاصل کرتے رہے ہیں۔ جو حق میں شک کرے وہ یکسو نہیں رہ سکتا۔ یکسوئی نہ رہے تو خلافِ حق کرنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ من مانی کرنے میں لوگوں کے لئے بڑی کشش ہوتی ہے۔ من مانی سے رک جانا بڑا عمل ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ۙ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وہ لوگ اپنے ربّ کے حضور پیش ہوں گے، اور گواہی دینے والے کہیں گے، یہی ہیں جنہوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا تھا۔ سن لو، ظالمین پر اللہ کی لعنت ہے۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اور غیر اللہ کی بات کو اللہ کی بات بتا کر، اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف مراجعت بھی ضرور ہوگی۔ جب یہ گمراہی پھیلانے والے، اللہ پر جھوٹ باندھنے والے،

اپنے ربّ کے حضور پیش ہوں گے، تو شاہدین یہ گواہی دیں گے، کہ ان لوگوں نے اپنے ربّ پر جھوٹ باندھا تھا۔ شاہدین کو بولنے کا اذن ہوگا۔ شاہدین کی بات سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی گواہی کے بعد ظالمین پر اللہ کی لعنت مسلط کردی جائے گی۔ اللہ کی لعنت، انسان کی ناکامی اور اس کے واجب العذاب ہونے کا اعلان ہے۔

حاصل: گمراہ ہونا ظلم ہے۔ گمراہ ہونے والا ظالم ہے۔ گمراہی پھیلانے والا اظلم ہے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف مراجعت ضرور ہوگی۔ شہادت دینے کے مرتبہ پر جو فائز ہیں ان کی بات آج بھی سند کا درجہ رکھتی ہے، قیامت کے دن بھی وہ شہادت سند ہوگی۔ جب شاہدین جھوٹ باندھنے والوں پر شہادت دیں گے، تو اللہ تعالیٰ ظالمین پر لعنت کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قہر ہوگا۔ ہمیں کسی کو لعنتی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٩﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس میں کجی چاہتے ہیں، اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔

جن لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے وہ اپنے متعلقین کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ لوگوں کو رسوم و رواج کی طرف مائل کرتے ہیں۔ حق میں اپنی پسند کو داخل کر کے اس میں کجی چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ یہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ آخرت میں جزا کا یقین ہو، تو اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مطلوب ہونا چاہئے۔ لوگوں کو راہِ حق کی ترغیب دینی چاہئے۔ پھر حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دینے کا سوال ہی کب پیدا ہوسکتا ہے۔

حاصل: اللہ کی راہ سے روکنا، اس میں کجی چاہنا، عملاً آخرت کا انکار کرنے والی باتیں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وقف لازم

وہ زمین میں عاجز کرنے والے نہیں، اور نہ اللہ کے مقابل ان کے کوئی دوست ہیں۔ انہیں عذاب پر عذاب ہوگا۔ انہیں سننے کی استطاعت بھی نہ تھی، اور وہ دیکھتے بھی نہ تھے۔

ظالموں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ کر بھاگ بھی نہیں سکتے، اور نہ کوئی قوت اللہ کے مقابل ان کی مددگار ہوسکتی ہے۔ انہیں دوہرا عذاب یوں ہوگا، کہ وہ خلافِ حق کرنے کے علاوہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے رہے۔ ان کا سننا کیا تھا! ان کا دیکھنا کیا تھا! اگر اپنی پسندیدہ بات کے علاوہ کچھ بھی نہ سنا جائے، اور دل جو سینے میں ہوتا ہے وہ اندھا ہو، تو اخذ کردہ نتائج کس درجے کے ہوں گے، اور یہ نتائج جس نظریئے کی بنیاد ہوں گے، وہ نظریہ کتنا بے حقیقت ہوگا!

حاصل: اللہ کے عذاب کے سامنے ظالموں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ بھاگ بھی نہیں سکتے اور کسی مدد سے بچ بھی

نہیں سکتے۔ خلافِ حق کرنا اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنا دوہرے عذاب کا باعث ہوگا۔ جو سنتا نہیں، دیکھتا نہیں، اس کا صحیح نتیجے پر پہنچنا ناممکن ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، اور گم ہوگئیں وہ باتیں ان سے، جو وہ باندھتے تھے۔

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں لاتے، وہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ سنتے بھی وہی ہیں جو انہیں اچھا لگے، دیکھتے بھی اسی زاویہ سے نگاہ سے ہیں جو نفس کو پسند ہو۔ مگر اس کا انجام ہمیشہ خسارہ ہی ہوتا ہے۔ اور جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہوجاتا ہے، تو ان کی بنائی ہوئی باتیں، ان کے افترٰی، جو ان کے نظریات کی اساس ہوتے ہیں، ان سے گم ہوجاتے ہیں۔ سوائے تاسف کے کچھ ان کے پاس نہیں رہ جاتا۔

حاصل: حقائق کا انکار کرنے والے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالتے ہیں۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے، تو پھر ان سے ان کے افترٰی گم ہوجاتے ہیں اور ان کے بے حقیقت نظریات ناپید ہوجاتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس میں شک نہیں، کہ آخرت میں وہی سب سے بڑے خسارے والے ہیں۔

آخرت کے منکرین، آخرت میں سب سے بڑے خسارے والے لوگ ہوں گے، کہ ان لوگوں نے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو، عمل کے لئے دی گئی قوت کو، اور عمل کے لئے دی گئی توفیق کو اس طرح خرچ کیا، کہ آخرت پر عدم یقین بہرحال قائم رہا۔ انہیں آخرت کو ناقابل تردید صورت میں دیکھ کر، شاہدین کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑے گا، مگر سوائے جہنم کی آگ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

حاصل: آخرت کا انکار کرنے والے، آخرت میں سب سے بڑے خسارے والے لوگ ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، اور اپنے ربّ کے حضور عاجزی کی وہ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

آخرت کا یقین رکھنے والے لوگ حق کو مانتے ہیں، ناصح سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ محبت ان کے اندر اتنی یکسوئی پیدا کردیتی ہے، کہ ان لوگوں کو کفر سے، فسوق سے اور عصیاں سے کراہت ہوجاتی ہے۔ یہ لوگ وہی کرتے ہیں، جو صالحین کر کے دکھا دیتے ہیں۔ ان کا ایمان صالح عمل کی شہادت کے ساتھ روشن ہوتا ہے۔ یہ لوگ عطا الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مگر کہتے یہی ہیں، اے ہمارے ربّ ہمارے اعمال کو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بہت چھوٹی سی نسبت ہے، تو قبول کرلے، تو تیری مہربانی ہے۔ یہ لوگ جنتی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جن لوگوں کا اپنے ربّ سے ایسا تعلق ہو، کہ وہ کبھی تادبّ مع اللہ سے غافل نہ ہوں اور شاہدین کی معیت

میں راحت پائیں، وہ دائمی پاک دامنی کے حامل ہوں گے، جو دائمی انعامات کے لیے اہلیت کا درجہ رکھتی ہے۔

حاصل: ایمان وہی پورا ہے، جس کے ساتھ صالح اعمال موجود ہوں۔ اپنے ربّ کے حضور عاجزی سے ایمان والوں کو دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہوتا ہے، وہ دائمی انعامات کے مستحق ہوتے ہیں۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۲/۱۲

ان دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے، جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کا حال مساوی ہے۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ایک فریق آخرت کے انکار کو بنیاد بنا کر حیات دُنیا اور اس کی زینت کو قبلۂ مقصود ٹھہرا رہا ہے۔ اس کے دیکھنے کا انداز اس کے سننے کا انداز واضح کرتا ہے کہ اس فریق کے نزدیک حق وہی ہے، جو انہیں پسند ہو۔ دوسرا فریق عطا کو دیکھ کر معطیٔ مطلق کی شان پر نظر کرتا ہے، مقصد حیات کو دیکھتا ہے اور جزا کے یقین کے ساتھ اپنی پسند کو حق کے تابع رکھتا ہے، اور مخلصین (جو شیطان کے بہکانے میں نہیں آسکتے) کی باتیں بڑے انہماک سے سنتا ہے۔ ان دو فریقوں کا حال کبھی مساوی نہیں ہوسکتا۔ عمل سے وہ رخ اہم ہوتا ہے جسے عامل اختیار کرتا ہے۔ اسی کی عامل کو جزا دی جاتی ہے۔ دھیان کرنا، غور کرنا، اپنے حال کی صحت کے لئے اور صحت ہو تو اسے قائم رکھنے کے لئے، قطعاً ضروری ہے۔

حاصل: اندھا اور دیکھنے والا مساوی نہیں ہوتے۔ بہرہ اور سننے والا مساوی نہیں ہوتے۔ ہمارا عمل ہی ہماری ترجیحات کا پتہ دیتا ہے۔ دھیان کرنے سے اصلاح ہوتی ہے۔ اپنی پسند کو اللہ کی رضا کے مقابل وقعت دینے سے ہمارے اندر کے تضادات بڑھتے رہتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (۴۷) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ بے شک حیات دُنیا تو کھیل کود ہی ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ، اور پرہیزگاری کرو، تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا، اور کچھ تم سے تمہارے اموال نہ مانگے گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۫ اِنِّىْ لَـكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۲۵﴾

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، کہ میں تم پر ڈر کی بات واضح کرنے والا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ عطائے الٰہی کو جس طرح یہ لوگ استعمال کر رہے تھے، اس میں ان کی نظر اپنے اعمال کی جزا پر نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا، میں تم پر واضح کرتا ہوں، کہ تمہیں توفیق دینے والا، ضرور تمہارے اعمال کی جزا بھی دے گا اور میری بات اندازے، قیافے کی بات نہیں ہے۔ تمہارے حال کے ساتھ جو مستقبل جڑا ہوا ہے میں اس کو دیکھ کر بیان کر رہا ہوں۔

حاصل: اللہ کا بھیجا ہوا، اندازے، قیافے سے بات نہیں کرتا۔ جو کچھ دیکھتا ہے، اسے بیان کرتا ہے۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾

کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میں تم پر المناک عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: بندگی محض اللہ کی ہو، تو تم لوگ سلامتی کی راہ پر ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اپنی موجودہ روش کو ترک نہ کیا، تو ایک دن تم المناک عذاب کے گھیرے میں ہو گے۔ پھر نہ تم بچ کر جا سکو گے، نہ کوئی تمہاری مدد کو آسکے گا۔ اللہ کی بندگی ہو، تو قول و فعل میں اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے، نتائج کو باذن اللہ ماننا چاہئے، اور شاہد کی اطاعت بھی ہونی چاہئے، اس کا اتباع بھی ہونا چاہئے۔

حاصل: اللہ کی بندگی ہو، تو من مانی ناممکن ہوتی ہے۔ من مانی کرنے والے ایک دن ایسی پکڑ میں آجاتے ہیں، کہ پھر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں۔ اور ہم نہیں دیکھتے کہ کسی نے تمہارا اتباع کیا ہو، سوائے ہمارے اراذل کے اور وہ بھی اوپری نظر سے۔ اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں پاتے، بلکہ ہمیں گمان ہے کہ تم سب کاذب ہو۔

قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے، حضرت نوح علیہ السلام کے ارشاد کے جواب میں یہ کہا، کہ ہم تو تمہیں اپنی طرح کا بشر ہی دیکھ رہے ہیں۔ اپنی طرح کے بشر کی اطاعت سے اللہ کی بندگی کیسے ہوگی۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں، کہ ہمارے ہاں کے انتہائی رذیل لوگ ہی تمہاری پیروی کر رہے ہیں۔ صاحبانِ حیثیت تو تمہیں مانتے نہیں ہیں۔ ہمیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ تم لوگوں کو ہم پر کسی طرح کی کوئی فضیلت حاصل ہو۔ بلکہ ہمیں یہی گمان ہے، کہ تم لوگ جھوٹی باتیں بنانے والے ہو۔

حاصل: سرداری بھی حق کو تسلیم کرنے میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ حق کی دعوت دینے والا، اپنے مقابلے میں بہتر نظر آئے، اس کا اتباع کرنے والے اپنے جیسے ہوں، اور ان لوگوں کی اجتماعی فضیلت کا احساس ہو، تو سردار سماجی تقاضا جان کر حق کو مان لیا کرتے ہیں، ورنہ نہیں مانتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

فرمایا: اے میری قوم! بھلا دیکھو تو، اگر میں اپنے ربّ کے روشن راستے پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہے، اور تم اسے دیکھتے نہیں۔ کیا ہم تمہیں مجبور کر سکتے ہیں، اور تمہیں اس سے کراہت ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: غور طلب بات یہ ہے، کہ جو کچھ تم نے کیا، اس کی سند تمہارے پاس نہیں ہے۔ حق کا راستہ روشن راستہ ہے۔ گمراہی کا راستہ ظلمات کا راستہ ہے۔ میں اپنے ربّ کے روشن راستے پر ہوں۔ اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل مجھے کچھ عزیز نہیں ہے۔ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے اپنا حق ادا کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے ردِّ عمل کو دیکھنے کے باوجود میں حق

کی ادائیگی تاحکم الٰہی کرتا رہوں گا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ میں کون ہوں، اور اس کی میرے پاس سند ہے یا نہیں، کیا کہتا ہوں اور جو کہتا ہوں، اس میں تمہارے لئے فلاح کی ضمانت ہے یا نہیں، جس سے منع کرتا ہوں اس سے رک جانے میں تمہارا بھلا ہے یا نہیں۔ مگر تم یہ دیکھتے ہی نہیں۔ ہم تمہیں یہ دیکھنے کی دعوت تو دے سکتے ہیں، مگر تمہیں مجبور نہیں کرسکتے۔ تمہیں اپنی پسند کے خلاف بات سننا ہی گوارا نہیں ہے۔

حاصل: سامعین کی طرف سے اپنے دعوے کے درست ہونے کی سند پیش نہ کی جاسکے، تو پھر انہیں بات کرنے والے کی صداقت کی نشانیوں کو دیکھنا چاہیئے۔ یہ دیکھنا چاہیئے: کہ حق کو بیان کرنے والا یقین سے بات کرتا ہے۔ اس کا عمل لوگوں کے ردعمل سے بندھا ہوا نہیں ہوتا، اور اسکی دعوت میں فلاح کی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ زاویۂ نگاہ کے اختیار کرنے میں انسان پر جبر نہیں۔ جو اپنی پسند کے علاوہ کچھ سننے کو تیار نہ ہو، وہ حقائق کو نہیں پا سکتا۔

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر مال کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ پر ہے اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں۔ بے شک وہ اپنے ربّ سے ملنے والے ہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ارشادات کو سن کر یہی جانا، کہ کسی مالی منفعت کے لئے حضرت کوشاں ہیں، یا جاہ وحشمت ان کا مقصود ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، جس وحدہٗ لاشریک کے حکم پر میں سب کچھ کرتا ہوں، اس سے بہتر اجر کوئی نہیں دے سکتا۔ دوسری بات یہ ہے، کہ میرا اتباع کرنے والے تمہیں انتہائی رذیل نظر آتے ہیں، اور تم یہ چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو دور کردیا جائے، تاکہ تم کو ان کے ساتھ بیٹھنے سے ہتک محسوس نہ ہو، یہ بات بھی نہیں مانی جاسکتی۔ میرے پاس ان لوگوں کا آنا رضائے الٰہی کے لئے ہے۔ یہ لوگ اپنے ربّ سے ملنے پر یقین رکھتے ہیں، اور یہاں اصلاح حال کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ انہیں ہدایت مطلوب ہے۔ تم ان کے افلاس یا پیشے کی وجہ سے انہیں انتہائی حقیر جانتے ہو، یہ بڑی جہالت کی بات ہے۔ میرے لئے تو اسی کی آمد باعث راحت ہوگی، جو حق کو پانے کے لئے میرے پاس ارادت سے آئے گا۔ اس کی مالی حیثیت سے مجھے کیا غرض ہوسکتی ہے۔ اس کے پیشے سے مجھے کیوں کراہت ہو جبکہ خلق خدا اس سے بہت فوائد حاصل کر رہی ہو۔ جس کا آنا میرے کام کے حوالے سے نہ ہو، جس کے لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے، وہ میرے لئے کیسے باعث راحت ہوسکتا ہے۔

حاصل: جس کی بات اللہ کی رضا کے لئے ہو، اس کا اجر ہمیشہ اللہ پر ہوتا ہے، وہ کسی سے مانگنے والا نہیں ہوتا۔ ہدایت کے طالب کی مالی حیثیت اور اس کا پیشہ کچھ بھی ہو، ہادی کو عزیز ہوتا ہے۔ جہالت یہ ہے کہ مفاد بھی ہمارا ہو، اور شرطیں بھی ہم لگائیں، علیم مطلق کے علم کے مقابل اپنی بے علمی کا مظاہرہ کریں اور شرم بھی محسوس نہ ہو۔

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور اے قوم مجھے اللہ سے کون بچائے گا اگر میں انہیں دور کردوں گا۔ کیا دھیان نہیں کرتے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا: اے قوم، تم لوگوں کو یہ عزیز ہے، کہ میں اپنا اتباع کرنے والوں کو جو ناداری کی وجہ سے تمہیں بہت حقیر نظر آتے ہیں، اپنے ہاں سے دور کردوں، اور شرفاء کے لئے ماحول کو پسندیدہ بناؤں۔ اگر رضائے الٰہی کے خلاف طالبان ہدایت کو دور کردیا جائے، تو مجھے میرے عمل کی جزا سے کون بچا سکے گا۔ اللہ تو ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ تم لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کے لئے بھی مجھے وہی راستہ اختیار کرنا ہے، جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ جب تمہارے اعمال کی جزا سے میں تمہیں ڈراتا ہوں، تو اپنے اعمال کی جزا سے غفلت ناممکن ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔

حاصل: شرفاء اگر حق کی بات سننے کے لئے ایسی شرط لگائیں، جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، تو انہیں کہنا چاہئے، جزا پر یقین رکھنے والا، خلافِ حق نہیں کرسکتا۔ دھیان کرنے والے کو ممکن اور ناممکن کے درمیان امتیاز کرنا چاہئے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہ میں غیب کا بڑا جاننے والا ہوں۔ اور نہ مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور میں نہیں کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، اللہ ان کو خیر عطا نہیں کرے گا۔ اللہ سب سے بڑا جاننے والا ہے، جو ان کے دلوں میں ہے۔ میرے لئے ایسا کہنا یقیناً ظلم ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم سے فرمایا، میرے ساتھ مکالمات میرے دعوے کے حوالے سے ہونے چاہئیں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے، کہ اللہ کے خزانے میرے پاس ہیں، لہٰذا تم وسعت مال کے حوالے سے میری فضیلت کا اعتراف کرو۔ غیب کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ ہے، اور میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں غیب کا اعلم ہوں۔ مجھے وہی علم ہوتا ہے جو اللہ مجھے عطا فرماتا ہے۔ میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں فرشتہ ہوں، اور حدود بشریت سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر تمہاری اس بات کے ساتھ میں کبھی اتفاق نہیں کروں گا، کہ میرا اتباع کرنے والے حضرات دل سے میرے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، مگر ان کی قلبی کیفیات کو اللہ خوب جانتا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مفلس وفادار لوگوں کو اللہ خیر و برکت سے نہیں نوازے گا، میں اس بات کو غلط جانتا ہوں۔ ان ایمان والوں کی موجودہ کیفیات قلبی پر شک کرنا اور انہیں انعامات الٰہی کے لئے نااہل سمجھنا، یقیناً ظلم ہے، اور یہ میرے لئے ممکن نہیں۔

حاصل: جواب ہمیشہ دعوے کے حوالے سے ہو، تو برمحل ہوگا، ورنہ بے موقعہ ہوگا۔ مفلس وفادار ایمان والوں کو بدباطن کہنا اور انہیں مقہور جاننا قطعاً ظلم ہے۔ اللہ کے فیصلے اس کے اپنے علم سے ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

کہنے لگے اے نوح (علیہ السلام) آپ ہم سے جھگڑے، پھر بہت ہی جھگڑے، تو لے آیئے جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہیں، اگر آپ سچے ہیں۔

منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا کہ آپ نے ہمیں اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔ ہمیں المناک عذاب کا ڈر سنایا۔ آپ نے ان انتہائی رذیل لوگوں کو بھی اپنے ہاں سے دور نہیں کیا، جن کی آپ کے پاس موجودگی ہمیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ آپ نے ہمارے ساتھ جھگڑے کی حد کر دی ہے۔ اب مزید باتوں سے کیا حاصل ہوگا۔ آپ اپنی صداقت کا ثبوت یہی دیجئے، کہ جس عذاب سے آپ اپنی قوم کو ڈرا رہے ہیں، وہ عذاب لے آیئے۔ اس جواب میں جہالت کا پہلو یہ ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کا یہ ثبوت سامنے آنے پر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہوگا، اور اس وقت آپ کی صداقت کو تسلیم کرنا نافع نہیں ہوگا۔ خسارے میں پڑتے وقت جبکہ اس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہوا گر حق کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے، تو یہ انتہائی جہالت کی بات ہوگی۔

حاصل: منکرین حق جب ناصح سے عذاب لا کر اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے کہیں، تو یہ ان کی انتہائی جہالت ہوتی ہے، کہ ایسے وقت میں حق کو ماننے کا اعلان جبکہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ہی ختم ہو چکا ہو، کبھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

فرمایا: وہ تو اللہ تم پر لائے گا، اگر چاہے گا، اور تم عاجز نہیں کر سکو گے۔

منکرین حق نے حضرت نوح علیہ السلام سے عذاب لانے کو کہا، تو آپ نے فرمایا: عذاب لانا، اللہ کا کام ہے۔ اس کے لانے کا وقت، عذاب کی نوعیت، اس کی شدت، اس کا عرصہ، اور وہ حدود جن میں عذاب کو اثر انداز ہونا ہے، یہ امور اللہ کے علم مطلق کے تحت ہوتے ہیں۔ اس کی مشیّت کو روک دینا، ناممکن ہے۔ عذاب الٰہی کا لانا اور اس کا خاتمہ دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرے میں نہیں آسکتے، اس لئے اللہ کو عاجز کرنا ناقابل تصور ہے۔

حاصل: عذاب الٰہی کا لانا، اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اس کا خاتمہ بھی اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ جس قوت والے قادر مطلق کی طرف سے عذاب آتا ہے، اسی کی دی ہوئی توفیق سے اس کا سامنا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ﴿۳۴﴾

اور میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی، اگر تمہیں انتہائی نصیحت بھی دینا چاہوں، جبکہ اللہ تمہاری گمراہی چاہتا ہو۔ وہی تمہارا ربّ ہے، اور اسی کی طرف مراجعت کرو گے۔

نزول عذاب کی استدعا کرنے والوں سے یہ فرمایا گیا، کہ تم لوگ ضد میں اس قدر سخت ہو گئے ہو، کہ میری نصیحت تمہیں نفع نہ دے گی۔ نصیحت اسے نفع دیتی ہے، جو ناصح کو عبدیت کا بہترین نمونہ جانتے ہوئے، اس سے محبت رکھے۔ اپنی ناقص صفات کو چھوڑتا جائے، اور ناصح کی اکمل صفات کو اپناتا چلا جائے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرے۔ انتہائی نصیحت میں سب سے بڑا نصیحت دینے والا، اختصار کے ساتھ سامعین کو وہ سب کچھ بتا دیتا ہے، جو بشارت و انذار کے اعتبار سے اسے بتانا چاہئے۔ اللہ اسے گمراہ کرتا ہے، جو عاقلانہ رویئے کو چھوڑ کر خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا لے۔ اللہ خوب جانتا ہے، کون کس مقام پر ہے۔ کون نصیحت سے فائدہ اٹھائے گا، کون اس

سے کراہت کا اظہار کرے گا۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کا جانا ہوگا۔ نہ آنے میں کسی کی پسند کو دخل تھا، نہ جانے میں کسی کی پسند کو دخل ہوگا۔ بھلائی اسی میں ہے کہ حیات دُنیا کے اس حصے کو جس میں شعور پر شرع لاگو ہوتی ہے، حق کے مطابق گزارا جائے۔

حاصل: جو لوگ عاقلانہ رویئے کو چھوڑ کر حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیں وہ گمراہی کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔ انہیں نصیحت نفع نہیں دیتی۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف مراجعت بھی ہوگی۔ جب یہ مان لیا جائے، تو پھر من مانی کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ع ۳ ۱۱ ۲

کیا یہ کہتے ہیں کہ خود ہی گھڑ لیا ہے۔ فرما دیجئے: اگر میں نے گھڑ لیا ہوگا، تو میرا جرم مجھ پر ہوگا، اور میں تمہارے جرم سے الگ ہوں۔

قرآن پاک کے متعلق مکذّبین نے یہ کہا، کہ یہ حضرت صاحب کا اپنا افتریٰ ہے، اللہ کا فرمان نہیں۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے اور میں اسے اللہ کا فرمان کہہ کر پیش کر رہا ہوں، تو یہ انتہائی جرم ہے، اور جزا پر یقین رکھنے والے سے اس جرم کا ارتکاب ممکن نہیں۔ مکذّبین اسے انسان کا کلام کہتے تو ہیں، مگر انفرادی یا اجتماعی کوشش سے بھی اس کی مثل پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک کے اعجاز کو دیکھنے کے بعد بھی مکذّبین اُسے مفتری ہی کہیں تو یہ جرم ہے، اور مجرمین کو ان کے جرم کی جزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ قرآن پاک کی حقانیت کو روشن کرنے والے کا مکذّبین کے جرم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

حاصل: اپنی بنائی ہوئی بات کو، اللہ کا فرمان کہنا انتہائی جرم ہے، اور مجرم اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین نہیں رکھتے۔ قرآن پاک کے اعجاز کو روشن کرنے والے کا مکذّبین کے جرم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف (۴۳) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَ مَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷۶﴾ بے شک مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ وہ کبھی ان پر سے ہلکا نہ پڑے گا۔ اور وہ اس میں بے آس رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا، ہاں وہ خود ہی ظالم تھے۔

وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی، آپ کی قوم سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر جو لا چکے، تو آپ ان کے کاموں پر غم نہ کھائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب نزول عذاب کی استدعا کی، اور اسی نشانی کو آپ کی صداقت کا ثبوت ٹھہرا لیا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام پر وحی فرمائی گئی، کہ آپ کی قوم سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ جو اب تک آپ پر ایمان لا چکے ہیں، ان

میں اضافہ نہیں ہوگا۔ منکرین اب اصلاح کو قبول کرنے کی حد سے گزر چکے ہیں۔ ان کے افعال کو آپ اس نظر سے دیکھئے، کہ یہ لوگ اپنے کیئے کے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ آپ نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اب ان کے بارے میں آپ کو غم نہیں ہونا چاہیئے۔

حاصل: نزولِ عذاب کو جب منکرین نے حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کی نشانی کے طور پر طلب کیا، تو آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا، کہ اب ماننے والوں میں اضافہ نہیں ہوگا، آپ جان لیجئے کہ یہ اپنی مطلوبہ نشانی کو جلد ہی دیکھ لیں گے۔ جو اصلاح کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو اور اصلاح کو قبول نہ کرے، اس پر غم ہونا چاہیئے۔ جو اس حد سے گزر جائے، اس پر غم نہیں ہونا چاہیئے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور کشتی بنایئے ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے اور ظالموں کے متعلق مجھ سے بات نہ کیجئے، بیشک وہ غرق ہوں گے۔

اس اعلان کے ساتھ کہ آپ کی قوم سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہوگا، حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا۔ واضح فرمایا گیا کہ بنوانے والا صانع حقیقی جہاں بنانے کو کہے، اسی جگہ بنایئے، اور حکم کے مطابق بناتے چلے جایئے۔ آپ کے پاس منکرین حق کے متعلق اب کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا۔ ان کا انجام یہ ہے، کہ یہ غرق کر دیئے جائیں گے۔ اب ان کے لئے بھلائی کی دعا کرنا بے محل ہوگا۔ عذاب الٰہی کو طلب کر کے انہوں نے اللہ کے ساتھ اپنی عداوت کا اعلان کیا ہے، اور اللہ کے دشمنوں کے لئے وہ جو بھی ہوں، آپ کو اللہ سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔

حاصل: مقام تعمیر کا انتخاب بنوانے والا کرتا ہے۔ مصنوع کا استعمال بنوانے والے کے علم میں ہوتا ہے اس لئے اس کے حکم کو ماننا لازم ہے۔ ظالموں کے انجام سے آگاہی ہو جائے تو یہ خاموشی کا مقام ہے اور خاموشی کے مقام پر بولنا منع ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۗ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور آپ کشتی بناتے تھے، اور جب آپ کی قوم کے سرداروں کا آپ پر گزر ہوتا تو وہ آپ سے تمسخر کرتے تھے۔ فرمایا: اگر تم ہم پر ہنستے ہو، تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے، جیسے تم ہنس رہے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ایسے مقام پر کشتی بنانے کا حکم ہوا، جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔ جب سرداران قوم وہاں سے گزرتے تھے، تو وہ آپ پر ہنستے تھے، کہ اتنی بڑی کشتی بنا رہے ہیں، جس کے استعمال کا مقام نظر نہیں آتا۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ آج تم اس بات پر ہنس رہے ہو، کہ اتنی بڑی کشتی چلے گی کہاں، اور یہ لاحاصل کام کیوں کیا جا رہا ہے۔ جب یہ پانی پر تیرتی نظر آئے گی، تو ہم تم پر ہنسیں گے اور کہیں گے، کہ جس کشتی کا بنانا تمہارے نزدیک لاحاصل تھا، جس کا محل استعمال تمہیں نظر نہیں آتا تھا وہ تمہارے سامنے تیر رہی ہے۔

حاصل: سردار اپنی عقلمندی کا ثبوت دینے کے لئے اس کام کا مذاق اڑاتے ہیں، جو کام ان کے نزدیک لاحاصل ہو۔ مستقبل پر نظر رکھنے والا جو کچھ کرتا ہے کم نظروں کو اس کی ضرورت حال پر نظر نہیں آیا کرتی، اس لئے وہ اس کے کام پر

ہنس رہے ہوتے ہیں۔ جب اس کام کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے، تو وہ کام کرنیوالے کم نظروں پر ہنس رہے ہوتے ہیں۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

تو جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا، کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے، اور اترتا ہے وہ عذاب کہ اس پر قائم رہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مکذبین کے مذاق کے جواب میں ارشاد فرمایا، کہ جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا، کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے۔ اور وہ رسوا کرنے والا عذاب تمہارے خاتمے تک تم پر قائم رہے گا۔ مکذبین حق ان آسائشوں کو جو انہیں دیکھنے کے لئے دی جاتی ہیں، کہ وہ انہیں کیسے استعمال کرتے ہیں، اپنے نیک ہونے کا ثبوت جانتے ہیں، اور ناداری کو بدبختی جانتے ہیں، اس لئے ناداروں کو بھلا ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ عذاب جس کے بعد اصلاح کے اختیار کرنے کی مہلت موجود ہو، راہ خیر کی طرف دھکیلنے کا ذریعہ بنتا ہے، اور وہ عذاب جس کے بعد اصلاح کو اختیار کرنے کی مہلت نہ دی جائے، عذاب مقیم ہوتا ہے۔

حاصل: حیات دُنیا کی آسائشیں کسی کے نیک ہونے کی سند نہیں ہوتیں۔ عذاب الٰہی سے ہی رسوائی ہوتی ہے۔ جس عذاب کے بعد اصلاح کے اختیار کرنے کی مہلت نہ ہو وہ عذاب، عذاب مقیم ہوتا ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

حتیٰ کہ ہمارا امر آیا، اور تنور اُبلا، ہم نے فرمایا: اپنے ساتھ اس میں ہر جنس سے جوڑا سوار کرلیجئے، اور اپنے اہل کو مگر جن پر پہلے بات ہو چکی ہے، اور ایمان والوں کو۔ اور آپ کے ساتھ ایمان والے قلیل ہی تھے۔

عذاب کی ابتدا جس نشانی سے ہونی تھی وہ حضرت نوح علیہ السلام کو معلوم تھی، اور وہ یہ تھی کہ زیر زمین پانی کی سطح اتنی اونچی ہوجائے گی، کہ تنور سے پانی ابلنے لگے گا۔ جب یہ نشانی حضرت نے دیکھی، تو پوچھا یا اللہ اب کیا کرنا ہے۔ اس پر فرمایا گیا: جانور آپ کے پاس حاضر ہورہے ہیں، آپ ان میں سے ہر جنس کا ایک جوڑا 'ایک نر اور ایک مادہ' اپنے ساتھ سوار کرلیجئے۔ اپنے گھر والوں کو اس میں سوار کرلیجئے، مگر جن پر پہلے بات ہوچکی ہے، اُن کو سوار نہ کیجئے۔ یہ آپ کی بیوی تھی جس کے متعلق بات پہلے ہوچکی تھی۔ اور ایمان والے حضرات کو اور ایمان والی خواتین کو اپنے ساتھ سوار کرلیجئے۔ یہ ایمان والے لوگ تھوڑے ہی تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں پاک بندوں کو اور انسانی زندگی کے لوازمات کو قائم رکھنے کے لئے ہر جنس کے جانوروں کو سوار کرلیا گیا۔ انہی پاک لوگوں کی ذریت سے پھر جہان آباد ہوا، اور انہی جانوروں کی نسل سے انسانی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

حاصل: عذاب الٰہی کی ابتدا کسی واضح نشانی سے ہوتی ہے۔ بندوں کی ضروریات میں بلاواسطہ یا بالواسطہ استعمال ہونے والی اشیاء کا اہتمام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے علم مطلق کی یہ شان ہے، کہ بندوں کو جو کچھ درکار تھا، اس کا بندوبست پہلے کیا ہے، تاکہ بعد از عذاب زندگی کا معمول اپنے لوازمات کے ساتھ جاری رہے۔

قرأ حفص بفتح الميم وامالة الراء ۱۲

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اور فرمایا: اس میں سوار ہو جاؤ۔اللہ کے نام پر ہے،اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔بے شک میرا ربّ بخشنے والا،رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے جوآپ پر ایمان لائے تھے،فرمایا: عذاب الٰہی کی ابتدا ہو چکی ہے۔تم لوگ اللہ کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔یہ اللہ کے نام پر چلتی رہے گی۔جب ٹھہرانا مقصود ہوگا،تو اللہ کے نام پر ہی ٹھہر بھی جائے گی۔قادر مطلق کی طرف سے مقرر کردہ حدود کا احترام کرنے کی وجہ سے تم لوگ محفوظ رہو گے۔تم لوگوں کی بھول کو اللہ بخش دے گا،اور تم پر رحم فرمائے گا،اور سلامتی کے ساتھ تمہیں سب مقامات سے گزار دے گا۔

حاصل: خطرے کے وقت شاہد کی شان یہی ہوتی ہے،کہ وہ اپنے ساتھیوں کو سنبھالا دے۔اللہ کی بخشش اور رحمت کے سہارے ہی تمام مقامات سے سلامتی کے ساتھ گزرنا ممکن ہوتا ہے۔ہر عمل کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ قف وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور وہ انہیں پہاڑ جیسی موجوں میں لئے جا رہی تھی،اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو پکارا،اور وہ کنارے ہو رہا تھا،اے میرے بیٹے،میرے ساتھ سوار ہو جا،اور کافروں کے ساتھ نہ مل۔

پہاڑ جیسی بلند موجوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی چلی جا رہی تھی،اور طوفان کے عذاب سے بچنے کی کوشش میں کافروں کو جگہ نہیں مل رہی تھی،اور وہ بلند جگہوں کی طرف دوڑ رہے تھے۔حضرت نوح علیہ السلام کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی،جو اپنی کافر ماں کے زیر اثر تو تھا ہی مگر حضرت کی مخالفت جلوت میں نہیں کرتا تھا۔آپ نے اسے آواز دی: اے میرے بیٹے میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا،اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے،کہ یہ ساتھ تجھے ہلاک کر دے گا۔

حاصل: جو بندوبست امر الٰہی کے مطابق ہو،وہ بہر حال ٹھیک رہتا ہے۔مصیبت کے وقت ان لوگوں کو بھی سنبھالنے کی کوشش کرنی چاہئے،جو جلوت میں مخالفت نہ کرتے ہوں۔انہیں ان کے مقام اور آئندہ خطرات سے آگاہ کرنا چاہئے۔

قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

کہنے لگا: ابھی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں،وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔فرمایا: آج کے دن اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں،مگر جس پر وہ رحم کرے۔اور ان کے درمیان موج حائل ہو گئی۔تو وہ غرق ہونے والوں میں ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ندا کے جواب میں بیٹے نے یہ کہا، طوفان تو اپنی جگہ ہے، مگر میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا، اور اس طرح پانی کے عذاب سے بچ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: آج کے دن اللہ کے امر سے بچانے والا کوئی نہیں۔ آج کوئی مقام کسی انسان کو بچا نہیں سکتا۔ ہاں اللہ کسی پر رحم کرے تو وہ مالکِ کل ہے۔ اسی اثنا میں ان کے مابین طوفانی موج حائل ہوگئی، اور پہاڑ کی پناہ لینے کی کوشش کرنے والا غرق ہوگیا۔ عذاب الٰہی کا وقت محدود ہوتا ہے۔ اس وقت میں خلافِ حق بات کرنے والے کو فوراً گرفت میں لے لیا جاتا ہے، اور منکر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

حاصل: منکر حق کو ناصح سے محبت نہیں ہوتی، اس لئے وہ اسباب دُنیا میں الجھا رہتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے احاطے سے کچھ بھی باہر نہیں ہے، اس لئے کوئی مقام اپنی ذاتی حیثیت میں کسی کو بچا نہیں سکتا۔ اللہ کسی پر رحم کرے تو وہ مالکِ کل ہے۔ عذاب کے دوران خلافِ حق کلمات پر فوراً گرفت ہوتی ہے۔

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور فرمایا گیا: اے زمین اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان تھم جا۔ اور پانی سکھا دیا گیا۔ اور کام تمام ہوا۔ اور کشتی جودی پر ٹھہری۔ اور فرمایا گیا، دور ہوں ظالم لوگ۔

منشاء عذاب پورا ہوگیا، منکرین حق ہلاک ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنا پانی نگل لینے کا حکم دیا، اور آسمان کو تھم جانے کا حکم دیا۔ بارش رک گئی، اور پانی خشک ہوتے ہوتے زمین پر معمولات زندگی کے بحال ہونے کی صورت پیدا ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری، اور ظالموں کا کام تمام ہونے پر فرمایا گیا: دور ہوں ظالم لوگ۔ جودی کی چوٹی پر کشتی کا ٹھہرنا اس امر کو واضح کرتا ہے، کہ طوفان کی انتہائی سطح کیا تھی، اور ظالموں کے مٹانے کا اللہ تعالیٰ نے کیا بندوبست کیا تھا۔

حاصل: زمین اور آسمان، اللہ کے احکام کو مانتے ہیں، جیسے انہیں ماننا چاہئے۔ سیلاب کی انتہائی سطح کو ریکارڈ کرنا چاہئے۔ ظالم لوگوں کے ساتھ سے بچنا ضروری ہے، کہ انہیں اللہ کی رضا کے مقابل من مانی عزیز ہوتی ہے، اور یہ ہلاکت کی راہ ہے۔

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے ربّ کو پکارا، تو عرض کی: اے میرے ربّ، میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ حق ہے، اور تو سب حاکموں سے بڑا حکم والا ہے۔

بیٹے کے غرق ہونے کا منظر دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ربّ کو پکارتے ہوئے عرض کی: اے میرے ربّ، تیرا وعدہ تھا کہ تو میرے اہل کو میرے ساتھ کی بدولت عذاب سے بچالے گا۔ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے، اور تیرا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ تجھ سے بڑا حکم دینے

والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ تیرا حکم کسی بھی مقام پر اس کے لئے باعث حیات ہو سکتا ہے۔ منشا یہ معلوم کرنا تھا، کہ بیٹے کو نجات نہیں ملی، اللہ ہی اس امر کو روشن کر سکتا ہے کہ اہل میں ہونے کے باوجود وہ نجات پانے والوں میں کیوں نہیں ہوا، اور اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

حاصل: حضرت نوح علیہ السلام علم الٰہی کے حوالے سے اپنے بیٹے کے متعلق جاننا چاہتے تھے، کہ وہ نجات پانے والوں میں کیوں نہیں ہوا، اور اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ اگر وہ بیٹا واضح طور پر کافروں کے ساتھ ہوتا، تو اس کے متعلق یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا تھا، کہ وہ میرے اہل سے ہے۔ بیوی بھی تو اہل سے تھی مگر اس کے متعلق بات پہلے واضح ہو چکی تھی۔

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ‌ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَـيۡسَ لَـكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۴۶﴾

فرمایا: اے نوح (علیہ السلام) وہ آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔ وہ سوال نہ کیجئے جس کا آپ کو علم نہیں۔ میں آپ کو وعظ کرتا ہوں کہ جذبات سے مغلوب مت ہو جایئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ جواب دیا گیا، کہ غرق ہونے والا بیٹا آپ کے اہل سے نہیں ہے۔ وہ عملاً غیر صالح ہے۔ صالح اور غیر صالح کے درمیان علم الٰہی کے مطابق ایک وقت کے بعد وقف لازم کا مقام آ جاتا ہے۔ حق کے ماننے میں صالح کا رویہ سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا کا ہوتا ہے، اور غیر صالح کا رویہ حق کو سن کر انکار کرنے کا ہوتا ہے۔ اس لئے غیر صالح اگر صالح سے صلبی تعلق بھی رکھتا ہو، تو فیصلے کے وقت غیر صالح اپنے کافرانہ رویئے کی وجہ سے دور جا پڑے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے علم میں یہ بات نہیں تھی، کہ وہ بیٹا عملاً غیر صالح ہے۔ کشتی میں سوار ہو جانے کی دعوت کے جواب میں اس کا یہ کہنا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا، آپ کو ضرور برا لگا، مگر آپ نے اس بات کے پیچھے اس کی بے علمی کو دیکھا، اور یہ سمجھا کہ میرے اہل سے یہ غلطی ہوئی ہے، کہ اس نے ذریعہ نجات کے انتخاب میں میری ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعظ فرمایا گیا کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جانے کی صورت آپ کو زیب نہیں دیتی۔ آپ کے بیٹے کا راستہ آپ سے الگ تھا۔ وہ خود کو آپ کے اہل سے الگ کر چکا تھا۔ اسی لئے انجام کے وقت آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا۔

حاصل: غیر صالح، عملاً خود کو صالح سے الگ کر لیتا ہے، اور اپنے کیئے کے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ سوال علم سے ہونا چاہئے۔ اللہ کا فرمان یہی ہے، کہ بات ہمیشہ حق کے حوالے سے ہو، اور جذبات حق کے تابع رہیں۔ صرف جذبات کے حوالے سے بات ہوگی تو جہالت کا امکان ضرور ہوگا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۴۷﴾

عرض کی اے میرے ربّ، میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اس سے کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خسارے والوں میں ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو سن کر فوراً اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا، اور یہ کہا اے میرے ربّ مجھے علم نہیں تھا، کہ میرا بیٹا میرے اہل سے نہیں ہے۔ اس کے واسطے میں نے جو مانگا وہ مجھے نہیں مانگنا چاہئے تھا۔ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، کہ کبھی وہ مانگوں جس کا مجھے علم نہ ہو۔ تیری بخشش میرے شامل حال نہ ہو، تیرا رحم میرے شامل حال نہ ہو، تو میرے لئے خسارے سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ سوال علم سے ہو، تو امر مطلوبہ کے ہر حصے کے بارے میں یہ یقین ہونا چاہئے کہ وہ حق کے مطابق ہے۔ اگر ظاہری کیفیات کے حوالے سے بات کی جائے، اور کسی کے اخلاص کی نشانیاں دیکھے بغیر شہادت دی جائے، تو جذبات کا غلبہ علم سے دور رکھے گا۔ علیم مطلق کے سامنے بات کرتے ہوئے اپنی کم علمی کا اعتراف پہلے ہونا چاہئے، اس کے بعد اپنے مشاہدے کو بیان کرنا چاہئے۔ دعائے خیر اسی کو فائدہ دے گی، جس کا رخ درست ہو، اور جو منیب ہو۔

حاصل: اللہ کی پناہ میں ہونے کا اظہار کرتے رہنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے، کہ علیم مطلق کا ہر کام قطعاً علم سے ہوتا ہے۔ امر مطلوبہ میں اپنے جذبات کو غالب نہیں ہونے دینا چاہئے، ورنہ بات علم سے نہیں ہوگی۔ خطا کا احساس ہو جائے تو فوراً اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہئے، اس کا رحم مانگنا چاہئے، یہی عباد مخلصین کی طریقت ہے۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ط وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿۴۸﴾

فرمایا گیا، اے نوح (علیہ السلام) ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتریئے۔ اور آپ پر برکات ہوں، اور ان امم پر بھی جو آپ کی معیت میں ہیں۔ اور کچھ امم ہیں جنہیں ہم متاع دیں گے، پھر انہیں ہماری طرف سے المناک عذاب پہنچے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی۔ کشتی کوہ جودی پر ٹھہری، اور فرمایا گیا: اے نوح علیہ السلام سلامتی کے ساتھ زمین پر اتریئے۔ زمین جو طوفان سے اجڑ گئی ہے، اس کا اجڑنا آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے مسائل نہیں پیدا کرے گا۔ سلامتی کے ساتھ تمام مراحل طے ہوتے جائیں گے۔ آپ پر اللہ کی برکات ہیں۔ آپ کے ساتھیوں پر بھی اللہ کی برکات ہیں۔ ان برکات کی وجہ سے آپ کے لئے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے آسانیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ مرکز برکات نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا۔ آپ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے الفاظ میں برکت تھی۔ آپ کے کئے ہوئے ہر کام میں برکت تھی۔ آپ کے علم میں برکت تھی۔ جس نے بھی آپ کے علم کے نور سے فائدہ اٹھایا، اس کی مشکلات، آسانیوں میں بدل گئیں۔ یہ آگاہی بھی حضرت نوح علیہ السلام کو دی گئی، کہ اب اس طرح کی عمومی ہلاکت زمین پر نہیں آئے گی۔ کچھ فرقے ایسے ضرور ہوں گے، جنہیں ہم متاع دیں گے، اور ان کے خلاف حق کرنے کی وجہ سے انہیں المناک عذاب بھی پہنچے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی نظر نے جس ہولناک تباہی کو دیکھا تھا، اس کے پیش نظر یہ بات آپ کے لئے باعث راحت تھی، کہ اب قیامت تک ایسا موقعہ نہیں آئے گا۔

حاصل: سلامتی اور برکات، دائمی پاک دامنی کے ساتھ رہنے کے انعامات ہیں۔ یہ انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ برکات کو ہمیشہ شاہد کی معیت کی بدولت دیکھنا چاہئے۔ آنے والی نسلوں کی بھلائی کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے، اور حال پر ممکنہ سعی بھی کرنی چاہئے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۴۹ ع

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ نہ آپ کو ان کا علم تھا اور نہ اس سے قبل آپ کی قوم یہ جانتی تھی۔ تو صبر کیجئے، بے شک عاقبت متقین کے لئے ہے۔

امم سابقہ سے تعلق رکھنے والے حقائق غیب کی خبریں ہیں۔ نبیٔ اُمّی کی زبان سے ان احوال کا بیان ہونا، جو نہ آپ کے علم میں تھے، نہ آپ کی قوم اس سے پہلے انہیں جانتی تھی، یہ ثابت کرتا ہے، کہ علیم مطلق آپ کو علم عطا فرماتا ہے جو ماضی، حال، مستقبل کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔ علیم مطلق کا فرمان یہ ہے، کہ مخالفین کے رویئے پر صبر کرنا حق ہے۔ صبر یہ ہے، کہ اپنا حق تبلیغ ادا کرنے کے بعد منکرین حق کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں کو باذن اللہ جانا جائے اور اصلاح کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے لئے جو مہلت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے، اس میں ان کی بہی خواہی کا عمل جاری رہے۔ انجام بہرحال متقین کا ہی اچھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کی وجہ سے متقی لوگ ہی بامراد ہوا کرتے ہیں۔ متقی اللہ سے ڈرتا ہے، جیسے اسوۂ رسول کے مطابق اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ متقی کو یہ احساس رہتا ہے، کہ اس کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ کسی دوسرے کے اعمال کے لئے اسے فکر کیوں ہو۔

حاصل: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے ماضی سے تعلق رکھنے والی امم کے احوال کا بیان ہونا یہ ثابت کرتا ہے، کہ آپ کو اللہ نے اپنے علم سے نوازا۔ آپ کی بدولت آپ کی قوم کو بھی علم ہوا۔ مخالفین کے ساتھ اپنے عمل کو درست رکھنا اسی صورت میں ممکن ہے، کہ صبر کیا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۵۴ اور اپنے ربّ کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے مانو جیسے ماننے کا حق ہے، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۵۰

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔ فرمایا: اے قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نرے مفتری ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ذکر کے بعد قوم عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا، جو سنت الٰہی کے مطابق اسی قوم سے تھے، اور انہی کی زبان میں بات کرتے تھے۔ اللہ کی سنت سے بڑی حکمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس سے یہی روشن ہوتا ہے کہ تبلیغ حق میں اجنبیت کو کسی لحاظ سے بھی حائل نہیں ہونا چاہئے۔ آپ نے اپنی قوم کو خطاب کیا اور فرمایا: اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کے سوا، جس کی رضا کو تم مطلوب جانو گے، وہ قطعاً تمہاری گھڑی ہوئی بات ہوگی، وہ محض تمہارا افترٰی ہوگا، اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل: تبلیغ حق میں کسی درجے کی اجنبیت نہیں ہونی چاہئے۔ تبلیغ حق میں سنت انبیاء یہی ہے، کہ پہلے توحید کو بیان کیا جائے، اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کو مفتری کہا جائے۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اے قوم، میں اس پر تم سے اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو میرے پیدا کرنے والے پر ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم میں تمہیں جو نصیحت کر رہا ہوں، اس کے ساتھ میری طرف سے اجر کا کوئی سوال نہیں ہے۔ میں نہ حال پر تم سے کچھ مانگتا ہوں، نہ مستقبل میں تم سے کچھ مانگنے کا ارادہ ہے۔ یہ کام میں خالصتاً اللہ کے لئے کر رہا ہوں، جو میرا پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بہتر اجر کوئی نہیں دے سکتا۔ میری ضروریات جسمانی ہوں یا رُوحانی میرے پیدا کرنے والے سے بہتر ان کا کوئی جاننے والا نہیں، اور اس سے بڑا کوئی معطی بھی نہیں، اس لئے اپنے سننے والوں سے کسی چاہت کا سوال ہی کیوں پیدا ہوگا۔ جب تمہیں یہ نظر آ رہا ہے، کہ میری نصیحت کسی طمع پر مبنی نہیں ہے، تو پھر اس کا انکار کرنا یقیناً تمہارے لئے خسارے کا باعث ہوگا۔ اور عقل کی موجودگی میں خسارے سے بچنے کی کوشش ضروری ہوتی ہے۔

حاصل: نصیحت خالصہ کو طمع سے پاک ہونا چاہئے۔ اجر ربّ العالمین عطا کرتا ہے۔ اس سے بہتر کوئی اجر نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اجر ہر لحاظ سے پورا ہوتا ہے۔ عقل کی موجودگی میں خسارے سے بچنے کی کوشش ضروری ہوتی ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور اے قوم، اپنے ربّ سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، تم پر آسمان سے خوب بارش کرے گا اور تمہاری موجودہ قوّت کو بڑھائے گا، اور مجرمانہ روگردانی نہ کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے مصائب وآلام کے حوالے سے ان کو فلاح کا راستہ دکھایا، اور ان سے فرمایا کہ خشک سالی یقیناً تمہارے لئے بہت تکلیف دہ ہے، اور تمہاری اجتماعی قوت بھی ماند پڑ گئی ہے، اس کا حل یہ ہے، کہ تم لوگ اپنے ربّ سے بخشش طلب کرو، اور اس کی طرف رجوع کرو۔ استغفار اور رجوع الی اللہ ہونے کی تعلیم حضرت ہود علیہ السلام ہی دے سکتے تھے۔ کوئی اگر اپنی سمجھ سے استغفار کرتا رہتا، اور اپنی سمجھ سے رجوع الی اللہ بھی ہوتا رہتا، تو وہ حضرت ہود علیہ السلام کے علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ربّ العالمین سے استغفار یہ ہے، کہ حق کے حوالے سے اپنی خطاؤں کا واضح احساس ہو، ندامت کے ساتھ اعتراف کیا جائے کہ اے میرے ربّ میں خلافِ حق کرنے کی وجہ سے دکھ میں پھنس گیا ہوں، تو مجھے اس دکھ سے نکال لے۔ اس کی طرف رجوع کرنا یہ ہے کہ اس کے فرمان کی ادب سے اطاعت کی جائے، اور جو استغفار کا علم عطا کرنے والا ہے، جو رجوع الی اللہ ہونے کا طریقہ سکھاتا ہے، اس سے قدم آگے نہ بڑھایا جائے، اور اسے اپنی اصلاح حال پر شاہد بنایا جائے۔ استغفار سے ماحول سازگار ہو جاتا ہے، اور دکھ کی جگہ راحت

آ جاتی ہے۔رجوع الی اللہ ہونے سے قوت حاصل ہوتی ہے۔یہ قوت کسی دوسری صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی۔یہ قوت بدنی بھی ہوتی ہے،باطنی بھی ہوتی ہے۔مجرمانہ روگردانی یہ ہے،کہ دکھ کی شدت کا احساس تو ہو،مگر ناصح کی بات سن کر اس سے منہ موڑ لیا جائے،اور خلافِ حق عمل کو جاری رکھنے پر اصرار ہو۔

حاصل: استغفار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ماحول کو بابرکت بنا دیتا ہے،اور اصلاح کو قبول کرنے والے کو قوت دیتا ہے۔مجرمانہ روگردانی میں اپنے دکھ کا احساس تو ہوتا ہے،مگر ناصح کے دکھائے ہوئے راستے کو ضد سے مانا نہیں جاتا۔

قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

کہنے لگے: اے ہود (علیہ السلام) آپ ہمارے پاس کسی سند کے ساتھ نہیں آئے،اور ہم آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو ترک کرنے والے نہیں۔اور ہم آپ کو ماننے والے نہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ کی نصیحت کے جواب میں کہا کہ آپ ہمارے پاس کسی سند کے ساتھ نہیں آئے۔محض آپ کے فرمانے پر اپنے معبودوں کو ترک کر دینا ممکن نہیں۔اور اس امید پر ہم آپ کو ماننے والے نہیں،کہ جو کچھ آپ بتا رہے ہیں،اس کے ماننے سے ہماری خشک سالی اور کمزوری دور ہو جائے گی۔سند تو یہ ہو سکتی تھی،کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ پہلے ہو جاتا،اور ہم استغفار بعد میں کرتے رہتے،رجوع الی اللہ بعد میں ہوتے رہتے۔قوم کے منکر لوگوں کی بے ہودگی یہ تھی،کہ انہیں انعامات تو مطلوب تھے،مگر اپنا رخ درست کرنا منظور نہ تھا۔اور اگر انعامات رخ درست کرنے سے پہلے مل جاتے تو وہ اپنے غلط عقائد پر مزید سختی سے کاربند ہو جاتے۔حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد بڑی روشن سند تھی،کہ مدت کی خشک سالی،اور مدت کی کمزوری کے دور ہو جانے کی بشارت آپ کے فرمان میں موجود تھی۔وہ تبدیلی جو ماحول کو بدل دے،اور اجتماعی سلامتی کا باعث بنے،ہر دیکھنے والی آنکھ پر اثر رکھتی ہے۔اور اگر ایسی تبدیلی حضرت کے دعوے کے مطابق واقع نہ ہوتی،تو لوگ سند کے ساتھ آپ کا انکار کر سکتے تھے۔حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو شرک سے منع کیا تھا،قوم کے پاس مشرکانہ روش کو جاری رکھنے کی کوئی سند نہیں تھی۔

حاصل: راہ ہدایت دکھانے والے کی بات ہمیشہ سند سے ہوتی ہے۔جو ناصح کو طمع سے پاک دیکھے،اسے ناصح سے محبت ہو جاتی ہے،وہ شرک سے پاک ہو جاتا ہے،اور ایمان والا ہو جاتا ہے۔مشرک اپنی پسند کے اندھیرے میں رہتا ہے،اس لئے وہ حق کی سند کو دیکھ نہیں پاتا۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

ہم تو یہی کہتے ہیں،کہ ہمارے کسی معبود نے آپ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔فرمایا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ،کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

قوم نے اپنے معبودوں کو نہ ترک کرنے کا اعلان کر کے، حضرت ہود علیہ السلام سے یہ کہا، کہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ہمارے معبودوں کی اہمیت کا انکار کرنے کی وجہ سے آپ پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں، کہ آپ ہماری نظروں میں پہلے کی طرح واجب التکریم ہو جائیں، تو پھر آپ ہمارے معبودوں کو مانئے جیسے ہم مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: جس قادر مطلق نے مجھے ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے، اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ میں اس وحدہٗ لاشریک کو گواہ کرتا ہوں، اور تم سب لوگ بھی گواہ ہو جاؤ، کہ میں قطعاً ان سے بیزار ہوں، جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔

حاصل: منکرین حق کی بات سن کر اس کا جواب دینا چاہئے، اور جواب وہی ہونا چاہئے جس کی انبیائے کرام نے تعلیم دی ہے۔ مثلاً مشرکین کو یہی کہنا چاہئے، کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، تم گواہ رہو کہ میں نے تمہارے سامنے اس بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اللہ کے مقابل۔ تو میرے لئے تم سب جمع ہو کر اپنی کرنی کرو، پھر مجھ کو مہلت نہ دو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے منکرین حق سے یہ کہا، کہ اللہ کے مقابل جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، ان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ نفع اور ضرر باذن اللہ ہوتا ہے۔ تمہارے معبود تو تمہارے اپنے گھڑے ہوئے ہیں، اور انہیں تو ربوبیت کا دعویٰ ہی نہیں ہے۔ تم سب ان کے ساتھ مل کر میرے لئے جو کرنا ہو کرو۔ تمہاری تیاری تو انتہائی درجے کی ہوگی، اس کے مقابل مجھے مہلت بھی نہ دو۔ حضرت ہود علیہ السلام کا جواب یہ واضح کرتا ہے، کہ منکرین کی اجتماعی قوت کو، اور ان کے شرکاء کو آپ نے ہیچ کہا، اور ان پر واضح کیا کہ تم اپنے خیال کو درست ثابت کرنے کے لئے کہ تمہارے معبودوں نے مجھے متاثر کیا ہے، پورا زور لگاؤ اور مجھے بالکل مہلت نہ دو۔

حاصل: منکرین اور ان کے شرکاء کو اجتماعی کوشش سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کی دعوت دینا انبیاء کی طریقت ہے۔ صاحب حق کی طرف سے اس میں اپنی تیاری کے لئے کوئی وقت نہیں مانگا جاتا۔

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

میں نے اللہ پر توکل کیا، جو میرا اور تمہارا ربّ ہے۔ کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بے شک میرے ربّ کی راہ ہی سیدھی ہے۔

منکرین حق سے خطاب کرتے ہوئے، حضرت ہود علیہ السلام نے یہ فرمایا: میں نے اللہ پر توکل کیا، جو میرا اور تمہارا ربّ ہے۔ اللہ پر توکل یہ ہے، کہ اللہ کی عطا کو بہر حال علم سے دیکھا جائے اور پورا دیکھا جائے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ کوئی اس کو مانے یا نہ مانے مگر پالنے والا سب کا وہی ہے۔ کوئی چلنے والا نہیں مگر اس کی چوٹی اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتا۔ ہر چلنے والے کو وہی سنبھالتا ہے۔ اس لئے تمہیں کہاں تک مہلت دیتا ہے، یہ بھی وہی علیم مطلق جانتا ہے۔ میرے ربّ کا علم ہی سب سے بڑا علم ہے، اور اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ اس لئے کسی بھی نتیجے کے حصول کے لئے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ صراط مستقیم یہ ہے، کہ کسی پاک مقصد

کے حصول کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جائے، جس میں خواہش کی پیروی نہ ہو۔ میرے ربّ کا ہر کام اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا، اس لئے میرے ربّ کی راہ ہی سیدھی ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو پورا جاننا توکّل ہے۔ منکرین حق کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ وہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ انہیں سا کن کرنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی۔ اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ جو بھی فرماتا ہے، اس میں ماننے والوں کے لئے فلاح موجود ہوتی ہے۔ اس لئے فلاح کی راہ وہی ہے، جو علیمِ مطلق نے بتائی ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾

پھر اگر تم منہ پھیرو، تو بے شک میں تمہیں پہنچا چکا، جس کے ساتھ مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ اور میرا ربّ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، اور تم اسے کچھ ضرر نہ دے سکو گے۔ بے شک میرا ربّ ہر شے پر حفیظ ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم لوگ حق کو سن کر منہ پھیرو، تو میں یقیناً حق تبلیغ ادا کر چکا ہوں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے فرمایا گیا تھا، اس سے کچھ بہتر نہیں ہوسکتا، اور وہ سب رضائے الٰہی کے تحت تمہیں پہنچا دیا گیا ہے۔ اب تم جو راستہ اختیار کرو گے، اسی کی جزا پاؤ گے۔ اگر تم نے انکار کی راہ کو نہ چھوڑا، تو میرے ربّ کے لئے تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آنا قطعاً مشکل نہیں۔ نہ تم اس کی تدبیر کو بدل سکتے ہو، نہ تمہاری حیثیت اس کے سامنے کوئی معنی رکھتی ہے۔ اس کا علم اتنا وسیع ہے، کہ کسی بھی حال میں وہ کسی شے کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری بربادی کے حکم سے سب کچھ ختم نہیں ہوجائے گا، اللہ جنہیں بچانا چاہے گا انہیں یقیناً بچائے گا۔

حاصل: احکاماتِ الٰہی حال پر مسائل کا بہترین حل ہوتے ہیں۔ منکرین کی جگہ ماننے والوں کو لانے میں اللہ کو کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی۔ حکم خداوندی کے سامنے منکرین کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ محفوظ وہی ہے، جس کی اللہ حفاظت کرے، اور اللہ کو کسی بھی شے کی حفاظت کسی بھی حال میں کرنے کا علم ہوتا ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا امر آیا، ہم نے ہود (علیہ السلام) اور ان کی معیّت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور انہیں غلیظ عذاب سے نجات دی۔

منکرین کو عمل کے لئے جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہوگئی تو عذاب الٰہی نے ان کو گھیر لیا۔ یہ عذاب آندھی کی صورت میں آیا، جو سات رات اور آٹھ دن مسلسل چلتی رہی۔ اس آندھی نے منکرین کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ انہیں کہیں بھی پناہ نہ ملی۔ اپنے معبودوں کے جو نام بھی انہوں نے رکھے ہوئے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آئے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے نوازا۔ رحمت کا پردہ ان لوگوں پر محیط رہا، اور یہ عذاب غلیظ سے بچا لئے گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیم سے استفادہ کرنے والوں کو رحمت کا وہ پردہ نصیب ہوا، جس کے اندر رہنے والے سلامت رہے، اور جس کے باہر رہنے والے عذاب الٰہی سے برباد ہوگئے۔

حاصل: اللہ کے عذاب سے وہی بچتا ہے، جس کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے۔ اور اللہ اپنی رحمت سے اسے نوازتا ہے، جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتا ہے، اور ناصح سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ کا عذاب ہمیشہ مجرمین کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

اور یہ عاد ہیں کہ اپنے ربّ کی نشانیوں سے منکر ہوئے، اور اس کے رسل کی نافرمانی کی، اور ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کی پیروی کی۔

مندرجہ بالا حقائق کے بیان کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: کہ یہ ہیں عاد، جنہوں نے اپنے ربّ کی آیات کا انکار کیا، اور اس کے رُسل کی نافرمانی کی۔ عاد کی طرف بھیجا تو حضرت ہود علیہ السلام کو گیا تھا، مگر جن حضرات نے حضرت ہود علیہ السلام کی معیت میں رضائے الٰہی کے مطابق حق تبلیغ ادا کیا، ان کی اپنی کوئی بات نہ تھی۔ ان کی بات یقیناً اللہ کے رسول کی بات تھی۔ ان کی بات اللہ کی بات تھی، اس لئے ان میں سے کسی کا بھی انکار، اللہ کے رسول کا انکار تھا، اور اپنے ربّ کی نشانیوں کا انکار تھا۔ جو حق کو نہ مانے، وہ ناحق کو ضرور مانتا ہے۔ یہی عاد نے بھی کیا۔ حق کے انکار کے ساتھ انہوں نے ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کی پیروی کی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا، کہ ان کا بہی خواہ کون ہے، اور ان کا بدخواہ کون ہے۔ جو لوگ مجرمین کی قدر بڑھانے لگیں، ان کی پیروی کریں، عذابِ الٰہی جلد ہی ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

حاصل: جس کی بات، اللہ کے رسول کی بات ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس کا انکار اللہ اور اس کے رسول کا انکار ہوتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ ناحق سے بچ نہیں سکتا۔ جو بہی خواہ اور بدخواہ میں تمیز نہ کرے، اس سے بڑا بے عقل کون ہوگا۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع ۵

اور اس دُنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی، اور قیامت کے دن بھی۔ سن لو، بے شک عاد نے اپنے ربّ سے کفر کیا۔ سن لو، دور ہوں عاد، جو ہود (علیہ السلام) کی قوم تھے۔

عاد کے خلاف حق رویئے کی وجہ سے اور سرکش اور ہٹ دھرم لوگوں کی پیروی کی وجہ سے انہیں لعنتی قرار دیا گیا۔ جو حق کے مقابل ناحق کو پسند کرے، اور حق کے انکار پر اڑ جائے، وہ اللہ کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے دشمن پر لعنت ہوتی ہے، دُنیا میں بھی، اور قیامت کے دن بھی۔ حق سے عداوت جسے اندھا کر دے وہی لعنتی ہوتا ہے۔ عاد نے اپنے ربّ کا انکار کیا، اپنے پالنے والے کی ناشکری کی، بے قدری کی۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، دور ہوں عاد۔ اللہ کے ہاں یہ ناپسندیدہ قرار پا گئے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد اولیٰ ہے، اس لئے وضاحت فرما دی گئی ہے کہ مذکورہ لعنتی لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم سے تھے۔

حاصل: جو حق سے عداوت کو اپنا شعار بنالے، اس پر دُنیا میں بھی لعنت ہے، قیامت کے دن بھی ہوگی۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ قرب اور حضوری کی اہلیت کھو دیتا ہے، دوری اس پر محیط ہو جاتی ہے، اور اس احاطے سے نکل جانا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔

شہادت: سورہ توبہ (۹) میں منکرین حق کے متعلق فرمایا گیا ہے: فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ تو اللہ کی شان نہیں تھی، کہ وہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وقف لازم

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝۶۱

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو۔ فرمایا: اے قوم، اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے بنایا، اور تمہیں اس میں بسایا۔ تو اس سے بخشش طلب کرو، اور اسی کی طرف رجوع کرو، بے شک میرا ربّ قریبٌ مجیب ہے۔

عاد کے بعد ثمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی معیت میں عذاب غلیظ سے بچ جانے والے لوگوں کی ذریت تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اس قوم میں مبعوث فرمایا گیا۔ تبلیغ حق میں اللہ تعالیٰ کو کوئی اجنبیت پسند نہیں ہوتی۔ آپ نے انبیاء کی طریقت کے مطابق قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا جس کو بھی تم معبود کہو گے، وہ خود بھی بنایا گیا ہوگا۔ اور جو بنایا گیا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ غور کرو، کہ فرد اوّل کو مٹی سے پیدا کرنے والا تمہارا معبود ہے۔ اس کی نسل کو بڑھانے والا تمہارا معبود ہے۔ بنی نوع انسان کے لوازمات حیات کا بندوبست کرنے والا تمہارا معبود ہے۔ اظہار عبدیت میں تم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کا اعتراف کرو اور اس کے ساتھ اس سے بخشش طلب کرو۔ بخشش طلب کرنے والا، عطاء الٰہی کی نسبت سے اپنے قول کے نقص کا اور اپنے اعمال کے چھوٹے ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ اس اعتراف کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اللہ سے یہ دعا کرتا ہے: یا اللہ تیرا بندہ ہوں، تیری بندگی کے مقابل بہت سی چاہتوں میں پھنس گیا تھا، ان چاہتوں سے بچنے کے عزم کے ساتھ تیری مدد کا طالب ہوں، تیرا قرب مجھے نصیب نہ ہو، اور میرے حال کے مطابق مجھے مدد نہ ملے تو میں اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ بندہ رجوع الی اللہ ہو جائے تو اس کے لئے ربّ قریب ہوتا ہے مجیب ہوتا ہے۔

حاصل: تبلیغ حق میں اجنبیت کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ معبود وہی ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، جس نے ہمارے لئے لوازمات حیات کا بندوبست کیا ہے۔ اس سے بخشش طلب کی جائے، اس کی طرف رجوع کیا جائے، تو اس کے قرب کا شرف بھی ملتا ہے، بے بدل مدد بھی ملتی ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۶۲

کہنے لگے: اے صالح (علیہ السلام) اس سے قبل آپ ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے۔ کیا آپ ہمیں ان کی عبادت سے منع کرتے ہیں، جن کی عبادت ہمارے آباء کرتے تھے۔ اور بے شک جس کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں، ہمیں اس میں شک وشبہ ہے۔

ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا: اے صالح علیہ السلام! ہمیں آپ سے بہت امیدیں تھیں۔ آپ جیسے دانا کم ہی ہوتے ہیں۔ آپ کا بولنا، آپ کی خاموشی، آپ کی تمام حرکات، سکنات میں بڑی متانت تھی۔ معلوم ہوتا تھا، ثمود کی عزت آپ کی قابلیت کی وجہ سے بہت بڑھے گی۔ مگر وہ سب امیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔ آپ نے اپنے آباء کی روش کو چھوڑ دیا ہے۔ حیرت ہے، آپ ان معبودوں کی بندگی سے منع کرتے ہیں، جن کی عبادت ہمارے باپ دادا بھی کرتے رہے ہیں۔ ان معبودوں کی بندگی میں ہماری ایک پہچان ہے۔ کیا اس پہچان کو ضائع کر لینا قومی مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والی بات نہ ہوگی۔ آخر ہمارے باپ دادا بھی سمجھدار لوگ تھے۔ آپ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ اچھے لوگ نہیں تھے۔ اپنے بڑوں کی تحقیر سے ہمارا تشخص سخت مجروح ہوگا۔ آپ کی دعوت یہی ہے، کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا شریک کوئی نہیں۔ اس سے بخشش طلب کی جائے، اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔ ہمیں یہ نظر آتا ہے، کہ آپ کی باتوں کو ماننے سے ہم ماضی کے ساتھ اپنا رشتہ توڑ لیں گے۔ یہ کیسے مان لیا جائے، کہ آپ کو مان لینے سے ہمارا مستقبل بڑا روشن ہو جائے گا۔ ہمیں آپ کی دعوت میں یقیناً شک وشبہ ہے۔

حاصل: منکرین حق کے نزدیک اپنے بڑوں کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ قومی وقار، قومی تشخص ان کے پیش نظر رہتا ہے۔ جزا دینے والے کی رضا کو ملحوظ رکھا جائے، تو زاویہ نگاہ درست ہوتا ہے، ورنہ وہ نظر ہی نہیں آتا، جو نظر آنا چاہئے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۛ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

فرمایا: اے میری قوم، بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے ربّ کی طرف سے روشن سند پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ تو اللہ کے حضور کون میری مدد کرے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تو تم تو میرا خسارہ ہی زیادہ کر سکتے ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام کو قومی روایات کی طرف لوٹ آنے کا مشورہ دیا گیا، تو آپ نے فرمایا: دیکھنے کی بات یہ ہے کہ، تم لوگ اندازے قیافے سے اپنی راہ متعین کرتے ہو، میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ میں اپنے ربّ کے عطا کردہ علم سے، جو میرے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے، راہِ عمل کا تعین کرتا ہوں۔ میرے رب نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ یہ رحمت میرے لئے اتنا بڑا سہارا ہے، کہ اس سے بڑی مدد کسی سہارے سے مل ہی نہیں سکتی۔ اگر میں قومی روایات کو اہمیت دوں تو یہ یقیناً اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت کے بعد پکڑ لیا جاتا ہے۔ وہاں میری مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ نہ آباء واجداد کام آئیں گے، نہ تم لوگ کچھ کام آسکو گے۔ تمہاری تائید سے میرا خسارہ ہی بڑھ سکتا ہے، اور خسارے کا بڑھانا کسی کو مطلوب نہیں ہوتا۔ اس قوم میں جو انتہائی تکریم کسی سردار کو دی جا سکتی تھی، اس کو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے لئے باعث خسارہ دیکھا اور اپنے احساس کو ثمود کے سامنے ان کی پیش کش کے جواب میں واضح کیا۔ جاہ وحشمت جن لوگوں کا مقصد حیات ہو، ان کی بڑی سے بڑی قیمت یہی لگائی جاسکتی ہے، کہ سرداری کے ساتھ انہیں ان کی مطلوبہ آسائشیں دے دی جائیں۔

حاصل: جو حقائق کے حوالے سے راہِ عمل کا تعین کرے، روشن سند اس کے پاس ہوتی ہے، رحمت خداوندی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ عطاءِ الٰہی کے مقابل کسی بھی اعزاز کو وہ اپنے لئے خسارے کا باعث ہی سمجھتا ہے، اور اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اور اے قوم یہ اللہ کا ناقہ تمہارے لئے نشانی ہے تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے، اور اسے برائی سے مس نہ کرو، پھر عنقریب تمہیں عذاب پکڑ لے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی مطلوبہ نشانی انہیں دکھادی، اور اس نشانی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جانا چاہئے، یہ بھی واضح کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو کسی بھی جگہ چرنے سے منع نہ کیا جائے۔ جہاں سے چاہے یہ کھاتی پھرے۔ اگر اونٹنی کی کسی جگہ موجودگی اور اس کا چرنا کسی کو نقصان دہ نظر آئے گا، تو وہ اونٹنی کو وہاں سے بھگانے کی جو ترکیب بھی کرے گا، وہ اسے برائی سے مس کرنے والی صورت ہوگی۔ اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کرنے والے کو قابل نفرت سمجھا جائے، تو اس نشانی کی قدر و منزلت کا ثبوت حکم خداوندی کی احسن تعمیل سے ملتا ہے۔ اگر اونٹنی کو برائی کے ساتھ مس کرنے والے کو برا کہا جائے، اور خود بھی وہ نہ کیا جائے جو حکم خداوندی کے مطابق کیا جانا چاہئے، تو یہ بھی ویسا ہی عمل ہوگا جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس صورت میں المناک عذاب تم لوگوں سے دور نہیں ہوگا، پھر تم اس عذاب سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔

حاصل: نشانی اگر حق کو تسلیم کرنے کے لئے شرط کے طور پر مانگی جائے، تو پھر نشانی کے دیکھ لینے کے بعد ماننے میں ذرا بھی ڈھیل نہیں کرنی چاہئے۔ ورنہ گرفت ہوتے دیر نہیں لگتی، اور اس گرفت سے بچ جانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، تو آپ نے فرمایا: اپنے گھروں میں تین دن اور برت لو۔ یہ وعدہ ہے جس کے جھوٹا ہونے کا امکان ہی نہیں۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف کیا، اور اپنی مطلوبہ نشانی کی بے حرمتی کی۔ اسے برائی سے مس کرنے کی انتہا یہ تھی، کہ انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، اور اسے چلنے پھرنے کے قابل نہ رہنے دیا۔ آپ نے ان کے اجتماعی عمل کو دیکھا، ان کی اجتماعی سوچ کو دیکھا، تو فرمایا: اپنے گھروں میں رہنے کے لئے تمہیں صرف تین دن ملیں گے، ان میں تم سے جو ہوسکتا ہے برت لو، اس کے بعد تمہیں المناک عذاب پکڑے گا۔ یہ ایسا وعدہ ہے، جس کے غلط ہونے کا امکان ہی نہیں ہوسکتا۔ خلاف حق عمل ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں ایک مہلت ضرور دی جاتی ہے، تا کہ اس عمل کو اچھا کہنے والے اور اس عمل کو برا کہنے والے واضح طور پر الگ ہو جائیں، اور ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے۔

حاصل: جس نشانی کو حق کے ماننے کے لئے طلب کیا جائے، اس کی بے حرمتی کے معنی اپنی بیخ کنی کے ہوتے ہیں۔ برے عمل میں بالواسطہ شامل ہونے والوں کے لئے مہلت ضرور ہونی چاہئے۔ برے عمل کے بعد احساس ندامت سے توبہ کرنے والوں کے لئے بھی مہلت ضرور ہونی چاہئے۔ وعدہ حق کے حوالے سے ہو اور اسے پورا کرنے کی سعی کی جائے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَ مِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿۶۶﴾

پھر جب ہمارا امر آیا، ہم نے صالح علیہ السلام کو نجات دی اور آپ کی معیّت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے، اور اس دن کی رسوائی سے بچایا۔ بیشک تمہارا ربّ ہی قوّت والا، عزت والا ہے۔

امر الٰہی سے عذاب آیا، اور حضرت صالح علیہ السلام کی آگاہی کی بے قدری کرنے والے گرفتار عذاب ہوئے۔ اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی رحمت سے نوازا۔ آپ کی معیت میں ایمان والوں کو بھی سلامتی کا شرف ملا، اور یہ لوگ اس عذاب کے دن، رسوائی سے بچا لئے گئے۔ منکرین حق کی قوت نابود ہوگئی۔ ان کی بڑائی خاک میں مل گئی۔ واضح یہی ہوا، کہ ہمارا ربّ ہی قوت والا ہے، عزت والا ہے۔ جسے قوت وعزت مطلوب ہو، اسے اللہ کی بندگی کرنی چاہئے، اور شاہد کی طریقت کے مطابق کرنی چاہئے۔ بندے کی اپنی پسند بندگی میں شرک کے امکان کو ختم نہیں ہونے دیتی۔

حاصل: امر الٰہی کے سامنے کسی کی تدبیر نہیں چلتی۔ مصائب سے نجات دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو رسوائی سے بچاؤ ممکن ہوتا ہے۔ قوّت وعزت مطلوب ہو، تو اپنے ربّ کی بندگی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ‏ ﴿۶۷﴾

اور ظالموں کو ہولناک آواز نے پکڑ لیا، تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ثمود پر ہولناک آواز کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس آواز نے ان کے نظام ہائے بدنی کو درہم برہم کر دیا۔ اور اگلی صبح وہ قوم جس نے اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کیا تھا، اپنے گھروں میں اوندھی پڑی تھی۔ جس قادر مطلق کی عطا کردہ توفیق سے وہ لوگ من مانی کرتے رہے جب اس کی طرف سے پکڑ ہوئی، تو ان کے خاتمے میں وقت ہی کتنا لگا۔

حاصل: ہمارے بدن کے نظام جس کے حکم سے چل رہے ہیں، اس کا حکم ہونے کو نہ ہونے میں بدل سکتا ہے، اور اسے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ آواز کی بلندی کس حد تک ہونی چاہئے، اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۟ كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ‌ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّثَمُوۡدَ ﴿۶۸﴾ ع ۸ ۶

گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ سن لو، ثمود نے اپنے ربّ سے کفر کیا۔ ارے دور ہوں ثمود!

ثمود نے اپنے ربّ کی آیات کا انکار کیا، عذاب الٰہی نے انہیں اس طرح بجھا کر رکھ دیا، گویا کبھی وہاں تھے ہی نہیں۔ ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ کہا تھا، کہ اگر آپ مرسَل ہیں، تو عذاب لے آیئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر حضرت کی صداقت کو ماننا نفع نہیں دے سکتا تھا۔ یوں ان لوگوں پر دوری مسلط کر دی گئی، اور پھٹکار سے ان کا قصہ تمام ہوا۔

حاصل: اپنے ربّ کی ناشکری کرنے والے یوں مٹا دیئے جاتے ہیں، گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دوری سے

بچائے اور حضوری کا شرف بخشے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۴﴾ تو اللہ کے لئے امثال نہ ٹھہراؤ، بے شک اللہ کو علم ہے، اور تم لاعلم ہو۔

وَ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ بِالۡبُشۡرٰی قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِیۡذٍ ﴿۶۹﴾

اور بیشک ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت کے ساتھ حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کہا، پھر جلد ہی بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا، اور آداب مہمان نوازی کے مطابق جو کچھ کھانے کے لئے جلد حاضر کیا جاسکتا تھا، وہ لا کر آنے والوں کے سامنے رکھ دیا۔ پیش کردہ کھانا بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت تھا، جس کو یقیناً بڑی رغبت سے کھایا جاتا تھا۔ دودھ دینے والے جانوروں سے ان کے منشاء تخلیق کے مطابق فوائد حاصل کرنے سے پہلے انہیں ذبح کر دینا، اسراف اور ناشکری ہے، جو ہمیشہ بے برکتی کا باعث ہوتی ہے۔

حاصل: مہمان کو پوچھ کر اس کے سامنے کھانا رکھنا آداب مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ مسافر کو عموماً جلدی ہوتی ہے، اس لئے یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ کھانا مفید بھی ہو اور جلد پیش کیا جائے۔ سلام کے جواب میں سلام کہنا ضروری ہے۔ ناشکری بے برکتی کا باعث ہوتی ہے۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَیۡدِیَہُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡہِ نَکِرَہُمۡ وَ اَوۡجَسَ مِنۡہُمۡ خِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿ؕ۷۰﴾

پھر جب ان کے ہاتھوں کو کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھا، تو ان کی اجنبیت محسوس کی اور ان سے ڈرے۔ وہ کہنے لگے: خوف نہ کیجئے، بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لباس بشری کے احترام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں کے سامنے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لا کر رکھ دیا، مگر جب انہیں کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے نہ دیکھا، تو تعجب سے انہیں دیکھا، اور ان کی اجنبیت کو محسوس کیا۔ ڈر یہ تھا، کہ فرشتوں کا لباس بشری میں آنا، مستقبل قریب میں کسی بڑے واقعہ کی نشان دہی کرتا ہے، اور اس کا تعلق عذاب الٰہی سے ہی ہو سکتا ہے۔ جب فرشتوں کو آپ کے خوف کا علم ہوا، تو انہوں نے کہا، یا خلیل اللہ ہم آپ کی قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے۔ عذاب تو ہم ضرور لے کر آئے ہیں، مگر یہ قوم لوط کے لئے ہے۔

حاصل: مہمان کی بدنی زبان کو دیکھنا چاہئے، اس سے اس کے مقام کا تعین ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے حال کی فکر ہونی چاہئے۔ علم حقیقی جاننے والے کے ادراک کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ منشاء ایزدی کو پانا اسی کے بس میں ہوتا ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اور آپ کی عورت کھڑی تھی۔ تب وہ ہنس پڑی۔ تو ہم نے اسے اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی، اور اسحاق (علیہ السلام) کے پیچھے یعقوب (علیہ السلام) کی بشارت دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ نے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لئے جو کچھ کیا، اس کی طرف ان کی عدم رغبت بی بی کے لئے حیرت کا باعث تھی۔ اس پر بی بی کو ہنسی بھی آئی۔ بی بی عمر کے اس حصے میں تھی، جس میں عورت کو بڑے ہونے کا احساس ہوجاتا ہے، اور یہ احساس دانستہ اور نادانستہ اس کے رویئے میں جھلکتا رہتا ہے۔ فرشتے جو لباس بشری میں تھے، ان کی طرف سے بشارت باذنِ اللہ تھی، اس لئے فرشتوں کی طرف سے بشارت، اللہ کی طرف سے بشارت تھی۔ خوش خبری یہ دی گئی، کہ بی بی اللہ آپ کو بیٹا عطا فرمائے گا، جس کا نام حضرت اسحاق علیہ السلام ہوگا۔ آپ کو جسمانی صحت وسلامتی کے ساتھ نوازے گا، اور اس بیٹے کے بیٹے کو بھی آپ دیکھیں گی، جن کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہوگا۔

حاصل: خدمت خلق میں کھانا کھلانے کا بڑا مقام ہے۔ جہاں یہ اہتمام ہوتا ہو، وہاں خاتون خانہ کو کھانا دینے کے بعد مزید ضروریات بہم پہنچانے کے لئے کھڑے رہنا چاہئے۔ بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت بی بی کے لئے انتہائی خوشی کی خبر تھی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

بی بی نے کہا: ہائے شامت! کیا میرے بچہ ہوگا، اور میں تو بوڑھی بانجھ ہوں اور یہ میرے بزرگ میاں ہیں۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کو بشارت پر تعجب ہوا۔ اظہار تعجب کے لئے عورتوں کے خاص انداز میں بی بی نے کہا، ہائے شامت! کیا اس بڑھاپے میں میرے ہاں بچہ ہوگا، اور میرے تو میاں صاحب بھی عمر رسیدہ ہیں۔ اپنی بدنی کیفیت کا ذکر کرکے اور اپنے میاں صاحب کا حال بیان کرکے بی بی نے یہ واضح کیا، کہ بقاء نسل کے معمولات کے حوالے سے یہ بات قطعاً عجیب ہے۔

حاصل: اظہار تعجب میں عورتوں کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ عطاء الٰہی کی بشارت کو سن کر اپنی عدم اہلیت کا اعتراف کرنا بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

فرشتوں نے کہا: بی بی کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں تم پر اس گھر والو۔ بے شک وہ حمد والا، بڑائی والا ہے۔

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ کے تعجب پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اللہ کے امر پر تعجب اللہ کے ماننے والے کو کیوں ہو۔ اللہ قادر مطلق ہے، علیم مطلق ہے، اسباب تمام اس کے امر کے تابع ہیں، اس کا امر اسباب کے تابع نہیں ہوتا، اور اے اہل بیت آپ سب پر اللہ کی رحمت ہو اس کی برکات ہوں، آپ تو اپنے مشاہدے کے حوالے سے دوسروں پر ایک فضیلت رکھتے ہیں۔ معجزات اور خوارق دیکھتے رہنے والوں کو امر الٰہی میں تعجب کیوں ہو۔ اللہ کی شان ہے، کہ وہ ہر ایک کو علم سے پالتا ہے، اور پالنے کا بہت بڑا کام ابتدا سے انتہا تک وحدہٗ لاشریک ہی کرتا ہے۔ تخلیق کے لئے ضروری ارکان، محل تخلیق، وہاں موزوں درجہ حرارت، موزوں نمی اور بہت کچھ جس کے بارے میں انسانی علم بہت ہی محدود ہے، سب امر الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔

حاصل: اسباب ہمیشہ امر الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ بیوی اہل بیت میں شامل ہوتی ہے۔ جس گھر کی پاکیزگی اور مہمان نوازی دیکھنے میں آئے اس کے لئے اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کی دعا کرنی چاہئے۔ اللہ کا کام ہمیشہ علم مطلق سے ہوتا ہے، وہ کسی ذریعے یا سبب کا محتاج نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

توجب ابراہیم (علیہ السلام) کا خوف زائل ہوا، اور آپ کو بشارت ملی، تو آپ ہم سے قومِ لوط کے بارے میں جھگڑے۔

ملائکہ کا لباس بشری میں آنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے خوف کا باعث ہوا۔ آپ نے عذاب الٰہی کو مستقبل قریب میں دیکھا، تو فرشتوں نے یہ کہا، کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے پیچھے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دینے آئے ہیں۔ بشارت ہمیشہ باعث راحت ہوتی ہے۔ راحت کے اس مقام پر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے یہی چاہا، کہ ان لوگوں کو کچھ مہلت مزید دے دی جائے، اور عذاب الٰہی میں تاخیر ہو جائے، ممکن ہے اس طرح یہ قوم فسوق وعصیان سے باز آجائے، اور اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو عذاب الٰہی کے لئے اللہ کا امر آنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ ارحم الرّاحمین ہے، مگر اس کے باوجود اس کے پیارے بندے، گناہ گاروں کے لئے اس کے حضور یہی دعا کرتے ہیں، کہ یا اللہ ان لوگوں کو کچھ مہلت مزید دے دے، کہ یہ لوگ فسوق وعصیان سے بچ کر فلاح پائیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾

بے شک ابراہیم (علیہ السلام) حلیم، رقیق القلب، رجوع لانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کو بہر حال پورا جاننا، اس کا شکریہ ادا کرنا اور معطئ مطلق کی صفت وثنا کرتے رہنا حلم ہے۔ عطاء الٰہی کی نسبت سے اپنے عمل کو بہت چھوٹا دیکھنا، اپنی کوتاہیوں کو دیکھتے رہنا اور ان پر آنسو بہانا رقت قلب ہے۔ راحت کو باذنِ اللہ جاننا، مصائب وآلام کو باذنِ اللہ جاننا، اور دونوں صورتوں میں لوگوں کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھنا انابت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حلیم تھے، رقیق القلب تھے اور منیب تھے۔ یہ تینوں صفات موجود ہوں تو خلق اور خالق کے مابین وسیلہ ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ یہ وسیلہ پانے والے دُنیا وآخرت میں فلاح پاتے ہیں۔

حاصل: حلم، رقت قلب اور انابت کی موجودگی ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تعلق کا ثبوت ہے۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾

اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ اس سے اعراض کیجئے۔ بے شک آپ کے ربّ کا امر آچکا، اور ان پر عذاب آنے والا ہے جسے لوٹایا نہیں جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم لوط کے لئے دردمندی کی حد کردی، تو ملائکہ نے یہ کہا، اے حضرت آپ اس بات کو چھوڑ دیجئے۔ عذاب کے لئے آپ کے ربّ کا امر آچکا ہے۔ اس امر کا واقع ہونا باقی ہے۔ امر الٰہی کے آنے سے پہلے دعا کا مقام ہوسکتا تھا، اب اس قوم پر عذاب آنے والا ہے، جس کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ اس عذاب کا منشاء اس قوم کو صراط مستقیم کی طرف آنے میں مدد دینا نہیں ہے، بلکہ اس عذاب کا منشاء تو ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہے۔

حاصل: امر الٰہی علم مطلق سے ہوتا ہے۔ امر الٰہی کا علم ہوجانے کے بعد دعا نہیں کی جاسکتی۔ عذاب ادنیٰ رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دیتا ہے۔ فیصلہ کن عذاب سے کسی بھی قوم کی بیخ کنی ہوجاتی ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، تو آپ کو ان کے آنے کا غم ہوا، اور گھٹن محسوس ہوئی اور کہا: یہ بڑی سختی کا دن ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی فرشتے لباس بشری میں تھے۔ آپ کو ان پاک نوجوان مہمانوں کی قدرومنزلت میں راحت تو تھی، مگر یہ غم بھی تھا، کہ ان خوبرو نوجوانوں کے بارے میں جب بستی والوں کو خبر ملے گی، تو وہ فوراً برائی پر تل جائیں گے۔ غم کا کوئی مداوا نظر نہ آئے تو گھٹن ضرور ہوتی ہے۔ اس گھٹن کے شدید احساس کے ساتھ آپ نے یہ کہا، یہ بڑی سختی کا دن ہے۔ آداب مہمان نوازی کا علم بھی پورا ہو، ماحول کے ناپاک ہونے کا احساس بھی شدید ہو، اور کوئی جگہ ایسی بھی نظر نہ آئے جہاں مہمانوں کی تکریم کا حق ادا کیا جاسکے، تو میزبان کے لئے اس دن کی سختی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حاصل: اللہ کے ہر کام میں بے بدل حکمت ہوتی ہے۔ مہمان کی تکریم اسی طرح ہوتی ہے، کہ اس کی جسمانی خوراک کے ساتھ اس کی روحانی خوراک کا بندوبست بھی کیا جائے۔ حق کا علم ہو، اور ماحول اس کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے، تو غم بھی ہوتا ہے، گھٹن بھی ہوتی ہے۔ اس سختی کو محسوس تو کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا۔

وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ

اور آپ کے پاس وہ لوگ دوڑتے ہوئے آئے۔ اور وہ پہلے سے برے عمل کر رہے تھے۔ فرمایا

يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَـكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ ؕ اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ ﴿۷۸﴾

اے قوم! یہ بیٹیاں تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں۔ تو اللہ سے ڈرو، اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک مرد بھی نیک چلن نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے خوب رو مہمانوں کی خبر پاتے ہی، خواہشات نفس کی پیروی میں الجھے ہوئے لوگ، دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے، اور بدنی حرکات سے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔ برے عمل کے ارتکاب سے پہلے اس کی تیاری میں جو کچھ کیا جائے وہ بھی برے عمل کا حصہ ہوتا ہے۔ برائی کے لئے ان تیار لوگوں کو آپ نے فرمایا، جنسی ضرورت کو پورا کرنے کی بہترین صورت وہی ہے جو اللہ نے تمہارے لئے رکھی ہے۔ پاک بیبیاں تمہارے لئے بقاء نسل کا ذریعہ بنائی گئی ہیں، ان سے تمتع کرو۔ تم مجھے میرے مہمانوں میں رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میرے مہمانوں کی تکریم کا حق ادا کرنے کی بجائے، تم ان کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے ہو۔ کتنا رسوا کن رویہ ہے تمہارا۔ کیا ایک مرد بھی تم میں ایسا نہیں، جو تمہیں اس بے حیائی سے روکے۔ جس قوم میں بے حیائی بڑھ رہی ہو، وہاں عورتیں بھی اپنے بچوں کے برے اعمال کو قابل مذمت نہیں جانتیں، اس لئے بچے برے اعمال میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ نیک چلنی کی تعمیر میں ماں کے ساتھ دوسری عورتوں کا بھی ایک مقام ہوتا ہے۔

حاصل: حدود اللہ کے احترام سے ہی معاشرتی سکون قائم رہ سکتا ہے۔ جنسی زندگی میں پاکیزگی کسی قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مہمان سے زیادتی میزبان کی رسوائی ہوتی ہے۔ برائی کی ترویج میں عورتوں کا حصہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ نیک چلن مرد مشکل مقامات پر بھی لوگوں کو برائی اور بے حیائی سے منع کرتے ہیں۔

قَالُوۡا لَـقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَـنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِيۡدُ ﴿۷۹﴾

کہنے لگے: آپ کو علم ہے، ہمیں آپ کی بیٹیوں سے کچھ غرض نہیں، اور آپ کو یقیناً علم ہے جو ہم چاہتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں، کہ تمہاری ازدواجی زندگی پاک بیبیوں سے درست رہ سکتی ہے، اس کے علاوہ جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے سب راستے بربادی کی طرف جاتے ہیں، قوم نے یہ کہا: آپ کو پتہ ہے، ہمیں آپ کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ جس راستے کی آپ بات کر رہے ہیں، ہم اس کو اختیار کرنے والے نہیں۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں۔ اس ارادے کو پورا کرنے سے آپ ہمیں روک نہیں سکتے۔ پھر مزاحمت سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔

حاصل: بے حیا لوگ، ناصح کو جواب دیتے ہوئے، حق کا صریحاً انکار کرتے ہیں، اور اپنے ناپاک ارادوں کو ظاہر کرنے میں بے باک ہو جاتے ہیں۔

قَالَ لَوۡ اَنَّ لِىۡ بِكُمۡ قُوَّةً اَوۡ اٰوِىۡۤ اِلٰى رُكۡنٍ شَدِيۡدٍ ﴿۸۰﴾

پکارا: اے کاش، مجھے تمہارے مقابل قوت حاصل ہوتی، یا کسی مضبوط پناہ میں جا بیٹھنا ممکن ہوتا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی اخلاقی حالت پر شہادت دیتے ہوئے فرمایا، مجھے تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے میں، تمہارے

ساتھ مقاتلہ کرنے میں خوشی ہوتی، مگر موجودہ حالات میں یہ ممکن نہیں ہے۔ نقل مکانی کی صورت یوں ہوسکتی تھی، کہ جو حق پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوتا، میں وہاں جا بیٹھتا۔ گویا آپ نے شہادت دی، کہ جس بستی میں آپ کی رہائش ہے، وہاں بھی کوئی نیک چلن نہیں ہے، اور قرب وجوار میں بھی یہی حالت ہے۔ اللہ کی رضا اس معاشرے میں کہیں بھی مطلوب نہیں ہے۔ قوم کے سامنے یہ بیان کرنا اور قوم کا اس جواب میں خاموش رہنا یہ ثابت کرتا ہے، کہ لوگوں نے اس بیان کے دونوں حصوں کا انکار نہیں کیا۔

حاصل: کسی جگہ کے رہنے والوں کے بارے میں جب یہ شہادت دی جائے، کہ وہ حد اصلاح سے گزر چکے ہیں، تو یہ گواہی عذابِ الٰہی کو پکارنے کے مترادف ہوتی ہے۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

کہنے لگے، اے لوط (علیہ السلام) ہم آپ کے ربّ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو کچھ رات گئے اپنے اہل کو لے کر نکل جایئے اور تم میں کوئی مڑ کر نہ دیکھے، مگر آپ کی عورت۔ اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا۔ بے شک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے۔ کیا صبح قریب نہیں!

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کی اخلاقی حالت کے بارے میں اپنی شہادت دے دی، تو ان کے مہمانوں نے آپ سے کہا: حضرت آپ مضطرب نہ ہوں، ہم آپ کے ربّ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکتے اس کا بندوبست ابھی ہو جاتا ہے، مگر حکم خداوندی یہ ہے، کہ ان لوگوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ آپ کچھ رات گئے اپنے اہل کے ساتھ یہاں سے چلے جایئے۔ ہاں آپ کی عورت آپ کے ساتھ نہ ہوگی، وہ پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ہوگی۔ آپ کے ساتھیوں کو یہاں سے نکلنے میں جلدی کرنی چاہیے، اور جس خطے کو عذاب کی لپیٹ میں آنا ہے، اس سے نکل جانے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کسی کو پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں چاہئے۔ آپ کی عورت منکرین حق کے ساتھ ہے۔ اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو منکرین حق کو پہنچے گا۔ موعودہ عذاب کا وقت صبح مقرر کیا گیا ہے، اور صبح قریب ہی ہے۔ آپ کا یہاں سے جانا، اور خطرۂ عذاب سے سلامتی کے مقام پر پہنچ جانا مکمل ہو جائے، آپ اور آپ کے پاک ساتھی اس جگہ سے دور چلے جائیں جس جگہ عذاب آنے والا ہے، اور یہ سب صبح سے پہلے مکمل ہونا چاہئے، کہ نزول عذاب کا وقت مقرّر ہے۔

حاصل: اللہ کی تائید شامل حال ہو، تو اضطراب دور ہو جاتا ہے۔ امر الٰہی کی تعمیل میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ شاہد کا قرب اسے فائدہ دیتا ہے جو اس سے محبت رکھتا ہو۔ منکر شاہد کے قریب بھی ہو، تو اس کا انجام منکرین کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ عذاب کی گھڑی کو دور نہیں جاننا چاہئے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۸۲﴾

پھر جب ہمارا امر آیا، ہم نے اس بستی کے اوپر کو نیچے کر دیا، اور ہم نے اس پر کنکر کے پتھر برسائے لگاتار۔

قوم کو چھوڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کچھ رات گئے اپنے ساتھیوں کو لے کر محفوظ مقام پر تشریف لے گئے، تو عذاب کے متعلق امرالٰہی کے واقع ہونے کا وقت آ گیا۔ اس عذاب سے ایک خطۂ زمین کو جس پر یہ قوم بڑی شان وشوکت سے آباد تھی، زیروزبر کر دیا گیا۔ اس بربادی کے بعد اس پر پتھروں کی وہ بارش ہوئی، جس میں وقفہ نہیں تھا، تا آنکہ یہ سب پیوند زمین ہو گئے۔

حاصل: عذاب الٰہی کے سامنے کوئی قوت اور کوئی تعمیر ٹھہر نہیں سکتی۔ عذاب الٰہی کے احاطے کے اندر کسی شے کا بچ جانا ناممکن ہے۔ پاک لوگوں کو رسوا کرنے والوں کا خاتمہ رسوائی کے ساتھ ہوتا ہے اور عبرت ناک ہوتا ہے۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع ۱۵ النصف

نشان کئے ہوئے تمہارے ربّ کے پاس۔ اور وہ ان ظالمین سے دور نہیں ہے۔

ہر ظالم کو اس کے کئے کی جزا دی جاتی ہے۔ اس کا اپنا کیا ہی اس پر پڑتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے اپنے لئے سامان عذاب جمع کرتے رہتے ہیں۔ جب عذاب الٰہی کا امر آ جائے، تو پھر اس عذاب سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ ماضی میں جو لوگ مبتلاء عذاب ہو کر، رسوائی کے ساتھ اس دُنیا سے گئے، وہ حال پر خلافِ حق کرنے والوں سے دور نہیں ہیں۔ ظالموں سے دور رہنے کی صورت یہ ہے کہ ہمارا قول وفعل ان سے ملتا جلتا نہ ہو۔

حاصل: ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دینے والا اللہ ہے۔ جہاں عمل ملتا جلتا ہو، وہاں نتیجہ بھی ملتا جلتا ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے: اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبا لے گا، اور یہ کہے گا۔

يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کی معیت اختیار کی ہوتی۔ ہائے میری خرابی کسی طرح میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

بے شک اس نے مجھے بہکا دیا اس نصیحت سے جو مجھے پہنچی تھی۔ اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ فرمایا: اے میری قوم، اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور ماپ اور تول کو نہ گھٹاؤ۔ میں تمہیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں، اور مجھے تم پر ایک دن کے عذاب کا ڈر ہے جو تمہارا احاطہ کر لے گا۔

اہل مدین کی طرف سنت الٰہی کے مطابق انہی میں سے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ آپ نے بھی انبیاء سابقین کی طریقت کے مطابق نصیحت کی ابتداء یہیں سے کی، کہ اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کو لاشریک معبود ماننے کی صورت یہی ہے، کہ کسی بھی مقام پر لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا مطلوب ہو، اور لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہو۔ اس نصیحت کو مان لیا جائے، تو معاشرتی روگ سب ختم ہو جاتے ہیں۔ اس نصیحت کے بعد اس قوم کی خصوصی خرابی کا ذکر کیا گیا، کہ تم لوگ معاشی طور پر آسودہ حال ہو، اس آسودگی کو قائم رکھنے کے لئے معطئ مطلق کا شکریہ ادا کرتے رہنا ضروری ہے۔ شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ تم اپنے ذاتی مفادات کو قومی اور اجتماعی مفادات کے مقابل اہمیت نہ دو۔ تم لوگ ماپ اور تول میں لوگوں کو نقصان پہنچا کر جو کچھ کماتے ہو، یہ کمائی تمہارے لئے خطرے کی صورت میں جمع ہو رہی ہے۔ ایک دن تمہاری یہ کمائی تمہیں عذاب کی صورت میں گھیرے گی، اور اس گھیرے سے نکل جانا ناممکن ہوگا۔

حاصل: نصیحت کی ابتدا ہمیشہ اللہ کی بندگی کے پیغام سے کرنی چاہئے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ ماپ اور تول میں اللہ کا ڈر موجود ہو تو کسی کو دھوکا دینا ناممکن ہوتا ہے۔ آسودگی لوگوں کو دھوکا دینے سے برباد ہو جاتی ہے، اس بربادی کے احاطے سے نکل جانا ممکن نہیں ہوتا۔

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور اے قوم! انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو، اور زمین میں فساد نہ مچاؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی: کہ اے قوم! انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ خریدنے والے کے ساتھ جو عہد کرو، اس عہد پر خوف خدا کے ساتھ پورے رہو گے تو ناپ اور تول میں انصاف ممکن ہوگا۔ اور اگر ناپ اور تول میں کمی کرو گے تو یہ لوگوں کے ساتھ بدعہدی ہوگی۔ اس سے بدعہدی کرنے والے کو جو فائدہ پہنچتا نظر آئے گا وہی فساد کا بیج بنتا جائے گا۔ افراد کے مابین اعتماد کی فضا قائم نہ رہے تو شکوک وشبہات بڑھتے رہتے ہیں۔ باہمی اعتماد کو ختم کرنے کی ہر صورت زمین میں فساد مچانے کے مترادف ہے۔

حاصل: جزا کا یقین ہو، تو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ ناپ اور تول پورا نہ رہے تو یہ بدعہدی ہوتی ہے، اور اس سے افراد کے مابین اعتماد کی بیخ کنی ہونے لگتی ہے۔ باہمی اعتماد کو ختم کرنے کی ہر صورت فساد کو بڑھاتی ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾

اللہ کا دیا جو بچ رہے، وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔

ناپ اور تول کو پورا رکھنے کی صورت میں جو بچ رہے گا، وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے، جو ناجائز طریقوں سے حاصل کیا

جائے۔ مگر یہ بہتری اسے ہی نظر آ سکتی ہے، جو مومن ہو۔ جسے جزا کا یقین نہ ہو، اس کی نظر وقتی اور قریبی فائدے سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔ پاک رہنے والے کو جو ملتا ہے، اس سے اس کے اندر اور باہر سلامتی قائم رہتی ہے، اس کی قدر و منزلت بڑھتی رہتی ہے، اس کے کاروبار میں برکت ہوتی ہے، اور اس کے لین دین میں حدود اللہ کا احترام نظر آتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہاری حفاظت پر مامور نہیں کیا گیا ہوں۔ تمہیں اپنے اعمال کی حفاظت خود کرنی ہے۔ آگاہی میرے ذمے تھی، وہ کر دی گئی ہے۔

حاصل: اللہ کا دیا ہوا وہی ہے، جو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ حاصل ہو۔ یہ مقدار میں قلیل بھی ہو، تو بھی اس کثیر سے بہتر ہے، جو پاک نہ ہو۔ جو اپنے قول و فعل کی حفاظت سے غافل ہو، اس کی حفاظت کون کر سکتا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

کہنے لگے: اے شعیب (علیہ السلام) کیا آپ کی نماز آپ کو یہ امر دیتی ہے، کہ ہم انہیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء عبادت کرتے تھے، یا اپنے اموال میں جو چاہیں نہ کریں۔ بے شک آپ بڑے حلم والے نیک چلن ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے خطاب کے جواب میں قوم نے کہا، جناب آپ بہت نماز پڑھتے ہیں، کیا اس کا یہی اثر ہے، کہ آپ ہمیں ہمارے ماضی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے آباء بھی جاہل تو نہیں ہوں گے۔ وہ جن کی عبادت کرتے رہے ہیں، ان کی عبادت کو چھوڑ دینا قطعاً ان سے الگ ہو جانے والی بات ہے۔ ماضی کی روایات کی نفی کر کے ہم قومی زندگی کو کس قدر نقصان پہنچائیں گے۔ دوسری بات اور بھی عجیب ہے، کہ اموال تو ہمارے ہوں، مگر ان میں تصرف کا اختیار ہمیں نہ ہو، اور ہم کاروبار میں آپ کی طرف سے مقرر کردہ حدود کے اندر رہیں۔ معاشی ترقی کے لئے یہ بات انتہائی نقصان دہ ہوگی۔ آپ بڑے حلم والے ہیں، نیک چلن ہیں، مگر یہ ضرور دیکھئے کہ آپ کی بات ماننے کے معنی اس قوم کے لئے اجتماعی خودکشی کے ہوں گے۔ نہ ہمارے آباء کی روایات باقی رہیں گی، نہ ہم معاشی طور پر ترقی کر سکیں گے۔ آپ کا مرتبہ تسلیم! مگر کوئی ایسی صورت نکالئے، کہ یہ قوم اپنے ماضی سے بھی نہ کٹ جائے، اور معاشی طور پر ترقی کی منازل بھی طے کرتی رہے۔

حاصل: اللہ کے پاک بندوں کو ہر زمانے میں یہ باتیں سننا پڑی ہیں، کہ آپ کی اطاعت سے قومی روایات کی نفی ہو جائے گی، اور معاشی بحران پیدا ہو جائے گا، آپ کی صلاحیت کو ہم تسلیم کرتے ہیں، مگر آپ اپنا رخ درست کر لیجئے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

فرمایا: اے میری قوم، دیکھو تو اگر میں اپنے ربّ کی طرف سے روشن سند پر ہوں اور اس نے مجھے رزق دیا، اچھا رزق۔ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ خود اس کے خلاف کروں جس سے تمہیں منع کروں۔ میں تو جہاں تک ہو سکے اصلاح چاہتا ہوں، اور میری

مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔میں نے اسی پر توکّل کیا، اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم مجھے عقل منداور نیک چلن مانتے ہو، تو پھر اس بات پر غور کرو کہ جو کچھ تم دیکھ سکتے ہو، وہ مجھے بھی نظر آتا ہے، اور جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے وہ بھی نظر آتا ہے۔ ماضی میرے سامنے واضح ہے۔ حال پر کیا ہونا چاہئے یہ میرے سامنے روشن ہے۔ مستقبل کیا ہوگا، اس سے بھی مجھے آگاہ کردیا گیا ہے۔ اللہ نے مجھے جو رزق دیا ہے، اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے۔ میری ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا، وہی معطئ مطلق ہے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہنا میرا کام ہے، جو رزق وہ دے گا، وہی رزق حسن ہے۔ تمہارا یہ خیال بے جا ہے، کہ تمہیں ناپ اور تول کے پورا کرنے کی نصیحت کر کے میں تمہیں معاشی بحران میں مبتلا کرنا چاہتا ہوں، اور اس بحران سے مفاد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ماضی اور میرا حال تمہارے سامنے ہے۔ تم میری زندگی میں تضاد نہیں دیکھ رہے۔ میں تو جہاں تک ممکن ہو اصلاح چاہتا ہوں۔ جو توفیق مجھے حاصل ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اسی کے سہارے میں اپنا حق ادا کرتا جارہا ہوں، اور حال پر اللہ تعالیٰ کی عطا کو پورا جانتا ہوں، اور اسی کی رضا کو مطلوب جانتے ہوئے اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ یہ نہیں دیکھتا کہ لوگوں کے سلوک کے جواب میں مجھے کیا کرنا چاہئے، یہ دیکھتا ہوں، کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے حال پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ دیکھو تو سہی کیا تمہیں ہر مقام پر میری زندگی میں یکسوئی نظر نہیں آرہی۔

حاصل: ناصح کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل واضح ہوتا ہے۔ حدوداللہ کے احترام کے ساتھ جو رزق ملے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ ناصح کبھی اپنی نصیحت کے خلاف نہیں کرتا۔ اصلاح طلبی بندے کی شان ہے، توفیق اللہ دیتا ہے۔ حال پر اس کی عطا کو پورا جانا جائے اور اس کی رضا مطلوب ہو، تو اس سے بڑی استقامت حاصل ہوتی ہے۔

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

اور اے قوم میرے ساتھ ضد یہ نوبت نہ لے آئے، کہ تم پر بھی پڑے، جیسے کہ پڑ چکا ہے قومِ نوح (علیہ السلام) اور قومِ ہود (علیہ السلام) اور قومِ صالح (علیہ السلام) پر۔ اور قومِ لوط (علیہ السلام) تو تم سے کچھ دور بھی نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا: میرے ساتھ ضد کرتے کرتے تم ہلاکت کی طرف جارہے ہو۔ اپنے حال کو دیکھو۔ ماضی میں جن قوموں پر عذاب الٰہی آچکا ہے، تمہارے اعمال ان سے ملتے جلتے ہوں گے، تو انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ تم جانتے ہو، حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والے غرق ہوگئے۔ تم جانتے ہو عاد حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والے لوگ تھے اور ہٹ دھرم لوگوں کی پیروی کرتے تھے، وہ بھی لعنت کے ساتھ اس دُنیا سے گئے۔ تمہیں پتہ ہے، ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے ضد کی، اللہ کی نشانی کو برائی سے مس کیا اور عذاب الٰہی کو دعوت دی، تو عذاب الٰہی نے انہیں بجھا کر رکھ دیا۔ زمان ومکان کے اعتبار سے یہ مثالیں کچھ دور کی ہیں، مگر حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ضد کرنے والوں کی مثال تو دور کی نہیں ہے۔ نہ یہ جگہ تم سے دور ہے، نہ یہ زمانہ تم سے دور ہے۔ حق کے انکار کو تم اپنا حال بنالو گے، تو منکرین کے انجام سے بچ جانا ناممکن ہوگا۔

حاصل: ناصحین کے ساتھ ضد ہمیشہ باعث ہلاکت ہوتی ہے۔حال اگر منکرین سے ملتا جلتا ہوگا، تو انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔قرب وجوار میں حق کے جھٹلانے والوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور اپنے ربّ سے استغفار کرو، پھر اس کی طرف رجوع لاؤ۔ بیشک میرا ربّ رحم فرمانے والا محبت والا ہے۔

دعوت فکر دینے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: لوگو تم اپنے ربّ سے بخشش طلب کرو۔بخشش طلب کرنے والا، ماضی میں خلافِ حق کرنے پر نادم ہوتا ہے، حال پر حق کو ادا کرتا ہے، اور نتائج کو باذنِ اللہ جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے۔ ربّ العالمین کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ ظلمات سے نور کی طرف آنے والے پر رحم فرماتا ہے۔جس ماضی کا حال شاہد نہ رہے، اس ماضی کی نفی کر دیتا ہے، اور مغفرت طلب کرنے والے رجوع لانے والے کے اخلاص کی قدر کرتا ہے۔اسے اپنی محبت سے نوازتا ہے۔جسے اللہ اپنی محبت سے نوازے، وہ بڑا صاحب استقامت ہو جاتا ہے۔خیر کے طالب اسے دیکھ کر اپنے رخ کو درست کرتے رہتے ہیں۔

حاصل: اللہ سے بخشش طلب کرنا، اس کی طرف رجوع لانا، ناصح کے اتباع سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ماضی میں خلافِ حق کرنے پر ندامت ہو، حال پر حق کو ادا کرنے میں استقامت ہو، تو اللہ تعالیٰ رحم بھی فرماتا ہے، محبت سے بھی نوازتا ہے۔جسے ہم معاف کریں سنت الٰہی کے مطابق اس پر رحم بھی کرنا چاہئے، اور اس کی حسن نیّت کے حوالے سے اس کی قدر بھی کرنی چاہئے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ﴿۹۱﴾

کہنے لگے: اے شعیب (علیہ السلام) ہمیں آپ کی بہت سی باتیں سمجھ نہیں آتیں، اور بے شک ہم اپنے میں آپ کو کمزور دیکھتے ہیں، اور اگر آپ کا کنبہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو رجم کر ڈالتے، اور آپ کو ہم پر کچھ عزت حاصل نہیں ہے۔

منکرین قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا، کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔سمجھ میں نہ آنے کی کچھ وجوہات بھی ہیں۔پہلی بات یہ ہے، کہ ہم اپنی قومی زندگی میں آپ کو کمزور دیکھتے ہیں۔یہ کمزوری معاشی لحاظ سے بھی ہے، اور آپ کے ماننے والوں کی عددی قوت کے لحاظ سے بھی ہے۔آپ کو مان لینے سے ہمارا مستقبل کیا رہ جائے گا۔آپ ہمیں شرمندہ بہت کرتے ہیں۔ہم آپ کو سنگسار کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔آڑے یہ بات آجاتی ہے، کہ آپ کا کنبہ ہمارے ساتھ ٹکرائے گا تو پھر قومی زندگی بدامنی کا شکار ہو جائے گی۔مگر یہ بات طے ہے کہ آپ کو ذاتی حیثیت میں ہم پر کچھ فضیلت وعزت حاصل نہیں۔بتوں کی بے حرمتی کر کے آپ آباؤ اجداد کی روایات کی نفی کرتے ہیں۔ناپ اور تول کو پورا رکھنے کی نصیحت پر اصرار کر کے آپ ہمیں لاجواب تو کر دیتے ہیں، مگر آپ کی معاشی برتری یا آپ کے ماننے والوں کی عددی قوت ہمیں مرعوب کرے تو ہم آپ کو لائق احترام مانیں۔

حاصل: منکرین حق معاشی برتری اور عددی قوت کو مانتے ہیں۔سمجھنے کے لئے حوالہ اگر اپنی پسند کا پیمانہ ہو، تو حق کی

باتیں اکثر سمجھ میں نہیں آتیں۔ منکرین حق کو حق کے بیان کرنے والے صاحب استقامت سے عداوت شدید ہوتی ہے مگر اپنی مجبوریوں کا احساس بھی ہوتا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

فرمایا: اے میری قوم کیا میرے کنبے کا دباؤ تم پر اللہ سے بڑھ کر ہے! اور اسے تم نے اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بیشک جو تم کرتے ہو، میرا ربّ اس پر محیط ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے خطاب فرمایا کہ اے میری قوم! میرے کنبے کا تم دباؤ محسوس کرتے ہو، اور اپنے رویے میں انتہا تک نہیں جاتے۔ میرے کنبے کی طاقت، قدرت اور تمہارے متعلق علم تمہیں مجبور کرتا ہے کہ تم اس کے دباؤ کو محسوس کرو۔ اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ اس سے بڑی قوت والا کوئی نہیں۔ خلوت وجلوت میں وہ تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اس وحدہٗ لاشریک کے حکم سے میں اپنا حق ادا کر رہا ہوں۔ تم نے مالک کل کو بھلا دیا ہے، اور پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے۔ یاد رکھو تم جو بھی کرتے ہو وہ سب میرے ربّ کے احاطۂ قدرت کے اندر ہے۔ تم کسی بھی صورت میں اس کی گرفت سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

حاصل: اللہ کی قدرت لامحدود ہے، اس کا علم لامحدود ہے، اور اگر وہ گرفت کرے تو اس کی گرفت سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس لئے انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اللہ کا دباؤ سب سے بڑھ کر ہونا چاہئے۔ مالک کل کے فرمان کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے۔ یہ یقین ہو کہ ہمارے اعمال پر اللہ کی قدرت کا احاطہ بہر حال ہے، تو ہمارے اعمال کو صالحین کے اعمال سے نسبت ہونی چاہئے۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

اور اے قوم تم اپنے مقام پر عمل کئے جاؤ، میں اپنا عمل کرتا ہوں۔ جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا، کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، اور کون کاذب ہے۔ اور دیکھتے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

جب قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی کراہت کا اظہار کر دیا، اور آپ کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، تو آپ نے ان سے فرمایا، تم جس راستے پر جا رہے ہو، یہ تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ میں نے تمہیں تمہارے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب تم جو کر رہے ہو کرتے چلے جاؤ، میں اپنا حق ادا کرتا رہا ہوں، اور کرتا رہوں گا۔ میرا عمل تمہارے عمل سے بالکل الگ ہے۔ جلد ہی تمہیں علم ہو جائے گا، کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے، اور جھوٹا کون ہے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا تمہیں نفع نہیں دے گا، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

حاصل: منکرین پر یہ واضح کرنا ضروری ہوتا ہے کہ تمہارا عمل خلافِ حق ہے، اور یہ کہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے پر تمہیں ضرور پتہ لگ جائے گا، کہ کون حق پر ہے اور کون کاذب ہے، مگر اس وقت تمہارا ماننا بے معنی

ہوگا۔عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کا انتظار واضح طور پر عذاب الٰہی کی پیش گوئی ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

اور جب ہمارا امر آیا، ہم نے شعیب (علیہ السلام) اور آپ کی معیّت میں ایمان والوں کو اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ظالموں کو کڑک نے پکڑ لیا، تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

مقام عذاب کا تعین اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔عذاب کے واقع ہونے سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ایمان والے ساتھیوں کو اس جگہ سے نکال لیا جاتا ہے، جہاں عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔اور یہ نجات قطعاً اللہ کی رحمت سے ہی ممکن ہوسکتی ہے، کہ عذاب کی نوعیت، اس کی شدت کو وہی جانتا ہے۔جس مقام پر عذاب آئے گا اس کی حدود کا تعین بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔سلامتی اسے ہی حاصل ہوسکتی ہے، اللہ کی رحمت جس کے شامل حال ہو۔جن کو بچانا مقصود تھا، ان کے سلامتی کے مقام پر پہنچ جانے کے بعد ایک کڑک ایسی آئی، کہ ظالم سب ہلاک ہوگئے، اور صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

حاصل: امر الٰہی علم مطلق سے ہوتا ہے۔نجات شاہد کی بدولت ہوتی ہے، اس کی معیت میں ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے۔ظلم کی کس صورت کو کس طرح ختم کرنا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ہر استکبار کا انجام رسوائی ہے۔

كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع ۸/۱۲

گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ارے پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی ثمود کو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مکذبین پر کڑک کی صورت میں عذاب آیا، اور وہ بجھ کر رہ گئے۔بربادی ایسی تھی جیسے وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق کو پورا نہ سمجھا جائے، تو انسان اپنے برے اعمال کے لئے لاکھ جواز پیش کرے، وہ نور سے دور ہو رہا ہوتا ہے۔جب یہ دوری باعث راحت نظر آنے لگے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھٹکار بن جاتی ہے، جس کے معنی دُنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

حاصل: اللہ کا دیا ہوا پاک رزق ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔جسے یہ ناکافی نظر آئے وہ پاک نہیں رہ سکتا۔جو پاک اور ناپاک میں امتیاز نہ کرے اس پر دوری مسلّط ہوجاتی ہے، جس کے معنی دُنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (۵) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَ الطَّیِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿﴾ فرما دیجئے: کہ خبیث اور طیب مساوی نہیں، اگرچہ تجھے خبیث کی کثرت اچھی لگے۔تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات اور روشن سند کے ساتھ بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ نے ان کے رسول اللہ ہونے کی نشانیاں بھی عطا فرمائیں۔ یہ نشانیاں آپ کے قول میں بھی تھیں، اور آپ کے اعمال میں بھی تھیں۔ آپ کا فرمان ہر حال میں حق تھا۔ جو آپ نے فرمایا، وہی درست ثابت ہوا۔ احکام الٰہی کی تعمیل میں ہر مقام پر پورے رہ کر اپنے ساتھیوں کو پورا رہنا سکھایا۔ انہیں یہ تعلیم دی، کہ اللہ تعالیٰ کی عطا، علم مطلق سے ہوتی ہے۔ اس عطا کے مقابل اپنی پسند کا ذکر کرنا بہترین کے دیکھنے کے بعد ادنیٰ چیز کو پسند کرنا ہے۔ یہ جہالت ہے، اور اس سے بچنا چاہئے۔ آپ نے اپنی قوم کو عملاً یہ دکھایا، کہ انسانی خواہشات کو وقعت دینے سے مشقت اور دکھ بڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا پر راضی رہنے سے، علم وحکمت عطا ہوتی ہیں، آسانیاں ملتی ہیں، افراد کے مابین بہتر تعلق کی وجہ سے، بہتر معاشرہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ تمام نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رسول اللہ ہونے کو واضح کرتی تھیں، مگر سلطانِ مبین وہ سند تھی، جو سحر عظیم کو کھا گئی، اور جسے دیکھ کر علم سحر کے منتہی لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ربّ پر ایمان لانے کا دعویٰ فرعون اور اس کے درباریوں کے سامنے کیا۔ اس سند نے ان لوگوں کو وہ عرفان دیا کہ وہ فرعون اور اس کے درباریوں کے غیظ وغضب سے ڈگمگائے نہیں۔

حاصل: مخلصین کا قول وفعل حق کی نشانیوں کا درجہ رکھتا ہے۔ روشن سند، اللہ تعالیٰ کی وہ عطا ہوتی ہے، جس کو تسلیم کرنے پر مخالف مجبور ہو جائیں۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔ تو وہ لوگ فرعون کے کہنے پر چلے، اور فرعون کا حکم راستی کا نہیں تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس حقائق کے ساتھ بھیجا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے، اور وہ خود حق کو ادا کرتے ہوئے لوگوں کو حق کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت اس طرح روشن ہوئی، کہ کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ مگر فرعون کے درباری اور دوسرے لوگ فرعون کے کہنے پر ہی چلے۔ فرعون کی بات، تکبر اور بڑائی کی بات تھی۔ وہ جبر اور ہٹ دھرمی کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ جو حق بیان کرنے والے کو دشمن جانے اور اس سے دشمنی کرے، اس کی بات کبھی راستی کی نہیں ہوتی۔

حاصل: جسے حق کو پانا مطلوب ہو، وہی حق کو مانتا ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہو، وہ ہمیشہ جبر کرنے والے ہٹ دھرم کو ہی مانتا ہے۔ حق کی تبلیغ کرنے والے کو دشمن جاننا اور اس کے ساتھ دشمنی کرنا فرعونیت ہے، اور فرعونیت کبھی راستی پر نہیں ہوسکتی۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا، تو انہیں آگ میں لا اتارے گا۔ اور وہ کیا ہی برا گھاٹ ہے اترنے کا۔

جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رشد وحقانیت کو دیکھنے کے باوجود، فرعون کا اتباع کیا، وہ قیامت کے دن بھی اسی کے ساتھ ہوں گے، حتیٰ کہ مقام جزا پر پہنچ جائیں گے۔ حق کا انکار انہیں وہاں پہنچا دے گا، جہاں آگ ان کے انتظار میں ہوگی۔ اس سے برا گھاٹ کوئی نہیں ہوسکتا، جہاں تکلیف انتہائی ہو اور محیط ہو اور بچ جانے کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔

حاصل: جسے حال پر مقدم رکھا جائے، مستقبل میں اس کے ساتھ سے بچ جانا ناممکن ہے۔ حق کا انکار کرتے کرتے منکر دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں۔ برا گھاٹ وہ ہے، جہاں تکلیف انتہائی ہو، اور بچ جانے کی راہ مسدود ہو۔

وَ اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اس جہان میں ان کے پیچھے لعنت لگی اور قیامت کے دن بھی۔ کیا ہی برا انعام ہے جو انہیں ملا۔

فرعون اور اس کی پیروی کرنے والے غرق کردیئے گئے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کے ساتھ جبر وقہر روا رکھتے تھے۔ ان کو ملعون بنا دیا گیا۔ یہ لعنت دُنیا میں بھی ان کے ساتھ رہے گی، اور قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ رہے گی۔ بڑا بننے کی طلب، اور بڑا کہلوانے کی طلب ان لوگوں کو یہاں تک لے آئی، کہ دُنیا و آخرت میں لعنت ان کے لئے نشان امتیاز بن گئی۔ اس سے برا انعام کیا ہوگا، کہ جب بھی فرعون کا نام آئے تو وہ قابل نفرت اور قابل حقارت جانا جائے، اور فرعونیت ایسی اقدار میں شمار ہو، جو قطعاً منفی ہیں۔

حاصل: خلافِ حق کرنا اور اسے اپنے لئے وجہ امتیاز بنالینا، دُنیا و آخرت میں لعنتی ہونے کی نشانی ہے۔ بدنامی کے ساتھ ملنے والی شہرت برا انعام ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ بستیوں کی خبریں ہیں، جو ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ان میں کوئی قائم ہے، اور کوئی مٹ چکی ہے۔

مذکورہ قصص جن بستیوں سے متعلق ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں، جو قائم ہیں، اور وہاں اقتدار کے حامل بدل گئے ہیں۔ جیسے مصر میں فرعون کی حکومت کے بعد بنی اسرائیل کو وارث بنایا گیا۔ وہاں حکومتیں بدلتی رہیں، مگر وہ بستی اب بھی قائم ہے۔ مٹ جانے والی بستیوں کی مثالیں بہت سی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے آثار بالکل ناپید ہوگئے ہیں۔ دوسری بہت سی اقوام کے نشان بھی مٹ گئے ہیں۔ اللہ کی قدرت ملاحظہ ہو، کہ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ ماضی میں وہی ہوا ہے، تو حال پر اس کی قدرت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر اللہ کی قدرت کے احاطے کو مان لیا جائے، تو پھر حدود اللہ کا احترام ضرور ہونا چاہیئے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کے سامنے ماضی کی کوئی قوت ٹھہر نہیں سکی۔ ماضی سے سبق لینے والوں کا حال اچھا ہونا چاہیئے۔ اللہ کو ماننے کا دعویٰ صالحین کے ساتھ سے سچا ثابت ہوتا ہے۔

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ

اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ تو ان کے معبود جن کو وہ اللہ کے مقابل پکارتے

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ﴿۱۰۱﴾

تھے، تمہارے ربّ کے امر کے آنے پر ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اور ان سے ان کی بربادی ہی بڑھی۔

جن لوگوں نے خلافِ حق کیا، وہ اپنے کئے کی بدولت گرفتارِ عذاب ہوئے۔ خود انہوں نے خلافِ حق کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کئے کو ضرور ان پر ڈالا، ان پر کچھ زیادتی نہ کی۔ خلافِ حق کرتے وقت، منکرینِ حق کو ہمیشہ کچھ زعم ہوتا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ جن کو انہوں نے معبود مانا ہے، وہ انہیں عذاب سے چھڑا سکیں گے۔ مگر کبھی ایسا ہوا نہیں کہ عذابِ الٰہی کے آجانے پر کسی کے گھڑے ہوئے معبود نے اسے عذاب سے بچایا ہو۔ ایسے معبود انسان کی اپنی خواہشات سے وجود پاتے ہیں۔ انسان ان پر بھروسہ کر کے اپنا سب کچھ ان کی بندگی پر لگا دیتا ہے۔ اس سے اس کی بربادی ہی ہو سکتی ہے۔ بربادی بڑھتی اس طرح ہے، کہ عذابِ الٰہی کے آجانے پر ایسے معبودوں سے الگ ہونے کی شدید طلب ہوتی ہے، مگر ایسا کیا نہیں جا سکتا۔

حاصل: انسان کا کیا اس پر پڑتا ہے۔ یہ خود اس کا اپنے اوپر کیا ہوا ظلم ہوتا ہے۔ انسانی خواہشات سے بنا ہوا معبود عذابِ الٰہی کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ عذاب میں مبتلا ہونے والے کو ایسے معبود سے بربادی کے بڑھنے کا احساس ضرور ہوتا ہے، کہ وہ اس سے الگ ہونا چاہتا ہے، مگر ہو نہیں سکتا۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ﴿۱۰۲﴾

اور ایسی ہی پکڑ ہے تمہارے ربّ کی، جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ شدید المناک ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو پالتا ہے۔ ہر ایک کی پرورش اپنے مطلق علم سے کرتا ہے۔ فرد ہو یا جماعت سب اس کے احاطۂ قدرت کے اندر ہیں۔ جب بھی بستیوں پر عذاب آیا ہے، تو وہاں کے رہنے والے خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا چکے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو روشن کیا جاتا ہے۔ عملاً انہی حالات میں، اسی ماحول میں حق کو احسن طریق سے ادا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ مگر جب حق مطلوب ہی نہ ہو، تو اسے مانا نہیں جاتا، بلکہ تبلیغِ حق کرنے والے سے عداوت کی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا مقام آتا ہے۔ اس کی پکڑ اتنی شدید ہوتی ہے، کہ پکڑے جانے والے کو اس کا تصور بھی نہیں ہوتا، اور پکڑ اتنی المناک ہوتی ہے، کہ پکڑے جانے والے کی قوتِ مدافعت بجھتی چلی جاتی ہے۔

حاصل: پالنے والے علیمِ مطلق کی طرف سے جب پکڑ کا مقام آتا ہے، تو ہمیشہ بستیوں کے رہنے والے ظلم کو اپنا معمول بنا چکے ہوتے ہیں۔ اللہ کی پکڑ شدید بھی ہوتی ہے، المناک بھی ہوتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

اس میں اس کے لئے نشانی ہے، جسے عذابِ آخرت کا خوف ہو۔ وہ دن ہے، جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے، اور وہ دن پیش ہونے کا دن ہے۔

جس کا مشاہدہ اسے بتائے، کہ انسان اپنے کئے کی جزا ہی پاتا ہے، وہ یوم جزا کو دل سے مانتا ہے۔ جو جزا کے دن کا یقین رکھتا ہے، وہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا بھی ہے۔ جزا کا یقین ہی بندے کو خواہشات نفس کی پیروی سے بچا سکتا ہے۔ جزا کے دن کو یوم موعود بھی فرمایا گیا ہے، کہ اس دن کا وعدہ دیا گیا ہے۔ یوم مشہود بھی فرمایا گیا ہے، کہ اس دن ہر ایک کے اندر سے بھی شہادتیں ہوں گی، اشہاد بھی کھڑے کئے جائیں گے جو شہادتیں دیں گے۔ ذات کے اندر کی شہادتیں، اعضا کی شہادتیں ہوں گی، جن کو جھٹلانا ناممکن ہوگا۔ اجتماعی رویئے پر شاہد گواہی دیں گے، جن کو اللہ کے ہاں بولنے کا اذن ہوگا۔ ایک ہی دن تمام فیصلے اس طرح سے ہو جائیں گے، کہ شک وشبہے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔

حاصل: انسان اپنے اعمال کی جزا پاتا ہے، تو فرمان خداوندی کے مطابق آخرت پر یقین بھی لازم ہے۔ جسے عذاب آخرت کا ڈر ہو اس کے اعمال کو رضائے الٰہی کے مطابق ہو جانا چاہئے۔ بہترین فیصلے وہی ہیں، جن میں قریب کی شہادتیں بھی ہوں، اور پاک لوگ بھی ان میں شہادتیں دیں۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ﴿۱۰۴﴾ اور ہم اسے مؤخر نہیں کرتے مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لئے۔

ساعت قیامت کو لانے والا علیم مطلق اللہ تعالیٰ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بقائے دُنیا کے لئے اس نے جو وقت رکھا ہے، وہ معدود بھی ہے، محدود بھی ہے۔ یہ گنا ہوا وقت، اللہ نے واضح نہیں کیا، کہ اس سے لوگوں کو من مانی کرنے کی رغبت نہ ملے۔ حیاتِ دُنیا کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو جزا کا دن آجائے گا۔ اس دن کسی کا حق کو ماننا اسے نفع نہیں دے گا، کہ اس دن کی توبہ کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش کرنا ناممکن ہوگا۔

حاصل: خالق کائنات نے اس کائنات کی حیات مقرر کی ہے۔ اس حیاتِ دُنیا کے خاتمے تک عمل کے لئے مہلت ہے۔ جو جہاں پیدا کیا گیا ہے، اسے وہاں حق کو ماننے کے لئے جو کچھ درکار ہو سکتا ہے سب کچھ میسر ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوگا۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ جب وہ دن آئے گا، کوئی اس کے اذن کے بغیر بات نہیں کرے گا۔ تو ان میں کوئی بد بخت ہے کوئی نیک بخت ہے۔

قیامت کے دن کسی کی مجال نہیں ہوگی، کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کلام کر سکے۔ جس کو اذن ہوگا، وہی بولے گا، اور جس قدر اذن ہوگا، اسی قدر بولے گا۔ جس کا بولنا حیاتِ دُنیا میں حق کے مطابق ہوگا، اسے خوشی ہوگی، کہ اسے مخلصین کی معیت نصیب تھی، اب بھی وہ مخلصین کے ساتھ رہے گا۔ جو خلافِ حق کرتا ہوا، من مانی کرتا ہوا اس دُنیا سے گیا ہوگا، اس کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔ اسے تبلیغ حق کرنے والوں کی صداقت کا اعتراف تو ہوگا، مگر وہ اعتراف نافع نہیں ہوگا۔ شقی وہ ہے جو فلاح سے دور رہے، سعید وہ ہے جو فلاح پائے۔ نیک بختی یا بد بختی انسان کے اعمال سے تعلق رکھتی ہے۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو استعمال کرنے میں وہ جو رخ اختیار کرے وہی اس کا بخت ہوتا ہے۔ رخ اختیار کرنے کی آزادی انسان کو دی گئی ہے، اسی کی جزا بھی دی جائے گی۔ خسارے میں پڑے تو اس کی بدبختی اس کے کئے کی بدولت ہوگی، فلاح پائے تو اس کی نیک بختی اس کے کئے کی بدولت ہوگی۔

حاصل: ہماری زبان کو حق کے مطابق بولنا اور خاموش رہنا آجائے تو یہ سعادت ہے اور نیک بختی ہے۔ بدبخت کا بولنا خلافِ حق ہوتا ہے۔ قیامت کے دن کسی کا اذنِ الٰہی کے بغیر بولنا ممکن نہیں ہوگا۔ ہمیں اپنی زبان کے حوالے سے اپنی نیک بختی یا بدبختی کو دیکھتے رہنا چاہیے، اور اصلاح کی طرف آنا چاہیے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

تو وہ جو بدبخت ہیں، دوزخ میں ہیں۔ ان کو وہاں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے۔

بدبختی انسان کی اپنی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے۔ بدبخت دوزخ میں چیخیں ماریں گے، دھاڑیں ماریں گے۔ آگ سے نکلنا چاہیں گے، مگر نکل نہیں پائیں گے۔ عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی، مہلت بھی نہیں ملے گی۔ بدبخت کا دل سخت ہوتا ہے، وہ حق کے انکار پر اڑا رہتا ہے۔ اگر کبھی روئے تو خواہشات کے پورا نہ ہونے پر روتا ہے۔ اپنی پوری قوت کو اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگاتا رہتا ہے۔ وسعت مال کو مقصد حیات جانتے ہوئے، بھاگ دوڑ میں اپنی حیات تمام کر لیتا ہے اور حالت کفر میں اس دُنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

حاصل: بدبختی کے انجام کو جاننے کا فائدہ اسی کو ہوگا، جو بدبختی سے بچنے کی کوشش کرے۔ چیخنا اور دھاڑنا دُنیا میں دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے ہوتا ہے، دوزخ میں وہ دکھ کے اظہار کے لئے ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین ہیں، مگر جو تمہارا ربّ چاہے۔ بے شک تمہارا ربّ جو چاہے کرتا ہے۔

بدبخت ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آسمان تو قیامت کے دن پھٹ جائے گا، زمین کی موجودہ صورت بھی بدل جائے گی، اس کے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے، جزا کے لئے جس نئے بندوبست کا اہتمام ہوگا، اس کی حد تک جزا ہوگی۔ ہاں اللہ اگر کسی کی سزا کو معاف کرنا چاہے، یا معاف نہ کرنا چاہے، تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ مالک کل جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس سے بڑا کوئی جاننے والا ہے ہی نہیں، اس لئے جو وہ کرے، اس سے بہتر کا تصوّر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کا کیا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، علم وحکمت کے اعتبار سے انتہائی سند کا درجہ رکھتا ہے۔

حاصل: جو دائمی ناپاکی کے ساتھ زندگی گزارے گا، وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ جس کا انجام بخیر نہ ہو وہ دائمی عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ جزا کے لئے اللہ تعالیٰ کا بندوبست اس کے علم سے ہوگا، اس لئے پورا ہوگا۔ کسی کو معاف کرنا یا نہ کرنا اللہ کی اپنی شان سے تعلق رکھتا ہے، کوئی اللہ سے پوچھ نہیں سکتا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین رہیں، مگر جو تمہارا ربّ چاہے۔ یہ عطا بے انتہا ہے۔

نیک بخت لوگ دُنیا میں ہدایت پانے کی وجہ سے خوف وحزن سے بچ جاتے ہیں۔ جزا کے دن انہیں جس راحت سے نوازا جائے گا، اسے جنت کہتے ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ جزا کے لئے جو بندوبست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جائے گا، اسے عمل کے لئے دی گئی مہلت سے نسبت ہوگی۔ بدبختوں کو اللہ معاف کرنا چاہے تو معاف کردے گا، مگر نیک بختوں پر جو عطا ہوگی وہ بے انتہا ہوگی۔ جو لوگ تعمیل ارشاد الٰہی میں اپنی پسند سے کوئی حد نہیں بناتے، ان پر اللہ تعالیٰ کی عطا کی بھی کوئی حد نہیں ہوتی۔

حاصل: نیک بخت ہونے کے لئے سعی کرنا چاہئے۔ جزا کے لئے کئے گئے اہتمام کو عمل کے لئے دی گئی مہلت سے نسبت ہوگی۔ نیک بختوں پر اللہ تعالیٰ کی عطا بے انتہا ہوتی ہے، اور ہوگی۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

تو تجھے ان کے معبودوں سے دھوکہ نہ ہو۔ یہ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسے ہی جیسے اس سے قبل ان کے آباء پوجتے تھے۔ اور ہم انہیں ان کا حصہ پورا دیں گے، جس میں نقص نہیں ہوگا۔

بت پرستی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ کچھ ماضی میں تھیں، کچھ حال پر ہیں۔ منکرین حق کی اجتماعی زندگی میں کئی مقام ایسے ہوتے ہیں، کہ انہیں دیکھ کر قیاس کرنے والے کو دھوکہ ہوسکتا ہے، کہ ایسے جدید علوم رکھنے والے لوگ اگر بت پرستی کرتے ہیں، اور ان کے ہاں افراد کے مابین روابط بھی ان کی ایک معاشرتی سطح کو قائم رکھتے ہیں، اور یہ لوگ زوال پذیر بھی نظر نہیں آتے، تو کہیں جدیدیت پرستی بھی سائنسی انداز میں معرفت الٰہی کا ذریعہ نہ بن سکتی ہو۔ جس ذات پاک نے کبھی خواہش کے تحت بات ہی نہ کی ہو، اس کا قیاس سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ وہ فرد جو اپنے مشاہدات وتاثرات سے کچھ نتائج اخذ کرکے معلوم سے نامعلوم کی طرف چلتا ہے، اُسے مدد دی گئی ہے کہ صحیح نتیجے پر پہنچ سکے۔ فرمایا گیا ہے کہ حال پر بت پرستی کرنے والے بھی اسی طرح کررہے ہیں، جیسے اس سے قبل ان کے بڑے کرتے رہے ہیں۔ پرستش میں یہی بات ان کے پیش نظر رہتی ہے کہ جو طریق عبادت ہماری شناخت بن چکا ہے، وہ ٹھیک ہے، اور اس کو بدلنے کی کوشش ہماری ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنے گی۔ جزا کا انکار ہمیشہ منکرین حق کو تھا، اور ہمیشہ رہے گا، مگر ان کو ان کے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی، اس میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

حاصل: قیاس کرنے والے کو کثرت کے رویئے سے دھوکہ ہوسکتا ہے۔ جو حق کے خلاف ہے وہ یقیناً گمراہی ہے۔ گمراہ ہمیشہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو جزا دی جائے گی، وہ انتہائی علم سے ہوگی، اس لئے پوری پوری ہوگی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرا (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی، مگر اسی نے کہ کہنے لگے، کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر معبوث کیا ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِيۡهِ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی، تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر تمہارے ربّ کا فرمایا ہوا ایک کلمہ پہلے نہ ہوتا، تو ان کے مابین فیصلہ فرما دیا جاتا۔ اور وہ اس سے دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی۔ کتاب کے عطا ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بنی اسرائیل کو آل فرعون کے مظالم سے نجات مل چکی تھی۔ اب بنی اسرائیل کی حیثیت ایک آزاد قوم کی تھی۔ فرمان خداوندی پر عمل کرنے کے لئے انہیں بڑی توفیق دی گئی۔ مگر کچھ لوگوں نے حق کو مانا، کچھ نے اس کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں ماننے والوں سے اختلاف کیا۔ ایک طریقہ وہ تھا جس میں اللہ کی رضا مقصود تھی، موجود تھی۔ دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں تھا۔ فیصلہ اسی وقت کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نہ کبھی محدود تھی نہ ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے فرمان کو دیکھتا ہے۔ حیاتِ دُنیا میں اس نے لوگوں کو توفیق دے کر یہ اختیار دیا ہے، کہ وہ حق کو مانیں یا اس کا انکار کریں، حیات آخرت میں وہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں حق کو ماننے کے لئے سارے لوازمات کا اہتمام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ جزا کے دن ہر ایک اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ منکرین جزا کے بارے میں دھوکہ ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں جزا کا یقین ہو، تو پھر ان کے قول میں بھی احتیاط ہونی چاہئے، عمل میں بھی احتیاط ہونی چاہئے۔

حاصل: کتاب الٰہی، بہت ہی بڑا انعام ہے۔ اس میں اختلاف کرنا انتہائی ناشکری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت ضرور کی جاتی ہے۔ جزا کا انکار ہی لوگوں کو دھوکہ ڈالنے والے شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمۡ رَبُّكَ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۱۱﴾

اور جتنے لوگ ہیں، تمہارا ربّ ان کو انکے اعمال پورے دے گا۔ بیشک اسے خبر ہے، جو عمل وہ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا ہے۔ سب کو توفیق عمل دی ہے۔ سب کو جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ کوئی چھوٹا عمل ہو یا بڑا ہر ایک کی اللہ کو خبر ہوتی ہے۔ چھوٹا عمل وہ ہوتا ہے جس کا کرنا نفس کو آسان معلوم ہو۔ بڑا وہ ہوتا ہے جس کا کرنا نفس پر بھاری ہو۔ اللہ تعالیٰ اتنی خبر رکھتا ہے، کہ کسی مقام پر کسی حالت میں کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتا۔ جسے یہ یقین ہو کہ میرے عمل کے پیچھے نیت کو جزا دینے والا خوب جانتا ہے، اس کے عمل میں پاکیزگی موجود رہے گی۔ عمل کی یہی پاکیزگی اسے حسن بخشتی ہے۔ اسی کے نہ ہونے سے عمل برا ہو جاتا ہے۔

حاصل: ہمارے ہر عمل میں نیک نیتی موجود ہونی چاہئے۔ جزا دینے والا سب سے بڑا خبردار ہے۔ مقصد اللہ کی رضا ہو، حصول مقصد کے لئے جو سعی کی جائے وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو، اور پھر نتائج کو باذنِ اللہ مان کر اپنا توازن ٹھیک رکھا جائے، تو سب مقامات پر سلامتی قائم رہتی ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْاؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾

تو سیدھے رہو جیسے تمہیں امر ہے، اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے، اور سرکشی نہ کرو۔ بے شک وہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

یہ کہنے کے بعد کہ اللہ ہمارا ربّ ہے، ہمارے عمل سے اس کی شہادت ملنی چاہئے، کہ ہمارا مقصد رضائے الٰہی ہے، ہماری سعی صحیح رخ پر ہے، ہم اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کر رہے، اور نتائج کو باذنِ اللہ مانتے ہیں۔ سرکشی یہ ہے، کہ مقصد رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ اور ہو، یا حصول مقصد کے لئے افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا جائے، یا نتائج کو باذنِ اللہ ماننے کی بجائے لوگوں کی طرف سے مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، ہمارے عمل کو بھی دیکھ رہا ہے، اور جزا دینے والا تو ہے ہی وہی۔

حاصل: سیدھے رہنا، خلوت وجلوت میں پاک رہنا ہے، اور سرکشی خلوت وجلوت میں کسی ایک مقام پر یا دونوں مقامات پر پاک نہ رہنا ہے۔ جزا دینے والے سے نہ کسی کی نیت چھپی ہوتی ہے، نہ کسی کا عمل چھپا ہوا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں، کہ تمہیں آگ لگے گی، اور اللہ کے مقابل کوئی تمہارا حمایتی نہیں، پھر تم مدد نہ پاؤ گے۔

فرمان خداوندی کے خلاف کرنے والے ظالم ہیں۔ ان کی طرف جھکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ظالموں کے کسی قول کو ٹھیک سمجھ کر یا ان کے کسی عمل کو ٹھیک سمجھ کر اس کا ذکر کیا جائے، تو یہ ان کے ساتھ ایک درجے کی مصاحبت ہوگی۔ اس جھکاؤ سے کبھی حقائق روشن نہیں ہوسکتے۔ ان سے حال پر اگر تعلق ہوگا، تو مستقبل میں اس تعلق کا انکار نہیں ہوسکے گا، اور ان سے تعلق کے معنی آگ میں پڑنے کے ہیں۔ اس دکھ کو برداشت کرنے کے لئے کوئی سہارا نہیں ملے گا، کوئی حمایتی نہیں ہوگا، کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ حمایت قول کے درجے میں ہوتی ہے، نصرت عمل کے درجے میں ہوتی ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنیوالوں کی طرف جھکاؤ ایسا دکھ خریدنے والی بات ہے، جس سے نجات ممکن نہ ہوگی۔ نہ کوئی حمایت کرنے والا ہوگا، نہ کوئی مددگار ہوگا۔ حق پر رہنے والوں کی حمایت ونصرت اللہ کے قریب ہونے کی صورت ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور دن کے دونوں طرف نماز قائم کرو، اور رات کے کچھ حصوں میں بھی۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ذکر کرنے والوں کیلئے۔

طلوع آفتاب سے نصف النہار تک ایک حصہ ہے، اور نصف النہار سے غروب آفتاب تک دوسرا حصہ ہے۔ ایک طرف کی نماز، نماز فجر ہے، اور طلوع آفتاب کے بعد نماز اشراق ہے۔ دوسری طرف کی نماز، نماز ظہر ہے اور نماز عصر ہے۔ رات کے ابتدائی حصے میں نماز مغرب

ہے، اور کچھ رات گئے نماز عشاء ہے۔ رات کے دوسرے حصے میں نماز تہجد ہے۔ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ نماز قائم کی جائے، تو برائیوں سے بچاؤ یقیناً ہوتا ہے۔ نماز کے وقت سے پہلے اس کی نیت کی جائے اور اس کے لئے وضو کرلیا جائے، تو نماز کی حفاظت کا حق ادا ہوتا ہے۔ نماز سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ پاکیزگی جب دائمی ہو جائے، تو برائیاں مٹ جاتی ہیں۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کیا جائے، تو راحت بڑھتی ہے، برکت بڑھتی ہے۔ جس کو یہ مطلوب ہے وہ اس نصیحت کو ضرور مانے گا۔

حاصل: دن کے دونوں طرف کی نمازیں، پہلے نصف حصے میں نماز فجر اور طلوع آفتاب کے بعد نماز اشراق ہیں۔ دوسرے نصف حصے میں نماز ظہر اور نماز عصر ہیں۔ رات کے پہلے حصے میں مغرب اور عشاء ہیں۔ دوسرے حصے میں نماز تہجد ہے۔ نماز قائم کرنے سے برائیاں مٹتی ہیں۔ اس نصیحت سے فائدہ وہی اٹھائے گا، جسے نصیحت کرنے والے کی قدر رہوگی۔

وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کرو کہ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

نماز قائم کرنے سے نیکیوں میں اضافہ ہوگا، برائیوں کی نفی ہوگی، تو ماحول میں اس تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کیا جائے گا۔ بھلائی کرنے والے کی استقامت کو دیکھ کر معاشرہ اس پر اپنا دباؤ بڑھائے گا، اور یہ کوشش کرے گا کہ بھلائی کرنے والا رسم ورواج کی حدود کو توڑ کر حق کو ماننے کا طریقہ چھوڑ دے۔ اس دباؤ کی شکلیں وقت کے ساتھ بدلتی رہیں گی، کبھی دھمکیاں دی جائیں گی، ایذا دی جائے گی، کبھی معاشی طور پر دکھ پہنچانے کی کوشش ہوگی۔ ان تمام مقامات پر صبر سے ہی دکھ کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔ صبر یہ ہے، کہ مصائب کو باذنِ اللہ مان کر اللہ تعالیٰ کی معیت اختیار کی جائے، اور اپنا حق بطریق احسن ادا کیا جاتا رہے۔ برائی کے جواب میں بھلائی کی جائے، اور اجر لوگوں سے طلب نہ کیا جائے، تو ایسے محسنین کی بڑی شان ہے۔ اللہ ان کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

حاصل: برائی کا جواب بھلائی سے دینا، اور رضاء الٰہی کو مقصود جانتے ہوئے استقامت سے اپنا حق بطریق احسن ادا کرتے رہنا صبر ہے۔ صبر کرنے والا محسن ہوتا ہے۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ جو بظاہر صبر کرتا ہوا نظر آئے مگر اللہ کی رضا اسے مطلوب نہ ہو وہ مجبور ہوتا ہے۔ مجبوری دور ہوتے ہی وہ خلافِ حق کرنے لگتا ہے۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

تو کیوں نہ ہوئے اُن قرون میں جو تم سے قبل تھے ایسے لوگ کہ ان میں بھلائی باقی ہوتی، کہ زمین میں فساد سے روکتے، مگر قلیل کہ جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا، اور ظالم اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا، اور وہ مجرم تھے۔

جو قرون اس سے قبل گزر چکے ہیں، ان کی حالت یہی تھی، کہ انہوں نے عطاء الٰہی کا شکر یہ ادا نہیں کیا۔ اسے اپنی خواہشات و شہوات پر ہی لگاتے رہے، اور کفر و معاصی کی روش اختیار کی۔ چند ہی لوگ تھے، جو شاہدین کی معیت میں رہے اور ان کے احکام کو مانتے رہے، لوگوں کو زمین میں اصلاح کی ترغیب دیتے رہے اور فساد سے روکتے رہے۔ ان کو اللہ نے نجات دی اور یہ لوگ عذاب سے بچا لئے گئے۔ عیش و عشرت میں پڑے ہوئے لوگ عذاب الٰہی میں پکڑ لئے گئے، پھر ان کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ بااثر لوگ جب بھلائی کا امر نہ کریں اور برائی سے منع نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق فساد فی الارض کے لئے استعمال ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس توفیق کو ختم کر دیتا ہے۔ مجرم عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر ان کے بچ جانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

حاصل: ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ جس معاشرے میں بھلائی کا امر کرنا اور برائی سے منع کرنا بااثر لوگوں کا طریق زندگی نہ ہو، وہاں جرائم بڑھ رہے ہوتے ہیں، عیش و عشرت میں عطاء الٰہی کو ضائع کیا جا رہا ہوتا ہے۔ ایک وقت کے بعد ایسے لوگ عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ نجات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، جو پاک رہے ہوں اور اصلاح کے لئے کوشاں رہے ہوں۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا ربّ ایسا نہیں، کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کر دے، اور ان کے اہل اصلاح کرنیوالے ہوں۔

جب لوگ ظلم و طغیان اور اثم و عدوان کے مرتکب ہوتے ہیں، تو وہ ان حدود کو توڑ رہے ہوتے ہیں جو ان کی سلامتی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد انہیں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تب وہ بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ لوگ زمین میں فساد کریں، خیر کی طرف بلانے والے، بھلائی کا امر کرنے والے، برائی سے منع کرنے والے معاشرے پر کوئی اثر نہ رکھتے ہوں، اور زمین میں اصلاح کرنے کا عمل ناپید ہو جائے، تو پھر ایسی بستی کو عذاب الٰہی کے ساتھ ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگ تو اصلاح کرنے والے ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہلاک کر دیا جائے۔ بربادی لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہوتی ہے۔

حاصل: ظلم کو کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اصلاح ہمیشہ بستیوں کی آبادی کی جان ہوتی ہے۔ اصلاح کو دوام بخشنے کا عمل بستیوں کو زندہ رکھتا ہے۔ اصلاح ہمیشہ رضاء الٰہی کو مقصود بنانے سے ہوتی ہے۔ فساد ہمیشہ انسانی خواہشات کی پیروی میں عطاء الٰہی کو ضائع کرنے سے ہوتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا ربّ چاہتا، تو لوگوں کو اُمت واحدہ ٹھہرا دیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔

اگر لوگوں کو خواہشات کی پیروی کی توفیق نہ دی جاتی، تو لوگ ایک امت ہوتے۔ مگر اس صورت میں درجات اور بلندی کا تعین بھی نہ ہو سکتا۔ ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے مابین امتیاز بھی نہ ہو سکتا۔ اللہ کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس نے انسان کو یہ آزادی دی ہے، کہ وہ حق کو مانے یا اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ انجام دونوں صورتوں میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ جو اپنے قول و فعل کو حق کے حوالے سے دیکھے گا، وہ پاک ہوگا، جو اپنی پسند کے حوالے سے دیکھے گا، وہ ناپاک ہوگا۔ پاک اور ناپاک کا اختلاف ہمیشہ رہے گا۔

حاصل: جبر سے کسی کو راہ راست پر لانا، اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔ جو اپنے قول و فعل کو حق کے حوالے سے دیکھے گا وہ پاک رہے گا، جو اپنی پسند کے حوالے سے دیکھے گا وہ ناپاک رہے گا۔ حوالہ ایک ہو جائے تو اختلاف کا مقام ختم ہو جاتا ہے۔

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۱۹﴾

مگر جن پر تمہارے ربّ نے رحم فرمایا۔ اور انہیں اسی لئے بنایا ہے۔ اور تمہارے ربّ کی بات پوری ہوئی، کہ ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا، اکٹھے۔

اختلاف سے بچ جانا، اللہ کے رحم فرمانے سے ممکن ہوتا ہے۔ اللہ رحم اس پر فرماتا ہے، جو رحم کا طالب ہو، اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو عقل کے ساتھ استعمال کرے۔ اور اس پر رحم نہیں فرماتا، جو گمراہ ہو جائے۔ اللہ نے لوگوں کو شعور کے ساتھ اپنا راستہ اختیار کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے، کہ جو شیطان کا اتباع کرے گا جن ہو یا انس، اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم کا منشاء تخلیق بھی منکرین حق کو جلانا ہی ہے۔

حاصل: جو اپنی خواہش کی پیروی سے بچے اور فیصلہ ہر مقام پر حق کے حوالے سے کرے، وہ اختلاف سے بچ جاتا ہے۔ اس پر اللہ کا رحم ہوتا ہے۔ مسلم و مجرم اللہ کے ہاں مساوی نہیں ہیں۔ مسلم کے لئے جنت اور مجرم کے لئے جہنم بنایا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِىۡ هٰذِهِ الۡحَقُّ وَمَوۡعِظَةٌ وَّذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾

اور ہم آپ پر رسل کی سب خبریں بیان کرتے ہیں، جس سے آپ کے دل کو تسلی ہو۔ اور اس میں آپ کے پاس حق آیا اور وعظ و نصیحت مومنین کیلئے۔

رسل کے احوال بیان کرنے کا منشاء بیان فرمایا گیا ہے، کہ اس سے حال پر دل کو تسلی ہوتی ہے۔ ماضی کے واقعات میں سبق موجود ہوتا ہے۔ ہر واقعہ جن نتائج کو روشن کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہوتے ہیں۔ لوگوں کو توفیق دی گئی، انہوں نے عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق استعمال کیا تو انہیں خوف و حزن سے نجات حاصل ہوئی، ورنہ وہ مشقت میں پڑے۔ مشیّت الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک کی صورت میں جو انعامات عطا فرمائے گئے ان کا کوئی جواب نہیں۔ ان کو سند جان کر اپنے رخ کو درست رکھنا وعظ سے فائدہ اٹھانے والی بات ہے، اور حق کے مقابل اپنی پسند کی نفی کرتے رہنا نصیحت کو ماننے والی بات ہے۔

حاصل: ماضی سے سبق نہ لینا ناشکری ہے۔ رضاء الٰہی کے حصول کے لئے اپنے رخ کے درست ہونے کا یقین ہو تو دل کو تسلی ہوتی ہے۔ حقائق کو مستند ماننا وعظ کو سننا ہے، اور ان کے مقابل اپنی پسند کی نفی کرتے رہنا نصیحت کو ماننا ہے۔ مومنین یہ کام ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ﴿۱۲۱﴾

اور ایمان نہ لانے والوں سے فرما دیجئے، تم اپنی جگہ عمل کیئے جاؤ۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

ایمان نہ لانے والوں سے الگ ہوجانے کے لحاظ سے پہلے یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ تم لوگ مانتے نہیں ہو۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت قریب الاختتام ہے۔ تم اپنے مقام پر جو کچھ کر رہے ہو، اسے جاری رکھو۔ تمہارے اعمال جزا کے انکار پر مبنی ہیں۔ ہم وہ کرتے ہیں، جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا گیا ہے، اور ویسے کرتے ہیں جیسے شاہدین نے کر کے دکھایا ہے۔

حاصل: جزا کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو وہ عند اللہ ماجور ہوگا۔ جزا کے انکار کے ساتھ عمل کیا جائے، تو وہ بظاہر جیسا بھی ہو، بے حقیقت ہوگا۔ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد کافروں سے اپنے عدم تعلق کا اعلان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔

کافر مقصد حیات کو نہیں مانتے، جزا کو نہیں مانتے، اس لئے جو ان کا جی چاہے کرتے رہتے ہیں۔ تبلیغ حق کرنے والے، نصیحت کرنے والے ان سے یہ کہتے ہیں، کہ جو کچھ تم پر واضح کیا جانا چاہیے تھا، وہ واضح کیا جا چکا ہے۔ تم نے حق کے انکار کو طریق زندگی بنا لیا ہے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے کبھی برابر نہیں ہوتے۔ اب صرف یہی باقی ہے، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو، اور تم اپنے کیئے کا انجام پاؤ۔ ہم اپنے کیئے کا انجام پائیں۔

حاصل: منکرین حق، عذاب الٰہی سے کم جب کسی سند کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں، تو ان سے یہی کہنا چاہئے، انتظار کرو، تمہارا انجام عبرت ناک ہوگا، اور ماننے والے رحمت خداوندی سے نوازے جائیں گے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ؏ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کے پاس ہے، اور سب کاموں کا رجوع اسی کی طرف ہے۔ تو اس کی بندگی کرو، اور اس پر توکل رکھو۔ اور تمہارا ربّ اس سے غافل نہیں ہے، جو عمل تم کرتے ہو۔

ہر ظاہر کے ساتھ غیب بھی ہوتا ہے، اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ سب اللہ کا ہے۔ اس لئے ہر شے کی حقیقت کا علم اللہ کو ہے۔ وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ جتنا چاہے عطا فرمائے۔ راستہ کوئی بھی ہو، ختم توفیق دینے والے کے پاس جا کر ہوگا۔ اس طرح جہاں بھی رخ خلافِ حق ہوگا، وہاں غیر طبعی صورت ہوگی، اور ہر غیر طبعی صورت کے ساتھ اس کے متعلقہ مسائل بھی ہوتے ہیں۔ ماننے والے پر لازم ہے، کہ وہ اللہ کی بندگی کرتا رہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل کسی کی خوشی اسے مطلوب نہ ہو، اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی کا ڈر نہ رکھتا ہو، اور یہ یقین بھی ہر حال میں ہو، کہ حق کی ادائیگی کے لئے جو درکار ہے وہ موجود ہے، اور مستقبل میں جو درکار ہوگا وہ عطا ہوتا رہے گا۔ ہم جو بھی کر

رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔اس لئے اس یقین کے ساتھ حق کی ادائیگی میں لگے رہنا چاہیئے، کہ ہم جو کررہے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لئے کررہے ہیں، اور ہمارے ساتھ جو ہورہا ہے، باذنِ اللہ ہورہا ہے۔

حاصل: اللہ ہر شے کا مالک ہے۔جو وہ چاہے اس کو روک دینا کسی کے بس میں نہیں۔اللہ کی رضا کا رخ ہو، تو طبعی طور پر جو ہونا چاہیئے وہ ہورہا ہوگا۔اللہ کی بندگی بھی ہو، اور توکّل بھی ہو، تو ماننے والا شاہدین کے ساتھ ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ۞ فرما دیجئے، مجھے تو یہی امر ہے کہ اللہ کی بندگی کروں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

آیاتہا ۱۱۱ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ رکوعاتہا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟ۙ﴿۱﴾ الرٰ ۛ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔

حروف مقطعات سے ابتدا فرمائی گئی ہے، جن کے معنوں کا تعین کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہوگا۔ منشا یہ ہے، کہ بولنے کے مقام پر بولنا اور خاموش رہنے کے مقام پر خاموش رہنا حق ہے۔ کتابِ مبین کی یہ شان ہے، کہ اس میں علیم مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہدایت موجود ہے۔ انسانی زندگی میں انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر خوف وحزن کی جتنی صورتیں بنتی ہیں، ان تمام کا حل کتابِ مبین ہی میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی آیات کو ماننے والا ہمیشہ سکھ میں رہتا ہے۔

حاصل: کتابِ مبین کی آیات سے نور ہدایت لینے والے کو جو راحت حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی بیان میں اس کی آیت کو انتہائی سند ماننا لازم ہے، جس کے بعد یہی کہا جائے، سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ ہم نے اسے قرآن عربی نازل فرمایا، تا کہ تم تعقل کرو۔

قرآن پاک، قیامت تک آنے والے سب لوگوں کے لئے ہے۔ جس زبان میں اس کتاب کو نازل فرمایا گیا ہے، وہ عربی ہے۔ فصاحت، بلاغت، وسعت اور انضباط کسی زبان کو بین الاقوامی زبان بنانے کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ نے جس زبان کو حقائق ومعارف کے اظہار کے لئے پسند فرمایا ہے، اقوام عالم کے درمیان لسانی رابطے کی سب سے احسن صورت یہی ہے۔ علوم ومعارف کی جو ترقی اس طرح ہوسکتی ہے، وہ کسی دوسری زبان میں ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل: قرآن پاک کا عربی زبان میں ہونا اس امر کو روشن کرتا ہے، کہ حق کو ماننے والے اپنی علمی تحقیق کو بین الاقوامی پر سطح لائیں، تو ذریعہ اظہار عربی زبان ہو۔ ہر مقامی زبان کو عربی زبان سے اپنا تعلق مضبوط بنانا چاہئے، اور عربی زبان میں ہر لحاظ سے آخری سند وہی ہوگی، جو قرآن پاک میں مذکور ہوگی۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَ اِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾ ہم آپ کو احسن القصص سناتے ہیں، کہ ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف بصورت وحی بھیجا، اور اس سے قبل آپ اس کے جاننے والے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خوبصورت ترین قصہ فرمایا گیا ہے۔ بیان کرنے والی ذات تو حسن بیان میں ہے ہی انتہائی سند، اللہ سے بہتر بیان کسی کا ہو ہی نہیں سکتا، کہ وہ سننے والوں کا بڑا جاننے والا ہے۔ اس کا علم، علم مطلق ہے، اور جس کے متعلق بیان کیا جارہا

ہے، اس کا کچھ بھی، بیان کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔ الفاظ کی موزونیت، پیرائے کی موزونیت اور حسن یوں سند ہے، کہ سنانے والا، سننے والوں کی بھلائی پر راضی ہے، اور انہیں حق کی ادائیگی میں پوری پوری مدد دینا چاہتا ہے۔ احسن القصص اللہ تعالیٰ نے ایک آئینہ بنا کر رکھ دیا ہے، جس میں فرد اپنی ذاتی زندگی کے تمام مقامات کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کی نیت کیا ہے، اس نے عمل کے لئے راستہ کون سا اختیار کیا ہے، اس راستے کے انتخاب میں اس کا نفس شریعت کے لبادے میں اس کو ترغیب تو نہیں دے رہا۔ نتائج کیا ہیں۔ انہیں باذنِ اللہ مانا گیا ہے، یا نہیں مانا گیا۔ اگر مصائب کو باذنِ اللہ مانا گیا ہے، تو اپنے مخالفین کو معاف کرنے کا اعلان کیا گیا ہے یا نہیں، اور دوسروں کو معاف کرنے میں اللہ کا ڈر ملحوظ ہے یا دوسروں پر اپنی فضیلت کو واضح کرنا مقصود ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی صورت کیا ہے۔ ان سے توقعات میں توکّل کی حدود کا احترام کیسے ہو۔ نفس کی خوشی کے سب لوازمات کی موجودگی میں پاک رہنے کی صورت کیا ہے، اور پاک رہنے کا انعام کیا ہے۔ عورت اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کتنی فہیم ہوتی ہے۔ حالات کو دیکھ کر اپنے بیان کو رنگ کس طرح دیتی ہے۔ فیصلہ دوسری زبان سے کروانا چاہتی ہے، الفاظ اس کے اپنے ہوتے ہیں۔ اپنی کمزوری کا اعتراف اس وقت کرتی ہے، جب اعتراض کرنے والیوں کو اپنے مطلوب کی ایک جھلک دکھا کر زخمی کر چکی ہو۔ جب اپنی انا کو تسکین دے چکی ہو، تو پھر اپنے مطلوب کے بارے میں بڑی پوری شہادت دیتی ہے۔ محسنین کبھی اپنی سہولت کو نہیں دیکھتے، اللہ کی رضا کو دیکھتے ہیں۔ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس کے مندرجات کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس سے قبل غور نہیں کیا۔ اگر کسی موقعہ پر سوال کیا گیا ہے، تو جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے، اور اس جواب کی مثل لانا بھی ممکن نہیں۔

حاصل: سننے والوں کی بھلائی مقصود ہو، اللہ کی سنت ملحوظ ہو، تو بیان حسین ہوگا۔ احسن القصص کے آئینے میں اپنی ذاتی زندگی کے مقامات کو دیکھنا چاہئے، اور مشکل مقامات پر محسنین کی صورت سے رہنا چاہئے۔ ہماری سوچ کو قرآن پاک کے تحت رہنا چاہئے۔ اللہ سے بڑا انعامات دینے والا کوئی نہیں مگر انعامات گمراہوں کے لئے نہیں ہوتے۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۞ ۴

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے عرض کیا: اے والدِ محترم! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا ہے، میں انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی قدر کے علمی مرتبے کو بچپن میں بھی لائق تکریم جانتے تھے، اس لئے آپ نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے بات کو دو حصوں میں بیان کیا۔ پہلے یہ عرض کیا کہ میں نے گیارہ ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا ہے۔ پھر یہ عرض کیا، کہ انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خواب کے دوسرے حصے کو بیان کرنا آپ کے مزاج پر کچھ گراں ہے، مگر بہتر جاننے والے سے علم حاصل کرنے کے لئے اپنا خواب بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اس عمر میں بھی یوسف علیہ السلام ساجد اور مسجود کے فرق کو محسوس کرتے ہیں۔

حاصل: اپنے مشاہدے کی بہتر جاننے والے سے تصدیق کروانی چاہئے۔ جس بات کے اظہار میں نفس کی خوشی نظر آئے، اسے احتیاط کے ساتھ اور اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

فرمایا: اے میرے بیٹے! اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا، وہ تمہارے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔ بیشک شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سننے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا، اے میرے بیٹے! اپنے بھائیوں سے اس خواب کا ذکر نہ کرنا، ممکن ہے وہ تمہارے ساتھ مکروفریب سے کوئی چال چلیں۔ برادران یوسف بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے علمی مرتبے سے آگاہ ضرور تھے، مگر جھکاؤ اپنی خواہشات کی پیروی کی طرف تھا۔ جس کی یہ صورت ہو، اس کی دشمنی کا اعلان شیطان نے کر رکھا ہے، اور شیطان کے پاس انسان دشمنی کی جو استطاعت ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ شیطان کسی بھی حال میں انسان دشمنی کے کام میں غفلت نہیں برتتا۔

حاصل: علم والے یہ دیکھتے ہیں، کہ کون ان کے حکم کو مانتا ہے، اور کون ماننے کا تاثر دیتا ہے۔ جو ماننے کا تاثر دینے میں لگا رہے، وہ من مانی کرنے سے بچ جائے تو بے بس ہوگا۔ شیطان کبھی انسان دشمنی کے کام میں غفلت نہیں برتتا۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ ع

اور اسی طرح تمہارا ربّ تمہیں چن لے گا، اور باتوں کی تاویل کا علم عطا فرمائے گا، اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا، جیسے اس سے قبل تمہارے دو بزرگوں ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) پر پوری کی تھی، بے شک تمہارا ربّ علم والا، حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بیان فرماتے ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ایک وقت آئے گا، جب تمہارا ربّ تمہیں چن لے گا، اور تمہیں باتوں سے ان کے انجام کو جاننے کا علم عطا فرمائے گا۔ اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے گا، اور یہ اتمام نعمت اسی طرح کا ہوگا، جیسے اس سے قبل تمہارے دو بزرگوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر ہوا۔ تمہارے ربّ کی عطا میں ہمیشہ علم و حکمت موجود ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے چن لیا جائے، وہ لوگوں کے ذاتی اور اجتماعی معاملات میں ان کی رہنمائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اللہ اسے ایسا علم عطا فرماتا ہے، کہ وہ یقین کے ساتھ کسی بات کے انجام کو واضح کر سکتا ہے۔ سامعین کے لئے اس میں بشارت ہو، یا انذار وہ اسے بیان کئے دیتا ہے۔ اتمام نعمت کی صورت یہ ہے، کہ تم عطاء الٰہی کو ہر مقام پر علم الٰہی سے استعمال کرنے کا شرف پاؤ گے، اور علم الٰہی ہی سب سے بڑی نعمت ہے، جو بندے کو تمام مقامات پر پورا رکھ سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے نوازا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کسی دوسرے کی قدرت کو انتہائی مشکل مقام پر بھی نہیں مانا۔ اللہ نے ان کے لئے نار کو گلزار بنا دیا۔ وہ قادر مطلق کو لاشریک مانتے تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کو بھی ایسا علم عطا فرمایا، کہ ان کے تعلق باللہ کی بدولت ان پر نہ ہونے کا مقام ہونے میں بدل گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ روشن

کر دیا، کہ انتہائی مشکل مقامات سے گزرنا ہوگا۔اگر مصائب و آلام کو باذنِ اللہ جانو گے، تو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت کو پا سکو گے۔ پھر یہ نظر آئے گا، کہ عزت تو اللہ کی ہے اس کے رسول کی ہے، اور مومنین کی ہے۔اس کے علاوہ کوئی عزت والا نہیں۔علیم مطلق اور حکیم مطلق کس مقام سے کس طرح گزارتا ہے، یہ وہی جانتا ہے۔جس کو گزارا جا رہا ہے، اسے اللہ کے ساتھ بڑے ادب سے رہنا چاہئے، اور کسی بھی مقام پر اس بات کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، کہ لوگ کیا دیکھ رہے ہیں، اور کیا کہہ رہے ہیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیان میں یہ تاکید ہے، کہ بزرگانِ کرام کی راہ پر رہنا اور ہر حال میں پاک دامن رہنا، اور اللہ کے ساتھ رہنا، کسی بھی مقام پر اپنی پسند کو اہمیت نہ دینا۔سہولت وہی ٹھیک ہوگی، جو اللہ دے گا۔اس بیان میں یوسف علیہ السلام کی آئندہ زندگی کا پورا نقشہ موجود ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ جسے بھی چنتا ہے، وہ مخلص ہوتا ہے، اور اس کے اتباع میں فلاح ہوتی ہے۔تاویل الاحادیث کا علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہو تو بیان کرنے والے کی اس میں کوئی غرض پوشیدہ نہیں ہوتی۔علم الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے، جو شاکرین کو عطا ہوتی ہے۔جن کا احترام کیا جائے، ان کے راستے سے گزرنا پڑے تو ادب و احترام سے گزرنا چاہئے۔لوگوں کے مشاہدے اور بیان کو اہمیت دینے کی بجائے اللہ کے علم اور اس کی حکمت پر نظر رکھنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ کتنا سنیں گے، اور کتنا دیکھیں گے، جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے، مگر آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ﴿٧﴾

بے شک یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سوال کرنے والوں کو موضوع کے متعلق کچھ پتہ ہوتا ہے، اور کچھ مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے متعلق وضاحت مطلوب ہوتی ہے۔مثلاً یہ ایک سوال تھا، کہ بنی اسرائیل کے سرزمین مصر میں داخل ہونے کا سبب کیا تھا۔یہود یہ جاننے کے لئے سوال کرتے تھے۔وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام نے کیا کیا، ان کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا، اور تائید ایزدی نے کس کس مقام پر یوسف علیہ السلام کی کیسے کیسے مدد کی۔سامعین کے لئے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے بیان میں بہت سی نشانیاں ہیں۔مثلاً اس سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ رضاءِ الٰہی کے خلاف کرنے والے، مشیت الٰہی کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔مشکل مقامات سے سلامتی کے ساتھ گزرنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے، کہ علم والے اور حکمت والے مالک کل کی معیت میں رہا جائے، یہ نہ دیکھا جائے لوگ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھا جائے ہمیں ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔اپنے رخ کو درست کرنے کی سعی کرنے والوں کے لئے اس بیان میں بہت سی نشانیاں ہیں۔کس مقام پر سوچ کو ٹیڑھا ہونے سے روکنے کی تدبیر کرنی چاہئے، اور سوچ درست نہ رہے تو واقعات اس کو کس طرح بڑھاوا دیتے ہیں۔نتائج اخذ کرتے وقت نفس ایک خاص زاویہ نگاہ سے ہٹنے نہیں دیتا۔اس بیان میں ہر ہر فرد خود کو دیکھ سکتا ہے، کہ وہ یوسف علیہ السلام کے نقش قدم پر ہے، یا ان کے بھائیوں کی راہ پر ہے۔

حاصل: سوال کرنے والے کو اپنے حال کے متعلق سوال کرنا چاہئے۔سوال اس سے کرنا چاہئے، جس کا جواب سند کا درجہ رکھتا ہو۔نشانیاں دیکھ کر ظلمات سے نور کی طرف آنا آسان ہوتا ہے۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝۸

جب انہوں نے کہا، یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور ان کا بھائی ہمارے باپ کو زیادہ عزیز ہیں، اور ہم مضبوط جماعت ہیں۔ ہمارے والد صاحب بالکل ایک طرف ہی جھک گئے ہیں۔

برادران یوسف نے کہا، کہ ہمارے مشاہدے کے مطابق والد صاحب یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو زیادہ پیارا جانتے ہیں، حالانکہ ہماری اہمیت قوی جماعت ہونے کے اعتبار سے اور اپنے باپ کے مددگار ہونے کے لحاظ سے ان کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہمارے باپ کو بھی اس بات کا احساس تو ہونا چاہئے، مگر ان بچوں کی محبت انہیں کچھ سوجھنے ہی نہیں دیتی۔ جو کسی کی علمی فضیلت کو بھی مانتا ہو، اور اس کے رخ کے درست نہ ہونے کا ذکر بھی کرے، اس کے اپنے اندر تضاد موجود ہوتا ہے۔ اس کی سوچ درست نہیں ہو سکتی۔ سوچ کے درست ہونے کی صورت یہ ہے، کہ وہ بہتر جاننے والے کی نظر سے دیکھنا شروع کرے۔

حاصل: اپنی قوت اور افادیت کا احساس ہو، تو نفس کو قدر و منزلت کی بڑی طلب ہوتی ہے۔ جہاں یہ طلب پوری نہ ہو، وہاں نفس خطرات کی نسبت سے اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹

یوسف (علیہ السلام) کو مار ڈالو، یا کسی ملک میں پھینک آؤ، کہ تمہارے باپ کا رخ تمہاری ہی طرف رہے، اور اس کے بعد صالح ہو جانا۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی ترکیب یہ سوچی، کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے موجودہ مقام سے ہٹا دیا جائے۔ ان کو مار ڈالا جائے، یا کسی دور ملک میں پھینک دیا جائے۔ باپ کے پاس ہمارا کوئی بدل رہے گا ہی نہیں، تو توجہ ہماری طرف ہو جائے گی، اور پھر ہم ویسے ہو جائیں گے جیسے باپ کی نسبت سے ہمیں ہونا چاہئے۔ برادران یوسف کو جو کدورت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی، اس کا ایک سبب تو سوتیلا پن تھا، مگر یوسف علیہ السلام کی صلاحیت جو یعقوب علیہ السلام کو محبوب تھی، بھائیوں کو بالکل نہیں بھاتی تھی۔ ان بھائیوں کو یہ احساس تھا، کہ جو صفات حضرت یعقوب علیہ السلام کو پسند ہیں وہ ان میں نہیں ہیں۔

حاصل: ابتدا میں نفس کی طرف سے جب برائی کی ترغیب ملتی ہے، تو وہ اسی طرح کی ہوتی ہے، کہ موجودہ برائی کا ارتکاب اپنے حالات کو ٹھیک کرنے کیلئے ضروری ہے۔ جب حالات ہماری مرضی کے ہو گئے، پھر صالح ہو جائیں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰

ان میں ایک کہنے والے نے یہ کہا: کہ یوسف (علیہ السلام) کو مارو نہیں، اور اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، کہ کوئی مسافر اسے اٹھا لے جائے، اگر تم کو کرنا ہی ہے۔

برادران یوسف میں سے ایک صاحب نے قتل کی تجویز کو رد کرتے ہوئے یہ کہا، کہ مارنا ٹھیک نہیں۔ منشاء اس کو راستے سے ہٹانا ہے۔ اس کے لئے قتل ضروری نہیں ہے۔ کسی ایسے کنویں میں پھینک دیا جائے، جس میں سے مسافر کبھی پانی لیتے ہوں۔ جس کی نظر پڑے گی اسے بے آسرا سمجھے گا اور لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہی ہے، تو اس سے زیادہ مت کرو۔

حاصل: مخالفت کی تجویز کے وقت، زاید از ضرورت کام نہ کرنے کی رائے دینے والے کا کہا، اثر رکھتا ہے۔ کہنا اسی طرح پڑتا ہے، اگر تم کو کرنا ہی ہے، تو یہ کرلو۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

کہنے لگے: اے ہمارے ابا، کیا بات ہے آپ یوسف (علیہ السلام) کے معاملے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، اور ہم تو اسکے لئے یقیناً ناصح ہیں۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں یہ گزارش پیش کی، کہ حضرت گرامی قدر! آپ یوسف بھائی کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے، ہمیں یہ بہت عجیب لگتا ہے۔ یقین کیجئے، ہمارا اس کے ساتھ وہی تعلق ہے، جو کسی بڑے ناصح کا، بڑے خیر خواہ کا، اپنے سے چھوٹے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے اپنے رویئے میں سختی کا اعتراف تو کیا، مگر اس سختی کو نصیحت کرنے والے کی مجبوری بنا کر پیش کیا۔

حاصل: بہتر جاننے والے کے سامنے اپنے تاثر کو بیان کرنا آسان نہیں ہوتا۔ ناصح کے رویئے میں اگر سختی بھی نظر آئے، تو بھی بظاہر اس کا مقصد نصیحت پانے والے کی بھلائی ہوتا ہے، اس لئے ناصح واجب الاحترام ہوتا ہے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ خوب کھائے اور کھیلے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں۔

برادران یوسف نے ناصح ہونے کے اعتبار سے اپنا مقام بیان کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کی، کہ یوسف بھائی کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ اس عمر کے جسمانی تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اسے کھانا بھی خوب چاہئے، اور ورزش بھی کرنا چاہئے۔ رہا یہ فکر کہ کھانے میں حفاظت کی حدود کے اندر رہنے کا علم اس کو نہیں ہے، ورزش میں حفاظت کی حدود کے اندر رہنے کا علم اس کو نہیں ہے، تو اطمینان فرمایئے، ہم اس کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ ہم بتا دیں گے، کہ اپنی ذاتی حفاظت کے لئے حدود کا احترام کیسے کرنا ہے۔

حاصل: بدخواہی ہمیشہ خیر خواہی کے نام سے شروع ہوتی ہے۔ جس کو قائل کرنا ہو، اس کی پسند کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اس کے خدشات کا بھی جواب دیا جاتا ہے۔

قَالَ اِنِّىْ لَيَحْزُنُنِىْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

فرمایا: تم اسے لے جاؤ تو مجھے رنج ہوگا۔ اور مجھے ڈر ہے، کہ اسے بھیڑیا کھا جائے، اور تم اس سے غافل رہو۔

برادران یوسف کی درخواست کے جواب میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تم اسے لے جاؤ گے، تو اس کی سیر وتفریح تو ہوسکتی ہے، مگر مجھے اس سے رنج ہوگا۔ وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم کے لئے عطا فرمائی جاتی ہے، اس سے استفادہ نہ کیا جائے گا، تو مجھے دکھ ہوگا۔ پھر تم کو سیر وتفریح، کھیل کو دا اس قدر عزیز ہے، کہ تمہارا انہماک تمہیں کئی باتوں سے غافل کر دیتا ہے۔ اس جنگل میں آدم خور بھیڑیئے موجود ہیں، تمہاری غفلت کے لمحات میں کوئی اس کو کھا جائے تو یہ کتنی تکلیف دِہ صورت ہوگی۔

حاصل: تجویز ناقص ہو، تو پیش کرنے والوں کو بتانا چاہئے، کہ جس کے متعلق یہ تجویز ہے، اس کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، جس کے سامنے پیش کی جارہی ہے، اس کو اس میں کوئی راحت نظر نہیں آتی۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہنے لگے: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، اور ہم مضبوط گروہ ہیں، تب تو ہمارے پلے کچھ بھی نہ رہا۔

برادران یوسف نے کہا اگر ہم حفاظت کرنے میں نااہل ثابت ہو گئے، تو ہمارے پلے کیا رہ جائے گا۔ ایک مضبوط گروہ اگر اپنے گراں قدر بھائی کی حفاظت بھی نہیں کرسکتا، تو اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

حاصل: طاقت کے حوالے سے پہچانے جانے والے لوگ، اگر کمزور ثابت ہو جائیں، تو یہ ان کے لئے بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر جب اسے لے کر چلے، اور اتفاق اس پر ہوا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈالا جائے، اور ہم نے اسے وحی فرمائی، کہ تم انہیں اس امر کی خبر دو گے، اور انہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے، کہ اس میں کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں۔ مثلاً یہ نہیں فرمایا گیا، کہ پھر یعقوب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ لے کر چلنے کی بات سے واضح ہوتا ہے، کہ اجازت دے دی گئی۔ مقصد یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام کی جگہ برادران یوسف توجہ حاصل کرسکیں، طریقہ یہ سوچا گیا کہ یوسف علیہ السلام کو اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے۔ یہ کسی ایسی جگہ پہنچا دیئے جائیں گے، جہاں سے ان کی واپسی ممکن نہ ہوگی۔ باپ کے زخم فراق مندمل ہوتے ہوتے ہو ہی جائیں گے۔ کنویں میں ڈالے جانے سے پہلے یوسف علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہا گیا، اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا گیا، وہ ان کے سامنے تھا، اور انتہائی تکلیف دِہ تھا۔ اس تکلیف کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی فرمائی گئی، کہ ایک وقت آئے گا، جب ان کا یہ کام تمہاری زبان سے بیان ہوگا، اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا۔ آج تم ان کے سامنے اپنے آپ کو بے بس دیکھ رہے ہو، اس وقت یہ تمہارے سامنے بے بس ہوں گے۔ روشن مستقبل سے آگاہی دکھ کی موجودہ صورت میں بڑا اثر رکھتی ہے۔ حال سے مستقبل تک کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ تائید ایزدی سے قوت برداشت اور صبر وتحمل میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ دکھ آتا ضرور ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہو، تو سلامتی بہر حال قائم رہتی ہے، اور مصائب کی شدّت اور طوالت کا احساس نہیں ہوتا۔

حاصل: زاید از ضرورت بات نہیں کرنی چاہئے۔ اتفاق اسی بات پر ہونا چاہئے، جو حق ہو۔ مصائب والآم میں

صبر وتحمل سے اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کا ساتھ ہو، تو مصائب وآلام کی شدت اور طوالت بوجھ نہیں بنتی۔

وَجَآءُوٓ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اور عشاء کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

برادران یوسف نے متفقہ فیصلے پر عمل کرتے ہوئے، بھائی کو اندھے کنویں میں ڈالا، اور اپنے اپنے انتقام کا اظہار کرتے رہے۔ باپ کی خدمت میں جلد حاضر ہوکر اس واقعہ کو بیان کرنا، جوانہوں نے گھڑا تھا، انہیں مناسب نہیں لگا۔ پھر ان کا بیان کردہ واقعہ سورج کی روشنی میں اپنے آثار چھپا نہیں سکتا تھا۔ وہ یہ تاثر بھی دینا چاہتے تھے، کہ ہم نے تلاش کی حد کردی ہے، اور ہمیں بھائی کے کھو جانے پر بڑی ندامت ہے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے خسارے کو اپنے لئے مقدر کرلیا تھا۔ روتے ہوئے آنا، یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر سنانے کا ابتدایہ تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ باپ کے لئے اس خبر کا سننا کس قدر تکلیف دِہ ہوگا، اس لئے باپ کے غم میں شامل ہونے کے لئے روتے ہوئے آنا بھی ایک سکیم تھی۔

حاصل: برائی کے ارتکاب کے بعد، اس کے آثار کو مٹانے کے لئے نفس کو بڑا زور لگانا پڑتا ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ راز نہ کھلے، اس لئے گھڑا ہوا واقعہ ایسے وقت بیان کیا جاتا ہے، جب آثار سے اس کی تصدیق نہ ہوسکے، اور ایسے طریقے سے بیان کیا جاتا ہے، کہ سننے والے سنانے والوں کو شریک غم دیکھیں۔ غم حقیقی نہ ہو، اور دکھاوا ضروری ہو، تو آہ وبکا میں زور لگانا پڑتا ہے۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾

کہنے لگے: اے باپ ہم سبقت کے لئے دوڑتے رہے اور یوسف (علیہ السلام) کو اپنی متاع کے پاس چھوڑ دیا، تو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات مانیں گے نہیں اگرچہ ہم صادق ہیں۔

برادران یوسف نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کہ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے دوڑتے رہے، اور اپنے سامان کی حفاظت کے لئے یوسف بھائی کو کہہ دیا۔ جب ہم کھیل سے لوٹے تو دیکھا کہ یوسف بھائی کو بھیڑیا کھا گیا۔ آدم خور بھیڑیے تو یہاں ہیں ہی بہت۔ آپ کو پہلے ہی ہمارے بارے میں کچھ شبہات تھے، موجودہ حالات میں وہ شبہات بڑھ جائیں گے، اس لئے آپ ہماری بات کو مان نہیں سکیں گے، ہماری صداقت آپ کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

حاصل: اسلام میں تمام کھیلیں، خدمت خلق کے لئے اپنی اہلیّت کو بہتر بنانے کے مقصد کے تحت ہوتی ہیں، اور ایک طرح سے جہاد کے لئے ضروری تربیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ چیز کی مثل چیز تو مل سکتی ہے، مگر بندے کا بدل کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اس لئے علم والے بندے کی حفاظت کو بڑا حق جانتے ہیں۔ بے علم اشیاء کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بے علم کے پاس اپنی صداقت کا ثبوت نہ ہو، تو وہ اپنی بات نہ ماننے والوں کے رویئے پر اعتراض کرنے لگتا ہے۔

وَجَآءُوۡ عَلٰى قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ اور اس کے قمیص پر جھوٹا خون لگا لائے۔ فرمایا:

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

تو تمہارے انفس نے تمہارے لئے ایک بات گھڑ لی ہے۔ تو صبر جمیل کرتا ہوں۔ اور اللہ سے مدد چاہتا ہوں ان باتوں پر جو تم بنا رہے ہو۔

برادران یوسف نے، یوسف علیہ السلام کے کھائے جانے کی جو نشانی حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے پیش کی، وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قمیص کو دیکھا، اور پہچانا۔ یہ قمیص خون آلودہ تو تھا، مگر بیان کردہ قصے کی تصدیق نہیں کر رہا تھا۔ اگر بھیڑیئے نے کھالیا ہو، تو اس جانور نے قمیص اتار کر پاس رکھنے کا موقعہ تو نہیں دیا ہوگا۔ قمیص کو بالکل پھٹا ہوا ہونا چاہئے تھا، اور یوسف علیہ السلام کے خون سے آلودہ ہو جانا چاہئے تھا، اور وہاں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس موقعہ پر فرمایا: تمہارے انفس نے تمہارے لئے ایک بات گھڑ لی ہے۔ میں اس جھوٹ کا پول کھولنے کے لئے اپنا وقت اور اپنی قوت نہیں لگاؤں گا۔ میں اس دکھ کو باذن اللہ جانتا ہوں، اور صبر جمیل کرتا ہوں۔ صبر جمیل میں شکایت نہیں ہوتی، یہ یقین ہوتا ہے، کہ اللہ کے کاموں میں بڑی حکمت ہوتی ہے۔ لمحات یقیناً فراق کے تھے اور بہت مشکل تھے، اس لئے آپ نے فرمایا: میں اللہ سے مدد چاہتا ہوں۔ وہی ان باتوں کو جو تم بیان کر رہے ہو، واضح کر سکتا ہے۔ جب اللہ حقائق کو کھولتا ہے، تو پھر ان کی تردید ممکن نہیں رہتی۔

حاصل: واقعاتی شہادت جس بات کو جھوٹا ثابت کرے، وہ کبھی سچی نہیں ہوتی۔ جس کو اس جھوٹ سے دکھ پہنچ رہا ہو، اہل حق ہونے کی صورت میں اس کی شان یہی ہے، کہ وہ اسے گھڑی ہوئی بات کہنے پر اکتفا کرے۔ صبر جمیل میں شکایت نہیں ہوتی، انتقام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صبر جمیل کے ساتھ اللہ کی مدد طلب کی جائے، تو حقائق اس طرح واضح ہو جاتے ہیں، کہ پھر ان کی تردید نہیں کی جا سکتی، اور بات گھڑنے والوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ایک قافلہ آیا، تو انہوں نے اپنے 'وارد' کو بھیجا۔ پھر اس نے ڈول ڈالا۔ پکارا: او خوشخبری! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور اسے پونجی جان کر چھپا لیا۔ اور اللہ کو علم ہے جو وہ کرتے تھے۔

برادران یوسف نے جس کنویں کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے موزوں سمجھا تھا، وہاں سے کبھی کبھی قافلوں والے پانی لیا کرتے تھے۔ ہر قافلے میں ایک دانا شخص کے ذمے پانی کا بندوبست کرنا ہوتا تھا۔ وہی پانی کی موزونیت کا فیصلہ کرتا تھا۔ پانی چونکہ ضروریات زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس لئے پانی لانے والے کی نظر کا درست ہونا، اس کے ذائقے کا ٹھیک ہونا، اور اس کے سونگھنے کی حس کا ٹھیک ہونا، عمومی صحت کے درست ہونے کے ساتھ ساتھ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے صاحب کو قافلے والے 'وارد' کہتے تھے۔ پانی کے اس مہتمم نے جب اپنا ڈول ڈالا، اور کنویں میں جھانکا تو خوشی سے پکارا! یہ تو ایک لڑکا ہے۔ قافلے والے مدد کو آگئے۔ اس طرح اللہ کی طرف سے آپ کے کنویں سے نکالے جانے کی صورت بنا دی گئی۔ نکالنے والوں کو یہ خیال تھا، کہ انہوں نے اسے کنویں سے پایا ہے اور محنت سے نکالا ہے، اس لئے وہ اب ان کی پونجی ہے، اور اس پونجی کو سنبھالنا ضروری ہے۔ اس لئے وہ اسے چھپا کر رکھنے کی تدبیر کر رہے تھے۔ ان کی تدبیر

اللہ سے مخفی تو نہیں تھی۔ اور ہونا وہی تھا، جو اللہ چاہتا تھا۔

حاصل: اللہ کے کام بڑے علم سے ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام زیادہ دیر کنویں میں نہیں رہے۔ ان کی ذاتی سلامتی کے تقاضے کو علیم مطلق سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ نکالے جانے کی صورت اللہ نے بنائی، نکالنے والوں کا لالچ چھپا کر رکھنے کا باعث بنا، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے۔ عمل کرنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے، مگر نتائج ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تابع ہوتے ہیں۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ ع ۱۴ ۱۲

اور اسے تھوڑی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ دیا، اور وہ کچھ زیادہ نہیں چاہتے تھے۔

قافلے والوں نے سامان تجارت کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو بھی سنبھالا اور کوچ کر گئے۔ خطرہ یہی تھا، کہ کوئی دعویدار آ گیا، تو مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لڑکے کو اپنے پاس رکھنا بھی آسان کام نہیں تھا، اس کی حفاظت سے غفلت بھی ممکن نہ تھی۔ زیادہ قیمت اس لئے نہیں مانگ سکتے تھے، کہ خریدنے والے کو بتانے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ زیادہ قیمت طلب کرنے کی صورت میں وہ بڑی خبر بن سکتی تھی، جس میں بیچنے والوں کو بڑے خطرات نظر آتے تھے۔ اس لئے بدویانہ دانش کے تحت، بیچنے والوں نے آپ کو جلد بیچا، اور بہت کم قیمت پر بیچا۔

حاصل: تھوڑی قیمت سے بڑی خبر نہیں بنتی، اور بڑی خبر سے متعلقہ دکھ نہیں پہنچتا۔ نفس کو اپنی سلامتی بہرحال عزیز ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات (۴۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو تو تمہارے اعمال سے تمہیں نقصان نہیں دے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور مصر کے جس شخص نے آپ کو خریدا، اپنی عورت سے بولا، اس کو عزت سے رکھنا کہ ہمیں اس سے نفع ہو یا ہمیں اسے بیٹا بنا لیں۔ اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو اُس زمین میں جماؤ دیا۔ اور اس لئے کہ اسے تاویل الاحادیث کا علم سکھائیں۔ اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے مگر اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے والے صاحب نے اپنی عورت سے یہ کہا، کہ اس بچے کو خریدا ہوا سمجھ کر رکھنا بالکل بے جا ہوگا۔اس کو نہایت اکرام کے ساتھ رکھنا چاہئے، اس سے ہمیں نفع ہوگا۔اس کے فہم وفراست کو دیکھا جائے، اس کے حیادار ہونے کو دیکھا جائے، اس کے چہرے پر شکایات کی عدم موجودگی کو دیکھا جائے، تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے بہت فائدے ہوں گے۔یہ عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔امور سلطنت ہوں یا دوسرے امور یہ کامل اعتماد کے لائق ہوگا۔یہ بھی ممکن ہے، کہ ہم اس کی اہلیت کو دیکھنے کے بعد اسے اپنا بیٹا بنالیں۔یقیناً ہمیں اس کی ضرورت ہوگی۔اللہ کی قدرت دیکھئے، مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام اس مقام پر پہنچا دیئے گئے ہیں، جہاں حاکم وقت ان کا قدردان ہے۔اس کا گھران کے لئے عزت کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔کسی کی مجال نہیں کہ کوئی آپ کو خریدا ہوا غلام کہے۔قدر ومنزلت کے اس مقام پر آپ کو اللہ نے پہنچایا ہے اور اس میں دیر ہی کتنی لگی ہے۔اس مقام پر آپ کو مملکت کے معاملات کو دیکھنے کا موقعہ ملا، اور آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم کی روشنی میں معاملہ فہمی سیکھی۔آپ کو اللہ نے ایسا علم عطا فرمایا، کہ حال پر رخ کو دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والا ماضی بھی آپ کو معلوم ہوجاتا تھا، تو مستقبل بھی معلوم ہوجاتا تھا۔اللہ تعالیٰ کی شان بے مثل ہے۔وہ جو کرنا چاہے، کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔اس کی تدبیر کے سامنے کسی کی تدبیر کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خصوصی توجہ کو ختم کرنے کی تدبیر کی۔مگر ہوا یہ کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے لئے دعامیں زیادہ منہمک ہوگئے۔آپ سے آسائشیں چھیننے کی کوشش کی گئی، اللہ نے آپ کو وہ آسائشیں دیں جن سے بڑھ کر اس وقت کسی آسائش کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا۔بھائیوں نے آپ کی ناقدری کی، اللہ نے بڑے مرتبے والے آپ کے قدردان بنادیئے۔بھائیوں کو آپ کا اختیار نہیں بھایا، اللہ نے آپ کو بڑے مقام پر مختار بنادیا۔بھائیوں کو آپ کی معاملہ فہمی اور فراست سے حسد ہوا، اللہ نے آپ کو ایسے مقام پر پہنچادیا، کہ جہاں سیکھنے کے لئے سب کچھ موجود تھا، اور سیکھنے میں مشکل بھی کوئی نہ تھی۔عام لوگوں کی زندگی میں بھی ایسے مقامات آتے ضرور ہیں، کہ جہاں انہیں احساس ہوتا ہے، کہ جو فوائد انہیں حاصل ہوتے ہیں، جو راحتیں میسر آتی ہیں، وہ ان کی تدبیر کا حصہ نہیں تھیں۔مگر وہ اسباب میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اسباب بنانے والے مالک کو نہیں دیکھ پاتے۔انہیں علم کیسے ہوسکتا ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ جو چاہے، کرتا ہے۔اس کی تدبیر کو الٹ دینا قطعاً ناممکن ہے۔جو اللہ کی قدرت کو مان لے، اس کا مشاہدہ اس کے علم میں اضافہ کرتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب آپ پوری طرح بلوغت کو پہنچے، ہم نے آپ کو حکم اور علم عطا فرمایا۔اور ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصائب والآم کو باذن اللہ جانتے ہوئے، بڑی متانت کے ساتھ وقت گزارا۔کم عمری میں، اپنے آپ کو مالک حقیقی کی منشاء کے مطابق بنالینا، بولنے کے مقام پر بولنا، خاموشی کے مقام پر خاموش رہنا، اور اس حق کی ادائیگی پر اپنی توجہ مرکوز رکھنا، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھ ہوگی، محسنین کی صفات ہیں۔یہ صفات جہاں ہوں گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے موصوف کو ضرور نوازا جائے گا۔عطا حال پر ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم مطلق سے ہوگی۔جب حضرت یوسف علیہ السلام دکھ کو برداشت کرتے کرتے اپنے قویٰ کے اعتبار سے کمال کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو انعامات سے نوازا۔حکم عطا فرمایا، اور علم عطا فرمایا۔آپ جو عنوان رکھتے اسی کا تصرف شروع ہوجاتا۔آپ کا فرمان، حق ہوتا تھا۔معاملات انفرادی ہوں یا اجتماعی آپ صحیح رخ کو واضح کرسکتے تھے۔اگر کسی جگہ حق کے ساتھ کسی کی خواہشات

کے حل جانے سے الجھاؤ پیدا ہوجاتا تھا، تو آپ علم سے اس الجھاؤ کو دور کردیتے تھے۔ مشکل کشائی کا یہ شرف اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت تھا۔

حاصل: محسنین مصائب کو باذنِ اللہ جانتے ہوئے، حرف شکایت کو زبان پر نہیں لاتے، اور اللہ کی قدرت کے سامنے لوگوں کی قدرت کو ہیچ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ انہیں حق کو واضح کرنے کا شرف دیا جاتا ہے، اور ماننے والوں کی زندگی سے الجھاؤ دور کرنے کی توفیق دی جاتی ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور آپ جس عورت کے گھر میں تھے، اس نے آپ کو لبھایا، کہ اپنے نفس کو نہ روکے، اور دروازے بند کردیئے، اور کہنے لگی: میں آپ کے لئے حاضر ہوں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ! بے شک میرے ربّ نے مجھے احسن رکھا ہے۔ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے والے نے اپنی بیوی سے یہ کہا تھا: ان کو اکرام سے رکھنا، ان سے ہمیں نفع ہوگا یا ہم ان کو بیٹا بنا لیں گے۔ وہ عورت آپ کی ذات شریف میں بہت دلچسپی لینے لگی۔ ذاتی خدمت کرتے کرتے اس کی خواہشات میں ابھار آیا۔ عارف دُنیا ہونے کے حوالے سے اس نے سب سامان اکٹھے کئے، جو اس کی طلب کو پورا کرنے میں مدد دے سکتے تھے۔ آپ کو لبھایا، کہ عیش ونشاط کی موجودگی میں اپنے نفس کو روکا نہ جائے، اور دروازے بند کرتی گئی۔ لبھانے کی کوشش کے ساتھ دروازوں کا بند کرتے جانا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے تھا، مگر آپ کی شان ملاحظہ ہو، کہ آپ نے اس پر زبان نہیں کھولی۔ جب جسم کی زبان سے وہ آپ کو اپنی طرف راغب کرنے میں ناکام ہوگئی، تو اس نے زبان سے یہ کہا، کہ میں آپ کے لئے حاضر ہوں، میری خواہش آپ کے علم میں ہے، اس بات کے جواب میں آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! (اللہ کی پناہ!) خلافِ حق عمل میں میرے لئے کوئی راحت نہیں، اللہ کی پناہ میں مجھے بڑی راحت ہے۔ میرے پالنے والے نے مجھے اس طرح رکھا ہے، کہ اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ میرے پالنے والے کا حکم ہے، کہ اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرو، ورنہ راہ راست پر رہ نہیں سکو گے۔ میرے پالنے والے کے حکم کی خلاف ورزی ظلم ہے، اور ظالموں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

حاصل: عورت کو گھر کا زیادہ علم ہوتا ہے۔ جسم کی حرکات دوسرے کے لئے باعث ترغیب نہ ہوں، تو ان کے سامنے زبان سے اپنی خواہش کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ پاک لوگ دعوت عیش کے جواب میں یہی کہتے ہیں: اللہ کی پناہ! میرے ربّ نے مجھے جو عطا کیا ہے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا، اس کے حکم کے خلاف کرنا ظلم ہے، اور ظالموں کا کبھی بھلا نہیں ہوتا، ظالموں کو کبھی راحت نہیں ملتی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ؕ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک وہ آپ کی طرف مائل ہوئی، اور آپ بھی ہوتے اگر اپنے ربّ کا برھان نہ دیکھتے۔ اس طرح ہم نے برائی اور بے حیائی کو آپ کے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ بیشک وہ ہمارے عبادِ مخلصین سے ہیں۔

جس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں پہنچایا، انہیں لبھایا، دروازے بند کر لئے، اور اس کے بعد زبان سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا، اس کا تو آپ کی طرف مائل ہونا بالکل واضح ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوت ناحق کے جواب میں فرمایا: اللہ کی پناہ! میرے ربّ نے مجھے احسن طریق سے رکھا ہے، یہ فعل ظلم ہے، اور ظالم فلاح نہیں پاتے۔ آپ کو اپنے زرخرید ہونے کا علم تھا۔ اپنی مالکہ کی اطاعت کس حدتک کرنی چاہئے تھی، یہ بھی آپ کو معلوم تھا۔ آپ نے اس وقت بھی اس وقف لازم پر نظر رکھی، کہ جب مالک یا مالکہ کا امر مالک کل کے امر کے خلاف ہو، تو مالک یا مالکہ کا امر واجب الاطاعت نہیں رہتا، اور اس کو ماننے سے انکار کرنا حق ہے۔ آپ نے دیکھا، کہ مالکہ کا امر قطعاً امر الٰہی کے خلاف ہے، اس لئے آپ نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ اس مقام پر وقف لازم کو نہ دیکھتے، تو ناپاک اور پاک کے درمیان حد فاصل کیسے قائم رہتی۔ اس برہان کو دیکھنے کی بدولت، وقف لازم کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے برائی اور بے حیائی آپ کے قریب بھی نہ پھٹک سکی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے مخلص ہونے کی شہادت دی ہے، اور مخلص وہ ہوتا ہے، جس کو شیطان بہکا نہیں سکتا۔ اس کے ساتھ کسی برائی کے منسوب کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

حاصل: ناپاک اور پاک کے درمیان وقف لازم ہوتا ہے۔ اس وقف کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ یہی برہان ہے۔ جو اس برہان کو دیکھتا رہے، برائی اور بے حیائی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ مخلص کو شیطان کبھی نہیں بہکا سکتا، اس لئے کسی برائی کو مخلص کے ساتھ منسوب کرنا قطعاً گناہ ہے۔ جو اپنی حفاظت چاہتا ہے، اسے حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے، وہ ہمیشہ برائی اور بے حیائی سے محفوظ رہے گا۔

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۲۵

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا، اور سردار دونوں کو دروازے پر ملا۔ عورت کہنے لگی: کیا جزا ہے اس کی جو تیری اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا اسے سخت سزا دی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دیکھا، کہ اس مقام سے ہٹ جانا ضروری ہے، اس لئے آپ وہاں سے دوڑے۔ عورت نے اپنے علم کے مطابق ضروری بندوبست کئے ہوئے تھے۔ دروازے بند تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اس سے درخواست نہیں کی، کہ وہ دروازے کھول دے۔ آپ نے اپنے علم کے مطابق وہاں سے ہٹ جانے کی سعی کی۔ اللہ نے آپ کی مدد فرمائی، کوئی رکاوٹ آپ کے راستے میں حائل نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ آخری دروازے کے قریب پہنچے تو عورت بھی آپ کے قریب پہنچ گئی۔ عورت اپنے شوہر کو دیکھتے ہی کہنے لگی: اس کی سزا کیا ہے، جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، مگر یہی کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے، یا اس کو سخت سزا دی جائے۔ عورت نے مکر و فریب کا جو جال یوسف علیہ السلام کے لئے تیار کیا تھا، آپ کا اس سے نکل جانا، اس کی نظر میں چھوٹی بات نہ تھی۔ مگر اپنی خواہش کی تکمیل کے علاوہ اس نے سوچ کے سب دروازے بند کر رکھے تھے۔ شوہر کو دیکھ کر خطرات کا احساس ہوا، تو اس نے اپنے بچاؤ کے لئے فوراً یہ کہا، کہ جو آپ کی اہلیہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے، اس کی سزا کیا ہوگی۔ مگر معاً یہ خیال آیا، کہ شوہر کو سزا کا اعلان کرنے کا موقعہ نہیں دینا چاہئے، اس لئے فوراً بولی: جزا یہی ہوسکتی ہے، کہ اس کو قید کر دیا جائے، یا سخت سزا دی جائے۔

حاصل: پاک کا دوڑنا نور کی طرف ہوتا ہے، ناپاک کا دوڑنا ظلمات کی طرف ہوتا ہے، اگرچہ بظاہر ایک ہی سمت

میں دوڑتے ہوئے نظر آئیں۔ پاک اور ناپاک کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لئے موقعہ پر آثار ضرور موجود ہوتے ہیں۔ خواہش کی پیروی میں پھنسا ہوا، خطرات کو دیکھ کر اپنے بچاؤ کے لئے اپنے پیارے کو بھی پھنسانے سے دریغ نہیں کرتا، مگر اس کی سلامتی کو ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

فرمایا: اس نے مجھ سے چاہا کہ میں اپنے نفس کو نہ تھاموں۔ اور عورت کے اہل میں سے شہادت دینے والے نے شہادت دی، کہ اگر ان کا قمیص آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے، اور آپ سچے نہیں ہیں۔

عورت کے الزام کے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا: کہ اس نے مجھے لبھانے کی کوشش کی، مگر میں نے وہ نہیں کیا، جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پاکیزگی کے اس دعوے کے ساتھ، موقعہ سے متعلقہ آثار اور قرینے کا ذکر ہوا، تو عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب نے جو واقعات اور علامات سے صحیح نتائج اخذ کرنے میں اپنا مقام رکھتے تھے، یہ بیان دیا، کہ دونوں کا بیان ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے، اس لئے خلوت میں یہ دونوں کسی عمل پر متفق نہیں تھے۔ موقعہ پر موجود علامت صرف قمیص کا پھٹا ہوا ہونا ہے۔ دونوں کے وجود پر تشدد کے آثار کا نہ پایا جانا، یہ ثابت کرتا ہے، کہ ان کے درمیان فاصلہ قائم رہا۔ اب ایک بات فیصلہ طلب رہ جاتی ہے، کہ کس کا رخ کیا تھا۔ قمیص کو دیکھنا چاہئے اگر وہ آگے سے پھٹا ہوا ہے، تو عورت نے اپنی مدافعت کی کوشش میں اسے پھاڑا ہے۔ اگر ایسا ہے، تو یہ بات عورت کو سچا ثابت کرے گی، اور مرد کا بیان سچا نہیں ہوگا۔

حاصل: مخلصین الزام کے جواب میں صرف اپنے مشاہدے کو بیان کرتے ہیں، پاکیزگی کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کا بندوبست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ علامات سے نتائج اخذ کرنے والے کو تمام امکانات کو بیان کرنا چاہئے۔ مدعی کے موقف کے درست ہونے کا امکان پہلے بیان کرنا چاہئے۔

وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور اگر ان کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے، تو عورت جھوٹ بولتی ہے اور وہ سچے ہیں۔

علامات اور آثار کے حوالے سے نتائج اخذ کرنے والے شاہد نے اپنی شہادت کے دوسرے حصے کو بیان کرتے ہوئے کہا: اگر یوسف علیہ السلام نے کراہت کے اظہار کے ساتھ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی ہو، اور عورت نے آپ کو ٹھہرانے کی تدبیر میں آپ کا قمیص دوڑ کر پیچھے سے کھینچا ہو، تو اسے پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا چاہئے۔

حاصل: علامات، آثار اور قرائن اگر مدعا علیہ کی بات کو درست ثابت کر رہے ہوں، تو اس کی صداقت کی تصدیق کرنی چاہئے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

پھر جب سردار نے آپ کا قمیص پیچھے سے پھٹا دیکھا، کہنے لگا: یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ بیشک تمہارا فریب بڑا ہوتا ہے۔

اپنی عورت کے رشتہ دار کے ماہرانہ بیان کو سننے کے بعد عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کُرتے کو دیکھا، تو اسے پیچھے سے پھٹا ہوا پایا۔ اسے اپنی عورت کا بیان قطعاً غلط نظر آنے لگا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: یہ تم نے مکر کیا ہے، جیسے عورتیں کرتی ہیں، اور تمہارے مکروفریب کا سلسلہ بڑا ہوتا ہے۔ سردار نے جس صاحب سے مدد لی تھی وہ اس کی بیوی کا رشتہ دار تھا، اس لئے اس گھر کی عزت وناموس میں کمی کرنے کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی سردار کو مطلوب تھا۔ سردار عموماً اپنے مرتبے کو بڑا ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے گھر والوں میں سے کوئی گناہ کا مرتکب ہو، تو اسے سزا نہیں دیتے، دوسروں کو سزا دینا انہیں انتظام وانصرام کو ٹھیک رکھنے کے لئے ضروری نظر آتا ہے۔ عورت جب کسی خواہش کو پورا کرنے کی ٹھان لے، تو منشاء کے حصول تک ترکیبیں بناتی رہتی ہے۔ تھک ہار کر بیٹھ جانا اور مایوسی کا اظہار کرنا اس کا معمول نہیں ہوتا۔ اس طرح عورت کا فریب ہمیشہ بڑا ہوتا ہے۔

حاصل: جب فیصلہ علامات کے مشاہدے پر مبنی ہو، تو علامات کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ حق کے مطابق رہنے والے اپنے اقرباء کو قانون شکنی کی سخت سزا دیتے ہیں۔ حق کو اپنے مطابق بنانے والے، اپنے عزیزوں کو قانون شکنی کی سزا نہیں دیتے۔ وہ انہیں سرزنش ہی کرتے ہیں، وہ بھی خلوت میں، اور انفرادی گناہ کو اجتماعی رویئے کی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ گناہ کی سیاہی وسیع جگہ پر پھیل جائے اور پھیکی نظر آئے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۲

اے یوسف (علیہ السلام) آپ اس سے اعراض فرمایئے، اور اے عورت تو اپنے گناہ پر استغفار کر، بے شک تو خطا کار ہے۔

عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی نشانیاں دیکھ کر یہ کہا: اے یوسف علیہ السلام آپ اس بات کو جانے دیجئے۔ آپ کو یقیناً بڑی ذہنی اذیت سے گزرنا پڑا ہے۔ آپ کی کرامت اخلاق کی شان یہی ہے، کہ آپ اس بات کو بھول جایئے۔ اور اپنی بیوی سے اس نے یہ کہا: اے عورت تو گناہ گار ہے۔ تو نے آپ کو لبھانے کی کوشش کی، آپ کو خلوت میں لے گئی، جب انہوں نے ناپاکی سے کراہت کا اظہار کیا، اور ان کے پیچھے میرے سامنے آئی، تو تم نے ان پر الزام لگا دیا۔ تیرا گناہ بالکل واضح ہے، تو استغفار کر۔ تیرے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے، کہ تو خطا کار ہے۔

حاصل: فیصلے کا اعلان طرفین کے سامنے ہونا چاہئے۔ جس کی صداقت کی اسناد مل جائیں، اس کو پہلے مخاطب کرنا چاہئے اور اس کی عزت افزائی کرنی چاہئے۔ فیصلہ سنانے والے کا جھوٹے سے تعلق ہو، تو وہ اس کو خطا کار تو کہتا ہے، مگر سزا نہیں دیتا۔ حق کو وہی ادا کرتا ہے، جو جزا کا یقین رکھتا ہو۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (۴۷) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بے شک وہ لوگ جو پیچھے پلٹ گئے بعد اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی، شیطان نے انہیں فریب دیا، اور انہیں مدت دراز تک رہنے کی امید دلائی۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾

اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا، کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان (غلام) کا دل لبھاتی ہے۔ بے شک اسے اس کی محبت کا شغف ہے۔ ہماری نظر میں وہ صریحاً غلطی کر رہی ہے۔

شرفاء مصر کی عورتوں نے جب یہ واقعہ سنا، تو اس کے بارے میں اپنے تاثرات کو بیان کیا۔ بات ان تک کیسے پہنچی! عزیز مصر کے نزدیک یہ بات چھپانے کے لائق تھی۔ اس کی بیوی کو اپنی ملامت کا سامان جمع نہیں کرنا تھا۔ یوسف علیہ السلام پاک تھے، وہ اس خبر کو پھیلانے والے نہیں تھے۔ شہادت دینے والا، عورت کے اہل سے تھا، وہ بھی اس خبر کو پھیلانے والا نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعہ سے تعلق ان چاروں کا ہی تھا، اور ان چاروں کا مفاد اس واقعہ کے اظہار میں نہیں تھا۔ خبر پھیلانے کا ذریعہ وہ خدمت گار بنے، جن کو عزیز کی عورت نے مکر و فریب کا جال پھیلانے میں استعمال کیا۔ یوسف علیہ السلام کو لبھانے کے لئے جو اہتمام بھی کیا گیا وہ خدمت گاروں کے تعاون کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ خبر ان عورتوں کے لئے بہت اہم تھی، جن کو کسی کی کمزوری کا پتہ لگ جائے تو وہ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے اسے بیان کرتے نہیں تھکتیں۔ خبر یہ پھیلی کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی ہے۔ نوجوان غلام کے ساتھ اظہار محبت کے علاوہ اسے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ بات کرتی ہے تو اس کی، سنتی ہے تو اس کی، کام کرتی ہے تو اس کا، کرواتی ہے تو اس کا۔ اس نوجوان غلام کو اپنے شعور پر اس طرح سوار کر لینا قطعاً غلطی ہے، اور اس غلطی کا اثر صرف اس کی ذات پر ہی نہیں پڑ رہا، اس حلقے پر بھی پڑ رہا ہے جس سے عزیز کی عورت کا تعلق ہے۔

حاصل: خدمت گار جانتے ہیں، کہ انہیں کس مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ جب وہ ایک دوسرے کو راز دار بناتے ہیں، تو بات پھیل جاتی ہے۔ اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے کچھ عورتیں ایسے واقعات کی ٹوہ میں لگی رہتی ہیں۔ جس بات کو برا کہنا ہو، اسے وہ اپنی شان کے منافی ثابت کرتی ہیں۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾

تو جب اس نے ان کا مکر سنا، تو ان عورتوں کو بلا بھیجا، اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو چھری دی، اور یوسف (علیہ السلام) سے درخواست کی کہ ان کے سامنے تشریف لایئے۔ جب ان عورتوں نے آپ کو دیکھا ششدر رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشاللہ یہ بشر تو نہیں۔ یہ تو کوئی مکرم فرشتہ ہے۔

عزیز کی عورت کو پتہ تھا، کہ شرفاء مصر کی عورتیں دیدار یوسف کے لئے بے تاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ملامت تو کرتی ہیں کہ اپنے غلام پر

مفتون ہوگئی ہے، مگر یہ دیکھنے کی طلب بھی شدید ہے، کہ وہ غلام ہے کیسا۔ اس مکر کو سن کر عزیز کی عورت نے ایک مجلس آراستہ کی، اور ان عورتوں کے لئے بڑا پر تکلف اہتمام کیا۔ کھانے کی چیزیں ان کے سامنے سجادی گئیں، جن کو کاٹ کر ہی کھایا جانا تھا۔ چھری بھی ہر ایک کو دے دی گئی، تاکہ سب بہ یک وقت مصروف ہو جائیں۔ اسی وقت میں یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے لانے کے لئے تیار کر دیا گیا، اور عزیز کی عورت نے یہ کہا، ان عورتوں کے سامنے ذرا تشریف لائیے۔ یوسف علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے۔ کھانے میں مصروف عورتوں نے جب آپ کو دیکھا تو وہ ششدر رہ گئیں۔ دیدار یوسف میں اس قدر انہماک تھا، کہ کھانے کی چیزوں پر توجہ قائم نہ رہی، اور چھری چلانے کے لئے جو شعوری احتیاط ملحوظ ہوتی ہے ختم ہوگئی، یوں انہوں نے خود کو زخمی کر لیا۔ جب عزیز کی عورت نے ان عورتوں کے جسم پر دیدار یوسف کے موقعہ پر شعور کو قائم نہ رکھ سکنے کے نشانات دیکھ لئے تو آپ سے درخواست کی، آپ جائیے۔ جب ان عورتوں نے اپنے حال پر نظر کی اور محویت کے نشانات اپنے ہاتھوں پر دیکھے، تو کہنے لگیں: یہ تو حاشاللہ بشر نہیں ہے، یقیناً بزرگ فرشتہ لگتا ہے۔ عزیز کی عورت نے شرفاء مصر کی عورتوں کو صرف یہ نہیں دکھانا تھا، کہ آپ دیکھنے والوں کو کیسے لگتے ہیں، یہ بھی دکھانا تھا، کہ تم کسی بھی طرح انہیں اپنی طرف مائل نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان سب نے خلوت میں آپ کو اپنے اپنے انداز میں عزیز کی عورت کی اجازت سے لبھانے کی کوشش کی، اور جس عمل پر انہوں نے عزیز کی عورت کی ملامت کی تھی، وہ عمل ان میں سے ہر ایک نے کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام مخلص تھے، اس لئے شیطان ان کو بہکا نہیں سکتا تھا۔ جب ان عورتوں کو ناکامی ہوئی، تو انہوں نے آپ کی عدم رغبت کو عدم بشریت کا نام دیا، اور آپ کو مکرم فرشتہ کہہ کر سلام کیا۔

حاصل: عورت، عورتوں کے مکر کو جانتی ہے۔ کسی کے مکر کو واضح کرنے کے لئے مناسب مقام کا اہتمام بڑے علم سے کیا جاتا ہے۔ غائبانہ تعارف سے ایک ھیولہ ذہن میں بنتا ہے۔ پاک ہمیشہ اپنے ھیولے سے بڑا ہوتا ہے۔ ناپاک اپنے ھیولے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ کسی کو ملامت کرتے وقت، اپنے نفس پر اپنی قدرت کو دیکھنا چاہئے، اپنا کہا سنا اپنے سامنے آجاتا ہے۔ عورت کا مکر نہ چلے تو جنس مخالف کو فرشتہ کہہ دیتی ہے۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہنے لگی، یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں۔ اور بے شک میں نے ان کو لبھایا، تو یہ معصوم رہے۔ اور اگر یہ وہ نہ کریں گے جس کا میں امر دیتی ہوں، تو یقیناً قید ہوں گے، اور عزت بھی نہیں رہے گی۔

شرفاء مصر کی عورتوں کو ان کے اپنے ہاتھوں زخمی کروا کے، اور انہیں لبھانے میں ناکامی کا احساس دلا کر، عزیز کی عورت نے یہ کہا، دیکھ لیا تم نے، یہ ہیں وہ جن کے متعلق تم باتیں بناتی تھیں، اور مجھے طعنہ دیتی تھیں۔ جو کچھ تم سے ہو سکتا تھا تم نے بھی کر کے دیکھ لیا ہے، مگر آپ کسی کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ میری طرف سے ان کو لبھانے کی کوشش میں میرے پاس وقت بہت تھا، سامان بہت تھے، مقام موزوں تھا اور غفلت بالکل نہیں تھی، لیکن صدقے اس پاک مرد کے کہ بہر حال انہوں نے اپنی عصمت کو قائم رکھا۔ مگر ایسا نہیں ہے، کہ میں ان کا پیچھا چھوڑ دوں گی۔ ان کو وہ کرنے پر مجبور کروں گی، جس کی مجھے طلب ہے۔ اگر یہ نہیں مانے تو پھر سزا دلواؤں گی، قید کرواؤں گی، اور انہیں اس مقام پر پہنچاؤں گی کہ جہاں قدر و منزلت نہیں ہوگی۔ ممکن ہے پھر ماضی یاد آئے اور موجودہ سہولتوں کی قدر ہو۔

حاصل: عورت اپنی ہم جنسوں کو متاثر کر کے اپنے عمل کی حقیقت ان پر واضح کرتی ہے تب ان کے سامنے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتی ہے، مگر ناپاک ارادے کو چھوڑنے کی بات نہیں کرتی بلکہ مستقبل میں اپنی خواہش کے پورا نہ ہونے کی صورت میں انتقامی کاروائی کے منصوبے بناتی ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

دعا کی: اے میرے ربّ، مجھے قید زیادہ پسند ہے اس کام سے، جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔ اور اگر تو ان کے مکر کو مجھ سے دفع نہ کرے گا، تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا، اور یہ جہالت ہوگی۔

شرفاء مصر کی عورتوں کے مکروفریب میں جو دعوت تھی، اس میں خواہشات نفس کے حوالے سے سب کچھ موجود تھا۔ آپ نے پاکیزگی کے مقابلے میں اس سب کچھ سے کراہت کا اظہار کیا، اور کہا: اے میرے ربّ پاکیزگی کے ساتھ قید خانے میں رہنا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت ان آسائشوں کے جو ناپاکی کے ساتھ مشروط ہیں۔ ان عورتوں کے مکروفریب کو مجھ سے دور کرنا تیرا ہی کام ہے۔ ان کے عزائم قطعاً ناپاک ہیں۔ ناپاکی کے اس جال میں پھنس جانا جہالت ہوگی۔ بچ جانا صرف تیری مدد سے ہی ممکن ہے۔ تو ان کے مکروفریب کو مجھ سے دفع کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ میری ہمت کو تجھ سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ وقف لازم کو ملحوظ رکھنا بھی تیرے عطا کردہ علم کی بدولت تھا، تیری پناہ میں رہنا بھی تیری عنایت سے تھا، اور اس دعوت کو جہالت سمجھنا بھی تیرے کرم سے ہے۔ ان عورتوں کے مکروفریب نے اس دکھ کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ ان کے مکروفریب کو دور کرنا تیرے ہی بس میں ہے۔ میں تیری مدد کا طالب ہوں، اور عجزو نیاز کے ساتھ اظہار بندگی کرتا ہوں۔

حاصل: مخلصین کی شان یہی ہے، کہ انہیں پاکیزگی میں راحت ہوتی ہے، چاہے اس کے ساتھ تکالیف بھی لگی ہوئی ہوں، اور ناپاکی سے کراہت ہوتی ہے، چاہے اس میں نفس کی خوشی کے سب سامان ہوں۔ اپنا حق ادا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

تو آپ کے ربّ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اور آپ سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا۔ بے شک وہ سننے والا، علم والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ربّ سے یہ دعا کی: اے میرے ربّ ان عورتوں کے مکر کو دفع کر دے، یہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے۔ جس کام کی یہ ترغیب دیتی ہیں مجھے اس سے کراہت ہے، اس کے مقابلے میں قید خانہ میرے لئے عافیت اور سلامتی کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی، اور آپ سے عورتوں کے مکر کو دفع کر دیا۔ اس دعا کو سننا، جس کا اظہار مدد مانگنے والے کے لئے ممکن نہ ہو، اور مدد دینے والے سے رابطے کا یہی ذریعہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ اسے علم ہے، کس مقام پر کس طرح کیا تبدیلی لانی ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل: عصمت وعفت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے سُکھ مانگنا چاہئے۔ وہ علیم مطلق

ہے، وہ جہاں سکھ دے دے اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہئے، اس سے بڑا سننے والا اور علم والا کوئی نہیں۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۟ع ﴿٣٥﴾

پھر اُن نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی انہیں یہی خیال آیا، کہ ایک مدت تک آپ کو قید رکھا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی نشانیاں دیکھ لینے کے بعد حاکمان وقت کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ ایک مدت تک آپ کو قید کر دیا جائے۔ غلام کو سزا دی جائے گی، تو لوگ شرفاء مصر کی عورتوں کو نیک نام جانتے رہیں گے۔ عورت کو سزا دی گئی تو حق کے حوالے سے بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور بڑی ہلچل مچ جائے گی۔ سکون قائم نہ رہا تو حالات پر قابو نہیں رہے گا۔ اس لئے یہی ٹھیک ہے، کہ نظام حکومت کو موجودہ حالت پر رکھنے کے لئے یوسف علیہ السلام کو ایک وقت تک قید کر دیا جائے۔

حاصل: جب حاکم جزا پر یقین نہ رکھتے ہوں، تو وہ نام چاہے حق کا لیتے ہوں، کرتے خلافِ حق ہیں۔ امن وہی قائم رہے گا، جس کے نیچے لوگوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین ہو۔ ظالم حاکم کو معاشرے کی سطح پر امن دیکھنا بڑا عزیز ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں فرمایا ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں، وہ جو برے کام کرتے ہیں، کہ ہم سے بچ نکلیں گے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

اور قید خانے میں آپ کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خود کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تاویل کی خبر دیجئے، ہم آپ کو احسان کرنے والا دیکھ رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالا گیا، تو وہاں کے رہنے والوں نے حسن اخلاق کے اس نمونے سے بڑی راحت پائی۔ آپ کے علم و فضل کا چرچا ہوا، تو قیدی اپنے مسائل آپ کی خدمت میں پیش کرنے لگے۔ دو جوان جن کی قید کا زمانہ آپ کے ساتھ ہی شروع ہوا تھا، ایک وقت کے بعد آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے اپنے خوابوں کی تعبیر جاننے کے لئے آپ کو اپنے خواب سنائے۔ ایک نے یہ عرض کیا، کہ اس نے خود کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ دوسرے نے یہ عرض کیا، کہ اس نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں، اور پرندے ان میں سے کھا رہے ہیں۔ دونوں نے یہ گزارش کی، کہ ہمیں آپ کے سامنے اپنا خواب بیان کرنا ضروری معلوم ہوا ہے، آپ تعبیر بیان فرما دیں گے تو آپ کی عنایت ہوگی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ آپ لوگوں پر احسان کرتے ہیں، ہم بھی اسی احسان کے طالب ہیں۔

حاصل: دکھ بھی مشترک قدر بن جاتا ہے۔ قیدی اپنے ساتھیوں کے مشاہدات و تاثرات سنتے بھی ہیں، انہیں

سناتے بھی ہیں، اس لئے آسانیاں دینے والا بہت جلد متعارف ہو جاتا ہے۔ احسان کرنے والے کے سامنے اپنا حال بیان کرنے میں کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔ خواب کی تعبیر اسی سے پوچھنی چاہئے، جو حق کو مانتا ہو اور اسے احسن طریق سے ادا کرتا ہو۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

فرمایا، تمہارا طعام جو تمہیں ملا کرتا ہے، تمہارے پاس آنے نہیں پائے گا کہ اس کے آنے سے قبل میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ علم ہے جو مجھے میرے ربّ نے سکھایا ہے۔ میں نے اس قوم کی ملت ترک کی، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، تمہارے خوابوں کی تعبیر، تمہارے طعام کے آنے سے پہلے تمہیں بتا دی جائے گی، تاکہ تم پر بوجھ نہ پڑے۔ تعبیر بھی تمہیں مطلوب ہے، کھانے کا بھی تمہیں انتظار ہوتا ہے، اس لئے اطمینان رکھو کہ تمہاری راحت اور سکھ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ کھانے کی بات قیدیوں کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت نے ان کی جسمانی ضروریات کے متعلق ان کو تسلی دے کر نصیحت کرنی شروع کی۔ اپنے بارے میں یہ فرمایا: کہ جس علم سے میں تعبیر بتاتا ہوں، یہ میرے ربّ کا عطا کردہ ہے جو علیم مطلق ہے۔ اس لئے اس سے بہتر کوئی علم نہیں ہو سکتا۔ تعبیر بیان کرنے والے کی شان یہ ہے، کہ وہ اللہ پر ایمان نہ لانے والوں، اور آخرت کا انکار کرنے والوں کی ملت کو ترک کر چکا ہے اور ان کے قول و فعل کو کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

حاصل: روحانی تسکین کے طالب کو اس کی جسمانی ضروریات کے بارے میں اطمینان دلا کر دوسری باتیں کرنی چاہئیں۔ جس علم کے حوالے سے کوئی پوچھنے آئے، اس علم کے عطا کرنے والے کا ذکر پہلے کرنا چاہئے، پھر اپنا حال بیان کرنا چاہئے۔ قوم اور ملت ہم معنی لفظ نہیں ہیں۔ ملت کا تعلق عقیدے سے ہوتا ہے۔ قوم میں مختلف عقائد والے لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور میں اپنے آباء ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کی ملت کا اتباع کرتا ہوں۔ ہم کسی شے کو اللہ کا شریک قرار دینے والے نہیں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بزرگان عالی قدر کا نام لے کر ان کی ملت کے اتباع کا ذکر کیا، تاکہ حال کی تصدیق ماضی کے

حوالے سے ہو، اور یہ روشن ہو، کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک قرار دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اللہ مالک کل ہے۔ خالق کل ہے۔ توفیق دینے والا ہے۔ بشارت وانذار کے راستوں کو مرسلین کے ذریعے سے واضح کرتا رہا ہے۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ عبادات کے ساتھ ساتھ، لوگوں کے ساتھ معاملات اس طرح سے ہوں، کہ اپنے حق کی ادائیگی کو کسی کے عمل کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو لاشریک ماننے کی سند ہے۔ یکسوئی کا یہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جو انبیاء کرام کو عطا ہوا اور ان کی شہادت سے سب لوگوں تک پہنچا۔ اللہ کا یہ فضل سب لوگوں کے لئے ہے۔ مگر جو لوگ یکسوئی کے علم کی قدر نہیں کرتے وہ ناشکرے ہیں، اور ناشکرے اللہ کے فضل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

حاصل: حق کی تبلیغ سے پہلے انبیاء کرام سے اپنے تعلق کا اظہار کرنا چاہئے۔ یہ کہنا چاہئے، ہم کسی شے کو اللہ کا شریک قرار دینے والے نہیں۔ یکسوئی کا علم اللہ کا فضل ہے، اور یہ علم سب کے لئے ہے۔ جو اس کی بے قدری کرے، اسے یکسوئی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾

اے قید خانہ کے رفیقو، کیا متفرق ربّ بہتر ہیں، یا اللہ جو واحد ہے اور قہار ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ساتھیوں کو خطاب کرتے وقت، حال کے حوالے سے بات کی گئی ہے، اور ان سے پوچھا گیا ہے، کہ اظہار بندگی کے لئے کون سا راستہ صحیح ہے۔ کچھ لوگ بہت سے ربّ بنا لیتے ہیں، اور ربوبیت کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان کا کسی ربّ کے ساتھ بھی کلی اور ہمہ وقتی تعلق نہیں ہوتا۔ اپنی خواہشات کے حوالے سے انہوں نے جو نام رکھ لئے ہیں، جو شکلیں بنا رکھی ہیں، جو تماثیل تراش لی ہیں اور ان کی پوجا کا ایک طریقہ بھی خود ہی تجویز کر لیا ہے، بندگی کا یہ طریقہ زندگی کو تضادات کا مجموعہ بنا دے گا۔ اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، توفیق دینے والا معطیٔ مطلق ماننا، اور ہر حال پر اس کے غلبے کو تسلیم کرنا، بندگی کا یہ طریقہ زندگی کو تضادات سے پاک کر دے گا۔ صرف اسی صورت میں کوئی معاشرہ وحدت فکر کے مقام پر آ سکتا ہے، جو کسی معاشرے کے باحقیقت ہونے کے لئے ضروری ہے۔

حاصل: ساتھیوں سے خطاب، حال کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ جب متفرق ربّ مانے جائیں گے، تو اپنی خواہش کی پیروی سے بچنا ناممکن ہوگا۔ اللہ کو مانا جائے گا، تو سیدھ ہر مقام پر قائم رہے گی، اور وحدت فکر، ماننے والوں کا امتیاز ہوگی۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

تم اس کے مقابل کچھ نہیں پوجتے مگر نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ حکم نہیں مگر اللہ کا۔ اس کا امر ہے، اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جن کی اللہ کے مقابل بندگی کی جاتی ہے، ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ وہ چند نام ہیں، جو حال پر بت

پرستوں نے رکھ لئے ہیں، اور ماضی میں بت پرستوں نے رکھ لئے تھے۔ خالق کی طرف سے اس کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی گئی۔ جزا دینے والے کا حکم ہی حکم ہے۔ کسی دوسرے کا یہ حق ہی نہیں، کہ وہ خود کو حکم دینے والے کے مرتبے کے برابر بتائے۔ حکم مالک کل کا ہے، حکم مالک یوم الدین کا ہے۔ اس نے یہ فرمایا ہے: کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے۔ اللہ کی رضا کو حق مانا جائے، اور اس کے ڈر کو بھی حق مانا جائے۔ جو حکم، حکم الٰہی کے خلاف ہو، اس کو ماننے سے انکار کیا جائے، یہ سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ حکم الٰہی کی باتیں کرتے رہتے ہیں، حکم کو مانتے نہیں۔ اس لئے حکم کو جاننے کا مقام ان پر نہیں آتا۔ جاننے کا مقام ہمیشہ ماننے کے بعد آتا ہے۔

حاصل: حکم خداوندی کے خلاف جو بھی کیا جائے، بے سند ہوتا ہے۔ جو حکم، حکم الٰہی کے خلاف ہو اس کو ماننے سے انکار کرنا چاہئے۔ دین کا علم، حکم الٰہی کو ماننے سے ہوتا ہے۔ نہ ماننے سے اور دین کی باتیں کرنے سے، علم حقیقی کبھی حاصل نہیں ہوتا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ﴿۴۱﴾

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو، تم میں ایک تو اپنے صاحب کو شراب پلائے گا اور دوسرا جو ہے، اس کو سولی پر چڑھایا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، فیصلہ ہو چکا اس بات کا، جس کے متعلق تم سوال کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمادی۔ مگر ان کی موجودگی کے باوجود انہیں الگ الگ خطاب نہیں کیا۔ بات ان پر واضح تھی۔ آپ نے یہ فرمایا: تم میں سے ایک تو اپنے صاحب کو شراب پلانے پر مامور ہو جائے گا۔ رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا۔ اس کو دی گئی سزا کو دیکھنے والوں کے لئے عبرتناک بنانے کے لئے اس کی لاش کو ایک وقت تک لٹکتے رکھا جائے گا، حتیٰ کہ پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم نے جو پوچھا وہ تمہیں بتا دیا گیا ہے۔ جس علم سے یہ فیصلہ سنایا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، اس لئے اس کی قطعیت میں شک نہیں ہو سکتا۔

حاصل: بات سننے والوں کی سمجھ میں آجائے، اس سے زیادہ وضاحت غیر ضروری ہوتی ہے اور تکلیف دہ بھی ہوتی ہے، اس لئے ایسی وضاحت سے اجتناب ضروری ہے۔ جو فیصلہ علم حقیقی پر مبنی ہو، وہ بدلا نہیں کرتا۔

وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ﴿۴۲﴾ ع ۵/۱۵

اور ان دونوں میں سے جسے آپ نے نجات پانے والا دیکھا، اس سے یہ کہا، کہ اپنے صاحب کے پاس میرا ذکر کرنا۔ تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ وہ آپ کا ذکر اپنے صاحب سے کرے۔ تو آپ کئی برس قید خانے میں رہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے، دونوں قیدیوں میں سے ایک کو نجات پانے والا دیکھا۔ اس سے یہ کہا، کہ جب تم اپنے منصب پر بحال ہو جاؤ، اور تمہیں اپنے صاحب کا قرب حاصل ہو، تو میرے بارے میں اپنے تاثرات کو بیان کرنا۔ آپ اس قیدی کے محسن تھے۔ اسے اپنے صاحب سے آپ کا ذکر کرنا چاہئے تھا۔ قید خانہ کے حالات کا اپنے صاحب سے بیان کرنا، اصلاح قید خانہ کے لئے ضروری تھا۔ آپ نے نجات پانے والے قیدی کو جو بھی کہا، وہ قطعاً حق تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے آزادی کی طلب کے پیش نظر یہ تدبیر نہیں کی تھی۔ ثبوت یہ ہے کہ جب بادشاہ نے آپ کو بلایا، تو آپ نے بادشاہ کے پیغام بر کو لوٹا دیا، اور فرمایا: اپنے صاحب کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ میرے ربّ کو ان کے مکر کا بڑا علم ہے۔ (۱۲:۵۰) باہر کے حالات جب تک پاکیزگی اور سلامتی کے حوالے سے درست نہ ہوتے، یوسف علیہ السلام کو قید خانہ عزیز تھا۔ اس لئے یہ کہنا 'کہ آپ نے خلاف توکل، قیدی سے یہ کہا، کہ اپنے صاحب سے میرا ذکر کرنا'، درست نہیں ہے۔ نجات پانے والا قیدی، آپ کے علم کو دیکھ چکا تھا، آپ کے اخلاق حسنہ کو دیکھ چکا تھا۔ مسائل کو حل کرنے کی جس صلاحیت کا اس نے آپ کی ذات گرامی میں مشاہدہ کیا تھا، اسی کو اس نے اپنے صاحب کے سامنے بیان کرنا تھا۔ نجات پانے والے قیدی نے تکلیف کے زمانے کو بھلا دیا، اور اپنی چاہتوں میں ایسا الجھا کہ اسے اپنے محسن کا ذکر کرنا یاد ہی نہ رہا۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کو تو شیطان بہکاتا ہی ہے۔ نجات پانے والا قیدی، اپنے صاحب سے حضرت یوسف علیہ السلام کا غائبانہ تعارف ہی کروا سکتا تھا۔ یہ تعارف اس کے صاحب کے لئے مفید بھی تھا، ضروری بھی تھا، کہ علم حقیقی کے جاننے والے سے رہنمائی حاصل کرنے کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ کے علم اور مرتبے کو نہ جاننے والوں نے کئی سال آپ کو قید خانہ میں رکھا۔

حاصل: بلند مقامات پر اپنے محسن کا ذکر کرنا چاہئے۔ اس سے سکھ پہنچانے والے کا تعارف ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو آسانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اپنی پسند کے کاموں میں الجھ جانے والا، اپنے محسن کو بھول جاتا ہے۔ علم والوں کی بے قدری، علم والوں کے لئے بھی تکلیف دِہ ہوتی ہے، فائدہ نہ اٹھانے والوں کو بھی دکھ ہی پہنچتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ فرما دیجئے، کیا مساوی ہیں، علم والے اور علم نہ رکھنے والے! نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْيَاىَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور بادشاہ نے کہا، کہ میں نے خواب میں سات فربہ گائیں دیکھی ہیں، جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات بالیں سبز اور دوسری خشک۔ اے درباریو، مجھ سے میرے خواب کی تعبیر کہو، اگر تم خواب کی تعبیر دینا جانتے ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے علم کی قدر و منزلت بڑھانا، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اس نے اس کے لئے جو اسباب چاہے پیدا کر دیئے۔ بادشاہ نے خواب میں دیکھا، کہ سات گائیں ہیں جو موٹی تازی ہیں، مگر انہیں دوسری سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں۔ اسی

خواب میں بادشاہ نے یہ بھی دیکھا، کہ سات ہری بالیاں ہیں، اور دوسری سات خشک ہیں، اور خشک بالیں، ہری بالیوں پر لپٹ کر انہیں سکھا دیتی ہیں۔ بادشاہ کو یہ خواب، بہت عجیب لگا۔ اس نے اپنے درباریوں سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی مگر یہ تاکید کردی، کہ جسے معبر ہونے کا دعویٰ ہو، وہی بیان کرے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، اسباب اسی کے مطابق رخ اختیار کرنے لگتے ہیں۔ جس علم کے حوالے سے بات ہو رہی ہے، اس علم کے جاننے والوں کو بولنا چاہیئے، دوسروں کو سننا چاہیئے۔ بولنے والوں پر لازم ہے، کہ وہ سننے والوں کے لئے الجھاؤ کا باعث نہ بنیں۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

کہنے لگے، یہ پریشان خوابیں ہیں، اور ہم ایسی باتوں کا مطلب نہیں جانتے۔

درباریوں نے بادشاہ کے خواب کو سن کر، اسے غیر اہم قرار دیا، اور اس کے متعلق یہ رائے دی، کہ بعض اوقات نیند میں ایسی صورتیں اور ایسی کیفیتیں نظر آجاتی ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایسا ہی خواب ہے۔ ایسی باتوں کی تاویل ہمارے علم میں نہیں۔ بادشاہ کو اس خواب کے بعد جو پریشانی لاحق تھی، وہ اس کے رویئے سے بالکل عیاں تھی۔ درباریوں کی کوشش یہی تھی، کہ اس پریشانی کو بے حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ کو یہ منظور تھا، کہ انسان کا بنایا ہوا علم، جو قیافے اور گمان پر مبنی ہوتا ہے، علم حقیقی کے سامنے اپنے عجز کو دیکھ لے، اور جس ذات پاک کو اس علم حقیقی سے نوازا گیا ہے، لوگ اس کے بلند مرتبے کو دیکھ سکیں۔

حاصل: درباری لوگ، اپنے صاحب کی خوشی کے لئے باتیں بناتے رہتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں، تو اس مقام کو غیر اہم ثابت کرنے سے نہیں چوکتے۔

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

اور ان دو میں سے نجات پانے والا بولا، اور ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا، میں آپ لوگوں کو اس کی تعبیر بتاؤں گا، مجھے بھیجیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں داخل ہونے والے دو جوانوں میں سے ایک کو رہائی ملی تھی، اور یہ بادشاہ کے درباریوں میں سے ایک تھا۔ بادشاہ کی خواب کو سن کر اور درباری معبروں کی بے بسی کو دیکھ کر اسے یاد آیا، کہ قید خانے میں اسے ایک بزرگ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اور اس کے خواب کی تعبیر آپ نے بڑے یقینی علم سے بیان فرمائی تھی۔ اسے یہ بھی یاد آیا، کہ اس نے اپنے تجربے اور مشاہدے کے حوالے سے آپ کا غائبانہ تعارف کروانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اس نے دربار والوں سے رخصت کی اجازت چاہی، اور انہیں یہ بتایا، کہ وہ انہیں بادشاہ کے خواب کی تعبیر لا کر دے گا، اور وہ ایسی تعبیر ہوگی، جو قطعاً درست ہوگی۔

حاصل: مخلصین کی صحبت میں گزرے ہوئے لمحات سرمایہ حیات ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی دُنیاوی مشکلات کے حل کو ڈھونڈتے ہوئے مخلصین تک پہنچ پاتے ہیں، وہ اگر اپنی مشکل کے حل ہونے کے بعد انہیں بھول جائیں تو اپنی

یا اپنے متعلقین کی آئندہ مشکلات میں انہیں پورا ماضی یاد آجاتا ہے۔تب وہ اپنے ساتھیوں کو اطمینان دلا کر، ان کی مشکل کی گرہ کشائی کا وعدہ کرتے ہیں۔

یُوسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اے یوسف علیہ السلام اے صدّیق، ہمیں تعبیر بتایئے، سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دبلی گائیں کھاتی ہیں، اور سات ہری بالیاں اور دوسری سوکھی، کہ میں تعبیر کے ساتھ لوگوں کی طرف لوٹ کر جاؤں، تاکہ انہیں علم ہو جائے۔

بادشاہ کے ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور آپ کی صداقت کو بصد تکریم تسلیم کیا۔نجات پانے والے کی ذات، یوسف علیہ السلام کی صداقت کی نشانی تھی۔آداب بجالانے کے بعد حاضر خدمت ہونے کا منشاء عرض کیا، اور خواب بیان کیا۔یہ بھی عرض کیا، کہ اس تعبیر کو لے کر اسے لوگوں کی طرف لوٹ کر جانا ہے، انہیں اس خواب کی تعبیر جاننی چاہئے۔درباری معبر اس کو خواب پریشان کہہ کر بادشاہ کو اس خواب کے غیر اہم ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔آپ کی زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ سند کا درجہ رکھتا ہے۔آپ کی بیان کردہ تعبیر سن کر یہ لوگ آپ کے علمی مرتبے کو جان سکیں گے، اور اس طرح جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے، اس کا ازالہ ہو جائے گا۔

حاصل: جس کی صداقت کا مشاہدہ ہو چکا ہو، اس کا احترام بڑھ جاتا ہے۔اس کی بات پورے یقین سے سنی جاتی ہے، اور لوگوں کو پورے یقین سے سنائی جاتی ہے۔لوگ جس قدر مذکورہ صاحب کی تکریم کریں تعارف کرانے والے کو اسی قدر راحت ہوتی ہے۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًاۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

فرمایا، تم سات برس خوب زراعت کرو گے۔جو کاٹو اسے اس کی بال میں رکھ چھوڑو مگر تھوڑا جو تمہیں کھانا ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی کو تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا: سات برس خوب زراعت ہوگی۔فصلیں اچھی ہوں گی۔ان سات برسوں کی پیداوار سنبھالنے کی صورت یہی ہے، کہ پکے ہوئے دانے، ان کی بالوں میں رہنے دیئے جائیں۔حفاظت کا جو بندوبست اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔جو دانے استعمال کرنے ہوں وہ بالکل ضرورت سے زاید نہ ہوں۔انہیں ان کی بالوں سے نکال کر استعمال کر لیا جائے۔آپ نے تعبیر بھی بتائی، اور سلامتی کے ساتھ رہنے کی تدبیر بھی بتائی۔آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے استفادہ کرنے والوں پر کوئی شرط نہیں لگائی۔

حاصل: مخلصین کی طریقت یہی ہے، کہ عطا الٰہی کو تقسیم کرنے میں دیر نہ لگائی جائے، اور کوئی شرط بھی نہ عاید کی جائے۔تعبیر وہی پوری ہوگی، جس کے ساتھ اس حال پر رہنے کی احسن تدبیر بھی موجود ہوگی۔

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھر اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے، کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لئے رکھا ہوگا، سوائے اس تھوڑے سے کے جو تم بچا رکھو گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ سات برس خوب فصلیں ہوں گی، اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے، اور ان سات برسوں میں پہلے سات برسوں کا بچایا ہوا سب ختم ہو جائے گا، سوائے اس کے جسے روک رکھا جائے گا۔ آسانی کے سات برسوں میں بچا کر رکھنے کی تدبیر ضروری تھی۔ تنگی کے سات برسوں میں بچا کر رکھے ہوئے کو اس طرح استعمال کیا جاتا تھا، کہ مشکل وقت بھی گزرے اور کچھ بچ بھی رہے۔ انفرادی سطح پر بھی احتیاط لازم تھی، اجتماعی سطح پر بھی دھیان رکھنا ضروری تھا، کہ کسی جگہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔

حاصل: اجتماعی مسائل تبھی حل ہوتے ہیں، جب فرد اپنی ذات کے ساتھ رعایت نہ برتے، اور دوسروں کو رعایت دے۔ جہاں اصول وضوابط کو اپنی خواہشات کے مقابل غیر اہم سمجھا جائے گا، وہاں اجتماعی مسائل بڑھتے رہیں گے۔

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع ۶/۱۲

پھر اس کے بعد ایک برس آئے گا، جس میں لوگوں پر بارش خوب ہوگی، اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے۔

خواب کی تعبیر بیان کر دینے کے بعد، آسانی کے سالوں میں اور قحط کے سالوں میں فصلوں کو سنبھالنے اور کھانے کے اصول و تدابیر کو واضح کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت نے یہ بشارت بھی دی، کہ ان مذکورہ سالوں کے گزرنے کے بعد ایک سال آئے گا، جس میں بارش خوب ہوگی، مردہ زمین زندہ ہو جائے گی، فصلیں اچھی ہوں گی۔ لوگ برکات سے نوازے جائیں گے، اور تنگی کے بعد انہیں آسانی حاصل ہوگی۔ ثمرات بھی کثرت سے ہوں گے، غلہ بھی بہت ہوگا۔ یہ بشارت بھی تعبیر کا حصہ ہے، کہ عسر کے ساتھ ہی یسر بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا ہوتا ہے۔

حاصل: خواب کی تعبیر وہی پوری ہوگی، جس میں سلامتی کے راستے کو روشن کیا جائے۔ تنگی کے وقت سے آگاہی حاصل ہو تو اس وقت کو گزارنے کی احسن صورت بھی معلوم ہو جائے، اور تنگی کے بعد آسانی کی بشارت بھی دی جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (۳۲) میں ارشاد فرمایا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور کیا دیکھتے نہیں کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بھیجتے ہیں، پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ اس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، تو کیا انہیں سوجھتا نہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ

اور بادشاہ نے کہا، انہیں میرے پاس لے آؤ۔ تو

الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ فَسۡـَٔلۡہُ مَا بَالُ النِّسۡوَۃِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ بِکَیۡدِہِنَّ عَلِیۡمٌ ﴿۵۰﴾

جب اس کا بھیجا ہوا آپ کے پاس پہنچا، فرمایا: اپنے صاحب کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے سوال کرو کہ ان عورتوں کا حال کیا ہے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ میرا ربّ تو ان کے مکر کو جانتا ہے۔

ساقی کی زبان سے خواب کی تعبیر سن کر بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کا شوق ہوا۔ اس نے حکم دیا، کہ یوسف علیہ السلام کو دربار میں لایا جائے۔ جب بادشاہ کا بھیجا ہوا، حضرت کی خدمت میں پہنچا، اور بادشاہ کے بلاوے کی خبر دی، تو آپ نے فرمایا: جس حوالے سے مجھے قید میں ڈالا گیا تھا، اسی حوالے کے فیصلے سے اس قید کو ختم ہونا چاہیے۔ جن عورتوں نے میرے ساتھ مکر کیا تھا، اور جن کے مکر کو سن کر مجھے قید کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، ان سے حقیقت حال معلوم کی جائے۔ ان کی نشانی یہی ہے، کہ انہوں نے محویت میں پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیا تھا۔

حاصل: جس کی دانش اور علم وفضل کا یقین ہو جائے، اس سے ملنے کا شوق ہو جاتا ہے۔ علم والے ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں، کہ جس حوالے سے کسی کام کی ابتدا ہوئی تھی، اسی حوالے سے اس کی انتہا ہونی چاہیے۔ اگر فیصلہ کرنے والے کو وہ حوالہ ملحوظ نہ رہے تو فیصلے سے متاثر ہونے والے، ابتدائی حوالے کا ذکر کرنا اپنا حق جانتے ہیں۔ منشاء یہی ہوتا ہے، کہ پاکی اور ناپاکی کے درمیان حد فاصل کو دیکھا جائے، اور شبہات کی بیخ کنی ہو۔

قَالَ مَا خَطۡبُکُنَّ اِذۡ رَاوَدۡتُّنَّ یُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمۡنَا عَلَیۡہِ مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۵۱﴾

بادشاہ نے عورتوں سے کہا، تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف علیہ السلام کا دل لبھایا۔ کہنے لگیں، اللہ کو پاکی ہے، ہمیں ان میں کسی برائی کا علم نہیں۔ عزیز کی عورت بولی، اب اصل بات کھل گئی ہے، میں نے ان کو لبھایا تھا، اور یہ یقیناً صادق ہیں۔

بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے علم وفضل کو جاننے کے ساتھ ہی آپ کی پاکیزگی کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھا۔ ان عورتوں کو بلا بھیجا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اور یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کا یقین رکھتے ہوئے، ان سے پوچھا: تمہارا کیا کام تھا، کہ تم نے حضرت کا دل لبھایا۔ اس کے جواب میں عورتوں نے کہا: آپ کے متعلق ہمارا مشاہدہ یہی ہے، کہ ہم نے آپ میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ عزیز کی عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کو جس قدر دیکھا تھا، کسی دوسرے کا وہ مقام نہیں تھا۔ اب اس کو آپ سے محبت ہو چکی تھی۔ اس کے محبوب کے بارے میں، ہاتھ کاٹ لینے والی عورتیں گواہی دے رہی تھیں کہ انہوں نے آپ کی ذات پاک میں کوئی برائی نہیں دیکھی، مگر اپنے عمل کے بارے میں انہیں کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ عزیز کی عورت اگر خاموش بھی رہتی، تو بادشاہ آپ کی پاکیزگی کا معترف تھا، مگر محبت نے اس عورت کو حوصلہ دیا، اور اس نے جلوت میں یہ شہادت دی: حق واضح ہو چکا ہے، میں نے ان کو لبھایا تھا، اور ان کی

پاکیزگی اور صداقت میں کوئی شک نہیں۔

حاصل: فیصلہ کرنے والے کو پاک اور ناپاک سے ایک ہی لہجے میں بات نہیں کرنی چاہئے۔ جس کی پاکیزگی کو روشن کرنا مقصود ہو، اس کے بارے میں یہ پوچھنا چاہئے، کیا اس صاحب میں کسی نے برائی دیکھی ہے۔ اور جواب یہی ہو کہ نہیں دیکھی، تو پاکیزگی روشن ہو جائے گی۔ محبّ ہی اپنے محبوب کے متعلق پوری بات کر سکتا ہے۔ جو اپنے قصور کا اعتراف نہ کرے، وہ باحقیقت نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

یہ اس لئے کہ اسے علم ہو جائے، کہ میں نے اس کے پیچھے اس کی کوئی خیانت نہیں کی اور اس لئے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا مکر چلنے نہیں دیتا۔

جب لوگوں نے یہ دیکھا، کہ آپ کو قید سے بڑی عزت کے ساتھ نجات مل رہی ہے لیکن نجات سے پیشتر آپ اس واقعہ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں جس کی بنا پر آپ کو قید میں ڈالا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: یہ اس لئے ضروری ہے کہ میرے ماضی کے بارے میں جو شبہات تھے وہ اس طرح ختم ہوں کہ عزیز کو علم ہو جائے کہ اس کے گھر میں جس طرح رہنے کی اس نے مجھے اجازت دی تھی میں بالکل اسی طرح رہا ہوں، اس صورت میں کسی خیانت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ بات بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ نہیں ہے، وہ کبھی خیانت کرنے والوں کا مکر چلنے نہیں دیتا۔

حاصل: اپنی پاک دامنی کو ثابت کرنا حق ہے۔ اس کے ساتھ ہی تائید ایزدی کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ حق کو چھپانے کے لئے جو بھی مکر کیا جائے، ناکام ہو جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے مکر کرنے والوں کی تدبیر کی حقیقت ہی کیا ہے۔

الجزء ١٣

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں اپنے نفس کی برأت کی بات نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا امر کرتا ہے، مگر جس پر میرا ربّ رحم فرمائے۔ بے شک میرا ربّ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ماضی کے واقعہ سے پردہ اٹھانے کا منشاء یہ نہیں ہے، کہ میں اپنے نفس کی برأت اور نزاہت کا ذکر کر کے اپنے دل کو خوش کروں۔ نفس کا مزاج جب وہ امارہ کے درجے میں ہو، یہی ہے کہ وہ برائی کا امر کرتا ہے اور لبادہ اس کا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر جس پر میرے ربّ کا رحم ہو جائے وہ اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتا۔ جو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرے، اسے نفس کی خوشی مطلوب ہی نہیں ہوتی۔ یہ ایک انعام ہے جو میرا ربّ عطا فرماتا ہے، جو بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل: اپنے نفس کی نزاہت و برأت ثابت کرنے کی بجائے، اللہ کے رحم کا ذکر کرنا چاہئے۔ جسے اللہ کی رضا

کے مقابل اپنے نفس کی خوشی مطلوب نہ ہو، اللہ کا رحم اسے اپنے احاطے میں لئے رکھتا ہے۔اس میں جو راحت ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾

اور بادشاہ نے کہا، انہیں میرے پاس لے آؤ، میں انہیں اپنا معتمد خاص بنالوں گا۔ پھر جب آپ سے کلام کیا، کہنے لگا، بے شک آج آپ ہمارے ہاں معزز معتمد ہیں۔

اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام سے بادشاہ کا رابطہ بالواسطہ تھا۔اس نے اپنے خواب کی تعبیر آپ سے پائی۔آسانی اور تنگی کے سالوں میں رہنے کی تدبیر آپ سے پائی۔آپ نے قید سے نجات کے لئے اس حوالے کا ذکر کیا، جس حوالے سے آپ کو قید میں ڈالا گیا تھا۔قید سے نجات میں جلد بازی نہ کرنے پر دیکھنے والوں کی حیرت کا جواب بھی آپ نے دیا۔یہ باتیں بھی بادشاہ کے علم میں آئیں۔تو اس نے اپنے دربار میں اعلان کیا کہ حضرت کو یہاں لایا جائے۔میں انہیں ان کے علم وفضل اور صبر وتحمل کی بدولت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔اب میں انہیں اپنا معتمد خاص بناؤں گا۔اعلان درباریوں کو سنانے کے لئے کیا گیا تھا، کہ کوئی آپ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے مرتبے کے بارے میں لاعلم نہ رہے، اور آپ کے مرتبے کے حوالے سے آپ کی تکریم میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔جب آپ تشریف لے آئے، اور بادشاہ کے انتظام وانصرام کے مطابق آپ سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی، اس نے آپ سے کلام کیا۔بالمشافہ بات چیت سے بادشاہ کے اندر آپ کی قدر ومنزلت مزید بڑھی۔اس نے کہا: جو ہو چکا سو ہو چکا، آج سے آپ ہمارے ہاں بڑے عزت والے اور بڑے معتمد ہیں۔ہم آپ کے فرمان کو بھی مانیں گے، اور مقام کوئی ہو، آپ کی نظر سے ہی دیکھیں گے۔آپ کا فیصلہ ہمارا فیصلہ تو ہوگا ہی، مگر یہ ایسا فیصلہ ہوگا، جس کو ہم بدلیں گے نہیں۔آپ پر کسی کو شک کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔آپ کے حکم کی اسی طرح تعمیل ہوگی، جس طرح ہمارے حکم کی ہوتی ہے۔درباریوں نے آپ کے مرتبے اور مقام کو خوب جان لیا۔

حاصل: جس کے علم وفضل اور صبر وتحمل کا پتہ بالواسطہ چلے، اس سے ملاقات ایسے ماحول میں کرنی چاہئے، جہاں سب آدابِ تکریم سے آگاہ ہوں۔بات چیت میں اپنی قلبی کیفیت کو بیان کرنا چاہئے، اور آخر میں اس صاحب کے مرتبے اور مقام کا اعلان کرنا چاہئے، جس سے ملنے اور اپنے ساتھیوں کو ملانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

فرمایا، مجھے ملکی خزانوں پر مقرر کردیجئے، میں حفاظت کرنے والا، علم والا ہوں۔

بادشاہ کو آنے والے سالوں کے بارے میں جب یہ معلوم ہوگیا، کہ پہلے سات سال فصل اچھی ہوگی، پھر سات سال قحط کے ہوں گے، تو اسے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی ایسے صاحب کو جس کی خوش انتظامی شک وشبہ سے بالا ہو ملکی خزانوں پر مقرر کیا جائے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔آپ نے فرمایا: اس خدمت کے لئے جس اہلیت کی ضرورت ہے وہ ہے، حفاظتِ پیداوار کا علم اور تقسیم پیداوار کا علم۔میرے پاس یہ علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔موجودہ وسائل کو اس طرح استعمال کیا جائے، کہ

ضروریات زندگی سب کو میسّر آئیں، اور فرد اپنی ضرورت کو اس حد سے آگے نہ بڑھنے دے، جو اجتماعی سلامتی کے لئے مقرر کی گئی ہے تو قحط کے دکھ کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ طلب امارت اور مشکل حالات میں اپنی خدمات کا پیش کرنا کبھی مساوی نہیں ہو سکتا۔

حاصل: طلب امارت، خواہش کی پیروی ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ مشکل حالات میں خدمات سرانجام دینا، اجتماعی بھلائی کے لئے اچھی اور قابل تقلید مثال قائم کرنا، امانت و دیانت کے ساتھ آمدنی اور خرچ کا پورا حساب رکھنا، لوگوں کو ضروریات زندگی کے نام پر خواہشات نفس کی پیروی سے روکنا، یہ سب کام صرف مخلصین ہی کر سکتے ہیں۔ امارت کی طلب ہو تو یہ کام نہیں کئے جا سکتے۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں اقتدار بخشا، اس میں جہاں چاہیں متمکن ہوں۔ ہم جسے چاہیں اپنی رحمت سے نوازیں، اور ہم محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں اقتدار اعلیٰ سے نوازا، جس میں آپ کچھ عرصہ پہلے عزیز مصر کے غلام تھے۔ اختیار و اقتدار کا یہ عالم تھا، کہ پورا ملک آپ کے تصرّف میں تھا۔ آپ کا فرمان بڑے احترام کے ساتھ مانا جاتا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بڑے علم سے اور بڑی حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو علم و حکمت سے دور ہو وہ ایسے امور کو جاننے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ محسنین وہ لوگ ہوتے ہیں، جو مصائب و آلام کو باذنِ اللہ جان کر صبر کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے، یہ دیکھتے ہیں، کہ رضاءِ الٰہی کے مطابق حال پر ان کا عمل کیا ہونا چاہئے۔ یہ لوگ بھلائی کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ اپنے تعارف میں یہ بتا دیتے ہیں ''ہمارا اجر ربّ العالمین پر ہے''۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ محسن کو رضاءِ الٰہی کے حصول میں راحت ملتی ہے۔ لوگ اس کی قدر کریں یا بے قدری کریں، وہ اسے باذنِ اللہ جانتا ہے۔

حاصل: جسے اللہ تعالیٰ اقتدار بخشتا ہے، وہ پاکیزگی کے حوالے سے برسر اقتدار آتا ہے۔ جو ناپاک ہو اور اقتدار پر قابض ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تابع ضرور ہوتا ہے۔ اقتدار اس کے لئے دُنیا میں بھی باعث عذاب ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہوگا۔ جس کی پاکیزگی کی سند موجود ہو، اس کے اختیار کو تقویّت دینی چاہئے، اس کی تکریم کرنی چاہئے۔ ہم پر کسی کا احسان ہو تو اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے یاد رکھنا چاہئے، اور ہمارا کسی پر احسان ہو، تو اسے یاد نہیں رکھنا چاہئے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع ۸

اور آخرت کا اجر ان کے لئے بہتر ہے، جو ایمان اور تقویٰ کرتے رہے۔

حیاتِ دُنیا میں جو لوگ رضاءِ الٰہی کے مقابل کسی کی خوشی نہیں دیکھتے، اور اللہ کے ڈر کے مقابل کسی سے ڈرتے نہیں یہ اللہ کو ماننے

والے اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں، آخرت کا یقین رکھنے والے لوگ ہیں۔ان کے لئے یقیناً آخرت کا اجر بہتر ہے۔انہیں دُنیا میں حسن عمل کا بدلہ، اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہونے کی بدولت، راحت کی صورت میں ملتا ہے۔آخرت میں یہ بڑی عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہوں گے۔جو لوگ حیاتِ دُنیا میں من مانی کرتے ہیں، اور اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ جو بھی کرتے ہیں، لوگوں کی خوشی کے لئے یا لوگوں کے ڈر سے کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کو کبھی راحت حاصل نہیں ہوتی۔آخرت میں تو انہیں عذاب ہوگا ہی۔

حاصل: ایمان اور تقویٰ حیاتِ دُنیا میں باعث راحت ہوتا ہے۔آخرت میں تو ایسے حضرات کو بڑے اجر سے نوازا جائے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف (۴۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۹ اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے درجات ہیں، تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال پورے بھر دے، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝۵۸

اور یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے، اور آپ کے پاس حاضر ہوئے، تو آپ نے انہیں پہچان لیا، اور وہ آپ کو نہیں پہچان سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ملک میں ایسا انتظام کیا، کہ سات سال میں ملک کے غلے کو سنبھال کر رکھنے والے گودام بھر گئے۔لوگوں نے اپنی ضرورتوں کو کم کرنے کی مسلسل کوشش کی۔مصر والے قحط کے زمانے میں غلہ دینے والے مشہور ہو گئے۔اس شہرت کو سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر میں آئے۔لوگوں سے غلہ حاصل کرنے کا طریقہ معلوم کیا، اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے انہیں پہچان لیا، مگر وہ آپ کو نہیں پہچان سکے۔آپ نے بھی بھائیوں کو بڑی مدت کے بعد دیکھا تھا، مگر ان کی سابقہ اور موجودہ حالت میں وہی فرق تھا، جو اتنا وقت گزرنے کے بعد اور ان مقامات کے حوالے سے جن سے ان لوگوں کا گزر رہوا تھا، ہونا چاہئے تھا، اس لئے آپ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔بھائی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے، کہ یوسف علیہ السلام کی وہ حالت جس میں آپ کو کنوئیں میں پھینکا گیا تھا اور موجودہ حالت جس میں آپ ملکی خزانوں کے منتظم تھے، اتنا فرق تھا، کہ آپ کو پہچاننا ان کے لئے بہت مشکل تھا۔

حاصل: جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے دیکھے، اس کی نظر میں ان کی سابقہ اور موجودہ حالت کا فرق حجاب نہیں بنتا۔جو اسباب میں الجھ جائے، اس کے سامنے بہت حجابات ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۵۹

اور جب ان کا سامان انہیں مہیا کر دیا، فرمایا: اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لے آئیو۔تم دیکھتے نہیں، میں ماپ پورا دیتا ہوں، اور میں خوب مہمان نوازی کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے غلے کی تقسیم کا ایسا بندوبست کیا تھا، کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف ہوتا تھا۔جو آ سکتا ہو اور نہ آئے اس کے

حصے کا غلہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جو نہ آسکتا ہو اس کا عذر قبول کیا جاتا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے بھائی کا حصہ بھی مانگتے ہو اور یہ بھی کہتے ہو، کہ وہ آسکتا ہے، اب آئندہ اسے لے کر آنا۔ تم نے یقیناً دیکھا ہوگا، کہ میں ہر ایک کو اس کا ماپ پورا دیتا ہوں۔ قحط کا زمانہ ہے، ہر ایک کو سامان زیست درکار ہے۔ لوگ کسی کے ہاتھ بلا عذر اپنا حصہ منگوانا شروع کر دیں، تو نظم وضبط درست نہیں رہتا۔ ہر آنے والے کا یہ حق ہے، کہ اسے مقررہ مقدار میں غلہ دیا جائے، اور اس کی مہمان نوازی خوب ہو، اور تم یہ دیکھ چکے ہو کہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے۔

حاصل: منتظمین پر یہ حق ہے، کہ وہ نظم وضبط کو درست رکھیں، تا کہ ہر ایک کو اس کا حصہ پورا ملے، عزت واحترام کے ساتھ ملے اور مقررہ حدود کے اندر مہمان نوازی بھی ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

اور اگر تم اسے نہ لاؤ، تو میرے یہاں تمہارے لئے ماپ نہیں، اور میرے قریب آنے کا تمہیں حق بھی نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا قاعدہ یہی مقرر ہوا ہے کہ جو آسکتا ہو، اسے آکر غلہ لینا ہے۔ تمہارے بیان پر تمہارے ساتھ رعایت برتی گئی ہے۔ اس بیان کو صحیح ثابت کرنا تمہارے ذمّے ہے۔ اگر تم اپنے سوتیلے بھائی کو اگلی بار نہ لاؤ گے تو پھر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہارے لئے یہاں ماپ نہیں ہوگا، اور تمہیں میرے قریب آنے کا حق بھی نہ ہوگا۔

حاصل: جس پر اعتبار کیا جائے، اسے کہنا چاہئے، کہ تمہارے ساتھ آئندہ تعلقات کی بنیاد اسی بات پر ہوگی، کہ تم اپنے آپ کو سچا ثابت کرو گے۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہنے لگے، ہماری اس کے باپ سے یہی چاہت ہوگی، اور ہمیں یہ ضرور کرنا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ کہا، کہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا ہمارے ذمے ہے۔ ہم یہی چاہیں گے کہ والد صاحب اس بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ تدبیر کوئی بھی کرنی پڑے، ہمیں اس کام کو کرنا ہے۔ والد صاحب کی اجازت کے بغیر اس بھائی کا آنا ممکن نہیں۔ یہ اجازت لینا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے۔

حاصل: وعدہ وہی کرنا چاہئے، جس کا پورا کرنا ہمارے بس میں ہو۔ اپنی ضرورت پیش نظر ہو، تو کوشش میں کمی نہیں ہوتی۔ اپنی کوشش اپنی ضرورت کے حوالے سے ہوتی ہے۔

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور آپ نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا، ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو، کہ اپنے اہل کی طرف واپس جا کر اس کو پہچانیں، تا کہ پھر بھی آئیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا: ان لوگوں سے لی گئی پونجی ان کے سامان میں رکھ دی جائے۔ آپ نے

اس عمل کے منشاء کو بھی واضح فرمایا، کہ یہ لوگ جب اپنے اہل کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اپنے سامان میں اپنی پونجی کو پائیں گے، تو ان پر واضح ہو جائے گا، کہ ان کی پونجی احترام کے ساتھ انہیں لوٹا دی گئی ہے۔ اس طرح ان کو واپس آنے میں کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوگی۔

حاصل: اپنے ساتھ کام کرنے والوں پر اپنے منشاء کو واضح کر دینے سے، ان کی یکسوئی قائم رہتی ہے۔ جس کے ساتھ مروت کی جائے اس کی عزت افزائی اس طرح کرنی چاہئے، جس طرح اپنی ذات کے لئے پسند ہو۔ لوٹ کر وہی آتا ہے جس کو لوٹ کر آنے میں راحت ہو۔

فَلَمَّا رَجَعُوٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ کر گئے، کہنے لگے اے والد محترم ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے، تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، کہ غلہ لاسکیں، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی خدمت میں سفر سے واپسی پر حاضر ہوئے، تو عرض کرنے لگے: اے والد محترم! ہم سے بہت اچھا سلوک کیا گیا ہے۔ مصر میں ہمیں بڑی عزت سے رکھا گیا ہے۔ ہم نے اپنے بھائی کا حصہ بھی مانگا تو انہوں نے ہم پر مہربانی کی۔ دے تو دیا مگر یہ شرط بھی عاید کر دی، کہ آئندہ اس بھائی کو لے کر آنا ورنہ تمہیں غلہ نہیں ملے گا، اور تمہیں قاسم کے قریب آنے کا حق بھی نہیں ہوگا۔ آپ مہربانی سے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں گے، تو ہم غلہ لاسکیں گے، اور بھائی کی حفاظت کے بارے میں کوتاہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

حاصل: اپنے بڑوں کے سامنے اپنے سفر کے مشاہدات و تاثرات بیان کرنے میں مطلوب ان سے تصدیق ہونی چاہئے۔ اپنی ضرورت کے حوالے سے جو بات کی جائے، اس کے وزن کو بڑھانے کی کوشش ضرور ہوتی ہے، اور اپنی ذمہ داری کو نباھنے کا عہد بھی ہوتا ہے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

فرمایا، کیا میں تم پر اعتبار کروں مگر ویسے ہی، جیسے اس سے قبل اس کے بھائی کے بارے میں اعتبار کیا تھا۔ تو اللہ سب سے بہتر حفاظت کرنیوالا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنیوالا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی درخواست کے جواب میں یہ فرمایا، کہ حفاظت کرنے کا ایسا ہی وعدہ تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی کیا تھا۔ اب ایسے ہی وعدے کو سن کر تم پر اعتبار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ تمہاری ضرورت شدید ہے۔ تمہارے ساتھ اس بھائی کو نہ بھیجا جائے تو تمہیں قاسم کے قریب جانے کا حق نہیں ہوگا، غلے کا حصول تو بعد کی بات ہے۔ اب رہا سوال کہ تم حفاظت کا حق ادا کرو گے یا نہیں، اور تم اس پر رحم کرو گے یا نہیں، تو حفاظت کرنے کا حق تبھی ادا ہو سکتا ہے، جب اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ رحم تبھی کیا جاسکتا ہے، جب ارحم کی سنت پیش نظر ہو۔ اور جب اللہ کی رضا کے مقابل کچھ اور مطلوب ہو تو نہ حفاظت کرنے کا حق ادا کیا جاسکتا ہے، نہ رحم کرنے کا علم ہی ہوسکتا

ہے۔ علم الٰہی کے علاوہ کسی علم سے یہ جواب نہیں دیا جاسکتا جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی درخواست کے جواب میں دیا۔

حاصل: کسی پر اعتبار کرنے سے پہلے اس کی سابقہ کارکردگی کو دیکھا جاتا ہے۔ کسی مقام پر حفاظت کرنے کا حق تبھی ادا ہوسکتا ہے، جب اللہ کی رضا مطلوب ہو۔ رحم کرنا تبھی ممکن ہوتا ہے جب ارحم کا ساتھ ہو۔ اس زبان پاک سے نکلا ہوا ہر لفظ معیاری ہوتا ہے، جو علم الٰہی سے بولتی ہو۔

وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَ جَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

اور جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا، تو اپنی پونجی کو اس میں پایا کہ ان کی طرف لوٹا دی گئی تھی۔ عرض کرنے لگے، اے والد گرامی قدر ہمیں اور کیا چاہئے۔ یہ رہی ہماری پونجی کہ ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے، اور ہم اپنے اہل کیلئے غلہ لائیں، اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں، اور ایک اونٹ کی بھرتی زیادہ پائیں۔ وہ بھرتی آسان ہے۔

جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا، تو اپنی پونجی کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔ یہ پونجی انہیں لوٹا دی گئی تھی۔ اس مشاہدے کے بعد انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے والد گرامی قدر یہ دیکھئے، ہمیں غلے کے ساتھ یہ پونجی بھی لوٹا دی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن اخلاق ہوسکتا ہے۔ بہتری یہی ہے کہ ہم وہاں جائیں، اور اپنے اہل کے لئے غلہ لائیں۔ ہم یقیناً اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے۔ ہمیں ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ ملے گا۔ یہ بڑی بات ہے، اور ہمارے لئے اس کا حصول بھی آسان ہے۔

حاصل: جس کام میں اپنی منشاء سے بڑھ کر فائدہ ہو، اس کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ ایسی رغبت کے جواز کو ثابت کرنا مشکل نہیں ہوتا۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾

فرمایا، ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کا عہد دو، کہ تم ضرور اسے لے کر آؤ گے، سوائے اس کے کہ تم سب گھیر لئے جاؤ۔ پھر جب آپ کو سب نے عہد دیا، فرمایا، اللہ ہماری باتوں پر وکیل ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی درخواست کو سنا اور فرمایا: ہرگز میں تمہارے ساتھ اس بھائی کو نہیں بھیجوں گا حتیٰ کہ تم مجھے اللہ کا عہد دو، اور عہد یہ ہو کہ تم اسے ضرور لے کر آؤ گے، سوائے اس صورت کے کہ تم سب بے بس ہو جاؤ۔ اس عہد کا منشاء، عہد کرنے والوں کو انتہائی سنجیدگی کے مقام پر لانا ہے۔ انہیں ان کی ذمہ داری کا احساس دلانا ہے، اور واضح کرنا ہے کہ یہ ذمہ داری رخصت کے وقت سے شروع ہوگی اور یہاں پر واپسی تک ہوگی۔ حفاظت کا وعدہ کرنے والے خود گھر جائیں تو پھر یہ ان کے بس کی بات نہ ہوگی۔ سب نے حضرت کے

سامنے یہ عہد کیا، تو آپ نے فرمایا: ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں، اللہ اسے سن رہا ہے۔ وہ اس پر گواہ ہے، اور وہی کارساز ہے۔

حاصل: جس سے عہد لیا جائے، اس کو سنجیدگی کے مقام پر لانا ضروری ہے۔ عہد اپنے بس کے حوالے سے ہوتا ہے، اور ایک وقت کے لئے ہوتا ہے، جس کی ابتدا و انتہا معلوم ہوتی ہے۔ جب عہد لے لیا جائے، تو عہد لینے والے کو یہ کہنا چاہئے، کہ اللہ ہی گواہ ہے اور کارساز ہے۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

فرمایا، اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا۔ حکم سب اللہ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکّل کیا، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی، کہ ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، بلکہ کئی دروازوں سے داخل ہونا۔ منشاء آپ کا یہ تھا، کہ ان لوگوں کا شہر میں داخل ہونا، بڑی خبر نہ بنے، اور اس خبر کا جو منفی ردّعمل ہوسکتا ہے، اس سے یہ لوگ بچ جائیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا: میری تدبیر قطعاً اللہ کی مشیّت کو روک نہیں سکتی۔ حکم بہرحال اسی کا ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ میں اسی پر توکل کرتا ہوں، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ توکل یہ ہے، کہ اپنی دانست میں صحیح رخ اختیار کرنے کے بعد، یہ امید رہے، کہ اللہ کا فضل شامل حال ہوگا، نتیجہ باذن اللہ ہوگا، اور اس میں ضرور بھلائی ہوگی۔ بندے کی شان یہی ہے، کہ وہ اپنا حق رضاء الٰہی کے لئے ادا کرے۔ نتیجہ اس کے لئے باعث راحت ہو، تو اسے اپنی تدبیر کی بدولت نہ سمجھے، اور اگر نتیجہ باعث راحت نہ ہو، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یقین رکھے۔

حاصل: اپنے ساتھیوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور یہ بھی بتانا چاہئے کہ نتائج بہرحال باذن اللہ ہوتے ہیں۔ کسی بھی مقام پر اپنا رخ صحیح رکھتے ہوئے اللہ سے اس کے فضل کی امید رکھی جائے، اور یہ یقین رکھا جائے کہ ساحل مراد تک اللہ ہی پہنچا سکتا ہے، تو کل ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع ۸

اور جب داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد صاحب کا امر تھا، اللہ کی کسی بات سے انہیں بچا نہیں سکتا تھا، مگر وہ یعقوب علیہ السلام کے جی میں ایک حاجت تھی جسے آپ نے پورا کیا۔ اور بے شک وہ ضرور علم والے تھے جو علم ہم نے انہیں عطا کیا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے والد صاحب کے امر کی تعمیل کی اور مصر میں داخل ہوتے وقت متفرق ابواب سے داخل ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو بھی فرمایا تھا وہ علم اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تھا۔ آپ کو ان بچوں کی سلامتی کی طلب تھی۔ اس کے لئے جو حق آپ پر عاید ہوتا تھا، آپ نے اس کو پورا کیا، اور بڑے علم سے پورا کیا۔ مگر جو اللہ کو منظور تھا، اس کو روکا نہیں جا سکتا تھا، اور آپ نے پہلے فرما دیا تھا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ (۱۲:۶۷) تدبیر کرنا حق ہے اور اس کا منشاء کبھی اللہ کی مشیّت کو بدلنا نہیں ہوتا۔ تدبیر یہی ہے، کہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کی اس طرح حفاظت کی جائے، کہ وہ رضاءِ الٰہی کے مطابق صحیح محل پر استعمال ہو۔

حاصل: علم حقیقی رکھنے والوں کے امر میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ تدبیر کرنا حق ہے، اور اس کا منشاء کبھی اللہ کی مشیّت کو بدلنا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر تدبیر کرنے کا حق عاید کیا گیا ہے، اسی لئے اللہ کی رضا کو انسان پر واضح کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کا پتہ کسی کو اسی قدر لگ سکتا ہے، جس قدر اللہ چاہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (۳۲) میں فرمایا ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جسے اس کے ربّ کی آیتوں سے نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا، بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور جب وہ یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اپنے بھائی کو پاس بٹھایا۔ فرمایا: بے شک میں تمہارا بھائی ہوں، تو افسوس نہ کر ان کاموں کا جو انہوں نے کئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اپنے سوتیلے بھائی کو ساتھ لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا۔ اس عزت افزائی کے ساتھ مہمان نے میزبان کو غور سے دیکھا، تو اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ میزبان کی بھائی سے قریبی مشابہت، بھائی کی جدائی کا زخم، اس کے متعلق بھائیوں کی گھڑی ہوئی خبر، باپ پر فراق کے اثرات، اور کیا کچھ سامنے نہیں تھا۔ گریہ طاری تھا، مگر بھائیوں کا ڈر بھی تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے موقعہ پیدا کر کے اپنے بھائی کو سہارا دیا، اس پر واضح کیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں، اب افسوس نہ کر جو کچھ یہ بھائی کرتے رہے ہیں، اس کو مصائب باذنِ اللہ جان کر صبر کرنا چاہئے۔

حاصل: مجبور کی عزت افزائی کرنی چاہئے، اس کو سہارا دینا چاہئے، اور اس کے ماضی کے مصائب و آلام کو باذنِ اللہ کہہ کر ان پر صبر کا مرہم رکھنا چاہئے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر جب ان کا سامان مہیا کر دیا، پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا، اے قافلہ والو تم تو چور ہو۔

جب ان لوگوں کا سامان مہیا کر دیا گیا، تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے سامان میں پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ بھائی اس بات پر تیار نہ تھا، کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ اسے روک لینے کی تدبیر یہی تھی کہ اس پر کچھ الزام ہو، اور تفتیش کے لئے اسے روک لیا جائے۔ بھائی کو یوسف علیہ السلام نے یہ بتا دیا تھا، کہ یہ بات تمہاری پریشانی کا باعث نہ بنے۔ جب سرکاری کارندوں نے اپنا سامان سنبھالا، تو پیالے کو نہ پا کر ان کا خیال قافلہ والوں کی طرف گیا۔ ایک صاحب نے کچھ فاصلے پر ان کو روکا اور کہا، تم تو چور ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا انتظام ایسا تھا، کہ منتظمین کی نظر شک کے اظہار کے لئے کسی دوسرے کی طرف گئی ہی نہیں۔ اسی لئے پکارنے والے نے پکار کر کہا، تم تو چور ہو۔

حاصل: مدد کسی کو بھی مروّجہ قانون کے حوالے سے دی جانی چاہئے۔ جس کو مدد مطلوب ہو اسے بتا دینا چاہئے، کہ اس پر کیا بوجھ پڑ سکتا ہے۔ انتظام ایسا ہونا چاہئے، کہ سرکاری کارندوں پر شک کی گنجائش ہی نہ ہو، اور یقین سے ملزم کی نشاندہی کی جا سکے۔

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

کہنے لگے، اور ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا، تمہیں کیا نہیں مل رہا۔

برادران یوسف پکارنے والے کی پکار کو سن کر رک گئے، اور کہنے لگے، آپ کا کیا کھو گیا ہے کہ آپ ہم پر شبہ کر رہے ہیں، اور آپ کو ہم پر اس شبہ کی گنجائش کیسے ملی ہے۔ ہم کہیں بھاگے نہیں، ہمارا سامان آپ کے سامنے ہے، تلاشی لی جا سکتی ہے۔

حاصل: شک کا اظہار کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر اس سے پوچھنا چاہئے، آپ کو کیا نہیں مل رہا، اور ہم پر شک کی گنجائش آپ کو کیسے ملی ہے۔

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

کہنے لگے بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا، اور جو اسے لائے گا اسے ایک اونٹ کا بوجھ ملے گا، اور میں اس کا ضامن ہوں۔

محافظین نے قافلے والوں کے جواب میں کہا، کہ بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا، اور اگر کوئی اسے خود بادشاہ کی طرف لوٹا دے گا، تو اس کے لئے انعام بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ اسے ایک اونٹ کا بوجھ بطور انعام ملے گا۔ اعلان کرنے والے نے اپنی سرکاری حیثیت میں یہ واضح کیا، کہ انعام کا دلانا اس کی ذمہ داری ہے۔

حاصل: کسی شے کے گم ہو جانے کی صورت میں پہلے یہ موقعہ فراہم کرنا چاہئے، کہ اسے ایک وقت تک لوٹایا جا سکے۔ لوٹانے والے کو انعام بھی دیا جانا چاہئے، اور اس انعام کا اعلان بھی کیا جانا چاہئے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

کہنے لگے، اللہ کی قسم تمہیں علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے، اور نہ ہم کبھی چور تھے۔

برادران یوسف نے محافظین سے یہ کہا، کہ ہمارے چال چلن کے بارے میں لوگ جانتے ہیں، اور ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں، کہ

لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ ہم قطعاً اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے۔ ہم یہاں پہلے بھی آچکے ہیں۔ جن جن لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑا، ان میں آپ لوگ بھی تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ ہمارے کسی عمل سے شرارت کا ثبوت ملا۔ رہی چوری کی بات تو ہم اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمیں اس ذات بابرکات کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے، جس کی تصدیق سے لوگ حسن اخلاق کی سند پاتے ہیں۔

حاصل: جب شک کا اظہار کیا جائے، تو جواب میں اپنے ماضی کا حوالہ دینا چاہئے، اور اپنی پاکیزگی کا ثبوت دینا چاہئے۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ کہنے لگے، پھر کیا جزا ہے اس کی اگر تم کاذب ہوئے۔

محافظین نے کہا، تم اللہ کی قسم کھا رہے ہو، کہ تم فساد کرنے والے نہیں ہو، چور نہیں ہو، اگر تفتیش کے نتیجے میں تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ، تو پھر تمہارے لئے سزا کیا ہوگی، یہ تم خود ہی بتادو۔

حاصل: شک کے جواب میں جو پاکیزگی کا دعویٰ کرے، اس سے پوچھ لینا چاہئے، اگر تم جھوٹے ثابت ہو گئے، تو تمہاری جزا کیا ہوگی۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ انہوں نے کہا، اس کی جزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں پایا جائے، وہی اس کے بدلے میں جائے۔ ہم ظالموں کو ایسے ہی جزاء دیتے ہیں۔

برادران یوسف جانتے تھے، کہ ان کے ہاں چوری کی سزا کیا تھی، اس لئے انہوں نے اپنے ہاں کا مروجہ اصول بیان کر دیا۔ اصول یہ تھا، کہ جو چور ثابت ہو جائے وہ مال بھی لوٹائے اور ایک وقت تک بلا معاوضہ خدمت بھی کرے۔ چور اپنے بدل کے طور پر کسی دوسرے کو خدمت گار نہیں بنا سکتا تھا، اسے خود ایک وقت تک غلام بننا پڑتا تھا۔

حاصل: پوچھنے والے کو اپنی طریقت ضرور بتادینی چاہئے۔ اس کی وضاحت ضروری نہیں ہوتی۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ تو اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے ان کی خرجیوں سے تلاشی شروع کی، پھر اسے اپنے بھائی کی خرجی سے برآمد کر لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی۔ شاہی قانون کے مطابق انہیں اپنے بھائی کو روک لینے کا حق نہیں پہنچتا تھا، مگر جو اللہ چاہے۔ ہم درجات بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں۔ اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

محافظین ان لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے تلاشی لینی شروع کی۔ پہلے سوتیلے بھائیوں کے

سامان کو دیکھا گیا، پھر آخر میں اسے اپنے بھائی کے سامان سے برآمد کرلیا۔ پیالہ برآمد ہوجانے کے بعد قافلے والوں کو بہت شرمندگی ہوئی۔ ملکی قانون کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لینے کا حق نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اللہ کی سکھائی ہوئی تدبیر سے یہ کیا، کہ بھائیوں سے ان کے دستور کو بیان کروایا، اور اسی دستور کے مطابق جس سے پیالہ برآمد ہوا تھا اس کو خدمت کے لئے روک لیا۔ علمی برتری سے درجہ بلند ہوتا ہے۔ اللہ جسے چاہے علمی برتری عطا کرتا ہے۔ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ متعلم، معلم سے سیکھتا ہے وہ معلم بھی کسی کا متعلم ہوتا ہے۔ سب سے اوپر معلم حقیقی ہے، جس سے اوپر کوئی نہیں ہوسکتا۔

حاصل: ناظرین کو شک کرنے کی گنجائش نہیں دینی چاہئے۔ علمی برتری سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ علمی برتری اللہ عطا کرتا ہے۔ اپنے علم کو انتہائی کہنے کا حق بندے کو نہیں ہوتا، اعلم کو ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کے علم سے فائدہ اٹھانے والوں کے درجات بھی بلند ہوتے رہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

کہنے لگے، اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ تو یوسف علیہ السلام نے اسے اپنے جی میں چھپایا، اور انہیں جتایا نہیں۔ فرمایا، تم برے مقام پر ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بناتے ہو۔

پیالہ برآمد ہوجانے کے بعد ان لوگوں کو شرمندگی ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا حقیقی بھائی نہیں ہے۔ اس نے چوری کی ہے، تو ایسی ہی حرکت اس کے بھائی نے بھی کی تھی۔ یہ ایسی حرکت کرسکتے ہیں، ہم ایسی بات کو تصور میں بھی نہیں لاسکتے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس بات کو سنا تو جواب میں حقیقت کو ان پر واضح نہیں کیا، اور انہیں یہ تاثر بھی نہیں دیا کہ تمہاری اس بات سے مجھ پر بوجھ پڑا ہے۔ یہ فرمایا، کہ تمہاری پاکیزگی کا دعویٰ غلط ثابت ہوگیا ہے۔ پیالہ برآمد ہونے سے پہلے تم نے اس کی چوری کے امکان کا ذکر نہیں کیا، جب وہ چور ثابت ہو گیا ہے تو خود کو اس سے الگ کررہے ہو۔ تمہاری باتیں قابل اعتبار نہیں ہیں۔ جس کی بات قابل اعتبار نہ رہے، اس سے برا مقام کس کا ہوگا۔ حقیقت حال کا اور حقیقت ماضی کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ ہے۔ وہی جانتا ہے، تمہاری باتوں میں حقیقت کتنی ہے، اور بناوٹ کتنی ہے۔

حاصل: حاکم کو لوگوں کی گھڑی ہوئی بے سند باتوں کا برا نہیں منانا چاہئے، اور اپنے ذاتی تاثرات کو سنبھال کر رکھنا چاہئے، جب تک ان کے اظہار کا صحیح موقعہ نہ آجائے۔ جو قابل اعتبار نہ رہے وہ برے مقام پر ہوتا ہے۔ جس بیان کی تصدیق نہ کی جاسکتی ہو، اس کے متعلق یہ کہنا چاہئے، اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں تم بناتے ہو۔

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

عرض کرنے لگے، اے عزیز! اس کے والد گرامی بڑے بزرگ ہیں، تو اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے، ہم آپ کو محسن دیکھتے ہیں۔

پیالہ برآمد ہو جانے کے بعد قافلے والوں نے یہ عرض کیا: اے عزیز! جس کے سامان سے پیالہ برآمد ہوا ہے، اس کے والد گرامی قدر بڑے بزرگ ہیں۔ اگر اس کو روک لیا گیا، تو انہیں بہت صدمہ ہوگا، اور اس عمر میں ایسے صدمے کے تصوّر سے ہی ایک خوف سا آتا ہے۔ آپ کے احسانات بہت دیکھے ہیں۔ ایک احسان اور کیجئے، کہ اس کی جگہ جس کے سامان سے آپ کا پیالہ برآمد ہوا ہے ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے۔ یہ آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔

حاصل: احسان کی درخواست کرنے سے پہلے رحم طلبی کا جواز پیش کرنا چاہئے، پھر جس سے احسان مطلوب ہو اس کے حسن عمل کا اعتراف بھی کرنا چاہئے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع ۹ / ۱۱ / ۲

فرمایا، اللہ کی پناہ کہ ہم کسی کو پکڑیں، سوائے اس کے جس کے پاس سے ہم نے اپنی چیز برآمد کی، تب تو ہم ظالم ہوں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے قافلے والوں کی درخواست کو نامنظور کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی پناہ، کہ ہم مطلوبہ شخص کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پکڑیں۔ تمہارے قاعدے کے مطابق جس سے مال برآمد ہو، اسی کو روکنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اس لئے جس سے ہمارا مال ملا ہے، اس کے علاوہ کسی کو نہیں روکیں گے۔ ایسا ہو تو یہ احسان نہیں ہوگا، بلکہ ظلم ہوگا۔ ظلم اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کریں گے۔

حاصل: احسان کے نام پر اگر کوئی خلافِ حق کرنے کی درخواست کرے، تو اسے کہنا چاہئے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ظلم اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، اس لئے ہم یہ نہیں کریں گے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (۱۳) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ اور جنہوں نے صبر کیا اپنے ربّ کی رضا چاہتے ہوئے، اور نماز قائم رکھی، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کیا، اور برائی کو بھلائی سے دور کرتے رہے، انہی کے لئے پچھلا گھر ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

پھر جب اس سے مایوس ہوئے، مشورہ کرنے کے لئے الگ ہو بیٹھے۔ ان کے بڑے نے کہا، کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لے رکھا ہے، اور اس سے قبل تم یوسف علیہ السلام کے بارے میں قصوروار ہو۔ تو میں تو ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا۔ حتیٰ کہ والد گرامی مجھے اِذن دیں یا اللہ میرے لئے حکم فرمادے۔ اور وہ سب حاکموں سے بہتر ہے۔

قافلے والے جب اپنے بھائی کو چھڑانے کے لئے سب کچھ کہہ بیٹھے اور مایوس ہوگئے، تو لوگوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئے اور مشورہ کرنے لگے۔ ان کے بڑے بھائی نے کہا، کہ تمہیں ضرور علم ہوگا، کہ والد صاحب نے تم سے اللہ کا عہد لے رکھا ہے۔ اگر ہم اس بھائی کو یہاں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، تو یہ رویہ ایفائے عہد کے خلاف ہوگا۔ ہم اس سے قبل یوسف علیہ السلام کے معاملے میں قصوروار ہیں۔ ہمارے اس فعل سے ہماری سابقہ کارکردگی بھی تازہ ہو جائے گی۔ ان حالات میں، میں تو یہاں سے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ والد صاحب بلا بھیجیں تو یہ دوسری بات ہے، یا اللہ میرے لئے کوئی فیصلہ فرمادے، کہ اس سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

حاصل: نئی راہِ عمل متعین کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنے عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ بدعہدی سے سابقہ قصور بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ بڑائی اس بات میں ہے کہ اپنے لئے حق کے حوالے سے راہِ عمل کا تعین کیا جائے۔

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤى اَبِيۡكُمۡ فَقُوۡلُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَكَ سَرَقَ‌ۚ وَمَا شَهِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا كُنَّا لِلۡغَيۡبِ حٰفِظِيۡنَ ﴿۸۱﴾

اپنے باپ کی خدمت میں لوٹ جاؤ، پھر عرض کرو، اے والدِ گرامی قدر آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جس کا ہمیں علم تھا، اور غیب کی نگہبانی ہمارے بس میں نہ تھی۔

بڑے بھائی نے یہ کہا، کہ آپ لوگ والد صاحب کی خدمت میں لوٹ جائیں، اور وہاں جا کر یہ عرض کریں، کہ آپ کے بیٹے کے سامان سے بادشاہ کا پیالہ برآمد ہوا ہے۔ ہم سے پوچھا گیا تھا، کہ اگر تم جھوٹے ہوئے تو تمہاری جزا کیا ہوگی، ہم نے کہا، جس کے سامان سے مسروقہ چیز برآمد ہو اسے ایک مدت تک خدمت کے لئے روک لیا جائے۔ ہم نے گواہی وہی دی جو ہمارے علم میں تھی۔ اس گواہی سے جو نتیجہ برآمد ہوا، اسے روک لینا ہمارے بس میں نہ تھا۔

حاصل: جب عہد کو وفا کرنا بس میں نہ رہا ہو، تو انہیں مطلع کرنا چاہئے جن سے عہد کیا گیا تھا۔ بات پوری تفصیل سے بیان کر دینی چاہئے اور اعتراف کرنا چاہئے، کہ غیب کی نگہبانی ہمارے بس میں نہ تھی۔

وَسۡـئَلِ الۡقَرۡيَةَ الَّتِىۡ كُنَّا فِيۡهَا وَالۡعِيۡرَ الَّتِىۡۤ اَقۡبَلۡنَا فِيۡهَا‌ ؕ وَاِنَّا لَـصٰدِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾

اور اُس قریئے سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے، اور اُس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں۔ اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا بیان دیا، اور اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ کہا، کہ ہمارے بیان کی تصدیق دو طرح سے ہو سکتی ہے: وہ بستی جس میں ہم تھے، اور جہاں یہ واقعہ پیش آیا، وہاں کے لوگ یہ گواہی دیں گے، کہ ہم وہی کہہ رہے ہیں، جو کچھ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے، کہ جس قافلے کے ساتھ ہم آئے ہیں اس قافلے والے بھی ہمارے بیان کی تصدیق کریں گے۔ اور ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

حاصل: جن مقامات سے اپنے بیان کی تصدیق ہوسکتی ہو، ان کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ صداقت کا دعویٰ تبھی درست ہوتا ہے، جب اس کے ساتھ شہادتیں دی جاسکتی ہوں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِیْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

فرمایا: تمہارے نفس نے اس امر کو تمہارے لئے سہل بنا دیا ہے، تو صبر اچھا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے، بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے اندر تمہارے بھائی کے لئے جیسے جذبات تھے، ان کی موجودگی میں تمہارے لئے یہ ماننا آسان ہے، کہ میرے بیٹے نے چوری کی ہے۔ میرے لئے یہ ماننا ممکن نہیں کہ میرا بیٹا جس کے اخلاص کا میں شاہد ہوں، چوری کرسکتا ہے۔ تو میں صبر کرتا ہوں۔ حرف شکایت میری زبان پر بھی نہیں آئے گا، میرے جسم کی زبان سے بھی اس کا اظہار نہیں ہوگا۔ اللہ کی معیت کا یقین صبر کو جمیل بنا تا ہے۔ آپ نے فرمایا: قریب ہے، کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے۔ ان کا فراق جو ماضی قریب میں مجھ سے بچھڑے ہیں، اس فراق کے ساتھ مل گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچھڑنے سے شروع ہوا تھا۔ فراق حقیقی ہو تو اس کا نتیجہ ضرور وصال ہوتا ہے۔ یہ وصال کب ہوگا، کیسے ہوگا، کہاں ہوگا، یہ سب باتیں اللہ کے علم سے اور اس کی حکمت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی طرف سے جو ہوگا، اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

حاصل: جس کے اخلاص کا یقین ہو، اس کے متعلق خلافِ حق بات کا گمان نہیں ہوسکتا۔ صبر جمیل اللہ تعالیٰ کی معیت کا وہ مقام ہے، جس میں حرف شکایت نہ زبان پر آتا ہے، نہ جسم کی زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ فراق حقیقی ہو تو اس کا انجام ضرور وصال ہوتا ہے۔ جو آسانی اللہ کے علم اور اس کی حکمت سے مل سکتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں نہیں مل سکتی۔

وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

اور ان سے منہ پھیرا اور پکارے ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر! اور آپ کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، تو انہوں نے اپنے غم کو ضبط کئے رکھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے بات کرنے کے بعد ان سے منہ پھیرا، اور پکارے: ہائے افسوس یوسف علیہ السلام کی جدائی پر! فراق میں گریئے کا مقام تو آپ پر رہتا ہی تھا، اس گریئے نے آپ کی آنکھوں کو سفید کردیا، پلکوں کی سیاہی جاتی رہی، مگر آپ نے اپنے دکھ کو ایسے ضبط کئے رکھا، کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔

حاصل: جو لوگ اپنے زاویۂ نگاہ کو درست کرنے پر تیار نہ ہوں، ان سے منہ پھیر لینا حق ہے۔ ہجر میں توجہ مسلسل اپنے پیارے پر رہتی ہے۔ گریہ مدت دراز تک رہے تو آنکھیں سفید ہوجاتی ہیں۔ غم کی موجودگی میں لوگوں کے سامنے اپنے غم کو ضبط کرنا ممکن ہوجاتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہنے لگے، اللہ کی قسم آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کا تذکرہ کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ آپ گھل جائیں یا جان ہی سے گزر جائیں۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا، کہ اللہ کی قسم! آپ کو اپنے پیارے بیٹے کے تذکرے سے فرصت نہیں ملے گی حتیٰ کہ آپ اسی غم میں گھل جائیں، یا زندگی ہی تمام ہو جائے۔ یہ غم آپ کے لئے غم حیات بن کے رہ گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ہمدردی کے اظہار میں بھی ان لوگوں کا حسد واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔

حاصل: جتنا کسی کو سوجھے اس سے زیادہ وہ کیا بتا سکے گا۔ حسد اندر موجود ہو، اور قول سے اس کا اظہار نہ ہو، یہ ناممکن ہے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

فرمایا، میں تو اپنے اضطراب اور غم میں اللہ تعالیٰ ہی سے فریاد کرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔

بیٹوں کے جواب میں آپ نے فرمایا: مصائب باذن اللہ ہوتے ہیں۔ اسی سے فریاد کی جائے، تو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی معیت نصیب ہو، وہ کبھی شکوہ نہیں کرتا، اللہ سے اس کا فضل ضرور مانگتا ہے۔ یاس و ناامیدی کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جس علم سے نوازا ہے، وہ تمہیں معلوم نہیں۔ میں جو بھی کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے کرتا ہوں۔ تمہاری نظر کیا دیکھتی ہے، اس کو اہمیت دینا ضروری نہیں۔

حاصل: جو اپنے اضطراب اور غم کا اظہار اللہ سے کرتا ہے، وہ کبھی شکوہ نہیں کرتا، البتہ اللہ سے اس کا فضل ضرور مانگتا ہے۔ جس کا مشاہدہ اس کی خواہشات کے تابع ہو، وہ علم حقیقی رکھنے والے کو نہیں جان سکتا۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اے بیٹو، جاؤ اور یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی عنایت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک کافر ہی اللہ کی عنایت سے مایوس ہوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی، کہ جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کو تلاش کرو۔ یوسف علیہ السلام کی تلاش کو ناممکن کہنا مایوسی ہے، اور مایوسی صرف کافر کو ہوا کرتی ہے۔ اللہ کی عنایت و مہربانی سے مایوس ہونا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی کو تو یہ لوگ عزیز مصر کے پاس چھوڑ کر گئے تھے، اور اس کے وہاں سے چلے جانے کا امکان بھی نہ تھا، اس سے روشن ہو جاتا ہے، کہ یعقوب علیہ السلام علم الٰہی کے حوالے سے یہ جانتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام وہاں قریب ہی ہیں۔ تلاش کرنے والے

اگر بے ہمتی کا مظاہرہ کریں گے، تو یہ بات خلافِ حق ہوگی، اس لئے آپ نے مایوسی سے بچنے کی تاکید کردی۔

حاصل: بہتر جاننے والے کے حکم کی تعمیل میں اپنے خیال کو حائل نہیں ہونے دینا چاہئے۔ اللہ کی عنایت کا یقین ہو تو اپنی قوت اور اپنے وسائل کا صحیح استعمال ممکن ہوتا ہے۔ مایوس مسبب الاسباب کو نہیں مانتا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

پھر جب آپ کے پاس حاضر ہوئے، عرض کرنے لگے، اے عزیز ہم پر اور ہمارے اہل پر سختی پڑی ہے، اور ہم بے قدر پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں، تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجئے، اور ہم پر خیرات کیجئے، بے شک اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے آپ کے فرمان کے مطابق عزیز مصر کے پاس گئے۔ اس بار منشاء یہ تھا، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنا ہے۔ انہوں نے عزیز مصر سے گزارش کی اور کہا ہم پر اور ہمارے اہل پر مصیبت کا وقت ہے۔ ہم جو کچھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، وہ بے قدر پونجی ہے۔ یہ اس غلے کی قیمت نہیں ہے جو آپ دیتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس دینے کو اور کچھ ہے ہی نہیں، آپ مہربانی سے ہماری بے قدر پونجی کو قبول کیجئے، اور ہمیں غلہ پورا دے دیجئے۔ یہ آپ کی ہم پر بڑی عنایت ہوگی۔ اللہ آپ کو اس خیرات کی جزا دے گا۔

حاصل: قاسم کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنا حال بیان کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اپنی پونجی کو ناقص کہنا بڑی بات ہے۔ خیرات کی درخواست کے ساتھ خیرات کرنے والے کے لئے دعائے خیر ضرور کرنی چاہئے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا: کیا تم لوگوں کو علم ہے، کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جب تم نادان تھے۔

خیرات کی درخواست کے جواب میں حضرت نے ان لوگوں سے پوچھا: کیا تمہیں علم ہے، کہ تم نے یوسف اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، جب تم من مانی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ جو کچھ بھی تم نے کیا وہ تمہیں یاد ضرور ہوگا، اس سے جو نتیجہ اخذ کرنا چاہئے تھا وہ اخذ کیا گیا ہے یا نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ماضی کے واقعات کو ایک بات سے ان کے سامنے اس طرح واضح کر دیا، کہ سب حجابات اٹھ گئے۔

حاصل: جس کو بھی اس کے ماضی کی یاد دلائی جائے، اسے یہی کہنا چاہئے، جب آپ من مانی کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس وقت کے تجربات سے آپ نے کیا سیکھا ہے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ

کہنے لگے، کیا سچ مچ آپ ہی یوسف (علیہ السلام)

اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیْ٘ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾

ہیں۔فرمایا، میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔بے شک اللہ نے ہم پر احسان کیا۔بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے، تو اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

عزیز مصر کی زبان سے حضرت یوسف کے بارے میں استفسار کی بات سن کر ان لوگوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ارشاد سے روشنی ملی۔جو کچھ یہ لوگ دیکھتے رہے تھے، اور جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا، وہ اب حجاب نہ بنا۔کنوئیں اور تخت حکومت کے درمیان وہ کن کن مقامات کے متعلق سوچ سکتے تھے۔عزیز مصر نے جب انہیں ان کا ماضی یاد دلایا، تو وہ فوراً بولے: کیا سچ مچ آپ ہی یوسف ہیں۔آپ نے فرمایا: میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔اللہ کا احسان ہے، کہ آپ ہمیں یہاں دیکھ رہے ہیں۔ہمیں اس مقام پر پہنچانے والا اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔مجھ پر مصائب کی اور صورت تھی، اور میرے احباب پر مصائب کی اور صورت تھی، مگر مصائب کو باذن اللہ سمجھنے میں ہمارا رخ ایک ہی تھا۔ہم نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو ادب سے مانا۔شکایت نہیں کی۔اپنے نفس کو خوش کرنے سے بچتے رہے۔اور یہ یقین رکھا کہ عسر کے ساتھ ہی اللہ نے یسر بھی رکھا ہے۔محسن وہی ہوتا ہے، جو پرہیزگار بھی ہو، صابر بھی ہو۔اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔محسنین کو لوگوں کی خوشی مطلوب نہیں ہوتی، اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔لوگوں کا ڈر بھی نہیں ہوتا، اللہ کا ڈر ہوتا ہے۔اس لئے ان کے اعمال خالص ہوتے ہیں۔خالص اعمال کا اجر دُنیا و آخرت میں ضرور ملتا ہے۔

حاصل: مسبّب الاسباب کو اسباب پیدا کرنے میں دیر نہیں لگتی۔انعامات کو ہمیشہ اللہ کا احسان جاننا چاہئے۔محسن وہی ہے جو پرہیزگار بھی ہو، صابر بھی ہو۔محسنین کی بڑی قدر کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کی سنّت ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـٕیْنَ ﴿۹۱﴾

کہنے لگے، خدا کی قسم! اللہ نے ہم پر آپ کو فضیلت دی، اور ہم یقیناً خطا کار تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی پرہیزگاری اور صبر کو دیکھنے والوں نے کہا: خدا کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی۔ہم اس فضیلت کو حال پر دیکھ رہے ہیں۔یہ فضیلت ماضی میں بھی آپ کے عمل سے عیاں تھی، مگر ہم نے ماضی میں اس فضیلت کو نہیں مانا۔یقیناً یہ ہماری خطا تھی۔ہمیں آپ کو والدِ گرامی قدر کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا، اور ہم اپنی نظر کو زیادہ اہمیت دیتے رہے۔

حاصل: جس کی پرہیزگاری اور صبر کا اعتراف ہو جائے، اس کی فضیلت کو ماننا چاہئے اور ماضی میں اپنے زاویہ نگاہ کے درست نہ ہونے کا، اور اپنی خطا کا اقرار کرنا چاہئے۔

قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ٘ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾

فرمایا، آج تم پر کچھ ملامت نہیں، اللہ آپ سب کو معاف کرے، اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: آپ سب نے خطا کا اعتراف کیا ہے، اللہ آپ سب صاحبان کو معاف فرمائے۔ میری طرف سے جتنے الفاظ کہے گئے ہیں، وہ اس حجاب کو دور کرنے کے لئے تھے، جو میرے اور آپ کے درمیان موجود تھا۔ اللہ آپ حضرات پر رحم فرمائے، وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ باقی سب رحم کرنے والے حدود عبدیت کے اندر اسی نسبت سے رحم کرتے ہیں، جو ان کے سامنے اسوۂ حسنہ کے اعتبار سے معیار کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، وہ سب رحم کرنے والوں پر بھی رحم کرتا ہے، اس سے اوپر کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے۔ ہر رحم کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ارحم کو مانتا ہو، اور رحم کرتے وقت ارحم کی عطا کردہ توفیق کا شکریہ ادا کرے۔

حاصل: ہمارے ساتھ خلافِ حق کرنے والے جب اپنی خطا کا اعتراف کرلیں، تو انہیں کہنا چاہئے: آج آپ پر کچھ ملامت نہیں، اللہ آپ کو معاف کرے، کہ وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ رحم وہی کرتا ہے، جو ارحم کو مانتا ہو اور شاکر ہو۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

یہ میرا قمیص لے جایئے، اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دیجئے، ان کی بینائی پلٹ آئے گی۔ اور اپنے سب اہل کو میرے پاس لے آیئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس یوسف علیہ السلام کا قمیص انہی بھائیوں نے اس خبر کے ساتھ لا کر رکھا تھا، کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یہی بھائی جب آپ کا قمیص بڑی بشارت کے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، تو دکھ درد کے لمحات کے خاتمے کا مقام آجائے گا، اور وہ آنکھیں جو غم فراق سے بہت متاثر ہو چکی تھیں، وصال کی خبر سے راحت پائیں گی اور دیکھنا شروع کردیں گی۔ امر الٰہی یہی ہے کہ وہ تشریف لائیں گے، اس لئے میں ان کی تشریف آوری کا منتظر رہوں گا۔ بھائیوں سے آپ نے یہ بھی کہا، کہ آپ اپنے سب اہل وعیال کو بھی ساتھ لایئے گا۔

حاصل: گھڑی ہوئی خبر کے ساتھ کوئی شے کسی صاحب کے بارے میں ثبوت کے طور پر پیش کی جائے، اور خبر پانے والے کے لئے وہ انتہائی تکلیف دِہ ہو، تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اسی ذریعے کو اسی طرح کی شے کے ساتھ باعث راحت بھی بنا سکتی ہے۔ خطا کا اعتراف کرنے کے بعد اپنی انا کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کے اہل وعیال کی بھی بھلائی چاہنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ اور وہ جنہوں نے میری آیات اور میرے ملنے سے انکار کیا، وہی ہیں جنہیں میری رحمت کی آس نہیں، اور ان کے لئے الم ناک عذاب ہے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

اور جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا، ان کے والد گرامی قدر نے فرمایا، میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کو ان کے حکم کے مطابق ان کے بھائی مصر سے لے کر روانہ ہوئے، تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے فرمایا، مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے۔ تمہارے لئے یہ بات سننی بھاری نہ ہو، کہیں تم یہ کہنے لگو، کہ میں بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گیا ہوں۔ آج قمیص یوسف علیہ السلام بھیج رہے تھے اور مشیت الٰہی نے فراق کے لمحات کو ختم کر دیا تھا، اس لئے یعقوب علیہ السلام کو خوشبو آرہی تھی۔

حاصل: مشیّت الٰہی جب وصال کی اجازت دیتی ہے، تو محبّ اور محبوب کے مابین، ہوا بھی خدمت گار بن جاتی ہے۔ اپنے قرب و جوار والے جب نظر لطافت نہ رکھتے ہوں، تو صاحب علم کے لئے انہیں اپنے علم سے فیضیاب کرنا بھاری ہو جاتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾

کہنے لگے، خدا کی قسم! آپ اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذریت سے جو لوگ بھی آپ کے پاس تھے، اور جنہوں نے آپ کی زبان پاک سے یہ سنا تھا، کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پا رہا ہوں، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ کو خبط ہے اور قدیم ہے۔ آپ کے اندر اپنے بیٹے کی محبت، اور اس کے دوبارہ ملنے کا یقین، خوشبو بن کر آپ کے دماغ کو معطر کر رہا ہے۔ اتنی مدت دراز کے بعد یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ اس کی خوشبو آنے لگے جس کی خبر ہی نہیں ہے۔

حاصل: اگر ہمیں علم ہو، کہ صاحب ارشاد وہ جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں، اور وہ بھی جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے، تو اس کی بات کو ادب سے سننا چاہئے، اور اس کے سامنے اپنے ناقص علم کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

پھر جب بشارت دینے والا حاضر ہوا، اس نے وہ قمیص آپ کے چہرے پر ڈالا۔ تو آپ دیکھنے لگے۔ فرمایا، کیا میں نہ کہتا تھا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں، جو تمہیں معلوم نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے آپ کے قمیص کے ساتھ بھیجا گیا بشارت دینے والا جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بھیجنے والے کے حکم کے مطابق اس نے آپ کا قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا، تو آپ دیکھنے لگے۔ فراق کے لمحات کے خاتمے کی بشارت تو ہوا نے بھی آپ کو دے دی تھی۔ وہ قمیص جس کے ساتھ آپ کے زندہ نہ ہونے کی خبر ملی تھی، وہ بھی آپ کا تھا، اور یہ قمیص جس کو آپ نے خود بھیجا تھا، یہ بھی آپ کا تھا۔ فرق دیکھئے، ایک کے پیچھے صاحب قمیص ساکن ہے، دوسرے کے پیچھے وہ متحرک ہے۔ آپ نے خوشخبری کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے اپنے قریب والوں سے فرمایا: کیا میں نہ کہتا تھا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔

حاصل: لباس، صاحب لباس کی خوشبو کے ساتھ اپنے اندر ایک خبر رکھتا ہے۔ جب بصارت کسی غم سے متاثر ہوئی

ہو، تو وہ خوشخبری سے بحال بھی ہو جاتی ہے۔ بہتر جاننے والوں کا دعویٰ ہمیشہ یہی ہوتا ہے، کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے۔ جس سے محبت ہو، اس کی بات کو ماننے میں نفس کبھی حائل نہیں ہوسکتا۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

عرض کرنے لگے، اے ابا جان ہمارے گناہوں کیلئے استغفار فرمایئے، بے شک ہم خطا کار تھے۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے ابا جان ہم نے وہ کچھ کیا، جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں اپنی خطاؤں کا اعتراف ہے۔ آپ ہمیں معاف فرمایئے، اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں پر بخشش طلب کیجئے۔ معاف کرنے والا ہی بخشش کی دعا مانگنے میں حق بجانب ہوتا ہے۔

حاصل: استغفار کی دعا کرنے کے لئے درخواست اسی ذات کریم سے کرنی چاہیے، جس کی بات اللہ کی بات ہو۔ اپنی خطا کا اعتراف کرنے کے معنی یہ ہیں، کہ آئندہ من مانی نہ کرنے کا عہد کیا جائے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

فرمایا: میں جلد ہی اپنے ربّ سے تمہارے لئے بخشش طلب کروں گا، بے شک وہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میں جلد ہی اپنے ربّ سے تمہاری خطاؤں کی معافی چاہوں گا۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب کروں، تمہاری بے علمی سے اور من مانی کرنے سے مجھے جو دکھ پہنچتا رہا ہے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اللہ سے بخشش مانگنے کے لئے کچھ اوقات، قبولیت کے حوالے سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ کچھ مقامات بھی زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ دوسرے کے لئے بخشش کی دعا تبھی کی جاسکتی ہے، جب خود اسے معاف کیا جاچکا ہو، اور اب اس کے رخ کے درست ہونے کا یقین ہو۔ اللہ کی شان ہے، کہ وہ معاف بھی کرتا ہے، رحم بھی فرماتا ہے۔ معافی کے بعد رحم سے وہ مدد ملتی ہے جو باعث استقامت ہوتی ہے۔

حاصل: جو اپنی خطاؤں کا اعتراف کرلے، اسے معاف کرنا اور اللہ سے اس کی بخشش طلب کرنا مخلصین کی طریقت ہے۔ جسے معاف کیا جائے، اسے سہارا بھی دینا چاہیے، یہ اللہ کے ہاں بہت پسندیدہ عمل ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَؕ ﴿۹۹﴾

پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، تو آپ نے اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ بٹھایا، اور فرمایا، مصر میں انشاء اللہ امان سے رہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی والدین کریمین کو لے کر بمعہ اپنے اہل وعیال کے مصر پہنچے۔ آپ نے انہیں بڑی تکریم کے ساتھ نوازا، جو آپ کے مرتبے اور شان کے لائق تھی۔ والدین سے جدائی کے بعد وصال نصیب ہونے کا شکریہ ادا کرتے وقت آپ پر کس

قدر گریہ طاری ہوا، اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ملاپ کے وقت والدین کی کیا کیفیت تھی، ان پر کس قدر گریہ تھا، یہ بھی محسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔ بھائیوں پر اپنے قصور کے اعتراف کے بعد ایک کیفیت تھی، وہ رو رہے تھے، اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کر رہے تھے۔ ان بھائیوں کو تسلی دینے والے، یوسف علیہ السلام بھی تھے، اور والدین کریمین بھی تھے۔ جب گریہ تھما، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے والدین کی خدمت میں درخواست کی، کہ آپ اس مقام پر تشریف رکھیئے، جو اللہ نے آپ کی دعا اور برکت سے مجھے عطا فرمایا ہے۔ والدین بصد راحت اس مقام پر بیٹھے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کو بٹھایا۔ جدائی کے بعد اس فضا میں ملنے کا شکریہ سب صاحبان نے ادا کیا، اور بڑے گریئے کے ساتھ ادا کیا۔ پھر یوسف علیہ السلام نے کہا: مصر میں آپ انشاء اللہ امان سے ہیں۔ آپ کا دکھ اب آپ کا دکھ نہیں ہے۔ اللہ اپنے فضل سے آپ کو بہت آسانیاں عطا فرمائے گا۔

حاصل: ادب واحترام کا اظہار جلوت میں ہو، تو حق ادا ہوتا ہے۔ جدائی کے بعد ملاپ کے وقت گریہ، اللہ کا شکریہ ادا کرنے کی صورت ہے۔ اپنے اختیار کے حوالے سے اپنے ساتھیوں کو امان کا یقین دلانا چاہئے، اور کہنا چاہئے اب آپ کا دکھ آپ کا دکھ نہیں رہا۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھا کر رفعت دی، اور سب اس کے آگے سجدے میں پڑے۔ اور عرض کی، اے والد محترم! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا۔ اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا، جب مجھے قید سے نکالا، اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے مابین ناچاقی کرادی تھی۔ بے شک میرا ربّ جس بات کو چاہے آسان کردے۔ بے شک وہی علم والا، حکمت والا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ سے اپنی مسند پر تشریف رکھنے کے لئے درخواست کی، جو انہوں نے قبول کی، اور سب لوگ آپ کے سامنے آداب بجا لائے۔ سجدہ اگر اللہ کے لئے ہو، تو اس کے لئے ضروری ہے، کہ اپنے ہاتھ، گھٹنے اور سر کو زمین پر رکھا جائے، اور اللہ کی تسبیح کی جائے۔ یہ سجدہ ہمیشہ اللہ کے لئے ہی تھا اور ہمیشہ اسی کے لئے رہے گا۔ لوگوں کی تکریم اور قدر ومنزلت کے لئے، ان کے آگے کسی حد تک جھک جانا، سینے پر ہاتھ رکھ کر آداب بجالانا، اور اگر وہ مخلص ہیں تو ان کی قدم بوسی کرنا، آداب معاشرت کا حصہ ہے، اور رہا ہے، اور یہاں سجدہ انہی معنوں میں ہے کہ وہ سب آداب بجالائے۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: اے والد محترم یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بے شک اس خواب کو حقیقت کی صورت میرے ربّ نے دی ہے۔ اس کا بڑا احسان ہے، کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا، اس نے مہربانی فرمائی کہ آپ سب کو یہاں لے آیا اور جدائی کے بعد ملاپ کی صورت پیدا

کردی۔ شیطان نے یقیناً میرے اور میرے بھائیوں کے مابین ناچاقی کرادی تھی۔ میرے ربّ نے شیطان کی تدبیر کو کس طرح ناکام بنایا، میرے لئے اس مقام پر پہنچنا کس طرح آسان بنایا، کس کس طرح میری حفاظت فرمائی، کس کس طرح مجھے سہارا دیا، یہ میرا ربّ ہی کرسکتا تھا۔ جو بھی میرے ساتھ ہوا، میں نے اسے باذن اللہ جانا۔ میرے ربّ کی شان ملاحظہ ہو، کہ اس نے اپنے علم سے اور اپنی حکمت سے جو تدبیر فرمائی، اس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔

حاصل: کسی کو بلند مقام پر بٹھانا اظہار ادب ہے۔ بندوں کی تعظیم وتکریم کے لئے آداب بجالانا، سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا جھک جانا اور وہ مخلص ہوں تو ان کی قدم بوسی کرنا خلافِ حق نہیں۔ اللہ کے لئے سجدہ تب ہوتا ہے، جب ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر ہو، اور اللہ کی تسبیح بیان کی جائے۔ یہ سجدہ کسی دوسرے کو نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہوگا۔ جب اپنی عزت افزائی ہورہی ہو، تو اللہ کے احسانات کا ذکر کرنا چاہئے۔ ناچاقی کا سبب شیطان کو قرار دینا چاہئے، اور کہنا چاہئے، میرا ربّ جس بات کو چاہے آسان کردے۔ اس کے علم اور حکمت سے جو صورت بنتی ہے، اس سے بہتر کچھ ہو نہیں سکتا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے ربّ تو نے مجھے ایک سلطنت دی، اور مجھے تاویل الاحادیث کا علم سکھایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! تو دُنیا وآخرت میں میرا ولی ہے، مجھے اسلام پر وفات دینا، اور صالحین کے ساتھ میرا الحاق فرمانا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس مقام پر دیکھا، جس میں بھائی اور ماں باپ اور دوسرے لوگ بھی آپ کی تعظیم وتکریم کر رہے ہیں، تو آپ نے اسی حال پر اپنے ربّ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا: اے میرے ربّ! تو نے مجھے ایک سلطنت دی، یہ تیری عنایت ہے۔ مجھے تو نے باتوں کا انجام نکالنا سکھایا، مجھے اس نے تیرے کرم سے بہت سکھ دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! دُنیا میں بھی تیری دوستی سے بڑا انعام کوئی نہیں، آخرت میں بھی تیری دوستی ہی فلاح کی سند ہے۔ میری دعا یہ ہے، کہ حیات دُنیا میں اس راستے پر رکھنا، جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہے اور وفات اس حال پر دینا، جو حال حق کو بصد ادب واحترام ماننے والوں کا ہوتا ہے، اور صالحین کی پاک جماعت کے ساتھ ملا دینا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ماضی کی تکالیف کا ذکر تک نہیں کیا، کہ اس سے کچھ حاضرین کو ندامت ہوگی۔ حال پر اللہ کا شکر ادا کیا، اور اس ساری شان وشوکت کو اللہ کی عطا کہہ کر اظہار بندگی کیا، دُنیا وآخرت میں اللہ کی دوستی اور اس کے کرم کو سلام کیا، اور آخر میں مستقبل کے لئے دعا کی، کہ حالت اسلام پر وفات ہو، اور صالحین کا ساتھ نصیب ہو۔

حاصل: اپنی عزت افزائی ہورہی ہو، تو ماضی کی تکالیف کا ذکر کرکے کسی کو شرمندہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ رویہ اخلاق کریمانہ کے خلاف ہے۔ اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ دُنیا وآخرت میں اللہ سے بڑا دوست کوئی نہیں ہوسکتا۔ دعا یہی کرنی چاہئے، کہ حالت اسلام پر وفات ہو اور صالحین کا ساتھ نصیب ہو۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنا کام ٹھہرانے لگے، اور وہ داؤ چلنے لگے۔

قرآن پاک کا بیان ایسا نہیں ہے، جسے سابقہ کتب سے اخذ کردہ کہا جا سکے۔ تورات اور انجیل میں اس کی جو روایات ہیں وہ قرآن پاک کے بیان سے میل نہیں کھاتیں۔ قرآن پاک کا بیان اپنی منفرد حیثیت رکھتا ہے اور یہ بصورت وحی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر موجود تو نہ تھے، جب برادران یوسف نے اپنا کام ٹھہرایا تھا، اور وہ داؤ چلنے لگے تھے۔ کتب سابقہ کی روایات اور طرح کی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری معلم کوئی نہیں۔ ماضی بعید کے واقعات چشم دید نہیں ہو سکتے۔ جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کے مستند ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ ثبوت پیش نظر ہوں، تو ان غیب کی خبروں کا پہنچانے والا، علیم مطلق ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل: قرآن پاک کا بیان حال پر کتب سابقہ کی طرح کا نہیں ہے۔ حقائق کی صورت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اور اصلاح حال کی طلب رکھنے والوں کے لئے اس میں ہدایت موجود ہے۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور آپ کتنا ہی چاہیں، اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے بھلائی چاہنے والے ہیں، اور سب کی بھلائی چاہنے والے ہیں۔ اکثر لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے، کہ وہ اپنی پسند کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے، اور اپنی پسند کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ایمان لانا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل: اکثر لوگ اپنی پسند کے دائرے سے نہیں نکلتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے۔

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۱/۵

اور آپ ان سے اجر کا سوال نہیں کرتے۔ یہ تو نہیں مگر عالمین کے لئے نصیحت۔

ناصح کی شان کے لائق یہی ہے، کہ وہ تبلیغ حق کے ساتھ اجر کا سوال نہ کرے۔ اسے لوگوں کی بھلائی عزیز ہوتی ہے، اور بھلائی چاہنے والوں کا انتظار رہتا ہے۔ قرآن پاک سارے جہان کے لئے نصیحت ہے۔ یہی فرمان خداوندی ہے، جو سارے جہان کو عقیدے کے اعتبار سے ایک کر سکتا ہے۔

حاصل: ناصح کی شان یہی ہے، کہ وہ نصیحت کے ساتھ شرط عائد نہیں کرتا، کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ نصیحت وہی پوری ہے، جو سب کی بھلائی کے لئے ہو۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام (۶) میں ارشاد فرمایا ہے: قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ

فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝ ہمیں علم ہے، کہ آپ کو اس بات سے رنج ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں۔ تو وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝١٠٥

اور کتنی نشانیاں ہیں، آسمانوں اور زمین میں، جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے، اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔

نشانیاں رکھنے والے نے آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں رکھی ہیں، جن سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ ان نشانیوں کا صانع ہے، اس نے ایک وقت پر ان کی ابتدا کی ہے، ایک وقت پر ان کی انتہا ہوگی، اس کی قدرت کا احاطہ ہر شے پر وسیع ہے، اس مالک کے فرمان کو ماننے والے ہی فلاح پاتے ہیں، مکذبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔ جب بندہ اس کائنات کے حوالے سے اپنے مقام پر دھیان کرے تو اسے عرفان نفس میں بڑی مدد ملتی ہے، اور جب خواہشات کے اندھیرے کی طرف بڑھتا جا رہا ہو، تو قویٰ کے صحیح استعمال کا موقع ہی کب آئے گا۔

حاصل: نشانیاں روزمرہ زندگی میں ضرور رکھی گئی ہیں۔ جو مصنوع کے پیچھے صانع کو دیکھے، اس کی قدرت پر نظر کرے، اس کائنات میں اپنی حیثیت کو دیکھے، وہ اپنے انجام سے انکار نہیں کر سکتا۔ جو فلاح کا طالب ہو وہ ضرور دھیان کرتا ہے۔ دھیان ہو تو عرفان ہوتا ہے۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝١٠٦

اور ان میں اکثر وہ ہیں، جو ایمان نہیں لاتے مگر شرک کرتے ہوئے۔

جو لوگ دھیان نہیں کرتے، مگر دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان والے ہیں، اس کائنات میں اپنا مقام ان کی نظر میں نہیں ہوتا۔ جب تک اسباب انہیں اپنی منشاء کے مطابق نظر آتے رہیں ان کا توازن نہیں بگڑتا، اور جب یہ صورت بدلے تو ان پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے، جو ایمان کی نفی کرتی ہے۔ مشرک مانتا ہے، جیسے وہ چاہے۔ مومن، اللہ کو شاہد کے حوالے سے مانتا ہے۔

حاصل: اگر ایمان شاہد کے حوالے سے ہو، تو شرک کا امکان نہیں رہتا۔ اگر شاہد کے حوالے سے نہ ہو، تو شرک سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ حق کے مقابل جہاں اپنی پسند آئے گی، شرک ہو جائے گا۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝١٠٧

کیا اس سے نڈر ہو گئے، کہ اللہ کا عذاب انہیں آ کر گھیرے، یا قیامت ان پر اچانک آ جائے اور انہیں خبر نہ ہو۔

منکرین حق کو عذاب الٰہی گھیرے، تو پھر بچ کر بھاگ جانا، ان کے بس میں کبھی نہیں ہوا۔ قرآن پاک میں اس کی بہت سی اسناد موجود ہیں۔ جس راستے پر چلنے والے پہلے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ختم ہو چکے ہیں، اسی راستے کو اختیار کرنے والے اللہ کے عذاب سے بچ نہیں

سکتے۔اس لئے خلافِ حق کرنے والوں کو ان لوگوں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے، جو پہلے خسارے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔عذاب الٰہی سے نڈر ہوجانا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔جو مہلت کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے، اس کے خاتمے پر قیامت آجائے گی اور وہ اچانک آجائے گی، پھر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہوجائے گا اور اصلاح کو قبول کرنا بعداز وقت ہوگا۔

حاصل: عذاب الٰہی کے آگھیرنے سے نڈر ہوجانا، یا قیامت کے آجانے سے نڈر ہوجانا، منکرین حق کی نشانی ہے۔عذاب الٰہی کو روکنے کی طاقت بھی کسی میں نہیں ہے، قیامت کو روک دینا بھی کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے ان سے نڈر ہوجانا انتہائی بے سمجھی ہے۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸

فرما دیجئے یہ میری راہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں روشن راہ پر ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کریں۔ اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کی اطاعت میں یہ فرمایا، کہ میرا راستہ یہ ہے، کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اس نے تمہیں حیات دُنیا میں وہ توفیق دی ہے، جس سے تم حق کو اپنے مقام پر بطریق احسن ادا کرسکو۔وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔آپ نے فرمایا: میرا راستہ بصیرت و برہان کا راستہ ہے۔میرا اتباع کرنے والوں کا راستہ بھی یہی روشن راستہ ہے۔اس میں کہیں شکوک وشبہات کے لئے گنجائش نہیں ہوتی۔یہ روشنی اسی کو مل سکتی ہے، جو اللہ کی رضا کو مقصود بنائے، شاہدین کی طریقت کو اختیار کرے، اور اپنی خواہش کی پیروی سے بچتا رہے۔ایسے صاحب کا دل اس قدر منور ہوجاتا ہے، کہ ہر مقام پر حق اور ناحق کے درمیان خط امتیاز کو دیکھ سکتا ہے۔آپ نے فرمایا: اللہ پاک ہے۔بندہ پاک ہو تو اللہ کی بات کو پاسکتا ہے۔بندہ اسی طرح پاک ہوسکتا ہے، کہ اس کی زندگی میں اس کی پسند کا حوالہ کہیں نہ رہے۔آپ نے واضح فرمایا: میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔شرک کرنے والے وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہے۔میں وہ کرتا ہوں جو اللہ چاہے۔میری پیروی کرنے والے بھی اللہ کی رضا حاصل کرنے کا رخ رکھتے ہیں۔

حاصل: جس کا دعویٰ ہو کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ پر ہے، اس کے پاس یہ اسناد موجود ہونی چاہئیں، کہ وہ اللہ کی طرف بلاتا ہو، اس کا راستہ بصیرت و برہان سے روشن ہو، وہ خلوت وجلوت میں پاک ہو، اور اس کی پسند کا حوالہ اس کی زندگی میں کہیں نہ ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹

اور آپ سے قبل ہم نے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے، ہم ان کی طرف وحی کرتے رہے، وہ انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے نہیں، کہ دیکھتے ان سے پہلوں کا انجام کیا ہوا۔اور یقیناً دار آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔تو کیا عقل نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر حیرت کا اظہار کیا اور کہا، کہ اسی قریئے میں پیدا ہونے والا، ہم میں سے پیدا ہونے والا، ہم میں بچپن اور جوانی کا وقت گزارنے والا، اللہ کا رسول کیسے ہوسکتا ہے، ان کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کے لئے جو معیار رکھا ہے، وہ پہلے بھی یہی تھا۔ رسول سب مرد ہی ہوئے ہیں۔ اللہ کی وحی سے حالات حاضرہ کو درست کرنے کے لئے خود نمونہ بنتے رہے ہیں، اور وہ انہی لوگوں میں سے ہوتے رہے ہیں جن کی طرف ان کی بعثت ہوتی تھی۔ جہاں بھی کسی رسول کو بھیجا گیا ہے وہ جگہ تہذیب کا مرکز جانی جاتی تھی۔ اللہ نے اصلاح کو وہیں سے پھیلانا پسند کیا ہے، جہاں سے انسانوں کے بنائے ہوئے آداب معاشرت پھیلنا شروع کرتے تھے۔ زمین میں چلنے والوں نے یہ دیکھا ہے، کہ جو ان سے پہلے ہوگزرے ہیں، ان کے آثار بتا رہے ہیں، کہ مکذبین حق نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کا استعمال خلاف حق کیا، پھر ایک وقت کے بعد ان پر ایسی گرفت آئی، کہ وہ اوندھے کر دیئے گئے، اور انسانی علم سے بنی ہوئی تہذیب انسانی معاشرے کی بربادی کا باعث بنی۔ حیات دُنیا میں بھی وہی لوگ راحت پاتے رہے، جن کو اللہ کی رضا مقصود تھی، اور آخرت میں تو فلاح ہے ہی ان کے لئے، جو آخرت کے یقین کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ منکرین کے لئے تو وہاں سزا ہی ہوگی۔ عقل کا تقاضا یہ ہے، کہ وہ راستہ اختیار نہ کیا جائے، جس پر چلنے والے پہلے خسارے میں پڑ چکے ہیں۔

حاصل: تبلیغ حق کا کام مردوں کے سپرد کرنا، اللہ کا طریقہ ہے۔ بہترین صورت یہ ہے، کہ جن لوگوں کو حق کی طرف بلانا ہو، بلانے والا انہی میں سے ہو، مرکز تہذیب سے تعلق رکھتا ہو، اور انہی کی زبان میں ان سے خطاب کرے۔ آثار قدیمہ میں درس عبرت موجود ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ صورت ہے، کہ ان کا مستقبل، حال سے بہتر ہوتا ہے۔ جس کو بہتری کی طلب ہو، اس کو عقل کرنی چاہئے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

حتیٰ کہ جب رسولوں کو لوگوں کے ایمان لانے کی امید نہ رہی، اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ جو ڈر انہیں سنایا گیا تھا، ٹھیک نہیں تھا، اسی وقت ہماری نصرت آ پہنچی، پھر ہم نے جن کو چاہا نجات دی۔ اور قوم مجرمین سے ہمارا عذاب پھرا نہیں کرتا۔

جب اللہ کے رسولوں نے دعوت الی اللہ دیتے ہوئے بڑا وقت لگایا، اور اس کے بعد یہ محسوس کیا، کہ یہ لوگ جن کی طرف ہمیں بھیجا گیا ہے، ایمان لانے والے نہیں، تو منکرین حق نے بھی یہ کہنا شروع کیا، کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جاتا رہا ہے، اس کو اگر آنا ہوتا، تو وہ آ چکا ہوتا، اور وہ چونکہ اب تک نہیں آیا، اس لئے ہمیں بے جا ڈرایا جاتا رہا ہے۔ یہ مقام جب آجاتا ہے، تو دعوت الی اللہ دینے والوں کا کام ختم ہو جاتا ہے، اور لوگوں کو اصلاح کے اختیار کرنے کی جو مہلت دی گئی ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی وقت حق کے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ ماننے والوں کو اللہ اپنی رحمت کے ساتھ نجات دے دیتا ہے۔ منکرین مجرمین عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر عذاب الٰہی انہیں مٹا کر رکھ دیتا ہے۔

حاصل: جب حق بیان کرنے والے لوگوں کے انکار کو دیکھتے دیکھتے خاموش ہو جائیں، اور منکرین عذاب الٰہی کے نہ آنے کو جواز بنا کر اہل حق کو جھٹلانے لگیں، تو عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا وقت بالکل قریب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو الگ الگ کر دیا جاتا ہے۔ ماننے والے رحمت الٰہی کے ساتھ نجات پاتے ہیں۔ منکرین مجرمین عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ پھر عذاب الٰہی ان سے پھرا نہیں کرتا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲/۷

بے شک ان کے احوال میں عقل مندوں کے لئے عبرت ہے۔ کچھ گھڑی ہوئی بات نہیں، لیکن اُس کلام کی تصدیق ہے، جو اس سے پہلے ہے، اور ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

انبیاء سابقین کے احوال میں عقل مندوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ ان حضرات کے احوال کو اس طرح دیکھنا چاہئے، کہ لوگوں نے ان کے ساتھ کیا کیا، ان پاک لوگوں نے جواباً کیا کیا۔ ایذا رسانی کرنے والے ندامت کے مقام پر پہنچ کر رک کے۔ صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی معیت کی بدولت واجب التکریم ٹھہرے۔ تعظیم انہی کی ہوئی، جنہوں نے خلافِ حق کرنے کو ظلم مانا۔ قرآن پاک کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں۔ اندازے قیافے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ حال اس ماضی کی تصدیق کرتا ہے، جو اس سے پہلے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اصلاح حال کے لئے اس میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے۔ جو لوگ حال پر اصلاح کو قبول کرتے ہیں، ان کے لئے اس میں نور ہدایت موجود ہے، اور اس کا ماننا ان کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے۔

حاصل: انبیاء سابقین کے احوال میں عقل مندوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔ گھڑی ہوئی بات حق کی تصدیق نہیں کرتی، ماضی میں بیان کردہ حقائق سے میل نہیں کھاتی۔ قرآن پاک میں اصلاح حال کے لئے ہر شے کی تفصیل موجود ہے: مقام صبر کے سب درجات کا ذکر ہے۔ مقام شکر کے سب درجات کا ذکر ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے والے کہاں سے شروع ہوتے ہیں، کہاں تک پہنچتے ہیں اس کا بھی مفصّل ذکر ہے۔ خلافِ حق کرنے کو ظلم جاننے والے کیسے برہان کو دیکھتے ہیں، اس کا بھی ذکر ہے۔ مخلصین کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی جاتی ہے اس کا بھی ذکر ہے۔ جو جس مقام پر ہے، وہاں اگر وہ قرآن پاک سے نور معرفت لینا چاہے، تو اس کو ہر شے کی تفصیل ملے گی، اور یہ ماننے والوں کے لئے ہدایت ہے، اور رحمت ہے۔ ماننے والوں کو جو یقین اس سے ملتا ہے، جو آسانی اس سے ملتی ہے، وہ کسی اور طرح سے مل ہی نہیں سکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا ویسے ہی۔ بیشک اللہ ہر شے کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہے!

اٰیاتھا ۴۳ سُوْرَۃُ الرَّعْدِ رکوعاتھا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓرٰ ۟ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ ؕ وَالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ①

الٓمّٓرٰ یہ کتاب کی آیات ہیں۔ اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے ربّ سے نازل ہوا وہ حق ہے، مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

حروف مقطعات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کی سند ہیں۔ علیم مطلق کے فرمان کا یہ حصہ اسی ذات بابرکات کے لئے ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا ہے۔ ان حروف کے معنی کا تعین، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہوگا، اور آپ سے تقدم خلافِ حق ہے۔ قرآن پاک کی آیات کی صورت میں جو کچھ آپ پر نازل فرمایا گیا وہ بھی حق ہے اور تمام لوگوں کے لئے ہے۔ لوگوں پر لازم ہے کہ اس حق سے استفادہ کریں۔ جو کچھ آپ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی فرمایا گیا ہے اور حق ہے۔ اکثر لوگوں کو یہ ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے، کہ بندے کو خالق کل کی طرف سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معبود لاشریک ماننا، آخرت پر یقین رکھنا اور قرآن پاک کو منزل من اللہ ماننا عقل کرنے والوں کے لئے ہی ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: حروف مقطعات کے معنوں کا تعین کرنا خلاف ادب ہے۔ آپ پر جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے، اور آپ نے وہی کیا ہے جو آپ پر نازل فرمایا گیا ہے۔ اکثر لوگ حق کو نہیں مانتے، کہ ان کو خالق کل کے ساتھ اپنے تعلق کا پتہ نہیں ہوتا، اور زندگی کو بطریق احسن گزارنے کے لئے انسان کی علمی ضرورت کا احساس نہیں ہوتا۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّكُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ②

اللہ ہے جس نے آسمانوں کو رفعت دی بغیر ستونوں کے، کہ تم دیکھو، پھر عرش پر استویٰ فرمایا، اور شمس وقمر کو مسخر کیا۔ ہر ایک اجلِ مسمیٰ تک جاری ہے۔ اللہ کام کی تدبیر کرتا ہے، آیات کو مفصّل کرتا ہے، کہ تمہیں اپنے ربّ سے ملنے کا یقین ہو۔

اللہ کی قدرت کے مظاہر کو دیکھا جائے، تو آسمانوں کی بلندی اور بغیر مرئی ستونوں کے اتنی بلندی، بغیر کسی نقص کے اتنی بڑی چھت کا ہونا، صانع کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علم اور حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ مقام جہاں سے احکامات الٰہی کے ذریعے اس کائنات کو کنٹرول کیا جاتا ہے، عرش الٰہی ہے۔ اس کائنات کے تمام اجزا، تمام ارکان کے درمیان ربط قائم کرنے کا علم بھی اللہ ہی کو ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ نے شمس وقمر کی تخلیق سے پہلے ان کے مقاصد تخلیق کو متعین کیا۔ جن مقاصد کے تحت شمس وقمر کی تخلیق ہوئی، ان مقاصد کی

تکمیل تک ان دونوں کا سفر جاری رہے گا۔ شمس وقمر، کائنات میں کس کس مقام پر کیا کیا اثرات مرتب کرتے ہیں، اور ان سے زینتِ حیات دُنیا کس قدر متاثر ہوتی ہے، انسان کو اس کا پورا علم ہو، تو منتظم اعلیٰ، خالق کل کی ناشکری ممکن نہیں رہتی۔ اللہ جو کرتا ہے، وہ اس کی مشیت ہے۔ جو تدبیر اللہ کرتا ہے، وہی تدبیر صحیح ہوتی ہے۔ انسان اللہ کی تدبیر کو کسی مقام پر بھی مان لے، اس کو سکھ ملتا ہے، مشقت معاف ہو جاتی ہے۔ اور اگر اللہ کی تدبیر کو روکنے کی کوشش کی جائے، تو ہوتا وہی ہے، جو اللہ چاہے، انسان محض دکھ اٹھاتا ہے۔ آیات کی تفصیل بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ انسان پر یہ واضح ہو، کہ اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، اس کا مقصد حیات کیا ہے، اس کو توفیق کس قدر دی گئی ہے۔ اور اگر وہ سلامتی کا راستہ چھوڑ دیتا ہے، تو بھی جزا دینے والے سے بھاگ کر کہاں جائے گا۔ جب اللہ سے ملنا یقینی ہے، تو پھر اس کے فرمان کے خلاف کرنے کی طلب نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل: مظاہر قدرت الٰہی سے اللہ کی شان واضح ہوتی ہے۔ انسان کو اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو بھی دیکھنا چاہئے۔ حکم نافذ کرنے کے مقام کو پاک اور لائق احترام ہونا چاہئے۔ مقصد تخلیق کے اعتبار سے حضرت انسان کو یہ آزادی دی گئی ہے، کہ وہ توفیق ایزدی کو حق کے مطابق استعمال کرے، یا خلافِ حق استعمال کرے۔ اللہ کی تدبیر کو ادب سے ماننا چاہئے۔ سمجھنے والے کی استعداد کے حوالے سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے ربّ سے ملنے کا یقین ہو، تو اس کی رضا کے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں رہتا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا، اور اس میں بوجھ رکھے اور ندیاں بہائیں۔ اور سب ثمرات کے اس میں جوڑے رکھے دو دو قسم کے۔ رات سے دن کو چھپا لیتا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

آسمانوں کی رفعت کے ذکر کے بعد، زمین کے پھیلاؤ کا ذکر ہے۔ یہ کام جس قادر مطلق نے کیا ہے، اس کی قدرت پر دعوت فکر و نظر دی گئی ہے۔ زمین پر پہاڑ رکھے گئے ہیں، اور ان سے پانی کی ندیاں بہائی گئی ہیں۔ پہاڑوں کے محل وقوع سے لے کر ان سے حاصل ہونے والے فوائد کو دیکھا جائے، اور ندیوں کی ابتدا سے لے کر ان کے سمندر تک پہنچنے کے عمل کو دیکھا جائے، تو صانع کی قدرت و حکمت کو مانتے ہوئے، اس کے حضور سجدہ ریز ہونا پڑتا ہے۔ ثمرات پر نظر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ بیج سے پودا، پودے سے پھول اور پھول کے نر و مادہ حصوں کا ملاپ اور اس ملاپ کے نتیجے میں بننے والا پھل اور اس پھل کی افادیت کو قائم رکھنے کے لئے توازن کا اہتمام، یہ سب اللہ کے علم اور اس کی حکمت کے مظہر ہیں۔ حیاتِ نباتات کے ساتھ حیاتِ حیوانات بھی ہے۔ یہ بھی ایک جوڑا ہے۔ حیات کے اس عمل کو جاری رکھنے کے لئے رات اور دن کا جوڑا ضروری ہے۔ گرمی اور سردی، روشنی اور اندھیرا اور اس کے علاوہ جس کا انسان کو علم نہیں ہے، کس طرح بتدریج رات اور دن کی صورت میں کائنات کو متحرک رکھتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کو دیکھئے، اس کے نظم کو دیکھئے، اس نظم کے تواتر کو دیکھئے، اور انسانوں کو بین الاقوامی سطح پر ایک طرح کے ضابطہ اخلاق کی طرف بڑھتے دیکھئے، انہیں ایک طرح ناپ تول کے پیمانوں پر متفق ہوتے دیکھئے، آپ کو اس غور و فکر میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں نظر آئیں گی۔

حاصل: زمین کا پھیلانا، اس میں پہاڑوں کا رکھنا، ندیوں کا بہانا، ثمرات کے جوڑے بنانا، ان کی افادیت کو مقررہ حدود کے اندر قائم رکھنا، رات اور دن کو حیات دُنیا میں اپنا حصہ ادا کرنے پر لگائے رکھنا، اور کائنات کے اس نظم کو درہم برہم ہونے سے بچائے رکھنا تا آنکہ وہ وقت نہ آجائے، جس وقت تک کے لئے اس کو بنایا گیا ہے، یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں پر غور وفکر کیا جائے، تو قربِ الٰہی کا احساس بڑھتا ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

اور زمین میں مختلف قطعے ہیں، اور ہیں متصل، اور باغ ہیں انگوروں کے اور زراعت ہے اور کھجور کے درخت ہیں، ایک کی جڑ دوسرے سے ملی ہوئی اور بعض بن ملی، ان کو پانی ایک ہی دیا جاتا ہے۔ اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ بیشک اس میں عقل مند لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اللہ کی قدرت کے مظاہر کا ذکر ہو رہا ہے، کہ زمین میں مختلف قطعے ہیں اور ہیں بھی متصل، ان کی خاصیتیں، ان کی کیمیاوی ترکیب اور پیداوار کی صلاحیت یکساں نہیں۔ انگوروں کے باغ ہیں، اور کھیتی ہے، اور کھجور کے درخت ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک جڑ سے ایک تنا نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک جڑ سے دو یا زیادہ تنے نکلتے ہیں۔ کس مقصد کے لئے کون سا خطہ زمین بہتر ہے، یہ عقل والے دیکھتے ہیں۔ انگوروں کی اچھی فصل کے لئے جو زمین بہتر ہوگی، وہ عام کھیتی کے لئے بہتر نہیں ہوگی۔ کھجور کے درخت وہاں بھی ہو سکتے ہیں، جہاں زیرِ زمین پانی کی سطح بہت پست ہو، مگر عام کھیتی کے لئے یا دوسرے درختوں کے لئے جہاں زیرِ زمین پانی بہت نیچے ہو، وہ زمین موزوں نہیں ہوگی۔ پانی تو سب درختوں کو ایک ہی دیا جاتا ہے، مگر ہر ایک اپنی اپنی خاصیت کے مطابق زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ پھر بعض درخت الگ الگ اور بعض ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھلوں کو دیکھئے، جو زیادہ لوگوں کو مرغوب ہوتے ہیں وہ ذائقے کے لحاظ سے میٹھے ہوتے ہیں۔ مگر سب پھلوں کی مٹھاس بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ میٹھے انگور اور میٹھی کھجور میں مٹھاس ایک جیسی نہیں ہوتی۔ عام لوگ فائدے کو نہیں دیکھتے، ذائقے کو دیکھتے ہیں، اس لئے وہ لذت سے آگے کچھ نہیں جانتے۔ غلہ انسانی ضرورت ہے، اور اگر اس کی حفاظت کا بندوبست موزوں ہو، تو سال بھر کام آتا ہے۔ یہ سب سے افضل ہے۔ جو پھل ذائقے کے اعتبار سے پسندیدہ ہو، اور دیر تک استعمال میں لایا جا سکتا ہو، وہ دوسرے پھلوں کے مقابل بہتر ہوگا۔ عقل مند لوگ یہ دیکھتے ہیں، کہ ہم مفادِ عامہ کے لئے کیا کرتے ہیں، اور کتنی دیر تک کرتے ہیں۔

حاصل: ایک ہی زمین کے سب قطعے ایک جیسے نہیں ہیں۔ ہر درخت ہر پودا اپنی خاصیت کے مطابق زمین سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ پانی سب کو ایک ہی دیا جاتا ہے۔ وہ پھل جو زیادہ لوگوں کے استعمال میں آئے، اور دیر تک استعمال میں لایا جا سکتا ہو، دوسرے پھلوں کے مقابل فضیلت رکھتا ہے۔ وہ عقل مند جو مفادِ عامہ کے لئے سعی کرے اور اپنی بساط تک کرتا رہے، وہ بھی لوگوں پر اپنی فضیلت رکھتا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵

اور اگر تم تعجب کرو، تو تعجب تو ان کے اس قول پر ہونا چاہیئے، کہ کیا ہم مٹی ہو کر پھر نئے بنیں گے۔ وہی اپنے ربّ سے کفر کرنے والے ہیں، اور وہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہیں، اور وہ دوزخ والے ہیں۔ وہ اسی میں رہیں گے۔

تعجب کی بات یہ نہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے اپنی حکمت سے، ہر چیز کی استعداد کے مطابق اس کا دائرۂ عمل مقرر کیا ہے، اسی دائرے میں اس کا اثر ہوتا ہے۔ پھر دوسری اشیاء کے ساتھ ہر شے اپنا تعلق محسوس کرتی ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ نے بے مقصد نہیں بنایا۔ کائنات کی وسعت کو دیکھئے، ہر شے کی مقصدیت کو دیکھئے، اشیاء کے مابین ربط و توازن کو دیکھئے آپ کو حق کے ماننے والوں کا انجام فلاح کی صورت میں نظر آئے گا، حق کے منکرین کا انجام خسارے کی صورت میں نظر آئے گا۔ کافروں کا یہ قول باعث تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو انسان کو نہ ہونے سے بنایا ہے، مگر بعث بعد الموت کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ لوگ دراصل اپنے ربّ سے کفر کرنے والے ہیں۔ یہ مانتے ہی نہیں، کہ ان کی پیدائش کے اجزائے ترکیبی کو بنانے والا، اور پیدائش کے تمام مراحل پر ضروری خوراک سے ان کی پرورش کرنے والا، پیدائش کے بعد موزوں خوراک سے پالنے والا وہی خالق کل ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ من مانی کرنے والے لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے۔ حیات دُنیا میں ان لوگوں کی انانے، ان کی نخوت نے انہیں استکبار پر ٹکائے رکھا۔ انہوں نے قادر مطلق کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنے کا رخ ہی نہیں اختیار کیا۔ اس طرح ان کی گردن جھکی ہی نہیں۔ آخرت میں یہ جھکنے کے قابل ہی نہ رہے گی۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ یہ اسی میں رہیں گے۔ وہاں ان کی کوئی تجویز ان کو بچا نہیں سکتی۔

حاصل: تعجب کی بات یہ نہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے، اس کی قدرت سے ہر شے کا دائرۂ عمل مقرر کیا گیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے، کہ کافر یہ تو مانتے ہیں کہ انسان عدم سے وجود میں آیا، مگر یہ نہیں مانتے کہ اسے دوبارہ بھی بنایا جائے گا۔ جس نے پہلے بنایا، اسے دوبارہ بنانا آسان ہوگا۔ اللہ کو نہ ماننے والے، کبر و نخوت میں پھنسے رہتے ہیں۔ اکڑی ہوئی گردنوں کو طوق پہنائے جاتے ہیں۔ جو حق کے انکار کو اپنا وطیرہ بنالے، وہ دوزخ میں ہی رہے گا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶

اور بھلائی سے قبل آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان سے قبل بہت سے عذاب گزر چکے ہیں۔ اور بے شک آپ کا ربّ لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود معاف بھی کرتا ہے، اور بے شک آپ کے ربّ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

منکرین حق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے، کہ ہم لوگ آپ کے فرمان کے خلاف کر رہے ہیں، تو ہم پر عذاب کیوں نہیں

آجاتا۔ اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ پہلے بہت سی قوموں پر عذاب آچکا ہے۔ عذاب بھیجنے والے قادر مطلق کی شانِ عفو یہ ہے، کہ وہ عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ ابتداءً لوگوں کو ان کے خلافِ حق کرنے کے باوجود معاف کرتا ہے، اور جب تک وہ حق کو قبول کرنے کی استعداد کو بالکل ضائع نہیں کردیتے، تب تک اس کی شدید گرفت ان کو عبرتناک انجام تک نہیں پہنچاتی۔

حاصل: اللہ سے بھلائی طلب کرنی چاہئے۔ عذاب مانگنے میں جلدی کرنے والے، ماضی سے سبق نہیں حاصل کرتے۔ لوگوں کو ابتداءً ان کے خلافِ حق اعمال کے باوجود معاف کرنا چاہئے۔ اللہ کے عذاب سے بچ کر بھاگ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ ﴿۷﴾ ع

اور کافر کہتے ہیں، کیوں نہ اتری آپ پر کوئی نشانی آپ کے ربّ کی طرف سے۔ بیشک آپ تو ڈر سنانے والے ہیں، اور ہر قوم کے لئے راہ دکھانے والے۔

قرآن پاک کی تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہدایت کی طلب رکھنے والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کی آیات سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کی کسی دلیل کو مجروح کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ ایسے ناقابل تردید براہین کی موجودگی میں، کسی نشانی کا طلب کرنا، حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش ہے۔ اس سے کبھی کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ علیم مطلق کے علم کے سامنے نشانی مانگنے والے کے علم کا کیا مقام ہے۔ پھر نشانی جس قوم نے مانگی ہے، ماضی کے واقعات اس امر کی شہادت دیتے ہیں، کہ اس نے اللہ کے رسول کی صداقت کا ناقابل تردید ثبوت دیکھ کر بھی کیا وہی ہے، جو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کردینا ہے، اور ہر قوم کے سامنے معیار ہدایت رکھنا ہے۔ جو مانتا ہے وہ ماننے کی جزا پائے گا، جو نہیں مانتا وہ نہ ماننے کی جزا پائے گا۔

حاصل: حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش سے کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ علیم مطلق نے جس حال پر جو نشانی عطا کی ہے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، اور ہر قوم کے سامنے معیار ہدایت کو روشن کرنا بہرحال ضروری ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (۳۲) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فرمادیجئے، فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور نہ انہیں مہلت ہی ملے گی۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿۸﴾

اللہ کو علم ہے، جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے، اور رحم جو گھٹتے اور بڑھتے ہیں۔ اور اس کے پاس ہر شے ایک مقدار سے ہے۔

اللہ ہی ارحام میں صورتیں بناتا ہے، جیسے چاہتا ہے۔ اس کو علم ہے، کس مادہ کے پیٹ میں کیا ہے۔ نر ہے، مادہ ہے، ایک بچہ ہے یا زیادہ

ہیں۔اسی علم سے اللہ ان کو خوارک بھی دیتا ہے۔پالنے کا یہ کام اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔رحم بچے کی پیدائش کے بعد سکڑتے ہیں،حمل کے بعد بڑھتے ہیں،مگر علیم مطلق کی شان ملاحظہ ہو،کہ رحم کے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی ایک مقدار رکھی گئی ہے۔کس حد سے آگے گھٹنا اس کے طبعی افعال کو متاثر کرے گا،اور کس حد سے آگے بڑھنے پر مادہ کی سلامتی پر اثر پڑے گا،اللہ کو اس کا علم ہے۔جو حدود اس نے گھٹنے اور بڑھنے کے لئے رکھی ہیں،ان حدود کے تعین میں بھی اللہ کے خالق کل اور لاشریک ہونے کی سند موجود ہے۔

حاصل: پالنے والے ربّ العالمین کی شان ہے،کہ وہ ارحام میں ہر ایک کو اپنے علم سے پالتا ہے۔اس نے ارحام کے گھٹنے اور بڑھنے کی حدود کا تعین کر دیا ہے۔ان حدود کے اندر سلامتی موجود ہوتی ہے۔ہمیں بھی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ حدود کا تعین کرنا چاہیے،اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کے علم سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾

پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھنے والا،سب سے بڑا،بلندی والا۔

خلوت وجلوت کے تمام مقامات کا علم رکھنے والا،اور ان تمام مقامات کو اپنی لامحدود قدرت کے دائرے کے اندر رکھنے والا،اللہ ہے،جسکا کوئی شریک نہیں۔بڑائی اسی کی شان کے لائق ہے۔علم میں وہ سب سے بڑا ہے۔قدرت کے حوالے سے وہ سب سے بڑا ہے۔کوتاہیوں کو معاف کرنے میں وہ سب سے بڑا ہے۔شدید پکڑ کرنے میں بھی وہی سب سے بڑا ہے۔اللہ کی بڑائی کی شان یہ ہے،کہ یہ ہر نقص سے پاک ہے،اور اس بڑائی کا کوئی عطا کرنے والا نہیں۔جو اللہ کی بلندی کو مان لیتا ہے۔وہ اپنے اخلاق کریمانہ کے اعتبار سے لوگوں کو بلند نظر آنے لگتا ہے۔اللہ کی شان ایسی ہے،کہ کسی کے ماننے سے یا نہ ماننے سے متاثر نہیں ہوتی۔

حاصل: ہمیں خلوت وجلوت میں ہر مقام پر علیم مطلق کے اوامر ونواہی کو ماننا چاہئے۔جو بڑائی،اللہ کی بڑائی کے تابع نہ ہو،جو بلندی اللہ کی بلندی کے تحت نہ رہے،وہ قابل نفرت ہے۔اس سے کبھی اللہ کی مخلوق کا بھلا نہیں ہوتا۔اس سے ہمیشہ ظلم اور فساد ہی بڑھتا ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

برابر ہے جو تم میں آہستہ بات کرے،اور جو پکار کر کہے،اور جو رات میں چھپ رہا ہے،اور جو دن میں راہ چلتا ہے۔

علم الٰہی کی شان سب سے بڑی ہے،کہ آہستہ بات کرنے والا بھی اللہ کے علم میں ہے،پکار کر کہنے والا بھی اس کے علم میں ہے۔وہ آنکھ کی خیانت کا بھی علم رکھتا ہے،اور سینوں میں چھپے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔پکار کر کہنے والا جو کچھ کہے،اللہ کو اس کا علم ہے۔کسی مقام پر،کسی زبان میں،کسی طریقے سے جو بھی اظہار کیا جائے گا،اللہ کو اس کا علم ہے۔رات کی تاریکی میں کیا جانے والا عمل اور دن کی روشنی میں کیا جانے والا عمل،اللہ کے لئے برابر ہیں۔اللہ کو علم ہے،کس حال پر کیا ہو رہا ہے،اور کس نیت سے ہو رہا ہے۔اللہ کا علم،روشنی اور اندھیرے سے متاثر نہیں ہوتا۔

حاصل: ہم آہستہ بات کریں، یا پکار کر کہیں، رات کی تاریکی میں کام کریں یا دن کی روشنی میں کام کریں، یہ یقین بہرحال رہنا چاہیئے، کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی جانتا ہے، اور وہ ہمیں ہمارے کیئے کی جزا دینے والا، مالک کل ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

بندے کے آگے اور پیچھے اس کے پہرے والے ہیں، جو امر الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے انفس میں ہے۔ اور جب اللہ کسی قوم پر آفت لانا چاہے، تو اسے ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اللہ کے مقابل ان کا کوئی مددگار نہیں۔

فرد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ صورت رکھی ہے، کہ آگے سے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کا ایسا بندوبست کیا ہے، کہ اس کے مقرر کیئے ہوئے فرشتے امر الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ مقام صبر ہو یا مقام شکر وہ بندے کو خسارے میں پڑنے سے بچاتے ہیں تا آنکہ مشیت الٰہی انہیں ایسا کرنے سے روک دے۔ فرشتے وہی کرتے ہیں، جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے۔ جو بندہ خود کو اللہ کی رضا کے مطابق بنانے کا عزم کرے اور اللہ کے علم کے مقابل اپنی پسند اور ناپسند کو وقعت نہ دے، اسے بڑی راحت سے نوازا جاتا ہے۔ اجتماعی حالت کے بدلنے کی صورت یہ ہے، کہ جب لوگ اپنا اجتماعی رویہ ایسا بنالیں، کہ اجتماعی مفادات کو ذاتی مفادات کے مقابل اہمیت نہ دیں، تو وہ اپنی حفاظتی باڑ کو توڑ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ضرور آگاہ کیا جاتا ہے۔ مگر جب وہ ذاتی مفادات کی چاہت میں اجتماعی نقصان کو دیکھنا ہی چھوڑ دیں، تو پھر اللہ ان کو بچایا نہیں کرتا۔ اور جب اللہ کسی قوم پر آفت لانا چاہے تو کسی انتظام سے، کسی تدبیر سے، اس آفت کو ردّ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کوئی مددگار مدد نہیں دے سکتا۔ مشیّت الٰہی کے سامنے کسی مددگار کا مقام ہی کیا ہے۔

حاصل: فرد ہو یا جماعت جو حق کے مطابق نہ رہے، تائید ایزدی اسے حاصل نہیں ہوسکتی۔ جو خلافِ حق کرنے کو اپنا شعار بنالے، وہ شامت کو دعوت دے رہا ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فرد یا جماعت پر آفت آتی ہے، تو اس کا ردّ کردینا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ مشیّت الٰہی کے سامنے کسی مددگار کا مقام ہی کیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ ۚ

وہی ہے جو تمہیں برق دکھلاتا ہے، خوف اور طمع کے لئے، اور وہی بھاری بادل اٹھاتا ہے۔

جب بجلی چمکتی ہے، تو اس کی گرج سے دو طرح کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں: ایک تو ڈر ہوتا ہے، کہ یہ فصلوں کے لئے یا حیوانات کے لئے باعث ہلاکت نہ ہو، اور اس کے ساتھ یہ امید بھی ہوتی ہے، کہ بارش ہوگی تو مردہ زمین زندہ ہوجائے گی، اور زمین کو وہ پانی ملے گا، جس سے

فضا کی کثافتیں بھی دور ہوں گی، اور زمین کے کئی طرح کے روگ بھی دور ہوں گے۔ جب اللہ بھاری بادل لاتا ہے، تو ان سے باران رحمت کی امید بھی ہوتی ہے اور بارش اگر بہت زور سے ہو تو بھی فصل کو نقصان ہو جاتا ہے۔ زیادہ دیر تک ہوتی رہے، تو بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔ بھاری بادلوں کے ساتھ ژالہ باری بھی ہو جاتی ہے، جس سے تھوڑے وقت میں فصل کی صورت میں نظر آنے والا نفع، خسارے میں بدل جاتا ہے، اور انسان دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کی یہ نشانیاں، آفاق میں نظر آتی ہیں۔ یہ نشانیاں، انسان کو اس کے مقام کے بارے میں، اس کے انجام کے بارے میں، خبردار ضرور کرتی ہیں۔ کوئی فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے اپنے کئے کی جزا پائے گا۔

حاصل: آفاق میں نظر آنے والی نشانیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ برق سے بھی خوف و امید کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بادلوں سے بھی باران رحمت کی امید کے ساتھ، ژالہ باری کا ڈر ہوتا ہے۔ اور بارش اگر زمین کی ضرورت سے بہت زیادہ ہو جائے تو بھی تباہی ہی ہوتی ہے۔ جس اللہ کی قدرت کے سامنے ہمارا یہ مقام ہے، اس کی رضا کے خلاف کرنے کے معنی خسارے اور شامت کو دعوت دینا ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝۱۳

اور رعد اور اس کے ملائکہ، اس کے خوف سے، حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور کڑک بھیجتا ہے، تو اسے ڈالتا ہے جس پر چاہے۔ اور یہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ سخت ہے۔

رعد بادلوں کو فرمان خداوندی کے مطابق چلانے والے کا نام بھی ہے، اس کے ساتھ دوسرے ملائکہ بھی ہوتے ہیں، یہ حمد کے ساتھ اپنے خالق کی تسبیح کرتے ہیں۔ خوف اس طرح ہوتا ہے، کہ منشاء ایزدی سے کچھ زیادہ نہ ہو، کچھ کم نہ ہو۔ پاک خدمت گار جس قدر مخدوم کے قریب ہو، اسی قدر اس کے ادب کے ساتھ اس کا ڈر بھی رکھتا ہے۔ ملائکہ کے بارے میں کافروں کا یہ تصور کہ وہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، بے حقیقت ہے۔ جب اللہ کڑک بھیجتا ہے، تو اس کو جس پر چاہے ڈالتا ہے۔ اللہ کی قدرت دیکھئے، جس کو سزا دینا چاہے، جیسے سزا دینا چاہے، جب سزا دینا چاہے، جہاں سزا دینا چاہے، دیتا ہے، اور سب اس کے سامنے عاجز ہوتے ہیں۔ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کرنا، کہ وہ کیا کر سکتا ہے، اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنا ہے۔ یہ بے علمی کی باتیں ہیں۔ اپنے آپ کو نہ پہچاننے والی باتیں ہیں۔ مقصد حیات کا انکار کرنے والے ہی ایسی باتیں کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں پر جب اللہ کی سخت پکڑ کا مقام آتا ہے، تو ان کے نظریات کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ اس وقت ایمان لانے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت گزر چکا ہو، تو ایمان کا دعویٰ بعد از وقت ہوتا ہے، اس لئے قبول نہیں ہوتا۔

حاصل: حق کی احسن ادائیگی کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، ادب ہے۔ ڈر یہی ہونا چاہئے، کہ اللہ کی رضا مقصود رہے اور حدود اللہ کا احترام قائم رہے۔ کڑک عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے، اللہ اسے جس پر چاہے ڈالتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے بارے میں جھگڑنے والے یاد رکھیں، محدود وقت کے اندر اور اللہ کی شدید پکڑ سے پہلے اگر انہوں نے حق کو نہ مانا، تو پھر ان کا ماننا انہیں نفع نہ دے گا۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اُسی کا پکارنا حق ہے۔اوراُس کے مقابل جن کو پکارتے ہیں ،وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے، مگر جیسے کسی نے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوں کہ اس کے منہ تک کو پہنچے،اور وہ اس تک کبھی نہ پہنچے گا۔اور کافروں کی پکار تو گمراہی ہی ہے۔

اللہ کو پکارنا حق ہے، کہ وہ خالق کل ہے۔مخلوق کا علم خالق کو ہے، وہی پالنے والا مالک کل ہے، توفیق اسی کی عطا کردہ ہے، جزا وہی دے گا، نفع وضرر دینے پر وہی قادر ہے۔اظہار عبدیت اسی کے سامنے ہوسکتا ہے، کسی دوسرے کے سامنے اظہار عبدیت کیا جائے تو وہ قطعاً ناحق ہوگا۔مخلوق کو دی گئی توفیق محدود وقت کے لئے ہوتی ہے، اور ایک دائرے میں ہوتی ہے، جب کہ پکارنے والے اور مدد کے طالب مع اپنی طلب کے کسی دائرے میں محدود نہیں کئے جاسکتے۔جو لوگ اللہ کے مقابل کسی کو پکارتے ہیں، ان کی مثال ایسے ہے، جیسے کسی نے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا رکھے ہوں، اور وہ پکارتا ہے، کہ وہ اس کے منہ تک آپہنچے، مگر وہ کبھی نہ پہنچے گا۔پانی کی خصوصیات کا تعین بھی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔اپنی خصوصیات کے دائرے سے باہر جانا اس کے لئے ممکن ہی نہیں۔اس طرح کافر جس کو بھی اللہ کے مقابل پکارتے ہیں، ان کی پکار صدا بصحرا کے زمرے میں ہی آتی ہے۔

حاصل: پکارنا اسی کا حق ہے جو خالق کُل ہے، ربّ العالمین ہے، جزا دینے والا قادرِ مطلق ہے، نفع وضرر دینے والا اور لاشریک ہے۔اللہ کے مقابل جس کو بھی پکارا جائے، اور جو بھی پکارے وہ پکار صدا بصحرا ہی ہوگی۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة ۳

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، طوعاً وکرہاً، اور ان کے سائے، صبح وشام۔

آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین جو بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک مقصد کے ساتھ بنایا ہے۔ہر شے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے میں لگی ہوئی ہے، اور اپنے خالق کا حکم مان رہی ہے۔فرشتے وہی کر رہے ہیں، جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے اور خوشی سے کر رہے ہیں۔انسانوں کو یہ توفیق دی گئی ہے، کہ حق کو ماننے یا نہ ماننے کا اختیار رکھتے ہیں۔حق کو ماننے والے تو اللہ کو طوعاً سجدہ کرتے ہیں، نہ ماننے والے بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کو دیکھتے ہیں۔زندگی کی ابتداء وانتہا پر ان کو کچھ قدرت نہیں ہے۔نفع وضرر ان کی منشاء کے تابع نہیں ہے۔جن اشیاء کو کافر مانتے ہیں، وہ اشیاء بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔مصنوع کو ماننا اور صانع کے فرمان کے خلاف کرنا کتنی بے سمجھی کی بات ہے۔سائے صبح وشام طویل ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو روشن کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جتنا اختیار دیا ہے اس سے آگے پیچھے ہونا کسی کے بس میں نہیں ہے۔اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے دیکھ لیا جائے، تو طوعاً ماننے کی صورت بنتی ہے، ورنہ کرہاً ماننے سے بچ جانا ممکن نہیں، اور کرہاً ماننا کسی کو نفع نہیں دیتا۔

حاصل: اپنے اختیار کو قادرِ مطلق کی قدرت کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے، تو اختیار دینے والے کو ادب سے

طوعاً ماننا لازم ہے۔ جزا دینے والے کو نہ مانا جائے، تو اس کی بنائی ہوئی اشیاء کو ماننا پڑتا ہے۔ یہ شرک ہے اور ظلم ہے، اس کا انجام خسارہ ہی ہوگا۔ سائے، صبح وشام، اللہ تعالیٰ کی قدرت کو واضح کرتے ہیں، کہ کوئی شے اپنے دائرہ اختیار سے باہر نہیں جا سکتی۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

فرمایئے: کون ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا۔ بتایئے، اللہ ہے۔ فرمایئے کیا تم نے اس کے مقابل ان کو حمایتی بنا لیا ہے، جو اپنے نفع وضرر کے مالک نہیں ہیں۔ فرمایئے، کیا اندھا اور دیکھنے والا مساوی ہیں، یا ظلمات ونور مساوی ہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرائے ہیں، کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے اللہ نے پیدا کیا ہے، تو ان پر پیدائش مشتبہ ہوگئی۔ فرما دیجئے اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور وہی اکیلا سب پر غالب ہے۔

آسمانوں اور زمین کے افعال جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں، جاری ہیں۔ وہ لوازمات جو ان کو اپنے افعال کے جاری رکھنے کے لئے درکار ہیں، کون مہیا کرتا ہے۔ ان کا علم کس کو ہے۔ یہ بات اگر کافروں سے پوچھی جائے، تو وہ جواب میں اللہ ہی کا نام لیتے تھے۔ مگر یہاں سوال کرنے والی ذات بابرکات خود جواب دے رہی ہے، کہ اس کی پاک زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر دوسرا سوال ہوتا ہے، کہ جن کو تم اپنا حمایتی بتاتے ہو، وہ تو مخلوق ہیں، اور اتنی ہی قدرت رکھتے ہیں، جو خالق نے انہیں دی ہے۔ وہ تو اپنے نفع وضرر کے بھی مالک نہیں ہیں، کسی دوسرے کو نفع دینے یا اسے نقصان سے بچانے کی قدرت ان کو کیسے حاصل ہوگئی۔ پھر سوال ہوتا ہے، کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا مساوی ہیں، یا ظلمات ونور مساوی ہیں۔ اندھا پن یہ ہے کہ ان لوگوں کو شبہ پڑ گیا ہے، کہ جن کو یہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں انہوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے، جیسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور اندھا شک میں پڑا ہی رہتا ہے۔ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں دل اندھے ہوتے ہیں، جو سینوں میں ہوتے ہیں۔ ظلمات جن کا یہاں ذکر ہے، انسانی خواہشات سے بنتی ہیں، اور وقت کے ساتھ انسانی خواہشات بدلتی رہتی ہیں، مقدار میں بھی نوعیت میں بھی۔ اس کے مقابل نور ایک ہی ہوتا ہے، اور خواہشات کی عدم پیروی سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ یہ نور راستہ دکھاتا ہے کہ مخلصین صراط مستقیم پر ہیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے خالق کل ہونے میں شبہ پڑ گیا ہے، تو اسے بتا دیا جائے، کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور وہی سب پر غالب ہے۔ کسی کی مجال نہیں، کہ وہ اپنی ذات کے اندر اور باہر اللہ کی مقرر کردہ حدود سے نکل جائے۔ ایسے غالب کا لاشریک ہونا لازم ہے۔

حاصل: آسمانوں اور زمین کی ربوبیّت کا علم ہی اللہ کو ہے۔ جو اپنے نفع وضرر کے مالک ہیں وہ اللہ کے مقابل کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اندھا اور دیکھنے والا، ظلمات اور نور مساوی نہیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی خالق ہے ہی نہیں۔ خالق کل اللہ ہی ہے۔ اللہ سب پر غالب ہے، باقی سب مغلوب ہیں اور مخلوق ہیں۔ اس لئے اللہ سے برابری اور شرک کا دعویٰ بے جا ہے۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۗ وَ
مِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ
أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ
الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ
جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي
الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾

اس نے آسمان سے پانی اتارا، تو نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق بہہ نکلے۔ پھر پانی کی رو ابھرتے ہوئے جھاگ کو اٹھا لائی۔ اور جس چیز کو آگ میں زیور یا دوسرے اسباب کے لئے دہکاتے ہیں، اس سے بھی ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں۔ یوں اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ تو جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر، اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے سو زمین میں باقی رہتا ہے۔ اللہ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔

انسان کو اس کے اپنے مشاہدات کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے، کہ آسمان سے بارش ہوتی ہے تو پانی بہ نکلتا ہے۔ جس جگہ پستی ہوگی اسی طرف پانی بہے گا، اور نالے اپنے اپنے ظرف کے مطابق پانی کو لیتے جائیں گے۔ اس پانی کے اوپر جھاگ بھی ہوتی ہے۔ یہ جھاگ کثافتوں کی صورت میں پانی کی گزرگاہ کے حوالے سے اوپر آتی ہے، مگر یہ تادیر اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکتی، جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب آگ میں دھاتوں کو پگھلاتے ہیں، چاہے زیور بنانے کے لئے ایسا کیا جائے یا دوسری اشیاء بنانے کے لئے ایسا کیا جائے، کثافتیں جھاگ کی صورت میں اوپر آ جاتی ہیں۔ باطل بھی جھاگ کی مانند اوپر آ تو جاتا ہے، مگر اس کا اوپر آنا ہی اس کے خاتمے کی علامت بھی ہے۔ باقی وہی رہ جاتا ہے، جو لوگوں کے لئے نافع ہو۔ لوگوں کا نفع ان کی پسند کے تحت نہیں ہوتا۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کا احترام لوگوں کو جو سکھ اور عافیت دے سکتا ہے، اس کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں۔ جب لوگ اپنی پسند کے مقابل اللہ کے علم کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے تو علم الٰہی سے فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ رخ ہی درست نہیں ہوگا۔ اور رخ درست نہ ہو، تو منزل قریب نہیں آیا کرتی۔ اللہ نے مثالیں اس لئے بیان فرمائی ہیں، کہ لوگ اپنے مشاہدات کے حوالے سے غور و فکر کریں، حق و باطل میں [illegible]یاز کرنا سیکھیں، باطل کے مٹنے کا مشاہدہ کریں، خود کو حق پر قائم رکھیں اور حق کے مطابق لوگوں کی بھلائی کے لئے کوشاں رہیں۔

حاصل: فرمان خداوندی سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں، جو خود کو استکبار سے بچاتے ہیں۔ جھاگ کا اوپر آنا ہی اس کے مٹنے کی علامت بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کا نفع ہمیشہ حق سے تعلق رکھتا ہے، لوگوں کو اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ مثال ایسی دینی چاہئے، جو لوگوں کے مشاہدے سے تعلق رکھتی ہو۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ
وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا
فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا
بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۖ وَمَأْوَاهُمْ

جن لوگوں نے اپنے ربّ کا حکم مانا ان کے لئے بھلائی ہے۔ اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اسی کی مثل اور، ان کی ملک میں ہوتا، تو اسے فدیہ دے دیتے۔ یہی ہیں جن کے لئے برا حساب ہوگا، اور جہنم ان کا

ع ۲/۱۱/۸ النصف

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع ٹھکانا ہے۔ اور وہ برا بچھونا ہے۔

جو لوگ خلوت و جلوت میں پاک رہتے ہیں، وہ اپنے ربّ کا حکم ماننے والے ہیں۔ ان کے لئے بھلائی ہے۔ حیات دُنیا میں ان کا مقصود رضاءِ الٰہی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کی خوشی کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ ڈرتے بھی اللہ ہی سے ہیں۔ سماج کا ڈر انہیں متاثر نہیں کرتا۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں، ان کا مقصد حیات متاع دُنیا کو جمع کرنا ہوتا ہے۔ دُنیا کے مال کو جمع کرنے میں یہ لوگ اس قدر منہمک ہوتے ہیں، کہ انہیں کچھ اور سوجھتا ہی نہیں۔ آخرت میں یہ کس قدر دکھ میں ہوں گے، کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ان کا ہو اور اس کی مثل اور بھی ہو، تو یہ سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوں گے، مگر وہاں تو فدیہ دینے کا مقام ہی نہیں ہوگا۔ جس مال کو یہ لوگ اس قدر چاہتے ہیں، یہ ان کے کام اسی صورت میں آسکتا ہے، کہ اس کو رضاءِ الٰہی کے مطابق خرچ کرتے رہیں، اور جو موجود ہو اس کو حق کی ادائیگی کے لئے کبھی ناکافی نہ سمجھیں۔ ان سے برا حساب یوں ہوگا، کہ ان کی ہر من مانی کا حساب ہوگا، اور حکم عدولی کے علاوہ ان کے نامہ اعمال میں ہوگا ہی کیا۔ حساب کے بعد ان کے ٹھکانے کا ذکر ہے۔ وہ ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں یہ اپنے کئے کی جزا پائیں گے، اور پوری پوری جزا پائیں گے۔ جہنم برا بچھونا ہے، کہ انسان اللہ کی عطا کو خلافِ حق استعمال کر کے ایسا دکھ خرید لیتا ہے، جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔

حاصل: اپنے ربّ کا حکم ماننے والے عطاءِ الٰہی کو ہمیشہ پورا جانتے ہیں۔ نہ ماننے والوں کو ہمیشہ حال پر کمی ہی نظر آتی ہے۔ وہ مزید مال کی طلب کے ساتھ حقوق العباد کو مؤخر کرتے رہتے ہیں، اور مزید مل جائے تو وہ بھی ناکافی نظر آنے لگتا ہے۔ آخرت میں یہ سب کچھ دینے کو بھی اپنے لئے بہتر جانیں گے، مگر وہاں ان کے پاس ہوگا ہی کیا۔ ربّ العالمین کی حکم عدولی کرنے والے، جہنم خرید رہے ہیں۔ من مانی کرنے کا رویہ انہیں ایسی جگہ پہنچا دے گا، جہاں دکھ ہی دکھ ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ہرگز کافروں کے متعلق خیال نہ کرنا، کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کر سکیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے، اور یقیناً برا انجام ہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ لا

تو کیا وہ جسے علم ہے، کہ جو آپ کی طرف آپ کے ربّ کے پاس سے نازل ہوا ہے حق ہے، اس جیسا ہے جو اندھا ہے۔ نصیحت وہی مانتے ہیں، جو عقل کرتے ہیں۔

جسے یہ علم ہے، کہ جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، وہ حق ہے، اسی حق کو ماننے سے حیات دُنیا میں اطمینان حاصل ہوتا ہے، اسی حق کو ماننے سے آخرت میں فلاح ہوگی، ایسے علم والا بصیر ہے۔ جس کو یہ علم نہیں ہے، وہ اندھا ہے۔ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے گئے حق کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ سننے والا یہ دیکھے کہ ناصح کسی اجر کے سوال کے ساتھ تو نصیحت نہیں کر رہا، اور نصیحت قیاسات پر تو مبنی نہیں ہے۔ کیا ناصح کے اتباع سے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات ملی ہے۔ حق کے ماننے کے بعد جاننے کا جو مقام آئے گا، وہ علم ہوگا۔ اس سے پہلے حق کا قول ہی ہوگا۔ فرمان خداوندی پر عمل کرنا اور مخلص کو اپنے حال پر شاہد بنانا، اللہ تعالیٰ کی

عطا کردہ توفیق کا اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنا ہے، اور یہی عقل مندی ہے۔ جو عقل نہ کرے وہ نصیحت کو ماننے کی راہ پر ہی نہیں ہوتا، نصیحت اسے کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

حاصل: علم والا بصیر ہوتا ہے، بے علم اندھا ہوتا ہے۔ علم، عمل کے بعد عطا ہوتا ہے۔ نصیحت، رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے مطلوب ہوتی ہے، اور اسے مطلوب ہوتی ہے، جو عقل کرتا ہو۔ عقل کرنے والے اور عقل نہ کرنے والے برابر نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور میثاق کو توڑا نہیں کرتے۔

حق کے حوالے سے جو عہد کیا جائے، وہ اللہ کے ساتھ عہد ہے۔ عقل والوں کی طریقت یہ ہے، کہ وہ جو عہد کرتے ہیں حق کے حوالے سے کرتے ہیں، اس عہد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد جانتے ہیں، اور اسے خلوت وجلوت میں پورا کرتے ہیں۔ لوگوں کا رویہ اگر کم علمی کی وجہ سے عقل والوں کے ساتھ ویسا ہو جائے، جیسے نہیں ہونا چاہئے، تو بھی عقل والے ان کے ساتھ اپنے میثاق کو توڑا نہیں کرتے، اور حق کے مطابق خدمت خلق کے تسلسل کو قائم رکھتے ہیں۔ یکسوئی کے ساتھ رضاء الٰہی کے حصول کی سعی کی جائے تو استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر قائم رہنا ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: عہد ہمیشہ حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اور اسے اللہ کے لئے پورا کرنا چاہئے، اور پورا کر کے اللہ کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے۔ لوگوں کی کم علمی کے باعث ان سے وہ کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہئے، ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کا وعدہ پورا کرنا چاہئے، اور اپنے میثاق کو توڑ کر ان سے الگ نہیں ہو جانا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

اور وہ کہ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اور اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

عقل والوں کی طریقت بیان ہو رہی ہے، کہ وہ لوگ صالح اعمال کو حق کے ماننے کے دعوے کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور وہ کرتے ہیں، جو اللہ کی رضا کے مطابق کیا جانا چاہئے۔ مثلاً قرابت داروں کے درمیان جو حق کو مانتے ہوں، فاصلہ بڑھ رہا ہو تو ان کو ایک دوسرے کے قریب ہونے میں مدد دینا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اپنے ربّ سے ڈرنے کا ثبوت یوں دیا جاتا ہے، کہ ایک عقل والے کے نیک جذبات کو دوسرے تک پہنچاتے ہیں، اس طرح دونوں کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ خواہشات کی پیروی سے تو گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق اگر اپنی ذات پر ہی خرچ کی جائے، تو برے حساب سے بچ جانا ناممکن ہوگا۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ متاع، اس کا دیا ہوا وقت، اس کی دی ہوئی قوت ذاتی بھلائی اور اجتماعی بھلائی میں کس نسبت سے خرچ ہو رہی ہے۔ اجتماعی بھلائی کے کاموں کو ترجیح دینے کے باوجود بھی عقل والوں کو اندیشہ ضرور رہتا ہے، کہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی علیم مطلق کی طرف سے گرفت ہو سکتی ہے۔

حاصل: عقل والے صالح اعمال کوحق کے ماننے کے دعوے کے ساتھ جوڑتے ہیں۔اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، کہ ان کی پسند حق کا لبادہ اوڑھ کر ان کے عمل کو اللہ کے نزدیک بے حقیقت نہ بنادے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے، ہر چھوٹی بات کی جزادی جائے گی، اس لئے عقل والوں کو برے حساب کا اندیشہ ضرور رہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

اور وہ جنہوں نے اپنے ربّ کی رضا چاہتے ہوئے صبر کیا، اور نماز قائم رکھی، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا، اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی کی، ان کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

عقل والوں کی صفات کا ذکر ہو رہا ہے، کہ نہ ہونے کا مقام ان کی زندگی میں آجائے، انہیں تنگی اور سختی کا احساس ہو، تو بھی اس طرح کے حالات کو علیم مطلق کی طرف سے دیکھتے ہوئے، رضاءِ الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، وہ اپنا توازن درست رکھتے ہیں۔ یہ یقین باعث تسکین ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید انعامات عطا ہونے والے ہیں۔صبر کے ساتھ نماز کے قائم رکھنے کا ذکر ہے۔نماز اس طرح قائم ہوتی ہے، کہ اس کے مقررہ وقت سے پہلے اس کے لئے وضو کرلیا جائے، اور وقت پر پڑھنے کی نیت کی جائے، اور وقت پر پڑھ لی جائے، سوائے اس صورت کے کہ خدمت خلق کے لئے نماز کو مؤخر کرنا ضروری ہوجائے۔اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، اپنی سعی کے ساتھ حاصل ہو۔یہی رزق اللہ کی راہ پر خرچ کئے جانے کے لائق ہے۔پوشیدہ خرچ کرنے میں یہ بات پیش نظر ہو، کہ جس کی مدد کرنی ہے اس کی مدد بھی ہو اور سماج کو اس کی ناداری کا احساس نہ ہو۔ظاہر میں خرچ کرنا اس طرح ہونا چاہئے، کہ لوگوں کو اجتماعی بھلائی کے کاموں میں شمولیت ضروری معلوم ہو، اور وہ اجتماعی مفادات کے تحفظ سے کبھی غافل نہ ہوں۔برائی کو بھلائی کے ساتھ ہی روکا جاسکتا ہے۔برائی استکبار کے بغیر نہیں ہوسکتی، بھلائی استکبار کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔برائی کے مقابلے میں بھلائی وہی کرتے ہیں، جن کو جزا کا یقین ہوتا ہے، اور دار آخرت ہے ہی ان کے لئے جنہیں آخرت کا یقین ہے۔

حاصل: اپنے ربّ کی رضا مطلوب ہو، تو نہ ہونے کے مقام پر اپنا توازن درست رکھا جاسکتا ہے۔نماز قائم کرنا، اور اللہ کی راہ میں پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرنا اور برائی کو بھلائی کے ساتھ دور کرنا، عقل والوں کی نشانیاں ہیں۔یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے، اور جو ان کے آباء اور ازواج اور اولاد میں صالح ہوئے، اور ملائکہ ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے۔

عقل والے حضرات کی عاقبت کا ذکر ہو رہا ہے، کہ وہ ایسے باغوں میں ہوں گے، جو اللہ نے ان کی میزبانی کے لئے سنوارے ہیں۔ راحت کے اس مقام پر اللہ ان حضرات کو یوں بھی نوازے گا، کہ ان کے آباء واجداد میں سے، ان کی ازواج میں سے، اور ان کی اولاد میں

سے جو صالح ہوں گے، جن کا رخ حیات دُنیا میں درست ہوگا، انہیں بھی ان کے ساتھ جنت میں ملا دیا جائے گا۔ جو لوگ یہ یقین رکھتے ہوں، کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، ان کے اعمال باحقیقت ہوتے ہیں۔ حیات دُنیا میں جو رشتے پاکیزگی سے منور ہوں گے، اللہ ان رشتوں کو آخرت میں بھی قائم رکھے گا، اور ان کو اکٹھا کر دے گا۔ جو تعلقات ذاتی غرض وغایت کی بنا پر ہوں، آباء واجداد کے ہوں، ازواج کے ہوں یا اولاد کے ہوں وہ بے حقیقت ہوتے ہیں۔ بے حقیقت تعلقات آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے۔ خدائی مہمانوں کی تکریم کے لئے فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے۔

حاصل: بہترین ماحول یہی ہے، کہ درختوں کے درمیان گھر ہوں۔ آبادی کے مسائل غیر طبعی زندگی سے بڑھتے ہیں۔ ایسا پھر بھی ہوسکتا ہے، کہ گھروں میں درخت ہوں۔ جو رشتے حیات دُنیا میں پاکیزگی کے حوالے سے منور ہوتے ہیں، یہ باحقیقت ہوتے ہیں۔ یہ آخرت میں بھی قائم رہیں گے۔ پاکیزگی، اللہ کے نزدیک یہاں بھی قابل قدر ہے، آخرت میں بھی لائق تکریم ہوگی۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

تمہارے صبر کی بدولت تم پر سلام ہو۔ تو عاقبت کا گھر خوب ملا۔

ملائکہ ان اہل جنت کو سلام کہیں گے، اور ان کے صبر کی قدر و منزلت کے ساتھ، ان کی عاقبت کے اچھے ہونے پر خوشی کا اظہار کریں گے۔ جزا پانے والے کو سلام کرنا اور جزا دینے والے کی تسبیح وتحمید فرشتوں کی صفت ہے۔

حاصل: صبر کرنے والوں کی قدر کرنی چاہئے۔ جزا پانے والے کو سلام کرنا، اور انعامات سے نوازنے والے مالک کی تسبیح وتحمید کرنا بڑی پاکیزگی کی باتیں ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کا عہد اس کے پکے ہونے کے بعد توڑتے ہیں، اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے اسے قطع کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے لعنت ہے، اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

اللہ پر ایمان لانے کے بعد شاہد کے اتباع کو صراط مستقیم مان لیا جائے، تو پاک رہنے کا عہد پکا ہو جاتا ہے۔ اس پکے عہد کو توڑنے کے معنی فلاح کے بدلے خسارہ خریدنا ہے۔ بھلائی کے دعوے کے ساتھ صالح اعمال کو جوڑنے کا امر دیا گیا ہے۔ جب دعویٰ بھلائی کا ہو، اور اس کے ساتھ صالح اعمال کی بجائے من مانی کی جائے، تو یہ قطعاً خلافِ حق ہوگا۔ اور یہی اصلاح کے نام پر زمین میں فساد مچانا ہوگا۔ ایسے مفسدین پر اللہ کی لعنت ہے۔ ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

حاصل: حق کو ماننے کے دعوے کے بعد شاہد کے اتباع کو صراط مستقیم مان لیا جائے، تو اللہ تعالیٰ سے عہد پکا ہو جاتا

ہے۔اس کے توڑنے کے معنی فلاح کے بدلے خسارے کو خریدنا ہے۔ جب دعویٰ بھلائی کا ہو تو صالح اعمال سے اس دعوے کو سچا ثابت کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ اصلاح کے نام پر من مانی کرنا فساد ہے۔ یہ لعنتی لوگوں کی نشانی ہے۔ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ؕ وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

اللہ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے، اور جس کے لئے چاہے تنگ کرتا ہے۔ اور انہیں حیات دُنیا پر فرحت ہے۔ اور آخرت کے سامنے حیات دُنیا ہے ہی کیا، مگر چند روزہ متاع۔

حیات دُنیا میں رزق کی کشادگی اور تنگی مشیت الٰہی کے تحت ہوتی ہے، اس لئے سعادت وشقاوت کا فیصلہ رزق کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ رزق کشادہ ہو یا تنگ اس کے استعمال میں کون سا رخ اختیار کیا جا رہا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کون اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال کر رہا ہے اور کون خلافِ حق کر رہا ہے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، انہیں دُنیا کی زندگی پر بہت خوشی ہوتی ہے۔ دُنیا کا حال ہی ان کے نزدیک باعث فرحت ہوتا ہے، اور اسے مقصود بنا کر اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس کے حصول میں لگاتے رہتے ہیں۔ حیات دُنیا کے محدود ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آخرت کے مقابل اس کی حیثیت متاع حقیر ہی کی ہے۔ فانی کو باقی کے مقابل اہمیت دینا عقل والوں کے لئے تو ممکن نہیں۔

حاصل: رزق کی کشادگی اور تنگی سے سعادت وشقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ رزق کا استعمال کس رخ پر ہو رہا ہے، اس سے ماننے والے اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ حیات دُنیا کی متاع فانی ہے۔ فانی اشیاء کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو باقی رہنے والی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے: قیامت کے دن لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ انہیں وہ سب سے بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی، اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے۔ (اور کہیں گے) یہ ہے تمہارا دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

اور کافر کہتے ہیں، ان پر ان کے ربّ کی طرف سے نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی۔ فرما دیجئے، بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافر یہ کہتے تھے، کہ ان پر ان کے ربّ کی طرف سے کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں اترا۔ ہماری فرمائشی نشانی ہمارے سامنے آتی، تو ماننا آسان ہوتا۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ گمراہی اور ہدایت کا تعلق نشانیاں دیکھنے سے نہیں ہے۔ اگر ہدایت مطلوبہ نشانی دیکھ کر حاصل ہوا کرتی، تو سابقہ اُمتوں کو ہدایت یافتہ ہونا چاہیے تھا، مگر ہوا اس کے خلاف ہے۔ لوگ مطلوبہ نشانی دیکھ کر بھی گمراہ ہوئے ہیں۔ اللہ فاسقین کو گمراہ کرتا ہے۔ فاسق ہمیشہ حق میں اپنی خواہشات کو ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی

کوشش کرنا فسق ہے۔ اس سے شاہد کا اتباع ممکن نہیں رہتا، اور شاہد کا عدم اتباع گمراہی ہے۔ جو شاہد کا اتباع کرے وہ اپنی عقل کو بہتر جاننے والے کے تابع رکھتا ہے، اپنے مشاہدے کو اپنے معلم کے مشاہدے کے سامنے ہیچ جانتا ہے، اپنے پڑھے ہوئے اور سنے ہوئے کو سند نہیں مانتا، شاہد کے فرمان کو سند مانتا ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے کی یہ احسن صورت ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دی جاتی ہے۔ وہ نشانیاں جو آفاق و انفس میں موجود ہیں، انہیں بہت فائدہ دیتی ہیں، اور یہ ان نشانیوں سے صحیح نتائج اخذ کرتے ہیں۔

حاصل: جب مطلوبہ نشانی سامنے آجائے، پھر انکار کرنے پر توفیق باقی نہیں رہتی۔ فاسق حق کو اپنے مطابق بنانے کی کوشش سے گمراہ ہوتا ہے۔ مومن شاہد کے اتباع سے ہدایت پاتا ہے۔ جب رخ اللہ کی رضا کے حصول کا ہو، تو استکبار سے کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸

وہ جو ایمان لائے، اور ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو، اللہ کے ذکر ہی سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کی صفات کا بیان ہے۔ وہ حق کو مانتے ہیں، اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ چلتے پھرتے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے بھی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے جس نام کا ذکر کرتے ہیں، اس کے حوالے سے تعلق مع اللہ کو ملحوظ رکھتے ہیں، اور حدود عبدیت کے اندر اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے مظہر بنتے ہیں، جس کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ساتھ، مالک کل کا ساتھ ہے، معطئ مطلق کا ساتھ ہے، قادر مطلق کا ساتھ ہے، اور مالک یوم الدّین کا ساتھ ہے۔ دُنیا و آخرت میں اس سے بڑا ساتھ کوئی نہیں ہے، اس لئے اس ساتھ سے زیادہ اطمینان بخش کوئی ساتھ نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ اشیاءِ دُنیا کے حصول میں اطمینان قلب تلاش کرتے ہیں، انہیں مطلوبہ اشیاء حاصل ہو بھی جائیں، تو بھی اطمینان نہیں ہوتا، حتیٰ کہ ساری دُنیا کی اشیاء بھی کسی ایک انسان کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتیں۔ جباری اور قہاری کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذاکر میں موجود ہو، تو اسے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اس اطمینان سے کبھی بے چینی نہیں ہوتی۔ یہ یقین قائم رہتا ہے، جو موجود ہے، یہ ان حقوق کے پورا کرنے کے لئے کافی ہے جو حال پر عاید ہورہے ہیں، اور جو مستقبل میں درکار ہوگا، وہ علیم مطلق کی طرف سے صحیح وقت پر عطا کردیا جائے گا۔ بندے کا کام حق کی احسن ادائیگی ہے، اسی کے لئے بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے، ہدایت پاتے ہیں۔ یہ لوگ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کے جس نام کا ذکر کیا جائے، ذاکر کو اس صفت کا مظہر ہونا چاہئے، تعلق مع اللہ اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝۲۹

وہ جو ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، ان کے لئے خوشی ہے اور اچھا انجام ہے۔

وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور وہ کرتے ہیں، جو تعلق مع اللہ کے حوالے سے انہیں کرنا چاہئے، انہیں حال پر بھی راحت سے نوازا

جاتا ہے، رحمت اور برکات سے نوازا جاتا ہے، ان کا انجام بھی اچھا ہوگا۔

حاصل: حال پر ذکر الٰہی سے اطمینان قلب اور خوشی ملتی ہے، مستقبل میں انجام بھی اچھا ہوگا۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِىْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

اسی طرح ہم نے آپ کو اس امت میں بھیجا کہ جس سے قبل کئی امتیں گزر چکی ہیں، کہ آپ ان کو پڑھ کر سنائیں، جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی، اور وہ رحمٰن کے منکر ہو رہے ہیں۔ فرما دیجئے وہی میرا ربّ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر توکّل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پہلی امتوں کی طرف بھی اللہ کے رسول آتے رہے ہیں، ان امتوں کی مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جب ان امتوں نے اپنے مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر حق کا انکار کیا، تو پھر ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہ نہیں ہوا کہ مطلوبہ نشانی کو دیکھ کر لوگوں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ حق کو مان لیا ہو اور رسول کے اتباع میں کوتاہی نہ کی ہو۔ معجزہ عطا کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ ہدایت پانے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ احکام الٰہی کا پتہ ہو جو نازل فرمائے گئے ہیں، ان احکام کو ماننے والوں کے اندر خوف وحزن ختم ہوتا نظر آئے تو ایسے ماننے والوں کا ساتھ اختیار کیا جائے۔ حکم خداوندی کے اندر ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ جو اس پر توجہ نہ کرے اسے حکمت کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے۔ اور یہ کافر تو رحمٰن کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ رحمٰن تو وہی ہے جو ربّ العالمین ہے، جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اور سب کو پالتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب اسی کی مخلوق ہیں، توفیق دینے والا بھی وہی ہے، نتیجہ اس کی مشیت کے تابع ہوتا ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ منکرین کی تکذیب کا مقابلہ اسی طرح ہو سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو، اس لئے اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔ اس کی رضا مطلوب ہو تو رجوع اسی کی طرف ہوگا، عمل کی صورت کوئی بھی ہو۔

حاصل: سابقہ امتوں کے احوال سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے۔ حکم خداوندی میں ہمیشہ ماننے والوں کے لئے فلاح موجود ہوتی ہے۔ رحمٰن کے انکار کے معنی اپنے خالق اور پالنے والے کا انکار ہے۔ معبود سے بڑا کوئی مدد دینے والا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسی پر توکّل کرنا چاہئے، اور اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى

اور اگر ایسا قرآن آتا، کہ جس سے پہاڑ ٹل جاتے، یا زمین پھٹ جاتی، یا مُردے باتیں کرتے، (تب بھی یہ کافر نہ مانتے،) بلکہ سب کام اللہ کے ہاتھ ہیں۔ تو کیا ایمان والوں کی آس ختم نہیں ہوئی۔

النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۰/۵

اللہ اگر چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت یافتہ کر دیتا۔ اور کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب اترے گی، حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

ایمان والوں میں جو مبتدی ہوتے ہیں، انہیں کافروں کا یہ مطالبہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسی معجزہ دکھانا چاہئے، بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کافروں کو ہدایت کی طلب ہے، اور یہ ایسی نشانی دیکھنا چاہتے ہیں، کہ جسے دیکھ کر حق کا انکار ممکن نہ رہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اگر قرآن ایسا ہوتا، جس سے پہاڑ ٹل جاتے، یا زمین پھٹ جاتی، یا مُردے باتیں کرنے لگتے، تو بھی کافر ایسے حقائق کو جادو کہہ کر، اپنی روش کو جاری رکھتے۔ اللہ کی قدرت سے یہ سب کچھ ہوسکتا ہے، مگر اس سے کبھی لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ ہدایت کی طلب ہو تو ہر نشانی اہم ہوتی ہے، اور ایک کے بعد دوسری نشانی نظر آتی رہتی ہے۔ ہدایت کی طلب نہ ہو، تو اپنی مطلوبہ نشانی بھی باعث ایمان نہیں ہوتی۔ رہا بہت سے لوگوں کو ایمان کی نعمت سے نوازنا، تو یہ بھی اللہ کے لئے کچھ بڑا کام نہ تھا۔ اگر لوگوں سے ان کی خواہشات کی پیروی کی توفیق چھین لی جاتی، تو وہ سب ہدایت پالیتے۔ جن نشانیوں کو دیکھتے رہنا چاہئے وہ یہ ہیں، کہ کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہے گی، یا ان کے قرب وجوار میں ظاہر ہوتی رہے گی۔ جس سے ان لوگوں کو واضح طور پر پتہ چل جائے گا، کہ وہ غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اپنی غلطی کے احساس کے بعد، اصلاح کے قبول کرنے کی بجائے غلط روش کو جاری رکھا جائے، تو عمل کے لئے دی گئی مہلت زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ خلافِ حق کرتے کرتے جو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتا ہے، اس کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔

حاصل: مطلوبہ نشانیوں سے لوگوں کو ہدایت نہیں حاصل ہوتی۔ مطلوبہ نشانی سامنے آجائے، تو انکار کرنے والے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جو عقل کرتا ہے، وہ ہدایت پاتا ہے۔ اللہ کے لئے سب لوگوں کو ہدایت یافتہ کر دینا بھی مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کو من مانی کرنے کی توفیق حاصل نہ رہے تو وہ سب ہدایت پالیں گے۔ کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت اترتی ہی رہے گی یا ان کے قرب وجوار میں آتی رہے گی، اور اگر یہ اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھلائی کی طرف نہیں آئیں گے، تو پھر عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے۔ اللہ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں جو برے عمل کرتے ہیں، کہ ہم سے بچ جائیں گے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

اور آپ سے قبل رسولوں سے بھی استہزاء کیا گیا، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر انہیں پکڑا تو کیسا تھا میرا عذاب!

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے رسول تبلیغ حق کے لئے بھیجے گئے، لوگوں نے اپنے اپنے وقت پر ان کے ساتھ مذاق کئے، ان کی ہنسی اڑائی اور انہیں ایذا پہنچائی۔ مرسلین نے حقِ رسالت، اللہ کی رضا کے حوالے سے خوب ادا کیا۔ انہوں نے لوگوں کی تکلیف دِہ باتوں کے جواب میں بھی انہیں بھلائی کی دعوت ہی دی۔ ان کے مشاہدات کے حوالے سے انہیں احساس دلایا، کہ انہیں ظلمات سے نور کی طرف آنا چاہیئے۔ منکرین نے مرسلین کا کہا نہیں مانا۔ اللہ نے انہیں وقت دیا، کہ وہ اپنے شعور کے ساتھ جو راستہ اختیار کرنا چاہیں کریں۔ جب انہوں نے حق کے انکار کو اپنا وطیرہ بنالیا، اور انہیں عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہوگئی، تو اللہ نے ان کو ایسا پکڑا، کہ وہ بجھ کر رہ گئے، اور ان کا انجام عبرتناک ہوا۔

حاصل: پاک لوگوں کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو ڈھیل تو دی جاتی ہے، مگر ان کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔ جس کی بات میں اس کی کوئی غرض نہ ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اس کا مذاق اڑانا، عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

تو کیا وہ جو ہر نفس پر اس کی کمائی کے حوالے سے نظر رکھتا ہے، وہ اس اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ فرمایئے، ان کے نام لو۔ یا اسے وہ بتانے چلے ہو جو اس کے علم کے مطابق زمین میں کہیں نہیں، یا یوں ہی کہہ رہے ہو۔ بلکہ کافروں کے لئے ان کے فکر نے زینت پالی ہے، اور وہ راہ سے روک دیئے گئے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق کل ہے۔ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ کسی نفس کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دینے پر قادر ہے۔ توفیق اسی کی دی ہوئی ہے۔ راہ عمل اسی نے متعین کی ہے۔ حق کے انکار کی راہ اختیار کرنے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ ماننے والا اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ دوسرا کوئی اللہ کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ پوچھا جائے، جس کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو، اس کا نام تو لو۔ اس کی مخلوق کون ہے۔ اس نے اس مخلوق کو کیا توفیق دی ہے، اور وہ اسے کیا جزا دے سکے گا۔ اور یہ سب کچھ نہیں، تو پھر اسے معبود بنانے کی بات کیسے ہوسکتی ہے۔ علیم مطلق کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ جو مقام اللہ کے علم میں نہیں ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کافر بت پرستی کی بات ایک مکر کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اور وہ مکر یہ ہے، کہ من مانی کرنے کے لئے اپنا تصوراتی معبود بنالیتے ہیں، کہ اس خیالی معبود کی طرف سے تو کوئی اوامر و نواہی ہو ہی نہیں سکتے۔ حق کے مقابل ان کو اپنی خواہش کی پیروی عزیز ہوتی ہے، اس لئے یہ ہدایت سے دور ہوتے جاتے ہیں، اور گمراہی کو اپنے لئے مقدر کرلیتے ہیں۔ جو فسق کرے، اللہ اسے گمراہ کرتا ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

حاصل: جو ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دے گا، وہی معبود ہے، اور لاشریک ہے۔ جس کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کا نام بھی خود ہی بنانا پڑے گا۔ بت پرستی کی حقیقت، بہت بڑا مکر ہے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے

خیالی معبود بنالئے جاتے ہیں۔ جوحق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگا رہے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو اللہ کو نہ مانے جیسے ماننے کا حق ہے، اسے ہدایت نہیں دی جاسکتی۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾

ان کے لئے حیات دُنیا میں عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔ اور کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہیں۔

جو لوگ خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، وہ خوف وحزن کے گھیرے میں رہتے ہیں۔ حیات دُنیا میں انہیں کبھی اطمینان نہیں ملتا، اور وقتاً فوقتاً انہیں اپنی بداعمالی کی سزا بھی ملتی رہتی ہے۔ اس سزا سے بھی راہِ راست پر آنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اگر کسی کو راہ راست مطلوب ہی نہ ہو تو اس کو ایسی مدد درکار ہی نہیں ہوتی۔ آخرت کی سزا ہر لحاظ سے پوری ہوگی، اور عمل غیر صالح کے حوالے سے ہوگی، اس لئے بہت سخت ہوگی۔ جن کی اللہ کے مقابل پرستش کی جاتی ہے، ان کا یہ دعویٰ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے عبادت گزاروں کو اللہ کے عذاب سے چھڑا دیں گے۔ مشرکین یہ خود ہی فرض کر لیتے ہیں، کہ انہیں ان کے شرکاء سے مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح فرمایا جارہا ہے، کہ اللہ کے عذاب سے بچانے والا وہاں کوئی نہ ہوگا، اور تمہارا یہ زعم کہ تمہارے شرکاء تمہیں اللہ سے بچالیں گے، اس مکر کی وجہ سے ہے، جو تم نے من مانی کرنے کے لئے گھڑا ہوا ہے۔

حاصل: حیات دُنیا میں سزا مل رہی ہو، تو بداعمالی سے بچنے کی راہ لینی چاہئے۔ عذابِ آخرت بہت ہی سخت ہوگا۔ جب اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں تو مکر کرنے والوں کو اپنے عقیدے کی حقیقت پر ضرور غور کرنا چاہئے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی اصلاح کو قبول کرنا فائدہ دیتا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

حال اس جنت کا جس کا متقیوں سے وعدہ ہے یہ ہے، کہ اس کے تحت نہریں جاری ہیں، اس کے پھل اور سایہ دائمی ہیں۔ یہ بدلہ ہے تقویٰ کرنے والوں کا۔ اور کافروں کا بدلہ آگ ہے۔

متقی وہ حضرات ہیں، جو حق کی ادائیگی کے بعد یہ احساس رکھتے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اقدس معیار کے حوالے سے ہمارا عمل بہت ہی چھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوگی، تو یہ قبولیت کا شرف پالے گا، ورنہ یہ ہے حقیر۔ ان لوگوں کو کبھی اپنا عمل بڑا اور خوب نہیں معلوم ہوتا۔ ان حضرات کے لئے اللہ نے ایسے باغ کا وعدہ فرما رکھا ہے، جس کے تحت نہریں جاری ہوں گی، اور زیر زمین پانی کی سطح کے درست رکھے جانے کی وجہ سے وہ باغ سرسبز و شاداب ہوگا۔ اس کے پھل بھی دائمی ہوں گے، اور سایہ بھی دائمی ہوگا۔ وہاں ایسی بہار ہوگی، جس کے بعد خزاں نہیں آئے گی۔ متقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے۔ اس تعلق میں سچے ثابت ہو جانے کا انعام یہ ہوگا، کہ اس کی راحت کے لئے جو کچھ علیم مطلق پسند کرے گا عطا کرے گا۔ جو لوگ حق کا انکار کرتے کرتے اس دُنیا سے جاتے ہیں، ان کا

بدلہ یہ ہے، کہ انہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ آگ، حق کی خلاف ورزی کا انجام ہوگی۔ جلنے کا سامان کافر اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ ان کی بداعمالیوں کا حاصل، جلنے کا سامان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔

حاصل: پاک لوگوں کی تکریم اللہ کی سنت ہے۔ زیر زمین پانی کی سطح کو ایسے مقام پر رکھنے کی کوشش جس سے زمین کی سرسبزی اور شادابی قائم رہے، بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کا احساس ہمہ وقتی ہونا چاہئے، تقویٰ کرنے والوں کی یہی طریقت ہے۔ کافر اپنے جلنے کا سامان اپنی بداعمالیوں کی صورت میں اپنے ساتھ لے کر اس دُنیا سے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کیئے کی جزا دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اور جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اس پر فرحت پا رہے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا۔ اور ان گروہوں میں کچھ وہ ہیں، کہ اس کے بعض سے منکر ہیں۔ فرما دیجئے، مجھے یہی امر ہے، کہ اللہ کی بندگی کروں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔

یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ جن کو ان کے انبیاء کرام کی تعلیمات کی روشنی میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع مطلوب تھا، انہیں قرآن پاک کی صورت میں نازل ہونے والے فرمان خداوندی سے بڑی فرحت ملتی تھی۔ ان گروہوں میں سے وہ لوگ بھی تھے، جنہیں قرآن پاک کے بعض حصوں سے انکار تھا، اور انکار کی وجوہ یہ تھیں، کہ یہ لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانا چاہتے تھے، اور فرمانِ خداوندی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ قرآن پاک کی رو سے بندے کو کہیں بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں جو قرآن پاک کی تعلیمات کے بعض حصوں کا انکار کرتے تھے یہ فرمایا جا رہا ہے، کہ احکم الحاکمین کی طرف سے مجھے یہی امر دیا گیا ہے، کہ اللہ کی بندگی کی جائے، اس کی رضا کو مطلوب مانتے ہوئے صراط مستقیم پر رہا جائے، اور اس کے علاوہ کسی کی پسند کو اہمیت نہ دی جائے۔ شرک سے پاک رہنے کی یہی صورت ہے۔ میں سب لوگوں کو چاہے وہ اہل کتاب ہوں، یا اُمّی ہوں، اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جو ان کا پیدا کرنے والا ہے اور انہیں ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ میرا ٹھکانا بھی اسی کی طرف ہے۔ میں اب بھی حق کو ماننے والوں کے ساتھ ہوں، آخرت میں بھی حق کے ماننے والوں کے ساتھ ہوں گا۔

حاصل: جنہیں اللہ کی رضا مطلوب ہو، وہ احکامِ خداوندی کو جان کر فرحت پاتے ہیں۔ جو من مانی کرنے والے ہوں، وہ حق کے بعض حصوں کو مانتے ہیں، بعض کا انکار کرتے ہیں۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق اللہ کی بندگی کی طریقت کو روشن کرے، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے کو بھی واضح کرے، اور یہ اعلان کرے، کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

اور اسی طرح ہم نے یہ عربی حکم نازل فرمایا۔ اور اگر تو ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا، بعد اس کے کہ تجھے معلوم ہو چکا ہو، تو اللہ کے حضور نہ تیرا کوئی حمایتی ہوگا، نہ بچانے والا ہوگا۔

قرآن پاک عربی زبان میں ہے، اور فیصلے کا درجہ رکھتا ہے۔ بشارت و انذار کے تمام مقامات کا ذکر اس میں موجود ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے گا، تو ہدایت پائے گا، اطمینان قلب پائے گا۔ اور اگر کوئی فسق کرے گا، تو گمراہ ہوگا، اور راہِ عذاب اختیار کرے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا، کہ کوئی فاسق ہدایت پا جائے۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا، کہ کوئی منیب گمراہ ہو جائے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، جو بدلا نہیں کرتا۔ انسان اپنے تجربات سے بھی سیکھتا ہے۔ جب اسے اللہ کے فرمان کا پتہ چل جائے، اور پھر بھی لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کی پیروی کرتا رہے، اور دعویٰ یہ ہو، کہ وہ حق کو مانتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔ ایسے انسان کے ایمان کی شہادت دینے والا، اللہ کے سامنے کوئی نہ ہوگا۔ اسے آگ کے عذاب سے بچانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ جن کی حال پر پیروی کی جا رہی ہے، مستقبل میں بھی انہی کا ساتھ ہوگا۔ اگر کوئی آگ کی طرف جانے والوں کے پیچھے چل رہا ہے، تو وہ جہنم میں ہی جائے گا۔ مخلص کی شان یہ ہے، کہ اسے شیطان بہکا نہیں سکتا۔ وہ امر الٰہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔ اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہے۔ اور جزا دینے والے قادرِ مطلق کی طرف لوٹنے کا ہمہ وقتی احساس رکھتا ہے۔ اللہ کے نبی کی شان، تو شان عطا کرنے والا لاشریک جانتا ہے، یا جس کو یہ شان عطا ہوئی ہے، وہ جانتا ہے۔ باقی سب اس شان کو اسی قدر جان سکتے ہیں، جس قدر وہ آپ سے محبت رکھتے ہوں۔ مثلاً متوکل حضور سے محبت رکھنے والا ہوتا ہے، اس کے توکل کا درجہ کبھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا سا نہیں ہوسکتا۔ محسن ضرور احسان کرتا ہے، مگر اس کا احسان کبھی معلم احسان کے درجے کا نہیں ہوسکتا۔ شاہد کی برابری ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک حکم کا درجہ رکھتا ہے، اور عربی زبان میں ہے۔ فرمانِ خداوندی عربی میں ہو اور اسی ترتیب سے ہو، جس کی رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی ہو، تو وہ قرآن پاک ہے، ورنہ نہیں ہے۔ حق کا پتہ ہونے کے باوجود لوگوں کی بنائی ہوئی رسوم کو اہمیت دی جائے، تو نتیجے کے وقت انہی لوگوں کا ساتھ ہوگا جن کی حال پر پیروی کی جا رہی ہوگی۔ وہاں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے: اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ بے شک یہ قرآن پاک عبادت کرنے والوں کے لئے کافی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل رسول بھیجے اور ان کے لئے ازواج اور ذریت ٹھہرائے۔ اور کسی رسول کا کام نہیں، کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر ایک وعدہ لکھا ہوا ہے۔

کافروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر حیرت کا اظہار کیا، اور کہا، کہ اللہ کے رسول کو تو ایسے نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں بیوی بچوں سے تعلق کیوں ہو۔ دوسرے یہ کہ انہیں اپنی رسالت کے ساتھ حسی معجزے کی صورت میں کوئی نشانی بھی لانی چاہئے تھی۔ اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ آپ سے قبل رسول بھیجے گئے ہیں، ان کی ازواج بھی تھیں، اولاد بھی تھی۔ اس میں حیرت کا اظہار بے جا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں ازدواجی زندگی اور تربیت اولاد کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لوگوں کے بنائے ہوئے رواج ازدواجی زندگی کی اس شکل کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتی ہے۔ اولاد کی تربیت کے سلسلے میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ہر زمانے میں لوگوں پر یہ واضح کرتے رہے ہیں، کہ رضاءِ الٰہی کے مطابق، ازواج اور ذریت سے کیسا تعلق ہونا چاہئے۔ معاشرتی زندگی کے اسی حصے سے اصلاح کا آغاز ہو تو اجتماعی بھلائی ممکن ہوتی ہے۔ رہا حسی معجزے کی صورت میں کسی نشانی کا لا کر دکھانا، تو اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ رسول کا نشانی لا کر دکھانا باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے، اس کی حکمت کے تقاضے وہ خوب جانتا ہے۔ کس نشانی سے عصری علوم پر علم الٰہی کی برتری ثابت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ قرآن پاک کی صورت میں جو کتاب نازل فرمائی گئی ہے، اس میں عقل والوں کے لئے یقیناً نشانیاں موجود ہیں۔ کن لوگوں کو اللہ نے کیا توفیق دی ہے، کس قدر وقت دیا ہے، کیا حالات کار دیئے ہیں، کب تک ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، یہ سب باتیں اللہ کے ہاں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ لوگ بے عقلی سے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کرتے کرتے خسارے کو اپنے لئے مقدر کر لیتے ہیں۔

حاصل: ازدواجی زندگی اور تربیت اولاد میں مخلصین کا اتباع، اصلاح معاشرہ کی طرف پہلا قدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصری علوم پر علم الٰہی کی برتری ہمیشہ واضح کی جاتی رہی ہے، کوئی نہ دیکھے تو قصور اسی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق بھی ایک محدود وقت تک ہوتی ہے۔ ہر ہر لمحہ اپنے اندر دعوت اصلاح رکھتا ہے، اور جو گزر جاتا ہے وہ پھر لوٹ کر نہیں آتا۔ بولنے میں بھی احتیاط ضروری ہے، کہ ایسی بات نہ کی جائے، جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۖۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت رکھتا ہے۔ اور ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم، علم مطلق ہے۔ جو شے اپنی افادیت کو کھو دیتی ہے، اس کو مٹا دیا جاتا ہے۔ جس کو اللہ باقی رکھنا چاہے اس کو باقی رکھتا ہے۔ جو تہذیب منشاءِ الٰہی کے خلاف ہو، وہ مٹا دی جاتی ہے، جو رضاءِ الٰہی کے مقابل رسومات کو اہمیت دینے سے انکار کر دے وہی باقی رہتی ہے۔ چاہے خلوت میں ہی رہے، باقی ضرور رہتی ہے۔ جب اللہ کے نزدیک اس کے بڑھنے کے لئے حالات سازگار ہوں، پھر وہ بڑھنے لگتی ہے۔ قرآن پاک جلوت ہے، امّ الکتاب اس کی خلوت ہے، اور یہ لازم و ملزوم ہیں۔ تورات، زبور اور انجیل بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی تھیں، بنی اسرائیل نے احکامات الٰہیہ کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کی، اور یہ لوگ اپنے فسق کی جزا پاتے رہے۔ قرآن پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اب کسی نبی کی بعثت کا مقام باقی نہیں رہا، اس لئے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا گیا ہے۔ خلوت میں چاہے چلا جائے، مگر باقی ضرور رہے گا۔ جس کی حقیقت اللہ کے ہاں موجود نہیں، وہ آج بھی نہیں ہے، کل بھی نہیں ہوگا۔

حاصل: اللہ بے حقیقت کو مٹاتا ہے، باحقیقت کو باقی رکھتا ہے۔ امّ الکتاب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ جو عنوان وہ رکھ دے، اس کو بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ دعا فلاحِ دارین کے لئے کرنی چاہئے۔

وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾

اور اگر ہم آپ کو کوئی وعدہ جو ان سے کیا ہے، دکھلا دیں، یا آپ کو وفات دیں، تو آپ پر تو پہنچا دینا ہے، اور ہم پر حساب لینا ہے۔

گمراہ لوگوں کے لئے حیات دُنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے، آخرت میں تو ہوگا ہی۔ حیات دُنیا والا عذاب منکرین پر شاہد کے سامنے آجائے، یا اس کی حیاتِ طیبہ کے بعد آجائے، اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر ہے، جس میں ہمیشہ بڑی حکمت ہوتی ہے۔ عذاب بہرحال آتا ہے، اور گمراہ اسے کسی کوشش سے ہٹا نہیں سکتے۔ اس کے وقت کا تعین علمِ الٰہی سے کیا جاتا ہے۔ شاہد کی شان تو یہی ہے، کہ حق کو لوگوں تک پہنچا دے۔ وہ اسے قبول کرتے ہیں، یا قبول کرنے کے دعوے کے ساتھ من مانی کرتے ہیں، یا قبول ہی نہیں کرتے، اس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ حق کو پہنچا دینے کا کام، خاتم النبیین کی طریقت سے اسی طرح ہو سکتا ہے، کہ مخالفین کی مخالفت ان کی لاعلمی کی وجہ سے قابل معافی سمجھی جائے، اور تائید ایزدی کے ساتھ تبلیغ حق کے کام کو جاری رکھا جائے۔

حاصل: حیات دُنیا میں بھی عذاب کے وقت کا تعین اللہ تعالیٰ کے علمِ مطلق سے ہی ہوتا ہے۔ شاہد کا کام تبلیغ حق کے ساتھ ہی پورا ہو جاتا ہے۔ تبلیغِ حق کی احسن صورت وہی ہے، جو خاتم النبیین کی طریقت ہے۔ اپنے قول کی بھی حفاظت کرنی چاہئے، عمل کی بھی حفاظت کرنی چاہئے۔ حساب لینے والے، مالکِ یوم الدّین سے ڈرنا چاہیے۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾

کیا وہ دیکھتے نہیں، کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔ اور اللہ حکم فرماتا ہے تو کوئی اس کے حکم کو پیچھے ڈالنے والا نہیں۔ اور اسے حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔

کافروں کو یہ نظر آرہا تھا، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ خیر کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے والے بڑھتے جا رہے ہیں، اور ان کی باتیں ہر سو ہو رہی ہیں۔ لوگ کافروں کی مشرکانہ رسوم کو بے حقیقت کہنے لگے ہیں۔ ان پر یہ واضح ہوتا جا رہا ہے، کہ آخرت کے یقین سے ہی حال پر بھلائی کی راہ اختیار کی جا سکتی ہے، اور بھلائی کی راہ اختیار کرنے میں ہی انسانوں کا بھلا ہے۔ دعوت حق دینے والوں کو اللہ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس لئے ان کا کسی جگہ آنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نشانی کا درجہ رکھتا ہے۔ حکم اللہ کی شان کے لائق ہے، اور جب اس کا حکم ہوتا ہے، تو تمام اسباب اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں، مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب وہ لوگوں کا کیا ان پر ڈالتا ہے، تو اسے دیر ہی کیا لگتی ہے، حساب فوراً ہو جاتا ہے اور عبرتناک بھی ہو جاتا ہے۔

حاصل: جب بات سند کے ساتھ ہو، اور اس کے ماننے والے بتدریج بڑھتے جا رہے ہوں اور اس سے شرک کو خطرات لاحق ہو جائیں تو اس بات کے حق ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ، پاک لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے ان کے حکم کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اپنا حق ادا کرنے کے بعد فارغ رہنا چاہئے۔ اللہ سے بڑا حساب لینے والا کوئی نہیں۔ اُس کا حساب فوری بھی ہوتا ہے، عبرتناک بھی ہوتا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

اور خفیہ تدبیریں کرتے رہے ہیں جو ان سے پہلے تھے۔ تو خفیہ تدبیریں سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔ ہر نفس کا کسب اس کے علم میں ہے۔ اور کفار کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا، کہ پچھلا گھر کس کے لئے ہے۔

حق کو مٹانے کے لئے منکرین پہلے بھی خفیہ تدبیریں کرتے رہے ہیں، اب بھی کرتے ہیں۔ خفیہ تدبیر، تدبیر کرنے والے علم کی نسبت سے اپنے اثرات رکھتی ہے، اور یہ اثرات قطعاً باذن اللہ ہوتے ہیں، اس لئے اللہ کے سامنے کسی کے مکر کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کی خفیہ تدبیر کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں، کہ اس کا علم سب سے بڑا ہے۔ اس کی قدرت محدود نہیں، اس لئے اس کی تدبیر کے سامنے سب عاجز ہیں۔ ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ حیات دُنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی کفار کو پتہ لگ جائے گا، کہ آخرت میں کس کا انجام بخیر ہوگا اور کون عذاب پائے گا، مگر اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: حق کو مٹانے کے لئے خفیہ تدبیریں کرنے والے ہمیشہ بے عقل ہوتے ہیں، وہ دراصل اپنی جڑ کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ کوئی خفی یا جلی تدبیر اللہ کے اذن کے بغیر حقیقت ہی کیا رکھتی ہے۔ ہر نفس کا کیا ہوا اللہ کے علم میں ہے۔ حیات دُنیا کے خاتمے کے ساتھ آخرت کی بھلائی اور خسارہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا۔ جس پتے سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو، وہ پتہ باعث حسرت ہی ہوتا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۶

اور کافر کہتے ہیں، کہ آپ مرسل نہیں ہیں۔ فرما دیجئے، میرے اور تمہارے مابین اللہ کی گواہی کافی ہے، اور اس کی جس کے پاس علم کتاب ہے۔

کافروں نے آپ کی رسالت کا انکار کر کے بھلائی کی راہ اختیار نہ کرنے کا اعلان کر دیا، تو ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا: میرے بھیجنے والے علیم مطلق کی گواہی سے بڑی گواہی کسی کی نہیں ہے۔ وہ ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔ وہ گواہ ہے، کہ میں نے تم لوگوں تک حق کو پہنچانے کی پوری سعی کی ہے، اور وہ گواہ ہے کہ تم نے میری رسالت کا انکار کیا ہے۔ جزا دینے والے کی گواہی تمہارے لئے تمہارے اعمال کے حوالے سے اہم ہے، میرے لئے میرے اعمال کے حوالے سے اہم ہے۔ بندوں میں سے، اس کی گواہی اہمیت رکھتی ہے، جس کے پاس علم کتاب ہے۔ جس نے فرمان خداوندی کو مانا ہے، اسے کتاب کا علم ہے، اور جسے کتاب کا علم ہے، وہ میری رسالت کی گواہی نہ دے، ناممکن ہے۔ فرمانِ خداوندی کی اطاعت کی راہ اختیار نہ کرنے والے بے علم ہیں، علم والوں کے مقابل ان کی بات کیا حیثیت رکھتی ہے۔

حاصل: اللہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے والا ہے، اس لئے اس کی گواہی سے بڑی گواہی کوئی نہیں ہو سکتی

ہے۔علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔فرمانِ خداوندی کی اطاعت سے کتابِ حق کا علم حاصل ہوتا ہے۔علم والے خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے رہے ہیں، دے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومن (۴۰) میں ارشاد فرمایا ہے: حد سے بڑھنے والے، اور شک کرنے والے لوگ۔ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىہُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَ عِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وہ اللہ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جو انہیں ملی ہو، جھگڑا کرتے ہیں۔اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے۔اسی طرح اللہ ہر متکبر، سرکش کے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

ایاتھا ۵۲ سُوْرَةُ اِبْرٰھِیْمَ رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ (۱)

الرٰ قف یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے، کہ آپ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں، ان کے ربّ کے اِذن سے اس کی راہ پر جو عزت والا حمد والا ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، جو خاتم النّبیین ہیں۔ مقصد نزول یہ بتایا گیا ہے، کہ آپ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں۔ گمراہی کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں، ہدایت کی ایک صورت ہوتی ہے۔ ظلمات سے نور کی طرف لانے کی کوشش تو سب کے لئے کی جائے گی، مگر ہدایت باذنِ اللہ ہوگی، اور اسے ہوگی، جو طالب ہدایت ہو۔ ہدایت یافتہ، عزت والے مومنین کی صف میں شمار ہوگا، اور ماحول اس کی خوبیوں سے منور ہوگا۔

حاصل: قرآن پاک کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے۔ لوگوں کو اندھیروں سے نُور کی طرف لانے کا کام کرنے والے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت وجلوت میں پورا تعلق رکھتے ہوں، تو حقِ تبلیغ ادا ہو سکے گا ورنہ نہیں۔ ہدایت باذنِ اللہ ہوتی ہے، اور طالبِ ہدایت کو ہوتی ہے۔ ہدایت یافتہ کی قدر کرنی چاہئے۔ اس کی خوبیوں سے ہمیشہ ماحول منوّر ہوتا ہے۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ (۲)

اللہ کہ جس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور کافروں کو ایک عذابِ شدید سے خرابی ہے۔

قرآن پاک جس راستے پر چلنے کی دعوت دیتا ہے، وہ راستہ خالقِ کل کا راستہ ہے، مالکِ کل کا راستہ ہے۔ یہی راستہ ہے، جس پر چل کر حیات دُنیا کو احسن طریق سے گزارا جاسکتا ہے۔ اسی راستے پر چلنے کی صورت میں خوف وحزن سے نجات مل سکتی ہے۔ اسی راستے پر چلنے والے آخرت میں فلاح پائیں گے۔ جو لوگ اس کا انکار کر کے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے دُنیا میں بھی خرابی ہے، آخرت میں سخت خرابی ہوگی۔ کافروں کا اپنا علم کوئی نہیں ہوتا۔ وہ حق کے انکار کو اپنا طریق زندگی بناتے ہیں۔ حق کی راہ کو روشن کر کے اللہ نے لوگوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی سے کسی طرح کی احتیاج نہیں ہے، اس لئے جو اللہ کا انکار کرتا ہے، اپنے سب سے بڑے بہی خواہ کا انکار کرتا ہے۔ جو اپنے بہی خواہ کا انکار کرے، اس کو ضرور عذاب شدید کی صورت میں خرابی گھیر لے گی۔

حاصل: ہر شے کا استعمال معطیٔ مطلق کے فرمان کے حوالے سے ہونا چاہئے، اسی میں راحت ہے، اسی میں فلاح ہے۔ فرمانِ خداوندی کے انکار سے کافروں کو دُنیا و آخرت میں دکھ ہی مل سکتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۳

جنہیں حیات دُنیا آخرت کے مقابل پیاری ہے، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔ وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

کافروں کو حیات دُنیا سے بہت پیار ہوتا ہے۔ وہ آخرت کی بات سنی ان سنی کردیتے ہیں۔ حیات دنیا میں انہیں اتنا انہاک ہوتا ہے، کہ اس کے خاتمے کو بھی قریب ہوتا نہیں دیکھتے۔ جو لوگ انہیں حق کی ادائیگی کی راہ اختیار کرتے نظر آتے ہیں، انہیں وہ رسومات کے حوالے سے اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور انہیں اس بات سے ڈراتے ہیں، کہ اس طرح آپ زمانے کو اپنے خلاف کرلیں گے۔ ترغیب یہ دیتے ہیں، کہ اگر آپ نے حق کو ہی دیکھنا ہے، تو پھر یوں کرلیجئے، تاکہ وہ بھی ہوجائے جو آپ چاہتے ہیں اور زمانہ بھی راضی رہے۔ یہ کجی چاہنے والوں کی نشانی ہے۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے والے ہمیشہ دور کی گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔

حاصل: حیات دُنیا کے مقابل آخرت پیاری ہو، تو رخ درست ہوگا، ورنہ درست نہیں ہوگا۔ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنی اصلاح کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۴

اور ہم نے ہر رسُول اس کی قوم کی زبان بولنے والا ہی بھیجا، کہ وہ اُن پر روشن کرسکے۔ تو اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

طبعی ترتیب کے مطابق ہر رسول کے اوّلین مخاطب اس کی قوم کے لوگ ہوتے رہے ہیں، جن میں اس رسول کی بعثت ہوتی تھی۔ اس لئے وحی الٰہی اس کی قومی زبان میں آتی رہی، تاکہ حق ان لوگوں پر واضح ہو، اور وہ بشارت و انذار سے فائدہ اٹھائیں۔ دوسری زبانیں بولنے والے، اپنے لوگوں میں جائیں گے، تو اپنے احساسات کو ان لوگوں کی زبان میں بیان کریں گے۔ جس زبان کو بہتر جاننے کا احساس ہو، اس میں سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ سمجھانے والے کا یہ حق ہے، کہ وہ سمجھنے والے کی زبان میں بات کرے، تاکہ وہ سمجھنے والے پر روشن کرسکے۔ بات سمجھ میں آجانے سے ہدایت و گمراہی کا تعلق نہیں ہے۔ ہدایت و گمراہی کا تعلق اس رویئے سے ہے جو حق کو ماننے کے لئے شعوری طور پر اختیار کیا جائے۔ جو ہدایت کا طالب ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جائے، وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ عزت والا، حکمت والا، مالک کل جو بھی کرتا ہے، وہی سب سے صحیح ہوتا ہے۔

حاصل: سمجھنے والے لوگوں کی زبان میں بات کرنا، سمجھانے والے کا حق ہے۔ جس زبان کو بہتر طور پر سمجھنے کا

احساس ہو، بات اسی میں روشن ہوتی ہے۔ ہدایت و گمراہی باذنِ اللہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ضرور کرنی چاہئے، مگر جو کچھ اس کی طرف سے ہو رہا ہو، اس کو بالکل درست ماننا چاہئے۔ عزت بھی اسی میں ہوتی ہے، حکمت بھی اسی میں ہوتی ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لائیں، اور انہیں اللہ کے ایام یاد دلائیں۔ بے شک اس میں ہر بڑے صبر کرنے والے، شکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حسی معجزات کے ساتھ بھیجا گیا، جو اس زمانے کے علوم پر علم الٰہی کی برتری واضح کرنے کے لئے کافی تھے۔ منشاء رسالت لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا تھا۔ طریقت یہ تھی، کہ سابقہ امتوں کے احوال ان کے سامنے اس طرح بیان کئے جائیں، کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے لوگوں کا انجام معلوم ہو جائے، اور اپنے رخ کے درست کرنے میں مدد ملے۔ جن ایام میں اللہ لوگوں کا کیا ان پر ڈال دیتا ہے، وہ ایام پیچھے آنے والوں کے لئے بھی اپنے اندر بڑا درس عبرت رکھتے ہیں۔ مصائب و آلام کو باذنِ اللہ جان کر اپنا حق ادا کرتے رہنا صبر ہے، اور مصائب کی طوالت میں تعلق مع اللہ کو قائم رکھنا بڑا صبر ہے۔ عطاء الٰہی کو رضاء الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا شکر ہے، اور کسی بھی شے کو حقیر نہ جاننا بڑا شکر ہے۔ صبر و شکر کرنے والوں کے لئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ذکر میں یقیناً نشانیاں ہیں۔ صبر کرنے والوں کو بڑے صابر حضرات کے نقوش قدم سے روشنی ملتی ہے، شکر کرنے والوں کو بڑے شکر گزار حضرات سے روشنی ملتی ہے۔

حاصل: کسی بھی رسول کے ساتھ موزوں نشانیوں کا فیصلہ علم الٰہی سے ہوتا ہے۔ منشاء رسالت لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانا ہوتا ہے۔ جن ایام میں لوگوں کو ان کے کیے کی جزا دی گئی ہو، وہ اللہ کے ایام ہوتے ہیں۔ واقعات سے فائدہ اٹھانے کے لئے اہلیت کا ایک معیار بھی ہوتا ہے۔ بہت صبر و شکر کرنے والے ہی درسِ عبرت سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۶﴾ ع ۱۴

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا، اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، جو تمہیں برا عذاب دیتے تھے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے بڑی ابتلا تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: اللہ نے تم لوگوں پر بڑا احسان فرمایا تھا، تمہیں آل فرعون کے مظالم سے نجات دی تھی۔ آل فرعون تم سے مشقت بھی لیتے تھے، اور تمہیں مارتے بھی تھے۔ یہ بہت بڑی سزا تھی۔ وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کردیتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے، تاکہ تمہاری عددی قوت کبھی ان کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ یہ اللہ کی مدد سے ہی ہوا، کہ تم مقہور ہونے کے باوجود ان سے نجات پا گئے، اور آج تم ایک قوم کی صورت میں موجود ہو۔

حاصل: اللہ کے احسانات کو یاد کرنے سے قربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کی مدد کا احساس ہو، تو استقامت کے ساتھ حق کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے۔ اللہ کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے اللہ کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوسکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے الحجر (۱۵) میں ارشاد فرمایا ہے: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ کافر بہت آرزوئیں کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔ انہیں چھوڑ دو، کہ کھائیں اور برت لیں، اور امید انہیں کھیل میں ڈالے۔ تو جلد ہی انہیں معلوم ہوجائے گا۔

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

اور جب تمہارے ربّ نے سنا دیا، کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں مزید دوں گا، اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب یقیناً شدید ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے یہ ارشاد بنی اسرائیل کو سنایا گیا، کہ اگر تم لوگ عطاء الٰہی کو اللہ کی رضا کے مطابق تصرف میں لاتے رہو گے، تو تمہاری شکرگزاری کی بدولت تمہیں مزید نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور اگر عطاء الٰہی کو اپنی خواہشات پر لگاتے رہو گے، اور ناشکری کے مرتکب ہوگے، تو پھر ایسی شدید پکڑ میں آجاؤ گے، کہ جس سے چھوٹ جانا تمہارے بس میں نہ ہوگا۔

حاصل: عطاء الٰہی کو رضاءِ الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا شکرگزاری ہے، اپنی خواہشات کے مطابق تصرف میں لانا ناشکری ہے۔ شکرگزار کو مزید نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، ناشکرا شدید پکڑ میں آجاتا ہے، پھر اس کی کوئی تجویز اسے اس پکڑ سے چھڑا نہیں سکتی۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، اگر تم کفر کرو گے اور جو زمین میں ہیں سارے، تو بے شک اللہ بے پرواہ ہے حمد والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس کے ارشادات کو ماننے سے ماننے والے کو فائدہ پہنچتا ہے، اور نہ ماننے سے منکر خسارے میں پڑتا ہے۔ منکرین کی انتہائی اکثریت بھی نظام خداوندی پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ

معطئ مطلق ہے، باقی سب لینے والے ہیں اور لے کر دینے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی بے پرواہی یہ ہے، کہ اسے کسی شے کی حاجت نہیں۔حمد کی شان یہ ہے، کہ ہر شے کو ہر حال میں اللہ کی احتیاج ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کے ارشادات کو ماننے سے ماننے والے کو فائدہ ہوتا ہے، نہ ماننے سے منکر کو خسارہ ہوتا ہے۔ 'عبدالغنی' ہونے کے لئے اپنی ذاتی خوشی کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، اور 'عبدالحمید' ہونے کے لئے حال پر اپنے حق کو حسن وخوبی سے ادا کرنا چاہئے۔

اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ
ع قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۛؕ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ
بَعۡدِهِمۡ ۛؕ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتۡهُمۡ
رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ
فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ
اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا
الثلثة تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ۝۹

کیا تمہیں ان کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے تھے، قومِ نوح، اور عاد وثمود اور جو ان کے بعد ہوئے۔اللہ کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں ہے۔ان کے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ اُن کے پاس آئے، تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف لوٹائے اور کہنے لگے، ہم تمہارے ہاتھ بھیجے گئے کا انکار کرتے ہیں، اور تمہاری دعوت میں ہمیں شک ہے کہ بات کھلنے نہیں دیتا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے منکرین حق کے ساتھ پہلے جو سلوک کیا جا چکا ہے، اس میں پیچھے آنے والوں کے لئے درس عبرت موجود ہے۔قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود اپنے اپنے وقت پر بڑے عروج پر تھیں۔انہوں نے حق کا انکار کیا، تو عمل کے لئے دی گئی مہلت کے پورا ہونے کے بعد انہیں عذاب میں پکڑ لیا گیا، پھر یہ بجھ کر رہ گئے۔ان کے بعد آنے والوں کا اب نام بھی کسی کو معلوم نہیں۔ان منکرین کے پاس بھی روشن نشانیوں کے ساتھ اللہ کے رسول تشریف لاتے رہے۔یہ لوگ ہمیشہ حق کو سن کر حیرت ہی کا اظہار کرتے رہے، اور اپنے ہاتھ اپنے مونہوں کی طرف لوٹا کر حیرت کے اظہار کے بعد یہ کہتے رہے، ہم اس حق کا انکار کرتے ہیں، جس کی آپ تبلیغ کرتے ہیں۔اس کو ماننے سے تو موجودہ رسم ورواج کے تارو پود بکھر جائیں گے۔آپ کی صداقت کی نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود ہمیں آپ کی تعلیمات میں ایسا شک ہے، کہ وہ بات کھلنے نہیں دیتا۔

حاصل: ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ ماضی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں، جن کے بارے میں اب کسی کو علم نہیں۔ جاہل لوگ حق کو سن کر رسم ورواج سے جڑ جاتے ہیں۔رسم ورواج انسانی علم سے بنتے ہیں۔ان کے بنانے والوں کی اپنی خواہشات ہوتی ہیں۔مگر رسم ورواج کو ان کے ماننے والے بڑی اہمیت دے دیتے ہیں، اور اپنا سکھ چین برباد کرتے ہیں۔راحت حق کو ماننے کے علاوہ کسی مقام پر موجود نہیں پائی گئی۔

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۰﴾

ان کے رسولوں نے فرمایا، کیا تمہیں آسمانوں اور زمین کے بنانے والے اللہ میں شک ہے۔ وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی مغفرت کے لئے بلاتا ہے، اور اجلِ مسمّٰی تک وقت دینے کے لئے۔ کہنے لگے، تم تو ہماری مثل بشر ہی ہو۔ تم چاہتے ہو، کہ ہمیں ان کی بندگی سے روک دو، جن کی بندگی ہمارے آباء کرتے رہے، تو پھر کوئی روشن سند لے آؤ۔

منکرین حق کے جواب میں مرسلین نے یہ فرمایا: کہ حق کے پیغام کو سن کر تمہیں جو شک ہوا ہے، اس شک پر غور کرو۔ کیا تمہیں اللہ پر شک ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ وہ خالق کل ہے۔ اس کی قدرت پر شک کرنا قطعاً بے جا ہے۔ جو دعوت تمہیں ہماری زبان سے مل رہی ہے، یہ اللہ کا بلاوا ہے۔ وہ چاہتا ہے، کہ تم نے علم نہ ہونے کی وجہ سے جو کوتاہیاں کی ہیں، ان کی نفی کرو اور اس کے مخلص بندوں کا اتباع کر کے، اپنے طریق زندگی کو بدل کر، بخشش کی راہ اختیار کرو۔ راہ حق کو اختیار کرنے سے ماضی کی کوتاہیاں معاف ہو جائیں گی۔ عمل صالح کے ساتھ تمہیں اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے مزید وقت دیا جائے گا، اور تمہارا انجام بخیر ہوگا۔ ورنہ عذاب تم سے دور تو نہیں ہے۔ اس کے جواب میں کافروں نے یہ کہا: کہ ہماری نظر میں تم اللہ کی طرف بلانے والے، ویسے ہی ہو، جیسے ہم ہیں۔ تم یہ چاہتے ہو، کہ ہم اس طریق زندگی کو چھوڑ دیں، جو ہمارے بڑوں نے اختیار کیا تھا، اور تمہاری پیروی سے تمہاری سرداری کو مان لیں۔ یہ تو نہیں ہوگا۔ ہاں کوئی ایسا معجزہ سامنے آجائے، جو ہمیں ماننے پر مجبور کر دے، تو بات دوسری ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت میں شک کرنا، انتہائی جہالت ہے۔ اللہ یہی چاہتا ہے، کہ لوگ حق کو مان کر بخشش کی راہ اختیار کریں، اور ماننے والے بندوں کی حیثیت سے اس دُنیا سے رخصت ہوں۔ منکرین حق کو بھلائی مطلوب نہیں ہوتی، اس لئے انہیں تبلیغ حق کرنے والوں کا اپنی مثل ہونا اچھا نہیں لگتا، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی سرداری قائم کرنے کے لئے اپنے علم کو پھیلا رہے ہو۔ منکر دِل کا اندھا ہو، تو روشن نشانی بھی اسے کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اُن کے رسولوں نے ان سے فرمایا، ہم ہیں تو تمہاری مثل بشر، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے۔ اور ہمارا کام نہیں، کہ تمہارے پاس سند لے آئیں مگر اللہ کے اِذن سے۔ اور مومنوں کو تو اللہ پر توکّل کرنا چاہئے۔

منکرین کے جواب میں، رسولوں نے فرمایا: کہ ہمارا دعویٰ تو یہی ہے، کہ ہم تمہاری نوع بشر سے ہیں، اور اس راستے پر ہیں، جس پر چلنے

سے تمہیں فلاحِ دارین حاصل ہوگی۔رسالت کا منصب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔وہ علیم مطلق ہے۔وہ جس بندے کو منصب رسالت کے لئے چن لے،اسی کو ماننا حق ہے۔رہا یہ سوال کہ کافروں کی مطلوبہ نشانیوں کے دکھانے کا کام،اللہ کے رسولوں کا ہے یا نہیں،تو واضح رہے،کہ یہ کام اللہ کے رسولوں کا نہیں۔وہ جو نشانی بھی اپنے ساتھ رکھتے ہوں،اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتی ہے۔کسی عہد کے علوم کے مقابل علم الٰہی کا تفوق کس طرح ثابت ہوسکتا ہے،علیم مطلق ہی اسے جانتا ہے۔اس لئے اس کی دی ہوئی نشانی سے بڑھ کر کوئی نشانی موزوں نہیں ہوتی۔ مومنوں کا حق یہی ہے،کہ عطاءِ الٰہی کو حال پر پورا جانیں،اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہو،اسے موجود دیکھیں۔

حاصل: نوعِ بشر ہی تبلیغِ حق کے لئے موزوں ہے۔اللہ کی پسند کو ادب سے ماننا چاہئے۔اس کے علم کے مقابل کسی علم کی حیثیت ہی کیا ہے۔مومن عطاءِ الٰہی کو پورا جانتے ہیں،اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہو اسے موجود دیکھتے ہیں۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۱۴

اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر توکّل نہ کریں،اور وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے۔اور ہم تمہاری دی ہوئی اذیتوں پر ضرور صبر کریں گے۔اور توکّل کرنے والوں کو اللہ پر توکّل کرنا چاہئے۔

تبلیغ حق کرنے والے متوکّل ہوتے ہیں۔وہ منکرین پر اپنی روش کو روشن کرتے رہتے ہیں۔جس کو عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں رضاءِ الٰہی مطلوب ہو،جو جزا کا یقین رکھتا ہو،اور جسے حیاتِ دُنیا کے مقابل آخرت عزیز ہو،وہ اللہ پر توکّل نہ کرے،یہ ناممکن ہے۔ منکرین حق،حق پہنچانے والوں کو اذیتیں دیا کرتے ہیں،اور وہ پاک لوگ ان اذیتوں پر صبر کیا کرتے ہیں۔ان اذیتوں کو باذن اللہ جان کر ہی ان پر صبر کرنا ممکن ہوتا ہے۔منکرین حق کے مقابل پاک لوگوں کو استقامت کے ساتھ راہ حق پر رہنے کے لئے کیا مدد ملنی چاہئے،اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔اس لئے بھروسہ کرنے والوں کے لئے،اللہ تعالیٰ سے بڑی کوئی ذات نہیں ہے۔

حاصل: اللہ پر توکّل کرنا،پاک لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔منکرینِ حق کی طرف سے دی گئی اذیتوں پر صبر کرنا،استقامت کے ساتھ راہِ حق پر رہنے کے عزم کو روشن کرتا ہے۔ہر مقام پر اور ہر طرح کی مدد اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے،اس لئے اسی پر توکّل کرنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ (کہ ایک دن ایسا آئے گا،)اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا اور کہے گا کہ ہائے کسی طرح سے میں نے رسول کی معیت کی راہ اختیار کی ہوتی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا،ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے،یا تم ہماری

فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ ملت میں لوٹ آؤ۔ تو ان کے ربّ نے انہیں وحی بھیجی، یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔

کافروں نے مرسلین کی تعلیمات کی بے قدری کی انتہائی حدود پر پہنچ کر یہی کہا: کہ ہمارے قریئے میں رہنے کے لئے، آپ کو ہماری ملت میں لوٹ کر آنا ہوگا، اور اسی طریق زندگی کو اپنانا ہوگا، جو آپ کی بعثت سے پہلے یہاں جاری تھا۔ اور اگر یہ آپ نہیں کریں گے، تو پھر یقیناً آپ کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ یہ کافروں کی طرف سے اعلان جنگ ہوتا تھا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو وحی بھیجی جاتی تھی، نصرت ایزدی کا وعدہ کیا جاتا تھا، اور یہ بتا دیا جاتا تھا، کہ ظالموں کی ہلاکت کا وقت قریب ہے۔

حاصل: مرسلین اپنی بعثت سے پہلے خاموش ہوتے تھے، اس لئے کافروں کو اس وقت وہ اپنی ملت میں نظر آتے تھے، حالانکہ وہ کبھی بھی ان کی ملت میں نہ تھے۔ علمِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کی ملت، انسانی خواہشات پر مبنی رسومات والی ملت کو اس لئے خوف زدہ کرتی ہے، کہ کافر یہ جانتے ہیں، کہ ان کے لئے پاک لوگوں کی ملت کے غلبے کو روکنا ممکن نہ ہوگا۔ کافر جب ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو پاک لوگوں سے اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴ اور ضرور ہم تمہیں ان کے بعد اسی جگہ سکونت دیں گے۔ یہ اس کے لئے ہے، جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اور میری وعید سے ڈرے۔

رسولوں کے منکرین نے ان کی تکذیب کی انتہائی حدود پر جب یہ کہا، کہ تم لوگ ہماری ملت میں لوٹ آؤ تو اس قریئے میں رہ سکتے ہو، ورنہ ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ بتا دیا گیا، کہ ان ظالموں کی ہلاکت کا وقت دور نہیں ہے، اور یہ تمہیں یہاں سے نکالنے کی قدرت کہاں سے لائے ہیں۔ قادر مطلق کا فیصلہ یہ ہے، کہ ہم ضرور پاک لوگوں کو ان ظالموں کی جگہ آباد کریں گے۔ تائیدِ ایزدی جن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، ان کی دو صفات کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے: وہ اللہ کے حضور جواب دہی کے لئے پیش ہونے کا یقین رکھتے ہیں، اور حق کے انکار کی صورت میں عذاب الٰہی کی وعید سے ڈرتے ہیں۔ یہ لوگ حال پر وہی کرتے ہیں، جو انہیں کرنا چاہئے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی قدرت بارہا ظالموں کی جگہ پر مظلوموں کو آباد کر چکی ہے۔ تائیدِ ایزدی سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جو جزا کا یقین رکھتے ہوں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ اور انہوں نے فیصلہ مانگا، اور ہر سرکش ضدّی نامراد ہوا۔

کافروں نے مرسلین کی تکذیب کرتے کرتے یہ بھی کہا، کہ اگر آپ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں، تو وہ عذاب لا کر دکھایئے جس سے آپ ڈرا رہے ہیں۔ اب کوئی دوسری بات آپ کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتی۔ کافروں کی طرف سے یہ اعلان ان کے رسولوں نے سنا تو یہ دعا کی:

اے میرے ربّ! ہمارے اور ہماری قوم کے مابین فیصلہ فرما، اَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ، تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔(۷:۸۹)
اس دعا کے بعد عذاب الٰہی کو آتے دیر نہیں لگی، اور ہر سرکش اور ضدی اس عذاب میں پکڑ لیا گیا۔ عذاب میں پکڑے جانے پر اس نے حق کو مانا ضرور مگر اس وقت وہ نامراد ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی صداقت کو ثابت کرنے کا وقت ضائع کر لیا تھا، اسے وہ ماننا کیا فائدہ دے سکتا تھا۔

حاصل: پاک لوگوں نے جب بھی مکذبین کے بارے میں اللہ کا فیصلہ مانگا، سرکش اور ضدی لوگوں کا یوں صفایا ہوا، جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

پیچھے اس کے جہنم ہے، اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

عذاب دُنیا کے بعد منکرین کو عذاب آخرت کا سامنا ہوگا۔ جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا، اور پیپ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ حدت کی شدت کے ساتھ پیاس ضرور لگتی ہے، اور تشنگی شدت اختیار کر جائے تو پینے سے گریز ممکن نہیں ہوتا، اس وقت سرکش اور ضدی لوگوں کو وہ پانی دیا جائے گا، جو ذائقے میں ناگوار ہوگا، بو میں ناگوار ہوگا، رنگ میں بھی پیپ جیسا ہوگا۔

حاصل: منکرینِ حق کو عذاب دُنیا کے بعد عذابِ آخرت کا سامنا ہوگا۔ مخلص بندوں سے دشمنی کرنے والے، جہنم میں جائیں گے، اور وہاں پیپ کا پانی پینے کو پائیں گے۔ اُس عذاب سے بچنے کے لئے، اُس راستے سے ہٹ جانا ضروری ہے، جو اُس عذاب کی طرف ہی جاتا ہے۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

دقت کے ساتھ اسے گھونٹ گھونٹ لے گا، گلے سے نیچے نہیں اتار پائے گا، اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی، اور وہ مرے گا نہیں۔ اور اس کے پیچھے عذابِ غلیظ ہوگا۔

منکرینِ حق کو ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ تشنگی کی شدت کے وقت جو مشروب، ان لوگوں کو ملے گا، ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگا، اور پیپ کے پانی کی شکل میں ہوگا۔ بڑی دقت کے ساتھ یہ لوگ اسے گھونٹ گھونٹ لیں گے، مگر اسے گلے سے اتارنا مشکل ہوگا۔ اللہ کی پناہ! موت ان لوگوں پر ہر طرف سے بڑھ رہی ہوگی۔ یہ باہر سے بھی جل رہے ہوں گے اور اندر سے بھی جل رہے ہوں گے۔ موت اس تکلیف کے مقابل انہیں قبول ہوگی، مگر مرنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ اس کے بعد جس عذاب کا مقام آئے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلیظ فرمایا گیا ہے۔ ان کے اندر بھی تعفن ہوگا، باہر بھی تعفن ہوگا۔

حاصل: اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ اس تکلیف کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، جس کے مقابل موت کو قبول کرنا آسان ہو۔ حق کے انکار کو اپنا معمول بنا لینے والوں کو عذابِ غلیظ کا سامنا ہوگا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۣاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸

اپنے ربّ کا انکار کرنے والوں کا حال ایسا ہے، کہ جیسے راکھ جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔اپنی کمائی میں سے کچھ ان کے ہاتھ نہ ہوگا۔یہی دور کی گمراہی ہے۔

جولوگ اپنے ربّ کا انکار کرتے ہیں، وہ جزا کا یقین نہیں رکھتے۔ان کے اعمال لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کے حوالے سے ذرات کی صورت میں جمع ہوتے رہتے ہیں، مگران اعمال کوایک کرنے کی صورت موجود نہیں ہوتی۔وہ ڈھیر کی صورت بھی اختیار کرلیں، تو آندھی کے دن ذرات کومنتشر ہوتے دیرہی کیا لگتی ہے۔جن کاموں کوربّ کے منکرین نے اپنی کمائی سمجھا ہوتا ہے، وہ کام محتاجوں کی امداد، مسافروں کی اعانت، بیماروں کے علاج، وغیرہ کی طرح کے ہوتے ہیں، مگرربّ کے منکرین ایسے کاموں کو معاشرے میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ایسے اعمال کی جزاعنداللہ کچھ نہیں ہوتی۔دور کی گمراہی یہ ہے، کہ کام بھی کیا جائے، اور اپنی کمائی سے کچھ ہاتھ بھی نہ لگے، جزادینے والے کے حضور حاضری کالحاظ ہی نہ ہو۔

حاصل: اپنے ربّ کے منکرین جوبھی کرتے ہیں، وہ بے حقیقت ہوتا ہے۔عنداللہ جزا کا یقین کسی عمل کو باحقیقت بناتا ہے۔اعمال بے حقیقت ہوں، توان کی کثرت کوراکھ کے ڈھیر کی طرح منتشر ہوتے دیرنہیں لگتی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹

کیا تم نے نہ دیکھا، کہ اللہ نے آسمانوں اورزمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔وہ اگر چاہے تمہیں لے جائے، اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔

دعوت غوروفکر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم دیکھتے نہیں، کہ آسمانوں اورزمین کوکس طرح پیدا کیا گیا ہے۔اس نظام کائنات میں اس قدرربط ہے، کہ جس شے کوجس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، وہ شے اس مقصد کو خالق کل کی منشاء کے مطابق پورا کررہی ہے۔حضرت انسان کو یہ آزادی دی گئی ہے، کہ یہ بشارت کا راستہ بھی اختیار کرسکتے ہیں، اور انذار کا بھی۔مگر یہ آزادی بھی عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی ہوتی ہے۔انسان کو یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ اسے توفیق دینے والا، توفیق واپس لینے پر بھی قادر ہے، اور وہ اس کی جگہ کسی دوسرے کولے آنا چاہے، تو اسے روکنے والا بھی کوئی نہیں۔

حاصل: بے حقیقت ہمیشہ حق کے خلاف چلتا ہے۔آسمان وزمین اُسے اس کی غلطی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔خالقِ کل کے لئے، کسی سے توفیق کا چھیننا بھی مشکل نہیں ہے، اور اس کی جگہ کسی دوسرے کولے آنا بھی مشکل نہیں ہے۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰

اور ایسا کرنا اللہ پر دشوار نہیں۔

اللہ خالقِ کل ہے۔اس نے کسی بھی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔اسی نے انسان کو توفیق دی ہے۔وہی اس توفیق کو ایک دائرے کے اندر محدود رکھتا ہے۔وہ اس توفیق کو واپس لینے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔وہ نااہل کی جگہ اہل کو لانے پر بھی قادر ہے۔دشواری اسے ہوسکتی ہے، جسے کسی دوسرے کی احتیاج ہو۔اور جہاں ہر شے امرِالٰہی کی اطاعت کے لئے ہروقت تیار ہو، وہاں دشواری کا کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کسی سے توفیق لینا چاہے، تو اسے کچھ مشکل پیش نہیں آتی۔کسی نااہل کی جگہ کسی اہل کو لانا چاہے، تو اسے دیر نہیں لگتی۔مشکل اسے پیش آتی ہے، جسے کسی دوسرے کی احتیاج ہو۔اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔اللہ کا فیصلہ علمِ مطلق سے ہوتا ہے۔

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۹ / ۱۵

اور سب اللہ کے حضور حاضر ہوں گے، تو جو کمزور تھے، استکبار کرنے والوں سے کہیں گے، ہم تمہارے تابع تھے، کیا تم سے ہوسکتا ہے، کہ اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم پر سے ٹال دو۔وہ کہیں گے، اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا، ضرور ہم تمہیں ہدایت کرتے۔ہم پر برابر ہے، ہم بیقراری کریں یا صبر کریں، ہم کو خلاصی نہیں۔

حق کا انکار کرنے والے اور ان کے متبوعین جب جزا کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے، تو کمزور لوگ جنہوں نے مستکبرین کی پیروی کو اپنے لئے سلامتی کی راہ سمجھ کر اختیار کیا تھا، ان سے کہیں گے، ہم نے تمہاری پیروی کی تھی۔تم نے رسمیں بنائیں، ہم نے تمہارا ساتھ دیا تھا۔کیا تم سے ہوسکتا ہے، کہ اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم پر سے ٹال دو۔تو وہ جواب دیں گے، ہم خود ہدایت یافتہ نہ تھے، تمہیں ہدایت کیسے کرسکتے تھے۔تم نے ہماری پیروی کی، تو تمہیں دیکھنا چاہئے تھا، کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔اب ہمیں ہمارے اعمال کی جزا ملے گی اور مل رہی ہے۔اس میں بے قراری کا اظہار ہو، یا خاموشی اختیار کی جائے، خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

حاصل: استکبار کرنے والے بری رسمیں بناتے ہیں، کمزور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔جزا کے دن کمزور، استکبار کرنے والوں سے کہیں گے: کیا تم ہم پر سے اللہ کا کچھ عذاب ٹال دو گے۔تو جواب ملے گا: ہمارے بس میں نہ اب کچھ ہے، نہ پہلے کچھ تھا۔جزا کے وقت، بے قراری یا خاموشی کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے، جب کام ہو چکے گا۔اور وہ غفلت میں ہیں اور مانتے نہیں۔

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾

اور جب فیصلہ ہو چکے گا، شیطان کہے گا، بے شک اللہ کا تم سے وعدہ حقیقی وعدہ تھا، اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو جھوٹا کیا۔ اور میرا تم پر زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری مان لی۔ تو مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں، نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اس سے قبل جو تم نے مجھے شریک بنایا تھا، میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ بے شک ظالموں کے لئے المناک عذاب ہے۔

حساب کے بعد جب فیصلہ ہو چکے گا، کہ کن حضرات کو ان کے اعمال صالح کی بدولت جنت ملے گی، اور کن کو ان کی بداعمالی کا صلہ دوزخ کی صورت میں ملے گا، تو دوزخ میں جانے والے شیطان کو اس برے انجام تک پہنچنے کا سبب سمجھیں گے۔ اس وقت شیطان ان سے کہے گا: جو کچھ دُنیا میں تمہارے ساتھ پیش آیا وہ بھی اللہ کے وعدے کے مطابق تھا۔ جواب تمہارے سامنے ہے، یہ بھی اللہ نے مرسلین کے ذریعے واضح کر دیا تھا، یہ بھی حق ہے۔ میں نے ضرور تمہیں یہ امید دلائی تھی، کہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں ملے گی۔ میں نے تمہیں خواہشات کی پیروی کی ترغیب دی تھی۔ مگر میرا تم پر کچھ زور نہ تھا۔ تم نے میری دعوت کو قبول کیا، تو تم نے اپنے اختیار کا وہ استعمال کیا، جو تمہیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب مجھے ملامت کیوں کرتے ہو، اب تو خود کو ملامت کرو۔ تمہیں تمہارے کئے کی جزا ملے گی، مجھے میرے کئے کی جزا ملے گی۔ نہ میں تمہارے لئے کچھ کر سکنے کی توفیق رکھتا ہوں، نہ تم میرے لئے کچھ کر سکتے ہو۔ اس سے قبل تم نے مجھے اللہ کا شریک بنایا تھا۔ تم حق کے مقابل میرا کہا مانتے تھے۔ تمہاری من مانی یقیناً شرک تھی۔ میں ضرور تمہیں اس کی طرف رغبت دلاتا تھا، مگر میں جو کرتا تھا وہ خلافِ حق تھا۔ اب میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے، اور بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حاصل: انسان کو اس کے کئے کی جزا کا فیصلہ ہو جائے گا، تو شیطان کو مکر و فریب کی اور بہکانے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس وقت وہ ایسی باتیں کرے گا، جو اس کی موجودہ دعوت کی نفی کریں گی۔ شیطان کو ملامت کرنے کی بجائے، اس کی پیروی کرنے والے کو خود کو ملامت کرنی چاہئے۔ من مانی کرنا، خلافِ حق کرنا عملاً شرک ہے۔ شرک ظلمِ عظیم ہے۔ اور اس کا انجام دردناک عذاب ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

اور وہ جو ایمان لائے، اور صالح عمل کئے، وہ باغوں میں داخل کئے جائیں گے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ اپنے ربّ کے اذن سے ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ وہاں ان کی تحیت سلامتی کی دعا ہوگی۔

منکرینِ حق کے مقابل ایمان والوں کا مقام جنت ہوگا۔ یہ ایمان والے وہ لوگ ہوں گے، جنہوں نے اپنے عہد کو عملاً سچا ثابت کیا ہوگا۔ ان کے اعمال ان کی ذاتی پسند کے حوالے سے صالح نہیں ہوں گے، بلکہ مخلصین ان حضرات کے صالح ہونے کی شہادت دیں گے۔ جنت کی بہار دائمی ہوگی۔ اس بہار کے بعد خزاں کا مقام نہیں آئے گا۔ ایمان والے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ حیاتِ دُنیا میں ان لوگوں نے تعلق مع اللہ میں راحت پائی، آخرت میں بھی یہ تعلق ان کے لئے باعث راحت ہوگا۔ وہاں وہ حضرات آپس میں ملتے وقت ایک دوسرے کا اکرام سلامتی کی دعا سے کیا کریں گے۔ اللہ کے مزید کرم کے لئے بہر حال دعا کی جا سکتی ہے۔

حاصل: ایمان، صالح اعمال کی شہادت کے بغیر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ زیرِ زمین نہریں، زیرِ زمین پانی کی سطح کو درست مقام پر رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ تعلق مع اللہ دُنیا و آخرت میں باعثِ راحت ہے۔ آپس میں ملتے وقت سلامتی کی دعا کرنی چاہیے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہ دیکھا، اللہ نے کلمۂ طیبہ کی مثال کیسی بیان فرمائی! جیسے شجرِ طیب، جس کی جڑ ثابت ہو، اور شاخیں آسمان میں ہوں۔

جو بات حق ہو، وہ رضائے الٰہی کے لئے کی جاتی ہے، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کی جاتی ہے، اور اس کے نتائج کو باذنِ اللہ جانا جاتا ہے۔ یہ کلمۂ طیبہ ایسے پاک درخت کی مانند ہوتا ہے، جس کی جڑ ثابت ہو، قائم ہو، اور شاخیں فضا میں بلند ہوں، زمین بھی اسے خوب خوراک دے، آسمان بھی اس کی پرورش میں ساتھ دے، اور دوسرے درختوں میں وہ درخت اپنی پائیداری اور بلندی کی وجہ سے ممتاز ہو۔

حاصل: جو بات پاک ہے، زمین و آسمان اس کی تائید کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ باحقیقت کی بات پاک ہوتی ہے۔ اس کی جڑ زمین میں اور شاخیں آسمان میں ہوتی ہیں۔ پاک بات میں ہی فلاح موجود ہوتی ہے۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اپنے ربّ کے اِذن سے ہر حال پر پھل دیتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، کہ وہ سمجھیں۔

کلمۂ طیبہ اپنے ربّ کے اذن سے بہر حال پھل دیتا رہتا ہے۔ جہاں اس سے فوائد حاصل کرنے کی طلب موجود ہوتی ہے، وہاں لوگ اس سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ جسے حق مطلوب ہو، اس کے لئے پاک بات ایسے پھل کا درجہ رکھتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ جسے حق مطلوب نہ ہو، وہ پاک بات کی طرف رجوع ہی نہیں کرتا۔ اس طرح پاک بات سے فائدہ باذنِ اللہ ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے مثالیں اس لئے بیان فرمائی ہیں، کہ لوگ غور کریں اور سمجھیں۔ جس مثال سے لوگوں کو سمجھنے میں مشکل پیش آئے، وہ علمِ الٰہی سے مطابقت نہیں رکھتی۔

حاصل: پاک بات سے ہر حال پر فائدہ ہوتا ہے، مگر ہوتا اسی کو ہے، جس کو حق مطلوب ہو۔ مثال ایسی دینی چاہیے، جس سے لوگوں کو حق کے سمجھنے میں مدد ملے، یہ اللہ کی سنت ہے، اور اس میں نورِ ہدایت ہے۔

وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

کلمۂ خبیثہ کی مثال شجرِ خبیث کی طرح ہے، کہ زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا گیا، اسے کچھ قرار نہیں۔

بری بات کی مثال ایسے ہے، کہ جیسے شجرِ خبیث جس کی جڑ زمین میں ثابت و مستحکم نہ ہو، اس کی شاخوں کے بلند ہونے کا مقام ہی نہیں آسکتا۔ زمین میں قرار بھی اسی کو ہوگا، جو زمین سے گہرا تعلق رکھتا ہو۔ جو بات خلافِ حق ہو، اور اس کے ساتھ جو بھی کچھ لگا ہوا ہو، باحقیقت لوگوں کو اس کے اکھاڑ پھینکنے میں کچھ بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ بری بات کو کبھی سند میسر نہیں آتی اس لئے اسے کبھی ٹھہراؤ نہیں ملتا۔

حاصل: بری بات کو کبھی استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے قرار حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کو بے حقیقت اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے، صرف اسی پاک بندے کی ضرورت ہے، جس کی زبان پاک ہو، اور جس کا ہاتھ امین ہو۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ قف وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ ع

ع ۴ ۱۶ ۱۲

اللہ ایمان والوں کو حیات دُنیا اور آخرت میں قولِ ثابت سے ثبات دیتا ہے۔ اور ظالمین کو گمراہ کرتا ہے۔ اور اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

حیات دُنیا میں ایمان والوں کو حق بات سے بڑی تائید ملتی ہے۔ انہیں اس سے بڑا ثبات ملتا ہے، جس کی بدولت تمام مقامات پر وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ خوشی کے لمحات میں شکریے کے ساتھ تعلق مع اللہ کو قائم رکھتے ہیں، مصائب کے لمحات میں صبر کے ساتھ تعلق مع اللہ کو قائم رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت میں انہیں اس قدر راحت ہوتی ہے، کہ وہ مدح سے بے ربط نہیں ہوتے، اور مذمت سے پریشان نہیں ہوتے۔ آخرت میں تو انہیں پریشانی ہو ہی نہیں سکتی۔ ظالم خلافِ حق کرتے ہیں، اس لئے ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہوجاتا ہے، ان سے صحیح نتائج اخذ کرنے کی توفیق چھن جاتی ہے، یہی گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی نیت کے حوالے سے بھی جانتا ہے، اس کے اعمال کے حوالے سے بھی جانتا ہے۔ اس سے بہتر کون کرسکتا ہے، جس کی اپنی غرض کوئی نہ ہو، جس کی اپنی حاجت کوئی نہ ہو، جس کا علم سب سے بڑا ہو، جس کی قدرت سب پر محیط ہے۔ اللہ جو عنوان رکھ دے، اسی کا تصرف شروع ہوجاتا ہے۔ اس کے ''کُن'' فرمانے سے ''فیکون'' ہوجاتا ہے۔

حاصل: قولِ ثابت سے ایمان والوں کو ثبات ملتا ہے، اور یہ ان کی ثابت قدمی کا باعث ہوتا ہے۔ آخرت میں انہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ قول ثابت کا انکار کرنے والے گمراہ ہوجاتے ہیں۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے، اور اللہ جو کرتا ہے وہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، کہ تم خسارے والوں سے ہوجاؤ گے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر لا اتارا۔

وہ لوگ جنہیں اپنی قوم کی سیادت و قیادت کا شرف حاصل ہو، حق ان پر واضح ہو جائے، اور وہ اس نعمت کی ناشکری کے مرتکب ہو جائیں، تو وہ یقیناً اپنی قوم کے ساتھ تباہی کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس سرداری ہو، انہیں کبھی جلد بازی زیب نہیں دیتی۔ انہیں غور وفکر کرتے رہنا چاہئے۔ اپنے ساتھیوں کو غور وفکر میں مدد دینی چاہئے۔ ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا چاہئے۔ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا چاہئے۔ حق کو جب وہ ان پر روشن ہو جائے، اللہ کی نعمت جاننا چاہئے، اور اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اسے ادب سے ماننا چاہئے۔ حق کے مقابل میں اپنے ظن کو وقعت دی جائے گی، تو اللہ کی نعمت کی ناشکری ہوگی۔ اس ناشکری کے ساتھ رخ یقیناً تباہی کی طرف ہو جائے گا۔

حاصل: حق اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس کو ماننا شکر گزاری ہے۔ اس کا انکار کرنا ناشکری ہے۔ حق کی ناشکری سے رخ تباہی کی طرف ہو جاتا ہے۔ قوم کے سردار کا قدم جس طرف اٹھے گا، اسی طرف قوم کے قدم بھی اٹھیں گے، اس لئے سردار کو بڑے علم سے رُخ کا تعین کرنا چاہئے۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۗ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾

جو جہنم ہے۔ اس میں داخل ہوں گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

ناشکری کرنے والوں کا انجام جہنم ہوگا، جس میں لوگ داخل ہوں گے۔ جس راستے کو ان لوگوں نے حیات دُنیا میں اختیار کیا تھا، اس راستے کی آخری منزل جہنم ہوگی، اور جہنم برا ٹھکانا ہے، جہاں انسان اپنے اعمال کی جزا پانے سے بچنے کی کوشش کرے گا، مگر بچ نہیں سکے گا۔

حاصل: جہنم تک جانے کی کوشش حیات دُنیا میں کی جاتی ہے۔ جہاں انسان اپنے کئے کی جزا پانے سے بچ نہ سکے، اور اسے اس کے کئے کی پوری پوری جزا ملے، وہ ٹھکانا برا ہوگا۔

وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

اور اللہ کے لئے برابر والے ٹھہرائے، کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بہکائیں۔ فرما دیجئے، برت لو، کہ پھر تمہیں آگ کی طرف لوٹنا ہے۔

حق کا انکار کرنے والوں نے اپنے نظریات سے معبود بنا لئے، الوہیت میں انہیں اللہ کے برابر ٹھہرایا، اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسا کر اللہ کی راہ سے بہکانے کی کوشش کی۔ لوگوں کی خواہشات کو بڑھا کر انہیں یہ تاثر دیا کہ یہ معبود تمہاری چاہتوں کو پورا کریں گے۔ اللہ کی راہ سے بہکانے والوں نے جو کیا وہ اپنی غرض کے لئے کیا، بہکنے والوں نے جو کیا اپنی غرض کے لئے کیا۔ ان سے فرما دینے کا حکم ہوا، کہ برت لو، پھر تمہیں آگ کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ آگاہی، کہ عطائے الٰہی کے خلاف حق استعمال کا انجام آگ ہے، قطعاً بروقت ہے۔

حاصل: لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکانے والے، اللہ کے لئے برابر والے ٹھہراتے ہیں۔ ان سے کہنا چاہئے، جس راستے کو تم نے اختیار کیا ہے، یہ تمہیں دوزخ کی آگ میں پہنچائے گا۔

قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

میرے بندوں سے جو ایمان لائے، فرما دیجئے، کہ نماز قائم رکھیں، اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن آئے، جس میں نہ بیع ہوگی نہ دوستی ہوگی۔

ایمان لانے والے بندے وہ ہیں، جو حق کو فرمانِ خداوندی جانتے ہیں، اور اس کا اتباع کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے، ایسے لوگوں کو یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ نماز قائم رکھیں۔ نماز کے وقت سے پہلے وضو کرلیں اور مقررہ وقت پر پڑھنے کی نیت بھی کریں، تو نماز قائم ہوجاتی ہے۔ دوسرا حکم اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کرنے کا ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے حاصل کیا جائے۔ چھپے خرچ کرنا اس مقام پر حق ہے، جہاں دوسرے کو ترغیب دینا مناسب نہ ہو۔ اور ظاہراً خرچ کرنا اس مقام پر حق ہے، جہاں دوسرے لوگوں کو بھی ان کے معاشرتی حقوق کا احساس دلا کر ان کی ذمہ داری ان پر واضح کی جائے۔ خرچ کرنے کے دونوں مقامات لازم وملزوم ہیں۔ نماز قائم کرنے اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے چھپے اور ظاہر خرچ کرنے کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا، جس دن میں بیع نہ ہوگی، زینت حیات دُنیا کا عنوان بدل جائے گا، عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی، اور جس دوستی کی بنا تقویٰ پر ہوگی، وہی اس دن قائم رہے گی، ورنہ تو گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

حاصل: ایمان لانے والوں پر لازم ہے، کہ وہ نماز قائم رکھیں، اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق سے، چھپے اور ظاہر اس کی رضا کے لئے خرچ کریں، اور حال پر اللہ کی عطا کو ناکافی نہ سمجھیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اصلاح کو قبول کرنا نافع نہیں ہوگا۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ﴿ۚ۳۲﴾

اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، تو اس سے تمہارے رزق کے لئے ثمرات نکالے۔ اور تمہاری کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا، کہ اس کے امر سے بحر میں چلے، اور تمہارے لئے ندیوں کو مسخر کیا۔

بندے کے لئے عطائے الٰہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو یہ دعویٰ زیب ہی نہیں دیتا۔ یہ دعویٰ بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔ اللہ نے آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو پیدا کیا، اللہ نے زندگی کے لوازمات کا ایسا مربوط انتظام کیا، کہ آسمان

اپنے حصے کا کام امرِ الٰہی کے مطابق سرانجام دے رہے ہیں، زمین اپنے حصے کا کام کر رہی ہے۔ جب زمین کی قوتِ روئیدگی ختم ہو جائے تو آسمان سے پانی برسا کر اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اور زندہ زمین سے کئی طرح کے ثمرات پیدا کر دیتا ہے، اور وہ ثمرات بندوں کو رزق کی صورت میں درکار ہوتے ہیں۔ بحر میں رزق حاصل کرنے کے لئے، یا بحر میں تجارتی مقاصد کے تحت سفر کرنے کے لئے، کشتی ایک ضرورت ہے، جو بندوں کے کام آتی ہے۔ کشتی کا مقامِ موجود سے مقامِ مقصود تک پہنچنا ایک کام ہے، مگر اس کے کام کی تکمیل کے لئے، پانی کی کیفیت، ہوا کا رخ، ہوا کا دباؤ، پانی کے اندر زندہ اور غیر زندہ اشیاء اپنا اپنا کام کر رہی ہوتی ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کے امر سے باہر ہو۔ ندیوں کو اس طرح بندے کے لئے مسخر کیا گیا ہے، کہ بندہ اپنی ضرورت کے مطابق ان کے پانی کو تقسیم کر سکتا ہے، ان کے پانی سے توانائی حاصل کر سکتا ہے، ان کے پانی سے رزق حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ نے جس شے کو جس کام پر لگایا ہے، منشائے ایزدی کے مطابق وہ شے خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ خدمات کے اس تسلسل کو جاری رکھنے کے لئے کیا کیا درکار ہوتا ہے، انسانی علم اس کے بارے میں قلیل ہی ہے۔

حاصل: عطائے الٰہی پر نظر ہو، تو لوازماتِ حیات کا بندوبست کرنے والے مہتمم حقیقی کی شکر گزاری ہونی چاہئے۔ جن چیزوں کو اللہ نے ہمارے لئے مسخر کیا ہے، ان میں ہمارے لئے بہت سے فوائد رکھے گئے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ ﴿٣٣﴾

اور تمہارے لئے شمس و قمر کو مسخر کیا جو برابر چل رہے ہیں، اور تمہارے لئے لیل و نہار کو مسخر کیا۔

اس سے پہلی آیت میں کشتی اور ندیوں کی تسخیر کا ذکر ہے، اس آیت میں شمس و قمر کی تسخیر کا ذکر ہے، اور لیل و نہار کی تسخیر کا ذکر ہے۔ سورج، روشنی اور حرارت کے علاوہ بھی حیات دُنیا میں منشائے ایزدی کے مطابق کچھ خدمات سرانجام دے رہا ہے، چاند رات کو روشنی اور برودت کے علاوہ بھی منشاء ایزدی کے مطابق کچھ خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ غور کیجئے، رات اور دن حیات دُنیا میں کیا کیا کام کر رہے ہیں۔ یہ ہمہ وقتی خدمت گار ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ ان کی حرکات ہمارے علم کے تابع نہیں ہو سکتیں۔ ان کے افعال و منافع ہمارے علم کے تابع نہیں ہو سکتے۔ جس علیم مطلق نے ان کو ہماری خدمت پر لگایا ہے، یہ اس کے امر کے تحت ہماری خدمت کا حق برابر ادا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان خدمت گاروں کو ہمارے لئے مسخر کر کے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی آسانیاں عطا فرمائی ہیں، اس کا شکر یہ یوں ادا ہوتا ہے، کہ کسی بھی وقت کوئی کام خلافِ حق نہ کیا جائے۔

حاصل: سورج اور چاند، رات اور دن، برابر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس ہمہ وقتی خدمت کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے، کہ کبھی کوئی کام خلافِ حق نہ کیا جائے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۧ ﴿٣٤﴾ ع ۵ ۱۷

اور ہر چیز میں سے جو تم نے مانگا تمہیں عطا کیا۔ اور اگر تم اللہ کی نعمت کو گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم، ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں اپنے علم سے انسان کے لئے مسخر کی ہیں، ان کی اہمیت کا فیصلہ علم الٰہی سے کیا گیا ہے۔ کچھ چیزیں انسان نے اپنے حالات کے حوالے سے طلب کی ہیں، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے طلب کی ہیں۔ چاہے ان کا تعلق اجتماعی آسائش سے

ہو یا رزق سے ہو، اللہ نے وہ بھی بڑے علم سے عطا کی ہیں۔ اللہ کی ایک ایک نعمت کے ارکان کو، اجزا کو شمار کیا جائے، تو ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو عطا علیم مطلق کے علم سے ہے، وہی سب سے بہتر ہے۔ ہر عطائے الٰہی سے بے شمار فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ اسے معلوم ہوتے ہیں کچھ معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے معلوم فوائد بڑھتے جاتے ہیں، شکر گزاری بھی بڑھتی ہے۔ مگر انسان کو دیکھئے، عطائے الٰہی کے ادراک کے باوجود خلافِ حق کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ انسان کی کچھ ضروریات اس کے علم میں ہوتی ہیں، کچھ ضروریات اس کے علم میں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب انسانی ضرورتیں بڑے علم سے پوری کی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود انسان کو یہ یقین نہیں ہوتا، کہ اس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا کبھی غافل نہیں ہوتا۔ یہ قطعاً ناشکری ہے۔

حاصل: حسنِ طلب کا تقاضا یہ ہے، کہ جو بھی مانگا جائے فلاحِ دارین کے حوالے سے مانگا جائے، عطائے الٰہی کی قدر کی جائے، اور خلافِ حق کرنے سے کراہت ہو۔ شکر گزاری کے لئے یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ ہمارے مفادات کا تحفظ کرنے والا وہ بھی جانتا ہے، جو ہمیں معلوم ہے، اور وہ بھی جانتا ہے جو ہمیں معلوم نہیں۔ اسی حفیظ لاشریک کو اونگھ نہیں آتی، نیند نہیں آتی اور وہ کبھی بھولتا بھی نہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اور قریب آیا سچا وعدہ، تو جبھی آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی کافروں کی۔ کہ ہائے ہماری خرابی! ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظالم تھے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے عرض کی، اے میرے ربّ اس شہر کو امان والا ٹھہرا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو اصنام کی پوجا سے بچا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو ملحوظ رکھا جائے، تو واضح ہوگا، کہ کون ان کے راستے پر ہے، اور کون ان کے راستے پر نہیں ہے۔ دعا یہ تھی: کہ اے میرے ربّ! مکہ مکرمہ کو حرمِ امن بنا دے۔ اللہ نے یہاں شکار مارنا، درخت کاٹنا، لڑنا جھگڑنا منع فرمایا۔ یہاں کے لئے امن ہے۔ اس شہر کے امن کو قائم رکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر ہیں۔ دعا کا دوسرا حصہ یہ تھا، کہ اے میرے ربّ! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچا۔ بت انسانی خواہشات کے تحت، انسانی تجویز سے بنائے جاتے ہیں۔ حق مطلوب ہو، تو بت پرستی سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔ آپ نے اس دعا کے ساتھ یہ واضح فرمایا، کہ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچنے والے میری راہ پر ہوں گے۔ دعا، اظہارِ عبدیت کا ذریعہ ہے، اور بندگی کی تعلیم دینا، انبیاء کرام کی شان رہی ہے۔

حاصل: مکہ شریف میں رہنے کے آداب کا جاننا ضروری ہے۔ راہِ عمل کا تعین کرتے وقت حق کو مطلوب ٹھہرانا چاہیئے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اے میرے ربّ انہوں نے بہت سے لوگوں کو بہکایا۔تو جو میرا اتباع کرے وہ تو میرا ہے، اور جس نے میرا کہا نہ مانا،تو بے شک تو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

انسان کی ضرورتوں کو بیان کر کے،اس کی خواہشات کو ابھارا جاتا ہے۔پھر منکرینِ حق ان خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کئی ایک صورتیں بناتے ہیں،اور طالبین کو ان صورتوں سے مطلب براری کے طریقے بتاتے ہیں۔اس طرح لوگ اپنی خواشہات کی پیروی میں بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ربّ سے دعا کرتے ہوئے یہ کہا،کہ جو میرا اتباع کرے، وہ میرے ساتھ ہے۔جو میرے ساتھ ہے،وہ میرا کہا مانے گا،اور میرا مقصود تیری رضا ہے۔دوسرے وہ لوگ ہوں گے جو میرا کہا نہیں مانیں گے۔یہ لوگ میرے ساتھ نہیں ہوں گے۔ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہوگا۔ان لوگوں کے ساتھ بخشش و رحم کو روا رکھا جائے،تا آنکہ ان پر واضح ہو جائے،کہ انہیں کیا کرنا چاہئے،اور وہ کیا کر رہے ہیں۔اے میرے ربّ تو مالکِ کل ہے تو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے،ممکن ہے تیری بخشش سے اور تیرے رحم سے یہ لوگ بھی فائدہ اٹھالیں۔

حاصل: ضرورتوں کے نام پر خواہشات کی پیروی انسانوں کو گمراہ کرتی ہے۔اپنے اعمال کی جزا کا یقین رکھنے والے مخلصین کا کہا مانتے ہیں۔من مانی کرنے والوں سے عدم تعلق سنت ابراہیمی نہیں ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اے میرے ربّ میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں بسایا ہے، جہاں کھیتی نہیں ہوتی، تیرے محترم گھر کے پاس، اے میرے ربّ تاکہ یہ نماز قائم رکھیں۔تو مہربانی سے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے، اور انہیں ثمرات سے رزق دے،کہ وہ شکر گزار رہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی:اے میرے ربّ! میں نے اپنی اولاد کو ایک ایسی وادی میں بسایا ہے، جہاں کاشت کاری نہیں ہوسکتی۔یہ لوگ تیرے محترم گھر کے پاس ہیں، یہ اس گھر کے خدمت گار ہیں۔اے میرے ربّ!اس گھر کے خدمت گار ہونے کے اعتبار سے ان کے لئے نماز کا قائم رکھنا سب سے ضروری ہے۔تیری مہربانی سے لوگ یہاں آتے رہیں گے،تو ان کے میزبانوں کے لئے یہاں رہنا آسان ہوتا جائے گا۔ان کو ثمرات سے رزق دے، جو یہاں نہیں ہوتے،اسی طرح ان کا زیادہ وقت خدمت خلق میں لگے گا،اور یہ تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔

حاصل: اللہ کے حکم میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔کسی جگہ آبادی بنانے سے پہلے اس کے رزق کے وسائل کو

ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔عبادت گاہ پہلے بنانی چاہئے۔جس خدمت کے لئے آبادی بنائی جائے،وہ خدمت انسانی زندگی میں اہم ہو،اور خدمت گار مخدوموں کا شکریہ ادا کرتے رہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَ مَا نُعۡلِنُ ؕ وَ مَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

اے ہمارے ربّ تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔اور زمین و آسمان میں کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

یہ یقین رکھنا، کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، اور اللہ ہمارے ظاہر کو بھی جانتا ہے، خلوت و جلوت میں پاک رہنے کی سند ہے۔اپنی ذات کے بارے میں پاکیزگی کا یقین پہلے ہونا چاہئے۔ماحول کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے، کہ زمین کے کسی مقام پر، آسمان کے کسی مقام پر، اور زمین و آسمان کے مابین کسی جگہ کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہے۔اس یقین کی موجودگی میں خلافِ حق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔

حاصل: نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے، عقیدہ درست ہو تو عمل درست ہوتا ہے۔ہر جگہ اللہ کی رضا مقصود ہونی چاہئے، اپنے رُخ کو ہر مقام پر درست رکھنے کی یہی صورت ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

حمد اللہ کی ہے، کہ جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل (علیہ السلام) اور اسحٰق (علیہ السلام) عطا کئے۔بے شک میرا ربّ دعا سنتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان بیان فرماتے ہوئے یہ واضح کیا کہ معطئ مطلق کی شان بے مثل ہے۔وہ دعائیں سنتا ہے، اور جو چاہے کرتا ہے۔اس کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے، اس لئے کسی بھی لحاظ سے اس سے بہتر کا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے، مگر بہت سارے مقامات سے گزر چکے تھے۔عبدیّت کے دائرے میں، کس مقام پر اولاد کو کس طرح کا علم سکھانا چاہئے، آپ دیکھ چکے تھے۔

حاصل: اسباب اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عطا بڑے علم سے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔وہ سب سے بڑا سننے والا ہے۔عطائے الٰہی کا شکریہ اسی طرح ادا ہوسکتا ہے، کہ معطئ مطلق کی رضا بہر حال مقصود رہے۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

اے میرے ربّ مجھے نماز کا قائم رکھنے والا ٹھہرا اور میری ذریت سے بھی، اے ربّ ہمارے اور میری دعا قبول فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔آپ کی حیاتِ طیبہ میں یکسوئی کا عالم یہ تھا، کہ کسی بھی مقام پر کوئی بات رضائے الٰہی کے منافی نہیں تھی۔پھر بھی آپ نے عبدیت کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعا کی: اے میرے ربّ مجھے نماز کا قائم رکھنے والا ٹھہرا، اور میری اولاد سے بھی ایسے لوگ ہوں جو میرا اتباع کریں، اور نماز قائم رکھنے والے ہوں۔نماز کا قائم رکھنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنا عزیز تھا، کہ آپ نے اس دعا کی قبولیت پر اصرار کیا، اور دعا کرنے کی طریقت کو روشن فرمایا۔پاکیزگی کے اس مقام پر رہنے کی دعا کرنے والے کبھی حق سے غافل نہیں ہوسکتے۔

حاصل: یہ دعا نماز کا حصہ بھی ہے، مگر نماز کے علاوہ بھی اس دعا کا تکرار کرتے رہنا چاہئے۔نماز کا شکر یہ اس طرح ادا ہوتا ہے، کہ نماز پڑھنے کے بعد قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کی جائے، اور دوسری نماز تک حقوق العباد کو اس طرح ادا کرنے کا عزم رکھا جائے، کہ حدود اللہ کا احترام واضح ہو۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۶ ۱۸

اے ہمارے ربّ مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو اور مومنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بخشش کی دعا کرتے ہوئے یہ کہا: اے ہمارے ربّ مجھے بخش دے۔اپنے لئے بخشش طلب کرنا تقاضاء ادب ہے، اور اس اعتراف کا اظہار ہے، کہ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانے کی پوری سعی کے باوجود کوتاہی ہوئی ہے۔ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت اسی وقت تک کی جاسکتی ہے، جب تک یہ واضح نہ ہوجائے، کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں۔جب یہ معلوم ہوجائے کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں، تو پھر ان کے لئے بخشش کی دعا کرنا خلافِ حق ہے۔مومنین کے لئے بخشش کی دعا کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا اتباع کرنے والوں کے بارے میں یہ شہادت دی، کہ یہ سب لوگ میری ملت ہیں، ان کا رخ اللہ کی رضا کی طرف ہے، کوتاہی ہوجاتی ہے، اس لئے ان کو بخش دے۔قیامت کے دن حساب قائم ہوگا، اور اسی معصومیت کے پیمانے سے بندے کے اعمال کو تولا جائے گا، جس معصومیت کے ساتھ اسے دُنیا میں بھیجا گیا تھا۔جس نے اپنے قول وفعل کی حفاظت میں غفلت برتی ہوگی، وہ اس دن خسارے میں رہے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت یہ احساس ہونا چاہئے کہ بھلائی کے جو کام ہم نے کئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی ہدایت کی بدولت ہیں، اور جو خطائیں ہوئیں ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔کہیں مقصود کے حصول کے لئے کوشش کا رخ درست رکھنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔کہیں نتائج کو باذنِ اللہ ماننے میں نادانستہ طور پر کوتاہی ہوئی ہے اور "جو ہمارے ساتھ پیش آیا ہے" اس کو باذنِ اللہ ماننے کی بجائے "جو ہم سے سرزد ہوا ہے" اس کو باذنِ اللہ سمجھا گیا ہے، جو قطعاً حق نہیں۔

حاصل: حسنِ عمل کا زُعم کبھی نہیں ہونا چاہئے۔دعا میں اپنی قلبی کیفیت اس طرح اپنے ربّ کے سامنے رکھنی چاہئے، کہ کچھ بھی چھپایا نہ جائے۔اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اور مومنین کیلئے بخشش کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں بھلے لوگوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے، جنہوں نے نمازیں ضائع کیں، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی، تو عنقریب وہ دوزخ میں غیّ کا جنگل پائیں گے۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾

اور اللہ کو ظالموں کے عمل سے ہرگز غافل نہ جاننا۔ وہ انہیں ڈھیل دے رہا ہے، اس دن کے لئے، کہ جس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔

ظالموں کے عمل کا کوئی حصہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے، کہ وہ خلافِ حق کرنے والے کو ڈھیل دیتا ہے۔ یہ ڈھیل ظالم کو اصلاحِ حال کے لئے بھی درکار ہوتی ہے، اور اگر وہ اصلاح کی طرف نہیں آتا، تو اسی ڈھیل سے وہ اس حد پر پہنچ جاتا ہے، جس سے آگے جانے کی اجازت بھی نہیں ہوتی، اور پیچھے ہٹنے کا راستہ بھی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنا کسی کے بس میں نہیں۔ عمل کے لئے دی گئی کلی مہلت، قیامت تک ہے۔ جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، قیامت کے دن ان کی آنکھیں پتھرا جائیں گی، اور جس دن کے انکار پر کافروں نے اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں سب کچھ کیا ہوگا، وہ دن دیکھ کر ہول و دہشت سے ان کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ یقین رکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ڈھیل دی جا رہی ہے۔ ان کی گرفت کے وقت اور مقام کو اللہ ہی جانتا ہے، جو کبھی غافل نہیں ہوتا۔ یومِ قیامت سے ظالم اپنی آنکھیں بند رکھتے ہیں، مگر اس دن میں ظالم اپنی آنکھیں بند نہیں کر پائیں گے۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

سر اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی نظر ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گی، اور دل ان کے اُڑے ہوئے ہوں گے۔

قیامت کے دن ظالموں کا یہ حال ہوگا، کہ وہ سر اٹھائے ہوئے دوڑ رہے ہوں گے۔ وہ جو دوسروں کی پریشانی اور بے چینی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، انتہائی پریشانی میں ہوں گے۔ وہ جن کی نظریں ہمیشہ اپنی ذات پر مرکوز رہتی تھیں، اس دن اس قدر دہشت زدہ ہوں گے، کہ انہیں اپنے آپ کو دیکھنے کا خیال بھی نہیں آئے گا۔ وہ دل جو خلافِ حق کر کے راحت پاتے تھے، اس دن بھلائی کی توقع سے خالی ہوں گے، اور اُڑے ہوئے ہوں گے۔

حاصل: منزلِ مقصود رضاءِ الٰہی ہو، دوڑنا ضروری ہو، تو زمین کی طرف دیکھتے ہوئے دوڑنا چاہئے۔ اپنی توجہ اپنی خواہشات پر مرکوز نہیں کرنی چاہئے۔ جو ظلم سے بچے گا، وہی ظلم کی جزا سے بچ سکے گا۔

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ

اور لوگوں کو اُس دن سے ڈراؤ، جس دن اُن پر عذاب آئے گا تو ظالم پکاریں گے، اے ہمارے ربّ ہمیں اجلِ قریب تک مہلت دے، کہ ہم تیری دعوت کو مانیں اور رسولوں کا اتباع کریں۔ کیا تم

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں۔

ایک دن ایسا آئے گا، جس دن ظالم عذابِ الٰہی کو دیکھ کر پکاریں گے مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہوگا، اور ظالم یہ چاہیں گے، کہ انہیں کچھ مہلت مل جائے، تاکہ اس مہلت میں وہ اپنے ربّ کی دعوت کو بھی ادب سے مانیں اور رسولوں کا اتباع کرنے کا حق بھی ادا کریں۔ تب خسارے سے بچ جانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔ ربّ العالمین کی طرف سے فرمایا جائے گا: کیا تم قسمیں نہ کھاتے تھے کہ بعث بعد الموت نہیں ہوگی، اور تمہیں اسی دُنیا میں رہنا ہے۔ اب انجام کو دیکھ کر تم مہلت مانگ رہے ہو۔

حاصل: اس دن سے ڈرنا چاہئے، جس دن ظلم کا انجام سامنے ہوگا مگر اصلاحِ حال کے لئے مہلت نہیں ہوگی۔ قسم ہمیشہ حق کے ساتھ کھانی چاہئے۔ خلافِ حق بات قسم کھا کر کی جائے، تو وہ حق نہیں ہو جاتی۔

وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

اور تم ان کے مساکن میں بسے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اور تم پر واضح تھا جو ہم نے اُن کے ساتھ کیا تھا، اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان فرمائیں۔

عذابِ الٰہی کو دیکھ کر اصلاحِ حال کے لئے مہلت مانگنے والوں سے فرمایا جائے گا، کہ تم نے یہ دیکھا تھا، کہ جہاں تم بس رہے ہو، وہاں پہلے بسنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ طاقت میں، کارکردگی میں، تم سے پیچھے نہ تھے۔ انہیں ان کے ظلم پر عبرتناک عذاب میں پکڑ لیا گیا تھا، اور تمہیں معلوم تھا کہ اگلے ظالموں کو کیسی سزا مل چکی ہے۔ مگر تم نے وہی راستہ اختیار کیا، جو خلافِ حق کرنے والوں کا راستہ تھا۔ تمہیں تمہاری حیثیت کا احساس دلانے کے لئے مثالیں بیان فرمائی گئی تھیں اور تمہیں اس انجام سے کچھ بے خبری نہ تھی، اب مہلت مانگنے کا جواز کیا رہ جاتا ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والوں کو جس طرح کے عذابِ الٰہی سے مٹایا جاتا ہے، اس کے آثار مخفی نہیں ہوتے۔ ہلاکت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد ہلاکت سے بچ جانا ناممکن ہے۔ حال پر ملی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھانا باعث فلاح ہوگا۔

وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور بے شک وہ اپنا مکر کر چکے ہیں، اور ان کا مکر اللہ کے سامنے ہے۔ اور ان کا مکر کچھ ایسا نہ تھا، کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔

منکرینِ حق کا مکر، وہ خفیہ تدبیر ہوتی ہے جو حق کو روشن کرنے والے صاحب کو ان کے مقام سے ہٹانے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس خفیہ تدبیر میں منکرینِ حق کے سب وسائل اس طرح لگائے جاتے ہیں، کہ مقصد کے حصول کے لئے کوئی بھی قیمت انہیں بڑی نظر نہیں آتی۔ مقصد یہی ہوتا ہے، کہ طالبینِ حق کو جس چراغ سے روشنی مل رہی ہے، اس کو گل کر دیا جائے۔ اس مکر کو دیکھئے، اس کا جال بننے والوں کو دیکھئے، مقامِ مکر کو دیکھئے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس مکر کے کسی ایک جز کو ساکن کر دیا جائے، تو یہ ناکام ہو جاتا ہے۔ اس میں کبھی وہ طاقت نہیں ہوسکتی، کہ یہ حق پر قائم ہونے والے قوانین کو ان کی جگہ سے ہٹا دے، جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔

حاصل: منکرین حق ماضی سے سبق نہیں سیکھتے۔ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کافروں کے مکر کی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

تو ہر گز خیال نہ کرنا، کہ اللہ اپنے رسولوں کے وعدے کے خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

اللہ نے اپنے رسولوں سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ رسولوں نے بشارت وانذار کا حق ادا کرتے ہوئے، لوگوں سے جو کچھ فرمایا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں سے پورا انتقام اللہ تعالیٰ ہی لے سکتا ہے، کہ وہ خلوت وجلوت کے سب مقامات پر ان کے اعمال کو دیکھتا ہے، اور سزا کو اسی حد تک رکھنا کہ منکرین کو صرف ان کے کئے کی جزا ملے، بہت ہی بڑا کام ہے۔ اور اس کام کا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کی سند ہے۔

حاصل: ہمارا وعدہ حق کے مطابق ہونا چاہئے، اور ہمیں رضائے الٰہی کے لئے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔ انتقام لینے کا علم، اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہے۔ ہمیں حدود اللہ کا احترام کرنا چاہئے۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

جس دن بدل دی جائے گی اس زمین سے اور زمین، اور آسمان، اور سب نکل کھڑے ہوں گے اللہ کے سامنے جو واحد ہے، قہار ہے۔

قیامت کے دن، زمین پر رکھی گئی زینت کو ختم کر دیا جائے گا۔ دار عمل کے لئے رکھا گیا وقت پورا ہو جائے گا، تو اس وقت کے لئے خدائی اہتمام بھی ختم ہو جائے گا۔ اسی زمین پر دار جزا کے لوازمات رکھ دیئے جائیں گے، یوں یہ زمین ایک دوسری زمین ہو جائے گی اور آسمان تو پھٹ ہی جائے گا۔ سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ تساہل برتے۔ یہ حاضری اللہ کے حکم سے ہوگی۔ سب حاضر ہوں گے اور اللہ کے حضور اس طرح حاضر ہوں گے، کہ اللہ کے مالک یوم الدین ہونے کا مشاہدہ کریں گے۔ کسی کو اس دن اللہ کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔ سب جزا دینے والے کی قدرت کے احاطے کے اندر ہوں گے۔

حاصل: دار عمل کے حوالے سے زمین پر رکھی گئی زینت، دار جزا میں درکار نہیں ہوگی۔ اللہ قیامت کے دن اس زمین کو دوسری طرح کی زمین بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے حاضری سے بچ جانا ناممکن ہے۔ اس کی قدرت کے احاطے کے اندر ہونے کا یقین ہو جائے، تو حال پر صراط مستقیم روشن نظر آنے لگتا ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ ج

اور تم اس دن مجرموں کو زنجیروں میں باہم جکڑے ہوئے دیکھو گے۔

مجرموں کو جب حق سنایا جاتا ہے، تو اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں، ہم ایک جماعت ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ جو یہاں جرم کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، وہ جزا کے وقت بھی باہم زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے جائیں گے، اور اس دن ایک دوسرے کی کچھ مدد نہ کرسکیں گے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے، قیامت کے دن باہم زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ جرم سے کراہت ہو، تو حق ادا کرنے میں راحت ہوتی ہے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ کُرتے ان کے رال کے ہوں گے، اور چہرے ان کے آگ ڈھانپ لے گی۔

قیامت کے دن کا لباس وہ ہوگا، جو کسی کے اعمال کی بدولت اسے ملے گا۔ مجرموں نے اپنی بداعمالی سے جو لباس حاصل کیا ہوگا وہ رال کا ہوگا، جو رنگ و بو میں تکلیف دِہ ہوگا، اور بدن کو بھی تکلیف دے گا۔ آگ کی موجودگی میں یہ تکلیف مزید بڑھے گی۔ اور وہ چہرہ جس کو سجانے میں مجرمین نے کبھی کوتاہی نہیں کی تھی، آگ اسے ڈھانپ لے گی، اور اس آگ سے بچ جانا ناممکن ہوگا، کہ انسان اپنے اعمال کی صورت میں اپنے جلانے کا سامان، حیاتِ دُنیا میں اکٹھا کر کے وہاں لایا ہوگا۔

حاصل: ہمارے لباس کو پاک ہونا چاہئے، اور جسم کے لئے آرام دہ ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے چہرے کو اس طرح سنوارنا چاہئے کہ اس سے، حدود اللہ کے احترام کا ثبوت ملے۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ تاکہ اللہ ہر نفس کو اس کے کئے کی جزا دے۔ بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزا دے سکتا ہے۔ اس سے کوئی مقام مخفی نہیں ہے۔ نیت سے لے کر کسی عمل کے پورے ہونے تک تمام مقامات کو دیکھنے والا جانتا ہے، کہ عمل کرنے والے نے حق کو سنا تھا، اس کا شعور کس درجے کا تھا، حق پہنچانے والے کے ساتھ اس کا رویہ کیسا تھا، ناقابلِ تردید حقائق کو سننے کے بعد اس نے کون سا رخ اختیار کیا تھا اور اس رخ پر اپنا کتنا وقت لگایا تھا، کتنی قوت صرف کی تھی، اور کتنے اموال کو استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام کیا گیا ہے، کہ ہر ایک کا حساب اس کے عمل کے ساتھ ساتھ بنتا جا رہا ہے۔ اللہ کے حکم کے ساتھ ہی نامہ اعمال بندے کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، جس میں کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

حاصل: نیت سے لے کر کسی عمل کے پورے ہونے تک ہر مقام پر ہمیں جزا کا یقین ہونا چاہئے۔ انسانی عقل سے بھی حساب جلدی ہو جاتا ہے، علیم مطلق کے سریع الحساب ہونے کو سمجھنا اب مشکل نہیں ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ یہ لوگوں کو پہنچانا ہے، اور اس لئے کہ وہ اس سے

وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع

ڈرائے جائیں، اور اس لئے کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ معبود وہی ایک ہے، اور اس لئے کہ عقل والے نصیحت مانیں۔

ع ۱۱ ۱۹

منشاء ایزدی یہ ہے، کہ حق لوگوں تک پہنچا دیا جائے، لوگ اپنے اعمال کے انجام سے آگاہ کر دیئے جائیں، لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جزا دینے والا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ نصیحت وہی ہے، جو حق پر مبنی ہو، اور ناصحؐ امین کی زبان پاک سے بیان ہو۔ عقل والے وہ لوگ ہیں جو اس نصیحت کو مانیں اور ناصح سے محبت رکھتے ہوں۔

حاصل: حق کا لوگوں تک پہنچانا، لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، یہ روشن کرتے رہنا کہ جزا دینے والا اللہ ہی ہے، اور یہ یقین رکھنا کہ نصیحت سے عقل والے ہی فیض یاب ہوتے ہیں، علماء عارفین کی شان ہے۔

شہادت: سورۃ الصّٰفّٰتِ (۳۷) فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ظالموں کو ٹھہرا کر پوچھا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ تمہیں کیا ہوا، ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہوئے ہیں۔

ایاتھا ۹۹ سُوۡرَۃُ الۡحِجۡرِ رکوعاتھا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۱ الرٰ قف یہ کتاب اورقرآن مبین کی آیات ہیں۔

حروفِ مقطعات سے ابتدا فرمائی گئی ہے، جو اس بات کی سند ہے، کہ علم الٰہی کے حوالے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تمام لوگوں سے بلند ہے۔ اس کتابِ الٰہی اور روشن قرآن پاک کی آیات اپنی صداقت پر خود گواہی دے رہی ہیں، ان کی وضاحت کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ان کو روشن ماننے سے انکار کر رہا ہے، تو وہ اس نصیحت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ نصیحت تو عقل والے مانا کرتے ہیں۔

حاصل: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل علم الٰہی کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات اپنی صداقت پر خود گواہی دے رہی ہیں۔ نصیحت، عقل کرنے والوں کو ہی فائدہ دیا کرتی ہے۔

الجزء ۱۴ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ۲ کافر بہت آرزو کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

کافر حق کے انکار کو اپنا طریقِ زندگی بناتا ہے۔ مسلمان کی زبان سے بھی اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کے امین ہاتھ سے بھی لوگ سکھ پاتے ہیں۔ مسلمان کی صداقت وامانت کا اعتراف اس کے مخالفوں کو بھی ہوتا ہے۔ جب عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو جائے، صداقت وامانت پر قائم رہنے والے فلاح پاتے نظر آئیں، تو کافر بڑی حسرت کے ساتھ آرزو کریں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

حاصل: کافر وہ کرتا ہے جو اس کا جی چاہے۔ مسلمان کی زبان پاک ہوتی ہے، اس کا ہاتھ امین ہوتا ہے۔ مسلمان وہ کرتا ہے جس سے اللہ راضی ہو۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر کے کافر بڑی حسرت سے کہیں گے، کاش ہم مسلمان ہوتے۔

ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۳ انہیں چھوڑو، کہ کھائیں اور برتیں اور امید انہیں بھلاوے میں ڈالے، تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔

جو لوگ حق کو سن کر ان سنا کر دیتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انہیں زبردستی نہیں سنایا جا سکتا۔ ان کا رخ نور سے ظلمات کی طرف ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کہ وہ بہائم کی طرح کھائیں، اور اپنے برتنے کی اشیاء کو برت لیں۔ طولِ حیات کی امید انہیں بھلاوے میں ڈال رہی ہے کہ یہ یہیں مزے اڑاتے رہیں گے، حالانکہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا کچھ حصہ یہ منکر ضائع کر چکے

ہیں، باقی وقت کو پورا ہوتے دیر ہی کیا لگے گی۔ جب حیات کا وقت قریب الاختتام ہوگا، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ خلافِ حق کرتے رہنے کی وجہ سے وہ خسارے میں جا پڑے ہیں۔

حاصل: کھانے پینے اور برتنے کی چیزیں اس طرح استعمال کی جانی چاہئیں کہ جسمانی اور روحانی صحت کو تقویت ملے۔ لذت، مزہ اور لمبی امید، غفلت کو بڑھاتی ہے۔ غفلت میں وقت کو ختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔

وَ مَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ اور ہم نے جو بستی بھی ہلاک کی، اس کا ایک معلوم نوشتہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا علم وہ علم ہے، جو کسی کی بدولت نہیں ہے اور جس کی بدولت تمام علوم زندہ ہیں، چاہے لوگ ان کی حقیقت سے آگاہ ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قریئے کو اِتمامِ حجت کے بغیر ہلاک نہیں کیا۔ اِتمامِ حجت کے تقاضے خالقِ کل سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کسی بستی کا محلِ وقوع، اہلِ قریہ کے وسائلِ رزق، ان کے علومِ معاشرت، حق کو سننے کے بعد ان کا رویہ، حق پہنچانے والے سے ان کا تعلق اور ماضی و حال کے مابین رشتے کو عقل سے دیکھنے کی طریقت، ان سب امور کو پیشِ نظر رکھنے والا، مہلت کا تعین کرتا ہے۔ اور جب اللہ کی طرف سے دیا گیا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو پھر اسے قریئے کو ہلاک کرنے کے لئے تیاری کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حاصل: ہمیں اپنے فیصلے کا اعلان کرنے سے پہلے اتمامِ حجت کو اپنی طریقت بنالینا چاہئے۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ کوئی اُمت اپنی اجل سے نہ آگے جاتی ہے نہ پیچھے ہٹتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر امت کے حالات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ کسی امت کے لئے اِتمامِ حجت کی جو صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہے، وہی ہر لحاظ سے پوری ہو سکتی ہے۔ جب کسی امت کے لئے مقررہ مہلت ختم ہو جاتی ہے، تو پھر اس سے آگے جانا یا پیچھے ہٹنا، اس کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل: اتمامِ حجت کے بعد کسی امت کو مہلت نہیں دی جاتی۔ اپنے اجتماعی رویئے کو دیکھ کر، انجام سے آگاہی ہو سکتی ہے۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ اور کہنے لگے، اے وہ صاحب جن پر نصیحت کا نزول ہوا ہے، بے شک آپ مجنون ہیں۔

منکرینِ حق نے ازراہِ تمسخر یہ کہا، کہ صاحب آپ ہیں جن پر نصیحت کا نزول ہوا ہے۔ دیکھئے ذرا آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا معاشرے میں کیا مقام ہے۔ فلاح کی بشارت اپنوں کے لئے اور خسارے کا ڈر مخالفوں کے لئے، یہ آپ کے وعظ کی حقیقت ہے۔ پھر اس نصیحت کو آپ کے ہاں یہ تقدس حاصل ہے، کہ اس کی اطاعت میں کوتاہی کو گناہ سمجھا جاتا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کو باعثِ ضلالت

بتایا جاتا ہے۔اس نصیحت کو ماننے میں آپ نے جو روش اختیار کی ہے، ذاتی آسائشوں کو آپ نے جس طرح اہمیت دینے سے انکار کر دیا ہے، پھر کسی بھی وقت آپ خود کو اس نصیحت سے الگ نہیں کرتے، یہ محض جنون سے ہی ہوسکتا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق کو، فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں ہم مجنون نظر آئیں، تو یہ ہمارے ایمان کی سند ہوگی۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

اگر آپ صادقین سے ہیں، ہمارے پاس ملائکہ کو کیوں نہیں لے آتے۔

منکرین نے یہ کہا، کہ ملائکہ آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے تو ہم آپ کی صداقت کو مان لیتے۔صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے ایسی شرط لگانا، جس کے ساتھ تسلیم کرنا عنداللہ بے معنی ہو جائے، انتہائی بے عقلی کی بات ہے۔حق کو ماننا اسی حد تک فائدہ دیتا ہے جس حد تک صالح اعمال کی شہادت سے اپنی تسلیم کو سچا ثابت کیا جاسکے۔عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس حد کو ملحوظ رکھا جائے۔

حاصل: حق کو ماننے کے لئے ایسی شرط لگانا، کہ جس کے ساتھ تسلیم کرنا ہی بے معنی ہو جائے، بڑی بے عقلی کی بات ہے۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

ہم ملائکہ کو نازل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ، اور اس وقت ان کو مہلت نہ ملے گی۔

منکرین کی طرف سے ملائکہ کے نزول کو صداقت کی علامت ٹھہرانے کی بات کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ ملائکہ کا نزول تو اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے مگر وہ اتمامِ حجت کا حصہ نہیں ہوتا۔اس وقت حق کا انکار کرنا ممکن نہیں رہتا، اس لئے حق کو تسلیم کرنا اس وقت نفع بھی نہیں دیتا۔

حاصل: اتمامِ حجت کے لئے جو کچھ ضروری ہوتا ہے، علیمِ مطلق کی طرف سے اس کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ مہلت کے خاتمے کا اعلان ہو چکا ہو، تو پھر کسی کا حق کو ماننا، اسے نفع نہیں دیتا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

بے شک ہم نے اس نصیحت کو نازل فرمایا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآنِ پاک کا نزول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، علم الٰہی سے ہوا ہے اور عالمین کے لئے ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت ہوتی رہے گی۔حفاظت کرنے والا خوب جانتا ہے کہ کس وقت، حفاظت کا تقاضا کس طرح پورا ہونا چاہئے۔اس کی چھ ہزار دو صد اڑتیس (۶۲۳۸) آیات حفاظ کے سینوں میں اسی ترتیب سے محفوظ ہیں جس ترتیب کی نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی تھی۔الفاظ، حرکات، اعراب، اوقاف، سبھی محفوظ ہیں، کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اس میں تحریف کر سکے، یا کسی درجے میں اپنی پسند کو داخل کر سکے۔یہ وہ معیار ہے، جو تا قیامت قائم رہے گا۔ہر مقام پر، ہر شعبۂ زندگی میں، اس سے صحیح رخ کا تعین کیا جاسکے گا۔مسائل افراد کے ہوں، اقوام کے ہوں، یا بین الاقوامی ہوں، اسی معیار سے حل ہوں گے تو سلامتی مستحکم ہوگی۔

حاصل: جس نصیحت کو قرآنِ پاک سے تعلق نہ ہو، اس میں کبھی فلاح کی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ قرآنِ پاک کو بلند آواز سے پڑھا جائے، اور دیکھ کر پڑھا جائے، پڑھنے والے ٹھہر ٹھہر کر اُسی طرح پڑھیں، جس طرح حضور اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے، سننے والے حافظ بھی ہوں دوسرے بھی ہوں، اور دیکھ کر سنیں۔ ہر آبادی میں یہ کام سال میں ایک بار سے زائد ہو، تو یہ اظہارِ بندگی ہوگا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ⑩

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل، اگلی امتوں میں رسول بھیجے۔

رسولوں کا بھیجنے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ جانتا ہے، لوگ کس حال میں ہیں اور کس سند کو دیکھ کر راہِ راست پر آسکتے ہیں۔ اللہ اسی سند کے ساتھ اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا ہے جو کسی مقام پر درکار تھی۔ اس حال کی ماضی سے تصدیق ہو رہی ہے، یہ اس کی صداقت کا ثبوت ہے۔

حاصل: جس حال کی ماضی سے تصدیق ہو جائے، اس حال کی صداقت کو تسلیم کرنا چاہئے، جیسے تسلیم کرنے کا حق ہے۔

وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪

اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر اس سے استہزاء ہی کرتے ہیں۔

منکرین حق کی یہی عادت رہی ہے، وہ رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں، انہیں جادوگر کہتے رہے ہیں، مجنون کہتے رہے ہیں اور اکٹھے ہو کر ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے ہیں۔ مرسلین نے ہمیشہ ان لوگوں سے بڑا تعلق محسوس کیا ہے، جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا، مگر اکثر لوگوں نے سند کے ساتھ بات کرنے والے کو اہمیت نہیں دی اور وہ افترٰی باندھنے والوں کی پیروی پر ہی مصر رہے۔

حاصل: سند کے ساتھ، حق کو بیان کرنے والے پاک لوگ، واجب الاحترام ہوتے ہیں۔ جاہل ایسے لوگوں کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ رسم و رواج کی، حق کے سامنے، کوئی حقیقت نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ⑫

ایسے ہی ہم اس کو مجرمین کے قلوب میں بٹھا دیتے ہیں۔

مجرمین کے قلوب میں حق بیان کرنے والے کے ساتھ عداوت اس طرح جاگزین ہو جاتی ہے، کہ ان کی سوچ، اسی عداوت پر مرکوز رہتی ہے اور ان کی قوت کا بیشتر حصہ، اسی عداوت میں ضائع ہونے لگتا ہے۔ حق کو سن کر، یہ لوگ اپنی ثقافت کی حفاظت کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں، اور اس کام کو اپنے معاشرے کی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

حاصل: حق بیان کرنے والے کا مذاق اڑانا اور اس سے دشمنی کرنا جرم ہے۔ مجرمین کے قلوب کبھی اس عداوت

سے خالی نہیں ہوتے۔ ہمیں مجرمین سے وہی سلوک کرنا چاہیے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے، اور اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

مجرمین حق کو مانا نہیں کرتے، نصیحت انہیں نفع نہیں دیتی، اور اس قماش کے لوگوں کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ جب حق بیان کرنے والے کو اپنا محسن سمجھنے کی بجائے، دشمن سمجھا جائے، تو ایمان کا مقام آتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کہ وہ غلط روش اختیار کرنے والوں کے لئے بھی اتمام حجت ضرور کرتا ہے۔ مجرمین کے قلوب میں بھلائی کی طلب نہیں رہتی، اس لئے وہ راہِ فلاح کو اہمیت دینے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔

حاصل: مجرمین حق کو مانا نہیں کرتے، مگر اتمام حجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، تبلیغِ حق کا کام کرنے والے، اپنے کام کو جاری رکھتے ہیں۔

وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور اگر ہم ان پر آسمان سے کوئی دروازہ کھول دیں، کہ دن کو اس میں چڑھتے رہیں۔

منکرینِ حق کے ایمان نہ لانے کا سبب یہ نہیں ہے، کہ وہ حق کو مان لینے کے لئے جو نشانی طلب کر رہے ہیں، وہ نشانی ان کے سامنے نہیں آرہی، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ انہیں حق مطلوب ہی نہیں۔ جب حق کی طلب نہ ہو، تو اپنی اصلاح کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ حق کو پانے کی طلب میں سنجیدگی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے، کہ موجودہ عقیدے کے درست ہونے کی سند کو تلاش کیا جائے، انسانی علم سے بنائے گئے طریقِ زندگی کا تقابل اس طریقِ زندگی سے کیا جائے جسے علمِ الٰہی سے بنایا گیا ہے، اور صحیح نتائج اخذ کرنے میں کہیں بھی اپنی پسند کو داخل نہ کیا جائے۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ، حق کے نہ ماننے والے کو فائدہ نہیں دیتا۔ اس کو آسمان پر بھی چڑھا دیا جائے، اور وہ دن کی روشنی میں بہت کچھ دیکھے جو اس کے تصور میں بھی نہیں آسکتا، تب بھی وہ اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

حاصل: اللہ کی قدرت کا مشاہدہ اسے فائدہ دیتا ہے، جو اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار ہو۔

لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع ۱۵ تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نگاہ باندھ دی گئی ہے، بلکہ ہم لوگ مسحور ہو گئے ہیں۔

اگر حق کا انکار کرنے والے لوگوں کو، حقائق کے مشاہدہ کا موقعہ دے دیا جائے، تو بھی یہ حقائق کو تسلیم کر کے، اپنے رخ کو درست کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ یہ کہنے لگتے ہیں، کہ ہم جو دیکھ رہے ہیں، یہ ایسا نہیں ہے، صرف ہمیں ایسا معلوم ہو رہا ہے اور نظر بندی سے یہی کچھ ہوا کرتا ہے۔ ایک نظر بندی پر ہی بس نہیں، ہمارے سب محسوسات ہمارے عقائد کو بے حقیقت ثابت کر رہے ہیں، تو اس کے معنی یہی ہیں کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، اب جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

حاصل: منکرین ناصح سے اس درجے کا عناد رکھتے ہیں، کہ حقائق کو دیکھ کر بھی، اپنا رخ درست کرنے کی بجائے،

یہی کہتے ہیں، کہ ہماری نظر بندی کی وجہ سے ہمیں ایسے لگ رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے، اب جو ہمیں محسوس ہو رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۶۲﴾ اور جس دن انہیں ندا کرے گا تو فرمائے گا، کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زُعم تھا۔ اس وقت ان کو علم ہو جائے گا، کہ حق، اللہ کا ہے، اور ان کی بناوٹیں ان سے گم ہو جائیں گی۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۶﴾ اور بے شک ہم نے آسمان میں بروج ٹھہرائے اور اسے ناظرین کے لئے زینت دی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالمِ بالا کی حفاظت کا جو اہتمام کیا گیا ہے، اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ آسمان میں برج بنائے گئے ہیں۔ ان برجوں سے عالمِ بالا کی حفاظت کی جاتی ہے۔ کسی ٹوہ لگانے والے کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس طرح خدائی انتظام میں کسی طرح کی مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آسمان کی زینت تو دیکھنے والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتی ہے۔ سیاروں کے اثرات، انسانی زندگی پر، حیوانی زندگی پر، اور نباتات وغیرہ پر بھی ہوتے ہیں۔ یہ اثرات باذنِ اللہ ہوتے ہیں، اور انسانی علم سے سورج کے مدار کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے جو برج بنائے گئے ہیں وہ سب علمِ قیافہ کے تحت ہیں، ان کا حقائق سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔

حاصل: عالمِ بالا کے انتظام کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ایسا بندوبست کیا ہے، کہ انسانی گمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ افادیت کے ساتھ کسی شے کا نظر کو اچھا لگنا بھی اہم ہوتا ہے۔

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿۱۷﴾ اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔

عالمِ بالا تک شیطان مردود کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ حفاظت کرنے والا علیم مطلق ہے۔ جن مقامات پر حفاظت، علیم مطلق کی طرف سے ہو رہی ہو، وہاں سے عدوِّ مبین کی دخل اندازی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ اس طرح یہ تصوّر ہی غیر حقیقی ہے، کہ شیطان مردود بھی حقائق سے آگاہ ہو سکتا ہے۔

حاصل: جن امور کو دشمن سے محفوظ رکھنا ضروری ہو، ان کی حفاظت کا بندوبست کرتے وقت، تائیدِ ایزدی کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿۱۸﴾ مگر جو چوری چھپے سننے جائے، تو روشن شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے۔

شیطان عالمِ بالا سے غیب کی خبریں، چوری چھپے سننے کی کوشش کریں، تو روشن شعلوں سے انہیں مارا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں، کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے کئے گئے حفاظتی بندوبست میں کوئی کمی ہو، اور شیطان عالمِ بالا سے کوئی خبر پا سکیں۔ شیطان صرف اٹکلیں دوڑاتے رہتے ہیں، اور لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں گرفتار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

حاصل: جن مقامات کو محفوظ بنایا گیا ہو، دشمن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ اس کو ایسی سزا دینی چاہئے، جس سے دشمن مرعوب ہوں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے زمین پھیلائی، اور اس میں لنگر ڈالے، اور اس میں ہم نے ہر شے موزونیت سے اگائی۔

عالمِ بالا کے ذکر کے بعد عالمِ زیریں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زمین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح پھیلایا گیا ہے انسان اپنے گمان سے اسے کہاں تک جان سکتا ہے۔ زمین کے مختلف خطوں کا باہم تعلق قائم رکھنا، اس کے توازن کو قائم رکھنے کے لئے پہاڑوں کی صورت میں میخوں کا گاڑنا، اتنا بڑا کام ہے، کہ اللہ کے سوا، اس کے کرنے کا دعویٰ ہی کسی کو زیب نہیں دیتا۔ زمین کی نباتات کا ایک دوسری کے ساتھ عجیب تعلق ہے، ہر نوع، بڑھنے کی بہت صلاحیت رکھتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو حدِ مطلوب سے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ نباتات کا زمین میں ایسا توازن قائم رکھا گیا ہے، کہ جب انسان کو اس کا علم ہو جائے گا، تو پھر زمین میں کسی جگہ بھی کوئی اللہ کو نہ ماننے والا نہ ہوگا، سبھی مومن ہوں گے، اور اللہ کی عطائے بے بہا کے قدردان ہوں گے۔

حاصل: زمین کا پھیلاؤ، اس کے مختلف خطوں کا باہمی تعلق، اس کے توازن کا قائم رکھنا اور اس کی نباتات کو موزونیت کے ساتھ بڑھنے کی اجازت دینا، یہ سب اللہ کے کام ہیں۔ انسان، اللہ تعالیٰ کی عطا کا قدردان ہو، تو کافر نہیں رہ سکتا۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور تمہارے لئے اس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے، اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔

آسمان اور زمین میں اپنی روشن نشانیوں کا ذکر کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نظامِ ربوبیت کو واضح فرمایا جا رہا ہے۔ انسان کی ضروریات کا کلی علم، خالقِ کل کی شان کے لائق ہے۔ یہ ضروریات جسمانی بھی ہوتی ہیں، روحانی بھی ہوتی ہیں، بلاواسطہ بھی ہوتی ہیں اور بالواسطہ بھی ہوتی ہیں۔ نظامِ حیات کے اتنے ارکان ہیں، کہ حضرت انسان، ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ہر شے اپنے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے، ان حدود کے اندر، اس کام کو بڑی خوبی سے کر رہی ہے جو علیمِ مطلق نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی زندگی کے لئے معیشت کے اسباب انسان کے پیدا کردہ نہیں ہوتے۔ محنت انسان کے ذمے ضرور ہوتی ہے، اور وہ انسان کی اپنی سلامتی اور فلاح کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ نظامِ حیات کے ماحول میں کام کرنے والوں کا رزق تو انسان کیا مہیا کرے گا، اسے تو ان کی ضروریات کا بھی علم نہیں ہے۔

حاصل: اسبابِ معیشت، اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ ہیں۔ ان کو رضائے الٰہی کے مطابق، اس طرح استعمال کرنا

چاہیئے، کہ کمزوروں کو سہارا ملے اور معیشت برائے استکبار کا تصور ختم ہو جائے۔ نظامِ حیات میں انسان کا حصہ بہت ہی کم ہوتا ہے۔ عطا کی اہمیت واضح ہو، تو معطی کا شکریہ ادا کرنے کا مقام آتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور ہمارے پاس ہر شے کے خزانے ہیں، اور ہم نازل نہیں کرتے مگر قدرِ معلوم کے ساتھ۔

ہر شے کے خزانے، اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ان خزانوں کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہر شے کو اس مقدار میں لوگوں کے سامنے لانا کہ وہ نظامِ کائنات کے اعتدال پر رکھنے میں ممد ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شے کا قدرِ معلوم کے ساتھ نزول ہے۔ ضروریاتِ کائنات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور وہی اپنے علم سے اہتمام کرتا ہے۔

حاصل: کسی شے کے حصول کے لئے بے چینی نہیں ہونی چاہیئے، اس کی موجودہ مقدار کو پورا جاننا، علمِ الٰہی کو دل و جان سے ماننے کی سند ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کو قدرِ معلوم کے ساتھ نازل کرتا ہے۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے بادلوں کو بار آور کرنے والی ہوائیں بھیجیں، پھر ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تو وہ تمہیں پینے کو دیا، اور تم کچھ اس کے خزانہ دار نہیں ہو۔

پانی، ضروریاتِ زندگی میں اہم ترین رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس عطائے بے بہا کا استعمال روز مرہ زندگی میں کثرت سے ہوتا ہے۔ بادلوں کو لانے والی برساتی ہوئیں، انسانی علم سے نہیں چلتیں، اللہ تعالیٰ ان ہواؤں کو بھیجتا ہے۔ وہی آسمان سے پانی برسانے والا ہے۔ وہی پانی ہمارے پینے کے کام آتا ہے۔ نہ ہمارے پاس آسمان کے پانی کا خزانہ ہے، نہ زیرِ زمین پانی کو اپنی منشاء کے مطابق جمع کرکے رکھنے پر ہم قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس اہم ترین ضرورت کو جس طرح مہیا کیا جا رہا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتے رہنا، شانِ بندگی ہے۔

حاصل: بارش کے پانی کو سنبھال کر رکھا جائے، اور اسے پینے کے لئے استعمال کیا جائے، تو اس سے بہت بھلا ہوتا ہے۔ جس شے کی قدر و منزلت معلوم ہو، اس کے عطا کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا، عقل مندی کو ثابت کرتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم ہی حیات دیتے ہیں، اور ہم ہی موت دیتے ہیں، اور وارث بھی ہم ہی ہیں۔

حیات دینے والا، تعین سے بالا ہے۔ وہ جس کو حیات دیتا ہے، اسے موت بھی دیتا ہے۔ موت سے، عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کو مسلم کی حیثیت سے موت آئے وہ فلاح پانے والا ہے، جس کو مجرم کی حیثیت سے موت آئے، وہ خسارے والا ہے۔ مالکِ کل ہونے کے اعتبار سے، وارث بھی اللہ ہی ہے۔ جب کچھ نہیں تھا، تب بھی اللہ تھا، اور جب کچھ نہیں ہوگا، تب بھی اللہ ہوگا، اس لئے ''نہ ہونے'' سے ''ہونے'' تک اور ''ہونے'' سے ''نہ ہونے'' تک سب مقامات اسی کے احاطۂ قدرت میں ہیں۔

حاصل: حیات دینے والا بھی اللہ ہے، موت دینے والا بھی اللہ ہے، اس لئے اس کی رضا بہر حال مطلوب ہونی چاہیے۔ اپنی وراثت کی تقسیم میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے، جو وارثِ کُل کے ارشاد کے خلاف ہو۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

بے شک پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں، ہمیں ان کا علم ہے، اور بے شک بعد میں آنے والوں کا بھی ہمیں علم ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ جو لوگ ہم سے پہلے ہوگزرے ہیں، وہ ان سب کو جانتا ہے۔ انہوں نے حق کو سن کر کیا رخ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ اس کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ بعد میں آنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے۔ کوئی مقام مالکِ کُل سے مخفی نہیں ہے، اس لئے ماضی، حال، اور مستقبل، سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو ہر حال کا جاننے والا ہے، ہر مقام کا جاننے والا ہے، اسی کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر موجود ہے۔

حاصل: ہمیں پہلے لوگوں کے انجام سے سبق سیکھنا چاہیے، اور بعد میں آنے والوں کے لئے راہِ راست کو روشن کرنا چاہیے۔ حق کو بطریقِ احسن ادا کرنے والا ہی معلم ہوسکتا ہے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۲ / ۱۰ / ۲

اور بے شک تمہارا ربّ انہیں اکٹھا کرلائے گا، بے شک وہ حکمت والا، علم والا ہے۔

خالق کل نے جو کچھ بھی بنایا ہے، اس کو بڑی حکمت اور بڑے علم سے بنایا ہے۔ جب وہ جزا دینے کے لئے لوگوں کو اٹھائے گا، تو اسے کچھ مشکل پیش نہیں آئے گی، اس کے حکم کے ساتھ ہی منتشر اجزا اکٹھے ہو جائیں گے۔ بنانے والی حکمت، کسی وجود کے ارکان کے ربطِ باہمی میں دیکھی جاسکتی ہے، اس کا علم مقصدِ تخلیق میں نظر آتا ہے۔

حاصل: جزا کا یقین ہو، تو اللہ کا ڈر بہر حال موجود رہنا چاہیے۔ ہمارا کام امرِ الٰہی کے تابع ہو گا، تو اس میں حکمت بھی موجود ہو گی، اس میں علم بھی موجود ہو گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (۵۷) میں ارشاد فرمایا ہے: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ اپنے ربّ کی مغفرت اور جنت کی طرف سبقت کرو، جس کا عرض ایسے ہے، جیسے آسمان اور زمین کا پھیلاؤ۔ تیار ہوئی ہے، ان کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ ﴿۲۶﴾

اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا، جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔

اللہ تعالیٰ نے آفاق میں اپنی نشانیاں بیان فرمانے کے بعد، انفس میں اپنی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ انسان کی پیدائش کے مدارج، خالقِ کل ہی بیان کرسکتا ہے۔ مٹی کے اجزائے ترکیبی علیمِ مطلق کے علم میں ہیں۔ پانی کی موجودگی، اس میں خمیر پیدا کرتی ہے۔ اجزا کا آپس میں خوب مل جانا، تخمیر کے بعد اسے سیاہ گارے کی صورت دیتا ہے۔ پھر صانع، جس سے پہلے کوئی صانع نہیں تھا، اپنے علم سے ایک صورت بناتا ہے۔ یہ صورت ٹھوس ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی جاتی ہے۔ نفسِ واحدہ کی تخلیق کے بعد اس کا جوڑا بنایا جاتا ہے۔ یوں بقاءِ نسل کی صورت ٹھہرائی جاتی ہے۔ بقاءِ نسل میں پہلے نطفہ، قرارِ مکین کے ساتھ علقہ، گوشت کا لوتھڑا، اس میں ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، اور پھر اسے آخری شکل میں اٹھان، یہ سب مدارج بڑے علم سے رکھے گئے ہیں۔ احسن الخالقین کے علم کی شان سب سے بلند ہے۔

حاصل: انسان، پہلے درجے کا نام ہے۔ انسان کو صانع کی رضا مطلوب ہو، تو پاک رہنے کا رخ اختیار کرتا ہے، اور اگر صانع کے حوالے سے اپنا تعارف کھو دے تو پھر یہ بودار گارا ہی ہے۔

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جنوں کو اس سے قبل نارِ سموم سے پیدا کیا۔

جنوں کی تخلیق کے بارے میں بھی خالقِ کل ہی وضاحت فرما سکتا ہے۔ اللہ نے ان کو آگ سے پیدا کیا ہے، اور ان کی پیدائش سے پہلے ان کا مقصدِ تخلیق موجود تھا۔ کسی بھی شے کا مقصدِ حیات خالقِ کل کے علم سے متعین کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی دوسرا یہ نہیں کرسکتا۔ جن، اپنے صانع کی شان کو ملحوظ رکھیں تو وہ بندگی کا حق ادا کرنے کی راہ اختیار کریں گے، اور برتری کے احساس میں مبتلا ہو جائیں گے تو خسارے سے بچ نہیں سکیں گے۔

حاصل: خالقِ کل علیمِ مطلق ہے۔ جنوں کی آگ سے پیدائش، حکمت اور علم سے تھی۔ مقصدِ حیات کا تعین کرنے والا جانتا ہے، کہ کس مقام پر کس کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے، کیا توفیق دی جانی چاہئے۔ توفیق دینے والے کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ نہیں ہے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

اور جب تمہارے ربّ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں بشر کو، بجتی ہوئی مٹی سے، جو سیاہ بودار گارے سے ہے، خلق فرمانے والا ہوں۔

بشر کی تخلیق سے پہلے، ملائکہ کو بتا دیا گیا تھا، کہ اللہ تعالیٰ بشر کو، بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمانے والا ہے، جو سیاہ بودار گارے سے بنائی جائے گی۔ یہ بھی بتا دیا گیا تھا، کہ اسے زمین میں خلیفہ ٹھہرایا جائے گا۔ اس غائبانہ تعارف سے، فرشتوں پر یہ واضح فرما دیا گیا، کہ سب اشیاء کے مزاج کو، سب اشیاء کی صفات کو خالقِ کل سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو جو مقام عطا کرے، اس میں یقیناً حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

حاصل: قرب والوں پر واضح کرنا چاہئے، کہ بہتر جاننے والے کے کام میں حکمت اور علم کو دیکھنا ضروری ہے۔

فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾

پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں، اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں، تو تم اس کے آگے سجدے میں پڑ جائیو۔

بشر کی تعظیم کے لئے فرشتوں کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا، انہیں بتایا گیا، کہ جب اسے بنانے، سنوارنے کا کام پورا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں روح پھونکی جائے گی، تب وہ تعلق مع اللہ کے حوالے سے تمہارے لئے لائقِ تعظیم ہوگا، جب اس کا لائق تعظیم ہونا تم پر واضح ہو جائے، تو اس تعظیم کا اظہار یوں ہو کہ تم اس کے آگے سجدے میں پڑ جائیو۔ الوہیت صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اس کو ماننے کے لئے اظہارِ عبدیت ضروری ہے۔ عبدیت کے اظہار کے ساتھ جس سجدے کا تعلق ہے، اس کی طریقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دی ہے۔ اسی طریقے سے سجدہ کیا جائے گا، تو عند اللہ مقبول ہوگا۔

حاصل: بشر تعلق مع اللہ کے حوالے سے، فرشتوں کے لئے بھی لائق تعظیم ہے۔ جباری و قہاری کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی صفات کا دائرہ عبدیت میں احسن نمونہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہیں۔ ہمارے قول و فعل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو نظر آئے، تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی سند ہوگی۔

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿ۙ۳۰﴾

تو سب کے سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کے امر کو مانتے ہوئے، سب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تعظیم کے لئے یہ سجدہ یک بارگی تھا۔ اسی سجدے سے فرشتوں کو مقامِ بشر کا علم ہوا، اور اسی سجدے سے ملائکہ کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو علیم اور حکیم مانتے ہیں، سچا ثابت ہوا۔

حاصل: جس کا حکم ہمارے لئے واجب الاطاعت ہے، اس کا حکم، سن کر، فوراً ماننا چاہئے۔

اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۱﴾

سوائے ابلیس کے، کہ اس نے ساجدین کی معیت اختیار کرنے سے انکار کیا۔

ابلیس کے لئے سجدے کا حکم، فرشتوں کی معیت کی بدولت تھا۔ اگر حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا تو ابلیس سے عدم تعمیل کا جرم ہی سرزد نہیں ہو سکتا تھا، کہ ابلیس، فرشتہ تو نہیں تھا۔ ابلیس نے حکم خداوندی کو سنا، ماننے والوں کو حکم کی تعمیل کرتے دیکھا، مگر سجدہ کرنے والوں کی معیت کو اختیار کرنے سے رک گیا۔ ابلیس، اللہ تعالیٰ کو علیم مطلق ماننے کا دعویٰ تو کرتا تھا، لیکن حکم خداوندی کو سن کر، اس نے اپنی سوچ کو زیادہ اہمیت دی اور یوں وہ سب سے پہلے شرک کا مرتکب ہوا۔

حاصل: جس کی پاکیزگی کا ہمیں اعتراف ہو، علم و حکمت کے حوالے سے جس کی فضیلت ہمیں تسلیم ہو، اس کے حکم کو سن کر تعمیل میں دیر نہیں کرنی چاہئے، ورنہ شیطان کا ساتھ ہو جائے گا۔

قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۳۲﴾

فرمایا، اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو ساجدین کے ساتھ نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، کسی مقام پر کسی کی کوئی حرکت اس سے مخفی نہیں ہوتی۔ علیم مطلق نے سنت یہ رکھی ہے، کہ جس کا عمل، حق کے مطابق نہ ہو، اس سے ضرور پوچھا جائے کہ تم نے وہ کیوں نہیں کیا، جو تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ کسی کے ناقص عمل کو دیکھ کر، اس سے وضاحت طلب کئے بغیر، اس پر حکم لگا دیا جائے، تو یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہوگا، اور یہ اللہ تعالیٰ سے آگے قدم بڑھانے والی صورت ہوگی، جو قطعاً خلافِ حق ہے۔ اس بے ادبی سے بچنا، فلاح پانے والوں کے لئے لازم ہے۔

حاصل: جس کا عمل خلافِ حق ہو، اس سے پوچھنا چاہئے، کہ تم نے وہ کیوں نہ کیا، جو تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ اللہ کی سنت ہے، ہر حال پر اس کا احترام ملحوظ رہنا چاہئے۔ اللہ کی اس سنت پر عمل ہو تو نظامِ عدل قائم ہو سکتا ہے۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

کہنے لگا، میں وہ نہیں ہوں کہ بشر کو سجدہ کروں، جسے تو نے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا، جو سیاہ بودار گارے سے تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے جواب میں ابلیس نے یہ کہا، کہ میں وہ نہیں ہوں، جو بشر کو سجدہ کروں، جسے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا گیا ہے اور وہ مٹی اس سے پہلے سیاہ بودار گارے کی صورت میں تھی، اس کے مقابل میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے جہاں بو کا ہونا ہی محال ہے۔ مجھے تخلیق بشر کے حوالے سے اپنی برتری کا بڑا احساس ہے، اس لئے میں بشر کو سجدہ نہیں کروں گا۔ ابلیس کی جہالت ملاحظہ ہو، کہ وہ اپنے خالق کو یہ بتا رہا ہے، کہ تخلیق کے اعتبار سے اس کا مقام، بشر سے برتر ہے۔ خالق کل، اللہ ہے۔ جس نے سب کو پیدا کیا ہے، اس سے بہتر کوئی جاننے والا نہیں۔ سب سے بہتر جاننے والے کے حکم میں نقص دیکھنا، اور اپنی بے علمی کو علم جاننا، انتہائی جہالت ہے۔

حاصل: بہتر جاننے والے کے علم میں نقص دیکھنا، اور اپنے تھوڑے علم کو بہت جاننا، انتہائی جہالت اور بے ادبی ہے۔ یہ صفت جہاں ہوگی، اس کا موصوف بھی وہیں ہوگا، اور یہ صفت ابلیس نافرمان کی ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

فرمایا، تو یہاں سے نکل جا، کہ تو مردود ہے۔

ابلیس کے اس بیان پر کہ میں بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں، جسے بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا گیا ہے، جو سیاہ بودار گارے سے تھی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو یہاں سے نکل جا، کہ تو مردود ہے۔ میرے قرب میں رہنا پاکیزگی کے ساتھ ہی ممکن ہے، اور وہ تو ضائع کر چکا ہے۔ حکم کا احسن اتباع، حکم دینے والے کی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے، اور حکم عدولی جو استکبار کے ساتھ ہو، یہ ثابت کرتی ہے، کہ انکار کرنے والا، حکم دینے والے سے بڑا علم رکھتا ہے۔ حق کا انکار کرنے والا، پاکیزگی کے مقام پر نہیں رہ سکتا۔ وہ من مانی کرتے کرتے گمراہ ہو جاتا ہے۔ جسے اللہ ردّ کر دے، وہ صریحاً خسارے میں پڑ گیا۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والا، پاکیزگی کے مقام پر نہیں رہ سکتا۔ جسے اللہ ردّ کر دے، وہ صریحاً خسارے میں پڑ گیا۔ پاک اور ناپاک کے مابین وقف رکھنا ضروری ہے۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

اور یوم الدین تک، تجھ پر لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلی طور پر، عمل کے لئے جو وقت دیا گیا ہے، وہ یوم الدّین تک ہے۔ قیامت کے دن، لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس دن حق کا انکار کرنا ممکن نہ ہوگا، اس لئے اس دن حق کو ماننے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ ابلیس کے استکبار و انکار کے بعد اس کو مردود قرار دیا گیا، اور اس پر لعنت کی گئی۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو، وہ فلاح کی طرف نہیں آ سکتا۔ ابلیس پر اللہ کی لعنت عمل کے لئے دی گئی انتہائی مہلت تک ہے۔ علیمِ مطلق کی حکم عدولی، اس کے سامنے جہالت اور بے ادبی کا اظہار، ایسے گناہ ہیں، جن کی سزا حیاتِ دُنیا میں بھی انتہائی ہونی چاہئے تھی، آخرت میں تو ہوگی ہی۔

حاصل: استکبار، ابلیس کی صفت ہے، اس لعنتی سے بچنے کے لئے استکبار سے بچنا ضروری ہے۔ ہمیں اسی پر لعنت کرنی چاہئے، جس پر اللہ کی لعنت ہو، اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت وجلوت میں پاک رہنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ کہنے لگا، اے میرے ربّ، تو مجھے یومِ بعث تک مہلت دے۔

مردود اور لعنتی نے یہ کہا، اے میرے ربّ تو مجھے اس دن تک مہلت دے، جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ ابلیس نے یہ مہلت اس وقت مانگی، جب وہ حق کا انکار کر کے، دائمی خسارے میں پڑ چکا تھا۔ یہ اتنی بڑی مہلت، اس کو اپنے استکبار کے لئے، اور بشر سے عداوت کے لئے ہی درکار تھی۔

حاصل: تاحیات، ابلیس کی دشمنی کا احساس رکھنا چاہئے۔ ابلیس کسی بشر کی بھلائی چاہے، یہ قطعاً ناممکن ہے۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾ فرمایا، تجھے مہلت دی گئی۔

ابلیس کو مہلت دینا، اللہ تعالیٰ کا کام تھا، اس لئے ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے، ابلیس کی نیت کو جانتے ہوئے یہ مہلت دے دی۔ مہلت دینے والے کی قدرت کے احاطے سے باہر نکل جانا ابلیس کے بس میں نہیں ہے۔ دارِ عمل کی آخری حد تک مہلت مانگنا، اس ارادے سے تھا، کہ ہر ہر بشر سے ابلیس کو عداوت کا موقع ملے۔

حاصل: چھپے اور ظاہر کا پورا پورا علم رکھنے والا جانتا ہے کہ کون کیا رخ اختیار کرے گا۔ ہماری نیت کو درست ہونا چاہئے۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ وقتِ معلوم کے دن تک۔

ابلیس نے مہلت تو یومِ بعث تک مانگی تھی، مگر اللہ نے اسے وقتِ معلوم کے دن تک مہلت دی۔ وقتِ معلوم سے یومِ بعث تک کے عرصے میں اسلام، باقی سب ادیان پر غالب ہوگا، ساری دُنیا میں سوائے مومنین کے، اور کوئی نہ ہوگا۔ قرآنِ پاک کے حوالے سے ہی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قول وفعل کے صحیح ہونے کی سند پائی جائے گی۔ انسان کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم، اس یقین سے متروک ہو جائیں گے، کہ ان سے بھلائی کا حصول ناممکن ہے۔ اس وقت میں لوگ اپنے قول کی اس طرح حفاظت کریں گے، کہ فرد ہو یا جماعت، اظہارِ قولِ سدید سے ہوگا اور بندہ وہی کہے گا جو اُس کا فعل ہوگا۔ پھر اعمال کے خلاف حق ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔

حاصل: مہلت دینے والے نے ابلیس کو یومِ بعث تک مہلت نہیں دی، وقتِ معلوم کے دن تک مہلت دی ہے۔ وقتِ معلوم کے دن تک، ساری دُنیا ایک نظام کے تحت ہو جائے گی، پھر یہ نظام، اسلام کے سامنے مغلوب ہو جائیگا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾

کہنے لگا، اے میرے ربّ، جیسے تو نے مجھے بہکایا ہے، میں انہیں زمین کی دل فریبیوں میں پھنسا کر بہکاؤں گا۔

مہلت طلب کرنے کا منشاء بیان کرتے ہوئے، ابلیس نے یہ کہا کہ اے میرے ربّ! جیسے مجھے تو نے گمراہ کیا ہے، میں بھی بنی آدم سے عداوت کا اظہار تا حدِ امکان کرتا رہوں گا۔ جہالت دیکھئے کہ ابلیس کو اپنی طرف سے حکم عدولی کا احساس تو ہے، مگر اسے اس کا سبب یہ نظر آتا ہے، کہ وہ حکم تو مانا ہی نہیں جا سکتا تھا، اور وہ حکم دیا ہی اس لئے گیا تا کہ ابلیس گمراہ ہو جائے۔ جاہل ہمیشہ اپنی خطا کا سبب، اپنی ذات کے اندر دیکھنے کی بجائے، اپنی ذات کے باہر دیکھتا ہے۔ ابلیس نے اپنا طریقۂ واردات بیان کرتے ہوئے کہا، کہ بنی آدم کو زمین کی دل فریبیوں میں اس طرح پھنساؤں گا کہ یہ اپنی خواہشات کو، اپنی مرغوبات کو، حق کے مقابل زیادہ اہمیت دیں گے۔ انہیں مسجودِ ملائک ہونے کا مقام بھول جائے گا۔ میری ان سے دشمنی، اس مہلت کے پورے ہونے تک جاری رہے گی، جو مہلت وقتِ معلوم کے دن تک مجھے دی گئی ہے۔

حاصل: ابلیس، بنی آدم کے ساتھ دشمنی میں کبھی ڈھیل نہیں کرتا۔ ہمیں اپنے مقام کا احساس ہونا چاہئے۔ کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ جس کام میں رضائے الٰہی ہو، وہی کرنا چاہئے۔ بات سے ہی رخ کی ابتدا ہوتی ہے، اس لئے بات، بڑی احتیاط سے کرنی چاہئے، تا کہ رخ درست رہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾

مگر جو اِن میں سے تیرے مخلص بندے ہیں۔

ابلیس ملعون، اعتراف کرتا ہے، کہ وہ عبادِ مخلصین کو بہکا نہیں سکتا۔ عبادِ مخلصین وہ پاک بندے ہیں، جن کا قول، شریعتِ اسلام کے مطابق ہوتا ہے، جن کا عمل شہادت دیتا ہے کہ وہ حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، جو دوسروں کو وہی علم سکھاتے ہیں، جس سے انہیں فائدہ پہنچا ہو۔ ایسے لوگوں کو ان کے اخلاص کی بدولت یہ مقام ملتا ہے کہ حق اور ناحق کے راستے جہاں بالکل ساتھ ساتھ ہوں، وہاں سے مخلص بندوں کے گزرنے سے بہت روشنی ہو جاتی ہے، اور پیچھے آنے والے، ان مقامات سے، سلامتی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

حاصل: ابلیس کے جال سے بچنے کے لئے ضروری ہے، کہ ہماری بات حق کے مطابق ہو، عمل ثابت کرے کہ اتباعِ رسول ہمارا مقصود ہے، کفر، فسوق اور عصیاں سے ہمیں کراہت ہو، اور دوسروں کو وہی سکھایا جائے جس سے ہمیں فائدہ ہوا ہو۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَىَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾

میری طرف آنے کے لئے یہی صراطِ مستقیم ہے۔

عبادِ مخلصین، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے بندے ہیں۔ جو ان کی پیروی کرے وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرے گا، وہ شیطان کے بہکانے میں آ جائے گا۔ نفس کی شح سے بچنا، فلاح پانے کے لئے لازم ہے۔ ابلیس جو بھی کرتا ہے، قطعاً خلافِ حق

کرتا ہے۔ اس لئے جو ابلیس کے خلاف ہوگا، قطعاً حق کے مطابق ہوگا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے صراطِ مستقیم واضح فرما دیا گیا ہے، ہمیں عبادِ مخلصین کے اتباع کو صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند جاننا چاہئے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾

بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں، سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے روشن فرمایا کہ عبادِ مخلصین کی راہ صراطِ مستقیم ہے۔ یہ لوگ مقامِ شکر پر ہوں، یا مقامِ صبر پر ہوں، اللہ تعالیٰ کی معیت میں ہوتے ہیں، ادب سے اپنا حق ادا کرتے ہیں، اور نتائج کو باذنِ اللہ مانتے ہیں۔ ان پر ابلیس کا کچھ زور نہیں چلتا۔ جو لوگ ابلیس کی پیروی کریں، خوبی ہمیشہ اپنے اندر دیکھیں، خامیاں سب دوسروں میں دیکھیں، ناشکری کریں، بے صبری کریں، اپنے قول وفعل کی خرابی کا سبب، اپنی ذات کے اندر دیکھنے کی بجائے، باہر دیکھتے رہیں، ان کا رخ نور سے ظلمات کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ ابلیس کو مانتے ہیں، اس لئے ان پر تو اس کا اثر ہوگا۔

حاصل: جو حال پر مخلصین کا اتباع کرے، اس پر شیطان کا کچھ زور نہیں چلتا۔ جو شیطان کی پیروی کرے گا وہ ضرور گمراہ ہوگا۔ عقل مند کے لئے ''حق'' سند کا درجہ رکھتا ہے، بے عقل کے لئے اس کی ''پسند'' سند کا درجہ رکھتی ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور بے شک جہنم، ان سب کا وعدہ ہے۔

ابلیس اور اس کا اتباع کرنے والے گمراہ، سب جہنم میں جائیں گے۔ مخلصین، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے، جسے صراطِ مستقیم کہتے ہیں۔ دونوں راستے حال پر بتا دیئے گئے ہیں، جو فلاح کے راستے کو اختیار کرے گا، وہ خیر کے رخ کو اختیار کرنے کی جزا پائے گا۔ استکبار، تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

حاصل: جہنم سے بچنا مطلوب ہو، تو ابلیس کی پیروی سے بچنا ضروری ہے، اور ابلیس کی پیروی سے بچنے کے لئے استکبار سے بچنا ضروری ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۲ ۱۹ ۳

اس میں سات دروازے ہیں۔ ہر دروازہ ان میں سے ایک جز کا مقسوم ہے۔

ابلیس کی پیروی سے جہنم تک جانے کے سات راستے ہیں، سب کے سب استکبار سے تعلق رکھتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے میں، جس نے جتنی سعی کی، اس کی جزا پائے گا۔ یہ سعی، سات طریقوں سے کی جاتی ہے: شرک کی صورت سے جسے ظلمِ عظیم فرمایا گیا ہے، صلہ رحمی کو ترک کر کے قتل سے جس میں قتلِ اولاد بھی شامل ہے، زنا کے قریب جانے کی صورت سے، حق کی شہادت کو چھپا کر، کمزوروں پر قہر کرنے سے، اور حق کو مٹانے کے لئے باطل کی اشاعت میں خود کو وقف کر دینے سے۔ یہ سات راستے جہنم کے سات دروازوں پر ختم ہوتے ہیں۔ جیسا جرم

ویسا دروازہ۔ ہر جرم کی پوری پوری جزا دینے والے کا علم، علم مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اس لئے اس نے جہنم کے دروازے، جرم کی نوعیت کے مطابق رکھے ہیں۔

حاصل: دیکھنا چاہئے ہم جہنم کی طرف جانے والے کسی راستے پر تو نہیں جا رہے۔ جرائم بھی سب برابر نہیں ہوتے، اس لئے سب مجرموں کو ایک جیسا رکھنا خلافِ حق ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں ارشاد فرمایا ہے: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ بے شک وہ خسارے میں رہے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا، اور وہ ہدایت پر نہ تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ بے شک متقین باغوں اور چشموں میں ہیں۔

جو لوگ دوزخ کی طرف جانے والے راستوں کو اختیار نہیں کرتے، وہ لوگ کفر فسوق اور عصیاں سے کراہت کرتے ہیں۔ یہ پرہیزگاری انہیں دُنیا کی دل فریبیوں سے بچاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں جس طرح راحت سے نوازا جائے گا۔ اس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ متقی حضرات باغوں میں ہوں گے اور باغوں میں چشمے ہوں گے۔

حاصل: جنت اور چشموں کو متقین کا انتظار ہوگا، کہ ہم سے استفادہ کرنے والے حضرات آئیں تو مقام و مقیم کا تعلق پورا ہو۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ ان میں داخل ہو سلامتی کے ساتھ، امان کے ساتھ۔

باغوں اور چشموں کے مقام پر سلامتی اور امان کا پیغام بڑا انعام ہے۔ اپنی ذات کے لئے خطرات، خدشات نہ رہیں تو سلامتی کا احساس ہوتا ہے، ماحول کی مطلوبہ صورت قائم رہے تو امن ہوتا ہے۔ متقی حضرات کے لئے سلامتی بھی دائمی ہوگی، امن بھی دائمی ہوگا۔

حاصل: متقی حضرات کی عزت افزائی، سلامتی اور امان سے کرنی چاہئے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور ہم نے ان کے سینوں سے خفگی نکال ڈالی، بھائی ہیں، تختوں پر رُوبرُو بیٹھے ہوئے۔

پاک لوگوں کے دلوں میں بری صفات سے کراہت ہوتی ہے۔ بری صفات والے لوگ اُنہیں اچھے نہیں لگتے۔ جب کسی وجود سے برائیاں نکل جاتی ہیں، تو ان کی جگہ اچھی صفات آجاتی ہیں۔ ایسے صاحب سے ماضی میں جو خفگی رہی ہو، اللہ اس کو نکال دیتا ہے۔ خفگی کے خاتمے کے بعد مومن آپس میں بھائی ہیں۔ جنت میں یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے راحت پائیں گے۔ تختوں پر رُوبرُو بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

حاصل: شاہد سے تعلق وہ قدرِ مشترک ہے، جو اس کے عقیدت مندوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ جس کا دیکھنا ہمارے لئے باعث راحت ہو، اس سے بڑھ کر بھائی کون ہو سکتا ہے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نہ اُنہیں وہاں کچھ تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

متقی حضرات کو جنت میں کچھ تکلیف نہ پہنچے گی، نعمتوں کا حصول بھی آسان ہوگا، ان کا استعمال بھی باعثِ راحت ہوگا۔ جب اعتدال قائم رکھنا، اللہ تعالیٰ اپنے ذمّے لے لے تو پھر تکلیف کا مقام ہی کیا رہ جاتا ہے۔ یہ سُکھ جو متقی حضرات کو حاصل ہوگا، دائمی ہوگا۔

حاصل: متقی حضرات کی قدر و منزلت میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾

میرے بندوں کو خبر دو کہ بے شک میں بخشنے والا، رحم کرنے والا ہوں۔

یہ خبر سب بندوں کے لئے ہے، جو شعور رکھتے ہیں۔ خبر اس کی طرف سے آئی ہے، جو سب بندوں کا مالک ہے، خالق ہے اور سب کو اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ خبر پہنچانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آپ کے بعد تا قیامت شاہدین یہ خبر پہنچاتے رہیں گے۔ بندوں کو جب احساس ہو جائے، کہ انہوں نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کیا ہے اور وہ خسارے کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں، تو وہ اللہ سے بخشش مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی نفی کر دیتا ہے، اور ان پر رحم بھی فرماتا ہے کہ انہیں بہت سی آسانیاں عطا فرما دیتا ہے۔

حاصل: اللہ سے بخشش اور رحم طلب کرتے رہنا، شانِ عبدیت ہے۔ جسے ہم معاف کریں، اس کو سہولت بھی دینی چاہئے تاکہ ہمارے عبداللہ ہونے کا ثبوت ملے۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

اور میرا عذاب ہی المناک ہے۔

مندرجہ بالا خبر کا ایک حصہ تو اللہ کی بخشش اور رحم سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا حصہ اپنے اندر ان لوگوں کے لئے عذاب کی وعید رکھتا ہے، جو شعور کے ساتھ خلافِ حق کرتے ہیں، ماضی میں خلافِ حق کرنے والوں کے انجام سے سبق نہیں سیکھتے اور ضد کرتے ہوئے خسارے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ اللہ کا عذاب ویسا نہیں ہوگا، جیسے انسانوں کی مجوزہ سزائیں ہوتی ہیں، وہ المناک عذاب ہوگا، جو دکھ کے اعتبار سے بھی انتہائی ہوگا اور مدت کے اعتبار سے بھی انتہائی ہوگا۔

حاصل: آگ کے ساتھ سزا دینے کا حق صرف اللہ کو ہے، اور یہ سزا جزا کے اعلان کے بعد دی جائے گی۔ دوزخ کی آگ کا سامان، انسان دُنیا میں کیئے ہوئے بُرے اعمال کی صورت میں اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ وقف لازم

اور انہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا حال سنائیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان فرشتے تھے، ان مہمانوں کا حال سنانے والے شاہدِ اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، منشا یہ ہے، کہ فرشتوں کو بھیجنے والا، انہیں جس جگہ اور جس کام کے لئے بھیجتا ہے، وہ اس جگہ وہی کرتے ہیں جس کے کرنے کا انہیں امر دیا گیا ہوتا ہے۔ ماضی کے واقعات، سننے والوں کے لئے یہ اہمیت رکھتے ہیں کہ ان سے سبق حاصل ہوتا ہے، اور سننے والے، اپنے مقام کو، اپنی قدرت

کو صحیح تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اتمام حجت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔

حاصل: مہمان کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا جان کر، اس کی تکریم کرنی چاہیے۔ ماضی کے واقعات کو اس منشاء کے ساتھ بیان کرنا چاہئے کہ سننے والے ان سے فائدہ اٹھائیں۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب وہ آپ کے پاس آئے، پھر سلام عرض کیا۔ فرمایا ہمیں تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

فرشتوں کا لباسِ بشری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا، سلام عرض کرنا، اپنے اندر ایک بڑی خبر رکھتا تھا۔ جب بھی کسی قوم پر عذاب کا نزول ہوا، تو اس سے کچھ دیر پہلے، اس قوم میں مبعوث کئے گئے نبی کو مع اس کے ایمان والے ساتھیوں کے، اس مقام سے الگ کر دیا جاتا تھا، جہاں عذاب آنے والا ہوتا تھا۔ ڈر کی نوعیت واضح تھی، اور آپ نے اس کا اظہار بھی کیا۔

حاصل: مہمانوں کی عزت افزائی کے ساتھ، ان کی تشریف آوری کا منشاء بھی معلوم کرنا چاہئے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾

کہنے لگے، ڈریئے گا نہیں، ہم آپ کو علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احساس بالکل بجا تھا، کہ یہ فرشتے جس طرح بھیجے گئے ہیں، یہ کسی اتمام حجت کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ فرشتوں نے یہ کہا: حضرت ڈریئے نہیں، آپ کے لئے تو ہم یہ بشارت لائے ہیں، کہ آپ کے ہاں علم والا بیٹا پیدا ہوگا، جو منصب نبوّت پر فائز ہوگا۔

حاصل: کسی جگہ ہماری آمد معمول سے ہٹ کر ہو، تو ہمیں میزبان کو اپنی آمد کا منشاء بتانا چاہئے۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

فرمایا، کیا اس بڑھاپے میں تم مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو، یہ کیسی بشارت دے رہے ہو۔

قدرتِ الٰہی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام، شاہد کی حیثیت سے خوب جانتے تھے، بشارت کو روشن کرنے کے لئے، عطائے الٰہی کی شان کو بلند کرنے کے لئے، آپ نے یہ فرمایا: اولاد کی بشارت یقیناً باعث راحت ہے، مگر پیرانہ سالی میں یہ خوشخبری بہت عجیب لگتی ہے۔ یہ بشارت، ظاہری اسباب کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھنی چاہئے۔

حاصل: ربّ ودود کی شان کو روشن کرنے سے ماحول منوّر ہوتا ہے، لوگ موجود اور مقصود میں فرق دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾

کہنے لگے، ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دی ہے، تو آپ ناامیدوں سے نہ ہوں۔

فرشتوں کو جو حکم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، وہی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام معطیٔ مطلق کی شان کو روشن کرنے کے لئے، اپنی پیرانہ سالی کا ذکر کر رہے تھے۔ باقی ارکان جو بقائے نسل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بھی آپ کی نظر میں تھے۔ حیرت کا اظہار، ایسے موقع پر تقاضاء عبدیت بن جاتا ہے، مگر مخلصین کے ہاں مایوسی کسی درجہ میں بھی موجود نہیں ہوتی۔ فرشتوں نے وہی کہا جو ان کے علم میں آ سکتا تھا۔

حاصل: فرشتے مقامِ بشریت کو اتنا ہی جانتے ہیں، جتنا انہیں علم دیا گیا ہے۔ جن کی حسنِ نیت کا یقین ہو، ان کے الفاظ بھی بھلے ہی لگتے ہیں۔

قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ فرمایا، اپنے ربّ کی رحمت سے کون ناامید ہو، مگر وہی جو گمراہ ہوئے۔

فرشتوں کے بیان کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے ربّ کی رحمت کی امید رکھنا ایمان کے لوازمات سے ہے۔ اسباب یقیناً امرِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ امید مسبب سے ہوتی ہے، اور اس کی مطلق قدرت کے حوالے سے ہوتی ہے۔ گمراہ صرف اسباب کو مانتا ہے، اس لئے وہ مایوسی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

حاصل: اپنے ربّ کی رحمت کی طلب بھی رکھنی چاہئے، امید بھی رکھنی چاہئے، اللہ کی رحمت سے مایوسی گمراہی کی نشانی ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ فرمایا: اے فرشتو تمہیں کس مہم پر بھیجا گیا ہے۔

علم والے بیٹے کی بشارت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے باعثِ راحت ہوئی، مگر آپ کو یہ علم بھی تھا کہ یہ فرشتے صرف اسی مقصد کے لئے نہیں بھیجے گئے، اس لئے آپ نے فرستادگانِ الٰہی سے پوچھا، وہ مہم کیا ہے، جس پر آپ سب کو بھیجا گیا ہے۔

حاصل: مہمان سے پوچھنا چاہئے کہ آپ کی تشریف آوری کا منشاء کیا ہے، یہ منشاء معلوم ہو تو میزبان اپنا حق ادا کر سکتا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ کہنے لگے، ہمیں قومِ مجرمین کی طرف بھیجا گیا ہے۔

فرشتوں نے جواب دیا، کہ ہمیں قومِ مجرمین کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہ مجرم لوگ کون تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کا علم تھا۔ اس قوم کی ہلاکت کی خبر سن کر حضرت کو رنج ہوا، حالانکہ آپ اس قوم کی بداعمالی کو جانتے تھے۔ قوم لوط کا جرم اور انہیں عمل کے لئے دیئے گئے وقت کا پورا ہو جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تھا۔

حاصل: مہمان کو اپنی آمد کا منشاء بتانا چاہئے۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ مگر آلِ لوط۔ ان سب کو ہم نجات دینگے۔

فرشتوں نے اپنی آمد کا منشاء بیان کرتے ہوئے بتایا، کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس قوم کے اس حصے کو جسے آلِ لوط بتایا گیا ہے، نجات حاصل ہوگی۔ آل میں وہ سب شامل ہوتے ہیں، جو عملاً ساتھ رکھتے ہوں۔ قول کی حد تک ساتھ، دعوے کا درجہ رکھتا ہے، عملاً ساتھ اسی صورت میں ہوسکتا ہے، جب رشتۂ محبت استوار ہو جائے۔

حاصل: آل میں وہ سب شامل ہوتے ہیں، جو عملاً ساتھ رکھتے ہوں۔ یہی ''ساتھ'' عذاب سے نجات کا باعث بنتا ہے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۶/۴

سوائے آپ کی عورت کے، کہ اسے ہم پیچھے رہ جانے والوں میں ٹھہرا چکے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، اپنے کفر کے سبب، نجات پانے والوں میں شامل نہیں ہو پائے گی، وہ اپنے کافرانہ رویّے کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس پر عمل درآمد کرنا فرشتوں کے ذمے ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں نے اپنا جواب ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

حاصل: ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کا وقت آجائے، تو فیصلہ اس معیار سے ہوتا ہے کہ کس کس کو شاہد سے محبت ہے اور کس کس کو نہیں ہے۔

شہادت: سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اور اپنے ربّ کی طرف رجوع لاؤ، اور اسے ماننے والے بنو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر تمہاری مدد نہ ہو۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ۙ

پھر جب فرشتے لوط (علیہ السلام) کے ہاں پہنچے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سے فراغت کے بعد، امرِ الٰہی کے مطابق فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ امرِ الٰہی کی تعمیل میں فرشتے، کسی لحاظ سے کوتاہی نہیں کرتے۔ جس مقام پر، جس وقت، جس صورت میں پہنچنے کا حکم ہو، اس کی کماحقہٗ تعمیل کرتے ہیں۔

حاصل: حکم دینے والے نے ترجیحات کا فیصلہ کر دیا ہو، تو ماننے والے کو ان ترجیحات کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

فرمایا، آپ لوگ اجنبی لگتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے ان مہمانوں کو اپنے ہاں دیکھ کر اس لحاظ سے راحت پائی کہ اظہارِ عبدیت میں مہمان نوازی کا موقعہ ملا ہے، مگر آپ کو یہ دکھ بھی ہوا، کہ ان اجنبی لوگوں کو یہ معلوم نہیں، کہ یہ کن لوگوں کی بستی میں آگئے ہیں، ان لوگوں سے یہ بستی والے کیسا سلوک کریں گے۔ ان اجنبی لوگوں کو یہاں آنے سے پہلے اس بستی کے مکینوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے تھا، کہ ان لوگوں کی عادات کیا ہیں، خصائل کیا ہیں۔

حاصل: کسی جگہ جانے سے پہلے وہاں کے رہنے والوں کے خصائل معلوم کرنے چاہئیں۔ میزبان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مہمان کی ذاتی سلامتی کا اہتمام کرے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ کہنے لگے، بلکہ ہم وہی لے کر آئے ہیں، جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے، لباسِ بشری میں آنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا، کہ جس عذاب سے آپ ان لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے، اور جس کے آنے میں ان لوگوں کو شک تھا ہم وہی عذاب لے کر آئے ہیں۔

حاصل: جو بھیجنے والے کے حکم کے تحت آیا ہو، اس پر لازم ہے، کہ وہ اپنے بھیجنے والے کے حکم کے مطابق بات کرے۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم آپ کے پاس حق لائے ہیں، اور ہم صادق ہیں۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے یہ کہا، کہ جس حق کی آپ تبلیغ کرتے رہے ہیں، اس کا ایک حصہ بشارت پر مشتمل تھا، دوسرا انذار پر مشتمل تھا۔ اس قوم نے وہ راستہ اختیار کیا ہے، جس کے برے انجام سے آپ ان لوگوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ حکم خداوندی کے مطابق اس قوم پر اس انجام کو ڈالنے کے لئے، ہمیں بھیجا گیا ہے، اور جو کچھ ہم نے کہا ہے، اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس میں کسی ردّ و بدل کا مقام نہیں آسکتا۔

حاصل: پیغام لانے والے کو پیغام بھیجنے والے کے حکم کے مطابق بات کرنی چاہئے۔ مدد سے فائدہ اٹھانے کے لئے مدد کرنے والے کی صداقت کا یقین رکھنا ضروری ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ تو کچھ رات رہے، اپنے اہل کو لے کر نکل جایئے، اور آپ ان کے پیچھے رہئے، اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور جایئے جہاں جانے کا آپ کو امر ہوا ہے۔

باقاعدگی کے ساتھ رات کے آخری حصے میں وہی لوگ جاگتے ہیں، جو مخلصین کی طریقت کو باعثِ راحت جانتے ہیں۔ یہ وقت مجرمین کے جاگنے کا نہیں ہوتا۔ پاک لوگوں کو، ناپاک لوگوں سے دور لے جانے کا وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا، طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا، اور وہ مقام جہاں جلدی پہنچنے کا حکم تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح کر دیا گیا۔ خطرے کے مقام سے ساتھیوں کو دور لے جانا ہو، تو ان کے پیچھے رہنے سے، ان کے رخ کو ٹھیک رکھا جا سکتا ہے، ان کی رفتار کو درست رکھا جا سکتا ہے۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے سے یہ ثابت ہوگا، کہ حکم خداوندی کے مطابق، اس جگہ کے رہنے والوں سے، اس جگہ سے جانے والوں نے، اپنا تعلق ختم کر لیا ہے۔ ماضی کے تعلقات، جن کو ختم کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو، ختم کر دیئے جائیں تو موجودہ قوت کا استعمال بہتر طریقے پر ہونے لگتا ہے۔ جس مقام تک عذاب الٰہی کے اثرات ہو سکتے تھے، وہاں سے ایک فاصلے پر سلامتی کے مقام کا تعین کر دیا گیا تھا، اور وہیں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

حاصل: خطرے کے مقام سے ساتھیوں کو دور لے جانے کا علم، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ رہنمائی کرنے والے کی

اطاعت میں بالکل کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کا بتایا ہوا وقت، آپ کا بتایا ہوا طریقہ، اور آپ کی بتائی ہوئی منزل، سب کچھ بلا چون وچرا ماننا چاہیے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ اور ہم نے اُنہیں یہ فیصلہ پہنچا دیا، کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

حضرت لوط علیہ السلام کو فرشتوں نے بتایا، کہ خدائی فیصلہ اس قوم کے متعلق یہ ہے کہ انہیں جو مہلت دی گئی تھی وہ ختم ہونے والی ہے، اور صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی، اور یہ اپنے کیے کے انجام کو پالیں گے۔

حاصل: انجام سے آگاہی ہو اور عنقریب ظالموں کی جڑ کٹ جانے کا علم ہو، تو حال پر ان سے پہنچنے والے دکھ کی شدت میں کمی ہو جاتی ہے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اور شہر والے، خوشیاں مناتے آئے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، بے حیائی میں کس حد کو پہنچ چکی تھی، اس کو واضح کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں چند خوبصورت جوانوں کے آنے کی خبر نے انہیں بے چین کر دیا، اور اوباشوں کا ایک ہجوم، پاک رہنے والے، اور پاکیزگی کی تعلیم دینے والے لوط علیہ السلام، کے مہمانوں کو اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے امنڈ آیا اور حضرت کے پاک گھر میں آ کر اس ہجوم نے اس بے حیائی کا مظاہرہ کیا، جو اس سے پہلے کہیں نہیں ہوا تھا، اس کے بعد بھی کہیں نہیں ہوگا۔ ان اوباشوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا، کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو، ہم جو کرنا چاہتے ہیں، آپ کو اس کا علم ہے۔

حاصل: اللہ کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت میں کبھی غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والوں کو کبھی مدد نہیں دینی چاہیے۔ جلوت میں پاک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ خلوت میں پاک رہا جائے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ فرمایا، یہ میرے مہمان ہیں، تو مجھے فضیحت نہ کرو۔

کسی کے مہمان کے ساتھ زیادتی ہو، تو یہ میزبان کے لئے دکھ کا باعث ہوتی ہے۔ اس قوم نے بے حیائی کا یہ راستہ اختیار کر رکھا تھا، کہ اجنبی لوگوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کے انجام سے بالکل آگاہ تھے، مگر آپ نے اپنے حق کی ادائیگی کو جاری رکھا، اور یہ فرمایا: یہ میرے مہمان ہیں، تمہارا ان کے ساتھ زیادتی کا ارادہ ہی میرے لئے شرمندگی کا باعث ہے۔

حاصل: آدابِ معاشرت میں مہمان کی عزت افزائی کا بڑا مقام ہے۔ قُرب وجوار والوں کو مہمان کے سامنے، میزبان کی عزت افزائی کرنی چاہیے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ اور اللہ سے ڈرو، اور مجھے رُسوا نہ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے، اپنی قوم کو بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا، تو یہ فرمایا، کہ اللہ سے ڈرو۔ تم اس حد کو پھلانگ رہے

ہو، جس سے واپس آنا بھی ممکن نہ ہوگا، اور تم ایسی گرفت میں آجاؤ گے، کہ جس سے بچ نکلنا بھی تمہارے بس میں نہ ہوگا۔ میرے مہمانوں کے ساتھ، برائی کا ارادہ ظاہر کر کے، تم نے بدتمیزی کی حد کر دی ہے۔ میں تو تمہاری بھلائی چاہتا ہوں، اور تم مجھے رسوا کر رہے ہو۔

حاصل: حق کی ادائیگی کے لئے جو لمحات میسر ہوں، ان کے خاتمے تک، حق کی ادائیگی کو جاری رہنا چاہئے۔ اتمامِ حجت، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ عبداللہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت کا ادب کرے اور جلد بازی نہ کرے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۰ کہنے لگے، کیا ہم نے آپ کو اوروں کی حمایت سے منع نہیں کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے آپ کو یہ جواب دیا، جس رسوائی کا آپ ذکر کر رہے ہیں، یہ رسوائی آپ کی آوردہ ہے۔ ہم نے آپ کو واضح طور پر منع کیا تھا، کہ ہم اپنی قوم کے علاوہ لوگوں کے ساتھ جو بھی کریں، آپ کسی مظلوم کی حمایت نہیں کریں گے۔ ہم اوروں کو رُسوا کرنے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔ جو جہان کی حمایت کو اپنا حق جانے گا، اس کے ساتھ ہمارا رویہ کیسے ٹھیک رہ سکتا ہے۔

حاصل: ظالم لوگ، بے حیائی کے ارتکاب کو بھی اپنے تعارف کا حصہ بنا لیتے ہیں، اور اپنی قوم کی بڑائی ثابت کرنے کے لئے اپنی قوم کے پاک لوگوں کو حق کی تائید سے روک دیتے ہیں۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۷۱ؕ فرمایا، یہ سب میری بیٹیاں ہیں، اگر تمہیں کرنا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی طرف سے، اپنی قوم کے لئے جو کچھ فرمایا گیا، اس کا آخری حصہ یہ ہے، کہ قضائے شہوت کے لئے اللہ کی مقرر کی ہوئی راہ کو اختیار کرو۔ عورتیں بھی صرف قضائے شہوت کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، ازدواجی زندگی کا منشاء بقائے نسل ہے، اور اگر قضائے شہوت ہی کرنی ہے، تو عورتوں سے کرو، یہ تمہارے پاس موجود ہیں۔

حاصل: جس کو غلط راہ سے روکا جائے، اس کو صحیح راہ دکھانی بھی ضروری ہے، ورنہ بات ادھوری رہ جاتی ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲ آپ کی عمر کی قسم، وہ اپنی مستی میں بھٹک رہے ہیں۔

اظہارِ محبت میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے، کہ ان بے حیا لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت کو سن کر آپ کا مذاق اڑایا۔ قوت کے نشے میں یہ لوگ بدمست ہو رہے تھے۔ شہوت پرستی نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔ اللہ کے رسول کو ان کے انجام سے آگاہی تھی۔ وہ اپنی طرف سے پورا پورا حق ادا کر رہے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کو استکبار میں گنوایا جا رہا ہو، تو مستی میں اندھے ہو جانے کے علاوہ، راستہ ہی کون سا رہ جاتا ہے۔

حاصل: اظہارِ محبت میں قسم تبھی کھائی جائے، جب اللہ تعالیٰ کی معیت کا شرف ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوت کو استکبار میں ضائع کیا جا رہا ہو، تو اس بدمستی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝۷۳ۙ تو صبح ہوتے ہی انہیں چنگھاڑ نے آ پکڑا۔

وہ لوگ بے حیائی کے ارتکاب میں تمام حدود کو پھلانگ گئے تھے، شہوت پرستی میں اندھے ہو رہے تھے۔ وہ لوگ جو پاکیزگی کا مذاق اڑایا کرتے تھے، اللہ کے رسول نے ان کے انجام سے انہیں ضرور آگاہ کر دیا تھا۔ جب پاک لوگ اس بستی سے نکل گئے، اور حکم خداوندی کے مطابق محفوظ مقام پر پہنچ گئے، تو اس بستی کو عذابِ الٰہی نے آ پکڑا، پھر وہ طاقت جو ان کی بدمستی کا باعث تھی، انہیں بچا نہ سکی۔

حاصل: عذاب الٰہی کے سامنے، کسی قوتِ مدافعت کا کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۷۴﴾ پھر ہم نے اسے تلپٹ کر دیا، اور ہم نے ان پر سجیل کی قسم کے پتھر برسائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی پاکیزگی کا مذاق اڑانے والوں کو عذابِ الٰہی میں پکڑ لیا گیا، تو بربادی یوں اس بستی پر مسلط ہوگئی کہ اس کا اوپر، نیچے ہو گیا، اور اس کا نیچے اوپر ہو گیا۔ اس خطہ کے تلپٹ ہو جانے کے بعد، جس میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پاک ساتھیوں کو نکال لیا گیا تھا، عذابِ الٰہی ختم نہیں ہوا، بلکہ اس پر پتھروں کی ایک قسم کی بارش ہوتی رہی، اور کنکروں پتھروں کی یہ بارش اس قدر رہوئی کہ یہ خطہ ان سے ڈھانپ دیا گیا۔

حاصل: عذابِ الٰہی، جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتا ہے، اور مجرمین کی بیخ کنی کے بعد ایک وقت تک جاری رہتا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ بے شک اس میں دھیان کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

دھیان کرنے والے لوگ وہ ہوتے ہیں، جو کسی واقعہ کو سن کر اس سے درست نتیجہ اخذ کرتے ہیں، اور ان کا اخذ کردہ نتیجہ انہیں حال پر، حق کی احسن ادائیگی میں مدد دیتا ہے۔ اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ بے حیائی خلوت سے شروع ہوتی ہے، بے حیائی کا ارتکاب کرنے والوں سے نرمی برتی جائے تو بے حیائی بڑھتی رہتی ہے، اور بڑھتے بڑھتے جلوت میں آ جاتی ہے۔ طاقت کا استعمال جہاں بھی ہو، خوفِ خدا کے ساتھ ہو تو رخ فلاح کا ہوتا ہے ورنہ خسارے کا ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی، حق کو ماننا فائدہ دیتا ہے۔ اس وقت میں فلاح کی راہ دکھانے والے ضرور موجود ہوتے ہیں۔ انسانی خواہشات پر تعمیر ہونے والا نظامِ حیات، انجام کے اعتبار سے ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

حاصل: کسی واقعہ سے سبق لینا، دھیان کرنے والوں کی طریقت ہے۔ اپنی حیثیت کو قدرتِ الٰہی کے سامنے دیکھ لینے سے اپنا رُخ درست رکھا جا سکتا ہے۔

وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اور بے شک وہ بستی چلتی راہ پر ہے۔

جس بستی پر عذاب نازل ہوا، اور جس میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قبل عذاب نکال لیا گیا، وہ بستی ایسی راہ پر ہے، جو قائم ہے، اس لئے اس راستے سے گزرنے والوں کو مشاہدے کا موقعہ مل سکتا ہے، اور وہ دیکھ سکتے ہیں، کہ قوت کے اعتبار سے ان

لوگوں کا مقام کیا تھا، ان کے مساکن کیسے تھے، طرزِ معاشرت کیا تھا، اور اللہ کے رسول کے ساتھ، گستاخی اور بے حیائی کا رویہ رکھنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

حاصل: آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر اسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے، کہ مکذبین کی عاقبت کبھی اچھی نہیں ہوئی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ بے شک اس میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔

آثارِ قدیمہ کو دیکھ کر لوگ اپنی اپنی سوجھ کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہیں، جزا کا انکار کرنے والے اسبابِ عذاب کو حفاظتی تدابیر میں کوتاہی کے مقام پر دیکھتے ہیں، اور اپنے ہاں ہونے والی برائی کو مزید تقویت دینے لگتے ہیں۔ جزا پر یقین رکھنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ اتمامِ حجت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے، تو عبرتناک انجام پیچھے آنے والوں کے لئے بڑی نشانی کا درجہ رکھتا ہے، یہ نشانی بندے کو اپنے رخ کے ٹھیک رکھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

حاصل: مومنین کا زاویۂ نگاہ درست ہوتا ہے، اس لئے ان کا مشاہدہ صحیح ہوتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ اور بے شک بَن والے ظالم تھے۔

بَن والے، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے۔ ان کا چلن یہ تھا، کہ لوگوں کو ان کی اشیاء میں گھاٹا دیتے تھے۔ ناپ اور تول کو پورا نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا تو انہوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی، اور حق کو ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ جن لوگوں کو خلافِ حق کرنے میں راحت ہو، وہ حق کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنا ظلم ہے، اور ظالم کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾ تو ہم نے ان سے انتقام لیا، اور بے شک وہ دونوں بستیاں کھلے راستے پر پڑتی ہیں۔ وقف لازم ع ۵ ۱۹ ۵

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے حق کی تکذیب کی، اور اللہ کے رسول کو اپنی بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ انہوں نے یہ بھی کہا، کہ اگر آپ اور آپ کے ساتھی ہماری ملت میں لوٹ آئیں، تو آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں حق کی تکذیب سے کراہت ہوتی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جس عذاب سے اپنی قوم کو آگاہ کیا تھا، وہ اس قوم پر پڑ گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے بربادی کے آثار، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بربادی کے آثار، راستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ ان آثارِ قدیمہ میں درسِ عبرت موجود ہے۔ اس عبرت سے فائدہ مومنین ہی اٹھاتے ہیں۔

حاصل: جب اللہ انتقام لینے والا ہو، تو پھر خسارے سے بچ جانا ممکن ہی نہیں رہتا۔ حال پر اصلاح کو قبول کرنے سے ہی بھلائی حاصل ہو سکتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ تو وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے دل منکر ہیں، اور وہ استکبار کرنے والے ہیں۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ اور بے شک حجر والوں نے مرسلین کی تکذیب کی۔

حجر والوں میں حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ ان لوگوں سے پہلے جس رسول کی قوم پر اللہ کا عذاب پڑا تھا یہ ان میں سے بچ رہنے والوں کی ذریت تھے۔ یہ لوگ اپنے ماضی کو بھی بھلا بیٹھے، حال پر انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا انکار کیا، اور یہ کہا، کہ اگر آپ مرسلین سے ہیں، تو وہ عذاب لاکر دکھائیں، جس کا ڈر آپ سناتے رہتے ہیں۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ ان لوگوں کو ماضی میں مرسلین کی تعلیمات کا پتہ تھا۔

حاصل: مخلصین کا مقصود ایک ہوتا ہے، اس لئے ان کا وجود معنوی اعتبار سے ایک ہوتا ہے۔ حال کا انکار، ماضی کا بھی انکار ہوتا ہے۔ انتہائی جہالت یہی ہے کہ عذابِ الٰہی کو حق کے ماننے کے لئے شرط بنایا جائے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ اور ہم نے انہیں اپنی نشانیاں عطا فرمائیں تو وہ ان سے اِعراض کرنے والے ہی ہوئے۔

حجر والوں نے، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو اس طرح دیکھا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھ سکتے تھے، مگر وہ استکبار میں اس طرح مبتلا تھے، کہ حق سے منہ پھیرے رکھنے کا رویہ ان کا معمول رہا۔ اپنی ذات میں، اپنے کمال کے حوالے سے اگر اعتماد بڑھتا رہے، اور اس عروج کے لئے، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب کو اہمیت دینے کی بجائے، اپنی ذات میں خوبی دیکھنے کو اپنا معمول بنالیا جائے، تو حق سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

حاصل: نورِ ہدایت کے حصول کے لئے نشانیاں ضرور عطا ہوتی ہیں۔ مگر حق سے اِعراض کرنے والے نامراد ہی رہتے ہیں۔

وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ اور وہ پہاڑوں میں، آسانی کے ساتھ گھر تراش لیتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، مہارت میں بڑا بلند مقام رکھتی تھی۔ پہاڑوں کو آسانی کے ساتھ تراش کر گھر بنالینا، ان کی قوت، ان کے فن، اور ان کی بنائی ہوئی چیزوں کے دیرپا ہونے کا ثبوت ہے۔ مضبوط عمارات بنانے والوں کو یہ زُعم ہوجائے کہ عذابِ الٰہی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، تو اس سے بڑی غلط فہمی اور کیا ہوسکتی ہے۔

حاصل: اپنی قوت کو، اپنے فن میں مہارت کو، اور اپنی تخلیق میں خوبی کو، دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، ورنہ غرور کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّیۡحَةُ مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ تو صبح ہوتے، انہیں چنگھاڑ نے آلیا۔

ثمود پر صبح ہوتے ہی ایک چنگھاڑ کی صورت میں عذاب آیا، اور یہ لوگ بجھ کر رہ گئے۔ ان کی قوت، اللہ کی قوت کے سامنے کیا حقیقت رکھتی تھی۔ ان کا علم، اللہ کے علم کے سامنے کیا حقیقت رکھتا تھا۔ عذاب کرنے والے وحدہٗ لاشریک کی ایک آواز نے، وہ ارتعاش پیدا کیا، کہ کسی بھی مقام پر اعتدال باقی نہ رہا۔

حاصل: جس کے علم سے اعتدال قائم رہتا ہے، اس کی ایک آواز اسے ختم کرنے پر قادر ہوتی ہے۔

فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۴﴾ پھر انہیں کچھ کام نہ آیا، جو کسب وہ کرتے تھے۔

وہ مستحکم عمارات، وہ جسمانی قوت، اور وہ اسباب ووسائل جو ثمود کا طرۂ امتیاز تھے، ان میں سے کچھ بھی عذابِ الٰہی کے سامنے ڈھال نہ بن سکا۔ ایک آواز نے ان لوگوں کا کام تمام کر دیا۔

حاصل: اسباب پر انسان کا اختیار بڑے محدود وقت کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ کا اختیار ماضی میں بھی تھا، حال پر بھی ہے، مستقبل میں بھی ہوگا۔ اسباب کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ مالکِ کل راضی ہو، فلاح کی صرف یہی صورت ہے۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِیۡلَ ﴿۸۵﴾

اور ہم نے ارض وسماوات کو اور جو ان کے درمیان ہے محض حق کے ساتھ خلق فرمایا ہے۔ اور ساعت یقیناً آنیوالی ہے۔ تو ان سے اچھی طرح درگزر کیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے یوں خلق فرمایا ہے، کہ سب مقامات حق سے منور ہیں۔ جو کسی مقام پر خلافِ حق کرنے کا مرتکب ہوگا، وہ گرفت سے بچ کر کہاں جائے گا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد قیامت یقیناً آنے والی ہے، پھر ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ ہر ایک اس وقت کی طرف بڑھ رہا ہے، جس میں اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ لوگوں سے اچھی طرح درگزر کرنے کی اعلیٰ اور احسن صورت وہی ہے، جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی بھی مقام پر موجود ہے۔ حق کی ادائیگی کے ساتھ اجر کا سوال نہ ہو، اور اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کو باذنِ اللہ جانا جائے، تو درگزر کرنے کا حق ادا ہو جائے گا، اور شاہدین کی طریقت کے مطابق ادا ہو جائے گا۔

حاصل: مقام کوئی ہو، حق کو ادا کرنا شانِ عبدیت ہے۔ ہر ایک جزا کے دن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ درگزر کرنا تعلق مع اللہ کو ثابت کرتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۸۶﴾ بیشک تمہارا ربّ بڑا پیدا کرنے والا، علم والا ہے۔

بعث بعد الموت کو ناممکن جاننے والوں پر واضح فرمایا جا رہا ہے، پہلے بھی اللہ نے خلق فرمایا ہے، اسے پھر بنانا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بڑی کیا تخلیق ہو سکتی ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی شے کا خلق فرمانے والا، اس شے کے منشا تخلیق کا جاننے والا ہے، اس کے اجزاء ترکیبی کو جاننے والا ہے، اس شے کے افعال کو جاری رکھنے والا ہے، اس شے کے تسلسل کو جاری رکھنے والا ہے۔ یہ علم اللہ کی شان کے لائق ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: بعث بعد الموت کا یقین رکھنا چاہئے۔ اللہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہوتا، یہ یقین ہمارے عمل سے ظاہر ہونا چاہئے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾

اور ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیتیں اور قرآنِ عظیم عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی عطائے بے بہا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ سات دہرائی جانے والی آیتیں، سورۃ فاتحہ کی ہیں۔ یہ سات آیتیں نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اظہارِ عبدیت کا علم، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے، اور یہ علم بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ بندے کا منشا تخلیق تبھی پورا ہو سکتا ہے، جب وہ اپنے خالق کی رضا کے لئے اپنے قول کو سدید بنائے، اور اپنے قول کو سدید بنانے کے لئے سورۃ فاتحہ کی سات آیتوں کو دہراتے رہنا ضروری ہے۔ ان سات آیتوں کے پڑھنے سے جو جو حق پڑھنے والوں پر عاید ہوتے ہیں، ان کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، مگر ان آیتوں کا بار بار پڑھا جانا بھی ضروری ہے۔ مومنین کے ہاں جب بھی کچھ پڑھا جائے، سورۃ فاتحہ اسکا جزو لازم ہو، اس سے اللہ کی رحمت اور اس کی برکات شامل حال ہو جاتی ہیں۔ سورۃ فاتحہ سات آیات، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ ہیں۔

حاصل: سورۃ فاتحہ کو کثرت سے پڑھتے رہنا چاہئے۔ قول درست ہو، تو عمل درست ہوتا ہے، اور قول تبھی درست ہوتا ہے، جب ان سات آیتوں کو بار بار پڑھا جاتا رہے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾

اُس متاع کو نظر میں نہ لائیے، جو ان میں سے کچھ لوگوں کو دی گئی ہے، اور نہ اُن کا غم کھائیے۔ اور مومنین کے لئے اپنے پہلو کو جھکائیے۔

کافروں کو جو متاع حیات، دُنیا میں حاصل ہوتی ہے، اس متاع کو خلافِ حق استعمال کرنے میں وہ کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ اس عمل کے منفی نتائج بھی دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ اسی عطا کو اگر حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو بڑے لوگوں کی بھلائی ہو سکتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے، اسی متاع کو جو انہیں حاصل ہوتی ہے، عند اللہ صاحبِ مقام ہونے کی سند جانتے ہیں، جو قطعاً درست نہیں۔ متاع کو معلم کتاب وحکمت کے اتباع میں استعمال کیا جائے، تو یہ ضرور عند اللہ مقبول ہونے کی سند ہے۔ منکرین حق کا غم کھانے میں جو قوت صرف ہو رہی ہو، اسے مومنین کی بھلائی کے لئے استعمال ہونا چاہئے۔ مومنین کے مسائل ذاتی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے ہوں، وہ اصلاح کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، اس لئے ان کی خدمت بہت بڑا کام ہے۔

حاصل: وہ متاع جو خلافِ حق استعمال ہو رہی ہے، اپنے استعمال کرنے والے کے لئے خسارے کا باعث ہی ہوتی ہے۔ منکرینِ حق کا غم کھانے کی بجائے مومنین کی خدمت کرنی چاہئے۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ فرمادیجیئے میں تو صریحاً ڈر سنانے والا ہوں۔

حق کو پہنچا دینا بہت بڑا کام ہے۔حق کے انکار کی صورت میں کن نتائج کا سامنا ہوگا،ان کو واضح کرنا،نذیر کی شان کے لائق ہے۔کوئی انذار سے فائدہ اٹھائے تو اسی کا بھلا ہوگا،کوئی فائدہ نہ اٹھائے تو خسارے میں بھی وہی پڑے گا۔

حاصل: حق کی ادائیگی کے بعد،حاضرین،ناظرین سے اپنا تعلق واضح کر دینا چاہیئے۔جو اصلاح کو قبول نہ کرے وہ مصلح سے اپنا راستہ الگ کر لیتا ہے،یہ دوری دوزخ پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ جیسا کہ ہم نے بانٹنے والوں پر نازل فرمایا۔

یہ سابقہ امتوں کا ذکر ہے،جنہوں نے حکمِ خداوندی کو اپنی خواہشات کے حوالے سے تقسیم کر ڈالا۔جس بات کو انہوں نے اپنی منشاء کے مطابق پایا،اس کو مان لیا،جس بات کو اپنی منشاء کے خلاف پایا اس کا انکار کر دیا۔حکمِ خداوندی کی ادب سے تعمیل ہو،تو حقِ بندگی ادا ہوتا ہے،اور حکمِ خداوندی کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرنے والے،خود ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔

حاصل: حکمِ خداوندی کو کبھی اپنی پسند کے تابع بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ایسا کرنے والوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ جنہوں نے کلامِ الٰہی کے حصے بخرے کر دیئے۔

جن لوگوں نے کلامِ الٰہی کو اپنے شاہد کے حوالے سے نہیں پڑھا،وہ کلامِ الٰہی کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھا کرتے ہیں۔وہ اس کے بعض حصوں کو مانتے ہیں اور اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔کلامِ الٰہی اس لئے سند کا درجہ رکھتا ہے کہ وہ علیمِ مطلق کا ارشاد ہے۔جو اس کے حصے بخرے کرنے کا رخ اختیار کرے وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔

حاصل: فرمانِ خداوندی کے کسی جُز کا انکار،کُل کا انکار ہوگا۔ماننے کی ایک ہی صورت ہے،کہ شاہد کے حوالے سے مانا جائے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ تو آپ کے ربّ کی قسم،ہمیں اُن سے پوچھنا ہے۔

جن لوگوں نے کلامِ الٰہی کے حصے بخرے کئے،بعض کو مانا اور بعض کا انکار کیا،ان سے قیامت کے دن ان کے اس رویئے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔توفیق دینے والا پوچھے گا،کہ حق چھپانے،اور اپنی اغراض کے لئے تحریف کرنے سے تمہیں کیا ملا۔جب پوچھنے والا وہ ہو،جس سے کچھ مخفی نہیں ہو سکتا،اور جس کے حکم سے انسانی اعضا بھی گواہی دینے لگیں گے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا گیا تھا،تو پھر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اس پوچھ کو یاد رکھا جائے،اور اس آگاہی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

حاصل: اپنے رویئے کے متعلق یہ یقین ہو،کہ ہمیں اس کے بارے میں پوچھا جائے گا،تو حسنِ عمل برقرار رہتا ہے۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ جو عمل وہ کرتے تھے۔

جس نے خلافِ حق کیا، وہ اپنے منشاءِ تخلیق کا انکار کرتا رہا، اس نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی، اس نے بھلائی کے بدلے برائی خریدی، ہدایت اور سُکھ کے مقابل اس نے خوف وحزن کا راستہ اختیار کیا۔ خلافِ حق کرنے والے نے جو بھی کیا، اس کے ہر عمل میں استکبار ضرور موجود تھا۔

حاصل: شیطان کے قُرب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، کہ استکبار ہمارے کسی عمل میں نہ ہو۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ تو کھول کر بیان کر دیجئے، جس کا آپ کو اَمر ہوا ہے، اور مشرکین سے اِعراض کیجئے۔

حکمِ الٰہی کو کھول کر بیان کرنا، اسی کی شان کے لائق ہے، جو اس پر منشاءِ ایزدی کے مطابق عمل کر رہا ہو۔ امرِ الٰہی کی تعمیل کرنے والے کو اگر رہنما مان لیا جائے، تو راستے کی تمام مشکلات ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ ادب کا رشتہ استوار کرنا چاہئے۔ مشرکین حق کو جان کر بھی خلافِ حق کرنے سے باز نہیں آتے، اس لئے ان سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔

حاصل: حق کو وہی کھول کر بیان کر سکتا ہے، جو صاحبِ حال ہو۔ مشرکین، جاہل ہوتے ہیں، ان سے اِعراض کرنا عطائے الٰہی کو صحیح محل پر استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ بے شک ان استہزاء کرنے والوں پر، ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حق کا مذاق اڑانے والے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے، کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جو کچھ کر رہے ہیں، تبلیغِ حق کرنے والے پر اس کا بڑا ناگوار اثر ہوتا ہے، مگر اس کا راستہ یہی ہے کہ وہ مشرکین سے اعراض کرے، اللہ تعالیٰ استہزاء کرنے والوں کو ان کے کئے کی پوری پوری جزا دینے کے لئے کافی ہے۔

حاصل: جاہل، تبلیغِ حق کرنے والے کا انکار کرتے کرتے جب اس کا مذاق اڑانے لگیں، تو وہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آنے والے ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ تو انہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

تبلیغِ حق کرنے والے کا مذاق اڑانا، مشرکین کا کام ہے۔ یہ لوگ اللہ کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر ان کا ماننا شاہد کی طریقت کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔ یکسوئی انہیں کبھی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ عمل کے لئے دیئے

گئے وقت کوختم ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔اس کے بعد انہیں معلوم ہو جائے گا، کہ وہ صریحاً خسارے میں جا پڑے ہیں۔ پھر اصلاح کو قبول کرنے کی مہلت نہیں ہوگی۔

حاصل: حق کا مذاق اڑانے والے ہمیشہ مشرک ہوتے ہیں۔خسارہ انہیں جلد ہی گھیر لیتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ اور بے شک ہمیں علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کو کوفت ہوتی ہے۔

کافروں اور مشرکوں کی باتیں، طعن و استہزاء سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ان سے نقصان بھی انہی کا ہوتا ہے، مگر جس ذات بابرکات کا منشاء لوگوں کی بھلائی ہو، اس کو لوگوں کا خسارے میں پڑنا، دکھ دیتا ہے۔اگر فلاح پانے والوں کو دیکھ کر راحت ہو، تو خسارے میں مبتلا ہونے والوں کو دیکھ کر دکھ بھی ضرور ہوتا ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والے کی نشانی کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اس کو جہالت سے کوفت ہوتی ہے، مگر وہ جاہل کی بھلائی چاہتا ہے۔جاہل، جہالت کے اظہار سے، اپنے آپ کو کاری ضرب لگا لیتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ تو حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کیجئے اور ساجدین سے ہو جیئے۔

مشرکوں کی تکلیف دِہ باتوں کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے، حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کرنا اور نماز قائم کرنا بہت ضروری ہے۔ ذکر کرتے رہنا ہر وقت فائدہ مند ہوتا ہے، مگر جاہلوں سے واسطہ ہو، تو ان سے اعراض کرنے کے بعد ذکر کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر ذکر کرنے سے شاہدین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے، ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے شاہدین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔اس ساتھ کی حقیقت فلاح ہے۔

حاصل: امرِ الٰہی کی تعمیل سے جو تائید حاصل ہوتی ہے، اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔

ع ۶ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ اور اپنے ربّ کی بندگی کرتے رہئے، حتیٰ کہ مقامِ یقین آ پہنچے۔

جو لوگ نماز نہیں پڑھتے، مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے اور فضول باتوں میں اپنا وقت گنواتے رہتے ہیں، یہ لوگ یوم الدّین کو جھٹلاتے رہتے ہیں۔جزا کا انکار کرتے کرتے یہ لوگ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لیتے ہیں۔جب موت سامنے آتی ہے تو حق کا یقین آ جاتا ہے، مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہیں دیتا۔پاک لوگوں کو حکم ہے، کہ اپنے ربّ کی بندگی کرتے رہئے، اسی بندگی میں اپنا وقت تمام کیجئے، اور حالتِ اسلام میں اس دُنیا سے رخصت ہو جیئے۔

حاصل: بندگی میں بندے کی شان ہے۔ اللہ کی بندگی ہمہ وقت ہونی چاہئے، اور تا حیات جاری رہنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے: اور جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں، کہنے لگے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے، یا ہم اپنے ربّ کو دیکھ لیں۔ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ بے شک ان لوگوں نے اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے، وہ دن مجرموں کی خوشی کا نہ ہوگا، اور کہیں گے، ہم میں اور ان میں کوئی آڑ ہو جائے رکی ہوئی۔

اٰیاتھا ١٢٨ سُوْرَةُ النَّحْلِ رکوعاتھا ١٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا امر آیا ہی چاہتا ہے، تو اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اُن سے جنہیں اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

کافروں نے بطریق تکذیب واستہزاء، عذابِ الٰہی کو طلب کیا، تو انہیں یہ جواب دیا گیا، کہ وہ آیا ہی چاہتا ہے، اس کے لئے جلدی نہ کرو، اس کے آجانے سے تمہیں خسارہ ہی ہوگا۔ تم یہ تو مان لوگے، کہ تم جو کچھ کرتے تھے وہ خلافِ حق تھا، مگر تمہیں اس وقت کا ماننا نفع نہ دے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، وہ اللہ کے امر کو ٹال نہیں سکتے، وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا بھی نہیں سکتے، پھر کس زُعم میں تم خلافِ حق کرتے چلے جارہے ہو۔

حاصل: عذابِ الٰہی کو طلب کرنے والے کبھی عقل مند نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ تعین سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس کی قدرت ہر مقام کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کے احکام کو ادب سے ماننا چاہئے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

ملائکہ کو اپنے امر سے روح کے ساتھ نازل فرماتا ہے، اپنے بندوں میں سے جن پر چاہے، کہ ڈر سنادو، کہ میرے سوا معبود کوئی نہیں، تو مجھ سے ڈرو۔

کافر یہ کہتے تھے، کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترتے، اس کے جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ فرشتوں کے نزول کا فیصلہ علمِ الٰہی سے ہوتا ہے، اس سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا۔ مقامِ نزول، احکامِ الٰہی یہ دونوں انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ کس ذاتِ بابرکات پر نزول ہوگا، اور بے حقیقت اور مردہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے کیا درکار ہے، علیمِ مطلق سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ بندوں میں سے ایک بندے کا انتخاب اور حسبِ حال روح پرور کلام، یہ دونوں کام اللہ کے ہیں۔ فیصلہ کرنے والا، سب سے بڑے علم والا ہے، اس لئے فیصلہ قطعاً واجب الاحترام ہے۔ کلام روح پرور ہے۔ جس کو باحقیقت ہونا مطلوب ہو، اس کے لئے یہ ہدایت و رحمت ہے۔ ہر رسول نے ایک ہی مقصد کے لئے حقِ رسالت ادا کیا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی توفیق دینے والا ہے، وہی جزا دینے والا ہے، ڈرنا صرف اسی سے حق ہے۔ مقصد کی یہ وحدانیت بھی، اللہ کے رسول کی ایک نشانی ہے۔ رسول اللہ ہی یہ علم عطا کرنے والے ہوئے، کہ اظہارِ عبدیت کیسے ہو۔ رسول اللہ ہی نے یہ بتایا کہ اللہ سے ڈرنے والے، کسی دوسرے کی قدرت کو وقعت ہی نہیں دیتے اور بالکل یکسو رہتے ہیں۔

حاصل: اللہ کے فیصلے کو بہترین ماننا، ایمان باللہ کا ثبوت ہے۔ ڈر سنانے کا حق اسی کو ہے، جس کے سامنے اظہارِ عبدیت میں معیار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو، اور جو اللہ کی قدرت کے سامنے کسی دوسرے کی قدرت کو وقعت نہ دے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خَلق فرمایا۔ وہ ان کے شرک سے برتر ہے۔

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ہر تخلیق سے پہلے اس کا مقصدِ تخلیق ضرور ہوتا ہے۔ خالقِ کل ہونے کا دعویٰ صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ کسی دوسرے نے یہ دعویٰ کیا ہی نہیں۔ جو کچھ اللہ نے بنایا ہے، اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، تو استعمال کرنے والا راہِ راست پر ہوگا، ورنہ خسارے کی طرف بڑھ رہا ہوگا۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، انہیں یہ گمان ہوتا ہے، کہ جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے ہیں، وہ انہیں عذاب سے بچا لیں گے۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ مقصدِ تخلیق کا تعین تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، اس کو بدلنے کی کوشش تو خلافِ حق ہوگی۔ جن کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے، وہ توفیق دینے والے نہیں ہوتے، راہِ عمل کا تعین کرنے والے نہیں ہوتے، جزا دینے والے نہیں ہوتے۔ بے مثل کا شریک ہونا، نا قابلِ تصوّر ہے۔

حاصل: آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین ہر مقام پر حق کی ادائیگی، شانِ عبدیت ہے۔ بے مثل کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ اس نے انسان کو نطفے سے خَلق فرمایا، تو جبھی وہ جھگڑنے والا، بولنے والا ہو گیا۔

انسان کو پیدا کرنے والا ہی بتا سکتا ہے، کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اس نے یہ فرمایا ہے، کہ انسان کی پیدائش نطفے سے ہوئی۔ نطفہ بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ اس کو بہت سے مدارج سے گزارا۔ اس کو شعور نصیب ہوا، اسے ارادہ کرنے کی صلاحیت دی گئی، سمجھنے اور سمجھانے کی قوت دی گئی، اور ہوتے ہوتے وہ یہاں تک پہنچا کہ اپنے پسندیدہ نظریات کو بنیاد بنا کر جن کی اس کے پاس کوئی سند بھی موجود نہیں ہوتی، جھگڑا کرنے لگتا ہے۔ بعث بعد الموت کو بعید از قیاس بتلاتا ہے، حق کے اس حصے کو درست بتلاتا ہے، جس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہو، اور اس حصے کو غلط کہتا ہے، جس سے اس کے ذاتی نظریات بے حقیقت ثابت ہوتے ہوں۔ اگر انسان اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل پر غور کرے تو جن باتوں کا وہ انکار کر رہا ہوتا ہے، ان تمام مراحل سے اس کی ذات گزر چکی ہوتی ہے۔

حاصل: جب بات حق کے مطابق نہ کی جائے گی، تو اللہ کی عطا کردہ توفیق خلافِ حق ہی استعمال ہوگی۔ بے سند بات پر اڑ جانا جھگڑالو کی نشانی ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۪⑤ اور تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے پوشاک ہے، اور منافع ہیں اور ان میں سے کھاتے ہو۔

انسان کی تجویز سے اس کی زندگی میں یہ سہولتیں نہیں آئیں۔ خالقِ کل کے علم کی شان ہے، کہ اس نے انسان کے سکھ کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے ہیں، مثلاً گرم لباس سردیوں میں انسان کی ایسی ضرورت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مفید گرم پوشاک

وہی ہے، جو اللہ نے انسان کے لئے پسند کی ہے۔ جانوروں کے فضلات کے علاوہ بھی ان سے کئی طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ وہ بہت سی ایسی چیزیں کھاجاتے ہیں جو اگر وہ نہ کھائیں، تو ان چیزوں کی موجودگی بڑی تکلیف دِہ ہوجائے۔ پھر کچھ جانور انسانی خوراک کا حصہ بھی ہیں۔ لباس و منافع اور خوراک تو اللہ نے دی ہے، اور ان نعمتوں کا استعمال اس علم سے ہو، جو حق کے انکار سے شروع ہوکر حق کے انکار پر ختم ہوتا ہے، پھر اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوگی۔

حاصل: وہ اشیاء استعمال کرنی چاہئیں، جو اللہ نے ہمارے لئے بنائی ہیں اور جن کا اس نے ذکر کیا ہے۔ اُونی لباس پہنا جائے، جانوروں سے منافع حاصل ہوں، ان کا گوشت نصیب ہو، ہر موقع پر اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ شکریہ تبھی ادا ہوگا، جب کسی نادار کو بھی حاصل شدہ آسائشوں میں حصہ دار بنایا جائے۔

وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶

اور اُن میں تمہارے لئے جمال ہے، جب شام کو انہیں واپس لاتے ہو، اور جب انہیں چرانے لے جاتے ہو۔

بیل، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ ایسے جانور ہیں، جو انسان کو طرح طرح کے فائدے دیتے ہیں۔ کچھ سے بالواسطہ خوراک حاصل ہوتی ہے کچھ سے بلاواسطہ خوراک حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسے جانور ہیں، کہ جن کو چرانے کے لئے صبح کو لے جانا پڑتا ہے، پھر شام کو انہیں واپس لایا جاتا ہے۔ ان جانوروں کی تندرستی کے لئے ضروری ہے، کہ انہیں چرنے کا موقع دیا جائے۔ ان کا اکٹھے گھر سے نکلنا، اور شام کو واپس آنا، بہت راحت افزا ہوتا ہے۔ اس میں انسانوں کے لئے جمال ہے۔ آبادی اگر بہت بڑی ہوجائے گی، تو اس کے غیر طبعی ہونے کی وجہ سے مسائل بھی پیدا ہوں گے، اور جب یہ مسائل بڑھتے جارہے ہوں تو انسانوں کا رویہ اس سے یقیناً متاثر ہوگا۔

حاصل: انسانوں کی آبادی کے ساتھ چراگاہ کا ہونا ضروری ہے، جہاں پالتو اور چرنے والے جانوروں کو چرایا جاسکے۔ انہیں صبح چرنے کے لئے لے جایا جائے۔ شام کو واپس لایا جائے۔ انہیں جانے کے وقت اور واپس آتے وقت ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں، مثلاً راستہ کھلا اور آسان ہو، انہیں خوف زدہ نہ کیا جائے، اور رات بسر کرنے کے لئے موزوں بندوبست ہو۔

وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷

اور وہ تمہارے بوجھ اس مقام تک لے جاتے ہیں، جہاں تک تم اپنے انفس کو مشقت میں ڈال کر ہی پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا رب بڑا مہربان، رحم والا ہے۔

انسانی زندگی کے لوازمات میں سے سفر بھی ہے۔ سفر کے لئے سامانِ سفر بھی ہوتا ہے۔ سفر کا سامان اٹھا کر سفر کیا جائے، تو بوجھ اٹھا کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے والے ذریعے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ وہ جانور جو انسان کو اس کے سامان کے ساتھ، بسہولت، مطلوبہ مقام تک پہنچا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ وہ قوت، وہ وقت اور وہ سرمایہ جو ان بوجھ اٹھا کر لے جانے والے جانوروں کی بدولت بندے کو حاصل ہو، اس کے لئے اپنے رب کی مہربانی اور اس کے رحم کی قدر کرنی چاہئے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی عطا کی قدر کرنی چاہیئے۔ بوجھ اٹھانے والے جانوروں سے خدمت لیتے وقت، مہربانی اور رحم کرنے والے ربّ کو یاد رکھنا چاہیئے۔

وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے۔ اور پیدا کرتا ہے جس کا تمہیں علم نہیں۔

گھوڑے، خچر اور گدھے، انسان کی سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ جب ان جانوروں کو سواری اور زینت کے لئے استعمال کیا جائے، تو معطیٔ مطلق کا شکر یہ بھی ادا کرنا چاہیئے۔ ان جانوروں پر زیادہ بوجھ نہیں لادنا چاہیئے، کہ پھر ان کا استعمال ان کے منشاء تخلیق کے مطابق نہیں ہوگا۔ انسان کی کچھ ضرورتیں اس کے علم میں ہوتی ہیں، اور کچھ ضرورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جو انسان کے نظام زندگی کو درست رکھنے کے لئے، علمِ الٰہی کے حوالے سے ضروری ہوتی ہیں، مگر انسان کو ان کا علم نہیں ہوتا۔ ان ضرورتوں کا علم ہوتا ہی اللہ کو ہے، اس لئے ان کو پورا کرنے کے لئے، اللہ ہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ انسانی زندگی کا یہ حصہ، شعور والوں کو نظر آتا ہے۔ پھر بھی اپنے اور اپنے خالق و مالک کے مابین رشتے کا احساس نہ ہو، تو اس سے بڑی خود فریبی کیا ہوگی۔

حاصل: جن جانوروں کو سواری اور زینت کے لئے بنایا گیا ہے، ان پر زیادہ بوجھ لادنا بے جا ہے۔ انسان کو اپنی اُن ضرورتوں پر بھی غور کرنا چاہیئے، جو باقاعدگی کے ساتھ پوری ہو رہی ہیں، اور جن کو پورا کرنے کے لئے، انسان کے ذمّے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے یہ احساس بڑھتا جائے، کہ ہماری زندگی کے توازن کو قائم رکھنے والا ہمارا ربّ ہے، اس کے قرب کی طلب بھی بڑھتی چلی جائے گی۔

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ
ع ۹/۷ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨ ع

اور سیدھی راہ اللہ تک پہنچتی ہے، اور بعض راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

انسان کو پیدا کرنے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ راہِ عمل کے انتخاب میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی اختیار کے استعمال سے انسان اپنے درجے اور مقام کا تعین کرتا ہے۔ سیدھی راہ ایک ہی ہے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو، اس طرح استعمال کیا جائے کہ دُنیا و آخرت میں فلاح ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ شرک نہ کیا جائے، والدین کے ساتھ حسن و احسان کا رویہ رکھا جائے، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کیا جائے، کھلی اور چھپی بے حیائیوں سے اجتناب کیا جائے، جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے ناحق نہ مارا جائے، یتیم کے مال کی خوب حفاظت کی جائے اور وہ بلوغت کو پہنچ جائے تو اسے اس کا مال عزت واحترام کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں واپس کیا جائے، اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا رکھا جائے، کسی نفس پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، جب بات کی جائے تو عدل کیا جائے اگرچہ معاملہ کسی رشتہ دار کا ہو، اور اللہ کے عہد کو بہر حال پورا کیا جائے۔ یہ سیدھی راہ ہے جو اللہ تک لے جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جتنی راہیں ہیں، ان سے انسان بہ رضا و رغبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جا رہا ہوتا۔ وہ سب راہیں کج ہیں۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اگر سب کو ہدایت دے دیتا تو یہ اسے مشکل نہیں تھا، مگر پھر درجات اور بلندیاں سب بے معنی ہو جاتیں۔

حاصل: سیدھی راہ پر چلنے والے فلاح پاتے ہیں۔کج رو کبھی راہ راست پر چلنے والوں کے برابر نہیں ہوتے۔ انسان کے اختیار میں اس کی شان ہے، اس لئے اختیار کو جزا دینے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ بے شک ہم نے یہ کتاب آپ پر لوگوں کی ہدایت کے لئے حق کے ساتھ نازل فرمائی، تو جس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کو اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا، آپ ان پر وکیل نہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، اُس سے پیتے ہو، اور اُسی سے درخت ہوتے ہیں جن سے چراتے ہو۔

انسانی ضروریات کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے، کہ تمہارے پینے کا پانی بھی اللہ کا دیا ہوا ہے، جن درختوں میں تمہارے جانور چرتے ہیں، وہ درخت بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اور وہ پانی جس کے ذریعے سے وہ زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں، وہ پانی بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ایسے اہتمام ہیں، کہ اللہ کے علاوہ کوئی مہتمم ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کرسکتا۔ اور پانی وہ نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی ناقابلِ تصوّر ہے، اور یہ نعمت عطا کرنے والے کی شان ہے کہ وہ کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، یہی چاہتا ہے کہ نعمت کا استعمال بہترین علم سے ہو۔

حاصل: بارش کے پانی کو انفرادی طور پر جمع کیا جائے، یا کسی آبادی کے لئے اسے محفوظ کرلیا جائے، پینے کے لئے اس سے بہتر کوئی پانی نہیں ہوسکتا۔ پانی کا استعمال اس طرح ہونا چاہئے، کہ بلاضرورت اس کے ضائع کرنے کو جرم سمجھا جائے۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

اُسی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور سب ثمرات پیدا کرتا ہے۔ تفکّر کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً نشانی ہے۔

اللہ نے پانی کو یہ شرف بخشا ہے، کہ ہر پودے کی خوراک کی تیاری سے لے کر، اس کے پھل کے تیار ہوجانے تک، پانی کا کوئی نعم البدل نہیں ہوسکتا۔ کھیتی کی صورت میں جڑیں گہری نہیں ہوتیں، زیتون کی جڑیں زمین کی ایک خاص سطح سے خوراک حاصل کرتی ہیں، کھجور بہت نچلی سطح سے خوراک حاصل کرتی ہے، انگور کی جڑ بھی ایک خاص حد تک ہی جاتی ہے، باقی سب پھل بھی پانی کے ذریعے ہی اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں اور پکتے ہیں۔ تفکّر کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ ہر نوع نباتات کی خوراک کو زیرِ زمین ایک خاص سطح پر رکھا گیا ہے۔ ایک نوع کے پودے کی جڑیں، اسی سطح پر پہنچتی ہیں، اور پانی کے ذریعے اپنی مطلوبہ خوراک حاصل کرتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے، کہ ایک ہی سطح سے

خوراک حاصل کرنے والے پودے کا پھل شکل وصورت میں، رنگ وبو میں، ذائقے اور خواص میں اپنی الگ الگ شناخت کا حامل ہو۔ ہر نوع کی ضروریات مخصوص ہوتی ہیں۔ جس کے علم سے ان ضروریات کا تعین کیا گیا ہے، اسی خالقِ کل اور لاشریک کے علم سے ان ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ تفکر کرنے والے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں، کہ نظامِ کائنات میں ربط وتوازن صرف علیمِ مطلق کے علم کی بدولت ہے۔ جہاں بھی کوئی علم اس کے خلاف رخ اختیار کرے، انسانوں کو اس سے دکھ ہی ملتا ہے۔

حاصل: نظامِ کائنات میں ربط وتوازن، علیمِ مطلق کے علم کی بدولت ہے۔ علیمِ مطلق کے سامنے اپنی علمی سطح معلوم ہو تو ذاتی دکھ بھی نہیں بڑھتا، اجتماعی دکھ بھی نہیں بڑھتا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾

اور اُس نے تمہارے لئے لیل ونہار اور شمس وقمر کو مسخر کیا۔ اور ستارے اُس کے امر سے مسخر ہیں۔ اس میں عقل والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

لیل ونہار کی اہمیت انسانی زندگی میں قطعاً واضح ہے۔ رات اور دن متواتر امرِ الٰہی کے مطابق ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ رات کو آرام کے لئے اور دن کو کام کے لئے موزوں کیا گیا ہے، موسموں کے تغیر کے ساتھ کبھی راتیں بڑی ہو جاتی ہیں کبھی دن بڑے ہو جاتے ہیں، ایک مکمل مضبوط اور مربوط نظام کے تحت، رات اور دن، ہماری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ شمس وقمر بھی اجلِ مسمّٰی تک ہماری خدمت کے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ امرِ الٰہی کے مطابق سورج اور چاند اپنے اپنے وقت پر ان خدمات کو پوری طرح سرانجام دے رہے ہیں، جو ان کے سپرد کی گئی ہیں۔ حرارت وبرودت کے وہ درجات جو زندگی کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہیں، اللہ ہی کے امر کے تابع ہیں۔ ستاروں کے اثرات، نباتات وحیوانات پر ہوتے ہیں۔ انسان کے علم میں ہے کہ ستارے اپنی روشنی سے پودوں کو زمین کے ساتھ اپنا تعلق درست کرنے میں مدد دیتے ہیں، اور یہ کام صرف ستاروں کی روشنی میں ہی ہو سکتا ہے۔ علیمِ مطلق نے جو جو بندوبست کئے ہیں، ان کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ عقل والوں کو جب پتہ چلتا ہے، کہ ان کی زندگی کے عمل پر کس ایک کام کے ساکن ہو جانے سے کیا کیا اثرات پڑ سکتے ہیں، تو وہ اللہ کی قدرتِ مطلق کو مان کر، اپنی پسند کو اس کی رضا کے مطابق بناتے ہیں۔ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس کائنات کے نظام کو صرف اور صرف، امرِ الٰہی کی تعمیل سے ہی درست رکھا جا سکتا ہے۔

حاصل: عقل والے، لیل ونہار میں، شمس وقمر میں، ستاروں میں وہ نشانیاں دیکھتے ہیں، جن سے انہیں اپنے رُخ کو درست کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امرِ الٰہی کی ادب سے تعمیل ہو تو انسانی زندگی اس مقام پر آ سکتی ہے، کہ اشیاء سب طالب ہوں اور بندہ ان کا مطلوب ہو۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور وہ جو زمین میں تمہارے لئے رنگ برنگی چیزیں پھیلائیں، اس میں سبق حاصل کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

لیل ونہار، شمس وقمر اور ستاروں کے مسخر کرنے کے ذکر کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ زمین میں رنگ برنگی چیزیں پھیلانے کا منشاء یہ ہے کہ سبق حاصل کرنے والے، اپنے اپنے مقام پر مصنوع سے صانع کی طرف بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر جو پیدا کیا ہے، اس میں علم وحکمت موجود ہے۔ مثلاً نباتات کی کوئی قسم اگر کسی جگہ کثرت سے پائی جاتی ہے، تو اس کے صحیح استعمال کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے، پرندوں کی کوئی قسم کسی جگہ کثرت سے موجود ہو تو اس کی افادیت کو معلوم کر کے ان کی حفاظت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ علیم مطلق کے پرحکمت اہتمام کو بے علمی سے ضائع کرنے کی راہ اختیار کرنا، سوچنے والوں کی، سبق حاصل کرنے والوں کی نشانی نہیں ہے۔

حاصل: ماحولیات کا علم، خدائی اہتمام سے سیکھنا چاہئے۔ نباتات، حیوانات، پرندے اور دوسری چیزیں، جہاں جہاں پیدا کی گئی ہیں، وہ فضا، وہ زمین وہ درجہ حرارت، وہ ماحول، ان کی حسنِ کارکردگی کے لئے ضروری ہے۔ جس چیز کی افادیت کا احساس ہو جائے، اس کا سنبھالنا آسان ہو جاتا ہے۔ سوچنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ وہ جہاں ہیں وہاں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾

اور وُہی ہے، جس نے بحر کو مسخر کیا، کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو، اور اس میں سے گہنا نکالتے ہو، جسے پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیر کر چلتی ہیں، اور اس لئے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو۔

جن جن چیزوں کو انسان کی خدمت کے لئے حکم دیا گیا ہے، وہ سب اللہ کے امر سے مسخر ہیں۔ یہاں بحر کا ذکر ہے جس سے حاصل ہونے والے کچھ فوائد یہاں بیان ہوئے ہیں۔ اس میں سے تازہ گوشت ملتا ہے، اور مچھلی کی صورت میں جس کی کئی قسمیں ہیں، انسان تازہ گوشت حاصل کرتے ہیں، جس کو اللہ نے ان کے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ پھر بحر میں سے مونگا اور موتی نکالے جاتے ہیں، جن کو قیمتی زیورات کی صورت میں پہنا جاتا ہے۔ بحر میں کشتیاں بھی پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ سامانِ تجارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا، اللہ کا فضل تلاش کرنے کی بہت بڑی صورت ہے۔ مچھلی کا شکر یہ اس طرح ادا ہوگا، کہ اسے بہتر جاننے والوں کی ہدایت کے مطابق استعمال کیا جائے، اور تازہ استعمال کیا جائے۔ مچھلی کا کثرت سے استعمال کرنا، جسم کے اعتدال کو متاثر کرتا ہے، مزاج کے اعتدال کو متاثر کرتا ہے۔ مونگا، موتی اور پہننے کی دوسری چیزیں اپنی افادیت کے لئے معروف ہیں۔ بہت قیمتی دواؤں کی صورت میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کا شکریہ یوں ادا ہوگا، کہ اللہ کی عطا کی قدر کی جائے، اور جب ان کا مقام، دوائے بے بدل کے طور پر نظر آئے، تو ضرورت مند کو ضرور دی جائیں، چاہے وہ قیمت ادا کر سکتا ہو، یا نہ کر سکتا ہو۔ کشتیوں میں بیٹھتے وقت، یا سامان رکھتے وقت، اللہ کی تسبیح کرنی چاہئے، جس نے ہمارے لئے یہ آسانیاں مہیا کی ہیں۔ اللہ کا فضل تلاش کرنا یہ ہے کہ سامانِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جائے، اور حدود اللہ کا احترام اس طرح ہو، کہ دیکھنے والوں کو تجارت میں پاکیزگی نظر آئے۔ جہاں ہدایت کے طالب ہوں سامانِ تجارت وہیں لے جایا جائے، اور جہاں حق کی احسن ادائیگی ہو جائے وہاں شکر قول سے بھی ادا کیا جائے، عمل سے تو ہو ہی چکا ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے، اس کا شکر ادا کرنا، بندگی ہے۔ مچھلی تازہ کھائی جائے، اور مزاج کے

اعتدال کو قائم رکھ کر کھائی جائے۔موتی اور مونگا، قیمتی زیورات کی شکل میں پہنے جاتے ہیں۔عطائے الٰہی کو پہنا بھی جائے، اور جہاں استعمال کا موقع آجائے، رضائے الٰہی کے مطابق استعمال بھی کیا جائے۔کشتیوں کے ذریعے سامانِ تجارت وہیں لے جایا جائے، جہاں لوگ ہدایت کے طالب ہوں۔جب لوگ تجارت میں پاکیزگی کو دیکھ کر، ہدایت طلب کریں، تو انہیں حقیقی فائدہ ہوگا، اس سے پہلے جو وعظ کیا جائے وہ مؤثر نہیں ہوگا۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اس نے زمین میں بوجھ رکھے، کہ تمہیں لے کر جھک نہ پڑے، اور ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی زمین میں پہاڑوں کو بھی رکھا گیا ہے، کہ اس سے زمین کا توازن برقرار رہے، اور وہ کسی طرف جھک نہ جائے۔بوجھ رکھنے والے نے بڑے علم سے اسے رکھا ہے، تو اس بوجھ کو ہٹا دینے کی کوشش یقیناً بے علمی کی بات ہے۔اللہ نے ندیاں بنائی ہیں۔ان کی ابتداء کہاں سے ہوتی ہے، اور کیسے ملتے ملتے، چھوٹے دھارے دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ان ندیوں سے انسانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ان سے خوراک حاصل ہوتی ہے۔زیرِ زمین پانی، ایک مقام پر اپنی سطح کو برقرار رکھتا ہے۔ان سے نقل و حمل کا کام بھی لیا جاتا ہے، اور دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔اللہ نے زمین میں راستے بھی بنائے ہیں۔یہ راستے جو طبعی طور پر زمین میں موجود ہیں، ایک آبادی کو دوسری آبادی سے بھی ملاتے ہیں، ایک ملک کو دوسرے ملک سے بھی ملاتے ہیں۔ان راستوں کو ہر لحاظ سے محفوظ بنانے کی کوشش میں بڑی بھلائی ہے۔جسمانی ضروریات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو جو اہتمام کیا ہے، ان سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں تو روحانی ضروریات کی طرف بھی انہیں متوجہ ہونا چاہئے۔جو جو انسان کو ہدایت یافتہ ہونے کے لئے درکار ہے، وہ سب موجود ہے۔

حاصل: پہاڑوں کو ختم کرنے کی کوشش انتہائی بے علمی ہے، اس سے عدم توازن بڑھتا چلا جائے گا۔ندیوں کو اپنے لئے مزید مفید بنانے کی سعی کرنی چاہئے۔ان کی طبعی حیثیت متاثر نہ ہو۔راستہ طبعی ہو، محفوظ ہو اور کشادہ ہو، تو اس میں بڑی بھلائی ہوتی ہے۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور علامات۔اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔

وہ نشانیاں جو راستے کے تعین میں، انسان کو مطلوبہ مقام پر پہنچنے میں مدد دیتی ہیں، علامات کہلاتی ہیں۔علامات سے ایک راستہ، دوسرے راستے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔علامات سب اللہ کی رکھی ہوئی ہیں، بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ۔ایسے مقامات بھی ہیں، جہاں علامات کا تعین مشکل ہو جاتا ہے، اور انسان اپنے موجودہ مقام سے مطلوبہ مقام تک راستے کا یقینی تعین بھی چاہتا ہے، وہاں ستاروں سے مدد لی جاتی ہے۔اس طرح رات کو بھی سفر کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔سمندر میں، صحرا میں، ستاروں کی مدد سے راستے کا تعین کیا جاتا ہے۔قطب نما بھی تو اسی معیار کے حوالے سے بنایا گیا ہے۔

حاصل: علامات کا تعین، راستے کو یقینی اور محفوظ بنانے میں مدد دیتا ہے۔ستاروں کی مدد سے جہاں راستے کا تعین کیا جاتا ہے، وہاں دوسری علامات کام نہیں آتیں۔جس نے ہمیں مطلوبہ مقام پر پہنچنے کے لئے، اتنے بڑے بڑے

سہارے دیئے ہیں، اور اسے کوئی احتیاج بھی نہیں ہے، وہی ربّ العالمین ہمارا ربّ ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا پیدا کرنے والا، اس کے برابر ہے جو کچھ پیدا نہ کرے۔ تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

پیدا کرنے والا، خالقِ کل ہے۔ ہماری ضروریات کا جو علم، پیدا کرنے والے کو ہے، وہ علم ہمیں بھی نہیں، کسی دوسرے کو بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے خالقِ کل سے برابری کا دعویٰ قطعاً بے جا ہے۔ پینے کا پانی اس کا عطا کردہ ہے۔ اس پانی سے زراعت بھی ہوتی ہے اور سب ثمرات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ لیل ونہار، شمس وقمر اور نجوم اسی پیدا کرنے والے کے امر کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اسی پیدا کرنے والے نے رنگ برنگی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اسی نے بحر کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے، کہ اس سے تازہ گوشت بھی ملتا ہے، موتی بھی ملتے ہیں۔ نقل وحمل کے ذرائع بھی اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ پہاڑ، ندیاں اور راستے بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ علامات اور ستارے بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ کوئی دوسرا، اس کے برابر ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کرسکتا۔ نصیحت اس کی ماننی چاہئے، جو خالقِ کل ہے، معطیٔ مطلق ہے، ہماری بھلائی میں خوش ہوتا ہے، اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتا۔

حاصل: خالقِ کل کے برابر ہونے کا دعویٰ ہی کوئی نہیں کرسکتا۔ اس کی نصیحت ضرور ماننی چاہئے، جسے ہماری بھلائی میں خوشی ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو، تو شمار نہ کرسکوگے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

ضروریاتِ زندگی میں سب سے اہم پانی ہے۔ زمین سے حاصل ہونے والی خوراک اور ثمرات اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیل ونہار میں انسان کے لئے کتنے فوائد ہیں، شمس وقمر کیا کیا خدمات سرانجام دے رہے ہیں، ستارے کس کام میں لگا دیئے گئے ہیں، عطائے الٰہی کو گننا شروع کردیا جائے، تو اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ جیسے جیسے یہ احساس بڑھتا جائے، کہ علیمِ مطلق کی عطا بڑے علم سے ہے، اور بندے کی طلب علم سے تعلق نہیں رکھتی، خواہشات سے تعلق رکھتی ہے، بندہ شکرگزاری کی طرف آنے لگتا ہے۔ شکرگزار بندے کو بخشش ورحم سے نوازا جاتا ہے۔ اس کی سابقہ خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے، اور اسے آسانیاں عطا کی جاتی ہیں۔ شکرگزار بندہ ان آسانیوں کو تقسیم کرکے راحت پاتا ہے۔

حاصل: اللہ کی نعمتوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ نعمت کی قدر ہو تو معطی کا شکریہ ادا ہوتا ہے۔ شکرگزار بندے کی سابقہ خطاؤں کو معاف کردینا اور اس پر مزید رحم کرنا اللہ کی سنت ہے۔ عبداللہ ہونے کا ثبوت دینے کے لئے ہمیں بھی یہی کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ کو علم ہے جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو۔

نفس کو یہ پسند ہوتا ہے، کہ وہ اپنی خامی کو چھپائے، اور اپنی خوبی کو ظاہر کرے، تاکہ لوگوں کی نظر میں وہ اچھا بنے۔ انسان اپنی قوت کا ایک حصہ اسی ریاکاری میں ضائع کرتا رہتا ہے۔ لوگوں کی خوشی کے لئے کوئی کام کیا جائے یا لوگوں کے ڈر سے کوئی کام نہ کیا جائے، تو یقیناً یہ

شرکِ خفی ہے، جو شرکِ جلی سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ جزا دینے والے کا علم اتنا وسیع ہے، کہ وہ ہر چھپے کو بھی جانتا ہے، ہر ظاہر کو بھی جانتا ہے، اور پوری جزا دینے کی قدرت کا مالک ہے۔

حاصل: اپنے نفس کی خوشی کے لئے کچھ چھپایا نہ جائے، اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو مزاج کا اعتدال قائم ہو جاتا ہے۔ جزا دینے والے کو علم ہے، کہ کیا کیا جا رہا ہے، اور کس نیت سے کیا جا رہا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اللہ کے مقابل جن کو پکارتے ہیں، وہ کچھ پیدا نہیں کرتے، اور وہ خود مخلوق ہیں۔

خالقِ کل، معبودِ لاشریک ہے۔ اللہ کے مقابل، جس نے بھی کسی شے کو معبود ٹھہرایا، اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کو معبود مانا جا رہا ہے، اس نے کیا کیا پیدا کیا ہے۔ جب یہ روشن ہو جائے، کہ جس کو معبود ٹھہرایا جا رہا ہے، اس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا، تو پھر یہ ماننا چاہئے کہ جو خالق نہیں ہے، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مقام یہ ہے کہ جس کو معبود ٹھہرایا جا رہا ہے، یہ بے مثل نہیں ہے، اس کی حدود متعین ہیں، اس کی ایک ابتدا ہے، اس کی ایک انتہا ہے۔ یہ سب مخلوق کی نشانیاں ہیں، اور مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔

حاصل: مخلوق کبھی خالق کے برابر نہیں ہو سکتی۔ جس کی اپنی ذات کسی دائرۂ قدرت میں محصور ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود اپنے عبد کو ہر مقام پر جیسے چاہے رکھ سکتا ہے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۱۲ / ۸

مردے ہیں، زندہ نہیں اور انہیں شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

مخلوق کو خالق کل کے برابر قرار دینا، ظلم عظیم ہے۔ زندگی خالقِ کل کی عطا کردہ توفیق ہے، جو ایک وقت سے شروع ہوتی ہے، ایک وقت پر ختم ہوتی ہے۔ یہ تعین معبود کی شان کے منافی ہے، کہ معبود کا بے مثل ہونا لازم ہے۔ اس لئے خالق سے مخلوق کا تقابل کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ بعث بعد الموت کے وقت کا شعور مخلوق کو نہیں ہو سکتا، یہ جزا دینے والے مالکِ یوم الدّین کی شان کے لائق ہے۔ جن کو معبود جان کر ان کی عبادت کی جاتی ہو، ان کی زندگی محدود نہیں ہونی چاہئے۔ جزا دینے کی قدرت کے ساتھ، انہیں اس کے وقت کا بھی پتہ ہونا چاہئے۔ جب یہ محال ہے، تو پھر کسی کو اللہ کے برابر قرار دینا، قطعاً بے علمی ہے۔

حاصل: جس کی زندگی محدود ہو، جو جزا دینے پر قادر نہ ہو، اور جسے بعث بعد الموت کے وقت کا پتہ نہ ہو، اسے معبود کہنا ظلم عظیم ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے، کہ رسول یہی فرماتے رہے ہیں، اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

تمہارا معبود، ایک ہی ہے۔تو جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب منکر ہیں، اور وہ استکبار کرتے ہیں۔

معبود کی شان ہے، کہ اس نے سب کو پیدا کیا ہے، ہر ایک کو پالتا ہے، اور بڑے علم سے پالتا ہے، ہر چھپے اور ظاہر کو جانتا ہے، ہر ایک کو جزا دے گا، اس کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔مگر جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں خواہشات کی پیروی سے رک جانے کا خیال بھی نہیں آتا، ان کے دل انکارِ حق پر ٹک جاتے ہیں اور وہ استکبار کو طریقِ زندگی بنا لیتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔وہ بے مثل ہے۔آخرت پر ایمان ہو، تو دل حق کا انکار نہیں کر سکتا۔حق کا انکار نہ ہو تو استکبار کا مقام آتا ہی نہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

یقیناً اللہ کو علم ہے، جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔بیشک وہ مستکبرین کو پسند نہیں کرتا۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، وہ حق کے منکر ہیں اور مغرور ہیں۔یہ لوگ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ ان کے دل میں نہیں ہوتا، جو دل میں ہوتا ہے وہ ظاہر نہیں کرتے۔مگر علیم بذاتِ الصدور سے کچھ چھپایا نہیں جاسکتا۔یقیناً وہ چھپے کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔استکبار شیطانی صفت ہے۔اللہ استکبار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ان کا قول بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے، ان کا عمل بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا ہے۔وہ مقامات جو علم الٰہی کے حوالے سے صرف تعارف کے لئے رکھے گئے ہیں، جب ان کا اظہار دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے کیلئے ہو، تو یہ استکبار ہے۔مستکبر ہمیشہ حق کے مقابل اپنی پسند کو مانتا ہے، اور اسی شرک میں اللہ کی عطا کردہ توفیق کو ضائع کرتا رہتا ہے۔

حاصل: ہمیں یقین ہونا چاہئے، کہ اللہ ہمارے چھپے اور ظاہر کو جانتا ہے۔ہمیں استکبار کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرنا چاہئے۔مگر یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ہم خود مغرور نہ ہوں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب ان سے پوچھا جائے، تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے، کہتے ہیں، اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

وہ لوگ جو مقامی لحاظ سے منبع رشد و ہدایت کے قریب تھے، جب یہ کہیں جاتے تھے، تو لوگ ان سے ضرور پوچھتے تھے، کہ آپ کے ہاں معاشرے میں کچھ تبدیلیاں آرہی ہیں۔مثلاً اُس ایک حوالے کو ماننے والے اپنی پسند کو قابلِ ذکر ہی نہیں جانتے۔معاشرتی زندگی کے ہر ہر دائرے میں اپنی راستی کی سند اسی حوالے سے لی جاتی ہے۔سرداری کا فیصلہ وسعتِ مال کی بنا پر نہیں ہوتا، علم و صبر کی بنا پر ہوتا ہے۔آخر وہ کیا احکامات ہیں، جو آپ کے ربّ نے نازل فرمائے ہیں۔وہ صاحب جو ان احکامات کو ماننے کی کوئی عملی تربیت دیتے ہیں، ان کے بارے میں بھی بتائیے۔یہ بھی بتائیے کہ ماننے والوں کا دائرہ کس طرح اور کس قدر بڑھ رہا ہے۔اس کے جواب میں مستکبرین یہی کہا کرتے تھے، آپ

اس میں زیادہ دلچسپی نہ لیں، یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، فلاں قوم نے یہ کیا، اس کا انجام یہ ہوا، فلاں قوم ایسی تھی، فلاں قوم ویسی تھی، کہانیوں سے بھلا کہیں معاشرہ سُدھر سکتا ہے۔

حاصل: مغرور لوگ حق کے بیان کو اگلے لوگوں کی کہانیاں کہتے ہیں۔ جس بیان کو سننے کے بعد، سامعین کو معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور فلاح کے حصول کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے، اس بیان کو کہانی کہہ دینا، یقیناً بے ادبی ہے۔

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝٢٥ ع ۲۴/۹

تا کہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں، اور کچھ ان کے بھی جن کو بلا تحقیق گمراہ کرتے ہیں۔ سن لو کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اٹھاتے ہیں۔

جو لوگ فرمانِ الٰہی کو اگلوں کی کہانیاں کہہ کر، اور اس کے حوالے سے اپنے مشاہدے میں آنے والی تبدیلیوں کو نا قابل توجہ قرار دے کر، سننے والوں کو حق کی طرف آنے سے روکتے ہیں، ان پر ان کی اپنی برائیوں کا بوجھ تو ہوگا ہی، ان پر کچھ بوجھ ان لوگوں کا بھی ہوگا، جنہوں نے ان کے بیان سے اثر قبول کیا ہوگا۔ جس کو بھی حق کی طلب ہو، اس کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں مدد دینا بہت بڑی خدمت ہے، اور اس کی طلب کے جواب میں ایسی باتیں سنانا، جو بے سند ہوں اور جن کو سن کر وہ بہک جائے، بہت بڑی بُرائی ہے۔ اس برائی کا ایک بوجھ حال پر ہوتا ہے، اور ایک بوجھ مستقبل میں ہوگا۔

حاصل: وہ بوجھ جس کو معمولی سمجھ کر اٹھا لیا جائے، اور جو بڑے عذاب کا باعث بنے، بہت برا بوجھ ہوتا ہے۔ بات ہمیشہ سند سے کرنی چاہئے، اور حق کو چھپانا نہیں چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝١١٧ اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی اس کے پاس کوئی سند نہ ہو، تو اس کا حساب اس کے ربّ کے یہاں ہے۔ بے شک کافر فلاح نہیں پاتے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٢٦

بے شک اُن سے قبل والوں نے مکر کیا تھا، تو اللہ نے اُن کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ پھینکا، اوپر سے چھت اُن پر گر پڑی، اور عذاب اُن پر وہاں سے آیا جس کا انہیں شعور بھی نہ تھا۔

لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں پہلے بھی کی جاتی رہی ہیں۔ حق کے مقابل انسانی گمان سے جو بھی بنایا جائے گا، اس کی بنیاد مکر و تلبیس پر ہی ہوگی۔ مکر و فریب، شیطان کے داؤ سے تعلق رکھتا ہے، اور شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔ جہاں بنیاد ہی کمزور ہو، وہاں بڑی اور دیرپا

عمارت نہیں بنائی جاسکتی۔ بنانے والے بے حقیقت ہوں تو یہی ہوتا ہے، کہ ان کی تعمیر کی بنیادیں ایک وقت کے بعد جواب دے جاتی ہیں، اکھاڑ دی جاتی ہیں، اوپر سے چھت اُن پر آگرتی ہے، وہ عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ عذاب اُن پر اس رخ سے آیا کرتا ہے، کہ انہیں اُس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ سب مقامات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے کسی مقام پر خلافِ حق کرنے والے جو بھی کریں، ایک وقت کے بعد ان پر گرفت آتی ہے، اور گرفت سے بچ جانا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل: حق کے مقابل انسانی گمان سے جو بھی بنایا جائے، اس کی بنیاد کمزور ہوگی۔ کمزور بنیادوں پر جو کچھ تعمیر ہوگا، وہ بنانے والوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ عذابِ الٰہی کا روکنا کبھی انسان کے بس میں نہیں ہوسکتا، اس سے بچ کر بھاگ جانا کبھی انسان کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ کافر کو ماحول کا پورا شعور ہوتا ہی نہیں۔ ماحول کا پورا شعور ہوتو اپنے مقام کو جاننا آسان ہوتا ہے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۲۷﴾

پھر قیامت کے دن اُنہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا، کہاں ہیں میرے شریک جن میں تم جھگڑتے تھے۔ علم والے کہیں گے آج کے دن ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔

حق کا انکار کرنے والوں کے لئے قیامت کا دن بہت بھاری ہوگا۔ رسوائی اُن پر چھا رہی ہوگی۔ جن مقامات کے حوالے سے یہ بڑائی کا دعویٰ کرتے تھے، وہ بے حقیقت نظر آئیں گے تو یہ بڑی رُسوائی کی صورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، جن کو تم ضد سے میرا شریک ٹھہراتے تھے وہ اب کہاں ہیں، تم رسوا ہو رہے ہو وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ بے سند باتیں کرنے والے کچھ جواب نہ دے سکیں گے، تب شاہدین یہ پکاریں گے، کہ حق کے علاوہ کسی بھی مقام پر عزت تلاش کرنے والے آج انتہائی رسوائی میں ہیں، اور برائی خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کے نتیجے کی صورت میں گھیر رہی ہے۔ یہ حضراتِ گرامی قدر دُنیا میں علم کے نور کو پھیلاتے ہوئے، اِس دن کا ڈر سنایا کرتے تھے۔

حاصل: بے سند بات کبھی نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے نتیجے میں ہمیشہ رُسوائی ہوتی ہے، اور وہ برائی گلے پڑ جاتی ہے جس سے جان چھڑانا ممکن نہیں رہتا۔ علم والوں کی بات کو ماننا حصولِ عزت کا یقینی راستہ ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

وہ کہ فرشتے اُنہیں وفات دیتے ہیں اور وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں، تب اپنی تسلی کو ظاہر کریں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہیں کرتے تھے۔ کیسے نہیں کرتے تھے، بیشک اللہ کو علم ہے جو عمل تم کرتے تھے۔

جو لوگ وفات کے وقت، حالتِ اسلام پر نہیں ہوتے وہ خلافِ حق کرتے رہنے کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔ موت کے وقت حق کو مان لینا، اللہ کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کافر موت کے وقت، حق کو ماننے کے دعوے کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ ہم تو کچھ برائی نہیں کرتے تھے، ہم تو حق کو مانتے ہیں، تو فرشتے ان کے کذب کو ظاہر کرتے ہوئے بتائیں گے، تم حق کا انکار کرتے تھے۔ جزا دینے والا خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے، تمہارا جھوٹ اور مکروفریب تمہیں جزا سے بچا نہیں سکتا۔

حاصل: جہاں معمولاتِ زندگی کی بنیاد حق پر نہ ہو، وہاں مکروفریب پر بنیاد رکھی گئی ہوتی ہے۔ موت کے وقت حق کو مان لینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ فرشتے کافروں کے حال پر گواہی دیں گے کہ تم برائی کرتے رہے ہو، اور جزا دینے والا خوب جانتا ہے، تمہارے عمل کیسے تھے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو اَب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ کہ اس میں ہمیشہ رہو، تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔

موت کے وقت یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ موت کے دروازے سے گزرنے والا حالتِ اسلام پر ہے، یا حالتِ کفر پر ہے، اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، کہ جزا کیا ہوگی۔ جزا کے انتظار میں اگر وہ بصورتِ انعام ہو تو راحت ہوتی ہے، اور اگر وہ بصورتِ عذاب ہو تو دکھ ہوتا ہے۔ قبر میں جزا کا انتظار راحت اور دکھ کے یہی پہلو رکھتا ہے۔ جزا کے دن ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہوتے وقت، جرم کی نوعیت کے مطابق مخصوص دروازے سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ وہاں داخل ہوتے ہی سزا کے دوام کا یقین بھی ساتھ ہوتا ہے۔ جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے، کہ اللہ کی عطا کردہ بہترین توفیق سے عمل کرنے والا بدترین مقام پر پہنچتا ہے۔ وہاں دائمی دکھ ہوگا، اور اس سے بچ سکنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ موت کے بعد بعث بعد الموت تک کا وقت، قبر کا زمانہ ہے، چاہے اس کی صورت کوئی بھی ہو۔

حاصل: جرم کی نوعیت کے مطابق مقام سزا کا تعین کرنا چاہئے۔ انسان کے سزا دینے کا حق، اللہ کی مقرر کردہ حدوں کے حوالے سے ہے۔ تکبر کرنے والے شیطان کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کے لئے بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور پرہیز گاروں سے پوچھا گیا، تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا ہے، کہنے لگے 'خیر'۔ جنہوں نے اس دُنیا میں احسان کیا، ان کیلئے بھلائی ہے۔ اور دارِ آخرت بہتر ہے۔ اور کیا خوب ٹھکانا ہے متقین کا!

حق کے متعلق جاننے کی تمنا رکھنے والے جب متکبرین سے پوچھتے ہیں، کہ تمہارے ربّ نے کیا نازل فرمایا ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں، یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی سوال جب متقین سے پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں، اللہ نے خیر نازل فرمایا ہے۔ انسانی گمان سے حسنِ معاشرت کا وہ مقام کبھی نہیں حاصل ہو سکتا، جو حق کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ متقین سابقہ زندگی کے ہر ہر مقام کو موجودہ زندگی

کے ہر ہر مقام کے سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں، انہیں حال بہتر نظر آتا ہے۔ حیاتِ دُنیا میں جو لوگ، اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہیں، اور جزا کے یقین کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، انہیں دُنیا میں بھلائی ملتی ہے، اور یہ بھلائی تعلق مع اللہ سے حاصل ہونے والی راحت کی صورت میں ملتی ہے۔ اور دارِ آخرت یوں بہتر ہے، کہ وہاں متقین کو کسی مخالفت کا سامنا تو ہوگا نہیں اور راحتیں سب میسر ہوں گی۔ متقین کا ٹھکانا اس لئے خوب ہے، کہ انہوں نے ہمیشہ خیر کو پسند کیا اور اپنے علم کو علیم مطلق کے علم کے تابع رکھا، انہیں دائمی پاک دامنی کا شرف حاصل ہوا، جو بہت بڑا انعام ہے۔

حاصل: ایک ہی واقعہ بے حقیقت کے لئے کچھ اور معنی رکھتا ہے، باحقیقت کے لئے کچھ اور معنی رکھتا ہے۔ متقین ماضی سے حال کا تقابل کرتے رہتے ہیں۔ حق کے بہتر ہونے کا اعلان کیا جائے تو اس بہتری کو اعلان کرنے والے کی ذات میں بھی نظر آنا چاہئے۔ بھلائی کرنے والے کے لئے دُنیا میں بھلائی ہے، اور دارِ آخرت تو بہتر ہے ہی۔ جسے دائمی پاک دامنی کا مقام ملا، اس کا ٹھکانا بہت خوب ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۳۱﴾

بسنے کے باغ ہیں، جن میں جائیں گے۔ اُن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اُنہیں وہاں ملے گا جو وہ چاہیں۔ اللہ متقین کو ایسے ہی جزا دیتا ہے۔

متقین کو ایسے باغوں میں داخل ہونے کا شرف ملے گا، جو اُن کی دائمی اقامت کے لئے ہوں گے، اور باعثِ راحت ہوں گے۔ ان کی سرسبزی اور شادابی بھی قائم رہے گی، کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جو زیرِ زمین پانی کی سطح کو ایسے مقام پر رکھیں گی، کہ آب پاشی کے کسی ذریعے کو اختیار کرنا درکار نہ ہوگا۔ مذکورہ اہتمام تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متقی حضرات کی سکونت کے لئے کیا جائے گا، اس کے ساتھ یہ بھی ہوگا، کہ انہیں وہاں ملے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والے حیاتِ دُنیا میں اللہ کی رضا کو خیر جانتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں، جزا کے دن، ان حضرات کی پسند اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگی۔ جو اللہ کی رضا کو مان لیتا ہے، اس کی پسند یقیناً سند کا درجہ پالیتی ہے۔ اللہ سے بڑا جزا دینے والا کوئی نہیں۔

حاصل: اللہ سے ڈرنے والوں کی قدر و منزلت کو اپنا حق جاننا چاہئے، انہیں سکھ دینا چاہئے، ان کی پسند کو افادیت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اچھی جزا دینے والا یقیناً اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور وہ جنہیں ملائکہ پاکیزگی کی حالت میں وفات دیتے ہیں، ملائکہ کہتے ہیں تم پر سلام ہو، تم جنت میں جاؤ بدلہ اس کا جو عمل تم کرتے تھے۔

متقی حضرات پر جب وفات کا وقت آتا ہے، تو ان کا قول بھی پاک ہوتا ہے، ان کا عمل بھی پاک ہوتا ہے۔ وہ یکسوئی کے ساتھ منیب کا اتباع کر رہے ہوتے ہیں۔ انہیں کفر، فسوق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ انہیں کوئی عزیز ہوتا ہے تو حق کے حوالے سے اور کوئی قابلِ نفرت نظر آتا ہے تو حق کے حوالے سے۔ پاکیزگی کی یہ نشانیاں تقویٰ کو ثابت کرتی ہیں۔ ملائکہ ان حضرات پر سلام بھیجتے ہیں، اور انہیں جنت کی

بشارت دیتے ہیں، اور کہتے ہیں جوتم حضرات نے کیا، اللہ نے دائمی راحت کی صورت میں تمہیں اس کا اجر دیا۔ جب جان نکالنے والے سلامتی کے ساتھ اور دائمی راحت کی بشارت کے ساتھ جان نکال رہے ہوں تو موت متقی کو وصال کا دروازہ معلوم ہوتی ہے۔

حاصل: متقی حضرات کی موت ان کی عنداللہ مقبولیت کی سند ہوتی ہے اور اُن کے لئے دائمی راحت کی بشارت کا درجہ رکھتی ہے۔ روشن مستقبل موت کے عمل کو آسان بنا دیتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہ کہ فرشتے اُن پر آئیں، یا تمہارے ربّ کا امر آجائے۔ ان سے اگلوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا، ہاں خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

جو لوگ حق کو ماننے کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر رہے ہیں، وہ کاہے کے انتظار میں ہیں، عمل کے لئے دی گئی مہلت تو گزر رہی ہے۔ اس وقت کا خاتمہ دو صورتوں میں ہوسکتا ہے: ایک یہ کہ انہیں موت آجائے، دوسرے یہ کہ ان کو عذاب میں پکڑ لیا جائے۔ دونوں صورتوں میں یہ حق کو مان لیں گے۔ ان سے پہلے منکرینِ حق نے بھی یہی کیا تھا۔ مگر اس وقت کا ماننا نفع نہیں دیتا، کہ اس وقت نہ ماننا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، جو لوگ حق کو نہیں مانتے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر لینا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔ جب نہ ماننا ممکن نہ رہے تو اس وقت ماننا نافع نہیں ہوتا۔ جو خسارے کی راہ کو اختیار کرتا ہے، اللہ اُس پر ظلم نہیں کرتا، وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

پھر اُن کے کرتوت اُنہی کے سر پڑے، اور اُنہیں اُسی نے گھیر لیا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

ع ۴ ۹ ۱۰

منکرینِ حق کے اعمالِ خبیثہ اُنہی کے سر پڑتے ہیں، اور جن حقائق کا مذاق اُڑانا، ان لوگوں کا معمول بن جاتا ہے، وہی حقائق ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال کے نتائج سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اُس کا انکار کرنے والے فلاح سے دور ہوتے رہتے ہیں، اُس کا مذاق اڑانے والے اپنے غرور کی عبرتناک سزا پاتے ہیں۔

حاصل: اپنے رُخ کو درست رکھنا سب سے بڑا کام ہے۔ حق کا مذاق اڑانے والے، انجامِ کار نادم ہوتے ہیں، اور عبرتناک سزا کے گھیرے میں آجاتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ تو جو صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اس کی سعی کی بے قدری نہیں ہوگی، اور ہم اُسے لکھ رہے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

اور شرک کرنے والوں نے کہا، اگر اللہ چاہتا، ہم اور ہمارے آباء اُس کے سوا کسی شے کی بندگی نہ کرتے، اور نہ اُس کے حکم کے بغیر کسی شے کو حرام ٹھہراتے۔ اُن سے اگلوں نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ تو رسولوں کے ذمہ تو صریحاً پہنچا دینا ہی ہے۔

مشرکین نے اپنے اعمال کو درست ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل دی، کہ ہم اور ہمارے بڑے شرک کرتے ہیں، غیر اللہ کی بندگی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ناپسندیدہ اعمال سے روک دینے پر قادر ہے، جب اس نے ہمیں روکا نہیں تو ہمارے اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ ہم بعض چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں، اگر اللہ کو یہ برا لگتا تو وہ ضرور ہمیں اس کی سزا دیتا، ہمیں اس کی سزا نہیں دی گئی، اس لئے ہمارے اعمال کو برا کہنے کا جواز کوئی نہیں۔ ان سے پہلے مشرکین بھی اپنے برے اعمال کے لئے یہی جواز پیش کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی توفیق کو اگر خلافِ حق استعمال ہی نہ کیا جا سکے، تو درجات کا تعین ہی ممکن نہ رہے۔ رُخ کا اختیار کرنا بندے کے ذمّے ہے، اور اسی کی اسے جزا دی جائے گی۔ اللہ کا طریقہ یہ ہے، کہ وہ حق کو نازل فرماتا رہا ہے، اُس کے بھیجے ہوئے اسے صریحاً پہنچاتے رہے ہیں۔ حکم خداوندی کو ماننے کا طریقہ جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، یہی ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو، اور حق کو ماننے کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہو۔ تکبر کرنے والوں کی نشانی دیکھئے، کہ اُن کے اعمال کے درست ہونے کا حوالہ اُن کی ذات کے اندر ہوتا ہے، باہر نہیں ہوتا۔

حاصل: شرک کرنے والے خود کو حق کے مطابق بنانے کی بجائے، اپنے اعمال کو ہی حق ثابت کرنے لگتے ہیں۔ تکبر کرنے والوں کو اپنی ذات کے باہر وہ حوالہ حقیر نظر آتا ہے، جس کو دیکھ کر اپنی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ متکبر کو اللہ کے علم کا پتہ چلے یہ قطعاً ناممکن ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا، کہ اللہ کی بندگی کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ تو ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی، اور کسی پر گمراہی مسلط ہوئی۔ تو زمین میں سیر کرو پھر نظر کرو کہ مکذبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

ہر امت میں رسول بھیجنا، اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ جہاں وہ معیار سامنے ہوگا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے، وہیں آخرت کا یقین رکھنے والے، حال پر اپنی اصلاح کر سکیں گے۔ بشارت دینا اور ڈر سنانا، جو شاہدین کرتے رہے ہیں، اور قیامت تک کرتے رہیں گے، ایک

کام ہے، جس کا تسلسل ہر عہد میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مرسلین کے پیغام کا ایک ہونا یوں ثابت ہوتا ہے، کہ سب نے اپنے اپنے حال پر یہی فرمایا ہے، کہ اللہ کی بندگی کی جائے، طاغوت سے اجتناب کیا جائے۔ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کی جائے ورنہ طاغوت سے اجتناب ممکن نہ ہوگا۔ اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب اللہ کے بندے کو اپنی پاکیزگی پر شاہد بنایا جائے گا۔ جس نے بندگی کا حق اس طرح ادا کیا، اسے ہدایت بخشی گئی، جس نے خلافِ حق کیا وہ گمراہ ہوا۔ زمین میں اس امر کے آثار موجود ہیں، جن لوگوں نے حق کا انکار کیا، ان کا انجام ہمیشہ برا ہوا۔ زمین میں چل پھر کر اپنے قریب کے مقامات سے بھی اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے، دور کے مقامات سے بھی اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے، کہ حق کو جھٹلانے والے ہمیشہ خسارے میں پڑے ہیں۔

حاصل: مرسلین کا بھیجنا علیم مطلق کی شان ہے۔ مرسلین کا پیغام ایک ہے، اللہ کی بندگی کی جائے، اور شیطان سے اجتناب کیا جائے۔ ماننے والے کو ہدایت ہوتی ہے، نہ ماننے والا گمراہ ہوتا ہے۔ حق کی تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ہے، اس کو زمین میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی سیر اپنے رُخ کو درست کرنے میں مدد دیتی ہے، اور اسی سیر کا حکم دیا گیا ہے۔

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾

اگر تمہیں اُن کی ہدایت کی حرص ہو، تو بے شک اللہ اُسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کرے، اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔

ہر امت کی طرف بھیجے گئے رسول اُس کے لئے رحمت کا درجہ رکھتے تھے، اور انہیں یہ حرص تھی، کہ اُن کی امت فلاح پائے۔ خاتم النبیین کی رسالت عالمین کے لئے ہے، اس لئے رحمت بھی عالمین کے لئے ہے۔ یہ رحمت جس قدر تقسیم ہوگی، اسی قدر قاسم کے لئے باعثِ راحت ہوگی۔ رحمت سے فیض یاب ہونے والوں کے لئے حریص ہونا، عبدیت کا ارفع مقام ہے۔ ہدایت اور گمراہی باذنِ اللہ ہوتی ہے۔ جو خلافِ حق کرے وہ کبھی ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔ جو ہدایت کی طلب نہ رکھتا ہو، اسے ہدایت نہیں ہوتی۔ جو ناشکرا، کتاب وحکمت کے معلم سے فیض نہ لے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

حاصل: رحمت سے فیض یاب ہونے والوں کے لئے حریص ہونا عبدیت کا ارفع مقام ہے۔ ہدایت اُسے ہوتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ ظلمات سے نور کی طرف لانے والے صاحب کبھی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ وہ کتاب وحکمت کا علم عطا کر کے بڑی مدد دیتے ہیں۔ یہ جہالت کی انتہا ہے کہ جس کو ہماری بھلائی کی حرص ہو اسے ہم اپنا مخالف سمجھیں۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳۸﴾

اور اللہ کی بڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، کہ اللہ مردوں کو نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں، اس پر اُس کا وعدہ ہو چکا ہے، لیکن اکثر لوگوں کو علم نہیں۔

بعث بعد الموت کے انکار پر منکرینِ حق کو بہت زور لگانا پڑتا ہے۔ اسی انکار پر کفر کے پھیلنے کا دارومدار ہوتا ہے اس لئے وہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، کہ اللہ مُردوں کو کبھی نہیں اٹھائے گا۔ اب قسمیں کھانے والوں کا مقام دیکھئے، یہ تو علم والوں میں شمار ہی نہیں ہیں۔ اللہ

نے ہر ایک سے اس کے اعمال کی جزا دینے کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس کا وعدہ علمِ مطلق سے ہے۔ اٹھائے گا کیوں نہیں، وہ یقیناً اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ علم والے جانتے ہیں، کہ جسے توفیق دی گئی ہے، جس کے سامنے معیارِ اخلاق رکھا گیا ہے، جس کو عمل کے لئے وقت دیا گیا ہے، جس کو بشارت وانذار سے آگاہی دی گئی ہے، اُسے جزا کے لئے اٹھایا جانا، حق ہے۔

حاصل: قسم اُسی کی ہوتی ہے جو علم والا ہو، بے علم کی قسم کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ علم والے کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کرتے۔ جو لوگ حق کے ماننے والوں کو اور نہ ماننے والوں کو برابر ثابت کرتے رہتے ہیں وہ ضرور بعث بعد الموت کے انکار پر زور لگاتے ہیں۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

اس لئے کہ اُن پر واضح کر دے جس میں اختلاف کرتے تھے، اور اس لئے کہ کافروں کو پتہ لگ جائے کہ وہ کاذِب تھے۔

اس دُنیا میں انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو استعمال کرے، جیسے وہ چاہے۔ یہ استعمال حق کے مطابق بھی ہوتا ہے، حق کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اِس زمین پر حضرتِ انسان کے آنے سے لے کر اجلِ مسمّٰی تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد اس کا خاتمہ قطعاً ضروری ہے۔ جزا کے وقت یہ واضح ہو جائے گا، کہ کون حق کے مطابق تھا اور کون حق کے خلاف تھا۔ پھر اختلاف کا امکان ختم ہو جائے گا۔ تب کافروں کو پتہ لگ جائے گا، کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے رہے ہیں۔ مُردوں کا اٹھایا جانا تو ہو چکا ہے، یقیناً مرسلین نے جو فرمایا وہی حق ہے۔

حاصل: اختلاف کی ابتدا بھی ہوتی ہے، انتہا بھی ہونی چاہئے۔ جب اختلاف کا امکان نہ رہے گا، تو کافروں کو پتہ لگے گا، کہ وہ جھوٹے تھے۔ بے علمی کے خاتمے کا مقام بھی ضرور ہونا چاہئے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ ع ۵ ۶ ۱۱

ہمارا فرمان کسی شے کے بارے میں جب ہم اس کا ارادہ کریں، یہی ہوتا ہے، کہ ہم فرمائیں 'ہو جا!' تو وہ ہو جاتی ہے۔

بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں پر واضح فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ صرف ایک فرمان پر موقوف ہے۔ جب وہ فرمان ہو جائے گا، لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ خالق کل کی یہ شان ہے، کہ ہر شے اس کے حکم کو ادب سے ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے، اور جو اس کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لئے درکار ہوتا ہے، صحیح وقت پر موجود ہوتا ہے۔

حاصل: خالقِ کل علیمِ مطلق ہے۔ ہر شے اس کے حکم کو ادب سے ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ اُس کے فرمان کو واقع ہوتے دیر ہی کیا لگتی ہے، جب عنوان بدل دیا جاتا ہے، فوراً تصرف اُس کے مطابق شروع ہو جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾ اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک جھپکنا بلکہ اُس سے بھی قریب، بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَـنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وقف لازم

اور جنہوں نے مظلوم ہونے کے بعد، اللہ کے لئے ہجرت کی، ضرور ہم دُنیا میں اُنہیں اچھی جگہ دیں گے۔ اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ کہیں اُنہیں علم ہوتا۔

جن لوگوں نے منکرینِ حق کے مظالم برداشت کئے اور ایک وقت کے بعد وہ اللہ کے لئے ہجرت پر مجبور ہوگئے، ان کو یہ بشارت دی گئی ہے، کہ ضرور دُنیا میں اُنہیں اُس مقام سے بہتر مقام ملے گا، جس مقام سے اُنہیں ہجرت کرنی پڑی۔ جگہ بھی اچھی ہوگی، ماحول بھی اچھا ہوگا، حق کی ادائیگی میں انہیں وہ آسانیاں حاصل ہوں گی جو پہلے انہیں حاصل نہ تھیں۔ آخرت کا اجر بہت بڑا ہوگا، کہ وہاں اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی، اور وہاں کا فر صریحاً خسارے میں ہوں گے۔ جس کو یہ علم ہو کہ اللہ کے ساتھ سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے، اسے مصائب و آلام کے دور سے گزرتے دیر نہیں لگتی، اور دکھ کی شدت بھی بہت کم ہو جاتی ہے۔

حاصل: مظلوم مہاجرین کی مدد کرنی چاہئے، حق کی احسن ادائیگی کے لئے انہیں آسانیاں مہیا کرنی چاہئیں۔ اللہ سے بڑا اجر دینے والا کوئی نہیں۔ جسے علم ہو وہ قادرِ مطلق کے 'ساتھ' کے مقابل کسی ساتھ کو اہمیت نہیں دے سکتا۔

الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

جنہوں نے صبر کیا، اور اپنے ربّ پر توکّل کیا۔

اللہ کی رضا کے تحت ہجرت کرنے والوں کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں: وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور متوکّل ہوتے ہیں۔ ظلم کو سہتے ہوئے اپنا توازن حق کے حوالے سے برقرار رکھنا صبر ہے۔ اپنی ذات کو جو دکھ پہنچ رہا ہوا سے باذنِ اللہ جاننا حق ہے، دوسروں کو پہنچنے والے دکھ کو دور کرنے کے لئے کوشش اس یقین کے ساتھ کرنی چاہئے کہ بھلائی کی ابتداء کرنے کے لئے موجودہ حالات، بہترین حالات ہیں، مزید جو جو درکار ہوگا، علیمِ مطلق کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا۔ یہی توکّل کرنے والوں کی طریقت ہے۔

حاصل: صبر اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے اور دکھوں کے مداوے کے لئے ہوتا ہے، معاشرے کے حوالے سے جو ذمّہ داری عاید ہوتی ہو، اس کی ادائیگی کے لئے توکّل کے ساتھ سعی کرنی چاہئے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے آپ سے قبل مرد ہی بھیجے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، تو اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

جن لوگوں کو بے علمی کی وجہ سے یہ اعتراض ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ ایک بشر کو رسول بنائے، ان پر اللہ تعالیٰ کی سنت کو

واضح کیا جارہا ہے، کہ اللہ کے رسول ان سے قبل بھی آتے رہے ہیں، اُن کی طرف وحی بھی کی جاتی رہی ہے، اور اللہ کی یہ سنت ایسی ہے، جس کے بارے میں اہلِ ذکر سے پوچھا جاسکتا ہے۔ ان سے پوچھا جائے تو وہ یہ شہادت دیں گے، کہ علمِ الٰہی سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے، کہ حکمِ خداوندی اُس حوالے سے ہم تک پہنچے جو رضائے الٰہی کا یقینی علم رکھتا ہو، اور ہمارے حسنِ عمل پر شہادت دے سکتا ہو۔ اہلِ ذکر وہ لوگ ہیں، جو ماضی اور حال کا ایسا علم رکھتے ہیں، کہ ان سے پوچھنے والے کو صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جاتا ہے۔

حاصل: علمِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ایک ہی چلا آرہا ہے۔ اہلِ ذکر سے پوچھا جائے تو وہ بڑے علم سے حال پر صراطِ مستقیم کو ماضی کے حوالے سے روشن کردیتے ہیں۔ فائدہ تو اسی کو ہوسکتا ہے، جسے علم کے حصول کی طلب ہو۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

روشن نشانیوں اور صحیفوں کے ساتھ۔ اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا، کہ آپ لوگوں پر روشن کر دیں، جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ تفکر کریں۔

النصف

انبیاءِ سابقین کو معجزات بھی عطا ہوئے اور صحائف بھی عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس حال پر جس نبی کو جو عطا فرمایا، اس سے علمِ الٰہی کی برتری اس زمانے کے علم پر واضح ہوئی۔ قرآن پاک کو یہاں ذِکر فرمایا گیا ہے، اس کو لوگوں پر روشن کرنا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔ جب تک اس ذکر کو آپ واضح نہ کریں رضائے الٰہی معلوم نہیں ہوسکتی۔ جن لوگوں نے حضور سے اس طرح سیکھا، کہ ان کی اپنی کوئی بات نہ رہی، ان مخلصین کی بات حضور کی بات ہوگئی، ان کا حسنِ عمل حضور کے اسوۂ حسنہ سے روشن ہوا، اب قیامت تک وہی اس ذِکر کو روشن کرنے کا ذریعہ ہیں، یہی لوگ علمِ حدیث کے امین ہیں۔ تفکر کرنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ علمِ الٰہی کے علاوہ کوئی علم سب مقامات پر سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکتا، اور علمِ الٰہی سے استفادہ کرنے کی صورت ہر حال پر موجود ہوتی ہے۔ خوف وحزن سے نجات پانے کی طریقت کو نہ اپنانا بڑی بے شعوری ہے۔

حاصل: قرآنِ پاک انبیاءِ سابقین کا مصدّق ہے۔ علمِ حدیث سند کا درجہ رکھتا ہے۔ علمِ حدیث کے امین وہ لوگ ہیں جو حضور کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ اب ذِکر کو روشن کرنا انہی کا کام ہے۔ تفکر، اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۴۵﴾

تو کیا جو لوگ بُرے مکر کرتے ہیں، اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے یا اُنہیں وہاں سے عذاب پہنچے جہاں سے اُنہیں شعور بھی نہ ہو۔

جو لوگ حال پر حق کی بات کو سن کر اور ماضی کے حوالے سے اس کی تصدیق کرنے کے بعد بھی اپنی حیثیت وقدرت کو صحیح تناظر میں نہیں دیکھتے، وہ من مانی کرنے کے لئے جو تدبیریں کرتے ہیں، وہ سب بُرے مکر ہیں۔ ان لوگوں کو یہ ڈر کیوں نہیں ہوتا کہ اللہ ان کی حرکات کو زمین میں دھنسا کر ختم کردے تو قدرتِ الٰہی کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا ہے، یہ لوگ کیا مدافعت کرسکتے ہیں۔ جہاں بھی یہ

لوگ ہوں قدرتِ الٰہی کے احاطے سے باہر نہیں جاسکتے۔ پھر ان لوگوں پر وہاں سے بھی عذاب آسکتا ہے، جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو، مدافعت کا سامان کرنا تو بعد کی بات ہے۔

حاصل: حق کو سن کر من مانی کی تدبیریں کرتے چلے جانا، بُری تدبیریں کرنا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہیچ جاننا چاہئے ورنہ برا انجام دور نہیں ہوتا۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِىْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَۙ ﴿۴۶﴾

یا اُنہیں چلتے پھرتے پکڑ لے تو وہ اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی پکڑ کسی سامان یا کسی تیاری سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ قادرِ مطلق خوب جانتا ہے، کہ کس کو کس وقت کہاں پکڑنا ہے۔ وہ چلتے پھرتے مجرموں کو پکڑ لے، تو وہ فوراً عاجز و بے بس ہو جاتے ہیں، پھر وہ کہیں بھاگ کر جا نہیں سکتے۔ جب ماضی میں یہ ہو چکا ہے، اور بڑی قوت و استطاعت والے فوراً بے بس دیکھے گئے ہیں، تو حال والوں کو اپنا احتساب کرنا چاہئے کہ یہی عقل مندی ہے۔

حاصل: چلتے پھرتے بھی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا چاہئے اور حق کے مطابق چلنا پھرنا چاہئے۔ قادرِ مطلق کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، یہ یقین ہو تو اعتدال قائم رہتا ہے۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

یا اُنہیں خوف زدہ کرنے کے بعد پکڑ لے۔ تو بے شک تمہارا ربّ مہربان ہے، رحم کرنے والا ہے۔

ماحول کا اثر قبول نہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ماحول میں عذاب کے آثار نظر آئیں، تو خوف ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اچانک بھی پکڑ سکتا ہے، بتدریج بھی پکڑ سکتا ہے، قدرتِ الٰہی کے سامنے انسان کی بے بسی بہر حال ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، کہ وہ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا، جو اصلاح کو قبول کر لے اس کو رحم سے بھی نوازتا ہے۔

حاصل: اللہ کی پکڑ اچانک ہو یا بتدریج ہو، انسان اس کے سامنے بالکل بے بس ہوتا ہے۔ سزا دینے میں جلدی نہ کرنا اور اصلاح کی طرف آنے والوں پر رحم کرنا اللہ کی سنت ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

کیا دیکھتے نہیں، کہ جو شے بھی اللہ نے خلق فرمائی ہے، اس کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتا ہے، اور وہ اظہارِ عجز کر رہے ہیں۔

ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر شے جس کا سایہ ہو اسی طرح نظر آتی ہے، کہ اُس کا سایہ طلوعِ آفتاب سے لے کر نصف النہار کے قریب تک مخالف سمت میں سجدہ ریز ہے، اور سورج کے راس سے آگے جھکنے کے ساتھ ہر شے کا سایہ سجدہ کرتے ہوئے مخالف سمت میں نظر آتا ہے، اس طرح ہر شے اللہ کے سامنے اظہارِ عاجزی کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ کوئی طاقت ہر شے کی اللہ کے حضور عاجزی کے اس اظہار کو

روک دینے پر قادر نہیں ہے، اس کو بدل دینے پر قادر نہیں ہے۔ جس کی قدرت کے دائرے میں ہر شے کی مقامی حیثیت اس کی عاجزی سے واضح ہو رہی ہے، اس کے احکام کو نہ ماننا انتہائی جہالت ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کے احاطے میں ہر شے کی حیثیت نظر آتی ہے۔ اپنی حیثیت کو دیکھتے ہوئے وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جس سے بندگی کا ثبوت ملے۔

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے جانداروں میں سے اور ملائکہ، اور وہ استکبار نہیں کرتے۔

آسمان اور زمین میں جو جاندار ہیں، خالقِ کل کے منشاء کے مطابق اپنے اپنے دائروں میں مصروفِ کار ہیں، یہ اللہ کو ہر وقت سجدہ کرنے کی صورت ہے۔ انسان کو جو توفیق دی گئی اس کے استعمال میں رُخ کا تعین انسان کے ذمے ہے، مگر جانا انسان کو بھی اس قادرِ مطلق کی طرف ہی ہے۔ اگر کوئی حق کو نہیں مانتا تو ناحق سے بچ جانا اُس کے بس میں نہیں رہتا۔ ملائکہ قربِ الٰہی کے اعتبار سے بڑا درجہ رکھتے ہیں، اور اُن کی یہ شان ہے کہ وہ اِستکبار نہیں کرتے۔ جو اپنے منشاءِ تخلیق سے غافل نہ ہو وہ استکبار کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔

حاصل: اللہ کی بندگی ہی ہمارے بندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ پاکیزگی اور استکبار کبھی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جسے اللہ کی رضا مطلوب ہو وہی استکبار سے بچ سکتا ہے۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (السجدة)

اپنے اوپر اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں اور وہی کرتے ہیں، جس کا اُنہیں امر ہو۔

ع ۱۲ السجدة ۳

ملائکہ قربِ الٰہی کے باوجود اپنے اوپر اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں۔ اُنہیں ڈر یہ ہوتا ہے کہ مالکِ کل علیمِ مطلق ہے، اور وہ اس کے مملوک ہیں، کسی مقام پر مالک کی منشاء میں مملوک کی منشاء شامل نہ ہو جائے کہ یہ حضوری کے آداب کے منافی ہے۔ فرشتے وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں امر ہوتا ہے، اُنہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے قدم بڑھانا اطاعت کے دعوے کی نفی کر دیتا ہے۔

حاصل: مملوک کو مالک کا ڈر رکھنا چاہئے اور ادب سے اُس کے امر کی تعمیل کرنی چاہئے، یہ حضوری کے آداب ہیں۔ فرشتوں کو یہ یقین ہوتا ہے، کہ ماضی، حال اور مستقبل میں کسی مقام پر ربّ العالمین سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں، اس لئے تعمیلِ ارشاد میں وہ ہمیشہ یکسو رہتے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے۔ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُنہیں کا حال بُرا ہے۔ اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ اور وُہی عزت والا، حکمت والا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

اور اللہ نے فرمایا، دو معبود نہ ٹھہراؤ۔ معبود تو ایک ہی ہے۔ تو مجھ ہی سے ڈرو۔

عبد کو معبود کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ جب اللہ کی رضا کے ساتھ انسان کی اپنی خواہش بھی مطلوب کے درجے میں آجائے، تو یہ دو معبود ٹھہرانے کی صورت ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یکسوئی ہوگی تو شرک سے بچنا ممکن ہوگا، اور یکسوئی اسی صورت میں ہوگی، جب معبود ایک ہی مانا جائے۔ معبود کا ڈر اس طرح ہونا چاہیے، کہ خلوت وجلوت کے ہر ہر مقام پر اپنی پسند کو اس کی رضا کے تابع رکھا جائے۔

حاصل: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی رضا کے مقابل کبھی اپنی پسند کو اہمیت نہیں دینی چاہیے، یہی اللہ سے ڈرنے کی طریقت ہے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اُسی کا دین دائمی ہے۔ تو کیا غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔

ہر شے کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو کچھ کسی کے استعمال میں آتا ہے، اس کے لئے شکریہ مالکِ حقیقی کا ہی ادا کرنا چاہیے، اور مالکِ حقیقی کا شکریہ اسی طرح ادا ہوتا ہے، کہ اس کی عطا کو چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو، اُس کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔ اللہ کا روشن کردہ نظامِ حیات ہی وہ دین ہے جس کو دوام ہے، باقی کسی نظام کو دوام حاصل نہیں ہوسکتا۔ غیر اللہ سے ڈرنے کے معنی اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اور اس کی دی ہوئی مہلت کو ضائع کرنا ہے، اور یہ قطعاً جہالت ہے۔

حاصل: ہر شے جو ہمیں بالواسطہ یا بلاواسطہ حق کے مطابق حاصل ہوتی ہے، اس کو عطائے الٰہی جان کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ غیر اللہ سے ڈرنا جہالت ہے، اور اللہ سے ڈرنا علم ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔــرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ۚ

اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں دکھ پہنچتا ہے، تو اُسی کی طرف پناہ لیتے ہو۔

جو نعمت بھی کسی کو حاصل ہے، وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس کے استعمال کے ایک ایک پہلو پر نظر کر کے دیکھیے، سب کچھ باذنِ اللہ معلوم ہوگا۔ جب دکھ پہنچتا ہے، تو پھر اللہ سے دعا کی جاتی ہے۔ دکھ کے وقت میں جس سے مدد مانگنا طبعی طور پر آسان ہے، اس قادرِ مطلق کا کوئی شریک نہیں۔ کسی مشکل میں، کسی مقام پر، کسی وقت اللہ سے دعا مانگنی آسان ہوتی ہے، عبد ومعبود کا یہ رشتہ بھی باعث ہدایت ہوسکتا ہے۔

حاصل: اللہ کی ہر ہر نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ دکھ انسانی تجویزوں کو ناکام بنا دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا آسان ہوجاتا ہے، یوں دکھ بھی قُربِ الٰہی کے لئے سواری کا کام دیتا ہے۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنۡكُمۡ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡكُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۝۵۴

پھر جب وہ تم سے دکھ کو ٹال دیتا ہے، تو تم میں سے ایک گروہ اپنے ربّ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

من مانی کرنا جن لوگوں کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، وہ دکھ کے وقت اللہ کو بہت پکارتے ہیں۔ جب ان کے دکھ کو ٹال دیا جاتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی بجائے، اسباب کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ اسباب کا ذکر بھی اس انداز سے ہوتا ہے، جس سے مسبب الاسباب کی شان واضح نہ ہو، بلکہ بیان کرنے والے کی فہم وبصیرت اور بڑائی ظاہر ہو، یہ بھی شرک ہے۔

حاصل: من مانی کرنے والے دکھ کے وقت میں اللہ کو پکارتے ہیں، جب وہ دکھ کو ٹال دیتا ہے، تو وہ اپنے فہم اور بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے استکبار کرنے لگتے ہیں، یہ بھی شرک ہے۔

لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ‌ؕ فَتَمَتَّعُوۡا‌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۵۵

کہ ہماری عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کریں۔ تو برت لو، کہ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

اللہ کی عطا کردہ نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ کفرانِ نعمت ہے، اور کفرانِ نعمت سے برکت ختم ہو جاتی ہے، برکت ختم ہو جانے کے بعد نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ ناشکری کرنے والوں سے فرمایا گیا ہے، کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے، اسے برت لو، چندروز کی تو بات ہے۔ تمہیں جو وقت دیا گیا ہے، اس میں سے کچھ گزر چکا ہے، کچھ باقی ہے، اسے لاپرواہی سے ضائع کیا جارہا ہے، مہلت کے خاتمے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے تھا، اور تم کیا کرتے رہے، مگر اس وقت کا ماننا تمہیں نفع نہ دے گا۔

حاصل: کفرانِ نعمت سے برکت ختم ہو جاتی ہے، برکت ختم ہو جائے، تو نعمت سلب ہو جاتی ہے۔ حال ہی وہ زمانہ ہے، جس میں اصلاح کو اختیار کرنا نفع دیتا ہے۔

وَيَجۡعَلُوۡنَ لِمَا لَا يَعۡلَمُوۡنَ نَصِيۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ‌ؕ تَاللّٰهِ لَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَفۡتَرُوۡنَ ۝۵۶

اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے اُن کا حصہ مقرر کرتے ہیں، جن کا انہیں علم نہیں۔ خدا کی قسم، تم سے تمہارے افتریٰ کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی۔

رزق دینے والا، اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ جب اس کے دیئے ہوئے رزق سے خلافِ حق استعمال ہو، اور جن کے نام پر خرچ کیا جائے، انہیں معطی سمجھا جائے، انہیں نفع اور ضرر دینے والا سمجھا جائے، تو یہ عملاً شرک ہے، اور افتریٰ باندھنے کی صورت ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ افتریٰ باندھنے والوں سے پوچھا جائے گا، کہ تم نے غیر اللہ کو کیوں معبود جانا، کس طرح اور کس علم سے ان کا حصہ مقرر کرتے رہے، تمہارے علم میں قطعاً ان کے معبود ہونے کی کوئی سند نہ تھی۔ جب یہ پوچھ ہوگی، تب خلافِ حق بات کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: اللہ کا دیا ہوا رزق اس کے فرمان کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے۔ مخلصین کی طریقت کے مطابق استعمال ہو تو برکت بڑھتی ہے۔ عقائد کے درست ہونے کی سند موجود ہونی چاہئے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے، اور اپنے لئے جو اپنا دل چاہتا ہے۔

اللہ پر افترٰی باندھنے والے، اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہوئے کہتے ہیں، کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ کی شان بے مثل میں یہ بڑی بے ادبی ہے، کہ اس کے لئے اولاد ٹھہرائی جائے۔ اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے، اور اللہ کی مثل ہو نہیں سکتی۔ افترٰی باندھنے والے، اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا بھی نہیں مانتے، کہ جو اللہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں وہ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا ایک علم ہے، جو شاہدین سے سیکھا جائے تو حق ادا ہوتا ہے۔ عبد باادب ہو تو معبود سے اس کا تعلق حقیقی ہوتا ہے، تعلق حقیقی ہو تو نورِ معرفت حاصل ہوتا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ج

اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے۔

اللہ پر افترٰی باندھنے والوں میں سے جب کسی کو یہ خبر دی جاتی ہے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے، اور وہ غصہ کھاتا ہے۔ اس خبر کو ناپسند کرنے کی وجہ سب استکبار سے تعلق رکھتی ہیں، اور ان لوگوں کو اپنی بڑائی سے زیادہ کچھ عزیز نہیں ہوتا۔ جس کو یہ نظر آتا ہو کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ احتیاج سے خالی نہیں ہے، اس کو اللہ کے سامنے بڑائی کی بات کرتے ہوئے یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ کو کبھی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔

حاصل: بیٹی ہو یا بیٹا، عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کی عطا، بڑے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کی عطا کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھنے والا شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اس بشارت کی برائی کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اُسے مٹی میں دبا دے گا۔ دیکھو کتنا برا حکم لگاتے ہیں۔

اللہ پر افترٰی باندھنے والوں کو بیٹی کی بشارت سن کر یہ خیال آتا ہے، کہ یہ زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا اور یہ بھی ان کی بڑائی کی نفی کرنے کی صورت ہوگی۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس ذلت کو قبول کر لیا جائے، جو کسی کو داماد بنانے کی صورت میں ہوگی، دوسری یہ کہ اس کو زندہ یا مردہ دفن کر دیا جائے اور ذلت سے خود کو بچایا جائے۔ اس حکم کی برائی ملاحظہ ہو، جس سے یہ بیٹی پیدا ہوئی ہے، وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، اپنی بیوی کے لئے جو کسی کی بیٹی ہے اور طرح سوچا جائے اور اپنی بیٹی کے لئے جو کسی کی بیوی بنے گی اور طرح سوچا جائے تو یہ صریحاً برائی ہے۔

حاصل: استکبار کرنے والوں کو بیٹی کی بشارت سے بڑا دکھ ہوتا ہے، وہ لوگوں سے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ جو

بات ہمیں اپنی بیوی کے لئے جو کسی کی بیٹی ہے اچھی لگتی ہے، وہی ہمیں اپنی بیٹی کے لئے بھی پسند کرنی چاہئے۔ جو حکم معاشرے کے توازن کو بگاڑنے والا ہو وہ بُرا حکم ہے، جو بہت بگاڑنے والا ہو وہ بہت ہی بُرا حکم ہے۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۗ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۶۰ ع ۱۴

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کا حال بُرا ہے۔ اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ اور وہ عزّت والا حکمت والا ہے۔

مشرکین آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کا حال برا ہے۔ اگر نتیجہ ان کی پسند کے مطابق ہو تو مزید کی طلب انہیں پریشان کرتی ہے اور اگر نتیجہ ان کی پسند کے خلاف ہو تو وہ فوراً دکھ کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ انہیں کبھی راحت نہیں ہوتی۔ آخرت میں ان کا انجام بہت برا ہوگا۔ اللہ ہر شے کا مالک ہے، مگر اس کی شان ہے، کہ اسے کوئی احتیاج نہیں۔ جو بھی بناتا ہے، علم مطلق سے بناتا ہے۔ جس کو جو عطا کرتا ہے، وہ اس کے لئے باعث فلاح ہوتی ہے۔ جو فرماتا ہے اس میں ماننے والے لوگوں کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔ جس سے اللہ نے منع کیا ہو، اس سے منع نہ رہنے میں خسارہ ہوتا ہے۔ اس سے بڑی کوئی شان نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی۔ اللہ کی عزت اس کی قدرت کے ساتھ ہے، اور اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ اللہ کی حکمت اس کے علم کے ساتھ ہے اور اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ جس کو عزت اور حکمت کی طلب ہو، اسے وہ راہ لینی چاہئے جس میں اللہ کی رضا معلوم ہو۔

حاصل: آخرت پر ایمان نہ لانے والے حال پر بے اطمینانی کے دکھ میں ہوتے ہیں، آخرت میں انہیں عذاب ہوگا۔ جسے عزت اور حکمت کی طلب ہو اسے اللہ کی رضا کے لئے سعی کرنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ الکہف (۱۸) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۲۸ اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے بہت غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے لگا، اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۶۱

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑتا، تو کسی کو نہ چھوڑتا، ولیکن وہ انہیں اجلِ مسمّٰی تک ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کی اجل آئے گی نہ ایک ساعت پیچھے ہٹیں گے نہ آگے جائیں گے۔

حق کا پتہ ہونے کے باوجود، خلافِ حق کیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر فوراً گرفت کرتا تو کوئی ظالم زمین پر باقی نہ رہتا۔ یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے، مگر اُس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خلافِ حق کرنے والوں کو اجلِ مسمّٰی تک مہلت دیتا ہے۔ عمل کے لئے دی گئی کھلی مہلت کے ختم ہو جانے پر گرفت ہوگی اور وہ گرفت ایسی نہیں ہوگی، کہ اس میں گرفتار ہونے والے کی پسند کو کچھ دخل ہو، ایک ساعت

پیچھے ہٹنا یا آگے بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔ بات ظلم کرنے والوں کی ہو رہی ہے، مجرموں کی ہو رہی ہے، اور اللہ کا فرمان اس بات کی سند ہے، کہ مسلم اور مجرم مساوی نہیں ہوتے، اس لئے مسلم اس زُمرے میں شمار نہیں ہیں۔

حاصل: ظالم کو اصلاحِ حال کے لئے ڈھیل دینی چاہئے۔ اللہ اگر چاہتا تو ایک ظالم بھی زمین پر چلنے والا نہ رہتا۔ گرفتار ہونے والے کی پسند کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے خلافِ حق کرنے والوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اللہ کے لئے وہ ٹھہراتے ہیں، جس سے خود اُنہیں کراہت ہے، اور جھوٹ کہتی ہیں اُن کی زبانیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے۔ ثابت یہی ہوا کہ ان کے لئے آگ ہے، اور وہ حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

ظالم لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں سے کراہت کرتے ہیں، مگر اللہ کے ساتھ اولاد کو منسوب کرتے وقت فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ عقیدے کا نقص دیکھئے کہ اپنے معبود سے خود کو برتر ثابت کیا جا رہا ہے، اور پھر یہ دعویٰ بھی ہے، کہ ہم یہاں بھی آسانی سے رہ رہے ہیں، آخرت میں بھی ہمیں آسانی حاصل ہوگی۔ حیاتِ دُنیا کی آسانی کا استعمال خلافِ حق ہو تو آخرت میں عذاب ہوگا، اس لئے ثابت یہی ہوا کہ آخرت میں ان کے لئے آگ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

حاصل: معبود کے سامنے خود کو کمترین ثابت کرنا ادب ہے۔ بات سند سے ہو تو سچی ہوتی ہے۔ جو لوگ عطائے الٰہی کو خلافِ حق استعمال کرتے ہوئے اس دُنیا سے جاتے ہیں، اُن کے لئے آگ ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ رزق ناپاک ہو تو وہ بھلائی کے لئے استعمال ہو ہی نہیں سکتا۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اللہ کی قسم ہم نے تم سے قبل اُمتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کیا، تو آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قسم اس بات کو واضح کرتی ہے، کہ سابقہ امتوں کا رویہ بھی یہی رہا ہے جو اس امت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایات پہلے لوگوں پر بھی تھیں، اب بھی ہیں، ہوتا یہی رہا ہے کہ لوگوں نے متاعِ حیات کو اہمیت دی ہے، اور جس کے پاس انہیں وسعتِ مال نظر آئی ہے، وہ ان کی نظر میں لائقِ احترام ٹھہرا ہے۔ شیطان نے انہیں یہی دکھایا ہے کہ جس کے پاس متاعِ حیات بہت ہے، اسی کے اعمال خوب ہیں۔ اس کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے شیطان کی دوستی اور المناک عذاب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

حاصل: اعمال اُسی کے خوب ہیں، جو حق کے مطابق رہتا ہے، اور وسعتِ مال کو اپنی فضیلت کی بنیاد نہیں بناتا۔

شیطان جن کا دوست ہے، وہ دُنیا میں خوف وحزن کے دائرے سے نکل نہیں سکتے، اس کے بعد ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی کہ آپ روشن کر دیں جس بات میں وہ اختلاف کریں، اور ہدایت ورحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

قرآنِ پاک کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا، جو خاتم النبیین ہیں، منشائے نزول یہ بتایا گیا ہے، کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں ان کو روشن فرما دیا جائے۔ روشن فرمانے والا، کتابِ الٰہی سے سند دے کر اختلاف کو دور کرے۔ اختلاف میں مبتلا لوگ اگر کتابِ الٰہی سے براہِ راست استفادہ کریں، اور روشن کرنے والے کی ذات فیصلہ کرنے والی نہ ہو، تو اختلاف کبھی دور نہ ہوگا۔ ایمان والے لوگ وہی ہوتے ہیں، جو ناصحین سے محبت رکھتے ہیں، انہی کے لئے قرآنِ پاک باعثِ ہدایت ورحمت ہے۔

حاصل: اختلاف کو دور کرنا شاہد کی شان ہے۔ شاہد کی طرف سے دی گئی سند ہمیشہ قرآنِ پاک سے ہوگی۔ جنہیں ناصحین سے محبت ہو وہ ایمان والے ہیں۔ اُنہیں کے لئے قرآنِ پاک باعثِ ہدایت ورحمت ہے۔

وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ع

ع ۸ ۵ ۱۴

اور اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ کیا۔ بے شک اس میں سننے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

زمین کی قوت نامیہ فنا ہو جائے تو وہ مناسب نمی اور مناسب درجۂ حرارت کے نہ ہونے کی وجہ سے اگانے کی صلاحیت کھو دیتی ہے، ایسی زمین کو مُردہ زمین کہا جاتا ہے۔ ایسی زمین کو اللہ تعالیٰ بارش کے ساتھ زندہ کر دیتا ہے، اور اس کی اگانے کی صلاحیت عود کر آتی ہے۔ زیرِ زمین پانی بھی پانی ہے اور آسمان سے برسایا گیا پانی بھی پانی ہے مگر اس کے ذائقے کا فرق، اس کے زمین پر اثرات کا فرق حضرتِ انسان کے دیکھنے میں آتا ہے۔ پھر بارش کے پانی میں بو نہیں پیدا ہوتی۔ جن لوگوں نے یہ سن لیا ہے، کہ زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد، اللہ اسے زندہ کرتا ہے، انہیں اللہ کی قدرت کا ایسا مشاہدہ ہوتا ہے، کہ وہ غور وفکر کرنے لگتے ہیں اور ایک وقت کے بعد بعث بعد الموت کو مان لیتے ہیں۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال ممکن ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت انسان کے مشاہدے میں آتی ہے۔ جس نے سن لیا ہے، کہ اللہ بارش کے پانی سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسے بعث بعد الموت کو مان لینا مشکل نہیں ہوتا۔ بارش کے پانی اور زیرِ زمین پانی کے خواص کا فرق تو کسی حد تک انسان کو معلوم ہے، یہ معلوم نہیں کہ بارش کے پانی میں زمین کو زندہ کرنے والا جزِ لطیف کون سا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے: جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن ماننے والے

اور نہ ماننے والے الگ الگ ہو جائیں گے۔ تو جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے ان کی جنت میں عزت افزائی ہوگی۔ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیات اور آخرت کے ملنے کی تکذیب کی وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾

اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں سبق ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اُس سے جو اُن کے بطون میں گوبر اور خون کے بیچ میں سے ہے، خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوش گوار ہوتا ہے۔

حکمتِ الٰہی کے بہت سے عجائب چوپایوں میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت انسان کے لئے ان میں بڑا سبق موجود ہوتا ہے۔ جانور کھانے پینے میں اپنے اعتدال کو قائم رکھتے ہیں، اپنی نوع کے خواص کے دائرے سے باہر نہیں جاتے، بقائے نسل کے دائرے میں کبھی بے محل عمل نہیں کرتے۔ مادہ جانوروں کی خوراک سے صرف خون اور فضلہ ہی نہیں بنتا، بلکہ اُن کے درمیان سے ایک لطیف شے دودھ بھی بنتی ہے، جس کا کوئی مزاج نہیں ہوتا، جو پینے میں خوش گوار ہوتا ہے، اور پینے والے کے جسم کے اندر موجود کیفیت کو ابھارتا ہے۔ دودھ کی مقدار مویشیوں میں اس قدر رہتی ہے، کہ وہ اُن کے بچوں کی ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، اور اس طرح انسانی غذا کا ایک حصہ فراہم ہوتا رہتا ہے۔ انسانی علم سے خوراک کو خون اور دودھ میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

حاصل: چوپایوں کے اندر بھی ہمارے لئے سبق موجود ہیں۔ جو اللہ خون اور گوبر کے درمیان سے دودھ جیسی لطیف شے کو نکال سکتا ہے، اس کی قدرت کا کوئی جواب نہیں۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے مقام کو دیکھتے رہنا چاہئے۔

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور کھجور اور انگور کے ثمرات سے نشہ بناتے ہو اور اچھا رزق۔ بے شک اُس میں عقل والے لوگوں کے لئے ضرور نشانی ہے۔

کھجور اور انگور کے ثمرات سے نشہ آور مائع تیار کی جاتی ہے، جس کا محل استعمال علاج معالجے اور صنعتی ضروریات کے دائرے میں ہو تو یقیناً درست ہوگا، اور نشے کے لئے اس شراب کو استعمال کیا جائے تو یہ بہت سی خرابیوں کا باعث ہوگا۔ ان دونوں نعمتوں کو اچھے رزق کی صورت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، تب ان کا استعمال خوراک کی صورت میں ہوتا ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں، کہ خواص ہر شے کے اللہ نے رکھے ہیں۔ بنانے والے علیم وحکیم کے علم کی روشنی میں کسی شے کا مفید ہونا یقینی ہے۔ اور جب انسان کی چاہت کسی شے کا سوء استعمال مقصود ٹھہرا لے، تو نقصان بھی بری راہ اختیار کرنے والے کو ہوتا ہے۔

حاصل: عقل والے کسی بھی شے کو استعمال کریں، افادیت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ خواص سب اللہ نے رکھے ہیں۔ کوئی بھلائی کی راہ اختیار کرے یا برائی کی راہ اختیار کرے، اپنے کئے کی جزا پائے گا۔

وَ اَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾

اور تمہارے ربّ نے شہد کی مکھی کو حکم دیا، کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور بلند کئے گئے مقامات پر چھتے بنا۔

شہد کی مکھی کو اس کا مقصد تخلیق خالق کل ہی بتا سکتا تھا۔ وہ مقامات جہاں پر اس کا قیام اس کے کام کو آسان بنا دے اس پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیئے۔ پہاڑوں پر، درختوں پر اور بلند مقامات پر، وہ بلندی بلند عمارتوں کی بدولت ہو، یا بلند کی گئی بیلوں کی صورت سے ہو شہد کی مکھی اپنے کام میں اس طرح مصروف ہے کہ کبھی اپنے منشائے تخلیق سے غافل نہیں ہوتی۔ اس کا کام اس قدر نفیس ہے کہ مصنوع کے فعل کو دیکھ کر نظر صانع کی طرف ضرور جاتی ہے۔ صحیح مقام کا انتخاب، اپنے گھروں کو بنانے کے لئے ایسی مائع کو استعمال کرنا جو جلد ہی ٹھوس بھی ہو جائے، اور اس وزن کو بھی سہار سکے جس کے لئے اسے بنایا گیا ہے، اس گھر کو اس طرح خانوں میں تقسیم کرنا کہ شہد بھی بنتا رہے، سنبھالا بھی جائے، بقائے نسل کا کام بھی ہو، اور فیصلہ کرنے والی مکھی جب نقل مکانی کا فیصلہ کر دے یا مدافعت کا حکم دے دے تو اس کا حکم سب کو فوراً معلوم ہو، اور ہر رکن فوراً ہنگامی خدمت کے لئے مستعد ہو جائے اور بہت سے دوسرے کام اس قدر صحت سے انجام پا رہے ہوتے ہیں کہ شہد کی مکھی کا مطالعہ، انسان کے لئے بہت کچھ سیکھنے کے مواقع پیدا کرتا ہے۔

حاصل: شہد کی مکھی جائے قیام کو، اللہ کے عطا کردہ علم سے منتخب کرتی ہے۔ اپنا گھر بنانا، اُس کے خانوں کو مختلف کاموں کے لئے تقسیم کرنا، ایک حکم دینے والے کے تابع رہنا، اپنا اپنا کام بڑے حُسن سے انجام دینا، دوسرے کے کام میں رکاوٹ نہ بننا، بلکہ اس کے کام میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور اس کے علاوہ بہت کچھ، شہد کی مکھی کے مطالعے سے سیکھا جا سکتا ہے۔

ثُمَّ كُلِیۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِیۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

پھر سب ثمرات سے کھا اور اپنے ربّ کی راہیں چل کہ تیرے لئے آسان ہیں۔ اس کے بطن سے مختلف رنگوں کی پینے کی ایک چیز نکلتی ہے، جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

شہد کی مکھی کو یہ بھی بتا دیا گیا، کہ جس مقام پر تمہارا قیام ہو، وہاں قرب و جوار میں جو بھی پھول ہیں، پھل ہیں، انہیں کھاؤ، ان سے شہد بناؤ۔ چھتے سے پھولوں کی طرف پرواز کرنا اور پھولوں سے چھتے کی طرف آنا یہ مکھی کے لئے آسان ہے۔ یہ آسانی اسے اللہ نے دی ہے۔ شہد کی مکھی کے بطن سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے، یہ کئی رنگوں میں ہوتی ہے، رنگوں کا اختلاف، مکھی کے منتخب کردہ مقام، حاصل کردہ غذا اور موسم کی بدولت ہوتا ہے، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہوتی ہے۔ دوا بیرونی استعمال کی ہو یا اندرونی استعمال کی ہو، قدیم معالجات میں شہد کو ضرور شامل کیا جاتا تھا، کہ اس میں شفا کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ غور و فکر کرنے والے یہ دیکھتے ہیں، کہ جن ثمرات سے مکھی غذا حاصل کرتی ہے، ان میں ایک وقت کے بعد تعفن پیدا ہو جاتا ہے، مگر شہد میں کبھی ناگوار بو پیدا نہیں ہوتی۔ ثمرات کے لطیف اجزا کو حاصل کرنا، ان کو اپنے

پیٹ کے اندر کئی طرح کی کیمیاوی تبدیلیوں سے گزارنا، اور پختگی کے بعد اسے چھتے میں جمع کرنا، یہ اتنے نفیس کام ہیں، کہ دیکھنے والا اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کر کے اپنے عقیدے کو درست کر سکتا ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کا مشاہدہ، عقیدے کو درست کرنے میں مدد دیتا ہے۔ شہد میں شفا رکھی گئی ہے، محلِ استعمال، طریقِ استعمال اور مقدار کا فیصلہ معالج کرتا ہے۔ جو تفکر نہ کریں وہ اللہ کی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۷۰ ع ۹ ۵ ۱۵

اور اللہ نے تمہیں خلق فرمایا، پھر تمہیں وفات دے گا۔ اور تم میں سے کوئی ارذل عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہیں جانتا۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے۔

اللہ خالقِ کل ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے، وہی وفات دے گا۔ نہ پیدائش میں انسان کی پسند کو دخل ہے، نہ موت میں اسکی پسند کو دخل ہے، اس لئے پیدائش و موت کے حوالے سے جب بھی بات کی جائے اسی حق کو ملحوظ رکھ کر کی جائے۔ بعض لوگ اتنی لمبی عمر پاتے ہیں، کہ جاننے کے بعد ان پر نہ جاننے کا مقام آجاتا ہے۔ وہ علم جو انہیں دوسروں کے مقابل امتیاز بخشتا تھا، باقی نہیں رہتا۔ طاقت کے بہت کم ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگ اپنی ذات کو بھی قویٰ اور حواس کے اعتبار سے اعتدال پر نہیں رکھ سکتے۔ علمِ الٰہی کو دوام ہے، قدرتِ الٰہی کو دوام ہے، اور جہاں علم و قدرت موجود ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ جسے ارذل عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے، اس کے علم کے دعوے کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے، اس کی قدرت کا دعویٰ بھی بے معنی ہو جاتا ہے۔

حاصل: پیدائش و موت کے حوالے سے جب بھی بات ہو، علیمِ مطلق کا ذکر ضرور ہو۔ ارذل عمر کی طرف جن لوگوں کو پھیرا جاتا ہے، وہ جوانی میں اپنے علم اور قدرت پر فخر کرتے رہے ہوں تو لوگ اُن کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔ علم اور قدرت، اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے، اُسی کے فرمان کے تابع رہ کر ہی ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (۳۱) میں ارشاد فرمایا ہے: هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۱۱ یہ تو اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تو مجھے دکھاؤ تو سہی جو اُس کے مقابل دوسروں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ ظالم گمراہی میں ہیں۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۷۱

اور اللہ نے تم میں بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی۔ تو جنہیں فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوک لوگوں میں نہیں بانٹ دیں گے کہ وہ سب اُس میں مساوی ہو جائیں۔ تو کیا اللہ کی نعمت کے منکر بنتے ہو۔

رزق عطا کرنے والا، اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنی حکمت سے بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں پر رزق میں فضیلت دی ہے۔ جو لوگ ناجائز طریقوں سے رزق حاصل کر کے اپنا مقام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں پاک لوگوں کے معاشرے میں کبھی قدر و منزلت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کا عطا کردہ رزق وہ ہے جو حدود اللہ کے احترام کے ساتھ کسی کو حاصل ہو۔ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل نہ ہو تو سرمائے کا بہاؤ رک جائے گا اور اس بہاؤ کے بغیر معاشرتی زندگی عدم توازن کا شکار ہو جائے گی۔ انسانی رویہ یہی ہے کہ لوگ اپنے غلاموں کو عطائے الٰہی سے اس طرح نہیں نوازتے کہ وہ بھی ان کے برابر ہو جائیں، بلکہ انہیں حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو درکار ہو خوف خدا رکھنے والے اُنہیں وہ ضرور دیتے ہیں۔ درجات کی موجودگی، زندہ معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مملوک کبھی مالک کے برابر نہیں ہوسکتا، تو پھر مالک کل کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بڑی جہالت کی بات ہوگی۔ اگر انسان کو یہ دعویٰ ہے کہ اس کی تقسیم میں علم موجود ہوتا ہے، اس میں حکمت موجود ہوتی ہے، تو پھر اسے علم و حکمت عطا کرنے والے کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔ نعمت کی ناشکری کرنے والا بے حقیقت ہو جاتا ہے۔

حاصل: اللہ کا دیا ہوا رزق پاک ہوتا ہے۔ جس کو رزق کے اعتبار سے فضیلت حاصل ہو، اس کے ذمے کام بھی اسی نسبت سے ہوتے ہیں۔ اپنے ماتحت لوگوں کو حق کی احسن ادائیگی کے لئے مدد دینی چاہئے۔ درجات کی موجودگی، معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نعمت کا درست استعمال شکر گزاری ہے تو اس کا خلافِ حق استعمال ناشکری ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۙ﴿۷۲﴾

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے انفس سے عورتیں بنائیں، اور تمہارے لئے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور تمہیں طیبات سے رزق دیا۔ تو کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کو نہیں مانتے۔

بقائے نسل انسانی کے لئے مرد کے ساتھ اسی کی نوع سے عورت کو پیدا کیا گیا ہے، اور میاں بیوی کے رشتے کو مودّت اور رحمت سے قوت دی گئی ہے۔ بقائے نسلِ انسانی کے عمل میں اگر انسان کو اپنے اوپر جبر کرنا پڑتا، تو انسانی زندگی بہت سے نقائص سے جڑ جاتی۔ میاں بیوی کے درمیان طبعی انس زندگی کو حسین بناتا ہے۔ عورتوں سے اولاد ہوتی ہے۔ اس طرح بیٹے سے بیٹا پیدا ہو تو پوتا کہلاتا ہے، بیٹی کے ہاں ہو تو نواسہ کہلاتا ہے۔ اولاد عطا کرنے والا، اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ نوعِ انسانی کو اللہ تعالیٰ قائم رکھنے والا ہے۔ پھر فرد کی زندگی کو بھی دیکھا جائے تو اللہ نے طیبات سے جو رزق عطا فرمایا ہے وہ بقائے شخصی کے لئے ضروری ہے۔ حق کو ماننا، اللہ کی نعمت کو ماننا ہے، اور حق کا انکار کرنا باطل پر ایمان لانا ہے۔ اللہ نے اگر کسی کی دعا کو اس ذات کے لئے قبول کیا تو بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا، اور کسی مخلص کی دعا کو کسی دوسرے کے حق میں قبول کیا تو بھی قبول کرنے والے کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

حاصل: نوعِ انسانی کو باقی رکھنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ عورت ہو، بیٹا ہو، پوتا ہو یا کوئی بھی اہلِ بیت ہو اس کو حق کے مطابق رہنے کا علم سکھانا چاہئے۔ اللہ کے پاک رزق سے کھانا چاہئے اور کسی شے کی بے قدری نہیں کرنی چاہیے۔ حق کو ماننا ہمیشہ باعثِ برکت ہوتا ہے، باطل کو ماننے والے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اللہ کے مقابل اُن کی عبادت کرتے ہیں، جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی رزق نہیں دیتے اور نہ انہیں استطاعت ہی ہے۔

آسمان سے رزق دینا اللہ کا کام ہے، کہ وہ بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ سورج، چاند، ستاروں کی روشنی سے لوازماتِ زندگی کو وہ کچھ عطا کرتا ہے، جس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ زمین کو اگانے کی صلاحیت بھی اللہ نے دی ہے۔ معبود کی شان تو یہ ہے، کہ وہ اپنے عبد کی ضروریات کا پورا پورا علم رکھتا ہے، اس کی ضروریات کو اس طرح پورا کرتا ہے کہ ہر جگہ پر اعتدال قائم رہتا ہے۔ اس کا علم ہر جگہ محیط ہے، اس کی قدرت ہر جگہ محیط ہے۔ اس کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ جسے جو استطاعت حاصل ہے وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ دائرۂ عبدیت سے باہر نکل جانے کی استطاعت کسی کو ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل: معبود کی شان ہے کہ وہ آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کسی دوسرے کو یہ استطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔ بندے کو اپنی ضروریات کا پورا علم نہیں ہوتا، اللہ کو ہی ہر ایک کی ضروریات کا بڑا علم ہوتا ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو اللہ کے لئے امثال نہ بناؤ۔ بیشک اللہ کو علم ہے، اور تمہیں علم نہیں۔

جو لوگ اللہ کے لئے مثالیں گھڑتے ہیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے، کہ یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ اسے اس کے اختیارات میں مخلوق کی طرح سمجھا جائے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس کے علم کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کا یہ مقام نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی مشیّت ہر جگہ کارفرما ہے۔ رخ کے اختیار کرنے کی آزادی ضرور دی گئی ہے، مگر نتائج پر قدرت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ علمِ مطلق تو ہے ہی اللہ کی شان کے لائق۔ جو اللہ کے دیئے ہوئے علم سے بات نہ کرے وہ بے علمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

حاصل: اللہ کے لئے مثالیں بنانا قطعاً بے علمی ہے۔ اللہ کی مشیّت کے خلاف کرنا ناممکن ہے۔ جو علم حقیقی سے روشنی نہ لے وہ بے علمی کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی۔ ایک بندہ مملوک ہے، کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا، اور ایک وہ جسے ہم نے خوب رزق دیا ہے، تو وہ اسے چھپے اور ظاہر خرچ کرتا ہے۔ کیا وہ مساوی ہوں گے۔ حمد اللہ ہی کی ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اللہ کی بیان کردہ مثال، انسان کے مشاہدے سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک بندہ تو وہ ہے جو مملوک ہے، غلام ہے، کسی شے پر قدرت واختیار نہیں رکھتا، مالک کی اجازت کے بغیر وہ کسی تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ دوسرا بندہ وہ ہے، جسے مالک ہونے کا شرف ہے، اس کو خوب رزق دیا گیا ہے، وہ اس رزق کو چھپے بھی اللہ کی رضا پر خرچ کرتا ہے، ظاہر بھی اللہ کی رضا پر خرچ کرتا ہے، کوئی اس کو روکتا نہیں۔ کیا یہ دونوں بندے مساوی ہوسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کبھی نہیں کہا جاسکتا، کہ یہ دونوں مساوی ہوسکتے ہیں، اس لئے یہاں 'الحمدللہ' فرمایا گیا ہے۔ جب یہ دونوں، نوع کے اعتبار سے بندے ہونے کے باوجود برابر نہیں ہوسکتے، تو مالکِ کل کے سامنے کسی کو برابر قرار دینا بالکل بے جا ہوگا۔ اللہ کی شان بے مثل ہے۔ مشرک لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

حاصل: مملوک کبھی مالک کے برابر نہیں ہوسکتا، تو مالکِ کل کے ساتھ کسی کی برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ مشرک کو کبھی مومن معاشرے میں معلم نہیں بنانا چاہیئے، کہ مشرک علم والا ہو ہی نہیں سکتا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ ع ۱۰ ۱۲

اور اللہ نے مثال بیان فرمائی: دو مرد ہیں، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کچھ کام نہیں سنوار سکتا اور وہ اپنے مولیٰ پر بوجھ ہے، جدھر بھیجے کچھ بھلائی نہ لائے۔ کیا مساوی ہیں یہ اور وہ شخص جو عدل سے امر کرتا ہے، اور وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔

اللہ نے مثال بیان فرمائی ہے، کہ دو مرد ہیں، ایک گونگا ہے، بہرا ہے، جو کچھ کام نہیں سنوارتا۔ اس کا مولا اس کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، مگر وہ اپنے مولا کو کچھ سکھ نہیں دیتا۔ جس طرف بھی اس کو بھیجا جائے وہ کوئی بھلائی نہیں لاتا، بھیجنے والے کے منشاء کے مطابق کام نہیں کرتا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو عدل سے امر کرتا ہے، حق کے حوالے سے پوری بات کرتا ہے، نورِ حق کو پھیلاتا ہے، اور سیدھی راہ پر رہتا ہے۔ اس کے صراطِ مستقیم پر ہونے کا فائدہ، طالبین کو بھی ہوتا ہے، کہ وہ اس مردِ پاک کو دیکھ کر اپنے رخ کو درست کرسکتے ہیں۔ یہ دونوں مرد برابر نہیں ہوسکتے، تو پھر معیارِ عدل کا مقرر کرنے والا اور صراطِ مستقیم کا تعین کرنے والا ایسی شان کا مالک نہیں کہ کوئی اس کے ساتھ برابری کرسکے۔ کوئی اللہ کا شریک نہیں ہوسکتا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ مطلق سے عدل کے معیار کو مقرر کیا ہے، اپنے علمِ مطلق سے صراطِ مستقیم کا تعین کیا ہے، بندہ کبھی عدل کے معیار کو مقرر نہیں کرسکتا تھا، بندہ کبھی صراطِ مستقیم کا تعین نہیں کرسکتا تھا۔ پھر اللہ سے کسی کی برابری کیسے ہوسکتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے، کہ کیا انہوں نے اللہ کے مقابل کچھ سفارشی بنا رکھے ہیں، فرمایئے کیا اگرچہ وہ کسی شے کے مالک نہ ہوں اور عقل نہ رکھتے ہوں۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ فرمادیجئے، شفاعت تو سب اللہ کے ہاں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے۔ تو تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کا ہے۔ اور امرِ ساعت تو ایسے ہی ہے جیسے پلک کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی قریب۔ بیشک اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ انسان کو نظر آتا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ غیب ہے۔ اللہ نے اسے اپنے علم سے رکھا ہے۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ اس کائنات کا نظام جس کے علم سے چل رہا ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ قیامت کے بارے میں لوگوں نے ہمیشہ یہ جاننے کی کوشش کی ہے، کہ وہ کب واقع ہوگی، تو اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اس کے واقع ہونے میں وقت اتنا ہی لگے گا جیسے پلک جھپکنے میں لگتا ہے، بلکہ اس سے بھی کم اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ اُس کی قدرت کا احاطہ ہر جگہ موجود ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے کو ہے، اور جزا کے لئے رکھا گیا شروع ہونے والا ہے۔ حقائق کا انکار، عقل کی موجودگی میں ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل: اپنا حق ادا کرنے کے بعد غیب کے مالک سے بھلائی کی دعا مانگنی چاہئے۔ قیامت کو آتے دیر نہیں لگے گی۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے والا ہے۔ جزا کے لئے رکھا گیا وقت شروع ہونے والا ہے۔ اللہ کی قدرت کو کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے بطون سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے، اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تا کہ تم شکر کرو۔

انسان کا بچہ پیدائش کے وقت سنبھالنے والوں کے ہاتھوں میں ہی سلامت رہ سکتا ہے۔ اس کو اپنی ذات کے بارے میں، اپنے ماحول کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہوتا۔ حصولِ علم کے لئے اللہ نے کان، آنکھ اور دل کو ذریعہ بنایا ہے۔ کان کا کام ہے سننا اور حق کے حوالے سے درست اور غلط کا فیصلہ کرنا، آنکھ کا کام ہے دیکھنا اور حق کے حوالے سے اپنے مقام کا تعین کرنا، دل کا کام ہے تدبر کرنا اور نورِ معرفت حاصل کر کے تضاد سے پاک رہنا اور سچے لوگوں کی تائید کرنا۔ جسے جو مقام حاصل ہے، اس کو معطئ مطلق کا شکر گزار ضرور ہونا چاہئے، کہ جو ذرائع اِس مقام کے حصول کا باعث بنے ہیں، وہ سب اللہ کے عطا کردہ ہیں۔

حاصل: پیدائش کے وقت انسان کو کچھ علم نہیں ہوتا۔ کان کو حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کرنا آ جائے، آنکھ کو حق کے حوالے سے درست اور غلط کا فیصلہ کرنا آ جائے اور دل کو تدبر کرنا آ جائے، تو بندہ فلاح پا جاتا ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں مسخر ہیں۔ اللہ ہی اُنہیں تھامے رکھتا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

پرندوں کا خالق بھی اللہ ہے، کہ وہی خالقِ کل ہے۔ ان کا جسم اپنی ثقالت کے باوجود ہوا میں ٹھہر سکتا ہے۔ کبھی کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا، کہ پرندوں کی اڑنے کی صلاحیت میں اس کا کچھ کمال ہے۔ اللہ نے ہی انہیں ایسا جسم دیا ہے، اُن کے پروں کو ایسی ساخت دی ہے، کہ ہر نوع کو اپنا اعتدال قائم رکھنے کے لئے جو کچھ درکار تھا عطا فرما دیا گیا ہے۔ جن کو رزق کی تلاش میں دور دور دیکھنا پڑتا ہے، وہ بلندی پر پرواز کر سکتے ہیں۔ ان کے پروں کی ساخت، ان کی دم کی ساخت کم بلندی پر پرواز کرنے والوں سے کچھ مختلف ہوتی ہے۔ کس کے علم سے یہ پرندے آسمان کی فضا میں ٹھہرے رہتے ہیں۔ رزق پرندوں کی بھی ضرورت ہے، انہیں اس کے حصول کے لئے بے چینی نہیں ہوتی۔ کبھی کوئی پرندہ اپنے طبعی ماحول میں خوراک کی کمی کی وجہ سے ہلاک نہیں ہوا۔ انسان بھی اپنے رازق سے وہ تعلق محسوس کر لے جو پرندوں کا اپنے رب سے ہوتا ہے، تو پھر اس کے رویئے میں اطمینان نظر آنا چاہئے۔

حاصل: پرندوں کے جسم اور پروں کی ساخت، آسمان کی فضا اور سب لوازماتِ پرواز، اللہ کے علم سے ہیں۔ ایمان والے یہ دیکھتے ہیں، کہ مخلوق تبھی ٹھیک رہ سکتی ہے، جب وہ خالق کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہے۔ نشانیاں اسے فائدہ دیتی ہیں، جسے ہدایت مطلوب ہو۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

اور اللہ نے تمہیں سکونت کے لئے گھر دیئے۔ اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے، جو تمہارے سفر کے دوران اور تمہاری اقامت کے دن ہلکے پڑتے ہیں۔ اور اُن کی اون اور ببری اور بالوں سے کتنے اثاثے اور برتنے کی چیزیں ایک وقت تک۔

سکونت کے لئے گھر بھی اللہ کی عطا ہے۔ اگر وہ پاک مال سے بنایا گیا ہے، تو اس میں راحت ہوتی ہے، ورنہ خوف وحزن اینٹ، پتھر اور لکڑی سے بھی منتشر ہوتا رہتا ہے۔ خیمے بنانے کے لئے چوپایوں کی کھالیں استعمال ہوتی ہیں۔ سفر میں ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہلکے ہونے کی وجہ سے ان کا ساتھ لے جانا بھی آسان ہوتا ہے، اور اقامت کے دن ان کا نصب کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ پھر جانوروں کی اون، ان کی پشم اور ان کے بالوں سے کتنی ہی چیزیں ایک وقت تک حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ تو جس نے انسان کی ضرورت کا سامان اس کی طلب کے اظہار سے بہت پہلے تیار کر رکھا ہے، اس ربِ وَدود سے کسی کا مقابلہ کرنا نہایت بے ادبی ہے۔

حاصل: سکونت کی جگہ کو باعثِ راحت ہونا چاہئے۔ شور سکون میں کمی کرتا ہے۔ چوپایوں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بڑی افادیت رکھتے ہیں۔ موسم کی شدت سے بچنے کے لئے اس سے بہتر کوئی بندوبست سفر میں نہیں ہو سکتا۔ ربِّ وَدود نے انسان کی ضرورت کا سامان، اس کی طلب کے اظہار سے بہت پہلے تیار کر رکھا ہے، اس لئے اس سے کسی کا مقابلہ کرنا نہایت بے ادبی ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ

اور اللہ نے اپنی بنائی چیزوں سے تمہیں سائے

جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

دیئے، اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی، اور تمہارے لئے کچھ پہناوے بنائے کہ گرمی سے تمہیں بچائیں، اور کچھ پہناوے بنائے کہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرتا ہے، کہ تم ماننے والے بنو۔

سایہ انسانی ضرورت ہے، اور سایہ بادل کا ہو، درخت کا ہو یا کسی بھی شے کا ہو، اس شے کا بنانے والا، اس شے کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جس قدر اس انسانی ضرورت کی اہمیت معلوم ہوگی، اسی قدر اس ضرورت کے پورا کرنے والے کا احسان مانا جائے گا۔ پہاڑوں کی اہمیت واضح فرمائی گئی ہے، کہ یہ تمہاری ضرورت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ یہاں تم موسم کی شدت سے بھی خود کو بچا سکتے ہو، دشمن کے ساتھ لڑائی میں بھی چھپنے کی جگہ بہت مدد دیتی ہے۔ فائدہ اٹھانے والوں کو شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔ لباس انسانی ضرورت ہے۔ گرمی اور سردی سے جسم کو بچانے کی تدبیر انسانی شعور کا خاصہ ہے۔ جس مالکِ کل نے حفاظت کا سامان مہیا کیا ہے، اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔ لڑائی میں جسم کی حفاظت کے لئے جو کچھ استعمال ہوتا ہے، وہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے۔ حفاظت کا کون سا مقام ہے، جو یہ روشن نہیں کرتا، کہ انسان کی حفاظت، الحفیظ کے علم سے ہو رہی ہے۔ شعور کی موجودگی میں اللہ کا شکر ادا ہونا چاہئے۔ ہر مقام پر سامانِ حفاظت مہیا کرنے والے کی قدر کی جائے، جیسے اسکی قدر کا حق ہے، تو اتمامِ نعمت کو ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

حاصل: ہر مقام پر حفاظت کا بندوبست، اللہ ہی کر سکتا ہے۔ حفاظت کا احساس ہو، تو سرِ تسلیم ضرور خم ہوتا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو آپ پر تو صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

اگر حق کو سن کر لوگ بھلائی کی طرف نہیں آتے، تو وہ سنے کو اَن سنا کر دیتے ہیں، اور منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں شاہدین کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ ان کا کام رضائے الٰہی کے حوالے سے پورا ہو چکا ہے، یا نہیں۔ اگر پورا ہو چکا ہو، تو جاہلین سے اعراض کریں ورنہ بلاغ المبین پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔ جو حق کو نہیں مانتا وہ گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔

حاصل: بھلائی کی طلب ہو تو حق بیان کرنے والے کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ شاہد کا کام کسی کو راہِ راست پر لانا نہیں، حق کو روشن کر کے دکھا دینا ہے۔ ماننے والے اور نہ ماننے والے اپنے اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۷

اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اُس سے منکر ہوتے ہیں، اور وہ اکثر کافر ہیں۔

حق اللہ کی نعمت ہے، جس کو اس کی روشن نشانیوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جو لوگ اس کو انسان کے بنائے ہوئے پیمانوں سے ناپتے ہیں، خواہشاتِ نفسانی سے پیدا ہونے والے معاشرتی علوم کے حوالے سے دیکھتے ہیں، وہ حق کا انکار کرنے لگتے ہیں، وہ کبھی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ

پاتے اور اکثر حالتِ کفر میں ہی اس دارِ فانی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

حاصل: حق کو پہچان لیا جائے، تو اسے تسلیم کرنے میں قطعاً دیر نہیں کرنی چاہئے۔ جہاں ماننا نہیں ہوگا، انکار ضرور ہوگا، اور حق کا انکار انسان کو خسارے میں ڈال دیتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کے لئے اس کے پاس کوئی برہان نہ ہو، تو اس کا حساب اس کے ربّ کے پاس ہے۔ بے شک کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور جس دن ہر امت سے ہم ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کافروں کو نہ اذن ہوگا اور نہ وہ منا سکیں گے۔

ہر امت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن صاحب کو معیار بنا کر بھیجا گیا ہے، انہی کی اطاعت سے، انہی کے اتباع سے تعلق مع اللہ کا ثبوت مل سکتا ہے۔ مشہود اگر شاہد کی صفات کو محبت سے اپنے اندر سمو لیتا ہے، تو وہ حق کو ماننے کے دعوے میں سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ ایسے مشہود سے اس کے شاہد کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ یوم الدین کو ہر امت سے جب اس کی طرف بھیجا ہوا گواہ اٹھایا جائے گا، تو ان سے محبت رکھنے والے، پھر ان محبت رکھنے والوں سے محبت رکھنے والے، پھر ان محبت رکھنے والوں سے محبت رکھنے والوں کا ایک سلسلہ موجود ہوگا جو دارِ عمل کی انتہا تک پایا جائے گا۔ شاہد کو دیکھ کر ماننے والے بھی موجود ہوں گے، شاہد کو بالواسطہ دیکھ کر ماننے والے بھی موجود ہوں گے۔ ماننے والوں کی پاک صفات ان کی شان کو واضح کر رہی ہوں گی۔ اس دن کافروں کو لب کشائی کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور اس وقت عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی، اس لئے جزا دینے والے کو راضی کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کو جس زمانے میں جہاں پیدا کیا گیا ہے، علمِ مطلق سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ معیار ہمیشہ معلوم ہوتا ہے، جس کے حوالے سے قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔ حال پر ملے ہوئے وقت اور حال پر ملی ہوئی مہلت و توفیق کو فلاح پانے کے لئے کافی جاننا، ایمان کی نشانی ہے۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور جب ظلم کرنے والے عذاب کو دیکھیں گے، تو نہ اُن پر تخفیف ہوگی اور نہ اُنہیں مہلت ہی ملے گی۔

جو خلافِ حق کرتا ہے، وہ ظالم ہے۔ جزا کے دن ظالم عذاب کو دیکھیں گے، تو انہیں یہ طلب ہوگی، کہ انہیں کچھ مہلت دی جائے، جس میں وہ دعوتِ حق کو قبول کریں اور اللہ کے پیاروں کا اتباع کریں۔ مگر یہ ممکن ہی نہ ہوگا۔ اس دن خلافِ حق کرنے والے یہ کہیں گے، یہ دن بڑا سخت ہے۔ جو حال پر حق کے خلاف کرتا ہے وہ خسارے کی راہ اختیار کرتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد اس کا مان لینا

اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ پھر اس عذاب میں کمی بھی نہ ہوگی، اس میں انقطاع بھی نہیں ہوگا۔

حاصل: حق کو پانا، مقصدِ حیات کو پورا کرنے کی صورت ہے۔ حق کا انکار کرنے والوں پر عذاب مسلسل ہوگا اور اس میں تخفیف نہ ہوگی۔ سزا دینے والا علیمِ مطلق جو سزا دے گا وہ قطعاً پوری ہوگی۔

وَ اِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا شُرَکَآءَہُمۡ قَالُوۡا رَبَّنَا ہٰۤؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ ۚ فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡہِمُ الۡقَوۡلَ اِنَّکُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿ۚ۸۶﴾

اور جب شرک کرنے والے، اپنے شریکوں کو دیکھیں گے، کہیں گے، اے ہمارے ربّ یہ ہیں ہمارے شریک کہ جن کو ہم تیرے مقابل پکارتے تھے۔ تو وہ ان پر بات پھینکیں گے کہ تم یقیناً کاذب ہو۔

النّٰلثۃ

شرک کرنے والے قیامت کے دن دعوتِ شرک دینے والوں کو دیکھیں گے، تو کہیں گے، اے ہمارے ربّ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم پکارتے رہے ہیں، جن کی ہم پیروی کرتے رہے ہیں۔ دعوتِ شرک دینے والے فوراً کہیں گے، تم یقیناً جھوٹے ہو۔ شیطان برائی کی دعوت دیتا ہے لیکن کسی پر اس کا زور نہیں چلتا۔ جو اس کی دعوت کو مانتا ہے، اپنی غرض و غایت کے لئے مانتا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ قیامت کے دن دعوتِ شرک دینے والے یہ کہیں گے، کہ شرک کرنے والے خود کو ملامت کریں۔ شرک کرنے والوں نے اس لئے شرک نہیں کیا کہ دعوتِ شرک دینے والوں نے ان سے ایسے کہا تھا، بلکہ شرک کرنے والوں نے حق کو جانتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور وہ گمراہ ہوئے۔

حاصل: جس تعلق کی بنیاد پاکیزگی پر ہو، وہ تعلق دائمی ہوتا ہے۔ جو تعلق غرض و غایت کے حوالے سے ہو، وہ اپنی خواہش کے حوالے سے ہوتا ہے۔ نفس کا مزاج یہی ہے، کہ خسارے کو دیکھ کر، بُرے اعمال کی ذمہ داری، برائی کی دعوت دینے والوں پر ڈال دیتا ہے۔ برائی کی دعوت دینے والے، قیامت کے دن کسی کی برائی کی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔

وَ اَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰہِ یَوۡمَئِذِ السَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

اور اُس دن اللہ کی طرف تسلیم سے گریں گے، اور گم ہو جائیں گے ان سے جو افتریٰ وہ باندھتے تھے۔

قیامت کے دن شرک کرنے والے بڑی عاجزی کے ساتھ اطاعتِ الٰہی کے لئے تیار ہوں گے۔ مگر جب عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو چکا ہو، تو کسی کو عمل کے لئے حکم نہیں دیا جا سکتا، اس لئے مشرکین کی یہ عاجزی بے معنی ہوگی۔ خسارہ سامنے نظر آرہا ہو، تو افتریٰ سب گم ہو جاتے ہیں۔ جب تک خسارے سے بچ جانا ممکن نظر آئے، افتریٰ باندھنے والے، افتریٰ باندھتے چلے جاتے ہیں۔

حاصل: حق کو اس وقت ماننا جب اس کا انکار ممکن نہ ہو، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب خسارہ احاطہ کرتا ہوا نظر آئے اور بچ جانے کی کوئی صورت نہ رہے، تو افتریٰ سب گم ہو جاتے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ زِدۡنٰہُمۡ عَذَابًا فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یُفۡسِدُوۡنَ ﴿۸۸﴾

جو لوگ کفر کرتے رہے اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے، ہم انہیں عذاب پر عذاب بڑھائیں گے، اس لئے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

کفر کرنا، حق کا انکار کرنا ہے اور یہ جرم ہے۔ اللہ کی راہ سے روکنا، جرم کی ترغیب دینا ہے، اور زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ اس فساد سے انسانوں کے مابین رشتے بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور معاشرہ بگڑنے لگتا ہے۔ اللہ کی متعین کی ہوئی راہ ہی ایک راہ ہے، کہ جس پر چلنے سے سب کا بھلا ہوسکتا ہے۔ باقی سب راہیں فساد سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان کی تجویز کردہ راہوں میں فساد کی کمیت، کیفیت اور نوعیت مختلف ہوسکتی ہے، اس لئے عذاب بھی سب کو ایک جیسا نہیں ہوگا۔ جو لوگ جرم پر جرم کرتے چلے جائیں انہیں عذاب پر عذاب بڑھتا جائے گا۔

حاصل: ہمیں حق کے مطابق رہنا چاہئے، امن اسی طرح قائم ہوسکتا ہے۔ سزا جرم کے مطابق ہوگی اور فساد کرنے والے فساد کی کیفیت اور نوعیت کے مطابق سزا پائیں گے۔

وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ جِئۡنَا بِکَ شَہِیۡدًا عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۲ ۶ ۱۸

اور جس دن ہم ہر امت میں سے شاہد مبعوث فرمائیں گے کہ ان پر گواہی دیں اور آپ کو اُن سب پر شاہد ٹھہرائیں گے۔ اور ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل فرمائی کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے، اور مسلمین کے لئے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے۔

ہر امت میں سے گواہی دینے والا یہ گواہی دے گا، کہ اس نے اللہ کے فرمان کو ان لوگوں تک پہنچایا جن کی طرف اسے مبعوث فرمایا گیا تھا، اس نے وہ نمونۂ عمل اسکے سامنے رکھا جو خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دیتا تھا اور اس نے اتمامِ حجت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انبیا، سابقین اپنی اپنی قوم پر حق کو واضح کرتے رہے، خاتم النبیین ساری کائنات کے لئے حق کو روشن کرنے کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ یہ کل کا مقام ہے۔ جزو کی شہادت پہلے ہوتی ہے، کل کی شہادت بعد میں ہوتی ہے۔ جزو کی تصدیق کل سے ہو، تو بات پوری ہوتی ہے۔ قرآن پاک وہ کتاب ہے، جس میں ہر شے کا بیان ہے۔ یہ کتاب بھی کل کا درجہ رکھتی ہے، اور ساری کائنات کے لئے ہے۔ ماننے والوں کو مقصدِ حیات کے عرفان کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے حصول کے لئے خاتم النبیین کے اسوۂ حسنہ کے مطابق کس طرح استعمال کرنا ہے اور کس مقام پر اتباع کا حق کس طرح ادا ہونا چاہئے۔ اس ہدایت سے استفادہ کرنیوالے رحمت کے احاطے میں رہتے ہیں۔ تائیدِ ایزدی ان کے شاملِ حال ہوجاتی ہے۔ حال پر انہیں وہ راحت حاصل ہوتی ہے، کہ جس میں مستقبل کی فلاح بصورتِ بشارت موجود ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کا اتباع کرنے والے قیامت تک شاہدین کی صورت سے آپ کے اسوۂ حسنہ کو روشن کرتے رہیں گے، تاکہ لوگوں کو یہ نظر آتا رہے، کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور فلاح کے حصول کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔

حاصل: انبیاءِ سابقین کی شہادت کے بعد خاتم النبیین کی شہادت سے گواہی کا کام پورا ہوجائے گا۔ قرآنِ پاک

ساری کائنات کے لئے ہے۔ ماننے والے اس سے ہدایت پاتے ہیں، انہیں رحمت سے نوازا جاتا ہے، اور انہیں فلاح کی بشارت حاصل ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی اور اس کتاب میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ ہوں اور تم اور لوگوں پر گواہی دو۔ (۲۲:۷۸)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

بے شک اللہ عدل و احسان اور قربیٰ کو دینے کا امر کرتا ہے اور بے حیائی و برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، تمہیں وعظ کرتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

یہاں امر کے تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں: عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ۔ اپنی ذات کے متعلق بات ہو، اپنے والدین کے متعلق بات ہو، اپنے اقربا کے بارے میں بات ہو، کسی غنی کے بارے میں بات ہو یا کسی فقیر کے بارے میں بات ہو رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ جہاں خواہش کی پیروی ہوگی عدل نہیں ہوگا۔ (۴:۱۳۵) احسان یہ ہے کہ لوگوں کو حق کے مطابق رہنے میں آسرا دیا جائے۔ احسان نہ ہو تو جو بھی ہوگا وہ فساد ہوگا چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا گیا ہو۔ قربیٰ کو دیتے وقت یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ خالی گھروں کو بھرنا حق ہے، بھرے ہوئے گھروں کو مزید بھرنا حق نہیں ہے۔ نہی کے بھی تین مقام بیان فرمائے گئے ہیں: بے حیائی، برائی اور سرکشی۔ جب عدل نہیں ہوگا، تو بے حیائی کی ابتدا ہو جائے گی، اور جب شیطان کے امر کی تعمیل ہوگی، تو بے حیائی کی انتہا ہوگی۔ برائی وہ ہے جس کی ترغیب نفسِ امارہ کی طرف سے ملے۔ برائی خلوت میں ہوگی تو جلوت میں بھی آ ئے گی۔ برائی ہمیشہ عدم احسان سے بڑھتی ہے۔ برائی بڑھ رہی ہو تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ صاحبِ ثروت لوگ احسان کو بھول چکے ہیں۔ جب بے حیائی اور برائی ہوتی چلی جائے، تو پھر سرکشی کا مقام آتا ہے۔ تب بھلائی کی راہیں روکنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ یہ وعظ ہے جو اعلم کی طرف سے فرمایا گیا ہے۔ اس کو مان لیا جائے تو دونوں جہانوں میں بھلا ہوگا، نہ مانا جائے تو دونوں جہانوں میں خسارہ ہوگا۔ ان چھ مقامات کو واضح کرتے رہنا بھلے لوگوں کا کام ہے۔ حسنِ معاشرت اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔

حاصل: جن کاموں کے کرنے کا امر دیا گیا ہے، وہ ہیں عدل، احسان اور ایتاء ذی القربیٰ۔ جن سے منع فرمایا گیا ہے وہ ہیں بے حیائی، برائی اور سرکشی۔ جس وعظ میں وعظ کرنے والا کسی اجر کا سوال نہ کرے، اسے سامعین کی بھلائی میں خوشی ہو، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ اسے سن کر کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور مانا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

اور جب آپس میں عہد کرو، اللہ کا عہد پورا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو، اور تم اللہ کو

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

اپنے اوپر کفیل ٹھہرا چکے ہو۔ بے شک اللہ کو علم ہے جو تم کرتے ہو۔

حدوداللہ کو مانتے ہوئے، آپس میں معاملات کے وقت عہد کرنے کی صورت بنتی ہے، یہ عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کو اللہ کی رضا کے لئے پورا کرنا چاہئے۔ جب کسی مقام پر کسی فرد یا جماعت کو پوری سنجیدگی کے ساتھ قسم کھا کر کسی امر کا یقین دلایا جائے تو اس قسم کو توڑنے سے بہت بڑے بڑے نقصانات ہو جاتے ہیں: قسم کھانے والے کا اعتبار اٹھ جاتا ہے، دوسرے قسمیں کھانے والے بھی قابلِ اعتبار نہیں رہتے، شکوک وشبہات سے تاریکی بڑھنے لگتی ہے۔ بہت ساوقت، بہت سرمایہ اور بہت قوت معاملات میں احتیاطی تدابیر کرتے کرتے ضائع ہو جاتے ہیں۔ عہد توڑنے والا یہ تو مان چکا ہوتا ہے، کہ اللہ اس کا کفیل ہے۔ جب اللہ سے بڑا کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے، تو پھر عہد شکنی ایمان کی کس کیفیت کو ظاہر کرے گی۔ اللہ کو ہر فعل کے پیچھے نیت کا بھی علم ہوتا ہے۔ یہ یقین ہو تو پھر نیت کو بھی درست رہنا چاہئے، فعل کو بھی درست ہونا چاہئے۔

حاصل: عہد صرف اللہ کے فرمان کی تعمیل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، خلافِ حق کوئی عہد نہیں ہوتا۔ معاملات میں لوگوں کے ساتھ عہد، اللہ کے ساتھ عہد ہوتا ہے، اُسے پورا کرنا لازم اور اُس کا توڑنا گناہ ہے۔ جو اللہ کو کفیل مانتا ہے، اس کو خسارے کا خدشہ کیوں ہوگا۔ نیت ٹھیک ہو تو فعل ٹھیک ہوگا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور اس عورت کی طرح مت ہو، جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، کہ اپنی قسموں کو ایک دوسرے میں دخل دینے کا بہانہ ٹھہراؤ کہ کہیں ایک گروہ دوسرے سے چڑھا ہوا نہ ہو۔ اللہ تو تمہیں اس سے پرکھتا ہے اور ضرور قیامت کے دن تم پر واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

سوت کات کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اپنی محنت کو برباد کر دینے کی صورت ہے، اور قطعاً خلافِ عقل معلوم ہوتی ہے۔ جب انسان اپنے عہد کو قسموں سے پکا کرتا ہے اور جہاں معاہد قوم کے ضعف کا احساس ہو، عہد کو توڑ دے اور پھر کسی طاقت ور قوم سے عہد کر لے، تو یہ اسی عورت کی طرح ہے، جو سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ ایسے انسان کو یہ دعویٰ بھی ہو کہ وہ بہت عقل والا ہے، تو اسے اس کیفیت پر نظر کرنی چاہئے۔ قوت وضعف میں اقوام کے اختلاف ضرور مشاہدے میں آتے ہیں، مگر معاہدات کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اور ان کا احترام بھی حق کے حوالے سے ہونا چاہئے، اسی سے انسان کی پرکھ ہوتی ہے۔ اقبال کی طلب اور ادبار سے بچاؤ طبعی بات ہے، مگر نتائج پر قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے، وہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کی حقیقت ان پر واضح ہو جائے گی۔

حاصل: جن باتوں میں ہم دوسرے لوگوں کو بے عقل کہتے ہیں، دیکھنا چاہئے، کیا ہم بھی وہی بے عقلی تو نہیں کر رہے۔ معاہدات حق کے حوالے سے ہوں اور ان کا احترام بھی حق کے حوالے سے ہو۔ قوت کا بڑھانے والا بھی اللہ ہے،

کم کرنے والا بھی اللہ ہے۔ وہ کمزور جو حدود اللہ کا احترام کرتا ہے، اس طاقت ور سے بہت بہتر ہے، جو اپنی خواہشات کی پیروی میں وقت ضائع کرتا چلا جارہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت ٹھہرادیتا۔ ولیکن اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے، اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے۔ اور تم سے ضرور سوال ہوگا جو عمل تم کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اگر چاہتا تو بنائے اختلاف ہی نہ ہوتی اور لوگ ایک ہی امت ہوتے۔ اس اعلم نے ایسا نہیں چاہا اور انسانوں کے لئے یہ موقعہ فراہم کیا ہے، کہ گمراہی کی طرف جائیں تو بھی شعوری کوشش کے ساتھ اور ہدایت کی طرف آئیں تو بھی شعوری کوشش کے ساتھ۔ جو عقل کے ساتھ اپنے تضاد کو دور نہ کرے وہ گمراہی کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ جو عقل کے ساتھ اپنے تضاد کو دور کرے وہ ہدایت پالیتا ہے۔ ہدایت یافتہ ہی حیاتِ دُنیا میں خوف وحزن سے بچ سکتا ہے۔ جو رخ بھی کسی نے اختیار کیا ہو اس سے پہلے اس نے اس کی نیت کی ہوتی ہے، اسی نیت کو عمل کی جان کہا جاتا ہے۔ توفیق عطا کرنے والا ضرور پوچھے گا، کہ اس کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کیا گیا۔

حاصل: اللہ کا کام اتنے بڑے علم سے ہے، کہ صرف مخلصین ہی اس کی حکمت کو جان سکتے ہیں۔ گمراہی بھی شعوری کوشش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، ہدایت بھی شعوری کوشش کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اپنی نیت کو درست رکھا جائے تو عمل درست ہوتا ہے، تب یہ تسلیم کرنا فائدہ مند ہوتا ہے، کہ ہم سے ہمارے عمل کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ ٹھہراؤ کہ کہیں کسی کا قدم ثبات کے بعد متزلزل ہوجائے، اور تم اس بات پر سزا چکھو کہ تم نے اللہ کی راہ سے روکا، اور تم کو بڑا عذاب ہو۔

حق کو ماننے کا دعویٰ ہو، تو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ ہمارے عمل سے لوگ ہماری قوم کے اجتماعی عمل اور اجتماعی رویئے کے بارے میں ایک رائے قائم کریں گے، اور اگر ہم نے اپنی قسموں سے ایک دوسرے کو دھوکا دیا، تو وہ لوگ جو اسلام کو بہتر دین سمجھ کر اس کی طرف آرہے ہیں، متزلزل ہوجائیں گے۔ جن لوگوں نے اپنی قسموں سے ایک دوسرے کو دھوکا دیا ہو، وہ دیکھنے والوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے مرتکب ہوں گے۔ ان کے بارے میں، اسلام میں نو واردوں کو یہی یقین ہوگا کہ ان دھوکا دینے والوں کا ساتھ کبھی باعثِ عافیت نہیں ہوسکتا۔ اس کے اثرات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر مرتب ہوں گے۔ یہ بڑے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے، وہ عذاب حیاتِ دُنیا میں بھی ہوگا، آخرت میں بھی ہوگا۔

حاصل: اپنے عمل پر نظر رکھنی چاہئے، کہ اس سے ماحول پر کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ ہمارے رویئے سے اگر

حق کی طرف آنے والے کا قدم لغزش کھاتا ہے تو ہم نے اسے اللہ کی راہ سے روکا ہے۔ یہ اجتماعی مفاد کو ذاتی خواہش پر قربان کرنے والی بات ہے، اجتماعی مفاد کو ذاتی خواہش پر قربان کرنا، بڑے عذاب کو دعوت دینا ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور اللہ کے عہد پر تھوڑے دام نہ لو۔ بے شک وہ جو اللہ کے پاس ہے، تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تمہیں علم ہو۔

اللہ کے ساتھ عہد یہ ہے کہ ہم خلوت میں تیری رضا کے تابع رہتے ہوئے پاک رہیں گے، جلوت میں تیرے شاہد کا اسوۂ حسنہ ہمارا معمول ہوگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ساتھ دائمی ہو جائے گا۔ اگر کسی مقام پر خلافِ حق کیا جائے گا، تو وہ اللہ کے عہد کو دُنیاوی مفادات پر قربان کرنے والی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی ہے کہ جو کچھ تمہیں میرے عہد پر قائم رہنے کی صورت میں مل سکتا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے، جو عہد کو نظر انداز کر کے تم لے لیتے ہو۔ خلافِ حق کرنے سے جو کچھ بھی ملے گا، خوف و حزن اس کے ساتھ ہوگا، اور وہ حیات دُنیا میں بھی باعثِ راحت نہ ہوگا۔ بہت تھوڑے وقت کی خوشی کے لیے بہت بڑا دکھ خرید لینا، جس سے جان چھڑانا بھی ممکن نہ ہو، قطعاً بے عقلی ہے۔

حاصل: خلوت و جلوت میں پاک رہنا، شانِ عبدیت ہے۔ بہتر وہی ہے جو اللہ نے دیا ہے اور جو اللہ دے گا۔ حدود اللہ کے عدم احترام سے جو کچھ بھی ملے وہ ناپاک ہوتا ہے اور باعثِ حزن و ملال ہوتا ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

جو تمہارے پاس ہے، ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہے گا۔ اور ہم ضرور صبر کرنے والوں کو اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے اجر دیں گے۔

انسان اپنی تجویز کو جب حق کے مقابل زیادہ اہم مانے گا، تو جو کچھ بھی اسے حاصل ہوگا فانی ہوگا اور ایک وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اس وقت میں بھی اس سے راحت نہیں ملے گی، پریشانی ملے گی۔ اور جو کچھ اللہ کی معیت میں پاک رہنے سے ملے گا، وہ دائمی ہوگا اور باعثِ شان ہوگا۔ وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر قربان کرنے والے صابر ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کے حسنِ عمل کا بڑا اجر ہے۔

حاصل: انسان کی اپنی تجویز سے حاصل ہونے والا فائدہ وقتی ہوتا ہے، اور پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت میں پاک رہنے سے حاصل ہونے والا فائدہ دائمی ہوتا ہے اور باعثِ رفعت ہوتا ہے۔ جو اجر اللہ دے سکتا ہے، وہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

جس نے صالح عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو ہم اس کو حیاتِ طیبہ سے زندہ رکھیں گے۔ اور

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ انہیں ان کے خوب کاموں کا، جو وہ کرتے تھے، اجر دیں گے۔

صالحین کی طریقت کے مطابق کیا جانے والا عمل، صالح عمل ہوتا ہے۔ مرد ہو یا عورت، صالح عمل کرنے کی اہلیت، اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ مقام ہے۔ مرد اپنے حسبِ حال صالح عمل کرے گا، عورت اپنے حسبِ حال صالح عمل کرے گی۔ اگر صالح عمل کرنے والا مومن ہوگا تو اس کو اس کے حسنِ عمل کی جزا حیاتِ طیبہ کی صورت میں دی جائے گی۔ دُنیا میں اس حیاتِ طیبہ والے کی یہ شان ہوتی ہے، کہ خوف وحزن کا سایہ اس پر نہیں پڑتا، اور وہ تعلق مع اللہ میں اس قدر راحت پاتا ہے، کہ کسی مقام پر اسے پریشانی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی ہے، لوگ اس کی قدر کو باعثِ برکت جانتے ہیں۔ اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی وہ بڑی عزت کے ساتھ رخصت ہوتا ہے۔ آگے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے بڑا انعام بھی کیا ہے۔

حاصل: صالح عمل وہ ہے، جو صالحین کی طریقت کے مطابق ہو۔ مرد وعورت اپنے اپنے حسبِ حال صالح عمل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ صالحین کو ان کے حسنِ عمل کی جزا، حیاتِ طیبہ کی صورت میں دی جاتی ہے۔ یہ وہ جزا ہے جس کو عطا کرنے والا جانتا ہے، یا جزا پانے والا جانتا ہے۔ اس تجربے کو محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان میں اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ تو جب تم قرآن پڑھو، تو اللہ کی پناہ مانگو، شیطان مردود سے۔

قرآن پاک، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا کام بھی اسی وحدہٗ لاشریک نے اپنے پاس رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو پڑھنے سے پہلے باوضو ہونا ضروری ہے اور تلاوت شروع کرنے سے پہلے یہ عہد کرنا ضروری ہے، کہ اللہ کے فرمان کو اپنی پسند سے نہیں جوڑنا، اپنی پسند کو اللہ کے فرمان کے تابع رکھنا ہے۔ اس قلبی عہد کے بعد زبان سے تعوذ پڑھا جائے گا تو اللہ کی پناہ کا احساس پورے جسم میں ہوگا۔ شیطان جس بات سے مردود ہوا ہے، وہ ہے امرِ الٰہی کی تعمیل کی بجائے اپنی چاہت کا رخ رکھنا۔ مردود کی صفت جہاں ہوگی وہاں موصوف بھی ہوگا۔

حاصل: قرآنِ پاک سے ہدایت پانے کی نیت ہو، تو ادب ہر مقام پر ملحوظ رہے گا۔ کسی مقام پر اس کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش مردود کے ساتھ ملا دے گی۔ باوضو ہو کر، تعوذ پڑھ کے قرآنِ پاک کی تلاوت کرنی چاہئے۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ بے شک اُس کا زور اُن پر نہیں چلتا، جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں۔

شیطان کے قابو سے بچنے والوں کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان یہ ہے کہ انہیں ناصحین سے محبت ہوتی ہے۔ دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں، اور توکّل یہ ہے کہ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ حق کی احسن

ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہے وہ ان کے پاس موجود ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ معطیٔ مطلق کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضورِ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جواب دہ ہیں۔

حاصل: ایمان ہو تو حق بیان کرنے والوں سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت ایسی راحت عطا کرتی ہے کہ شیطان کی ترغیبات سے کراہت ہونے لگتی ہے۔ توکّل ہو تو پاکیزگی برقرار رہتی ہے، پاکیزگی برقرار رہے تو شیطان کا زور نہیں چلتا۔

اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَوَلَّوۡنَهٗ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِهٖ مُشۡرِكُوۡنَ ۝۱۰۰ ع ۱۳/۱۱/۱۹

اُس کا زور اُنہیں پر ہے جو اُس سے دوستی کرتے ہیں اور اُسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

جو حق کو نہیں مانتا وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ جو خلافِ حق کرنے میں فرحت پائے وہ شیطان کا دوست ہوتا ہے۔ وہ شیطان کے امر کو ماننے کی وجہ سے اس کے قابو میں آجاتا ہے۔ جو نتائج کو باذنِ اللہ نہیں مانتا، وہ اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے، شرک اس کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے، شیطان اسے اس طرح قابو کرتا ہے کہ خسارے تک پہنچا کر ہی اسے چھوڑتا ہے۔

حاصل: شیطان سے دوستی کرنا اور شرک کرنا، شیطان کو اپنے اوپر پورا پورا اختیار دینا ہے۔ جہاں شیطان کا زور چلے گا وہ اپنے ماننے والے کو اس مقام تک پہنچا کر چھوڑے گا، کہ اس کی واپسی ممکن نہ رہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے: اَللّٰهُ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِكُمۡ مِّنۡ شَيۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے۔ اُسے پاکی اور برتری ہے، اُن کے شرک سے۔

وَاِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۰۱

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں، اور اللہ کو سب سے بڑا علم ہے جو وہ نازل فرماتا ہے، کہتے ہیں تم تو بنالاتے ہو۔ بلکہ وہ اکثر لاعلم ہیں۔

آیاتِ الٰہی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں۔ اللہ سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ جس حال پر جو حکم فرمایا گیا ہے، وہی اصلاحِ حال کے لئے موزوں تھا۔ احکام وقتی بھی ہوتے ہیں، اور جب ایسے احکام کا منشاء پورا ہو جاتا ہے تو انہیں بدل دیا جاتا ہے اور دائمی احکام ان کی جگہ آجاتے ہیں۔ جن لوگوں نے صاحبِ کتاب کو مفتری کہا وہ یقیناً لاعلم ہیں۔ علم والے جانتے ہیں، کہ فرد ہو یا جماعت، روحانی مرض میں بھی بعض چیزوں سے وقتی طور پر اجتناب کی تاکید کی جاتی ہے، اور جب استقامت کے ساتھ پاک رہنے کا شرف مل جائے تو پھر اس پرہیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ جس کلام کے مثل کلام لانا قدرتِ بشری سے باہر ہے اس کو افتریٰ کہنا قطعاً جہالت ہے۔

حاصل: احکام وقتی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں، دائمی نوعیت کے بھی ہوتے ہیں۔ جس کو بڑے علم والا مان لیا جائے

اس میں تضاد ثابت کرنا بے ادبی ہوگی اور جہالت ہوگی۔ حق بیان کرنے والے کی اپنی کوئی بات ہوتی ہی نہیں، وہ مفتری کیسے ہوسکتا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

فرما دیجئے اسے تمہارے ربّ کی طرف سے روح القدس نے حق کے ساتھ اتارا، تا کہ ایمان والوں کو ثبات دے اور مسلمین کو ہدایت و بشارت ملے۔

قرآنِ پاک کو افتری کہنے والوں کو امرِ الٰہی کے مطابق یہ روشن جواب دیا جا رہا ہے، کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پاک کلام کو امرِ الٰہی کے تحت مجھ پر اتارا ہے۔ اس پاک کلام سے ایمان والوں کو جو شاہد سے محبت رکھتے ہیں، ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے، اور مسلمانوں کو جن کی زبان پاک ہو جاتی ہے، جن کا ہاتھ امین ہو جاتا ہے، ان کو اس سے راستہ ملتا ہے، اور فلاح کی بشارت کے ساتھ وہ اس راستے کو اختیار کرتے ہیں۔

حاصل: طنز و مزاح کا سامنا ہو یا استہزاء کا، جواب میں سنت رسول کے مطابق بالکل روشن بات کرنی چاہئے۔ شاہد کی بات سے، محبت رکھنے والوں کو ثابت قدمی ملتی ہے، مبتدی حضرات کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور بے شک ہمیں علم ہے کہ وہ کہتے ہیں، یہ تو کوئی بشر ہے، جو ان کو سکھاتا ہے۔ جس کی طرف تعریض کرتے ہیں اُس کی زبان عجمی ہے، اور یہ ہے روشن عربی زبان۔

منکرین نے قرآنِ پاک کے مُنزّل مِن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ تو کوئی بشر ہے جو ان حضرات کو سکھا دیتا ہے، اور یہ اسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ جس بشر کی طرف ان لوگوں نے اشارہ کیا وہ تھا بھی عجمی اور قرآنِ پاک صریحاً عربی زبان میں ہے۔ سکھانے والے کا عکس سیکھنے والے پر ضرور پڑتا ہے اور قرآنِ پاک میں سے اگر معترضین یہ دکھا سکتے کہ یہ کلام یا اس کلام کا یہ حصہ اس مقام پر عربی زبان میں نہیں ہے، تو ان کے اعتراض کو وقعت مل سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے، کہ یہ صریحاً عربی زبان میں ہے، اور فصحاء ہمیشہ اسی کو زبان کے حوالے سے سند کے طور پر پیش کریں گے۔ زبانِ عربی میں اس قرآنِ پاک سے بڑا معیار کوئی نہیں ہے، ہو بھی نہیں سکتا۔

حاصل: اعتراض کو درست ثابت کرنا، معترض کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جب اعتراض غلط ثابت ہو جائے اور اعتراض کرنے والا ماننے کی طرف نہ آئے تو پھر اس کو ضدی ہی کہا جا سکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ اُنہیں ہدایت نہیں دیتا اور اُن کے لئے المناک عذاب ہے۔

اللہ کے پاک بندوں سے میل جول ہو، تو خیر کی طلب رکھنے والا ان کی بات کو بہتر جانتے ہوئے اپنی بات کو چھوڑ کر پاک لوگوں کی بات کرنے لگ جاتا ہے۔اس طرح اس کا قول ایک وقت کے بعد سدید ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے اعمال کی اصلاح کا مقام آتا ہے۔اس مقام پر اسے پاک کرنے والے شاہد سے محبت ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کی آیات پر ایمان لاتا ہے۔اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننے والا ہی اللہ کی مدد سے صحیح نتیجے پر پہنچتا ہے۔ایمان نہ لانے والا خوف وحزن کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔ایسے لوگوں کے لئے ان کے اعمال کی بدولت المناک عذاب حال پر بھی ہوتا ہے، آخرت میں بھی ہوگا۔

حاصل: اللہ کی آیات پر ایمان نہ لانے والے کبھی ہدایت نہیں پاتے۔اُن کے لئے المناک عذاب اُن کے اعمال کی بدولت حال پر بھی ہوتا ہے، مستقبل میں بھی ہوگا۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جھوٹ افتریٰ تو وہی لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور وہی کاذِب ہیں۔

جن لوگوں کو ناصحین سے محبت نہیں ہوتی، وہ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، باتیں بناتے ہیں۔کسی بات کے درست ہونے کا یا درست نہ ہونے کا فیصلہ ان کی پسند سے ہوتا ہے۔کاذب کی یہ نشانی ہے کہ اس کے سامنے اس کی پسند کے علاوہ کوئی حوالہ نہیں ہوتا۔

حاصل: جو ناصحین سے محبت نہیں رکھتے وہ ایمان نہیں لاتے، افتراء سازی اُنہی کا کام ہے۔جس کے سامنے اُس کی پسند کے علاوہ کوئی حوالہ نہ ہو وہی جھوٹا ہوتا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

جس نے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کیا، سوائے اُس کے جو مجبور کیا جائے اور اُس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو، اور جو دل کھول کر انکار کرے، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

حق کو مان لینے کے دعوے کے ساتھ جب شاہد سے اپنے تعلق کو توڑ لیا جائے تو یہ ایمان کے بعد کفر کرنے کی صورت ہوگی۔اعدائے حق کے دباؤ سے اگر کوئی کلمہ زبان سے خلافِ حق نکالا جائے مگر قلباً شاہد کی محبت دل میں برقرار ہو تو اس اطمینان قلب کی موجودگی میں خلافِ حق کہنے پر گرفت نہیں ہوگی۔مگر جہاں اطمینانِ قلب ختم ہو جائے وہاں جو کچھ بھی خلافِ حق کہا جائے باعثِ غضبِ الٰہی ہوگا اور باعثِ عذابِ عظیم ہوگا۔

حاصل: ایمان کے بعد اللہ کا انکار کسی مجبوری کے تحت ہو تو گرفت نہیں ہوگی۔قلباً انکار کسی جبر کے تحت نہیں ہوتا۔قلباً حق کا انکار باعثِ غضبِ الٰہی اور باعثِ عذابِ عظیم ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

یہ اس لئے کہ انہوں نے حیات دُنیا کو آخرت پر ترجیح دی، اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایمان کے بعد جو حق سے پھر جائے وہ کسی جبر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا، اسے آخرت کے دائمی فائدے کے مقابل حیات دُنیا کے وقتی فائدے میں راحت نظر آتی ہے، وہ اس راحت کی طلب میں مبتلا ہو کر حق کا انکار کرنے لگتا ہے۔ ایسا منکر حق یہ دیکھ چکا ہوتا ہے، کہ شاہد سے محبت رکھنے والے حیاتِ دُنیا کے مقابل حیاتِ آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور استقامت سے راہِ حق پر رہتے ہیں۔ جو وقتی فائدے کو دائمی فائدے پر ترجیح دے اور وقتی نقصان سے بچتے ہوئے دائمی نقصان کو قبول کرے، اسے ہدایت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی طلب ہو، شاہد سے محبت ہو، حیات دُنیا پر حیاتِ آخرت کو ترجیح دی جائے اور جو وقت پاک لوگوں کی معیت میں گزرے اسے سرمایہ حیات سمجھا جائے۔

حاصل: حیاتِ دُنیا کو حیاتِ آخرت پر ترجیح دی جا رہی ہو تو اس کے پیچھے کبھی جبر موجود نہیں ہوتا۔ ہدایت اسے ہوتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو، شاہدین کی معیت اختیار کرے اور نفس کے شح سے بچتا رہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمۡعِهِمۡ وَاَبۡصَارِهِمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ ہیں وہ لوگ جن کے قلوب پر، جن کے کانوں پر اور جن کی آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے، اور وہی غافل ہیں۔

وہ لوگ جو حیات دُنیا کو آخرت کے مقابل عزیز رکھتے ہیں، اور حق کو مان لینے کے دعوے کے بعد پھر جانے کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے قلوب، ان کے کان اور ان کی آنکھیں، حق شناسی کی استعداد سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔ فرمانِ خداوندی کے حوالے سے یہی لوگ غافل ہیں۔

حاصل: قلب میں ناصح سے محبت موجود ہو تو وہ باحقیقت ہے، کان نصائح سے لگے ہوئے ہوں تو وہ باحقیقت ہیں اور آنکھیں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے طریق رشد کو اختیار کریں تو وہ باحقیقت ہیں۔ غافل کا قلب، اس کے کان اور اس کی آنکھیں سب بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی خسارے والے ہیں۔

حیات دُنیا کو بہت عزیز رکھنے والے، آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ جب اعمال کی جزا کا وقت آئے گا تو لامحالہ یہی لوگ خسارے میں ہوں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں، دُنیا میں ان سے بڑا جاہل کون ہو سکتا ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے رضائے الٰہی کے مطابق استفادہ کرنا خسارے سے بچ جانے کی صورت ہے۔ جزا کا یقین نہ ہو تو لامحالہ جزا کے دن خسارہ ہی ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ع ﴿۱۱۰﴾

ع ۱۴/۲۰

پھر بیشک تمہارا ربّ اُن کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد اس کے کہ انہیں ستایا گیا، پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر والے ہوئے، بیشک تمہارا ربّ اس کے بعد ضرور بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

قلب پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں نے جبر کے تحت ایسے کلمات کہہ دیئے ہوں جو خلافِ حق ہوں مگر دل میں ان کے ایمان ہو تو اس ایمان کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں نے اگر منکرین حق کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی ہو اور اس دکھ کے بعد ہجرت کی ہو، تو یقیناً ان کا منشاء بندگی کے لئے بہتر ماحول کی جستجو ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان پر جہاد کا وقت آئے اور وہ جہاد کریں اور اللہ کی عطا کو پورا جانتے ہوئے حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور یوں صبر کا ثبوت دیں، تو عملاً ایسے لوگوں نے ہجرت سے جس سے قبل انہیں ستایا گیا تھا، جہاد سے اور صبر سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کر دیا۔ ایسے لوگوں کی کوتاہیاں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخش دی جاتی ہیں، اور ان پر رحم فرمایا جاتا ہے۔ ربّ العالمین کی سنت یہی ہے۔

حاصل: ہجرت سے پہلے ستائے جانے کا مقام لازم ہوتا ہے۔ ہجرت بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے بہتر ماحول کی جستجو کے لئے کی جاتی ہے۔ جو اپنی صداقت کا ثبوت ہجرت سے دے، جہاد اور صبر سے دے اس کی کوتاہیوں کو معاف کر دینا چاہئے، اور اس پر رحم کرنا چاہئے کہ اس کو حق کی ادائیگی میں آسانیاں حاصل ہوں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النمل (۲۷) میں فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لئے زینت دی، تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ یہ وہ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے، اور آخرت میں وہی سب سے بڑھ کر خسارے میں ہیں۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

جس دن ہر نفس اپنی ہی طرف جھگڑتا ہوا آئے گا، اور ہر نفس کو پورا ملے گا جو عمل اُس نے کیا، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

بعث بعد الموت کے وقت کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ ہر نفس پر یہ کیفیت طاری ہوگی، کہ اسے صرف اپنی جزا کی فکر ہوگی، اور وہ اپنی برأت کے لئے عذر تراشتا ہوا اس مقام کی طرف بڑھ رہا ہوگا، جو اس کے لئے علیم مطلق نے جزا کے حوالے سے ٹھہرایا ہوا ہوگا۔ اس مقام سے آگے پیچھے ہو جانا بھی ممکن نہ ہوگا۔ اس دن ہر نفس کو اس کے اعمال کا بدلہ پورا پورا ملے گا۔ اگر اس نے نیکی کی ہوگی تو اس کی جزا بھی پوری ملے گی اور اگر اس نے برائی کی ہوگی، تو اس کی جزا بھی اتنی ہی ہوگی جس کا وہ مستحق ہوگا۔ ان پر ظلم قطعاً نہیں ہوگا۔

حاصل: جزا کا یقین اصلاحِ حال کے لئے ضروری ہے۔ نفس کا مزاج ہے کہ وہ برأت کے لئے عذر تراشتا ہے۔

عدل کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے مقام کا تعین ان کے اعمال کے حوالے سے کرے، اور فیصلہ کرتے وقت وہ صرف حق کے حوالے سے فیصلہ کرے، اس کی خوشی اور ناخوشی فیصلے پر اثر انداز نہ ہو۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ نے ایک قریئے کی مثال بیان فرمائی، کہ امن چین سے تھا۔ ہر جگہ سے اس کو رزق بافراغت ملتا تھا۔ تو وہ بستی اللہ کی نعمتوں کا کفران کرنے لگی۔ تو اللہ نے انہیں بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا، بدلہ اس کا جو وہ کرتے تھے۔

اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرما کر حال پر لوگوں کو دعوتِ فکر دی ہے، کہ وہ اپنی اصلاح سے لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کریں، ورنہ سنتِ الٰہی کے مطابق ان لوگوں کو بھی ایسی صورت حال سے واسطہ پڑے گا کہ یہ اپنے کیئے پر پکڑے جائیں گے۔ جس بستی کی مثال بیان فرمائی گئی ہے، اس کے مکین امن چین سے رہ رہے تھے۔ ان کو ہر جگہ سے رزق بافراغت ملتا تھا۔ لوگ اس بستی کے لوگوں پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے کاروبار میں لوگوں کو یہ یقین ہوتا تھا کہ انہیں کبھی دھوکا نہیں دیا جائے گا۔ اس بستی کے لوگ اپنے اجتماعی رویئے کی بدولت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ جب یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگے، اور لالچ میں پڑ کر لوگوں کو نقصان پہنچانا ان کا وطیرہ ہو گیا، تو لوگوں کا اعتماد ان پر سے اٹھ گیا، اور بھوک اور خوف نے بستی والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ بھوک اور خوف ان کے کیئے کی بدولت ان پر مسلط کی گئی۔ جب رزق ان کو بافراغت ملتا تھا، تو ان کی ضروریات بھی اسی نسبت سے تھیں، پھر رزق بافراغت ملنا بند ہوا تو ضروریات کو کم کرنے پر بھی نفس کی چیخ نکلتی ہے۔ ایک عرصے کے لئے اسی دکھ میں مبتلا رہنا بہت بڑی سزا ہے، مگر ہے یہ ناشکری کی بدولت۔

حاصل: جس بستی میں لوگ امن چین سے رہتے ہوں، انہیں اس امن چین کی قدر بھی کرنی چاہیئے، اس کی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اپنے اجتماعی رویئے کو درست رکھنا اس طرح ممکن ہے کہ افراد اپنے ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر کبھی ترجیح نہ دیں۔ ناشکری اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ گرفت ہے، اور اللہ کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ بھوک اور خوف کے دائرے سے نکلنا اس طرح ممکن ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کیا جائے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور بے شک اُن کے پاس ایک رسول اُنہیں میں سے تشریف لائے تو ان کی تکذیب کی، پھر انہیں عذاب نے پکڑا اور وہ ظالم تھے۔

مذکورہ بستی والوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان تھا، کہ وہاں ایک رسول کی بعثت ہوئی، جو باہر سے تشریف نہیں لائے تھے، انہیں میں سے تھے۔ اس سے ان لوگوں کو یہ سہولت ملی کہ وہ رسول ان کے مسائل کو پوری طرح جانتے تھے۔ ان کا بتایا ہوا حل بستی والوں کی سمجھ میں آتا تھا۔ مشکل سے نجات کا راستہ بتانے والے کو یقینی علم حاصل تھا۔ مگر بستی والوں نے رسول کو جھٹلانے کا راستہ اختیار کیا، اور اپنی پسند کو چھوڑنا قبول نہ

کیا۔ یہ لوگ عذاب کے راستے پر تو جا ہی رہے تھے، رسول کی پیروی ان کی نجات کا باعث ہو سکتی تھی، مگر یہ لوگ رسول کی پیروی سے کراہت کرتے تھے۔ انہیں عذاب نے پکڑ لیا اور یہ اپنے ظلم کے نتیجے میں پکڑے گئے۔

حاصل: رہنمائی کرنے والا، رہنمائی چاہنے والوں سے ہو، تو یہ بڑی رحمت کی بات ہوتی ہے۔ اس کا انکار باعثِ تکالیف ہوتا ہے جو علم یقین سے بات کرتا ہو۔ ظالم ہمیشہ اپنے کیے پر ہی پکڑے جاتے ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

تو کھاؤ اللہ کا دیا ہوا رزق حلال طیب اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔

اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل ہو۔ حرام اور حلال کی وضاحت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔ اگر طریقۂ استعمال آپ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہوگا تو استعمال ہونے والی شے طیب ہو جائے گی۔ اللہ کی نعمت وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس نعمت کا شکر یہ اس طرح ادا ہوتا ہے کہ حکم اللہ کا مانا جائے نمونہ اس کے رسول کا پیش نظر ہو۔ یہی اللہ کی بندگی کی سند ہے۔ یہ نہ ہو تو اللہ کے نزدیک بندگی نہ ہوگی۔

حاصل: اللہ کا دیا ہوا رزق وہ ہے، جو حدود اللہ کے احترام سے ملتا ہے۔ حلال و حرام کی وضاحت علمِ الٰہی سے کی گئی ہے، طریقہ استعمال اسوۂ حسنہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ نعمت کا شکر یہ ادا کرنا شانِ عبدیت ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

تم پر حرام یہی ہے، مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کو پکارا گیا ہو۔ پھر جو لاچار ہو، تو نہ خواہش کرے اور نہ حد سے بڑھے، تو بے شک اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جن چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ چار ہیں: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جن کے ذبح کرتے وقت سنتِ نبوی کے مطابق تکبیر نہ پڑھی گئی ہو کیونکہ اس کے علاوہ جو بھی ذبح کرتے وقت پڑھا جائے گا وہ خلافِ حق ہوگا۔ مذکورہ چاروں حرام چیزوں کے بارے میں بھی یہ رعایت موجود ہے کہ اگر کچھ میسر ہی نہ ہو، تو یہ بے چارگی کا مقام ہوگا، ایسی صورت میں ان چیزوں کو اس قدر استعمال کرنے کی اجازت ہے، کہ نہ تو ان کی طرف رغبت ہو اور نہ اُس حد سے تجاوز کیا جائے جسے ہلاکت سے بچنے کے لئے پیشِ نظر رکھا گیا ہو۔ اس رعایت میں بھی اللہ کی بخشش اور رحم کو طلب کرنے والا ہی اپنا توازن قائم رکھ سکے گا۔

حاصل: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، یہ چاروں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ کھانے کو کچھ نہ ملے تو یہ بے چارگی ہوگی، بے چارگی میں بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت ہے۔ نہ خواہش سے کھایا جائے نہ حد سے تجاوز ہو، تو اللہ اس کوتاہی کو بخش دے گا، رحم بھی فرمائے گا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ اللہ پر جھوٹ سے افتریٰ باندھو گے۔ بے شک اللہ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاتے۔

مالک کل کی شان ملاحظہ ہو کہ حلال وحرام کی حدود کا تعین اسی کے نام سے ممکن ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنے قیاسات سے بات کرتے ہیں، وہ اپنی سوچ کو وقعت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی باتیں بنا کر حرام وحلال کی حدود کا ذکر کرتے ہیں، یہ بے سند باتیں کرنے والے اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ کی بات کرنے کے لئے جس پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُسے نصیب ہوتی ہے، جو صرف حق کو لائقِ بیان جانتا ہو۔ جو پاک نہ ہوا سے اللہ کی بات کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

حاصل: زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہئے۔ اللہ کے بارے میں وہی کہنا چاہئے، جس کی سند موجود ہو۔ ہماری پسند کبھی سند کا درجہ نہیں رکھتی۔ اللہ کے بارے میں بڑی احتیاط سے بات نہ کرنے والے کبھی مومن نہیں ہوتے اور فلاح پانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

تھوڑی متاع، اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، انہیں جزا کا یقین نہیں ہوتا، ان کے لئے متاعِ حیات دُنیا میں بڑی دلکشی ہوتی ہے۔ دُنیا میں ان کو جو کچھ بھی برتنے کو ملا ہے، اس کے ساتھ خوف وحزن بھی ہے، وقت بھی صرف اتنا ہی ہے کہ اتمامِ حجت ہو جائے، اس کے بعد المناک عذاب کا لامتناہی مقام ہوگا، اور اس عذاب سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: مفتری کی طلب کے حوالے سے جو کچھ بھی اس کے پاس ہوتا ہے قلیل ہی ہوتا ہے، اور اس قلیل متاع کو خلافِ حق استعمال کر کے وہ المناک عذاب کو اپنے لئے مقدر کر لیتا ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور یہودیوں پر ہم نے جو کچھ حرام ٹھہرایا تھا وہ اس سے قبل تم پر بیان کی جا چکی ہیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

یہودی، لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، سود لیتے تھے حالانکہ انہیں اس سے منع فرمایا گیا تھا، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے تھے۔ (۱۶۱، ۱۶۰: ۴) لوگوں کو دکھ دے کر یہ لوگ مزا لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے کچھ حلال چیزوں کو ان پر حرام

ٹھہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے ان لوگوں کو منع فرما دیا تھا، ان سے منع ہو جانے میں ان کی بھلائی تھی۔ یہ ایک وقت کے لئے پرہیز تھی۔ پرہیزگاری کے لئے بھی پرہیز ضروری ہوتی ہے۔ یہ پرہیز ان کی روحانی مرض کے حوالے سے تھی اور روحانی مرض میں مبتلا ہونے کے لئے ان لوگوں نے بہت سعی کی تھی۔

حاصل: جس کی بات علم حقیقی سے ہو وہی روحانی طبیب ہوسکتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ کس فرد یا گروہ کے لئے کس چیز سے رک جانا باعثِ فلاح ہوگا۔ پرہیزگاری کے لئے بھی پرہیز ضروری ہوتی ہے۔ فیوض و برکات کے حصول کے لئے اہلیت موجود ہوگی تو ان کا حصول ممکن ہوگا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع ۱۵ ۹ ۲۱

تو بے شک تمہارا ربّ ان کے لئے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں، پھر اس کے بعد تائب ہوں اور اصلاح لیں، تو تمہارا ربّ ان باتوں کے بعد ضرور بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

جو لوگ جہالت سے ایسی بات کر بیٹھیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، پھر انہیں احساس ہو جائے کہ ہم نے جو کیا ہے اس کی سند تو موجود نہیں اور یہ یقیناً گناہ ہے، تو وہ رجوع الی اللہ ہوتے ہوئے توبہ کرتے ہیں، اور اس توبہ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آئندہ وہ بے سند بات نہیں کریں گے، پھر وہ صالحین کی طریقت کے مطابق بات کرنے کا عزم کرتے ہیں اور اصلاح کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحم سے فیض یاب ہو جاتے ہیں۔

حاصل: جن لوگوں کو احساس ہو جائے کہ انہوں نے جہالت سے بُرا عمل کیا ہے، وہ توبہ بھی کرتے ہیں، اصلاح کو بھی قبول کرتے ہیں۔ توبہ کے بعد برائی کا اعادہ نہیں ہونا چاہئے۔ اصلاح کے بعد صالحین کی طریقت کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ایسی صورت میں ماضی کی کوتاہیاں بخش دی جاتی ہیں، اللہ کا رحم شاملِ حال ہو جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء (۴) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ جس توبہ کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کرلیا ہے، وہ اُنہیں کی ہے جو جہالت سے برائی کر بیٹھیں پھر جلد ہی توبہ کرلیں۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْــٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞ یہ توبہ ایسے لوگوں کی نہیں ہوتی، جو برائی کرتے کرتے موت کے قریب پہنچ جاتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے، اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان کی جو مریں اور ہوں کفار۔ ان کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيۡفًا ؕ وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار، یکسو اور وہ مشرکین سے نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشاد بصورت سند نازل فرمایا ہے، کہ وہ اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے جامع تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، یکسو تھے اور مشرکین سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں دیکھنا چاہئے کہ آپ سے تعلق کا ثبوت اللہ کی فرمانبرداری، یکسوئی اور عدم شرک سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ تعلق کے دعوے کی تکرار کبھی سچا ہونے کی سند نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لوگوں کے مسائل کو ان کے علم اور ان کی لاعلمی کے حوالے سے دیکھتے تھے۔ اپنا اتباع کرنے والوں کو اپنے ساتھ دیکھتے تھے، نہ ماننے والوں کے لئے اللہ سے ایک وقت تک مغفرت اور رحم طلب کرتے رہتے تھے۔ حقوق العباد کے دائرے میں منشاء ایزدی کے حوالے سے یہ بلندترین مقام ہے۔ یہی آپ کا طریق زندگی تھا۔ اور یہود و نصاریٰ کا طریقِ زندگی یہ کبھی نہیں تھا۔

حاصل: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار اگر اللہ کی فرمانبرداری، یکسوئی اور عدم شرک کو اپنا حال بنالیں تو وہ آپ کے سچے ساتھی ہیں۔

شَاكِرًا لِّاَنۡعُمِهٖ ؕ اِجۡتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۲۱﴾ اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے والے۔ اللہ نے آپ کو چن لیا اور صراطِ مستقیم کی طرف چلایا۔

حال پر اللہ تعالیٰ کی عطا اپنی ضروریات کے حوالے سے ناکافی نظر آئے، تو شکر گزاری محال ہوتی ہے۔ جب یہ عطا ان سب حقوق کو ادا کرنے کے لئے پوری نظر آئے جن کا تعلق حال سے ہے تو یہ شکر گزاری تعلق مع اللہ کی سند ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات کو اللہ کی رضا کے حوالے سے اس طرح تقسیم کیا کہ کسی شے کو بھی اپنی ذات کے لئے مخصوص نہیں کیا۔ اللہ نے آپ کو اپنی نبوّت اور خلت کے لئے چن لیا، اور اس راستے پر چلایا جو اللہ کے نزدیک دائرۂ عبدیت میں سب سے بہتر راستہ ہے۔

حاصل: عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے والا ہی شکر گزار بندہ ہوتا ہے۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ جسے آسانی مطلوب ہو اسے ایسے صاحب کے ساتھ ہو جانا چاہئے۔

وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؕ ﴿۱۲۲﴾ اور ہم نے اُنہیں دُنیا میں بھلائی عطا فرمائی اور بے شک وہ آخرت میں صالحین سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا، اس سے جو شان آپ کو حاصل ہوئی اس سے بڑی شان کیا ہو سکتی ہے۔ آپ کی امامت کو تسلیم کیا گیا اور آپ نے وہ سب کچھ ہوتے دیکھا جس کا ہونا آپ کو پسند تھا۔ آپ نے ہر مقام پر اصلاح کا رخ رکھا، چاہے اس اصلاح کو ماننے کے لئے لوگ جلدی تیار ہو گئے یا لوگوں نے اس کو ایک مخالفت کے بعد مانا۔ آخرت میں حضرت کو یہ شان حاصل ہے کہ وہ صالحین میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ دُنیا و آخرت کے بارے میں یہ شہادت تعلق مع اللہ کے سب مقامات کو روشن کرتی ہے۔

حاصل: اللہ سے بھلائی کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ جو حال پر صالحین کے ساتھ ہے اور صداقت سے ان کا اتباع کرتا ہے وہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہوگا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا‌ ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ ملت ابراہیم حنیف کا اتباع کیجئے۔ اور وہ مشرکین سے نہ تھے۔

ملت ابراہیم حنیف کی پسندیدگی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی معیار کا درجہ رکھتی ہے۔ ملتِ ابراہیم کے ساتھ جو تعلیمات حق کا درجہ رکھتی تھیں، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو روشن فرمایا، اور یہ تعلیمات قیامت تک روشن رہیں گی۔ تحریف کی سب صورتیں جو ان تعلیمات کے ساتھ ملادی گئی تھیں یقیناً خلافِ حق تھیں اور شرک کے زُمرے میں بھی آتی تھیں، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کا منسوب کرنا ممکن نہیں ہے، کہ وہ مشرک نہ تھے۔ جو راستہ خلیل اللہ ہونے کے حوالے سے آپ کے نقوش قدم سے واضح ہوا، وہ یقیناً یکسوئی کا راستہ تھا۔ یہود و نصاریٰ کے بے جا تصرف کے بعد یہ یکسوئی کا راستہ نہ رہا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے امر الٰہی کے مطابق اس راستے سے شرک کی سب آلودگی ختم کر دی۔

حاصل: ملتِ ابراہیم حنیف کی موجودہ صورت وہ صورت ہے جس کی تصدیق خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ جہاں شرک ہوگا، یکسوئی نہ ہوگی، اور جہاں یکسوئی ہوگی وہاں شرک نہ ہوگا۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ہفتہ تو اُنہیں پر مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بے شک تمہارا ربّ قیامت کے دن اُن میں فیصلہ فرمادے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

ہفتہ کے دن شکار نہ کرنے کا حکم دیا گیا تو کسی نے اس حکم کو مانا کسی نے نہ مانا۔ بنی اسرائیل چاہتے یہی تھے کہ ہفتہ کا دن لائقِ تعظیم ہونے کے اعتبار سے ان کی پہچان بن جائے، مگر حکم خداوندی کو ماننے کے لئے حسن نیت کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ جب نیت، حق کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی ہو، تو پھر حکم کی وضاحت اپنی پسند کے حوالے سے کی جاتی ہے۔ اختلاف کرنے والے اس دائرے سے کیسے نکل سکتے ہیں۔ حکم خداوندی کی اطاعت شاہد کے حوالے سے ہی ہوسکتی ہے۔ جن لوگوں نے حکم خداوندی کی اطاعت میں اختلاف کیا، قیامت کے دن ان کے سامنے یہ سند ہوگی، کہ جس صاحب کو شاہد بنایا جانا ضروری تھا، ان کے حوالے سے اگر اس حکم کو مانا گیا ہے، تو ماننے کا دعویٰ کرنے والے سچے ہیں ورنہ سچے نہیں ہیں۔ اختلاف اسی وقت ختم ہو جائے گا۔

حاصل: حکم خداوندی کا ماننا شاہد کے حوالے سے ہو، تو اختلاف کا مقام نہیں آتا، اپنی سمجھ سے ہو تو اختلاف سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن کا فیصلہ، خاسرین پر اصلاح کی طرف آنے کی مہلت نہ ہونے کی وجہ سے بہت بھاری ہوگا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دو، اور ان سے بحث کرو تو بطریقِ احسن کرو۔ بیشک تمہارا ربّ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔

جب لوگوں کو فلاح کی طرف بلایا جائے تو اللہ کے نزدیک اس کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اس دعوت میں حکمت اور موعظتِ حسنہ ہو، اور بحث کا مقام آجائے تو احسن طریق سے بحث کی جائے۔ حکمت یہ ہے کہ سننے والے کے فہم و ادراک کو ملحوظ رکھ کر بات کی جائے۔ اگر سننے والے کے مقام کو نہ دیکھا جائے گا تو سنانے والا اپنا حق ادا نہیں کر سکے گا۔ موعظتِ حسنہ یہ ہے کہ دعوتِ حق دینے والا اپنا حال بیان کرے اور سننے والے کو خیالی فلسفے اور قیاس آرائی سے نکلنے میں مدد دے۔ سننے والے سے یہ کہا جائے کہ بیان کرنے والا وہ انعام تقسیم کر رہا ہے جو اسے ملا ہے۔ انعام کا طالب وہ راستہ اختیار کرے جو حق کے مطابق اسے کرنا چاہئے تو وہ بھی انعام یافتہ ہو جائے گا۔ بحث میں احسن طریقہ یہ ہے، کہ جھگڑا کرنے والے کے دلائل کا تضاد اس پر واضح کر دیا جائے۔ دعوتِ حق دینے والے کے ذمّے نتائج کا پیدا کرنا نہیں ہوتا۔ سننے والا کیا رخ اختیار کرتا ہے، اس کی پوچھ دعوتِ حق دینے والے سے نہیں ہوگی۔ جزا دینے والا خوب جانتا ہے، کون راہِ راست پر ہے اور کون راہِ راست پر نہیں ہے۔

حاصل: دعوتِ حق دینے والے کو حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ بات کرنی چاہئے۔ بحث میں احسن طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ نتائج کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر تم سزا دو تو اُسی قدر دو جیسی تمہیں دی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

دعوتِ حق کے عمل میں ایسے لوگوں سے بھی میل ہوتا ہے، جو اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو بہت تقدس دیتے ہیں اور حق کے حوالے سے بات کرنے والے کو جبر سے خاموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ حق بیان کرنے والے کو سزا دینا ہے۔ دعوتِ حق دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ قدرت حاصل ہونے پر وہ اسی قدر بدلہ لے جس قدر اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی، اگر وہ اس حد سے تجاوز کرتا ہے، تو یہ اللہ کی راہ سے بہک جانے والی بات ہوگی۔ اگر بدلہ نہ لینے کی راہ اختیار کی جائے تو یہ صبر ہوگا، اور اللہ کے ساتھ ہونے کا ثبوت اسی سے ملے گا۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل: سزا دیتے وقت، بدلہ لیتے وقت اپنے توازن کو قائم رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ حد سے تجاوز خسارے میں ڈال دیتا ہے۔ بدلہ نہ لینا صبر ہے۔ صبر سے اللہ کا ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اس سے بہتر اور کیا مقام ہو سکتا ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور صبر کرو اور تم اللہ کی مدد سے ہی صبر کرسکو گے، اور ان کا غم نہ کھاؤ اور تنگ مت ہو اس سے جو مکر وہ کرتے ہیں۔

بدلہ لینے کی اجازت کے بعد صبر کو بہتر فرمایا گیا تھا، یہاں صبر کا امر دیا گیا ہے، اور یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے، کہ صبر اللہ کی مدد سے ہی ہوسکتا ہے۔ مشکل مقامات پر پورا رہ کر دکھانے والے کی ذات سے ادب و احترام کا رشتہ ہو اور اللہ کی رضا کے لئے ہو تو اسے اللہ کی مدد جاننا چاہئے۔ مخالفین کے مظالم پر صبر کرنا بہت بڑا کام ہے۔ مخالفین کے انجام کو دیکھنے والا اپنے حق کی ادائیگی کے بعد خود کو فارغ رکھے تو غم نہ کھانے کی صورت ممکن ہوگی۔ منکرینِ حق خفیہ تدبیریں کرتے ہی رہتے ہیں، ان کا مکر اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اللہ کی لامحدود قدرت کو دیکھتے رہنا، تنگی میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے۔

حاصل: صبر یہ ہے کہ مخالف کو سزا دینے کی قدرت حاصل ہونے کے باوجود، اللہ کی معیت کے احترام میں سزا نہ دی جائے۔ صبر، اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ منکرین کے انجام کو اللہ پر چھوڑنا اور اُن کی خفیہ تدبیروں کو اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ جاننا لازم ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ ع ۹ ۲۲

بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور جو محسن ہیں۔

اللہ کا ساتھ جن لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، ان کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان کی ایک صفت تقویٰ ہے، دوسری صفت احسان ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ عطائے الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو ہمیشہ چھوٹا سمجھتے ہیں، اور کبھی یہ نہیں کہتے کہ ہم نے بندگی کا حق ادا کردیا ہے۔ احسان یہ ہے کہ یہ نہیں دیکھتے لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، یہ دیکھتے ہیں انہیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے، جس سے شاہدین کی معیت کا ثبوت ملے۔

حاصل: اللہ کا ساتھ مطلوب ہو، تو دیکھنا چاہئے ہماری زندگی میں تقویٰ اور احسان موجود ہیں۔ اگر اللہ سے ڈرنا اور لوگوں کو آسانی دینا ہمارا طریقِ زندگی نہیں ہے، تو ہم فلاح کی راہ پر نہیں ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے، اور مومنین کو بشارت دیتا ہے جو صالح عمل کرتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے۔

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷
297,1229۔ فضل شاہؒ، حضرت
تفسیر فاضلی، (یونس تا النحل)۔ مرتبہ: محمد اشرف فاضلی
لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور۔ پوسٹ کوڈ: 54770
ج۔۱ (منزل سوم)

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی منزل سوم (یونس تا النحل) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد عادل وُ ٹیچہ مظاہری
مکان نمبر E-1828 گلی نمبر 16
نشاط کالونی، جے بلاک والٹن کینٹ، لاہور

Tafseer-e-Fazli

Yunus to An-Nahl

Manzil III

COMMENTARY:

HAZRAT FAZAL SHAH

WRITTEN BY:

MUHAMMAD ASHRAF FAZLI

1414 A.H.

FAZLI FOUNDATION LAHORE

تفسیرِ فاضلی

منزلِ چہارم

بنی اسرائیل — الفرقان

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۵ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

تفسیرِ فاضلی

منزل چہارم

بنی اسرائیل — الفرقان

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۵ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

باراوّل	:	۱۹۹۵، ۱۴۱۵ ھجری
باردوم	:	۲۰۱۲ء، ۱۴۳۳ ھجری
ناشر	:	محمد اشرف فاضلی فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ، کوٹ لکھپت، لاہور فون: 042-35943292
کمپوزنگ	:	حسن رشید، مکتبہ جدید پریس
پرنٹر	:	رشید احمد چودھری مکتبہ جدید پریس، ۱۴۔ ایمپریس روڈ، لاہور فون: 042-36307639-40
بہ اہتمام	:	خالد محمود

فہرست

ابتدائی کلمات

منزل چہارم میں نوسورتیں ہیں۔ان سورتوں کی کل آیات ۹۰۳ ہیں۔

(۱)سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ میں ۱۱۱ آیات ہیں۔
(۲)سورۃ الکہف ۱۸ میں ۱۱۰ آیات ہیں۔
(۳)سورۃ مریم ۱۹ میں ۹۸ آیات ہیں۔
(۴)سورۃ طٰہٰ ۲۰ میں ۱۳۵ آیات ہیں۔
(۵)سورۃ الانبیاء ۲۱ میں ۱۱۲ آیات ہیں۔
(۶)سورۃ الحج ۲۲ میں ۷۸ آیات ہیں۔
(۷)سورۃ المومنون ۲۳ میں ۱۱۸ آیات ہیں۔
(۸)سورۃ النور ۲۴ میں ۶۴ آیات ہیں۔
(۹)سورۃ الفرقان ۲۵ میں ۷۷ آیات ہیں۔

منزل چہارم پندرھویں پارے سے شروع ہوتی ہے اورانیسویں پارے کے پہلے ربع پر ختم ہوتی ہے۔

ناصحین سے محبت ہوتو بندے پر رنگ شہودی چڑھتا ہے اوراسے نورِبصیرت سے نوازا جاتا ہے۔حضرت میراں سید بھیک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرتاجِ اولیاء نے اس حال پر شہادت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

بھیک وہ نر کوڑ ہے جو گُر کو جانے اور ۔۔۔ ھَر روٹھے گُر میلسی گُر روٹھے نہ ٹھور

طلب ہدایت ہوتو ہدایت ملتی ہے۔دعویٰ یہ ہو کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے تو اللہ پر توکل ہی ہماری صداقت کا ثبوت ہو گا۔قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی اکمل نصیحت ہے اور وہ معیار ہے،جس کو ماننے سے فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔یادرکھئے،اللہ کا ذکر کرتے رہنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوتا ہے،درود شریف پڑھتے رہنے سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

منزل چہارم ۱۴۱۵ھ میں چھپ رہی ہے۔اس کام کی تکمیل کے بعد منزل پنجم کا مسودہ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب کی طرف سے کمپوزنگ کے لئے پریس میں پہنچادیا جائے گا۔آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے بہت آسانیاں عطا فرمائی ہیں، انشاءاللہ آئندہ تین منزلوں میں بھی آپ کی دعائیں شامل حال رہیں گی۔

اس مبارک کام میں میرے ساتھ تعاون کرنے والے خلوت میں ہوں یا جلوت میں،ان کا تعاون کسی شکل میں ہو اور کسی درجے میں ہو میں ان کی قدر کرتا ہوں،اوران کے لئے رحمت وبرکات کی دعا کرتا ہوں،آپ بھی کیجئے گا۔

اللہ آپ کو اپنے فضل سے نوازے اور ہر مقام پر آپ کو پورا رکھے۔

مشرف فاضلی

جمعۃ المبارک ۱۵/شوال ۱۴۱۵ھ

اشاعتِ ثانی

پہلی بار یہ کتاب ۱۴۱۵ھ میں چھپی تھی۔ ۱۸ سال بعد اب یہ ۱۴۳۳ھ میں چھپ رہی ہے۔ جو کتاب پڑھنے والے سے سنجیدگی کا مطالبہ کرے وہ اسی قدر ہی پڑھی جاتی ہے۔

'ہونے' سے 'نہ ہونا' اور 'نہ ہونے' سے 'ہونا' اللہ کی قدرت کے تابع ہے، اور انسان کے مشاہدے میں ہے۔

اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی امر الٰہی کی تعمیل شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ کے امر پر تعجب بھلے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔

ظالموں کی ہلاکت کے بعد مظلوموں کو توفیق دے کر دیکھا جاتا ہے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

جس دُکھ سے بندہ گزرا ہو دھیان رکھے کہ وہ دُکھ اُس سے کسی کو نہ پہنچے تو اُس کا قول عمل کی شہادت سے سچا ثابت ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے قول کی حفاظت فرمائے، عمل کی حفاظت فرمائے، علم کی حفاظت فرمائے اور اخلاص کی حفاظت فرمائے۔

رشید احمد غاضی
301-B
G.E.C.H.S. Phase III
لنک روڈ، ماڈل ٹاؤن لاہور۔
۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

﴿ ایاتہا ۱۱۱ ﴾ ﴿ سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ ﴿ رکوعاتہا ۱۲ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجزء ۱۵

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا، جس کے ماحول میں ہم نے برکت رکھی، کہ ہم اسے اپنی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

فرمایا، صاحبو اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ کسی نقص، عیب، قصور، عجز، ضعف کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب کرنا حق کا قطعاً انکار ہے۔ اللہ کی قدرت ومشیت کا تعین بھی ممکن نہیں۔ اس سفر کو جس میں معبود نے اپنے عبد اور رسول کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جا کر اور وہاں سے آگے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جا کر اپنی نشانیاں دکھائیں 'الاسراء' بھی کہتے ہیں، 'معراج' بھی کہتے ہیں۔ لے جانے والی ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے جس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے اور جس کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ جن صاحب کو لے جایا گیا وہ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ممکن اور ناممکن کی باتیں کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقام کیا ہے۔ معبود نے اپنے عبد اور رسول کو کیا عطا فرمایا، معبود جانتا ہے یا اس کا رسول جانتا ہے جسے مراتبِ رفیعہ سے نوازا گیا۔ بنی اسرائیل کو جن انعامات سے نوازا گیا ان کی برکت بیت المقدس کے ماحول میں موجود ہے۔ اس ماضی کو رحمۃ للعالمین کے سامنے لانا، حال کی رفعت شان کو روشن کرنے کے لئے تھا۔ آگے جو نشانیاں دکھائی گئیں وہ بھی یہ روشن کرنے کے لئے تھیں کہ عبدیّت کے دائرے میں ارفع مقام یہی ہے، جس سے اللہ نے رحمۃ للعالمین کو نوازا ہے۔ لوگ صرف وہی جان سکتے ہیں جو کچھ ان کے سامنے بیان فرمایا گیا، اس کے جواب میں وہ کیا کہتے ہیں، کیا کرتے ہیں السمیع اور البصیر جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔

حاصل: شبِ معراج میں رسول پاک کو لے جانے والا، اللہ ہے جس کی قدرت کو محدود نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ممکن وناممکن کی باتیں بے ادبی کے زمرے میں آئیں گی۔ انعام عطا کرنے والا جانتا ہے اس نے کیا عطا کیا یا انعام پانے والا جانتا ہے، اس نے کیا پایا۔ باقی سب وہی جان سکتے ہیں، جو انہیں انعام یافتہ سے ملا اور انعام یافتہ سے تبھی مل سکتا ہے جب اس کی تعظیم اور توقیر کی جائے۔ حال، ماضی کے حوالے سے روشن ہوتا ہے۔ عبدیّت میں انتہائی بلند مقام رحمۃ للعالمین کا ہے۔ مشاہدہ بیان کرنے والے کے جواب میں احتیاط سے بولنا چاہئے، احتیاط سے چلنا چاہئے، یہ بہت ہی نازک مقام ہوتا ہے۔

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ جَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ؕ ②

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا کہ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ مانو۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مراتب عالیہ کے بیان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی گئی۔ فلاح کی راہ جن کو مطلوب تھی انہیں علم ہوا کہ یہ حکم اللہ کا ہے، ماننے کی طریقت اس کے رسول سے سیکھنی ہے، خوف وحزن سے نجات کا یقینی راستہ صرف یہی ہے۔ تورات میں بھی یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ نتائج کو باذن اللہ مانا جائے۔ اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتیجے کو باذن اللہ جاننا متوکل ہونے کی سند ہے۔ متوکل عملاً مانتا ہے کہ اللہ ہی کارساز ہے، چاہے نتیجہ اس کی منشاء کے خلاف بھی ہو۔

حاصل: کتابِ الٰہی بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی، مگر نمونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ہی فائدہ اٹھا سکے۔ متوکل عملاً مانتا ہے کہ اللہ ہی کارساز ہے۔ جو نتائج کو باذن اللہ نہیں مانتا وہ علم الٰہی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿٣﴾

اے اولاد ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا۔ بیشک وہ شکر گزار بندہ تھا۔

جو لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے، وہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ حق کا انکار کرنے والے غرق کر دیئے جائیں گے۔ ان کے سامنے منکرینِ حق اپنے انجام کو پہنچے۔ ان پاک لوگوں کو اللہ نے زمین پر بسایا تو یہ بہت بڑھے پھولے۔ ان لوگوں کی اولاد کو اپنے اجداد کی پاکیزگی کو یاد رکھنا چاہیئے تھا، حضرت نوح علیہ السلام کی طریقت کو یاد رکھنا چاہیئے تھا۔ اسی طرح یہ لوگ سلامتی کی راہ پر رہ سکتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی شکر گزاری کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل: ہمیں معلوم ہے کہ ماضی میں سلامتی پاک رہنے والوں کو حاصل ہوئی، ہمیں بھی پاک رہنا چاہیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیئے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں آگاہ کیا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔

جو کتاب بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی، اسی میں ان کو آگاہ کیا گیا تھا کہ اجتماعی طور پر قول وفعل کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے بنی اسرائیل زمین میں دو دفعہ فساد مچائیں گے اور جن امور کی تاکید فرمائی گئی ہے، ان سے لاپرواہی کو قابلِ گرفت نہ جاننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرکشی انتہا کو پہنچ جائے گی۔

حاصل: اجتماعی روّیے کو درست رکھنے کا علم مخلصین کو ہوتا ہے۔ آگاہی کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ فائدہ اُٹھانے کی صورت ہمیشہ واضح ہوتی ہے۔

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾

تو جب ان میں پہلا وعدہ آیا، ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے بندے بھیجے جو شہروں میں تمہاری تلاش کے لئے پھیل گئے، اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کو جب اس کی رضا کے خلاف استعمال کرتے وقت ندامت کا احساس بھی نہ ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے، انابت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور عذابِ الٰہی کی آمد قریب ہے۔ بنی اسرائیل نے بڑی خودسری سے بڑی سرکشی سے خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنالیا، تو اللہ کا عذاب ان لوگوں کی شکل میں آیا جو نہایت سخت گیر تھے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کو اس قدر مغلوب کیا کہ ان کے اجتماعی حصار کو توڑنے کے بعد شہروں میں گھس کر ان کو چن چن کر مارا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی آگاہی سے لاپرواہی برتی جائے، تو پھر اللہ کا فرمان تو ہو کر رہتا ہے۔

حاصل: اجتماعی بگاڑ کو شروع میں چھوٹی بات کہہ کر چھوڑ دیا جائے تو یہ بڑھنے لگتا ہے۔ سرکشی انتہا کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے اکھاڑ پھینکنے کا بڑا علم ہوتا ہے۔ قدرتِ الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو صحیح تناظر میں دیکھنا باعثِ عافیت ہوتا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾

پھر ہم نے تمہاری باری پھیر دی ان پر، اور تمہیں اموال و اولاد سے مدد دی اور تمہاری نفری بڑھا دی۔

بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وہ سزا ملی کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے، محکوم بنا دیئے گئے۔ پھر انہوں نے اپنی تباہی کے اسباب کو دیکھا تو توبہ و انابت کی راہ پکڑی۔ اپنے قول کی حفاظت کی کہ یہ حق کے تابع رہے، اپنے عمل کی حفاظت کی کہ یہ اسوۂ رسول کے مطابق رہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو اموال سے نوازا، ان کو بیٹوں سے نوازا، ان کی نفری کو بڑھا دیا۔ تائید ایزدی کے ساتھ بنی اسرائیل کی محکومی کا دور ختم ہوا اور محکوم حاکم بنا دیئے گئے، مغلوب غالب بنا دیئے گئے۔

حاصل: اللہ کی مدد سے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ اور کسی صورت سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی مدد سے محکوم حاکم ہو جاتا ہے، مغلوب غالب ہو جاتا ہے۔ علم مطلق سے مدد، اللہ ہی دے سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی سند ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿٧﴾

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنا بھلا کرو گے اور برا کرو گے تو اپنا۔ پھر جب دوسرا وعدہ آیا کہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر قابو پائیں تباہ و برباد کر دیں۔

بھلائی یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند ہو وہی دوسروں کے لئے پسند ہو۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ احسن سلوک کا فائدہ عامل کو ہوتا ہے۔ اس سے معاشرے میں روشنی بڑھتی ہے، احساسِ تحفظ بڑھتا ہے۔ بندے، بندوں کے کام آتے نظر آتے ہیں۔ دوسروں کے قصور سے تکلیف پہنچے تو اسے باذن اللہ جان کر صبر کرتے ہیں، اپنے عمل کی جزا صرف اللہ سے چاہتے ہیں۔ برائی یہ ہے کہ اپنے لئے امتیاز تلاش کرنے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ اس کا انجام بھی عامل ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس سے جو معاشرتی فساد پیدا ہوتے ہیں، ان کا شمار

کرنا مشکل ہے۔ بنی اسرائیل نے پہلی بار زمین میں فساد مچایا تو فرمانِ خداوندی کے مطابق گرفتارِ عذاب ہو کر برباد ہوئے۔ توبہ و انابت سے دوبارہ عروج نصیب ہوا تو پھر اپنے قول کی حفاظت نہ کی، اپنے عمل کی حفاظت نہ کی، ماضی کے تجربات کو زمانے کا اتار چڑھاؤ کہہ کر بُرائی کی راہ پر چل پڑے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ دشمن غالب آ گئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ مرکز اصلاح کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، جیسے پہلے وہ مسجد کو برباد کر چکے تھے۔ جس چیز پر ان کا بس چلا اس کو انہوں نے تباہ و برباد کر دیا۔

حاصل: بھلائی دوسروں کی ہو تو خود کو فائدہ پہنچتا ہے۔ دوسروں کی برائی کرنے والا اپنے لئے برا کر رہا ہوتا ہے۔ اپنے قول کی حفاظت نہ کی جائے، عمل کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ زمین میں فساد مچانا ہے۔ اجتماعی بگاڑ ہو تو دشمن غالب آتا ہے۔ دشمن غالب آ جائے تو مرکز اصلاح کو بھی برباد کر کے چھوڑتا ہے اور باقی جہاں اس کا بس چلے وہاں بھی تباہی میں کمی نہیں چھوڑتا۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ﴿۸﴾

وقف لازم

قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے، اور اگر تم اعادہ کرو گے تو ہم بھی دہرائیں گے، اور ہم نے جہنّم کو کافروں کے لئے قید خانہ ٹھہرایا ہے۔

دوبار بربادی کے مقام سے گزرنے کے بعد اگر توبہ و اصلاح کو محکم پکڑا جائے گا تو بنی اسرائیل اپنے رب کو رحم کرنے والا پائیں گے۔ وہ رب العالمین بگاڑنے کے بعد سنوارنے کی جو صورت بنائے گا، اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اور اگر بنی اسرائیل پھر شرارت کی راہ اپنائیں گے اور اپنی حفاظت کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں پر بربادی مسلط کرتے دیر نہیں لگے گی۔ یہ تو دنیا میں ہوگا، آخرت میں کافروں کے لئے جہنم کا قید خانہ تیار ہے، جہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

حاصل: اللہ کے رحم سے فائدہ اٹھانے والے لوگ وہی ہوتے ہیں، جو اپنی حفاظت کے تقاضوں سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ شرارت کرنے والے زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ فساد مچانے والے بربادی کی منزل کی طرف دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ انسان اپنے بُرے اعمال کے انجام سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا، یہی جہنم کا قید خانہ ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۙ﴿۹﴾

یہ قرآن سب سے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے اور مومنین کو جو صالح عمل کرتے ہیں، بڑے اجر کی بشارت دیتا ہے۔

پہلے جو کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں ان میں بھی ہدایت تھی۔ ماننے والوں کو ان سے فلاح دارین حاصل ہوئی۔ قرآن پاک سارے عالمین کے لئے ہے، قیامت تک کے لئے ہے اور محفوظ ہے۔ یہ عبد کو معبود سے ملنے کی وہ راہ دکھاتا ہے جو صراطِ مستقیم ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور صالح عمل کرتے ہیں، وہ حیات دنیا میں سچے ثابت ہو جاتے ہیں۔ انہیں خوف و حزن سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ آخرت میں ان کے لئے بڑے اجر کی بشارت موجود ہے۔ صالح اعمال کی عنداللہ پسندیدگی اجر کو بڑا بنا دے گی۔

حاصل: عبد کو معبود سے ملانے والی سب سے سیدھی راہ قرآن پاک دکھاتا ہے۔ مومنین صالح اعمال کی شہادت سے اپنے دعوئ ایمان کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ ان کے لئے بڑے اجر کی بشارت موجود ہے۔

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾ ع ۱

اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ جزا کا انکار کرتے ہیں، حیات کی مقصدیّت کا انکار کرتے ہیں، اپنی حیثیت کو قدرتِ الٰہی کے سامنے ہیچ دیکھنے کے باوجود حق کا انکار کرتے ہوئے کجی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی سرکشی کی بدولت اپنے لئے سامان عذاب اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔ ان کا حساب عنداللہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ جو لوگ اپنے سکھ کی خاطر دوسروں کو ناحق دکھ دیتے رہتے ہیں، ان کے اعمال کی جزا المناک عذاب ہی ہوگا۔

حاصل: آخرت پر ایمان نہ ہو تو جان لینا چاہئے کہ عامل المناک عذاب کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ حق کے مقابلے میں ناحق کا انتخاب بہت بڑی سرکشی ہے۔ اس کی جزا بھی اسی نسبت سے ہوگی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسرا (۱۷) میں فرمایا ہے: مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا، اور جو گمراہ ہوا تو اپنے ہی بُرے کو گمراہ ہوا۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاۗءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿١١﴾

اور انسان شر کی بھی دعا کرتا ہے جیسے خیر کی دعا کرتا ہے۔ اور انسان ہے جلد باز۔

انسان کا مزاج بیان فرمایا گیا ہے کہ عجلت پسندی کے دائرے میں ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ بعد میں اسے اپنے رویے پر ندامت ہوتی ہے۔ شر انسان کو کبھی مطلوب نہیں ہوتا مگر کبھی ایسے بھی کہتا ہے کہ اگر میں حق کے خلاف ہوں تو مجھ پر عذاب آجائے۔ یہ شر کے لئے دعا ہے۔ اس دعا سے اگر اس کا خاتمہ ہو جائے تو حق کے جان لینے کا اسے فائدہ کیا ہوا۔ جو کچھ انسان کو ناپسند ہوتا ہے، اس کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ متانت کے ساتھ حقائق کو جاننے کی کوشش کرے تو کسی درجے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور جب حق اس پر واضح ہو جائے تو جو راحت اسے حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی بدل بھی نہیں ہوتا۔

حاصل: جلد بازی منفی صفت ہے۔ متانت کے ساتھ حقائق کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کہنا اگر ضروری معلوم ہوتا ہے تو سننا بھی اسی قدر ضروری نظر آنا چاہئے۔ شر کے لئے کبھی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ یہ جلد بازی سے بچنے کی راہ ہے۔

وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے لیل و نہار کو دو نشانیاں بنایا، تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانی آنکھیں کھولنے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ اور ہم نے ہر شے کی تفصیل کھول کر بیان کر دی۔

اللہ کی قدرت کو اس کی نشانیوں سے جانا جا سکتا ہے۔ رات اور دن اس کی قدرت کی دو نشانیاں ہیں۔ رات کی تاریکی جس مقصد کے لئے رکھی گئی ہے وہ مقصد صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے۔ وہ فوائد جو رات سے تعلق رکھتے ہیں ان کو شمار کرنا بھی آسان نہیں، اور وہ فوائد جو دن کی روشنی سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی بہت ہیں۔ آرام کے بعد کسب معاش میں لگنا، اللہ تعالیٰ کی ان دو نشانیوں کی بدولت ہے۔ اللہ کا فضل تلاش کرنا یہ ہے، کہ خدمت خلق کا جو علم سیکھا گیا ہو اس سے طلب گاروں کو فائدہ پہنچایا جائے اور رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھا جائے۔ اگر یہ یقین ہو کہ رزق اللہ تعالیٰ کی عطا ہے تو پھر رزق کی مقدار خوب کاری پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ برسوں کی گنتی اور حساب بھی لوازمات حیات ہیں۔ جن نشانیوں سے حیات دنیا میں کام چل رہا ہے، ان نشانیوں کے خالق کی قدرت محدود نہیں ہو سکتی۔ اگر حیاتِ دنیا کو رات مان لیا جائے اور حیات آخرت کو دن مان لیا جائے، تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جزا کے وقت ہمارا کوئی عمل چھپا نہیں رہ جائے گا۔

حاصل: رات اور دن اللہ کی قدرت کی دو نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے استفادہ کرتے وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اپنے رب کا فضل تلاش کرنا چاہئے۔ وقت اور حساب کا ذکر ہو تو بھی بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شروع کرنی چاہئے۔ تفصیل کا منشاء بات کو روشن کرنا ہونا چاہئے۔ جو تفصیل الجھاؤ پیدا کرے وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

اور ہر انسان کا نصیب ہم نے اس کے گلے میں لگا دیا۔ اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا۔

شعور کی موجودگی میں شریعت کا ماننا لازم ہے۔ شریعت کے بعد طریقت کا مقام ہے۔ اس کے بعد حقیقت کا مقام ہے۔ پھر معرفت بصورت انعام ہے۔ جو شعور کے ساتھ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا وہ بھی لکھا جائے گا، جو شعور کے ساتھ برائی کی راہ اختیار کرے گا وہ بھی لکھا جائے گا۔ یہ کتاب انسان کے رخ اور عمل کو صحیح طور پر سنبھالتی جا رہی ہے۔ قیامت کے دن اسے امر الٰہی سے نکالا جائے گا، تو صاحب عمل کو حیرت ہوگی کہ اس کا کوئی بھی عمل اس میں درج ہونے سے رہ نہیں گیا۔ جس نیت سے کوئی عمل کیا جا رہا ہے وہ بھی اللہ کے سامنے ہے۔ اگر لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا کو اہمیت دی گئی ہے تو یہ سعادت ہے۔ اگر لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر پیش نظر رکھا گیا ہے تو یہ شرافت ہے۔ ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ ہے۔ انسان جو رخ اختیار کرتا ہے، اسی کی جزا پائے گا۔

حاصل: انسان کا نصیب اس کے اعمال کے بعد لکھا جاتا ہے۔ نیت کو اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا، اس لئے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ وہی کرسکتا ہے۔ عمل کے لئے مہلت اور توفیق سب کو ایک جیسی نہیں دی جاتی، اس لئے حسنِ عمل کو حسنِ نیت سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴿۱۴﴾

پڑھ لے اپنی کتاب۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے۔

جزا کے دن نامۂ اعمال عیاں ہوجائے گا۔ اس کے مندرجات، عامل کے سامنے ہوں گے۔ اسے یہ فرمایا جائے گا، اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ اس میں ہر ہر عمل درج ہوگا۔ وہ عمل کس نیت سے کیا گیا تھا، یہ بھی واضح ہوگا۔ پھر یہ جاننا قطعاً آسان ہوگا کہ انجام فلاح ہے یا خسارہ۔ اس حساب کے لئے کسی دوسرے کی مدد درکار نہیں ہوگی۔

حاصل: دیکھنا چاہئے ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کررہے ہیں اور اس کی احسن صورت کیا ہے۔ مستقبل میں ندامت سے بچنا درکار ہو تو حال پر سلامتی کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے ہی برے کو بہکا۔ اور کسی پر دوسرے کا بوجھ نہیں پڑتا۔ اور ہم عذاب نہیں کرتے حتیٰ کہ رسول نہ بھیج لیں۔

جو ہدایت پاتا ہے وہ اپنے ہی بھلے کے لئے ہدایت پاتا ہے۔ اسے خوف وحزن سے نجات مل جاتی ہے۔ وہ ہر کام میں اپنے شاہد کی طریقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے رخ کو درست رکھتا ہے۔ اور جو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جاتا ہے وہ سرکشی کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے بہک جاتا ہے۔ خوف وحزن اس پر مسلط ہوجاتے ہیں۔ ہر عمل کرنے والے کو اس کی نیت کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔ جس نے خود برائی کی ہو مگر دوسروں کو رغبت نہ دلائی ہو وہ اپنے عمل کی جزا پائے گا۔ جس نے برائی کی بھی ہو، اس کا سلسلہ بھی جاری کیا ہو، وہ اس سلسلے کے سب عاملین کے عمل میں حصہ دار ہوگا۔ اس کی جزا بھی اسی طرح سے ہوگی۔ جزا دینے والا جو جانتا ہے وہ دوسرا کوئی نہیں جانتا، اس لئے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی۔ اتمامِ حجت کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے، اس لئے کسی کا قبل از وقت گرفتارِ عذاب ہوجانا ممکن ہی نہیں۔

حاصل: ہدایت یافتہ کو اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ ہدایت بھی شعوری کوشش سے ہوتی ہے گمراہی بھی شعوری کوشش سے ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی نیت کے مطابق جزا پاتا ہے۔ اتمامِ حجت سے پہلے گرفت کرنا اللہ کی سنت کے خلاف ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی سنت ہی سلامتی کی راہ ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

اور جب ہم کسی قریئے کی ہلاکت چاہیں، اس کے آسودہ حال لوگوں پر حکم بھیجتے ہیں، تو وہ اس میں فسق کرتے ہیں، پھر بات ان پر پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

کسی بستی کو اس کی بداعمالیوں کی سزا بغیر اتمامِ حجت کے نہیں دی جاتی۔ علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ ہر علم اسی علم کی بدولت اپنی افادیت کو ثابت کر سکتا ہے، اس لئے اپنے علوم کو علم الٰہی کے تابع رکھنے کی کوشش ہی سلامتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ کسی بستی کے آسودہ حال لوگ رسم ورواج بناتے ہیں دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں، اس طرح قیادت کا منصب آسودہ حال لوگوں کے پاس آجاتا ہے۔ پیچھے آنے والے خود کو پیروی پر مجبور محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے امر الٰہی سے کما حقہ، آگاہی آسودہ حال لوگوں کو کرنی ضروری ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو نام حق کا لیتے ہیں، بات ان کی پسند کی ہوتی ہے، یہی فسق ہے اور ناقابل اصلاح ہونے کا ثبوت ہے۔ جب اصلاح کا امکان ختم ہو جائے تو پھر بیخ کنی کا مقام آجاتا ہے۔ قدرتِ الٰہی کے سامنے کسی تعمیر کی مضبوطی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ کو کبھی کسی بستی کے تباہ و برباد کرنے میں دیر نہیں لگتی۔

حاصل: آسودہ حال لوگوں کی پیروی کی جائے تو قیادت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ قیادت کرنے والوں کو سمجھانا ضروری ہوتا ہے۔ جب وہ حق کا نام لیتے ہوئے اپنی پسند کو نافذ کرنا شروع کر دیں، تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ایسے معاشرے کو جڑ سے اکھاڑنے کا مقام آگیا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اور ہم نے کتنے ہی قرون کو نوح (علیہ السلام) کے بعد ہلاک کر دیا۔ اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں پر خبردار، دیکھنے والا۔

ماضی سے سبق لینا عقل مندی کا ثبوت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام ایک عرصے تک لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے۔ جن لوگوں نے آپ کو مانا، انہیں آپ کی معیت کی بدولت سیلاب کے عذاب سے نجات ملی۔ باقی سب غرق کر دیئے گئے۔ اس کے بعد عاد کا زمانہ آیا، ثمود کا زمانہ آیا اور بہت سی تہذیبیں ابھریں اور مٹیں۔ جس قرن پر نظر کریں یہ ہی دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا استعمال اس کے عباد مخلصین کی طریقت کے خلاف ہوتا رہا، اتمامِ حجت کے سب تقاضے پورے ہوئے اور ناقابلِ اصلاح لوگوں کو ان کے گناہوں کے مطابق سزا دی گئی۔ نجات انہی لوگوں کو نصیب ہوئی جو اللہ کے پسندیدہ راستے پر چلے۔ اللہ اپنے بندوں کو ہر مقام پر دیکھ رہا ہے۔ اسے ان کی حرکات و سکنات کی پوری پوری خبر ہوتی ہے۔ وہ گناہ کی نوعیت، کیفیت اور دائرہ اثر کو دیکھ کر سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس سے بہتر فیصلہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔

حاصل: خلافِ حق کرنے کا انجام ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔ ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ یاد رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہماری حرکات و سکنات کی پوری پوری خبر رکھتا ہے وہ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

جو یہ عجلت والی چاہے، ہم اسے جلد دے دیں جو چاہیں جس کے لئے چاہیں، پھر اس کے لئے جہنم کو ٹھہرا دیں کہ اس میں مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا ہوا جائے۔

جو لوگ متاعِ دنیا کے لئے پریشان رہتے ہیں، انہیں بھی جو ملتا ہے ان کی طلب سے نہیں ملتا۔ اللہ جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور جو چاہے عطا کرتا ہے۔ اس میں حکمت موجود ہوتی ہے۔ اصلاح کے امکان کی حد تک، فلاح کی طرف آنے کے لئے آسانیاں بھی دی جاتی ہیں۔ تدبر کا موقعہ بھی دیا جاتا ہے۔ جو لوگ جلد بازی کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں وہ وقتی فائدے کو حاصل کرتے کرتے دائمی خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ اپنے کئے کا انجام دیکھ کر یہ لوگ اس طرف نہیں بڑھیں گے۔ انہیں مذمت کے ساتھ، دھکے دے کر ان کے انجام تک پہنچایا جائے گا۔

حاصل: دائمی فائدے کے لئے وقتی فائدے کو قربان کرنا چاہئے۔ اپنے اعمال کے نتائج پر نظر رکھنی چاہئے۔ جس طریقہ زندگی کا انجام جہنم ہو، اس طریقِ زندگی کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

اور جو آخرت چاہے اور اس کی سعی اس کے لئے سعی ہو اور وہ ہو مومن، تو اُن کی سعی مشکور ہوئی۔

بارگاہِ الٰہی میں جن لوگوں کو حسنِ قبول سے نوازا جائے گا، جن کے صحیح رُخ اختیار کرنے کا شکریہ ادا کیا جائے گا، ان کی صفات کا بیان ہے کہ وہ حسنِ نیت کے مقام پر رہتے ہوئے آخرت کے یقین سے عمل کرتے ہیں۔ حصولِ مقصد کے لئے شاہدین کی طریقت سے روگردانی نہیں کرتے۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان کے قول پر بھی شاہدین گواہ ہوں، ان کے عمل پر بھی شاہدین گواہ ہوں۔ اُنہیں ناصحین سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ نتائج کو باذن اللہ مانتے ہیں۔ نتائج حسبِ توقع ہوں تو شکریہ ادا کرتے ہیں، حسبِ توقع نہ ہوں تو صبر کرتے ہیں۔

حاصل: آخرت کا یقین حسنِ نیت سے ثابت ہوتا ہے۔ جس کا رخ ہر مقام پر شاہدین کی معیت میں رہنے کا ہو اور جو ناصحین سے محبت پر سب کچھ قربان کر سکتا ہو، وہ ان لوگوں میں شمار ہے جن کی سعی مشکور ہوگی۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

ہم سب کی مدد کرتے ہیں، ان کی بھی اور اُن کی بھی تمہارے رب کی عطا سے۔ اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں۔

طالبِ دنیا ہو یا طالبِ آخرت، دونوں عطائے الٰہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معطیِ مطلق کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے مہلت دینا، متاعِ حیات دینا اور حکمت و علم سے حالات کار مہیا کرنا، اللہ ہی کی شان ہے۔ جو عطائے الٰہی کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اس کا رُخ آخرت پر عدمِ یقین کا ہوتا ہے۔ جو عطائے الٰہی کو ان تمام حقوق کے پورا کرنے کے لئے کافی جانتا ہے جو اس پر عائد ہوتے ہیں، وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ عطائے الٰہی سب کے لئے اور عطا کرنے والے کے علم سے ہے۔ کوئی اسے کیسے استعمال کرتا ہے، اسی کی اس کو جزا دی جائے گی۔

حاصل: عطائے الٰہی کے استعمال سے رخ کا تعین ہوتا ہے۔ آخرت پر یقین ہو تو عطائے الٰہی پوری نظر آتی ہے۔ آخرت پر یقین نہ ہو تو عطائے الٰہی ناکافی نظر آتی ہے۔ معطی مطلق بڑے علم سے عطا کرتا ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ نظر کیجئے ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ اور آخرت، درجات وفضیلت میں بہت بڑی ہوگی۔

دینے والے بھی ہوں، لینے والے بھی ہوں تو معاشرتی روابط قائم رہتے ہیں۔ جس کو اللہ نے فضیلت دی ہو، وہ فضلِ الٰہی کو تقسیم کرنے سے بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ قاسم کو فیض یاب ہونے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے کہ لینے والے کی بدولت دینے والے کو فانی شے کے بدلے دائمی انعام ملا ہے۔ لینے والے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم عطا فرمایا جا رہا ہے اس کو سرمایۂ حیات بنانے میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ حیاتِ دنیا میں شاہدین کی معیت سے حسنِ عمل کے درجے کا تعین ہوتا ہے۔ یہ بیج آخرت میں بہت پھل لائے گا، اس لئے آخرت کے درجات بہت بڑے ہوں گے۔ عطائے الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لانا فضیلت کے مقام کو متعین کرے گا۔ حیاتِ دنیا میں جو فضیلت بیج ہوگی، آخرت میں جزا کی صورت سے وہ پھل بنے گی، اس لئے اس کی بڑائی کا کیا کہنا۔

حاصل: فضلِ الٰہی ہمیشہ پاکیزگی سے تعلق رکھتا ہے۔ پاک رزق کو اللہ کی رضا کے مطابق تقسیم کیا جائے تو فضیلت کا شکریہ ادا ہو جاتا ہے۔ جو سعی اللہ کے ہاں مشکور ہو اس کے درجے کا، اس کی فضیلت کا کیا کہنا۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع تو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ پھر بیٹھ رہو گے، مذمت کئے ہوئے، بے کس۔

ع ۲ ۱۲ ۲

خالقِ کل، رب العالمین، قادرِ مطلق اور یوم الدین کا مالک ہمارے ساتھ جو تعلق رکھتا ہے وہ تعلق کسی دوسرے کے علم میں ہی نہیں ہے۔ جس کو نفع ونقصان پر قادر مان لیا جائے اس کی منشاء کو اہمیت نہ دینا ممکن نہیں رہتا۔ اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اس مقام پر دیکھا جائے کہ نتائج اس کی پسند کے تابع نظر آئیں۔ اس کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ شرک کا راستہ اختیار کرنے والا مذمت اور بے کسی میں ایسا گھر جائے گا کہ وہ وہاں سے نکل نہ سکے گا۔ انفرادی سطح پر حسنِ نیت قائم ہو، تو تمام مقامات پر بھلائی ہوتی ہے۔

حاصل: انفرادی سطح پر حسنِ نیت کو واضح کرنا بہت بڑا کام ہے۔ ہر فرد کو یہ ماننا لازم ہے کہ اس کا خالق اللہ ہے، اس کا پالنے والا اللہ ہے، اس کو متاعِ حیات دینے والا اللہ ہے، اس کو نفع ونقصان دینے والا اللہ ہے۔ اگر کوئی منشائے الٰہی کے خلاف کرے گا تو وہ مشرک ہوگا۔ جس کی خوشی کے لئے وہ خلافِ حق کرے گا وہ بھی اس کو برا ہی کہے گا اور اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں فرمایا ہے: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، اور تم صالح بنو گے تو وہ یقیناً رجوع کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اور تمہارے رب نے فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اگر تمہارے سامنے ایک یا دونوں کبرسنی کو پہنچ جائیں، تو اُن سے اُف نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا مت، اور ان سے بات بھی کریمانہ کرنا۔

اللہ کی بندگی تبھی ہوسکتی ہے، جب بندہ اللہ کا ہوجائے۔ اللہ کا ہوجانا اسی طرح ممکن ہوتا ہے کہ جو اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہے، اس کا اتباع کیا جائے اور کسی جگہ اپنی پسند کو اہمیت نہ دی جائے۔ جس کی اپنی کوئی بات نہ رہے اسی کی زبان اس لائق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی بات کرے۔ جس کی بات اللہ کی بات ہو اس کو ادب سے ماننا اور اس کو اپنے حسنِ عمل پر شاہد بنانا، اللہ کی عبادت باشہادت ہوگی۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کی ذاتی خدمت میں انہیں سکھ دیا جائے۔ ان کی خوراک مفید ہو اور احترام کے ساتھ پیش کی جائے۔ کھانے کے بعد برتن نہ اٹھانا بھی انہیں تکلیف دیتا ہے۔ ان کا لباس موسم کے مطابق ہو، ان کی قوتِ برداشت کے مطابق ہو۔ سوتی ہو یا اُونی، صاف ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پاک ہو۔ وہ کسی کو کچھ دینا چاہتے ہوں تو ان کی منشاء کے مطابق ادب سے وہ دیا جائے۔ اگر وہ دونوں یا ان میں سے ایک کبرسنی کے مقام پر پہنچ جائے تو ضعف کے غلبے کی وجہ سے ان کے معمولات کی صورت بدل جائے گی۔ اس وقت ان کی پسند کے مطابق انہیں سکھ دینا چاہئے۔ ان کے لئے کوئی اصول وضوابط نہیں بنانے چاہئیں۔ کوئی موقعہ ہو ان کو ناپسندیدگی کا احساس نہ دلایا جائے۔ کسی ناپسندیدہ بات پر، کسی ناپسندیدہ عمل پر ان کو جھڑکا نہ جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے ایسا کیا نہیں ہے ان سے ہوگیا ہے، اور خدمت کا موقعہ باعثِ رفعتِ شان ہے۔ قولِ کریم سے بات کرنا یہ ہے کہ بات کرنے والا غرض وغایت سے پاک ہو، جس سے بات کرے اس کی بھلائی ملحوظ ہو اور والدین کے سخت الفاظ کے معنوں میں کرم سے لطافت رکھتا چلا جائے۔ بات کریمانہ انداز میں ہو تو فضا خوشگوار ہوگی اور ہر ہر شے پکارے گی کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا گیا ہے۔

حاصل: بندہ اللہ کا ہوجائے تو بندگی کرسکتا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ذاتی خدمت کے علاوہ ان کے پیاروں کے ساتھ ان کی منشاء کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ ان سے ''اُف'' کہنا، انہیں جھڑکنا اور ان سے کریمانہ انداز میں بات نہ کرنا، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے اور سرکشی ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾

اور ان کے لئے رحمت سے عاجزی کا بازو بچھاؤ اور دعا کرو، اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسے ان دونوں نے صغرسنی میں مجھے پالا۔

والدین کے لئے رحمت کے ساتھ عاجزی کا بازو بچھانا، امرِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے والدین اس کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ پیدائش کے بعد اپنی بساط کے مطابق خوب بندوبست کرتے ہیں اور بلوغت تک اس کو آسانیاں مہیا کرتے رہتے

ہیں۔ اولاد کے لئے یہ معیار رکھا گیا ہے کہ وہ والدین کی خدمت کے ساتھ ان کے لئے دعا بھی کرے۔ خدمت میں کوئی غرض وغایت نہ ہو، کوئی لالچ نہ ہو اور خدمت میں انہیں ان کی پسند کے مطابق سکھ دینا مقصود ہو تو کہیں سخت ہاتھ لگانے کا مقام نہیں آئے گا، کہیں کراہت کا اظہار کرنے کا مقام نہیں آئے گا۔ والدین جس پیار سے اولاد کو پالتے ہیں، اولاد بڑھاپے میں والدین کے ساتھ ویسا پیار کرے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ سعادت منداپنے والدین کے لئے دعا بھی کرتے ہیں، انہیں سکھ بھی دیتے ہیں۔

حاصل: والدین کے لئے رحمت کے ساتھ عاجزی کا بازو بچھانا اور ان کے لئے اپنے رب سے رحم کی دعا کرنا بڑی سعادت مندی ہے۔ نظر اس بات پر رہنی چاہئے کہ امرِالٰہی کی ادب سے تعمیل ہو اور معیارِعمل وہ ہو جو والدین کا بچپن میں رہا ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

تمہارا رب خوب جانتا ہے، جو تمہارے نفوس میں ہے۔ اگر تم صالح ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

جو صدور میں مخفی ہے، وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ کسی مقام پر کچھ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔ خطا کے بعد جس کو احساس ہو جائے کہ اس کا عمل معیارِحق کے مطابق نہیں ہے، اس میں حسنِ نیت، طریقت اور نتائج کو باذن اللہ ماننے میں سب مقامات پر کمی ہوئی ہے یا کسی مقام پر کمی ہوئی ہے، کہ جزا پر یقین رکھنے والے کو سب کچھ نظر آنے لگتا ہے، وہ صالحین کی طرف رجوع کرتا ہے، ان کو اصلاحِ عمل پر گواہ بناتا ہے، توبہ کرتا ہے اور جن لوگوں سے اس کو ذاتی تکالیف پہنچی ہوتی ہیں، ان کو معاف کرتا ہے۔ یہی توبہ کرنے والوں کی صداقت کی سند ہے، جس کو دیکھتے رہنا ضروری ہے۔ والدین کی ذاتی خدمت یا ان کے عزیزوں سے ان کی منشاء کے مطابق معاملہ کرنے میں کوتاہی ہو، تو ان کی زندگی میں توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ادب سے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا جائے اور ان سے معافی طلب کی جائے۔ عمل سے یہ ثابت ہو کہ صالحین کی طریقت پر کسی فکر کو ترجیح نہیں دی جارہی تو اللہ ماضی کی کوتاہیوں کو بخش دینے والا ہے۔ ان کے وصال کے بعد توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ موسم کے مطابق ان کا لباس بنا کر مستحقین کو دیا جائے، ان کے ذمے جو کام ہوں اور جن کو ادھورا چھوڑ کر وہ چلے گئے ہوں اور ان کاموں میں اللہ کی رضا موجود ہو تو ان کاموں کو ان کی منشاء کے مطابق سرانجام دیا جائے اور ان کے لئے بخشش کی دعا کی جائے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ والدین کی خدمت میں، ان کے ساتھ حسن واحسان میں کوتاہی ہو تو صالحین سے اصلاح لے کر توبہ کرنی چاہئے۔ دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنا، توبہ کرنے والے کی حسنِ توبہ کو ثابت کرتا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور قربیٰ و مسکین و مسافر کو ان کا حق دو، اور بے جا مت اڑاؤ۔

قربیٰ میں سے جو لوگ صاحب استطاعت ہوتے ہیں، ان کو اخلاقی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتے انہیں اخلاقی مدد کے ساتھ ساتھ مالی مدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مدد کا منشاء فرمانِ خداوندی کی تعمیل ہو اور اس کے ساتھ اجر کا کوئی سوال چھپا ہوا نہ ہو۔

مسکین کو اس طرح کی مدد درکار ہوتی ہے کہ اس کا کام چل پڑے۔ مالی امداد کے علاوہ اس کے ساتھ کھڑے ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ جب اس کا کام چل پڑے تو پھر وہ مسکین نہیں رہتا اور کچھ دیر کے بعد کسی دوسرے مسکین کی زندگی سے تعطل دور کرنے کے مقام پر نظر آنے لگتا ہے۔ مسافر کی مدد اس طرح کرنی چاہئے کہ وہ سلامتی کے ساتھ سفر کو پورا کر سکے۔ مدد کی نوعیت ضرورت کے حوالے سے ہوگی۔ مدد دیتے وقت، اللہ کی رضا کے مقابل، مدد لینے والے کی خوشی کو اہمیت دی جائے تو یہ بے جا اڑانے کی صورت ہوگی۔

حاصل: قربیٰ، مسکین اور مسافر کا حق ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے فرمان کے مطابق شاہدین کی تصدیق سے درست مقام پر لگائی گئی ہے۔ حق کی ادائیگی کے بعد جب مدد چاہنے والے کی خوشی اور شوکتِ نفس کے لئے کچھ خرچ کیا جائے تو وہ بے جا ہوگا۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾	بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

مال کو حق کے مطابق خرچ کیا جائے تو معاشرے میں معاشی استحکام پیدا ہوگا۔ بے جا خرچ کیا جائے تو فساد پیدا ہوگا، جو بڑھتا چلا جائے گا۔ معاشرے کے دباؤ کے تحت جو خرچ کیا جائے اور دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے جو خرچ کیا جائے وہ سب تبذیر کے زمرے میں آئے گا۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ بری صفات سے اس بھائی چارے کے درجے کا تعین ہوتا ہے۔ شیطان کی صفت جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، وہ ناشکری ہے۔ ناشکری یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے خلاف، لوگوں کی خوشی کے لئے یا ان کے ڈر کے تحت خرچ کیا جائے۔

حاصل: اگر ہم بے جا خرچ کرتے ہیں تو پھر شیطان کے بھائی کو دیکھنے کے لئے صرف آئینہ دیکھنا کافی ہے۔ ناشکرا ہونا شیطانی صفت ہے ہمیں کسی کو ناشکرا نہیں کہنا چاہئے۔ لوگوں کی خوشی کو اہمیت دیتے ہوئے اور لوگوں کے دباؤ کے تحت جو خرچ کیا جائے وہ سب تبذیر ہے۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾	اور اگر تم ان سے اعراض کرو، اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو، تو ان سے دلداری کی بات کرو۔

قربیٰ، مسکین اور مسافر ایسے وقت بھی مدد کے طالب ہو سکتے ہیں، جب ان کی مطلوبہ شے دینے والے کے پاس موجود نہ ہو اور دینے والے کو امید ہو کہ مستحق کی مطلوبہ شے مستقبل قریب میں آ جائے گی، تو دینے والے کو مستحق سے دلداری کی بات کرنی چاہئے، تاکہ اس کو سکھ ملے۔ لینے والے کا مقصود جلوت میں موجود نہ ہو تو خلوت میں موجود ہوگا اور خلوت سے جلوت میں آنے والا ہوگا۔ تیسری صورت یہی ہے کہ مدد چاہنے والے کے پلے بندھا ہوا ہوگا اور علم رکھنے والا اسے کھول کر مدد چاہنے والے کے حوالے کر دے گا۔

حاصل: ہمیں یقین رکھنا چاہئے، کہ مدد کا طلب گار، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ اگر اس کی مطلوبہ

شے جلوت میں نہ ہوتو خلوت میں ہوگی، ایسا نہ ہوتو اس کے پلے بندھی ہوئی ہوگی۔ حق دار سے وعدے کا مقام آجائے تو خلوص ومحبت کے ساتھ، 'انشاء اللہ' کہہ کر وعدہ کرنا چاہئے اور وعدہ پورا کرنے کا مقام آجائے تو اس کو اولین ترجیح دینی چاہئے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ بیٹھ رہو گے ملامت کئے ہوئے، تھکے ہوئے۔

جب اپنی ذات اور اپنے اہل بیت کے علاوہ حق داروں پر خرچ نہ کیا جائے تو یہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا رکھنے کی صورت ہے۔ ایسے فرد کو بخیل وخسیس کہتے ہیں۔ جو حق داروں پر اس طرح خرچ کرے کہ اپنی ذات اور اہل بیت کو نظر انداز ہی کر دے، اس نے اپنے ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دیا ہے۔ دونوں صورتیں اعتدال سے ہٹی ہوئی ہیں۔ پہلی صورت میں نفس کو یوں خوش کیا جاتا ہے، کہ اس کی پسند کے علاوہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔ دوسری صورت میں نفس کو داد طلبی سے فراغت نہیں ملتی۔ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بے جا انفاق سے دکھ بڑھ جاتے ہیں، تھکن بڑھ جاتی ہے۔

حاصل: علم سے انفاق کرنا مخلصین سے سیکھنا چاہئے، ورنہ اعتدال کو قائم رکھنا ممکن نہ ہوگا۔ انفاق میں اعتدال نہ رہے تو نتیجہ یہی ہوگا کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق ضائع ہو جائے گی، ملامت اور تھکن باقی رہ جائے گی۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٣٠﴾ ع ۳/۸

بے شک تمہارا رب جس کے لئے چاہے رزق کھول دیتا ہے جس کے لئے چاہے کم کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔

رزق میں بسط دینا اور رزق کو کم کرنا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی مشیت میں اس کا علم بھی ہوتا ہے، اس کی حکمت بھی ہوتی ہے۔ کہیں رزق کی بہتات باعث سلامتی ہوتی ہے، کہیں رزق کی کمی سے حال درست رہ سکتا ہے۔ ملتا حضرت انسان کو وہی ہے جو اس کے لئے ہے۔ وہ شریعت کے ہاتھ سے لے لے تو وہ رزق پاک ہوگا، وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو پھلانگ جائے تو جو بھی لے گا وہ ناپاک ہوگا۔ ہوگا پھر بھی مشیت الٰہی کے تابع۔ اللہ ہر ظاہر کو جانتا ہے، ہر باطن کو جانتا ہے۔ اسے ہر حال کی خبر ہوتی ہے وہ ہر حال کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دے گا۔

حاصل: اللہ سے ایمان کی سلامتی اور اس کے فضل کو طلب کرنا چاہئے۔ رزق میں بسط ہو تو شکر یہ ادا کرنا چاہئے، کمی ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ ہر عمل میں دیکھنا چاہئے کہ اللہ کو ہمارے باطن کی خبر ہے، وہ ہمارے ظاہر کو بھی دیکھ رہا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ پھر جب

انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، جب ہم اسے اپنے پاس سے کوئی نعمت عطا فرمائیں تو کہتا ہے، یہ تو مجھے میرے علم کی بدولت ملی ہے۔ بلکہ وہ تو فتنہ ہے، ولیکن ان میں اکثر کو علم نہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بے شک ان کا قتل بڑی خطا ہے۔

ازدواجی زندگی کا منشاء طبعی طریق پر بقائے نسل ہوتا ہے۔ جانوروں میں بھی انسان کے لئے نشانیاں رکھی گئی ہیں۔ کوئی نر جانور حمل قرار پا جانے کے بعد اپنی مادہ کے پاس نہیں جاتا۔ انڈے دینے والے جانوروں میں بھی نر اور مادہ اسی وقت ملتے ہیں جب ان کے ملنے کا وقت طبعی طور پر انہیں معلوم ہوتا ہے۔ جو رزق ماں باپ کو مل رہا ہے وہ چونکہ ان کی کوشش کا نتیجہ نہیں ہوتا اس لئے ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل کر دیں۔ بندے کو خدمتِ خلق کے جس شعبے سے بھی تعلق ہو، اس میں اس کو صداقت کے ساتھ کام کرنا چاہئے۔ یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ رزق اللہ عطا فرماتا ہے اور اللہ کی عطا ہمیشہ حال پر پوری ہوتی ہے۔ اولاد کا قتل ایسی خطا ہے، جس میں اللہ کے رازق مطلق ہونے کا انکار کیا جاتا ہے، اس کے علم مطلق کا انکار کیا جاتا ہے۔ اس خطا کا مرتکب خود کو اس مقام پر دیکھتا ہے، جہاں پر وہ کبھی جا ہی نہیں سکتا۔

حاصل: اللہ کی عطا ہمیشہ اس کے علم سے ہوتی ہے اور پوری ہوتی ہے۔ بقائے نسل میں ان حدود کا احترام ضروری ہے جو مخلصین نے واضح کی ہیں۔ مفلسی کے ڈر سے اولاد کا قتل کرنا، بڑی خطا ہے۔ رزق دینا اللہ کی شان ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اور بہت ہی بری راہ ہے۔

جنسی طلب میں اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا، زنا ہے۔ وہ تمام مقدمات، وہ تمام محرکات جو زنا کی طرف لے جا سکتے ہیں، ان سے بچنا لازم ہے، ورنہ اللہ کے فرمان کی تعمیل نہ ہوگی۔ اگر بے حیائی بڑھ رہی ہو تو معاشرتی خرابی کا سبب نظر آنا چاہئے۔ قدامت پسندی کو برا کہنے والے، جدت پسندی کو خوب کہنے والے، آزادی نسواں کے عنوان سے ایسی ایسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ پاکیزگی، کم علمی اور ضعف کی علامت نظر آنے لگتی ہے۔ بندہ اپنے لئے تو یہی پسند کرتا ہے کہ اس کی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ کی طرف کوئی بُری نظر سے نہ دیکھے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کی بیوی اور اس کی رشتہ دار عورتوں کی طرف بھی کوئی بُری نظر سے نہ دیکھے۔ اگر وہ دوسروں کے لئے اسی بات کو پسند نہیں کرتا، جو اسے اپنے لئے پسند ہے، تو اس سے بری راہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو قوت معاشرے کی بھلائی کے لئے کام آنی چاہئے، وہ حصولِ تحفظ پر خرچ ہو جائے گی تو معاشرہ روبہ زوال ہو جائے گا۔

حاصل: علم والے لوگوں کو ان تمام مقدمات کا تعین کرنا چاہئے، ان تمام محرکات کا تعین کرنا چاہئے جو زنا کی طرف لے جا سکتے ہیں۔ ان سے لوگوں کو روک دینا حکومت وقت کی ذمہ داری ہونی چاہئے۔ بے حیائی حسنِ معاشرت کی جڑ

کاٹ دیتی ہے۔ جو راہ ہمیں اپنے لئے پسند نہیں ہے وہ دوسروں کے لئے پسند ہو تو وہ بہت ہی بُری راہ ہے۔

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

اور کسی نفس کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ہو، ناحق قتل نہ کرو۔ اور جو مظلوم قتل ہو تو ہم نے اس کے ولی کو سلطان ٹھہرایا ہے۔ پھر وہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ اس کی نصرت ضرور ہو گی۔

ذاتی انتقام میں کسی جان کو تلف کرنا منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے، کہ حدود اللہ کا احترام ہمارے اعمال سے ظاہر ہو۔ دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اپنا توازن ٹھیک رکھنا بڑا کام ہے، مگر اس کی فضیلت بھی بڑی ہے۔ جو ناحق قتل ہو جائے وہ مظلوم ہے۔ اس کے ولی کو اللہ نے اختیار دیا ہے، وہ خون کا بدلہ خون لے یا خون بہا لے۔ اگر ولی نہ ہو تو حکومت ولی ہو گی۔ ولی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ بدلہ لیتے وقت وہ حد سے نہ بڑھے، اس کی نصرت تو اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے۔ ولی کے لئے بہترین راستہ یہی ہے کہ وہ بدلے کا تعین خود نہ کرے، خوف خدا رکھنے والے صاحبان سے پوچھ لے کہ بدلہ لینے کی احسن صورت کیا ہے اور اسی پر عمل کرے۔ بدلے میں بھی اگر ولی اپنی مرضی کرے گا تو حد سے بڑھنے کا امکان ضرور ہو گا۔ نصرت تو اللہ کے فرمان سے ہو رہی ہے اس لئے ولی کو اللہ کے فرمان کے تابع رہنا چاہئے۔ ولی اپنی مرضی کرے اور حد سے بڑھ جائے تو فساد بڑھے گا۔ قاتل اگر حدود اللہ کے عدم احترام کا مرتکب ہوا ہے، تو ولی کو ویسا کرنے سے بچنا چاہئے، ورنہ وہ بھی گناہ گار ہو گا۔

حاصل: اگر قاتل من مانی کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے تو مظلوم کے ولی کو بھی بدلہ لینے میں من مانی کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ولی کی نصرت تو اللہ کے فرمان سے ہو رہی ہوتی ہے، اس لئے بدلے کا تعین خوف خدا رکھنے والوں سے کروانا چاہئے۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریقِ احسن، حتیٰ کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے، اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کی پوچھ ہو گی۔

جس بچے کے والدین کا وصال ہو جائے اور وہ ابھی سِن بلوغت کو نہ پہنچا ہو، اس کے کفیل کو یتیم کی کفالت قبول کرتے وقت، لوگوں کو یتیم کے مال پر گواہ بنانا چاہئے تا کہ اس امانت کا تعین ہو جائے جو یتیم کی بلوغت پر اسے لوٹائی جائے گی۔ امانت لوٹاتے وقت بھی لوگوں کو گواہ بنایا جائے گا، یہ عہد کو پورا کرنے کی صورت ہے۔ عہد کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کے تابع ہے اور اللہ سے ہی کیا گیا ہے اور اس کی پوچھ ضرور ہو گی۔ اگر یتیم کے مال کی حفاظت و افزائش کے لئے کچھ کیا جائے تو اس میں کفیل کی اپنی کوئی غرض و غایت نہیں ہونی چاہئے، ورنہ یہ خیانت ہو گی۔ اور حکم الٰہی یہ ہے کہ یتیم کے مال میں صرف بطریق احسن تصرف کرو۔

حاصل: یتیم کی کفالت کرنے والے کو یتیم کے مال کا تعین لوگوں کے سامنے کرنا چاہئے۔ یتیم بالغ ہو جائے تو

لوگوں کے سامنے اس کے مال کو واپس کرنا چاہئے۔ اس میں جو تصرف کیا گیا ہو اس کی بھی وضاحت کرنی چاہئے۔ ہر عہد کو اللہ کے فرمان کے تابع ہونا چاہئے۔ یہ یقین ہونا چاہئے کہ عہد اللہ سے ہی کیا گیا ہے اور اس کی طرف سے پوچھ ضرور ہوگی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾

اور ماپ کرنے لگو تو پورا ماپو اور سیدھے ترازو سے وزن کرو۔ یہ خیر ہے اور اس کا انجام احسن ہے۔

ماپنے کے پیمانے رائج الوقت معیار کے مطابق ہوں۔ لمبائی ناپنے کا پیمانہ بھی مصدقہ ہو اور حجم ناپنے کا پیمانہ بھی مصدقہ ہو۔ وزن کر کے دیتے وقت جو باٹ استعمال کئے جائیں وہ بھی مصدقہ ہوں، اور سیدھے ترازو سے وزن کر کے دیا جائے۔ اس سے معاملات کا نظام درست رہتا ہے۔ افراد کے مابین اعتماد بڑھتا ہے۔ یہ اعتماد بڑے سکھ کا باعث ہوتا ہے۔ لین دین درست ہو تو قومی وقار میں اضافہ ہوتا ہے۔ حکمِ خداوندی کے ماننے سے ہی یہ ثابت ہوگا، کہ ماننے والا اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ کو اپنا رب مانتا ہے، اللہ کی حکمت پر یقین رکھتا ہے اور نفع ونقصان کو باذن اللہ مانتا ہے۔

حاصل: ماپ کے پیمانے حال پر مقررہ معیار کے مطابق ہونے چاہئیں، باٹ بھی مصدقہ ہونے چاہئیں، ترازو درست ہو اور وزن کر کے دیتے وقت اسے سیدھا رکھا جائے، تو یہ تجارت کو حکمِ خداوندی کے مطابق رکھنے کی صورت ہے، اور عملاً عبادت ہے۔ فرد کی قدر ومنزلت بھی اسی طرح بڑھتی ہے، قومی وقار میں بھی اسی طرح اضافہ ہوتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٣٦﴾

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو، جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل، ان سب سے پوچھ ہوگی۔

پہلا درجہ قول ہے، دوسرا درجہ عمل ہے۔ اس کے بعد علم عطا ہوتا ہے۔ جس بات کا علم نہ ہو اس کے بارے میں کچھ کہنا، اپنے قیاس کو بیان کرنا ہے۔ حصولِ علم کا جو راستہ رکھا گیا ہے، اس راستے کو اختیار کیا جائے، تو کبھی ان دیکھی کو دیکھی ہوئی نہیں کہا جائے گا، ان سنی کو سنی ہوئی نہیں کہا جائے گا، فرمانِ خداوندی کے مقابل رسم ورواج کو اہمیت نہیں دی جائے گی، کسی بات کی تصدیق بے سند نہیں ہوگی، کسی بات کی تردید بے سند نہیں ہوگی۔ انسان کے کان سے یہ سوال ہوگا، کہ تجھ کو آوازِ حق اور آوازِ ناحق میں امتیاز کرنے کی توفیق دی گئی تھی، اس توفیق کا استعمال کیسے ہوا۔ آنکھ سے سوال ہوگا، حدود اللہ کو جاننے کے بعد ان کا احترام کیسے ہوا۔ دل سے سوال ہوگا کہ حق کو سن لینے کے بعد، حدود اللہ کو دیکھ لینے کے بعد، اتباع کی اہلیت کو کیسے استعمال کیا۔

حاصل: ہمیشہ علم سے بات کرنی چاہئے۔ کان کو آوازِ حق کی طرف مائل رکھنا چاہئے، آنکھ کو حدود اللہ کا احترام سکھانا چاہئے، اور دل کو مخلصین کی طرف لگانا چاہئے۔ حصولِ علم کی احسن صورت یہی ہے۔

وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ اور زمین میں اِتراتے ہوئے نہ چل۔ نہ تو زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچے گا۔

زمین میں اکڑ کر چلنا، علامت تکبر ہے۔ اس خودنمائی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اتراتے ہوئے چلنے والا اپنی طاقت کو انتہا کے مقام پر دیکھتا ہے۔ اپنے طویل قامت ہونے کا بڑا احساس رکھتا ہے۔ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ جس زمین پر وہ چل رہا ہے اس کے مقابل اپنی طاقت کو دیکھ لے اور جن پہاڑوں کو وہ دیکھ رہا ہے ان کے سامنے اپنی قامت کو دیکھ لے، اسے اپنی حیثیت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

حاصل: زمین میں اترا کر چلنے والے کو اپنی حیثیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ جس قادرِ مطلق نے اس کو بنایا ہے، اسی نے زمین کو بنایا ہے، آسمانوں کو بنایا ہے اور ہر ایک شے کو بنایا ہے۔ اشیاء کے مقابل اپنی حیثیت کو دیکھ لیا جائے تو اکڑ کر چلنا ممکن نہیں رہتا۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ان میں جو بھی برائی ہے وہ تمہارے رب کے نزدیک مکروہ ہے۔

جو بات انسان کو انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر فساد میں مبتلا کر دے وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ جو بات صالح معاشرہ کے قیام اور استحکام کے لئے ضروری ہے اور جس کے کرنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اس کا نہ کرنا بھی، اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ کو یہ پسند ہے کہ لوگ علم الٰہی سے فائدہ اٹھائیں، انفرادی سطح پر بھی، قومی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔

حاصل: ہمیں لوگوں کی بھلائی میں خوشی ہو، اور لوگوں کے خسارے میں کراہت ہو، تو یہ اللہ پاک کے ساتھ ہونے کا ثبوت ہوگا۔

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ یہ ان باتوں میں سے ہیں جو تمہارے رب نے حکمت کے ساتھ تمہاری طرف وحی فرمائیں۔ اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ ملامت اور دھکوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جاؤ گے۔

مذکورہ نصائح کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ ہر فرد کے لئے ہیں، رب کی طرف سے ہیں اور حکمت سے ہیں۔ نصیحت کی اہمیت کو یہ باتیں روشن کرتی ہیں: جس کو نصیحت کی گئی ہو ناصح اس کے ماضی اور حال کو جانتا ہو، اس کی بھلائی کو عزیز رکھتا ہو اور حکمت کے ساتھ نصیحت کرتا ہو۔ اللہ سے بڑا ہمارا جاننے والا کوئی نہیں، اس سے بڑھ کر ہماری بھلائی کسی کو عزیز نہیں اور اس سے بڑا کوئی حکمت والا بھی نہیں۔ اس لئے یقینی بھلائی اسی کے فرمان کو ماننے میں ہے۔ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہرانا بے ہودگی ہے۔ اس کا انجام جہنم ہے، جس میں انسان کو اس کی پسند کے خلاف، ملامت اور دھکوں کے ساتھ پھینک دیا جائے گا۔ جب کسی کی ناحق بات کو، اللہ کے فرمان

کے برابر اہمیت دی جائے، اس کو دشمن جاننے کی بجائے اپنا دوست سمجھا جائے اور خسارے والی باتوں کو پُرحکمت کلام مان لیا جائے تو یہی اللہ کے ساتھ کسی کو معبود ٹھہرانے والی باتیں ہیں۔

حاصل: نصیحت علم حقیقی سے ہو تو وہ ہمیشہ حکمت سے ہوتی ہے۔ حکمت کا پتہ صرف ماننے سے لگتا ہے۔ جس کی بات علم حقیقی سے ہو، اس کے مقابل ظنی علم سے بات کرنے والے کو کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے ورنہ شرک ہو جائے گا اور انجام کار خسارہ ہی ہوگا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ؑ﴿۴۰﴾ ع

کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹے چن کر دے دیئے اور اپنے لئے ملائکہ کو بیٹیاں کر لیا۔ بے شک تم بڑا بول بولتے ہو۔

اپنی ابتداء اور انتہا پر نظر ہو تو اپنی حیثیت کے بارے میں جو بات کی جائے اس میں توازن ہونا چاہئے۔ جو لوگ اپنے لئے بیٹی ہونے کی خبر پر منہ چھپاتے پھرتے ہیں، وہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں، اور ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے، ہر شے کا مالک ہے۔ بات کرتے وقت اگر اپنی شان کو مالکِ کُل کی شان سے بڑھانے کی کوشش کی جائے تو یہ بے ادبی کی انتہا ہے اور جہالت کی انتہا ہے۔ کوئی شے اللہ کی مثل نہیں ہے، اس لئے اللہ کے ساتھ اولاد کا تصور ہی بے جا ہے۔ علم سے بات نہ کی جائے تو پھر گمان سے بات کی جاتی ہے اور یہ بڑا پُرخطر راستہ ہے۔

حاصل: بے مثل کے لئے مثل تجویز کرنا بڑی جہالت ہے۔ اپنی حیثیت کو اللہ کی شان کے سامنے ہیچ جاننا ادب ہے۔ اس ادب کا اظہار زبان سے ہوتا ہے تو زبان ٹھیک رہتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (۵) میں ارشاد فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ اے ایمان والو، اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے خوب قائم رہو۔ اور تم کو کسی قوم کی عداوت انصاف نہ کرنے پر نہ ابھارے۔ عدل کرو، وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو خبر ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن مجید میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ مانیں۔ مگر ان کی نفرت ہی زیادہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا علم سب سے بڑا علم ہے۔ لوگوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی اسی نے عطا فرمائی ہے۔ اس لئے اس کی وضاحت ہی اعلیٰ ترین وضاحت ہے۔ کوئی اگر یہ کہے کہ اللہ کی بات اس کی سمجھ میں آئی ہی نہیں تو یہ بات درست نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کو ماننے کے بعد اس کی

سمجھ آیا کرتی ہے۔ ماننے بغیر جاننے کی کوشش ماننے سے دور لے جاتی ہے۔ یوں ماننے میں نفس کی ناپسند کے مقامات جمع ہوتے جاتے ہیں اور حق سے نفرت بڑھتی جاتی ہے۔ دیکھنا چاہئے، کہ حق سے بڑا کوئی علم نہیں ہے۔ بیان کرنے والے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ جو ان کی معیت میں ہو جائے اسے تمام مقامات سے حفظ و امان کے ساتھ گزر جانے کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، اسے خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔ جو لوگ سنتے نہیں جیسے سننا چاہئے، دیکھتے نہیں جیسے دیکھنا چاہئے اور خواہشات کی پیروی سے چھوٹتے نہیں، ان لوگوں کو حق کے سننے سے نفرت بڑھتی ہے۔

حاصل: قرآن مجید کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے علم سے فرمائی گئی ہے، اس لئے اس سے بہتر وضاحت نہیں ہوسکتی۔ ماننے والے کو جاننے کا شرف ضرور ہوتا ہے۔ جاننے کی کوشش میں اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے کی نفرت ہی بڑھتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے، جیسے یہ بتاتے ہیں، تو ضرور صاحبِ عرش کی طرف راہ نکالتے۔

کافر یہ کہتے ہیں، کہ اللہ معبود تو ہے مگر وہ لاشریک نہیں ہے۔ ان کی بات کو حق کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے، کہ کثیر معبودوں کی مشیت کا ایک ہونا ممکن نہیں، اور اس کائنات کا نظام ایک مشیت کا تقاضا کرتا ہے۔ معبود کا مشیت کے بغیر ہونا محال ہے، اس لئے کائنات میں اس مقام کی طلب ہر معبود کو ہونی چاہئے جو عرشِ عظیم ہے۔ یہی صورت کسی معبود کی مشیت کے نفاذ کی ہوسکتی ہے۔ مگر کسی معبود نے عرشِ عظیم کی طرف راہ نہیں نکالی۔ عرشِ عظیم کی ملکیت کا دعویٰ ہی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کی سند ہے۔

حاصل: معبود کی شان ہے کہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ صرف اسی کی مشیت اس کائنات میں چل رہی ہے۔ اپنے رخ کو درست رکھنے کے لئے ہمیں معبود لاشریک کے فرمان کو ادب سے ماننا چاہئے۔

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

اسے پاکی اور برتری ہے، ان کی باتوں سے، بے نہایت۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق اپنے گمان سے باتیں کرتے ہیں وہ کہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو پاک ہو وہی اللہ کی پاکی بیان کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ خلوت و جلوت میں جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو وہ اللہ کی پاکی بیان کرے تو روشنی بڑھتی ہے۔ صفاتِ خداوندی بے نہایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی عطا کرنے والا نہیں، وہ سب کو عطا کرنے والا ہے۔ جو عطائے الٰہی کا ذکر کرے وہ اسی قدر کرسکتا ہے، جس قدر وہ عطا سے فیضیاب ہوا ہے، معطیٔ مطلق کی برتری تو بہر حال رہتی ہے۔

حاصل: اللہ کی پاکی اور بڑائی گمان کی حدود سے بہت بلند ہے۔ اسے بیان کرنے کے لئے شاہدین کی معیت ضروری ہے۔ بیان کرنے والا اپنی پاکیزگی اور طرزِ بیان پر ان کو شاہد بنائے گا تو حدودِ عبدیت کے اندر اپنا حق ادا کرسکے گا۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَ لٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾

اسی کی تسبیح کرتے ہیں، ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور کوئی شے نہیں جو حمد سے اس کی تسبیح نہ کرے، ولیکن تمہیں ان کی تسبیح کی سمجھ نہیں۔ بے شک وہ حلم والا، بخشنے والا ہے۔

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں اور ان کے مابین ہے، حمد سے اللہ کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں۔ جس شے کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کا مقصدِ تخلیق متعین فرما دیا گیا ہے اور وہ شے اپنے مقصدِ تخلیق کو کما حقہٗ پورا کرتی چلی جارہی ہے۔ ہر مصنوع، صانع کی شان کی مظہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر شے اپنے بنانے والے کی منشاء کو پورا کرنے کے لئے محوِ کار ہے۔ اگر کسی شے کے مقصدِ تخلیق کا علم نہ ہو تو اس کی تسبیح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کسی شے کے استعمال میں اس کے مقصدِ تخلیق کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یہ بُرائی ہوگی اور نظامِ کائنات میں بے علمی سے مداخلت ہوگی۔ اس کا احساس ہوتے دیر نہیں لگتی۔ جب احساس ہو جائے کہ بندگی کے دائرے میں کسی شے کا بے محل اور بے جا استعمال ہوا ہے تو دیکھنا چاہئے کہ اللہ نے عزت کے ساتھ مہلت دی ہے، گرفت کرنے میں شتابی نہیں کی۔ یہ اللہ کا حلم ہے۔ اصلاح کو قبول کرنے پر وہ بخش بھی دیتا ہے۔

حاصل: ہر شے کے استعمال میں علم سے صحیح طریقہ اپنانا چاہئے۔ کوتاہی کا احساس ہو جائے تو فوراً رک جانا چاہئے اور صالحین سے اصلاح لینی چاہئے۔ کسی کی خطا پر جلد گرفت نہیں کرنی چاہئے اور حسنِ نیت کے جان لینے کے بعد معاف بھی کر دینا چاہئے۔

وَ اِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ جَعَلۡنَا بَيۡنَكَ وَ بَيۡنَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسۡتُوۡرًا ۙ﴿۴۵﴾

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان کے مابین، جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک حجابِ مستور ٹھہرا دیتے ہیں۔

قرآن پاک کو ماننے والے اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے حضرات جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو فضا پُر نور ہو جاتی ہے۔ مگر آخرت پر ایمان نہ لانے والے اس نور کو دیکھ نہیں پاتے۔ آخرت پر عدمِ ایمان ان کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ قرآن پاک پڑھنے والے کا احترام ہو تو سننے والے کی کیفیت اور ہوگی۔ احترام نہ کرنے والا اس کیفیت کو کہاں جان سکتا ہے۔

حاصل: قرآن پاک کی تلاوت ان لوگوں سے سننی چاہئے، جن کی زندگی پاکیزگی کا نمونہ ہو۔ آخرت پر ایمان ہو تو حق کی بات سمجھ میں آتی ہے، ورنہ انسان اپنے گمان میں ہی الجھا رہتا ہے۔

وَّ جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرۡتَ

اور ہم نے ان کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے ہیں کہ اسے پا نہ سکیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور

رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

جب تم قرآن میں اپنے رب واحد کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔

جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے وہ خواہشاتِ نفس میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ اس طرح متاثر ہو جاتی ہے کہ وہ صحیح نتائج اخذ نہیں کر پاتے۔ سننے کی صلاحیت بھی متاثر ہو جاتی ہے۔ ان کی پسند کی بات ہو تو خوشی مناتے ہیں، حق کی بات ہو تو بدکتے ہیں اور چڑتے ہیں۔ ان کے کانوں کا بوجھ ان کے لئے یہ صورت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ سنتے ہی نہیں جیسے سننا چاہئے۔ قرآن پاک میں جب ربِّ واحد کا ذِکر ہوتا ہے تو اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ عالمین کا پالنے والا ایک ہے۔ وہی توفیق دیتا ہے، وہی مہلت دیتا ہے، وہی اتمامِ حجت کرتا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔ یہ ذِکر کافروں کی نفرت کے بڑھنے کا باعث بنتا ہے اور وہ یہ ذِکر سن کر پیٹھ پھیر جاتے ہیں۔

حاصل: ربِّ واحد کا ذِکر کرتے رہنا چاہئے۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ بندہ فرمانِ خداوندی کے مقابل کبھی اپنی پسند کا ذِکر نہ کرے، ورنہ سمجھنے کی صلاحیت بری طرح متاثر ہو جاتی ہے اور صرف اپنی پسند کی بات سننا گوارا ہوتی ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

ہمیں بڑا علم ہے، جس لئے وہ سنتے ہیں جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں، جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نے تو محض مردِ مسحور کی پیروی کی۔

منکرینِ حق اپنی پسند کو اتنا اہم جانتے ہیں، کہ وہ حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اور جب سنتے نظر آتے ہیں تو یہ تکذیب و تمسخر کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر آپس میں مشورہ کر کے باتیں بناتے ہیں۔ حق کے ماننے والوں سے یہ کہتے ہیں، کہ تم ایک مرد کی پیروی میں لگے ہوئے ہو جس پر جادو کا اثر ہے۔ علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے علم الٰہی پر کوئی علم غالب نہیں آسکتا۔ جس نے امرِ الٰہی کے مطابق یہ تعلیم دی ہے کہ نفع اور ضرر باذن اللہ ہیں، اس پر جادو کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں مسحور کہنے والے اپنے معبودوں کی شان بڑھانے کے لئے ایسا کہہ دیتے ہیں، مگر یہ نہیں دیکھتے کہ حق بیان کرنے والا اپنی مدح سن کر بے ربط نہیں ہوتا، مذمت سن کر پریشان نہیں ہوتا۔ تو اس سے بڑا صاحبِ استقامت و استقلال کون ہوگا۔ مسحور میں یہ صفات کبھی نہیں ہوسکتیں۔

حاصل: جب حق کو تمسخر اور تکذیب کے لئے سنا جائے تو نتیجہ کبھی فلاح نہیں ہوسکتا۔ علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے اس علم پر کوئی علم غالب نہیں آسکتا۔ مسحور کبھی صاحبِ استقامت نہیں ہوتا، اس کا بیان مقصدیت سے خالی ہوتا ہے۔ بشارت و انذار کی زبان میں بات کرنا صاحبِ عرفان کی شان ہے، اور صاحبِ عرفان مسحور نہیں ہوسکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ ع

نظر کیجئے انہوں نے آپ کو کیسی کیسی مثالیں دیں، تو گمراہ ہوئے، پھر وہ راہ پا ہی نہیں سکتے۔

جو ربِ واحد کو نہ مانتا ہو، وہ توحید کی باتیں کرنے والے کو، حق کو بیان کرنے والے کو معجز بیان دیکھ کر شاعر کہہ دیتا ہے۔ حق بیان کرنے والے کی استقامت کو دیکھ کر اسے مجنون کہہ دیتا ہے۔ لوگوں کی پرواہ کرتے کرتے اپنی ذات سے بے پرواہی کرنے والے صاحب کو مسحور کہہ دیتا ہے اور جب حق بیان فرمانے والے کی بات عملاً سچی ثابت ہو جائے تو اسے ساحر اور کاہن کہہ دیتا ہے۔ یہ سب مثالیں بے ہودگی اور بے ادبی کو ثابت کرتی ہیں۔ جس کے نقشِ قدم سے راہِ حق کا پتہ چلتا ہے، اس کے ساتھ بے ادبی کا رویہ یقیناً گمراہی کا باعث ہوتا ہے۔ راہ کو وہی پا سکتا ہے جو راہ والے کو پالے۔ اور راہ والے کو وہی پا سکتا ہے جو جلوت میں اس کا ادب کرے اور خلوت میں اس کے ساتھ رہے۔

حاصل: حق بیان کرنے والے کی شان میں گستاخی سے بہت بڑا دھکا لگتا ہے۔ گستاخ اس دھکے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ راہ والے کو پا یا جائے تو راہ پر رہنا ممکن ہوتا ہے اور راہ والے کو وہی پا سکتا ہے جو جلوت میں اس کا ادب کرے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو خلقِ جدید کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

بعث بعد الموت کا انکار اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ کافروں کو موت کے بعد انسانی جسم کا بکھر جانا نظر آتا ہے، اور ان ذرات کا دوبارہ جسم کی صورت میں اکٹھا ہو جانا محال معلوم ہوتا ہے۔ جس نے پہلے ہڈیوں کو بنایا ہے اگر اس کے علم کی شان کو دیکھا جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسانی علم اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ خلق جدید تو پہلی بار بنانے کے مقابلے میں آسان ہے۔ کسی جسم کے منتشر ذرات کو اکٹھا کر کے ان کے افعال کو بحال کر دینا یقیناً بڑا کام ہے، مگر اس جسم کو عدم سے وجود میں لانے والے کے لئے وہ بڑا کام نہیں ہے۔

حاصل: جو پہلے ہمیں پیدا کر چکا ہے، اسے دوبارہ پیدا کرنے کی بڑی قدرت ہے۔ بعث بعد الموت کا انکار اس کے وقوع کو محال نہیں بنا سکتا۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

فرما دیجئے پتھر ہو جاؤ یا لوہا ہو جاؤ۔

زمین جب مردہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے زندہ کرنے کے لئے آسمان سے مبارک پانی برسا کر مہربانی فرماتا ہے۔ روئیدگی کی وہ صفت جو خاک کے ذرات کھو چکے تھے، بحال ہو جاتی ہے۔ پتھر یا لوہے کے ذرات اس قدر قریب ہوتے ہیں کہ سختی کی یہ صورت آثارِ حیات کو قبول نہیں کرتی۔ مگر پتھر اور لوہے کو اس صورت میں بدل دینا کہ ان کے ذرات آثارِ حیات کو قبول کر لیں، اللہ تعالیٰ کے لئے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

حاصل: بعث بعد الموت کا انکار کرنے والے سے یہ کہنا چاہئے کہ کسی چیز کی سختی اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ خالقِ کُل کا علم سب سے بڑا ہے۔ ذرّات کو وہ صورت دینا کہ وہ آثارِ حیات کو قبول کریں، صرف اسی کے فرمان سے تعلق رکھتا ہے۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾

یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے نزدیک بڑی ہو، تو جلد ہی کہیں گے کون اٹھائے گا۔ فرمادیجئے، وہی جس نے پہلی بار تمہیں پیدا کیا۔ تو اب تمہاری طرف مذاق سے سر ہلا کر کہیں گے، یہ کب ہوگا۔ فرمادیجئے، ممکن ہے قریب ہی ہو۔

پتھر اور لوہے کے ذرات سے زیادہ سختی بھی حاصل کرلی جائے تو بھی وہ مخلوق تو اللہ ہی کی ہوگی، اور اللہ سختی اور نرمی کے سب مقامات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ آثارِ حیات کو قبول کرنے کی صلاحیت کیسے پیدا ہوتی ہے، حیات وموت کے پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔ معاد کے منکر کہتے ہیں، کون اٹھائے گا۔ جواب میں یہ فرمایا گیا ہے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا وہی موت کے بعد تمہیں اٹھائے گا۔ اس کے بعد کافر مذاق سے پوچھتے ہیں مگر کب اٹھائے گا۔ اس کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، ممکن ہے وہ وقت قریب ہی ہو۔ حیات کی صورت میں ملی ہوئی مہلت ہر لحہ کم ہوتی جارہی ہے۔ موت کے وقت اصلاح کو قبول کرنا نفع نہیں دیتا۔ موت دینے والے کی قدرت کا انکار ممکن نہیں۔ دارِعمل کے لئے رکھی گئی مہلت بھی کم ہوتی جارہی ہے۔ اب اگر موت اور معاد کو دور سمجھا جائے گا، تو یہ غفلت خسارے میں ڈال دے گی۔

حاصل: علم سے بات کرنی چاہئے۔ جواب دینے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہئے۔ مذاق کرنے والے کے پاس دلائل نہیں ہوتے۔ جو وقت خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہے، جس میں ہمارا حصہ بہت مختصر ہے، اسی مختصر وقت میں اپنی صداقت کا ثبوت دیا جاسکتا ہے۔ معاد کا منکر پہلے ہی کچھ وقت کھو چکا ہوتا ہے، اس لئے اس کے واسطے مہلت کو کم ہی کہا جاسکتا ہے۔

یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵ ۱۲ ۵

جس دن تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے، اور تمہیں ظن ہوگا کہ تم تھوڑا ہی ٹھہرے۔

بعث بعد الموت اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا۔ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف سے دوسری بار صور پھونکنے کے ساتھ ہی ہوگا، اور لوگ اسی وقت اپنی اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اور جس کی طرف جارہے ہوں گے اس مالکِ کُل کی شان یہ ہوگی کہ کوئی اس کی طرف جانے سے رک نہیں سکے گا۔ من مانی کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا، اور وہ یاد آئے گا تو یہی احساس ہوگا کہ وہ وقت بہت قلیل تھا۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں حمد کرنے سے جزا کا یقین واضح ہوتا ہے۔ اس وقت کے خاتمے کے بعد ماننا نفع نہیں دیتا۔

حاصل: اللہ کا بلاوا لوگوں کو قبروں سے اٹھا دے گا، اور وہ سب اس کی طرف، جس مقام پر وہ انہیں اکٹھا کرنا چاہے گا، چل کھڑے ہوں گے۔ من مانی کرنے کی طلب کے سامنے عمل کے لئے دی گئی مہلت قلیل ہی نظر آتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰسین (۳۶) میں فرمایا ہے: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ

تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ تو پاکی ہے اسے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی ملکیت ہے، اور تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

اور میرے بندوں سے فرمایئے وہ بات کریں جو سب سے احسن ہو۔ بے شک شیطان ان کے مابین جھگڑا ڈالتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

عبادِ مخلصین کے نزدیک حسنِ کلام میں سب سے بڑا معیار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بندوں کو لازم ہے کہ اسی معیار کی نسبت سے خود کو دیکھیں۔ احسن بات وہ ہوتی ہے جس سے سننے والے کو فائدہ پہنچے، اس کے اندر بات کرنے والے کے لئے اچھا جذبہ پیدا ہو اور بات سننے والے کی سمجھ میں آئے۔ سننے والے کے رویئے سے متاثر ہو جانے والے کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ احسن بات کر سکے۔ بات اللہ کے لئے ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقت کے مطابق ہو، تو سننے والے کا رویہ سنانے والے کی استقامت پر کیا اثر کرے گا۔ مذاکرات میں دل آزاری اور اشتعال انگیزی سے بچنا ضروری ہے، ورنہ شیطان کو دشمنی اور فساد پیدا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ جس بات سے دکھ پہنچے، اس بات کے بارے میں بات کرنے والے سے پوچھ لینا ضروری ہے، کہ اس نے وہ بات کیوں کی ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس کے بارے میں نیک گمان رکھنا چاہئے۔ بات کرنے والا اپنی غرض و غایت سے پاک ہو کر بات کرے اور سننے والا اس کی حسنِ نیت کا یقین رکھتا ہو، تو شیطان کو جھگڑا ڈالنے کے لئے ضروری ارکان ہی میسر نہیں آئیں گے۔

حاصل: جس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے نسبت ہو وہ احسن ہے۔ مذاکرات میں اشتعال انگیزی اور دل آزاری کو شیطان کی مدد جاننا چاہئے۔ اس صداقت سے بچنا چاہئے جو فساد کو بڑھانے والی ہو۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

تمہارے رب کو تمہارے بارے میں خوب علم ہے، وہ چاہے تم پر رحم فرمائے یا چاہے تمہیں عذاب کرے، اور ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ وکیل ہے، اس کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ جو حق کو مان کر اپنے تضاد کو دور کرتا ہے، اس پر اللہ رحم فرماتا ہے۔ جو حق کا انکار کرتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا رہتا ہے، وہ گمراہی کے نتیجے میں عذاب پاتا ہے۔ شاہدین کے ذمے یہی ہے کہ وہ اللہ کے فرمان کو بیان کریں، اور خود ماننے والوں کے لئے نمونہ بن کر دکھائیں۔ کون ان سے رشتۂ محبت استوار کرتا ہے، کون ان سے نفرت کرتے ہوئے دور ہو جاتا ہے، اللہ کو خوب علم ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: شاہدین کے ذمے حق کو بطریقِ احسن پہنچا دینا ہے۔ جو ان سے محبت کرے گا وہ ان کی پیروی کرے گا، اس پر رحم ہوگا۔ جو ان سے بیزاری کا اظہار کرے گا، من مانی کرے گا، گمراہ ہوگا عذاب پائے گا۔ جبر کے ساتھ کسی کو منوانے کا حکم ہی نہیں ہے اس لئے حق پہنچانے والے سے کسی کے بارے میں پوچھ نہیں ہوگی۔

وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور تمہارے رب کو خوب علم ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کا علم، ایسا علم ہے کہ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں اور اس کے علم سے بڑا کوئی علم نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں اس کا ہر کام بڑے علم سے ہے۔ اس نے جس کو جس مقام پر رکھا اس کا وہی مقام ہے۔ انبیائے کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ بعض کا پیغام صرف انہی لوگوں کے لئے تھا جن کی طرف ان کی بعثت ہوئی، بعض کا پیغام کثیر لوگوں کے لئے تھا۔ خاتم النبیین کا پیغام عالمین کے لئے ہے، اور قیامت تک کے لئے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک بھی عطا کیا گیا تھا کتاب بھی عطا فرمائی گئی تھی، مگر ملک وجہ فضیلت نہیں ہے۔ کتاب الٰہی کے نافذ کرنے والے کی اہلیت کا علم اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور عطا فرمائی گئی، وہ تحمید و تمجید پر مشتمل تھی، توریت کے بعد نازل فرمائی گئی تھی اور اہل کتاب اسے کتاب الٰہی مانتے تھے۔ قرآن پاک میں ہر شے کا بیان ہے اور یہ قیامت تک کے لئے ہے، عالمین کے لئے ہے اور اس کو بدلنا ممکن نہیں ہے۔ جو لوگ دین داری اور دنیا داری کی حدود کا تعین کرتے رہتے ہیں، انہیں یہ بات پریشان کرتی ہے، کہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مگن رہنے والے کا دنیا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ حقوق العباد بھی عبادت ہیں۔ مثال حضرت داؤد علیہ السلام کی دی گئی ہے، یہ صاحبِ کتاب نبی تھے اور مملکت بھی رکھتے تھے۔

حاصل: علیمِ مطلق کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس نے جس کو جو مقام عطا فرمایا ہے وہی اس کا مقام ہے۔ انبیاء میں سے کسی کا مقام جزو کی صورت سے ہے، کسی کا جزوِ اعظم کی صورت سے ہے۔ خاتم النبیین کل کی صورت سے تشریف لائے، یہ انتہائی فضیلت ہے۔ کتبِ سابقہ کی تصدیق، عالمین کے لئے رحمت تا قیامت اور ہر مقام پر رہنمائی اور ہر درجے کے لئے رہنمائی اس فضیلت کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

فرما دیجئے، پکارو ان کو جن کا اللہ کے مقابل تمہیں زعم ہے، تو وہ تم پر سے تکلیف کھول دینے کا اختیار بھی نہیں رکھتے، پھیر دینے کا اختیار بھی نہیں رکھتے۔

جن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شریک مانا جاتا ہے، ان کی قدرت کا ثبوت بھی ہونا چاہئے۔ مصائب باذن اللہ آتے ہیں، تو انہیں پکار کر کہنا چاہئے جنہیں معبود مانا جاتا ہے، کہ ہمیں ان مصائب سے چھڑا دیجئے یا ہم پر سے ان مصائب کو پھیر دیجئے۔ یہی ان معبودوں کی قدرت کا ثبوت ہو سکتا ہے، مگر یہ کبھی مشاہدے میں آیا ہی نہیں۔ مصائب باذن اللہ آتے ہیں اور باذن اللہ ہی جاتے ہیں۔ معبود وہی ہے جس کا اختیار کلی ہے اور دائمی ہے۔

حاصل: مصائب کا باذنِ اللہ آنا اور باذنِ اللہ جانا، اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاشریک ہونے کی سند ہے۔ جب اللہ کے مقابل کوئی تکلیف کو کھولنے یا پھیر دینے کا اختیار ہی نہیں رکھتا، تو پھر خلافِ حق کرنے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾

وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں جو ان میں زیادہ قریب ہو، اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

جن پاک لوگوں کو بے علمی سے معبود کی حیثیت سے پکارا جاتا ہے، انہوں نے کبھی اپنے معبود ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کیا ہوتا، اس لئے انہیں پکارنے والے خلافِ حق کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیاروں کی صفات کو اپنایا جائے تو ان کے ساتھ ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ورنہ دعویٰ ساتھ کا ہوسکتا ہے مگر وہ دعویٰ سچا نہیں ہوتا۔ پاک بندوں کی طریقت یہ ہوتی ہے، کہ وہ ان کا توسل ڈھونڈتے ہیں جو اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ زیادہ قریب ہونے کی نشانی یہ ہے، کہ وہ حق کے طالبین کو تعلیم دیتے ہیں اور حق کے نہ ماننے والوں کے لئے ان کی لاعلمی کے حوالے سے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔ توسل کا منشاء حصول علم ہوتا ہے اور توسل کبھی تعبد نہیں ہوسکتا۔ پاک بندے اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اپنے رب کی رحمت کی امید حصولِ قرب کے لئے ضروری ہے۔ اس کے عذاب سے ڈرنا یہ ہے کہ منکرینِ حق کے ساتھ تعلق صرف دعوتِ خیر کے حوالے سے ہو، کہیں من مانی نہ کی جائے، اور اپنی دانستہ اور نادانستہ کوتاہیوں کا اعتراف ہو۔

حاصل: توسل ضروری ہے اور حق ہے، تعبّد قطعاً خلافِ حق ہے۔ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھنی چاہئے، اور اس کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ راہِ راست پر رہنے کے لئے پاک لوگوں کی صفات کو اپنانا ضروری ہے۔ نام ان کا لیا جائے مرضی اپنی کی جائے تو گمراہی سے بچنا محال ہوگا۔

وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾

اور کوئی قریہ نہیں مگر یہ کہ ہم اس کو قیامت کے دن سے قبل ہلاک کر دیں گے یا اسے عذابِ شدید میں مبتلا کریں گے۔ یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

جو قریہ یا بستی اپنی شناخت بنانے کے لئے وہ اصول اپنائے جو لوگوں کی پسند سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا انجام اچھا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی بستی یا ہلاک کر دی جائے گی یا عذاب شدید میں پکڑی جائے گی۔ اتمام حجت ہو چکا ہو تو بالکلیہ ہلاکت ہوگی اور مزید مہلت دینی ہو تو عذابِ شدید دیا جائے گا۔ مگر خلافِ حق کرنے کے انجام سے بچ جانا ممکن نہیں یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

حاصل: ہمیں دیکھنا چاہئے، ہم جس بستی کے مکین ہیں اس کی شناخت کیا ہے۔ اگر خلافِ حق کرنا اس کی شناخت ہے تو ہلاکت یا عذابِ شدید کو دور نہیں جاننا چاہئے۔ اصلاح کے لئے پاک لوگوں کا ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ کے فرمان سے ٹکرانے والی ہر ساخت ٹوٹ جاتی ہے، اسے پکڑنے والے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾

اور ہم نے ایسی نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کیں کہ پہلوں نے بھی ان کی تکذیب کی۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے دی، تو انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ اور ہم نشانیاں ڈرانے کے لئے ہی بھیجتے ہیں۔

حق کو ماننے کے لئے جب بھی کسی قوم نے کسی نشانی کی شرط لگائی تو اللہ کے رسول نے واضح فرمادیا کہ مطلوبہ نشانی کو دیکھ لینے کے بعد نہ ماننا باعثِ ہلاکت ہوگا۔ لوگوں کا رویہ یہی رہا کہ نشانی دیکھنے پر مصر رہے اور دیکھنے کے بعد اسے جھٹلا دیا۔ نشانی بھیجنے والا، نشانی طلب کرنے والوں کی سنجیدگی کو خوب جانتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کی طرف بھیجا گیا، تو انہوں نے نشانی طلب کی۔ ان کی مطلوبہ نشانی اونٹنی تھی جس کی پیدائش ان کی طلب کے مطابق ہوئی، اور جس کی صفات ان لوگوں کی طلب کے مطابق تھیں۔ یہ نشانی ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھی۔ اس اونٹنی کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے بُرائی کے ساتھ مَس نہ کیا جائے، یہ اللہ کی زمین سے کھاتی پھرے جہاں سے چاہے۔ یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ اس نشانی کی بے حرمتی باعثِ عذاب ہوگی۔ تو ثمود نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا وہ عذاب آتا کیوں نہیں جس سے ڈرایا جاتا رہا۔ پھر عذاب آیا اور وہ اس طرح برباد ہوئے کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ حق کو ماننے کے لئے نشانی طلب کرنا اسی وقت مفید ہوسکتا ہے جب لوگوں کو اپنی خواہشات کی پیروی عزیز نہ ہو۔ نشانیاں بھیجنے والا یہ چاہتا ہے کہ اس کی قدرت کو دیکھ کر انجام پر نظر رکھی جائے۔

حاصل: حق کو ماننے کے لئے نشانی طلب کرنا انتہائی سنجیدگی کا مقام ہونا چاہئے۔ مطلوبہ نشانی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اللہ کی قدرت سے ڈرنا حق ہے۔ دیکھنا چاہئے ہم سلامتی کی راہ پر ہیں یا ہلاکت کی راہ پر ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع ۶

اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بے شک سب لوگ آپ کے رب کے احاطے میں ہیں۔ اور ہمارا وہ دکھانا جو آپ کو دکھایا تھا لوگوں کو دیکھنے کے لئے تھا، اور وہ شجر جس پر قرآن میں لعنت فرمائی گئی ہے۔ اور ہم انہیں خوف دلاتے ہیں تو ان کی بڑی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب سب لوگ اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہیں، تو تبلیغ حق کرنے والوں کے لئے کسی فرد یا جماعت کے ردِعمل کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔ شبِ معراج جو کچھ خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تھا اور جس میں سے آپ نے لوگوں کو بتایا تھا، اس بیان کا منشاء یہ دیکھنا تھا کہ کون اپنی سمجھ کو معیار جانتا ہے، اور کون محبت سے اس بیان کو مانتا ہے۔ اللہ کی قدرت کو محدود جاننے سے بڑی جہالت کوئی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ایک درخت کا زقوم کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، یہ درخت لعنتی لوگوں کی خوراک ہوگا۔ دوزخ میں اس درخت کا

ہونا، منکرینِ حق کے ماننے میں نہیں آتا تھا۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والی آنکھوں کو اپنی حیثیت پر بھی نظر رکھنی چاہیئے، اپنی ابتدا اور انتہا کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ اگر اپنی خواہشات کی پیروی عزیز ہوگی تو پھر انذار کی بات سے سرکشی میں اضافہ ہوگا۔

حاصل: جو اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہے، وہ تبلیغِ حق میں سدِ راہ نہیں ہوسکتا۔ ماننے والی بات کا ماننا یہ ہے، کہ جو سمجھ میں آئے اس کو مان لیا جائے۔ خوارق کا ماننا یہ ہے کہ بیان کرنے والی ذات بابرکات صداقت کی سند رکھتی ہے، اس لئے وہ جو بھی فرمائے سچ ہے۔ من مانی کرنے پر تل جانے والے انذار کی بات سن کر مزید سرکش ہو جاتے ہیں۔ ہمیں تلاوت الوجود کرتے رہنا چاہیئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (١٧) میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآن پاک میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ سمجھیں، اور اس سے ان کی نفرت ہی بڑھتی ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا ﴿۶۱﴾

اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کریں، تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا کہنے لگا۔ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے خلق کیا ہے۔

ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت کو دیکھ چکے تھے۔ تخلیق آدم کے ذکر کے ساتھ ہی وہ اپنا احساس بھی بیان کر چکے تھے، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت فرما دی گئی تھی۔ جب سجدے کا حکم دیا گیا تو یہ آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لئے اور ان کے مقام کا اعتراف کروانے کے لئے تھا۔ ملائکہ نے حکم کی تعمیل کی۔ حکم سے پہلے بولنے کا مقام ہوسکتا ہے، حکم ہو جانے کے بعد بولنا بے ادبی ہے۔ ادب کے دائرے میں حکم اور اسکی تعمیل کے درمیان کوئی بات آ ہی نہیں سکتی۔ ابلیس نے سجدے کے حکم کو نہ مانا، تو اسے پوچھا گیا اور یہ ظاہر و باطن کے جاننے والے کی طرف سے پوچھا گیا، کہ کس چیز نے اسے سجدہ کرنے سے روکا۔ تو وہ کہنے لگا، کیا میں اسے سجدہ کروں جسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ بے علمی ملاحظہ ہو کہ مخلوق علیمِ مطلق اور خالقِ کُل کو خلق کے درجات بتانے لگی ہے۔

حاصل: ماننے کا دعویٰ ہو تو تعمیلِ حکم میں دیر نہیں ہونی چاہیئے۔ تعمیلِ حکم میں اپنی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے۔ خلق کے درجات کا جو علم اللہ کو ہے، وہ اللہ ہی عطا کر سکتا ہے اور جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ ادب کے بغیر حصولِ علم ممکن ہی نہیں ہوتا۔

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ٘ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾

کہنے لگا، بھلا دیکھ تو یہ جسے تو نے مجھ پر مکرم رکھا ہے، اگر تو نے مجھے یوم قیامت تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا سوائے قلیل لوگوں کے۔

شیطان نے اُسے عزت والا ماننے سے انکار کرتے ہوئے، جسے اللہ نے عزت بخشی ہے، یہ کہا کہ جسے میرے سامنے مکرم ٹھہرایا گیا ہے میں تاقیامت اس کی اولاد کے ساتھ دشمنی کرتا رہوں گا، ان کو پیس کر چھوڑوں گا۔ قلیل لوگ میرے داؤ سے بچ جائیں گے۔ جن لوگوں کو شیطان پیس کر ختم کردے گا وہ سب خواہشات کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔ وہ انہیں ان کی پسند کے حوالے سے پھنسائے گا۔ جو لوگ اس داؤ سے بچ جائیں گے وہ مخلصین ہیں۔ مخلصین کی شان یہ ہے کہ وہ حق کو مانتے وقت یہ دیکھتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کے اتباع میں یک سوئی قائم رہے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ علم عطا کرنے والے وہ بھی جانتے ہیں جو ان کے علم میں ہے اور وہ بھی جانتے ہیں جو ان کے علم میں نہیں ہے۔

حاصل: جو اللہ کے نزدیک عزت والا ہے، اسے عزت والا ماننا لازم ہے۔ شیطان دشمنی کا احساس رہے تو اپنے عمل کا نقص نظر آتا رہتا ہے۔ جو حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتا ہو، وہ شیطان کے داؤ سے بچ نہیں سکتا۔ جو حق کو مانتا ہو اور اپنے عمل پر پاک لوگوں کو گواہ بناتا ہو اس پر شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

فرمایا: دور ہو جا! تو ان میں جو تیرا اتباع کرے گا تو جہنم تم سب کی جزا ہے، پوری جزا۔

انسان دشمنی کے اعلان کے بعد شیطان کو مردود قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، دور ہو جا، جو تیری پیروی کرے گا وہی تیرا ساتھی ہوگا، تم کو اور تمہارے سب ساتھیوں کو ان کے کیے کی پوری پوری جزا دینے کے لئے جہنم موجود ہوگا۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ خلاف حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔

حاصل: اپنے دوست کے دشمن کو دور کر دینا اللہ کی سنت ہے۔ اپنے دوست کے دشمن اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اپنے احساس کو واضح کر دینا حق ہے۔ آگ کی صورت میں سزا دینا اتنے بڑے علم کا کام ہے کہ وہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے، کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جلنے کی سزا دے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور اپنی آواز سے جس کو گھبرا سکے گھبرا لے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادے لے آ اور اموال و اولاد میں ان کے ساتھ شریک ہو اور انہیں وعدے دے۔ اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر غرور کا۔

جب شیطان نے بنی آدم سے دشمنی کا اعلان کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو تجھ سے ممکن ہو کر لے۔ جس کو گھبرا کر اپنی طرف مائل کر سکتا ہے اس کو گھبرا لے۔ جن پر یہ داؤ نہ چلے ان پر طاغوتی لشکر لے آ، ان کو مرعوب کرنے کی کوشش کر لے۔ جو راہِ حق پر رہنے والے ہیں وہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذنِ اللہ مانتے ہیں۔ شیطان کے لشکر انہیں مرعوب نہیں کر سکتے۔ جو لوگ متاعِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنا لیتے ہیں ان سے شیطان کی شراکت اموال و اولاد میں ہوتی ہے۔ وہ لوگ حرام خوری کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور اولاد کو حدود اللہ کے احترام کی ترغیب نہیں دیتے۔ شیطان انہیں ترقی اور سربلندی کی امیدیں دلاتا ہے، انہیں وعدے دیتا ہے۔ شیطان کے وعدوں کی حقیقت غرور کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

حاصل: اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتیجے کو باذن اللہ جاننا لازم ہے۔ نتیجہ اپنی منشاء کے خلاف نظر آئے تو گھبرا کر حق کو چھوڑ نہیں دینا چاہئے۔ طاغوتی لشکروں سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی نصرت کے سامنے شیطانی لشکروں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اموال و اولاد کو امتیاز کے حصول پر لگا دینا، دوسروں کو چھوٹا ثابت کرنے میں لگے رہنا، ثابت کرے گا کہ شیطان کا داؤ چل گیا ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

بے شک وہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا۔

اللہ کے بندے نفع وضرر کو باذن اللہ جانتے ہیں۔ ہونے کی صورت میں مقامِ شکر پر رہتے ہیں نہ ہونے کی صورت میں مقامِ صبر پر رہتے ہیں۔ جب کسی کام کا عزم کر لیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اپنا حق ادا کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے، اس لئے طاغوتی قوتوں سے مرعوب نہیں ہوتے۔ حلال رزق کو ان تمام حقوق کی ادائیگی کے لئے پورا جانتے ہیں، جو ان کے ذمے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے حرام کی طرف مائل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اولاد کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام سکھاتے ہیں۔ وہ اولاد کو بتاتے ہیں، ناپاک کبھی پاک کے مساوی نہیں ہوسکتا، چاہے ناپاک کی کثرت کتنی ہی عجیب لگے۔ وہ جانتے ہیں کام بنانے والا اللہ ہے۔ اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے، اس میں ہمیشہ بڑی حکمت ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ کے بندے ہر حال میں بندگی کرتے ہیں۔ اپنے نفس پر حاکم ہونا، بندگی کے لئے ضروری ہے۔ اللہ کے بندے یقین رکھتے ہیں کہ ان کا کام حق کو ادا کرنا ہے، کام بنانا اللہ کی شان ہے اور اس کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿۶۶﴾

تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لئے بحر میں کشتی رواں کرتا ہے، کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھی ہمیں سواریاں عطا کی ہیں۔ بحر ذرائع نقل وحمل کے لئے سب سے اہم ہے۔ بحر میں اللہ کی عطا کردہ سواری کشتی ہے۔ وہ بہت بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ اس سواری کو عطا کرنے والے کی منشاء کے مطابق استعمال کیا جائے، تو اس پر اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے روانہ ہونا چاہئے۔ رزق کی ایسی تلاش جس میں بندہ، اللہ کی بندگی کرتے ہوئے دوسروں کو اپنے عمل سے فائدہ پہنچائے، اور یہ یقین بھی رکھے کہ جو اس کے حصے کا ہے وہ ضرور ملے گا، اللہ کا فضل ہے۔ بندے کا کام یہی ہے کہ وہ کم جاننے والوں کو سکھائے اور بہتر جاننے والوں سے سیکھے۔ اللہ کا فضل تلاش کرنے والوں کو اللہ اپنے رحم سے نوازتا ہے۔

حاصل: کشتی میں سواری سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے ہی روانہ ہو رہے ہیں۔ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے، اللہ کے رحم کا اور اپنی کوتاہیوں کا بہت علم ہوتا ہے۔ بحری سفر کے دوران یَارَحِیْمُ یَارَحِیْمُ کا ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾

اور جب بحر میں تمہیں دکھ پہنچتا ہے، بھول جاتے ہو جن کو اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے اعراض کرنے لگتے ہو۔ اور انسان ہے بڑا ناشکرا۔

جب نفس کو ذاتی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔ اس وقت وہ معبود جو اس کی خواہشات سے جنم لیتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں۔ بندے کا مقام، اللہ کی قدرت کے سامنے، بندے کو خوب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر وہ اللہ کو پکارتا ہے یک سو ہو کر، اور یہ عہد بھی کرتا ہے کہ آئندہ اسی راستے پر رہنا ہے جو اللہ کے مخلص بندوں کا راستہ ہے۔ جب خشکی پر پہنچنا نصیب ہو جاتا ہے، تو من مانی نہ کرنے کا عہد توڑ کر حق سے اعراض کیا جاتا ہے۔ انسان کی ناشکری دیکھئے کہ اسے بچا دیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ میں بچا دیا گیا ہوں، یہ کہتا ہے، میں بچ گیا ہوں۔

حاصل: انسان کو بحر میں آفت کا سامنا ہو، تو اسے معبود لاشریک کے سوا سب بھول جاتے ہیں۔ اور جب اسے قادرِ مطلق کی طرف سے خشکی پر سلامتی کے ساتھ پہنچا دیا جاتا ہے، تو پھر وہ حق سے اعراض کرنے لگتا ہے۔ شکر گزاری یہ ہے کہ ہمیشہ یہ کہے 'میں بچا دیا گیا ہوں' یہ کہنا 'میں بچ گیا ہوں' ناشکری ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ﴿۶۸﴾

کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی کی جانب کو تمہارے ساتھ دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ بھیجے، پھر اپنا کوئی حمایتی نہ پاؤ۔

اگر اللہ کی قدرت کے احاطے کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر بحر سے سلامتی کے ساتھ خشکی پر پہنچا دینے والے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ بحر میں غرق کرنے کی قدرت رکھنے والا، خشکی پر دھنسا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی مقام پر انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ ہوا کے ساتھ انسان کو مٹا کر رکھ سکتا ہے۔ کون ہے وہ جس کی یہ مجال ہو کہ وہ مٹائے جانے والے کی حمایت کا دعویٰ ہی کر سکے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا چاہئے۔ بات کرتے وقت دیکھنا چاہئے، کیا ہم اللہ کی مہربانی کو اپنا کارنامہ بنا کر تو بیان نہیں کر رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ہمارا رخ سلامتی کا نہیں ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں اس میں دوبارہ لے جائے پھر تم پر ہوا کا سخت جھونکا بھیجے، تو تمہیں تمہاری ناشکری کی بنا پر غرق کر دے، پھر تم اپنے لئے کوئی ایسا نہ پاؤ جو ہم سے باز پرس کر سکے۔

اللہ کی قدرت کے احاطے کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ وہ ہر مقام پر قادر مطلق ہے۔ بحر ہو بر ہو یا کوئی بھی مقام ہو، بندے کو دیکھنا چاہئے کہ بحر میں طوفان کے وقت اللہ کو پکارنے والا اور خشکی پر پہنچا دیئے جانے کے وقت اللہ کو بھول جانے والا، دوبارہ بھی بحر میں بھیجا جاسکتا ہے۔ پھر اللہ اس کو اس کی ناشکری پر طوفان کے ذریعے غرق بھی کرسکتا ہے۔ پھر کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ سے باز پرس کر سکے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کے احاطے کو ہر مقام پر دیکھنا چاہئے۔ کسی مقام پر اللہ کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں اور کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس سے کسی کی ہلاکت کے بارے میں باز پُرس کر سکے۔ اپنے عجز پر نظر رکھنی چاہئے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ع ﴿۷۰﴾ ع ۱۰/۷

اور بے شک ہم نے بنی آدم کو تکریم دی اور انہیں بر و بحر میں سواری دی، اور انہیں طیبات سے رزق دیا اور انہیں اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی۔

بنی آدم کی عزت و تکریم، کائنات میں تسلیم کی جاتی ہے۔ اللہ کی عطا کو تسلیم کرنے میں ہی بھلائی ہے۔ بری سفر کے لئے اور بحری سفر کے لئے سواریاں بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ حلال و حرام کے علم کے ساتھ، طیبات کی صورت میں رزق بھی وہی دیتا ہے۔ بنی آدم کی فضیلت یہ ہے کہ من مانی کرنے کی اہلیت کو حق کے اتباع میں لگا کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ بنی آدم، اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ملحوظ رکھیں، رُخ ہر مقام پر بھلائی کا ہو، کھائیں طیبات سے تو کثیر مخلوق ان کی فضیلت کا اعتراف کرے گی۔

حاصل: بنی آدم کی تکریم حق ہے۔ ہمیں ہر مقام پر اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو ہیچ دیکھنا چاہئے۔ رخ ہر مقام پر خیر کا ہو، رزق طیبات سے ہو تو کثیر مخلوق کو فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اور ہرگز ان میں سے نہ ہونا، جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ج فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

جس دن ہر گروہ کو ہم ان کے اماموں کے ساتھ بلائیں گے، تو جس کو اس کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ اپنا لکھا پڑھیں گے، اور ان پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔

جو جس کا اتباع کرتا ہے وہ اس کو امام مانتا ہے۔ جس کو حال پر امام بنایا جاتا ہے، قیامت کے دن اسی امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔ جو لوگ حق کو ماننے والے ہوں گے، ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے تو انہیں راحت ہوگی۔ عنداللہ مقبولیت سے بڑی راحت کیا ہوسکتی ہے۔ پاک لوگوں پر تاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔ پاکیزگی کی تصدیق وہ حضرات کریں گے، جن کی پاکیزگی کی تصدیق کی گئی ہوگی۔ امت وسطیٰ میں یہ سلسلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا۔ آپ کی پاکیزگی پر اللہ گواہ

ہے۔باقی انبیاء کرام بھی اپنے اپنے حال پر لوگوں کو حق کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔جن کی پاکیزگی کی وہ تصدیق کرتے تھے ان کو تصدیق کرنے کا حق بھی عطا کیا جاتا تھا۔اس طرح شاہدین کی جماعت بنتی جاتی تھی۔جو لوگ خلافِ حق کرتے ہیں وہ بھی کسی کو امام بناتے ہیں۔ایسے امام لوگوں کو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتے ہیں۔اپنے ساتھیوں کو غرور و استکبار میں مبتلا کرتے ہیں۔مال و متاع، حسب و نسب، رنگ و نسل کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرتے ہیں۔اللہ کے نزدیک تکریم کے لئے معیار تقویٰ ہے۔

حاصل : اگر ہمارا امام عند اللہ مقبول ہے تو ہم راہِ راست پر ہیں، اور اگر ہمارا امام خلافِ حق کر رہا ہے تو ہم راہِ راست پر نہیں ہیں۔پاک بندوں کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ہمیں خلافِ حق کرنے سے ڈرنا چاہئے۔

وَ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اور جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا، اور بالکل ہی گمراہ۔

جو انسان ہدایت کے مقابل گمراہی کو پسند کرے، اس کا رخ اندھیرے کی طرف ہے۔اندھیرے میں انسان دیکھ نہیں سکتا۔یہ اندھا پن دارِ عمل میں انسان کے ساتھ رہے تو آخرت میں بھی انسان اس سے چھوٹ نہیں سکتا۔انسان خواہش کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اندھا ہی رہتا ہے۔خواہش کی آنکھ بند ہو تو حقیقت کی آنکھ عطا ہوتی ہے۔جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ اپنی غرض و غایت کے لئے ہو اس کو حقیقت سے آشنائی ہو ہی نہیں سکتی۔آخرت میں تدارک، تلافی ممکن نہ ہوگی اس لئے حق سے دوری بھی زیادہ ہوگی۔

حاصل : ۔جو حال پر حق کو نہیں پاتا وہ اندھا ہے، جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔دارِ عمل میں تدارک اور تلافی ممکن ہے۔دارِ آخرت میں یہ ممکن نہیں ہے۔اس لئے حق سے دوری بھی انتہائی ہوگی۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اور قریب تھا کہ تمہیں فتنے میں ڈالتے اس سے جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی، کہ تم ہم پر افتریٰ کرتے، اور تب وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ آپ نے کبھی خواہش کے تحت نطق نہیں فرمایا۔آپ نے جو بھی فرمایا، اللہ کے حکم سے فرمایا۔اس لئے کسی فتنے کا آپ پر اثر انداز ہونا ناممکن ہے۔آپ کا قلب مبارک قرآنِ پاک کا مقام نزول ہے، اس لئے یہ قلب مبارک کبھی غیر کی طرف مائل ہو ہی نہیں سکتا۔تعلق مع اللہ کا وہ مقام جہاں شک بالکل نہ ہو، اللہ کے مقرر کردہ معیار کو ضرور حاصل ہوتا ہے۔اسی لئے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔جہاں بھی واحد حاضر کے صیغے سے خطاب ہے، مخاطب لازماً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں ہیں۔

تبلیغ حق کرنے والوں کو یہ علم عطا فرمایا گیا ہے، کہ وہ کسی مقام پر بھی حق کو اپنی سمجھ کے تابع نہ رکھیں، ہمیشہ اپنی سمجھ کو حق کے تابع رکھیں۔منکرینِ حق کو یہ مطلوب ہوتا ہے، کہ تبلیغِ حق کرنے والا کچھ ان کی مان لے، کچھ ان سے منوا لے۔اگر تبلیغِ حق کرنے والا ایسا کرنے پر تیار ہو تو وہ اس کو دوست بنا لیتے ہیں۔یہ دوستی انہیں بہت مفید نظر آتی ہے۔بعد میں تبلیغِ حق کرنے والے کے بارے میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ان

صاحب کے نزدیک ہماری پسند اللہ کے فرمان کے برابر اہمیت رکھتی ہے، اس لئے انہوں نے کچھ ہماری مان لی ہے کچھ ہم سے منوالی ہے، اب غور کر لیجئے کہ جس کو یہ حق مانتے ہیں خود اس پر کس قدر ثابت قدم ہیں۔ پھر تبلیغِ حق کا دعویٰ کرنے والے کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہ جاتا۔

حاصل: حق کو ماننے سے اس کا علم ہوتا ہے، اس کے علاوہ جاننے کی ہر کوشش بے جا ہوتی ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے کو اپنی سمجھ کے بارے میں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ یہ تبھی درست ہوگی جب ناصحین سے محبت موجود ہوگی۔ ناحق سے جزوی مصالحت حق کا جزوی انکار ہے اور حق کو پورا پورا ماننے کا حکم ہے، اس لئے جزوی انکار بھی حق کا کلی انکار ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف تھوڑا جھکتے۔

تبلیغِ حق کرنے والے کو جب منکرینِ حق سے بات کرنی پڑتی ہے تو اسے ان کا فلاح کی طرف آنا بہت عزیز ہوتا ہے۔ یہاں یہ دیکھنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ تبلیغِ حق کرنے والے کا منشاء اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہ ہو، اور وہ مخاطب پر واضح کر دے کہ کسی شرط کے ساتھ حق کو ماننا، اللہ کے نزدیک ماننا ہے ہی نہیں۔ من مانی کرنے کی طلب ہی تو بت پرستی ہے اور اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حاصل: تبلیغِ حق سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے، یا اللہ مجھے ثابت قدمی عطا فرما، تیری مدد سے ہی میرا توازن قائم رہ سکتا ہے۔ منکرینِ حق پر واضح کرنا چاہئے، کہ من مانی کرنے کی طلب ہی سے سب گناہ وجود پاتے ہیں اور من مانی کرنے سے اجتناب، حق کو ماننے کے لئے ضروری ہے۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور جب تو ہم تمہیں دونی حیات اور دونی موت کا ذائقہ چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابل کسی کو مددگار نہ پاتے۔

اگر اللہ کی رضا کے علاوہ بھی کچھ مقصود ہو، تو تبلیغِ حق کرنے والا اپنے لئے حیات و موت کا دکھ خرید رہا ہوتا ہے۔ حیات کا دکھ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں حق اور ناحق کی اہمیت برابر ہو جاتی ہے، اور یہ بہت بڑا دکھ ہے۔ موت کا دکھ یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ تبلیغ حق کا رہا ہے اور حالت اللہ سے مقابلے کی ہوگئی ہے اور دنیا سے واپسی مجرم کی صورت سے ہو رہی ہے۔ یہ دکھ بھی ختم ہونے والا نہیں۔ اللہ سے مقابلہ کرنے والے کی مدد کسی کے بس کی بات نہیں۔

حاصل: تبلیغِ حق میں اللہ کی رضا کے علاوہ بھی کچھ مطلوب ہو تو یہ حیات و موت کا بڑا دکھ خریدنے والی صورت ہوگی۔ دعویٰ اللہ کو ماننے کا ہو اور ثبوت اللہ سے مقابلے کا دیا جا رہا ہو، تو انجام دکھ ہی ہو سکتا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

اور وہ تو چاہتے تھے کہ تجھے گھبرا دیں اس زمین سے، تا کہ تجھے یہاں سے نکال دیں، اور تب تو وہ بھی تمہارے پیچھے تھوڑا ہی ٹھہرتے۔

منکرینِ حق کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ تبلیغِ حق کرنے والے کو تنگ کرنے کا عمل مسلسل رہے اور تبلیغِ حق کے لئے فضا کا ناسازگار ہونا واضح ہوتا جائے۔ منشاء یہ ہوتا ہے کہ حق بیان کرنے والے میں لوگوں کی عدم دلچسپی کی فضا بنے اور ایک مقام پر اسے کہا جائے، کہ صاحب ہم آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، ایک ہی صورت ہوسکتی ہے آپ کے یہاں رہنے کی اور وہ یہ ہے کہ آپ اس بستی والوں کی ملت کی طرف لوٹ آئیں۔ اگر حق بیان کرنے والے کو اس کے مقام سے نکال دینے کی کوشش کی جائے تو یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہوتی ہے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ حق بیان کرنے والے کو نکال دینے والے سلامتی کے ساتھ پیچھے ٹھہرے رہیں۔

حاصل: منکرینِ حق، تبلیغِ حق کرنے والے کو اپنی بستی سے نکال دینے کی کوشش کریں تو وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔ پاک لوگوں کی موجودگی کو باعثِ رحمتِ الٰہی جاننا چاہیئے، اور ان کی تکریم کرنی چاہیئے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ
ع ۸ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

دستور ان کا جو ہمارے رسل میں سے تم سے قبل بھیجے گئے، اور تم اللہ کی سنت کو بدلتا نہ پاؤ گے۔

جس کی بات حق ہو، جس کا معاملہ اللہ کی رضا کے لئے ہو، وہ لوگوں سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ اسے لوگوں کی بھلائی ضرور عزیز ہوتی ہے مگر اس کی مدح کی جائے تو بھی استقامت کے ساتھ وہ اپنا حق ادا کرتا رہتا ہے، اور اس کی مذمت کی جائے تو بھی وہ مصائب کو باذن اللہ جانتا ہے۔ تعلق مع اللہ میں اس مقام پر رہنے والے کو جب بستی والے نکال باہر کریں، تو پھر اس بستی کو برباد کردیا جاتا ہے۔ اللہ کی یہ سنت چلی آرہی ہے اور یہی سنت رہے گی، اس سنت کو بدلنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔

حاصل: خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اللہ کا پیغام پہنچانے والے ناصحین ضرور آتے رہیں گے۔ ان پاک لوگوں کے ساتھ زیادتی کا انجام وہی ہوگا جو پہلے پاک لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔ ہمیں پاک لوگوں سے بے ادبی کا روّیہ رکھنے والوں کو دور رکھنا چاہیئے۔

شہادت: سورۃ الاعراف (۷) میں یوم سبت والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ توجب وہ نصیحت کو بھلا بیٹھے تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے منع کرتے تھے، اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا، اس لئے کہ وہ فسق کرتے تھے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى
غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ
الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

صلوٰۃ قائم رکھو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک، اور قرآنِ فجر۔ بیشک قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔

نماز میں اللہ سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہنے سے نماز قائم ہوتی ہے۔ نماز میں عہد یہ کیا جاتا ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ نماز پڑھنے کے بعد من مانی کرنے میں انہماک کے علاوہ کچھ نہ ہو تو نماز کب قائم ہوگی۔ نماز کے اوقات کا تعین، اللہ تعالیٰ کی طرف

سے فرمایا گیا ہے۔ سورۃ ھود میں فرمایا گیا ہے، دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات گزرنے پر نماز قائم کرو۔ (۱۱:۱۱۴) اس آیت میں فجر اور مغرب، دونوں کناروں پر ہیں اور عشاء کچھ رات کے گزرنے کے بعد ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا گیا ہے، طلوعِ شمس سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں، حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرو اور ان کے سروں پر تسبیح کرو۔ (۲۰:۱۳۵) طلوعِ شمس سے پہلے نمازِ فجر ہے۔ غروبِ شمس سے پہلے عصر ہے، کچھ رات گئے عشاء ہے۔ سورۃ روم میں فرمایا گیا ہے، اللہ کی تسبیح کرو جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو، اس کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں، اور دن کے آخری حصے میں اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔ (۳۰:۱۷:۱۸) شام کی نماز پہلی نماز ہے، عشاء کی دوسری ہے، فجر کی تیسری ہے، ظہر کی چوتھی ہے اور عصر کی پانچویں ہے۔ درمیانی نماز کی خصوصی حفاظت کا حکم ہے اور وہ نمازِ فجر ہے۔ نمازِ فجر میں بھی دوسری نمازوں کی طرح ہی قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔ قرآنِ فجر، نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت ہے۔ یہ تلاوت دین کا رکن ہے۔ اس وقت قرآنِ پاک کا پڑھنا شاہدین کی طریقت ہے۔ نمازِ فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا اپنے عمل پر شاہدین کے عمل کو گواہ بناتا ہے، یوں یہ عمل مشہود ہو جاتا ہے۔

حاصل: نماز قائم رکھنی چاہئے جیسے نماز قائم رکھنے کا حکم ہے۔ نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت کو دین کا رکن جاننا چاہئے۔ اگر ہم پڑھ نہ سکتے ہوں تو سننا فرض ہے۔ پڑھنے میں دھیان رکھنا چاہئے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾

اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو، یہ تمہارے لئے اضافہ ہے۔ قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب مقام محمود پر کھڑا کرے۔

نمازِ عشاء کے بعد اور نمازِ فجر سے پہلے تہجد کی نماز ہوتی ہے۔ اس سے پہلے سونا بھی ضروری ہے۔ عام لوگ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، خاص لوگ تہجد اور اشراق سمیت سات وقت نماز پڑھتے ہیں، اور خاص الخاص لوگ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں۔ وہ کوئی کام کریں، مطلوب اللہ کی رضا ہوتی ہے، اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ عام سے خاص بنتا ہے اور خاص سے خاص الخاص بنتا ہے۔ حضوری کا شرف مل جائے تو نمازِ تہجد اور نمازِ اشراق جاری رہتی ہے، ورنہ نفس پر تہجد کے لئے اٹھنا بھاری ہوتا ہے۔ مقامِ محمود، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا انعام ہے اور یہ عند اللہ مقبولیت کی سند ہے۔ تبلیغِ حق میں بڑے مشکل مقامات سے گزرنے کے بعد جب یہ شرف عطا ہوتا ہے تو اس انعام کے سامنے ماضی کے دکھ بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

حاصل: تہجد کے لئے اٹھنا، قربِ الٰہی کے لئے ضروری ہے۔ سات وقت نماز پڑھنا صاحبانِ طریقت کا معمول ہے۔ ہر وقت نماز میں رہنا حقیقت کے مقام پر رہنے والوں کی شان ہے۔ مقامِ محمود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ اس انعام کے مقابلے میں وہ تکالیف جو تبلیغِ حق کرتے وقت برداشت کی گئی ہوں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِىۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا ﴿۸۰﴾

اور دعا کرو کہ میرے ربّ مجھے صدق سے داخل فرما اور صدق سے لے جا اور مجھے اپنے پاس سے حکومت کی مدد عطا فرما۔

تبلیغِ حق میں ایک مقام ہجرت کا بھی آتا ہے جب ایک جگہ کو مرکزِ تبلیغ بنا کر موجودہ مرکزِ تبلیغ کو چھوڑنا ہوتا ہے۔اس وقت یہ دعا کرنی چاہیے: کہ اے میرے رب جس مقام پر تو مجھے لے جائے تیری رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہواور اس ماحول میں صداقت کو قدر کی نظر سے دیکھا جائے، اور جہاں سے مجھے لے جارہا ہے وہاں سے جانے میں بھی تیری رضا ہی مطلوب ہواور لوگوں کو یہ نظر آئے کہ صداقت کو ہر حال میں قائم رکھا گیا ہے۔اقامتِ دین کے لئے اللہ کی مدد کی دعا کرنی بھی سکھائی گئی ہے۔یہ مدد تو اللہ عطا فرماتا ہے،اس کی صورت یوں بنتی ہے کہ اس مقام پر لوگ اپنی سلامتی، حفاظت اور بھلائی کے لئے حق کے نفاذ کی طلب کو اجتماعی طلب کی صورت میں بہتر جاننے والے کے سامنے رکھتے ہیں، تب حق قانون کے طور پر نافذ ہوجاتا ہے۔اس حکومت میں استکبار بڑا جرم ہوتا ہے۔اپنے استحقاق کو حق کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔دادرسی بھی حق کے حوالے سے ہوتی ہے۔اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام لازم ہوتا ہے۔من مانی کی اجازت نہیں ہوتی۔اس طرح لوگوں کو وہ سکھ پہنچتا ہے جو کسی دوسری صورت میں نہیں پہنچ سکتا۔

حاصل: تبلیغ حق کے لئے کسی مقام پر جانے سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے: اے میرے رب مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما، صدق کے ساتھ لے جا اور میری پوری مدد فرما۔جو حکومت حق کے حوالے سے لوگوں کی بھلائی کے لئے کوشاں ہو وہ لائقِ احترام ہوتی ہے۔

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور فرما دیجئے، کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

حق پہلے خلوت میں تسلیم کیا جاتا ہے، تب پاکیزگی لوگوں کو مطلوب ہوتی ہے۔ایک وقت کے بعد یہ حق اجتماعی ضرورت بن کر جلوت میں آجاتا ہے، تب باطل مٹ جاتا ہے اور باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔حق کے نافذ ہوجانے کے بعد لوگوں کی خواہشات سے پیدا ہونے والے سب نظام ٹوٹ جاتے ہیں، لوگوں کی خواہشات سے وجود پانے والے سب بت کالعدم ہوجاتے ہیں۔حق فرمانِ خداوندی ہے۔اس کے ماننے والے خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔تبلیغ کرنے والے کسی اجر کا سوال نہیں کرتے۔حدوداللہ کے احترام کو لازم مانا جاتا ہے۔اس طرح معاشرتی سطح پر جو احساس تحفظ مشاہدے میں آتا ہے اس سے لوگوں کی قوت کارکردگی بڑھتی ہے۔پھر کوئی معاشرہ ان کے مقابل کب ٹھہر سکتا ہے۔باطل میں لوگوں کو ان کی پسند کے جال میں پھنسایا جاتا ہے، استکبار سے ان کے اندر اونچ نیچ کو منوایا جاتا ہے۔اقتدار کا طلب گار وسعت مال سے اپنے دعوے کو منواتا ہے۔معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ایک وقت کے بعد باطل کی عدم افادیت اور خرابی، لوگوں کو معلوم ہوجاتی ہے، مگر حق سامنے آئے تو وہ اس باطل سے نجات کی تدبیر کریں۔کائنات کی ہر شے کو باطل سے کراہت ہوتی ہے۔باطل کی جڑ کوئی نہیں ہوتی۔لوگوں کی خواہشات کے سہارے پر ہی وہ کھڑا ہوتا ہے۔

حاصل: حق پہلے خلوت میں مانا جاتا ہے، پھر جلوت میں نافذ ہوتا ہے۔جب لوگوں کو پاکیزگی مطلوب ہو تو ناپاکی کب تک سکتی ہے۔باطل کو صرف لوگوں کی خواہشات سے سہارا ملتا ہے، جب یہ سہارا نہ رہے تو اسے مٹتے دیر نہیں لگتی۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم قرآن میں وہ نازل فرماتے ہیں جو مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے، اور ظالموں کو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

مومنین وہ حضرات ہیں جو حق کو مانتے ہیں، اور اپنے ماننے پر اس عبدِ منیب کو شاہد بناتے ہیں جو حال پر ان کے سامنے ہوتا ہے۔ یک سوئی کا حصول اسی طرح ممکن ہوتا ہے۔ ان حضرات کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور انہیں حق کے حوالے سے کہاں ہونا چاہئے، تو وہ شفا کی طلب کے ساتھ نور کی طرف بڑھتے ہیں۔ یوں وہ اخلاقِ رذیلہ کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور اخلاقِ حسنہ کو اپنا حال بنا لیتے ہیں۔ یہ روحانی شفا کے ساتھ جسمانی شفا بھی ہے۔ اس شفا کے ساتھ جو سکھ ملتا ہے، وہ رحمت ہے۔ مومنین اپنی پسند کو اپنے صاحب کی پسند کے تابع رکھتے ہیں۔ ظالم وہ ہیں جو خلافِ حق کرتے ہیں۔ حق کی وضاحت کے بعد اپنی پسند کو اہمیت دینے سے خرابی ہی بڑھ سکتی ہے۔

حاصل: قرآن پاک کو ماننے والے اس کو اپنے لئے باعثِ شفا اور باعثِ رحمت پاتے ہیں، نہ ماننے والے ضد کی وجہ سے خسارے کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔

وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب ہم انسان پر احسان کرتے ہیں، وہ اعراض کرتا ہے اور اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب اسے برائی پہنچے، مایوس ہو جاتا ہے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ملے تو وہ اس نعمت کو معطیٔ مطلق کی رضا کے مطابق استعمال میں لا کر شکریہ ادا نہیں کرتا، بلکہ اس نعمت کو اپنی غرض و غایت اور خواہش پر لگاتے ہوئے منعمِ حقیقی سے دور ہٹ جاتا ہے۔ جب اس کو دکھ پہنچ جائے تو بھلائی سے ناامید ہو جاتا ہے۔ نعمت کے ہونے کی صورت میں شکر نہیں کرتا، نہ ہونے کی صورت میں صبر نہیں کرتا۔

حاصل: اگر اللہ تعالیٰ کو علیم و حکیم ماننے کا دعویٰ ہو تو پھر ناشکری اور مایوسی اس دعوے کو جھوٹا ثابت کر دے گی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹/۷

فرما دیجئے سب اپنے طریق پر عمل کرتے ہیں، تو تمہارے رب کو خوب علم ہے کون زیادہ راہِ ہدایت پر ہے۔

شعور کی موجودگی میں انسان جس نیت کے ساتھ کسی راستے کا انتخاب کرتا ہے، اسی کی جزا پاتا ہے۔ کون خلافِ حق کر رہا ہے، کون حق کو ماننے کے نام پر من مانی کر رہا ہے اور کون اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کی پیروی کر رہا ہے، رب العالمین کو ہر شے کا پورا پورا علم ہے، ہر حال کا پورا پورا علم ہے۔ درست عمل وہ ہے جو صالحین کے اتباع میں ہو، جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو اور جس کے نتیجے کو باذن اللہ سمجھا جائے۔ درست عمل کرنے والا ہی شاکر بھی ہوتا ہے، صابر بھی ہوتا ہے۔

حاصل: نیت کو درست رکھنا حق ہے۔ نفع و نقصان کو باذن اللہ جاننا چاہئے۔ حکمتِ الٰہی جلد باز کو نظر نہیں آسکتی۔ جس بات کی ہم سے پوچھ ہوگی، اس پر نظر رکھنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں فرمایا ہے: اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾ سن لو! بے شک جو قیامت میں شک کرتے ہیں یقیناً دور کی گمراہی میں ہیں۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۸۵

اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔فرما دیجئے، روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں اس کا قلیل علم ہی عطا ہوا ہے۔

'خلق' اور 'امر' دو چیزیں ہیں۔اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ہر شے کے مقصدِ تخلیق کو جانتا ہے۔ہر شے کو اپنے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے جو حالات درکار ہوتے ہیں، وہ عطا کرتا ہے اور اپنے امر سے ہر شے کو اس کے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے چلاتا ہے۔اسی امر سے اشیاء کے مابین ایک ربط بھی بنتا ہے جو اس کائنات کے نظام کو قائم رکھتا ہے۔اس کلامِ الٰہی کا نزول بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر روح الامین کے ذریعے سے ہوا۔روح الامین نے یہ کام اپنے رب کے امر سے کیا۔امرِ الٰہی کی تعمیل کو اپنا حال بنانے والے زندہ رہتے ہیں اور امرِ الٰہی کے خلاف کرنے والے مُردہ ہوتے ہیں۔باحقیقت ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ امرِ ربی کی تعمیل کی جائے اور شاہدین کی پاک جماعت میں سے کسی ایک کو اس تعمیل پر شاہد بنایا جائے۔روح کے بارے میں جو باتیں بھی کی جائیں وہ علماً قلیل ہی رہیں گی، کہ بندے سے اس کی ماہیت کے بارے میں تو کوئی سوال نہ ہوگا، پوچھ تو اس بات کی ہوگی کہ بندہ امرِ الٰہی کو مان کر زندہ ہوا یا نہ ہوا۔

حاصل: روح ربّ کے امر سے ہے۔جو باروح ہونا چاہئے اسے امرِ الٰہی کی تعمیل کرنی چاہئے اور یہ تعمیل اس حوالے سے کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہو۔سوال کا منشاء راہِ عمل کا انتخاب ہو یا حُسنِ عمل میں اضافہ ہو تو وہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۸۶

اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی ہے، لے جاتے، پھر تم کسی کو اپنے لئے ہم پر وکیل نہ پاتے۔

قرآنِ پاک کا نازل کرنے والا قادرِ مطلق ہے۔وہ اس کو لے جانے پر بھی قادر ہے۔پھر کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ کہہ سکے کہ اللہ نے ایسا کیوں کیا۔اللہ کو قرآن پاک کی کوئی احتیاج نہیں۔کوئی بھی احتیاج شانِ الوہیت سے میل نہیں کھاتی۔قرآنِ پاک کا نزول لوگوں کے لئے یہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بغیر حق کا پتہ لگ ہی نہیں سکتا۔خوف و حُزن سے نجات لوگوں کو مطلوب ہوتی ہے۔اطمینانِ قلب لوگوں کو مطلوب ہوتا ہے۔شفا اور رحمت لوگوں کو درکار ہوتی ہے۔وہ یقینی علم جو ہر مقام پر پورا رکھے اور تضاد سے بچائے، بے بدل نعمت ہے۔پڑھنے کی وہ چیز، جس کے بغیر عبد اور معبود کے تعلق کو جاننا ہی ممکن نہیں، قرآن پاک ہی تو ہے۔اسے اٹھا لیا جائے تو یہ ہوگا ناقابلِ تلافی نقصان۔

حاصل: قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے رہنا باعثِ برکات ہوتا ہے۔نمازِ فجر کے بعد قرآنِ پاک کا پڑھنا دین کا رکن ہے۔عطاءِ الٰہی میں سب سے بلند مرتبہ قرآنِ پاک کا ہے۔اس کی قدر اس کے مرتبے کے حوالے سے ہونی چاہئے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۸۷

مگر تمہارے رب کی رحمت۔بے شک تم پر اس کا بڑا فضل ہے۔

اللہ کی رحمت ملاحظہ ہو کہ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ رب العالمین ہے۔ بندوں کو معبود سے واصل کرنے کے لئے بھیجے گئے خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ہیں۔ قرآنِ پاک اللہ کا فضلِ کبیر ہے۔ جو قرآنِ پاک کے مطابق زندگی گزارے گا، وہ اس فضلِ کبیر سے فائدہ اٹھائے گا۔ جو اس فضلِ کبیر سے فائدہ اٹھانے والا ہوگا، اس شکر گزار بندے کی خلوت وجلوت میں اپنی کوئی بات نہ رہے گی۔ اس کی بات، رحمۃ اللعالمین کی بات ہوگی، ربّ العالمین کی بات ہوگی۔ قربِ الٰہی کے لئے وہ درود پاک پڑھے گا، قُربِ حضور کے لئے وہ ذکرِ الٰہی کرے گا۔

حاصل: اپنے ربّ کی رحمت سے فیض پانا چاہئے۔ اس کے فضلِ کبیر سے استفادہ کرنا چاہئے۔ قرآنِ پاک سے نُورِ ہدایت حاصل کرنے کے لئے اس کو رہنما بنانا چاہئے، جو خلوت وجلوت میں قرآنِ پاک کے مطابق زندگی گزارتا ہو اور شاہدین میں سے ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

فرما دیجئے اگر اِنس اور جنّ اجتماعی طور پر اس قرآن کی مثل لانے کی کوشش کریں، تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے، اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔

اعجازِ قرآن کو ماننے والے، اس کو حق مان لیں تو ان کو عملاً وہ کرنا بھی چاہئے جس کے کرنے کا قرآنِ پاک میں حکم دیا گیا ہے، اور اس سے رک بھی جانا چاہئے جس سے منع فرما دیا گیا ہے۔ اعجازِ قرآن کو نہ ماننے والوں کے سامنے یہ بات موجود ہے، کہ وہ انفرادی یا اجتماعی، جو کوشش کرسکیں، کریں۔ ایک دوسرے کے مددگار بن کر کریں۔ جو بھی ان کے بس میں ہو، کریں۔ مگر اس کی مثل وہ لا نہیں سکیں گے۔ اِنس اور جن جو بھی کلام کریں گے، وہ دوسروں کے لئے راہِ عمل کا تعین نہیں کرسکیں گے، کہ جزا کے یقین کے بغیر راہِ راست کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور خلافِ حق بات کرنے کے لئے جزا کے انکار کو بنیاد بنانا ضروری ہے۔ خالقِ کُل نے جو بھی فرمایا ہے، علمِ مطلق سے فرمایا ہے۔ اِنس اور جن کا علم کسی سے سیکھا ہوا ہوگا، اس لئے مطلق نہیں ہوگا۔ قرآن پاک میں محکمات بھی ہیں، متشابہات بھی ہیں۔ محکمات کا تعین کرنے والا، احتیاج سے پاک تو ہوگا نہیں، اس لئے وہ سب محکمات جو خلافِ حق وضع ہوں گی، بنانے والے کی احتیاج پر سند ہوں گی۔ متشابہات کی صورت میں جو کہا جائے گا، اس میں لوگوں کے لئے منزل کا تعین نہیں کیا جاسکے گا، اور بالواسطہ یا بلا واسطہ خواہشات کی پیروی کی ترغیب دی جائے گی تو نتیجہ خسارہ ہی ہوگا۔ حق کی یہ شان ہے کہ وہ جہاں بھی بیان ہوگا اس کا امتیاز قطعاً واضح ہوگا۔

حاصل: قرآنِ پاک کے اعجاز کو ماننا تبھی باعثِ رحمت ہوگا جب اس کو مانا جائے جیسے ماننے کا حق ہے۔ حق جہاں بھی بیان ہوگا اس کے بے مثل ہونے کا انکار ممکن نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

اور بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالوں سے تصرف فرمایا، تو لوگوں میں سے اکثر نے ناشکری کو ہی اختیار کیا۔

قرآنِ پاک میں لوگوں کے حق کی طرف آنے کے لئے آسانیاں رکھی گئی ہیں۔ وہ مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں جن سے ہدایت کے طلب گاروں کو بڑی مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں۔ قرآنِ پاک کے بے مثل کلام ہونے کے ثبوت دیئے گئے ہیں۔ آخرت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ امورِ زندگی کو کسی دوسری کتاب میں اس طرح بیان نہیں کیا گیا۔ جو لوگ اپنی پسند کے ساتھ جڑ جاتے ہیں وہ حق کے انکار کو طریقِ زندگی بنا لیتے ہیں۔ یہ بڑی ناشکری ہے۔ مگر اکثر لوگ ناشکری کے راستے کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

حاصل: حق کو واضح کرنے کے لئے قرآنِ پاک میں طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ماننے کے لئے اپنی حیثیت کو قدرتِ خداوندی کے سامنے ہیچ جاننا پڑتا ہے اور استکبار کرنے والوں کے لئے یہ بہت مشکل کام ہے۔ یوں اکثر لوگ ناشکری کی راہ کو ہی اختیار کرتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾

اور کہنے لگے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ بہا دیا جائے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کو تسلیم کرنے والے، اعجازِ قرآن کو تسلیم کرنے والے حق کو ماننے کے لئے یہ شرط عائد کر رہے ہیں کہ زمین کے اس خطے میں چشمے کا ہونا ناممکن ہے مگر جس قادرِ مطلق نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے وہ ضرور ایسا کر سکتا ہے۔ حق کو ماننے کے لئے شرط عائد کرنا، انتہائی سنجیدگی کا مقام ہوتا ہے۔ مطلوبہ شرط کے پورا ہونے کے بعد حق کا انکار باعث عذابِ الٰہی ہوتا ہے۔ اس لئے حق کو ماننے کے لئے شرط عائد کرتے وقت یہ دیکھ لینا چاہئے کہ موجودہ نشانیوں کی موجودگی میں ایک نشانی کا اضافہ ہو جانے سے نہ ماننا، ماننے میں کیسے بدل سکتا ہے۔

حاصل: حق کو ماننے کے لئے کسی شرط کو عائد کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ موجودہ نشانیوں کو اہمیت نہیں دی جا رہی۔ مطلوبہ نشانی کو دیکھ کر حق کو مان لینے کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنے اندر نشانی طلب کرنے سے پہلے دیکھنی چاہئے۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾

یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، پھر اس کے اندر نہریں نکال کر چلائی جائیں۔

حق کو ماننے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حق پہنچانے والے کا درجہ متاعِ حیات کے اعتبار سے ایسا ہو جائے کہ ان کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو، جس میں زیرِ زمین نہریں جاری ہوں۔ ایمان لانے کے لئے جن لوگوں نے یہ شرط عائد کی، انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے تھا کہ متاعِ حیات دنیا کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے، اس کو استعمال کیسے کیا گیا ہے، اس سے رُخ کا تعین ہوتا ہے۔ چشموں سے پانی کو حاصل کر کے نہروں میں بہایا جائے اور زیرِ زمین پانی کی سطح کو اس مقام پر رکھا جائے کہ باغ کی شادابی قائم رہے، یقیناً بڑا کام ہے، مگر یہ صداقت کی سند نہیں ہو سکتا۔

حاصل: متاعِ حیات دنیا کسی کی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ اللہ کی عطا کردہ متاع کو کس طرح برتا جا رہا ہے، اس سے رُخ کا تعین ہوتا ہے، اور اس کے لئے صرف حال کو دیکھنا ضروری ہے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾

یا آپ ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آئیں۔

ایمان لانے کے لئے شرائط بیان کرتے وقت انتہائی سنجیدگی موجود ہونی چاہئے، حق کو پانے کی طلب ہونی چاہئے، فلاح کو عزیز جانتے ہوئے بات کرنی چاہئے۔ مگر یہاں ایمان لانے کے لئے عذابِ الٰہی کو شرط ٹھہرایا جا رہا ہے، اللہ اور اس کے فرشتوں کی ضمانت طلب کی جا رہی ہے۔ عذابِ الٰہی کے وقت حق پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، کہ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ اور اللہ اگر کسی کو ماننے پر مجبور کر دے تو پھر ماننے والے نے کیا مانا۔ اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔ حق کو ماننے کے لئے جو حال پر موجود ہوتا ہے، وہ بالکل پورا ہوتا ہے۔

حاصل: عذابِ الٰہی کو حق کے ماننے کے لئے شرط ٹھہرانا، اللہ اور اس کے فرشتوں کی ضمانت طلب کرنا، یہی ثابت کرتا ہے کہ حق کو ماننے کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود ہے۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۱۰/۹

یا آپ کے لئے سونے کا گھر ہو، یا آپ آسمان پر چڑھ کر دکھائیں۔ اور ہم آپ کے چڑھ جانے پر بھی ایمان نہ لائیں گے، حتیٰ کہ ہم پر ایک کتاب نازل ہو جسے ہم پڑھیں۔ فرما دیجئے پاکی ہے میرے رب کو، میں تو بشر رسول ہی ہوں۔

حق کو ماننے کے لئے شرائط بیان کرنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے لئے سونے کا گھر ہو تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اگر آپ آسمان پر ہمارے دیکھتے دیکھتے چڑھ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ مگر صرف آسمان پر چڑھ جانا کافی نہیں ہوگا۔ وہاں سے ہم پر ایک کتاب اتاری جائے جسے ہم پڑھ سکیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ سونے کا گھر تو اسی کا ہو سکتا ہے جس کو سونا جمع کرنا عزیز ہو، اور اللہ کے فرمان کے مطابق یہ ناپسندیدہ بات ہے۔ آسمان پر چڑھ کر دکھانا اور وہاں سے کتاب نازل کرنا جسے منکرین پڑھیں یہ بے ہودہ بات ہے۔ اللہ کی بات کو ماننے کے لئے، ماننے والے احسن نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکم اللہ کا ہو اور ماننا اس کے محبوب کی صورت سے جائے۔ حکمِ الٰہی کو اللہ نے بڑی حکمت سے نازل فرمایا ہے، اگر اس کے ماننے سے انکار کیا جا رہا ہے تو پھر کسی دوسری صورت میں بھیجے گئے حکم کو ماننا ممکن نہیں ہو سکتا۔ تمام فرمائشوں کے جواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ ربی سے یہ جواب دیا کہ میرا رب پاک ہے۔ اس کی قدرت، اس کا علم، اس کی حکمت سب لاجواب ہیں۔ میں اس کا بندہ ہوں اور اس کا بھیجا ہوا ہوں۔ جو کچھ اس نے حق کی صورت میں نازل فرمایا ہے، جس طریقے سے نازل فرمایا ہے، جس کو تمہارے سامنے نمونہ بنا کر بھیجا ہے، ماننے والوں کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا۔

حاصل: حق کو ماننے کے لئے شرائط پیش کرنا، جن کو اللہ نے ناپسند فرمایا ہو، بڑی بے ہودگی ہے۔ جس علم سے اللہ نے رسالت کا اہتمام کیا ہے، بندے کی سمجھ وہاں تک کب پہنچ سکتی ہے۔ ماننے والوں کے لئے سب کچھ آسان ہے اور احسن ہے۔ ہمیں بزرگانِ دین سے یہی سوال کرنا چاہئے، اگر آپ پاک ہیں اور ہمیں پاک کرنے کا شرف بھی رکھتے ہیں تو ہمیں پاک کر دیں، ہم اس طلب کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (۱۷) میں فرمایا ہے: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر اسی نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور کس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ان کے پاس ہدایت آئی، مگر اسی نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بشر کو رسول مبعوث کیا ہے۔

بشر کو اللہ نے مسجودِ ملائک بنا کر اس کی اہلیت کو منوالیا تھا۔ قربِ الٰہی میں جو مقام بشر کو حاصل ہوسکتا ہے، وہ بشر ہی کا حصہ ہے۔ لوگوں کو بشر کے رسول مبعوث ہونے پر حیرت اس لئے ہوتی رہی ہے کہ انہیں رسول لباسِ بشری میں کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور دوسرے امور سرانجام دیتے نظر آتے تھے اور وہ انہیں اپنے جیسا سمجھ کر ماننے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ کے رسول تعلیمِ امت کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔ کھانے، پینے، چلنے، پھرنے، سونے، جاگنے اور دوسرے امورِ زندگی کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق بنا کر دکھانا، اور یوں اللہ کی مخلوق کو اللہ سے واصل کرنا، رسالت کا منشاء رہا ہے۔ رسول اگر بشر نہ ہوتو بشر کی رہنمائی صرف قول سے ہوسکتی ہے اور بشر کو قول، عمل، علم اور اخلاص میں رہنمائی اور شہادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بشر رسول ہوتو لوگوں کو ہر مقام پر رضائے الٰہی کے مطابق رہنے کے لئے ہدایت ملے گی اور انہیں بشری تقاضوں کے نام پر من مانی کر کے برائی پھیلانے کا موقع نہیں ملے گا۔

حاصل: مقامِ بشر، قربِ الٰہی کی اہلیت کے اعتبار سے ارفع ہے۔ رسول کا بشر ہونا ہی بشر کو ہر مقام پر پورا رکھ سکتا ہے۔ عبدیت کا حق، قول، عمل، علم اور اخلاص سے ادا کرنے کے لئے رسول کو شاہد بنانا ضروری ہے اور رسول اگر بشر نہ ہوتو وہ بشر کے لئے شاہد نہیں ہوسکتا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

فرما دیجئے، اگر زمین میں ملائکہ ہوتے، اطمینان سے چلتے، تو ضرور ہم ان پر فرشتہ ہی رسول اتارتے۔

اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہے۔ ہر علم والے سے بڑا ایک علم والا ہے۔ اللہ سے بڑا علم والا کوئی نہیں ہے۔ منشاء رسالت کیا ہے، اس کو پورا کرنے کی احسن صورت کیا ہے، اتمامِ حجت کے لئے کون سی نشانیاں ضروری ہیں، کتنا وقت کافی ہے، یہ سب اللہ ہی جانتا ہے، اور یہ سب اسی کے کام ہیں۔ فرشتہ، فرشتوں کے لئے رسول ہوتا تو موزوں ہوتا۔ زمین میں بشر بستے ہیں، ان کے لئے بشر ہی رسول ہوسکتا ہے، ورنہ منشاء رسالت پورا ہی کب ہوسکتا تھا۔

حاصل: زمین میں ملائکہ نہیں بستے کہ فرشتے کو ان کے لئے رسول بنا کر اتمامِ حجت کیا جاتا۔ بندہ ہی بندے کا

شاہد ہوسکتا ہے۔ شاہد کے دو کام ہوتے ہیں، بشارت اور انذار۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

فرما دیجئے، اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا ہے، دیکھنے والا ہے۔

اللہ ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔ تبلیغ حق کرنے والے نے فرضِ رسالت کو کس طرح ادا کیا ہے اور مخاطبین نے جواب میں کیا کیا کہا ہے، جزا دینے والے کی گواہی طرفین کے لئے کافی ہے۔ تبلیغ حق کرنے والے کو یہ اطمینان ہے کہ اس نے حق رسالت ادا کر دیا ہے۔ سننے والوں کو بھی اپنے اندر جھانک کر دیکھنا چاہئے، کیا انہوں نے بھی وہی کیا جو انہیں کرنا چاہئے تھا۔ اللہ باطن کو بھی جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے۔ وہ نیت کی خبر رکھتا ہے، عمل کو دیکھتا ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والے کو مخاطبین سے یوں بات ختم کرنی چاہئے، کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ حسنِ نیت موجود ہو، حسنِ عمل موجود ہو تو حرکات و سکنات اللہ کو ماننے کا ثبوت ہوں گی۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

النصف

اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے۔ اور جسے گمراہ کرے، تو ان کے لئے اس کے مقابل کسی کو دوست نہ پاؤ گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اکٹھا کریں گے، اندھے، گونگے اور بہرے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب کبھی بجھنے کو آئے گی، ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔

اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ رجوع الی اللہ کے لئے اس کا اتباع ضروری ہے جو حال پر اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہے۔ گمراہ وہ ہوتا ہے جو حق کو ماننے کا دعویٰ کرے اور اپنی پسند کو بھی اہمیت دے۔ جسے اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا، کہ اللہ کے مقابل کوئی قدرت والا نہیں ہے۔ جو آنکھ حق کو نہ دیکھے جس طرح دیکھنا چاہئے وہ اندھی ہے، جو زبان حق کو بیان نہ کرے جیسے حق کو بیان کرنا اس کے بس میں ہو وہ گونگی ہے، اور جو کان حق کو سن کر ان سنا کر دیں وہ بہرے ہیں۔ ایسے لوگوں کو مقامِ جزا کی طرف گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ ٹھکانا ان کا جہنم ہوگا۔ حق کے انکار میں یہ لوگ دوام کو ملحوظ رکھتے تھے، اس لئے ان کو سزا بھی اسی نسبت سے ہوگی۔ جب کبھی آگ بجھنے کو آئے گی، اسے ان کے اعمال کی نسبت سے بھڑکا دیا جائے گا۔

حاصل: ہدایت اور گمراہی کا پتہ حیاتِ دنیا میں لگ جاتا ہے۔ ہمیں حق اور ناحق کے فرق کو دیکھنا چاہئے۔ ہمیں اپنی پسند کے مقابل حق کو بیان کرنا چاہئے، اور کانوں کو حق کے سننے کا طالب بنانا چاہئے۔ جہنم میں انسان کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی، اور اس کے اعمال کی نسبت سے دی جائے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

یہ ان کی جزا ہے، اس پر کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، اور کہنے لگے کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو نئے سرے سے اٹھائیں جائیں گے۔

حق کو حق ثابت کرنے کے لئے نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں۔ 'ہونا' اور 'نہ ہونا' بھی انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ مگر جزا کا انکار من مانی کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے، اور جزا کے انکار میں یہ کلمہ دھرایا جاتا ہے کہ انسان کے وجود کو ہڈیوں اور ذرات سے نئے سرے سے بنا کر کیسے اٹھایا جائے گا۔ خلقِ اول کے مقابلے میں خلقِ جدید آسان ہے اور خالق ایک ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: حق کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے، پوری صداقت سے بیان کرنا چاہئے اور دھیان سے سننا چاہئے۔ جزا کے انکار سے جزا کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے 'نہ ہونے' سے پہلے 'ہونا' بنایا ہے، اس کو منتشر اجزا سے جسم کو بنا کر کھڑا کر دینا آسان ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

اور کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا ہے، ان لوگوں کی مثل خلق کرنے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لئے ایک اجل ٹھہرا رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ تو ظالم ناشکری ہی کرتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، لوگوں کے پیدا کرنے کے مقابلے میں بڑا کام ہے۔ جس لاشریک خالق نے اتنے بڑے اجسام کو پیدا کیا ہے، اس کے لئے لوگوں کی پیدائش کچھ بڑا کام نہیں ہے۔ موجودہ لوگوں کا پیدا کرنے والا، ان لوگوں کو ہٹا کر ان کی بجائے دوسرے لوگوں کو بھی لا سکتا ہے۔ اس نے ہر ایک کے لئے اتمامِ حجت کے واسطے ایک وقت ٹھہرا رکھا ہے، جس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ مقصد پیدائش، پیدائش کے ارکان و اجزا کا اہتمام، جنین کی خوراک و افزائش، ایک مقررہ وقت کے بعد رحم مادر سے بچے کی پیدائش، پیدائش سے پہلے بچے کی خوراک کا موزوں ترین بندوبست، والدین کے اندر بچے کی سلامتی اور پرورش کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینے کا علم، بلوغت تک اس کو ایسی تربیت دینے کی کوشش کہ وہ ماننے کے مقام پر ہو یا منوانے کے مقام پر ہو اپنے رتبے کے مطابق درست کام کرے، بلوغت سے بڑھاپے تک عملاً کام کر کے اچھی اور روشن مثالیں قائم کرے، مشکل مقامات پر لوگوں کو پورا رہ کر دکھائے، نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرے، گناہ اور زیادتی میں کبھی تعاون نہ کرے، بڑھاپے سے موت تک خیر کے طلب گاروں کو اپنے تجربات کی بنا پر خیر کا علم عطا کرے اور اپنی اولاد کو تاکید کرتا رہے کہ تم پاک پیدا کیے گئے تھے پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گے تو یقیناً فلاح پاؤ گے، دنیا میں راحت کے ساتھ رہو گے آخرت میں بھی تمہیں راحت ملے گی، اور پھر پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہونا، یہ پیدائش کی ابتدا سے موت تک کے مختلف درجات ہیں۔ ہر درجے کا نام بھی الگ ہے، کام بھی الگ ہے۔ بندے کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح اتمامِ حجت کیا جاتا

ہے،اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔خلافِ حق کرنے میں فرحت پانے والے،ناشکری کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔حیاتِ دنیا میں خوف وحزن ان کو گھیرے رکھتا ہے آخرت میں خسارہ ان کا احاطہ کرے گا۔

حاصل: آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا یقیناً ہمارا خالق ہے۔اس نے ہمیں مہلت دے رکھی ہے۔اسی مہلت میں ہمیں حق کو ماننے کا ثبوت دینا ہے۔اس لئے اصلاح کو قبول کرنے کا بہترین وقت حال ہی ہے۔جو حق کو نہ مانے،ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے اس لئے ظالم ناشکری ہی کرتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۠ ﴿۱۰۰﴾ ع

فرما دیجئے اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے،تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روک رکھتے،اور انسان ہے کنجوس۔

رحمتِ ربی لوگوں کو سکھ دینے کے لئے عطا کی جاتی ہے۔جو اس کو تقسیم کرتا رہے،اس پر عطاءِ الٰہی جاری رہتی ہے۔جو اس کو تقسیم نہ کرے اس پر عطا کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے۔رحمتِ ربی کو اس یقین سے تقسیم کرنا چاہئے کہ اللہ کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ناداری کا اندیشہ انسان کو پریشان کرتا رہتا ہے۔'نہ ہونے' کا مقام انسان کی زندگی میں اسے علم عطا کرنے کے لئے آتا ہے۔استحقاق کو دیکھنے کی صلاحیت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔جب 'ہونے' کا مقام آجائے تو رحمتِ ربی کو تقسیم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اور اگر اس رحمت کو اس لئے روک رکھا جائے کہ دوبارہ 'نہ ہونے' کا مقام نہ آجائے،تو یہ کنجوسی ہوگی۔کنجوس اسباب کو مانتا ہے،مسبب الاسباب کو نہیں مانتا۔

حاصل: رحمتِ ربی کو تقسیم کرنے والا کبھی کنجوس نہیں ہوتا۔جو کنجوسی کرے وہ کبھی متوکل نہیں ہوتا۔اسباب سے مرعوب ہونے والا،مسبب کو کب مانتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (۳۵) میں ارشاد فرمایا ہے: وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ اور بُرا داؤ اپنے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔ (۳۵:۴۳)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔تو بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے، جب وہ ان کے پاس تشریف لائے تو فرعون نے کہا، اے موسیٰ (علیہ السلام) مجھے ضرور ظن ہے کہ تم مسحور ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے سرداروں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان کیا تو اس نے کہا اپنی صداقت کے ثبوت میں نشانی لائیں۔آپ نے اپنا عصا مبارک زمین پر رکھا،وہ اژدہا بن گیا،اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا۔یہ دو نشانیاں دیکھ کر فرعون اور اس کے ساتھیوں نے آپ کو جادوگر کہا۔تیسری نشانی انہوں نے یہ دیکھی کہ فرعون کے بلائے ہوئے عظیم جادوگر حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے سامنے یہ کہتے ہوئے دیکھے گئے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ سزائے موت کے اعلان سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوا۔ جادو کا علم رکھنے والے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا اعلان کرتے ہوئے موت کے دروازے سے گزر گئے۔ چوتھی نشانی طوفان کا عذاب تھی۔ پانچویں نشانی ٹڈی کا عذاب تھی۔ چھٹی نشانی جوؤں کا عذاب تھی۔ ساتویں نشانی مینڈکوں کا عذاب تھی۔ آٹھویں نشانی خون کا عذاب تھی۔ اور نویں نشانی دریا کا پھٹ جانا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو راستہ دینے کا منظر تھا۔ جو نشانیاں عذاب کی صورت سے دکھائی گئیں، ان پر آل فرعون یہی کہتے رہے، اگر تم ہم پر سے یہ عذاب کھول دو تو ہم ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج بھی دیں گے۔ جب وہ عذاب کھول دیا جاتا تو وہ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ صداقت کی نشانیاں دیکھ کر بھی مانتا وہی ہے جو فلاح کا طالب ہو۔ جو دوسروں کو اپنے مطابق بنانے کی خواہش میں الجھا رہے وہ کسی کو قابلِ تقلید نہیں مانتا۔ وہ اپنے گمان کے مقابل حقائق کو جھٹلاتا چلا جاتا ہے۔ فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں موجود تھیں، مگر اس نے حق کو ماننے کی بجائے یہی کہا، اے موسیٰ تم پر جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ اتنا بڑا علم رکھتے ہوئے، جو اپنی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کی بجائے اللہ کی بندگی کرتے ہوئے اپنا عجز واضح کرے، اس کی صداقت کو ادب سے سلام کرنا چاہئے۔

حاصل: حق وصداقت کی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا اسی کے لئے ممکن ہوتا ہے جو فلاح کا طالب ہو۔ جو عطاءِ الٰہی کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرے وہ پاک لوگوں کو مسحور کہا کرتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ انہیں آسمانوں اور زمین کے رب نے ہی آنکھیں کھولنے کے لئے نازل فرمایا، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ اے فرعون تم ضرور ہلاک ہو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ کر فرعون کو نظر آیا تو یہ کہ جس بشر کو اتنا بڑا علم ہے کہ اس کا جواب دینا ممکن نہیں، اور وہ اپنی شان بڑھانے کی بجائے اللہ کی باتیں کرتا ہے، یہ ضرور مجنون ہے یا سحر زدہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اب یہ تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ جو نشانیاں تم دیکھ چکے ہو وہ رب العالمین نے آنکھیں کھولنے کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا رویہ اگر جاری رہتا ہے تو نتیجہ ہلاکت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت اتمامِ حجت کے لئے ہے اور ختم ہونے والا ہے۔

حاصل: جسے آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دیکھ کر بھی خلافِ حق کرنے میں فرحت ملے، وہ تیزی سے ہلاکت کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے سامنے دیکھ لیا جائے تو اپنے عجز کا پتہ لگ جانا چاہئے۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾

تو اس نے چاہا کہ وہ انہیں زمین سے اکھاڑ پھینکے، پھر ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا۔

آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دیکھنے کے بعد فرعون نے بنی اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ کیا تو اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق

کر کے نابود کر دیا گیا۔ اتمامِ حجت کے بعد، بصائر کے دیکھ لینے کے بعد جو پاک لوگوں کی بیخ کنی کا ارادہ کرے، اس کی جڑ کٹنے والی ہوتی ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والا، آنکھیں کھولنے والی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی حق والوں کی مخالفت سے باز نہ آئے تو اسے مٹا دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے اور اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہیں۔

وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا، زمین میں سکونت اختیار کرو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم کو سمیٹ لے آئیں گے۔

بنی اسرائیل کو جو حکم بھی ملا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے ملا۔ آلِ فرعون کے خاتمے کے بعد ان لوگوں کو سکون نصیب ہوا۔ یہ اس زمین کے مشارق و مغارب کے وارث بنا دیئے گئے۔ اس میں ان کے لئے برکت رکھی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ اپنے رخ کو درست رکھنا، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ بنی اسرائیل کے لئے ان کلمات کا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان ہونا بہت بڑی بات تھی، وہ لوگ آپ کے امی ہونے کا علم رکھتے تھے۔

حاصل: کمزور کو غالب کر دینے کی قدرت رکھنے والا اللہ ہے۔ اس لئے زور والے کو زعم سے بچنا چاہئے، اور کمزور کو نا امید نہیں ہونا چاہئے۔ جزا کا یقین رخ کو سیدھا رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾

وقف لازم

اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ نازل فرمایا، اور یہ حق کے لئے ہی نازل ہوا ہے۔ اور ہم نے آپ کو بھیجا ہی بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے ہے۔

قرآن پاک کا نزول، اللہ کے علم سے ہوا ہے۔ یہ حق ہے۔ منشاء نزول رضاء الٰہی کے حصول کی راہ کو روشن کرنا ہے۔ قرآن پاک میں کوئی کجی نہیں ہے۔ جن نتائج کا اس میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ اس سے استفادہ کی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی پاک کرنے والے شاہد کو اپنی پاکیزگی کا گواہ بنائے اور صداقت کے ساتھ قرآن پاک کو مان لے۔ کسی مقام پر بھی حق کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کا خیال نہ کرے۔ رسالت کا منشاء ہی یہ ہے، کہ حق کے ماننے والوں کو انعامات کی بشارت دی جائے اور حق کے نہ ماننے والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے۔

حاصل: قرآن پاک کے مطابق ہو جانے میں بھلائی ہے، اور اس کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کا خیال لائق نفرت ہے۔ شاہدین کو منشاء رسالت کے پورا کرنے کے علاوہ کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے نازل فرمایا، کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے بتدریج نازل فرمایا۔

یک بارنازل کرنا اللہ کو مشکل نہیں تھا، مگر لوگوں کے لئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ خود کو ایک دم اس کے مطابق بنالیں۔ اس لئے اللہ نے قرآن پاک کو جدا جدا کر کے اتارا تا کہ جب اسے لوگوں پر پڑھا جائے تو وہ اس پر تدبر کریں، وہ اس نصیحت کو اپنے عمل کا حصہ بنائیں۔ بتدریج نزول میں تیئس (۲۳) سال لگے۔ اوراس وقت میں وہ معاشرہ وجود میں آیا، جس نے قرآن پاک کو پالینے کی گواہی دی۔

حاصل: قرآن پاک کی تعلیم کے لئے درجات کا تعین اس طرح سے کرنا چاہئے کہ اس کی تربیت بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تدبر میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنے میں مدد دینا اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ بات ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾

فرما دیجئے تم اس کو مانو یا نہ مانو، بے شک وہ لوگ جنہیں اس سے قبل علم عطا ہو چکا ہے، جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرتے ہیں۔

اہلِ کتاب میں سے وہ لوگ جو کتبِ سابق کا علم رکھتے تھے، خاتم النبیین کے انتظار میں تھے۔ قرآنِ پاک کی تلاوت سن کر ان لوگوں پر گریہ کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ حق شناس لوگ فوراً سجدہ شکر بجالاتے تھے کہ ان کو کلامِ الٰہی امّی نبی کی زبانِ پاک سے سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، اور انہیں یہ موقع ملا ہے کہ انبیاء سابقین کی تاکید کے مطابق وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین میں شامل ہوں۔ علم والوں کا رویہ یقیناً سند کا درجہ رکھتا ہے۔ دعوتِ حق کے سننے والوں کو اس پر نظر رکھنی چاہئے، کہ علم والے اس دعوت کو کس طرح دیکھ رہے ہیں۔

حاصل: علم والوں کا روّیہ دوسرے لوگوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حق شناس لوگ حق کی قدر کرتے ہیں، اور جلوت میں قدر کرتے ہیں ان کی پاکیزگی ان کے حال سے روشن ہوتی ہے۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا۔

حق کی جستجو کرنے والے جب حق کو پالیتے ہیں تو وہ سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا تھا سو وہ وعدہ پورا ہوا۔ کتبِ سابقہ میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وعدہ فرمایا گیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی تھی۔

حاصل: حق وہی بتا سکتا ہے جو پاک ہو اور پاک کرنے کا شرف رکھتا ہو۔ اس کی قدر کرنا، قدر کرنے والے کے لئے باعثِ رحمت ہوتا ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ ۴

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور ان کا خشوع بڑھتا ہے۔

جولوگ حق کے متلاشی ہوتے ہیں، جب انہیں قرآن پاک کا علم ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے اظہارِ عجز کرتے ہیں۔ان پر گریئے کی کیفیت یہ واضح کرتی ہے کہ وہ سوزِ الفت کے مقام پر ہیں۔الفت کی حدتک مہر سکوت قائم رہتی ہے۔سوزِ الفت عطا ہو جائے تو مہر سکوت ٹوٹ جاتی ہے۔سجدے کی حالت میں آتے وقت بندہ ٹھوڑی کے بل زمین پر آرہا ہوتا ہے۔جب مقصود کے مل جانے کی راحت انتہا پر ہو تو پھر بندہ ٹھوڑی کے بل زمین پر گرتا ہے، پھر شکریئے کے آنسو سنبھالے نہیں جاسکتے۔

حاصل: حق کے متلاشی مقصود کو پاکر، گریئے کے ساتھ اظہارِ عجز کرتے ہیں۔وہ اپنی طلب کو ناقص اور اللہ کے کرم کو بے بہا دیکھ کر ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں۔ان کے خشوع کا کیا کہنا۔

قُلِ ادۡعُوا اللّٰہَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ اَیًّامَّا تَدۡعُوۡا فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ۚ وَ لَا تَجۡہَرۡ بِصَلَاتِکَ وَ لَا تُخَافِتۡ بِہَا وَ ابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾

فرمادیجئے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔جو کہہ کر پکارو، سب اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔اور نماز بلند آواز سے نہ پڑھو اور نہ خفی آواز سے اور ان دونوں کے مابین راستہ پاؤ۔

خالقِ کُل کا ذاتی نام اللہ ہے۔صفاتی نام کثیر ہیں۔صفات کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔اللہ کے اسماء گرامی میں سے بعض اسماء مبارک خلوت پر تصرف رکھتے ہیں، بعض اسماء مبارک جلوت پر تصرف رکھتے ہیں۔'اَلۡوَدُوۡدُ' خلوت اور جلوت دونوں مقامات پر تصرف رکھتا ہے۔اللہ کہہ کر پکارا جائے تو بھی وہ اللہ ہے، الرحمٰن کہہ کر پکارا جائے تو بھی وہ اللہ ہے۔جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذکر کرنے والے میں موجود ہونی چاہئے۔اس سے بندگی کا حق ادا ہوتا ہے، تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔جباری اور قہاری بندے کے لئے نہیں ہیں۔بندے کو لازم ہے کہ ان صفات کا مظہر نہ بنے۔نماز جماعت کی صورت میں پڑھی جائے تو فجر، مغرب اور عشاء میں امام کی قرات مقتدی سن سکتے ہیں، ظہر اور عصر میں نہیں سن سکتے۔یہاں فرد کی صورت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز نہ بلند آواز سے پڑھی جائے اور نہ بالکل خفی آواز سے۔درمیان کی راہ یہ ہے کہ اپنی آواز اپنے کانوں تک ضرور پہنچے۔اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے۔ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو اس سے یک سوئی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل: اسم ذات کے ذاکر کے لئے تجرد کی اہمیت ہے۔جس صفت کا ذکر کیا جائے وہ صفت ذاکر میں موجود ہو تو اس سے تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے۔جباری اور قہاری بندے کے لئے نہیں ہے۔نماز میں آواز نہ بلند ہو، نہ خفی ہو، اتنی ہو کہ اپنے کانوں تک پہنچ سکے۔

وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲/۱۱

اور پکاریئے کہ حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، اور ملک میں اس کا شریک نہیں، اور کمزوری سے کوئی اس کا ساتھی نہیں، اور اس کی بڑائی کرنے کو تکبیر کہیے۔

اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ غنی مطلق ہے، باقی سب محتاج ہیں۔ جو احتیاج سے پاک ہے اس میں کمزوری کا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ وہاں ساتھی کی حاجت ہی کیا ہے۔ سب سے بڑا علم والا بھی وہی ہے۔ ہر امر پر غالب بھی وہی ہے۔ عالمین کا رب بھی وہی ہے۔ دین کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ توفیق بھی اسی نے دی ہے۔ راہِ عمل کا تعین بھی اسی نے کیا ہے۔ بشارت وانذار بھی اسی کی طرف سے ہے۔ جزا بھی وہی دے گا۔ اس کی بڑائی کو تسلیم کرنے والے کی شان یہ ہے، کہ جب بندے پر بسط کا مقام ہو تو اللہ کی عطا کا شکریہ ادا کرتا ہوا تعلق مع اللہ میں پورا رہے اور جب قبض کا مقام ہو تو یہ یقین رکھے کہ آنے والے حالات میں پورا رہنے کے لئے ضروری علم عطا فرمایا جا رہا ہے۔

حاصل: ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق پر نظر رکھنی چاہئے۔ ہمیں غلبہ حاصل ہے تو اسی کی مدد سے ہے۔ ہم مغلوب ہیں تو اسی کی مدد ہمیں غالب کر سکتی ہے۔ شکر کا مقام ہو تو بھی، صبر کا مقام ہو تو بھی اللہ کے ذکر کے ساتھ اس کی شان کو بیان کرتے رہنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ فرما دیجئے شب و روز میں کون الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

اٰیاتھا ۱۱۰ سُوْرَۃُ الْکَہْفِ رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۜ ۱

حمد اللہ ہی کی ہے، جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہ رکھی۔

کتاب اللہ کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اس کتاب کی شان یہ ہے کہ اس کے اعجاز کو ہر زمانے میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی مثل پیش کرنا ممکن نہیں۔ فلاح کا راستہ اس میں واضح فرمایا گیا ہے۔ ارشادات کی تعمیل میں جس ذات پاک کو مرکزیت حاصل ہے، جن کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارا رُخ رضائے الٰہی کے مطابق ہے یا ہم اپنی خواہشات کو اہمیت دے رہے ہیں، جن سے محبت رکھنے والے شاہدین تا قیامت روشنی پھیلاتے رہیں گے، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حکم کو جاننے کے لئے، اس کی حکمت کو پانے کے لئے طریقت یہی ہے، کہ حکم کو مانا جائے اور ماننے والے کو اپنا شاہد بنایا جائے۔ جو لوگ کتاب اللہ کو اپنی خواہشات کے حوالے سے دیکھتے ہیں، ان کی پسند انہیں پریشان کرتی ہے۔ کجی ان کے اندر ہوتی ہے اور وہ اسے قرآن پاک میں دیکھتے ہیں۔ نازل فرمانے والے علیم مطلق نے قرآن پاک میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ قرآن پاک کو ماننے والے شہادت دیتے رہیں گے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے ہی خوف وحزن سے نجات پاتے ہیں۔ صرف انہیں ہی دائمی راحت حاصل ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ کی حمد کرنے والے کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کتاب اللہ کو ماننے کا ثبوت کس طرح دے رہا ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کے سامنے معیارِ مطلق ہے تو وہ راہ فلاح پر ہے۔ شاہد سے حق کا جو علم عطا ہوتا ہے، وہ اپنی کاوش سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ۲

ٹھیک کرنے والی کتاب کہ اللہ کے شدید عذاب سے ڈرائے اور مومنین کو جو صالح عمل کرتے ہیں، احسن اجر کی بشارت دے۔

انفرادی سطح سے اوپر اجتماعی سطح ہے۔ اجتماعی سطح سے اوپر قومی سطح ہے اور اس سے اوپر بین الاقوامی سطح ہے۔ ہر سطح پر عدل قائم ہونے کی صورت یہی ہے، کہ حاکم اور محکوم کے سامنے حوالہ قرآنِ پاک کی سند سے ہو، خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔ دنیا کی زندگی میں بھی انہیں شدید مصائب سے آگاہ کیا جائے۔ آخرت میں تو خلافِ حق کرنے والوں کے لئے عذاب ہوگا ہی۔ مومنین وہ لوگ ہیں، جو قولاً حق کو مانتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنے ماننے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کتاب اللہ یہ بشارت دیتی ہے کہ انہیں احسن اجر عطا ہوگا۔ اوامر ونواہی جن کا قرآن پاک میں ذکر ہے، نافذ کردیئے جائیں تو نظامِ عدل کا ڈھانچہ قائم ہو جائے گا۔ پھر حسنِ عدل کی مثالیں اپنے اپنے مقام پر حق کے نور کو بڑھاتی رہیں گی۔ انسان کی پسند سے پیدا ہونے والے نظام میں کبھی سب کی بھلائی نہیں ہوسکتی۔ ربّ العالمین کی یہ شان ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی کتاب میں تمام لوگوں کی بھلائی کا دعویٰ بھی ہے، اور اس دعوے کی صداقت کا ثبوت بھی ہے۔

حاصل: کتاب اللہ کو عملاً نافذ کرنے سے ہی نظامِ عدل قائم ہوسکتا ہے۔ احکم الحاکمین کا حکم لوگوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس کے مقابل ہر حکم میں حکم دینے والے کی غرض موجود ہوتی ہے۔ بُرائی کو سختی سے ختم کرنا اور بھلائی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا، حکومت کی ذمہ داری ہونی چاہیئے۔

مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾ جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جو لوگ اپنے ایمان کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کرتے ہیں، ان کو دائمی پاک دامنی کا شرف عطا ہوجاتا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل ان کے لئے کچھ اہم نہیں ہوتا۔ ان کو احسن اجر کی صورت میں جو جزا ملے گی، اس میں ان کے لئے دائمی راحت ہوگی۔

حاصل: دائمی پاک دامنی کے شرف کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے اور اللہ کی رضا کے مقابل کسی شے کو اہمیت دینے والے بے ادب لوگوں کے ساتھ سے بچنا چاہیئے۔

وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۖ﴿۴﴾ اور ان کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔

جو لوگ اللہ کے لئے اولاد ٹھہراتے ہیں وہ اللہ کو بے مثل نہیں مانتے، وہ اللہ کو لاشریک نہیں مانتے۔ بات ان کی اپنی ہوتی ہے، نام اللہ کا لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ افترائی سازی بہت بڑا فساد ہے۔ اس فساد سے اندھیرا ہی بڑھ سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں اندھیرا بڑھ جائے تو نظم و ضبط کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ کتاب اللہ سب کو ڈراتی ہے، چاہے وہ نصاریٰ ہوں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، چاہے یہود ہوں جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، چاہے اور لوگ ہوں جو ملائکہ کو خدا کی اولاد کہتے ہیں۔

حاصل: حال پر اپنے عقائد کو دیکھنا چاہیئے اور مستقبل میں ان عقائد کے انجام کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے اور اس کا انجام یقیناً خسارہ ہوتا ہے۔

مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ اس بات کا ان کو کچھ علم نہیں، ان کے آباء کو بھی نہیں۔ کتنی بڑی بات نکلتی ہے ان کے مونہوں سے۔ یہ محض جھوٹ بولتے ہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ایک اور لاشریک نہیں مانتے، وہ قطعاً بے علم ہیں۔ وہ اپنے دعوے کے ساتھ کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے۔ ان کے آباؤ اجداد کو بھی کوئی علم نہیں تھا جس کی بنا پر انہوں نے شرک کیا۔ انسان خالق کل کے بارے میں بے سند بات کرے تو اس سے بڑی برائی کیا ہوسکتی ہے۔ خالق کل صرف اللہ ہے۔ اور کسی کا یہ دعویٰ ہی نہیں ہے۔ اس لئے وہ لاشریک ہے۔ حیات دینے والا وہی ہے۔ موت دینے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے وہ لاشریک ہے۔ جو بے مثل ہے اس کے بارے میں وہی بات حق ہے جو مخلصین کی زبان سے نکلی ہو۔ بے علمی سے بات کرنے والے محض جھوٹ بولتے ہیں۔

حاصل: اللہ کے بارے میں بات کرنے سے پہلے دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا منہ پاک ہو، بات وہ کی جائے، جو مخلصین کی زبان پاک سے نکلی ہوئی ہو۔ اللہ کے بارے میں بے علمی سے بات کرنا انتہائی قابل نفرت ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥

تو کہیں آپ اس غم میں کہ وہ اس کتاب پر ایمان نہیں لائے اپنی جان کو گھونٹ ڈالیں گے۔

انعامات تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمائے جاتے ہیں۔تقسیم ہو جائیں تو قاسم کو بڑی راحت ہوتی ہے۔فیض سے لوگوں کو دور ہوتے دیکھ کر، بڑا دکھ ہوتا ہے قاسم فیض کو۔جس کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہو اس کا اجر بھی رب العالمین پر ہوتا ہے۔کتاب وحکمت سکھانے والے محسنِ اعظم کی شان ملاحظہ ہو کہ لوگوں کی غفلت آپ کے لئے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے اور لوگوں کے بُرے رویئے کو دیکھ کر بھی وہ ان کی بے علمی کے پیش نظر رحم وکرم کی دعا ہی کرتے ہیں اور کبھی ان سے بے پرواہ نہیں ہوتے۔

حاصل: انعامات تقسیم کرنے کے لئے عطا فرمائے جاتے ہیں۔قاسم کی شان یہی ہے کہ وہ کبھی لوگوں سے بے پرواہی نہیں برتتا۔حق کی ادائیگی کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے اور کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦

بے شک جو کچھ زمین پر ہے اسے ہم نے اس کی زینت بنایا ہے، کہ دیکھیں کون احسن عمل کرتا ہے۔

زینتِ زمین کا اہتمام کرنے والے کی شان بے مثل ہے۔انسان اس زینت کو اسی قدر ہی جان سکتا ہے جس سے اس کو واسطہ ہو۔ہر ہر مقام پر یہ زینت لوگوں کے رُخ کے مطابق ان کے کام آتی ہے۔سامانِ زینت جو کسی کو حاصل ہو،حقِ بندگی ادا کرنے کے لئے پورا ہوتا ہے۔جو اس سامان سے راحت پاتا ہے، وہ اس کو اپنے تعارف کا حصہ بنالیتا ہے۔وہ اس سواری سے کھیلنے لگتا ہے، جو محدود وقت میں اسے فلاح کی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے دی گئی تھی۔جو اللہ کی عطا کو اس کے منشاء کے حوالے سے دیکھتا ہے، وہ متاعِ حیاتِ دنیا کو اللہ کی رضا کے مطابق محسنین کی صورت سے استعمال کرتا ہے۔جو متاعِ حیاتِ دنیا کو حقِ بندگی ادا کرنے کے لئے پوری طرح استعمال کرتا ہے، اس کا عمل احسن ہوتا ہے۔

حاصل: زینتِ زمین کبھی مقصود نہ ہونی چاہئے۔یہ تو ہے ہی ہمارے لئے۔حق کی ادائیگی کے لئے اس کو سواری کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔اس کو اپنے تعارف کا حصہ بنانا بے سمجھی کی بات ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧

اور بے شک جو کچھ اس پر ہے، ہم اسے صاف میدان کر چھوڑیں گے۔

زینتِ زمین جس مقصد کے لئے ٹھہرائی گئی ہے، اس کے پورا ہو جانے کے بعد زمین کو صاف میدان کر دیا جائے گا۔اس زینت کے ساتھ مقصدِ زینت کو بھی دیکھنا چاہئے۔راستہ یہی سیدھا ہے کہ اشیاء سب بندے کے لئے ہیں اور بندہ اللہ کے لئے ہے۔جو اس دنیا کی لہو ولعب میں دل لگا کر دارِ آخرت کی زندگی کو نہیں مانتا، وہ بڑے خسارے میں پڑے گا۔

حاصل: زینتِ زمین کی دلکشی کے ساتھ اس کے مقصد کی طرف بھی نظر جانی چاہئے۔ہر مقام پر رخ کو سیدھا رکھنے کے بارے میں ہی انسان سے پوچھ ہوگی۔

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩

کیا تم سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف اور رقیم والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے۔

نشانی وہ ہوتی ہے جو لوگوں کو ان کے مشاہدے کے حوالے سے ایسی مدد دے کہ موجودہ عقائد کا نقص ان پر واضح ہو جائے، وہ حق کو مان لیں۔ اصحاب کہف چند نوجوان تھے، جو رقیم کے رہنے والے تھے۔ ان حضرات نے لوگوں سے کہا کہ اللہ ہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے، ان پر کوئی سند موجود نہیں ہوتی۔ روشن اسناد کے ساتھ اللہ کو نہیں مانا جاتا اور اپنے بنائے معبودوں کو بلا سند مانا جاتا ہے۔ یہ بڑا ظلم ہے۔ لوگوں نے آواز حق کو دبانے کی کوشش کی تو یہ حضرات پہاڑ کی غار میں آ گئے۔ وہاں اللہ نے انہیں سلا دیا۔ حفاظت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اہتمام کیا گیا جو اسی وحدہٗ لاشریک کی شان کے لائق ہے۔ یہ حضرات ایک مدت سلائے گئے، پھر اٹھائے گئے۔ سوئے تو جوان تھے، اٹھے تو جوان تھے۔ زمانے کے تغیرات کے مقابل اسی عرصے میں ان کا ایک حالت پر رہنا بہت عجیب تھا۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے تھا۔ لوگ دیکھ رہے تھے کہ پاکیزگی اللہ کو پسند ہے۔ اللہ پاک لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کی قدرت ہر مقام پر اور ہر شے پر محیط ہے۔ حق کو ماننے میں فلاح ہے اور حق کے انکار میں خسارہ ہے۔

حاصل: عجیب نشانی دیکھنے میں آئے تو دوسروں کو حق کے ماننے میں مدد دینی چاہئے۔ رجوع الی اللہ ہونے میں کسی کو مدد دینا، کسی کو آسرا دینا بہت بڑی خدمت ہے۔

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝١٠

جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی، تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔

جب ان نوجوانوں نے دیکھا کہ لوگ حق کی بات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے، تو انہوں نے جاہلین سے اعراض کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک غار میں آ گئے۔ وہاں انہوں نے یہ دعا کی: اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں تیری رحمت شامل حال ہوگی تبھی ہمارا معاملہ درست ہوگا۔ حق پر قائم رہنے والوں کی شان یہی ہے کہ وہ حق کو بیان کرنے کے بعد یہ دعا کریں: کہ اے ہمارے ربّ تیری رحمت کے ساتھ ہی پورا رہنا ممکن ہے، اور جو صورت تیری طرف سے بنا دی جائے وہی سب سے بہتر صورت ہوتی ہے۔

حاصل: حق کی مخالفت کرنے والوں سے دکھ پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے: رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ۝١٠ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہم بچ نہیں گئے، بچا لئے گئے ہیں۔

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۝١١

تو ہم نے ان کے کانوں پر اس غار میں گنتی کے کئی برس تھپکی دی۔

غار میں آکران حضرات نے اللہ کی رحمت اور اس کی رضا کے لئے دعا کی، تو اللہ نے ان کو اطمینان عطا فرمایا اور انہیں سلا دیا۔ پیار سے کان پر تھپکی دے کر سلانا، سلائے جانے والوں اور سلانے والے کے تعلق کو روشن کرتا ہے۔ نیند انسانی ضرورت ہوتی ہے، جب یہ ضرورتِ جسمانی پوری ہو جاتی ہے تو جاگ جانے کا مقام آتا ہے۔ نیند کا برسوں طویل ہو جانا، عمر کے آثار کا نمایاں نہ ہونا، صرف سانس سے جسمانی حاجات کا پورا ہو جانا اللہ کی قدرت کی وہ نشانی ہے، جو بعث بعد الموت کو واضح کرتی ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے، مطلق ہے اور کسی حال پر کسی کی مدد کرنا اللہ کو مشکل نہیں ہوتا۔ کان پر پیار سے تھپکی دے کر سلانا اور سلائے جانے والے کی حفاظت کا پورا اہتمام کرنا، قربِ الٰہی کے لئے ہو تو حسنِ عمل کا کیا کہنا۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۲/۱۳

پھر ہم نے انہیں اٹھایا، کہ دیکھیں دو گروہوں میں سے کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ایک طویل نیند کے بعد اٹھایا۔ یہ بیدار ہوئے تو اسی طرح تھے، جس طرح سوتے وقت تھے۔ ایک دوسرے سے حال احوال پوچھا۔ مدت نوم بھی موضوع بنی۔ ایک طرف کے لوگوں نے مدت نوم کو ایک دن یا اس سے کچھ کم بتایا، دوسرے گروہ نے کہا: ''تمہارے رب کو سب سے زیادہ علم ہے تم کتنی دیر سلائے گئے ہو''۔ اندازہ بیان کرنے کے لئے کوئی جواز تو ہوتا ہے مگر بہتر بات یہی ہے کہ فاعلِ حقیقی کے حوالے سے بات ہو۔ سلانے والا ہی جانتا ہے اس نے کتنی دیر سلائے رکھا۔

حاصل: قادرِ مطلق کی شان کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ اندازے سے بات کی جا سکتی ہے مگر فاعلِ حقیقی کے حوالے سے بات کی جائے تو یقیناً بہتر ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف (۱۸) میں ہی فرمایا ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ اور ہرگز یہ نہ کہو کہ میں کل یہ کر دوں گا مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے۔ (۱۸:۲۳-۲۴)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾

ہم آپ کو ان کی حقیقی خبریں بتاتے ہیں۔ وہ کئی جوان ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لائے تو ہم نے ان کی سوجھ کو بڑھایا۔

بیانِ حقیقت کا منشاء داستان گوئی نہیں ہوتا۔ حکمت و موعظت کو اس طرح لوگوں کے سامنے رکھنا ہوتا ہے کہ وہ اس سے فیض یاب ہوں، حاصلِ بیان کو دیکھیں، اپنی سوچ کو درست کریں، یکسو ہو جائیں اور فلاح پا جائیں۔ اصحابِ کہف چند نوجوان تھے۔ یہ لوگ شرک سے بیزار ہوئے۔ شرک کی زندگی میں ان کو مقصدِ حیات کا انکار نظر آیا۔ جب کوئی وجود بے مقصد ہو ہی نہیں سکتا، تو پھر انسان کا مقصدِ حیات جاننا چاہئے۔ حیات و موت کا مالک قادرِ مطلق ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچانے کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ ان لوگوں نے اپنی پسند اور ناپسند کو ایک طرف رکھ دیا۔ حق کے طالب ہوئے، اپنے رب پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حسنِ طلب کو پسند کیا اور ان کو نورِ ہدایت سے نوازا۔

حاصل: بیانِ حقیقت میں ہمیشہ حکمت وموعظت موجود ہوتی ہے۔ تدبر کرنا اور موجودہ عقائد کو اسناد کی روشنی میں دیکھنا، جوانی میں ہو تو یہ بڑی بات ہے۔ اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد جو ملتا ہے وہ اتنا روشن ہوتا ہے کہ پھر کبھی ابہام کا مقام نہیں آتا۔

وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

اور ہم نے ان کی ڈھارس بندھائی جب وہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہمارا رب تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے مقابل کسی کو معبود نہیں کہیں گے، ایسا ہو تو ضرور ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی۔

شرک کے ماحول میں یہ نوجوان اپنا حال بیان کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے، تو لوگوں کو یہ احساس ہو گیا کہ یہ لوگ عقیدہ وملت کے اعتبار سے الگ ہو گئے ہیں، اور مشرکانہ عقائد کو غلط کہنے کی جسارت کرنے والے ہیں۔ اظہارِ حق کے لئے ان حضرات نے یہ کہا کہ ہمارا ربّ تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب کو پالتا ہے۔ کسی دوسرے کو ہر ہر مقام پر ربوبیت کے لوازمات کا علم ہی نہیں ہے۔ ہمارا رب ہونے کا دعویٰ کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ ہم رب العالمین کو ہی معبود مانتے ہیں۔ اس کے سوا کسی معبود کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری رائے کو جبر سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہم اس جبر سے یہ کہنے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں کہ رب العالمین کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے، تو وہ بات خلافِ حق ہو گی، حد سے گزری ہوئی ہو گی اور قطعاً بے جا ہو گی۔

حاصل: موجودہ عقائد کو بے سند کہنے کا مقام آ جائے تو کھڑے ہو کر اپنا حال بیان کرنا چاہیئے۔ ڈھارس بندھانے والا علیم مطلق جو مدد دے سکتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ اپنی قلبی کیفیت کو بیان کرنے کے بعد یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ہمارا بیان بدل جائے تو وہ کسی انتہائی جبر کی وجہ سے ہو گا اور خلافِ حق ہو گا۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾

یہ ہے ہماری قوم جس نے اللہ کے مقابل معبود بنا رکھے ہیں۔ ان پر کوئی روشن سند کیوں نہیں لاتے۔ تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔

اپنی قوم کے سامنے ربّ العالمین کا ذکر کرنے کے بعد، اس کو معبودِ لاشریک کہنے کے بعد، ان نوجوانوں نے ان مظالم کے نتائج کو بھی بیان کر دیا جو انہیں نظر آ رہے تھے۔ پھر یہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے، یہ ہے ہماری قوم جس نے اللہ کے مقابل اور معبود بنا رکھے ہیں، مگر ان معبودوں پر کوئی واضح سند نہیں لائی جاتی۔ جس دعوے کے ساتھ دلیل نہ ہو وہ تو قابلِ ذکر ہی نہیں ہوتا۔ خلافِ حق بات کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اور اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اظلم ہوتا ہے۔ اظلم اپنے باطل نظریات کو پھیلانے میں بڑا زور لگاتا ہے۔

حاصل: اپنی قوم کے بارے میں اپنے احساسات کو احباب کے سامنے بیان کرنے کا منشاء یہ ہونا چاہیئے کہ قول وعمل

میں کسی مقام پر حق اور ناحق کے مابین فرق کو ملحوظ رکھنے سے غفلت نہ ہو۔ ظالم اور اظلم کے فرق کو بھی دیکھا جائے۔

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

اور جب تم ان سے، اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، الگ ہو جاؤ، تو غار میں پناہ لو، تمہارا رب تم پر اپنی رحمت کا سایہ کرے گا اور تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا۔

جب یہ حضرات اپنی قوم سے اور اس کے معبودوں سے بیزار ہو گئے، تو انہوں نے اللہ سے مدد مانگی۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں کوشاں ہوں، اللہ یقیناً اپنے راستوں کی طرف ان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اللہ نے ان حضرات میں سے ایک کی زبان سے یہ بات کہلوائی کہ ان لوگوں سے الگ ہونے کے بعد غار میں پناہ لی جائے، یہ رب کی رحمت کے سائے میں پناہ لینے والی بات ہے، وہاں آسانیاں پیدا کر دینا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ جس کام کے درست ہونے کا یقین ہو، اس کے کرنے کا عزم کر لیا جائے تو پھر اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ اس سے بڑا کارساز کوئی نہیں ہے۔

حاصل: اہلِ باطل سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ کی رحمت کے شاملِ حال ہونے کی دعا کرنی چاہئے، آسانیوں کے لئے دعا کرنی چاہئے، اور ساتھیوں میں سے بہتر جاننے والے کا کہا ماننا چاہئے۔ جائے قیام کو سلامتی کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع ۲ ۵ ۱۴

اور تم دیکھو کہ جب دھوپ نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور غروب کے وقت ان کے بائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور وہ اس کے میدان میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ راہ دے تو وہی راہ پر ہے۔ اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہر گز کوئی اس کا حمایتی، راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔

دھوپ آنکھیں کھولنے والی چیز ہے۔ اس لئے دھوپ نکل رہی ہو تب بھی اصحابِ کہف کے غار میں روشنی کی وہی مقدار پہنچتی ہے جو ان حضرات کے لئے ضروری ہے اور غروبِ آفتاب کے وقت بھی روشنی کی وہی مقدار پہنچتی ہے جو درکار ہوتی ہے۔ ہوا کا درجۂ حرارت بدلتا رہتا ہے۔ روشنی کی صورت بھی موسم کے تغیرات کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ غار کا مقام اللہ نے ایسا رکھا ہے کہ یہ اللہ کی مطلق قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ان حضرات کی بدنی ضروریات کو ایسے اسباب سے پورا کرنے کی صورت رکھی گئی ہے، کہ انسان ان کی وضاحت سے عاجز ہے۔ غار کے صحن میں ان حضرات کو سلایا گیا ہے۔ مناسب رطوبت، مناسب درجہ حرارت، مناسب روشنی یہ سب اہتمام اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ ہدایت اسے دی جاتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو، اپنی پسند کو حق کے تابع رکھ کر راضی ہو۔ ہدایت دینے والا خوب جانتا ہے، کس کو

ہدایت دیتی ہے۔ جولوگ حق کو جاننے کے بعد اسے اپنی پسند کا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں، وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور فلاح سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کسی کی دوستی اور راہ نمائی انہیں فائدہ نہیں دیتی۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اہتمام کیا گیا ہو، اس سے احسن کچھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی نشانیوں سے اس کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ ہدایت کی طلب رکھنی چاہئے۔ اپنی پسند کا ذکر کرتے رہنے سے خرابی بڑھتی ہے۔ گمراہ سے دوستی کرنے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ فرما دیجئے اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے مابین گواہ۔ اسے علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جو باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی خسارے والے ہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۗ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اور تم سمجھو وہ جاگتے ہیں اور وہ تو سو رہے ہیں، اور ہم ان کی کروٹیں بدلتے ہیں، دائیں اور بائیں، اور ان کا کتا غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر انہیں جھانک کر دیکھو تو پیٹھ دے کر بھاگو اور ان کا رعب تمہارے اندر بیٹھ جائے۔

اصحابِ کہف کو سلانے والے نے یہ واضح فرمایا ہے، کہ وہ بظاہر جاگتے نظر آتے ہیں مگر ہیں سوئے ہوئے۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو نیند نہیں آتی۔ اللہ نے فرمایا ہے ہم نے رات کو آرام کے لئے اور دن کو آنکھیں کھولنے والا بنایا ہے۔ سلانے والا قادرِ مطلق ہو تو وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ بھی سلا سکتا ہے۔ کروٹیں بدلنا جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اعضاء کے افعال کو اعتدال پر رکھنا اسی طرح ممکن ہوتا ہے۔ دائیں طرف پہلے کروٹ لینی چاہئے، بائیں طرف بعد میں۔ ان حضرات کے ساتھ ایک کتا بھی ہے جو غار کے منہ پر اپنے اگلے پاؤں پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر کوئی اللہ کی قدرت کو مانتا ہو تو اسے جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ماننے والے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ نے ان حضرات کے لئے جو اہتمام کیا ہے، وہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ جو حفاظت کی حدود کے اندر جھانکنے کی کوشش کرے گا وہ ضرور مرعوب ہوگا۔ اس پر خوف کی وہ کیفیت ہوگی جو اس سے سنبھالی نہیں جا سکے گی۔

حاصل: اللہ کی قدرت کو محدود کہنے والے، اللہ کو نہیں مانتے، اور اللہ کی قدرت کو ہر حال پر محیط مان لیا جائے تو پھر اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام لازم ہے۔ اللہ کی قدرت سے متعلقہ اسباب کو جاننے کی کوشش ایمان کا ثبوت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر اپنے آپ کو نڈر ثابت کرنے کی کوشش بڑی بے سمجھی کی بات ہے۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں۔ان میں ایک کہنے والے نے کہا، آپ حضرات کتنی دیر سوئے رہے۔جواب دیا گیا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔دوسرے صاحبان نے کہا تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنی دیر سوئے رہے۔تو اپنے ایک ساتھی کو رقم دے کر شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ دیکھے وہاں کون سا کھانا زیادہ پاک ہے، کہ تمہارے لئے اس میں سے کھانے کو لائے اور چاہیئے کہ نرمی کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے پائے۔

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف یعنی التاء بعد الیاء من النصف الاول و اللام الثانیة من النصف الاخیر ۱۲

اصحابِ کہف کو سلانے والا بھی ان کا رب تھا، جگانے والا بھی ان کا رب تھا۔اٹھائے جانے کے بعد وہ آپس میں ہم کلام ہوئے۔نیند سے پہلے کا وقت انہیں یاد تھا، جاگنے کا وقت ان کے سامنے تھا۔درمیانی عرصے کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھا گیا۔جواب دینے والوں نے کہا، ایک دن یا اس سے کچھ کم ہم لوگ نیند کی حالت میں رہے ہوں گے۔بہتر جاننے والوں نے کہا، سلانے والا ہی جانتا ہے ہم لوگوں کو کتنی دیر اس حالت پر رکھا گیا۔جاگنے کے بعد جسمانی ضرورت کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو رقم دے کر شہر کی طرف بھیجنے کا فیصلہ کیا۔شہر کی طرف جانے والے کے ذمے یہ تھا کہ وہ پاک کھانا لے کر آئے، نرمی کے ساتھ بات کرے اور ساتھیوں کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہونے دے۔پاک کھانا وہ ہوتا ہے جو طیبات سے تیار کیا گیا ہو، اور تیار کرنے والا اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتا ہو۔لوگوں سے پوچھا جائے تو جواب کی امکانی صورتیں بہت ہوتی ہیں۔نرمی کے ساتھ بات کرنا یہ ہے کہ کسی کی سخت کلامی کو سن کر اس کی حسنِ نیت ملحوظ رہے۔اور کسی کو خبر نہ ہونے دینا یہ ہے کہ اپنی حرکات و سکنات پر نظر رہے کہ کسی کو ساتھیوں تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے۔

حاصل: سلانے والا بھی رب ہے جگانے والا بھی ربّ ہے۔سوال اپنے لئے ہی نہیں ہوتا، دوسروں کی آگاہی کے لئے بھی ہوتا ہے۔علم سے بولنا یہ ہے کہ بات فاعلِ حقیقی کی طرف جائے۔کھانا جسمانی ضرورت ہے۔پاک کھانے کی طلب ہونی چاہیئے۔ساتھیوں کی عافیت کو کبھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیئے۔قول میں نرمی اور عمل میں احتیاط ضروری ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

بے شک وہ لوگ تمہیں جان لیں گے تو تم پر پتھراؤ کریں گے، یا تمہیں اپنی ملت میں لوٹا لیں گے، اور تب تمہارا کبھی بھلا نہ ہوگا۔

اصحاب کہف جس احتیاط کو ضروری سمجھ رہے ہیں اس کی وضاحت کے لئے اپنے ساتھیوں پر یہ واضح کر رہے ہیں کہ اگر لوگوں کو ہماری جائے قیام معلوم ہوجاتی ہے تو دوہی صورتیں ممکن ہیں: ایک تو یہ کہ لوگ ہم پر پتھراؤ کریں گے اور یوں ہمیں ختم کر دیں گے، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے جبر کے اثرات کو ہم پر دیکھیں گے، اور انہیں ہمارے ایمان کی کمزوری نظر آئی تو ہمیں اپنی ملت میں لوٹانے کی کوشش کریں گے۔ پاکیزگی کا علم ہوجانے کے بعد ناپاکی کی طرف جانے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

حاصل: اپنے ساتھیوں کو احتیاطی تدابیر کی تاکید کے ساتھ، امکانات بھی بتانے چاہئیں۔ مقصد واضح ہو تو حصولِ مقصد کے لئے بہتر کوشش کی جاسکتی ہے۔ بے احتیاطی سے پیدا ہونے والی صورت اگر گوارا نہ ہو تو پھر احتیاط میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اور اسی طرح ہم نے وہ بات پھیلا دی، کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور ساعت میں کچھ شک نہیں۔ جب وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے، تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بنادو۔ ان کے رب ہی کو ان کا علم ہے۔ وہ لوگ جو اس کام میں غالب رہے تھے کہنے لگے، یقیناً ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔

اصحاب کہف کو ایک مدت تک سلانے کے بعد، اللہ نے اٹھا دیا۔ ان میں سے ایک زیرک آدمی حصولِ رزق کے لئے شہر کی طرف گیا۔ اس عرصے میں وہاں کیا کیا تبدیلیاں آچکی تھیں، یہ اس صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہر قابلِ ذکر تبدیلی کو اپنے ساتھیوں کے لئے یاد رکھا۔ لوگوں نے اصحاب کہف کے متعلق سن ضرور رکھا تھا کہ پچھلے زمانے میں کچھ لوگوں کو ان کے اللہ پر ایمان لانے اور شرک سے کراہت کا اظہار کرنے پر بہت دُکھ دیا گیا اور پھر وہ حضرات مفقود الخبر ہوگئے۔ ان حضرات میں سے ایک کو اپنے سامنے قدیم زمانے کے سکّوں کے ساتھ دیکھ کر، اس کی زبان، اس کے لباس، اس کے قدوقامت اور اس کے اخلاقِ حسنہ کو دیکھنے کا موقع پا کر لوگوں نے بعث بعد الموت کو درست مان لیا۔ منکرین آخرت کو سخت ندامت ہوئی۔ قیامت کو مان لیا جائے تو پھر اصلاح کی طرف آنا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بعث بعد الموت کو ٹھیک کہنے والے غالب رہے تھے، اس لئے ان کی بات زیادہ وقعت رکھتی تھی۔ جھگڑا اس بات پر تھا کہ ان حضرات کے جائے قیام اور آرام گاہ کے قریب کس طرح کی عمارت بنائی جائے، جس میں موجودہ معلومات کو محفوظ کیا جائے۔ بہتر جاننے والے حضرات نے کہا، ان حضرات کے بارے میں حقیقی علم تو ان کے رب کو ہی ہے۔ بعث بعد الموت پر ایمان رکھنے والے حضرات نے کہا، یہ بہت بڑا واقعہ ہے۔ اللہ نے آخرت پر یقین لانے کے لئے اتنی بڑی مدد دی ہے کہ اس کا شکریہ یہاں مسجد تعمیر کرکے ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہاں عبادت کرنے والے کو اللہ کی قدرت کا یہ واقعہ اصلاح حال میں بڑی مدد دے گا۔

حاصل: اللہ جس بات کو ظاہر کرنا چاہے وہ کسی کے چھپائے، چھپ نہیں سکتی۔ قیامت پر یقین ہو تو حال پر رُخ درست ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کی بات سند سے ہوتی ہے۔ ان کی بات کو ماننے میں بھلا ہوتا ہے۔ علم حقیقی کا کسی

مفروضے سے مقابلہ کرنا بالکل بے جا ہے۔ کسی واقعہ سے لوگوں کو نورِ ہدایت حاصل کرنے میں مدد دینا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مسجد یادِ الٰہی کا مقام ہے۔ ظاہری اور باطنی، دونوں طرح کی پاکیزگی موجود ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڨ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ع ﴿۲۲﴾ ع ۳ ۵ ۱۵

اب کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا، اور کچھ کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا۔ یہ سب بے تکی ہانکتے ہیں۔ کچھ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا۔ فرما دیجئے میرے رب کو ہی ان کی تعداد کا علم ہے۔ کم ہی لوگ انہیں جانتے ہیں۔ ان کی تعداد کے معاملے میں سرسری بات سے آگے نہ جایئے اور ان کے متعلق کسی سے استفسار نہ کیجئے۔

اصحاب کہف تک لوگوں کو پہنچنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان کا جو ساتھی شہر میں خوراک کا سامان لینے کے لئے گیا، وہ اس کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ اس کا لباس، اس کی عمر، قد و قامت اور دوسری نظر آنے والی باتیں ان کے مشاہدے میں آئیں۔ لوگ ان کی غار تک بھی آئے مگر ایک حد سے آگے ان کے لئے جانا ممکن نہ تھا۔ اس حد سے آگے صرف اصحابِ کہف کا ساتھی ہی گیا۔ کتا ضرور لوگوں کو نظر آتا رہا۔ اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں لوگوں نے لاحاصل بحث شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ تین ہیں، چوتھا ان کا کتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا وہ سات ہیں آٹھواں ان کا کتا ہے۔ یہ سب بے تکی باتیں ہیں۔ ان کی تعداد کو موضوع گفتگو بنانے والے اس واقعہ سے کیا سبق سیکھ رہے ہیں۔ اندازے قیافے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اور لوگ ہیں کہ اسی میں الجھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد کو موضوع گفتگو بنانا یا اہل کتاب سے ان کے بارے میں استفسار کرنا لاحاصل باتوں میں وقت ضائع کرنا ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ حاصل بیان پر نظر رکھنی چاہئے۔ اپنی زندگی میں ان حقائق کو عملاً ماننے کا ثبوت دینا چاہئے، جن کو قولاً تسلیم کیا گیا ہو۔

حاصل: اللہ کی قدرت کا مشاہدہ ہو تو نُورِ ہدایت ملتا ہے۔ امتدادِ زمانہ کا اثر اللہ کی قدرت کے تابع ہے۔ وہ چاہے تو یہ اثر ہوتا ہے وہ نہ چاہے تو یہ نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت میں انسان کا عجز واضح ہے۔ کسی واقعہ سے جو سبق ملتا ہے اس پر نظر ہو تو لاحاصل باتوں کی طرف جانا بُرا لگتا ہے۔ جن لوگوں کی سنجیدگی طبع کا یقین نہ ہو ان سے کچھ پوچھنا منع ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ تو یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اللہ کی طرف کرو۔ اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی خلق کو تبدیل نہ کرنا۔ یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اور کسی کام کے بارے میں نہ کہنا کہ میں کل کردوں گا۔

بندے کو جو توفیق حال پر حاصل ہوتی ہے، اس میں بندے کی سمجھ سمیت کتنے ہی ارکان ہوتے ہیں۔ ہر ہر رکن اہمیت رکھتا ہے اور کوئی ایک رکن مطلوبہ فعل سرانجام دینے سے رک جائے تو بے ربطگی نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے، ہر ربط پر محیط ہے۔ بندے کا علم محدود ہوتا ہے، اور اللہ کے علم کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بھی کام میں فاعلِ حقیقی کا نام لئے بغیر کوئی وعدہ کرنا خلافِ حق ہے۔

حاصل: کسی بھی کام پر غور کر کے دیکھا جائے تو بندے کو اپنی حیثیت، اللہ کی قدرت کے سامنے ہیچ نظر آتی ہے۔ تائیدِ ایزدی کے حصول کی طلب رکھنی چاہئے۔ اپنے فعل کو توفیق دینے والے کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور یاد کرلو اپنے رب کو جب بھول جاؤ، اور کہو قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔

کسی بھی وعدے کے ساتھ انشاء اللہ کہنا حق ہے، ورنہ بندگی کا اظہار کما حقہٗ نہیں ہوتا۔ اگر کسی جگہ بیان کرتے کرتے یہ احساس ہوجائے کہ اپنی کارکردگی کے ساتھ اپنے رب کا ذِکر نہیں کیا گیا، تو فوراً علم سے اپنے رب کا ذِکر کرنا چاہئے، اور یہ کہنا چاہئے کہ قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔ کسی جگہ سکھ پانے کا ذِکر ہو تو سکھ دینے والے مالکِ حقیقی کے بغیر بات پوری نہ ہوگی، اور دُکھ سے بچ جانے کی بات کے مقابل دکھ سے بچائے جانے کا ذِکر ہو اور اپنے رب کے حوالے سے ہو تو یقیناً یہ بات رشد کے زیادہ قریب ہوگی۔

حاصل: کسی بھی وعدے کے ساتھ انشاء اللہ کہنا ضروری ہے۔ بھول ہوجائے تو مالکِ حقیقی کو یاد کرلینا چاہئے اور یہ کہنا چاہئے کہ قریب ہے میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر نیکی کی راہ دکھائے۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ اور وہ اپنے غار میں نو اوپر تین صد برس ٹھہرے۔

اصحابِ کہف کی تعداد کے بارے میں بھی لوگوں نے اندازے لگائے، ان کے سلائے جانے کی مدت کو شمار کرتے وقت بھی لوگوں نے اندازے لگائے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکی دی۔ شمسی اور قمری سال کا فرق گیارہ دن کا ہوتا ہے، اس طرح اگر شمسی سالوں کے حساب سے تین صد سال بنیں تو قمری حساب سے تین صد نو سال بنیں گے۔ جب یہ لوگ نیند کے بعد اٹھائے گئے تو ان میں سے بعض نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، آپ کتنی دیر سوئے رہے، جواب ملا، ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ علم والوں نے کہا، اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ مدت یقیناً برسوں میں تھی۔ اب لوگ اگر اس مدت کو شمار کرتے وقت اختلاف میں پڑیں تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ حساب کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

حاصل: حساب کرتے وقت یہ کہنا چاہئے کہ سب سے بڑا علم اللہ کو ہے۔انسانی حساب کو تقریباً ہی کہا جاسکتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

فرما دیجئے سب سے بڑا علم تو اللہ کو ہے کہ وہ کتنا ٹھہرے۔اسی کے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب۔وہ کیا ہی دیکھتا ہے اور کیا ہی سنتا ہے۔اس کے مقابل ان کا کوئی دوست نہیں،اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جو لوگ اصحاب کہف کے بارے میں یہ بحث چھیڑتے ہیں کہ وہ حضرات کتنا عرصہ سوئے رہے،اور تین صد سال اور تین صد نو سال کے شمسی اور قمری حساب بتاتے ہیں،انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ سلانے والے سے بڑا علم تو کسی کو نہیں ہے۔اس لئے ان کے سونے کا پورا پورا وقت تو اللہ کے علم میں ہی ہے۔آسمانوں کے بھید ہوں،زمین کے بھید ہوں سب اسی کے ہیں۔اس کے دیکھنے کا جواب نہیں اور اس کے سننے کا بھی جواب نہیں۔جو دوستی بھی ہوگی،اللہ کی عطا کردہ توفیق سے ہوگی،اس لئے اللہ کے مقابل کسی کی دوستی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔اللہ کا حکم علم مطلق سے ہوتا ہے،اور علم مطلق اللہ کی شان کے لائق ہے۔اس لئے کسی کو یہ مجال ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ اللہ کے حکم میں شریک ہونے کا دعویٰ کرے۔

حاصل: اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔آسمانوں اور زمین کے بھید اسی کے علم سے ہیں۔اس لئے ہر تحقیق اللہ کے فضل کی محتاج ہے۔اللہ کا دیکھنا اور سننا ہمارے دیکھنے اور سننے سے بہت بلند ہے۔اس کے مقابل کسی کی دوستی کیا حقیقت رکھتی ہے۔علم مطلق اللہ کی شان ہے اس لئے اس کے حکم میں کسی کا شریک ہونا ناممکن ہے۔ہمارا فیصلہ حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور تلاوت کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی کتاب سے وحی فرمائی گئی۔اس کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔اور اس کے مقابل تمہیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔

قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔تلاوت کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم نے حکم خداوندی کو مانتے ہوئے شاہدین میں سے ایک صاحب حال کا اتباع کرنا ہے۔رجوع الی اللہ ہونے کا یہ طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔اللہ کے کلمات کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔اس سے بڑا کوئی حکم دینے والا نہیں۔جو اس کے فرمان کے خلاف کرے اور پھرتا چلا جائے،وہ اللہ کی گرفت میں آجائے گا۔کون ہے جو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لئے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔قطعاً کوئی نہیں۔

حاصل: قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے۔نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کو معمول بنانا ضروری ہے۔اللہ کے فرمان کو ماننا چاہئے۔اللہ کے کلمات کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں۔جو خلاف حق کرے گا،وہ اللہ کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔اس کے لئے کہیں پناہ نہیں ہے۔

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ پر راضی رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔ کیا تم حیاتِ دنیا کی زینت چاہتے ہو۔ اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

جو لوگ صبح و شام اپنے رب کا ذِکر کرتے ہیں، ان کے ساتھ رہنا اور اپنے نفس کو ان کے ساتھ پر راضی رکھنا جن کا مقصد حیات اللہ کی رضا ہے، بڑی رحمت کی بات ہے۔ یہ لوگ اپنے معاشی حالات کی وجہ سے حسن ظاہر نہیں رکھتے، مگر ان کا باطن کس قدر حسین ہوتا ہے یہ ان کا رب جانتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو وہ اہمیت نہ دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں، تو نگاہ ضرور ان پر پڑے گی جن کو حیاتِ دنیا کی زینت کے حوالے سے بڑا مقام حاصل ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا کی زینت میں راحت تلاش کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ جس کا قلب، اللہ کے ذِکر سے غافل ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی میں لگا ہوا ہو اور جس کا کام حد سے گزر جائے، اس کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔ اطاعت اسی کی حق ہے جس کا قلب ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرتا ہو، اور حدود اللہ کا احترام کرتا ہو۔

حاصل: جو لوگ صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی رضا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ میں حسن ظاہر کو اہمیت نہ دینا ضروری ہے۔ نفس کو یہ بات منوانی پڑتی ہے۔ ان پاک لوگوں کو چھوڑ کر نگاہیں دور جائیں تو پھر حیاتِ دنیا کی زینت ہی مطلوب ہوگی۔ حسنِ عمل پر نظر ہو تو پھر حیاتِ دنیا کی زینت کیوں مطلوب ہوگی۔ جس کا قلب اللہ کے ذکر سے غافل ہو، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہو، اور جس کا کام حد سے گزر جائے اس کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

وَقُلِ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمۡ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنۡ يَّسۡتَغِيۡثُوۡا يُغَاثُوۡا بِمَآءٍ كَالۡمُهۡلِ يَشۡوِى الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور فرمایئے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالمین کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے، جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی، اور اگر فریاد کریں گے تو پانی ملے گا جیسے پیپ، منہ کو بھون ڈالے گا۔ کیا ہی برا پینا ہے اور کیا ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔

حق اللہ کا فرمان ہے۔لوگوں کو شعور کے ساتھ اسے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار دیا گیا ہے۔ جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا، جو کفر کرے گا خسارے میں پڑے گا۔ اللہ نے ہر ایک کو پاک پیدا کیا ہے۔ راستے کے انتخاب کے لئے جو جو مدد ملنی چاہئے وہ ہر ایک کو ملتی ہے۔ جو راستہ کوئی اختیار کرے گا اسی کی جزا پائے گا۔ اللہ نے خلافِ حق کرنے والوں کے لئے ان کے اعمال کی جزا بصورت آگ تیار کر رکھی ہے، جو انہیں گھیر لے گی۔ آگ کی دیواریں ان کے استکبار کی نسبت سے ہوں گی، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ پیاس کی شدت کا اظہار ہوگا تو پینے کو وہ پانی ملے گا، جو منہ کو بھون ڈالے گا۔ خلافِ حق کرنے والوں کو جو پینے کو ملے گا، اس سے بری پینے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جہاں ان لوگوں کو رکھا جائے گا، اس سے بری رہائش کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

حاصل: حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اس کو ماننا بھی شعور کے ساتھ ہوتا ہے، اس کا انکار بھی شعور کے ساتھ ہوتا ہے۔ راہِ عمل کے انتخاب کا اختیار یقیناً دیا گیا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی، اور یہ جزا آگ کی صورت میں انہیں گھیر لے گی۔ پانی ملے گا تو وہ اس عذاب کو بڑھائے گا جو پہلے موجود ہوگا۔ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا عمل کیا ہے اور ہم کس طرح کی جزا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے احسن عمل کیا۔

حق کو ماننے کا دعویٰ ہو تو یہ قول سے ایمان ہوگا، اور اصلاحِ حال پر کسی مخلص کو شاہد بنایا جائے تو یہ ایمان کے دعوے کی صالح عمل سے تصدیق ہوگی۔ جس عمل کے پیچھے نیت یہ ہو کہ اللہ کو راضی کرنا ہے اور شاہد کا اتباع کرنا ہے، وہ عمل احسن ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک خالص عمل اس قدر پسندیدہ ہے کہ اس کا ذرہ پہاڑ اور قطرہ سمندر ہے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ ہی سچا ثابت ہوسکتا ہے۔ حسنِ عمل کو توفیق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے، اور حسنِ نیت کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ احسن عمل کی قدر کرنا ضروری ہے۔

اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ
الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ
ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ
وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ
نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع ۴/۹/۱۲

ان کے لئے بسنے کے باغ ہیں، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور کپڑے پہنیں گے سبز، نفیس اور گاڑھے ریشم کے۔ تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا ثواب۔ اور کیا ہی اچھی جگہ آرام کی۔

جو لوگ احسن اعمال کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، ان کی اخروی زندگی کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان لوگوں کے لئے بسنے کے باغ ہیں۔ ان باغوں کی شادابی کے لئے اللہ نے ان کے نیچے نہریں جاری کر رکھی ہیں، کہ زیر زمین پانی کی سطح ایسی رہے کہ وہاں آب پاشی کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہ ہو۔ ان لوگوں کی خوشی کے لئے جو کچھ کیا جائے گا، اس کا بھی کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی

عزت افزائی کے لئے انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔سبز ریشم کا لباس دیا جائے گا۔تختوں پر یہ لوگ تکیے لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔اللہ سے بہتر بدلہ دینا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔جائے قیام بھی وہی بہتر ہے جہاں اللہ کی رضا مقصود ہو، موجود ہو۔

حاصل: پاک لوگوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، تو ان کی عزت افزائی کو اللہ کی سنت کے حوالے سے اہمیت دینی چاہیئے۔جسمانی اور روحانی سکھ، اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں دے سکتا۔

شہادت: اللہ تعالٰی نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اور اللہ سے ڈرتا رہے اور پرہیزگاری کرتا رہے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

اور انہیں دو مردوں کی مثال دیجئے۔ہم نے ان میں سے ایک کے لئے انگوروں کے دو باغ کر دیئے۔ان کے گرد کھجوریں تھیں اور ان کے بیچ ہم نے کھیتی رکھی۔

حکم خداوندی سے یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ لوگ اپنے حال کو دیکھیں، مثال میں بیان کئے گئے احوال مین اپنا مقام دیکھیں اور تدبر کریں۔رُخ کو درست کرنے کے لئے دی گئی مہلت میں بھلائی کی طرف آنا بہت بڑی بات ہے۔ایک بندے کے لئے انگوروں کے دو باغ کیے گئے، جن کے گرد کھجوریں تھیں۔درمیانی جگہ میں کھیتی باڑی ہوتی تھی۔باغ بھی خوب تھے، حفاظت کا اہتمام بھی خوب تھا، اناج وغیرہ بھی تھا، اور یہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ تھا۔

حاصل: جو کچھ بھی ہمیں حاصل ہے، اس حال میں کہ ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہیں، تو وہ یقیناً عطائے الٰہی ہے۔وسعتِ مال اگر ہمارے تعارف کا حصہ بن جائے تو اس میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔اخلاقِ حسنہ اگر ہماری پہچان ہو تو یہ بڑی بھلائی کی صورت ہے۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

دونوں باغ اپنے پھل لائے، اور اس میں کچھ کمی نہ دی۔اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی۔

جس کو یہ دو باغ عطا ہوئے اس کے لئے یہ باعث فرحت ہوئے۔دونوں باغ خوب پھل لائے اور اس میں ہر درخت پورا پورا پھل لایا۔کسی میں کچھ خرابی نہ ہوئی۔ان دونوں باغوں کے بیچ میں اللہ نے نہر بھی بہائی، کہ جس سے زیر زمین پانی اس سطح پر رہے کہ دونوں باغ شاداب رہیں۔

حاصل: پھل کو اللہ کی عطا جاننا چاہیئے، ورنہ اس کا محلِ استعمال صرف اپنی خواہش ہی نظر آئے گا۔زیر زمین پانی کو اس سطح پر رکھنا کہ مصنوعی آب پاشی کی ضرورت نہ رہے، بڑی حکمت کی بات ہے۔

وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

اور اسے خوب پھل ملا۔تو اپنے دوست سے باتوں میں کہنے لگا،میرے پاس تجھ سے مال زیادہ ہے، میرے لوگ زیادہ طاقت ور ہیں۔

جولوگ اللہ کے عطا کردہ مال کاشکریہ نہیں ادا کرتے، جولوگ اللہ کی عطا کردہ طاقت کاشکریہ نہیں ادا کرتے، وہ ان چیزوں کو اپنی کاوش کا نتیجہ جانتے ہیں۔وسعتِ مال اور طاقت کو اپنا امتیاز ثابت کرنے میں انہیں فرحت ہوتی ہے۔اور یوں وہ شیطان کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے عمل کا نام جو بھی رکھ لیں، ہو تا وہ خلافِ حق ہی ہے۔

حاصل: وسعتِ مال اور طاقت کو اپنا امتیاز ثابت کرنا قطعاً ناشکری ہے۔بندہ شیطان کی زبان میں بات کرنے لگے تو شیطان کو اپنے پیروکار نظر آنے لگتے ہیں۔

وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ﴿۳۵﴾

وہ اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا۔کہنے لگا، مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو۔

باغ والا اپنے دوست کو فخر کے ساتھ ہر ہر چیز دکھا رہا تھا، استکبار کا اظہار کر رہا تھا۔یہ اس کا اپنے اوپر ظلم تھا۔کہنے لگا، یہ باغ اس قدر پر بہار ہے، کہ میرے گمان میں یہ کبھی فنا نہ ہوگا۔اور یوں اس باغ کی بدولت قائم ہونے والا امتیاز بھی فنا نہ ہوگا۔

حاصل: اشیاء کی زینت اور زیبائش کے پیچھے اللہ کی قدرت کو بھی دیکھنا چاہئے، ورنہ رُخ درست نہیں رہ سکتا، صحیح نتیجے پر پہنچنے کا سوال پھر کب پیدا ہو سکتا ہے۔

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

اور مجھے گمان نہیں کہ ساعت قائم ہو، اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا، ضرور اس سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

باغ والے نے اپنے دوست سے کہا کہ میرے گمان میں نہیں آتا کہ قیامت قائم ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔اس لئے میں وہ کرتا ہوں جو مجھے اچھا لگتا ہے۔اور اگر قیامت قائم ہوئی اور مجھے میرے پالنے والے کی طرف لوٹا دیا گیا، تو وہاں مجھے اس سے بہتر باغ نصیب ہوگا۔یہاں بھی تو مجھے جو آسانیاں دی گئی ہیں میرے اچھے اعمال کی وجہ سے ہیں۔اگر اللہ مجھ سے خوش نہ ہوتا، تو یہ سب کچھ مجھے کیسے عطا فرما دیتا۔

حاصل: جزا کا یقین نہ ہو تو حسنِ عمل کی طرف نگاہ نہیں جا سکتی۔اور اگر نفس جزا کو ماننے پر مجبور ہو جائے تو اسے موجودہ سہولتیں اپنے استکبار کے باوجود، اللہ کا پیارا ہونے کا ثبوت نظر آنے لگتی ہیں۔اپنی خوبی اور بڑائی کو ثابت کرنا نفس کے لئے کبھی مشکل نہیں ہوتا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

اُس کے دوست نے اس سے بات کرتے ہوئے کہا، کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تجھے ٹھیک مرد بنایا۔

باغ والا جس سے اپنی فضیلت منوانے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے اسے جواب دیا کہ تو اپنی اصل حقیقت کی طرف نظر نہیں کر رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا جوڑا بنایا گیا۔ پھر بقاء نسل کے لئے مرد و عورت کے مادہ ہائے منویہ کے ملاپ کی صورت رکھی گئی۔ ان سب مقامات سے گزار کر اللہ نے تجھے ٹھیک مرد بنا دیا۔ جس وجود سے تم کام لے رہے ہو، تمہیں اس کے بارے میں علم ہی کیا ہے۔ یہ بہت بڑی ناشکری ہے کہ تم اپنے بنانے والے کا انکار کر رہے ہو، پالنے والے کا انکار کر رہے ہو۔

حاصل: جس توفیق کو اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے دکھایا جا رہا ہو، اس توفیق کے عطا کرنے والے کا ذکر کیے بغیر بات کبھی پوری نہیں ہوتی۔ انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے تو بعث بعد الموت کو ماننا آسان ہو جاتا ہے۔

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے، اور میں کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہیں ٹھہراتا۔

استکبار کرنے والے کو اس کے دوست نے یہ جواب دیا کہ میرا یہ کہنا ہے کہ اللہ ہی میرا پالنے والا ہے۔ وہی سب کا پالنے والا ہے۔ پالنے کا یہ علم اور کسی کو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کسی کو اپنے رب کا شریک ٹھہرانا بڑی جہالت کی بات لگتی ہے۔ کائنات کے نظام میں ربط کا ہونا، ہر شے کا اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنا، ہر ہر نوع کے لئے لوازمات ربوبیت کا صحیح وقت پر اہتمام اور بہت سی باتیں جن کے بارے میں حضرتِ انسان کو کچھ پتہ نہیں ہوتا، رب العالمین کے علم سے ہو رہی ہوتی ہیں۔

حاصل: بے ہودہ بات کرنے والے کے جواب میں اپنے احساس کو حُسن اور قوت کے ساتھ بیان کرنا چاہئے۔ ربوبیت کا علم رب العالمین کی شان کے لائق ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۚ ﴿۳۹﴾

اور جب تو اپنے باغ میں آیا تھا، تجھے کہنا چاہئے تھا، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہے، ہمیں کچھ قوت نہیں مگر وہی جو اللہ دے، اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کمتر دیکھ رہا تھا۔

شرک سے پاک رہنے والے صاحب نے یہ فرمایا، کہ مجھے مال و اولاد میں کمتر ہونے کا احساس دلانا اگر ضروری تھا تو یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ اللہ کی مشیت ہر مقام پر غالب ہوتی ہے۔ ہمیں جو قوت بھی حاصل ہوتی ہے، اللہ کی ہی دی ہوئی ہوتی ہے۔ کام ہمارے ذمے یہی ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔

حاصل: دوسروں کے مقابل اپنی برتری کا احساس خسارے کی طرف لے جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ کی عطا اور اس کی تائید کا ذکرِ خیر کرنا چاہیے، ورنہ نفس کے شح سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے، اور اس پر لُو کا ایک جھونکا آسمان سے بھیج دے، تو صبح کو وہ صاف میدان ہو۔

استکبار کرنے والے کو اس کے دوست نے یہ کہا کہ جس برتری کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تم شرک کے مرتکب ہو رہے ہو، وہ ہے تو اللہ کی عطا کردہ توفیق کی بدولت۔ اور جس نے تمہیں یہ کچھ دیا ہے، وہ مجھے اس سے بہتر دے سکتا ہے پھر تمہاری برتری کی حقیقت تم پر کھل جائے گی۔ وہ معطیٔ مطلق جس نے تمہیں یہ سب کچھ دیا ہے، قادرِ مطلق ہے اور اس سرسبز و شاداب باغ کو لُو کے ایک جھونکے کے ساتھ صاف میدان بنا سکتا ہے۔ اس کی قدرت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، اس کی مشیت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

حاصل: جس کو حقیر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، اللہ کی قدرت اس کی برتری کو منوا لیتی ہے۔ اللہ نے جو کچھ دیا ہے، وہ اسے واپس لینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

یا اس کا پانی صبح کو زمین میں نیچے چلا جائے، پھر اس کو پانے کی استطاعت بھی نہ رہے۔

زیرِ زمین پانی کو ایک خاص حد تک رکھنے سے، اللہ تعالیٰ زمین کی زینت و شادابی کو قائم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ زیرِ زمین پانی کو بہت نیچے لے جائے، تو کون ہے جو اس کا ہاتھ روک سکے اور کون ہے جو اس پانی کو اوپر لانے کی استطاعت کا دعویٰ کرے۔ یہ ایسی بربادی ہوگی کہ انسان کے پاس اس کا کوئی حل نہ ہوگا۔

حاصل: جس کے حکم سے آبادی ہے، اس قادرِ مطلق کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کو جو قوت بھی حاصل ہو، اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ استکبار کرنے والا جب اپنی عدم استطاعت کو دیکھتا ہے تو پھر وہ عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکتا۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور اس کے ثمر کا احاطہ کر لیا گیا، تو صبح وہ ہاتھ ملتا رہ گیا، اس مال پر جو اس میں لگایا تھا، اور وہ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا۔ اور کہنے لگا اے کاش میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔

رب العالمین کے علم سے پرورش ہو رہی ہوتی ہے۔ وہ جس مقام پر چاہے اسے روک بھی سکتا ہے۔ باغ جو ثمر پر آیا ہوا تھا اور جس کے بارے میں باغ والے کو یہ خیال تھا کہ یہ کبھی فنا نہ ہوگا، برباد ہو گیا۔ اور جس نے اس میں بہت خرچ کیا تھا، جو بڑی توقعات رکھتا تھا، اگلی صبح

کف افسوس مل رہا تھا۔ باغ کی بربادی کو دیکھنے کے بعد کہنے لگا، اے کاش میں نے کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہ کیا ہوتا۔ جس قادرِ مطلق نے یہ عطا کیا تھا، وہ اسے واپس لینے پر بھی قادر تھا، جس نے اسے سرسبز وشاداب کیا تھا وہ اسے برباد بھی کرسکتا تھا۔ عطا کے پیچھے معطیٔ مطلق کو نہ دیکھنا اور اسباب کو اہمیت دیتے چلے جانا شرک ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا چاہئے۔ عطا کے پیچھے معطیٔ مطلق کی شان کو بھی دیکھنا چاہئے ورنہ شرک ہوجائے گا، اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔

وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

اور اس کے پاس کوئی گروہ نہ تھا کہ اللہ کے مقابل اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا۔

جس کو یہ گمان تھا کہ اس کے پاس بہت مال ہے اور بہت کام کرنے والے ہیں، جب اس کے باغ پر بربادی کا مقام آیا تو اسے یہ نظر آیا کہ کوئی طاقت اللہ کے مقابل اس کی مدد نہیں کرسکتی۔ وہ خود بھی بدلہ لینے کے قابل نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے تو انسان کو اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ اس وقت وہ اپنے عجز کا اعتراف تو کرتا ہے، مگر وہ اعتراف اسے فائدہ نہیں دیتا، کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کے مقابل کوئی جماعت مددگار نہیں ہوسکتی۔ قوت تو اللہ کے ساتھ سے ہوتی ہے، جب اللہ سے مقابلہ ہو تو قوت کہاں سے آئے گی۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ع

ع ۵/۱۳ ۱۷

واضح ہوا کہ کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ ثواب بھی وہی بہتر ہے جو وہ دے اور انجام بھی وہی بہتر ہے جو وہ دکھائے۔

کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ وہی علیمِ مطلق ہے۔ وہی قادرِ مطلق ہے۔ مشیت بھی اسی کی غالب ہے۔ جو نتیجہ بھی نکلے اس کا مشیتِ الٰہی کے تابع ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اپنی کامیابی کا ذکر کرنے کی بجائے کارسازِ حقیقی کی شان کو بیان کرنا حق ہے۔ جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے وہ کسی کو بہتر نظر آئے تو اس کی نظر درست ہے، ورنہ درست نہیں ہے۔ جو اللہ کے دکھائے ہوئے انجام کو بہتر نہ جانے، وہ بے علم بھی ہے، بے حقیقت بھی ہے۔ اللہ سے بڑا ثواب دینے والا کوئی نہیں۔ اس سے بہتر انجام کوئی نہیں ہوسکتا، جو اللہ دکھائے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل: کارسازِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ اپنی کامیابی کی بجائے اللہ کی شان کو بیان کرنا چاہئے۔ اللہ سے بہتر انعام کوئی نہیں دے سکتا۔ اس سے بہتر انجام بھی کوئی نہیں دکھا سکتا۔ یہ معیار ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال (۸) میں ارشاد فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو قیدی آپ کے ہاتھ میں ہیں ان سے فرمادیجئے، اگر اللہ نے تمہارے قلوب میں بھلائی دیکھی تو جو تم سے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمہیں عطا فرمایا جائے گا اور اللہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور ان کے سامنے حیاتِ دنیا کی مثال بیان کیجئے کہ جیسے ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا، پھر سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا میں اُڑتا ہوا۔ اور اللہ ہر شے پر مقتدر ہے۔

حیاتِ دنیا کی مثال بیان فرمائی گئی ہے اور مقتدرِ اعلیٰ کی شان دکھائی گئی ہے، کہ جیسے بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کیا جائے اور اس سے خوب سبزہ پیدا ہو۔ یہ تازگی اور شادمانی مختصر وقت کے لئے ہوتی ہے۔ پھر اسی سبزے پر سوکھنے کا مقام آجاتا ہے، اور یہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ہوائیں اس کو اڑا لے جاتی ہیں۔ جس نے نہ ہونے سے ہونا بنایا تھا، وہ ہونے سے نہ ہونے تک سب مقامات لوگوں کو دکھا دیتا ہے۔ اقتدار اسی کے ہاتھ ہے، اقتدار اسی کے ہاتھ تھا اور اسی کے ہاتھ رہے گا۔ کوئی شے اور کوئی وقت، اللہ کے اقتدار سے باہر نہیں ہے۔

حاصل: حیاتِ دنیا کا عارضی ہونا حضرتِ انسان کے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ پھر فانی شے کو دائمی انعام کے مقابل اہمیت دینے سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو گی۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

مال اور بیٹے حیاتِ دنیا کی زینت ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیوں کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر ہے، اور انہی سے اچھی امیدوں کو وابستہ کیا جا سکتا ہے۔

مال اور بیٹے حیاتِ دنیا کی زینت ہیں۔ لوگ اس زینت سے شادمانی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اگر اللہ کی اس عطا کو اپنی خواہشات پر، اپنی غرض و غایت پر ہی لگایا جائے تو یہ اپنے اعمال کو ضائع کر دینے کی صورت ہو گی۔ اور اگر مال اور بیٹوں کو حق کے مطابق تصرف میں لایا جائے، تو یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہوں گی۔ ثواب دینے والا اللہ ہو گا، جو مالک کُل ہے۔ حق کی ادائیگی میں ذاتی بھلائی بھی ہوتی ہے۔ اچھی امید کا سب سے بلند مقام یہی ہے۔ مال کو اس طرح خرچ کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین کا اسوۂ حسنہ ہمیشہ ملحوظ رہے، اور بیٹوں کو اس راستے پر رکھا جائے کہ وہ من مانی کرنے کے مقابل خدمتِ خلق میں راحت پائیں، نیکی اور تقویٰ میں ہمیشہ معاون ہوں، گناہ اور زیادتی میں کبھی تعاون نہ کریں، تو یقیناً بہتر معاشرے کی امید کی جا سکتی ہے۔

حاصل: مال کو حق کے مطابق خرچ کرنا چاہیے۔ بیٹوں کو راہِ راست پر لگانا چاہیے۔ جو اعمال اللہ کی رضا کے لئے ہوں وہ باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔ ثواب بھی انہی کا بہتر ہے، بہتر انجام کی توقع بھی انہی سے کی جا سکتی ہے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ ﴿۴۷﴾

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو صاف میدان دیکھو گے اور ہم انہیں اکٹھا کریں گے پھر کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔

زینتِ زمین کو جس مقصد کے لئے رکھا گیا ہے، اس کے پورا ہونے کے بعد زمین کو صاف میدان کر دیا جائے گا، اور کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ امرِ الٰہی میں حائل ہو۔ اس دن سب انسانوں کو جمع کیا جائے گا۔ ایک آواز سے سب لوگ کھنچے چلے آئیں گے۔ جو لوگ آخرت کا انکار کرتے ہیں، وہ اس دن کو بہت بھاری جانیں گے۔ وہ مرسلین کی صداقت کو تو تسلیم کریں گے، مگر یہ تسلیم انہیں نفع نہ دے گی، کہ اصلاحِ حال کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا۔

حاصل: ہمارا کام کبھی بے مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ مقصود اللہ کی رضا ہو تو تائیدِ ایزدی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت صرف اور صرف حال ہوتا ہے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾

اور سب تمہارے ربّ کے حضور صفیں باندھے پیش ہوں گے۔ تم ہمارے پاس ویسے ہی آئے جیسے تمہیں پہلی بار خلق کیا تھا، بلکہ تمہیں زعم تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ نہ مقرر کریں گے۔

قلباً جس کو تسلیم کیا جائے عملاً اس کی صفات کو اپنایا جاتا ہے۔ جس کی صفات کو اپنایا جائے، اسی کی امامت قبول ہوتی ہے۔ مستقبل میں اسی امامت کے ساتھ رب کے حضور پیشی ہوگی۔ خلقِ اوّل میں بھی کسی کی پسند کو دخل نہ تھا، خلقِ آخر میں بھی کسی کی پسند کو دخل نہ ہوگا۔ منکرینِ حق کو گمان تھا کہ اللہ نے انہیں بے مقصد پیدا کیا ہے، اس لئے وہ جزا کا انکار کرتے تھے۔ مگر جزا کے انکار سے بعث بعد الموت کے وقوع کو محال نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

حاصل: جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اُسی مالکِ حقیقی کی طرف واپسی بھی ہوگی۔ نہ آنے میں ہماری پسند کو کوئی اہمیت حاصل تھی نہ واپس جانے میں ہماری پسند کو اہمیت حاصل ہوگی۔ عمل کی بنیاد اگر جزا کے انکار پر ہو تو عمل کرنے والے نے خود خسارے کو اپنے لئے پسند کیا ہے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ع ٦ ٥ ١٨

اور جب اعمال نامہ رکھا جائے گا، تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے ہوئے سے ڈر رہے ہوں گے۔ اور ان کا قول ہوگا، ہائے خرابی ہماری! یہ کیسی کتاب ہے، کہ اس نے نہ صغیرہ چھوڑا ہے اور نہ کبیرہ جسے سنبھال نہ لیا ہو۔ اور وہ اپنے کیے کو حاضر پائیں گے۔ اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

نامۂ اعمال مجرمین کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ یہ نشانی واضح کر دے گی، کہ خلافِ حق رُخ رکھنے والا اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ آگے عذاب ہے، واپسی کی کوئی راہ نہیں۔ بھاگ جانا ممکن نہیں۔ اپنے اعمال کو اس طرح دیکھ کر کہ وہ بالکل پوری طرح ان کے سامنے

ہوں گے، بڑا ڈر پیدا ہوگا۔ اور وہ کہیں گے، ہائے خرابی ہماری، اس نوشت میں تو سب کچھ پورا پورا درج ہے۔ جزا کا انکار مجرم کے اعمال کی بنیاد ہوتا ہے۔ جب جزا کا انکار محال ہو جائے تو منکر کا کیا دھرا سب اس کے لئے دُکھ بن جائے گا۔ رب لوگوں کو پالتا ہے، ظلم اس کی شان کے لائق ہی نہیں، لوگ خلافِ حق کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: مجرم حال پر بھی اپنے اعمال کے انجام سے ڈرتا ہے اگر اسے جزا کا یقین ہو، آخرت میں تو اسے سزا سے بچانے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔ ہمارا معاملہ کہیں بھی خلافِ حق نہیں ہونا چاہیئے۔

شہادت: ابلیس کا یہ کہنا کہ وہ سب کو بہکائے گا، سوائے مخلصین کے، مجرمین کے بارے میں سچ ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰﴾ اور بے شک ابلیس نے اپنا گمان سچ کر دکھایا، تو انہوں نے اس کی پیروی کی، سوائے مومنین کے فریق کے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ یہ جنوں سے تھا، تو اس نے اپنے رب کے امر سے فسق کیا۔ تو کیا اس کو اور اس کی ذریّت کو میرے مقابل دوست ٹھہراتے ہو، اور وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کو کیا ہی برا بدل ملا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے فرشتوں پر واضح فرمادیا تھا، کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا جائے گا۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دی جانے والی توفیق دیکھتے ہوئے یہ کہا کہ اس سے تو زمین میں ناحق خون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ 'مجھے خوب علم ہے، تمہیں علم نہیں۔' (۲:۳۰) جب فرشتوں کو امر دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔ ابلیس بھی امرِ الٰہی کا سننے والا تھا مگر اس نے سجدہ نہ کیا۔ یہ جنوں سے تھا۔ اس نے حکمِ الٰہی کو سنا، مگر تعمیل کی بجائے اپنی پسند کو اہمیت دی۔ یہ پہلی منافقت تھی۔ یہ پہلا فسق تھا۔ جب ابلیس کو رجیم قرار دیا گیا اور وہ مردود ٹھہرایا گیا تو اس نے کہا کہ مجھے مہلت ملی تو آدم علیہ السلام کی اولاد کو پیس ڈالوں گا۔ ابلیس کی انسان دشمنی کے بارے میں کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ اگر حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دی جائے گی، تو یہ اللہ کے مقابل ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بنانے والی بات ہوگی۔ اس کا انجام خسارہ ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ رحم کرنے والا، محبت کرنے والا ہے۔ اس کے مقابل جس نے ہم سے دشمنی کو مقصدِ حیات بنا لیا ہے، اس کی دوستی سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بہترین کے مقابل بدترین کو اپنانے والی بات ہے۔ ظالموں کے لئے کیا ہی بُرا بدل ہے۔

حاصل: حق کو ماننا ضروری ہے۔ حکم کے سننے کے بعد صرف تعمیلِ حکم کا وقت ہوتا ہے۔ حکمِ حق میں اپنی پسند کو داخل کرنا فسق ہے۔ یہ اللہ کے مقابل شیطان کی دوستی کو پسند کرنے والی بات ہے، بہترین کے مقابل بدترین کا انتخاب ہے اور انتہائی ظلم ہے۔

مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

نہ میں نے انہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر شاہد بنایا تھا نہ خود ان کی اپنی تخلیق پر، اور میں وہ نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنالوں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آسمانوں اور زمین کا مقصدِ تخلیق پہلے متعین کیا گیا، بعد میں ان کی تخلیق ہوئی۔ خود حضرت انسان کا مقصد تخلیق پہلے متعین ہوا، تخلیق بعد میں ہوئی۔ کس کو یہ دعویٰ ہے کہ اسے تخلیق کے عمل میں شریک کیا گیا ہے یا اسے مشیر کار بنایا گیا ہے۔ جب یہ دعویٰ ہی کسی کے بس کی بات نہیں تو پھر اللہ کے شریک ٹھہرانے کی صورت کیسے پیدا ہو جائے گی۔ حق کی راہ دکھانے والے اور حق کی راہ سے بہکانے والے برابر نہیں ہوتے۔ پاک اور ناپاک برابر نہیں ہوتے۔ ناپاک کو اللہ کا ساتھ نصیب ہو یہ ناممکن ہے۔ پاک لوگوں کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، ناپاک لوگوں کو اللہ کی رضا سے کراہت ہوتی ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے خلاف کرتے ہیں، لوگوں کو حق کی راہ سے بہکاتے ہیں، انہیں قربِ الٰہی کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاصل: کسی شے کو اسی مقصد کے مطابق استعمال کرنا چاہئے جس کے لئے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو کبھی مدد نہیں دینی چاہئے۔ ان سے کبھی مدد لینی بھی نہیں چاہئے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے۔

وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾

اور جس دن فرمائے گا، پکارو میرے شریکوں کو جن کا تمہیں زعم تھا، تو وہ انہیں پکاریں گے، پھر وہ انہیں جواب نہ دیں گے، اور ہم ان کے مابین ہلاکت کی خلیج ٹھہرادیں گے۔

جزا کے دن، منکرینِ حق سے فرمایا جائے گا، جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں، اس وقت انہیں پکارو۔ مشرک اپنے معبودوں کو پکاریں گے، مگر انہیں جواب نہیں ملے گا۔ اس دن تو کسی کی مجال ہی نہ ہوگی کہ وہ اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کرے۔ مشرک اپنے معبودوں کو پکار کر ان سے اپنے تعلق کو تسلیم کریں گے، ان کے معبود جواب نہ دے کر اس تعلق کی نفی کرنے کی راہ لے رہے ہوں گے۔ مشرکین اور ان کے معبود جس رفاقت کو بڑی اہمیت دیتے تھے، وہ رفاقت بے حقیقت ہو جائے گی، اور ان دونوں کے مابین ہلاکت کی خلیج حائل ہو جائے گی۔ انسان جب بھی خلافِ حق کرتا ہے تو اسے اپنے اختیار اور اقتدار کا زعم ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کی عطا یہ دیکھنے کے لئے ہوتی ہے کہ بندہ کون سا رُخ اختیار کرتا ہے۔ جو رُخ اختیار کرے اسی کی جزا پاتا ہے۔

حاصل: اپنے اختیار کو، اپنے اقتدار کو خلافِ حق استعمال کرنا، خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ جزا دینے والے کی قدرت ہر مقام پر محیط ہے۔

وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ النَّارَ فَظَنُّوۡۤا

اور مجرم آگ کو دیکھیں گے، تو سمجھیں گے کہ

اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ﴿۵۳﴾ع
انہیں اس میں گرنا ہے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

ع ۱۹

جزا کا دن مجرمین پر بھاری ہوگا۔ جب وہ جہنم کو دیکھیں گے تو انہیں سمجھ آ جائے گی کہ یہی جگہ ہے جس میں انہیں گرنا ہے، اور اسی جگہ کے متعلق مرسلین نے آگاہ کیا تھا۔ یہاں سے راستہ بدل کر نکل جانا ممکن نہ ہوگا۔ متوقع سزا سامنے ہو، بچ جانا ناممکن ہو، تو سزا کے وارد ہونے سے پہلے بھی جو دکھ پہنچتا ہے اس کو کسی پیمانے سے ناپا نہیں جا سکتا۔

حاصل: جزا کا یقین نہ ہو تو اپنے رویئے میں احتیاط کہاں سے آئے گی۔ ایسا انسان جزا کو سامنے پا کر اور بچ جانے کو ناممکن دیکھ کر بڑے دکھ میں پڑتا ہے۔ جو راستہ بھی اختیار کیا جائے، اس کے درست ہونے کا یقین ہونا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾ جو نیکی لائے، اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو بدی لائے تو بدکاروں کو بدلہ نہ ملے گا مگر جو انہوں نے کیا تھا۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِلنَّاسِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ اَكۡثَرَ شَىۡءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾
اور بے شک ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال طرح طرح سے بیان فرمائی۔ اور انسان سب چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

علم الٰہی سے بڑا کوئی علم نہیں ہے، اس لئے انسانی بھلائی کے لئے اللہ سے بڑی بات کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حضرت انسان اللہ کے فرمان کو اہمیت نہ دینے سے الجھتے چلے جا رہے ہیں۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اجتماعی فساد، انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ تب انسان کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ انسان کے پاس، اس کے گمان سے پیدا ہونے والے علوم کی روشنی میں، انسانی زندگی کے مسائل خصوصاً اجتماعی مسائل کا حل نہیں ہے۔ تب وہ علم الٰہی کو مانے گا۔ پھر ایسے مانے گا، جیسے ماننے کا حق ہے۔ خالقِ کُل کو انسان سے کتنا پیار ہے، انسان کو اپنے تجربات کے حوالے سے اس کا کچھ بھی علم ہو جائے تو رضائے الٰہی کے خلاف کرنے سے اسے ہمیشہ کراہت ہو۔ خطا کے بعد جو فوراً گرفت نہیں کرتا، بچ جانے کی مہلت بھی دیتا ہے، مہربانی اور رحم بھی کرتا ہے، اس سے بڑا انسان کا دوست اور بہی خواہ کوئی نہیں ہے۔ جو ہمارے عمل کی طرف نہ دیکھے، اپنے کرم کی طرف ہی دیکھے، اس سے بڑا کریم کوئی نہیں ہے۔ انسان جب بھی اپنے علم کے حوالے سے، اپنی پسند کے حوالے سے حق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ جھگڑا کرتا ہے۔ انسان کے لئے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم علم مطلق سے ہے۔ انسان اسے جاننے کی کوشش جتنی بھی کرے الجھتا ہی چلا جائے گا، اور بے یقینی وسیع ہوتی جائے گی۔ حق کو ماننے سے جو پتہ چلے گا، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے۔ انسان اپنے علم کے پیمانے سے حق کو جانچنے کی کوشش کرے، تو یہ بڑی بے سمجھی کی بات ہے۔ یہی بے سمجھی جھگڑے کی جان ہوتی ہے اور انسان اپنی اس بے سمجھی کو اپنا کمال جانتا ہے۔

حاصل: اللہ کی بیان کردہ ہر مثال میں حکمت موجود ہوتی ہے، علم موجود ہوتا ہے۔ حق کو ماننے سے ہی حکمت و علم

کو پانا ممکن ہوتا ہے۔کبھی اپنے گمان کو، حق کے جانچنے کے لئے پیمانہ نہیں ٹھہرانا چاہئے۔جھگڑے کی بنیاد معلوم ہو تو جھگڑا ختم ہوسکتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

اور کس نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا، جب ہدایت ان کے پاس آئی کہ وہ اپنے رب سے استغفار کرتے، مگر یہ کہ پہلوں کا دستور آئے یا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔

لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوتی رہی ہے کہ بشر کیسے رسول ہوسکتا ہے، بشریت کے تقاضے اللہ کی بندگی کے ساتھ میل نہیں کھاتے۔مگر پہلے بھی بشر ہی رسول ہوتے رہے ہیں۔بشر ہی انسانوں کے لئے کامل نمونہ ہوسکتا ہے۔ہدایت کا انسان کی زندگی میں لانا، اللہ کی شان ہے۔اللہ سے بخشش طلب کرتے ہوئے اس ہدایت سے فیض پانا بندے کا کام ہے۔اگر لوگ غفلت کا مظاہرہ کریں تو پھر وہ اسی انتظار میں ہیں کہ جو پہلے منکرین حق کے ساتھ ہو چکا ہے، وہ ان کے ساتھ بھی ہو۔یا عذاب کے انتظار میں ہیں، جو ان کے سامنے آ کھڑا ہو اور انہیں اپنی حیثیت کا پتہ لگ جائے۔مگر اس وقت حق کو ماننا فائدہ نہ دے گا۔نفس کا مزاج یہی ہے کہ انسان کو انعام کی طرف جانے نہیں دیتا، خواہشات میں الجھائے رکھتا ہے۔اگر انعام کا مقام اسے آتا دکھائی دے، تو بڑے انعام سے روکتا ہے، چھوٹے کی طرف رُخ کرتا ہے۔عقل کا تقاضا یہی ہے کہ بڑے فائدے کے حصول کے لئے چھوٹے فائدے کو قربان کر دیا جائے۔لوگوں کو حق کی عظمت کا پتہ حق والوں سے ہی لگ سکتا ہے، اس لئے کہ حق والے کبھی اپنی بات نہیں کرتے۔ان کا کردار، ان کا اخلاق اپنے شاہد کے حوالے سے ہوتا ہے۔

حاصل: ہدایت کا لوگوں کے سامنے لانا، اللہ کی شان ہے۔بخشش طلب کرتے ہوئے، اس سے استفادہ کرنا بندوں کا کام ہے۔غفلت کے معنی یہی ہیں کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اور ہم مرسلین کو بشارت دینے والے اور ڈرسنانے والے ہی بنا کر بھیجتے ہیں۔اور کفر کرنے والے باطل کے حوالے سے جھگڑتے ہیں، کہ اس سے حق کو ہٹا دیں۔اور انہوں نے میری آیات اور جو ڈرا نہیں سنائے گئے، کا مذاق اڑایا۔

مرسلین ہمیشہ حق پر قائم رہنے والوں کو ان کے نیک انجام کی بشارت دیتے رہے ہیں، خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے برے انجام سے ڈراتے رہے ہیں۔کافروں کا جھگڑنا باطل دلائل کے ساتھ ہوتا ہے۔وہ باطل کی تکرار سے حق کو ڈگمگانے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جس انجام سے اُنہیں ڈرایا جاتا ہے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔مذاق اڑانے سے حقائق بدل نہیں جاتے، مذاق اڑانے والے ضرور اپنے غیر سنجیدہ رویئے کی وجہ سے خسارے کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

حاصل: مرسلین کی بات سند ہوتی ہے۔کافروں کے دلائل ہمیشہ بے سند ہوتے ہیں۔مذاق اڑانے سے حقائق بدل نہیں جاتے۔ہمیں اپنے رویے کو اس آئینے میں دیکھنا چاہئے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون، جس کے سامنے اس کے رب کی آیات کا ذکر کیا جائے تو وہ ان سے اعراض کرے، اور اسے بھول جائے جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔بے شک ہم نے ان کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

خلاف حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے۔اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے والا اور انذار کا استہزاء کرنے والا اظلم ہوتا ہے۔ظالم سے ہی اظلم بنتا ہے۔جب اس کے سامنے اس کے رب کی آیات کا ذکر ہوتو وہ اعراض کرتا ہے۔جزا کے انکار کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنا کیا ہوا بھول جاتا ہے۔ایسے لوگوں کے قلوب پر غلاف ٹھہرا دیئے جاتے ہیں۔وہ حق سے کراہت کرنے کی وجہ سے صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔حق کو سننا بھی انہیں پسند نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا جائے تو وہ کبھی ہدایت نہیں پاتے۔جو فاسق ہو جائے اسے ہدایت دینا ناممکن ہوتا ہے۔ہدایت سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جسے فلاح کی طلب ہو۔

حاصل: اپنے رب کی آیات کو سن کر ان سے اعراض کرنے والا اور اپنے کیے کے انجام سے غافل رہنے والا اظلم ہوتا ہے۔جو قلب سمجھ سے عاری ہو جائے، جو کان حق کو سننے سے انکاری ہو جائے، ان سے صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کبھی مدد نہیں ملتی۔اپنے قلب اور کان کی حفاظت کرنی چاہئے کہ یہ حق سے مانوس رہیں۔

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

اور تمہارا ربّ بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔اگر وہ انہیں ان کے کسبوں پر پکڑتا تو انہیں جلد عذاب کرتا۔بلکہ ان کے لئے ایک وعدہ ہے، جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی خطاؤں پر جلدی نہیں پکڑتا، بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے۔اس مہلت میں وہ تدبّر کر سکتے ہیں، تفکر کر سکتے ہیں۔دیکھ سکتے ہیں، انہیں کیا کرنا چاہئے تھا اور انہوں نے کیا کیا ہے۔اگر وہ تلاوت الوجود سے اپنی خطاؤں پر نادم ہوں، بخشش کے طالب ہوں، تو اللہ ان کو بخش دیتا ہے اور انہیں اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔اگر کوئی خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا لے، تو عذاب میں تاخیر ایک معین وعدہ تک ہوتی ہے۔کسی مجرم کی یہ مجال نہیں کہ سزا کا وقت آنے سے پہلے ادھر اُدھر ہو جائے، یا کہیں پناہ پکڑ لے۔عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا

نفع نہیں دیتا۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا نہیں ہوتا، اور عمل کے لیے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو تو سچا ثابت ہونا ناممکن ہوتا ہے، اس لئے ایسے وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

حاصل: لوگوں کی خطاؤں پر گرفت کرنے میں اللہ کی سنت کو معیارِ مطلق جاننا چاہئے۔ جلد بازی اللہ کو پسند نہیں۔ خطا کے بعد جو اصلاح حال کی طرف آجائے اسے معاف بھی کرنا چاہئے، ممکن سہولت بھی دینی چاہئے۔ اللہ کی گرفت سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا، اور یہ گرفت ہمیشہ اتمامِ حجت کے بعد ہوتی ہے۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع ۸/۶/۲۰

اور یہ بستیاں ہم نے ان کے ظلم کی بدولت ہی ہلاک کیں، اور ہم نے ان کی ہلاکت کا وعدہ ٹھہرا رکھا تھا۔

خلافِ حق کرنا ظلم ہے۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جس بستی میں ظلم لوگوں کا معمول ہو جائے وہ ہلاکت کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاکت کے وعدے سے پہلے اتمامِ حجت ضرور کیا جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے کسی بستی کی حیثیت ہی کیا ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے کو باعثِ ہلاکت جاننا چاہئے۔ بستی کی اجتماعی بھلائی سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ جہاں ظلم ہوگا، وہاں ہلاکت کا وعدہ بھی پورا ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء (۲۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہ کی، جسے ڈرسنانے والے نہ ہوں۔ نصیحت کے لئے۔ اور ہم ظلم نہیں کرتے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے فرمایا، میں مجمع البحرین پر پہنچے بغیر نہ رہوں گا چاہے مدتوں چلنا پڑے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا گیا تھا کہ جن صاحب سے آپ ملنا چاہتے ہیں ان سے آپ کی ملاقات دو دریاؤں کے سنگھم پر ہوگی۔ آپ نے اپنے خادم کو مذکورہ مقام پر پہنچنے کے لئے اپنے ارادے کے متعلق بتایا اور اسے احساس دلایا کہ یہ سفر بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ مدتوں چلنا پڑے تو بھی حصولِ مقصد کے لئے چلنا ہے۔ جو ساتھی سفر کی صعوبت کے پیشِ نظر کم ہمتی کا مظاہرہ کرے، اس کی ہمراہی خلافِ حکمت ہوتی ہے۔

حاصل: سفر میں ساتھی کا ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ساتھی کو سفر کی طوالت اور صعوبت کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہے۔ ہمراہی کو اپنے صاحب کے ساتھ سکھ دینے کے ارادے سے رہنا چاہئے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پھر جب دونوں، دریاؤں کے ملاپ کے مقام پر پہنچے اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے دریا میں سرنگ بناتے ہوئے راہ لی۔

مقام مطلوب پر پہنچنے کے لئے جو نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان ساتھی کو بتائی تھی وہ دو دریاؤں کے ملنے کا مقام تھا، اور یہ مقام بھی وسیع علاقے پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ دوسری نشانی کا جو علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھا، آپ کے خادم کو نہیں تھا۔ مچھلی کا دھیان رکھنے کی بات اس نے ضرور سنی تھی۔ خادم نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے سامنے مچھلی، جو وہ بطور خوراک اپنے ساتھ رکھتے تھے، زندہ ہوگئی اور دریا میں اچھل کر گری اور پانی میں اپنا راستہ بناتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ واقعہ بہت عجیب تھا۔ خادم اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا، مگر بھول گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استراحت سے بیداری کے بعد مستعد خادم نے سفر کو معمول کے مطابق شروع کرنے میں دیر نہیں کی، اور مچھلی کے دریا میں چلے جانے کا واقعہ بیان کرنا اسے یاد نہ رہا۔

حاصل: ساتھی کو اپنے صاحب کے سامنے اپنے مشاہدات کو بیان کرتے رہنا چاہئے۔ جو علم صاحب کو ہوتا ہے وہ ساتھی کو نہیں ہوتا۔ خدمت کرنے والے کو، اپنے صاحب کی نظر سے دیکھنے کا علم نہ ہو تو کوتاہی ضرور ہوتی ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ٘ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

پھر جب وہاں سے گزر گئے تو آپ نے اپنے خادم سے فرمایا، ہمارا کھانا لاؤ، بے شک ہمیں اپنے اس سفر میں تکلیف کا سامنا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی مدد اتنے طریقوں سے کی جاتی ہے، کہ ان سب کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں پر بھوک کا احساس اور تھکن کا احساس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بہت بڑی مدد تھی۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا، بھوک بھی ہے، تھکان بھی محسوس ہو رہی ہے، یہاں کھانا کھانے کے لئے رک جانا چاہئے۔

حاصل: اللہ جتنے علم سے بندے کی مدد کرتا ہے، وہ علم کسی دوسرے کو ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے اللہ کی مدد سے بڑی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ حال پر اللہ کی مدد سے فائدہ اٹھانا بندے کا کام ہوتا ہے۔ سفر میں ساتھی اور سامان سفر لازم ہیں۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ٘ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

عرض کرنے لگا، دیکھئے جب ہم چٹان کے پاس رُکے تھے، تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا، اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ اس کے بارے میں آپ سے عرض کروں، اور عجیب بات ہے کہ اس نے دریا میں اپنی راہ لی۔

کھانا لانے کے حکم کو سن کر خادم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے معذرت پیش کی اور یہ کہا حضرت جب ہم چٹان کے پاس

رکے تھے، اور آپ کو یاد ہے وہ کیسی جگہ تھی، وہیں یہ عجیب واقعہ میرے مشاہدے میں آیا، کہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی۔ مجھے اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرنا تھا، میں بھول گیا۔ مجھے شیطان ہی نے اس واقعے کا آپ کی خدمت میں عرض کرنا بھلا دیا۔

حاصل: خادم کو اپنے معمول کے کاموں کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جو اہم واقعات اس کے سامنے آئیں، ان کا ذکر اپنے مخدوم سے اولین فرصت میں کرے، منشاء حصولِ علم ہونا چاہئے۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

فرمایا یہی تو ہم چاہتے تھے۔ تو وہ اپنے قدموں کے آثار پر پیچھے پلٹے۔

مچھلی کے بارے میں خادم کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، یہی تو ہمارے لئے حصول مقصد کی علامت ہے۔ جہاں یہ عجیب واقعہ تمہارے دیکھنے میں آیا ہے، وہیں ہماری ملاقات ان صاحب سے ہوگی جن کی طلب ہمیں یہاں لائی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قدموں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے واپس ہوئے، اور احتیاط سے اسی مقام پر آئے جہاں مچھلی نے پانی میں راہ لی تھی۔

حاصل: مطلوبہ مقام کی علامت کو یاد رکھنا چاہئے۔ جب یہ یقین ہو کہ وہ مقام پیچھے رہ گیا ہے تو احتیاط سے اس مقام پر واپس جانا چاہئے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

پھر ہمارے عباد سے ایک عبد کو پایا، جسے ہم نے اپنی رحمت اور علم لدنی سے نوازا تھا۔

یہ صاحب جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے کی طلب تھی، حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے بندوں میں سے ایک بندہ فرمایا ہے۔ یہ حضرت اللہ کی رحمت اور علم لدنی سے نوازے گئے تھے۔ اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اشیاء کو یہ انتظار ہو کہ اللہ کا بندہ انہیں استعمال میں لائے گا، بندے کو یہ اطمینان ہو کہ جو کچھ موجود ہے، ضرورت اس کے مقابل میں بہت ہی کم ہے۔ علم لدنی وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جسے چاہے عطا فرماتا ہے، اور جہاں اللہ چاہے وہ اس علم کا استعمال کرتے ہیں۔ اس علم سے جو عنوان رکھ دیا جائے، وہ ہمیشہ پورا رہتا ہے۔

حاصل: حضرت خضر علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے بندوں سے ایک بندہ فرمایا ہے۔ دو انعامات سے ان کو نوازا گیا ہے: اللہ کی رحمت اور علم لدنی۔ ان کے بارے میں ان کا مقام متعین کرنے کی باتیں غیر ضروری ہیں۔ ایسے حضرات کے متعلق یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ ان کے کام میں رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہوتا، وہ جو کرتے ہیں حکمِ الٰہی سے کرتے ہیں۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے آپ سے کہا، کیا میں آپ کا اتباع کروں، اس پر کہ آپ مجھے تعلیم فرما دیں گے جو علم رشد آپ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے بعد، اپنی آمد کا منشاء بیان کیا۔ مقصد حصول علم تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس علم رشد کے قدر دان تھے اور اس علم کے حصول کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کی پیروی کے لئے تیار تھے۔ جس سے علم حاصل کرنا مقصود ہو، اس کی پیروی کرنا لازم ہوتا ہے۔

حاصل: کسی صاحبِ علم کے پاس حاضری کا شرف حاصل ہو، تو حصولِ علم کی درخواست کرنی چاہئے۔ سیکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سکھانے والے کی پیروی کی جائے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ جواب دیا، آپ کے لئے میری معیّت میں صبر کے ساتھ رہنا مشکل ہوگا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا، اس علم کے حصول کی طلب یقیناً آپ نے ظاہر کی ہے، مگر میرے ساتھ رہتے ہوئے آپ کے مشاہدے میں ایسے امور آئیں گے جہاں آپ کو میرا عمل کہیں حق کے مطابق نظر آئے گا، کہیں حق کے خلاف نظر آئے گا۔ جہاں آپ کو میرا عمل خلافِ حق معلوم ہو وہاں سکوت اختیار کرنا آپ کے لئے بہت مشکل ہوگا، اس لئے کہ آپ کا منصب ہی ایسا ہے۔

حاصل: جو خلافِ حق امور کو روکنے پر مامور ہو، اس کے لئے کسی واجب الاحترام کے بظاہر خلافِ حق عمل کو دیکھ کر بھی سکوت اختیار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ عہدے کا اثر مزاج پر ہوتا ہے۔

وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ اور اس بات پر کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ علم میں نہیں ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مرتبے کے حوالے سے انہیں کسی فرد یا جماعت کی بظاہر حق تلفی کو دیکھ کر حدودِ شرعی کے مطابق بات کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا واسطہ ہی بہت کم لوگوں سے ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرتے ہیں، امرِ الٰہی سے کرتے ہیں۔ حکمت اس میں ضرور ہوتی ہے۔ اس حکمت کا پتہ ابتداً اسی کو لگ سکتا ہے، جس کو اللہ پتہ دینا چاہے۔ کسی واقعہ پر بندے کا ردِ عمل، اس کے موجودہ علم کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔

حاصل: اپنے علم کے حوالے سے بات کرتے ہوئے یہ کہنا چاہئے، کہ اللہ سب سے بڑا جاننے والا ہے، اور بندہ صرف وہی جانتا ہے جس کی اسے توفیق دی گئی ہے۔

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ کہا عنقریب انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی امر کے خلاف نہ کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا، آپ کے ساتھ صبر سے رہنا یقیناً آسان نہیں ہے، اللہ نے چاہا تو میں اپنے صبر کا ثبوت دوں گا اور آپ کے کسی امر کے خلاف نہیں کروں گا۔ آدابِ معیت یہ ہیں کہ حق کا طالب اپنے مطلوب کے پاس پہنچنے تک متحرک رہے۔ مطلوب کے پاس پہنچ کر اس کی پسند سا کن ہو جائے۔ مطلوب کی بات اس کی سمجھ میں آجائے تو شکر کرے، نہ آئے تو صبر کرے۔ اور

اس صبر کے معنی یہ ہوں کہ بات مخلص کی ہے، اس لئے خلاف حق نہیں ہو سکتی، مجھ پر واضح ہونے کا مقام آئے گا تو واضح ہو جائے گی۔ اپنے مطلوب کے امر کے خلاف کرنا، ادب کے منافی ہے، اور ادب حصول علم کے لئے لازم ہے۔

حاصل: مطلوب کی معیت میں رہنے کے آداب یہ ہیں، کہ اس کی بات سمجھ میں آجائے تو شکر کیا جائے، سمجھ میں نہ آئے تو صبر کیا جائے اور ادب سے اس کے احکام کو مانا جائے۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ع ۹/۱۱ ۲۱

کہا، اگر آپ میرا اتباع کرتے ہیں تو کسی شے کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے، حتیٰ کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا، اگر آپ میرے ساتھ رہنے پر مصر ہیں تو یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ کسی شے کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے، دیکھتے چلے جایئے۔ جب میں آپ سے کسی شے کا ذکر کروں تو یقیناً وہ وقت ہو گا جب آپ مزید وضاحت کے لئے سوال کر سکتے ہیں۔

حاصل: سکھانے والا جب عمل کر رہا ہو، تو اس کو دیکھتے رہنا چاہئے۔ سوال اسی وقت کرنا چاہئے جب سکھانے والا خود اس بات کا ذکر کرے جس کو جاننا مطلوب ہو۔ عمل میں بولنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر (۳۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّھُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾ اور بے شک ہم نے اس قرآنِ پاک میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی کہ کسی طرح وہ نصیحت مانیں۔

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَھَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَھَا لِتُغۡرِقَ اَھۡلَھَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾

اب دونوں چلے، حتیٰ کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، جس میں اس بندے نے شگاف کر دیا۔ کہنے لگے کیا آپ نے اس میں اس لئے شگاف ڈالا ہے کہ اس کے اہل کو غرق کر دیں، بے شک یہ تو بڑی سخت حرکت ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر شروع ہوا۔ آدابِ معیت واضح ہو چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اتباع کے عزم کے ساتھ سفر شروع کرتے وقت یہ نہیں پوچھا کہ حضرت ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں، کتنی دیر کا سفر ہو گا، یا جو بھی ممکن سوالات ہو سکتے تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے مطابق کوئی سوال نہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں شگاف ڈال دیا جس میں آپ سوار ہوئے۔ اس کشتی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کچھ دوسرے لوگ بھی سوار تھے، یہ سب اہلِ کشتی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عمل سے اس قدر تکلیف ہوئی کہ آپ بول اٹھے، یہ کیا حرکت ہے، اس سے تو لوگوں کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منصب ہی ایسا تھا کہ وہ لوگوں کو احسان کی تعلیم دیتے تھے، خلافِ حق کرنے سے روکتے تھے۔ اچانک ایک ناگوار عمل کو دیکھ کر آپ بول اٹھے

اور وہ عہد جو خاموش رہنے کے حوالے سے آپ نے کیا تھا، یاد نہ رہا۔

حاصل: سفر میں امامِ سفر کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ جو امیر ہو، حاکم ہو، اس کے حکم کی اطاعت میں اپنی پسند کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ خلافِ حق عمل کو دیکھ کر خاموش رہنا اسی وقت گناہ ہے، جب عامل کے مخلص ہونے کا یقین نہ ہو، اور یہ احساس بھی ہو کہ خاموش رہنے کی وجہ سے دیکھنے والا بھی اس عمل میں شریک ہو گیا ہے۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾

کہا، کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ کو میری معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہوگی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبصرے کے جواب میں صرف یہ کہا، کہ میں نے تو یہی کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر سے رہنا آپ کے لئے مشکل ہوگا۔ جس کے خلوص کا اعتراف ہو، حال پر اس کا عمل خلاف حق بھی نظر آئے تو یہی کہنا درست ہوتا ہے، کہ یہ مقام میرے احاطۂ علم سے باہر ہے اس لئے اس مقام پر خاموش رہنا بہتر ہے۔

حاصل: اگر ساتھی کو صبر کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہو، تو اسے یاد دلانا چاہئے کہ موجودہ صورتِ حال کے بارے میں اس کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِىۡ بِمَا نَسِيۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِىۡ مِنۡ اَمۡرِىۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾

کہا، میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے، اور میرے کام کو مشکل نہ بنائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عہد یاد آیا تو فوراً آپ نے یہ کہا، میری بھول پر مواخذہ نہ کیجئے اور میرے کام کو مشکل نہ بنائیے۔ سکھانے والے کی مہربانی سے ہی ساتھ کو نباہنا ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: بھول ہو جائے تو اعتراف میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور طالب علم کو آسانی کے لئے درخواست بھی کرنی چاہئے۔

فَانۡطَلَقَا ۫ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـًٔـا نُّكۡرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے، حتیٰ کہ ایک لڑکے سے ملے۔ اس بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ کہا، کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا ہے، بیشک آپ نے ممنوعہ کام کیا ہے۔

کشتی کے واقعہ کے بعد پھر دونوں حضرات چلے، اور ایک لڑکے سے ملے۔ حضرت خضر علیہ السلام تو جیسے اس لڑکے کی تلاش میں تھے، آپ نے اس لڑکے کو مار دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے، یہ آپ نے کیا کیا ہے۔ اس لڑکے کو بغیر کسی جواز کے قتل کر دینا

یقیناً بُری بات ہے۔ظلم یہ ہے کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے خلافِ حق کیا جائے۔ظلم کی بہت سی مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشاہدے میں آچکی تھیں اس لئے ماضی کا علم آپ کی زبان پر آ گیا۔

حاصل: خلافِ حق کرنا اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے کوئی کام کرنا، پاک بندوں کی شان کے منافی ہوتا ہے۔

الجزء ۱۶

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

کہا، کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ کو ہرگز میری معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہوگی۔

لڑکے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبصرے کے جواب میں حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کہا، کہ کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ میرے ساتھ صبر سے رہنا آپ کے لئے بہت مشکل ہوگا۔حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کا عہد یاد نہیں دلایا، اپنا بیان یاد دلایا ہے۔

حاصل: جس کی حسنِ نیت کا یقین ہو اس کے رویئے میں تضاد ثابت کرنا خلافِ ادب ہے۔اپنے بیان کے حوالے سے بات کرلی جائے تو یہ خلافِ ادب نہیں ہے، اور اس سے منشاء بھی پورا ہو جاتا ہے۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ ۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

کہنے لگے، اس کے بعد کسی شے کے بارے میں آپ سے سوال کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیئے، بیشک میری طرف سے آپ کا عذر پورا ہو چکا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، دو بار بھول ہو چکی ہے، آپ نے مہربانی فرمائی ہے، اس کے بعد اگر کسی شے کے بارے میں آپ سے سوال کروں تو میرا آپ کا ساتھ ختم ہو جائے گا، آپ کی طرف سے بات پوری ہو جائے گی۔

حاصل: اگر طے کردہ اصول معیت کو نباہنا مشکل ہو رہا ہو، تو پھر یہی کہہ کر مزید ساتھ کی درخواست کی جاسکتی ہے کہ اس کے بعد اگر طے کردہ اصول کی خلاف ورزی ہو تو یہ معیت ختم ہو جائے گی۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پھر دونوں چلے، حتیٰ کہ اہلِ قریہ کے پاس آئے۔ چاہا کہ ان لوگوں کے ہاں کھائیں، تو انہوں نے ضیافت دینا پسند نہ کیا۔پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی کہ گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے قائم کر دیا۔ کہنے لگے، اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر پھر شروع ہوا، اور آپ حضرات چلتے چلتے ایک گاؤں میں آئے۔ کھانے کی طلب ہوئی۔ گاؤں والوں نے یہ محسوس کرنے کے باوجود کہ مسافر مہمان کھانے کی طلب رکھتے ہیں، ضیافت دینا پسند نہ کیا۔ یہ یقیناً گاؤں والوں کے بے مروّت ہونے کا ثبوت تھا۔ اسی گاؤں میں ان حضرات نے ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو اس طرح درست کیا کہ وہ قائم ہوگئی اور اس کے گرنے کا خطرہ نہ رہا۔ اس میں وقت بھی لگا، قوت بھی خرچ ہوئی، کچھ سامانِ مرمت بھی استعمال ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہلِ قریہ کا تکلیف دہ رویّہ بھی سامنے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، صاحب اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے لیتے، ایسے بے مروّت لوگوں کی خدمت بلا اجرت عجیب لگتی ہے۔

حاصل: یہ نہیں دیکھنا چاہئے لوگ ہمارے ساتھ کیا کرتے ہیں، یہ دیکھنا چاہئے کہ رضائے الٰہی کے حوالے سے ہمیں لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

کہا، یہ میرے اور آپ کے مابین فراق ہوگیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کی تاویل بتائے دیتا ہوں جن پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے تبصرے پر حضرت خضر علیہ السلام نے کہا، یہ میرے اور آپ کے مابین فراق کا لمحہ آ گیا ہے۔ ساتھ کی بات پوری ہو چکی ہے۔ اب ان امور کے بارے میں آپ کو بتانے کا وقت ہے جن پر صبر کرنا آپ کے لئے مشکل ہوا۔

حاصل: ساتھ کی بات پوری ہو جائے تو ساتھی کو رخصت کرنے سے پہلے ان باتوں کی وضاحت کر دینی چاہئے جہاں اسے ساتھ نباہنے میں مشکل پیش آئی۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾

وہ جو کشتی تھی وہ کچھ مساکین کی تھی جو دریا میں محنت کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں، اور ان سے پرے ایک بادشاہ تھا کہ ہر کشتی کو غصب کر لیتا تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے واقعہ کی وضاحت فرمائی کہ جس کشتی کو عیب دار کرنے کا عمل کیا گیا وہ کشتی مساکین کی تھی اور یہ لوگ دریا میں محنت مشقت کر کے وقت گزار رہے تھے۔ جس طرف کو یہ کشتی جا رہی تھی وہاں ایک بادشاہ تھا جو اچھی کشتیوں کو زبردستی چھین لیتا تھا۔ یوں اس کشتی کو دیکھنے والوں کی نظر میں عیب دار کر کے اس لائق نہ رہنے دیا گیا کہ چھیننے والے اس کی طرف مائل ہوں۔

حاصل: محنت کش مساکین کی مدد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ انہیں غاصبوں سے بچانے کی تدبیر کرنا بہت بڑا کام ہے۔ جس کے محسن ہونے کا یقین ہو، اس کے ہر عمل میں بھلائی کا یقین موجود ہوتا ہے۔

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ﴿۸۰﴾

اور وہ جو لڑکا تھا، اس کے والدین مومن تھے، تو ہمیں ڈر ہوا کہ یہ سرکشی اور کفر سے انہیں تنگ کرے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا، اس کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے۔ وہ اپنے بیٹے سے کیسا تعلق رکھتے تھے اور بیٹا اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ کیسا تعلق رکھتا تھا، یہ حضرت خضر علیہ السلام پر روشن کر دیا گیا تھا۔ یہ خدشہ والدین کو بھی تھا کہ ان کا بیٹا انہیں تنگ کرے گا۔ وہ اس کا رخ تو دیکھ رہے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو محسوس کیا، وہی احساس ان مومن والدین کا بھی تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کیا، امرِ الٰہی سے کیا۔ اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے، اس لئے کسی بھی مقام پر پورا علم ہوتا ہی اللہ کو ہے۔ اللہ کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ساتھ مہربانی اور رحم کو اپنی شان کے لائق جانتا ہے۔ کس کو کس قدر توفیق دینی ہے، کہاں تک مہلت دینی ہے، کہاں پر پکڑنا ہے، کس کو ہدایت دینی ہے، کس کو گمراہ کرنا ہے، اللہ کا ہر کام بڑے علم اور بڑی حکمت سے ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کا علم ہی علم مطلق ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو آگاہی ہو سکتی ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہوتی۔ ہمیں والدین کی خدمت اس طرح کرنی چاہئے کہ وہ بندگی کا حق بہتر طور پر ادا کر سکیں۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

تو ہم نے چاہا کہ ان کا رب انہیں اس سے بہتر بدلہ دے جو پاکیزگی اور شفقت میں قریب تر ہو۔

مقتول کے والدین کو جو دکھ پہنچا، وہ حضرت خضر علیہ السلام سے مخفی نہ تھا۔ اس کے بعد جو انعام ان والدین کو ملنے والا تھا اس سے بھی آپ آگاہ تھے۔ آپ نے دعا کی یا اللہ ان حضرات کو ایسی اولاد عطا کر جو ان سے حسن واحسان کے ساتھ پیش آئے، اور ہر مقام پر ان کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے۔

حاصل: اپنی اولاد کی خواہشات کو کبھی بڑھاوا نہیں دینا چاہئے۔ جو اولاد والدین سے حسن واحسان کے ساتھ پیش آئے، اور ہر مقام پر والدین کی سہولت کو اپنی سہولت پر ترجیح دے، وہ بڑی مبارک اولاد ہے۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ ﴿۸۲﴾ ع ۱۰

رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ اور ان کا باپ صالح تھا۔ تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، آپ کے رب کی رحمت سے۔ اور میں نے کچھ بھی اپنے امر سے نہیں کیا۔ یہ تاویل ہے ان باتوں کی جن پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار کی مرمت والے واقعہ کی وضاحت یوں فرمائی، کہ یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس میں ان کا خزانہ چھپایا گیا تھا۔ ان لڑکوں کا باپ نیک آدمی تھا۔ اسے اپنے بچوں کے لئے مال کی حفاظت کی یہی صورت نظر آئی۔ اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا تو نیک لوگوں کی طریقت ہوتی ہے، اس صالح آدمی نے بھی دعا کی۔ آپ کے رب نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے جوان ہو جائیں، اپنے مال کو محفوظ رکھنے کی قدرت پالیں اور اسے درست مقامات پر استعمال کرنے کا علم حاصل کرلیں، پھر یہ خزانہ ان کے کام آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ خضر علیہ السلام نے کیا۔ کہیں اپنی سوچ سے نہیں کیا۔ یہ ہے ان باتوں کی تاویل جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حدودِ شرعی کے حوالے سے بات کرنے میں دیر نہیں کی، اور یوں آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں صبر کی استطاعت نہ ہوئی۔

حاصل: اپنی اولاد کو اوران کے لئے رکھے گئے مال کو صالحین کے سپرد کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہ ہو تو پھر اللہ سے دعا کرتے ہوئے جو مناسب نظر آئے وہ کرنا چاہئے۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہوتی ہے۔ جوانی میں مال کو محفوظ رکھنے کی قدرت اور مال کے صحیح مقامات پر استعمال کی اہلیت شعور کی موجودگی میں ہی ممکن ہوتی ہے۔ خدمتِ خلق میں اپنی پسند کو ساکن رکھنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ اور کتنی ہی بستیاں کہ ہم نے انہیں مہلت دی اس حال پر کہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انہیں پکڑا، اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾

اور آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجئے، میں ابھی تم پر اس کے متعلق تلاوت کرتا ہوں۔

سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جن کو ذوالقرنین کے بارے میں اپنے اجداد سے بہت کچھ معلوم ہوا تھا، اور ان کی مذہبی کتابوں میں اس کا تذکرہ تھا۔ سوال خاتم النّبیین کے حضور پیش کیا گیا تو جواب میں یہی فرمایا گیا، کہ میں ابھی تمہیں اس کے متعلق بتاتا ہوں۔ جب جواب علم الٰہی سے ہو تو پھر اس سے بہتر جواب کوئی نہیں ہوسکتا جو سند سے ماضی کے متعلق مطلوبہ روشنی عطا کرے۔

حاصل: ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کے بارے میں سوال کرنے والے جو کچھ جانتے تھے، وہ کچھ کتاب کے حوالے سے تھا کچھ شنید کے حوالے سے تھا۔ خاتم النّبیین کی بات ان حوالوں سے نہ تھی۔ جو یقین اللہ کے عطا کردہ علم میں ہوتا ہے وہ کسبی علوم میں ہو ہی نہیں سکتا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾

ہم نے اس کو زمین میں جماؤ دیا، اور اسے ہر قسم کے اسباب و وسائل عطا کئے۔

زمین میں جماؤ کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ سب اللہ ہی جانتا ہے، وہی عطا کرتا ہے۔ بادشاہ کا ایک تعلق اپنی رعایا سے ہوتا ہے، اور اگر رعایا کو بادشاہ رحمتِ خداوندی معلوم ہو تو اس سے بڑا جماؤ، اس سے بڑا اقتدار اور کیا ہوگا۔ ایک تعلق ان قوتوں سے بھی ہوتا ہے جو بادشاہ کے اقتدار

کے لئے خطرہ بن سکتی ہوں۔ ایسی قوتوں کو مرعوب رکھنے کے لئے جو اسباب ووسائل درکار ہوتے ہیں، یہ سب ذوالقرنین کو عطا کیے گئے۔

حاصل: زمین میں جماؤ مطلوب ہو تو اللہ سے اس کی دعا کرنی چاہئے۔ اسباب ووسائل کا مالک بھی اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو کچھ اللہ عطا کرسکتا ہے وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ تو اس نے ایک سبب سے کام لیا۔

حضرت ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اسباب ووسائل کو استعمال بھی کیا۔ وہ مغرب کی طرف چلے، اور مطلوبہ مقام تک پہنچنے کے لئے رخ کو درست رکھتے ہوئے چلتے گئے۔ سبب کو سواری سمجھا جائے تو اللہ سے تعلق ٹھیک رہتا ہے۔ سبب کو مقصود بنالیا جائے، تو پھر اپنی خواہشات کو اہمیت دینے سے بچنا، نفس کی شح سے بچنا، ممکن نہیں رہتا۔

حاصل: سبب کو اللہ کی عطا کردہ سواری جانتے ہوئے، اسے استعمال کیا جائے تو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔ سبب کو کبھی مقصود نہیں بنانا چاہئے۔ سبب کی اہمیت یہ ہے کہ وہ حال پر اللہ نے عطا کیا ہے، ایک وقت کے لئے ہے اور ایک خدمت کے لئے ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

حتیٰ کہ وہ غروبِ آفتاب کے مقام پر پہنچا، اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا، اور اسے ایک قوم ملی۔ ہم نے فرمایا، اے ذوالقرنین یا تو انہیں سزا دے یا ان میں بھلائی رکھ۔

مغرب کی طرف سفر کرتے کرتے حضرت ذوالقرنین غروبِ آفتاب کے مقام تک پہنچے۔ راستے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے حضرت ذوالقرنین انہیں دور کرتے ہوئے بڑھتے رہے۔ انتہاء مغرب میں آپ نے سورج کو ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا۔ وہاں آپ کو ایک قوم ملی جس کے بارے میں اللہ نے آپ سے فرمایا، اس قوم کے رویئے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو سزا بھی دی جاسکتی ہے ان لوگوں کے ساتھ بھلائی بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ ماضی کے رویئے میں ان لوگوں پر جو دباؤ تھے ان کی موجودگی میں ان کا عمل کیسا ہونا چاہئے تھا اور وہ کیسے تھا، یہ دیکھا جائے تو مہربانی کرنے کا رخ سامنے آتا ہے۔

حاصل: غلبہ کامل تائید ایزدی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ مفتوح قوم کی مجبوریوں کو دیکھا جائے تو ان پر مہربانی کرنا ممکن ہوتا ہے۔ سزا دی جائے یا معاف کیا جائے، مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾

عرض کی کہ وہ جس نے ظلم کیا، اسے ہم جلد ہی سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف پھیرا جائے گا تو وہ اسے عذاب دے گا، بڑا عذاب۔

حق کو جاننے کے بعد خلافِ حق کرنا ظلم ہے۔ جو لوگ ظلم کریں گے انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ سزا دنیا میں ہوگی۔ ظالم کو اس دنیا سے جب لے جایا جاتا ہے تب بھی اسے مار کر اس کی جان نکالی جاتی ہے، اور آخرت میں تو ظالم اپنے کیے کی پوری پوری جزا پائے گا۔ جو عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا وہ سخت ترین عذاب ہوگا، کہ ظالم کے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی اسے جزا دی جائے گی۔ اس دن توبہ قابلِ سماعت نہ ہوگی، بھاگ جانا ممکن نہ ہوگا، سب زعم باطل ہو جائیں گے اور ظالم اپنے کیے ہوئے کو اپنے سامنے پائے گا۔ ظالم کا عمل ہی اس کا احاطہ کرے گا۔ اس سے بُری مار اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل: حق کو جاننے کے بعد جو خلافِ حق کرے وہ ظالم ہے۔ اس کو سزا دینی چاہئے، مگر اتنی ہی جتنی حق کے حوالے سے دی جانی چاہئے۔ پوری پوری سزا اللہ ہی دے سکتا ہے، وہی مقرر وقت پر ظالم کو سزا دے گا۔ جلانے کی سزا دینا، بندے کا حق ہی نہیں ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اور جو ایمان لایا اور صالح عمل کیے، تو اس کی جزا بھلائی ہے۔ اور عنقریب ہم اسے آسانی دیں گے۔

اور جس نے حق کو مان لیا، مان لینے کے بعد صالح اعمال سے اپنے ایمان کی شہادت دی، تو وہ سچا ثابت ہوگیا۔ اس کی جزا یقیناً بھلائی ہوگی۔ اس کی ماضی کی کوتاہیوں کا ذکر پھر کیوں ہوگا۔ اس کو ان لوگوں سے الگ کر دیا جائے گا جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح اسے بہت سہولت مل جائے گی اور اس کا کہا ہوا درست مان لیا جائے گا۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ ہو تو صالح اعمال کی شہادت سے یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچا ثابت ہو جانے والے کو ناقابل اعتماد لوگوں سے الگ کر دینا چاہئے۔ جس کی صداقت کو تسلیم کر لیا جائے اسے بہت آسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

پھر ایک سبب سے کام لیا۔

کسی سبب کا بہترین استعمال یہی ہے کہ اسے مسبب الاسباب کی عطا مانا جائے، اور اسے معطیٔ مطلق کی رضا کے حوالے سے برتا جائے۔

حاصل: سبب کو عطائے الٰہی جان کر، اللہ کی رضا کے حوالے سے استعمال کیا جائے تو اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾

حتیٰ کہ طلوعِ آفتاب کے مقام پر پہنچے، اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا جن کے لئے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی۔

مشرق کی طرف کا عزم کر کے حضرت ذوالقرنین روانہ ہوئے، تو انتہائے مشرق تک پہنچے۔ اظہارِ حق کا وہ طریقہ اختیار کیا جو اللہ کے

نزدیک پسندیدہ تھا۔ تائیدِ ایزدی شاملِ حال تھی۔ مطلوبہ مقام پر پہنچ کر آپ نے ایک قوم کو دیکھا۔ یہ لوگ حدت کو برداشت کرنے کی بڑی صلاحیت رکھتے تھے۔ اللہ کی مخلوق کی بھلائی مقصود ہو تو حصولِ مقصد کے لئے جس طرح کوشش کی جاتی ہے، خواہش اور غرض وغایت والے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

حاصل: حق کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے جہاں تک پہنچا جاسکتا ہے، شوقِ فتوحات میں وہاں تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔

كَذٰلِكَ ؕ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ بات یہی ہے۔ اور جو کچھ اسے حاصل تھا، ہمیں اس کا پتہ ہے۔

انتہاءِ مغرب سے انتہاءِ مشرق تک تمام مقامات پر غلبہ، بہت بڑی بات ہے۔ سامانِ سفر، آلاتِ حرب اور جو کچھ بھی حضرت ذوالقرنین کو حاصل تھا، اس کی اہمیت اپنی جگہ مگر تائیدِ ایزدی کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔ جس مقام پر جو کچھ انہیں عطا فرمایا گیا، انہوں نے اس سے کما حقہٗ استفادہ کیا۔

حاصل: اپنی کارکردگی کو تائیدِ ایزدی کی بدولت جاننا چاہئے۔ سبب ہمیشہ مسبّب کے حکم کے تابع رہتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ پھر ایک سبب سے کام لیا۔

مغرب کی طرف پہلا سفر تھا، مشرق کی طرف دوسرا سفر تھا۔ ان سفروں کی ابتدا ان کے صدر مقام سے ہی ہوتی تھی۔ یہ تیسرا سفر ہے جو شمال کی جانب تھا۔ سفر سے پہلے، متوقع امور کے پیشِ نظر تیاری بھی ضروری ہوتی ہے۔ حق کی بات لوگوں تک تبھی پہنچ پاتی ہے، جب وہ اپنے لاینحل مسائل سے چھٹکارا حاصل کرلیں، اس لئے تبلیغِ حق کرنے والے کو لوگوں کے مسائل سے آگاہی حاصل کرنی چاہئے۔ منشاء انہیں آسانی مہیا کرنا ہو تو یقیناً اللہ کی رضا مقصود ہوگی، موجود ہوگی۔

حاصل: مقصد کا واضح ہونا، حصولِ مقصد کے لئے موزوں تیاری اور لوگوں کو آسانی مہیا کرنے کا عزم یہ سب سفر سے پہلے روشن ہونے چاہئیں۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ حتیٰ کہ دو پہاڑوں کے بیچ میں پہنچے۔ ان کے سامنے ایک قوم کو پایا کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

شمال کی طرف سفر کی انتہا یہ ہے کہ حضرت ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے۔ وہاں آپ نے ایک قوم کو دیکھا، کہ وہ لوگ ان کی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ حضرت ذوالقرنین کا لاؤ لشکر، ان کی بادشاہت کا پتہ دیتا تھا۔ پھر یہ لوگ آپ کے بارے میں پہلے بھی کچھ سن چکے تھے۔ جو بات حضرت ذوالقرنین ان پر واضح کرنا چاہتے تھے، وہ اللہ کی بات تھی۔ اس کے سوا کسی کو معبود نہ ماننے کی بات تھی۔ جزا پر یقین

رکھنے کی بات تھی۔ راہِ ہدایت کو اختیار کرنے کی بات تھی۔جسم کی زبان سے اس بات کا سمجھانا بھی مشکل ہے سمجھنا تو مشکل ہوتا ہی ہے۔ترجمان سننے والے اور سنانے والے، دونوں کی زبانیں جانتے ہیں۔جوقوم اپنے عقائد کے علاوہ کچھ جانتی ہی نہ ہو، اس کے لئے حق کی بات کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔ پہاڑوں سے رزق تلاش کرنے والے اور اپنا بیشتر وقت تلاشِ معاش میں لگانے والے، تدبر کے لئے وقت بھی کتنا نکالتے ہیں۔علم کی طلب ہو تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

حاصل: مقصدِ سفر رضائے الٰہی ہو تو منزل کی دوری کا احساس بھی نہیں ہوتا، مشکلات بھی پریشان نہیں کرتیں۔ مصروفیات جتنی بھی ہوں، اپنے منشاءِ حیات پر غور کرنا چاہئے، راہِ عمل کے درست ہونے کا یقین حاصل کرنا چاہئے۔ علم کی طلب ہو تو اس کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

عرض کرنے لگے، اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج، ماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں، تو کیا ہم آپ کے لئے خراج ٹھہرا دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار بنا دیں۔

کوہستانی لوگ حضرت ذوالقرنین کی قوت کا مشاہدہ تو کر ہی چکے تھے، وہ آپ کی بات تو پوری طرح سمجھ نہیں رہے تھے مگر اپنی بات یقیناً سمجھا سکتے تھے۔انہوں نے حضرت ذوالقرنین سے یہ عرض کی، کہ یاجوج ماجوج زمین میں بہت فساد مچاتے ہیں۔یہ قوت اور تعداد میں ایسے ہیں کہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہوتا۔آپ کے پاس وسائل کی وہ صورت نظر آرہی ہے کہ آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔اس کے لئے جو خرچ ہوگا وہ ہم برداشت کرنے کو تیار ہیں۔مدد یہ درکار ہے کہ جس درے سے یاجوج ماجوج آکر بربادی پھیلاتے ہیں اس کو آپ بند کر دیں۔یہ ہمارے اور ان کے مابین دیوار ہو جائے گی۔آپ یقیناً ایسی دیوار بنا سکتے ہیں، جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کے لئے ممکن نہ ہو۔

حاصل: سیدھے لوگ اپنے مسائل کو بھی جانتے ہیں وسائل کو بھی جانتے ہیں، اپنی مشکل کے دور کرنے والے کو اس کی جاہ وحشمت کے حوالے سے پہچاننے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں اور اپنی سمجھ کے مطابق موزوں الفاظ میں اس کے سامنے درخواست بھی پیش کر دیتے ہیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾

جواب دیا، مجھے میرے ربّ نے جو مقدور دیا ہے، وہ بہتر ہے۔تو قوت کے ساتھ مجھے مدد دو، میں تمہارے اور ان کے مابین مضبوط رکاوٹ بنا دوں گا۔

حضرت ذوالقرنین نے کوہستانی لوگوں کی درخواست کے جواب میں یہ کہا، کہ جو کچھ میرے رب نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کی تم پیش کش کر رہے ہو۔تمہاری محنت ضرور درکار ہوگی، اور اس سے تمہارا منشاء پورا ہو جائے گا۔حضرت ذوالقرنین نے ان کی درخواست کے ساتھ ہی مذکورہ دیوار کے بارے میں وقت، سامانِ تعمیر اور محنت کی ضرورت کو دیکھ لیا تھا، اس لئے آپ نے ان لوگوں کو محنت

کے دائرے میں اشتراک کی دعوت دی۔ یہ محنت ان کے لئے باعث راحت بھی تھی کہ ان کی مطلوبہ دیوار کی مضبوطی کا جو شعور انہیں اس محنت سے ہوسکتا تھا، وہ کسی دوسری صورت میں نہ ہوسکتا تھا۔

حاصل: اجتماعی بھلائی کے کاموں میں لوگوں کو معاشی دباؤ سے بچانا بڑی خدمت ہے۔ محنت کے دائرے میں لوگوں کو شامل کرنا ان کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے کہ ان کی مطلوبہ شے وجود میں آرہی ہوتی ہے۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ (۹۶)

مجھے لوہے کے تختے لا دو۔ حتیٰ کہ جب اسے دونوں پہاڑوں کے کناروں کے برابر کر دیا، حکم دیا دھونکو۔ حتیٰ کہ جب اسے آگ کی طرح کر دیا حکم دیا، میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ اس پر ڈالوں۔

حضرت ذوالقرنین کے فرمان کے مطابق، کوہستانی لوگ محنت کرنے کے لئے حاضر ہوگئے۔ سامانِ تعمیر پہلے اکٹھا کیا گیا جن میں لوہے کے تختے تھے، تانبا تھا اور آگ جلانے کا سامان تھا۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان جو درّہ تھا، اس میں دیوار کی بنیاد کھدوا کر، حضرت ذوالقرنین نے فرمایا: لاؤ، اب لوہے کے تختوں سے اس دیوار کو چنا جائے۔ موٹے لوہے کے تختوں سے دونوں طرف دیواریں بنا دی گئیں جن کا باہم ربط تھا۔ ان دیواروں کو آگ دینے کا بندوبست کرکے، دھونکنے کا حکم دیا گیا۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ لوہے کی دیواروں کو گرم کرنے کا بندوبست، تانبے کو گرم کرکے لوہے کے تختوں سے بنائی گئی دیوار کی خلائیں پر کرنے کا اہتمام، اتنے بڑے کام میں لوگوں کے درمیان ربط وضبط کو قائم رکھنا کہ ہر مقام پر توازن قائم رہے اور ہر گروہ وہی کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور جہاں اسے روکا جائے رک جائے، بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جب لوہے کے تختوں سے بنی ہوئی دیواریں دھونکتے دھونکتے آگ کی طرح سرخ ہوگئیں، تو ان کے درمیان پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا۔ اور یوں یہ ایک بلند دیوار بن گئی، اور جو لوگ یاجوج ماجوج کے فساد سے ہمیشہ خوف زدہ رہتے تھے سلامتی اور عافیت محسوس کرنے لگے۔

حاصل: اجتماعی بھلائی کے کام بڑے فہم وفراست والے صاحبان کے حکم کے تحت ہونے چاہئیں۔ کام کرنے والوں کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر کام کرنا چاہئے۔ اپنی سوچ کو ساکن رکھنا چاہئے۔ کام کروانے والے کی نظر جہاں تک جاتی ہے کام کرنے والے کی وہاں تک نہیں جاسکتی۔ جس محنت کا نتیجہ اجتماعی سلامتی کی صورت میں نظر آرہا ہو، اس محنت میں تھکن کا احساس کم ہی ہوتا ہے۔

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۹۷)

تو وہ اس پر نہ چڑھ سکے، اور نہ انہیں نقب لگانے کی استطاعت ہی ہوئی۔

یاجوج ماجوج کے فساد سے خوف زدہ لوگوں نے جس محنتِ شاقہ سے حفاظتی دیوار کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، وہ کام اپنی مثال آپ تھا۔ مگر انہیں ایک ڈر بھی تھا، کہ اس دیوار پر کہیں وہ چڑھ نہ جائیں یا اس میں سوراخ کرنے کی کوئی صورت نہ نکال لیں۔ جب یاجوج ماجوج دیوار پر چڑھنے کی ہر کوشش میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے اس میں نقب لگانے کی کوشش کی۔ اور جب وہ نقب لگانے میں بھی ناکام ہوگئے تو کوہستانی لوگوں کو جس عافیت کا احساس ہوا، اس کا پہلے تصور بھی نہ تھا۔ جن لوگوں کو یہ حفاظتی دیوار مطلوب تھی ان کے سامنے اس دیوار کا پورا پورا امتحان ہوگیا۔

حاصل: مطلوبہ شے وجود میں آجانے کے بعد مقصدِ تعمیر کے حوالے سے پاس ہو جائے، تو طالبین کو اس سے جو راحت حاصل ہوتی ہے، اسے محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔حفاظتی تدابیر، دشمن کی تعداد اور قوت کے حوالے سے دیکھی جاتی ہیں۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ؕ ﴿٩٨﴾

کہا یہ میرے ربّ کی رحمت ہے، تو جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش پاش کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔

کوہستانی لوگوں نے حضرت ذوالقرنین کا شکریہ صرف زبان سے ادا نہیں کیا، وہ اپنے جسم کی ہر حرکت سے شکریہ ادا کر رہے تھے، کہ حضرت ذوالقرنین نے ان کو اور ان کی آئندہ نسلوں کو یاجوج ماجوج کے فساد سے بچانے کا موثر اہتمام کیا تھا۔اس کے جواب میں حضرت نے بہ کمالِ عجز یہ کہا کہ جو کچھ بھی بنا ہے، یہ میرے رب کی رحمت سے بنا ہے۔سامانِ تعمیر بھی اسی کا ہے، بنانے والوں کو توفیق بھی اسی نے دی ہے، وقتِ تعمیر ماحول کو سازگار بھی اسی نے رکھا ہے۔حضرت ذوالقرنین نے قیامت کا ذِکر کرتے ہوئے یہ واضح کیا: کہ جب میرے ربّ کا وعدہ آئے گا تو یہ دیوار اپنی مضبوطی کھو دے گی، ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور میرے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اس کے وقوع کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

حاصل: اپنی کارکردگی کے بارے میں تعریفی کلمات سننا نصیب ہوں تو جواب میں یہی کہنا چاہئے: یہ میرے ربّ کی رحمت ہے، ہر تعمیر قیامت کے دن پاش پاش ہو جائے گی۔آخرت کا یقین ہو جائے تو اسے حال پر بندے کے عمل میں نظر آنا چاہئے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ ﴿٩٩﴾

اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ وہ موج کی طرح ایک دوسرے پر چڑھتے ہوئے آئیں گے، اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو جمع کر لائیں گے۔

قیامت کی علامات سے متعلق یہ ارشاد ہے: کہ یاجوج ماجوج کو روک رکھنے کی صورت ختم ہو جائے گی تو وہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی موجوں کی طرح آئیں گے۔اس کے ساتھ ہی عمل کے لئے دیا گیا وقت بھی ختم ہو جائے گا۔اور جزا کے وقت کا اعلان ایسا نہیں ہوگا کہ جس مقام پر اللہ لوگوں کو جمع کرنا چاہتا ہے وہاں لوگ اپنی مرضی سے آئیں، بلکہ لوگ امرِ الٰہی کے تحت اس مقام کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

حاصل: حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کرنا چاہئے۔حق کو ماننے کے لئے ظہورِ قیامت کی نشانیوں کا انتظار کرنا بڑی بے سمجھی ہے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ۙ ﴿١٠٠﴾

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔

عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے بعد زینتِ حیاتِ دنیا کی شکل بدل جائے گی۔ یہ سب کچھ اب جو جلوت ہے خلوت ہو جائے گا، اور جو کچھ اب خلوت ہے جلوت میں آجائے گا۔ وہ جہنم جس کو کافر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہوگی۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا۔

حاصل: توفیق بھی اللہ نے دی ہے، جزا بھی وہی دے گا۔ جزا کا یقین اصلاحِ حال کے لئے لازم ہے۔

الَّذِیۡنَ کَانَتۡ اَعۡیُنُہُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَ کَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۱ ۱۹ ۲

جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا تھا، اور انہیں سننے کی استطاعت بھی نہ تھی۔

جو آنکھیں حق کو دیکھ لیں، جن آنکھوں کو قدرتِ الٰہی کا مشاہدہ ہو جائے، ان آنکھوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے احترام کو ملحوظ رکھیں اور لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج میں خسارے کو دیکھیں۔ ورنہ ان پر پردہ پڑتا جائے گا اور وہ لوگ جزا کے عدم یقین میں الجھ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو پھر حق کب سنائی دیتا ہے۔

حاصل: قدرتِ الٰہی کے مشاہدے کے بعد، انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے نظام کو اہمیت دی جائے تو حق کو دیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوتی چلی جائے گی۔ آنکھیں حق شناس نہ رہیں تو کان حق کو سننے کی استطاعت کہاں سے لائیں گے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکھف میں ارشاد فرمایا ہے: اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾ فرما دیجئے کہ ہم تمہیں بتا دیں، کہ سب سے بڑھ کر خسارے میں کن کے اعمال ہیں۔ وہ لوگ جن کی پوری سعی حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب کام کر رہے ہیں۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے میرے بندوں کو حمایتی بنالیں گے۔ ہم نے جہنم کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کیا ہے۔

اللہ کے پاک بندے کسی مقام پر اپنی پسند کو اہمیت نہیں دیتے، اللہ کے فرمان کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہے۔ اللہ کے پاک بندوں سے عقیدت رکھنے والے خودسر نہیں ہوسکتے۔ عقیدت مند کی بات سے اس کے شاہد کا پتہ لگتا ہے۔ اس کی محبت سے اس کے شاہد کی شان معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کے پاک بندوں کا نام لے کر ان کی تعلیمات کے خلاف کرتا رہے، تو وہ ان کے قریب ہونے کی بجائے ان سے دور ہوتا جائے گا۔ حمایت تو ساتھی کو متوقع ہوتی ہے۔ جو عملاً ساتھ ہی نہیں ہے، اس کے بارے میں تعلق کی شہادت نہیں دی جاسکتی۔ جو لوگ نام اللہ کے پاک بندوں کا لیتے ہیں کام خلافِ حق کرتے ہیں، یہ کافر ہیں، اور ان کے لئے ان کے اعمال کی جزا بصورتِ جہنم تیار ہے۔

حاصل: اللہ کے پاک بندے صرف اسی کے دوست ہوتے ہیں، جسے حق مطلوب ہو۔ خلافِ حق کرنے والے نام

کسی کا بھی لیں کرتے صرف من مانی ہیں۔ان کے اعمال کی جزا بصورتِ جہنم تیار ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں بتائیں کہ سب سے بڑھ کر خسارے میں کن کے اعمال ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے کہ اس نے فلاح پانے والوں کی صفات بھی بیان فرمائی ہیں، اس نے خسارے والوں کی صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔اتمامِ حجت کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔جب یہ معلوم ہوجائے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے، پھر صراطِ مستقیم کی باتیں کرتے رہنے سے راستہ طے نہیں ہوجاتا۔راستہ تو چلنے سے طے ہوتا ہے۔

حاصل: جس کو ہماری بھلائی عزیز ہو، اس کے ارشاد کی قدر کرنی چاہیئے، اسے ماننا چاہیئے۔جاننا، ماننے کے بعد آئے تو درست ہوتا ہے، ورنہ لوگ باتوں کو ہی علم سمجھتے رہتے ہیں۔

اَلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ وہ لوگ جن کی سعی حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ خوب کام کررہے ہیں۔

حیاتِ دنیا میں حق کے مقابل لوگوں سے داد طلب کرنے والے اپنا سب کچھ اسی رخ پر لگا دیتے ہیں۔لوگوں نے انہیں اچھا کہہ دیا تو وہ اپنے کام کو خوب کہنے لگے۔اسی میں انہیں فرحت ملتی ہے، اور اسی فرحت کو وہ مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں۔جزا کا انکار ان کے اعمال میں بہر حال نظر آتا ہے۔

حاصل: جو لوگ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو بصورتِ وقت، قوت اور اموال لوگوں سے داد طلب کرنے میں صرف کر رہے ہیں، وہ جزا کا عملاً انکار کرتے ہیں۔ان کا اپنے کام کو خوب سمجھنا قطعاً بے حقیقت ہوتا ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے ربّ کی آیات اور اس کے ملنے سے انکار کیا۔تو ان کے اعمال اکارت ہوئے۔پھر ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن نہ قائم کریں گے۔

جن کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی ہو، وہ اپنے رب کی آیات کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہوں تو عملاً وہ اپنے رب کی آیات کا انکار کررہے ہوتے ہیں۔جزا کا انکار ہو تو لوگوں کی خوشی مطلوب ہوگی۔جب اعمال بالکلیہ خلافِ حق ہوں گے، تو ان کی ظاہری صورت کچھ بھی ہو وہ اکارت ہوجائیں گے۔ایسے اعمال کا اس عصمت سے کوئی تعلق نہ ہوگا، جس کے ساتھ انسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس معیار کی نسبت سے اعمال کا وزن ہوسکتا ہے۔جن لوگوں کے اعمال بالکلیہ ضائع ہوگئے، ان کے پاس قابلِ وزن کچھ رہ ہی نہیں جاتا۔قیامت کے دن ان کے لئے کسی وزن کا قائم کرنا ناممکن ہے۔

حاصل: اگر اعمال بالکلیہ خلافِ حق ہوں تو اپنے ربّ کی آیات کا بھی انکار ہوگا، جزا کا بھی انکار ہوگا۔جو اعمال

اکارت ہوجائیں گے ان کے لئے قیامت کے دن کسی وزن کو قائم کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

یہ ان کی جزا ہے جہنم، اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسل کی ہنسی بنائی۔

جن لوگوں کی ساری کوشش حیاتِ دنیا میں گم ہوگئی، ان کی جزا جہنم ہے۔ حیاتِ دنیا میں ان کا رویہ یہ رہا، کہ انہوں نے ہمیشہ حق کا انکار کیا۔ خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنایا۔ اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا۔ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑایا۔ لوگوں کی بنائی ہوئی بے سند باتوں کو ایسی وقعت دی کہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کو اسی میں گنوا دیا۔

حاصل: جزا دینے والے کی قدرت کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ سب جزا پانے والے اس کے اندر ہیں۔ جہنم کی صورت میں جزا پانے والے پہلے حق کا انکار کرتے ہیں، پھر اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں اور انتہا پر ظلمات سے نور کی طرف لانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کے لئے جنّت الفردوس کی مہمانی ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اس کو حال پر اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے، آخرت میں جنت الفردوس عطا ہوگی۔ پاک ثابت ہونے والے کو یہ انعام ملیں گے۔ حال پر پاک لوگوں کا ساتھ ہو، آخرت میں پاک لوگوں کا ساتھ ہو، اس سے بڑی راحت کوئی نہیں ہوسکتی۔

حاصل: جو لوگ پاکیزگی کے دعوے میں سچے ثابت ہو جائیں، سنت الٰہی کے مطابق ان کی ہمیشہ عزت افزائی کرنی چاہئے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

جنت فردوس کے رہنے والے ہمیشہ وہاں رہیں گے، اور وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔ جگہ بدلنا اسے مطلوب ہوتا ہے جو موجودہ جگہ کے مقابل بہتر جگہ کا طالب ہو۔ اور جو عنایاتِ الٰہی کو اس کے فضل کی بدولت دیکھتا ہو، وہ اللہ کا فضل ہی مانگتا ہے کہ اس کے مانگنے کا حکم ہے۔

حاصل: ربِّ وَدود کی عطا کو اس کا فضل جاننے والے، اسے بہترین مانتے ہیں۔ معیتِ شاہد میں جو راحت ہے وہ طلب کو پورا کر دیتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ

فرما دیجئے، اگر بحر میرے رب کے کلمات کے لئے

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

سیاہی ہو جائے، یقیناً بحر میرے ربّ کے کلمات سے قبل ختم ہو جائے گا، اگر چہ اسی کی مثل اس کی مدد کو ہم اور لے آئیں۔

اللہ کے فرمان کے حق ہونے کی آفاق وانفس میں پائی جانے والی نشانیاں بیان کی جائیں، تو یہ میرے رب سے متعلق کلمات ہیں۔ یہ کلمات اتنے ہیں کہ ان کے لکھنے کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائے، تو یہ سیاہی کافی نہ ہوگی۔ اتنی سیاہی اور بھی مل جائے تب بھی کافی نہ ہوگی۔ اللہ کی توحید کی نشانیاں جب اپنے مشاہدے کے حوالے سے بیان کی جائیں تو اس کے لئے کیا کچھ درکار ہوگا، حصولِ ہدایت کے لئے رسالت کی اہمیت کو بیان کیا جائے تو یہ کلماتِ ربی کس قدر ہوں گے، قدرتِ خداوندی کے احاطے کا ذکر کیا جائے تو یہ کلماتِ ربی کس قدر ہوں گے، معاد، بعث بعد الموت، قیامت، جزا یہ سب ایک ہی موضوع ہے۔ انسان کے مشاہدے میں اس کی کس قدر اسناد آتی ہیں، ان کو بھی شمار کرنا ممکن نہیں۔ ربوبیت اتنا بڑا کام ہے، اتنی وسعت سے ہو رہا ہے، صفاتِ الٰہی سے پالنے کے اس عمل میں کس کس مقام پر کیا کیا مدد مل رہی ہے، یہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ اپنے مقصدِ حیات کی طرف نظر جائے تو رخ سیدھا ہوگا۔ رخ سیدھا ہوگا، تو وہ کچھ نظر آنے لگے گا جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔

حاصل: ہدایت کی طلب ہو تو میرے ربّ کے کلمات کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مان لیا جائے کہ اللہ کا فرمان حق ہے، تو ماننے والے کے ادراک کے حوالے سے اس کے اندر اصلاحِ حال کا ثبوت بھی ہونا چاہئے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ
ع ۱۲ ۹ ۲ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

فرما دیجئے، میں تمہاری مثل بشر ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود الٰہ واحد ہے۔ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

رسول بشر ہو تو وہ ہر مقام پر قول وفعل سے بشر کے لئے معیارِ حق کو روشن کر سکتا ہے، ورنہ انسان اپنے گمان کے دائرے سے نکل نہیں سکتا، اور گمان کے دائرے میں ہدایت کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں۔ تمہارے لئے یہ ایک سند ہے کہ تم میرا اتباع کرو گے تو اپنے مقصدِ حیات کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا کرو گے۔ رسول کی شان یہ ہے کہ اس کی اپنی بات کوئی نہیں ہوتی، اس کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اس لئے سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ معبود کو ایک ماننا عملاً یکسوئی سے ثابت ہوگا۔ اپنے رب سے ملنے کی صورت یہ نہیں ہوگی، کہ اس وقت اللہ تعین سے پاک ہے اور آخرت میں یہ بات نہ ہوگی۔ حیاتِ دنیا میں حق کو ماننے کے لئے طاغوت کا انکار ضروری ہوتا ہے، وہاں حق کو ماننے میں کوئی صورت حائل نہ ہو سکے گی۔ جزا کا یقین ہو تو عمل کو صالح ہو جانا چاہئے۔ صالح عمل والے کبھی اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اتباع رسول ہی شرک سے بچنے کی طریقت ہے، جہاں اس میں کوتاہی ہوئی شرک کا امکان ہو جائے گا۔

حاصل: رسول کی زبان پاک سے یہ فرمان کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں، عرفانِ حق کے حوالے سے ہماری اہلیت کی سند ہے۔ اس کے مقابل ہمیں کبھی یہ نہ کہنا چاہئے کہ ہم رسول کی مثل بشر ہیں، کہ یہ بات خلافِ تعظیم ہوگی، خلافِ توقیر ہوگی۔ ایک معبود کو ماننے والے ہر مقام پر رضائے الٰہی کو مقصود جانتے ہیں۔ جزا کا یقین ہو تو عمل کی اصلاح ہونی چاہئے، اور عمل صالح ہو تو صالحین کا اتباع بھی ہوگا۔ صالحین کا اتباع ہو تو شرک نہیں ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا (۳۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ اور ہم نے تو آپ کو سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے، بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے، ولیکن اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

ایاتہا ٩٨ سُوْرَۃُ مَرْیَمَ رکوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ① حروفِ مقطعات

حروفِ مقطعات کی تلاوت کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، ملا کر نہیں پڑھا جاتا۔ ان حروف کی وضاحت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی ہے، اس لئے یہ خاموش رہنے کا مقام ہے۔

حاصل: بولنا بھی علم کے ساتھ ہونا چاہئے، خاموشی بھی علم کے ساتھ ہونی چاہئے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ② یہ تیرے ربّ کی رحمت کا ذکر ہے، جو اس نے اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر فرمائی۔

رحمتِ ربی مطلوب ہو، تو اللہ کے ان بندوں کی صفاتِ مبارکہ کو اپنانا چاہئے، جن کو رحمتِ ربی سے نوازا جاتا ہے۔ یہاں حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے بندے تھے، ان پر رحمت فرمائی گئی۔ پاکیزگی اللہ کو پسند ہے۔ خلوت وجلوت میں پاک رہنے والے کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

حاصل: پاک لوگوں کو رحمتِ ربی سے نوازا جاتا ہے۔ اس لئے خلوت وجلوت میں پاک رہنا چاہئے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ جب آپ نے اپنے رب کو ندائے خفی سے پکارا۔

جب دعا اپنی ذات سے متعلق ہو تو اسے خفی ہونا چاہئے، جب جماعت کے لئے دعا کی جارہی ہو تو بلند آواز سے ہوتا کہ اجتماعی شعور کو رفعت ملے۔ ذاتی دعا میں ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اللہ کا فضل مانگا جاتا ہے۔ نفس کی خوشی کو اہمیت نہ دی جائے، اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے کہ یہ اس کا حکم ہے، اور پکارنے والا صاحبِ علم ہو تو پھر وہ ندائے خفی سے ہی اپنے رب کو پکارتا ہے۔

حاصل: دعا اپنی ذات کے لئے ہو تو اس کو ندائے خفی سے اپنے ربّ کے حضور پیش کرنا چاہئے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

عرض کی، اے میرے ربّ میری ہڈی کمزور ہوگئی ہے، اور میرے سر سے بڑھاپا ظاہر ہو رہا ہے، میرے ربّ تجھ سے دعا کر کے میں کبھی محروم نہیں رہا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی شانِ عبدیّت ملاحظہ ہو، کہ دعا کی ابتدا اظہارِ حال سے کر رہے ہیں۔ پہلی بات آپ نے یہ کی ہے، کہ ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ جسم کی وہ حالت نہیں ہے، جو پہلے تھی۔ وقت کے ساتھ اعضاء کے افعال متاثر ہوتے ہیں۔ بڑھاپا سر کے بالوں سے

ظاہر ہورہا ہے۔اس کیفیت کے باوجود دربارِالٰہی کی بے مثل شان پیش نظر ہے۔اس دربار پاک میں اپنے عجز کو ظاہر کرتا رہتا ہوں، مدد کا طلب گار رہتا ہوں، ایسی مدد ملتی ہے جو میرے حال کو سنوار دیتی ہے، یہاں سے کبھی محرومی نہیں ہوئی۔

حاصل: دعا کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا چاہئے، اپنا عجز ظاہر کرنا چاہئے۔قادرِ مطلق کے حضور دعا کرتے وقت ماضی میں اس کی عنایات کو دیکھنا چاہئے، یہ یقین ہونا چاہئے کہ جو اللہ کرسکتا ہے وہ کوئی دوسرا سوچ بھی نہیں سکتا۔

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝۵

اور مجھے اپنے پیچھے اپنے والی سے خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے پاس سے ولی عطا فرمادے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے قرابت داروں کے بارے میں اپنا احساس بیان کیا، کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنی پسند کو اہمیت دینے سے باز نہیں آتے۔میرے بعد ان کے پاس زینتِ حیاتِ دنیا بھی بہت ہوگی، من مانی کرنے سے روکنے والا بھی نہ ہوگا، یوں یہ وسائل خلافِ حق استعمال ہوں گے۔میری کمزوری اور بڑھاپا تو اپنی جگہ، میری بیوی بھی بانجھ ہے۔اولاد کے ہونے کے لئے جو اسباب ظاہر میں ہوتے ہیں، ان کی کیفیت بیان کرکے، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی عرض پیش کی: یا اللہ نہ ہونے کو ہونے میں بدل دینا تیرے لئے کیا مشکل ہے۔مجھے اپنے فضل سے اس طرح نواز دے، کہ مجھے میرا کام سنبھالنے والا عطا فرمادے۔

حاصل: حدود اللہ کے احترام کو انتہائی اہمیت دینی چاہئے۔اسی کے اختیار کو بڑھانا چاہئے، جو حق کے مقابل اپنی پسند کی بات نہ کرے۔اسباب کی شکل جو بھی ہو، اللہ کی قدرت نتیجے کو اپنی مشیت کے مطابق بنا سکتی ہے، اس لئے اللہ سے دعا کرتے وقت حق کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔اسباب اپنے اندر نتیجہ پیدا کرنے کی کوئی ضمانت نہیں رکھتے۔

یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝۶

وہ میرا وارث ہو اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے ربّ تیرا پسندیدہ ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ جو بچہ عطا ہو، وہ ان کا وارث ہو، آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو۔بھلائی کا رخ رکھنے والا بھلے کا وارث ہوتا ہے۔اجداد کی صفاتِ مبارکہ رکھنے والا، لوگوں کے لئے باعثِ رحمت ہوتا ہے۔اور اللہ جس سے راضی ہو سند کا درجہ وہی رکھتا ہے۔اسی کی اطاعت سے فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔حسنِ طلب کی کیا روشن مثال بیان فرمائی گئی ہے۔

حاصل: جو اللہ کی مخلوق کو سکھ دیتا ہو اس کا وارث وہی ہوگا جو اس کی طرح اللہ کی مخلوق کو سکھ دے۔اجداد کی فضیلت کا لوگوں کو اعتراف ہو تو ان کی اولاد میں لوگ ان کی صفات کو دیکھتے ہیں۔لائقِ اطاعت ہونے کا مرتبہ اسی کو حاصل ہوتا ہے، اللہ جس سے راضی ہو۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦

اے زکریا (علیہ السلام) ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ (علیہ السلام) ہے۔ ہم نے اس نام کا اس سے قبل نہیں کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دی گئی۔ اس کا نام یحییٰ علیہ السلام بتایا گیا، اور اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرمائی گئی کہ یہ نام پہلی بار رکھا گیا ہے۔

حاصل: قبولیتِ دعا کا پتہ تعلق مع اللہ کے حوالے سے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنوان پہلے رکھا جاتا ہے، بشارت بعد میں دی جاتی ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

عرض کی اے میرے ربّ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، عورت میری بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کو پہنچ کر سوکھ گیا ہوں۔

دعا کرنے والے کو اپنی حیثیت کا پتہ ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا علم ہے۔ بیٹے کی بشارت ملنے پر یہ عرض کیا جارہا ہے: جس کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی بشارت ملی ہے وہ بانجھ ہے، میری حالت یہ ہے کہ بڑھاپے کی اس حد پر ہوں کہ جسم کمزور ہو کر سوکھ گیا ہے، بیٹے کی پیدائش سے پہلے ماں اور باپ دونوں کی حالت بدلے گی یا اسی حالت میں بیٹا عطا ہوگا۔

حاصل: جس کی بات ہو اس کے حوالے سے دیکھا جائے، تو معنی درست ہوں گے۔ قدرتِ خداوندی کا اعتراف کرنے والی زبان بہرحال پاک ہوتی ہے۔ نظر آنے والے اسباب کے دائرے میں رہنے والی زبان کبھی وہ درجہ نہیں رکھتی۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨

فرمایا، ایسے ہی ہوگا۔ آپ کے ربّ کا فرمان ہے کہ وہ مجھے آسان ہے، اور اس سے قبل جب آپ کچھ بھی نہ تھے، میں نے ہی آپ کو پیدا کیا۔

جواب دیا گیا، موجودہ حالات میں ہی بیٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیا مشکل ہے۔ آپ کے وجود کے اندر بھی اللہ کی قدرت کی سند موجود ہے۔ آپ کو اللہ نے نہ ہونے سے بنایا ہے۔ اس تخلیق کے مقابل بانجھ بیوی اور بوڑھے شوہر سے اولاد کا پیدا کرنا مشکل نہیں ہے۔

حاصل: خالقِ کل کی شان ہے کہ وہ نہ ہونے کا ہونا بنا سکتا ہے، بقاءِ نسل کے لئے ناکارہ اعضا کو درست کر دینا اسے کیا مشکل ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩

عرض کی اے میرے ربّ میرے لئے کوئی نشانی ٹھہرا دے۔ فرمایا، آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ تندرستی کے باوجود تین رات دن آپ لوگوں سے کلام نہ کر پائیں گے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جس یقین سے دربارِ الٰہی میں دعا کی تھی، اس کی موجودگی میں کوئی منفی خیال آپ کے دل میں نہیں آسکتا تھا۔ نشانی یہ مطلوب تھی کہ استقرارِ حمل کا تعین ہو سکے۔ ارشاد فرمایا گیا، نشانی یہ ہے، کہ آپ صحت و تندرستی کے باوجود لوگوں سے تین رات دن کلام نہیں کر پائیں گے۔ بولنے کی قدرت عبادت کی ادائیگی میں کام آئے گی، حقوق العباد میں تین رات دن یہ قدرت کام نہیں آئے گی۔ یہ نشانی ظاہر کرے گی کہ بقاء نسل کی ابتداء ہو چکی ہے۔

حاصل: نشانی طلب کرنے کا منشاء بقاء نسل کی ابتدا کو جاننا تھا۔ نشانی ایسی دی گئی، کہ وہ اعضاء جن کے افعال بندے کی مرضی کے تابع ہیں، وہاں بھی اللہ ایسی تبدیلی لا سکتا ہے جس کی وضاحت سے بندہ عاجز ہو۔

فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪

تو اپنی قوم پر محراب سے تشریف لا کر انہیں اشارے سے صبح و شام تسبیح کرنے کی تاکید کی۔

اللہ کے فرمان کے مطابق جب وہ نشانی آپ کا حال بن گئی، تو آپ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ لوگوں سے ان ایام میں بات کرنی ممکن نہ تھی۔ آپ نے اپنے منصب کے حوالے سے اپنی قوم کو صبح و شام تسبیح کرنے کی اور اللہ کو یاد کرنے کی تاکید کی۔ اشارات سے ہی یہ کام ہوا۔ جب پورا جسم شکرِ الٰہی بجا لا رہا ہو تو بات لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کے حوالے سے جن کے بارے میں پوچھ ہونی ہے، انہیں تسبیح کی تاکید کرنی چاہئے۔ بولنے سے یہ کام ممکن نہ ہو تو اشارات سے لوگوں کو صبح و شام تسبیح کی تاکید کرنی چاہئے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫

اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو قوت سے تھامئے۔ اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی حکم عطا فرمایا۔

قرآنِ پاک کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہے۔ کلامِ بشر ایسے موقع پر جب بات عام عادت کے خلاف ہو، طویل ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ جو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے پیدا ہو، بشر اس کے بارے میں بات کو اس کی معلوم جزئیات کے ساتھ بیان کرنا چاہے گا۔ کلامِ الٰہی کی شان ملاحظہ ہو کہ ایک لفظ زاید از ضرورت نہیں ہے۔ یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ شعوری زندگی کی ابتدا میں ہی آپ کو صاحب حکم بنا دیا گیا۔ آپ کی دانائی اور فراست کو لوگ مانتے تھے۔ انہیں یہ بچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا وارث نظر آتا تھا، آلِ یعقوب علیہ السلام کا وارث نظر آتا تھا، اور اللہ کی رضا کا کامل نمونہ نظر آتا تھا۔ اس حوالے سے آپ کو یہ حکم دیا گیا، کہ توریت کو فرمان خداوندی ماننے کا اظہار یوں ہو کہ حکم خداوندی کو احسن طریقے سے ماننے کا نمونہ آپ بنیں اور کبھی انسان کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو سہارا نہ دیں۔

حاصل: قوت کے ساتھ کتابِ الٰہی کو تھامنا اور لوگوں کے بنائے ہوئے رواج کو اہمیت نہ دینا، اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ سے فہم وفراست کی دعا کرنی چاہیئے اور فہم وفراست جہاں نظر آئے اس کی قدر کرنی چاہیئے۔

وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ اور اپنی طرف سے مہربانی اور پاکیزگی دی اور وہ متقی تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت نرم دلی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ حسنِ نیت کو دیکھا جائے تو لوگوں کے قول وفعل پر گرفت کرنے کا رویہ نرم دلی میں بدل جاتا ہے۔ لوگوں کے قول وفعل کو اس حق کی ادائیگی پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے جو بندے پر عائد ہوتا ہے تو اس پاکیزگی کو قربِ الٰہی کی سند ماننا چاہیئے۔ جس کو اللہ سے محبت ہوگی اسے اللہ کا ڈر بھی ہوگا۔ اللہ کی عنایات بے پایاں ہوں تو سب کی سب اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنے کا عزم رکھنے کے باوجود کوتاہی کا ڈر رہتا ہے۔

حاصل: نرم دلی اور پاکیزگی پاک لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔ اللہ سے محبت کا ثبوت یہی ہے کہ ہر حال میں اسکا ڈر رہے۔

وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ اور اپنے والدین سے خوش سلوک تھے اور جباری اور نافرمانی آپ میں نام کو نہ تھی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفاتِ مبارکہ کا ذکر ہے۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک یہ ہے کہ ان کے احکامات کو ادب سے مانا جائے۔ یہ احساس ہو کہ حکم دینے والے کو وہ علم بھی ہے جو ماننے والے کو ہے اور وہ علم بھی ہے جو ماننے والے کو نہیں ہے تو بہتر جاننے والے کی بات کو ماننا آسان ہو جاتا ہے۔ والدین کو سکھ دیا جائے تو وہ جسمانی اور روحانی راحت کا زبان سے ذکر کرتے ہیں، عملاً اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ والدین سے اپنے مطالبات کو زور دے کر منوانا، جباری ہے اور اپنی پسند کے خلاف بات ہو تو اسے ماننے سے انکار کر دینا نافرمانی ہے۔ یہ باتیں حضرت یحییٰ علیہ السلام میں بالکل نہ تھیں۔

حاصل: والدین کو سکھ دینا اللہ کے نزدیک بڑی پسندیدہ بات ہے۔ مطالبات کو زور دے کر منوانا اور اپنی پسند کے حوالے سے ان کے احکام کو ماننا قطعاً ناپسندیدہ بات ہے۔

وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع آپ پر سلامتی ہے پیدائش کے دن، موت کے دن اور جس دن اٹھائے جائیں گے۔

ع ۱۵/۴

رحمِ مادر سے باہر آ کر سانس لینے کا دن پیدائش کا دن ہے۔ یہ پہلا انتقال ہے۔ حیاتِ دنیا کو پورا کر کے اس دارِ عمل سے رخصت ہونے کا دن موت کا دن ہے۔ یہ دوسرا انتقال ہے۔ اور جزا کے لئے اٹھائے جانے کا دن یومِ بعث ہے اور یہ تیسرا انتقال ہے۔ سلامتی اور کرم کی احتیاج انتقال کے وقت انتہا پر ہوتی ہے، اور جس کو یہ سلامتی نصیب ہو اس کے مرتبے کو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے قرب کو، واجب التکریم ماننا چاہیئے۔ جہاں قادرِ مطلق کی طرف سے سلامتی شاملِ حال ہو، وہاں کسی دوسری قوت کا اثر ہی کیا ہو سکتا ہے۔

حاصل: پیدائش کے دن اور موت کے دن وہی کرنا چاہئے جو مخلصین کی طریقت ہے۔ جو حال پر پاک ہے، مستقبل میں وہی فلاح پائے گا۔ جو سلامتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو اس سے بڑی کوئی سلامتی ہو ہی نہیں سکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱرْكَعُوا۟ وَٱسْجُدُوا۟ وَٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی بندگی کرو اور خیر کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وقف لازم

وَٱذْكُرْ فِى ٱلْكِتَٰبِ مَرْيَمَ إِذِ ٱنتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝١٦

اور کتاب میں مریم (علیہا السلام) کا ذِکر کیجئے، جب وہ اپنے اہل سے ایک مشرقی مقام کی طرف الگ ہو گئیں۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام، حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں۔ آپ نے جو جگہ بی بی صاحبہ کے لئے بنائی تھی وہاں ایسے رزق کو دیکھ کر جس کا اہتمام موجودہ ذرائع سے نہیں ہو سکتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ بی بی صاحبہ نے جواب دیا: هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ اللہ کی طرف سے ہے۔ (۳:۳۷) یہیں آپ نے پاک اولاد کے لئے دعا کی تھی۔ حضرت بی بی مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ جس جگہ وہ الگ ہو کر بیٹھیں وہ مشرقی جانب تھی۔ الگ ہو کر بیٹھنے کی ضرورت جسمانی اور روحانی حوالے سے تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے حضرت بی بی مریم کا ذکر جس سند کے ساتھ ہو رہا ہے، وہ سند کوئی ایسی نہیں ہے جس کا انکار ممکن ہو۔

حاصل: بیان کے منشاء کو واضح ہونا چاہئے تبھی بیان پورا ہوتا ہے۔ عنوان کو ملحوظ رکھ کر بات شروع کرنی چاہئے، اور عنوان کے حوالے سے بات کو پورا کرنا چاہئے۔ جسمانی اور روحانی ضرورت کے حوالے سے عورتوں کو اپنے گھر والوں سے بھی ایک وقت کے لئے الگ ہونا چاہئے۔

فَٱتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝١٧

تو ان سے پرے ہو کر پردہ کر لیا۔ پھر ہم نے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا، جو تندرست بشر کی صورت میں ظاہر ہوا۔

گھر والوں سے الگ ہونے کی ضرورت کا احساس ایک جسمانی کیفیت کے حوالے سے تھا۔ پردے کا اہتمام اس طرح کیا گیا کہ کسی کو خلوت میں آنے کا موقع نہ ملے۔ وہاں فرشتہ، بی بی صاحبہ کے سامنے ایک صحت مند بشر کی صورت میں حاضر ہوا۔ پردے کا اتنا اہتمام ہو کہ گھر والوں سے بھی علیحدگی ہو، اور وہاں پردہ باقی نہ رہے تو اس سے بڑی حیرت اور کیا ہو سکتی ہے۔

حاصل: اپنی ذاتی سلامتی کے لئے عورتوں کو خلوت کا اہتمام کرنا چاہئے۔ پردہ عورت کی ضرورت ہے اور اس کا حق ہے۔ اپنے گھر میں بھی عورتوں کے اس حق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۝۱۸

کہا، میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو ہے اللہ کا ڈر رکھنے والا۔

حضرت بی بی مریم نے اپنے سامنے نظر آنے والی صورت سے یہ کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ جس نے تجھے قدرت دی ہے، اس کی قدرت کے سامنے اس قدرت کا کوئی مقام نہیں ہے جو اس وقت تمہیں حاصل ہے۔ رحمٰن کی پناہ پاک دامنی کا مقام ہے۔ جنسِ مخالف کو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے احترام کی طرف مائل کرنا اور قدرتِ خداوندی کے بڑے یقین کے ساتھ اپنا حال بیان کرنا بہت بڑی بات ہے۔

حاصل: اللہ کی مدد کا یقین ہو تو خلافِ حق کرنے والے سے مرعوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝۱۹

جواب دیا، میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں، کہ آپ کو ایک پاک بیٹا دوں۔

فرشتے نے حضرت بی بی مریم علیہا السلام سے کہا: جس رب اور رحمٰن کی پناہ آپ کو مطلوب ہے میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں، اور اس بشارت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں کہ آپ کے ہاں ایک پاک بیٹا ہوگا۔

حاصل: بھیجنے والا حق کا علم رکھتا ہو تو بھیجے ہوئے کا قول اور فعل بھیجنے والے کی منشاء کے مطابق ہونا چاہئے۔

قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ۝۲۰ ربع

کہا، میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا اور میں برائی کے رخ پر نہیں ہوں۔

فرشتے کی اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بی بی نے کہا، کہ میرے ہاں لڑکا ہونے کی بات بڑی عجیب ہے۔ مجھے کسی بشر نے چھوا ہی نہیں اور میرا رُخ بھی بُرائی کا نہیں۔ بقاءِ نسل کی یہی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، کہ مرد عورت کے قریب آئے یا عورت اس کے قریب جائے، یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں۔

حاصل: حیرت کا اظہار یہ جاننے کے لئے تھا کہ عطاءِ الٰہی کی صورت کیا ہوگی۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ تو بی بی صاحبہ کو ہوتا ہی رہتا تھا اس لئے بے یقینی کی بات آپ کی زبانِ پاک پر نہیں آسکتی تھی۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۝۲۱

جواب دیا، اسی طرح ہے۔ آپ کے رب نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے، اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائیں اور اپنی طرف سے رحمت، اور یہ امر ہو چکا ہے۔

فرشتے نے بی بی مریم علیہا السلام کو جواب دیا، کہ حالات یہی رہیں گے۔ انہی حالات میں آپ کے ہاں بیٹا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے بغیر باپ کے آپ کو بیٹا عطا کرنا آسان ہے۔ اور اللہ نے اس کو لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرانے کا ارادہ فرمایا ہے اور یہ بیٹا اللہ کی طرف سے رحمت ہوگا۔ یہ عنوان اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جاچکا ہے۔ آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا گیا، بی بی حوا علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا کیا گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا۔ خالق کل کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کی نشانیاں قطعاً واضح ہیں، مگر ہدایت تو اسے ہی ہوسکتی ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔

حاصل: خالقِ کل، علیمِ مطلق ہے۔ وہ جو چاہے، وہی ہوتا ہے۔ اسے کبھی مشکل پیش نہیں آتی۔ جسے اللہ لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرائے، جو لوگوں کے لئے باعثِ قربِ الٰہی ہو، وہ یقیناً اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ امرِ الٰہی کے ہونے کے ساتھ ہی ہر شے اپنے خالق کی منشاء کے مطابق رُخ اختیار کر لیتی ہے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

تو آپ حاملہ ہوگئیں پھر اسے لئے ہوئے آپ دور جگہ پر چلی گئیں۔

فرشتے کے اس پیغام کے بعد کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا، وہ بیٹا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہوگا، بی بی مریم علیہا السلام پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ احساسِ حمل کے ساتھ ہی آنے والے حالات کی طرف نظر گئی۔ قوم کی سوچ اور رویہ آپ کے سامنے تھا۔ وہ ایام جن میں جسم یہ بتا دیتا ہے کہ اس جسم سے ایک اور جسم پیدا ہونے والا ہے، آپ کے لئے بڑے تکلیف دہ تھے۔ آپ ان دنوں میں اپنی عبادت گاہ سے دور ایک مقام پر چلی گئیں، جہاں خلوت کے اعتبار سے بہتر سہولت موجود تھی۔ عام حالات میں زچگی کے وقت، تجربہ کار خواتین سے مدد لی جاتی ہے اور ان کا قرب باعث اطمینان ہوتا ہے، بی بی مریم علیہا السلام کی کیفیت بالکل دوسری تھی۔

حاصل: عطائے الٰہی کی اہمیت معلوم ہو تو بھی اس کے اظہار کے لئے موزوں وقت کو دیکھنا چاہئے۔ لوگ کسی حال پر تبصرہ کرتے وقت اپنے ماضی کے تجربات کے حوالے سے ہی بات کرتے ہیں۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کا مقام ملحوظ رکھنا چاہئے۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

تو زچگی کا درد آپ کو کھجور کی جڑ کی طرف لایا۔ کہنے لگیں، ہائے میں اس سے قبل ہی مر گئی ہوتی اور بھلا دی گئی ہوتی۔

زچگی کا درد عجیب کیفیت رکھتا ہے۔ کبھی چلنے کو جی چاہتا ہے، کبھی بیٹھنے کو۔ بی بی مریم علیہا السلام اسی کیفیت میں تھیں۔ کھجور کے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئیں۔ مستقبل قریب میں اپنی ذات سے متعلق ہونے والی باتوں پر نظر گئی تو کہنے لگیں، ہائے اس سے پہلے میں مر گئی ہوتی اور آج کسی کو یاد بھی نہ ہوتی۔

حاصل: زچگی کے وقت کی ضروریات کا اہتمام بڑے علم سے ہونا چاہئے۔ کسی پاک خاتون کے لئے اس سے بڑی

تکلیف کوئی نہیں ہوسکتی کہ اسے ناپاک سمجھ کر اس سے بات کی جائے۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

تو آپ کے نیچے سے ندا دی گئی کہ حزن نہ کیجئے، آپ کے ربّ نے آپ کے نیچے چشمہ بہادیا ہے۔

زچگی کے درد میں پیاس لگتی ہے۔ پیاس کا اظہار ہوا۔ پانی کے قریب نہ ہونے کا علم بی بی مریم علیہا السلام کو تھا۔ پیاس کے احساس کے ساتھ ہی آپ کو پکار کر کہا گیا: غم نہ کیجئے، آپ کے ربّ نے آپ کے لئے چشمہ بہادیا ہے۔ یہاں کسی کا نظر آنا بی بی صاحبہ کے لئے تکلیف دہ ہوسکتا تھا، اس لئے صرف آواز سے مدد دی گئی۔

حاصل: پاک دامنی دائمی ہوتو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں مدد کی جاتی ہے کہ جو کچھ درکار ہوتا ہے، قریب کردیا جاتا ہے، مشقت معاف ہوجاتی ہے۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلائیے، آپ پر پکی کھجوریں گریں گی۔

غم کے دائرے سے نکلنے کے لئے عملاً کچھ کرنا چاہئے۔ بی بی مریم علیہا السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ کھجور کے درخت کو پکڑ کر ہلائیے، آپ پر پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ اللہ کی قدرت سے بی بی صاحبہ کو کھجوریں بغیر کوشش کئے بھی مل سکتی تھیں، مگر اس کوشش کے بغیر آپ دکھ سے نہیں نکل سکتی تھیں۔ اللہ کی مدد بڑے علم سے ہوتی ہے۔

حاصل: زچگی کے وقت کی بہترین خوراک کھجور ہے۔ تازہ کھجوریں مل سکتی ہوں تو وہ کھلانی چاہئیں ورنہ جو میسر آسکیں وہی کھلانی چاہئیں۔ یہ خوراک زچہ کے لئے تو مفید ہے ہی بچہ کے لئے ماں کے دودھ کے حوالے سے ضروری ہوتی ہے۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾

تو کھائیے اور پیجئے اور آنکھ ٹھنڈی رکھیئے، پھر اگر آپ کسی بشر کو دیکھیں تو کہہ دیجئے، میں نے روزہ رحمٰن کی نذر کیا ہے تو آج کسی آدمی سے کلام نہ کروں گی۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی تسکین کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا: کہ کھائیے اور پیجئے، آپ کے لئے اہتمام کردیا گیا ہے۔ گریہ نہ کیجئے، جو صورت بھی پیش آئے گی اللہ کا فضل شامل حال ہوگا۔ اگر کسی بشر سے واسطہ ہوتو اسے کہہ دیجئے کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے، اس لئے آج کسی سے کلام نہیں کروں گی۔ اس کے سب سوالات کا جواب خاموشی ہوگی۔ خلوت سے جلوت میں آنے کا کام بڑا بھاری ہوتا ہے۔ جلوت میں آنے کے بعد ایک وقت تک خاموشی کو قائم رکھنے سے جسمانی فائدہ بھی پہنچتا ہے روحانی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اس طرح خاموش رہنے والے کے اندر اس ماحول میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے جو خلوت میں پیدا نہیں ہوسکتی اور یوں اللہ کے فضل سے اس کا کام آسان کردیا جاتا ہے۔

حاصل: غم کے دائرے سے کسی کو نکالنا اور کسی کی پاکیزگی کی قدر کرتے ہوئے اس کو مدد دینا، اللہ کی سنت ہے۔ اس میں کھلانے پلانے کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ خلوت کے بعد جلوت کا مقام آتا ہے۔ جلوت میں آنے کے بعد کچھ وقت خاموشی کے ساتھ گزارنا چاہیئے۔ پوری اور بہتر بات اسی طرح ہوسکتی ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

تو بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ کہنے لگے اے مریم (علیہا السلام) بے شک آپ نے بہت برا کیا ہے۔

حضرت بی بی مریم علیہا السلام جب بچے کو گود میں لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے آپ کی پاکیزگی کو کالعدم جان کر آپ سے بات کی، اور کہا اے مریم علیہا السلام بے شک آپ نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ لوگوں کو برائی یہ نظر آئی، کہ بی بی صاحبہ کی گود میں بچہ آپ کی ازدواجی زندگی کا ثبوت ہے اور آپ کی ازدواجی زندگی کسی کے علم میں نہیں ہے۔ لہٰذا ناپاکی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا۔

حاصل: جو اپنے حال کو بیان کرسکتا ہو، اس کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اس سے پوچھ لینا ضروری ہوتا ہے۔ وضاحت کا موقع دیئے بغیر کسی کے بارے میں فیصلہ صادر کردینا ظلم ہے۔

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

اے ہارون کی بہن، آپ کا باپ تو برا نہ تھا اور نہ آپ کی ماں ہی بری تھی۔

قوم کے لوگوں نے کہا یہ سب آپ کے قریبی عزیز ہیں۔ نیکی اور تقوے میں یہ اپنے اپنے مقام پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے بھائی جناب ہارون کی پاک دامنی سے آپ کے عمل کو کیا نسبت ہے۔ آپ کے باپ کی پاکیزگی اور طہارت سے آپ کے عمل کو کیا نسبت ہے اور آپ کی ماں کی شرافت کا تو آپ پر سایہ بھی نہیں پڑا۔ خاندان کی اتنی روشن اور پاک مثالوں کو دیکھ کر بھی آپ نے اپنی پاک دامنی کو قائم نہیں رکھا۔

حاصل: پاک لوگوں سے تعلق ہو تو حسنِ عمل ہی اس تعلق کا ثبوت ہوتا ہے۔ بلا تحقیق فیصلہ صادر کردینا پاک لوگوں کی طریقت نہیں ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

تو آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگے ہم بچے سے کیسے کلام کریں جو گود میں ہے۔

بھائی کی پاکیزگی، باپ کی نیک نامی اور ماں کی شرافت کا ذکر کرکے قوم کے لوگوں نے بی بی مریم علیہا السلام کو طعنہ دیا، تو آپ نے بچے کی طرف اشارہ کرکے جسم کی زبان سے کہا کہ اس بچے کی وجہ سے تم لوگوں کو میری پاکیزگی پر شک ہوا ہے، اسی سے میری پاکیزگی کے بارے میں پوچھ لو۔ اس پر انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا اس بچے سے کیسے بات کی جاسکتی ہے، یہ تو ابھی کچھ بتاسکنے کی عمر میں نہیں ہے۔

حاصل: جس سبب کی وجہ سے لوگ شک میں پڑ رہے ہوں، انہیں اس کی حقیقت کی طرف راغب کرنا چاہیئے۔

قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ۗ اٰتٰنِىَ الۡكِتٰبَ وَ جَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۙ﴿۳۰﴾

بچے نے کہا، بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی ٹھہرایا ہے۔

بی بی مریم علیہا السلام کی پاکیزگی پر شک کرنے والوں کو آپ کے بچے سے کچھ پوچھنے کی بات عجیب لگتی تھی، کہ بچہ نومولود تھا اور بولنے کے مقام پر نہیں تھا۔ بچے نے اس حال پر جس طرح بات شروع کی وہ یوں ہے کہ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اور صاحب کتاب نبی ہوں۔ ناپاکی کا جو خیال لوگوں کے ذہن میں تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام سے غلط ثابت ہو گیا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ جس طرح مدد کرتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ پاک بندے کا بیان شہادت اظہارِ عبدیت سے شروع ہوتا ہے۔

وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰرَكًا اَيۡنَ مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ۖ﴿۳۱﴾

اور اس نے مجھے برکت والا کیا ہے، جہاں بھی ہوں، اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے جب تک حیات ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے تعارف میں یہ فرما رہے ہیں، کہ اللہ نے مجھے برکت والا کیا ہے، جہاں بھی ہوں۔ آپ نے بتایا کہ حصولِ برکت کے طلب گار یاد رکھیں کہ مجھ سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے اور ہر مقام پر کی جا سکتی ہے۔ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے بارے میں اللہ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں کام تا حیات جاری رہیں گے۔ اظہارِ عبدیت دائمی ہوگا، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ معاملے میں پاکیزگی دائمی ہوگی۔ یوں حیاتِ دنیا میں جس کو حُسنِ قول سیکھنا ہو اس کے لئے بھی میں سند ہوں اور جس کو حُسنِ عمل سیکھنا ہو اس کے لئے بھی میں سند ہوں۔

حاصل: اللہ کے بندوں سے حصولِ برکت، اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔ حُسنِ قول بھی برکت والوں سے ہی سیکھا جا سکتا ہے، حُسنِ عمل بھی۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِىۡ وَلَمۡ يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

اور اپنی والدہ سے حُسنِ سلوک کرنے والا۔ اور اس نے مجھے جبار اور شقی نہیں ٹھہرایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی پاکیزگی کا ایسا ثبوت دے رہے ہیں، کہ جو بذاتہٖ معجزہ بھی ہے، حق بھی ہے۔ اپنے تعارف میں آپ نے یہ فرمایا کہ میں صرف ماں سے ہی حُسنِ سلوک کرنے والا ہوں، کہ مجھے اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ ماں سے حُسنِ سلوک یہ ہے کہ اس کے فرمان کو حق کے حوالے سے بڑے ادب کے ساتھ مانا جائے۔ جباری اور زبردستی یہ ہے کہ والدہ کے سامنے اپنی پسند کو اس طرح رکھ دیا جائے کہ اس کی فرماں برداری کا موقع ہی نہ رہے۔ شقی اور بدبخت ہونا یہ ہے کہ ماں کی فرماں برداری کی بجائے، اس کو اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے پر مجبور کیا جائے۔ زبردستی اور بدبختی پاک لوگوں کے طریق زندگی کا حصہ کبھی نہیں ہوتی۔

حاصل: والدہ سے حُسنِ سلوک برکت والے لوگوں کی نشانی ہے۔ زبردستی اور بدبختی سے بچتے رہنے کو حق جاننا چاہئے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میری ولادت ہوئی اور جس دن میری موت ہوگی اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر جس سلام کا ذکر کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، زبانِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس سلام کا ذِکر تین مقامات سے تعلق رکھتا ہے، یومِ ولادت، یومِ موت اور یومِ بعث بعد الموت۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سلامتی سے تعلق رکھتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سلامتی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور قیامت کے دن آپ کا اٹھایا جانا سلامتی سے تعلق رکھتا ہے۔ سلامتی پانے والے کو، سلامتی عطا کرنے والے کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے کتنی بے ہودہ بات کرتے ہیں۔

حاصل: جن پاک لوگوں کی شان دائمی سلامتی کے ساتھ بیان کی گئی ہے ان کے ساتھ کسی خلافِ حق بات کو منسوب کرنا قطعاً خلافِ ادب ہے۔ جہاں یہ بے ادبی ہو وہاں ایمان نہیں ہو سکتا۔

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ قولِ حق جس میں لوگ جھگڑتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ بندگی، کتاب، نبوت، برکت، صلوٰۃ و زکوٰۃ پر تاحیات عمل اور ماں سے حُسنِ سلوک یہ آپ کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ جباری اور بدبختی آپ کی ذات میں بالکل نہ تھی۔ ان کی ولادت، موت اور بعث بعد الموت کا سلامتی سے تعلق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس بیانِ حق کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ کلمۃ اللہ ہیں۔ وہ خدا نہیں ہیں کہ خدا پیدا نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں، کہ اللہ کی مثل کوئی نہیں ہے اور بیٹا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ جس نے آپ کو جبار اور شقی کہا اس نے غلط کہا۔ جس نے آپ کے نسب پر طعن کی وہ کذاب و مفتری ہے۔ حق معلوم ہو جائے تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

حاصل: جب بات حق کے حوالے سے ہو تو وہ مستند ہوتی ہے۔ بات سند سے ہو تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

اولاد اللہ کی شان کے لائق نہیں، وہ پاک ہے۔ جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا! پھر وہ ہو جاتا ہے۔

اولاد، والد کی مثل ہوتی ہے اور اللہ کی کوئی مثل نہیں۔ اولاد عبد کی ہوتی ہے معبود کی نہیں۔ اولاد کا ہونا احتیاج کو ثابت کرتا ہے اور احتیاج اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ وہ اس سے بہت بلند ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ جب اللہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو اس کے لئے کچھ مشکلات نہیں ہوتیں۔ عنوان اس کی طرف سے رکھ دیا جاتا ہے تو اسباب اس عنوان کے مطابق رُخ اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جو وقت طبعی طور پر اس کام کے ہونے کا اللہ نے رکھا ہوا ہے، وہ بھی حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا دائرہ ہر شے پر محیط ہے۔

حاصل: عبد کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیا جاتا ہے تو اس کا عنوان

رکھ دیا جاتا ہے، پھر وہ ہو جاتا ہے۔ اسباب ہمیشہ مسبب کی مرضی کے مطابق رہتے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾

اور بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات اظہارِ عبدیت سے شروع ہوئی تھی، اظہارِ عبدیت پر ختم ہو رہی ہے۔ آپ نے سامعین سے یہ کہا کہ اللہ ہی میرا رب ہے، وہی تمہارا رب ہے کہ وہی رب العالمین ہے۔ بندگی کی ابتدا پاکیزگی سے ہوتی ہے۔ پاکیزگی خلوت میں پہلے ہوتی ہے، جلوت میں اس کے بعد آتی ہے۔ خلوت کی پاکیزگی پر اللہ شاہد ہوتا ہے، جلوت کی پاکیزگی پر اللہ کا بندہ شاہد ہوتا ہے۔ یوں خلوت اور جلوت ایک دوسرے کی مصدق ہو جاتی ہیں، یہ صراطِ مستقیم ہے۔ حال پر فلاح کے لئے اس سے چھوٹا راستہ اور کوئی نہیں۔

حاصل: اللہ کی بندگی سے بات شروع کرنی چاہئے، اللہ کی بندگی پر بات ختم کرنی چاہئے۔ صراطِ مستقیم کا تعین کرنا پاک لوگوں کی شان ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾

پھر ان جماعتوں کے مابین اختلاف ہو گیا، تو کافروں کے لئے خرابی ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے روشن بیان سن کر لوگوں نے وہ رخ اختیار نہیں کیا، جسے آپ نے صراطِ مستقیم کہہ کر لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کے مابین اختلاف ان کی اپنی توضیحات کی وجہ سے ہوا۔ مختلف گروہوں نے اپنے اپنے گمان کے مطابق بات کی، اور آپ کو عبد ماننے سے انکار کیا۔ حق پر وہی گروہ تھا جس نے حضرت کو عبداللہ مانا۔ جن لوگوں نے آپ کو عبداللہ ماننے سے انکار کیا، قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے بارے میں یہ شہادت دیں گے۔ ''میں نے ان سے صرف وہی کہا جس کا تو نے مجھے امر دیا تھا، کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے، تمہارا بھی رب ہے۔'' (۵:۱۱۷) اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود ٹھہرانے والوں کے لئے خرابی ہوگی۔

حاصل: حق میں اپنی پسند کو شامل کرنے سے ہمیشہ اختلاف پیدا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ خرابی ہی ہوتا ہے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام شہادت دیں گے کہ میں نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی تاکید کی تھی، تو انہیں معبود ٹھہرانے والوں کے پاس کیا رہ جائے گا۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے بہت سنتے اور خوب دیکھتے ہوں گے، مگر آج ظالم صریحاً بہک رہے ہیں۔

ہدایت و گمراہی کا تعلق حال سے ہے۔ جو حق کو سنتا ہے، اس میں تدبر کرتا ہے اور فلاح کی طلب کے ساتھ پاک اور ناپاک کے فرق کو

دیکھتا ہے، اسے ہدایت ہوتی ہے۔ جو حق کو سن کر ان سنا کر دیتا ہے، جو پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کو دیکھنے کے باوجود اپنے نفس کی خوشی کے لئے ناپاکی کی طرف ہی جاتا ہے، وہ بہک جاتا ہے۔ حال پر سننا اور دیکھنا نافع ہوتا ہے کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت موجود ہوتی ہے۔ آخرت میں ظالموں کے لئے حسرت کا دن ہوگا۔ اس دن خوب سننا اور خوب دیکھنا انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا، کہ عملاً اپنی صداقت کو ثابت کرنے کا ان کے پاس وقت ہی نہ ہوگا۔

حاصل: سننے اور دیکھنے کی صلاحیت کا استعمال باعثِ ہدایت ہونا چاہئے۔ ظالم حق کو سن کر خلافِ حق کرتا ہے، مخلصین کے عمل کو دیکھ کر اس کے خلاف کرتا ہے، یوں وہ گمراہی کو خود خریدتا ہے۔

وقف لازم

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور ڈر سنا دیجئے انہیں حسرت کے دن کا جب کام ہو چکے گا۔ اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ مانتے نہیں۔

جن لوگوں کے اعمال کی بنیاد آخرت کے انکار پر رکھی جاتی ہے، ان کے لئے جزا کا دن، حسرت کا دن ہوگا۔ انہیں افسوس ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ نہیں کرنا چاہئے تھا، اور حق کے مطابق جو کچھ کرنا چاہئے اس کا اب وقت نہیں ہے۔ خدائی فیصلے کی شان نظر آئے گی۔ اپنا عجز بھی سامنے ہوگا۔ اس دن کے افسوس کو کسی دوسرے افسوس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، مگر لوگ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ مقصدِ حیات پر نظر نہیں کرتے۔ یہ مانتے ہی نہیں کہ اللہ نے کسی شے کو بے مقصد نہیں پیدا کیا۔

حاصل: یہ حسرت کی انتہا ہے کہ اصلاح باعثِ فلاح نظر آئے اور اسے اختیار کرنا ممکن نہ ہو۔ اپنے مقصدِ حیات کو دیکھنا چاہئے ورنہ غفلت کے دائرے سے نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾ ع

ع ۲ ۲۵ ۵

بے شک ہم زمین اور جو کچھ اس پر ہے کے وارث ہوں گے، اور وہ ہماری طرف لوٹ آئیں گے۔

قیامت کے دن زمین اور جو کچھ اس پر ہے کی ملکیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جس مالک نے اسے پیدا کیا ہے وہ حال پر بھی اس کا مالک ہے، مستقبل میں بھی اس کا مالک ہوگا۔ دارِ عمل میں حضرت انسان کو ایک توفیق کے ساتھ زمین پر رہنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر وہ یاد رکھے کہ اسے بھیجنے والے کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو وہ مالکِ حقیقی کے ساتھ اپنے تعلق کو اس کی رضا کے حوالے سے درست رکھے گا، ورنہ من مانی کرتے ہوئے وہ توفیق اور مہلت کو ضائع کر لے گا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہمارا آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جانا بھی ہے۔

حاصل: مہلت اور توفیق کو اللہ کی عطا جاننا چاہئے۔ ہمارا آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں جانا بھی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے، جو کچھ وہ کرتے تھے۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بے شک وہ صدیق تھے، نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ نبی ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہو یا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بیان کر کے سب لوگ راحت پاتے ہیں۔ یوں آپ کا ذکرِ خیر سامعین کے لئے باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے۔ اس سے انہیں رجوع الی اللہ ہونے میں مدد ملتی ہے۔ یہاں ان کی دو صفات بیان فرمائی گئی ہیں، صدیقیت اور نبوت۔ حق کو بیان کرنا، اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنا، رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے ہمہ وقت مستعد رہنا اور جس قربانی کے لئے مالکِ حقیقی کی طرف سے آگاہی ملے اس قربانی کو بصد احترام پیش کرنا، یہ صدیق کی شان ہے۔ نبی، اللہ کی بات کرتا ہے، اللہ کے علم سے بولتا ہے، بشارت و انذار کے حوالے سے شاہد ہوتا ہے، کبھی لوگوں کی پسند کو اہمیت دے کر حق کو ان کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا، نبی کا اجر رب العالمین پر ہوتا ہے۔

حاصل: اس سے بڑی برکت کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ اللہ کے دوست کو اپنا دوست بنالیں۔ جس سے محبت کا دعویٰ ہو اس کی صفات کا پرتو محبّین میں نظر آنا چاہئے۔ جو باتیں شان صدیقیت کے خلاف ہوں، شانِ نبوت کے منافی ہوں ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرنا خلافِ ادب ہے، خلافِ حق ہے۔

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡــًٔا ﴿۴۲﴾

جب اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ، آپ اس کی بندگی کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے اعمال کا ایک وقت تک مشاہدہ کیا۔ مشاہدے کے لئے جو قرب درکار ہوتا ہے وہ تو آپ کو حاصل تھا۔ باپ کے ساتھ بات کرنے میں موزوں وقت، موزوں مقام اور آدابِ کلام یہ سب باتیں آپ کی نظر میں تھیں۔ آپ نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ، میں آپ کو اس کی بندگی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں جو آپ کی دعاؤں کو سنتا ہی نہیں، جو آپ کے حال کو دیکھتا ہی نہیں، اور آپ کے کسی کام نہیں آتا اور آپ ہیں کہ اس کی بندگی کئے جا رہے ہیں۔ عبد کا معبود سے یہ تعلق ہوتا ہے کہ عبد اپنی احتیاج کو اپنے معبود کے سامنے اس یقین کے ساتھ بیان کرتا ہے، کہ اس کا معبود اس کی احتیاج کو اپنے علم اور اپنی قدرت سے اس طرح پورا کرے گا کہ اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے خالق کے مقابل اپنی گھڑی ہوئی چیز کو معبود بنالینا خلافِ عقل ہے۔

حاصل: باپ کے ساتھ بات کرنے میں آدابِ کلام، موزوں وقت اور موزوں مقام کو دیکھنا چاہئے۔ بات اگر ایسے ماحول میں ہو کہ ابتدا میں ہی سننے والے کے اندر حدت پیدا ہو جائے، تو سننا ممکن ہی نہ رہے گا۔ معبود کی شان یہ ہے کہ وہ ہر مقام پر اپنے عبد کی دعا کو سنتا ہے، ہر مقام پر اپنے عبد کو دیکھتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

اے میرے باپ بے شک مجھے ایک علم عطا ہوا ہے، جو آپ کو نہیں ملا۔ تو میرا اتباع کیجئے، میں آپ کو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے اپنے علم کے بارے میں یہ کہا، کہ مجھے ایک علم عطا فرمایا گیا ہے، اور یہ علم آپ کو نہیں ہے۔ مقصود اللہ کی رضا ہو تو وہ راستہ اختیار کرنا چاہئے جس راستے پر چل کر اللہ کی رضا کے حصول کا یقین ہو۔ میری پیروی سے آپ کو خوف وحزن سے نجات مل جائے گی، اطمینانِ قلب مل جائے گا۔ اس طرح آپ کو وہ مل جائے گا جو آپ کی سعی بسیار کے باوجود آپ کو نہیں ملا۔

حاصل: اپنے علم کا اظہار ہوگا تو سامعین کو پیروی کے لئے کہا جاسکے گا، خوف وحزن سے نجات کی راہ دکھائی جاسکے گی۔ علم حقیقی تو ہوتا ہی خدمتِ خلق کے لئے ہے، اس لئے اس کا اظہار کبھی استکبار کی علامت نہیں ہوسکتا۔

يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

اے میرے باپ، شیطان کی بندگی نہ کیجئے، بیشک شیطان، الرحمٰن کا نافرمان ہے۔

اللہ کا فرمان لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ جب اس کے مقابل اپنی خواہش اور تجویز کو زیادہ وقعت دی جائے تو یہ شیطان کی بندگی ہوگی۔ اگر کوئی شیطان کو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرے تو اسے دیکھنا چاہئے، کہ نافرمان کا ساتھ صاحبِ فرمان سے دوری کا باعث ہی بن سکتا ہے۔

حاصل: اپنی خواہش اور تجویز کو اللہ کے فرمان کے مقابل زیادہ وقعت دینا، شیطان کی بندگی ہے۔ مردود کا ساتھ قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

اے میرے باپ مجھے خوف ہے کہ آپ کو الرحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب پہنچے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

الرحمٰن کی شان ہے کہ وہ عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ ادنیٰ چکھا کر بندے کو اصلاحِ حال کی طرف آنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ کا یہ عذاب بندے کے باطل عقیدے کی نفی کر دیتا ہے۔ اسے یہ نظر آنے لگتا ہے کہ جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے وہ سلامتی کا راستہ نہیں ہے، فلاح کا راستہ نہیں ہے۔ ان حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ اگر اس مقام پر بھی وہ حق سے اعراض کرے تو پھر اس کی پسند کے مقابل اسے کچھ اہم نظر نہیں آتا اور وہ شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والوں کو فوراً نہیں پکڑ لیا جاتا، انہیں اصلاحِ حال کی مہلت دی جاتی ہے۔ اتمامِ حجت کے باوجود وہ حق سے اعراض کو اپنا معمول بنالیں، تو پھر وہ شیطان کے ساتھی ہو جاتے ہیں۔ من مانی کرتے چلے جانے سے بڑھ کر بے ہودگی کیا ہوسکتی ہے۔

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ ۖ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾

کہنے لگا، اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم میرے معبودوں سے منہ پھیرتے ہو۔ اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں سنگسار کر دوں گا، اور مجھ سے ایک عرصے کے لئے ہجرت کر جاؤ۔

باپ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی باتیں سن کر یہ کہا، کیا تمہیں یہ جرات ہوگئی ہے کہ تم میرے معبودوں کی شان میں گستاخی کررہے ہو۔ اگر تم اپنے رویئے پر ندامت کا اظہار کرو تو اس قصور کو معاف کیا جاسکتا ہے، اور اگر تمہاری یہ روش جاری رہے تو پھر یقیناً تمہاری سزا سنگساری ہوگی۔ تمہارا باپ ان معبودوں سے منہ پھیرنے کی سزا تمہیں خود دے گا۔ میرے نزدیک ان معبودوں کے مقابل تمہارا کیا مقام ہے، واضح کردیا گیا ہے۔ اب میرے پاس رہنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ تم ایک لمبے عرصے کے لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ اس عرصے میں تمہیں یہ احساس ہوجائے کہ میرے پاس رہنا تمہاری ضرورت ہے، تو ان معبودوں کے ساتھ تمہیں اسی طرح پیش آنا ہوگا جس طرح میں آتا ہوں۔

حاصل: اپنی سوچ کو سند کا درجہ دینا اور اسی کے حوالے سے فیصلے کرتے چلے جانا، خوف وحزن کو بڑھا دیتا ہے۔ حق کے جواب میں انتہائی دھمکی بھی یہی ثابت کرتی ہے، کہ دھمکی دینے والے کے پاس اپنے عقائد کے درست ہونے کی کوئی قابل ذکر سند نہیں ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

فرمایا، آپ کو سلام ہے۔ جلد ہی میں آپ کے لئے اپنے ربّ سے استغفار کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کی باتوں کے جواب میں فرمایا: آپ کو سلام ہے۔ میں اپنے رب سے آپ کے لئے معافی طلب کروں گا، بخشش طلب کروں گا، میرے رب کی مجھ پر بہت عنایات ہیں۔ یہ وعدۂ استغفار اس وقت کیا گیا جب آپ نے اپنے باپ سے اس کے حکم کے مطابق الگ ہونے کا رخ اختیار کیا۔ جب آپ نے یہ دیکھ لیا کہ باپ اللہ کا دشمن ہو چکا ہے، پھر آپ نے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا خلافِ حق جانا۔

حاصل: جب تک باپ کی اللہ سے دشمنی عملاً نظر نہ آجائے، نیک اولاد کو اس کے لئے دعاءِ خیر کا وعدہ کرنا چاہئے اور دعاءِ خیر کرنی چاہئے۔

وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّىْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّىْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

اور میں آپ سے اور جن کو آپ اللہ کے مقابل پکارتے ہیں، کنارہ کش ہو جاؤں گا۔ اور اپنے ربّ کو پکاروں گا، امید یہی ہے کہ میرا ربّ مجھے محروم نہیں رکھے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے اس حکم کے جواب میں کہ بتوں سے منہ پھیرنے کی سزا سنگساری ہوگی، اور انہیں وہاں سے چلے جانا چاہئے، یہ کہا: اے میرے باپ میں آپ سے کنارہ کش ہوتا ہوں اور ان خداؤں سے بھی کنارہ کش ہوتا ہوں جن کو آپ اللہ کے مقابل پکارتے ہیں۔ اس کنارہ کشی کے اعلان کے ساتھ ہی آپ نے اس طریقت کو بیان کیا جو آپ کے سامنے تھی، اور وہ یہ تھی کہ رب کی بندگی ہوگی اور اس سے دعا ہوگی کہ وہ ہر مقام پر پورا رکھے اور امید یہی ہے کہ وہ مجھے محروم نہیں رکھے گا۔

حاصل: برائی کرنے والے سے کنارہ کشی تبھی ہوگی، جب اس کی بُری صفات سے کنارہ کشی ہوگی۔ کسی کے طریق زندگی

کوغلط کہنے کے ساتھ اپنے طریق زندگی کو بیان کرنا چاہیے، تاکہ ناحق کے مقابل حق کا پتہ چلے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾

تو آپ ان سے اور جن کو وہ اللہ کے مقابل معبود ٹھہراتے تھے الگ ہوگئے، اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) عطا کئے، اور ہر ایک کو نبی ٹھہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے باپ سے اور جن کو وہاں اللہ کے مقابل پوجا جاتا تھا الگ ہوگئے۔اس کنارہ کشی کے لئے جس مدد کی ضرورت تھی، وہ مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔اللہ سے بڑا مدد دینے والا کوئی نہیں۔ایک ماحول جس میں آپ کو ناپاکی کا احساس ہوگیا تھا، اس کو چھوڑ دینے کا انعام یہ دیا گیا کہ ایک پاک اور منور ماحول عطا فرما دیا گیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام عطا ہوئے۔اس نبی بیٹے کی اولاد سے حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہوئے۔حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنی اسرائیل کا سلسلہ شروع ہوا۔

حاصل: ناپاک ماحول سے کنارہ کشی کا عزم ہو تو اللہ کی مہربانی سے یہ مشکل کام آسان ہوجاتا ہے۔ناپاک ماحول سے کنارہ کشی کا جو انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع ۲

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی اور ان کے لئے سچی بلند ناموری ٹھہرائی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس طرح رحمتِ الٰہی سے نوازا گیا، وہ ان کی صداقت کا انعام تھا۔اللہ سے بڑا انعام کوئی نہیں دے سکتا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک پاکی کے ساتھ باقی ہے، اور عباداتِ الٰہی کی طریقت میں رکن کا درجہ رکھتا ہے۔یہ سچی اور بلند ناموری ہے۔

حاصل: جو صداقت عنداللہ مقبول ہوجائے اس کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔مجاز کے 'سچے' کی یہ صفت ہے کہ اس میں ڈالی جانے والے شے اپنی شکل 'سچے' کے مطابق بنالیتی ہے، حقیقت کے سچے کی شان تو بہت ارفع ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ اے ایمان والو شیطان کی پیروی نہ کرو۔اور جو اس کی پیروی کرے تو یقیناً وہ اسے بے حیائی اور برائی کا ہی امر کرے گا۔(۲۴:۲۱)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾

اور کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ مخلص تھے اور رسول تھے نبی تھے۔

حکمِ خداوندی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، اسرائیلی روایات کو ان اسناد کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔آپ کی تین صفات کو یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔آپ مخلص تھے، رسول تھے اور نبی تھے۔کلیم اللہ ہونے کا مرتبہ آپ کی شان کو واضح کرتا ہے۔یہ شان اس قرب کو روشن کرتی ہے جو اللہ کے نزدیک آپ کو حاصل تھا۔رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہد بنا کر بھیجا جاتا ہے، منشاء یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے بندے کو اکمل نمونہ جان کر اس سے محبت رکھیں، اس کی اطاعت و اتباع میں راحت پائیں اور فلاح پا جائیں۔نبی کا کام ہوتا ہے دعوتِ خیر دینا، ماضی سے درسِ عبرت دینا اور مستقبل سے آگاہ کرنا، تاکہ لوگ صراطِ مستقیم کو پا لیں۔کوئی ایسی بات جو مخلص، رسول اور نبی کی شان کے منافی ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا منسوب کرنا خلافِ حق ہوگا۔اسرائیلی روایات کو اس کسوٹی پر دیکھا جائے تو حقائق روشن ہو جائیں گے اور بے سند باتیں مٹ جائیں گی۔

حاصل: تصدیق حق کے حوالے سے ہونی چاہئے اور حال پر ہونی چاہئے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے آپ کو طور کی مبارک جانب سے ندا دی اور آپ کو راز کے لئے قریب کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف تشریف لا رہے تھے۔طور کا پہاڑ راستے کے قریب تھا۔جس مقام کو اللہ نے انعام عطا کرنے کے لئے پسند کیا وہ یقیناً مبارک مقام ہے۔اس مقام سے ندا دی گئی اور فرمایا گیا: اے موسیٰ علیہ السلام میں ہی اللہ ہوں، رب العالمین ہوں۔یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال کو بیان کرنے کے لئے کہی گئی ہے۔وہ اللہ کو پانے کی کس قدر طلب رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ندا اس کا جواب ہے۔راز وہ حقائق ہوتے ہیں، جو ایک وقت سے پہلے خواہش پرستوں کو معلوم ہو جائیں تو وہ مخلوق کو دُکھ دینے لگتے ہیں، مخلص کو معلوم ہو جائیں تو وہ مخلوق کی علم سے مدد کرنے لگتے ہیں۔راز اسے بتایا جاتا ہے جو راز کو پانے کا حق جانتا ہو، راز کے حق کو ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور یک سوئی کے ساتھ عمل کرتا ہو۔

حاصل: جس مقام سے حق عطا ہو، انعام عطا ہو وہ مبارک مقام ہوتا ہے۔راز کے لئے قرب شرط ہے۔راز کو راز عطا کرنے والے کے علم کے مطابق مخلوق کے لئے باعث برکت بنانا، راز پانے والے کی شانِ عبدیت ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور اپنی رحمت سے آپ کو ہارون نبی بھائی بخشا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ اے میرے اللہ میرے سینے کو کھول دے، میرے کام کو آسان کر دے، میری زبان کے عقدے کو حل فرما دے کہ میری بات انہیں سمجھ میں آئے اور میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا وزیر بنا دے۔اللہ نے اپنی رحمت سے ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد دی۔اللہ سے بڑا مددگار کوئی نہیں ہو سکتا، اور اللہ نے مومنین کی مدد کا وعدہ فرما رکھا ہے۔

حاصل: مدد وہی ہوتی ہے جو حق کے حوالے سے ہو۔پاک بھائی کے ساتھ کو اللہ کی رحمت جاننا چاہئے اور اس کی قدر کرنی چاہئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ اور کتاب میں اسمٰعیل (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ وعدے کے صادق تھے، رسول تھے، نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ایک سلسلہ تو حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے، جن کا ایک نام اسرائیل بھی ہے شروع ہوتا ہے، اور نبوت بنی اسرائیل کی عالمین پر فضیلت کی ایک سند معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ یوں اس سلسلے میں آپ پہلے نبی ہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کو وعدے کا سچا فرمایا گیا ہے۔ وعدے کا سچا ہونا ہر پاک بندے کے لئے ضروری ہے، انبیاء کی شان تو بہت بلند ہوتی ہے۔ وعدے کا سچا ہونا جس طرح آپ کی حیاتِ طیبہ میں نظر آتا ہے وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہتے ہیں، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں آپ کو ذبح کر رہا ہوں، تو بتایئے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ بیٹے کا جواب یہ ہے، آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو امر ہوا ہے، انشاء اللہ مجھے آپ صابر پائیں گے۔ دربارِ الٰہی میں سربسجود قربانی کے لئے پیش ہو جاتے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ والد محترم نے جو خواب میں دیکھا ہے وہی امرِ الٰہی ہے۔ وعدے کا پورا کرنا بڑی شان ہے، اور اس شان کے رکھنے والوں میں آپ ارفع ہیں۔ رسالت و نبوت آپ کو عطا فرمائی گئی۔ اس تناظر میں کسی منفی صفت کو آپ کی ذات پاک سے منسوب کرنا قطعاً خلافِ حق ہوگا۔

حاصل: پاک لوگوں کا ذِکرِ خیر اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ وعدہ پورا کرنے میں ارفع مقام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ہے۔ رسالت و نبوت اللہ کی عطا ہے۔ اللہ کے چنے ہوئے کو چن لینے سے سب مراحل آسان ہو جاتے ہیں۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ اور اپنے اہل کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا امر دینے والے اور اپنے ربّ کی مرضی پر رہنے والے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی صفات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ آپ اپنے اہل کو نماز کا حکم دیتے تھے، زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور رضاء الٰہی ہر مقام پر آپ کا مقصود ہوتا تھا۔ نماز پڑھنے والا، بُرائی اور بے حیائی سے رک جاتا ہے۔ پاکیزگی اس کا حال بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے والا عملاً پاک مال کو استعمال کرتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے کا عمل اس کے قول پر شاہد ہوتا ہے، اس لئے وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جس کا مقصود اللہ کی رضا ہو، وہ اللہ کی مرضی میں راحت پاتا ہے۔ لوگوں کی رائے اس کے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتی۔

حاصل: اپنے اہل کو نماز کا امر دینا چاہئے، زکوٰۃ کا امر دینا چاہئے، اور انہیں رضاء الٰہی کو مقصود بنانے کی تربیت دینی چاہئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذِکر کیجئے، بے شک وہ صدیق تھے، نبی تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی اسرائیلی روایات نے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآنِ پاک نے ان کی

توصیف کے ساتھ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مماثل قرار دیا ہے۔صدیق حق کی اس طرح تصدیق کرتا ہے کہ طالبینِ حق کو سلامتی سے ان کے مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔کسی قربانی کو رضاء الٰہی کے حوالے سے بڑا کہنا صدیق کی شان کے منافی ہے۔نبی لوگوں کو اللہ سے واصل کرنے کا علم رکھتا ہے۔نبی کے اتباع کو قبول کرنے والے واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔اسرائیلی روایات میں جو کچھ بھی ہے،ان حقائق کی روشنی میں اسے دیکھا جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ حق کیا ہے اور اس میں لوگوں نے اپنی پسند سے کیا کیا ملا دیا ہے۔

حاصل: صدیق سے محبت رکھنے والے کو یہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کی زبان سے نکلا ہوا، ہر ہر لفظ اس کے لئے سند کا درجہ رکھتا ہے۔حسنِ کلام یہ ہے کہ بیان کی سند قرآن پاک سے ہو۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور ہم نے آپ کو مقامِ اعلیٰ پر رفعت دی۔

مقامِ اعلیٰ پر حضرت ادریس علیہ السلام کو جو رفعت دی گئی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام تھا۔حسنِ صداقت صدیق کی شان کا مظہر ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے تائید حاصل ہوتی ہے بلندی حاصل ہوتی ہے،مخالف قوتوں کو اس فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

حاصل: تائیدِ ایزدی بڑا انعام ہے۔اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾

السجدۃ ۵

یہ لوگ ہیں انبیاء کرام سے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا تھا اور اولادِ ابراہیم سے اور اولاد اسرائیل سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔جب ان پر الرحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں،تو سجدے میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے۔

یہ انبیاء کرام جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔یہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں،سبھی انعام یافتہ ہیں۔سبھی اپنے اپنے حال پر قربِ الٰہی کا ذریعہ تھے۔وہ لوگ جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے وہ آپ سے محبت رکھنے والے لوگ تھے اور انعام یافتہ تھے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام انعام یافتہ تھے۔اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سب انعام یافتہ تھے۔یہ وہ حضرات ہیں جن کو اللہ نے اپنے علم سے نوازا،ان کے بارے میں سند نازل فرمائی کہ وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں،تاکہ فلاح کے طالب ان کو دوست بنالیں۔فلاح کی طلب رکھنے والے اس طرح اظہارِ بندگی کرتے ہیں،کہ جب ان پر الرحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔یہ حضرات عطاء الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: یا اللہ ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو،اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل: انعام یافتہ حضرات کی صفاتِ مبارکہ موجود ہوں تو یہ ان کے ساتھ کا ثبوت ہوتا ہے۔خلوت وجلوت میں

پاکیزگی موجود ہو تو یہ دائمی پاک دامنی کی سند ہے۔ انعام یافتہ بندے عطاء الٰہی کے حوالے سے اپنے عمل کو چھوٹا دیکھتے ہیں اور ہمیشہ یہ کہتے ہیں، یا اللہ اپنے کرم کی طرف دیکھیو ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر ان کے بعد وہ ناخلف آئے جنہوں نے اپنی نمازوں کو ضائع کرلیا اور شہوات کی پیروی کی، تو آگے گمراہی کو دیکھ لیں گے۔

جو فرد یا جماعت پاکی کے راستے کو چھوڑ دے، اس کو ناخلف جاننا چاہیے۔ ناخلف کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ نمازوں کو ضائع کر لیتے ہیں اور اپنی شہوات کی پیروی کرتے ہیں، آگے اپنے اعمال کا انجام پالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز میں اللہ سے پاک رہنے کا عہد کیا جاتا ہے۔ نماز کے بعد اس عہد کو پورا کرنے کی سعی کی جائے اور اپنی مرضی کرنے کی بجائے اللہ کی رضا کو مقصود بنایا جائے تو نماز قائم ہو جائے گی۔ جب نمازیں ضائع ہو جائیں گی تو من مانی کرنے سے رک جانا ناممکن ہو گا، شہوات کی پیروی حال ہو جائے گی، یہ اللہ کی راہ سے بہک جانے کی سند ہے۔ حدود اللہ کے احترام سے بغاوت کرنے والے اپنے اعمال کے انجام کو عنقریب دیکھ لیں گے۔

حاصل: نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ شہوات کی پیروی کو باعث عذابِ الٰہی جاننا چاہیے۔ جس کا حال خلافِ حق ہوگا، وہ مستقبل میں عذاب پائے گا۔ اللہ کی رضا مطلوب ہو تو انجام جنت ہوگا، اپنی مرضی کی جائے تو انجام جہنم ہوگا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور صالح عمل کیے، تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔

اتمام حجت کے تقاضے پورے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کا مقام آتا ہے۔ اللہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ گنہگار ہونے کا احساس ہو جائے تو توبہ کے دروازے کی طرف آنا چاہیے۔ تائب ہونے والا ایمان کی تجدید کرتا ہے، اس تجدید ایمان پر کسی پاک بندے کو شاہد بناتا ہے، اور اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت صالح اعمال سے دیتا ہے۔ اس کو ہدایت عطا ہو جاتی ہے، اطمینانِ قلب مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ جنت میں داخل ہوگا، اور وہ گناہ جو اس نے توبہ سے پہلے کیے تھے، ان کی نفی کر دی جائے گی، اور ان گناہوں کے حوالے سے جنتی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تو رحم کرتا ہے، فضل کرتا ہے۔ ظلم اس کی شان کے لائق ہی نہیں۔

حاصل: احساس ہو جائے کہ ہم نے خلافِ حق کیا ہے، تو فوراً توبہ کرنی چاہیے، تجدیدِ ایمان پر اللہ کے پاک بندے کو شاہد بنانا چاہیے، صالح اعمال سے اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت دینا چاہیے۔ فلاح پا جانے والے کو اس کے گناہوں کے حوالے سے کچھ نقصان نہیں دیا جائے گا۔ جنت مقامِ ظلم نہیں ہے۔ دوزخ والے اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾

بسنے کے باغ جن کا الرحمٰن نے اپنے بندوں سے بالغیب وعدہ فرما رکھا ہے۔ بیشک وہ وعدہ آنے والا ہے۔

اللہ کے پاک بندے خلوت میں اپنے رب کے ساتھ پاک رہتے ہیں، جلوت میں اللہ کے رسول کے ساتھ پاک رہتے ہیں۔ ان کا لوگوں سے معاملہ حق کے حوالے سے ہوتا ہے۔ ان بندوں نے جنت کو دیکھ کر اپنے حال کی اصلاح نہیں کی ہوتی، بلکہ یہ لوگ مخلصین کی صداقت کو مانتے ہیں۔ ان کے طریق زندگی میں فلاح کا یقین رکھتے ہیں۔ جزا کا یقین ان کے اعمال میں جلوہ گر رہتا ہے۔

حاصل: خلوت وجلوت میں پاک رہنا، اللہ کے بندوں کی طریقت ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، ہمارا وعدہ بھی سچا ہو تو اللہ کو ماننے کا ثبوت ملے گا۔ جزا کا یقین ہمارے ہر ہر عمل میں نظر آنا چاہئے۔

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا‌ ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

وہ وہاں سلام سنیں گے، کوئی لغوبات نہیں سنیں گے۔ اور ان کے لئے اس میں صبح وشام رزق ہے۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ بے ہودہ بات سے ان کو کراہت ہوتی ہے۔ جنت میں کوئی لغوبات نہ ہوگی۔ لغوبات کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ جنت میں سلام ہوگا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر راحت ہوگی اور ملائکہ کی طرف سے بھی جنتیوں پر سلام ہوگا۔ سورج کے طلوع وغروب سے صبح وشام کا جو تعلق ہے وہ سورج کا کام ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ وقت کا تعین بھی ایک اہمیت رکھتا ہے، وہاں اللہ اپنی قدرت سے وقت کا تعین کرنے کے لئے ایک نظام بنا دے گا۔ رزق جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے لئے ہوتا ہے۔ رزق صبح وشام لیا جائے تو اس سے جسمانی اور روحانی راحت حاصل ہوتی ہے۔

حاصل: پاک مقامات کی شان یہ ہے کہ وہاں لغوبات نہ ہو، سلام ہو، تحیت ہو، مبارک باد ہو اور کلام کی سب صورتیں ہوں جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ رزق کا صبح وشام لیا جانا، جسمانی اعتبار سے بھی مفید ہوتا ہے روحانی اعتبار سے بھی۔

تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

یہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے ان بندوں کو کریں گے جو متقی ہیں۔

متقی اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہیں۔ بولتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا کلام سننے والوں کے لئے مفید ہو، اس میں کچھ لغو نہ ہو، اس میں کچھ استکبار نہ ہو۔ عمل کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ جزا کا یقین ہمارے عمل میں نظر آئے۔ یہ پاک لوگ جنت کے وارث ہوں گے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاک وارث ہوں گے۔

حاصل: متقی لوگوں کی قدر کرنا لازم ہے کہ اللہ ان کی قدر کرتا ہے۔ وہ تقسیم جو علم الٰہی کے حوالے سے ہو یقیناً بہترین تقسیم ہے۔ پاک کا وارث ہونے کے لئے پاکیزگی لازم ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ ﴿۶۴﴾

اور ہم آپ کے رب کے امر سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے مابین ہے۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔

ملائکہ نے اپنے مقام و مرتبہ کے تعارف میں یہ کہا ہے، اپنی حرکات وسکنات کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ہمارا نزول امرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ ہم وہی کرتے ہیں جس کا ہمیں امر دیا جاتا ہے اور اتنا کرتے ہیں جتنا ہمیں امر دیا جاتا ہے۔ ہمیں علم ہے کہ ماضی کا مالک بھی اللہ ہے، مستقبل کا مالک بھی اللہ ہے اور ماضی، مستقبل کے درمیان جو حال ہے اس کا مالک بھی اللہ ہے۔ ہم صرف امر الٰہی کو دیکھتے ہیں۔ اللہ ہر حال کو ہر مقام کو دیکھتا ہے۔ اس کا بھول جانا ناممکن ہے۔ دعا کا منشاء اظہارِ عبدیت ہوتا ہے۔ عالمین کی ربوبیت میں بھول جانے کا کوئی مقام نہیں ہوسکتا، ورنہ اس کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ملائکہ کا اپنے تعارف میں یہ کلام بھی امرِ الٰہی سے ہے۔ ان کی نظر اس کی حکمت کی طرف کیوں جائے گی۔

حاصل: تائیدِ ایزدی، اللہ کے علم سے ہوتی ہے، اللہ کے امر سے ہوتی ہے۔ امرِ الٰہی کی تعمیل میں اپنی پسند کو ساکن رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ دعا اظہارِ عبدیت کے لئے ہوتی ہے۔ علم مطلق تو ہے ہی اللہ کی شان کے لائق۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ؏ ﴿۶۵﴾ ع ۱۵

وہ ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے۔ تو اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت رہو۔ کیا اس کے نام کا کوئی دوسرا تمہارے علم میں ہے۔

آسمانوں میں سب کا پالنے والا، اللہ ہے۔ زمین میں سب کا پالنے والا، اللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین سب کا پالنے والا اللہ ہے۔ اور کسی کو ربوبیت کے لوازمات بھی معلوم نہیں۔ اللہ کی بندگی یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرنے والے کے ساتھ ہو جاؤ۔ جو عند اللہ مقبول ہے اس کے ساتھ ہو جاؤ گے تو تم بھی مقبول ہو جاؤ گے۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ اللہ کے پاک بندے کا اتباع کرنے میں اپنے جاننے کو اہمیت نہ دو، ورنہ یک سوئی نہ رہے گی۔ اللہ کے لاشریک ہونے کا مقام اتنا روشن ہے کہ اس کے نام کا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ جس کو صفت دی گئی ہو، جس کی صفت ایک وقت کے لئے ہو، جس کی احتیاج پر اس کی اپنی ذات گواہ ہو، اس کو آسمانوں اور زمین کے رب کے برابر ٹھہرانا بڑی بے علمی کی بات ہے۔

حاصل: رب العالمین کے کرم کو دیکھنا چاہئے۔ اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب اللہ کی بندگی کرنے والے مخلص بندے کا ساتھ ہوگا۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ جہاں محبوب کا قدم ہو وہاں محبّ کا سر ہو۔ 'اللہ' نام کا دوسرا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت: سورۃ الاسراء (۱۷) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ فرما دیجئے اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسے یہ کہتے ہیں، تب تو وہ ضرور عرش کے مالک کی طرف راہ ڈھونڈ نکالتے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور انسان کہتا ہے، کیا جب میں مر جاؤں گا تو عنقریب زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔

حیات بعد الموت کی بات کو ماننا، انسان کی ایک مشکل رہی ہے۔ اس کے مشاہدے میں یہ آتا ہے کہ موت کے بعد انسان کے وجود میں ایسی تبدیلیاں آتی ہیں کہ ایک وقت کے بعد جسم مٹی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس مٹی سے اس وجود کا دوبارہ بن جانا اسے محال نظر آتا ہے۔ یہ بات تمام انبیاء کرام کی زبان پاک سے بیان ہوتی چلی آ رہی ہے کہ حیاتِ دنیا کے بعد حیاتِ آخرت ہوگی اور انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جن کیمیاوی تبدیلیوں سے انسان کا جسم مٹی ہو جاتا ہے وہ بھی اللہ کے حکم کے تحت ہیں۔ جسم کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے زندہ کرنا مذکورہ کیمیاوی تبدیلیوں کو لوٹانے کی صورت ہے۔ قادرِ مطلق کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔

حاصل: اصلاحِ حال کے لئے حیات بعد الموت کا یقین ضروری ہے، اس لئے انسان اس سے گریز کرتا رہتا ہے۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

اور کیا انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے قبل اسے خلق فرمایا، اور وہ کوئی شے نہ تھا۔

انسان کو اس بات پر ضرور غور کرنا چاہیئے کہ اس کی تخلیق کیسے ہوئی، کس کے علم سے ہوئی، منشاء تخلیق کیا ہے، انسان کے لئے جو وقتِ حیات رکھا گیا ہے اس کا تعلق کس ذات سے ہے۔ انسان کبھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ تخلیق کے عمل کو وہ صرف ایک حد تک ہی جان سکتا ہے۔ اس حد کو نطفہ کہہ لیجئے، اس حد سے آگے انسان کیا جان سکتا ہے۔ نطفے سے پہلے بھی تخلیق کا عمل جاری تھا۔ جب یہ نظر آتا ہے کہ اللہ معدوم سے موجود کرتا ہے تو موت کے بعد انسان کے منتشر اجزا معدوم تو نہیں ہوں گے۔ ان اجزا کو جمع کر کے اس جسم کو زندہ کر دینا خلق اول کے مقابلے میں چھوٹا کام ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کام کے کرنے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا اور اللہ کے لئے یہ قطعاً آسان ہے۔

حاصل: انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہیئے۔ خلق اول میں معدوم سے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ موت کے بعد منتشر اجزا کو جمع کر کے زندہ کر دینا معدوم سے موجود کر دینے کے مقابل چھوٹا کام ہے۔ موت کے بعد اٹھائے جانے کو مان لیا جائے تو پھر من مانی کرنا ممکن نہیں رہتا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

آپ کے رب کی قسم ہم ضرور انہیں اور ان کے شیاطین کو اکٹھا کریں گے، پھر انہیں جہنم کے پاس حاضر کریں گے، گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔

منکرین بعث بعد الموت کو ان شیاطین کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا، جنہوں نے انہیں گمراہ کیا۔ ہمارا پالنے والا ہمیں جس قدر جانتا ہے اس قدر کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا۔ اس لئے جب اس کے فرمان کی خلاف ورزی ہو، اور اس خلاف ورزی کو معمول بنا لیا جائے تو حزب الشیطان میں شمار ہو جاتا ہے۔ حال پر جن کے ساتھ میل جول ہوگا، مستقبل میں انہی کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا۔ موت کے بعد اٹھائے جانے کا انکار

کرنے والے جہنم کے پاس حاضر کیے جائیں گے تو اس وقت یہ مجرم گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ وہ انجام ان کے سامنے ہوگا، جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا اور یہ اس کو جھٹلاتے تھے۔ اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی، بھاگ جانا ممکن نہ ہوگا اور سزا سامنے نظر آ رہی ہوگی۔

حاصل: ہمیں اپنے رب کے فرمان کو اس یقین کے ساتھ ماننا چاہیئے کہ اس میں ہماری بھلائی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے جہنم کی طرف جا رہے ہیں۔ سزا کا یقین مجرم کو گھٹنوں کے بل گرا دیتا ہے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾

پھر ہم ہر گروہ سے اسے نکالیں گے جو الرحمٰن کی سرکشی کرنے میں اشد ہوگا۔

منکرینِ آخرت میں سے جو لوگ دوسروں کو برائی کی ترغیب دیتے رہے ہوں گے، یہ سرکشی میں، اللہ کے فرمان کے خلاف کرنے میں مجرمین کے قائد ہوں گے۔ اس لئے ان مجرم گروں کو ہر گروہ سے نکال لیا جائے گا۔ اس دن مجرمین کی قیادت سرکشی سکھانے والوں کو بہت تکلیف دہ نظر آئے گی۔ مگر یہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوگا، جس سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: سزا کے وقت مجرمین کے قائدین کو آگے لانا چاہیئے۔ بُرائی پر اکسانے والے سرکشی سکھاتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے میں یہ لوگ بڑی شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾

پھر ہمیں بڑا علم ہے کہ ان میں کون ہیں جن کو پہلے داخل کرنا ہے۔

جہنم کی آگ، انسان کے اعمال کی جزا ہوگی، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینا اللہ کی شان ہے۔ جس علم سے یہ سزا دی جائے گی وہ علم اللہ کی شان کے لائق ہے، اس لئے آگ کے ساتھ سزا دینے کا حق بندے کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ سرکشی میں آگے ہوتے ہیں، وہ سزا میں بھی آگے رکھے جائیں گے۔ جزا دینے والے علیمِ مطلق سے بڑا کوئی جاننے والا نہیں کہ کون کس سزا کا مستحق ہے۔

حاصل: سرکشی میں آگے رہنے والوں کو سزا کے وقت آگے رکھنا چاہیئے، تاکہ سزا جرم کے حوالے سے ہو۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾

اور تم میں کوئی نہیں جو اس پر نہ گزرے۔ یہ حتمی فیصلہ تمہارے رب کا ہے۔

حیاتِ دنیا میں جو لوگ بولتے وقت لغو سے اعراض کرتے ہیں، معاملہ کرتے وقت اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کی طریقت یہی ہوتی ہے کہ احسان کرنے والے کے ساتھ احسان کرتے ہیں، اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو باذنِ اللہ جان کر مخالفت کرنے والے کے خلاف نہیں ہوتے۔ یہ ہے شانِ مروت۔ حیاتِ دنیا میں یہ دوزخ پر سے گزرنے والی بات ہے۔ آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے والے، جلوت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رہنے والے بھی اسی راستے سے گزریں گے اور خلافِ حق کرنے والے بھی اسی راستے سے گزارے جائیں گے۔ سلامتی کے ساتھ گزرنا تو پاک لوگوں کو ہی نصیب ہوگا۔

حاصل: مروت جس کا طریقِ زندگی ہے وہ خوف وحزن سے بچ جاتا ہے، آخرت میں وہ دوزخ سے بچ جائے گا۔ مخالفت کرنے والوں سے سابقہ ضرور پڑتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اس مقام سے گزرنا ضروری ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ان کے مقام سے یعنی جہنم پر سے گزرنا ضروری ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

پھر تقویٰ کرنیوالے لوگوں کو نجات دیں گے اور ظالمین کو اس میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حال پر بھی مدد دی جاتی ہے، آخرت میں بھی مدد دی جائے گی۔ دوزخ پر سے سلامتی کے ساتھ گزارنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے کہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف ہو کہ حق کی کما حقہٗ ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہے۔ اس طرح نظرِ بصیرت عطا ہو جاتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہیں۔ وہ یہاں بھی بے بصیرت ہیں وہاں بھی بے بصیرت ہوں گے۔ ان لوگوں کو بھی گزارا اسی راستے سے جائے گا جس راستے سے متقی لوگ گزارے جائیں گے، مگر ان ظالموں کو وہ آسرا نصیب نہیں ہوگا جو سلامتی کے ساتھ گزر جانے کے لئے ضروری ہوگا۔ اس طرح یہ دوزخ میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔

حاصل: دوزخ سے نجات کی اہلیت تقویٰ ہے۔ نجات دینے والا اللہ ہے۔ ظالم خلافِ حق کرنے کی وجہ سے بے بصیرت ہو جاتا ہے۔ ظالمین کو وہ آسرا نصیب نہیں ہوگا، جو دوزخ پر سے سلامتی کے ساتھ گزر جانے کے لئے ضروری ہے۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوْا لِلَّذِينَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾

اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو کفر کرنے والے ایمان والوں سے کہتے ہیں، فریقین میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور مجلس کس کی احسن ہے۔

دوزخ میں گرنے والوں کی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جب ان پر اللہ کی روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو یہ لوگ ایمان والوں سے بطورِ استہزاء کہتے ہیں، فریقین میں سے کس کا مقام بہتر ہے، لوگوں سے میل جول کے اعتبار سے مجلس کس کی احسن ہے۔ کافروں کو اپنی برتری دو مقامات پر نظر آتی ہے۔ ان کی رہائش ایمان والوں کے مقابل بڑی سہولتوں کے ساتھ آراستہ دکھائی دیتی ہے، اور ان کی مجلس میں آنے والے بڑے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں نشانیاں کبھی بھی ہدایت یافتہ ہونے کی سند نہیں تھیں۔ ایمان والوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کو جزا کا یقین رکھتے ہوئے، اس کی رضا کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ کافر عطاءِ الٰہی کو اپنی کاوش کی بدولت جانتے ہوئے اور جزا کا انکار کرتے ہوئے، من مانی کرتے ہیں۔ فریقین کے مقام کو دیکھئے، مومن کسی کو اپنی کاوش سے مرعوب نہیں کرتا، کافر کی کوشش اسی رخ پر ہوتی ہے کہ اس کے مقام سے لوگ مرعوب ہوں۔ مومن کی مجلس میں بات حق کے حوالے سے ہوتی ہے، اور بات کرنے والا اظہارِ بندگی سے بات شروع کر کے مدعا بیان کرنے کے بعد اظہارِ بندگی پر بات ختم کرتا ہے۔ کافر کی مجلس میں بات ذاتی تفاخر کے لئے ہوتی ہے اور بات کرنے والا دوسروں سے اپنی برتری منوانے کی طلب میں مبتلا رہتا ہے۔

حاصل: جب بات حق کے حوالے سے ہو تو جواب بڑے علم سے دینا چاہئے۔ مقام ومجلس وہی بہتر ہے جو باعثِ قربِ الٰہی ہوں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾

اور ان سے قبل ہم نے کتنے ہی قرن ہلاک کئے، جو ان سے اثاثے اور نمود میں برتر تھے۔

جن لوگوں کو یہ فخر ہو کہ ان کی رہائش اور ان کی مجلس ایمان والوں سے بہت بہتر ہے، ان پر واضح فرمایا گیا ہے کہ تم سے قبل بڑے اثاثے والے لوگ اور بڑی نمود والے لوگ ہوئے ہیں، جن کو اللہ نے ان کے ظلم کی بدولت ہلاک کیا ہے، اور یہ ایک بار نہیں ہوا۔ اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو یہ دیکھنا چاہئے، کہ ہلاکت سے بچنے کی صورت کیا ہے، اور جس بات پر فخر کیا جا رہا ہے، جس مقام و مجلس پر فخر کیا جا رہا ہے، کیا یہ حسنِ انجام کی سند ہے۔

حاصل: اثاثے بڑے ہوں، نام و نمود بڑا ہو تو یہ حسنِ انجام کے لئے سند نہیں ہو سکتے۔ جس قدر توفیق بڑی ہوگی، اسی قدر حق بھی بڑا عائد ہوگا۔ توفیقِ ایزدی کو عند اللہ اپنا درجہ قرار دینا بڑی بے سمجھی ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

فرما دیجئے کہ جو گمراہی میں ہو تو الرحمٰن اسے بڑی مہلت دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ دیکھیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے، یا تو عذاب اور یا ساعت۔ تو جلد ہی انہیں علم ہو جائے گا کہ کس کا درجہ برا ہے اور کس کی فوج زیادہ ضعیف ہے۔

اتمامِ حجت کے لئے جس علم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اللہ کی شان کے لائق ہے جس کا علم، علم مطلق ہے۔ جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے، ان کا مالک بھی اللہ ہے۔ جس قدرت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بھی قادرِ مطلق کے پاس ہے۔ اور جس فضل و کرم کے ساتھ اتمامِ حجت بطریقِ احسن ہو سکتا ہے، وہ فضل و کرم بھی اللہ کی شان ہے۔ اس لئے کسی کو مہلت دینا، ڈھیل دینا، اللہ کے علم سے، اس کی قدرت سے اور اس کے فضل سے ہوتا ہے۔ نہ اس سے بہتر کا تصور کیا جا سکتا ہے، نہ اس سے بڑھ کر کچھ ہو سکتا ہے۔ گمراہی کا تسلسل قائم رکھا جائے تو پھر دو طرح کے عذاب دیکھنے کا موقع آ سکتا ہے۔ عذابِ ادنیٰ ہوگا، یا عذابِ اکبر۔ عذابِ ادنیٰ کے بعد پھر مہلت مل سکتی ہے، عذابِ اکبر کے بعد مہلت نہیں ہوگی۔ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد منکرینِ حق کو فوراً علم ہو جائے گا، کہ کس کا درجہ بُرا ہے کس کا بہتر ہے۔ حق کو ماننے والوں کی شان بھی روشن ہو جائے گی، منکرینِ حق کی قوت بھی معلوم ہو جائے گی۔

حاصل: اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے، اس کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کس کا درجہ برا ہے کس کا جتھہ کمزور ہے۔ اس کے بعد اصلاحِ حال کے لئے وقت ہو یا نہ ہو یہ اللہ جانتا ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور ہدایت پانے والوں کو اللہ مزید سوجھ عطا فرماتا ہے۔ اور باقی رہنے والی صالحات تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں بہتر ہیں۔

ہدایت کی طلب ہوتو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانا لازم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے میں شاہد کا درجہ رکھتا ہو، اس کا اتباع کرنے کا حکم ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کی یہی طریقت معیار ہے۔ جو ہدایت یافتہ سے محبت کا رشتہ استوار کر لے اسے سوجھ عطا ہو جاتی ہے۔ صحیح اور بروقت فیصلہ کرنے کی توفیق بہت بڑا انعام ہے۔ جو اعمال صالح ہوں، اور رضائے الٰہی کے لئے ہوں وہ عبدِ منیب کی پیروی میں ہوں گے۔ وہ حال پر باعثِ اطمینان قلب ہوں گے آخرت میں باعثِ راحت ہوں گے۔ ثواب کی بہتری یہ ہے کہ فانی اشیاء کے درست استعمال سے دائمی انعام ملتا ہے۔ انجام کی بہتری یہ ہے کہ جس نے ایک دانہ فی سبیل اللہ بویا ہے اس کو سات سو دانے اور اللہ چاہے تو اور بھی زیادہ دے گا۔

حاصل: ہدایت یافتہ سے محبت ہو تو مزید سوجھ عطا ہوتی ہے۔ باقی رہنے والی نیکیاں وہی ہوتی ہیں جو رضاء الٰہی کے لئے ہوں۔ ثواب اور انجام کی بہتری ملحوظ ہو تو پھر ناقص اعمال سے اجتناب بھی ہونا چاہیئے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیات سے کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد عطا ہوں گے۔

اللہ کی آیات کا انکار کرنے والا، اپنی پسند کو حق کے مقابل بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اس کا معبود بھی اس کی تجویز سے بنتا ہے اور اس کی پسند کے تابع ہوتا ہے۔ اس کی عبادت بھی اس کی پسند کے تابع ہوتی ہے۔ اور کہتا یہ ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد عطا ہوں گے۔ یعنی نتیجہ وہی ہوگا، جو اس کو پسند ہے۔ عمل خلافِ حق ہو اور نتیجہ اس کا بھلائی ہو یہ ناممکن ہے۔ نتائج مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔

حاصل: سرکشی کی انتہا ہے یہ کہ حق کے انکار کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق نتائج کے حصول کا دعویٰ کیا جائے۔ پاک زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکل سکتے۔

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ کیا غیب سے مطلع ہوا ہے، یا الرحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔

معطیٔ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی سب دینے والے، لیتے ہیں پھر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا مالک ہے۔ وہ سب کو دیتا ہی ہے اور احتیاج سے پاک ہے۔ دینے والے کی ذات اقدس لاشریک ہو، اور اس کے بارے میں یہ دعویٰ کر دیا جائے کہ وہ ضرور عطا کرے گا، تو اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ معطیٔ مطلق کے فیصلے کا علامات کے ظہور سے پہلے علم ہو جائے دوسرے یہ کہ لینے والے کے پاس اس مالکِ حقیقی کا کوئی وعدہ ہو۔ یہ دونوں صورتیں پاکیزگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ دعویٰ کرنے والا پاکیزگی کے خلاف ہو، تو اس کا یہ دعویٰ بے حقیقت ثابت ہو جائے گا۔

حاصل: بات سند سے ہوتی ہے۔ جس کا دعویٰ بے حقیقت ثابت ہو جائے، وہ اپنی وقعت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔

كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ ہرگز نہیں۔ ابھی ہم اس کے قول کو لکھ رکھیں گے اور اسے لمبا عذاب دیں گے۔

خلافِ حق دعویٰ کرنے والے کی کذب بیانی واضح کردینے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ عطاء الٰہی کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرنے والا یاد رکھے کہ اس کے قول کو لکھ کر رکھا جائے گا، اور کاذب کا قول اس کے لئے باعثِ عذاب بنے گا۔

حاصل: زبان کو احتیاط سے کھولنا چاہئے۔ بے ہودہ بات، انسان کو لمبے دکھ میں مبتلا کر دیتی ہے۔

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ۝٨٠ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو یہ کہتا ہے اور ہمارے پاس فرداً آئے گا۔

انسان کی پیدائش فرد کی صورت سے ہوتی ہے، واپسی بھی فرد کی صورت سے ہوتی ہے، بعث بعد الموت بھی اسی طرح ہوگی۔ جس نے دارِ عمل میں حزب اللہ ہونے کی سعادت حاصل نہ کی ہوگی، وہ اس دن فرد کی صورت سے حاضر کیا جائے گا۔ جو کچھ اسے حاصل تھا وہ یہ دیکھنے کے لئے تھا کہ وہ کون سا رُخ اختیار کرتا ہے۔ حیاتِ دنیا کے پورے ہونے کے ساتھ ہی یہ واضح ہو جائے گا کہ اس نے کیا کیا ہے، اور فلاح کے حوالے سے اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ متاعِ حیاتِ دنیا پہلے بھی مالکِ حقیقی کی تھی بعد میں بھی اسی کی ہوگی۔ جو من مانی کرتا ہے وہ یہاں بھی اکیلا ہوتا ہے وہاں بھی اکیلا ہوگا۔ تعلق وہی حقیقی ہوتا ہے جو تقویٰ پر قائم ہو۔

حاصل: مالکِ حقیقی ہی وارثِ حقیقی ہوتا ہے۔ جزا دینے والے کے سامنے حاضری سے بچ جانا ناممکن ہے۔ فرد کی صورت سے حاضری کا مطلب یہ ہے کہ حیاتِ دنیا میں عامل نے راہِ فلاح اختیار نہیں کی تھی۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝٨١ اور اللہ کے مقابل معبود ٹھہرا لئے ہیں کہ وہ انہیں عزت دیں۔

مشرکین کو جزا کا یقین نہیں ہوتا۔ وہ اپنی خواہشات کو معبود بنا لیتے ہیں۔ انہیں گمان ہوتا ہے کہ جن کی وہ بندگی کر رہے ہیں وہ ان کی مدد کریں گے، انہیں سہارا دیں گے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنہیں معبود مانا جا رہا ہے، ان کا مقام کیا ہے، ان کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا ان کی تعلیم کسی کے لئے خوف وحزن سے نجات کا ذریعہ بنی ہے۔ کیا ان سے ہدایت ملتی ہے اور وہ ہدایت باعثِ اطمینانِ قلب ہوتی ہے۔ اگر یہ نہیں دیکھا جاتا تو پھر رخ یقیناً نور سے ظلمات کی طرف ہے اور اس کا انجام خسارہ ہی ہوسکتا ہے۔

حاصل: اللہ کے مقابل جن کو معبود بنالیا جاتا ہے، اگر وہ پاک ہستیاں ہیں تو کسی کو خلافِ حق مدد دینا حال پر ان کی شان کے خلاف ہے، آخرت میں اس کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۝٨٢ ع ۵ ۱۷ ۸ ہرگز نہیں، جلد ہی یہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہوں گے۔

مشرکین کو جن ہستیوں کے متعلق یہ گمان ہوگا کہ وہ انہیں سہارا دیں گے، ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم ہوتا ہے۔ پاک بندے خلافِ حق کرنے والوں سے تعلق کا انکار کریں گے۔ جو رضائے الٰہی کے

حصول کو مقصد حیات بنانے والے ہوں، وہ کبھی خلافِ حق کرنے والوں کو دوست نہیں بناتے۔

حاصل: مشرکین کا زعم قطعاً غلط ہے۔ جو پاک لوگوں کی طریقت کے خلاف ہے، وہ ان سے دور ہے اور آخرت میں بھی دور ہی رہے گا۔ جو تعلق حق کے حوالے سے نہ ہو وہ یہاں بھی خسارے کا باعث ہوتا ہے، آخرت میں بھی خسارے کا باعث ہوگا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (۱۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کیں۔ کیا تم ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہو یا ان میں سے کسی کی بھنک سنتے ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافرین پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں کہ انہیں خوب ابھارتے ہیں۔

جو خلافِ حق کرے، یادِ الٰہی سے غافل ہو جائے، شیطان کو اس کے ہاں آنے کی دعوت مل جاتی ہے۔ شیطان کو جہاں آنے کی دعوت مل جائے وہاں وہ مسلط ہو جاتا ہے۔ کافر لوگوں کو ان کے اعمال مزین کر کے دکھانا شیطان کو خوب آتا ہے، اس طرح وہ ان کو بُرائی پر ابھارتا رہتا ہے۔ متاعِ حیات کی موجودگی کو اس بات کا ثبوت جاننا کہ فلاح کے لئے جس حُسنِ عمل کی ضرورت ہے وہ موجود ہے، یہ گمان انسان کے رویئے میں کجی کا باعث بن جاتا ہے۔ پھر نظر اس بات پر نہیں رہتی کہ ہمیں کس معیار کے حوالے سے دیکھا جائے گا، اور جس ذاتِ بابرکات کا اسوۂ حسنہ عنداللہ معیار ہے ہمیں اس سے کیا نسبت ہے۔

حاصل: انسان خلافِ حق کر کے شیطان کو دعوت دیتا ہے۔ شیطان اپنے کام کو جانتا بھی ہے اور کرتا بھی پوری قوت سے ہے، اور شیطان کا کام ہے انسان دشمنی۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ تو ان پر جلدی نہ کرو۔ ہم ان کی بڑی گنتی کرتے ہیں۔

حق کو ماننے والا اگر کافر کو اس کے خلافِ حق رویئے کی وجہ سے ناقابلِ برداشت جانے اور یہ چاہے کہ کافر جلد اپنے انجام کو پہنچے تو یہ بات اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ اس کے لئے کئی ارکان کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ ہر رکن کی اپنی ایک مقدار یا تعداد ہوتی ہے۔ مثلاً وقت کتنا دینا ہے، کن کن تجربات سے گزارنا ہے، سبق سیکھنے کی مہلت کو کہاں ختم کرنا ہے، توفیق کو کہاں کم یا زیادہ کرنا ہے، اور ایسی کتنی ہی باتیں ہیں، جن کی اللہ کے ہاں بڑی گنتی ہوتی ہے۔ توبہ کا دروازہ کسی فرد کے لئے یا کسی جماعت کے لئے کب تک کھلا رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کہاں ہوگی، سب کچھ اللہ کے سامنے ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کے ساتھ اگر معاملہ حق کے حوالے سے ہو تو وہ رضائے الٰہی کے لیے ہوتا ہے، ورنہ کسی پر لیبل لگانے والا اپنے نفس کی شح سے کب بچتا ہے۔ نادان کی اصلاح میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ ہر مقام پر ایک جیسی نہیں ہوتیں، ایک جتنی نہیں ہوتیں۔ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصلاح کو ترک کر دینا اللہ کے بندے کو رضائے الٰہی کے خلاف نظر آنا چاہئے۔ خاتم النبیین کی طریقت یہی ہے کہ اپنی قوم کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے ان کی لاعلمی پر گواہی دی جائے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے کے رویئے کو دیکھ کر نظر اس طرف جانی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ حجت کا مقام جاری ہے، اور اس سلسلے کے ایک ایک رکن کو بڑے علم سے پورا کیا جارہا ہے۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ جس دن ہم متقین کو الرحمٰن کی طرف وفد کی صورت سے جمع کریں گے۔

جو تعلق تقویٰ کی بنا پر قائم ہے، وہ قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ باقی سب دوستیاں قیامت کے دن بے حقیقت ثابت ہو جائیں گی۔ متقی حضرات کو بڑی عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ وہ لوگ جو الرحمٰن کی طرف عزت کے ساتھ جمع کیے جائیں گے، ان کی عزت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے منشاء حیات کو رضاءِ الٰہی کے حوالے سے پورا کیا ہے۔ اپنی منوانے کی بجائے، اللہ کے پیاروں کی مانی ہے۔ اپنے قول کے سدید ہونے کی تصدیق کے ساتھ اپنے حُسنِ عمل پر بھی ان کو شاہد بنایا ہے۔

حاصل: متقین عزت والے لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کو عزت کے ساتھ خدائی مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ ہمیں الرحمٰن کی بندگی کا ثبوت متقین کی عزت افزائی سے بھی دینا چاہئے۔

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ اور مجرمین کو جہنم کی طرف ہانکیں گے، پیاسے۔ وقف لازم

جو لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں، جو یہ یقین نہیں رکھتے کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق اس منشاءِ حیات کو پورا کرنے کے لئے ہے جو عند اللہ ان کا مقصدِ حیات ہے، وہ حق کو سن کر اس کے خلاف کرنے کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ یہ مجرم لوگ ہیں۔ قیامت کا دن ان پر بہت بھاری ہوگا۔ پیاس بڑی شدید ہوگی، اور جس گھاٹ کی طرف ان کو چلایا جائے گا وہ جہنم ہے۔ سزا کا یقین ہو جائے تو اس کے واقع ہونے تک کا وقت عذابِ خفی کا درجہ رکھتا ہے، جہنم میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ جس نے سب کچھ کیا ہی اپنی خوشی کے لئے ہوگا، وہ جان لے گا کہ اس کے اعمال کی جزا اسے اپنے احاطے میں لینے کے لئے تیار ہے۔

حاصل: مجرمین کے ساتھ سے بچنا چاہئے کہ یہ ساتھ دونوں جہان کے خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ شفاعت کا حق انہی کو ہے، جن کے پاس الرحمٰن کا عہد ہے۔ وقف لازم

جو پاک ہو اور پاکی طلب کرنے والوں کو تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتا ہو، اس کی بات اللہ تعالیٰ کے ہاں حال پر بھی مانی جاتی ہے، آخرت میں بھی مانی جائے گی۔ جو صاحب کسی کو تزکیہ عطا کرے وہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔ تزکیہ عطا کرنے والے کو پہلے تزکیہ عطا ہو چکا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سلسلۂ پاکیزگی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے اور اللہ اپنے نبی کی پاکیزگی کی شہادت دیتا ہے۔ پاک ہونے والا، پاک کرنے والے سے محبت رکھتا ہے۔ اس محبت کی بدولت اس کے وجود میں حسنات داخل ہوتی رہتی ہیں اور بُرائیاں خارج ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا رُخ بھلائی کا ہوتا ہے۔ اس سے کوتاہی ہو جائے، اس سے خطا ہو جائے، اس سے بھول ہو جائے تو شاہد اس کی حُسنِ نیت کی شہادت دینے کا حق رکھتا ہے یہ شفاعت ہے اور عند اللہ مقبول ہے۔ اللہ کے سامنے خلافِ حق بات کی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے اور

پاک لوگ وہی بات کرتے ہیں جو حق ہو۔اس لئے شفاعت کے متعلق بے سند باتیں کرنا گناہ ہے۔

حاصل: شفاعت کا حق ان پاک بندوں کو ہوتا ہے، جو پاکی طلب کرنے والوں کو تزکیہ عطا کرنے کا شرف رکھتے ہوں۔اس خیال سے خلافِ حق کرنا کہ شفاعت سے بخشش مل جائے گی، بڑی بے ہودگی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ اور کہتے ہیں الرحمٰن اولاد رکھتا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں، کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے، کہ اولاد والدین کے مثل ہوتی ہے اور اللہ بے مثل ہے۔جب یہ دعویٰ ہی کہیں موجود نہیں کہ کسی نے اپنے آپ کو اللہ کی اولاد کہا ہو، تو پھر یہ بات منکرینِ حق کی گھڑی ہوئی ہے۔مجرمین نے شفاعت کے حوالے سے جو نظریہ قائم کیا ہے، اس کو سہارا دینے کے لئے یہ کہا ہے کہ الرحمٰن اولاد رکھتا ہے اور وہ اولاد شفاعت کر کے مجرمین کو ان کی جزا سے بچالے گی۔

حاصل: اللہ تعالیٰ ایک ہے اور لاشریک ہے، وہ یوم الدین کا مالک ہے، نہ اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ بے شک تم بہت ہی بھاری بات لائے۔

الرحمٰن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اولاد رکھتا ہے، بہت بڑی گستاخی ہے کہ اس سے معبود کی شان کو عبد کے برابر لانے کی بات کی جاتی ہے، معطیٔ مطلق کو محتاج ثابت کرنے کی بات کی جاتی ہے، اللہ کے بے مثل ہونے کا انکار کیا جاتا ہے۔انسان کا منشاءِ تخلیق، اس کے لئے نورِ ہدایت کا اہتمام اور عطاءِ الٰہی کی سب صورتیں اللہ کی شانِ صمدیّت کو واضح کرتی ہیں۔اس گستاخانہ کلام کے معنی اللہ کی صمدیّت کا انکار ہے۔

حاصل: زبان کو احتیاط سے کھولنا بہت ضروری ہے۔بے احتیاطی سے باتیں کرنے والے ہی انتہائی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔معبود کو عبد کے برابر قرار دینا انتہائی گستاخی ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ بعید نہیں کہ آسمان اس سے ٹکڑے ہو کر پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔

آسمان سے زمین پر رہنے والوں کو بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں۔زمین پر رہنے والے زمین سے ضروریاتِ زندگی حاصل کرتے ہیں۔پہاڑوں سے بھی زمین کے مکینوں کو بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔یہ بڑے بڑے مقامات ہیں جن کا یہاں نام لیا گیا ہے۔یہ مقامات جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں، امرِ الٰہی سے دے رہے ہیں۔علیمِ مطلق کے علاوہ کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کر سکتا کہ آسمان، زمین اور پہاڑ کس وقت کیا خدمت کر رہے ہیں۔مخدوم انسان ہے، اور ظلمِ عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔اس کے ظلمِ عظیم سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں، مگر اللہ لوگوں پر فضل ہی کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

حاصل: کلماتِ شرک کی سزا اتنی بڑی ہے کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔بولنے کی توفیق اللہ نے دے رکھی ہے، اس توفیق کو کبھی شانِ خداوندی میں گستاخی کے لئے استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ اس پر کہ الرحمٰن کے لئے اولاد بتاتے ہیں۔

الرحمٰن خالقِ کل ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ وہ کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اولاد رکھنے والے کے لئے حیات وموت لازم ہیں اور یہ اللہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ شفاعت کے بارے میں ایک بےحقیقت نظریئے کو تقویت دینے کے لئے یہ بات کافروں کی طرف سے گھڑی گئی ہے۔ ایسی بات کرنے والے جب اللہ کی طرف لوٹ کر جائیں گے تو انہیں اپنا انجام بڑا بھیانک نظر آئے گا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت ہماری زندگی میں نظر آنا چاہئے۔ شانِ عبدیت یہ ہے کہ مقصود ہر مقام پر اللہ کی رضا ہو۔

وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اور الرحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔

الرحمٰن کی شان یہ ہے کہ وہ معبود ہے، بےمثل ہے، مالکِ کُل ہے، غنیٔ مطلق ہے۔ اولاد کا ہونا اس کی شان کے منافی ہے۔

حاصل: جو بات مقامِ عبدیت کے منافی ہو، اس سے بچنا بندے کے لئے لازم ہے۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں، سب الرحمٰن کے حضور بندگی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

یوم الدین کے مالک کی طرف سے یہ فرمایا جارہا ہے کہ جزا کے دن الرحمٰن کے حضور سب کی حاضری بندگی کے ساتھ ہوگی۔ معبود صرف اللہ ہوگا۔ وہاں کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کرے گا، کہ اس کی حیثیت اللہ کی بندگی کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ اس لئے مستقبل کے متعلق اس حقیقت کو جان لینا اصلاحِ حال میں بڑی مدد دیتا ہے۔ بندے کی حیثیت سے اللہ کے سامنے حاضری اس کے منشاء تخلیق کے حوالے سے ہوگی اور اس توفیق کے حوالے سے ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دی گئی ہوگی۔

حاصل: انجام سے آگاہی ہوجائے تو اصلاحِ حال سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ بندہ اللہ کا ہوکر رہے، تو پھر اس کا قول وفعل عبادت ہے۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ بےشک اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں شمار کر رکھا ہے۔

خلافِ حق باتیں گھڑنے والوں پر واضح کیا جارہا ہے، کہ وہ اللہ کے احاطے میں ہیں۔ کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتے۔ اور اللہ نے انہیں شمار کر رکھا ہے۔ اسے ان کی خلوت وجلوت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے اللہ کی گرفت سے بچ جانا ممکن نہیں۔ اتمامِ حجت کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، وہ معیارِ مطلق ہے۔

حاصل: جزا دینے والے قادرِ مطلق کی قدرت کا احاطہ حال پر موجود ہے، مستقبل میں بھی ہوگا۔ جن اعمال کی جزا

سے بچنا مطلوب ہو ان اعمال کو ترک کر دینا چاہئے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اور ان میں ہر ایک قیامت کے دن فرداً حاضر ہو گا۔

اللہ نے سب کچھ بندے کے لئے بنایا ہے، بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔ جب بندہ اللہ کی رضا کے مقابل اپنی غرض وغایت کو اہمیت دینے لگتا ہے، تو اس کے سب تعلق غیر حقیقی ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنی خواہشات سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ وہ جو بھی کرے اس کی حقیقت معصیت ہی ہوتی ہے۔ ایسے فرد کو زعم جو بھی ہو، باطل ہی ہوتا ہے۔ جب یہ فرد دربارِ الٰہی میں حاضر ہو گا، تو اسے نظر آئے گا، کہ جو عطا اس کے لئے باعثِ فلاح ہو سکتی تھی، اس کو اس نے حیاتِ دنیا میں ضائع کر دیا تھا۔

حاصل: پاک جماعت میں شمار ہونا، حزب اللہ کے ساتھ ہونا ہے۔ جو اپنی غرض وغایت کے دائرے سے نہ نکلے وہ پاک جماعت میں شمار نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، عنقریب الرحمٰن ان کے لئے محبت ٹھہرا دے گا۔

ناصحین سے محبت ہو تو ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہو جاتا ہے۔ جو سچا ثابت ہو جائے اسے بہتر جاننے والوں کی بات کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے۔ اسے بہتر جاننے والوں کا عمل ہر مقام پر سند نظر آنے لگتا ہے۔ اپنی ذات کی نمائش سے بچنا اس کا معمول ہو جاتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اس بندے کو عبدالرحمٰن دیکھنے لگتی ہے اور اس سے عافیت محسوس کرنے لگتی ہے۔ جس کی بات میں اس کی غرض وغایت نہ ہو اور جس کی بات میں اپنی بھلائی نظر آئے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہ الرحمٰن کی عطا ہے کہ لوگ اس کے بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جس سے لوگ محبت کرنے لگیں اسے الرحمٰن کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت ہو جائے، تو بندہ عبدالرحمٰن ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو اس کی موجودگی باعث عافیت نظر آتی ہے اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ تو ہم نے اسے آپ کی زبان میں آسان کر دیا، کہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور جھگڑا کرنے والوں کو اس سے ڈر سنائیں۔

قرآنِ پاک کو فرمانِ خداوندی مانتے ہوئے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے کا عزم ہو تو یہ آسان ہو جاتا ہے، کہ اس طرح اپنی پسند اللہ کے فرمان کے تابع ہو جاتی ہے۔ اتباع اس کا کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو۔ انعام یافتہ پر لازم ہے کہ وہ انعام کو تقسیم کرے کہ عطاء الٰہی کا شکر یہ اسی طرح ادا ہوتا ہے۔ صورت یہ ہے کہ متقین کو فلاحِ دارین کی بشارت دی جائے، اور جو لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے۔

حاصل: جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو، وہ متقین کو بشارت دے سکتا ہے اور جھگڑا کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرا سکتا ہے۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع ٦ النصف ١٦ ٩

اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرن ہلاک کیے۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو محسوس کرتے ہیں، یا کسی کی بھنک بھی سنتے ہیں۔

ماضی میں جن لوگوں نے ہلاکت کی راہ کو اختیار کیا، وہ کبھی لاعلمی میں نہیں مارے گئے۔ اتمامِ حجت کے بعد ان کو پکڑا گیا۔ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خلافِ حق استعمال کرنے والے، ہٹ دھرم اور ضدی لوگ تکبر کرتے تھے، اور پاک لوگوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ، ورنہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ پاک لوگوں نے ہمیشہ کافروں کی ملت میں لوٹ کر جانے سے کراہت کا اظہار کیا ہے۔ منکرینِ حق ہمیشہ ہلاک ہوتے رہے ہیں، اور پاک لوگ ہمیشہ فلاح پاتے رہے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والے اس طرح مٹا دیئے جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ ہلاکت کی راہ کو اختیار کرنے والے اس انجام کو پہنچیں گے، جس انجام کو پہلے ہلاک ہونے والے پہنچ چکے ہیں۔ آج اگر وہ کہیں محسوس نہیں ہوتے، کہیں ان کی بھنک بھی نہیں سنی جاتی، تو حال پر حق کا انکار کرنے والوں کا انجام بھی وہی ہوگا۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے اس طرح مٹا دیئے جاتے ہیں جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ دیکھنا چاہئے، جس راہ کو ہم نے اختیار کیا ہے یہ راہِ فلاح ہے یا راہِ ہلاکت۔ راہِ ہلاکت کو چھوڑ دینا تقاضاء عقل ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (۱۰) میں فرمایا ہے۔ اولیاء اللہ کو خوف و حزن نہیں ہوتا۔ ایمان اور تقویٰ ان کی صفات بتائی گئی ہیں: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ ان کے لئے حیاتِ دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

آیاتھا ١٣٥ سُوْرَۃُ طٰہٰ رکوعاتھا ٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰهٰ ﴿١﴾ حروفِ مقطعات

حروفِ مقطعات کی تلاوت الگ الگ حروف کی صورت میں ہوتی ہے۔ ان کے معنوں کا تعین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہوگی، اور یہ بات اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ یہ حروف شانِ رسالت کی اسناد ہیں۔

حاصل: انسان کو بیان کا علم اللہ نے عطا کیا ہے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ اس کا بیان اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق ہو۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ﴿٢﴾ ہم نے آپ پر قرآن پاک اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔

جس کے پاس رحمت ہو اور نورِ ہدایت ہو، اس کے لئے اس عطاءِ الٰہی کو تقسیم کرنے میں بڑی راحت ہوتی ہے۔ طالبِ ہدایت کے لئے کوئی شرط نہیں رکھی جاتی۔ مشقت کا مقام وہاں آتا ہے کہ جب حق کے متعلق بات سننے والے دل سے نہیں سنتے، طلب ہدایت کو اپنی پسند سے الگ نہیں کرتے۔ دینے والا مائل بہ کرم ہو اور لینے والا غفلت برت رہا ہو، تو دینے والے کو دکھ پہنچتا ہے۔ اللہ کی شان ملاحظہ ہو، کہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا بندہ مشقت میں پڑے۔

حاصل: طالبینِ ہدایت کو آسانیاں مہیا کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ طلبِ ہدایت کے نام پر جہالت کی باتیں شروع ہو جائیں تو پھر نورِ ہدایت کے قاسم کو مشقت میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿٣﴾ مگر نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے۔

جس پاکیزگی کے ساتھ حضرت انسان دنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اسی پاکیزگی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو سبحان اللہ۔ یہ فلاح کی نشانی ہے۔ تذکرہ اور نصیحت اسی لئے ہے کہ یاد رہے کہ قیامت کے دن پاکیزگی کے حوالے سے بات ہوگی۔ نورِ ہدایت سے استفادہ کرنے والا اللہ سے ڈرتا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو اس معیار کی تعظیم و توقیر بھی لازم ہے جس کی شہادت عند اللہ مقبول ہوگی۔ جس کا رُخ یہ ہوگا اسے نصیحت ضرور فائدہ دے گی۔

حاصل: اللہ سے ڈرنے والا، حق کے تذکرے سے، نصیحت سے، ہدایت، رحمت اور شفا پاتا ہے۔ جس کا رُخ درست ہوگا فلاح اسی کو حاصل ہوگی۔

تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ﴿٤﴾ یہ اس کا نازل فرمایا ہوا ہے، جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو خلق فرمایا۔

زمین ہمارا مسکن ہے۔ آسمان سے ہمارے لئے روشنی آتی ہے۔ سورج کی روشنی، چاند کی روشنی اور ستاروں کی روشنی کا اپنا اپنا کام ہے۔ ہر روشنی بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر انسان کے فائدے کے لئے ہے۔ آسمان سے انسان کے لئے کیا کیا اترتا ہے، اس کا شعور کامل ہو تو اللہ کی ناشکری ممکن نہیں ہو سکتی۔ زمین سے ہمیں رزق ملتا ہے اور انواع واقسام کی چیزیں ملتی ہیں۔ زمین اور بلند آسمانوں کے خالق نے ہم پر یہ کرم کیا ہے کہ اس نے اپنا بے مثل کلام نازل فرمایا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ حکم اللہ کا مانو، اسوۂ حسنہ اس کے رسول کا اپناؤ۔ دنیا میں اس سے حزن وملال نہیں ہوگا، آخرت میں پاک لوگوں کا ساتھ نصیب ہوگا۔

حاصل: جس کی عطا کے ساتھ ہمارا سب کچھ ہو رہا ہے، اسی کے فرمان کو بڑے ادب سے ماننا چاہئے۔ اسوۂ حسنہ اس کے عبد اور رسول کا سامنے ہو تو جزا دینے والا راضی ہو جائے گا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ — الرحمٰن نے عرش پر استویٰ فرمایا۔

زمین اور آسمانوں کی تخلیق کے بعد اس کائنات کے نظام کو متوازن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عرش پر استویٰ فرمایا۔ عرش وہ مقام ہے جو اس کائنات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقام کا خالق بھی اللہ ہے۔ استویٰ یہ ہے کہ اس مقام پر اللہ کی قدرت اس طرح محیط ہے کہ کسی کے وہاں تک پہنچنے کا امکان ہی نہیں ہے۔ شرک کی نفی کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ ''الوہیت میں اللہ کے ساتھ اور بھی ہوتے تو وہ ضرور صاحبِ عرش کی طرف راہ ڈھونڈ نکالتے''۔ (۱۷:۴۲) صفاتِ الٰہی کی معرفت ایک حد تک ہی ہو سکتی ہے، کہ وہ بے مثل ہے۔ اس کی صفات کو تعین کے دائرے میں دیکھنا ناممکن ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو شان بندے کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی صفات بندے میں جلوہ گری کرنے لگتی ہیں۔ عبد اپنے معبود کی صفات کا مظہر تو ہو سکتا ہے، ہوتا ہے اور ہونا چاہئے، مگر عبد کبھی معبود نہیں ہو سکتا۔

حاصل: نظامِ کائنات میں اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ حال پر جس کی قدرت ہمیں احاطہ کیے ہوئے ہے، آخرت میں اس کی قدرت کا انکار خلافِ عقل ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ — اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور ان کے مابین ہے اور جو کچھ اس گیلی مٹی کے تحت ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے، مالک ہے، رب العالمین ہے۔ آسمان ہوں، زمین ہو، آسمان اور زمین کے مابین کوئی مقام ہو اور زمین کے نیچے جو بھی ہے، سب اللہ کا ہے۔ انسان کا واسطہ انہی مقامات سے ہو سکتا ہے۔ انسان عطاءِ الٰہی کو امانتِ الٰہی جان کر استعمال کرے گا، اللہ کی رضا کے مطابق تصرف کرے گا، تو اسے وہ راحت ہوگی جس کا کوئی بدل نہیں۔ یہ دائمی پاک دامنی بہت بڑا انعام ہے۔ عطاءِ الٰہی کا خلافِ حق استعمال خوف وحزن کا باعث ہوتا ہے۔ افراد کے مابین تعلقات میں وقت، قوت اور سرمایہ شکوک وشبہات میں ضائع ہونے لگتا ہے اور اجتماعی زندگی میں دکھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حاصل: مقام کوئی ہو، عطاءِ الٰہی کو اللہ کے پاک بندوں کی طریقت کے مطابق استعمال کیا جائے تو بندگی ہوگی، ورنہ نام کوئی رکھ لیا جائے ہوگا وہ کارِ نفس۔

وَ اِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰى ۞٧

اور اگر تم پکار کر بات کرو، تو اسے سِر کا بھی علم ہے اور زیادہ مخفی کا بھی۔

جب بلند آواز سے بات کی جائے تو اس کے پیچھے ایک منشاء ضرور ہوتا ہے اور یہ منشاء چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ہر ظاہر کے ساتھ ایک باطن ہوتا ہے، ہر جلوت کے ساتھ ایک خلوت ہوتی ہے۔ نیت زیادہ چھپی ہوئی ہوتی ہے، مگر اللہ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ بندہ علم الٰہی کی وسعت کا یقین رکھتا ہو، تو حُسنِ نیت سے کسی کام کی ابتدا کرے گا۔ نیت درست ہوگی تو رُخ درست ہوگا، رُخ درست ہوگا تو اعمال صالح ہوں گے۔

حاصل: بندے کو علم الٰہی کی وسعت کا یقین ہو، قدرتِ الٰہی کا یقین ہو، تو حُسنِ نیت سے ہر کام کی ابتدا ہوگی۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ۞٨

اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسماء حسنیٰ اس کے ہیں۔

اللہ کو معبود ماننے کا دعویٰ ہو تو پھر اپنی خواہش کی پیروی کا کہیں ذکر بھی نہیں ہونا چاہئے۔ معبود سے عبد کا تعلق یہ ہونا چاہئے، کہ عبد کو معبود کی رضا کے علاوہ کچھ مطلوب نہ ہو۔ معبود کی قدرت، اس کا علم، اس کا حلم اور سب پاک صفات اس کے ایک اور لاشریک ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔ راہِ خیر پر رہنے والے کو جو بھی درکار ہو وہ صرف اللہ ہی عطا کر سکتا ہے۔ اس لئے بندے کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس مقام پر ہے اور اسے اللہ کی پاک صفت سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جس صفت سے بھی واسطہ ہو وہاں عبد اللہ ہونے کا حق ادا کرنا چاہئے۔

حاصل: ہمارے عمل سے اس بات کا ثبوت ملنا چاہئے، کہ ہم صرف اللہ کو معبود مانتے ہیں۔ ہم جو بھی کرتے ہوں عبدیّت کے دائرے میں ہماری احتیاج کو اللہ ہی پورا کر سکتا ہے۔

وقف لازم

وَهَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى‌ ۞٩

اور کیا تم کو موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر آئی۔

طالبِ ہدایت کو مثال سے بڑی مدد ملتی ہے۔ پاک بندے کی عملی زندگی کی مثال سامنے ہو، بیان شک سے پاک ہو، تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو بہت آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ شکر کرنے کا مقام نظر آتا ہے، ناشکری سے بچنے کی ترغیب ملتی ہے۔ مشکل مقامات پر صبر کی صورت نظر آتی ہے۔ بے صبری کا انجام نظر آتا ہے۔ اپنا حال درست رکھنے کے لئے ماضی کی شہادت بہت مفید ہوتی ہے۔

حاصل: پاک بندے کے حال کی خبر کو دعوتِ فلاح جاننا چاہئے۔ عملی زندگی کی مثال سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ کسی دوسری صورت سے نہیں پہنچتا۔

اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞١٠

جب آپ نے ایک آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا: تم ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے، میں اس میں سے تمہارے لئے سلگا کر لاؤں یا آگ پر راستہ پاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کی طرف تشریف لا رہے تھے، آپ کے اہل بیت ہمراہ تھے، آگ کی ضرورت تھی، آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو، مجھے ایک شعلہ نظر آیا ہے، میں اس کی طرف جاتا ہوں، وہاں سے تمہارے لئے آگ سلگا کر لاؤں گا، یا آگ کے حصول کے لئے راستہ ملے گا۔

حاصل: اجتماعی زندگی میں نظم قائم رہنا چاہئے۔ ایک حکم دینے والا ہو، باقی سب ماننے والے ہوں۔ امیر کو اپنے ساتھیوں کی جسمانی اور روحانی حفاظت کرنی چاہئے۔ آگ کبھی بے بدل نعمت بھی ہوتی ہے۔ اندھیرے میں روشنی کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ وہاں سے مقصود ملے گا یا مقصود کا راستہ ملے گا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ پھر جب آگ کے پاس پہنچے، ندا آئی اے موسیٰ (علیہ السلام)!

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف چلتے ہوئے جب اس کے قریب پہنچے، وہاں آپ کو آپ کے نام سے پکارا گیا۔ یہ بڑا عجیب تجربہ تھا۔ پکارنے والے کا علم، پہچان، مودّت سب کچھ واضح تھا، مگر پکارنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔

حاصل: جب کوئی صاحب اپنے اہلِ بیت کے ساتھ سفر میں ہو تو اسے پکارنا مناسب نہیں ہوتا۔ ماننے والوں کو اپنے امیر کے امر سے آگے نہیں دیکھنا چاہئے، ورنہ اس کے امر کی اطاعت میں کوتاہی ہو جائے گی۔

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ میں ہوں آپ کا رب، تو اپنی جوتیاں اُتار دیجئے، آپ مقدس وادیٔ طویٰ میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نام سن کر پکارنے والے کے بارے میں جاننا مطلوب تھا۔ اس آواز میں محبت تھی، ماحول پرنور تھا، موسیٰ علیہ السلام طالب حق تھے۔ جواب ملا، ''میں ہوں آپ کا رب۔'' اس جواب کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر سے بھی لبیک کی آواز آئی، زبان سے تو لبیک کہا ہی جا رہا تھا۔ حکم ملا، جوتیاں اتار دیجئے، آپ مقدس وادی طویٰ میں ہیں۔ اس جگہ کی شان تقدس کے حوالے سے ہے اور تقدس انوارِ الٰہی کے حوالے سے ہے۔ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رکھنا ضروری ہے۔

حاصل: کسی بھی جگہ کی شان اس کے تقدس کے حوالے سے ہوتی ہے۔ مقدس مقام پر جوتے اتار دینا اظہارِ ادب کے لئے بھی ضروری ہے، حصولِ قرب میں بھی اس سے مدد ملتی ہے۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اور میں نے آپ کو پسند کیا تو سنئے جو آپ کو وحی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو برگزیدہ ہونے کی سند عطا فرمائی گئی، نبوت کے مقام پر فائز کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے شرفِ کلام سے نوازا اور وحی الٰہی کو سننے کا حکم ہوا۔ کامل توجہ سے سننا، ہمہ تن گوش ہونا ہے۔ حکمِ الٰہی کو نافذ کرنے والا، خود اس حکم پر پورا رہ کر دکھاتا ہے تو دوسروں کو ماننے کی طریقت معلوم ہوتی ہے۔ جسے فلاح مطلوب ہوتی ہے وہ موصوف کی صفت کو پا لیتا ہے۔ صفت کو پانے سے نورِ ہدایت حاصل ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کے برگزیدہ بندے کو مان لینے میں فلاح ہے۔ اس کی بات کو اللہ کی بات جاننا چاہئے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری بندگی کیجئے اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کیجئے۔

وحی میں سب سے پہلا یہ ارشاد ہوا، کہ الوہیت صرف اللہ کی شان کے لائق ہے، کوئی دوسرا اس کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر بندگی کا حکم ملا۔ جب یہ مان لیا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ حسنِ نیت موجود ہو، حسن عمل موجود ہو اور نتائج کو باذنِ اللہ مانا جائے۔ جو اپنے ساتھ بیتے اس کو باذنِ اللہ مانا جائے اور جو خود کیا جائے، وہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے ہو، اجر کا سوال رب العالمین سے ہو، یہ سب بندگی کے ارکان ہیں۔ ذکرِ الٰہی کے لئے نماز کو قائم رکھنا سب سے اہم بات ہے۔ نماز کی صفت یہ ہے، کہ عبد کو معبود کے قریب رہنے میں مدد دیتی ہے۔ جسم کو نماز میں مصروف کرنا، پاکیزگی کے عہد کو دہرانا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، یہ سب روح کے لئے بھی باعث راحت ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی مقصود ہو تو نماز سے غفلت ناممکن ہے، اور نماز سے غفلت ہو تو قربِ الٰہی کا دعویٰ بے دلیل ہوگا۔

حاصل: اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت حسنِ سیرت میں نظر آئے تو بات پوری ہوگی۔ بندگی پوری زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ نماز کا قائم کرنا بندے کو عبداللہ بناتا ہے۔ نماز وقت پر پڑھی جائے، نہ بلند آواز سے ہو نہ بالکل خفی، اس کے درمیان کی راہ اختیار کی جائے اور پاک لوگوں کی معیت ملحوظ ہو تو جسمانی اور روحانی طور پر وہ راحت ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ﴿۱۵﴾

بے شک ساعت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے مخفی رکھوں کہ ہر نفس اپنی سعی کی جزا پائے۔

توحید، عبدیت اور نماز قائم کرنے کی بات ہو چکی ہے۔ یہاں قیامت کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ وہ یقیناً آنے والی ہے۔ اس کے مخفی رکھنے میں بڑی حکمت ہے۔ ہر نفس اپنی سعی کا رُخ متعین کرنے میں با اختیار ہے۔ اگر قیامت کو مخفی نہ رکھا جاتا تو نفس کی سعی کبھی واضح نہ ہوتی۔ جزا دینے والے مالکِ کُل کو یہ بالکل پسند نہیں ہے، کہ کسی کو جبر کے ساتھ خیر کی طرف لایا جائے۔

حاصل: قیامت کے آنے کا یقین ہمارے عمل میں نظر آئے تو ہماری سعی ہمیشہ صحیح رُخ پر ہوگی۔ اپنی زندگی میں رخ کا تعین کرنے کا اختیار بندے کو دیا گیا ہے۔ اس اختیار کو چھیننا خلافِ حق ہے۔

فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ﴿۱۶﴾

تو ہرگز وہ آپ کو اس سے روک نہ دے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے، کہ یہ ہلاکت کی صورت ہوگی۔

اللہ کے چنے ہوئے بندے مخلص ہوتے ہیں، اور مخلص کو بہکانا شیطان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ حکم فرد کے لئے ہو یا جماعت کے لئے،

نزول تو اسی ذات بابرکات پر ہونا تھا، جہاں سے اس حکم کو نافذ ہونا تھا۔ جو جزا پر یقین نہیں رکھتا وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لازم و ملزوم ہے۔ جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہلاکت و خسارے کی صورت ہے۔ بچنے کی طریقت یہ ہے، کہ خواہش کی پیروی کرنے والے کو اس کی غرض و غایت کے حوالے سے پہچانا جائے اور اس کے زیر اثر آنے سے کراہت کا اظہار کیا جائے۔

حاصل: جزا کے منکر کو اس کی خواہش کے حوالے سے پہچاننا چاہئے۔ جب وہ ملّتِ کفر میں لوٹ آنے کی دعوت دے تو اس سے کراہت کا اظہار کرنا چاہئے۔ بے ایمان کا ساتھ باعثِ ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ⑰

اور اے موسیٰ (علیہ السلام) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

معبودِ لاشریک ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ علیمِ مطلق کا پوچھنا علم مطلق سے تھا۔ سوال یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ جو چیز آپ کے ہاتھ میں تھی، اس پر نظر کرنے سے آپ کو اس کے حال اور ماضی کے سب مقامات دکھائی دیئے۔

حاصل: سوال کرنے والا بڑے علم والا ہو، تو اس کا سوال علم عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ عصا کو دائیں ہاتھ میں پکڑنا بہتر ہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ أَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى ⑱

عرض کی، یہ میرا عصا ہے، اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میرے اس میں اور کام بھی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہمہ تن گوش ہونے میں جو راحت پائی وہ بیان میں کب آسکتی ہے۔ جواب میں آپ نے عرض کیا: یہ میرا عصا ہے، اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑ لیتا ہوں، اور یہ عصا اور کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لاٹھی کے اور کام دشمن سے مدافعت، جانوروں کی حفاظت، کسی جگہ پانی کی گہرائی معلوم کرنا، کسی چیز کی لمبائی کا اندازہ کرنا ہیں۔ کہیں لاٹھی آلہ ضرب کے طور پر استعمال ہوگی تو کہیں پیمانے کے طور پر۔ کہیں لاٹھی کھونٹی کے طور پر بھی استعمال ہوگی۔ حال پر وہ جس ضرورت میں استعمال ہو سکتی ہے اس کا فیصلہ کرنا صاحبِ عصا کا کام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کی شان دیکھئے، آپ نے اپنے عصا کے محلِ استعمال بیان کئے ہیں، سوال یہی تھا آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔

حاصل: سوال کرنے والے کی شان ملحوظ ہو تو جواب درست ہوگا۔ جواب دینے والا اگر پوچھنے والے کے علم پر نگاہ نہیں رکھے گا تو جواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔

قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ⑲

حکم ہوا، اسے رکھ دیجئے، اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے عصا کے منافع سننے کے بعد حکمِ الٰہی ہوا کہ اس عصا کو زمین پر رکھ دیجئے۔ جو صفات حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی زبانِ پاک سے عصا کے متعلق بیان ہوئیں، وہ اس وقت تک تھیں جب عصا ان کے ہاتھ میں تھا۔ رکھ دینے کا حکم دیا گیا کہ اس عصا میں جو تبدیلی قدرتِ الٰہی سے آئے وہ آپ کے مبارک وجود سے فاصلے پر ہو اور آپ کی نظر کے سامنے ہو۔

حاصل: اپنے دوست کی شہادت کو بڑی وقعت دینی چاہئے۔ علم الٰہی کی شان کا کوئی جواب نہیں۔

فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ تو آپ نے اسے رکھ دیا، پھر جبھی وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا۔

عصا کو زمین پر رکھنے کی دیر تھی کہ وہ بصورتِ اژدہا نظر آنے لگا، اور اس میں تیزی ایسی تھی جیسے سریع الحرکت سانپ میں ہوتی ہے۔ قدرتِ الٰہی کے اس مقام کو معجزہ کہتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی وضاحت میں بندہ اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے۔ عصا، سانپ کیسے بن گیا، یہی کہنا حق ہے کہ اللہ جو چاہے کرتا ہے، اس کے ''کن'' فرمانے سے ''فیکون'' ہو جاتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت بھی موجود ہوتی ہے، علم بھی موجود ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کا پیارا جب عطاءِ الٰہی کی شان دیکھتا ہے تو اسے اس عطا کے بے مثال ہونے کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ معجزہ اللہ عطا کرتا ہے۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ حکم ہوا، اسے پکڑ لیجئے اور خوف نہ کھایئے، ہم اس کو پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اژدہا دیکھا جو زمین پر تیزی سے دوڑ رہا تھا اور ایک لمحہ پہلے وہ آپ کے ہاتھ میں بصورت عصا تھا، آپ قدرتِ خداوندی کو دیکھ کر ڈرے۔ حکم ہوا، اسے پھر پکڑ لیجئے، جس کے امر سے یہ عصا، اژدہا بنا ہے اسی کے امر سے یہ اژدہا، عصا بن جائے گا۔ آپ کے ہاتھ کو یہ شرف عطا فرما دیا گیا ہے، کہ اس کا لمس اس کو لکڑی کا عصا بنا دے گا، ویسے یہ اژدہا ہوگا۔ امرِ الٰہی کی اطاعت میں جو راحت تھی، سانپ کا ڈر اس کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ ایک تبدیلی آپ دیکھ چکے تھے، اس تبدیلی کا لوٹایا جانا بھی بہت بڑی بات تھی، اور اس سے آپ کو آگاہ فرمایا گیا تھا۔ آپ نے اس سانپ کو ہاتھ لگایا تو وہ آپ کا سابقہ عصا بن گیا۔

حاصل: ذاتی حفاظت کا بھی حکم ہے۔ جب قادرِ مطلق کوئی حکم دے رہا ہو، تو اللہ کی تائید سے بڑی مدد ملتی ہے۔ تعمیلِ ارشاد کے عزم کے ساتھ حرکت کرنا بندے کا کام ہے، انعامات سے نوازنا اللہ کی شان ہے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ۙ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے ملایئے، خوب سفید نکلے گا بغیر کسی نقص کے، یہ ایک اور نشانی ہے۔

عصا کے اژدہا بننے کو آپ نے دیکھا، اژدہا کے عصا بننے کو آپ نے دیکھا۔ قدرتِ الٰہی کے اس مشاہدے کے بعد آپ کو اپنے وجودِ مبارک کی طرف متوجہ کیا گیا۔ حکم ہوا اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے ملایئے، جب آپ اس کو نکالیں گے خوب سفید ہوگا۔ یہ سفیدی اس کی شان کو ظاہر کرے گی، یہ سفیدی کوئی نقص نہ ہوگی۔ یہ نشانی بھی آپ کے ساتھ رہے گی۔ آپ نے فرمانِ الٰہی کی تعمیل کی۔ ہاتھ تو آپ کا تھا مگر اس میں نورِ الٰہی کو جلوہ گر دیکھ کر جو راحت آپ کو ہوئی وہ انعاماتِ الٰہی کا شکریہ ادا کرنے والوں کو ہوتی ہے۔ جیسے اندھیرے میں چیزوں کے مقامات کا پتہ روشنی سے لگتا ہے، خواہشات کے اندھیرے میں رضائے الٰہی کا علم امین ہاتھ کی بدولت ہوتا ہے۔ ہاتھ امین ہو تو سب حق داروں کا حق

روشن ہو جاتا ہے۔ ہاتھ امین نہ ہو تو دل کبھی پاک نہیں ہو سکتا اور فلاح پانے کے لئے دل کا پاک ہونا ضروری ہے۔

حاصل: ہمارے ہاتھ کو امین رہنا چاہئے۔ ہاتھ امین ہو تو دل پاک ہوتا ہے، اور دل پاک ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ اپنے دوستوں کی مدد بڑے علم سے کرنی چاہئے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ ﴿۲۳﴾ تا کہ ہم آپ کو اپنی بڑی نشانیوں سے کچھ دکھائیں۔

مذکورہ دو معجزات اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی عطا تھے، کہ ان سے اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے والوں نے بہت کچھ پایا۔ بڑی نشانی وہ ہوتی ہے، جہاں حق کی عظمت کا اعتراف لوگوں کی زبان سے ہی نہیں ان کی ہر ہر حرکت سے ہو رہا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر مشکل مقام پر اللہ کی عطا کو اس طرح دیکھا کہ اس کے مقابل کسی فرد یا جماعت کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

حاصل: اللہ کی عطا کے بارے میں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کی شان ہر مقام پر ارفع ثابت ہوگی۔

ع ۲۴ ۱۰ **اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۧ ﴿۲۴﴾** فرعون کے پاس جائیے، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انعامات سے نوازنے کے بعد، فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اس نے سرکشی کی حد کر دی ہے۔ اتمام حجت میں شان الٰہی کو سجدہ کیجئے، ماننے والے کے لئے وہ سب آسانیاں مہیا کر دی گئی ہیں، جو اسے درکار ہو سکتی ہیں۔ رسالت کا حق ادا کرنے والے کے پاس وہ سب کچھ ہے، جو حق کے غالب ہونے کے لئے بصورتِ یقین اس کے پاس ہونا چاہئے۔ سب سے بڑے سرکش کی طرف بھیجا جا رہا ہے، کیونکہ منکرین کے سردار کی اصلاح سے جو تبلیغ ہو سکتی ہے وہ دوسری کسی صورت میں نہیں ہوتی۔ اجتماعی وسائل کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنے والے حق کو مان لیں تو وہ لوگوں کی حق تلفی کرنے سے رک جاتے ہیں۔ مفادِ عامہ کے لئے اس کی اہمیت واضح ہے۔ اگر سرکشی کرنے والے حق کی روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی سرکشی سے باز نہ آئیں تو ان کے قریبی ساتھی ان کی غرض و غایت کو جان جاتے ہیں۔ اس سے انہیں حق کے پہچاننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

حاصل: عطاءِ الٰہی تقسیم کے لئے ہوتی ہے۔ اجتماعی وسائل کو شوکتِ نفس کے لئے استعمال کرنے والے سرکش ہوتے ہیں۔ ان کا سردار حق کو مان لے تو تبلیغ بہت آسان ہو جاتی ہے، نہ مانے تو اس کی ضد چھپی نہیں رہتی۔ تبلیغ کی ابتدا سرداروں سے ہو تو تائیدِ ایزدی شامل حال ہوگی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے نازل فرمائی ہے، کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِىْ صَدْرِىْ ۙ ﴿۲۵﴾ دعا کی، اے میرے رب، میرے سینے کو کھول دے۔

اظہارِ عبدیّت میں دعا بڑا مقام رکھتی ہے۔ رسالت چنے ہوئے بندوں کو عطا کی جاتی ہے۔ اہلیت کو اللہ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔ مگر بندے کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ سے مدد مانگے۔ تبلیغِ حق میں جب مخالفت کا سامنا ہو تو اس مخالفت کے پیچھے مخالف کی لاعلمی نظر آئے۔ اس صورت میں اس کی بھلائی کے لئے مزید کوشش کرنے کا راستہ کھلا رہتا ہے اور سینے میں تنگی کا احساس نہیں ہوتا۔

حاصل: تبلیغِ حق سے پہلے مذکورہ دعا کرنی چاہئے۔ حق کی مخالفت کا لاعلمی سے بڑا تعلق ہوتا ہے۔ یہ بات پیشِ نظر رہے تو منکرینِ حق کے رویئے کو دیکھ کر گھٹن نہیں محسوس ہوتی۔

وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ﴿٢٦﴾ اور میرے کام کو آسان کر دے۔

فرعون کی سرکشی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم میں تھی۔ سرکشوں کو حق کی طرف بلانے کا کام کتنا صبر آزما ہوتا ہے، یہ بھی آپ کو معلوم تھا۔ اس لئے شرح صدر کی دعا کے ساتھ آپ نے آسانی کے لئے بھی دعا کی۔ جب کام کو اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے اور پیش آنے والی مشکلات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانا جائے، تو کام آسان معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر امر پر غالب ہے۔ جو اس کی معیت میں رہے، اس کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ یہ دعا تائیدِ ایزدی کے لئے ہوتی ہے۔

حاصل: معیتِ الٰہی میں رہنے کا عزم ہو تو یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے رب میرے کام کو آسان کر دے۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ اور میری زبان کے عقدے کو حل کر دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا، کہ فرعون اور اس کے درباری بڑی فصاحت سے بولتے ہیں۔ جب خطابت ہی لوگوں تک اپنے عقائد کو پہنچانے کا ذریعہ ہو، تو زورِ خطابت میں کمال حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہوتی اور پھر بادشاہی میں تو ایسے لوگ بادشاہ کی ضرورت بن جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ میری زبان تبلیغِ حق میں اس طرح کام کرے، جس طرح رضائے الٰہی کے مطابق اسے کرنا چاہئے۔

حاصل: جن لوگوں سے بات کرنی ہو، ان کی زبان خوب آتی ہو تو بات ان لوگوں تک آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے۔

يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ کہ وہ میری بات سمجھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ عزیز تھا کہ بات فرعون اور آل فرعون کی سمجھ میں آئے اور خوب جان کر وہ اس کے بارے میں اپنے احساس کو بیان کریں۔ جو حق کی تصدیق کرے وہ صادق ہو جاتا ہے، جو تردید کرے وہ کاذب ہو جاتا ہے۔ شعوری کوشش دونوں صورتوں میں نظر آتی ہے۔

حاصل: تبلیغِ حق میں مقصود یہ ہونا چاہئے، کہ بات سننے والوں کی سمجھ میں آئے۔ وہ جو بھی رخ اختیار کریں، شعور کے ساتھ اختیار کریں۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ اور میرے لئے میرے اہل سے ایک وزیر ٹھہرا دے۔

فرعون اور آلِ فرعون کی مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بھی جانتے تھے۔ آپ کو تائید کرنے والے کی، ساتھ دینے والے کی ضرورت یقیناً تھی۔ آپ نے دعا کی، یا اللہ میرے گھر والوں میں سے ایک کو میرا اس طرح کا ساتھی بنادے، کہ تیرا فضل اس کے شاملِ حال رہے اور خلوت وجلوت میں وہ میرا مددگار رہو۔

حاصل: اپنے اہل کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ گھر والوں میں سے کوئی تبلیغِ حق میں ساتھی بن جائے تو اس سے بڑا سہارا ملتا ہے۔

هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ ہارون (علیہ السلام) کہ میرے بھائی ہیں۔

پہلے آپ نے اپنے اہل سے ایک کے وزیر بنائے جانے کی درخواست کی۔ پھر آپ نے نام لے کر اپنا پسندیدہ وزیر بتایا۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کو جانتے تھے۔ ان کی فصاحت کے معترف تھے۔ ان کی پاک دامنی آپ کے علم میں تھی۔ تبلیغِ حق میں حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ضرور بنتے مگر وہ بات جو اللہ کے بنانے سے بنتی ہے کسی اور طرح بن ہی نہیں سکتی۔

حاصل: جو صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوتی۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ ان سے میری کمر کو مضبوط کیجئے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے وزیر بنائے جانے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی کمر کی مضبوطی دیکھا۔ آپ کے لئے یہ بات باعثِ اطمینان تھی، کہ مخالفینِ حق کے سامنے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی شہادت دیں گے۔ خلوت میں بھی ان سے پوچھا جائے گا، تو ان کا بیان وہی ہوگا جو جلوت میں ہوگا۔

حاصل: اپنے بھائی کی صداقت کا یقین ہو، تو خلوت وجلوت میں اس کی پاکیزگی کی شہادت دینی چاہئے۔

وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کام کے بارے میں جو عرفان تھا، اس کے حوالے سے آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے یہ دعا کی کہ ان کو کارِ نبوت میں شریک بنا دیا جائے۔ ساتھی صاحب مقام ہو، اور مقام اللہ نے عطا کیا ہو، تو اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ وہ ہر مقام پر اپنا حق دیکھ کر اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

حاصل: ہمیں تبلیغ حق کرنے والوں کی مدد کرنے کا شرف حاصل ہو تو بالکل ان کی منشاء کے مطابق کام کرنا چاہئے۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ کہ ہم تیری کثیر تسبیح کریں۔

یہ تسبیح اجتماعی نوعیت کا عمل ہے، اظہارِ عبدیت کی ایک صورت ہے، کارِ نبوت کا حصہ ہے۔ اپنے عمل سے اللہ کو ایک اور لاشریک ثابت کرتے رہنا ہے۔ حسنِ عمل کا وہ معیار ہے جس کی طرف لوگوں کو بلائے جانے سے انہیں نورِ ہدایت حاصل ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو تو تسبیح کا حق ادا ہوتا ہے، اور بیشتر وقت اسی تسبیح میں لگے تو تسبیح کثیر ہوتی ہے۔

وَّنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿۳۴﴾ اور تیرا کثیر ذِکر کریں۔

نماز کا قائم کرنا بھی ذِکر کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا بار بار پڑھنا بھی ذکر ہے۔ ذاتی زندگی میں معیت الٰہی کا حق ادا کرتے رہنا بھی ذکر ہے۔ جلوت وخلوت لازم وملزوم ہوتی ہیں، اسی طرح تسبیح وذِکر بھی لازم وملزوم ہوتے ہیں۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والوں کو ذاتی زندگی میں کثرت سے ذکر کرتے رہنا چاہئے۔

إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾ بے شک تو ہمیں دیکھتا ہے۔

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پوری ہورہی ہے۔ آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اللہ ہر مقام کو دیکھ رہا ہے۔ جو کچھ مانگا گیا ہے وہ حق کی احسن ادائیگی میں کتنا مفید ہوگا، مانگنے والے کے قلب میں کیا ہے، جن لوگوں سے واسطہ ہوگا وہ کیسے ہیں، حق کو ان کردہ کیا رخ اختیار کریں گے، سب اللہ دیکھ رہا ہے۔ جو کچھ مانگا گیا ہے، یہ بندے کے علم سے ہے، جو کچھ دیا جائے گا وہ علیمِ مطلق کے علم سے ہوگا۔

حاصل: ہمیں اپنی دعا کے ساتھ یہ کہنا چاہئے: ہماری دعا ہمارے علم سے ہے، یا اللہ تیری عطا تیرے علم سے ہے جس سے بڑا کوئی علم نہیں، اس لئے اس عطا سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ فرمایا، اے موسیٰ (علیہ السلام) جو آپ نے مانگا، آپ کو عطا ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرح صدر کے لئے، کام کے آسان بنائے جانے کے لئے، زبان کے عقدے کے حل کے لئے، بات سمجھانے کی اہلیت کے لئے دعا کی۔ اپنے اہل سے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے وزیر بنائے جانے کے لئے کہ ان سے مدد ملے وہ شریکِ کار بنیں، دعا کی۔ اظہارِ عبدیت میں کثیر تسبیح اور کثیر ذِکر کرنے کا شرف پانے کے لئے آپ نے دعا کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا: یا اللہ تو ہر حال میں دیکھتا ہے۔ بندے کا سوال اس کے علم سے ہوتا ہے، علیمِ مطلق کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے، جو تو عطا فرمائے گا وہی بہتر ہوگا۔ حکم ہوا، اے موسیٰ علیہ السلام جو آپ نے مانگا، بلا استثناء آپ کو عطا ہوا۔

حاصل: حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ مانگا جائے، حُسنِ طلب اس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جو عطا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ ہمیشہ بے خطا ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿۳۷﴾ اور بے شک ہم نے آپ پر اور بھی احسان فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا، کہ اب ہی نہیں پہلے بھی اللہ نے آپ کو اپنے فضل سے نوازا ہے۔ دعا کرنا اظہارِ بندگی ہے، اظہارِ عاجزی ہے۔ جو بندہ عجز سے خالی ہو وہ بے حقیقت ہوتا ہے۔ شعور کے ساتھ بندہ جو طلب کرتا ہے وہ دعا ہے، اور دعا کرنے والے کو مقامِ شعور تک پہنچانے کے لئے جن مراحل سے گزارا جاتا ہے، اس میں اللہ کا فضل شاملِ حال رہتا ہے۔

حاصل: پیدائش سے پہلے جو لوازماتِ حیات کا اہتمام کر دیتا ہے، اس کے فضل کے کیا کہنے۔ احساس سود وزیاں

کے بیدار ہونے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرتا ہے۔

اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾

جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وحی فرمائی جو وحی فرمائی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیا جاتا تھا، بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔اس وقت آپ کی والدہ محترمہ پر غم کی انتہائی کیفیت تھی۔اس کیفیت میں حکم دیا گیا، جو دیا جانا چاہئے تھا۔اس طرح ماں اور بچہ سلامت رہے۔سب سے بڑے بچانے والے کی تائید سے بڑی مدد کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل: حالات کچھ بھی ہوں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احاطہ بڑی شان رکھتا ہے۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾

کہ انہیں تابوت میں رکھیئے، پھر اس تابوت کو دریا میں ڈالئے کہ دریا انہیں ساحل پر پہنچائے، اٹھائے ان کو میرا دشمن اور ان کا دشمن۔ اور میں نے آپ پر اپنی محبت ڈالی، کہ آپ میری نگاہ کے سامنے پلیں بڑھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ پر غم کی انتہائی کیفیت تھی۔اللہ نے مدد فرمائی اور راستہ دکھایا۔مائی صاحبہ کو سمجھ دی کہ بچے کو تابوت میں رکھ کر دریا کی لہروں کے سپرد کیجئے۔دریا اللہ کے حکم سے وہاں پہنچائے گا کہ اللہ کا دشمن اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن وہاں سے انہیں اٹھائے گا، آپ کے رُخ پُر نور پر محبت الٰہی کی جلوہ گری ہوگی، جو دیکھے گا محبت سے دیکھے گا، پھر دیکھنے کی طلب ہوگی، یوں آپ کی پرورش موزوں ترین مقام پر ہوگی۔

حاصل: اللہ مشکل میں راستہ دکھا دے تو اس سے بڑی کوئی مدد نہیں ہو سکتی۔دشمن کے گھر میں پرورش کروانے کی قدرت اللہ کی شان ہے۔جس رُخِ پُر نور پر محبت الٰہی کی جلوہ گری ہو، اسے محبت سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾

جب آپ کی بہن چلی تو اس نے کہا، کیا میں آپ کو اس کی کفالت کرنے والوں کا پتہ دوں۔ تو ہم آپ کو آپ کی ماں کے پاس لوٹا لائے کہ اس کی آنکھ کو قرار ہو اور وہ غم نہ کرے۔اور آپ نے ایک نفس کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو غم سے نجات دی، اور آپ کو خوب دیکھ لیا جو دیکھنا تھا۔پھر آپ کئی سال اہلِ مدین میں رہے، پھر تقدیر سے آپ یہاں آئے اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے حکم کے مطابق بہن کو تابوت پر نظر رکھنی تھی۔ وہ ماں کی تعلیم کے مطابق تابوت پر نظر رکھتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئی، جہاں فرعون اور اس کے اہل نے تابوت کو پکڑ لیا، اور وہ بچے کو محبت سے دیکھنے لگے۔ دودھ پلانے والیوں کو بلایا گیا۔ جب آپ کسی طرف مائل نہ ہوئے، تو بی بی کہنے لگی: میں آپ کی پریشانی کو دیکھ رہی ہوں، میں بتا سکتی ہوں ایک پاک بی بی، وہ بہت پارسا لوگ ہیں، وہ اگر اس بچے کی کفالت کا ذمہ لیں تو آپ کی پریشانی دور ہوسکتی ہے۔ سرکاری بندوبست کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس لائے گئے۔ ماں کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملی، دل کو سکون ہوا۔ یہ اللہ کا احسان ہے۔ پھر یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار ایک جان کو مار ڈالا۔ مظلوم کی مدد کرتے ہوئے ظالم کو ظلم سے روکنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی عمل میں ظالم مارا گیا۔ آپ کو بہت غم ہوا، کہ ظلم کو روکنے میں زیادتی ہوئی ہے۔ اللہ نے آپ کو اس غم سے نجات دی۔ یہ بھی اللہ کا احسان تھا۔ پھر کئی مقامات پر تائید ایزدی آپ کو نصیب ہوئی، یہ بھی اللہ کا فضل تھا۔ پھر کئی سال آپ کوہ طور پر اس مقدس مقام پر اللہ کے سامنے حاضر ہوتے رہے، ان تمام مقامات پر آپ کی حفاظت، آپ کی مدد اور آپ کی تائید اللہ کے فضل سے ہوتی رہی۔

حاصل: اللہ کا فضل ماضی میں دیکھا جائے تو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بہتر جاننے والوں کا کہنا ماننا سب گھر والوں کے لئے باعثِ راحت ہوتا ہے۔ اللہ کی مہربانی سے وہ کچھ ہوجاتا ہے جو بندے کے تصور میں بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کے فضل واحسان کا احساس، اظہارِ عبدیت کی جان ہے۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ﴿۴۱﴾ اور میں نے آپ کو اپنے لئے بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معبود کے کلام کے ہر ہر کلمے سے راحت ملی، مگر اس کلمے سے جو عطا ہوا، وہ عطا کرنے والا جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جسے عطا ہوا۔ بندے کو قربِ الٰہی کی اس سے بڑی سند کیا مل سکتی ہے۔ اس مقام پر بندہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اسے جس مقام سے بھی گزارا گیا ہے، علم عطا کرنے کے لئے گزارا گیا ہے، آئندہ بھی جو پیش آئے گا وہ بھی علم عطا کرنے کے لئے ہوگا۔

حاصل: اللہ جس سے کام لینا چاہتا ہے، اس کو اپنے منشاء کے مطابق بنالیتا ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ﴿۴۲﴾ آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جائیں اور میرے ذکر میں سستی نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ شریک کار بنا دیا گیا۔ دونوں حضرات کو اللہ کی دی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تبلیغ کے لئے جانے کا حکم ہوا۔ ذکر میں سستی نہ کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ تبلیغِ حق میں جب مخالف سے واسطہ ہوتا ہے، تو وہ حق کے مقابل اپنی پسند کی باتیں کرتا ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے کی شان یہی ہے کہ مخالفین کی بے ہودہ باتوں کو ان کی لاعلمی کے حوالے سے دیکھے اور اللہ کی رضا کے مطابق اپنے حق کو ادا کرتا چلا جائے۔ جب مخالفین کی بے ہودگی کے پیچھے ان کی لاعلمی کو نہ دیکھا جائے تو سستی ضرور پیدا ہوتی ہے۔

حاصل: مخالفینِ حق کے رویئے میں بے ہودگی کو ان کی لاعلمی کی بدولت جاننا چاہئے، ورنہ تبلیغِ حق میں تھکن محسوس ہونے لگتی ہے اور سستی ہوجاتی ہے۔

اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳ فرعون کی طرف جائیں بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔

وادیٔ طویٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ نہیں لے گئے تھے۔ دعا آپ نے یہ کی تھی، کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا شریک کار بنا دیا جائے۔ قبولیت کی سند عطا فرمانے کے بعد حکم ہی یہ دیا گیا: آپ دونوں فرعون کی طرف جائیں، بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔ سرکشی کے بعد فرعون کو فوراً سزا نہیں دی گئی، بلکہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اسے عرفانِ حق میں، اتمامِ حجت میں، پوری پوری مدد دی گئی۔

حاصل: سنتِ الٰہی یہی ہے کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کی جاتی۔ سرکشی یہ ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں تغافل ہو، اور استکبار معمول بن جائے۔

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ۝۴۴ تو اس سے نرم لہجہ اختیار کیجئے کہ وہ نصیحت مانے یا ڈرے۔

یہ طریق خطاب کے متعلق ہدایت ہے۔ جب سننے والا، سنانے والے کو اپنا محسن جانتا ہو، تو سنانے والے کے لہجے کی سختی بھی سننے والے کے لئے مفید ہوتی ہے۔ اور اگر سننے والا، سنانے والے کو حقیر جانتا ہو مگر اس کے اندر طلبِ صداقت ہو، تو وہ حق سنانے والے کی بات کے ساتھ روشن اسناد کو دیکھ لیتا ہے اور نصیحت اسے فائدہ دیتی ہے۔ اگر سننے والے کا استکبار اس قدر بڑھ چکا ہو کہ حق کو پانے کی طلب اس کے اندر بہت ہی کم ہو جائے، تو پھر وہ اپنی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر ڈرتا ہے، یہ ڈرنا بھی اس کے رویئے کو تبدیل کر دیتا ہے۔

حاصل: حق کو پانے کی طلب ہو تو نصیحت فائدہ دیتی ہے۔ یہ طلب نہ ہو تو انسان اپنی سلامتی کو خطرے میں دیکھ کر ڈرتا ہے۔ یہ ڈر بھی اسے سننے کے مقام پر لے آتا ہے۔

قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى ۝۴۵ کہنے لگے، اے ہمارے رب ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا، یا سرکشی پر اتر آئے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی کیفیت اپنے رب کے سامنے اس لئے رکھی کہ اللہ کے فرمان سے مستقبل روشن ہو جائے گا۔ فرعون کے رویئے میں دو امکان ان کو نظر آئے، ایک یہ کہ وہ ان حضرات کی بات سن کر ان پر ہاتھ ڈال دے اور زیادتی کرے، دوسرے یہ کہ وہ بنی اسرائیل پر اپنے قہر کو بڑھا دے۔ پہلی صورت میں ڈر اس بات کا تھا کہ حق کو جس طرح واضح ہونا چاہئے اس میں کمی نہ رہ جائے، دوسری صورت میں ڈر یہ تھا کہ بنی اسرائیل بالکل ہی پس کر نہ رہ جائیں۔

حاصل: اپنے رب کے سامنے اپنے احساس کو بیان کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے، یہ بھی دعا کی ایک صورت ہے۔ پاک لوگوں کی نظر دو باتوں پر ہوتی ہے، ایک یہ کہ حق کو واضح کیا جائے، دوسرے یہ کہ مظلوموں کو مدد دی جائے، سہارا دیا جائے۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾

فرمایا، خوف نہ کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہوں، سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے اطمینان کے لئے یہ فرمایا گیا، ڈریئے نہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں، ہر آواز کو سنتا ہوں، ہر حال کو دیکھتا ہوں۔ وہ جو بھی کرے گا میرے سامنے ہوگا۔ کس مقام پر آپ حضرات کو کیا مدد دینی ہے، اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

حاصل: جس کا مقصود تبلیغِ حق ہو، اس کو تقویّت دینی چاہیئے اور اس کے یا ان کے خوف کو دور کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾

تو اس کے پاس جایئے اور کہئے کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دیجئے، اور انہیں عذاب نہ دیجئے۔ بے شک ہم آپ کے ربّ کی طرف سے نشانی لائے ہیں۔ اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا اور یہ کہنے کا حکم ہوا، کہ ہم آپ کے رب کے رسول ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کا رب ہدایت کے لئے رسول بھیجتا رہا ہے، اسی نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ اب ان سے جبراً کوئی خدمت نہ لی جائے، انہیں مزید کوئی سزا نہ دی جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ہونے کی سند بھی موجود ہے اور وہ سند آپ کے رب کی عطا کردہ ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جو ہدایت کا طالب ہو اور اللہ کے رسول کی پیروی کرے، وہ دنیا و آخرت میں سلامتی سے نوازا جائے گا۔

حاصل: حق کی بات حق کے حوالے سے ہونی چاہیئے۔ مجبور لوگوں کی آزادی کے لئے آواز بلند کرنا، ان پر مظالم کو بند کروانا، اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دعویٰ ہمیشہ سند کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ راہِ ہدایت اختیار کرنے والے کو دنیا و آخرت میں سلامتی سے نوازا جاتا ہے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

بے شک ہماری طرف وحی فرمائی گئی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔

دنیا و آخرت میں سلامتی، اتباعِ ہدایت سے تعلق رکھتی ہے۔ دونوں حضرات نے یہ شہادت بشارت کی صورت میں پہلے دی، پھر یہ بتایا کہ ان کی طرف وحی فرمائی گئی ہے، اور یہ وحی قادرِ مطلق کا حکم ہے۔ جس کے حکم کو ٹالنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ حکم یہ ملا ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ حق کو جھٹلانے والے اور اس سے منہ پھیرنے والے کو عذابِ الٰہی پکڑ لے گا، اور اللہ کے عذاب سے آگاہی ہو جائے تو اس سے بچنے کی سعی کرنا ضروری ہے۔

حاصل: اصول کو بیان کرنے سے سننے والے کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی۔ عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا یہی طریقہ ہونا چاہیئے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ کہنے لگا، کون ہے تم دونوں کا رب اے موسیٰ (علیہ السلام)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے پیغام کو سننے کے بعد فرعون نے ان سے سوال کیا، تم دونوں کا رب کون ہے۔ ان حضرات نے فرعون سے یہ کہا تھا، کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ جواب میں اسے یہ پوچھنا چاہیئے تھا، کہ میرا رب کون ہے۔ اگر وہ یہ کہتا، تو وہ طالبِ ہدایت ہوتا۔ اسے اس کے رب کو پہچاننے میں دیر ہی کیا لگنی تھی۔ مگر اس نے یہ کہا، کہ تم دونوں کا رب کون ہے۔ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طلب کیا گیا۔

حاصل: متکبر کی بات میں طلبِ ہدایت نہیں ہوتی۔ انانیت اس کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتی ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی، پھر اسے راہ سجھائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے تعارف میں یہ فرمایا، کہ ہر شے کا خالق ہمارا رب ہے۔ مقصدِ تخلیق کا تعین اس کے علم سے ہوتا ہے۔ ہر تخلیق کے حوالے سے جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا اہتمام اسی کے علم سے ہوتا ہے۔ ہر شے کا دائرۂ کار بھی اُسی نے رکھا ہے۔ کائنات میں اس نے کوئی شے بے مقصد نہیں بنائی۔ فرعون کو یہ احساس دلانا کہ وہ اور جو کچھ اسے حاصل ہے، سب اللہ کی تخلیق ہے اور ان سب مقامات پر ربوبیت اسی کے علم سے ہو رہی ہے، بڑی حکمت والی بات ہے۔

حاصل: علمِ حقیقی رکھنے والوں کی شان یہی ہے، کہ ان کی طرف سے دیا گیا جواب ہمیشہ سوال کے مطابق ہوتا ہے، سند سے ہوتا ہے، ناقابلِ تردید ہوتا ہے اور اس میں دعوتِ فکر و نظر موجود ہوتی ہے۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ کہنے لگا، قرونِ اولیٰ کا حال کیسا ہے۔

فرعون نے پہلا سوال تو یہ کیا تھا، کہ تمہارا رب کون ہے۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ واضح کیا تھا کہ جو ہر شے کو اس کے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے پیدا کرتا ہے، اور ہر شے کو اس کے دائرۂ کار میں اس کی نوعیت کے مطابق جو کچھ درکار ہوتا ہے، عطا کرتا ہے۔ کسی دوسرے کی یہ مجال نہیں کہ وہ خالقِ کُل ہونے کا دعویٰ کرے، علیمِ مطلق ہونے کا دعویٰ کرے۔ فرعون کہنے لگا، قرونِ اولیٰ والوں نے بھی وہی کیا تھا جو ہم کر رہے ہیں، وہ اب کس حال میں ہیں۔ بعث بعد الموت کے انکار میں اور جزا کے انکار میں اس نے یہ راہ اختیار کی۔

حاصل: بعث بعد الموت کا انکار کیا جائے تو خلافِ حق کرنے کی راہ نظر آتی ہے۔ اصلاحِ حال سے غافل لوگوں کا طریقِ زندگی جزا کے انکار سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ فرمایا ان کا علم میرے ربّ کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا ربّ نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

قرونِ اولیٰ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ان کا علم میرے رب کے پاس ہے، جو ان کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ ان کی انفرادی زندگی کا ہر ہر عمل اس کتاب میں لکھا ہوا ہے، ان کی اجتماعی زندگی کا ہر ہر پہلو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور میرا رب، جو جزا دینے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ خطا اور نسیان سے بلند ہے۔ اس لئے ہر عامل کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے، وہ اس کے سامنے ضرور آئے گا۔ فلاح تو اسی کو حاصل ہوگی جو خلوت و جلوت میں پاک رہے گا۔

حاصل: بڑائی کا دعویٰ کرنے والے کو عرفانِ نفس میں مدد دینا بہت بڑا کام ہے۔ حقائق کا علم ہو تو یہ کام ممکن ہوتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾

وہ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا ٹھہرایا، اور اس میں تمہارے لئے راہیں چلا دیں، اور آسمان سے پانی نازل فرمایا۔ تو ہم نے اس سے نباتات کے طرح طرح کے جوڑے نکالے۔

یہ رب کے تعارف میں بیان کی جانے والی حقیقت ہے۔ زمین کو بچھونا ٹھہرانا، اللہ کی شان ہے۔ اس سے لوگوں کو جو حاصل ہوتا ہے اس پر نظر ہو تو مالکِ حقیقی کا شکریہ ادا کرنا اظہار بندگی کے لئے ضروری ہے۔ زمین پر رہنے والوں کو ایک دوسرے سے ملنے کے لئے، ایک آبادی کو دوسری آبادی سے رابطہ رکھنے کے لئے، اللہ نے زمین میں راستے بنا دیئے ہیں۔ راستوں کی اہمیت کا احساس ہو تو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ بنائے کس نے ہیں۔ زمین میں اُگانے کی صلاحیت اللہ نے رکھی ہے۔ جب یہ صلاحیت کم ہو جاتی ہے تو آسمان سے پانی نازل فرما کر اللہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر اس زمین سے نباتات کے انواع و اقسام کے جوڑے نکلتے ہیں، جو لوگوں کی ضرورت ہیں۔ لوگوں کی ضروریات کا علم ان کے رب کو ہے۔ وہی ان ضروریات کو مہیا کرتا ہے۔

حاصل: زمین کو بچھونا ٹھہرانا، اس میں راہیں رکھنا، آسمانوں سے پانی برسانا، زمین سے نباتات کا اگانا، یہ سب اللہ کی شان ہے۔ وہ لوگوں کی ضروریات کا جاننے والا ہے، اور لوگوں کو آسانیاں عطا کرنے والا ہے۔

کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ ع ۲۰/۲ ۱۱

کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

نباتات سے انسانوں کو بھی رزق ملتا ہے، جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے۔ رزق کا پیدا کرنا رب کی شان ہے۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں کہ رزق ضروریات زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور رزق عطا کرنے والا معطی مطلق ہے۔ کسی شے کی تخلیق سے پہلے اس کی پرورش کا پورا اہتمام کرنا رب العالمین کی شان ہے۔ وہ ہر شے کو پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔

حاصل: اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھانے والے عقل مند ہیں۔ بندہ رب الناس ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، رب العالمین ہونا تو انتہائی ارفع ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝١٧ اور ہم نے تمہارے اوپر سات راہیں بنائیں، اور ہم خلق سے غافل نہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝٥٥

ہم نے تمہیں اسی زمین سے خلق کیا، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔ پھر اس کے لئے بقاء نسل کی صورت رکھی۔ پھر حیاتِ دنیا کی صورت میں دیئے گئے وقت کے پورا ہونے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دینا بھی اللہ کا کام ہے۔ اور جس نے پہلے بنایا ہے، اسی نے جزا کے لئے دوبارہ اٹھانے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے۔ رب کے تعارف میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے، وہ اس کے لاشریک ہونے کی سند ہے۔ عقل والوں کو اس سے روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ زمین کی حقیقت مٹی ہے۔ بندے کی حقیقت مٹنا ہے۔ بندہ مولیٰ کے نام پر مٹ جائے، تو وہ روشن ہو جاتا ہے۔ شاہد کا ساتھ اسے جلوت میں عطا ہو جاتا ہے، اللہ کا ساتھ اسے خلوت میں حاصل ہو جاتا ہے۔ دونوں مقامات پر پاکیزگی اس کا حال ہو جاتی ہے۔ تعلق مع اللہ سے جو نور ملتا ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ فرعون کو خلق ہونے کا علم تھا، وہ موت کا بھی انکار نہیں کر سکتا تھا، بعث بعد الموت بھی اللہ کی قدرت ہے وہ اس کے انکار میں کوئی سند نہیں پیش کر سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے جس نرمی کے ساتھ حق کو بیان کیا وہ ایک معیار ہے جس کو ملحوظ رکھنے میں بڑی برکات ہیں۔

حاصل: پیدائش، موت اور بعث بعد الموت، ان سب مقامات پر اللہ کی قدرت کو ماننا چاہئے۔ مولیٰ کے نام پر مٹ جانا بندے کا کام ہے، انعامات سے نوازنا اللہ کی شان ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝٥٦

اور بے شک ہم نے اسے سبھی نشانیاں دکھائیں تو اس نے تکذیب ہی کی اور انکار ہی کیا۔

اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ اللہ نے فرعون کو وہ سب کچھ دکھایا، جو حق کو ماننے میں اسے مدد دے سکتا تھا۔ حق کو ماننے کے لئے ایک وقت ہوتا ہے، اسی وقت میں ماننے کا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔ اس وقت کے پورا ہو جانے کے بعد ماننا نفع نہیں دیتا۔ فرعون نے دیکھا سب کچھ، مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تکذیب ہی کرتا رہا، اور حق کا انکار ہی کرتا رہا۔

حاصل: حق کو نہ ماننے والا، خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ خواہشِ نفس کی پیروی ہو تو گمراہی سے بچ جانا ممکن نہیں۔ ہمیں اپنا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، یہ اللہ کی بندگی کا ثبوت ہے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝٥٧

کہنے لگا اے موسیٰ (علیہ السلام) کیا تم اپنے سحر کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنے کے لئے آئے ہو۔

حق کو سننے کے بعد، اس کی صداقت کے ثبوت دیکھنے کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ کیا آپ اپنے جادو کی طاقت

سے شکست دے کر، ہمیں یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں اور یوں اس ملک پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔فرعون نے اپنے ساتھیوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی، کہ موسیٰ علیہ السلام ایک قوت رکھتے ہیں، اور یہ قوت ان لوگوں کے خلاف استعمال ہوگی جو بنی اسرائیل کو دکھ دیتے رہے ہیں۔

حاصل: ظالم اپنے ساتھیوں کو حق کی طرف مائل ہوتا دیکھ لے تو انہیں یہ احساس دلانے کی کوشش کرتا ہے، کہ دعوتِ حق دینے والا غالب ہوگیا تو کیا خطرات پیش آسکتے ہیں۔

فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

تو ضرور ہم بھی تمہارے سامنے اسی طرح کا جادو لائیں گے، تو ہمارے اور اپنے مابین ایک وعدہ ٹھہرا دو، جس کے نہ ہم خلاف کریں، نہ آپ، جگہ ہموار ہو۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بیان کو سننے کے بعد، ان کی زبان سے رب کے بارے میں اس کی قدرت کا ذکر سننے کے بعد، ان کی صداقت کی نشانیوں کے دیکھنے کے بعد یہی کہا کہ جو جادو آپ نے دکھایا ہے اس جادو کا مقابلہ کر کے دکھایا جائے گا۔کھیل تماشہ پسند کرنے والوں کے لئے اس بات میں بہت کشش تھی۔فرعون لوگوں کے مزاج کو جانتا تھا۔اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ مقابلے کا دن مقرر کر دیں، طرفین پابند رہیں کہ وعدہ خلافی نہ ہوگی، جگہ ہموار ہوتا کہ دونوں طرف کے لوگ اس میں پوری طرح شامل ہو سکیں اور یہ مقابلہ دیکھ سکیں۔

حاصل: فرعون صفت لوگ، انسانوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھانسنے کی ترکیبیں جانتے ہیں۔فرعون حق کی صداقت کی نشانیاں دیکھ چکا تھا، اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم کے مقابل اپنے علم کا نقص نظر آرہا تھا اور اس سے متعلق خطرات بھی اس کو محسوس ہو رہے تھے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَ اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

فرمایا، آپ لوگوں کا وعدہ یومِ زینت کا ہے اور لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ رہے تھے، کہ اظہارِ حق کے لئے وہ دن موزوں ہے جس دن لوگ کام کاج سے فارغ ہوں اور وہ دن قریب بھی تھا۔اس دن کو لوگ زینت کا اہتمام کرتے تھے، گویا وہ میلے اور خوشی کا دن تھا۔وقت آپ نے دن چڑھے کا رکھا، کہ لوگ اپنے معمولات سے فارغ ہو کر آئیں گے اور کچھ وقت کے لئے پوری توجہ سے سن سکیں گے اور دیکھ سکیں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ حق کے مقابل باطل کس انجام کو پہنچتا ہے۔آپ نے اللہ کے عطا کردہ علم سے سب فیصلے کیے۔

حاصل: اظہارِ حق کے لئے وہ دن موزوں ہوتا ہے جس دن لوگ سہولت سے اکٹھے ہو جائیں۔وقت چاشت کا موزوں ہوتا ہے، کہ لوگ اپنے مشاہدات پر مطمئن ہوں اور وہ روشنی میں ہی اپنے اپنے مقامات کی طرف جا بھی سکیں۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

تو فرعون مڑا پھرا اپنے سارے داؤ جمع کیے، پھر آیا۔

فرعون کو یومِ زینت بھی پسند آیا اور وقتِ چاشت بھی۔ وقت اور دن کے تعین سے پہلے بھی اس کے ذہن میں یہ تھا کہ مقابلے میں اہتمام کیسے کرنا ہے۔ اب اس نے اپنی پوری قوت اس کام پر مرکوز کر دی کہ بہترین جادوگر بمعہ ان کی مطلوبہ اشیاء کے جمع کیے جائیں۔ اجتماعی وسائل پر قابض لوگوں کے لئے ایسے کام کیا مشکل ہوتے ہیں۔ فرعون نے یہ سب کام وقت مقررہ کے حوالے سے کیے، اور وہ اپنی پوری تیاری کے ساتھ میدان میں آیا۔

حاصل: فرعون صفت لوگ، حق کے ساتھ مقابلے میں پورا پورا زور لگاتے ہیں۔ ان کی نظر اس طرف نہیں جاتی کہ اسباب کی حیثیت مسبّب الاسباب کے سامنے کچھ نہیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا، تمہیں خرابی ہو، اللہ پر کذب سے افترٰی نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے گا۔ اور بے شک نامراد ہوا جس نے افترٰی باندھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کا اہتمام کرنے والوں سے اور جادوگروں سے یہ کہا: کہ تم خرابی کا راستہ اختیار کر رہے ہو اور تم پر حق کو روشن نشانیوں کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے، تو اس کو ماننے کی بجائے اپنی خودساختہ باتوں کو اللہ سے منسوب کر رہے ہو، یہ اللہ پر افترٰی باندھنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ عذابِ الٰہی تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے نامراد ہی ہوتے ہیں۔ یہ بیان ان سب لوگوں نے سنا جو وہاں موجود تھے اور جنہیں یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کے دو حضرات جادو کے زور سے آلِ فرعون کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔

حاصل: منکرینِ حق کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ اللہ پر کذب سے افترٰی باندھنے والے نامراد ہوتے ہیں۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

تو اپنے کام میں باہم تنازعہ کیا، اور چھپ کر مشورہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پاک سے نکلے ہوئے الفاظ اظہارِ حق کے لئے تھے۔ جادوگر کبھی حق کو روشن کرنے والے نہیں ہوتے۔ جادوگر تو اپنے فنون کا مظاہرہ کرنے کے لئے آئے تھے، حق کی بات سن کر وہ عذابِ الٰہی سے ڈرے۔ حاضرین میں سے بھی کچھ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جادوگروں کا مقابلہ دکھانے کے لئے انہیں اکٹھا کیا گیا ہے، حکومت جادوگروں کو جمع کرلائی ہے، مگر جن لوگوں سے مقابلے کی کوشش ہو رہی ہے وہ اللہ والے ہیں، اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حق ادا کر رہے ہیں۔ تنازعہ کی اس صورت میں فرعون نے یہ مناسب سمجھا کہ اختلاف کرنے والوں کو خلوت میں اکٹھا کیا جائے اور وہاں مشورہ کیا جائے۔ خلوت میں چند لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانا اسے آسان نظر آتا تھا، اور بڑے اجتماع میں یہ کام ناممکن تھا۔

حاصل: ظاہر کی گئی بات، حقیقت سے بہت دور ہو، تو تنازعہ کی صورت بن جاتی ہے۔ منکرینِ حق جانتے ہیں کہ خلوت میں ہی چند لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

کہنے لگے، یہ دونوں یقیناً ساحر ہیں، ان کا ارادہ یہی ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اپنے سحر کے زور سے، اور تمہاری عمدہ تہذیب کو ختم کر دیں۔

چھپ کر مشورہ کرتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے متاثر ہونے والوں سے یہ کہا گیا، کہ یہ نبی نہیں ہیں، جادوگر ہیں۔ جادو کے زور سے اس ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اور تمہاری عمدہ روایات کو مٹانا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کے حوالے سے اور ان کی ثقافت کے حوالے سے بات سمجھائی گئی تو تنازعہ کم ہوا۔ اسی سے یہ واضح ہو جاتا ہے، کہ اس معاشرے میں حقائق کو جاننے کی طلب کس قدر تھی۔ حقائق کو جاننے کی طلب کم ہو تو عمدہ روایات کہاں سے آئیں گی۔

حاصل: حقائق کو جاننے کی طلب انسانی تہذیب میں بڑا مقام رکھتی ہے۔ جو لوگوں کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے ارادوں کو واضح کرنا بہت بڑی بات ہے۔ صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں لوگوں کو مدد دینا بڑی خدمت ہے۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

تو اپنا داؤ جوڑ لو، پھر صف باندھ کر آؤ۔ اور آج کے دن جو کامیاب ہے وہی غالب ہے۔

مشورے میں لوگوں کو قائل کرنے کے بعد یہ طریقہ بتایا گیا، کہ جو جادوان دو حضرات کے مقابل دکھایا جائے اس میں ربط ہونا چاہئے۔ ایک اصول طے کر لیا جائے، ذاتی وقار کو اس وقت مسئلہ نہ بنایا جائے، اجتماعی وقار کو اہمیت دی جائے اور پوری طرح متحد ہو کر اپنی قوت کا مظاہرہ کیا جائے۔ آج کے دن جو کامیاب ہوگا، اسی کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ مغلوب قوم کی روایات بے حقیقت ہو جاتی ہیں۔

حاصل: حق کی مخالفت کرنے والے اپنی تنظیم اور صف بندی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ علمی برتری ثابت ہو جائے تو غالب قوم کی روایات مغلوب قوم کی روایات پر چھا جاتی ہیں۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالئے یا ہم پہلے ڈالیں۔

جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اب مقابلہ ضرور ہوگا، اب باتوں کا وقت نہیں ہے۔ مقابلے میں آپ پہل کریں، یا ہمیں پہل کرنے کی اجازت دیں۔ ان لوگوں کو اپنے علم سحر پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے غالب رہنے کا یقین رکھتے تھے۔

حاصل: منکرینِ حق مقابلے میں پہل کرنے کی دعوت بھی دیں تو اس کے ساتھ ہی پہل کرنے کی اجازت بھی مانگ لیتے ہیں۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

فرمایا تم ہی ڈالو۔ تو جبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجازت تو پہل کرنے کی دے ہی دینی ہے، یہ بات جادوگروں کو معلوم تھی، اور وہ اپنے کرتب دکھانے کے لئے اس طرح تیار تھے، کہ اجازت ملتے ہی انہوں نے عظیم جادو دکھا دیا۔ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو حکومت وقت کی تائید سے جمع کی گئی تھیں، دوڑتے ہوئے سانپوں کی طرح نظر آنے لگیں۔ اتنا بڑا اہتمام اور اچانک اس میں ایسی تحریک کہ لوگ اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔ ناظرین میں اکثریت آل فرعون کی تھی۔ حکومت بھی ان کی تھی۔ رائے عامہ کا وزن اُنہیں کہاں تک پہنچا سکتا تھا، یہ سب باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تھیں۔

حاصل: منکرینِ حق جب بھی حق کے مقابل آتے ہیں، تو ان کی تیاری ان کے یقین کے مطابق بالکل پوری ہوتی ہے۔ اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے میں وہ دیر نہیں کرتے۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ﴿٦٧﴾

تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اندر خوف محسوس کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل تھی، اس لئے یہ خوف ان کی ذات کے حوالے سے نہیں تھا۔ جلد بازی انسانی کمزوری ہے، سحرِ عظیم سے متاثر لوگ کہیں معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی جادوگروں کے غلبے کو نہ مان لیں، یہ خوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اندر محسوس ہوا۔

حاصل: نتیجہ اخذ کرنے میں جلد بازی سے بچنا ضروری ہے۔ حق کا غلبہ بہر حال عزیز ہونا چاہئے، یہ پاک لوگوں کی نشانی ہے۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿٦٨﴾

ہم نے فرمایا، ڈریئے نہیں! بے شک آپ ہی غالب ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق کا غلبہ مطلوب تھا، ڈر یہ تھا کہ لوگ جادوگروں کے کمالات کو دیکھ کر فوراً ہی ان کے غلبے کو نہ مان لیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اطمینان عطا فرمایا گیا، کہ ڈریئے نہیں، غلبہ تو آپ کو ہی حاصل ہوگا۔ تائید ایزدی سے جو مدد ملتی ہے وہ بھی اللہ کے لاشریک ہونے کی ایک سند ہے۔

حاصل: اللہ کی مدد اللہ کے علم سے ہوتی ہے، یہی سب سے بڑی مدد ہوتی ہے۔

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿٦٩﴾

اور ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا۔ بے شک جو انہوں نے بنایا ہے وہ ساحر کا فریب ہے۔ اور ساحر کبھی فلاح نہیں پاتا، جہاں بھی ہو۔

امر الٰہی ہوا، کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں عصا ہے، اسے زمین پر ڈال دیجئے، یہ آپ کے دیکھتے دیکھتے ان کی بناوٹوں کو نگل جائے گا۔ جو جادو یہ لوگ دکھا رہے ہیں، یہ تو فریبِ نظر ہے اور جادو اس سے آگے کوئی حقیقت تو ہے ہی نہیں۔ جادوگر کبھی فلاح نہیں پاتا، کسی مقام پر ہو، کسی درجے کا علم رکھتا ہو۔ معجزے کے ظہور سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اطمینان عطا فرمایا گیا، یہ ہے شانِ رسالت۔

حاصل: جادو کے مقابلے میں حق کی شان ہمیشہ بلند ہوتی ہے۔ جادوگر کسی مقام پر ہو، اس کا بھلا نہیں ہوتا۔ حق کے انکار سے خسارہ ہی ہوسکتا ہے۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ﴿۷۰﴾

تو جادوگر سجدے میں پڑ گئے اور پکارنے لگے، ہم ہارون (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) کے رب پر ایمان لائے۔

آلِ فرعون میں عوام، خواص، درباری اور خود فرعون ایک طرف ہیں، بنی اسرائیل دوسری طرف ہیں۔ فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر جو بڑی تعداد میں ہیں اور ملک کے عظیم جادوگر ہیں، میدان میں اپنی پسند کے کرتب دکھا رہے ہیں جس کے لئے حکومت وقت نے انہیں سب کچھ مہیا کیا ہے۔ ان کے سامنے دو حضرات ہیں۔ ان کے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دیکھنے والے، جادوگروں کے جادو سے اتنے متاثر ہیں کہ انہوں نے یہ سوچ لیا ہے کہ اس مقابلے میں جادوگر ہی غالب رہیں گے کہ انہوں نے سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو زمین پر پھینکتے ہیں۔ وہ اژدہا بن کر جادوگروں کی سب بناوٹوں کو نگل جاتا ہے، اور لوگ سحر کی حیثیت کو بھی دیکھ لیتے ہیں، معجزہ بھی انہیں نظر آتا ہے۔ جادوگر مان لیتے ہیں، کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ جادو نہیں ہے۔ وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور سب کے سب یہ پکارنے لگتے ہیں، کہ ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ فیصلہ ناظرین کی زبان سے بیان نہیں ہو رہا، جادوگروں کی زبان حق کو ماننے کا اعلان کر رہی ہے، اور یہ اعلان ان کی طرف سے بیک زبان ہو رہا ہے۔ یہ منظر اللہ کی قدرت کے ماننے والوں کو ہدایت عطا کرتا ہے۔

حاصل: حق کا اعتراف ہو، سجدۂ شکر کے ساتھ ہو اور جلوت میں ہو تو انعامات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ جن کے حوالے سے حق کو پانے کا شرف ہو، ان کی توقیر، ان کی تعظیم ماننے والوں کے عمل میں نظر آتی ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَہٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَکُمْ ط اِنَّہٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ ج فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ز وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ﴿۷۱﴾

فرعون نے کہا، کیا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تمہیں سحر کا علم سکھایا ہے۔ تو مجھے قسم ہے، ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں قطع کروں گا، اور تمہیں کھجور کے تنے پر سولی دوں گا، اور تمہیں معلوم ہوجائے گا ہم میں سے کس کا عذاب اشد ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

جادوگروں کے ایمان لانے کا اعلان سن کر فرعون بہت پریشان ہوا۔ ناظرین نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ لیا تھا اس کو بھلا دینا ممکن نہ تھا، اور لوگوں کو الجھائے بغیر فرعون کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے لوگوں کو الجھانے کے لئے یہ کیا، کہ جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد ثابت کیا جائے، اور یہ جو کچھ لوگوں کے مشاہدے میں آچکا ہے اسے استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ثابت کیا جائے، اور

اس کاروائی کو حکومت کے خلاف سازش قرار دیا جائے۔ فرعون نے اپنے دبدبے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا، کہ تم لوگوں کو میری اجازت سے قبل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی جرات کیسے ہوئی۔ میں اس سازش کو جان چکا ہوں۔ یہ تمہارا استاد ہے۔ اسی نے تمہیں جادو کا علم سکھایا ہے، اور تم نے اس کی بڑائی کو تسلیم کرنا ہی تھا۔ اس سازش کی سزا تمہیں یہ دی جائے گی، کہ تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں گے، اور کھجور کے تنے پر تمہیں سولی دی جائے گی، کہ حکومت کے خلاف سازش کرنے والے لوگوں کو دور سے نظر آئیں اور لوگ ان کے انجام سے عبرت لیں۔ ایک سزا وہ تھی جس سے بچنے کے لئے تم اس سازش میں شریک ہوئے ہو، اور ایک سزا یہ ہوگی۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ کونسی سزا زیادہ شدید اور دیرپا ہے۔

حاصل: ہدایت کی طلب نہ ہو، تو راہ راست نہیں ملتی۔ اپنے کئے ہوئے سب انتظامات، دشمن کی چال نظر آنے لگیں تو انتظامیہ کی ناکامی ثابت ہو جاتی ہے۔ حکومت ناکامی کو انا کا مسئلہ بنا لے تو پھر اسے اپنا غیظ وغضب دکھانا ہی ہوتا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾

کہنے لگے: ہم ہرگز تمہیں ترجیح نہ دیں گے، ان روشن نشانیوں پر جو ہمارے پاس آئیں اور جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو جو تمہیں کرنا ہے کر گزرو، تم اسی حیات دنیا میں ہی کر سکو گے۔

ان حضرات نے فرعون کو یہ جواب دیا، کہ جو کچھ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے، اس کو ہم نے مانا ہے۔ ہم نے نشانیاں دیکھ کر مانا ہے، اور ان انبیاء کرام کی بدولت ہمیں اپنے رب کا وصال نصیب ہوا ہے۔ اس عطا کے مقابل کسی مقام کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ سزا کا اعلان ہم سن چکے ہیں، ہم سزا کے لئے تیار ہیں۔ تمہیں جو کرنا ہے کر گزرو۔ یہ سزا تو حیاتِ دنیا ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ آخرت کی سزا جو تمہیں ترجیح دینے کی صورت میں یقیناً ہوگی، اشد ہوگی اور باقی رہنے والی ہوگی۔ ہم اس سزا سے جو آخرت میں ہوگی ڈرتے ہیں اور اس سزا سے جو حیاتِ دنیا میں تم سنا رہے ہو نہیں ڈرتے۔

حاصل: ایمان والے اللہ سے ڈرتے ہیں۔ حق کے مقابل ناحق کو ترجیح دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو حیاتِ دنیا کی سزا، انسان کی طرف سے ہو، تو اللہ کا فضل ان کے شامل حال ہوتا ہے جو انسان کی طرف سے دی گئی سزا کی شدت کو بہت کم کر دیتا ہے۔ منکرینِ حق کو جو سزا آخرت میں ملے گی وہ بڑی شدید ہوگی اور بڑی دیرپا ہوگی۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ الثلثة

بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے، کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے، اور وہ جو تو نے ہمیں سحر پر مجبور کیا۔ اور اللہ خیر ہے اور باقی ہے۔

فرعون کی دھمکیاں سن کر ان ایمان والوں نے یہ کہا: کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہماری خطاؤں کو

بخش دے۔ہم سے یہ بڑا قصور ہوا ہے، کہ ہم نے اللہ کے نبیوں سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی باتیں سننے کے بعد ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے،مگر تمہارے جبر کی وجہ سے ہم اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔مگر اب وہ کیفیت نہیں ہے۔اب جو کچھ ہمیں مل گیا ہے، وہ ہمیں اتنا عزیز ہے، کہ ہمیں کسی جبر کی پرواہ ہی نہیں ہے۔اللہ کے ساتھ سے بہتر کوئی ساتھ نہیں ہے اور اسی کے انعامات باقی رہنے والے ہیں۔

حاصل: حق کو مان لیا جائے تو پھر کسی کا جبر ایمان کو متزلزل نہیں کرسکتا۔مجبور کرنے والوں کے سامنے یہ کہنا کہ ہم اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں، اس کے ساتھ سے بہتر کوئی ساتھ نہیں ہے اور ہمیشہ رہنے والے کے مقابل ظلم کرنے والے کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، بہت بڑی بات ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾

بے شک جو اپنے رب کے سامنے مجرم ہو کر آئے، تو اس کے لئے جہنم ہے۔ نہ اس میں مرے اور نہ جیئے۔

دنیا کی زندگی میں جو لوگ حق کو جاننے کے باوجود، خلافِ حق کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے ماننے والوں سے دشمنی کرتے ہیں، یہ لوگ مجرم ہیں۔جس نے توفیق دی ہے، جس نے مقصدِ حیات کا تعین کیا ہے، جو صداقت و کذب کا فیصلہ بندے کے اعمال کو دیکھ کر کرتا ہے، اس نے جہنم کو مجرموں کے لئے ٹھہرایا ہے۔یہ ایسا مقام ہے، جس میں مجرم دکھ سے مر بھی نہ سکے گا، اسے زندگی بھی عزیز نہ ہوگی۔جو دوام حق کی مخالفت کی صورت میں اس کا طریقِ زندگی تھا، دائمی سزا کی صورت میں وہی اس کو گھیرے ہوئے ہوگا۔

حاصل: جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا۔جو خلافِ حق کرتا ہوا اس دنیا سے جائے گا، اس کے لئے جہنم ہے جس میں دائمی سزا ہوگی۔جو جزا دینے کی قدرت رکھتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾

اور جو مومن ہو کر آئے کہ اس نے صالح اعمال کئے ہوں، تو ان کے درجات بلند ہیں۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔پاکیزگی مطلوب ہو، تو صالحین کی معیت میں جو راحت ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے مقام پر نظر نہیں آتی۔حیاتِ دنیا میں خوف وحزن سے نجات حاصل ہو تو یہ بلند مقام ہے، آخرت میں تو اس کی شان بہت بڑی ہوگی۔

حاصل: ہمارے دعویٰ ایمان کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو، تو صالحین کی معیت سے بڑھ کر ہماری کوئی شان نہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع ٢٢ ١٢

بسنے کے باغ ہیں، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔اور یہ جزا ہے اس کی جو پاک ہوا۔

پاکیزگی کی جزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو مقام پاک لوگوں کو نصیب ہوگا، وہ ایسے باغ ہوں گے جن کی سرسبزی دائمی ہوگی، کہ زیرِ زمین پانی کی سطح ایسی ہوگی کہ آبیاری کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ لوگ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رہنے کا انعام پائیں گے۔ دائمی پاک دامنی کا انعام بھی دائمی نوعیت کا ہوگا۔

حاصل: پاک لوگوں کی معیت کا دعویٰ ہو، تو ہمیں ان کی صفات مبارکہ کا مظہر ہونا چاہئے۔ دائمی پاک دامنی کے حصول کی دعا کرنی چاہئے، کہ یہ اللہ کا بڑا انعام ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (۲۲) میں ارشاد فرمایا ہے: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو، اور اپنے رب کی بندگی کرو، اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی، کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے جایئے، پھر ان کے لئے دریا میں سوکھا راستہ بنایئے، تعاقب کا خوف نہ رکھیئے اور ڈوب جانے کا ڈر بھی دور کیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد فرعون نے بنی اسرائیل کو مزید اذیتیں دیں، تو انہوں نے اللہ کے نبی کی خدمت میں اپنا ماضی اور حال بیان کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ قریب ہے تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں اس زمین کا وارث بنا دے، پھر دیکھے تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ اس میں بنی اسرائیل کے اندر حال پر اللہ کی قدرت کو دیکھنے کا رخ واضح کرنا مقصود تھا۔ اصلاحِ حال کی تاکید مقصود تھی۔ نجات کی بشارت تو وہ لوگ آپ کی زبان پاک سے سن چکے تھے، اس لئے تیاری کا مرحلہ بھی گزر چکا تھا، حکم کا انتظار تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا، تو اس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ کس وقت چلنا ہے، کس راستے کو اختیار کرنا ہے، دریا پر پہنچ کر عصا کو پانی پر مارنا ہے اللہ کی قدرت سے دریا میں خشک راستہ مل جائے گا، فرعون کے تعاقب سے خائف نہیں ہونا، ڈوب جانے کے اندیشے کو بھی دور رکھنا ہے۔ اللہ کی مدد کتنی بڑی شان رکھتی ہے، سبحان اللہ، سبحان اللہ!

حاصل: مظلومین کو ہجرت میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ اللہ کی مدد شاملِ حال ہو تو نہ پیچھے سے خوف ہوتا ہے، نہ آگے کا ڈر ہوتا ہے۔ امام کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کرے، ساتھیوں کا حق یہ ہے کہ وہ ادب سے اس کی اطاعت کریں۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ ﴿۷۸﴾

تو فرعون نے ان کا پیچھا کیا اپنے لشکروں کے ساتھ، پھر دریا نے ان کو ڈھانپ لیا، جیسے ڈھانپ لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے گزر چکے تھے۔ فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں بڑی سرعت

کے ساتھ روانہ ہوا۔ جلد ہی وہ دریا پر پہنچ گیا، اور اس نے دیکھ لیا کہ دریا میں ان کے لئے خشک راستہ موجود ہے۔ یہ اس کے لئے اللہ کی قدرت کی بہت بڑی نشانی تھی۔ مگر وہ اپنی قوت کے نشے میں بدمست تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کو سزا دینے کے لئے اسی راستے سے گزرنے کا فیصلہ کیا، اور وہ اپنے لشکروں سمیت اسی راستے پر چل پڑا جو اللہ کی قدرت سے بنی اسرائیل کے لئے بنا ہوا تھا۔ عمل کے لئے اسے دی گئی مہلت ختم ہوگئی تھی، دریا کے پانی نے اس کو مع اس کے لشکروں کے اس طرح ڈھانپ لیا، کہ وہ کچھ بھی نہ کر سکا اور انہیں ٹھنڈا ہونے میں دیر نہیں لگی۔

حاصل: پاک لوگوں کو دیا گیا انعام، ناپاک لوگوں کے لئے گرفت کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ اللہ سے مقابلہ کرنا خسارے میں ہی ڈالتا ہے۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾ اور فرعون نے اپنی قوم کو بہکایا اور انہیں راہ نہ دکھائی۔

قوم کی قیادت بھی فرعون کی ایک ذمے داری تھی۔ اس میں بھی وہ خیانت کا مرتکب ہوا۔ اس کے سامنے حق اپنی اسناد کے ساتھ بالکل واضح تھا، وہ اپنی غرض وغایت میں پڑ گیا۔ اس نے اپنی قوم کو ہمیشہ یہ بتایا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا نتیجہ یہی ہوگا کہ آلِ فرعون کا نام بھی باقی نہ رہے گا۔ راہ دکھانے کا حق اس طرح ادا ہوسکتا تھا کہ وہ لوگوں کو مقصدِ حیات پر غور وفکر کرنے کے لئے کہتا، اپنے طریق زندگی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریق زندگی سے موازنہ کرنے کو کہتا۔ اجتماعی بھلائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کے حوالے سے ممکن تھی اس کے امکانات کا جائزہ لینے کی تاکید کرتا۔ اس طرح انسان کے قیاسی علم سے وجود میں آنے والی تہذیب کا علم الٰہی سے بننے والی تہذیب سے تقابل ہوجاتا، اور صحیح راستے کے انتخاب میں کسی کو مشکل نہ پیش آتی۔

حاصل: اپنی قوم کی راہ نمائی بہت بڑا حق ہے۔ اس حق میں کوتاہی ہو تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ قائد کی شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کو حقائق کے حوالے سے صحیح نتائج پر پہنچنے میں مدد دے، اور اجتماعی بھلائی کے لئے کام کرنے والوں کو ذاتی غرض وغایت سے بلند رہنے کی تربیت دے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾

اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی، اور تمہیں طور کی دائیں جانب کا وعدہ دیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔

فرعون کو اس کے لشکروں سمیت دریا میں غرق کر دیا گیا، اور بنی اسرائیل کو دشمن لوگوں سے نجات مل گئی۔ محکوم لوگ اس زمین کے شرق و غرب کے وارث بنا دئے گئے۔ کتاب ہدایت عطا کرنے کے لئے مقامِ عطا کے بارے میں وعدہ دیا گیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا کرم تھا۔ خوراک کے لئے من وسلویٰ کا اتارنا بھی اللہ کا بڑا کرم تھا۔ روحانی ضروریات کے ساتھ جسمانی ضروریات کو علم مطلق سے پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا احسان تھا۔ بندگی کا حق بہ طریقِ احسن ادا کرنے کے لئے جو کچھ بنی اسرائیل کو درکار تھا، سب عطا کیا گیا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کے کرم کو ماضی میں دیکھنا چاہئے، حال پر بھی دیکھنا چاہئے۔ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾

کھاؤ طیبات سے جو تمہیں رزق دیا ہے، اور اس میں زیادتی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب پڑے، اور جس پر میرا غضب پڑے تو بے شک وہ گر تا ہے۔

طیبات کا تعین علم الٰہی سے ہوا ہے۔علم الٰہی لوگوں تک مرسلین کے ذریعے سے پہنچتا رہا ہے، شاہدین کے ذریعے سے پہنچتا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پاک کے ذریعے حکمِ خداوندی بنی اسرائیل کو ملا، کہ جو رزق تمہیں دیا گیا ہے اس کے استعمال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع لازم ہے۔طغیان وعصیان کا راستہ، اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہوگی۔اللہ کا غضب جس پر بھی پڑے وہ گر جاتا ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

حاصل: رزق کو عطاء الٰہی جاننا چاہئے۔اسے رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔سرکشی اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔اللہ کا غضب جس پر بھی پڑے وہ گر جاتا ہے۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اور بے شک میں اس کے لئے ضرور غفار ہوں، جو تائب ہو اور ایمان لائے اور صالح عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے۔

جو خطا کے بعد یہ دیکھ لے کہ اس کا رخ غلط ہے، خلافِ حق ہے اور اس کا انجام خسارہ ہی ہوگا، وہ رک جاتا ہے۔توبہ کرتا ہے، من مانی کرنے کو بڑا گناہ سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اور اس دعوے کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتا ہے۔یہ بندہ کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل بیان نہیں کرتا۔اس جرم سے بچنے والا ہی راہِ ہدایت پر رہ سکتا ہے۔

حاصل: خطا کے بعد توبہ ہو، ایمان کی تجدید ہو، صالح اعمال سے اس کی تصدیق ہو اور کبھی اپنی پسند کو حق کے مقابل بیان نہ کیا جائے، تو اللہ کی طرف سے بخشش سابقہ گناہوں کی نفی کر دیتی ہے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾

اور آپ نے اپنی قوم سے عجلت کیوں کی اے موسیٰ (علیہ السلام)!

حضرت موسیٰ علیہ السلام حکمِ الٰہی کے مطابق کوہ طور پر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہونے کے لئے چلے۔مقتدیوں نے کوتاہی کی اور امام کے ساتھ قدم ملا کر چلنے میں سستی کی، اس لئے وہ کچھ پیچھے رہ گئے۔آپ شوقِ ملاقات میں سرشار تھے۔آپ کی نظر پیچھے آنے والوں پر تھی، مگر جماعت کے ساتھ سے حفاظتِ جماعت کا حق بہتر طور پر ادا ہوسکتا تھا۔اس لئے پوچھا گیا، آپ نے جلدی کیوں کی اے موسیٰ علیہ السلام!

حاصل: امام کے لئے جماعت کے ساتھ رہنا، حفاظتِ جماعت کے حق کی بطریقِ احسن ادائیگی کے لئے

ضروری ہے۔ آگے ہونا یا پیچھے ہونا حفاظت کے حوالے سے بھی ہوسکتا ہے۔ جماعت کو امام کے ساتھ رہنے میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

عرض کی وہ یہ میرے پیچھے آ رہے ہیں، اور اے میرے رب میں نے عجلت کی کہ تو راضی ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف دیکھتے ہوئے یہ کہا، اے میرے رب وہ لوگ میرے پیچھے آہی رہے ہیں، مجھے تیری رضا مطلوب تھی، شوق ملاقات میں سرشار ہونا بھی جلدی کا سبب ہوا۔

حاصل: رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جلدی کرنا ادب ہے، مگر جماعت کی سلامتی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، جماعت کے ساتھ رہنا بہتر ہے۔ جماعت کے ہر رکن کو امام کے ساتھ رہنا چاہئے۔

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا، تو ہم نے آپ کے بعد آپ کی قوم کو فتنے میں ڈالا اور انہیں سامری نے بہکایا۔

اللہ کی عطا کردہ توفیق کے استعمال میں جو رخ اختیار کیا جائے، اسی کی بندے کو جزا دی جاتی ہے۔ جو شعور کے ساتھ راہِ خیر پر ہو اور اس کے سامنے اس کی خواہشات اس طرح آجائیں، کہ وہ ان کی پیروی کے لئے ماحول کو سازگار پائے، تو یہ کیفیت اس کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ یہیں اس کی صداقت و کذب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر وہ پاکیزگی کے عہد پر قائم رہتا ہے تو وہ صادق ہے، ورنہ کاذب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو تاکید کی تھی، اس میں ان کے لئے بڑی راہ نمائی تھی۔ اس ہدایت کو ایک طرف رکھ کے کسی دوسری راہ کی جستجو اصل گناہ تھا، اور سامری نے ان کی اس طلب کو استعمال کرتے ہوئے ان کو بہکایا۔ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، مگر سبب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے جیسے یہاں سامری کے بہکانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

حاصل: اپنے عہد کو یاد رکھنا چاہئے۔ جب پاک لوگوں کے مقابلے میں ناپاک لوگوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جائے گی جو پاک لوگوں کی شان کے لائق ہوتی ہے تو خرابی واقع ہو جائے گی۔ بھٹکنے والا، بھٹکنے کے لئے تیار ہو تو بہکانے والا اپنی کاروائی شروع کر سکتا ہے۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

تو موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضب و افسوس کے ساتھ لوٹے۔ فرمایا: اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے احسن وعدہ نہ کیا تھا، یا تم پر عہد طویل ہو گیا تھا، یا تم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب پڑے، تو تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ ہدایت عطا ہونے کی خوشی بہت تھی، مگر جن کے لئے یہ انعام عطا ہوا تھا، ان کے رویئے کے بارے میں جان کر آپ کو بہت دکھ ہوا، اور آپ غصے اور افسوس کے ساتھ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا: کیا تمہارے رب سے بہتر کوئی ہدایت دینے والا ہو سکتا ہے۔ یہ اتنی طویل مدت بھی نہیں تھی، کہ تم ہدایت کا انتظار کرتے کرتے ناامید ہو گئے تھے۔ تیسری صورت یہی ہو سکتی ہے، کہ تم نے جان بوجھ کر میرے وعدے کے خلاف حرکت کی، ہارون علیہ السلام کی اطاعت کو چھوڑ کر سامری کا کہا مانا، اور اپنے رب کے غضب کو دعوت دی۔

حاصل: اپنی قوم کی گمراہی پر غصے اور افسوس کا اظہار، بھلائی چاہنے والے کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ گمراہی کے اسباب کا جائزہ لینا چاہئے۔ مثبت رخ کو پہلے دیکھنا چاہئے، منفی کو بعد میں۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

کہنے لگے ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی، ولیکن ہم سے اس قوم کی زینت کے بوجھ اٹھوائے گئے تھے، تو ہم نے انہیں ڈال دیا، پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے پوچھا جو خلافِ حق کرنے کے مرتکب نظر آتے تھے، کہ انہوں نے پاک رہنے کے عہد کو کیوں توڑا۔ تو جواب یہ دیا گیا، کہ وہ تو اس میں تقریباً بے اختیار تھے۔ زیورات کی شکل میں لوگوں کی امانتوں کا بوجھ ان کے پاس تھا، لوگ سامری کے زیرِ اثر تھے، انہیں مجبور کرتے تھے کہ سامری کے حکم کے مطابق زیورات کو ڈال دو، جہاں وہ کہتا ہے۔ مجبوراً انہوں نے وہ زیورات ڈال دیئے، سامری نے جو کچھ کرنا تھا اس نے بھی کر دیا۔ یوں ان سے وعدہ خلافی کروائی گئی۔ وہ ایسا کرنے میں راضی نہ تھے۔

حاصل: قصور کا اعتراف، طالبِ ہدایت ہونے کی نشانی ہے، اس لئے اس میں کمزوری نہیں ہونی چاہئے۔ واقعات کو بیان کرتے وقت ٹھیک ٹھیک بیان کرنا چاہئے۔ کسی واقعے کی اہمیت کو گھٹانا، بڑھانا بیان کرنے والے کی ذمہ داری نہیں ہوتی، وہ فیصلہ کرنے والے کا حق ہے۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا نکالا، جس کا دھڑ گائے کی طرح ڈکارتا، پھر کہنے لگے، یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود، تو بھول گئے۔

سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر، بچھڑے کا بت بنایا۔ جب اس میں سے ہوا کا گزر ہوتا تھا، تو اس سے ڈکارنے کی آواز نکلتی تھی۔ سامری اس آواز کو اپنی منشاء کے مطابق معنی دے دیتا تھا۔ لوگ اس کی باتوں کو مان لیتے تھے۔ بت پرستی کی طرف مائل لوگوں کی یہ درخواست تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سن چکے تھے، کہ ہمیں بھی ایک بت بنا دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کرتے رہیں۔ آپ نے ان لوگوں کی بیہودگی پر سخت سرزنش کی تھی۔ انہی لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ یہی سامری کے مددگار تھے۔ یہی کہنے

والے تھے، کہ یہ بچھڑا ہی معبود ہے۔ ہمارا بھی ہے، موسیٰ علیہ السلام کا بھی ہے۔ وہ اسے بھول کر کہیں چلے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا انکار نا ممکن تھا، اس لئے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام لینا بھی ضروری سمجھا۔ بے ہودگی ملاحظہ ہو، کہ جو شے ان کے ہاتھوں سے بن رہی ہے، اسے وہ اپنا معبود مان رہے ہیں۔

حاصل: شعبدہ باز لوگوں کو وقعت نہیں دینی چاہئے۔ بت کے ساتھ ہمیشہ بت بنانے والا اپنے علم کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ بندے کو توفیق دینے والا ہی بتا سکتا ہے کہ اس پر حق کیا عائد ہوتا ہے۔ جزا دینے والا بھی وہی لاشریک ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ ع ۱۲/۱۳

تو کیا دیکھتے نہیں کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا، اور ان کے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا۔

بنی اسرائیل کو ماضی قریب میں اجتماعی طور پر معبود لاشریک کی طرف سے بڑی مدد ملی تھی۔ انہیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے ظلم سے نجات دلانے والی قوت وہی تھی، جس کا کوئی شریک نہیں۔ چھوٹی سی بے سہارا جماعت کو ایک بڑی حکومت کے پنجۂ استبداد سے بچا لینا، اور ظالموں کو مظلوموں کے سامنے غرق کر دینا، مالکِ حقیقی کی شان ہے۔ ضرر اور نفع اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ نتیجے میں اللہ کی قدرت کا انکار ممکن ہی نہیں، اور جس بچھڑے کو یہ لوگ معبود بنا رہے تھے، وہ کسی شے پر بھی قادر نہیں تھا۔

حاصل: اپنے عقیدے کی صحت کو دیکھنا چاہئے۔ حق کا نازل فرمانے والا معبود ہے۔ ضرر اور نفع کا مالک معبود ہے۔ جس کی قدرت نتائج کو مرتب کرتی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام (۷) میں ارشاد فرمایا ہے: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿﴾ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی، کہ نعمت کو پورا کریں احسن کام کرنے والوں پر اور ہر شے کی تفصیل کے لئے اور ہدایت اور رحمت تا کہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر ایمان رکھیں۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾

اور بے شک ہارون (علیہ السلام) نے اس سے قبل انہیں بتایا تھا، اے میری قوم! بے شک تم لوگ فتنے میں پڑے ہو اور بے شک الرحمٰن تمہارا رب ہے، تو میرا اتباع کرو اور میرے امر کی اطاعت کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصولِ کتاب کے لئے کوہ طور پر جانے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کی قیادت کا فریضہ سونپا تھا، اور قوم کو ان کی اطاعت کی تاکید کی تھی۔ جب قوم بت پرستی میں مبتلا ہونے لگی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ تم لوگ فتنے میں پڑ گئے ہو۔ الرحمٰن ہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے، وہی تمہارا پالنے والا ہے، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ جو

راستہ تم اختیار کر رہے ہو، یہ تمہیں خسارے میں مبتلا کر دے گا۔ فلاح اسی میں ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میرے امر کی اطاعت کرو۔ باقی سب راستے تمہارے لئے دکھ کا باعث بنیں گے۔

حاصل: راہ نمائی کرنے والے صحیح وقت پر راہ نمائی کر دیتے ہیں۔ فتنے کے وقت درست رخ معلوم ہو جائے تو یہ بڑی مدد ہوتی ہے۔ جس کا اتباع، جس کی اطاعت، خوف و حُزن سے نجات کی ضمانت دے وہی بہترین قیادت ہے۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

کہنے لگے ہم تو اس پر آسن مارے بیٹھے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف لوٹ آئیں۔

بت پرستی میں مبتلا لوگوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں یہ کہا، کہ آپ کا اتباع اور آپ کی اطاعت تو ہم کرتے نہیں، اور موجودہ طریق عبادت کو چھوڑنے پر بھی ہم تیار نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک تو یہی صورتِ حال رہے گی، ان کی تشریف آوری کے بعد دیکھا جائے گا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام، صاحبِ امر مقرر کر کے گئے تھے، اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کے امر کو نہ ماننے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے دعوے میں جھوٹے تھے۔

حاصل: شاہد کی طرف سے جس کو امیرِ جماعت مقرر کر دیا جائے، اس کو بالکل شاہد کی صورت سے ماننا چاہئے۔ اس کے اتباع میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، ورنہ جماعت کو بڑا نقصان پہنچ جاتا ہے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾

فرمایا، اے ہارون (علیہ السلام) تمہیں کس نے منع کیا تھا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھ لیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی گمراہی سے آگاہ تھے۔ انہیں غصہ بھی تھا اور افسوس بھی تھا۔ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو صاحبِ امر مقرر کر کے گئے تھے، اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کی پاکیزگی کے یقین کے باوجود آپ نے یہ پوچھا کہ ان لوگوں کی گمراہی کو دیکھ لینے کے بعد، تمہیں ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینے سے کس چیز نے روکا۔ لوگوں کو ان کے ناقص اعمال کا احساس دلانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ شاہدین اپنے قربیٰ میں سے کسی کو نمونہ بنایا کرتے ہیں۔ اس وقت دعوتِ فکر کا وہ بہترین اسلوب ہوتا ہے۔

حاصل: پوچھنے کا حق اسی کو ہوتا ہے جس نے شرف عطا کیا ہو۔ امیرِ جماعت کی ذمے داری ایک حد تک ہوتی ہے۔ جب وہ لوگوں کو عملاً گمراہی میں دیکھ لے، تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ﴿٩٣﴾

کہ میرے پیچھے آتے۔ تو کیا تم نے میرے امر کے خلاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام سے یہ کہا، کہ قوم کو گمراہی میں دیکھ لینے کے بعد تمہیں ان سے الگ ہو جانا چاہئے تھا اور میرے پیچھے آنا چاہئے تھا۔ ایسا تم نے کیا نہیں۔ تو کیا تم نے میری حکم عدولی کی ہے۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

وضاحت طلبی کے انداز میں کہی۔ دیکھنے والوں کے لئے یہ بہت بڑی نشانی تھی، کہ بھائی سے حق کی ادائیگی کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔

حاصل: جو جماعت کی قیادت کا ذمے دار ٹھہرایا گیا ہو، جماعت کے حوالے سے اس کو اپنے حال کی وضاحت بھی کرنی پڑتی ہے۔ پوچھ کا سلسلہ اپنے قربیٰ سے شروع کیا جائے تو اس سے جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَأْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

عرض کی، اے میرے ماں جائے، نہ میری داڑھی پکڑیئے نہ سر کے بال، بے شک مجھے یہ ڈر تھا کہ آپ فرمائیں گے، کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات یاد نہ رکھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بڑے ادب سے یہ گزارش کی، کہ حضرت آپ ناراض نہ ہوں، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بت پرستی کو دیکھ کر میں ان لوگوں سے الگ ہو جاتا تو حق کو ماننے والے میرے ساتھ ہو جاتے باقی پیچھے رہ جاتے۔ اس طرح تفرقہ واضح ہو جاتا، اور آپ نے تفرقے سے بچنے کا حکم دیا تھا۔ مجھے ڈر یہی تھا کہ آپ کی حکم عدولی نہ ہو۔ ساتھ نباہنے کی احسن صورت کو یہ لوگ چھوڑ چکے تھے، میری حکم عدولی کے ساتھ انہوں نے یہ کہا تھا کہ آپ کے انتظار میں یہ اپنی روش کو جاری رکھیں گے، پھر میں ساکن ہو گیا، یہی میرے عمل کی وضاحت ہے۔

حاصل: پوچھنے والا حق کے حوالے سے پوچھے تو جواب انتہائی ادب سے دینا چاہئے، اور اپنے حال کی وضاحت کرنی چاہئے۔ خلیفہ کو ماننا ہی شاہد کو ماننے کا ثبوت ہوتا ہے۔ تفرقے سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے، کہ منکرینِ حق کے حوالے سے صاحبِ امر خود کو ساکن کر لے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

فرمایا، اب تیری حقیقت کیا ہے اے سامری۔

سامری کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا، کہ اس نے بنی اسرائیل کو بہکایا ہے۔ پھر بھی آپ نے اس سے پوچھا، تمہاری حقیقت کیا ہے۔ مجرم کی بات سننے کے بعد، اس کے بارے میں جو فیصلہ کیا جائے وہ برمحل ہوتا ہے۔ اس کی بات سننے سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا جائے، تو وہ بے محل ہوتا ہے۔ حق یہی ہے، کہ کسی خرابی کے واقع ہو جانے کے بعد جو کچھ بچایا جا سکتا ہو، اس کو پہلے بچایا جائے۔ خرابی کے سبب کا احاطہ کر لیا جائے تو اصلاح کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

حاصل: مجرم کو موقع دینا چاہئے، کہ وہ اپنی زبان سے اپنا حال اور حقیقت بیان کرے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾

عرض کرنے لگا، میں نے دیکھا جو دوسروں نے نہ دیکھا، تو میں نے بھیجے ہوئے کے قدم سے ایک مٹھی بھر لی پھر اسے ڈال دیا، اور میرے نفس کو یہی بھلا معلوم ہوا۔

سامری نے حقیقت بیان کرتے ہوئے، اپنے قصور کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا، اے حضرت آپ کے فرمان کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کے اتباع میں میری بھلائی تھی، آپ پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والے کو حضرت ہارون علیہ السلام کی اطاعت کر کے اپنے دعوے کو سچا ثابت کرنا تھا، میں تو جھوٹا ثابت ہوگیا ہوں اور صریحاً خسارے میں پڑ گیا ہوں، آپ میری اصلاح کے لئے جو بھی فرمائیں وہ حق ہے۔ سامری نے اپنی بدعملی کی توجیہ بیان کی: "کہ جو کچھ میں نے دیکھا، وہ دوسروں نے دیکھا ہی نہیں۔ اور اللہ کی قدرت کی جو نشانی میں نے دیکھی، اس کے قدم کے اثر کو لینے کے لئے میں نے وہاں سے مٹی کی ایک مٹھی بھر لی، پھر اس کو استعمال کیا، میرے نفس نے مجھ کو یہی سمجھایا۔" جو جزا پر یقین رکھتا ہو، وہ عمل کے لئے دی گئی توفیق کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہے۔ جزا پر یقین نہ رکھنے والا، کسی نشانی کو دیکھ بھی لے تو کھیل تماشے میں پڑ جاتا ہے۔ جس کو اپنی تجویز حق کے مقابلے میں اہم نظر آنے لگے وہ گمراہ ہوتا ہے، جو گمراہ کو قائد مان لے وہ بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔

حاصل: کبھی اپنی تجویز کو حق کے مقابل نہیں لانا چاہئے۔ جزا پر یقین رکھنا چاہئے۔ بات حق کے حوالے سے کرنی چاہئے۔ قصور ہو جائے تو واضح طور پر اس کا اعتراف کرنا چاہئے۔ مجرم کی سوچ درست نہیں ہوتی۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

فرمایا تو چلا جا، پھر حیات میں تیرے لئے یہی سزا ہے کہ تو پکارتا رہے کہ مجھے مس نہ کرنا، اور تیرے لئے ایک وعدہ ہے کہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا، اور اپنے معبود کی طرف نظر کر کہ جس پر دن بھر تو معتکف رہتا تھا، ہم اسے جلا ڈالیں گے، پھر اس کے ذرات کو دریا میں بہا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کے صانع، سامری کو سزا دی اور اسے جماعت سے الگ کر دیا۔ اس کے جسم میں ایسی کیفیت پیدا ہوگئی کہ وہ ہمہ وقت تکلیف میں رہتا تھا، مگر کسی کے مس کر جانے سے وہ تکلیف شدید ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ لوگوں سے بھی دور رہتا تھا، اور قریب سے گزرنے والوں کو مس نہ کرنے کی درخواست بھی کرتا تھا۔ یہ اتنی بڑی سزا ہے، کہ زندگی میں سرداری کے اس طالب کے لئے کوئی دوسری سزا اتنی رسوا کن نہیں ہو سکتی تھی۔ بت ساز کو یہ بھی بتایا گیا کہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے، ایک مہلت ہے، جس کو ضرور پورا ہونا ہے۔ اس مہلت کو کس طرح استعمال کرنا چاہئے، یہ سامری کو معلوم تھا۔ صانع کو سزا سنانے کے بعد آپ نے اس کی مصنوع کے بارے میں فرمایا: اپنے اس معبود کی طرف بھی دیکھ، یہی ہے نا جس پر تو دن بھر آسن مارے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کو ہم جلائیں گے، یہ خود کو بچا نہیں سکے گا۔ پھر اس کو ریزہ ریزہ کریں گے، یہ اپنی ذات کو سلامت نہیں رکھ سکے گا۔ یہ ہے تمہارا جھوٹا معبود جو نابود ہو جائے گا۔

حاصل: جسے محبین کو انعام دینے کا شرف ہو، اسے فاسقین کو سزا دینے کا شرف بھی ہوتا ہے۔ سزا کو جرم کی نسبت سے ہونا چاہئے۔ مشرک کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ شرک کے آثار کو بھی ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مشرک کو دکھا کر اس کے جھوٹے معبود کو ختم کرنے میں حکمت ہوتی ہے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر شے پر اس کا علم وسیع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارا معبود، جس کی عبدیت میں تمہاری شان ہے، اللہ ہے۔اس کی رضا کے مقابل تمہیں کسی کی رضا مطلوب نہیں ہونی چاہیئے۔اللہ کو لاشریک ماننے کا یہی طریق ہے۔یہ کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دعویٰ ہے۔اس کے ساتھ عملاً یہ شہادت موجود ہونی چاہیئے، کہ رضائے الٰہی کے خلاف کرنے سے کراہت ہو۔اللہ کا علم ہر شے پر وسیع ہے۔اس لئے ہر شے کے استعمال میں اللہ کے حکم کو ماننا لازم ہے، کہ پوچھ اسی کے حوالے سے ہوگی۔

حاصل: اللہ کی بندگی میں ہی بندے کی شان ہے۔ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو مقصود ہونا چاہیئے، یہی راہِ فلاح ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾

اور ہم ایسے ہی آپ پر سابقہ لوگوں کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔اور بیشک ہم نے آپ کو اپنے لدُنّ سے ایک ذِکر عطا فرمایا۔

سابقہ لوگوں کے حوالے سے سبق لینا بڑی دانائی ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کس مقام پر کیا کیا، اور حق کے حوالے سے انہیں کیا کرنا چاہیئے تھا۔شرک کی ابتدا ہمیشہ حق کے مقابل اپنی خواہشات کو وقعت دینے سے ہوتی ہے۔مشرک یکسو نہیں ہوتا۔سابقہ لوگوں کے احوال کے ساتھ قرآنِ پاک میں علمِ الٰہی سے دیا ہوا ذِکر بھی ہے۔اس میں ہدایت کے طالبین کے لئے ایسی روشنی ہے، کہ وہ قول وفعل میں پورے رہتے ہیں۔ان کی بات بھی حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی ہے، ان کا عمل بھی حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔یوں یہ نور بڑھتا رہتا ہے۔استفادہ تو وہی کرسکتا ہے جسے اس کی قدر ہو۔

حاصل: ہمیں سابقہ احوال سے سبق لینا چاہیئے، حال پر اصلاح کو قبول کرنا چاہیئے، اور قول وفعل میں اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ﴿١٠٠﴾

جو اس سے اعراض کرے تو وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا۔

منشاء حیات کو بطریقِ احسن پورا کرنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا جائے۔جو حق سے اعراض کرے وہ ناحق سے بچ نہیں سکتا۔جو خلافِ حق کرے گا، وہ اپنی خواہشات کی پیروی کی سزا بھی پائے گا۔حیاتِ دنیا میں وہ خوف وحزن کے احاطے میں رہے گا۔اس کے اعمال کا بوجھ اس پر رہتا ہے۔عمل کے لئے دی گئی مہلت میں یہ بوجھ خفی ہوتا ہے، قیامت کے دن یہ بوجھ جلی ہوگا۔اس بوجھ کے ہر ہر جز کے بارے میں بندے کو پتہ ہوگا، کہ اس نے کس حق کے خلاف کیا ہے اور کس قدر خلاف کیا ہے۔

حاصل: عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اصلاح کو قبول کرنا ہی باعثِ فلاح ہے۔جو بھی خلافِ حق کیا جائے اس کا بوجھ انسان کو اٹھانا پڑے گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿١٠١﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے۔اور قیامت کے دن وہ ان کے لئے کیا ہی برا بوجھ ہوگا۔

اپنے اعمال کے نتائج سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ مجرم کا جرم لوگوں کو معلوم ہو جائے تو اسے ندامت ہوتی ہے۔ جزا دینے والا تو ہر حال میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس پر ایمان ہو تو خلافِ حق کرنا بُرا لگتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے پر اس کے کئے کا بوجھ ہوتا ہے۔ یہ بوجھ قیامت کے دن بہت بُرا بوجھ ہوگا، کہ عنقریب وہ بوجھ انسان کے لئے باعثِ عذاب بننے والا ہوگا، اور اس کو اتار کر پھینک دینا اور اس سے الگ ہو جانا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: اپنے اعمال کے انجام سے بچنے کی طلب ہو تو راہِ خیر کو اختیار کرنا چاہئے، ورنہ قیامت کے دن انسان کے جلانے کا سامان انسان کے سر پر ہوگا، اور یہ بہت بُرا بوجھ ہوگا۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ جس دن صور پھونکا جائے گا اور اس دن ہم مجرمین کو اکٹھا کریں گے، نیلی آنکھوں والے۔

دارِ عمل کے خاتمے اور دارِ جزا کی ابتدا کے درمیان جو وقت ہوگا، اس میں یہ صور پھونکا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی جزا کا مقام انسان کے سامنے ہوگا۔ جس کو ناممکن کہہ کر جرم کا ارتکاب کیا جاتا تھا، وہ ناقابلِ تردید صورت میں سامنے ہوگا تو مجرم ندامت سے جھک جائے گا۔ مجرمین کو مقامِ عذاب کی طرف ہانکا جائے گا۔ اس دن ان کی نشانیوں میں خوف زدہ ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہوگی، کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ سامانِ عذاب کا بوجھ وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے، اس وقت راستہ بدل لینا ان کے بس میں نہ ہوگا، ان کا ہر قدم انہیں عذاب کے قریب کرے گا۔

حاصل: دارِ عمل اور دارِ جزا کے درمیان جو وقت ہے، اس میں صور پھونکا جائے گا۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے اختیار کو دیکھتے رہنا چاہئے، ورنہ آنکھیں نیلی اور منہ کالے اور سامانِ عذاب کا بوجھ، یہ مجرمین کی نشانیاں ہیں، جن سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے، تم نہیں رہے مگر دس دن۔

جزا کا انکار کرنے والے جب جزا کو سامنے پائیں گے، تو انہیں حیاتِ دنیا کی صورت میں دی گئی مہلت بہت قلیل نظر آئے گی۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو بے ہودگی کے ساتھ ضائع کر دینے والے انجام کے وقت یہی کہتے ہیں، کہ وقت ہی بہت تھوڑا تھا۔

حاصل: عمل کے لئے دیا گیا وقت حال پر طویل نظر آتا ہے، آخرت میں یہ قلیل نظر آئے گا۔ نہ یہ طویل ہے نہ قلیل ہے۔ علیمِ مطلق نے اپنے علم سے مہلت دی ہے، اس لئے ہر ہر فرد کے لئے پوری ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ ع ۵ ۱۵ ۱۴ ہمیں خوب علم ہے جو وہ کہتے ہیں، جب ان میں مثالی طریقے والا کہے گا تم تو ایک ہی دن رہے ہو۔

اللہ سے تو کچھ مخفی نہیں ہوتا، اس لئے مجرموں کی خفی باتیں بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوسکتیں۔ جولوگ حیاتِ دنیا کو دس دن بتائیں گے، ان میں سے مثالی طریقے والا وہی ہوگا جس کی مثال کو حیاتِ دنیا میں قابلِ قدر سمجھا گیا اور جس کی پیروی میں مجرموں نے خوشی محسوس کی، وہ حیاتِ دنیا کی صورت میں دی گئی مہلت کو ایک دن بتائے گا۔ حق سے غفلت ہو تو عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو شمار کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ جب وقت کو اپنے نفس کی خوشی میں ہی ضائع کر دیا جائے، تو پھر احساس یہی ہوتا ہے، کہ وقت تھا ہی کم۔ جو جس قدر انجام سے غافل ہوگا، اسی قدر اس کو عمل کے لئے دیا گیا وقت کم نظر آئے گا۔

حاصل: مہلت دینے والا سب سے بڑے علم والا ہے۔ اتمامِ حجت میں کمی کرنا اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں۔ انجام سے غفلت ہو تو عمل کے لئے دیا گیا وقت قلیل ہی نظر آتا ہے۔ دیکھنا چاہئے کیا ہمارا وقت حق کے مطابق گزر رہا ہے یا اس کے خلاف۔ اصلاح کو قبول کرنے کا وقت محدود ہی ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (٢٠) میں ارشاد فرمایا ہے: وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ اور بے شک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾

اور آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، تو آپ فرما دیجئے میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔

منکرینِ حق نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ سوال پیش کیا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا انجام کیا ہوگا، تو آپ نے اللہ کے فرمان کے مطابق یہ جواب دیا کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ پہاڑ کو استقامت کے حوالے سے بڑا معیار سمجھنے والے، اس طرف بھی دیکھ لیں کہ اس کا خالق کون ہے۔ جس قادرِ مطلق نے اسے پیدا کیا ہے، اس نے اس کے ذرات کو اکٹھا کیا ہے، اسی نے اس کے محلِ وقوع کا فیصلہ کیا ہے، اسی نے اپنے علم سے زمین کے خزانوں کو سنبھالا ہے۔ جس کی قدرت سے پہاڑ بنے ہیں، اسی کی قدرت سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ زینتِ زمین، حیاتِ دنیا کے لئے رکھی گئی ہے، جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی، اسے ہٹا دیا جائے گا۔

حاصل: جس کی قدرت سے پہاڑ بنے ہیں، اسی کی قدرت سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو رخ جہالت کی طرف نہیں ہوسکتا۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾

تو زمین کو صاف، ہموار میدان کر چھوڑے گا۔

قیامت کے دن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیا جائے گا، اور زمین بالکل ہموار، میدان ہو جائے گی۔ یہ حیاتِ دنیا کی انتہا ہوگی اور آخرت کی ابتدا ہوگی۔ زینتِ زمین کے ساتھ دل لگانے والے اور جزا کا انکار کرنے والے غور کریں کہ انہیں اپنے خالق کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جو انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

حاصل: جس زینت کا اہتمام بھی کیا جائے، اس کا مقصود حق کی احسن ادائیگی کے لئے حسنِ اہتمام ہو تو یہ عطاء الٰہی کا شکر یہ ادا کرنے کی صورت ہوگی۔

لَّا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٧﴾ اور تم اس پر نہ کجی دیکھو گے نہ بلندی۔

حیاتِ دنیا میں اللہ نے زمین میں کہیں کجی رکھی ہے، کہیں بلندی رکھی ہے۔ اونچ نیچ سے ہر بندے کا گزر ہوتا ہے۔ کبھی شکر اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے، کبھی صبر اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے۔ ناشکری اور بے صبری تعلق مع اللہ کی نفی کی اسناد ہیں۔

حاصل: اللہ نے اونچ نیچ بڑے علم سے رکھی ہے۔ زمین میں اونچ نیچ کے خاتمے کی حقیقت یہ ہوگی، کہ عمل کے لئے دی گئی توفیق ختم ہو چکی ہوگی۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

اس دن پکارنے والے کے پیچھے دوڑیں گے، اس میں کجی نہ ہوگی، اور سب آوازیں الرحمٰن کے حضور پست ہو جائیں گی، پھر تم بہت آہستہ آواز ہی سنو گے۔

جس دن حضرت اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے، تو لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور اللہ کے مقرر کردہ پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی اس پکارنے والے کے پیچھے نہ دوڑے۔ حیاتِ دنیا کے ساتھ جو توفیق دی گئی تھی، وہ تو ختم ہو چکی ہوگی، اس لئے حیاتِ آخرت میں اللہ کی طرف بلانے والے کے پیچھے دوڑ نا مشکل نہیں ہوگا۔ اس دن سب آوازیں الرحمٰن کے سامنے پست ہوں گی۔ لوگوں کے چلنے کی آواز ہی ہوگی۔ جو دل سے حق کا اتباع کرتے ہیں، وہ حق کے سامنے اپنی رائے کے اظہار کو بے ادبی جانتے ہیں۔ ان کا کہنا یہی ہوتا ہے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ یہ پاک دل لوگ حیاتِ دنیا میں بھی خوف وحزن سے بچے رہتے ہیں، حیاتِ آخرت میں بھی یہی فلاح پانے والے ہوں گے۔

حاصل: حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی آواز کو اہمیت دینی چاہیئے۔ جو اللہ کی طرف رجوع لا رہا ہو اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ حق کو ادب سے سننا اور اس کی اطاعت کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ حیاتِ آخرت میں جو رویہ ہوگا اسے طبعی رویہ ماننا چاہیئے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

اس دن شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس کے جسے الرحمٰن اذن دے اور جس کے قول سے وہ راضی ہو۔

جزا کے دن جن حضرات کی شفاعت نفع دے گی، ان کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ صاحبان الرحمٰن کے اذن سے بات کرنے کا حق رکھتے ہوں گے اور الرحمٰن ان کی بات سے راضی ہوگا۔ جن کو الرحمٰن کا اذن حاصل نہ ہوگا اور جن کی بات سے وہ راضی نہ ہوگا، انہیں شفاعت کرنے کا حق ہی نہیں ہوگا۔ الرحمٰن کی طرف سے اذن ان کو ملے گا، جو خلوت میں پاک رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور جن کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں مانتے۔ ان لوگوں کی بات کبھی خواہشِ نفس کے حوالے سے نہیں ہوتی، ہمیشہ حق کے حوالے سے ہوتی ہے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مطابقت رکھتی ہے۔ ایسے قول سے اللہ راضی ہوتا ہے۔

حاصل: جن حضرات کی شفاعت اللہ کے ہاں نفع دے گی، ان کی تلاش بڑے علم سے کرنی چاہیئے۔ میل اللہ کے فضل سے ہو جاتا ہے، میل ہو جائے تو ان کی بات کو ادب سے ماننا چاہیئے اور کبھی ان کو اپنی بات نہیں منوانی چاہیئے۔

یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا ﴿۱۱۰﴾ اسے علم ہے جوان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور ان کا علم اسے احاطہ نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ مستقبل کا علم بھی رکھتا ہے، ماضی کا علم بھی رکھتا ہے۔ اس سے کسی کا حال مخفی نہیں ہے۔ خالقِ کُل کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ کوئی دوسرا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اسکا علم ہر شے پر محیط ہے۔ خالقِ کُل کے علم کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ اس صورت میں شفاعت کا مقام یہ ہے کہ شاہدین اپنے تابعین کے بارے میں اذنِ الٰہی سے گواہی دیں گے۔ اور قیامت کے دن اشہاد تو کھڑے ہوں گے۔ (۵۱:۴۰) ظالمین بھی معذرت کریں گے مگر یہ معذرت نفع نہ دے گی۔

حاصل: جس کا علم ہر شے پر محیط ہے، اس کے ہر حکم کو ادب سے ماننے میں فلاح ہے۔ اللہ کو کسی شے کی احتیاج نہیں ہے، اس لئے اس کے کسی حکم میں اس کی کسی غرض کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَیِّ الۡقَیُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ﴿۱۱۱﴾ اور سب منہ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡم کے سامنے جھک جائیں گے۔ اور بے شک نامراد رہا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔

قیامت کے دن سب منہ اس ذاتِ اقدس کے حضور جھک جائیں گے جس کی طرف سے انہیں دنیا میں توفیق کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ معبودِ لاشریک کے دو اسماء حسنیٰ کا ذکر یہاں موجود ہے۔ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡم وہ ہے جو سب کو زندگی عطا فرماتا ہے اور کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اَلۡقَیُّوۡم وہ ہے جو تمام اسباب کا مالک ہے اور خود کسی سبب کا محتاج نہیں ہے۔ جزا دینے والی ذاتِ اقدس اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡم ہے۔ زندگی عطا کرنے والے کے حضور، اسباب دنیا عطا کرنے والے کے حضور حاضری ہوگی تو اس کا ڈر بہت ہوگا۔ پاک لوگوں کے منہ اس احساس سے جھکے ہوئے ہوں گے، کہ شاہدین کی معیت میں رہنے کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہوا۔ ظالموں کے منہ اس بوجھ کی وجہ سے جھکے ہوئے ہوں گے، جو انہوں نے اٹھایا ہوا ہوگا۔ خلافِ حق کرنے والے کے اعمال کا بوجھ اس کے سر پر ہوتا ہے، یہ نامرادی کی نشانی ہوگی آخرت میں۔

حاصل: حال پر اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡم کے سامنے جھکنا شانِ عبدیت ہے۔ خلافِ حق کرنے والا ظالم ہوتا ہے، اس کے ظلم کا بوجھ اس کے سر پر ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں یہ بوجھ خفی ہوتا ہے، آخرت میں یہ جلی ہوگا۔ ظلم نامراد کی صفت ہے۔

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا ﴿۱۱۲﴾ اور جو صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اسے نہ ظلم کا خوف ہوگا، نہ نقصان کا۔

بامراد لوگوں کی صفات مذکور ہیں۔ ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں، اور وہ اس طریقے سے اللہ کو مانتے ہیں جس کی اس نے سند نازل فرمائی ہے۔ صالح عمل وہ ہے جو مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے ہو اور جزا کے یقین کے ساتھ ہو۔ مومن جس حوالے سے اللہ کو مانتا ہے، اس کو اپنا شاہد جانتا ہے۔ اپنا حق ادا کرتا ہے اور نتائج کو باذن اللہ مان کر فارغ ہو جاتا ہے۔ وہ نہ کسی بوجھ سے ڈرتا ہے، نہ کسی نقصان سے ڈرتا ہے۔

حاصل: صالح اعمال کی قبولیت ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔ جو شاہدین کے ساتھ ہے، وہ بوجھ اور نقصان کے اندیشوں سے بچا ہوا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

اور اسی طرح ہم نے یہ قرآنِ عربی نازل فرمایا، اور اس میں طرح طرح کے وعید سے تصرف فرمایا، تاکہ وہ ڈریں یا اس بات سے انہیں نصیحت ہو۔

عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام قرآنِ مجید ہے، جس کی شہادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور شاہدین جس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ چھ ہزار دو صد اڑتیں آیات، ایک صد چودہ سورتوں اور سات منازل پر مشتمل کلام ہے۔ یہ کتاب مقدس آپ پر نازل فرمائی گئی۔ اس کا نازل فرمانے والا مالکِ کُل ہے۔ تراجم بندوں نے کیے ہیں، اس لئے ترجمے کو قرآنِ پاک کا ترجمہ ہی کہنا حق ہے۔ اس میں مقصدِ حیات کو بیان فرمایا گیا ہے، راہِ حق کو روشن فرمایا گیا ہے، ماننے والوں کو انجام کی بشارت دی گئی ہے، نہ ماننے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ سابقہ اقوام کے انجام سے سبق لیا جائے اور جس راہ پر چل کر وہ لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوئے ہیں اس راہ کو چھوڑ دیا جائے، تو یہ عقل مندی ہوگی۔ حقائق ناقابلِ تردید ہوتے ہیں۔ جس مالکِ کُل کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی مالکِ کُل کی طرف جانا بھی ہوگا۔ جس کی بات ہے، ہی ہماری بھلائی کے لئے، اس سے بہتر ہمارے لئے کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی۔

حاصل: قرآنِ پاک عربی زبان میں سورتوں کے اس مجموعے اور اس ترتیب کا نام ہے، جس کی شہادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور شاہدین اس کی شہادت دیتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ٦٢٣٨ آیات، ١١٤ سورتوں، ٧ منازل پر مشتمل ہے۔ ہر بات جس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، اس میں حکمت موجود ہے۔ قرآنِ پاک سے نصیحت لینا عقل مندی کی سند ہے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

تو سب سے اعلیٰ ہے وہ مالکِ حقیقی، اور قرآن میں تعجیل نہ کرو جب تک اس کا حکم تم پر پورا نہ ہو جائے، اور کہیے اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔

خالقِ کُل سب سے اعلیٰ ہے سب سے بالا ہے، مالکِ حقیقی ہے، قادرِ مطلق ہے۔ اس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔ اس کا ہر حکم پورا ہے۔ پورے حکم کے کسی جز کو جو سامنے ہو لینے کی سعی کی جائے تو یہ تعجیل ہوگی، اور اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے: کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔ علم بڑھے تو تعجیل ختم ہو جاتی ہے، اور علم بڑھانے والا اللہ ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: سب سے اعلیٰ اور سب سے بالا کی بندگی بندے کی شان ہے۔ حکم کو پورا سن کر آگے بڑھنا چاہیئے۔ علم بڑھے تو تعجیل ختم ہو جاتی ہے۔ دعا یہ کرتے رہنا چاہیئے: اے رب میرے علم کو زیادہ کردے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع ٦ ١١ ١٥

اور بے شک اس سے قبل ہم نے آدم (علیہ السلام) کو ایک عہد دیا تھا، تو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اس شجر کے قریب نہ جانا، ورنہ شمار ظالموں میں ہو جائے گا۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا، کیا میں آپ کو دائمی زندگی کا سبب بننے والا درخت بتا دوں۔ آپ نے شیطان کی بات کو سنا، شیطان نے اسی شجر کا پھل کھانے کی ترغیب دی جس کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اپنی حفاظت کرنے کے عمل میں بھول ہوگئی۔ حکم خداوندی اور ترغیب شیطان کے درمیان وقف لازم کو نہ دیکھنا عزم کی کمی کو ثابت کرتا ہے۔

حاصل: امرِ الٰہی کے مقابل کسی امر کو وقعت دینا منع ہے۔ جو اپنی آپ حفاظت نہ کرے، اسے حق کا ماننا نفع نہیں دیتا۔ بھول جانا انسانی صفت ہے، اس کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾

اور جب ہم نے ملائکہ سے فرمایا، آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے جو نہ مانا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کروانا اللہ کو پسند ہوا۔ اس نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی تعظیم بجا لاؤ۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی، سجدۂ تعظیم بجا لائے۔ ابلیس بھی قول کے اعتبار سے ان کے ساتھ تھا، کہ اللہ کی تسبیح کرتا تھا، عمل کے مقام پر یہ فرشتوں کے ساتھ نہ رہا، اس نے امرِ الٰہی کو نہ مانا، تعظیم نہ بجا لایا۔

حاصل: قول کی حد تک پاکی مشکل نہیں ہوتی۔ عمل کی ابتداء، بڑے علم والے کی تعظیم سے ہوتی ہے۔ استکبار کرنے والا بڑے علم والے کی تعظیم نہ کر کے، علم اور لاعلمی کو برابر قرار دینے کی کوشش کرتا ہے، یہ پہلا شیطانی کام ہے۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

تو ہم نے فرمایا، اے آدم (علیہ السلام) یہ آپ کا اور آپ کی زوجہ کا دشمن ہے، کہیں جنت سے آپ کو نکلوا نہ دے پھر آپ مشقت میں پڑیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ کر کے، شیطان نے خلافِ حق کیا۔ اس طرح دونوں رُخ متعین ہو گئے، اور عمل کرنے والوں پر واضح ہو گیا کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کیا ہے اور ناپسندیدہ کیا ہے۔ اب عمل کرنے والا جس کے لئے سعی کرے گا اسی کی جزا پائے گا۔ آدم علیہ السلام کو آگاہ فرما دیا گیا کہ ابلیس ان کا اور ان کی زوجہ کا دشمن ہے، اور دشمن انہیں راحت میں دیکھ کر پریشان ہے۔ یہ دشمن راحت سے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ راحت سے دوری کی حقیقت مشقت ہی ہوگی۔

حاصل: دوست اور دشمن کے درمیان وقف رکھنا لازم ہے۔ دوست کی زبان سے نکلی ہوئی بات باعثِ راحت ہوتی ہے۔ وہی بات دشمن کی زبان سے نکلے تو اس کو باعثِ راحت نہیں جاننا چاہئے۔ دشمن کی ترغیب کو ماننا ہی مشقت کو دعوت دینا ہے۔

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ﴿١١٨﴾ بے شک جنت میں آپ کے لئے نہ بھوک ہے نہ کمی ءِ لباس۔

سامانِ راحت کے بنیادی ارکان چار ہیں: کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔ یہ سب اگر بغیر مشقت کے مل رہے ہوں تو بندہ جنت میں ہے۔ اوران کے حصول کے لئے بہت سا وقت اور بہت ساری قوت خرچ ہو جائے اور یہ معمول بن جائے تو یہ مشقت ہے۔ مشقت ہوگی تو اسی نسبت سے اظہارِ عبدیت میں کمی بھی ہوگی۔

حاصل: بنیادی سہولتوں کا اہتمام کر کے ناداروں کو سکھ دینا، صاحبانِ ثروت کو ضروری نظر آئے تو یہ دنیا جنت نظیر ہو سکتی ہے۔

وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ﴿١١٩﴾ اور یہ کہ نہ آپ کو اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔

جنت میں میسر آسائشوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، کہ اس میں آپ کو پیاس نہیں ستاتی، اس میں آپ کی سہولت کے لئے سائے کا موزوں اہتمام ہے، دھوپ آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں ہے۔ آگاہی یہ فرمائی گئی ہے کہ مشقت میں مبتلا ہونے کی صورت میں بھوک کے دور کرنے کے لئے بھی زور لگانا پڑے گا، لباس کے حصول کے لئے بھی وقت اور قوت کا استعمال ہوگا، پیاس بھی ایک موزوں بندوبست کا تقاضا کرے گی، سایہ بھی اپنی اہمیت ثابت کرے گا اور اس کا حصول بھی ہوتے ہوتے ہی ہوگا۔

حاصل: پیاسوں کے لئے پانی کا اہتمام اور ستانے والوں کے لئے سائے کا انتظام، اللہ کی مخلوق کو سکھ دینے کی نیّت سے ہو تو یہ قربِ الٰہی کی سند ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾

تو شیطان نے آپ کو وسوسہ دیا، کہنے لگا اے آدم (علیہ السلام)، کیا میں بتاؤں آپ کو شجرِ دوام اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی اس طلب کو کہ آپ مقامِ دوام اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہی کو پسند کرتے ہیں، نوٹ کر لیا تھا۔ اس لئے اس نے آپ کی طلب کے حوالے سے آپ کے سامنے یہ سوال رکھا، کہ آپ اس شجر کو جاننا چاہیں گے جو آپ کے لئے باعثِ تقویت ہو، اور آپ کو دوام عطا کرے، اور آپ کی زندگی سدا بہار ہو جائے۔ یہ بڑی نیک طلب تھی، مگر طلب کے ساتھ مشقت ہمیشہ جڑی رہتی ہے، اور وسوسہ دینے کے لئے شیطان بندے کی طلب کے حوالے سے اس کے قریب آتا ہے۔

حاصل: شیطان وسوسہ دینے کے لئے بندے کی طلب کے حوالے سے اس کے قریب آتا ہے۔ دیکھنا چاہئے، بھلائی چاہنے والے دوست کے لبادے میں کوئی دشمن تو ہمیں ترغیب نہیں دے رہا۔ یہ پہلے دیکھنا چاہئے، کون کہہ رہا ہے، یہ بعد میں دیکھنا چاہئے کیا کہہ رہا ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

توان دونوں نے اس میں سے کھالیا، اب ان پر ان کے ستر کھل گئے، اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے، اور آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کے فرمان کے مطابق نہ کیا تو بھٹکے۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دائمی زندگی اور دائمی سلطنت کا طالب پایا، تو اس کے لئے اپنی تجویز ان کے سامنے رکھی کہ شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے ہی یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اظہارِ عبدیت میں حضرت آدم علیہ السلام کو جو راحت حاصل تھی، آپ اس میں دوام کے طالب تھے۔ یہی طلب ان کے مشقت میں پڑنے کا باعث بنی۔ آپ نے شیطان کی ترغیب کے مطابق، اس شجر کے قریب جانے اور اس کا پھل کھانے کا ارادہ کرلیا۔ زوجہ بھی ساتھ تھیں۔ جب دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا، تو حُلّۂ جنت کی ناشکری ہوگئی، اور یہ نعمت چھن گئی۔ اب بے ستر ہونے کا احساس ہو گیا، تو وہ جنت کے پتوں سے خود کو ڈھانپنے لگے۔ آدم علیہ السلام کو جس شجر کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا تھا، اُس کی طرف بڑھنا ہی معصیت تھی۔ معصیت ہو تو بھٹکنے کا مقام آتا ہے۔

حاصل: طلب راحت میں اپنی حفاظت کے حق کو کبھی نظرانداز نہ کرنا چاہئے۔ جس نعمت کی ناشکری ہوگی وہ برقرار نہیں رہے گی۔ معصیت پہلے ہوتی ہے بھٹکنے کا مقام بعد میں آتا ہے۔ اپنے رُخ کو درست رکھنے کی ذمہ داری کا احساس بہرحال رہنا چاہئے۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پھر آپ کے رب نے آپ کو نواز دیا، آپ پر توجہ فرمائی اور آپ کو راہ دی۔

خطا کے ارتکاب کے بعد فوراً حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ علیہا السلام کو معلوم ہو گیا کہ شیطان نے دوستی کے روپ میں ان سے بڑی دشمنی کی ہے اور انہیں مقامِ طاعت سے مقامِ معصیت پر گرادیا ہے۔ دونوں نے گریئے کے ساتھ اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ دونوں نے یہ عزم کیا کہ آئندہ امرِ الٰہی کی اطاعت میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی، کبھی اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرنی۔ پھر آپ کے رب نے آپ کو نواز دیا، آپ کی توبہ قبول فرمائی اور قُربِ الٰہی کے حصول میں آپ کو آسانی عطا فرمائی۔

حاصل: خطا کے بعد، اس کے اعتراف میں یہ کہنا لازم ہے کہ مجھ سے خلافِ حق ہوا ہے، اور میں معصیت سے توبہ کرتا ہوں، اللہ کی توجہ کا طالب ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ مجھے قربِ الٰہی کا راستہ دکھایا جائے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

حکم ہوا یہاں سے اترو، اکٹھے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ تو جب تمہیں میری طرف سے ہدایت آئے، پھر جو اس ہدایت کا اتباع کرے، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ شیطان ان کا اور ان کی زوجہ کا دشمن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کے کہنے پر دائمی راحت کی طلب میں شجرِ ممنوعہ کا پھل کھالیا، تو مشقت میں پڑ گئے۔ پھر آپ نے توبہ کی اللہ نے آپ کو اپنی توجہ سے نوازا اور آپ کی بدولت آپ کے بعد قیامت تک بھولنے والے اسی درِ توبہ سے گزرتے رہیں گے۔ اس کے بعد زمین پر آنے کا حکم ہوا۔ شیطان فرمانِ خداوندی کے منکر کی حیثیت سے یہاں آیا ہے، انسان پاک رہنے کے عزم کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ شیطان کبھی انسان دشمنی میں غفلت نہیں کرتا، انسان کو بھی اس دشمن کے پہچاننے میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے یہ فرمایا گیا کہ تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت آئے گی۔ وہ ہدایت یقیناً حال کے حوالے سے بے مثل ہوگی، اور اپنے ساتھ فلاح کی سند رکھتی ہوگی۔ اس ہدایت کی پیروی کرنے والے کو خوف وحُزن سے نجات مل جائے گی۔ وہ نہ بہکے گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔ حکم اللہ کا ہوگا، نمونہ اس کا رسول ہوگا، اس طرح تمام مقامات بڑی سلامتی کے ساتھ طے ہو جائیں گے۔

حاصل: شیطان کو دشمنِ انسان کی حیثیت سے پہچاننا، تہذیب وتمدن کا اہم رکن ہے۔ سلامتی اس میں ہے کہ اللہ کے فرمان کو بڑے ادب سے مانا جائے اور اس کے عبادِ مخلصین کے حوالے سے مانا جائے۔ گمراہی اور مشقت سے نجات کی یہی سند اللہ نے نازل فرمائی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾	اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو بے شک اس کے لئے معیشت تنگ ہے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔

اللہ کے فرمان میں بندے کے لئے بھلائی رکھی گئی ہے۔ جو اس بھلائی سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ گمراہی اور مشقت کے دائروں میں پھنس جاتا ہے۔ خوف وحُزن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ ہمیشہ اسے ناکافی نظر آتا ہے۔ وہ زینتِ حیاتِ دنیا کی کثرت میں اطمینان تلاش کرتا ہے۔ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اسباب کے بڑھنے سے بے اطمینانی بڑھ رہی ہے، مگر وسعتِ مال کی طلب ہے کہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔ جو چیز بے اطمینانی کا باعث بن رہی ہے اسے باعثِ اطمینان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ اندھا پن ہے۔ جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی خسارے کو ہی دیکھ سکے گا۔

حاصل: تعلق مع اللہ سے جو سکھ ملتا ہے، وہ کبھی وسعتِ مال سے نہیں مل سکتا۔ وسعتِ مال میں اضافہ، انفاق فی سبیل اللہ کو کم کر دے تو یہ معیشت کی تنگی ہے۔ جو حق کے علاوہ کہیں سے روشنی لینے کی راہ لیتا ہے، وہ یہاں بھی اندھا ہے وہاں بھی اندھا ہوگا۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾	عرض کرے گا اے میرے ربّ مجھے تو نے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو دیکھا کرتا تھا۔

جو لوگ زینتِ حیاتِ دنیا کو جمع کرنا مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔

حیاتِ دنیا میں معنوی اعتبار سے یہ اندھا پن ہے۔ آخرت میں زینتِ زمین تو ہوگی نہیں، اس لئے جن چیزوں سے ان کی آنکھیں مانوس ہوں گی وہ انہیں نہ دیکھ کر اپنے اندھے پن کو محسوس کریں گے، اور یہ عرض کریں گے: اے رب دنیا میں تو دیکھا کرتے تھے، اب کیوں اندھے اٹھائے گئے ہیں۔

حاصل: جو آنکھ مقصدِ حیات کو نہیں دیکھتی وہ حال پر معنوں کے اعتبار سے اندھی ہے، آخرت میں صورت کے اعتبار سے اندھی ہوگی۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

فرمائے گا، ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں، تو تُو نے انہیں نظر انداز کر دیا، اسی طرح آج تو نظر انداز کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، حیاتِ دنیا میں ہدایت پہنچانے کے وعدے کے مطابق ہماری آیات تیرے پاس ضرور آئی تھیں، تو نے سنی ان سنی کر دی۔ اپنی پسند کو ہماری آیات کے مقابلے میں بڑی اہمیت دی۔ اس طرف دیکھا نہیں جس طرح دیکھنا چاہئے تھا۔ آج تو تیرے عمل کی جزا تیرے سامنے آئے گی۔ جزا دینے والے کی رضا کے لئے تو کچھ کرتا ہی نہ تھا، اب تجھے رضائے الٰہی کے حصول کو مقصدِ حیات بنانے والوں کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حاصل: اپنے قول و فعل کو دیکھنا چاہئے۔ اس میں رضائے الٰہی مقصود ہو تو ہماری آنکھیں کھلی ہیں۔ ہمارے اعمال میں رضائے الٰہی مفقود ہو تو یقیناً اللہ کی آیات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس بے ہودگی کی جزا انسان کو پریشان کر دے گی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اور ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں جو اسراف کرے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے۔ اور ضرور عذاب آخرت بڑا شدید اور باقی رہنے والا ہے۔

حق داروں کا حق ادا کرنے کی استطاعت موجود ہو تو نفس اسے بھی اپنی خواہش پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایسا ہو تو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہوتا ہے، یہی اسراف ہے۔ اسراف کرنے والا حق کو سنتا تو ہے مگر نظر انداز کر دیتا ہے، اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا۔ اسے یقین نہیں آتا کہ اسے اس کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔ جس نے اپنی قدرت سے اسے پہلے بنایا ہے، اسے دوبارہ بنانے میں کیا مشکل ہو سکتی ہے۔ آخرت کا عذاب بڑا شدید ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ عمل کرنے والے نے جس شدت کے ساتھ حق کا انکار کیا ہوگا، اسی شدت کے ساتھ وہ عذاب میں پکڑا جائے گا۔ جب عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو حق کے انکار میں ہی برباد کر دیا جائے تو عذاب بھی اسی نسبت سے ہوگا، اور باقی رہنے والا ہوگا۔

حاصل: اسراف، اللہ کو ناپسند ہے۔ اپنے رب کی آیات پر ایمان ہو تو اسراف نہیں ہو سکتا۔ آخرت کا عذاب بڑا شدید اور باقی رہنے والا ہوگا۔ اس سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ حال پر اصلاح کو قبول کیا جائے۔

اَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۝۱۲۸

ع ۱۳/۱۶

تو کیا انہیں اس سے ہدایت نہ ملی کہ ہم نے اس سے قبل کئی قرون کو ہلاک کردیا کہ یہ ان کے مساکن میں چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔

جوظلم کی راہ اختیار کرتا ہے، اسے فوراً ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔ اتمام حجت کے بعد اسے پکڑ لیا جاتا ہے پھر اس کی کوئی تدبیر اس کے کام نہیں آیا کرتی۔ ماضی میں کئی قوموں کو اسی طرح ہلاک کیا گیا ہے۔ ان کے آثار سے سبق نہ لینا بڑی بے سمجھی ہے۔ جہاں ہم حال پر ہیں، یہاں ماضی میں بھی کچھ لوگ گزرے ہیں۔ ان کے پاس وسائل کیا تھے، ان کے پاس قوت کس قدر تھی، ان کی اجتماعی زندگی کس طرح کی تھی، کہاں تک وہ لوگ راہِ راست پر رہے، کہاں انہوں نے غلط رخ کو اختیار کیا، وہ کیسے عذابِ الٰہی میں پکڑے گئے اور ایسے ہوگئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں، عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ان امور پر غور کیا جائے، اصلاح حال سے غفلت نہ ہو، اور اس راستے کو اختیار کیا جائے جس کے ساتھ فلاح کا یقین ہو، اللہ کی نازل فرمائی ہوئی سند موجود ہو۔

حاصل: اگر ہمیں یہ دعویٰ ہے کہ ہم عقل والے ہیں، تو پھر ماضی سے سبق لینا ہی اس کا ثبوت ہے۔ سابقہ قوموں کی ہلاکت میں بہت سی نشانیاں، سبق سیکھنے والوں کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا حال کس ماضی سے ملتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص (۳۸) میں ارشاد فرمایا ہے: لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۸۵ ضرور تجھ سے اور جوان میں تیری پیروی کرے، جہنم کو ان سب سے بھرنا ہے۔ (یہ شیطان سے فرمایا گیا ہے۔)

وَ لَوۡ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى ؕ ۝۱۲۹

اور اگر تمہارے رب کا کلمہ سابقہ نہ ہوتا اور اجل مسمّٰی نہ ہوتی تو ضرور انہیں لپٹتا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ برائی کے مرتکب ہیں تو انہیں عذاب الٰہی مٹا کیوں نہیں دیتا۔ ان پر واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے۔ خطا کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔ جو تائب ہو، ایمان لائے اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دے اس کو بخش دیا جاتا ہے۔ انسان کو اجل مسمّٰی تک مہلت دی گئی ہے۔ اس مہلت میں اصلاح کو اختیار کرنا ممکن ہے۔ اس لئے اتمامِ حجت سے پہلے سزا دینا اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اگر خطا کے ارتکاب کے بعد اصلاح کو اختیار کرنے کی مہلت نہ ہوتی، تو یہ منکر عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آچکے ہوتے۔ پھر یہ اللہ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے تھے۔

حاصل: خطا کے بعد تائب ہونے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے۔ لوگوں سے معاملات کرتے وقت انہیں اسی طرح رعایت دینی چاہئے، جس طرح اپنے لئے رعایت مطلوب ہوتی ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

تو ان کی باتوں پر صبر کرو اور حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرتے رہو طلوعِ شمس سے قبل اور غروب سے قبل، اور رات کی گھڑیوں میں اور دن کے اطراف پر اس کی تسبیح کرو، تاکہ تمہیں رضا حاصل ہو۔

منکرینِ حق کی بے ہودہ باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ کی معیت میں ساکن ہو جانا صبر ہے۔ صبر اور نماز سے اللہ کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے۔ نمازوں کے اوقات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ تاکید ہے صلوٰۃ وسطیٰ کی، یہ نمازِ فجر ہے جو طلوعِ شمس سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ غروب سے قبل نمازِ عصر ہوتی ہے۔ رات کی گھڑیوں میں نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء ہیں، تہجد بھی ہے۔ دن کے اطراف میں نمازِ ظہر ہے، کہ یہ دن کے نصفِ اول اور نصفِ آخر کا مقامِ اتصال ہے۔ تہجد اور اشراق کی نمازیں نفلی ہوتی ہیں۔ ان اوقات پر نمازوں کا ادا کرنا فرض کیا گیا ہے۔ ہر نماز سے پہلے اس کی تیاری کی جائے اور وقت پر ادا کرنے کی نیت سے وضو بھی کر لیا جائے تو نماز قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے عبد کو معبود کا قرب حاصل ہوتا ہے، اور وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کو محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

حاصل: بے ہودہ باتوں کے جواب میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نمازوں کے اوقاتِ مقررہ پر نمازوں کی ادائیگی باعثِ راحت ہوتی ہے۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء فرض نمازیں ہیں، تہجد اور اشراق نفلی نمازیں ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرنے والے کو پاک ہونا چاہئے۔ عبد کو معبود کے قرب سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ قطعاً بے بدل ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

اور تم اپنی آنکھیں اس متاع پر نہ پھیلاؤ جو ہم نے رونقِ حیاتِ دنیا کے طور پر طرح طرح کے لوگوں کو دی، کہ انہیں فتنے میں ڈالیں۔ اور تمہارے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متاعِ حیاتِ دنیا پر کبھی اپنی آنکھوں کو نہیں پھیلایا۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم رکھتے تھے۔ اس علم کا نور ہر شے کی حقیقت آپ پر روشن کر دیتا تھا۔ یہ مومن فرد کے لئے ہدایت دی گئی ہے کہ حیاتِ دنیا کی رونق بہت سے لوگوں کو دی گئی ہے، اس کا منشاء یہ دیکھنا ہے کہ کون اس کو جزا کے یقین کے ساتھ استعمال کرتا ہے، اور کون اس کو اپنی خواہشات پر ضائع کرتا جاتا ہے۔ رزق دو طرح کا ہے۔ ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے والا حدود اللہ کے احترام کے ساتھ حاصل کرتا ہے۔ یہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اس رزق کی پاکیزگی اور اس کا رضائے الٰہی کے لئے استعمال بندے کو دائمی انعام کا مستحق بنا دیتا ہے۔ جو رزق اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے حاصل کیا جائے اور نام و نمود پر ضائع کر دیا جائے وہ انسان کو سزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔ رزق کی بہتات کسی کے عنداللہ مقرب ہونے کی سند نہیں ہے، 'غریب' کے معنی ضرور قریب کے ہوتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے احترام کے ساتھ جو رزق حاصل ہو اور اسے رضائے الٰہی کے لئے استعمال کیا جائے وہ بہتر ہے اور قابلِ قدر ہے۔ جو رزق اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی سے حاصل ہو،

اور جو نام و نمود پر ضائع کر دیا جائے وہ کبھی بہتر نہیں ہو سکتا۔ رزق کے دیکھنے کے لئے یہ معیار مقرر فرمایا گیا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

اور اپنے اہل کو نماز کا امر دو اور خود اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے، ہم تم کو رزق دیتے ہیں۔ اور عاقبت تقوے کے لئے ہے۔

یہ حکم ہے کہ اپنے اہل کو نماز کا امر دیا جائے۔ خود اس حکم کو مان کر دکھایا جائے، تو ماننے والوں کی نظر میں حکم دینے والا واجب الاحترام ٹھہرتا ہے۔ ورنہ نماز کا امر سننے والا، امر دینے والے کے قول و فعل میں تضاد کو دیکھتے ہوئے کبھی ماننے کا حق نہیں ادا کر سکتا۔ اللہ مالکِ کُل ہے۔ وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کو عطا کرتا ہے۔ جس معاشرے میں لینے والے نہ ہوں وہاں دینے والے اپنی پاک دامنی کا ثبوت کیسے پیش کریں گے۔ لینے والوں کی موجودگی کو باعثِ رحمت جاننا ضروری ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، انہی کا انجام بھلا ہوتا ہے۔ جو اللہ سے نہیں ڈرتے ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ حال پر وہ خوف و حُزن سے نہیں چھوٹتے آخرت میں عذابِ الٰہی ان کا احاطہ کرے گا۔

حاصل: اپنے اہل کو نماز کا امر دینا چاہئے، خود نماز قائم کر کے دکھانی ضروری ہے۔ اللہ کے عطا کردہ رزق کو حق داروں پر خرچ کر کے اللہ کی عطا کردہ توفیق کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ پاکیزگی میں فلاح دارَین ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾

اور کہتے ہیں، اپنے رب کے پاس سے نشانی کیوں نہیں لاتے۔ تو، کیا انہیں نشانی نہیں پہنچی جو صحفِ اولیٰ میں ہے۔

منکرینِ حق انبیاء کرام سے معجزات طلب کرتے رہے ہیں۔ ان معجزات کو دیکھ لینے کے بعد ان انبیاء کرام سے یہ کہتے رہے ہیں کہ آپ اگر مرسلین سے ہیں تو وہ عذاب لا کر کیوں نہیں دکھاتے جس کا آپ ذکر کرتے رہتے ہیں۔ انبیاء کرام اللہ کے فرمان کے مطابق بشارت کا حق بھی ادا کرتے رہے ہیں، انذار کا حق بھی ادا کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ انبیاء سابقین کو ماننے کے دعویدار ہیں، انہیں خاتم النبیین کے پہچاننے میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ ان کی کتابوں میں جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں، ان کی مدد سے یہ آپ کو ایسے پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ قرآنِ پاک کا بے مثل ہونا بھی نشانی ہے اور انبیاء سابقین کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتوں کا ذکر بھی نشانی ہے۔ اور یہ یقیناً اہلِ کتاب کو پہنچ چکی ہے اور اس حوالے سے پہنچ چکی ہے، جس کو وہ ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کو تسلیم کرنے کے لئے سند ہمیشہ سامنے رکھی جاتی ہے۔ لوگوں کو من مانی کرنے میں اتنی خوشی ہوتی ہے کہ حق کی نشانی کو مانتے ہی نہیں۔

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

اور اگر ہم انہیں اس سے قبل ہی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے اے رب ہمارے تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کا اتباع کرتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے۔

منکرینِ حق چاہے وہ اہلِ کتاب سے ہوں یا امیین سے ہوں، ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی ہلاک کر دیا جاتا، تو یہ ضرور کہتے کہ ہماری طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہوتا تو ضرور ہم اللہ کے فرمان کو ماننے میں اس رسول کی پیروی کرتے، اور ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔ مگر اس وقت یہ بے پرواہی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور مانتے ہی نہیں۔

حاصل: ہدایت کے طالب کے لئے حال پر سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ منکر اس طرف توجہ نہیں کرتا اس لئے اسے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حق کے انکار سے خلوت میں نامراد ہونے کا احساس، ذلت ہے اور جلوت میں نامراد ہونے کا احساس، رسوائی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع ٨ / ١٧

فرما دیجئے، ہر ایک راہ دیکھتا ہے، تو تم بھی دیکھو، پھر تمہیں جلد ہی علم ہو جائے گا، کون ہیں سیدھی راہ والے اور کون ہیں ہدایت والے۔

شریعت شعور پر لاگو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو جس رخ پر استعمال کیا جائے گا، اسی کی جزا دی جائے گی۔ بندے کے اعمال کے نتائج حیاتِ دنیا میں بھی اس کے سامنے آتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والے خوف وحُزن کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والے اطمینانِ قلب پاتے ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی توفیق محدود ہے، اسی محدود توفیق میں اصلاح کو قبول کر کے اپنے صالح ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس وقت کے ختم ہونے کے بعد یقیناً معلوم ہو جائے گا کون سیدھی راہ پر ہیں، ہدایت والے ہیں، کون خلافِ حق کرنے کی بدولت خسارے میں پڑ گئے ہیں۔ یہ علم اس وقت نافع نہیں ہوگا، اس لئے یہ علم بذاتہٖ عذاب کا حصہ بن جائے گا۔

حاصل: دیکھنا چاہئے، ہم اللہ کی عطا کردہ توفیق کو کیسے استعمال کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے حُسنِ عمل پر شاہدین کی شہادت موجود ہے تو ہم سیدھی راہ پر ہیں، ہدایت والے ہیں، ورنہ من مانی میں سب کچھ ضائع کر رہے ہیں۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (٢٠) میں ارشاد فرمایا ہے: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ کھاؤ طیبات سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور اس میں زیادتی نہ کرو، پھر تو تم پر میرا غضب پڑے گا، اور جس پر میرا غضب پڑے تو وہ پٹکا گیا۔ اور اس کے لئے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور صالح عمل کرے پھر ہدایت پر رہے، میں بڑا بخشنے والا ہوں۔

آیاتھا ١١٢ سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ رکوعاتھا ٧

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجزء ١٧
اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۚ ①

لوگوں کا حساب قریب ہے اور وہ غفلت میں پڑے، اعراض کر رہے ہیں۔

عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے اور اس کے خاتمے پر حساب قائم ہوگا۔ جس معیار کی نسبت سے پوچھا جائے گا، وہ شاہدین ہیں۔ حسن عمل میں معیار اللہ کا مقرر کردہ ہے، توفیق بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔ اللہ کی عطا ہر ایک کے لئے پوری ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ بہر حال موجود ہوتا ہے۔ جو حق کو ادا نہیں کرتے غفلت ان کا طریق زندگی بن جاتا ہے، اور وہ حق سے منہ پھیرے چلے جاتے ہیں۔ لیکن وہ حساب کو ٹال تو نہیں سکیں گے۔ صداقت و کذب کا فیصلہ صرف یہ کہنے پر بھی نہیں ہو جاتا کہ ہم ایمان لائے ہیں، اس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس نے صالح اعمال سے اپنے ایمان کے دعوے کو سچا ثابت کیا ہے اور کس نے اپنے دعوے کو جھوٹا ثابت کیا ہے۔

حاصل: یوم حساب کے قریب آنے کا یقین ہو تو غفلت کو ختم ہو جانا چاہئے۔ حق سے منہ پھیرنا خلافِ عقل نظر آنا چاہئے۔

مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ۙ ②

جب بھی ان کے پاس ان کے ربّ کی کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے کھیلتے ہوئے ہی سنتے ہیں۔

غفلت میں پڑے ہوئے جو لوگ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں، ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نصیحت آتی ہے تو وہ اسے سنتے نہیں جیسے سننے کا حق ہے، اور کھیل تماشے میں پڑے رہتے ہیں۔ جزا کا یقین نہ ہو تو سننے میں سنجیدگی کا مقام کیسے آسکتا ہے۔ خواہش کی پیروی کرنے والا حق سے منہ پھیرنے کو اپنا معمول بنالیتا ہے، سابقہ لوگوں کے حالات سے سبق نہیں لیتا، حال پر حق کو باعثِ فلاح نہیں جانتا۔

حاصل: جو تعلق ہمارے رب کو ہمارے ساتھ ہے، اس کو دیکھ لیا جائے تو پھر اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ جزا کا یقین ہو تو سنجیدگی قول و فعل میں نظر آنی چاہئے۔

لَاهِیَةً قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَی ۖ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ③

ان کے قلوب کھیل میں پڑے ہیں۔ اور ظالموں نے کانا پھوسی کی، کون ہے یہ مگر تمہاری مثل بشر ہی تو ہے، تو کیا اس کے جادو میں پھنستے ہو اور تم دیکھ بھی رہے ہو۔

غافل لوگوں کے دل کھیل میں پڑے رہتے ہیں، کہ حساب اور جزا پر انہیں یقین نہیں ہوتا۔ ان سے میل جول رکھنے والے لوگ جب

ہدایت دینے والے کی بات سننے لگیں تو یہ ان سے کہتے ہیں اور کانا پھوسی کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ یہ کون ہیں جن کی بات کا تم پر اثر ہو رہا ہے، ہمیں تو تمہاری طرح کے بشر ہی معلوم ہوتے ہیں، تم جانتے بوجھتے ان کے جادو میں پھنس رہے ہو۔ حق کی بات جب شاہد کی زبان سے بیان ہو تو اثر قبول کرنے والے کے دل پر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، اسی کو ظالموں نے جادو کا نام دے رکھا ہے۔ جس کی علمی فضیلت کا اعتراف ہو اس کو اپنے جیسا کہنا ممکن نہیں رہتا اور جس کو اپنے جیسا کہا جائے اس سے کچھ سیکھا نہیں جا سکتا۔

حاصل: غافل کا دل کھیل میں پڑا رہتا ہے۔ ظالموں کے اندر حق کے جواب میں سند سے کچھ کہنے کی جرات نہیں ہوتی، اسی لئے وہ کانا پھوسی کرتے ہیں۔ حق کی بات شاہد کی زبان سے بیان ہو تو اثر قبول کرنے والے دل پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ جس کا ادب ملحوظ نہ ہو اس سے کچھ سیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡوَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

فرمایا، میرے رب کو ہر بات کا علم ہے جو آسمان میں ہے اور زمین میں ہے اور وہ سننے والا علم رکھنے والا ہے۔

جب کوئی چھپ کر بُرائی کرتا ہے تو وہ لوگوں سے ہی چھپ رہا ہوتا ہے، اللہ سے چھپ جانا تو ممکن ہی نہیں۔ وہ ہر آواز کو سنتا ہے، وہ آنکھ کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں میں چھپی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ آسمان کی بلندی ہو، زمین میں کوئی مقام ہو اللہ یقیناً ہر مقام پر سنتا بھی ہے، علم بھی رکھتا ہے۔ اس لئے بندے کا حق یہی ہے کہ وہ ہر مقام پر یہ دیکھے کہ وہ جزا دینے والے کے سامنے ہے، اس کی نیت بھی اللہ کے علم میں ہے اس کا عمل بھی دیکھا جا رہا ہے۔

حاصل: خلوت وجلوت میں کسی مقام پر بھی خلافِ حق کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت نہیں ہوگا۔ تائیدِ ایزدی مطلوب ہو تو ہر مقام پر ذِکر کرنا چاہئے، درود پاک پڑھنا چاہئے، اور نصرتِ الٰہی کا یقین رکھنا چاہئے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤

بلکہ کہنے لگے، پریشان خوابیں ہیں، بلکہ ان کا افتریٰ ہے، بلکہ یہ شاعر ہیں، تو ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے پہلے رسول لائے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے بیان کردہ حقائق کو سن کر یہ ان کے بارے میں منکرینِ حق کا تبصرہ ہے جو وہ اپنے حلقے میں بیان کرتے ہیں، کہ جو کچھ یہ صاحب بیان کر رہے ہیں یہ سب پریشان خواب لگتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی سنجیدگی کا مظاہرہ ضروری نہیں ہے۔ جب لوگ ان ارشادات کو حقائق کے طور پر بیان کرتے ہیں تو منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، افتریٰ ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ افتریٰ کبھی اپنے ساتھ سند نہیں رکھتا، تو یہ کہتے ہیں، کہ یہ صاحب شاعر ہیں اور شاعر ایسی باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ اگر یہ کلام کسی شاعر کا ہے تو اس کی مثل پیش کر کے اپنے دعوے کو درست ثابت کرنا منکرینِ حق کے لئے مشکل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب وہ یہ نہیں کر سکے اور کبھی نہیں کر سکیں گے، تو پھر اس کلام کو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نصیحت ماننا ضروری ہے۔ منکرینِ حق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسول ہیں تو پھر پہلے رسولوں کی طرح کوئی نشانی لائیں، کوئی معجزہ ہمارے دیکھنے میں آئے، کوئی عذاب ان کے مخالفین پر پڑے، ان کی

شان بھی اسی طرح واضح ہو جیسے پہلے رسولوں کی ہوتی رہی ہے۔ اگر تو پہلے رسولوں کے معجزات کو دیکھ کر لوگوں نے انہیں ساحر یا مجنون نہ کہا ہوتا اور ان پر ایمان لایا ہوتا جیسے ایمان لانے کا حق تھا تو یہ بات دلیل کے طور پر کہی جا سکتی تھی، مگر ماضی اس کی تصدیق نہیں کرتا۔

حاصل: قرآنِ پاک کو خواب پریشاں کہنا، افترٰی کہنا اور شاعر کا کلام کہنا منکرینِ حق کا طریقہ ہے۔ پہلے منکرین بھی عذابِ الٰہی کا تقاضا کرتے رہے ہیں اور عذابِ الٰہی کو اللہ کے رسول کی صداقت کی سند ٹھہراتے رہے ہیں، یہ بیہودگی پہلے بھی ہوتی رہی ہے اب بھی ہوتی ہے۔

مَآ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا‌ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝٦

ان سے قبل کوئی قریہ ایمان نہ لایا جسے ہم نے ہلاک کیا، تو کیا یہ ایمان لائیں گے۔

ماضی میں یہ ہو چکا ہے کہ مرسلین سے نشانی کا مطالبہ کرنے والے ہلاک کئے گئے ہیں۔ اگر وہ لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی نشانی کو مانتے تو پھر ان کا انجام ہلاکت نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اب موجودہ منکرین کے بارے میں یہ کیسے کہہ دیا جائے کہ یہ حق کی نشانی کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ حق کو ماننے کے لئے طالب ہدایت ہونا ضروری ہے، ہدایت کی طلب ہو تو حق کی روشن نشانیاں مشاہدے میں آنے لگتی ہیں۔ ہدایت کی طلب نہ ہو تو روشن نشانیوں کا پتہ کیسے لگ سکتا ہے۔ کسی صاحبِ حق سے ہدایت کے طالب کا یہی سوال بجا ہوتا ہے کہ میں پاک ہونا چاہتا ہوں، آپ کو پاک کرنے کا شرف ہو تو مجھے پاک کر دیجئے۔ تزکیہ عطا کرنے والے کی حیاتِ طیبہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتی ہے۔

حاصل: جس راستے پر پہلے جانے والے ہلاک ہو چکے ہیں، اس راستے کو اختیار نہ کرنا بڑی عقل مندی ہے۔ ہدایت کی طلب ہو تو ہدایت حاصل ہوتی ہے، ہدایت کی طلب نہ ہو تو کوئی نشانی عقیدے کو کیسے درست کر سکتی ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ‌ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝٧

اور ہم نے آپ سے قبل بھی مرد ہی بھیجے جنہیں ہم وحی فرماتے، تو اہلِ ذِکر سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

جن لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل مرد دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا، ان پر واضح فرمایا گیا ہے کہ پہلے بھی مرسلین اسی طرح آتے رہے ہیں۔ وہ سب مرد ہی تھے، بشر تھے۔ ان کی طرف وحی فرمائی جاتی تھی۔ وہ لوگوں کے لئے حُسنِ عمل کا معیار تھے، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصدیق فرمائی گئی تھی۔ حق اور ناحق کے درمیان قول کی صورت میں بھی وہ وضاحت فرماتے تھے، عملاً وہ بھلائی کے انجام کی بشارت دیتے تھے، بُرائی کے انجام سے ڈراتے تھے۔ ظلم سے توبہ کرنے والوں کو نوازتے تھے۔ یہ سب باتیں ان لوگوں کے علم میں ہیں جو انبیاء سابقین کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ان سے یقیناً پوچھی جا سکتی ہیں۔ لاعلمی کے دور کرنے کی یہی صورت ہے کہ جس حال کے بارے میں شک ہے اس کے ماضی کو جان لو۔ اگر حال حق سے تعلق رکھتا ہے تو اس کا ماضی یقیناً اس کی تصدیق کرے گا۔

حاصل: مرسلین یقیناً مرد تھے، ان کی بات حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی تھی، وہ حسن عمل میں اللہ کا بھیجا ہوا نمونہ تھے، ان کے اتباع سے لوگوں کو خوف و حزن سے نجات ملتی تھی، وہ لوگوں کو پاک کرنے کا علم رکھتے تھے۔ یہ سب

باتیں اہل ذکر سے جو انبیاء سابقین کے بارے میں علم رکھتے ہیں، پوچھی جاسکتی ہیں۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾

اور نہ ہم نے انہیں ٹھہرایا جسد، کہ طعام نہ کھائیں، اور نہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے۔

منکرینِ حق کو رسول کا بشر ہونا، اس کا کھانا پینا، اس کا چلنا پھرنا، شانِ رسالت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان کی بے سمجھی ہے۔ رسول کا قابلِ اتباع ہونا اس کی شان ہے۔ جو طعام نہ کھائے وہ طعام کھانے والوں کے لئے قابلِ اتباع نہیں ہوسکتا۔ جو دنیا میں ہمیشہ رہنے والا ہو وہ محدود زندگی رکھنے والوں کے لئے قابلِ اتباع نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے ہی اسی لئے ہیں کہ رضائے الٰہی کے تمام مقامات، طالبینِ ہدایت پر روشن کردیئے جائیں۔ کافر من مانی کے دائرے سے نکلنا نہیں چاہتا، اس لئے وہ رسول کو مافوق البشر دیکھنا چاہتا ہے۔

حاصل: رسول کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قابلِ اتباع ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس کی زبان سے اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے، اس کے عمل سے طریقت روشن ہوتی ہے۔ من مانی کرنا حصولِ علم کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾

پھر ہم نے ان سے وعدہ پورا کردیا تو جنہیں چاہا انہیں نجات دی اور مسرفین کو ہلاک کردیا۔

جب حق کسی قوم پر روشن کردیا جاتا ہے، تو ہدایت کے طالب اسے مان لیتے ہیں۔ جزا کا انکار کرنے والے کھیل میں پڑ جاتے ہیں اور حق کا انکار کرتے کرتے اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کی بات کرنے والے سے یہ کہتے ہیں، کہ اگر تمہارا کہنا درست ہے تو عذابِ الٰہی کیوں نہیں آتا۔ حق پہنچانے والے کی زبان سے جو وعدۂ عذاب بیان ہوتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ پورا کردیتا ہے۔ پاک لوگوں کو نجات نصیب ہوتی ہے، اسراف کرنے والے ہلاک کردیئے جاتے ہیں۔

حاصل: حال پر حق کا انکار کرنے والے حدِ اصلاح سے گزر جاتے ہیں تو ان کے اسراف کی بدولت ہلاکت ان کا احاطہ کرلیتی ہے۔ نجات دینے والا اللہ ہے۔ جسے چاہتا ہے نجات دیتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠﴾ ع ١

بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی، جس میں تمہارا ذکر ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

کتاب نازل فرمانے والی ذاتِ اقدس اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بہت بالا ہے۔ جو بھی فرماتا ہے، اس میں ماننے والوں کا بھلا ہوتا ہے، نہ ماننے والے خسارے میں پڑتے ہیں۔ کتابِ الٰہی میں یہ واضح فرمادیا گیا ہے، کیا کرنا بندے کے لئے بہتر ہے اور کن امور سے بچنے میں بھلائی ہے۔ اس اعلیٰ نصیحت کو نظر انداز کرنا خلافِ عقل ہے۔ دعویٰ یہ ہو کہ ہمیں بہت عقل ہے، تو اس کو عمل سے ثابت بھی ہونا چاہئے۔

حاصل: کتابِ الٰہی کی قدر کرنی چاہئے جیسے قدر کرنے کا حق ہے، اس سے بہتر نصیحت کہیں نہیں ہے۔ عقل مند

ہونے کا دعویٰ ہو تو حق کو ماننا ہی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (٢٩) میں ارشاد فرمایا ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ کیا برے عمل کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ جائیں گے، کیا بری بات کرتے ہیں۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪

اور کتنے ہی قریئے ہم نے تباہ کر دیئے جو ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم اٹھائی۔

جو قوم عقل کی راہ کو چھوڑ دیتی ہے، وہ تباہی کی منزل پر پہنچنے والی ہوتی ہے۔ خلافِ حق کرنا جن لوگوں کا معمول ہو جاتا ہے، وہ اصلاح کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ کمزور لوگوں پر جبر کرنا ان کا طریق زندگی بن جاتا ہے۔ حق کے مقابل ان کے اپنے بنائے ہوئے معیار ہوتے ہیں، مثلاً قیادت کا فیصلہ ان کے ہاں وسعتِ مال کی بنا پر ہوتا ہے، جب کہ قیادت کی اہلیت کا فیصلہ مشکل مقامات پر پورا رہنے کی صلاحیت اور علم کی بنا پر ہونا چاہئے۔ جب ظالم ناقابلِ اصلاح ہو جائیں، تو پھر ان کو ختم کر دینا اللہ کی سنت ہے۔ پھر ان لوگوں کو اٹھایا جاتا ہے جو پہلے دکھ سہہ چکے ہیں۔ وہ اگر اپنے ماضی کو یاد رکھیں تو ان سے کسی کو دُکھ نہیں پہنچنا چاہئے۔

حاصل: ظلم تباہی کی راہ ہے، جو تباہی سے بچنا چاہئے وہ ظلم کو چھوڑ دے۔ بندے کی شان یہی ہے کہ جس دُکھ سے وہ گزرا ہو اس کی ذات سے وہ دُکھ کسی کو نہ پہنچے۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ۭ

تو جب انہیں ہماری آفت کا احساس ہوا، جبھی وہ اس سے بھاگنے لگے۔

جب ظالم اپنے اوپر آفت کو آتا ہوا محسوس کرتے ہیں تو اس وقت اصلاح کو قبول کرنا نفع نہیں دیتا۔ اس وقت اپنے اعمال کی جزا سے بھاگ جانے کی کوشش شروع ہوتی ہے۔ مگر جب آفت احاطہ کر لیتی ہے تو پھر بھاگ جانا ناممکن ہو جاتا ہے۔

حاصل: جب ظالم لوگ اپنے آپ کو آفت کے احاطے میں پاتے ہیں تو پھر وہ انجام سے خائف ہو کر بھاگنے لگتے ہیں۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔــلُوْنَ ⑬

بھاگو نہیں، اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کی تھی اور اپنے مساکن کی طرف تاکہ تمہیں پوچھا جائے۔

منکرینِ حق جب عذابِ الٰہی کے احاطے میں آجاتے ہیں تو اس وقت ان کے انفس خواہشات کو چھوڑ دیتے ہیں، ان آسائشوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو انہیں بہت عزیز ہوتی ہیں، ان امتیازات کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کے تعارف کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تب ان سے فرمایا جاتا ہے: کہاں بھاگے جاتے ہو، لوٹ جاؤ ان آسائشوں کی طرف اور اپنے قابلِ فخر گھروں کی طرف، تاکہ تم سے پوچھا جائے، تم کیا سمجھتے رہے، تم نے اللہ کی نصیحت کی کس طرح بے قدری کی، تمہارے اموال تمہیں کتنے عزیز تھے، تم نے انہیں مسرفین کی طرح کیوں استعمال کیا۔

حاصل: عذابِ الٰہی سامنے ہو، تو منکرینِ حق کو بھی اپنے امتیازات سے بھاگنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تقویٰ کو اصلاح کے لئے دیئے گئے وقت میں اختیار کرنا نافع ہوتا ہے۔

قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴﴾ کہنے لگے ہائے خرابی ہماری! ہم یقیناً ظالم تھے۔

منکرینِ حق نے عذابِ الٰہی کو دیکھ کر اپنے ظلم کا اعتراف کیا، اور اظہارِ ندامت کیا۔ خلافِ حق کرنے کا اعتراف انہیں تو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا تھا، مگر اس راستے کو اختیار کرنے والے جو ابھی اس راستے کو چھوڑ سکتے ہیں یقیناً منزل پر پہنچنے والوں کے بیان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جزا سے غفلت انسان کو بڑی خرابی میں ڈالتی ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہونے سے پہلے یہ عذابِ الٰہی کے طالب تھے، اور عذابِ الٰہی کو نصیحت دینے والے کی صداقت کی سند قرار دیتے تھے۔ اب اپنے ظلم کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ اعترافِ ظلم ان کے لئے بے وقت ہوتا ہے۔

حاصل: دیکھنا چاہئے جو ہم کر رہے ہیں، کیا یہ حق ہے اور کیا ہم حق کو شاہدین کی طریقت کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو سبحان اللہ، ورنہ ظلم کا انجام خرابی ہی ہوتا رہا ہے، خرابی ہی ہوگا۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ﴿۱۵﴾ وہ یہی پکارتے رہے حتیٰ کہ ڈھیر کر دیئے گئے، کاٹے ہوئے، بجھے ہوئے۔

منکرینِ حق عذابِ الٰہی میں پکڑے جانے کے بعد، متواتر اپنے ظلم کا اعتراف کرتے ہیں، ندامت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر اس وقت ان پر توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے ان کی پکار ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ عذابِ الٰہی ان کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ وہ ڈھیر کر دیئے جاتے ہیں، اور جس جگہ وہ حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہاں ان کی راکھ پڑی رہ جاتی ہے۔

حاصل: حق کو ماننے کا دعویٰ ہو تو صالح اعمال سے اس کی شہادت بھی دینی چاہئے۔ عذابِ الٰہی میں پکڑے جانے کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جو بنانے پر قادر ہے، وہ مٹانے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل تماشہ نہیں بنایا۔

آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب خالقِ کُل نے پیدا کیا ہے، اور ہر تخلیق سے پہلے مقصدِ تخلیق کا ہونا بھی لازم ہے۔ جس چیز کے استعمال میں خالقِ کُل کے منشاء کو ملحوظ رکھا جائے گا، وہ بندے کے لئے دائمی نعمت بن جائے گی۔ اور جس شے کو خلافِ حق استعمال کیا جائے گا، جس مقام کو خلافِ حق استعمال کیا جائے گا وہ بندے کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھا جائے گا، اور گناہ کے حوالے سے جو سزا اللہ نے رکھی ہے اس سے بچ جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر زینتِ حیاتِ دنیا کو بے مقصد کہا جائے، اسے کھیل تماشہ سمجھا جائے تو پھر اللہ کی عطا کردہ توفیق کسی کارِ خیر کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی۔

حاصل: ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو دیکھنا، تقاضاءِ عبدیت ہے، ہر مقام پر اللہ کی رضا کو دیکھنا تقاضاءِ عبدیت

ہے۔ کھیل تماشے میں پڑے رہنا، بندے کو اللہ سے دور ہی کرتا ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم کوئی بہلاوا تیار کرنے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس سے بنا لیتے، اگر ہمیں کرنا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو بھی پیدا کیا ہے، اپنے علمِ مطلق سے پیدا کیا ہے۔ اس میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ اگر یہ کسی کو کھیل تماشہ دکھائی دیتا ہے تو یہ اس کی بے سمجھی ہے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے بہت بلند ہے۔ بہلاوا بھی کسی احتیاج کا ہی ثبوت ہوتا ہے اور یہ شانِ الٰہی کے منافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ کر بھی لیتے تو اس کھیل میں بندوں کو شامل کرنا خلافِ حق ہوتا، کہ جو دائرۂ عبدیت بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرمایا گیا ہے، خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا توڑ دیا جانا کبھی حق نہیں ہو سکتا۔ کائنات کو ظالم و مظلوم کا کھیل ثابت کرنے کی کوشش وہی کرتے ہیں جو جزا کا یقین نہیں رکھتے۔

حاصل: کائنات کو ظالم و مظلوم کا کھیل ثابت کرنے کی کوشش بڑی بے ہودگی ہے۔ جزا کا انکار کرنے والے من مانی کرنے سے بچ نہیں سکتے۔ بندوں کے لئے دائرۂ عبدیّت اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ کبھی اس کو توڑنا پسند نہیں کرتا۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک کر مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے، تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔ اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں، وہ خسارے کی راہ پر گامزن ہیں۔ انہیں جو مہلت دی گئی ہے اس میں وہ خلافِ حق کرتے کرتے یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم جو کر رہے ہیں وہی کرنا چاہئے۔ جب ان لوگوں کے ناقابلِ اصلاح ہونے کا مقام واضح ہو جاتا ہے تو ان پر حکمِ الٰہی سے وہ عذاب آ جاتا ہے جس کا ڈر ان کو سنایا جا چکا ہوتا ہے۔ وہ عذاب ان کو نابود کر کے رکھ دیتا ہے۔ جو لوگ حق کے خلاف کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بے سند باتیں گھڑتے ہیں، وہ خرابی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے ختم ہونے کے بعد یہی خرابی ان کو گھیر لے گی۔

حاصل: جو باطل کے ساتھ ہے وہ مٹ جائے گا، جو حق کے ساتھ ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ خرابی سے بچنے کی راہ کو اختیار کیا جائے تو عقل مندی کا ثبوت موجود ہو گا۔ خرابی کی ابتدا بری باتوں سے ہوتی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اسی کے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے استکبار بھی نہیں کرتے، تھکتے بھی نہیں۔

اللہ نے ہر شے کو اپنے علم سے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر شے کا مالک ہے۔ اگر کسی شے کے استعمال میں مالک کل کے منشاء کو ادب سے مان لیا

جائے تو اس شے کا بھی شکریہ ادا ہو جائے گا، اس مقام کا بھی شکریہ ادا ہو جائے گا اور حسن عمل کی ایک مثال مشاہدے میں آئے گی، ورنہ خواہش کی پیروی کا انجام کبھی اچھا ہوتا نہیں۔ ملائکہ اللہ کی پاک جماعت ہیں۔ امر الٰہی کو ماننا ان کی شان ہے۔ وہ کبھی اللہ کی بندگی سے استکبار نہیں کرتے۔ وہ اللہ کی بندگی میں ایسی راحت محسوس کرتے ہیں، کہ تھکن انہیں چھوتی بھی نہیں۔ خلوت وجلوت میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہتے ہیں، وہ کبھی اپنی بڑائی بیان نہیں کرتے، اللہ کے فضل کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی اللہ کے لئے حق کو ادا کرنے میں تھکن محسوس نہیں کرتے۔

حاصل: ہر مقام پر اللہ کی بندگی کا ثبوت دینا چاہئے۔ استکبار شیطانی صفت ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے جو بھی کیا جائے اس سے تھکن نہیں پیدا ہوتی۔ حق کی ادائیگی کے بعد اللہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، کہ اس کی مہربانی سے حق ادا ہوا ہے۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ لیل ونہار میں اس کی تسبیح کرنے میں سستی نہیں کرتے۔

قُربِ الٰہی رکھنے والوں کی صفات مبارکہ یہ ہیں کہ وہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ رات ہو، دن ہو وہ تسبیح سے کبھی اکتاتے نہیں۔ کبھی اس میں سستی نہیں کرتے۔ تسبیح کا حق اسی صورت میں ادا ہوتا ہے کہ حق کی احسن ادائیگی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو حق مانا جائے، اس سے بڑھ کر کچھ مطلوب نہ ہو۔ جو مخلص کے ساتھ ہے وہ سستی نہیں کرتا۔ سستی کرنے والا اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اس لئے ہمہ وقت حق کی ادائیگی اس کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔

حاصل: لیل ونہار میں اللہ کی تسبیح کرتے رہنا چاہئے۔ تسبیح صرف قول سے ہو تو صداقت کا ثبوت کیا ہوگا۔ مخلصین کی معیت میں رہتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کو طریقِ زندگی بنانا چاہئے۔

أَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے معبود بنا لئے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں۔

منکرینِ حق کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے، کہ کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے معبود بنا لئے ہیں جو بے جان مادے میں جان ڈال سکتے ہیں، جو مُردے کو زندہ کر سکتے ہیں، جو خشک اور بے جان کو سر سبز وشاداب کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے، تو وہ معبود کیا ہوئے جو معبود کی صفات نہیں رکھتے۔ انسان اللہ کے خزانوں سے استفادہ کرتا چلا آرہا ہے۔ لوازماتِ حیات اور اسراف کے مابین حد کو واضح کر دیا جائے، تو سب کو سکھ مل سکتا ہے۔

حاصل: جو معبود کی شان نہیں رکھتا وہ معبود نہیں ہے۔ معبود کی شان ہے، کہ وہ بے جان میں جان ڈال سکتا ہے اور ڈالتا ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ اگر ان دونوں میں اللہ کے مقابل اور معبود بھی ہوتے تو ضرور دونوں میں فساد ہوتا، تو پاکی ہے عرش کے ربّ کو ان کی بنائی ہوئی باتوں سے۔

آسمان اور زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے، اس میں ایک نظم ہے، جو اس کائنات کے مالک کا پتہ دیتا ہے۔ اجزاء کائنات میں ایسا ربط ہے، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کائنات میں جس علم سے کام ہو رہا ہے وہ علم ایک ہے۔ اس لئے علیمِ مطلق بھی ایک ہے۔ انسان کے ہاتھ سے متشکل ہونے والی کسی شے کو معبود کہا جائے تو تدبیر عالم کی قدرت کا اس کی ذات سے تعلق ثابت کرنا جہالت کی بات ہوگی۔ اگر آسمان اور زمین میں خالقِ کُل کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہوتا تو اس کا علم خالقِ کُل کے برابر نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر اس کو خالقِ کُل سے مکمل اتفاق ہوتا تو پھر وہ معبود نہیں ہوسکتا تھا، کہ مجبوری معبود کی شان کے منافی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ خالقِ کُل سے عدمِ اتفاق کی راہ اختیار کرتا تو نظام کائنات کا درہم برہم ہونا ضروری تھا۔ عرش وہ مقام ہے، جو اللہ نے اپنے علم سے اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بنایا ہے۔ کائنات میں ایک مرکز کی ضرورت ہے جو اس کے توازن کو، توافق کو قائم رکھے۔ اگر کسی دوسرے کو خدا ہونے کا دعویٰ ہے تو عرش کی طرف راستہ ڈھونڈ لے۔ اللہ کے معبود لاشریک ہونے کی اسناد موجود ہیں، پا وہی سکتا ہے جو طالب ہدایت ہو۔

حاصل: خالقِ کُل ایک ہے کہ نظام کائنات ایک ہے۔ لوگوں کے قیاسات اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بے سند باتیں کرنے والوں کو وقعت نہیں دینی چاہیئے، انسانی زندگی میں بہت سی مشکلات اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہیں۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾

اس کے فعل پر کوئی سوال نہیں ہوسکتا اور ان سے سوال ہوگا۔

معبود کی شان یہ بھی ہے کہ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔ وہ سب کو توفیق دینے والا ہے، اس لئے سب سے پوچھنے کا حق بھی رکھتا ہے۔ قادرِ مطلق ہونا اور مختارِ کُل ہونا صرف اللہ کی شان ہے۔

حاصل: اللہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ موت وحیات کو حسن عمل کے دیکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بندہ حق کے حوالے سے اللہ کے سامنے جواب دہی کا یقین رکھے تو بندگی کا حق ادا ہوگا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہرائے ہیں، فرمایئے لاؤ اپنا برھان۔ یہ ذِکر ہے میری معیت والوں کا اور ذکر ہے مجھ سے قبل والوں کا۔ بلکہ اکثر کو حق کا علم نہیں تو وہ اعراض کر رہے ہیں۔

جو لوگ اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہراتے ہیں، ان سے اس عقیدے کے ساتھ برھان کی سند مانگنے کا حکم ہے۔ معبود کی جن صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ صفات اللہ کے ایک ہونے کی اور لاشریک ہونے کی اسناد ہیں۔ قرآنِ پاک میں حال کا ذِکر ہے، اور یہ حال تا قیامت جاری رہے گا۔ وہ تمام لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہیں جو آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا حال بناتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت یافتہ ہونے کی سند رکھتے ہیں۔ جو ماضی میں حق کے مطابق زندگی گزار گئے ہیں ان کا ذِکر بھی قرآن میں ہے۔ ماضی، حال کی تصدیق کرتا ہے۔ حال، ماضی کے بارے میں شہادت دیتا ہے۔ جو لوگ اپنے گمان کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے، انہیں حق کا علم نہیں ہوسکتا۔ یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور حق سے منہ پھیرے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہوتی جا رہی ہے۔

حاصل: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دعویٰ بے دلیل ہو تو قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔ قرآنِ پاک میں حال کا ذکر بھی ہے ماضی کا ذکر بھی ہے۔ ناصحین سے محبت ہو تو حق کا علم حاصل ہوتا ہے۔ غفلت میں پڑے ہوئے لوگ حق سے منہ پھیرے ہوئے جا رہے ہوتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری ہی عبادت کرو۔

مرسلین ہر زمانے میں اس شان کے حامل تھے کہ رضائے الٰہی کے طالبین کے لئے ان کا قول بھی سند تھا، عمل بھی سند تھا۔ مرسلین کو جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا، وہ یہی تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی مرسلین نے کر کے دکھایا۔ علمِ الٰہی کی شان ماضی میں بھی یہی تھی، حال پر بھی یہی ہے۔ اس لئے اگر حق کا انکار کرنے والے حق کے حوالے سے کوئی بات کرتے ہیں تو اس کا ثبوت پیش کرنا بھی انہی کے ذمے ہے۔

حاصل: مرسلین کی تعلیم یہی تھی، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی عبادت حق ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی رضا کو مقصود بنایا جائے گا تو پھر نام کوئی رکھ لیا جائے وہ اللہ کی بندگی نہیں ہوگی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ۙ

اور کہتے ہیں، الرحمٰن نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے۔ پاک ہے وہ۔ بلکہ مکرم بندے ہیں۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ بیٹا اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ بیٹا اپنے باپ کے مثل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے مکرم بندے ہیں۔ جس کو اللہ کا کرم مطلوب ہوا سے ان کا اتباع کرنا چاہیئے۔ تعلیم ان کی بھی وہی تھی جو انبیائے سابقین کی تھی اور جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حاصل: اللہ کے قریب ہونے کے لئے اس کی بندگی ہی راستہ ہے۔ اللہ کے مکرم بندوں کے اتباع کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

قول میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے امر پر عمل پیرا ہیں۔

مکرم بندوں کی صفات کا ذکر ہے، کہ وہ فرمانِ الٰہی کو بڑے ادب سے بیان کرتے ہیں۔ حکمِ الٰہی میں کوئی لفظ ان کا اپنا نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت میں اپنا حال بیان کر دیتے ہیں۔ ماننے والوں کے لئے حق روشن ہو جاتا ہے۔ مکرم بندے امرِ الٰہی کی تعمیل میں حسنِ عمل کے بلند مقام پر ہوتے ہیں۔ حکم اللہ کا ہو نمونہ مکرم بندوں کی صورت میں سامنے ہو، تو منزل قدم کے نیچے آ جاتی ہے۔ جاننے کا مقام ماننے کے بعد ہی آتا ہے۔

حاصل: پاک لوگوں کی بات کو اللہ کی بات جاننا چاہیئے۔ اس میں ان سے آگے بڑھنا بے ادبی ہے۔ اللہ کا حکم ماننے کا دعویٰ ہو تو اس کے مکرم بندوں کو حسن عمل پر شاہد بنانا چاہیئے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، وہ شفاعت نہیں کرتے سوائے اس کے جس سے وہ راضی ہو، اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ ماضی کا علم رکھتا ہے، حال کا علم رکھتا ہے، مستقبل کا علم رکھتا ہے۔ مکرم بندے کسی کے کچھ نہیں لگتے۔ جو حق کو قبول کرے، عمل صالح سے اپنی صداقت کا ثبوت دے، وہ ان پاک بندوں سے اپنے تعلق کا ثبوت رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نیت یقیناً اچھی ہوتی ہے۔ جب ان سے کوتاہی ہو جائے، بھول ہو جائے، تو مکرم بندے بھولنے والوں کے لئے شفاعت کرتے ہیں کہ اللہ ایسی شفاعت سے راضی ہوتا ہے۔ رضائے الٰہی کے علاوہ مکرم بندوں کا مقصود کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ کے نزدیک حسن عمل کا معیار اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر عمل کو اسی معیارِ اعلیٰ کی نسبت سے دیکھے تو کتنے ہی لوگ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہیئے۔ علمِ حقیقی کے بڑھنے سے اللہ کا ڈر بڑھتا ہے، علمِ ظن کے بڑھنے سے غفلت بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کے پیارے بندے، اللہ سے زیادہ ڈرتے ہیں۔

حاصل: اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھ کر بات کرنی چاہیئے، یہی مکرم بندوں کی طریقت ہے۔ علمِ حقیقی بڑھے تو اللہ کا ڈر بڑھتا ہے۔ غفلت بڑھ رہی ہو تو علم کبھی حقیقی نہیں ہوتا۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۹/۲

اور ان میں جو کہے کہ میں اللہ کے مقابل معبود ہوں، تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے، ہم ظالمین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

اللہ کے بندوں میں سے جو اللہ کے مقابل معبود ہونے کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔ کہ وہ پیدا بھی کیا گیا ہے، اسے موت بھی دی جائے گی۔ اس سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ بھی ہوگی، اسے اس کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی، اور وہ جزا بصورت جہنم ہوگی جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ شرک ظلمِ عظیم ہے، اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی جزا دی جاتی ہے۔

حاصل: بندے کے لئے اظہارِ عبدیت لازم ہے۔ جو شرک کرے گا، تکبر کرے گا، وہ جہنم میں جائے گا۔ جو خود کو عذاب سے بچا نہ سکے، وہ کسی کو کب عذاب سے بچا سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں ارشاد فرمایا ہے۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ فرمایئے کون الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے، رات میں اور دن میں! بلکہ وہ اپنے رب کی نصیحت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾

کیا کافروں نے نہیں دیکھا، کہ آسمان اور زمین بند تھے تو ہم نے انہیں کھولا۔ اور ہم نے ہر زندہ شے پانی سے بنائی۔ تو کیا مانتے نہیں۔

دعوتِ فکر ونظر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے، کیا کافروں نے دیکھا نہیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ یہ زمین اور آسمان ابتداً آپس میں ملے ہوئے تھے۔ جس نے ان کو پیدا کیا تھا اسی کی طرف سے یہ فرمایا جا رہا ہے۔ وہی آسمان کو بلند کر سکتا تھا، اسی نے آسمان کو چھت بنا دیا اور زمین کو فرش کر دیا۔ زمین کو آسمان سے رات میں ستاروں کی روشنی ملتی ہے، جو تخلیق کے عمل میں اپنا بے بدل مقام رکھتی ہے۔ دن کو سورج کی روشنی ملتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ سب سے اہم شے پانی ہے، جس کے بغیر تصورِ حیات ہی ممکن نہیں۔ زمین مُردہ ہو جائے تو اللہ اسے بارش سے زندہ کر دیتا ہے۔ جو قدرت ہمارے دیکھنے میں آ رہی ہے، یہ قادرِ مطلق کا پتہ دیتی ہے۔ اسی قادرِ مطلق نے ہمیں پیدا کیا ہے، یہی ہمیں موت دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہی بعث بعد الموت پر قادر ہے۔ یہی جزا دینے والا ہے۔ جزا کو ماننے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ تو کیا یہ کافر اس بات کو مانتے نہیں۔

حاصل: اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ زمین پر ادب سے رہنا چاہئے۔ پانی کی اہمیت کو جاننا چاہئے اور اس کے استعمال میں حق کو جاننا چاہئے۔ انسان اپنی کج روی سے اپنی مشکلات میں اضافہ کر لیتا ہے۔ جو اللہ مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، وہ بندوں کو بھی موت کے بعد زندہ کر سکتا ہے۔ جزا کو مان لیا جائے تو پھر غفلت کو ختم ہو جانا چاہئے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾

اور ہم نے زمین میں لنگر ٹھہرائے کہ انہیں لے کر نہ کانپے، اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں رکھیں کہ وہ ہدایت پائیں۔

زمین کو انسان کے لئے دارِ عمل بنایا گیا تو اس میں زینت رکھی گئی۔ اس کے توازن کے لئے اللہ نے اس میں پہاڑ رکھے۔ پہاڑوں میں انسانوں کے گزرنے کے لئے درے رکھے گئے۔ اس سہولت سے بہت سے مفادات تعلق رکھتے ہیں۔ انسان کو دیکھنا چاہئے کہ جس آسانی سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ کس کی عطا ہے۔ یوں اسے ہدایت مل سکتی ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ ضروری ہے۔ وہ محفوظ ہو، آسان ہو اور قریب تر ہو تو اسے بہترین راستہ قرار دیا جاتا ہے۔ انسان اگر اپنے مقصدِ تخلیق کے پورا کرنے کو منزل مان لے تو پھر اس منزل پر پہنچنے کے لئے اس کی دنیا اللہ پاکی سے ہونی چاہئے۔ اس کی زبان کو پاک ہونا چاہئے، اس کے ہاتھ کو امین ہونا چاہئے اور اس کے حسنِ عمل پر مخلصین کی شہادت ہونی چاہئے۔ اگر مجاز میں منزل تک پہنچنے کے لئے رہنمائی لینی ضروری ہے تو حقیقت میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ماننی چاہئے، ورنہ عقل مندی کا ثبوت کیا ہوگا۔

حاصل: زمین کو جس طرح اللہ نے انسان کے لئے آراستہ کیا ہے، یہ بھی اس کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ مجاز میں منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ اور رہنمائی ضروری ہے تو حقیقت میں اس کی اہمیت کس قدر ہو گی!

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔

زمین کو فرش بنانے کے ساتھ آسمان کو چھت بنایا گیا۔نہ اس فرش جیسا فرش ہوسکتا ہے، نہ آسمان جیسی چھت کہیں دیکھی جا سکتی ہے۔محفوظ ہونا اس چھت کی ایک صفت ہے۔اتنی بڑی چھت کا محفوظ ہونا، بغیر سہاروں کے محفوظ ہونا، اتنی بلندی اور وسعت کے ساتھ محفوظ ہونا، اتنی مدت سے محفوظ ہونا کہ جس کا انسان کو پورا علم بھی نہیں ہے، اور وہ تمام منافع جن کا آسمان سے تعلق ہے تسلسل سے ان کا جاری رہنا، یہ اتنی بڑی نشانیاں ہیں کہ ان سے منہ پھیرنا خلافِ عقل ہے۔

حاصل: چھت کو ہمیشہ محفوظ ہونا چاہئے۔اللہ کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے کس منزل کو پاسکتے ہیں۔غافل لوگوں سے دور رہنے میں عافیت ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور وہی ہے جس نے لیل ونہار اور شمس وقمر کو خلق فرمایا۔سب اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔

لیل ونہار کا پیدا کرنا، شمس وقمر کا پیدا کرنا، اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔رات کے بعد دن آتا ہے۔دن کے بعد رات آتی ہے۔توازن اللہ کے حکم سے قائم رہتا ہے۔کائنات میں سورج کا مقام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔سورج کی روشنی کے ساتھ نباتات کی زندگی ہے، حیوانات کی زندگی ہے، انسانوں کے کام ہیں۔انسانی علم تو محدود ہے۔چاند کے تمام منافع بھی انسان کے علم میں نہیں ہیں۔نباتات پر اثرات، حیوانات پر اثرات، سمندر پر اثرات اور دوسرے مقامات پر اثرات ایک حد تک انسان کے علم میں ہیں۔لیل ونہار اور شمس وقمر اپنے اپنے مدار میں جس کے حکم سے گردش کرتے ہیں، اس کے علم کے مقابل کسی کے علم کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے۔

حاصل: بندے کو بھی دیکھنا چاہئے، کہ وہ کس لئے پیدا کیا گیا ہے اور کیا کر رہا ہے۔اگر بندے نے پاکیزگی کا راستہ اختیار کیا ہے تو وہ فلاح پائے گا، ورنہ گمراہ ہو جائے گا۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کے لئے دنیا میں ہمیشگی نہیں ٹھہرائی۔اگر آپ کو موت آئے تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے۔

اپنی خواہشات کو معبود بنانے والوں کے لئے بشر کا رسول ہونا بڑا عجیب ہوتا ہے۔ان کے ناقص خیال میں رسول کو موت نہیں آنی چاہئے۔انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ پہلے مرسلین بھی موت کے مقام سے گزارے گئے ہیں۔موت تو حیات کے ساتھ رکھی گئی ہے۔جو پیدا کیا گیا ہے، اسے موت بھی آنی ہے۔بشر کا رسول ہونا، طالبینِ ہدایت کے لئے اتنا بڑا انعام ہے کہ وہ ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتے رہتے ہیں۔قول وفعل میں کسی بھی مقام پر شک سے پاک ہونے کی یہی صورت ہے کہ اللہ کے رسول کو حق کے حوالے سے سند مانا جائے۔پاک لوگوں کے لئے موت وصال کا دروازہ ہوتی ہے۔ناپاک لوگوں کے لئے موت، عذاب کی ابتدا ہوتی ہے۔

حاصل: دائمی زندگی، رسالت کا ثبوت نہیں ہوسکتی۔ موت سے پہلے عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اپنی صداقت کا ثبوت دینا نافع ہوتا ہے۔ فلاح اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب ہمارا طریقِ زندگی فلاح پانے والوں کا ہو۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝۳۵

ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں شر اور خیر سے دیکھتے ہیں۔ اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

جو پیدا کیا گیا ہے اسے موت ضرور آئے گی، اور موت کی کیفیت کو بندے کے اعمال سے نسبت ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں پاک رہا ہو اس کے لئے موت باعثِ راحت ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں ناپاک رہا ہو اس کے لئے موت بڑے دکھ کی ابتدا ہوتی ہے۔ شر اور خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ دیکھنے کے لئے ہے کہ کون اللہ کی رضا کو مقصود بناتا ہے، کون اس کے خلاف کرتا ہے۔ جو حالات انسان کو ناپسند ہوتے ہیں، ان سے واسطہ ہو تو اللہ کی رضا مقامِ صبر سے تعلق رکھتی ہے اور جن حالات میں انسان کو خوشی ہو، وہاں اللہ کی رضا مقامِ شکر سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے، کہ یہ اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔ جزا دینے والے کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنا بڑی عقل مندی ہے۔

حاصل: موت سے پہلے عمل کے لئے دی گئی مہلت کو عقل سے استعمال کرنا چاہئے۔ شر اور خیر انسان کے دیکھنے کے لئے خدائی انتظام ہے، دونوں مقامات پر تعلق مع اللہ کا ثبوت ملنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو پھر امرِ الٰہی کی تعمیل بھی نظر آنی چاہئے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۶

اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے مذاق ہی کرتے ہیں۔ کیا یہ ہیں جو تمہارے معبودوں کو برا کہتے ہیں۔ اور وہ الرحمٰن کی نصیحت سے انکار کرتے ہیں۔

حق کا انکار کرنے والے جب صاحبِ حق کا مذاق اڑانے میں کوئی خطرہ نہ محسوس کرتے ہوں تو پھر وہ اس کام میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ خواہش پرست لوگ تھوڑے اور وقتی فائدے کے لئے بڑے اور دائمی فائدے کو ضائع کر دیتے ہیں، اور تھوڑے سے نقصان سے بچنے کے لئے دائمی خسارے کو گلے لگا لیتے ہیں۔ اس سے بڑی بے عقلی کیا ہوسکتی ہے۔ پاک لوگوں کا طریق زندگی اور ان کی عظمت وہی جان سکتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ جو زینت حیاتِ دنیا میں ہی پھنسا رہے وہ کیا دیکھ سکتا ہے۔ الرحمٰن کی نصیحت بندوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ جو اس نصیحت کا انکار کرے وہ خسارے میں مبتلا ہو جائے گا۔ اصلاح کے قبول کرنے کی مہلت تو گزر رہی ہے۔ شعور کے ساتھ بندے نے جو رخ اختیار کرنا ہے، اسی کی اس کو جزا دی جائے گی۔

حاصل: پاک لوگوں کی شان زینت حیاتِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔ تعلق مع اللہ میں پورے رہنا ان کی شان ہے۔ الرحمٰن کی نصیحت میں بندوں کی بھلائی کی سند موجود ہے۔ جو اس نصیحت کا انکار کریں، ان کا کبھی بھلا نہیں ہوسکتا۔

خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیۡكُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾

انسان عجلت باز خلق ہوا۔ جلد ہی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم مجھ سے تعجیل نہ کرو۔

جلد بازی انسانی صفت ہے، بندے کو اس پر قابو پانا چاہیے۔ جن کاموں میں جلدی کرنی چاہیے وہاں نفس سستی کی ترغیب دیتا ہے، مثلاً حق کی اسناد کو دیکھ کر ماننے میں جلدی کرنی چاہیے کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کو باتوں میں ضائع کر دینا درست نہیں ہوتا، اور صالح عمل کے بغیر صداقت کا ثبوت کچھ نہیں ہوتا۔ موت کے بعد تجہیز، تکفین اور تدفین میں جلدی کرنی چاہیے کہ یہی حق ہے، نفس یہاں دیر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ لڑکی کی شادی کا موقعہ ہو تو شان وشوکت کو بڑھانے کے لئے شادی کو مؤخر کرتے رہنا نفس کی ترغیب ہوتی ہے، حق یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ امانت لینے والا آجائے تو امانت لوٹانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ اپنے عہد کو پورا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے اور عہد کو حق کے مطابق ہونا چاہیے۔ باقی تمام کاموں میں جلد بازی بے جا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اہتمام ہمیشہ ہوتا ہے، کہ اس کی قدرت کا احاطہ لوگوں کو نظر آئے۔ اتمامِ حجت اللہ کے علم سے ہوتا ہے، اس لئے لوگوں کی جلد بازی اس پر کوئی اثر نہیں رکھتی۔

حاصل: جلد بازی صرف حق کے حوالے سے ہو تو حق ہے، ورنہ بے جا ہے۔ اللہ یقیناً اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ جلد بازی کرنے والوں کی ہلاکت میں اتمامِ حجت کو چھوڑ نہیں دیا جاتا۔

وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾

اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم صادق ہو۔

جلد بازی کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ عذابِ الٰہی کو حق پہنچانے والے کی صداقت کی نشانی قرار دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں: بتائیے یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ عذابِ الٰہی کے ساتھ ہی اگر عمل کے لئے دی گئی مہلت بھی ختم ہو جائے تو منکرین کو حق کے ماننے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ انجام سے غفلت کی یہ انتہا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق انجام سے اس قدر غافل ہوتے ہیں کہ عذابِ الٰہی کو حق پہنچانے والے کی صداقت کی سند قرار دینے لگتے ہیں۔ صداقت کو تسلیم کرنا نافع نہ ہو تو حسرت کے علاوہ کیا باقی رہ جاتا ہے۔

لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَكُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾

کہیں کافروں کو اس وقت کا علم ہوتا جب آگ کو اپنے مونہوں سے نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی نصرت ہوگی۔

اس وقت تو کافر عذابِ الٰہی کو طلب کر رہے ہیں، مگر یہ غافل لوگ کہیں اپنے انجام کو جان لیتے تو ضرور اصلاح کو قبول کر لیتے۔ جب عذابِ نار ان کو آگے پیچھے سے گھیرے گا، تو یہ آگ کو نہ اپنے چہروں سے روک سکیں گے نہ اپنی پیٹھوں سے روک سکیں گے، اور تب کوئی مدد دینے والا بھی نہ ہوگا۔ یہ آگ انسان کے اپنے اعمال کی جزا سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے اس سے بچ جانا ممکن نہیں ہوتا۔ جو اشیاء دارِ عمل کے لئے بنائی گئی ہیں، ان کا استعمال دو طرح سے ہو سکتا ہے: ایک طریقہ مخلصین کا ہے، ایک طریقہ من مانی کرنے والوں کا ہے۔ مخلصین دونوں

جہانوں میں راحت پاتے ہیں۔ من مانی کرنے والے یہاں خوف وحزن میں مبتلا رہتے ہیں، آگے ان کے لئے عذاب ہوگا۔

حاصل: اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ناممکن ہوتا ہے۔ ہمیں نصرت دینے کا شرف ہو یا ہم نصرت کے طالب ہوں، نصرت کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے۔

بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۴۰﴾

بلکہ وہ ان پر اچانک آپڑے گی، تو انہیں بے حواس کردے گی، پھر نہ ان کو اس کے رد کرنے کی استطاعت ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

غافل لوگوں نے انذار کو نظرانداز کرنے کا رویہ اپنایا ہوا ہوتا ہے، اس لئے عذاب الٰہی عمل کے لئے دی گئی مہلت کے بعد ان پر اچانک آتا ہے، اور یہ عذاب بے حواس کردینے والا ہوتا ہے۔ پھر اس کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور اصلاح کے لئے وقت بھی نہیں دیا جاسکتا۔ یہی صریحاً خسارہ ہے۔

حاصل: عذاب نار ہمارے اعمال کی جزا ہوگی۔ جزا سے غافل لوگوں کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔ عذابِ الٰہی کو رد کرنے کی استطاعت کسی کو نہیں ہوتی، اور مہلت تو اسے دی جاتی ہے جس کی صداقت و کذب کا فیصلہ ہونا باقی ہو۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾ ع

ع ۳ ۱۲ ۳

اور بے شک آپ سے قبل رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا تو تمسخر کرنے والوں کو اسی نے گھیر لیا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

رسول بشارت وانذار کا حق ادا کرتے رہے ہیں، منکرینِ حق ان کا مذاق اڑاتے رہے ہیں اور یہ کہتے رہے ہیں: کہ اگر آپ سچے ہیں تو بتایئے یہ عذاب آئے گا کب۔ پھر جب وہ عذاب آتا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ ان کی جڑ کاٹ دیتا، اور وہ ایسے ہوجاتے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ جن لوگوں کو اپنی حیثیت اللہ کی قدرت کے سامنے بڑی معلوم ہوتی ہے، ان کا انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔ تباہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی زبان بھی پاک نہیں ہوتی، ہاتھ بھی امین نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں کو زبان سے بھی دکھ دیتے ہیں، ہاتھ سے بھی دکھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خاتمہ اتمامِ حجت کے بعد یقیناً ہوجاتا ہے۔ اللہ کے مقابل کون ان کو مدد دے سکتا ہے۔

حاصل: تباہی کے راستے کو اختیار کرنے والے ماضی سے سبق نہیں لیتے۔ ہماری زبان کو پاک ہونا چاہئے ہاتھ کو امین ہونا چاہئے، بھلائی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے، صرف نام مسلمانوں جیسا رکھ لینے سے فلاح نہیں ہوجاتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَأَنجَيْنٰهُمْ وَمَن نَّشَآءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿۹﴾ پھر ہم نے انہیں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، تو جنہیں چاہا انہیں نجات دی، اور مسرفین کو ہلاک کردیا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

فرما دیجئے کون لیل و نہار میں الرحمٰن سے تمہاری نگہبانی کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کی نصیحت سے اعراض کرتے ہیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے، ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ جو خلافِ حق کرتا ہے وہ اللہ کی قدرت کو نہیں مانتا، ماضی سے سبق نہیں سیکھتا۔ وہ اسباب کو بہت وقعت دیتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ اسباب اپنے خالق کے امر کے تابع ہیں۔ اسباب، اللہ کے مقابل کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ لیل و نہار میں کسی بھی وقت، کسی بھی مقام پر اللہ ہی کی قدرت کا دائرہ ہمارے گرد محیط ہوتا ہے۔ کوئی ہمیں اس کی گرفت سے بچا نہیں سکتا۔ اس کی بھیجی ہوئی نصیحت ہمارے ہی فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اگر اس سے منہ پھیر لیا جائے تو اس سے خسارہ منہ پھیرنے والوں کو ہی ہوگا، اللہ تو کوئی احتیاج رکھتا ہی نہیں۔

حاصل: لیل و نہار میں کوئی ہمیں اللہ سے بچانے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔ نصیحت کو وہی مانتا ہے جو جزا کا یقین رکھتا ہو۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا ان کے کچھ معبود ہیں جو انہیں ہمارے مقابل بچاتے ہیں۔ وہ تو اپنی نصرت کی استطاعت بھی نہیں رکھتے، اور انہیں ہماری مصاحبت بھی حاصل نہیں ہے۔

منکرینِ حق کو یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے معبودان کو عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔ اس گمان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ وہ معبود تو محتاج ہیں، وہ تو اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے، کسی کو عذاب سے بچانا ان کے بس میں کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ ناپاک اس کی رفاقت حاصل کر سکیں۔ پھر ان معبودوں کے سہارے پر خلافِ حق کرنا باعثِ خسران نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

حاصل: اگر ہم اللہ کو ایک اور لاشریک مانتے ہیں تو ہمارے قول و فعل میں اللہ کی رضا مطلوب ہونی چاہئے۔ ناپاک کو کبھی اللہ پاک کی رفاقت نصیب نہیں ہوتی۔ جو خود حق پر پورا نہ رہ سکے وہ کسی کی کیا مدد کر سکتا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دی حتیٰ کہ ان پر عمر طویل ہوئی، تو کیا دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹا رہے ہیں، تو کیا یہ غالب ہوں گے۔

جو لوگ اللہ کی دی ہوئی متاع کو اپنے علم کی بدولت جانتے ہیں، وہ اس متاع کو اپنی من مانی پر ہی لگاتے ہیں۔ اگر یہ متاع ایک لمبے عرصے تک انہیں حاصل رہے تو اس سے ان کا استکبار بڑھ جاتا ہے۔ جب آسانیاں اللہ کی مہربانی کی بدولت نظر آئیں تو رُخ درست ہوگا، اور جب آسانیاں اپنی تجاویز کی بدولت نظر آئیں تو رُخ درست نہیں ہوگا۔ جب پہلے کثیر وسائل والے لوگ خلافِ حق کرتے ہوئے ہلاکت سے

بچ نہیں سکے، تو حال پر منکرینِ حق کو کس قوت کا زعم ہے۔ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ اطرافِ زمین سے اگر کفر کم ہوتا جارہا ہے تو مرکز کے رہنے والے منکرینِ حق کیسے غالب ہوسکیں گے۔ جب لوگ حق کو سن کر مان رہے ہوں، اور اپنی پسند کو چھوڑ کر حق پر عمل کرنے میں راحت محسوس کرتے ہوں، تو مرکز کے رہنے والے منکرین حق جن کے سامنے وہ ذات بابرکات، رحمۃ اللعالمین موجود ہے (جس ذات پاک پر حق کا نزول ہوا ہے۔) کیسے حق کے سامنے مغلوب نہیں ہوں گے۔

حاصل: اللہ کی دی ہوئی متاع کو حق کے مطابق استعمال کرنا باعث فلاح ہوتا ہے۔ جب حق اطراف میں غالب ہورہا ہو تو یقیناً مرکز میں حق کی روشنی بہت بڑھتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

فرما دیجئے میں تو تمہیں وحی الٰہی کے مطابق ڈرسناتا ہوں اور بہرے پکارنا نہیں سنتے جب ڈرائے جائیں۔

شانِ رسالت کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ انذار کے حوالے سے جو کچھ بھی فرمایا جاتا ہے وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اس فرمان پر دھیان نہیں دیتے، وہ حقیقتاً بہرے ہیں، ان کی غفلت انہیں حق سے استفادہ نہیں کرنے دیتی۔

حاصل: سنانے والا حق کے حوالے سے بات کررہا ہو اور جسے سنایا جارہا ہو وہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرے، تو لاپرواہی کرنے والا حقیقتاً بہرہ ہی ہوتا ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر تمہارے ربّ کے عذاب کی ہوا بھی مَس کر جائے تو ضرور کہیں گے ہائے خرابی ہماری! بے شک ہم ظالم تھے۔

جب بھی کسی قوم کو عذابِ الٰہی میں پکڑا گیا تو اس نے اپنے ظلم کا اقرار کیا۔ اگر اس کے بعد عمل کے لئے دیا گیا وقت ہی باقی نہ ہو تو اعترافِ ظلم انہیں کیا فائدہ دے سکتا تھا۔ حق کا انکار کرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ نفع اور نقصان باذن اللہ ہوتا ہے۔ اگر اپنی خواہشات کی پیروی کو نہ چھوڑا جائے تو ہدایت کے راستے میں حجاب انسان نے خود پیدا کیا ہوگا۔ ظلم کا اعتراف حال پر ہو تو اس کے ساتھ اصلاح کی طرف آنا بھی لازم ہے، اور قبولیتِ حق کے لئے دی گئی مہلت کے بعد حق کو ماننے کا دعویٰ قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتا۔

حاصل: ظلم سے بچنے کا وقت یہی ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر بُرے انجام کو مان لینا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۗ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور قیامت کے دن ہم عدل کے ترازو رکھیں گے تو کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو تو ہم اسے لے آئیں گے۔ اور ہم حساب کرنے کے لئے کافی ہیں۔

قیامت کا دن یومِ جزا ہے۔ جزا اعمال کے حوالے سے ہوگی۔ حُسنِ عمل کے لئے معیار شاہدین کی طریقت ہے۔ خلافِ حق کرنے میں معیار اپنی خواہش کی پیروی ہے۔ اللہ کے قائم کردہ ترازو یہ دیکھیں گے کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا کیا گیا ہے۔ وہ عمل بہت ہی چھوٹا بھی ہو تو بھی اسے وقعت دی جائے گی۔ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اس کو حساب کرنے میں کسی کی مدد کی ضرورت ہی کیوں ہوگی۔ اچھے اور برے اعمال کو برابر قرار دینا خلافِ حق ہے۔ اللہ کو لوگوں پر مہربانی کرنا پسند ہے۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل: ترازو کو علامتِ عدل ماننا چاہئے۔ ظلم کرنا اللہ کی شان کے منافی ہے۔ عمل کتنا ہی چھوٹا ہو اگر رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک اہمیت رکھتا ہے۔ حساب کرنے کا جو علم اللہ کو ہے وہ کسی اور کو ہو نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کو فرقان عطا فرمایا اور روشنی اور نصیحت متقین کے لئے۔

توراتِ شریف کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ اللہ کی عطا کردہ کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی۔ منشاء یہ تھا کہ حکمِ الٰہی کو ان پاک لوگوں کے حوالے سے مانا جائے۔ یہ کتابِ الٰہی فرقان کا درجہ رکھتی ہے، حق و باطل کے درمیان فرق واضح کرے گی، ہدایت و ضلالت کے فرق کو واضح کرے گی، یہ روشن کرے گی کہ اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا کرنا چاہئے اور کیا کیا جا رہا ہے۔ اس میں نصیحت کا وہ مقام ہوگا، جس سے بڑا اور اعلیٰ کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ نصیحت علمِ مطلق سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے اعلیٰ ترین ہے کہ فلاح کی سند کے ساتھ ہے۔ فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔ جن کا رخ خلافِ حق ہوگا، وہ اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

حاصل: کتابِ الٰہی، اللہ کا عطا کردہ فرقان ہے، انعام ہے، روشنی ہے، نصیحت ہے۔ فائدہ اٹھانے والے متقین ہیں۔ متقی ہونے کے لئے پاک کرنے والوں کو اپنا شاہد بنانا چاہئے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو لوگ بالغیب اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں، اور انہیں ساعت کا ڈر بھی ہے۔

متقین کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں، کہ وہ اپنے ربّ سے ظاہر میں ہی نہیں باطن میں بھی ڈرتے ہیں۔ نیت میں یہ بات ہوتی ہے کہ اللہ کی رضا کے ساتھ اپنی پسند کو وقعت نہ دی جائے۔ یہ حُسنِ نیت ہے۔ عمل میں یہ دیکھتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ پیشِ نظر رہے اور سماجی دباؤ سے عمل متاثر نہ ہو۔ اور نتائج کے مقام پر یہ دیکھتے ہیں، کہ نفع و نقصان باذنِ اللہ ہوتا ہے اور یقیناً اللہ نے اس میں حکمت رکھی ہوتی ہے، کہیں خیر موجود ہوتا ہے کہیں آنے والا ہوتا ہے۔ ان پاک لوگوں کو جزا کے دن کا ڈر ہوتا ہے کہ اس دن ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ کوتاہی دانستہ بھی ہو جاتی ہے نادانستہ بھی ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن شاہدین کی معیت نصیب ہو جائے اس سے بڑی کوئی بھلائی نہیں۔

حاصل: حُسنِ نیت اور حُسنِ عمل موجود ہو تو یہ اللہ سے بالغیب ڈرنے کا ثبوت ہے۔ نتائج کو باذن اللہ مانا جائے تو لوگوں سے تعلقات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر پاکیزگی کے ساتھ زندگی کا ہر کام ہو رہا ہے تو پھر یقیناً قیامت کے دن کا یقین ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور یہ ہے مبارک نصیحت جو ہم نے نازل فرمائی، تو کیا تم اس کے منکر ہو۔

قرآنِ پاک مبارک نصیحت ہے۔اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔اللہ نے ہی متاع دی ہے۔اس متاع کے استعمال کا ایک رُخ بشارت سے تعلق رکھتا ہے۔اس متاع کو خلافِ حق استعمال کیا جائے تو اس کے انجام سے ڈرایا بھی جاتا ہے۔اللہ کی نصیحت جس علم سے ہے، اس سے اوپر کوئی علم نہیں۔اس میں جو روشنی ہے وہ بھی کہیں اور موجود نہیں۔اس کی کوئی بات بے سند نہیں، اور اس کے ساتھ کسی اجر کا سوال بھی نہیں، پھر اس کا انکار کس بنا پر کیا جا سکتا ہے۔جو اس نصیحت پر عمل کرے وہ اس کے بابرکت ہونے کی شہادت دیتا ہے۔جو اس پر عمل نہ کرے اس کی بات گمان کے درجے میں ہوتی ہے، اس لئے معتبر نہیں ہوتی۔

حاصل: قرآن پاک مبارک نصیحت ہے۔اس کی برکت کا علم اس کو ماننے سے ہوتا ہے۔اس کے انکار کے لئے کوئی جواز نہیں ہوتا، کوئی سند نہیں ہوتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (۲۱) میں فرمایا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ بے شک ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ج

اور اس سے قبل ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو رُشد عطا فرمایا اور ہمیں اس کا علم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رُشد سے نوازا۔جس کو رشد سے نوازا جائے وہ ایمان کی محبت میں سرشار ہوتا ہے، اسے کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہوتی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر سے بات شروع کی، اور اپنے باپ سے یہ کہا کہ اے میرے باپ کیا آپ اس کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے، اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکتا ہے۔یہ بھی کہا کہ جو علم مجھے ملا ہے وہ آپ کو نہیں ملا تو میرا اتباع کیجئے میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاتا ہوں۔باپ نے حق سے کراہت کا اظہار کیا تو آپ اس سے الگ ہو گئے۔آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کا ایسا ثبوت دیا کہ مخلصین ہمیشہ اس تعلق کو ادب سے سلام کرتے رہیں گے۔عطا کرنے والا جانتا ہے اس نے کیا عطا کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے ہیں انہیں کیا عطا ہوا، باقی سب وہی بیان کر سکتے ہیں جو ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہونے کے حوالے سے ملا۔

حاصل: رُشد، اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔اللہ کی عطا ہمیشہ علم سے ہوتی ہے۔ہم اپنے معلم کی اتنی ہی صفت بیان کر سکتے ہیں جو ہمیں اس سے حاصل ہو۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا تماثیل ہیں جن پر تم آسن مارے بیٹھے ہو۔

صاحبِ رُشد کس طرح کلام سے نور پھیلاتا ہے، یہ اس کی ایک مثال ہے۔ آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ کہا: یہ کیا تمثیلیں ہیں، یہ کیا بت ہیں، جن کے سامنے تم لوگ عبادت کے لئے آسن مارے بیٹھے رہتے ہو۔ نہ یہ سنتے ہیں، نہ یہ دیکھتے ہیں اور نہ یہ کچھ کر ہی سکتے ہیں۔ یہ تمہارے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ تم ان کے سامنے جواب دہ نہیں ہو، اپنے بنانے والے کے سامنے جواب دہ ہو۔ وہ طریق زندگی اختیار کرو جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے باعث فلاح ہو۔

حاصل: حق کی بات کو اپنے گھر سے اور اپنے قریب کے ساتھیوں سے شروع کرنا چاہئے، اور بات اپنے مشاہدے کے حوالے سے کرنی چاہئے، یہی سنت ہے حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کی۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ کہنے لگے ہم نے اپنے آباء کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔

بُت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ جن بُتوں کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں، انہی بُتوں کو ہم پوج رہے ہیں۔ یہی ہم نے دیکھا ہے اور یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔

حاصل: اپنے آباؤ اجداد کا دین اسی صورت میں اختیار کرنا حق ہے، جب آباؤ اجداد کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند موجود ہو۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ فرمایا بے شک تم اور تمہارے آباء کھلی گمراہی میں ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت پرست لوگوں پر واضح کیا اور فرمایا، کہ تم کھلی گمراہی میں ہو، اور تمہارے آباؤ اجداد بھی کھلی گمراہی میں تھے۔ حال پر موجود لوگوں کی گمراہی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے، ماضی والے لوگوں کی گمراہی کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے اس لئے کہ حق حال پر عاید ہوتا ہے اور حال پر ہی ادا بھی کیا جاتا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو پھر حسنِ عمل سے بے پرواہی ناممکن ہو جاتی ہے۔ شعور کے ساتھ جس نے جو راستہ اختیار کیا ہے، اس کی وہ جزا پائے گا۔ حال پر اگر لوگوں کے پاس صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند نہیں ہے، تو پھر بات یہی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی چاہت کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اگر آباؤ اجداد کا طریقہ بھی یہی تھا تو وہ بھی گمراہ ہی تھے۔

حاصل: حال کا ذِکر پہلے کرنا چاہئے، ماضی کا بعد میں۔ حق حال پر عاید ہوتا ہے، اور حال پر ادا بھی کیا جاتا ہے۔ شریعت شعور پر ہی لاگو ہوتی ہے، اور شعور کا تقاضا یہی نہیں ہوتا کہ جو پہلے ہوتا آرہا ہے وہی کیا جائے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ کہنے لگے، کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا ایسے ہی کھیلتے ہو۔

بُت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا: کیا تمہارے بولنے کا حق سے تعلق ہے، یا ہمارے دین پر اعتراض کر کے تم

اس سے خوش ہو رہے ہو اور اسے تم نے کھیل بنالیا ہے۔ جو حق کا دعویٰ کرے اسے اس کا ثبوت بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ جو صرف کسی بات کو غلط کہتا ہو اور اس کے مقابل حق کو سند کے ساتھ بیان نہ کرتا ہو وہ شوکتِ نفس کا کھیل، کھیل رہا ہوتا ہے۔

حاصل: جس بات کو غلط کہا جائے، اس کے مقابل صحیح بات کا سند کے ساتھ بیان کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو وہ نفس کی خوشی کا کھیل بن جاتا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾

فرمایا، بلکہ تمہارا ربّ وہ ہے جو ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر شاہد ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمہارے رب نہیں ہیں۔ تمہارا رب وہ ہے، جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں ربوبیت وہی کر رہا ہے، جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اسی کی عبادت تمہارے لئے باعثِ فلاح ہو سکتی ہے جو تمہارا رب ہے، اور میں اس بات پر گواہ ہوں۔ تمہارے رب کا فرمان ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہیں توفیق دی ہے، تمہارے لئے بشارت و انذار کا اہتمام کیا ہے، تمہاری صداقت و کذب کو دیکھنے کا بندوبست کیا ہے اور وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔ تمہارا رب اتنی شان والا ہے کہ کسی دوسرے کی یہ مجال ہی نہیں کہ وہ یہ دعویٰ ہی کرے۔

حاصل: بندے کو رب کے قریب ہونے میں مدد دینا شاہدین کی طریقت ہے۔ معبود لاشریک کی عبادت ہو تو پھر من مانی کرنے کا کوئی مقام نہیں رہتا۔ اگر اپنی پسند کو حق کے برابر اہمیت دی جائے تو اسے شرک ہی کہا جا سکتا ہے۔

وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم میں ضرور تمہارے اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت پرست لوگوں سے یہ کہا، کہ تم یہاں ان بتوں کی عبادت کر رہے ہو، اس پوجا سے فارغ ہو کر تم یہاں سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے، پھر میں ان اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔ آپ نے اللہ کی قسم کھائی کہ لوگ اس بات کی سنجیدگی کو اہمیت دیں۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد میں مصلحت کے تحت یہ کہنا تھا کہ میں نے ان بتوں کو نہیں توڑا، تو قسم کھا کر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرنا کہ میں تمہارے پیٹھ پھیر کر جانے کے بعد تمہارے اصنام کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا، خلافِ مصلحت تھا۔ اپنی تدبیر کو واضح نہ کرنے کا منشاء یہ تھا کہ بت پرست لوگ اپنے اصنام کے بارے میں اپنے عام نظریات سے ہٹ کر بھی کچھ تدبّر کریں۔

حاصل: منکرینِ حق کو صحیح نتائج کے اخذ کرنے میں مدد دینی چاہئے، انہیں تدبر کرنے میں مدد دینی چاہئے۔ پاک لوگ اپنے نظریات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ قطعاً منکرین حق سے الگ نظر آتے ہیں۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ایک کے جو ان میں بڑا تھا، تا کہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس تدبیر کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا تھا، وہ یہی تدبیر تھی۔ آپ نے ایک بڑے وزنی بُت کو چھوڑ کر باقی سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ نے یہ چاہا کہ لوگ باقی بتوں کے حال کو دیکھ کر اس بڑے بُت کے بارے میں ہی اپنے عقائد کو درست کر لیں، اور یوں طاغوت کے انکار کے مقام پر پورے ثابت ہو جائیں، اللہ پر ایمان لانے کا مقام اس کے بعد آتا ہے۔

حاصل: طاغوت کا انکار پہلا درجہ ہے۔ اس مقام پر لوگوں کو مدد دینا بڑے علم کا کام ہے۔ مقصود یہی ہونا چاہئے، کہ لوگ اپنے عقائد کی صحت کے بارے میں غور و فکر کریں اور حق اور ناحق کے مابین وقف لازم کو دیکھیں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾

کہنے لگے جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے، بے شک وہ ضرور ظالم ہے۔

جب قوم نے بتوں کا انجام دیکھا، تو ان کے بارے میں اپنے عقائد کے تضاد کو دور کرنے کی بجائے اپنے معبودوں کو مظلوم کہا اور بت شکن کے بارے میں یہ کہا کہ وہ شخص یقیناً ظالم ہے۔ جو معبود کسی کے ظلم سے متاثر ہو جائے وہ مغلوب ہوگا، محتاج ہوگا اور مصنوع ہوگا اور یہ سب باتیں اس معبود کے جھوٹے ہونے کو ثابت کریں گی۔

حاصل: اپنے عقائد کو حق کے مطابق بنانے میں بڑی بھلائی ہے، اور اپنے عقائد کے تضاد کو نظر انداز کرنا بڑی جہالت ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾

کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو ان کی برائی کرتے سنا ہے، جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہتے ہیں۔

جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنی تھیں، انہوں نے یہ بتایا کہ ایک جوان کو ہم نے ان بتوں کی برائی کرتے سنا ہے۔ اس جوان کا نام ابراہیم (علیہ السلام) بتایا جاتا ہے۔ بتوں کی ہجو کرنا اس کے تعارف کا حصہ بن گیا ہے۔ بتوں کے بنانے والے اور ان کی پوجا کرنے والے تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کبھی ان کی شان میں گستاخی کریں۔ اس لئے یہ فعل اسی جوان کا ہی ہو سکتا ہے، اسی جوان نے ان بتوں کو توڑا ہوگا۔

حاصل: عمل سے عامل کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ حق گوئی اگر کسی کے تعارف کا حصہ بن جائے تو یقیناً یہ بڑی شان ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾

انہوں نے کہا، اس کو لوگوں کے سامنے لے آؤ، تا کہ وہ گواہ رہیں۔

بتوں کا پاش پاش دیکھنا، بت پرست لوگوں کے لئے بڑا ناگوار مشاہدہ تھا۔ لوگ یہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا، انہوں نے آپ کا ذکر کیا تو اجتماع میں فیصلہ کرنے والوں نے یہ حکم دیا کہ اس جوان کو جسے بتوں کے بارے میں ایسا کہتے ہوئے پایا گیا ہے، لوگوں کے سامنے لایا جائے، کہ لوگ اس کو دیکھیں

وہ ہے کون اور ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔

حاصل: حقائق کو معلوم کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے، اس میں جذبات کے اظہار کو صحیح وقت پر ہونا چاہئے۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ انہوں نے کہا، کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے اے ابراہیم (علیہ السلام)۔

قرآنِ پاک سے یہی ثابت ہے کہ یہ لوگوں کے طرزِ بیان سے مماثلت نہیں رکھتا۔ مثلاً یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا، بلکہ یہیں سے بات شروع ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے۔ لوگوں کے احساسات کیا تھے یہ بالکل واضح ہے۔ جو آپ کو بتوں کے بارے میں اظہارِ حق کرتے سن چکے تھے، وہ آپ پر گواہ بن چکے تھے۔ اجتماع میں جن لوگوں کو بولنے کی اجازت تھی وہ آپ سے سوال کر رہے تھے۔

حاصل: حسن بیان کی سند قرآن پاک سے لینی چاہئے۔ غیر ضروری باتوں سے رک جانا، اجتماعی طور پر دکھ کو کس قدر کم کردے گا، اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ بت پرست لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقائد کو جاننے کے بعد آپ سے یہ پوچھا، کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے۔ جس پر کسی فعل کے مرتکب ہونے کا گمان ہو، اس کو پوچھنا کافروں کے نزدیک بھی ضروری تھا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فرمایا۔ ہاں اُسی نے کیا ہوگا، ان کے اس بڑے کے بارے میں ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے اصنام کے ساتھ جو کچھ کرنے کا اعلان کیا تھا یہ بات اسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ بتوں کے بارے میں لوگوں کے تصورات عام طور پر بیان ہوتے رہتے تھے۔ جب وہ سب ٹوٹے ہوئے نظر آرہے تھے، اور ایک جو ان میں بڑا تھا، موجود تھا، تو آپ نے ان کو دعوت فکر دیتے ہوئے یہ کہا، کہ ان کے بارے میں تم بہت بڑی بڑی باتیں کرتے رہتے ہو، انہی سے پوچھو انہیں کیا ہوا ہے۔ یہ ان کا بڑا ان میں کھڑا ہے۔ بتوں کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کی زبان سے یہ نکلوانا کہ یہ تو بول ہی نہیں سکتے بہت بڑی بات ہے۔ ان کی زبان سے یہ کہلوانا کہ یہ تو کچھ کر ہی نہیں سکتے بہت بڑی بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کوئی خوف تو تھا ہی نہیں، آپ نے جو کچھ فرمایا اور جس طرح فرمایا یہ خوف زدہ بندے کا کام ہی نہیں۔ بت پرست لوگوں کے عقائد کا تضاد ان پر روشن کرنے کی یہ احسن صورت آپ نے پسند کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کسی جھوٹ کو منسوب کرنا انتہائی بے عقلی ہے۔ اللہ نے تو ان کے صدیق ہونے کی، نبی ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، صاحب رشد ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، اور اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔

حاصل: علم حقیقی سے ہی لوگوں کا تضاد ان پر واضح کیا جا سکتا ہے۔ جسے اللہ نے رشد عطا فرمایا ہو، وہ ہمیشہ علم حقیقی سے بات کرتا ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ تو اپنے انفس کی طرف رجوع ہوئے، پھر بولے، بے شک تم ہی ظالم ہو۔

بت پرست لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سنتے رہے۔ ان پر ان کے عقائد کا تضاد واضح ہوا۔ انہوں نے اپنے اندر جھانکا۔ انہیں یہ احساس ہوا کہ بتوں کے بارے میں ان کے بیان کردہ تصورات کا ثبوت کچھ بھی نہیں۔ جو خود اپنی حفاظت بھی نہ کر سکے وہ کسی کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے کہ انہوں نے لوگوں کو عقیدہ درست کرنے میں بڑی مدد دی تھی، ان لوگوں نے یہی کہا کہ یہ بت شکنی کا کام تم نے ہی کیا ہے، یہ زیادتی تم نے ہی کی ہے۔

حاصل: اپنا تضاد نظر آ جائے تو اس کو دور کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اپنے اندر تضاد ہو تو محسن بھی ظالم ہی نظر آتا ہے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ پھر اوندھے ہو گئے اپنے سر جھکا کر، تمہیں خوب علم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ تمہارے معبودوں کو تمہیں بتانا چاہیئے کہ ان کے ساتھ یہ فعل کس نے کیا ہے، تو بت پرستوں نے یہ کہا۔ یہ کام تمہارا ہی ہے، تمہیں خوب علم ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ علم حقیقی کی شان دیکھئے کہ بت پرست لوگوں کی زبان سے ان کے معبودوں کے بارے میں یہ کہلوایا جا رہا ہے، اور انہوں نے سر جھکا کر یہ کہا ہے، کہ ان بتوں کے بارے میں آپ کو خوب علم ہے کہ یہ بول نہیں سکتے پھر یہ کیا بتا سکتے ہیں۔

حاصل: صاحب رشد سے بات ہو رہی ہو تو سر جھک جاتے ہیں، اور زبان وہ کچھ کہنے لگتی ہے جو کچھ وہ کہنا نہیں چاہتی۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ فرمایا، کیا تم اللہ کے مقابل اس کو پوجتے ہو، جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ تمہیں ضرر دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرست لوگوں کی زبان سے یہ کلمہ سنا کہ یہ تو بول نہیں سکتے اور یہ کچھ کر نہیں سکتے، تو آپ نے فرمایا جو تمہارے نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو وہ تمہارا معبود کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تمہارے نفع اور ضرر کا مالک ہے۔ نفع ہو یا ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ عبادت تو اسی کی حق ہے، جو نفع اور ضرر کا مالک ہے۔ جو اپنی سلامتی کی حفاظت بھی نہ کر سکتا ہو، اس کی پوجا کیا معنی رکھتی ہے۔

حاصل: نفع اور ضرر کو باذنِ اللہ ماننا حق ہے۔ معبودِ لاشریک کی یہ شان ہے کہ نفع اور ضرر دونوں مقامات پر بندے کے تعلق مع اللہ کو دیکھتا ہے۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی اللہ کے مقابل تم عبادت کرتے ہو۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں اور ان کے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ تف ہے تم پر اور تف ہے تمہارے بنائے ہوئے معبودوں پر، جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو۔ تم شعور رکھتے ہو، تمہیں عقل کرنی چاہئے۔ صاحب رشد نے جس یقین کے ساتھ باتیں کی ہیں، منکرینِ حق کے خوف کی موجودگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ عقل مندی یہی ہے کہ ماضی سے سبق لیا جائے، حال پر اصلاح کو اختیار کیا جائے اور حسنِ عمل کے جس معیار کو مانا جائے اسے حال پر شاہد بنالیا جائے، اور عمل کے ساتھ جزا کا یقین قائم رہے۔

حاصل: بے عقلی سے بیزاری کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ عقل مندی کے دعوے کے ساتھ اس کا ثبوت بھی نظر آنا چاہئے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ کہنے لگے اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی نصرت کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں کو سن کر بت پرست لوگوں کے بڑوں نے یہ اعلان کیا، کہ اس جوان کو سزا کے طور پر جلا دیا جائے، اور اپنے بتوں کی مدد اس طرح کی جائے کہ آئندہ کسی کو ان کی شان میں گستاخی کا خیال بھی نہ آئے۔ اگر کچھ کرنا ہے تو یہی کرنا ہے۔ جو ذاتی انتقام لینے کے لئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہے، وہ عزیزٌ ذو انتقام نہیں ہے، اور اللہ کی شان ہے کہ وہ عزیزٌ ذو انتقام ہے۔

حاصل: منکرینِ حق کو اپنے عقائد کا نقص معلوم ہو جائے، تو وہ حق کے روشن کرنے والے کو ختم کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، اور اسے اپنے معبودوں کی مدد سمجھتے ہیں۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ ہم نے فرمایا اے آگ ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم (علیہ السلام) پر باعث سلامتی ہو۔

جب قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا، تو آگ کا بہت بڑا اہتمام کیا گیا۔ پورے قومی وسائل کو کام میں لایا گیا۔ پوری قوم نے اپنے جذبات کے حوالے سے اس کام میں شرکت کی۔ بتوں کی نصرت میں جو کچھ ان کے بس میں تھا سب کیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اس آگ کا کچھ خوف نہ طاری ہوا۔ آپ کو اللہ نے رشد عطا فرمایا تھا۔ آپ نے جو بھی کیا تھا وہ علم الٰہی سے کیا تھا۔ آپ یہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ بتوں کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے باوجود اپنے عقائد کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں، اور آگ کا بڑا اہتمام کر رہے ہیں، مگر نفع اور ضرر تو میرے معبود کی طرف سے ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ آپ ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ بت پرستوں نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ آپ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ وہ لوگ آپ کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت پر آپ کی نظر بہر حال تھی۔ آگ کو اللہ کا حکم ہوا کہ ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے سلامتی کا باعث بن۔ حکمِ الٰہی سے آگ ٹھنڈی ہو گئی، اور ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی شان سب دیکھنے والوں پر، سب سننے والوں پر روشن ہو گئی۔

حاصل: پاک لوگ مصائب و آلام کو باذن اللہ دیکھتے ہیں، اس لئے وہ منکرینِ حق کے کسی اہتمام سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ بچانے کی جو قدرت رکھتا ہے، اس کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں۔

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اور انہوں نے آپ سے برائی کا ارادہ کیا، تو ہم نے ان کو بڑے خسارے میں ڈالا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزگی کو دیکھ لینے کے بعد، حق پر ان کی استقامت کو دیکھ لینے کے بعد بھی بت پرست لوگ آپ کی مخالفت سے باز نہ آئے تو قانونِ الٰہی کے مطابق ان بت پرستوں کو پکڑ لیا گیا۔ پھر وہ کہاں بھاگ کر جا سکتے تھے۔ وہ نابود ہو گئے اور بڑے خسارے میں پڑ گئے۔

حاصل: جس کی صداقت کا ثبوت مل جائے، اس کا انکار اللہ کا عملاً انکار ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے منکرین کو مہلت نہیں دی جاتی، اور وہ بڑے خسارے میں جا پڑتے ہیں۔

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ اور ہم نے آپ کو اور لوط (علیہ السلام) کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے عالمین کے لئے برکت رکھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو ان مقامات سے نجات دی گئی جہاں وہ منکرینِ حق کو راہ راست دکھانے کی تمام کوششیں کر چکے تھے، اور جہاں منکرینِ حق نے یہ جان لیا تھا کہ ان حضرات کی موجودگی میں منکرینِ حق کی تہذیب کے عیوب واضح ہوتے رہیں گے، اس لئے ان حضرات کی عدم موجودگی ضروری ہے۔ ان قوموں نے ان حضرات کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، اور یہ عذاب میں پکڑی گئیں اور برے انجام کو پہنچیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا جس میں عالمین کے لئے برکت رکھی گئی اور قیامت تک لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے ہوئے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حاصل: منکرینِ حق کو عذاب میں پکڑنے سے پہلے مخلصین کو وہاں سے نجات دینا اللہ کی سنت ہے۔ مخلصین کو نجات کے بعد بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان کے فیض سے لوگوں کو سکھ ملتا رہتا ہے۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) عطا فرمائے۔ اور یعقوب (علیہ السلام) پوتے۔ اور ہم نے سب کو صالح ٹھہرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا، جن کا نام یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا ہوا، ان کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام ہے، اور شان یہ ہے کہ سب صالحین ہیں۔ صالح اولاد والدین کے لئے باعثِ تسکین ہوتی ہے۔ والدین علم حقیقی رکھتے ہوں تو صالح اولاد ان کی ہر بات کو سند مانتی ہے، ورنہ خدمت کا حق ادا کرتی رہتی ہے۔

حاصل: صالح اولاد کے لئے اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ صالحین کی قدر و منزلت باعثِ قربِ الٰہی ہوتی ہے۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۚ﴿۷۳﴾

اور انہیں ہم نے امام ٹھہرایا، کہ ہمارے امر سے ہدایت دیں۔ اور انہیں بھلائی کے کاموں کے لئے، صلوٰۃ قائم کرنے کے لئے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے وحی فرمائی۔ اور وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کے لئے امام بنایا گیا تھا، تو آپ نے اپنی ذریّت کے بارے میں بھی دعا کی تھی۔ جواب یہ ملا تھا، کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پاک ہوں گے ان کی اطاعت کی سند موجود ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی امامت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے جو بھی فرمایا، وہ امرِ الٰہی سے فرمایا۔ بھلائی کے کاموں کا کرنا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا یہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے کام ہیں اور یہ سب کام ان ائمہ نے علم الٰہی سے سرانجام دیئے۔ اللہ کی رضا کے علاوہ انہیں کچھ مطلوب تھا ہی نہیں۔ بھلائی کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے، اور مخلصین کے اتباع میں ان کی شہادت کے ساتھ ہوتا ہے۔ نماز تب قائم ہوتی ہے کہ نماز میں کیے گئے عہد پر قائم رہنا، بندے کا حال ہو جائے۔ زکوٰۃ تب ادا ہوتی ہے جب مال، اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل کیا جائے اور اس میں سے حکم الٰہی کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے۔ جیسے حرام پر تکبیر پڑھنے سے وہ حلال نہیں ہو جاتا، ایسے ہی حرام مال سے زکوٰۃ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل: حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی امامت کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ بھلائی کے کام، نماز اور زکوٰۃ جاری رہیں تو اللہ کی بندگی ہو رہی ہے۔

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۙ﴿۷۴﴾

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا، اور انہیں اس قریئے سے نجات دی جو خبیث عمل کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ بڑے فاسق تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت اور علم سے نوازا گیا۔ انسانوں کی بھلائی کے لئے یہ بے بدل عطا ہے۔ لوگ جزا کا یقین رکھتے ہوں تو انہیں اصلاح حال مطلوب ہوتی ہے، غفلت میں پڑے ہوں تو بھلائی کے کام ان کے نزدیک غیر اہم ہوتے ہیں۔ یہ قوم جس کی طرف حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا، خبیث عمل کرتی تھی۔ عورتوں کی بجائے مردوں کے پاس شہوت کے لئے جانا ان کو پسند تھا۔ ان سے قبل یہ برائی کسی نے نہیں کی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس برائی سے منع کیا، تو کہنے لگے: یہ پاکیزگی چاہنے والے لوگ ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیا جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نجات دی گئی، اور خبیث عمل کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یہ لوگ منافق تھے، فاسق تھے، حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے میں لگے رہتے تھے۔

حاصل: جس کی بات حکمت اور علم سے ہو، اس کی بات کو ادب سے مان لینا چاہئے۔ اس میں ماننے والے کی ہمیشہ بھلائی ہوتی ہے۔ خبیث اعمال سے بچنا لازم ہے۔ خواہشات کی پیروی کا نتیجہ گمراہی ہی ہوتا ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۷۵ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بیشک وہ صالحین سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ اس دکھ کو نابود کر دیا جو آپ کے لئے ناگوار تھا۔ ناپاک ماحول کا خاتمہ، اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے صالحین سے ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔

حاصل: اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے۔ صالحین کو اللہ کی رحمت سے نوازا جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝۷۶ اور نوح (علیہ السلام) کو اس سے قبل، جب آپ نے ہمیں ندا دی تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی، پھر آپ کو اور آپ کے اہل کو کربِ عظیم سے نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا، میں تمہیں ڈر سنانے والا ہوں، اور مجھے خوف ہے کہ اگر تم نے حق کو نہ مانا تو تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا۔ قوم کے سرداروں نے یہ جواب دیا کہ ہم تو آپ کو اپنے جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں، اور ہمارے دیکھنے میں ہمارے رذیل ہی آپ کا اتباع کرتے ہیں، اور ہم آپ کی اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ ہمیں ظن ہے کہ آپ کاذب ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک حق کو بطریقِ احسن ادا کیا، تو قوم نے یہی کہا: آپ ہم سے جھگڑے ہیں اور بہت ہی جھگڑے ہیں، تو لے آیئے وہ عذاب جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں، یہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہوگا۔ عذابِ الٰہی نے قوم نوح کو غرق کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی گئی اور آپ کو اور آپ کے اہل کو اللہ نے بڑے کرب سے نجات دی۔ قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کو اس وقت تسلیم کیا، جب حق کو تسلیم کرنے کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی تھی۔

حاصل: اللہ ہی دکھ سے نجات دینے والا ہے۔ اس لئے حق کی ادائیگی کے بعد اللہ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں دکھ سے نجات دے اور سکھ عطا فرمائے۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۷۷ اور ہم نے آپ کو اس قوم پر نصرت دی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ بے شک وہ بری قوم تھی، تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی تھی۔ اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتی تھی۔ انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علم کو یہ قوم مانتی تھی اور اللہ کے علم کو جھٹلاتی تھی، اس لئے یہ قوم بُری تھی۔ جس قوم میں یہ صفت بڑھ رہی ہو وہ قوم بری ہی ہوتی ہے۔ اللہ اپنے علم سے برائی کو دور کرتا ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ اس نے قومِ نوح کی برائی کو دور کرنے کے لئے زمین کو دھو کر پاک کرنا پسند کیا، اس لئے قومِ نوح کو غرق کر دیا گیا۔

حاصل: جسے اللہ نصرت دے، اس کے مقابل کوئی اجتماع، کوئی سامان کیا معنی رکھتا ہے۔ حق کو چھوڑ کر خلافِ حق کرنے کو جو لوگ معمول بنا لیتے ہیں وہ بُرے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ بُرائی کو جس طرح چاہے دور کر دیتا ہے۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور داؤد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام)، جب کھیتی کے جھگڑے میں فیصلہ کر رہے تھے، جب رات میں اس کو ایک قوم کی بکریاں اجاڑ گئیں، اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بھی تھے، صاحبِ کتاب نبی بھی تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے صاحب زادے تھے۔ بادشاہی بھی اللہ نے دی تھی، نبوت بھی عطا فرمائی تھی۔ عدالت کارِ سلطنت میں اہم ترین کام ہوتا ہے، کہ افراد کے مابین تعلقات صرف حق کے حوالے سے ہی ٹھیک رکھے جا سکتے ہیں۔ ایک فیصلہ طلب معاملہ آپ حضرات کے سامنے پیش کیا گیا۔ ایک قوم کی بکریوں نے ایک شخص کی کھیتی کو اجاڑ دیا تھا۔ کھیتی والے کو کیا دیا جائے اور بکریوں والا کیا دے، یہ فیصلہ طلب بات تھی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جانوروں کو سنبھالنے والے نے جان بوجھ کر کسی کے کھیت کو اجاڑا ہے، تو سزا سخت ہوتی ہے، اور اگر شواہد سے چرواہوں کی بدنیتی کا ثبوت نہ ملے تو سزا سخت نہیں ہوتی۔ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ دینے والے کے پاس متاعِ حیات کیا ہے اور وہ سزا پانے کے بعد کس مقام پر ہوگا، جس کا نقصان ہوا ہے اس کے پاس متاعِ حیات کیا ہے اور وہ تلافی کے بعد کس مقام پر ہوگا۔ معیشت میں کسی کو اضطرار کے مقام پر لے جانا پاک لوگوں کی شان کے خلاف ہوتا ہے۔

حاصل: علمِ الٰہی کی شان بہت ارفع ہے۔ عدالت کارِ سلطنت میں اہم ترین کام ہوتا ہے۔ فیصلہ کرنے والے کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو اس کا فہم بخشا، اور دونوں کو حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کی معیت میں پہاڑ مسخر کر دیئے کہ تسبیح کرتے اور پرندے۔ اور ہم ہی کرنے والے تھے۔

کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کو سپرد کیا گیا۔ اللہ نے آپ کو اس کا فہم دیا۔ آپ نے علمِ الٰہی کی روشنی

میں فیصلہ کیا، اس لئے وہی بہترین فیصلہ تھا۔ کھیتی والے کو بھی بکریوں کی صورت میں ایک ذریعہ معاش مل گیا اور بکریوں والے کو بھی کھیتی کے اس مقام تک آنے میں محنت کرنا پڑی جس مقام پر اسے اجاڑا گیا تھا۔ حکمت اور علم اللہ عطا فرماتا ہے، اور اس عطا کو بے بہا کہنا چاہئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس قدر سوزِ دل سے تسبیح کرتے تھے کہ پہاڑ بھی ان کے ہم نوا ہوتے تھے اور پرندے بھی ان کی آواز میں اپنی آواز ملاتے تھے۔ اللہ نے سب کچھ بندے کے لئے بنایا ہے اور بندے کو اپنے لئے بنایا ہے۔ بندہ اللہ کی تسبیح کرے جیسے کرنے کا حق ہے، تو اسے پورا ماحول ہم نوائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

حاصل: فیصلہ کرتے وقت اللہ سے دعا کرنی چاہئے: یا اللہ اپنے فضل سے وہ فہم دے، کہ فیصلہ درست ہو۔ حکمت اور علم کو عطائے بے بہا کہنا چاہئے، اور ان کی قدر کرنی چاہئے۔ سوزِ دل سے تسبیح کی جائے تو پورا ماحول ہم نوائی کرتا نظر آتا ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

اور ہم نے آپ کو تمہارے ایک لباس کی صنعت کا علم دیا، کہ لڑائی میں تمہارے بچاؤ کے کام آئے، تو کیا تم شکر کرتے ہو۔

لڑائی کے وقت ذاتی حفاظت کا ایک حد تک اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہیں بنائیں، جن کا وزن بھی زیادہ نہ تھا کہ ان کے اٹھانے میں مشقت ہو، پہننا اتارنا بھی آسان تھا اور دشمن کے مقابل تیاری کا احساس بھی ہوتا تھا۔ سامانِ حرب میں لڑنے والوں کی ذاتی سلامتی کا تقاضا وقت کے ساتھ کسی حد تک بدل بھی جائے تو بھی اس کی اہمیت قائم رہے گی۔ اور ہر فرد جس کو بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت داؤد علیہ السلام کے علم سے فائدہ پہنچے اسے شکریہ ادا کرنا چاہئے، آپ کا بھی اور آپ کے اللہ کا بھی جس کا کوئی شریک نہیں۔

حاصل: سامانِ حرب میں لڑنے والوں کی ذاتی سلامتی سے تعلق رکھنے والی اشیاء یقیناً اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کا استعمال کرتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام پر سلام بھیجنا چاہئے اور اللہ کا شکر کرنا چاہئے۔

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تیز ہوا مسخر کر دی، کہ آپ کے امر سے چلتی، اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی۔ اور ہمیں ہر شے کا علم ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تیز ہوا کو مسخر کر دیا گیا۔ آپ اس ہوا سے حسبِ منشا کام لے سکتے تھے۔ آپ اس ہوا کو سفری ضرورتوں کے لئے استعمال کرتے تھے، اس طرح آپ کا وقت امورِ سلطنت میں زیادہ کام آتا تھا۔ ایک بڑی حکومت کے لئے نظم و ضبط قائم رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ آپ کو اپنے مرکز سے مختلف علاقوں میں جانا اور آنا پڑتا تھا۔ آپ نے اللہ کی عطا کا استعمال، اللہ کی رضا کے مطابق کیا۔ اگر یہ یقین قائم رہے کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے تو پھر ہر شے کا استعمال حق کے حوالے سے ہوتا ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو، اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے تو اس میں یقیناً اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہوتی ہے۔

اگر ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے تو پھر کسی شے کو خلافِ حق استعمال کرنے کا مقام ہماری زندگی میں ہونا ہی نہیں چاہئے۔

وَ مِنَ الشَّيٰطِيۡنِ مَنۡ يَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَيَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ‌ ۚ وَ كُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِيۡنَ ۙ‏ ﴿۸۲﴾

اور شیاطین جو ان کے لئے غوطہ لگاتے، اور اس کے علاوہ دوسرے عمل بھی کرتے، اور ہم ہی ان کی حفاظت کرتے تھے۔

شیاطین آگ سے پیدا کی گئی مخلوق ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کو مسخر کر دیا گیا۔ آپ ان سے بہت سے کام لیتے تھے۔ غوطہ لگا کر سمندر سے مطلوبہ اشیاء کا نکالنا، عمارتیں بنانا، بڑے لگن بنانا اور جو کام بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے سونپا جائے اس کو ادب سے کرنا ان جنوں پر لازم تھا۔ ان جنوں کو اس دائرۂ ادب میں رکھنا اللہ کا کام تھا۔ اس طرح جس کو بھی اللہ نے کوئی شرف بخشا ہے، وہ اللہ کی مہربانی سے ہی اس سے فیض پاتا ہے۔

حاصل: اللہ کے عطا کردہ شرف کو بڑے ادب سے اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ جو چیزیں ہمارے کام آ رہی ہیں یہ اللہ کی قدرت سے ہی ہمارے کام آ رہی ہیں۔

وَ اَيُّوۡبَ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ‌ ۖ ۚ‏ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (علیہ السلام)، جب آپ نے اپنے رب کو ندا دی، کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے ارحم ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب و آلام کا مقام آیا، آپ نے صبر کیا۔ اللہ کے ساتھ رہے۔ اللہ نے آپ کے نعم العبد ہونے کی سند نازل فرمائی ہے، رجوع لانے کی سند نازل فرمائی ہے۔ تکلیف کو باذن اللہ جاننا حق ہے۔ اللہ کے اذن سے ہی وہ دور ہوتی ہے، اور اللہ سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا: مجھے تکلیف پہنچی ہے، تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے، اپنی رحمت سے میری تکلیف کو دور کر دے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ مصائب بھی باذنِ اللہ ہوتے ہیں۔ تکلیف میں اللہ کو پکارنا اور اس سے رحم کی دعا کرنا حضرت ایوب علیہ السلام کی سنت ہے۔

فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ‏ ﴿۸۴﴾

تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی، پھر ہم نے آپ کی تکلیف کو دور کر دیا، اور ہم نے اپنی رحمت سے آپ کو اہل اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور عطا فرمائے اور عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا سے تکلیف دور کر دی گئی۔ اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا۔ آپ کو اہل و عیال بھی عطا ہوئے، اور پہلے

سے زیادہ عطا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دینے کی قدرت رکھتا ہے، لینے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ عبادت کرنے والوں کے لئے نصیحت یہ ہے، کہ مصائب کو باذن اللہ جانتے ہوئے اپنا حق ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ مصائب کے مقام پر اللہ کی مخلوق کے ساتھ پورے رہتے ہیں، ان پر انعامات کی بارش ہوتی ہے۔ انہیں وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے ان کے پاس تھا، اور وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے ان کے پاس نہیں تھا۔

حاصل: تکلیف میں اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ اللہ کی رحمت شاملِ حال ہو تو دکھ دور ہوتا ہے۔ مقامِ صبر پر پورا رہنے والے کا حال دوسروں کے لئے باعثِ نصیحت ہوتا ہے۔ صابر کو وہ بھی عطا ہوتا ہے جو دکھ سے پہلے اس کے پاس تھا، اور وہ بھی عطا ہوتا ہے جو پہلے اس کے پاس نہیں تھا۔

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۸۵﴾

اور اسمٰعیل (علیہ السلام) اور ادریس (علیہ السلام) اور ذوالکفل (علیہ السلام)۔ سب صابر تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے ذکرِ خیر کے ساتھ، تین صابرین کے اسماء گرامی لئے گئے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام، یہ سب صابر تھے۔ ان حضرات نے مصائب و آلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اپنے حقوق کو بطریق احسن ادا کیا۔ وہ تمام روایات جو ان حضرات کے بارے میں بیان ہوں، اسی صورت میں درست ہوں گی جب ان حضرات کے صبر کا ذکر لوگوں کے لئے باعثِ نصیحت ہوگا۔

حاصل: صبر کے مقام پر پورے رہنے والے حضرات سے ہی مشکل مقامات پر پورا رہنے کا علم حاصل ہوتا ہے۔

وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

اور انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بے شک وہ صالحین سے ہیں۔

جو صبر میں پورا ثابت ہو جائے، اسے رحمتِ الٰہی میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اصلاح کے طالب اس سے اصلاح لیتے ہیں۔ اصلاحِ حال کرنے کا حق اسی کو ہوتا ہے، جس کے قول و فعل کے درست ہونے کی سند موجود ہو۔ صالح سے محبت نہ ہو تو اس کے نقشِ قدم کو اختیار کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا، اصلاح تو بعد کی بات ہے۔

حاصل: صبر میں پورا رہنا باعث رحمتِ خداوندی ہوتا ہے۔ صالحین کا ادب ہو، ان سے محبت ہو تو ان کے علم سے استفادہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔

وَ ذَا النُّوۡنِ اِذۡ ذَّہَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنۡ لَّنۡ نَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ٭ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾

اور ذوالنون (علیہ السلام) جب غضب میں بھرے چلے، تو گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ رکھیں گے، پھر ظلمات میں ندا دی، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھے پاکی ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو حق سنایا۔قوم نے ماننے سے انکار کیا، اور انکار کی حد کر دی۔آپ نے قوم کی حالت کو دیکھتے ہوئے، ان سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔عذابِ الٰہی کے آنے کی خبر تو دی جا چکی تھی۔جن لوگوں کو حضرت یونس علیہ السلام کی معیت کی بدولت نجات ملنی تھی، اور جن لوگوں کو آپ کے فرمان کی خلاف ورزی کی سزا ملنی تھی، وہ دونوں قسمیں موجود تھیں۔آپ نے شاہد کی حیثیت سے بشارت وانذار کا حق ادا کیا تھا۔عذابِ الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے امرِ الٰہی آتا ہے کہ اس جگہ عذاب آنے والا ہے، شاہد اپنے ایمان والے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے چلے جائیں۔حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ اتمامِ حجت ہو ہی چکا ہے۔یہ علم بھی تھا کہ ابھی یہاں سے جانے کا حکم نہیں ملا۔خیال آیا کہ اس بات پر گرفت نہیں ہوگی۔حق کے انکار کو سنتے سنتے آپ کی کیفیت بڑے غصے کی تھی۔آپ اس بستی سے نکلے، کشتی پر سوار ہوئے۔کشتی میں مسافر زیادہ تھے، آپ نے اجتماعی بھلائی کو ذاتی سکھ پر ترجیح دی، اور کشتی سے پانی میں اتر گئے۔حکمِ الٰہی کے مطابق مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔مچھلی کے پیٹ میں، انتہائی ظلمات میں آپ نے پکارا: اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔قصوروار ہونے کا اعتراف کیا جائے تو تعلق مع اللہ میں ایک شان پیدا ہوتی ہے۔

حاصل: امیرالمومنین کو مومنین کی قیادت میں ایک ایک رکن کا دھیان رکھنا چاہئے۔تکلیف میں اس آیت پاک کا پڑھنا، باعثِ فضلِ الٰہی ہوتا ہے۔قصور ہو تو قصور کا اعتراف کرنا، پاک لوگوں کی سنت ہے۔کراہت برائی سے ہو، بروں سے نہ ہو۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے آپ کی پکار سن لی، اور آپ کو غم سے نجات دی۔اور ہم مومنین کو ایسے ہی نجات دیتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا سنی گئی۔اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو کنارے پر ڈال دے۔کدو کی بیل سے آپ کو سایہ فراہم کیا گیا۔اللہ نے وہ مدد دی جو کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔غم یہ تھا کہ میری کوتاہی سے اللہ ناراض ہے۔جس کا مقصد اللہ کی رضا ہو، اسے اس کے علاوہ غم ہو بھی کیا سکتا ہے۔مومنین سے بھول ہو جائے، وہ قصور کا اعتراف کریں تو اللہ انہیں غم سے نجات دے دیتا ہے۔

حاصل: اللہ کی رضا کو مقصود جاننا حق ہے۔کوتاہی ہو جائے تو احساس ہوتے ہی اس کا اعتراف کرنا چاہئے، اور غم سے نجات کی دعا کرنی چاہئے۔اللہ مومنین کو غم سے نجات دینے والا ہے۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا (علیہ السلام) کہ جب انہوں نے اپنے رب کو ندا دی، اے میرے رب مجھے فرد ہی نہ رکھیو، اور سب سے بہتر وارث تو تو ہی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں یہ دعا کی: اے میرے رب مجھ کو فرد ہی نہ رکھیو۔بہترین وارث تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔تو جس سے جو کام لینا چاہے، لے سکتا ہے۔وہ علم جو تو نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس کو جاری رکھنے والا بھی تو ہی عطا کر سکتا ہے۔آلِ یعقوب کی پاک روایات کو جاری رکھنا بھی تیرے نزدیک پسندیدہ بات ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ تو اس وارث سے راضی ہو۔ایسا وارث تو ہی عطا کر سکتا ہے۔اے میرے رب تو نہ ہونے کو ہونا بنانے کی قدرت رکھتا ہے۔

حاصل: صالح اولاد کے لئے دعا کرنے کی طریقت یہی ہے۔ خلوت وجلوت میں پاک رہنے والے کے لئے اس سے بہتر کوئی دعا نہیں ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

تو ہم نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو یحیٰی (علیہ السلام) عطا فرمائے، اور آپ کی زوجہ کو درست کر دیا۔ بے شک وہ بھلائی کے کاموں میں سرعت کرتے تھے، اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے گڑگڑاتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ جو سن رسیدہ تھیں، بانجھ تھیں، اللہ کے فضل سے اس مقام پر آ گئیں جو کسی خاتون کے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کے حوالے سے ضروری ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو بھی جو دینا تھا، دیا۔ بیٹے کی بشارت دی گئی، نام بھی بتایا گیا، اور یہ بھی فرمایا گیا کہ اس نام کا اس سے پہلے کوئی نہیں ہوا۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ بھلائی کے کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کو رغبت اور خوف سے پکارتے تھے۔ رغبت، اللہ سے محبت کی بدولت ہوتی ہے۔ خوف قُربِ الٰہی کا ثبوت ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے خلاف نادانستہ بھی کوئی عمل نہ ہو جائے۔ مگر یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اظہار عاجزی کی یہی صورت ہے۔ یہ ماننا کہ اللہ کے پاک بندے جس طرح مقام صبر پر پورے رہے ہیں، جس طرح مقام شکر پر پورے رہے ہیں، میں اس مقام پر کماحقہٗ حق کو ادا نہیں کر سکا، اظہار عاجزی ہے۔

حاصل: اللہ دعا قبول فرمالے تو اسے نہ ہونے کا ہونا بنانے میں دیر نہیں لگتی۔ عنوان فوراً رکھ دیا جاتا ہے، تصرف وقت پر ہوتا ہے۔ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنا، اللہ کو رغبت اور خوف سے پکارنا اور اللہ کے حضور اظہار عاجزی کرنا، یہ پاک لوگوں کا طریق زندگی ہے۔

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور اس پاک بی بی کو جس نے اپنی پارسائی کا دھیان رکھا، تو ہم نے اس میں اپنی روح سے پھونکا، اور آپ کو اور آپ کے بیٹے کو عالمین کے لئے نشانی ٹھہرایا۔

یہ پاک بی بی حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ آپ کے بارے میں اللہ نے شہادت دی ہے کہ انہوں نے اپنی پارسائی کا دھیان رکھا۔ خلوت میں فرشتہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو بی بی نے فرمایا: اگر تو متقی ہے تو میں تجھ سے الرحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا: میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں، کہ آپ کو اللہ کی طرف سے پاک بیٹا عطا کروں۔ تو آپ اس پھونک کی بدولت جو امر الٰہی کے تحت تھی حاملہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کو اور ان کے بیٹے کو عالمین کے لئے نشانی ٹھہرایا جائے۔ بچے نے پالنے میں یہ فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی ٹھہرایا ہے۔ اللہ کی قدرت کی یہ نشانی اس سے پہلے کبھی

دیکھی نہیں گئی تھی۔ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا کیے گئے۔ حضرت بی بی حوا علیہا السلام بغیر ماں کے پیدا کی گئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا کیے گئے۔ قدرت الٰہی کی شان تمام مقامات پر روشن ہوگئی۔

حاصل: پاک بیبیوں کی شان، اپنی پارسائی کا دھیان رکھنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بندے کو اپنے رب کے قریب ہونے میں مدد دیتی ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ بے شک یہ تمہاری امت، امت واحد ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، تو میری عبادت کرو۔

حق اللہ کا نازل فرمایا ہوا ہے، اور ایک ہے۔ ماضی میں جو فرمایا گیا تھا، وہ حال کی تصدیق کرتا ہے۔ اور حال پر جو سند ہے وہ ماضی کی تصدیق کرتا ہے۔ ماننے والوں پر لازم ہے، کہ وہ حال پر فرمانِ خداوندی کو مانیں اور جو اس سے قبل نازل فرمایا گیا ہے اس کو بھی مانیں اور آخرت کا یقین رکھیں۔ اس طرح تمام انبیاء کرام کی تعلیمات کا منشاء بندوں کو اللہ سے واصل کرنا ہے، انہیں عبادتِ الٰہی کی تعلیم دینا ہے۔ اگر توحید پر ایمان کا دعویٰ ہو تو پھر مخلوق کے ساتھ معاملہ اللہ کی رضا کے مطابق ہونا چاہئے، ورنہ یہ دعویٰ سچا ثابت نہیں ہوگا۔

حاصل: انبیاء کرام کی تعلیمات کا منشاء بندوں کو اپنے رب کی بندگی کی راہ دکھانا ہے۔ حق کو ماننے والے امتِ واحد ہیں۔

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۸ اور انہوں نے اپنے مابین امر کو قطع کر دیا۔ سب کو ہماری ہی طرف مراجعت کرنی ہے۔

فرمانِ خداوندی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اللہ ایک ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں۔ اس کی بات علم مطلق سے ہوتی ہے۔ جس حال پر حق کو نازل فرمایا گیا ہے، اس حال پر حق کو ماننے کے لئے شاہد کو بھی بھیجا گیا ہے، کہ اللہ کا حکم اس کے شاہد کے حوالے سے ہی مانا جاسکتا ہے۔ اگر اس صورت کو ملحوظ رکھا جاتا تو امت کو ٹکڑوں میں تقسیم نہیں ہونا چاہئے تھا۔ جب حکمِ الٰہی کو شاہد کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی سمجھ سے جاننے اور ماننے کی کوشش ہوگی تو پھر ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے عمل کو روکنا ممکن نہیں ہوگا۔ جانا تو اسی خالقِ کُل کی طرف ہے، جس کی طرف سے آنا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: حکمِ الٰہی کا ماننا شاہد کے اتباع سے سچا ثابت ہوتا ہے، ورنہ ٹکڑوں میں بٹنے کا عمل ختم نہیں ہوسکتا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کی طرف جانے کے لئے تیاری بھی کرنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ تو جو کوئی صالح عمل کرے اور ہو مومن تو اس کی سعی کی نفی نہ کی جائے گی۔ اور بیشک ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔

مومن کے نو مقامات ہیں۔ توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، روزہ رکھنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، معروف کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔ جو ان مقامات پر پورا ثابت ہو جائے، اسے رضائے الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو عمل مخلوق کی بھلائی کے لئے ہو مگر اس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو، وہ جس غرض و غایت کے لئے کیا جاتا ہے وہی اس کی جزا ہوتی ہے۔ ایسا عمل بے حقیقت ہوتا ہے۔ مومن کا ہر عمل باحقیقت ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اسے رحمتِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔

حاصل: مومن کے نو مقامات ہیں۔ اس کی سعی عند اللہ مقبول ہوتی ہے، لکھی جاتی ہے، دنیا و آخرت میں اس کا بھلا ہوتا ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور حرام ہے اس قریئے پر جس کے لئے ہم نے ہلاکت مُقدّر کر رکھی ہے کہ وہ رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے، اتمامِ حجت کے بعد کیا ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ جس بستی کے لئے ہلاکت مقدر کر دی گئی ہو، وہ اصلاح کی طرف نہیں آیا کرتی۔ مخلص وہی کرتے ہیں جو اللہ کی رضا کے حوالے سے انہیں کرنا چاہئے، اور اس وقت تک کرتے ہیں جس وقت تک انہیں ہلاک ہونے والوں سے الگ ہو جانے کا حکم نہیں مل جاتا۔

حاصل: اللہ سے بڑا اتمامِ حجت کرنے والا کوئی نہیں۔ جس کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہو، اس کا رجوع الی اللہ ہونا ناممکن ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حتیٰ کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے۔

حضرت ذوالقرنین نے جب دیوار بنائی تھی جس کا منشاء یاجوج اور ماجوج کو ایک جگہ کے اندر بند کرنا تھا، تب آپ نے فرمایا تھا: کہ یہ جو کچھ میں نے کیا ہے، میرے رب کی رحمت سے ہوا ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا، وہ اس کو پاش پاش کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ حق ہے۔ جس دن یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا، یہ سیلاب کی طرح بہہ نکلیں گے۔ اس وقت اگر کوئی حق کی طرف رجوع کرے گا تو اس کا ایمان لانا اسے نفع نہ دے گا، کہ ایمان کے دعوے کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: یاجوج اور ماجوج کا کھولا جانا اور ہر بلندی سے ان کا پل پڑنا، قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اس وقت کسی کا رجوع الی اللہ ہونا اسے نفع نہ دے گا۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾

اور وعدۂ حق قریب آیا تو منکرینِ حق کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہائے خرابی ہماری، بیشک ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظالم تھے۔

عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہوجائے گی، تو جزا کا مقام آئے گا۔ یہ وعدہ حق ہے۔ جب یہ مقام لوگوں کو نظر آئے گا، تو حق کے ماننے والوں پر خوف وحزن نہیں ہوگا۔ منکرین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جس بات کے انکار پر انہوں نے اپنے نظامِ حیات کو استوار کیا تھا، وہ بات ناقابلِ تردید حق کی صورت میں نظر آرہی ہوگی۔ تب منکرینِ حق پکاریں گے: ہائے خرابی ہماری! ہم جزا کے دن سے غفلت میں رہے۔ معاً خیال آئے گا کہ انبیاء کرام نے تو یہ سب واضح کر دیا تھا، ہم ہی نہیں مانتے تھے۔ حق کے خلاف کرنے میں ہماری استطاعت اور استعداد پورے شعور کے ساتھ استعمال ہوئی، ہم یقیناً ظالم تھے۔

حاصل: غفلت اور ظلم کا انجام پچھتاوا ہوتا ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا، اور جزا کے یقین کے بغیر اصلاحِ حال ممکن نہیں۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

بے شک تم اور جو اللہ کے مقابل تم پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن ہو، تمہیں اس میں وارد ہونا ہے۔

جس عبد کا معبود، اللہ کے مقابل کوئی اور ہے، وہ عبد جہنم میں وارد ہوگا۔ اس کا معبود، جسے اس نے اپنی تجویز سے بنایا ہوگا، وہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ اس طرح اس آگ کا ایندھن، منکرین حق ہوں گے اور پتھر ہوں گے۔ جو لوگ اللہ کے مکرم بندوں کو خدا ٹھہراتے ہیں، وہ مکرم بندوں کی پاک صفات سے عدمِ تعلق کی بدولت جھوٹے ثابت ہوجائیں گے۔ اللہ کے مکرم بندے تو یہی کہتے ہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی بندگی کرو۔ ظلمات سے نور کی طرف آؤ گے تو خوف وحزن سے نجات پاجاؤ گے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرو گے تو اللہ کی راہ سے بہک جاؤ گے۔ منکرین حق اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کے کسی پاک بندے کی پیروی کی جائے تو خواہشات کی پیروی ممکن ہی نہیں ہوتی۔

حاصل: منکرینِ حق مع اپنی تجاویز کے جہنم میں وارد ہوں گے۔ اس طرح اس آگ کا ایندھن، منکرینِ حق اور پتھر ہوں گے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

اگر یہ سب معبود ہوتے، تو جہنم میں ان کا ورود نہ ہوتا۔ اور ان سب کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

وہ عابد جو خلافِ حق کرتا ہوا جہنم میں پہنچا ہے، اپنے اعمال کی جزا پائے گا۔ اس کا معبود جو اس کی پسند کے مطابق بنایا گیا تھا، اور جس کے بارے میں عابد نے یہ تصور قائم کر رکھا تھا کہ فیصلہ کرنے والی قوت یہی ہے، جہنم میں اس کا ڈالا جانا اس کی حقیقت کو واضح کر دے گا۔ اور یہ جھوٹے معبود تو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

حاصل: معبود کی شان یہ ہے، کہ وہ قادرِ مطلق ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

وہ اس میں چلائیں گے اور کچھ نہ سنیں گے۔

جہنم میں جلنے والے چلائیں گے، اور وہ چلانا شدتِ عذاب کی وجہ سے ہوگا، اس لئے انہیں اپنی پڑی ہوگی، وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔ دکھ کا احاطہ اتنا شدید ہوگا کہ کچھ سننا ان کے لئے ممکن ہی نہ ہوگا۔

حاصل: جہنم میں شدتِ عذاب سے جہنمی چلائیں گے۔ دکھ کا احاطہ اتنا شدید ہوگا کہ وہ کچھ سن نہیں سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اچھے انجام کا وعدہ ہو چکا ہے، وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

جو لوگ حق کو سنتے ہیں، اس کو مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا احسن اتباع کرتے ہیں انہیں ان کے اچھے انجام کی بشارت حیاتِ دنیا میں دی جاتی ہے، جزا کے دن وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ شعور کے ساتھ جو بھلائی کے رخ پر رہے، اس کا انجام اچھا ہوگا۔ خلافِ حق کرنے سے بچنے والے لوگوں کو اس مقام سے دور رکھا جائے گا، جہاں خلاف حق کرنے والوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: اللہ کی رضا کو مقصود جاننے والوں کا انجام اچھا ہوگا۔ جن کا انجام اچھا ہوگا، انہیں دوزخ سے دور رکھا جائیگا۔

لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا ۚ وَ ہُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَہَتۡ اَنۡفُسُہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ۚ

وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ اور وہ اپنے من بھاتے سکھ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوزخ سے دور رکھنے کا منشاء روشن فرمایا گیا ہے، کہ پاک لوگوں کو دوزخ کی آہٹ بھی سنائی نہ دے گی، اور وہ جو چاہیں گے وہی پائیں گے۔ جو اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیتا ہے، اسے دائمی پاک دامنی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ چیزیں اس کی طالب ہو جاتی ہیں، وہ مطلوب ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو سکھ ملتا ہے، اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے بیان میں وہ کب آ سکتا ہے۔

حاصل: جن صاحبان کا انجام اچھا ہوگا، وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ انہیں ایسا سکھ ملے گا جس سے وہ کبھی نہیں اکتائیں گے۔

لَا یَحۡزُنُہُمُ الۡفَزَعُ الۡاَکۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ؕ ہٰذَا یَوۡمُکُمُ الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

انہیں وہ بڑی گھبراہٹ حزن میں نہ ڈالے گی، اور ملائکہ ان کا خیر مقدم کریں گے۔ آج دن تمہارا ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نفخۂ ثانیہ کے ساتھ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کافروں کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔ جن کی پوری زندگی جزا کے انکار کے ساتھ گزری ہوگی، وہ قیامت کے دن سخت گھبراہٹ میں ہوں گے۔ آخرت پر یقین رکھنے والوں کو اس دن گھبراہٹ نہ ہوگی۔ ملائکہ ان کی پیشوائی کے لئے موجود ہوں گے، اور انہیں فلاح کی مبارک باد دیتے ہوئے کہیں گے، یہ ہے جزا کا دن۔ اسی دن کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ آج ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

حاصل: جزا کے دن آخرت کا یقین رکھنے والے حزن و ملال سے بچے رہیں گے۔ ملائکہ ان کا خیر مقدم کریں گے۔ ان کو فلاح پانے پر مبارک دیں گے۔ منکرین حق کے لئے وہ دن بڑا بھاری ہوگا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے جیسے اوراق کو طومار میں لپیٹتے ہیں۔ جیسے پہلے اسے بنایا تھا ویسے ہی اس کا اعادہ کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے۔ بے شک ہم یہ کرنے والے ہیں۔

آسمان کو جس منشاء کے لئے بنایا گیا ہے، اس کے پورا ہو جانے کے بعد حکمِ الٰہی کے مطابق اس کو لپیٹ دیا جائے گا جیسے اوراق کو طومار میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کو پہلے خلق فرمایا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا، اور یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور یہ پورا ہو کر رہے گا۔ پھر اس کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ انسان کو اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو پہچاننا چاہئے۔

حاصل: جیسے ہمارے لئے کاغذات کو لپیٹ کر طومار میں رکھنا آسان ہے، اللہ کی قدرت کے حوالے سے اللہ کے لئے آسمان کو لپیٹ کر رکھ دینا اسی طرح آسان ہے۔ انسان کو پہلے بھی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، تخلیق کا اعادہ بھی اسی سے ہو گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھا کہ اس زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔

حال پر جو توفیق دی گئی ہے اس کا منشاء یہ دیکھنا ہے کہ کون اس کو رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرتا ہے، کون رضائے الٰہی کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ جو یہاں پاک رہیں گے، وہ متقی ہیں، اور عاقبت متقین کے لئے ہی ہے۔ حال پر اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام بھی ممکن ہے، عدم احترام بھی ممکن ہے۔ اس لئے حال پر وسعت مال اور وراثت زمین کسی کی پاکیزگی کا ثبوت نہیں بن سکتی۔ جو اللہ کے فرمان کو مان لے جیسے ماننے کا حق ہے، وہ دائمی انعام پائے گا۔ جنت دائمی راحت کا مقام ہے۔

حاصل: توفیق یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کا استعمال کیسے کیا جاتا ہے۔ انعام، صداقت کے ثبوت کے بعد دیا جاتا ہے۔

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ؕ ﴿۱۰۶﴾

بے شک اس مقام کو عابد لوگ ہی پاتے ہیں۔

جو حق کو مان لے، نصیحت کرنے والے کی قدر کرے اور اپنے منشاء حیات پر نظر رکھے، وہ ہمہ وقت اللہ کی بندگی میں راحت پاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے سب کو سکھ ملتا ہے۔ ان کا اختیار، ان کا اقتدار قطعاً رضائے الٰہی کے مطابق استعمال ہوتا ہے۔ دائمی پاک دامنی والے ہی اس مقام کو پاتے ہیں۔

حاصل: دائمی پاک دامنی والے یہاں بھی شان والے ہیں، آخرت میں بھی شان والے ہوں گے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے تو آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔اللہ کی یہ رحمت اتنی وسعت رکھتی ہے کہ سارے عالمین کے لئے پوری ہے۔استفادہ وہی کر سکتے ہیں جو رحمۃ اللعالمین کی نصیحت کو غور سے سنیں،ادب سے اس پر تدبر کریں اور محبت سے اپنی تسلیم کو سچا ثابت کریں۔جو اس رحمتِ الٰہی سے فائدہ نہ اٹھائے،وہ خود اس رحمت سے دور رہنے کی سعی کر رہا ہوتا ہے،اللہ کی رحمت اس سے دور نہیں ہوتی۔اسوۂ رسول جن حضرات کا حال ہے،ان کے اتباع سے یہ ثابت ہوگا کہ ہم رحمۃ اللعالمین کی معیت کے طالب ہیں۔

حاصل: رحمتِ الٰہی کی طلب ہو تو رحمۃ اللعالمین کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔

قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾

فرما دیجئے مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ تمہارا معبود الٰہٌ وّاحِد ہے۔تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،کہ سب لوگ آگاہ رہیں کہ ان کا معبود صرف اللہ ہے،جس کا کوئی شریک نہیں۔وہی ان کا خالق ہے،وہی ان کا مالک ہے،وہی ان کو ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔جو دنیا و آخرت میں بھلائی چاہتا ہو،اس کو رحمۃ اللعالمین کی اطاعت کرنی چاہئے۔یہی صورت ہے حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے بچاؤ کی اور یہی صورت ہے اپنی صداقت کا ثبوت دینے کی۔پھر آپ نے دریافت فرمایا ہے،کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔اس سے روشن ہوا،رحمۃ اللعالمین کو لوگوں کے مسلمان ہونے کا انتظار ہے۔

حاصل: رحمۃ اللعالمین کا فرمان ہے کہ ہمارا معبود اللہ ہے،جسکا کوئی شریک نہیں۔آپ کو لوگوں کے مسلمان ہونے کا انتظار ہے۔جب یہ آیت پڑھی جائے تو جواب میں ادب سے یہ کہنا چاہئے،'حضور میں مسلمان ہوتا ہوں'۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

تو اگر پھر جائیں،تو فرما دیجئے،میں نے تمہیں برابر خبر دی اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

اگر لوگ مسلمان ہونے کی بجائے حق سے منہ موڑ لیں،تو حکم یہی ہے کہ انہیں یہ بتا دیا جائے کہ شعور کے ساتھ بھلائی کا رخ اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام کی بشارت دی گئی ہے اور شعور کے ساتھ برائی کا رخ اختیار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق جزا ملے گی۔عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہونے میں کتنی دیر ہے،اس کے جاننے کی ضرورت نہیں۔یہ اللہ کا وعدہ ہے،کہ اس نے اپنے علم سے اتمامِ حجت کرنی ہے۔پھر کوئی اس کی گرفت سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے۔

حاصل: بشارت و انذار کا حق ادا کرنا بھی شانِ رسالت ہے۔اللہ اتمامِ حجت اپنے علم سے کرتا ہے۔عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے کے بعد اللہ کی گرفت سے بچ جانا ناممکن ہے۔

اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

اسے علم ہے جو بات پکار کر کی جائے اور اسے علم ہے جو بات چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہر آواز کو سنتا ہے، اس لئے جو بات بھی کی جائے اللہ اسے جانتا ہے۔ اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ کسی کی نیت اللہ سے مخفی نہیں ہوتی۔ اس لئے اللہ کے علم کی یہ شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ کب کسی کو پکڑنا ہے، کہاں سے پکڑنا ہے، کس طرح پکڑنا ہے، اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہے۔

حاصل: بات کرتے وقت یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ سن رہا ہے اور وہ قادرِ مطلق ہے۔ کسی بات کا چھپانا لوگوں کی بھلائی کے لئے ہو کہ شر پھیلانے والوں کو تقویت نہ ملے تو یہ نیکی ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور میں نہیں جانتا کہ یہ تاخیر تمہارے لئے ایک فتنہ ہے اور ایک وقت تک کے لئے متاع ہے۔

عذابِ الٰہی میں تاخیر بصورتِ فتنہ بھی ہوسکتی ہے، کہ اس طرح منکرینِ حق اپنے آپ کو بڑی طاقت سمجھنے لگتے ہیں اور غرور کرتے کرتے اس مقام پر جا پڑتے ہیں جہاں سے نکلنا ان کے بس میں نہیں رہتا۔ اور یہ تاخیر ایک وقت تک متاع بھی ہوسکتی ہے، کہ یہ اتمامِ حجت کی شرط ہے۔ مگر یہ لازم ہے، کہ جس نے بھلائی کا رخ اختیار کیا ہے اس کا انجام بھلا ہوگا، جس نے برائی کا رخ اختیار کیا ہے اس کا انجام برا ہوگا۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں تاخیر بصورت فتنہ بھی ہوسکتی ہے، بصورتِ متاع بھی ہوسکتی ہے، مگر جس نے برائی کا رخ اختیار کیا ہو اس کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

النصف ع ۱۹/۷

عرض کی اے میرے رب حق کے ساتھ حکم فرما دے۔ اور الرحمٰن ہی ہمارا رب ہے جس سے ہم مدد مانگتے ہیں، ان باتوں پر جو تم بناتے ہو۔

منکرینِ حق جب ضد کی انتہا کر دیتے ہیں تو تبلیغ حق کرنے والے پر یہ مقام آتا ہے کہ وہ یہ دعا کرتا ہے، اے میرے رب، میرے اور میری قوم کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔ پاک لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ الرحمٰن ہی ہمارا رب ہے، ہم اس سے مدد کے طالب ہیں، وہی قادرِ مطلق ہے، وہی اس افترٰی کو نابود کرسکتا ہے جو کافروں نے گھڑ لیا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق کے ساتھ بات ختم کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس دعا کے ساتھ ان سے الگ ہونے کا اعلان کیا جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف (۱۸) میں ارشاد فرمایا ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو، اسے چاہئے کہ صالح عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

ایاتھا ۷۸ — سُوْرَۃُ الْحَجِّ — رکوعاتھا ۱۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱﴾

اے لوگو اپنے ربّ سے ڈرو۔ بے شک اس ساعت کا زلزلہ عظیم شے ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے حال پر اصلاح کو قبول کرتے ہیں، صالحین کا ساتھ اختیار کرتے ہیں، خلوت میں بھی پاک رہتے ہیں جلوت میں بھی پاک رہتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے قیامت باعثِ حُزن نہیں ہوگی۔ جو لوگ جزا کے دن کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے قیامت کا دن بڑا بھاری ہوگا۔ اس دن کا زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ اس دن زمین اپنے بوجھ نکال کر باہر رکھ دے گی۔

حاصل: اللہ سے ڈرنے کا ثبوت اصلاحِ حال سے ملتا ہے۔ جو لوگ جزا سے غافل ہیں، ان کے لئے یومِ جزا بڑا بھاری ہوگا۔

یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَی النَّاسَ سُكٰرٰی وَمَا هُمۡ بِسُكٰرٰی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیۡدٌ ﴿۲﴾

جس دن تم اسے دیکھو گے، ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل وضع ہو جائے گا اور تم لوگوں کو دیکھو گے جیسے نشہ میں ہیں، اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے، ولیکن اللہ کا عذاب شدید ہے۔

قیامت کے زلزلے کی ہولناکی اتنی شدید ہوگی کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ دودھ پیتے بچے کی حفاظت سے اس کی ماں کبھی غافل نہیں ہوتی، مگر قیامت کے دن کا زلزلہ اتنا خوفناک ہوگا کہ شدتِ ہول سے معمولات بھی ختم ہو جائیں گے۔ کسی حاملہ کا حمل باقی نہیں رہے گا۔ گھبراہٹ کی انتہا ہوگی کہ منکرینِ حق مدہوش نظر آئیں گے۔ وہ قطعاً نشہ میں نہیں ہوں گے، اللہ کے عذاب کی شدت ان کے ہوش اڑا رہی ہوگی۔

حاصل: قیامت کا زلزلہ اتنا شدّت والا ہوگا کہ معمولات ختم ہو جائیں گے، منکرینِ حق کے ہوش اڑ جائیں گے۔ دودھ پلانے والی ماؤں کو اور حاملہ عورتوں کو خوفناک مناظر سے دور رکھنا چاہئے، اور انہیں ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی تاکید کرنی چاہئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَیۡطٰنٍ مَّرِیۡدٍ ۙ﴿۳﴾

اور بعض لوگ اللہ کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں، بغیر علم کے۔ اور وہ ہر شیطان سرکش کے پیچھے لگتا ہے۔

جو اللہ کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے مان لیتا ہے، وہ کبھی اللہ کے بارے میں مجادلے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ کے

بارے میں جھگڑا کرنے والا، اپنی بے علمی کو علم جانتا ہے اور ہر شیطان کی پیروی کے لئے تیار ہوتا ہے۔شیطان نے امرِ الٰہی کو ماننے کی بجائے اپنی چاہت کو اہمیت دی تھی۔فرمانِ خداوندی کی تعمیل کی بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے تو یہ اللہ کے بارے میں مجادلہ کرنے والی بات ہے۔

حاصل: اللہ کے بارے میں مجادلہ کبھی علم سے نہیں ہوتا، اور کبھی شیطان کی پیروی کے بغیر نہیں ہوتا۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾

جس پر لکھا جا چکا ہے، کہ جو اس کی دوستی اختیار کرے گا، تو اسے ضرور یہ گمراہ کرے گا اور آگ کے عذاب کی طرف اس کی رہنمائی کرے گا۔

جب شیطان کو رجیم قرار دیا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی۔ تو اس نے قسم اٹھائی: کہ اے اللہ تیری عزت کی قسم، میں ضرور سب کو بہکاؤں گا سوائے ان کے جو ان میں تیرے مخلص بندے ہوں گے۔ شیطان انسان دشمنی میں کبھی غفلت نہیں برتتا۔ وہ انسان کا کھلا دشمن ہے۔ جو شیطان کی دوستی اختیار کرے گا، وہ یقیناً گمراہ ہوگا اور آگ کے عذاب تک پہنچے گا۔ عقل مندی یہ ہے، کہ دوست اور دشمن میں امتیاز کیا جائے۔ جس تعلق کی بنیاد تقویٰ پر ہو، وہ تعلق دائمی ہوتا ہے۔ جس تعلق کی بنیاد خواہشات پر ہو اس کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل: مخلصین سے تعلق ہو تو گمراہی اور عذاب سے بچ جانا، روشن ہے۔ اپنی صفات کو دیکھنا چاہئے، شیطان دوستی عمل سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ گمراہی اور منزل جہنم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۵﴾

اے لوگو اگر تمہیں بعث میں شک ہو، تو بے شک ہم نے تمہیں مٹی سے خلق فرمایا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے مکمل صورت سے، نامکمل صورت سے، تاکہ تم پر واضح ہو جائے۔ اور ہم رحموں میں قرار دیتے ہیں اجل مسمّٰی تک جسے چاہیں، پھر تمہیں بچہ نکالتے ہیں تاکہ تم جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں کوئی پہلے فوت ہو جاتا ہے، اور کوئی ارزل عمر تک لے جایا جاتا ہے کہ علم کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے۔ اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی نازل فرماتے ہیں تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر خوش نما جوڑا اگاتی ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ جو لوگ بعث بعد الموت کو ناممکن قرار دیتے ہیں، انہیں دعوتِ فکر ونظر دی گئی ہے۔ خالق کل ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اسے مشکل کیا پیش آسکتی ہے۔ اس نے پہلے مٹی سے بنایا ہے، دوبارہ منتشر اجزا کو اکٹھا کر دینا اس کے لئے آسان ہے۔ پھر اس نے بقاء نسل کے لئے نطفے کا پہلا درجہ رکھا ہے، جس کا بنانا اللہ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ دوسرا درجہ علقہ کا رکھا ہے جو صرف علم الٰہی سے متشکل ہوتا ہے، اور اللہ کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔ پھر تیسرا درجہ مضغہ کا رکھا ہے، وہ مکمل صورت ہو یا نامکمل صورت ہو، سب امر الٰہی کے تابع ہے۔ کوئی یہ دعویٰ ہی نہیں کرسکتا کہ تخلیق کے عمل میں اس کا کچھ حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نطفے کو رحم میں ٹھہراتا ہے۔ اس وقت کو کم کرنا یا زیادہ کرنا بھی اللہ کی قدرت ہے۔ پھر بچہ پیدا کرنا کس کا کام ہے، یقیناً اللہ کا کام ہے۔ جو پہلے خلوت سے جلوت میں لا رہا ہے، وہ موت کے بعد کی خلوت کو بھی جلوت میں بدل سکتا ہے۔ جوانی تک پہنچانا بھی اسی کا کام ہے۔ پہلے کسی کو وفات دے دے تو اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ وہ ارزل عمر تک لے جائے تو بھی وہ مالک ہے۔ ارزل عمر میں قویٰ مضمحل ہوجاتے ہیں۔ علم کے بعد لاعلمی کا مقام آجاتا ہے۔ اللہ کی قدرت اس سے روشن ہوتی ہے کہ ہر مقام پر اللہ کی قدرت بے مثل ہے۔ اس قادرِ مطلق کے متعلق یہ کہنا کہ وہ دوبارہ کیسے بنائے گا، بڑی جہالت ہے۔ زمین جب مرجاتی ہے، اس کا سبزہ ختم ہوجاتا ہے تو اس کو اللہ ہی زندہ کرتا ہے۔ اس پر پانی برسایا جاتا ہے۔ اس میں جو کیمیاوی تبدیلیاں آتی ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتی ہیں۔ اس میں نباتات کے اگنے کی صلاحیت کو اللہ ہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ کے لئے مردوں کو زندہ کرنا کیسے مشکل ہوگا، مردہ زمین کو زندہ ہوتے تو ہم دیکھتے رہتے ہیں۔ بعث بعد الموت کا یقین دلانے کے لئے یہ سب مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اگر جزا کا یقین آجائے تو قول وفعل کو جزا دینے والے کے حکم کے مطابق بدل جانا چاہئے، غفلت کو ختم ہوجانا چاہئے۔

حاصل: بعث بعد الموت کا یقین حاصل کرنے کے لئے اللہ کی قدرت کے مناظر کو دیکھنا چاہئے۔ جزا کا یقین ہو تو قول بھی پاک ہونا چاہئے، عمل بھی صالح ہونا چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۟ۙ ⑥

یہ اس لئے کہ اللہ ہی پروردگار حقیقی ہے، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر شے پر قادر ہے۔

ربوبیت کا کام اللہ کی شان ہے۔ اللہ بے مثل ہے۔ جس نے پہلے خلق فرمایا ہے، وہ دوبارہ خلق فرمانے کی بڑی قدرت رکھتا ہے۔ موت بھی وہی دیتا ہے۔ موت کے ساتھ واقع ہونے والی تبدیلیوں کا سب سے بڑا علم اسی کو ہے۔ موت کے بعد حیات دینے کے لئے کیا درکار ہے، اللہ کو علم ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو قادرِ مطلق مان لینے سے ایک سکھ ملتا ہے، جو کسی دوسری صورت میں مل ہی نہیں سکتا۔

حاصل: اللہ ہی پروردگارِ حقیقی ہے۔ مُردوں کو زندہ کرنا اللہ کی شان ہے۔ قادرِ مطلق کے ساتھ میں بے اطمینانی کا مقام نہیں ہوسکتا۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ⑦

اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے، جس میں کچھ شک نہیں، اور یہ کہ اللہ ہی انہیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

قیامت اللہ کے امر سے آئے گی۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ اس کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اللہ ہی لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔ حیاتِ دنیا کے بعد حیاتِ آخرت اسی نے رکھی ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دینے کے لئے قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے اٹھائے گا۔

حاصل: قیامت آنے والی ہے۔لوگوں کوان کے اعمال کی پوری پوری جزادی جائے گی۔جوقیامت کے آنے میں شک کرتا ہووہ مائل بہ اصلاح نہیں ہوسکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾

اور کوئی آدمی اللہ کے بارے میں ایسے ہی جھگڑتا ہے،بغیر علم کے، ہدایت کے،اور کتابِ منیر کے۔

اللہ کے بارے میں جھگڑنے والے یہی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اجداد کو بت پرست پایا ہے،اس لئے اسی طریق زندگی کو درست مانتے ہیں۔جوثبوت شنید کے ساتھ تعلق رکھتا ہو،وہ اسی صورت میں سند قرار پاتا ہے جب کہنے والا صادق ہواور وہ بات اسی کی ہوجس سے منسوب کی جارہی ہے۔جوثبوت مشاہدے سے تعلق رکھتا ہو،وہ اسی کی زبان سے بیان ہوگا جس نے صداقت سے اپنا حال بیان کیا ہو۔اس سے ہمیشہ حق کی تصدیق ہوگی۔جوثبوت کتاب سے تعلق رکھتا ہو،وہ اسی صورت میں سند ہوگا جب کتاب کے درست ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔کبھی کسی جھگڑنے والے نے جواللہ کے بارے میں جھگڑرہا ہو،علم سے، ہدایت سے اور کتاب منیر سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش نہیں کیا،نہ آئندہ کوئی کرسکے گا۔

حاصل: اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنے والے، بےعلم، بے ہدایت اور بے سند ہوتے ہیں۔بات کرتے وقت دیکھنا چاہئے کہ ہماری صداقت کا ثبوت موجود بھی ہے۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

حق سے اپنی گردن موڑے ہوئے تا کہ اللہ کی راہ سے بہکاوے۔اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے،اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔

جوحق سے عناد رکھتا ہے،وہ اللہ کی باتوں کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور بے سند باتیں کرتا ہے۔وہ شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کواللہ کی راہ سے بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔دنیا میں اس کے لئے رسوائی ہے، قیامت کے دن اسے جلنے کا عذاب دیا جائے گا۔

حاصل: بے سند باتیں کرنے والا، حق سے عناد رکھنے والا دنیا میں رسوا ہوتا ہے، قیامت کے دن اسے جلنے کا عذاب دیا جائے گا۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع ۸

یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

جب حق سے عناد رکھنے والے کوجہنم میں ڈالا جائے گا،تو فرمایا جائے گا، یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔انسان کواس کے کیے کی جزا ہی دی جائے گی، اس لئے کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔انسان نے اپنے اعمال سے جو دوزخ کا ایندھن اکٹھا کیا ہوگا،اسی ایندھن میں اس کو جلایا جائے گا۔اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

حاصل: دیکھنا چاہئے ہم اپنے ہاتھوں کیا آگے بھیج رہے ہیں۔جسے برائی کی جزا سے بچنا مطلوب ہو، اسے

برائی سے بچنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (۳۵) میں فرمایا ہے: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَمۡكُرُوۡنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَمَكۡرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوۡرُ ﴿۱۰﴾ جو عزت چاہے تو عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ پاک کلام اسی کی طرف جاتا ہے۔ وہ صالح عمل کو رفعت دیتا ہے۔ وہ لوگ جو برے داؤ کرتے ہیں، ان کے لئے شدید عذاب ہے اور ان کا مکر برباد ہو جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ ۨاطۡمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ ۨانقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۱﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے کہ کنارے پر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ پھر اگر اسے بھلائی ملے تو مطمئن ہو گیا، اور اگر اسے فتنہ ملے تو الٹا پھر گیا، دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھایا۔ یہی صریحاً خسارہ ہے۔

جو اللہ کی بندگی کرتا ہے مگر پسندیدہ حالات تک، اور جب اس کی صداقت کو دیکھے جانے کا مقام آتا ہے تو وہ حق سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھاتا ہے۔ یہی صریح خسارہ ہے۔ اللہ کو اگر اپنی پسند کے حوالے سے مانا جائے، تو اس کا نتیجہ کبھی فلاح نہیں ہو سکتا۔

حاصل: اللہ کی بندگی کو اگر اپنے چین سے مشروط کر دیا جائے، تو یہ دنیا و آخرت میں خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔

يَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنۡفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ ۚ ﴿۱۲﴾

اللہ کے مقابل اس کو پکارتا ہے، جو نہ اسے ضرر دے اور نہ نفع دے۔ یہی ہے دور کی گمراہی۔

جو حق سے منہ موڑ لیتا ہے، وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں مگن ہو جاتا ہے۔ اس کا بنایا ہوا بت بھی تو اس کی پسند سے بنتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کے لئے اس بت کو پکار رہا ہوتا ہے، جو اس کو ضرر بھی نہیں دے سکتا، نفع بھی نہیں دے سکتا۔ مالکِ کُل کے مقابل کسی کو پکارنا، معطیء مطلق کے مقابل کسی کو پکارنا، گمراہی کی انتہا ہے۔

حاصل: جس کی قدرت بہر حال ہم پر محیط ہے، نفع و ضرر اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا انکار دور کی گمراہی ہے۔

يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ اَقۡرَبُ مِنۡ نَّفۡعِهٖ ؕ لَبِئۡسَ الۡمَوۡلٰى وَلَبِئۡسَ الۡعَشِيۡرُ ﴿۱۳﴾

پکارتا اس کو ہے جس کا ضرر، نفع کے مقابل بہت قریب ہے۔ بے شک وہ مولیٰ بھی برا ہے اور اس کا رفیق بھی برا ہے۔

نفع وضرر باذن اللہ ہوتا ہے۔جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہرایا جاتا ہے، ان کو پکارنے والا اپنے رُخ کو دیکھے، وہ یقیناً نور سے ظلمات کی طرف جارہا ہے۔اس لئے وہ نفع کی توقع لئے نقصان کے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔وہ مولیٰ جو کسی کی خواہشات کے حوالے سے اس کو گمراہ کرے اور کوئی قدرت نہ رکھتا ہو، یقیناً برا مولیٰ ہے اور وہ رفیق جو اپنی غرض وغایت کے لئے اسے پکارتا ہے، برا رفیق ہے۔

حاصل: جس کا رخ خلافِ حق ہے، اس کا ضرر کے قریب ہونا واضح ہے۔وہ مولیٰ جو طالب کی خواہشات کے حوالے سے اسے گمراہ کرے برا مولیٰ ہے اور وہ رفیق جو اپنی خواہشات کی بندگی نہ چھوڑے برا رفیق ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، جنتوں میں داخل کرے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

جو لوگ حق کو مانتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کی بدولت ہدایت ملتی ہے۔حیاتِ دنیا میں وہ خوف وحزن سے بچ جاتے ہیں، حیاتِ آخرت میں وہ جنتی ہوں گے۔اس جنت میں انہیں کوئی تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔ان جنتوں کی شادابی زیرِ زمین نہروں کی وجہ سے دائمی ہوگی۔اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔اس سے کسی کی نیت بھی مخفی نہیں۔وہ حسن نیت کو بھی دیکھتا ہے، حسنِ عمل کو بھی دیکھتا ہے۔نتائج اس کے ہاتھ میں ہیں، جو چاہے وہ کرتا ہے۔

حاصل: دعویٰ ایمان کا ہو تو صالح اعمال کی شہادت سے ہی وہ سچا ثابت ہوتا ہے۔زیرِ زمین نہروں سے دائمی شادابی کا تعلق ہے۔اخلاص کا ثبوت دینا بندے کا کام ہے، نواز دینا اللہ کی شان ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيْظُ ⑮

جس کو یہ گمان ہو کہ اللہ ہرگز دنیا وآخرت میں اس کی نصرت نہیں کرے گا، تو اسے چاہئے کہ آسمان کی طرف ایک رسی تان لے، پھر اسے قطع کرلے، پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر سے کچھ غیظ جاتا رہا۔

انسان جلد باز واقع ہوا ہے۔اپنی پسند کے حالات میں خوش ہوتا ہے، دکھ پہنچ جائے تو جلد ہی مایوسی کا اظہار کرنے لگتا ہے۔اللہ کا وعدہ ہے، کہ وہ دنیا وآخرت میں ایمان والوں کی مدد کرتا ہے۔اللہ کو اپنے وعدے کے پورا کرنے کے لئے کسی کی احتیاج نہیں ہے، مگر وہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم مطلق سے کرتا ہے۔جو اپنی جلد بازی کی وجہ سے یہ گمان کرنے لگے کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا، وہ اوپر کی طرف ایک رسی تان لے، ایک تعلق استوار کرے، پھر اس تعلق کو مایوسی کی نذر کردے، پھر دیکھے اس کی تدبیر سے اس کا کچھ غصہ کم ہوا ہے۔بعض چیزوں کو انسان کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر وہ اس کے لئے باعث خیر وبرکت ہوتی ہیں۔بعض چیزیں انسان کو مرغوب ہوتی ہیں اور وہ اس کے لئے شر بن جاتی ہیں۔انسان اپنے علم کو ساکن کرے تو اسے اللہ کی نصرت کا پتہ چلے۔

حاصل: اللہ یقیناً دنیا وآخرت میں ایمان والوں کی مدد کرتا ہے، اور اپنے علم سے مدد کرتا ہے۔انسان کی جلد بازی

اس کی مایوسی کا سبب بن جاتی ہے اور مایوسی تعلق کو قطع کر دیتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے روشن آیات نازل فرمائیں، اور یہ کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ نے جو بھی نازل فرمایا ہے، وہ طالبین ہدایت کے لئے روشن نشانیاں ہیں۔ جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کے طالب ہوں، وہی ان روشن نشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ظلمات سے نور کی طرف آنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کے ساتھ سے جو سہارا ملتا ہے، اس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔

حاصل: اللہ کی روشن نشانیاں ہمیشہ حال پر موجود ہوتی ہیں، فائدہ طالبینِ ہدایت ہی اٹھاتے ہیں۔ اللہ اسے ہدایت دیتا ہے، جو اس کی طرف رجوع لائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

بے شک جو لوگ ایمان والے ہیں، اور یہودی اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوسی اور جو شرک کرتے ہیں، بے شک اللہ قیامت کے دن ان کے مابین فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔

ایمان والے لوگ وہ ہیں جو حق کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حکم ہے۔ یہودی، ستارہ پرست اور نصاریٰ اور مجوس اور ان کے علاوہ بھی شرک کرنے والوں کی جو صورتیں ہیں، ان سب کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اللہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیا چھپاتے ہیں یہ کیا ظاہر کرتے ہیں، اللہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ ایمان والوں کے علاوہ، باقی سب گروہ بے سند باتیں کرتے ہیں۔ ان سب کا اختلاف حق سے ہے۔ قیامت کے دن ایمان والوں کے اور ان کے مابین اللہ فیصلہ کر دے گا۔ اللہ سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

حاصل: ایمان والوں کو حق بیان کرنے کے بعد اس پر پورا رہنا ہوتا ہے۔ یہودی، ستارہ پرست، نصاریٰ، مجوس اور باقی سب مشرک ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ قیامت کے دن، فیصلہ فرمانے والا، اللہ ہے۔ اللہ سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴿١٨﴾ السجدة

کیا تم نے دیکھا نہیں، کہ اللہ کو ہی سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور شمس و قمر اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور لوگوں میں سے بہتیرے۔ اور بہت ایسے ہیں کہ ان پر عذاب ٹھہر چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ خالق نے جس شے کو جس مقصد کے لئے بنایا ہے، وہ شے اس مقصد کو پورا کرتی چلی جا رہی ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ کے مقرر کردہ راستے سے انحراف کرتے کبھی دیکھا ہی نہیں گیا۔ یہی ہر شے کا اللہ کے لئے سجدہ ہے۔ کچھ لوگ ایسے ضرور ہیں جو حق کے انکار کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔ ان کو شعور کے ساتھ اپنا راستہ چننے کا جو اختیار دیا گیا تھا، اس کا استعمال کرتے ہوئے انہوں نے حق والوں کو ہرانے میں اپنی ساری قوتیں لگائی ہوتی ہیں، اور اس طرح اپنے آپ کو عذابِ الٰہی کا مستحق بنانا ہوتا ہے۔ یہ منکرینِ حق اپنے آپ کو بڑی عزت والا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ ان کو ذلیل کرنے کا فیصلہ کر دے تو کون ان کو عزت دے سکتا ہے۔ اللہ کے مقابل کسی کی مجال ہی کیا ہے۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

حاصل: اپنے منشاءِ حیات کو دیکھنا چاہئے۔ اللہ کا ہو جانا، اللہ کی بندگی کے لئے ضروری ہے۔ جو حق کو مانتا ہے، عزت والا وہی ہے۔ جو حق کا منکر ہے اسے عزت والا کہنا بے جا ہے۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾

یہ دو فریق ہیں، جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے۔ تو جنہوں نے کفر کیا، ان کے لئے آگ کے جامے بنائے جائیں گے۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

یہ دو فریق ہیں، ایک حق کو مانتے ہیں جیسے ماننا چاہئے، دوسرے اس طرح نہیں مانتے۔ حق کو پورا پورا نہ ماننا حق کا انکار کرنا ہے، اور اوپر ایمان والوں کے مقابل حق کے نہ ماننے والوں کا ہی ذکر ہے۔ ان میں یہود، صابئین، نصاریٰ، مجوس اور دوسرے مشرکین سب شامل ہیں۔ جو لوگ اپنے رب کے احکام کو نہیں مانتے، اور خلافِ حق کرنے کو اپنا امتیاز بنا لیتے ہیں، ان کا لباس قیامت کے دن آگ کا ہوگا، جو ان کے جسموں پر درست آئے گا۔ یہ عذاب منکرین کے اپنے اعمال کی جزا ہوگا۔ ان کی خودسری کی جزا یہ ہوگی کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جزا سے آگاہی ہو جائے تو اس سے بچنے کی تدبیر ضرور کی جاتی ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے کیسے بچا سکتا ہے۔

حاصل: فریق دو ہی ہیں، ایک ماننے والے، ایک نہ ماننے والے۔ نہ ماننے والے لوگوں کا لباس آگ کا ہوگا اور ان کے اعمال کی جزا کی صورت سے ہوگا۔ منکرین حق کی خودسری کی جزا ہوگی کہ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ مومنین کو وہی لباس پہننا چاہئے جو جسم کے لئے مفید ہو، اور سروں کو ڈھانپنا بھی چاہئے۔

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ ؕ

جو کچھ ان کے بطون میں ہے، پگھل جائے گا، اور ان کی جلدیں بھی۔

یہ عذاب جو جسم پر ہوگا، اتنا شدید ہوگا کہ جو کچھ بھی ان کے پیٹوں میں ہوگا، سب پگھل کر نکل جائے گا۔ یہ جلن باہر بھی ہوگی، اندر بھی ہوگی۔ حق کے انکار سے حق کے ساتھ ایک عناد کافروں کو ہو جاتا ہے، یہ حال پر ان کے اندر کی جلن ہے۔ اور حق کو ہرانے کی کوشش میں اپنا زور لگانا، یہ ظاہری جلن ہے۔ اللہ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ اعمال کی پوری پوری جزا دینا بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔

حاصل: لباس مفید ہونا چاہئے۔ غسل آرام دہ ہونا چاہئے۔ اس کو علم الصحت کا حصہ جاننا چاہئے۔ اللہ ہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ اور ان کے واسطے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔

جہنمی لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جو سختی وہ حق کے ماننے والوں سے کرتے تھے، اس سختی کی جزا انہیں لوہے کے ہتھوڑوں سے دی جائے گی۔ اس وقت نہ یہ بھاگ سکیں گے نہ کوئی ان کو چھڑانے والا ہوگا۔

حاصل: لوہے کے ہتھوڑوں سے سزا دینا اللہ کی شان ہے، بندے کو حدودِ عبدیت کے اندر رہنا چاہئے۔

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۲ ۹

جب غم کے مارے وہاں سے نکلنا چاہیں گے، پھر اسی کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور چکھو جلنے کا عذاب۔

حق کا انکار کرنے والے، جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے، تو پھر اس کے اندر ڈال دیئے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا، یہ تمہارے اعمال کی جزا ہے، اس سے کہاں بھاگتے ہو۔ چکھو یہ جلنے کا عذاب۔

حاصل: خلافِ حق کرنے کا انجام جلنے کا عذاب ہوگا۔ برے انجام سے بچنا مطلوب ہو، تو برے اعمال سے بچنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ مانو اپنے رب کا حکم اس سے قبل کہ وہ دن آئے جس کو پھرنا نہیں، اللہ کی طرف سے۔ اس دن تمہیں کوئی پناہ نہ ملے گی اور نہ تم انکار ہی کر سکو گے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے تحت نہریں جاری ہیں۔ اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، اور یہاں ان کا لباس حریر کا ہوگا۔

حق کو تسلیم کرنے کا دعویٰ ہو تو یہ ایمان ہے۔ صداقت سے اس دعوے پر عمل ہو تو یہ اس دعوے کو سچا ثابت کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کو جزا کے دن جنتوں میں داخل فرمایا جائے گا، جو سدا بہار ہوں گے۔ وہاں جنتی حضرات کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے،

اور لباس ان حضرات کا ریشمی ہوگا۔ حیاتِ دنیا میں ہونے کا مقام بھی ہے نہ ہونے کا مقام بھی ہے، نفع اور نقصان کا مقام بھی ہے، صبر اور شکر کا مقام بھی ہے۔ یہاں متاع حیات کے استعمال میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، موتی اور ریشمی لباس نہیں پہنا۔ حیاتِ دنیا میں ذاتی شان و شوکت کو بڑھانے سے معاشرے میں عدم توازن بڑھتا ہے۔ حیاتِ آخرت میں شان و شوکت اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا، عام ہوگا، سب جنتیوں کو حاصل ہوگا، اور اس میں کسی کے لئے کوئی مشقت نہیں ہوگی۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ ہو، صالح اعمال سے اس کو سچا ثابت کیا جائے تو سدا بہار جنت کا انعام ملے گا۔ حیاتِ دنیا میں سونا، موتی اور ریشمی لباس پہننا اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ آخرت میں یہ انعام ہوگا، اور سب جنتیوں کو ملے گا۔

وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور انہیں طیّب قول کی ہدایت کی گئی، اور حمد کیے گئے کی راہ کی ہدایت دی گئی۔

قول پاک ہو تو عمل کی اصلاح کا مقام آتا ہے۔ اس لئے قول کے سدید بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو مخلصین کی بات کو حسن قول کا معیار جان لیتا ہے، اس کی اپنی کوئی بات نہیں رہتی۔ وہ جب بھی بات کرتا ہے، پاک لوگوں کی بات کرتا ہے۔ اس کا راستہ بھی پاک لوگوں کا راستہ ہوتا ہے۔ پاک لوگوں سے محبت اس کے لئے اس قدر باعثِ تقویت ہوتی ہے، کہ وہ سب مقامات سے بہ آسانی گزار دیا جاتا ہے۔

حاصل: قول پاک ہو اور راہِ خیر پر رہنے کا شرف ہو، تو یہ دنیا میں جنتی ہونے کا ثبوت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ۢ
۳
۱۰ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں، اللہ کی راہ سے اور مسجدِ حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے وہاں رہنے والے اور پردیسی سب لوگوں کے لئے برابر ٹھہرایا ہے۔ اور جو اس میں شرارت سے ظلم کا ارادہ کرے ہم اسے المناک عذاب چکھائیں گے۔

حکمِ خداوندی کے خلاف کرنے والا کافر ہے۔ کچھ کافر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہوئے، لوگوں کو مسجدِ حرام سے اور اللہ کی راہ سے روکنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کے بارے میں یہ سند نازل فرمائی ہے، کہ حرم شریف پاک لوگوں کے لئے ہے۔ وہ پاک لوگ وہاں کے رہنے والوں سے ہوں یا باہر سے آئے ہوئے ہوں، سب برابر ہیں۔ یہاں کے رہنے والے باہر سے آنے والوں کے سکھ کا دھیان رکھیں، باہر سے آنے والے یہاں رہنے والوں کی تکریم کریں تو یہ مسجدِ حرام کا ادب ہوگا اور اللہ کی رضا

کے لئے ہوگا۔ مسجدِ حرام میں کوئی خلافِ حق کام کرنا، اللہ کے المناک عذاب کو دعوت دینا ہے۔ نہ کسی کی نیت اللہ سے چھپی ہے نہ کسی کا عمل اللہ سے مخفی ہے۔ اللہ کے گھر میں اپنی پسند کو قانون کی صورت میں نافذ کرنا یقیناً بے ادبی ہے، ظلم ہے اور یہ لوگوں کو دکھ میں ڈالنے والی بات ہے۔ ہر مسجد بھی خانہ خدا ہے۔ یہاں بھی دیس اور پردیس والوں کا حق برابر ہے۔ مسجد میں تبلیغ کرنے کا حق وہی لوگ رکھتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہوں، صلوٰۃ قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہ ہوں اور ہدایت والے ہوں۔ جس مسجد کو اللہ کا گھر جانا جائے وہاں خدمت گاروں کو اللہ کا ڈر رکھنا چاہئے کہ اللہ کے کسی بندے کی خدمت میں، جو وہاں آئے، کوتاہی نہ ہو۔ مسجد کو تالا لگا دینے سے وہ اللہ کا گھر کیسے رہ جائے گی! مسجد میں ہر شے اللہ کی ہوتی ہے۔

حاصل: مسجد حرام کا ادب پیش نظر رہنا چاہئے۔ وہاں کے رہنے والوں کو آنے والوں کے لئے سکھ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ آنے والوں کو وہاں رہنے والوں کی تکریم کرنی چاہئے۔ کسی کو وہاں من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ عذابِ الٰہی کو دعوت دے گا۔ ہر مسجد کا احترام کرنا لازم ہے۔ مسجد میں ہر شے اللہ کی ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (۹) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (۹:۱۸) اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے نہیں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس بیت کا مقام بتا دیا کہ جہاں کسی شے کو میرا شریک نہ ٹھہرایا جائے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا۔ انہیں بیت اللہ کے مقام کا علم عطا فرمایا۔ بیت اللہ کی تعمیر کی شان دیکھئے، کہ معمار حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور تعمیر کے وقت یہ دعا کر رہے ہیں: اے ہمارے رب ہم سے یہ قبول فرما، بے شک تو سننے والا علم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدائی مہمانوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ یہاں شرک نہیں ہوگا۔ طوافِ کعبہ کرنے والے، یہاں نمازیں پڑھنے والے، رکوع کرنے والے اور سجدے کرنے والے اللہ کے مہمان ہوں گے۔ ان کے لئے اس جگہ کو پاک رکھا جائے اور انہیں وہ سب آسانیاں مہیا کی جائیں جو عبادت کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کسی تعلق کا دعویٰ کریں انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ خدائی مہمانوں کے لئے سنتِ ابراہیم علیہ السلام کے مطابق کیا کام کر رہے ہیں۔

حاصل: اللہ کے گھر کا ادب کرنا چاہئے۔ خدائی مہمانوں کی قدر کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ خدائی مہمانوں کو سکھ دینا بہت بڑی خدمت ہے۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۟ۙ﴿۲۷﴾

اور لوگوں میں حج کی اذان دیجئے، کہ وہ آپ کے پاس آئیں۔ پیادہ اور دبلے دبلے اونٹوں پر دور راہوں سے چلے آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ لوگوں کو حج کے لئے پکاریئے۔ آپ نے امر الٰہی سے لوگوں کو پکارا۔ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر جاتے رہے ہیں، جاتے ہیں اور جاتے رہیں گے۔ پیدل جانے والے بھی ہوتے ہیں، سواریوں پر جانے والے بھی ہوتے ہیں، کمزور سواریوں پر جانے والے بھی ہوتے ہیں۔ نزدیک سے آنے والے بھی ہوتے ہیں، دور سے آنے والے بھی ہوتے ہیں۔ رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے، تو موجودہ بندوبست پورا نظر آتا ہے۔ یہ یقین بھی شاملِ حال ہوتا ہے کہ اللہ کا فضل ساتھ ہو تو مشکلات کے دور ہونے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل: جس پکار پر ہم حج کے لئے جاتے ہیں، یہ پکار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ مسلمانوں کو اپنی حیثیت کے مطابق حج کے لئے جانے والوں کو سہولتیں دینی چاہئیں۔ حج کے لئے جانے والوں کو کہیں بھی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔

لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۟ؗ﴿۲۸﴾

کہ اپنے منافع کے لئے حاضر ہوں، اور معلوم ایام میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔ تو ان میں سے خود کھائیں اور درماندہ فقیروں کو کھلائیں۔

حج میں حاضر ہونے والوں کے لئے منافع ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بندہ پاک ہو جاتا ہے، اور حج کے بعد بندہ پاک رہے تو اس کا ہر کام خیر کا ہو جاتا ہے۔ حج کا سفر، سفرِ تجارت نہ بن جائے کہ پھر حاضری کا منشاء پورا نہیں ہوگا۔ یہ معلوم ایام قربانی کے معین دن ہیں۔ قربانی میں معین ایام کو ملحوظ رکھنا لازم ہے، ورنہ حق ادا نہیں ہو سکے گا۔ چوپایوں کو ذبح کرتے وقت مسنون طریقے سے ذبح کیا جائے گا، تکبیر پڑھی جائے گی، قربانی کرنے والے اس میں سے خود بھی کھائیں گے محتاجوں کو بھی کھلائیں گے۔ محتاجوں کو پکا کر کھلانا احسن ہے، کہ اس میں ان کے لئے کوئی مشقت نہیں رہتی۔

حاصل: حج میں حاضری باعث برکات ہوتی ہے۔ قربانی مسنون طریقے سے ہو، معین ایام میں ہو، قربانی کے گوشت کو خود بھی کھایا جائے محتاجوں کو بھی کھلایا جائے۔

ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾

پھر اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنی نذریں پوری کریں، اور اس بیتِ عتیق کا طواف کریں۔

قربانی کرنے سے پہلے آدابِ حج یہی ہیں کہ بندہ اپنی ذات کے ساتھ ساکن رہے، نہ حجامت بنوائے نہ ناخن کٹوائے۔ احرام کے آداب کا لحاظ رکھے۔ مناسکِ حج کو ادا کرے اور اس طرح ہمہ تن مصروف رہے۔ لیکن قربانی کے بعد حجامت بنوانا، نہانا دھونا، میل کچیل دور کرنے کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی نذریں مانی ہوں تو وہ پوری کی جائیں اور بیت اللہ کا آخری طواف کر کے حج سے فارغ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کے قدیم ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل: قربانی کرنے تک حج کی مصروفیت اور طرح کی ہوتی ہے، بعد میں اور طرح کی ہوتی ہے۔ قربانی کے بعد میل کچیل دور کرنے کا حکم ہے۔ پھر نذریں پوری کرنے کا حکم ہے۔ اور پھر آخری طواف کر کے حج سے فارغ ہو جانے کا حکم ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾

یہ اور جو اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے تو اس کے لئے وہ اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے حلال کیے گئے چوپائے سوائے ان کے جو تم پر تلاوت کی جاتی ہے۔ تو بتوں کی گندگی سے اجتناب کرو اور جھوٹے قول سے اجتناب کرو۔

وہ تمام مقامات اور اشیاء اللہ کی حرمات میں داخل ہیں، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے حوالے سے باعث قربِ الٰہی ہیں۔ بیت اللہ شریف، محترم مہینے، قربانی کے جانور، صفا، مروہ، عرفات، منیٰ، مساجد، قرآنِ پاک، یہ سب لائق تعظیم ہیں۔ جو ان کی تعظیم کرے گا وہ بہتری اور بھلائی کے رخ پر ہوگا۔ جو چوپائے اللہ نے حلال ٹھہرائے ہیں، ان کا کھانا باعثِ فلاح ہے۔ جن کے کھانے سے منع فرما دیا گیا ہے ان کے کھانے میں یقیناً خسارہ ہے۔ حلال اور حرام ٹھہرانے کا حق، اللہ کی شان کے لائق ہے۔ بتوں کی گندگی سے اجتناب یہ ہے کہ ہر مقام پر اللہ کے لئے یکسوئی قائم رہے۔ اور جھوٹی بات سے اجتناب یہ ہے، کہ جو کہا جائے اس میں اللہ کی رضا مطلوب ہو۔

حاصل: وہ مقامات اور اشیاء لائقِ تعظیم ہیں، جو باعث قربِ الٰہی ہیں۔ حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے۔ اللہ کے لئے یکسو ہونا، گندگی سے بچنے کی صورت ہے، اور لوگوں کی بھلائی کے لئے علم سے بولنا، قولِ زُور سے بچنے کی صورت ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾

ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ تو جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، تو وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گرا، پھر اسے پرندے اچک کر لے گئے، یا ہوا کسی دور جگہ پھینک دے۔

ایک اللہ کا ہو جانا اس طرح ممکن ہے کہ اللہ کی رضا کو مانا جائے اور اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہوئے اس کے بندے کا، اس کی

طرف رجوع لانے والے کا اتباع کیا جائے۔ اگر اپنی خواہشات کو بھی اتنی ہی اہمیت دیجائے، جو اللہ کے حکم کو حاصل ہے، تو یہ شرک خفی ہوگا۔ خفی پہلے ہوتا ہے، جلی بعد میں ہوتا ہے۔ جو اللہ کو مانتا ہے، وہ اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ جو معاملات میں اللہ کو ماننے کا ثبوت نہ دے، وہ بلندی سے گر جاتا ہے۔ مردار خور ایسے شکار کے انتظار میں ہوتے ہیں وہ اسے اچک کر لے جاتے ہیں، یا وہ شرک کی بدولت اتنی دور چلا جاتا ہے کہ پھر نہ خیر کو دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔

حاصل: اپنے عقیدے کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ معاملات میں اللہ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت دینا چاہیئے۔ شرک سے بندے کو جو نقصان پہنچتا ہے، وہ کسی دوسری صورت سے پہنچ ہی نہیں سکتا۔

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ سے ہے۔

جو نشانی قرب الٰہی کا سبب ہو، جیسے صفا اور مروہ ہے، تو وہ نشانی اللہ کے شعائر میں داخل ہوتی ہے۔ اس نشانی کی تعظیم تقوے کا ثبوت ہے۔ متقی کا دل پاک ہوتا ہے اور دل تبھی پاک ہوتا ہے جب ہاتھ امین ہو۔ جس کے ہاتھ سے لوگوں کی حق تلفی ہو اس کا دل کبھی پاک نہیں ہوسکتا۔ اللہ کے شعائر کی تعظیم یہ ہے کہ جو مقامات صاحبانِ حق کے نقوشِ قدم سے منور ہو چکے ہیں، ان پر ہمارا عمل شاہدین کی طریقت کے مطابق ہو۔ پاکی کے ساتھ جو بھی متعلق ہے وہ تعظیم کے لائق ہے۔ پاکی کی قدر اسی کو ہوتی ہے جس کا دل پاک ہو۔

حاصل: اللہ کے شعائر کی تعظیم، دل کی پاکیزگی کو ثابت کرتی ہے۔ دل اس کا پاک ہوتا ہے جس کا ہاتھ امین ہو۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع ۴/۸ ۱۱

ان میں تمہارے لئے اجلِ مسمّٰی تک منافع ہیں، پھر ان کا محل بیتِ عتیق کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو ایک مقدار پر خلق فرمایا ہے۔ ہر شے کو ایک مقصدِ تخلیق کے ساتھ خلق فرمایا ہے۔ ہر شے اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کے لئے خالقِ کل کے مقرر کردہ دائرے میں متحرک رہتی ہے۔ حضرت انسان کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنا منشاء تخلیق خالقِ کُل کے امر کے مطابق پورا کر رہا ہے یا اپنے شعور کو خلافِ حق استعمال کر رہا ہے۔ حلال جانوروں کو بیت اللہ شریف تک ذبح کرنے کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ ذبح کرنے سے پہلے ان جانوروں کا دودھ استعمال ہوسکتا ہے، ان سے دوسرے کام بھی لئے جاسکتے ہیں، اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ جو منافع بھی حاصل کئے جائیں، اللہ کے شکر کے ساتھ حاصل کئے جائیں تو بیت اللہ شریف کی تعظیم کا حق ادا ہوگا۔

حاصل: اللہ کے احکام کو ادب سے ماننا چاہیئے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ اپنے منشاء حیات کو دیکھنا چاہیئے اور شعور کے ساتھ پاک رہنا چاہیئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ (۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو، اللہ کو اس کا علم ہے۔ (۲:۱۹۷)

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی ٹھہرائی ہے، کہ وہ اس رزق پر اللہ کا نام لیں، جو چوپائے انہیں دیئے گئے ہیں۔ تو تمہارا معبود الٰہ واحد ہی ہے، تو اسی کو تسلیم کرو۔ اور بشارت دیجئے عاجزی کرنے والوں کو۔

چوپایوں کو حکمِ الٰہی کے مطابق، شاہدین کے اتباع میں قربان کرنا ہر امت میں دین کا ایک رکن رہا ہے۔ جانور ذبح کرتے وقت انبیاء کرام کی تعلیم کے مطابق، موزوں آلے کا اہتمام کیا جاتا ہے، جانور کو سنبھالنے کا بندوبست کیا جاتا ہے، رُخ کو دیکھا جاتا ہے، بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس رزق کو رضائے الٰہی کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس معبود لاشریک کے لئے پہلے قربانی کی جاتی تھی، اسی کے لئے اب کی جاتی ہے، اسی کے لئے آئندہ کی جائے گی۔ اللہ کو تسلیم کرنا یہ ہے کہ صداقت کے ساتھ اس کے احکام کو مانا جائے، اس کی قدر کی جائے جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ جو ہونے کے مقام پر شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ رہتا ہے اور نہ ہونے کے مقام پر صبر کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ رہتا ہے، وہ شعور کے ساتھ عاجزی کے مقام پر رہتا ہے، دکھ سکھ کو باذن اللہ جانتا ہے۔ ایسے حضرات کو فلاح کی بشارت دی جاتی ہے۔

حاصل: قربانی کرنے کی طریقت کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ اللہ کو تسلیم کرنا دعویٰ ہے، اس کی شہادت بھی ضروری ہے۔ عاجزی ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈرتے ہیں، اور مصیبت پر صابر رہتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

عاجزی کرنے والوں کی صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈرتے ہیں۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ ہم سے حق کی احسن ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو جائے اور صالحین کے اتباع کا دعویٰ بے معنی نہ ہو جائے۔ مصائب و آلام کو باذن اللہ جانتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور اللہ کی نصرت کا اس طرح یقین رکھتے ہیں کہ وہ خیر الناصرین جو کچھ کرے گا، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ نماز قائم کرتے ہیں، کہ نماز میں کئے گئے پاکیزگی کے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ معاملات اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔ جو رزق اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام کرتے ہوئے حاصل کیا جائے وہی اللہ کا دیا ہوا رزق ہے، اور پاک رزق ہے۔ اسی کو اللہ پسند کرتا ہے، اور اسی کو اللہ کی راہ پر خرچ کیا جائے تو عاجزی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو رزق ناجائز طریقے سے حاصل کیا جائے وہ ناپاک ہے، اور ناپاک کو اللہ پاک کے نام پر خرچ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل: عاجزی کرنے والے بندے، احکامِ الٰہی کا احترام کرتے ہیں۔ جس کا ادب ہو اس کا ڈر بھی ہوتا ہے۔ مصائب و آلام کو باذن اللہ جانا جائے تو صبر ممکن ہوتا ہے۔ نماز قائم ہو جائے تو برائی اور بے حیائی سے بچ جانا بھی مشاہدے میں آنا چاہئے۔ اللہ کے راستے میں صرف پاک مال کو ہی خرچ کیا جا سکتا ہے۔

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر ٹھہرایا ہے، ان میں تمہارے لئے خیر ہے، تو ان پر اللہ کا نام لو کھڑے ہو کر۔ تو جب وہ پہلو پر گر جائیں، تو ان میں سے خود کھاؤ اور قناعت کرنے والے کو کھلاؤ اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔ اسی لئے ہم نے تمہارے لئے انہیں مسخر کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو۔

وہ جانیں جو اللہ کے لئے قربان کی جائیں، اللہ کے شعائر ہیں۔ اونٹ بڑا جانور ہے، اس کی قربانی کا طریقہ بھی مخصوص ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ استطاعت ہو تو یقیناً اس قربانی میں بھلائی ہے، اور قربانی کرنے والا اس بات کو یاد رکھے کہ اللہ نے اس میں بہتری کی سند نازل فرمائی ہے۔ اونٹ کو قربان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رو کھڑا کیا جائے، اگلی ایک ٹانگ باندھی جائے، سینے پر تکبیر پڑھ کر زخم لگایا جائے، جب جانور پہلو پر گر جائے تو کھال اتار کر گوشت بنایا جائے۔ سب سے پہلے قربانی کرنے والے کا حق ہے کہ اس میں سے کھائے، پھر قناعت کرنے والے کا حق ہے کہ اس کو دیا جائے، اور پھر سوال کرنے والے کو دیا جائے۔ قول کا شکریہ قول سے ادا ہوتا ہے، عمل کا شکریہ مال سے ادا ہوتا ہے، علم کا شکریہ علم سے ادا ہوتا ہے اور اخلاص کا شکریہ اخلاص سے ادا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا جانور انسان کی خدمت کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے، جو بار برداری کے کام آتا ہے، سواری کے کام آتا ہے، پھر اس کا گوشت اور دوسرے ارکانِ جسم بھی کام آتے ہیں۔ شکریہ تو اللہ کا ہی ادا کیا جائے گا جس نے اونٹ کو ہمارے لئے مسخر کیا ہے۔

حاصل: قربانی کے اونٹ بھی اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔ استطاعت کی موجودگی میں یہ قربانی بہتر ہے۔ قربانی کا طریقہ وہی ہو جو اللہ نے روشن فرمایا ہے۔ قربانی کرنے والا خود بھی کھائے، قناعت کرنے والوں کو اور سوال کرنے والوں کو بھی دے، اور اللہ کا شکر ادا کرے کہ حق ادا ہو گیا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

اللہ کو نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن تمہارا تقویٰ اسے پہنچتا ہے۔ اس طرح ہم نے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ تم اللہ کی تکبیر کہو جو تمہیں ہدایت فرمائی۔ اور محسنین کو بشارت دیجئے۔

گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا۔ تقویٰ اللہ سے تعلق کا ثبوت ہوتا ہے اور جس قربانی کے پیچھے یہ حقیقت موجود ہو تو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اللہ کی تکبیر کہنے کے بعد، بندے میں تکبر نام کو بھی نہیں رہنا چاہئے ورنہ وہ ہدایت سے خالی ہے، جھوٹا ہے اور اس کی قربانی

کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔قربانی لوگوں کو سکھ دے، آسانی مہیا کرے، ان کی قدرومنزلت کا باعث بنے تو قربانی کرنے والا یقیناً محسن ہے۔محسنین کوتائیدِ ایزدی کی بشارت دی جاتی ہے۔

حاصل: گوشت اورخون کے پیچھے تقویٰ موجود ہوتو قربانی باحقیقت ہوتی ہے ورنہ بے حقیقت ہوتی ہے۔اللہ کی تکبیر پڑھنے کے بعد تکبر کے کلمات بندے کوصرف جھوٹا ہی ثابت کرتے ہیں، جھوٹا ہدایت نہیں پاتا۔محسنین کو تائیدایزدی کی بشارت دی جاتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۸﴾ ع

بے شک اللہ ایمان والوں سے انہیں دفع کرے گا۔ بے شک اللہ کسی دغاباز، ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

محسنین کی مخالفت کرنے والے، دغاباز اور ناشکرے ہوتے ہیں۔اللہ منکرینِ حق کو جومہلت دیتا ہے وہ اصلاح کوقبول کرنے کے لئے ہوتی ہے اور اتمام حجت کے لئے ہوتی ہے۔منکرینِ حق کو جوتوفیق دی گئی ہوتی ہے وہ واپس لینے میں اللہ کوکوئی دیرنہیں لگتی۔قاعدہ کلیہ یہی ہے، جومحسنین کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے اوران کے اخلاص کی سند کو دیکھ لینے کے بعد بھی بری حرکات سے بازنہیں آتا، اسکومحسنین کے راستے سے ہٹادیا جاتا ہے۔دغابازی کرنے والے، ناشکری کرنے والے کبھی اللہ کوپسند نہیں ہوتے۔

حاصل: محسنین کی مخالفت کرنے والے دغاباز اور ناشکرے ہوتے ہیں۔اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے اوران کے مخالفین کوناپسند کرتا ہے۔جومحسنین کی صداقت کوعملاً دیکھ لینے کے بعد بھی بری حرکات سے باز نہ آئے، اللہ اسے محسنین کے راستے سے ہٹادیتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم (۱۴) میں ارشادفرمایا ہے: وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اور ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ اللہ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔(۱۴:۴۲)

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُۨ ﴿۳۹﴾

اِذن دیا گیاان لوگوں کوجن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لئے کہ ان پرظلم ہوا، اور اللہ یقیناً ان کی نصرت پرقادر ہے۔

محسنین کوہمیشہ اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔جب برداشت کرنے کامقام ہوتا ہے،صبر کرنے کا مقام ہوتا ہے،وہ صبر کرتے ہیں۔ظلم کو سہنے کا مقام ہوتا ہے تو سہتے ہیں۔امام المومنین کی طرف سے جب اجازت مل جاتی ہے تو عملاً ظالموں کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔اللہ کی قدرت یہ شان رکھتی ہے، کہ وہ قلیل اور بے سروسامان لوگوں کوکثیر اور سامانِ حرب پراترانے والےلوگوں پرغالب کردے۔سب سے بڑی قوت والاجس کے ساتھ ہو، خیرالناصرین جس کے ساتھ ہو، اس کی شان ہمیشہ بلند ہوتی ہے۔(۱۴:۴۲)

حاصل: ظلم سہنے والے کودھیان رکھنا چاہیئے، کہ اس کی طرف سے جوجوابی کاروائی بھی ہوقطعاً حق کے حوالے

سے ہو۔ اللہ جو مدد دے سکتا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اللہ کی مدد سے قلیل لوگ بے سروسامانی کے باوجود، کثیر لوگوں پر اور سامانِ حرب کے انبار رکھنے والے لوگوں پر غالب آجاتے ہیں۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾

وہ لوگ جو اپنے دیار سے ناحق نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو ضرور خلوت خانے اور کلیسے اور عبادت گاہیں اور مساجد منہدم کر دیئے جاتے جن میں اللہ کا ذِکر کثیر ہوتا ہے۔ اور اللہ ضرور اس کی نصرت فرمائے گا جو اس کی نصرت کرے گا۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا عزت والا ہے۔

بظاہر یہ ایک چھوٹی بات لگتی ہے، کہ کسی فرد یا جماعت کو صرف اس بنا پر اس قدر مجبور کر دیا جائے کہ وہ اپنا گھر چھوڑ دے۔ کافروں کو مومنین کی یہ بات کہ ''ہمارا رب تو اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں،'' کیوں اتنی تکلیف دہ لگتی تھی کہ انہیں اپنا حال اور مستقبل غیر محفوظ نظر آتا تھا اور وہ انہیں اپنی بستیوں سے نکالنے پر تل جاتے تھے۔ کافر لوگ یہ دیکھتے تھے کہ مومنین اللہ کی وحدانیت کو اپنے اعمال سے ثابت کر رہے ہیں۔ اس طریقِ زندگی میں خلوت وجلوت کی پاکیزگی لازم ہے۔ ہر کام میں اللہ کی رضا کا مقصود ہونا ضروری ہے۔ اس معاشرے میں انسان کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ اور کافروں کو یہ پسند تھا کہ اللہ کی عبادت بھی ہو مگر کسی وقت ہو، ہمہ وقت اللہ کی بندگی، ہمہ وقت اس کی اطاعت انہیں قطعاً پسند نہ تھی۔ یہ بات انہیں اپنی سلامتی کے لئے خطرہ نظر آتی تھی۔ اللہ جو بھی کرتا ہے، اپنے علم سے کرتا ہے۔ اگر اس نے بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے دفع نہ کیا ہوتا، تو ضرور خلوت خانے اور کلیسے اور عبادت گاہیں اور مساجد منہدم کر دیئے جاتے۔ حق کو مٹانے کی کوشش ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے، لیکن مٹا ہر زمانے میں باطل ہی رہا ہے۔ عیسائیوں کے عبادت خانے موجود ہیں، یہودیوں کے عبادت خانے موجود ہیں، مساجد جو اللہ کے ذکر کثیر کے مقام ہیں موجود ہیں۔ اگر باطل کو غلبہ ہوتا تو دین کے مراکز کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔ مغلوب کا دین کبھی غالب کو پسند نہیں ہوتا، اس لئے وہ اس کے مراکز کو نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کی نصرت کی بدولت ہی دین کو استحکام ملتا ہے۔ جو حق کی مدد کرتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اللہ کی مدد سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ سب سے بڑا قوت والا، سب سے بڑا عزت والا ساتھ ہو تو پھر چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔

حاصل: وہ نظامِ حیات قائم کرنا چاہئے، جس سے یہ ثابت ہو کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے۔ اجتماعی زندگی میں اس نظام کو قائم کرنا ہر ہر فرد کے لئے باعث عافیت ہوگا۔ اللہ پہلے بھی حق کی مدد کرتا رہا ہے، اب بھی کرتا ہے آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ دینی مراکز کی موجودگی اس کی سند ہے۔ جو حق کے ساتھ ہوگا، اللہ اس کے ساتھ ہوگا، اور اللہ جس کے ساتھ ہوگا اس کے ساتھ مقابلہ کرنے والے کی حیثیت ہی کیا ہوگی۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

وہ لوگ کہ اگر انہیں زمین میں اقتدار بخشا جائے تو صلوٰۃ قائم رکھیں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور بھلائی کا امر دیں اور برائی سے منع کریں۔ اور امور کی عاقبت اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

یہ ان حضرات کی صفات کا ذکر ہے، جن کو اللہ کی نصرت نصیب ہوتی ہے۔ جب ان کے پاس اختیار آتا ہے تو وہ قطعاً اللہ کی رضا کے لئے ہر کام کرتے ہیں۔ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں، یہ قول کے پاک رکھنے کی اجتماعی صورت ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کہ مال کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنے سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔ پاک مال ہی کسی معاشرے کو باحقیقت بنا سکتا ہے۔ پاک اور ناپاک مال میں واضح طور پر فرق نظر آئے تو پاک کی اہمیت روشن ہو جاتی ہے۔ بھلائی کا امر دینا، امر الٰہی کی تعمیل کا حکم دینا ہے مگر شاہدین کی طریقت کے مطابق، اور برائی سے منع کرنا من مانی کرنے سے روکنا ہے۔ اور پھر اپنا حق ادا کرنے کے بعد اپنی پسند کے نتائج سے خود کو باندھ لینا بھی بے جا ہے۔ نتائج کو باذن اللہ جاننا حق ہے۔ جو وقت کسی نتیجے کے سامنے لانے کا اللہ کو پسند ہوتا ہے، اسی وقت پر وہ نتیجہ سامنے آنا چاہئے۔ اور بندہ یہ مان لے کہ اللہ کی رضا سے بہتر کچھ نہیں ہے، اور اللہ کی رضا کے مطابق اپنا حق ادا کرتا رہے تو اس سے بڑا کوئی سکھ بھی نہیں ہے۔ حالات جو ہوں، راحت تعلق مع اللہ میں ہی رکھی گئی ہے۔

حاصل: وہ پاک صفات ہم میں موجود ہونی چاہئیں جن کا یہاں ذکر فرمایا ہے، اور وہ ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بھلائی کا امر کرنا، برائی سے منع کرنا اور نتائج کو باذنِ اللہ جانتے ہوئے حق کی احسن ادائیگی کو طریق زندگی بنا لینا۔ یہ معاشرے کو باحقیقت بنانے کی طریقت ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے قبل قومِ نوح اور عاد اور ثمود بھی تکذیب کر چکے ہیں۔

جو لوگ حال پر منکرین حق کے رویئے کو دیکھ کر دکھ محسوس کرتے ہیں، انہیں ماضی میں جھانکنے سے مدد ملتی ہے۔ حق کو جھٹلانے والے ہر زمانے میں ہی رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے لمبی مدت تک لوگوں کو بھلائی کی طرف بلایا، لوگوں نے یہی جواب دیا: ہمیں آپ میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھی بنے ہیں وہ ہمارے معاشرے میں رذیل لوگ ہیں۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو وہ عذاب لے آئیں، جس سے آپ ڈرایا کرتے ہیں۔ وہ قوم غرق کر دی گئی۔ جو پاک لوگ بچے، ان کی نسل بڑھی اور بہت بڑھی، تو یہ لوگ عاد کہلائے۔ ان میں حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے لوگوں کو خلافِ حق کرنے سے منع کیا، تقویٰ کرنے کی ترغیب دی، عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ تو قوم نے یہ جواب دیا: ہمیں تو آپ بے وقوف نظر آتے ہیں اور ہمیں آپ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ پاک لوگ جو حضرت ہود علیہ السلام کی معیت میں تھے نجات پا گئے باقی عذاب الٰہی سے مٹا دیئے گئے۔ پھر جو پاک لوگ بچے، ان کی نسل بڑھی اور ان کو ثمود کا نام دیا گیا۔ ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے یہ ہی فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور یہ اللہ کی اونٹنی ہے، اسے برائی سے مَس نہ کرنا ورنہ تمہیں المناک عذاب پکڑے گا۔ قوم نے حق کے انکار کے ساتھ اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور کہا وہ عذاب لے آیئے جس سے آپ ڈرایا کرتے ہیں۔ عذاب الٰہی آیا اور اس نے ان لوگوں کو نابود کر کے رکھ دیا۔

حاصل: حال پر اگر حق کی تکذیب ہورہی ہے، تو ماضی میں بھی ہوچکی ہے۔ پاک لوگوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، کہ وہ اس راستے پر ہیں، جو اللہ کے محبوب بندوں کا راستہ ہے اور یہ راستہ ماضی میں بھی اسی طرح تھا۔

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی اور اپنے بتوں کو بے حقیقت دیکھ لینے کے بعد بھی انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے اور اپنے بتوں کی مدد کی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان کو ان کی یکسوئی کی بدولت اس قدر روشن کیا گیا کہ قیامت تک لوگ ان سے نور پاتے رہیں گے۔ آپ نے دیکھا کہ میرے ساتھ جو بھی ہوگا، باذنِ اللہ ہوگا۔ اللہ نے آپ کے لئے آگ کو ٹھنڈا کردیا، اور منکرینِ حق ہی خسارے میں پڑے۔ حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تم لوگ وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ عذابِ الٰہی سے ڈرو۔ تم عبرتناک سزا پاؤ گے۔ قوم نے یہی جواب دیا کہ یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں، ان کو اپنی بستی سے نکال دیا جائے۔ اس قوم پر عذاب آیا اور یہ لوگ مٹا دیئے گئے۔ نجات انہیں نصیب ہوئی جو پاک تھے اور حضرت لوط علیہ السلام کی معیت میں تھے۔ جو قادرِ مطلق پہلے منکرینِ حق کو تباہ کرچکا ہے، اس کی قدرت کو کبھی محدود نہیں کیا جاسکتا۔ جو خلافِ حق کرے گا، اللہ اس کی ہلاکت سے پہلے اتمامِ حجت ضرور کرتا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق کی سوچ درست نہیں ہوتی۔ وہ اپنی حیثیت کو اللہ کی قدرت کے حوالے سے دیکھیں تو انہیں خلافِ حق کرنے سے رک جانا چاہئے۔ پاکیزگی کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

اور مدین والے۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کی بھی تکذیب ہوئی، تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر انہیں پکڑا۔ تو کیسا ہوا میرا انکار۔

مدین والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن نشانیاں آچکی ہیں، تو ناپ اور تول کو پورا رکھو اور لوگوں کی چیزیں انہیں گھٹا کر نہ دو۔ اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ماننے والے ہو۔ منکرینِ حق نے یہی کہا: اے شعیب (علیہ السلام) ہم آپ کو اور آپ کے ایمان والے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ، ہمارے طریقِ زندگی کو اختیار کرو۔ حق کو جھٹلانے والوں کو اللہ نے مہلت دی، پھر انہیں عذابِ الٰہی نے پکڑا تو وہ خود کو بچا نہیں سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ آپ کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی، فرعون اور اس کے ساتھیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی راہ ہی اختیار کی، تو اللہ کو منکرینِ حق کے غرق کرنے میں کوئی دیر نہیں لگی۔ جہاں بھی حق کا انکار ہو وہاں عذابِ الٰہی کو دعوت دی جارہی ہوتی ہے۔ اللہ اتمامِ حجت کے بغیر کسی قوم کو عذاب میں نہیں پکڑتا۔

حاصل: حق کا انکار عذابِ الٰہی کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اللہ مہلت ضرور دیتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے بچ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ ماضی سے سبق نہ لیا جائے تو حسنِ معاشرت کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

اور کتنے ہی قریے ہم نے ہلاک کردیئے کہ وہ ظالم تھے، تو وہ اپنی چھتوں پر گرے پڑے ہیں، اور کنویں معطل پڑے ہیں اور چونے کے قصر بیکار پڑے ہیں۔

لوگ ہمیشہ خلافِ حق کرتے ہوئے عذابِ الٰہی میں پکڑے گئے ہیں۔ ماضی میں کتنی ہی بستیاں اس طرح ہلاک ہو چکی ہیں۔ اب ان کے مساکن برباد پڑے ہیں۔ اب ان کے کنوؤں سے پانی لینے والا کوئی نہیں۔ اب ان کے عالی شان محلوں میں رہنے والا کوئی نہیں۔ ماضی میں خلافِ حق کرنے والوں کے آثارِ قدیمہ سے سبق لینا دانش مندی ہے، اور عذاب میں پکڑے جانے والے لوگوں کی راہ کو اختیار کرنا خسارے کو اپنے لئے مقدر کرنا ہے۔ اپنے رخ پر نظر رکھنی چاہئے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے اپنے مطلوبہ نتائج کو کبھی نہیں پا سکتے۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ ماضی سے سبق لینا دانش مندی ہے۔ حق کے مطابق اپنے کنوؤں کو آباد رکھنا چاہئے۔ اپنی رہائش گاہوں کو ایسے بنانا چاہئے کہ اللہ کے ماننے کا ثبوت ملے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی، تو ان کے قلوب ہوں تو عقل کریں، یا کان ہوں تو سنیں۔ تو آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، ولیکن قلب اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ماضی کے آثارِ قدیمہ سے سبق لینا، زمین میں سیر کرنے کا منشاء ہو تو یہ دانش مندی کی سند ہے۔ عقل مندی کا تعلق دل سے ہے، اور دل اگر خواہشاتِ نفس کے دائرے سے باہر نہ نکلے تو پھر عقل مندی کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے۔ کان جسم میں آلۂ سماعت ہے۔ جو کان حق کو سن کر ان سنا کر دے وہ کان بے حقیقت ہے۔ جو آنکھ حق کو دیکھ کر بھی خواہشات کی پیروی میں لگی رہے وہ آنکھ بے بصیرت ہے۔ دل میں نور ہو تو آنکھ حق کو دیکھ پاتی ہے، اور دل میں ایمان کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کیا دیکھ لے گی۔

حاصل: سیر کا منشاء آثارِ قدیمہ سے سبق لینا ہو تو یقیناً دانش مندی ہے۔ کان حق کو سنیں اور عمل کے صالح ہونے سے اس کا ثبوت ملے تو وہ کان باحقیقت ہیں۔ آنکھیں حق کو دیکھیں اور عمل صالح اس کا ثبوت ہو تو وہ آنکھیں باحقیقت ہیں۔ دل میں نور ہو تو آنکھ میں بصیرت ہوتی ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور آپ سے عذاب میں تعجیل کرتے ہیں، اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ خلاف نہیں کرے گا۔ اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسے تمہاری گنتی میں ہزار برس۔

کافروں کا یہ طریقہ بتا رہا ہے، کہ وہ حق کو ماننے کے لئے عذاب الٰہی طلب کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ صاحب آپ اگر سچے ہیں تو وہ عذاب لے آیئے جس کا آپ ہمیں ڈراوا دیتے ہیں۔ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اللہ کا کام، اللہ کے علم سے ہوتا ہے، اور اللہ اتمامِ حجت کے بغیر کسی کو مبتلائے عذاب نہیں کرتا۔ سکھ کا وقت طویل نہیں لگتا، مگر دکھ کا وقت بڑا طویل لگتا ہے، اور دکھ کا دن، عذاب کا دن ایسے ہوگا جیسے ہزار برس کا دن ہو۔

حاصل: عذابِ الٰہی کو طلب کرنا انتہائی بے عقلی ہے۔ اللہ کا کام، اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ اللہ سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں۔ سکھ کا وقت طویل نہیں لگتا، دکھ کا وقت بہت طویل لگتا ہے، عذابِ الٰہی مانگنے والوں کو اس پر بھی نظر کرنی چاہئے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿٤٨﴾ ع ٦/١٠/١٢

اور کتنے ہی قریئے کہ ہم نے انہیں مہلت دی اور وہ ظالم تھے، پھر میں نے انہیں پکڑا، اور میری طرف ہی پھر کر آنا ہے۔

ماضی میں ایسی کتنی مثالیں ہیں، کہ لوگوں کو اللہ نے آسانیاں عطا فرمائیں، ان پر حق کو روشن کیا، انہیں خلافِ حق کرنے کے انجام سے آگاہ کیا۔ پھر ان لوگوں نے ظلم کی روش اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی، اور اتمامِ حجت کے بعد انہیں پکڑ لیا۔ پھر وہ بھاگ بھی نہ سکے اور کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آیا۔ جانا تو سب کو اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جو بامراد ہو کر جائیں وہ فلاح پانے والے ہیں، جو نامراد ہو کر جائیں وہ خسارے والے ہیں۔

حاصل: مہلت دینا اللہ کی شان ہے۔ ظلم کرنے والے کو اللہ کی پکڑ سے بچا لینا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو پھر بامراد ہو کر جانا ہی بھلائی کی صورت ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (۷) میں فرمایا ہے: اور ہم نے کسی بستی میں بھی نبی بھیجا تو اس کے اہل کو سختی اور نقصان میں پکڑا کہ وہ زاری کریں: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾ پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی، یہاں تک کہ بہت ہو گئے، اور کہنے لگے کہ بے شک ہمارے باپ دادوں کو بھی رنج و راحت پہنچے تھے، تو ہم نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں شعور بھی نہ تھا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ ﴿٤٩﴾

فرما دیجئے اے لوگو میں تو تمہیں صریحاً ڈر سنانے والا ہوں۔

عذابِ الٰہی کا لانا اللہ کا کام ہے۔ اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ جب اس کا عذاب آتا ہے تو پھر اس کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس سے بھاگ کے جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس وقت حق کو مان لینا کسی کو نفع نہیں دیتا۔ اس لئے بھلائی کی راہ کو اختیار کرنا حال

پر ہی ممکن ہے، اور حق پہنچانے والے کے ذمے یہی ہے کہ وہ بشارت کے بعد انذار بھی کر دے۔ خلافِ حق کرنے کے انجام سے کماحقہٗ آگاہ کر دینا بہت بڑی بات ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنے والا یقیناً ان کا سب سے بڑا بہی خواہ ہوتا ہے۔ اپنے بہی خواہ کی قدر کرنی چاہئے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ ہاتھ امین ہو تو امین سے نسبت کا ثبوت ملے گا۔ محض امین کی باتیں کرتے رہنے سے، امین ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ جو اپنے دعویٰ ایمان کو صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ سچا ثابت کر دے، اس کو پاکیزگی کا رُخ اختیار کرنے کی بدولت ماضی کے گناہوں سے خلاصی مل جاتی ہے اور پاک رزق نصیب ہوتا ہے۔

حاصل: اپنے ایمان کے ساتھ صالح اعمال کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کی مدد بھی کرنی چاہئے۔

وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ ہماری آیات کے ہرانے کے لئے سعی کرتے ہیں وہی دوزخ والے ہیں۔

اللہ کی نشانیاں، ہدایت کی طلب رکھنے والوں کو باعثِ قربِ الٰہی نظر آتی ہیں۔ حق کا انکار کرنے والے ان نشانیوں کو مٹانے میں اپنی عافیت دیکھتے ہیں، اس لئے ان کی کوشش ان نشانیوں کو مٹانے کی ہی ہوتی ہے۔ یہی کوشش ان کو دوزخی بنا دیتی ہے۔ نتائج پر قدرت تو ان کو ہو نہیں سکتی، عمل کے لئے دی گئی توفیق کا خلافِ حق استعمال اور حالتِ کفر پر اس دنیا سے روانگی ان کے دوزخی ہونے کی سند ہے۔

حاصل: فرمانِ خداوندی کی مخالفت پر کمر بستہ لوگ دوزخی ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں سے الگ رہنا چاہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے آپ سے قبل جو رسول اور نبی بھی بھیجا تو جب بھی اس نے تمنا کی، شیطان نے اس میں خلل ڈالا۔ پھر اللہ شیطان کے وسوسوں کو مٹا دیتا ہے، پھر اپنی آیات کو محکم فرما دیتا ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ کے رسول کی بات، اللہ کے نبی کی بات، اللہ کی بات ہوتی ہے۔ جس کی اپنی کوئی بات ہو وہ اس لائق ہی نہیں ہوتا، کہ اللہ اسے اپنی بات کا حامل بنائے۔ رسول اور نبی کی تمنا یہی ہوتی تھی کہ لوگ حق کو مانیں اور فلاح پائیں۔ شیطان اس طرح خلل ڈالتا تھا کہ حکمِ الٰہی میں

لوگوں کو اپنی خواہشات داخل کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ مثلاً بنی اسرائیل کو ایک وقت میں یہ حکم دیا گیا کہ ہفتے کے دن مچھلی کا شکار نہ کیا جائے، شیطان نے انہیں وسوسے میں ڈالا کہ حکم تو یہی ہے کہ ہفتے کے دن مچھلی نہ پکڑی جائے، باقی دنوں میں تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ تم ایسا بندوبست کرلو کہ ہفتے سے پہلے مچھلی کے سنبھالنے کا انتظام ہو۔ ہفتے کو مچھلی خود بخود ان مقامات میں جمع ہو جائے گی جو اس مقصد کے لئے بنائے گئے ہوں گے، اتوار کو پکڑ لی جائے گی۔ ان لوگوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے: کہ ہم نے انہیں برے عذاب میں پکڑا کہ وہ فسق کرتے تھے۔ فسق کو مٹانے کے لئے فاسق کو مٹانا اللہ کی سنت ہے اور فاسق کو ہدایت نہیں ہوتی۔ اس طرح اللہ کی آیات پر عمل کرنے میں، اور من مانی کرنے سے اجتناب میں لوگوں کو مدد ملتی ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اس کی حکمت بھی سب سے بڑی ہے۔ اللہ کا ساتھ ہو تو اس کے علم سے استفادہ ممکن ہوتا ہے، اس کی حکمت سے استفادہ ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: ہر رسول اور نبی کے اصل مخالفین کو پہچاننا ضروری ہے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول اور نبی کا نام لے کر اس میں اپنی پسند کو شامل کرتے ہیں۔ انجام ان کا عبرتناک ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی آیات محکم ہوتی ہیں۔ بندہ اللہ کا ہو جائے تو اس کے علم اور حکمت سے استفادہ کر سکتا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾

اس لئے کہ جو کچھ شیطان نے ملایا ہے، اس کو ان لوگوں کے لئے فتنہ ٹھہرائے جن کے قلوب میں مرض ہے، اور جن کے قلوب سخت ہیں۔ اور بیشک ظالمین دور کی مخالفت میں پڑے ہیں۔

شیطان جو کچھ حق میں ملاتا ہے، وہ لوگوں کو ان کی خواہشات کے جال میں پھنسانے کے لئے ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو منافق ہوتے ہیں، ان کے قلوب میں مرض ہوتا ہے۔ یہ خلوت وجلوت میں ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اور وہ لوگ جو اپنے باپ دادوں کی روش کو سند جانتے ہیں حالانکہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند بھی ان کے سامنے نہیں ہوتی، یہ سخت دل لوگ ہیں۔ جہاں یہ دونوں صفات ہوں گی وہاں ظلم ضرور ہوگا۔ ظالم حق کی مخالفت میں سب کچھ لگا دیتے ہیں، اس لئے فلاح سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔

حاصل: خلوت وجلوت میں حق کے مطابق رہنا اور بے سند باتوں سے بچنا، اس فتنے سے بچنے کے لئے ضروری ہے جو ظالموں کو فلاح سے دور لے جاتا ہے۔ خلافِ حق کرنا ہی ظلم ہے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور اس لئے کہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے جنہیں علم عطا ہوا ہے، کہ بے شک وہ تمہارے رب کے پاس سے حق ہے، تو اس کو مانیں پھر ان کے قلوب جھک جائیں۔ اور بے شک اللہ ضرور ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

حق کے ساتھ اپنی پسند کو شامل کرنے والے جب پکڑے جاتے ہیں، تو ان کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ علم والوں کو اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اللہ کا فرمان اس کے شاہد کے حوالے سے مانا جائے تو ماننے کا حق ادا ہوتا ہے۔ جو حق کو اس طرح مانتے ہیں ان کے دل جھک جاتے ہیں، وہ کسی بھی مقام پر اپنی پسند کو معیار نہیں جانتے۔ اپنے صاحب کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ ایسے ایمان والوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا ہوتی ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ جن لوگوں کو یہ انعام ملتا ہے، ان کی صفات کو اپنانا، فلاح کے رُخ پر ہونے کی سند ہے۔

حاصل: علم والے حقائق سے جو فائدہ اٹھا سکتے ہیں، وہ دوسرے نہیں اٹھا سکتے۔ حق کو ماننے والوں کے دل جھک جاتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾

اور کافر اس سے شک میں ہی رہیں گے، حتیٰ کہ ساعت ان پر اچانک آجائے، یا ان پر نامرادی کے دن کا عذاب آئے۔

حق کا انکار کرنے والے یہ نہیں مانتے کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دی جائے گی۔ جزا کا انکار وہ محور ہے جس کے گرد کافر کی پوری زندگی گھومتی رہتی ہے۔ جب قیامت آئے گی تو وہ لوگ جو حق کا انکار کرتے رہے ہوں گے حق کو مان لیں گے، مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں ہوگا۔ قیامت سے پہلے اگر اللہ ان لوگوں کو ایسے عذاب میں پکڑے جو ان کو نامراد کردے، تبھی یہ حق کو ماننے کی طرف آئیں گے، مگر جس وقت ماننے کے بعد عملاً سچا ثابت ہونے کی مہلت ہی نہ ہو اس وقت ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

حاصل: جزا کا انکار کافر کی پہچان ہے۔ کافر اللہ کی گرفت میں آکر مانتا ہے مگر اس وقت حق کو تسلیم کرنا نفع نہیں دیتا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

بادشاہی اس دن اللہ کی ہوگی۔ وہ ان کے مابین فیصلہ فرما دے گا۔ تو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے وہ چین کے جنتوں میں ہوں گے۔

قیامت کے دن کی حیثیت حال کے دن سے بہت مختلف ہوگی۔ حال کا دن یہ دیکھنے کے لئے ہے کہ کون حق کو مانتا ہے اور کون حق کے خلاف کرتا ہے۔ قیامت کا دن، جزا کے لئے ہوگا۔ اللہ اس دن حق کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے مابین ایسا فیصلہ فرما دے گا، جس فیصلے میں کسی کو شک نہ رہے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد صالح اعمال سے اپنے دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کیا، وہ لوگ ایسے باغوں میں رکھے جائیں گے جہاں نعمتیں ان کی منتظر ہوں گی۔

حاصل: جس دن بادشاہی اللہ کی ہوگی، اس دن فیصلہ کرنے والا مالکِ کُل ہوگا۔ اللہ کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوگا۔ ایمان کا ثبوت صالح اعمال سے ہی ملتا ہے۔ جو لوگ سچے ثابت ہو جائیں گے، انہیں ایسے باغوں میں رکھا جائے گا جہاں نعمتوں کو ان کا انتظار ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٥٧ ع ۹ ۱۴

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

جن لوگوں نے خلافِ حق کیا، اور اللہ کے فرمان کو جھٹلاتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، وہ لوگ استکبار کرتے کرتے سب کچھ ضائع کرلیں گے۔ ان کا انجام ذلت کا عذاب ہوگا۔ عزت اللہ کے لئے ہے، اس کے رسول ﷺ کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے۔ جسے عزت مطلوب ہو اسے مومنین کی صفات کو اپنانا چاہئے۔ استکبار کرنے والوں کو ذلت کا عذاب دینا، اللہ کا طریقہ ہے۔

حاصل: حق کا انکار کرنا، استکبار کی علامت ہے۔ اس کا انجام ذلت کا عذاب ہوگا۔ جسے عزت مطلوب ہو اسے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت رکھنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٣٣ کاہے کے انتظار میں ہیں، مگر اس کے کہ فرشتے ان پر آئیں یا تمہارے رب کا امر آئے۔ ان سے قبل لوگوں نے بھی یہی کیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا، لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝٥٨

اور وہ لوگ جنہوں نے فی سبیل اللہ ہجرت کی، پھر شہید ہو گئے یا انہیں موت آ گئی، تو ضرور اللہ انہیں اچھا رزق دے گا۔ اور بیشک اللہ ہی خیر الرازقین ہے۔

بندگی کا حق ادا کرنے میں جب حال پر ناقابلِ برداشت دکھ پہنچتا ہو تو شاہد کے حکم کے مطابق ہجرت کا مقام آتا ہے۔ ہجرت شاہد کے امر کے تحت ہوگی تو فی سبیل اللہ ہوگی، اور فی سبیل اللہ ہوگی تو پھر موت دشمن کے ہاتھوں آئے یا طبعی موت آئے، وہ شہادت کا درجہ رکھتی ہوگی۔ اللہ ایسے لوگوں کی پاک دامنی کا جو انعام اُنہیں دیتا ہے، وہ اللہ ہی دے سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی رزق دینے والا نہیں ہے۔ خیر الرازقین جو کچھ دے سکتا ہے وہ کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔ بندے کو جو کچھ درکار ہوتا ہے، اس کا سب سے بڑا علم بھی اللہ ہی کو ہوتا ہے اس لئے فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والے رزق کو ساتھ لے کر جانے کا سوچتے بھی نہیں۔

حاصل: فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کو موت طبعی طور پر بھی آئے تو وہ شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔ شہید کو رزقِ حسنہ سے نوازا جاتا ہے۔ خیر الرازقین جو کچھ عطا کرسکتا ہے، وہ کوئی دوسرا جانتا ہی نہیں۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝٥٩

وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا کہ وہ اس سے راضی ہوں گے۔ اور بے شک اللہ علیم ہے حلیم ہے۔

محبّ کو اس مقام پر پہنچا دیا جائے جہاں اسے محبوب مل جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسے کچھ مطلوب نہیں ہوتا۔ اللہ کی یہ نوازش اس کے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کا علم ہر مقام پر محیط ہوتا ہے۔ حسن نیت کا علم رکھنے والا، قول میں کوتاہی پر گرفت نہیں کرتا یہ اس کا حلم ہے۔

حاصل: مخلصین سے محبت رکھنے والا، ان سے وصال پا کر راضی ہو جاتا ہے۔ مہربانی کرنے کے لئے علم کے ساتھ حلم بھی ضروری ہوتا ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰

یہ، اور جو اسی کی مثل عقوبت دے جیسی اسے پہنچائی گئی تھی، پھر اس پر زیادتی کی جائے، تو اللہ ضرور اس کی نصرت فرمائے گا۔ بے شک اللہ عفو فرمانے والا، بخشنے والا ہے۔

بدلہ لینے میں اپنے نفس کی خوشی کو اہمیت نہیں دینی چاہئے، فروغ امن کو اہمیت دینی چاہئے۔ ظالم کو جو توفیق حاصل ہوتی ہے، وہ اللہ کی قدرت کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ وہ اگر پھر ظلم کی طرف مائل ہوتا ہے تو مظلوم کو اللہ کی نصرت سے نوازا جاتا ہے۔ پھر ظالم کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ مظلوم سے جو کوتاہی قولاً ہو، اللہ اس سے درگزر کرتا ہے، جو کوتاہی عملاً ہو اسے بخش دیتا ہے۔

حاصل: بدلہ لینا اسی حد تک جائز ہے جس حد تک تکلیف پہنچی ہو۔ ظالم کے مقابل جس کی صداقت کا ثبوت مل جائے اس کی پوری پوری مدد کرنی چاہئے۔ اس پر عفو بھی کرنا چاہئے اور اس کی کوتاہی کو بخش بھی دینا چاہئے کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس لئے کہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ کی قدرت کی روزمرہ مشاہدے میں آنے والی نشانی بیان فرمائی گئی ہے، کہ رات کی سیاہی کو دن کی روشنی میں ملا دینے والا اور دن کے اجالے کو رات کی سیاہی میں ملا دینے والا، اللہ ہی ہے۔ اللہ کی قدرت سے یہ ہو چکا ہے کہ قلیل لوگ، کثیر لوگوں پر غالب آتے رہے ہیں۔ مغلوب کو غالب کر دینا اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں سنتا ہے اور ہر حال میں دیکھتا ہے۔ نتائج پر قدرت رکھنے والا اللہ ہی ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ اپنی طاقت پر اترانا بھی بے جا ہے اور اپنی کمزوری کو دیکھ کر بے حوصلہ ہونا بھی بے جا ہے۔ تائید ایزدی سے مغلوب غالب ہوتے رہے ہیں۔ سننا اور دیکھنا مدد کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

یہ اس لئے کہ اللہ ہی معبودِ حقیقی ہے، اور اس کے مقابل وہ جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہیں، اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ سب سے بڑی قوت والا ہے، خالقِ کل ہے، جو چاہے کرتا ہے، ہر حال میں سنتا ہے ہر حال میں دیکھتا ہے، نتائج پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کی رضا مطلوب ہو تو اس کی عبادت ہوتی ہے، اور اس کی عبادت ہو تو پاکیزگی کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ کی رضا کے مقابل جو بھی کیا جائے وہ باطل ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، اس لئے خلافِ حق کرنے سے بڑی بے ہودگی کوئی نہیں ہوگی۔ اللہ کو بڑا مان لینے کے بعد اپنی بڑائی کا دعویٰ ختم ہو جانا چاہئے۔ اللہ کی بات سامنے آجائے تو اس کے مقابل کوئی بات نہیں کرنی چاہئے۔ ادب سے کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔

حاصل: فرمانِ خداوندی حق ہے۔ اللہ کی عبادت تبھی ہوگی جب شاہد کا اتباع ہوگا۔ اپنے رُخ کو درست رکھنا چاہئے۔ بڑائی کا دعویٰ بندے کو زیب نہیں دیتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۫ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ۚ

دیکھتے نہیں کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے تو زمین اس سے سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ لطیف ہے خبیر ہے۔

جب زمین اگانے کی صلاحیت کھو دیتی ہے، تو اللہ ہی اسے بارانِ رحمت سے زندہ کرتا ہے۔ پھر وہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ باریکیوں کا دیکھنے والا، ہر خبر رکھنے والا جو کچھ کرتا ہے وہ حضرتِ انسان کے علم میں کم ہی ہوتا ہے۔ انسان کو حق کے مطابق رہنے سے جو برکت حاصل ہوسکتی ہے، وہ کسی دوسری صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

حاصل: اللہ مُردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے، اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ باریک بین ہونا اور باخبر ہونا باعثِ قربِ الٰہی ہو تو رخ درست ہوتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ۧ ع ۸/۷ ۱۵

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ وہی ہے غنی، حمد کیا ہوا۔

اللہ خالقِ کل ہے، مالکِ کل ہے۔ جب اس کی عطا کو اس کی رضا کے حوالے سے استعمال کیا جائے تو تائیدِ ایزدی شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ معطیٔ مطلق ہے۔ جو بھی پاتا ہے اسی سے پاتا ہے اور اللہ کسی سے نہیں پاتا۔ ہر شے کو علم سے پالنا اسی کی شان ہے۔ ہر شے اپنے دائرے میں مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں برکت ہے۔ اللہ کا بندہ، غرض و غایت سے پاک ہو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشاں رہے، تو وہ باحقیقت ہوتا ہے۔

شہادت: سورہ ابراہیم (۱۴) میں فرمایا گیا ہے: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸ اگر تم اور زمین میں جتنے بھی ہیں سب ناشکری کرو تو اللہ بے نیاز ہے، حمد کیا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَ يُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۵

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین کی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور کشتی کہ بحر میں اس کے امر سے چلتی ہے۔ اور وہی آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں اُس کے اِذن کے بغیر یہ زمین پر گر پڑے۔ بے شک اللہ لوگوں پر رؤف ہے، رحیم ہے۔

زمین کی چیزیں انسان کے استعمال میں آتی ہیں تو جس نے یہ اہتمام کیا ہے اس کی قدرت کی طرف بھی دیکھنا چاہئے۔ اگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ عطا نہ کرتا تو اس کا بدل کیا ہو سکتا تھا۔ بعض چیزیں خشکی سے تعلق رکھتی ہیں بعض سمندر سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً کشتی کو دیکھو کہ اللہ کے امر سے پانی میں چلتی ہے اور انسان کے فائدے کے لئے سمندر جیسی بڑی شے بھی اپنے دائرے میں ایک کام سرانجام دے رہی ہے۔ آسمان سے بھی ہماری زندگی کا بڑا تعلق ہے۔ جس کے اذن سے یہ بغیر ستونوں کے کھڑا ہے، اس کی عنایات کو دیکھنا چاہئے۔ جس نے اس کو بنایا ہے، وہ اس کو لپیٹ دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اللہ لوگوں پر مہربانی بھی کرتا ہے رحم بھی کرتا ہے۔ لوگوں کو ان کے خلاف حق اعمال پر گرفت میں جلدی نہیں کرتا، یہ اس کی مہربانی ہے۔ جو اللہ کی مہربانی کو دیکھ لے اس کو خیر کی طرف آنے کا شرف ہوتا ہے، اس کو اللہ کی طرف سے آسانیاں عطا ہو جاتی ہیں۔

حاصل: جو کچھ انسان کے استعمال میں ہو، اس کے حوالے سے اللہ کی قدرت کو دیکھنا چاہئے۔ بندے کو یہی نظر آئے گا کہ اللہ کی مہربانی اور اس کے رحم سے بندے کا کام چل رہا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی مہلت ایک وقت کے لئے ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝۶۶

اور وہی ہے جس نے تمہیں حیات دی، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، پھر وہ تمہیں حیات دے گا۔ بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔

حیات بھی اللہ نے دی ہے، اس کے بعد موت بھی وہی دے گا۔ حیات اور موت کے درمیان وقت میں تمام مدارج سے اللہ ہی گزارتا

ہے۔ ہر درجے میں جو کچھ درکار ہوتا ہے، اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ بندہ پاک ہاتھ سے لے تو وہ بھلائی کے راہ پر رہتا ہے، اور خلافِ حق کرنا شروع کردے تو خسارے کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ اللہ نے انسان کو جو توفیق دی ہے، اسی کے حوالے سے وہ پوچھے گا بھی اور وہ جزا بھی دے گا۔ انسان کی ناشکری یہ ہے کہ یہ مقصدِ حیات کو دیکھتا ہی نہیں۔ اپنی پسند کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اسی پر سب کچھ لگاتا چلا جاتا ہے۔

حاصل: جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ مقصدِ حیات کو خواہشاتِ نفسانی کے تابع کردینا بہت بڑی ناشکری ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

اور ہر اُمت کے لئے ہم نے ایک طریقہ ٹھہرایا ہے تو وہ اسی راہ پر چلیں گے، تو ہرگز یہ تم سے امر میں تنازعہ کرنے کی راہ نہ پائیں، اور تم اپنے ربّ کی طرف دعوت دیتے رہو۔ بے شک تم سیدھی راہ پر ہو۔

امت شاہد کے ساتھ ہوتی ہے۔ شاہد کی اطاعت واتباع سے اس کا طریق عبادت بنتا ہے۔ حق کو ماننے والے اسی راہ پر چلیں گے جو راہ ان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ جو لوگ امرِ الٰہی کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آئیں، ان سے گریز کرنا ضروری ہے، کہ اس موضوع پر کلام کرنا بے ادبی ہوگی۔ اپنے رب کی طرف دعوت دینا یہ ہے کہ ان انعامات کا ذکر کیا جائے جو تبلیغِ حق کرنے والے کو حاصل ہوں اور جن کے تقسیم کرنے کا اسے شرف ہو۔ یہ سیدھی راہ پر ہونے کی سند ہے۔

حاصل: ہر اُمت کا طریقہ اس کے شاہد کی اطاعت سے بنتا ہے، اس کے شاہد کے اتباع سے بنتا ہے۔ طالبانِ ہدایت اسی طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔ امرِ الٰہی کی اطاعت ہونی چاہئے۔ امرِ الٰہی پر بحث کرنا بے ادبی ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ شاہد کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف بلاتا ہوا، ان انعامات کو تقسیم کرتا رہے جو اسے حاصل ہوں۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور اگر وہ تم سے مجادلہ کریں تو یہ کہو کہ اللہ کو خوب علم ہے جو تم کرتے ہو۔

امرِ الٰہی پر بحث کرنے والے اگر باز نہ آئیں تو وہ مجادلے پر کمربستہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ کہنے کا حکم ہے کہ جو بھی تم کرتے ہو، اللہ کو خوب علم ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا اور اس سے بہتر کوئی جزا دینے والا نہیں ہے۔

حاصل: امرِ الٰہی پر بحث کرنے والے سے یہ کہنا چاہئے کہ اللہ کو خوب علم ہے جو تم کرتے ہو، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا ضرور دی جائے گی۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٦٩﴾

اللہ قیامت کے دن تمہارے مابین فیصلہ فرمادے گا، جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

امرِالٰہی کو بحث کا موضوع بنانے والوں سے یہ بھی کہنا چاہیئے، کہ اللہ قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کر رہے ہو اور وہ فیصلہ ایسا فیصلہ ہوگا، کہ تمہیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ مگر اس وقت تمہارا حق کو تسلیم کرنا تمہیں خسارے سے بچا نہیں سکے گا۔ دین کی بسم اللہ پاکی سے ہوتی ہے۔ جسے اللہ نے تزکیہ عطا کرنے کا شرف بخشا ہو اسی سے دین کا علم حاصل ہوگا۔

حاصل: امورِ دین میں جھگڑا کرنے والوں سے یہ کہنا چاہیئے، کہ اللہ قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرما دے گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیۡ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرٌ ﴿۷۰﴾

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ کو علم ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس سے بڑھ کر ہر شے کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس نے ہر شے کی تخلیق میں ایک قدر رکھی ہے۔ ہر شے کا ایک مقصدِ تخلیق ہے۔ جن وانس کو شعور دیا گیا ہے۔ وہ اس شعور کو استعمال کرتے ہوئے حق کو مانتے ہیں یا حق کے خلاف کرتے ہیں، ہر ایک کا نامۂ اعمال حال پر تیار ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔ وہ جزا کے وقت اعمال نامہ سامنے لے آئے گا اور اعمال نامے کو دیکھ کر بندے کو حیرت ہوگی کہ اس میں تو ہر چھوٹے اور بڑے عمل کو درج کر دیا گیا ہے۔ جو حق کو مان لے اس کا بھلا ہو جاتا ہے جو حق کو نہ مانے وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ دو ہی رخ ہیں: ایک فلاح کی طرف ہے، دوسرا خسارے کی طرف ہے۔ حال پر بندے کو یقین ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے شعور کو استعمال کرتے ہوئے راہِ حق پر ہے اور من مانی کرنے کا مرتکب نہیں ہو رہا۔

حاصل: ہر شے کے استعمال میں، اللہ کے حکم کو سننا چاہیئے اور ماننا چاہیئے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو تو رُخ درست رہتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ کے لئے جزا کا فیصلہ کرنا آسان ہے۔ حال پر اعمال نامے میں سب کچھ درج ہو رہا ہے، یہی بندے کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا وَّ مَا لَیۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۷۱﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی اس نے کوئی سند نہیں نازل فرمائی، اور جس کا انہیں کچھ علم نہیں۔ اور ظالمین کو کوئی نصرت دینے والا نہیں ہوگا۔

معبود صرف مالکِ کُل ہے، خالقِ کُل ہے، قادرِ مطلق ہے، یوم الدین کا مالک ہے۔ حق کا انکار کرنے والے جن کو اللہ کے مقابل پوجتے ہیں، وہ اس کے لئے کوئی سند نہیں رکھتے۔ یہ قطعاً بے علمی ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو دیکھنا چاہیئے کہ ان کا کوئی منشاءِ حیات ہے، اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی طریقت ہے، اور عمل کے لئے دیا گیا وقت ان کے انتظار میں رُک نہیں سکتا۔ جزا کے وقت کوئی ان لوگوں کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔

حاصل: بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔ علم سے بات کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو اس انجام کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، جس کی طرف وہ چلے جارہے ہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ ع ۹/۸ ۱۶

اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو تم کفر کرنے والوں کے چہروں پر انکار کو دیکھو گے۔ نزدیک ہوتے ہیں کہ لپٹ پڑیں ان سے جو ان پر ہماری آیات تلاوت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کیا میں تمہیں بتا دوں جو تمہارے اس حال سے بدتر ہے۔ وہ آگ ہے۔ اللہ نے کفر کرنے والوں سے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

کافروں پر جب اللہ کی آیاتِ بیّنات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے چہرے غیظ وغضب سے بدل جاتے ہیں، جیسے بارانِ رحمت کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں کھاد بنانے کے لئے جانوروں کے فضلات کو اکٹھا کیا گیا ہو تو وہاں سخت بدبو پیدا ہوتی ہے۔ یہی بارش باغ میں خوشبو کو بڑھاتی ہے۔ کافر، حق بات سنانے والوں پر پل پڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے باپ دادوں کی روش اتنی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں ہوتے اور اپنے عقائد کے ساتھ کوئی سند بھی بیان نہیں کرتے۔ حق کی بات سن کر چراغ پا ہونے والوں کو جان لینا چاہئے، کہ ان کے حال کا مستقبل کیا ہے۔ وہ آگ ہے، جس کا ان سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔ نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا، اور وہ جگہ بُری ہوگی۔ اللہ نے جو کچھ ان کو عطا کیا ہے، یہ اس کو خلافِ حق استعمال کرتے کرتے دوزخ میں پہنچیں گے اور بڑا دکھ پائیں گے۔

حاصل: فرمانِ الٰہی کو ادب سے سننا چاہئے اور ماننا چاہئے۔ حق سے بگڑنا علامتِ کفر ہے۔ کافر کو حال پر بے اطمینانی کا عذاب ہوتا ہے، آخرت میں عذابِ جہنم ہوگا۔ بات سند سے کرنی چاہئے اور جواب بھی سند سے دینا چاہئے۔ حق کی بات حق کے حوالے سے ہو تو پوری ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں ارشاد فرمایا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ جو نیکی لائے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو بدی لائے تو برے اعمال والے لوگوں کو وہی جزا ملے گی جو عمل وہ کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اے لوگو ایک مثال بیان فرمائی جاتی ہے، اسے کان لگا کر سنو۔ وہ جنہیں تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو،

لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

ایک مکھی نہیں خلق کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لئے مجتمع ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ سلب کر لے تو یہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ کتنے ضعیف ہیں، طالب و مطلوب۔

منکرینِ حق کی علامات بیان فرمانے کے بعد، آخرت میں ان کا مقام بتانے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مثال بیان فرمائی ہے۔ اس پر غور کرنے سے یقیناً فائدہ ہوگا۔ جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہرایا جاتا ہے، وہ خالق نہیں ہوتے۔ خالقِ کُل کے سامنے ان کی حیثیت کیا ہوگی۔ یہ سب جھوٹے معبود اکٹھے ہو کر بھی ایک مکھی نہیں پیدا کر سکتے۔ ان کو مکھی کے مقصدِ تخلیق کا علم نہیں ہے۔ اس کی پیدائش کے لوازمات کا علم نہیں ہے۔ ان کی قدرت کس قدر ہے، اس کو دیکھنے کے لئے یہ مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر مکھی ان معبودوں سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے چھینی ہوئے شے لے بھی نہیں سکتے۔ طالب اپنے معبود کو مانتا ہے تو اپنے معبود سے نصرت کا طلب گار ہوتا ہے۔ بت پرست طالب تو ضعیف ہوتا ہی ہے، اس کا مطلوب بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے طالب سے بھی ضعیف ہوتا ہے۔

حاصل: خالقِ کُل کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ سب سے بہتر نصرت دینے والا ہے، سب سے بڑی قوت والا ہے۔ جس طالب کا مطلوب ضعیف ہو وہ طالب کبھی باحقیقت نہیں ہو سکتا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

اللہ کی قدر نہ کی جیسے اس کی قدر کا حق ہے۔ بیشک اللہ ضرور قوت والا، عزت والا ہے۔

اللہ کی قدر کا حق یہ ہے کہ اس کی رضا کو مقصود بنایا جائے، اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے شاہد کی پیروی کی جائے اپنی خواہشات کا اتباع نہ کیا جائے۔ جو اللہ کی قدر کرے اسے قوت بھی حاصل ہوگی، عزت بھی حاصل ہوگی۔

حاصل: اللہ کی قدر کرنے کا ثبوت تبھی مل سکتا ہے، جب پاک لوگوں کی صفات ہمارے اندر موجود ہوں۔ اللہ کی قدر کرنے والا قوت بھی پاتا ہے، عزت بھی پاتا ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ ج

اللہ تعالیٰ ملائکہ میں سے اور انسانوں میں سے رسول چُن لیتا ہے۔ بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ اس کا ہر کام علم مطلق سے ہوتا ہے۔ اس کا چناؤ بھی اس کے اپنے علم سے ہوتا ہے، اس لئے اس سے بہتر چناؤ ممکن ہی نہیں۔ اس نے ملائکہ سے جن کو چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں، انسانوں میں سے جن کو چنا وہ بھی بڑی شان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب، بندوں کو بڑی آسانیاں عطا کرتا ہے، کہ وہ اللہ کے چنے ہوئے کو مان لیں اور فلاح کی راہ پر چل پڑیں۔ چناؤ کے لئے سننا اور دیکھنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ سے بڑا سننے والا کوئی نہیں، اللہ سے بڑا دیکھنے والا بھی کوئی نہیں، اس لئے اس سے بہتر چناؤ کسی کا نہیں ہو سکتا۔

حاصل: اللہ کے چنے ہوئے کی باتیں سنی چاہئیں اس کے حسنِ عمل کو دیکھنا چاہئے، حقائق کو پانے کی یہی صورت ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

اسے علم ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور سب امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔

اللہ کو حال کا علم ہے، مستقبل کا علم ہے اور ماضی کا بھی علم ہے۔ اللہ کے چنے ہوئے، اللہ کے علم کو مانتے ہیں اور ماننے کا حق ان کے حسن عمل میں نظر آتا ہے۔ سب کاموں کا رجوع، اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ جس کا رخ اللہ کی رضا کے حصول کا ہو وہ درست رُخ پر ہے۔ جس کا رُخ اس کے خلاف ہو، جانا اس کو بھی اللہ کی طرف ہی ہے۔ وہ اپنے غلط رخ کی وجہ سے خسارے میں پڑے گا۔

حاصل: علم الٰہی سے فیض یاب ہونا بڑی بات ہے۔ ہر کام میں اللہ کی رضا کو مقصود بنانا باعثِ فلاح ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ السجدة

اے ایمان والو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور خیر کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

نماز میں رکوع ایک رُکن ہے، سجدہ ایک رُکن ہے۔ رکوع کرنا اور سجدہ کرنا، جسم کو اطاعتِ الٰہی میں لگانا ہے اور خود کو شاہدین کے ساتھ ملانا ہے۔ اپنے رب کی بندگی اسی صورت میں ہوتی ہے، کہ اس کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔ خیر کے کام یہ ثابت کریں گے کہ اللہ کو خلوت و جلوت میں مانا جا رہا ہے۔ وہ کام خیر کا ہوگا جس میں اپنی خواہشات کی پیروی نہ ہوگی اور اللہ کی مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اس کا انعام یہ ملے گا کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

حاصل: رکوع اور سجدہ نماز کے ارکان ہیں۔ بندگی تبھی ہو سکتی ہے جب بندہ اللہ کا ہو جائے۔ خیر کے کام، اللہ کی بندگی کرنے والوں کی پہچان بن جاتے ہیں۔ نیت درست ہو، طریقہ درست ہو اور نتیجے کو باذن اللہ مانا جائے تو یہ یقیناً فلاح ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۚ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۚ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں پسند فرمایا ہے، اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت۔ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اس سے قبل اور اس میں بھی، تاکہ رسول تم پر شاہد ہو اور تم اور لوگوں پر شاہد رہو، تو صلوٰۃ قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کے ساتھ لگ جاؤ۔ وہ تمہارا مولا ہے، تو کیا ہی اچھا مولا اور کیا ہی اچھا نصرت دینے والا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ جس حوالے سے حق کو مانا گیا ہے، اس سے محبت ہو اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو پورا دیکھا جائے۔ جہاد کرنے والے اللہ کو پسند ہوتے ہیں۔ دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی۔ جو کچھ بھی فرمایا گیا ہے وہ ہماری بھلائی کے لئے فرمایا گیا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی کہ یا اللہ میری اولاد کو مسلمان ٹھہرا، اور ان میں ایک نبی مبعوث فرما جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے۔ اس نے کتب سابقہ میں بھی ان لوگوں کو مسلمان فرمایا ہے، قرآن پاک میں بھی ان لوگوں کو مسلمان کا نام ہی دیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے قول وفعل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنائیں، اور جب وہ تصدیق کا شرف پالیں تو پھر دوسرے لوگوں کو اس روشنی سے نوازیں جو انہیں عطا ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ نماز کو قائم کیا جائے، زکوٰۃ ضرور ادا کی جائے، اللہ کے ساتھ خلوت وجلوت میں پاک رہنے کو معمول بنایا جائے۔ وہ جو کچھ عطا کرسکتا ہے، دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ جو مدد اللہ دے سکتا ہے، وہ کسی دوسرے کے علم میں ہی کہاں ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ کی رضا کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہنا، جہاد کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ نے ہمیں پسند کیا ہے تو اس کی شان کا ملحوظ رکھنا ہم پر لازم ہے۔ دین میں کچھ تنگی نہیں ہے۔ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہیں۔ ماننے والے پہلے بھی مسلمان تھے اب بھی مسلمان ہیں۔ انعامات کے قاسم اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ جو انعام ہمیں ملے اس سے اور لوگوں کو بھی نوازنا چاہئے۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، خلوت وجلوت میں اللہ کے ساتھ پاک رہنا لازم ہے۔ کسی کو آسرا دیا جائے تو بھی اللہ کی رضا کے لئے اور کسی کی مدد کی جائے تو بھی اللہ کی رضا کے لئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (۲۹) میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم انہیں صالحین میں داخل کریں گے۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ — ایاتہا ۱۱۸ — رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجزء ۱۸ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ بے شک مومنوں نے فلاح پائی۔

مومن کی نوصفات بیان فرمائی گئی ہیں۔توبہ کرنا،عبادت کرنا،حمد کرنا،روزہ رکھنا،رکوع کرنا،سجدہ کرنا،بھلائی کا امر کرنا،برائی سے منع کرنا اور حدود اللہ کی حفاظت کرنا۔فلاح پاک کو حاصل ہوتی ہے اور پاکی اس سے حاصل ہوتی ہے،جسے تزکیہ عطا کرنے کا شرف ہو۔

حاصل: مومن کی نیت درست ہوتی ہے۔حصولِ مقصد کے لئے اس کا راستہ شاہد کا اتباع ہوتا ہے اور وہ نتائج کو باذن اللہ مانتا ہے۔دین کی بسم اللہ پاکی سے ہوتی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وہ جن کی صلوٰۃ میں خشوع ہوتا ہے۔

خشوع قلب کی ایک کیفیت ہے جس میں دل احکم الحاکمین کے سامنے جھک جاتا ہے۔بندہ اللہ کا ہو جائے تو بندگی ہوگی،ورنہ نیک عادت ہوگی جسے خطرہ بہر حال رہتا ہے۔نماز میں یہ احساس ہو کہ شاہد کی سنت کے مطابق دربارِ الٰہی میں حاضری مقصود ہے،تو پھر خیالات کا منتشر ہونا ممکن نہیں رہتا۔

حاصل: خشوع قلبی کیفیت ہے۔شاہد کی طریقت کے مطابق دربارِ الٰہی میں حاضری کا احساس ہونا چاہئے۔زبان سے کلامِ الٰہی پڑھا جائے،دل سے اس کو مانا جائے تو وہ راحت ہوگی جس کو محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ اور وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔

شوکتِ نفس کے لئے بُری بات کرنا،تکلیف دہ بات کے جواب میں تکلیف دہ بات کرنا اور شاہد کے حوالے سے اپنی زبان کو پاک رکھنے میں غفلت برتنا یہ سب لغو گوئی کی صورتیں ہیں۔خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ لغو گوئی سے بچتے رہتے ہیں۔بُری باتیں وہ سنتے ضرور ہیں،مگر وہ بات کرتے وقت اپنی زبان کو پاک رکھتے ہیں۔زمین سے فساد کو مٹانے کے لئے یہ سب سے اہم کام ہے۔

حاصل: نماز پڑھنے والے کو لغو گوئی سے بچنا لازم ہے۔لغو گوئی زبان کو پاک نہیں رہنے دیتی۔جو زبان پاک نہ ہو وہ اللہ کی پاکی کو کیا بیان کرے گی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ اور وہ لوگ زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

جس مال میں سے زکوٰۃ دی جائے،وہ مال پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔نماز پڑھنے والے اللہ کے ماننے کا ثبوت زکوٰۃ کی ادائیگی سے دیتے ہیں۔جو مال خلافِ حق کر کے حاصل کیا گیا ہو وہ اللہ کا دیا ہوا نہیں ہوتا۔اس میں سے زکوٰۃ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا جیسے خنزیر کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے،اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کر دینے سے وہ حلال نہیں ہو جائے گا۔

حاصل: مال کے حصول کو اللہ کی مقرر کردہ حدود کے تابع رکھنا چاہئے۔ اللہ کے دیئے ہوئے مال سے زکوٰۃ کو ادا کرتے وقت امرِ الٰہی کی اطاعت پر نظر ہونی چاہئے، اور لینے والے کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اور وہ اپنی فروج کی حفاظت کرتے ہیں۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ شرم گاہوں کو محفوظ رکھنے کی صورت یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کو امرِ الٰہی کے تابع رکھتے ہیں۔ بقاءِ نسل فروج کا منشاء تخلیق ہے۔ جس طریقے سے بقاءِ نسل کے عمل کو ہونا چاہئے، اس کے علاوہ سب طریقے بے ہودگی کے زمرے میں آتے ہیں۔ شرم گاہ کی حفاظت کرنے کے لئے ان حرکات و سکنات سے بھی بچنا چاہئے، جو دوسری جنس کو دعوتِ قرب دیں۔

حاصل: شرم گاہوں کی حفاظت کرنا پاک معاشرے کی شان ہے۔ وہ حرکات و سکنات جو جنسِ مخالف کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ہوں شرم گاہوں کو غیر محفوظ کر دیتی ہیں۔ فساد کو دور کرنے کے لئے اسبابِ فساد کو بھی ختم کرنا چاہئے۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ سوائے اپنی ازواج پر یا باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہوں، تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔

شرم گاہوں کے دو محل بیان فرمائے گئے ہیں، بیویاں یا باندیاں۔ آزاد عورت کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے مطابق نکاح کیا جائے تو وہ بیوی ہوگی، اور امیر المومنین کی طرف سے جو عورت، امانت کے طور پر خدمت کے لئے دی جائے وہ باندی ہوگی۔ باندیوں کے ساتھ نکاح اسی صورت میں ہوتا ہے جب ان کے اہل خانہ سے اس کی اجازت لی جائے۔ حکمِ الٰہی یہی ہے کہ جو مرد نکاح کا مقدور نہ رکھتے ہوں وہ عفیف رہیں، حتیٰ کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔ باندی سے بدکاری کرانا خلافِ حق ہے۔ باندی سے نکاح کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ مومن ہو۔ مشرکات سے نکاح منع فرمایا گیا ہے۔ باندی غلام تین اوقات میں بغیر اجازت کے خلوت گاہ میں نہیں آسکتے، نمازِ فجر سے قبل، نمازِ ظہر کے بعد اور نمازِ عشاء کے بعد۔ شرم گاہوں کی حفاظت کے لئے یہ حسن اہتمام ہے۔ اگر بقاءِ نسل کا منشاء پورا ہو چکا ہو تو پھر نکاح ثانی خواہشات کی پیروی کے لئے نہیں ہونا چاہئے۔ باندی سے نکاح بھی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ اسے آزاد کر دیا جائے، اور اسے اگر موجودہ جگہ اپنے لئے بہتر نظر آئے تو اس کی درخواست پر اس سے نکاح کیا جائے۔ شہوت کو سنبھالنا بہتر ہے۔ جو آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے لونڈی سے نکاح کی اجازت ہے مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ صبر کرے۔ مومن لونڈی مشرک لونڈی سے بہتر ہے، مومن غلام مشرک غلام سے بہتر ہے، یہ خدائی فیصلے ہیں۔ جو باندیوں کے ساتھ بغیر نکاح کے جنسی تعلق کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ اللہ سے ڈرتے نہیں۔ ان کی زندگی کبھی پاکیزہ نہیں ہوتی۔ وہ نام کوئی لے رہے ہوں کر خلافِ حق رہے ہوتے ہیں۔

حاصل: ازواج اور باندیوں کے علاوہ شرم گاہوں کی حفاظت امرِ الٰہی ہے۔ ازواج کے ساتھ ازدواجی زندگی کے آداب ہیں۔ باندیوں کے ساتھ بھی زندگی گزارنے کے آداب ہیں۔ ان کو خلافِ حق شہوت کے لئے استعمال کرنا بہت بڑا فساد ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ ﴿۷﴾

تو جو ان کے سوا کے خواہش مند ہوئے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

حد مقرر کرنا اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اللہ نے ازدواجی زندگی کے لئے جو حد مقرر کی ہے، اس حد سے تجاوز کرنے والے خواہشات کی پیروی کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ دنیا میں بھی ان کے لئے خسارہ ہوگا، آخرت میں بھی ان کے لئے خسارہ ہوگا۔ مقام کوئی ہو، اللہ کی مقرر کردہ حد کے احترام میں بندے کی بھلائی ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز یقیناً خسارے کا باعث بنتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ ﴿۸﴾

اور جو اپنی امانتوں کا اور اپنے عہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔

فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ امانت کا جو ان کے پاس رکھی جائے، اللہ کی رضا کے مطابق دھیان رکھتے ہیں اور جب امانت کو لوٹانے کا موقع آجائے تو حق کی ادائیگی کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب کسی سے عہد کرتے ہیں تو اس عہد کو پورا کرنے کی نیت بھی کرتے ہیں۔ عہد کا حق کے مطابق ہونا ضروری ہے اور فریقین کے مابین واضح ہونا بھی ضروری ہے۔ خیانت اور بدعہدی اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہے۔

حاصل: امانت کو حق کے مطابق لوٹانا اور عہد کو حق کے مطابق پورا کرنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ خائن اور بدعہد کو مفسد جاننا چاہئے، اور مفسد کو کبھی تقویت نہیں دینی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ ﴿۹﴾ وقف لازم

اور وہ لوگ کہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

نماز کی حفاظت یہ ہے کہ وہ وقتِ مقرر پر پڑھی جائے، نماز سے پہلے اس کے لئے تیاری کی جائے، بلند آواز سے بھی نہ پڑھی جائے خفی بھی نہ ہو، اس کے درمیان کی راہ لی جائے۔ جس خدمت کو مؤخر کرنے سے لوگوں کو دکھ پہنچتا نظر آئے، اس وقت نماز کو قضا کر لیا جائے۔ جو لمحات نماز میں گزریں ان لمحات کو حضوری کے لمحات جانا جائے۔

حاصل: نمازوں کی حفاظت ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے، سیدھا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عمل صالح ہو جاتا ہے، یہ بخشش کی راہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ ﴿۱۰﴾

وہی لوگ وارث ہوں گے۔

جن کی نمازوں میں خشوع ہوتا ہے، جو لغو سے اعراض کرتے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے ان مقامات کے جن کی اللہ نے اجازت دی ہے، جو حدود اللہ سے تجاوز نہیں کرتے، جو اپنی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہ لوگ مقامِ خیر پر ہیں۔ یہ ان انعامات کے وارث ہوں گے جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمائے گئے تھے۔

حاصل: ہمارا پاک لوگوں کے ساتھ ہونا، ان کا وارث ہونا، سند کے ساتھ ہونا چاہیے۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑪ — کہ فردوس کی میراث پائیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

پاک لوگوں کو جنت الفردوس بصورتِ میراث عطا ہوگی، کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وارث ہوں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو لوگ دائمی پاک دامنی کو اپنا حال بنا لیتے ہیں، دنیا میں جنتی دیکھنے ہوں تو ان کو دیکھنا چاہیے۔

حاصل: پاک ہی پاک کا وارث ہوسکتا ہے۔ دائمی پاک دامنی، جنتی لوگوں کا حال ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ⑫ — اور ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چنی ہوئی مٹی سے خلق فرمایا۔ اہمیت مٹی کو نہیں ہے، اہمیت چننے والے کی شان کے لائق ہے۔ مٹی کو وقعت اس لئے ملی کہ قادرِ مطلق کے ہاتھ سے چنی گئی، اور اسے تخلیق انسان کے لئے پسند کیا گیا۔ احکامِ الٰہی کی تعمیل ہوگی تو زندگی مقصدِ تخلیق کے مطابق گزرے گی، ورنہ مٹی خراب ہوجائے گی۔

حاصل: پاک رہنے میں ہی انسان کی شان ہے۔ پاک نہ رہے تو اس کی مٹی خراب ہوجاتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬ — پھر اسے قرارِ مکین میں نطفہ ٹھہرایا۔

مرد اور عورت کے اندر بقائے نسل کے آلات بھی اللہ نے رکھے ہیں۔ رحم مادر قرار مکین ہے، جس میں نطفہ ٹھہرایا جاتا ہے۔ جس قادرِ مطلق کے حکم سے وہاں نطفہ ٹھہرتا ہے، اسی کو علم ہوتا ہے کہ اس کی ضروریات کیا ہیں، اور وہی افزائش کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

حاصل: نطفہ کا مادہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے، رحم مادر بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ پیدائش انسان کے مدارج میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ⑭ — پھر ہم نے اس نطفے کو علقہ بنایا، پھر علقہ کو مضغہ بنایا، پھر مضغہ سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر اسے آخری شکل دی۔ تو بڑی ہی برکت والا ہے اللہ جو احسن الخالقین ہے۔

نطفے کو جن اجزاء کی ضرورت ہے کہ وہ جما ہوا لہو بنے وہ اللہ نے عطا کیے ہیں۔ پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا بھی اللہ نے بنایا ہے۔ اس میں

ہڈیاں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں۔ان ہڈیوں کو گوشت بھی اللہ نے پہنایا ہے۔پھر اس شکل کو مکمل کرنے والا،اس کے تمام نظاموں کو باہم مربوط کرنے والا بھی اللہ ہے۔اللہ برکت دینے والا ہے۔اس کا علم سب سے بڑا ہے۔اس کی قدرت ہر مقام پر محیط ہے۔وہ جو چاہے کرتا ہے، اور جو کرتا ہے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوتا۔تخلیق کے لئے خالق کے سامنے کوئی مقصد ہوتا ہے۔اس مقصد کے حوالے سے کچھ اجزا درکار ہوتے ہیں۔ان اجزا کا درست استعمال بھی ضروری ہے۔بہت سے نظاموں کو قائم کرنا اور پھر ان کے اندر ایک ربط پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔انسان کی پیدائش میں جو کچھ نظر آتا ہے اس میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔انسان جو بھی بنائے،احسن الخالقین کی تخلیق سے سیکھ کر ہی بناتا ہے۔اسی قدر اس کو شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔

حاصل: پیدائشِ انسان کے مدارج میں اللہ کی شان نظر آتی ہے۔پاکیزگی سے برکت حاصل ہوتی ہے۔انسان جو کچھ بھی بنائے،احسن الخالقین کی تخلیق سے سیکھ کر ہی بنا سکتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ؕ﴿۱۵﴾ پھر اس کے بعد تمہیں موت آئے گی۔

احسن الخالقین نے حیات کے ساتھ موت بھی رکھی ہے۔عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کا نام موت ہے۔موت کے وقت اگر حق کو ماننے کا دعویٰ کیا جائے تو یہ قابلِ سماعت نہیں ہوتا کہ اس دعوے کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔موت سے مفر بھی ممکن نہیں ہوتا۔اس لئے مقصدِ حیات کو پورا کرنے میں غفلت نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل: موت دینے والا قادرِ مطلق ہے۔اس سے مفر ممکن نہیں۔موت کے وقت ایمان لانا نفع نہیں دیتا۔

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾ پھر قیامت کے دن تم اٹھائے جاؤ گے۔

جو اللہ نطفے کو بناتا ہے اور اس نطفے کو کئی مدارج سے گزار کر انسانی صورت میں پیدا کرتا ہے،وہ ہر درجے میں اس کو موزوں خوراک بھی دیتا ہے،اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔پیدائش کے بعد لوازماتِ حیات کا اہتمام بھی اللہ ہی کرتا ہے۔موت تک تمام مدارج سے اللہ ہی گزارتا ہے۔موت بھی وہی دیتا ہے۔اس کے لئے پہلی بار خلق کرنا بھی مشکل نہیں تھا،دوسری بار منتشر اجزاء کو جمع کر کے اٹھا دینا بھی مشکل نہیں ہوگا۔جزا دینے والے کی شان یہ ہے کہ وہ عمل کرنے والوں کو ان کے رخ کے مطابق جزا دے۔

حاصل: بعث بعد الموت کا یقین ہو تو خلافِ حق کرنا ممکن نہیں ہوتا،اور بعث بعد الموت کا انکار اللہ کی قدرت کا انکار ہے،جو خلافِ عقل ہے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾ اور بے شک ہم نے تم پر سات طریق بنائے اور ہم خلق سے غافل نہیں ہیں۔

سات آسمانوں کا تعلق بھی انسانی زندگی سے ہے۔آسمانوں سے حیاتِ حیوانات اور نباتات پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں،دوسری چیزوں پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں،اللہ ہی جانتا ہے۔خلق سے غفلت شانِ الٰہی کے منافی ہے اور مخلوق کو یہ یقین ہو کہ خالق اُس کی ضروریات کو اپنے علم سے صحیح وقت پر پورا کرے گا تو پھر مخلوق کو بے چینی نہیں ہونی چاہئے۔

حاصل: علیم مطلق کا اہتمام بندوں کے علم میں کم ہی ہوتا ہے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ ہم سے کبھی بھی غافل نہیں ہوتا۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

اور ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا ایک قدر پر، پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا، اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

آسمان سے زمین پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کی ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ بارش کو ایک مقدار کے ساتھ برسایا جاتا ہے۔ برسانے والا جانتا ہے کہ کس مقام پر کتنی بارش کرنی ہے۔ زمین کی صفات کو متوازن رکھنے کے لئے بارش کو جس علم سے برسایا جاتا ہے، بندے کو اس کا پتہ ہو بھی کیا سکتا ہے۔ پھر زمین میں اس پانی کو ٹھہرانے سے زمین کی صلاحیت قائم رہتی ہے، اور جب یہ پانی بہت کم ہو جاتا ہے تو زمین مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو زندہ کرنا اللہ کا ہی کام ہوتا ہے۔ جو پانی زمین کے اندر ٹھہرایا جاتا ہے، وہ ضروریاتِ زندگی میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ اور جب زیرِ زمین پانی بہت ہی گہرا ہو جائے تو بندوں کے بس میں نہیں رہتا کہ اس سے استفادہ کر سکیں۔

حاصل: بارش اللہ کے علم سے ہوتی ہے۔ موزوں مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔ زمین میں سے پانی نکالتے وقت اللہ کا شکر کرنا چاہئے، کہ اس کی مہربانی سے ہی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہماری دسترس میں ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

وقف لازم

تو اس سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگائے۔ تمہارے لئے ان میں بہت میوے ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔

بارانِ رحمت سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ زندہ زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ انسان کے استعمال میں بہت سے پھل آتے ہیں۔ ان کے ذائقے الگ الگ ہیں۔ ان کی افادیت اپنا اپنا مقام رکھتی ہے۔ جس مالکِ کل نے ہمارے لئے یہ اہتمام کیا ہے، اس سے تعلق کا اظہار کرنا بندگی ہے۔

حاصل: کھجور اور انگور کا استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرے پھلوں کو بھی افادیت کے حوالے سے استعمال کرنا چاہئے۔ پھل کھاتے وقت، اللہ کا شکر کرنا چاہئے اور ناداروں کو بھی دینا چاہئے۔

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور وہ شجر کہ طورِ سینا سے نکلتا ہے، لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن۔

یہ زیتون کے درخت کا ذکر ہے۔ نعمتوں کا اس کی خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کا تیل بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ پھل سالن کے طور پر

بھی کھایا جاتا ہے۔ زیتون کا اچار بکثرت استعمال ہونے والی شے ہے۔ روغنِ زیتون کھانے کے تیلوں میں سب سے بہتر ہے اور سب سے بہتر زیتون وہ ہے جو طورِ سینا سے نکلتا ہے، کہ اسے جبلِ طور سے نسبت ہے۔

حاصل: شے کی اہمیت واضح ہو تو عطا کرنے والے کی شان بھی روشن ہوتی ہے۔ زیتون اور اس کا تیل استعمال کرنا چاہئے، اس میں حکمت موجود ہے۔ بعض جگہ یہ پھل اور تیل دوا کے طور پر استعمال ہوتا ہے، بعض جگہ حفظِ ماتقدم کے طور پر اس کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں اس میں سے پلاتے ہیں جو ان کے بطون میں ہے، اور تمہارے لئے ان میں بہت سے منافع ہیں اور تم ان میں سے کھاتے بھی ہو۔

نباتات کے بعد حیوانات کا ذکر ہے۔ جانوروں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ نر صرف اپنی نوع کی مادہ کے پاس جائے گا جسے بقاءِ نسل کے لئے اس کی طلب ہوگی، حاملہ ہو جانے والی مادہ کے قریب نہیں جائے گا۔ کھانے میں پیٹ بھر لینے کے بعد مرغوب چیز کو بھی جانور نہیں کھاتے۔ اور بہت سے سبق ان سے لئے جا سکتے ہیں۔ ان کے بطون سے اللہ ہمارے لئے دودھ مہیا کرتا ہے۔ دودھ انسانی غذا ہے، اور اس کی مقدار کو بڑھانے کے لئے دودھ دینے والے جانوروں کو بڑھانا ضروری ہے۔ جانوروں سے حاصل ہونے والے منافع بہت ہیں۔ کاشت کاری میں ان کا کام بہت بڑا ہوتا ہے۔ ان کے فضلات سے زمین کی زرخیزی بڑھتی ہے اور ان میں سے کچھ جانوروں کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ منافع کے بعد کھانے کا مقام آنا چاہئے، جن جانوروں سے منافع حاصل ہو سکتے ہیں ان کا کھا لینا خلافِ عقل ہوگا۔

حاصل: جانوروں کی زندگی میں بہت باتیں دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ دودھ کی افادیت کو واضح کرنا چاہئے، انسانی خوراک میں دودھ کا بڑا مقام ہے۔ جانوروں سے منافع حاصل کرنے کے بعد ان کے کھانے کا مقام آنا چاہئے۔ عطاءِ الٰہی کی قدر کرنا ہی بندگی ہوگی۔

ع ۲۲ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔

جانور سواری کے کام بھی آتے ہیں، بار برداری کے کام بھی آتے ہیں اور بعض مقامات پر وہ بے بدل نعمت ہوتے ہیں۔ دشوار گزار راستوں سے گزرنا جانوروں کے لئے دشوار نہیں ہوتا۔ خشکی کے بعد تری کا ذکر ہے، کہ بحری سفر میں کشتیاں کام آتی ہیں۔ سامان تجارت کی نقل و حمل میں جن ذرائع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ان کے عطا کرنے والے کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔

حاصل: اللہ کی عطا کو دیکھنا چاہئے، اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اپنی دانائی اور بہادری کا ذکر کرنے کی بجائے اللہ کے فضل کو بیان کرنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۝ تو کیا انہیں اس سے ہدایت نہ ملی کہ ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرون کو ہلاک کردیا کہ یہ ان کے مساکن میں چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں ضرور عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۲۳

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی جانب بھیجا، تو آپ نے فرمایا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: میں تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچا رہا ہوں، تمہیں نصیحت کررہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنی قوم کو بھلائی کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ اللہ کی بندگی تبھی ہوگی، جب بندہ پاک ہوجائے اور اللہ کا ہوجائے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھا جائے تو اللہ سے ڈرنا ضروری ہوتا ہے۔

حاصل: پیغامِ حق کے پہنچانے میں اجنبیت کو حائل نہیں ہونا چاہئے۔ پیغامِ حق کی ابتداء یہیں سے ہونی چاہئے: اے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِىْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ ۝۲۴

تو آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہاری طرح بشر ہی ہے، تم پر فضیلت چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا، ہم نے تو اپنے اگلے باپ دادوں سے بھی یہ نہیں سنا۔

قوم نے حق کا پیغام سنا تو اپنے سرداروں سے بھی بات کی۔ سرداروں نے لوگوں سے یہ کہا کہ ہمیں تو یہ تمہاری طرح کا آدمی ہی نظر آتا ہے اور یہ تم پر اپنی فضیلت کو منوانا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہوتا تو وہ فرشتے نازل کرسکتا تھا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں سے بھی یہ نہیں سنا، کہ انہی کی طرح کا کوئی آدمی ان کی طرف رسول بن کر آگیا ہو۔ کافر سرداروں کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آرہی تھی، کہ باطل کو حق سے خطرہ ہوتا ہی ہے۔ کافر سرداروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی، کہ بشر کو رسول نہیں ہونا چاہئے۔ فرشتے کے رسول ہونے کو انہوں نے بہتر جانا، اور کہا ہم تو باپ دادوں سے صرف بت پرستی کی باتیں ہی سنتے چلے آرہے ہیں۔ جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام فرمارہے ہیں، یہ کچھ ہم نے اپنے اگلے باپ دادوں سے کبھی نہیں سنا۔

حاصل: جس کی فضیلت کا اعتراف نہ ہو اس سے کچھ سیکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ فرشتے کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ کے

لئے مشکل نہیں تھا، یہ اس کی عنایت ہے کہ اس نے رسول کو شاہد بنا کر بھیجا ہے کہ وہ قول، عمل، علم اور اخلاص میں ہر مقام پر شاہد رہے، جب کہ فرشتے کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ باپ دادوں کی بات اسی وقت سند ہو سکتی ہے، جب وہ حق کے حوالے سے ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

وہ تو ایک مجنون آدمی ہے، تو راہ دیکھو ایک وقت تک۔

منکرینِ حق جب یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایک صاحب کی صداقت کو ماننے کی طرف جا رہے ہیں، اور ان صاحب کی زندگی کو منکرینِ حق کی زندگی سے کوئی نسبت نہیں ہے، ان صاحب کی بات استکبار سے پاک ہے، ان کی زبان سے کسی کو دکھ نہیں پہنچتا، ان کے ہاتھ سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی، وہ خواہشات کی پیروی نہیں کرتے، تو ایسے صاحب کے لئے منکرینِ حق یہی کہا کرتے تھے، کہ یہ سودائی آدمی ہے، ایک وقت تک اس کو دیکھنا پڑے گا۔ وقت ہی ایسے لوگوں کا علاج ہوتا ہے۔ یہ صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں، یہ صرف وقتی طور پر ہی ہو رہا ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، یہی ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہی ہوتا رہے گا۔

حاصل: منکرینِ حق کے نزدیک اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرنا جنون ہے، اور مجنون کی باتیں دیرپا نہیں ہوا کرتیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

عرض کی اے میرے رب میری نصرت فرما کہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جب یہ دیکھا، کہ قوم ان کی تکذیب کرتے کرتے حدِ اصلاح سے ہی گزر گئی ہے، تو آپ نے دعا فرمائی اے میرے رب میری مدد فرما، اور وہ کچھ کر دے جس سے تیرے حکم کے مطابق میں ان کو ڈرا تا رہا ہوں۔ یہ لوگ کبھی بھی حق کو مانتے نظر نہیں آتے، ان کی اولاد بھی فاجر و کافر ہی ہو گی۔

حاصل: جب تبلیغ حق کرنے والا اللہ سے نصرت کی دعا کرے، اور منکرینِ حق کے ناقابلِ اصلاح ہونے کی شہادت دے، تو تبدیلی آنے میں دیر نہیں لگتی۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

تو ہم نے آپ کو حکم دیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے کشتی بنائیے اور ہمارے حکم سے بنائیے، پھر جب ہمارا امر آئے اور تنور ابلے تو ہر جوڑے میں سے دو دو کشتی میں ڈال لیجئے، اور اپنے اہل کو، سوائے ان کے جن پر سابقہ قول ہو چکا ہے، اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے مخاطب نہ ہونا، بے شک یہ غرق ہوں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے نصرتِ الٰہی کے لئے دعا کی تو حکم ہوا کہ کشتی بنایئے، آپ کی مدد کی جائے گی، آپ کو بتایا بھی جائے گا، آسانیاں بھی عطا ہوں گی۔ کشتی میں کس مقام کو کن اشیاء کے لئے مخصوص کرنا ہے، سب آپ پر واضح کر دیا جائے گا۔ کشتی کے بن جانے کے بعد عذابِ الٰہی کی ابتداء آپ کے دیکھنے میں آئے گی اور زیرِ زمین پانی تنور سے ابل پڑے گا۔ تب آپ کے پاس جانوروں کے جوڑے آئیں گے، دو دو جوڑے ہر نوع سے کشتی میں ڈال لیجئے۔ یہ زینتِ زمین کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ زمین کے ڈھل جانے کے بعد دوبارہ ان سے نسل بڑھا دی جائے گی۔ اس اہتمام کے بعد اپنے اہل خانہ کو بٹھالیجئے۔ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے، انہیں نہ بٹھایئے۔ وہ آپ کی بیوی تھی اور ایک بیٹا تھا۔ خلافِ حق کرنے والوں کے بارے میں کسی رعایت کی بات نہ کیجئے، ان کا انجام غرق ہونا ہے۔ جو پاک لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ قلبی تعلق رکھتے تھے، انہیں کشتی میں آپ کے ساتھ سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حاصل: علم الٰہی سب سے بڑا انعام ہے۔ کسی نوع کو ختم کرنا خلافِ حق ہے۔ جو پاک نہ ہو، وہ اللہ کو ماننے والوں کا ساتھی نہیں ہوتا۔ خلافِ حق کرنے والوں کے لئے جزا کے وقت کسی رعایت کی بات نہیں کرنی چاہئے۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

پھر جب آپ اور آپ کی معیت والے کشتی پر ٹھیک بیٹھ جائیں، تو پکاریئے، حمد اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں قومِ ظالمین سے نجات دی۔

جب کشتی میں بٹھائے جانے والے بٹھالئے جائیں، تو پاک لوگوں کو ظالموں سے الگ ہونے کا احساس ہو جائے گا۔ حق کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان وقف لازم نظر آنے لگے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ساتھ قربِ الٰہی کا ثبوت ہوگا۔ جب پاک اور ناپاک کے درمیان حد مقرر ہو جائے تو پھر قومِ ظالمین سے نجات کا شکریہ ادا کرنے کا مقام ہوتا ہے۔ منکرینِ حق اس وقت غرق نہیں ہوئے تھے مگر پاک لوگوں پر ان کا کوئی اثر اس وقت نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح منکرینِ حق سے پہنچنے والا دکھ ختم ہو چکا تھا، اور ظالموں کا غرق ہونا پاک لوگوں کے مشاہدے میں آنا باقی تھا۔

حاصل: امیر المومنین کے امر کی اطاعت کرنی چاہئے۔ حکم دینے والا ایک ہو، باقی ماننے والے ہوں تو اس سے بڑی برکت حاصل ہوتی ہے۔ جب ظالموں سے نجات کا احساس ہو جائے تو اللہ کا شکر کرنا چاہئے اور ظلم کو قابلِ نفرت جاننا چاہئے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور دعا کیجئے اے میرے ربّ مجھے مبارک جگہ اتار دے اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

طوفانِ نوح نے منکرینِ حق کو کس طرح مٹایا، یہ سب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پاک ساتھیوں نے دیکھا اور پھر اللہ نے آپ کو یہ دعا بھی عطا فرمائی: اے میرے رب مجھے اور میرے ساتھیوں کو اور جو کچھ کشتی میں ہے تو ہی بچانے والا ہے۔ اب ایسی جگہ اتار دے جہاں برکت ہو۔ اتارنے میں بھی جو علم اللہ کو ہے، وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اللہ جس سلامتی کے ساتھ اتار سکتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق

ہے، تائید ایزدی کے لئے دعا کرنے سے خوف وحزن نہیں رہتا اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔

حاصل: اللہ سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ منکرینِ حق سے نجات دینے کے بعد ہمیں برکت عطا فرمائے، اور وہی سب سے بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اور ہم دیکھنے والے ہیں۔

اللہ کی قدرت کے سامنے انسان اپنی حیثیت کو نہ دیکھے تو اس کا اندھا پن اسے لے ڈوبتا ہے۔حق کی مخالفت میں بہت سے مقامات آتے ہیں جہاں سے منکرین، حق کی تکذیب کو چھوڑ کر بھلائی کی طرف جاسکتے ہیں۔مگر عذاب الٰہی کے آنے کے ساتھ بھلائی کی راہ، منکرینِ حق کے لئے مسدود ہو جاتی ہے۔مصائب و آلام کا مقام حق کے ماننے والوں کے لئے ہوتا ہے، مگر اسی سے ان کے تعلق مع اللہ کا ثبوت ملتا ہے اور وہی فلاح پاتے ہیں۔حق کی بات کرنے والوں نے ہمیشہ اللہ کی رضا کو مقصود بنایا ہے، منکرینِ حق نے ہمیشہ ان کو جھٹلایا ہے اور اللہ کی قدرت کے سامنے انسان کی بے بسی ہمیشہ باعثِ عبرت ہوتی ہے۔پاک لوگوں کو ظالمین سے نجات پا کر بھی اللہ کا شکر کرنا چاہیئے، آباد ہوتے وقت بھی اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہیئے۔دائمی پاک دامنی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

حاصل: اللہ کی نشانیوں سے سبق سیکھنا چاہیئے، یہی بصیرت کا ثبوت ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ج پھر ان کے بعد دوسرے قرن کو اٹھایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے پاک ساتھیوں کو اللہ نے برکت دی۔وہ خوب پھولے پھلے۔آبادی بہت بڑھ گئی تو افراد کے مابین حق کے حوالے سے جس طرح تعلقات ہونے چاہئیں، وہ صورت نہ رہی۔انسانی خواہشات نے قانون سازی کا مقام حاصل کرلیا اور خرابی نے جڑ پکڑ لی۔ان لوگوں کو قرآن پاک میں عاد کا نام دیا گیا ہے۔لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس راستے پر وہ جا رہے ہیں، یہ راستہ سلامتی کا ہے یا تباہی کا ہے۔

حاصل: انفرادی زندگی میں بھی اور اجتماعی زندگی میں بھی یہ یقین حاصل کرنا چاہیئے، کہ ہم سلامتی کے راستے پر جا رہے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ع ع ۲ / ۲

تو ان کی طرف ہم نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔تو کیا تم ڈرتے نہیں۔

قوم عاد کی طرف سنتِ الٰہی کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔یہ اسی قوم میں سے تھے۔اس قوم کی اجتماعی زندگی کے مسائل کو پوری طرح جانتے تھے۔علم الٰہی کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔آپ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ کی بندگی کرو، جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔جس نے تمہیں توفیق دی ہے، وہ تمہیں ضرور پوچھے گا کہ تم نے حق کو جانتے ہوئے کیوں خلاف حق کیا۔جزا دینے والے کی قدرت تم پر محیط ہے۔جو لوگ پہلے خلافِ حق کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں، نہ تمہاری باتیں ان جیسی ہونی چاہئیں نہ اعمال ان جیسے ہونے چاہئیں۔ورنہ اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہی کیا ہوگا تمہارے پاس۔

حاصل: تبلیغِ حق سامعین کی زبان میں ہو یہی اللہ کی سنت رہی ہے، اس کی زبان سے ہو جس کی اپنی کوئی بات نہ ہو اور ان الفاظ کے ساتھ ہو کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ۝۱۰۰ جس نے فرمانِ خداوندی سے منہ پھیرا تو اسے قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ وَاَتۡرَفۡنٰهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ۝۳۳

اور اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں حیاتِ دنیا میں آرام دیا تھا کہنے لگے یہ تو تمہاری مثل بشر ہی ہے، جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے، اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ کی بندگی کرو، وہی تمہارا معبود ہے، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے تو قوم کے لوگ سرداروں کی طرف رجوع ہوئے اور ان سے حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں اور ان کی دعوت کے بارے میں پوچھا تو سرداروں نے جو کافر تھے اور آخرت کا یقین نہیں رکھتے تھے، اور دنیا میں انہیں آسائش حاصل تھی، یہ کہا کہ یہ آدمی تمہاری ہی طرح کا ہے۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ جو لوگ آخرت کا یقین نہ رکھتے ہوں، وہ مومن و فاسق کو مساوی جانتے ہیں، اور یہ بات خلافِ حق ہے۔ جو حیاتِ دنیا میں حاصل ہونے والے آرام کو اپنی کاوش کی بدولت جانتے ہوں وہ آرام دینے والے مالکِ کُل کی طرف نہیں دیکھا کرتے۔ ایسے لوگوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی تو راہِ حق کا علم نہیں ملے گا۔

حاصل: جو آخرت کا یقین نہ رکھتا ہو وہ اصلاحِ حال کی طرف نہیں آیا کرتا۔ اسے اگر زندگی میں آرام و آسائش بھی حاصل ہو تو کبھی اس سے رہنمائی نہیں لینی چاہئے۔ پاک لوگوں اور ناپاک لوگوں کے کھانے کا طریقہ ایک نہیں ہوتا، پینے کا طریقہ ایک نہیں ہوتا۔

وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ۝۳۴

اور اگر تم اپنی مثل بشر کی اطاعت کرو تو یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔

جس کی تعظیم و توقیر ملحوظ نہ رہے اس کی اطاعت ممکن نہیں ہوتی، اور جس کو اپنے جیسا کہا جائے اس کی تعظیم اور توقیر میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔ بشر، بشر کو قول کی سطح پر شاہد بن کر سکھا سکتا ہے، عمل کی سطح پر شاہد بن کر سکھا سکتا ہے، اور علم یقین کے حصول کا یہی طریقہ ہے۔ خسارے سے بچنے کی بھی یہی صورت ہے، ورنہ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلنا ہی ممکن نہیں ہوتا۔ گمراہی اور خسارہ ہمیشہ اپنی

خواہشات کی پیروی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

حاصل: کافروں کے نزدیک کامیابی اور خسارے کے جو معیار ہیں، ان کے درست ہونے کی کوئی سند موجود نہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی کی جائے تو نتیجہ گمراہی اور خسارہ ہی ہوسکتا ہے۔ ہدایت دینے والے کی اطاعت ہو تو نتیجہ یقیناً فلاح ہوتا ہے۔

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ تو کیا تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے۔

منکرینِ حق کے سرداروں نے حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات کو موضوع بناتے ہوئے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا، کہ جو بات تمہیں موجودہ روش کو چھوڑ کر ان صاحب کی طرف مائل کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا جب تم قبروں میں مٹی اور ہڈیاں ہو چکے ہو گے۔ جزا کا یقین تمہیں ڈر میں مبتلا کر رہا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مٹی اور ہڈیاں جس جسم کی ہوں گی، اس کو کس نے بنایا تھا۔ جس نے پہلے بنایا تھا، وہ بنانے والا اب بھی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ پہلی بار خلق کرنے میں بھی اللہ نے جو چاہا کیا، دوسری بار خلق کرنے میں اسے کسی کی احتیاج نہیں ہوگی۔

حاصل: بعث بعد الموت کو ماننے سے اصلاحِ حال لازم ہو جاتی ہے، اس لئے من مانی کرنے والے اس کو خلافِ عقل قرار دیتے ہیں۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ کیسے ہوسکتا ہے، کیسے ہوسکتا ہے جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے ارشاداتِ عالیہ میں بعث بعد الموت کو موضوع بناتے ہوئے، منکرینِ حق کے سرداروں نے جنہیں زندگی میں آسائش حاصل تھی، یہ کہا کہ مرنے کے بعد مٹی اور ہڈیاں ہو جانا مشاہدے میں آتا رہتا ہے، ان سے دوبارہ وجود کا بن جانا اور اس کا زندہ ہو کر کھڑا ہو جانا، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ عقل اس کے امکان کو مانتی ہی نہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے، کہ پہلی بار خلق کا عمل کیسے ہوا ہے۔ جس قدر یہ علم بڑھے گا، اسی قدر بعث بعد الموت کا انکار کم ہوتا جائے گا۔

حاصل: متکبر لوگ سند کے ساتھ بات نہیں کرتے۔ جس بات کو جھٹلایا جائے اس کے ساتھ درست بات کو سند کے ساتھ بیان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ وہ تو حیاتِ دنیا ہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو مبعوث نہیں ہونا۔

حق کی تکذیب کرنے والوں نے کہا کہ حیاتِ دنیا ہی ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ہم مرتے بھی ہیں، جیتے بھی ہیں اور موت کے بعد

اٹھائے جانے کو ہم بعید از عقل جانتے ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ ہماری پیدائش میں ہماری پسند کو کتنا دخل ہے، ہماری موت میں ہماری پسند کو کتنا دخل ہے۔ اور اگر ہماری پیدائش و موت میں ہماری پسند کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تو موت کے بعد اٹھائے جانے میں اس کا حوالہ کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل: ہماری زندگی اور موت میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہوتی ہیں۔ اللہ کی قدرت کو دیکھ لینے کے بعد بعث بعد الموت کا انکار قطعاً بے ہودگی ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ٞافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

وہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ اس نے اللہ پر کذب سے افترٰی باندھا ہے، اور ہم ایسے نہیں کہ اس پر ایمان لے آئیں۔

منکرینِ حق کے سرداروں نے حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق یہ کہا، کہ یہ صاحب اللہ پر جھوٹ باندھ کر لے آئے ہیں۔ نہ ہم ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، نہ ہم موت کے بعد اٹھائے جانے کی بات کو مانتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے بھی انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ ان کی تعلیمات سے ثبوت پیش نہیں کیا گیا کہ ان کی بات حق تھی اور یہ حق کے خلاف بات کر رہے ہیں اس لئے یہ بات ماننے کے لائق نہیں ہے۔ حق ہمیشہ فرمانِ خداوندی تھا، ہے اور رہے گا، اس میں تضاد کبھی نہیں ہو سکتا۔ منکرینِ حق کے نزدیک وہ بات درست نہیں ہوتی جو انہیں ناپسند ہو۔ یہ تکبر کی انتہا ہے۔

حاصل: جس کو جھوٹا کہا جائے، اس کے سامنے سند کے ساتھ سچ کو بھی بیان کرنا چاہیئے۔ ہماری پسند کو ہمیشہ حق کے تابع رہنا چاہیئے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾

عرض کی اے میرے ربّ میری نصرت فرما، کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم نے حق کو جھٹلانے میں حد کر دی ہے، اور یہ لوگ کسی طرح بھی ماننے کے رخ پر آنے والے نہیں ہیں، تو آپ نے یہ دعا کی: اے میرے رب میری مدد فرما اور منکرینِ حق کو اس انجام سے دوچار کر دے، جس سے تیرے حکم کے مطابق میں ان کو ڈراتا رہا ہوں۔ کسی قوم کی طرف بھیجے گئے شاہد کا مرتبہ دیکھئے کہ عذابِ الٰہی اس شاہد کی اس دعا کے بعد ہی آتا رہا ہے۔

حاصل: منکرینِ حق نے جب جھٹلانے کی حد کر دی تو اللہ کے نبی نے یہی دعا کی کہ میری نصرت فرما۔ کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔ اس دعا کے بعد تبلیغِ حق کا مقام باقی نہیں رہتا۔

قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ۚ

فرمایا، تھوڑے دنوں میں یہ ندامت سے صبح کریں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی دعا کے جواب میں یہ فرمایا گیا، کہ آپ کی نصرت کی جائے گی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ لوگ عذابِ الٰہی میں پکڑ لئے جائیں گے اور یہ عذاب ان پر رات کے آخری حصے میں آئے گا۔ صبح کو یہ اپنے رویئے پر پچھتا رہے ہوں گے، مگر وہ پچھتاوا ان کو نفع نہ دے گا کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔ اور قول وہی سچا ہوتا ہے جس کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت موجود ہو۔

حاصل: اہلِ حق کو روشنی میں کامیاب دیکھ کر، منکرینِ حق کے لئے عذابِ الٰہی باعثِ ندامت ہوتا ہے۔ جس ندامت کے بعد اصلاحِ حال کی مہلت نہ ہو، وہ ندامت دیکھنے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے بڑی عبرتناک ہوتی ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو حق کے مطابق انہیں چنگھاڑ نے آلیا، پھر انہیں کوڑا کر دیا۔ تو دور ہوں ظالم لوگ۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ سے نصرت کی دعا کی تھی، حق کے مطابق مکذبین کو عذابِ الٰہی نے آ پکڑا۔ اللہ کا فرمان ہی حق ہوتا ہے، جو ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ جب اس قوم پر ایک چنگھاڑ کا عذاب آیا، تو یہ لوگ گھاس کوڑے کی طرح ہو گئے۔ یہ ظلم کرتے تھے اور ظلم کرنے والے اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ ظلم سے بچنے والے اللہ کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔

حاصل: عذابِ الٰہی کے سامنے کوئی تجویز کارگر نہیں ہو سکتی۔ ظالم لوگوں کو ان کے ظلم کے حوالے سے دور رکھنا چاہئے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھر ان کے بعد ہم نے دوسرے قرون کو اٹھایا۔

عاد کے بعد ثمود کو اٹھایا گیا۔ یہ لوگ حضرت ہود علیہ السلام کے پاک ساتھیوں کی اولاد تھے۔ خوب پھولے پھلے، اور پھر ایک وقت کے بعد اپنی اجتماعی زندگی میں اپنی حفاظت سے غافل ہو گئے۔ انسانی خواہشات کو حق کے مقابل وقعت دینا وہ ظلم ہے، جس کی بدولت کئی قومیں برباد ہو چکی ہیں۔ اجتماعی زندگی میں ان حدود کو واضح کرنا بہت ضروری ہے، جن کی حفاظت ہی سے وہ معاشرہ زندہ رہ سکتا ہے۔ ذاتی مفاد کو اجتماعی مفادات پر قربان کیا جائے تو معاشرتی زندگی میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ سب کی بھلائی میں ہی اپنی بھلائی ہوتی ہے۔

حاصل: ماضی سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے۔ جب بھی اپنی خواہشات کو حق کے مقابل اہمیت دی جائے تو اس کا انجام بربادی ہی ہوتا ہے۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کوئی امت اپنی اجل سے آگے جائے اور نہ پیچھے رہے۔

ہر امت کے لئے اتمامِ حجت کا پورا پورا اہتمام اللہ کی شان ہے۔ جو مہلت کسی امت کو اس کی صداقت یا عدمِ صداقت واضح کرنے کے لئے درکار تھی وہ اسے ضرور دی گئی۔ اور جب عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو گئی، تو پھر اسے مزید وقت نہیں دیا گیا۔ مگر کسی قوم کو اسے دیئے گئے وقت کے خاتمے سے پہلے بھی نہیں پکڑا گیا۔

حاصل: اجتماعی زندگی میں اپنے رخ کو دیکھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت میں وہ کچھ کرنا چاہئے، جو فلاح پانے کے لئے ضروری ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر ہم تواتر سے اپنے رسول بھیجتے رہے۔ جب کسی امت کے پاس ان کا رسول آیا، اس کی تکذیب کی۔ تو چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے کو اور انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ پھر دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔

لوگوں کے سامنے اس معیار کو لانا جس کے حوالے سے انہیں پوچھ ہوگی، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ جب کسی امت کے پاس ان کے رسول تشریف لائے اور اس امت نے حق کی راہ کو اختیار کرنے کی بجائے ناحق کی راہ کو اختیار کیا، تو اسے دی گئی مہلت کے بعد برباد کر دیا گیا۔ یوں ایک امت کے بعد دوسری امت برباد ہوتی چلی گئی، اور اللہ نے ان امتوں کو قصہ ماضی بنا ڈالا۔ جسے بھلائی مطلوب ہو وہ ضرور اس سے سبق سیکھ سکتا ہے۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے وہ دوری سے بچ جائیں یا حضوری کا شرف پالیں یہ قطعاً ناممکن ہے۔

حاصل: ہم جس رسول کی امت ہیں، اس پر ایمان لانے کا ثبوت ہمارے پاس موجود ہونا چاہئے۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ ہماری زبان پاک ہو، ہمارا ہاتھ امین ہو، اور ہم اللہ کی مخلوق کے لئے باعث عافیت ہوں۔ اللہ سے دوری بڑی لعنت ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہود علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے۔ پھر ثمود کا ذکر ہے۔ پھر کئی امتوں کے عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر ہے، جن کو روشن نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا گیا۔ وہ نشانی جو کسی کو اندھیرے سے روشنی کی طرف آنے میں مدد دے روشن نشانی ہے اور وہ سند جو صاحبِ سند کا امتیاز بن جائے اور جس کے اعجاز کو دشمن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں، روشن سند ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا ہمیشہ حال کی ضروریات کے حوالے سے ہوتی ہے۔

حاصل: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو روشن نشانیوں کے ساتھ روشن سند بھی عطا فرمائی گئی، کہ قوم فرعون کو اصلاح کی طرف آنے میں یہی مدد مفید ہو سکتی تھی۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، تو انہوں نے استکبار کیا اور وہ بہت مغرور لوگ تھے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام، فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس تشریف لائے اور انہیں حق سنایا تو

ان لوگوں نے استکبار کیا اور غرور سے یہ کہا، کہ کیا ہم اپنے جیسے دو بندوں پر ایمان لے آئیں جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیاں پاک لوگوں کے شکر کو بڑھا دیتی ہیں، یہی عطا ناپاک لوگوں کو مغرور بنا دیتی ہے۔ جو آسانی حق کے مطابق استعمال ہو وہ حضوری کا باعث بن جاتی ہے، جو آسانی خلافِ حق استعمال ہو وہ اللہ سے دوری کا باعث بن جاتی ہے۔

حاصل: حق کو پہچاننے کی کوشش میں استکبار سے بچنا لازم ہے۔ مغرور لوگ اشیاء کی اہمیت کو مانتے ہیں معطیٔ مطلق کو نہیں مانتے۔

فَقَالُوٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بندوں پر ایمان لائیں اور ان کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو۔

فرعون کے سرداروں نے غرور سے یہ کہا کہ یہ دونوں حضرات ہماری ہی طرح کے بندے ہیں۔ ہمیں ان کی کچھ فضیلت نظر نہیں آتی۔ ان پر ایمان لانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور ان کی قوم ہمارے وہ کام کرتی ہے جن کو ہم خود کرنا پسند نہیں کرتے۔ غلاموں کے دین کو ماننا اپنی عزت کو کم کرنے والی بات ہو گی۔

حاصل: جو اللہ کے فرمان کو مانتا ہو جیسے ماننے کا حکم ہے، اس کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس کو اپنے جیسا کہنا بیہودگی ہے۔ کسی قوم کو مجبور کر کے اس سے کوئی خدمت لینا بے جا ہے۔ جس کام کی اہمیت مسلّم ہے، اس کے کرنے والے کی قدر کرنا بھی ضروری ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ تو انہوں نے ان کی تکذیب کی، تو ہلاک ہونے والوں میں ہوئے۔

فرعون اور آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جھٹلایا۔ ان کی صداقت کی بڑی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی وہ لوگ ماننے والوں میں نہ ہوئے۔ جب آلِ فرعون کسی عذاب میں گرفتار ہوتے تو یہ عرض کرتے اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمارے لئے دعا کیجئے، اگر آپ ہم سے سختی کو دور کر دیں گے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقتی عذاب کو اٹھایا جاتا تو وہ لوگ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔ آلِ فرعون کا تکبر ان کے لئے باعث ہلاکت ہوا۔

حاصل: جس کی بات حق کے حوالے سے ہو، اس کی تکذیب کرنے والے مغرور ہوتے ہیں اور مغرور یقیناً ہلاک ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

فرعون اور آلِ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی سے نوازا گیا۔ تورات، اللہ کا فرمان تھا اور یہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا تھا۔ یہ روشن فرمایا گیا، کہ حکم خداوندی کو ماننے کی صورت یہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا جائے، ان کی اطاعت کی جائے، اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ اس تعلق کو استوار کرلیں گے ہدایت یافتہ ہوجائیں گے۔

حاصل: کتاب اللہ سے استفادہ کرنے کیلئے ان صاحبان کی اطاعت لازم ہے جو حق کو مانتے ہوں اور انعام یافتہ ہوں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾ ع ۱۸

اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو نشانی ٹھہرایا۔ اور انہیں ایک بلند جگہ پر ٹھکانا دیا جہاں جائے قرار اور صاف پانی تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا، یہ سب سے پہلے بندے ہیں۔ پھر ان کا جوڑا بنایا گیا اور ان سے حضرت بی بی مریم علیہا السلام اللہ کی نشانی بنا دی گئیں۔ مشکل لمحات میں جس مقام پر انہیں سکھ مل سکتا تھا، وہ مقام بھی اللہ نے دیا۔ یہ ایک بلند جگہ تھی، جہاں سلامتی موجود تھی۔ صاف پانی کا چشمہ موجود تھا۔ کھجور کا ایک درخت بھی تھا، جس کے متعلق حکم ہوا اس کو ہلائیے آپ پر تازہ کھجوریں گریں گی۔ لوگوں کی تکلیف دہ باتیں برداشت کرنے کے لئے جو قوت اس جائے قرار سے ملی، اس صاف پانی اور کھجوروں کے رزق سے ملی وہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام جانتی ہیں۔ اللہ کی عطا جو شان رکھتی ہے وہ ہمیشہ بے بدل ہوتی ہے اور پوری ہوتی ہے۔

حاصل: سلامتی کا مقام اور پینے کا صاف پانی اللہ کے انعامات ہیں، جن کی قدر کرنی چاہئے۔ اللہ کی نشانی سے اللہ کا پتہ چلتا ہے۔ جو نشانی واصل باللہ ہونے میں مدد دے اس کی قدر کرنی چاہیے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۱۸﴾ جلدی کرتے ہیں اس کے لئے جو لوگ، وہ اس کو مانتے نہیں ہیں۔ اور ایمان والے اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ سن لو، جو لوگ اس گھڑی کے آنے میں جھگڑتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾

اے رسولو! طیبات سے کھاؤ اور صالح عمل کرو، بیشک مجھے تمہارے کیے کا علم ہے۔

اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ علم رکھتے ہیں جو دوسرے لوگ نہیں رکھتے۔ ان پر حکم آتا ہے۔ وہ حکم خداوندی کو مان کر دکھاتے ہیں تو لوگوں کو صالح اعمال کا پتہ لگتا ہے۔ بنی آدم سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ جب تم میں سے میرے رسول تشریف لائیں، وہ تم پر میری آیات پڑھیں، تو جو تقویٰ کرے اور صالح بنے تو ان پر خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ رسول جو بھی کرتے رہے وہ رضائے الٰہی کے لئے کرتے رہے۔ ان کا قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے، ان کا عمل بھی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کو اللہ کی رضا مطلوب ہو وہ رسول کے اتباع سے ہی اللہ کی رضا کو حاصل کرسکتا ہے۔ رسولوں کا قول بھی حکم خداوندی کے مطابق ہے اور ان کے اعمال بھی حکم خداوندی کے مطابق ہیں۔ اللہ کو ان کے اعمال کا علم ہے۔

حاصل: اللہ کے رسولوں کے بارے میں یہ یقین رکھنا حق ہے، کہ ان کا قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے ان کا عمل بھی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ لوگوں کو رضائے الٰہی کا علم اللہ کے رسولوں سے ہی عطا ہوتا رہا ہے۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور یہ تمہاری اُمت، اُمت واحد ہی ہے اور میں تمہارا رب ہوں، تو مجھ ہی پر تقویٰ کرو۔

اللہ کے بھیجے ہوئے تمام رسول، اپنے اپنے حال پر لوگوں کو واصل باللہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے رہے۔ تمام رسولوں کے پیغامِ ہدایت میں یہ روشن فرمایا گیا، اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں۔ یہ روشن فرمایا گیا کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے، تو اسی کی بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ بنی آدم، اللہ کے رسولوں کی اُمت ہیں۔ یہ اُمت واحد ہیں۔ پالنے والے کی شان ہے کہ وہ سب کو پالتا ہے، سارے عالمین کو پالتا ہے۔ جس کو جو توفیق دی گئی ہے، اس کے حوالے سے وہ اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہوگا۔ جزا دینے والے کا ڈر رکھنا ادب ہے۔ ڈر یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کے نزدیک تو دین ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین تک اسلام ہی ہر رسول کا موضوع رہا ہے، جو رسول ہمارا شاہد بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے اتباع میں کوتاہی نہ ہو، اس کی اطاعت میں کوتاہی نہ ہو، یکسوئی متاثر نہ ہو جائے۔

حاصل: بنی آدم اُمت واحد ہیں۔ تمام رسولوں کا ماننا حق ہے۔ ان کا پیغام ہمیشہ اسلام ہی تھا، اور اللہ کے ماننے والوں میں اختلاف کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ رسولوں کا رب ہی ہمارا رب ہے، اور ہم رب العالمین کو رسولوں کے حوالے سے ہی مانتے ہیں۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

تو ان لوگوں نے امر کو اپنے مابین قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ اسی سے فرحت پاتا ہے جو ان لوگوں کے پاس ہے۔

فرمانِ خداوندی حق ہے اور تضاد سے پاک ہے۔ اللہ کے رسولوں کے ارشادات تضاد سے پاک ہیں۔ امرِ الٰہی ایک تھا، ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ اللہ کی بندگی کی جائے، اس کے سوا کسی کو معبود نہ ٹھہرایا جائے، شاہد کا اتباع کرتے ہوئے اپنی خواہشات کو وقعت نہ دی جائے۔ یکسوئی ہو تو اختلاف کا امکان نہیں ہوتا۔ جب لوگ حق کو شاہد کے حوالے سے ماننے کی بجائے اپنی پسند کے حوالے سے ماننے کو ترجیح دیں، تو یہ حق سے الگ ہونے کی کوشش ہوگی اور یہ کوشش ملت کو پارہ پارہ کر دے گی۔ جب ہر گروہ اسی ٹکڑے سے خوش ہو جو اس کے پاس ہے تو پھر وہ ملت میں شامل ہونے کو خلافِ حق ہی کہے گا۔

حاصل: امرِ الٰہی کو ماننا دعویٰ ہے، شاہد سے محبت ہو تو یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ شرطِ محبت ہی نہیں کہ محب کی اپنی کوئی بات ہو۔

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾

تو انہیں ان کے نشے میں چھوڑ دیجئے، ایک وقت تک۔

جو اپنے حق پر ہونے کی سند اپنی پسند کو ٹھہرائے وہ خودسری کرتا ہے۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس کے خاتمے کا وقت دور نہیں ہوتا ہے۔ امرِ الٰہی کو ماننے کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت وجلوت میں پاکیزگی قائم رہے، اللہ کی رضا مقصود ہو، اور اس کے حصول کے لئے

شاہد کی اطاعت کی جائے۔ اگر فیصلہ شاہد کے علم سے ہو رہا ہے تو ہم شاہد کے ساتھ ہیں، اور اگر فیصلہ ہمارے علم سے ہو رہا ہے تو نام جو بھی رکھ لیا جائے ہم شاہد کے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ راستہ صرف خرابی کی طرف ہی جاتا ہے۔

حاصل: جو من مانی کے نشے میں پڑ جائے، اس کا خاتمہ دور نہیں ہوتا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے۔

منکرینِ حق یہی کہتے رہے ہیں، کہ ہمارے پاس اموال واولاد کی بہتات ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک پسندیدہ لوگ ہیں، اس لئے ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مدد کی جا رہی ہے اموال واولاد سے، تو انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ اس مدد سے کیا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اموال واولاد کی کثرت ان کے غرور کو بڑھا رہی ہو اور ان کا غرور انہیں ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہو تو پھر یہ کیا مدد ہوئی۔

حاصل: اموال واولاد کی کثرت کبھی قُربِ الٰہی کی سند نہیں ہوتی۔ عطائے الٰہی خلافِ حق استعمال ہو رہی ہو تو نتیجہ حضوری نہیں ہوگا۔

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم انہیں بھلائیاں پہنچانے میں سرعت کر رہے ہیں۔ نہیں، انہیں شعور نہیں۔

منکرینِ حق کی مطلوبہ اشیاء اور ان کے پسندیدہ حالات، ان کے استکبار کو بڑھاتے رہتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مال واولاد کی کثرت بھی اللہ کی مہربانی کا ثبوت ہے، لوگوں کے مقابل آسائشوں کی کثرت بھی اللہ کی مہربانی کا ثبوت ہے، جو کچھ بھی ان کے ہاں ہو رہا ہے ان کی خوشی میں اضافے کا باعث ہے، یہ بھی اللہ کی عنایات ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ یہ اتمامِ حجت کے لئے ہو رہا ہے اور اس کا انجام وہ خسارہ ہوگا، جس سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: جو عطائے الٰہی کو خلافِ حق استعمال کرتا ہے، اور پسندیدہ حالات پر اتراتا ہے، اس کا شعور درست نہیں ہوتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

ہاں جو لوگ اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔

شعور والے لوگ تو وہ ہیں، جو ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حصولِ رزق میں یہ احتیاط کرتے ہیں کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کر کے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ بات کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ زبان حق کے حوالے سے کھولی جائے۔ بولنے کے مقام پر

خاموشی نہ ہو، خاموشی کے مقام پر بولنا نہ ہو۔ عملاً اپنا حق ادا کرنے کے بعد شکر ادا کرتے ہیں، کہ رُخ خیر کا رہے۔ جزا کا یقین ہر مقام پر ان کے قول و فعل میں جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

حاصل: سمجھ دار لوگوں کی ایک نشانی یہ ہے، کہ وہ اپنے رب کے ڈر سے لرزاں رہتے ہیں۔ جزا کا یقین ان کے قول و فعل میں جلوہ گری کرتا رہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ اور وہ لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

شعور والے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں، کہ جو کچھ ان کے رب کی طرف سے فرمایا گیا ہے، حق ہے۔ حق کی ادائیگی کی توفیق پہلے دی جاتی ہے، حق بعد میں عائد ہوتا ہے۔ مقامِ صبر ہو یا مقامِ شکر ہو، شاہد کی معیت میں ہی اس پر پورا رہنا ممکن ہوتا ہے۔ جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ باذن اللہ ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسے شاہد کے حوالے سے ہونا چاہئے۔ مقصد کا تعین حق کے حوالے سے ہو، حصولِ مقصد کے لئے رُخ درست رہے اور نتائج کو باذن اللہ جانا جائے تو یہ اپنے رب کی آیات پر ایمان کا ثبوت ہوگا۔ نظر اس بات پر ہو کہ مجھے میرے کیے کی جزا دی جائے گی، تو دوسروں پر تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی کتنی رہ جاتی ہے۔

حاصل: اپنے رب کی آیات پر ایمان لانا پاک لوگوں کی نشانی ہے۔ ان کی نیت درست ہوتی ہے، اعمال شاہد کے اتباع میں ہوتے ہیں اور یہ لوگ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اور وہ لوگ کسی کو اپنے ربّ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

پاک لوگوں کی صفت ہے کہ وہ کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ انہیں لوگوں کی خوشی کے مقابل اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لوگوں کے ڈر کے مقابل اللہ کا ڈر زیادہ ہوتا ہے، اور وہ مصائب و آلام کو باذن اللہ مانتے ہیں اور اپنی پسند کو ہمیشہ حق کے تابع رکھتے ہیں۔

حاصل: اپنی پسند کو حق کے تابع رکھنا اور مصائب و آلام کو باذن اللہ جاننا شرک سے بچنے والوں کی طریقت ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں، اور ان کے دل ڈر رہے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف مراجعت کرنی ہے۔

جو کچھ رضائے الٰہی کے لئے خرچ کیا جائے، وہ کم ہی ہوتا ہے۔ اسے زیادہ کہنا بے ادبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کا یقین اس ڈر کا باعث ہوتا ہے، جو پاک لوگوں کے دل میں ہمیشہ رہتا ہے۔ ڈر یہ ہوتا ہے کہ جو توفیق دی گئی ہے، اس کے بارے میں پوچھ ہوگی اور شاہد کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے ہوگی۔ اس ڈر کی موجودگی میں اپنا عمل بہت چھوٹا ہی نظر آنا چاہئے۔

حاصل: جو کچھ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، اسے کم ہی جاننا چاہئے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کے حوالے سے دیکھا جائے اور شاہد کے اسوۂ حسنہ کے معیار کی نسبت سے دیکھا جائے تو وہ بہت کم نظر آتا ہے۔ اور اللہ کے ہاں پوچھ کا یقین ہو تو اسے حال پر عمل میں اسی طرح نظر آنا چاہئے۔

أُولَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَهُمْ لَهَا سَٰبِقُونَ ﴿٦١﴾ یہی لوگ بھلائیوں میں سرعت کرتے ہیں، اور یہی بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

حق کی ادائیگی کے ساتھ جن لوگوں کے دل ڈرتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے، وہ بھلائیوں کے لئے دوڑتے ہیں۔ ان کا حال ان کے ماضی سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کا موجودہ عمل ان کے ماضی کے عمل سے بہتر ہو۔ یہ سبقتِ خیرات کسی کے مقابل نہیں ہوتی، کہ توفیق ہر ایک کو ایک جیسی نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے علم بڑھے، بھلائیوں میں سبقت کرنے کی طرف راغب ہونا ضروری ہے۔

حاصل: جزا کا یقین ہو، تو بھلائیوں کے لئے دوڑنا اور اپنے حال کو اپنے ماضی سے بہتر بنانا ضروری ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَٰبٌ يَنطِقُ بِٱلْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ اور ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر جتنی اسے وسعت ہو۔ اور ہمارے پاس کتاب ہے، جو حق کے ساتھ نطق کرتی ہے۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

نفس کو جو کام بھی اللہ کی رضا کے لئے کرنا پڑے، اس کے پاس اس کی وسعت یقیناً ہوتی ہے۔ یہ یقین ہو تو حق کی ادائیگی میں اپنی استعداد ہمیشہ پوری نظر آتی ہے۔ جب اپنی سہولت کو دیکھنے کی بجائے سائل کو بھیجنے والے علیمِ مطلق کو دیکھا جائے تو توازن درست رہے گا۔ انسان کے اعمال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہے ہیں۔ یہ اندراج حکمِ الٰہی سے ہو رہا ہے، اس لئے یہ اندراج شک سے بالاتر ہے اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔

حاصل: جو کام بھی ہمارے پاس رضائے الٰہی کے حوالے سے آئے، اس کی وسعت یقیناً ہمارے پاس ہے۔ ہمارے اعمال، ہمارے نامۂ اعمال میں حکمِ الٰہی سے درج ہو رہے ہیں اس لئے ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔ ہمیں کسی کے بارے میں کچھ کہنے اور کچھ لکھنے سے پہلے اللہ کی رضا کو دیکھنا چاہئے، ورنہ توازن درست نہیں رہے گا۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِى غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَٰلٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَٰمِلُونَ ﴿٦٣﴾ بلکہ ان کے قلوب اس سے غفلت میں ہیں اور انہیں اس کے مقابل اور کام ہیں کہ وہ ان کو کر رہے ہیں۔

من مانی کرنے والوں کے دل، اللہ کی گرفت سے غافل ہوتے ہیں۔ یہ غفلت ان لوگوں کی مصروفیات کا رُخ ہی بگاڑ دیتی ہے اور جو کام فلاح کے لئے انہیں کرنے چاہئیں وہ ان کو چھوڑ کر دوسری طرح کے کام کرنے لگتے ہیں۔ غافل لوگوں کو اپنی وقتی خوشی مرغوب ہوتی ہے، اور وہ اس کے پیچھے عذابِ الٰہی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حاصل: اپنے قلب کو دیکھتے رہنا چاہئے، کیا ہم اللہ کے فرمان کو مان رہے ہیں یا غفلت میں پڑے ہیں۔ غافل لوگوں کی مصروفیات کو حق سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

حتیٰ کہ جب ہم ان کے آسودہ لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے، جبھی وہ چلانے لگیں گے۔

آسودہ لوگ خلافِ حق کرنے میں پیش پیش ہوں تو گرفت بھی پہلے ان ہی کو ہوگی۔ ان کے پیچھے آنے والے بھی من مانی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جب وہ آسودہ لوگوں کو عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوتا دیکھیں گے، تو ان کی آنکھوں پر غفلت کا پردہ پھٹ جائے گا کہ ان کے قلوب کا اندھا پن ختم ہو جائے گا۔ مگر یہ وقت توبہ کی قبولیت کا نہ ہوگا اور ان لوگوں کی زاری ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والے آسودہ لوگوں کی پیروی ہمیشہ عذابِ الٰہی میں مبتلا کرتی ہے۔ دیکھنا چاہئے ہم کس رُخ پر ہیں۔ اگر رُخ درست نہ ہو تو نتیجہ کبھی درست نہ ہوگا۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج فریاد نہ کرو، بے شک تمہاری نصرت نہ ہوگی۔

عذابِ الٰہی کو دیکھ کر آہ و فریاد شروع کی جائے تو یہ حق کو ماننے کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ایمان بالغیب کا مقام گزر چکا ہوتا ہے۔ جس انجام سے ڈرایا جاتا تھا، اس انجام کو دیکھ کر کوئی حق کو ماننے کی طرف آئے تو اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا دروازہ بند ہو جائے تو کسی دوسرے کے مددگار ہونے کا مقام ہی کب آسکتا ہے۔

حاصل: انجام کو دیکھ کر آہ و زاری کرنا، اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

تم پر میری آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔

فریاد کرنے والے، آہ و زاری کرنے والے، اللہ سے اس وقت نصرت طلب کرنے والے جب عذابِ الٰہی ان کا احاطہ کر چکا ہو، یہ جواب پائیں گے کہ جب تم پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیاتِ الٰہی کی تلاوت کی جاتی تھی، تو تم اپنی ایڑیوں پر پیچھے بھاگتے تھے اور اس طرح تم حق سے اپنی کراہت کا اظہار کرتے تھے۔ اب تم نصرت کے طالب ہو۔ جس وقت میں تمہیں اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنا تھا، وہ وقت گزر چکا ہے۔ اب تم عذاب سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔

حاصل: حق کو سن کر ایڑیوں پر الٹے پاؤں بھاگنا، منکرینِ حق کی نشانی ہے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

استکبار کرتے ہوئے، گویا کسی افسانہ گو کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔

شاہد کی زبانِ پاک سے حق کو سن کر، ایڑیوں پر پیچھے کی طرف بھاگنا، منکرینِ حق کا طریقہ تھا۔ کافروں کی طرف سے شاہدین کو شاعر کہا جائے، ساحر کہا جائے، مجنون کہا جائے یا کچھ اور کہا جائے یہ سب ان کے استکبار کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ پاک لوگوں کی بات کو سنتے ہیں تو استہزاء کرنے کے لئے، سنجیدگی ان کے رویئے میں قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جیسے کسی افسانہ گو سے رخصت ہوتے وقت اس سے کسی تعلق کا احساس نہیں

ہوتا، یہ کافر بھی تبلیغِ حق کرنے والے کو افسانہ گو ہی جانتے ہیں۔ حالانکہ تبلیغِ حق کرنے والا، سننے والوں کے حال کو بیان کرتا ہے، ان کے مستقبل کو بیان کرتا ہے، انہیں کوئی کہانی نہیں سنا رہا ہوتا۔

حاصل: استکبار، حصولِ علم کے لئے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ جس کی بات ہمارے حال سے متعلق ہو، ہمارے مستقبل سے متعلق ہو اس کی بات کو پوری توجہ سے سننا چاہیئے۔

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۶۸﴾

کیا انہوں نے فرمان میں تدبّر نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے پہلے آباؤ اجداد کے پاس نہ آیا۔

فرمانِ حق تو تدبر کا تقاضا کرتا ہے۔ اس فرمان کو سنانے والا ماننے والوں کو خوف و حزن سے نجات پا جانے کی ضمانت دیتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں جن نتائج کے پیدا ہونے کا یقین دلانا شاہد کی شان کے لائق ہے، وہ اس کے اتباع سے یقیناً پیدا ہوتے ہیں۔ جس ماضی کا حال شاہد نہ ہو وہ ماضی سچا نہیں ہوتا۔ جس حال کا ماضی شاہد نہ ہو وہ حال سچا نہیں ہوتا۔ جو کچھ ان کے آباؤ اجداد کو پیش آ چکا ہے، وہی ان کو بھی پیش آئے گا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی ایسی سند تو نہیں ہے جس کا ماضی والوں کو پتہ ہی نہیں تھا۔ ماضی سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے تو ماضی سے غافل ہو جانا خلاف عقل ہے۔

حاصل: انتہائی واجب الاحترام قول فرمانِ خداوندی ہے۔ اس میں تدبر کرنا چاہیئے۔ ماضی سے سبق سیکھنا چاہیئے۔

اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، اس لئے وہ ان کے منکر ہو رہے ہیں۔

رسول اللہ کا پہچاننا لوگوں کے لئے کبھی بھی مشکل نہیں تھا۔ رسول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہی اس لئے گئے کہ لوگ ان کو آسانی سے پہچان لیں، ان کا اتباع کریں اور فلاح پائیں۔ اللہ کے رسول کی یہ شان ہے کہ وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کا شرف رکھتا ہے، خوف و حزن سے نجات دلانے کا علم رکھتا ہے۔ اللہ کا رسول اس یقین سے بات کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے مقابل آ ہی نہیں سکتا۔ رسول کے پہچاننے میں لوگوں کو کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔ رسول تو ہمیشہ ان لوگوں میں سے ہی ہوتے ہیں جن کی طرف ان کی بعثت ہوتی تھی۔

حاصل: ظلمات سے نور کی طرف لانے والے کو پہچاننا کبھی مشکل نہیں ہوتا، اس لئے یہ بات باعثِ انکار بھی نہیں ہو سکتی۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۰﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ انہیں جنون ہے۔ بلکہ وہ تو ان کے پاس حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور ان میں اکثر کو حق سے کراہت ہے۔

حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اس کو ماننے میں لوگوں کی پسند کو کوئی وقعت نہ دینا، منکرینِ حق کو جنون معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کی پسند کو

وقعت دینے والے کبھی یک سو نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے ہمیشہ حق کی بات کرتے ہیں، ان کی اپنی کوئی بات ہوتی ہی نہیں۔ سامعین کو اگر حق سے کراہت ہو تو حق کو یک سوئی سے ماننے والے انہیں پاگل لگتے ہیں۔ حق کو جھٹلانے والے استکبار میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ استکبار ان کو خسارے تک لے جاتا ہے۔ مجنون کی بات کبھی سند کے ساتھ نہیں ہوتی۔ مجنون کے اعمال کبھی لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ نہیں بن سکتے۔ مجنون کو اپنے حال اور مسائل کا علم نہیں ہوتا، لوگوں کے حالات اور مسائل کا علم نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے کی اہلیت کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔

حاصل: جب حق سے کراہت ہو تو تبلیغ حق کرنے والے شاہد کو مجنون کہہ کر استکبار کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جس کی بات سند کا درجہ رکھتی ہو، جس کے اتباع میں خوف و حزن سے نجات کی ضمانت موجود ہو، اس کو ماننا ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتا ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ﴿۷۱﴾

اور اگر حق ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، مبتلاءِ فساد ہو جاتے۔ بلکہ ہم نے تو انہیں ان کا ذِکر عطا فرمایا ہے، تو وہ اپنے ذِکر سے اعراض کر رہے ہیں۔

حق فرمانِ خداوندی ہے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اور اسی کے علم سے سارے عالمین کی ربوبیت ہو رہی ہے۔ اگر انسانی خواہشات کا درجہ بڑھا دیا جائے اور اسے حق پر فوقیت دے دی جائے، تو آسمان ہو، زمین ہو یا ان کے مابین کوئی مقام ہو، وہاں فساد کا ہونا لازم ہے۔ انسانی خواہشات سے اجتماعی بھلائی ہو ہی کیا سکتی ہے۔ حق تو بصورت نصیحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے، اس کا ماننا یقیناً نام وری کا باعث ہوتا ہے۔ جو اپنی بھلائی سے، اپنی نام وری سے خود منہ پھیر لے اس کا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

حاصل: انسانی خواہشات کا درجہ جہاں بھی حق کے مقابل بڑھایا جائے گا، فساد ہی اس کا حاصل ہوگا۔ حق کے ماننے میں بنی آدم کی فلاح ہے، نام وری ہے۔ جو اپنی بھلائی سے منہ پھیر لے اس کا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

کیا تم ان سے خراج مانگتے ہو، تو تمہارے رب کا دیا ہوا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حق کو بیان کرنے والے، لوگوں سے اجر کا سوال نہیں کیا کرتے۔ ان کا اجر تو رب العالمین پر ہوتا ہے اور لوگ اجر دے بھی کیا سکتے ہیں۔ اللہ جو کچھ عطا فرما دے وہی پورا ہوتا ہے۔ سب سے بہتر رزق دینے والا اللہ ہی ہے۔ حق کو بیان کرنے والا متوکل نہ ہو تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہوتا، اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

حاصل: تبلیغِ حق کرنے والے کو اجر کا سوال کرنا زیب نہیں دیتا۔ اللہ جو کچھ عطا کر دے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوتا۔ سب سے بہتر رزق وہی ہے جو اللہ عطا کرے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ اور بے شک آپ تو انہیں صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ تبلیغِ حق کرنے والے صداقت کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف بلا رہے ہوں تو وہ بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ ان کا اتباع کرنے والے ادب سے ان کا اتباع کر رہے ہوں تو وہ بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ من مانی کرنے والے بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ تبلیغِ حق کرنے والے کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو جبر کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف بلائے۔ جو تبدیلی جبر کے ساتھ آئے گی، وہ جبر کے ساتھ ہی قائم رہ سکے گی اور دین میں جبر و اکراہ سے منع فرمایا گیا ہے۔ رضائے الٰہی مطلوب ہو تو حیاتِ دنیا میں خوف و حزن سے نجات کا یقینی راستہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

حاصل: تبلیغِ حق کرنے والے کی طرف سے صراطِ مستقیم کی طرف بلایا ضرور جاتا ہے، استفادہ وہی کرتے ہیں جو حق کو مانتے ہیں۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

آخرت پر یقین ہو تو حسنِ عمل کی بات بڑی وقعت رکھتی ہے۔ آخرت کا انکار کیا جائے تو پھر اپنی خواہشات کی پیروی سے بچ جانا ممکن نہیں رہتا، اور اپنی خواہشات کی پیروی سے گمراہی ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اجتماعی بھلائی کے لئے جو کچھ بھی کیا جائے، جزا کا یقین اس کے ساتھ موجود ہو تو وہ سب باحقیقت ہوگا، ورنہ بے حقیقت ہوگا۔

حاصل: آخرت پر ایمان ہو تو صراطِ مستقیم نصیب ہوتا ہے، ورنہ اپنے منتخب کردہ راستے کا نام جو بھی رکھ لیا جائے وہ حق کے حوالے سے صراطِ مستقیم نہیں ہوگا۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور اس تکلیف کو کھول دیں جو انہیں پہنچتی ہے، تو بھی وہ اپنی سرکشی میں لگے ہی رہیں گے۔

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے جب مصائب و آلام میں پکڑے جاتے ہیں، تو وہ دیکھ لیتے ہیں کہ ان کی تدبیر کسی کام نہیں آئی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے ان کی بے بسی بہت واضح ہوتی ہے۔ جس ذریعے سے انہیں حق کا پتہ چلتا ہے، اس سے درخواست بھی کرتے ہیں کہ آپ دعا فرما دیجئے یہ دکھ دور ہو جائے، ہم مان بھی لیں گے اور عملاً اس کا ثبوت بھی دیں گے۔ جیسے آلِ فرعون کو جب بھی عذابِ الٰہی میں پکڑا گیا، تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے تھے، ایمان لانے کا وعدہ بھی کرتے تھے، بنی اسرائیل کو آزاد کر دینے کا وعدہ بھی کرتے تھے، مگر عذاب کے دور ہو جانے کے بعد اسی سرکشی میں لگ جاتے تھے جس میں پہلے لگے ہوئے تھے۔ یہ اصلاح کی حد سے گزرے ہوئے لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل: آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے، مصائب و آلام سے نجات پا کر بھی اللہ کی رحمت سے فیض یاب نہیں ہوتے۔ یہ کہہ کر' ایسا تو ہوتا ہی ہے' پھر اُسی سرکشی میں لگ جاتے ہیں جس میں پہلے لگے ہوئے تھے۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تو نہ انہوں نے اپنے رب کے حضور عاجزی کی، نہ وہ گڑگڑائے۔

عذابِ ادنیٰ کا منشاء ہی یہ ہوتا ہے کہ منکرینِ حق کو اپنے رخ کے غلط ہونے کا خوب پتہ لگے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد ملے۔ مگر جب وہ اصلاح کی حد سے گزر چکے ہوں تو پھر وہ اس مقام پر بھی عاجزی و گریہ زاری نہیں کرتے۔

حاصل: جس عذاب کے بعد اصلاح کو اختیار کرنا ممکن ہو، اس کے بعد بھی اصلاح کو اختیار نہ کیا جائے تو اس سے بڑی نامرادی کیا ہو سکتی ہے۔ عاجزی اور گریہ زاری اظہارِ ندامت کے لئے ہوتی ہے، جب اپنے کئے پر ندامت ہی نہ ہو تو اصلاح کی طرف مائل ہونا، ناممکن ہوتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع ۲۷ ۴

حتیٰ کہ جب ہم ان پر عذابِ شدید کا دروازہ کھول دیں گے تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔

جو لوگ مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اصلاح کی طرف نہ آئیں، عاجزی اور گریہ زاری نہ کریں اور اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کے لئے سنت الٰہی یہ ہے کہ ان پر عذابِ شدید کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ نامراد ہو جاتے ہیں۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔ جو مصائب و آلام میں بھی خیر کی طرف رُخ نہ کرے اُسے عذابِ شدید میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، پھر وہ نامراد ہو جاتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومنون (۲۳) میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ فرمایئے، کس کے ہاتھ میں ہے ہر شے کی بادشاہی، اور وہ بچالیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، کہو اگر تمہیں علم ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم قلیل ہی شکر کرتے ہو۔

کان اگر حق کو سنے تو وہ درست ہے ورنہ بہرہ ہے۔ آنکھ اگر حق کو دیکھے اور حدود اللہ کا احترام کرے تو وہ آنکھ روشن ہے، ورنہ اندھی ہے۔ دل شاہد کی محبت سے روشن ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ من مانیاں کرنے والے کا دل اندھا ہوتا ہے۔ کان، آنکھ اور دل، اللہ کی عطا ہیں۔ ان کے بغیر حصول علم ناممکن ہے۔ زندگی میں ہر مقام پر اللہ کی عطا کی قدر کرنی چاہئے۔ کان کا شکر یہ اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ جو بھی سنا جائے، اسے حق کے حوالے سے سنا جائے۔ آنکھ کا شکریہ یہ ہے کہ جو بھی دیکھا جائے اس میں حق اور ناحق کے درمیان وقف لازم ملحوظ رہے اور دل کا شکریہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں تدبر کیا جائے اور شاہد سے محبت رکھی جائے۔ اور اگر حصول علم کے لئے کام آنے والے ذرائع کو

استعمال کر کے معطیٔ مطلق کو یاد بھی نہ کیا جائے تو یقیناً یہ ناشکری ہے۔

حاصل: کان، آنکھ اور دل وہ ذرائع ہیں جن کے بغیر حصولِ علم ناممکن ہے۔ کائنات میں جوں جوں علم کے بڑھنے کا احساس ہو، شکریے کو بھی بڑھنا چاہئے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تخلیق کو اہم مانا جائے اور باعثِ تخلیق کا کما حقہٗ شکریہ ادا نہ کیا جائے۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾ اور اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے، اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔

زمین میں انسانوں کا پھیلانا، اللہ کی قدرت ہے، اس لئے کسی خطۂ زمین پر اپنی موجودگی کو اپنی فضیلت کی سند کے طور پیش کرنا درست نہ ہوگا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا، اور وہاں ہر ایک کو اس کے کیے کی پوری پوری جزا مل جائے گی۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت نہیں رہ سکتی۔

حاصل: زمین میں ہمارا پھیلاؤ اللہ کے حکم سے ہے، اللہ کے علم سے ہے، واپسی بھی اسی کے حکم سے ہوگی۔ جزا کا یقین ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت کیسے ہو سکتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ اور وہی حیات دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے، اور اسی کا کام ہے لیل و نہار کا اختلاف۔ تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

حیات دینے کا دعویٰ، اللہ کی شان ہے، موت دینے کا دعویٰ اللہ کی شان ہے۔ رات اور دن کا بدلنا، اللہ کی شان ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاشریک ہونے کی اسناد ہیں۔ حیات کے ساتھ موت کا رکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے، ورنہ حیات کی مقصدیت کا تصور ہی محال ہوتا۔ رات اور دن کا اختلاف زندگی کو وہ آسانیاں عطا کرتا ہے کہ اس اختلاف کے بغیر زندگی کا تصور ہی بڑا خوفناک ہے۔ جس نے حیات دی ہے، جو موت دے گا اور جو رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، وہی قادرِ مطلق ہے۔ جس کی قدرت سے ہمارا سب کچھ ہو رہا ہے، اس کی قدرت کو ہر مقام پر ماننا عقل مندی ہے۔ اس کی قدرت کا انکار خلافِ عقل ہے۔

حاصل: عقل مندی کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے عقیدے میں تضاد نہ ہو، ہمارے رویئے میں تضاد نہ ہو۔

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ بلکہ انہوں نے بھی وہی کہا جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔

حیات و موت، انسان کے مشاہدے میں ہے۔ رات اور دن کا بدلتے رہنا، انسان کے مشاہدے میں ہے۔ اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد، اللہ کی قدرت کو محدود کہنا خلافِ عقل ہے۔ مگر بعث بعد الموت کے متعلق سن کر لوگ وہی کہتے ہیں، جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔

حاصل: ہمارا عقیدہ جن لوگوں کی مثل ہے، ہمارا حال بھی ان لوگوں کی مثل ہے، مستقبل بھی انہی کی مثل ہوگا۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

کہتے ہیں، کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر اٹھائے جائیں گے۔

منکرینِ حق کو اسی بات پر حیرت ہوتی ہے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے، ہڈیاں ہو گئے تو پھر ہم کو از سرِ نو کیسے اٹھایا جائے گا۔ بعث بعد الموت کے انکار میں صرف یہی کہا جاتا رہا ہے۔ اٹھانے والا تو وہی اللہ ہے جس نے پہلے پیدا کیا ہے۔ پہلی پیدائش کے مقابلے میں از سرِ نو اٹھانا بڑا کام نہیں ہے۔ جس کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ ہے ہی نہیں، اس کی قدرت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا، بڑی بے ہودگی ہے۔

حاصل: خالقِ کُل ہی مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اس کی شان یہی ہے کہ اس کے حکم کے ساتھ ہی وہ ہو جاتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

بے شک یہ وعدہ ہمیں اور اس سے قبل ہمارے آباء کو بھی دیا گیا، یہ تو محض پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

منکرینِ حق نے بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہوئے یہ کہا کہ موت کے بعد اٹھائے جانے کا وعدہ ہم سنتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادوں کو بھی یہی وعدہ دیا گیا۔ یہ وعدہ کبھی پورا ہوتے دیکھا نہیں ہے۔ جو باتیں ہمیں سنائی جاتی ہیں، یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ وقت اور طرح کا تھا، ضروریاتِ زندگی تب کچھ اور تھیں اور اب کچھ اور ہیں۔ ان پرانی کہانیوں کو سن کر زندگی کی روش کو بدلنا بڑا مشکل کام ہے۔

حاصل: بعث بعد الموت، عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد کا مقام ہے۔ اس کو پہلوں کی کہانیاں کہہ کر اس کا انکار کرنا انسان کو خسارے کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ جس نے متاع دی ہے، عقل دی ہے، متاعِ حیات کے استعمال کا وہ طریقہ پسند فرمایا ہے جو شاہدین نے بتایا ہے، اس کی طرف سے پوچھ ضرور ہوگی۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

فرما دیجئے، کس کی ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے، اگر تمہیں علم ہے۔

منکرینِ حق سے یہ پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے یہ سب کس کا ہے، اگر علم ہو تو اس کا جواب دو۔ زمین جس کی ملکیت ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ جس کی ملکیت ہے، وہی مالکِ کُل ہے۔ مالکِ کُل ہی خالقِ کُل ہے۔ مقصدِ تخلیق کا تعین ہو تو تخلیق کا مقام آتا ہے۔ زمین اور جو کچھ اس میں ہے بے مقصد نہیں بنایا گیا۔ مقصدِ تخلیق وہی بتا سکتا ہے، جو خالقِ کُل ہے۔

حاصل: منکرینِ حق سے یہ پوچھنا چاہئے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، یہ سب کس کا ہے۔ بولنا علم سے ہو یا حصولِ علم کے لئے ہو تو اس سے نورِ ہدایت پھیلتا ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جلد ہی کہیں گے، اللہ کا ہے۔ فرمائیے پھر نصیحت کیوں نہیں مانتے۔

بعث بعد الموت کا انکار کرنے والوں سے یہ پوچھا جائے کہ یہ زمین اور جو کچھ اُس میں ہے، یہ سب کس کا ہے تو وہ اس کے جواب میں یہی کہیں گے، یہ سب اللہ کا ہے۔ کسی اور کا نام لینا ممکن ہی نہیں۔ جب یہ مان لیا جائے کہ یہ سب اللہ کا ہے، تو پھر حق وہی ہے جو اللہ کا فرمان ہے اور اسی کے ماننے میں فلاح ہے۔ جب یہ مان لیا جائے کہ مالکِ کل اللہ ہے، تو پھر اس کے فرمان کو نہ ماننا کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل: اپنے عقیدے کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ اگر ہمارا طریقِ زندگی خلافِ حق ہے، تو پھر اللہ کو مالکِ کُل ماننے کا ثبوت ہمارے پاس کیا ہے۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۸۶﴾

فرما دیجئے، کون ربّ ہے سات آسمانوں کا اور کون رب ہے عرشِ عظیم کا۔

آسمانوں میں ربوبیت ہو رہی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو آسمانوں کی مخلوق کی ضروریات کا علم بھی نہیں ہے، ربوبیت کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔ وہ مقام جو اس کائنات میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، عرشِ عظیم ہے۔ وہاں بھی ربوبیت ہو رہی ہے۔ آسمانوں کا رب اور عرشِ عظیم کا ربّ، ربّ العالمین ہے۔ اس سے بڑا علم والا کوئی نہیں ہے۔

حاصل: آسمانوں کے ربّ اور عرشِ عظیم کے ربّ کو لاشریک نہ ماننا قطعاً جہالت ہے۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۸۷﴾

کہیں گے، اللہ ہی کے ہیں۔ فرمایئے پھر اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں۔

جب یہ مان لیا جائے، کہ آسمانوں میں پالنے والا اللہ ہے، ہر شے پر قدرت رکھنے والا اللہ ہے، عرشِ عظیم کا مالک اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں، تو پھر اللہ کا ڈر ہماری ہر حرکت سے ظاہر ہونا چاہئے۔ اللہ کی قدرت کے احاطے کو بھی مانا جائے اور اس کا ڈر بھی نہ ہو، یہ دونوں کیفیات یکجا نہیں ہوسکتیں۔

حاصل: اللہ کو رب العالمین مان لیا جائے، قادرِ مطلق مان لیا جائے، تو پھر ہمارے اعمال میں اللہ کا ڈر نظر آنا چاہئے۔ اللہ سے ڈرنے والا اپنے انجام سے غافل نہیں ہوسکتا۔

قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۸﴾

فرمایئے کس کے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار ہے، اور وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی نہیں بچا سکتا، اگر تم جانتے ہو۔

ہر شے پر اللہ کی قدرت محیط ہے۔ ہر شے پر اللہ کا اختیار ہے۔ شعور کی موجودگی میں کسی کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کا انکار کرے۔ کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اس کو عاجز کرسکے۔ اس لئے سب سے بڑا بچانے والا وہی ہے، مگر اس کے مقابل بچانے کی قدرت کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا۔ اور یہ مان لیا جائے، تو پھر یہ تسلیم ماننے والے کے عمل میں نظر آنی چاہئے۔

حاصل: اگر ہم مانتے ہیں کہ ہر شے پر اللہ کا اختیار ہے، وہ سب سے بڑا بچانے والا ہے اور اس کے مقابل کوئی بچانے والا نہیں تو پھر اس تسلیم کو ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہیئے۔

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿٨٩﴾ اب کہیں گے، اللہ۔ فرمایئے پھر کیوں مسحور ہوئے جاتے ہو۔

اگر شعور کی موجودگی میں اللہ کا ہر شے پر اختیار مان لیا جائے، یہ مان لیا جائے کہ باطل کو ماننے والے کسی طرح بھی حق پر ایمان لانے والوں کو نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے کہ اللہ سب سے بڑا بچانے والا ہے، یہ مان لیا جائے کہ جب اللہ عذاب دینا چاہے تو بچانے کی قدرت کسی کے پاس نہیں ہوگی، تو اس تسلیم کے ساتھ حسنِ تسلیم کو بھی نظر آنا چاہیئے۔ اور جب باطل کے اثرات سے سحر زدگی کی کیفیت نظر آ رہی ہو تو پھر حق کو تسلیم کرنے کی حقیقت کیا ہوئی۔

حاصل: جو اللہ کو قادرِ مطلق مانتا ہے، جو اللہ کو سب سے بڑا بچانے والا مانتا ہے، جو مانتا ہے اللہ کے عذاب سے بچانا کسی کے بس میں نہیں ہے، اس پر جادو نہیں ہو سکتا۔ باطل کے اثرات نظر آ رہے ہوں تو حق کو ماننے کا ثبوت کیا ہوگا۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٩٠﴾ بلکہ ہم نے انہیں حق پہنچایا ہے، اور بے شک وہ کاذب ہیں۔

حق کا پہنچانا اللہ کی شان ہے۔ حق فرمانِ خداوندی ہے، جس کے حوالے سے بندہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ جواب دہی کا یقین ہو تو بندے کی صداقت کی سند موجود ہوتی ہے، ورنہ وہ کاذب ہوتا ہے۔ جواب دہی کا یقین عمل میں نظر آتا ہے، اس یقین کی موجودگی میں اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہو سکتا۔

حاصل: کسی کے لئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ حق اس کے پاس نہیں پہنچا۔ ماننے والے کا عمل بول رہا ہوتا ہے۔ جواب دہی کا یقین نہ ہو تو انسان، اللہ کے نزدیک کاذب ہوتا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا، اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔ یوں ہوتا تو ہر معبود اپنی خلق کو لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کرتا۔ اللہ ایسی باتوں سے پاک ہے جو یہ بتاتے ہیں۔

اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے اور اللہ بے مثل ہے، اس لئے اولاد کو اللہ سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے ساتھ دوسرا کوئی معبود بھی شریک نہیں ہے۔ یوں ہوتا، تو ہر معبود اپنی خلق کو اپنے دائرہ عبودیت میں رکھتا اور اس کوشش میں نظمِ کائنات خراب ہو جاتا۔ اللہ کی شان کو بیان

کرنا اور اندازے قیافے کی باتیں کرنا بڑا ناپسندیدہ کام ہے۔ اندازہ، قیافہ اللہ کی شان کو بیان کرنے کے لئے موزوں ہی نہیں ہے۔

حاصل: اولاد، معبود کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ معبود کا اپنی خلق پر قادر ہونا ضروری ہے، اور معبود کئی ہوں تو اظہارِ قدرت باعثِ فساد ہی ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بارے میں اندازے قیافے سے باتیں کرنا ناپسندیدہ ہے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۱۵/۵

جانتا ہے چھپے کو اور کھلے کو اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ ظاہر کو بھی جانتا ہے، باطن کو بھی جانتا ہے۔ اشیاء کے منافع بھی اس نے رکھے ہیں جو اشیاء کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ اشیاء میں نظر آنے والی باتیں بھی اللہ نے رکھی ہیں۔ علم مطلق اللہ کی شان کے لائق ہے۔ وہ خالقِ کُل ہے، اور مخلوق کبھی اپنے خالق کے مقابل نہیں آسکتی۔ اللہ سینے کے بھید کا علم رکھتا ہے، اللہ آنکھ کی خیانت کا علم رکھتا ہے، اس کے سامنے کسی کے علم کا جو اندازے قیافے سے بنا ہو کیا مقام ہوسکتا ہے۔ اس لئے اندازے قیافے سے جو باتیں بھی اللہ کے متعلق کی جائیں، اللہ ان سے بہت بلند ہے۔

حاصل: ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ اللہ سب سے بڑا علم والا ہے۔ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں۔ اندازے قیافے سے اللہ کی شان بیان نہیں ہوسکتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورہ الاسراء (۱۷) میں ارشاد فرمایا ہے۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ، پھر بیٹھ رہو گے مذمت کیے ہوئے، بے کس۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

دعا کیجئے، اے رب اگر تو مجھے دکھائے جو ان سے وعدہ ہوا ہے۔

جو اصلاح کو قبول کرلے، اس کا بھلا ہو جاتا ہے۔ جو عمل کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کرلیتا ہے، وہ عذاب الٰہی کی گرفت میں آتا ہے۔ اللہ کا یہ عذاب المناک ہوتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس عذاب میں نہ کوئی ساتھی رہ جاتا ہے، نہ کوئی مدد دینے والا رہ جاتا ہے۔ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کروایا جائے تو اللہ اپنے فضل سے فلاح عطا فرمائے۔

حاصل: عذابِ الٰہی سے قبل یہ دعا، کافروں سے الگ ہونے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو اے رب مجھے ظالم لوگوں میں نہ ٹھہرانا۔

عذابِ الٰہی ظالموں کا احاطہ کرلیتا ہے تو پھر کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ظالم وہی ہوتے ہیں، جو خلافِ حق کرتے ہیں۔ بندے کو تقاضاءِ ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ انجام کی بھلائی کی دعا کرے۔ ظالموں سے نہ اس کی بات ملتی جلتی ہو اور نہ اس کا عمل ملتا جلتا ہو۔ دانستہ طور پر بھی ان سے کوئی ہم آہنگی نہ ہو، نادانستہ طور پر بھی ان سے کوئی ربط نہ ہو۔

حاصل: جب یہ دعا کی جائے، تو تلاوت الوجود کر کے دیکھنا چاہیئے، کہ ہم کوئی کام خلافِ حق تو نہیں کر رہے۔ ایسا ہو تو ہماری دعا بے معنی ہو جائے گی۔

وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بے شک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں، جو وعدہ انہیں دے رہے ہیں۔

منکرینِ حق کو جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے، وہ عذاب امرِ الٰہی سے ہی آتا ہے۔ اتمامِ حجت ضرور اللہ کی شان ہے۔ اللہ کی قدرت سے وہ عذاب، حال پر حق کی ادائیگی کرنے والوں کو دکھایا جا سکتا ہے۔ حق کو ماننے والے یہ بات نظر میں رکھیں کہ اللہ کی قدرت کے سامنے منکرینِ حق کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔

حاصل: اللہ کی قدرت پر نظر ہو تو منکرینِ حق کی باتوں سے ان کا انجام نظر آنے لگتا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

برائی کو بطریق احسن دفع کرو۔ ہمیں خوب علم ہے جو باتیں یہ بناتے ہیں۔

منکرینِ حق کی طرف سے پہنچنے والے دکھ کو باذنِ اللہ مانا جائے تو برائی کو بطریقِ احسن دفع کرنے کی صورت بنتی ہے۔ وہ تکلیف دہ باتیں جو حق کا انکار کرنے والے بناتے رہتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ ان بے ہودہ باتوں پر صبر کرنا، پاک لوگوں کی شان ہے۔

حاصل: اگر اس بات پر نظر رہے کہ جزا دینے والا سب سے بڑا جاننے والا ہے، تو منکرینِ حق کے رویے پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بندے کا علم، اللہ کے علم کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتا ہے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾

اور دعا کرو اے میرے ربّ میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حق کو ماننے والے، دوست کے ساتھ بھی حق کے مطابق رہتے ہیں، دشمن کے ساتھ بھی حق کے مطابق رہتے ہیں۔ دعا یہ کرتے ہیں کہ اے میرے رب میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میرا نفس کہیں مجھے میری چاہت کے رخ پر نہ ڈال دے۔ اپنے حق پر نظر ہو گی تو سلامتی رہے گی۔

حاصل: جب یہ دعا کی جائے کہ اے میرے ربّ مجھے شیاطین کے وسوسوں سے پناہ دے، تو درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے، کہ اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔

وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور اے میرے ربّ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

شیاطین جن ہوں یا شیاطین انس ہوں، وہ لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ دعوت شریعت کے لبادے میں بھی ہوسکتی ہے، طریقت کے لبادے میں بھی ہوسکتی ہے، حقیقت کے لبادے میں بھی ہوسکتی ہے۔ اس دعا کے بعد لازم ہے کہ بندہ برائی کے قریب نہ جائے۔ اپنی حفاظت بھی کرے، اپنے ساتھیوں کی حفاظت بھی کرے۔ جبھی اس کے قول کا عمل شاہد ہوگا اور وہ سچا ثابت ہوگا۔

حاصل: شیاطین جن وانس سے اللہ کی پناہ مانگنا اظہارِ بندگی ہے۔ اپنی حفاظت بھی کرنی چاہئے، اپنے ساتھیوں کی حفاظت بھی کرنی چاہئے کہ اسی سے صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے گا، اے میرے ربّ مجھے مراجعت دے۔

موت کے وقت یہ درخواست کرنا کہ مجھے واپس بھیج دیا جائے، کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حکمِ الٰہی تو یہی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم پر موت آئے اور تم کہو کہ مجھے تھوڑی مہلت دے دی جائے، کہ میں صداقت سے صالحین میں شامل ہو سکوں۔ اس وقت عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہوچکی ہوگی۔ مقصدِ حیات کا انکار کرنے والے، اس وقت حقائق کو ماننے کے لئے تیار ہوں گے، مگر اس ماننے کے ساتھ صداقت کا ثبوت پیش کرنا ممکن نہ ہوگا۔

حاصل: حال پر حق کو ماننا نفع دیتا ہے۔ موت کے وقت حقائق کو ماننا نفع نہیں دیتا۔ اس وقت واپس بھیج دینے کی درخواست حسرت کو ہی بڑھائے گی۔

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہ میں صالح عمل کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے۔ اور ان کے پیچھے برزخ ہے، یومِ بعث تک۔

اللہ کے دیئے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں اللہ کی رضا کو مقصود جاننا ان لوگوں کی طریقت ہے جو جزا کا یقین رکھتے ہیں۔ غافل لوگ وہی کرتے ہیں جو ان کا جی چاہے۔ موت کے وقت اس کا احساس ہوتا ہے تو صالحین کے ساتھ مل جانے کی طلب بھی ظاہر کرتے ہیں، اور جو کچھ دنیا میں چھوڑ کر جا رہے ہوتے ہیں اس کے درست استعمال کی بات بھی کرتے ہیں۔ مگر اس بات کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی، اس لئے یہ بات اب کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک پردہ حائل ہو چکا ہے، ماضی اور حال کے درمیان۔ یہ پردہ اس دن تک قائم رہے گا، جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

حاصل: صالح عمل کرنے کا وقت حال پر ملی ہوئی مہلت ہے۔ قول وہی سچا ہے، عمل جس کا شاہد ہو۔ اصلاحِ حال کے لئے دی گئی مہلت کی قدر کرنی چاہئے۔ پھر لوٹائے جانے کی طلب کوئی معنی نہیں رکھتی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

تو جب صور پھونکا جائے گا، تو اس دن ان میں نہ نسبی تعلق ہوگا اور نہ وہ ایک دوسرے سے کچھ مانگ سکیں گے۔

نفخۂ ثانیہ پر لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہر وہ رشتہ جو غرض وغایت پر قائم ہوگا، اس دن بے حقیقت ہوگا۔ جزا کا انکار کرنے والے، ایسے خوف میں مبتلا ہوں گے کہ کسی سے مدد طلب کرنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ جو تعلق اللہ کی رضا کے حوالے سے ہو وہ تعلق تقویٰ سے تعلق رکھتا ہے، وہ قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ ایمان والوں کا حال قیامت کے دن یہ ہوگا کہ ان کی اولاد جس نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہوگی، ان کے ساتھ ملادی جائے گی اور انہیں پریشانی نہ ہوگی۔

حاصل: جس نسب پر فخر کیا جارہا ہو اس کے انجام کو بھی دیکھنا چاہئے۔ جس رشتے میں مقصود اللہ کی رضا ہو، وہ تقویٰ پر قائم ہوتا ہے، وہی قائم رہنے والا رشتہ ہے۔ مدد مانگنے کے لئے احساسِ تعلق ضروری ہوتا ہے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

تو جن کے اوزان بھاری ہوئے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

جو عمل اللہ کی رضا کے حوالے سے کیا جائے، اس میں جزا کا یقین موجود ہوتا ہے اور عمل کرنے والا کبھی اپنے عمل پر اتراتا نہیں کہ اس نے بندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایسا عمل لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں ہوتا۔ خلوت ہو یا جلوت، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دیکھا جاتا ہے۔ ایسے عمل کا اللہ کے نزدیک وزن ہوتا ہے۔ ایسے عمل کرنے والے لوگوں کے اوزان بھاری ہوں گے۔ پاکیزگی کے حوالے سے اعمال وزنی ہوتے ہیں اور یہ فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

حاصل: پاکیزگی کے حوالے سے اعمال وزن رکھتے ہیں۔ جب مقصود اللہ کی رضا ہو اور معیار پیشِ نظر اسوۂ رسول ہو، تو عمل اللہ کے نزدیک باحقیقت اور وزنی ہوگا، اور یہ فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور جن کے اوزان ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

جو عمل، اللہ کی رضا کے حوالے سے نہ ہوں، جن میں لوگوں کی پسند اور ناپسند کو زیادہ وقعت حاصل ہو، وہ بظاہر نیکی کے زمرے میں بھی آتے ہوں تو بھی ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی اور وہ اللہ کے نزدیک معیار کے حوالے سے بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ جزا کا یقین بندے کے رخ کو درست رکھتا ہے، ناصح سے محبت ہو تو اعمال وزنی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں۔ جو ان کا انکار کرتا ہے، وہ اپنے لئے خسارے کا انتخاب کرتا ہے۔ اس کی سزا دائمی عذاب ہے۔

حاصل: عمل، اللہ کے نزدیک معیار کی نسبت سے وزنی یا ہلکا ہوتا ہے۔ جزا کا منکر خود کو خسارے میں ڈالتا ہے، اسے دائمی عذاب ہوگا۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی، اور ان کے منہ بگڑ جائیں گے۔

جن لوگوں کے اعمال بے حقیقت ہوں گے، انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جو آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی، وہ آگ ان لوگوں کے اعمال کا نتیجہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔ جہنمی لوگوں کا رخ حال پر بھی بگڑا ہوا ہوتا ہے، آخرت میں یہ بگاڑ بالکل واضح ہو جائے گا۔ نیت عمل کی جان ہوتی ہے۔ جس کی نیت درست نہیں ہوگی، اس کا رخ کبھی درست نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے اعمال سے اپنے لئے آگ کا بندوبست کر رہا ہوگا۔

حاصل: آگ کی سزا دینا، صرف اللہ کی شان کے لائق ہے، کہ وہی انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے۔ کسی منہ کو بگاڑنے کی کوشش، اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہوگا اور ہمیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ کیا تم پر میری آیات تلاوت نہ کی جاتی تھیں، تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

آیاتِ الٰہی کا انکار کرنے والے دوزخ میں چلائیں گے، تو ان سے پوچھا جائے گا کیا تمہیں اس انجام سے ڈرایا نہیں گیا تھا، کیا تمہیں فرمانِ خداوندی سنایا نہیں گیا اور کیا تم اس کو جھٹلاتے نہیں رہے۔ جس راستے کو تم نے شعور کے ساتھ اختیار کیا تھا اب اس کے انجام پر چیخنا چلانا کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل: فرمانِ خداوندی کو ماننا جیسے ماننے کا حق ہے، بندے کو حال پر بھی نفع دیتا ہے آخرت میں بھی نفع دے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ عرض کریں گے ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

جہنمی پکاریں گے، ہم پر یقیناً فرمانِ خداوندی کی تلاوت کی گئی، ہم اس کو جھٹلاتے رہے۔ یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم حق کو ماننے والے نہ ہوئے اور ہم گمراہ ہو گئے۔ بدبختی کو اپنی گمراہی کا سبب بتانا بھی حق کا انکار ہے، کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم حق کو مان ہی کیسے سکتے تھے بخت میں تو گمراہی لکھی تھی۔ جب حق کسی کو سنایا جاتا ہے، تو اس نے شعور کے ساتھ اس کو ماننا ہوتا ہے یا شعور کے ساتھ اس کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے خوش بختی یا بدبختی کی راہ بندہ اختیار کرتا ہے اور جو رخ وہ اختیار کرے، اسی کی جزا پاتا ہے۔

حاصل: بدبختی کا انتخاب انسان خود کرتا ہے۔ گمراہی کو بدبختی کی بدولت جاننا بھی بے حقیقت لوگوں کا طریقہ ہے۔ انسان شعور کے ساتھ بھلائی کا رخ اختیار کرتا ہے، شعور کے ساتھ ہی خسارے کا رخ اختیار کرتا ہے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے ربّ ہمارے ہمیں اس سے نکال، پھر اگر ہم وہی کریں تو قطعاً ہم ظالم ہوں گے۔

جہنمی یہ عرض کریں گے کہ اے رب ہمارے، ہمیں اس دوزخ سے نکال اور ہمیں موقع دے کہ ہم صالح عمل کریں، جو ہم پہلے نہیں کرتے تھے اور اگر ہم پھر وہی کریں جو پہلے کرتے تھے، تو پھر ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے، اور جہنمی یقیناً خلافِ حق کر چکے

ہوں گے۔ انہیں ماضی میں متاع دی گئی، مہلت دی گئی، نصیحت ان کے پاس پہنچائی گئی، ڈر سنانے والے انہیں ڈر سناتے رہے اور وہ کچھ کر کے دکھاتے رہے جو کرنا چاہیے تھا، جو باعثِ فلاح تھا۔ جب خلاف حق کرنے والوں نے شعور کے ساتھ خلافِ حق کیا تو پھر ان کے ظالم ہونے میں کیا مقام باقی رہا۔

حاصل: جہنمی جزا کو دیکھ کر حق کو ماننے کا دعویٰ کریں گے اور عمل کے لئے مہلت مانگیں گے۔ جو لوگ حال پر غفلت میں پڑے ہوں ان کا ساتھ خسارے کا باعث ہوتا ہے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

فرمایا جائے گا، پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اسی میں اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

یوم الدین کے مالک کی طرف سے فرمایا جائے گا، پھٹکارے ہوئے پڑے رہو جہنم میں اور مجھ سے کلام نہ کرو۔ یہ بات بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، جو تم کر رہے ہو۔ جہنمی ظلم کرتے رہنے کی وجہ سے جہنم میں پہنچیں گے، مگر یہ کہیں گے کہ اگر ہمیں موقع دیا جائے اور ہمارا حال وہی رہے جو پہلے تھا تو پھر ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔

حاصل: جزا کے بعد اصلاح کو قبول کرنے کا دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ظلم کی جزا پانے کے باوجود جسے اپنے ظلم کا اعتراف نہ ہو، اس کی بات سے کراہت کا اظہار کرنا چاہیے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

میرے بندوں کا ایک فریق کہتا تھا، اے رب ہمارے ہم ایمان لائے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اللہ کے پاک بندوں کی صفات کا ذکر ہے۔ وہ کہتے تھے، اے رب ہمارے ہم ایمان لائے، تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ ایمان لانے کا دعویٰ کرنے کے بعد صالح اعمال سے اس کی شہادت پیش کرنی ضروری ہے۔ صالح اعمال وہی ہیں جو صالحین کے اتباع میں کیے جائیں۔ بھلے لوگوں کو یہ اعتراف ہوتا ہے کہ شاہدین کے اتباع کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہوا، اس لئے وہ بخشش کی دعا کرتے ہیں، رحم کی دعا کرتے ہیں۔ اور رحم کی دعا اس طرح کرتے ہیں: کہ یا اللہ تیرے فضل کے بغیر پورے رہنا ممکن نہیں، تیرا رحم شاملِ حال ہوگا تو بات بنے گی۔

حاصل: ایمان لانے کا دعویٰ ہو، صالح اعمال ایمان کی تصدیق کریں، اللہ سے اس کی بخشش اور اس کے رحم کو طلب کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یا اللہ تیرے فضل سے ہی بات بنے گی، بھلے لوگوں کی یہی طریقت ہے۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تو تم نے ان کا تمسخر اڑایا، حتیٰ کہ میری نصیحت کو بھلا دیا اور تم ان کی تضحیک کرتے تھے۔

جہنم والوں سے یہ فرمایا گیا ہے، کہ تم پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کی ناداری تمہیں نظر آتی تھی، اور ان کی خواہشات تمہیں بہت کم نظر آتی تھیں۔ اور وہ اللہ سے بخشش مانگتے تھے، اللہ سے اس کا فضل طلب کرتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ مذاق اڑانا تمہارا محبوب مشغلہ بن گیا تھا حتیٰ کہ تم نے اس حق کو ہی بھلا دیا جس کو یاد رکھنا تمہارے لئے باعثِ فلاح تھا اور تم ان پاک لوگوں پر ہنسنے میں اللہ کی دی ہوئی متاع کو اور اللہ کے دیئے ہوئے وقت کو ضائع کرتے رہے۔ کسی کا مذاق اڑانا، اس کے عقائد پر ہنسنا بڑی رعونت ہے، بڑا تکبر ہے۔ جزا کے یقین کی موجودگی میں یہ تمسخر و تضحیک ممکن ہی نہیں۔

حاصل: جہنمی لوگوں کی یہ صفت ہے کہ وہ پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے عقائد پر ہنستے ہیں اور اس کام کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ پھر انہیں یاد ہی نہیں رہتا، کہ انہیں اللہ کے حضور پیش بھی ہونا ہے جہاں انہیں ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ میں نے آج انہیں ان کے صبر کی یہ جزا دی ہے کہ وہی فائز ہیں۔

جن لوگوں کو دنیا میں تمسخر و تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور وہ کافروں کی بے ہودگی پر صبر کرتے تھے، قیامت کے دن انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے صبر کی جزا بصورتِ فلاح عطا ہوگی اور وہ بڑی عزت والے، بڑے بامراد ہوں گے۔ کافروں پر یہ واضح کر دیا جائے گا کہ تم نے جو کیا خلافِ حق تھا، اب تم نامراد ہو، اور جن پر تم ہنستے تھے وہ بامراد ہیں۔

حاصل: منکرینِ حق کی بے ہودہ اور تکلیف دہ باتوں سے جو دکھ پہنچے، اس کو باذنِ اللہ جان کر صبر کرنا، حیاتِ دنیا میں بامراد لوگوں کی نشانی ہے۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ فرمایا تم زمین میں کتنے برس رہے۔

کافروں کی شعوری زندگی جس میں وہ پاک لوگوں کا مذاق اڑاتے رہے، ان کے نزدیک کتنی تھی، ان سے پوچھا جائے گا۔ وہ کام جس میں کافروں کی زندگی ہی صرف ہوگئی، جس سے بڑا انہیں اور کوئی کام ہی نہ تھا اور جس کام سے کبھی وہ اکتاتے نہ تھے اور جس میں وہ مزے لیتے تھے، اب اس وقت کو وہ اس دکھ کے وقت کی نسبت سے دیکھیں گے جس نے انہیں گھیر رکھا ہوگا، تو انہیں اپنا ماضی بہت ہی چھوٹا نظر آئے گا۔

حاصل: اپنے اوقاتِ کار کو دیکھنا چاہئے۔ ہمارا کتنا وقت کس کام میں لگ رہا ہے، یہ پیشِ نظر ہو تو اصلاحِ حال سے غفلت نہیں ہوتی۔

قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾ کہنے لگے ہم ایک دن رہے، یا دن کا کچھ حصہ، تو شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔

جو لوگ جزا کے دن کا انکار کرتے ہوئے حیاتِ دنیا میں خلافِ حق کرتے رہتے ہیں اور حالتِ کفر میں ہی انہیں موت آجاتی ہے، جب وہ عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں گے تو ماضی میں وہ وقت جو وہ من مانی کرتے ہوئے ضائع کر چکے ہوں گے، انہیں ایک دن یا اس سے کچھ کم ہی

معلوم ہوگا۔ وہ فرشتے جو ہمہ وقت انسان کے اعمال کا اندراج کرتے رہتے ہیں، وہ بتائیں گے ہمارا قیام دنیا میں کس قدر رہا۔

حاصل: دکھ کے وقت کے مقابل سکھ کا وقت بہت مختصر معلوم ہوتا ہے۔

قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾

فرمایا تم اس میں قلیل ہی رہے اگر تمہیں علم ہوتا۔

وہ وقت جو خلافِ حق کرتے ہوئے گزارا جائے، وہ تو ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے متاع دی ہے، وقت دیا ہے، استعمال کے لئے ایک طریقہ رکھا ہے۔ اس طریقے پر عمل کر کے دکھانے والے بھیجے ہیں، خوف وحزن سے نجات کا یقین دلاتے ہوئے وہ حق کو روشن کرتے ہیں اور کسی اجر کا سوال بھی نہیں کرتے۔ اگر ان پاک لوگوں کی بات سن کر ان سنی کر دی جائے تو پھر وقت بھی ضائع ہوا، متاع بھی ضائع ہوئی۔ نتائج تو اللہ کے اذن سے ہوتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والا کبھی اپنی پسند کے مطابق نتیجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر غلط رخ اختیار کرنے سے بڑی بے سمجھی اور کیا ہو سکتی ہے۔ جس میں وقت بھی ضائع ہو گیا، متاع بھی ضائع ہو گئی۔

حاصل: ہمارا وقت حق کے حوالے سے گزر رہا ہے تو اللہ کی عطا یقیناً اس کی رضا کے مطابق استعمال ہو رہی ہے، ورنہ بے علمی کے ساتھ سب کچھ ضائع کیا جا رہا ہے۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾

تو کیا یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث ہی خلق کیا ہے اور تمہیں لوٹ کر ہماری طرف نہیں آنا۔

مقصدِ تخلیق کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث ہی خلق نہیں کیا، ہم نے انسان کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ کے عبد اور رسول کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کے لئے، اللہ سے محبت رکھنا لازم ہے۔ اسی محبت سے اتباعِ رسول ممکن ہوتا ہے اور یہی اتباع، معیت کے دعوے کو سچا ثابت کرتا ہے۔ انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے، کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر بھی جانا ہے۔ کسی موجود کو اس کے مقصود کے بغیر تصور میں نہیں لایا جا سکتا۔ انسان کا مقصدِ تخلیق وہی بتا سکتا ہے، جس نے انسان کو خلق فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو غفلت کہاں رہ سکتی ہے۔

حاصل: مقصدِ تخلیق کو جاننا چاہیئے۔ لوٹ کر جانے کا یقین ہو تو اللہ کے فرمان سے لاپرواہی نہیں ہو سکتی۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَـقُّ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ﴿۱۱۶﴾

تو بڑا ہی اعلیٰ ہے اللہ، مالکِ حقیقی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، رب عرشِ عظیم کا۔

اللہ ہر شے کا مالک ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے، بے مثل ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ بندوں میں ہر مالک سے پہلے ایک مالک ہوتا ہے۔ ہر مالک کے بعد اس کے وارث مالک ہوتے ہیں۔ اللہ وہ مالک ہے، جس سے پہلے کوئی مالک نہ تھا اور جب سب مالک ختم ہو جائیں گے تو اس کے بعد اللہ کے سوا کوئی مالک نہ ہوگا۔ حال پر بھی مالکِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ یہ مان لیا جائے تو پھر مالکِ حقیقی کی رضا کے مطابق ہی

رہنا چاہئے۔ اللہ کی رضا کے مقابل کسی بات کو اہمیت دینا بھی شرک ہی ہوگا۔ کائنات کے نظام میں جو حسن موجود ہے، وہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پوری کائنات میں مرکزِ انتظام ایک ہے، انتہائی محفوظ ہے اور اس کو سنبھالنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔

حاصل: ہر شے کا مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی ایک کو ماننے میں ہی سلامتی ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی اس کے پاس کوئی برھان نہیں ہوگی، تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافر فلاح نہیں پاتے۔

اللہ مالکِ حقیقی ہے۔ اسی نے ہر ایک کو توفیق دی ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک پر شعور کی موجودگی میں حق عائد ہوتا ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ اگر اس کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود مان کر پکارا جائے گا، تو یہ قطعاً بے سند بات ہوگی۔ ایسا کرنے والے کافر کا کبھی بھلا نہیں ہوگا۔ اسے اس کے رب کی طرف سے اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

حاصل: رضائے الٰہی کے خلاف جو بھی کیا جائے گا، وہ اپنی خواہشات کی پیروی ہوگی اور خلافِ حق ہوگی۔ شرک کرنے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔ حیاتِ دنیا میں خوف و حزن اس پر محیط رہتے ہیں، آخرت میں اسے عذابِ جہنم گھیر لے گا۔

ع ۲۶ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

اور پکارو، اے رب بخش دے اور رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا ہے۔

یہ حکم فرد کی صورت سے ہے۔ بخشش مانگنے سے یہ اظہار ہوگا، کہ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ہمارے اعمال کو اسوۂ حسنہ سے وہ نسبت نہیں ہے جو ہونی چاہئے تھی۔ رحم طلب کرنے سے یہ اظہار ہوگا کہ تیرے رحم کے ساتھ ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہے۔ اس رحم کے بغیر کسی مقام پر بھی پورا رہنا ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا رحم کرنے والا ہے کہ وہ رحم طلب کرنے والے کی عزت کو بڑھا دیتا ہے، اس کو آسانیاں عطا فرماتا ہے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف بھی بخش دیتا ہے۔

حاصل: یہ دعا ضرور کرنی چاہئے، اور اس کے ساتھ یہ بھی کرنا چاہئے کہ جس نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہو، اسے بخش دیا جائے اس کو سہارا دیا جائے اور کبھی اس کو حقیر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (۳۳) میں فرمایا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو۔ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے عظیم کامیابی پائی۔

ایاتہا ۶۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾

یہ ایک سورة ہے کہ ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اسے فرض ٹھہرایا اور ہم نے اس میں روشن نشانیاں نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل فرمایا گیا ہے۔ اس سورة کے احکام چاہے وہ اوامر ونواہی کی صورت سے ہوں یا واقعات مذکورہ سے اخذ ہونے والے نتائج کی صورت سے ہوں، سب فرض ہیں۔ اس سورة میں روشن نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں، منشاء یہ ہے کہ انہیں یادرکھا جائے، ان پر عمل کرنے میں تساہل نہ ہو، حکمِ الٰہی کی تعمیل اس یقین سے ہو کہ حکم دینے والا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔

حاصل: سورة النور کا حوالہ جہاں بھی آئے، اس کا درجہ فرض کا مانا جائے۔ معاشرے کو فساد سے پاک کرنے کے لئے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا ہے، وہی سب سے بڑے رحم کرنے والے کی شان ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

زانیہ اور زانی تو ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت شاہد ہو۔

زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان پر ترس کھانے والا ارحم الراحمین سے آگے قدم بڑھانے کا مرتکب ہوگا، جو بڑا گناہ ہے۔ یہ ترس کھانے والا اللہ کو کیا مانتا ہے، جزا کو کب مانتا ہے۔ جب زانیہ اور زانی کو سزا دی جائے تو مومنین کی ایک جماعت اس کی گواہ ہو۔ اس کو قطعاً کھیل اور تماشہ نہ بنایا جائے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے والوں کو حکمِ الٰہی کے مطابق سزا دی جائے تو وہ پاک ہو جائیں گے۔ جو لوگ سزا پانے کے بعد بھی پاک نہ رہیں اور زنا سے نہ رکیں، ان کو عبرتناک سزا کے ساتھ قتل کر دیا جائے، اس کا طریقہ رجم ہے۔

حاصل: زانیہ اور زانی کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ شعور کی موجودگی میں سزا پانے کے بعد بھی جو ناپاک ہونے کو ترجیح دے اس کو عبرتناک طریقے سے رجم کر دیا جائے۔ زانیہ اور زانی پر ترس کھانا، اللہ کا انکار کرنا ہے، جزا کا انکار کرنا ہے۔ زنا سے صرف زانیہ و زانی ہی متاثر نہیں ہوتے، پورا معاشرہ عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ؗ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۞ ۳

زانی نکاح نہ کرے سوائے زانیہ یا مشرکہ کے اور زانیہ نکاح نہ کرے سوائے زانی یا مشرک کے، اور یہ مومنین کے لئے حرام ہے۔

زانی صرف زانیہ سے نکاح کرے، زانیہ صرف زانی سے نکاح کرے۔ مشرکہ اور مشرک بھی اس زمرے میں آتے ہیں۔ یہ ناپاکی کو الگ رکھنے کی صورت ہے۔ مومنین کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاک کو ناپاک سے ملائیں۔

حاصل: مومنین کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کہیں بھی پاک کو ناپاک سے رشتۂ ازدواج میں جوڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔ ناپاک کا ناپاک سے تعلق ہو سکتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ ۴

اور جو پارسا بیبیوں کو عیب لگائیں، پھر چار شاہد نہ لائیں، تو انہیں اسی کوڑے مارو، اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ فاسق ہیں۔

پارسا بیبیوں پر عیب لگانے والوں کی سزا بیان فرمائی گئی ہے۔ پارسا بیبیوں کے بارے میں صرف قیاس کے ساتھ کسی برائی کو بیان کرنا شروع کر دینا انتہائی ناپسندیدہ بات ہے۔ اگر بیان کرنے والے کا مشاہدہ ایسا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق کرنے والے کم از کم چار ہیں، تو بات قابل ذکر ہوگی ورنہ قابل ذکر نہیں ہوگی۔ جلد بازی میں بغیر ضروری شہادت کے جو عیب لگائے اسے امر الٰہی کے مطابق اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہو جائے گا، پھر جو اس کی گواہی قبول کرے گا وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ یہ لوگ حق کے ساتھ اپنی پسند کو ملانے کے مرتکب ہونے کی وجہ سے فاسق ہیں اور فاسق کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

حاصل: پارسا بیبیوں کے بارے میں اپنے مشاہدے کو بیان کرنے میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کو دیکھنا لازم ہے۔ جلد بازی میں جو اللہ کے احکام کو نظر انداز کرنے کا مرتکب ہوگا، وہ سزا بھی پائے گا اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت بھی ہو جائے گا۔ جو حق میں اپنی پسند کو شامل کرے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۞ ۵

سوائے ان کے جو اس کے بعد تائب ہو جائیں اور صالح ہو جائیں، تو بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

جولوگ پارسا بیبیوں کے بارے میں بات کرتے وقت احتیاط سے زبان نہیں کھولتے اور سزا پاتے ہیں، وہ اگر سزا پانے کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاحِ حال کا ثبوت پیش کریں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بخشش اور رحم سے نوازا جاتا ہے۔ لوگوں پر بھی یہی لازم ہے کہ وہ اللہ کی سنت پر عمل پیرا رہیں۔

حاصل: جس کا حال اس کے ناپاک ماضی سے الگ ہو گیا ہو، اس کو معاف کر دینا اور اس پر رحم کرنا لازم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

اور وہ لوگ جو اپنی ازواج کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا شاہد نہ ہو، تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے۔

جو شخص اپنی بیوی پر عیب لگائے مگر اس کے پاس اس کی ذات کے علاوہ کوئی گواہی نہ ہو، تو وہ چار بار قسم کھا کر یہ گواہی دے گا کہ وہ پوری صداقت کے ساتھ اپنے مشاہدے کو بیان کر رہا ہے اور وہ قطعاً سچا ہے۔ یہ چار بار گواہی دینا، چار گواہوں کے بیان کے برابر ہو جائے گا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہیں۔ ہر بار پوری احتیاط کے ساتھ اور اللہ سے ڈرتے ہوئے گواہی دی جائے گی۔

حاصل: اپنی زوجہ پر عیب لگانے والا جو چار گواہیاں نہ پیش کر سکتا ہو، وہ اپنی گواہی کو چار بار دھرائے گا اور اپنی صداقت کا پورے یقین سے اظہار کرے گا۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

اور پانچویں بار یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

شوہر اپنی بیوی کے بارے میں چار بار عیب لگانے کے بعد پانچویں بار یہ کہے گا، کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ یوں شوہر کی طرف سے بات پوری ہو جائے گی، اور وہ تعلق جو اس نے بیوی کو قبول کرتے وقت بنایا ختم ہو جائے گا۔ عورت اگر اپنے جرم کو تسلیم کرتی ہے تو اس کو سزا دی جائے گی۔

حاصل: شوہر اگر اپنی گواہی کو بیوی پر عیب لگاتے ہوئے چار بار دہرا چکا ہے تو پانچویں بار یہ کہے گا، کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧

اور عورت سے سزا یوں ٹلے گی کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ مرد جھوٹا ہے۔

عورت اگر جرم کو تسلیم نہیں کرتی، تو اسے چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہوگی، کہ بے شک عیب لگانے والے نے جھوٹ بولا ہے۔اس صورت میں عورت کو سزا نہیں دی جائے گی۔جیسے مرد کی طرف سے اس کی ذاتی گواہی کو چار بار دہرایا گیا تھا، اسی طرح عورت کی گواہی کو بھی چار بار دہرایا جائے گا۔ازدواجی زندگی میں دونوں طرف کی شہادت برابر ہے۔میاں بیوی کے درمیان تعلق قول سے ہی بنتا ہے، قول سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔اس تعلق کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھے لفظوں میں اور پسندیدہ طریقے سے بات کی جائے۔

حاصل: عورت اگر اپنے جرم کو تسلیم نہیں کرتی تو اسے اپنے شوہر کے بارے میں چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہوگی کہ عیب لگانے والا جھوٹا ہے۔اس طرح اس کی طرف سے بھی ازدواجی تعلق کے ختم ہونے کا اعلان ہو جائے گا۔

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨

اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ عیب لگانے والا سچا ہے۔

چار بار مرد کے جھوٹا ہونے کی گواہی دینے کے بعد، پانچویں بار عورت کو یہ کہنا ہوگا، کہ اگر عیب لگانے والا سچا ہے تو عورت پر اللہ کا غضب آئے۔اس کے بعد وہ رفاقت جو میاں بیوی کے درمیان طبعی طور پر ہوتی ہے، کالعدم ہو جائے گی۔

حاصل: چار بار شوہر کے جھوٹا ہونے کی گواہی دینے کے بعد پانچویں بار عورت کو یہ کہنا ہوگا، کہ اللہ کا غضب ہو عورت پر اگر مرد نے سچ بولا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع ۷/۱۰

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، اور اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے۔

پاک اور ناپاک کے درمیان وقف لازم کا علم عطا کرنا، اللہ کا فضل ہے۔خطا کے بعد توبہ کی مہلت دینا اللہ کی رحمت ہے۔اگر یہ نہ ہوتا تو پاکیزگی قائم رکھنا مشکل ہو جاتا اور اللہ سے تعلق کے لئے پاکیزگی شرط ہے اور یہی تعلق کسی معاشرے کی جان ہوتا ہے۔اللہ کی شان ہے کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے۔اس کے فرمان میں حکمت موجود ہوتی ہے۔جو حق کو مانے گا وہی اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے فیض یاب ہوگا۔

حاصل: اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔لوگوں کو پاک ہونے میں مدد دی جائے تو معاشرہ زندہ رہتا ہے۔پاکیزگی ہی معاشرے کی جان ہوتی ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ القصص (۲۸) میں فرمایا ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر ہے، اور جو برائی لائے تو برے عمل کرنے والوں کو وہی جزا ملے گی جو وہ کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّـكُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ لِكُلِّ امۡرِیًٴ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱﴾

بے شک جو لوگ یہ طوفان لائے ہیں، تم میں ہی ایک گروہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسے تم اپنے لئے شر نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لئے خیر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی گناہ ہے جو اس نے کیا، اور جس نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا اس کے لئے عذابِ عظیم ہے۔

جھوٹ کا طوفان لانے والے لوگ وہ ہیں جو مسلمانوں کے اندر ایک گروہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے نام مسلمانوں جیسے ہیں۔ اس گروہ کے افراد ایک دوسرے سے بڑا ربط رکھتے ہیں اور مسلمانوں کو دکھ پہنچا کر فرحت پاتے ہیں۔ اس گروہ کو پہچاننا انتہائی ضروری ہے۔ ان کے لائے ہوئے جھوٹ کے طوفانوں سے بچنا اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اس گروہ کو خوب پہچانا جائے، اور اس گروہ سے وہی سلوک کیا جائے جس سلوک کا یہ مستحق ہے۔ جھوٹ کے طوفان سے مسلمانوں کو یقیناً دکھ پہنچا مگر اس کو شر سمجھنا درست نہیں ہے، اس میں خیر کے کئی پہلو ہیں: مثلاً اس گروہ کی نشاندہی ہوگئی جس نے یہ فتنہ برپا کیا، ان کو ان کی صفات کے ساتھ پہچان لیا گیا، یہ واضح ہوگیا کہ اس گروہ کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا ایمان کی نفی کردے گا۔ جھوٹ کے اس طوفان سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی کمزوریاں ان کے سامنے آئیں جن کا دور کرنا اجتماعی بھلائی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پاکیزگی کو فروغ حاصل ہوا۔ اس میں خیر کے بہت سے پہلو ہیں۔ جس شخص نے جھوٹ کے طوفان میں جس قدر حصہ لیا وہی اس کے مقام کا تعین کرتا ہے۔ جس نے اس بات کو گھڑا، اس نے اُم المومنین کی پاکیزگی کو نہیں دیکھا، ان کے مرتبے کو نہیں دیکھا، اس نے اپنے قیاس کو وہ وقعت دی جو مشاہدے کو بھی نہیں دی جاسکتی اور فتنہ برپا کردیا۔ قرآنِ پاک میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ فتنہ قتل سے اشد ہوتا ہے۔ اس جھوٹ کے طوفان کا بانی جس سزا کا مستحق ہے، وہی اس کو ملے گی اور وہ بڑی سزا ہوگی۔

حاصل: جھوٹ کا طوفان لانے والے گروہ کو پہچاننا ہر عہد کی ضرورت ہوتا ہے، ورنہ فساد سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اجتماعی زندگی کی کمزوریاں معلوم ہوجائیں تو ان کو دور کرنا بھلائی کا باعث ہوتا ہے۔ بری بات میں حصہ لیتے وقت ہر کوئی اپنے درجے کی بات کرتا ہے۔ اپنے قیاس کو مشاہدہ جان کر بیان کرنے والا سب سے بڑا حصہ دار ہوتا ہے۔ جھوٹ کے طوفان میں، اسے سزا بھی اس کے گناہ کے مطابق ملتی ہے۔ ایسے فرد کی کسی بات کا اعتبار کرنا خلافِ حق ہے۔

لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس کو سنا تھا، مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہتے یہ صریحاً جھوٹ کا طوفان ہے۔

مومن مرد اور مومن عورتیں، پاکیزگی کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ وہ رشتہ رکھتے ہیں جس میں شک کا کوئی مقام نہیں ہونا چاہئے۔ جب منافقین کی گھڑی ہوئی خبر پھیلی، تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو نیک گمان رکھتے ہوئے یہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ بی بی پاک کے متعلق منافقین کا گھڑا ہوا جھوٹ ہے، کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے بارے میں یہ سوءِ ظن رکھنا گناہ ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حاصل: جھوٹی خبر پھیلانے والا معاشرے میں جس مقام پر بھی ہو، اس کی اہمیت کو ماننے سے انکار کرنا چاہیے۔ ناپاک لوگ سب کو اپنے اوپر ہی قیاس کرتے ہیں۔ ناپاک، پاک کی بات کو کیا جان سکتا ہے۔ کسی پاک مرد اور کسی پاک عورت کے متعلق بری بات سن کر یہ کہنا چاہیئے، کہ یہ صریحاً جھوٹ ہے اور منافقین کی گھڑی ہوئی بات ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

پاک بی بی پر عیب لگانے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مشاہدے کو اس وقت تک بیان نہ کرے جب تک اس مشاہدے میں اور لوگ بھی شامل نہ ہوں۔ یہ گواہی دینے والے چار ضرور ہونے چاہئیں اور اگر یہ گواہی اللہ کے حکم کے مطابق نہیں ہے، تو پھر یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی بات ہے۔

حاصل: جو لوگ حق کے حوالے سے جھوٹے ہیں، ان کی بات کو وقعت دینا، ان کی بات آگے بڑھانا جھوٹ کو فروغ دینا ہے اور بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی دنیا و آخرت میں تو جس چرچے میں تم پڑے تھے، اس میں تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔

اللہ کا فضل اور اس کی رحمت مومنین کے شاملِ حال نہ ہوتی، تو جھوٹ کے جس طوفان میں یہ لوگ گھر گئے تھے وہ ان کے لئے بڑے عذاب کا باعث ہوتا۔ ایسے فتنے سے بچنے کی کوشش میں کبھی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے مگر یہ یقین بھی ہونا چاہیئے کہ بچاؤ اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، اللہ کی رحمت سے ہوتا ہے۔

حاصل: جو بات حق کے حوالے سے نہ ہو اور اس کو بڑھانے کے عمل میں شمولیت ہو جائے، تو یہ گناہ بڑے عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔ دکھ سے بچاؤ کو اللہ کے فضل کی بدولت اور اس کی رحمت کی بدولت جاننا چاہیئے۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

جب تم ایسی باتوں کو اپنی زبانوں پر لاتے تھے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں، اور تم اسے چھوٹی بات سمجھتے ہو اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی سخت بات ہے۔

وہ کلمات جو کسی کی پاکیزگی کو مشکوک بنادیں، مومنین کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ مومنین کی زبان سے ان کا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہیئے۔ جس بات کا علم نہ ہو، اس کا پھیلانا کیا معنی رکھتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک ہو، اس کے بارے میں شک کے اظہار کو کبھی چھوٹی بات نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ایسی بات اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہوتی ہے۔

حاصل: جس بات کو اپنے منہ سے بیان کیا جائے، اس کے بارے میں ہمیں علم ہونا چاہیئے کہ وہ بات حق کے حوالے سے قابلِ بیان ہے۔ خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنے والوں کی پاکیزگی میں شک کرنا، اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔

وَلَوۡلَآ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾

اور کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا تو کہا ہوتا، کہ ہمیں نہیں لائق کہ ایسی بات کریں، پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے۔

بی بی پاک کے بارے میں شک والی بات کو سن کر مومنین کو یہ کہنا چاہیئے تھا، کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے، یہ یقیناً بڑا بہتان ہے۔ شک کی بات کرنے والا کس درجے پر ہے اور جس ذاتِ پاک کے بارے میں شک کا اظہار کیا جا رہا ہے، اس ذاتِ پاک کا درجہ کیا ہے، یہ دیکھے بغیر فتنہ میں پڑ جانا کتنی بے سمجھی ہے۔ جب بات کرنے والا پاک نہ ہو اور شاہد سے محبت نہ رکھتا ہو، تو اس کا رخ روشنی سے اندھیرے کی طرف ہوتا ہے۔ اس کی روایت کو قبول کرنا خسارے کی طرف چل پڑنا ہے۔ پہلے بات کرنے والے کو دیکھنا چاہیئے، پھر اس کی بات کو دیکھنا چاہیئے۔ بات کرنے والا منافق ہو اور وہ اللہ کے رسول کی رسالت کی شہادت دے رہا ہو تو بھی اللہ منافقوں کے جھوٹا ہونے پر گواہی دیتا ہے۔ قابلِ بیان اور ناقابلِ بیان بات کے درمیان فرق کو جاننا ضروری ہے۔ جس بات سے پاکیزگی واضح ہو اس کو جان کر لوگ اپنا رخ درست کر سکتے ہیں، اور جب معیار کی پاکیزگی کے بارے میں شک پیدا کر دیا جائے تو اندھیرے میں لوگ راستہ کھو بیٹھتے ہیں۔ شک والی بات کو سن کر یہ کہنا ایمان کا تقاضا ہے کہ یہ بات بے سند ہے اور یہ پاک لوگوں پر بہتان ہے۔

حاصل: پاک لوگوں کے بارے میں شک والی بات سن کر ایمان والوں کو یہ کہنا چاہیئے، کہ پاک لوگوں کا راستہ پاک ہوتا ہے، ان کی بات کو جاننا ناپاک لوگوں کے لئے ممکن ہی نہیں۔ ناپاک لوگ دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ وہ اگر اپنے قیاس کو پاک لوگوں کے بارے میں بیان کرنا شروع کر دیں تو یہ بہتان ہی ہوتا ہے۔ بات کرنے والا پاک نہ ہو تو اس کی بات کبھی پاک نہیں ہو سکتی۔ منافقین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے، کہ جس معیار کے حوالے سے لوگ حسنِ عمل کو دیکھتے ہیں اس معیار کے بارے میں ہی شبہات پیدا کر دیئے جائیں۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ﴿۱۷﴾

اللہ تمہیں وعظ فرماتا ہے کہ پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا، اگر تم مومن ہو۔

اللہ کا وعظ یہ شان رکھتا ہے، کہ وہ سب سے بڑے علم والے اور سب سے بڑی حکمت والے کا وعظ ہے۔ ماننے والے کا ہمیشہ اس میں بھلا ہوتا ہے، اس کو نہ ماننے والا ہمیشہ خسارے میں پڑتا ہے اور یہ وعظ حکم کا درجہ رکھتا ہے، فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ وعظ یہ فرمایا گیا ہے، کہ مومن پھر کبھی ایسا کام نہ کریں۔ پاک لوگوں کے بارے میں کبھی شکوک وشبہات کو چھوٹی بات نہ سمجھیں۔ جب ایسی بات سنیں تو فوراً یہ کہیں، یہ بڑا بہتان ہے، اور ایسی بات کرنے والا مومن نہیں ہوسکتا۔

حاصل: مومنین کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کبھی کسی پاک بندے کے بارے میں شک کی بات نہ کریں، اور سنیں تو یہ کہیں کہ یہ بڑا بہتان ہے۔

وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمہارے لئے آیات کو روشن فرماتا ہے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ اپنے علم سے، اپنی حکمت سے ایسی صورتیں بنا دیتا ہے کہ اس کی نشانیاں روشن ہوجاتی ہیں۔ آیات کو روشن فرمانا اللہ کا کام ہے، حق کو ماننا بندے کی شان ہے۔ اللہ نے اپنی نشانیوں کے روشن کرنے کے لئے جو صورت بنائی ہے، وہ بڑے علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں بڑی حکمت موجود ہوتی ہے۔ پتہ اسی کو لگ سکتا ہے جس کا رخ درست ہو۔

حاصل: اللہ اپنی نشانیوں کو روشن فرماتا ہے، ہمیں اس میں علم حقیقی کو دیکھنا چاہئے، اس میں حکمت کو دیکھنا چاہئے۔ یہاں علم وحکمت نظر نہ آئے تو پھر کسی غیر مقام پر اس کو دیکھنا تباہی کا باعث ہی ہوسکتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی کی اشاعت ہو، ان کے لئے دنیا وآخرت میں المناک عذاب ہے۔ اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں۔

منافق یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کے اندر فحاشی کا چرچا ہو، تاکہ اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے مومنین کی جو شان ہے وہ ختم ہوجائے۔ جس معیار کی نسبت سے لوگ اپنے اعمال کو درست کرتے ہیں، اس معیار کے بارے میں شبہات پیدا کرنا منافقین کا کام ہے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا وآخرت میں المناک عذاب ہے۔ اللہ کو علم ہے، کہ ان کی یہ حرکت کیا کیا فساد پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ اس بات کو چھوٹا جانتے ہیں انہیں اس حرکت کے نتائج کا علم نہیں ہوتا۔

حاصل: ایمان والوں کے سامنے اخلاقِ حسنہ کے معیار کو روشن رکھنا بڑا کام ہے۔ فحاشی کی اشاعت کے ذرائع کو بند کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ منافق دنیا وآخرت میں سزا پاتے ہیں۔ اللہ کے فرمان کو مانا جائے تو اس کا علم ہوگا۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾ ع

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، اور یہ کہ اللہ مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔

النصف ۲ ع ۸

منافقین نے مومنین کو جس فتنے میں ڈالا اور جس طرح مومنین کے اخلاقِ حسنہ کو بگاڑنے کی تدبیر کی، اس سے وہ نظام ہی متاثر ہو جاتا ہے جس کو پیشِ نظر رکھ کر اصلاحِ حال کی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے مومنین کو سہارا ملا اور وہ اس فاشی کی اشاعت کو روکنے والے ہو گئے۔ اللہ لوگوں پر مہربانی کرتا ہے، اللہ لوگوں پر رحم کرتا ہے۔ دکھ سے بچالینا اللہ کی مہربانی ہے اور استقامت کے ساتھ حق کو ادا کرنے کا حوصلہ دینا، اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل: منافق ہمیشہ اس معیارِ اخلاق کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے حوالے سے اصلاحِ حال ہو رہی ہوتی ہے۔ لوگوں پر مہربانی کرنی چاہئے، ان پر رحم کرنا چاہئے اور انہیں پاک رہنے میں مدد دینی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور (۲۴) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ جو لوگ عیب لگاتے ہیں، حفاظت والیوں، بے خبر مومن عورتوں پر، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰـكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو شیطان کے نقوشِ قدم پر نہ چلو۔ اور جو شیطان کے نقوشِ قدم پر چلے گا، تو وہ اسے فحش اور برائی کا ہی امر کرے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی، تو تم میں ایک بھی پاک نہ ہوتا، ولیکن اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

شیطان، انسان کے ساتھ دشمنی کو اپنا مقصدِ حیات جانتا ہے۔ اس کے نقوشِ قدم پر چلنے والا بھی بنی آدم کا دشمن ہی ہوگا۔ شیطان اپنی پیروی کرنے والوں کو حیا اور بھلائی کا امر کبھی نہیں دے سکتا۔ وہ تو انہیں فحش اور برائی کا حکم ہی دے گا۔ جس کی پیروی کی جائے، اس کا حکم ماننا لازم ہوتا ہے اور جس کا حکم مانا جائے اس کی بات، اللہ کی بات ہونی چاہئے۔ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال ہو تو پاکیزگی عطا ہوتی ہے، بندے پر یہ حق ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرے کہ یہ گمراہی کا راستہ ہے، یہ شیطان کے قدموں پر چلنے والی صورت ہے۔ پاکیزگی کی راہ کو اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے، پاک کرنا اللہ کی شان ہے۔ جسے بھی پاکی نصیب ہوئی ہے، اللہ کی عطا سے نصیب ہوئی ہے۔ اللہ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔

حاصل: من مانی کرنا، حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینا، شیطان کے قدموں پر چلنے والی بات ہے۔ جس کی پیروی کی جائے اس کے حکم کو نہ ماننا ممکن نہیں ہوتا۔ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کا ہی حکم دیتا ہے۔ پاکیزگی کی طلب کے ساتھ پاک لوگوں کی معیت اختیار کرنا بندے کا حق ہے، پاکیزگی عطا کرنے والا اللہ ہے، جو ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر حال کا علم رکھتا ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾

اور تم میں فضیلت والے اور وسعت والے قسمیں نہ کھائیں، قرابت والوں کو اور مساکین کو اور مہاجرین کو فی سبیل اللہ عطا نہ کرنے کی، اور چاہیے کہ عفو کریں اور درگزر کریں۔ کیا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

رزق میں دینے کے مقام پر ہونا بھی اللہ کے فضل کی بدولت ہوتا ہے اور مال میں وسعت بھی اللہ دیتا ہے۔ اللہ نے دینے کا شرف عطا فرمایا ہو تو قرابت داروں، مساکین اور مہاجرین کو جن سے خطا ہو گئی ہو، ان کو ان کے حق سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔ جس سے خطا ہو جائے اور وہ اصلاح کا طالب ہو، اس کو راہِ خیر پر رکھنے کے لئے سہارے کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کو بے سہارا کر دیا جائے تو اس کے ٹوٹ جانے کی ذمہ داری بے سہارا کرنے والے پر ہوگی۔ مصائب کو باذنِ اللہ جانا جائے تو پھر صورتوں سے اختلاف نہیں رہتا۔ اصلاحِ حال کی طلب رکھنے والوں سے عفو کرنا اللہ کو پسند ہے، ان سے درگزر کرنا اللہ کو پسند ہے۔ جو کسی کو معاف نہیں کرتا، وہ اپنے لئے معافی کا طلب گار کیسے ہوگا۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ بخش بھی دیتا ہے اور حق پر پورا رہنے میں اپنے رحم سے بھی نوازتا ہے۔ اللہ کے بندے کی طریقت بھی یہی ہونی چاہیے۔

حاصل: ہمیں کسی حق دار کی خطا کو دیکھ کر اس پر عطا کا دروازہ بند نہیں کر دینا چاہیے۔ قرابت والوں کے حقوق ہوں، مساکین کے حقوق ہوں، مہاجرین کے حقوق ہوں سب اللہ کی رضا کے لئے پورے کرنے چاہئیں۔ معاف کرنے والے کو معاف کیا جاتا ہے، رحم کرنے والے پر رحم کیا جاتا ہے۔ عبداللہ ہونے کا دعویٰ ہو تو اس کا ثبوت بھی ہونا چاہیے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، انجان مومن عورتوں پر عیب لگاتے ہیں، ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

پاک دامن، بھولی بھالی، مومن عورتیں، اپنے سیدھے پن کی وجہ سے، شک والے معاشرے کی بہت سی باتوں کو نہیں جانتیں۔ لوگ

کس بات کا کیا مطلب نکال لیں گے، اس پر ان کی نظر اسی قدر ہوتی ہے جس قدر انہیں پتہ ہو۔ ایسی عورتوں کی پاکیزگی کے بارے میں شبہات کو پھیلانے والے لعنتی ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایسے لعنتی لوگوں سے جو اصلاحِ حال کی طرف نہ آئیں، تعلق رکھنا باعثِ عذاب ہوتا ہے۔

حاصل: پاک دامن، بھولی بھالی، مومن عورتوں کے کردار کے بارے میں شبہات پیدا کرنا، لعنتی لوگوں کا کام ہے۔ ایسے لعنتی لوگوں کو بڑے عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی باتوں کو قابلِ نفرت جاننا چاہئے۔

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۲۴

جس دن ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو عمل وہ کرتے تھے۔

قیامت کے دن خلافِ حق کرنے والوں کی زبانیں وہ کہیں گی، جو وہ چھپانا چاہیں گے۔ ان کے ہاتھ وہ کہیں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ ان کے پاؤں وہ کہیں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ اس طرح یہ پانچ قریب ترین شہادتیں جرم کو ثابت کر دیں گی۔ لعنتی لوگوں کو یہ بھی دیکھنا چاہئے، کہ جن اعضاء کو انہوں نے شوکتِ نفس کے لئے استعمال کیا، وہ خالقِ کل کے سامنے وہی کہیں گے جو حق ہوگا۔ جب شریکِ جرم سب کچھ بتا دینے والا ہو، تو مجرم اس کو ساتھ رکھنے کے نتائج سے باخبر ہوتے ہیں۔ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ وہ شریکِ جرم کے حال سے بھی واقف ہوں، مستقبل سے بھی واقف ہوں۔

حاصل: زبان کو پاک رکھنا یہ ہے کہ اسے حق کے مطابق کھولا جائے، ہاتھ کو پاک رکھنا یہ ہے کہ اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے، پاؤں کو پاک رکھنا یہ ہے کہ رُخ ہمیشہ خیر کا اختیار کیا جائے۔ ان اعضاء کی شہادت اللہ کے سامنے قطعاً حق کے مطابق ہوگی۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۲۵

اس دن اللہ ان کو پورا بدلہ دے گا جس کے وہ مستحق ہیں، اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی سچا روشن کرنے والا ہے۔

پاک عورتوں پر عیب لگانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو ان کے کیے کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ سزا دینے والا سب سے بڑے علم والا ہو تو سزا اسی قدر ہوگی، جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ اس دن ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی شان ہے کہ وہ سچا روشن کرنے والا ہے اور جو لوگ اپنے گمان کو بیان کرتے ہوئے پاک لوگوں پر عیب لگانے کے مرتکب ہو چکے ہوں گے انہیں ندامت ہوگی۔ وہ جان لیں گے کہ یہ تو اللہ سے مقابلہ کرنے والی بات تھی۔

حاصل: ہمارے قول کو پاک ہونا چاہئے، اور پورا ہونا چاہئے۔ جزا دینے والا مالکِ کل ہر حال کا علم رکھتا ہے، اس لئے جزا دینے والا پوری جزا دے گا۔ قیامت کے دن بے سند باتیں بنانے والوں کو معلوم ہو جائے گا، کہ اللہ سے مقابلے میں کوئی جیت نہیں سکتا۔

اَلۡخَبِيۡثٰتُ لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَ الۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۲۶﴾ ع ۳/۹

بُری باتیں برے لوگوں کے لئے ہیں اور برے لوگ بری باتوں کے لئے ہیں، اور پاک باتیں پاک لوگوں کے لئے ہیں اور پاک لوگ پاک باتوں کے لئے ہیں۔ وہ لوگ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں مُبرا ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔ مردوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی، عورتوں کو ان کے کیے کی جزا دی جائے گی۔ قرآن پاک میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، کافر عورتیں تھیں۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ فرعون کی بیوی ایمان والی خاتون تھیں۔ اس لئے یہ کہنا خلافِ حق ہے کہ بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں، اس لئے کہ اس طرح ایک کے برا ہونے سے دوسرے کا برا ہونا لازم ہو جائے گا یا ایک کے اچھا ہونے سے دوسرے کا اچھا ہونا لازم ہو جائے گا۔ ہاں یہ حق ہے کہ بری باتیں کرنے والے برے لوگ ہی ہوتے ہیں اور برے لوگ بری باتیں ہی کرتے ہیں۔ پاک باتیں پاک لوگ ہی کرتے ہیں اور پاک لوگ پاک باتیں ہی کرتے ہیں۔ بات سے بات کرنے والے کا پتہ لگتا ہے اور بات کرنے والا اپنے درجے کی بات ہی کرتا ہے۔ پاک لوگ حق کے مطابق رہتے ہیں، اس لئے ناپاک لوگ ان کے متعلق جو بھی کہیں وہ اس سے مبرا ہیں۔ پاک لوگوں سے بھی بھول ہو سکتی ہے، اللہ انہیں مغفرت اور رزق کریم سے نوازتا ہے۔ بخشش کے بعد وہ آسانیاں عطا کرنا کہ خلق کی احسن ادائیگی سے ماحول روشن ہو، اللہ کے عطا کردہ رزقِ کریم سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: برے لوگ بُری باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ اچھے لوگ اچھی باتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ پاک لوگوں کا رُخ درست ہوتا ہے، ان سے بھول ہو جائے تو اللہ انہیں بخشش اور رزقِ کریم سے نوازتا ہے۔ ناپاک لوگوں کا قیاس پاک لوگوں کے بارے میں کبھی درست نہیں ہوتا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ حٰم السجدہ (۴۱) میں ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾ سن لو وہ اپنے رب سے ملاقات میں شک رکھتے ہیں۔ سن لو وہ ہر شے پر محیط ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ اجازت لے لو اور ان کے اہل پر سلام کرلو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تمہیں نصیحت ہو۔

پاکیزگی کو روشن کرنے کے لئے یہ احکام دیئے گئے ہیں۔ ان احکام کا ماننا فرض ہے ایمان والوں پر۔ ایمان والوں پر یہ فرض کیا گیا ہے

کہ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہونے کے آداب ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ کسی کی خلوت میں بغیر اس کی اجازت کے داخل ہونا منع ہے۔ مومن جہاں بھی جاتا ہے، حق کی ادائیگی کے لئے جاتا ہے، دوسروں کے سکھ کے لئے جاتا ہے۔ جب گھر میں داخل ہونے کو گھر والے پسند کریں، تو اس گھر کے مکینوں پر سلام کہا جائے۔ ان کے لئے دعائیہ کلمات پکار کر کہے جائیں، تاکہ داخل ہونے والے کے احساسات ان پر واضح ہوں۔ گھر والے آنے والے کا داخلہ پسند نہ کریں، تو داخل نہ ہونا فرض ہے۔ نصیحت ماننے والوں کو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو یاد رکھنا چاہئے اور ادب سے ان پر عمل کرنا چاہئے، یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

حاصل: اپنے گھروں میں داخل ہونے کا طریقہ بھی معروف ہونا چاہئے۔ دوسروں کے گھروں میں داخل ہونا، گھر والوں کی اجازت سے ہونا چاہئے۔ وہاں کے رہنے والوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنے چاہئیں اور اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ إِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، حتیٰ کہ تمہیں اجازت ملے۔ اور اگر تمہیں لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ، یہ تمہارے لئے زیادہ پاک بات ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کا علم رکھتا ہے۔

گھر والوں کی طرف سے جواب نہ ملے تو داخل نہ ہونا فرض ہے کہ بغیر اجازت داخل ہونا منع فرما دیا گیا ہے۔ اور اگر گھر والوں کی طرف سے یہ کہا جائے کہ صاحب اس وقت لوٹ جایئے، تو واپس جانا ہی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔ اللہ ہر حال کا علم رکھتا ہے، نیت کا بھی علم رکھتا ہے۔ اگر اللہ کی رضا کے لئے آنا ہوا تھا تو اللہ نے اس کو پسند کیا، اگر نفس کو یہ محسوس ہو کہ عزت میں کمی ہوئی ہے تو اسے یہ کہنا چاہئے کہ میرا آنا تمہاری خوشی کے لئے نہیں تھا، اللہ کی رضا کے لئے تھا اور اللہ کو علم ہے جو میں نے کیا ہے۔

حاصل: بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخلہ ممنوع فرمایا گیا ہے۔ اگر گھر والے لوٹ جانے کو کہیں تو لوٹ جانا ہی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔ گمان نیک رکھنا چاہئے۔ گھر والے جانتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہیں، آنے والا اگر اللہ کی رضا کے لئے آیا تھا تو گھر والوں کی طرف سے داخلے کی عدم اجازت یا لوٹ کر جانے کی درخواست پریشانی کا باعث نہیں ہوگی۔ پاکیزگی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں داخل ہو، جس میں کسی کی سکونت نہ ہو، ان میں تمہارے لئے متاع ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

جو مقامات ذاتی ضرورت کے حوالے سے نہ بنائے گئے ہوں، وہ سکونت کے لئے مخصوص نہیں ہوتے۔ ان میں داخلے کی اجازت

طلب کرنا ضروری نہیں۔ وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، انہیں وہاں سے متاع ملتی ہے، ضروریات زندگی کا حصول ممکن ہوتا ہے، حق کو جاننے کے لئے وہاں جانا ضروری ہوتا ہے۔ بے مقصد ایسے مقامات پر بھی جانا منع ہے۔ جو بات ظاہر کی جارہی ہے اور جو بات چھپائی جارہی ہے، اللہ کو ان کا علم ہے۔ اس لئے ایسی جگہوں پر داخل ہوتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہمارا منشا حق کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

حاصل: وہ مقامات جو ذاتی ضرورت کے حوالے سے نہیں بنائے گئے، ان میں داخل ہونا منع نہیں ہے۔ ایسی جگہوں پر جانا حصول متاع کے لئے ہو اور نیت ٹھیک ہو، حق کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

مومنین کو حکم دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی فروج کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی صورت ہے۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں۔

دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے بعد جن آداب و اخلاق کو پیش نظر رکھا جائے گا، ان کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حکمِ الٰہی سے یہ فرمایا گیا ہے کہ مومنین جب اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل ہوں، تو اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں۔ آنکھوں کی حفاظت اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آنکھوں کو طلبِ نظارہ سے بچایا جائے۔ جو کچھ کہنا ہے وہ کہا جائے، جو کچھ سننا ہو وہ سنا جائے، بات کو غیر ضروری طوالت نہ دی جائے۔ ان تمام باتوں سے اجتناب کیا جائے جو شرم گاہوں کی عدم حفاظت کے زمرے میں آتی ہوں۔ یہ پاکیزگی کی احسن صورت ہے۔ جو کچھ بھی کیا جائے اور جو کچھ بھی کہا جائے، اس کے پیچھے نیت کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اس لئے بات کرتے وقت، اور اپنی تمام حرکات و سکنات کے ساتھ یہ یقین ہونا چاہئے، کہ ہماری نیت کو بھی اللہ جانتا ہے ہمارے اعمال کو بھی وہ دیکھ رہا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔

حاصل: دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے بعد نگاہوں کو نیچے رکھنا فرض ہے۔ شرم گاہوں کی حفاظت سے متعلق ہر بات فرض ہے۔ لباس میں بے حیائی نہ ہو، حرکات و سکنات میں بے حیائی نہ ہو، زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلے جو حیا کے منافی ہو، پاکیزگی قائم رہے اور یہ یقین ہو کہ اللہ ہمارے باطن کو جانتا ہے، ظاہر کو بھی جانتا ہے اور وہی جزا دینے والا ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

مومن عورتوں کو حکم دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت نہ دکھائیں مگر جتنی خود ہی ظاہر ہو رہی ہو، اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

یا شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے اور شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے، یا اپنے تعلق کی عورتوں کے، یا اپنے مملوکوں کے یا مرد ملازموں کے جو غرض نہ رکھتے ہوں، یا لڑکوں کے جن پر عورتوں کی نسوانیت ظاہر نہیں ہوئی، اور پاؤں سے ضرب نہ لگائیں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔ اور اللہ کے آگے سب توبہ کرو اے مومنو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمانے کے بعد اب یہ واضح فرمایا جارہا ہے کہ گھر والوں کو کن آداب و اخلاق کا لحاظ رکھنا ہے۔ مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں گی اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں گی۔ زبان سے اور جسم کی کسی حرکت سے خلافِ حیا کسی بات کا ہونا، شرم گاہوں کی حفاظت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ زینت کا اظہار اگر مقصود بنالیا جائے تو یہ بات بھی پاکیزگی کے منافی ہوگی۔ جس زینت کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے وہ تو ظاہر ہو رہی ہوتی ہے، اسے ظاہر کیا نہیں جارہا ہوتا۔ اوڑھنیوں کو گریبانوں پر ڈال رکھنے کا حکم ہے۔ اس سے سر، گردن، چہرے کا ایک حصہ، گریبان اور کمر کو ڈھانپ کر رکھنا ضروری ہے۔ جن کے سامنے زینت کے اظہار کی اجازت ہے ان کے سامنے آنے جانے کے آداب بھی پاک عورتوں سے سیکھنے چاہئیں اور وہ ہیں شوہر، باپ، شوہر کا باپ، بیٹا، اپنے شوہر کا بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، تعلق والی عورتیں، خدمت گار، بوڑھے ملازم اور وہ لڑکے جن کے اندر جنسی شعور کا مقام ابھی بیدار نہ ہوا ہو۔ زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کہ اس سے بھی زینت کا اظہار ہوتا ہے۔ ماضی میں جو کچھ بھی ہو چکا وہ یقیناً پاکیزگی کے خلاف تھا، اس سے تائب ہونا فرض قرار دیا گیا ہے۔ اجتماعی طور پر اس شعور کو بیدار رکھنا ضروری ہے جو باعث فلاح ہوتا ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو ادب سے ماننا ضروری ہے۔ اس میں حکمتیں تلاش کرنا اور پھر اپنی پسند کے حوالے سے حق کو ماننا، فرمانِ الٰہی کی تعمیل نہیں ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے، ایمان والوں پر اس کا ماننا فرض ہے۔

حاصل: مومن عورتوں پر نگاہیں نیچی رکھنا فرض ہے، شرم گاہوں کی حفاظت کرنا فرض ہے۔ زینت کا اظہار مقصود نہیں ہونا چاہئے۔ شوہر، باپ، شوہر کا باپ، بیٹا، شوہر کا بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، تعلق والی عورتیں، خدمت گار بوڑھے ملازم اور نوعمر لڑکے، ان کے سامنے زینت کا اظہار ہو جائے تو گناہ نہیں ہے۔ مگر شوہر کے علاوہ ان سب کے سامنے کس طرح رہنا چاہئے، یہ پاک بیبیوں سے سیکھنا چاہئے۔ پاؤں زمین پر مار کر چلنا منع ہے، کہ اس سے بھی زینت کا اظہار ہوتا ہے۔ ماضی کی کوتاہیوں سے توبہ کرنی چاہئے اور احکامِ الٰہی کو اجتماعی طور پر ماننا چاہئے، فلاح اسی میں رکھی گئی ہے۔

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۳۲﴾

اور نکاح کردو جو تم میں بے نکاح ہوں، اور اپنے غلاموں سے جو صالح ہوں، اور لونڈیاں۔ اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

نکاح کا منشاء بلوغت کے بعد طبعی پاکیزہ زندگی اور بقاءِ نسل ہے۔ جس جوڑے میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے اور دوسرا جوان ہو تو اسے نکاح کرلینا چاہئے۔ جو لوگ اپنی خاندانی روایات میں اپنا امتیاز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیوہ عورتوں کا نکاح نہیں کرتے حالانکہ وہ بوڑھی نہیں ہوتیں، وہ خلافِ حق کرتے ہیں۔ نکاح یقیناً ان کی ضرورت ہوتا ہے، جب اللہ نے اس کی اجازت دی ہے تو کسی مومن کی یہ مجال کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ اس پر پابندی لگائے۔ جو غلام صالح ہو اس کو نکاح میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ جو باندی صالحہ ہو اس کو نکاح میں مدد دینا بڑی نیکی ہے۔ غیر صالح باندی غلاموں کو نکاح کی سہولت دینے سے بے حیائی بڑھتی ہے۔ صالح غریب اگر نادار ہیں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ پاکیزگی کو بڑھانے والی صورت اللہ کو پسند ہوتی ہے۔

حاصل: بیوہ عورتوں کو نکاح کی تاکید کرنی چاہئے اگر وہ بقاءِ نسل کے مقام سے گزر نہ چکی ہوں۔ بیوی کے فوت ہو جانے کی صورت میں مرد بھی نکاح کرے اگر وہ بوڑھا نہ ہوچکا ہو۔ غلاموں اور باندیوں کو نکاح کی اجازت صرف ان کے حال کے حوالے سے ہوگی۔ غیر صالح غلام اور غیر صالح لونڈی کو نکاح کی اجازت نہیں دی جاتی۔ جو نادار ہوں گے، اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ اللہ کی وسعت اور علم کے سامنے اپنے مقام کو ہیچ جاننا، مومن کی شان ہے۔

وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾

اور چاہئے کہ وہ لوگ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے، عفیف رہیں حتیٰ کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے۔ اور جو لوگ مکاتبت چاہیں جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں، تو انہیں لکھ دو اگر تمہیں اس میں خیر معلوم ہو اور اللہ کے مال سے انہیں عطا کرو جو تمہیں عطا ہوا ہے۔ اور اپنی کنیزوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو حیاتِ دنیا کے سامان کی غرض سے، اور وہ پارسائی کا ارادہ رکھیں۔ اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو اللہ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

نکاح کا مقدور نہ رکھنے والا عفیف رہے گا تو اسے آسانی ہوگی۔ نکاح کر لینے سے بارِ کفالت تو آتا ہی ہے، قرض لے کر نکاح کرنا بڑے دکھ میں ڈالتا ہے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے، محتاجی کو دور کر دے تو نکاح کرنا باعثِ راحت ہوتا ہے۔ غلام اور باندیاں اگر یہ چاہیں کہ انہیں ان کی خدمات کے صلے میں ایک وقت کے بعد آزاد کر دیا جائے تو انہیں مکاتب بنایا جائے، یہ حکمِ الٰہی ہے۔ دیکھنا یہی چاہئے کہ آزادی کے بعد، آزاد ہونے والے معاشرے میں فساد نہ پیدا کریں، اصلاح کے طالب ہوں۔ ایسے نیک لوگوں کا حق ہے کہ ان کی مدد کی جائے، اور انہیں اللہ کے عطا کردہ پاک مال سے سہارا دیا جائے۔ ان کی خواہشات چھوٹی ہوتی ہیں۔ وہ مدد دینے والے کو کسی مشکل میں نہیں ڈالتے۔ جو لوگ اپنی کنیزوں کو دنیاوی اغراض کے لئے بدکاری پر مجبور کرتے ہیں، وہ خلافِ حق کرتے ہیں۔ وہ کنیزیں جو پاکیزہ زندگی گزارنا چاہیں انہیں مجبور کرنے والا بڑا گناہ گار ہے۔ کنیزوں کی بے بسی اللہ کے سامنے ہے۔ اللہ انہیں بخش بھی دے گا ان پر رحم بھی فرمائے گا۔

حاصل: نکاح کا مقدور نہ ہو تو عفیف رہنا حق ہے۔ اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے تو نکاح کرنا حق ہے۔ باندی، غلام اگر نیک ہوں اور آزادی کے طالب ہوں تو انہیں یہ لکھ دینا چاہئے کہ ان کی خدمات کے صلے میں انہیں معینہ مدت کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے اور آزادی چاہنے والوں کی، اللہ کے عطا کردہ پاک مال سے مدد کرنی چاہئے۔ کنیزوں کو بدکاری پر مجبور کرنا گناہ ہے۔ مجبور کنیزیں جو پاک رہنا چاہیں، اپنی نیت کے حوالے سے وہ قابلِ بخشش اور قابلِ رحم ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۸ / ۱۰

اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیات نازل فرمائیں، اور کچھ ان لوگوں کی مثالیں جو تم سے قبل ہو چکے ہیں، اور وعظ متقین کے لئے۔

آیاتِ الٰہی کا نزول خاتم النبیین ﷺ کے قلب مبارک پر ہوا۔ آپ نے احکامِ الٰہی کو مان کر دکھایا تو ماننے والوں کو آپ سے روشنی حاصل ہوئی۔ پہلے لوگوں کی مثالیں بھی بیان فرمائی گئی ہیں کہ ان سے سبق سیکھا جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعظت کا درجہ رکھتا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی روشنی کا اسے کیا پتہ چلے گا جو اللہ کے فرمان کو نہیں مانے گا، اور جو پہلے لوگوں کی مثالوں کا اپنے حال سے تعلق نہ دیکھے گا وہ کب کوئی سبق سیکھے گا۔ اللہ سے ڈرنا یہ ہے، کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے مانا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو اپنے حال پر شاہد بنایا جائے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا کلام روشن ہے۔ اس روشنی کا پتہ اسے لگتا ہے، جو حکم کو شاہد کے حوالے سے مانتا ہے۔ پہلے لوگوں کی مثالیں یقیناً ہمارے حال سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کے وعظ سے فائدہ اٹھانے والا متقی ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (۳۳) میں فرمایا ہے: وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اور اللہ کا قول حق ہے، اور وہ راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس نور کی مثال ایک طاق ہے جس میں چراغ ہو۔ وہ چراغ ایک شیشے میں ہے۔ وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا۔ تیل جلتا ہے اس میں شجرِ مبارک کا، وہ زیتون ہے، نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگر چہ اسے آگ نے مس نہ کیا ہو۔ نورٌ علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ دکھلاتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ منور ہے، وہ اللہ کے نور سے ہے۔ کسی مقام پر اگر نورِ معرفت کو اللہ کے سوا میں دیکھا جائے گا تو شرک ہو جائے گا اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔ نورِ الٰہی کی مثال اس طرح بیان فرمائی گئی ہے، کہ ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ طاق وہ محفوظ مقام ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے۔ پھر چراغ ایک شیشے میں رکھا ہوا ہے جو بالکل صاف ہے۔ اس میں کوئی سیاہی نہیں ہے کہ روشنی کے پھیلنے میں حائل ہو۔ یہ شیشہ روشنی کو پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔ یہ مومن کا قلب ہے۔ چراغ میں جو تیل جلتا ہے، وہ زیتون کا مبارک تیل ہے جو شفاف ہوتا ہے۔ مگر یہ اس قدر شفاف ہے کہ سورج کی شعائیں طلوع سے غروب تک اس درخت کو پوری طرح نوازتی ہیں۔ سورج کی شعاؤں میں پہلے پہر اور پچھلے پہر کا جو فرق ہوتا ہے، وہ اس مقام پر نہیں ہوتا جو مقام باغ کے درمیان میں ہو۔ جو تیل ایسے شجرِ مبارک سے حاصل ہو، وہ انتہائی شفاف ہوتا ہے اور روشنی کو قبول کرنے کی اعلیٰ استعداد رکھتا ہے۔ یہ تیل جب جلتا ہے تو نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اپنے نور کی راہ دکھاتا ہے تو یہ راہ ملتی ہے اور اسے ہی ملتی ہے جس کو اللہ دکھائے۔ اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرما کر اس نورِ ہدایت کی طلب کو واضح کرتا ہے، اور اللہ کو ہر شے کا علم ہے۔

حاصل: حصولِ علم کی طلب رکھنے والے کو آسمانوں اور زمین میں ہر مقام پر نور سے واسطہ پڑتا ہے۔ اللہ کا نور، نورِ حقیقی ہے باقی سب نور اس کی بدولت ہیں۔ نورِ ہدایت کو محفوظ مقام پر رہنا چاہئے، شیشے کی طرح صاف اور روشن دل میں ہونا چاہئے۔ حق کو ماننے کی وہ طلب ہونی چاہئے، کہ حق سامنے آتے ہی نورٌ علیٰ نور کی کیفیت حاصل ہو۔ نور کی راہ دکھانا اللہ کی شان ہے اور اللہ کا کام ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ مثالیں بیان فرما کر لوگوں پر ایک احسان کیا جاتا ہے۔ اللہ کا علم ہی علم مطلق ہے۔

فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ

ان گھروں میں کہ اللہ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا

یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿ۙ۳۶﴾

ہے، وہاں اس کے نام پاک کا ذِکر کیا جاتا ہے، اور صبح وشام تسبیح کی جاتی ہے۔

جن مقامات پر حاملینِ نورِ معرفت کو دیکھنا چاہئے، وہ مقامات اپنی صفات کے ساتھ روشن فرمائے گئے ہیں۔ وہ مساجد ہیں، کہ اللہ نے ان کے بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ مسجد سے بلند کسی گھر کو نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ خلافِ ادب ہے۔ مسجد میں ذکر کیا جاتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ کسی کو متاثر کرنا مقصود ہو۔ ذکرِ الٰہی، قربِ الٰہی کے حصول کے لئے ہو تو پھر دھیان کسی دوسری طرف کیوں جائے گا۔ صبح وشام تسبیح پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اجتماعی طور پر ذکر کیا جاتا ہے اور مغرب کی نماز کے بعد بھی اجتماعی طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

حاصل: نورِ معرفت حاصل ہو جائے تو مسجد میں رہنا چاہئے، اس علم کو بڑھانے کے لئے، اس نور کو پھیلانے کے لئے جو عطا ہوا ہے، اور صبح وشام ذکر کرنے کے بعد حق کو بیان کرنا چاہئے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿ٙ۳۷﴾

وہ مرد کہ جنہیں تجارت اور بیع میں اللہ کے ذکر سے غفلت نہیں ہوتی، نہ صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ لوگ غفلت برتتے ہیں، اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں قلوب اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔

پاک لوگوں کی صفات کا ذِکر ہے، کہ تجارت میں مصروفیت ہو یا کسی شے کے بیچنے میں مصروفیت ہو، وہ کبھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔ تجارت میں لینے دینے کی تمام صورتیں ہوتی ہیں۔ بیع میں جس شے کو بیچا جا رہا ہو اس کے بارے میں خریدار کو اس کی مطلوبہ باتیں بتانی ضروری ہوتی ہیں اس لئے انہماک کا مقام بھی بڑا ہوتا ہے۔ نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا بھی ان لوگوں کا طریقِ زندگی ہوتا ہے۔ جزا کا یقین رکھنے والے یہ لوگ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں، جس دن قلب اور آنکھیں وہ دیکھیں گے جو اب نہیں دیکھ رہے۔ جو اب جلوت ہے، یہ سب خلوت ہو جائے گی اور مستقبل کی صورت میں جو اب خلوت ہے، وہ جلوت ہو جائے گی۔

حاصل: تجارت اور بیع میں اللہ کے ذِکر سے غافل نہ ہونا، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور جزا کے دن کا ڈر رکھنا یہ اللہ کے پاک بندوں کی نشانیاں ہیں۔

لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کی احسن جزا دے، اور اپنے فضل سے زیادہ دے۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔

جو اعمال اللہ کی رضا کے لئے کیے جائیں، اللہ ان کی احسن جزا دے گا اور اپنے فضل سے زیادہ دے گا۔ جو لوگ اللہ سے کوئی حساب

نہیں کرتے وہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق استعمال کرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں، اللہ انہیں بے حساب رزق دیتا ہے، اللہ ان سے حساب نہیں کرتا۔

حاصل: اللہ پاک لوگوں کو ان کے اعمال کی احسن جزا دیتا ہے، انہیں اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ جو اللہ سے حساب نہ کرے، اللہ اس کو بے حساب رزق دیتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ؕ۳۹

اور جو لوگ کفر کرتے ہیں، ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں صحرا میں، جس کو پیاسا پانی سمجھے۔ حتیٰ کہ جب وہاں پہنچے تو کچھ نہ پائے، اور اللہ کو پائے اپنے پاس پھر وہ اس کا حساب چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

جو لوگ حق کا انکار کرتے ہوئے اپنی سمجھ کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں، ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کہ صحرا میں چلنے والے کو دور سے لہریں مارتا ہوا پانی معلوم ہوتا ہے اور جب وہ شدید پیاس کے ساتھ وہاں پہنچتا ہے، تو وہاں تپتی ہوئی ریت ہوتی ہے۔ جزا دینے والا، یوم الدین کا مالک، وہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ اسے اس کے کیے کی پوری پوری جزا دے دیتا ہے۔ اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔ انسان کے اعمال کا اندراج کرنے کا اللہ نے وہ بندوبست کیا ہوا ہے، کہ اس سے بہتر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والے جو سمجھتے ہیں، وہ سراب کی مانند ہے۔ انتہائی پیاس کے ساتھ جب پانی کی بجائے تپتی ہوئی ریت ملے، تو اس سے بڑی مایوسی اور کیا ہوگی۔ اللہ کا کام جس علم سے ہے اس کا اندازہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ۧ۴۰

یا جیسے ایک گہرے سمندر میں ظلمات ہوں، موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو، اس کے اوپر بادل ہوں۔ ظلمات تہ بہ تہ ہوں۔ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو وہ بھی اس کو نہ سوجھے۔ اور جس کے لئے اللہ نور نہ ٹھہرائے، اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

ع ۵/۱۱

حق کا انکار کرنے والے، نور سے ظلمات کی طرف چل رہے ہوتے ہیں۔ وہ ظلمات کی انتہا تک پہنچتے ہیں تو صورت یہی ہوتی ہے کہ گہرے سمندر کی ظلمات، پھر وہاں موج کے اوپر اٹھنے والی موج سے ہونے والا اندھیرا، اور پھر جہاں سے روشنی آتی ہے وہاں بادل ہوں، تو اندھیرے کی تہیں ہوں گی جو ایک کے اوپر ایک ہوگی۔ اس اندھیرے میں اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے گا۔ جس کے لئے اللہ نور نہ ٹھہرائے، اس کے لئے کہیں

نور نہیں ہوسکتا۔ ہم جو کچھ بھی دیکھتے ہیں، اس میں اللہ کے نور کو باعثِ نظارہ جاننا چاہئے۔ نور نہ ہو تو ہماری نظر کس کام آئے گی۔

حاصل: انتہائی تاریکی کی مثال یہی ہے، گہرے سمندر کی تاریکی، موج کے اوپر موج سے ہونے والی تاریکی اور اس کے اوپر بادل، اس تاریکی میں اپنا ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ جس نے ہمارے لئے نور ٹھہرایا ہے، اس کو مالکِ حقیقی جاننا چاہئے۔ خلافِ حق کرنے والا، نور سے ظلمات کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ تو کیا نڈر ہوگئے وہ لوگ جو برے مکر کرتے ہیں، اس سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، یا ان پر وہاں سے عذاب آجائے جس کا انہیں شعور بھی نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اڑتے پرندے پر پھیلائے۔ ہر ایک کو اپنی صلوٰۃ اور تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ کو علم ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

جس کے لئے اللہ نے نور ٹھہرایا ہے، اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کے سامنے مناظر کیا کیا ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ہر شے اپنے اپنے منشاءِ تخلیق کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔ پرندے اڑتے ہوئے اس منشاء کو پورا کر رہے ہیں جس کے لئے انہیں بنایا گیا ہے۔ ہر ایک اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو جانتا ہے، اور جو وہ جانتا ہے وہی کر رہا ہے۔ کبھی کسی شے نے اللہ کے تفویض کردہ کام سے انحراف نہیں کیا۔ حضرتِ انسان کو بھی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کا علم ہونا چاہئے۔ صلوٰۃ مقررہ اوقات پر ہوتی ہے، تسبیح ہر وقت ہوتی ہے۔ کسی شے کا استعمال کرتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو ہم کر رہے ہیں، وہ حق کے مطابق ہو، تاکہ ہم اس کائنات میں فساد کا باعث نہ بنیں۔

حاصل: ہر شے اپنے منشاءِ تخلیق کے مطابق سرگرمِ عمل ہے۔ اللہ نے ان کو صلوٰۃ اور تسبیح کا جو طریق سکھایا ہے اسی کے مطابق وہ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ بندے کو بھی اپنا منشاءِ تخلیق جاننا چاہئے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ہم جس کی بادشاہی میں رہ رہے ہیں وہ مالکِ حقیقی اللہ ہے۔ اگر ہم اس کے فرمان کو مان رہے ہیں تو ہم سلامتی کی راہ پر ہیں، اس لئے کہ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے اسی کی طرف جانا بھی ہوگا۔ اور اگر ہم اللہ کے مقابل کسی اور کا حکم مان رہے ہیں، تو یہ اللہ کا انکار ہے اور جزا کو نہ ماننے والی بات ہے۔

حاصل: یہ مان لیا جائے کہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تو حقِ عبودیت کو بطریقِ احسن ادا ہونا چاہئے۔ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا یقین ہو تو پاکیزگی کو ہر مقام پر ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ ﴿۴۳﴾

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ بادل کو ہانک لاتا ہے، پھر ان کو ملا دیتا ہے، پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ، پھر تم ان سے مینہ نکلتا دیکھتے ہو۔ اور آسمان سے اس میں اتارتا ہے اولوں کے پہاڑ، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے، اور بچا دیتا ہے جسے چاہے۔ ابھی اس کی برق کی چمک آنکھوں کی بصارت لے جائے۔

حضرت انسان کے دیکھنے میں یہ سب کچھ آتا ہے کہ بادلوں کو ہانک کر لانے کا دعویٰ کرنا اللہ ہی کی شان ہے۔ کوئی دوسرا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ پھر ان کو ملانا بھی اللہ کی شان ہے۔ پھر ان کو تہ بہ تہ رکھنا اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پھر ان سے وہ بارش برستی ہے کہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ جہاں اللہ بربادی لانا چاہے انہی بادلوں سے اولے برسنے لگتے ہیں اور اس قدر برستے ہیں کہ سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ چاہے مٹا دیتا ہے، جس کو چاہے بچا دیتا ہے۔ برق کی چمک اس قدر ہوتی ہے کہ آنکھوں کی بصارت کو ختم کر دے۔ قدرت کے ان مقامات کو دیکھنے کے بعد قادرِ مطلق کا پتہ لگنا چاہئے۔ اگر قدرت کا مشاہدہ قادرِ مطلق کے قرب کا باعث نہ بنے تو پھر غور و فکر کا دعویٰ بے معنی ہو جائے گا۔

حاصل: بادلوں کو ہانک کر لانا، ان کو ملانا، ان کو تہ بر تہ رکھنا، پھر ان سے مینہ برسانا اللہ کی شان ہے۔ انہی بادلوں سے اللہ چاہے تو اولے برسا دیتا ہے، جو سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اللہ جس کو بچانا چاہے بچا بھی دیتا ہے۔ بجلی کی چمک سے آنکھوں کی حفاظت کرنی چاہئے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اللہ لیل و نہار کو بدلتا ہے۔ اس میں دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

لیل و نہار کی تبدیلیاں انسان کے مشاہدے میں آتی ہیں۔ کبھی راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں اور کبھی دن لمبے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ راتیں طویل ہوں تو سردی ہوتی ہے اور دن طویل ہوں تو گرمی ہوتی ہے۔ جس قادرِ مطلق کے علم سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں، اسی کی قدرت ہم پر محیط ہے۔ گرمی اور سردی، روشنی اور اندھیرا، اس کائنات کے نظم کو ہر شے اللہ کے حکم کے مطابق قائم رکھتی ہے۔ اگر بندہ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود وہ کرے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، تو اس نے اللہ کی قدرت کا انکار کیا ہے اور خسارے کا راستہ اختیار کیا ہے۔

حاصل: لیل ونہار کی تبدیلی، لوازماتِ حیات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قدرت کے مشاہدے کے ساتھ قادرِ مطلق کی معیت مقصود ہو جائے تو یہ بصیرت کا ثبوت بھی ہوگا، عبرت کا ثبوت بھی ہوگا۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

اور اللہ نے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا پھر ان میں سے کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے اور کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

اس کائنات میں جان دار چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کی تخلیق ایک مقصد کے تحت ہے۔ پیدائش کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔ بعض جان دار پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے رینگنے والا جانور۔ بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں، بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ کی مشیّت اور اللہ کی قدرت محدود نہیں ہے۔ اس نے جو بھی بنایا ہے بڑے علم سے بنایا ہے، اور اسے اسکی احتیاج بھی نہیں ہے۔ جس کے لئے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے، اسے بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ کسی شے کو منشاءِ الٰہی کے خلاف تو استعمال نہیں کر رہا کہ ایسا کرنا ناشکری کے زمرے میں آئے گا۔

حاصل: پانی سے جان داروں کی زندگی ہے۔ پیٹ کے بل چلنے والے، دو پاؤں پر چلنے والے، چار پاؤں پر چلنے والے، اللہ کی مشیت اور اس کی قدرت کے مظہر ہیں۔ کسی شے کو بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا۔ ہر شے کا استعمال علم سے ہونا چاہئے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

بے شک ہم نے واضح کر دینے والی آیات نازل فرمائی ہیں۔ اور اللہ جسے چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

ارشادِ الٰہی یقیناً وضاحت کے لئے پورا ہے۔ اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے، وہ علم الٰہی سے ہے جس سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے اس کے پورا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ علم الٰہی سے فائدہ وہی اٹھا سکتا ہے، جو اللہ کی رضا کو مقصود بنائے اور اسکی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرے۔ من مانی کرنے والے کو سیدھی راہ نہیں ملتی، اور سیدھی راہ کی یہ اہمیت ہے کہ بندہ اللہ کا طالب اور ہر شے کا مطلوب بن جاتا ہے۔

حاصل: آیاتِ قرآن پاک قطعاً واضح ہیں۔ روشنی اسے ملتی ہے جسے اللہ روشنی دینا چاہے، اور اللہ اسے چاہتا ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا اور اس کا اتباع کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور بتاتے ہیں کہ ہم اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھراس کے بعدان کا ایک فریق پھر جاتا ہے، اوروہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

جولوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اوراس کے رسول پر ایمان لائے، اور ہم نے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی جان کر قبول کیا، ان کا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ حکمِ الٰہی کو اللہ کے رسول کے اتباع میں ادب سے مانا جائے، اور اطاعتِ رسول کو کبھی اپنی چاہت سے مشروط نہ کیا جائے۔ دعویٰ ایمان کا تکرار کبھی صداقت کی سند نہیں ہوسکتا۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہووہ قابل سماعت ہی نہیں ہوتا۔ جولوگ ایمان کے دعوے کے بعد اطاعتِ رسول سے پھر جاتے ہیں، وہ مومن نہیں۔ اللہ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل: ایمان کا دعویٰ ہوتو اطاعتِ رسول عمل میں نظر آنی چاہئے۔ دعویٰ ایمان کا ہواور عملاً من مانی کی جارہی ہوتو یہ مومن نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب ان کو اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے، کہ ان کے مابین فیصلہ کیا جائے، تو ان کا ایک فریق اعراض کرنے لگتا ہے۔

منافقین یہی کرتے ہیں کہ فیصلہ انہیں اپنی پسند کے مطابق ہوتا نظر آئے تو راضی ہوجاتے ہیں، ورنہ دعویٰ اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لانے کا کرتے ہیں، اطاعتِ رسول کا کرتے ہیں، مگران کے فیصلے کو ماننے سے منہ پھیر جاتے ہیں۔ جو فیصلہ حق کے حوالے سے ہووہی درست ہوتا ہے۔ جو فیصلہ کسی کی پسند کے حوالے سے ہووہ کبھی پورا نہیں ہوتا، روشن نہیں ہوتا۔

حاصل: ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ حق کے حوالے سے جو فیصلہ ہوا سے قبول کیا جائے، اور حق سے اعراض کیا جائے تو یہ یقیناً منافقت ہوگی۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ؕ

اوراگر حق انہیں پہنچتا ہوتو ادب سے اس کی طرف چلے آتے ہیں۔

منافقین کو یہ معلوم ہو کہ حق کے مطابق ہونے والے فیصلے سے انہیں فائدہ پہنچے گا، تو وہ بڑے ادب سے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے آتے ہیں۔ اپنی خواہشات سے جڑے ہوئے ہونے کا یہ بڑا واضح ثبوت ہے۔

حاصل: اپنی خواہش کے تحت حق کو ماننا اور اظہارِ ادب کرنا کبھی ہدایت یافتہ ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۶ ۱۲

کیا ان کے قلوب میں مرض ہے یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان سے بے انصافی کریں گے، بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔

دل میں مرض ہونا، یک سوئی کے نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ایمان قلب میں داخل ہوتو عملاً ناصح سے محبت ہو جاتی ہے، اور قلب میں مرض ہوتو پھر ایسا نہیں ہوتا۔منافقین کو حقیقی فائدے کے بارے میں شک ہی رہتا ہے، وقتی فائدے سے آگے ان کی نظر کم ہی جاتی ہے، اس لئے انہیں جزا کا یقین نہیں ہوتا۔یہ دھوکے میں پڑنے کی صورت ہے۔ان لوگوں کو یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو منافقین کے دوغلے پن کا علم ہے، اس لئے ان کو اس کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔خلاف حق کرنا، اور خلافِ حق کرتے چلے جانا ان لوگوں کا معمول بن جاتا ہے۔ان کا اپنا ظلم ہی ان کے توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔

حاصل: دل میں مرض کا ہونا یہاں نفاق کی علامت ہے، انجام کے بارے میں دھوکے میں پڑنا بھی علامتِ نفاق ہے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ رکھنا بھی علامتِ نفاق ہے۔منافق یقیناً ظالم ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ تمہارا معبود، ایک ہی ہے۔تو جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ان کے قلوب منکر ہیں اور وہ استکبار کرتے ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾

مومنین کی بات یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کسی باہمی نزاع کے فیصلے کے لئے بلایا جائے تو یہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

مومنین کے مابین باہمی نزاع ہو، تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرتے وقت یہ یقین رکھتے ہیں، کہ حق وہی ہے جو وہاں سے ارشاد فرمایا جائے۔وہ حق کے فیصلے کو سنتے ہوئے یہ کہتے ہیں، کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ان لوگوں کی اپنی پسند ان کو پریشان نہیں کرتی۔یہ فلاح پانے والے لوگوں کی نشانی ہے۔

حاصل: بات حق کے حوالے سے ہو، تو وہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہوتا ہے۔اس فیصلے کو سن کر یہی کہنا چاہئے، ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔فلاح پانے والوں کی یہ نشانی مومنین کی اجتماعی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور تقویٰ کرے، تو یہی لوگ فائز المرام ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مقصدِ حیات بنالیا جائے، تو خلوت کی پاکیزگی اللہ کے ڈر سے ثابت ہوگی اور جلوت کی پاکیزگی تقویٰ سے ثابت ہوگی۔ خشیت یہ ہے کہ خلوت میں کوئی کام ایسا نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، تقویٰ یہ ہے کہ جلوت میں کوئی کام ایسا نہ ہو جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہ ہو، اور شک سے بچنے میں کوتاہی نہ ہو، تو ایسے لوگ فائز المرام ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان لوگوں کی بڑی شان ہے۔ ان صفات کو باعث فلاح جان کر اپنانا بھلے لوگوں کی طریقت ہے۔

حاصل: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، مقصدِ حیات ہونا چاہئے۔ خلوت میں اللہ کا ڈر رکھنا خشیت ہے، جلوت میں خلافِ حق کرنے سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ دونوں مقامات پر پاکیزگی ہو تو یہ فائز المرام ہونے کی سند ہے۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، پکی پکی قسمیں، کہ اگر آپ انہیں امر دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے۔ فرما دیجئے قسمیں نہ کھاؤ۔ اطاعت معروف ہو۔ بے شک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

منافقین حسنِ عمل کی کمی کو قسموں سے پورا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جیسے حق کے حوالے سے فیصلہ انہیں پسند نہیں ہوتا اور وہ اس سے اعراض کرتے ہیں، ایسے ہی جہاد سے بھی وہ پہلوتہی کرتے ہیں۔ قسموں پر زور دینے والے کی زبان خوب تیز چلتی ہے۔ حکم یہ دیا گیا ہے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ اطاعت حق کے حوالے سے ہونی چاہئے اور پوری ہونی چاہئے۔ لوگوں کے سامنے تو دکھاوا ہو سکتا ہے، مگر اللہ کو تو نیت کا بھی علم ہوتا ہے، عمل بھی اس کے سامنے ہوتا ہے، اور وہی جزا دینے والا ہے۔

حاصل: قسمیں کھا کھا کر اپنی صداقت کا یقین دلانا منافقین کا طریقہ ہے، اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اطاعت حق کے حوالے سے ہو اور پوری ہو، تو بات بنتی ہے۔ یہ یقین ہو کہ اللہ کو ہمارے عمل کی خبر ہے، تو عمل کو پاک ہونا چاہئے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

فرما دیجئے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور اگر تم منہ پھیرو تو اس پر وہی ذمہ داری ہے جو اس پر ڈالی گئی ہے، اور تمہاری ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر صرف واضح طور پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

اللہ کی اطاعت یہ ہے کہ حق کے مقابل اپنی پسند کو ساکن کر دیا جائے۔ اللہ کے رسول کی اطاعت یہ ہے کہ اسوۂ رسول کے مطابق عمل ہو اور اس اطاعت کو کسی طرح مشروط نہ کیا جائے۔ اگر اطاعتِ رسول سے منہ پھیرا جائے گا، تو حق کو ماننے کا دعویٰ بے معنی ہو جائے گا۔ حق کو بیان کرنے والے پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اللہ کے سامنے اس کے لئے جواب دہ ہے اور اطاعت کرنے والوں پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ اس کے لئے جوابدہ ہیں۔ اطاعتِ رسول کا حاصل ہدایت ہے، اور جسے ہدایت ہو جائے اسے خوف وحزن سے نجات مل جاتی ہے۔ ہدایت ہوتی اسے ہے جسے اللہ چاہے، اور اللہ اسے ہدایت دینا چاہتا ہے، جو اطاعتِ رسول میں پورا ہو۔ رسول کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ حق کو روشن کر کے پہنچادے، تا کہ موجود اور مقصود واضح ہو جائیں۔

حاصل: اللہ کی اطاعت، اللہ کے رسول کی اطاعت اور اسوۂ رسول کا اتباع یہ راہِ راست ہے۔ اس سے منہ پھیرنے والا اپنے حال کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اطاعتِ رسول ہو تو ہدایت ہوتی ہے۔ رسول کے ذمے جو بھی ہے وہ اللہ کی رضا کے مطابق پورا کر دیا گیا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں خلافت دے گا، جیسے ان سے قبل والوں کو دی تھی۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو جماؤ دے گا، جس کو ان کے لئے پسندیدہ ٹھہرایا۔ اور ان کے خوف کے بعد اس حالت کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے، کسی شے کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور اس کے بعد جو کفر کریں گے وہی فاسق ہیں۔

اجتماعی زندگی کو حق کے حوالے سے استوار کرنے والے لوگوں سے یہ وعدہ فرمایا گیا ہے، کہ انہیں زمین میں اقتدار دیا جائے گا، جیسے ان سے پہلے لوگوں کو دیا جاتا رہا ہے، اور ان کے دین کو جو اللہ نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے، بڑی شان سے جماؤ ملے گا۔ اس طرح اسلام کا نفاذ بڑے وقار سے ہوگا، کہ اللہ اس کو جماؤ دینے والا ہوگا۔ ماضی کی وہ حالتِ خوف جس میں ایمان والے گھرے ہوئے تھے، حالتِ امن میں بدل دی جائے گی۔ ایمان والے میری ہی عبادت کریں گے، میری رضا کے علاوہ ان کا کچھ مقصود نہ ہوگا۔ یہ لوگ شرک سے پاک ہوں گے۔ اس پاک معاشرے کو دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ خلافِ حق کریں گے، اور اپنی پسند کو حق پر ترجیح دیں گے، وہ یقیناً فاسق ہوں گے۔

حاصل: اللہ کے وعدے سے فائدہ اٹھانا بڑی برکت کی بات ہے۔ ایمان والے حق کو مانیں، صالح اعمال کریں، حالتِ خوف میں یکسو رہیں اور اس کی اطاعت کریں جو اسوۂ حسنہ پر چلنے والا ہو، تو یقیناً ان لوگوں کو اقتدار بخشا جائے گا، ان کو امن بخشا جائے گا، اللہ کی عبادت کے نظارے ہوں گے۔ دین کے اس تمکن کو دیکھنے کے بعد بھی جو لوگ من مانی کریں گے وہ فاسق ہوں گے، اور فاسق کو ہدایت نہیں ملتی۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور صلوٰۃ قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔

اجتماعی زندگی کو حق کے مطابق استوار کرنے کے لئے جو طریقت بتائی گئی ہے، وہ یہ ہے: کہ نماز قائم رکھی جائے، نماز کو اوقاتِ مقررہ پر خشوع کے ساتھ ادا کیا جائے، مال کو اللہ کے حکم کے مطابق پاک کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جائے اور اس کے بعد پاک مال کو اللہ کی رضا کے مطابق خرچ کیا جائے، اللہ کے رسول کی اطاعت اس طرح ہو، کہ جس کا حال ہو اسوۂ حسنہ، اس کا احسن اتباع کیا جائے۔ ان تین مقامات پر پورا رہنے والے کو اللہ اپنے رحم سے نوازے گا۔ اللہ کے رحم سے جو آسانیاں حاصل ہوتی ہیں وہ کسی دوسرے ذریعے سے حاصل ہو ہی نہیں سکتیں، کہ ہمارے حال کا اللہ سے بڑا کوئی جاننے والا نہیں۔

حاصل: نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا، جہاں یہ صفات موجود ہوں اللہ کا رحم شامل حال ہو جاتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ
ع ۷ / ۱۲ وَ لَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾

کافروں کے متعلق یہ خیال نہ کرو کہ یہ زمین میں ہمیں عاجز کر دیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

جو لوگ حق کے نفاذ کو عملاً دیکھ کر بھی اس کے خلاف کریں گے، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ توفیق دینے والے کے مقابل ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ نامراد لوگ ہیں۔ دنیا میں بھی یہ خوف و حزن میں گھرے رہیں گے، آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ ہے اور جہنم بری جگہ ہے۔ اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس کو خلافِ حق استعمال کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔

حاصل: کافروں کی قوت سے مرعوب ہونا منع ہے۔ ان کا انجام آگ میں جانا ہے۔ برے کی قیام گاہ کو ہی بری جگہ کہا جا سکتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف (۱۸) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کیے، ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے احسن عمل کیا ہو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

اے ایمان والو، جو تمہارے ہاتھ کی مِلک ہیں اور تم میں سے وہ، جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں اجازت لے کر آیا کریں۔ نمازِ فجر

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۟ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

سے قبل، اور دو پہر کو جب تم اپنے کپڑے اُتار رکھتے ہو، اور نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین اوقات بدن کھلنے کے ہیں تمہارے لئے۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کچھ تنگی نہیں۔ ایک دوسرے کے پاس پھرا ہی کرتے ہو۔ یوں ہی اللہ تمہارے لئے آیات کو بیان فرماتا ہے، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

ایمان والوں پر واضح فرمایا گیا ہے کہ تین اوقات میں خدمت گار اور نابالغ بچے، خلوت گاہوں میں بلا اجازت نہ آیا کریں، یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ نمازِ فجر سے قبل، ازدواجی زندگی کے اعتبار سے یہ وقت اپنی حیثیت رکھتا ہے۔ دو پہر کو قیلولہ کرنے کا وقت، جب بدن کو آرام کے لئے کھولا جاتا ہے اور نمازِ عشاء کے بعد، جب سونے کی تیاری کی جاتی ہے۔ ان اوقات میں باحیاء رہنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے احکام کو اپنے گھر میں واضح طور پر نافذ کر دیا جائے۔ ان اوقات کے علاوہ پابندی مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ ایک دوسرے کے پاس جانا آنا ہوتا ہی ہے اور ہر بار اجازت طلبی تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ مذکورہ تین اوقات کے علاوہ، خدمت گار اور بچے خلوت گاہوں میں آ سکتے ہیں۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس میں علم و حکمت موجود ہے، پتہ اسی کو چلے گا جو احکامِ الٰہی کو عملاً مانے گا۔ منزل کی باتیں کرنے سے منزل قدم کے نیچے نہیں آ جاتی۔

حاصل: اپنے گھروں میں اللہ کے فرمان کو نافذ کرنا لازم ہے۔ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننا چاہئے، یہی طریقہ ہے لوگوں کو ادب سکھانے کا۔ نمازِ فجر سے قبل اور دو پہر کو قیلولہ کرتے وقت اور نمازِ عشاء کے بعد، ان تین اوقات میں خدمت گار اور نابالغ بچے بلا اجازت خلوت گاہوں میں نہ آیا کریں۔ ان تین اوقات میں بدن کو کھولنا سکھ کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو تنگی کا باعث نہیں بنانا چاہئے۔ علم و حکمت کا پتہ اسی کو لگ سکتا ہے، جو احکامِ الٰہی پر عمل کرتا رہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

اور جب لڑکے تم میں سے بلوغت کی حد تک پہنچ جائیں، تو وہ بھی ویسے ہی اجازت لیا کریں جیسے ان سے قبل والے لیتے رہے ہیں۔ یوں اللہ تمہیں اپنی آیات کھول کر سناتا ہے، اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

وہ لڑکے جو بلوغت سے پہلے تین اوقات مذکورہ کے علاوہ بلا اجازت اندر آ سکتے تھے، بلوغت پر انہیں بھی اجازت طلب کر کے اندر آنا چاہئے، جیسے ان سے پہلے حضرات اجازت طلب کر کے اندر آتے رہے ہیں۔ یہ فرض کر دیا گیا ہے۔ کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں ہونی چاہئے کہ

صاحب میں تو یہاں بچپن سے آتا رہا ہوں، میرے لئے یہاں کوئی اجنبیت نہیں ہے، مجھے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی آیات کو کھول کر سنا دیا ہے۔ اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے۔

حاصل: اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو مان کر دکھایا جائے تو اس سے سیکھنے والوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ علم و حکمت کی طلب ہو تو پاکیزگی کو قائم رکھنا چاہئے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۶۰

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بیٹھی رہنے والی ہیں اور نکاح کی توقع نہیں رکھتیں، اگر اپنے دوپٹے اتار رکھیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں، مگر زینت دکھانا مقصود نہ ہو۔ اور اس سے بھی بچتی رہیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ سننے والا، علم والا ہے۔

بڑی بوڑھی عورتیں گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ عمر کی ایک حد پر پہنچ جانے کے بعد نکاح کی توقع ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی بوڑھی عورتیں اگر دوپٹے اتار بھی رکھیں تو یہ گناہ نہیں ہوگا، کہ عمر کے اس مقام پر جسمانی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ ان عورتوں کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دوپٹے اتار کر رکھنے کی حقیقت زینت دکھانا نہ ہو۔ ایسا کرنا یقیناً گناہ ہے۔ اگر بڑھی بوڑھی عورتیں بھی پردے کا دھیان رکھیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے، کہ یہ تقویٰ کا ثبوت ہوگا۔ اس سے ان کے ماحول میں رہنے والی بچیاں وہ کچھ سیکھیں گی جو انہیں سیکھنا چاہئے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے ظاہری احترام پر بات ختم نہیں ہو جاتی۔ اللہ ہر مقام پر سننے والا ہے، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے۔ نیت کا درست ہونا خلوت کی پاکیزگی کا ثبوت ہوگا۔

حاصل: بڑی بوڑھی عورتوں کو بھی پردے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اگر کبھی دوپٹے اتار رکھیں تو زینت دکھانا مقصود نہ ہو۔ بوڑھی عورتیں پردہ کرتی رہیں تو ان کے تقویٰ کی بدولت بچیوں کو وہ کچھ سیکھنا آسان ہو جاتا ہے جو انہیں سیکھنا چاہئے۔

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

نہ نابینے پر کچھ تنگی ہے، نہ لنگڑے پر کچھ تنگی ہے اور نہ مریض پر کچھ تنگی ہے اور نہ تم لوگوں پر کچھ تنگی ہے کہ کھاؤ اپنے گھروں سے، یا اپنے آباء کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۸ ۱۴

گھروں سے، یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ نہیں گناہ تم پر کہ آپس میں مل کر کھاؤ یا الگ الگ ہو کر کھاؤ۔ تو جب گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ دعا ہے۔ اس طرح اللہ اپنی آیات کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

میل جول کے وہ آداب جو پردے کے احکامات سے پہلے تھے، پردے کے احکامات کے نفاذ کے کے بعد اللہ سے ڈرنے والوں نے ان کو یک سر موقوف کر دیا۔ اس طرح کم علمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کے لئے تنگی پیدا ہوئی۔ اس تنگی کو دور کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نابینا، لنگڑا اور مریض ان لوگوں پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ یہ تمہارے ساتھ کھائیں، تم پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ کھاؤ۔ مذکورہ لوگ تمہارے ساتھ کھائیں گے تو تمہیں بڑی بھلائی ملے گی، اور تم ان لوگوں کے ساتھ کھاؤ گے تو ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔ کھانا اور کھلانا دونوں کام عقل سے ہونے چاہئیں۔ اپنا گھر، باپ دادا کا گھر، ماں کا گھر، بھائی کا گھر، بہن کا گھر، چچا کا گھر، پھوپھی کا گھر، ماموں کا گھر، خالہ کا گھر، یا ایسے قریبی ساتھی کا گھر جس کی کنجیاں تمہارے پاس ہوں یا دوست کا گھر، ان تمام مقامات پر کھانے کی اجازت ہے۔ موقع کی مناسبت سے مل کر کھانا یا الگ الگ کھانا دونوں صورتیں درست ہوں گی، منشاء اجتماعی سکھ ہونا چاہئے۔ جب ان گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو۔ ان کو اپنا جانو۔ ان کے لئے برکت والی پاکیزہ دعا کرو۔ اس دعا سے نور پھیلے گا۔ گھر والوں کو مہمانوں کی تشریف آوری میں بڑی راحت ملے گی۔ عقل کرنے والوں کے لئے یہ بہت بڑی وضاحت ہے۔

حاصل: نابینا، لنگڑا اور مریض، ان کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو ساتھ کھلانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اپنا گھر، باپ دادا کا گھر، ماں کا گھر، بھائی کا گھر، بہن کا گھر، چچا کا گھر، پھوپھی کا گھر، ماموں کا گھر، خالہ کا گھر، قریبی ساتھی کا گھر جس کی کنجیاں ہمارے پاس ہوں اور دوست کا گھر، ان سب مقامات پر مل کر کھانا یا الگ الگ کھانا موقع کی مناسبت سے ہونا چاہئے۔ عقل کرنے سے معاشرتی سکھ بڑھتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾ اور جن لوگوں نے اس کے مقابل دوست ٹھہرائے ہیں، اللہ کو وہ سب یاد ہیں، اور آپ ان پر ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گئے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ

مومن تو وہی ہیں، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، اور جب کسی اجتماعی معاملہ میں آپ کے

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ساتھ ہوتے ہیں، تو چلے نہیں جاتے جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں، وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر جب اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو آپ جس کو چاہیں اجازت دے دیں، اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کر دیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

دربارِ رسالت سے تعلق کو روشن فرمایا گیا ہے۔ مومن اللہ اور اس کے رسول کو مانتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول کا ہر حکم ماننے والوں کے لئے دعوتِ فلاح ہے۔ انہیں اجتماعی معاملے میں حاضری کی سعادت نصیب ہو تو ذاتی امور کو اجتماعی امور پر ترجیح نہیں دیتے۔ اطمینان سے اس حق کو ادا کرتے ہیں جو ان کے ذمے ہو، جانا ناگزیر ہو تو اپنا حال بیان کر کے اجازت طلب کرتے ہیں، یہ ان کے ایمان کا ثبوت ہے۔ جن لوگوں کو اپنا ذاتی کام، اجتماعی کام کے مقابل ضروری نظر آئے، انہیں اجازت دینا یا نہ دینا صاحبِ امر پر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بخشش کی دعا کرنا ضروری ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کام کو اجتماعی بھلائی کے کام کے مقابل اہمیت دی ہوتی ہے۔ اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل: صاحبِ امر کے پاس حاضری ہو، تو یہ وقت سرمایۂ حیات بن جاتا ہے۔ اجتماعی بھلائی کے کام کو ذاتی امور پر ترجیح دینا، ایمان کی نشانی ہے۔ صاحبِ امر کے پاس سے اپنی خواہشات کے تحت کھسک جانے والے ایمان نہیں رکھتے۔ ذاتی امور کو اجتماعی بھلائی کے کام پر ترجیح دینے والوں کے لئے بخشش اور رحم کی دعا کرنی چاہیئے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

تم لوگ رسول کے بلاوے کو اس طرح کا بلاوا نہ سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اللہ کو ان لوگوں کا علم ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔ تو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو آپ کے امر کے خلاف کرتے ہیں کہ وہ کسی فتنے میں مبتلا ہوں یا انہیں المناک عذاب پکڑے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاوے کو اس طرح کا بلاوا سمجھنا جیسے لوگ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، خلافِ حق ہے۔ اللہ کے رسول کے بلاوے پر فوراً ادب سے حاضر ہو جانا اور یہ یقین رکھنا کہ وہ کچھ عطا ہونے والا ہے جو پہلے عطا نہیں ہوا، ایمان کی نشانی ہے۔ بلاوا جس حالت میں بھی ملے، جلدی حاضر ہونے میں سعادت نظر آنی چاہیئے، اور اس وقت تک وہاں حاضر رہنا حق ہے جب تک آپ اجازت نہ

دے دیں۔ جو لوگ اپنے ذاتی کاموں کو اہم جانتے ہوئے، دوسرے لوگوں کی آڑ لے کر وہاں سے کھسک جاتے ہیں، وہ یاد رکھیں کہ وہ سکھ کے راستے سے ہٹ رہے ہیں، وہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے یا انہیں المناک عذاب پکڑے گا۔

حاصل: شاہد کے بلاوے کو وہ اہمیت حاصل ہے جو دوسرے کسی بلاوے کو نہیں ہے۔ ادب کے ساتھ، یہ یقین رکھتے ہوئے، حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنا کہ انعام عطا ہونے والا ہے، ایمان کی نشانی ہے۔ وہاں سے کھسک جانے کے معنی بھلائی سے دوری ہے۔ شاہد سے محبت نہ رکھنے والے، فتنے میں پڑ جاتے ہیں یا المناک عذاب انہیں پکڑ لیتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ / ۲ / ۱۵

سن لو، اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسے علم ہے تم جس حال پر ہو۔ اور جس دن اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، تو انہیں خبر دے گا جو عمل انہوں نے کیا ہوگا۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

جو اپنی ذاتی غرض و غایت کے لئے شاہد کی حضوری سے کھسک جائے وہ یہ بھی دیکھے کہ مالکِ کُل تو اللہ ہے، معطیٔ مطلق بھی وہی ہے، اور معطیٔ مطلق سے دوری کبھی سکھ کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اللہ کو ہر حال کا علم ہے، ہم کیا کر رہے ہیں، کس نیت سے کر رہے ہیں، کیا کر سکتے ہیں اور کیا کرنا چاہئے۔ جس دن اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا مقام آئے گا، تو سب پتہ چل جائے گا کہ ہمارے اعمال کو حق سے کیا نسبت ہے۔ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

حاصل: جو اللہ چاہے وہی ہمیں ملتا ہے۔ اسے ہمارے ہر حال کا علم ہوتا ہے۔ نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے۔ عقیدہ درست ہو تو عمل درست ہوتا ہے اور عمل درست ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ یہ مان لیا جائے کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے، تو پھر پاکیزگی ہمہ وقت رہنی چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص (۳۸) میں ارشاد فرمایا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی، برکت والی، کہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں، اور عقل والے نصیحت مانیں۔

ایاتہا ۷۷ سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ رکوعاتہا ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے عبد پر فرقان نازل فرمایا کہ وہ عالمین کے لئے ڈر سنانے والا ہے۔

اللہ برکات کا مالک ہے۔ جس کو چاہے نوازتا ہے، جس قدر چاہے نوازتا ہے۔ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک نازل فرمایا۔ اس کو یہاں فرقان فرمایا گیا ہے۔ اس پاک کتاب نے حق اور باطل کے فرق کو واضح کر دیا، اللہ کی پسند اور ناپسند کے فرق کو واضح کر دیا، جزا پر یقین رکھنے والوں اور یقین نہ رکھنے والوں کے رخ کے فرق کو واضح کر دیا۔ عالمین کو مستقبل سے آگاہ کرنے کے لئے، خلافِ حق کرنے کے انجام سے ڈرانے کے لئے یہ فرقان عطا فرمایا گیا ہے۔ انجام سے آگاہی کرنے والے کی شان ہے، کہ وہ اس فرق کو واضح کرے جو ''ہونے'' اور ''ہونا چاہئے'' میں ہوتا ہے۔ اسی فرق کے روشن ہونے سے ظلمات سے نور کی طرف آنا ممکن ہوتا ہے۔ اور جب سارے عالمین کو نور کی طرف آنے کی دعوت دینے کا شرف ہو، تو اس سے بڑی شان دائرۂ عبدیت میں کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل: انجام سے آگاہ کرنا، اسی کے بس کی بات ہے جو ''ہونے'' اور ''ہونا چاہئے'' کے فرق کو حق کے حوالے سے واضح کر سکے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو، کہ عالمین کو ڈر سنانے کا شرف آپ کو عطا فرمایا گیا ہے۔

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

وہ جس کی بادشاہی آسمان اور زمین میں ہے اور جس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس نے ہر شے کو خلق فرمایا اور اس کو ایک قدر کے مطابق رکھا۔

بڑی برکت والے اللہ کی شان ہے کہ اس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس نے اپنے لئے اولاد نہیں ٹھہرائی، کہ وہ بے مثل ہے اور اولاد والدین کی مثل ہوتی ہے۔ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، کہ سب اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اس نے ہر شے کو خلق فرمایا ہے، ہر شے کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق درست کیا ہے اور پھر اشیاء کے مابین توازن کو درست کیا ہے کہ کائنات کا نظم قائم رہے، جب تک اللہ بادشاہ چاہے۔

حاصل: ہر مقام پر اللہ کی بادشاہی کو تسلیم کرنا چاہئے۔ ہر شے کے منشاء تخلیق کے مطابق اس کا استعمال ہو تو کائنات میں نور بڑھے گا۔ اللہ کا ہر کام بڑے علم سے ہوتا ہے، بڑی حکمت سے ہوتا ہے، ہمیں ہر کام میں اللہ کی رضا اور اپنی پسند کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اور لوگوں نے اس کے مقابل معبود ٹھہرا رکھے ہیں، جو کچھ خلق نہیں کرتے اور خود خلق کیے گئے ہیں، اور نہیں مالک اپنے لئے ضرر کے اور نہ نفع کے، اور نہیں مالک موت کے اور نہ حیات کے اور نہ نشور کے۔

دعوتِ فکر دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے، کہ لوگوں نے اللہ کے مقابل جنہیں معبود ٹھہرا رکھا ہے ان کی حیثیت پر غور کیا جائے۔ وہ معبود کچھ پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ خالق معبود ہوتا ہے، مخلوق اس کی بندگی کرتی ہے۔ اللہ کے سوا کون ہے جو اس صفت کا مالک ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو بھی معبود ٹھہرایا جائے، وہ مخلوق ہیں۔ مخلوق کو اتنی ہی قدرت ہوتی ہے جو خالق نے اس مخلوق کے منشاء تخلیق کے حوالے سے رکھی ہو، اس لئے مخلوق کو معبود ٹھہرانا بے جا ہے۔ خالق ہی ہر حال پر اپنی مخلوق کی طلب کو جانتا ہے۔ مخلوق کو ضرر ہو یا نفع ہو، سب باذن اللہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ معبود جو مخلوق ہیں، خود کو ضرر سے بچانے پر بھی قادر نہیں ہیں، نفع کے یقینی حصول پر بھی قادر نہیں ہیں۔ یہ اپنی بندگی کرنے والوں کی کس قدر اور کیا مدد کر سکتے ہیں! یہ معبود اپنی موت کے بھی مالک نہیں ہیں کہ اس کو روک سکیں یا اسے مؤخر کر سکیں، اپنی حیات کے بھی مالک نہیں ہیں کہ اس کو طویل کر سکیں اور موت کے بعد خود کو جزا سے بچانے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

حاصل: معبود کی شان یہ ہے کہ وہ خالقِ کل ہے، باقی سب مخلوق ہیں۔ معبود ضرر کا مالک ہے، نفع کا مالک ہے، موت و حیات کا مالک ہے اور جزا کے لئے اٹھائے جانے والے دِن 'یوم الدین' کا مالک ہے۔ اس لئے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ معانقة ۱

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے جس کو گھڑا گیا ہے اور اس میں دوسرے لوگوں نے اعانت کی ہے۔ تو بے شک یہ ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔

قرآن پاک کے متعلق کافروں کا بیان یہ ہے کہ یہ محض جھوٹ ہے اور اس کو بیان کرنے والے نے گھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں مدد دی ہے۔ جھوٹ کا پتہ تبھی چلتا ہے جب سچ کو سند کے ساتھ اس کے سامنے رکھا جائے، جیسے مندرجہ بالا آیات میں اللہ نے لوگوں کے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کی نفی کی ہے۔ دوسرے لوگ جن کے متعلق کافروں کا یہ گمان ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کے سلسلے میں حضور کی مدد کی ہے، ان کا تعین نہ کرنا ہی کافروں کے جھوٹے ہونے کی سند ہے۔ حق کو افترٰی ثابت کرنے کی کوشش اور اس میں دوسرے لوگوں کی اعانت کا ذکر، ظلم اور جھوٹ کی انتہا ہے۔ اس انتہا پر پہنچ کر بھلائی کی طرف جانے کا راستہ مسدود کر لیا جاتا ہے۔

حاصل: جھوٹ اسے کہنا چاہئے، جس کے مقابل سچ کو رکھا جا سکتا ہو۔ بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔ حق کو افترٰی کہنے والے اور اس کے متعلق بے سند باتیں گھڑنے والے، انتہائی ظالم اور جھوٹے ہوتے ہیں۔

وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۵﴾

اور کہتے ہیں یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو آپ نے لکھوائی ہیں، تو وہی صبح وشام آپ کے پاس لکھوائی جاتی ہیں۔

کافروں نے قرآنِ پاک کو فرمانِ الٰہی ماننے سے انکار کیا اور یہ کہا، کہ یہ تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں، فلاں قوم نے یہ کہا اور اس کا انجام یہ ہوا، اور یہ کہانیاں ان صاحب نے لکھوائی ہیں جو اسے اللہ کا فرمان بتا رہے ہیں۔ انہی کہانیوں کو وہاں صبح وشام لکھوایا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے کچھ لوگوں سے اگلوں کی کہانیوں کی صورت میں لکھوایا گیا ہے، یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان لکھنے والوں سے یہ کہا جائے کہ اس کی مثل لکھ دو۔ قرآنِ پاک کے فرمانِ الٰہی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ اس کی مثل نہیں لائی جا سکتی۔ صبح وشام جس علم کا ذکر ہوتا رہا، اگر وہ کلام بشر تھا، تو اس ذریعے تک پہنچنا کافروں کے لئے مشکل نہ تھا۔ قرآنِ پاک کو فرمانِ الٰہی مان لینے سے زندگی کا رخ بدلنا ضروری ہو جاتا ہے، اپنی پسند کو مالکِ کُل کی رضا پر قربان کر دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے اس صاحب کی پیروی بھی لازم ہوتی ہے جس کی صداقت وامانت کا اعتراف ہو۔ کافر یہ مان لیں تو پھر وہ کافر نہیں رہتے۔

حاصل: قرآنِ پاک کا انکار کبھی سند کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ اس میں ذاتی تفاخر کی نفی اور اجتماعی بھلائی کی تاکید ہے اور یہ بات کبھی متکبرین کو اچھی نہیں لگتی۔

قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۶﴾

فرمائیے اسے اس نے نازل فرمایا ہے، جو آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

کافر یہ کبھی ثابت نہیں کر سکے کہ قرآن پاک کلام بشر ہے۔ یہ واضح فرمایا جا رہا ہے کہ اسے نازل کرنے والا اللہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اور جس سے کسی جگہ کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ جو ظلمات سے نور کی طرف آنے کی دعوت کو مان لیتا ہے، اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے اور اس پر رحم بھی فرمایا جاتا ہے۔ کافروں کو رخ بدلنے کے ساتھ جو خدشات نظر آتے تھے، یہ ارشاد اُن خدشات کی نفی کر رہا ہے۔

حاصل: حق کا انکار کرنے والے جب اپنی صداقت کی سند نہ پیش کر سکیں، تو پھر ان کے سامنے حق کو بیان کرنا چاہئے اور انہیں بخشش اور رحم کا راستہ دکھانا چاہئے۔

وَ قَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَهٗ نَذِیۡرًا ۙ﴿۷﴾

اور کہنے لگے، یہ کیسا رسول ہے کہ طعام کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا کہ اس کی معیت میں ڈر سنانے والے کی حیثیت سے رہتا۔

کافروں کے اعتراضات کا ذکر ہو رہا ہے، کہ انہیں یہ بات عجیب لگتی ہے، کہ رسول انہی میں سے ہے۔ طعام کا کھانا اور بازاروں میں

چلنا پھرنا، اس کے معمولات ہیں۔ کافروں کے نزدیک رسول اللہ کی شان کے لائق یہ تھا، کہ کوئی فرشتہ آپ کے پاس آتا اور وہ لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرانے کے لئے ہمہ وقت رسول اللہ کے ساتھ رہتا۔ رسول کا بشر ہونا، اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس طرح لوگوں کو آداب معاشرت کا وہ طریقہ معلوم ہوتا ہے، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اس طرح چلنا پھرنا، کھانا پینا اور معاملات کی تمام صورتیں جیسی ہونی چاہئیں، دیکھنی نصیب ہوتی ہیں۔ فرشتہ نازل کرنے والا جانتا ہے کہ فرشتے کو کن حالات میں نازل کرنا ہوتا ہے۔

حاصل: شاہد کے معمولات کو اسوۂ رسول کے مطابق ہونا چاہئے۔ لوگوں کو مرعوب کرنا، دعوتِ حق سے میل نہیں کھاتا۔

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸

یا اس کے پاس ایک خزانہ آ جاتا یا اس کے پاس ایک باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا۔ اور ظالموں نے کہا تم تو محض ایک مسحور آدمی کا اتباع کرتے ہو۔

رسول اللہ کے پاس مال کی کثرت یا باغ کی موجودگی، جو ذریعہ معاش کی صورت میں نظر آئے، کافروں کو ضروری معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہ امتیازات ہیں، جن میں کافروں کو شان نظر آتی ہے۔ اللہ کا علم، علم مطلق ہے۔ اس علم سے اوپر کوئی علم نہیں ہے۔ اللہ نے رسول کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اپنے علم سے عطا فرمایا ہے اس لئے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوسکتا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ایسی مصروفیت کہ اپنا حق ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال ہی نہ کرنا شان رسالت ہے، اور کافروں کی نظر اسے یوں دیکھتی ہے کہ کسی کے جادو نے ان صاحب کی سوچ کو متاثر کر دیا ہے۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں، کہ تم ان صاحب کی پیروی کر رہے ہو جو سحر زدہ ہیں۔ کافر، ظالم ہوتے ہیں۔ ان کی سوچ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ جو اس کو معیار مان لے وہ کب سیدھا ہوسکتا ہے۔

حاصل: مال کی بہتات کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ باغ کی موجودگی کبھی صداقت کی سند نہیں ہوتی۔ جو غرض اور غایت سے پاک نظر آئے، کافر اس کو سحر زدہ کہتے ہیں۔ اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہ کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ ع

ع ۱ ۹ ۱۲

دیکھئے آپ پر کیسی مثالیں لگا رہے ہیں، تو بہک گئے پھر راہ پانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

جس کی بات، اللہ کی بات ہو اس کے اتباع میں فلاح ہوتی ہے، اور اس کے انکار میں خسارہ ہوتا ہے۔ اس ذاتِ بابرکات کے بارے میں ایسی باتیں کرنا، جو بے ادبی کے زمرے میں آتی ہیں، گمراہی کا باعث بنتی ہیں، پھر ہدایت پانے کی اہلیت ہی نہیں رہتی۔ دعویٰ کرنے والے کا بیان بدلتا رہے تو یہی اس کے جھوٹ کا ثبوت بن جاتا ہے۔

حاصل: ہدایت کی طلب ہو تو شاہد کے متعلق ہر بات میں احتیاط پائی جائے گی۔ بے ادبی سے پھبتیاں کسنے والے، یقیناً بہک بھی جاتے ہیں اور وہ کبھی راہ نہیں پایا کرتے۔

شہادت: سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے فرعون کو حق کی طرف بلاتے ہوئے یہ کہا: اِنَّا قَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰی مَنۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۴۸﴾ ہماری طرف وحی فرمائی گئی ہے، کہ عذاب اسی پر ہے جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیۡرًا مِّنۡ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ وَ یَجۡعَلۡ لَّكَ قُصُوۡرًا ﴿۱۰﴾

بڑی ہی برکت والا ہے وہ، جو چاہے تو اس سے بہتر باغ آپ کے لئے ٹھہرا دے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں، اور آپ کے لئے قصر ٹھہرا دے۔

جو باغ کافروں کو رسول اللہ کے ارشادات کے ماننے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے، اس سے بہتر کئی باغ عطا کر دینا، اللہ کے لئے آسان ہے۔ پھر وہ باغ ایسے ہوں کہ ان کے نیچے زیر زمین نہریں جاری ہوں جو انہیں ہمیشہ شاداب رکھیں۔ وہ شان وشوکت جو کافروں کو رسالت کا حق ادا کرنے والے کے لئے ضروری معلوم ہوتی ہے، مالکِ کُل اس سے بہت بہتر عطا کر سکتا ہے۔ آپ کے لئے محلات ٹھہرا سکتا ہے جو بڑی شان رکھتے ہوں۔ اس سے بھی کافروں کو ہدایت نصیب نہ ہوگی۔ خرابی تو ان کے رویئے میں ہے۔ وہ تعلق جو شاہد سے ان کو رکھنا چاہئے، وہ تعلق نہ ہو تو ہدایت کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

حاصل: مالکِ کُل جو کچھ عطا کر سکتا ہے، وہ لوگوں کے تصورات سے بھی بلند ہے، مگر اس سے کسی کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے، کہ ہدایت کی طلب ہو، اور ادب ملحوظ رہے۔

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالسَّاعَةِ ۟ وَ اَعۡتَدۡنَا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیۡرًا ﴿ۚ۱۱﴾

بلکہ یہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

حق کا انکار کرنے والے، ہدایت کے طالب نہیں ہیں۔ وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں۔ جزا کا یقین نہ ہو تو من مانی کرنے سے رک جانا ممکن ہی نہیں۔ خلافِ حق کرنے والے کے اعمال، اس کے جلانے کا سامان ہے جو اس نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا ہوتا ہے۔ یہ آگ ہے، جو جزا کی صورت میں خلافِ حق کرنے والے کے لئے، قیامت کے جھٹلانے والے کے لئے تیار کر کے رکھی گئی ہے۔

حاصل: قیامت کو جھٹلانا، جزا کا انکار کرنا ہے۔ جزا کا انکار ہو تو خلافِ حق ضرور ہوتا ہے، اور اپنے اعمال کی جزا سے بندہ بھاگ نہیں سکتا۔ جزا دینے والے نے بندے کے اعمال کی جزا تیار کر رکھی ہے، کافر کے لئے یہ آگ کی صورت میں ہوگی۔

اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیۡرًا ﴿۱۲﴾

وہ دور ہی سے انہیں دیکھے گی، وہ اس کے غیظ سے بھرے ہونے اور چنگھاڑنے کو سنیں گے۔

وہ آگ جو قیامت کا انکار کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جب وہ دیکھے گی ان لوگوں کو، جن کے لئے اسے تیار کیا گیا ہوگا، تو وہ اپنی تیاری کی انتہا کو پہنچ جائے گی، اور اس سے خوفناک آوازیں نکلیں گی، اور یہ آوازیں ان لوگوں کو دور سے سنائی دیں گی جو قیامت کو جھٹلاتے تھے۔

حاصل: جہنم جزا پانے والوں کے انتظار میں ہوگی۔ قیامت کے جھٹلانے والوں کو دیکھ کر اس کا بھپرنا اور چنگھاڑنا عروج پر ہوگا اور قیامت کا انکار کرنے والے جہنم کی خوفناک آوازوں کو سنیں گے۔ اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ممکن نہ ہوگا۔

وَإِذَآ أُلْقُوا۟ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا۟ هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾

اور جب اس کے اندر تنگ جگہ میں زنجیر سے باندھ کر ڈالے جائیں گے، وہاں موت کو پکاریں گے۔

جزا کا انکار کرنے والوں کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ جگہ بھی تنگ ہوگی، وہ زنجیر سے بندھے ہوئے بھی ہوں گے اور آگ کا عذاب ہوگا، یہاں وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے۔ حق کے مطابق رہنا وسعت کو پسند کرنا ہے، اپنی خواہش کے مطابق رہنا تنگی کو پسند کرنا ہے۔ انسان کے اعمال باہم مربوط ہوتے ہیں، اسی طرح جزا کے وقت بھی یہ مربوط ہوں گے۔

حاصل: جہنم میں ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جگہ تنگ، زنجیر سے بندھا ہوا ہونا اور آگ کا عذاب، اس کیفیت میں زندگی پر موت کو ترجیح دی جائے گی۔ ہمیں اپنے مخالفین کو سزا دینے کا موقع ملے تو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ مالکِ کُل کو جو حق ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔

لَّا تَدْعُوا۟ ٱلْيَوْمَ ثُبُورًا وَٰحِدًا وَٱدْعُوا۟ ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾

آج کے دن ایک موت کو نہ پکارو، بہت ہلاکتوں کو پکارو۔

جہنمی عذاب سے نجات کے لئے موت کو پکاریں گے، تو ان سے کہا جائے گا، ایک ہلاکت تمہارے لئے کافی نہیں ہے، بہت سی ہلاکتوں کو پکارو، کہ تمہارے اعمال ہی تمہارے لئے دکھ کا باعث بنے ہیں اور تمہارا ہر عمل تمہارے لئے ایک ہلاکت ہے۔ مگر یہ سزا موت سے بھی سخت ہے، کہ موت کے بعد دکھ کا احساس تو مٹ جاتا ہے، یہاں دکھ کا احساس مسلسل ہوگا۔

حاصل: ایک ہلاکت، قیامت کے منکر کو اس کے خاتمے کے لئے کافی نہیں ہوگی، ہر ہر لمحہ اس کے لئے موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ ٱلْخُلْدِ ٱلَّتِى وُعِدَ ٱلْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾

فرمایئے، بھلا یہ بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کا باغ جس کا متقیوں سے وعدہ فرمایا گیا ہے۔ وہ ان کے لئے جزا اور خوب ٹھکانا ہے۔

قیامت کا انکار کرنے والوں کا انجام بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان سے پوچھئے، یہ انجام بہتر ہے یا وہ جس کا متقیوں سے

وعدہ فرمایا گیا ہے۔ متقی حضرات کو ایسے مقام پر رکھا جائے گا جہاں انہیں دائمی سکھ ہوگا، اور یہ ان کی دائمی پاک دامنی کی جزا ہوگی، اور ان کے لئے خوب ٹھکانہ ہوگا۔ اس انجام کو بلا شک وشبہ بہتر ماننا پڑے گا۔

حاصل: حال کا مقابلہ اگر حال سے کیا جاتا ہے، تو انجام کا مقابلہ انجام سے کرنا چاہئے، ورنہ بات پوری ہو ہی نہیں سکتی۔ متقی حضرات کو دائمی سکھ ملے گا اور ان کا ٹھکانا خوب ہوگا۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاۤءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

اس میں ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں، ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تمہارے ربّ کا حتمی وعدہ ہے۔

جنت جس کا متقی حضرات سے وعدہ فرمایا گیا ہے، اس میں ان پاک لوگوں کو وہ ملے گا جو چاہیں گے اور یہ عطاء الٰہی دائمی ہوگی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، مالکِ کُل کا وعدہ ہے۔ جو بھی متقی حضرات کا سوال ہوگا، اللہ انہیں عطا کرے گا۔ متقی اللہ کی رضا کے مقابل کسی بات کو اہمیت نہیں دیتا، انعام یہ ملے گا، کہ وہی عطا ہوگا جو متقی چاہے گا، اور ہمیشہ ہی ایسا ہوگا۔ سوال متقی کا ہوگا، عطا مالکِ کُل کی طرف سے ہوگی، اس لئے دیر کا تو کوئی مقام نہیں ہوگا۔

حاصل: پاک لوگوں کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان سے پوچھ لینا چاہئے، آپ کیا چاہتے ہیں۔ ان کی طلب پاکیزگی سے تعلق رکھتی ہے اس کا پورا کرنا باعثِ برکت ہوتا ہے۔ جو اللہ سے ڈرتے ہوئے حق کا احسن اتباع کرے، اس کی پسند اللہ کے نزدیک قابلِ قدر ہو جاتی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ ﴿۱۷﴾

اور جس دن ان کو اور جن کو وہ اللہ کے مقابل پوجتے ہیں، اکٹھا کرے گا پھر ان سے فرمائے گا، کیا تم نے میرے ان بندوں کو بہکایا یا وہ خود راہ سے بہکے۔

حق کو شاہد کے حوالے سے نہ مانا جائے تو یہ حق کا انکار ہے۔ من مانی کرتے ہوئے عبادت کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے، اور اس میں جن پاک لوگوں کا نام لے کر من مانی کی جائے، وہ پاک لوگ کسی کو اللہ سے چھڑانے میں کام نہیں آئیں گے۔ پاک لوگوں کے ہاتھوں سے لوگوں کو سکھ ملتا ہے، ان کی زبان سے لوگوں کو سکھ ملتا ہے، اگر کوئی ان پاک لوگوں سے تعلق کا دعویٰ بھی کرے اور لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے اور اپنی زبان سے دکھ بھی پہنچائے تو اس کا دعویٰ معیت جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ پاک لوگوں کا نام لے کر خلافِ حق کرنے والوں پر، ان کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے عبد و معبود کو اکٹھا کیا جائے گا، اور پاک لوگوں سے یہ پوچھا جائے گا، کیا تم نے ان لوگوں کو گمراہ کیا یا یہ خود گمراہ ہوئے۔

حاصل: وہ نیک لوگ، جن سے تعلق کا دعویٰ کرنے والے کچھ لوگ خلافِ حق کرتے ہیں، انہیں گمراہ لوگوں کے سامنے لا کر پوچھنا ممکن ہو تو پوچھنا چاہئے، کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو گمراہ کیا ہے یا یہ خود ہی گمراہ ہوئے ہیں۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

عرض کریں گے، تو پاک ہے۔ ہمارے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہم تیرے مقابل اوروں کو دوست بنائیں، ولیکن تو نے ان کو متاع دی اور ان کے باپ دادوں کو بھی دی، حتیٰ کہ تیرے ذِکر کو بھلا بیٹھے، اور یہ لوگ تھے ہی تباہ ہونے والے۔

پاک بندے اللہ کے حضور یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ تو پاک ہے، ہر حال کا علم رکھنے والا ہے، ہم سے جو پوچھا گیا ہے تیرے عطا کردہ علم سے اس کا جواب دیں گے۔ ہماری یہ مجال ہی نہ تھی کہ ہم اپنے معبود کے مقابل کسی کو اہمیت دیتے۔ ہمارا اتباع کرنے والے، ہمارے راستے سے ہٹ نہیں سکتے تھے اور جو ہمارے راستے پر نہیں تھے، ان کا ہمارے ساتھ تعلق کیا تھا۔ ان لوگوں کو اللہ نے بہت سی آسانیاں عطا کیں، ان کے بڑوں کو بھی آسانیاں دی گئیں، انہوں نے اللہ کی عطا کردہ آسانیوں کو اپنی دانائی کی بدولت سمجھا اور اس متاعِ حیات کو اپنا امتیاز جان لیا، اس طرح یہ لوگ اللہ کے ذکر کو بھلا بیٹھے اور اپنی پسند کو اللہ کے فرمان کے مقابل اہمیت دینے لگے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے یہ لوگ تھے ہی تباہ ہونے والے۔

حاصل: پاک لوگوں کی بات، اللہ کی تسبیح سے شروع ہوتی ہے، اپنا حال بیان کیا جاتا ہے، پھر اللہ کے عطا کردہ علم سے اپنے مشاہدے کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ یقین ہو کہ جو کچھ ہمیں حاصل ہے، اللہ نے دیا ہے تو اس کے ذِکر سے غافل ہونا، ناممکن ہوتا ہے۔ ذِکرِ الٰہی سے غفلت کی حقیقت تباہی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

سو وہ تو تمہاری بات میں تمہیں جھوٹا ثابت کر چکے، تو اب تمہیں نہ عذاب کو ٹالنے کی استطاعت ہے نہ اپنی مدد کرنے کی استطاعت ہے۔ اور تم میں جو ظلم کا مرتکب ہوگا، ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے۔

قیامت کا یقین نہ رکھنے والوں سے یہ فرمایا جائے گا کہ جن پاک لوگوں سے تعلق کا تمہیں دعویٰ تھا، وہ تو تمہیں جھوٹا ثابت کر چکے ہیں۔ اب عذاب سامنے ہے۔ اس کو ہٹا دینے کی استطاعت تمہیں حاصل نہیں۔ تم اپنی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ اب تم میں سے جس نے شرک کیا ہے، وہ ظلم عظیم کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بڑے عذاب کا مستحق ہے۔ ہم اسے وہی عذاب دیں گے جس کا وہ مستحق ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل: سزا دینے سے پہلے، سزا پانے والے کا جرم اس پر واضح کرنا ضروری ہے۔ ظلم عظیم کی جزا عذابِ کبیر ہے۔ عذابِ کبیر سے بچنے کے لئے ظلم عظیم سے بچنا ضروری ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

اور مرسلین میں آپ سے قبل ہم نے جن کو بھی بھیجا،

اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۱ ۱۷

سب طعام کھاتے تھے، اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔اور ہم نے بعض کو بعض کے لئے فتنہ ٹھہرایا ہے۔تو صبر کرتے رہو، اور تمہارا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔

مرسلین ماضی میں بھی آتے رہے ہیں۔وہ سب طعام کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ہدایت کے طالب ان سے فیض حاصل کرتے تھے، غفلت میں پڑنے والے ان کا انکار کرتے تھے۔فتنہ یہ دیکھنے کے لئے ہوتا ہے کہ کون حق کو مانتا ہے، اور کون اس کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔اللہ فتنے کی جو صورت چاہے ٹھہرا دیتا ہے۔لوگوں کی بے ہودگی کے جواب میں صبر کرنا حق ہے۔یہی صبر معیتِ الٰہی کی سند ہے۔سب سے بڑا مدد کرنے والا اللہ ہی ہے۔وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے۔کس مقام پر کیسے مدد کرنی ہے، اللہ کو اس کا بڑا علم ہے۔جب یہ یقین ہو کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو پھر یہ اطمینان بھی ہونا چاہئے کہ ہمارے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ باذنِ اللہ ہو رہا ہے۔

حاصل: بشر کو رسالت کے لئے موزوں ٹھہرانے والا اللہ ہے۔وہ سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔طعام کھانا اور بازاروں میں چلنا پھرنا تعلیمِ امت کے لئے ہو تو اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔مخالفین کے ساتھ معاملہ کرتے وقت صبر کرنا ضروری ہے۔یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ سے بڑا مدد کرنے والا کوئی نہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے، جو کچھ درکار ہوگا عطا فرما دے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (۴۲) میں فرمایا ہے: تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ تم دیکھو گے ظالموں کو کہ اپنے کئے کے انجام سے ڈرتے ہوں گے، اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔اور جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے وہ جنتوں میں ہیں۔ان کے لئے ان کے رب کے پاس ہے جو وہ چاہیں۔یہی فضلِ کبیر ہے۔

الجزء ۱۹ وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہنے لگے، ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے یا ہم اپنے رب کو ہی دیکھتے۔اپنے اندر بڑا استکبار رکھتے ہیں، اور بڑی اکڑ کے ساتھ سر چڑھ رہے ہیں۔

جزا کا یقین نہ رکھنے والے غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔انہیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اس کے دربارِ اقدس

میں پیشی بھی ہوگی اور جواب دہی بھی ہوگی۔ ایسے لوگ بڑے غرور سے بات کرتے ہیں۔ حق کو شاہد کی پاک زبان سے سن کر یہ کہتے ہیں، کہ فرشتے ہم پر کیوں نہیں اترے، یا ہمیں یہ شرف کیوں نہیں ملا کہ ہم اپنے رب کو ہی دیکھتے۔ یہ بڑے استکبار کی بات ہے، بڑے غرور اور گھمنڈ کی بات ہے۔ فرشتے کو نازل کرنے والا، اللہ پاک ہے، جو خوب جانتا ہے کہ حق کا نزول کس مقام پر ہونا چاہئے، اور عملاً حق کے نفاذ کی احسن صورت کیا ہے۔ جہالت اور غرور کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اندر پاکیزگی کے ارفع مقام پر کھڑے ہونے کی اہلیت دیکھتے ہیں۔

حاصل: دربارِ الٰہی میں پیشی کا یقین ہو تو استکبار، غرور اور گھمنڈ کی باتیں کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرمین کے لئے کوئی بشارت نہیں ہوگی، اور کہیں گے، کہیں روک لئے جاؤ۔

جو لوگ اب استکبار میں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترے، جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ دن ان لوگوں کے لئے بشارت کا دن نہیں ہوگا۔ وہ دن ان لوگوں کے لئے حسرت کا دن ہوگا، اور یہ کہیں گے کہیں یہ فرشتے روک لئے جائیں، کوئی پناہ مل جائے۔ مگر یہ نہیں ہوگا۔ فرشتوں کا نظر آنا اس عذاب کو واضح کر دے گا، جس کا ڈر حیاتِ دنیا میں ان لوگوں کو سنایا جاتا رہا، اور جس کو انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔

حاصل: استکبار کرنے والا، ایسے مقام پر پھنس جاتا ہے، کہ حقائق اس کے سامنے ہوتے ہیں اور وہ ان کا سامنا کرنے سے خوف زدہ ہوتا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا، بڑھیں گے، پھر ہم اسے اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا یقین نہیں ہوتا، وہ بھی کچھ کام ایسے کرتے ہیں، جن کو خوب کہا جاتا ہے۔ لوگ ان کاموں کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کاموں کا منشاء اپنے استکبار کو ثابت کرنے کی کوشش کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ جزا کے دن ایسے اعمال کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے گا، تو وہ اڑتی ہوئی خاک کی طرح ہو جائیں گے۔

حاصل: وہ عمل جو اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کے لئے کیا جائے، جزا کے وقت اس کی حیثیت اڑتی ہوئی خاک کے علاوہ کچھ نہ ہوگی۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾

اس دن جنت کے لوگوں کا مستقر خوب ہوگا اور آرام کی جگہ احسن ہوگی۔

جنت وہ مقام ہے جو متقین کے لئے راحت افزا قیام گاہ ہے۔ اس میں قیلولہ کرنے کی جگہ کا بطورِ خاص ذکر ہے۔ جو لوگ جزا کا یقین رکھتے ہیں، وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال کو اسوۂ حسنہ سے نسبت ہونی چاہئے، کہ اللہ نے اسے سند ٹھہرایا ہے۔ انہیں یہ زیب نہیں دیتا، کہ حق کی ادائیگی کے بعد وہ کسی سے اجر کا سوال کریں۔ خلوت وجلوت میں پاکیزگی ان کی دائمی پاک دامنی کو ثابت کرتی ہے۔ یہ نہ دیکھنا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جارہا ہے، یہی دیکھنا کہ ان پر کیا حق عائد ہوتا ہے، ان پاک لوگوں کے تعلق مع اللہ کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ ان سے راضی ہے، یہ اللہ سے راضی ہیں۔

حاصل: پاک لوگوں کی قیام گاہ ہی خوب ہوتی ہے۔ اچھے مستقر میں قیلولہ کا بندوبست بھی بطریقِ احسن ہونا چاہئے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿۲۵﴾

اور جس دن آسمان ایک بادل سے پھٹے گا، اور ملائکہ لگاتار نازل ہوں گے۔

قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ آسمان پھٹ جائے گا، ایک بادل آئے گا، اور ملائکہ لگاتار نازل ہوں گے۔ آسمان کا پھٹ جانا بہت بڑا واقعہ ہوگا۔ بادل بھی قدرتِ الٰہی کی وہ شان دکھائے گا کہ اس سے پہلے وہ دیکھی نہیں گئی ہوگی۔ ملائکہ کا لگاتار نزول بھی، جزا کے لئے خدائی انتظام کو واضح کرے گا۔

حاصل: قیامت کے دن مناظر سے قدرتِ الٰہی کی وہ شان ظاہر ہوگی، جو انسان نے کبھی دیکھی نہیں ہوگی۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِينَ عَسِيرًا ﴿۲۶﴾

اس دن بادشاہی الرحمٰن ہی کی ہوگی۔ اور وہ دن کافروں پر کٹھن ہوگا۔

اللہ کی بادشاہی کی جو شان انسان کے مشاہدے میں آئے گی، وہ بادشاہی ایسی نہیں ہوگی جیسی انسان نے کبھی سوچی بھی ہو۔ بادشاہی کی وہ شان، جو قیامت کے دن انسان کے دیکھنے میں آئے گی، یہ واضح کردے گی کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا بڑی سخت غلطی تھی۔ جو الرحمٰن کی بندگی کرتے رہے ہوں گے، انہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔ کافروں پر وہ دن بڑا بھاری ہوگا، بڑا مشکل ہوگا کہ ان کے سارے اعمال اس دن کے انکار سے تعلق رکھتے ہوں گے۔

حاصل: اللہ کی بادشاہی کو دیکھ کر اس کی شان کا پتہ چلے گا۔ الرحمٰن کی بندگی کرنے والوں کے لئے قیامت کا دن انعامات کا دن ہوگا، کافروں کے لئے وہ دن بڑا کٹھن ہوگا۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُولُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۷﴾

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا، کہے گا، کاش میں نے رسول کی معیت میں راہ اختیار کی ہوتی۔

قیامت کے دن اللہ کی بادشاہی کو دیکھ کر، خلافِ حق کرنے والا حسرت کے ساتھ یہ کہے گا، کاش میں نے رسول اللہ کا ساتھی ہونے کا مقام پایا ہوتا، کاش میں ان کی راہ پر ہوتا۔ اس دن ظالم حسرت میں گھرا ہوا ہوگا اور اپنے ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ حیاتِ دنیا میں غلط رخ اختیار کرنے کا اسے اتنا افسوس ہوگا، کہ وہ صرف زبان سے نہیں، پورے جسم سے اس کا اظہار کر رہا ہوگا۔

حاصل: نتائج کو سامنے دیکھ کر اپنے ماضی پر افسوس کرنا، ظالم لوگوں کا طریقہ ہے۔ رسول کی معیت اختیار کرنے کی مہلت دی جاتی ہے، اسی مہلت میں رخ کو درست کرنا نفع دیتا ہے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ ہائے میری بدبختی، کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

قیامت کے دن ظالموں کو رسول اللہ کی معیت اختیار نہ کرنے کا افسوس ہوگا، اور وہ فرداً فرداً پکاریں گے، ہائے میری بدبختی میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا تو میں خسارے میں نہ پڑتا۔ وہ دوستی جو کسی کو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دے، اس دوستی کا انجام بدبختی ہوتا ہے، اس دوستی کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔ ایسی دوستی سے حال پر بچنا صرف اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے، جب رسول اللہ کی معیت کو اختیار کرنے میں راحت ہو۔ شاہدین کا ساتھ اختیار کر کے ہی اللہ کے رسول کی معیت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو حضور کے ساتھ ہیں، ہم ان کے ساتھ ہو جائیں گے تو حضور کے ساتھ ہونے کا ثبوت مل جائے گا۔

حاصل: اس شخص کو دوست نہیں بنانا چاہئے جو خواہشات کی پیروی کی ترغیب دے۔ اس کا انجام ہمیشہ بدبختی ہی ہوتا ہے۔ بدبختی سے بچنا مطلوب ہو تو ان حضرات کا ساتھ اختیار کرنا چاہئے جو شاہدین میں سے ہیں۔

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ اسی نے مجھے نصیحت سے بہکایا، بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آ چکی تھی۔ اور شیطان، انسان کو دغا دینے والا ہے۔

ظالم کو قیامت کے دن یہ اعتراف کرنا پڑے گا، کہ رسول اللہ کا فرمان، بشارت و انذار کی صورت میں، نصیحت کی صورت میں، اس کے پاس آ چکا تھا۔ وہ کہے گا کہ فلاں کی دوستی میرے لئے بدبختی کا باعث بنی، جس نے مجھے نصیحت سے بہکایا۔ اس وقت اس کو شیطان کے کام کے بارے میں کچھ شبہ نہ رہے گا کہ شیطان، انسان کو ہمیشہ دغا دیتا ہے۔ خود کو انسان کا دوست ظاہر کرتا ہے، اور اسے خسارے تک پہنچانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

حاصل: نصیحت سے بہکانے والا، شیطان ہوتا ہے۔ اس کو دغا باز جان لیا جائے تو اس کی دوستی سے اجتناب لازم ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ اور رسول نے فرمایا، اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن سے بے پرواہی کی۔

رسول کی شہادت، اللہ کے دربار میں جو مقام رکھتی ہے، اس سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت یہی ہوگی، کہ اے میرے رب، میری قوم نے اس قرآن کو وہ اہمیت نہیں دی جو اس کی شان کے لائق تھی۔ انہوں نے اس سے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔ قرآن پاک کو ماننے کا حق اسی طرح ادا ہوتا ہے کہ حکم خداوندی کو اس صاحب کے حوالے سے مانا جائے، جو حق کا احسن اتباع کرتا ہو اور اجر کا سوال بھی نہ کرتا ہو۔ اجتماعی طور پر ماننے کا ثبوت یہی ہے کہ قرآن پاک کے مقابلے میں کسی بات کو اہمیت نہ دی جائے۔ جب لوگوں کی باتیں ہو رہی ہوں تو قرآن پاک کا حوالہ پیش کرنے سے پہلے رک جانا چاہیئے، کہ یہاں وقف ہونا چاہیئے، پھر ادب سے یہ کہنا چاہیئے: قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا ہے۔ سننے والوں کو یہ کہنا چاہیئے: ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔

حاصل: من حیث القوم قرآن پاک کی پرواہ کرنی چاہیئے۔ جب حوالہ قرآنِ پاک کا آجائے تو فوراً رک جانا چاہیئے، ادب سے اسے سننا چاہیئے، اور یہ کہنا چاہیئے: ہم نے سنا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ علم الٰہی کی قدر کی جائے تو ہم قابلِ قدر ہو جائیں گے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

اور اسی طرح ہم نے مجرمین سے ہر نبی کے لئے دشمن ٹھہرائے۔ اور تمہارا رب ہدایت و نصرت کے لئے کافی ہے۔

مجرمین، انبیاء کرام سے دشمنی کرتے چلے آرہے ہیں۔ حق کی مخالفت، نبی سے عداوت ہے اور جو لوگ فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں، انہیں اللہ گمراہ کر دیتا ہے۔ جنہیں اللہ گمراہ کرتا ہے وہ نبی سے عداوت کو مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی عداوت سے پیدا ہونے والی تمام صورتیں اللہ کے سامنے ہوتی ہیں۔ وہ جس کو ہدایت دینا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہ جس کی مدد کرنا چاہے، اس کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ چھوٹی جماعت اللہ کی مدد سے بڑی جماعت پر غالب آتی رہی ہے۔

حاصل: نبی اللہ سے دشمنی سب جرائم سے بڑا اجرم ہے۔ فاسق ہی اس جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فاسق لوگوں کا داؤ، شیطان کے داؤ کی طرح ضعیف ہی ہوتا ہے۔ ہدایت و نصرت کے لئے اللہ کافی ہے۔

ع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور کافروں نے کہا کہ ان پر قرآن جملۂ واحدہ کی صورت میں کیوں نہیں اترا۔ اسی طرح اتارا کہ آپ کے دل کو اس سے ثبات دیں اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنائیں۔

حق کا انکار کرنے والوں نے یہ کہا، کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر کیوں نازل ہوتا ہے۔ اگر یہ اللہ کا فرمان ہے، تو اس میں تدریج کیوں ہے، یہ ایک ہی بار نازل ہو جاتا۔ ہدایت کی طلب رکھنے والا ایسا سوال نہیں کرتا۔ فرمانِ خداوندی کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں فلاحِ دارین کا یقینی علم ہے۔ قول کی صورت میں اس کا سنبھالنا اور فرمانِ الٰہی پر عمل کرنا بڑے بڑے کام ہیں۔ اللہ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ اس نے قرآنِ پاک کو

اپنے علم سے نازل فرمایا ہے، اس سے بہتر کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ انبیاء سابقین پر بھی احکام یکبارگی نازل نہیں ہوئے۔ حال کے حوالے سے ہدایت ونصرت درکار ہوتی ہے، اور اللہ کافی ہے ہدایت ونصرت دینے والا۔

حاصل: طالب ہدایت کا سوال طلب ہدایت کے لئے ہوتا ہے، منکرِ حق کا سوال حق میں تضاد ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن پاک کو نازل فرمانے والا متقین کی استعداد کو جانتا ہے، وہ انہیں آسانیاں عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی عنایات کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ تعلیم قرآن میں سیکھنے والوں کی سہولت کا لحاظ رکھنا بڑی پسندیدہ بات ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾

اور آپ کے پاس کوئی مثل نہیں لاتے مگر ہم آپ کو حق بات اور اس کی احسن تفسیر پہنچا دیتے ہیں۔

حق کا انکار کرنے والے آپ پر کوئی اعتراض کریں، جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا، جواب حقیقت پر مبنی ہوگا اور اس کی توجیہہ وتفسیر احسن ہوگی۔ یہ اتنی بڑی تسلی ہے، کہ کسی مقام پر لاجواب ہونے کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سوال، اعتراض کرنے والے کا ہوگا، جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا، اور اس جواب کی کوئی مثل نہیں ہوگی، اور اس سے بہتر اس کی کوئی توجیہہ بھی نہیں ہوگی۔

حاصل: حق پر جو اعتراض بھی کیا جائے وہ باطل ہی ہوتا ہے اور اس کا جواب علم الٰہی سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ جواب حقیقت پر مبنی ہو اور اس کی احسن توجیہہ سامنے آجائے، تو ہدایت کے طالبین کو نور عطا ہوتا ہے۔

الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾ ع ۱۴/۳/۱

جو لوگ اپنے مونہوں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے، انہی کا ٹھکانا برا ہے اور وہی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

جن لوگوں کا رخ ہمیشہ خلافِ حق ہوتا ہے، جو حق کی مخالفت کو مقصدِ حیات بنا لیتے ہیں، جو حق پر اعتراض کرتے ہیں اور روشن جواب سن کر بھی اپنے مقام سے ہٹتے نہیں ہیں اور اپنی راہ کو چھوڑتے نہیں ہیں، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی طرف مونہوں کے بل لایا جائے گا، ان کا ٹھکانا برا ہے، اور یہ راہ سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

حاصل: سوال طلب ہدایت کے لئے ہونا چاہئے، جواب روشن ہو تو اس کو تسلیم کر کے فوراً اپنے مقام سے ہٹ جانا چاہئے اور فلاح پانے والوں کی راہ کو اختیار کرنا چاہئے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے ذکر کے ساتھ سورۃ الروم (۳۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿١٦﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو اور آخرت کے ملنے کو جھٹلایا، تو وہی لوگ عذاب میں پکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، اور آپ کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو آپ کے ساتھ وزیر ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرقان عطا فرمایا گیا۔ یہ فرقان، اللہ کی کتاب تھی، جس میں نور ہدایت تھا، جس میں متقین کے لئے نصیحت تھی۔ اللہ کے حکم کو ماننے کے لئے جن کا اتباع لازم ٹھہرایا گیا ہے، ان کا ذکر ہمیشہ مقدم رکھا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یہ دعا کی تھی کہ انہیں آپ کا شریکِ کار بنا دیا جائے۔ جو کچھ آپ نے چاہا، اللہ تعالیٰ نے وہ عطا فرما دیا۔

حاصل: اللہ اپنے علم سے جس کو اپنی کتاب عطا فرمائے، اس کے اسوۂ حسنہ کو سند ماننا ضروری ہے۔ قریبی تبلیغِ حق میں ساتھ دیں تو اس کو اللہ کی بڑی عنایت جاننا چاہئے۔

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾

تو ہم نے فرمایا، آپ دونوں ان لوگوں کے پاس جائیں، جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو پامال کر کے رکھ دیا۔

اتمامِ حجت کے بغیر اللہ کسی قوم کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اتمامِ حجت کے لئے ان دونوں حضرات کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور یہ فرمایا گیا کہ بات میں اس سے نرمی روا رکھی جائے کہ وہ نصیحت مانے اور اللہ سے ڈرے۔ ان دونوں حضرات نے یہ شہادت دی، کہ ہماری طرف یہ وحی فرمائی گئی ہے کہ جو حق کو جھٹلائے اور اس سے منہ پھیرے، وہ عذابِ الٰہی میں پکڑا جاتا ہے۔ فرعون اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی روش کو نہ بدلا۔ اللہ نے ان لوگوں سے انتقام لیا اور ان کو پامال کر کے رکھ دیا۔

حاصل: اتمامِ حجت کے بعد ہی عذاب کا مقام آتا ہے۔ حق کی ادائیگی لوگوں کو ماننے میں مدد دینے کے لئے ہوتی ہے۔ جو حق کو جھٹلاتا چلا جائے اور اس سے منہ پھیرے، اس کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾

اور قومِ نوح نے جب رسل کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کر دیا، اور انہیں لوگوں کے لئے نشانی ٹھہرایا۔ اور ہم نے ظالمین کے لئے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تکذیب کی، اور ان لوگوں کی بھی تکذیب کی جو حضرت نوح علیہ السلام کی صداقت کو مانتے تھے اور آپ کا اتباع کرتے ہوئے حق کو بیان کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو قرآنِ پاک میں اندھے لوگ فرمایا گیا ہے، ان کے

نزدیک انسانوں کے بنائے ہوئے رسم ورواج لائق احترام تھے۔ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ کہا کہ ہم آپ کو راہ سے ہٹا ہوا دیکھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا: اے میری قوم میں رب العالمین کا رسول ہوں۔تمہیں احکامِ الٰہی پہنچاتا ہوں۔تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا وہ علم رکھتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔اس قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور آپ کا پیغامِ حق پہنچانے والے سب حضرات کو جھٹلایا۔اس قوم کو سیلاب کے عذاب میں غرق کر دیا گیا اور بعد میں آنے والوں نے ان کے عبرتناک انجام کے آثار دیکھے۔خلافِ حق کرنے والوں کو آخرت میں ان کے اعمال کی جو جزا دی جائے گی، وہ المناک عذاب کی صورت میں ان کے لئے تیار ہوگی۔

حاصل: اللہ کے رسول کی بات کو ماننا چاہئے، اور پھر اس کو دوسروں تک پہنچانا چاہئے۔ایسے تمام لوگوں کو واجب الاحترام ماننا چاہئے۔حق کو جھٹلانے والے لوگوں کا انجام عبرتناک ہوتا ہے، آخرت میں انہیں المناک عذاب ہوگا۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾

اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور ان کے مابین بہت سے قرون کو۔

حق کا انکار کرتے ہوئے عبرتناک انجام کو پہنچنے والوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔آپ نے انبیاء کرام کی سنت کے مطابق یہی فرمایا: اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔بھلائی کی راہ اختیار کرو۔لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ہم آپ کو بے وقوف سمجھتے ہیں، اکثریت کی روش کے خلاف آپ جس راہ کی طرف بلا رہے ہیں وہ خلافِ عقل لگتی ہے، اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذابِ الٰہی لے آیئے جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔اس قوم پر عذاب آیا اور یہ مٹادی گئی۔ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔آپ کی تعلیمات بھی وہی تھیں، جو سابق انبیاء کرام کی تعلیمات تھیں۔آپ نے اپنی قوم کو اس اونٹنی کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی، کہ وہ اونٹنی اللہ کی نشانی تھی۔آپ نے واضح فرمایا کہ اس اونٹنی کو برائی سے مس نہ کیا جائے، ورنہ ظالموں کو عذابِ الٰہی مٹا کر رکھ دے گا۔قوم کے منکرین نے یہی کہا کہ عذابِ الٰہی ہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔عذابِ الٰہی اس قوم پر آیا اور اس قوم کو نابود کر کے رکھ دیا گیا۔اس کے بعد بہت سے قرن ہوئے۔ہر قوم نے متاع بھی پائی، وقت بھی پایا، اس نمونے کو بھی دیکھا جو خوف و حزن سے نجات کا باعث بن سکتا تھا۔مگر حق کے مقابل لوگ رسم ورواج کی طرف ہی راغب رہے۔اس طرح ان پر تباہی بھی لازماً آتی رہی، اور اللہ نے انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ان قرون کے بعد اصحابِ رس کا ذکر ہے۔اس قوم کے پاس بھی حق آیا، اس نے بھی اس کا انکار کیا۔اس قوم کے سامنے ماضی قریب اور ماضی بعید کی بہت سی مثالیں تھیں جو ان کی تہذیب سے بڑی قریبی مماثلت رکھتی تھیں اور جن کا انجام ان کے لئے باعث عبرت ہونا چاہئے تھا، مگر اس قوم نے بھی حق کی تکذیب کی اور عذابِ الٰہی نے اس کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

حاصل: ماضی کے واقعات میں درسِ عبرت موجود ہوتا ہے۔ہدایت کے طالب اس سے سبق لیتے ہیں۔انسانوں کے بنائے ہوئے رسم ورواج کو حق کے مقابل اہمیت دینے سے بڑی سخت خرابی پیدا ہوتی ہے، جو عموماً اس معاشرے کے ساتھ ہی مٹادی جاتی ہے۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ٘ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾

اور سب کے لئے مثالیں بیان فرمائیں اور سب کو غارت کر کے برباد کر دیا۔

ہدایت دینے والے نمونے کا لوگوں کے سامنے آنا ضروری ہے۔ اس کا اتباع کرنے والے خوف وحزن سے نجات پا جاتے ہیں۔ اس کا اتباع نہ کرنے والے بربادی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول بھیجا، پہلے لوگوں کا احوال ان کے سامنے رکھا گیا، مثلاً حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم یاد کرو جب تمہیں قوم نوح کے بعد خلافت دی گئی اور تمہارے پھیلاؤ کو بڑھایا گیا، تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد خلافت دی، اور تمہیں زمین میں جگہ دی کہ سہولت سے محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو، تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ مچاتے پھرو۔ ہر امت کے لئے مثالیں بیان فرمائی گئیں، ہر ایک کے لئے حجت پوری کی گئی، جس نے حق کے انکار کی راہ کو اختیار کیا اسے برباد کر کے رکھ دیا گیا۔

حاصل: کسی قوم پر اس حالت میں عذاب نہیں آیا کہ اسے یہ پتہ ہی نہ ہو کہ اس کا حال کیا ہے، اور اس کا حال کیا ہونا چاہئے۔ جو بربادی کی راہ اختیار کرے اسے مٹا کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

اور بے شک یہ اُس قریئے سے ہو آئے ہیں، جس پر بُری بارش ہوئی۔ تو کیا یہ اسے دیکھتے نہیں، بلکہ انہیں نشر کی امید ہی نہیں۔

قوم لوط کا ذکر ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا، کیا تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے عالمین میں سے کسی نے نہیں کی۔ تو قوم نے یہی کہا: ان لوگوں کو اپنے قریئے سے نکال دینا چاہئے، یہ لوگ تو بس پاکیزگی ہی چاہتے ہیں۔ ان ناپاک لوگوں پر عذاب الٰہی آیا، اور اس بستی کے اوپر کو نیچے کر دیا گیا، اور ان پر لگاتار پتھر برسائے گئے۔ ان مجرمین کے انجام کو دیکھا جا سکتا ہے، مگر جزا کا یقین ہی نہ ہو تو یہ دیکھنا کیا حقیقت رکھتا ہے۔ جزا کا یقین ہو تو برائی کے انجام کو دیکھ کر برائی کی راہ سے رک جانا مشکل نہیں ہوتا۔

حاصل: سابقہ واقعات سے سبق لینا چاہئے۔ جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے پھر اس پر بربادی مسلط ہو جاتی ہے۔ جو اللہ پہلے منکرینِ حق کو برباد کر چکا ہے، اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے اور دائمی ہے۔ جزا پر یقین ہو تو دیکھنے کی اہلیت فائدہ دیتی ہے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

اور جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں مذاق ہی اڑاتے ہیں۔ کیا یہی ہیں جنہیں اللہ نے رسول مبعوث فرمایا ہے۔

حیاتِ دنیا کی زینت کے حوالے سے لوگوں کی تکریم کرنے والے، ایمان والوں سے تمسخر کیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے: کیا یہی صاحب ہیں، جنہیں اللہ نے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ہدایت کی طلب ہوتو یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہدایت کے طالب کو اظہارِ ادب میں پورا رہنا ہوتا ہے، اصلاحِ حال کرنے والے صاحب کی بات کو غور سے سننا ہوتا ہے، اس سند کو دیکھنا ہوتا ہے جس کو صداقت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ رسول کو مبعوث فرمانے والا وہ علم رکھتا ہے کہ اس سے اوپر کوئی علم والا نہیں۔ اس نے رسالت کے لئے جس ذاتِ پاک کو پسند کیا ہے، اس سے بہتر کا تصور کرنا بھی گناہ ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کرنے والوں کا مذاق اڑانا علامتِ کفر ہے۔ حیاتِ دنیا کی زینت، اللہ کے نزدیک کسی مرتبے کا ثبوت نہیں ہوتی۔ ہدایت کی طلب ہو تو انسان کا رویہ کبھی احتیاط سے خالی نہیں ہوتا۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

یہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا ہی دیتے اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ اور جس وقت عذاب دیکھیں گے، جلد ہی ان کو معلوم ہو جائے گا کون راہ سے بہکا ہوا تھا۔

رسول اللہ کا مذاق اڑانے والے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے یہ اعتراف کرتے ہیں، کہ ان صاحب کی بات بہت پُر اثر تھی، ہمارا استدلال ان کے سامنے بے وقعت تھا، اپنے معبودوں کے بارے میں اپنے نظریات پر جمے رہنا ہی ایک بات تھی، جس نے ہمیں موجودہ راستے سے ہٹنے نہیں دیا۔ ایسے لوگوں کو حق کے بارے میں کوئی شک نہیں رہتا مگر ہدایت مطلوب ہی نہ ہو تو ہدایت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو ان کو پتہ چل جائے گا کہ حق کے مطابق کون تھا اور حق کا منکر کون تھا۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی واضح ہو جائے گا، کہ حق وہی ہے جو شاہدین نے بیان فرمایا تھا اور اس کا انکار کرنے والے راہِ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت حق کو ماننا نفع نہ دے گا، کہ صالح اعمال سے حق کو ماننے کا ثبوت دینے کا وقت گزر چکا ہوگا، اور وہ قول کبھی سچا نہیں ہوتا عمل جس کی شہادت نہ دے۔

حاصل: اپنے نظریات پر بے سند ڈٹے رہنا، ہدایت پانے والوں کی نشانی نہیں ہے۔ اللہ کے فرمان کو مان لینا ہی باعثِ فلاحِ دارین ہوتا ہے۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے پر صراطِ مستقیم تو واضح ہو جائے گا، مگر اس وقت اس کو اختیار کرنا ممکن نہ ہوگا۔ حال کی قدر کرنی چاہیے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود ٹھہرا لیا ہے۔ تو کیا آپ اس پر وکیل ہوں گے۔

خواہشِ نفس سے تجویز پیدا ہوتی ہے، اور تجویز سے بت بنتا ہے۔ اس لئے بُت پرستی کی حقیقت خواہشِ نفس کو معبود ٹھہرانا ہے۔ من مانی کرنے والا کسی کے ساتھ نہیں ہوتا، اس لئے کسی کے ساتھ سے فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ وہ صاحبِ حق کے قریب بھی نظر آئے تو حقیقتاً وہ دور ہی ہوتا ہے، کہ وہ تو اپنی خواہش کی پیروی میں مگن ہوتا ہے۔ ایسا انسان ہدایت کا طالب نہیں ہوتا۔ صاحبِ حق پر اس کی ذمہ داری کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

حاصل: جو حق کو نہیں مانتا وہ اپنی خواہش کو معبود بنا لیتا ہے۔ ایسے انسان کی کوئی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ جو اپنی خواہش کے دائرے سے نہ نکلے وہ کسی کے ساتھ ہونے کا حق نہیں ادا کر سکتا۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

کیا یہ سمجھتے ہو کہ وہ اکثر سنتے یا عقل کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں مگر چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

منکرینِ حق کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ گونگے ہیں، بہرے ہیں، عقل نہیں کرتے۔ انسان نما جانور بظاہر سنتے یا سمجھتے نظر آئیں، حقیقتاً تو وہ اپنی خواہش کی پرستش میں ہی لگے ہوتے ہیں، اس لئے یہ حیوان ہی ہیں۔ حیوان اپنے مقصدِ تخلیق کے دائرے سے کبھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ جبلت کے مطابق، چوپائے خوراک دینے والے کا حکم مانتے ہیں، اس کی موجودگی میں خوش ہوتے ہیں، پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوراک میں فرق دیکھتے ہیں، جب ان کے جسم میں دکھ ہو تو کھانے کی طرف راغب نہیں ہوتے، سنبھالنے والا دکھ میں نظر آئے تو اپنی جبلت کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں، اس کے ساتھ اپنے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں، خطرات سے بھاگتے ہیں۔ انسان جب خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے خلافِ حق استعمال سے گمراہی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جانوروں میں بندوں کے لئے نشانیاں بھی ہیں، مثلاً کوئی نر اس مادہ کے قریب نہیں جاتا، جو حاملہ ہو چکی ہو، کوئی مادہ اپنے بچوں سے ایک وقت تک بے پرواہی نہیں برتتی۔

حاصل: انسان نما حیوانوں سے ان کے درجے کے مطابق معاملہ کیا جائے۔ ان سے حُسنِ اخلاق کی توقع نہ رکھی جائے، ان پر اعتماد کرتے وقت ان کے درجے کو ضرور دیکھ لیا جائے، جَو کے ذخیرے پر گدھے کو محافظ نہ بنایا جائے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (۱۶) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے المناک عذاب ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿ۙ۴۵﴾

کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو پھیلاتا ہے، اور اگر چاہتا تو اسے ساکن کر دیتا، پھر ہم نے شمس کو اس پر دلیل ٹھہرایا۔

پالنے والے کی شان کو اپنے روزمرہ کے مشاہدے کے حوالے سے دیکھنے کا رخ بتایا گیا ہے۔ ہماری آنکھوں کا بنانے والا، ہمارے کانوں کا بنانے والا، ہمارے دلوں کا بنانے والا اللہ ہی ہے۔ اسی نے ہمیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف ہمیں اکٹھے ہونا ہے۔ حیات اور موت دینے والا بھی وہی ہے اور لیل و نہار کا اختلاف بھی اسی کی قدرت سے ہے۔ اگر اللہ قیامت کے دن تک رات کو ٹھہرا دے تو اس کے مقابل کوئی روشنی لا کر دینے والا نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ قیامت تک کے لئے دن کو مسلط کر دے تو اس کے مقابل کوئی رات کو لانے والا نہیں ہوسکتا، اور رات سکون کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ہمارے لئے رات اور دن بنائے۔ رات سکون کے لئے اور دن اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے موزوں ہے۔ سورج جب نصف النہار کے مقام پر ہوتا ہے تو سایہ نظر نہیں آتا، اس سے پہلے بھی سایہ ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی ہوتا ہے۔ دن کے پہلے حصہ میں مغرب کی طرف ہوتا ہے، دن کے دوسرے حصے میں مشرق کی طرف پھیلتا ہے۔ سائے کے پھیلنے سے ربوبیت کا تعلق ہے۔ اس سے زینتِ کائنات ہے۔ رات دائمی ہوتی اور سایہ ساکن ہو جاتا، تو اللہ کے مقابل کوئی اس کو بدلنے پر قادر نہیں تھا۔ سورج کی روشنی سے رات کی تاریکی سمٹتی چلی جاتی ہے، اور سورج کو لانے والا اللہ ہی ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت بھی وہ کام کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

حاصل: جس کی ربوبیت سے ہمارے شب و روز گزر رہے ہیں، اس کی قدرت کا مشاہدہ کرنے کے لئے

کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپنے پالنے والے کے کرم کو دیکھنا چاہئے۔ دلیل کو ہمیشہ روشن ہونا چاہئے اور باعثِ تنویر ہونا چاہئے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

سائے کو پھیلانا بھی شانِ ربوبیت ہے، پھر اس کو آہستہ آہستہ سمیٹنا بھی شانِ ربوبیت ہے اور روشنی لانے کا اور لے جانے کا عمل آہستہ آہستہ نہ ہو تو جو کچھ ہو سکتا ہے، اس کا تصور کرنا بھی بڑا مشکل ہے۔

حاصل: لوگوں کو سلامتی کے ساتھ یہ موقع دینا چاہئے، کہ ان کی بُری صفت چلی جائے، اس کی جگہ ایک اچھی صفت ان کے اندر آجائے تا کہ تبدیلی آہستہ آہستہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس ٹھہرایا ہے، اور نیند کو آرام اور دن کو اٹھ کر چلنے کے لئے ٹھہرایا ہے۔

رات کو اللہ نے لباس کا درجہ دیا ہے۔ رات وہ پردہ فراہم کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں اور جس کی کوئی قیمت نہیں۔ عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اس طرح بقاءِ نسل کے عمل کے لئے وقت کی موزونیت کو روشن فرمایا گیا ہے۔ نیند سے جو آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت کام کرنے کی صلاحیت بحال ہو جاتی ہے، اور حسنِ کارکردگی کو قائم رکھنا ممکن ہوتا ہے۔ اور پھر دن کو اٹھ کر چلنے پھرنے کے لئے، اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے بتایا گیا ہے۔ اللہ نے جو توفیق دی ہے، اس کا استعمال کرتے وقت توفیقِ ایزدی کو اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لئے برتنا اور اجر طلب کرتے وقت دینے والے کی حیثیت کو ملحوظ رکھنا، اللہ کا فضل تلاش کرنے والوں کی صفات ہیں۔

حاصل: رات وہ پردہ فراہم کرتی ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا۔ رات کو سونا جسم کی سلامتی کے لئے ضروری ہے۔ دن کو اٹھ کر چلنا پھرنا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اپنے رب کا شکر یہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے بشارت دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ اور ہم آسمان سے پاک پانی نازل فرماتے ہیں۔

بارانِ رحمت، رحمتِ الٰہی ہے۔ اس کی بشارت کے لئے اس سے پہلے ہوائیں آتی ہیں اور فیض کے طالب، حصولِ فیض کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ زمینی ذرائع جو آب پاشی کے لئے استعمال ہوتے ہیں، سبھی اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے ہیں، مگر بارانِ رحمت سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوتا۔ آسمان سے برسنے والا پانی پاک ہوتا ہے اور مُردہ زمین کو زندہ کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حاصل: بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہواؤں کا چلانے والا، سب سے بڑا مہربان اور رحم کرنے

والا ہے۔ پانی کی پاکیزگی کا فیصلہ کرنے کے لئے بارش کے پانی کو معیار بنانا حق ہے، کہ اللہ نے اس کی پاکیزگی کی سند نازل فرمائی ہے۔

لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

کہ ہم اس سے مردہ زمین کو زندہ کریں اور اپنے خلق فرمائے ہوئے کثیر چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں۔

زمین کے اندر جب اناج، نبات اور باغات کو اُگانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ مردہ ہو جاتی ہے۔ مردہ زمین کے زندہ کرنے کا علم اللہ ہی کو ہے۔ بارانِ رحمت سے اللہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ مردہ زمین کو زندہ ہوتے دیکھ لیا جائے تو بعث بعد الموت کا انکار، انسان کی غفلت کو ہی ثابت کرتا ہے۔ بارش کا پانی ہی اللہ کی بہت ساری مخلوق کے، چاہے وہ چوپائے ہوں یا انسان ہوں، پینے کے کام آتا ہے۔ حیوانوں اور انسانوں کی کثیر تعداد کو بارانِ رحمت سے سیراب کرنا اللہ کی شان ہے۔ اس طرح ان مقامات پر زندگی کا عمل بارانِ رحمت کی بدولت ہی جاری ہوتا ہے۔

حاصل: بارش کا پانی مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، کثیر حیوانوں اور انسانوں کے پینے کے کام آتا ہے۔ بارش کے پانی کو سنبھال کر رکھ لیا جائے تو یہ ضروریاتِ زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور بے شک ہم نے ان کے مابین اس میں تصرف فرمایا کہ وہ نصیحت مانیں تو اکثر لوگوں نے ناشکری کو ہی اختیار کیا۔

بارانِ رحمت، علم الٰہی سے ہوتی ہے۔ ہر جگہ یکساں نہیں ہوتی، بیک وقت نہیں ہوتی۔ اس میں یہ تصرف بھی اللہ کی مہربانی ہے، کہ اس سے قدرتِ الٰہی کے سمجھنے میں لوگوں کو آسانی حاصل ہوتی ہے، اور قادرِ مطلق کی نصیحت کو ماننے میں فلاح نظر آتی ہے۔ مگر پھر بھی بہت لوگ ناشکری کی راہ کو ہی اختیار کرتے ہیں۔ شکرگزاری یہ ہے کہ جو ناصح ہماری بھلائی کے لئے بات کرتا ہو اور سند سے بات کرتا ہو، اس کی بات کو بڑے ادب سے مان لیا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے۔

حاصل: عطاءِ الٰہی میں تصرف بھی اللہ کی بڑی مہربانی ہے، کہ نصیحت ماننے والوں کے لئے یہ تصرف قربِ الٰہی کا باعث ہوتا ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو ناشکری سے بچنا ممکن ہوتا ہے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ۖ﴿۵۱﴾

اور ہم چاہتے تو ضرور ہر قریئے میں ایک ڈر سنانے والا مبعوث فرما دیتے۔

رحمۃ اللعالمین کی رسالت تمام لوگوں کے لئے ہے۔ بشارت و انذار کا حق ادا کرنے کے لئے جو توفیق آپ کو عطا فرمائی گئی ہے وہ پوری ہے اور تا قیامت پوری رہے گی، اسی لئے کسی قریئے میں اتمامِ حجت کے لئے کسی ڈر سنانے والے کی بعثت درکار نہیں ہے۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہر قریئے میں ایک ڈر سنانے والا مبعوث ہو تو اس کے لئے یہ آسان تھا، مگر اس نے یہ نہیں چاہا کہ خاتم النبیین کی بعثت کے بعد کسی قریئے میں

کسی ڈرسنانے والے کی بعثت ہو۔ آپ پر نعمت کا اتمام ہو چکا ہے۔ اب کسی جگہ کسی ڈرسنانے والے کی بعثت کا مقام ہی باقی نہیں رہا۔ تا قیامت حضور کے تابعین، شاہدین کی صورت سے تبلیغ حق کرتے رہیں گے۔

حاصل: رحمۃ اللعالمین کی رسالت، تا قیامت ہے اور تمام لوگوں کے لئے ہے۔ ڈرسنانے والے کی بعثت، تقسیم نعمت کے لئے ہوتی ہے اور نعمت حضور پر پوری ہو چکی ہے۔ شاہدین تا قیامت آپ کے تابعین ہوں گے، اور کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ حق اس تک پہنچا نہیں۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

تو کافروں کا کہنا نہ مانو اور اس کے ساتھ ان سے جہاد کرو، بڑا جہاد۔

کافروں کا کہا ماننے والا، معیتِ رسول کا حق نہیں ادا کر سکے گا، علم الٰہی سے فیض نہیں حاصل کر سکے گا۔ حکمِ الٰہی کے ماننے والے کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اس کو بے مثل مانے، اور اس کی قدر کرے جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ کافروں کے طرزِ معاشرت کو قبول نہ کرنا، رسم و رواج کو اہمیت نہ دینا اور اپنے قول و فعل کو حق کے مطابق بنانا جہاد ہے۔ یہ جہاد ہمہ وقتی ہو تو بڑا جہاد ہے۔ قرآنِ پاک کے حوالے سے یہ جہاد جاری رہ سکتا ہے۔

حاصل: کافروں کا کہنا نہ ماننا، ان کے طرزِ معاشرت کے مقابل وہ طریقت اختیار کرنا جو اسوۂ حسنہ کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتی ہے، یقیناً جہاد ہے۔ یہ جہاد ہمہ وقتی ہو تو بڑا جہاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملے ہوئے چلایا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا، اور یہ کھاری ہے نہایت تلخ، اور ان دونوں کے درمیان پردہ رکھا اور آڑ، روکی ہوئی۔

سورۃ الفاطر میں فرمایا گیا ہے، دو دریا مساوی نہیں ہیں۔ یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا، خوشگوار مشروب اور یہ کھاری ہے بہت کڑوا۔ اور تم ہر ایک میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو، اور پہننے کا گہنا نکالتے ہو۔ (۳۵:۱۲) میٹھے اور کھاری پانی کی ندیوں کو ملا کر چلانا اور دونوں کی حیثیت کو قائم رکھنا، اضداد کا ملانا کہ ان کے درمیان نظر آنے والا پردہ نہ ہو، کوئی دیوار نہ ہو اور وہ ایک رخ پر حرکت کرتی ہوئی جا رہی ہوں، اللہ کی قدرت کی ایسی نشانی ہے جو انسان کے دیکھنے میں آتی ہے، مگر وہ اس کی وضاحت سے عاجز ہے۔ زیرِ زمین پانی بھی دونوں قسم کا ہوتا ہے، میٹھا بھی اور کھاری بھی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو کنوئیں قریب ہیں، ایک میٹھا ہے اور ایک کھاری ہے۔ مگر جب دونوں پانی دریاؤں کی صورت میں ساتھ ساتھ چل رہے ہوں، تو ایک کا دوسرے میں نہ ملنا، جس پردے اور آڑ کی بدولت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی قدرت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد یہ کہنا کہ وہ کیسے مردوں کو زندہ کر دے گا عدم تدبر کو ہی ثابت کرے گا۔

حاصل: اضداد کو ساتھ ساتھ چلانا اور ان کی صفات کو قائم رکھنا اللہ کی قدرت کا بے مثل کرشمہ ہے۔ اللہ کی قدرت کے احاطے کے اندر اپنا مقام دیکھ لیا جائے تو اللہ کو ماننا مشکل نہیں رہتا۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو خلق فرمایا، پھر اس کا نسب اور سسرال ٹھہرایا۔ اور تمہارا رب قدیر ہے۔

نطفے کو پانی فرمایا گیا ہے۔ اس نطفے سے علقہ بنانے والا، علقہ سے مضغہ بنانے والا، پھر ہڈیوں کو پیدا کرنے والا، ان پر گوشت چڑھانے والا اللہ ہی ہے۔ رحمِ مادر میں بچے کو خوراک دینے والا، وقتِ مقررہ پر اس کو پیدا کرنے والا اور بچے کی پیدائش سے پہلے اس کی ماں کو دودھ کی صورت میں نہایت موزوں خوراک دینے والا اللہ ہی ہے۔ تذکیر و تانیث بھی اللہ کی قدرت کے تحت ہے۔ انسان کو بقاءِ نسل کے لئے اس قرابت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جس کو سسرال کہتے ہیں۔ نسب بھی اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے، سسرال بھی اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ رب العالمین کی قدرت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ پہلی بار بھی اسی نے خلق کیا ہے دوسری بار بھی وہی ہمیں خلق فرمائے گا۔

حاصل: پہلے بھی اللہ نے خلق فرمایا ہے، موت کے بعد قیامت کے دن اٹھانا اس کے لئے مشکل نہیں۔ والدین سے تعلق ہو یا سسرال والوں سے بات حق کے مطابق ہونی چاہئے۔ اپنے ربّ کے قادرِ مطلق ہونے کا یقین ہو تو پھر بے چینی کا مقام نہیں رہتا۔

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَ لَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾

اور اللہ کے مقابل ان کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ انہیں نفع دیں نہ ضرر۔ اور کافر اپنے ربّ سے پیٹھ پھیر رہا ہے۔

جو خواہشات کا اتباع کرے، وہ نفع اور ضرر کو باذن اللہ نہیں مانتا۔ وہ حیاتِ دنیا کو آخرت کے مقابل پیارا جانتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کے قلوب پر، ان کی سماعت پر اور ان کی بصارت پر مہر کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ غافل ہوتے ہیں، یہی اپنے رب سے پیٹھ پھیر رہے ہوتے ہیں۔

حاصل: نفع اور ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے، یہ یقین ہو تو پھر حق کی ادائیگی ہر مقام پر آسان ہو جاتی ہے، اور رُخ ہمیشہ اپنے رب کا رہتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۵۶﴾

اور ہم نے آپ کو بشارت دینے کے لئے اور ڈر سنانے کے لئے ہی بھیجا ہے۔

شاہد کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرنے والے کو اس کے انجام کی بشارت دیتا ہے، اور خلافِ حق کرنے والے کو اس کے انجام سے آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ خسارہ اس پر واضح ہو جائے جس کی طرف خلافِ حق کرنے والا بڑھ رہا ہے۔ یہ دونوں کام اللہ کے حکم سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہد اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد کسی سے اجر کا سوال نہیں کرتا۔ حق کو ماننے والا فلاح پا جاتا ہے، نہ ماننے والا خسارے میں جا پڑتا ہے۔ جو شاہد کے فرمان کے خلاف کرے، شاہد کو اس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

حاصل: بشارت دینا اور ڈر سنانا وہ مرتبہ ہے، جس کا احترام لازم ہے۔ اگر کوئی اپنے قول و فعل کی تصدیق کرائے

بغیر اس مقام پر کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ اپنے کیے کی جزا پائے گا، ہمیں اس کی بات کو حق کے حوالے سے دیکھنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے کہ وہ مقام لائقِ احترام ہے جہاں وہ کھڑا ہے۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۵۷﴾

فرما دیجئے میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، مگر جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے۔

فلاحِ دارین کے لئے انسانی زندگی میں بشارت وانذار سے بڑا کوئی کام نہیں، اور اس کام کے ساتھ اجر کا سوال نہیں ہوتا۔ شاہد کو لوگوں کی بھلائی اتنی عزیز ہوتی ہے کہ جو اپنے رب کی راہ اختیار کرے، اس کے ساتھ کی قدر کرتے ہوئے اسے رافت ورحمت سے نوازا جاتا ہے، اور اس کے ماضی کے اعمال جو اس نے اپنے رب کی راہ اختیار کرنے سے پہلے کیے ہوئے ہیں، مٹا دیئے جاتے ہیں۔

حاصل: بشارت وانذار سے بڑا کوئی کام نہیں۔ اس کام کے ساتھ اجر کا سوال نہیں ہوتا۔ لوگوں کی فلاح سے زیادہ کچھ عزیز ہوتا ہی نہیں۔ جو اپنے رب کی راہ اختیار کرے وہ حضور کا ساتھی ہے اور قابلِ قدر ہے۔

وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَـىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ‌ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرَا ۚۛ ۙ ﴿۵۸﴾ مع ۸

اور توکل کیجئے اس زندہ پر جسے موت نہیں، اور اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے۔ اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

معبود کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے عبد کو اس کی عبدیت کی جزا دے، ابتدا سے انتہا تک بندے کا سب کچھ اس کے سامنے ہو۔ یہ صرف اللہ ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کا کام کبھی رُکتا نہیں۔ جس کے لئے موت ہے وہ معبود نہیں ہوسکتا، اور توکل کے لائق بھی نہیں ہوسکتا۔ توکل یہ ہے کہ اپنے حق کو صداقت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذنِ اللہ مانا جائے، یہ یقین ہو کہ جو حال پر درکار ہے وہ موجود ہے اور مستقبل میں جو درکار ہوگا اللہ عطا کردے گا۔ توکل کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کی حمد کرتا رہے، اس کی تسبیح کرتا رہے، اور اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق تصرف میں لاتا رہے۔ کوئی کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہئے تھا، اللہ سے زیادہ کوئی اس بات سے خبردار نہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دے گا۔

حاصل: توکل اللہ کے محبوب کا مقام ہے۔ صاحبِ توکل تسبیح وتحمید کو جاری رکھتا ہے، لوگوں کی خوبیوں کی قدر کرتا ہے اور ان کے گناہوں کے بارے میں یہی کہتا ہے: جزا دینے والا ان کی پوری خبر رکھتا ہے۔

اۨلَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ‌ۛۚ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾

وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دن میں خلق فرمایا، پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔ وہ بے مثل رحمٰن ہے، تو خبر رکھنے والے سے سوال کرو۔

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اللہ نے پیدا کیا ہے اور چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ چھ دن ہمیشہ ساکن رہتے ہیں، ساتواں متحرک رہتا ہے۔ اللہ نے یہ سب کچھ پیدا کر کے، اس کائنات کے نظام کو مربوط کیا۔ جس مقام سے اس کائنات کو چلایا جاتا ہے، جو مقام مرکز کائنات ہے، وہ عرشِ الٰہی ہے اور کسی دوسرے کی یہ مجال نہیں کہ وہ وہاں تک رسائی حاصل کرے۔ جس نے یہ سب کچھ بنایا اور جس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے، وہ الرحمٰن ہے۔ اس کی طرح کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ الرحمٰن کی خبر اسی کو ہوتی ہے جو اس کو مانتا ہو۔ اس کو ماننے کے بعد ہی جاننے کا مقام آتا ہے۔ خبردار جانتا ہے کہ اس کا اس کائنات میں کیا مقام ہے، مقصدِ حیات کو پورا کرنے کے لئے کیا کرنا ہے، بھلائی کا رخ اختیار کرنے سے کیا راحت ملتی ہے اور خواہشات کی پیروی کے دائرے سے نکل جانے والا ہی بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ خبردار اور بے خبر میں تمیز کرنا ضروری ہے۔

حاصل: اللہ خالقِ کُل ہے، مالکِ کُل ہے۔ جو کچھ بھی بنایا جائے اس کا منشاء سکھ دینا ہونا چاہئے۔ خبردار اور بے خبر میں تمیز ضروری ہے۔ خبردار وہی ہے جو فیض یاب ہے، اور فیض یاب بات نہیں سنتا طالبِ حق کو انعام عطا کرتا ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿۶۰﴾ ع ۵ ۱۶/۳

اور جب ان سے فرمایا جائے، الرحمٰن کو سجدہ کرو، کہتے ہیں، الرحمٰن ہے کیا۔ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کا تم امر دو، اور انہیں نفرت ہی بڑھی۔

جس کا رخ اللہ کی طرف ہو اور وہ ہو محسن، اس سے لوگوں کو عافیت نصیب ہوتی ہے۔ وہ سکھی ہوتا ہے اور سکھ کا قاسم ہوتا ہے۔ الرحمٰن کو سجدہ کرنا اس کائنات میں اپنے مقام کو پہچاننا اور پانا ہے۔ الرحمٰن کو سجدہ کرنے سے ہی وہ رخ ملتا ہے جو اس کائنات میں بندے کا طبعی طور پر ہونا چاہئے۔ جب الرحمٰن کو سجدہ کرنے والے، منکرینِ حق سے یہ کہتے ہیں، اس راہ کو اختیار کرو جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، تو وہ کہتے ہیں، ہم اس راہ کو اختیار کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ جب تبلیغِ حق کرنے والا، اپنے آباء واجداد سے زیادہ واجب الاحترام نظر نہ آئے تو پھر رخ غلط ہو جاتا ہے اور حق سے دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔

حاصل: سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس سجدے کے بغیر بندہ حق شناس ہو ہی نہیں سکتا۔ تبلیغِ حق کرنے والا ہماری بھلائی میں راحت پاتا ہے۔ کوئی دوسرا اس سے زیادہ واجب الاحترام نہیں ہونا چاہئے۔ جس کا رُخ غلط ہو جائے گا، اس کی دوری بڑھتی جائے گی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ النباء (۷۸) میں ارشاد فرمایا ہے: اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ہم تمہیں عذاب سے ڈراتے ہیں جو قریب آ گیا ہے، جس دن آدمی دیکھے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں بروج ٹھہرائے، اور اس میں چراغ اور روشن چاند رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بروج ٹھہرائے ہیں، اور اسے ناظرین کے لئے زینت دی گئی ہے، اور اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ بروج مقامات ہیں، منازل نہیں ہیں جیسے فرمایا گیا ہے، موت تم کو آلے گی چاہے تم انتہائی مضبوط بروج میں ہو۔ مذکورہ بروج ان حفاظتی انتظامات کا حصہ ہیں، جو اللہ نے اپنے علم سے کر رکھے ہیں۔ سورج کو کائنات کا چراغ بھی فرمایا گیا ہے، چاند کو بھی روشن فرمایا گیا ہے۔ شمس و قمر سے اس کائنات میں کس قدر حسن ہے، آفاق پر نظر کرنے والے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ برکات، اللہ کی عنایات ہیں، جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل: جو کچھ بندوں کے لئے بنایا گیا ہے اور جس حسن کے ساتھ اس کا اہتمام کیا گیا ہے، اس کا پتہ لگ جائے تو پھر بنی آدم کو اشیا کے طالب ہونے کی بجائے، اشیاء کے مطلوب ہونے میں راحت نصیب ہو۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

اور وہی ہے جس نے لیل و نہار کو یکے بعد دیگرے آنے والا ٹھہرایا، اس کے لئے جو ارادہ کرلے کہ اسے نصیحت لینی ہے یا ارادہ کرے کہ اسے شکر کرنا ہے۔

لیل و نہار کا اختلاف، حیاتِ دنیا میں اتنی اہمیت رکھتا ہے، کہ اس کے بغیر اس کائنات کی شکل کا تصور بھی تکلیف دہ ہے۔ رات کے فوائد کا علم ہو، دن کے فوائد کا علم ہو، ان کے بے بدل نعمت ہونے کا علم ہو، تو پھر مالکِ لیل و نہار سے بے پرواہی نہیں برتی جا سکتی۔ جو نصیحت لینا چاہے اس کے لئے اصلاحِ حال کے بہت مواقع ہیں۔ جو اللہ کا شکر کرنا چاہے اس کو عنایاتِ الٰہی کا جس قدر پتہ لگتا جائے گا شکر گزاری بڑھتی جائے گی۔

حاصل: لیل و نہار کے اختلاف میں انسان کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔ بندے کو اصلاحِ حال کی طلب ہو تو نصیحت لینے کے مواقع بہت ہیں۔ وہ شکر گزاری کی طرف مائل ہو تو ہر ہر عطا قابلِ قدر نظر آئے گی۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾

اور الرحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں آہستہ چلتے ہیں، اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ انہیں سلام کہہ دیتے ہیں۔

حکمِ الٰہی یہ ہے کہ زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلا جائے، اس لئے الرحمٰن کے بندے زمین میں خاکساری اور تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ ان کی چال میں متانت ہوتی ہے۔ جو لوگ ہدایت کے طالب ہوں انہیں الرحمٰن کے بندے واجب التکریم نظر آتے ہیں۔ جو لوگ ہدایت کے طالب نہ ہوں وہ جاہل ہوتے ہیں۔ جاہل اس بات پر اڑ جاتے ہیں کہ وہ اپنے بڑوں کی روش کو نہیں چھوڑیں گے، کسی سند کے حوالے سے ان کے ٹھیک ہونے کا ثبوت درکار ہی نہیں ہے۔ جاہل کہتے ہیں جو کچھ ہمارے بڑے کرتے رہے ہیں، وہی ہم کریں گے۔ جب جاہل، الرحمٰن کے بندوں سے بات کرتے ہیں تو منشاء اپنی بڑائی کو تسلیم کروانا ہوتا ہے، پاک بندے ان کو سلام کہہ کر ان سے اعراض کرتے ہیں۔

حاصل: زمین پر آہستہ اور متانت کے ساتھ چلنا چاہئے۔ جاہل لوگوں سے اعراض کرتے ہوئے انہیں سلام کہہ دینا سلامتی کی بات ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ اور جن کی راتیں اپنے ربّ کے حضور سجدے اور قیام میں بیتتی ہیں۔

الرحمٰن کے بندوں کی صفات بیان فرمائی جارہی ہیں۔ان حضرات کی راتیں اپنے رب کے حضور سجدوں اور قیام میں بیتتی ہیں۔فرض نمازوں کی ادائیگی کے بعد یہ لوگ تہجد کو اپنا معمول بنالیتے ہیں اور اظہارِ بندگی میں بڑی راحت پاتے ہیں۔خلوت کی نماز کا طویل ہونا اور جلوت کی نماز کا طویل نہ ہونا بہتر ہے، کہ یہی سنت ہے شاہدین کی۔جولوگ پاک حضرات کی صف میں شمار ہونا چاہیں، ان کو جاننا چاہئے کہ نمازِ تہجد سے ہی پاک حضرات کی صف میں شمار ہونا ممکن ہوتا ہے، اور تربیت نفس کے لئے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔

حاصل: الرحمٰن کے بندوں میں شمار ہو تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔رات کو نمازِ تہجد کی ادائیگی پاک لوگوں کی طریقت ہے۔اس نماز کو طویل کیا جائے تو بہتر ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اور وہ دعا کرتے ہیں، اے ربّ ہمارے ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے، بے شک اس کا عذاب چمٹ جانے والی چیز ہے۔

الرحمٰن کے بندوں کی صفات بیان ہورہی ہیں، کہ ان کی راتیں اللہ کے حضور سجود وقیام میں گزرتی ہیں۔ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے رب ہمارے! ہم سے جہنم کے عذاب کو پھیر دے، کہ یہ عذاب بڑی چمٹ جانے والی چیز ہے۔یہ لوگ دعا کرتے ہیں، اے رب ہمارے! ہماری بھول اور خطا پر مواخذہ نہ فرما۔یہ دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہمارے! بے شک ہم ایمان لائے، تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سند فرمایا گیا ہے۔اس معیار کے حوالے سے اپنے حال کو دیکھا جائے، تو یہی کہنا چاہئے، کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے قول وفعل کی حفاظت فرما، اس طرح تو ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے۔جو راہ خیر کو چھوڑ دے، خسارہ اس کو چمٹ جاتا ہے، یہی خسارہ آخرت میں جلانے والی چیز ہے۔

حاصل: یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اے رب ہمارے! ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے، بے شک عذاب جہنم چمٹ جانے والی چیز ہے۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ بے شک وہ بہت ہی برا مستقر اور برا مقام ہے۔

جہنم کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بہت ہی برا مستقر اور برا مقام ہے۔مستقل رہائش کے حوالے سے جہنم کی برائی یہ ہے کہ یہاں انسان کے اپنے اعمال کی جزا اسے گھیرے رکھے گی، جو مسلسل ہوگی۔جہنم برا مقام ہے کہ یہ برائی کو جلانے کی جگہ ہے۔

حاصل: مستقل رہائش کے محاسن کو دیکھنا چاہئے۔برائی کے مراکز کے طور پر جو مقامات مشہور ہوں ان سے بچنا چاہئے۔

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں، نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کے مابین ان کی گزران سیدھی ہوتی ہے۔

حکم یہی ہے کہ نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بند ھا رکھو اور نہ بالکل ہی کھول دو، افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ جو توفیق اللہ نے عطا فرمائی ہو، اس کے حوالے سے ہی حق بھی عائد ہوتا ہے، اس میں اپنے نفس کی شح سے بچنا ضروری ہے۔ اسراف یہ ہے کہ صرف اپنی خواہشات پر ہی خرچ کیا جائے، اور تنگی یہ ہے کہ عدم توکل کی وجہ سے ضروریات زندگی کو گھٹا لیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں الرحمٰن کے بندوں میں نہیں ہوتیں۔ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان وہ سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کام میں بھلائی نظر آتی ہے، وہاں حق کے مطابق خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو اپنے لئے کوئی معیار نہیں جانتے۔

حاصل: اسراف و تنگی دونوں خلافِ حق ہیں۔ ان کے درمیان سیدھی راہ یہی ہے، کہ افادیت پیش نظر ہو، اور اپنے معاشی درجے میں اپنے توازن کو قائم رکھا جائے۔

وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَلَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا یَزۡنُوۡنَ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور وہ لوگ کہ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہیں پکارتے، اور جس نفس کی اللہ نے حرمت رکھی ہے اسے قتل نہیں کرتے سوائے حق کے، اور زنا نہیں کرتے، اور جو یہ کرے وہ گناہ میں جا پڑا۔

الرحمٰن کے بندے اللہ کو ہی پکارتے ہیں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ پاک لوگوں کا ساتھ اختیار کرنا اللہ کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت ہے۔ کسی نفس کو قتل کرنے کا مقام ان کے سامنے ہو تو وہ قطعاً اس کام کو حق کے مطابق کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ زنا کرنے والے کا منشاء حصول لذت ہوتا ہے، بقاء نسل نہیں ہوتا۔ شرک، قتل اور زنا بڑے جرائم ہیں، جو یہ کام کرے وہ گناہ میں جا پڑتا ہے پھر وہ جو بھی پڑھتا رہے فلاح اسے حاصل نہیں ہوتی، کہ وہ سلامتی کی حدود کو توڑنے کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

حاصل: شرک، قتل اور زنا بڑے جرائم ہیں۔ ان کے قریب جانے سے بھی بچنا چاہئے۔ جو گناہ میں جا پڑے وہ حق کا منکر ہوتا ہے۔

یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَیَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا ﴿٭ۖ۶۹﴾

اس پر قیامت کے دن عذاب بڑھایا جائے گا، اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا۔

شرک، ناحق قتل اور زنا یہ بڑے گناہ ہیں۔ جو ان میں سے کسی گناہ میں بھی پڑ جائے گا، وہ اس گناہ میں آگے بڑھتا جائے گا۔ قیامت کے دن اسے جو عذاب دیا جائے گا، وہ اس کے اعمال کے حوالے سے ہوگا اس لئے عذاب بھی اسی طرح بڑھایا جائے گا جس طرح وہ گناہ

میں بڑھتا رہا ہوگا۔ عذاب جو پہلے ہو رہا ہوگا، وہ چھوٹا عذاب نہ ہوگا، پھر اس کو تدریج سے بڑھانا بہت بڑی سزا ہوگی۔ مذکورہ گناہ استکبار سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کا انجام ذلت ہے۔

حاصل: اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ استکبار کا انجام ذلت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

مگر جو تائب ہو اور عمل کرے، صالح عمل، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مذکورہ گناہ بڑے گناہ ہیں، مگر استکبار کو برائی سمجھ لیا جائے تو توبہ کا مقام آتا ہے۔ جو توبہ کرے اور توبہ کے عہد کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرے، اس کا ماضی، اس کے حال سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کے ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ ناصحین سے میل جول ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے۔ برے قول کی جگہ اچھا قول آ جاتا ہے۔ ان سے محبت ہو تو اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ برے اعمال کی جگہ اچھے اعمال لے لیتے ہیں۔ اس طرح اللہ کے فضل سے برائیاں، بھلائیوں میں بدل جاتی ہیں۔ اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ گناہوں سے پاک کر دینا بخشش ہے، اور حق کی احسن ادائیگی کے لئے بڑا سہارا دینا رحم ہے۔

حاصل: توبہ وہی سچی ہے، صالح اعمال جس کی شہادت دے رہے ہوں۔ ناصحین سے میل جول ہو تو قول پاک ہو جاتا ہے، ان سے محبت ہو تو برائیاں ایک ایک کر کے نکل جاتی ہیں، بھلائیاں ان کی جگہ آ جاتی ہیں، اس طرح تقدیر بدل جاتی ہے۔ جس کو معاف کیا جائے اس کو سہارا دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو تائب ہو، اور صالح عمل کرے، تو وہ اللہ کی طرف لوٹتا ہے جیسے لوٹ آنے کا حق ہے۔

خطا کے بعد توبہ کا مقام رکھا گیا ہے۔ توبہ کے بعد صالح عمل سے اپنی صداقت کا ثبوت دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والی بات ہے۔ جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے، اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ ہمارا رب ہمارے اعمال سے غافل نہیں ہے، وہ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔ جب عمل خلاف حق ہو تو یہ اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کی صورت ہے، توبہ سے ہی رخ درست ہو سکتا ہے۔

حاصل: خطا کے بعد توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ توبہ وہی سچی ہے، صالح اعمال سے جس کی تصدیق ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور وہ لوگ جھوٹی شہادت نہیں دیتے، اور جب لغو پر سے گزرتے ہیں تو اکرام کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

پاک لوگوں کا قول، قول سدید ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حق کی گواہی دینا، امانت کے حق کو ادا کرنا ہے۔ جھوٹی شہادت دینے والا جزا پر یقین نہیں رکھتا، نفع ونقصان کو باذن اللہ نہیں مانتا، اور وہ اپنی غرض وغایت کے لئے خیانت کرنے والوں کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پاک لوگوں کی یہ شان ہے کہ جب انہیں لغو باتوں کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہوئے عزت کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں، اور لغو باتیں کرنے والوں سے الجھتے نہیں۔

حاصل: جو حق پر ہو وہ کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتا، اور جب اسے لغو باتوں کا سامنا ہو تو وہ صبر کرتے ہوئے، اللہ کا ذکر کرتے کرتے عزت کے ساتھ اس مقام سے گزر جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے ربّ کی آیات یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اور اندھے نہیں ہو پڑتے۔

اللہ کے پاک بندوں کو جب اللہ کی آیات سنائی جائیں، تو وہ گریے کے ساتھ سجدے میں جا پڑتے ہیں، اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت اس احساس کی بنا پر ہوتی ہے جو مالکِ حقیقی کی عطاءِ بے بہا کا علم ہونے سے تعلق رکھتی ہے۔ جو حق کو سن کر اَن سنا کر دے وہ بہرا ہے، جو مشاہدہ کرنے کے باوجود اس کی پیروی نہ کرے وہ اندھا ہے۔ قیامت کے دن دوزخی یہ کہیں گے، اگر ہم سنتے یا ہم عقل کرتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

حاصل: حق کو سن کر فوراً ماننا اور اس تعلق کو دیکھنا جو معبود لاشریک کو اپنے بندے سے ہے، ضروری ہے۔ لاپرواہی بندے کو بے حقیقت بنا دیتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور وہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ اے ربّ ہمارے، ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کا قرار عطا فرما اور ہمیں متقین کے لئے امام ٹھہرا۔

پاک لوگوں کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ یہ حضرات دعا کرتے ہیں کہ ان کی ازواج اور ان کی اولاد سے ان کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو، قلوب کی راحت حاصل ہو۔ وہ بیویاں جو حق کے مطابق ہونے میں اپنی عزت دیکھیں اور لوگوں کی پسند اور ناپسند کو وقعت نہ دیں، پاک لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہیں۔ اور وہ اولاد جو پاک اور ناپاک میں وقف کا دھیان رکھے، اور ناپاک کی بہتات سے کبھی مرعوب نہ ہو، ہمیشہ پاک چیزوں کی قدر کرے، اللہ کے بندوں کے لئے باعث مسرت ہوتی ہے۔ اللہ کے نزدیک اکرام تقوے میں ہے۔ اللہ کے پاک بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں تقویٰ میں وہ مقام عطا ہو کہ ہم متقین کے آگے ہوں۔ امام المتقین وہ مثالی کردار ہے جو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بطریقِ احسن قائم ہو اور جس کی اقتداء میں ہدایت حاصل ہو۔

حاصل: یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے رب ہمارے ہم کو ہماری ازواج کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام بنادے، ہمیں روشنی کا وہ مینار بنادے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کو پتہ چل جائے کہ وہ کیسے ہیں اور انہیں کیسے ہونا چاہئے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

یہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا بلند بالا خانوں کی صورت میں ملے گی، اور ان کی پیشوائی تحیت اور سلام سے ہوگی۔

جن حضرات کی صفات مبارکہ کا ذکر رہا ہے، انہیں ان کے رب کی طرف سے جنت میں بالا خانے عطا ہوں گے۔ فرشتے ان کی پیشوائی کریں گے۔ وہ وہاں لغو اور گناہ کی کوئی بات نہ سنیں گے۔ انہیں وہاں مبارک سلامت ہی سننا نصیب ہوگا۔ اور یہ سب حیاتِ دنیا میں ان کے صبر سے حق کے مطابق رہنے کی جزا ہوگی۔ اپنے قول کو پاک رکھنا، لغو سے اعراض کرنا اور تکلیف دہ باتوں کو سن کر متانت کے ساتھ وہاں سے گزر جانا صبر کرنے والوں کی طریقت ہے۔ پاک لوگوں کی معیت سے جو سہارا ملتا ہے، اسی سے یہ صبر ممکن ہوتا ہے۔

حاصل: حال پر بھی صبر کرنے والوں کا مقام بلند ہوتا ہے، آخرت میں بھی انہی کا مقام بلند ہوگا۔ صبر کرنے والوں کو ان کی شان کے پیشِ نظر تحیت وسلام سے نوازنا حق ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ کیا ہی احسن مستقر اور مقام ہے۔

جنت کے بالا خانے مذکورہ حضرات کے لئے دائمی انعام ہیں۔ یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ مستقر احسن ہے کہ علیمِ مطلق کا عطا کردہ انعام ہے، اور یہ مقام خوب ہے کہ منشاء حیات کو حق کے مطابق پورا کر کے آنے والوں کا مقام ہے۔

حاصل: دائمی پاک دامنی کا انعام بھی دائمی ہوتا ہے۔ علیمِ مطلق کی طرف سے جو جگہ عطا ہو اسے احسن مستقر کہتے ہیں، اور منشاء حیات کو پورا کرنے سے جو راحت ملتی ہے وہ بڑا احسن مقام ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

فرما دیجئے، میرا ربّ تمہاری پرواہ نہیں رکھتا اگر تم اسے نہ پکارو۔ تو تم تو تکذیب کر چکے، تو جلد ہی تمہارے لئے وبالِ جان ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ الرحمٰن کی طرف سے آئی ہوئی نصیحتوں کی قدر نہیں کرتے اور ان سے اعراض کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ اگر اپنے رب کو نہ پکاریں تو رب العالمین کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ رب العالمین قادرِ مطلق ہے، اسے کوئی احتیاج نہیں ہے۔ جو لوگ پہلے خلافِ حق کر چکے ہیں، ان کو ہلاک کرنے والا اللہ ہی تھا۔ اللہ کی

قدرت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب خلافِ حق کرنے والوں کی ہلاکت اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔ حق کو جھٹلانے والوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ہیں، اب سنت الٰہی کے مطابق یہ جلد ہی عذاب کی گرفت میں ہوں گے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ احتیاج نہیں رکھتا۔ جو حق کو نہ مانے وہ ناحق کو ماننے سے بچ نہیں سکتا۔ جو حق کی تکذیب کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کو ضائع کرے، وہ عنقریب ہلاکت کے مقام پر پہنچنے والا ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ (۲۰) میں ارشاد فرمایا ہے: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ اور جس نے ہماری نصیحت سے اعراض کیا، تو اس کی معیشت تنگ ہوگی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷
297,1229۔ فضل شاہؒ، حضرت
تفسیر فاضلی، (بنی اسرائیل تا الفرقان)۔ مرتّبہ: محمد اشرف فاضلی
لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور۔ پوسٹ کوڈ: 54770
ج۔۱ (منزل چہارم)

ہرگاہ میں نے تفسیر فاضلی منزل چہارم (بنی اسرائیل تا الفرقان) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہٰذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد عادل ولیجہ مظاہری
مکان نمبر E-1828 گلی نمبر 16
نشاط کالونی، جے بلاک والٹن کینٹ، لاہور

سیل سنٹر: فیروز سنز (لمیٹڈ) مال روڈ لاہور۔

Tafseer-e-Fazli

Bani Israel to Al-Furqan

Manzil IV

COMMENTARY:

HAZRAT FAZAL SHAH

WRITTEN BY:

MUHAMMAD ASHRAF FAZLI

1415 A.H.

FAZLI FOUNDATION LAHORE